معارف الحدیث

یعنی

احادیث نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان

معارفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد اوّل

کتاب الایمان

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارالاشاعت
اُردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

......ملنے کے پتے......

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL 3NE U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF HOUSTON
TX 77074 U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO NY 14212 U.S.A.

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ   از نبیِ اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوانِ دینی کی خدمت میں —— جو ''نبی اُمی'' سیدنا حضرت محمد عربی (فداہُ اُمی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر

آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے

اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

فہرست مضامین جلد اول —— "حصہ اوّل"

فہرست مضامین

فہرست مضامین

حصہ سوم

حصہ چہارم

فہرست مضامین

حصہ پنجم

فہرست مضامین حصہ ششم

فہرست مضامین حصہ ہفتم

فہرست مضامین حصہ ہشتم

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب و بے شمار احسانات فرمائے ہیں اُن میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی صلاح و فلاح کے لئے نبوت و رسالت کا مقدس و مبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب جب انسانوں کو آسمانی ہدایت کی ضرورت ہوئی اُن ہی میں سے کسی بندہ کو اپنا نبی اور اُن کا ہادی بنا کر اپنی ہدایت کے ساتھ اُن میں بھیج دیا۔

انبیاء و مرسلین کی آمد کا یہ سلسلہ ہزاروں سال جاری رہا یہاں تک کہ خاتم النّبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرمادیا گیا اور آپ کے ذریعہ وہ آخری اور مکمل تعلیم و ہدایت بھیج دی گئی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ہونے والی ہے۔

خداوندی تعلیم و ہدایت کا جو سرمایہ خاتم النّبیین ﷺ کے ذریعہ دنیا کو ملا اُس کے دو حصے ہیں ایک کتاب اللہ، قرآن مجید جو لفظاً و معنًی کلام اللہ ہے۔

دوسرے آپ کے وہ ارشادات اور آپ کی تمام قولی و عملی ہدایات و تعلیمات جو آپ اللہ کے نبی و رسول اور اُس کی کتاب کے معلم و شارح اور اُس کی مرضی کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے امت کو دیتے تھے جس کو صحابۂ کرامؓ نے محفوظ رکھ کر بعد والوں کو پہنچایا اور بعد والوں نے اُس کو پورے سلسلۂ روایت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کردیا...... آپ کی تعلیمات و ہدایات کے اس حصہ کا عنوان حدیث اور سنّت ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو اپنی عمر طبعی گزار کے اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن انسانی دنیا کی ہمیشہ کے واسطے رہنمائی کیلئے اپنی لائی ہوئی تعلیم و ہدایت کے یہ دونوں حصّے یعنی قرآن اور سنّت اپنے پیچھے چھوڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے (اپنے اپنے درجہ کے مطابق) ہر دور میں محفوظ اور روشن رہنے کے ایسے ظاہری و باطنی انتظامات فرمائے کہ غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے وہ ایک بڑی نشانی اور خاتم الانبیاء ﷺ کے معجزوں میں سے ایک زندہ معجزہ ہے۔

انہی خداوندی انتظامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس دور میں کتاب و سنّت کی جس قسم کی خدمت کی ضرورت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کے دلوں میں اُس کا داعیہ پیدا کر کے اُن کو اُس طرف متوجہ فرمادیتے ہیں...... عہد نبوی سے لے کر اِس وقت تک قرآن و حدیث کی خدمتیں جن جن شکلوں میں انجام دی گئی ہیں، اگر کوئی تفکّر کی نگاہ سے دیکھے تو صاف نظر آئے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہر دور کی ضرورتوں کا

ایک "خداوندی انتظام" تھا اور جن بندوں کے ذریعہ ہوا وہ گویا صرف آلۂ کار تھے

کار زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اس اجمال کی تفصیل اگرچہ بہت لذیذ اور ایمان افروز ہے مگر بہت طویل ہے اور اہلِ فہم کے لئے اتنا اشارہ ہی کافی ہے اس لئے اسی پر اکتفا کر کے عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہمارے اسی دور اور ہمارے ہی ملک میں اپنے بعض بندوں سے اُردو زبان میں قرآن مجید کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں خاص ضرورت تھی اور الحمد للہ کہ اُن بندگانِ خدا کی اُن محنتوں سے اُس وقت کی ضرورت پوری ہو گئی، اسی طرح اب سے قریباً بارہ برس پہلے (۱۳۶۱ھ میں) اس عاجز بندہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس زمانہ کے خاص حالات وضروریات کا لحاظ رکھ کر اُردو میں حدیثِ نبوی کی بھی ایک خدمت کی جائے اور اس کے لئے موجودہ کتبِ احادیث (صحاح یا مشکوٰۃ وغیرہ) میں سے کسی کی اُردو شرح لکھنے کے بجائے یہ زیادہ مناسب معلوم ہوا کہ احادیثِ نبویہ کا ایک متوسط درجہ کا جدید مجموعہ خاص اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر خود ترتیب دیا جائے اور اپنے زمانے کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کی دینی، علمی اور ذہنی وفکری حالت اور عصرِ حاضر کے خاص علمی تقاضوں کو پیشِ نظر رکھ کر عام فہم اردو زبان میں حدیثوں کی تشریح کی جائے..... چنانچہ اس کام کا ایک خاکہ اور معیار سامنے رکھ کر بنام خدا اُسی سال یہ کام شروع بھی کر دیا۔ اور کبھی کبھی ماہوار رسالہ "الفرقان" میں اُس کے حصے "معارف الاحادیث" کے زیرِ عنوان شائع بھی ہوتے رہے۔

لیکن ان سالوں میں اس عاجز کے حالات مسلسل ایسے رہے کہ اس کام کی رفتار بہت سُست رہی بلکہ درمیان میں زیادہ مدت اس حال میں گزری کہ میں اس کام کی طرف بالکل توجہ نہ کر سکا، یہاں تک کہ مجھے بالکل امید نہ رہی کہ میں اس کام کو کسی حد تک بھی پہنچا سکوں گا، لیکن کام لینے والے کا فیصلہ کام لینے کا تھا اس لئے بار بار کے انقطاع اور کئی کئی برس کے درمیانی وقفوں کے باوجود کچھ نہ کچھ ہوتا رہا، یہاں تک کہ یہ پہلی جلد جو اس وقت شائع ہو رہی ہے، اب سے قریباً ڈیڑھ سال پہلے کسی طرح مکمل ہوئی، اس کے بعد نظر ثانی کے لئے فُرصت کا انتظار رہا، خدا کے فضل وتوفیق سے یہ کام بھی ہو گیا اور اُس کے بعد کتابت وطباعت کے مرحلے بھی اس کے کرم نے آسان فرما دیئے۔

اللہ تعالیٰ نے اگر اس کتاب کی تکمیل کی توفیق بخشی تو میرے سوچے ہوئے خاکے اور اندازے کے مطابق یہ انشاء اللہ ایسی ایسی پانچ جلدوں میں ختم ہو گی۔

یہ پہلی جلد "کتاب الایمان" ہے اس میں صرف اُن احادیث کو درج کیا گیا ہے جن کا تعلق ایمان سے ہے..... البتہ قیامت، آخرت، جنت اور دوزخ کے سلسلے کی احادیث کو کتبِ حدیث میں عام طور سے کتابُ الایمان سے الگ درج کیا گیا ہے، اس عاجز نے یہ مناسب سمجھا کہ ان کو بھی کتابُ الایمان ہی کا جزو بنایا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہے اور اس جلد کی پوری نصف حدیثیں مابعد الموت یعنی برزخ و قبر اور قیامت و آخرت میں پیش آنے والے واقعات، حساب، کتاب اور جنت و دوزخ وغیرہ سے تعلق رکھتی ہیں، گویا یہ وہ حدیثیں ہیں جن سے "ایمان بالیوم الآخر" کی تفصیل وتشریح معلوم ہو گی۔

اس کتاب میں حدیثیں عام طور سے "مشکوٰۃ المصابیح" ہی سے لی گئی ہیں۔ صرف چند حدیثیں (شروع کے ۶۰ صفحات کے اندر ہی اندر) ایسی بھی ہیں جو مشکوٰۃ سے نہیں لی گئی ہیں بلکہ براہ راست اُن کتابوں سے لی گئی ہیں جن سے اُن کی تخریج کی گئی ہے، پس اس کتاب کی جو حدیث مشکوٰۃ میں نہ پائی جائے یا مشکوٰۃ کی مندرجہ کسی حدیث اور اس کتاب کی منقولہ حدیث کے الفاظ میں کوئی فرق یا کمی بیشی ہو تو سمجھ لیا جائے کہ یہ اصل کتاب سے براہ راست نقل کی گئی ہے۔

ناظرین کی سہولت کیلئے حدیثوں کو عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ان میں سے اکثر عنوان احادیث کا مطلب و مقصد سمجھنے میں بھی ناظرین کی بہت کچھ مدد کرنے والے ہیں۔

کتاب چونکہ عام تعلیم یافتہ اردو خواں مسلمانوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے حدیثوں کی ترتیب میں بھی بجائے درجۂ روایت اور مرتبۂ صحت کے اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ حدیثوں کا مقصد و مدعا سمجھنے میں ناظرین کو ترتیب سے بھی مدد ملے...... تاہم حدیث کی کسی کتاب کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ کتاب کے مرتّب کرنے والے نے جس ترتیب سے حدیثوں کو درج کیا ہے وہ اُس کی اپنی صوابدید ہے، ورنہ ہر حدیث بجائے خود ایک مستقل افادہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ حدیث کی کسی کتاب کے ایک ہی صفحہ پر اور ایک ہی عنوان کے تحت برابر برابر درج ہونے والی دو حدیثوں میں سے ایک زمانۂ نبوت کے بالکل شروع کی ہو اور دوسری رسول اللہ ﷺ کے آخری زمانۂ حیات کی ہو۔

اسی طرح حدیث کا مطالعہ کرنے والوں کو یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ زیادہ تر احادیث کی حیثیت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے مجلسی ارشادات اور افادات ہیں یا آپ کے سامنے پیش ہونے والے سوالات کے جوابات ہیں یا کسی وقتی مسئلہ سے متعلق ہدایات اور تنبیہات ہیں، اس لئے اُس موقع و ماحول اور مخاطبین کے احوال و خصوصیات کو پیش نظر رکھ کر اُن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے، اگر احادیث کی اس حیثیت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے اور مصنّفین کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح ان پر بھی غور کیا جائے تو طرح طرح کی اُلجھنیں اور شکوک پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر یہ نکتہ ملحوظ رکھا جائے گا تو انشاء اللہ کوئی اُلجھن اور کوئی وسوسہ پیدا نہ ہوگا۔

چونکہ اس تالیف کا اصل مقصد رسول اللہ ﷺ کی اُس تعلیم و ہدایت کو جو ذخیرۂ حدیث میں محفوظ ہے اس زمانہ کے عام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو پہنچانا اور سمجھانا اور اُن کے لئے اتباعِ نبوی کی راہ آسان کرنا ہے اسلئے متن حدیث کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے بلکہ حدیث کے مقصد و مفہوم کا واضح کرنا پیشِ نظر رکھا گیا ہے اور اس واسطے ترجمہ و تشریح میں زبان بھی حتی الوسع آسان استعمال کی گئی ہے۔

جن حدیثوں کے بارے میں کسی طبقے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں یا کچھ گمراہ کن لوگ اُن کے ذریعہ مسلمانوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں اُن کی تشریح میں اُن کے اِزالہ کی خصوصیت سے کوشش کی گئی ہے مثلاً بعض حدیثوں میں صرف "لا الہ الا اللہ" کہنے پر جنّت کی بشارت دی گئی ہے یا کلمہ پڑھنے والے پر آتشِ دوزخ حرام ہونے کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ اسی طرح بعض حدیثوں میں ایسے شخص کی تکفیر سے

منع فرمایا گیا ہے جو مسلمانوں کا ذبیحہ کھاتا ہو اور اُن کے قبلہ کو اپنا قبلہ مانتا ہو، اور اس کے برعکس بعض حدیثوں میں بعض گناہوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا کرنے والا مسلمان ہی نہیں اور ایمان میں اُس کا کوئی حصہ ہی نہیں...... الغرض اس طرح کی مشکل اور شرح طلب حدیثوں کی تشریح اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی خاص مدد سے ایسی ہو گئی ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعہ کے بعد کسی کے لئے مغالطہ کی گنجائش نہیں رہے گی، الّا یہ کہ کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور راست روی مقدّر ہی نہ ہو اور اُس کے واسطے کج روی ہی کا فیصلہ مِن جانبِ اللہ ہو چکا ہو۔

حدیث نمبر ا سے لے کر نمبر ۷۰ تک یعنی شروع کتاب سے صفحہ نمبر ۱۲۰ تک کسی عنوان کے تحت متن حدیث سے پہلے کوئی تمہیدی نوٹ نہیں لکھا گیا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے...... لیکن آگے صفحہ ۱۲۱ سے آخر تک جو حدیثیں عالم برزخ، عذابِ قبر، اور قیامت و آخرت سے متعلق ہیں اُن کی تفہیم کے لئے اصل حدیث سے پہلے جہاں جہاں تمہیدی اور تفہیمی نوٹ لکھنا ضروری معلوم ہوا ہے وہاں اس قسم کا نوٹ لکھ کر ناظرین کے ذہنوں کو صاف اور مطمئن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ برزخ، قیامت، صراط، میزان، حوضِ کوثر، شفاعت، جنت، دوزخ اور دیدارِ خداوندی سے متعلق جو مفصّل تمہیدی نوٹ ان غیبی حقائق کے سلسلہ میں اصل حدیثوں کے درج کرنے سے پہلے لکھے گئے ہیں امید ہے کہ ناظرین کیلئے انشاء اللہ وہ بہت زیادہ اطمینان اور ازدیادِ ایمان کا باعث ہوں گے۔

آخری گزارش

اپنے با توفیق ناظرین سے یہ ہے

کہ حدیث کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہر گز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور عمل کرنے اور ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے یا سنا جائے کہ گویا حضورؐ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرمارہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں...... اگر ایسا کیا گیا تو اس کے انوار و برکات انشاء اللہ نقد نصیب ہونگے۔

آپ سب کی دعاؤں کا محتاج اور طلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ

مطابق ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء

دین میں حدیث و سنت کا مقام

مقدمہ سے پہلے ان سطروں کو پڑھ لیجئے

جو نئی نئی گمراہیاں ہمارے اس زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں نے جنگلی آزادی پسند طبیعتوں کیلئے احکامِ شریعت کی پابندی سخت گراں اور شاق ہے یہ نعرہ لگانا شروع کیا ہے کہ...... دینی حجت بس قرآن ہی ہے، قرآن کے لانیوالے رسول کا کام بس قرآن پہنچادینا تھا، اب ہمارا کام بس قرآنی احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اُس سے باہر اور اُسکے علاوہ کوئی چیز حجتِ دینی نہیں ہے، حتیٰ کہ رسول کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجبُ الاتباع نہیں ہے یعنی احادیثِ نبوی اور اسوۂ حسنۂ رسالت پر کسی دینی مسئلہ اور کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ کسی ہستی کو اللہ کا نبی و رسول مان کر اُس کی تعلیمات و ہدایات اور اُس کے اسوۂ حسنہ کو دینی حُجت اور واجبُ الاتباع نہ ماننا اس قدر مُہمل اور ایسی غیر معقول بات ہے کہ اگر اس کے کہنے والے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے ہوتے اور اُن کی یہ باتیں خود اُن سے نہ سنی ہوتیں تو اس کا یقین کرنا بھی دشوار ہوتا کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ایسی مہمل بات بھی کہہ سکتا ہے...... مگر کیا کیا جائے کہ دنیا کے اس عجائب خانہ میں جہاں اور بہت سے عجائبات ہیں اُن ہی میں سے ایک یہ اعجوبہ بھی ہے کہ بظاہر عقل و حواس رکھنے والے کچھ لکھے پڑھے لوگ سمجھ میں نہ آسکنے والی یہ بات بھی پورے زور سے اور چیخ چیخ کے کہہ رہے ہیں۔

اس فتنہ کو اپنی غیر معقولیت کی وجہ سے آپ اپنی موت مر جانا چاہئے تھا لیکن چونکہ اقوامِ مغرب کی سیادت و قیادت کی وجہ سے ہمارے اس زمانہ کی ہوا آزادی پسندی اور آوارہ مزاجی کے لئے ہمیشہ سے زیادہ سازگار بنی ہوئی ہے اس لئے یہ فتنہ نہ صرف زندہ ہے بلکہ کسی نہ کسی رفتار سے کچھ بڑھ ہی رہا ہے۔ "معارف الحدیث" جو ذخیرۂ احادیث نبوی کا ایک انتخاب ہے...... جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور تعلیمات و ہدایات کو اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ اُردو خواں طبقہ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی ہے...... مناسب سمجھا گیا کہ اس کے مقدمہ میں اس مسئلہ پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے اس کے لئے ناچیز مؤلف نے اپنے علمی محسن اور استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے استدعا کی، ممدوح نے اس کو قبول فرمایا اور یہ مقدمہ تحریر فرمایا جو آئندہ صفحہ سے شروع ہو رہا ہے۔ مؤلف

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلا شبہ قرآن پاک دین و شریعت کی اصل و اساس ہے اور ادلّہ شرع میں وہی سب سے مقدّم اور سب سے محکم ہے، مگر اس کا کام صرف اصول بتانا ہے، تفریع و تفصیل اور توضیح و تشریح حدیث و سنت کا وظیفہ ہے۔

ہر باخبر جانتا ہے کہ قرآن کریم امت کو بلاواسطہ رسول نہیں دیا گیا تھا کہ لو تم بذاتِ خود یا اپنے ہی جیسے غیر نبی لوگوں کی مدد سے پڑھو اور سمجھو اور اس پر عمل کرو، بلکہ اسکے نزول سے پہلے ایک برگزیدہ رسول کو دنیا میں بھیج کر ان پر قرآن نازل کیا گیا اور یہ صرف اسلئے کیا گیا تاکہ لوگ اپنے اپنے طور پر نہیں بلکہ صرف رسول کے بیان اور تشریح کی روشنی میں اللہ کی اُس کتاب کو سمجھیں، چنانچہ قرآن پاک ہی میں ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَـآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (النحل ١٦: ٤٤)	اور نازل کیا ہم نے آپ کے پاس ذکر (کتاب کو) تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو نازل کی گئی انکی طرف اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔

اور پھر قرآن ہی کے ذریعہ رسول کے فرائض اور ان کے منصب سے دنیا والوں کو آگاہ کیا گیا اور بار بار اعلان کیا گیا کہ یہی تم کو قرآن کے کلمات و حروف سنائیں اور یاد کرائیں گے اور یہی تم کو اس کے معانی و مطالب اور رُموز و حِکَم بھی بتائیں گے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ ٢ : ١٥١)	جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے کہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب و حکمت اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تم نہیں جانتے تھے۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	بے تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (آل عمران ٣: ١٦٤)	کہ تلاوت کرتا ہے ان پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور تعلیم کرتا ہے ان کو کتاب و حکمت اور بالیقین تھے وہ اس سے پہلے گمراہی میں۔

تیسری جگہ ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	وہی وہ ذات ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے کہ تلاوت کرتا ہے اُن پر

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعه ۶۲: ۲)

اُس کی آیتیں اور اُن کو پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی اُن کو تعلیم دیتا ہے بالیقین وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں۔

ان تینوں آیتوں میں دو چیزیں الگ الگ ذکر کی گئی ہیں:

۱) تلاوتِ آیات ۲) تعلیم کتاب

پہلی چیز یعنی تلاوتِ آیات کا مطلب تو ظاہر ہے، ہاں تعلیم کتاب کی نسبت غور کرنا ہے کہ اس کی کیا مراد ہے؟ اگر اس کی مراد بھی قرآن پاک کے مربوط و مرتب کلمات کو پڑھ کر سنانا اور یاد کرانا ہی ہے تو یہ تلاوتِ آیات سے الگ کوئی چیز نہیں ہوئی، حالانکہ وہ اس سے الگ ذکر کی گئی ہے۔ پس یقیناً اس سے مراد آیات کی تشریح، اس کے معانی و مطالب کی توضیح اور آیات کے حِکَم اور احکام کا بیان ہے۔

پس جب قرآن ہی سے یہ معلوم ہو چکا کہ آنحضرت ﷺ کے فرائضِ رسالت میں جس طرح الفاظ و کلماتِ قرآن کی تلاوت و تبلیغ ہے اسی طرح اُس کے معانی و مطالب کا بیان بھی فرائضِ رسالت میں داخل ہے، تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس طرح متن قرآن حُجت ہے اسی طرح اس کی نبوی تشریحات بھی حجت اور واجبُ القبول ہیں، ورنہ آپکو تعلیم کتاب کا مکلّف بنانا اور تعلیمِ کتاب کو آپ کا مُنصبی وظیفہ بتلانا بالکل بے معنی ہو گا...... الغرض ان قرآنی نُصُوص کی رُو سے رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے "پیغام رساں" ہونے کے ساتھ اُس پیغام کے معلّم اور مبیّن بھی ہیں۔

اور جب قرآنی نصوص سے آپ کا معلّم و مبیّنِ قرآن ہونا ثابت ہو چکا تو جو شخص آپ کی رسالت و نبوت پر ایمان رکھتا ہے جس طرح اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے متنِ قرآن کی تلاوت و تبلیغ فرمائی اسی طرح اس سے بھی انکار نہیں کر سکتا کہ آپ نے اس کی تعلیم و تبیین بھی فرمائی اور چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور آنحضرت ﷺ اُس کے آخری نبی ہیں اور اب کوئی نئی کتاب اور کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے۔ اسلئے آخری کتاب کا اس کے نزول کے وقت سے رہتی دنیا تک ہر دور میں محفوظ و باقی رہنا ضروری ہے اور جب اس کی بقا ضروری ہے تو اُس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی قولی و عملی تشریحات و توضیحات کا بھی ہر دور میں منقول و مُتداول اور موجود رہنا ضروری ہے۔

اب تک ہم نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱) قرآنی نصوص کی رُو سے رسولِ خدا ﷺ قرآن کے معلّم و شارح و مبیّن ہیں۔
۲) آپ نے جس طرح متنِ قرآن کی تبلیغ کی اسی طرح اس کی شرح و تبیین بھی فرمائی۔
۳) آپ کی تشریحات و بیانِ قرآن کا قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہنا ضروری ہے۔

اسکے آگے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن کی تعلیم دو طرح دی ہے: آپ نے اپنے فعل و عمل سے بھی اس پر عمل کرنے کی صورت سکھائی اور اس کا مفہوم سمجھایا ہے اور اس کی قولی تشریح بھی فرمائی ہے عملی تشریح کی صورت یہ تھی کہ قرآن میں ایک حکم نازل ہوا آپ نے اُس حکم پر عمل کر

کے لوگوں کو دکھادیا جس کی وجہ سے الفاظ قرآن کا مفہوم بھی متعین ہو گیا اور جس بات کا حکم ہوا ہے اس کا عملی نقشہ بھی آنکھوں کے سامنے آ گیا، مثلاً قرآن پاک میں اقامتِ صلوٰۃ کا تاکیدی حکم نازل ہوا اور اُس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی (مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ) کا ذکر بھی قرآن میں کیا گیا مگر ان اجزا کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں کہیں ذکر نہیں کی گئی...... پس ان اجزا کو خاص ترکیب کے ساتھ باہم مربوط کر کے نماز قائم کرنے کی ایک خاص شکل آنحضرت ﷺ کے عمل سے متعین ہوئی۔

قرآن پاک میں "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" کا حکم دیکھ کر ہر شخص کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا ضروری ہے کہ اس حکم پر عمل کس طرح کیا جائے اور اقامتِ صلوٰۃ کا کیا طریقہ ہے؟ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ..... تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اُسی طرح نماز پڑھو گویا اسی سوال کا جواب ہے۔

نیز حکم "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" کی اس عملی تشریح کے علاوہ کبھی کبھی آپ نے اقامتِ صلوٰۃ کی ترکیب زبانی بھی ارشاد فرمائی ہے۔

اسی طرح مثلاً قرآن پاک میں حج کو فرض قرار دیا گیا مگر حج کا طریقہ اور ترتیب وار اس کے ارکان و مناسک نہیں بیان کئے گئے تو آنحضرت ﷺ نے حج کر کے دکھادیا کہ اس طرح اس فریضہ کی بجا آوری ہونی چاہئے اور اسی لئے کہ قرآن کی تشریح و تبیین صرف آپ ہی کے قول یا عمل سے ہو سکتی ہے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں جہاں سارے حجاج تھے اعلان فرمایا:

خُذُوْا عَنِّىْ مَنَاسِكَكُمْ لَعَلِّىْ لَا اَرَاكُمْ بَعْدَ عَامِىْ هٰذَا — لوگو! تم سب حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو! شاید اس سال کے بعد میں تمہیں نہ دیکھوں

پھر قولی تشریح کی بھی دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک کی کسی آیت کا ذکر یا اس کی طرف اشارہ کر کے اُس کی تفسیر یا اُس سے جو حکم مستنبط ہوتا ہے اُس کو بیان فرماتے تھے اور دوسری صورت یہ تھی کہ اپنے وہبی علم اور فہم مخصوص کی بناء پر جو استنباط و استفادہ آپ نے قرآن کریم سے کیا اس کو آیت کا حوالہ دیئے اور اس کی طرف اشارہ کئے بغیر بیان کر دیتے تھے۔

پہلی صورت کی کثیر التعداد مثالوں میں سے صرف تین مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

۱) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو حق تعالیٰ پکارے گا وہ کہیں گے، "لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ يَا رَبِّ" خدا پوچھے گا تم نے ہمارا پیغام پہنچادیا تھا؟ وہ جواب دیں گے، ہاں! اس کے بعد ان کی اُمت سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے پاس نوح نے ہمارا پیغام پہنچایا تھا؟ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، تب خدائے تعالیٰ حضرت نوحؑ سے مخاطب ہوگا کہ تمہارے حق میں کون گواہی دے گا؟ وہ عرض کریں گے کہ محمد ﷺ اور اُن کی امت۔ اسکے بعد اُمتِ محمد یہ گواہی دے گی کہ حضرت نوحؑ نے پیغام پہنچادیا تھا اور امت کی گواہی کی تصدیق رسول کرے گا (یعنی میں کروں گا) آنحضرتؐ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد فرمایا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد: وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى

النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا میں یہی بیان ہے۔
(صحیح بخاری کتاب التفسیر، بروایت ابو سعید خدریؓ)

۲) حضرت عدی بن حاتمؓ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ اور اَلْخَيْطُ الْاَسْوَدُ سے دو دھاگے مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا "لَا بَلْ سَوَادُ اللَّيْلِ وَبَيَاضُ النَّهَارِ" نہیں بلکہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی مراد ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

۳) حدیبیہ کے سفر میں حضرت کعب بن عجرہؓ کے سر میں بے انتہاء جوئیں پڑ گئیں تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اتنی تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو گئے ہو، کیا ایک بکری تم پا سکتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا کہ اچھا سر منڈوا ڈالو اور تین روزے رکھ لو، یا چھ مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع کے حساب سے صدقہ دیدو۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اس واقعہ میں بظاہر آیت کا حوالہ یا اشارہ نہیں ہے مگر "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ" کا نزول چونکہ اسی واقعہ میں ہوا ہے اس لئے ہم نے اس مثال کو بھی اسی ضمن میں ذکر کیا۔

قرآن پاک کی قولی تشریح کی دوسری صورت میں احادیث نبویہ کا اکثر حصہ یا ان کی بہت بڑی تعداد داخل ہے، یہ دوسری بات ہے کہ ایسی حدیثوں کا قرآنی ماخذ اپنے علم و عقل کی کوتاہی اور قصورِ فہم کی وجہ سے ہماری سمجھ میں نہ آئے لیکن ایسی حدیثوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن کا قرآنی ماٗخذ تھوڑی سی توجہ اور تامل سے سمجھ میں آجاتا ہے کم از کم دو مثالیں ناظرین اس کی بھی ملاحظہ فرمالیں۔

۱) رسول خدا ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ	تم میں سے کوئی اُس وقت تک صاحبِ ایمان نہ ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اُس تعلیم و ہدایت کا تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں۔

اسکی نسبت بہت آسانی سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ارشاد قرآن کی حسبِ ذیل آیتوں سے مستفاد ہے

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء ٤: ٦٥)	سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی مُنصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اُٹھے پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔

وَمَاكَانَ لِمُؤْ مِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (احزاب ۳۳:۳۶)

اور کام نہیں کسی ایمان والے مرد کا اور نہ ایمان والی عورت کا جبکہ فیصلہ کر دیں اللہ اور اسکا رسول کسی معاملہ کا یہ کہ انکو رہے اختیار اپنے اس معاملہ میں (یعنی اللہ و رسول کے حکم کے بعد ایمان والوں کا کام صرف تسلیم واطاعت ہے اس کے سوا کچھ نہیں)

۲) اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًا اَوْ نَصْرَانِيًا

جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری پائے جو اسکو بیت اللہ تک پہنچادے پھر بغیر حج کئے مر جائے تو اس پر کچھ مشکل نہیں کہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر۔

(رواہ الترمذی عن علیؓ ویؤید ما رواہ الدارمی عن ابی امامة)

اِس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت "وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ ...... الآية" سے مستنبط ہے، مگر روایت میں چونکہ پوری آیت مذکور نہیں ہے اس لئے بہت سے لوگوں کو وجہِ استنباط سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے، پوری آیت سامنے ہو تو اس کے آخری حصے سے صاف وہ تہدید مفہوم ہوتی ہے جو حدیث میں مذکور ہے، سنئے پوری آیت یوں ہے:

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران ۳:۹۷)

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا بیت اللہ کا اُن پر جو استطاعت رکھتے ہوں اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو کوئی کفر کا طریقہ اختیار کرے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

اس قسم کی اور بھی کثیر التعداد مثالیں پیش ہو سکتی ہیں، مگر اس وقت چونکہ ہمارا موضوع سخن یہ نہیں ہے اس لئے ان ہی دو مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ احادیث نبویہ کا اکثر حصہ قرآن پاک کی تشریح یا تفصیل یا اس سے استنباط ہے جو "يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" اور "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ" جیسے نصوص کے بموجب آنحضرت ﷺ کے فرائضِ رسالت میں داخل ہے اور یہی قرآنی نُصوص وبیّنات ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ تشریحات و تفریعات اور استنباطات بھی واجبُ القبول اور واجب الاتباع ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی بیان کی ہوئی ایک اور حقیقت پر غور کیجئے۔

تعلیمِ حکمت

قرآن کریم نے تعلیم کتاب کیساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک فریضہ بتایا ہے، یہ حکمت کیا چیز ہے؟ اسکو سمجھنے کیلئے فکرِ صحیح اور فہمِ سلیم کی ضرورت ہے۔ حکمت کی مراد معلوم کرنے کیلئے سب سے

پہلے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کیجئے تو اس میں آپکو ایسی متعدد آیات ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے اتارا اور نازل کیا ہے، مثلاً سورۂ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء ٤: ١١٣)

اور نازل کی اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا تجھ کو وہ جو تو نہیں جانتا تھا اور ہے اللہ کا فضل تجھ پر بڑا۔

سورۂ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ۔ (بقرہ۔ ٢: ٢٣١)

اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر اور جو نازل کی تم پر یعنی کتاب اور حکمت، نصیحت کرتا ہے اللہ تم کو اس کے ساتھ۔

سورۂ احزاب کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں ہوتی تھی ارشاد ہے:

وَاذْكُرْنَ مَايُتْلٰى فِىْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (احزاب ٣٣: ٣٤)

اور یاد کرو اسکو جسکی تلاوت ہوتی ہے تم پر تمہارے گھروں میں یعنی اللہ کی آیتیں اور حکمت۔

سوال یہ ہے کہ ازواج مطہراتؓ کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی تھی؟ اور آنحضرتﷺ ان کو قرآن کے علاوہ کیا سناتے تھے؟

اس سوال کا صرف یہی ایک جواب ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کی حدیث اور آپ کی سنت تھی (یعنی آپ کے عام دینی نصائح اور دینی افادات وارشادات) اور چونکہ اس آیت میں حکمت کے ذکر کا (یعنی اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا) حکم ہے اسلئے اسی آیت سے حدیث و سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور یہ بات بھی تقریباً بدیہی اور مسلم ہے کہ علم وذکر وحفظ مقصود بالذات نہیں ہیں بلکہ عمل کیلئے مقصود ہیں اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت پر عمل کا واجب اور مامور بہ ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے تو اس سے پہلی آیتوں سے (جن میں کتاب کی طرح حکمت کو بھی منزل من اللہ فرمایا گیا ہے) ثابت ہوا کہ سنت بھی منزل من اللہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم معلم قرآنﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو جس طرح قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی (جس کا نام حکمت ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اُتاری ہے، اسی طرح معلّمِ قرآنﷺ کی تعلیمات بھی ہم کو یہی بتلاتی ہیں۔

اَلَا اِنِّىْ اُوْتِيْتُ الْقُرْاٰنَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ

کہ مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اُس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اُس کے مثل دی گئی۔

(رواه ابو داؤد و ابن ماجة والدارمی عن المقدام بن معد يكرب)

کتاب و سنت کے انہیں نصوص کی بناء پر تمام ائمہ و علمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حکمۃ کا لفظ وارد ہوا ہے اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی "انزل عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَحيينِ وَاَوْجَبَ عَلٰی عِبَادِهِ الْاِيْمَانَ بِهِمَا وَالعمل بِمَا فِيها وَهما الكِتٰب والحكمة" وَقال تعالٰی "وانزل اللّٰه عليك الكتاب والحكمة" وقال تعالٰی "هو الذى بعث فى الاميّينَ رسولا منهم يتلوا عليهم اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة" وقال تعالٰی "واذكرن مايتلٰى عليكن فى بيوتكن من اٰيات اللّٰه والحكمة. والكتاب هو القراٰن والحكمة هى السنة باتفاق السلف وما اخبر الرسول عن اللّٰه فهو فى وجوب تصديقه والايمان به كما اخبر به الرب تعالٰى على لسان رسوله هذا اصل متفق عليه بين اهل الاسلام، لا ينكره الامن ليس منهم وقد قال النبى ﷺ انى اوتيت الكتاب ومثله معه۔ (ص ۹۲)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں (اس کے بعد علامہ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جا چکی ہیں جن میں کتاب و حکمت کی تنزیل و تعلیم کا ذکر اور ان کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے ان آیات کو درج کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں) : کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے باجماع سلف سنت مراد ہے، رسول نے اللہ سے پاکر جو خبر دی اور اللہ نے رسول کی زبان سے جو خبر دی دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے اسکا انکار وہی کرے گا جو ان میں سے نہیں ہے خود نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)۔

اسوۂ رسول ﷺ

آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تشریح و تبیین فرمائی اور وہ حکمت جو آپ پر نازل کی گئی ہر مؤمن بالقرآن کیلئے ان دونوں کا واجب القبول ہونا آپ معلوم کر چکے، ان دونوں کے علاوہ ایک تیسری چیز جس کی پیروی ہر مؤمن پر قرآن نے لازمی قرار دی ہے، وہ ہے پوری اسلامی و مذہبی زندگی کا وہ نمونہ جو آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس میں جلوہ گر تھا۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا (احزاب ۳۳: ۲۱)

تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی چال رسول اللہ کی اس کے لئے جو امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے زندگی کے ہر مرحلہ میں رسول خدا ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کا حکم ہم کو دیا ہے' ایسا نہیں ہے کہ صرف جنگ کی حالت میں اور پریشانی کے موقع پر آپ کے صبر و ضبط کی مثال سامنے رکھنے اور فقط اس کی پیروی کرنے کی تلقین کی گئی ہو، جیسا کہ اس آیت کے متعلق آج کل کے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، اسلئے کہ اس کی تو کوئی کمزور سے کمزور وجہ نہیں ہو سکتی کہ جنگ کے موقع پر تو آپ کا طرزِ عمل واجبُ الاتباع ہے مگر امن و صلح کے موقع پر آپ کا طرزِ عمل لازم الاتباع نہیں ہے، یا بابِ جہاد میں تو آپ کی ذات میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے مگر اقامتِ صلوٰۃ و ادائے حج کے باب میں آپ کی ذات میں ہمارے لئے کوئی قابلِ پیروی نمونہ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دوسری جگہ پر اس شخص کو جو خدا سے محبت کا دعویٰ کرتا ہو آنحضرت ﷺ کی پیروی کا حکم بالکل عموم واطلاق کے ساتھ دیا گیا، ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳: ۳۱)

کہئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے پیچھے چلو، اللہ تم سے محبت کریگا۔

یہاں اللہ کی محبت کا معیار مطلقاً نبی کا اتباع قرار دیا گیا، اگر رسول کی ذات اسوۂ عمل نہیں ہے اور قرآن کے ماننے والے اس کی پیروی کے مامور نہیں ہیں تو بتلایا جائے کہ اللہ نے اپنے نبی سے اپنی پیروی کرانے کو کیوں کہا؟

یہ کہنا تو عقل و فہم کی رسوائی کے سوا کچھ نہیں کہ "میری پیروی کرو" کا مطلب صرف اتنا ہے کہ میں جو قرآن سناتا ہوں بس اُسکو سن لو، اسلئے کہ اتباع یا پیروی یا پیچھے چلنے کا یہ مطلب دنیا کی کسی زبان میں نہیں ہوتا، ان الفاظ کے معنی تو کسی کے طرزِ عمل کی تقلید اور کسی کے طور طریقہ پر کاربند ہونے ہی کے آتے ہیں۔

مذکورہ بالا بیان سے ہر حق طلب اور حق پسند کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح آگئی ہوگی کہ قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو مجرد قرآن کے ماننے اور اپنے اپنے طور پر اس کو سمجھنے اور اپنے اپنے فہم کے مطابق اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، بلکہ قرآن کے ساتھ حکمت کو بھی ماننے اور قبول کرنے اور اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو اسوۂ عمل قرار دینے کے بھی وہ مامور ہیں نیز قرآن پاک کو رسول سے بے نیاز ہو کر نہیں بلکہ انہیں کی تعلیم، تبیین اور تشریح کی روشنی میں سمجھنے کے وہ مکلّف ہیں۔

جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو اب سنئے کہ آنحضرت ﷺ نے قرآن پاک کی جو تبیین[۱] فرمائی اور تعلیم دی اور وہ حکمت[۲] جو آپ پر اُتاری گئی، نیز آپ کی پوری[۳] زندگی جس کا مکمل نقشہ ان خوش قسمتوں نے ہمارے سامنے کھینچ کر رکھ دیا ہے جنھوں نے اس زندگی کا مشاہدہ کیا تھا انہیں تینوں چیزوں کا نام حدیث و سنت ہے۔ اور نُصوصِ کتاب اللہ کی رُو سے ان تینوں کے واجب القبول ہونے کا مطلب بالفاظِ دیگر یہ ہے کہ قرآن' حدیث و سنت کو واجبُ القبول اور واجبُ الاتباع قرار دیتا ہے۔

حدیث کے حُجت ہونے کی ایک اور قرآنی دلیل

حدیث حُجت ہے یا نہیں؟ اور اس کو کوئی مسلمان نظر انداز کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ایک اور طریقہ سے بھی ہو سکتا ہے اور وہ طریقہ بھی خود قرآن پاک کا بتایا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے اتباع سبیل المؤمنین (مؤمنین اولین کے طریقہ پر چلنے) کو ضروری بتایا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء ٤ : ١١٥)

اور جو کوئی خلاف کرے رسول کی بعد اس کے کہ واضح ہو گئی اُس کے لئے ہدایت اور راہ پکڑے مؤمنین کے راستہ سے الگ ہم حوالہ کریں گے اس کو اس راہ کے جن کی طرف اُس نے رخ کیا ہے اور انجامِ کار ہم اُس کو داخل کریں گے دوزخ میں اور بُرا ہے وہ ٹھکانا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مؤمنین کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کو سخت وعید سُنائی ہے اور اس کو مستحقِ دوزخ قرار دیا ہے، پس ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں بھی یہ معلوم کیا جائے کہ مؤمنین اولین کا راستہ کیا تھا؟ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کو یا بلفظِ دیگر حدیث و سنت کو حجت مانتے اور اس کو مشعلِ راہ قرار دیتے تھے یا نہیں؟...... پس جب ہم اس باب میں مؤمنین اولین کی راہ و روش معلوم کرنے کے لئے اسلامی روایات اور اسلامی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم کو حسبِ ذیل حالات و واقعات ملتے ہیں۔

۱) تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹ میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی قضیہ آتا تھا تو پہلے وہ کتابُ اللہ میں نظر فرماتے تھے اگر کتابُ اللہ میں ان کو فیصلہ مل جاتا تو وہی فیصلہ صادر فرماتے، اس میں ناکامی کی صورت میں اگر رسولُ اللہ ﷺ کی کوئی سنت اس باب میں انہیں معلوم ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے، اگر خود ان کو اس باب میں کسی سنت کا علم حاصل نہ ہوتا تو باہر نکل کر دوسرے مسلمانوں (صحابہ) سے دریافت فرماتے کہ ایک اس طرح کا معاملہ میرے پاس آیا ہے اگر تم کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے تو بتاؤ، پھر ایسا ہوتا تھا کہ بعض اوقات کئی کئی آدمی اکٹھا ہو کر بتاتے تھے کہ ہاں اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا، اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَّحْفَظُ عَنْ نَبِيِّنَا خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں ایسے لوگ بنائے جو ہمارے نبی کی باتیں یاد رکھتے ہیں

۲) آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اور سب سے مشکل مسئلہ یہ سامنے آیا کہ آپ کا جانشیں کس کو مقرر کیا جائے تو اس مسئلہ کا حل بھی صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کی سنت میں تلاش کیا۔

طبقات ابنِ سعد و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت علی ؓ کا قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات

کے بعد ہم نے اپنے معاملہ (مسئلہ جانشینی) میں غور و فکر کیا تو ہم نے یہ پایا کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق ؓ کو اپنی زندگی میں نماز کیلئے آگے بڑھایا (یعنی امام مقرر کیا) تو جسکو آپ نے ہمارے دین کیلئے پسند کیا تھا ہم نے اس کو اپنی دنیا کیلئے بھی پسند کر لیا اور ابو بکر ؓ کو آگے بڑھایا (جانشینِ رسول منتخب کر لیا)۔

تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انصار کی زبانوں پر یہ بات آئی کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہو، یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے انصار کے پاس جا کر کہا اے گروہِ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں، اگر جانتے ہو تو بتاؤ کہ کس کا دل گوارا کرتا ہے کہ ابو بکرؓ سے آگے بڑھے، یہ سنتے ہی انصار کی آنکھیں کھل گئیں اور بول اُٹھے

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ نَتَقَدَّمَ اَبَا بَكْرٍؓ خدا کی پناہ ہم ابو بکرؓ کے آگے بڑھیں

یعنی سنت نبی سامنے آجانے کے بعد تمام انصار مطمئن ہوگئے اور بے چوں و چرا اس کو تسلیم کر لیا۔

نیز اسی کتاب میں ہے کہ وفاتِ نبوی کے بعد انصار کے مجمع میں حضرت ابو بکرؓ نے حضرت سعدؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سعد! تم جانتے ہو، تم بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار فرمایا تھا **قُرَيْشٌ وُلَاةُ هٰذَا الْاَمْرِ** (اس امر کے والی قریش ہیں) حضرت سعدؓ بے تامل بولے کہ آپ نے سچ کہا، ہم وزیر و پُشت پناہ ہوں گے اور آپ لوگ امیر و والی (یعنی آنحضرتﷺ کا قول یاد دلانے کے بعد ان حضرات نے خلافت کا خیال چھوڑ دیا۔)

۳) وفاتِ نبوی کے بعد دوسرا مرحلہ آپ کے دفن کا تھا، اس میں اختلاف رائے تھا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے، اس کا فیصلہ بھی حدیثِ نبوی سے ہوا۔

اسی کتاب اور دوسری بہت سے کُتب (مثلاً تاریخ کامل ص ۲۲۵ ج ۳) میں ہے کہ جب یہ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہر نبی اپنی اسی خواب گاہ کے نیچے مدفون ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو"۔ یہ سنتے ہی سارا اختلاف ختم ہو گیا، اور باتفاق رائے آنحضرت ﷺ اسی مقدس سرزمین میں جہاں آپ کی روحِ پاک قبض کی گئی تھی سپردِ خاک کئے گئے۔

۴) تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ جمع قرآن کا واقعہ ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ مشورہ دیا کہ پورا قرآن یکجا کر دیا جائے اور ابتداء سے انتہا تک یکجا لکھ کر ایک مصحف میں دو لوحوں کے درمیان محفوظ کر دیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ ابتداءً بار بار یہی فرماتے تھے کہ:

كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا

پھر حضرت ابو بکر ؓ کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلا کر جمع قرآن کی اہم خدمت ان کے سپرد کرنا چاہی تو ابتداء میں اُن کو بھی تامل ہوا اور وہ بھی بار بار یہی کہتے تھے **كَيْفَ تَفْعَلَانِ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ** ...... لیکن بعد میں اللہ نے ان کے سینہ کو بھی کھول دیا اور

شیخین کی رائے کا حق ہونا ظاہر کر دیا تو وہ اس خدمت کی انجام دہی پر کمر بستہ ہو گئے۔
اس واقعہ کے نقل کرنے سے یہ مقصد ہے کہ اس سے نمایاں طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو ہر کام پر اقدام کرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ کی سنت کی تلاش و جستجو ہوتی تھی یہی ان کی روش اور ان کا راستہ تھا۔

۵) مؤطا امام مالک میں ہے کہ ایک آدمی کی وفات کے بعد اس کی دادی حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے آئی آپؓ نے فرمایا:

مالكِ فی كتاب الله شئ وماعلمت لكِ فی سنة رسول الله شيئاًفارجعي حتی اسأل الناس۔

کتاب اللہ میں تیرا کچھ حق نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حق مجھے معلوم نہیں، لہٰذا اس وقت لوٹ جا، تا آنکہ میں اور لوگوں سے دریافت کروں۔

اس کے بعد اُنہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہؓ نے بتایا کہ میری موجودگی میں آنحضرت ﷺ نے میت کی دادی کو سُدس (چھٹا حصّہ) دلوایا تھا حضرت ابو بکرؓ نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو حضرت محمد بن مسلمہؓ انصاری نے بھی کھڑے ہو کر وہی بیان کیا، اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے اس عورت کو سُدس دلوایا۔

۶) پارسیوں کا ملک اسلامی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق تھی کہ پارسیوں سے جزیہ لیا جائے یا نہیں (اس لئے کہ قرآن پاک میں صرف اہلِ کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے اور قرآن کی زبان میں اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہوتے ہیں) تا آنکہ عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے، تب حضرت عمرؓ نے پارسیوں سے جزیہ لیا۔

۷) صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی وفات کے صرف چالیس دن بعد بچہ جنا تو اس کی عدت پوری ہو گئی یا نہیں؟ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن پورے ہونے میں سے جو بعد میں واقع ہوگا اس سے عدت منقضی ہوگی، اس مجلس میں ابو سلمہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ بھی موجود تھے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب سُن کر ابو سلمہؓ نے کہا (قرآن میں ہے):

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل ہے

ابو سلمہؓ کا مطلب یہ تھا کہ صورتِ مسئولہ میں عدّت پوری ہو گئی یہ سن کر حضرت ابو ہریرہؓ بولے کہ میں بھی اپنے بھتیجے ابو سلمہؓ سے اتفاق کرتا ہوں، تب حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا (انہوں نے سوال سن کر) فرمایا سبیعہ اسلمیہ حاملہ تھیں کہ اسی حالت میں ان کے شوہر شہید کر دیئے گئے واقعہ شہادت کے چالیس دن بعد سبیعہ کے بچہ پیدا ہوا اور نکاح کے پیغام آنے لگے تو

آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح کرادیا۔

حافظ ابن حجرؒ اس واقعہ کے تحت میں فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اسکی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن عباسؓ کے شاگرد اور تبعین کا قول جماعت کے موافق ہے۔

اس واقعہ سے اختلاف رائے اور دو آیتوں میں بظاہر تعارض کے وقت صحابہؓ کا سنت کی طرف رجوع کرنا اور اس پر عمل پیرا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۸) ابو داؤد، ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رومی سلطنت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے ایک خاص مدت تک جنگ بندی تھی، جب وہ مدت قریب ختم ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے اپنی فوج کے ساتھ دشمن کے ملک کی طرف کوچ کرنا شروع کردیا، ان کا خیال تھا کہ مدت کے اندر جنگ تو شروع نہ کریں گے لیکن ان کے قریب پہنچ جائیں اور جب مدت ختم ہو جائے گی تو اچانک یکبارگی دھاوا بول دیں گے ایک دن حضرت معاویہؓ کو دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا، جو بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا اللہ اکبر، اللہ اکبر عہد کو پورا کرنا ہے، توڑنا نہیں ہے، لوگوں نے بغور دیکھا تو وہ سوار حضرت عمرو بن عبسہؓ صحابی تھے، حضرت معاویہؓ نے ان سے پوچھا بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سُنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس عہد میں کوئی ردوبدل نہ کرے، جب تک کہ اس کی مدت نہ گذر جائے، یا اس قوم کو مطلع نہ کردے، حضرت معاویہؓ یہ سن کر اپنی فوج کے ساتھ دارالاسلام کو واپس ہوگئے۔

۹) تاریخ طبری و تاریخ کامل (ص ۳۹۲ ج ۲) میں ہے کہ حضرت عمرؓ ایک بار مدینہ سے بارادہ شام روانہ ہوئے جب مقامِ سرغ میں پہنچے تو امرائے لشکر نے آکر خبر دی کہ ملک شام میں اس وقت وباء پھوٹ پڑی ہے، طاعون بڑے زوروں کا پھیلا ہوا ہے، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر پہلے مہاجرین وانصار کو جو ساتھ میں تھے اکٹھا کر کے مشورہ کیا تو وہ مختلف الرائے ظاہر ہوئے، کچھ لوگوں نے کہا لوٹ چلئے اور کچھ نے کہا جب لوجہ اللہ آئے ہیں تو لوٹیں کیوں؟ حضرت عمرؓ نے یہ اختلاف دیکھ کر ان لوگوں سے اُٹھ جانے کو کہا اور فرمایا اب قریشی مہاجرین فتح کو بلاؤ، وہ آئے تو سب کے سب لوٹ جانے کے حق میں تھے، اس بنا پر حضرت عمرؓ نے واپسی کا قصد کیا، مگر حضرت ابو عبیدہؓ نے اس سے اختلاف ظاہر کیا۔ حضرت عمرؓ اور دوسرے لوگ اسی حیص بیص میں تھے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف آپہنچے، وہ پہلے مشورہ میں شریک نہ ہو سکے تھے اور ان کو کچھ معلوم نہ تھا، اس لئے انہوں نے پوچھا کیا قصّہ ہے، جب اُن کو بتایا گیا تو انہوں نے فرمایا میرے پاس اس باب میں ایک علم ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ صاحبِ امانت اور قابلِ تصدیق ہیں، بتایئے وہ کیا علم ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسولِ خدا ﷺ کو فرماتے سُنا ہے کہ:

جب تم سنو کہ کسی سرزمین میں وبا پھیلی ہوئی ہے تو وہاں جاؤ مت اور جب تمہارے جائے قیام میں وبا پھیل جائے تو بقصدِ فرار اس جگہ سے نکلو مت یہ سنتے ہی سب اختلاف مٹ گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب کو لے کر مدینہ لوٹ آئے۔

(۱۰) تاریخ کامل و تاریخ خلفاء وغیرہ تمام کُتب تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور تمام صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کرنے کے بعد بایں الفاظ بیعت کی تھی:

نبایعك علی کتاب الله وسنة رسوله وسنة الخلیفتین بعدهٗ

ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، رسول کی سنت اور دونوں سابق خلفاء کی روش پر عمل کریں گے۔

یہ دس مثالیں بلا مبالغہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں، اس سے زیادہ کی ہم اسلئے ضرورت نہیں سمجھتے کہ ایک مُنصف مزاج کیلئے یہی کافی سے زیادہ ہیں اور انکو سامنے رکھنے کے بعد کوئی بھی مُنصف اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ مؤمنین اولین کا راستہ حدیث و سنت کے ساتھ احتجاج اور ہر باب میں اُس کو مشعلِ راہ قرار دینا تھا۔

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ اوپر "سبیل المؤمنین" کے بیان کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا اس کا ماخذ حدیث و تاریخ کی کتابیں ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بعد لکھی گئی ہیں اور وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں تو گزارش ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ قرآن پاک نیز اسکے احکام اور اس پر ایمان و عمل کا حکم باقی ہو اور "سبیل المؤمنین" کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ اور اسکی کوئی صورت موجود نہ ہو، ایسا کہنا تو قرآن کو نا قابلِ عمل اور معطل قرار دینا ہے جس کی جرأت کوئی مؤمن تو مؤمن کوئی صاحبِ علم و انصاف غیر مؤمن بھی نہیں کر سکتا، قرآن پاک پر عمل کا دروازہ جب تک کھلا رہے گا اس وقت تک یہ راستہ بھی کھلا رہے گا اور اس راستہ کے پورے معلومات حاصل کرنے کے ذرائع بھی موجود رہیں گے اور جب ایسا ہے تو بتایا جائے کہ بجز مجامع احادیث و کتب طبقات و اسماء الرجال اور کُتبِ سِیَر و تاریخ کے اور کون سا ذریعہ ہے جس سے مؤمنین اولین کی راہ و روش کا تفصیلی علم حاصل ہو سکے، اگر کوئی دوسرا ذریعہ بھی ہے تو بتایا جائے، اور اگر نہیں ہے تو مذکورہ بالا چیزوں کو بالکلیہ جعلی، بے بنیاد اور بے اعتبار کہنا درحقیقت قرآن پاک پر عمل کا دروازہ بند کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلام اور مسلم قوم کو دوسرے مذاہب و اقوام عالم پر جو مخصوص تفوق و امتیاز حاصل ہے اسکو بھی برباد کرنا ہے اسلئے کہ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ مسلم قوم کی نہ کوئی تاریخ ہے، نہ اسکے علمی و عملی کارنامے ہیں اور نہ ان کارناموں کا کوئی ذریعۂ علم دنیا میں موجود ہے، کیا ایسی بات کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں بعض منکرین حدیث کا یہ رویّہ کس قدر عجیب و غریب اور کیسا نا قابلِ فہم ہے کہ وہ تاریخ پر تو اعتماد کرتے ہیں اور روایاتِ حدیث کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے حالانکہ کتبِ تاریخ کے تمام مصنفوں نے ہر ہر واقعہ کی نسبت نہ تو یہ بتانے کا التزام کیا ہے کہ وہ ان کو کس واسطہ اور کس سلسلہ سے معلوم ہوا، نہ ان واسطوں کی عدالت و ثقاہت وغیرہ اُن شرائط کی سختی سے پابندی کی ہے جن کی محدثین نے کی ہے، بایں ہمہ تاریخ تو قابل قبول اور لائق اعتماد ہو لیکن مجامع احادیث جن میں ہر ہر قول و فعلِ رسول ﷺ یا آثار و احوال صحابہ کے لئے پورا پورا التزام ہے کہ مصنف کو جن واسطوں سے علم ہوا کہ ان کو سلسلہ وار اس طرح بتائے کہ کہیں انقطاع نہ ہو اور یہ واسطے بھی ایسے ہوں کہ ان کے معتبر، عادل اور ثقہ ہونے کا ثبوت موجود ہو غرض

اس التزام واحتیاط کے باوجود حدیث کے مجموعے قابلِ اعتبار نہ ہوں، یہ کتنی عجیب اور کیسی ستم ظریفی ہے۔

علاوہ ازیں پختہ اور کھری سندوں کے ساتھ بھی حدیثوں کے نہ ماننے اور ان کو بے اعتبار کہنے کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہی تو ہے کہ کتبِ احادیث کے مصنفوں نے محض بے بنیاد باتوں کو بالکل جعلی اور فرضی سندوں کے ساتھ کتابوں میں درج کر دیا ہے۔

ان حضرات کو خالص علمی طور پر کبھی تو سوچنا چاہئے کہ ایسا ممکن کیونکر ہے؟ کیا جب احادیث کے یہ مجموعے لکھے گئے اُس وقت دنیا میں ایک بھی صحیح قسم کا مسلمان نہیں تھا جو اس ساری جعل سازی اور افترا پردازی کا مقابلہ کرتا؟ یا کم از کم اُس پر نکیر ہی کرتا۔

مثال کے طور پر میں مؤطا کا نام لیتا ہوں، حدیث کا یہ مجموعہ بقول ابو طالب مکی ۱۲۰ھ یا ۱۳۰ھ کے بعد یعنی رسول خداﷺ کی وفات کے ایک سو دس (۱۱۰) یا ایک سو بیس (۱۲۰) برس بعد وجود میں آیا (مقدمہ تنویر الحوالک ص ٦) اور اس کے وجود میں آنے سے چند برس (تقریباً ۱۳، یا ۲۳ برس) پہلے تک آنحضرتﷺ کے دیدار و گفتار سے شرف اندوز ہونے والے اصحابِ رسولؐ اس دنیا میں موجود تھے، اور ان لوگوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں جنہوں نے صحابہ رسولﷺ کی صُحبت کی سعادت پائی تھی اور بلادِ اسلام مثلاً بلادِ حجاز، شام، عراق اور مصر وغیرہ کا ذکر اس وقت چھوڑیئے صرف مدینہ منورہ ہی کو لیجئے جہاں یہ کتاب وجود میں آئی اُسی میں اتنی کثرت سے تابعین (جنہوں نے صحابہ کی صحبت پائی تھی) موجود تھے جن کا شمار مشکل ہے، مثال کے طور پر چند نام سنئے:

۱) اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ المتوفی ۱۳۶ھ
۲) اسماعیل بن محمد بن زہری المتوفی ۱۳۴ھ
۳) ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن المتوفی ۱۲۹ھ
۴) زید بن اسلم المتوفی ۱۳۶ھ
۵) سالم بن ابی امیہ المتوفی ۱۲۹ھ
۶) سعد بن اسحاق المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۷) سعید بن ابی سعید المقبری المتوفی ۱۲۳ھ
۸) سلمہ بن دینار المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۹) شریک بن عبداللہ بن ابی نمر المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۱۰) صالح بن کیسان المتوفی بعد ۱۴۰ھ
۱۱) صفوان بن سلیم المتوفی ۱۲۴ھ
۱۲) عبداللہ بن ابی بکر بن ابی حزم المتوفی ۱۳۵ھ
۱۳) عبداللہ بن دینار المتوفی ۱۲۷ھ
۱۴) ابوالزناد المتوفی ۱۳۰ھ
۱۵) عبد ربن سعید المتوفی ۱۳۹ھ
۱۶) محمد بن المنکدر المتوفی ۱۳۱ھ
۱۷) مخزمہ بن سلیمان المتوفی ۱۳۰ھ
۱۸) موسیٰ بن عقبہ المتوفی ۱۴۱ھ
۱۹) وہب بن کیسان المتوفی ۱۲۷ھ
۲۰) یحیٰ بن سعید قاضی مدینہ المتوفی ۱۴۳ھ
۲۱) یزید بن رومان المتوفی ۱۳۰ھ
۲۲) یزید بن عبداللہ بن لیثی المتوفی ۱۳۹ھ
۲۳) ہشام بن عروہ المتوفی ۱۴۵ھ
۲۴) مسور بن رفاعہ المتوفی ۱۳۸ھ
۲۵) ابو طوالہ قاضی مدینہ المتوفی آخر ایام بنی امیہ (و آخر ایام بنی امیہ ۱۳۲ھ)

علمی سلسلہ کے علاوہ ترتیب زمانی کے لحاظ سے بھی تابعین کی حیثیت آنحضرتﷺ کی نسبت سے وہی

تھی جو نسبی سلسلہ میں پوتوں کی حیثیت دادا کی نسبت سے ہوتی ہے، اس لئے اگر سلسلۂ اخذ و تعلیم نہ ہوتا تب بھی جس طرح دادا کے حالات اور کارنامے پوتوں کو اپنے گھروں میں معلوم ہو جاتے ہیں اسی طرح اس عہد کے لوگوں کو باقاعدہ تعلیم کے بدون ہی آنحضرت کے بکثرت حالات اور کارناموں کا علم حاصل ہونا ایک بدیہی بات ہے۔

اب غور کیجئے کہ ایسے عہد اور ایسی حالت میں اور ایسے لوگوں کی موجودگی میں پھر ایسی جگہ پر جہاں آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری دس سال گذرے ہیں اور وہاں کا کوئی گھر اور کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس کو آنحضرتؐ سے وابستگی اور آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل نہ ہو، اس سرزمین میں ایک شخص (امام مالکؒ) آپ کی حدیثوں اور سنتوں کے بیان میں ایک مجموعہ تیار کر کے اسی سرزمین میں اس کو علی الاعلان سناتا ہے اور ہزاروں آدمی تمام بلادِ اسلامیہ سے رختِ سفر باندھ کر مدینہ آتے اور اس مجموعہ کو سن کر اور بہت سے لوگ اس کی نقلیں لے کر اپنے اپنے وطن واپس جاتے ہیں اور وہاں پہنچ کر ان کا ہر آدمی اس کو سیکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں میں پھیلاتا ہے مگر مدینہ مقدسہ یا کسی جگہ کا ایک متنفس بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ ساری حدیثیں یا ان میں سے بہت سی جعلی ہیں...... کوئی صاحب عقل بتائے کہ اولاً ایسی حالت میں امام مالکؒ کو اگر (معاذ اللہ وہ مفتری ہوتے) اس کی ہمت ہی کیسے ہوتی اور اگر بالفرض ہوتی بھی تو سارے اہل مدینہ اس "افتراپردازی" اور دین میں جعلی چیز کے اضافہ اور اس کی اشاعت کا خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہ جاتے!

ما لكم كيف تحكمون

مزید براں یہ کہ اس مجموعہ میں امام مالکؒ مذکورہ بالا پچیس اشخاص اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے باشندگانِ مدینہ کا نام لے کر فرماتے ہیں کہ انہیں لوگوں نے ہم سے یہ حدیثیں اور سنتیں بیان کی ہیں اگر بالفرض امام مالکؒ نے غلط بیانی سے کام لیا ہوتا تو نا ممکن ہے کہ جو لوگ اس وقت زندہ تھے اُن کی تکذیب نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ موطا یا دوسرے مجامیع حدیث اور ان کی اسنادوں کا بالکل بے سر وپا کہنا صرف ضلالت ہی نہیں بلکہ قابلِ عبرت جہالت وحماقت بھی ہے۔ **ومن لم يجعل الله له نوراً فماله من نور۔**

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ سے پہلے کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی، بلکہ اس کے برخلاف ان مجموعوں کے زمانۂ تصنیف سے لے کر آج تک ہر دور میں اصولی طور پر ان کو صحیح وثابت اور واقعی چیز تسلیم کیا گیا اور ہر دور میں ان مجموعوں کو سیکڑوں ہزاروں اہلِ علم نے اپنے بڑوں سے سنا اور روایت کیا، خود امام مالکؒ سے موطا کو تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے سُنا جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے بُستان المحدثین ص ۹ میں تحریر فرمایا ہے۔ اور سیوطی نے تنویر الحوالک کے مقدمہ میں تقریباً پچاس ایسے آدمیوں کا نام بنام ذکر کیا ہے جنہوں نے امام مالکؒ سے موطا کو سن کر روایت کیا ہے، پھر ان لوگوں سے آج تک اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ تواتر کے ساتھ اس کی روایت ہوتی آئی ہے۔

پھر حیرت ہے کہ یہ منکرینِ حدیث اس دیدہ دلیری سے حدیث کا انکار کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے اور کیوں اس پر غور نہیں کرتے کہ اپنے بزرگوں اور اکابر کے آثار کی حفاظت اور ان کے کارناموں کو زندہ اور

ان کے سوانح کو یاد رکھنے کا جذبہ فطری طور پر ہر قوم میں ہوتا ہے اور دنیا میں ہر زندہ قوم اپنے بزرگوں کے آثار، بہادروں کے کارناموں اور شاعروں کے کلام کو باقی اور محفوظ رکھنے کی ہر ممکن تدبیر عمل میں لاتی ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلم قوم جو دنیا کی سب سے بہتر اور سب سے زیادہ علم دوست اور سب سے زیادہ محاسنِ کمالات اور زرین خصوصیات کی حامل ہے، اس نے اور تو اور خود اپنے پیغمبر و رسول ہی کی روایات انکے سیر و مغازی اور ان کے اخلاق و عادات کو نہ محفوظ رکھا ہو نہ دوسروں تک پہنچایا ہو، دنیا میں کون صاحبِ عقل ایسا کہہ سکتا ہے اور کون اس کو باور کر سکتا ہے؟

قرآن مجید کی بہت سی آیات کا مطلب بھی روایات کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا

پھر اس بات پر بھی دھیان دینا چاہئے کہ اگر قرآن پاک کے علاوہ اور کوئی مستند ذریعۂ معلومات نہ ہو اور احادیث و آثار کی روایات کو قابل اعتبار نہ سمجھا جائے تو خود قرآن پاک کی بہت سی آیات کا مفہوم و مطلب مُبہم اور بڑی حد تک تشنہ رہ جائے گا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (احزاب ۳۳:۳۷)

پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی

کیا روایات کو یکسر نظر انداز کر دینے کے بعد قرآن مجید کے صرف ان الفاظ سے اُس واقعہ کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اور کیا صرف قرآن سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ زید کون تھے اور اُن کی بی بی کون تھیں اور قصہ کیا پیش آیا تھا۔ یا مثلاً ارشاد ہے:

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۔ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى ۔ (عبس)

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اسکے پاس نابینا اور تجھ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا اور پاک صاف ہوتا۔

بتایا جائے کیا صرف قرآن سے یہ پتہ چلایا جا سکتا ہے کہ یہ آنے والے الاعمیٰ کون تھے، اور وہ کون لوگ تھے جن کی طرف آنحضرت ﷺ اُن کے آنے کے وقت متوجہ تھے؟

اسی طرح غزوۂ احزاب و حنین وغیرہ کے جن واقعات کا ذکر قرآن پاک میں ہے بتایئے کہ روایات کے سارے ذخیرہ کو نا معتبر قرار دے کر ان واقعات کی ضروری تفصیل بھی کہاں سے معلوم کی جائے یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (انفال ۸:۷)

اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے قبضہ میں آئیگی۔

کیا کوئی صرف قرآن سے یہ بتلا سکتا ہے کہ یہ دو جماعتیں کون تھیں؟ اور اللہ جس وعدہ کو یہاں یاد دلا رہا ہے وہ وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ اگر قرآن میں نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ کوئی دوسری قسم کی وحی بھی

آنحضرت پر آتی تھی۔

یا مثلاً قرآن پاک میں ہے:

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَھُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ۔ (انفال ۸:۴۲)

جس وقت تم تھے درے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اُتر گیا تم سے

کوئی مدعی صرف قرآن سے بتائے کہ یہ کہاں کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور کس جگہ کے قریب و دور کے ناکے مراد ہیں؟ اور کس قافلہ کا نیچے اُترنا بیان ہوا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَةٍ۔ (توبہ ۹:۲۵)

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت سے میدانوں میں

کیا روایات کا انکار کرنے کے بعد ان بہت سے میدانوں کی تفصیل کہیں سے معلوم ہو سکتی ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْهُمَا فِی الْغَارِ اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ ۹:۴۰)

اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت نکالا اس کو کافروں نے دو جان سے، جب دونوں تھے غار میں، جب کہنے لگا اپنے رفیق کو نہ غم کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

آنحضرت ﷺ کہاں سے نکالے گئے، یہ دوسرا آپ کا رفیق کون تھا؟ اور کس غار میں آپ اپنے رفیق کے ساتھ روپوش تھے؟ کیا صرف قرآن سے ان سوالات کا جواب مل سکتا ہے؟ کیا روایات کی طرف رجوع کے سوا کوئی دوسری صورت بھی ان باتوں کو معلوم کرنے کی ہے؟

علیٰ ہذا القیاس قرآن پاک میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا۔ (توبہ ۹:۱۰۸)

جس مسجد کی بنیاد دھری پرہیز گاری پر پہلے دن سے وہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اُس میں اس میں وہ مرد ہیں جن کو چاہت ہے پاک رہنے کی۔

یہ کس مسجد کا ذکر ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں جنکی اس آیت میں مدح ہو رہی ہے؟ اور اُنکی طہارت پسندی کا کیا خاص معیار تھا جس کو اس آیت میں سراہا گیا ہے؟ کیا ان باتوں کا جواب صرف قرآن سے مل سکتا ہے؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا۔ (توبہ ۹:۱۱۸)

اور اللہ کی مہربانی ہوئی ان تین شخصوں پر جن کے معاملہ کو ملتوی رکھا گیا تھا۔

یہ کون تین شخص ہیں اور ان کا کیا قصہ تھا۔ اور کیوں ان کا معاملہ ملتوی رکھا گیا؟ کیا روایات کے بغیر یہ باتیں حل ہو سکتی ہیں؟

اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَاَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۔ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۔ (الاحزاب ۳۳: ۲۶، ۲۷)

اور اُتار دیا اُنکو جو اُنکے رفیق ہوئے تھے اہل کتاب میں سے اُن کی گڑھیوں سے اور ڈالا اُنکے دلوں میں رُعب، کتنوں کو تم مارنے لگے اور کتنوں کو قید کیا، اور وارث کیا تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور انکے مالوں کا اور ایک زمین جس پر نہیں ڈالے تم نے قدم۔

یہ مظاہرین کون تھے؟ اور انکی زمین و جائداد کہاں تھی؟ نیز وہ دوسری زمین جہاں مسلمانوں کے قدم نہیں پہنچے تھے مگر اسکے وارث بنائے گئے کون سی تھی، کیا روایات سے قطع نظر کر کے ان باتوں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

یہ صرف چند مثالیں بلا قصدِ استیعاب بیان کی گئی ہیں اس طرح کی ابھی بہت سی مثالیں ذکر کی جا سکتی ہیں، مقصود یہ ہے کہ روایات کا انکار کر دینے کے بعد قرآن کی مذکورہ بالا آیات کا واضح اور متعین مفہوم سمجھنا اور سمجھانا قریباً ناممکن ہے۔

الغرض جو شخص قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانے اور اُس کا سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا ہر زمانہ کے اہل ایمان کے لئے ضروری سمجھے، اُس کو احادیث و سیر کے اُس ذخیرہ کو بھی ماننا پڑے گا جس کو پوری طرح جانچ پرکھ کے ائمہ محدثین و اہلِ سیر نے محفوظ کیا ہے، اور جس کے بہت بڑے حصے کی حیثیت یقیناً قرآن کے ضروری توضیحی ضمیمہ کی ہے۔

حدیث و سنت کے مثبت احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل

یہاں پہنچ کر حدیث و سنت کے مثبتِ احکام ہونے پر ایک اور قرآنی دلیل ذہن میں آگئی اُس کو بھی یہیں عرض کرتا ہوں۔

جو حضرات واقعۃً کسی علمی مغالطہ ہی کی وجہ سے یہ بات کہتے ہیں کہ دینی حجت بس قرآن ہی ہے اور قرآن کے سوا کسی اور ذریعہ سے شریعت کا کوئی حکم اور کوئی دینی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا اور رسول کا کام بس قرآن پہنچانا ہی تھا، وہ اگر ایک طالبِ حق اور جویائے ہدایت کی طرح قرآن مجید ہی کو غور سے دیکھیں تو اس میں اُن کو اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی کہ بطور حکایت اور واقعہ کے یا کسی اور سلسلہ میں کسی دینی عمل کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل زمانۂ نزولِ قرآن میں ایک دینی عمل کی حیثیت سے ہوتا تھا حالانکہ قرآن مجید میں کہیں اُس عمل کا حکم نہیں دیا گیا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم ان کو سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا...... یہاں اس کی صرف دو تین مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

قرآن میں حکم ثابت بالسنۃ کے ذکر کی چند مثالیں

سورۂ توبہ میں رسول اللہ ﷺ کو منافقین کے جنازوں کی نماز پڑھنے سے ان لفظوں میں منع فرمایا گیا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا۔ (توبہ ۹: ۸۴)

اُن میں سے جو کوئی مرے آپ کبھی اُس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نمازِ جنازہ شروع ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ اموات کے جنازوں پر نماز پڑھا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں اس سے پہلے نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں بتلائی جا سکتی جس میں رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو جنازہ کی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ نماز جنازہ کا حکم سنت کے ذریعہ دیا گیا تھا۔

اسی طرح سورۂ جمعہ کی آیت وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا (جمعہ ۶۲: ۱۱) میں ایک حکایت اور شکایت کے ضمن میں جمعہ کے خطبہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور قطع نظر اس سے ہمارا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے جو منکرین ہمارے مخاطب ہیں وہ غالباً اس کا انکار نہ کر سکیں گے کہ خطبۂ جمعہ ایک شرعی حکم اور دینی عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ خود دیا کرتے تھے اور اُمت میں اب تک اُسی طرح متوارث ہے...... لیکن کوئی قرآنی آیت نہیں بتلائی جا سکتی جس میں اس خطبہ کا حکم دیا گیا ہو، پس لازماً یہی ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

علیٰ ہذا اپنے کو مسلمان کہنے والا کوئی آدمی بھی اس سے انکار نہیں کر سکے گا کہ نماز سے پہلے جو اذان دی جاتی ہے یہ ایک دینی عمل ہے اور عہدِ نبوت سے لے کر اب تک متوارث ہے اور قرآن مجید میں بھی واقعہ کی حکایت کے طور پر ایک جگہ اس اذان کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ مائدہ میں عقل کے دشمن کافروں کی اس جہالت اور شرارت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ "اذان کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اسکی نقل کر کے منہ چڑاتے ہیں" وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ (مائدہ ۵: ۵۸) اسی طرح سورۂ جمعہ میں ایک دوسرے حکم کے بیان کے سلسلہ میں جمعہ کی اذان کا ضمنی ذکر آیا ہے (إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ (جمعہ ۶۲: ۹) بہر حال ان آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں ان آیات کے نازل ہونے سے بھی پہلے سے اذان ایک دینی عمل کی حیثیت سے مروج تھی، اور قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں بتائی جا سکتی جس کے ذریعہ اذان کا حکم دیا گیا ہو اس لئے ماننا پڑے گا کہ اذان کا حکم قرآن کے ذریعے نہیں بلکہ سنت کے ذریعہ ملا تھا۔

اس کی مثالیں قرآن مجید سے اور بھی بہت سی پیش کی جا سکتی ہیں لیکن اس مقدمہ کے محدود صفحات میں اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں۔

حدیث و سنت کے حجتِ دینی اور واجب الاتباع ہونے پر یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اگرچہ الحمد للہ ایک طالبِ حق خداترس کے لیے وہ بھی بالکل کافی ہے لیکن آخر میں ایک اصولی بات عرض کر کے سلسلۂ کلام ختم کیا جاتا ہے۔

رسول ﷺ کا صحیح مقام

ہمارے خیال میں حدیث و سنت کے منکرین کی اصل غلطی یہ ہے کہ انہوں نے رسول کی اصل حیثیت اور اُس کے صحیح مقام کو نہیں سمجھا ہے، اگر وہ مقامِ نبوت کو سمجھنے اور نبی و رسول کی معرفت حاصل کرنے کے لئے صرف قرآن ہی میں تدبّر کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک پیغامبر اور پیام رساں ہی کی نہیں ہے، بلکہ آپ مطاع، متبوع، امام، ہادی، قاضی، حاکم، حَکَم وغیرہ وغیرہ بھی ہیں اور قرآن ہی نے آپ کی ان حیثیتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

۱) رسول مطاع ہے اور اس کی اطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔

قرآن مجید میں جا بجا[1] اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ — اللہ کی اطاعت کرو اور اسکے رسول کی اطاعت کرو

اس حکم میں "اطیعوا الرسول" کو "اطیعوا اللّٰہ" سے الگ مستقل جملہ کی شکل میں قرآن مجید میں جس طرح مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے اُس سے ہر وہ شخص جس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو یہی سمجھے گا کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے، یعنی اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کتاب رسول لائے ہیں اُس کو مانا جائے اور اُس کے حکموں پر چلا جائے کیونکہ اگر صرف اتنی ہی بات کہنی ہوتی تو یہ تو "اَطِيْعُوا اللّٰه" میں کہی جاچکی تھی پھر امر اطاعت کے مستقل اعادہ کے ساتھ "اطیعوا الرسول" کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی۔

علاوہ ازیں خود قرآن مجید کی بعض دوسری آیات سے بھی یہ بات اور زیادہ صاف اور واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ نساء کے پانچویں رکوع کے آخر میں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دینے کے بعد ان منافقین کی مذمّت کی گئی ہے جو اپنی غرض پرستی اور منافقت کی وجہ سے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت میں کوتاہی کرتے تھے اسی سلسلۂ بیان میں اُن کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا
(نساء ٤: ٦١)

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف تو اے رسول! تو دیکھے گا اُن منافقوں کو کہ اعراض اور رُوگردانی کرتے ہیں تیری طرف سے۔

اس آیت میں "ما انزل اللّٰہ" یعنی کتاب اللہ کی طرف بلانے کے ساتھ "رسول" کی طرف بلانے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے وہ اس بات کی نہایت روشن دلیل ہے کہ اوپر کی آیتوں میں اطاعتِ رسول کا جو حکم دیا گیا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے اُس پر نازل ہونے والی کتاب کی اطاعت کرو بلکہ رسول کی اطاعت اُس سے الگ اور مستقل چیز ہے۔

---

[1] النساء ع ۸ ، مائدہ ع ۱۲ ، النور ع ۷ ، محمد ع ۴ ، تغابن ع ۲

اور اسی سورہ کے اسی رکوع میں دو ہی آیتوں کے بعد اللہ کی طرف سے آنے والے ہر رسول کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ٤: ٦٤)

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس واسطے کہ اُسکے حکم پر چلا جائے اللہ کے فرمان سے۔

۲) رسول منجانب اللہ ہادی اور امام ہوتے ہیں، ارشاد ہے:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا (انبیاء ۲۱: ۷۳)

اور ہم نے بنایا اُن کو امام و پیشوا، وہ ہدایت و رہنمائی کرتے تھے ہمارے حکم سے

۳) رسول اللہ ﷺ منجانب اللہ حاکم و حَکَم بھی قرار دیئے گئے تھے اور ہر اختلاف و نزاع میں آپ کو حَکَم بنانا اور آپ کا فیصلہ دل و جان سے ماننا تمام اہل ایمان کے لئے فرض بلکہ شرطِ ایمان قرار دیا گیا تھا...... سورۂ نساء کی یہ آیت جو پہلے بھی ایک جگہ درج ہو چکی ہے) پھر پڑھئے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (نساء ٤: ٦٥)

اے پیغمبر! قسم تیرے پروردگار کی یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حَکَم بنائیں تجھے اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تو اپنا فیصلہ دیدے تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے اور تسلیم کرلیں اُس کو پوری طرح مان کر۔

اسی طرح سورۂ احزاب کی آیت:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ۔ (احزاب ۳۳: ۳٦)

اور کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ شان نہیں ہے کہ جب حکم دیدے اللہ اور اُس کا رسول کسی بات کا تو رہے اُن کا کچھ اختیار اپنے معاملہ میں۔

اور سورۂ نور کی آیت:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (نور ۲٤: ٥١)

ایمان والوں کو جب بلایا جائے اللہ کی طرف اور اُسکے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ دیں اُن کے درمیان تو اُن کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کہیں "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" (یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا)

الغرض یہ سب آیتیں اس باب میں نص صریح ہیں کہ مسلمانوں کے جس معاملہ میں رسول جو فیصلہ کریں وہ واجب التسلیم ہے اور کسی مسلمان کو اُس میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے۔

٤) کسی شخص کی کامیابی اور فوز و فلاح کے لئے جس طرح اللہ کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے اور جس طرح اللہ کی نافرمانی گمراہی اور بد بختی ہے اسی طرح رسول کی نافرمانی

بھی موجبِ ضلالت و شقاوت ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۔ (احزاب ۳۳: ۷۱)
جس نے اطاعت کی اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اُس نے بڑی مراد پائی

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔ (احزاب ۳۳: ۳۶)
اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی وہ بڑی کھلی گمراہی میں جاپڑا

نیز قرآن ہی میں بتایا گیا ہے کہ کفار دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد جس طرح خدا کی نافرمانی کرنے پر کفِ افسوس ملیں گے اور اپنا ماتم کریں گے اسی طرح رسول کی نافرمانی پر بھی افسوس کریں گے۔

وَيَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا۔ (احزاب ۳۳: ۶۶)
جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے اُن کے منہ آگ میں کہیں گے کاش! ہم نے کہامانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۔ (النساء ٤: ٤٢)
اُس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور رسول کی نافرمانی کی کہ برابر کر دیئے جائیں زمین کے (یعنی خاک ہو کر زمین کا جزو بن جائیں اور عذاب سے بچ جائیں)

نیز مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ رسول کی نافرمانی کی کوئی بات بھی آپس میں نہ کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ
(مجادلہ ۵۸: ۸)
اے ایمان والو! جب تم چپکے چپکے آپس میں باتیں کرو تو گناہ اور ظلم و زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی کوئی بات نہ کرو۔

۵) رسول اللہ ﷺ جو دیں اُس کو قبول کرنا اور جس چیز سے روکیں اُس سے رُک جانا واجب ہے

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔ (حشر ۵۹: ۷)
جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اُس سے رک جاؤ۔

اگر اس آیت کا تعلق صرف اموال سے بھی مانا جائے تب بھی ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں کیونکہ اس صورت میں بھی اتنی بات تو آیت سے ثابت ہی ہو گی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صوابدید سے جو تقسیم کریں وہ اہلِ ایمان کے لئے واجبُ التسلیم ہے اور کسی کو اُس میں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے

۶) ایک مؤمن کا اپنی جان پر جتنا حق ہے اُس سے زیادہ اُس کی جان پر نبی کا حق ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ۔ (احزاب ۳۳: ۶)
نبی زیادہ حقدار ہے مؤمنوں کا ان کی جانوں سے

حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ نے اس آیت پر جو دو سطریں لکھی ہیں اُن کے نقل کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے:

"نبی نائب ہے اللہ کا، اپنی جان مال میں اپنا تصرّف نہیں چلتا جتنا نبی کا، اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنی روا نہیں، اور نبی حکم کرے تو فرض ہے۔"

۷) اللہ کے ساتھ اُس کے رسول کو بھی راضی کرنا ضروری اور شرطِ ایمان ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ (توبہ ۹: ۶۲)

اور اللہ کو اور اُس کے رسول کو راضی کرنا ان کیلئے بہت زیادہ ضروری ہے اگر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

۸) اللہ کی طرف اُس کے رسول کو بھی دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب رکھنا ضروری ہے جو ایسا نہ کریں وہ فاسقین اور اللہ کی ہدایت سے محروم رہنے والے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (توبہ ۹: ۲٤)

اے پیغمبر! کہو (مسلمانوں کو) اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہاری برادری اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری تجارت جس کے بند ہو جانے سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے رہنے کے مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو (اگر یہ ساری چیزیں) تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اُس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جد و جہد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ کرے اللہ اپنا فیصلہ اور (یاد رکھو کہ) اللہ ہدایت نہیں دیتا فاسق لوگوں کو۔

۹) اللہ کے رسول جب کسی کام کے لئے دعوت دیں اور پکاریں تو اس پر لبیک کہنا ہر مؤمن پر فرض ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ۔ (انفال ۸: ۲٤)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اُسکے رسول کا جب بلاوے تم کو اُس کام کیطرف جس میں تمہاری حیات ہو۔

۱۰) رسول اللہ ﷺ جب کسی کام کے لئے لوگوں کو بلائیں تو بلا اجازت اُٹھ کر چلا جانا کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں اور جو ایسا کریں گے اُن کے لئے "عذابِ الیم" کا اندیشہ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ۔ (النور ۲٤: ٦۲)

ایمان والے وہی ہیں جنہوں نے مانا ہے اللہ کو اور اُسکے رسول کو اور جنکا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی اجتماعی کام میں اُسکے رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو کہیں نہیں جاتے تاوقتیکہ اُس سے اجازت نہ لے لیں۔

آگے اسی سلسلہ میں اُن لوگوں کے بارے میں جو بلا اجازت چُپکے سے سرک جاتے تھے فرمایا گیا ہے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (النور ۲۴:۶۳)
پس ڈرنا چاہئے اُن لوگوں کو جو خلاف چلتے ہیں اُسکے حکم سے اس بات سے کہ مبتلا ہوں وہ کسی سخت فتنہ میں یا پہنچے اُن کو دردناک عذاب۔

رسول کے مقام و منصب کا بیان ایک مستقل موضوع ہے اور اگر اس پر شرح وبسط سے لکھا جائے تو جتنا کچھ لکھا جاچکا ہے اس سے بہت زیادہ لکھا جاسکتا ہے اور بلا مبالغہ سیکڑوں آیتیں اس سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں اس وقت ان ہی اشارات پر اکتفا کر کے میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب قرآن مجید سے آپ کا مطاع، متبوع، امام و ہادی، آمر و ناہی، حاکم و حَکَم وغیرہ وغیرہ ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دین کے سلسلہ میں آپ کا ہر امر و نہی، ہر حکم و فیصلہ اور ہر قول و عمل واجب التسلیم اور لازمُ القبول ہے۔

آنحضرت ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے امت نے آپکی اور آپکے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی یہی حیثیت سمجھی اور آپکے ارشادات کو بلاواسطہ سننے والے اور آپکے اعمال و افعال کو بچشم خود دیکھنے والے صحابۂ کرامؓ نے علم و ہدایت کے اس پورے خزانہ کی غیر معمولی اہتمام اور شغف کیساتھ حفاظت کی اور پوری امانت کیساتھ بعد والوں کو پہنچایا، پھر بعد کے قرنوں میں اللہ تعالیٰ نے آپکی امت کے بہترین افراد کو احادیث و سُنن کے اس بے پایاں دفتر کی تدوین و ترتیب، تحقیق و تنقید، تعلیم و تعلم، ترجمہ و تشریح، حفظ و اشاعت اور اُس سے متعلق بہت سے مستقل علوم و فنون ❶ کی ایجاد اور پھر ہر فن میں بہتر سے بہتر تالیف و تصنیف وغیرہ سیکڑوں قسم کی خدمات کی ایسی توفیق دی جو کبھی کسی قوم اور کسی امت کو نہیں ملی...... اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاء ﷺ کو اس دنیا سے گئے ساڑھے تیرہ سو سال سے زیادہ کی مدت گزر چکی ہے لیکن آپکے ارشادات اور اسوۂ حسنہ کی روشنی ہر راہرو کیلئے آج بھی ایسی ہی موجود ہے جیسی کہ قرنِ اول میں تھی۔

اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم کر دیئے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاتم النبیین ﷺ کی ہدایات و تعلیمات اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت کا یہ انتظام ہونا ضروری بھی تھا جبکہ آپ کے بعد کوئی نیا پیغمبر اب قیامت تک آنے والا نہیں ہے اور آپ ہی اس دینا کی آخری نسل تک کے لئے جب نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کی تعلیمات و ہدایات اور آپ کا اسوۂ حسنہ اس دنیا کے آخری دن تک محفوظ رہے تاکہ ہر زمانہ کے طالبانِ ہدایت اُس سے وہ روشنی اور وہ نور حاصل کر سکیں جو آپ کے زمانہ میں آپ پر ایمان لانے والے خوش نصیب آپ کی مقدس اور منور ہستی سے حاصل کیا کرتے تھے...... آج کوئی دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ پچھلی ساڑھے تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل یہ انتظام رہا ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ آئندہ بھی یہ خداوندی انتظام یوں ہی رہے گا اور اُس مقصد کے لئے جب جس خدمت کی ضرورت ہو گی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بندوں کو اس کی توفیق ملتی رہے گی۔

"معارف الحدیث" کی تالیف جس کی توفیق عزیز گرامی مولانا محمد منظور نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ کو

---

❶ حدیث و سنت سے متعلق ساٹھ سے اوپر مستقل علوم و فنون ہیں جن میں سے بعض بعض پر بلا مبالغہ ہزاروں تصانیف ہیں اگر صرف علوم حدیث سے متعلق تصانیف کی کوئی مکمل فہرست تیار کی جائے تو کئی ہزار صفحات پر آئے گی۔ ۱۲

ملی ہے اسی سلسلہ کی ایک تازہ خدمت اور محنت ہے۔

مقدمہ کو ختم کرتے ہوئے کتاب پر کسی رسمی تبصرہ کے بجائے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور جو حصے ابھی باقی ہیں انکی تکمیل کی مؤلف کو جلد توفیق عطا فرمائے۔

حبیب الرحمٰن الاعظمی

۱۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۳ھ

لکھنؤ

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَ لَكَ

"معارف الحدیث" کی پہلی جلد (کتاب الایمان) ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری جلد اب ۱۳۷۶ھ کے اواخر میں شائع ہو رہی ہے۔ پہلی جلد میں ایمان اور آخرت سے متعلق ایک سو چالیس حدیثوں کی شرح ہو چکی ہے۔ اس دوسری جلد میں جو "کتاب الرقاق" اور کتاب الاخلاق پر مشتمل ہے۔ دو سو ساٹھ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔

ناچیز مؤلف کا خیال ہے کہ اُن حدیثوں کے بعد جن کا تعلق ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرۃ سے ہے دینی و روحانی تربیت اور تعمیر سیرت میں سب سے زیادہ مؤثر وہ حدیثیں ہوتی ہیں جن کو حضرات محدثین اپنی کتابوں سے ابواب رقاق اور ابواب اخلاق میں درج کرتے ہیں، اسی بناء پر اس ناچیز نے اس دوسری جلد میں انہی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

اس جلد میں سو حدیثیں سلسلۂ رقاق کی ہیں اور باقی ایک سو ساٹھ سلسلۂ اخلاق کی۔ رقاق سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کے پڑھنے اور سننے سے دل میں رقت و خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور دنیا کی وقعت نظر میں کم ہوتی آخرت کی فکر بڑھتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دینوی زندگی میں ایک مؤمن کا مطمح نظر اور نصب العین کیا ہونا چاہئے اور کس طرح یہاں اس کو زندگی بسر کرنی چاہئے، کن چیزوں سے دل لگانا چاہئے اور کن چیزوں کی طرف سے دل اور نگاہ کو ہٹانا چاہئے۔

انسانی وجود میں سب سے اہم اور اصل کار فرما وہ عنصر یا وہ قوت ہے جس کو قلب یا دل کہا جاتا ہے اسکا رُخ اگر صحیح ہو تو انسان کی پوری زندگی صحیح رُخ پر چلتی ہے اور اس کا رُخ غلط ہو جائے تو پوری زندگی غلط ہو جاتی ہے۔ رقاق کی حدیثوں کا خاص موضوع اور خاص کام یہی ہے کہ وہ دل کے رُخ کو صحیح کرتی ہیں اور دل کا رُخ صحیح ہو جانے کے بعد ہی وہ اعلیٰ اخلاق پیدا ہو سکتے ہیں جن سے آراستہ ہو کر انسان خلیفۃ اللہ بنتا ہے۔ اور جن کا انسانی معاشرہ میں مکمل طور سے پیدا کرنا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا اہم مقصد بتلایا ہے۔ (اِنَّمَا بُعِثْتُ[1] لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ) بہر حال ناچیز نے اپنے اسی خیال کی بناء پر اس دوسری جلد میں "رقاق" اور "اخلاق" کی حدیثوں کو مرتب کر کے پیش کیا ہے۔

---

[1] میں اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ مکارم اخلاق کی تکمیل ہو۔ کنز العمال ۵ ج ۲

پہلی جلد کی طرح اس دوسری جلد کی حدیثیں بھی عموماً مشکوٰۃ المصابیح ہی سے لی گئی ہیں، چند حدیثیں جمع الفوائد سے بھی لی گئی ہیں اور ان کی تخریج میں انہی دونوں کتابوں کے مؤلفین پر اعتماد کیا گیا ہے، صرف دو چار حدیثیں ایسی بھی ہیں جو صحاح کی اُن ہی کتابوں سے لی ہیں جن سے ان کی تخریج کی گئی ہے۔

جو حدیثیں بخاری ومسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں لیکن صاحب مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف ان ہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا اِن دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا اس کے صحیح اور مقبول ہونے کی ضمانت کیلئے کافی ہے۔

احادیث کی ترتیب، ترجمہ وتشریح اور عنوانات میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر پہلی جلد کے دیباچہ میں کیا جاچکا ہے، اسلئے اب یہاں انکے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس دوسری جلد پر مقدمہ رفیقِ محترم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے جس میں انہوں نے حدیث وسنت کی اہمیت پر ایک بالکل نئے انداز میں گفتگو کی ہے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ایک نئی راہ کھولی ہے، امید ہے کہ جو لوگ ایمان اور عقلِ سلیم کی دولت سے بالکل محروم نہ کردیئے گئے ہوں گے، اُن کو مقدمہ کے ان چند صفحات ہی کے مطالعہ سے یہ یقین انشاءاللہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ حدیث وسنت کی محفوظیت کا انکار اور اسکے بارے میں بے اعتمادی پھیلانے کی کوشش اسلام کے ساتھ بدترین دشمنی ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گذارش یا وصیت

پہلی جلد کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد وہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے نیز درس ومطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومحبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضورِ اقدس ﷺ کی مجلسِ مبارک میں حاضر ہیں اور آپ فرمارہے ہیں اور ہم سُن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب وروح کو اُن انوار وبرکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاءاللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

آخری کلمہ، اللہ کی حمد ہے، اور اس خدمت کے اتمام کے لئے اُس سے حُسنِ توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اسکے بندوں کی دعاؤں کا محتاج وطلبگار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

مقدمہ

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۱) تلاوت (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس۔

هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (الجمعه ۶۲:۲)

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا، جوان پر اسکی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَكِّیْكُمْ وَیُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۱:۱۵۱)

جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

در حقیقت بعثتِ محمدی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، نیا علم عطا کیا، اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات، نیا یقین وایمان، نیا ذوق و شوق، نئی بلند نظری، نیا جذبۂ ایثار، نیا شوق آخرت، نیا جذبۂ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت، حسن سلوک و ہمدردی، بر و مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ وانابت، دعاو تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے، صحابۂ کرامؓ ان مقاصد و نتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابۂ کرامؓ کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت ﷺ کی بعثت و رسالت و تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا، لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع و وسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیّر العقل انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱) رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، آپ کی زندگی، سیرت واخلاق۔ ۲) قرآن مجید
۳) آپ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد ونتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد، اعمال، اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی، زندگی کے لئے زندگی شرط ہے، یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے، صحابہ کرامؓ اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، مؤثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی، اس سیرت واخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے، اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے تھے، اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی، بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات، اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی، حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے "اقامت صلوۃ" کا حکم پایا تھا اور "اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ" کی تعریف بھی سنی تھی، مگر انہوں نے اسکی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت دیکھی، جس کو انہوں نے "نَسْمَعُ لَهٗ اَزِيْزًا كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ" (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے" کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے، انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مؤمن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ" (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ "اَرِحْنِيْ يَا بِلَالُ" (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا انکو نماز کیساتھ اس عشق وشغف کا اندازہ نہیں ہوا، اسی طرح جب تک انہوں نے خاصانِ امت کے سلسلہ میں "وَقَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ" ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا" کے الفاظ نہیں سنے، انکو مسجد اور قلبِ مؤمن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا، انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی، دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع وابتہال (گریہ وزاری اور الحاح واصرار) کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے، لیکن اسکی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ "اَللّٰهُمَّ اَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ"[1] (اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر

[1] بخاری جلد ثانی کتاب المغازی

جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابو بکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا "حَسْبُكَ" (یارسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہوا اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے، لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا۔

اللّٰهم انك تسمع كلامي وترى مكاني و تعلم سرى وعلانيتى لا يخفى عليك شيء من امرى و انا البائس الفقير المستغيث المستجير الوجل المشفق المقر المعترف بذنبى، أسألك مسألة المسكين و ابتهل اليك ابتهال المذنب الذليل وادعوك دعاء الخائف الضرير ودعاء من خضعت لك رقبة وفاضت لك عبرته و ذل لك جسمه ورغم لك انفه اللّٰهم لا تجعلنى بدعائك شقيّا وكن لى رؤفا رحيما. ياخير المسئولين و يا خير المعطين۔ ❶

اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں، اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے آگے سوال کرتا ہوں، جیسے بیکس سوال کرتے ہیں، تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار و ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے) اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوفزدہ، آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو، اور اسکے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو، اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہو جا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا۔ اور "مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَّاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ" (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشہ ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اسکی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور " اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ" پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ ❷ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشاداتِ نبوی میں جہنم کے شدائد و مصائب اور جنت کے انعامات و لذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو انکے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر

❶ کنز العمال عن ابن عباس۔

❷ ملاحظہ ہو معارف الحدیث حصہ دوم حصہ کتاب الرقاق زیر عنوان "رسول ﷺ کی فقر پسندی"

وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق و تعلیمات کے مفہوم سے آشنا تھے، صاحبِ زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے، لیکن ان الفاظ کی وسعت، عملی زندگی میں انکی تطبیق، نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء واصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات و صیتیں اور ارشادات سنے، انکو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اسکی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلوم ہوتی، اسی طرح والدین واہلِ حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد ومد کے ساتھ ہے، مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک وادائے حقوق کے اس رفیع وبدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی "اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ بِرُّ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُوَلِّيَ" (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد انکے دوستوں اور اہلِ محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے۔ جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔ "وَ رُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يَقْطَعُهَا　　اَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ" (اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے، پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)۔

حدیث کے شعبۂ معاشرت واخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب وادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے، مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت، ماحول اور فضا نہیں پیدا کر سکتا جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت، اسکی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و مؤثر بنائیں، اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور و تعقل، خشوع و خضوع، سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی واخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے

جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ و انقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم و تربیت اور نظم وحدت کا مؤثر ترین ذریعہ بن گئی ہے، مثلاً وضو کی نیت و فضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اسکے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعاء، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر، تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان واقامت کا ثواب امامت کی فضیلت و منصب اور اسکے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب، مساجد میں تعلیم و تعلم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم و عمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیۂ واصلاح، تعلیم و تربیت اور انابت و توجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے، پھر اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت و محویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے، اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اسکے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے، صوم و زکوۃ وحج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب و فضائل، معمولات نبوی اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب و فضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور انکو اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو انکی تاثیر کہاں تک باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق و شوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب و دماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت و تقویٰ و انابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور ارشادات و ہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث و سنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز و بار آور ہوتا ہے، دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں، وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، ان جذبات و واقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو، یہودی اور عیسائی، نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفرین کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسّر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشو و نماو ترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے، انہوں نے بالآخر اسکی ضرورت تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب "پیران طریقت" کے واقعات و ملفوظات سے پُر کیا، مگر اس "خانہ پری" نے رفتہ رفتہ مذاہب واقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی و تہی دامنی

اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے [1]۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا، جس ذہنی و روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابۂ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا، بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کیلئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعۃً اس ماحول میں پہنچ جائے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ ﷺ مصروف تکلم اور صحابۂ کرام گوش بر آواز ہیں، جہاں اس کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال و اخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ آپ کے سجود کی کیفیت آنکھوں سے اور آپکی دعاء مناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جاسکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں) کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ اَفَلَآ اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا (کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں جنکی آنکھوں نے کاشانۂ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا جنہوں نے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے، جس نے سونے سے بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت، اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانۂ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابۂ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت، انکے دنوں کی تپش انکی شبوں کا گداز، انکی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت، انکی بے نفسی وللہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے، ان کا انقیاد کامل اور انکی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں، یہاں ابوطلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے، غرض یہ ایک ایسا طبعی و قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات و حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کیساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا۔ اسلام کا اعجاز اور اس کا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اسکی شریک و سہیم نہیں، ایک ایسا مذہب جس کو

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "خطبات مدراس" خطبہ تاریخیت۔

قیامت تک باقی رہنااور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا، یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے، تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک اتفاقی امر اور دورِ متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے، صحابۂ کرامؓ کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کی طرف متوجہ ہونااور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کرلینا، پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین وترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران خراسان وترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع وحفظ حدیث سے عشق وشغف انکا غیر معمولی حافظہ انکا عزم وعالی ہمیت، پھر اسماء رجال وفن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکۂ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر انکا انہماک وخود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اسکی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت[1] یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس "صحیفۂ زندگی" کو محفوظ کرنا مقصود تھا، اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد وتسلسل باقی رہااور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی وایمانی میراث ملتی رہی جو صحابۂ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی، اس طرح صرف عقائد واحکام ہی میں "توارث" کا سلسلہ جاری رہا، حدیث کے اثر سے عہد صحابہؓ کا مزاج ومذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقے سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہااور امت کے طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ "مزاج ومذاق" یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو، ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابۂ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جاسکتے ہیں، وہی عبادت کا ذوق، وہی تقویٰ و خشیت، وہی استقامت و عزیمت، وہی تواضع احتساب نفس، وہی شوقِ آخرت، وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت، جو حدیث کے مطالعہ وشغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی ہو، اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا ہو، امت کا یہ ذہنی ومزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط ومادیت تک برابر قائم ہے اور سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پر تو صاف نظر آتا ہے اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اسکے ذریعہ سے عہد صحابہؓ کا ماحول محفوظ ہے، دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسوم ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سر تاپا مادیت انکارِ آخرت اور بدعات و تحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دے گا، بلکہ اسکے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کیلئے کفن بردوش رہے گی، جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی فاضلانہ تصنیف "تدوین حدیث" شائع کردہ مجلس علمی کراچی ۱۲۔

سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کررہے ہیں، وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے "محروم الارث" منقطع الاصل اور آوارہ کردینا چاہتے ہیں، جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کردیا، اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کررہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ پھر اس "مزاج ومذاق" کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابۂ کرام کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہوسکتا ہے، یا بالواسطہ حدیث، کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہیں۔

ہندوستان میں ہر دور میں قرآن مجید کے ترجمہ کے ساتھ حدیث کے ترجمہ اور اسکی ترتیب واشاعت کا کام جاری رہا، جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مشکوٰۃ کا فارسی میں ترجمہ وتشریح کی جو اشعۃ اللمعات کے نام سے چھپا ہوا ہے، فارسی کا دور ختم ہو جانے کے بعد غالباً سب سے پہلے مولانا خرم علی صاحب بلہوری (۱۲۷۱ھ) نے امام صغانی کی مشہور کتاب مشارق الانوار کا ترجمہ مع تشریح اردو میں تحفۃ الاخیار کے نام سے کیا اس کے مابعد خاندان ولی اللہی کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خاںؒ (م ۱۲۸۹ھ) نے مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ ضروری تشریح کے ساتھ مظاہر حق کے نام سے لکھا جو اپنی تحقیق، ترجمہ کی پختگی اور صحت اور اپنے مصنف کے اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اس دَور کے ختم ہو جانے کے بعد اردو میں حدیث کے متعدد نئے مجموعے شائع ہوئے جن میں مولانا محمد ابراہیم صاحب آرویؒ کا مجموعہ "طریق النجاہ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

ہمارے اس زمانے میں اردو میں حدیث کی خدمت کا ایک کام اعلیٰ معیار اور وسیع پیمانہ پر مولانا بدر عالم صاحب کررہے ہیں، انکی زیر تالیف "کتاب السنۃ" کی تین جلدیں تیار ہو کر شائع ہو چکی ہیں۔ ہماری نظر میں یہ اس سلسلہ کی ایسی فاضلانہ کتاب ہے کہ علماء اور اصحاب درس بھی اُس سے استفادہ کر سکیں، لیکن اردو میں حدیث کی قدیم وجدید ان سب خدمتوں کے بعد بھی ضرورت تھی کہ اس عہد انقلاب اور اسکی ضرورتوں اور ذہنی خصوصیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسط درجہ کے لوگوں کے لئے (جن کے پاس وقت بھی کم ہے اور بڑی علمی استعداد بھی نہیں رکھتے) حدیث کا ایک متوسط درجہ کا مجموعہ مرتب کیا جائے اور حدیث کے انتخاب وترتیب اور تشریح میں اس مقصد کو خاص طور پر ملحوظ رکھا جائے کہ ذہن کو اذعان اور قلب کو اطمینان حاصل ہو اور زندگی کے بگاڑ کی اصلاح ہو۔

نیز اس کی بھی ضرورت تھی کہ احادیث کے سلسلہ میں اس دور میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اور بعض مرتبہ بعض سلیم طبیعتیں مزید تشفی کی طالب ہوتی ہیں ان کو بھی حل کیا جائے، یہ کام وہی کرسکتا تھا جو ایک طرف رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی دولت سے بہرہ یاب ہو، دینی حقائق پر غیر متزلزل ایمان رکھتا ہو

اور اسکو ہر دینی حقیقت پر علمی وذہنی طور پر بھی شرح صدر ہو اس سب کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اختلاط و اجتماع اور مطالعہ کے ذریعہ اس عصر کی افتاد طبیعت اور دماغی ساخت سے بھی واقف ہو، نئے فتنوں اور تحریکات سے بھی بے خبر نہ ہو، اور اپنے حاضر علم، وسیع مطالعہ، وسیع تجربہ اور خداداد فہم و قوت استدلال سے احادیث کی ترجمانی اور نئے ذہن کی تشفی کی صلاحیت رکھتا ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق تھی کہ اس نے اس اہم اور نازک کام کے لئے رفیقِ محترم مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کو منتخب فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سے دینی و علمی کام کی توفیق عطا فرمائی ہے، لیکن میری نظر میں ان کے تمام کاموں میں اس کام کی اہمیت سب سے زیادہ ہے اور مجھے بھی اس کی سعادت حاصل ہوئی ہے کہ میں مولانا سے اس کام کی تکمیل کا تقاضا کروں، اس وقت انکی کتاب معارف الحدیث کی دوسری جلد قارئین کے سامنے ہے جس میں زہد ورقاق اور اخلاق سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو مرتب کر کے اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا ہے جن سے بڑھ کر اصلاح قلوب، تزکیۂ نفس اور تربیت اخلاق کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کے بعد دنیا کے ادب میں موجود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی صحت و زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ وہ اس اہم سلسلہ کو جلد از جلد مکمل کر لیں۔

ابوالحسن علی ندوی
(۲۷ ذی الحجہ ۷۶ھ)
مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ۔ لکھنؤ

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اسلام بلکہ کسی بھی مذہب میں...... جس کو مذہب کہا جاسکتا ہو...... نبی اور رسول کے بغیر ہدایت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ نبی اور رسول پر ہی ہدایت کا نزول ہوتا ہے، وہی بندوں کو اللہ کی ہدایت پہنچاتا ہے وہی اسکے اصولوں کی تشریح کرتا اور احکام کی عملی شکلیں بتاتا ہے پھر اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے ضروری سوالات کا وہی جواب دیتا ہے۔ اسلئے ہدایت کے نظام میں رسول ہی کی حیثیت مرکزی اور بنیادی ہے اور وہی انسانوں کیلئے ہدایت کا ماخذ ہے، اور اسی لئے اسپر ایمان لانا اور اسکو اللہ کا مقرر کیا ہوا راہنما ماننا نجات اور سعادت کی بنیادی شرط ہے...... ہمارے اس دور کیلئے بلکہ چھٹی صدی عیسوی سے اس دنیا کے آخری دن یعنی قیامت تک کے لئے اور پورے عالم انسانی کیلئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اب اللہ کی رضا اور اسکا قرب حاصل کرنے کے لئے راہ صرف وہی ہے جس کی طرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے رہنمائی فرمائی...... قرآن مجید میں خود آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران، ۳:۳۱، ۳۲)

(اے پیغمبر ﷺ)! تم صاف صاف بتادو کہ اے لوگو اگر تم خدا کو چاہتے ہو اور اسکی رضا اور رحمت اور اسکے پیار کے طلبگار ہو تو اسکا راستہ صرف یہ ہے کہ تم میری پیروی کرو اور میری بتائی ہوئی راہ پر چلو صرف اسی طرح تم اسکی بخشش اور اسکے پیار سے حصہ پاسکو گے۔ اے رسول (ﷺ)! تم کہہ دو کہ اے لوگو اللہ اور اسکے رسول کی یعنی میری فرمانبرداری کرو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ کی محبت اور اس کا پیار کبھی حاصل نہیں ہوگا نہ ماننے والوں کو۔

جب آپ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی قیامت تک پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لئے نجات ہے اور رضائے الٰہی کی شرط قرار دی گئی تو ضروری تھا کہ یا تو آپ ﷺ کو اس دنیا کے خاتمہ تک زندہ رکھا جاتا تاکہ ہدایت اور راہنمائی کے لئے بہ نفس نفیس آپ ﷺ کی طرف رجوع کیا جاسکتا یا آپ کی پوری تعلیم و ہدایت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کو اس طرح محفوظ کر دیا جاتا کہ بعد میں آنے والے بھی پورے علمی اعتماد اور قلبی اطمینان کے ساتھ اسی طرح آپ ﷺ سے تعلیم ہدایت لے سکتے جس طرح سے اور جس اعتماد و اطمینان کے ساتھ آپ کے زمانہ کے لوگ لیتے تھے۔

قیامت تک آپ کو باقی رکھنا حکمت الٰہی کے خلاف تھا اسلئے دوسرا بندوبست فرمایا گیا۔ آپ کی لائی ہوئی ہدایت کا ایک حصہ جو اساسی قانون اور بنیادی دستور کی حیثیت رکھتا ہے جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں یعنی قرآن مجید، اسکو تو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کرادیا۔ تاریخ سے واقفیت رکھنے والے غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ اسکا لفظ لفظ محفوظ ہے...... اسکے علاوہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق آپ کی تفصیلی ہدایات، آپ کے راہنما ارشادات و خطبات، آپ کے اعمال وافعال اور اخلاق وعادات گویا آپکی پوری زندگی جو دراصل قرآن مجید کی تشریح و تفسیر اور اسکی ہدایت و تعلیم کی عملی تصویر ہے، اسکو بھی اللہ تعالیٰ نے آپکی امت سے حدیث کی تدوین و حفاظت کا معجزانہ کام لیکر ایسا محفوظ کرادیا کہ قریباً چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود آپ کی پوری پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ اسطرح موجود اور محفوظ ہے کہ گویا اپنی خصوصیات کے ساتھ آپ خود اس دنیا میں رونق افروز ہیں...... اگر کسی باتوفیق بندے کی حدیث کے ذخیرے پر نظر ہو اور اسکو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایمانی رابطہ بھی نصیب ہو تو وہ محسوس کرے گا کہ گویا حدیث کے آئینے میں اسکی نظر کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کی عکسی تصویر ہے، وہ آپ کو اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہنستے بولتے نماز پڑھتے لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے اللہ کے حضور دعا کرتے، اسمیں زار زار روتے اور اسمیں آنسو بہاتے، احرام باندھتے حج کرتے، حج میں طواف اور سعی کرتے، قربانی کرتے اور حلق کراتے، مسجد کے صحن میں نزاعات کا تصفیہ کرتے، مجرموں کیلئے سزاؤں کے احکام جاری فرماتے اور میدان جنگ میں مجاہدین کی صفوں کی قیادت کرتے دیکھا ہوگا، اپنے دل کے کانوں سے آپکے ارشادات سنے گا۔ جلوت اور عام مجالس کے علاوہ خلوت کی آپکی ایسی بہت سی باتیں بھی اسکے علم میں آئیں گی جو اپنے قریب ترین عزیزوں دوستوں حتی کہ اپنے ماں باپ کو بھی وہ نہ جانتا ہوگا۔

ابھی چند دن پہلے کی بات ہے کہ اپنے ملک کے ایک مشہور و معروف غیرمسلم فاضل سے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی زندگی کے محفوظ ہونے ہی کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انکی بعض غلط فہمیوں اور عقلی الجھنوں کو دور کرنیکے لئے مجھے کہنا پڑا: "میرے والد ماجد کا انتقال جس وقت ہوا اسوقت میری عمر قریباً پینتالیس سال کی تھی گویا میں فہم و شعور کے ساتھ قریباً چالیس سال اپنے والد ماجد کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ حدیث کے ذریعے جتنا کچھ میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جانتا ہوں اتنا اپنے والد ماجد کے بارے میں نہیں جانتا"۔ الحمد للہ مجھے اطمینان ہے کہ یہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔

صحابہ کرامؓ جن کو دولت ایمان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق کی نسبت بھی تھی جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے تھے اور جو کچھ آپ ﷺ کو کرتے دیکھتے تھے اسکو یاد رکھتے تھے اور ذوق و شوق کے ساتھ اسکے تذکرے کرتے تھے۔ یہ ایمان اور عشق و محبت کا قدرتی تقاضا بھی تھا اور وہ اسکو اپنی اہم ذمہ داری، بڑی سعادت اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا وسیلہ بھی سمجھتے تھے...... بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ آپ ﷺ کے ارشادات خود آپکی اجازت سے قلمبند کرتے تھے۔ ❶

❶ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کا یہ بیان موجود ہے کہ عبداللہ بن عمرو حدیثیں لکھا کرتے تھے اور مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں خود عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے میں نے اس بات........ (جاری ہے)

پھر جن لوگوں کو رسول للہ ﷺ کا زمانہ نصیب نہیں ہوا اور انھوں نے آپ ﷺ کے فیض یافتہ صحابہ کرام کو پایا انہوں نے معلومات و محفوظات کا وہ سارا ذخیرہ انسے حاصل کیا۔ اس دور میں (یعنی دور تابعین میں) خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خاص توجہ اور تحریک سے کتابی شکل میں صحابہ کرامؓ کی روایت سے احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہوا۔ ❶

چنانچہ ابن شہاب زہری اور ہمام بن منبہ جیسے علماء تابعین نے اس کام کا آغاز کیا پھر اسکے تلامذہ میں اسکا عام رواج ہو گیا۔

اس دور کی مرتب کی ہوئی کتابوں میں سے امام مالکؒ کی مؤطا آج تک متداول ہے، اسکے علاوہ جو بہت سے مجموعے اس دور میں مرتب ہوئے تھے وہ مستقل صورت میں اگرچہ آج سامنے نہیں ہیں لیکن بعد سے تیار شدہ مجموعوں میں وہ پورا علمی سرمایہ محفوظ ہو گیا۔

اس دور کے بعد امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد اور حافظ الحدیث حمیدی جیسے سیکڑوں حضرات نے اپنے اپنے انداز پر اس کام کو آگے بڑھایا۔

ان کے بعد امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، اور اصحاب سنن کا زمانہ آیا، انھوں نے اس سلسلے میں وہ کام کیا جو انکی مرتب کی ہوئی کتب صحاح کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہے۔

انکے بعد انہی کے طرز پر حدیث کے سیکڑوں مجموعے تیار ہوئے اور حدیث کی روایت اور تدوین و حفاظت کا یہ کام کئی صدی مسلسل اسی طرح ہوتا رہا۔ ساتھ ساتھ راویوں کی تنقید اور جرح تعدیل کا کام بھی خاص اہتمام سے ہوتا رہا۔ اور اسکے نتیجے میں چالیس ہزار سے زیادہ راویان حدیث کے حوالے سے متعلق اسماء الرجال کے عنوان سے ایک مستقل فن ایک پورا کتب خانہ تیار ہو گیا۔

اس کے ساتھ احادیث سے اصول و احکام کے استخراج و استنباط کا کام بھی برابر ہوتا رہا، جس کا ابتدائی نمونہ امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، اور امام بخاری کے تراجم ابواب تو اس کی بہترین مثال ہیں۔

بعد کی صدیوں میں ہر دور کے علماء امت نے احادیث کے ان مجموعوں یا ان ہی سے مرتب ہونے والی دوسری مؤلفات کو اپنی خدمت اور توجہ کا مرکز بنایا اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت اور اہل زمانہ کے مذاق کے مطابق انکی شرحیں لکھی گئیں، اور یہ سلسلہ ابتک جاری ہے۔

ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم نظریات کی ترقی اور

(گذشتہ سے پیوستہ)
کی اجازت چاہی تھی اور آپ ﷺ نے مجھے اس بات کی اجازت دی تھی۔
(حاشیہ صفحہ ہذا)

❶ عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینے طیبہ کے اپنے امیر اور قاضی ابو بکر بن حزم کو لکھا تھا: انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء (صحیح بخاری)

اشاعت نے پوری انسانی دنیا کی طرز فکر اور علمی مزاج کو زیادہ متأثر کیا ہے، اسلئے تعلیمات محمدیﷺ کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی و فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہﷺ کی تعلیمات وہدایت کو پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اب سے دو سو سال پہلے ٹھیک اس وقت جبکہ ان مغربی علوم وافکار کی ترقی کا آغاز ہو رہا تھا اس کام کی بنیاد حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں سے رکھوادی تھی۔ انکی بے نظیر کتاب "حجة الله البالغة" میں اس کام کے کرنے والوں اور اس راہ پر چلنے والوں کیلئے پوری روشنی موجود ہے۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ حدیث و سنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانہ کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔

اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھکر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا جس کی یہ تیسری جلد اب شائع ہو رہی ہے اس لئے اسمیں دوسری شروح حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ "حجة الله البالغة" ہی سے کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے حدیث کے مقاصد و مطالب کی وضاحت اور اسکی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اسکی ایک خصوصیت یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری اور بڑی اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اسکی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی واجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان ائمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللہی طریقہ رواج نہیں پاسکا، حالانکہ ہمارے اس دور کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔

معارف الحدیث کی یہ تیسری جلد ابواب طہارت اور ابواب صلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ اسمیں بہت سی حدیثیں ان مسائل سے متعلق بھی ناظرین کرام پڑھیں گے جن میں فقہا کے مسالک مختلف ہیں، اس عاجز نے ان کی تشریح میں شاہ صاحبؒ ہی کے اصولی طریقے کی پیروی کی ہے۔

اس جلد سے متعلق کچھ ضروری باتیں

معارف الحدیث کی پہلی جلد میں ایمان و آخرت سے متعلق، اور دوسری تزکیہ قلب و نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق احادیث مرتب کرکے پیش کی گئی تھیں، اس تیسری جلد میں اسلام کے پورے نظام عبادت یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور اذکار و دعوات کے ابواب کی حدیثیں جمع کرکے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن صرف نماز اور طہارت کے ابواب کے صفحات پانچ سو کے قریب ہوگئے اسلئے اس جلد کو اسی پر تمام کر دینا پڑا، باقی حصہ انشاءاللہ چوتھی جلد میں پیش ہوگا، اندازہ یہ ہے کہ اسکی ضخامت بھی اتنی ہی ہو جائیگی۔

پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی، دوسری اسکے تین سال بعد ۱۳۷۶ھ میں شائع ہو گئی تھی، یہ

تیسری جلد بعض خاص رکاوٹوں کی وجہ سے قریباً ۸ سال کے وقفے سے اب شائع ہو رہی ہے، لیکن اسکے بعد والی جلد کے بارے میں امید ہے کہ وہ انشاءاللہ آنے والے سال ہی میں ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاسکے گی۔

طہارت چونکہ بہت سی عبادات کے لئے خاص کر نماز کیلئے شرط قرار دی گئی ہے، اسلئے عام محدثین کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں نماز اور دوسری عبادات کی حدیثوں سے پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں ذکر کرتے ہیں، اسی طریقے کی پیروی میں اس جلد میں بھی پہلے ابواب طہارت کی حدیثیں درج کی گئی ہیں جن کی تعداد صرف ۷۰ ہے، اسکے بعد ابواب نماز کی حدیثیں ہیں جنکی تعداد ۳۵۱ ہے۔ ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور و فکر سے کیا گیا ہے حدیث پر نظر اور دور حاضر کے علمی و دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں گے کہ ترجمہ اور تشریح سے قطع نظر انتخاب اور ترتیب کے بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔

اس سے پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی عظمت اور قدر و قیمت کو سمجھیں اور انکے اندر اسکے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نور اور روشنی سے وہ بھی حصہ لے سکیں جس سے آپ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت کے ذریعے صحابۂ کرامؓ کو حصہ ملا تھا، اسلئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے بچایا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا بس مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر حسب ضرورت اسکی روح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آمین اور رفع یدین جیسے اختلافی مسائل کے بارے میں ناظرین کو ذہنی انتشار اور پریشاں دماغی سے بچانے کیلئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اسکی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔ اب اسمیں جو صحیح اور صواب ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جو غلط ہے وہ اس ناقص العلم کے علم و فہم کا قصور ہے۔

پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر "مشکوۃ المصابیح" سے لی گئی ہیں اور تخریج میں اسی پر اعتماد کیا گیا ہے نیز اسی کی پیروی میں یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ جو حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم سے لی گئی ہے وہ حدیث کی اگرچہ دوسری کتابوں میں بھی ہو لیکن حوالہ صرف صحیح بخاری یا صحیح مسلم ہی کا دیا گیا ہے، کیونکہ کسی حدیث کا ان میں سے کسی ایک میں ہونا بھی اسکی صحت کی کافی ضمانت ہے۔ بعض حدیثیں "جمع الفوائد" سے بھی لی گئی ہیں اور چند کنز العمال سے بھی، لیکن انکے لئے کنز العمال کا حوالہ التزاماً دیا گیا ہے۔ بعض حدیثیں براہ راست صحاح کی کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں، یہ وہی حدیثیں ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ یا جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

جیسا کہ پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں لکھا جا چکا ہے چونکہ اس سلسلہ (معارف الحدیث) کا اصل مقصد دعوت اور تذکیر و تفہیم ہے اسلئے متن حدیث کے ترجمے میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے، بلکہ حدیث کے مقصد اور پیام کو واضح کرنا پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے کسی حدیث کو مقدم یا مؤخر کیا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی دونوں جلدوں کے دیباچہ میں یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کیلئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کیلئے اور رشد وہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے، نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اسطرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپؐ فرمارہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاءاللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے اور اس خدمت کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا — اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا! اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلبگار۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

یکم رمضان ۱۳۸۴ھ ۵ جنوری ۱۹۶۵

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ

عرضِ ناشر

حدیث رسول ﷺ اور اس کے علوم کے ساتھ اشتغال اللہ تعالیٰ کی جلیل القدر نعمت ہے۔ یہ مشغولیت حق تعالیٰ محض اپنے ان مقبول بندوں کو عطا فرماتے ہیں جن پر اس کی خاص رحمت اور خاص نظر کرم ہوتی ہے۔ اکابر دیو بند بالعموم اور محدث جلیل حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے تلامذہ بالخصوص قابلِ صد ستائش ہیں کہ انہوں نے حدیث اور علوم حدیث کی اشاعت کا جو ولولہ اپنے شیخ کے فیضانِ صحبت سے اپنے قلوب میں پیدا کیا تھا۔ اسے نہ صرف یہ کہ ختم نہ ہونے دیا بلکہ اسے روز افزوں ترقی دے کر حدیث کی وہ عظیم خدمات انجام دی ہیں کہ رہتی دنیا تک طالبانِ علوم حدیث خواہ ان کا تعلق علماء سے ہو یا طلباء سے یکساں طور پر مستفید ہوتے رہیں گے۔

ہمارے اکابر نے حدیث کی جو اصل خدمت عربی زبان میں کر چھوڑی ہے۔ اسے عرب و عجم میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ بذل المجہود' فیض الباری شرح بخاری' الکوکب الدری' لامع الدراری' اوجزالمسالک' فتح الملہم' معارف السنن' التعلیق الصبیح اور امانی الاحبار وغیرہا شروحِ حدیث کے وہ اتھاہ سمندر ہیں جن کے غواص اور اپنی بساط و استعداد کے مطابق جواہر گرانمایہ حاصل کرتے رہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کُتب کو وہ قبولِ عام عطا فرمایا ہے کہ ہر طبقہ مسلک کے علماء انہیں حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔

مگر یہ ذخائر علماء و فضلا ہی کے لئے کار آمد تھے' عوام الناس 'اردو پڑھے لکھے لوگ اور عُلومِ جدیدہ کے حامل، علومِ حدیث کی تشنگی کس طرح دور کرتے؟

ہمارے بزرگوں نے اس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور عُلومِ حدیث کو نہایت وسیع پیمانہ پر اردو میں منتقل کرنے کی طرح ڈالی۔

چنانچہ ترجمان السنہ کی ہر چہار جلد از حضرت مولانا سید محمد بدر عالم مہاجر مدنیؒ' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کا سلسلۂ فضائل اور معارف الحدیث کی پانچ جلدیں حدیثی تشریحات کا وہ عظیم سرمایہ ہیں جس نے اردو خواں اور جدید تعلیم یافتہ حضرات پر حجت تام کر دی۔

ترجمان السنہ اور معارف الحدیث آج تک انڈیا میں طبع ہوتی رہیں۔ پاکستانی صارفین مختلف حیلوں سے بصد مشکل وہاں سے مہیا کرتے رہے تا آنکہ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ اب ان کتب کا انڈیا سے درآمد کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال بن گیا ہے۔ اس لئے بنام خدا اب پاکستان میں اس کی عکسی اشاعت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں خلوص کے ساتھ اس خدمت کی توفیقِ رفیق کریں اور ہماری سعی کو مشکور فرمائیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ نستعین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

مقدمہ

از مولانا سید ابوالحسن ندوی

خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے اعجاز اور کارنامے کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:-

۱...... عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم۔

۲...... عبد و معبود کے رشتہ کا استحکام و دوام۔

عبد و معبود کے رشتہ کی تصحیح و تنظیم کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اور خدا و خالق اور مخلوق اور عبد و معبود کا رشتہ غلط ہو چکا تھا' مسخ و تحریف' جہالت و نادانی' جاہلیت اور وثنیت' اوہام و خرافات اور دجل و تلبیس کا شکار تھا' اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے مکمل ناواقفیت اور بے خبری کا دور دورہ تھا یا نہایت ناقص معرفت کا بعض اقوام و ملل میں وجود۔ خدا کی صفات میں اس کی مخلوقات کو شریک بنایا گیا تھا۔ ایک طرف مخلوقات کی بہت سی خصوصیات اور نقائص کے ساتھ اس کو متصف کیا گیا تھا' دوسری طرف اس کی بہت سی صفات خاصہ اور کمالات الوہیت کو مخلوقات کو عطا کر دیا گیا تھا۔ جاہلیت کی بیشتر گمراہیوں' بیماریوں' محرومیوں اور خداناشناسیوں کا سرچشمہ یہی کمزوری تھی اور اسی کا نتیجہ کھلی بت پرستی شرک جلی کی صورت میں برآمد ہوا۔ پھر جہاں نبوت کی بچی کھچی تعلیمات کے فیض سے اور اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کے طفیل کسی درجہ میں معرفت صحیحہ اور توحید کا نور پایا جاتا تھا اور عبد و معبود کے درمیان تعلق کی بنیاد موجود تھی' وہاں اس تعلق کی صحیح تشکیل اور اس کے نظم و انضباط کا کوئی سامان نہ تھا' نبوتِ محمدی کا پہلا اعجاز و کارنامہ یہ ہے کہ اس نے معرفت صحیح اور عقیدۂ توحید کے ذریعہ اس تعلق کو صحیح کیا' اس کو تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کیا' اس پر تو بر تو جو حجابات اور پردے پڑ گئے تھے ان کو چاک کیا' جاہلیت کے مشرکانہ خیالات و توہمات کا استیصال۔ تنزیہ و تقدیس کو اس طرح پیش کیا کہ اس کے بعد اس کا کوئی درجہ نہیں۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقیدۂ توحید ایسا نکھر کر سامنے آیا اور "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" کے آوازہ سے دست و جبل ایسے گونجے کہ شقاوت ابدی اور انکار و استکبار کے سوا کسی غلط فہمی و غلط روی کا امکان باقی نہ رہا۔ "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيُحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" (تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل و برہان اور تمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو جیئے وہ دلیل کی روشنی میں جیئے) یہ تھی عبد و معبود کے اس رشتہ کی تصحیح۔ پھر ایمانِ مفصل' عقائد' عبادات' فرائض' اوامر و نواہی اور اخلاق و معاملات کے ذریعہ جن کے مجموعہ کا نام "شریعت" ہے۔ اس رشتہ کو منظم و منضبط کیا۔ یہ تھی عبد و معبود کی اس رشتہ کی تنظیم۔

نبوت محمدی کے دوسرے شعبہ یعنی عبد و معبود کے رشتہ کے استحکام و دوام کی حقیقت یہ ہے کہ یہ رشتہ

نہایت کمزور' بے روح' افسردہ پژمردہ بلکہ بے جان و مردہ اور ایک سایہ سا بن کر رہ گیا تھا جس میں نہ یقین کی طاقت تھی' نہ محبت کی حرارت' نہ عبد و معبود کا راز و نیاز تھا نہ سازِ دل کا سوز و ساز' نہ اپنے فقر و احتیاج' عجز و درماندگی' بے چارگی و بے بسی' بے مائیگی و بے بضاعتی کا احساس تھا نہ خدا کی صفتِ جود' قدرتِ کاملہ اور خزانۂ غیب کی وسعت کا علم' پوری پوری ملتوں اور وسیع وسیع رقبوں میں خدا کو خاص تہواروں اور تقریبوں' سخت مصیبتوں و پریشانیوں میں یاد کرنے اور اس سے دعا و سوال کرنے کا رواج رہ گیا تھا۔ مذاہب سے نسبت رکھنے والی قوموں میں بھی وہ افراد گنے چنے رہ گئے تھے جو ہر وقت خدا کو یاد کرتے ہوں' اس کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوں اور اس سے ان کا تعلق ایک ایسا زندہ' محسوس اور جذباتی ہو کہ وہ اس کو اپنا حقیقی کارساز اور مشکل کشا' دستگیر اور فریاد رس سمجھتے ہوں اور ان کو اس کی قدرتِ کاملہ پر ایسا بھروسہ اور اس کی محبت و شفقت پر ایسا ناز ہو جیسا کم از کم ایک بچہ کو اپنی چاہنے والی ماں یا کسی غلام کو اپنے آقا اور طاقتور بادشاہ پر ہوتا ہے۔ نبوتِ محمدی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اس تعلق کے خیال کو واقعہ اور سایہ کو اصل' رسم کو حقیقت' زندگی میں دو چار مرتبہ یا برسوں میں کبھی کبھی ہونے والے عمل کو صبح و شام کا مشغلہ اور روزمرہ کا معمول بنا دیا بلکہ اس کو ایک مؤمن کے لئے ہوا اور پانی کی طرح ضروری کر دیا' جس کے بغیر زندگی محال ہے اور جن کی شان یہ تھی کہ "وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا" (وہ اللہ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں) ان کی شان یہ ہو گئی کہ "اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ" (کہ وہ کھڑے' بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں) اور جو صرف سخت مصیبت اور جان کے خطرہ ہی کے مواقع پر خدا کو یاد کرنے سے آشنا تھے) "وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ" (اور جب دریا کی طوفانی لہریں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ عبادت اور بندگی کے پورے اخلاص کے ساتھ صرف اس کو پکارتے ہیں) ان کی شان ہو گئی۔ "تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا" (رات کے اوقات میں بھی ان کی کروٹیں خوابگاہوں سے الگ رہتی ہیں اور وہ امید و بیم کے ساتھ اپنے خدا سے دُعائیں کرتے ہیں) جن کے لئے خدا کا یاد کرنا ایک مجاہدہ اور خلاف طبیعت عمل تھا اور اس وقت ان کی کیفیت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن مجید "كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ" (گویا کہ وہ آسمان میں چڑھ رہے ہیں) کے بلیغ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے لئے خدا کو بھلانا' اس کی یاد سے غافل رہنا شدید ترین مجاہدہ اور نہایت تکلیف دہ سزا بن گئی' جو ذکر و عبادت کی فضا میں اس طرح بے چین رہتے تھے جیسے پرندہ قفس میں' ان کو اگر ذکر و دعا سے باز رکھا جائے اور اس پر پابندی عائد کی جائے تو ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگیں۔

عبد و معبود کے رشتہ کے اس استحکام و دوام کے لئے نبوت محمدی ﷺ نے جو ذرائع اختیار کئے ان کے دو عنوان ہیں۔ ایک ذکر' دوسرے دُعا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی جو تاکید فرمائی' اس کے جو فضائل و منافع بیان فرمائے' اس کے جن اسرار و حکم کی نقاب کشائی فرمائی[1]' اس کے بعد ذکر محض ایک فریضہ اور ضابطہ نہیں رہ جاتا بلکہ وہ زندگی کی ایک بنیادی ضرورت' فطرتِ انسانی کا ایک خاصہ' روح کی غذا اور

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں اسی کتاب کے صفحات از ۳۴ تا ۴۸

دل کی دوا بن جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے الہام خداوندی سے جو اوقات و مواقع، جو اسباب و محرکات تجویز فرمائے اور ان کے لئے جو صیغے اور الفاظ تعلیم فرمائے وہ توحید کی تکمیل کرنے والے عبدیت کے قالب میں روح ڈالنے والے قلب کو نور سے، زندگی کو سکینت و سرور سے اور فضا کو برکت و نورانیت سے بھرپور کرنے والے ہیں[1] پھر وہ اس قدر عمومی، پوری زندگی کی وسعت و تنوعات اور شب و روز کے اوقات پر محیط ہیں کہ اگر ان کا ذرا بھی اہتمام کیا جائے تو پوری زندگی ایک مسلسل و مکمل ذکر میں تبدیل ہو جاتی ہے اور مشکل سے کوئی وقت، کوئی کام، کوئی نقل و حرکت اور کوئی پیش آنے والی حالت و تبدیلی، اس کی رفاقت و شمولیت سے محروم رہتی ہیں۔[2]

اس ذکر میں اگرچہ ہر وہ چیز شامل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا استحضار اور ہر وہ کام داخل ہے جو غفلت سے آزاد ہو کر کیا جائے اور اس کا سب سے بڑا مظہر اور اعلیٰ نمونہ دُعا ہے، لیکن نبوت محمدی ﷺ نے دُعا کو دین کا ایک مستقل شعبہ بنا دیا اور مذاہب و ملل اور نبوت و روحانیت کی وسیع تاریخ کو سامنے رکھ کر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ نبوت محمدی نے دُعا کے شعبہ کی جس طرح احیاء و تجدید اور اس کی ترقی و تکمیل فرمائی اس کو جو زندگی، قوت، وسعت، عمومیت، دل آویزی و دل کشی، تازگی و رعنائی اور توانائی و برنائی عطا فرمائی۔ وہ نہ اس سے پہلے دیکھنے میں آئی نہ اس کے بعد۔ درحقیقت نبوتِ محمدی جہاں کئی اور چیزوں کی مکمل اور خاتم ہے وہاں شعبۂ دُعا کی بھی اور یہ شعبہ بھی آپ ﷺ کے ختمِ نبوت کی ایک دلیل اور آپ ﷺ کے خاتم النّبیین ہونے کا ایک ثبوت ہے۔

محمد رسول ﷺ (ارواحنا و نفوسنا فداه) نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دُعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی، بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی۔ اس مطرودِ انسانیت کو پھر اذنِ باریابی ملا اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانہ کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا۔

بندہ آمد بر درت بگریختہ
آبروئے خود بہ عصیاں ریختہ[3]

نبوتِ محمدی کی تجدید اور اس کا عملِ تکمیل اس پر ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے ہمیں دُعا کرنا بھی سکھایا۔ آپ ﷺ نے انسانیت کے خزانہ کو دنیا کے ادب کو دُعاؤں کے ان جواہرات سے مالا مال کیا جن کی نظیر اپنی آب داری و درخشانی میں صحف سماوی کے بعد مل نہیں سکتی۔ آپ ﷺ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں دُعا کی جن سے زیادہ مؤثر و بلیغ الفاظ، جن سے زیادہ موزوں و مناسب الفاظ انسان نہیں لا سکتا۔ یہ دُعائیں مستقل معجزات اور دلائل نبوت کا نور ہے، پیغمبر کا یقین ہے "عبد کامل" کا نیاز ہے، محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرتِ نبوت کی معصومیت و سادگی ہے، دل دردمند و قلب مضطر کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو از صفحہ ۴۹ تا ۶۰ [2] ملاحظہ ہو کتاب از صفحہ ۶۹ تا ۱۲۲

[3] مندرجہ بالا عبارت مقدمہ نگار کے رسالہ "سیرت محمدی ﷺ دعاؤں کے آئینہ میں" ص ۱۲ سے ماخوذ ہے۔

صاحبِ غرض و حاجت مند کا اصرار و اضطرار بھی ہے اور بارگاہِ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی، دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے اور چارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین و سرور بھی، اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ ع

دردہا دادی و درمانے ہنوز

"پھر پیغمبرِ انسانیت نے دُعا میں انسانوں کی طرف سے انسانی ضروریات کی بھی ایسی مکمل نیابت کی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہر زمان و مکان میں ان دُعاؤں میں اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی نمائندگی اور اپنے اطمینان کا سامان ملے گا اور بہت سی وہ ضرورتیں ملیں گی جن کی طرف آسانی سے ہر انسان کے ذہن کا جانا مشکل ہے۔"[1]

یہی وہ حقیقتیں ہیں جن کو "معارف الحدیث" کی اس جلد پنجم میں جس کے تعارف و تقدیم کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، دلنشین و دل پذیر اور عام فہم و سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ان کی بنیاد حدیث کے صحیح و مستند ذخیرے، حتیٰ الامکان صحاح اور حدیث کی معتبر شروح، علمائے متقدمین کی تحقیقات اور اپنے طویل مطالعہ و تجربے پر رکھی گئی ہے۔ یہ محض احادیث صحیحہ کا ایک انتخاب ضروری ترجمہ اور تشریح کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایسے عالم کے فہم حدیث، فکر و نظر اور ذوقِ سلیم کا نتیجہ ہے جس نے کامل الفن اساتذہ سے (جن میں سر آمد علماء متاخرین مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سب سے نمایاں ہے) پوری محنت و توجہ کے ساتھ علم حدیث حاصل کیا۔ پھر سالہا سال مدارس میں اس کا درس دیا۔ شراح حدیث کی محنتوں او تحقیقات سے استفادہ کیا، فراغت کے بعد سے اس وقت تک دعوت و اصلاح اور تحریر و تصنیف کے کام میں مصروف رہا اور اس طرح مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے ذہن و دماغ، فہم و استعداد اور ان کی ضرورتوں اور الجھنوں سے اس کو وسیع اور گہری واقفیت کا موقع ملا اور "كلموا الناس على قدر عقولهم" کی وصیت و ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔ پھر ذوقی طور پر اس جلد کے موضوع ذکر و دُعا سے اللہ تعالیٰ نے مصنف محترم کو خاص مناسبت اور اس سے بہرۂ وافر عطا فرمایا اور اس طرح یہ موضوع ان کے لئے محض علمی اور ذہانت کا نتیجہ نہیں رہا بلکہ ذوقی و طبعی بن گیا۔ ان تمام وجوہ سے جو اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں۔ ان کو اس موضوع پر لکھنے کا استحقاق حاصل تھا اور بلا کسی مدح و تملق کے عرض کیا جاتا ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرنے میں بہت کامیاب ہوئے اور اس موضوع پر اردو میں ایک ایسی جامع و مفید اور مؤثر و دلپذیر کتاب تیار ہو گئی جس میں سینکڑوں صفحات کا عطر اور ضخیم کتابوں کا خلاصہ آگیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مولانا کو فیصلہ کن اور جچی تلی بات کرنے کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے، وہ اس میں بخوبی نمایاں ہے۔ اسماء حسنیٰ، ان کے اسرار و حکم اور صلوٰۃ و سلام پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس کتاب کے محاسن میں ہے۔ درود و سلام کی حکمت پر جو کچھ اس کتاب میں آگیا ہے وہ بڑا قیمتی ہے اور بیسیوں صفحات پر بھاری ہے۔[2] اس سلسلہ میں آل پر بڑی منصفانہ اور متوازن گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس میں نقطۂ اعتدال ملحوظ رہا ہے۔[3]

---

[1] واوین کے درمیان کی عبارتیں مقدمہ نگار کے رسالہ "سیرت محمدی ﷺ دعاؤں کے آئینہ میں" سے ماخوذ ہے۔ [2] ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲۴ [3] ملاحظہ ہو صفحہ ۲۴۲

اس کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات کو قولِ فیصل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور اکثر مقامات پر ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقامِ تجدید و اجتہاد عطا فرمایا تھا۔ حکمتِ دین اور فہم حدیث کا جو ملکہ راسخہ ان کو قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا اور ان کی تحقیقات میں اس زمانہ کے ذہنوں کی تشفی کا جو سامان ہے وہ کسی انصاف پسند اور عقلِ سلیم رکھنے والے سے مخفی نہیں۔ اس بنا پر اس کتاب کی افادیت اور علمی قدر و قیمت اور بڑھ گئی۔ شاہ صاحبؒ کے ماسوا انہوں نے حافظ ابن قیمؒ، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ اور حافظ ابنِ حجرؒ بالخصوص ان کی بے نظیر کتاب "فتح الباری" سے پورا استفادہ کیا۔ اس طرح سے یہ کتاب ان لوگوں کو جن کا مطالعہ اردو تک محدود ہے۔ ائمہ سلف اور محققین اُمت کے نتائج تحقیق سے متعارف کراتی ہے اور اس نسل اور علمائے متقدمین کے درمیان علمی رابطہ کا کام دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مسلمانوں کو اس مفید سلسلہ سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص اس جلد سے جو خالص عملی اور ذوقی ہے ذکر و دعا کی دولت حاصل کرنے اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقی، زندہ اور تابندہ اور قائم و دائم تعلق کے پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابوالحسن علی ندوی

۷/ جمادی آخرہ ۱۳۹۱ھ

۳۱/ جولائی ۱۹۷۱ء

پھاٹک عبداللہ خاں

رائے بریلی

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حَمْداً وَّسَلَاماً

یوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ اور آپ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا ہر باب اور ہر شعبہ اہلِ نظر کے لئے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی روشن دلیل ہے۔ لیکن ایک خاص شعبہ کو اس لحاظ سے امتیاز حاصل ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی محبت و خشیت' اخبات وانابت' اور اس کی رحمت اور جلال وجبروت کا دائمی استحضار اور ذکر یا دعا کی شکل میں اس کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق ووابستگی جس کا اندازہ مختلف احوال واوقات کی آپ کی دُعاؤں اور اُن اذکار سے ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی زبان مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ ﷺ دوسروں کو تعلیم و تلقین فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ اور بعد کے راویانِ حدیث نے آپ ﷺ کی میراث کے اس عزیزترین ذخیرے کو لفظ بہ لفظ محفوظ کرنے کا...... قریب قریب قرآن مجید کی طرح ...... خصوصی اہتمام کیا تھا۔ اس لئے الحمد للہ وہ پورا سرمایہ محفوظ ہے اور یہ آپ کا وہ زندۂ جاوید معجزہ ہے جو آج بھی پوری تابانی کے ساتھ روشن ہے' اور جس کو دیکھ کے اور جس میں غور وفکر کر کے ہر معمولی عقل وفہم والا انسان اگر چاہے تو آج بھی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے بارے میں وہ یقین واطمینان حاصل کر سکتا ہے جو آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اس پہلو کو دیکھ کے حاصل کیا جا سکتا تھا۔

راقم سطور کو جب کبھی غیر مسلموں میں سے کسی ایسے شخص سے گفتگو کرنے کا موقع ملا جس کے متعلق اندازہ ہوا کہ اللہ اس کے بندے کی فطرتِ سلیم ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کے موضوع پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے آمادہ ہے' تو اس کے سامنے سب سے پہلے آپ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کی تعلیم کا یہی پہلو رکھا......اولاً اس مسلمہ تاریخی واقعہ کا ذکر کیا کہ اب سے قریباً چودہ سو سال پہلے آپ ایک ایسے علاقہ اور ایسے ماحول میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے جو معرفت الٰہی اور خدا آشنائی کے نور سے بالکل خالی تھا اور جہاں کفر وشرک اور خدا فراموشی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی' پھر آپ نے لکھنا پڑھنا بھی بالکل نہیں سیکھا' بلکہ "اُمّی" رہے' یعنی ماں کے پیٹ سے جیسے بے پڑھے لکھے پیدا ہوئے تھے ویسے ہی رہے' اس لئے کسی کتاب اور تحریری سرمایہ سے استفادہ کا بھی آپ کے لئے امکان نہیں تھا۔ ایسی حالت میں انسانی فطرت کے عام تجربہ کے لحاظ سے آپ کا جو حال اور جو رنگ ڈھنگ ہونا چاہیئے تھا اس کا اندازہ کرنا کسی کیلئے بھی مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے ان کو مختلف احوال واوقات کی رسول اللہ ﷺ کی کچھ دُعائیں اور اللہ کی حمد و تسبیح'

توکل و تفویض اور استغاثہ و استغفار کے بعض کلمات جو آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر جاری رہتے تھے اور جن کی آپ ﷺ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے، ترجمہ کے ساتھ سنائے اور اللہ کی توفیق کے مطابق ان کے مطالب کی کچھ وضاحت کی، اور ان سے کہا کہ اب آپ عقیدت واحترام اور مخالفت و عناد کے تمام جذبات و خیالات سے اپنے دل و دماغ کو خالی کر کے سوچیے اور بتائیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ معرفت، اس کے جلال و جبروت اور اس کی رحمت کے دائمی استحضار کی یہ کیفیت اور یہ ہمہ وقتی تعلق و وابستگی جو ذکر و دعا کے ان کلمات میں آپ نے محسوس کی، یہ آپ ﷺ کو کہاں سے حاصل ہو گئی تھی؟ میں نے ان سے کہا کہ جو شخص ہٹ دھرمی سے کام نہ لے وہ یہ کہنے اور ماننے پر مجبور ہو گا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص بخشش و عنایت سے وحی اور الہام کے راستہ سے آپ ﷺ کو حاصل ہوا تھا، اس کے سوا اور اس کی کوئی توجیہ نہ کر سکے گا۔

اس عاجز کا سو فیصدی تجربہ ہے کہ جس کے سامنے بھی یہ بات اس طرح رکھنے کا موقع ملا اس نے کم از کم اپنے انتہائی تاثر کا اظہار اور آپ ﷺ کی غیر معمولی روحانی عظمت کا اعتراف ضرور کیا۔ ان میں سے بعض خوش نصیبوں کو ایمان کی بھی توفیق ملی اور انہوں نے آپ ﷺ کو اللہ کا نبی و رسول مان کر آپ ﷺ کی حلقہ بگوشی اختیار کر لی۔

یہ تجربہ تو غیر مسلموں کے بارے میں ہوا اور بار بار ہوا۔ خود اپنا حال یہ ہے کہ اگر شیطان کبھی کوئی تشکیکی وسوسہ دل میں ڈالتا ہے تو اپنے ایمان و یقین کی تجدید اور "لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي" والی اطمینانی کیفیت اپنے باطن میں پیدا کرنے کے لئے یہی نسخہ استعمال کرتا ہوں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول شدہ اذکار و دعوات میں تفکر کرتا ہوں، الحمدللہ اس سے ہر وسوسہ کافور ہو کر اُڑ جاتا ہے اور ذہن و قلب یقین و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں کتاب اللہ اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ امت کو رسول اللہ ﷺ سے دین و شریعت کی جو نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی ہے اس کے تمام شعبوں میں ذکر و دعا کی حیثیت اصل مقصود اور مغز کی ہے۔ حتیٰ کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ عبادات کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے کہ ان کا خاص مقصد اور ان کی روح ذکر و دعا ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ بندہ کا کوئی عمل اور اس کی کوئی قربانی خواہ دنیا میں اس کو کتنا ہی بڑا سمجھا جاتا ہو، اللہ کی نگاہ میں ذکر و دعا کے برابر نہیں۔ بلکہ جس طرح کوئی غذا معدہ کے لئے اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں نمک یا شیرینی یا ترشی کی آمیزش نہ ہو، اسی طرح اللہ کے یہاں کوئی عمل قابل قبول نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ذکر و دعا کا عنصر شامل نہ ہو۔[1]

پھر یہ بھی معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ ذِکر و دُعا اللہ تعالیٰ کے قُرب خصوصی اور حُصولِ مقام ولایت کا خاص الخاص وسیلہ ہے، اور اُمت میں جن لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کو یہ دولت نصیب ہوئی، ان کی زندگیوں میں ذِکر و دُعا کا عنصر غالب اور نمایاں رہا۔

---

[1] عنقریب اصل کتاب کے ابتدائی صفحات ہی میں وہ آیات و احادیث ناظرین کے سامنے آجائیں گی جن سے ذِکر و دُعا کے بارے میں یہ سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔

ذکر و دُعا کے شعبہ کی اس خصوصی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے بڑی آرزو تھی۔ کہ "معارف الحدیث" کی تالیف کے سلسلہ میں اذکار و دعوات والی احادیث کے ترجمہ و تشریح کی خدمت بھی اللہ تعالیٰ اس بندہ سے لے لے' اور میرے اعمال نامہ میں یہ بھی درج ہو جائے۔ الحمد للہ یہ آرزو پوری ہو گئی' اور چار سو صفحات کی یہ مستقل جلد "کتاب الاذکار والدعوات" تیار ہو گئی۔ میں اپنے اس حال کا اظہار بھی بہتر سمجھتا ہوں کہ حق تعالیٰ کی اس عنایت و توفیق پر مجھے بے حد خوشی و شادمانی ہے۔ کاش! میں اس عظیم نعمت کا کچھ شکر ادا کر سکتا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا." (یونس۔ ع:۶)[1]

مجھ گناہگار کو اپنے ربِ کریم کی رحمت سے اس کی بھی پوری امید ہے کہ انشاءاللہ یہ کتاب میرے لئے اور ان بے شمار پڑھنے والوں کے لئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میراث کی قدر اور اس سے استفادہ کریں گے جو اس میں پیش کی گئی ہے' اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنے گی۔ "اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ"۔

اس جلد کے متعلق کچھ ضروری باتیں!

۱)...... اس جلد میں اذکار و دعوات سے متعلق ۳۲۲ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ پہلی جلدوں کی طرح اس جلد کی حدیثیں بھی زیادہ تر "مشکوٰۃ المصابیح" اور "جمع الفوائد" سے لی گئی ہیں۔ کچھ حدیثیں "کنز العمال" سے بھی لی گئی ہیں۔ اور تخریج میں انہی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ بعض حدیثیں براہِ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔

۲)...... جو حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہے اس کی روایت اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی کی گئی ہو' لیکن مشکوٰۃ المصابیح کے طریقہ کی پیروی میں حوالہ صرف صحیحین ہی کا دیا گیا ہے' کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں سے کسی ایک میں ہونا بھی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے۔ اس پر علماءِ فن کا قریب قریب اتفاق ہے۔

۳)...... اصل مقصد چونکہ تذکیر و تفہیم ہے اس لئے حدیثوں کے ترجمہ میں نحوی ترکیب اور لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ صحیح مطلب کی وضاحت کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی چاروں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی' اور اب بھی یہی ہے۔ کہ حدیث نبی کا مطالعہ صرف اضافۂ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رُشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا یا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے

[1] اللہ کے فضل و انعام اور اُس کی رحمت پر بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔ ۱۲

ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہِ راست روحانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے' اور اس خدمت کے اتمام کیلئے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا!

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلب گار

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۰/ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ۔ ۲۹/ مارچ ۱۹۶۹ء

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ   از نبیِّ اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں ——— جو "نبی اُمی" سیدنا حضرت محمد
عربی (فداہُ اُمی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دیباچہ

از مولانا محمد زکریا سنبھلی

استاذِ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

معارف الحدیث کی پہلی جلد ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی تھی اور اب اس کی آخری جلد (جلد ہشتم) ۱۴۲۱ھ میں اس کے مؤلف مولانا منظور نعمانی صاحبؒ کی وفات کے تقریباً چار سال بعد شائع ہو رہی ہے۔ اس جلد کی تالیف میں حضرت مولاناؒ کی علالت اور بعض دوسرے علمی اور دینی مشاغل کی وجہ سے کافی تاخیر ہوتی رہی، اس سے پہلی جلد (جلد ہفتم) ۱۴۰۲ھ میں شائع ہو چکی تھی۔ یعنی جلد ہفتم اور جلد ہشتم کے شائع ہونے میں تقریباً انیس سال کا وقفہ رہا۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ایک خاص نہج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے جن کو حضرات محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابواب الایمان میں درج کیا ہے اور قیامت و آخرت، جنت و دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اسی جلد میں شامل کر دیا گیا ہے کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔

دوسری جلد میں کتاب الرقاق اور کتاب الاخلاق سے متعلق احادیث ہیں۔ رقاق سے مراد رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات، وہ خطبات و مواعظ اور آپ کی زندگی کے وہ حالات و واقعات ہیں جن کو پڑھنے اور سننے سے دل میں رقّت اور خشیت اور گداز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ رقاق کی احادیث ہی میں زہد کی احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں جن کو پڑھنے سے دنیا کی طرف بے رغبتی اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ ابواب زہد و رقاق کا چونکہ ایمان و احسان سے بہت قریبی تعلق و رابطہ ہے اس لئے ان ابواب کو ایمان و احسان کے ابواب کے بعد ہی رکھا گیا ہے۔

کتاب الاخلاق میں پہلے وہ احادیث درج ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق کا دین اسلام میں کتنا بلند مقام ہے اور بد اخلاقی اللہ و رسول کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے۔ بعد ازاں اچھے اخلاق کے مختلف شعبوں مثلاً سخاوت، احسان، ایثار و قربانی، باہمی انس و محبت، دینی اخوت، نرم مزاجی و خوش کلامی، صدق و امانت، تواضع و خاکساری، شرم و حیا، صبر و شکر اور اخلاق وللہیت سے متعلق احادیث مذکور ہیں اور ان کے مقابلے میں بد اخلاقی کے مختلف شعبوں کی مذمت اور ان کے بُرے انجام سے ڈرانے والی حدیثیں بھی اسی انداز سے درج ہوئی ہیں۔

تیسری جلد کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے۔ کتاب الطہارۃ میں اولاً وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں طہارت کس درجہ محبوب اور ناپاکی کس درجہ مبغوض ہے۔ پھر طہارت کی جملہ اقسام مثلاً استنجا، وضو، غسل، تیمم وغیرہ سے متعلق احادیث ہیں جن سے ان اعمال کا طریقہ اور ان کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے۔

کتاب الصلوٰۃ میں اولاً نماز کی اہمیت پر ایک نہایت جامع اور مفید مضمون ہے، اس کے بعد اسی مضمون کی احادیث ہیں۔ پھر اوقات صلوٰۃ، اذان، نماز باجماعت، مسجد کی اہمیت، نماز کے ارکان و اعمال کا صحیح طریقہ، پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ دوسری نمازوں مثلاً جمعہ، عیدین کی نماز، سورج و چاند گرہن اور خشک سالی کی نماز اور نمازِ جنازہ وغیرہ سے متعلق احادیث ہیں۔ جس میں احکام کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیات کا بھی بیان آتا ہے۔

چوتھی جلد کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں حضرتؒ کا ایک تمہیدی مضمون "دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام" کے عنوان سے ہے۔ جس میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کے مقام کے بیان کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ مانعین زکوٰۃ سے قتال و جہاد کرنے پر صحابہ کا اجماع کسی اجتہادی مسئلے میں امت مسلمہ کا پہلا اجماع ہے۔ پھر زکوٰۃ کی اہمیت سے متعلق دیگر احادیث اور اس کے بعد زکوٰۃ سے متعلق احکامات کی تفصیلی روایات ہیں۔ نیز نفلی صدقات کی اہمیت اور ان پر اجر و ثواب کے وعدوں والی احادیث بھی آخر میں درج کی گئی ہیں۔

کتاب الصوم کے شروع میں "اسلام کے ارکان اربعہ میں روزہ کی خاص نوعیت" کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس میں روزہ کی اس خاص تاثیر کا تذکرہ ہے کہ روزہ کے ذریعہ انسان میں صفتِ تقویٰ پیدا ہوتی ہے جو ایک ملکوتی صفت ہے اور صفت حیوانیت یا صفت بہیمیت پر قابو حاصل کرنے میں روزہ بڑا معین و مددگار ہوتا ہے۔ پھر رمضان المبارک اور اس کے روزوں کے فضائل سے متعلق احادیث ہیں۔ احکام کی بھی روایات ہیں اور اسی سلسلہ میں اعتکاف، تراویح، نفلی روزوں سے متعلق احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

کتاب الحج کے شروع میں ایک مختصر سا مضمون "حج کیا ہے؟" کے عنوان سے ہے جس میں حج کی حقیقت...... کہ وہ اللہ کے دربار کی حاضری اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں اور طور طریقوں کی نقل کرکے ان کے سلسلہ اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے۔ تفصیل سے اجاگر کی گئی ہے۔ اس کے بعد حج کی فرضیت، اس کی فضیلت اور حج نہ کرنے والوں کے لئے وعید کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد از اول تا آخر حج کے احکام سے متعلق احادیث کچھ اس طرح ذکر فرمائی گئی ہیں کہ اگر پڑھنے والا ذرا توجہ سے پڑھ لے تو حج کا پورا نقشہ ذہن نشین ہو جائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے حج جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے کے تذکرہ کی احادیث ہیں۔ آخر میں حرمین شریفین کے فضائل اور روضۂ اطہر کی زیارت کی روایات ہیں۔

پانچویں جلد کا عنوان ہے "کتاب الاذکار والدعوات"، اس جلد میں ذکر و دعا، توبہ و استغفار اور تلاوت

قرآن وغیرہ کی حقیقت، دین میں ان کا مقام اور ان کے فضائل و آداب سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ اذکار و دعوات کی اہمیت و تاثیر کا جو دل آویز تذکرہ اور دین کے نظام عبودیت میں اس کی عظمت کا جیسا تعارف اس کتاب نے کرایا ہے عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں ایسا تذکرہ و تعارف شاید ہی مل سکے۔
اس جلد کے شروع میں حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ کے قلم سے ایک مختصر دیباچہ بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کے ایک خاص پہلو کو بہت اجاگر کیا ہے کہ آپ کی دعائیں آپ کی نبوت کی دلیل ہیں جن کو غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاسکتا ہے اور مسلمانوں کے اطمینانِ قلب کا بھی ان میں بڑا سامان ہے۔
اس جلد میں اولاً ذکر اللہ کی فضیلت، اس کی عظمت اور برکات سے متعلق احادیث ہیں۔ پھر بعض خاص اذکار کی فضیلت سے متعلق روایات ہیں پھر دعا کی حقیقت، اس کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات پر مشتمل روایات ذکر کی گئی ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جن میں آپ کی ہر طرح کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ آخر میں صلوٰۃ و سلام سے متعلق روایات ہیں اور درود شریف کے مختلف الفاظ والی روایات کا بیان ہے۔
جلد ششم میں معاشرت یعنی آپسی تعلقات اور گھریلو زندگی نیز اپنے قرب وجوار کے اور مختلف حیثیتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے حقوق سے متعلق احادیث مذکور ہیں۔ اس کے دیباچہ میں حضرت مولاناؒ نے اسلام میں معاشرتی احکام کی اہمیت اور حقوق العباد کے ادا کرنے کی تاکید اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی پر اللہ کی ناراضگی اور آخرت کے عذاب کی وعیدوں پر ایک نہایت مفید کلام فرمایا ہے۔ معاشرتی حقوق کی ان احادیث کے ضمن میں حیوانوں اور جانوروں تک کے حقوق سے متعلق احادیث بھی ہیں۔ اس کے بعد "آداب ملاقات" اور "آدابِ مجلس" کے زیر عنوان سلام و مصافحہ، معانقہ، گھر میں داخل ہونے کے آداب اور مجلس سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا بیان ہے۔ آپسی گفتگو، ہنسی مذاق وغیرہ کے سلسلہ میں نیز چھینکنے اور جمائی لینے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی کیا ہدایات ہیں اس کا بھی ذکر ہے۔ اسکے بعد کھانے پینے اور لباس کے احکام و آداب سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جن کے ضمن میں ستر اور پردے سے متعلق احادیث بھی آجاتی ہیں۔
جلد ہفتم میں اولاً کتاب المعاشرہ کا باقی حصہ (جو جلد ششم میں نہ آسکا تھا) یعنی نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات ہیں۔ پھر معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ کتاب المعاملات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ اس میں اولاً رزقِ حلال حاصل کرنے کی فضیلت (خواہ وہ تجارت کے ذریعہ ہو یا صنعت و حرفت اور زراعت کے ذریعہ ہو) سے متعلق احادیث درج ہیں۔ پھر ناجائز طریقہ پر کمائے ہوئے مال کی نحوست کو بیان کرنے والی روایات ہیں۔ اس کے بعد ربوا یعنی سود کی روایات کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد بیع و شراء کے احکام سے متعلق روایات ہیں۔

اسی سلسلہ میں ہدیہ تحفہ دینے لینے کا ذکر اور اس کی فضیلت کا بھی بیان ہے۔ وقف فی سبیل اللہ، وصیت، نظامِ قضاء، نظامِ حکومت اور خلافت وامارت سے متعلق احادیث بھی اسی جلد میں ہیں۔

اب سلسلہ معارف الحدیث کی آخری کڑی (جلد ہشتم) آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس جلد میں پہلے کتاب العلم ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ذکر کی گئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے علمِ دین کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح وہ روایات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں دنیوی اغراض سے علمِ دین حاصل کرنے والوں یا علم حاصل کرنے کے باوجود عمل نہ کرنے والوں کا انجام بد اور ان کے بارے میں دنیا و آخرت کی سخت وعیدوں کا تذکرہ ہے۔

کتاب العلم کے بعد کتابُ الاعتصام بالکتاب والسنۃ ہے۔ جس میں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنے اور بدعات سے احتراز کرنے کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذکر کئے گئے ہیں۔ ان احادیث کی تشریح کے ضمن میں سنت و بدعت کی حقیقت، سنت کا تشریعی مقام اور کتاب اللہ ہی کی طرح رسول اللہ ﷺ کے بھی واجب الاتباع اور ذریعہ نجات ہونے کا تذکرہ ہے۔

اسی سلسلے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق روایات بھی ہیں اور اس کام کے اجر و ثواب کا ذکر بھی ہے۔ نیز قدرت رکھنے کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے پر دنیا و آخرت میں سخت مواخذہ کی روایات بھی ہیں۔ امر بالمعروف کی ضمن میں ہی جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور اس کی اہمیت و ضرورت سے متعلق روایات مذکور ہیں، اور اس باب میں جہاد سے متعلق بہت اہم اور بنیادی مضامین قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مؤلفؒ کے قلم سے لکھوا دیئے ہیں۔

جہاد سے متعلق روایات کی تشریح و توضیح اور اس سے متعلق ضروری ابحاث کے بعد کتاب الفتن ہے۔ جس میں وہ روایات ذکر کی گئی ہیں جن میں مستقبل میں امت میں پیدا ہونے والے دینی انحطاط و زوال اور فتنوں کا ذکر ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ امت ان کے وقوع سے پہلے ہی ان سے تحفظ کا انتظام کرلے اور کوشش کرے کہ ایسے حالات ہی پیدا نہ ہوں جن کے نتیجہ میں فتنوں کے دروازے کھلیں اور اگر خدانخواستہ فتنوں سے واسطہ ہی پڑ جائے تو اس وقت کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے اور اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کیا ہیں، اس کا تذکرہ ہے۔ کتاب الفتن ہی میں علامات قیامت سے متعلق احادیث کا ذکر ہے۔ جن میں وقوعِ قیامت سے پہلے کی علامات اور وقوعِ قیامت کے وقت کی علامات کا ذکر ہے۔ علامت قیامت میں فتنۂ دجالؔ، حضرت مہدی کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذکر کئے گئے ہیں اور ان کی بہت اچھی تشریح کی گئی ہے۔ جس سے ان امور کے بارے میں اہل سنت کے مسلک کی وضاحت ہو جاتی ہے اور ان کے بارے میں جو غلط عقائد و خیالات امت میں در آئے ہیں ان کا رد بھی ہو جاتا ہے۔ خصوصاً حضرت مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ اور اہل سنت کے مسلک کے فرق کے بارے میں بہت اچھا اور قیمتی کلام اس ضمن میں آگیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی روایات کی تشریح میں قادیانیوں کی بے سروپا باتوں کا بھی نہایت مدلل اور تفصیلی رد ہو گیا ہے۔ جس کی آج

کل بہت ضرورت ہے کہ یہ فتنہ اس وقت پوری دنیا کا عظیم فتنہ بنا ہوا ہے۔ احقر کے خیال میں اہل علم کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاءاللہ مفید ہو گا۔

علامات قیامت کے بعد کتاب المناقب والفضائل ہے۔ جن میں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات نقل کئے گئے ہیں (اور پھر ان کی تشریح کی گئی ہے) جن میں آپ ﷺ نے بعض خاص افراد واشخاص یا خاص طبقات کے وہ مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے تھے...... ان احادیث میں بھی امت کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے سیدنا مولانا (فداہ ابی وامی) حضرت محمد ﷺ کے فضائل اور مقامات عالیہ کے سلسلہ کی احادیث ہیں۔ جن کو آپ ﷺ نے تحدیث نعمت کے طور پر یا امت کو صحیح واقفیت کرانے کے لئے بیان فرمایا ہے۔

اس سلسلہ میں آپ کی ولادت، بعثت اور آپ کی عمر مبارک سے متعلق روایات بھی ذکر کی گئی ہیں اور ان کی تشریح کی گئی ہے اور اس بارے میں کافی علمی مباحث بھی زیر قلم آگئے ہیں جو انشاءاللہ حدیث شریف کے بڑے درجوں کے طلبہ بلکہ علماء کے لئے بھی بہت مفید ہوں گے۔

آپ کے فضائل کے ضمن میں آپ کے اخلاق حسنہ، مرض وفات اور پھر وفات سے متعلق احادیث ذکر کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے۔ مرض وفات کی آپ کی نہایت قیمتی وصیتوں کا ذکر بھی اسی سلسلہ میں کر دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فضائل و مناقب کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق روایات ذکر کر کے ان کی تشریح کی گئی ہے جس میں ان کے خلیفہ رسول ﷺ ہونے کا بھی ذکر ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی احادیث ذکر کی گئی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق روایات ذکر کرنے کے بعد وہ روایات بھی ذکر کی گئی ہیں جن میں آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کی فضیلت کا ایک ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے دونوں داماد (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے فضائل بالترتیب ذکر کئے گئے ہیں۔ خلفاء راشدین کے فضائل کی ترتیب ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق بھی ہے اور اہل سنت کے نزدیک ان کے مقام و مرتبہ میں جو ترتیب ہے اس کے بھی مطابق ہے۔ ان دونوں حضرات کے فضائل کے سلسلہ میں بعض بہت قیمتی علمی مباحث آگئی ہیں۔ خصوصاً سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بعض غلط شیعی عقائد کی تنقید اور رد آسان اور عام فہم زبان میں ہو گیا ہے۔

ان خلفاء اربعہ کے بعد عشرہ مبشرہ میں سے بچے ہوئے باقی چھ حضرات حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب کی روایات اور ان کی تشریح ہے۔

حضرات عشرہ مبشرہ کے فضائل کے بیان کے بعد فضائل اہل بیت نبوی کے عنوان سے آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات کے فضائل کا تذکرہ ہے۔ حضرتؒ نے اس ضمن میں لفظ "اہل بیت" پر بڑا فاضلانہ کلام کیا ہے۔

ازواج مطہرات میں سے صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین حضرت سودہؓ،

ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے فضائل و مناقب کا بیان حضرتؒ کے قلم سے ہو سکا تھا اور یہ بھی طویل طویل وقفہ سے۔ مختلف عوارض اور امراض کے باوجود حضرت نے یہ کام جس طرح کیا ہے، اس کو ان کا رب ہی جانتا ہے اور انشاء اللہ وہ ان کو اپنی شان عالی کے مطابق اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

اسکے بعد حضرت نے اس سلسلہ کی تکمیل کا حکم احقر کو دیا۔ بے شک یہ میرے لئے بڑی سعادت کی بات تھی لیکن کاش یہ سلسلہ حضرت ہی کے ذریعہ مکمل ہو جاتا تو وہ فرق جو ناظرین محسوس فرمائیں گے وہ نہ ہوتا۔

کہاں حضرت کا علم و فہم اور مشکل سے مشکل مضامین کو نہایت سہل انداز میں پیش کرنے کی خداداد صلاحیت، معلوم ہوتا کہ اَلنَّالَهُ الْحَدِيْدَ کا کسی درجہ میں ظہور ہو رہا ہے اور کہاں یہ بے بضاعت۔

شروع میں تو میں لکھ لکھ کر حضرت کو دکھاتا بھی رہا۔ پھر حضرت کی بیماریوں کی وجہ سے یہ بھی مشکل ہو گیا۔ اب باقی ازواج مطہرات اور سب ہی بنات طیبات اور آپ کے دیگر اہل بیت کے فضائل کا ذکر و بیان احقر کے قلم سے ہے۔ اہل بیتؓ کے فضائل کے تذکرہ کے بعد احقر نے صحابۂ کرامؓ کے فضائل کا ذکر کیا ہے۔

میں نے جن صحابہؓ کا تذکرہ کیا ہے اور جس ترتیب سے کیا ہے وہ ان صحابۂ کرامؓ کے معروف ہونے کی وجہ سے اور اپنے ذہن کی ترتیب کی بنیاد پر کیا ہے ورنہ بالکل ممکن ہے کہ بعض وہ صحابۂ کرامؓ جن کا تذکرہ نہ ہو سکا ان بعض صحابۂ کرامؓ سے اللہ کی نظر میں بلند مقام ہوں جن کے فضائل و مناقب کا بیان میں نے کیا ہے۔

حضرتؒ کا یہ معمول رہا ہے کہ معارف الحدیث کی جلدوں میں دیباچہ یا پیش لفظ کے بعد معارف الحدیث کے ناظرین کو یہ نصیحت یا وصیت فرماتے تھے کہ:

"حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب و توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ از راہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ راقم سطور کو اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے۔

اگر حضرت حیات ہوتے اور اس جلد کا پیش لفظ تحریر فرماتے تو میرا خیال ہے کہ حضرت اس جلد میں بھی اس کا اعادہ فرماتے لہٰذا اس کتاب کے ناظرین سے اس عاجز کی دست بستہ درخواست ہے کہ اس کے مطالعہ کے وقت حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی وصیت پر ضرور عمل کریں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مقدمہ

ازابن المؤلف عتیق الرحمٰن سنبھلی

تکمیلِ "معارف"

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

"معارف الحدیث" کا مبارک سلسلہ جس کی آخری جلد بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس کی تحریر و تسویدکا آغاز ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں ہوا تھا۔ اللہ نے اپنے ایک بندے کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ "جس طرح ہمارے اسی دور اور ہمارے ہی ملک میں (اللہ نے) اپنے بعض بندوں سے اردو زبان میں قرآن مجید کی ایسی خدمتیں کرائیں جن کی اس دور میں خاص ضرورت تھی۔ اسی طرح اس زمانہ کے خاص حالات اور ضروریات کا لحاظ رکھ کر اردو میں حدیث نبوی ﷺ کی بھی ایک خدمت کی جائے۔" خیال مبارک ثابت ہوا، توفیق ربانی ہم عناں ہوئی۔ اور لمبے لمبے وقفوں کے باوجود سلسلہ کسی نہ کسی طرح چلتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۴ء میں اس کی پہلی جلد آگئی۔ اور اسی طرح کے کم و بیش لمبے لمبے وقفوں کے ساتھ (اس لئے کہ حضرت مؤلف علیہ الرحمہ کو "اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا" کے مصداق لکھنے پڑھنے کے لئے جم کر بیٹھنا مشکل ہی سے کبھی میسر آتا تھا) دوسری، تیسری، چوتھی، پانچویں، چھٹی ہوتی ہوئی ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں ساتویں جلد بھی شائع ہو گئی۔ مگر اس آخری (آٹھویں) کے مرحلے میں تو کٹھنائیاں آئیں تو یہ بس توفیق ربانی کی دست گیری ہی تھی کہ بیس سال کی دیر سے سہی، مسافر کے جان سے گزر جانے کے بعد سہی، سفر تکمیل کو پہنچ ہی گیا۔ عید آکر رہی، اگرچہ شام کے بعد!

الغرض یہ آخری تکمیلی جلد حضرت مؤلف کی وفات (۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۷ء) کے بعد شائع ہو رہی ہے۔ اگر زندگی نے کچھ اور وفا کی ہوتی اور انہیں موقع ملتا کہ اس مبارک سلسلے کی یہ آخری کڑی وہ خود ہی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں تو اللہ ہی بہتر جان سکتا ہے کہ شکر کے کن الفاظ اور کن کیفیات میں تقدیم کی یہ رسم انجام پاتی۔ شکر نعمت کا جو مادہ اللہ نے ان کی طبیعت میں ودیعت فرمادیا تھا، شاید ہی کوئی ان کے قارئین میں ایسا نکلے جسے ان کی اس خصوصیت کا احساس نہ ہو۔ وہ جس طرح اپنے آپ کو ناچیز و عاجز لکھتے تھے فی الواقع ایسا ہی سمجھتے بھی تھے اور اسی لئے جب بھی ان سے کوئی کام بن آتا اسے سراسر اللہ کا احسان و کرم ہی سمجھتے اور شکر میں ڈوب جاتے اور یہ سلسلہ معارف الحدیث کا کام تو وہ تھا کہ اسے ان لوگوں نے بھی "کام" جانا جو انہیں کسی اور کام کے حوالے سے اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔ پس اس بلند پایہ کام کی تکمیلی کڑی پیش

کئے جانے کی اس گھڑی میں بے اختیار خیال آتا ہے کہ کاش ان کی باوفا عمر اتنی وفا اور کرتی کہ اپنے اس مبارک کام کی تکمیل پر جو ان کے تصنیفی سلسلے کا سب سے بڑا کام تھا، شکر کے اس سرور سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع پالیتے جو ان کی روح کی بے حد مرغوب غذا تھی۔ چوتھی جلد جس پر کام مکمل نہیں ہوا تھا، صرف نصف ہی تک پہنچا تھا، اس کے دیباچہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ "گزشتہ تیرہ صدیوں میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں کے مطابق حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کا کام اللہ تبارک وتعالیٰ نے امت کے خادمان حدیث سے لیا ہے، اس زمرے میں اپنے لئے شرکت کی توفیق پر ان کی زبان شکر و حمد یوں زمزمہ آرا ہو جاتی ہے:

"اس رب کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گناہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمان حدیث کے زمرے میں شامل ہو...... سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا سوت لے کر خریداران یوسف کی قطار میں کھڑی ہو جائے۔ لک الحمد یا ربی

من آں خامم کہ ابر نو بہاری کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر روید از تن صد زبانم چو سوسن شکر لطفش کہ توانم

یہ زبان شکر اگر اس کار عظیم کی تکمیل کے اس موقع پر گویا ہوتی تو کیا کیا کیفیت اس کے زمزمہ ہائے حمد و شکر کی نہ ہوتی! مگر صد بار نہیں صد ہزار بار شکر کہ رب کریم نے اپنے بندۂ فانی کے کام کو باقی ہی نہیں رکھا، اسے تکمیل تک پہنچوایا، اور اسکے اخلاف کو موقع دیا کہ وہ اس پر شکر گزار ہو کر اپنی اوقات کے مطابق اعملوا آل داؤد شکرا (سورہ سبا ۳۴: ۱۳) کے ارشاد ربانی کی تعمیل کریں۔ لک الحمد یا ربنا! لک الحمد۔

کتاب کی تاخیر کے بعض اسباب بھی قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۶ء تک چار سالہ عرصے میں صحت کے مختلف عوارض کے علاوہ ایسی غیر معمولی درجے کے ہنگامی مشاغل کا ہجوم رہا جن سے اپنے عوارض کے باوجود مفر نہ تھا۔ اولاً ان کی مادر علمی دار العلوم دیوبند میں رونما ہو جانے والا انتشار، جبکہ وہ مجلس شوریٰ کے ایک اہم ممبر بھی تھے۔ اس قضیے سے کسی طرح کچھ فراغت ہوئی تو "اسلامی انقلاب" کے نام سے عالم اسلام پر امام ایران آیۃ اللہ خمینی صاحب کی یلغار نے انہیں بے چین کر ڈالا۔ اور ایک ایسا کام جس کے لئے اب عمر و صحت موزوں نہ رہی تھی قم باذن اللہ کے انداز میں اٹھالیا اور سال بھر مسلسل مطالعہ کے بعد یادگار کتاب[1] تیار کر ڈالی۔ جس سے اسلامی دنیا کے پڑھے لکھوں میں کم ہی لوگ ناآشنا رہے ہوں گے۔ تقریباً چار سال کا عرصہ ان دو اعصاب شکن مصروفیتوں کی نذر ہو گیا۔

لیکن ۱۹۸۶ء سے انہوں نے معارف الحدیث کا سلسلہ بہرحال بحال کر دیا۔ مگر اب رفتار بہت دھیمی تھی۔ وقفوں وقفوں کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کچھ ہوتا رہا۔ اس میں بھی ۱۹۹۰ء کا ایک سال مکمل ناغہ رہا اور اس کا باعث صرف صحت کے عوارض ہی تھے۔ ۹۱۔ ۱۹۹۲ء میں پھر تھوڑا سا کام ہوا۔ مگر ۱۹۹۳ء سے سلسلہ بالکل ہی موقوف ہو گیا۔ اب قویٰ نے بالکل ہی جواب دے دیا تھا۔ مسافر نے ہر ممکن کوشش کی کہ منزل ہی پہ جا کے دم لے کہ چند ہی قدم کی بات اور رہ گئی تھی، کتاب کا بالکل آخری باب فضائل و مناقب تمام ہونے

[1] ایرانی انقلاب امام خمینی اور شیعیت

میں تھوڑا ہی سا باقی تھا۔ پس اگلے دو سال انتظار میں گزارے کہ شاید وقت پلٹ آئے۔ مگر مشیت حق کے اپنے راز ہیں، کام کی تکمیل برادر عزیز ادا مولوی محمد زکریا صاحب استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے مقدر تھی۔ ۱۹۹۵ء میں یہ محسوس کر کے کہ اب اگر خدا چاہے تو یہ کام کسی اور ہی کے ہاتھ مکمل ہونا ہے اسے عزیز موصوف کے سپرد کر دیا جو اس کام کے لئے ہم سب گھر والوں میں موزوں ترین ہو سکتے تھے۔ اور الحمد للہ ان کے ہاتھوں یہ مبارک کام مکمل ہوا۔ اور اب انشاء اللہ شائقین کے ہاتھوں میں ہے۔

ان سطروں کے لئے قلم اٹھانے سے پہلے راقم نے اس آخری جلد کے مضامین پر نظر ڈالی تو اندازہ ہوا کہ حضرت مؤلف علیہ الرحمہ کو جس قدر بھی خواہش اس بات کی نہ رہی ہو کہ کتاب جس باب (فضائل و مناقب) کے ساتھ تکمیل کو پہنچ رہی ہے وہ کسی بھی طرح انہیں کے ہاتھوں مکمل ہو جائے، وہ کم ہے۔ اس باب کا آغاز ہوتا ہے حضور اکرم ﷺ کے فضائل سے اور پھر خلفاء راشدین، ازواج مطہرات وذریات طیبات سے گزرتے ہوئے اعیانِ اصحاب کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے لذیذ تذکروں پر یہ تمام ہوتا ہے۔ کیا شبہ ہے کہ ایک مؤمن کے لئے یہ تذکرے ذخیرۂ حدیث کا حاصل اور وہ جنت نگاہ و فردوس گوش ہیں کہ ان کے بیچ سے اٹھ جانا قیامت سے کم نہ ٹھہرے۔ یہ آخری جلد یوں تو چار ابواب (بلکہ اصطلاحی زبان میں چار کتابوں پر مشتمل ہے۔ کتاب العلم، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ، کتاب الفتن، کتاب المناقب والفضائل، لیکن یہ آخری (فضائل کا) باب باقی تینوں ابواب کے مجموعے سے بھی کم از کم دو گنا بڑا ہے اور اس کو پڑھتے ہوئے آدمی واقعی ایک ایمانی جنت میں سیر کر رہا ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو کہ ذکر خدا کے بعد حبیب خدا ﷺ، آپ کے خلفاء واصحاب اور ذریت وازواج کے تذکرے سے بڑھ کر ایمان افروز اور کونسا تذکرہ ہو سکتا ہے؟ آنحضرت ﷺ کے مناقب میں آپ کے آغاز نبوی کی تفصیل، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کے مراتب عُلیا کا بیان (خاص طور سے وہ جو روز محشر سامنے آئیں گے، آپ کا مقام شفاعت، خطابت، امامت وقیادت) آپ کے اخلاق عالیہ اور اوصاف حمیدہ جو عملی پیکر میں قرآن کے اوراق تھے اور آخر میں آپ کے اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کے احوال۔ پھر آپ کے خلفاء راشدین کے تذکار، آنحضرت ﷺ کی نظر میں ان کے مراتب، آپ کی بارگاہ میں ان کا تقرب، ان کے وہ اوصاف جنہوں نے ان کو یہ مرتبے دلائے۔ خلفاء اربعہ کے بعد ان کے ان باقی چھ ساتھیوں کے احوال جن سے عشرہ مبشرہ کی گنتی پوری ہوتی ہے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابو عبیدہ بن جراح (رضوان اللہ علیہم اجمعین) حضور کے ان یارانِ خاص کے بعد آپ کے اہل بیت (ازواج مطہرات، اور ذریت پاک) کی پاکیزہ زندگی کے تذکرے، آپ ﷺ کا ان سے اور **ان کا آپ** سے تعلق۔ یعنی حضور پاکؐ کی خانگی زندگی کی تصویر اور آخر میں ان نمایاں حیثیت کے اصحاب کرام کی کچھ یادگار باتیں جن کا صحاح ستہ کے ابواب مناقب میں تذکرہ ملتا ہے۔ الغرض اس ایمان افروز باب کو ادھورا چھوڑنے سے حضرت مؤلف علیہ الرحمہ والرضوان کی طبیعت جس قدر بھی گریزاں رہی ہو وہ کم ہے۔ لیکن مشیت کے اپنے راز ہیں۔ وہ بس حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی تک اس ذکر خیر کو پہنچا سکے۔

ان سطروں سے یہ خیال نہ ہو کہ اس باب میں صرف احوال و تذکار ہی ہیں۔ بعض بڑے اہم مسائل بھی ضمن میں آگئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی وفات اور مرض وفات کے ساتھ حدیث قرطاس کی ایک بڑی معرکہ آرا بحث آتی ہے۔ اسی ضمن میں آنحضرت ﷺ کی خلافت اور قائم مقامی کا وہ مسئلہ بھی ہے جو شیعیت اور سنیت کی کھلی حد بندی کرتا ہے۔ اور بھی چھوٹی چھوٹی بحثیں ضمناً پیدا ہوتی ہیں۔ ان سب مقامات پر اسی انداز کی بصیرت افروز گفتگو قاری کو ملتی ہے جو انداز گفتگو کتاب کی دوسری جلدوں میں ایسے مقامات پر پایا جاتا ہے۔

یعنی بحث و مباحثے اور مناظرے والا انداز اختیار کئے بغیر مسئلے کو صاف کر دینا۔ حتی کہ اگر ایک قاری نہیں جانتا کہ اس جگہ کوئی مسئلہ ہے تو اسے اس مقام کی گفتگو بھی مشکل ہی سے احساس دلا سکے گی کہ یہاں کوئی متنازع فیہ مسئلہ صاف کیا گیا ہے۔ مسئلہ کو مسئلہ بنائے بغیر حل کر دینا، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک حاذق حکیم وطبیب مریض کو مرض کی خطرناکی کا احساس دلائے بغیر علاج کر دینا مناسب جانتا ہے۔ مگر جبکہ اول الذکر (Former) ایک مشکل اور ریاض طلب کام ہے۔

ثانی الذکر (Later) میں ایسی کوئی بات نہیں، صرف خیال اور ارادے کی ضرورت ہے۔ مؤلف علیہ الرحمہ نے یہ ریاض طلب طریق کار جس مصلحت سے اپنایا ہے اس مصلحت پر انہوں نے کتاب کی تیسری جلد میں اپنے قارئین کو بھی متنبہ کر دینا مناسب سمجھا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اس آخری جلد کے لئے لکھی گئی ان سطروں میں بھی اس کو دہرا دیا جائے۔ فرمایا ہے:

"پہلی دو جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی احادیث کے ترجمہ و تشریح میں اصل مطمح نظر یہ رہا ہے کہ ہمارے اس دور کے ذہن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی عظمت و قدر و قیمت کو سمجھیں اور ان کے اندر اس کے اتباع کا جذبہ پیدا ہو اور اس نور اور روشنی سے بھی وہ حصہ لے سکیں جس سے آپ کی اس تعلیم وہدایت کے ذریعہ صحابۂ کرامؓ کو حصہ ملا تھا۔ اس لئے خالص علمی و فنی اور درسی بحثوں سے دانستہ بچا گیا ہے اور اپنی بساط بھر آسان اور مؤثر انداز میں احادیث کا سب مقصد و پیام واضح کرنے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقے پر حسب ضرورت اس کی روح اور حکمت و مصلحت بیان کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔"

اس تیسری جلد میں نماز سے متعلق احادیث آئی تھیں اور ان کے سلسلے میں بہت سے فقہی اختلافات کی بحثیں آتی ہیں۔ جن سے دامن بچانا بہت مشکل ہے۔ ان تک کے بارے میں حضرت مؤلف نے یہی رویہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"ناظرین کو ذہنی انتشار اور پریشاں دماغی سے بچانے کے لئے جہاں کچھ لکھنا پڑا ہے تو امکان بھر اس کی کوشش کی گئی ہے کہ مناظرانہ بحث کی شکل نہ بنے۔"

چند اور خصوصیات

جیسا کہ اوپر شروع میں ذکر آچکا ہے، معارف الحدیث کا یہ سلسلہ احادیث نبوی ﷺ کا ایک جدید انتخاب ہے۔ جس میں اپنے زمانے کی خصوصیتیں اور ضرورتیں پیش نظر رکھی گئی ہیں۔ اس انتخابی عمل کے بعد اس

کتاب کی دوسری خصوصیت منتخب احادیث کی ترتیب ہے۔ ہر باب کی ان حدیثوں کو ایسی ترتیب کے ساتھ کتاب میں جگہ دی گئی ہے کہ اگر ایک حدیث میں کوئی وضاحت طلب بات ہے اور ایک دوسری سے اس کی وضاحت میں مدد ملتی ہے تو وضاحت طلب حدیث کو پہلے رکھا جائے اور وضاحت میں مدد دینے والی حدیث کو بعد میں۔ اس طرح اولاً تو حدیث سے متعلق کسی اشکال یا غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے کسی تقریر اور تشریح کی خاص ضرورت ہی نہیں رہتی اور نہیں تو ایک اشارہ ہی بس کرتا ہے۔ یہ خدمت حدیث کے سلسلے کا وہ نادر کام ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کے مؤلفؒ سے لیا۔ تیسری جلد کے دیباچے میں کتاب کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خود فرماتے ہیں:

"ان حدیثوں کے انتخاب اور ترتیب کا کام بہت غور وفکر سے کیا گیا ہے۔ حدیث پر نظر اور دور حاضر کے علمی اور دینی تقاضوں کی خبر رکھنے والے حضرات اگر غور فرمائیں گے تو محسوس کریں کہ ترجمہ وتشریح سے قطع نظر یہ انتخاب اور ترتیب بجائے خود ایک کام ہو گیا ہے۔"

اور جیسا کہ حضرت مؤلفؒ کے انہیں الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے، اس کتاب میں احادیث مبارکہ کا ترجمہ اور ان کی تشریح بھی خدمت حدیث کے اس میدان میں اپنی ایک خصوصیت رکھتا ہے اور وہ خصوصیت بنیادی طور پر یہی ہے کہ اس کام میں بھی الفاظ کے انتخاب اور انداز گفتگو دور حاضر کے علمی اور دینی تقاضوں، اور ان کو پورا کرنے کی نزاکتوں پر نظر رکھی گئی ہے۔ یہ تقاضے اور نزاکتیں کیا ہیں؟ اس کی طرف بھی اس دیباچے میں اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

"ہمارے اس زمانے کی غالباً سب سے اہم ایک خصوصیت یہ ہے کہ مغربی علوم و نظریات کی ترقی اور اشاعت نے پوری انسانی دنیا کے طرز فکر اور علمی مزاج کو بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ اس لئے تعلیمات محمدی کے آج کے امینوں کی یہ خاص ذمہ داری ہے کہ وہ اس ذہنی اور فکری تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بیسویں صدی کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم وہدایت کو پیش کریں۔"

احادیث کی ترتیب اور ترجمہ وتشریح میں اس دور کے ذہن و مزاج کی رعایت کو قرار واقعی اہمیت دینے کے ساتھ ایک یہ کام بھی حدیث فہمی کو آسان بنانے کے سلسلے کا قابل ذکر ہے کہ ہر ایک مطلب اور موضوع کی احادیث کو ایسے ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا ہے جو آپ سے آپ حدیث کے صحیح مفہوم و مدعا کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں۔ مزید ایک اور اہم کام، جس سے فائدہ تو تمام ہی فہمیدہ قارئین انشاء اللہ اٹھائیں گے، لیکن اصل قدر و قیمت اہل علم و نظر ہی جانیں گے، ہر باب کے شروع کے وہ تمہیدی نوٹ ہیں جو حسب ضرورت احادیث باب کو سمجھنے، شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے یا ان سے فائدہ اٹھانے کی ذہنی استعداد پیدا کرتے ہیں۔ یہ نوٹ خاص طور سے ان ابواب کی حدیثوں کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں جن کے مضامین کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے محسوسات، ہمارے تجربات اور ہماری دنیا کے مادیات سے ماوراء ہیں۔ احادیث کے یہ مضامین ان چیزوں کی صف اول میں ہیں جو مغربی فکر کی وسوسہ اندازیوں کی زد میں آئی ہیں۔ یہ نوٹ مغربی افکار سے بحث نہیں کرتے۔ یہ سیدھی سادی زبان میں انسان کی اس سادہ

فطرت کو جگاتے ہیں جس کو انبیاء علیہم السلام کی باتیں سمجھنے اور ماننے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوتی اور اگر فطرت قبول حق کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو تو پھر کوئی دلیل کارگر نہیں ہوتی۔ سادگی کے ساتھ یہ نوٹ "ما قل ومادل" کا بھی پورا پورا نمونہ اور دین وعلم حدیث میں حضرت مؤلف کے رسوخ و بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ نور اللہ مرقدہ

لیکن اپنی کتاب کی ان خصوصیات کا اصل کریڈٹ وہ خود نہیں لیتے، اس کے لئے صاحب حجۃ اللہ البالغہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف انگلی اٹھادیتے ہیں۔ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے دو بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) حضرت مؤلف کے ذہن و فکر پر غیر معمولی طور پر اثر انداز رہے۔ اپنے مجلہ الفرقان کے پہلے ہی عشرے میں جو ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۳ھ سے شروع ہوتا تھا۔ انہوں نے الفرقان کے دو خاص نمبر شائع کئے۔ مجدد الف ثانی نمبر اور شاہ ولی اللہ نمبر۔ ان نمبروں نے صرف دینی حلقوں ہی میں نہیں، عام علمی اور تاریخی حلقوں میں بھی وہ اہمیت پائی جو رسائل کے خاص نمبروں کو خال خال ہی ملا کرتی ہے۔ یوں تو ان کی ساری ہی علمی اور دینی سرگرمیوں میں ان دونوں فکری دھاروں کی اثر اندازی رہی، مگر جس طرح ان کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ اس پر ان کی مجددی نسبت کی گویا مہر ہے (کہ ان کی عمر اور صحت کے جس دور میں وہ لکھی گئی وہ ممکن نہ ہوتی اگر مجددی نسبت کی آنچ سے ان کا سینہ خالی ہوتا) اسی طرح معارف الحدیث کے اس سلسلے کو ان کی "ولی اللّٰہیت" کا شاہکار کہا جاسکتا ہے۔ اس کتاب کی ولی اللّٰہی نسبت کی طرف ایک اشارہ تو اوپر کے ایک اقتباس میں ابھی گزرا ہے۔ وہ اقتباس کتاب کی تیسری جلد کے حوالے سے تھا۔ اسی جلد میں اسی موقع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا نام لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"(ان کے خیال کے مطابق) حدیث وسنت کے بارے میں ہمارے اس دور کے ذہنوں کو مطمئن کرنے کا جیسا سامان اس کتاب میں ہے ایسا پورے اسلامی کتب خانے کی کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔" اور اسی بنیاد پر فرماتے ہیں:

"اس ناچیز نے چونکہ بیسویں صدی کے ذہن اور اس دور کی خصوصیات کو سامنے رکھ کر اردو میں شرح حدیث کا یہ سلسلہ شروع کیا تھا...... اس لئے اس میں دوسری شروحِ حدیث کی بہ نسبت زیادہ استفادہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہی سے کیا گیا ہے۔"

حضرت شاہ صاحب اور ان کی کتاب کا منفرد مقام اہل علم میں مسلّم ہے۔ لیکن ان کی یہ کتاب بالعموم فلسفہ اسلام کی کتاب کے طور پر جانی جاتی ہے۔ اس کی یہ جہت کہ احادیث کی تشریح و تفہیم کے لئے معروف شروحِ احادیث سے زیادہ اس پر انحصار کیا جاسکتا ہے۔ یہ شاید پہلی مرتبہ معارف الحدیث کے اس بیان کے ذریعہ سامنے آتی ہے۔ یہ اگر صحیح ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ استقرائی (Inductive) نوعیت کے اس بیان کو کسی مبالغے اور فرطِ عقیدت پر محمول کیا جائے) تو اس کا یقیناً یہ مطلب ہے کہ صاحب بیان و تجربہ کو علم ولی اللّٰہی سے طبعی اور خصوصی مناسبت ہی نہیں ہے بلکہ انہوں نے ان علوم کی گہرائیوں میں اترنے پر خصوصی

توجہ صرف کی ہے۔

راقم الحروف کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ معارف کو پڑھ کر یہ فیصلہ دے سکے کہ ہاں صاحب معارف کی ان علوم سے واقعی خصوصی مناسبت ثابت ہوتی ہے۔ یہ مقام تو کسی ایسے صاحب علم ہی کا ہو سکتا ہے جو علوم ولی اللّٰہی پر دسترس رکھتا ہے اور اس کی روشنی میں معارف الحدیث کو پرکھ سکتا ہے۔ البتہ ان علوم پر کامل دسترس کے حصول کے لئے صاحب معارف کی جدوجہد کے ایک خاص واقعہ کی شہادت راقم سطور ضرور دے سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب جلاوطنی کی قید سے نکل کر ہندوستان واپس تشریف لائے تو کچھ ہی دن بعد ہمارے یہاں تشریف آوری ہوئی۔ یہ غالباً ۴۰،۱۹۳۹ء کی بات ہے، جبکہ ہم لوگ بریلی میں رہتے تھے اور راقم کی عمر اس وقت ۱۱، ۱۲ سال ہوگی۔

مولانا نے کئی دن ہمارے یہاں قیام فرمایا۔ اس تشریف آوری کی تقریب یہ تھی کہ حضرت مؤلف (یعنی میرے والد ماجدؒ) کو کسی مدرسہ کے جلسے میں حضرت مولانا سے نیاز حاصل ہوا اور ایک آدھ دن وہاں قیام میں آپ سے استفادہ کا موقع ملا تو ان کی اس خصوصیت کی بنا پر کہ وہ علوم ولی اللہ کے شارح ہیں والد ماجد نے خواہش کی کہ حجۃ البالغہ کے بعض مقام اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ ان سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تقریب تھی کہ حضرت مولانا نے اس سلسلے میں خود بریلی تشریف لاکر مستفید فرمانے کا وعدہ فرمایا اور تشریف لائے۔ یہ واقعہ اصلاً تو اسی بات کی ایک وزنی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے کہ صاحب معارف کو اپنے امکان بھر علوم ولی اللّٰہی کی گہرائیوں میں اترنے سے کیسی گہری دلچسپی تھی، مگر ضمناً اس میں ان کی طبعی مناسبت کی شہادت بھی اس میں کم نہیں ہے۔ کنوئیں نے پیاسے کو خود آ کے نوازنے کا فیصلہ کیا! کوئی بات ہونی چاہئے۔ [1]

پس علاوہ اور باتوں کے اس کتاب کی یہ ایک الگ اور قابل توجہ خصوصیت ہے کہ جملہ ابواب و عنوانات سے تعلق رکھنے والی احادیث نبوی کی تشریح و تفہیم بنیادی طور سے فکرِ ولی اللّٰہی کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے اس کو حدیث کی تدریس (Teaching) میں ایک نئی راہ کھولنے والا تجربہ کہا جا سکتا ہے۔ ایسا تجربہ جس میں حضرت مؤلف کے خیال کے مطابق ہمارے زمانے کے ذہن و فکر کی تشفی کا سامان ہے۔ بلکہ حجۃ اللہ کی روشنی اور رہنمائی کا ایک پہلو تو اس سلسلے میں ایسا ہے کہ حضرت مؤلفؒ ہماری دینی درسگاہوں میں اس کے نظر انداز کئے جانے پر اظہار افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکے ہیں اور خود انہیں درسگاہوں سے تعلیم پانے کے باوجود انہوں نے اپنے لئے اس کتاب میں ضروری سمجھا ہے کہ اس رہنمائی کی پیروی کریں۔ یہ

---

[1] بریلی کے ذکر پر خیال آتا ہے کہ والد ماجد کو دور جدید کے ذہن و فکر اور اس کی رعایت کا جو اس قدر احساس تھا اس میں ان کے چودہ سالہ قیام بریلی کا ضرور کافی دخل رہا ہوگا۔ بریلی کا یہ قیام ایک ایسی جگہ رہا جہاں آپس میں رشتہ داریوں والے بس ایسے دو تین خاندان آباد تھے جو تھے تو کسی نہ کسی طور پر اکابر دیوبند سے وابستہ، مگر سب انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ۔ ان میں پروفیسران بھی تھے، ڈپٹی کلکٹران بھی اور ماسٹران بھی اور والد کا مزاج دعوتی۔ پس راقم کا گمان یہ ہے کہ اسی طویل رابطے کی بناء پر والد ماجد کو اس طبقہ کے ذہن و فکر کی ضروریات کا اندازہ ہوا اور فکرِ ولی اللّٰہی میں اس "درد" کی دوا نظر آئی۔

اظہار افسوس تیسری جلد میں اس طور پر سامنے آتا ہے:

"اس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حدیث کے مطالب و مقاصد کی وضاحت اور اس کی حکمت کے بیان میں جو طریقہ اختیار کیا ہے اس کی ایک خصوصیت تو یہی ہے کہ اس سے اس دور کے ذہن بھی پوری طرح مطمئن ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ اس کی روشنی میں امت کے فقہاء و مجتہدین کے فقہی اور اجتہادی اختلافات کی واقعی نوعیت سامنے آجاتی ہے اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ ان آئمہ کے یہ تمام فقہی مسالک ایک درخت کی قدرتی شاخیں یا ایک بڑے دریا سے نکلنے والی نہریں ہیں، ان سب کا سرچشمہ ایک ہی ہے اور ان میں کوئی تضاد اور حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ افسوس کہ ہماری درسگاہوں میں ابھی تک یہ ولی اللٰہی طریقہ رواج نہیں پا سکا، حالانکہ ہمارے اس دور کے لئے اللہ تعالیٰ کی یہ خاص الخاص نعمت ہے۔"

دوسرے الفاظ میں فقہاء و آئمہ کرام کی مختلف آراء میں رشتۂ وحدت کی تلاش اور اس پر زور، یہ ہمارے زمانے کے لئے حضرت شاہ صاحب کی بڑی قابل قدر رہنمائی ہے اور اپنی اس رائے کے مطابق اپنی اس کتاب میں آنے والی ان حدیثوں کے سلسلے میں جو اختلاف آئمہ سے تعلق رکھتی ہیں، ایک عملی نمونہ بھی کتاب کے خاکے کی گنجائش کے مطابق، اس امر کا قائم کر دیا ہے کہ شاہ صاحب کی اس رہنمائی سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت اس کی سادہ بیانی ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے وسیع پیمانے پر لوگ اس سے مستفید ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ لیکن غالب گمان ہے کہ یہی سادہ بیانی ایک ایسا حجاب بن گئی ہو کہ ہمارے طبقۂ علماء کے لئے استفادے کے قابل جو پہلو اس کتاب میں ہیں ان تک نگاہیں مشکل سے پہنچ پا رہی ہوں، حالانکہ حجۃ اللہ جیسی نکات ریز کتاب اس کی خاص اساس ہے اور خود حضرت مؤلف بھی مسلمہ طور پر اپنے وقت کے راسخ العلم اور بالغ نظر علماء میں سے! واقعہ میں یہ کتاب کم از کم عام درجے کے علماء کے لئے بھی نہایت کار آمد اور قدر و توجہ کے ساتھ لائق مطالعہ ہے۔ یہ اپنی صف کے آخری فرد کے علم کا گویا نچوڑ ہے، جو اس کتاب کی شکل میں محفوظ ہو گیا۔ فللہ الحمد

کتاب کی تمام خصوصیتوں کا "لب مقصود" کہے جانے کے قابل خصوصیت اس کم علم راقم کی نگاہ میں یہ ہے کہ اس نے دو ہزار سے زائد احادیث کی ایسی مستند تشریح ہی نہیں بہم پہنچا دی ہے جو احادیث نبوی کے اور امت کے سلیم الفطرت جدید تعلیم یافتہ طبقے کے درمیان مغربی افکار کے ڈالے ہوئے حجاب کو اٹھا دے، بلکہ یہ تشریح احادیث طیبہ کی ایک خاص انداز سے ترتیب کے نتیجہ میں پورے دین کی ایک ایسی مرتب اور مؤثر تشریح و تفہیم بن گئی ہے جو اسے ایک دین فطرت کی شکل میں دکھائے۔ یہ کسی کے بھی ہاتھ میں اعتماد کے ساتھ دی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام کے پورے نظام اور قالب کو اس کی اس روح کے ساتھ سمجھے جو ایک مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ دین کی روح ہوتی ہے!...... اور اس کے بعد یہ کہتے ہوئے کسی مبالغہ آرائی کے گمان کا اندیشہ نہ کرنا غالباً صحیح ہوگا کہ دین حق کے اس تعارف کے نتیجے میں آدمی کا دل انشاء اللہ اس یقین سے لبریز ہو رہے

گا کہ صاحب احادیث پاک نبی اُمی، حضرت محمد ﷺ ہی کے قدموں میں انسانیت کی فلاح ہے۔ ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلىٰ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْ هُمْ بِاِحْسَانٍ اِلىٰ يَوْمِ الدِّيْنِ رَبَّنَا وَاَوْزِعْنَا اَنْ نَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِىْ اَنْعَمْتَ عَلَيْنَا وَعَلىٰ وَالِدَيْنَا وَاَنْ نَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَدْخِلْنَا بِرَحْمَتِكَ فِىْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ

الفقیر الی اللہ الغنی

ابن المؤلف عتیق

لندن۔ ۵/ محرم ۱۴۲۲ھ — ۳۱/ مارچ ۲۰۰۱ء

معارفُ الحدیث

جلد اوّل

کتابُ الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا م بَيْنَ يَدَىِ السَّاعَةِ ، مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهٗ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِ نَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

صرف وہی عمل قابلِ قبول ہے جو اللہ کیلئے ہو

۱) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَءَةٍ يَّتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ: "سب انسانی اعمال کا دارومدار بس نیتوں پر ہے اور آدمی کو اس کی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے، تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی (اور خدا و رسول کی رضاجوئی و اطاعت کے سوا اسکی ہجرت کا اور کوئی باعث نہ تھا) تو اس کی ہجرت در حقیقت اللہ ورسول ہی کی طرف ہوئی (اور بیشک وہ اللہ ورسول کا سچا مہاجر ہے اور اس کو اس ہجرت الی اللہ والرسول کا مقرر اجر ملے گا) اور جو کسی دنیاوی غرض کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر "مہاجر" بنا تو (اس کی ہجرت اللہ و رسول کے لئے نہ ہوگی، بلکہ) فی الواقع جس دوسری غرض اور نیت سے اس نے ہجرت اختیار کی ہے عنداللہ بس اسی کی طرف اس کی ہجرت مانی جائے گی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث کا جو ترجمہ اوپر کیا گیا ہے وہ خود مطلب خیز ہے اور نفسِ مفہوم کے بیان کیلئے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں، لیکن اس کی خصوصی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ اس کے مطالب و فوائد پر کچھ اور بھی لکھا جائے۔

حدیث کا اصل منشاء امت پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ تمام اعمال کے صلاح و فساد اور مقبولیت و مردودیت کا مدار نیت پر ہے، یعنی عملِ صالح وہی ہوگا اور اُسی کی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہوگی جو صالح نیت سے کیا گیا ہو۔ اور جو "عملِ صالح" کسی بُری غرض اور فاسد نیت سے کیا گیا ہو وہ صالح اور مقبول نہ ہوگا، بلکہ نیت کے مطابق فاسد اور مردود ہوگا، اگرچہ ظاہری نظر میں "صالح" ہی معلوم ہو...... حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ عمل کے ساتھ نیت کا اور ظاہر کے ساتھ باطن کا بھی دیکھنے والا ہے اسکے یہاں ہر عمل کی قدر و قیمت عمل کرنے والے کی نیت کے حساب سے لگائی جائیگی۔

ایک غلط فہمی

کسی کو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جب دارومدار نیت ہی پر ہو تو اگر برے کام بھی کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو وہ اعمال صالحہ ہو جائیں گے اور ان پر بھی ثواب ملے گا مثلاً اگر کوئی شخص اس نیت سے چوری اور ڈاکہ زنی کرے کہ جو مال اس سے حاصل ہوگا اُس سے وہ غریبوں اور مسکینوں کی مدد کرے گا تو وہ بھی ثواب کا مستحق ہو سکے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ جو کام فی نفسہٖ برے ہیں اور جن سے اللہ اور اسکے رسول نے منع فرمایا ہے اُن میں حُسنِ نیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ تو بہر حال قبیح اور موجبِ غضبِ الٰہی ہیں، بلکہ انکے ساتھ اچھی نیت کرنا اور اُن پر ثواب کی امید رکھنا شاید انکی مزید قباحت کا اور سزا میں زیادتی کا باعث ہو، کیونکہ یہ اللہ کے دین کیساتھ ایک قسم کا تلاعب (کھیل) ہوگا، بلکہ حدیث کا منشا "اعمالِ صالحہ" کے متعلق یہ جتلانا ہے کہ وہ بھی اگر کسی بری نیت سے کئے جائیں گے تو پھر "اعمالِ صالحہ" نہیں رہیں گے، بلکہ بُری نیت کی وجہ سے انکا انجام بُرا ہی ہوگا۔ مثلاً جو شخص نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتا ہے جسکو ہم اعلیٰ درجہ کا عمل صالح سمجھتے ہیں وہ اگر یہ خشوع و خضوع اسلئے کرتاہے کہ لوگ اسکی دینداری اور خدا پرستی کے متعلق اچھی رائے قائم کریں اور اسکا اعزاز و اکرام کیا جائے، تو اس حدیث کی رو سے اسکی یہ خشوع و خضوع والی نماز اللہ کے یہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، یا مثلاً ایک شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرتا ہے، اور اس کیلئے ہجرت کی ساری مشقتیں اور مصیبتیں سہتا ہے لیکن اسکی غرض اس ہجرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی نہیں بلکہ کوئی اور دُنیاوی غرض پوشیدہ ہے، مثلاً دار الہجرت میں رہنے والی کسی عورت سے نکاح کی خواہش اس ہجرت کیلئے محرک ہوئی ہے تو یہ ہجرت ہجرتِ اسلام نہ ہوگی اور اللہ کے ہاں اسکا کوئی اجر نہ ہوگا، بلکہ اُلٹا گناہ ہوگا، بس یہی ہے اس حدیث کا اصل منشاء۔

بڑے سے بڑا عمل بھی اگر اخلاص اور للّٰہیت سے خالی ہوگا تو وہ جہنم ہی میں لے جائیگا

ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے تین شخصوں کے متعلق عدالتِ الٰہیہ سے جہنم کا فیصلہ سنایا جائے گا۔ سب سے پہلے ایسے شخص کی پیشی ہوگی جو جہاد میں شہید ہوا ہوگا۔ وہ جب حاضرِ عدالت ہوگا تو اللہ تعالیٰ پہلے اسکو اپنی نعمتیں جتائے گا اور یاد دلائے گا وہ اس کو یاد آجائیں گی پھر اس سے فرمایا جائے گا بتلا تو نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا؟ اور کیا عمل کئے؟ وہ عرض کرے گا خداوند! میں نے تیری راہ میں جہاد کیا اور تیری رضا طلبی میں جانِ عزیز تک قربان کردی، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے تو نے تو صرف اس لئے جہاد کیا تھا کہ تو بہادر مشہور ہو، تو دنیا میں تیری بہادری کا چرچا ہو چکا، پھر اللہ کے حکم سے اس کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اسی طرح ایک "عالمِ دین" اور "عالمِ قرآن" حاضرِ عدالت کیا جائے گا اور اس سے بھی اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ تو نے کیا اعمال کیے؟ وہ کہے گا میں نے تیرے دین اور تیری کتاب کے علم کو پڑھا اور پڑھایا، اور یہ سب تیری رضا کیلئے کیا، حق تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تو نے تو عالم، قاری، اور مولانا کہلانے کیلئے یہ سب کچھ کیا تھا پھر بحکم خداوندی اس کو بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا...... پھر اسکے بعد ایک شخص پیش ہوگا جس کو اللہ نے بہت کچھ مال و دولت دیا ہوگا، اس سے بھی سوال کیا جائے گا کہ تو نے کیا کیا؟ وہ عرض کریگا کہ خداوندا میں نے خیر کا کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس میں تیری رضا جوئی کیلئے اپنا مال نہ خرچ کیا ہو، حق تعالیٰ فرمائیگا تو جھوٹا ہے تو نے تو صرف اسلئے مال خرچ کیا تھا کہ دُنیا تجھ کو سخی کہے تو دنیا میں تیری سخاوت کا خوب چرچا ہولیا۔ پھر اسکو بھی اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مسلم)

(اللہ پناہ میں رکھے نیتوں کے فساد بالخصوص ریا و نفاق سے۔ آمین)

الغرض اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی عمل کام آئے گا جو صالح نیت سے یعنی محض رضائے الٰہی کے لئے کیا گیا ہو، دین کی خاص اصطلاح میں اسی کا نام اخلاص ہے۔

قرآن مجید میں مخلصوں اور غیر مخلصوں کی ایک مثال

قرآن پاک کی ذیل کی دو آیتوں میں صدقات وخیرات کرنے والے دو قسم کے آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ لوگ جو مثلاً دنیا کے دکھاوے کیلئے اپنا مال مصارفِ خیر میں صرف کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو محض اللہ کی رضا جوئی کی نیت سے غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں، ان دونوں گروہوں کے ظاہری عمل میں قطعی یک رنگی ہے، اور ظاہر ہے کہ آنکھ ان کے درمیان کسی فرق کا حکم نہیں کر سکتی لیکن قرآن پاک بتلاتا ہے کہ چونکہ ان کی نیتیں مختلف ہیں اسلئے ان دونوں کے عمل کے نتیجے بھی مختلف ہیں، ایک کا عمل سراسر برکت ہے اور دوسرے کا بالکل اکارت:

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ط لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ط وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ـ

اُس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور یومِ آخر پر ایمان نہیں رکھتا تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے پتھر کی ایک چٹان ہو جس پر کچھ مٹی آ گئی ہو، (اور اس پر کچھ سبزہ جم آئے) پھر اس پر زوروں کی بارش گرے جو
اس کو بالکل صاف کر دے، تو ایسے ریاکار لوگ اپنی کمائی کا کچھ بھی پھل نہ لے سکیں گے اور ان منکر لوگوں کو اللہ اپنی ہدایت اور اس کے میٹھے پھل سے محروم ہی رکھے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ م بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ـ (بقرہ ۲:۲۶۵)

اور اُن لوگوں کی مثال جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور اپنے نفسوں کو ایثار و انفاق، اور راہِ خدا میں قربانی کا خوگر بنانے کے لئے اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس پھولنے پھلنے والے باغ کی سی ہے جو ٹیکری پر واقع ہو اُس پر جب زوروں کی بارش ہو تو دو گنا چو گنا پھل لائے۔

تو اگرچہ ان دونوں نے بظاہر یکساں طور پر اپنا مال غریبوں، مسکینوں اور حاجت مندوں پر خرچ کیا، مگر چونکہ ایک کی نیت محض دکھاوے کی تھی اس لئے لوگوں کے دیکھ لینے یا زیادہ سے زیادہ اُن کی وقتی داد و تحسین کے سوا اسکو کچھ حاصل نہ ہوا، کیونکہ اس کی غرض اس انفاق سے اس کے سوا کچھ اور تھی ہی نہیں...... لیکن دوسرے نے چونکہ اس ایثار و انفاق سے صرف اللہ کی رضامندی اور اس کا فضل و کرم چاہا تھا اس لئے اللہ نے اس کو اس کی نیت کے مطابق پھل دیا۔

بس یہی وہ سنتُ اللہ اور قانونِ خداوندی ہے جس کا اعلان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے۔

اس دنیا میں صرف ظاہر پر تمام فیصلے کئے جاتے ہیں اور آخرت میں نیتوں پر کئے جائیں گے

یہ عالم جس میں ہم ہیں اور ہم کو جس میں کام کرنیکا موقع دیا گیا ہے "عالم ظاہر" اور "عالم شہادت" ہے اور ہمارے حواس و ادراکات کا دائرہ بھی یہاں صرف ظاہر اور مظاہر ہی تک محدود ہے، یعنی یہاں ہم ہر شخص کا صرف

ظاہری چال چلن دیکھ کر ہی اسکے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کر سکتے ہیں۔ اور اسی کی بنیاد پر اسکے ساتھ معاملہ کرسکتے ہیں، ظاہری اعمال پر سے انکی نیتوں، دل کے بھیدوں اور سینوں کے رازوں کے دریافت کرنے سے ہم قاصر ہیں اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا: نَحْنُ نَحْكُمُ بِالظَّاهِرِ وَاللّٰهُ يَتَوَلَّى السَّرَائِر (یعنی ہمارا کام ظاہر پر حکم لگانا ہے اور مخفی راز اللہ کے سپرد ہیں) لیکن عالم آخرت میں فیصلہ کرنے والا اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہوگا اور وہاں اس کا فیصلہ نیتوں اور دل کے ارادوں کے لحاظ سے ہوگا، گویا احکام کے بارے میں جس طرح یہاں ظاہری اعمال اصل ہیں اور کسی کی نیت پر یہاں کوئی فیصلہ نہیں کیا جاتا، اسی طرح وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، اور حق تعالیٰ کا فیصلہ نیتوں پر ہوگا، اور ظاہری اعمال کو ان کے تابع رکھا جائے گا۔

حدیث کی خصوصی اہمیت

یہ حدیث اُن "جوامع الکلم" میں سے یعنی رسول اللہ ﷺ کے اُن مختصر مگر جامع اور وسیع المعنی ارشادات میں سے ہے جو مختصر ہونے کے باوجود دین کے کسی بڑے اہم حصہ کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں اور "دریا بکوزہ" کے مصداق ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آئمہ نے کہا ہے کہ "اسلام" کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں آگیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان آئمہ نے فرمایا مبالغہ نہیں ہے بلکہ عین حقیقت ہے 'کیونکہ اصولی طور پر اسلام کے تین ہی شعبے ہیں۔ ایمان (یعنی اعتقادیات) اعمال اور اخلاص۔ چونکہ یہ حدیث اخلاص کے پورے شعبہ پر حاوی ہے اسلئے کہا جاتا ہے کہ اسلام کا ایک تہائی حصہ اس میں آگیا ہے......اور پھر اخلاص وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر کام میں اور ہر قدم پر ہے، خاص کر جب بندہ کوئی اچھا سلسلہ شروع کرے خواہ وہ علمی ہو یا عملی تو وہ اسکا حاجتمند ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسکے سامنے ہو، اس لئے بعض اکابر نے اپنی مؤلفات کو اسی حدیث سے شروع کرنا بہتر سمجھا ہے چنانچہ امام بخاری نے اپنی "جامع صحیح" کو اور ان کے بعد امام بغویؒ نے "مصابیح" کو اسی حدیث سے شروع کیا ہے، گویا اسی کو "فاتحۃ الکتاب" بنایا ہے اور حافظ الحدیث ابن مہدیؒ سے منقول ہے کہ جو شخص کوئی دینی کتاب تصنیف کرے اچھا ہو کہ وہ اسی حدیث سے اپنی کتاب کا آغاز کرے (آگے فرمایا) اور اگر میں کوئی کتاب لکھوں تو اسکے ہر باب کو اسی حدیث سے شروع کروں گا۔ (فتح الباری)

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس ناچیز نے بھی اسی لئے اس حدیث پاک سے اپنی اس کتاب کا آغاز کیا ہے، اللہ تعالیٰ بخیر اتمام کی توفیق دے اور قبول فرمائے نیز اس ناچیز کو اور کتاب کے تمام ناظرین کو اخلاص و حسنِ نیت نصیب فرمائے۔

(اسکے بعد ایک خاص ترتیب سے وہ حدیثیں درج ہوں گی جن میں رسول اللہ ﷺ نے ایمان و اسلام کا یا ان کے ارکان اور شعبوں کا یا ان کے لوازم و شرائط کا یا ان کے برکات و ثمرات کا یا انکے مفسدات و مناقضات کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے "حدیث جبرئیل" درج کی جارہی ہے جو اصولی طور پر دین کے سارے شعبوں پر حاوی ہونے کی وجہ سے "اُم السنہ" کہی جاتی ہے)

اسلام، ایمان اور احسان

(حدیث جبرئیل)

۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ

عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا يُرىٰ عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤتِى الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا، قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْأَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِيْمَانِ؟ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنُ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ، قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ الْاِحْسَانِ؟ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ، قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ مَاالْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، قَالَ فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ اَمَارَتِهَا قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِى الْبُنْيَانِ قَالَ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِىْ مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مجلسِ مبارک میں صحابہ کا ایک مجمع تھا اور حضرت اُن سے خطاب فرما رہے تھے۔ فتح) کہ اچانک ایک شخص سامنے سے نمودار ہوا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی زیادہ سیاہ تھے۔ اور اُس شخص پر سفر کا کوئی اثر بھی معلوم نہیں ہوتا تھا، (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی بیرونی شخص نہیں ہے) اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی تھی کہ ہم میں سے کوئی شخص اس نووارد کو پہچانتا نہ تھا (جس سے خیال ہوتا تھا کہ یہ کوئی باہری آدمی ہے، تو یہ حاضرین کے حلقہ میں سے گزرتا ہوا آیا) یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آکر دوزانو اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آنحضرت کے گھٹنوں سے ملا دیئے۔ اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیئے اور کہا اے محمد! مجھے بتلایئے کہ "اسلام" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اسلام" یہ ہے (یعنی اس کے ارکان یہ ہیں کہ دل وزبان سے) تم یہ شہادت ادا کرو کہ "اللہ" کے سوا کوئی "الٰہ" (کوئی ذات عبادت و بندگی کے لائق) نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں، اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو، اور ماہِ رمضان کے روزے رکھو، اور اگر حج بیتُ اللہ کی تم استطاعت رکھتے ہو تو حج کرو، اس نووارد سائل نے آپ کا یہ جواب سن کر کہا، آپ نے سچ کہا۔ راویٔ حدیث حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم کو اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص پوچھتا بھی ہے اور پھر خود تصدیق و تصویب بھی کرتا جاتا ہے، اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا اب مجھے بتلایئے کہ "ایمان" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اور اُس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخر یعنی روزِ قیامت کو حق جانو اور حق مانو اور ہر خیر و شر کی تقدیر کو بھی حق جانو اور حق مانو، (یہ سن کر بھی) اس نے کہا، آپ نے سچ کہا۔ اس کے بعد اس شخص نے عرض کیا، مجھے بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی تم اس طرح کرو گویا تم اس کو

دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو پروہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے، پھر اُس شخص نے عرض کیا مجھے قیامت کی بابت بتلائیے (کہ وہ کب واقع ہوگی) آپ نے فرمایا کہ جس سے یہ سوال کیا جارہا ہے وہ اس کو سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ پھر اس نے عرض کیا تو مجھے اس کی کچھ نشانیاں ہی بتلائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا (اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی، (اور دوسری نشانی یہ ہے کہ) تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور تن پر کپڑا نہیں ہے، اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ باتیں کر کے یہ نووارد شخص چلا گیا، پھر مجھے کچھ عرصہ گزر گیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے عمر! کیا تمہیں پتہ ہے کہ وہ سوال کرنے والا شخص کون تھا؟ میں نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جبرئیل تھے، تمہاری اس مجلس میں اسلئے آئے تھے کہ تم لوگوں کو تمہارا دین سکھادیں۔

(یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور صحیح بخاری و مسلم میں یہی واقعہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی مروی ہے)

تشریح...... اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے پانچ امور کا بیان فرمایا ہے، اسلام، دوسرے ایمان، تیسرے احسان، چوتھے قیامت کے متعلق انتباہ کہ اس کا وقت خاص اللہ کے سوا کسی کے علم میں نہیں، اور پانچویں قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی بعض علامات...... ان پانچوں چیزوں کے متعلق جو کچھ اس حدیث میں بیان فرمایا ہے وہ تشریح طلب ہے۔

۱) اسلام...... کے اصل معنی ہیں اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا، اور بالکل اُسی کے تابع فرمان ہو جانا...... اور اللہ کے بھیجے ہوئے اور اس کے رسولوں کے لائے ہوئے "دین" کا نام اسلام اسی لئے ہے کہ اُس میں بندہ اپنے آپ کو بالکل مولا کے سپرد کر دیتا ہے، اور اس کی مکمل اطاعت کو اپنا دستور زندگی قرار دے لیتا ہے، اور یہی اصل حقیقت "دینِ اسلام" کی اور اسی کا مطالبہ ہے ہم سے۔ فرمایا گیا "فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا" (حج ۲۲:۳۴) (تمہارا اللہ وہی الہ واحد ہے، لہٰذا تم اسی کے "مسلم" یعنی مطیع ہو جاؤ) اور اسی اسلام کے متعلق فرمایا گیا ہے "وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ" (نساء ۴:۱۲۵) (اور اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور وہ اس طرح "مسلم بندہ" ہو گیا) اور اسی اسلام کے متعلق اعلان فرمایا گیا ہے "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (آل عمران ۳:۸۵) (یعنی جس نے "اسلام" کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہا تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا، اور وہ آدمی آخرت میں بڑے گھاٹے اور ٹوٹے والوں میں سے ہوگا) بہرحال "اسلام" کی اصل روح اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ اپنے کو کلی طور پر اللہ کے سپرد کر دے اور ہر پہلو سے اس کا مطیع فرمان بن جائے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتوں میں اس "اسلام" کے لئے کچھ مخصوص ارکان بھی ہوتے ہیں جن کی حیثیت اس "حقیقتِ اسلام" کے "پیکر محسوس" کی سی ہوتی ہے، اور اس حقیقت کا نشوونما اور اس کی

تازگی بھی انہی سے ہوتی ہے، اور وہ صرف تعبّدی امور ہوتے ہیں، اور ظاہری نظر انہی "ارکان" کے ذریعہ فرق و امتیاز کرتی ہے۔ ان لوگوں کے درمیان جنہوں نے اپنا دستورِ حیات "اسلام" کو بنایا ہے، اور ان کے درمیان جنہوں نے نہیں بنایا۔

تو خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "اسلام" کا جو آخری اور مکمل دستور ہمارے پاس آیا ہے اس میں توحید خداوندی اور رسالت محمدی کی شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بیت اللہ کو "ارکانِ اسلام" قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے "بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ الخ" (یعنی اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے)

بہر حال یہ پانچ چیزیں جن کو آپ نے یہاں اس حدیث میں "اسلام" کے جواب میں بیان فرمایا "ارکانِ اسلام" ہیں اور یہی گویا "اسلام" کے لئے "پیکرِ محسوس" ہیں۔ اسے واسطے اس حدیث میں انہی کے ذریعہ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۲) ایمان...... کے اصل معنی کسی کے اعتبار اور اعتماد پر کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں[1] اور دین کی خاص اصطلاح میں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ایسی حقیقتوں کے متعلق جو ہمارے حواس اور آلات ادراک کے حدود سے ماوراء ہوں جو کچھ بتلائیں اور ہمارے پاس جو علم اور جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائیں ہم ان کو سچا مان کر اس میں ان کی تصدیق کریں اور اس کو حق مان کر قبول کرلیں۔ بہر حال شرعی ایمان کا تعلق اصولاً امور غیب ہی سے ہوتا ہے جن کو ہم اپنے آلاتِ احساس و ادراک (آنکھ، ناک، کان وغیرہ) کے ذریعہ معلوم نہیں کرسکتے[2]۔ مثلاً اللہ اور اس کی صفات اور اس کے احکام اور رسولوں کی رسالت اور ان پر وحی کی آمد، اور مبداء و معاد کے متعلق ان کی اطلاعات، وغیرہ وغیرہ تو اس قسم کی جتنی باتیں اللہ کے رسول نے بیان فرمائیں ان سب کو ان کی سچائی کے اعتماد پر حق جان کر ماننے کا نام اصطلاح شریعت میں ایمان ہے، اور پیغمبر کی اس قسم کی کسی ایک بات کو نہ ماننا یا اس کو حق نہ سمجھنا ہی اس کی تکذیب ہے، جو آدمی کو ایمان کے دائرہ سے نکال کر کفر کی سرحد میں داخل کردیتی ہے۔[3] پس آدمی کے مؤمن ہونے کیلئے یہ ضروری ہے کہ "کُلُّ مَا جَاءَ بِهِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللهِ" کی (یعنی تمام ان چیزوں اور حقیقتوں کی جو اللہ کے پیغمبر اللہ کی طرف سے لائے) تصدیق کی جائے اور ان کو حق مان کر قبول کیا جائے...... لیکن ان سب چیزوں کی پوری

---

[1] فی التنزیل وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین سورۂ یوسف ۱۲۔۱۷

[2] اسی واسطے "ایمان" کے ساتھ بالغیب کی قید بھی لگائی جاتی ہے۔ کما قال تعالیٰ یؤمنون بالغیب

[3] جو لوگ اللہ کے کسی پیغمبر کی حیات مقدسہ میں براہ راست ان کی زبان سے ان کی ہدایت اور تعلیم سُنیں ان کیلئے تو ان کی ہر اس بات کی تصدیق شرط ایمان ہے جو پیغمبر ان کے سامنے اللہ کی طرف سے بیان کریں۔ اگر وہ ان کی ایسی ایک بات کا بھی انکار کریں گے تو مومن نہ رہیں گے لیکن جب پیغمبر اس دنیا میں نہ رہیں تو صرف ان باتوں کی تصدیق کرنا شرط ایمان ہے جن کا ثبوت ان پیغمبر سے ایسے یقینی قطعی اور بدیہی طریقہ سے ہو جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ دین کی ایسی تعلیمات کو خاص علمی اصطلاح میں ضروریاتِ دین کہتے ہیں، ان سب پر ایمان لانا شرط ایمان ہے، اگر ان میں سے کسی کا بھی کوئی انکار کرے تو مؤمن نہیں رہے گا اور اگر وہ پہلے مسلمان تھا تو اسلام سے اسکا رشتہ کٹ جائیگا۔ ۱۲

تفصیل معلوم ہونی ضروری نہیں ہے، بلکہ نفسِ ایمان کے لئے یہ اجمالی تصدیق بھی کافی ہے، البتہ کچھ خاص اہم اور بنیادی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ایمانی دائرہ میں آنے کے لئے ان کی تصدیق تعین کے ساتھ ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث زیر تشریح میں ایمان سے متعلق سوال کے جواب میں جن امور کا ذکر فرمایا گیا ہے (یعنی اللہ، ملائکہ، اللہ کی کتابیں، اللہ کے رسول، روزِ قیامت اور ہر خیر و شر کی تقدیر) تو ایمانیات میں سے یہ وہی اہم اور بنیادی امور ہیں جن پر تعین کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اور اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کا ذکر صراحۃً اور تعین کے ساتھ فرمایا، اور قرآنِ پاک میں بھی یہ ایمانی امور اسی تفصیل اور تعین کے ساتھ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں ارشاد ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ ❶
(بقره ۲:۲۸۵)

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا۔ ❷
(نساء ٤:١٣٦)

ان امورِ ششگانہ میں سے "تقدیر خیر و شر" کا ذکر قرآن پاک میں اگرچہ ان ایمانیات کے ساتھ ان آیات میں نہیں آیا ہے، لیکن دوسرے موقع پر قرآن پاک نے اس کو بھی صراحۃً بیان فرمایا ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ❸ (نساء ٤:٧٨)

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

" فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا الآية" ❹ (انعام ٦:١٢٥)

اب مختصراً یہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ ان سب پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟

سو اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تو یہ ہے کہ اس کے موجود وحدہٗ لاشریک خالقِ کائنات اور ربُّ العالمین ہونے کا یقین کیا جائے، عیب و نقص کی ہر بات سے پاک، اور ہر صفتِ کمال سے اس کو متّصف سمجھا جائے۔

اور ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ مخلوقات میں ایک مستقل نوع کی حیثیت سے ان کے وجود کو حق مانا

---

❶ رسول پر جو ہدایت اور تعلیم نازل ہوئی خود رسول کا بھی اس پر ایمان ہے اور سب مؤمنوں کا بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ۱۲

❷ جو بھی اللہ اور اسکے ملائکہ اسکی کتابوں اور اسکے رسولوں اور یوم آخر سے کفر کرے یعنی ان پر ایمان نہ لائے وہ بہت ہی زیادہ گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں بہت دور نکل گیا ۱۲۔

❸ اے پیغمبر! آپ اعلان فرما دیجئے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہے ۱۲

❹ اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے "اسلام" کے ماننے اور قبول کرنے کے لئے اس کے سینے کو کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق اس کا فیصلہ ضلالت کا ہوتا ہے اس کے سینے کو بھینچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے ۱۲

جائے اور یقین کیا جائے کہ وہ اللہ کی ایک پاکیزہ اور محترم مخلوق ہے بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ [1] (انبیاء۲۱:۲۶) جس میں شر اور شرارت اور عصیان و بغاوت کا عنصر ہی نہیں بلکہ ان کا کام صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے (لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [2]) (تحریم ۶۶:۶) ان کے متعلق کام ہیں اور ان کی ڈیوٹیاں (فرائض) ہیں جن کو وہ خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ملائکہ کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

ملائکہ کے وجود پر یہ شبہ کہ اگر وہ موجود ہوتے تو نظر آتے سخت جاہلانہ شبہ ہے۔ دنیا میں کتنی ہی چیزیں ہیں جو باوجود موجود ہونے کے ہم کو نظر نہیں آتیں، کیا زمانۂ حال کی خوردبینوں کی ایجاد سے پہلے کسی نے پانی میں، ہواؤں اور خون کے قطرہ میں وہ جراثیم دیکھے تھے جن کو خوردبین سے آج ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے اور کیا کسی آلہ سے بھی ہم اپنی روح کو دیکھ پاتے ہیں۔ تو جسطرح ہماری آنکھ خود اپنی روح کو دیکھنے سے اور بغیر خوردبین کے پانی وغیرہ کے جراثیم دیکھنے سے عاجز ہے، اسی طرح فرشتوں کو دیکھنے سے بھی وہ قاصر ہے ...... اور پھر کیا اسکی کوئی دلیل ہے کہ جس چیز کو ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے وہ موجود نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری آنکھوں اور ہمارے حواس نے کل عالم موجودات کا احاطہ کر لیا ہے؟ ایسی بات خاص کر اس زمانہ میں جب کہ روز روز نئے انکشافات ہو رہے ہیں، کوئی بڑا احمق ہی کہہ سکتا ہے، دراصل انسان کا علم اور اس کے علمی ذرائع بہت ہی ناقص اور محدود ہیں۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۸۵)

اور اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یقین کیا جائے کہ اللہ پاک نے اپنے رسولوں کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ہدایت نامے بھیجے، ان میں سب سے آخر اور سب کا خاتم قرآن مجید ہے۔ جو پہلی سب کتابوں کا مصدق اور مہیمن بھی ہے، یعنی اُن کتابوں میں جتنی ایسی باتیں تھیں جن کی تعلیم و تبلیغ ہمیشہ اور ہر زمانہ میں ضروری ہوتی ہے وہ سب اس قرآن میں لے لی گئی ہیں، گویا یہ تمام کتبِ سماویہ کے ضروری مضامین پر حاوی اور سب سے مستغنی کر دینے والی خدا کی آخری کتاب ہے اور چونکہ وہ کتابیں اب محفوظ بھی نہیں رہیں اسلئے اب صرف یہی کتاب ہدایت ہے جو سب کے قائم مقام اور سب سے زیادہ مکمل ہے اور زمانۂ آخر تک اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسی لئے خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر ۱۵:۹)

اور "اللہ کے رسولوں" پر ایمان لانا یہ ہیکہ اس واقعی حقیقت کا یقین کیا جائے کہ اللہ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کیلیۓ وقتاً فوقتاً اور مختلف علاقوں میں اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنی "ہدایت" اور اپنی رضامندی کا دستور دے کر بھیجا ہے، اور انہوں نے پوری امانت و دیانت کے ساتھ خدا کا وہ پیغام بندوں کو پہنچا دیا، اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی پوری پوری کوششیں کیں، یہ سب پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور صادق بندے تھے (ان میں سے چند کے نام اور کچھ حالات بھی قرآن کریم میں ہم کو بتلائے گئے ہیں اور بہت سوں کے نہیں بتلائے گئے مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ۴۰:۷۸)

---

[1] بلکہ وہ محترم اور باعزت بندے ہیں ۱۲۔

[2] وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ اس کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ ۱۲

بہر حال خدا کے ان سب رسولوں کی تصدیق کرنا اور بحیثیت پیغمبری ان کا پورا پورا احترام کرنا ایمان کے شرائط میں سے ہے، اور اسی کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ نے اس سلسلۂ نبوت و رسالت کو حضرت محمد ﷺ پر ختم کر دیا، آپ خاتم الانبیاء اور خدا کے آخری رسول ہیں اور اب قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کے لئے نجات و فلاح آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی ہدایت کی پیروی میں ہے۔ صَلَّى اللهُ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَعَلٰى سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى كُلِّ مَنِ اتَّبَعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

اور "ایمان بالیوم الآخر" یہ ہے کہ اس حقیقت کا یقین کیا جائے کہ یہ دُنیا ایک دن قطعی طور پر فنا کر دی جائے گی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی خاص قدرت سے پھر سارے مُردوں کو جِلائے گا اور یہاں جس نے جیسا کچھ کیا ہے اسی کے مطابق جزا یا سزا اس کو دی جائے گی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ چونکہ دین و مذہب کے سارے نظام کی بنیاد اس حیثیت سے جزا و سزا ہی کے عقیدہ پر ہے کہ اگر آدمی اس کا قائل نہ ہو تو پھر وہ کسی دین و مذہب اور اسکی تعلیمات و ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے ہی کی ضرورت کا قائل نہ ہوگا، اس لئے ہر مذہب میں خواہ وہ انسانوں کا خود ساختہ ہو یا اللہ کا بھیجا ہوا، "جزا و سزا" کو بطور بنیادی عقیدہ کے تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر انسانی دماغوں کے بنائے ہوئے مذاہب میں اس کی شکل تناسخ وغیرہ تجویز کی گئی ہے، لیکن خدا کی طرف سے آئے ہوئے ادیان و مذاہب کُل کے کُل اس پر متفق ہیں کہ اس کی صورت وہی حشر و نشر کی ہوگی جو اسلام بتلاتا ہے اور قرآن پاک میں اُس پر اس قدر استدلالی روشنی ڈالی گئی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجہ کا احمق اور انتہائی قسم کا ناسمجھ ہی ہوگا جو اُن قرآنی دلائل و براہین کے سامنے آجانے کے بعد بھی حشر و نشر اور بعث بعد الموت کو ناممکن اور محال یا مستبعد بھی کہے۔

اور "ایمان بالقدر" یہ ہے کہ اس بات پر یقین لایا جائے اور مانا جائے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے (خواہ وہ خیر ہو یا شر) وہ سب اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہے۔ جس کو وہ پہلے ہی طے کر چکا ہے، ایسا نہیں ہے کہ وہ تو کچھ اور چاہتا ہو اور دُنیا کا یہ کارخانہ اُس کی منشاء کے خلاف اور اس کی مرضی کے علی الرغم چل رہا ہو، ایسا ماننے میں خدا کی انتہائی عاجزی اور بیچارگی لازم آئے گی۔ [1]

۳) احسان..... اسلام و ایمان کے بعد سائل نے تیسرا سوال رسول اللہ ﷺ سے "احسان" کے متعلق کیا

---

[1] یہاں اسی ایک خط کشیدہ فقرہ میں مسئلہ تقدیر کے مشکل ترین پہلو کو سمجھانے کیلئے سمجھ سکنے والوں کے واسطے ایک مختصر مگر کافی وافی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام غزالیؒ نے اس مضمون کو پورے شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے صحیح مسلم کی شرح "فتح الملہم" میں اسی "حدیث جبرئیل" کے ذیل میں امام غزالیؒ کا وہ کلام اور اسکے علاوہ امام ابن القیمؒ اور شاہ ولی اللہ سے جو کچھ اس مسئلہ کے متعلق نقل کیا ہے اہل علم کیلئے وہ سب قابل دید اور لائق استفادہ ہے۔ اس مسئلہ پر اس سے زیادہ جامع اور طمانیت بخش کلام جس سے مسئلہ کی تمام مشکل گرہیں کھل جاتی ہوں، کہیں اور راقم السطور کی نظر سے نہیں گزرا۔ جو اہل علم اس مسئلہ کے بارے میں اطمینان اور تشفی حاصل کرنا چاہیں وہ "فتح الملہم" ہی کیطرف رجوع فرمائیں۔ چونکہ عام اردو خواں حضرات کیلئے ان دقیق مباحث کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے اسلئے ہم نے یہاں ان کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا، اور جتنا کچھ سمجھنا ان کیلئے آسان ہو سکتا ہے وہ انشاء اللہ آئندہ تقدیر سے متعلق احادیث کی تشریح میں لکھا جائے گا ۱۲۔

تھا کہ "مَا الْاِحْسَانُ؟" یعنی "احسان" کی کیا حقیقت ہے؟

یہ "احسان" بھی ایمان واسلام کی طرح خاص دینی اور بالخصوص قرآنی اصطلاح ہے۔ فرمایا گیا ہے "بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" وہاں جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور اسکے ساتھ "احسان" کا وصف بھی اس میں ہوا تو اسکے رب کے پاس اس کے لئے خاص (اجر ہے)۔ اسی طرح دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ" (اور اس سے اچھا دین میں کون ہو سکتا ہے جس نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی وہ محسن (یعنی صاحب احسان بھی ہے)۔

ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں تو "احسان" کے معنی کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے ہیں، لیکن یہاں جس "احسان" کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی ہے جو حدیث زیر تشریح میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی یعنی خدا کی بندگی اس طرح کرنا جیسے کہ وہ قہار و قدوس اور ذوالجلال والجبروت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں۔

اس کو یوں سمجھئے کہ غلام ایک تو اپنے آقا کے احکام کی تعمیل اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ اس کے سامنے موجود ہو اور اس کو یقین ہو کہ وہ مجھے اچھی طرح دیکھ رہا ہے اور ایک رویہ اس کا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ آقا کی غیر موجودگی میں کام کرتا ہے، عموماً اُن دونوں وقتوں کے طرز عمل میں فرق ہوتا ہے، اور عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ جس قدر دلی دھیان اور محنت اور خوبصورتی کے ساتھ وہ آقا کی آنکھوں کے سامنے کام کرتا اور جس خوش اسلوبی سے اس وقت وظائف خدمت کو انجام دیتا ہے، مالک کی عدم موجودگی میں اس کا حال وہ نہیں ہوتا، یہی حال بندوں کا اپنے حقیقی مولیٰ کے ساتھ بھی ہے جس وقت بندہ یہ محسوس کرے کہ میرا وہ مولیٰ حاضر ناظر ہے، میرے ہر کام بلکہ میری ہر ہر حرکت اور ہر ہر سکون کو وہ دیکھ رہا ہے، تو اس کی ایک خاص کیفیت اور اس کی بندگی میں ایک خاص شان نیاز مندی ہوگی، جو اُس وقت میں نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا دل اس تصور اور اس احساس سے خالی ہو...... تو "احسان" یہی ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کی جائے گویا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ہم اس کے سامنے ہیں اور وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہی مطلب ہے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا کہ:

(الاحسان) اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ۔

احسان اس کا نام ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھتے ہو مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ [1]

---

[1] حدیث کے اس ٹکڑے کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے (بلکہ وہی زیادہ مشہور ہے) اور وہ یہ ہے کہ عبادت کرو اللہ کی اس طرح کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، پس اگر یہ مقام (مشاہدۂ حق کا) تمہیں حاصل نہ ہو تو پھر عبادت کرو اس طرح اور اس تصور کے ساتھ کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ جو حضرات رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیتے ہیں اُن کے نزدیک اس میں عبادت کے دو درجوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ عبادت "مشاہدۂ حق" کے ساتھ ہو (جو مقام ہے عرفاء کاملین کا) اور دوسرے یہ کہ عابد عبادت اس تصور کے ساتھ کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے (یہ مقام ہے درجۂ دوم کے عابدوں اور عارفوں کا)۔ (جاری ہے)

ایک انتباہ...... حدیث کے اس ٹکڑے کی تقریر و توضیح بہت سے حضرات اسطرح کرتے ہیں کہ گویا اسکا تعلق خاص "نماز" ہی سے ہے، اور گویا اسکا مطلب بس یہ ہے کہ نماز پورے خضوع و خشوع سے پڑھی جائے۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ میں اس خصوصیت کیلئے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے، حدیث میں تو "تَعْبُدَ" کا لفظ ہے جسکے معنی مطلق عبادت اور بندگی کے ہیں لہٰذا نماز کیساتھ آنحضرت کے اس ارشاد کو مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ اسی حدیث کی ایک اور روایت میں بجائے " تَعْبُدَ" کے " تَخْشٰی " کا لفظ بھی آیا ہے یعنی (الاحسان) اَنْ تَخْشَى اللهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "احسان" یہ ہے کہ تم خدا سے اس طرح ڈرو کہ گویا اسکو دیکھ رہے ہو۔ الخ اور اسی واقعہ کی ایک روایت میں اس موقع پر یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْمَلَ لِلّٰهِ كَاَنَّكَ تَرَاهُ الخ جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "احسان" اس کا نام ہے کہ تم ہر کام اللہ کیلئے اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو" الخ۔ ان دونوں روایتوں سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ "احسان" کا تعلق صرف نماز ہی سے نہیں ہے، بلکہ انسان کی پوری زندگی سے ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت و بندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت و فرمانبرداری اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت و سکون کو دیکھ رہا ہے۔

۴) الساعۃ...... یعنی "قیامت"، اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالوں کے بعد آنحضرت ﷺ سے سائل نے عرض کیا تھا "فَاَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟" یعنی مجھے قیامت کی بابت بتلایئے کہ کب آئیگی؟ آپ نے جواب دیا "مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ" (یعنی جس سے سوال کیا جارہا ہے اسکو خود اس بارہ میں سائل سے زیادہ علم نہیں ہے) یعنی قیامت کے وقت خاص کا علم جسطرح سائل کو نہیں ہے مجھے بھی نہیں ہے۔ اس حدیث کی ابوہریرہؓ والی روایت میں (جو صحیح بخاری میں بھی ہے) اس موقعہ پر یہ الفاظ اور ہیں "فِيْ خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا اللهُ اِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ" (یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمانے کے بعد کہ قیامت کے بارے میں (یہ فرمانے کے بعد کہ میرا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) یہ مزید افادہ فرمایا کہ یہ (وقت قیامت تو) ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنکے متعلق قرآن کریم کی اس آیت (اِنَّ اللهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الخ) میں اعلان کردیا گیا ہے کہ انکا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اسکے سوا انکو کوئی نہیں جانتا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ مطلب اگرچہ بعض بڑے اور مشہور ترین شارحین حدیث نے بھی بیان کیا ہے، لیکن بخیال ناقص حدیث کے الفاظ اسکو ادا نہیں کرتے اور اقرب وہی مطلب ہے جسکو اس ناچیز نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے اور امام نووی نے "شرح مسلم" میں، نیز علامہ سندی نے "حواشی صحیح بخاری" میں اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کی بناپر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ٹھہرا ہے کہ: "احسان" یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے کہ اسکو دیکھ رہے ہو، کیونکہ اگرچہ تم اسکو دیکھتے نہیں ہو، مگر وہ تو تم کو دیکھتا ہی ہے۔ اور جب وہ تم کو دیکھ رہا ہو تو پھر عبادت اور بندگی ایسی ہی ہونی چاہئے جیسے کہ مولیٰ کے سامنے ہوتے ہوئے ہونی چاہئے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ہوتے ہوئے اس لئے تو کام اچھی طرح کرتا ہے کہ وہ آقا اسکو دیکھتا ہوتا ہے۔ بہر حال حسن عبادت میں اصل موثر مولیٰ کا بندہ کو دیکھنا ہے اور وہ متحقق ہی ہے۔ واللہ اعلم

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے سوال کے جواب میں بجائے یہ فرمانے کے کہ "مجھے اس کا علم نہیں" یہ پیرایۂ بیان (کہ اس بارے میں مسئول عنہ کا علم سائل سے زیادہ نہیں ہے) اس لئے اختیار فرمایا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ کسی سائل اور کسی مسئول کو بھی اس کا علم نہیں ہے، اور آیت قرآنی تلاوت کر کے آپ نے اس کو اور زیادہ محکم فرمادیا۔

۵) **علاماتِ قیامت**...... وقت قیامت کے متعلق مذکورۂ بالا جواب پانے کے بعد سائل نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ "فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا" (مجھے قیامت کی کچھ نشانیاں ہی بتلایئے!) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے دو خاص نشانیاں بیان فرمائیں۔

ایک یہ کہ "لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی" اور دوسری یہ کہ نادار اور ننگے اور بھوکے لوگ جن کا کام بکریاں چرانا ہو گا وہ بھی بڑی بڑی شاندار عمارتیں بنائیں گے۔

پہلی جو نشانی آپ نے بیان فرمائی اس کا مطلب شارحین حدیث نے کئی طرح سے بیان کیا ہے، راقم کے نزدیک سب سے زیادہ راجح توجیہ یہ ہے کہ قرب قیامت میں ماں باپ کی نافرمانی عام ہو جائے گی حتیٰ کہ لڑکیاں جنکی سرشت میں ماؤں کی اطاعت اور وفاداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے اور جن سے ماں کے مقابلہ میں سرکشی بظاہر بہت ہی مشکل اور مستبعد ہے، وہ بھی نہ صرف یہ کہ ماؤں کے مقابلہ میں نافرمان ہو جائیں گی بلکہ الٹی اس طرح ان پر حکومت چلائیں گی جس طرح ایک مالکہ اور سیدہ اپنی زر خرید باندی پر حکومت کرتی ہے۔ اسی کو حضرت نے اس عنوان سے تعبیر فرمایا ہے کہ "عورت اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی"۔ یعنی عورت سے جو لڑکی پیدا ہو گی وہ بڑی ہو کر خود اس ماں پر اپنی حکومت چلائے گی اور کوئی شک نہیں کہ اس نشانی کے ظہور کی ابتدا ہو چکی ہے۔

اور دوسری جو نشانی حضرت نے بیان فرمائی کہ "بھوکے ننگے اور بکریوں کے چرانے والے اونچے اونچے محل بنوائیں گے"۔ تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ قرب قیامت میں دنیوی دولت و بالاتری ان اراذل کے ہاتھوں میں آئے گی جو ان کے اہل نہ ہوں گے۔ اور ان کو بس اونچے اونچے شاندار محل بنوانے سے شغف ہو گا اور اسی کو وہ سرمایۂ فخر و مباہات سمجھیں گے اور اس میں اپنی اولوالعزمی دکھائیں گے اور ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔

ایک دوسری حدیث میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے "اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ" (یعنی جب حکومتی اختیارات اور مناصب و معاملات نااہلوں کے سپرد ہونے لگیں تو پھر قیامت کا انتظار کرو۔)

زیر تشریح حدیث کے آخر میں ہے کہ اس سائل کے چلے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ یہ سائل جبرئیل امین تھے اور اس لئے سائل بن کر آئے تھے کہ اس سوال و جواب کے ذریعے صحابہؓ کو دین کی تعلیم و تذکیر ہو جائے۔

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد اور گفتگو رسول اللہ ﷺ

کی عمر شریف کے آخری حصہ میں ہوئی تھی۔ (فتح الباری و عمدۃ القاری)

گویا تئیس سال کی مدت میں جس دین کی تعلیم مکمل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ جبرئیل کے ان سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے پورے دین کا خلاصہ اور لب لباب بیان کرا کے صحابہؓ کے علم کی تکمیل کر دی جائے اور اُن کو اس امانت کا امین بنادیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں:

۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنالے، اور اسی کا نام اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔

۲) اُن اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور اُن پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔

۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام و ایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبہ، حضور و شہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اُس کی فرمانبرداری و بندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال و جلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف و حال کا نام احسان ہے۔

اسی طرح اس سوال و جواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آگیا، اور اسی لئے اس حدیث کو علما نے "ام السنہ" بھی کہا ہے، گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطلب اور مضامین پر بالاجمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورۂ فاتحہ کا نام "ام الکتاب" ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے "ام السنہ" کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے، اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں "مصابیح" اور "شرح السنہ" کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمرؓ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرام سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

ارکانِ اسلام

۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے، ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں، (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد اُسکے بندے اور اُسکے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا،

تیسرے زکوۃ ادا کرنا، چوتھے حج کرنا، پانچویں رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاری و مسلم)

تشریح...... اِس حدیث میں رسُول اللہ (ﷺ) نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے' جو چند ستونوں پر قائم ہو' اور بتلایا ہے کہ عمارتِ اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے، لہٰذا کسی مسلمان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ اِن ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے، کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں۔ واضح رہے کہ اسلام کے فرائض اِن ارکانِ خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں، بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ، لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے' وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اسلئے اسلام کا رکن صرف اِن ہی کو قرار دیا گیا ہے' اور خصوصیت و اہمیت وہی ہے جو پچھلے اوراق میں "حدیث جبرئیل" کی تشریح کے ضمن میں لکھی جاچکی ہے، جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ "ارکانِ خمسہ" اسلام کیلئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں، نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب و مقصود ہیں' اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے' اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے، بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں، بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے، کہ اُن کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

ارکانِ اسلام پر جنت کی بشارت!

٤) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نُهِيْنَا اَنْ نَسْأَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ فَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِئَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْئَلُهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ! اَتَا نَا رَسُوْلُكَ فَزَعَمَ لَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللهَ اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ: اللهُ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ قَالَ: اللهُ قَالَ فَمَنْ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا مَا جَعَلَ قَالَ: اللهُ قَالَ فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَ نَصَبَ هٰذِهِ الْجِبَالَ اللهُ اَرْسَلَكَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا زَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ اللهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا قَالَ صَدَقَ، قَالَ ثُمَّ وَلّٰى وَقَالَ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْ خُلَنَّ الْجَنَّةَ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ سے (بلا خاص ضرورت کے) کچھ پوچھیں' تو ہم کو اس بات سے خوشی ہوتی تھی کہ کوئی سمجھدار بدوی حضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے کچھ پوچھے' اور ہم سنیں۔ تو ان ہی ایام میں ایک بدوی

خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا، اور عرض کیا: "اے محمدؐ! تمہارا قاصد (یا مُبلّغ) ہمارے پاس پہنچا تھا، اُس نے ہم سے بیان کیا کہ تمہارا کہنا ہے کہ اللہ نے تم کو اپنا رسُول بنا کر بھیجا ہے؟" حضورؐ نے فرمایا: "اُس نے تم سے ٹھیک کہا۔" اُسکے بعد اُس بدوی نے کہا: "تو بتلاؤ کہ آسمان کس نے بنایا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ نے!" اُس نے کہا: "زمین کس نے بنائی؟ آپؐ نے فرمایا اللہ نے۔ اس نے کہا زمین پر یہ پہاڑ کس نے کھڑے کئے ہیں، اور اِن پہاڑوں میں اور جو کچھ بنا ہے وہ کس نے بنایا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "اللہ نے!" اُس کے بعد اُس بدوی سائل نے آپؐ سے کہا: "پس قسم ہے اُس ذات کی جس نے آسمان بنایا، زمین بنائی اور اس پر پہاڑ نصب کئے، کیا اللہ ہی نے تم کو بھیجا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "بیشک مجھے اللہ ہی نے بھیجا ہے۔" پھر اُس نے کہا: "تمہارے اُس قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا تھا، کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے تم سے ٹھیک کہا!" اُس بدوی نے کہا: "تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے ہی آپ کو ان نمازوں کا بھی حکم کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ اللہ ہی کا حکم ہے!" پھر بدوی نے کہا: "اور آپ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ ہمارے مالوں میں زکوٰۃ بھی مقرر کی گئی ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے تم سے سچ کہا!" اعرابی نے کہا: "تو قسم ہے آپ کو بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!" پھر اُس اعرابی نے کہا، کہ: "آپؐ کے قاصد نے بیان کیا تھا کہ سال میں ماہ رمضان کے روزے بھی ہم پر فرض ہوئے ہیں؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے سچ کہا۔" اعرابی نے عرض کیا: "تو قسم ہے آپ کے بھیجنے والے کی، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں! یہ بھی اللہ ہی کا حکم ہے!" اُس کے بعد اعرابی نے کہا: "اور آپؐ کے قاصد نے ہم سے یہ بھی بیان کیا، کہ ہم میں سے جو حج کے لئے مکہ پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اُس پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "یہ بھی اُس نے سچ کہا۔" (راوی کا بیان ہے، کہ) یہ سوال وجواب ختم کر کے وہ اعرابی چل دیا، اور چلتے ہوئے اُس نے کہا: "اُس ذات کی قسم! جس نے آپ (ﷺ) کو حق کیساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں ان میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی۔" رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "اگر یہ صادق ہے، تو ضرور جنت میں جائیگا"۔

تشریح..... شروع حدیث میں "سوال کی ممانعت" کا جو ذکر آیا ہے، اُسکا اشارہ قرآن پاک کی آیت: "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" کیطرف ہے، بات یہ ہے کہ نئے نئے سوالات کرنا انسان کی فطرت ہے، لیکن اس عادت کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طبائع کا رجحان موشگافیوں ہی کی طرف زیادہ بڑھ جاتا ہے، اور ان میں باتوں کی کھود کرید زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اور عمل اسی نسبت سے کم، نیز اس میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور بالخصوص پیغمبر وقت سے زیادہ سوال کرنے میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی ہے کہ اُس کی جانب سے جواب ملنے کے بعد اُمت کی پابندیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، غرض ان ہی وجوہ سے غیر ضروری سوالات کرنے کی صحابہ کرامؓ کو بھی ممانعت فرمادی گئی تھی جسکے بعد وہ بہت ہی کم سوال کرتے تھے، اور اسکے آرزو مند رہا کرتے تھے، کہ کوئی بدوی آئے اور وہ آپ سے کچھ پوچھے، تو ہم کو بھی کچھ

سننے کو مل جائے، کیونکہ بیچارے بدویوں کیلئے حضور ﷺ کے یہاں بڑی وسعت تھی، اور اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی کی یہ تصریح بھی اس بارے میں مروی ہے کہ "بدوی آپکے یہاں سوالات میں بڑے جری تھے، اور جو چاہتے تھے بے دھڑک پوچھتے تھے"۔ (فتح الباری بحوالہ صحیح ابی عوانہ)

صحیح بخاری کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آخر میں چلتے ہوئے سائل نے یہ بھی بتلایا کہ میں قبیلۂ بنی سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے، اور میں اپنی قوم کی طرف سے نمائندہ ہو کر آیا ہوں۔

نیز بخاری ہی کی روایت میں ہے کہ انہوں نے آکر پہلے ہی آنحضرت ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ:

اِنِّیْ سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَیْكَ فِی الْمَسْئَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَالَكَ

میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، مگر سوال میں میرا رویہ سخت ہوگا تو آپ ﷺ مجھ پر خفا نہ ہوں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ "پوچھو جو تمہارے جی میں آئے۔"

اس کے بعد وہ سوال و جواب ہوئے جو حدیث میں مذکور ہوئے۔ اس سائل نے چلتے ہوئے آخر میں قسم کھا کر جو یہ کہا کہ:

لَا اَزِیْدُ عَلَیْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُنَّ کہ میں ان میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا

تو غالباً اس سے اُس کا مطلب یہی تھا کہ میں آپ کی اس تعلیم و ہدایت کا پورا پورا اتباع کروں گا اور اپنی طبیعت اور اپنے جی سے اُس میں کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا، اور دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کا یہ پیغام جوں کا توں ہی اپنی قوم کو پہنچاؤں گا، اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کروں گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی قوم میں پہنچ کر بڑے جوش اور سرگرمی کے ساتھ تبلیغ شروع کی، بُت پرستی کے خلاف اتنی کھل کر تقریریں کیں کہ اُن کے بعض عزیزوں نے ان سے کہا کہ:

یَا ضِمَامُ اِتَّقِ الْبَرَصَ وَالْجُذَامَ اِتَّقِ الْجُنُوْنَ

اے ضمام! برص، کوڑھ اور جنون سے ڈر (دیوتاؤں کی مخالفت سے کہیں تو کوڑھی اور دیوانا نہ بن جائے)

مگر اللہ پاک نے ان کی تبلیغ میں اتنی برکت دی کہ صبح کو جو لوگ ضمام کو کوڑھ اور دماغ کی خرابی سے ڈرا رہے تھے شام کو وہ بھی بُت پرستی سے بیزار اور توحید کے حلقہ بگوش ہو گئے، اور سارے قبیلے میں ایک متنفس بھی غیر مؤمن نہیں رہا۔ فرضی اللہ عنہم وعنا اجمعین

۵) **عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ اَنَّ اَعْرَابِیًّا عَرَضَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ سَفَرٍ فَاَخَذَ بِخِطَامِ نَاقَتِهٖ (اَوْبِزِمَامِهَا) ثُمَّ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ (اَوْیَامُحَمَّد) اَخْبِرْنِیْ بِمَا یُقَرِّبُنِیْ مِنَ الْجَنَّةِ وَیُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ؟ قَالَ فَكَفَّ النَّبِیُّ ﷺ ثُمَّ نَظَرَ فِیْ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ وُفِّقَ (اَوْ لَقَدْ هُدِیَ) قَالَ كَیْفَ قُلْتَ؟ فَاَعَادَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَتُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَتَصِلُ الرَّحْمَ دَعِ النَّاقَةَ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ایوبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، کہ ایک بدوی سامنے آ کھڑا ہوا، اور اُس

نے آپ کے ناقہ کی مُہار پکڑلی پھر کہااے اللہ کے رسول! (یا آپ کا نام لے کر کہا کہ اے محمد!) مجھے وہ بات بتاؤ جو جنت سے مجھے قریب اور آتش دوزخ سے دور کر دے؟ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رُک گئے (یعنی آپ نے اس سوال کا جواب دینے کیلئے اپنی ناقہ کو روک لیا) پھر اپنے رفقاء کی طرف آپ نے دیکھااور (اُن کو متوجہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ اس کو اچھی توفیق ملی (یا فرمایا کہ اس کو خوب ہدایت ملی) پھر آپ نے اس اعرابی سائل سے فرمایا کہ "ہاں! ذرا پھر کہنا تم نے کس طرح کہا؟ سائل نے اپنا وہی سوال پھر دُہرایا (مجھے وہ بات بتادو، جو جنت سے مجھے نزدیک اور دوزخ سے دور کردے) حضور ﷺ نے فرمایا "عبادت اور بندگی کرتے رہو صرف اللہ کی اور کسی چیز کو اُس کے ساتھ کسی طرح بھی شریک نہ کرو، اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اور صلۂ رحمی کرو۔ (یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ حسبِ مراتب اچھا سلوک رکھو، اور اُنکے حقوق ادا کرو) یہ بات ختم فرما کر حضرت نے اُس بدوی سے فرمایا کہ "اب ہماری ناقہ کی مُہار چھوڑ دو۔" (مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت سے قریب اور جہنم سے بعید کرنے والے اعمال میں سے صرف اللہ کی خالص عبادت، اقامتِ صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ اور صلۂ رحمی ہی کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں کیا، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی کے لئے بس یہی چار باتیں کافی ہیں، اور ان کے علاوہ جو فرائض و واجبات ہیں وہ غیر ضروری یا غیر اہم ہیں۔ ایسا سمجھنا اور احادیث میں اس قسم کی موشگافیاں پیدا کرنا فی الحقیقت سلامتِ فہم اور خوش مذاقی سے بہت دور ہے۔ حدیث کے طالبعلم کو یہ اصول ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ امت کیلئے ایک شفیق معلم اور مشفق مربی ہیں آپ کوئی مصنف اور مؤلف نہیں ہیں۔ اور شفیق معلم کا طریقہ یہی ہوتا ہے اور یہی اُس کیلئے صحیح بھی ہے کہ وہ جس موقع پر جس بات کی تلقین و تعلیم زیادہ مناسب سمجھتا ہے بس اُس وقت اُتنی ہی بات بتلاتا ہے۔ یہ طریقہ "مصنفوں" کا ہے کہ جہاں وہ جس موضوع پر کلام کرتے ہیں اُسکے تمام اطراف وجوانب اور مالہ وماعلیہ کو اُسی جگہ بیان کرتے ہیں کسی شفیق و معلم مربی کی تعلیم و تلقین میں بھی مصنفین وارباب فنون کا یہی طرزِ بیان تلاش کرنا درحقیقت خود اپنی بدذوقی ہے۔ پس روزہ، حج اور جہاد وغیرہ کا اس حدیث میں جو ذکر نہیں ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ اُس وقت اس سائل کو ان ہی چار باتوں کی تذکیر وترغیب کی خاص ضرورت تھی، اور شاید اسکا سبب یہ ہو کہ عموماً ان ہی چار چیزوں میں لوگوں سے کوتاہی زیادہ ہوتی ہے، یعنی اقامتِ صلوٰۃ ادائے زکوٰۃ اور صلۂ رحمی میں غفلت و کوتاہی اور اللہ کے ساتھ شرک کا خطرہ دوسری قسم کی کوتاہیوں سے زیادہ رہتا ہے۔ آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ روزہ اور حج جن پر فرض ہے اُن میں اُن کے تارک اتنے نہیں ہیں جتنے نماز و زکوٰۃ اور صلۂ رحمی وغیرہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کرنے والے ہیں یا جو کسی قسم کے جلی یا خفی شرک میں ملوث ہیں۔ ایسے آدمی تو شائد تلاش کرنے سے بھی نہ مل سکیں جو نماز و زکوٰۃ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے تو کماحقہ پابند ہوں لیکن روزہ اور حج باوجود فرضیت کے ادا نہ کرتے ہوں، لیکن آپ ایسوں کو گن بھی نہیں سکتے جو رمضان آنے پر روزے تو رکھ لیتے ہیں، مگر نماز کے پابند نہیں، یا اگرچہ حج تو اُنہوں نے کر لیا ہے لیکن زکوٰۃ اور صلۂ رحم جیسے حقوق عباد

کے معاملے میں وہ سخت کوتاہ کار ہیں۔ الغرض بہت ممکن ہے کہ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اُس وقت صرف ان ہی چار باتوں کی تلقین پر اکتفا فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

صحیح مسلم ہی کی اسی حدیث کی دوسری روایت کے آخر میں ایک فقرہ یہ بھی ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر یہ مضبوطی سے ان احکام پر عمل کرتا رہا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔

اِس حدیث کی روایت میں تین جگہ راوی نے اپنے شک کو ظاہر کیا ہے:

۱۔ ایک یہ کہ ناقہ کی مہار کے لئے اُوپر کے راوی نے "خطام" کا لفظ بولا تھا یا "زمام" کا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ سائل نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے "یا رسول اللہ" کہا تھا یا "یا محمد!"۔

۳۔ تیسرے یہ کہ حضور ﷺ نے اُس کی بابت صحابہؓ سے "لَقَدْ وُفِّقَ" کہا تھا یا "لَقَدْ هُدِيَ"۔

راوی کے اس اظہارِ شک سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے راویانِ حدیث نقل حدیث و روایت میں کس درجہ محتاط اور خدا ترس تھے، کہ تین جگہ صرف لفظوں میں اُنکو شک ہے کہ اُوپر کے راوی نے یہ لفظ بولا تھا یا یہ لفظ، تو اپنے اس شک کو بھی ظاہر کر دیا، حالانکہ تینوں جگہ معنی میں خفیف سی کوئی تبدیلی بھی نہیں ہوتی تھی۔

ف...... اِس حدیث سے آنحضرت ﷺ کی شفقتِ پیغمبرانہ کا بھی کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ سفر میں ہیں، ناقہ پر سوار چلے جا رہے ہیں (اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا سفر یقیناً کسی دینی مہم ہی کے سلسلے کا سفر ہوگا) اثناء راہ میں ایک بالکل نا آشنا بدوی سامنے آکر ناقہ کی مُہار پکڑ کے کھڑا ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ "مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دُور کرنے والی بات بتلاؤ۔" آپ ﷺ اُس کے اس طرز عمل سے ناراض نہیں ہوتے، بلکہ اُس کی دینی حرص کی ہمت افزائی فرماتے ہیں، اور اپنے رفقاء سفر کو متوجہ کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس کو اچھی توفیق ملی"۔ پھر اپنے ان رفیقوں کو بھی سائل کی زبان ہی سے اس کا سوال سُنوانے کے لئے اُس سے فرماتے ہیں۔ "ذرا پھر کہو، تم نے کیسے کہا؟" اس کے بعد جواب دیتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں "دَعِ النَّاقَةَ" (اچھا اب ہماری ناقہ کی مُہار چھوڑ دو) اللہ اکبر! پیغمبری کیا ہے، شفقت و رحمت کا ایک مجسم پیکر ہے۔ (فصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعۃ رحمتہ ورافتہ) مگر یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ یہ سائل ایک "اعرابی" تھا۔ ع "موسیا آداب دانا دیگر اند"

٦) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُوْلُ حَتّٰى دَنَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُ هُنَّ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الزَّكٰوةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُ هَا فَقَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُوْلُ وَاللهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا وَلَا اَنْقُصُ مِنْهُ فَقَالَ اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک شخص جو علاقہ نجد کا رہنے والا تھا، اور اُسکے سر

کے بال بکھرے ہوئے تھے (کچھ کہتا ہوا) رسول اللہ ﷺ کی طرف کو آیا، ہم اُسکی بھنبھناہٹ (گونج) تو سنتے تھے مگر (آواز صاف نہ ہونیکی وجہ سے اور شاید فاصلے کی زیادتی بھی اسکی وجہ ہو) ہم اُسکی بات کو سمجھ نہیں رہے تھے، یہاںتک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب آ گیا، اب وہ سوال کرتا ہے اسلام کے بارے میں (یعنی اُس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ "مجھے اسلام کے وہ خاص احکام بتلائیے جن پر عمل کرنا بحیثیت مسلمان کے میرے لئے اور ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے") آپ ﷺ نے فرمایا "پانچ تو نمازیں ہیں دن رات میں (جو فرض کی گئی ہیں اور اسلام میں یہ سب سے اہم اور اول فریضہ ہے") اُس نے عرض کیا کہ "کیا انکے علاوہ اور کوئی نماز بھی میرے لئے لازم ہو گی؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس یہی پانچ نمازیں ہیں) مگر تمہیں حق ہیکہ اپنی طرف سے اور اپنے دل کی خوشی سے (ان پانچ فرضوں کے علاوہ) اور بھی زائد نمازیں پڑھو (اور مزید ثواب حاصل کرو۔)" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "اور سال میں پورے مہینے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں (اور یہ اسلام کا دوسرا عمومی فریضہ ہے)"۔ اُس نے عرض کیا "کیا رمضان کے علاوہ کوئی اور روزہ بھی میرے لئے لازم ہو گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس رمضان ہی کے روزے ہیں) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم اور نفلی روزے رکھو (اور اللہ تعالیٰ کا مزید قرب اور ثواب حاصل کرو)۔" راوی کہتے ہیں کہ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص سے فریضۂ زکوٰۃ کا بھی ذکر فرمایا، اُس پر بھی اُس نے یہی کہا، کہ "کیا زکوٰۃ کے علاوہ کوئی اور صدقہ ادا کرنا بھی میرے لئے ضروری ہو گا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "نہیں! (فرض تو بس زکوٰۃ ہی ہے) مگر تمہیں حق ہے کہ اپنے دل کی خوشی سے تم نفلی صدقے دو (اور مزید ثواب حاصل کرو)۔" راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد وہ سوال کرنے والا شخص واپس لوٹ گیا اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ (مجھے جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے) میں اُس میں (اپنی طرف سے) کوئی زیادتی کمی نہیں کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اُس کی یہ بات سُن کر) فرمایا: "فلاح پا لی اس نے اگر یہ سچا ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں بھی ارکان اسلام میں سے آخری رکن "حج" کا ذکر نہیں ہے، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ حج فرض ہونے سے پہلے کا ہو، حج کی فرضیت کا حکم بنابر قولِ مشہور ۸ ھ یا ۹ ھ میں آیا ہے، پس ممکن ہے کہ یہ واقعہ اس سے پہلے کا ہو۔

اور دوسری بات یہ بھی کہی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو اس موقعہ پر حج کا اور اسلام کے دوسرے اہم احکام کا بھی ذکر فرمایا ہو، مگر روایت کے وقت صحابیؓ نے اختصار کر دیا ہو، اور واقعہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں نماز، اور زکوٰۃ کے ذکر کے بعد راوی حدیث طلحہ بن عبید اللہؓ کی طرف سے یہ الفاظ بھی روایت کئے گئے ہیں کہ "فَاَخْبَرَهٗ عَنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ" رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو اسلام کے احکام بتلائے۔)

ارکانِ اسلام کی دعوت میں ترتیب و تدریج

۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِمَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ حِيْنَ بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ اِنَّكَ سَتَاْتِىْ قَوْمًا

مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ فَاِذَا جِئْتَهُمْ فَادْعُهُمْ اِلَى اَنْ يَّشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْكُمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدَّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ، فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لَكَ بِذَالِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ (ﷺ) نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجا، تو (رخصت کرتے ہوئے) اُن سے فرمایا: "تم وہاں اہلِ کتاب میں سے ایک قوم کے پاس پہنچو گے، پس جب تم اُن کے پاس جاؤ، تو (سب سے پہلے) اُن کو اس کی دعوت دینا، کہ وہ شہادت دیں (یعنی دل و زبان سے قبول کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پس اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں، اور یہ شہادت ادا کریں، تو پھر تم اُن کو بتلانا، کہ اللہ نے دن رات میں تم پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں؟ پھر جب وہ اس میں بھی تمہاری اطاعت کریں، تو اس کے بعد تم اُن کو بتلانا، کہ اللہ نے تم پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے لی جائے گی، اور اسی کے فقراء و مساکین کو دے دی جائے گی، پھر اگر وہ تمہاری یہ بات بھی مان لیں، تو پھر (زکوٰۃ وصول کرتے وقت چھانٹ چھانٹ کے) ان کے نفیس نفیس اموال نہ لینا، اور مظلوم کی بد دُعا سے بہت بچنا، کیونکہ اُسکے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ..... امام بخاری وغیرہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق ۱۰ھ میں، اور اکثر علماءِ سیر واہلِ مغازی کے نزدیک ۹ھ میں، رسُول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور رخصت کرتے وقت، اہلِ یمن کو اسلام کی دعوت دینے کے متعلق آپ نے ان کو یہ ہدایات دی تھیں ..... بعض لوگوں کو اس حدیث میں بھی یہ اشکال ہوا ہے کہ اس میں حضور ﷺ نے صرف نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا، حالانکہ اُس وقت روزہ اور حج کی فرضیت کا حکم بھی آچکا تھا۔ شارحین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں، اس ناچیز کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ قرینِ قیاس توجیہ یہ ہے کہ حضرت معاذ کو آپ ﷺ نے جو یہ ہدایت دی، اس سے آپ کا مقصد اسلام کے ان تمام احکام و فرائض کو بتلانا نہ تھا جو اسلام لانے کے بعد ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں، بلکہ آپ کا مقصد و مطلب صرف یہ تھا کہ دین کی دعوت اور اسلام کی تعلیم میں داعی اور معلّم کو جو ترتیب اور تدریج اختیار کرنی چاہئے وہ حضرت معاذؓ کو بتلادیں، اور وہ یہ ہے کہ ایک دم سارے اسلامی احکام و مطالبات اور شریعت کے تمام اوامر ونواہی لوگوں کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام کو قبول کرنا اُن کے لئے بڑا مشکل ہوگا، بلکہ سب سے پہلے اُن کے سامنے توحید و رسالت کو پیش کیا جائے، جب وہ اس کو مان لیں، تو انہیں بتلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمارا اور تمہارا واحد رَب اور لاشریک مالک و مولیٰ ہے، اس نے ہم سب پر پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، پھر جب وہ اس کو مان لیں، تو ان کو بتلایا جائے، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں میں زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو قوم کے مالداروں سے وصول کی

جائے گی اور اُس کے حاجت مند طبقہ میں تقسیم کر دی جائے گی۔

بہر حال حضرت معاذؓ کو یہ ہدایت دینے سے حضور ﷺ کا مقصد دعوت و تعلیم میں ترتیب و تدریج کا حکیمانہ اصول ان کو بتلانا تھا، باقی اسلام کے ضروری احکام اور ارکان حضرت معاذؓ کو معلوم ہی تھے، اس لئے اس موقع پر سب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

علاوہ ازیں اس میں بھی شبہ نہیں، کہ اسلام کے ارکان و فرائض میں نماز اور زکوٰۃ ہی سب سے زیادہ اہم ہیں، اور قرآن مجید میں انہی دو پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ جو شخص ان دو کو ادا کرنے لگے، اُس کیلئے باقی تمام ارکان و فرائض کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے، جیسا کہ تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے، نیز نفسِ انسانی کی طبیعت میں ان دونوں کو بہت خاص دخل ہے۔ اور غالباً اسی واسطے کتاب و سنت میں بہت سے مقامات پر صرف ان ہی دو رکنوں کا ذکر کیا جاتا ہے........ مثلاً سُورۂ بیّنہ میں فرمایا گیا:۔ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ... اور سُورۂ توبہ میں فرمایا گیا:۔ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ..... اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث آگے آنے والی ہے:۔ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ .... پس ان آیات واحادیث میں ارکانِ اسلام میں سے صرف نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذکر کی ایک توجیہ یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اسلام کی دعوت و تعلیم کے متعلق یہ ہدایت دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو ایک نصیحت فرمائی، کہ جب زکوٰۃ کی وصولی کا وقت آئے، تو ایسا نہ کیا جائے کہ لوگوں کے اموال (مثلاً پیداوار، اور چوپایوں) میں سے بہتر بہتر زکوٰۃ میں لینے کیلئے چھانٹ لئے جائیں، بلکہ جیسا مال ہو اسی کے اوسط سے زکوٰۃ وصول کی جائے۔

سب سے آخری نصیحت آپ نے یہ فرمائی کی دیکھو! مظلوم کی بد دُعا سے بچنا (مطلب یہ ہے کہ تم ایک علاقے کے حاکم بن کر جارہے ہو، دیکھو کبھی کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنا) کیونکہ مظلوم کی دُعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے، وہ قبول ہو کے رہتی ہے۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

بلکہ مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ فَاجِرًا فَفُجُوْرُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ

مظلوم کی دُعا قبول ہی ہوتی ہے، اگرچہ وہ بدکار بھی ہو، تو اسکی بدکاری کا وبال اسکی ذات پر ہے۔ (فتح و عمدہ)

(یعنی فسق وفجور کے باوجود ظالم کے حق میں اُس کی بد دُعا قبول ہوتی ہے)۔

اور مسند احمد ہی میں حضرت انسؓ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں:۔

دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ مُسْتَجَابَةٌ وَاِنْ كَانَ كَافِرًا لَيْسَ دُوْنَهٗ حِجَابٌ

مظلوم کی بددُعا قبول ہوتی ہے، اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اس کیلئے کوئی روک نہیں ہے۔ (عمدہ)

ف...... اِس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا، اور آپ کی لائی ہوئی شریعت پر چلنا اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ماننے والے اہلِ کتاب کے لئے بھی ضروری ہے۔ اور اپنے سابقہ ادیان پر قائم رہنا اب اُن کی نجات کے لئے کافی نہیں۔ ہمارے اس زمانہ میں مسلمان کہلانے والوں میں سے بعض لکھے پڑھے جو اس خیال کا اظہار کرتے ہیں کہ "یہود و نصاریٰ جیسی امتیں ان پرانی شریعتوں پر چل کر بھی اللہ کی رضا اور نجات حاصل کر سکتی ہیں اور ان کے لئے شریعتِ اسلام کا اتباع ضروری نہیں"۔ وہ یا تو دین اور اصولِ دین سے جاہل ہیں یا دراصل منافق ہیں، آئندہ حدیث میں یہی مسئلہ اور زیادہ صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

اللہ کے رسولؐ پر جو شخص ایمان نہ لائے، اور اُن کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، وہ نجات نہیں پا سکتا!

۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "قسم اُس ذاتِ پاک کی، جسکے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے، اس اُمت کا (یعنی اس دور کا) جو کوئی بھی یہودی یا نصرانی میری خبر سُن لے (یعنی میری نبوت و رسالت کی دعوت اُس تک پہنچ جائے) اور پھر وہ مجھ پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے، تو ضرور وہ دوزخیوں میں ہوگا"۔ (رواہ مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں یہودی اور نصرانی کا ذکر صرف تمثیل کے طور پر اور یہ ظاہر کرنے کے واسطے کیا گیا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ جیسے مُسلَّم اہلِ کتاب بھی خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان لائے بغیر اور ان کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات نہیں پا سکتے، تو دوسرے کافروں، مشرکوں کا انجام اسی سے سمجھ لیا جائے۔

بہر حال حدیث کا مضمون عام ہے، اور مطلب یہ ہے، کہ اس دورِ محمدی میں (جو حضور ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا) جس شخص کو آپ کی نبوت و رسالت کی دعوت پہنچ جائے، اور وہ آپ پر ایمان نہ لائے، اور آپ کے لائے ہوئے دین کو اپنا دین نہ بنائے، اور اسی حال میں مر جائے، تو وہ دوزخ میں جائے گا، اگر چہ وہ کسی سابق پیغمبر کے دین اور اُس کی کتاب و شریعت کا ماننے والا کوئی یہودی یا نصرانی ہی کیوں نہ ہو، الغرض خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لائے اور آپ کی شریعت کو قبول کئے بغیر نجات ممکن نہیں، ہاں جس بیچارہ کو آپ کی نبوت کی اطلاع اور اسلام کی دعوت ہی نہ پہنچی وہ معذور ہے۔ یہ مسئلہ دینِ اسلام کے قطعیات اور بدیہیات میں سے ہے جس میں شک و شبہ رسول اللہ ﷺ کی

نبوت ورسالت کی حیثیت کو نہ سمجھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

۹) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارىٰ مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَرَجُلًامِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ بِىْ مِنْ يَهُوْدِيٍ اَوْ نَصْرَانِيٍ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِىْ فَهُوَفِى النَّارِ.

(اخرجہ [1] الدار قطنی فی الافراد)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، کہ انہوں نے بیان کیا، کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسنے سوال کیا، کہ "یارسول اللہ! ایک نصرانی شخص ہے جو انجیل کے موافق عمل کرتا ہے، اور اسی طرح ایک یہودی شخص ہے، جو تورات کے احکام پر چلتا ہے، اور وہ اللہ پر اسکے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے، مگر اسکے باوجود وہ آپ کے دین اور آپ کی شریعت پر نہیں چلتا، تو فرمایئے کہ اس کا کیا حکم ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس یہودی یا نصرانی نے میری بات کو سُن لیا (یعنی میری دعوت اُس تک پہنچ گئی) اور اسکے بعد بھی اسنے میری پیروی اختیار نہیں کی، تو وہ دوزخ میں جانے والا ہے۔" (دار قطنی)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ والی اوپر کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے، اس میں تصریح ہے کہ اگر کوئی یہودی یا نصرانی اللہ کو اور اُسکے رسول کو مانتا بھی ہو (یعنی توحید کا قائل، اور رسُول اللہ ﷺ کی بھی تصدیق کرتا ہو) مگر پیروی آپ کی لائی ہوئی شریعت کے بجائے تورات اور انجیل ہی کی کرتا ہو، اور اسی کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہو، تو وہ نجات نہیں پا سکے گا"۔

اسی حقیقت کا اعلان قرآن مجید کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ". (آلِ عمران. ۳: ۳۱)

اے نبی (جو لوگ آپ کی شریعت کا اتباع اختیار کئے بغیر اللہ کو چاہتے ہیں، اور اُسکی بخشش حاصل کر سکنے کی خام خیالی میں مبتلا ہیں، اُن سے) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم واقعۃً اللہ کو چاہتے ہو، تو (اسکے سوا اب اُس کا کوئی راستہ نہیں ہے کہ) میری شریعت کی پیروی اختیار کرو (اگر ایسا کرو گے، تو) اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (اور اگر تم میری پیروی اختیار نہیں کرو گے، تو اللہ کی رحمت اور مغفرت کے تم مستحق نہیں ہو سکو گے)۔

سچا ایمان واسلام نجات کی ضمانت ہے

۱۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَوْعَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ (شَكَّ الْاَعْمَشُ) قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْاَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَاَكَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ

[1] یہ حدیث مولانا بدرِ عالم صاحب نے "ترجمان السنۃ" جلد دوم میں نقل فرمائی ہے، اس ناچیز نے نظر ثانی کے وقت وہیں سے اس کا اضافہ کیا ہے۔

(ﷺ) اِفْعَلُوْا، قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهَرُ وَلٰكِنِ ادْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ اللهَ لَهُمْ عَلَيْهَا بِالْبَرَكَةِ لَعَلَّ اللهُ اَنْ يَّجْعَلَ فِيْ ذَالِكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) نَعَمْ فَدَعَا بِنِطْعٍ فَبُسِطَ ثُمَّ دَعٰى بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَجِيْئُ بِكَفِّ ذُرَّةٍ قَالَ وَجَعَلَ وَيَجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكَفِّ تَمَرٍ قَالَ وَيُجِيْئُ الْاٰخَرُ بِكِسْرَةٍ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَى النِّطْعِ مِنْ ذَالِكَ شَيْئٌ يَّسِيْرٌ قَالَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ اللهِ(ﷺ) بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا فِيْ اَوْعِيَتِهِمْ حَتّٰى مَاتَرَكُوْا فِي الْعَسْكَرِ وِعَاءً اِلَّامَلَئُوْهُ قَالَ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ (ﷺ) اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ، لَا يَلْقَى اللهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرُ شَاكٍّ فَيُحْجَبُ عَنِ الْجَنَّةِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ (اعمش تابعی نے اپنے استاذ ابو صالح سے اس شک کے ساتھ نقل کیا کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا تھا، یا (ابو سعید خدریؓ سے) کہ غزوۂ تبوک کے دنوں میں (جب سامانِ خوراک ختم ہو گیا، اور) لوگوں کو بھوک نے ستایا، تو انہوں نے رسول اللہ (ﷺ) سے عرض کیا، کہ: "حضرت! اگر اجازت دیں، تو ہم پانی لانے والے اپنے اونٹوں کو ذبح کرلیں، پھر انکو کھا بھی لیں، اور ان سے روغن بھی حاصل کرلیں"۔ حضور نے فرمایا: "اچھا کرلو!"۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عمرؓ آئے اور انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! اگر آپ نے ایسا کیا (یعنی لوگوں کو اگر اونٹ ذبح کرنے کی اجازت دیدی، اور لوگوں نے ذبح کرڈالے) تو سواریاں کم ہو جائیں گی (لہٰذا ایسا تو نہ کیا جائے) البتہ لوگوں کو آپ ان کے بچے کھچے سامانِ خوراک کے ساتھ بلالیجئے، پھر ان کے واسطے اللہ سے اسی میں برکت کردینے کی دُعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی میں برکت فرمادے گا"۔ حضور (ﷺ) نے فرمایا: "ہاں ٹھیک ہے"۔ چنانچہ آپ نے چمڑے کا بڑا دستر خوان طلب فرمایا، پس وہ بچھا دیا گیا، پھر آپ نے لوگوں سے اُن کا بچا کھچا سامانِ خوراک منگوایا، پس کوئی آدمی مٹھی چینا کے دانے ہی لئے آرہا ہے، کوئی ایک مٹھی کھجوریں لا رہا ہے، اور کوئی روٹی کا ایک ٹکڑا ہی لئے چلا آرہا ہے، حتّٰی کہ دستر خوان پر تھوڑی سی مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں، راوی کہتے ہیں، کہ رسول للہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر برکت کی دُعا فرمائی، اس کے بعد فرمایا: اب تم سب اس میں سے اپنے اپنے برتنوں میں بھرلو"۔ چنانچہ سب نے اپنے اپنے برتن بھرلئے، حتی کہ (قریباً ۳۰ ہزار کے لشکر میں) لوگوں نے ایک برتن بھی بغیر بھرے ہوئے نہیں چھوڑا، راوی کہتے ہیں، کہ پھر سب نے کھایا، حتی کہ خوب سیر ہو گئے، اور کچھ فاضل بھی بچ رہا، اس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں، نہیں ہے کوئی بندہ جو بغیر کسی شک شبہ کے کامل یقین واذعان کے ساتھ ان دو شہادتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے جائے، پھر وہ جنت سے روکا جائے"۔

تشریح...... حدیث کا مضمون ظاہر ہے، جس مقصد سے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے اسکا تعلق حدیث کے صرف آخری جز سے ہے، جس میں رسول اللہ (ﷺ) نے اللہ کی توحید اور اپنی رسالت کی شہادت ادا کر

کے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص بھی ان دو شہادتوں کو مخلصانہ طور پر ادا کرے، اور شک شبہ کی کوئی بیماری اُسکے دل دماغ کو نہ ہو، اور اسی ایمانی حال میں اُس کو موت آئے، تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

جو لوگ قرآن و حدیث کے محاورہ اور طرز بیان سے کچھ واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ ایسے موقعوں پر "اللہ کی توحید اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی شہادت" ادا کرنے کا مطلب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت ایمان کو قبول کر لینا، اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کو اپنا دین بنا لینا ہوتا ہے اور اسی لئے ان دو شہادتوں کے ادا کرنے کا مطلب ہمیشہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس شخص نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کر لیا، اور اسلام کو اپنا دین بنا لیا۔ پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہی ہے، کہ جو شخص "لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ" کی شہادت ادا کر کے میری ایمانی دعوت کو قبول کر لے، اور اسلام کو اپنا دین بنا لے، اور اس بارے میں وہ مخلص اور صاحب یقین ہو، تو اگر اسی حال میں وہ مر جائے گا، تو جنت میں ضرور جائے گا۔

پس اگر کوئی شخص "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا اقرار کرے لیکن اسلام کو اپنا دین نہ بنائے، بلکہ کسی اور دین و مذہب پر قائم رہے، یا توحید و رسالت کے علاوہ دوسرے ایمانیات کا انکار کرے مثلاً قیامت کو یا قرآن مجید کو نہ مانے تو وہ ہرگز اس بشارت کا مستحق نہ ہوگا۔

الغرض اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے کا مطلب رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایمانی دعوت کو قبول کرنا اور اسلام کو اپنا دین بنانا ہے، اسی طرح جن حدیثوں میں صرف توحید پر، اور صرف "لا الٰہ الا اللہ" کے اقرار پر جنت کی بشارت دی گئی ہے، ان کا مطلب بھی یہی ہے، دراصل یہ سب رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ ایمان کو قبول کر لینے اور اسلام کو اپنا دین بنا لینے کے بعد مشہور و معروف عنوانات ہیں، انشاء اللہ اس کی کچھ مزید تفصیل اگلی حدیثوں کی تشریح میں بھی کیجائیگی۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر اور بھی چند سبق ملتے ہیں:

۱) اگر کوئی بڑا، حتیٰ کہ اللہ کا نبی و رسول بھی کسی معاملہ میں اپنی رائے ظاہر کرے، اور کسی صاحبِ رائے خادم کو اس میں مضرت کا کوئی پہلو نظر آئے، تو وہ ادب کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا مشورہ پیش کرنے سے دریغ نہ کرے، اور اس بڑے کو چاہئے کہ وہ اس پر غور کرے، اور اگر وہی رائے بہتر اور انسب معلوم ہو، تو اپنی رائے سے رجوع کرنے اور اُس کو اختیار کرنے میں ادنیٰ تامل نہ کرے۔

۲) دُعا کا قبول ہونا، اور بالخصوص اس قبولیت کا خرقِ عادت کی شکل میں ظاہر ہونا اللہ کی نشانیوں اور مقبولیت اور تعلق باللہ کی خاص علامتوں میں[1] سے ہے، جس سے مؤمنین کے انشراح صدر اور اطمینانِ قلبی میں

---

[1] واضح رہے کہ خوارق کا ظہور، تعلق باللہ اور مقبولیت عند اللہ کی نشانی جب ہے کہ صاحبِ واقعہ مؤمن اور صاحبِ صلاح و تقویٰ ہو، ورنہ اگر کسی کھلے کافر یا فاسق و فاجر یا کسی داعیِ ضلال سے ایسی کسی چیز کا ظہور ہو، تو وہ دینی اصطلاح میں "استدراج" ہے، اور "کرامت" اور "استدراج" میں یہی سہل الادراک اور ظاہری فرق ہے، اسی ناچیز نے اپنی کتاب "دین و شریعت" میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ ۱۲

ترقی ہونا برحق بلکہ نبوت کی میراث ہے (جیسا کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے کلمۂ شہادت پڑھنے سے ظاہر ہے) پس جن لوگوں کو اس طرح کے انعاماتِ الٰہیہ کے تذکرہ سے بجائے انشراح کے انقباض ہوتا ہے، یا جو اس قسم کے خوراق کو طنز و تضحیک اور استخفاف و استحقار کے لائق سمجھتے ہیں، اُن کے دل ایک بڑی بیماری کے بیمار ہیں۔

۱۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ النَّارَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ: "جو کوئی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں ہے، اور محمد اُسکے رسول ہیں، تو اللہ نے اُس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے"۔

تشریح...... جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں تفصیل سے بتلایا جاچکا ہے، اس حدیث میں بھی "توحید و رسالت کی شہادت" مراد، دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور اُس پر چلنا ہے، اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ: "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی شہادت پورے اسلام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ جس نے یہ شہادت سوچ سمجھ کے ادا کی، درحقیقت اس نے پورے اسلام کو اپنا دین بنالیا، اب اگر بالفرض اس سے بہ تقاضائے بشریت کوئی کوتاہی بھی ہوگی تو اسکا ایمانی شعور، کفارہ اور توبہ وغیرہ کے مقررہ طریقوں سے اسکی تلافی کرنے پر اسکو مجبور کریگا، اور اسلئے انشاءاللہ وہ عذابِ دوزخ سے محفوظ ہی رہے گا۔

۱۲) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ اِلَّا مُؤَخَّرَةُ الرَّحْلِ فَقَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ فَقُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَامَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَاحَقُّ اللهِ عَزَّوَ جَلَّ عَلَى الْعِبَادِ قَالَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللهِ عَلَى الْعِبَادِ اَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، ثُمَّ سَارَسَاعَةً ثُمَّ قَالَ يَا مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللهِ اِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ قُلْتُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. (رواہ البخاری و مسلم واللفظ لہ)

ترجمہ... حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے، کہ ایک دفعہ میں حضور ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر تھا، اور میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کجاوے کے پچھلے حصے کے سوا اور کوئی چیز حائل نہ تھی (یعنی میں حضور ﷺ کے پیچھے بالکل ملا ہوا بیٹھا تھا کہ چلتے ہی چلتے) آپ ﷺ نے مجھے پکارا، اور فرمایا: معاذ بن جبل!...... میں نے عرض کیا: "لبیک یارسول اللہ (ﷺ) وسعدیک" (یعنی میں حاضر ہوں، ارشاد فرمائیں)...... پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: "لبیک یارسول اللہ وسعدیک" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا" "لبیک یارسول اللہ وسعدیک"

(اس تیسری دفعہ میں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم جانتے ہو، کہ بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ ورسول ﷺ کو ہی زیادہ علم ہے" ارشاد فرمایا: "اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اسکی عبادت و بندگی کریں، اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں" پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "معاذ بن جبل!" میں نے عرض کیا "لبیک یارسول اللہ (ﷺ) وسعدیک" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ جب بندے اللہ کا یہ حق ادا کریں، تو پھر اللہ پر ان کا کیا حق ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ ورسول ﷺ ہی کو زیادہ علم ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ انہیں عذاب میں نہ ڈالے"۔

تشریح...... اس حدیث میں چند چیزیں قابلِ توجہ ہیں:

۱) حضرت معاذؓ نے اصل حدیث بیان کرنے سے پہلے حضور ﷺ کیساتھ ایک ہی سواری پر سوار ہونے، اور آپکے پیچھے بالکل آپ سے مل کر بیٹھنے کو جس خاص انداز سے بیان کیا ہے، اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ حضور ﷺ کی جو خاص شفقت اور عنایت حضرت معاذؓ پر تھی، اور بارگاہِ نبوی ﷺ میں جو خاص مقامِ قرب ان کو حاصل تھا، وہ سامعین کے پیشِ نظر رہے، تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذؓ سے ایک ایسی بات کیوں فرمائی، جس کی عوام مسلمین میں اشاعت کے آپ روادار نہ تھے، جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے۔

دوسری بات اس کی توجیہ میں یہ بھی کہی جاسکتی ہے، کہ ممکن ہے حضرت معاذؓ کا مقصد اس تفصیل کے بیان کرنے سے اس حدیث کے بارے میں اپنا اتقان بھی ظاہر کرنا ہو، یعنی لوگوں پر یہ واضح کرنا ہو کہ مجھے یہ حدیث ایسی یاد ہے، کہ اُس وقت کی یہ جزئی باتیں بھی مجھے محفوظ ہیں۔

اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ جس طرح عشاق و محبین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ محبت کی یادگار صحبتوں کو والہانہ انداز میں اور مزے لے لے کر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اسی جذبے کے ماتحت حضرت معاذؓ نے حضور ﷺ کے ساتھ اپنے سوار ہونے کی یہ تفصیل بیان کی ہو۔

۲) حضور ﷺ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضرت معاذؓ کو تین دفعہ مخاطب کیا، اور پھر جو کچھ آپ فرمانا چاہتے تھے اُس کا ایک حصہ آپ نے تیسری دفعہ فرمایا، اور دوسرا جز کچھ دیر توقف کے بعد چوتھی دفعہ فرمایا...... اس کی توجیہ میں شارحین نے لکھا ہے، کہ غالباً آنحضرت ﷺ اس طرح حضرت معاذؓ کو پوری طرح اپنی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے، تاکہ وہ ہمہ تن گوش ہو کر پوری رغبت و توجہ اور غور و تامل کے ساتھ آپ کا ارشاد سنیں...... دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ حضورؐ کو اس میں تردد اور توقف تھا، کہ حضرت معاذؓ سے بھی یہ بات بیان کر دی جائے یا نہ کی جائے، اس وجہ سے آپ نے ابتداء میں تو تین دفعہ توقف فرمایا، اور جب بیان فرمادینے ہی کے متعلق آپ کا شرح صدر ہو گیا تب آپ نے بیان فرمایا...... لیکن راقم کے نزدیک ان دونوں توجیہوں میں تکلف ہے، اور زیادہ قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ پر اس وقت کوئی خاص استغراقی حالت طاری تھی، آپ حضرت معاذؓ کو مخاطب کرتے تھے، اور کچھ فرمانے سے پہلے پھر اسی کیفیت میں استغراق ہو جاتا تھا، اس وجہ سے درمیان میں یہ

وقفے ہوئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳) اصل حدیث کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے، کہ وہ اس کی عبادت اور بندگی کریں، اور کسی چیز کو اسکے ساتھ شریک نہ کریں، اور جب وہ اللہ کا یہ حق ادا کرینگے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حق اپنے پر مقرر کرلیاہے کہ وہ انکو عذاب میں نہ ڈالے گا۔

اس حدیث میں "اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے" سے مُراد بھی در حقیقت دینِ توحید (یعنی اسلام) کو اختیار کرنا، اور اُس پر چلنا ہے، اور چونکہ اُس وقت اسلام و کفر کے درمیان سب سے بڑا اور واضح فرق و امتیاز توحید اور شرک ہی کا تھا، اسلئے اس حدیث میں (اور بعض، اور حدیثوں میں بھی) اسی عنوان کو اختیار کیا گیاہے، نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ اللہ کی عبادت و بندگی کرنا، اور شرک سے بچنا اسلام کی رُوح، اور اُس کا مرکزی مسئلہ ہے، اسلئے بھی کبھی کبھی اسلام کے لئے یہ عنوان اختیار کرلیا جاتا ہے، اس بات کی تائید (کہ اس حدیث میں اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے سے مراد دینِ اسلام قبول کرنا ہے) اس سے بھی ہوتی ہے، کہ صحیحین (بخاری و مسلم) ہی میں حضرت معاذؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں (جو اگلے ہی نمبر پر ذکر کی جارہی ہے) توحید و رسالت دونوں پر ایمان لانے اور دونوں کی شہادت ادا کرنے کا ذکر ہے، اور ایک روایت میں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ نماز اور روزہ کا بھی ذکر ہے۔

۱۳) عَنْ اَنس اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمَعَاذٌ رَدِیْفُهُ عَلَی الرَّحْلِ قَالَ یَا مَعَاذ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَ سَعْدَیْكَ، قَالَ یَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَیْكَ قَالَ یَا مَعَاذُ! قَالَ لَبَّیْكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ وَسَعْدَیْكَ ، ثَلاثًا، قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَّااِلٰهَ اِلَّااللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَی النَّار، قَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا یَتَّكِلُوْا فَاَخْبَرَبِهَا مَعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ...حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ حضرت معاذؓ کو جبکہ وہ حضور کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے، پکارا اور فرمایا: "یامعاذ!" انھوں نے عرض کیا: "لبیک یارسول اللہ وسعدیک"۔ حضور نے پکارا: "یامعاذ!" انھوں نے عرض کیا: "لبیک یارسول اللہ وسعدیک"۔ حضور نے پھر پکارا "یامعاذ!" انھوں نے عرض کیا: "لبیک یارسول اللہ وسعدیک"۔ تین دفعہ ایسا ہوا، پھر حضور نے (اس آخری دفعہ میں فرمایا) "جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اسکے رسول ہیں، تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کردیاہے"۔ حضرت معاذؓ نے (یہ خوش خبری سن کر) عرض کیا: "کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کردوں، تاکہ وہ سب خوش ہو جائیں؟"۔ حضور نے فرمایا: "پھر وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے"۔ پھر حضرت معاذؓ نے کتمانِ علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی۔

تشریح......ان دونوں روایتوں (۱۲ و ۱۳) کے ابتدائی تمہیدی حصے کی مطابقت و یکسانیت سے ظاہر ہے کہ ان

دونوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے، اور فرق صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں دعوتِ اسلام قبول کرنے کیلئے اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا عنوان استعمال کیا گیا ہے، اور دوسری میں اسی حقیقت کو توحید ورسالت کی شہادت کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی بشارت کی تیسری روایت میں حضرت معاذؓ نے توحید کے ساتھ نماز اور روزہ کا بھی ذکر کیا ہے، یہ روایت "مشکوٰۃ" میں "مسند احمد" کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے، اسکے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ لَقِيَ اللهَ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَ يُصَلِّي الْخَمْسَ وَ يَصُوْمُ رَمَضَانَ غُفِرَلَهٗ قُلْتُ اَفَلَا اُبَشِّرُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ دَعْهُمْ يَعْمَلُوْا

جو شخص اللہ کے سامنے اس حال میں جائے گا، کہ شرک سے اُس کا دامن پاک ہو، اور وہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہو، اور روزے رکھتا ہو تو وہ بخش ہی دیا جائے گا (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: حضورؐ! اجازت ہو تو میں سبکو یہ بشارت سُنا دوں؟ آپ نے فرمایا: "جانے دو، انہیں عمل کرنے دو!"

ان تینوں روایتوں کا عنوان اگرچہ مختلف ہے، اور ظاہری الفاظ میں اجمال و تفصیل کا کسی قدر فرق ہے۔ لیکن درحقیقت ہر روایت کا مطلب یہ ہی ہے کہ جو کوئی دعوتِ ایمان و اسلام کو قبول کرلے گا (جس کے بنیادی اصول واحکام، شرک سے بچنا، توحید ورسالت کی شہادت دینا، اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نجات کا حتمی وعدہ ہے۔

پس جو لوگ اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں، کہ توحید ورسالت کی شہادت ادا کرنے اور شرک سے بچنے کے بعد آدمی خواہ کیسا ہی بد عقیدہ اور بد عمل کیوں نہ ہو، بہر حال وہ اللہ کے عذاب سے مامون و محفوظ ہی رہے گا، اور دوزخ کی آگ اس کو چھو ہی نہ سکے گی، وہ ان بشارتی حدیثوں کا صحیح مفہوم اور مدعا سمجھنے سے محروم ہیں، نیز دوسرے ابواب کی جو سینکڑوں حدیثیں (بلکہ قرآن کی آیتیں بھی) ان کی اس خام خیالی کے صریح خلاف ہیں، وہ ان سے منحرف ہیں۔

(اعاذنا الله من ذالك)

۱۴) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَفَاتِيْحُ الْجَنَّةِ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ۔

(رواه احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینا، جنت کی کنجی ہے"۔ (مسند احمد)

تشریح ...... اس حدیث میں بھی صرف شہادتِ توحید کا ذکر ہے، اور یہ بھی دعوتِ ایمان کو قبول کرلینے، اور اسلام کو اپنا دین بنالینے کی ایک تعبیر ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ اردو محاورہ میں اسلام قبول کرنے کو "کلمہ پڑھ لینے" سے بھی تعبیر کردیتے ہیں۔ جس ماحول اور جس فضا کے رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات

ہیں، اس میں مسلمان بھی اور غیر مسلم کافر و مشرک بھی "توحید و رسالت کی شہادت" اور لاالٰہ الا اللہ کی شہادت "کا مطلب ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہی سمجھتے تھے۔

۱۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَ عَلَیْهِ ثَوْبٌ اَبْیَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَیْتُهٗ وَقَدْ اِسْتَیْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذَالِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ ، قَالَ وَ اِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قُلْتُ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ، قَالَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے، کہتے ہیں، کہ میں (ایکدن) حضور کی خدمت میں پہنچا، تو آپ اس وقت سفید کپڑا اوڑھے سوئے ہوئے تھے، پھر (کچھ دیر بعد) میں حاضر ہوا، تو آپ بیدار ہو چکے تھے، اسوقت آپ نے فرمایا: "جو کوئی بندہ لاالٰہ الااللہ کہے اور پھر اسی پر اسکو موت آجائے، تو وہ جنت میں ضرور جائیگا"۔ ابوذر کہتے ہیں، میں نے عرض کیا: "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اور اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو!" (ابوذر کہتے ہیں) میں نے پھر عرض کیا: "اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اسنے چوری کی ہو؟"۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) اگرچہ اُسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اُسنے چوری کی ہو!"۔ (ابوذرؓ کہتے ہیں) میں نے (پھر تعجب سے) عرض کیا، کہ: "(یارسول اللہ! لاالٰہ الااللہ کی شہادت دینے والا جنت میں ضرور جائیگا) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟"۔ آپ نے پھر ارشاد فرمایا: "(ہاں!) ابوذر کے علی الرغم[1] (وہ جنت میں جائے گا) اگرچہ اسنے زنا کیا ہو، اگرچہ اُس نے چوری کی ہو!"۔

تشریح ...... اس حدیث میں بھی "لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد پورے دینِ توحید (یعنی اسلام) پر ایمان لانا، اور اس کو اختیار کرنا ہے، اور بیشک جو شخص اس دینِ توحید پر صدقِ دل سے ایمان رکھتا ہو گا، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اب اگر بالفرض ایمان کے باوجود اسنے گناہ بھی کئے ہوں گے، تو اگر کسی وجہ سے وہ معافی کا مستحق ہو گا، تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرما کے بغیر کسی عذاب ہی کے اُس کو جنت میں داخل کردے گا اور اگر وہ معافی کا مستحق نہ ہو گا تو گناہوں کی سزا پانے کے بعد وہ جنت میں جاسکے گا، بہر حال دین اسلام پر صدق دل سے ایمان رکھنے والا ہر شخص جنت میں ضرور جائے گا، اگرچہ دوزخ میں گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد ہی جائے۔ حضرت ابوذرؓ کی اس روایت کا مطلب اور مفاد یہی ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے جو بار بار اپنا سوال دُہرایا، تو اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ چوری اور زنا کو سخت ناپاک گناہ جاننے کی وجہ سے اُن کو اس پر تعجب تھا، کہ ایسے ناپاک گناہ کرنے والے بھی جنت میں جاسکیں گے، گویا اُس وقت تک انہیں یہ مسئلہ معلوم نہ تھا، آج ہم جیسوں کو حضرت ابوذرؓ کے اس تعجب اور اس سوال کی وجہ سمجھنا اس لئے مشکل ہو گیا ہے کہ ہم نے اسلام ہی میں آنکھ کھولی ہے، اور یہ موٹی موٹی باتیں ہم کو گھروں ہی میں معلوم ہو جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

[1] عربی زبان کا یہ ایک خاص محاورہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے، کہ اگر یہ کام تمہیں ناگوار بھی ہو، اور تم اس کا ہونا نہ بھی چاہتے ہو، جب بھی یہ ہو کر رہے گا۔ ۱۲۔

۱۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اس حال میں مرا، کہ وہ یقین کے ساتھ جانتا تھا، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو وہ جنت میں جائے گا۔

تشریح...... اس حدیث میں بھی "لاالٰہ الا اللہ" پر یقین ہونے سے مراد وہی دینِ توحید پر ایمان رکھنا ہے، اور دخولِ جنت کے وعدہ کا مطلب بھی وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، کہ اپنے پورے اعمالنامہ کے تقاضے کے مطابق اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی میں، یا گناہوں کی کچھ سزا بھگت کر ہر صاحبِ ایمان جنت میں ضرور جائے گا۔

۱۷) عَنْ عُتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ (وَهُوَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْاَنْصَارِ) اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَنْكَرْتُ بَصَرِیْ وَاَنَا اُصَلِّیْ لِقَوْمِیْ فَاِذَا كَانَتِ الْاَمْطَارُ سَالَ الْوَادِیْ بَيْنِیْ وَ بَيْنَهُمْ لَمْ اَسْتَطِعْ اَنْ اٰتِیَ مَسْجِدَهُمْ فَاُصَلِّیَ بِهِمْ وَوَدِدْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَّكَ تَاْتِيْنِیْ فَتُصَلِّیْ فِیْ بَيْتِیْ فَاَتَّخِذُهٗ مُصَلًّى قَالَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَاَفْعَلُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ عُتْبَانُ فَغَدَا عَلَیَّ وَاَبُوْ بَكْرٍ حِيْنَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَاْذَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَذِنْتُ لَهٗ فَلَمْ يَجْلِسْ حِيْنَ دَخَلَ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ اَيْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّیَ مِنْ بَيْتِكَ قَالَ فَاَشَرْتُ لَهٗ اِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَكَبَّرَ فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ وَحَبَسْنَاهُ عَلٰى خَزِيْرَةٍ صَنَعْنَا هَالَهٗ قَالَ فَثَابَ فِی الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ اَهْلِ الدَّارِ ذَوُوْ عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوْا فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ اَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ اَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ ذَالِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُلْ ذَاكَ اَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُرِيْدُ بِذَالِكَ وَجْهَ اللّٰهِ؟ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّا نَرٰى وَجْهَهٗ وَنَصِيْحَتَهٗ اِلَى الْمُنَافِقِيْنَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَبْتَغِیْ بِذَالِكَ وَجْهَ اللّٰهِ ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ عتبان بن مالکؓ سے روایت ہے (اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ان اصحابؓ میں سے ہیں، جو انصار میں سے غزوۂ بدر میں شریک تھے) کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ: "میری نگاہ میں فرق آگیا ہے (یعنی مجھے کم دکھائی دینے لگا ہے) اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں، سو جب بارشیں ہوتی ہیں اور میرے اور میری قوم والوں کے درمیان جو نالہ ہے، وہ بہنے لگتا ہے، تو میں اُنکی مسجد تک جا کر نماز نہیں پڑھا سکتا اور یا رسول اللہ (ﷺ)! میری یہ خواہش ہے، کہ حضور میرے یہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں، تاکہ میں اُسی جگہ کو اپنی مستقل نماز گاہ بنالوں"۔ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: "انشاءاللہ تعالیٰ میں ایسا کروں گا"۔ (عتبان کہتے ہیں) کہ صبح ہی کو جب کچھ دن چڑھا تھا رسول اللہ اور ابو بکرؓ میرے یہاں پہنچ گئے، اور رسول اللہ ﷺ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے آپ کو اجازت دی، پس جب آپ گھر میں تشریف لائے، تو بیٹھے نہیں، اور مجھ سے فرمایا: "تم اپنے گھر میں سے کون سی جگہ پسند

کرتے ہو، کہ میں وہاں نماز پڑھوں؟" کہتے ہیں کہ میں نے گھر کی ایک جانب کی طرف اشارہ کر دیا، پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے، اور اللہ اکبر کہہ کر آپ نے نماز شروع کر دی، ہم بھی صف باندھ کے آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے، پس آپ نے دو رکعتیں پڑھیں، اور سلام پھیر دیا، (عتبان کہتے ہیں) اور ہم نے آپ کو خزیرہ ❶ کھانے کیلئے روک لیا، جو آپ کے واسطے ہم نے تیار کیا تھا، اور (آپ کی اطلاع پا کے) محلّہ والوں میں سے بھی چند آدمی آ کے جڑ گئے، پس انہی میں سے کسی کہنے والے نے کہا، کہ مالک بن دخیشن (یا ابن دخشن) کہاں ہے؟ انہی میں سے کسی نے جواب دیا، کہ "وہ تو منافق ہے، اللہ اور اسکے رسول سے اُسے محبت ہی نہیں ہے"۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ مت کہو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کا قائل ہے، اور اس سے وہ اللہ کی رضا ہی چاہتا ہے"۔ اس کہنے والے شخص نے کہا، کہ "اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، ہم تو اُس کا رخ اور اُس کی خیر خواہی منافقوں کی طرف دیکھتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یقیناً اللہ عزوجل نے دوزخ کی آگ پر اُس شخص کو حرام کر دیا ہے، جس نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہا ہو، اور اُس کا ارادہ اس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنا ہی ہو"۔

تشریح...... اس حدیث میں بھی لا الہ الا اللہ کہنے والے پر آتشِ دوزخ حرام ہونے کا مطلب وہی ہے، جو اسی مضمون کی سابقہ احادیث کی تشریح کے ضمن میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔ بلکہ اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں بجائے "قال لا الہ الا اللہ" کے "یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ" ہے اور مراد ان دونوں ہی عنوانوں سے دعوتِ اسلام کو قبول کرنا اور دین اسلام کو بحیثیت دین کے اختیار کر لینا ہے، دراصل جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے عہدِ نبوی میں اسلام قبول کرنے اور اسلام کو اختیار کرنے کی یہ عام تعبیر تھی۔

یہاں ایک بات یہ بھی ملحوظ رکھنی چاہئے، کہ جن صحابی نے مالک بن دخشن کو منافق کہا تھا، اُن کی نظر میں بھی مالک بن دخشن میں نفاق یا فسق و فجور کی کوئی بات اسکے سوا نہ تھی، کہ اُن کے خیال میں مالک بن دخشن، منافقین سے تعلقات اور میل ملاقات رکھتے تھے۔

اس سے ایک طرف تو صحابۂ کرامؓ کے ایمانی جذبے کا اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ اتنی سی بات سے بھی اس قدر ناراض ہوتے تھے، اور اس کو منافقت سمجھتے تھے۔ اور دوسری طرف آنحضرت ﷺ کی تنبیہ سے سبق ملتا ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی کچھ کمزوریاں ہوں، مگر اپنے ایمان اور توحید و رسالت کی شہادت میں وہ مخلص ہوں، تو ان کے بارے میں ایسی بد گمانیاں اور اتنی سخت باتیں کرنی جائز نہیں، بلکہ ایمان کا پہلو زیادہ قابلِ لحاظ اور واجب الاحترام ہے۔

یہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ یہ مالک بن دخیشن بھی رسُول اللہ ﷺ کے اُن صحابہ میں سے ہیں، جو عام غزوات میں حتیٰ کہ بدر میں بھی شریک رہے ہیں، ممکن ہے کہ منافقین سے تعلقات رکھنے میں، حاطب بن

❶ خزیرہ ایک قسم کے کھانے کا نام ہے، جو گوشت کی بوٹیوں میں پانی چھوڑ کر پکایا جاتا ہے، جب وہ پک چکتا ہے، تو اُس میں آٹا ڈال کر خوب پکاتے ہیں۔ ۱۲

ابی بلتعہؓ کی طرح ان کی بھی کچھ مجبوریاں ہوں۔ واللہ اعلم۔

۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا حَوْلَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَمَعَنا اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ فِیْ نَفَرٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ بَيْنِ اَظْهُرِنَا فَاَبْطَأَ عَلَيْنَا وَخَشِيْنَا اَنْ يُقْتَطَعَ دُوْنَنَا وَفَزِعْنَا فَقُمْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَخَرَجْتُ...... اَبْتَغِیْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ حَتّٰى اَتَيْتُ حَائِطًا لِلْاَنْصَارِ لِبَنِی النَّجَّارِ فَدُرْتُ بِهٖ هَلْ اَجِدُ لَهٗ بَابًا فَلَمْ اَجِدْ فَاِذَا رَبِيْعٌ يَدْخُلُ فِیْ جَوْفِ حَائِطٍ مِنْ بِيْرٍ خَارِجَةٍ (وَالرَّبِيْعُ الْجَدْوَلُ) قَالَ فَاحْتَفَزْتُ فَدَخَلْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ، قَالَ مَاشَاْنُكَ؟ قُلْتُ كُنْتَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا فَقُمْتَ فَاَبْطَاْتَ عَلَيْنَا فَخَشِيْنَا اَنْ تُقْتَطَعَ دُوْنَنَا فَفَزِعْنَا فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَزِعَ فَاَتَيْتُ هٰذَا الْحَائِطَ فَاحْتَفَزْتُ كَمَا يَحْتَفِزُ الثَّعْلَبُ وَ هٰؤُلَاۤءِ النَّاسُ وَرَائِیْ فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَاَعْطَانِیْ نَعْلَيْهِ فَقَالَ اِذْهَبْ بِنَعْلَیَّ هَاتَيْنِ فَمَنْ لَقِيَكَ مِنْ وَرَاءِ هٰذَا الْحَائِطِ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ فَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَكَانَ اَوَّلَ مَنْ لَقِيْتُ عُمَر ، فَقَالَ مَاهَا تَانِ النَّعْلَانِ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ، فَقُلْتُ هَاتَانِ نَعْلَا رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بَعَثَنِیْ بِهِمَا مَنْ لَقِيْتُ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرْتُهٗ بِالْجَنَّةِ، فَضَرَبَ عُمَرُ بَيْنَ ثَدْيَیَّ فَخَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ اِرْجِعْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاَجْهَشْتُ بِالْبُكَاءِ وَرَكِبَنِیْ عُمَرُوَاِذَاهُوَعَلٰى اِثْرِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَالَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قُلْتُ لَقِيْتُ عُمَرَ فَاَخْبَرْتُهٗ بِالَّذِیْ بَعَثْتَنِیْ بِهٖ فَضَرَبَ بَيْنَ ثَدْيَیَّ ضَرْبَةًخَرَرْتُ لِاِسْتِیْ فَقَالَ ارْجِعْ ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا عُمَرُ مَاحَمَلَكَ عَلٰى مَا فَعَلْتَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَبَعَثْتَ اَبَا هُرَيْرَةَ بِنَعْلَيْكَ مَنْ لَقِیَ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُسْتَيْقِنًا بِهَا قَلْبُهٗ بَشَّرَهٗ بِالْجَنَّةِ قَالَ نَعَمْ ، قَالَ فَلَا تَفْعَلْ فَاِنِّیْ اَخْشٰى اَنْ يَّتَّكِلَ النَّاسُ عَلَيْهَا فَخَلِّهِمْ يَعْمَلُوْنَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَخَلِّهِمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک دن ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (کی خدمت میں حاضر تھے، اور) آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے، اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی ہمارے ساتھ ہی اس مجلس میں تھے، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان سے اٹھے (اور کسی طرف کو نکل گئے) اور پھر آپ کی واپسی میں بہت دیر ہوگئی، تو ہمیں ڈر ہوا، کہ کہیں ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے، (یعنی ہماری عدم موجودگی میں کسی دشمن وغیرہ سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے)۔ پس اس خیال سے ہمیں سخت گھبراہٹ اور فکر لاحق ہوئی، اور ہم لوگ (آپ کی جستجو میں) نکل کھڑے ہوئے، اور سب سے پہلے میں ہی گھبرا کے حضور کی تلاش میں نکلا، یہاں تک کہ انصار کے خاندان بنی النجار کے ایک باغ پر پہنچ گیا، جو چہار دیواری سے گھرا ہوا تھا، اور میں نے اسکے چاروں طرف چکر لگایا، کہ اندر جانے کیلئے مجھے راستہ مل جائے، لیکن نہیں ملا، پھر مجھے پانی کی ایک گول (چھوٹی سی نہر) نظر پڑی، جو باہر کے ایک کنوئیں سے باغ کے اندر جاتی تھی (ابوہریرہؓ کہتے ہیں) میں سمٹ اور سکڑ کر اس میں سے باغ کے اندر

گھس گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے پاس جا پہنچا، حضور نے فرمایا: "ابو ہریرہ!" میں نے عرض کیا: "ہاں! یا رسول اللہ میں ہی ہوں"۔ آپ نے فرمایا "تم کیسے آئے؟" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف رکھتے تھے، پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے، اور جب دیر تک آپ کی واپسی نہیں ہوئی، تو ہمیں خطرہ ہوا، کہ مبادا ہم سے علیحدہ آپ کو کوئی ایذا پہنچائی جائے، اسی خطرے سے گھبرا کے ہم سب چل پڑے، اور سب سے پہلے گھبرا کے میں ہی نکلا تھا، یہاں تک کہ میں اس باغ تک پہنچا، اور (جب مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا، تو) لومڑی کی طرح سمٹ سکڑ کے، میں (اس گُول میں سے کسی طرح) گھس آیا ہوں اور دوسرے لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں"۔ پھر حضورؐ نے اپنے نعلین مبارک مجھے عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ "میرے یہ جوتے لے کر جاؤ، اور اس باغ سے نکل کے جو آدمی بھی تمہیں ایسا ملے، جو دل کے پورے یقین کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہو، اس کو جنت کی خوشخبری سنادو"۔

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، میں وہاں سے چلا) تو سب سے پہلے میری ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی، انھوں نے مجھ سے پوچھا: "ابو ہریرہؓ! تمہارے ہاتھ میں یہ دو جوتیاں کیسی ہیں؟"۔ میں نے کہا: "یہ حضور (ﷺ) کی نعلین مُبارک ہیں، حضورؐ نے مجھے یہ دے کر بھیجا ہے، کہ جو کوئی بھی دل سے "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا مجھے ملے، میں اُس کو جنت کی خوشخبری سنادوں"۔ (ابو ہریرہؓ کہتے ہیں، کہ) پس عمرؓ نے میرے سینے پر ایک ہاتھ مارا جس سے میں اپنی سرینوں کے بل پیچھے کو گر پڑا، اور مجھ سے انھوں نے کہا: "پیچھے کو لوٹو"۔ میں روتا ہوا حضورؐ کے پاس واپس آیا، اور عمرؓ بھی میرے پیچھے پیچھے آئے، رسول اللہ ﷺ نے (مجھے اس حالت میں دیکھ کر) پوچھا: "ابو ہریرہ! تمھیں کیا ہوا؟" میں نے عرض کیا کہ: عمرؓ مجھے ملے تھے، حضورؐ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا تھا، میں نے وہ اُنہیں بتلایا، تو انھوں نے میرے سینے پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے میں اپنی سرینوں کے بل گر پڑا، اور مجھ سے کہا، کہ پیچھے کو لوٹو"۔ رسول اللہ ﷺ نے عمرؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: "عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟" انھوں نے عرض کیا: حضورؐ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کیا آپ نے ابو ہریرہؓ کو اپنے نعلین مبارک دے کر اسلئے بھیجا تھا، کہ جو کوئی بھی دل کے یقین کے ساتھ "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دینے والا ان کو ملے، وہ اس کو جنت کی بشارت دیدیں؟" حضورؐ نے فرمایا: ہاں! میں نے ہی یہ کہہ کے بھیجا تھا"۔ عمرؓ نے عرض کیا: "حضور! ایسا نہ کیجئے، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں لوگ بس اس شہادت ہی پر بھروسہ کر کے (سعی و عمل سے بے پرواہ ہو کے) نہ بیٹھ جائیں، لہٰذا انہیں اسی طرح عمل کرنے دیجئے"۔ حضورؐ نے فرمایا: "تو جانے دو!"۔

تشریح...... اس حدیث میں چند چیزیں وضاحت طلب ہیں:

۱) رسول اللہ (ﷺ) نے اس موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی نعلین مبارک کیوں عطا فرمائیں؟ شارحین نے اسکی توجیہ میں اگرچہ کئی باتیں کہی ہیں، لیکن ان سب میں زیادہ قرین قیاس یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کو آپ نے جس بشارتِ عظمیٰ کے اعلان کیلئے بھیجا تھا، اس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے آپ نے اپنی کوئی خاص نشانی بھی اُن کیساتھ کر دینا مناسب سمجھا اور اس وقت آپکے پاس ایسی چیز جو اس مقصد کیلئے آپ اُنکو دے سکتے تھے، یہ نعلین مبارک ہی تھیں، اسلئے وہی آپ نے اُنکو عطا فرمادیں۔ واللہ اعلم۔

۲) حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ جو سختی کا معاملہ فرمایا، اس کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کیلئے حضرت عمرؓ کی اُس امتیازی حیثیت کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جو صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اُنکو حاصل تھی، یعنی وہ (اور حضرت ابو بکرؓ بھی) حضور (ﷺ) کے خاص شریک کار، محرمِ راز، مشیرِ خصوصی، اور گویا آپکے وزیر و نائب تھے اور صحابہ کرامؓ عام طور سے اُنکے اس امتیازی مقام کو پہچانتے تھے اور جس طرح ہر جماعت اور ہر خاندان کا بڑا، اپنے چھوٹوں کو تنبیہ اور سرزنش کا حق رکھتا ہے، اُسی طرح حضرت عمرؓ بھی یہ حق رکھتے تھے اور بسا اوقات حسبِ ضرورت اس حق کو آپ استعمال بھی فرماتے تھے، اور واقعہ یہ ہے کہ چھوٹوں کی اصلاح و تربیت کیلئے بڑوں کے واسطے اس حق کا ماننا ضروری بھی ہے، پس حضرت عمرؓ نے اس واقعہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کیساتھ جو تشدد کیا، وہ در حقیقت اسی قبیل سے ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابتداءً ان سے واپس ہونے کو کہا ہوگا، لیکن وہ چونکہ تمام اہلِ ایمان کے لئے ایک بشارتِ عظمٰی کا پروانہ لے کر آرہے تھے، اور اُن کے نزدیک یہ ایک بڑی سعادت تھی جو انہیں حاصل ہورہی تھی، اسلئے انہوں نے واپس ہونے سے انکار کیا ہوگا، اور بالآخر حضرت عمرؓ نے ان کو واپس لوٹانے کیلئے اس جبر و تشدد سے کام لیا ہوگا، کیونکہ ان کو مقامِ نبوت اور شئونِ نبوت کی پوری شناسائی کی وجہ سے اسکا کامل یقین تھا، کہ اس بشارتِ عامہ کا مضر پہلو جب حضور (ﷺ) کے سامنے آئیگا، تو آپ بھی اسکو خلافِ مصلحت ہی سمجھیں گے، اور ابو ہریرہؓ کو اس کی عام اشاعت سے منع فرمادینگے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے، کہ ایک دفعہ رسول اللہ (ﷺ) نے حضرت معاذؓ کو بھی ایسی ہی بشارت سنائی تھی (وہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اس وقت حضرت معاذؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی تھی، کہ وہ سب مُسلمانوں کو یہ خوشخبری سنادیں، تو حضور نے اجازت نہیں دی تھی، اور اجازت نہ دینے کی وجہ یہی بیان فرمائی تھی کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے دینی ترقیوں سے رہ جائیں گے۔

۳) اس حدیث میں بھی صرف "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت پر جنت کی خوشخبری دی گئی ہے، سو اس کی ایک عام توجیہ تو وہی ہے، جو مندرجہ بالا احادیث کے ذیل میں ذکر کی جاچکی ہے۔ ماسوا اُسکے، اس حدیث کے الفاظ میں اس احتمال کی بھی کافی گنجائش ہے، کہ حضور (ﷺ) کا مطلب اس ارشاد سے صرف یہ ہو کہ جو کوئی "لا الٰہ الا اللہ" کی شہادت دے، یعنی صدق دل سے دینِ توحید (اسلام) پر ایمان لائے، اُس کو خوشخبری دے دی جائے کہ وہ ضرور جنت میں جائے گا، اگرچہ گناہوں کی سزا پانے کے بعد ہی جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔

اسکے سوا ایک خاص نکتہ یہاں یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ مقربین بارگاہِ قدس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بے پناہ قہر و جلال اور شانِ غضب و انتقام کا جب خاص انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر ہیبت اور خوف کا غلبہ ہوجاتا ہے، اور اُس وقت کا ادراک و احساس یہ ہوتا ہے کہ شاید کسی بھی نافرمان کی نجات نہ ہوسکے گی، اور اُس خاص حال میں اُن کے ارشادات اِس طرح کے ہوتے ہیں، کہ جو یہ گناہ کرے گا جنت میں نہیں جاسکے گا، جو وہ گناہ کرے گا، جنت کی ہوا بھی نہیں پاسکے گا، وغیرہ وغیرہ...... اور اسی طرح جب دوسرے بعض

اوقات میں اُن پر اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور اسکے بے حساب اور بے اندازہ فضل و کرم کا انکشاف ہوتا ہے، تو اُن پر رجا اور امیدِ رحمت کا غلبہ ہو جاتا ہے، اور اُس عالم میں اُن کا ادراک واحساس یہ ہوتا ہے کہ جس میں کچھ بھی ذرۂ خیر ہو گا وہ بخشا ہی جائے گا، اور ایسے ہی احوال میں اُن حضرات کی زبانوں سے اس طرح کی عام بشارتیں نکلتی ہیں...... اسی نکتے کو عارف شیرازیؒ نے اس طرح ادا کیا ہے۔

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم بمانند کروبیاں صم وبکم
وگردردہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

پس حدیث مندرجۂ بالا کے بارے میں یہ بھی بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ جس وقت بنی النجار کے اُس باغ میں حضور ﷺ کے پاس پہنچے ہوں، تو اُس وقت آپ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شئونِ رحمت اور تجلیاتِ کرم کے مراقبے و مشاہدے میں مستغرق ہوں، اور اسی حالت میں آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو بطور نشانی اپنی نعلینِ مبارک عطا فرما کر ہر شاہدِ توحید کو جنت کی خوشخبری سنادینے کا حکم دے دیا ہو، لیکن حضرت عمرؓ چونکہ اس پوری حقیقت کے رازداں اور ان احوال و کیفیات کے اُتار چڑھاؤ سے باخبر تھے، اسلئے انھوں نے حضور ﷺ سے براہِ راست مراجعت و تحقیق تک حضرت ابوہریرہؓ کو اسکے اعلانِ عام سے روکا ہو، دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت عمرؓ پر اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک کی اُس خاص کیفیت (یعنی غلبۂ رجا اور رحمت) کا انکشاف منجانب اللہ ہو چکا تھا، اور اُن کو اپنے نورِ فراست سے اس بات کا یقین تھا، کہ جب آنحضرت ﷺ پر اس کیفیت کا غلبہ نہیں رہے گا، اور اس اعلان کا دوسرا پہلو آپ کے سامنے رکھا جائے گا، تو خود آپ اُس کو منع فرمادیں گے، جیسا کہ ظہور میں آیا...... اس طرح کے مواقع پر صحیح حقیقت کا ادراک و انکشاف حضرت عمرؓ کی امتیازی فضیلت ہے، جس کو حدیثِ نبوی میں "مقامِ محدّثیت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ایک اور اصولی بات جس سے اسطرح کی بہت سی حدیثوں کا اشکال حل ہو جاتا ہے

اس قسم کی آیات یا احادیث پر غور کرتے وقت ایک اصولی بات یہ بھی ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ اس قسم کی بشارتوں میں متکلم کا مقصد اور مطمح نظر کسی عمل خیر کی ذاتی خاصیت اور اسکا اصلی اثر بتلانا ہوتا ہے، قطع نظر اس سے کہ اگر دوسرے اعمال کا تقاضا اسکے خلاف ہو، تو پھر انجام کیا ہو گا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ طب کی کتابوں میں اسی اصول پر دواؤں کے خواص بیان کئے جاتے ہیں، مثلاً لکھا جاتا ہے، کہ جو شخص اطریفل استعمال کرتا رہے گا، وہ ہمیشہ نزلہ سے محفوظ رہے گا، اب اس سے یہ سمجھ لینا کہ جو شخص اطریفل کھانے کے ساتھ ساتھ تیل، ترشی وغیرہ انتہائی درجے کی نزلہ پیدا کرنے والی چیزیں بھی برابر کھاتا رہے، اُس کو بھی کبھی نزلہ نہ ہو گا، سخت نافہمی اور اطبا کے طرزِ کلام سے ناواقفی ہے۔

اس اصول کی روشنی میں اس قسم کی حدیثوں کا مدعا صرف اتنا ہی ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت کا ذاتی اقتضاء یہی ہے کہ ایسا آدمی عذاب دوزخ سے محفوظ رہے، اور جنت میں جائے، لیکن اگر اُسنے اپنی بد بختی سے کچھ ایسے بد اعمال بھی کئے ہیں جن کا ذاتی اقتضاء قرآن و حدیث میں عذاب پانا، اور دوزخ میں جانا ہی بتلایا

گیا ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہی دکھائیں گے۔

اگر یہ چھوٹا سا نکتہ ملحوظ رکھا جائے، تو وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب کے سلسلہ کی صدہا حدیثوں کے بارے میں لوگوں کو غلط فہمی اور اس کی وجہ سے جو الجھن ہوتی ہے، وہ انشاء اللہ نہ ہوگی۔

۱۹) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَا يَزِنُ شَعِيْرَةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ بُرَّةً ثُمَّ يُخْرَجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّااللهُ وَكَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِنَ الْخَيْرِ مَايَزِنُ ذَرَّةً۔

(رواہ البخاری و مسلم واللفظ له)

ترجمہ حضرت انسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دوزخ میں سے وہ سب لوگ نکال لئے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور اُن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی بھلائی تھی، پھر وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور ان کے دل میں گیہوں کے دانے برابر بھی بھلائی تھی اور اُسکے بعد وہ لوگ بھی نکالے جائیں گے جنھوں نے "لا الٰہ الا اللہ" کہا، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی تھی۔

تشریح...... جیسا کہ بعض احادیثِ سابقہ کی تشریح میں مفصل اور مدلل طور پر لکھا جا چکا ہے اُسی طرح اس حدیث میں بھی " لا الٰہ الا اللہ" کہنے سے مراد "دینِ اسلام" قبول کرنا، اور اس کا اقرار کرنا ہے اور اس بنا پر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں، اور اپنے کو اسلام سے وابستہ کرتے ہوں، اور اُن کے دل میں ذرہ برابر خیر (یعنی نورِ ایمان) ہو، تو وہ بالآخر دوزخ سے نکال ہی لئے جائیں گے، اس روایت میں تین جگہ 'خیر' کا لفظ آیا ہے، جس کا ترجمہ ہم نے بھلائی کیا ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں (جس کو امام بخاریؒ نے بھی ذکر کیا ہے) بجائے خیر کے ایمان کا لفظ بھی آیا ہے، جو اس بات کا صاف قرینہ ہے کہ یہاں خیر سے مُراد نورِ ایمان ہی ہے۔

اس حدیث سے دو نہایت اہم باتیں جو اہلِ حق کے خاص اجماعی عقائد میں سے ہیں، پوری صراحت اور صفائی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ بہت سے لوگ کلمہ اسلام پڑھنے کے باوجود اپنی بداعمالیوں کے سبب دوزخ میں بھی ڈالے جائیں گے۔

اور دوسرے یہ کہ اگر اُن کے دلوں میں خفیف سے خفیف اور ضعیف سے ضعیف، حتیٰ کہ (حدیث کی تصریح کے مطابق) ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا، تو بالآخر وہ دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کا مؤمن بھی کافروں کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ اگرچہ وہ اعمال کے لحاظ سے کیسا ہی فاسق و فاجر کیوں نہ ہو۔

اس مضمون کی حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت انسؓ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدریؓ حضرت جابرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہیں، اور حدیث کی دوسری کتابوں میں یہ مضمون ان حضرات

کے علاوہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت ابو موسیٰ وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کیا گیا ہے، بہر حال فنِ حدیث کی معرفت اور علوم حدیث میں بصیرت رکھنے والوں کے نزدیک یہ مضمون آنحضرت ﷺ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے، بلکہ صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی جو مفصل روایت ہے، اُس میں صراحت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ جو گنہگار مسلمان دوزخ میں ڈالے جائیں گے، اُن کے حق میں نجات یافتہ مؤمنین اللہ تعالیٰ سے بڑے الحاح کے ساتھ عفو و درگزر اور بخشش و کرم کی استدعا کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کی اس استدعا و التجا کو قبول فرما کر اُنہی کو اجازت دیدیں گے، کہ جاؤ جس میں ایک دینار برابر بھی خیر تمہیں نظر آئے اس کو نکال لو، چنانچہ ایک بہت کثیر تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی، پھر ان کو اجازت دی جائیگی کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن میں نصف دینار کے برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی پھر حکم ہوگا کہ جاؤ ایسے لوگوں کو بھی نکال لو جن کے اندر ذرہ برابر خیر بھی تمہیں نظر آئے، چنانچہ پھر بہت بڑی تعداد اس درجے کے لوگوں کی بھی نکال لی جائے گی، اور اسکے بعد یہ سفارش کرنے والے خود عرض کریں گے: رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا (خداوندا! اب دوزخ میں ہم نے کچھ بھی خیر رکھنے والا کوئی آدمی نہیں چھوڑا ہے)...... اسکے بعد حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا:

"شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ"۔

(فرشتوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور نبیوں کی بھی سفارش ہو چکی، اور مؤمنین کی بھی سفارش ہو چکی اور ان کی سفارشیں بھی قبول کی جا چکیں، اور اب بس ارحم الراحمین ہی کی باری رہ گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ خود اپنے مغفرت و رحمت کے ہاتھ سے ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال لیں گے، جنہوں نے کبھی کوئی نیک عمل کیا ہی نہ ہوگا)۔

آگے حضرت ابو سعیدؓ کی اسی حدیث کے آخر میں ان لوگوں کے متعلق یہ بھی ہے کہ:

"هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ اللّٰهِ الَّذِيْنَ اَدْخَلَهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ"۔

(یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے چھوڑے ہوئے ہوں گے اللہ اُن کو جنت میں داخل کرے گا بغیر عمل کے، جو انہوں نے کیا ہو، اور بغیر خیر کے جو انہوں نے پیش کیا ہو)۔

گویا یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس بہت ہی ضعیف اور نہایت ہی خفی ایمان کے سوا عملِ صالح اور خیر کا کوئی سرمایہ بالکل نہ ہوگا، مگر اللہ تعالیٰ بالآخر اُن کو بھی اپنے رحم و کرم سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مرجیہ اور خوارج نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی تھی، اور آج کل بھی بعض حلقوں کا رجحان افراط کی طرف اور بعض کا تفریط کی طرف ہو رہا ہے۔ اسلئے ہم نے حدیث کی نفسِ تشریح سے زیادہ چند سطریں لکھنی ضروری سمجھیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اسلام لانے سے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں

۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْاِسْلَامَ فِىْ قَلْبِىْ اَتَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ يَمِيْنَكَ فَلَاُ بَايِعْكَ فَبَسَطَ يَمِيْنَهٗ فَقَبَضْتُ يَدِیْ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَاذَا؟ قُلْتُ اَنْ يُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ يَا عَمْرُو اَنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام لانے کا خیال میرے دل میں ڈالا، تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں، پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ آگے کر دیا، پس میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، تو آپ نے فرمایا: عمرو! تمہیں کیا ہوا؟ (یعنی تم نے اپنا ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟) میں نے عرض کیا: میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم کیا شرط لگانا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: یہ کہ میری خطائیں بخش دی جائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے، کہ اسلام قبول کرنا پہلے سب گناہوں کو ڈھا دیتا ہے، اور ہجرت بھی پہلے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے گناہوں کو زائل کر دیتا ہے۔

تشریح...... آنحضرت ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے بارے میں اسلام کے علاوہ ہجرت اور حج کی تاثیر کا ذکر اس موقع پر یہ ظاہر کرنے کے لئے فرمایا کہ اسلام تو اسلام، اُسکے بعض اعمال میں بھی گناہوں سے پاک صاف کر دینے کی خاصیت ہے...... لیکن دو باتیں یہاں خاص طور قابلِ لحاظ ہیں، ایک یہ کہ اسلام لانے اور ہجرت یا حج کرنے کی یہ تاثیر اس صورت میں ہے، جبکہ یہ کام صدقِ نیت اور اخلاص کے ساتھ کئے جائیں...... دوسرے یہ کہ دلائلِ شرعیہ سے یہ بات اپنی جگہ ثابت شدہ ہے، کہ اگر کسی کے ذمے اللہ کے بندوں کے حقوق ہیں، خصوصاً مالی حقوق تو اسلام یا ہجرۃ یا حج سے وہ معاف نہیں ہوتے، اُن کا معاملہ حقداروں ہی سے صاف کرنا ضروری ہے۔

کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر اسلام قبول کرنے والوں کے پچھلے گناہوں کی معافی کا وعدہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

"قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ"

(اے رسول! اُن لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، کہ اگر وہ باز آجائیں، تو اُن کے پچھلے گناہ بخشد یئے جائیں گے)۔

۲۱) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا وَكَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى

سَبْعِمِأَةِ ضِعْفٍ وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهَا۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے، کہ:
"جب بندہ اسلام قبول کرلیتا ہے اور اُسکا اسلام اچھا ہوتا ہے، تو جو بُرائیاں اس نے پہلے کی ہوتی ہیں، اللہ اسلام کی برکت سے اُن سب کو معاف کردیتا ہے اور اُسکے بعد اُسکی نیکیوں اور بدیوں کا حساب یہ رہتا ہے کہ ایک نیکی پر دس گنے سے لیکر سات سو گنے تک ثواب دیا جاتا ہے اور بُرائی کرنے پر وہ اُسی ایک بُرائی کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے بھی درگزر فرمائے اور معاف ہی فرمادے"۔ (بخاری)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے دین (اسلام) کو اپنا دین بنانے سے، اور مسلمان ہو جانے سے پچھلے گناہ معاف ہونے کی یہ شرط ہے کہ اسلام کا حسن بھی زندگی میں آجائے (یعنی اُسکا قلب و باطن نورِ اسلام سے منور اور قالب و ظاہر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے مُزین اور آراستہ ہو جائے۔ "فحسُن اسْلَامُهُ" کا یہی مطلب ہے۔ پس اگر کسی شخص کی زندگی اسلام میں آجانے کے بعد بھی نورِ اسلام اور اسلام کے حُسن سے خالی رہی، اور اُسکے ظاہر و باطن پر اسلام کا رنگ نہیں چڑھا، تو پچھلے سب گناہوں سے معافی کا یہ اعلان اُس کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک دیئے جانے کا انعامی قانون بھی اُنہی بندوں کے لئے ہے جنھوں نے اسلام کا کچھ حُسن اپنے اندر پیدا کرلیا ہو، اور اس حُسن کی کمی بیشی کے حساب سے ہی نیکیوں کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک ملے گا۔

ایمان لانے کے بعد جان و مال معصوم و محفوظ ہو جاتے ہیں

۲۲) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّىْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهُ عَلَى اللهِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اسوقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لا الٰہ الا اللہ" کے قائل نہ ہو جائیں، پس جو شخص لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو گیا اسنے اپنے مال اور اپنی جان کو محفوظ کرلیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُسکا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... حضرت عمرؓ سے اس حدیث کی روایت اُس مکالمہ کے ضمن میں آتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والے بعض قبائل کے خلاف جنگ کرنے کے بارے میں اُن کے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے درمیان ہوا تھا۔

اس حدیث میں بھی "لا الہ الا اللہ" کہنے سے مُراد، دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہے، اور جس طرح مذکورہ سابق احادیث میں اسلام قبول کرنے کا اُخروی نتیجہ عذابِ دوزخ سے نجات اور حصول جنت بتایا گیا ہے، اسی طرح اس حدیث میں قبول اسلام کا ایک دینوی اور قانونی نتیجہ جان و مال کا محفوظ و مامون ہو جانا بتلایا گیا ہے۔

نیز اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسلامی جنگ کے متعلق ایک نہایت اہم اور اصولی اعلان بھی فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ ہماری جنگ کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں، کہ اللہ کے بندوں کو اُس کی بندگی کے رستے پر لگایا جائے، اور اُن کو عذابِ ابدی سے نجات دلائی جائے، لہٰذا جو کوئی اللہ کے دین کو قبول کر لے، اور اللہ ہی کی بندگی کا اقرار کر کے اُسکے مقرر کئے ہوئے طریقۂ زندگی (دینِ اسلام) کو اپنا دین بنالے، اسکے جان و مال کو ہماری طرف سے بالکل امن ہے۔

"اِلَّا بِحَقِّهٖ" کا مطلب یہ ہے کہ البتہ اگر اُسنے اسلام اختیار کرنے کے بعد کوئی ایسا جرم کیا، کہ خود اللہ کے قانون کا تقاضا اُس کو جانی یا مالی سزا دینے کا ہوا، تو خداوندی حکم کے مطابق اس کو سزا دیجائے گی، اور "لا الٰہ الا اللہ" کہنے اور مسلمان کہلانے کی وجہ سے وہ اس قانونی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

"وَحِسَابُهٗ عَلَى اللهِ" کا مطلب یہ ہے، کہ جو شخص کلمۂ اسلام پڑھ کے اپنا ایمان لانا ہمارے سامنے ظاہر کرے گا، ہم اُس کو مؤمن اور مسلم تسلیم کر کے اُسکے خلاف جنگ بند کردیں گے، اور اُس کے ساتھ ایمان و اسلام ہی کا معاملہ کریں گے، لیکن اگر فی الواقع اُس کی نیت میں کوئی بُرائی، اور اُسکے دل میں کوئی کھوٹ ہوگی، تو اُس کا حساب آخرت میں اللہ تعالیٰ پر ہے، جو عَالِمُ الْغَيْبِ اور عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے، وہ ہی اُس سے حساب کرلے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ اور طارق اشجعیؓ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے اس مضمون کو کسی قدر تفصیل سے بھی روایت کیا ہے، جس سے اس حدیث کے مضمون کی بھی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے، ہم اُن میں سے بعض روایات ذیل میں درج بھی کرتے ہیں۔

۲۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَيُؤْمِنُوْا بِىْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ . (رواه مسلم)

ترجمہ　حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک کہ وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کی شہادت دیں، اور مجھ پر اور جو ہدایت میں لیکر آیا ہوں اُس پر ایمان لے آئیں، سو جب وہ ایسا کرلیں، تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا، سوائے اُسکے حق کے اور اُن کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کی شہادت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اور آپکے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ اس سے پہلی حدیث میں "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کے قائل ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے دعوتِ اسلام کا قبول کرنا ہی مُراد ہے۔

۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُواالزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّىْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّابِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم ہے کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں اُسوقت تک کہ وہ اس بات کی شہادت ادا کریں (یعنی اس کا اقرار و اعلان کریں) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں، اور نماز قائم کرنے لگیں، اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں، پس جب وہ یہ سب کچھ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا سوائے حق اسلام کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے۔" (بخاری و مسلم)

تشریح......اس حدیث میں توحید و رسالت کی شہادت کے علاوہ نماز قائم کرنے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ذکر ہے...... اور در حقیقت ان دو رکنوں کا ذکر بھی صرف تمثیل اور نشانی کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ یہاں بھی مُراد یہی ہے کہ اللہ کے دین پر ایمان لے آئیں، اور دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، جس کو حضرت ابوہریرہؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں "ويؤمنوابى وبما جئت به" (اور مجھ پر ایمان لائیں، اور جو ہدایت میں لایا ہوں اس پر ایمان لائیں) کے مختصر، مگر جامع الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔

۲۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ، فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلُّوْا صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَاَكَلُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَائُهُمْ وَ اَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ . (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں لوگوں سے جنگ جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ "لا اله الا الله" کے قائل ہو جائیں، پس جب وہ "لا اله الا الله" کے قائل ہو جائیں اور ہماری نمازیں پڑھنے لگیں، اور (اپنی نمازوں میں) ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرنے لگیں، اور ہمارا ذبیحہ کھانے لگیں، تو اُن کے خون اور اُن کے مال ہم پر حرام ہو گئے سوائے اسکے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے سپرد ہے"۔ (بخاری)

تشریح......اس حدیث میں شہادتِ توحید کے ساتھ نماز پڑھنے اور نماز میں قبلہ اسلام کی طرف رُخ کرنے اور اہلِ اسلام کا ذبیحہ کھانے کا ذکر بھی کیا گیا ہے، در حقیقت ان تمام چیزوں کا ذکر بھی بطور علامات اور نشانیوں ہی کے کیا گیا ہے، اور اصل مقصد اس حدیث کا بھی احادیث مندرجہ بالا کی طرح صرف اتنا ہی ہے، کہ ہماری جنگ جس کسی سے بھی ہے صرف دین کی خاطر، اور لوگوں کو کفر و شرک کی گمراہی سے نکال کر راہِ حق پر لانے کیلئے ہے، پس جو لوگ بے راہ روی چھوڑ کر اللہ کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ اختیار کر لیں اور دینِ حق کی دعوت کو قبول کر لیں، اُن کے جان و مال سے تعرض کرنا ہمارے لئے حرام ہے اور چونکہ اس زمانہ اور اس ماحول میں ایمان و اسلام کی ظاہری علامات یہی تھیں، کہ آدمی مسلمانوں کے طریقے پر نماز پڑھنے لگے، اور نماز میں کعبہ کی طرف رُخ کرنے لگے، اور مسلمانوں کے ذبیحہ سے پرہیز نہ کرے، اس لئے رسول اللہ

ﷺ نے علامات ہی کے طور پر ان چیزوں کا بھی ذکر کر دیا۔

اور اسی حدیث کی سنن ابی داؤد کی روایت میں "وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ" کی جگہ آخری الفاظ یہ ہیں: "لَهُمْ مَا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، نہ صرف یہ کہ ہماری جنگ ان کے خلاف ختم ہو جائیگی، اور ان کے جان و مال کو امان حاصل ہو جائے گی، بلکہ پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریوں میں بالکل ہمارے برابر ہوں گے۔

ان حدیثوں کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب

ان احادیث پر سرسری نظر میں ایک شبہ ہوتا ہے، بعض شارحینِ حدیث نے خود ہی اس کو ذکر کر کے مختلف جوابات بھی دیئے ہیں، وہ شبہ یہ ہے، کہ اسلام میں جزیہ اور مناسب شرائط کے ساتھ مصالحت کا اصول بھی مسلم ہے، اور ان دونوں صورتوں پر بھی جنگ ختم ہو جاتی ہے، لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صرف اُس وقت روکی جائے گی، جبکہ لوگ دعوتِ اسلام قبول کر لیں۔

راقم سطور کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے، کہ ان احادیث کا مقصد اور موضوع، جنگ کو روک دینے اور اُس کو ختم کر دینے کی صورتیں بتلانا نہیں ہے، بلکہ ان ارشادات میں حضور ﷺ کا مطمحِ نظر صرف دو چیزوں کو واضح کرنا ہے، ایک یہ کہ ہماری جنگ کی غایت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ لوگ اللہ ہی کی عبادت کرنے لگیں، اور اسکی متعین کی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے لگیں، یعنی دعوتِ اسلام کو قبول کر لیں، اور دوسرے یہ کہ جو لوگ اس دعوت کو قبول کر لیں گے، اُن کے جان و مال کو ہماری طرف سے قطعی امن ہوگا، بلکہ حقوق اور ذمہ داریوں میں وہ دوسرے مسلمانوں کے بالکل مساوی ہوں گے۔

رہا جزیہ یا خاص حالات میں خاص شرائط کے ساتھ مصالحت، سو اگرچہ یہ بھی جنگ ختم کر دینے کی صورتیں ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ اسلامی جنگ کی اصل غایت نہیں ہیں، بلکہ چونکہ ان کے ذریعے اصل مقصد یعنی دعوتِ اسلام کیلئے ایک پرامن راہ کھل جاتی ہے، اسلئے ان پر جنگ روک دی جاتی ہے۔

ایمان و اسلام کی چند ظاہری نشانیاں

٢٦) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِىْ لَهٗ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِىْ ذِمَّتِهٖ. (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی ہماری سی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کی طرف رُخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے اور اللہ کے رسول کی امان ہے، سو تم اللہ کے عہد نہ توڑو، اس کی امان کے بارے میں"۔ (بخاری)

تشریح...... اس حدیث کا مقصد سمجھنے کیلئے یہ حقیقت پیشِ نظر رکھ لینی چاہئے، کہ حضور ﷺ کے عہدِ مسعود میں جب دعوتِ اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی، تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے، لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی

گنجائش رہتی تھی، کہ شاید انھوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے، پس رسُول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے، اور آپ کا مقصد صحابہ کرامؓ کو یہ جتلانا ہے، کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو، کہ وہ اسلامی طریقے پر نماز پڑھتا ہے، اور نماز میں قبلۂ مسلمین کی طرف ہی رُخ کرتا ہے، اور اہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے، تو اُس کو مسلمان ہی سمجھو، اور اُسکے جان و مال کو اللہ اور اُسکے رسول کی امان میں سمجھو، یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی کسی بد گمانی کی بناء پر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے، بلکہ اسنے صرف منافقانہ طور پر ان اسلامی شعائر کو اختیار کر لیا ہے، اسکے خلاف کوئی اقدام نہ کرو، بہر حال اس حدیث کا مقصد اسی بارے میں مسلمانوں کو تنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کا اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا مقصدِ حدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی یہ ظاہری علامتیں موجود ہوں (یعنی نماز پڑھنا، قبلہ کی طرف رُخ کرنا اور مسلمانوں کا ذبیحہ کھانا) پھر خواہ وہ کیسے ہی خلافِ اسلام عقائد و خیالات رکھے، اور خواہ کیسے ہی کافرانہ و مشرکانہ اعمال کرے، بہر حال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔

دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو مسلمان قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اور علامات ہی کا نام ہے، اور ایمان و اعتقاد کی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اور گمراہی کی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

مسلمان کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا

۲۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ اَلْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَّلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ ، وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُذْبَعَثَنِىَ اللّٰهُ اِلٰى اَنْ يُّقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهٗ جَوْرُ جَائِرٍ وَ لَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین باتیں اصولِ اسلام میں داخل ہیں: ایک یہ کہ جو شخص کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو، اسکے بارے میں زبان کو روکا جائے، یعنی کسی گناہ کی وجہ سے اُس کی تکفیر نہ کی جائے، اور کسی بدعملی کی وجہ سے اُس کو خارج از اسلام قرار نہ دیا جائے......دوسری چیز (اصولِ اسلام میں سے) جہاد ہے، وہ اُس وقت سے جاری ہے، جب مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا، اور اُس آخری زمانہ تک جاری رہے گا، جبکہ اس اُمت کا آخری طبقہ دجال سے جنگ کرے گا (مسلمانوں کے حکمران خواہ ظالم ہوں یا منصف، جہاد بہر حال جاری رہے گا) کسی ظالم حکومت کا ظلم اور عادل حکمران کا عدل اسکو ختم نہیں کرے گا، اور (اصول اسلام میں سے تیسری چیز) تقدیر پر ایمان لانا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح......اس حدیث میں تین باتوں کو اصولِ اسلام میں سے بتلایا گیا ہے، اول یہ کہ کسی گناہ اور بدعملی کی

وجہ سے کسی ایسے شخص کی تکفیر نہ کی جائے، اور اُسکے خارج از اسلام ہونیکا فتویٰ نہ دیا جائے، جو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو۔ اسکے بارے میں ایک بات تو یہ ملحوظ رکھنے کی ہے کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہونے کا مطلب وہی ہے جو پہلے بھی بار بار بیان کیا جا چکا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی دینی دعوت کو قبول کر کے مسلمان ہو جانا، پہلے بتلایا جا چکا ہے کہ عہدِ نبوی میں کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جانا، اسلام قبول کر لینے کا عنوان تھا، خود ہماری زبان اُردو میں بھی اسی محاورہ کے مطابق "کلمہ پڑھ لینے" کا مطلب اسلام قبول کر لینا سمجھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہاں یہ قابلِ لحاظ ہے کہ اس حدیث میں کسی گناہ اور بدعملی کی وجہ سے "کلمہ گو" کی تکفیر سے منع فرمایا گیا ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے امت کو اس غلطی اور گمراہی سے بچانے کی کوشش فرمائی ہے، جس میں معتزلہ اور خوارج مبتلا ہوئے، وہ صرف معاصی اور بداعمالیوں کی بناء پر بھی آدمی کو اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں، اور اہل سنت کا مسلک اس حدیث نبوی کے مطابق یہی ہے کہ کوئی مسلمان صرف اپنی بدعملی اور اپنے معاصی کی وجہ سے اسلام سے نہیں نکلتا اور کافر نہیں ہو جاتا۔

الغرض حدیث کے اس جز کا مقصد و مدعا یہی ہے، کہ جب ایک شخص کلمہ پڑھ کر ایمان لے آیا، اور اسلام کو اُسنے اپنا دین بنالیا، تو اسکے بعد اگر اُس سے گناہ سرزد ہوں، اور وہ بداعمالیوں میں مبتلا دیکھا جائے تو صرف عمل کی اس خرابی کی وجہ سے اس کو کافر اور خارج از اسلام نہ قرار دیا جائے...... پس ایسے لوگوں سے اس حدیث کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، جو کسی ایسی چیز کا انکار کر کے خود ایمان واسلام کے دائرے سے نکل جائیں جس پر ایمان لانا مسلمان ہونے کی شرط ہے۔

فرض کیجئے کہ کوئی شخص جو کلمہ پڑھ چکا ہے، اور اپنے کو مسلمان کہتا ہے، قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے سے منکر ہے، یا قیامت اور آخرت کا انکار کرتا ہے، یا خدائی کا یا نبوت کا دعویدار ہے، تو ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہے گا، اور اُس کو لازماً کافر اور خارج از اسلام قرار دیا جائے گا۔ لیکن یہ تکفیر کسی بدعملی اور فسق وفجور کی وجہ سے نہ ہوگی، بلکہ اصولِ دین کے انکار کی وجہ سے ہوگی۔

بہرحال ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے وہ ملحوظ رہنا چاہئے، بعض لوگ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے اس حدیث کو بہت غلط استعمال کرتے ہیں۔

اس حدیث میں جہاد کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: میری بعثت سے لیکر وہ اُسوقت تک جاری رہے گا جبکہ میری اُمت کا آخری طبقہ دجال کے خلاف جہاد کریگا، کسی ظالم کا ظلم اور منصف کا عدل وانصاف اسکو ختم نہیں کریگا۔ اس آخری فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی وقت مسلمانوں کی حکومت کا نظام غلط ہاتھوں میں ہو اور حکمران غلط قسم کے اور ظالم ہوں، تب بھی جہاد ساقط نہ ہوگا اور کسی کیلئے یہ عذر کرنا صحیح نہ ہوگا کہ ہم ان غلط کار حاکموں کی ماتحتی میں جہاد نہیں کریں گے، بلکہ حکومت پر تسلط خواہ اچھوں کا ہو یا بُروں کا بہرحال انکی ماتحتی میں جہاد کرنا ہوگا۔

دین وایمان کے شعبے اور اُسکی شاخیں

۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ

اِلَّااللّٰہُ وَاَدْنَا ھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ، وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں اور ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو "لا الٰہ الا اللہ" کا قائل ہونا، یعنی توحید کی شہادت دینا ہے اور اُن میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے"۔

تشریح...... اس حدیث میں ایمان کے شعبوں کے لئے "ستر سے کچھ اوپر" کا جو عدد استعمال کیا گیا ہے، اسکے متعلق بعض شارحین نے لکھا ہے کہ: "اس سے غالباً صرف کثرت مُراد ہے، اور اہل عرب صرف مبالغہ اور کثرت کے لئے بھی ستر کا لفظ عام طور سے بولتے ہیں، اور ستر پر "جو کچھ اور" کا اضافہ اس حدیث میں کیا گیا ہے، یہ غالباً اور زیادہ مبالغہ پیدا کرنے کے لئے ہے"[1]...... لیکن بعض حضرات نے "بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ" کے لفظ سے خاص عدد ستتر(۷۷) بھی سمجھا ہے، اس بنیاد پر کہ لفظ بِضْعٌ خاص سات(۷) کے عدد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور پھر ان حضرات نے اپنے اس خیال کے مطابق ایمان کے ان ستتر(۷۷) شعبوں کو متعین کرنے کی بھی کوشش کی ہے[2]، لیکن ان میں غور کرنے کے بعد یہی رائے قائم ہوتی ہے کہ یہ محض تخمینے ہیں جن میں بہت کچھ ردوقدح کی گنجائش ہے، اس لئے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا "بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ" کے لفظ سے کوئی خاص عدد معین کرنا نہیں ہے، بلکہ محاورۂ عرب کے مطابق صرف کثرت اور بہتات مُراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بہت زیادہ شعبے ہیں۔

اور ایک قرینہ اسکا یہ بھی ہے کہ اگر "بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ" سے آپ کا مطلب کوئی معیّن عدد نہیں ہوتا تو پھر آپ اس ابہام واجمال پر اکتفانہ فرماتے، بلکہ اُنکی تفصیل بھی فرماتے، جیسا کہ موقع اور مقام کا تقاضا تھا۔

ایمان کے شعبوں سے مُراد وہ تمام اعمال و اخلاق اور ظاہری و باطنی وہ سب احوال ہیں جو کسی دل میں ایمان کے آجانے کے بعد اُسکے نتیجہ اور ثمرہ کے طور پر اُس میں پیدا ہو جاتے چاہئیں، جیسے کہ سرسبز و شاداب درخت میں برگ و بار نکلتے ہیں، اس طرح گویا تمام اعمالِ خیر و اخلاق حسنہ اور احوال صالحہ ایمان کے شعبے ہیں، البتہ ان کے درجے مختلف ہیں۔

اس حدیث میں ایمان کا سب سے اعلیٰ شعبہ "لا الٰہ الا اللہ" یعنی توحید کی شہادت کو بتلایا گیا ہے، اور اُسکے مقابلے میں ادنیٰ درجے کی چیز راستے سے تکلیف پہنچانے والی چیزوں کے ہٹانے کو قرار دیا ہے، اب انکے درمیان جس قدر بھی اُمور، خیر کا تصور کیا جاسکتا ہے، وہ سب ایمان کے شعبے اور اس کی شاخیں ہیں، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اور ظاہر ہے کہ ان کا عدد سینکڑوں تک پہنچے گا۔

حدیث کے آخر میں حیا کے متعلق جو خصوصیت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ "وہ ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے" تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت کسی سے حیا میں کوئی

---

1. ذکرہ العینی فی العمدۃ والقاری فی المرقاۃ۔ ۱۲
2. ان کوششوں کے کچھ نتائج صحیح بخاری کی شروح فتح الباری اور عمدۃ القاری وغیرہ میں بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ ۱۲

کو تاہی ظاہر ہوئی تھی اسکی اصلاح کیلئے آپ نے یہ خصوصی انتباہ فرمایا، جیسا کہ صاحب حکمت معلمین و مصلحین کا طریقہ ہوتا ہے، یا حیا کے متعلق خصوصیت سے یہ تنبیہ اسلئے فرمائی گئی، کہ انسانی اخلاق میں حیا کا مقام نہایت بلند ہے، اور حیا ہی وہ خصلت ہے جو آدمی کو بہت سے معاصی اور بہت سی بُرائیوں سے روکتی ہے، اور اس وجہ سے ایمان اور حیا کے درمیان ایک خاص رشتہ ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حیا صرف اپنے ہم جنسوں ہی سے نہیں کی جاتی، بلکہ سب سے زیادہ جس کی حیا ہم کو ہونی چاہئے، وہ ہمارا خالق و پروردگار حق تعالیٰ ہے، عام لوگ بڑا بے حیا اور بے ادب اُس کو سمجھتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاس لحاظ نہ کرے، اور ان کے سامنے بے حیائی کے کام اور بُری باتیں کرے، لیکن فی الحقیقت سب سے بڑا بے حیا وہ بدبخت انسان ہے جو اپنے مولا سے نہیں شرماتا، اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت مجھے اور میرے فعلوں کو بے حجاب دیکھتا اور میری باتوں کو بلاواسطہ سنتا ہے، اسکے سامنے وہ بُرے کام اور ناروا حرکتیں کرتا ہے۔

پس اگر آدمی میں حیا کا خُلق پوری طرح بیدار اور کارفرما ہو، تو نہ صرف یہ کہ اسکے ہم جنسوں کی نظروں میں اسکی زندگی پاکیزہ اور ستھری ہوگی، بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معصیات کا صدور بھی بہت کم ہوگا۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا اِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ فَقَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَاحَوٰى وَالْبَطْنَ وَمَا وَعٰى وَتَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ، اِسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ"

اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہئے مخاطبین نے عرض کیا: الحمد للہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی، اور جو کچھ اُس میں بھرا ہوا ہے اس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت، اور موت کے بعد قبر میں تمہاری جو حالت ہونی ہے اُس کو یاد رکھو، جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (ترمذی)

ایمان کے بعض آثار و ثمرات

۲۹) **عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَاالْاِيْمَانُ؟ قَالَ اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: جب تم کو اپنے اچھے عمل سے مسرت ہو اور برے کام سے رنج و قلق ہو، تو تم مؤمن ہو۔ (مسند احمد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے یہ ہے کہ آدمی جب کوئی نیک

عمل کرے، تو اُسکے دل کو فرحت و مسرت ہو، اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اُسکو رنج و غم ہو، جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہے، سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور یہ احساس اسکا ثمرہ ہے۔

ایمان کے تکمیلی عناصر اور خاص شرائط ولوازم

۳۰) **عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِىَ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عباس بن عبد المطلبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ فرماتے تھے کہ: ایمان کا مزہ اُسنے چکھا، اور اُس کی لذت اُسے ملی، جو اللہ کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسُول اور ہادی ماننے پر دل سے راضی ہو گیا۔ (مسلم)

تشریح...... اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ جس طرح لذیز اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے، جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوتِ ذائقہ کسی بیماری کی وجہ سے ماؤف اور خراب نہ ہوئی ہو، اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہے، لیکن وہ اُن ہی خوش قسمت لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار، اور حضرت محمد ﷺ کو نبی و رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنالیا ہو، اور اللہ کی بندگی، حضرت محمدؐ کی اطاعت اور طریقہ اسلام کی پیروی کو اُنکے دل نے اپنالیا ہو، یعنی اللہ و رسول اور اسلام کیساتھ اُن کا تعلق محض رسمی اور موروثی یا محض عقلی اور دماغی نہ ہو، بلکہ اُن کے ساتھ دلی گرویدگی ہو، اسی حدیث میں "رضا" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جسکو یہ نصیب نہیں، یقیناً ایمانی لذت و حلاوت میں بھی اُس کا کوئی حصہ نہیں اور اس کا ایمان کامل نہیں۔

۳۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِى الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِى النَّارِ ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی کو نصیب ہو گی، جس میں تین باتیں پائی جائیں گی: ایک یہ کہ اللہ و رسول کی محبت اُس کو تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ جس آدمی سے بھی اُسکو محبت ہو صرف اللہ ہی کیلئے ہو، اور تیسرے یہ کہ ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اُسکو اتنی نفرت اور ایسی اذیت ہو جیسی کہ آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے، جو اس سے پہلی والی حدیث کا تھا، صرف تعبیر کا تھوڑا سا فرق ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اُسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کہ ہر چیز سے زیادہ اُس کو اللہ و رسول کی محبت ہو اور اس محبت کا اُسکے دل پر ایسا قبضہ اور تسلّط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ ہی کیلئے کرے اور اللہ کا دین اسلام اُس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اُس سے پھرنے اور اُس کو چھوڑنے کا خیال اُس کیلئے آگ میں گر جانے کے برابر تکلیف دہ ہو۔

۳۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُس کو اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ میری محبت نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان پورا مؤمن تب ہی ہو سکتا ہے، کہ دنیا کے تمام دوسرے آدمیوں سے حتی کہ اپنے ماں باپ، اور اپنی اولاد سے بھی زیادہ اس کو رسول اللہ (ﷺ) کی محبت ہو۔

اس سے پہلی حدیث میں تمام ماسوا سے زیادہ اللہ ورسول کی محبت اور اسلام کی محبت کو "حلاوتِ ایمانی" حاصل ہونے کی شرط بتلایا گیا تھا، اور اس حدیث میں صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر فرمایا گیا ہے...... بات یہ ہے کہ اللہ ورسول کی اور اسلام کی محبت میں باہم ایسا تعلق ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ ہو کر ہر گز نہیں پائی جا سکتیں، اللہ تعالیٰ سے اور اسلام سے صحیح محبت بغیر رسول کی محبت کے ناممکن ہے، اور اسی طرح اللہ کی اور اسلام کی محبت کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تصور نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اللہ کے رسول سے جو محبت بحیثیت رسول کے ہو گی، وہ در حقیقت اللہ ہی کی وجہ سے اور اللہ ہی کے تعلق سے ہو گی، اور اُس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلام سے بھی پوری محبت ہو گی، اسلئے اس حدیث میں کمالِ ایمان کی شرط کے طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کی محبت کا ذکر کر دیا گیا ہے لیکن مطلب وہی ہے کہ ایمانی انوار و برکات صرف اُن ہی خوش نصیبوں کو حاصل ہو سکتے ہیں، جن کے دلوں پر اللہ و رسول کی اور اسلام کی محبت کا ایسا غلبہ ہو کہ دوسری تمام محبتیں اس سے دبی ہوئی ہوں۔

ان حدیثوں میں اللہ ورسول کی محبت کا جو مطالبہ کیا گیا ہے، اس کی مراد متعین کرنے میں شارحین حدیث کا کلام کچھ مختلف سا ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کے لئے ان کا مطلب و مقصد سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، حالانکہ جو حقیقت ان حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ بالکل صاف اور سادہ ہے، محبت ایک معروف لفظ ہے، اور اسکے معنی بھی معروف و معلوم ہیں، اور وہی یہاں بھی مراد ہیں، البتہ اللہ ورسول کے ساتھ اہلِ ایمان کو جو محبت ہوتی ہے وہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کی طرح خونی رشتوں یا دوسرے طبعی اسباب کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ وہ روحانی اور عقلی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسکے سوا دوسری وہ تمام محبتیں جو طبعی یا نفسانی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہیں اُس سے مغلوب ہو جاتی ہیں، اور اس بات کو ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے، جس کو اللہ نے اس کا کوئی حصہ نصیب فرمایا ہو۔

الغرض ان احادیث میں محبت سے مراد دل کی وہی خاص کیفیت ہے جسکو محبت کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، اور اُسی کا ہم سے مطالبہ ہے، اور وہی گویا ہمارے ایمان کی جان ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ

ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں۔ (بقرہ ۲: ۱۶۵)

اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۔

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں سے صاف صاف کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا کنبہ، قبیلہ اور تمہارا وہ مال و دولت جسکو تم نے محنت سے کمایا ہے، اور تمھاری وہ چلتی ہوئی تجارت جسکی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، اور تمھارے رہنے کے وہ اچھے مکانات جو تم کو پسند ہیں (پس اگر دنیا کی یہ محبوب و مرغوب چیزیں) اللہ، اللہ کے رسول اور اللہ کے دین کی راہ کی جد و جہد سے زیادہ تم کو محبوب ہیں، تو انتظار کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم اور فیصلہ نافذ کرے، اور یاد رکھو کہ اللہ نافرمان قوم کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (توبہ ۹:۲۴)

پس قرآن مجید کی اس پُر جلال آیت کا تقاضا اور مطالبہ بھی یہی ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابلِ محبت چیزوں سے زیادہ، اللہ و رسول کی اور اسکے دین کی محبت ہونی چاہئے! اسکے بغیر اللہ کی رضا اور اُس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی، اور ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو جائے اس کیلئے ایمان کے سارے تقاضوں کا پورا کرنا اور اللہ و رسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جاتا ہے بلکہ اس راہ میں جانِ عزیز تک دے دینے میں بھی وہ ایک لذت محسوس کرے گا، اور اسکے بر خلاف جس کے دل پر اللہ و رسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہو گا، اس کے لئے روز مرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو گی اور جتنا کچھ وہ کرے گا بھی، تو اُس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ بس قانونی پابندی کی سی ہو گی، پس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ، جب تک اللہ و رسول کی محبت دوسری ساری چاہتوں اور محبتوں پر غالب نہ ہو جائے، ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہو سکتا، اور ایمان کی حلاوت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنَا اِلٰى حُبِّكَ.

۳۳) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ ...... رَوَاهُ الْبَغْوِيُّ فِيْ شَرْحِ السُّنَّة۔** [1]

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اُسکی ہوائے نفس میری لائی ہوئی ہدایت کے تابع نہ ہو جائے۔ (شرح السنہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حقیقی ایمان جب ہی حاصل ہو سکتا ہے اور ایمانی برکات تب ہی نصیب ہو سکتی ہیں، کہ آدمی کے نفسی میلانات اور اُسکے جی کی چاہتیں کلی طور پر ہدایاتِ نبوی کے تابع اور ماتحت ہو جائیں۔

[1] قال فی المشکوۃ، قال النووی فی اربعینہ ھذا حدیث صحیح رویناہ فی کتاب الحجۃ باسناد صحیح۔ ۱۲

"ھوٰی" (یعنی خواہشاتِ نفس) اور "ھُدیٰ" (یعنی انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی ہدایات) یہی دو چیزیں ہیں جن پر خیروشر کے سارے سلسلہ کی بنیاد ہے، اور جن سے انسانوں کی سعادت یا شقاوت وابستہ ہے، ہر گمراہی اور بدعملی اتباعِ ھوٰی کا نتیجہ ہے، جس طرح کہ ہر خیر اور ہر نیکی اتباعِ ھُدیٰ سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا حقیقی ایمان جب ہی نصیب ہو سکتا ہے کہ ھوٰی کو (یعنی اپنے نفس کی چاہتوں کو) ھُدیٰ کے (یعنی اللہ تعالیٰ کیطرف سے آئی ہوئی ہدایات و تعلیم کے) تابع کر دیا جائے اور جس نے ھُدیٰ کو چھوڑ کر ھوٰی کی غلامی اختیار کی اور بجائے ربانی ہدایت کے وہ نفسانی خواہشات کے تابع ہو گیا، تو گویا خود ہی اُسنے مقصدِ ایمان کو پامال کر دیا۔

قرآن پاک میں ایسوں ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ انھوں نے خواہشاتِ نفس کو اپنا خدا بنالیا ہے:

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ هَوٰهُ　(فرقان ۲۵:۴۳)

کیا تم نے اُن بد بختوں کو دیکھا، جنھوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰهُ بِغَیْرِ هُدًی مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○
(قصص ۲۸:۵۰)

جو شخص اللہ کی ہدایت کے بغیر اپنے جی کی چاہت پر چلے اس سے زیادہ گمراہ اور غلط اور کون ہو سکتا ہے، اللہ ظالم لوگوں کو اپنی راہ پر نہیں لگاتا۔

۳۴) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ　حضرت انسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی نہ چاہے، جو اپنے لئے چاہتا ہے"۔　(بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہیکہ ایمان کے اصل مقام تک پہنچنے کیلئے اور اسکی خاص برکتیں حاصل کرنے کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی خودغرضی سے پاک ہو اور اسکے دل میں اپنے دوسرے بھائیوں کیلئے اتنی خیرخواہی ہو، کہ جو نعمت اور جو بھلائی اور جو بہتری وہ اپنے لئے چاہے، وہی دوسرے بھائیوں کیلئے بھی چاہے، اور جو بات اور جو حال وہ اپنے لئے پسند نہ کرے، اُس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرے، اسکے بغیر ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اسی حدیث کی ابنِ حبان کی روایت میں "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ" کی جگہ "لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِیْقَةَ الْاِیْمَانِ" روایت کیا گیا ہے، اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اس حدیث میں اور اس جیسی دوسری حدیثوں میں بھی "لَا یُؤْمِنُ" کے لفظ سے ایمان کی قطعی نفی مراد نہیں ہے، بلکہ کمال کی نفی مقصود ہے۔ اور اس طرح ناقص کو کالمعدوم قرار دے کر اسکی نفی کر دینا قریباً ہر زبان کا عام محاورہ ہے، مثلاً ہماری اردو زبان میں بھی کسی برے اور غلط آدمی کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ "اُس میں تو انسانیت ہی نہیں ہے" یا کہہ دیتے ہیں کہ "وہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہے"۔ حالانکہ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ اچھا اور معقول آدمی نہیں ہے۔ پس اسی طرح بہت سی حدیثوں میں بھی ایمان کے نقص کو "لَا اِیْمَانَ" یا "لَا یُؤْمِنُ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور تربیت و نصیحت

(جو ان حدیثوں کا مقصد ہے) اُس کیلئے یہی طرزِ بیان مناسب تر اور بہتر بھی ہے......ایسے موقع پر منطقیوں والی موشگافیاں کرنا مزاجِ نبوت سے ناآشنائی کی دلیل اور بڑی ہی بدذوقی کی بات ہے۔

۳۵) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَ تُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللهِ قَالَ وَمَا ذَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَ تَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے افضل ایمان کے متعلق سوال کیا (یعنی پوچھا کہ: ایمان کا اعلیٰ اور افضل درجہ کیا ہے؟ اور وہ کون سے اعمال و اخلاق ہیں جن کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا...... یہ کہ: بس اللہ ہی کیلئے کسی سے تمہاری محبت ہو، اور اللہ ہی کے واسطے بغض و عداوت ہو (یعنی دوستی اور دشمنی جس سے بھی ہو، صرف اللہ کے واسطے ہو) اور دوسرے یہ کہ اپنی زبان کو تم اللہ کی یاد میں لگائے رکھو"۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اور کیا یارسول اللہ! "آپ نے فرمایا: اور یہ کہ دوسرے لوگوں کیلئے بھی وہی چاہو، اور وہی پسند کرو، جو اپنے لئے پسند کرتے اور چاہتے ہو، اور ان کیلئے بھی اُن چیزوں کو ناپسند کرو جو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔" (مسند احمد)

تشریح...... حضرت معاذؓ کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تین چیزوں کو ذکر فرمایا ہے، اور بتلایا ہے کہ کامل ایمان جب نصیب ہوگا، جبکہ یہ تین باتیں پیدا ہو جائیں۔ ایک اللہ ہی کے لئے دوستی اور دشمنی، دوسرے زبان کا یادِ الٰہی میں مشغول رکھنا، تیسرے بندگانِ خدا کی ایسی خیر خواہی کہ جو اپنے لئے چاہے، وہ سب کیلئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے نہ چاہے۔

۳۶) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ ہی کے لئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کی، اور اللہ ہی کیلئے دیا (جس کو جو کچھ دیا) اور اللہ ہی کے واسطے منع کیا، اور نہ دیا (جس کو منع کرنا، اور نہ دینا عنداللہ بہتر سمجھا) تو اسنے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔ (رواہ ابوداؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے حرکات و سکنات اور اپنے جذبات کو اسی طرح مرضی الٰہی کے تابع کردیا کہ وہ جس سے تعلق جوڑتا ہے اللہ ہی کی رضا کے لئے جوڑتا ہے، اور جس سے توڑتا ہے اللہ ہی کے لئے توڑتا ہے جس کو دیتا ہے اللہ ہی کیلئے دیتا ہے اور جس کے دینے سے ہاتھ روکتا ہے صرف اللہ ہی کی خوشنودی کے لئے روکتا ہے، غرض جس کے ایجابی اور سلبی قلبی رجحانات اور جذبات مثلاً محبت اور عداوت، اور اسی طرح مثبت و منفی اور ظاہری افعال و حرکات مثلاً کسی کو کچھ دینا یا نہ دینا، یہ سب اللہ ہی کے واسطے ہونے لگیں، اور بجز رضاءِ الٰہی کے کوئی اور محرک اور داعیہ اُسکے اعمال و افعال کے لئے نہ رہے، الغرض تعلق باللہ اور کامل عبدیت کا یہ مقام جس کو حاصل ہو جائے اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاَبِیْ ذَرٍّ اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ؟ قَالَ اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِی اللهِ وَالْحُبُّ فِی اللهِ وَالْبُغْضُ فِی اللهِ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاریؓ سے فرمایا: "بتلاؤ ایمان کی کون سی دست آویز زیادہ مضبوط ہے؟ (یعنی ایمان کے شعبوں میں سے کون سا شعبہ زیادہ پائیدار ہے) ابوذر نے عرض کیا، کہ "اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے،" (لہٰذا حضور (ﷺ) ہی ارشاد فرمائیں) آپ نے فرمایا: "اللہ کے لئے باہم تعلق و تعاون، اور اللہ واسطے کی کسی سے محبت، اور اللہ ہی کے واسطے کسی سے بغض و عداوت۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمانی اعمال و احوال میں سب سے زیادہ جاندار اور پائیدار عمل اور حال یہ ہے کہ بندہ کا دنیا میں جس کے ساتھ جو برتاؤ ہو، خواہ موالات ہو یا ترکِ موالات، محبت ہو یا عداوت، وہ اپنے نفس کے تقاضے سے اور کسی نفسانی جذبہ سے نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے لئے اور اُسی کے حکم کے ماتحت ہو۔

۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجنَةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ صاحبِ ایمان نہ ہو جاؤ اور تم پورے مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو، کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلادوں، کہ اگر اُس پر عمل کرنے لگو، تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے، وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ، اور اُس کو عام کرو۔" (رواہ مسلم)

تشریح...... اُوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا تھا کہ بندہ کے ایمان کی تکمیل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسکو اللہ و رسول کے ساتھ اور ان کے دین کے ساتھ تمام ماسوا سے زیادہ محبت ہو، اور ان کے سوا جس سے بھی محبت ہو ان ہی کے تعلق سے اور ان ہی کے واسطے ہو، اور یہ کہ بندہ کا دل خود غرضی سے بالکل پاک صاف ہو، اور اس کا حال یہ ہو کہ جو اپنے لئے چاہے وہی اللہ کے دوسرے بندوں کے لئے بھی چاہے، اور جس چیز کو اپنے لئے پسند نہ کرے اُس کو کسی دوسرے کیلئے بھی پسند نہ کرے...... اب اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والی کسی قوم اور کسی معاشرہ کے ایمان کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُن میں باہم محبت و مودت ہو، اگر ان کے دل ایک دوسرے کی محبت سے خالی ہیں، تو سمجھنا چاہئے کہ وہ حقیقتِ ایمان اور اُس کے برکات و ثمرات سے بے نصیب ہیں۔

۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰی دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ. (رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: "مسلم وہ ہے جسکی زبان درازیوں اور دست درازیوں سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مؤمن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں لوگوں کو کوئی خوف

وخطر نہ ہو"۔ (ترمذی، نسائی)

تشریح...... اس حدیث میں صرف زبان اور ہاتھ سے ایذا رسانی کا ذکر اسلئے فرمایا گیا ہے کہ بیشتر ایذاؤں کا تعلق ان ہی دو سے ہوتا ہے، ورنہ مقصد اور مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ لوگوں کو اس سے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچے۔

ابن حبان کی اسی حدیث کی روایت میں " مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ " کے بجائے " مَنْ سَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ " وارد ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مُسلمان کو تمام بنی نوع انسان کے لئے پُر امن اور بے آزار ہونا چاہئے۔

لیکن واضح رہے کہ اس حدیث میں جس ایذا رسانی کو منافی اسلام بتلایا گیا ہے، وہ وہ ہے جو بغیر کسی صحیح وجہ اور معقول سبب کے ہو، ورنہ بشرطِ قدرت مجرموں کو سزا دینا، اور ظالموں کی زیادتیوں اور مفسدوں کی فساد انگیزیوں کو بزور دفع کرنا تو مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے، تو دنیا امن وراحت سے محروم ہو جائے۔

۴۰) عَنْ اَبِىْ شُرَيْحٍ الْخُزَاعِىْ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ وَمَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِىْ لَا يَاْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں، قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں، قسم اللہ کی وہ مؤمن نہیں"۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کون مؤمن نہیں؟ آپ نے فرمایا "وہ آدمی جس کے پڑوسی اُس کی شرارتوں اور آفتوں سے خائف رہتے ہوں"۔ (بخاری)

تشریح...... یعنی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ایسا حسن سلوک اور ایسا شریفانہ برتاؤ کہ اُن کو ہماری طرف سے پورا اطمینان رہے، اور ہماری جانب سے کسی ظلم اور شرارت کا اندیشہ اُن کے دلوں میں نہ رہے، یہ ایمان کے اُن شرائط اور لوازم میں سے ہے جن کے بغیر ایمان گویا کالعدم ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا۔ (مسند احمد، ترمذی)

اپنے پڑوسی کے ساتھ تم اچھا سلوک کرو تب تم ایمان والے ہو۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهٗ۔ (بخاری و مسلم)

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو (اور اسلئے اللہ کی رضا اور آخرت میں فلاح چاہتا ہو) تو اُسے لازم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو نہ ستائے۔

۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِىْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ "وہ شخص مؤمن نہیں ہے کہ جو خود شکم سیر ہو کر کھائے اور اسکے برابر میں رہنے والا اس کا پڑوسی فاقہ سے ہو۔

تشریح...... یعنی اپنے پڑوسی کی بھوک اور فاقہ سے بے نیاز اور لاپروا ہو کر اپنا پیٹ بھرنے والا آدمی (اگرچہ وہ ستّر پشتوں کا مسلمان ہو) حقیقتِ ایمان سے بے نصیب ہے، اور سنگدلی اور خود غرضی کی یہ کیفیت شانِ ایمان کے بالکل منافی ہے۔

(ہم مسلمانوں کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اور عام بندگانِ خدا کے ساتھ جو معاملہ اور برتاؤ ہے اس کو سامنے رکھ کر رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ذرا ہم اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ کی ان احادیث کی رو سے ہمارا مقام کیا ہے اور ہم کہاں ہیں)۔

۴۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔

(رواہ ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمانوں میں زیادہ کامل ایمان اُس کا ہے جس کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔" (ابوداؤد، دارمی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کمال ایمان کا انحصار حسنِ اخلاق پر ہے، پس اخلاق میں جو جتنا بلند ہوگا، اسی قدر اس کا ایمان کامل ہوگا، یا اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ حسنِ اخلاق کمالِ ایمان کا لازمی نتیجہ اور ثمرہ ہے، لہٰذا جس شخص کا ایمان جتنا کامل ہوگا، اُسی کی نسبت سے اُسکے اخلاق بلند ہونگے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو ایمان کی حقیقت تو نصیب ہو، لیکن اُسکے اخلاق اچھے نہ ہوں۔

۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ۔

(رواہ ابن ماجة والترمذی والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہےکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کے اسلام کی خوبی اور اسکے کمال میں یہ بھی داخل ہےکہ وہ فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں کا تارک ہو۔" (رواہ ابن ماجہ، ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... انسان اشرف المخلوقات ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت قیمتی بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان کو اس وقت کا اور صلاحیتوں کا جو سرمایا دیا گیا ہے، وہ اس کو بالکل ضائع نہ کرے، بلکہ صحیح طور سے اسکو استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قُرب حاصل کرے...... یہی دین کی تمام تعلیمات کا حاصل اور لبِ لباب ہے، اور یہی ایمان و اسلام کا مقصد ہے، اسلئے جو خوش نصیب یہ چاہے کہ اُس کو ایمان کا کمال حاصل ہو اور اُسکے اسلام کے حسن پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو، تو اُس کے لئے ضروری ہے کہ کھلے گناہوں اور بداخلاقیوں کے علاوہ تمام فضول اور غیر مفید کاموں اور باتوں سے بھی اپنے کو بچائے رکھے، اور اپنے وقت اور اپنی تمام خداداد قوتوں اور صلاحیتوں کو بس ان ہی کاموں میں لگائے جن میں خیر اور منفعت کا کوئی پہلو ہو، یعنی جو معاد یا معاش کے لحاظ سے ضروری یا مفید ہوں...... یہی اس حدیث کا مطلب ہے۔

جو لوگ غفلت سے لایعنی باتوں اور بے حاصل چیزوں میں اپنا وقت اور اپنی قوتیں صرف کرتے ہیں، وہ نادان جانتے نہیں کہ اللہ نے ان کو کتنا قیمتی بنایا ہے، اور وہ اپنے کیسے بیش بہا خزانہ کو مٹی میں ملاتے ہیں، اس حقیقت کو جنھوں نے سمجھ لیا ہے، بس وہی دانا اور عارف ہیں۔

۴۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ تَعَالىٰ فِيْ اُمَّةٍ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے جو پیغمبر بھی مجھ سے پہلے کس امت میں بھیجا تو اسکے کچھ حواری اور لائق اصحاب ہوتے تھے، جو اسکے طریقے پر چلتے، اور اسکے حکم کی پیروی کرتے تھے، پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے نالائق پسماندگان ان کے جانشین ہوتے تھے، اور ان کی حالت یہ ہوتی تھی کہ وہ کہتے تھے اور خود وہ کام نہیں کرتے تھے، یا مطلب یہ ہے کہ کرنے کے جو کام، وہ نہیں کرتے تھے ان کے متعلق لوگوں سے کہتے تھے، کہ ہم کرتے ہیں، گویا اپنی مشیخیت اور اپنا تقدس قائم رکھنے کیلئے وہ جھوٹ بھی بولتے) اور جن کاموں کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا، ان کو کرتے تھے (یعنی اپنے پیغمبر کی سنتوں اور اسکے اوامر واحکام پر تو وہ عامل نہ تھے، مگر وہ معصیات و بدعات جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا ان کو خوب کرتے تھے۔) تو جس نے ان کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا وہ مؤمن ہے، اور جس نے (بدرجۂ مجبوری) صرف زبان ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مؤمن ہے، اور جس نے (جہاد باللسان سے بھی عاجز رہ کر) صرف دل ہی سے ان کے خلاف جہاد کیا (یعنی دل میں ان سے نفرت کی اور ان کے خلاف غیظ و غضب رکھا) تو وہ بھی مؤمن ہے، لیکن اسکے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

تشریح...... حدیث کا مطلب اور اسکی روح یہی ہے کہ انبیاءؑ اور بزرگان دین کے جانشینوں اور نام لیواؤں میں جو غلط کار اور بدکردار ہوں، جو دوسروں کو تو اعمال خیر کی دعوت دیتے ہوں، لیکن خود بے عمل اور بدعمل ہوں، انکے خلاف حسبِ استطاعت ہاتھ سے یا زبان سے جہاد کرنا اور کم از کم دل میں اس جہاد کا جذبہ رکھنا ایمان کے خاص شرائط اور لوازم میں سے ہے، اور جو شخص اپنے دل میں بھی اس جہاد کا جذبہ نہ رکھتا ہو، اس کا دل ایمان کی حرارت اور اسکے سوز سے گویا بالکل ہی خالی ہے...... لَيْسَ وَرَاءَ ذَالِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ کا یہی مطلب ہے، اور اگلی حدیث میں اسی کو "اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" (ایمان کا ضعیف ترین درجہ) فرمایا گیا ہے۔

ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کے ناخلف اور نالائق جانشینوں کے خلاف جہاد کا جو حکم ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کو درست کرنے کی اور صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے اور اگر اس سے مایوسی ہو تو ان کے برے اثرات سے اللہ کے بندوں کو بچانے کے لئے ان کی

جھوٹی مشیخت اور ان کے موروثی اثر و اقتدار کو ختم کرنے کی جد و جہد کی جائے۔

۴۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ ناالْخُدْرِی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی بری اور خلاف شرع بات دیکھے، تو لازم ہے کہ اگر طاقت رکھتا ہو، تو اپنے ہاتھ سے (یعنی زور و قوت سے) اس کو بدلنے کی (یعنی درست کرنے کی) کوشش کرے، اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو پھر اپنی زبان سے اس کو بدلنے کی کوشش کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل ہی سے اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ (مسلم)

تشریح...... اس سے پہلی حدیث میں ایک خاص طبقے کی بدکاری اور بدکرداری کے خلاف حسب استطاعت جد و جہد کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا تھا، اور اس حدیث میں ہر برائی اور ہر شرارت کو روکنے اور اس کو بدل ڈالنے کی بقدر استطاعت سعی و کوشش کا عام حکم فرمایا گیا ہے، اور اوپر والی حدیث کی طرح یہاں بھی اسکے تین درجے بتلائے گئے ہیں۔

۱۔ اگر طاقت واقتدار حاصل ہو اور اسکے ذریعہ اس برائی کو روکا جا سکتا ہو، تو طاقت استعمال کر کے اسکو روکا جائے۔

۲۔ اگر طاقت واقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے تو زبانی افہام و تفہیم اور پند و نصیحت ہی سے اس کو روکنے کی اور اصلاح کی کوشش کی جائے۔

۳۔ اگر حالات ایسے ناموافق ہیں اور اہلِ دین اس قدر کمزور پوزیشن میں ہیں کہ اس برائی کے خلاف زبان کھولنے کی بھی گنجائش نہیں ہے، تو آخری درجہ یہ ہے کہ دل سے اس کو برا سمجھا جائے اور اس کو مٹانے اور بدل ڈالنے کا جذبہ دل میں رکھا جائے، جس کا فطری نتیجہ کم از کم یہ ہوگا کہ دل اللہ تعالیٰ سے اسکے مٹانے کی دعا کرتا رہے گا، اور تدبیریں بھی سوچا کرے گا...... اس آخری درجے کو حدیث میں "اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ" فرمایا گیا ہے...... جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایمان کا وہ آخری کمزور درجہ ہے، کہ اسکے بعد کوئی اور درجہ ایمان کا ہے ہی نہیں، یہی بات پہلی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمائی گئی تھی۔

اس حدیث کی رو سے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو برائیاں اسکے سامنے اس قسم کی ہوں، جو زور و قوت سے روکی جا سکتی ہوں، تو اگر اس کو وہ زور و قوت حاصل ہو تو اس کو استعمال کر کے وہ اس برائی کو روکنے کی کوشش کرے، اور اگر زور قوت ہاتھ سے خالی ہو تو پھر زبانی افہام و تفہیم سے کام لے، اور اگر حالات میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو پھر کم از کم دل میں اسکے خلاف جذبہ اور سوزش ہی رکھے۔

۴۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خطبہ دیا ہو، اور اُس میں یہ

نہ ارشاد فرمایا ہو کہ: "جس میں امانت کی خصلت نہیں اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں، اس میں دین نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... یعنی امانت داری اور عہد کی پابندی سے کسی آدمی کا خالی ہونا دین وایمان کی حقیقت سے اسکی محرومی اور بے نصیبی کی دلیل ہے، کیونکہ امانت اور ایفاء عہد ایمان واسلام کے لوازم میں سے ہیں...... جیسا کہ پہلے بھی بعض حدیثوں کی تشریح میں لکھا جاچکا ہے، اس طرح کی حدیثوں کا مقصد ومنشا یہ نہیں ہوتا کہ ایسا شخص اسلام کے دائرے سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر بجائے اسلام کے کفر کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص ایمان کی اصل حقیقت اور اسکے نور سے بے نصیب ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اس کا ایمان بہت ہی ناقص درجے کا، اور بے جان ہے۔

ایمان میں خرابی ڈالنے والے اخلاق واعمال!

۴۷) **عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ.** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ بہز بن حکیم اپنے والد حکیم کے واسطے سے اپنے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسے کہ ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔"
(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... در حقیقت غصہ ایسی ہی ایمان سوز چیز ہے، جب آدمی پر غصہ سوار ہوتا ہے تو اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود سے وہ تجاوز کر جاتا ہے، اور اس سے وہ باتیں اور وہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اُسکے دین کو برباد کر دیتی ہیں اور اللہ کی نظر سے اُس کو گرا دیتی ہیں۔

۴۸) **عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ اوس بن شرحبیل سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص کسی ظالم کی مدد کیلئے، اور اُس کا ساتھ دینے کے لئے چلا اور اُس کو اس بات کا علم تھا کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔

تشریح...... جب ظلم کا ساتھ دینا، اور ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اُس کی کسی قسم کی مدد کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو اسلام سے نکل جانے والا قرار دیا ہے، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ظلم ایمان و اسلام کے کس قدر منافی ہے، اور اللہ ورسول کے نزدیک ظالموں کا کیا درجہ ہے۔

۴۹) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ۔** (رواه الترمذى والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مؤمن لعن طعن کرنے والا نہیں ہوتا، اور نہ فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے۔" (ترمذی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور فحش گوئی اور دوسروں کے خلاف زبان درازی، یہ عادتیں ایمان کے منافی ہیں، اور مسلمان کو ان سے پاک ہونا چاہئے۔

۵۰) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَيَكُوْنُ الْمُؤمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ، فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔

(رواه مالك والبيهقى فى شعب الايمان مرسلاً)

ترجمہ حضرت صفوان بن سلیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا، کہ: کیا مسلمان بزدل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان بخیل ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں! (مسلمان میں یہ کمزوری بھی ہو سکتی ہے)"۔ پھر عرض کیا گیا: کیا مسلمان کذاب (یعنی بہت جھوٹا) ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نہیں! (یعنی ایمان کے ساتھ بیباکانہ جھوٹ کی ناپاک عادت جمع نہیں ہو سکتی، اور ایمان جھوٹ کو برداشت نہیں کر سکتا)۔"

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بخل اور بزدلی اگرچہ بُری عادتیں ہیں، لیکن یہ دونوں انسان کی کچھ ایسی فطری کمزوریاں ہیں، کہ ایک مسلمان میں بھی یہ ہو سکتی ہیں، لیکن جھوٹ کی عادت میں اور ایمان میں ایسی منافات ہے، کہ یہ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

۵۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَزْنِى الزَّانِىْ حِيْنَ يَزْنِىْ وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ اِلَيْهِ فِيْهَا اَبْصَارَهُمْ حِيْنَ يَنْتَهِبُهَا وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلَا يَغُلُّ اَحَدُكُمْ حِيْنَ يَغُلُّ وَ هُوَ مُؤمِنٌ فَاِيَّاكُمْ اِيَّاكُمْ۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں زنا کرتا کوئی زناکار، جس وقت وہ زنا کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو، اور نہیں چوری کرتا کوئی چور جس وقت وہ چوری کرتا ہے اور وہ اس وقت مؤمن ہو، اور نہیں شراب پیتا کوئی شرابی جبکہ وہ شراب پیتا ہے، اور وہ اُس وقت مؤمن ہو، اور نہیں لُوٹتا لُوٹ کا کوئی مال کہ لوگ اُس کی طرف آنکھیں اُٹھا اُٹھا کر اُسکی لُوٹ مار کو دیکھتے ہوں جبکہ وہ لوٹتا ہے، اور وہ اُس وقت مؤمن ہو، اور نہیں خیانت کرتا خیانت کرنے والا جبکہ وہ خیانت کرتا ہے اور وہ اُس وقت مؤمن ہو، پس (اے ایمان والو! ان منافی ایمان حرکات سے) اپنے کو بچاؤ! بچاؤ!

(بخاری و مسلم)

یہ حدیث بخاری و مسلم ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے، اور اس میں زنا، چوری، شراب نوشی، لوٹ مار اور خیانت کے علاوہ قتل ناحق کا بھی ذکر ہے، یعنی اُس میں ان الفاظ کا اور اضافہ ہے: وَلَا يَقْتُلُ حِيْنَ يَقْتُلُ وَهُوَ مُؤمِنٌ (یعنی نہیں قتل کرتا کوئی قتل کرنے والا کسی کو جبکہ وہ

قتل کرتا ہے، اور وہ اُس وقت مؤمن ہو)۔ (بخاری و مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ زنا، چوری، شراب نوشی، قتل و غارت گری، اور خیانت، یہ سب حرکتیں ایمان کے قطعاً منافی ہیں، اور جس وقت کوئی شخص یہ حرکتیں کرتا ہے اُس وقت اُسکے دل میں ایمان کا نور بالکل نہیں رہتا، یہ مطلب نہیں ہے، کہ وہ اسلام کے دائرہ سے بالکل نکل کر کافروں میں شامل ہو جاتا ہے..... خود امام بخاریؒ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

لَا يَكُوْنُ هٰذَا مُؤْمِنًا تَامًا وَلَا يَكُوْنُ لَهُ نُوْرُ الْإِيْمَانِ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان)

ان گناہوں کا کرنے والا جس وقت کہ یہ گناہ کرتا ہے اُس وقت وہ پُورا مؤمن نہیں ہوتا، اور اُس میں ایمان کا نور نہیں رہتا۔

اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ ایمان دل کی جس خاص کیفیت کا نام ہے، وہ اگر جاندار اور بیدار ہو اور دل اُس کے نور سے روشن ہو تو ہرگز آدمی سے ایسا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا، ایسے ناپاک گناہوں کے لئے آدمی کا قدم اُس وقت اُٹھ سکتا ہے جبکہ دل میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو، اور وہ خاص ایمانی کیفیت غائب ہو گئی ہو، یا کسی وجہ سے بیجان اور مضمحل ہو گئی ہو جو آدمی کو گناہوں سے بچانے والی طاقت ہے۔

بہر حال حدیث پڑھنے والے کو یہ اصولی بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اس قسم کی حدیثیں جن میں خاص خاص بداعمالیوں اور بداخلاقیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے، کہ جو لوگ ان کے مُرتکب ہوں انہیں ایمان نہیں، یا یہ کہ وہ مؤمن نہیں، اور اسی طرح وہ حدیثیں جن میں بعض اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کہ جو شخص ان کا تارک ہو وہ ایمان سے خالی اور بے نصیب ہے، یا یہ کہ وہ مؤمن نہیں ہے' ان کا مقصد و منشا یہ نہیں ہوتا کہ وہ شخص دائرۂ اسلام سے بالکل نکل گیا، اور اب اُس پر اسلام کے بجائے کفر کے احکام جاری ہوں گے، اور آخرت میں اُس کے ساتھ ٹھیٹ کافروں والا معاملہ ہو گا، بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اُس حقیقی ایمان سے محروم اور بے نصیب ہے جو مسلمانوں کی اصلی شان ہے، اور جو اللہ کو محبوب ہے اور اس کے لئے نحوی ترکیب میں "کاملا" یا "تاما" جیسے الفاظ مقدر ماننے کی بالکل ضرورت نہیں، بلکہ ایسا کرنا ایک قسم کی بدذوقی ہے، ہر زبان کا یہ عام محاورہ ہے کہ اگر کسی میں کوئی صفت بہت ناقص اور کمزور درجہ کی ہو تو اُس کو کالعدم قرار دے کر اس کی مطلق نفی کر دی جاتی ہے خاص کر دعوت و خطابت اور ترغیب و ترہیب میں یہی طرزِ بیان زیادہ موزوں، اور زیادہ مفید مطلب ہوتا ہے۔

مثلاً یہی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے زنا اور چوری اور خونِ ناحق وغیرہ گناہوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "ان کا کرنے والا جس وقت یہ ناپاک کام کرتا ہے وہ اس وقت مؤمن نہیں ہوتا" اگر بجائے اسکے آپ یوں فرماتے کہ "اُس وقت اُس کا ایمان کامل نہیں ہوتا" تو اس میں کوئی زور اور وزن نہ ہوتا، اور ترہیب و تخویف جو حدیث کا مقصد ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا، یا مثلاً چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اکثر خطبات میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهُ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ" (جس میں امانت نہیں، اُس میں ایمان نہیں، اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس کا دین میں

حصہ نہیں) اب اگر بجائے اسکے صریح الفاظ میں یہ فرمایا جاتا کہ "جس میں امانت نہیں وہ مؤمن کامل نہیں اور جو عہد کا پابند نہیں وہ پورا دیندار نہیں" تو ظاہر ہے کہ اس میں وہ زور اور اثر بالکل نہ ہوتا، جو حدیث کے موجودہ الفاظ میں ہے۔ بہر حال دعوت و موعظت اور انذار و ترہیب، جو ان حدیثوں کا اصل مقصد ہے اُس کیلئے یہی طرز بیان صحیح اور زیادہ موزوں وخوبصورت ہے۔

پس ان حدیثوں کو "کفر کے فتوے" اور فقہ کے "قانونی فیصلے" سمجھنا اور اس بنیاد پر ان گناہوں کے مُرتکبین کو ملّتِ اسلام سے خارج قرار دینا (جیسا کہ معتزلہ اور خوارج نے کیا ہے) ان حدیثوں کے اصل مقصد اور رسول اللہ ﷺ کے طرز کلام کی خصوصیات سے ناواقفی اور ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔[1]

بعض منافقانہ اعمال و عادات

۵۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذِبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ چاروں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں اُن چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اُس کا حال یہ ہے کہ اُس میں نفاق کی ایک خصلت ہے، اور وہ اسی حال میں رہے گا، جب تک کہ اُس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چاروں عادتیں یہ ہیں کہ جب اُس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے، تو اُس میں خیانت کرے، اور جب باتیں کرے تو جھوٹ بولے، اور جب عہد معاہدہ کرے تو اُس کی خلاف ورزی کرے، اور جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی کرے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... حقیقی اور اصلی نفاق، انسان کی جس بدترین حالت کا نام ہے، وہ تو یہ ہے کہ آدمی نے دل سے تو اسلام کو قبول کیا نہ ہو (بلکہ دل سے اُس کا منکر اور مخالف ہو) لیکن کسی وجہ سے وہ اپنے کو مؤمن و مُسلم ظاہر کرتا ہو، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عبداللہ ابن اُبی وغیرہ مشہور منافقین کا حال تھا، یہ نفاق دراصل بدترین اور ذلیل ترین قسم کا کفر ہے، اور ان ہی منافقین کے بارہ میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے، کہ:

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

ضرور بالضرور یہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔

لیکن بعض بُری عادتیں اور بد خصلتیں بھی ایسی ہیں، جن کو ان منافقین سے خاص نسبت اور مناسبت ہے اور وہ دراصل اُن ہی کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، اور کسی صاحبِ ایمان میں ان کی پرچھائیں بھی نہیں ہونی

---

[1] اس موقعہ پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا ایک افادہ قابل ذکر ہے، فرماتے ہیں کہ: "احادیث میں جن اعمال یا خصائل کو لازمۂ ایمان قرار دیا گیا ہے، اور اُن کے ترک و فقدان کی صورت میں "لا ایمان" یا "لایؤمن" جیسے الفاظ فرمائے گئے ہیں اُن کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ وہ واجب ہیں اور انکی جانبِ خلاف حرام"۔ (کتاب الایمان)

چاہئے۔ پس اگر بد قسمتی سے کسی مسلمان میں ان میں سے کوئی عادت ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ اُس میں یہ منافقانہ عادت ہے، اور اگر کسی میں بد بختی سے منافقوں والی وہ ساری عادتیں جمع ہو جائیں، تو سمجھا جائے گا کہ وہ شخص اپنی سیرت میں پورا منافق ہے۔

الغرض ایک نفاق تو ایمان و عقیدے کا نفاق ہے، جو کفر کی بدترین قسم ہے، لیکن اُسکے علاوہ کسی شخص کی سیرت کا منافقوں والی سیرت ہونا بھی ایک قسم کا نفاق ہے، مگر وہ عقیدے کا نہیں بلکہ سیرت اور کردار کا نفاق ہے اور ایک مسلمان کیلئے جسطرح یہ ضروری ہے کہ وہ کفر و شرک اور اعتقادی نفاق کی نجاست سے بچے، اُسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ منافقانہ سیرت اور منافقانہ اعمال و اخلاق کی گندگی سے بھی اپنے کو محفوظ رکھے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خصائل نفاق میں سے چار کا ذکر فرمایا ہے: ۱۔ خیانت، ۲۔ جھوٹ، ۳۔ عہد شکنی، ۴۔ بدزبانی اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو، اُس کو سمجھنا چاہئے کہ اُس میں ایک منافقانہ خصلت ہے اور جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہوں، وہ اپنی سیرت میں خالص منافق ہے۔

۵۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حال میں مرا، کہ نہ تو اُسنے کبھی جہاد کیا اور نہ اپنے جی میں اُس کی تجویزیں سوچیں اور تمنا کی، تو وہ نفاق کی ایک صفت پر مرا۔ (مسلم)

تشریح...... یعنی ایسی زندگی جس میں دعوائے ایمان کے باوجود نہ کبھی راہ خدا میں جہاد کی نوبت آئے اور نہ دل میں اُس کا شوق اور اُس کی تمنا ہو، یہ منافقوں کی زندگی ہے، اور جو اسی حال میں اس دُنیا سے جائے گا وہ نفاق کی ایک صفت کے ساتھ جائے گا۔

۵۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًالَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلاً۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: یہ تو منافق والی نماز ہے کہ بے پروائی سے بیٹھا آفتاب کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ جب وہ زرد ہو گیا، اور اُسکے غروب کا وقت قریب آگیا تو نماز کو کھڑا ہوا، اور چڑیا کی طرح چار چونچیں مار کے ختم کر دی، اور اللہ کا ذکر بھی اُس میں بہت تھوڑا کیا۔ (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ شوق کی بے چینی سے نماز کے وقت کا منتظر رہے، اور جب وقت آئے تو خوشی اور مستعدی سے نماز کیلئے کھڑا ہو اور یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت مجھے مالک الملک کے دربارِ عالی کی حضوری نصیب ہے، پورے اطمینان اور خشوع کے ساتھ نماز ادا کرے، اور قیام و قعود اور رکوع و سجود میں خوب اللہ کو یاد کرے، اور اس سے اپنے دل کو شاد کرے، لیکن منافقوں کا رویّہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نماز اُن کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے، وقت آجانے پر بھی اُس کو ٹالتے رہتے ہیں، مثلاً عصر کی نماز

کے لئے اُس وقت اُٹھتے ہیں جب سُورج بالکل ڈوبنے کے قریب ہو جاتا ہے، اور بس چڑیا کی سی چار چونچیں مار کے نماز پوری کر دیتے ہیں، اور اللہ کا نام بھی بس برائے نام ہی لیتے ہیں، پس یہ نماز منافق کی نماز ہے اور جو کوئی ایسی نماز پڑھتا ہے وہ مخلص مؤمنوں والی نہیں، بلکہ منافقوں والی نماز پڑھتا ہے۔

۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص مسجد میں ہو، اور اذان ہو جائے اور وہ اُسکے بعد بھی بلا کسی خاص ضرورت کے مسجد سے باہر چلا جائے اور نماز میں شرکت کے لئے واپسی کا ارادہ بھی نہ رکھتا ہو، تو وہ منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہے، پس ایسا کرنے والا اگر عقیدے کا منافق نہیں ہے تو وہ "منافق عملی" ہے۔

وسوسے ایمان کے منافی نہیں اور اُن پر مواخذہ بھی نہیں

۵۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِيْ مَاوَسْوَسَتْ بِهٖ صَدْرُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ بِهٖ اَوْ تَتَكَلَّمْ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری اُمت سے دل کے برے خیالات اور وسوسوں کو معاف کر دیا ہے، اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہو گا، جب تک اُن پر عمل نہ ہو اور زبان سے نہ کہا جائے۔

تشریح...... انسان کے دل میں بعض اوقات بڑے گندے خیالات اور خطرات آتے ہیں، اور کبھی کبھی منکرانہ اور ملحدانہ سوالات و اعتراضات بھی دل و دماغ کو پریشان کرتے ہیں، اس حدیث میں اطمینان دلایا گیا ہے کہ یہ خیالات اور وساوس جب تک کہ صرف خیالات اور وساوس ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مواخذہ نہیں ہے، ہاں! جب یہی خیالات، خطرات و وساوس کی حد سے بڑھ کر اُس شخص کا قول یا عمل بن جائیں، تو پھر اُن پر مواخذہ اور محاسبہ ہو گا۔

۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ اِنِّيْ اُحَدِّثُ نَفْسِيْ بِالشَّيْءِ لَاَنْ اَكُوْنَ حُمَمَةً اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَتَكَلَّمَ بِهٖ، قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ رَدَّ اَمْرَهٗ اِلَى الْوَسْوَسَةِ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: "کبھی کبھی میرے دل میں ایسے بُرے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اُن کو زبان سے نکالوں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی حمد اور اُس کا شکر ہے جس نے اُسکے معاملہ کو وسوسہ کی طرف لوٹادیا ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ یہ غمگین اور فکر مند ہونے کی بات نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر کرو کہ اُسکے فضل و کرم اور اُس کی دستگیری نے تمہارے دل کو اُن برے خیالات کے قبول کرنے اور اپنانے سے بچالیا ہے، اور بات وسوسہ کی حد سے آگے نہیں بڑھنے دی ہے۔

۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَسْأَلُوْهُ اِنَّا نَجِدُ فِیْ اَنْفُسِنَا مَا يَتَعَاظَمُ اَحَدُنَا اَنْ يَتَكَلَّمَ بِهٖ؟ قَالَ اَوَقَدْ وَجَدْ تُمُوْهُ؟ قَالُوْا نَعَمْ، قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ الْاِيْمَانِ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا حال یہ ہیکہ بعض اوقات ہم اپنے دلوں میں ایسے بُرے خیالات اور وسوسے پاتے ہیں کہ اُن کو زبان سے کہنا بھی بہت بُرا اور بہت بھاری معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا واقعی تمہاری یہ حالت ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہاں! یہی حال ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ تو خالص ایمان ہے۔ (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی یہ کیفیت کہ وہ دین و شریعت کے خلاف وساوس سے اتنا گھبرائے اور ان کو اتنا بُرا سمجھے کہ زبان سے ادا کرنا بھی اس کو گراں ہو، یہ خالص ایمانی کیفیت ہے۔

۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَاتِی الشَّيْطَانُ اَحَدَكُمْ فَيَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ مَنْ خَلَقَ كَذَا؟ حَتّٰى يَقُوْلُ مَنْ خَلَقَ رَبُّكَ فَاِذَا بَلَغَهٗ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلِيَنْتَهِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا؟ (یہاں تک کہ یہی سوال وہ اللہ کے متعلق بھی دل میں ڈالتا ہے، کہ جب ہر چیز کا کوئی پیدا کرنے والا ہے تو پھر) اللہ کا پیدا کرنیوالا کون ہے؟ پس سوال کا سلسلہ جب یہانتک پہنچے تو چاہئے کہ بندہ اللہ سے پناہ مانگے، اور رُک جائے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے وسوسے اور سوالات شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور جب شیطان کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ جاہلانہ اور احمقانہ سوال ڈالے تو اُس کا سیدھا اور آسان علاج یہ ہے کہ بندہ شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، اور خیال کو اُس طرف سے پھیر لے یعنی اِس مسئلہ کو قابل توجہ اور لائق غور ہی نہ سمجھے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اللہ جب اُس ہستی کا نام ہے جس کا وجود اُس کی ذاتی صفت ہے، اور جو تمام موجودات کو وجود بخشنے والا ہے، اُس کے متعلق یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَايَزَالُ النَّاسُ يَتَسَاءَ لُوْنَ حَتّٰى يُقَالَ هٰذَاخَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ، فَمَنْ خَلَقَ اللهَ؟ فَمَنْ وَجَدَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئاً فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ وَرُسُلِهٖ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگوں میں ہمیشہ فضول سوالات اور چون وچرا کا سلسلہ جاری رہے گا، یہاں تک کہ یہ احمقانہ سوال بھی کیا جائے گا کہ اللہ نے سب مخلوق کو

پیدا کیا ہے، تو پھر اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ پس جس کو اس سے سابقہ پڑے وہ یہ کہہ کر بات ختم کردے، کہ اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر میرا ایمان ہے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا رویہ ان سوالات اور وساوس کے بارے میں یہ ہونا چاہئے کہ وہ سوال کرنے والے آدمی سے یا وسوسہ ڈالنے والے شیطان سے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دے کہ اللہ اور اُسکے رسولوں پر ایمان کی روشنی مجھے نصیب ہو چکی ہے، اسلئے میرے لئے یہ سوال بالکل قابل غور نہیں، جس طرح کسی آنکھوں والے کیلئے یہ سوال قابلِ غور نہیں کہ سورج میں روشنی ہے یا نہیں؟

ایمان واسلام کا خلاصہ اور اُس کا عطر

(۶۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الثَّقَفِيْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ (وَفِيْ رِوَايَةٍ غَيْرَكَ) قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ سفیان بن عبداللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "یارسول اللہ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی جامع اور شافی بات بتایئے کہ آپ کے بعد پھر میں کسی سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھوں" آپ نے ارشاد فرمایا: "کہو میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر پوری طرح اور ٹھیک ٹھیک اُس پر قائم رہو۔" (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کو اپنا اللہ اور رب مان کر اپنے کو بس اُس کا بندہ بنادو، اور پھر اس ایمان اور عبدیت کے تقاضوں کے مطابق ٹھیک ٹھیک چلنا اپنی زندگی کا دستور بنالو، بس یہی کافی ہے۔

یہ حدیث "جوامع الکلم" میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ کے جواب کے ان دو لفظوں میں اسلام کا پورا خلاصہ آگیا ہے "ایمان باللہ اور اُس پر استقامت" ہی اسلام کی غرض وغایت، بلکہ اُس کی روح ہے۔ "ایمان باللہ" کا مطلب تو کتاب کے بالکل شروع میں حدیث جبرئیل کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے، اور استقامت کے معنی ہیں بلا افراط و تفریط اور بغیر کسی کجی اور انحراف کے اللہ کی مقرر کی ہوئی "صراط مستقیم" پر قائم رہنا، اور ہمیشہ اُس کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتے رہنا گویا تمام اوامر و نواہی اور جملہ احکام خداوندی کے صحیح مکمل اور دائمی اتباع کا نام استقامت ہے، اور ظاہر ہے، کہ بندوں کے لئے اس سے آگے کوئی مقام نہیں، اسی لئے بعض اکابر صوفیہ نے فرمایا ہے:

اَلْاِسْتِقَامَةُ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ كَرَامَة یعنی استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

بہر حال استقامت وہ چیز ہے کہ اُسکی تعلیم کے بعد کسی اور سبق کے لینے کی ضرورت نہیں رہتی، اور بس وہی انسان کے لئے کافی ہے، قرآن مجید میں بھی کئی جگہ انسان کی سعادت اور فلاح کو ایمان باللہ اور استقامت ہی سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک آیت یہ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءً ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (الاحقاف ۴۶: ۱۳، ۱۴)

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے (اور ہم اسی کے بندے ہیں) اور پھر وہ اس پر مستقیم رہے، تو انہیں کوئی خوف و خطر نہیں، اور نہ اُن کو رنج و غم ہوگا وہ سب جنتی ہیں، اپنے اعمال کے بدلہ میں وہ جنت ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔

بلکہ "اِرْجَاعُ السُّنَّةِ اِلَى الْكِتَابِ" کے اصول پر کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفیان بن عبداللہ ثقفی کو یہ جواب شاید ایسی ہی آیات کی روشنی میں دیا ہوگا۔[1]

۶۲) عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِىْ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت تمیم داری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین نام ہے "خلوص اور وفاداری" کا۔ ہم نے عرض کیا کہ: "کس کے ساتھ خلوص[2] اور وفاداری؟" ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ، اللہ کی کتاب کے ساتھ، اللہ کے رسول کیساتھ، مسلمانوں کے سرداروں 'پیشواؤں کے ساتھ اور اُنکے عوام کے ساتھ۔ (مسلم)

تشریح...... یہ حدیث بھی "جوامع الکلم" میں سے ہے، امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ کل مقاصد دین کو یہ حدیث جامع ہے، اور اس پر عمل کر لینا گویا دین کے پورے منشا کو ادا کر دینا ہے، کیونکہ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اس حدیث کے مضمون سے باہر رہ گیا ہو۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ اس حدیث میں اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ، ائمہ اُمت و پیشوایانِ ملت، اور عوام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفاداری کو دین بتلایا گیا ہے، اور یہی کُل دین ہے، کیونکہ اللہ کیساتھ اخلاص و وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے ممکن حد تک اُسکی معرفت حاصل کی جائے، اُس کے ساتھ انتہائی محبت کی جائے، اُس کی اطاعت و عبادت کی جائے، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے، اور مالک و مقتدر جانتے ہوئے اُس سے ڈرا جائے، غرض پورے اخلاص و وفا کے ساتھ عبدیت کا حق ادا کیا جائے۔

اور کتاب اللہ کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے، اُس کا حقِ عظمت ادا کیا جائے، اُس کا علم حاصل کیا جائے، اُس کا علم پھیلایا جائے، اُس پر عمل کیا جائے۔

علیٰ ھذا رسُول اللہ ﷺ کیساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُنکی تصدیق کیجائے، تعظیم و توقیر کیجائے، اُن سے اُنکی تعلیمات اور اُنکی سنتوں سے محبت کی جائے، اور دل و جان سے اُن کی پیروی و غلامی میں اپنی نجات سمجھی جائے۔

اور ائمہ مسلمین (یعنی مسلمانوں کے سرداروں اور پیشواؤں، حاکموں اور رہنماؤں) کے ساتھ خلوص و وفاداری یہ ہے کہ اُن کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں اُن کی مدد کی جائے، اُن کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، اور اگر اُن سے کوئی غفلت اور غلطی ہوتی نظر آئے تو بہتر طریقہ پر اُس کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کی جائے، اچھے مشوروں سے دریغ نہ کیا جائے، اور معروف کی حد تک اُن کی بات مانی جائے۔

اور عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص و وفا یہ ہے کہ اُن کی ہمدردی و خیر خواہی کا پورا پورا خیال رکھا جائے،

۱: بعض ائمہ اور علماء محققین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات عموماً قرآن مجید سے ماخوذ اور مستنبط ہوتے تھے، اور آپ کے ہر ارشاد کا مرجع و ماخذ قرآن پاک میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ائمہ سلف میں سے حضرت سعید بن جبیرؒ اور حضرت امام شافعیؒ سے بھی یہ رائے نقل کی گئی ہے، اور ہمارے علماء متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "خیر کثیر" میں یہی رائے ظاہر فرمائی ہے، بلکہ یہ بھی لکھا ہے کہ میں اسطرح پر غور کیا تو "کتاب الصلوۃ" کی تمام احادیث کا مرجع اور ماخذ قرآن پاک میں مجھے مل گیا۔ کاش شاہ صاحبؒ اس کام کو کر جاتے۔

۲: اس حدیث میں "نصیحت" کا لفظ جس مفہوم کا حامل ہے اُس کو ترجمہ میں اس ناچیز نے "خلوص و وفاداری" سے ادا کیا ہے، اُردو اس مفہوم کی ادائیگی کیلئے اس سے بہتر شاید کوئی لفظ نہ مل سکے۔ "نصیحت" "نصح" بمعنی خلوص سے مشتق ہے، يقال نصح الشئ اذا خلص و نصحت العسل اذا صفيته ۱۲م

اُن کا نفع اپنا نفع اور اُن کا نقصان اپنا نقصان سمجھا جائے، جائز اور ممکن خدمت اور مدد سے دریغ نہ کیا جائے۔ الغرض علی فرقِ مراتب اُنکے جو حقوق عظمت و شفقت اور خدمت و تعاون کے مقرر ہیں اُن کو ادا کیا جائے۔

اس تفصیل سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ یہ حدیث کس طرح پورے دین کو حاوی ہے اور دین کے تمام شعبوں کو اِن مختصر لفظوں میں کس طرح ادا کر دیا گیا ہے۔ اور اس پر صحیح طور سے عمل کرنا گویا پورے دین پر عمل کرنا ہے۔

تقدیر کا ماننا بھی شرطِ ایمان ہے

(حدیث جبرئیل کے ضمن میں اور بعض اور حدیثوں میں بھی تقدیر کا ذکر پہلے آ چکا ہے، اور اجمالاً معلوم ہو چکا ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا بھی ضروریات میں سے ہے، لیکن یہاں تقدیر کے متعلق چند حدیثیں مستقل طور سے ذکر کی جائیں گی، جن سے اس اہم مسئلہ کی اہمیت اور کچھ تفصیلات بھی معلوم ہونگی۔)

۶۳) عَنِ ابْنِ الدَّيْلَمِىْ قَالَ اَتَيْتُ اُبَىَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ لَهُ قَدْ وَقَعَ فِىْ نَفْسِىْ شَيْئٌ "مِنَ الْقَدْرِ فَحَدِّثْنِىْ لَعَلَّ اللهَ اَنْ يُذْهِبَهُ مِنْ قَلْبِىْ، فَقَالَ لَوْ اَنَّ اللهَ عَذَّبَ اَهْلَ سَمٰوَاتِهٖ وَاَهْلَ اَرْضِهٖ عَذَّبَهُمْ وَهُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَهُمْ وَلَوْ رَحِمَهُمْ كَانَتْ رَحْمَتُهٗ خَيْرًا لَهُمْ مِنْ اَعْمَالِهِمْ ، وَلَوْ اَنْفَقْتَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا فِىْ سَبِيْلِ اللهِ مَا قَبِلَهُ اللهُ مِنْكَ حَتّٰى تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ وَتَعْلَمَ اَنَّ مَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَلَوْمُتَّ عَلٰى غَيْرِ هٰذَا لَدَخَلْتَ النَّارَ، قَالَ ثُمَّ اَتَيْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اَتَيْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَحَدَّثَنِىْ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ مِثْلَ ذَالِكَ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: ابن الدیلمی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں (مشہور صحابی رسول) ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، کہ: تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ خلجان سا پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا آپ اسکے متعلق کچھ بیان فرمائیں، شاید اللہ تعالیٰ اس خلجان کو میرے دل سے دور کر دے (اور مجھے اس مسئلہ میں اطمینان نصیب ہو جائے)۔ انہوں نے فرمایا: سنو! اگر اللہ تعالیٰ اپنے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کو عذاب میں ڈال دے، تو وہ اپنے اس فعل میں ظالم نہ ہوگا اور اگر وہ ان سب کو اپنی رحمت سے نوازے، تو اسکی یہ رحمت اُنکے اعمال سے بہتر ہو گی، (یعنی ان پر یہ اسکا محض فضل و احسان ہو گا، اُن کے اعمال کا واجب حق نہ ہو گا اور سنو! تقدیر پر ایمان لانا اس قدر ضروری ہے، کہ اگر تم احد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کر دو، تو اللہ کے یہاں وہ قبول نہ ہو گا جب تک کہ تم تقدیر پر ایمان نہ لاؤ، اور تمہارا پختہ اعتقاد یہ نہ ہو کہ جو کچھ تمہیں پیش آتا ہے، تم کسی طرح اُس سے چھوٹ نہیں سکتے تھے، اور جو حالات تم پر پیش نہیں آتے وہ تم پر آ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو کچھ، ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر اور مقرر ہو چکا ہے اور اس مقررہ پروگرام میں ذرہ برابر تبدیلی بھی ممکن نہیں ہے) اور اگر تم اسکے خلاف اعتقاد رکھتے ہوئے مر گئے، تو یقیناً تم دوزخ میں جاؤ گے۔ ابن الدیلمی کہتے ہیں، کہ ابی بن کعب سے یہ سننے کے بعد میں عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، اسکے بعد میں حذیفہ کی خدمت

میں حاضر ہوا، تو انھوں نے بھی مجھ سے یہی فرمایا، پھر میں زید بن ثابت کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے یہی بات رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے طور پر مجھ سے بیان فرمائی۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح...... تقدیر کے متعلق ایک عام وسوسہ جس کو شیطان کبھی کبھی بعض ایمان والوں کے قلوب میں بھی ڈالتا ہے، یہی ہے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کی تقدیر سے ہو رہا ہے تو پھر دنیا میں کوئی اچھے حال میں اور کوئی بُرے حال میں کیوں ہے، اور آخرت میں کیوں کسی کو جنت میں اور کسی کو دوزخ میں ڈالا جائے گا!...... اگر کسی صاحب ایمان کے دل میں کبھی یہ وسوسہ آئے، تو اسکے دفع کرنے کی آسان اور مختصر تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سارے عالم کا خالق و مالک ہونے کی حیثیت سے تمام بندوں اور ساری مخلوقات پر جو کامل اختیار حاصل ہے اُس کی یاد تازہ کر لی جائے، اور سوچا جائے کہ ایسا لاشریک مالک الملک اور عدم محض سے وجود میں لانے والا خالق وصانع اپنی جس مخلوق کے ساتھ جو معاملہ بھی کرے، بلاشبہ وہ اُس کا حقدار ہے، وہ سب کو عذاب میں مبتلا کرے، تو کسی قانون سے اُسکو ظالم نہیں کہا جا سکتا اور اگر سب کو رحمت سے نوازے، تو یہ رحمت اُسکی محض بخشش ہی ہوگی، کیونکہ جو نیکوکار لوگ نیک اعمال کرتے ہیں انکی توفیق دینے والا، اور اعمال کرانے والا بھی وہی ہے۔ بہر حال مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اس خاص حیثیت کو اگر اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، تو مؤمن کے دل سے تو یہ شبہ بالکل جاتا رہے گا، اور اُس کو اطمینان ہو جائے گا۔

ابن الدیلمی رحمہ اللہ چونکہ سچے مؤمن تھے، اور اللہ تعالیٰ کی اس شان پر ایمان و اعتقاد رکھتے تھے، اسلئے ان صحابہ کرامؓ نے اسی کی یاد دہانی کے ذریعہ ان کے وسوسہ کا علاج کیا اور انہیں یہ بھی بتلا دیا کہ تقدیر پر ایمان و اعتقاد اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اس عقیدے کے بغیر پہاڑ کے برابر سونا بھی راہِ خدا میں خرچ کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہو گا۔

بہر حال یہ ملحوظ رہنا چاہئے، کہ اس طریقہ سے صرف اہلِ ایمان ہی کے اس قسم کے وسوسے کا علاج کیا جا سکتا ہے دوسرے لوگوں کی طرف سے تقدیر کے متعلق جو شبہات کئے جاتے ہیں ان کے جواب کا طریقہ دوسرا ہے، اسکے معلوم کرنے کے لئے علم کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اور کچھ مختصر اشارات انشاءاللہ آئندہ صفحات میں کئے جائیں گے۔

٦٤) عَنْ اَبِیْ خِزَامَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْهَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِهٖ وَتُقَاةً نَتَّقِیْهَا هَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ شَیْئًا؟ قَالَ هِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ ابو خزامہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: کیا ارشاد ہے اس بارہ میں کہ جھاڑ پھونک کے وہ طریقے جن کو ہم دکھ درد میں استعمال کرتے ہیں، یا دوائیں جن سے ہم اپنا علاج کرتے ہیں، یا مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کی وہ تدبیریں جن کو ہم اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کرتے ہیں، کیا یہ چیزیں اللہ کی قضاء و قدر کو لوٹا دیتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ سب چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم جن مقاصد کے حاصل کرنے کے لئے جو تدبیریں اور کوششیں کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں جن اسباب کا استعمال کرتے ہیں، وہ سب بھی اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی یہ مقدر اور مقرر ہوتا ہے کہ فلاں شخص پر فلاں بیماری آئے گی، اور فلاں قسم کے جھاڑ پھونک، یا فلاں دوا کے استعمال سے وہ اچھا ہو جائے گا...... اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس نہایت مختصر دو لفظی جواب سے مسئلہ تقدیر کے متعلق بہت سے شبہات اور سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

۶۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ مَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ الْجَنَّةِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ؟ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَأَ، " فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى ○ وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ وَاَمَّامَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانا دوزخ کا اور جنت کا لکھا جا چکا ہے (مطلب یہ ہے کہ جو شخص دوزخ میں یا جنت میں جہاں بھی جائے گا، اس کی وہ جگہ پہلے سے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے)"۔ صحابہ نے عرض کیا: تو کیا ہم اپنے اس نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں، اور سعی و عمل چھوڑ نہ دیں (مطلب یہ ہے کہ جب سب کچھ پہلے ہی سے طے شدہ اور لکھا ہوا ہے، تو پھر ہم سعی و عمل کی دردسری کیوں مول لیں)۔ آپ نے فرمایا: "نہیں! عمل کئے جاؤ، کیونکہ ہر ایک کو اسی کی توفیق ملتی ہے جس کیلئے وہ پیدا ہوا ہے، پس جو کوئی نیک بختوں میں سے ہے تو اُس کو سعادت اور نیک بختی کے کاموں کی توفیق ملتی ہے، اور جو کوئی بد بختوں میں سے ہے اُس کو شقاوت اور بد بختی والے اعمالِ بد ہی کی توفیق ملتی ہے، اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ○ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ○ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ○ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ○ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ○ (والليل)

جس نے راہِ خدا میں دیا اور تقویٰ اختیار کیا اور اچھی بات کی تصدیق کی (یعنی دعوتِ اسلام کو قبول کیا) تو اُس کو ہم چین و راحت کی زندگی، یعنی جنت حاصل کرنے کی توفیق دینگے، اور جس نے بخل سے کام لیا، اور مغرور و بے پرواہ رہا، اور اچھی بات کو یعنی دعوتِ ایمان کو جھٹلایا، تو اسکے واسطے ہم تکلیف کی اور دشواری والی زندگی (یعنی دوزخ) کی طرف چلنا آسان کر دیں گے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ ہر شخص کے لئے اُس کا آخری ٹھکانہ دوزخ یا جنت میں پہلے سے مقرر ہو چکا ہے، لیکن اچھے یا برے اعمال سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی پہلے سے مقدر

ہے، اور تقدیر الٰہی میں یہ بھی طے ہو چکا ہے کہ جو جنت میں جائے گا، وہ اپنے فلاں فلاں اعمالِ خیر کے راستے جائے گا اور جو جہنم میں جائے گا وہ اپنی فلاں فلاں بداعمالیوں کی وجہ سے جائے گا، پس جنتیوں کے لئے اعمالِ خیر اور دوزخیوں کے لئے اعمالِ بد بھی مقدور و مقرر ہیں، اور اسلئے ناگزیر ہیں، حضور ﷺ کے اس جواب کا ماحصل بھی قریب قریب وہی ہے، جو اوپر والی حدیث میں آپ کے جواب کا تھا۔ ابھی عنقریب اس مضمون کی کچھ اور وضاحت اور تفصیل بھی کی جائے گی۔

۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلُّ شَيْئٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزَ وَالْكَيْسَ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر چیز تقدیر سے ہے، یہاں تک کہ آدمی کا ناکارہ اور ناقابل ہونا، اور قابل و ہوشیار ہونا بھی تقدیر ہی سے ہے۔ (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آدمی کی صفات قابلیت و ناقابلیت، صلاحیت و عدم صلاحیت، اور عقلمندی و بیوقوفی وغیرہ بھی اللہ کی تقدیر ہی سے ہیں، الغرض اس دنیا میں جو کوئی جیسا، اور جس حالت میں ہے وہ اللہ کی قضاء و قدر کے ماتحت ہے۔

۶۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِى الْقَدْرِ فَغَضِبَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهُ حَتّٰى كَاَنَّمَا فُقِئَ فِىْ وَجْنَتَيْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِىْ هٰذَا الْاَمْرِ، عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَاتَنَازَعُوْا فِيْهِ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ (مسجد نبوی میں بیٹھے) قضا و قدر کے مسئلہ میں بحث مباحثہ کر رہے تھے، کہ اسی حال میں رسول اللہ ﷺ باہر سے تشریف لے آئے (اور ہم کو یہ بحث کرتے دیکھا) تو آپ بہت برافروختہ اور غضبناک ہوئے، یہاں تک کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا، اور اس قدر سُرخ ہوا، کہ معلوم ہوتا تھا آپ کے رخساروں پر انار نچوڑ دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے ہم سے فرمایا: کیا تم کو یہی حکم کیا گیا ہے، کیا میں تمہارے لئے یہی پیام لایا ہوں (کہ تم قضاء و قدر کے جیسے اہم اور نازک مسئلوں میں بحث کرو)۔ خبردار! تم سے پہلی امتیں اُسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ اُنہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کو اپنا طریقہ بنالیا۔ میں تم کو قسم دیتا ہوں، میں تم پر لازم کرتا ہوں، کہ اس مسئلہ میں ہرگز حجت اور بحث نہ کیا کرو۔ (ترمذی)

تشریح...... قضاء و قدر کا مسئلہ بلاشبہ مشکل و نازک مسئلہ ہے، لہذا مؤمن کو چاہئے کہ اگر یہ مسئلہ اس کی سمجھ میں نہ آئے، تو بحث اور حجت نہ کرے، بلکہ اپنے دل و دماغ کو اس پر مطمئن کرلے کہ اللہ کے صادق و مصدوق رسول نے اس مسئلہ کو اسی طرح بیان فرمایا ہے، لہذا ہم اس پر ایمان لائے۔ تقدیر کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے، اس لئے اس کو نازک اور مشکل ہونا ہی چاہئے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ اسی دنیا کے بہت سے معاملات اور بہت سے رازوں کو ہم میں سے بہت سے نہیں سمجھ سکتے، پس جب اللہ کے سچے

پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ایک حقیقت بیان فرمادی (جس کا پوری طرح سمجھ لینا سب کے لئے آسان نہیں ہے) تو جن لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے، اُن کے لئے بھی ایمان لانے کے بعد صحیح طریق کار یہی ہے کہ وہ اُسکے بارے میں کوئی بحث اور کٹ حجتی نہ کریں، بلکہ اپنے قول اور اپنے ذہن کی نارسائی کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر ایمان لائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے سخت غصہ اور جلال کی وجہ غالبًا یہ تھی، کہ حضرات آپکی تعلیم و تربیت میں تھے، اور آپ سے براہِ راست دین حاصل کر رہے تھے، ان کو جب آپ نے اس غلطی میں مبتلا دیکھا، تو قلبی تعلق رکھنے والے معلم و مربی کی طرح آپ کو سخت غصہ آیا۔

اس موقع پر آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ: "تم سے پہلی امتیں اسی وقت ہلاک ہوئیں جبکہ انہوں نے اس مسئلہ میں حجت و بحث کا طریقہ اختیار کیا"۔ تو یہاں امتوں کے ہلاک ہونے سے مراد غالبًا اُنکی گمراہی ہے، قرآن و حدیث میں ہلاکت کا لفظ گمراہی کیلئے بکثرت استعمال ہوا ہے، اس بنا پر آپکے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ اگلی امتوں میں اعتقادی گمراہیاں اُس وقت آئیں، جبکہ انہوں نے اس مسئلہ کو حجت و بحث کا موضوع بنایا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ میں بھی اعتقادی گمراہیوں کا سلسلہ اسی مسئلہ سے شروع ہوا ہے۔

یہ واضح رہے کہ اس حدیث میں ممانعت حجت اور نزاع سے فرمائی گئی ہے، پس اگر کوئی شخص تقدیر کے مسئلہ پر ایک مؤمن کی طرح قطعی ایمان رکھتے ہوئے صرف اطمینانِ قلبی کے لئے اس مسئلہ کے بارے میں کسی اہل سے سوال کرے، تو اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے پہلی دو حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب ہی میں اس مسئلہ کے بعض پہلوؤں کو خود سمجھایا ہے۔

۶۸) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَتَبَ اللهُ مَقَادِيْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بِخَمْسِيْنَ اَلْفِ سَنَةٍ قَالَ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ۔ عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھ دی ہیں، اور فرمایا، کہ اسکا عرش پانی پر تھا"۔ (مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں چند چیزیں غور طلب ہیں: اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے تقدیر لکھنے سے کیا مراد ہے؟۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تو ہے نہیں، کہ جس طرح ہم انسان ہاتھ میں قلم لے کے کاغذ یا تختی پر کچھ لکھتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے لکھا ہو، ایسا خیال کرنا اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس سے ناواقفی ہے، دراصل اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے ہم قاصر ہیں، اور چونکہ اس کے لئے الگ کوئی زبان اور لغت نہیں ہے، اسلئے ہم مجبوراً انہیں الفاظ سے اسکے افعال و صفات کی تعبیر کرتے ہیں جو دراصل ہمارے افعال و صفات کیلئے وضع کے گئے ہیں، ورنہ اُسکے اور ہمارے افعال و صفات کی حقیقت اور کیفیت میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا کہ اس کی عالی ذات اور ہماری ذاتوں میں ہے۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس حدیث میں جس کتابتِ تقدیر کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی حقیقت اور نوعیت کیا ہے، علاوہ ازیں یہ بھی واقعہ ہے کہ عربی زبان میں کسی چیز کے طے کر دینے اور معین و مقرر کر دینے کو بھی کتابت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں اسی معنی کے اعتبار سے روزہ کی فرضیت کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ" سے اور قصاص کے حکم کو "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ" سے تعبیر کیا گیا ہے، پس اگر حدیث مذکور میں بھی کتابت سے یہی مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں معین کیں، اور جو کچھ ہونا ہے اُس کو مقرر فرمایا[1]۔ اس معنی کا ایک قرینہ یہ بھی ہے، کہ بعض روایات میں بجائے "كُتِبَ" کے "قَدَّرَ" کا لفظ بھی آیا ہے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے، کہ کتابتِ تقدیر کے سلسلے کی بعض غیر معتبر روایتوں میں قلم اور لوح وغیرہ سے متعلق جو تفصیلات نقل کی گئی ہیں، وہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں، رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔[2]

دوسری بات اس حدیث سے متعلق یہ بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ پچاس ہزار برس سے مراد بہت طویل زمانہ بھی ہو سکتا ہے، عربی زبان اور عربی محاورے میں یہ استعمال شائع ذائع ہے۔

حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ہے، کہ: "اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ، عرش اور پانی اُس وقت پیدا کئے جا چکے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: جس طرح ہماری قوتِ خیالیہ میں ہزاروں چیزوں کی صورتیں، اور ان کے متعلق معلومات جمع رہتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عرش کی قوتوں میں سے کسی خاص قوت میں (جس کو ہماری قوتِ خیالیہ کے مشابہ سمجھنا چاہئے) تمام مخلوقات اور ان کے تمام احوال اور حرکات و سکنات کو، غرض جو کچھ عالمِ وجود میں آنے والا ہے اس سب کو عرش کی اس قوت میں ثبت فرما دیا، گویا دنیا کے پردے پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب عرش کی اس قوت میں اسی طرح موجود و محفوظ ہے جس طرح ہمارے خیال میں لاکھوں صورتیں اور ان کے متعلق معلومات ہوتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کے نزدیک تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے سے یہی مراد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۶۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحَ فَوَالَّذِىْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا. (رواه البخارى و مسلم)

[1] حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱۶۶، ج۱)۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ۔ ۱۳

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کا مادۂ تخلیق اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک نطفہ کی شکل میں جمع رہتا ہے (یعنی پہلے چلہ میں کوئی غیر معمولی تغیر نہیں ہوتا، صرف خون میں کچھ غلظت آجاتی ہے، اسی کو "نطفہ" کہا گیا ہے[1]) پھر اسکے بعد اتنی ہی مدت منجمد خون کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں وہ گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے (اور اسی مدت میں اعضاء کی تشکیل اور ہڈیوں کی بناوٹ بھی شروع ہوجاتی ہے) پھر اللہ تعالیٰ (مندرجۂ ذیل) چار باتیں لے کر ایک فرشتہ کو بھیجتا ہے، یہ فرشتہ اسکے اعمال اسکی مدت عمر اور وقت موت، اور اس کا رزق لکھتا ہے، اور یہ کہ بدبخت ہے یا نیک بخت، پھر اس میں روح ڈالی جاتی ہے۔ پس قسم اُس ذات کی جس کے سوا کوئی عبادت و بندگی کے لائق نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جنتیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے، اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور انجام کار دوزخ میں چلا جاتا ہے اور (اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ) تم میں سے کوئی دوزخیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر نوشتۂ تقدیر آگے آجاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتا ہے، اور جنت میں پہنچ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں دو مضمون بیان فرمائے گئے ہیں، شروع میں تو تخلیقِ انسانی کے ان چند مرحلوں کا ذکر ہے جس سے انسان نفخ روح تک رحم مادر میں گزرتا ہے، (اور غالباً ان مرحلوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ نفخ روح کے وقت پر پیدا ہونے والے انسان کے متعلق لکھتا ہے، جس میں اسکے اعمال، اس کی مدتِ حیات اور وقتِ موت، اور روزی اور نیک بختی یا بدبختی کی تفصیل ہوتی ہے، حدیث کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ کا خاص منشاء اسی نوشتہ کے متعلق یہ بیان فرمانا ہے، کہ یہ ایسا قطعی اور اٹل ہوتا ہے کہ ایک شخص جو اس نوشتہ میں دوزخیوں میں لکھا ہوتا ہے، بسا اوقات وہ ایک مدت تک جنتیوں کی سی پاکبازانہ زندگی گزارتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ جنت سے بہت ہی قریب ہوتا جاتا ہے لیکن پھر ایک دم اُسکے رویہ میں تبدیلی ہوتی ہے، اور وہ دوزخ میں لے جانے والے بُرے اعمال کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر بالآخر دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور اسکے برعکس ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی جو فرشتہ کے نوشتہ میں اہلِ جنت میں لکھا ہوتا ہے، وہ ایک عرصہ تک دوزخیوں کی سی زندگی گزارتا رہتا ہے، اور دوزخ کے اتنا قریب ہوجاتا ہے کہ اسکے اور دوزخ کے درمیان گویا ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا لیکن پھر ایک دم وہ سنبھل جاتا ہے، اور اہلِ جنت کے اعمال صالحہ کرنے لگتا ہے، اور اسی حال میں مر کر جنت میں چلا جاتا ہے۔

اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ کسی کو بداعمالیوں میں مبتلا دیکھ کر اسکے قطعی دوزخی ہونے کا حکم نہ لگانا چاہئے، کیا معلوم زندگی کے باقی حصے میں اس کا رخ اور رویہ کیا ہونے والا ہے، اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آج اعمالِ خیر کی توفیق کسی کو مل رہی ہے تو اس پر اسکو مطمئن نہ ہوجانا چاہئے، بلکہ برابر حسن

---

[1] و یسمی مالم یتغیر من صورۃ الدم تغیر افاحشاً نطفۃ۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ۱۶۸، ج ۱)

خاتمہ کے لئے فکر مند رہنا چاہئے۔

۷۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ قُلُوْبَ بَنِیْ اٰدَمَ كُلَّهَا بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ كَقَلْبٍ وَّاحِدٍ يُصَرِّفُهٗ كَيْفَ يَشَاءُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے تمام قلوب اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں، ایک دل کی طرح، وہ جس طرح (اور جس طرف) چاہتا ہے اس کو پھیر دیتا ہے"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دل اپنی اطاعت و بندگی کی طرف پھیر دے"۔

تشریح...... ابھی اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کو سمجھنے سمجھانے کے لئے چونکہ الگ کوئی زبان نہیں ہے، اسلئے مجبوراً اسکے لئے بھی ان ہی الفاظ و محاورات کا استعمال کیا جاتا ہے، جو دراصل انسانی افعال و صفات کیلئے وضع کئے گئے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں جو کہا گیا ہے، کہ بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، تو اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ انسانوں کے دل اللہ تعالیٰ کے اختیار اور اسکے قبضہ تصرف میں ہیں، وہی جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ اور حدیث کی یہ تعبیر بالکل ایسی ہے جیسے کہ ہمارے محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تو بالکل میری مٹھی میں ہے۔ مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بالکل میرے اختیار میں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں کو بھی اللہ ہی جدھر چاہتا ہے پھیرتا ہے۔

مندرجۂ بالا حدیثوں سے تقدیر کے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں:

۱) اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں مقدر فرمادیں، اور جو کچھ ہونا ہے گویا وہ سب بالتفصیل لکھ دیا۔

۲) انسان جب رحم مادر میں ہوتا ہے اور اس پر تین چلے گزر جاتے ہیں، اور نفخ روح کا وقت آتا ہے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اسکے متعلق چار باتیں لکھتا ہے۔ اسکی مدتِ عمر، اسکے اعمال، اسکا رزق اور اس کا نیک بخت یا بد بخت ہونا۔

۳) ہمارے دلوں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔

دراصل تقدیر الٰہی کے یہ مختلف درجے اور مختلف مظاہر ہیں، اور حقیقی ازلی تقدیر ان سب سے سابق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقدیر الٰہی کے ان مختلف مدارج اور مظاہر کو بہت سلجھا کر بیان فرمایا ہے، ذیل میں ہم ان کے کلام کا خلاصہ درج کرتے ہیں:

تقدیر کے مختلف مدارج

۱) ازل میں جبکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، زمین و آسمان، ہوا پانی، عرش و کرسی میں سے کوئی چیز بھی پیدا نہ کی گئی تھی (كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهٗ شَيْءٌ) تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بعد میں پیدا ہونے والی

اس ساری کائنات کا پورا پورا علم تھا۔ پس اس دور ازل ہی میں اس نے ارادہ اور فیصلہ کیا، کہ اس تفصیل اور ترتیب کے مطابق جو میرے علم میں ہے، میں عالم کو پیدا کرونگا اور اس میں یہ یہ واقعات پیش آئیں گے۔ الغرض آئندہ وجود میں آنیوالے عالم کے متعلق جو تفصیل و ترتیب اسکے ازلی علم میں تھی، اسنے ازل ہی میں طے فرمایا، کہ میں اس سب کو وجود میں لاؤنگا۔ پس یہ طے فرمانا ہی تقدیر کا پہلا مرتبہ اور پہلا ظہور ہے۔

۲) پھر ایک وقت آیا، جبکہ پانی اور عرش پیدا کئے جاچکے تھے، مگر زمین و آسمان پیدا نہ ہوئے تھے۔ (بلکہ حدیث نمبر ۶۸ کی تصریح کے مطابق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے) اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی تقدیریں پہلی ازلی تقدیر کے مطابق لکھ دیں، (جس کی حقیقت حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ: عرش کی قوتِ خیالیہ میں تمام مخلوق کی تفصیلی تقدیر منعکس کردی اور اس طرح عرش اس تقدیر کا حامل ہوگیا) یہ تقدیر کا دوسرا درجہ اور دوسرا ظہور ہوا۔

۳) پھر ہر انسان کی تخلیق جب رحم مادر میں شروع ہوتی ہے، اور تین چلّے گزر جانے پر جب اُس میں روح ڈالنے کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علم حاصل کر کے اسکے متعلق ایک تقدیری نوشتہ مرتب کرتا ہے، جس میں اس کی مدتِ حیات، اعمال، رزق اور شقاوت یا سعادت کی تفصیل ہوتی ہے، یہ نوشتہ تقدیر کا تیسرا درجہ اور تیسرا ظہور ہے۔

۴) پھر انسان جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وہ اس کو کرتا ہے، جیسا کہ حدیث نمبر ۷۰ میں فرمایا، کہ انسانوں کے سب دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، وہ جدھر چاہتا ہے انہیں پھیرتا ہے، پس یہ تقدیر کا چوتھا درجہ اور چوتھا ظہور ہے۔

اگر اس تفصیل کو ملحوظ رکھا جائے تو تقدیر کے سلسلہ کی مختلف احادیث کے مطالب و محامل کے سمجھنے میں انشاءاللہ مشکل پیش نہ آئے گی۔

مسئلہ تقدیر سے متعلق بعض شبہات کا ازالہ

بہت سے لوگوں کو کم فہمی یا نافہمی سے تقدیر کے متعلق جو شبہات ہوتے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً اُن کے متعلق بھی کچھ عرض کردیا جائے۔ اس مسئلہ میں مندرجہ ذیل تین اشکال مشہور ہیں۔

اول...... یہ کہ دنیا میں اچھا بُرا جو کچھ ہوتا ہے، اگر یہ سب اللہ ہی کی تقدیر سے ہے، اور اللہ ہی نے اس کو مقدر کیا ہے تو پھر اچھائیوں کے ساتھ تمام بُرائیوں کی ذمہ داری بھی (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ پر آئے گی۔

دوسرا...... یہ کہ جب سب کچھ پہلے سے من جانب اللہ مقدور ہو چکا ہے، اور اس کی تقدیر اٹل ہے، تو بندے اسی کے مطابق کرنے پر مجبور ہیں، لہٰذا انہیں کوئی جزا سزا نہ ملنی چاہئے۔

تیسرا...... شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے جب وہ سب پہلے سے مقدر ہی ہو چکا ہے اور اسکے خلاف کچھ ہو ہی نہیں سکتا ہے، تو پھر کسی مقصد کے لئے کچھ کرنے دھرنے کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا دنیا یا آخرت کے کسی کام کے لئے محنت اور کوشش فضول ہے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ یہ تینوں شبہے تقدیر کے غلط اور ناقص تصور سے پیدا ہوتے ہیں۔

عرض کیا جاچکا ہے کہ اللہ کی تقدیر اسکے علم ازلی کے مطابق، اور اس کارخانۂ عالم میں جو کچھ جس طرح اور جس صفت کے ساتھ اور جس سلسلہ سے ہو رہا ہے وہ بالکل اسی طرح، اور اسی صفت اور اسی سلسلہ کیساتھ اسکے علم ازلی میں تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو مقدر فرمادیا ہے۔

اور ہم میں سے جو شخص بھی اپنے اعمال وافعال پر غور کرے گا، وہ بغیر کسی شک شبہ کے اس حقیقت کو محسوس کریگا کہ اس دنیا میں ہم جو بھی اچھے یا بُرے عمل کرتے ہیں، وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں، ہر کام کے کرنے کے وقت اگر ہم غور کریں تو بدیہی اور یقینی طور پر محسوس ہوگا کہ ہم کو یہ قدرت حاصل ہے کہ چاہیں تو اسکو کریں اور چاہیں تو نہ کریں، پھر اس قدرت کے باوجود ہم اپنے خداداد ارادے اور اختیار سے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور اسی فیصلے کے مطابق عمل ہوتا ہے پس اس عالم میں جس طرح ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنے تمام کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو ازل میں اسی طرح انکا علم تھا اور پھر اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انکو مقدر فرمایا اور اس پورے سلسلے کے وجود کا فیصلہ فرمادیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے صرف ہمارے اعمال ہی کو مقدر نہیں فرمایا ہے، بلکہ جس ارادہ اور اختیار سے ہم عمل کرتے ہیں وہ بھی تقدیر میں آچکا ہے، گویا تقدیر میں صرف یہی نہیں ہے، کہ فلاں شخص فلاں اچھا یا بُرا کام کریگا، بلکہ تقدیر میں یہ پوری بات ہے، کہ فلاں شخص اپنے ارادہ واختیار سے ایسا کریگا، پھر اس سے یہ نتائج پیدا ہوں گے، پھر اُسکو یہ جزا یا سزا ملے گی۔

الغرض ہم کو اعمال میں جو ایک گونہ خود اختیاری اور خود ارادیت حاصل ہے، جسکی بناء پر ہم کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں، وہ بھی تقدیر میں ہے، اور ہمارے اعمال کی ذمہ داری اُسی پر ہے، اور اُسی کی بناء پر انسان مکلّف ہے، اور اسی پر جزا وسزا کی بنیاد ہے۔

بہر حال تقدیر نے اس خود اختیاری اور خود ارادیت کو باطل اور ختم نہیں کیا، بلکہ اسکو اور زیادہ ثابت اور مستحکم کر دیا ہے، لہٰذا تقدیر کی وجہ سے نہ تو ہم مجبور ہیں، اور نہ ہمارے اعمال کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

ایسے ہی جن مقاصد کے لئے ہم جو کوششیں اور جو تدبیریں اس دُنیا میں کرتے ہیں، تقدیر میں بھی ہمارے ان مقاصد کو ان ہی تدبیروں اور کوششوں سے وابستہ کیا گیا ہے۔

الغرض تقدیر میں صرف یہ نہیں ہے کہ فلاں شخص کو فلاں چیز حاصل ہو جائیگی، بلکہ جس کوشش اور جس تدبیر سے وہ چیز اس دُنیا میں حاصل ہونے والی ہوتی ہے، تقدیر میں بھی وہ اسی تدبیر سے بندھی ہوئی ہے۔

بہر حال جیسا کہ عرض کیا گیا تقدیر میں اسباب ومُسببات کا پورا سلسلہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ اس دنیا میں ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ تقدیر میں جو کچھ ہے وہ آپ سے آپ مل جائیگا، اور اس بناء پر اس عالم اسباب کی کوششوں اور تدبیروں سے دست بردار ہونا دراصل تقدیر کی حقیقت سے ناواقفی ہے۔ حدیث نمبر ۶۴، ۶۵ میں بعض صحابہؓ کے سوالات کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا

حاصل بھی یہی ہے۔

الغرض اگر تقدیر کی پوری حقیقت سامنے رکھ لی جائے، تو انشاءاللہ اس قسم کا کوئی شبہ بھی پیدا نہ ہوگا۔

وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْم ○

مرنے کے بعد

برزخ[1]، قیامت، آخرت

چند اصولی باتیں

مابعد الموت کے سلسلہ کی حدیثیں پڑھنے اور اُن کے مطالب سمجھنے سے پہلے چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں، ان باتوں کے مستحضر کر لینے کے بعد ان حدیثوں کے مضامین کے متعلق وہ وساوس، اور شبہات انشاء اللہ پیدا نہ ہوں گے، جو حقیقت ناشناسی کی وجہ سے بہت سے دلوں میں اس زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

۱) انبیاء علیہم السلام کا خاص کام (جس کے لئے وہ مبعوث ہوتے ہیں) ہمیں ان باتوں کا بتلانا ہے، جن کے ہم ضرورت مند تو ہیں لیکن اپنے عقل و حواس سے بطور خود ہم ان کو نہیں جان سکتے، یعنی وہ ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

۲) انبیاء علیہم السلام کے لئے یقینی علم کا ایک خاص ذریعہ جو دوسرے عام انسانوں کے پاس نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی وحی ہے، ان کو اسی ذریعہ سے ان چیزوں کا علم ہوتا ہے، جس کو ہم اپنی آنکھوں کانوں سے اور اپنی عقل و فہم سے دریافت نہیں کر سکتے، جس طرح دور بین رکھنے والا آدمی بہت دور کی وہ چیزیں دیکھ لیتا ہے، جن کو عام آدمی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔

۳) کسی نبی کو نبی مان لینے، اور اس پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے اس بات کو تسلیم کر لیا، اور پورے یقین کے ساتھ ان کو مان لیا اور قبول کر لیا، کہ وہ ایسی جو بات بتلاتا ہے جس کو ہم خود نہیں جانتے، اور نہیں دیکھتے، وہ اللہ کی وحی سے اس کا علم حاصل کر کے ہمیں بتلاتا ہے، اور وہ سب حرف بحرف صحیح ہے، اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

۴) انبیاء علیہم السلام کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہتے، جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقل اور ہمارے حواس بطور خود اس کو سمجھ لینے سے عاجز اور قاصر ہوں، بلکہ ایسا ہونا ضروری ہے، اگر انبیاء علیہم السلام صرف وہی باتیں بتلائیں جن کو ہم خود ہی غور و فکر سے معلوم کر سکتے ہوں، تو پھر اُن کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۵) انبیاء علیہم السلام نے مابعد الموت یعنی عالم برزخ (عالم قبر) اور عالم آخرت کے متعلق جو کچھ بتلایا ہے اس میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو عقلاً ناممکن اور محال ہو، ہاں ایسی چیزیں ضرور ہیں جن کو ہم اپنے غور و فکر سے از خود نہیں جان سکتے اور اس دنیا میں ان چیزوں کے نمونے نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان کو اس طرح سمجھ بھی نہیں سکتے، جس طرح اس دنیا کی دیکھی بھالی چیزوں کو سمجھ لیتے ہیں۔

۶) علم کے جو عام فطری ذریعے اور وسیلے ہمیں دیئے گئے ہیں، مثلاً آنکھ، ناک، کان، عقل و فہم، ظاہر ہے کہ

۱: مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور کو عالم برزخ کہتے ہیں۔

ان کی طاقت اور ان کا دائرہ عمل بہت محدود ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ جدید آلات کی خارجی مدد سے ان کے ذریعہ بہت سی وہ چیزیں ہمارے علم میں آجاتی ہیں جن کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ مثلاً: پانی میں یا خون میں جو جراثیم پائے جاتے ہیں، اب خوردبین کی مدد سے آنکھ ان کو دیکھ لیتی ہے، ریڈیو کی مدد سے کان ہزاروں میل دور تک کی آواز سن لیتے ہیں، اسی طرح کتابی معلومات کی مدد سے پڑھے لکھے انسان کی عقل اس سے زیادہ سوچ لیتی ہے، جتنا کہ آنکھ کان کے ذریعہ حاصل شدہ معلومات کی مدد سے سوچ سکتی تھی۔ اس تجربے سے معلوم ہوا کہ کسی حقیقت کا صرف اس بنیاد پر انکار کر دینا کہ آج ہم اس کو نہیں دیکھتے، نہیں سنتے، یا ہماری عقل اس کو نہیں سمجھتی، بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

۷) انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک جسم جو ظاہر ہے اور نظر آتا ہے، دوسری روح جو اگرچہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اسکے ہونے کا ہم سب کو یقین ہے، پھر انسان کے ان دونوں جزوں کا باہمی تعلق اس دنیا میں اس طرح ہے کہ تکلیف و مصیبت، یا راحت و لذت کی جو کیفیت یہاں آتی ہے وہ براہ راست جسم پر آتی ہے، اور روح اس سے تبعاً متاثر ہوتی ہے، مثلاً: انسان کو چوٹ لگتی ہے، وہ زخمی ہوتا ہے، یا مثلاً وہ کہیں آگ سے جل جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ چوٹ اور آگ کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہوتا ہے، لیکن اسکے اثر سے روح کو بھی دکھ ہوتا ہے، اسی طرح کھانے پینے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ بھی براہ راست جسم ہی کو ہوتی ہے، لیکن روح بھی اس سے لذت حاصل کرتی ہے۔

الغرض اس دنیا میں انسان کے وجود اور اسکے حالات میں گویا جسم اصل ہے اور روح اسکے تابع ہے، لیکن قرآن و حدیث میں عالم برزخ کے متعلق جو کچھ بتلایا گیا ہے اس میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوگا، یعنی اس عالم میں جس پر جو اچھی بری واردات ہوگی وہ براہ راست اس کی روح پر ہوگی، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوگا، اللہ تعالیٰ نے (شاید اسی لئے کہ اس حقیقت کا سمجھنا ہمارے لئے آسان ہو جائے) اس دنیا میں بھی اس کا ایک نمونہ پیدا کر دیا ہے، اور وہ عالم رؤیا یعنی خواب ہے، عقل و ہوش رکھنے والا ہر انسان اپنی زندگی میں بار بار ایسے خواب دیکھتا ہے جن میں اس کو بڑی لذت ملتی ہے، یا بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ لیکن خواب میں یہ لذت یا تکلیف براہ راست دراصل روح کے لئے ہوتی ہے اور جسم تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے یعنی خواب میں آدمی مثلاً جب یہ دیکھتا ہے کہ وہ کوئی لذیذ کھانا کھا رہا ہے، تو صرف یہی نہیں دیکھتا کہ میری روح ہی کھا رہی ہے، یا خیالی قوت ہی کھا رہی ہے، بلکہ اس وقت وہ یہی دیکھتا ہے کہ بیداری کی طرح وہ اپنے اس جسم والے منہ سے کھا رہا ہے جس سے روزانہ کھایا کرتا ہے۔ اسی طرح خواب میں اگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی نے اس کو مارا، تو وہ یہ نہیں دیکھتا، کہ اس کی روح کو مارا گیا، بلکہ وہ اس وقت یہی دیکھتا ہے، کہ مار اسکے جسم پر پڑی ہے اور اسکے جسم پر اس وقت ویسی ہی چوٹ لگی، جیسی بیداری میں مار پڑنے سے لگتی ہے، حالانکہ واقعہ میں جو کچھ گذرتا ہے وہ خواب میں دراصل روح پر گذرتا ہے، اور جسم اس سے تبعاً متاثر ہوتا ہے، البتہ کبھی کبھی جسم کا یہ تاثر اتنا محسوس ہو جاتا ہے کہ آدمی بیدار ہونے کے بعد جس پر

اسکے نشانات اور اثرات بھی پاتا ہے۔ الغرض نیند کی حالت میں اچھے یا برے خواب دیکھنے والے شخص پر جو کچھ گذرتا ہے اس کی نوعیت یہی ہے کہ وہ براہ راست اور اصلی طور پر روح پر گزرتا ہے، اور جسم پر اس کا اثر تبعاً پڑتا ہے، اسی لئے خواب دیکھنے والے کے قریب والا آدمی بھی اسکے جسم پر کوئی واردات گذرتے ہوئے نہیں دیکھتا، کیونکہ ہم اس دنیا میں کسی انسان کے ان ہی حالات کو دیکھ سکتے ہیں جن کا تعلق براہ راست اسکے جسم سے ہو۔ پس عالم برزخ میں (یعنی مرنے کے بعد سے قیامت تک کے دور میں) اچھے برے انسانوں پر جو کچھ گزرنے والا ہے (جس کی بعض تفصیلات آگے آنے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں) اس کی نوعیت بھی یہی ہے کہ وہ اصلی طور پر اور براہ راست روح پر گزرے گا، اور جسم تبعاً اس میں شریک ہوگا، اور عالم رؤیا (خواب) کے تجربات کی روشنی میں اس کو سمجھ لینا کسی سمجھنے والے آدمی کیلئے زیادہ مشکل نہیں ہے۔

امید ہے کہ اس دنیا، اور عالم برزخ کے اس فرق کو جان لینے کے بعد وہ عامیانہ اور جاہلانہ شبہے اور وسوسے پیدا نہ ہوں گے، جو قبر کے سوال وجواب اور عذاب وثواب کی حدیثوں کے متعلق بعض ضعیف الایمان اور کم عقل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔

عالم برزخ (عالم قبر)

۷۱) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ يَاتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ، فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللهِ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا يُدْرِيْكَ؟ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ وَصَدَّقْتُ، فَذَالِكَ قَوْلُهٗ "يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الْاٰيَه" قَالَ فَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ فَافْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْلَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ فَيُفْتَحُ لَهٗ، قَالَ فَيَاتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا وَيُفْتَحُ لَهٗ فِيْهَا مُدَّبَصَرِهٖ. وَاَمَّاالْكَافِرُ فَذَكَرَمَوْتَهٗ قَالَ وَيُعَادُ رُوْحُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ وَيَاتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَا اَدْرِیْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَادِيْنُكَ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَا اَدْرِیْ، فَيَقُوْلَانِ مَاهٰذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بُعِثَ فِيْكُمْ؟ فَيَقُوْلُ هَاه هَاه لَااَدْرِیْ، فَيُنَادِیْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَافْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَالْبِسُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ قَالَ فَيَاتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا قَالَ وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ ثُمَّ يُقَيَّضُ لَهٗ اَعْمٰى اَصَمُّ مَعَهٗ مِرْزَبَةٌ مِنْ حَدِيْدٍ لَوْ ضُرِبَ بِهَا جَبَلٌ لَصَارَ تُرَابًا فَيَضْرِبُهٗ بِهَا ضَرْبَةً فَيَصِيْحُ صَيْحَةً يَسْمَعُهَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلَيْنِ فَيَصِيْرُ تُرَابًا ثُمَّ يُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے (ایک سلسلۂ کلام میں مردہ کے سوال وجواب اور عالم برزخ یعنی قبر کے ثواب وعذاب کا تذکرہ کرتے ہوئے)

فرمایا کہ :(اللہ کا مؤمن بندہ اس دنیا سے منتقل ہو کر جب عالم برزخ میں پہنچتا ہے، یعنی قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو،) اسکے پاس اللہ کے دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے، پھر پوچھتے ہیں، کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (نبی کی حیثیت سے) کھڑا کیا گیا تھا، (یعنی حضرت محمد ﷺ) ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، وہ فرشتے کہتے ہیں کہ تمہیں یہ بات کس نے بتلائی؟ (یعنی ان کے رسول ہونے کا علم کس ذریعہ سے ہوا؟) وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی (اسنے مجھے بتلایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں) تو میں ایمان لایا، اور میں نے ان کی تصدیق کی (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) مؤمن بندہ کا یہی جواب ہے، جس کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ.

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سچی پکی بات (یعنی صحیح عقیدہ اور صحیح جواب) کی برکت سے ثابت رکھے گا، دنیا میں اور آخرت میں۔

یعنی وہ گمراہی سے، اور اسکے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مؤمن بندہ فرشتوں کے مذکورہ بالا سوالات کے جب اس طرح ٹھیک ٹھیک جوابات دے دیتا ہے) تو ایک ندا دینے والا آسمان سے ندا دیتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے اعلان کرایا جاتا ہے) کہ میرے بندے نے ٹھیک بات کہی، اور صحیح صحیح جوابات دیئے، لہٰذا اس کے لئے جنت کا فرش کرو، اور جنت کا اس کو لباس پہناؤ، اور جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ وہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور جنت میں اس کے لئے منتہائے نظر تک کشادگی کر دی جاتی ہے (یعنی پردے اس طرح اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ جہاں تک اس کی نگاہ جائے، وہ جنت کی بہاروں اور اسکے نظاروں سے لذت اور فرحت حاصل کرتا رہے۔) (یہ حال تو رسول اللہ ﷺ نے مرنے والے سچے اہل ایمان کا بیان فرمایا)، اس کے بعد ایمان نہ لانے والے (کافر) کی موت کا ذکر آپ نے کیا، اور فرمایا: (مرنے کے بعد) اس کی روح اسکے جسم میں لوٹائی جاتی ہے، اور اسکے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں، وہ اس کو بٹھاتے ہیں، اور اس سے بھی پوچھتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ (خداناشناس) کہتا ہے: "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ دین تیرا کیا تھا؟ وہ کہتا ہے، کہ "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا"۔ پھر فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ یہ آدمی جو تمہارے اندر (بحیثیت نبی کے) مبعوث ہوا تھا، تمہارا اسکے بارے میں کیا خیال تھا؟ وہ پھر بھی یہی کہتا ہے: "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا"۔ (اس سوال و جواب کے بعد) آسمان سے ایک ندا دینے والا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکارتا ہے کہ اسنے جھوٹ کہا (یعنی اسنے فرشتوں کے سوال کے جواب میں اپنا بالکل انجان اور بے جُرم ہونا ظاہر کیا یہ اسنے جھوٹ بولا، کیونکہ واقعے میں وہ

اللہ کی توحید کا، اسکے دین اسلام کا اور اسکے رسول برحق کا منکر تھا) پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ندا کرے گا کہ اس کے لئے دوزخ کا فرش کرو، اور دوزخ کا اس کو لباس پہناؤ، اور اس کے لئے دوزخ کا ایک دروازہ کھول دو (چنانچہ یہ سب کچھ کردیا جائے گا) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ: "(دوزخ کے اس دروازے سے) اسکو برابر دوزخ کی گرمی اور دوزخ کی لپٹیں اور جلانے جھلسانے والی ہوائیں اسکے پاس آتی رہیں گی اور اسکی قبر اس پر نہایت تنگ کردی جائیگی جسکی وجہ سے (اتنا دباؤ پڑے گا، کہ) اسکے سینے کی پسلیاں ادھر سے ادھر ہو جائیں گی، پھر اس کو عذاب دینے کیلئے ایک ایسا فرشتہ اس پر مسلط کیا جائے گا، جو نہ کچھ دیکھے گا، نہ سنے گا، اسکے پاس لوہے کی ایسی مونگری ہوگی، کہ اگر اسکی ضرب کسی پہاڑ پر لگائی جائے تو وہ بھی مٹی کا ڈھیر ہو جائے، وہ فرشتہ اس مونگری سے اس پر ایک ضرب لگائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا، جس کو جن وانس کے علاوہ وہ سب چیزیں سنیں گی، جو مشرق اور مغرب کے درمیان ہیں، اس ضرب سے وہ خاک ہو جائے گا، اسکے بعد اس میں پھر روح ڈالی جائے گی۔　　(مسند احمد، ابوداؤد)

۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِهٖ وَتَوَلّٰی عَنْهُ اَصْحَابُهٗ اِنَّهٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ اَتَاهُ مَلَكَانِ فَیُقْعِدَانِهٖ فَیَقُوْلَانِ مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَیَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ فَیُقَالُ لَهٗ اُنْظُرْ اِلٰی مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ اَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَیَرَاهُمَا جَمِیْعًا وَاَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَیُقَالُ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ فَیَقُوْلُ لَا اَدْرِیْ كُنْتُ اَقُوْلُ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ فَیُقَالُ لَهٗ مَا دَرَیْتَ وَلَا تَلَیْتَ وَیُضْرَبُ بِمَطَارِقَ مِنْ حَدِیْدٍ ضَرْبَةً فَیَصِیْحُ صَیْحَةً یَسْمَعُهَا مَنْ یَلِیْهِ غَیْرُ الثَّقَلَیْنِ.

(رواه البخاری و مسلم واللفظ للبخاری)

ترجمہ: انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ (مرنے کے بعد) بندہ جب اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اسکے ساتھ (یعنی اسکے جنازے کے ساتھ آنے والے) واپس چل دیتے ہیں، (اور ابھی وہ اتنے قریب ہوتے ہیں کہ) ان کی جوتیوں کی چاپ وہ سن رہا ہوتا ہے تو اسی وقت اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں، وہ اسکو بٹھاتے ہیں، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ ان کا یہ سوال رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہوتا ہے۔ پس جو سچا مؤمن ہوتا ہے، وہ کہتا ہے کہ (میں گواہی دیتا رہا ہوں، اور اب بھی) میں گواہی دیتا ہوں، کہ وہ اللہ کے بندے، اور اسکے رسولِ برحق ہیں، (یہ جواب سن کے) فرشتے اس سے کہتے ہیں (ایمان نہ لانے کی صورت میں) دوزخ میں جو تمہاری جگہ ہونے والی تھی، ذرا اس کو دیکھ لو، اب اللہ نے بجائے اسکے، تمہارے لئے جنت میں ایک جگہ عطا فرمائی ہے (اور وہ یہ ہے) اس کو بھی دیکھ لو (یعنی دوزخ اور جنت کے دونوں مقام اسکے سامنے کردیئے جائیں گے) چنانچہ وہ دونوں کو ایک ساتھ دیکھے گا۔ اور جو منافق اور کافر ہوتا ہے، تو اسی طرح (مرنے کے بعد) اس سے بھی (رسول اللہ ﷺ) کے متعلق پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے بارے میں تم کیا کہتے تھے؟ (اور اس کو کیا اور کیسا سمجھتے تھے؟) پس وہ منافق اور کافر کہتا ہے کہ میں ان کے بارے میں خود تو کچھ جانتا نہیں، دوسرے

لوگ جو کہا کرتے تھے، وہی میں بھی کہتا تھا، (اُسکے اس جواب پر) اس کو کہا جائے گا، کہ تو نے نہ تو خود جانا اور نہ (جان کر ایمان لانے والوں کی) تو نے پیروی کی، اور لوہے کے گرزوں سے اسکو مارا جائے گا، جس سے وہ اس طرح چیخے گا کہ جن وانس کے علاوہ اسکے آس پاس کی ہر چیز اس کا چیخنا سنے گی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... پہلی حدیث سے معلوم ہوا تھا، کہ مرنے والے سے فرشتے تین سوال کرتے ہیں، اور اس دوسری حدیث میں صرف ایک ہی سوال کا ذکر کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ سوال چونکہ باقی دونوں سوالوں پر بھی حاوی ہے، اور اسکے جواب سے ان دونوں سوالوں کا جواب بھی معلوم ہو جاتا ہے، اسلئے بعض حدیثوں میں صرف اسی ایک سوال کا ذکر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث کا طریقِ بیان یہی ہے کہ ایک واقعہ کو کبھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے اور کبھی صرف اسکے بعض اجزاء ہی بیان کر دیئے جاتے ہیں۔

یہ اصولی بات پہلے بھی ذکر کی گئی ہے، اور اب پھر اس کو یاد دلایا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں تصنیفی مقالات نہیں ہیں، بلکہ عموماً مجلسی ارشادات ہیں، اور کسی معلم اور مربی کے مجلسی ارشادات میں ایسا ہونا کہ کبھی ایک بات کو پوری تفصیل سے بیان کیا جائے، اور کبھی اسکے صرف بعض اجزاء کا ذکر کر دیا جائے، بالکل صحیح اور فطری بات ہے۔

حضرت انس والی اس دوسری حدیث میں اس سوال جواب کے سلسلے میں قبر کا لفظ بھی آیا ہے اور اسی طرح بعض اور حدیثوں میں بھی قبر کا ذکر ہے، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ سوال و جواب صرف ان ہی مُردوں سے مخصوص ہے، جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں، دراصل قبر کا ذکر ان حدیثوں میں صرف اس لئے کر دیا گیا ہے کہ وہاں مُردوں کو قبروں ہی میں دفن کرنے کا عام رواج تھا، اور لوگ صرف اسی طریقے کو جانتے تھے، ورنہ اللہ کے فرشتوں کی طرف سے یہ سوال و جواب ہر مُرنے والے سے ہوتا ہے، خواہ اس کا جسم قبر میں دفن کیا جائے، خواہ دریا میں بہایا جائے، خواہ آگ میں جلایا جائے، خواہ گوشت خور جانوروں کے پیٹ میں چلا جائے۔ اور جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے یہ سب کچھ براہِ راست اور اصلی طور سے روح کے ساتھ ہوتا ہے اور جسم خواہ کہیں ہو، اور کسی حال میں ہو، وہ تبعاً اس سے متاثر ہوتا ہے، اور خواب کی مثال اسکے سمجھنے کیلئے کافی ہے۔ اور خواب ہی کی مثال سے اس شبہ کا جواب بھی مل جاتا ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی مردہ دو چار دن تک ہمارے سامنے پڑا رہتا ہے اور اس سوال و جواب کی آواز اسکی لاش سے کوئی نہیں سنتا، اور نہ اس پر عذاب یا ثواب کا کوئی اثر معلوم ہوتا ہے۔ پس یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ خواب میں ایک آدمی پر سب کچھ گذر جاتا ہے، وہ بات چیت کرتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، لیکن اسکے برابر والوں کو کچھ بھی نہیں نظر آتا۔

اسی قسم کے عامیانہ اور جاہلانہ شبہوں میں سے قبر کے اس سوال و جواب پر ایک شبہ یہ بھی کیا جاتا ہے کہ قبر میں جانے کے لئے جب کوئی اور راستہ اور کوئی چھوٹے سے چھوٹا روزن بھی نہیں ہوتا، تو فرشتے اس میں جاتے کس طرح ہیں؟ یہ شبہ دراصل ان حقیقت ناشناسوں کو ہوتا ہے جو فرشتوں کو شاید اپنی طرح گوشت پوست سے بنی ہوئی مادی مخلوق سمجھتے ہیں، اصل واقعہ یہ ہے کہ فرشتوں کے کہیں پہنچنے کے لئے دروازے یا کھڑکی کی ضرورت نہیں، ہماری نگاہیں یا آفتاب کی شعاعیں جس طرح شیشوں میں سے نکل جاتی

ہیں اسی طرح فرشتے اپنے وجود کی لطافت اور اللہ کی دی ہوئی قدرت سے پتھروں میں سے بھی پار ہو جاتے ہیں۔ سبحانہ تعالیٰ شانہ،۔

۷۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهٗ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ فَيُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب مر جاتا ہے تو ہر صبح و شام اسکے سامنے اس کا ٹھکانا پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتیوں میں سے ہے، تو جنتیوں کے مقام میں سے (اس کا جو مقام ہونے والا ہوتا ہے وہ ہر صبح و شام اسکے سامنے کیا جاتا ہے، اور اسکو دکھلایا جاتا ہے) اور اگر وہ مرنے والا دوزخیوں میں سے ہوتا ہے تو (اسی طرح صبح و شام) دوزخیوں کے مقامات میں سے (اس کا مقام اسکے سامنے کیا جاتا ہے) اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہونے والا تیرا مستقل ٹھکانا (اور یہ اسوقت ہوگا) جبکہ اللہ تجھے اپنی طرف اٹھائیگا قیامت کے دن۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... قبر میں روزانہ صبح و شام جنتیوں کو اپنا مقام دیکھ کر جو غیر معمولی لذّت و مسرت حاصل ہوا کرے گی، اور دوزخیوں کو دوزخ کو اپنا ٹھکانا دیکھ کر روزانہ صبح شام جو رنج و غم مزید ہوا کرے گا، اس دنیا میں کوئی اس کا اندازہ نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اہل جنت میں شامل فرمائے۔

۷٤) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبُلَّ لِحْيَتَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْاٰخِرَةِ فَاِنْ نَجَامِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَ اِنْ لَّمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ، قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ اِلَّا وَالْقَبْرُ اَفْظَعُ مِنْهُ. (رواه الترمذی وابن ماجه)

ترجمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (کہ انکا حال یہ تھا) کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو بہت روتے، یہاں تک کہ آنسوؤں سے ان کی ڈاڑھی تر ہو جاتی، ان سے پوچھا گیا (یہ کیا بات ہے) کہ آپ جنت و دوزخ کو یاد کرتے ہیں تو نہیں روتے اور قبر کی وجہ سے اس قدر روتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ،: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، پس اگر بندہ اس سے نجات پا گیا، تو آگے کی منزلیں اس سے زیادہ آسان ہیں، اور اگر قبر کی منزل سے بندہ نجات نہ پا سکا، تو اسکے بعد کی منزلیں اس سے اور زیادہ سخت اور کٹھن ہیں۔ نیز رسُول اللہ ﷺ یہ بھی فرماتے تھے، کہ: نہیں دیکھا میں نے کوئی منظر مگر یہ کہ قبر کا منظر اس سے زیادہ خوفناک اور شدید ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جب کسی قبر سے میرا گذر ہوتا ہے، تو قبر کے بارے میں حضور ﷺ کے یہ ارشادات یاد آ جاتے ہیں، اور فکر و غم میں مبتلا کر کے مجھے رُلاتے ہیں۔

۷۵) عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوْا لاَ خِيْكُمْ ثُمَّ سَلُوْالَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَاِنَّهُ الْاٰنَ يُسْأَلُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عثمانؓ ہی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا، کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے، تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے، کہ: اپنے اس بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کرو، اور یہ بھی استدعا کرو، کہ اللہ تعالیٰ اس کو سوالوں کے جواب میں ثابت قدم رکھے، کیونکہ اس وقت اس سے پوچھ گچھ ہو گی۔ (ابوداؤد)

۷۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ حِيْنَ تُوُفِّيَ فَلَمَّا صَلّٰى عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُضِعَ فِيْ قَبْرِهٖ وَسُوِّيَ عَلَيْهِ سَبَّحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّحْنَا طَوِيْلاً ثُمَّ كَبَّرَ فَكَبَّرْنَا فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ سَبَّحْتَ ثُمَّ كَبَّرْتَ فَقَالَ لَقَدْ تَضَايَقَ عَلٰى هٰذَا الْعَبْدِ الصَّالِحِ قَبْرُهٗ حَتّٰى فَرَّجَهُ اللّٰهُ عَنْهُ. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جب (مشہور انصاری صحابی) سعد بن معاذ کی وفات ہوئی تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُن کے جنازے پر گئے، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور ان کو قبر میں اتار کر جب قبر برابر کر دی گئی، تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہا (آپ کو دیکھ کر آپ کی اتباع میں) ہم بھی دیر تک سبحان اللہ، سبحان اللہ کہتے رہے، پھر آپ نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا، تو ہم بھی آپ کے اتباع میں اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنے لگے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ: "یا رسول اللہ! اس وقت آپ کی اس تسبیح اور تکبیر کا کیا خاص سبب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ: "اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوئی تھی (جس سے اس کو تکلیف تھی) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تنگی کی اس کیفیت کو دور فرما کر کشادگی پیدا فرما دی، اور اس کی تکلیف دور کر دی۔ (مسند احمد)

تشریح...... یہ سعد بن معاذ انصاریؓ رسول اللہ ﷺ کے مشہور اور ممتاز اصحاب کرام میں سے تھے، غزوۂ بدر کی شرکت کی فضیلت اور سعادت بھی انہیں حاصل تھی، ۵ھ میں ان کا وصال ہوا، اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: "ستر ہزار فرشتوں نے ان کے جنازے میں شرکت کی، اور آسمان کے دروازے ان کیلئے کھولے گئے۔ باوجود اسکے قبر کی تنگی کی تکلیف سے ان کو بھی واسطہ پڑا (اگرچہ فوراً ہی وہ اٹھالی گئی)۔ اس میں ہم جیسوں کیلئے بڑا انتباہ اور بڑا سبق ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

۷۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَطِيْبًا فَذَكَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِيْ يُفْتَنُ فِيْهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَالِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً. (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے، کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور اس میں اس آزمائش کا ذکر فرمایا، جس میں مرنے والا آدمی مبتلا ہوتا ہے تو جب آپ نے اس کا ذکر فرمایا، تو خوف ودہشت سے سب مسلمان چیخ اُٹھے اور ایک کہرام مچ گیا۔ (بخاری)

۷۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ لِبَنِي النَّجَّارِ عَلىٰ بَغْلَةٍ لَهُ وَنَحْنُ مَعَهُ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتىٰ مَاتُوْا قَالَ فِي الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلىٰ فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوا الَدَعَوْتُ اللهَ اَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ، قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت زید بن ثابت انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جبکہ رسول اللہ ﷺ اپنی خچری پر سوار قبیلہ بنی نجار کے ایک باغ میں سے گزر رہے تھے، اچانک آپ کی خچری راستے سے ہٹی، اور ٹیڑھی ہوئی (اور اسکی ایسی حالت ہوئی) کہ قریب تھا کہ آپ کو گرادے، اچانک نظر پڑی تو دیکھا کہ وہاں چھ یا پانچ قبریں ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان قبر کے مردوں سے کون واقف ہے؟ (یعنی تم میں کوئی ہے جو ان لوگوں کو جانتا ہو، جو ان قبروں میں مدفون ہیں) ساتھیوں میں سے ایک شخص نے کہا: میں جانتا ہوں، آپ نے فرمایا: یہ لوگ کس زمانے میں مرے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا: زمانۂ شرک میں۔ آپ نے فرمایا: یہ لوگ اپنی قبروں میں عذاب میں مبتلا ہیں، اگر یہ خوف نہ ہو تاکہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ قبر کے عذاب میں جتنا کچھ میں سن رہا ہوں وہ اس میں سے کچھ تم کو بھی سُنادے۔ یہ فرمانے کے بعد آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا: (دوزخ کے عذاب سے اللہ سے پناہ مانگو: سب کی زبان سے نکلا: ہم دوزخ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، آپ نے فرمایا: سب فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، ظاہری فتنوں سے بھی، اور باطنی فتنوں سے بھی۔ سب نے کہا: ہم سب ظاہری و باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، کہ: دجال کے (عظیم ترین) فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو۔ سب نے کہا: "ہم دجالی فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں"۔ (مسلم)

تشریح..... اس سلسلہ کی بعض حدیثوں سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برزخ (قبر) کے عذاب کو جن وانس سے مخفی رکھا ہے، اُن کو اس کا بالکل پتہ نہیں چلتا، لیکن انکے علاوہ دوسری مخلوقات کو اس کا ادراک واحساس کچھ ہوتا ہے، اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بنی نجار کے اس باغ میں جن لوگوں کی وہ چند قبریں تھیں ان پر جو عذاب ہو رہا تھا، رسول اللہ ﷺ کے اصحاب و رفقاء کو اگرچہ اس کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ لیکن جس خچری پر آپ سوار تھے، اس کو اس کا احساس ہوا اور اس پر اثر پڑا۔ اس کی حکمت ظاہر ہے، مرنے والوں پر مرنے کے بعد جو کچھ گذرتا ہے، اگر ہم سب بھی اسکو دیکھ یا سن لیا کرتے، تو "ایمان بالغیب" نہ رہتا اور دنیا کا یہ نظام بھی نہ چل سکتا، جس وقت ہمارے سامنے ہمارا کوئی عزیز سخت تکلیف اور مصیبت میں

مبتلا ہو، ہم سے اس وقت کوئی کام نہیں ہو سکتا، اگر کہیں قبروں کا عذاب ہم پر منکشف ہو جایا کرتا، تو کسی اور کام کا کیا ذکر، مائیں بچوں کو دودھ بھی نہ پلا سکتیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ ان قبر والوں پر جو عذاب ہو رہا تھا، اس کی وجہ سے جو چیخ پکار ان قبروں میں مچی ہوئی تھی، جس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ والے صحابہ کرامؓ بالکل نہیں سن رہے تھے، خود آپ اس کو سن رہے تھے۔

یہ ایسا ہی تھا جیسا کہ وحی کا فرشتہ جب وحی لے کر آتا تھا، تو بسا اوقات صحابۂ کرامؓ بھی اس وقت آپ کے قریب ہوتے تھے، لیکن آنے والے فرشتے کو ان کی آنکھیں عام طور سے نہیں دیکھ سکتی تھیں، نہ وہ اس کی آواز سنتے تھے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے اور اسکی آواز سنتے تھے، اہل مکاشفہ تو اس صورت حال کو بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں، لیکن ہم جیسے عام بھی اس کو خواب والی مثال ہی سے کچھ سمجھ سکتے ہیں[1]۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ:

لَوْلَا اَنْ لَا تَدَا فَنُوْا لَدَعَوْتُ اللهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ

(یعنی اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن نہ کر سکو گے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا، کہ قبر کے عذاب میں سے جتنا کچھ میں سن رہا ہوں، اس میں سے کچھ وہ تم کو بھی سنا دے)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر کے عذاب کی جو کیفیت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر منکشف فرمادی ہے، اور عذاب اور عذاب دیئے جانے والوں کی چیخ و پکار، جو میں سن رہا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ وہ تمہیں بھی سنوا دے، تو اس کا خطرہ ہے کہ تمہیں موت سے اتنی دہشت ہو جائے کہ مردوں کو دفن و کفن کا انتظام بھی نہ کر سکو، اس لئے میں اللہ سے دعا نہیں کرتا، کہ وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرامؓ کو تعوّذ (اللہ سے پناہ مانگنے) کی طرف متوجہ کیا۔ اس میں اس کی تعلیم ہے کہ مؤمنین کو چاہئے، کہ وہ قبر کے عذاب کو جاننے اور دیکھنے کی فکر کے بجائے اس سے بچنے کی فکر کریں، اور اس سے...... اور ہر قسم کے عذاب اور فتنہ سے بچانے والا بس اللہ ہی ہے، لہٰذا اس سے برابر پناہ مانگتے

---

[1] عام سنۃ اللہ اور عادۃ اللہ یہی ہے، کہ برزخ کی واردات کو جن وانس سے کلی طور پر مخفی رکھا جاتا ہے، نہ ہم اس کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور خرقِ عادت کے کسی مرنے والے کے برزخی عذاب یا ثواب کی کوئی جزوی کیفیت کسی، اور مصلحت کی بنا پر اپنے کسی بندے کو دکھلا دے۔ شیخ ابن القیمؒ نے "کتاب الروح" میں بڑے عبرت انگیز اس قسم کے بہت سے واقعات قریباً ۵،۶ صفحے پر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: "وهذه الاخبار واضعا فها واضعاف اضعافها ممالا يتسع لها الكتاب مما اراه الله سبحانه بعض عباده من عذاب القبر ونعيمه عيانا واما رؤية المنام فلو ذكرنا ها لجاء ت عدة اسفار ...... وليس عند الملاحدة والزنا دقة الاالتكذيب بمالم يحيطوا بعلمه"۔ (کتاب الروح ص ۱۱۲)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعات جو میں نے یہاں ذکر کئے اس قسم کے اور بھی بیشمار واقعات ہیں جن کی اس کتاب میں گنجائش نہیں، یہ سب اسی قبیل سے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو قبر کے عذاب یا ثواب کا کبھی مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے، یعنی بیداری کی حالت میں آنکھوں سے دکھا دیتا ہے۔ رہا خواب میں دیکھنا تو اسکے واقعات تو اتنے ہیں کہ اگر ان کو لکھا جائے تو کئی جلدیں تیار ہو جائیں...... لیکن ملحد اور زندیق قسم کے لوگوں کا حال یہی ہے کہ جن حقیقتوں سے وہ نا آشنا اور جن کے علم و عرفان سے وہ محروم ہیں،، ان کو جھٹلاتے اور انکار کرتے ہیں۔ ۱۱۲

رہیں، دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگیں عذابِ قبر سے پناہ مانگیں، ظاہر و باطن کے سب فتنوں سے پناہ مانگیں خاص کر دجّال کے عظیم فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔ اور کفر و شرک اور ان سب فتنوں اور معصیتوں سے بچنے کی فکر رکھیں جو عذاب کو لانے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ.

قیامت

۷۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بُعِثْتُ اَنَاوَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... یعنی آنحضرت ﷺ نے کلمۂ شہادت والی انگلی، اور اسکے برابر والی بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا: میری بعثت میں اور قیامت میں اتنا قرب اور اتصال ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں میں۔ اس سے غالباً آپ کا مطلب یہ تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے جتنے دور مقرر کئے تھے وہ سب ختم ہو گئے، اب یہ دور اس کا آخری دور ہے جو میری بعثت سے شروع ہوا ہے، اور قیامت پر ختم ہو گا، میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، نہ کوئی نئی امت پیدا ہو گی، اسلئے اس کو بہت دور سمجھ کر اسکی طرف سے بے فکر اور بے پروانہ ہونا چاہئے۔

۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ هٰذِهِ الدُّنْيَا مِثْلُ ثَوْبٍ شُقَّ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ فَبَقِيَ مُتَعَلِّقًا بِخَيْطٍ فِيْ اٰخِرِهٖ فَيُوْشَكُ ذَالِكَ الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ۔

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔۔۔ انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: "اس دنیا کی مثال اس کپڑے کی سی ہے جو اول سے آخر تک پھاڑ دیا گیا اور بس سرے پر ایک دھاگے سے وہ جڑا رہ گیا، اور یہ آخری دھاگا بھی بس عنقریب ٹوٹنا ہی چاہتا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... پہلی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی قیامت کا قریب ہونا بیان فرمایا گیا ہے، اور مقصد یہی ہے کہ قیامت کو بہت دور سمجھ کے اس کی طرف سے غفلت نہ کی جائے، بلکہ اس کو بہت قریب اور ناگہانی پیش آنے والا ایک عظیم حادثہ یقین کرتے ہوئے ہر وقت اسکی فکر اور اس کیلئے تیاری کی جائے۔

۸۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْاَلُوْنِّىْ عَنِ السَّاعَةِ وَاِنَّمَاعِلْمُهَاعِنْدَاللهِ وَاُقْسِمُ بِاللهِ مَاعَلَى الْاَرْضِ مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَاتِى عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِىَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ۔۔۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ اپنی وفات شریف سے ایک مہینہ پہلے فرماتے تھے، کہ: "تم لوگ مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو، اور اس کا (یعنی اسکے معین وقت کا)

علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے، اور میں اللہ کی قسم کھا کر یہ کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین پر کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ اس پر سو سال گذریں اور وہ اس وقت تک زندہ باقی رہے"۔ (مسلم)

تشریح...... قرآن پاک سے بھی معلوم ہوتا ہے اور حدیثوں سے بھی، کہ بہت سے لوگ رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے متعلق دریافت کرتے تھے، کہ وہ کب آئے گی؟ آپ ہمیشہ اسکے جواب میں وہی فرماتے تھے جو اس حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا، یعنی یہ کہ اسکے مقررہ وقت کا علم اللہ ہی کو ہے، یعنی وہی جانتا ہے، کہ کس سن کے کس مہینے کی کس تاریخ کو آئے گی، اس کا علم اس نے کسی اور کو نہیں دیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کے علاوہ اور اصل سوال سے زائد ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ: اس وقت جو لوگ روئے زمین پر زندہ ہیں، وہ سب سو سال کے اندر اندر ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ قیامتِ کبریٰ جس میں یہ سارا عالم ختم ہو جائے گا، اس کا معین وقت تو مجھے معلوم نہیں، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے، ہاں! اللہ نے مجھے اس کی اطلاع دی ہے کہ اس نسل اور اس قرن کا خاتمہ سو سال تک ہو جائے گا، اور جو لوگ اس وقت زندہ ہیں، وہ سو سال پورے ہونے تک ختم ہو جائینگے، اس لئے یوں سمجھو کہ تمہاری قیامت تو اس صدی کے اندر ہی اندر آجائے گی۔

۸۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا برا وقت نہ آجائے کہ) بالکل نہ کہا جائے دنیا میں اللہ اللہ۔ اور اسی حدیث کو بعض راویوں نے اس طرح نقل کیا ہے کہ: "قیامت نہیں قائم ہوگی کسی ایسے شخص پر، جو کہتا ہو اللہ اللہ" [1] (مسلم)

تشریح...... یہ ہے کہ قیامت اس وقت آئیگی جبکہ دنیا اللہ کی یاد سے اور اللہ کو یاد کرنے والوں سے بالکل ہی خالی ہو جائیگی اور اللہ کی عبادت اور فرمانبرداری، اور اللہ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق کا دنیا سے بالکل خاتمہ ہو جائیگا۔ جب ایسا وقت آئیگا، اس وقت یہ پورا عالم فنا کر دیا جائے گا، گویا اللہ کا ذکر اور اللہ کے ساتھ بندگی کا صحیح تعلق اس عالم کی روح اور اسکے باقی رہنے کیلئے وجہ جواز ہے، جس دن ہماری یہ دنیا اس سے بالکل خالی ہو جائے گی، اسی دن اپنے پیدا کرنے والے اور چلانے والے کے حکم سے توڑ پھوڑ کے برابر کر دی جائے گی۔

۸۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ. (رواه مسلم)

ترجمہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: "قیامت نہیں قائم ہوگی، مگر بد ترین آدمیوں پر"۔ (مسلم)

---

[1] بعض علماء کرام نے اس حدیث سے ذکر اسم ذات کی صحت اور اسکے ماثور ہونے پر استدلال کیا ہے، اور بلا شبہ یہ استدلال بہت صاف اور صحیح ہے۔ اللہ کی رحمت ہو حافظ ابن تیمیہ پر، اس مسئلہ پر غور کرتے وقت اُن کی نظر غالباً اس حدیث کی طرف گئی نہیں۔ ۱۲

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ سے تعلق رکھنے والے اچھے لوگ جب سب ختم ہو جائینگے اور یہ دنیا جب صرف بد کرداروں اور خدا فراموشوں ہی کی دنیا رہ جائے گی، تب اللہ کے حکم سے قیامت آجائے گی۔

۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ الدَّجَالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِىْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْعَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهُ ثُمَّ يَمْكُثُ فِى النَّاسِ سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًابَارِدَةً مِنَ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِىْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ، حَتّٰى تَقْبِضَهُ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِىْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُوْنَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُوْلُ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ فَيَقُوْلُوْنَ فَمَا تَاْمُرُنَا فَيَاْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَ هُمْ فِىْ ذَالِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ وَاَوَّلُ مَنْ يَّسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوْطُ حَوْضَ اِبِلِهٖ فَيَصْعَقُ وَيَصْعَقُ النَّاسُ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ النَّارِ فَيُقَالُ مِنْ كَمْ كَمْ؟ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعِيْنَ، قَالَ فَذَالِكَ يَوْمَ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا. وَذَالِكَ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "(قیامت سے پہلے) دجال کا خروج ہوگا، اور وہ ٹھہرے گا چالیس تک" (اس حدیث کو روایت کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ) میں نہیں جانتا کہ حضور (ﷺ) کا مطلب چالیس سے چالیس دن تھے، یا چالیس مہینے، یا چالیس سال۔ آگے حدیث بیان کرتے ہیں، کہ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو (اس دنیا میں) بھیجیں گے، گویا کہ وہ عروہ بن مسعود ہیں (یعنی ان کی شکل وصورت عروہ بن مسعود ثقفی سے بہت ملتی جلتی ہوگی) وہ دجال کو تلاش کریں گے (اور اس کا تعاقب کریں گے، اور اس کو پاکر) اس کا خاتمہ کردیں گے۔ پھر (دجال کا خاتمہ کردینے کے بعد) سات سال تک وہ اس دنیا کے لوگوں اور ان کے ساتھ رہیں گے، اور (ان کی برکت سے لوگوں میں ایسا اتحاد واتفاق ہو جائے گا، کہ) دو آدمی بھی ایسے نہیں رہیں گے جن میں باہم عداوت اور دشمنی ہو، پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے (ایک خاص قسم کی) ٹھنڈی ہوا چلائے گا، جسکا اثر یہ ہوگا، کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی نیکی ہو، یا فرمایا: کہ ذرہ برابر ایمان ہو، (بہر حال اس ہوا سے تمام اہل ایمان، اور اہل خیر ختم ہو جائیں گے[۱]) یہاں تک کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی پہاڑ کے اندر چلا جائے گا، تو یہ ہوا وہیں پہنچ کر اس کا خاتمہ کرے گی، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ اسکے بعد صرف خراب آدمی ہی دنیا میں رہ جائیں گے (جن کے دل ایمان اور نیکی سے بالکل خالی ہوں گے) ان میں پرندوں والی تیزی اور پھرتی، اور درندوں والا ذہن جمع ہوگا (اس کا مطلب بظاہر یہ

۱: یہ ہوا اہل ایمان کے لئے رحمت کی ہوا ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے بھیجی جائے گی کہ سب اچھے بندوں کو قیامت سے پہلے اٹھالیا جائے تاکہ وہ قیامت کے شدائد سے محفوظ رہیں ۱۲

ہے، کہ ان میں ظلم اور سفاکی تو درندوں کی سی ہو گی، اور اپنے ظالمانہ مقاصد اور اپنی ناپاک خواہشات کو پورا کرنے میں وہ ہلکے پھلکے برق رفتار پرندوں کی طرح تیزرو، اور پھرتیلے ہوں گے) نیکی اور بھلائی سے وہ مانوس نہ ہوں گے اور برائی کو وہ برائی نہ سمجھیں گے، (نہ اس کی مذمت کریں گے) پس شیطان ایک شکل بنا کر ان کے سامنے آئے گا، اور ان سے کہے گا، کیا تم شرم و حیا نہیں کرو گے، وہ کہیں گے کہ تم ہم کو کیا حکم دیتے ہو؟ (یعنی تم جو کہو، وہ ہم کریں) پس شیطان انہیں بتوں کی پرستش کا حکم دے گا (اور وہ اس کا اتباع کریں گے) اور وہ اس حال میں ہونگے، کہ رزق کی افراط اور بارش ہو گی، اور دنیوی زندگی بظاہر بڑی اچھی (عیش و نشاط والی زندگی) ہو گی۔ پھر صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی اس کو سُنے گا، اس کی جانبِ گردن ایک طرف کو جھک جائے گی اور ایک طرف کو اٹھ جائے گی (یعنی سر جسم پر سیدھا قائم نہ رہے گا، بلکہ ادھر یا ادھر کو لٹک جائے گا، جیسا کہ اس شخص کا حال ہو جاتا ہے جس پر اچانک کوئی ایسا دورہ پڑے جس سے اسکے رگ پٹھے بیکار اور بے جان ہو جائیں) اور سب سے پہلے جو شخص صور کی آواز سنے گا (اور جس پر سب سے پہلے اس کا اثر پڑے گا) وہ ایک آدمی ہو گا، جو اپنے اونٹ کے حوض کو مٹی سے درست کر رہا ہو گا، پس وہ بے ہوش اور بے جان ہو کر گر جائے گا (یعنی مر جائے گا) اور دوسرے سب لوگ بھی اسی طرح بے جان ہو کر گر جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ (ایک ہلکی سی) بارش بھیجے گا، گویا کہ وہ شبنم ہے، اس کے اثر سے انسانوں کے جسموں میں روئیدگی آجائے گی پھر دوسری مرتبہ صور پُھونکا جائے گا۔ تو ایک دم سب کے سب کھڑے ہوں گے دیکھتے ہوں گے، پھر کہا جائے گا، کہ اے لوگو! اپنے مالک اور رب کی طرف چلو (اور فرشتوں کو حکم ہو گا، کہ) انہیں (حساب کے میدان میں) کھڑا کرو، ان سے پوچھا جائے گا (اور انکے اعمال کا حساب کتاب ہو گا) پھر حکم ہو گا، کہ ان میں سے دوزخ کی فوج نکالو، عرض کیا جائے گا، کہ کتنے میں سے کتنے؟ حکم ہو گا، کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ ہو گا وہ دن، جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا اور یہی ہے دن سخت مصیبت اور مشقت کا۔ (مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خروج دجال سے لیکر حشر تک کے بلکہ میدانِ حساب میں جمع ہونے تک کے، بعض واقعات کا تذکرہ فرمایا ہے، اس طرح کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں، جن میں قیامت سے پہلے ہونے والے بعض اہم واقعات، اور قیامت اور اسکے بعد کی منزلوں کا بیان اس سے بھی زیادہ اجمال کے ساتھ، یا اس سے کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے، ان سب حدیثوں کے متعلق یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ سینکڑوں، ہزاروں سال کی مدت میں ہونے والے واقعات کا بہت ہی مجمل بیان ان میں کیا گیا ہے، جو لوگ اس نکتہ کو ملحوظ رکھیں گے، انشاء اللہ وہ ان حدیثوں کے بارے میں بہت سے شبہات اور وساوس سے محفوظ ہو جائیں گے۔

حدیث کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے، کہ فرشتوں کو بتلایا جائے گا، کہ ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم والے ہیں، دنیا میں مؤمنین اور غیر مؤمنین کا جو تناسب ہے، اور جو اکثر زمانوں میں رہا ہے، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اہل جہنم کی یہ تعداد ۱۰۰۰/۹۹۹ مستبعد نہیں معلوم ہوتی، تاہم بعض شارحین نے لکھا ہے، کہ ان ۹۹۹

فی ہزار میں سے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہوگی، جو اگرچہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کے اہل ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے یا شافعین کی سفارش سے آخر میں وہ نجات پا جائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّ مَغْفِرَتَكَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِنَا وَرَحْمَتُكَ اَرْجٰى عِنْدَنَا مِنْ اَعْمَالِنَا۔

۸۵) **عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِي قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدْ اِلْتَقَمَهٗ وَ اَصْغٰى سَمْعَهٗ وَحَنٰى جَبْهَتَهٗ يَنْتَظِرُ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَا تَاْمُرُنَا؟ قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابو سعید خدری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں کیونکر خوش اور بے غم ہو کر رہ سکتا ہوں، حالانکہ واقعہ یہ ہے، کہ صور والا فرشتہ صور کو اپنے منہ میں لئے ہوئے ہے، اور اپنا کان اسنے لگا رکھا ہے اور اسکی پیشانی خمیدہ اور جھکی ہوئی ہے، وہ انتظار کر رہا ہے کہ کب اس کو صُور کے پھونک دینے کا حکم ہو، اور وہ پھونک دے، (یعنی جب مجھے اس واقعہ کا علم ہے، تو میں کیسے اس دنیا میں اطمینان سے اور خوشی سے رہ سکتا ہوں)" صحابہؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! تو ہمیں آپ کا کیا حکم ہے، (ان کا مطلب یہ تھا، کہ جب معاملہ اتنا خطرناک ہے، تو ہماری رہنمائی فرمایئے، کہ قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں سے بچنے کیلئے ہم کیا کریں؟)" آپ نے ارشاد فرمایا: کہتے رہا کرو "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ"۔ (ترمذی)

۸۶) **عَنْ اَبِيْ رَزِيْنِ الْعُقَيْلِيْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يُعِيْدُ اللّٰهُ الْخَلْقَ وَمَا اٰيَةُ ذَالِكَ فِيْ خَلْقِهٖ قَالَ اَمَا مَرَرْتَ بِوَادِيْ قَوْمِكَ جَدْ بًاثُمَّ مَرَرْتَ بِهٖ يَهْتَزُّ خَضِرًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَتِلْكَ اٰيَةُ اللّٰهِ فِيْ خَلْقِهٖ كَذَالِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔** (رواہ رزین)

ترجمہ: رزین عُقیلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے (ایک دفعہ) عرض کیا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ مخلوق کو دوبارہ کیسے پیدا کرے گا، اور (اس عالم میں) اس کی مخلوق میں اس کی کیا نشانی ہے (اور کیا دلیل اور مثال ہے) آپ نے فرمایا: "کیا تمہارے لئے ایسا کبھی نہیں ہوا، کہ تم اپنی قوم کی وادی پر ایسی حالت میں گذرے ہو جبکہ وہ (پانی نہ برسنے کی وجہ سے) سبزے سے خالی اور خشک ہو، اور پھر کبھی ایسی حالت میں گذرے ہو کہ (پانی برس جانے کی وجہ سے) وہ ہری لہلہا رہی ہو۔ (ابو رزین کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، ہاں ا(ایسا ہوا ہے، اور میں نے یہ دونوں منظر دیکھے ہیں)۔ آپ نے فرمایا "حیات بعد الموت کو سمجھنے کے لئے) یہی اللہ کی نشانی ہے اس کی مخلوق میں، ایسے ہی زندہ کر دے گا اللہ مُردوں کو۔ (رزین)

۸۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ رَاْيُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَءْ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ.** (رواہ احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کی یہ خوشی ہو، یعنی جو یہ چاہے کہ قیامت کا منظر وہ اس طرح دیکھے، کہ گویا سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، تو قرآن مجید کی سورۃ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھے۔"

۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْاٰیَـةَ یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا اَخْبَارُهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ اَخْبَارَهَا اَنْ تَشْهَدَ عَلٰی کُلِّ عَبْدٍ وَاَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰی ظَهْرِهَا اَنْ تَقُوْلَ عَمِلَ عَلَیَّ کَذَا وَکَذَا یَوْمَ کَذَا وَکَذَا قَالَ فَهٰذِهٖ اَخْبَارُهَا. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ زلزال کی یہ آیت تلاوت فرمائی "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا" (جس کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی سب خبریں بیان کرے گی) پھر حاضرین سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو، کہ زمین کی خبریں کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا، اللہ اور اسکے رسول ہی کو زیادہ علم ہے، آپ نے فرمایا: اسکی خبریں یہ ہیں کہ وہ ہر بندہ اور ہر بندی کے متعلق شہادت دے گی، کہ اسنے فلاں دن میرے اوپر فلاں کام کیا تھا، اور فلاں دن فلاں عمل کیا تھا، پس یہ ہیں زمین کی خبریں (جو قیامت کے دن وہ بیان کرے گی۔) (مسند احمد و ترمذی)

تشریح...... گویا انسان جو عمل زمین کے جس حصے پر کرتا ہے زمین کا وہ حصہ اس کو محفوظ رکھتا ہے، اور قیامت تک محفوظ رکھے گا، اور اللہ کے سامنے اس کی شہادت ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دن اس پر اس وقت کی رسوائیوں سے حفاظت فرمائے۔

اس قسم کی چیزوں پر یقین لانا ایمان والوں کے لئے تو پہلے بھی مشکل نہ تھا۔ لیکن اب ٹورریکارڈ وغیرہ کی ایجادوں نے ان باتوں کا سمجھنا، اور ان پر یقین کرنا سب کے لئے آسان کر دیا ہے۔

صدق اللہ عزو جل سنریھم اٰیاتنا فی الافاق وفی انفسھم.

۸۹) عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ تُدْنَی الشَّمْسُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰی تَکُوْنَ مِنْهُمْ کَمِقْدَارِ مِیْلٍ فَیَکُوْنُ النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِی الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی کَعْبَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ یَّکُوْنُ اِلٰی حِقْوَیْهِ ، وَمِنْهُمْ مَنْ یُّلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ اِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِهٖ اِلٰی فِیْهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت مقداد سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے، "قیامت کے دن سورج مخلوق سے بہت قریب ہو جائیگا، یہانتک کہ ان سے صرف ایک میل کے بقدر رہ جائیگا اور (اسکی گرمی سے) لوگ بقدر اپنے اعمال کے پسینہ پسینہ ہو جائیں گے (یعنی جسکے اعمال جتنے برے ہوں گے، اسی قدر اس کو پسینہ زیادہ چھوٹے گا) پس بعض وہ ہوں گے جنکا پسینہ انکے ٹخنوں تک آئیگا اور بعض کا پسینہ انکے گھٹنوں تک ہو گا، اور بعض کا انکے کولھوں کے اوپر تک (یعنی کمر تک) اور بعض وہ ہونگے جن کا پسینہ ان کے منہ میں جارہا ہو گا، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کیطرف ہاتھ سے اشارہ کر کے دکھایا (کہ ان کا پسینہ یہاں تک پہنچ رہا ہو گا، اور انکے اس منہ میں جارہا ہو گا)"۔ (مسلم)

تشریح...... قیامت اور آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کی جو واقعی نوعیت ہو گی اس کا اس دنیا میں صحیح تصور نہیں کیا جا سکتا، پورا انکشاف بس اسی وقت ہو گا، جبکہ یہ حقائق سامنے آئیں گے۔

۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةَ اَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَ صِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ؟ قَالَ اِنَّ الَّذِیْ اَمْشَاهُمْ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهُمْ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَمَا اِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدْبٍ وَشَوْكٍ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ "قیامت کے دن سب آدمی تین قسموں اور تین گروہوں میں اٹھائے جائیں گے، ایک قسم پیدل چلنے والے، اور ایک قسم سوار، اور ایک قسم منہ کے بل چلنے والے"۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ (تیسرے گروہ والے) منہ کے بل کس طرح چل سکیں گے؟" آپ نے فرمایا: "جس اللہ نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ ان کو منہ کے بل چلائے"۔ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ لوگ اپنے منہ کے ذریعے ہی زمین کے ہرٹیلے ٹھیرے، اور ہر کانٹے سے بچیں گے۔ (ترمذی)

تشریح ...... حدیث میں جن تین گروہوں کا ذکر کیا گیا ہے شارحین حدیث نے ان کی تفصیل اس طرح کی ہے، کہ پیدل چلنے والا گروہ عام اہل ایمان کا ہوگا، اور دوسرا گروہ جو سواریوں پر ہوگا، وہ خاص مقربین اور عبادِ صالحین کا گروہ ہوگا، جن کا وہاں شروع ہی سے اعزاز و اکرام ہوگا، اور سر کے بل، اور منہ کے بل چلنے والے وہ بد نصیب ہوں گے، جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ہدایت کے مطابق سیدھا چلنا قبول نہیں کیا، اور مرتے دم تک وہ الٹے ہی چلتے رہے۔ قیامت کے دن اس کی پہلی سزا انہیں یہ ملے گی، کہ سیدھے پاؤں پر چلنے کے بجائے وہاں وہ الٹے منہ کے اور سر کے بل چلائے جائیں گے، یہاں تک کہ جس طرح اس دنیا میں چلنے والے راستے کی اونچ نیچ سے، اور جھاڑیوں اور کانٹوں سے اپنے پاؤں کے ذریعہ بچ کر نکلتے ہیں، اسی طرح قیامت میں یہ سر کے بل چلنے والے وہاں کے راستے کی اونچ نیچ سے، اور وہاں کے کانٹوں سے اپنے سروں اور چہروں ہی کے ذریعہ بچ کر نکلیں گے، یعنی یہاں پر جو کام پاؤں سے کئے جاتے ہیں، وہاں وہ سب کام خدا کے ان مجرموں کو سر سے اور منہ سے کرنے پڑیں گے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنُ اِزْدَادَ وَ اِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص بھی مرے گا، اس کو (مرنے کے بعد اپنی زندگی پر) ندامت اور پشیمانی ضرور ہوگی"۔ عرض کیا گیا کہ: حضرت! اس کو ندامت کیوں ہوگی؟ اور اس کا کیا سبب ہوگا؟ آپ نے فرمایا، اگر وہ مرنے والا نیکوکار ہوگا، تو اس کو تو اس کی ندامت اور حسرت ہوگی، کہ اس نے نیکوکاری میں اور زیادہ ترقی کیوں نہیں کی (اور جو حسنات وہ کما کے لایا ہے اس سے زیادہ کیوں نہیں کما کے لایا) اور اگر وہ بدکار ہوگا، تو اس کو اس کی ندامت و حسرت ہوگی، کہ وہ بدکاری سے باز کیوں نہیں رہا۔" (ترمذی)

اللہ کے حضور میں پیشی اور اعمال کی جانچ

۹۲) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ یَحْجُبُہٗ فَیَنْظُرُ اَیْمَنَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِہٖ وَیَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْہُ فَلَا یَرٰی اِلَّا مَا قَدَّمَ وَیَنْظُرُ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلَا یَرٰی اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْھِہٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: ابن حاتم سے روایت ہے ، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :"(قیامت میں) تم میں سے ہر شخص سے اس کا پروردگار اس طرح بلا واسطہ اور دوبدو کلام فرمائے گا، کہ نہ درمیان میں کوئی ترجمان ہوگا، نہ کوئی پردہ حائل ہوگا (اس وقت بندہ کی یہ کیفیت ہو گی کہ وہ حیرت اور بے بسی سے ادھر اُدھر دیکھے گا)۔ پس جب نظر کرے گا اپنی داہنی جانب، تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اس کو نظر نہ آئے گا، اور ایسے ہی جب نظر آئیگا بائیں جانب تو سوائے اپنے اعمال کے کچھ اسے نظر نہ آئیگا۔ اور جب سامنے نظر دوڑائے گا، تو اپنے روبرو آگ ہی آگ دیکھے گا، پس اے لوگو! دوزخ کی اس آگ سے بچو، اگرچہ خشک کھجور کے ایک خشک ٹکڑے ہی کے ذریعہ اس سے بچنے کی فکر کرو"۔

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ آتشِ دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ کرو، اور اگر کھجور کے ایک خشک ٹکڑے کے سوا تمہیں کچھ میسر نہ ہو تو راہ خدا میں وہی دے کے دوزخ سے بچنے کی فکر کرو۔

فائدہ..... قرآن مجید میں اور احادیث میں بھی جہاں جہاں قیامت کے حساب اور وہاں کے ہولناک منظروں کا اور دوزخ کے لرزہ خیز عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس لئے ہے کہ بندے اس سے خبردار ہو کر اپنے کو اس سے بچانے کی فکر کریں، اس حدیث میں تو آخر میں صراحت کے ساتھ اس مقصد کو بیان بھی فرمادیا گیا ہے لیکن جن حدیثوں میں اس مقصد کی تصریح نہ بھی کی گئی ہو، ان کا مقصد بھی یہی سمجھنا چاہئے، اور اس سلسلہ کی تمام آیات واحادیث سے ہم کو یہی سبق لینا چاہئے۔

۹۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ نَرٰی رَبَّنَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؟ قَالَ ھَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الشَّمْسِ فِی الظَّھِیْرَۃِ لَیْسَتْ فِیْ سَحَابَۃٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَھَلْ تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ لَیْسَ فِیْ سَحَابَۃٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ رَبِّکُمْ اِلَّا کَمَا تُضَارُّوْنَ فِیْ رُؤْیَۃِ اَحَدِھِمَا قَالَ فَیَلْقَی الْعَبْدَ فَیَقُوْلُ اَیْ فُلْ اَلَمْ اُکْرِمْكَ وَاُسَوِّدْكَ وَ وَاُزَوِّجْكَ وَاُسَخِّرْلَكَ الْخَیْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَیَقُوْلُ بَلٰی قَالَ فَیَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّكَ مُلَاقِیَّ فَیَقُوْلُ لَا فَیَقُوْلُ فَاِنِّیْ قَدْ اَنْسَاكَ کَمَا نَسِیْتَنِیْ ثُمَّ یَلْقَی الثَّانِیْ فَذَکَرَ مِثْلَہٗ ثُمَّ یَلْقَی الثَّالِثَ فَیَقُوْلُ لَہٗ مِثْلَ ذَالِكَ فَیَقُوْلُ یَا رَبِّ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِکِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّیْتُ وَصُمْتُ وَ تَصَدَّقْتُ وَیُثْنِیْ بِخَیْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَیَقُوْلُ ھٰھُنَا اِذًا، ثُمَّ یُقَالُ اَلْاٰنَ نَبْعَثُ شَاھِدًا عَلَیْكَ وَیَتَفَکَّرُ فِیْ نَفْسِہٖ مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْھَدُ عَلَیَّ فَیُخْتَمُ عَلٰی فِیْہِ وَیُقَالُ لِفَخِذِہٖ اِنْطِقِیْ فَتَنْطِقُ فَخِذُہٗ وَلَحْمُہٗ وَ عِظَامُہٗ بِعَمَلِہٖ وَذَالِكَ لِیُعْذِرَ مِنْ نَفْسِہٖ وَذَالِكَ الْمُنَافِقُ وَ ذَالِكَ

الَّذِیْ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیْہِ.　　(رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ بعض صحابہؓ نے عرض کیا، "یارسول اللہ! کیا قیامت کے دن ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟" آپ نے فرمایا "کیا دوپہر کے وقت میں آفتاب کے دیکھنے میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش ہوتی ہے؟" انہوں نے عرض کیا، "نہیں!" پھر آپ نے فرمایا: "کیا چودھویں رات کے چاند کے دیکھنے میں، جبکہ وہ بدلی میں بھی نہ ہو، تم میں کوئی کشمکش اور کوئی ردوکد ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا "نہیں!" اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "قسم ہے اس ذات کی، جس کے قبضے میں میری جان ہے تم جس طرح چاند اور سورج کو بلا کسی کشمکش اور بغیر کسی اختلاف اور نزاع کے دیکھتے ہو، اسی طرح قیامت میں اپنے پروردگار کو دیکھو گے۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ قیامت میں جب اللہ سے ایک بندہ کا سامنا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، اے فلانے کیا میں نے دنیا میں تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا تجھے تیری قوم میں سرداری نہیں دی تھی، کیا تجھے بیوی نہیں عطا کی تھی، اور کیا تیرے لئے گھوڑے اور اونٹ (سواریوں) کو مسخر نہیں کیا تھا، اور کیا میں نے تجھے چھوڑے نہیں رکھا تھا، کہ تو ریاست اور سرداری کے، اور مالِ غنیمت میں سے چوتھائی وصول کرے، وہ بندہ عرض کرے گا، ہاں! اے پروردگار آپ نے یہ سب کچھ مجھے عطا فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، تو کیا تجھے اس کا خیال اور گمان تھا، کہ تو ایک دن میرے سامنے آئے گا؟ وہ عرض کرے گا، میں یہ خیال نہیں کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، آج میں تجھے اپنے رحم و کرم سے اسی طرح بھلاتا ہوں، جس طرح تو نے مجھے بھلائے رکھا تھا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ سے دوسرے ایک بندہ کا سامنا ہوگا، اور اس سے بھی حق تعالیٰ اسی طرح فرمائے گا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ تیسرے ایک بندہ سے ملے گا، اور اس سے بھی اسی طرح فرمائے گا، یہ بندہ عرض کرے گا، کہ اے پروردگار میں تجھ پر ایمان لایا، اور تیری کتاب پر، اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا، اور میں نے نمازیں پڑھیں، اور روزے رکھے، اور صدقہ بھی ادا کیا (اور اس کے علاوہ بھی) وہ بندہ خوب اپنے اچھے کارنامے بیان کرے گا، جہاں تک بھی بیان کر سکے گا، پس اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہاں ٹھہر! پھر اس سے کہا جائے گا، کہ ہم ابھی تجھ پر ایک گواہ قائم کرتے ہیں، اور وہ اپنے جی میں سوچے گا، کہ وہ کون ہوگا جو مجھ پر گواہی دے گا، پھر اسکے منہ پر مہر لگادی جائے گی اس کی ران کو حکم دیا جائے گا، کہ بول! تو اس کی ران اور اس کا گوشت، اور اسکی ہڈیاں اُس کے اعمال کی گواہی دیں گے، اور اللہ تعالیٰ یہ اسلئے کرے گا، کہ اس کا عذر باقی نہ رہے، اور یہ منافق ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔　　(مسلم)

تشریح...... پوچھنے والوں نے رسول اللہ ﷺ سے صرف اتنا پوچھا تھا، کہ کیا قیامت میں ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں گے؟ آپ نے چاند اور سورج کی مثال دے کر یہ سمجھا دینا چاہا، کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیکھنا اتنے واضح طریقے پر ہوگا جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ہوگی، نیز یہ بھی آپ نے واضح فرمایا، کہ جس طرح چاند اور سورج کو مشرق و مغرب کے کروڑوں آدمی بیک وقت دیکھتے ہیں، اور بالکل یکساں طور پر دیکھتے

ہیں، اور انکے درمیان کوئی کشمکش نہیں ہوتی، اسی طرح قیامت میں سب اللہ تعالیٰ کو بھی دیکھ سکیں گے۔ پھر مزید بر آں آپ نے یہ بھی فرمادیا، کہ بعض لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بڑی بڑی نعمتیں دے رکھی ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھولے ہوئے ہیں، اور آخرت کی پیشی سے بالکل بے فکر ہوگئے ہیں، جب قیامت میں اللہ تعالیٰ سے انکا سامنا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان سے باز پرس کرے گا، تو اس دن وہ کیسے لاجواب، اور کیسے ذلیل وخوار ہوں گے، اور ان میں سے جو دیدہ ور اور بے حیا منافق اس وقت غلط بیانی کریں گے، اللہ تعالیٰ خود انہیں کے اعضاء سے اور انہیں کے گوشت، اور انہیں کی ہڈیوں سے ان کے خلاف گواہی دلواکر ان پر حجت قائم فرمادیں گے، اور اس طرح علی رؤس الاشھاد ان کے جھوٹ، اور ان کی منافقت کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اصل سوال سے زائد یہ بیان، سوال کرنے والے صحابہ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا، کہ قیامت میں صرف اللہ تعالیٰ کا دیکھنا ہی نہ ہوگا بلکہ حق تعالیٰ نے جو نعمتیں جس کو دی ہیں اس وقت وہ ان کی بابت پوچھ گچھ بھی کرے گا۔ (ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ) اور جن لوگوں نے اللہ کے احکام سے بے پرواہو کر اور آخرت کی پیشی سے بے فکر رہ کر ان نعمتوں کو دنیا میں استعمال کیا ہوگا، وہ اس دن سیاہ ہوں گے، اور وہاں کسی کی مکاری اور عیاری بالکل پردہ پوشی نہ کرسکے گی۔

۹۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ يُدْنِى الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهٗ وَيَسْتُرُهٗ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَىْ رَبِّ! حَتّٰى قَرَّرَهٗ بِذُنُوْبِهٖ وَرَأٰى فِىْ نَفْسِهٖ اَنَّهٗ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا لَكَ فِى الدُّنْيَا وَاَنَا اَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهٖ وَاَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُوْنَ فَيُنَادٰى بِهِمْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہتے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت میں اللہ تعالیٰ ایمان والے اپنے بندے کو (اپنی رحمت سے) قریب کرے گا، اور اس پر اپنا خاص پردہ ڈالے گا، اور دوسروں سے اس کو پردہ میں کرلے گا، پھر اس سے پوچھے گا، کہ کیا تو پہچانتا ہے فلاں گناہ، فلاں گناہ! (یعنی کیا تجھے یاد ہے، کہ تو نے یہ یہ گناہ کئے تھے؟) وہ عرض کرے گا ہاں! اے پروردگار! مجھے یاد ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے سارے گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا، اور وہ اپنے جی میں خیال کرے گا کہ میں تو ہلاک ہوا (یعنی اس کو خیال ہوگا، کہ جب اتنے میرے گناہ ہیں، تو اب میں کیسے چھٹکارا پاسکوں گا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کو چھپایا تھا، اور آج میں ان کو بخشتا ہوں اور معافی دیتا ہوں، پھر اس کا نیکیوں والا اعمال نامہ اسکے حوالے کردیا جائے گا (یعنی اہل محشر کے سامنے صرف نیکیوں والا ہی اعمال نامہ آئے گا، اور گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ پردہ ہی پردہ میں ختم کردیں گے) لیکن اہل کفر اور منافقین کا معاملہ یہ ہوگا، کہ ان کے متعلق بر سر عام پکارا جائے گا، کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اللہ پر جھوٹی باتیں باندھیں (یعنی غلط اور بے اصل خیالات کو اللہ کی طرف نسبت دے کر اپنا دین و مذہب بنایا) خبردار اللہ کی لعنت ہے ایسے ظالموں پر۔

۹۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ هَاۤؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ انہیں ایک دفعہ دوزخ کا خیال آیا، اور وہ رونے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا، تمہیں کس چیز نے رلایا؟ عرض کیا، مجھے دوزخ یاد آئی، اور اسی کے خوف نے مجھے رلایا ہے، تو کیا آپ قیامت کے دن اپنے گھر والوں کو یاد رکھیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین جگہ تو کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا (اور کسی کی خبر نہیں لے گا) ایک وزنِ اعمال کے وقت، جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے، کہ اسکے اعمال کا وزن ہلکا ہے یا بھاری، اور دوسرے اعمالناموں کے ملنے کے وقت جبکہ مرد مؤمن داہنے ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ پا کر خوشی خوشی دوسرے سے کہے گا، کہ پڑھو میرا اعمال نامہ، یہاں تک کہ معلوم ہو جائے، کہ کس ہاتھ میں دیا جاتا ہے اس کا اعمال نامہ، آیا داہنے ہاتھ میں، یا پیچھے کی جانب سے بائیں ہاتھ میں، اور تیسرے پُل صراط پر جبکہ وہ رکھا جائے گا، جہنم کے اوپر (اور حکم دیا جائے گا سب کو اس پر سے گزرنے کا)۔ (ابو داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ تین وقت ایسے نفسا نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک کو صرف اپنی فکر ہوگی، اور کوئی کسی دوسرے کی مدد نہ کر سکے گا، ایک وزنِ اعمال کا وقت، جب تک کہ نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا، اور دوسرا وہ وقت جب لوگ اپنے اپنے اعمال ناموں کے منتظر ہوں گے، اور ہر ایک اس فکر میں غرق ہوگا، کہ اس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جاتا ہے یا بائیں ہاتھ میں دیا جاتا ہے، وہ مغفرت اور رحمت کا مستحق قرار پاتا ہے، یا لعنت اور عذاب کا، اور تیسرے اس وقت، جبکہ صراط کا پل جہنم پر لگا دیا جائے گا اور اس پر سے گزرنے کا حکم ہوگا، تو یہ تین وقت ایسے نفسا نفسی کے ہوں گے کہ ہر ایک اپنی ہی فکر میں ڈوبا ہوگا، اور کوئی کسی کی خبر نہ لے سکے گا۔

اس حدیث کی روح اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا منشاء بس یہی ہے، کہ ہر شخص آخرت کی فکر کرے، اور کوئی کسی دوسرے کے بھروسہ نہ رہے۔

قیامت میں حقوق العباد کا انصاف

۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَ يَعْصُوْنَنِيْ وَ اَشْتِمُهُمْ وَاَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ اَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَ كَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ اِيَّاهُمْ فَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كَفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَّاهُمْ

دُوْنَ ذَنْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ وَاِنْ كَانَ عِقَابُكَ اِيَاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تَقْرَءُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ، فَقَالَ الرَّجُلُ مَا اَجِدُلِيْ وَلِهٰؤُلَاءِ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ مُفَارَقَتِهِمْ اُشْهِدُكَ اَنَّهُمْ كُلُّهُمْ اَحْرَارٌ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا، پھر عرض کیا، یارسول اللہ! میرے پاس کچھ غلام ہیں (جن کی حالت یہ ہے کہ بسااوقات وہ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میری چیزوں میں خیانتیں بھی کرتے ہیں، میری نافرمانی بھی کرتے ہیں، اور میں (ان کی ان حرکتوں پر) کبھی انہیں گالیاں دیتاہوں اور کبھی مارتا بھی ہوں، پس کیاحال ہوگا میرا قیامت کے دن ان کی وجہ سے (یعنی اللہ تعالیٰ میرا اور ان کا فیصلہ کس طرح فرمائے گا) رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب میں فرمایا: کہ "تمہارے ان غلاموں نے تمہاری جو خیانت اور نافرمانی کی ہوگی، اور تم سے جو جو جھوٹ بولے ہوں گے، اور پھر تم نے ان کو جو سزائیں دی ہونگی، قیامت کے دن ان سب کا پورا پورا حساب کیاجائے گا، پس اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں کے بقدر ہی ہوگی تو معاملہ برابر پر ختم ہوجائے گا، نہ تم کو کچھ ملے گا اور نہ تمہیں کچھ دیناپڑے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے کم ثابت ہوگی تو تمہارا فاضل حق تمہیں وہاں ملے گا، اور اگر تمہاری سزا ان کے قصوروں سے زیادہ ثابت ہوگی، توتم سے اس کا بدلہ اور قصاص انکو دلوایاجائے گا (جب اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سُنا) تو آپ کے پاس سے ایک طرف کو ہٹکر رونے اور چلانے لگا (یعنی قیامت کے اس محاسبہ اور پھر وہاں کے عذاب کے خوف سے جب اس پر گریہ غالب ہوا تووہ ادب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے اٹھ گیا، اور ایک طرف کوہٹ کر بے اختیار رونے اور چلانے لگا)۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اس سے فرمایا، کیا تم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ○

اور ہم قائم کرینگے قیامت کے دن انصاف کی میزانیں، پس نہیں ظلم ہوگا، کسی نفس پر کچھ بھی، اور اگر ہوگا کسی کا عمل، یا حق، رائی کے ایک دانے کے برابر حاضر کرینگے ہم اُس کو بھی، اور کافی ہیں ہم حساب کرنیوالے۔ اس شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! (یہ سب کچھ سننے کے بعد) میں اپنے لئے اور ان کے لئے اس سے بہتر کچھ نہیں سمجھتا، کہ (لوجہ اللہ آزاد کرکے) ان کو اپنے سے الگ کردوں، میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو آزاد کردیااوراب وہ آزاد ہیں۔

تشریح...... ایمان کی یہی شان ہے، اور سچے ایمان والوں کا طرزِ عمل یہی ہونا چاہئے کہ جس چیز میں آخرت کا خطرہ نظر آئے اس سے بچاجائے، اگرچہ دنیوی نقطۂ نظر سے اس میں اپنا کتنا ہی نقصان ہو۔

میزانِ اعمال میں اللہ کے نام کا وزن

۹۷) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِىْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِى الْحٰفِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَارَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِىْ كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِىْ كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللهِ شَيْءٌ. (رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری اُمت میں سے ایک شخص کو ساری مخلوق کے روبرو الگ نکالے گا، اور اسکے سامنے ننانوے دفتر کھولے جائیں گے، جن میں ہر دفتر کی لمبائی گویا حدِ نظر تک ہوگی، (یہ دفتر اسکے اعمال نامے ہوں گے) پھر اس سے فرمایا جائے گا، کہ (تیرے جو اعمال ان دفتروں میں لکھے ہوئے ہیں) کیا ان میں سے کسی کا تجھے انکار ہے؟ کیا تیرے اعمال کی نگرانی کرنے والے، اور لکھنے والے میرے فرشتوں نے تجھ پر ظلم کیا ہے (اور غلط طور پر کوئی گناہ تیرے اعمال نامے میں لکھ دیا ہے)۔ وہ عرض کرے گا نہیں پروردگار! (مجھ پر کسی نے ظلم نہیں کیا ہے، بلکہ یہ سب میرے کئے ہوئے اعمال ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے، وہ عرض کرے گا، خداوندا میرے پاس کوئی عذر بھی نہیں (یہاں تک کہ سوال و جواب سے خود اس شخص کو اور دوسرے لوگوں کو بھی خیال ہوگا کہ یہ بندہ اب گرفت اور عذاب سے کہاں بچ سکے گا، لیکن ارحم الراحمین کی رحمت کا اس طرح ظہور ہوگا کہ) اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائیں گے، ہاں! ہمارے پاس تیری ایک خاص نیکی بھی ہے، اور آج تیرے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوگا (اور اس نیکی کے فائدہ سے تجھے محروم نہیں کیا جائے گا)۔ یہ فرما کر کاغذ کا ایک پرزہ نکالا جائے گا۔ اس میں لکھا ہوگا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"۔ اور اس بندے سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے وزن کے پاس حاضر ہو (یعنی چل کر اپنے سامنے وزن کرا) وہ عرض کرے گا، خداوندا! ان دفتروں کے سامنے اس پرزہ کی کیا حقیقت ہے، اور ان سے اس کو کیا نسبت ہے (یعنی میں وہاں جاکر کیا دیکھوں گا، اور کیا کروں گا، نتیجہ تو معلوم ہی ہے، کہاں اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر، اور کہاں یہ ذرا سا پرزہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، نہیں تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا، (بلکہ پورا پورا انصاف کیا جائے گا، جس پرزہ کو تو معمولی اور بے وزن سمجھ رہا ہے تیرے سامنے اس کا بھی وزن کیا جائے گا اور آج اس کا، اور اس میں لکھے ہوئے ایمانی کلمہ کا وزن ظاہر ہوگا اور اسکا تجھے پورا پورا فائدہ پہنچایا جائے گا، اسلئے مایوس نہ ہو، اور میزان کے پاس جاکر وزن کو دیکھ) رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ ننانوے دفتر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے، اور کاغذ کا وہ پرزہ دوسرے پلڑے میں، پس ہلکے ثابت ہوں گے وہ دفتر اور بھاری رہے

گا وہ پرزہ، اور کوئی چیز بھاری نہیں ہو سکتی، اللہ کے نام کے مقابلے میں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح...... بعض شارحین نے اس حدیث کی توجیہ میں لکھا ہے کہ یہ شہادت کا وہ کلمہ ہو گا جو کفر و شرک سے نکلنے کے لئے اور ایمان و اسلام میں آنے کے لئے پہلی دفعہ دل و زبان سے پڑھا گیا ہو گا، قیامت میں وزن اعمال کے وقت اس کا یہ اثر ظاہر ہو گا، کہ ساری عمر کے پہلے گناہ اسکے اثر سے بے وزن اور بے اثر ہو جائیں گے پہلے بھی ایک حدیث گذر چکی ہے: "اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ" (یعنی اسلام قبول کرنے سے وہ سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں جو پہلی زندگی میں آدمی نے کئے ہوں)۔

اور ایک دوسری توجیہ اس حدیث کی یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ معاملہ اس شخص کا ہو گا جو مدت دراز تک غفلت اور بے پروائی سے گناہ پر گناہ کرتا رہا اور دفتر کے دفتر لکھے جاتے رہے، پھر اللہ نے اسے توفیق دی اور اسنے دل کی گہرائی سے اور پورے اخلاص سے اس کلمۂ شہادت اور کلمۂ ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنی ایمانی نسبت کو درست کر لیا، اور اسی پر اس کو موت آ گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آسان حساب

۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰواتِهٖ اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَا الْحِسَابُ الْيَسِيْرُ قَالَ اَنْ يُنْظَرَ فِيْ كِتَابِهٖ فَيُتَجَاوَزَ عَنْهُ اِنَّهٗ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَاعَائِشَةُ هَلَكَ. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ میں نے بعض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

میں نے عرض کیا "حضرت! آسان حساب کا کیا مطلب ہے؟" آپ نے فرمایا: "آسان حساب یہ ہے کہ بندہ کے اعمال نامہ پر نظر ڈالی جائے اور اس سے درگذر کی جائے (یعنی کوئی پوچھ گچھ، اور جرح نہ کی جائے) بات یہ ہے کہ جس کے حساب میں اس دن جرح کی جائے گی، اے عائشہ (اس کی خیر نہیں) وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مسند احمد)

ایمان والوں کیلئے قیامت کا دن کیسا ہلکا اور مختصر ہو گا

۹۹) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ مَنْ يَّقْوٰى عَلٰى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ " يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ" فَقَالَ يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔ (رواہ البیہقی فی البعث والنشور)

ترجمہ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "مجھے بتائیے کہ قیامت کے دن جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ: اس دن لوگ کھڑے ہوں گے رب العالمین کے حضور میں، تو اس دن کس کو کھڑے رہنے کی طاقت اور قدرت ہو گی (اور کون اس پورے دن کھڑا رہ

سکے گا جس کے متعلق قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "سچے ایمان والوں کے حق میں یہ کھڑا ہونا بہت ہلکا اور خفیف کر دیا جائے گا، یہاں تک کہ ان کیلئے بس ایک فرض نماز کی طرح ہو جائے گا۔ (البعث والنشور للبیہقی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ابو سعید خدری کو جو جواب دیا اس کا اشارہ قرآن میں بھی موجود ہے سورۂ مدثر میں فرمایا گیا ہے کہ:

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ○ فَذَالِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيرٌ ○ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ○

توجب صور پھونک دیا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا ایمان نہ لانے والوں کیلئے آسان نہ ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سخت اور بھاری دن ایمان والوں کے حق میں سخت اور بھاری نہ ہوگا بلکہ آسان اور ہلکا کر دیا جائے گا۔

راتوں کو اللہ کیلئے جاگنے والوں کا جنت میں بے حساب داخلہ

۱۰۰) **عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُحْشَرُ النَّاسُ فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ فَيَقُوْلُ اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ سَائِرُ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ.** (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ... اسماء بنت یزید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قیامت کے دن سب لوگ (زندہ کئے جانے کے بعد) ایک وسیع اور ہموار میدان میں جمع کئے جائیں گے (یعنی سب میدانِ حشر میں جمع ہو جائینگے)" پھر اللہ کا منادی پکارے گا، کہ کہاں ہیں وہ بندے جن کے پہلو راتوں کو بستروں سے الگ رہتے تھے (یعنی اپنے بستر چھوڑ کر جو راتوں کو تہجد پڑھتے تھے) پس وہ اس پکار پر کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کی تعداد زیادہ نہ ہوگی، پھر وہ اللہ کے حکم سے بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی تمام لوگوں کے لئے حکم ہوگا کہ وہ حساب کے لئے حاضر ہوں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

اُمتِ محمدیہ ﷺ کی بہت بڑی تعداد کا حساب کے بغیر جنت میں داخلہ

۱۰۱) **عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ وَعَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَّثَلٰثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِ رَبِّيْ.** (رواه احمد والترمذى، وابن ماجه)

ترجمہ... حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ "میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری اُمت میں سے ستر ہزار کو وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے گا، اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہی ہزار اور ہوں گے۔ اور تین حثیے اور میرے پروردگار کے حثیات میں سے (میری امت میں سے بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیجے جائیں گے)"

تشریح...... جب دونوں ہاتھ بھر کر کسی کو کوئی چیز دی جائے، تو عربی میں اُس کو حثیہ کہتے ہیں جس کو اردو اور ہندی میں لپ بھر کے دینا کہتے ہیں، تو حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار کو بلا حساب اور بلا عذاب جنت میں داخل کرے گا، اور پھر ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہی اور اسی طرح بلا حساب و عذاب جنت میں جائیں گے۔ اور اس سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت سے اس امت کی بہت بڑی تعداد کو تین دفعہ کر کے اور جنت میں بھیجے گا، اور یہ سب وہی ہونگے جو بغیر حساب اور بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہونگے۔

سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

انتباہ...... اس قسم کی حدیثوں کی پوری حقیقت اسی وقت کھلے گی، جب یہ سب باتیں عملی طور پر سامنے آئیں گی، اس دنیا میں تو ہمارا علم وادراک اتنا ناقص ہے کہ بہت سے ان واقعات کو صحیح طور پر سمجھنے سے بھی ہم قاصر رہتے ہیں، جن کی خبریں ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں، مگر اس قسم کے واقعات کا بھی ہم نے تجربہ اور مشاہدہ کیا ہوا نہیں ہوتا۔ صَدَقَ رَبُّنَا عَزَّ وَ جَلَّ "وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ○

حوضِ کوثر، صراط اور میزان

حدیثوں میں آخرت کی جن چیزوں کا نام کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں سے یہ تین چیزیں بھی ہیں، ایک حوضِ کوثر، دوسری صراط، اور تیسری میزان۔

پھر کوثر کو بعض احادیث میں حوض کے لفظ سے بھی ذکر کیا گیا ہے اور بعض میں نہر کے لفظ سے۔ پھر بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوثر جنت کے اندر واقع ہے، اور اکثر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا محل وقوع جنت سے باہر ہے اور اہلِ ایمان جنت میں جانے سے پہلے اس حوض پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں باریاب ہو کر آپ کے دستِ کرم سے اس کا نہایت سفید و شفاف اور بے انتہا لذیذ و شیریں پانی نوش جان کرینگے، اور تحقیق یہ ہے کہ کوثر کا اصل مرکزی چشمہ جنت کے اندر ہے، اور جنت کے طول و عرض میں اس کی شاخیں نہروں کی شکل میں ہر طرف جاری ہیں۔ اور جس کو حوضِ کوثر کہا جاتا ہے وہ سینکڑوں میل کے طول و عرض میں ایک نہایت حسین و جمیل تالاب ہے جو جنت سے باہر ہے لیکن اس کا تعلق اسی جنت کے اندر کے چشمہ سے ہے، گویا اس میں جو پانی ہوگا وہ جنت ہی کے اس چشمہ سے نہروں کے ذریعہ آئے گا۔ آج کل کے متمدن شہروں میں واٹرورکس جو نظام ہے اسنے کوثر کی اس نوعیت کا سمجھنا الحمد للہ سب کے لئے آسان کردیا ہے۔

یہاں ایک چیز بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حوض کے لفظ سے عموماً لوگوں کا ذہن اسی قسم کے حوضوں کی طرف جاتا ہے جس قسم کے حوض انہوں نے عموماً دنیا میں دیکھے ہوتے ہیں، لیکن حوض کوثر اپنی معنوی کیفیات اور اپنی خوش منظری میں تو دنیا کے حوضوں سے اتنا ممتاز اور فائق ہوگا ہی جتنا کہ جنت کی کسی چیز کو دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں ہونا چاہئے، مگر اسکے علاوہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رقبہ اور علاقہ

بھی اتنا ہوگا، کہ ایک راہرو اسکے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک کی مسافت ایک مہینے میں طے کر سکے گا اور ایک حدیث میں اس کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کا فاصلہ عدن اور عمان کے فاصلے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

بہر حال آخرت کی چیزوں کے متعلق احادیث میں جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اسکی روشنی میں بھی ان چیزوں کا صحیح تصور اس دنیا میں نہیں کیا جا سکتا، ان چیزوں کی جو واقعی نوعیت اور صورت ہے وہ صحیح طور پر تو سامنے آنے کے بعد ہی معلوم ہو گی۔

یہی بات صراط اور میزان وغیرہ کے بارے میں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۱۰۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قُبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرَئِيْلُ؟ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِىْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهٗ مِسْكٌ اَذْفَرُ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ انس سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثنا میں کہ میں جنت میں چلا جا رہا تھا، میرا گذر ایک (عجیب و غریب) نہر پر ہوا، اسکے دونوں جانب "دُرِ مجوف" سے (یعنی اندر سے خالی کئے ہوئے موتیوں سے) تیار کئے ہوئے قبے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ جبرئیل نے بتلایا، کہ یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا ہے، میں نے دیکھا کہ اس کی مٹی (جو اسکی تہہ میں تھی) وہ نہایت مہکنے والے مشک کی طرح خوشبودار تھی۔ (بخاری)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جنت میں سیر کرتے ہوئے نہر کوثر پر گذرنے کا جو واقعہ ذکر فرمایا ہے، غالباً یہ شب معراج کا ہے، اور حضرت جبرئیل نے رسول اللہ ﷺ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے"۔ تو یہ قرآن مجید کی آیت "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" کیطرف اشارہ ہے، اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ "ہم نے آپ کو کوثر دیا" کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو خیر کے جو خزانے عطا فرمائے، مثلاً قرآن و شریعت اور اعلیٰ روحانی صفات، اور دنیا اور آخرت میں آپ کی رفعتِ شان وغیرہ، سو یہ سب بھی کوثر کے عموم میں اگرچہ داخل ہیں، لیکن جنت کی یہ نہر اور اس سے متعلق وہ حوض جو میدانِ حشر میں ہوگا (جس سے اللہ کے بے شمار بندے سیراب ہوں گے) لفظِ کوثر کا خاص مصداق ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین وایمان کے سلسلہ کی جو بیش بہا نعمتیں عطا فرمائی تھیں، جو آپ کے ذریعے سے اللہ کے بے شمار بندوں تک پہنچیں، آخرت میں ان کا ظہور اس نہر کوثر اور حوضِ کوثر کی شکل میں ہوگا، جن سے اللہ کے بے شمار بندے فیضیاب اور سیراب ہونگے۔

۱۰۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَوْضِىْ مَسِيْرَةُ شَهْرٍ وَزَوَايَاهُ سَوَاءٌ مَاءُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِيْحُهٗ اَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ وَكِيْزَانُهٗ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ

مَنْ يَّشْرَبُ مِنْهَا فَلَا يَضْمَأُ اَبَدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے حوض کی مسافت ایک مہینہ کی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حوضِ کوثر مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس قدر طویل و عریض ہے کہ اسکی ایک جانب سے دوسری جانب تک ایک مہینہ کی مسافت ہے) اور اسکے زاویے (یعنی گوشے) بالکل برابر ہیں (اسکا مطلب بظاہر یہ ہے کہ وہ مربع ہے، اس کا طول و عرض یکساں ہے) اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے، اور اس کی خوشبو مشک سے بھی بہتر ہے، اور اسکے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں (غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے ستارے جیسے حسین اور چمکدار ہیں، اور ان کی کثرت کی وجہ سے جس طرح انہیں گنا نہیں جاسکتا، اسی طرح میرے حوض کے کوزے بھی بے شمار اور حسین اور چمکدار ہیں) جو اس کا پانی پئے گا، وہ کبھی پیاس میں مبتلا نہیں ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنِّىْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا سَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِىْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّىْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِىْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِىْ.** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حوض کوثر پر تمہارا میر ساماں ہوں (اور تم سے آگے جاکے تمہاری پیاس کا انتظام کرنے والا ہوں) جو میرے پاس پہنچے گا، وہ آب کوثر سے پئے گا، اور جو اس کو پی لے گا پھر کبھی وہ پیاس میں مبتلا نہ ہوگا، اور وہاں کچھ لوگ جن کو میں بھی پہچانوں گا، اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے میری طرف آئیں گے، لیکن میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ ڈال دی جائے گی (اور انہیں میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا) تو میں کہوں گا کہ یہ آدمی تو میرے ہیں، پس مجھے جواب دیا جائے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا نئی نئی باتیں نکالیں (اور کیا کیا رخنے ڈالے) تو میں کہوں گا کہ بربادی اور دوری ہو ان کے لئے جنہوں نے میرے بعد دین میں فرق ڈالا اور اسکو گڑبڑ کیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث میں جن لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے کہ وہ حوض کوثر پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روک دیئے جائیں گے، اسکا تعیّن مشکل ہے، کہ یہ کون اور کس طبقے کے لوگ ہوں گے اور نہ اسکا معلوم کرنا ہمارے لئے ضروری ہے، اس حدیث کا خاص سبق ہمارے لئے تو بس یہ ہے کہ اگر ہم کوثر پر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے آرزومند ہیں تو مضبوطی سے اس دین پر قائم رہیں، جو رسول اللہ ﷺ ہمارے لئے لائے تھے، اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ایجاد اور کوئی ردوبدل نہ کریں۔

۱۰۵) **عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِىْ مِنْ عَدَنْ اِلَى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاءُهُ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسْلِ وَاَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ مِنْهُ شَرْبَةً**

لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا اَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمَهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رَؤُ سًا الدُّنِسُ ثِيَابًا اَلَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمُ السُّدَدُ. (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

ترجمہ ثوبان سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ: میرے حوض کی مسافت (اتنی ہے جتنی کہ) عدن سے عمانِ بلقاء تک، اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے، اور اسکے گلاس گنتی میں آسمان کے ستاروں کی طرح (بیشمار) ہیں (اسکے پانی کی یہ صفت ہے کہ) جو اس میں سے ایک دفعہ پی لے گا، اسے اسکے بعد کبھی پیاس کی تکلیف نہیں ہوگی، اس حوض پر سب لوگوں سے پہلے میرے پاس پہنچنے والے فقراء مہاجرین ہوں گے، پریشان و پراگندہ سروں والے، میلے کچیلے کپڑوں والے، جن کا نکاح خوش حال و خوش عیش عورتوں سے نہیں ہو سکتا، اور جن کیلئے دروازے نہیں کھولے جاتے (یعنی جن کو خوش آمدید نہیں کہا جاتا)۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح...... عَدَنْ مشہور مقام ہے، اور عمان بھی شام کے علاقہ کا مشہور شہر ہے، بَلْقَاء عمان کے قریب ایک بستی تھی، بطور امتیاز اور نشانی کے اس حدیث میں "عمان بلقاء" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں عدن اور بلقاء کے قریب والے عمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے، آخرت میں حوض کوثر کی مسافت اتنی ہوگی، اور واضح رہے کہ یہ بھی کوئی ناپی ہوئی مسافت نہیں ہے، کہ ٹھیک اتنے ہی میل اور اتنے ہی فرلانگ اور اتنے ہی فٹ ہوں۔ بلکہ حوض کی وسعت کو سمجھانے کے لئے عرف کے مطابق یہ ایک تقریبی بات کہی گئی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ حوض کی مسافت سینکڑوں میل کی ہوگی۔

آخر میں فرمایا گیا کہ سب سے پہلے حوض پر پہنچنے والے اور اس سے سیراب ہونیوالے وہ غریب مہاجرین ہوں گے جو اپنے فقر و تنگدستی اور دنیا کی بے رغبتی کی وجہ سے اس حال میں رہتے ہیں کہ، انکے سروں کے بال بنے سنورے نہیں رہتے، بلکہ بکھرے ہوئے اور الجھے ہوئے رہتے ہیں اور کپڑے بھی انکے اچھے اجلے نہیں رہتے، بلکہ میلے کچیلے رہتے ہیں، جو اگر نکاح کرنا چاہیں تو ان کی اس حالت کی وجہ سے خوش عیش اور خوش حال گھرانوں کی بیٹیاں انکے نکاحوں میں نہ دی جائیں، اور وہ کسی کے گھر پر جائیں، تو ان کے میلے کچیلے کپڑے، اور انکی شکل وصورت کی وجہ سے کوئی ان کے لئے اپنا دروازہ نہ کھولے، اور ان کو خوش آمدید نہ کہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے جن بندوں کا حال یہ ہو، کہ دنیا کی بے رغبتی اور دین میں انہماک اور فکر آخرت کے غلبہ کی وجہ سے اس دنیا میں وہ غریب و تنگدست ہو کر رہیں، نہ اپنی صورتوں کے بناؤ سنگار کی فکر رکھیں، نہ لباس پوشاک کی، وہ اپنی غربت اور دینوی عیش کی اس قربانی کی وجہ سے آخرت کے انعامات میں مقدم اور فائق رہیں گے، ہمارے اس زمانہ کے جو حضرات اس طرزِ عمل کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے 'تقشّف' اور رہبانیت پسندی اور دین کے غلط تصور کا نتیجہ سمجھتے ہیں، چاہئے کہ وہ اس قسم کی حدیثوں پر غور کریں۔

ہر زمانہ کے کچھ امراض ہوتے ہیں جس طرح پہلے کسی زمانہ میں واقعی رہبانیت اور ترک دنیا کی غلط اور غیر اسلامی صورتوں کو اسلام کا پسندیدہ زُہد بعض حلقوں میں سمجھا اور سمجھایا جاتا تھا، اسی طرح ہمارے اس زمانے میں (شاید اسکے ردِ عمل میں) بعض حلقوں کا مستقل رجحان یہ ہے کہ اسلام کو اُس کی تعلیمات کو اس

دور کے مادہ پرستانہ اور نفس پرستانہ تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ کیا جائے۔
وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

۱۰۶) عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّىْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً. (ترمذی)

ترجمہ حضرت سمرہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آخرت میں ہر نبی کا ایک حوض ہوگا، اور انکے درمیان اس پر فخر ہوگا کہ ان میں سے کس کے پاس پینے والے زیادہ آتے ہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ سب سے زیادہ لوگ پینے کیلئے میرے پاس آئیں گے (اور میرے حوض سے سیراب ہوں گے)۔ (ترمذی)

۱۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَنْ يَّشْفَعَ لِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِىْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِىْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِىْ عِنْدَالْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِىْ عِنْدَالْحَوْضِ فَاِنِّىْ لَا اُخْطِئُ هٰذِهِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت انس (خادم رسول ﷺ) سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ قیامت کے روز آپ میری سفارش فرمائیے گا! آپ نے فرمایا، کہ میں تمہارا یہ کام کروں گا، میں نے عرض کیا تو (قیامت کے روز) میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا سب سے پہلے جب تمہیں میری تلاش ہو، تو صراط پر مجھے دیکھنا میں نے عرض کیا اگر میں آپ کو صراط پر نہ پاسکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے میزان کے پاس تلاش کرنا! میں نے عرض کیا، اور اگر میں میزان کے پاس بھی آپ کو نہ پا سکوں، تو پھر کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا، تو پھر مجھے حوض کے پاس دیکھنا! کیونکہ میں اس وقت ان تین مقامات سے دور کہیں نہ جاؤں گا۔ (ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخرت کی شفاعت ایسی چیز ہے جسکی رسول ﷺ سے درخواست کی جاسکتی ہے اور اگرچہ اس حدیث میں حضور نے اپنے ملنے کے مقامات حضرت انسؓ کو بتلائے ہیں، لیکن دراصل شفاعت کے سب حاجت مندوں کے لئے حضور نے اپنے ملنے کے یہ پتے بتلائے ہیں۔
اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ وَاَسْعِدْنَا بِشَفَاعَتِهٖ

۱۰۸) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ قیامت کے دن صراط پر اہل ایمان کا شعار (یعنی ان کا امتیازی وظیفہ) یہ دعائی کلمہ ہوگا، "رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ" (اے ہمارے پروردگار ہمیں سلامت رکھ، اور سلامتی کے ساتھ پار لگا)۔
صراط اور میزان کا ذکر بعض حدیثوں میں پہلے بھی گذر چکا ہے۔

شفاعت

محشر میں پیش آنے والے جن واقعات کی اطلاع احادیث میں صراحت کے ساتھ دی گئی ہے اور جن پر ایک مؤمن کو یقین لانا ضروری ہے، ان میں سے ایک رسول اللہ ﷺ کی شفاعت بھی ہے، شفاعت کے متعلق حدیثیں اتنی کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ سب ملا کر تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں۔ پھر شفاعت کی ان حدیثوں کے مجموعہ سے سمجھ کر شارحین نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہوگی، اور بار بار ہوگی، سب سے پہلے جبکہ سارے اہل محشر اللہ کے جلال سے سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں گے اور کسی کو لب ہلانے کی جرأت نہیں ہوگی، اور آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک تمام اولوالعزم پیغمبر بھی "نفسی نفسی" کے عالم میں ہوں گے اور کسی کے لئے شفاعت کی جرأت نہ کر سکیں گے، تو اس وقت عام اہلِ محشر کی درخواست پر، اور ان کی تکلیف سے متاثر ہو کر رسول اللہ نیاز مندی اور حسن ادب کے ساتھ (جو آپ کے شایان شان ہے) بارگاہِ رب العزت میں اہل محشر کیلئے سفارش کریں گے، کہ ان کو اسکی فکر اور بے چینی کی حالت سے نجات دی جائے، اور ان کا حساب کتاب اور فیصلہ فرمادیا جائے۔ بارگاہِ جلالت میں اس دن یہ سب سے پہلی شفاعت ہوگی، اور یہ شفاعت صرف آپ ہی فرمائیں گے۔ اس کے بعد ہی حساب اور فیصلہ کا کام شروع ہو جائے گا، یہ شفاعت جیسا کہ عرض کیا گیا عام اہلِ محشر کے لئے ہوگی، اسی لئے اس کو "شفاعت عظمیٰ" بھی کہتے ہیں، اسکے بعد آپ اپنی امت کے مختلف درجہ کے ان گنہگاروں کے بارے میں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے جہنم کے سزاوار ہوں گے، یا جو جہنم میں ڈالے جاچکے ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں گے کہ ان کو معاف کر دیا جائے، اور جہنم سے ان کو نکالنے کی اجازت دے دی جائے، آپ کی یہ شفاعت بھی قبول ہوگی، اور اس کی وجہ سے خطاکار امتیوں کی بہت بڑی تعداد جہنم سے نکالی جائے گی، اسکے علاوہ کچھ صالحینِ امت کے لئے آپ اسکی بھی شفاعت کریں گے کہ ان کے لئے بغیر حساب کے داخلۂ جنت کا حکم دے دیا جائے۔ اسی طرح اپنے بہت سے امتیوں کے حق میں آپ ترقی درجات کی بھی اللہ تعالیٰ سے استدعا کریں گے، حدیثوں میں شفاعت کے ان تمام اقسام اور واقعات کی تفصیل وارد ہوئی ہے۔

پھر حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ شفاعت کا دروازہ کھل جانے کے بعد اور انبیاء علیہم السلام، ملائکہ عظام، اور اللہ کے دوسرے صالح اور مقرب بندے بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل ایمان کے حق میں سفارشیں کریں گے، یہاں تک کہ کم عمر میں فوت ہونے والے اہلِ ایمان کے معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کے لئے سفارشیں کریں گے، اسی طرح بعض اعمال صالحہ بھی اپنے عاملوں کے لئے سفارش کریں گے۔ اور یہ سفارشیں بھی قبول فرمائی جائیں گی، اور بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہوگی جن کی نجات اور بخشش ان ہی سفارشوں ہی کے بہانہ ہوگی۔

مگر لحاظ رہے کہ یہ سب شفاعتیں اللہ کے اذن سے اور اسکی مرضی اور اجازت سے ہوں گی، ورنہ کسی نبی اور کسی فرشتہ کی بھی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی ایک آدمی کو بھی دوزخ سے نکال سکے،

یا اس کا اذن اور ایما پائے بغیر کسی کے حق میں سفارش کے لئے زبان کھول سکے،
قرآن پاک میں ہے:

مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ (بقرہ۔۲: ۲۵۵)
کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کی سفارش کر سکے۔

دوسرے موقع پر فرمایا گیا:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (انبیاء۔۲۱: ۲۸)
اور وہ نہیں سفارش کر سکیں گے مگر صرف اس کے لئے جسکے لئے اس کی رضا ہو۔

بلکہ علماء کرام نے جیسا کہ فرمایا ہے، شفاعت دراصل شفاعت کرنے والوں کی عظمت و مقبولیت کے اظہار کے لئے اور ان کے اکرام و اعزاز کے واسطے ہوگی، ورنہ حق تعالیٰ کے کاموں اور اسکے فیصلوں میں دخل دینے کی کسے مجال ہے۔ "یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ" اس کی شان ہے۔
اس تمہید کے بعد ذیل میں بابِ شفاعت کی حدیثیں پڑھئے!

۱۰۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِیْ بَعْضٍ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰی رَبِّكَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَیْكُمْ بِاِبْرَاهِیْمَ فَاِنَّهٗ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاهِیْمَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَیْكُمْ بِمُوْسٰی فَاِنَّهٗ كَلِیْمُ اللّٰهِ فَیَاْتُوْنَ مُوْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَیْكُمْ بِعِیْسٰی فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ، فَیَاْتُوْنَ عِیْسٰی فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَیْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَیَاْتُوْنِیْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فَیُؤْذَنُ لِیْ وَیُلْهِمُنِیْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِی الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِیْرَةٍ مِنْ اِیْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِیْمَانٍ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ اَدْنٰی اَدْنٰی اَدْنٰی مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِنْ اِیْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ ائْذَنْ لِیْ فِیْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَیْسَ ذَالِكَ لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَكِبْرِیَائِیْ وَعَظْمَتِیْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ: جب قیامت کا دن ہوگا (اور سب اولین و آخرین میدانِ حشر میں جمع ہوں گے) تو لوگوں میں سخت اضطراب اور اژدحام کی کیفیت ہوگی، پس وہ لوگ (یعنی اہلِ محشر کے کچھ نمائندے) آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، کہ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے (کہ ہمیں اس حالت سے چھٹکارا ملے) آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، لیکن تم کو چاہئے کہ ابراہیم کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں (شاید وہ تمہارے کام آسکیں) پس وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور ان کے سامنے شفاعت کا اپنا سوال رکھیں گے) وہ بھی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں، لیکن تمہیں موسیٰ کے پاس جانا چاہئے وہ اللہ کے کلیم ہیں (جنہیں اللہ نے بلاواسطہ اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا ہے) شاید وہ تمہارا کام کر سکیں، پس وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے (اور اپنی وہی عرض ان کے سامنے رکھیں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کے لائق نہیں ہوں لیکن تمہیں عیسیٰ کے پاس جانا چاہئے، وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں (یعنی اللہ نے انکو انسانی پیدائش کے عام مقررہ اسباب کے بغیر صرف اپنے حکم سے پیدا کیا ہے، اور ان کو غیر معمولی قسم کی روح اور روحانیت بخشی ہے) تم ان کی خدمت میں جاؤ، شاید وہ تمہارے لئے حق تعالیٰ سے عرض کرنے کی جرأت کر سکیں، پس یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے (اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے) وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ میں اس کام کا اور اس مرتبہ کا نہیں ہوں، تم کو (اللہ کے آخری نبی) محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے (رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ) پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے، (اور شفاعت کے لئے مجھ سے کہیں گے) پس میں کہوں گا، کہ میں اس کام کا ہوں (اور یہ میرا ہی کام ہے) پس میں اپنے رب کریم کی بارگاہِ خاص میں حاضری کی اجازت طلب کروں گا، مجھے اجازت دے دی جائے گی (میں وہاں حاضر ہو جاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے اپنی کچھ خاص تعریفیں اپنی حمد کے لئے الہام فرمائیں گے (جو اسوقت مجھے معلوم نہیں ہیں) تو اس وقت میں انہی الہامی محامد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا (مسند احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہاں ایک ہفتہ تک سجدہ میں پڑے رہیں گے، اس کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فرمایا جائے گا، کہ اے محمد! سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری مانی جائے گی، پس میں کہوں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! (یعنی میری امت پر آج رحم فرمایا جائے اور اس کو بخش دیا جائے) پس مجھ سے کہا جائے گا، جاؤ اور جس کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو، اس کو نکال لو، پس میں جاؤں گا، اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں جَو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، اسکو نکال لاؤں گا) اور پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اس کے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا، اے محمد!

سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو تمہاری بات سنی جائے گی، اور جو مانگنا ہو مانگو تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری شفاعت مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا اے پروردگار! میری امت، میری امت! تو مجھ سے فرمایا جائے گا، کہ جاؤ اور جن کے دل میں ایک ذرہ کے بقدر (یا فرمایا، کہ رائی کے دانہ کے بقدر) بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا، (یعنی جن کے دلوں میں ذرہ برابر، یا رائی کے دانہ کے برابر نورِ ایمان ہوگا ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کی طرف پھر لوٹوں گا اور پھر ان ہی الہامی محامد کے ذریعہ اُس کی حمد و ثنا کروں گا، اور اسکے آگے پھر سجدہ میں گر جاؤں گا پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر اُٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائیگی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، میرے رب! میری امت، میری امت! پس مجھ سے فرمایا جائے گا، جاؤ اور جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان ہو، ان کو بھی نکال لو، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ پس میں جاؤں گا اور ایسا کروں گا (یعنی جن کے دل میں رائی کے دانہ سے کم سے کمتر بھی ایمان کا نور ہوگا، ان کو بھی نکال لاؤں گا) اور اسکے بعد چوتھی دفعہ پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ کرم کیطرف لوٹ آؤں گا،، اور ان ہی الہامی محامد کے ذریعے اس کی حمد کروں گا پھر اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤں گا، پس مجھ سے فرمایا جائے گا، اے محمد! اپنا سر سجدہ سے اٹھاؤ، اور جو کہنا ہو کہو، تمہاری سنی جائے گی اور جو مانگنا چاہو مانگو، تم کو دیا جائے گا، اور جو سفارش کرنا چاہو کرو، تمہاری سفارش مانی جائے گی، پس میں عرض کروں گا، کہ اے پروردگار! مجھے اجازت دیجئے کہ ان سب کے حق میں جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ کام تمہارا نہیں ہے، لیکن میری عزت و جلال اور میری عظمت و کبریائی کی قسم، میں خود دوزخ سے ان سب کو نکال لوں گا، جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو۔　(بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں چند باتیں تشریح طلب ہیں:

۱) حدیث میں جو کے برابر، رائی کے دانہ کے برابر، اور رائی کے دانہ سے کم سے کمتر، دل میں ایمان ہونے کا جو ذکر ہے، اس سے مراد نورِ ایمان اور ثمراتِ ایمان کے خاص خاص درجے ہیں۔ جن کا ادراک ہم کو تو نہیں ہوتا، لیکن حضور ﷺ کی بصیرت اس وقت اس کا ادراک کرلے گی، اور آپ ان درجوں والوں کو اللہ کے حکم سے نکال لائیں گے۔

۲) حدیث کے آخری حصے میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لئے تین دفعہ شفاعت فرمانے کے بعد چوتھی دفعہ حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ مجھے ان لوگوں کے بارے میں اجازت دی جائے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو، اس کا مطلب بظاہر یہ ہے جن لوگوں نے آپ کی دعوتِ توحید کو تو قبول کرلیا، اور ایمان لے آئے، لیکن دوزخ سے نجات پانے اور جنت میں جانے کے لئے جو اور اعمال کرنا چاہئے تھے، وہ انہوں نے بالکل نہیں کئے، تو مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کی اجازت چاہیں گے جن کے پاس کسی درجہ کا

مجرد ایمان اور توحید کا اعتقاد تو ہوگا لیکن عمل خیر سے وہ بالکل خالی ہوں گے (بخاری و مسلم ہی کی ابوسعید خدریؓ کی حدیث میں غالباً اسی گروہ کے حق میں "لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ" کے الفاظ آئے ہیں، جن کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "لَيْسَ ذَالِكَ لَكَ" یعنی ان مسکینوں کو جہنم سے نکالنے کا کام میں نے آپ کیلئے نہیں رکھا، یا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے یہ سزاوار اور مناسب نہیں ہے، بلکہ یہ کام میری عزت وجلال اور میری عظمت و کبریائی اور شان "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" کے لئے ہی سزاوار ہے، اسلئے اس کو میں خود ہی کروں گا۔ اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لاکر احکام کی تعمیل بالکل نہیں کی، ایسوں کو دوزخ سے نکالنا پیغمبر کے لئے مناسب نہیں ہے، اس درجہ کا عفوو درگزر اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ واللہ اعلم۔

۳) معلوم ہوتا ہے اس روایت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اسی حدیث کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں آدمؑ کے بعد اور ابراہیمؑ سے پہلے اہلِ محشر کے نوح علیہ السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہونے کا ذکر ہے جو اس میں نہیں ہے۔ نیز اس میں صرف اپنی امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کا ذکر ہے، حالانکہ قرین قیاس یہ ہے کہ پہلے آپ عام اہل محشر کیلئے حساب اور فیصلہ کی شفاعت فرمائیں گے جس کو "شفاعت کبریٰ" کہتے ہیں، پھر جب حساب کے نتیجہ میں بہت سے آپ کے امتی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ کی طرف بھیج دیئے جائیں گے، تو آپ ان کو دوزخ سے نکالنے اور جنت میں داخل کرانے کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۴) اہل محشر کے جو نمائندے کسی شفیع کی تلاش میں نکلیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے دل میں یہی ڈالے گا، کہ وہ پہلے آدم علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر ان کی رہنمائی اور مشورہ سے نوح علیہ السلام کی خدمت میں اور پھر اسی طرح ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ (علیہم السلام) کی خدمت میں حاضر ہوں یہ سب منجانب اللہ اس دن اسلئے ہوگا کہ عملی طور پر سب کو معلوم ہو جائے کہ اس شفاعت کا منصب اور "مقام محمود" اسکے آخری نبی کے لئے مخصوص ہے۔

بہر حال اس دن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور رفعتِ مقام کے برسرِ محشر اظہار کے لئے ہوگا۔

۱۱۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِىْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِىْ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ عمران بن حصین سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک گروہ میری امت میں سے میری شفاعت سے دوزخ سے نکالا جائے گا، جن کو "جہنمیوں" کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ (بخاری)

تشریح...... ان کی توہین و تنقیص نہ ہوگی، بلکہ جہنم سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ جائے گا، جو ان کے لئے خوشی کا باعث ہوگا، کیونکہ یہ اللہ کے کرم کو یاد دلائے گا۔

۱۱۱) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَانِیْ آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّیْ فَخَيَّرَنِیْ بَيْنَ اَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ اُمَّتِی الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِیَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.

(رواہ الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے کہتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا پیغام لے کر آیا، اس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا کہ میں ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار کرلوں، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ میری نصف امت کو جنت میں داخل فرمادیں، یا یہ کہ مجھے شفاعت کا موقع ملے، تو میں نے حقِ شفاعت کو اختیار کر لیا اور میری شفاعت ان لوگوں کے لئے ہو گی، جو (ایمان اور توحید کی میری دعوت کو قبول کر کے) اس حال میں مرے، کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْنَفْسِهٖ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میری شفاعت سے بہرہ مند وہی ہوں گے جنہوں نے خلوصِ قلب سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا ہو۔ (بخاری)

تشریح...... اس حدیث کا بھی مطلب وہی ہے جو اوپر والی حدیث میں دوسرے لفظوں میں فرمایا گیا، یعنی جو شرک کی بیماری میں مبتلا ہوگا اس کو شفاعت سے فائدہ نہ ہوگا، ہاں اگر شرک سے پاک ہو گیا ہے، اور دوسرے قسم کے گناہ ہیں، تو اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے فائدہ ہوگا۔

۱۱۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ شَفَاعَتِیْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ۔

(رواہ الترمذی، وابو داؤد ورواہ ابن ماجه عن جابر)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، (ترمذی وابو داؤد) اس حدیث کو ابن ماجہ نے بجائے حضرت انس کے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔

تشریح...... اس قسم کی حدیثوں سے نڈر اور بے خوف ہو کر گناہوں پر اور زیادہ جری ہو جانا بڑا کمینہ پن ہے، حضور ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں سے شامتِ نفس سے گناہ ہو جائیں، وہ بھی مایوس اور ناامید نہ ہوں، میں ان کی شفاعت کروں گا اسلئے وہ شفاعت کا استحقاق پیدا کرنے کیلئے اللہ کے ساتھ اپنے بندگی کے تعلق کو، اور میرے امتی ہونے کے تعلق کو درست کرنے کی فکر کریں۔

۱۱۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِیْ اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ . وَرَبُّكَ

اَعْلَمُ . فَسَلْهُ مَايُبْكِيْهِ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَسَأَلَهُ فَاَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُ كَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق یہ آیت تلاوت فرمائی:

"رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ"

(میرے پروردگار! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، یعنی ان کی وجہ سے بہت سے آدمی گمراہ ہوئے، پس جو لوگ میری پیروی کریں وہی میرے ہیں، پس ان کے لئے تو میں تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کو تو بخش ہی دے) اور عیسیٰ کا یہ قول بھی تلاوت فرمایا، جو قرآن پاک میں ہے:

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ".

(اے اللہ! اگر میری امت کے ان لوگوں کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، یعنی آپ کو عذاب وسزا کا پورا حق ہے) یہ دونوں آیتیں تلاوت فرماکر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو یاد کیا، اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور کہا: "اے میرے اللہ! میری امت، میری امت! اور آپ اس دعا میں روئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو فرمایا، تم محمد کے پاس جاؤ۔ اور اگرچہ تمہارا رب سب کچھ خوب جانتا ہے مگر پھر بھی تم جاکر ہماری طرف سے پوچھو، کہ ان کے اس رونے کا کیا سبب ہے۔ پس جبرئیل آپ کے پاس آئے، اور آپ سے پوچھا، آپ نے جبرئیل کو وہ بتلادیا جو اللہ سے عرض کیا تھا (یعنی یہ کہ اس وقت میرے رونے کا سبب امت کی فکر ہے، جبرئیل نے جاکر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا) تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو فرمایا، کہ محمد کے پاس جاؤ، اور ان کو ہماری طرف سے کہو، کہ تمہاری امت کے بارہ میں ہم تمہیں راضی اور خوش کردیں گے اور تمہیں رنجیدہ اور غمگین نہیں کریں گے۔ (مسلم)

تشریح...... حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی دو آیتوں کی تلاوت فرمائی، ایک سورۂ ابراہیم کی آیت، جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم اور اپنی امت کے بارے میں عرض کیا، کہ "فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (یعنی ان میں سے جن لوگوں نے میری بات مانی وہ تو میرے ہیں (اور میں ان کے لئے آپ سے مغفرت کی درخواست کرتا ہوں) اور جنہوں نے میری نافرمانی کی، تو آپ غفور رحیم ہیں، چاہیں تو ان کو بھی بخش سکتے ہیں)۔ اور دوسری آیت سورۂ مائدہ کی، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ذکر ہے، کہ وہ اپنے گمراہ امتیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، کہ "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (اگر آپ ان کو عذاب دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں، اور آپ کو عذاب دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب ہیں (سب کچھ کرسکتے ہیں) اور حکیم ہیں (جو کچھ کریں گے حکمت کے مطابق ہی ہوگا)۔ ان دونوں آیتوں میں اللہ کے دونوں جلیل القدر

پیغمبروں نے پورے ادب، اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنی اپنی امتوں کے خطاکار لوگوں کے لئے دبے لفظوں میں سفارش کی ہے۔

ان آیتوں کی تلاوت نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کا مسئلہ یاد دلایا، اور آپ نے ہاتھ اٹھا کر اور رو کر بارگاہِ الٰہی میں اپنی فکر کو عرض کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا، کہ آپ کی امت کا مسئلہ آپ کی مرضی اور خوشی کے مطابق ہی طے کر دیا جائے گا اور اس معاملہ کی وجہ سے آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونا نہیں پڑے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ ہر پیغمبر کو اپنی امت کے، بلکہ ہر مقتدا کو اپنے متبعین اور منتسبین کے ساتھ ایک خاص قسم کی شفقت کا تعلق ہوتا ہے جس طرح کہ ہر شخص کو اپنی اولاد کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں ہوتا، اور اس تعلق کی وجہ سے ان کی قدرتی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارا پائیں، اور اس شفقت اور رأفت میں رسول اللہ ﷺ سب پیغمبروں سے بڑھے ہوئے ہیں اور اسلئے قدرتی طور پر آپ کی یہ بڑی خواہش ہے، جو مختلف موقعوں پر بار بار آپ سے ظاہر ہوئی کہ آپ کی امت دوزخ میں نہ جائے، اور جن کی بد عملی اس درجہ کی ہو، کہ ان کا دوزخ میں ڈالا جانا، اور کچھ عذاب پانا ناگزیر ہو ان کو کچھ سزا پانے کے بعد نکال لیا جائے، چنانچہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اس خواہش کو پورا فرمائیں گے، اور آپ کی شفاعت سے بہت سے لوگ جہنم سے بچ جائیں گے، اور بہت سے ڈالے جانے کے بعد نکال لئے جائینگے۔

شفاعت کے سلسلے کی حدیثوں میں صحیح مسلم کی یہ حدیث ہم جیسے خطاکاروں، گنہگاروں کیلئے بڑا سہارا ہے اور اس میں بڑی بشارت ہے، بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سن کر فرمایا: میں تو جب مطمئن اور خوش ہوں گا جب میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہیں رہے گا۔ ع

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

ف..... اللہ تعالیٰ کو بطور خود سب کچھ معلوم ہونے کے باوجود رونے کا سبب پوچھنے کے لئے حضرت جبرئیل کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجنا صرف آپ کے اکرام و اعزاز کے طور پر تھا، کہ اپنے مقربین کے ساتھ بادشاہوں کا یہی طرز ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلٰثَةٌ اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَاءُ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت میں تین طرح کے لوگ (خصوصیت سے) شفاعت کریں گے، انبیاءؑ، پھر دین کا علم رکھنے والے اور پھر شہداء۔ (ابن ماجہ)

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان تین گروہوں سے باہر کا کوئی شخص کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خاص شفاعت انہی تین گروہ والوں کی ہو گی، لیکن انکے علاوہ بعض ان

صالحین کو بھی اذن شفاعت ملے گا جو ان تینوں میں سے کسی گروہ میں بھی نہیں ہوں گے، بلکہ جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے بچے بھی اپنے ماں باپ کی سفارش کریں گے، اور اعمالِ صالحہ کی بھی شفاعت ہوگی۔

۱۱۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْقَبِیْلَۃِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَّشْفَعُ لِلْعَصَبَۃِ وَمِنْھُمْ مَنْ یَشْفَعُ لِلرَّجُلِ حَتّٰی یَدْ خُلُوْا لْجَنَّۃَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: میری امت میں بعض افراد وہ ہوں گے، جو جماعتوں اور قوموں کی شفاعت کریں گے (یعنی ان کا مقام یہ ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ان کو قوموں کی شفاعت کی اجازت دے گا، اور قوموں کے حق میں انکی سفارش قبول فرمائے گا) اور بعض وہ ہوں گے جو عصبہ (یعنی دس سے چالیس تک کی تعداد والی کسی پارٹی) کے بارے میں شفاعت کریں گے، اور بعض وہ ہوں گے جو ایک آدمی کی سفارش کر سکیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان سب کی شفاعتیں قبول فرمائے گا) یہاں تک کہ سب جنت میں پہنچ جائیں گے۔ (ترمذی)

۱۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُصَفُّ اَھْلُ النَّارِ فَیَمُرُّبِھِمُ الرَّجُلُ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْھُمْ یَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِیْ اَنَا الَّذِیْ سَقَیْتُکَ شَرْبَۃً وَقَالَ بَعْضُھُمْ اَنَا الَّذِیْ وَھَبْتُ لَکَ وَضُوْءً فَیَشْفَعُ لَہٗ فَیُدْخِلُہُ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: آخرت میں صف باندھے کھڑے کئے جائیں گے اہلِ دوزخ (یعنی اہلِ ایمان میں سے کچھ گنہگار لوگ جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے دوزخ میں سزا پانے کے مستحق ہوں گے، وہ آخرت میں کسی موقع پر صف باندھے کھڑے ہوں گے) پس ایک شخص اہلِ جنت میں اسکے پاس سے گذرے گا، تو صف والوں میں سے ایک شخص اس گذرنے والے جنتی کو پکار کر کہیگا اے فلاں! کیا تم مجھے نہیں پہچانتے؟ میں وہ ہوں، کہ ایک دفعہ میں نے تم کو پانی پلایا تھا (یا شربت وغیرہ، پینے کی کوئی اچھی چیز پلائی تھی) اور اسی صف والوں میں سے کوئی اور کہے گا، کہ میں نے تمہیں وضو کیلئے پانی دیا تھا، پس یہ شخص ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے سفارش کریگا اور انکو جنت میں داخل کرادیگا۔ (ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ دنیا میں صالحین سے محبت اور قربت کا تعلق اپنی عملی کوتاہیوں کے باوجود بھی انشاءاللہ بہت کچھ کام آنے والا ہے، بشرطیکہ ایمان نصیب ہو، افسوس! ان چیزوں میں جس طرح بہت سے جاہل عوام سخت غلو اور افراط میں مبتلا ہو کر گمراہ ہوئے ہیں، اسی طرح ہمارے زمانے کے بعض اچھے خاصے پڑھے لکھے سخت تفریط میں مبتلا ہیں۔

جنت اور اس کی نعمتیں!

عالمِ آخرت کی جن حقیقتوں پر ایمان لانا ایک مؤمن کے لئے ضروری ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن و مسلم نہیں ہو سکتا، ان ہی میں سے جنت و دوزخ بھی ہیں، اور یہی دونوں مقام انسانوں کا

آخری اور پھر ابدی ٹھکانا ہیں، قرآن مجید میں بھی جنت اور اس کی نعمتوں کا اور دوزخ اور اس کی تکلیفوں کا ذکر اتنی کثرت سے کیا گیا ہے اور ان دونوں کے متعلق اتنا کچھ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر اس سلسلے کی سب آیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو صرف انہی سے اچھی خاصی ایک کتاب تیار ہو جائے۔

اسی طرح کتبِ حدیث میں بھی جنت ودُوزخ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی صدہا حدیثیں محفوظ ہیں جن سے ان دونوں کے متعلق کافی معلومات مل جاتی ہیں، پھر بھی یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ قرآن مجید میں اور اسی طرح احادیث میں جنت ودوزخ کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کی پوری اور اصلی حقیقت کا علم وہاں پہنچ کر، اور مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکے گا، جنت تو جنت ہے، اگر کوئی شخص ہماری اس دنیا ہی کے کسی بارونق شہر کے بازاروں کا اور وہاں کے باغوں اور گلزاروں کا ذکر ہمارے سامنے کرے، تو اسکے بیان سے جو تصور ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے، ہمیشہ کا تجربہ ہے کہ وہ اصل کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ناقص ہوتا ہے، بہر حال اس نفس الامری حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن وحدیث میں جنت یا دوزخ کے بیان کو پڑھنا چاہئے۔

دراصل آیات یا احادیث میں جنت اور دوزخ کا جو ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا یہ مقصد ہی نہیں ہے، کہ لوگوں کے سامنے وہاں کا مکمل جغرافیہ اور وہاں کے احوال کا پورا نقشہ آجائے بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں میں دوزخ اور اسکے عذاب کا خوف پیدا ہو، اور وہ ان برائیوں سے بچیں جو دوزخ میں لے جانے والی ہیں، اور جنت اور اس کی بہاروں اور لذتوں کا شوق ابھرے، تاکہ وہ اچھے اعمال اختیار کریں، جو جنت میں پہنچانے والے ہیں، اور وہاں کی نعمتوں کا مستحق بنانے والے ہیں، پس اس سلسلہ کی آیات اور احادیث کا اصلی حق یہی ہے کہ ان کے پڑھنے اور سننے سے شوق اور خوف کی یہ کیفیتیں پیدا ہوں۔

۱۱۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِىَ الصَّالِحِيْنَ مَالَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُ وا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے، اور نہ کسی بشر کے دل میں کبھی ان کا خطرہ یا خیال ہی گذرا ہے، اور اگر تم چاہو تو پڑھو قرآن کی یہ آیت: "فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا اُخْفِىَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ" (جس کا مطلب یہ ہے، کہ کوئی آدمی بھی ان نعمتوں کو نہیں جانتا جو ان بندوں کے لئے (جو راہ خدا میں اپنا محبوب مال خرچ کرنے والے ہیں، اور راتوں کو عبادتِ خداوندی میں مصروف رہنے والے ہیں) چھپا کے اور محفوظ کر کے رکھی گئی ہیں جن میں ان کی آنکھوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... یہ حدیثِ قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات اس تصریح کے ساتھ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے (اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو) تو ایسی حدیث کو "حدیثِ قدسی" کہتے ہیں، یہ حدیث شریف بھی اسی قسم کی ہے، اس میں اللہ کے بندوں کے لئے بشارت اور خوشی کا ایک عام اور ظاہر پہلو تو یہ ہے کہ دارِ

آخرت میں ان کو ایسی اعلیٰ قسم کی نعمتیں ملیں گی جو دنیا میں کبھی کسی کو نصیب نہیں ہوئیں، بلکہ کسی آنکھ نے بھی انکو نہیں دیکھا، اور نہ کسی کان نے ان کا حال سنا، اور نہ کبھی کسی انسان کے دل میں ان کا خیال ہی آیا، اور بشارت و مسرت کا دوسرا خاص پہلو، محبت و شفقت اور عنایت و کرم سے بھرے ہوئے رب کریم کے ان الفاظ میں ہے کہ " اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیْ " (میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر کے رکھی ہیں، الخ) قربان ہوں بندے اپنے رب کریم کے اس کرم پر۔

۱۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَوْضِعُ سَوْطٍ فِی الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

(رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جنت میں ایک کوڑے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... عرب کا یہ رواج تھا، کہ جب چند سواروں کا قافلہ چلتا، تو جو سوار منزل پر اترتے وقت جہاں قیام کرنا چاہتا، وہاں اپنا کوڑا ڈال دیتا، پھر وہ جگہ اسی کی سمجھی جاتی، اور کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہ کرتا، تو اس حدیث میں کوڑے کی جگہ سے مراد دراصل اتنی مختصر سی جگہ ہے، جو کوڑا ڈال دینے سے کوڑا والے سوار کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے، جس میں وہ اپنا بستر لگالے، یا خیمہ ڈال لے، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جنت کی تھوڑی سے تھوڑی جگہ بھی دنیا و مافیہا سے بہتر اور زیادہ قیمتی ہے۔ اور اس میں کیا شبہ ہے، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے فانی ہے اور جنت اور اسکی ہر نعمت باقی ہے، اور فانی اور باقی کا کیا مقابلہ۔

۱۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ غَدْوَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَلَوْاَنَّ امْرَاَةً مِنْ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِطَّلَعَتْ اِلَى الْاَرْضِ لَاَضَائَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيْحًا وَلَنَصِيْفُهَا عَلٰى رَأْسِهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہ خدا میں ایک دفعہ صبح کا نکلنا یا شام کا نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور اگر اہل جنت کی بیویوں میں سے کوئی عورت زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان (یعنی جنت سے لے کر زمین تک) روشنی ہی روشنی ہو جائے، اور مہک اور خوشبو سے بھر جائے، اور اسکے سر کی صرف اوڑھنی بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری)

تشریح..... حدیث کے ابتدائی حصے میں راہِ خدا میں نکلنے کی یعنی خدمتِ دین کے کسی سلسلہ میں سفر کرنے اور چلنے پھرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ صبح کا یا شام کا نکلنا بھی دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ اور یہاں صبح شام کا ذکر غالباً صرف اسلئے کر دیا گیا ہے کہ صبح یا شام ہی کو سفر پر روانہ ہونے کا دستور تھا، ورنہ اگر کوئی شخص مثلاً دن کے درمیانی حصے میں خدمتِ دین کے کسی سلسلے میں جائے، تو یقیناً اسکے اس جانے کی بھی وہی فضیلت ہے پھر حدیث کے دوسرے حصے میں اہل جنت کی جنتی بیویوں کے غیر معمولی حسن و جمال اور ان کے لباس کی قدر و قیمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس موقع پر اس کے ذکر کرنے کا مقصد غالباً اہلِ ایمان کو خدمتِ دین کے

سلسلے کے کاموں کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے کی ترغیب دینا، اور یہ بتلانا ہے کہ اگر تم اپنے گھروں اور گھر والیوں کو عارضی طور پر چھوڑ کر تھوڑے سے وقت کے لئے بھی راہِ خدا میں نکلو گے تو جنت میں ایسی بیویاں ہمیشہ ہمیشہ تمہاری رفیق اور زندگی کی شریک رہیں گی، جن کے حسن وجمال کا یہ عالم ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اس زمین کی طرف ذرا جھانکے تو زمین اور آسمان کے درمیان کی ساری فضا روشن اور معطر ہو جائے، اور جن کا لباس اس قدر قیمتی ہے، کہ صرف سر کی اوڑھنی اس دنیا و مافیہا سے بہتر اور بیش قیمت ہے۔

۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا یَقْطَعُهَا وَلَقَابَ قَوْسِ اَحَدِکُمْ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اسکے سایے میں سو سال چلے اور پھر بھی اس کو پار نہ کر سکے، اور جنت میں تم میں سے کسی کی کمان کے بقدر جگہ بھی اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، یا غروب ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... حدیث کا مقصد دنیا اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے مقابلے میں جنت اور اسکی نعمتوں کی بالاتری بیان فرماکے اس کا شوق دلوں میں پیدا کرنا ہے، اس سلسلہ میں پہلی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اور راحت کے جو سامان اپنے بندوں کے لئے جنت میں پیدا کئے ہیں، ان میں سے ایک جنت کے وہ طویل و عریض سایہ دار درخت ہیں جن کا سایہ اتنے وسیع رقبہ پر پڑتا ہے، کہ سوار سو سال میں بھی اس کو طے نہیں کر سکتا، اور دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ جنت میں ایک کمان کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، ابھی اوپر عرب کے اس دستور کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ کوئی سوار جب کہیں اترنا چاہتا تھا، تو اس جگہ اپنا کوڑا ڈال دیتا تھا اس سے اس جگہ پر اس کا حق قائم ہو جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک دستور یہ تھا کہ جب کوئی پیدل آدمی کسی جگہ منزل کرنا چاہتا تھا، تو وہ اپنی کمان وہاں ڈال دیتا تھا، اور اس طرح وہ جگہ اس کے لئے مخصوص ہو جاتی تھی، پس اس حدیث میں کمان کی جگہ سے مراد گویا ایک آدمی کی منزل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ ایک پیادہ مسافر کمان ڈال کے جتنی جگہ کا مستحق ہو جاتا ہے، جنت کی اتنی مختصر سی جگہ بھی اس دنیا کی اس ساری کائنات سے زیادہ قیمتی اور بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

۱۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ یَاْکُلُوْنَ فِیْهَا وَیَشْرَبُوْنَ وَلَا یَتْفُلُوْنَ وَلَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ کَرَشْحِ الْمِسْکِ یُلْهَمُوْنَ التَّسْبِیْحَ وَالتَّحْمِیْدَ کَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ. (رواه مسلم)

ترجمہ جابرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اہل جنت جنت میں کھائیں گے بھی اور پئیں گے بھی، لیکن نہ تو انہیں تھوک آئے گا، اور نہ پیشاب پاخانہ ہوگا، اور نہ ان کی ناک سے ریزش آئے گی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا، تو کھانے کا کیا ہوگا؟ (یعنی جب پیشاب پاخانہ کچھ بھی نہ ہوگا تو جو کچھ کھایا جائے گا وہ آخر کہاں جائے گا؟) آپ نے فرمایا کہ ڈکار اور پسینہ مشک کے پسینہ کی طرح (یعنی

غذا کا جو اثر نکلنا ہوگا، وہ انہی دو طریقوں سے نکل جایا کرے گا) اور ان اہل جنت کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ کی حمد و تسبیح اس طرح جاری ہوگی، جس طرح تمہارا سانس جاری رہتا ہے۔"

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جنت کی ہر غذا کثیف مادہ سے پاک ایسی لطیف اور نورانی ہوگی، کہ پیٹ میں اسکا کوئی فضلہ تیار نہیں ہوگا، بس ایک خوشگوار ڈکار کے آنے سے معدہ خالی اور ہلکا ہو جایا کرے گا، اور کچھ پسینے کے راستے نکلا جایا کرے گا، لیکن اس پسینہ میں بھی مشک کی سی خوشبو ہوگی، اور اس دنیا میں جس طرح آپ سے آپ ہمارے اندر سے باہر، اور باہر سے اندر سانس کی آمد و رفت ہے، جنت میں اسی طرح اللہ کا ذکر جاری ہوگا، اور سبحان اللہ والحمد للہ، یا سبحان اللہ وبحمدہ سانس کی طرح ہر دم جاری رہے گا۔

۱۲۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یُنَادِیْ مُنَادٍ اَنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْیُوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعِمُوْا فَلَا تَبْاَ سُوْا اَبَدًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، یہ دونوں بیان فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پکارنے والا جنت میں جنتیوں کو مخاطب کر کے پکارے گا، کہ یہاں صحت ہی تمہارا حق ہے، اور تندرستی ہی تمہارے لئے مقدر ہے، اسلئے اب تم کبھی بیمار نہ پڑو گے، اور یہاں تمہارے لئے زندگی اور حیات ہی ہے، اسلئے اب تمہیں موت کبھی نہ آئے گی، اور تمہارے واسطے جوانی اور شباب ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں بڑھاپا نہیں آئے گا، اور تمہارے واسطے یہاں چین اور عیش ہی ہے، اسلئے اب کبھی تمہیں کوئی تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔ (مسلم)

تشریح...... جنت صرف آرام اور راحت کا گھر ہے، اسلئے وہاں کسی تکلیف کا، اور کسی تکلیف دہ حالت کا گذر نہ ہوگا، نہ وہاں بیماری ہوگی، نہ موت آئے گی، نہ بڑھاپا کسی کو ستائے گا، نہ کسی اور قسم کی کوئی تنگی اور پریشانی کسی کو لاحق ہوگی، اور جنتی بندے جب جنت میں پہنچیں گے تو شروع ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابدی حیات اور ابدی راحت کی یہ بشارت سنا کر ان کو مطمئن کر دیا جائے گا۔

۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِمَّا خُلِقَ الْخَلْقُ؟ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا اَلْجَنَّةُ مَا بِنَاءُ هَا قَالَ لِبْنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلِبْنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَ تُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ مَنْ یَّدْخُلُهَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُهُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهُمْ. (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی؟ آپ نے فرمایا پانی سے، پھر ہم نے عرض کیا، کہ جنت کس چیز سے بنی (یعنی اس کی تعمیر پتھروں سے ہوئی یا اینٹوں سے، یا کس چیز سے؟) آپ نے فرمایا، اس کی تعمیر اس طرح ہے، کہ ایک اینٹ سونے کی، اور ایک اینٹ چاندی کی، اور اس کا مسالہ (جس سے اینٹوں کو جوڑا گیا ہے) تیز خوشبودار

مشک ہے، اور وہاں کے سنگریزے جو بچھے ہوئے ہیں وہ موتی اور یاقوت ہیں، اور وہاں کی خاک گویا زعفران ہے، جو لوگ اس جنت میں پہنچیں گے، ہمیشہ عیش اور چین سے رہیں گے، اور کوئی تنگی، تکلیف، ان کو نہ ہوگی۔ اور ہمیشہ زندہ رہیں گے، وہاں ان کو موت نہیں آئے گی، اور کبھی ان کے کپڑے پرانے اور خستہ نہ ہوں گے، اور ان کی جوانی کبھی زائل نہ ہوگی۔ (رواہ احمد و الترمذی والدارمی)

تشریح...... حضرت ابوہریرہؓ کے پہلے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ عام مخلوق پانی سے پیدا کی گئی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی پیدا کیا، اور پھر سے اور مخلوق وجود میں آئی۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ" اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے: "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ"

جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جاندار پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر دوسرے سوال کے جواب میں جنت کی تعمیر اور وہاں کے فرش، اور وہاں کی خاک کے متعلق جو کچھ رسول اللہ نے بیان فرمایا، اس کی اصلی حقیقت اور کیفیت مشاہدے ہی سے معلوم ہوگی، البتہ یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ جنت کی تعمیر اس طرح نہیں ہوئی ہے کہ کسی عملے نے اسے بنایا ہو، جس طرح ہماری اس دنیا میں عمارتیں بنتی ہیں، بلکہ جنت اور اس کی ہر چیز معماروں اور صناعوں کے توسط کے بغیر اللہ کے حکم سے بنی ہے، جس طرح زمین و آسمان اور آسمان کے ستارے، آفتاب و ماہتاب وغیرہ سب براہ راست اللہ کے حکم سے بنے ہیں۔

"اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝"

اہلِ جنت کے لئے حق تعالیٰ کی دائمی رضا

۱۲۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لِاَهْلِ الْجَنَّةِ يَااَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُوْنَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِىْ يَدَيْكَ فَيَقُوْلُ هَلْ رَضِيْتُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَالَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ اَلَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذَالِكَ؟ فَيَقُوْلُوْنَ يَا رَبِّ وَ اَىُّ شَىْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِىْ فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ اَبَدًا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ (جنتی جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتیں ان کو عطا ہو جائیں گی تو) اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرمائیں گے، کہ اے اہل جنت! وہ عرض کرینگے، کہ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، حاضر ہیں، آپ کی بارگاہ قدس میں، اور ساری خیر اور سب بھلائی آپ ہی کے قبضے میں ہے (جس کو چاہیں عطا فرمائیں، یا عطا نہ فرمائیں) پھر اللہ تعالیٰ ان بندوں سے فرمائیں گے، تم خوش ہو؟ (یعنی جنت اور جو نعمتیں جنت میں تم کو دی گئی، تم ان سے راضی ہو؟) یہ جنتی بندے عرض کریں گے، اے پروردگار! جب آپ نے ہمیں یہاں وہ کچھ نصیب فرمایا جو اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا تھا (یعنی آپ کی بخشش، اور آپ کے کرم سے جب یہاں ہمیں وہ نعمتیں اور وہ راحتیں اور لذتیں نصیب ہیں، جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے کو بھی نصیب نہیں تھیں) تو ہم کیوں راضی اور خوش نہ ہوں گے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کیا میں تمہیں اس سب سے اعلیٰ و افضل ایک چیز اور دوں! وہ بندے عرض کریں گے کہ خداوندا! وہ کیا چیز ہے، جو اس جنت اور اس کی ان نعمتوں سے بھی افضل ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، میں تم کو اب اپنی دائمی اور ابدی رضامندی، اور خوشنودی کا تحفہ دیتا ہوں، اسکے بعد اب میں کبھی تم پر ناراض نہ ہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... جنت اور اس کی ساری نعمتیں عطا فرمانے کے بعد اس رب کریم کا اپنے بندوں سے پوچھنا، کہ "تم راضی ہو، خوش اور مطمئن ہو؟" بجائے خود کتنی بڑی نعمت ہے اور پھر دائمی رضا کا تحفہ، اور کبھی ناراض نہ ہونے کا اعلان، کتنا بڑا انعام اور احسان ہے، اس سے جو لذت اور مسرت اہلِ جنت کو اس وقت حاصل ہوگی، اگر اس کا ایک ذرہ اس دنیا میں ہم پر منکشف کر دیا جائے، تو دنیا کی کسی لذت اور مسرت کی چاہت ہمارے دلوں میں نہ رہے، بیشک اللہ کی رضا، جنت اور اسکی ساری نعمتوں سے بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے، "وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ" اور لذت و مسرت میں اعلان رضا سے بڑھ کر صرف "دیدار الٰہی ہے"۔

جنت میں دیدارِ الٰہی

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقلِ صحیح اور ذوقِ سلیم عطا کیا ہے، وہ اگر خود اپنے وجدان میں غور کریں، تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے میں پائیں گے، اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پا رہا ہے، اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنی نعمتیں پائے گا، لازماً اسکے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہوگی کہ کسی طرح میں اپنے اس محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا، جس نے مجھے وجود بخشا، اور جو اس طرح مجھ پر اپنی نعمتیں انڈیل رہا ہے۔ پس اگر اسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو، تو یقیناً اس کی لذت و مسرت اور اسکے عیش میں بڑی تشنگی رہے گی، اور اللہ تعالیٰ جس بندہ سے راضی ہو کر اس کو جنت میں پہنچائیں گے اس کو ہرگز ایسے تشنہ اور محروم نہیں رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمتِ عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں صاف صاف اس کی خوش خبری دی ہے، اور تمام اہل ایمان نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے، لیکن بعض ایسے طبقے، اور ایسے لوگ جو آخرت کی چیزوں کو بھی اس دنیا کے انداز سے سوچتے ہیں، اور یہاں کے اپنے محدود علم و تجربے کو، علم و تجربے کا آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں، انہیں اس مسئلہ میں شبہات پیش آتے ہیں، وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اس چیز کو جا سکتا ہے جو جسم ہو، اور اللہ تعالیٰ نہ جسم ہے، نہ اس کا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے آگے یا پیچھے کی کوئی جہت ہے، تو پھر اسکو دیکھا کیونکر جا سکتا ہے! حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے، اگر اہلِ حق کا عقیدہ یہ ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہوگا، جو صرف جسم کی، اور کسی رنگ دار چیز ہی کو دیکھ سکتی ہیں، اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا ادراک کر سکتی ہے، جو انکی سیدھ میں، یعنی سامنے ہو، تو بیشک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ میں صحیح ہوتا، لیکن نہ

قرآن وحدیث نے یہ بتلایا ہے، اور نہ اہلِ حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہلِ حق، اہلِ السنۃ والجماعۃ جو قرآن و حدیث کے اتباع میں اسکے قائل ہیں، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ان بندوں کو نصیب ہوگا جو اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوں گے، وہ اسکے بھی قائل ہیں، کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے، جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہیں ہوئیں، اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی، جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہوگی، جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے، اور ان ہی آنکھوں سے اہلِ جنت کو اپنے اس رب قدوس کا دیدار نصیب ہوگا، جو نہ جسم ہے، نہ اسکا کوئی رنگ ہے، اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے، بلکہ وہ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے، وہ نور ہے، سراسر نور ہے اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

اس توضیح کے بعد بھی رؤیتِ باری کے مسئلہ میں جن لوگوں کو عقلی استحالہ کا وسوسہ ہو، انہیں ذرا دیر کے لئے اس پر غور کرنا چاہئے، کہ اپنی مخلوقات کو اللہ تعالیٰ بھی دیکھتا ہے، یا نہیں؟ اگر دیکھنا صرف ان ہی ذرائع سے، اور ان ہی شرائط کے ساتھ ہو سکتا ہے جن سے ہم دیکھتے ہیں، تو پھر تو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی کسی کو نہ دیکھ سکتا ہو، کیونکہ نہ اس کی آنکھ ہے، اور نہ کوئی مخلوق اس کی نسبت سے کسی جہت میں ہے۔ پس جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے بغیر دیکھتا ہے، اور ہماری آنکھیں جن چیزوں کو کسی طرح، اور کسی حال نہیں دیکھ سکتیں، وہ ان کو بھی دیکھتا ہے اور بغیر مقابلہ اور جہت کے دیکھتا ہے، انہیں رؤیتِ باری کے مسئلہ میں بھی اس قسم کا کوئی وسوسہ نہ ہونا چاہئے، اور اللہ ورسول کی اطلاعات اور بشارات پر یقین کرتے ہوئے سمجھ لینا چاہئے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت سے ایسی آنکھیں نصیب فرمائیں گے، جو حق تعالیٰ شانہ کے جمال کے نظارہ کی لذت بھی حاصل کر سکیں گی۔

قرآن پاک میں اہلِ ایمان کو بشارت سنائی گئی ہے، کہ : "وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ" (مطلب یہ ہے، کہ اہلِ جنت کے چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے، وہ خوش و خرم اور شاد ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے)۔ اور اسکے بالمقابل دوسرے موقع پر مکذبین اور منکرین کے بارے میں فرمایا گیا ہے "اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ" (یعنی یہ بد نصیب لوگ اس دن اپنے رب سے روک دیئے جائیں گے، اس کی زیارت اور اس کی دید سے محروم رکھے جائیں گے)۔

جنت میں حق تعالیٰ کی رؤیت سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث مروی ہیں، وہ سب مل کر حد تواتر کو پہنچ جاتی ہیں، اور ایک مؤمن کے یقین کے لئے بالکل کافی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے صرف چند حدیثیں درج کی جاتی ہیں:

۱۲۶) عَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَتُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ، قَالَ فَيَرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظْرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ". (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت صُہیبؓ رومی سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے، کیا تم چاہتے ہو میں تم کو ایک چیز مزید عطا کروں؟ (یعنی تم کو جو کچھ اب تک عطا ہوا، اس پر مزید اور اس سے سوا ایک خاص چیز اور عنایت کروں)۔ وہ بندے عرض کریں گے، آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے (یعنی سرخروئی اور خوبروئی عطا فرمائی) اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اسکے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں)۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا (یعنی ان کا آنکھوں سے پردہ اٹھادیا جائے گا) پس وہ روئے حق، اور جمالِ الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے، پس ان کا حال یہ ہوگا (اور وہ محسوس کریں گے) کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا، اس سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہے، یہ بیان فرما کے آپ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ" (جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھی بندگی والی زندگی گزاری، ان کے لئے اچھی جگہ ہے (یعنی جنت ومافیہا) اور اس پر مزید ایک نعمت (یعنی دیدارِ حق)۔ (مسلم)

تشریح..... آنکھوں سے پردہ اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دفعۃً ان کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرمادے گا، کہ وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَم۔

رسول اللہ ﷺ نے آخر میں جو آیت تلاوت فرمائی، اسکے ذریعہ یہ بتلایا ہے کہ اس آیت میں "زِيَادَةٌ" سے مراد حق تعالیٰ کے دیدار کی نعمت ہے، جو جنت اور نعمائے جنت کے علاوہ اور ان سے سوا ہے۔

۱۲۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ، ثُمَّ قَرَاَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ جریر بن عبد اللہ بجلی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ (ایک رات کو) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے چاند کی طرف دیکھا، اور یہ چودھویں رات تھی (اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ، اور بھرپور نکلا ہوا تھا) پھر آپ نے ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ: "یقیناً تم اپنے پروردگار کو اسی طرح دیکھو گے، جیسے کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو، تمہیں اسکے دیکھنے میں کوئی کشمکش نہیں کرنی پڑے گی، اور کوئی زحمت نہ ہوگی، پس اگر تم یہ کر سکو، کہ طلوعِ آفتاب سے پہلی نماز، اور غروبِ آفتاب سے پہلی والی نماز کے مقابلے میں کوئی چیز کبھی تم پر غالب نہ آئے (یعنی کوئی مشغلہ اور کوئی دلچسپی اور آرام طلبی ان نمازوں کے وقت میں تمہیں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے) تو لازماً ایسا کرو (پھر ان شاء اللہ دیدارِ حق اور نظارۂ جمالِ الٰہی کی نعمت ضرور تم کو نصیب ہوگی،) اسکے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی: "وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا" ۔ (اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اسکی تسبیح کرو (یعنی اس کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرو) سورج کے

نکلنے سے پہلے، اور اسکے ڈوبنے سے پہلے)۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... دنیا میں جب کسی حسین و جمیل چیز کے دیکھنے والے لاکھوں کروڑوں جمع ہو جائیں اور سب اسکے دیکھنے کے انتہائی درجہ میں مشتاق ہوں، تو ایسے موقعوں پر عموماً بڑی کشمکش اور بڑی زحمت ہوتی ہے، اور اس چیز کو اچھی طرح دیکھنا بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن چاند کا معاملہ یہ ہے کہ اس کو مشرق و مغرب کے آدمی بغیر کسی کشمکش اور زحمت کے، اور پورے اطمینان سے بیک وقت دیکھ سکتے ہیں، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثال سے سمجھایا، کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار اسی طرح بیک وقت اسکے بے شمار خوش نصیب بندوں کو نصیب ہوگا، اور کسی کو کشمکش اور زحمت سے سابقہ نہیں پڑے گا، سب کی آنکھیں بڑے سکون و اطمینان سے وہاں جمالِ حق کے نظارہ کی لذت حاصل کریں گی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عمل کی طرف بھی توجہ دلائی جو بندہ کو اس نعمت (دیدار حق) کا مستحق بنانے میں خاص اثر رکھتا ہے، یعنی فجر و عصر کی نمازوں کا خصوصیت سے ایسا اہتمام، کہ کوئی مشغولیت اور کوئی دلچسپی ان نمازوں کے وقت میں اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے، اگر چہ فرض تو پانچ نمازیں ہیں، لیکن نصوص کتاب و سنت ہی سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دو نمازوں کو خاص اہمیت اور فضیلت حاصل ہے، رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیت: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا". پڑھ کر، ان دو نمازوں کی اسی خصوصیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۱۲۸) عَنْ اَبِىْ رَزِيْنٍ الْعُقَيْلِىْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكُلُّنَا يَرٰى رَبَّهٗ مُخْلِيًا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ وَمَا آيَةُ ذَالِكَ؟ قَالَ يَا اَبَا رَزِيْنٍ اَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِيًا بِهٖ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ وَاللهُ اَجَلُّ وَ اَعْظَمُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ ابو رزین عقیلی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا قیامت میں ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کو اکیلا (بغیر بھیڑ بھاڑ اور کشمکش کے) دیکھ سکے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! دیکھ سکے گا، میں نے عرض کیا: اور کیا اس کی کوئی نشانی اور مثال (ہماری اس دنیا میں بھی ہے) آپ نے فرمایا: اے ابو رزین! کیا چودھویں رات کو تم میں سے ہر ایک چاند کو بجائے خود اور اکیلا بغیر بھیڑ بھاڑ کے نہیں دیکھتا؟ میں نے عرض کیا کہ: ہاں بے شک چاند کو تو ہم سب ہی اسی طرح دیکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ: وہ تو اللہ کی مخلوق ہے، اور اللہ تو بڑی جلالت والا اور نہایت عظمت والا ہے (پھر اس کے لئے کیا چیز مشکل ہے)۔ (ابو داؤد)

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْاَ لُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ.

دوزخ اور اُس کا عذاب

جس طرح جنت کے متعلق قرآن پاک کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اعلیٰ درجے کی ایسی لذتیں اور راحتیں ہیں، کہ دنیا کی بڑی سے بڑی لذتوں اور راحتوں کو ان سے کوئی

نسبت نہیں، اور پھر وہ سب ابدی اور غیر فانی ہیں، اسی طرح دوزخ کے متعلق قرآن وحدیث میں جو کچھ بتلایا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایسی تکلیفیں اور ایسے دکھ ہیں کہ دنیا کے بڑے سے بڑے دکھوں اور بڑی سے بڑی تکلیفوں کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے الفاظ سے جنت کے عیش وراحت اور دوزخ کے دُکھ اور عذاب کا جو تصور اور جو نقشہ ہمارے ذہنوں میں قائم ہوتا ہے وہ بھی اصل حقیقت سے بہت ناقص اور کمتر ہے، اور یہ اسلئے کہ ہماری زبان کے سارے الفاظ ہماری اسی دنیا کی چیزوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں، مثلاً سیب یا انگور کے لفظوں سے ہمارا ذہن بس اسی قسم کے سیبوں یا انگوروں کی طرف جا سکتا ہے جن کو ہم نے دیکھا اور چکھا ہے ہم جنت کے ان سیبوں اور انگوروں کی اصل حقیقت اور کیفیت کا تصور کیسے کر سکتے ہیں۔ جو اپنی خوبیوں میں یہاں کے سیبوں اور انگوروں سے ہزاروں درجہ زیادہ ترقی یافتہ ہوں گے، اور جن کا کوئی نمونہ ہم نے یہاں نہیں دیکھا۔ اسی طرح مثلاً سانپ اور بچھو کے لفظ سے ہمارا ذہن اسی قسم کے سانپوں اور بچھوؤں کی طرف جا سکتا ہے جو ہم نے اس دنیا میں دیکھے ہیں، دوزخ کے ان سانپوں اور بچھوؤں کا پورا نقشہ ہمارے ذہنوں میں کیسے آ سکتا ہے جو اپنی جسامت اور خوف ناکی اور زہریلے پن میں یہاں کے ان سانپوں اور بچھوؤں سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے ہوں گے، اور کبھی ہم نے ان کی تصویر تک نہیں دیکھی ہے۔

بہر حال قرآن وحدیث کے الفاظ سے بھی جنت ودوزخ کی چیزوں کی اصل کیفیت، اور اصل حقیقت کو ہم یہاں پورے طور پر نہیں سمجھ سکتے، بس وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگا، کہ جنت کے عیش وراحت کے بارے میں جو کچھ ہم نے جانا اور سمجھا تھا، ہمارا وہ علم بڑا ہی ناقص تھا، اور جنت میں تو اس سے ہزاروں درجہ عیش وراحت ہے، اور دوزخ کے دکھ اور عذاب کے بارہ میں جو کچھ ہم نے سمجھا تھا اصل حقیقت کے مقابلے میں وہ بھی بہت ہی ناقص تھا، اور یہاں تو ہمارے سمجھے ہوئے سے ہزاروں گنا زیادہ دکھ اور عذاب ہے۔

اور جیسا کہ اس سے پہلے جنت کے بیان میں بتلایا جا چکا ہے، دوزخ اور جنت کے متعلق جو کچھ قرآن وحدیث میں بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ مقصد ہے ہی نہیں، کہ جو کچھ وہاں پر پیش آنے والا ہے، اسکو ہم یہاں پوری طرح سمجھ لیں اور جان لیں، اور وہاں کے حالات کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آجائے، بلکہ اس بیان کا اصل مقصد تبشیر اور انذار ہے، یعنی جنت کا شوق اور دوزخ کا خوف دلا کر اللہ کی رضا والی اور دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچانے والی زندگی پر اللہ کے بندوں کو آمادہ کرنا، اور اس مقصد کے لئے جنت ودوزخ سے متعلق قرآن وحدیث کا یہ بیان بالکل کافی ہے، پس اس سلسلے کی آیات واحادیث پر غور کرتے وقت ہمیں اسی خاص مقصد کو سامنے رکھنا چاہیے۔

۱۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءًا مِنْ نَّارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّ سِتِّیْنَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا.

(رواہ البخاری ومسلم واللفظ للبخاری)

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تمہاری اس دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کے ستر

حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہی (دنیا کی آگ) کافی تھی؟ آپ نے فرمایا:
"دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں انہتر(۶۹) درجہ بڑھادی گئی ہے، اور ہر درجہ کی حرارت آتش دنیا کی حرارت کے برابر ہے۔" (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... اس دنیا کی آگ کی قسموں میں بھی درجۂ حرارت میں بعض بعض سے بہت بڑھی ہوئی ہیں، مثلاً لکڑی کی آگ میں گھاس پھونس کی آگ سے زیادہ گرمی ہوتی ہے اور مثلاً پتھر کے کوئلے کی آگ میں لکڑی کی آگ کے مقابلے میں بہت زیادہ حرارت ہوتی ہے اور بعض بموں سے جو آگ پیدا ہوتی ہے، وہ درجۂ حرارت میں ان سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہے اور اب تو آلات سے معلوم کرنا بھی آسان ہو گیا ہے کہ ایک آگ دوسری آگ کے مقابلہ میں کتنے درجہ کم یا زیادہ گرم ہے، پس اب حدیث کے اس مضمون کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہا، کہ "دوزخ کی آگ دنیا کی آگ کے مقابلہ میں ستر درجہ زیادہ حرارت اپنے اندر رکھتی ہے"۔

اور جیسا کہ پہلے بھی کئی بار شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بتلایا گیا ہے کہ عربی زبان میں ایسے موقعوں پر ستر کا عدد کسی چیز کی صرف زیادتی اور کثرت ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، پس ہو سکتا ہے، کہ اس حدیث میں بھی یہ عدد اسی محاورے کے مطابق استعمال کیا گیا ہو، اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ دوزخ کی آگ اپنی گرمی، اور جلانے کی صفت میں دنیا کی آگ سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔

آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دوزخ کی آگ کا یہ حال بیان فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ! دنیا کی آگ کی حرارت ہی کافی تھی اس پر آپ نے اور زیادہ واضح لفظوں میں پھر پہلے ہی مضمون کو دہرایا، اسکے علاوہ کوئی اور جواب نہیں دیا، غالباً اس طریق جواب سے آپ نے اس پر متنبہ فرمایا، کہ ہمیں اللہ کے افعال اور اسکے فیصلوں کے بارے میں ایسے سوالات نہیں کرنے چاہئیں، جو کچھ اس نے کیا ہے، اور جو کچھ وہ کرے گا، وہی ٹھیک ہے۔

۱۳۰) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يَرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَّاِنَّهُ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ شخص ہوگا، جسکی چپلیں اور ان چپلوں کے تسمے آگ کے ہوں گے، انکی گرمی سے اسکا دماغ اسطرح کھولے گا اور جوش مارے گا، کہ جس طرح چولہے پر دیگچی کھولتی ہے۔ اور اس میں جوش آتا ہے وہ نہیں خیال کرے گا، کہ کوئی شخص اس سے زیادہ سخت عذاب میں بھی ہے (یعنی وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ سخت عذاب میں سمجھے گا) حالانکہ وہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

۱۳۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُؤْتٰى بِاَنْعَمِ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ

فِی النَّارِ صِبْغَۃً ثُمَّ یُقَالُ یَا ابْنَ آدَمَ ھَلْ رَأَیْتَ خَیْرًا قَطُّ ھَلْ مَرَّبِکَ نَعِیْمٌ قَطُّ؟ فَیَقُوْلُ لَا وَاللّٰہِ یَا رَبِّ! وَیُؤْتٰی بِاَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِی الدُّنْیَا مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَیُصْبَغُ صَبْغَۃً فِی الْجَنَّۃِ فَیُقَالُ لَہٗ یَابْنَ آدَمَ ھَلْ رَأَیْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَھَلْ مَرَّبِکَ شِدَّۃٌ قَطُّ؟ فَیَقُوْلُ لَا وَاللّٰہِ یَا رَبِّ مَا مَرَّ بِیْ بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَیْتُ شِدَّۃً قَطُّ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اہلِ دوزخ میں سے (یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے کفروشرک کی وجہ سے یا فسق وفجور کی وجہ سے دوزخ میں جانے والے ہوں گے) ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس نے اپنی دنیا کی زندگی نہایت عیش و آرام کے ساتھ گزاری ہوگی، اور پھر اس کو دوزخ کی آگ میں ایک غوطہ دلایا جائے گا (یعنی جس طرح کپڑے کو رنگتے وقت رنگ میں ڈال کر اور بس ایک ڈوب دے کر نکال لیتے ہیں، اسی طرح اس شخص کو دوزخ کی آگ میں ڈال کر فوراً نکال لیا جائے گا) پھر اس سے کہا جائے گا، کہ آدم کے فرزند! کیا تو نے کبھی خیریت اور اچھی حالت بھی دیکھی ہے، اور کیا کبھی عیش و آرام کا کوئی دور تجھ پر گذرا ہے؟ وہ کہے گا کبھی نہیں، قسم خدا کی اے پروردگار! اور ایک شخص اہل جنت میں سے (یعنی ان خوش نصیب بندوں میں سے جو اپنی ایمان والی زندگی کی وجہ سے جنت کے مستحق ہوں گے) ایسا لایا جائے گا جسکی زندگی دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف میں اور دکھ میں گزری ہوگی، اور اسکو ایک غوطہ جنت میں دیا جائے گا (یعنی جنت کی فضاؤں اور ہواؤں میں پہنچا کر فوراً نکال لیا جائے گا) اور اس سے کہا جائے گا، کہ اے آدم کے فرزند! کیا کبھی تو نے کوئی دکھ دیکھا۔ اور کیا تجھ پر کوئی دور شدت اور تکلیف کا گزرا ہے، پس وہ کہے گا نہیں، خدا کی قسم اے میرے پروردگار! مجھ پر کبھی کوئی تکلیف نہیں گذری، اور میں نے کبھی کسی تکلیف کا منہ نہیں دیکھا! (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ دوزخ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ عمر بھر کے عیش و راحت کو بھلا دے گا، اور جنت میں وہ راحت اور عیش ہے کہ اس میں قدم رکھتے ہی آدمی عمر بھر کے سارے دکھ اور ساری کلفتیں بھول جائے گا۔

۱۳۲) عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مِنْھُمْ مَنْ تَاخُذُہُ النَّارُ اِلٰی کَعْبَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاخُذُہُ النَّارُ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاخُذُہُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِہٖ وَمِنْھُمْ مَنْ تَاخُذُہُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِہٖ۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ۔ سمرہ بن جندب سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دوزخیوں میں سے بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے ٹخنوں تک، اور بعض وہ ہوں گے کہ جن کو پکڑے گی آگ ان کے زانوؤں تک، اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی کمر تک، اور بعض وہ ہوں گے جن کو پکڑے گی آگ ان کی ہنسلی تک۔ (مسلم)

تشریح...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں سب ایک درجہ میں اور ایک ہی حال میں نہیں ہوں گے، بلکہ جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کے عذاب میں کمی بیشی ہوگی، مثلاً کچھ لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ آگ ان

کے صرف ٹخنوں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر عذاب اس سے زیادہ ہوگا، اور آگ ان کے زانوؤں تک پہنچے گی، اور کچھ لوگوں پر اس سے بھی زیادہ ہوگا، اور آگ ان کی کمر تک پہنچا کرے گی، اور کچھ لوگ ان سے بھی سخت تر اور بد تر حالت میں رہیں گے اور آگ ان کی گردن تک پہنچے گی۔ اللّٰهُمَّ احفظنا۔

۱۳۳) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِی النَّارِ حَیَّاتٍ کَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدَا هُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا وَاِنَّ فِی النَّارِ عَقَارِبُ کَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْ کَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدَا هُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حَمْوَتَهَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا.** (رواہ احمد)

ترجمہ عبد اللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جہنم میں سانپ ہیں، جو اپنی جسامت میں بختی اونٹوں کے برابر ہیں (جو جثہ میں عام اونٹوں سے بھی بڑے ہوتے ہیں) اور وہ اس قدر زہریلے ہیں کہ ان میں کا کوئی سانپ جس دوزخی کو ایک دفعہ ڈسے گا، تو چالیس سال کی مدت تک وہ اسکے زہر کا اثر پائے گا (اور تڑپے گا) اور اسی طرح دوزخ میں بچھو ہیں، جو (اپنی جسامت میں) پالان بندھے خچروں کی مانند ہیں (وہ بھی ایسے ہی زہریلے ہیں کہ) ان میں سے کوئی کسی دوزخی کو ایک دفعہ ڈنک مارے گا، تو چالیس سال تک وہ اسکے زہر کی تکلیف پائے گا۔ (مسند احمد)

۱۳۴) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ یُهْرَاقُ فِی الدُّنْیَا لَاَنْتَنَ اَهْلُ الدُّنْیَا۔** (رواہ الترمذی)

ترجمہ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: "غساق (یعنی وہ سڑی ہوئی پیپ جو جہنمیوں کے زخموں سے نکلے گی اور جس کے متعلق قرآن مجید میں بتلایا گیا ہے کہ وہی انتہائی بھوک میں ان کی غذا ہوگی، وہ اس قدر بدبودار ہوگی کہ) اگر اس کا ایک ڈول اس دنیا پر بہادیا جائے، تو ساری دنیا (اس کی سڑاہند سے) بدبودار ہو جائے۔ (ترمذی)

۱۳۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَءَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ " اِتَّقُوااللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ " قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِنَ الزَّقُّوْمِ قَطَرَتْ فِیْ دَارِالدُّنْیَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَایِشَهُمْ فَکَیْفَ بِمَنْ یَکُوْنُ طَعَامُهٗ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ"۔ (اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور فیصلہ کرلو کہ ہرگز نہ مروگے، مگر اس حال میں کہ تم مسلم (اللہ کے فرمانبردار بندے) ہوگے) (اور اللہ سے اسکے عذاب سے ڈرنے کے سلسلے میں) آپ نے بیان فرمایا کہ "زقوم" (جس کے متعلق قرآن مجید میں ہے کہ وہ جہنم میں پیدا ہونے والا ایک درخت ہے، اور وہ دوزخیوں کی خوراک بنے گا) اگر اس کا ایک قطرہ اس دنیا میں ٹپک جائے، تو زمین پر بسنے والوں کے سارے سامانِ زندگی کو خراب کردے، پس کیا گزرے گی اس شخص پر جس کا کھانا وہی زقوم ہوگا۔ (ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ زقوم اس قدر گندی اور زہریلی چیز ہے، کہ اگر اس کا ایک قطرہ ہماری اس دنیا میں ٹپک جائے تو یہاں کی تمام چیزیں اس کی بدبو اور گندگی اور زہریلے پن سے متاثر ہو جائیں، اور ہمارے کھانے پینے کی ساری چیزیں خراب ہو جائیں، پس سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ زقوم جس کو کھانا پڑے گا اس پر کیا گزرے گی۔

۱۳۶) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوْا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِيْعُوْا فَتَبَاكُوْا فَاِنَّ اَهْلَ النَّارِ يَبْكُوْنَ فِى النَّارِ حَتّٰى تَسِيْلُ دُمُوْعُهُمْ فِىْ وَجُوْهِهِمْ كَاَنَّهَاجَدَاوِلُ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِيْلُ الدِّمَاءُ فَتَقْرَحُ الْعُيُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِيَتْ فِيْهَا لَجَرَتْ. (رواه البغوى فى شرح السنه)

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے ایک خطاب میں) فرمایا کہ: اے لوگو (اللہ اور اسکے عذاب کے خوف سے) خوب روؤ، اور اگر تم یہ نہ کر سکو، یعنی اگر حقیقی گریہ کی کیفیت تم پر طاری نہ ہو (کیونکہ وہ ایسی اختیاری چیز نہیں ہے کہ آدمی جب چاہے اس کو اپنے اندر پیدا کر سکے) تو پھر (اللہ کے قہر اور اسکے عذاب کا خیال کر کے) تکلف سے روؤ، اور رونے کی شکل بناؤ، کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ انکے چہروں پر انکے آنسو ایسے بہیں گے، کہ گویا وہ (بہتی ہوئی) نالیاں ہیں، یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے، اور پھر (آنسوؤں کی جگہ) خون بہے گا اور پھر (اس خون بہنے سے) آنکھوں میں زخم پڑ جائیں گے (اور پھر ان زخموں سے اور زیادہ خون جاری ہو گا، اور ان دوزخیوں کے ان آنسوؤں اور خونوں کی مجموعی مقدار اتنی ہو گی کہ اگر کشتیاں اس میں چلائی جائیں تو خوب چلیں۔ (شرح السنہ)

تشریح...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ دوزخ میں اتنا دکھ اور ایسا عذاب ہو گا، کہ آنکھیں آنسوؤں کا ذخیرہ ختم کر کے خون روئیں گی، اور اس مسلسل رونے سے ان میں زخم پڑ جائیں گے، پس وہاں کے اس دکھ اور عذاب سے، اور آنسوؤں کا اور خون کا دریا بہانے والے اس رونے سے بچنے کے لئے آدمیوں کو چاہئے، کہ وہ یہاں اپنے اندر خدا کا خوف پیدا کریں، اور روئیں، دوسری ایک حدیث میں ہے کہ "لَا يَلِجُ النَّارَ مَنْ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتّٰى يَعُوْدَ اللَّبَنُ فِى الضَّرْعِ" [1] (یعنی جو یہاں اللہ کے خوف سے روئے گا، وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گا) بہر حال اللہ کے خوف سے رونا اور اگر رونا نہ آئے، تو رونے کی صورت ہی بنانا، اللہ کے رحم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا خاص ذریعہ ہے، اور دوزخ کے عذاب سے بچانے والے خاص اعمال میں سے ہے۔

۱۳۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَازَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْقَامَ فِىْ مَقَامِىْ هٰذَا سَمِعَهٗ اَهْلُ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ. (رواه الدارمى)

ترجمہ۔ نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ (اپنے ایک خطاب میں) فرماتے تھے: میں نے تمہیں آتش دوزخ سے خبردار کر دیا ہے، میں نے تمہیں دوزخ کے عذاب سے آگاہ

---

[1] رواہ الترمذی والنسائی عن ابی ہریرۃ۔ (مشکوۃ کتاب الجہاد)

کر دیا ہے۔ آپ یہی کلمہ بار بار فرماتے تھے (آگے حدیث کے راوی نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ آپ یہ بات اتنی بلند آواز سے فرماتے) کہ اگر آپ اس جگہ ہوتے جہاں پر اس وقت میں ہوں (اور یہاں سے فرماتے) تو بازار والے بھی آپ کے اس ارشاد کو سن لیتے، اور (اس وقت آپ پر خود فراموشی کی ایک خاص کیفیت طاری تھی) یہاں تک کہ آپ کی کمبلی جو اس وقت آپ اوڑھے ہوئے تھے، آپ کے قدموں کے پاس آگری۔ (دارمی)

تشریح...... بعض خطابات کے وقت حضور ﷺ کی کوئی خاص کیفیت ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ اس کی کوشش فرماتے تھے کہ ان خطابات کی روایت کے وقت اس خاص کیفیت کو بھی کسی طرح نقل کر دیں، چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر نے اس حدیث کے بیان میں جو اتنی تفصیل کی تو اس سے ان کا مقصد یہی تھا۔ کہ لوگوں کو یہ بات بتلا دیں کہ اس خطاب کے وقت آپ کی یہ خاص حالت تھی، اور دوسروں کو دوزخ سے ڈراتے ہوئے آپ خود اتنے متاثر ہوتے تھے۔

جنت اور دوزخ کے بارے میں ایک اہم انتباہ

١٣٨) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ.
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دوزخ شہوات ولذات سے گھیر دی گئی ہے اور جنت سختیوں اور مشقتوں سے گھری ہوئی ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ معاصی، یعنی جو اعمال انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں، ان میں عموماً نفس کی شہوت و لذت کا بڑا سامان ہے، اور طاعات یعنی جو اعمال انسان کو جنت کا مستحق بنانے والے ہیں وہ عموماً نفسِ انسانی کے لئے شاق اور گراں ہیں پس جو شخص نفس کی خواہشوں سے مغلوب ہو کر معاصی کا ارتکاب کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا، اور اللہ کا جو بندہ اللہ کی فرمانبرداری کی مشقتوں کو برداشت کرے گا، اور خواہشات والی "خوشگوار اور لذیذ" زندگی کے بجائے احکامِ الٰہی کی اطاعت والی مجاہدہ کی زندگی گزارے گا، وہ جنت میں اپنا مقام حاصل کرلے گا۔ اس سے اگلی حدیث میں اسی حقیقت کو ایک اور عنوان سے، اور کسی قدر تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

١٣٩) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعَدَّ اللهُ لِاَهْلِهَا فِيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ لِجِبْرَئِيْلَ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا خَلَقَ اللهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ، اَىْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ

اِلَیْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَیْهَا فَقَالَ، اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ لَا یَبْقٰی اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: جب اللہ نے جنت کو بنایا، تو اپنے مقرب فرشتے جبرئیل سے فرمایا کہ تم جاؤ اور اس کو دیکھو (کہ ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے، اور اس میں کیسی کیسی نعمتیں پیدا کیں ہیں) چنانچہ وہ گئے، اور انہوں نے جا کر جنت کو اور راحت ولذت کے ان سامانوں کو دیکھا، جو اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لئے اس میں تیار کئے ہیں، اور پھر حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، کہ خداوندا! آپ کی عزت وعظمت کی قسم (آپ نے تو جنت کو ایسا حسین بنایا ہے اور اس میں راحت ولذت کے ایسے ایسے سامان پیدا کئے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سن پائے گا، وہ اس میں ضرور پہنچے گا (یعنی اس کا حال سن کر وہ دل وجان سے اس کا طالب بن جائے گا، اور پھر اس میں پہنچنے کیلئے جو اچھے اعمال کرنے چاہئیں، وہ پوری مستعدی کے ساتھ وہی اعمال کرے گا، اور جن برے کاموں سے بچنا چاہئے ان سے پوری طرح بچے گا اور اس طرح اس میں پہنچ ہی جائے گا) پھر اللہ تعالیٰ نے اس جنت کو سختیوں اور مشقتوں سے گھیر دیا (یعنی جنت کے گرد شرعی احکام کی پابندی کا باڑہ لگادیا، جو طبیعت اور نفس کے لئے بہت شاق اور گراں ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں پہنچنے کے لئے احکام کی اطاعت کی گھاٹی کو عبور کرنے کی شرط لگادی، جس میں طبیعتوں کو اور نفسوں کو بڑی سختی اور دشواری محسوس ہوتی ہے) اور پھر جبرئیل سے فرمایا، کہ اب پھر جاؤ، اور پھر اس جنت کو (اور اس کے گرداگرد لگائی ہوئی باڑہ کو) دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ پھر گئے، اور جا کر پھر جنت کو دیکھا اور اس مرتبہ آ کر فرمایا کہ: خداوندا قسم آپ کی عزت وعظمت کی، اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ اس میں کوئی بھی نہ جاسکے گا (مطلب یہ ہے کہ جنت میں جانے کے لئے شرعی احکام کی پابندی کی گھاٹی کو عبور کرنے کی جو شرط آپ کی طرف سے لگائی گئی ہے، وہ نفس اور نفسانی خواہشات رکھنے والے انسان کے لئے اتنی شاق، اور اس قدر دشوار ہے کہ اس کو کوئی بھی پورا نہ کر سکے گا، اسلئے مجھے ڈر ہے کہ اب اس جنت کو شاید کوئی بھی حاصل نہ کر سکے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو بنایا تو پھر جبرئیل سے فرمایا کہ: جاؤ اور ہماری بنائی ہوئی دوزخ کو (اور اس میں انواع واقسام کے عذاب کے جو سامان پیدا کئے ہیں، ان کو) دیکھو، چنانچہ وہ گئے، اور جا کر اس کو دیکھا، اور آ کر عرض کیا، خداوندا! آپ کی عزت کی قسم (آپ نے دوزخ کو تو ایسا بنایا ہے، کہ میرا خیال ہے کہ) جو کوئی بھی اس کا حال سنے گا وہ کبھی بھی اس میں نہ جائے گا (یعنی ایسے کاموں کے پاس نہیں جائے گا جو آدمی کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں) اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو شہوات اور نفسانی لذات سے گھیر دیا (مطلب یہ ہے کہ نفسانی خواہشات والے وہ اعمال جن میں انسان کی طبیعت اور نفس کے لئے بڑی کشش ہے، جہنم کے گرد اُن کی باڑہ لگادی، اور اس طرح جہنم کی طرف جانے کیلئے بڑی کشش پیدا ہوگئی) اور پھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا: اب پھر جا کر اس دوزخ کو دیکھو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل پھر گئے اور

جا کر اس کو اور اسکے گرد شہوات ولذات کی جو باڑہ لگائی گئی تھی، اس کو) دیکھا اور آکر عرض کیا: خداوندا! آپ کی عزت و جلال کی قسم! اب تو مجھے یہ ڈر ہے کہ سب انسان اسی میں نہ پہنچ جائیں (مطلب یہ ہے کہ جن شہوات ولذات سے آپ نے جہنم کو گھیر دیا ہے ان میں نفس رکھنے والے انسانوں کیلئے اتنی زبردست کشش ہے کہ ان سے رکنا بہت مشکل ہے اور اسلئے خطرہ ہے کہ بیچاری ساری اولادِ آدم نفسانی لذات و شہوات کی کشش سے مغلوب ہو کر دوزخ ہی میں نہ پہنچ جائے)۔ (ترندی، ابوداؤد، نسائی)

تشریح...... حدیث کا اصل مقصد اور اس میں ہمارے لئے خاص سبق یہ ہے کہ نفسانی خواہشات جو بظاہر بڑی لذیذ اور بڑی مرغوب ہیں۔ ہم جان لیں کہ ان کا انجام دوزخ کا دردناک عذاب ہے، جس کا ایک لمحہ زندگی بھر کے عیشوں کو بھلادے گا، اور احکام الٰہی کی پابندی والی زندگی جس میں ہمارے نفسوں کو گرانی اور سختی محسوس ہوتی ہے اس کا انجام اور منتہیٰ جنت ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے عیش و راحت کے وہ سامان ہیں جن کی دنیا کے کسی انسان کو ہوا بھی نہیں لگی ہے۔

۱۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا رَأَیْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَا رِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے نہیں دیکھی دوزخ کی طرح کی کوئی خوفناک بلا، کہ سوتا ہو اس سے بھاگنے والا، اور نہیں دیکھی میں نے جنت کی طرح کی کوئی مرغوب و محبوب چیز، کہ سوتا ہو اس کا چاہنے والا۔ (ترندی)

تشریح...... انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی بلا سے مثلاً اپنی طرف آنے والے کسی خوفناک درندے سے، یا اپنا تعاقب کرنے والے کسی سخت ظالم اور طاقتور دشمن سے جان بچانے کے لئے بھاگتا ہے، تو بس بھاگا ہی چلا جاتا ہے، اور جب تک کہ اطمینان نہ ہو جائے، نہ سوتا ہے اور نہ آرام کرتا ہے، اسی طرح جب کسی انتہائی محبوب و مرغوب چیز کے حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرتا ہے تو اثناء راہ میں نہ تو سوتا ہے، نہ چین سے بیٹھتا ہے۔ لیکن دوزخ اور جنت کے بارے میں انسانوں کا عجب حال ہے، دوزخ سے بڑھ کر کوئی خوفناک بلا نہیں، مگر جن کو اس سے بچنے کے لئے بھاگنا چاہئے، وہ غفلت کی نیند سوتے ہیں، اور جنت جس کے حاصل کرنے کیلئے دل و جان سے جدوجہد کرنا چاہئے، اس کے چاہنے والے بھی محو خواب ہیں۔

پڑے غفلت کے پڑ گئے ہیں، بلا کی نیندیں امنڈ رہی ہیں کچھ ایسے سوئے ہیں سونیوالے، کہ حشر تک جاگنا قسم ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہلی جلد ختم ہوئی۔

فَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ بِعِزَّتِهٖ وَجَلَالِهٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰتُ

اللہ تعالیٰ باقی جلدوں کی بھی تکمیل اور اشاعت کی توفیق دے

بندہ ناچیز:۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

معارِفُ الحدیث

حصّہ دوم

کتاب الرّقاق

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِىْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَ اَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلُ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ

(رواہ الترمذی وابوداؤد عن زید بن ثابت)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا

اللہ تعالیٰ اپنے اُس بندہ کو شاد و شاداب رکھے جو میری بات سُنے، پھر اُسے یاد کرلے اور محفوظ رکھے اور دوسرں تک اُسے پہنچائے، پس بہت سے لوگ فقہ (یعنی علم دین) کے حامل ہوتے ہیں، مگر خود فقیہ نہیں ہوتے اور بہت سے علمِ دین کے حامل اُس کو ایسے بندوں تک پہنچادیتے ہیں جو اُن سے زیادہ فقیہ ہوں۔ (جامع ترمذی وسنن ابی داؤد)

کیسے خوش نصیب ہیں اللہ کے وہ بندے جو رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو سینہ یا سفینہ میں محفوظ رکھیں اور دوسروں کو سنا کر اور پہنچا کر حضور ﷺ کی اس دعاء کے مصداق بنیں اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ناظرین کو اس خیرِ عظیم میں حصہ لینے کی توفیق دے۔ آمین

حدیث کی کتابوں میں جس طرح کتابُ الایمان، کتابُ الصلوٰۃ، کتابُ الزکوٰۃ کتاب النکاح، کتاب البیوع وغیرہ عنوانات ہوتے ہیں، جن کے تحت اِن ابواب کی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، اسی طرح ایک عنوان "کتاب الرقاق" کا ہوتا ہے، جس کے ذیل میں وہ حدیثیں درج کی جاتی ہیں جن سے دل میں رقت اور گداز کی کیفیت پیدا ہو، دنیا سے وابستگی کم ہو، اور آخرت کی فکر بڑھے، اور آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اخروی فلاح کو اپنی زندگی کا نصب العین بنائے، اسکے علاوہ اِسی عنوان کے تحت رسول اللہ ﷺ کے مؤثر خطبات و نصائح اور مواعظ بھی درج کئے جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ حدیث کے ذخیرے میں سب سے زیادہ مؤثر اور زندگی کے رُخ کو بدلنے کی سب سے زیادہ طاقت رکھنے والا حصہّ یہی ہوتا ہے، جو کُتبِ حدیث میں "کتاب الرقاق" کے زیرِ عنوان درج ہوتا ہے، اس لئے اس کی خاص اہمیت ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ حقیقی اسلامی تصوّف کی یہی اَساس و بنیاد ہے۔

ہم اس سلسلہ کو اُن حدیثوں سے شروع کرتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خدا کا خوف و خشیت اور آخرت کی فکر دلوں میں پیدا کرنے کی کوشش فرمائی ہے، یا کسی عنوان سے اُس کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی ہے۔

دعا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اِن ارشادات کے جو اثرات اُن خوش نصیب اہلِ ایمان کے قلوب پر پڑتے تھے جنھوں نے سب سے پہلے خود حضورؐ کی زبانِ مُبارک سے یہ ارشادات سُنے تھے، اللہ تعالیٰ ان کا کوئی ذرّہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

خدا کا خوف اَور فکرِ آخرت

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اُس کو پہنچانے میں چونکہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمّت میں اِن دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اِس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے، اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع کی حدیث جو چند صفحات کے بعد آپ پڑھیں گے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا، اور صحابۂ کرام جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور آخرت اور دوزخ و جنّت کے متعلق آپ کے ارشادات سنتے تھے، تو اُن کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنّت گویا اُن کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے ہی سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے، تو بلا شبہ ایک پوری کتاب صرف ان ہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔ یہاں صرف چند ہی حدیثیں اس سلسلہ کی درج کی جاتی ہیں۔

اگر عالمِ غیب ہم پر منکشف ہو جائے......

۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً۔ (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، سیدنا ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر (اللہ کے قہر و جلال اور قیامت و آخرت کے لرزہ خیز ہولناک احوال کے متعلق) تمہیں وہ سب معلوم ہو جائے، جو مجھے معلوم ہے، تو تمہارا ہنسنا بہت کم ہو جائے، اور رونا بہت بڑھ جائے۔ (بخاری)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی، اور اسکے قہر و جلال، اور قیامت و آخرت کے ہولناک لرزہ خیز احوال کے متعلق جو کچھ مجھے معلوم ہے، اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر منکشف کر دیا ہے، اگر تم کو بھی اس کا پورا علم ہو جائے، اور تمہاری آنکھوں کو بھی وہ سب نظر آنے لگے جو میں دیکھتا ہوں، اور تمہارے کان بھی وہ سب کچھ سننے لگیں جو میں سنتا ہوں، تو تمہارا چین و سکون ختم ہو جائے، تم بہت کم ہنسو اور بہت زیادہ روؤ۔ اس کی مزید تفصیل حضرت ابوذر غفاریؓ کی اگلی حدیث سے معلوم ہو گی۔

۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَاتَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَاِطَّ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَافِیْهَا مَوْضِعُ اَرْبَعِ اَصَابِعَ اِلَّاوَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدً لِّلّٰهِ، وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَّ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَّمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ اِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْاَرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ. قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں علمِ غیب کی وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چرچرا رہا ہے، اور حق ہے کہ وہ چرچرائے۔ قسم ہے اُس ربِ ذوالجلال کی، جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آسمان میں چار انگل جگہ بھی نہیں ہے، جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ کے حضور میں اپنا ماتھا رکھے سجدے میں نہ پڑا ہو، اگر تم وہ باتیں جانتے، جو میں جانتا ہوں، تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے، اور بستروں پر بیویوں سے بھی لطف اندوز نہ ہو سکتے، اور اللہ سے نالہ و فریاد اور گریہ و زاری کرتے ہوئے بیابانوں اور جنگلوں کی طرف نکل جاتے۔ (اس حدیث کو نقل کر کے) ابوذرؓ فرماتے ہیں: کاش! میں ایک درخت ہوتا، جو کاٹ دیا جاتا۔
(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس سلسلہ کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں جیسا کہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے خدا کے پیغمبر کا اصل کام اور مقام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیبی حقائق اُس پر منکشف فرمائے، اور جن احکام کی اس کی طرف وحی کی جائے، وہ اللہ کے دوسرے بندوں کو پہنچائے، اور اُس پر ایمان لانے والے اُسکے امتیوں کا مقام اور کام

یہ ہے کہ اُس پیغمبر کے اعتماد واعتبار پر اُن سب باتوں کو وہ حق جانیں، مانیں اور اُن ہی حقائق کو اپنی زندگی کی بنیاد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو علم کے جو ذرائع، عقل و حواس وغیرہ عطا فرمائے ہیں، ان کی دسترس صرف اسی عالم شہود تک محدود ہے، عالمِ غیب تک اُن کی رسائی نہیں ہے، اسلئے غیبی حقائق کی دریافت اور ان کے بارے میں علم و یقین حاصل کرنے کی راہ ہمارے لئے یہی ہے کہ اللہ کے پیغمبروں کے سماع و مشاہدہ اور اُن کی خبر پر ہم اعتماد کریں، اور یقین لائیں، اسی کا نام ایمان ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں عالمِ غیب کے اپنے اس ہیبت ناک انکشاف کا ذکر فرمایا ہے، کہ اللہ کے جلال اور فرشتوں کی کثرت سے آسمان چرچرا رہا ہے، اور چار انگل بھر جگہ بھی اُس میں ایسی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ! اَللّٰہُ اَعْظَمُ!! اَللّٰہُ اَجَلُّ!!!۔ آگے حضور ﷺ نے فرمایا، کہ: اگر میری طرح تم بھی وہ سب کچھ جان لو، جو میں جانتا ہوں، اور جو دیکھتا سنتا ہوں، تو تم اس دنیا میں اس طرح ہنسی خوشی نہ رہ سکو، بستروں پر بیویوں سے لطف اندوزی کا بھی تم کو ہوش نہ رہے، اور گھروں سے نکل کر جنگلوں میں اللہ کے سامنے نالۂ و فریاد اور گریۂ وزاری کرتے پھرو۔ حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ پر اس حدیث کا اتنا اثر پڑا تھا کہ بعض اوقات اس حدیث کے بیان کرنے کے ساتھ اُن کے دل کی یہ آواز زبان سے نکل جاتی تھی، کہ: اے کاش! میں ایک درخت ہوتا، جس کو جڑ سے کاٹ ڈالا جاتا، اور پھر آخرت میں حساب کے لئے میری پیشی نہ ہوتی۔

ف...... اللہ تعالیٰ کو انسانوں سے چونکہ خلافتِ ارضی کا کام لینا ہے، اور وہ جب ہی ممکن ہے کہ انسان اس دنیا میں اطمینان اور سکون کے ساتھ رہ سکے، اسلئے وہ حقیقتیں اور وہ چیزیں عام انسانوں سے پردۂ غیب میں رکھی گئی ہیں جن کے انکشاف کے بعد آدمی اس دنیا میں سکون سے نہیں رہ سکتا، مثلاً قبر کا یا دوزخ کا عذاب، اور اسی طرح قیامت کے لرزہ خیز مناظر اگر اس دنیا میں ہم جیسے انسانوں پر منکشف کر دیئے جائیں، اور ہم لوگ ان کو برأی العین دیکھ سکیں، تو پھر اس دنیا میں ہم کوئی کام نہیں کر سکتے، بلکہ زیادہ دنوں تک زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کو جو خاص کام لینا تھا، اسکے لئے ضروری تھا کہ آپ پر ان چیزوں کا انکشاف کر دیا جائے، اور ایک درجہ پر ان حقائق کا مشاہدہ آپ کو کرادیا جائے، تاکہ آپ کے اندر وہ عین الیقین اور حق الیقین پیدا ہو جائے، جس کی آپ کے منصبِ عالی اور کارِ عظیم کے لئے ضرورت تھی، اسلئے اس قسم کے بہت سے غیبی حقائق آپ پر منکشف کئے گئے، اور اسی کے ساتھ حکمتِ خداوندی نے آپ کے قلب مبارک کو وہ غیر معمولی طاقت بھی بخشی، کہ اس انکشاف اور مشاہدہ کے باوجود آپ اپنے تمام فرائضِ منصبی کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، اور دنیا میں ایسی جامع اور معتدل زندگی گزار سکیں، جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہر قسم اور ہر طبقے کے انسانوں کے لئے نمونہ بن سکے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

غفلت کو دُور کرنے کیلئے موت کو زیادہ یاد کرو

۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ لِصَلٰوةٍ فَرَأَی النَّاسَ کَاَنَّهُمْ یَکْتَشِرُوْنَ قَالَ اَمَا اِنَّکُمْ لَوْ

اَكْثَرْتُمْ ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ لَشَغَلَكُمْ عَمَّا اَرَى الْمَوْتَ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ فَاِنَّهُ لَمْ يَاتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ اِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَاَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا اَمَا اِنْ كُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذَا وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهٖ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ اِلَى الْجَنَّةِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ اَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَّلَا اَهْلًا اَمَا اِنْ كُنْتَ لَاَبْغَضَ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذَا وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى صَنِيْعِيْ بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَخْتَلِفَ اَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِاَصَابِعِهٖ فَاَدْخَلَ بَعْضَهَا فِيْ جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيِّضُ لَهُ سَبْعُوْنَ تِنِّيْنًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَيْئًا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَيَنْهَسْنَهٗ وَيَخْدِشْنَهٗ حَتّٰى يُفْضٰى بِهٖ اِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز کے لئے گھر سے مسجد تشریف لائے، تو آپ نے لوگوں کو اس حال میں دیکھا کہ گویا (وہاں مسجد ہی میں) وہ کھل کھلا کر ہنس رہے ہیں، (اور یہ حالت علامت تھی غفلت کی زیادتی کی) اسلئے رسول اللہ ﷺ نے (ان کی اس حالت کی اصلاح کیلئے) ارشاد فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا ہونے دے لذتوں کو توڑنے والی موت کو زیادہ یاد کرو۔ (اسکے بعد فرمایا) حقیقت یہ ہے کہ قبر (یعنی زمین کا وہ حصہ جسکو مرنے کے بعد آدمی کا آخری ٹھکانا بننا ہے) ہر روز پکارتی ہے۔ (ظاہر یہ ہے کہ زبانِ قال سے پکارتی ہے، اور اسکی اس پکار کو وہی سُن سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر روز قبر زبانِ حال سے پکارتی ہے) کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں (اور قبر کی زبان حال کی اس پکار کو تو ہر بندہ ہر وقت سن سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبانِ حال کی باتیں سننے والے کان عطا فرمائے ہوں)۔ (اسکے بعد آپ نے اسکی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندہ کا واسطہ اس زمین سے پڑتا ہے اور وہ اسکے سپرد ہوتا ہے، تو ایمان و عمل کے فرق کے لحاظ سے زمین کا برتاؤ اسکے ساتھ کتنا مختلف ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا) جب وہ بندہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے جو حقیقی مؤمن و مسلم ہو، تو زمین (کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے، اور) کہتی ہے مرحبا! (میرا دیدۂ و دل فرش، راہ) خوب آئے، اور اپنے ہی گھر آئے، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چہیتے مجھے تم ہی تھے، اور آج جب تم میرے سپرد کر دئے گئے ہو، اور میرے پاس آگئے ہو، تو تم دیکھو گے کہ (تمہاری خدمت اور راحت رسانی کے لئے) میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں، پھر وہ زمین اُس بندۂ مؤمن کے لئے حد نگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے، اور اُس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا

جاتا ہے۔ اور جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی، یا (آپ نے فرمایا، کہ) ایمان نہ لانے والا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو زمین اُس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا، اور آج جب تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے، اور میرے قبضے میں آگیا ہے، تو ابھی تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو بھینچتی اور دباتی ہے، یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں ادھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔ ابو سعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔ اسکے بعد فرمایا "پھر اس پر ستر اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں، جن میں سے ایک اگر زمین میں پھنکار مارے، تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اگا سکے، پھر یہ اژدھے اسے برابر کاٹتے نوچتے رہیں گے، یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ اور حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ: اسکے سوا کچھ نہیں کہ قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق۔　　(جامع ترمذی)

تشریح...... قبر کے عذاب و ثواب کے متعلق پوری تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، اور عقل کی خامی سے جو سوالات اور شبہات اس بارہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، ان کا جواب بھی وہیں دیا جا چکا ہے، یہ بھی وہیں بتایا جا چکا ہے کہ قبر سے مراد عالمِ برزخ کا ٹھکانا ہے، خواہ وہ اصطلاحی قبر ہو یا کچھ اور، نیز وہیں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ ثواب یا عذاب کی تفصیلات میں جہاں جہاں حدیثوں میں سترؔ کا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا بڑا عدد آتا ہے، تو اس سے مراد صرف کثرت اور بہتات بھی ہو سکتی ہے، الغرض ان سب پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو پہلی جلد میں کی جا چکی ہے، یہاں تو حدیث کی اس روح کو سمجھنا چاہئے کہ بندے کو خدا سے، اور آخرت کے اپنے انجام سے کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہئے، اور موت اور قبر کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے ذریعہ غفلت کا علاج کرتے رہنا چاہئے، اور بلا شبہ یہ تیر بہدف علاج ہے۔ صحابہ میں جو تقویٰ، جو خوفِ خدا اور آخرت کی جو فکر تھی، وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی طریقِ علاج کا نتیجہ تھا، اور آج بھی یہ اوصاف کچھ اُن ہی بندگانِ خدا میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے موت اور قبر کی یاد کو اپنا وظیفہ بنا رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے، کہ موت اور قبر کی یاد کے ذریعہ اپنی غفلتوں کا علاج کریں، اور خدا کے خوف اور خشیت اور آخرت کی فکر کو اپنی زندگی کی اساس بنائیں۔

۴) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اُذْكُرُوا اللهَ اُذْكُرُوا اللهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيْهِ۔

(رواه الترمذى)

ترجمہ۔ حضرت اُبیّ بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گذر جاتی تو آپ اٹھتے، اور فرماتے: اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے ہلا ڈالنے والا، قیامت کا

بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اسکے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت اُن سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے، جو اس کے ساتھ آتے ہیں، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔ (ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان سب کو پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نمازِ عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اسکے بعد کچھ آرام فرماتے تھے، اور پھر تہجد کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے، اور جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا، تو جیسا کہ حضرت اُبیؓ بن کعبؓ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلقین اور عام اہل ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لئے بیدار کر دینا چاہتے تھے، اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کیلئے اس وقت آپ انکو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔ بلاشبہ خوابِ غفلت کو دور کرنے کے لئے، اور اللہ کے بندوں میں فکر اور چونک پیدا کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دینے اور اُس کی عبادت اور ذکر میں مشغول کر دینے کے لئے، یہ نسخہ بڑا اکسیر ہے۔ آج بھی جس شخص کو آخری رات میں تہجد کیلئے بستر سے اٹھنا مشکل ہو، وہ اگر اسوقت موت اور قبر اور قیامت کی سختیوں کو یاد کر لیا کرے، تو تجربہ ہے کہ نیند کا نشہ کافور ہو جاتا ہے۔

خوف اور فکر والے ہی کامیاب ہونے والے ہیں

۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَمَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللهِ الْجَنَّةُ ۔** (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے، اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے یاد رکھو، اللہ کا سودا سستا نہیں بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے، یاد رکھو اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔ (ترمذی)

تشریح..... عرب کا عام دستور تھا کہ مسافروں کے قافلے رات کے آخری حصہ میں چلتے تھے، اور اس وجہ سے قزاقوں اور رہزنوں کے حملے بھی عموماً سحر ہی میں ہوتے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ جس مسافر یا جس قافلے کو رہزنوں کے حملے کا خوف ہوتا، وہ بجائے آخری رات کے شروع رات میں چلدیتا، اور اس تدبیر سے بحفاظت و عافیت اپنی منزل پر پہنچ جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مثال سے سمجھایا، کہ جس طرح رہزنوں کے حملہ سے ڈرنے والے مسافر، اپنے آرام اور اپنی نیند کو قربان کر کے چل دیتے ہیں، اسی طرح انجام کا فکر رکھنے والے اور دوزخ سے ڈرنے والے مسافرِ آخرت کو چاہئے کہ اپنی منزل (یعنی جنت) تک پہنچنے کے لئے اپنی راحتوں لذتوں اور خواہشوں کو قربان کرے، اور منزلِ مقصود کی طرف تیز گامی سے چلے۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے بتلایا، کہ: بندہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ لینا چاہتا ہے، وہ کوئی سستی اور کم قیمت چیز نہیں ہے کہ

یوں ہی مفت دے دی جائے، بلکہ وہ نہایت گرانقدر اور بیش قیمت چیز ہے، جو جان ومال اور خواہشاتِ نفس کی قربانی سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور وہ چیز جنت ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ. الاية۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے اُن کے جان ومال جنّت کے عوض میں خرید لئے ہیں، وہ اپنا جان ومال اللہ کی راہ میں قربان کر دیں تو جنّت کے مستحق ہوں گے، گویا جنّت وہ سودا ہے جس کی قیمت بندوں کا جان ومال ہے۔

موت اور آخرت کی تیاری کرنیوالے ہی ہوشیار اور دور اندیش ہیں

٦) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَاَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِّلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَكَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ.

(رواه الطبرانى فى المعجم الصغير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ: اے اللہ کے پیغمبر! بتلایئے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے، اور موت کے لئے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے جو لوگ ایسے ہیں وہی دانشمند اور ہوشیار ہیں، انہوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی، اور آخرت کا اعزاز واکرام بھی۔ (معجم صغیر للطبرانی)

تشریح...... جب یہ حقیقت ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، جس کیلئے کبھی فنا نہیں، تو اس میں کیا شبہ کہ دانشمند اور دور اندیش اللہ کے وہی بندے ہیں جو ہمیشہ موت کو پیشِ نظر رکھ کر اس کی تیاری کرتے رہتے ہیں، اور اسکے برعکس وہ لوگ بڑے ناعاقبت اندیش اور احمق ہیں جنہیں اپنے مرنے کا تو پورا یقین ہے لیکن وہ اس سے اور اس کی تیاریوں سے غافل رہ کر دنیا کی لذتوں میں مصروف اور منہمک رہتے ہیں۔

٧) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ۔ (رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ: شدّاد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوشیار اور توانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات وکامیابی کے لئے) عمل کرے، اور نادان و ناتواں وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشاتِ نفس کا تابع کردے (اور بجائے احکام خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے امیدیں باندھے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح...... دنیا میں کَیِّس (چالاک وہوشیار اور کامیاب) وہ سمجھا جاتا ہے، جو دنیا کمانے میں چست وچالاک ہو، خوب دونوں ہاتھوں سے دنیا سمیٹتا ہو، اور جو کرنا چاہے کرسکتا ہو، اور بیوقوف وناتواں وہ سمجھا جاتا ہے جو دنیا کمانے میں تیز اور چالاک نہ ہو۔ اور اہلِ دنیا جو اس دنیوی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اُن کو ایسا ہی سمجھنا بھی چاہئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا کہ چونکہ اصل زندگی یہ چند روزہ زندگی نہیں ہے بلکہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی ہی اصل زندگی ہے، اور اس زندگی میں کامیابی اُن ہی کیلئے ہے جو اس

دنیا میں اللہ کی اطاعت اور بندگی والی زندگی گزاردیں، اسلئے درحقیقت دانشمند اور کامیاب اللہ کے وہ بندے ہیں جو آخرت کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے اپنے نفس پر قابو پاکر اس کو اللہ کا مطیع و فرمانبردار بنارکھاہے۔ اور اسکے برعکس جن احمقوں کاحال یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو نفس کا بندہ بنالیا ہے، اور وہ اس دینوی زندگی میں اللہ کے احکام واوامر کی پابندی کے بجائے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ سے اچھے انجام کی امیدیں باندھتے ہیں، وہ یقیناً بڑے نادان اور ہمیشہ ناکام رہنے والے ہیں، خواہ دنیا کمانے میں وہ کتنے ہی چست و چالاک اور پھرتیلے نظر آتے ہوں، لیکن فی الحقیقت وہ بڑے ناعاقبت اندیش، کم عقلے، اور ناکامیاب ونامراد ہیں، کہ جو حقیقی اور واقعی زندگی آنے والی ہے اس کی تیاری سے غافل ہیں، اور نفس پرستی کی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ سے خداپرستی والے انجام کی امید رکھتے ہیں، نادان اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ:

گندم از گندم بروید جو ز جو　　از مکافاتِ عمل غافل مشو

اس حدیث میں ان لوگوں کو خاص آگاہی دی گئی ہے، جو اپنی عملی زندگی میں اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے پروااور بے فکر ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ کی رحمت اور اُسکے کرم سے امیدیں رکھتے ہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ ٹوکتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے، اس حدیث نے بتلایا کہ ایسے لوگ دھوکے میں ہیں، اور اُن کا انجام نامرادی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجاء یعنی اللہ سے رحمت اور کرم کی امید وہی محمود ہے جو عمل کے ساتھ ہو، اور جو امید بے عملی اور بدعملی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کے ساتھ ہو، وہ رجاءِ محمود نہیں ہے بلکہ نفس شیطان کا فریب ہے۔

نیکی اور عبادت کر کے ڈرنے والے بندے

۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَوَيَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَاابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ.

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید کی آیت "وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ" کے بارے میں دریافت کیا، کہ: کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں، اور چوری کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خداترس بندے ہیں، جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں، اور صدقہ وخیرات کرتے ہیں، اور اسکے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں اُن کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔

(ترمذی وابن ماجہ)

تشریح ...... سورۂ مومنون کے چوتھے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کے کچھ اوصاف بیان فرمائے

ہیں، جو بھلائی اور خوش انجامی کی طرف تیزی سے جانے والے اور سبقت کرنے والے ہیں، اس سلسلہ میں اُن کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے " وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ "(جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں، اور اُن کے دل ترساں رہتے ہیں)۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اسی آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا، کہ: کیا اس سے مُراد وہ لوگ ہیں، جو شامتِ نفس سے گناہ تو کرتے ہیں، مگر گناہوں کے بارے میں نڈر اور بے باک نہیں ہوتے بلکہ گناہکاری کے باوجود ان کے دلوں میں خدا کا خوف ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ نہیں! اس آیت سے مُراد ایسے لوگ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے وہ عبادت گزار اور اطاعت شعار بندے مراد ہیں، جن کا حال یہ ہے کہ وہ نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات جیسے اعمالِ صالحہ کرتے ہیں، اور اسکے باوجود انکے دلوں میں اس کا خوف اور اندیشہ رہتا ہے کہ معلوم نہیں ہمارے یہ اعمال بارگاہِ خداوندی میں قبول بھی ہوں گے، یا نہیں۔ قرآن مجید میں ان بندوں کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے " اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ "(یہی بندے حقیقی بھلائیوں اور خوش حالیوں کی طرف تیز گام ہیں، اور حقیقی کامیابی کی اس راہ میں آگے نکل جانے والے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ کی اس آخری آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا، اور بتلایا کہ دلوں کا یہی خوف اور فکر بھلائی اور خوش انجامی سے ہمکنار کرانے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی شانِ بے نیازی اور اس کا قہر وجلال اس قدر ڈرنے کے لائق ہے، کہ بندہ بڑی سے بڑی نیکی اور عبادت کرنے کے باوجود ہرگز مطمئن نہ ہو، اور برابر ڈرتا رہے، کہ کہیں میرا یہ عمل کسی کھوٹ کی وجہ سے میرے مُنہ پر نہ مار دیا جائے، کسی کے دل میں جس قدر خوف ہوگا، اُسی قدر وہ خیر و فلاح کی راہ میں آگے بڑھتا رہے گا۔

قیامت کے دن بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی اپنی عبادت کو ہیچ سمجھے گا:

۹) **عَنْ عُتْبَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَفَعَهُ لَوْ اَنَّ رَجُلًا يَخِرُّ عَلٰى وَجْهِهٖ مِنْ يَوْمِ وُلِدَ اِلٰى يَوْمِ يَمُوْتُ فِيْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ۔۔۔ عتبہ بن عبید سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی شخص اپنی پیدائش کے دن سے، موت کے دن تک برابر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سجدہ میں پڑا رہے، تو قیامت کے دن اپنے اس عمل کو بھی وہ حقیر سمجھے گا۔ (مسند احمد)

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب انسان پر وہ حقیقتیں منکشف ہونگی، اور جزاء وسزا اور عذاب وثواب کے وہ مناظر آنکھوں کے سامنے آجائیں گے، جو یہاں پردۂ غیب میں ہیں، تو اللہ کے وہ بندے بھی جنہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزارا ہوگا، یہی محسوس کریں گے کہ ہم نے کچھ بھی نہیں کیا، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ایسا ہو جو پیدائش کے دن سے موت کی گھڑی تک برابر سجدہ ہی میں

پڑا رہا ہو، اُس کا احساس بھی یہی ہوگا، اور وہ اپنے اس عمل کو بھی ہیچ سمجھے گا۔

قیامت کے دن معمولی سمجھے جانے والے گناہوں کی بھی باز پرس ہوگی

۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللهِ طَالِبًا۔ (رواہ ابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے عائشہ! اپنے کو اُن گناہوں سے بچانے کی خاص طور سے کوشش اور فکر کرو، جن کو حقیر اور معمولی سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونے والی ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... جن لوگوں کو آخرت اور حساب کتاب کی کچھ فکر ہوتی ہے، اور جو اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے ڈرتے ہیں، وہ کبیرہ یعنی بڑے گناہوں سے بچنے کا تو عام طور سے اہتمام کرتے ہیں، لیکن جو گناہ ہلکے اور صغیرہ سمجھے جاتے ہیں، ان کو خفیف اور معمولی سمجھنے کی وجہ سے اللہ کے بہت سے خدا ترس بندے بھی ان سے بچنے کی فکر زیادہ نہیں کرتے، حالانکہ اس حیثیت سے کہ وہ گناہ ہیں، اور ان کے کرنے میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی بھی باز پرس ہونی ہے، ہمیں ان سے بچنے کی بھی پوری پوری فکر اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو یہی نصیحت فرمائی ہے اگر چہ اس کی خاص مخاطب حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں لیکن در حقیقت یہ انتباہ اور یہ ہدایت و نصیحت رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنی امت کے سب مردوں اور عورتوں کے لئے ہے، جب آنحضرت ﷺ کے خاص گھر والوں کو بھی اس فکر اور احتیاط کی ضرورت ہے، تو ہما شما کے لئے اس میں غفلت اور بے پروائی کی کیا گنجائش ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صغیرہ گناہ اگر چہ کبیرہ کے مقابلہ میں صغیرہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہونے کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ آخرت میں اس کی بھی باز پرس ہونے والی ہے ہرگز صغیرہ اور ہلکا نہیں ہے، دونوں میں بس اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ زیادہ زہریلے اور کم زہریلے سانپوں میں ہوتا ہے، پس جس طرح کم زہر والے سانپ سے بھی ہم بچتے ہیں اور بھاگتے ہیں، اسی طرح ہمیں صغیرہ گناہوں سے بھی اپنے کو بچانے اور محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرنی چاہئے، یہی اس حدیث کا منشا اور مقصد ہے۔

گناہوں کے انجام کا خوف اور رحمتِ خداوندی سے اُمید

۱۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِى الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُو اللهَ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَاِنِّى اَخَافُ ذُنُوْبِىْ فَقَالَ ﷺ لَا يَجْتَمِعَانِ فِىْ قَلْبِ فِىْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللهُ مَا يَرْجُوْ مِنْهُ وَاٰمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ... حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک جوان کے پاس اُسکے آخری وقت میں جبکہ وہ اس دنیا

سے رخصت ہو رہا تھا، تشریف لے گئے، اور آپ نے اُس سے دریافت فرمایا، کہ اس وقت تم اپنے کو کس حال میں پاتے ہو؟ اسنے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھتا ہوں، اور اسی کے ساتھ مجھے اپنے گناہوں کی سزا اور عذاب کا ڈر بھی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یقین کرو جس دل میں امید اور خوف کی یہ دونوں کیفیتیں ایسے عالم میں (یعنی موت کے وقت میں) جمع ہوں، تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ ضرور عطا فرمادیں گے، جس کی اس کو اللہ کی رحمت سے امید ہے، اور اس عذاب سے اُس کو ضرور محفوظ رکھیں گے جس کا اس کے دل میں خوف و ڈر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... بیشک اللہ کا خوف اور اس کے عذاب اور اسکی پکڑ سے ڈرنا ہی نجات کی کنجی ہے۔

جسکے دل میں کسی موقع پر بھی اللہ کا خوف پیدا ہو، وہ دوزخ سے نکلوالیا جائیگا

۱۲) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ جَلَّ ذِكْرُهُ اَخْرِجُوْا مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِىْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِىْ فِىْ مَقَامٍ۔ (رواه الترمذى والبيهقى فى كتاب البعث والنشور)

ترجمہ...... حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (ان فرشتوں کو جو دوزخ پر مقرر ہوں گے) حکم دے گا، کہ جس شخص نے کبھی مجھے یاد کیا، یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا، اُس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ (جامع ترمذی، کتاب البعث والنشور للبیہقی)

تشریح...... کتاب الایمان میں جیسا کہ تفصیل سے بتایا جاچکا ہے، یہ بات کتاب و سنت کی تصریحات سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوچکی ہے، کہ جو شخص کفر یا شرک کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہے گا، اور اُس کا کوئی عمل بھی اُس کو دوزخ سے نہ نکلوا سکے گا، اسلئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جو شخص دنیا سے اس حالت میں گیا، کہ وہ کافر یا مشرک نہیں تھا، بلکہ ایمان انکو نصیب تھا، لیکن گناہ اسکے بہت تھے [illegible] اس نے کبھی اللہ کو یاد کیا تھا، یا کسی موقع پر اسکے دل میں خدا کے خوف کی کچھ کیفیت پیدا ہوئی تھی، تو قیامت کے دن وہ اپنے قصوروں کی سزا بھگتنے کے لئے دوزخ میں ڈال تو دیا جائے گا، لیکن پھر کسی دن کے اللہ کے ذکر اور خوف کی برکت سے اُس کو نجات مل ہی جائے گی، اور وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ واللہ اعلم

اللہ کے خوف سے نکلنے والے آنسوؤں کی برکت

۱۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوْعٌ وَاِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ ثُمَّ يُصِيْبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ...... حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندۂ مؤمن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں، اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم، مثلاً مکھی کے سر برابر

(یعنی ایک قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اسکے چہرہ پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرہ کو آتشِ دوزخ کے لئے حرام کردے گا۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو چہرہ خوفِ خدا کے آنسوؤں سے کبھی تر ہوا ہو، اس کو دوزخ کی آگ سے بالکل محفوظ رکھا جائے گا، اور دوزخ کی آنچ کبھی اس کو نہ لگ سکے گی۔ "کتاب الایمان" میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے، کہ جن احادیث میں کسی خاص نیک عمل پر آتشِ دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری دی جاتی ہے، انکا مطلب و مقصد عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ اس نیک عمل کا ذاتی تقاضہ اور خاصہ یہی ہے، اور اللہ تعالیٰ اس عمل کرنے والے کو جہنم کی آگ سے بالکل محفوظ رکھے گا، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی ایسا بڑا گناہ سرزد نہ ہوا ہو جس سے تقاضا اس کے برعکس جہنم میں ڈالا جانا ہو، یا اگر کبھی ایسا گناہ اس سے ہوا ہو تو وہ اس سے تائب ہو چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگ چکا ہو۔ یہ نہ سمجھا جائے، کہ یہ محض تاویل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورات میں بھی اس قسم کے وعدوں اور بشارتوں میں یہ شرط ہمیشہ محفوظ ہوتی ہے۔

اللہ کے خوف سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانے کی سعادت

۱۴) **عَنِ الْعَبَّاسِ رَفَعَهُ إِذَا قْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَحَاتَتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا تَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا.** (رواه البزار)

ترجمہ۔ حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ: جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اسکی ہیبت سے کسی بندہ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اُس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں، جیسے کہ کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

تشریح...... خوف و خشیت اور ہیبت دراصل قلبی کیفیات ہیں، لیکن انسان ایسا بنایا گیا ہے کہ اس کی قلبی کیفیات کا ظہور اسکے جسم پر بھی ہوتا ہے، مثلاً جب دل میں خوشی کی کیفیت ہو تو چہرے پر بشاشت ظاہر ہوتی ہے، اور بعض اوقات وہ اس کیفیت کے اثر سے ہنستا یا مسکراتا ہے، اسی طرح جب دل میں حزن و غم ہو، تو وہ بھی اسکے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اسکے اثر سے روتا بھی ہے، اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہیں، اسی طرح جب دل پر خشیت اور ہیبت کی کیفیت طاری ہو، تو جسم پر اس کا اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پس جس طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی اس سے پہلی حدیث میں اللہ کے خوف سے آنسو گرنے پر آتشِ دوزخ کے حرام ہو جانے کی خوشخبری اہلِ ایمان کو سنائی گئی ہے، اسی طرح حضرت عباسؓ کی اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ اللہ کی خشیت و ہیبت سے جب کسی بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس وقت اسکے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں کے موسم میں سوکھے درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

ایک گناہگار نے خوفِ خدا سے بہت بڑی جاہلانہ غلطی کی، اور وہ بخشا گیا

۱۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَسْرَفَ رَجُلٌ عَلٰى نَفْسِهٖ فَلَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ اَوْصٰى بَنِيْهِ اِذَا مَاتَ فَحَرِّقُوْهُ ثُمَّ اذْرُوْا نِصْفَهٗ فِى الْبَرِّ وَنِصْفَهٗ فِى الْبَحْرِ فَوَاللهِ لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ لَيُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا لَا يُعَذِّبُهٗ اَحَدًا مِنَ الْعَالَمِيْنَ فَلَمَّامَاتَ فَعَلُوْا مَا اَمَرَهُمْ فَاَمَرَ اللهُ الْبَحْرَ فَجَمَعَ مَا فِيْهِ وَاَمَرَ الْبَرَّ فَجَمَعَ مَافِيْهِ ثُمَّ قَالَ لَهٗ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ مِنْ خَشْيَتِكَ يَارَبِّ وَاَنْتَ اَعْلَمُ فَغَفَرَلَهٗ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی (اور بڑا ظلم کیا، یعنی غفلت سے اللہ کی نافرمانی والی زندگی گزارتا رہا) جب اس کی موت کا وقت آیا تو (اپنی پچھلی زندگی کو یاد کر کے اس پر اللہ کے خوف کا بہت زیادہ غلبہ ہوا، اور آخرت کے بُرے انجام سے وہ بہت ڈرا، یہاں تک کہ) اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، کہ جب میں مر جاؤں، تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا، پھر تم میری اس راکھ، میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا، اور آدھی کہیں دریا میں بہادینا (تاکہ میرا کہیں پتہ نشان بھی نہ رہے، اور میں جزا سزا کے لئے دوبارہ زندہ نہ کیا جاؤں، اسنے کہا کہ میں ایسا گناہگار ہوں، کہ) اللہ کی قسم! اگر خدا نے مجھے پکڑ لیا، تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا، جو دنیا جہان میں کسی کو بھی نہ دیگا۔ اسکے بعد جب وہ مر گیا، تو اسکے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا (جلا کر اُس کی راکھ کو کچھ ہوا میں اڑادیا، اور کچھ دریا میں بہادیا)۔ پھر اللہ کے حکم سے خشکی اور تری سے اسکے اجزاء جمع ہوئے (اور اس کو دوبارہ زندہ کیا گیا) پھر اس سے پوچھا گیا. تو نے ایسا کیوں کیا؟ اسنے عرض کیا: اے میرے مالک! تو خوب جانتا ہے کہ تیرے ڈر سے ہی میں نے ایسا کیا تھا۔ (رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا، کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے جس شخص کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے، یہ بیچارہ خدا کی شان اور اس کی صفات سے بھی ناواقف تھا، اور اعمال بھی اچھے نہ تھے، لیکن مرنے سے پہلے اس پر خدا کے خوف کی کیفیت اتنی غالب ہوئی، کہ اسنے اپنے بیٹوں کو ایسی جاہلانہ وصیت کر دی، اور بیچارہ سمجھا کہ میری راکھ کے اس طرح خشکی اور تری میں منتشر ہو جانے کے بعد میرے پھر زندہ ہونے کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ لیکن اس جاہلانہ غلطی کا منشا اور سبب چونکہ خدا کا خوف اور اسکے عذاب کا ڈر تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

حدیث کے لفظ "لَئِنْ قَدَرَ اللهُ عَلَيْهِ" کے بارے میں شارحین نے بہت کچھ علمی موشگافیاں کی ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک سیدھی بات یہ ہے، کہ خدا کے خوف سے ڈرے سہمے ہوئے بیچارے ایک جاہل کی یہ جاہلانہ تعبیر تھی، اللہ تعالیٰ کے کرم نے اسکو بھی معاف کر دیا، مطلب بیچارہ کا وہی تھا جو ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

خدا کا خوف اور تقویٰ ہی فضیلت اور قرب کا معیار ہے

۱۶) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَہٗ بِتَقْوٰی.** (رواہ احمد)

ترجمہ... حضرت ابو ذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلہ میں بڑائی حاصل ہے نہ کسی کالے کے مقابلہ میں۔ البتہ تقویٰ، یعنی خوفِ خدا کی وجہ سے تم کسی کے مقابلے میں بڑے ہو سکتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مال و دولت، شکل و صورت، نسل و رنگ اور زبان و وطن جیسی کسی چیز کی وجہ سے کسی کو کسی دوسرے کے مقابلے میں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی فضیلت کا معیار بس تقویٰ ہے (یعنی خوفِ خدا اور وہ زندگی جو خدا کے خوف سے بنتی ہے) پس اس تقویٰ میں جو جتنا بڑھا ہوا ہے، وہ اللہ کے نزدیک اتنا ہی بڑا اور بلند ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن مجید ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے: "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ"

۱۷) **عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِلَی الْیَمَنِ خَرَجَ مَعَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یُوْصِیْہِ وَمَعَاذٌ رَاکِبٌ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَمْشِیْ تَحْتَ رَاحِلَتِہٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ یَا مَعَاذُ اِنَّکَ عَسٰی اَنْ لَا تَلْقَانِیْ بَعْدَ عَامِیْ ھٰذَا وَلَعَلَّکَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِیْ ھٰذَا وَقَبْرِیْ فَبَکٰی مَعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْھِہٖ نَحْوَ الْمَدِیْنَۃِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا.** (رواہ احمد)

ترجمہ... حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کے لئے (قاضی یا عامل بنا کر) روانہ فرمایا (اور وہ حضورؐ کے حکم کے مطابق وہاں کے لئے روانہ ہونے لگے) تو (ان کو رخصت کرنے کے لئے) حضورؐ بھی اُن کو کچھ نصیحتیں اور وصیتیں فرماتے ہوئے اُنکے ساتھ چلے، اس وقت حضرت معاذؓ تو (حضورؐ کے حکم سے) اپنی سواری پر سوار تھے، اور حضورؐ خود ان کی سواری کے نیچے پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ ضروری نصیحتوں اور وصیتوں سے فارغ ہو چکے، تو آخری بات آپ نے یہ فرمائی، کہ: اے معاذ! شاید میری زندگی کے اس سال کے بعد میری تمہاری ملاقات اب نہ ہو۔ (گویا آپ نے ان کو اشارہ فرمایا، کہ میری زندگی کا یہی آخری سال ہے، اور میں عنقریب ہی اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل کیا جانے والا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا) اور شاید ایسا ہو، کہ (اب جب کبھی تم یمن سے واپس آؤ، تو بجائے مجھ سے ملنے کے اس مدینہ میں) تم میری اس مسجد اور میری قبر پہ گذرو۔ یہ سن کر حضرت معاذؓ (حضورؐ کی وفات کے تصور، اور) آپ کے فراق کے صدمہ سے رونے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر کے، اور مدینہ کی طرف رخ کر کے فرمایا: مجھ سے زیادہ قریب اور مجھ سے زیادہ تعلق رکھنے والے وہ سب بندے ہیں، جو خدا سے ڈرتے ہیں (اور تقوے والی

زندگی گزارتے ہیں) وہ جو بھی ہوں، اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ (مسند احمد)

تشریح..... حضور ﷺ کے ارشاد کے اس آخری حصہ کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز روحانی تعلق اور قرب ہے، اور میرے ساتھ اس تعلق کا دارومدار تقوے پر ہے، پس اگر اللہ کا کوئی بندہ جسمانی طور پر مجھ سے کتنا ہی دور یمن میں یا دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہو، لیکن اُس کو خوفِ خدا اور تقویٰ نصیب ہو، تو وہ مجھ سے قریب ہے، اور گویا میرے ساتھ ہے، اور اسکے برعکس کوئی شخص ظاہری اور جسمانی طور پر میرے ساتھ ہو، لیکن اُس کا دل تقوے کی دولت سے خالی ہو، تو اس ظاہری قرب کے باوجود وہ مجھ سے دور ہے، اور میں اُس سے دور ہوں۔ آپ نے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت معاذؓ کو تسلی دی، کہ اس ظاہری جدائی کا غم نہ کرو، جب خوفِ خدا اور تقویٰ تمہارے دل، اور تمہاری روح کو نصیب ہے، تو پھر تم یمن میں رہتے ہوئے بھی مجھ سے دور نہ ہوگے۔ اسکے علاوہ دنیا کی یہ زندگانی تو بس چند روزہ ہے، ہمیشہ رہنے کی جگہ تو دارِ آخرت ہے، اور وہاں اللہ کے سارے تقویٰ والے بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میرے ساتھ اور میرے قریب رہیں گے، اور پھر اس قرب ووصال کے بعد کسی فراق کا اندیشہ نہ ہوگا۔

اس آخری بات کے فرماتے وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنا رُخ غالباً اس لئے حضرت معاذؓ کی طرف سے پھیر کے مدینہ کی طرف کر لیا تھا، کہ معاذ کے رونے سے غالباً آپ خود آبدیدہ ہوگئے تھے، آپ نے چاہا کہ معاذؓ آپ کے بہتے ہوئے آنسو نہ دیکھ لیں، نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اپنے ایک سچے محبّ کا رونا دیکھ کر آپ کا دل دکھتا ہو، اور اسلئے اس وقت آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا ہو، محبت وعقیدت کی دنیا میں اس طرح کے تجربے ہوتے ہی رہتے ہیں۔

حضرت معاذؓ کو رخصت کرتے وقت آپ نے اُن کو تو حکم دے کے سواری پر سوار کر دیا اور خود بات کرتے ہوئے پیدل نیچے چلتے رہے۔ اس میں کتنا بڑا سبق، اور کیسا نمونہ ہے، ان سب لوگوں کے لئے جو دینی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا خوف اور تقویٰ ہمارے دلوں کو نصیب فرما کر رسول اللہ ﷺ کا وہ روحانی قرب اور آخرت میں آپ کی وہ رفاقت نصیب فرمائے، جسکی بشارت حضورؐ نے اس حدیث میں دی ہے۔

خوف وخشیت اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کا حال

ذیل میں چند حدیثیں وہ درج کی جارہی ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت کے لحاظ سے خود رسول اللہ ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابۂ کرامؓ کا حال کیا تھا۔ اور ان کی زندگی پر اسکے کیا اثرات پڑتے تھے۔

۱۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يُدْخِلُ اَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَلَا يُجِيْرُهُ مِنَ النَّارِ

وَلَا اَنَا اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کسی کا عمل اُس کو جنت میں نہ لے جاسکے گا، اور نہ دوزخ سے بچاسکے گا، اور میرا بھی یہی حال ہے، مگر اللہ کی رحمت اور اسکے کرم سے"۔ (صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد، کہ میں بھی اپنے عمل اور اپنی عبادت سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت میں جاسکوں گا، آپ کے دل کی خوف و خشیت کی کیفیت کا اندازہ کرنے کیلئے کافی ہے۔

۱۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَافِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَ اَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَا مُطِرَتْ سُرِّىَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ " فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا". (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حال یہ تھا کہ جب ہوا زیادہ تیز چلتی تو آپ کی زبان پر یہ دعا جاری ہو جاتی "اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس ہوا کی بھلائی کا اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی کا اور جس مقصد کے لئے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی کا اور میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اسکے شر سے، اور اس میں جو کچھ ہے اُسکے شر سے، اور جس مقصد کیلئے یہ بھیجی گئی ہے اس کے شر سے) اور جب آسمان پر اَبر آتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور (اضطراب کی یہ حالت ہوتی کہ) کبھی باہر آتے، کبھی اندر جاتے، کبھی آگے آتے کبھی پیچھے ہٹتے، پھر جب بارش ہو جاتی (اور خیریت سے گذر جاتی) تو یہ کیفیت آپ سے دور ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کی اس حالت اور واردات کو سمجھ لیا اور آپ سے پوچھا (کہ تیز ہوا کو اور ابر کو دیکھ کر حضورؐ کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: عائشہ! (میں ڈرتا ہوں کہ) شاید یہ ابر و باد اس طرح کا ہو جو (حضرت ہود پیغمبر کی قوم) عاد کی طرف بھیجا گیا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے) کہ جب اُن لوگوں نے اس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو خوشی ظاہر کرتے ہوئے کہا یہ ابر ہمارے لئے بارش لانے والا ہے۔ (حالانکہ وہ بارش والا ابر نہ تھا، بلکہ آندھی کا ہلاکت خیز طوفان تھا، جو ان کو تباہ کرنے ہی کے لئے آیا تھا)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کا حاصل اور مقصد صرف یہی ہے کہ حضور ﷺ کے قلبِ مبارک پر اللہ کے خوف و خشیت کا ایسا غلبہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو آپ گھبرا کر اللہ تعالیٰ سے اسکے خیر کے حاصل ہونے کی اور اسکے شر سے محفوظ رہنے کی دعا کرتے اور جب آسمان پر ابر نمودار ہوتا تو اللہ کے جلال کی دہشت و ہیبت سے آپ کا یہ حال ہو جاتا کہ کبھی اندر جاتے کبھی باہر آتے کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے اور آپ کی یہ کیفیت اس خوف اور ڈر سے ہوتی کہ کہیں بادل کی شکل میں اللہ کا ویسا عذاب نہ ہو جیسا کہ حضرت

ہودؑ کی سرکش قوم عاد پر اَبر ہی کی شکل میں بھیجا گیا تھا، جسے اپنے علاقہ کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر نادانی سے وہ خوش ہوئے تھے اور انہوں نے اس کو ابرِ رحمت سمجھا تھا، حالانکہ وہ عذاب کی آندھی تھی۔ حدیث میں آیت کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ ناتمام ہیں۔ آخری حصہ یہ ہے "بَلْ هُوَ مَااسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔"

۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِىْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَ الْمُرْسَلٰتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَاالشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ یارسول اللہ! آپ پر بڑھاپا آ گیا، آپ نے ارشاد فرمایا، کہ: مجھے بوڑھا کر دیا سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ تکویر (اذالشمس کورت) نے۔ (ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کی جسمانی صحت فطری طور پر جس قدر بہتر تھی اور قویٰ جیسے اچھے، اور طبیعت جیسی معتدل تھی، اسکے لحاظ سے آپ پر بڑھاپے کے آثار بہت دیر سے ظاہر ہونے چاہئے تھے، لیکن جب وہ آثار عام اندازہ کے لحاظ سے قبل از وقت ظاہر ہونے لگے، تو حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز عرض کیا، کہ: حضرت! آپ پر تو ابھی سے بڑھاپا آنے لگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ: مجھے قرآن مجید کی ان سورتوں (سورۂ ہود اور واقعہ وغیرہ) نے بوڑھا کر دیا۔ ان سورتوں میں قیامت و آخرت اور مجرموں پر اللہ کے عذاب کا بڑا دہشت ناک بیان ہے۔ آنحضرت ﷺ ان کے مضامین سے اس قدر متأثر ہوتے تھے اور ان کی تلاوت سے آپ پر خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ اس کا اثر آپ کی جسمانی قوت اور تندرستی پر پڑتا تھا، اور بلاشبہ خوف و فکر یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو جوانوں کو جلد بوڑھا کر دیتی ہیں، اسی لئے قیامت کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا" کہ قیامت کا دن بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اس حدیث سے خاص طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خوفِ خدا اور فکر آخرت کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے قلبِ مبارک کا حال کیا تھا۔

۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِىَ اَدَقُّ فِىْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِى الْمُهْلِكَاتِ۔ (رواه البخارى)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے، انہوں نے اپنے زمانہ کے لوگوں سے فرمایا: تم لوگ بہت سے اعمال ایسے کرتے ہو کہ تمہاری نگاہ میں وہ بال سے بھی زیادہ باریک (یعنی بہت ہی خفیف اور ہلکے ہیں) ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں انکو مہلکات میں شمار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاک زمانہ میں مسلمانوں پر یعنی آنحضرت ﷺ کے تربیت یافتہ صحابۂ اکرام پر خوفِ خدا کا اتنا غلبہ تھا، اور وہ آخرت کے حساب و انجام سے اس قدر لرزاں و ترساں رہتے تھے، کہ بہت سے وہ اعمال جن کو تم لوگ بالکل معمولی سمجھتے ہو، اور بے پروائی سے کرتے رہتے ہو، اور ان

سے بچنے کی کوئی فکر نہیں کرتے، وہ ان کو مہلک سمجھتے تھے، اور ان سے بچنے کا ایسا ہی اہتمام رکھتے تھے، جیسے ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۲۲) عَنِ النَّضْرِ قَالَ كَانَتْ ظُلْمَةٌ عَلٰى عَهْدِ اَنَسٍ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا اَبَا حَمْزَةَ هَلْ كَانَ هٰذَا يُصِيْبُكُمْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتِ الرِّيْحُ لَتَشْتَدُّ فَنُبَادِرُ اِلَى الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ تَكُوْنَ الْقِيَامَةُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ نضر تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ کالی آندھی آئی، تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے پوچھا، کہ: اے ابو حمزہ! کیا ایسی کالی اور اندھیری آندھیاں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی آپ لوگوں پر آتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی پناہ! وہاں تو یہ حال تھا کہ ذرا ہوا تیز ہو جاتی، تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے تھے۔ (ابوداؤد)

۲۳) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيْ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ؟ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهٖ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجُ وَالْاَوْلَادُ وَالضَّيْعَاتُ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ ذَالِكَ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ؟ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْىَ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجُ وَالْاَوْلَادُ وَالضَّيْعَاتُ وَنَسِيْنَا كَثِيْرًا فَقَالَ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلٰى مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِيْ وَفِي الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِيْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت حنظلہ بن الربیع سے روایت ہے کہ ایک دن مجھے ابو بکرؓ ملے اور انہوں نے پوچھا: حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے اُن سے کہا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا ہے، انہوں نے فرمایا: پاک ہے اللہ! تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا، بات یہ ہے، کہ: ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کے ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ہمارا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گویا ہم دوزخ اور جنت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر آتے ہیں، تو بیوی بچے، زمین اور کھیتی باڑی کے کام ہم کو اپنی طرف متوجہ اور مشغول کر لیتے ہیں، اور پھر ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ ابو بکرؓ نے یہ سن کر فرمایا: کہ: اس طرح کی حالت تو ہم کو بھی پیش آتی ہے۔ اسکے بعد میں اور ابو بکر دونوں چلد یئے، اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے (اپنا حال بیان کرتے ہوئے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: یہ کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا، کہ: حالت یہ ہے کہ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں، اور آپ دوزخ اور جنت کا بیان فرما کر ہم کو نصیحت فرماتے ہیں، تو ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا دوزخ اور جنت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، پھر جب ہم آپ کی مجلس سے نکل کر گھر

آتے ہیں، تو بیوی بچے، اور کھیتی باڑی کے دھندے ہم کو اپنے میں مشغول کر لیتے ہیں، اور ہم بہت کچھ بھول جاتے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمہارا حال ہمیشہ وہ رہے جو میرے پاس ہوتا ہے، اور تم دائماً ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں، لیکن اے حنظلہ! (اللہ نے اس کا مکلف نہیں کیا ہے، بلکہ) بس اتنا ہی کافی ہے، کہ وقتاً فوقتاً یہ ہوتا رہے، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسلم)

ف...... حضرت حنظلہ کی اس روایت سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ میں آخرت اور دین کی فکر کس درجہ میں تھی، کہ اپنی حالت میں معمولی تغیر اور ذرا سا انحطاط دیکھ کر وہ اپنے پر نفاق کا شبہ کرنے لگتے تھے۔

۲۴) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ هَلْ تَدْرِیْ مَا قَالَ اَبِیْ لِاَبِیْكَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِیْ قَالَ لِاَبِیْكَ یَا اَبَا مُوْسٰی هَلْ یَسُرُّكَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهِجْرَتَنَا وَجِهَادَنَا مَعَهٗ وَعَمَلَنَا كُلَّهٗ مَعَهٗ بَرَدَلَنَا وَاَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ فَقَالَ اَبُوْكَ لِاَبِیْ لَا وَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَصَلَّیْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَیْرًا كَثِیْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰی اَیْدِیْنَا بَشَرٌ كَثِیْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْ ذَاكَ قَالَ اَبِیْ لٰكِنِّیْ اَنَا وَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنَّ ذَالِكَ بَرَدَلَنَا وَاَنَّ كُلَّ شَیْءٍ عَمِلْنَاهُ بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ، فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاكَ وَاللّٰهِ كَانَ خَیْرًا مِنْ اَبِیْ. (رواہ البخاری)

ترجمہ...... حضرت ابو موسیٰ اشعری کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے کہا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا بات کہی تھی؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں، انہوں نے کہا کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کہا تھا، کہ اے ابو موسیٰ! کیا تم اس پر خوش اور راضی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ اور آپ کے ہاتھ پر ہمارا اسلام لانا اور آپ کے ساتھ ہمارا ہجرت کرنا اور جہاد کرنا، اور ہمارے وہ سارے اعمال جو ہم نے آپ کے ساتھ کئے، وہ تو ہمارے لئے ثابت اور محفوظ رہیں (اور ان کا صلہ اور اجر ہم کو عطا فرمایا جائے) اور ہم نے جو اعمال آپ کے بعد کئے، ان سے ہم برابر سرابر پر چھٹی پا جائیں (یعنی حضورؐ کے بعد ہم نے جو اچھے یا برے عمل کئے ہیں، ان پر نہ ہم کو ثواب ملے اور نہ عذاب)۔ (عبداللہ بن عمر ابو بردہ سے کہتے ہیں کہ میرے والد کی یہ بات سن کر) تمہارے والد نے کہا، کہ نہیں! خدا کی قسم، میں تو یہ نہیں چاہتا۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے بعد جہاد کئے ہیں، نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں، اور (اللہ تعالیٰ کی توفیق سے) اس کے علاوہ بھی بہت سے اعمال خیر کئے ہیں، اور ہماری کوششوں سے، اور ہمارے ہاتھوں پر اللہ کے بیشمار بندے مسلمان ہوئے ہیں، اور ہم اللہ سے اپنے ان اعمال کے اجر و صلہ کی پوری امید رکھتے ہیں (اسلئے میں تو آپ کے خیال سے متفق نہیں ہوں)۔ اس پر میرے والد (حضرت عمرؓ) نے پھر فرمایا: کہ قسم اس ذات پاک کی، جسکے قبضہ میں عمرؓ

کی جان ہے، میں تو دل سے چاہتا ہوں، کہ ہمارے وہ عمل (جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ کئے، وہ تو) ہمارے لئے ثابت رہیں، اور ہم کو اُن کا صلہ عطا کیا جائے، اور جو عمل ہم نے آپ کے بعد کئے اُن سے ہم برابر سرابر چھٹی پا جائیں۔ (ابو بردہ کہتے ہیں، کہ) میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے کہا، کہ: خدا کی قسم! تمہارے والد (حضرت عمرؓ) میرے والد (ابو موسیٰؓ) سے افضل تھے۔ (بخاری)

تشریح جس طرح اللہ کے کسی صالح اور مقبول بندہ کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز کی مقبولیت کی امید کیجاتی ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ یقین کیساتھ اُمید رکھتے تھے، کہ رسول اللہ ﷺ کیساتھ جو اعمال خیر نماز، روزہ، ہجرت، جہاد وغیرہ ہم نے کئے ہیں، وہ تو آنحضرت ﷺ کی معیت کی نسبت اور برکت سے ضرور ہی انشاء اللہ قبول ہونگے، لیکن جو اعمال حضور ﷺ کے بعد کئے گئے، چونکہ ان کو یہ نسبت حاصل نہ تھی، بلکہ وہ اپنے ہی اعمال تھے، اسلئے حضرت عمرؓ عام اہلِ معرفت کی طرح انکے انجام سے ڈرتے تھے، اور اپنی سلامتی و کامیابی اسی میں سمجھتے تھے کہ بعد والے سارے اعمال سے برابر سرابر پر چھٹی مل جائے، نہ ان پر عذاب ہو نہ ثواب۔

طاعتِ ناقص ما موجبِ غفراں نشود راضیم گر مدد علتِ عصیاں نشود

حدیث کے آخر میں ابو بردہ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میرے والد سے تمہارے والد افضل تھے بظاہر اس سے ان کا یہ مطلب تھا کہ چونکہ حضرت عمرؓ افضل تھے اپنے اعمال سے بے اطمینانی اور خدا کے خوف کا اثر ان پر اس قدر زیادہ تھا۔
صحیح بخاری ہی میں حضرت عمرؓ کے واقعہ شہادت کی ایک روایت میں ان کا یہ ارشاد بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "واللہ لو ان لی طلاع الارض ذھبا لافتدیت بہ من عذاب اللہ قبل ان اراہ" (اللہ کی قسم! اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو، تو میں اللہ کے عذاب کے دیکھنے سے پہلے اُس سب کو فدیہ میں دے ڈالوں، اور اپنی جان چھڑالوں)۔

اللہ اکبر! یہ ہے اس بندہ پر خوفِ خدا کا غلبہ جس نے بار بار رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے اپنے لئے جنت کی بشارتیں سنی ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے: "قربا نرا بیش بود حیرانی" اللہ تعالیٰ اس خوف و خشیت کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

دنیا کی تحقیر اور مذمت

رقاق کے سلسلہ کی جو حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں، ان میں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی تحقیر اور مذمت کی ہے، اور بتلایا ہے کہ اللہ کے نزدیک اور آخرت کے مقابلہ میں یہ دنیا کس قدر حقیر اور بے قیمت ہے۔ چونکہ ہمارے اس زمانہ میں دنیا کے ساتھ لوگوں کا تعلق، اور شغف و انہماک حد سے بڑھ گیا ہے، اور خالص دنیوی اور مادی ترقی کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، کہ غالباً! اس سے پہلے کبھی بھی اس کو اہمیت کا یہ مقام حاصل نہ ہوا ہوگا، اسلئے اب حالت یہ ہے کہ دنیا کی تحقیر اور مذمت کی بات بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں بھی آسانی سے نہیں اُترتی، بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ بعض وہ لوگ بھی جو مسلمانوں کے رہنما اور مصلح سمجھے جاتے ہیں، اور دین کے لحاظ سے ان کا شمار عوام میں نہیں بلکہ خواص میں ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کے تذکرہ کو بے تکلف "رہبانیت اور غلط تصوف کی تبلیغ" کہہ دیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس موضوع کی حدیثیں ذکر کی جائیں، تو منکرین حدیث کی طرح ان

حدیثوں ہی کے بارہ میں وہ شکوک کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ اسلئے اس سلسلہ کی حدیثیں درج کرنے سے پہلے ہم بطورِ تمہید، ایمانی مسلّمات اور قرآن مجید کی روشنی میں اس مسئلہ پر کچھ اصولی گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق

دنیا اور آخرت

۱) یہ دنیا جس میں ہم اپنی یہ زندگی گذار رہے ہیں، اور جس کو اپنی آنکھوں کانوں وغیرہ حواس سے محسوس کرتے ہیں، جس طرح یہ ایک واقعی حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی جس کی اطلاع اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے، وہ بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے، اور اپنی زندگی کے اس دور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہیں محسوس کر سکتے تھے، پھر جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی وہ ہزاروں لاکھوں چیزیں یہاں ہمارے مشاہدے میں آگئیں، جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح مرنے کے بعد عالمِ آخرت میں پہنچ کر جنّت و دوزخ کو اور اس عالم کی ان تمام چیزوں کو دیکھ لیں گے اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے دی ہے۔ الغرض ہماری یہ دنیا جس طرح ایک حقیقی عالم ہے، اسی طرح آخرت بھی مرنے کے بعد سامنے آجانے والا ایک حقیقی اور بالکل واقعی عالم ہے۔ ہمارا اس پر ایمان ہے اور نقل و عقل کی روشنی میں ہم کو اس کے بارے میں الحمد للہ پورا وثوق اور اطمینان ہے۔

۲) پھر دنیا کے بارے میں ہم کو یقین ہے کہ یہ اور اس کی ہر چیز فانی ہے، بہ خلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے، اور وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنادیا جائے گا، یعنی اس کو کبھی ختم نہ ہونے والی دوامی زندگی عطا فرمادی جائے گی، اسی طرح وہاں اللہ کے سعید اور خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا، اور کبھی منقطع نہ ہوگا، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "عَطَاءً[1] غَيْرَ مَجْذُوْذٍ"۔ اور اسی طرح جن اشقیا کی بغاوت اور سرکشی اور کفر و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر ہوگا۔ اُنکی تکلیفوں اور ان کے عذاب کا سلسلہ بھی کبھی ختم نہ ہوگا، جیسا کہ جہنّمیوں کے بارے میں جابجا فرمایا گیا ہے: "خَالِدِيْنَ[2] فِيْهَا اَبَدًا" اور "وَمَا[3] هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنَ النَّارِ" اور "لَا[4] يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا"

---

[1] وہ عطاء خداوندی جس کا سلسلہ کبھی بھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۲۔
[2] وہ ہمیشہ اُسی جہنم میں پڑے رہیں گے ۱۲۔
[3] وہ دوزخی کبھی بھی دوزخ سے نکل نہ سکیں گے۔ ۱۲۔
[4] اور دوزخیوں کو موت بھی نہ آئے گی کہ مر کر ہی عذاب سے چھوٹ سکیں، اور اُن کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جائے گی۔ ۱۲

اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی بتلائی ہوئی اس حقیقت پر بھی ہمارا ایمان ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذّتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذّتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں، بلکہ اصلی لذّتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں، اور دنیا کی چیزوں کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی فکر و سعی بس آخرت ہی کے لئے ہو، اور دنیا سے اُس کا تعلق صرف ناگزیر ضرورت کے بقدر ہو۔

۳) لیکن انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت اُن کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل ہے، اسلئے اکثر، بلکہ ان حقیقتوں کے ماننے والوں پر بھی دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے، گویا یہ انسانوں کی ایک قسم کی فطری کمزوری ہے۔ اُن کا حال اس معاملہ میں بالکل اُن چھوٹے بچوں کا سا ہے جن کو بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی ہوتی ہے، اور مستقبل کی زندگی کو خوشگوار اور شاندار بنانے والے تعلیمی تربیتی مشاغل ان کیلئے سب چیزوں سے زیادہ غیر دلچسپ بلکہ انتہائی شاق ہوتے ہیں، جن کے شفیق ماں باپ ان کو سمجھا بجھا کر اُن اچھے کاموں کی طرف راغب کرتے رہتے ہیں جن میں لگ کر وہ کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اور عزت و عافیت کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔

۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اُس کی نازل کی ہوئی کتابوں کے ذریعہ ہمیشہ انسانوں کی اس غلطی اور کمزوری کی اصلاح کی کوشش ہوتی رہی، اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا کا جو درجہ ہے، اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کا جو مقام ہے وہ واضح کیا جاتا رہا ہے، مگر انسانوں سے اس بارہ میں غالباً ہمیشہ بچوں والی غلطی ہوتی رہی ہے۔

"[1] بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۔ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۔ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى".

۵) قرآنِ پاک چونکہ اللہ کی طرف سے روئے زمین کے انسانوں کے لئے آخری ہدایت نامہ ہے، اسلئے اس میں اور بھی زیادہ زور اور اہمیت کے ساتھ جا بجا مختلف عنوانات سے دنیا کی بے وقعتی اور ناپائیداری کو اور آخرت کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ کہیں پر فرمایا گیا ہے:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ج وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۔ (النساء، ۴:۷۷)

اے پیغمبرؐ! آپ ان لوگوں کو بتلا دیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کیلئے۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا:

[1] تمہارا حال یہ ہے کہ تم (آخرت کے مقابلہ میں) دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت (دنیا سے بدرجہا) بہتر اور بہت زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات اگلی کتابوں میں بھی بیان ہوئی ہے، یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں۔ ۱۲

وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ ط وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O
(الانعام ۶: ۳۲)

اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اُن لوگوں کیلئے جو پرہیز گاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں؟

کہیں اور ارشاد ہے:

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ O (المومن ۴۰: ۳۹)

یہ دنیوی زندگانی (اور یہاں کا سازو سامان) تو بس چند دنوں کے استعمال کیلئے ہے اور آخرت ہی اصل رہنے کی جگہ ہے۔

کہیں فرمایا گیا:

وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ط وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ O (الحدید ۵۷: ۲۰)

اور آخرت میں (مجرموں اور باغیوں کے لئے) سخت ترین عذاب ہے، اور (جو بندے رضا اور مغفرت کے لائق ہیں) اُن کے لئے اللہ کی طرف سے بخشش اور رضا ہے۔ اور دنیوی زندگانی تو بس دھوکہ کا سرمایہ ہے۔

(۲) الغرض اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو کامل فلاح و بہبود کے مقام تک پہنچانے کے لئے جن چند خاص نکتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان دنیا کو بالکل حقیر اور بے قیمت سمجھے، اور اس سے زیادہ جی نہ لگائے، اور اس کو اپنا مقصد و مطلوب نہ بنائے، بلکہ آخرت کو اپنی اصل منزل اور اپنا دوامی وطن یقین کرتے ہوئے اور دنیا کے مقابلہ میں اس کی جو قدر و قیمت اور جو اہمیت ہے اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے وہاں کی کامیابی حاصل کرنے کی فکر کو اپنی تمام دنیوی فکروں پر غالب رکھے، پس انسان کی سعادت اور آخرت میں اس کی کامیابی کے لئے گویا یہ شرط ہے کہ دنیا اُس کی نظر میں حقیر اور بے قیمت ہو، اور اُس کے دل کا رُخ آخرت ہی کی طرف ہو، اور "اَللّٰھُمَّ ❶ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَة" اس کے دل اور اس کی روح کی صدا ہو۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مجلسی ارشادات کے ذریعہ بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اور ایمان لانیوالوں کے دلوں پر اپنے عمل اور حال سے بھی اسی کا نقش کرتے تھے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کی جو احادیث اس باب میں درج ہوں گی، جن میں دنیا کی تحقیر اور مذمت کی گئی ہے، ان کا مطلب

❶ اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ ۱۲

ومقصد اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

۷) یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن وحدیث میں جس دنیا کی مذمت کی گئی ہے وہ آخرت کے مقابل والی دنیا ہے، اس لئے دنیا کے کاموں کی جو مشغولیت اور دنیا سے جو تمتع فکرِ آخرت کے تحت ہو اور آخرت کا راستہ اس سے کھوٹا نہ ہوتا ہو وہ مذموم اور ممنوع نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنت تک پہنچنے کا زینہ ہے۔

اس تمہیدی مضمون کو ذہن میں رکھ کر اب پڑھئے آگے درج ہونے والی اس سلسلہ کی حدیثیں!

آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت:

۲۵) عَنْ مُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ وَاللهِ مَاالدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلَ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِى الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ (رواہ مسلم)

ترجمہ روایت ہے مستورد بن شدّاد سے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا، آپ فرماتے تھے کہ دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کہ تم میں سے کوئی اپنی ایک انگلی دریا میں ڈال کر نکال لے، اور پھر دیکھے کہ پانی کی کتنی مقدار اس میں لگ کر آئی ہے۔ (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں اتنی ہی بے حقیقت اور بے حیثیت ہے جتنا کہ دریا کے مقابلہ میں انگلی پر لگا ہوا پانی۔ اور دراصل یہ مثال بھی صرف سمجھانے کیلئے دی گئی ہے، ورنہ فی الحقیقت دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں یہ نسبت بھی نہیں ہے۔ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب محدود اور متناہی ہے، اور آخرت لامحدود اور لامتناہی ہے، اور ریاضی کا مسلم مسئلہ ہے کہ محدود ومتناہی اور لامحدود و لامتناہی کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہوتی، جب حقیقت یہ ہے، تو وہ شخص بڑا ہی محروم اور بہت ہی گھاٹے میں رہنے والا ہے جو دنیا کو حاصل کرنے کیلئے خوب جدوجہد کرتا ہے مگر آخرت کی تیاری کی طرف سے بے فکر اور بے پرواہے۔

۲۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْىٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ فَقَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَالَهٗ بِدِرْهَمٍ؟ فَقَالُوْا مَانُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَىْءٍ، قَالَ فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر بکری کے ایک بوچے[1] مردہ بچے پر ہوا، جو راستے میں مرا پڑا تھا، اُس وقت آپ کے ساتھ جو لوگ تھے اُن سے آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی اس مرے ہوئے بچے کو صرف ایک درہم میں خریدنا پسند کرے گا؟ انہوں نے عرض کیا ہم تو اس کو کسی قیمت پر بھی خریدنا پسند نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے خدا کی کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا ذلیل اور بے قیمت تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ ہے۔ (صحیح مسلم)

---

[1] یہ حدیث کے لفظ "اَسَكّ" کا ترجمہ ہے، یعنی بن کانوں کا، خواہ خلقی طور پر اُسکے کان نہ ہوں، یا بہت چھوٹے ہیں، یا کٹے ہوئے ہوں، ان تینوں صورتوں کیلئے "اَسَكّ" کا لفظ بولا جاتا ہے، اور اُردو میں ان ہی معنی کیلئے "بوچا" استعمال ہوتا ہے۔ ۱۲

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مُبارک میں بندوں کی ہدایت اور تربیت کا جو بے پناہ جذبہ رکھ دیا تھا، اس حدیث سے اس کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، آپ راستہ چل رہے ہیں، بکری کے ایک مردار بچے پر آپ کی نظر پڑتی ہے، گھِن سے منہ پھیر کر نکل جانے کے بجائے آپ صحابہ کو متوجہ کر کے اُس کی اس حالت سے ایک اہم سبق دیتے ہیں، اور اُن کو بتلاتے ہیں کہ یہ مردار بچہ تمہارے نزدیک جس قدر حقیر و ذلیل ہے اسی قدر اللہ کے نزدیک دنیا حقیر و ذلیل ہے۔ اس لئے اپنی طلب و فکر کا مرکز اس کو نہ بناؤ، بلکہ آخرت کے طالب بنو۔

۲۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً . (رواه احمد والترمذى وابن ماجه)

ترجمہ۔ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی، تو کسی کافر منکر کو وہ ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یعنی خدا و رسول کے نہ ماننے والوں، کافروں، منکروں کو دنیا سے جو کچھ مل رہا ہے، (اور جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے خوب مل رہا ہے) اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ کے نزدیک دنیا نہایت ہی حقیر اور بے قیمت چیز ہے، اگر اس کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان باغیوں کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، چنانچہ آخرت جس کی اللہ کے نزدیک قدر و قیمت ہے، وہاں کسی دشمنِ خدا کو ٹھنڈے اور خوشگوار پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں دیا جائے گا۔

دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت

۲۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ - (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔ (مسلم)

تشریح...... قید خانہ کی زندگی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ قیدی اپنی زندگی میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنے پر مجبور ہوتا ہے، جب کھانے کو دیا گیا اور جو کچھ دیا گیا کھا لیا، جو پینے کو دیا گیا پی لیا، جہاں بیٹھنے کا حکم دیا گیا بیٹھ گیا، جہاں کھڑے ہونے کو کہا گیا بیچارہ کھڑا ہو گیا، الغرض قید خانہ میں اپنی مرضی بالکل نہیں چلتی، بلکہ چار و ناچار ہر معاملے میں دوسروں کے حکم کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسری خصوصیت قید خانہ کی یہ ہے کہ قیدی اس سے جی نہیں لگاتا، اور اسکو اپنا گھر نہیں سمجھتا، بلکہ ہر وقت اس سے نکلنے کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے۔ اور اس کے برعکس جنت کی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں جنتیوں کیلئے کوئی قانونی پابندی نہیں رہے گی، اور ہر جنتی اپنی مرضی کی زندگی گذارے گا، اور اس کی ہر

خواہش اور ہر آرزو پوری ہو گی، نیز لاکھوں برس گذرنے پر بھی کسی جنتی کا دل جنت سے اور جنت کی نعمتوں سے نہیں اکتائے گا، اور نہ کسی کے دل میں جنت سے نکلنے کی خواہش پیدا ہو گی۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خَالِدُوْنَ ○ (زخرف. ۴۳: ۷۱)

جنت میں وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے دل چاہیں، اور جسکے نظارہ سے تمہاری آنکھوں کو لذت و سرور حاصل ہو، اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا:

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا جنتی جنت سے کہیں اور منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔

پس اس عاجز کے نزدیک اس حدیث میں ایمان والوں کو خاص سبق دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں حکم و قانون کی پابندی کی قید خانہ والی زندگی گذاریں، اور دنیا سے جی نہ لگائیں، اور حقیقت پیشِ نظر رکھیں کہ اس دنیا کو اپنی جنت سمجھنا، اور اس سے اپنا دل لگانا، اور اسکے عیش کو اپنا اصل مقصود و مطلب بنانا کافرانہ طریقہ ہے، پس یہ حدیث گویا ایک آئینہ بھی ہے، جس میں ہر مؤمن اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔

اگر اس کے دل کا تعلق اس دنیا کے ساتھ وہ ہے جو قید خانہ کے ساتھ قیدی کا ہوتا ہے تو وہ پورا مؤمن ہے، اور اگر اُس نے اس دنیا سے اپنا دل ایسا لگالیا ہے کہ اس کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیا ہے، تو یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کا یہ حال کافرانہ ہے۔

دنیا فانی ہے اور آخرت غیر فانی، اسلئے آخرت کے طالب بنو

۲۹) **عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ دُنْيَاهُ اَضَرَّ بِاٰخِرَتِهٖ وَمَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَهٗ اَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَاٰثِرُوْا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى.** (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا وہ اپنی آخرت کا ضرور نقصان کرے گا، اور جو کوئی آخرت کو محبوب بنائے گا وہ اپنی دنیا کا ضرور نقصان کرے گا، پس (جب دنیا و آخرت میں سے ایک کو محبوب بنانے سے دوسرے کا نقصان برداشت کرنا لازم اور ناگزیر ہے، تو عقل و دانش کا تقاضہ یہی ہے کہ) فنا ہو جانے والی دنیا کے مقابلہ میں، باقی رہنے والی آخرت اختیار کرو۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ جو شخص دنیا کو اپنا محبوب و مطلوب بنائے گا تو اس کی اصل فکر و سعی دنیا ہی کے واسطے ہو گی اور آخرت کو یا تو وہ بالکل ہی پسِ پشت ڈال دے گا، یا اسکے لئے بہت کم جد و جہد کرے گا، جس کا نتیجہ بہر حال آخرت کا خسارہ ہو گا۔

اسی طرح جو شخص آخرت کو محبوب و مطلوب بنائے گا، اس کی اصلی سعی و کوشش آخرت کے لئے ہو گی اور وہ ایک دنیا پرست کی طرح دنیا کے لئے جد و جہد نہیں کر سکے گا، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دنیا زیادہ نہ سمیٹ

سکے گا، پس صاحبِ ایمان کو چاہئے کہ وہ اپنی محبت اور چاہت کے لئے آخرت کو منتخب کرے، جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، اور دنیا تو بس چند روز میں فنا ہو جانے والی ہے۔

اللہ سے تعلق کے بغیر یہ دنیا لعنتی ہے

۳۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُاللهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ ۔** (رواه الترمذی وابن ماجه)

ترجمہ… حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اُس پر خدا کی پھٹکار ہے، اور اس کے لئے رحمت سے محرومی ہے سوائے خدا کی یاد کے، اور اُن چیزوں کے، جن کا خدا سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے، اور سوائے عالم اور متعلّم کے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح…… مطلب یہ ہے کہ خدا سے غافل کرنے والی یہ دنیا جس کی طلب اور چاہت میں بہت سے نادان انسان خدا کو اور آخرت کو بھول جاتے ہیں، اپنی حقیقت اور اپنے انجام کے لحاظ سے ایسی ذلیل اور ایسی مردار ہے کہ اللہ کی وسیع رحمت میں بھی اُس کے لئے کوئی حصہ نہیں، البتہ اس دنیا میں اللہ کی یاد اور جن چیزوں کا اس سے تعلق ہے، خاص کر علم دین کے حاملین اور متعلمین سو اُن پر اللہ کی رحمت ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف وہی چیزیں اور وہی اعمال اللہ کی رحمت کے لائق ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ سے اور دین سے کوئی تعلق ہو، خواہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ، لیکن جو چیزیں اور جو اعمال واشغال اللہ سے اور دین سے بالکل بے تعلق ہیں (اور دراصل دنیا اُن ہی کا نام ہے) وہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُور اور محروم اور قابلِ لعنت ہیں۔ پس انسان کی زندگی اگر اللہ کی یاد اور اُسکے تعلق سے، اور دین کے علم اور اسکے تعلّم سے خالی ہے، تو وہ رحمت کی مستحق نہیں، بلکہ لعنت کے قابل ہے۔

طالبِ دُنیا گناہوں سے نہیں بچ سکتا

۳۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَمْشِیْ عَلَى الْمَاءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ؟ قَالُوْالَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ كَذَالِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ۔**

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: کیا کوئی ایسا ہے کہ پانی پر چلے، اور اُس کے پاؤں نہ بھیگیں؟ عرض کیا گیا: حضرتؐ! ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا: اسی طرح دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح…… صاحب الدنیا (دنیادار) سے مراد وہی شخص ہے جو دنیا کو مقصود و مطلوب بنا کر اُس میں لگے، ایسا آدمی گناہوں سے کہاں محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر بندہ کا حال یہ ہو کہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت ہو، اور دنیا کی مشغولی کو بھی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا ذریعہ بنائے، تو وہ شخص دنیادار نہ

ہو گا، اور دنیا میں بظاہر پوری مشغولی کے باوجود وہ گناہوں سے محفوظ بھی رہ سکے گا۔ یہ مضمون بعض حدیثوں میں آگے صراحت سے آجائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو دنیا سے بچاتا ہے

۳۲) عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِىْ سَقِيمَهُ الْمَاءَ. (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: قتادہ بن نعمان سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے، تو دنیا سے اُس کو اس طرح پرہیز کراتا ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے مریض کو پانی سے پرہیز کراتا ہے، (جبکہ اُسکو پانی سے نقصان پہنچتا ہو)۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح: جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے دنیا دراصل وہی ہے جو اللہ سے غافل کرے، اور جس میں مشغول ہونے سے آخرت کا راستہ کھوٹا ہو، پس اللہ تعالیٰ جن بندوں سے محبت کرتا ہے، اور اپنے خاص انعامات سے اُن کو نوازنا چاہتا ہے، اُن کو اس مردار دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جس طرح کہ ہم لوگ اپنے مریضوں کو پانی سے پرہیز کراتے ہیں۔

اپنے کو مُسافر اور اس دُنیا کو سرائے سمجھو

۳۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبَىَّ فَقَالَ كُنْ فِى الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں مونڈھے پکڑ کے مجھ سے ارشاد فرمایا، کہ :دنیا میں ایسے رہ جیسے کہ تو پردیسی ہے، یا راستہ چلتا مسافر۔ (صحیح بخاری)

تشریح: یعنی جس طرح کوئی مسافر پردیس کو اور رہ گذر کو اپنا اصلی وطن نہیں سمجھتا اور وہاں اپنے لئے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، اسی طرح مؤمن کو چاہئے کہ اس دنیا کو اپنا اصلی وطن نہ سمجھے، اور یہاں کی ایسی فکر نہ کرے جیسے کہ یہاں ہی اس کو ہمیشہ رہنا ہے، بلکہ اس کو ایک پردیس اور رہ گذر سمجھے۔

واقعہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام انسانوں کو جیسا انسان بنانا چاہتے ہیں، اور اپنی تعلیم و تربیت سے ان کی جو سیرت بنانا چاہتے ہیں، اُس کی اساس و بنیاد یہی ہے کہ آدمی اس دینوی زندگی کو بالکل عارضی اور چند روزہ زندگی سمجھے اور موت کے بعد والی زندگی کو اصلی اور مستقل زندگی یقین کرتے ہوئے اس کی فکر اور تیاری میں اس طرح لگا رہے، کہ گویا وہ زندگی اس کی آنکھوں کے سامنے ہے، اور گویا وہ اُسی دنیا میں ہے۔ جن لوگوں نے یہ بات جس درجے میں اپنے اندر پیدا کرلی، اُن کی زندگی اور اُن کی سیرت اُسی درجے میں انبیاء علیہم السّلام کی تعلیم اور اُن کی منشاء کے مطابق ہو گئی، اور جو لوگ اپنے میں یہ بات پیدا نہیں کرسکے، اُن کی زندگی بھی وہ نہیں بن سکی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے خطبات اور مواعظ میں اس بنیاد

پر بہت زیادہ زور دیتے تھے۔

دنیا اور آخرت پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

۳۴) عَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَّيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَا فِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ مُعْرَضُوْنَ عَلٰى اَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (رواه الشافعی)

ترجمہ...... حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا، اور اپنے اُس خطبہ میں ارشاد فرمایا، کہ سُن لو، اور یاد رکھو کہ دنیا ایک عارضی اور وقتی سودا ہے، جو فی الوقت حاضر اور نقد ہے (اور اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اسی لئے) اُس میں ہر نیک و بد کا حصہ ہے، اور سب اُس سے کھاتے ہیں، اور یقین کرو کہ آخرت مقررو قت پر آنے والی ایک سچّی اٹل حقیقت ہے، اور سب کچھ قدرت رکھنے والا شہنشاہ اسی میں (لوگوں کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا) فیصلہ کرے گا، یاد رکھو کہ ساری خیر اور خوشگواری اور اس کی تمام قسمیں جنّت میں ہیں، اور سارا شر اور دُکھ اُس کی تمام قسمیں دوزخ میں ہیں۔ پس خبردار، خبردار (جو کچھ کرو) اللہ سے ڈرتے ہوئے کرو (اور ہر عمل کے وقت آخرت کے انجام کو پیش نظر رکھو) اور یقین کرو کہ تم اپنے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور میں پیش کئے جاؤ گے، پس جس شخص نے ذرّہ برابر کوئی نیکی کی ہو گی، وہ اُس کو بھی دیکھ لیگا، اور جس نے ذرّہ برابر کوئی بُرائی کی ہو گی، وہ اُس کو بھی پالے گا۔ (مسند امام شافعی)

تشریح...... انسان کی سب سے بڑی بد بختی اور سیکڑوں قسم کی بدکاریوں کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام اور آخرت کے انجام سے بے فکر اور بے پرواہو کر زندگی گذارے، اور اپنی نفسانی خواہشات اور اس دنیا کی فانی لذتوں کو اپنا مقصد اور مطمح نظر بنالے اور یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے، اور خدا اور آخرت آنکھوں سے اوجھل ہیں، اس لئے انسانوں کو اس بربادی سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اُن کے سامنے دنیا کی بے حقیقتی اور بے قیمتی کو اور آخرت کی اہمیت اور برتری کو قوت کے ساتھ پیش کیا جائے، اور قیامت میں خدا کے سامنے پیشی اور اعمال کی جزا و سزا کا اور جنّت و دوزخ کے ثواب و عذاب کا یقین اُن کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی جائے۔ حضور ﷺ کے اس خطبہ کا حاصل اور موضوع یہی ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا، آپ کے اکثر خطبات اور مواعظ میں یہی بنیادی مضمون ہوتا تھا۔

تنبیہ...... یہ بات بڑی خطرناک اور بہت تشویشناک ہے کہ دینی دعوت اور دینی وعظ و نصیحت میں دنیا کی بے ثباتی اور بے حقیقتی اور آخرت کی اہمیت کا بیان اور جنت و دوزخ کا تذکرہ جس طرح اور جس ایمان و یقین اور جس قوت کے ساتھ ہونا چاہئے ہمارے اس زمانہ میں اس کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، گویا نہیں رہا

ہے، اور دین کی تبلیغ ودعوت میں بھی اُسی طرح کی باتیں کرنے کا رواج بڑھتا جارہا ہے جس قسم کی باتیں مادّی تحریکوں اور دنیوی نظاموں کی دعوت و تبلیغ میں کی جاتی ہیں۔

دنیا سے نہ لپٹو، آخرت کے طالب بنو

۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِى الْهَوٰى وَطُوْلُ الْاَمَلِ فَاَمَّا الْهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِى الْاٰخِرَةَ وَهٰذِالدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَ هٰذِهِ الْاٰخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ وَلِكُلٍّ وَاحِدٍمِنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَاتَكُوْنُوْامِنْ بَنِى الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِىْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَاحِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًافِىْ دَارِالْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ .

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اپنی امت پر جن بلاؤں کے آنے سے ڈرتا ہوں، اُن میں سب سے زیادہ ڈر کی چیزیں ہَوٰی اور طُوْلِ اَمَلْ ہے، (ہَوٰی سے مراد یہاں یہ ہے کہ دین و مذہب کے بارے میں اپنے نفس کے رجحانات اور خیالات کی پیروی کی جائے اور طُوْلِ اَمَلْ یہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارہ میں لمبی لمبی آرزوئیں دل میں پرورش کی جائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو بیماریوں کو بہت زیادہ خوفناک بتلایا، اور آگے اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی) کہ ہَوٰی تو آدمی کو قبولِ حق سے مانع ہوتی ہے (یعنی اپنے نفسانی رجحانات اور خیالات کی پیروی کرنے والا قبولِ حق اور اتباعِ ہدایت سے محروم رہتا ہے) اور طُوْلِ اَمَلْ (یعنی لمبی لمبی آرزوؤں میں دل پھنس جانا) آخرت کو بھلا دیتا ہے اور اُس کی فکر اور اُس کیلئے تیاری سے غافل کردیتا ہے، (اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ) یہ دنیا دمبدم چلی جارہی ہے، گزر رہی ہے (کہیں اس کا ٹھہراؤ اور مقام نہیں) اور آخرت (اُدھر سے) چل پڑی ہے، چلی آرہی ہے اور ان دونوں کے بچے ہیں، (یعنی انسانوں میں کچھ وہ ہیں جو دنیا سے ایسی وابستگی رکھتے ہیں جیسی وابستگی بچوں کو اپنی ماں سے ہوتی ہے، اور کچھ وہ ہیں جن کی ایسی ہی وابستگی اور رغبت بجائے دنیا کے آخرت سے ہے) پس اے لوگو! اگر تم کر سکو تو ایسا کرو کہ دنیا سے چمٹنے والے اس کے بچے نہ ہو (بلکہ اس دنیا کو دارالعمل سمجھو) تم اس وقت دارالعمل میں ہو (یہاں تمہیں صرف محنت اور کمائی کرنی ہے) اور یہاں حساب اور جزا سزا نہیں ہے، اور کل تم (یہاں سے کوچ کرکے) دار آخرت میں پہنچ جانے والے ہو، اور وہاں کوئی عمل نہ ہوگا (بلکہ یہاں کے اعمال کا حساب ہوگا، اور ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ پائے گا)۔

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اُمت کے بارے میں دو بڑی بیماریوں کا خوف اور خطرہ ظاہر فرمایا ہے، اور اُمت کو اُن سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے، ایک ہَوٰی اور دوسرے طُوْلِ اَمَلْ۔ غور سے دیکھا جائے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی دو بیماریوں نے امت کے بہت بڑے حصے کو برباد کیا ہے، جن لوگوں میں خیالات اور نظریات کی گمراہیاں ہیں، وہ ہَوٰی کے مریض ہیں، اور جن کے اعمال خراب ہیں وہ طولِ امل اور

حبِ دنیا کے مرض میں گرفتار اور آخرت کی فکر اور تیاری سے غافل ہیں، اور علاج یہی ہے جو حضور ﷺ نے اس حدیث کے آخر میں بیان فرمایا۔ یعنی اُنکے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو کہ یہ دنیوی زندگی فانی اور صرف چند روزہ ہے، اور آخرت ہی کی زندگی اصلی زندگی ہے، اور وہی ہمارا اصل مقام ہے۔ جب یہ یقین دلوں میں پیدا ہو جائے گا تو خیالات اور اعمال دونوں کی اصلاح آسان ہو جائے گی۔

دولت کی افراط کا خطرہ اور رسول اللہ ﷺ کی آگاہی

۳۶) **عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ۔** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ عمرو بن عوفؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: میں تم پر فقر و ناداری آنے سے نہیں ڈرتا، لیکن مجھے تمہارے بارہ میں یہ ڈر ضرور ہے، کہ دنیا تم پر زیادہ وسیع کردی جائے، جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر وسیع کی گئی تھی، پھر تم اس کو بہت زیادہ چاہنے لگو، جیسے کہ انہوں نے اس کو بہت زیادہ چاہا تھا (اور اسی کے دیوانے اور متوالے ہوگئے تھے) اور پھر وہ تم کو برباد کردے، جیسے کہ اُس نے اُن اگلوں کو برباد کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے سامنے بعض اگلی قوموں اور امتوں کا یہ تجربہ تھا، کہ جب اُن کے پاس دنیا کی دولت بہت زیادہ آئی، تو اُن میں دنیوی حرص اور دولت کی رغبت و چاہت اور زیادہ بڑھ گئی، اور وہ دنیا ہی کے دیوانے اور متوالے ہوگئے، اور اصل مقصد زندگی کو بھلادیا، پھر اس کی وجہ سے ان میں باہم حسد و بغض بھی پیدا ہوا، اور بالآخر اُن کی اس دنیا پرستی نے اُن کو تباہ و برباد کردیا۔ آنحضرت ﷺ کو اپنی امت کے بارے میں اسی کا زیادہ ڈر تھا۔ اس حدیث میں آپ نے ازراہِ شفقت اُمت کو اس خطرے سے آگاہ کیا ہے، اور فرمایا ہے، کہ تم پر فقر و ناداری کے حملے کا مجھے زیادہ ڈر نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس تم میں بہت زیادہ دولت مندی آجانے سے دنیا پرستی میں مبتلا ہو کر تمہارے ہلاک و برباد ہو جانے کا مجھے زیادہ خوف اور ڈر ہے۔

آپ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس خوشنما فتنہ کی خطرناکی سے اُمت کو خبردار کرنا ہے، تاکہ ایسا وقت آنے پر اس کے بُرے اثرات سے اپنا بچاؤ کرنے کی وہ فکر کرے۔

اس اُمت کا خاص فتنہ دولت ہے

۳۷) **عَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَ فِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ۔** (رواه الترمذی)

ترجمہ کعب بن عیاض سے روایت ہے، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ ہر اُمت کیلئے کوئی خاص آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کی خاص آزمائش مال ہے۔ (ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ میری پیغمبری کے دور میں (جو اَب سے لے کر قیامت تک کا زمانہ ہے) مال و دولت کو ایسی اہمیت حاصل ہو گی، اور اس کی ہوس اتنی بڑھ جائے گی کہ وہی اس امت کے لئے سب سے بڑا فتنہ ہو گا۔ (قرآن مجید میں بھی مال کو فتنہ کہا گیا ہے) اور واقعہ یہ ہے کہ عہدِ نبویؐ سے لے کر ہمارے اس زمانے تک کی تاریخ پر جو شخص بھی نظر ڈالے گا، اُسے صاف محسوس ہو گا، کہ مال کے مسئلہ کی اہمیت اور دولت کی ہوس برابر بڑھتی رہی ہے اور بڑھتی ہی جارہی ہے، اور بلا شبہ یہ ہی اس کا سب سے بڑا فتنہ ہے، جس نے بے شمار بندوں کو خدا کی بغاوت و نافرمانی کے راستے پر ڈال کے اصل سعادت سے محروم کر دیا ہے۔ بلکہ اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ خدا بیزاری اور خدا دشمنی کے علمبردار بھی دولت و معاش ہی کے مسئلہ کی پیٹھ پر سوار ہو کر اپنے دجالی خیالات دنیا میں پھیلاتے ہیں۔

حب مال اور حب جاہ دین کیلئے قاتل ہیں

۳۸) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَاذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِىْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَلَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ... کعب بن مالک سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ وہ دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے گئے ہوں، اُن بکریوں کو اس سے زیادہ تباہ نہیں کر سکتے، جتنا تباہ آدمی کے دین کو مال کی اور عزّت و جاہ کی حرص کرتی ہے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حب مال اور حبِ جاہ آدمی کے دین کو اور اللہ کے ساتھ اس کے تعلق کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں، جتنا کہ بکریوں کے کسی ریوڑ میں چھوڑے ہوئے بھوکے بھیڑیے ان بکریوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مال کی اور دنیا کی محبت بڑھاپے میں بھی جوان رہتی ہے

۳۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ فِيْهِ اِثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمْرِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت انسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے (اور بڑھاپے کے اثر سے اسکی ساری قوتیں مضمحل ہو کر کمزور پڑ جاتی ہیں) مگر اسکے نفس کی دو خصلتیں اور زیادہ جوان اور طاقت ور ہوتی رہتی ہیں۔ ایک دولت کی حرص، اور دوسری زیادتی عمر کی حرص۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے، کہ انسانوں کا عام حال یہی ہے، اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے نفس میں بہت سی ایسی غلط خواہشیں پیدا ہوتی ہیں جو اُسی وقت پوری ہوتی ہیں جبکہ اُس کے ہاتھ میں دولت ہو، اور زندگی اور توانائی بھی ہو، اور ان خواہشوں کی مضرتوں اور بربادیوں سے انسان کو بچانا "پاسبانِ عقل" کا کام ہے، مگر بڑھاپے کے اثر سے جب بیچاری یہ عقل بھی مضمحل اور کمزور پڑ جاتی ہے، تو ان

خواہشات پر اپنا قابو اور کنٹرول رکھنے سے مجبور ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر عمر میں بہت سی خواہشیں "ہوس" کا درجہ اختیار کر لیتی ہیں، اور اس کی وجہ سے عمر کی زیادتی کے ساتھ مال و دولت کی اور دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی حرص اور چاہت اور زیادہ ترقی کرتی رہتی ہے، کہنے والے نے صحیح کہا ہے: ؎

بیخہائے خوئے بد محکم شدہ　　قوت برکندن آں کم شدہ

لیکن یہ حال عوام کا ہے، اللہ کے جن بندوں نے اس دنیا اور اس کی خواہشوں کی حقیقت اور اس کے انجام کو سمجھ لیا ہے، اور اپنے نفسوں کی تربیت کر لی ہے، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِی اثْنَيْنِ فِی حُبِّ الدُّنْيَا وَ طُوْلِ الْاَمَلِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا: بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، ایک تو دنیا کی محبت، اور دوسری لمبی لمبی تمنائیں۔

تشریح...... جیسا کہ پہلی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا، عام انسانوں کا حال یہی ہے لیکن جن بندگانِ خدا کو خود شناسی اور خدا شناسی اور دنیا و آخرت کے بارے میں صحیح علم و یقین نصیب ہو، اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ بجائے حبِ دنیا کے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس فانی دنیا کی آرزوؤں کی جگہ رضاء الٰہی اور نعمائے اُخروی کا اشتیاق اور اس کی تمنا بڑھاپے میں بھی ان کے دل میں مسلسل بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہے، اور ان کی عمر کا ہر اگلا دن پہلے دن کے مقابلے میں اس پہلو سے بھی ترقی کا دن ہوتا ہے۔

دولت میں اضافے کی حرص کسی حد پر ختم نہیں ہوتی

۴۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی ثَالِثًا وَلَا يَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ تَابَ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر آدمی کے پاس مال کے بھرے ہوئے دو میدان اور دو جنگل ہوں، تو وہ تیسرا اور چاہے گا، اور آدمی کا پیٹ تو بس مٹی سے بھرے گا (یعنی مال و دولت کی اس نہ ختم ہونے والی ہوس اور بھوک کا خاتمہ بس قبر میں جا کر ہوگا) اور اللہ اس بندے پر عنایت اور مہربانی کرتا ہے جو اپنا رُخ اور اپنی توجہ اس کی طرف کر لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کی زیادہ حرص عام انسانوں کی گویا فطرت ہے، اگر دولت سے اُن کا گھر بھی بھرا ہو، اور جنگل کے جنگل اور میدان کے میدان بھی پٹے پڑے ہوں، تب بھی اُن کا دل قانع نہیں ہوتا، اور وہ اس میں اور زیادتی اور اضافہ ہی چاہتے ہیں، اور زندگی کی آخری سانس تک اُن کی ہوس کا یہی حال رہتا ہے، اور بس قبر ہی میں جا کر دولت کی اس بھوک اور ننانوے کے اس پھیر سے اُن کو چھٹکارا ملتا ہے۔ البتہ جو بندے دنیا اور دنیا کی دولت کے بجائے اپنے دل کا رُخ اللہ کیطرف کر لیں، اور اُس سے تعلق جوڑ لیں،

اُن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہے، اور اُن کو اللہ تعالیٰ اس دنیا ہی میں اطمینانِ قلب اور غنائے نفس نصیب فرمادیتاہے، اور پھر اس دنیامیں بھی اُن کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے سکون سے گزرتی ہے۔

طالبِ آخرت کاقلب مطمئن رہتاہے، اورطالب دنیاکادل پراگندہ اور غیرمطمئن:

۴۲) عَنْ انس انّ النبیؐ قَالَ مَنْ کانَتْ نِیّتُہٗ طَلبَ الاٰخِرۃِ جعلَ اللّٰہُ غِناہُ فِیْ قَلْبِہٖ وجمعَ لَہٗ شَمْلَہٗ واَتَتْہُ الدُّنْیا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ ومَنْ کانَتْ نِیّتُہٗ طلبَ الدُّنْیا جعلَ اللّٰہُ الْفَقْرَ بیْنَ عَیْنَیْہِ وَشَتّتَ علیْہِ اَمْرَہٗ ولَا یَاْتِیْہِ مِنْھا اِلّا ما کُتِبَ لَہٗ. (رواہ الترمذی ورواہ احمد والدارمی)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایاکہ جس شخص کی نیت اور اُس کامقصد اصلی اپنی سعی وعمل سے آخرت کی طلب ہو، تواللہ تعالیٰ غنا(قلبی اطمینان، اور مخلوق کی نامحتاجی کی کیفیت) اُس کے دل کونصیب فرمادیں گے، اور اُس کے پراگندہ حال کودرست فرمادیں گے۔اور دنیااُس کے پاس خود بخود ذلیل ہوکر آئے گی۔ اور جس شخص کی نیت اور اپنی سعی وعمل سے جس کاخاص مقصد دنیاطلب کرناہوگا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے آثار اُس کی بیچ پیشانی میں اُس کے چہرے پر پیدا کردیں گے، اور اُس کے حال کوپراگندہ کردیں گے (جس کی وجہ سے اُس کو خاطر جمعی کی راحت کبھی نصیب نہ ہوگی) اور (ساری تگ ودَو کے بعد بھی) یہ دنیا اُس کوبس اُسی قدر ملے گی جس قدر اُس کے واسطے پہلے سے مقدر ہوچکی ہوگی۔ (اس حدیث کو حضرت انسؓ سے امام ترمذی نے روایت کیاہے، اور امام احمد اور دارمی نے اس حدیث کو ابان کی روایت سے حضرت زید بن ثابت انصاریؓ سے روایت کیاہے)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جوبندہ آخرت پر یقین رکھتے ہوئے آخرت کی فلاح ہی کو اپنا اصل مطلوب ومقصود بنالیتاہے تو اُس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہوتاہے کہ دنیا کے بارے میں اس کو قناعت نصیب فرماکر اُس کے دل کوطمانیت اور جمعیت خاطر نصیب فرمادی جاتی ہے، اور دنیامیں سے جو کچھ اُس کے لئے مقدر ہوتاہے وہ کسی نہ کسی راستہ سے خود اُس کے پاس آجاتاہے۔ اور اسکے برعکس جو شخص دنیاکو اپنا اصل مقصود ومطلوب بنالیتاہے، تواللہ تعالیٰ محتاجی اور پریشان حالی اُس پر اس طرح مسلّط کردیتاہے کہ دیکھنے والوں کواس کے چہرے پر اور اُس کی بیچ پیشانی میں اُس کے آثار نظر آتے ہیں۔ اور دنیاکی طلب میں خون پسینہ ایک کردینے کے بعد بھی اس طالبِ دنیاکوبس وہی ملتاہے، جوپہلے ہی سے اس کے لئے مقدر ہے۔ پس جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو بندہ کو چاہئے کہ آخرت ہی کو اپنا مقصود ومطلوب بنائے، اور دنیاکوبس ایک عارضی اور وقتی ضرورت سمجھ کراس کی طرف اتنی ہی فکر کرے جتنی کہ کسی عارضی وقتی چیز کی فکر ہونی چاہئے۔

دولت میں بندے کاواقعی حصہ کیاہے؟

۴۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِیْ مَالِیْ وَاِنَّ مَالَہٗ مِنْ مَّالِہٖ ثَلٰثٌ مَا

اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْلَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذَالِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ۔
(رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال، حالانکہ اُس کے مال میں سے جو واقعی اُس کا ہے، وہ بس تین مدیں ہیں، ایک وہ جو اُس نے کھا کے ختم کر دیا، دوسرے وہ جو پہن کر پُرانا کر ڈالا، اور تیسرے وہ جو اُس نے راہِ خدا میں دیا، اور اپنی آخرت کے واسطے ذخیرہ کر لیا، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ بندہ دوسرے لوگوں کے لئے اُس کو چھوڑ جانے والا ہے، اور خود یہاں سے ایک دن رخصت ہو جانے والا ہے۔ (مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آدمی کے کمائے ہوئے اور جوڑے ہوئے مال میں سے واقعۃً اور حقیقۃً اس کا بس وہی ہے جو اُس نے کھانے پہننے کی ضروریات میں یہاں اپنے اوپر خرچ کر لیا، یا راہِ خدا میں دے کے آخرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع کر دیا، اس کے سوا جو کچھ ہے وہ در حقیقت اُس کا نہیں ہے۔ بلکہ ان وارثوں کا ہے جن کے لئے وہ اس کو چھوڑ جانے والا ہے۔

۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون ایسا ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو؟ (یعنی اپنے ہاتھ میں مال آنے سے زیادہ محبوب جس کو اپنے وارثوں کے ہاتھ میں مال آنا ہو؟) لوگوں نے عرض کیا: ہم میں سے تو ہر ایک کا حال یہ ہے کہ اُس کو اپنے وارثوں کے مال سے زیادہ محبوب اپنا ہی مال ہے (یعنی ہم میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی یہ چاہت ہو کہ مال اُس کو نہ ملے، بلکہ اُس کے وارثوں کو ملے) آپ نے فرمایا: جب یہ بات ہے، تو معلوم ہونا چاہئے کہ آدمی کا مال بس وہی ہے جس کو اُس نے آگے چلتا کر دیا، اور جس قدر اُس نے بعد کے لئے رکھا وہ اُس کا نہیں ہے، بلکہ اُس کے وارثوں کا ہے۔ (لہٰذا دانش مند آدمی کو چاہئے کہ وارثوں کیلئے چھوڑنے سے زیادہ فکر، اپنی آخرت کیلئے سرمایہ محفوظ کر دینے کی کرے، جس کی صورت یہی ہے کہ سینت سینت کے گھر میں رکھنے کے بجائے خیر کے مصارف میں صرف بھی کرتا رہے)۔ (صحیح بخاری)

۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْ اٰدَمَ مَا خَلَّفَ۔
(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب مرنے والا مرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں، کہ اس نے اپنے واسطے آگے کیا بھیجا (یعنی کیا اعمالِ خیر کئے، اور اپنی آخرت کے لئے اللہ کے خزانے میں کیا سرمایہ جمع کیا ہے) اور عام انسان آپس میں کہتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ، اس نے

کتنا مال چھوڑا؟ (شعب الایمان للبیہقی)

دولت کے بندے خدا کی رحمت سے محروم

۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: بندۂ دینار خدا کی رحمت سے محروم ہو، اور بندۂ درہم خدا کی رحمت سے دُور رہے۔ (ترمذی)

تشریح...... جو لوگ مال و دولت اور دنانیر و دراہم کے پرستار ہیں، اور انہوں نے دولت ہی کو اپنا معبود اور محبوب و مطلوب بنالیا ہے اس حدیث میں اُن سے بیزاری کا اعلان اور اُن کے حق میں بددعا ہے کہ وہ خدا کی رحمت سے محروم اور دُور ہیں۔

مال و دولت کی پرستش اور بندگی یہ ہے کہ اُس کی چاہت اور طلب میں بندہ ایسا گرفتار ہو کہ اللہ کے احکام اور حلال و حرام کی حدود کا بھی پابند نہ رہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد، کہ مجھے تجارت اور دولت اندوزی کا حکم نہیں دیا گیا ہے

۴۷) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ اَجْمَعَ الْمَالَ وَاَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. (رواہ فی شرح السنہ)

ترجمہ... جُبیر بن نُفیر تابعی سے روایت ہے، وہ بطریق اِرسال[1] رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ کی طرف سے اس کی وحی نہیں کی گئی، اور یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں مال و دولت جمع کروں، اور تجارت و سوداگری کو اپنا پیشہ اور مشغلہ بناؤں۔ بلکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، اور میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہ، اور ہو جا اللہ کے حضور میں جھکنے والوں اور گرنے والوں میں سے اور کئے جا بندگی اپنے پروردگار کی، موت آنے تک۔ (شرح السنہ)

تشریح...... جن کو شریعت کے اصول و احکام کا کچھ علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ تجارت اور اس کے ذریعہ دولت کمانا ناجائز نہیں ہے، اور شریعت کے احکام کا ایک بڑا حصہ تجارت وغیرہ مالی معاملات سے بھی متعلق ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے خود اُن تاجروں کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، جو امانت داری، راستبازی اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کا جو خاص مقام تھا اور جو کام اللہ تعالیٰ کو آپ سے لینا تھا، اُس میں تجارت جیسے کسی جائز معاشی مشغلے میں بھی مشغول ہونے کی گنجائش نہ تھی، اور

---

[1] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نقل کرتے ہیں اور جن صحابی کے ذریعہ سے وہ حدیث اُن کو پہنچی ہوتی ہے اُن کا ذکر نہیں کرتے، ایسی حدیث مُرسَل کہلاتی ہے، اور تابعی کے اس طرح حدیث بیان کرنے کو "اِرسال" کہتے ہیں۔ ۱۲

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قناعت اور توکل کا وافر سرمایہ دے کر اس فکر سے فارغ بھی فرمادیا تھا۔
رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ مجھے تو اُن ہی کاموں میں اپنے کو لگانا ہے جن کا مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور حکم ہے، میرا کام تجارت اور دولت اندوزی نہیں ہے۔
آپ کے اُمتیوں میں بھی اللہ کے جو بندے خالص متوکلانہ طرزِ زندگی کو اپنے لئے پسند کریں، اور اس راستے کے شدائد ومصائب پر صبر کی ہمت رکھتے ہوں، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کی دولت اُن کو میسر ہو، تو اُن کیلئے بھی بلاشبہ یہی افضل ہے، لیکن جنکا یہ حال نہ ہو، اُن کو کسی جائز معاشی مشغلہ کا اختیار کرنا خاصکر ہمارے اس زمانہ میں ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت وثروت کی پیشکش اور آپ ﷺ کی فقر پسندی

۴۸) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا یَارَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَاَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُّكَ وَشَكَرْتُكَ ـ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ... ابوامامہ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے یہ بات رکھی کہ میرے لئے وہ مکہ کی وادی کو (یا اُس کے سنگریزوں کو) سونا بنادے، اور سونے سے بھر دے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے سامنے یہ بات رکھی گئی، کہ اگر تم دولت مند بننا چاہو، تو تمہارے لئے مکہ کی وادی کو ہم سونے سے بھر سکتے ہیں) تو میں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں اپنے لئے یہ نہیں مانگتا، بلکہ میں (ایسی ناداری اور غریبی کی حالت میں رہنا پسند کرتا ہوں، کہ) ایک دن پیٹ بھر کھاؤں، اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب مجھے بھوک لگے تو آپ کو یاد کروں، آپ کے سامنے عاجزی اور گریہ و زاری کروں، اور جب آپ کی طرف سے مجھے کھانا ملے اور میرا پیٹ بھرے، تو میں آپ کی حمد اور آپ کا شکر کروں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر وفاقہ کی جس حالت میں زندگی گزاری، وہ اپنے لئے خود آپ نے پسند کی تھی، اور اپنے اللہ سے آپ نے اس کو خود مانگا تھا۔ (آپکی معیشت سے متعلق حدیثیں عنقریب ہی مستقل عنوان کے تحت درج کی جائیں گی)۔

سب سے زیادہ قابلِ رشک بندہ

۴۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ اَغْبَطُ اَوْلِیَائِیْ عِنْدِیْ لَمُؤْمِنٌ خَفِیْفُ الْحَاذِ ذُوْ حَظٍّ مِنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِی السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِی النَّاسِ لَا یُشَارُ اِلَیْهِ بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهٗ كَفَافًا فَصَبَرَ عَلٰی ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِیَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِیَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِیْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ.
(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں بہت زیادہ قابلِ رشک میرے نزدیک وہ مؤمن ہے، جو سبک بار (یعنی دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے بہت ہلکا پھلکا) ہو، نماز اُس کا بڑا حصہ ہو، اور اپنے رب کی عبادت خوبی کے ساتھ اور صفتِ احسان کے ساتھ کرتا ہو، اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اس کا شعار ہو، اور یہ سب کچھ اخفا کے ساتھ اور خلوت میں کرتا ہو، اور وہ چھپا ہوا اور گمنامی کی حالت میں ہو، اور اس کی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کئے جاتے ہوں، اور اُس کی روزی بھی بقدرِ کفاف ہو، اور وہ اس پر صابر و قانع ہو۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چٹکی بجائی (جیسے کہ کسی چیز کے ہو جانے پر اظہارِ تعجب یا اظہارِ حیرت کیلئے چٹکی بجاتے ہیں) اور فرمایا جلدی آ گئی اس کو موت، اور اس پر رونے والیاں بھی کم ہیں، اس کا ترکہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ میرے دوستوں اور اللہ کے مقبول بندوں کے الوان و احوال مختلف ہیں، لیکن اُن میں بہت زیادہ قابلِ رشک زندگی اُن اہلِ ایمان کی ہے، جن کا حال یہ ہے کہ دنیا کے ساز و سامان اور مال و عیال کے لحاظ سے وہ بہت ہلکے، مگر نماز اور عبادات میں اُن کا خاص حصہ، اور اس کے باوجود ایسے نامعروف اور گمنام کہ آتے جاتے کوئی اُن کی طرف اُنگلی اُٹھا کے نہیں کہتا کہ یہ فلاں بزرگ اور فلاں صاحب ہیں، اور ان کی روزی بس بقدرِ کفاف، لیکن وہ اس پر دل سے صابر و قانع۔ جب موت کا وقت آیا، تو ایک دم رخصت، نہ پیچھے زیادہ مال و دولت، اور نہ جائداد و مکانات اور باغات کی تقسیم کے جھگڑے، اور نہ زیادہ اُن پر رونے والیاں۔

بلا شبہ بڑی قابلِ رشک ہے اللہ کے ایسے بندوں کی زندگی، اور الحمد للہ کہ اس قسم کی زندگی والوں سے ہماری یہ دنیا اب بھی خالی نہیں ہے۔

خوش حالی چاہنے والی بیوی کو ابوالدرداءؓ کا جواب

۵۰) عَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِی الدَّرْدَاءِ مَالَكَ لَا تَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَمَامَكُمْ عَقَبَةً كَئُوْدًا لَا يَجُوْزُهَا الْمُثْقِلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت ابوالدرداءؓ کی بیوی ام الدرداء سے روایت ہے کہ میں نے ابوالدرداء سے کہا، کہ: کیا بات ہے، تم مال و منصب کیوں نہیں طلب کرتے، جس طرح کہ فلاں اور فلاں طلب کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، کہ: تمہارے آگے ایک بڑی دشوار گذار گھاٹی ہے، اُس کو گراں بار اور زیادہ بوجھ والے آسانی سے پار نہ کر سکیں گے۔ اسلئے میں یہی پسند کرتا ہوں کہ اُس گھاٹی کو عبور کرنے کیلئے ہلکا پھلکا رہوں (اس وجہ سے میں اپنے لئے مال و منصب طلب نہیں کرتا)۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اخیر دورِ حیات میں، اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایسی صورتیں پیدا ہو گئی تھیں کہ مختلف راہوں سے اموال آتے تھے، اور طالبین اور اہلِ حاجت کو تقسیم کئے جاتے تھے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو خاص خدمات اور مناصب پر مقرر کیا جاتا تھا، اور اُن کو اس خدمت اور کارکردگی پر وظیفہ ملتا تھا، جس سے اُن کا گذارہ آسان ہو جاتا تھا۔ لیکن بعض صحابہ کرامؓ اس زمانہ میں بھی فقر و فاقہ کی زندگی ہی کو اپنے لئے پسند کرتے تھے، ان ہی میں سے حضرت ابوالدرداءؓ بھی تھے، وہ آخرت کے محاسبہ اور محشر کی تکلیفوں اور سختیوں سے امن اسی میں سمجھتے تھے کہ دنیا سے کم سے کم حصہ لیا جائے، اور بس کسی طرح زندگی بسر ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا تھا کہ آخرت کی دشوار گذار گھاٹیوں کو وہ ہی لوگ آسانی سے عبور کر سکیں گے جو دنیا میں ہلکے پھلکے رہیں گے، اور جو لوگ دنیا میں اپنے اوپر زیادہ بوجھ لادلیں گے، وہ آسانی سے ان گھاٹیوں کو پار نہ کر سکیں گے۔

موت اور افلاس میں خیر کا پہلو

۵۱) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اِثْنَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ۔ (رواه احمد)

ترجمہ محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو چیزیں ایسی ہیں جن کو آدمی ناپسند ہی کرتا ہے (حالانکہ ان میں اس کیلئے بڑی بہتری ہوتی ہے) ایک تو وہ موت کو پسند نہیں کرتا، حالانکہ موت اس کے لئے فتنہ سے بہتر ہے، اور دوسرے وہ مال کی کمی اور ناداری کو نہیں پسند کرتا، حالانکہ مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔ (مسند احمد)

تشریح...... واقعہ یہی ہے کہ ہر آدمی موت سے اور ناداری و افلاس سے گھبراتا ہے اور ان سے بچنا چاہتا ہے حالانکہ موت اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے، کہ مرنے کے بعد آدمی دنیا کے دین سوز فتنوں سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے، اور مال و دولت کی کمی اس لحاظ سے بڑی نعمت ہے کہ ناداروں اور مفلسوں کو آخرت میں بہت مختصر حساب دینا ہوگا، اور وہ اس سخت مرحلہ سے بڑی جلدی اور آسانی سے فارغ ہو جائیں گے۔ جب انسان افلاس و ناداری کی مصیبت میں گرفتار ہو، یا کسی عزیز قریب کی موت کا صدمہ اس کو پہنچا ہو، تو اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات سے بڑی تسکین اور تسلی حاصل کر سکتا ہے۔

۵۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ۔ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ مؤمن بندہ بہت پیارا اور محبوب ہے جو غریب و نادار اور عیال دار ہو، اور اس کے باوجود باعفت ہو (یعنی ناجائز طریقے سے پیسہ حاصل کرنے سے اور کسی کے سامنے اپنی ضروریات ظاہر کرنے سے بھی پرہیز کرتا ہو)۔

تشریح...... بلا شبہ جو شخص افلاس اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی محرّمات و مشتبہات سے اپنی حفاظت کرے، اور اپنی تنگ حالی کا اظہار بھی نہ کرے، وہ بڑا باہمت اور اللہ کا پیارا بندہ ہے۔

جو بندگانِ خدا اس دنیا میں تنگ حالی و ناداری میں مبتلا کئے گئے ہیں اور غریبی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے ہیں، کاش! وہ رسول اللہ ﷺ کی ان حدیثوں سے تسلی اور سبق حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو اپنے محبوب ﷺ والی، جو فقیرانہ و غریبانہ زندگی نصیب فرمائی ہے، اس کو اپنے حق میں نعمت سمجھ کر صابر و شاکر رہیں، تو فقر و فاقہ کی تکلیفیں ہی ان کیلئے سامانِ راحت و لذّت بن جائیں۔

اپنی بھوک اور حاجتمندی کو لوگوں سے چھپانے والے کیلئے اللہ کا وعدہ

۵۳) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاعَ اَوْ اِحْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ.** (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بھوکا ہو، یا اُس کو کوئی اور خاص حاجت ہو، اور وہ اپنی اس بھوک اور حاجت کو لوگوں سے چھپائے (یعنی اُن کے سامنے ظاہر کر کے اُن سے سوال نہ کرے) تو اللہ عزّ و جل کے ذمہ ہے، کہ اس کو حلال طریقے سے ایک سال کا رزق عطا فرمائے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اللہ کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنا یہ دستور مقرر فرمالیا ہے، اور جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ پر اور اسکی شانِ کریمی پر دل کے پورے یقین کیساتھ اس کا تجربہ کرے گا، انشاء اللہ وہ اس کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔

زُہد اور اُسکے ثمرات و برکات

زُہد کے لغوی معنی کسی چیز سے بے رغبت ہو جانے کے ہیں، اور دین کی خاص اصطلاح میں آخرت کیلئے دنیا کے لذائذ و مرغوبات کی طرف سے بے رغبت ہو جانے اور عیش و تنعم کی زندگی ترک کر دینے کو زہد کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے بھی اور اپنے ارشادات میں بھی اُمت کو زہد کی بڑی ترغیب دی ہے، اور اس کے بہت کچھ دینوی و اخروی ثمرات و برکات بیان فرمائے ہیں۔

زہد اختیار کرو، اللہ کے، اور بندوں کے محبوب بن جاؤ گے

۵۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِىْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا اَنَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِى اللّٰهُ وَاَحَبَّنِى النَّاسُ قَالَ اِزْهَدْ فِى الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَاَزْهَدْ فِىْ مَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ.**

(رواه الترمذى و ابن ماجه)

ترجمہ... سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض کیا:

یارسول اللہ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلایئے کہ جب میں اس کو کروں، تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے، اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں، آپ نے فرمایا، کہ: دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رُخی اختیار کرلو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال وجاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بےرُخی اختیار کرلو، تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔ (ترمذی وابن ماجہ)

تشریح ...... یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے وہ سارے کام کراتی ہے، جن کی وجہ سے وہ خدا کی محبت کے لائق نہیں رہتا، اسلئے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت دل میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی، تو دل اللہ کی محبت کے لئے فارغ ہو جائے گا، اور پھر اس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایسی خالص ہونے لگے گی، کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیارا ہو جائے گا۔

اس طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے لوگ یہ جان لیں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں چاہتا، نہ یہ مال کا طالب ہے، نہ کسی عہدہ اور منصب کا، تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا گویا انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔

فائدہ ...... زہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس شخص کیلئے دنیا کی لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں، اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں عیش نہ کرتا ہو، وہ زاہد نہیں ہے، زاہد وہ ہے جس کیلئے دنیا کے عیش و تنعم کے پورے مواقع میسر ہوں، مگر اسکے باوجود وہ اس سے دل نہ لگائے اور متنعمین کی سی زندگی نہ گذارے۔ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک کو زاہد کہہ کے پکارا، انہوں نے فرمایا، کہ: زاہد تو عمر بن عبدالعزیز تھے، کہ خلیفۂ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا گویا ان کے قدموں میں تھی، لیکن انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔

زاہدوں کی صحبت میں رہا کرو

۵۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ اَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَیْتُمُ الْعَبْدَ یُعْطٰی زُهْدًا فِی الدُّنْیَا وَ قِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ یُلَقَّی الْحِكْمَةَ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ ۔ حضرت ابوہریرہؓ اور ابو خلادؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی بندہ کو اس حال میں دیکھو کہ اُس کو زُہد، یعنی دنیا کی طرف سے بے رغبتی و بے رُخی اور کم سخنی (یعنی لغو اور فضول باتوں سے زبان کو محفوظ رکھنے کی صفت) اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو اُس کے پاس اور اُس کی صحبت میں رہا کرو، کیونکہ جس بندے کا یہ حال ہوتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکمت کا القاہوتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح حکمت کے القا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقتوں کو صحیح طور پر سمجھتا ہے اور اُس کی زبان سے وہی باتیں نکلتی ہیں جو صحیح اور نافع ہوتی ہیں، اس لئے اُس کی صحبت کیمیا اثر ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں حکمت

کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔

جس کو حکمت عطا کی جائے، اُس کو خیر کثیر عطا کیا گیا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے زاہد بندوں کو نقد صلہ

۵۶) عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَهِدَ عَبْدٌ فِي الدُّنْيَا إِلَّا أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ وَ أَنْطَقَ بِهَا لِسَانَهٗ وَ بَصَّرَهٗ عَيْبَ الدُّنْيَا وَ دَاءَهَا وَ دَوَاءَهَا وَ أَخْرَجَهٗ مِنْهَا سَالِمًا إِلٰى دَارِ السَّلَامِ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ... حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بھی زہد اختیار کرے (یعنی دنیا کی رغبت و چاہت اپنے دل سے نکال دے، اور اس کی خوش عیشی و خوش باشی کی طرف سے بے رغبتی اور بے رخی اختیار کر لے) تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے دل میں حکمت کو اگائے گا، اور اس کی زبان پر بھی حکمت کو جاری کرے گا، اور دنیا کے عیوب اور اس کی بیماریاں اور پھر اس کا علاج معالجہ بھی اس کو آنکھوں سے دکھادے گا، اور دنیا سے اس کو سلامتی کے ساتھ نکال کر جنت میں پہنچادے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اوپر کی حدیث سے بھی معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں جو شخص زہد اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکمت القا کی جاتی ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے اس کی اور زیادہ تفصیل اور تشریح معلوم ہوئی، اس حدیث میں:

أَنْبَتَ اللهُ الْحِكْمَةَ فِيْ قَلْبِهٖ

اللہ اُس کے دل میں حکمت اگاتا ہے

کے بعد جو کچھ فرمایا گیا ہے، وہ گویا اسی حکمت کی تفصیل و تشریح ہے، اور مطلب یہ ہے کہ زہد اختیار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی دنیا میں پہلا نقد صلہ یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنکے قلوب میں حکمت اور معرفت کا تخم ڈال دیتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت سے نشو نما پاتا رہتا ہے، اور ترقی کرتا رہتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُنکی زبانوں سے حکمت ہی کا چشمہ جاری رہتا ہے، اور دنیا کے عیوب و امراض گویا اُن کو آنکھوں سے دکھادیئے جاتے ہیں، اور ان کے علاج معالجہ میں بھی اُن کو خاص بصیرت عطا ہوتی ہے۔ اور دوسرا خاص انعام ان بندوں پر یہ ہوتا ہے کہ ان کو ایمان اور تقویٰ کی سلامتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اس دنیا سے اُٹھاتا ہے اور وہ اس فانی دنیا سے نکال کر جاودانی عالم میں یعنی دار السلام جنت میں پہنچادیئے جاتے ہیں۔

خاصانِ خدا عیش و تنعم کی زندگی نہیں گذارتے

٥٧) **عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ اِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَاِنَّ عِبَادَ اللّٰهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ۔۔۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو نصیحت فرمائی کہ معاذ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچتے رہنا اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔ (مسند احمد)

تشریح۔۔۔ دنیا میں آرام و راحت اور خوش عیشی کی زندگی گذارنا اگرچہ حرام اور ناجائز نہیں ہے لیکن اللہ کے خاص بندوں کا مقام یہی ہے کہ وہ دنیا میں تنعم کی زندگی اختیار نہ کریں: اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ

جب کسی بندہ کو شرح صدر کی دولت نصیب ہوتی ہے تو اُس کی زندگی میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر نمایاں ہو جاتی ہے

٥٨) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ"۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ اِنْفَسَحَ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لِتِلْكَ مِنْ عَلَمٍ يُعْرَفُ بِهٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَا فِيْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِهٖ۔** (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔۔۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَمَنْ يرد الله ان يهديه يشرح صدره للاسلام" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو اپنی راہ پر لگائے اور اپنی رضا اور اپنا قرب نصیب فرمائے، تو کشادہ کر دیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لئے یعنی عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی کیلئے اُس کا دل کھول دیا جاتا ہے) یہ آیت تلاوت فرمانے کے بعد اس کی تفصیل اور تشریح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: نور جب سینہ میں آتا ہے تو سینہ اس کی وجہ سے کھل جاتا ہے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! کیا اس حالت کی کوئی علامت بھی ہے جس سے اس کو پہچانا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ: ہاں! دنیا جو دھوکے فریب کی جگہ ہے اس سے طبیعت کا ہٹ جانا اور اُچاٹ ہو جانا (یعنی توبہ واستغفار، اور معاصی سے اجتناب، اور عبادت کی کثرت کے ذریعہ موت کی تیاری کرنا)۔

تشریح۔۔۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندہ کو اپنی خاص عبدیت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے دل میں ایک خاص نور اور جذبۂ ربانی پیدا کر دیتا ہے، جس سے اس کا سینہ عبدیت والی زندگی کیلئے کھل جاتا ہے، اور پھر اس کے نتیجہ میں دنیا سے بے رغبتی و بے رخی اور آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کی لقا اور جنت کا شوق اور اُس کی تیاری یہ ساری چیزیں اُس کی زندگی میں ابھر جاتی ہیں، اور ان کے ذریعہ اس بات کو جانا جا سکتا

ہے کہ اس بندہ کو وہ خاص نور نصیب ہو گیا، اور جذبۂ ربانی اس کے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔

اس امت کے صلاح کی بنیاد یقین اور زہد ہے

۵۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: روایت ہے عمرو بن شعیب سے، وہ روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اس امت کی پہلی نیکی اور بہتری یقین اور زُہد ہے اور اس کی پہلی خرابی بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو ہے۔

(شعب الایمان بیہقی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اس امت کی صلاح و فلاح اور اسکے کمالات و ترقیات کی بنیاد اس کی دو صفتیں تھیں، ایک یقین اور دوسری زہد، اور جب امت میں بگاڑ شروع ہو گا تو سب سے پہلے یہی دو صفتیں اس میں سے جائیں گی، اور ان کی ضد بخل اور دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو آئے گی، اور اس کے بعد خرابیوں اور برائیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور امت برابر گرتی ہی چلی جائے گی۔

شارحین نے جیسا کہ لکھا ہے: اس حدیث میں یقین سے مراد خاص اس حقیقت کا یقین ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ کسی کو ملتا ہے اور جو اچھی یا بری حالت کسی پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے اور اللہ کے فیصلہ سے آتی ہے [1] اور زہد کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی معلوم ہو چکا ہے یہ کہ دنیا سے دل نہ لگایا جائے، اور اس کی ناپائیدار لذتوں اور راحتوں کو مطلوب و مقصود نہ بنایا جائے، اور اس یقین اور زہد کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے حاصل ہو جانے کے بعد آدمی اللہ کے راستے میں اور اعلیٰ مقاصد کے لئے جان و مال خرچ کرنے میں بخل نہیں کرتا، یعنی صاحبِ یقین اور زاہد کے لئے کسی اچھے مقصد کے لئے اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کر دینا اور خطرات میں کود پڑنا آسان ہو جاتا ہے، اور یہی مومن کی ساری ترقیوں کی کنجی ہے، اور جب مؤمن ان صفات سے خالی ہو جائے، یعنی بجائے اللہ پر یقین کے اُس کا یقین اپنے مال پر ہو جائے، اور وہ سمجھنے لگے کہ اگر مال میرے پاس ہو گا تو زندگی اچھی گذرے گی، اور مال نہ ہو گا تو میں تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں ضرور بخل پیدا ہو جائے گا، اور اسی طرح جب زہد کی صفت اس میں نہ رہے گی اور دنیا اس کی مطلوب و مقصود بن جائے گی تو اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ رہنے کی خواہش لازماً اس کے دل میں پیدا ہو جائے گی جس کو حدیث میں امل سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ بخل اور امل پیدا ہو جانے کے بعد مؤمن اپنے اصل مقام سے گرتا ہی چلا جائے گا۔

---

[1] رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں آتا ہے: "اللّٰهم انى اسئلك ايمانا دائما يبا شر قلبى و يقينا صادقا حتى اعلم انه لا يصيبنى الا ما كتبت لى" اور ایک اور دعا کے الفاظ ہیں: "اللّٰهم اقسم لنا من اليقين ما تهون به علينا مصائب الدنيا" ان دونوں دعاؤں میں بھی یقین کا یہی مطلب ہے۔ ۱۲

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی خاص غرض و غایت اور اس میں امت کے لئے خاص ہدایت یہ ہے کہ امت کی صلاح و فلاح کیلئے ضروری ہے کہ اس میں یقین اور زہد کی صفات پیدا کرنے کی اور ان ایمانی صفات کی حفاظت کی پوری فکر اور جد و جہد کی جائے، اور بخل اور امل (یعنی دنیا میں زیادہ رہنے کی آرزو) جیسی غیر ایمانی صفات سے اپنے قلوب کی حفاظت کی جائے، امت کی صلاح و فلاح اسی سے وابستہ ہے۔

زہد کیا ہے، اور کیا نہیں

۶۰) **عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ فِى الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا بِاِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِى الدُّنْيَا اَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِىْ يَدَيْكَ اَوْثَقَ مِمَّا فِىْ يَدَىِ اللهِ وَاَنْ تَكُوْنَ فِىْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِيَتْ لَكَ۔**

(رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا کے بارے میں زہد اور اسکی طرف سے بے رغبتی (جو خاص ایمانی صفت ہے) وہ حلال کو اپنے اوپر حرام کرنے اور اپنے مال کو برباد کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے پاس اور تمہارے ہاتھ میں ہو، اس سے زیادہ اعتماد اور بھروسہ تم کو اس پر ہو جو اللہ کے پاس اور اللہ کے قبضہ میں ہے، اور یہ کہ جب تم کو کوئی تکلیف اور ناخوش گواری پیش آئے تو اس کے اخروی ثواب کی چاہت اور رغبت تمہارے دل میں زیادہ ہو بہ نسبت اس خواہش کے کہ وہ تکلیف اور ناگواری کی بات تم کو پیش ہی نہ آتی۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

تشریح بہت سے لوگ ناواقفی سے زہد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی دنیا کی ساری نعمتوں، راحتوں اور لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلے، نہ کبھی لذیذ کھانا کھائے، نہ ٹھنڈا پانی پئے، نہ اچھا کپڑا پہنے، نہ کبھی اچھے نرم بستر پر سوئے اور اگر کہیں سے کچھ آجائے تو اس کو بھی اپنے پاس نہ رکھے، خواہ جلدی سے کہیں پھینک ہی دے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی غلط خیالی کی اصلاح فرمائی ہے، آپ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ زہد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے اپنی جن نعمتوں کا استعمال بندوں کے لئے حلال کیا ہے، آدمی ان کو اپنے اوپر حرام کرلے، اور اگر روپیہ پیسہ ہاتھ میں آئے تو اسے برباد کردے، بلکہ زہد کا اصل معیار اور تقاضا یہ ہے کہ جو اس دنیا میں اپنے پاس اور اپنے ہاتھ میں ہو اس کو فانی اور ناپائیدار یقین کرتے ہوئے اس پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرے، اور اس کے مقابلہ میں اللہ کے غیر فانی غیبی خزانوں پر اور اس کے فضل پر زیادہ اعتماد اور بھروسہ کرے، اور دوسرا معیار اور دوسری علامت زہد کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب کوئی تکلیف اور مصیبت بندہ کو پہنچ جائے تو اس کے اُخروی اجر و ثواب کی چاہت اور رغبت اس کے دل میں اس مصیبت اور تکلیف کے نہ پہنچنے کی آرزو سے زیادہ ہو یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دل اُس وقت یہ کہے کہ کاش یہ تکلیف مجھے نہ پہنچی ہوتی، اس کے دل کا احساس یہ ہو کہ آخرت میں مجھے اس تکلیف کا جو اجر و ثواب ملے گا، انشاءاللہ وہ

تکلیف نہ پہنچنے کے مقابلے میں میرے لئے ہزاروں درجہ بہتر ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا یہ حال جب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اس کو عیش دنیا کے مقابلہ میں عیش آخرت کی زیادہ فکر ہو، اور یہی زہد کی اصل واساس ہے۔

اس حدیث سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ بندوں کو اس دنیا میں عافیت اور راحت کے بجائے تکلیف اور مصیبت کی تمنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کرنی چاہئے! دوسری حدیثوں میں اس سے صریح ممانعت آئی ہے اور صحیح روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ صحابہ کرامؓ کو ہمیشہ تاکید فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور خیریت ہی کی دعا اور استدعا کیا کرو (سلوا اللہ العافیة) اور خود آپ کا معمول و دستور بھی یہی تھا، پس حضرت ابوذرؓ کی مندرجۂ بالا حدیث کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ بندہ اس دنیا میں مصائب اور تکالیف کی دعا یا تمنا کرے، بلکہ اس کا مطلب و مدّعا صرف یہ ہے کہ جب اللہ کے حکم سے کوئی مصیبت یا تکلیف بندہ کو پہنچ جائے تو پھر مؤمن کا مقام اور زہد کا تقاضا یہ ہے کہ اس مصیبت یا تکلیف کا جو اجر و ثواب آخرت میں ملنے والا ہے وہ اس کو اسکے نہ پہنچنے سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو ان دونوں باتوں کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

زہد نبوی ﷺ

اپنے اور اپنے خاص متعلقین کیلئے رسول اللہ ﷺ کی فقر پسندی

٦١) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَ اَمِتْنِیْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔ (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان و رواه ابن ماجه عن ابی سعید)

ترجمہ۔۔۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں دنیا سے اُٹھانا اور مسکینوں کے گروہ میں میرا حشر فرما۔ (جامع ترمذی و شعب الایمان للبیہقی اور ابن ماجہ نے اسی کو ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے)

تشریح۔۔۔۔ ابھی چند صفحے پہلے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیشکش کی گئی، کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کے لئے مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے تو آپ نے عرض کیا: نہیں میرے پروردگار! میں تو ایسی فقیرانہ زندگی چاہتا ہوں کہ ایک دن کھانے کو ہو، اور ایک دن کھانے کو نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے فقیرانہ زندگی کو پسند فرمایا تھا اور یہی آپ کی حقیقت شناس مبارک طبیعت کا بھی میلان تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا جو مقام و منصب تھا، اور جو کارِ عظیم آپ سے متعلق تھا اُس کے لئے یہ فقر و مسکنت کی زندگی ہی زیادہ مناسب و بہتر تھی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ قناعت و طمانیت اور رضا و تسلیم نصیب فرمائے تو بندوں کے لئے عام طور سے بھی دینی اور آخرتی نقطۂ نظر سے بہ نسبت دولتمندی کے فقر و ناداری کی زندگی ہی افضل اور بہتر ہے۔

٦٢) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ

اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَّ فِیْ رِوَایَةٍ كَفَافًا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ: اے اللہ! محمد کے متعلقین کی روزی بس بقدر کفاف ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... اصل عربی زبان میں آل کا لفظ گھر والوں یعنی بیوی بچوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور متبعین کے لئے بھی، لیکن اس دعا میں بظاہر آپ کی مراد آپ کے گھر والے ہی ہیں، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ متعلقین سے کیا ہے، قوت اور کفاف دونوں کا مطلب قریب قریب یہی ہے کہ روزی بس اتنی ہو کہ زندگی کا نظام چلتا رہے، نہ اتنی تنگی ہو کہ فاقہ زدگی اور پریشان حالی کی وجہ سے اپنے متعلقہ کام بھی نہ انجام دیئے جا سکیں اور دستِ سوال کسی کے سامنے پھیلانا پڑے، اور نہ اتنی فراغت ہو کہ کل کے لئے بھی ذخیرہ رکھا جا سکے۔ احادیث و سیر کی شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اسی طرح گذری ہے۔

حضور ﷺ کی زندگی میں آپ کے گھر والوں نے کبھی دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا

۶۳) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی سے بھی دو دن متواتر پیٹ نہیں بھرا، یہاں تک کہ حضور ﷺ اس دنیا سے اٹھا لئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی پوری زندگی میں ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے اہل و عیال نے دو دن متواتر جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کھائی ہو، اگر ایک دن پیٹ بھر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہے۔

۶۴) عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَّصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ۔

(رواہ البخاری)

ترجمہ سعید مقبری حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ان کا گذر کچھ لوگوں پر ہوا (جو کھانے پر بیٹھے تھے) اور ان کے سامنے بھُنی ہوئی بکری رکھی ہوئی تھی، اُن لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی کھانے میں شریک ہونے کی استدعا کی، تو آپ نے انکار کر دیا، اور بطور معذرت کہا کہ (میرے لئے اس کھانے میں کیا مزہ ہے، جبکہ مجھے معلوم ہے کہ) رسول اللہ ﷺ دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ جو کی روٹی سے بھی آپ نے پیٹ نہیں بھرا۔ (بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں جو تکلیفیں اٹھائیں وہ کسی نے بھی نہیں اٹھائیں

۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِى اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِى اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَىَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَ يَوْمٍ وَمَا لِىْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَّاكُلُهٗ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَىْءٌ يُوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کے راستہ میں مجھے اتنا ستایا گیا کہ کسی اور کو اتنا نہیں ستایا گیا، اور ایک دفعہ تیس (۳۰) دن رات مجھ پر اس حال میں گذرے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اُس کے جو بلال نے اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ (جامع ترمذی)

تشریح رسول اللہ ﷺ نے امت کو سبق دینے کیلئے آپ بیتی سنائی کہ دین کی دعوت اور اللہ کا پیغام پہنچانے کے سلسلے میں مجھے ایسی ایسی مصیبتوں سے گذرنا پڑا ہے، دشمنوں نے مجھے اتنا ڈرایا دھمکایا کہ میرے سوا کسی کو اتنا نہیں ڈرایا دھمکایا گیا، اور جب میں نے اُن کی دھمکیوں کا اثر نہیں لیا، اور دین کی دعوت دیتا ہی رہا، تو اُن ظالموں نے مجھے اتنا ستایا اور ایسی ایسی تکلیفیں دیں کہ میرے سوا کسی کو ایسی تکلیفوں سے گذرنا نہیں پڑا، اور بھوک اور فاقہ کی تکلیف بھی اتنی اُٹھائی کہ ایک دفعہ پورے مہینہ کے تیس دن رات اس حالت میں گزر گئے کہ کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، بجز اُس کے کہ بلال نے اپنی بغل میں کچھ دبا رکھا تھا، پورے مہینہ مجھے اور بلال کو اُسی پر گذارہ کرنا پڑا۔

دو دو مہینے تک حضور ﷺ کا چولہا ٹھنڈا رہتا تھا

۶۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ ابْنَ اُخْتِىْ اِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ اِلَى الْهِلَالِ ثَلٰثَةَ اَهِلَّةٍ فِىْ شَهْرَيْنِ وَمَا اُوْقِدَتْ فِىْ اَبْيَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ فَقُلْتُ مَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ اَلْاَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ اِلَّا اَنَّهٗ قَدْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيْرَانٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ كَانَ لَهُمْ مَنَائِحُ وَكَانُوْا يَمْنَحُوْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْقِيْنَا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے عروہؓ سے فرمایا: میرے بھانجے! ہم (اہل بیت نبوت اس طرح گذارہ کرتے تھے کہ) کبھی کبھی لگاتار تین تین چاند دیکھ لیتے تھے (یعنی کامل دو مہینے گذر جاتے تھے) اور حضور ﷺ کے گھروں میں چولہا گرم نہ ہوتا تھا (عروہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ پھر آپ لوگوں کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا بس کھجور کے دانے اور پانی (ان ہی پر ہم جیتے تھے) البتہ رسول اللہ ﷺ کے بعض انصاری پڑوسی تھے، اُن کے ہاں دودھ دینے والے جانور تھے، وہ

آپؐ کے لئے دودھ بطور ہدیہ کے بھیجا کرتے تھے، اور اُس میں سے آپ ہم کو بھی دے دیتے تھے۔

(بخاری ومسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ تنگی اور ناداری اس قدر تھی کہ حضور ﷺ کے گھر والوں پر دو دو مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ کسی قسم کا اناج، بلکہ پکنے والی کوئی چیز بھی گھر میں نہیں آتی تھی، جس کی وجہ سے چولہا جلانے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، بس کھجور اور پانی پر دن کاٹے جاتے تھے، یا کبھی پڑوس کے کسی گھر سے حضور ﷺ کے لئے دودھ آتا، تو وہ پیٹوں میں پہنچتا تھا، باقی بس اللہ کا نام!

آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مسلسل فاقے

۶۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيْتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَاَهْلُهٗ لَا يَجِدُوْنَ عَشَاءً وَاِنَّمَا كَانَ عَشَاءُ هُمْ خُبْزُ الشَّعِيْرِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بہت سے راتیں پے بہ پے اس حالت میں گزرتی تھیں کہ آپ اور آپ کے گھر والے خالی پیٹ فاقے سے رہتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا نہیں پاتے تھے (اور جب کھاتے) تو اُن کا رات کا کھانا عام طور سے بس جو کی روٹی ہوتی تھی۔ (ترمذی)

جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی

۶۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِرْعُهٗ مَرْهُوْنَةٌ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ بِثَلٰثِيْنَ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وفات پائی، کہ آپ کی زرہ ۳۰ صاع جَو کے بدلے ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ (بخاری)

تشریح..... ہمارے اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا، اس حساب سے ۳۰ صاع جو قریب ڈھائی من کے ہوئے۔ حدیث کا مقصد اور منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ کی حیاتِ مبارک کے بالکل آخری ایام میں بھی (جبکہ قریب قریب پورے عرب کے آپ فرمانروا بھی تھے) آپ کے گھر کے گذارہ کا حال یہ تھا کہ مدینہ کے ایک یہودی کے پاس اپنی قیمتی زرہ رہن رکھ کر آپ نے صرف ۳۰ صاع جَو وفات سے کچھ ہی پہلے قرض لئے تھے۔

مسلمانوں کو چھوڑ کر کسی یہودی سے قرض لینے کی مصلحت

مدینہ کے مسلمانوں میں بھی ایسے متعدد افراد ہونے کے باوجود جن سے ایسے چھوٹے چھوٹے قرضے غالباً ہر وقت لئے جاسکتے تھے، کسی یہودی سے قرض لینے کی چند مصلحتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے اہل محبت اور نیاز مندوں میں سے کسی کو اس حالت اور اس قسم

کی ضرورت کا علم ہو، کیونکہ پھر وہ بجائے قرض کے ہدیہ وغیرہ کے ذریعے آپکی خدمت کرنا چاہتے اور اس سے ان پر بار پڑتا، نیز اس صورت میں ان سے قرض منگوانے میں ایک قسم کی طلب اور تحریک ہو جاتی۔

اور غالبًا دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ اس شبہ اور شائبہ سے بھی بچنا چاہتے تھے، کہ آپکے ذریعہ اہل ایمان کو دین کی جو دولت ملی، اُس کے عوض آپ کوئی حقیر سے حقیر بھی دنیوی فائدہ اُن سے اٹھائیں، اسلئے مجبوری اور ضرورت کے موقع پر آپ قرض بھی غیر مسلموں سے لینا چاہتے تھے۔

تیسری مصلحت اس میں غالبًا یہ بھی تھی کہ لین دین کے یہ تعلقات غیر مسلموں سے رکھنے میں اُن کی آمد و رفت اور ملنے جلنے کے مواقع پیدا ہوتے تھے اور اس کا راستہ کھلتا تھا، کہ وہ لوگ آپ کو اور آپ کی سیرت کو جانیں اور جانچیں اور ایمان اور رضائے الٰہی کی دولت سے وہ بھی بہرہ یاب ہوں۔ چنانچہ یہ نتائج ظہور میں بھی آئے، مشکوٰۃ ہی میں امام بیہقی کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے مدینہ کے ایک بڑے دولتمند یہودی کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ قرض لیا تھا، وہ تقاضہ کو آیا، تو آپ نے عذر کیا کہ اس وقت ہم خالی ہاتھ ہیں اس لئے تمہارا قرضہ ادا کرنے سے آج مجبور ہیں، اُس نے کہا کہ میں تو لئے بغیر نہیں جاؤں گا۔ چنانچہ جم کے وہیں بیٹھ گیا، یہاں تک کہ پورا دن گزر گیا اور رات بھی گزر گئی، اور حضورؐ نے اس دوران میں اُس یہودی کی موجودگی ہی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا فرمائیں، اور وہ نہیں ٹلا، بعض صحابہ کو اُس کی یہ حرکت بہت ناگوار ہوئی اور انہوں نے چپکے چپکے اُس کو ڈرایا دھمکایا، تاکہ وہ کسی طرح چلا جائے، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کا پتہ چل گیا تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ کسی معاہد پر کوئی ظلم و زیادتی نہ ہو، یہ سُن کر اُن صحابہ کو بھی خاموش ہو جانا پڑا، پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اُس یہودی نے کہا، کہ دراصل میں روپیہ کے تقاضے کے لئے نہیں آیا تھا، بلکہ میں دیکھنا اور جانچنا چاہتا تھا کہ وہ اوصاف و علامات آپ میں موجود ہیں یا نہیں جو تورات میں آخری زمانے میں آنے والے پیغمبر کے بیان کئے گئے ہیں، اب میں نے دیکھ لیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں، اسکے بعد اُس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنی ساری دولت حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا "هذا مالي فاحكم فيه بما اراك الله" یہ میرا سارا مال حاضر ہے، اب آپ اللہ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اس کے بارے میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، اور جس مصرف میں چاہیں اس کو صرف فرمائیں۔ (مشکوٰۃ باب فی اخلاق و شمائلہ ﷺ)

خوشحالی کیلئے دُعا کی درخواست پر حضرت عمرؓ کو آپ کا جواب

٦٩) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلىٰ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلىٰ رِمَالِ حَصِيْرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلىٰ وِسَادَةٍ مِنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِيْفٌ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُدْعُ اللهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلىٰ اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ

فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَمَا تَرْضیٰ اَنْ تَکُوْنَ لَھُمُ الدُّنْیَا وَلَنَا الْاٰخِرَۃَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ کھجور کے پٹھوں سے بُنی ہوئی چٹائی پر آپ لیٹے ہوئے ہیں، اور اُس کے اور آپ کے جسم مبارک کے درمیان کوئی بستر نہیں ہے، اور چٹائی کی بناوٹ نے آپ کے پہلوئے مبارک پر گہرے نشانات ڈال دیئے ہیں اور سرہانے چمڑے کا تکیہ ہے جس میں کھجور کی چھال کوٹ کے بھری ہوئی ہے' یہ حالت دیکھ کے میں نے عرض کیا کہ حضورؐ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ آپ کی امت کو فراخی اور خوش حالی عطا فرمائے، روم اور فارس والوں کو بھی اللہ نے فراخی دی ہے، حالانکہ وہ تو خدا پرست بھی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے ابن خطاب! کیا تم بھی اس حال میں اور اس خیال میں ہو؟ یہ سب تو وہ لوگ ہیں (جو اپنی خدا فراموشی اور کافرانہ زندگی کی وجہ سے آخرت کی نعمتوں سے محروم و بے نصیب کئے گئے ہیں، اور اس لئے) ان کی وہ لذتیں (جو اللہ اُن کو دینا چاہتا تھا) اسی دنیا میں اُن کو دے دی گئی ہیں اور ایک روایت میں حضورؐ کا جواب اس طرح ذکر کیا گیا ہے، کہ آپ نے فرمایا اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں، کہ اُن کے لئے دنیا کا عیش ہو، اور ہمارے لئے آخرت کا عیش۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی فقیرانہ زندگی اور اس کی تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل دُکھا، اور یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اتنی وسعت اور خوش حالی عطا فرمادیتے کہ یہ تکلیفیں نہ دیکھی جاتیں اور چونکہ حضور ﷺ کے متعلق جانتے تھے کہ آپ اپنے لئے دنیا کی وسعت اور دولت مندی کی دعا اللہ تعالیٰ سے نہیں کریں گے، اس لئے عرض یہ کیا کہ حضور اپنی امت کے لئے وسعت اور فراخی کی دعا فرمائیں اور اسی کے ساتھ اپنا یہ خیال بھی ظاہر کر دیا کہ دنیا کی وسعت و دولت جب ایسی معمولی چیز ہے کہ اللہ نے روم و فارس جیسی کافر قوموں کو بھی دے رکھی ہے تو آپ کی دعا سے آپ کی امت کو کیوں نہ عطا فرمائی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کی اس گذارش پر بطور تنبیہ کے حیرت و استعجاب کے ساتھ فرمایا کہ اے فرزند خطاب کیا تم بھی ابھی حقیقت ناشناسی کے اُس مقام پر ہو کہ ایسی بات کرتے ہو! روم و فارس وغیرہ کی یہ قومیں جو ایمان اور خدا پرستی سے محروم ہیں، اُن کا معاملہ تو یہ ہے کہ آخرت کی اُس زندگی میں جو اصلی اور حقیقی زندگی ہے ان بے چاروں کو کچھ نہیں ملنا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو کچھ عیش و راحت ان کو دینا چاہتا تھا، وہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے ایسی حالت میں اُن کے عیش و آرام اور اُن کی دولت مندی کو دیکھ کر اُس پر للچانا اور اس کی حرص کرنا، حقیقت شناسی سے بہت بعید بات ہے، تم کو تو فکر و طلب بس آخرت کی ہونی چاہئے، جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے، یہ دنیا تو بس چند روزہ قیام کی سرائے ہے، کیا یہاں کی تکلیف اور کیا یہاں کا عیش و آرام۔

میں اس دنیا میں اُس مسافر کیطرح ہوں جو سایہ کیلئے
کسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو

۷۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلیٰ حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ

جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْاَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِىْ وَ لِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔

(رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) کھجور کی چٹائی پر سوئے، پھر جب سو کے آپ اُٹھے، تو جسم مبارک میں اُس چٹائی کی بناوٹ کے نشانات پڑے ہوئے تھے (اس حالت کو دیکھ کر اور اس سے متاثر ہو کر) اس خادم ابن مسعودؓ نے عرض کیا کہ اگر حضور فرمائیں تو ہم حضرت کے لئے بستر کا انتظام کریں اور کچھ بنائیں (یعنی آپ سے اس کی اجازت چاہی) ارشاد فرمایا: مجھے دنیا سے (یعنی دنیا کے سازوسامان اور اس کی راحتوں اور لذتوں سے) کیا تعلق اور کیا لینا! میرا تعلق دنیا کے ساتھ بس ایسا ہے جیسا کہ کوئی سوار مسافر کچھ دیر سایہ لینے کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہرا اور پھر اُس کو اپنی جگہ چھوڑ کر منزل کی طرف چل دیا۔ (مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح یہ مسافر درخت کے نیچے ٹھہرنے کے تھوڑے سے وقت کے لئے راحتوں کے انتظامات کرنا ضروری نہیں سمجھتا، اور منزل مقصود پر پہنچنے کی فکر کے سوا اس کی کوئی فکر نہیں ہوتی، بس یہی میرا حال ہے۔ اور حق یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی حقیقت جس پر پوری طرح منکشف ہو جائے تو اُس کا حال اسکے سوا کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا۔ اس کو دنیا میں راحتوں کے بڑے بڑے انتظامات کی فکر کرنا، اور اس کے لئے اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں کا صرف کرنا ایسا ہی کارِ حماقت معلوم ہوگا جیسا کہ درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنے والے مسافر کا اس ذرا سے وقت کیلئے بڑے بڑے انتظامات میں مشغول ہونا۔

دولت اگر صلاح و تقوے کیساتھ ہو تو وہ بھی اللہ کی نعمت ہے

پچھلے صفحات میں جو حدیثیں دولت کی مذمت اور فقر و زُہد کی فضیلت میں گزر چکی ہیں، اگرچہ اُن کی تشریح میں جا بجا اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ دولت صرف وہی خطرناک ہے جو خدا سے غفلت اور آخرت کی طرف سے بے پروائی پیدا کرے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو بلکہ بندہ اللہ کی توفیق سے دولت کے ذریعہ بھی اللہ کی رضا اور جنت کمائے تو پھر ایسی دولت خدا کی بڑی نعمت ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں میں یہی مضمون صراحت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

۷۱) **عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ كُنَّا فِىْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى رَاْسِهٖ اَثَرُ مَاءٍ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَاكَ طَيِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِىْ ذِكْرِ الْغِنٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَاْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِّنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ۔** (رواہ احمد)

رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی سے روایت ہے کہ ہم چند آدمی ایک مجلس میں بیٹھے تھے، آنحضرت ﷺ

بھی وہیں ہمارے پاس تشریف لے آئے، اور آپ کے سر مبارک پر اُس وقت پانی کا اثر تھا (یعنی معلوم ہو تا تھا کہ آپ نے ابھی غسل فرمایا ہے) تو ہم میں سے کسی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت حضور کا مزاج بہت اچھا اور دل بہت خوش ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! (الحمد للہ ایسا ہی ہے) پھر اہل مجلس دولت مندی اور دنیوی خوشحالی کا کچھ تذکرہ کرنے لگے (کہ وہ اچھی چیز ہے یا بری اور دین اور آخرت کیلئے مضر ہے یا مفید) تو آپ نے اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے (اور اسکے احکام کی پابندی کرے) اُس کے لئے مالداری میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں، اور صحت مندی صاحب تقویٰ کے لئے دولت مندی سے بھی بہتر ہے، اور خوش دلی بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ہے (جس کا شکر واجب ہے)۔ (مسند احمد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دولت مندی اور مالداری اگر تقویٰ کے ساتھ ہو، یعنی اللہ کا خوف، آخرت کی فکر، اور احکام شریعت کی پابندی نصیب ہو تو اس میں دین کے لئے کوئی خطرہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو اس صورت میں یہی مال و دولت دین کی بڑی سے بڑی ترقیوں کا اور جنت کے اعلیٰ درجوں تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب و امتیازات میں کافی حصہ اُنکے اس مال و دولت ہی کا ہے جو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے دریغ اور بے حساب خرچ کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی موقعوں پر اُنکے حق میں بڑی بڑی بشارتیں سنائی تھیں۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ دولتمندی کیساتھ تقویٰ، یعنی خدا ترسی اور فکر آخرت اور اتباع شریعت کی توفیق کم ہی لوگوں کو ملتی ہے، ورنہ دولت کے نشہ میں اکثر لوگ بہک ہی جاتے ہیں۔

چوں بدولت برسی مست نگردی مردی

۷۲) **عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ۔**
(رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُس متقی دولت مند بندہ سے جو (تقویٰ اور دولتمندی کے باوجود) نامعروف اور چھپا ہوا ہو۔ (مسلم)

تشریح..... "چھپا ہوا" ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ لوگ اُس کی اس خاص حالت کو عام طور سے جانتے بھی نہ ہوں کہ دولت مند اور صاحب ثروت ہونے کے ساتھ تقویٰ میں بھی اس بندۂ خدا کا خاص مقام ہے، جس بندہ میں یہ تینوں چیزیں جمع ہوں، اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، اور اُس کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مقام حاصل ہے۔

نیک مقاصد کیلئے دنیا کی دولت حاصل کرنے کی فضیلت

۷۳) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالاً اِسْتِعْفَافاً**

عَنِ الْمَسْئَلَةِ وَ سَعْيًا عَلٰى اَهْلِهٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰى جَارِهٖ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَوَجْهُهٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا حَلَالاً مُكَاثِرًا مُفَاخِراً مُرَائِيًا لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان و ابونعيم فى الحلية)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کی دولت بطریق حلال اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے، تاکہ اُس کو دوسروں سے سوال کرنا نہ پڑے اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی اور آرام و آسائش کا سامان مہیا کر سکے، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی وہ احسان اور سلوک کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ کے حضور میں اس شان کے ساتھ حاضر ہو گا، کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہو گا۔ اور جو شخص دنیا کی دولت حلال ہی ذریعہ سے اس مقصد سے حاصل کرنا چاہے کہ وہ بہت بڑا مالدار ہو جائے، اور اس دولت مندی کی وجہ سے وہ دوسروں کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھا سکے، اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بننے کیلئے داد و دہش کر سکے، تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اس حال میں حاضر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک ہو گا۔

(شعب الایمان للبیہقی و حلیہ ابی نعیم)

تشریح..... معلوم ہوا کہ اچھی نیت سے اور نیک مقصد کے لئے دنیا کی دولت حلال ذریعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا، نہ صرف یہ کہ جائز اور مباح ہے، بلکہ وہ اتنی بڑی نیکی ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو گا، تو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل و کرم ہو گا، جس کے نتیجہ میں اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور منور ہو گا۔ لیکن اگر دولت کمانے سے غرض صرف بڑا دولت مند بننا، اور دنیا کی بڑائی حاصل کرنا، اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے بڑے بڑے کام کرنا ہو، تو یہ دولت کمانا اگرچہ حلال ہی طریقے سے ہو، تب بھی یہ ایسا گناہ ہے کہ قیامت کے دن ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو گا، اور اگر ناجائز اور حرام طریقوں سے ہو تب تو سخت ترین وبال ہے۔

۷۴) عَنْ اَبِىْ كَبْشَةَ الْاَنْمَارِىْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِىْ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَةٍ وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِىْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ اِنَّمَا الدُّنْيَا لِاَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَ عِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَ يَصِلُ رَحِمَهٗ وَ يَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ فَهٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَاَجْرُ هُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِىْ مَالِهٖ لِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِىْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِىْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ۔ ابو کبشہ انماری سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں، پس تم اس کو یاد کر لو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں، اُن میں ایک تو یہ ہے کہ کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا، (یعنی کوئی شخص اپنا مال راہِ خدا میں دینے کے سبب سے کبھی مفلس ونادار نہیں ہوگا، بلکہ اس کے مال میں برکت ہوگی، اور جس خدا کی راہ میں وہ صدقہ کرے گا، وہ اپنے خزانۂ غیب سے اُس کو دیتا رہے گا) اور (دوسری بات یہ ہے کہ) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے عوض بڑھادے گا اُس کی عزت (یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ قانون مقرر فرمایا ہے کہ جب کسی بندہ پر ناحق کوئی ظلم کیا جائے، اور اُس کو ستایا جائے، اور وہ بندہ صبر کرے، تو اللہ تعالیٰ اسکے عوض اس کی عزت ورفعت دنیا میں بھی بڑھائے گا)۔ اور (تیسری بات یہ ہے کہ) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال کا دروازہ، مگر اللہ کھول دے گا اُس پر فقر کا دروازہ (یعنی جو بندہ مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے کا پیشہ اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے کہ فقر ومحتاجی اُس پر مسلط ہوگی، گویا یہ تینوں اللہ کے ایسے اٹل فیصلے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، میں ان پر قسم کھا سکتا ہوں۔ (اسکے بعد آپ نے فرمایا) اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا، جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے (یعنی اس دنیا میں چار طرح کے آدمی ہیں) ایک وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے اور صحیح طریق زندگی کا علم بھی ان کو دیا ہے، پس وہ اس مال کے صرف واستعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں، اور اسکے ذریعہ صلۂ رحمی (یعنی اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ سلوک اور ان کی ہمدردی) کرتے ہیں، اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہئے اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے اعلیٰ وافضل مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (دوسری قسم) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم (اور صحیح جذبہ) تو عطا فرمایا ہے، لیکن اُن کو مال نہیں دیا، پس اُنکی نیت صحیح اور سچی ہے، اور وہ اپنے دل وزبان سے کہتے ہیں، کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں (نیک بندے) کی طرح اس کو کام میں لائیں (اور اللہ کی ہدایت کے مطابق وہ جن اچھے مصارف میں صرف کرتا ہے، ہم بھی اُن ہی میں صرف کریں) پس ان دونوں کا اجر برابر ہے (یعنی دوسری قسم کے اُن لوگوں کو حسنِ نیت کی وجہ سے پہلی قسم والوں کے برابر ہی ثواب ملے گا)۔ اور (تیسری قسم) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال دیا، اور اسکے صرف واستعمال کا صحیح علم (اور صحیح جذبہ) نہیں دیا، پس وہ نادانی کے ساتھ، اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھادُھند غلط راہوں میں خرچ کرتے ہیں، اسکے ذریعہ صلۂ رحمی نہیں کرتے، اور جس طرح اُس کو صرف واستعمال کرنا چاہئے اُس طرح نہیں کرتے۔ پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (چوتھی قسم) وہ لوگ ہیں، جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا، اور صحیح علم (اور صحیح جذبہ) بھی نہیں دیا پس اُن کا حال یہ ہے، کہ وہ کہتے ہیں، کہ اگر ہمیں مال مل جائے، تو ہم بھی فلاں (عیاش اور فضول خرچ) شخص کی طرح، اور اُسی کے طریقے پر صرف کریں (یعنی اس شخص کی طرح ہم

بھی عیاشی اور فضول خرچی کریں) پس یہی اُن کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے (یعنی آخری قسم کے لوگوں کو اُنکی بری نیت کی وجہ سے وہی گناہ ہوگا جو تیسری قسم کے لوگوں کو اُن کے بُرے اعمال کا گناہ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح حدیث کے نفس، مطلب کی وضاحت ترجمہ کے ساتھ ساتھ کردی گئی ہے، البتہ یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ بُرے عمل کی جس نیت پر گرفت ہے، اور جو گویا بُرے عمل ہی کی طرح گناہ ہے، وہ عزم کا درجہ ہے، یعنی بندہ کو اس گناہ کا شوق اور اپنی طرف سے اُس کے کر گزرنے کا مصمم ارادہ ہو، چاہے کسی مجبوری کی وجہ سے پھر کر نہ سکے۔ پس جب کسی گناہ کی نیت اس درجہ کی ہوگی تو اس گناہ ہی کی طرح وہ بھی معصیت ہوگی، اور بندہ اس پر سزا کا مستحق ہوگا۔

معصیت کی زندگی کیساتھ اگر دنیا میں نعمتیں مل رہی ہیں تو یہ استدراج ہے

۷۵) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَأَيْتَ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُعْطِى الْعَبْدَ عَلٰى مَعَاصِيْهِ مَايُحِبُّ فَاِنَّمَا هُوَ اِسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْئٍ حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَا اُوْتُوْا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۔** (رواه احمد)

ترجمہ عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس کی معصیت کوشی اور نافرمانی کے باوجود دنیا کی وہ نعمتیں (مال و دولت اور راحت و عزت وغیرہ) دے رہا ہے، جنکا وہ بندہ خواہاں اور طالب ہے، تو سمجھ لو کہ وہ اُسکے حق میں استدراج ہے۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (بطور استشہاد کے) قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ الاية" جسکا ترجمہ یہ ہے کہ: جب انہوں نے بھلا دیا اُن باتوں کو جنکی اُنکو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے کھول دیئے اُن پر دنیا کی سب نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ ان نعمتوں کے ملنے پر خوب مست ہوئے، اور اترائے، تو ہم نے ایکدم انکو اپنی سخت پکڑ میں لے لیا، پس وہ حیران و ششدر اور آئندہ کیلئے بالکل نااُمید ہو کر رہ گئے۔ (مسند امام احمد)

تشریح...... اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے جو قوانین چل رہے ہیں جن کے مطابق افراد یا اقوام کے ساتھ وہ معاملہ فرماتا ہے اُن میں سے ایک "استدراج" بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی مجرم اور باغی بندہ یا گروہ معصیت کوشی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے، اور آخرت اور خدا کے احکام سے بالکل بے پروا اور بے فکر ہو کر زندگی گذارنے لگتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس سے سخت ناراض ہو کر کبھی کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اُس کی رسی اور دراز کردی جاتی ہے، اور کچھ مدت کے لئے نعمتوں کے دروازے اُس پر کھول دیئے جاتے ہیں، تاکہ وہ اور زیادہ اطمینان اور سرمستی کے ساتھ اس خدا فراموشی اور سرکشی میں آگے بڑھتا رہے، اور پھر بڑی سے بڑی سزا پائے۔ دین کی خاص زبان میں اللہ تعالیٰ کے اس معاملہ کو "استدراج" کہا جاتا ہے۔ پس

مندرجۂ بالا حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ جب کسی بندہ یا گروہ کو تم اس حال میں دیکھو کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل بھلا کر مجرمانہ اور باغیانہ زندگی گذار رہے ہیں، اور اسکے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُنکو انواع واقسام کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ اور وہ دنیا کے مزے لوٹ رہے ہیں، تو کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو کر اپنی نعمتیں اُن پر اُنڈیل رہا ہے، بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی رسی دراز کر رہا ہے، اور اُن کا آخری انجام بہت بُرا ہونے والا ہے۔

کافروں، فاجروں کی خوش حالی پر رشک نہ کرو

۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنَعْمَةٍ فَاِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ اِنَّ لَهٗ عِنْدَ اللهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِی النَّارَ۔

(رواه البغوی فی شرح السنة)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم کسی بدکار (کافر یا فاسق) پر کسی نعمت اور خوش حالی کی وجہ سے کبھی ہرگز رشک نہ کرنا، تم کو معلوم نہیں ہے کہ مرنے کے بعد اُس پر کیا کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں، اللہ کے یہاں (یعنی آخرت میں) اُس کے لئے ایک ایسا قاتل ہے جس کو کبھی موت نہیں۔ (اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرنے والے راوی عبد اللہ بن ابی مریم کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا مطلب اس قاتل سے دوزخ کی آگ ہے، (یعنی وہ بے چارا ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہنے والا ہے، پس ایسے شخص پر رشک کرنا کتنی بڑی حماقت اور گمراہی ہے)۔ (شرح السنہ)

تشریح...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک مؤمن اور نیکوکار بندہ جو اس چند روزہ امتحانی دنیا میں تنگی اور تکلیف کی زندگی بسر کر رہا ہے، جب وہ کسی بدکار اور خدا سے تعلق نہ رکھنے والے آدمی کو دیکھتا ہے کہ وہ ٹھاٹھ کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی گذار رہا ہے، تو شیطان اُسکے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے، اور کم سے کم یہ کہ دل میں اس کی حالت پر رشک ہی پیدا ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی بڑی ناشکری ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی نعمت سے محروم ہیں، اور خدا فراموشی اور بداعمالی کی وجہ سے آخرت کی دوامی زندگی میں عذاب نار میں گرفتار ہونے والے ہیں، اس دنیا میں اُن کی چند روزہ خوش حالی اور عیش و راحت کو دیکھ کر ہرگز کسی صاحب ایمان کو ان پر رشک بھی نہ آنا چاہئے، ان بے چاروں، کم بختی کے ماروں کا جو آخری انجام ہونے والا ہے، اور ان پر جو بپتا پڑنے والی ہے، اگر وہ معلوم ہو جائے تو ان کی اس خوش حالی اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل ایسی نظر آئے گی جیسے کہ پھانسی پانے والے مجرم کو دو چار دن پہلے سے خاص سہولتیں دی جاتی ہیں، اور کھانے پینے کے بارہ میں اُس کی خواہش اور چاہت معلوم کر کے حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت کے اُن حقائق کا یقین نصیب فرمایا ہے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اُن کی نظر میں خدا کے مجرموں اور باغیوں کی دنیوی خوشحالی

اور خوش عیشی کی نوعیت بالکل یہی ہے اسلئے ان کے دلوں میں ان کو دیکھ کر رشک نہیں پیدا ہوتا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اُسنے ہم کو ایمان نصیب فرما کر ان بے چاروں کے بُرے حال اور بُرے انجام سے بچالیا ہے۔

اِس عاجز نے اللہ کے بعض بندوں کا یہ حال دیکھا ہے کہ خدا فراموش اہلِ دنیا کو دیکھ کر بے اختیار اُن کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کی یہ دعا جاری ہو جاتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر پڑھا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَـلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

ساری حمد و ستائش اُس اللہ کیلئے ہے، جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں اے بندے تو مبتلا کیا گیا ہے، اور اُس نے مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر برتری عطا فرمائی

کسی کی ظاہری خستہ حالی اور غربت کی وجہ سے اُس کو حقیر نہ سمجھو

۷۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَارَأْيُكَ فِیْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ اَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِیٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُّنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ يُّشَفَّعَ، قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِیْ هٰذَا؟ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِیٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِلْأُ الْاَرْضِ مِثْلِ هٰذَا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ایک شخص (جو غالباً دولت مند اور معززین میں سے تھا) رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا، تو آپ نے ایک صاحب سے جو آپ کے پاس اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا کہ: اس گزرنے والے شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: حضرت یہ بہت بڑے اور معزز آدمیوں میں سے ہے، یہ ایسی شان والا ہے کہ جس گھرانے کی بیٹی کیلئے نکاح کا پیغام دے تو منظور کر لیا جائے، اور نکاح کر دیا جائے، اور اگر کسی معاملے میں سفارش کر دے تو اسکی سفارش ضرور مانی جائے۔ سہل بن سعد کہتے ہیں، کہ یہ جواب سُن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے، اور آپ نے کچھ نہیں فرمایا۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک اور اللہ کا بندہ گزرا، آپ نے اُن ہی صاحب سے پھر پوچھا، کہ اس شخص کے بارہ میں تمہاری کیا رائے اور کیا اندازہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بے چارہ نادار اور مسکین مسلمانوں میں سے ہے یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں نکاح کا پیغام دے، تو اسکے ساتھ نکاح نہ کیا جائے، اور اگر کسی معاملہ میں سفارش کرے تو اسکی سفارش نہ مانی جائے، اور کوئی بات کہنا چاہے تو اسکی بات بھی نہ سنی جائے۔ (اُن کا یہ جواب سن کر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے

والے اُس آدمی کے مثل اگر زمین بھر ہوں تو یہ ایک اکیلا فقیر و مسکین اُن سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... انسانوں کی عام حالت یہ ہے کہ دنیا کی دولت اور دنیا کی بڑائی ہی کو وہ اصل بڑائی، اور وزن اور قیمت کی چیز سمجھتے ہیں، اور اسی سے متأثر ہوتے ہیں، اور اللہ کے جو بندے اُس سے خالی ہوں (اگر چہ اُن کے پاس ایمان اور حسن عمل کی دولت کتنی ہی وافر ہو) عام طور سے اہل دنیا ان کو حقیر و ذلیل ہی سمجھتے ہیں، یہ حدیث در اصل اسی قلبی اور ذہنی بیماری کے علاج کا ایک نسخہ ہے، بہت ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جو صاحب اُس وقت بیٹھے ہوئے تھے (جن سے آپ اس گفتگو میں مخاطب رہے) اُن میں بھی اس مرض کے کچھ جراثیم ہوں، اور آپ نے اُن کی اصلاح کیلئے ہی یہ گفتگو فرمائی ہو۔

شارحین نے یہ بھی لکھا ہے، اور حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ دونوں گزرنے والے مسلمان ہی تھے، البتہ پہلے جو گزرے وہ دنیا کی دولت و وجاہت میں برتر تھے، اور دین کے لحاظ سے کمتر، اور بعد میں جو صاحب گزرے، وہ دنیا کے لحاظ سے تو کمتر تھے، مگر دین اور تعلق باللہ میں برتر اور بلند تر۔ اسی فرق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جیسے اگر اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ اللہ کی وسیع زمین ان سے بھر جائے تو بھی بعد میں گزرنے والا اللہ کا غریب و مسکین یہ ایک بندہ ان سب سے بہتر ہے۔ اللہ اکبر! دین اور تعلق باللہ کی عظمت و رفعت کا کیا ٹھکانا!

۷۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَ بَرَّهٗ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بالوں والے گرد و غبار میں اٹے ہوئے جن کو دروازوں پر دھکے دیئے جائیں (اللہ کے نزدیک اُن کا مقام یہ ہوتا ہے کہ) اگر اللہ پر وہ قسم کھا جائیں تو اُن کی قسم کو اللہ ضرور پورا کرے۔ (مسلم)

تشریح...... اس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ کسی کو میلا کچیلا، خستہ حال، اور پراگندہ بال دیکھ کر حقیر نہ سمجھنا چاہئے، ایسوں میں اللہ کے بعض بندے وہ بھی ہوتے ہیں، جو اللہ کیلئے اپنے کو مٹا کر اُس کے یہاں ایسا تقرب اور محبوبیت و مقبولیت کا وہ مقام حاصل کر لیتے ہیں، کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر وہ کسی معاملہ میں قسم کھا جائیں، کہ اللہ ایسا ہی کرے گا، یا ایسا نہیں کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کی لاج رکھتا ہے، اور ایسا ہی کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کا مقصد و منشا پراگندہ بالی اور گرد آلودگی، اور میلا کچیلا رہنے کی ترغیب دینا نہیں ہے (جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے) حدیث و سیر کی متواتر شہادت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور سے صاف ستھرا رہنا پسند فرماتے تھے، اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، بلکہ بعض لوگوں کو جب آپ نے اس حال میں دیکھا کہ اس بارہ میں وہ تفریط اور غلو میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنا حلیہ بگاڑ رکھا ہے تو آپ نے اُنکو اپنی اس حالت کے درست کرنے کا حکم دیا۔

پس یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ لوگ پراگندہ بال، میلے کچیلے اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے رہا کریں۔ بلکہ جیسا کہ عرض کیا گیا، حدیث کا مقصد و منشا اور اس کی روح یہی ہے، کہ اللہ کے کسی بندہ کو خستہ حال اور گرد آلود دیکھ کر اُس کو حقیر اور اپنے سے کمتر نہ سمجھا جائے، کیونکہ بہت سے اس حال میں رہنے والے بھی خاصانِ خدا میں سے ہوتے ہیں۔ پس اس حدیث میں دراصل اُن لوگوں کے خیال اور حال کی اصلاح کی گئی ہے جو اللہ کے غریب و خستہ حال بندوں کو ناکارہ و نکما سمجھتے ہیں، اور اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنے ذہنی تکبر کی وجہ سے انکے ساتھ ملنے جلنے اور اُنکے پاس بیٹھنے سے بچتے ہیں، اور اسی میں اپنی بڑائی کی حفاظت سمجھتے ہیں۔

بہت سے غریب اور خستہ حال ایسے ہیں کہ اُنکی برکت اور دعا سے رزق ملتا ہے

۷۹) **عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلٰی مَنْ دُوْنَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔** (رواہ البخاری)

ترجمہ: مصعب بن سعد سے روایت ہے کہ میرے والد سعد کو (اللہ تعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں بخشی تھیں، مثلاً شجاعت، سخاوت، فہم و فراست وغیرہ ان کی وجہ سے ان کا) کچھ خیال تھا کہ جو (غریب اور کمزور قسم کے مسلمان ان چیزوں میں) ان سے کمتر ہیں، وہ اُن کے مقابلہ میں فضیلت اور برتری رکھتے ہیں، پس رسول اللہ ﷺ نے (اُن کے اس خیال اور حال کی اصلاح کیلئے) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم لوگوں کی جو مدد ہوتی ہے، اور تم کو جو نعمتیں ملتی ہیں، وہ (تمہاری صلاحیتوں اور قابلیتوں کی بنیاد پر نہیں ملتیں، بلکہ) تم میں جو بے چارے کمزور اور خستہ حال ہیں' اُن کی برکت اور اُن کی دعاؤں سے ملتی ہیں۔ (بخاری)

تشریح...... حضرت سعد کا جو خیال تھا، چونکہ اس کی بنیاد ایک قسم کے کبر پر تھی، اس لئے اُس کی اصلاح اور اُس کے علاج کیلئے آنحضرت ﷺ نے اُن کو بتلایا کہ تم جن مسکینوں کو اپنے سے کمتر اور اپنے کو اُن سے برتر سمجھتے ہو، اللہ تعالیٰ ان ہی کے طفیل میں اور ان ہی کی دعاؤں سے تم کو وہ سب کچھ دیتا ہے جس سے تم یہاں بڑے بنے ہوئے ہو، آج بھی ہم جیسے لکھے پڑھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ صلاحیتیں دے رکھی ہیں، اور دین کی کسی خدمت کی توفیق مل رہی ہے، عموماً اسی قسم کے کبر میں مبتلا ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا

ف...... اسی حدیث کی نسائی کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں اس طرح ہیں:

اِنَّمَا يَنْصُرُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ بِضَعِيْفِهِمْ بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلٰوتِهِمْ وَ اِخْلَاصِهِمْ۔

ظاہر ہے کہ اس روایت کے الفاظ اداء مطلب میں صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ سے زیادہ واضح ہیں۔

اپنے سے کم درجہ والوں کو دیکھ کر صبر و شکر کا سبق لیا کرو

۸۰) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ**

عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَىٰ مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْهُ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مال و دولت اور جسمانی بناوٹ یعنی شکل و صورت میں اس سے بڑھا ہوا ہو (اور اسکی وجہ سے اُسکے دل میں حرص و طمع اور شکایت پیدا ہو) تو اُسکو چاہئے کہ کسی ایسے بندہ کو دیکھے جو ان چیزوں میں اُس سے بھی کمتر ہو (تاکہ بجائے حرص و طمع اور شکایت کے صبر و شکر پیدا ہو)۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... انسان کی یہ ایک فطری کمزوری ہے کہ جب وہ کسی ایسے شخص کو دیکھتا ہے جو مال و دولت اور دنیوی وجاہت یا شکل و صورت میں اس سے بہتر حال میں ہو، تو اس میں اس کی طمع اور حرص پیدا ہوتی ہے، اور خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایسا نہیں بنایا، اس حدیث میں اس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ شخص اللہ کے ایسے بندوں کو دیکھے، اور اُن کے حال پر غور کرے، جو مال و دولت، شکل و صورت اور عزت و وجاہت کے لحاظ سے اس سے بھی کمتر اور پسماندہ ہوں، انشاء اللہ ایسا کرنے سے اس بیماری کا علاج ہو جائے گا۔

۸۱) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِراً صَابِراً وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَ نَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَأَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِراً وَلَا صَابِراً۔** (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں دو خصلتیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ اس کو شاکرین اور صابرین میں لکھیں گے (ان دو خصلتوں کی تفصیل یہ ہے کہ) جس شخص کی یہ عادت ہو کہ وہ دین کے معاملے میں تو اللہ کے اُن بندوں پر نظر رکھے جو دین میں اُس سے فائق اور بالاتر ہوں، اور اُن کی پیروی اختیار کرے، اور دنیا کے معاملے میں اُن غریب و مسکین اور خستہ حال بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی حیثیت سے اُس سے بھی کمتر ہوں، اور اِس پر اللہ کا شکر ادا کرے کہ اُس نے محض اپنے فضل و کرم سے اِن بندوں سے زیادہ دنیا کی نعمتیں اس کو دے رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صابر و شاکر لکھا جائے گا۔ اور جس کا حال یہ ہو کہ وہ دین کے بارے میں تو ہمیشہ اپنے سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو دیکھے اور دنیا کے بارے میں اپنے سے بالاتر لوگوں پر نظر کرے اور جو دنیاوی نعمتیں اُس کو نہیں ملی ہیں، اُن کے نہ ملنے پر افسوس اور رنج کرے، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ شاکر و صابر نہیں لکھا جائے گا۔ (ترمذی)

تشریح...... شکر اور صبر ایمان اور تعلق باللہ کے دو ایسے رُخ ہیں کہ جس بندہ میں یہ دونوں جمع ہو جائیں تو اُس کو گویا ایمان کا کمال نصیب ہو گیا، اور دین کی دولت بھرپور مل گئی۔ اور اس کی تدبیر اور اس کا معیار اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بندہ اپنے کو اس بات کا عادی بنالے کہ دین کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن اچھے

بندوں پر نظر رکھا کرے جن کا مقام دین میں (یعنی ایمان واعمال اور اخلاص میں) اپنے سے بلند تر ہو اور اُن کی پیروی کرتا رہے، اور دنیا کے معاملہ میں ہمیشہ اللہ کے اُن خستہ حال اور مبتلائے مصائب بندوں پر نظر رکھے جو دنیوی لحاظ سے اپنے سے کمتر اور پست تر ہوں، اور ان کے مقابلے میں دنیوی راحت و عافیت کی جو فضیلت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکو دی گئی ہے اسکو محض اللہ کا فضل سمجھ کر اپنے اُس محسن مالک کا شکر ادا کرتا رہے۔

اگر حسنِ عمل کی توفیق ہو، تو زندگی بڑی نعمت ہے

۸۲) **عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ اَیُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ مَنْ طَالَ عُمْرُهٗ وَسَاءَ عَمَلُهٗ۔** (رواه احمد)

ترجمہ ابو بکرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کا آدمی آخرت میں زیادہ کامیاب اور فلاح یاب رہیگا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جس کی عمر لمبی ہوئی اور اُسکے اعمال اچھے رہے۔ پھر اُسی سائل نے عرض کیا کہ آدمیوں میں زیادہ بُرا (اور آخرت میں زیادہ خسارہ میں رہنے والا) کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، جس کی عمر لمبی ہوئی اور اعمال اُس کے بُرے رہے۔ (مسند احمد)

تشریح ظاہر ہے کہ جب کسی شخص کی زندگی اعمالِ صالحہ والی زندگی ہوگی تو جتنی طویل عمر اُسکو ملے گی اُسی قدر اُسکے دینی درجات میں ترقی ہوگی، اور اسکے برعکس جسکے اعمال و اخلاق اللہ سے دور کرنے والے ہونگے اسکی عمر جتنی زیادہ ہوگی، اُسی قدر وہ اللہ کی رحمت و رضا سے دُور تر ہوتا چلا جائیگا۔

۸۳) **عَنْ عُبَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰخیٰ بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُهُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَهٗ بِجُمْعَةٍ اَوْ نَحْوِهَا فَصَلُّوْا عَلَیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَاقُلْتُمْ؟ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰهَ اَنْ یَّغْفِرَلَهٗ وَیَرْحَمَهٗ وَیُلْحِقَهٗ بِصَاحِبِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَیْنَ صَلٰوتُهٗ وَعَمَلُهٗ بَعْدَ عَمَلِهٖ اَوْ قَالَ صِیَامُهٗ بَعْدَ صِیَامِهٖ لَمَا بَیْنَهُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ۔** (رواه ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ عبید بن خالد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کے درمیان مواخات قائم فرمائی (یعنی اُس وقت کے دستور کے مطابق اُن کو باہم بھائی بھائی بنایا) پھر یہ ہوا کہ اُن میں سے ایک صاحب (قریبی ہی زمانہ میں جہاد میں شہید ہوگئے) پھر ایک ہی ہفتہ بعد یا اسکے قریب دوسرے صاحب کا بھی انتقال ہوگیا (یعنی اُن کا انتقال کسی بیماری سے گھر ہی پر ہوا) تو صحابہؓ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھنے والے ان اصحاب سے دریافت کیا کہ آپ لوگوں نے (نماز جنازہ میں) کیا کہا (یعنی مرنے والے بھائی کے حق میں تم نے اللہ سے کیا دُعا کی؟) انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اس کے لئے یہ دُعا کی، کہ اللہ اس کی مغفرت فرمائے، اس پر رحمت فرمائے اور (ان کے جو ساتھی شہید ہو کے اللہ کے

قرب ورضا کا وہ مقام حاصل کر چکے ہیں، جو شہیدوں کو حاصل ہوتا ہے، اللہ ان کو بھی اپنے فضل وکرم سے اُسی مقام پر پہنچا کے) اپنے اُس بھائی اور ساتھی کے ساتھ کردے، (تاکہ جنت میں اُسی طرح ساتھ رہیں جس طرح کہ یہاں رہتے تھے) یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی وہ نمازیں کہاں گئیں جو اُس شہید ہونے والے بھائی کی نمازوں کے بعد (یعنی شہادت کی وجہ سے ان کی نمازوں کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد) انہوں نے پڑھیں، اور دوسرے وہ اعمالِ خیر کہاں گئے جو اس شہید کے اعمال کے بعد انہوں نے کئے، یا آپ نے یوں فرمایا، کہ اسکے وہ روزے کہاں گئے جو اس بھائی کے روزوں کے بعد انہوں نے رکھے۔ (راوی کو شک ہے کہ نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عام اعمال کا ذکر کیا تھا، یا روزوں کا ذکر فرمایا تھا)۔ اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کے مقامات میں تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ ہے جتنا کہ زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔ (ابوداود، نسائی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم نے بعد میں مرنے والے اس بھائی کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اُس بھائی سے کمتر سمجھا، اسی واسطے تم نے اللہ سے یہ دُعا کی، کہ اللہ اپنے فضل وکرم سے اس کو بھی اُس شہید بھائی کے ساتھ کردے، حالانکہ بعد میں مرنے والے بھائی نے شہید ہونے والے بھائی کی شہادت کے بعد بھی جو نمازیں پڑھیں، اور جو روزے رکھے، اور جو دوسرے اعمالِ خیر کئے، تمہیں معلوم نہیں کہ ان کی وجہ سے اس کا درجہ پہلے شہید ہونے والے اس بھائی سے بہت زیادہ بلند ہو چکا ہے، یہاں تک کہ دونوں کے مقامات اور درجات میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور فاصلہ ہے۔

راہِ خدا میں جان دینا بلاشبہ بہت اونچا عمل ہے، اور اس کی بڑی فضیلتیں ہیں، لیکن نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر اگر اخلاص اور احسانی کیفیت کے ساتھ نصیب ہوں، تو ان کے ذریعہ جو ترقی اور بلندی نصیب ہوتی ہے، اُس کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ نیز چونکہ بعد میں مرنے والے یہ بھائی بھی راہِ خدا کے سپاہی اور جہاد کے لئے ہر وقت کمربستہ رہنے والوں میں سے تھے، اس لئے بستر پر موت آنے کے باوجود وہ اپنی نیت اور شوقِ شہادت کی وجہ سے مقامِ شہادت پر بھی فائز ہوئے، اور بعد کے نماز، روزہ وغیرہ اعمالِ خیر نے اُن کے درجہ کو اس قدر بلند کردیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درجوں میں زمین اور آسمان سے زیادہ فاصلہ بتلادیا۔

۸۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ اَنَّ نَفَراً مِنْ بَنِىْ عُذْرَةَ ثَلٰثَةً اَتَوُ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمُوْا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفِلُنِيْهِمْ؟ قَالَ طَلْحَةُ اَنَا، فَكَانُوْا عِنْدَهٗ فَبَعَثَ النَّبِىُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ اَحَدُهُمْ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيْهِ الْاٰخَرُ فَاسْتَشْهَدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِى الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ اَمَامَهُمْ وَالَّذِىْ اِسْتَشْهَدَ اٰخِراً يَلِيْهِ وَاَوَّلُهُمْ يَلِيْهِ فَدَخَلَنِىْ مِنْ ذَالِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَالِكَ فَقَالَ وَمَا اَنْكَرْتَ مِنْ ذَالِكَ؟ لَيْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ مِنْ مُّؤْمِنٍ يُعَمَّرُ فِى الْاِسْلَامِ لِتَسْبِيْحِهٖ وَ تَكْبِيْرِهٖ وَ تَهْلِيْلِهٖ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ... عبداللہ بن شداد سے روایت ہے کہ قبیلۂ بنی عُذرہ میں سے تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے (اور حضورؐ کی خدمت میں قیام کا ارادہ کیا) تو آپ نے (صحابہؓ کرامؓ سے) فرمایا کہ ان نو مسلم مسافروں کی خبر گیری میری طرف سے کون اپنے ذمہ لے سکتا ہے؟ طلحہ نے عرض کیا کہ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں۔ چنانچہ یہ تینوں اُن کے پاس رہنے لگے، اسی اثنا میں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کسی جگہ کے لئے روانہ فرمایا، توان تینوں صاحبوں میں سے ایک اُس لشکر میں چلے گئے، اور وہاں شہید ہوگئے، پھر آپ نے ایک اور لشکر روانہ فرمایا توایک دوسرے ساتھی اس میں چلے گئے، اور وہ بھی جا کر شہید ہو گئے، پھر (کچھ دنوں بعد) ان میں سے تیسرے جو باقی بچے تھے اُن کا انتقال بستر ہی پر ہو گیا۔ (حدیث کے راوی عبد اللہ بن شداد) کہتے ہیں کہ طلحہ نے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں اُن تینوں ساتھیوں کو جنت میں دیکھا اور یہ دیکھا کہ جو صاحب سب سے آخر میں اپنے بستر پر طبعی موت مرے، وہ سب سے آگے ہیں، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو دوسرے نمبر پر شہید ہوئے تھے، اور اُن کے قریب اُن کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے شہید ہوئے تھے، اِس خواب سے میرے دل میں شبہ اور خلجان پیدا ہوا (کیونکہ میرا خیال تھا کہ شہید ہونے والے اُن دو ساتھیوں کا درجہ اس تیسرے ساتھی سے بلند ہوگا جس کا انتقال بستر پر طبعی موت سے ہوا) پس میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس خواب اور اپنے اس تاثر اور خلجان کا ذکر کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں تم کو کیا بات اوپری اور غلط معلوم ہوتی ہے، (تم نے انکے درجات کی جو ترتیب دیکھی ہے وہی ہونا چاہئے اور جو تیسرا ساتھی اپنے دو ساتھیوں کی شہادت کے بعد بھی کچھ عرصہ زندہ رہا، اور نمازیں پڑھتا رہا، اور اللہ کا ذکر کرتا رہا، اُسی کو سب سے آگے اور بلند تر ہونا چاہئے، کیونکہ) اللہ کے نزدیک اُس مؤمن سے کوئی افضل نہیں، جس کو ایمان اور اسلام کے ساتھ عمر دراز ملے، جس میں وہ اللہ کی تسبیح (سبحان اللہ کا ذکر) تکبیر (اللہ اکبر کا ذکر) اور تہلیل (لا الٰہ الا اللہ کا ذکر) کرے۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس سے پہلی حدیث کی تشریح میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر سمجھ دے تو ان دونوں حدیثوں میں اُن جذباتی اور باتونی لوگوں کے لئے بڑا سبق ہے جو جہاد اور شہادت کی صرف باتوں اور جھوٹی تمناؤں میں اپنا وقت گذارتے ہیں، حالانکہ جہاد و شہادت کا کوئی میدان اُن کے سامنے نہیں ہوتا، اور نماز، روزہ، ذکر و تلاوت وغیرہ اعمالِ خیر کے ذریعہ اعلیٰ سے اعلیٰ دینی ترقیوں کا جو موقعہ اللہ کی طرف سے ان کو ہر وقت ملا ہوا ہے وہ اس کی قدر نہیں کرتے، اور ان چیزوں کو معمولی اور ادنیٰ درجہ کی چیزیں سمجھ کر ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ بعض اوقات تو ان اعمالِ خیر کو طنز کا نشانہ بنا کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا

رسول اللہ ﷺ کی جامع اور اہم نصیحتیں اور وصیتیں

۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (رواه احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے' بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم جہاں اور جس حال میں ہو (خلوت میں ہو یا جلوت میں، آرام میں ہو یا تکلیف میں) خدا سے ڈرتے رہو (اور تقویٰ تمہارا شعار رہے) اور ہر برائی کے پیچھے نیکی کرو، وہ اس کو مٹادے گی، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' دارمی)

تشریح..... تقوے کی اصل خدا کا خوف اور اسکے مواخذہ اور محاسبہ کی فکر ہے، اور یہ ایک باطنی کیفیت ہے اور اس کا ظہور ظاہری زندگی میں اس طرح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکام کی اطاعت کی جائے، اور منہیات اور معاصی سے بچا جائے۔ لیکن انسان کی سرشت اور اس دنیا میں اُس کا ماحول ایسا ہے کہ اس خوف و فکر (یعنی تقویٰ) کے باوجود اس سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کے تدارک کیلئے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی غلطی اور بُرائی ہو جائے تو اسکے بعد کوئی نیکی ضرور کرو، نیکی کا نور اس برائی کی ظلمت کو ختم کردے گا، اور مٹادے گا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ" (نیکیاں برائی کو ختم کر دیتی ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے تیسری نصیحت اس حدیث میں حضرت ابوذرؓ کو یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ حسن اخلاق کا ہو۔ معلوم ہوا کہ تقویٰ اور تکثیر حسنات کے ذریعہ گناہوں کی تطہیر کے بعد بھی کامیابی اور رضاء الٰہی حاصل ہونے کیلئے بندوں کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ بھی ضروری ہے۔

۸۶) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تُكَلِّمْ بِكَلَامٍ تَعْذُرُ مِنْهُ غَدًا وَ اَجْمِعِ الْاِیَاسَ مِمَّا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ۔ (رواه احمد)

ترجمہ۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے نصیحت فرمایئے اور مختصر فرمایئے (تاکہ یاد رکھنا آسان ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ (ایک بات تو یہ یاد رکھو کہ) جب تم نماز کیلئے کھڑے ہو تو اُس شخص کی سی نماز پڑھو جو سب کو الوداع کہنے والا، اور سب سے رخصت ہونے والا ہو (یعنی دنیا سے جانے والے آدمی کی نماز جیسی ہونی چاہئے تم ہر نماز ویسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو، اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ) ایسی کوئی بات زبان سے نہ نکالو جس کی کل تم کو معذرت اور جواب دہی کرنی پڑے (یعنی بات کرتے وقت ہمیشہ اس کا خیال رکھو کہ ایسی بات منہ سے نہ نکلے جس کی جواب دہی کسی کے سامنے اِس دنیا میں یا قیامت کے دن خدا کے حضور میں کرنی پڑے اور

تیسری بات یہ یاد رکھو کہ) آدمیوں کے پاس اور ان کے ہاتھ میں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے اپنے کو قطعاً مایوس کر لو (یعنی تمہاری اُمیدوں اور توجہ کا مرکز صرف رب العالمین ہو، اور مخلوق کی طرف سے اپنی امیدوں کو بالکل منقطع کر لو)۔ (مسند احمد)

۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثٌ مُنْجِیَاتٌ وَثَلٰثٌ مُهْلِكَاتٌ فَاَمَّا الْمُنْجِیَاتُ فَتَقْوَی اللّٰهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِیَةِ وَالْقَوْلُ بِالْحَقِّ فِی الرِّضَا وَالسَّخَطِ وَالْقَصْدُ فِی الْغِنَا وَالْفَقْرِ وَاَمَّا الْمُهْلِكَاتُ فَهَوًی مُتَّبَعٌ وَشُحٌّ مُطَاعٌ وَاِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهٖ وَ هِیَ اَشَدُّهُنَّ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جو نجات دلانے والی ہیں، اور تین ہی چیزیں ہیں جو ہلاک کر دینے والی ہیں، پس نجات دلانے والی تین چیزیں تو یہ ہیں، ایک خدا کا خوف خلوت میں اور جلوت میں (یا ظاہر میں اور باطن میں) اور دوسرے حق بات کہنا، خوشی میں اور غصہ میں اور تیسرے میانہ روی خوشحالی میں اور تنگدستی میں۔ اور ہلاک کرنے والی تین چیزیں یہ ہیں: ۱۔ وہ خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے، اور ۲۔ وہ بخل جس کی اطاعت کی جائے (یعنی اسکے تقاضے پر چلا جائے) اور ۳۔ آدمی کی خود پسندی کی عادت، اور یہ ان سب میں زیادہ سخت ہے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح رسول اللہ ﷺ کبھی تو حاضرین مجلس اور مخاطبین کے خاص حالات کے لحاظ سے اور کبھی کسی اور ایسے ہی سبب سے بعض اوقات اپنے ارشادات میں بعض خاص اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کی اہمیت خصوصیت سے بیان فرماتے تھے اور اسی طرح بعض خاص خاص بُرے اعمال و اخلاق کی قباحت و شناعت پر خصوصیت سے زور دیتے تھے (اور معلم اور مربی کا طرز یہی ہونا بھی چاہئے)۔ یہ حدیث بھی اسی نوعیت کی ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اس کی فکر نہ ہو کہ وہ ہلاکت سے بچے اور نجات حاصل کرے، اُسے چاہئے کہ ان چند نصیحتوں کی خصوصیت سے پابندی کرے، ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں خدا کا خوف اور تقویٰ اُس کا شعار رہے، اور خواہ کسی سے رضامندی ہو یا ناراضی، ہمیشہ حق و انصاف کی بات کہے اور وہ خوشحالی و تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی برتے۔ اور اپنی نفسانی خواہش اور بخل کے تقاضوں پر نہ چلے، اور خود پسندی کی نہایت مہلک بیماری سے اپنی حفاظت کرتا رہے۔ آپ نے خود پسندی کو سب سے زیادہ شدید غالباً اس لئے فرمایا کہ اس مرض میں مبتلا ہونے والا آدمی اپنے کو کبھی بیمار نہیں سمجھتا، بلکہ اگر کوئی اور نصیحت کرے اور سمجھائے تو وہ اسی کو غلطی پر سمجھتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ مرض بڑا سخت اور لاعلاج ہے، جس کو مریض مرض ہی نہ سمجھے۔

۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِیْكَ فَلَا عَلَیْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْیَا حِفْظُ اَمَانَةٍ وَ صِدْقُ حَدِیْثٍ وَ حُسْنُ خَلِیْقَةٍ وَ عِفَّةٌ فِیْ

طُعْمَةٍ۔ (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول خداﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چار باتیں اور چار خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تم کو نصیب ہو جائیں تو پھر دنیا (اور اس کی نعمتوں) کے فوت ہو جانے اور ہاتھ نہ آنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی گھاٹا نہیں امانت کی حفاظت، باتوں میں سچائی، حسن اخلاق اور کھانے میں احتیاط اور پرہیز گاری۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... آگے امانت کے بیان میں انشاء اللہ تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ نبوت کی زبان اور دین کی اصطلاح میں امانت بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے، اللہ کے اور اسی طرح بندوں کے ہر حق کی ادائیگی اور ہر عہد کی پابندی امانت کے وسیع مفہوم میں داخل ہے، پس ظاہر ہے کہ جس شخص میں امانت کی صفت ہو، یعنی جس کا یہ حال ہو کہ وہ اللہ کے اور اسکے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پوری دیانت داری کے ساتھ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ اس کی زبان صداقت اور سچائی کی پابند ہو، اور حُسن اخلاق کی دولت بھی اس کو حاصل ہو، اور کھانے پینے کے معاملہ میں بھی وہ محتاط اور پرہیز گار ہو، یعنی صرف حلال کھاتا ہو، اور اتنا ہی کھاتا ہو جتنا اس کو کھانا چاہئے، اور حرام اور مشتبہ سے پرہیز کرتا ہو، الغرض جس شخص کو یہ چار خصلتیں نصیب ہوں، ظاہر ہے کہ اس کو انسانیت کا کمال نصیب ہے جو اس دنیا کی سب سے بڑی بلندی ہے اور آخرت کی کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اس کو وہ بے حساب اور بے شمار نعمتیں ملیں گی جن میں سے ایک ایک کی قیمت اس دنیا سے اور اسکی ساری دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ ہو گی، پس ایسا شخص اگر دنیا سے خالی ہاتھ رہے تو اُسے کوئی غم اور کوئی افسوس نہ ہونا چاہئے، کیونکہ جو کچھ اسے ملا ہوا ہے دنیا اور اسکی ساری دولتیں اور بہاریں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔

۸۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللهُ قَلْبَهٗ لِلْاِيْمَانِ وَجَعَلَ قَلْبَهٗ سَلِيْمًا وَّلِسَانَهٗ صَادِقًاوَّ نَفْسَهٗ مُطْمَئِنَّةً وَّ خَلِيْقَتَهٗ مُسْتَقِيْمَةً وَّجَعَلَ اُذُنَهٗ مُسْتَمِعَةً وَّ عَيْنَهٗ نَاظِرَةً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقَمِعٌ وَاَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِمَا يُوْعِى الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهٗ وَاعِيًا۔ (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کامیاب اور بامراد ہوا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے لئے خالص کر دیا اور اس کے قلب کو صحیح و سالم بنا دیا (یعنی جس کے دل کو ایسا صاف ایمان و یقین نصیب فرمایا جس میں شک یا نفاق کی کوئی آمیزش اور کوئی گنجائش نہیں، اور حسد و کینہ جیسے باطنی امراض سے بھی اس کے دل کو پاک کر کے سلیم بنایا) اور اس کی زبان کو سچائی اور اس کے نفس کو اطمینان عطا فرمایا (یعنی اس کے نفس کو ایسا کر دیا کہ اللہ کی یاد سے اور اس کی مرضیات سے اس کو چین و اطمینان ملتا ہے) اور اس کی طبیعت کو سیدھا اور درست کر دیا (کہ وہ برائی کی طرف نہیں چلتی) اور اس کے کان کو سننے والا اور آنکھ کو دیکھنے والا بنا دیا (کہ وہ حق باتوں کو اور اللہ کی

نشانیوں کو سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں اور نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہیں) پس کان تو مثل قیف کے ہے (کہ باتیں اس کے راستے سے دل میں اس طرح جاتی ہیں جس طرح بوتل یا شیشی میں کوئی چیز قیف کے ذریعہ جاتی ہے) اور آنکھ پہنچانے والی اور ٹھہرانے والی ہے اُن چیزوں کو جو وہ قلب کو سونپتی ہے، اور بامراد اور کامیاب ہوا وہ شخص جس کے دل کو بنادیا اللہ نے یاد رکھنے والا۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... حدیث کے آخری حصہ میں کان اور آنکھ کے متعلق جو بات فرمائی گئی ہے "فاما الاذن فقمع الخ" جس کے ترجمہ پر امتیاز کے لئے خط لگادیا گیا ہے، اس سے وجود انسانی میں کان اور آنکھ کی یہ امتیازی اہمیت ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دل جو انسانی اعضاء میں گویا بادشاہ اور فرمانروا کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں جو چیزیں پہنچتی ہیں اور اس کو متاثر کرتی ہیں وہ عموماً کان اور آنکھ ہی کے ذریعہ پہنچتی ہیں، اس لئے انسان کی فلاح و سعادت اس پر موقوف ہے کہ اللہ اس کے کان کو شنوا، اور اس کی آنکھوں کو بینا بنادے۔ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ "فلاح یاب اور بامراد ہوا وہ انسان جس کے دل کو اللہ نے یاد رکھنے والا بنادیا"۔ مطلب یہ ہے کہ فلاح و سعادت تک پہنچانے والی جو باتیں کان یا آنکھ کے ذریعہ دل میں پہنچیں اُن سے بھی منزل سعادت تک جب ہی پہنچا جاسکتا ہے جبکہ دل ان کو محفوظ رکھے اور ان سے برابر کام لیتا رہے، اس لئے انسان کی سعادت اور خوش بختی کی آخری اور سب سے اہم شرط یہ ہے کہ قلب اپنا فریضہ اور وظیفہ ٹھیک ٹھیک انجام دیتا رہے۔

قرآن مجید میں بھی جا بجا انسان کی ان تینوں قوتوں (سمع، بصر، قلب) کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا انسان کی ہدایت اور نجات کا دارو مدار انہی تینوں کی سلامتی اور راست روی پر ہے۔

۹۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقْمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ عمرو بن میمون اودی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا پانچ حالتوں کو دوسری پانچ حالتوں کے آنے سے پہلے غنیمت جانو، اور ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہئے وہ اٹھا لو۔ غنیمت جانو جوانی کو بڑھاپے کے آنے سے پہلے، اور غنیمت جانو تندرستی کو بیمار ہونے سے پہلے، اور غنیمت جانو خوش حالی اور فراخ دستی کو ناداری اور تنگدستی سے پہلے اور غنیمت جانو فرصت اور فراغت کو مشغولیت سے پہلے اور غنیمت جانو زندگی کو موت آنے سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ انسان کے حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، اس لئے اُس کو چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ اُسے کچھ عمل کرنے کے قابل اچھی اور اطمینان کی حالت نصیب فرمائے تو اس کو غنیمت اور پروردگار کی طرف سے ملی ہوئی نعمت سمجھے، اور اللہ کی رضا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کرسکتا ہو اُس وقت کرلے، کیا خبر ہے کہ آئندہ کرسکنے کے قابل رہے گا یا نہیں۔ اگر جوانی کی قوت ملی ہوئی ہے تو

بڑھاپے کی کمزوریوں اور معذوریوں کے آنے سے پہلے اس سے فائدہ اُٹھالے، اگر تندرست و توانا ہے تو بیماری کی مجبوریوں سے پہلے اس سے کام لے لے، اگر خوش حالی اور مالی وسعت اللہ نے نصیب فرمائی ہے تو افلاس اور محتاجی آنے سے پہلے اس سے فائدہ حاصل کرلے، اور اگر کچھ فرصت ملی ہوئی ہے تو مشغولیت اور پریشان حالی کے دن آنے سے پہلے اس کی قدر کرلے اور کام لے لے اور زندگی کے بعد بہر حال موت ہے جو ہر قسم کے اعمال کا خاتمہ کردینے والی ہے اور اس کے ساتھ توبہ و استغفار کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، اسلئے زندگی کے ہر لمحہ کو غنیمت اور خداداد فرصت سمجھے، اور اس سے فائدہ اُٹھانے میں غفلت نہ کرے۔

۹۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْتَظِرُ اَحَدُكُمْ اِلَّا غِنيً مُطْغِيًا اَوْ فَقْراً مُنْسِيًا اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا اَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا اَوْمَوْتًا مُجْهِزًا اَوِالدَّجَّالُ وَالدَّجَّالُ شَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ اَوِالسَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۔ (رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا، تم عمل کیلئے انتظار کرتے ہو اُس خوشحالی اور دولت مندی کا جو آدمی کو سرکش کردیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو اُس ناداری اور محتاجی کا جو سب کچھ بھلادیتی ہے، یا انتظار کرتے ہو حالت بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا عقل و حواس کھودینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک آنے والی اور فنا کردینے والی موت کا، یا تم منتظر ہو دجال کے۔ اور دجال بدترین غائب ہے جس کا انتظار ہے، یا منتظر ہو قیامت کے، اور قیامت بڑا سخت حادثہ اور بڑا کڑوا گھونٹ ہے۔ (جامع ترمذی و سنن نسائی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو لوگ فرصت اور فراغ کو غنیمت نہیں سمجھتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور رضاء الٰہی اور فلاح اُخروی کے لئے عملی جدوجہد سے غافل رہ کر تن آسانی میں اپنا وقت گذار رہے ہیں، گویا وہ اسکے منتظر ہیں کہ مذکورۂ بالا بلاؤں اور آفتوں میں سے جب کوئی بلا اور آفت اُن پر آئے گی، جب وہ جاگیں گے، اور اُس وقت آخرت کی فکر اور تیاری کریں گے۔

۹۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَ مَا اِبْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَالَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَا ذَاعَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے راوی ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن (جب حساب کیلئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی، تو) آدمی کے پاؤں سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اُس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے گا۔ ایک اُس کی پوری زندگی اور عمر کے بارے میں کہ کن کاموں میں اس کو ختم کیا۔ اور دوسرا خصوصیت سے اُس کی جوانی (اور جوانی کی قوتوں) کے بارے میں کہ کن مشاغل میں جوانی اور اس کی قوتوں کو بوسیدہ اور پُرانا کیا، اور تیسرا اور چوتھا مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن

راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اُس کے بارے میں کیا عمل کیا؟ (جامع ترمذی)

ف..... ہر شخص اپنی زندگی، اپنی جوانی، اپنے آمد و خرچ، اور اپنے علم و عمل کا دنیا ہی میں محاسبہ کرے اور ذرا سوچے کہ دربارِ خداوندی میں کھڑا کر کے جب مجھ سے سرِ محشر یہ سوالات کئے جائیں گے تو میرا حال اور انجام کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور اپنے کرم سے آسان فرمائے ورنہ امتحان اپنی نوعیت کے لحاظ سے یقیناً بڑا سخت ہے، اور صرف وہی خوش نصیب بندے اُس دن رسوائی سے بچ سکیں گے جو اُس گھڑی کے آنے اور اس امتحان گاہ میں پہنچنے سے پہلے اسی دنیا میں تیاری کر لیں، اور زندگی اس طرح گذاریں کہ اس محاسبہ اور اس امتحان میں کامیاب اور سرخرو ہو سکیں۔

۹۳) **عَنْ اَبِىْ جُرَىٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ اَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَرَاَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَاْيِهٖ لَا يَقُوْلُ شَيْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللهِ قَالَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُل عَلَيْكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللهِ ؟ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللهِ الَّذِىْ اِنْ اَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ كَشَفَهٗ عَنْكَ وَاِنْ اَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَكَ وَاِذَا كُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اِعْهَدْ اِلَىَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تُحَقِّرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَاَنْ تُكَلِّمَ اَخَاكَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَيْهِ وَجْهُكَ اِنَّ ذَالِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَكَ اِلٰى نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَيْتَ فَاِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِيَّاكَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَاِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَاِنِ امْرُءٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذَالِكَ عَلَيْهِ۔** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ ابو جری جابر بن سلیم سے روایت ہے کہ میں مدینہ پہنچا (اور میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس وقت کچھ جانتا نہیں تھا) میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ اُس کے پاس طالب بن کر حاضر ہوتے ہیں اور وہ اُن کو جو کچھ بتا دیتا ہے اُس کو قبول کر کے چلے جاتے ہیں، جو کچھ بھی اس کی زبان سے نکلتا ہے لوگ اُس کو دل و جان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے مجھے بتایا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا "عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللهِ" یہ میں نے دو دفعہ عرض کیا، آپ نے فرمایا "عَلَيْكَ السَّلَامُ" نہ کہو، یہ مُردوں کا سلام ہے۔ (یعنی اہل جاہلیت اس طرح مُردوں کو سلام کیا کرتے تھے، بجائے اس کے) "السلام عليك" کہو۔ میں نے عرض کیا: آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! میں رسول ہوں اُس اللہ کا جس کی شان یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی دُکھ اور تکلیف ہو، اور تم اُس سے دُعا کرو تو وہ تمہارے دُکھ کو دور کر دے، اور اگر تم پر قحط سالی کی مصیبت آ جائے اور تم اُس سے دعا کرو تو تمہارے لئے وہ زمین سے پیداوار پیدا کر دے، اور جب تم کسی

جنگل بیابان میں اور لق ودق میدان میں ہو، اور تمہاری سواری کا جانور وہاں گم ہو جائے، اور تم اُس سے دعا کرو، تو وہ تمہاری سواری کے اُس جانور کو تمہارے پاس پہنچا دے۔ (حدیث کے راوی جابر بن سُلیم کہتے ہیں، کہ) میں نے آپ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیے! آپ نے ارشاد فرمایا (تمہیں میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ) تم کبھی کسی کو گالی نہ دینا، جابر بن سلیم کہتے ہیں اس کے بعد سے میں نے کسی کو بھی گالی نہ دی، اور نہ کسی آزاد کو نہ غلام کو، نہ اونٹ بکری جیسے کسی جانور کو (اسکے بعد سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے مجھے حضور ﷺ نے یہ نصیحتیں بھی فرمائیں) کسی احسان کو تم حقیر نہ سمجھو، اور تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ بات کیا کرو، یہ بھی ایک طرح کا احسان اور حُسن سلوک ہے، اور اپنا تہبند آدھی پنڈلیوں تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا منظور نہ ہو تو کم سے کم ٹخنوں تک اونچا رکھو، اور تہبند کو زیادہ نیچے لٹکانے سے پرہیز کرو، کیونکہ یہ تکبر کی بات ہے، اور اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں ہے، اور اگر کوئی تمہیں گالی دے اور تمہاری کسی ایسی بُری بات کا ذکر کر کے تم کو عار دلائے جو تمہارے بارے میں جانتا ہو تو تم ایسا نہ کرو، اس صورت میں اُسکی اس ساری زبان درازی کا پورا وبال اُسی پر ہو گا۔ (سنن ابی داؤد)

۹۴) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَاخُذُ عَنِّى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْيُعَلِّمُ مَنْ يَّعْمَلُ بِهِنَّ قُلْتُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ فَاَخَذَ بِيَدِىْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَاَرْضَ بِمَا قَسَمَ اللهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰى جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَّاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَّلَا تُكْثِرِ الضَّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ۔** (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن ہم لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا، کون ہے جو مجھ سے سیکھ لے یہ چند خاص باتیں، پھر وہ خود ان پر عمل کرے یا دوسرے عمل کرنے والوں کو بتائے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ تو آپ نے (ازراہ شفقت) میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیا، اور گن کر یہ پانچ باتیں بتائیں۔ فرمایا: جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچو، اور اُن سے پورا پورا پرہیز کرو، اگر تم نے ایسا کیا، تو تم بہت بڑے عبادت گذار ہو، (اور یہ عبادت نفلی عبادات کی کثرت سے افضل ہے)۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ: اللہ نے جو تمہاری قسمت میں لکھا ہے اُس پر راضی اور مطمئن ہو جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو تم بڑے بے نیاز اور دولت مند ہو جاؤ گے۔ اور تیسری بات یہ کہ: اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ایسا کرو گے، تو تم مؤمن کامل ہو جاؤ گے۔ اور چوتھی بات یہ کہ جو تم اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو، وہی دوسرے لوگوں کیلئے بھی چاہو اور پسند کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو حقیقی مسلم اور پورے مسلمان ہو جاؤ گے۔ اور پانچویں بات یہ ہے کہ: زیادہ مت ہنسا کرو، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ یہ پانچ باتیں بتانا چاہتے تھے، آپ نے مخاطبین میں خاص طلب پیدا کرنے کیلئے، اور

اُنکے دلوں کو پوری طرح بیدار اور متوجہ کرنے کیلئے پہلے ارشاد فرمایا کہ: میں اس وقت کچھ خاص باتیں بتانا اور سکھانا چاہتا ہوں، تم میں سے کون ان کو سیکھنا چاہتا ہے، لیکن اُسکو ان باتوں کا یہ حق ادا کرنا ہوگا کہ وہ خود ان پر عمل کرے اور دوسروں کو بھی بتلائے، تاکہ وہ بھی عمل کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو آدمی دین کی باتیں سیکھے اُس پر دو حق ہیں ایک یہ کہ خود ان پر عمل کرے اور دوسرے یہ کہ اوروں کو پہنچائے اور بتلائے، بلکہ اگر خود پورا عمل نہ کرے تب بھی دوسروں کو بتانے سے دریغ نہ کرے۔

جو پانچ باتیں حضور ﷺ نے اس موقع پر تعلیم فرمائیں وہ بڑی اہم حقیقتیں ہیں۔

پہلی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی، کہ: بڑا عبادت گذار بندہ وہ ہے جو محرمات اور ممنوعات سے پرہیز کرتا ہے، اگرچہ زیادہ نفلی نمازیں نہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ نہ رکھتا ہو، ذکر و تسبیح میں بہت زیادہ مشغول نہ رہتا ہو۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ: اللہ کی طرف سے جو مقسوم اور مقدور ہے اُس پر راضی ہو جانے سے آدمی کو بڑا اطمینان اور بڑی بے فکری نصیب ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ کہ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمالِ ایمان کی شرط ہے۔

چوتھی بات یہ کہ، کامل مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی دوسروں کا اتنا خیر خواہ اور بہی خوا ہو، کہ جو اپنے لئے چاہے وہی دوسروں کے لئے چاہے۔

اور پانچویں بات یہ کہ، زیادہ نہ ہنسا جائے، کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ اور بے حس کر دیتی ہے۔

اگر اللہ کی توفیق سے اُس کا کوئی بندہ آج بھی ان پانچ باتوں پر کاربند ہو جائے تو دنیا ہی میں وہ جنت کا مزا چکھ لے گا، اس کی زندگی پاک صاف اور بڑے اطمینان والی ہوگی، دور قریب کے لوگ اس سے محبت کریں گے، اس کا دل اللہ کے ذکر سے زندہ اور شاداب ہوگا، اور آخرت میں اللہ کی رضا اور جنت کی جو نعمتیں اُس کو ملیں گے اُن کی قدر و قیمت اور حقیقی لذت تو بس وہیں جاکر معلوم ہوگی۔

۹۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ، اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاكِیْنِ وَالدُّنُوِّمِنْهُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَدُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقِیْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحْمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَا اَسْأَلَ اَحَدًا شَیْئاً وَّاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا، وَّاَمَرَنِیْ اَنْ لَا اَخَافَ فِی اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُكْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ كَنْزٍتَحْتَ الْعَرْشِ ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مجھے میرے محبوب دوست (ﷺ) نے سات باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ مجھے آپ نے حکم فرمایا ہے۔ مساکین اور غرباء سے محبت رکھنے کا اور اُن سے قریب رہنے کا۔ اور آپ نے حکم فرمایا ہے کہ دنیا میں اُن لوگوں پر نظر رکھوں جو مجھ

سے نچلے درجہ کے ہیں (یعنی جن کے پاس دنیوی زندگی کا سامان مجھ سے بھی کم ہے) اور اُن پر نظر نہ کروں جو مجھ سے اوپر کے درجہ کے ہیں (یعنی جن کو دنیوی زندگی کا سامان مجھے سے زیادہ دیا گیا ہے، اور بعض دوسری احادیث میں ہے کہ ایسا کرنے سے بندہ میں صبر و شکر کی صفت پیدا ہوتی ہے، اور یہ ظاہر بھی ہے) آگے حضرت ابوذر فرماتے ہیں، کہ اور مجھے آپ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں، اور قرابتی رشتہ کو جوڑوں (یعنی اُن کے ساتھ وہ معاملہ اور وہ سلوک کرتا رہوں جو اپنے عزیزوں قریبوں کے ساتھ کرنا چاہئے) اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور آپ نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہ مانگوں (یعنی اپنی ہر حاجت کے لئے اللہ ہی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور اسکے سوا کسی کے در کا سائل نہ بنوں)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں ہر موقع پر حق بات کہوں، اگرچہ وہ لوگوں کیلئے کڑوی ہو (اور اُن کی خواہشات اور اغراض کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں بُری لگے)۔ اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں (یعنی دنیا والے اگرچہ مجھے بُرا کہیں لیکن میں وہی کہوں اور وہی کروں جو اللہ کا حکم ہو، اور جس سے اللہ راضی ہو، اور کسی کے بُرا بھلا کہنے کی مطلق پرواہ نہ کروں) اور آپ نے مجھے حکم فرمایا کہ میں کلمہ "لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کثرت سے پڑھا کروں، کیونکہ یہ سب باتیں اُس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے (یعنی یہ اُس خزانے کے قیمتی جواہرات ہیں جو عرشِ الٰہی کے نیچے ہے، اور جن کو اللہ ہی جن بندوں کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، کسی اور کی وہاں تک دسترس نہیں)۔ (مسند احمد)

تشریح...... حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں ہو چکی ہے، یہاں صرف ایک بات یہ قابل ذکر ہے کہ کلمہ " لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ " جسکی کثرت کی اس حدیث میں تاکید فرمائی گئی ہے، اس کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ "گناہوں سے بچاؤ، اور نیکی کرنے کی قوت، بس اللہ ہی کی توفیق سے بندہ کو ملتی ہے"، یعنی اللہ کا فضل اور اس کی توفیق اگر شامل حال نہ ہو، تو بندہ نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور نہ نیک اعمال کر سکتا ہے، پس بندے کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ اللہ سے توفیق اور اس کا فضل مانگتا رہے، اور معصیات سے بچنا، اور نیک اعمال کا کرنا اگر نصیب ہو، تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے، بلکہ اللہ کا فضل و کرم جانے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ کلمہ جس حقیقت کو بیان کرتا ہے، اگر اس کے دھیان اور استحضار کے ساتھ کثرت سے اس کا ورد کیا جائے، تو بندہ کی اصلاح کیلئے اکسیر ہے، اور اس میں بڑی تاثیر ہے، مشائخ طریقت میں سے خصوصیت کے ساتھ حضرات شاذلیہ طالبین و سالکین کو اسی کلمہ کی کثرت کی زیادہ تلقین کرتے ہیں۔

۹۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللهِ فِی السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِی الْغَضَبِ وَالرِّضَا، وَالْقَصْدِ فِی الْفَقْرِ وَالْغِنَا وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ يَّكُوْنَ صَمْتِیْ فِكْرًا وَّ نُطْقِیْ ذِكْرًا وَّنَظَرِیْ عِبْرَةً وَّاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِيْلَ بِالْمَعْرُوْفِ۔** (رواہ رزین)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے میرے پروردگار نے اِن نو(۹) باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے۔ ایک اللہ سے ڈرنا خلوت میں اور جلوت میں۔ اور عدل وانصاف کی بات کہنا غصہ میں اور رضامندی میں (یعنی ایسا نہ ہو کہ جب کسی سے ناراضی اور اُس پر غصہ ہو تو اُسکی حق تلفی اور اُس کے ساتھ بے انصافی کی جائے، اور جب کسی سے دوستی اور رضامندی میں ہو تو اُس کی بے جا حمایت اور طرف داری کی جائے، بلکہ ہر حال میں عدل وانصاف اور اعتدال کی راہ پر چلا جائے) اور حکم فرمایا میانہ روی پر قائم رہنے کا، غریبی وناداری وفراخ دستی ودولت مندی کی دونوں حالتوں میں (یعنی جب اللہ تعالیٰ ناداری اور غریبی میں مبتلا کرے تو بے صبری اور پریشاں حالی کا اظہار نہ ہو) اور جب وہ فراخ دستی اور خوشحالی نصیب فرمائے، تو بندہ اپنی حقیقت کو بھول کر غرور اور سرکشی میں مبتلا نہ ہو جائے۔ الغرض ان دونوں امتحانی حالتوں میں افراط وتفریط سے بچا جائے، اور اپنی روش درمیانی رکھی جائے، یہی وہ میانہ روی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے۔ (آگے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) اور مجھے حکم فرمایا کہ میں ان اہل قرابت کے ساتھ بھی رشتہ جوڑوں اور ان کے حقوقِ قرابت اچھی طرح ادا کروں جو مجھ سے رشتۂ قرابت توڑیں اور میرے ساتھ بدسلوکی کریں، اور یہ کہ میں اُن لوگوں کو بھی دوں جنہوں نے مجھے محروم رکھا ہو، اور میرا حق مجھے نہ دیا ہو، اور یہ کہ میں ان لوگوں کو معاف کردوں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہو اور مجھے ستایا ہو، اور مجھے حکم دیا ہے کہ میری خاموشی میں تفکر ہو (یعنی جس وقت میں خاموش ہوں تو اُس وقت سوچنے کی چیزیں سوچوں، اور جو چیزیں قابل تفکر ہیں اُن میں غور وتفکر کروں، مثلاً اللہ کی صفات اور اس کی آیات، اور مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیا ہے، اور اس کا مجھے کیا حکم ہے، اور میرا معاملہ اللہ کے ساتھ اور اس کے احکام کے ساتھ کیا ہے اور کیا ہونا چاہئے، اور میرا انجام کیا ہونے والا ہے، اور مثلاً یہ کہ اللہ کے غافل بندوں کو کس طرح اللہ سے جوڑا جائے، الغرض خاموشی میں اس طرح کا تفکر ہو)۔ اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میری گفتگو ذکر ہو (یعنی میں جب بھی بولوں اور جو بھی بولوں اُس کا اللہ سے تعلق ہو، خواہ اس طرح کہ وہ اللہ کی ثناوصفت ہو، یا اُس کے احکام کی تعلیم وتبلیغ ہو، یا اس طرح کہ اس میں اللہ کے احکام اور حدود کی رعایت اور نگہداشت ہو، ان سب صورتوں میں جو گفتگو ہوگی وہ "ذکر" کے قبیل سے ہوگی) اور مجھے حکم ہے کہ میری نظر عبرت والی ہو، (یعنی میں جس چیز کو دیکھوں اس سے سبق اور عبرت حاصل کروں) اور لوگوں کو حکم کروں اچھی باتوں کا۔ (رزین)

تشریح ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن میں ہوچکی ہے۔ صرف ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، کہ حدیث کا آخری جز (وامر بالمعروف) اُن نو باتوں کے علاوہ ہے، گویا حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے وہ خاص نو حکم بیان فرمانے کے بعد جو آپ اس موقع پر بیان فرمانا چاہتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ایک اور اہم حکم بھی بیان فرمادیا جس کے لئے آپ نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے خاص طور سے مامور ہیں، اور وہ آپ کا خاص الخاص فرضِ منصبی ہے، یعنی "امر بالمعروف" جس میں نہی عن المنکر بھی داخل ہے، کیونکہ وہ دراصل امر بالمعروف ہی کی

منفی صورت ہے۔ یہ حدیث اور اس سے پہلی حدیث بھی بڑی اہم تعلیمات کی جامع ہیں، اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر عمل نصیب فرمادیں، تو اصلاح و تزکیہ کے لئے یہی دو حدیثیں کافی ہیں۔

۹۷) **عَنْ مَعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ قَالَ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰہِ شَيْئًا وَّاِنْ قُتِلْتَ وَ حُرِّقْتَ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَ مَالِكَ، وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰہِ، وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَاْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ، وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ، وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِي اللّٰہِ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایااللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگرچہ تم کو قتل کر دیا جائے اور جلاڈالا جائے۔ اور اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو، اگرچہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومنال چھوڑ کے نکل جاؤ۔ اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔ اور ہرگز کبھی شراب نہ پیو، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ بنیاد ہے، (اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو، اگرچہ کُشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو، اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو تم وہیں جمے رہو، (جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو) اور اپنے اہل وعیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو (نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے اُن کو تکلیف ہو، اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔ اور ادب دینے کیلئے اُن پر (حسبِ ضرورت وموقع) سختی بھی کیا کرو۔ اور اُن کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔ (مسند احمد)

تشریح...... حدیث اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ تاہم چند باتیں قابل ذکر ہیں، شریعت کا مشہور ومعروف مسئلہ ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کو شرک وکفر پر مجبور کیا جائے اور اندازہ یہ ہو کہ اگر میں انکار پر ہی قائم رہوں گا، تو مار ڈالا جاؤں گا، تو ایسے موقع پر اس کی اجازت ہے، کہ صرف زبان سے شرک وکفر کا اظہار کر کے اُس وقت جان بچالی جائے۔ لیکن عزیمت اور افضل یہ ہے کہ زبان سے بھی شرک وکفر کا اظہار نہ کرے، اگرچہ جان چلی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ چونکہ خواص میں سے تھے، اس لئے حضور ﷺ نے اُن کو نصیحت فرمائی کہ وہ ایسے موقع پر عزیمت ہی پر عمل کریں، اور جان کی پروا نہ کریں۔ اسی طرح والدین کی اطاعت کے بارے میں جو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ اہل وعیال اور اپنا کمایا ہوا سارا مال چھوڑ کے نکل جانے کو کہیں، تب بھی ان کی نافرمانی نہ کرو، یہ

بھی اولیٰ اور افضل کا بیان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ اُنکے سخت سے سخت حکم اور ناگوار سے ناگوار حکم کو بھی مانے، ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے ایسے سخت اور ناواجب مطالبات کا پورا کرنا اولاد پر شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر رضاکارانہ طور پر اولاد ایسا کرے، (اور کسی دوسرے کی اسمیں حق تلفی نہ ہو) تو افضل ہے اور بڑی بلند بات ہے۔

نماز کے متعلق آپ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایک فرض نماز قصداً ترک کی، اُس کیلئے اللہ کا عہد و ذمہ نہیں رہا۔ یہ اُن حدیثوں میں سے ہے جن کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اور بعض دوسرے ائمہ نے تارک صلوٰۃ کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ حاکم اسلام اسکو جو سزا دینا مناسب سمجھے دے اور قید کر دے، اللہ کے عہد و ذمہ کی برأت کی یہ بھی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ عمداً فرض نماز چھوڑنے کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اور یہ گناہ اگر عین کفر نہیں ہے تو قریب بہ کفر ضرور ہے۔ حضورؐ کی اس جامع وصیت کے آخری حصہ کا تعلق اولاد کی خبر گیری اور انکی تادیب و ترہیب سے ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اہم حضور ﷺ کی بالکل آخری وصیت یہ ہے "وَاَخِفْهُمْ فِى اللهِ" یعنی تمہارے ذمہ یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے رہو، اس کیلئے جو تدبیریں بھی کرنی پڑیں وہ گویا ہمارے فرائض میں سے ہیں، اور ہم اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہونگے۔

۹۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ خَرَجَ يَوْماً اِلىٰ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِىْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِىْ شَيْئٌ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَاِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبُوْا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ۔ (رواه ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک دن مسجد نبویؐ میں آئے، وہاں انہوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے دریافت کیا، تمہارے اس رونے کا سبب کیا ہے؟ انہوں نے کہا، کہ مجھے ایک بات رُلا رہی ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی میں نے آپ سے سنا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے اور جس شخص نے اللہ کے کسی دوست سے دشمنی کی تو اُس نے خود اللہ کو جنگ کی دعوت دی اور بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اُن نیکوکار متقی بندوں سے جو ایسے چھپے ہوئے اور نامعروف ہوں کہ جب غائب ہوں تو کوئی انکو تلاش نہ کرے، اور حاضر ہوں تو کوئی اُن کو دعوت دیکر اپنے پاس نہ بُلائے، اُنکے دل ہدایت کے روشن چراغ، نکل جاتے ہیں کالی آندھیوں میں سے۔

(سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جس کو یاد کر کے وہ رو رہے تھے، چند اجزاء پر مشتمل ہے۔
پہلی بات یہ تھی کہ حضور ﷺ نے فرمایا، کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، در حقیقت تنہا یہی بات اُن بندوں کو رلانے کے لئے کافی ہے جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہو، اور وہ شرک کی شناعت و قباحت کو بھی جانتے ہوں۔ کیونکہ خفی اور باریک قسم کے ریا سے بچنا اُن بندوں کیلئے بھی بہت مشکل ہے جو اُس سے بچنے کی فکر اور کوشش بھی کرتے ہیں، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ اپنے عمل کو ریا وغیرہ سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کرتا ہے، لیکن پھر اُس کو محسوس ہوتا ہے کہ ریا کی کچھ لگاوٹ آ ہی گئی، عارفین کا یہ عام حال ہے کہ وہ عمل کرتے ہیں اور بعد میں یہ محسوس کر کے روتے ہیں کہ جس اخلاص کے ساتھ عمل ہونا چاہئے وہ نصیب نہیں ہوا۔ غالباً حضرت معاذ کے اس رونے میں بھی اس احساس کو دخل تھا۔ حضرت معاذ کا بیان ہے، کہ ریا کے متعلق اس انتباہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے دوسری مرتبہ تنبیہ یہ فرمائی تھی کہ جن بندوں کا اللہ سے خاص تعلق ہو اُن کے بارے میں بہت محتاط رہنا چاہئے، جو کوئی اُن خاصانِ خدا سے دشمنی کرتا ہے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کو جنگ کی دعوت دیتا ہے، اور اُس کے غضب اور عذاب سے کھیلنا چاہتا ہے۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یاد رکھو وہ بندے محبوبانِ بارگاہ خداوندی ہیں جو نیکوکار اور تقویٰ شعار ہیں، لیکن اسبابِ شہرت سے بچنے کی وجہ سے کوئی اُن کے اس امتیاز کو جانتا بھی نہیں، وہ ایسے گمنام اور نا معروف ہیں کہ غائب ہوں تو کسی کو اُن کی فکر اور تلاش نہ ہو، اور موجود ہوں تو کوئی اُن کو مدعو نہ کرے، اُن کے دل روشن بلکہ دوسروں کو روشنی دینے والے چراغ ہیں، اور وہ اپنے دل کی اس روشنی کی وجہ سے فتنوں کی سخت سے سخت اندھیریوں میں سے اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھے ہوئے نکل جاتے ہیں۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے میں غالباً ان کے اس احساس کو بھی دخل ہوگا کہ افسوس ہم ایسے گمنام اور نا معروف نہیں رہے، اور ہماری زندگی ایسی غربت اور کسمپرسی کی نہیں رہی، اور ممکن ہے یہ بھی حساس ہو کہ اللہ کے کسی ایسے مستور الحال بندے کی مجھ سے کوئی حق تلفی نہ ہو گئی ہو، اور اُس کو میری ذات سے کوئی ایذا کبھی نہ پہنچ گئی ہو۔

۹۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْحَدِيْثَ بِطُوْلِهٖ اِلٰی اَنْ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْصِنِیْ! قَالَ اُوْصِيْكَ بِتَقْوَی اللّٰهِ فَاِنَّهٗ اَزْيَنُ لِاَمْرِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّهٗ ذِكْرٌ لَكَ فِی السَّمَاءِ وَنُوْرٌ لَكَ فِی الْاَرْضِ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ عَلَيْكَ بِطُوْلِ الصَّمْتِ فَاِنَّهٗ مَطْرَدَةٌ لِلشَّيْطَانِ وَعَوْنٌ لَكَ عَلٰی اَمْرِ دِيْنِكَ قُلْتُ زِدْنِیْ قَالَ اِيَّاكَ وَكَثْرَةَ الضَّحْكِ فَاِنَّهٗ يُمِيْتُ الْقَلْبَ وَ يَذْهَبُ بِنُوْرِ الْوَجْهِ، قُلْتُ

---

[1] اکثر شارحین مشکوۃ نے حدیث کے آخری فقرے "یخرجون من کل غبراء مظلمة" کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ "اللہ کے وہ بندے تاریک اور گرد آلود مکانوں میں سے بر آمد ہوتے ہیں، یعنی اُن کے رہنے کے مکانات اندھیرے اور گرد آلود ہوتے ہیں۔" اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ "غبراء مظلمة" سے مراد فتنوں کی کالی آندھیاں ہیں، اسلئے اس عاجز نے ترجمہ اور تشریح میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم

زِدْنِیْ قَالَ قُلِ الْحَقَّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ لَا تَخَفْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ قُلْتُ زِدْنِیْ! قَالَ لِیَحْجُزْکَ عَنِ النَّاسِ مَاتَعْلَمُ مِنْ نَفْسِکَ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے بعد (یا تو خود حضرت ابوذر نے یا ان سے روایت کرنے والے نیچے کے راوی نے) ایک طویل حدیث بیان کی (جس کو یہاں بیان نہیں کیا گیا ہے) اسی سلسلۂ کلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے وصیت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقوے کی، کیونکہ یہ تقویٰ بہت زیادہ آراستہ کردینے والا اور سنوار دینے والا ہے، تمہارے سارے کاموں کو۔ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! اور وصیت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، تم قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کو لازم پکڑ لو، کیونکہ یہ تلاوت، اور ذکر ذریعہ ہوگا آسمان میں تمہارے ذکر کا، اور اس زمین میں نور ہوگا تمہارے لئے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں میں نے پھر عرض کیا، حضرت مجھے کچھ اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت اختیار کرو، کیونکہ یہ عادت شیطان کو دفع کرنے والی اور دین کے معاملے میں تم کو مدد دینے والی ہے۔ ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: زیادہ ہنسنا چھوڑ دو کیونکہ یہ عادت دل کو مردہ کردیتی ہے، اور آدمی کے چہرے کا نور اس کی وجہ سے جاتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرتؐ! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہمیشہ حق اور سچی بات کہو، اگرچہ (لوگوں کیلئے) ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔ میں نے عرض کیا، مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ، حضرت! مجھے اور نصیحت فرمایئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا تم جو کچھ اپنے نفس اور اپنی ذات کے بارے میں جانتے ہو، چاہئے کہ وہ تم کو باز رکھے دوسروں کے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اکثری عادتِ مبارکہ کے مطابق سب سے پہلی وصیت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو تقوے کی فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ تقویٰ تمہارے سارے کاموں کو بہت مزین اور آراستہ کردینے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آدمی تقوے کو اپنا شعار بنالے، تو اس کی ساری زندگی اطاعت اور بندگی والی زندگی ہوجائے گی، اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی آراستہ ہوجائے گا۔ پھر آپ نے تلاوت قرآن اور ذکر اللہ کی کثرت کی وصیت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کے نتیجہ میں آسمانوں میں یعنی ملاءِ اعلیٰ میں تمہارا ذکر ہوگا۔ چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا میں یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ" (تم مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا) تلاوت و ذکر کی دوسری برکت آپ نے یہ بیان فرمائی کہ اس سے اسی دنیا اور اسی زمین میں ایک نور تم کو حاصل ہوگا، ذکر و تلاوت سے پیدا ہونے والا نور دراصل تو بندہ کے باطن میں پیدا ہوتا ہے، لیکن اسکے آثار ظاہر میں بھی محسوس ہوتے ہیں۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے زیادہ خاموش رہنے کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ ہتھیار ہے جس سے شیطان دفع ہو سکتا ہے، اور دین کے بارے میں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے کہ شیطان آدمی کے دین کو سب سے زیادہ نقصان زبان ہی کے راستے سے پہنچا سکتا ہے، جھوٹ غیبت، بہتان، گالی گلوج، چغل خوری وغیرہ، یہی وہ گناہ ہیں جن میں آدمی سب سے زیادہ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "آدمیوں کو جہنم میں منہ کے بل اُن کے زبانوں کی بیباکیاں ہی ڈلوائیں گی۔" پس ظاہر ہے کہ جو شخص زیادہ خاموش رہنے اور کم بولنے کی عادت ڈال لے، وہ اپنے کو اور اپنے دین کو شیطان کے حملوں سے زیادہ محفوظ رکھ سکے گا۔ واضح رہے کہ زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس بات کے کرنے کی ضرورت نہ ہو اور جس پر آخرت میں ثواب ملنے کی اُمید نہ ہو، اُس سے زبان کو روکا جائے، یہ مطلب نہیں ہے کہ اچھی باتیں بھی نہ کی جائیں۔ کتاب الایمان میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اُسے چاہئے کہ یا تو اچھی بات کرے یا خاموش رہے۔

اسکے بعد آپ نے زیادہ نہ ہنسنے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے، اور چہرہ بے نور ہو جاتا ہے۔ دل کے مر جانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں غفلت اور بے حسی اور ایک طرح کی ظلمت آجاتی ہے، اور اس کا اثر ظاہر پر یہ پڑتا ہے کہ چہرہ پر وہ نور باقی نہیں رہتا جو زندہ اور بیدار دل رکھنے والے اہل ایمان کے چہروں پر ہوتا ہے۔

اس سلسلۂ کلام میں آپ نے سب سے آخری نصیحت حضرت ابو ذر کو یہ فرمائی کہ اپنے عیبوں اور گناہوں کے بارے میں جو کچھ تم جانتے ہو، اُس کی فکر تم کو اتنی ہونی چاہئے کہ دوسرے بندوں کے عیوب و ذنوب کو دیکھنے اور ان کی باتیں کرنے کی تم کو فرصت ہی نہ ہو، بلا شبہ جو بندہ بھی اپنے عیوب اور اپنے گناہوں پر نظر رکھے گا اور اپنے نفس کا ایک سچے مؤمن کی طرح احتساب کرتا رہے گا، اُسے دوسروں کے معائب اور معاصی نظر ہی نہ آئیں گے، اور وہ اپنے ہی کو سب سے زیادہ قصوروار اور گناہ گار سمجھے گا، دوسروں کے عیوب اُن ہی کو زیادہ نظر آتے ہیں جو اپنی فکر سے خالی ہوتے ہیں۔

غافل اند ایں خلق از خود بے خبر لا جرم گویند عیبے یک دگر

۱۰۰) عَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهُ كَتَبَ اِلىٰ عَائِشَةَ اَنِ اكْتُبِىْ اِلَىَّ كِتَابًا تُوْصِيْنِىْ فِيْهِ وَلَا تُكْثِرِىْ فَكَتَبَتْ سَلَامٌ عَلَيْكَ، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ الْتَمَسَ رِضَى اللهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَى النَّاسِ بِسَخَطِ اللهِ وَكَّلَهُ اللهُ اِلَى النَّاسِ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خط لکھا، اور اُنمیں درخواست کی کہ آپ مجھے کچھ نصیحت اور وصیت فرمائیں، لیکن بات مختصر اور جامع ہو، بہت زیادہ نہ ہو۔ تو حضرت اُمّ المؤمنین نے اُن کو یہ مختصر خط لکھا:

سلام ہو تم پر۔ امابعد! میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا ہے، آپ فرماتے تھے جو کوئی اللہ کو راضی کرنا چاہے، لوگوں کو اپنے سے خفا کر کے، تو اللہ مستغنی کردے گا اُس کو لوگوں کی فکر اور بار برداری سے، اور خود اُس کے لئے کافی ہو جائے گا اور جو کوئی بندوں کو راضی کرنا چاہے گا اللہ کو ناراض کر کے، تو اللہ اُس کو سپرد کردے گا لوگوں کے۔ والسلام (جامع ترمذی)

تشریح...... اس دنیا میں رہنے والے انسانوں اور خاص کر وسیع تعلقات اور وسیع ذمہ داریاں رکھنے والے لوگوں کو بکثرت ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ اگر وہ ایسا رویّہ اختیار کریں جس سے اللہ کی رضا کی اُمید ہو، تو بہت سے لوگ خفا ہوتے ہیں، جن سے تعلقات ہیں اور منفعت کی اُمیدیں ہیں، اور جن سے برابر کام نکلتے رہتے ہیں اور اگر وہ ان لوگوں کی منشأ کے مطابق چلتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے ایسے وقت کے لئے اس حدیث میں یہ رہنمائی کی گئی ہے کہ بندہ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا والا رویّہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات و حاجات کا خود کفیل ہو جائے گا، اور بندوں سے جن منافع کی وہ امید رکھتا ہے وہ سب اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوتے رہیں گے۔ لیکن اگر اُس نے رضاءِ الٰہی کی فکر و تلاش کو چھوڑ کر بندوں کو راضی رکھنا چاہا اور اُن کی منشا کے مطابق چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی عنایت و نصرت سے محروم کردیں گے، اور اُن بندوں ہی کے حوالہ کردیں گے جو اپنی ذات سے خود بھی اسی بندہ کی طرح محتاج اور بے بس ہیں۔

حاصل یہ کہ اگر بندہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست اُس کی حاجات و ضروریات کے کفیل ہو جائیں، تو اُسے چاہئے کہ وہ ہر معاملہ میں اللہ کی اور صرف اللہ کی رضاجوئی کو اپنا نصب العین اور اصول حیات بنالے، اور اُس کے قلب مؤمن کی صدا یہ ہو ع

باخدا داریم کار و با خلائق کار نیست

یہ نصیحت اگرچہ لفظوں میں مختصر ہے، لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ معنی و مقصد کے لحاظ سے ایک پورا دفتر ہے۔

معارفُ الحدیث

حصّہ دوم

کتاب الاخلاق

دین میں اخلاق کا درجہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے، اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتلایا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاقِ حسنہ اختیار کرے، اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے، اُن میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (وَيُزَكِّيهِمْ) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے۔ حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے، کہ میں اخلاق کی اصلاح کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ یعنی اصلاحِ اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے، اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوشگواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لئے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا، اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں، تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی۔ یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں، لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی آگ ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حُسنِ اخلاق پر زور دیا ہے اور اُس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہے، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاقِ حسنہ اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بداخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ پہلے ہم قسم اوّل کے آنحضرت ﷺ کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

خوش اخلاقی کی فضیلت و اہمیت

۱۰۱) **عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا۔ (رواه ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہے کہ جس کا ایمان کامل ہوگا، اُس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جس کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے اُس کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا۔ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ہر عمل اور ہر نیکی کیلئے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہے، اسلئے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے، تو وہ حقیقی اخلاق نہیں ہے، بلکہ اخلاق کی صورت ہے، اسلئے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں ہے۔

۱۰۳) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَیْئٍ یُوْضَعُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ۔ (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن مؤمن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اُس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

۱۰۴) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَیْنَةَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ مَا خَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان والبغوی فی شرح السنة عن اسامة بن شریک)

ترجمہ۔ قبیلۂ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اچھے اخلاق"۔ (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے)۔

تشریح ...... ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاقِ حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابۂ کرامؓ جو ان ارشادات کے مخاطب تھے اُن کو رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے، پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف اجزاء رہتے ہیں اُن میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلا شبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے۔ اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص الخاص دخل ہے۔

۱۰۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحبِ ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے اُن لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں، اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا حال یہ ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مؤمن ہو، اور ساتھ ہی اس کو حسن اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو، اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو، لیکن پھر بھی وہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے اُن شب بیداروں عبادت گذاروں کا درجہ پالے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نفلوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

۱۰۶) عَنْ مَعَاذٍ قَالَ كَانَ اٰخِرَ مَا وَصَّانِیْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِیْ فِی الْغَرْزِاَنْ قَالَ يَا مَعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ۔ (رواه مالك)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں اپنی سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا، وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: لوگوں کے لئے اپنے اخلاق کو بہتر بناؤ، یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے اُن کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کیں تھیں جو حضرت معاذؓ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں۔ حضرت معاذؓ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے، اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت ﷺ کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا، اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا، تو اُس وقت آخری نصیحت حضور ﷺ نے مجھ سے یہ فرمائی تھی، کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔

واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو اُن کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہو گی۔ بہر حال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں اُن پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسن اخلاق کے خلاف نہیں ہے۔

ف...... یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ حضرت معاذؓ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اس کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، اور بجائے میرے 'میری مسجد اور میری قبر پر تمہارا گزر ہو۔ اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی، اس لئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضور ﷺ

کی زیارت نصیب نہ ہو گی۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے، پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی، کہ "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَ حَیْثُ کَانُوْا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب رہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذؓ کی واپسی حضور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ہوئی، اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

۱۰۷) عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ۔

(رواه فی الموطا و رواه احمد عن ابی هريرة)

ترجمہ حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہنچادوں۔ (امام مالکؒ نے اس کو اپنی موطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے، اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اس کو حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے)۔

تشریح...... اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح اور مکارم اخلاق کی تکمیل آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں جس تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جز ہے۔

۱۰۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقًا (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں جس کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیمة احسنکم اخلاقا" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن اُن ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہو گی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں) گویا رسول اللہ ﷺ کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حسن اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک دعا بھی پڑھ لیجئے اور اپنے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیا کیجئے۔

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِيْ فَاَحْسِنْ خُلُقِيْ (رواه احمد)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

کرتے تھے: "اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کر دے"۔

ف...... رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاءاللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ دعائیں نقل کی جائیں گی۔ یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجئے۔

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے، اسی میں ہے کہ آپ نے دورانِ نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگیں اُن میں سے ایک دعا یہ بھی تھی:

وَاهْدِنِىْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِىْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّىْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّىْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا، اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے ہٹا دے، ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

یہ حدیثیں حسنِ اخلاق کی فضیلت و اہمیت سے متعلق تھیں، اب آگے مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج ہوں گے جن میں آپ نے خاص خاص اخلاقِ حسنہ کی ترغیب دی ہے، یا بُرے اخلاق سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اچھے اور برے اخلاق

رحمدلی اور بے رحمی

رحمت...... دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اور رحمٰن اور رحیم اسکے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں، اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اُسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

دوسروں پر رحم کھانے والے اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

۱۱۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ... حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لئے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔ (بخاری ومسلم)

تشریح...... اس حدیث میں "الناس" کا لفظ عام ہے، جو مؤمن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے، اور بلا شبہ رحم سب کا حق ہے، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہئے کہ اسکے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو، اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو، تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

۱۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا، زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کریگا۔ (سنن ابی داؤد وجامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لئے رحم ہے۔

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں، آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

ایک شخص پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بخش دیا گیا

۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِیْ بِطَرِيْقٍ اِشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطْشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَاكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطْشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطْشِ مِثْلُ الَّذِیْ كَانَ بَلَغَ بِیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاءَ خُفَّهٗ ثُمَّ اَمْسَكَهٗ بِفِيْهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَلَهٗ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِیْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جا رہا تھا، اُسے سخت پیاس لگی، چلتے چلتے اُسے ایک کنواں ملا، وہ اسکے اندر اُترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا، کنوئیں کے اندر سے نکل کر اُس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے، اُس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی، اور وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اُترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اُس نے اُس کو اپنے منہ سے تھاما، اور کنوئیں سے باہر نکل آیا، اور اُس کتے کو وہ پانی اُس نے پلا دیا، اللہ تعالیٰ نے اُسکی اس رحم دلی اور اس محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اُسکی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ بعض صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ واقعہ سُن کر دریافت کیا، کہ یا رسول اللہ! کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لئے اجر و ثواب ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... بعض اوقات ایک معمولی عمل دل کی خاص کیفیت یا خاص حالات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قبولیت حاصل کر لیتا ہے، اور اُس کا کرنے والا اُسی پر بخش دیا جاتا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اُس کی نوعیت بھی یہی ہے۔ آپ ذرا سوچئے! ایک شخص گرمی کے موسم میں اپنی منزل کی طرف چلا جا رہا ہے، اُس کو پیاس لگی ہے، اسی حالت میں اُس کو ایک کنواں نظر پڑ گیا، لیکن پانی نکالنے کا کوئی سامان رسی ڈول وغیرہ وہاں نہیں ہے اس لئے مجبوراً یہ شخص پانی پینے کے لئے خود ہی کنوئیں میں اتر گیا، وہیں پانی پیا اور نکل آیا، اب اُس کی نظر ایک کتے پر پڑی، جو پیاس کی شدت سے کیچڑ چاٹ رہا تھا، اُسکو اُس کی حالت پر ترس آیا، اور دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ اس کو بھی پانی پلاؤں، اُس وقت ایک طرف اس کی اپنی حالت کا تقاضا یہ ہو گا کہ اپنا راستہ لوں اور منزل پر جلدی پہنچ کے آرام کروں، اور دوسری طرف اُس کے جذبۂ رحم کا داعیہ یہ ہو گا کہ خواہ میرا راستہ کھوٹا ہو، اور خواہ کنوئیں سے پانی نکالنے میں مجھے کیسی ہی محنت و مشقت کرنی پڑے لیکن میں

اللہ کی اس مخلوق کو پیاس کی تکلیف سے نجات دوں، اس کشمکش کے بعد جب اُس نے اپنی طبیعت کے آرام کے تقاضے کے خلاف جذبۂ رحم کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کیا اور کنوئیں میں اُتر کر موزے میں پانی بھر کر اور منہ میں موزا تھام کر محنت و مشقت سے پانی نکال کے لایا، اور اُس پیاسے کتے کو پلایا تو اُس بندہ کی اس خاص حالت اور ادا پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جوش آ گیا، اور اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا گیا۔

الغرض مغفرت و بخشش کے اس فیصلہ کا تعلق صرف کتے کو پانی پلانے کے عمل ہی سے نہ سمجھنا چاہئے، بلکہ جس خاص حالت میں اور جس جذبہ کے ساتھ اُسنے یہ عمل کیا تھا، وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند آیا، اور اسی پر اس بندہ کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کر دیا۔

۱۱۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطاً لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَإِذَا فِيْهِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَ ذَرَفَتْ عَيْنَاهُ فَاَتَاهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِيْ يَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ لَهٗ اَفَلَا تَتَّقِى اللهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِىْ مَلَّكَكَ اللهُ اِيَّاهُ؟ فَاِنَّهٗ شَكٰى اِلَيَّ اَنَّكَ تُجِيْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن جعفرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے، وہاں ایک اونٹ تھا، جب اُس اونٹ نے آپ کو دیکھا، تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اُسکنے نکالی جیسی بچے کے جدا ہونے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے، اور اُسکی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ اُسکے قریب تشریف لے گئے، اور آپ نے اسکی کنوتیوں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اسکا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آئے، اور انہوں نے عرض کیا، حضرت! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارے بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اسکا مالک بنایا ہے، اسنے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اسکو بھوکا رکھتے ہو، اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دکھ پہنچاتے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزانہ طور پر پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے، جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے (وَعُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ) اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی جانوروں کی بات چیت معجزانہ طور پر سمجھ لیتے تھے۔ اس حدیث میں اونٹ کی شکایت کو سمجھنے کا، اور اس سے بعد والی حدیث میں ایک چڑیا کی شکایت کو سمجھنے کا جو ذکر ہے، بظاہر وہ اسی قبیل سے ہے، اور گویا حضور ﷺ کا ایک معجزہ ہے۔ حدیث کی خاص تعلیم یہ ہے کہ جس کے پاس کوئی جانور ہو، اُس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اُس کے کھلانے پلانے سے غافل نہ ہو، اور اُس پر کام کا بوجھ بھی اُس کی قوت سے زیادہ نہ ڈالے۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کی ذمہ داری کو اب کچھ سمجھا ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اب سے قریباً چودہ

سو برس پہلے دنیا کو یہ سکھایا تھا۔

۱۱۴) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَائَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا ؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ــــ وَرَاٰىْ قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَقْنَا هَا فَقَالَ مَنْ حَرَقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے، اس اثناء میں ہماری نظر ایک سرخ چڑیا (غالباً نیل کنٹھ) پر پڑی، جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اُس کے دو بچے بھی تھے ہم نے اُن بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے، آپ نے فرمایا، کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو۔ اور آپ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چیونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگادی تھی۔ آپ نے فرمایا، کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ) ہم نے ہی آگ لگائی ہے۔ آپ نے فرمایا، آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لئے یہ سزاوار نہیں ہے کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔

(سنن ابوداؤد)

تشریح...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتی کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہے کہ اُن کو بلاوجہ نہ ستایا جائے۔

۱۱۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: ایک بے درد اور بے رحم عورت اسلئے جہنم میں گرائی گئی کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اُسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اُسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... حضرت جابرؓ کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے درد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت ﷺ نے شبِ معراج میں یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بے دردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

۱۱۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔ (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ۔۔۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابو القاسم ﷺ سے سُنا ہے، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بد بخت کے دل سے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بد بخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بد بخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

۱۱۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ۔ (رواه احمد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوت قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو، اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح...... سخت دلی اور سنگ دلی ایک روحانی مرض اور انسان کی بد بختی کی نشانی ہے، سائل نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے دل اور اپنی روح کی اس بیماری کا حال عرض کر کے آپ سے علاج دریافت کیا تھا، آپ نے ان کو دو باتوں کی ہدایت فرمائی، ایک یہ کہ یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا کرو، اور دوسرے یہ کہ بھوکے فقیر مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا یہ علاج علم النفس کے ایک خاص اصول پر مبنی ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد سے اُس اصول کی تائید و توثیق ہوتی ہے، وہ اصول یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے نفس یا قلب میں کوئی خاص کیفیت نہ ہو، اور وہ اس کو پیدا کرنا چاہے، تو ایک تدبیر اُس کی یہ بھی ہے کہ اُس کیفیت کے آثار اور لوازم کو وہ اختیار کر لے، انشاءاللہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کیفیت بھی نصیب ہو جائے گی۔ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لئے کثرت ذکر کا طریقہ جو حضرات صوفیہ کرام میں رائج ہے، اُس کی بنیاد بھی اسی اصول پر ہے۔

بہر حال یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور مسکین کو کھانا کھلانا در اصل جذبۂ رحم کے آثار میں سے ہے، لیکن جب کسی کا دل اس جذبہ سے خالی ہو، وہ اگر یہ عمل بہ تکلّف ہی کرنے لگے، تو انشاءاللہ اُسکے قلب میں بھی رحم کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔

سخاوت اور بخل

سخاوت، یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا، اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے، جس طرح بخل اور کنجوسی، یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا، اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک

خاص صورت ہے۔ان دونوں کے بارہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سنئے:

۱۱۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِّنَ اللهِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ بَعِیْدٌ مِّنَ النَّارِ ۔ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللهِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِیْبٌ مِّنَ النَّارِ وَالْجَاهِلُ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور اُسکے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے۔ اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور، یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے، اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے (کیونکہ اسکی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بےتعلق رہتے ہیں) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے، اور بلا شبہ ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

۱۱۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ منشور ازلی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مندوں پر صرف کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے اُن کو برابر عطا فرماتا رہے گا، اور وہ ہمیشہ فقر وفاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

۱۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَا سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... یعنی رسول اللہ ﷺ کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا، تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

۱۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ عِنْدِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَ عِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهُ لِدَیْنٍ۔
(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا ہو، تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گذریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو، بجز اس کے کہ میں کسی قرض کی ادائیگی کے لئے اس میں سے کچھ روک لوں۔ (بخاری و مسلم)

۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔ (رواه النسائی)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے (یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔ (سنن نسائی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہے کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا، اور جس میں بخل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے۔ ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کیلئے کی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

۱۲۳) عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خِبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: دھوکہ باز، بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں بُری خصلتیں (دھوکہ بازی، کنجوسی اور احسان کر کے جتانا) اُن خطرناک اور تباہ کن عادات میں سے ہیں جو جنت کے راستے میں رکاوٹ بننے والی ہیں، اس لئے جو بندے جنت کے شائق اور دوزخ سے خائف ہوں، اُنکو چاہئے کہ ان عادتوں سے اپنی حفاظت کریں۔

انتقام نہ لینا اور معاف کر دینا

رحم دلی کی جڑ سے جو شاخیں پھوٹتی ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے مجرم اور قصور وار کو معاف کر دیا جائے، اور اس سے انتقام نہ لیا جائے، رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کو بھی اس کی خاص طور سے ترغیب دیتے تھے۔ چند ہی ورق پہلے "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے، اور اُن میں سے ایک بات آپ نے یہ ذکر فرمائی، کہ مجھے حکم ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے، میں اُس کو معاف کر دیا کروں۔ اس سلسلہ کی ایک دو حدیثیں یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔

۱۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَتَمَ اَبَا بَكْرٍ وَالنَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ يَتَعَجَّبُ وَيَتَبَسَّمُ

فَلَمَّا اَكْثَرَ رَدَّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَامَ فَلَحِقَهُ اَبُوْ بَكْرٍ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَانَ يَشْتِمُنِىْ وَاَنْتَ جَالِسٌ فَلَمَّا رَدَدْتُّ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ غَضِبْتَ وَقُمْتَ قَالَ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَلَيْهِ فَلَمَّا رَدَدْتَّ عَلَيْهِ وَقَعَ الشَّيْطَانُ، ثُمَّ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ ثَلٰثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلِمَةٍ فَيُغْضِىْ عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا اَعَزَّ اللهُ بِهَا نَصْرَهٗ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُرِيْدُ بِهَا صِلَةً اِلَّا زَادَ اللهُ بِهَا كَثْرَةً ، وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ يُرِيْدُ بِهَا كَثْرَةً اِلَّا زَادَ اللهُ بِهَا قِلَّةً۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، (اور آپ اس شخص کے مسلسل گالیاں دینے پر اور ابو بکرؓ کے صبر کرنے اور خاموش رہنے پر) تعجب اور تبسم فرمارہے تھے، پھر جب اُس آدمی نے بہت ہی زیادہ گالیاں دی (اور زبان کو روکا ہی نہیں) تو ابو بکر نے بھی اُس کی بعض باتوں کو اُس پر اُلٹ دیا اور کچھ جواب دیا، پس رسول اللہ ﷺ کچھ ناراضی کے ساتھ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے (حضرت ابو بکرؓ کو اس سے بہت فکر لاحق ہوئی، اور وہ بھی معذرت کے لئے اور حضور ﷺ کی ناراضی کا سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے پیچھے چلے)۔ پس ابو بکرؓ آپ ﷺ کے پاس پہنچے اور عرض کیا، یارسول اللہ! (یہ کیا بات ہوئی کہ) وہ شخص مجھے گالیاں دیتا رہا اور آپ وہاں تشریف فرمارہے، پھر جب میں نے کچھ جواب دیا، تو حضور ناراض ہو کر اٹھ آئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جب تک تم خاموش تھے، اور صبر کر رہے تھے تمہارے ساتھ اللہ کا ایک فرشتہ تھا، جو تمہاری طرف سے جواب دہی کر رہا تھا، پھر جب تم نے خود جواب دیا، تو (وہ فرشتہ تو چلا گیا، اور) شیطان بیچ میں آگیا (کیونکہ اُسے امید ہوگئی کہ وہ لڑائی کو اور آگے بڑھا سکے گا)۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اے ابو بکر! تین باتیں ہیں جو سب کی سب بالکل حق ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ جس بندہ پر کوئی ظلم و زیادتی کی جائے اور وہ محض اللہ عزو جل کے لئے اس سے درگزر کرے (اور انتقام نہ لے) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی بھرپور مدد فرمائیں گے (دنیا اور آخرت میں اُس کو عزت دیں گے)۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص صلۂ رحمی کے لئے دوسروں کو دینے کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عوض اُس کو اور بہت زیادہ دیں گے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جو آدمی (ضرورت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) اپنی دولت بڑھانے کیلئے سوال اور گداگری کا دروازہ کھولے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کی دولت کو اور زیادہ کم کر دیں گے۔ (مسند احمد)

تشریح...... انصاف کے ساتھ ظلم کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے، لیکن فضیلت اور عزیمت کی بات یہی ہے کہ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود محض اللہ کے لئے معاف کر دے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ اخص الخواص میں سے تھے، اس لئے آپ نے اُنکی طرف سے تھوڑی سی جوابدہی کو بھی پسند نہیں فرمایا۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ (شوریٰ ۴۲: ۴۰)

اور برائی کا (قانونی) بدلہ اُسی کی مثل برائی ہے (یعنی جس درجہ کی زیادتی کسی نے کی، اُس کے بدلے میں اس کے ساتھ اسی درجہ کی زیادتی کی قانوناً اجازت ہے لیکن اللہ کا جو بندہ انتقام نہ لے اور معاف کردے اور صلح واصلاح کی کوشش کرے، تو اسکا خاص اجر وثواب اللہ کے ذمہ ہے۔

۱۲۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسَى بْنُ عِمْرَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ مَنْ اَعَزُّ عِبَادَكَ عِنْدَكَ قَالَ مَنْ اِذَا قَدَرَ غَفَرَ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا، پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ بندے جو (قصوروار پر) قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کردیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ قصوروار کا قصور معاف کرنے کی اس فضیلت کا تعلق افراد و اشخاص اور ان کے ذاتی اور نجی حقوق و معاملات سے ہے، لیکن جو جرائم اللہ تعالیٰ کے جرائم ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر سزا مقرر ہے، اُس سزا کے معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ جو دنیا میں سب سے زیادہ رحمدل تھے، آپ کا طرز عمل بھی یہی تھا کہ اپنا قصور کرنیوالوں کو ہمیشہ معاف فرمادیتے تھے۔ لیکن اللہ کی حدوں کے توڑنے والوں کو اللہ کے حکم کے مطابق ضرور سزا دیتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:[1] وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِىْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ

۱۲۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ اَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ قَالَ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، یارسول اللہ! میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے اُسکو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اُسنے پھر وہی عرض کیا، کہ یارسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اگر میرا خادم غلام یا نوکر بار بار قصور کرے، تو کہاں تک میں اس کو معاف کروں، اور کتنی دفعہ معاف کرنے کے بعد میں اس کو سزا دوں؟ آپ نے جواب دیا کہ:

---

[1] مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی کسی کو کوئی سزا نہیں دی، لیکن جب اللہ کی حدوں کو کوئی توڑتا تو آپ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے سزا دیتے تھے۔

اگر بالفرض روزانہ ستر دفعہ بھی وہ قصور کرے، تو تم اس کو معاف ہی کرتے رہو۔ حضور ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ قصور کا معاف کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسکی حد مقرر کی جائے، بلکہ حسن اخلاق اور ترحم کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالفرض وہ روزانہ ستر دفعہ بھی قصور کرے تو اسکو معاف ہی کر دیا جائے۔

ف...... جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے، ستر کا عدد ایسے موقعوں پر تحدید کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف تکثیر کے لئے ہوتا ہے، اور خاص کر اس حدیث میں یہ بات بہت ہی واضح ہے۔

احسان

رحم ہی کی شاخوں میں سے، یا یوں کہہ لیجئے کہ رحم کے ثمروں میں سے احسان کی صفت بھی ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے ساتھ اپنی طرف سے بھلائی کی جائے خواہ اس طرح کہ اُسکو کوئی چیز بطور تحفہ دی جائے یا اُسکا کوئی کام کر دیا جائے، اُسکو آرام پہنچایا جائے، یا کوئی ایسا کام کیا جائے جو اس کیلئے خوشی اور مسرت کا باعث ہو، یہ سب صورتیں احسان کی ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے امت کو ان سب کی ترغیب دی ہے۔

١٢٧) عَنْ اَنَسٍ وَ عَبْدِ اللهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت انس اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے (یعنی سب مخلوق کی روزی اور اُن کی ضروریات حیات کا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی کفیل ہے، جس طرح کہ کوئی آدمی اپنے اہل و عیال کی روزی اور اُن کی ضروریات کا مجازاً کفیل ہوتا ہے) پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان کریں۔

تشریح...... ہماری اس دنیا کا دستور بھی یہی ہے کہ جو کوئی کسی کے اہل و عیال کے ساتھ احسان کرے اُس کے لئے دل میں خاص جگہ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہی ہے کہ جو کوئی اُن کی مخلوق کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے (جس کی مختلف صورتیں اوپر ذکر کی جا چکی ہیں) وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو جاتا ہے۔

ف...... یہ بات پہلے بھی بار بار ذکر کی جا چکی ہے، اور یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف اُن بندوں سے ہوتا ہے جو کسی ایسے سنگین جرم کے مجرم نہ ہوں جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محبت سے بالکل ہی محروم کر دیتا ہو۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اعلان کرتا ہے کہ جو کوئی میری رعایا کی ساتھ اچھا سلوک کرے گا وہ میری محبت کا مستحق ہوگا، اور میں اُس کو انعامات سے نوازوں گا، تو ظاہر ہے کہ جو لوگ خود اس بادشاہ کے باغی ہونگے یا دوسرے ناقابلِ معافی جرائم بطور پیشہ کے کرتے ہوں، (مثلاً قتل و غارتگری، ڈاکہ

زنی وغیرہ) وہ اگر رعایا کے کچھ افراد کے ساتھ بڑے سے برا سلوک بھی کریں، تب بھی وہ اس اعلان کی بنیاد پر بادشاہ کی محبت اور انعام کے مستحق نہیں ہوں گے، اور یہی کہا جائے گا کہ اس شاہی فرمان کا تعلق ایسے باغیوں اور پیشہ ور مجرموں سے نہیں ہے۔

۱۲۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا وَ اِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ... حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو کہ کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گے، اور اگر دوسرے لوگ ظلم کا رویّہ اختیار کریں گے تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس پر پکا کرو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تب بھی تم احسان کرو اور اگر لوگ برا سلوک کریں تب بھی تم ظلم اور برائی کا رویّہ اختیار نہ کرو (بلکہ احسان ہی کرو)۔ (ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ دنیا میں خواہ احسان اور حسن سلوک کا چلن ہو یا ظلم اور بد سلوکی کا دور دورہ ہو، اہل ایمان کو چاہئے کہ اُن کا رویّہ دوسروں کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہی کا رہے۔ نیز یہ احسان صرف اُن ہی لوگوں کے ساتھ نہ کیا جائے جو ہمارے ساتھ احسان کرتے ہوں، بلکہ جو لوگ ہمارے ساتھ برا سلوک کریں، اُن کے ساتھ بھی ہم احسان ہی کا رویّہ رکھیں۔ "کتاب الرقاق" کے آخر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے میرے پروردگار کا حکم ہے کہ جو مجھ سے قطع رحم کرے میں اُس کے ساتھ صلۂ رحمی کروں، اور جو مجھے نہ دے، جب میرے لئے دینے کا وقت آئے تو میں اُس کو بھی دوں"۔

۱۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَضٰى لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِىْ حَاجَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِىْ وَمَنْ سَرَّنِىْ فَقَدْ سَرَّ اللهَ وَمَنْ سَرَّ اللهَ اَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ ۔

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے میرے کسی امتی کی کوئی حاجت پوری کر دی اُس کا دل خوش کرنے کے لئے تو اُس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اُس نے میرے اللہ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ کو خوش کیا، اللہ اُس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔
(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کو اپنے امتیوں کے ساتھ جو خاص تعلق ہے، اُس کا اندازہ اس حدیث سے بھی کیا جا سکتا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے کہ آپ کے کسی امتی کو خوش کرنے کیلئے اُس کا کوئی کام کر دینا اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خود رسول اللہ ﷺ کو خوش کرنے والا عمل ہے، اور اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی خوشی

اور جنت ہے۔

۱۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّاعِىْ عَلَى الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالسَّاعِىْ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَاَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجتمند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو، وہ اجر و ثواب میں اُس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ راوی کہتے ہیں، اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ۔ اور اُس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اُس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ کے رہتا ہی نہ ہو۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا، احسان خواہ کسی قسم کا اور اللہ کی کسی مخلوق کے ساتھ کیا جائے، وہ اللہ کو راضی کرنے والا عمل ہے، لیکن خاص کر کسی بے سہارا عورت اور کسی مسکین بندہ کی مدد کے لئے اور اُس کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرنا اتنا اونچا عمل ہے کہ اسکے کرنے والے بندے اجر و ثواب میں اُن بندوں کے برابر ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوں، یا جو صائم النہار اور قائم اللیل ہوں۔

چھوٹے سے چھوٹے احسان کی بھی اللہ کے نزدیک بڑی قیمت ہے

۱۳۱) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يُحَقِّرَنَّ اَحَدُكُمْ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَلْقَ اَخَاهُ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاِذَا اشْتَرَيْتَ لَحْمًا اَوْ طَبَخْتَ قِدْرًا فَاَكْثِرْ مَرَقَتَهُ وَاغْرِفْ لِجَارِكَ مِنْهُ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر نہ سمجھے، پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لئے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اُس سے ملاقات کرے (یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے) اور جب تم گوشت خریدو یا ہانڈی پکاؤ تو اُس میں شوربا بڑھا دیا کرو، پھر چمچہ بھر اُس میں سے اپنے پڑوسی کے لئے بھی نکالا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کرے حسب استطاعت اُن کو تحفے دیا کرے، اور اگر تحفہ دینے کیلئے کوئی زیادہ بڑھیا چیز نہ ہو تو جو کچھ میسر ہو وہی دیدے، اور اس کو حقیر اور معمولی سمجھ کے دینے سے نہ رُکے، اور اگر کچھ بھی میسر نہ ہو تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی اور خندہ جبینی کے ساتھ اُن سے ملا کرے، یہ بھی حسن سلوک کی ایک صورت ہے،

اور تحفہ تحائف کی طرح اس سے بھی باہمی محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غریب اور نادار آدمی بھی اتنا تو کر ہی سکتا ہے، کہ جب کبھی گھر میں گوشت پکے تو اُس میں شوربا کچھ زیادہ کر لیا جائے، اور کسی پڑوس کے گھر بھی اُس میں سے بھیج دیا جائے۔

دراصل حسن سلوک کی ان آخری صورتوں کا ذکر حضور ﷺ نے بطور مثال کے کیا ہے، ورنہ مطلب یہ ہے کہ جس سے جو ہو سکے وہ دوسروں کے ساتھ احسان کرے۔

۱۳۲) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُحَقِّرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ وَاَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِىْ اِنَاءِ اَخِيْكَ۔** (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم حسن سلوک کی کسی صورت اور کسی قسم کو بھی حقیر مت سمجھو، اور اُس کی ایک صورت (جس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملو، اور یہ بھی (حسن سلوک میں سے ہے) کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں اپنے بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بھی بطور مثال ہی کے کیا گیا ہے، اور مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے بھائی کی جو خدمت اور مدد تم کر سکتے ہو اور اُس کو جو آرام تم پہنچا سکتے ہو، اور جس طرح تم اُس کے کام آ سکتے ہو، اُس میں دریغ نہ کرو، اللہ کی نظر میں یہ سب احسان ہی کی صورتیں ہیں۔

اگر آج رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کیا جائے تو کیسی محبت و مودت کی فضا ہو، اور کیسا بھائی چارہ ہو۔ ان حدیثوں نے یہ بھی بتایا کہ کسی پر احسان کرنا دولتمندی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں غربا بھی اپنی غربت اور ناداری کے ساتھ امیروں کے شریک ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قیمتی ہدایات کی قدر کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ہم سب کو توفیق دے۔

ایثار

احسان کا ایک اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک چیز کا خود ضرورت مند ہو، لیکن جب کوئی دوسرا حاجتمند اُس کے سامنے آ جائے تو وہ چیز اُس کو دیدے، اور خود تکلیف اٹھالے، اسی کا نام ایثار ہے، اور بلا شبہ انسانی اخلاق میں اس کا مقام بہت بلند ہے، رسول اللہ ﷺ کا خود اپنا طرزِ عمل بھی یہی تھا، اور دوسروں کو بھی آپ اس کی تعلیم اور ترغیب دیتے تھے۔

۱۳۳) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ تْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبُرْدَةٍ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَكْسُوْكَ هٰذِهٖ فَاَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا اِلَيْهَا فَلَبِسَهَا فَرَاٰهَا عَلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا اَحْسَنَ هٰذِهٖ فَاَكْسُنِيْهَا فَقَالَ نَعَمْ فَلَمَّا قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَامَهٗ اَصْحَابُهٗ قَالَ مَا اَحْسَنْتَ حِيْنَ رَاَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ**

وَسَلَّمَ اَخَذَهَا مُحْتَاجًا اِلَيْهَا ثُمَّ سَاَلْتَهُ اِيَّاهَا وَقَدْ عَرَفْتَ اَنَّهُ لَا يُسْأَلُ شَيْئًا فَيَمْنَعَهُ فَقَالَ رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلِّيْ اُكَفَّنُ فِيْهَا ۔ (رواه البخارى)

ترجمہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک چادر (ہدیہ کے طور پر) لے کر آئی، اور عرض کیا کہ حضرت! میں یہ چادر آپ کو اوڑھانا چاہتی ہوں۔ آپ نے وہ چادر قبول فرما کر اوڑھ لی، اور آپ کی حالت یہ تھی کہ اُس وقت آپ کو اس کی ضرورت تھی۔ آپ کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے آپ کو وہ چادر اوڑھے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ یہ چادر تو بہت ہی اچھی ہے، یہ تو مجھے عنایت فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا (اور وہ چادر اُسی وقت اُتار کر اُن صاحب کو دیدی) پھر جب رسول اللہ ﷺ اُس مجلس سے اٹھ گئے، تو بعض ساتھیوں نے ان صاحب کو ملامت کی، اور کہا: تم نے یہ اچھا نہیں کیا، تم نے دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو خود اس کی ضرورت تھی، اور آپ نے حاجتمندی کی حالت میں یہ چادر اس خاتون سے قبول کی تھی، اس کے باوجود تم نے حضورؐ سے اس کو مانگ لیا، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جو چیز بھی آپ سے مانگی جائے، آپ اس کو دے ہی دیتے ہیں۔ اُن صاحب نے عرض کیا: میں نے تو برکت کے خیال سے ایسا کیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو پہن لیا تھا، اب مجھے اُمید ہے کہ یہی مبارک چادر میرا کفن بنے گی۔ (صحیح بخاری)

۱۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّىْ مَجْهُوْدٌ فَاَرْسَلَ اِلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ فَقَالَتْ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عِنْدِىْ اِلَّا مَاءٌ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰى اُخْرٰى فَقَالَتْ مِثْلَ ذَالِكَ وَقُلْنَ كُلُّهُنَّ مِثْلَ ذَالِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُضَيِّفُهُ يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُقَالُ لَهُ اَبُوْ طَلْحَةَ فَقَالَ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَانْطَلَقَ بِهٖ اِلٰى رَحْلِهٖ فَقَالَ لِاِمْرَأَتِهٖ هَلْ عِنْدَكِ شَيْئٌ قَالَتْ لَا اِلَّا قُوْتُ صِبْيَانِىْ قَالَ فَعَلِّلِيْهِمْ بِشَيْئٍ وَ نَوِّمِيْهِمْ فَاِذَا دَخَلَ ضَيْفُنَا فَاَرِيْهِ اَنَّا نَاْكُلُ فَاِذَا اَهْوٰى بِيَدِهٖ لِيَاْكُلَ فَقُوْمِىْ اِلَى السِّرَاجِ كَىْ تُصْلِحِيْهِ فَاَطْفِئِيْهِ فَفَعَلَتْ فَقَعَدُوْا وَاَكَلَ الضَّيْفُ وَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ اَوْضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ ۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا، میں بڑا دکھی فقیر ہوں (مجھے بھوک بہت ستا رہی ہے) آپ نے اپنی بعض ازواج مطہرات کے پاس کہلا بھیجا (کہ اگر کھانے کی کوئی چیز ہو، تو ایک ایسے حاجت مند کیلئے بھیج دو) وہاں سے جواب ملا، کہ قسم اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہمارے ہاں اس وقت کھانے پینے کی کوئی چیز پانی کے سوا نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے کسی دوسرے گھر میں کہلا کے بھیجا، وہاں سے بھی

یہی جواب ملا، پھر (یکے بعد دیگرے اپنے سب گھروں میں کہلا کے بھیجا، اور) اُن سب کی طرف سے یہی جواب ملا (کہ اس وقت پانی کے سوا کھانے پینے کی کوئی چیز گھر میں نہیں ہے، اپنے سب گھروں سے یہ جواب ملنے کے بعد) آپ نے صحابہؓ حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا: تم میں سے کون اس بندہ کو اپنا مہمان بنا سکتا ہے، اُس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو گی! انصار میں سے ابو طلحہ نامی ایک شخص کھڑے ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! ان کو میں اپنا مہمان بناتا ہوں۔ چنانچہ وہ اُس حاجت مند شخص کو اپنے گھر لے گئے اور بیوی سے کہا (اس وقت ایک مہمان کے لئے) کیا تمہارے ہاں کچھ ہے؟ بیوی نے جواب دیا، کہ بس اپنے بچوں کا کھانا ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے (یہاں تک کہ میرے اور تمہارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہے)۔ ابو طلحہ نے کہا، تو پھر ایسا کرو کہ اُن بچوں کو کسی چیز سے بہلا کے (بلا کھلائے) سُلادو، اور جب ہمارا مہمان گھر میں آجائے تو (اپنے طرزِ عمل سے) اُس پر یہ ظاہر کرنا اور ایسا دکھانا کہ (اُس کے ساتھ) ہم بھی کھائیں گے، پھر جب وہ کھانے کیلئے ہاتھ بڑھائے (اور کھانا شروع کر دے) تو تم چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے چراغ کے پاس جانا اور اُس کو گُل کر دینا (تا کہ گھر میں اندھیرا ہو جائے اور مہمان یہ نہ دیکھ سکے کہ ہم اُس کے ساتھ کھا رہے ہیں یا نہیں) چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا، پس بیٹھے تو سب لیکن کھانا صرف مہمان ہی نے کھایا، اور ان دونوں میاں بیوی نے بھوکے رہ کر رات گذاری، پھر جب صبح ہوئی تو ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے اُن کا اور اُن کی بیوی کا نام لے کر اُن کو خوش خبری سنائی کہ، اللہ تعالیٰ کو اپنے فلاں بندے اور فلاں بندی کا یہ عمل بہت ہی پسند آیا، اور اللہ تعالیٰ بہت ہی خوش ہوا۔ راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے اس مطلب کے ادا کرنے کے لئے "عَجِبَ اللّٰہُ" کا لفظ بولا تھا یا "ضَحِكَ اللّٰہُ" کا۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت اور آپ کے عملی نمونہ نے صحابہؓ کرامؓ میں ایثار کی یہ صفت جس درجہ میں پیدا کر دی تھی یہ واقعہ اُس کا ایک نمونہ ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے انصار کی اسی صفت اور اسی سیرت کی مدح ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"　　(سورۃ حشر ۵۹:۹)

ابو طلحہؓ انصاری کے اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں جو غیر معمولی قبولیت حاصل ہوئی، اور رضا اور پسندیدگی کا جو خاص الخاص درجہ نصیب ہوا، اُس کو سمجھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بطور مجاز یا استعارہ کے "عَجِبَ" یا "ضَحِكَ" کا لفظ بولا، ورنہ ظاہر ہے کہ حیرت و تعجب کرنا اور ہنسنا، اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ دونوں صفتیں کسی بندہ ہی کی ہو سکتی ہیں۔

اُنس و محبت اور بیگانگی و عداوت

رسول اللہ ﷺ نے اُنس و محبت کو بھی خاص ایمانی صفات میں سے بتلایا ہے اور کیوں نہ ہو، خود آنحضرت ﷺ اُنس و محبت کا ایک پیکر تھے، اور آپ کی ہر خصلت بلا شبہ ایمانی خصلت ہے۔

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ مَالَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَاْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔ (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا، اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔ (مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بندۂ مؤمن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہئے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے، اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں، اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہے تو گویا اس میں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہنچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا سکیں گے۔ اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کے لئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے ہی کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لئے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں۔ البتہ مؤمن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لئے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہئے۔ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض و عداوت

۱۳۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللهِ تَعَالٰى اَلْحُبُّ فِى اللهِ وَالْبُغْضُ فِى اللهِ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو، اور وہ بغض و عداوت ہے جو اللہ کیلئے ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... کسی بندہ کا یہ حال ہو جانا کہ وہ صرف اللہ کے لئے محبت کرے، اور اللہ ہی کیلئے کسی سے بغض رکھے، بلا شبہ بہت اونچا مقام ہے، "کتاب الایمان" میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے فرمایا، کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کے لئے محبت و تعلق جوڑنا، اور اللہ کیلئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔

اللہ کیلئے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے

۱۳۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ۔ (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کیلئے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

تشریح...... یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندے سے، اللہ کیلئے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہے اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کیلئے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں

۱۳۸) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَعَالىٰ وَجَبَتْ مُحَبَّتِىْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِىَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِىَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِىَّ۔ (رواہ مالک)

ترجمہ... حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے اُن لوگوں کے لئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں، اور میری وجہ سے اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں، اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

تشریح...... اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے تحت کر دیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کیلئے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کیلئے بیٹھتے ہیں جس سے ملتے ہیں اللہ کیلئے ملتے ہیں، جو کچھ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضاجوئی کیلئے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کیلئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں، ان سے راضی ہوں' اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ (اے اللہ! ہمیں اپنے اُن بندوں میں سے کر دیجئے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں، تیرے ہی لئے باہم جڑ کے بیٹھتے ہیں، تیرے ہی لئے آپس میں ملتے ہیں، اور تیری ہی رضا کیلئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں)۔

۱۳۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِىْ قَرْيَةٍ اُخْرىٰ فَاَرْصَدَ اللهُ لَهٗ عَلىٰ مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًالِىْ فِىْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّىْ اَحْبَبْتُهٗ فِى اللهِ قَالَ فَاِنِّىْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے، جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا، ملاقات کیلئے چلا، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گذر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا (جب وہ شخص اس مقام سے گذرا تو،) فرشتہ نے اُس سے پوچھا، تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا، میں

اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جارہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا، کیا اُس پر تمہارا کوئی احسان ہے، اور کوئی حقِ نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جارہے ہو۔ اُس بندہ نے کہا، نہیں! میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور مُلاقات کے لئے جارہا ہوں)۔ فرشتہ نے کہا، کہ میں تمہیں بتاتا ہوں، کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے، جیسا کہ تم اللہ کے لئے اُس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہ واقعہ جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے، بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں، اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں، حضرت جبرئیلؑ کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا، اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لئے محبت کرنا اور اس للّٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ فَطُوْبٰى لَهُمْ وَ بُشْرٰى لَهُمْ (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز

۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ لَاُنَاسًا مَاهُمْ بِاَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَغْبِطُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ؟ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَ اَمْوَالٍ يَتَعَاطَوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَاِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَا يَخَافُوْنَ اِذَاخَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُوْنَ اِذَاحَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں، لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقامِ قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمیں بتلا دیجئے، کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روحِ خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی۔ پس قسم ہے خدا کی، ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے بلکہ سراسر نور ہوں گے، اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے، اور عام انسانوں کو جس

وقت خوف وہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے، اور جس وقت عام انسان مبتلائے غم ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے، اور اس موقع پر آپ نے یہ آیت پڑھی: "اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" (معلوم ہونا چاہئے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، اُن کو خوف و غم نہ ہوگا)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے، اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اُس میں اُس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں، مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیے اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جسکی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے، اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ اس درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کم درجے کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے، یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی، لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے، اس لئے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے، بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگانِ خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا۔ حدیث میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے: "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوا بِرُوْحِ اللهِ" اس لفظ رُوْح کو ر کے پیش کے ساتھ رُوْح بھی پڑھا گیا ہے، اور زبر کے ساتھ رَوْح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے، اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنہوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی۔ دین اُس اُخروی زندگی کے لئے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ روح کے بھی ہے، اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے، اور روح کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہوگا۔

حدیث کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنیوالے ان بندگان خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہوگا کہ قیامت کے دن جبکہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہوگا، ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے۔ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ O

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں

۱۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان، کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کیلئے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اس لئے بلند ہوگی کہ اُن بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے، اور سب سُن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لئے محبت کرنیوالوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔ اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے، جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبت ذریعۂ قرب و معیّت

۱۴۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ تَقُوْلُ فِیْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ یَلْحَقْ بِهِمْ فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔
(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہل صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو، تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود اُن بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کیلئے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔ اس سے اگلی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

۱۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ یَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔

(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ ،ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا،یارسول اللہ!ایک آدمی ہے اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہے لیکن وہ اس سے عاجز ہے کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:ابوذر!تم کو جس سے محبت ہوگی تم اُسی کیساتھ ہوگے۔ابوذر نے عرض کیا۔حضرت!مجھے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا پس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہو گے جن سے تم کو محبت ہے۔یہ جواب سُن کر ابوذر نے پھر اپنی بات دُہرائی اور رسول اللہ ﷺ نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

۱۴۴) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ وَیْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:وائے بر حال تو (تو قیامت کا وقت اور اس کے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے، بتلا) تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اُس نے عرض کیا، میں نے اس کے لئے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیقِ الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہے اللہ سے اور اُس کے رسول سے۔ آپ نے فرمایا: تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی معیت نصیب ہوگی۔حدیث کے راوی حضرت انسؓ اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ: میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور ﷺ کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے:

فَمَا فَرِحْنَا بِشَیْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَ عُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِیَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ اَعْمَالَهُمْ

ہم لوگوں کو (یعنی حضورؐ کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ انت مع من احببت "(تم جس سے محبت کرتے ہو اُسی کے ساتھ ہو)" پس میں بحمد اللہ محبت رکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ سے اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اگر چہ میرے اعمال اُن حضرات کے سے نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں:

محبت کی وجہ سے معیت کا مطلب

اوّل یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محبّ و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا، اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا، بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور بلا شبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

محبت کیلئے اطاعت لازم

دوسری بات یہ ہے کہ محبت کیلئے اطاعت لازم ہے، یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت ہو، اور اُسکی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اسکے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں، اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں۔ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے، اور بالکل صحیح فرمایا ہے:

تُعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ ۔۔۔ هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ ۔۔۔ إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعٌ

(یعنی اے محبت کے جھوٹے مدعی! تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے، اور اُس کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ سے یہ بات بہت ہی عجیب ہے، اگر تو دعویٰ محبت میں سچا ہوتا، تو اس کی فرمانبرداری کرتا، کیونکہ ہر محبّ اپنے محبوب کی بات دل و جان سے مانا کرتا ہے)

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کیلئے ان کی اطاعت لازم ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے ع

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ (النساء۴:۶۹)

پس اس آیت اور مندرجۂ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے۔ یہ بات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے.......... حاصل اس کا یہ ہے کہ:

ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد، اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے، اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہنچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہنچا دیئے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو نہ ہو سکے گی، اس لئے آخرت میں حضور ﷺ کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا، یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء ع. ۷)

اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی اور اُس کے رسول کی، پس وہ اللہ کے ان خاص مقرب بندوں کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے یعنی انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین، اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ ﷺ کے اس محبِ صادق کو اور دوسرے تمام اہل محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہے تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کرو گے، اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہو گی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے، اس لئے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ (اے اللہ! ہم کو اپنی اور اپنے رسول کی محبت عطا فرما، اور جن بندوں کی محبت تیرے نزدیک ہمارے لئے نفع بخش ہو، اُن سب کی محبت ہم کو عطا فرما)۔

دینی اخوت اور اسلامی ہمدردی و غمخواری

رسول اللہ ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں، اور آپ کی تعلیم ساری دنیا کیلئے آپ رحمت ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق اور عام انسانوں کے ساتھ ترحم اور حسن سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں اور جو نصیحتیں فرمائی ہیں، اُن میں سے بعض گذشتہ اوراق میں درج کی جاچکی ہیں، لیکن آپ کو اللہ کا پیغمبر ماننے والی امت چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دینی رشتہ کے ذریعہ ایک برادری بنادی گئی ہے، اور اب

رہتی دنیا تک اس برادری ہی کو نبوت کی نیابت اور نمایندگی کرنی ہے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ امت کے مختلف افراد اور عناصر دینی اخوت، للہی محبت، مخلصانہ ہمدردی و خیر خواہی اور بے غرضانہ تعاون کے ذریعہ ایک وحدت بنے رہیں، اور ان کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں اس پر خاص الخاص زور دیا ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے زیادہ تر ارشادات تو وہ ہیں جن کا "معاشرت" کے ابواب میں درج ہونا زیادہ مناسب ہوگا، لیکن دو ایک حدیثوں کا یہاں "اخلاق" کے سلسلہ ہی میں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں باہم کیسی محبت و مؤدّت اور کیسا تعلق ہونا چاہئے

۱۴۵) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكىٰ عَضْوًا تَدَاعىٰ لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اُس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں باہم ایسی محبت و مؤدت، ایسی ہمدردی، اور ایسا دلی تعلق ہونا چاہئے کہ دیکھنے والی ہر آنکھ اُن کو اس حال میں دیکھے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی مصیبت میں مبتلا ہو، تو سب اس کو اپنی مصیبت سمجھیں، اور سب اس کی فکر اور بے چینی میں شریک ہوں۔ اور اگر ایمان کے دعوے کے باوجود یہ بات نہیں ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ حقیقی اور کامل ایمان نصیب نہیں ہے۔ ایمان والوں کی یہی صفت قرآن مجید میں "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" کے مختصر الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۴۶) **عَنْ اَبِىْ مُوْسىٰ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ۔** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، کہ ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں (اور اُن کے جڑے رہنے سے عمارت کھڑی رہتی ہے) پھر آپ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں (اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایک ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں ان میں کوئی خلا نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

باہم نفرت و عداوت و بغض و حسد اور بدگمانی و شماتت وغیرہ کی ممانعت

مندرجۂ بالا حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جس طرح مسلمانوں کو باہم محبت و ہمدردی کا برتاؤ کرنے اور ایک جسم و جان بن کر رہنے کی تاکید فرمائی ہے، اسی طرح اس کے خلاف برتاؤ کرنے، مثلاً ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنے، بدگوئی کرنے، بے تعلق رہنے، اس کی مصیبت پر خوش ہونے، اس کو ایذا پہنچانے، اور حسد یا کینہ رکھنے کی سخت مذمت اور انتہائی تاکیدوں کیساتھ ممانعت فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہ ہیں:

۱۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو، اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو، اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو، نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو، بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں جن جن چیزوں سے ممانعت فرمائی گئی ہے، یہ سب وہ ہیں جو دلوں میں بغض و عداوت پیدا کر کے آپس کے تعلقات کو خراب کرتی ہیں۔ سب سے پہلے آپ نے بدگمانی کا ذکر فرمایا، یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے، جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہو اُس کا حال یہ ہوتا ہے کہ جس کسی سے اس کا ذرا سا اختلاف ہو اُس کے ہر کام میں اس کو بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے، پھر محض اس وہم اور بدگمانی کی بنا پر وہ اس کی طرف بہت سی ان ہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے پھر اس کا اثر قدرتی طور پر ظاہری برتاؤ پر بھی پڑتا ہے، پھر اس دوسرے شخص کی طرف سے بھی اس کا ردِ عمل ہوتا ہے، اور اس طرح دل پھٹ جاتے ہیں، اور تعلقات ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بدگمانی کو "اکذب الحدیث" فرمایا ہے، یعنی سب سے جھوٹی بات، بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے خلاف زبان سے اگر جھوٹی بات کہی جائے تو اس کا سخت گناہ ہونا ہر مسلمان جانتا ہے، لیکن کسی کے متعلق بدگمانی کو اتنی بُری بات نہیں سمجھا جاتا رسول اللہ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ یہ بدگمانی بھی بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا جھوٹ ہے، اور دل کا یہ گناہ زبان والے جھوٹ سے کم نہیں ہے۔

اور جس طرح اس حدیث میں بدگمانی کی شناعت اور قباحت کو ان الفاظ سے ظاہر فرمایا گیا ہے، اُسی طرح ایک دوسری حدیث میں نیک گمانی کو بہترین عبادت بتایا گیا ہے، ارشاد ہے:

"حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ" (رواہ احمد و ابو داؤد عن ابی ہریرۃ)

پھر بد گمانی کے بعد اور جن جن بُری عادتوں سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یعنی کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں رہنا، دوسروں میں عیبوں کا تجسس کرنا، ایک دوسرے پر رفعت حاصل کرنے اور بڑھنے کی کوشش کرنا، کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر اُس پر حسد کرنا، اور اُسکی خوش حالی کو ٹھنڈی آنکھ نہ دیکھ سکنا، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا حال بھی یہی ہے، کہ ان سے دلوں میں نفرت و عداوت کا بیج پڑتا ہے، اور ایمانی تعلق جس محبت و ہمدردی اور جس اخوت و یگانگت کو چاہتا ہے اسکا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔

حدیث کے آخر میں جو فرمایا گیا ہے "اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو کر رہو!" اس میں اشارہ ہے کہ جب تم اپنے دلوں اور سینوں کو نفرت و عداوت پیدا کرنے والی ان بری عادتوں سے صاف رکھو گے تب ہی تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہ سکو گے۔

۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يُحَقِّرُهٗ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا۔ وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ ۔ بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَا لُهٗ وَعِرْضُهٗ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس پر کوئی ظلم و زیادتی نہ کرے (اور جب وہ اس کی مدد و اعانت کا محتاج ہو، تو اس کی مدد کرے) اور اُس کو بے مدد کے نہ چھوڑے، اور اس کو حقیر نہ جانے، اور نہ اُس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کرے (کیا خبر کہ اس کے دل میں تقویٰ ہو، جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک مکرم اور محترم ہو) پھر آپ نے تین بار اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: تقویٰ یہاں ہوتا ہے (ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو اُس کے ظاہری حال سے معمولی آدمی سمجھو، اور اپنے دل کے تقوے کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک محترم ہو، اس لئے کبھی مسلمان کو حقیر نہ سمجھو) آدمی کے برا ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے اور اُس کے ساتھ حقارت سے پیش آئے، مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کیلئے قابل احترام ہے، اُس کا خون، اس کا مال، اور اس کی آبرو (اس لئے ناحق اُس کا خون گرانا، اس کا مال لینا، اور اس کی آبروریزی کرنا، یہ سب حرام ہیں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں ہر مسلمان پر اس کے دوسرے مسلمان بھائی کا ایک یہ حق بھی بتایا گیا ہے کہ جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہو، تو یہ اس کی مدد کرے، لیکن یہ اُسی صورت میں ہے جبکہ وہ حق پر ہو اور مظلوم ہو۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارا بھائی اگر مظلوم ہو تو اُس کی مدد کرو، اور اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے روکو، اُس کو ظلم سے روکنا ہی اُس کی مدد کرنا ہے۔

ایمان والے بندوں کو ستانے والوں اور رُسوا کرنیوالوں کو سخت تنبیہ

۱۴۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادىٰ بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا

مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلىٰ قَلْبِهٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تُعَيِّرُوْهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے، اور آپ نے بلند آواز سے پکارا اور فرمایا، اے وہ لوگو جو زبان سے اسلام لائے ہو اور ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمان بندوں کو ستانے سے اور ان کو عار دلانے اور شرمندہ کرنے، اور اُن کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے پڑنے سے باز رہو، کیونکہ اللہ کا قانون ہے کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا اور اس کو رسوا کرنا چاہے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے عیوب کے پیچھے پڑے گا، اور جس کے عیوب کے پیچھے اللہ تعالیٰ پڑے گا، وہ اس کو ضرور رسوا کرے گا (اور وہ رسوا ہو کے رہے گا) اگرچہ اپنے گھر کے اندر ہی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح۔۔۔۔ جب حقیقی ایمان کسی کے دل میں اتر جاتا ہے تو اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی پر اپنے انجام کی فکر غالب ہو جاتی ہے، اور وہ اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کے بارہ میں محتاط ہو جاتا ہے، خاص کر اللہ کے جو بندے سچے ایمان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑ چکے ہوں ان کے بارے میں اور بھی زیادہ محتاط ہو جاتا ہے، اُن کو ستانے، اُن کا دل دکھانے، ان کی پچھلی برائیوں کا ذکر کر کے اُن کو شرمندہ کرنے اور ان کی زندگی کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کی ٹوہ لگانے سے باز رہتا ہے لیکن اگر دل میں ایمان کی حقیقت نہ اُتری ہو، اور صرف زبان سے اسلام کی باتیں ہوں تو آدمی کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے، وہ اپنی فکر کے بجائے دوسروں کے عیب ڈھونڈتا ہے، خاص کر اللہ کے اُن بندوں کے پیچھے پڑتا ہے جو اللہ کے ساتھ ایمان اور عبدیت کا تعلق قائم کر چکے ہوتے ہیں، اُن کو لوگوں کی نظروں سے گرانا چاہتا ہے، اُن کی غلطیوں کی تشہیر کرتا ہے، اُن کو بدنام اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ایسے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، کہ وہ اس حرکت سے باز آئیں، اللہ کے ایمان والے بندوں کو بدنام کرتے اور اُن کے مقام کو گرانے اور اُن کے چھپے ہوئے کمزور پہلوؤں کو اچھالنے کے مشغلہ کو ترک کریں، ورنہ آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی وہ ذلیل کئے جائیں گے اور ذلت و رسوائی کی مار اُن پر ضرور پڑے گی، اگر بالفرض ذلت و رسوائی سے بچنے کے لئے وہ خانہ نشین ہو کے بھی بیٹھیں گے تو اللہ اُن کو اُن کے گھر کی چہار دیواری ہی میں رسوا کرے گا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنہ پاکاں برد

حسد کے بارے میں خاص انتباہ

۱۵۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ تم حسد کے

مرض سے بہت بچو، حسد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔
(سنن ابی داؤد)

تشریح...... تجربہ بھی شاہد ہے کہ جس کے دل میں حسد کی آگ بھڑکتی ہے وہ اسی کے درپے رہتا ہے کہ جس کی خوشحالی پر اس کو حسد ہے کسی طرح اس کو کوئی نقصان پہنچائے، اس کو بے آبرو کرے، پھر اگر کچھ بس نہیں چلتا، تو اس کی غیبت ہی کر کے دل کی آگ بجھانا چاہتا ہے، اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی دوسری حدیثوں سے معلوم ہوا ہے اس کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہی ہوگا کہ قیامت میں اس غیبت کرنے والے حاسد کی نیکیاں اس محسود بندے کو دلا دی جائیں گی۔ نیکیوں کو حسد کے کھا جانے کی یہ آسان توجیہ ہے۔

۱۵۱) عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگلی امتوں کی مہلک بیماری یعنی حسد و بغض تمہاری طرف چلی آرہی ہے، یہ بالکل صفایا کر دینے والی اور مونڈ دینے والی ہے (پھر اپنا مقصد واضح کرتے ہوئے آپ نے فرمایا) میرے اس کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بالوں کو مونڈنے والی ہے، بلکہ یہ مونڈتی ہے اور بالکل صفایا کر دیتی ہے دین کا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... صحابۂ کرامؓ کے متعلق اللہ علیم و خبیر کی یہ شہادت قرآن مجید میں محفوظ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر شفیق اور مہربان ہیں "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے خاص کرم نے ان کے دل ملا دیئے ہیں، اور وہ پرانے جھگڑوں کو بالکل بھلا کر آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران ۳: ۱۰۳)

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کا یہ خاص انعام ہے، کہ اُس نے تم پر ایمان لانے والوں کے دل ملا دیئے ہیں، اگر تم اس مقصد کے لئے دنیا کی ساری دولت اور سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں یہ الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (انفال ۸: ۶۳)

بہر حال قرآن مجید کی ان واضح شہادتوں سے معلوم ہوا کہ جہاں تک صحابۂ کرامؓ کا تعلق ہے انکے دل ایک دوسرے کی محبت و الفت سے بھر دیئے گئے تھے، اور ان میں باہم بغض و حسد کا نام و نشان بھی نہ تھا، اسلئے اس حدیث "دَبَّ اِلَيْكُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَكُمْ اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ" کا منشا یہی ہو سکتا ہے کہ بعد کے دوروں میں بغض و حسد کی جو مہلک بیماری مسلمانوں میں آنے والی تھی، رسول اللہ ﷺ پر وہ منکشف ہوئی، اور آپ نے امت کو اس آنے والی بلا سے خبردار کیا اور بتلایا کہ بغض و حسد کی جس مہلک بیماری نے اگلی بہت سے امتوں کے دین و ایمان کو برباد کیا وہ میری امت کی طرف بھی چلی آرہی ہے، لہٰذا اللہ کے بندے ہوشیار رہیں، اور اس لعنت سے اپنے دلوں اور سینوں کی حفاظت کی فکر کریں۔

بغض اور کینہ کی نحوست

۱۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْرَضُ اَعْمَالُ النَّاسِ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّتَيْنِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ اِلَّا عَبْدًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَخِيْهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ اُتْرُكُوْا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَفِيْئَا (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر ہفتہ میں دو دن دو شنبہ اور پنجشنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، تو ہر بندۂ مؤمن کی معافی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، سوائے اُن دو آدمیوں کے جو ایک دوسرے سے کینہ رکھتے ہوں، پس اُن کے بارے میں حکم دیدیا جاتا ہے کہ ان دونوں کو چھوڑے رکھو (یعنی ان کی معافی نہ لکھو) جب تک کہ یہ آپس کے اس کینہ اور باہم دشمنی سے باز نہ آئیں اور دلوں کو صاف نہ کر لیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کی تشریح ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کو امام منذری نے ترغیب و ترہیب میں اوسط طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے، اس میں فرمایا گیا ہے، کہ ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں تو جس نے توبہ کی ہوتی ہے اس کی توبہ قبول کی جاتی ہے، لیکن باہم کینہ رکھنے والوں کے اعمال اُن کے کینہ کے سبب لوٹا دیئے جاتے ہیں (یعنی ان کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا فیصلہ بھی نہیں کیا جاتا) جب تک کہ وہ اس سے باز نہ آئیں۔

اس مضمون کی چند اور حدیثیں بھی ہیں، ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان بھائی کے لئے کینہ ہوگا جب تک وہ اس کینہ سے اپنے دل اور سینے کو صاف پاک نہ کر لے، اس وقت تک وہ اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق نہ ہوگا۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O

شماتت کی سزا

۱۵۳) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ بِاَخِيْكَ فَيُعَافِيْهِ اللهُ وَيَبْتَلِيْكَ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت واثلہ ابن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اپنے کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو (اگر ایسا کرو گے تو ہو سکتا ہے کہ) اللہ اُس کو اس مصیبت سے نجات دیدے اور تم کو مبتلا کر دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... جب دو آدمیوں میں اختلاف پیدا ہوتا ہے، اور وہ ترقی کر کے دشمنی اور عداوت کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک کے مبتلائے مصیبت ہونے سے دوسرے کو خوشی ہوتی ہے، اس کو شماتت کہتے ہیں، حسد اور بغض کی طرح یہ خبیث عادت بھی اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ

بسا اوقات دنیا ہی میں اس کی سزا اس طرح دیدیتے ہیں کہ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دے کر اس پر خوش ہونیوالے کو مبتلائے مصیبت کر دیتے ہیں۔

نرم مزاجی اور درشت خوئی

رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کے سلسلہ میں جن باتوں پر خاص طور سے زور دیا ہے، اور آپ کی اخلاقی تعلیم میں جن کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ وہ لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے اور درشتی اور سختی کا رویہ اختیار نہ کرے، اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات یہاں پڑھئے۔

۱۵۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُّحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَالَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاه۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اُس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب بھی ہے (یعنی اُس کو یہ بات پسند ہے کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں، اور بعض لوگ نرم اور مہربان، اور ناآشنایانِ حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے حاصل نہیں کر سکتا، گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کار براری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس غلط خیال کی بھی اصلاح فرمائی ہے۔

سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے، اسکے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا نہ ہونا، اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے، جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے، اور اسکا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اسقدر دیتا ہے جسقدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو، اور اسکے کام پورے کرے، اسکو چاہئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو، اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

۱۵۵) عَنْ جَرِيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جریر سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جو آدمی نرمی کی

صفت سے محروم کیا گیا وہ سارے خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو شخص اس سے محروم رہا، گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا، یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سر چشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہٰذا جو شخص اس سے محروم رہا، وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہیگا۔

۱۵٦) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُعْطِىَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ اُعْطِىَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ (رواه البغوى فى شرح السنة)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کے خیر میں سے حصہ مل گیا اور جسکو نرمی نصیب نہیں ہوئی، وہ دنیا اور آخرت میں خیر کے حصے سے محروم رہا۔

۱۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيْدُ اللهُ بِاَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا اِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحْرِمُهُمْ اِيَّاهُ اِلَّا ضَرَّهُمْ ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کیلئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا، مگر ان کو نفع پہنچاتا ہے اس کے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے انکو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جس گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہے ان کیلئے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے، اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے ان کیلئے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویّہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لئے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرضکہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویّہ سخت ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اس کے لئے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لئے مستقل عذاب ہوگی۔ اور اس کے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویّہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں، پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرضکہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں

کیلئے بھی راحت اور سکون کا باعث ہو گا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودّت پیدا کرے گی اور اکرام و احترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی، اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرے گی، اور حسد و بد خواہی اور جنگ و جدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی۔ سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) انکے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بے حد عظیم الشان اخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں، ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہو گا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات ہمارے لئے کافی ہیں۔

۱۵۸) **عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُ كُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَ بِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ۔** (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کیلئے حرام ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔

تشریح......اس حدیث میں هَيِّنٍ، لَيِّنٍ، قَرِيْبٍ، سَهْلٍ یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف، پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویّہ میں نرم ہو، اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دُور اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اُس سے بے تکلّف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جنتی ہے، اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ ﷺ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرامؓ کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اسلئے اس قسم کی بشارتوں کیساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ (اور بشارت کے موضوع کیلئے یہی مناسب ہے) لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہئے، یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

۱۵۹) **عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْ خُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا**

الْجَعْظَرِیْ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابوداؤد)

تشریح...... حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بُری عادت کی برائی بیان کرنے کے لئے اور لوگوں کو اس سے بچانے کیلئے یہ اندازِ بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت، والا آدمی جنت میں نہ جا سکے گا" اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت، شانِ ایمان کے خلاف اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے، اس لئے جنت کے طلب گار اہل ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہئے۔

حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں، اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ سچے مؤمنین کی طرح اور اُن کے ساتھ جنت میں نہ جا سکیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم مزاجی

۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ بِالْمَدِیْنَۃِ وَاَنَا غُلَامٌ لَیْسَ کُلُّ اَمْرِیْ کَمَا یَشْتَھِیْ صَاحِبِیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَیْہِ مَا قَالَ لِیْ فِیْھَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِیْ لِمَ فَعَلْتَ ھٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ ھٰذَا۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت انس ؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہا، اور میں نوعمر لڑکا تھا، اسلئے میرا ہر کام رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا، (یعنی نوعمری کی وجہ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا، اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا ؟

تشریح...... رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے اُن کو مستقلاً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے آخری روزِ حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور لڑکپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا، اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا۔ بلا شبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے، لیکن ہم امتیوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ یہی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

حلم و بردباری یعنی غصہ نہ کرنا اور غصہ کو پی جانا

رسول اللہ ﷺ نے امت کو جن اخلاق کی تاکید و اہتمام کے ساتھ تعلیم دی ہے اُن میں سے ایک حلم و

بردباری بھی ہے۔

۱۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذَالِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ حضرت! مجھے کوئی وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا، کہ غصہ مت کیا کرو، اُس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی، کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیے، مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے وصیت کی درخواست کرنیوالے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے، اور اس وجہ سے اُن کیلئے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ "غصہ نہ کیا کرو" اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بدانجام عادت ہے۔ غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع اور نقصان کا، تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں نہیں چلتا، گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا، بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور بالکل ہی کڑوا کر دیتا ہے"۔ (یہ حدیث "کتاب الایمان" میں درج کی جا چکی ہے)۔

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہے اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کیلئے اور حق کی بنیاد پر ہو، اور اسمیں حدود سے تجاوز نہ ہو، بلکہ بندہ اسمیں حدود اللہ کا پورا پابند رہے، تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور جلالِ خداوندی کا عکس ہے۔

غصہ میں نفس پر قابو رکھنے والا حقیقی پہلوان ہے

۱۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، پہلوان اور طاقت ور وہ نہیں ہے جو مدمقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور در حقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ: "اَعْدیٰ عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِي بَيْنَ جَنْبَيْكَ" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے، اس لئے فرمایا گیا ہے کہ طاقت ور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار وہی مردِ خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے، اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کراسکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو غیظ، غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہو جانا تو بالکل فطری بات ہے، اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شانِ بندگی کے خلاف ہوں۔

غصہ کے وقت کیا کیا جائے

۱۶۳) عَنْ اَبِي ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَاِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہئے کہ بیٹھ جائے، پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہئے کہ لیٹ جائے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اُن کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

۱۶۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو، اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو، اور جب تم سے کسی کو غصہ آئے تو چاہئے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کر لے، یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(مسند احمد و معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... غصہ کے بُرے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کرلے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا، اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

۱۶۵) عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَاِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَاِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَاِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرلے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے، اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد یاد آجائے، اور اسی وقت اُٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرلیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائیگا۔ اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

اللہ کیلئے غصہ کو پی جانے کی فضیلت اور اُس کا صلہ

۱۶۶) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالىٰ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اُس گھونٹ سے افضل ہو، جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔ (مسند احمد)

تشریح...... غصہ کو پی جانا جسطرح اُردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہے، بلکہ اُردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے۔ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے، لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضاجوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے۔

جن خوش خصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لئے جنت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں اُن کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ

غصہ کو پی جانے والے اور دوسروں کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کردینے والے

۱۶۷) عَنْ سَهْلِ بْنِ مَعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّنَفِّذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ فِىْ اَىِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔ (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ… سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہے (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کیلئے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے، اور جس پر اس کو غصہ ہے اُس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے، اور اس کو اختیار دیں گے کہ حورانِ جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لئے انتخاب کر لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح…… تجربہ شاہد ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے، پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لئے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا، اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے، کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حورانِ جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لئے انتخاب کر لو۔

۱۶۸) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهٗ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ اِعْتَذَرَ اِلَى اللّٰهِ قَبِلَ اللّٰهُ عُذْرَهٗ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ… حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بُری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اس کے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا، اور پی جائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا، اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمادے گا)۔ (شعب الایمان للبیہقی)

حلم و بردباری اللہ کی محبوب صفات میں سے ہے

۱۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ… حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کے سردار اشج سے رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں، ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ طیبہ آیا، اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرف اشج تھا، انہوں نے یہ جلد بازی نہیں کی، بلکہ اتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کئے، اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمتِ نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس رویّہ کو پسند فرمایا، اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں، ایک حلم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا، اور غصہ کے وقت اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اناۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کیساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

ہر کام متانت اور وقار کیساتھ انجام دینے کی فضیلت اور ترغیب

۱۷۰) عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَنَاةُ مِنَ اللّٰهِ وَالْعُجْلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ، کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور اسکے برعکس جلد بازی ایک بُری عادت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

۱۷۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ اَرْبَعٍ وَّ عِشْرِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ۔ عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور انکی ترغیب دینا ہے۔ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں، یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں، ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین

چیزیں ہیں، یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی۔

میانہ روی

"میانہ روی" ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے، اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے، یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گذاری کا ارادہ کیا، یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا، تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی، اور اس سے منع فرمادیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، تو آپ نے انکو اس سے روک دیا، اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔ بہر حال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے۔ "کتاب الرقاق" کی متعدد حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے "اَلْاِقْتِصَادُ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى" کی ترغیب اور تاکید آپ پڑھ چکے ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ تنگدستی اور فراخ دستی دونوں حالتوں میں آدمی اعتدال کی درمیانی چال چلے، اسی کو اس حدیث میں نبوت کا ایک جز بتایا گیا ہے۔

خوش کلامی اور بدزبانی

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دور رس ہوتے ہیں، ان میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے، اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کیساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بُری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے، ذیل کی چند حدیثیں پڑھئے:

۱۷۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ يَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللهُ وَغَضِبَ اللهُ عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ! عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَاِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور انہوں نے (نفس کی خباثت، اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا "اَلسَّامُ عَلَيْكُم" (جو دراصل ایک گالی ہے اور جسکا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اُنکی اس گستاخی کو سُن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے، اور تم پر خدا کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ (ایسی سختی نہیں!) زبان کو روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا، اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

۱۷۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَّلَا لَعَّانٍ وَّلَا فَاحِشٍ وَّلَا بَذِیٍّ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، اور نہ بد گو اور نہ گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن کا مقام یہ ہے اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہئے کہ اس کی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے، کتاب الایمان میں وہ حدیث گذر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی بتلایا گیا ہے۔

۱۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ اِبْنُ الْعَشِيْرَةِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِيْرَةِ ثُمَّ قَالَ ائْذَنُوْا لَهٗ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَهٗ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَنْ وَّدَعَهٗ اَوْ تَرَكَهُ النَّاسُ لِاتِّقَاءِ فُحْشِهٖ. (رواه البخاری و مسلم و ابو داؤد واللفظ له)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت چاہی، آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا بُرا فرزند ہے، یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اُس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی، اور پہلے آپ نے اسی کے بارے میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے قبیلے کا بہت بُرا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا، جسکی بد زبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اسکو چھوڑ دیں (یعنی اس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور بُرا بھی ہو، جب بھی اُس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہئے، ورنہ بد زبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں، اور جس شخص کا یہ حال ہو، وہ اللہ کے نزدیک بہت برا آدمی ہے، اور قیامت کے دن اُس کا حال بہت برا ہوگا۔

اس حدیث کے بارے میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں:

۱) رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے آنے سے پہلے اُس کے بُرے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو

غالباً اس لئے دی تھی کہ وہ اسکے سامنے محتاط ہو کر بات کریں، اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور بُرے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہئے، اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی برائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذكروا الفاجر بما فيه لكى يحذره الناس"۔ (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اُسکا لوگوں سے ذکر کردو، تاکہ اللہ کے بندے اسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)۔ (کنز العمال)

۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور بُرا ہونا معلوم ہو اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہئے، بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ ﷺ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ اِلَيْهِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی برائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہئے صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے۔ "اِنَّا لَنَكْشِرُ فِيْ وُجُوْهِ اَقْوَامٍ وَاِنَّ قُلُوْبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ"۔ یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں، جن کے احوال اور اعمال کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۳) اس حدیث کی ابو داؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، کہ جس آدمی کے بارے میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے، اُس سے آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا "يَا عَائِشَةُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ" یعنی اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا۔" مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم کر دیتی ہے، لہٰذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

۱۷۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ۔ (رواه البخارى)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، کہ آپ نے فرمایا کہ، اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے، جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے)۔

(صحیح بخاری)

تشریح...... یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث کو بھی روایت کیا ہے، اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے۔ کسی کے ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے، اور اللہ کے کسی بندہ کے دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

کم بولنا اور بری اور فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا

دنیا میں جھگڑے اور فسادات زیادہ تر زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو بڑے بڑے گناہ آدمیوں سے بکثرت سرزد ہوتے ہیں ان کا تعلق بھی بیشتر زبان ہی سے ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ اس کی بڑی تاکید فرماتے تھے، کہ زبان کو قابو میں رکھا جائے، اور ہر قسم کی بری باتوں سے بلکہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرنے سے بھی زبان کو روکا جائے، اور جب بات کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو اور بات سے کسی خیر اور نفع کی اُمید نہ ہو، تو خاموش ہی رہا جائے۔ یہ تعلیم رسول اللہ ﷺ کی ان اہم تعلیمات میں سے ہے جن پر آپ نے نجات کا دارومدار بتلایا ہے، اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز، روزہ، حج اور جہاد جیسی عبادات کی نورانیت اور ان کا حسن و قبول بھی زبان کی اسی احتیاط پر موقوف ہے۔

اس بارہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات "کتاب الرقاق" میں گذر چکے ہیں، چند حدیثیں یہاں اور درج کی جاتی ہیں:

۱۷۶) عَنْ مَعَاذٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِى الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِیْ مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ اَمْرٍ عَظِيْمٍ وَاِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَّسَّرَهُ اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِى الزَّكٰوةَ وَ تَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِى الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَاتَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ.......... حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اَدُلُّكَ بِرَاْسِ الْاَمْرِوَعَمُوْدِهٖ وَذُرْوَةُ سَنَامِهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُهُ الصَّلٰوةُ وَذُرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ. ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهٖ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِیَّ اللهِ فَاَخَذَ بِلِسَانِهٖ فَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللهِ وَاِنَّا لَمُؤَا خَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهٖ قَالَ ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ يَا مَعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جس کی وجہ سے میں جنت میں پہنچ جاؤں، اور دوزخ سے دور کر دیا جاؤں، آپ نے فرمایا، تم نے بہت بڑی بات پوچھی ہے، لیکن (بڑی اور بھاری ہونے کے باوجود) وہ اس بندے کے لئے آسان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو آسان کردے (اور توفیق دیدے)۔ لو سنو! (سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی مطالبوں کو فکر اور اہتمام سے ادا کرو) اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور اچھے طریقے (اور دل کی توجہ کے ساتھ) نماز ادا کیا کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو، اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں خیر کے دروازے

بھی بتادوں؟ (گویا جو کچھ اب تک آپ نے بتلایا یہ تو اسلام کے ارکان اور فرائض تھے، اس کے بعد آپ نے فرمایا، کہ تم چاہو تو میں تمہیں خیر کے اور دروازے بتلاؤں! غالباً اس سے آپ کی مراد نفل عبادات تھیں، چنانچہ حضرت معاذؓ کی طلب دیکھ کر آپ نے اُن سے فرمایا) روزہ (گناہوں سے اور دوزخ کی آگ سے بچانے والی) سپر اور ڈھال ہے، اور صدقہ گناہ کو (اور گناہ سے پیدا ہونے والی آگ کو) اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے، اور رات کے درمیانی حصے کی نماز (یعنی نمازِ تہجد کا بھی یہی حال ہے، اور ابواب خیر میں اس کا خاص الخاص مقام ہے) اس کے بعد آپ نے (تہجد اور صدقہ کی فضیلت کے سلسلہ میں) سورۂ سجدہ کی یہ آیت پڑھی :

❶ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں معاملہ کا (یعنی دین کا) سر اور اس کا عُمود یعنی ستون اور اس کی بلند چوٹی بتادوں؟ (معاذؓ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت ضرور بتادیں! آپ نے فرمایا، دین کا سر، یا سرا اسلام ہے، اور اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی بلند چوٹی جہاد ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ چیز بھی بتادوں جس پر گویا ان سب کا مدار ہے (اور جس کے بغیر یہ سب چیزیں ہیچ اور بے وزن ہیں، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضرت وہ چیز بھی ضرور بتلا دیجئے! پس آپ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا، اس کو روکو (یعنی اپنی زبان قابو میں رکھو، یہ چلنے میں بیباک اور بے احتیاط نہ ہو، معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا، حضرت! ہم جو باتیں کرتے ہیں، کیا ان پر بھی ہم سے مواخذہ ہوگا؟ آپ نے عرض فرمایا، اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے (عربی محاورہ کے مطابق یہاں یہ پیار کا کلمہ ہے) آدمیوں کو دوزخ میں ان کے منہ کے بل، یا فرمایا کہ ان کی ناکوں کے بل (زیادہ تر) ان کی زبانوں کی بیباکانہ باتیں ہی ڈلوائیں گی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث میں ارکانِ اسلام کے بعد آپ نے ابوابِ خیر کے عنوان سے روزہ اور صدقہ کا جو ذکر فرمایا ہے، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد نفلی روزہ اور نفلی صدقہ ہے، اور اسی لئے آپ نے اس کے ساتھ نمازِ تہجد کا ذکر فرمایا ہے جو نفل نمازوں میں سب سے افضل ہے۔ پھر آپ نے اسلام کو "راس الامر" یعنی دین کا سر بتلایا ہے، بظاہر یہاں اسلام سے مراد اسلام قبول کرنا اور اس کو اپنا دین بنانا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سارے اچھے عمل کرے، اور اس کے اخلاق و معاملات بھی اچھے ہوں لیکن وہ اسلام کو اپنا دین نہ

❶ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ایمان والے بندوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ راتوں کو وہ اپنے بستروں کو چھوڑ کر خوف اور امید کی کیفیت کیساتھ ہماری عبادت اور ہم سے دعا کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہم نے جو تھوڑا بہت دنیا میں ان کو دیا ہے وہ اس میں سے ہماری راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں (یعنی صدقہ و خیرات کرتے ہیں) ان کے اعمالِ خیر کے صلہ میں دیئے جانے کیلئے جو نعمتیں اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والا جو سامان پردۂ غیب میں رکھا گیا ہے اُس کو کوئی بھی نہیں جانتا، بس اللہ ہی کو اس کا علم ہے۔

بنائے تو اُس کی مثال ایک ایسے جسم کی سی ہے جس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب درست ہوں لیکن سر کٹ گیا ہو، پھر نماز کو آپ نے دین کا ستون بتلایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کوئی مکان بغیر ستون کے قائم نہیں رہ سکتا، اسی طرح بغیر نماز کے دین کا قیام نہیں، پھر آپ نے جہاد کو دین کی بلند ترین چوٹی فرمایا، ظاہر ہے کہ دین کی بلندی اور رفعت جہاد ہی پر موقوف ہے۔ حدیث کا سب سے آخری جز جس کی وجہ سے یہاں اس حدیث کو درج کیا گیا ہے، یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ان سب چیزوں کا دارومدار اس پر ہے کہ آدمی اپنی زبان کی حفاظت کرے، یعنی زبان کی بیباکیاں ان سب اعمالِ حسنہ کو بے وزن اور بے نور کر دیتی ہیں۔ پھر جب حضرت معاذ کو یہ سن کر تعجب ہوا، اور انہوں نے دریافت کیا کہ کیا باتوں پر بھی ہماری پکڑ ہو گی؟ تو آپ نے فرمایا آدمی جہنم میں اوندھے منہ زیادہ تر زبان ہی کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔ آج بھی ہر دیکھنے والا بچشم خود دیکھ سکتا ہے کہ جو بڑے بڑے گناہ وبا کی طرح عام ہیں اور جن سے بچنے والے بہت ہی کم ہیں، ان کا تعلق زیادہ تر زبان و دہن ہی سے ہے ۔

ہرچہ بر آدمی برسد ز زیاں ہمہ از آفت زباں برسد

۱۷۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ رَفَعَهُ قَالَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی صبح کرتا ہے تو اسکے سارے اعضاء عاجزی اور لجاحت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیونکہ ہم تو تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں، تو ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے، اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اسکا خمیازہ بھگتیں گے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ انسان کے ظاہری اعضا میں سے زیادہ تر زبان ہی کی غلط روی لوگوں کے جہنم میں ڈالے جانے کا باعث ہو گی۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر روز انسان کے سارے اعضاء بزبانِ حال یا بزبانِ قال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے اسلئے ہم پر رحم کر اور خدا سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

ایک دوسری مشہور حدیث میں اعضاء انسانی میں سے قلب کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ "اذا صلح صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام جسم اور اس کے سارے اعضاء کا صلاح و فساد اس کے قلب کے صلاح و فساد سے وابستہ ہے) لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، اصل تو قلب ہی ہے لیکن ظاہری اعضاء میں چونکہ زبان ہی اس

کی خاص ترجمان ہے، اس لئے دونوں کی نوعیت یہی ہے، کہ اگر یہ ٹھیک ہیں تو خیریت ہے اور اگر ان میں فساد و رکجی ہے تو پھر انسان کی خیریت نہیں۔

۱۷۸) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّضْمَنْ لِىْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔** (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ذمہ لے لے اپنی زبان اور اپنی شرمگاہ کا (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) میں اُس کیلئے ذمہ داری لیتا ہوں جنت کی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرم گاہ ہے، اس لئے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو بندہ اسکا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کریگا، اور شہوت نفس کو بھی خدا کے احکام کا پابند رکھے گا، میں اس کیلئے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے، کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف اُن لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

۱۷۹) **عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِىِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَىَّ قَالَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهِ وَقَالَ هٰذَا ـ** (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت! میرے بارے میں جن باتوں کا حضور کو خطرہ ہو سکتا ہے ان میں زیادہ خطرناک اور خوفناک کیا ہے؟ سفیان کہتے ہیں کہ آپ نے اپنی زبانِ مبارک پکڑ کے فرمایا کہ: سب سے زیادہ خطرہ اس سے ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ تم سے کسی اور برائی کا تو زیادہ خطرہ نہیں ہے، البتہ یہ خطرہ ہے کہ تمہاری زبان بیجا چلے، لہٰذا اس کے بارے میں ہوشیار اور محتاط رہو۔ ہو سکتا ہے کہ سوال کرنے والے سفیان بن عبد اللہ ثقفی کی زبان میں کچھ تیزی ہو، اسلئے حضور ﷺ نے ان سے یہ فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

۱۸۰) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَمَتَ نَجَا ـ**
(رواه احمد والترمذی والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جو چپ رہا وہ نجات پا گیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، مسند دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے بری باتوں اور فضول باتوں سے زبان کو روکا، وہ ہلاکت کے غار میں گرنے سے بچ گیا، ابھی حضرت معاذؓ کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ آدمی جہنم میں زیادہ تر زبان ہی کی بیباکیوں کی وجہ سے اوندھے منہ گرائے جائیں گے۔

۱۸۱) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ لَقِيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ ـ (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ... حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے عرض کیا، کہ حضرت (مجھے بتادیجئے کہ) نجات حاصل کرنے کا گُر کیا ہے (اور نجات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کام کرنے چاہئیں؟) آپ نے ارشاد فرمایا اپنی زبان پر قابو رکھو (وہ بے جانہ چلے) اور چاہئے کہ تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہو، اور اپنے گناہوں پر اللہ کے حضور میں رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... زبان پر قابو رکھنے اور اپنے گناہوں پر رونے کا مطلب تو ظاہر ہے، لیکن ان دو کے علاوہ تیسری نصیحت جو آپ نے یہ فرمائی کہ "تمہارے گھر میں تمہارے لئے گنجائش ہونی چاہئے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باہر کو کوئی کام نہ ہو تو آوارہ گردوں اور بے فکروں کی طرح باہر نہ گھوما کرو، بلکہ اپنے گھر میں اور بال بچوں میں رہ کر گھر کے کام کاج دیکھا کرو، اور اللہ کی عبادت کیا کرو۔ تجربہ شاہد ہے کہ بے ضرورت باہر گھومنا سینکڑوں برائیوں اور فتنوں کا سبب بن جاتا ہے۔

۱۸۲) عَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى خَصْلَتَيْنِ هُمَا اَخَفُّ عَلَى الظَّهْرِ وَ اَثْقَلُ فِي الْمِيْزَانِ؟ قَالَ قُلْتُ بَلٰى قَالَ طُوْلُ الصَّمْتِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا عَمِلَ الْخَلَائِقُ بِمِثْلِهِمَا ـ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ: میں تمہیں ایسی دو خصلتیں بتادوں جو پیٹھ پر بہت ہلکی ہیں (ان کے اختیار کرنے میں آدمی پر کچھ زیادہ بوجھ نہیں پڑتا) اور اللہ کی میزان میں وہ بہت بھاری ہوں گی؟ ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ! وہ دونوں خصلتیں ضرور بتلادیجئے! آپ نے فرمایا، زیادہ خاموش رہنے کی عادت، اور حسن اخلاق، قسم اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مخلوقات کے اعمال میں یہ دونوں چیزیں بے مثل ہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، زیادہ خاموش رہنے کا مطلب یہی ہے کہ بے ضرورت اور نامناسب اور ناپسندیدہ باتوں سے آدمی اپنی زبان روکے رہے، جس شخص کا یہ طرز عمل ہوگا' قدرتی طور پر وہ کم بولنے والا اور زیادہ خاموش رہنے والا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ بولنے کی ضرورت تھی، کہ قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کیلئے آپ کو ہدایات دینی تھیں، اور آپ اس ضرورت سے بولنے میں

کوئی کمی نہ کرتے تھے، بتانے کی ہر چھوٹی بڑی بات بتلاتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کے دیکھنے والے صحابہ کرامؓ نے آپ کا حال یہ بیان فرمایا کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَوِيْلَ الصَّمْتِ"[1] (رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خاموش رہتے تھے)۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "وَلَا يَتَكَلَّمُ اِلَّا فِيْمَا يَرْجُوْ ثَوَابَه"[2] (آپ صرف وہی بات کرتے تھے جس پر آپ کو ثواب کی اُمید ہوتی تھی)۔

۱۸۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حِطَّانَ قَالَ اَتَيْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُهُ فِي الْمَسْجِدِ مُحْتَبِيًا بِكِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهُ فَقُلْتُ يَا اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ؟ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنْ جَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَيْرِ خَيْرٌ مِّنَ السُّكُوْتُ وَالسُّكُوْتِ خَيْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ عمران بن حطان تابعی سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضرت ابوذر غفاریؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے اُن کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ ایک کالی کملی لپیٹے ہوئے بالکل اکیلے بیٹھے ہیں، میں نے عرض کیا، اے ابوذر! یہ تنہائی اور یکسوئی کیسی ہے؟ (یعنی آپ نے اس طرح بالکل اکیلے اور سب سے الگ تھلگ رہنا کیوں اختیار فرمایا ہے!) انہوں نے جواب دیا، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، کہ "بُرے ساتھیوں کی ہمنشینی سے اکیلے رہنا اچھا ہے، اور اچھے ساتھی کے ساتھ بیٹھنا تنہائی سے بہتر ہے، اور کسی کو اچھی باتیں بتانا خاموش رہنے سے بہتر ہے، اور بُری باتیں بتانے سے بہتر خاموش رہنا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں یہ بات زیادہ صراحت و وضاحت کیساتھ آگئی ہے کہ خاموشی کی جو افضلیت ہے وہ بُری باتیں کرنے کے مقابلے میں ہے، ورنہ اچھی باتیں کرنا خاموش رہنے سے افضل ہے، اسی طرح یہ بات بھی صراحت سے آگئی ہے کہ بُرے لوگوں کے ساتھ اختلاط و ہمنشینی سے بہتر تنہائی ہے، لیکن صلحا کی صحبت تنہائی سے بہتر ہے۔

ف...... یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ کے بندوں کی طبیعتیں اور ان کی استعدادیں اور ان کے رجحانات بہت مختلف ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اتنی حکیمانہ وسعت اور ایسی جامعیت ہے کہ مختلف طبائع اور مختلف رجحانات رکھنے والے بندگانِ خدا اپنی اپنی طبیعت اور اپنے اپنے ذوق و رجحان کے مطابق آپ کی اتباع کر کے اللہ کے قرب و رضا کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا مزاج اور ذوق ایسا ہوتا ہے کہ جس قسم کے لوگوں کو وہ پسند نہ کریں اُن سے ملنا جلنا اُن کے لئے شاق اور گراں ہوتا ہے، اور وہ ایسے لوگوں سے اختلاط رکھنے میں اپنا نقصان محسوس کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم اور رہنمائی موجود ہے جس کا ذکر حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس حدیث میں فرمایا اور جس پر خود

---

1. رواہ البغوی فی شرح السنہ عن جابر بن سمرۃ۔ مشکوٰۃ باب فی اخلاقه و شمائله۔
2. رواہ الطبرانی فی الکبیر فی حدیث طویل عن الحسن بن علی فی صفاتہ وشمائلہ ﷺ (جمع الفوائد)

اُن کا عمل تھا۔ اور بعض لوگ اپنی فطرت اور طبیعت کے لحاظ سے ایسے ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے احوال اور چال چلن کو وہ پسند نہ کریں اُن کی بھی اصلاح اور درستی کیلئے اُن سے ملنا جلنا اور انکے بُرے اثرات سے اپنی حفاظت کرتے ہوئے اُن کے ساتھ اختلاط رکھنا اور مختلف صورتوں سے اُن کی خدمتیں کرنا اُن کے لئے شاق نہیں ہوتا، بلکہ ان کو اس سے مناسبت ہوتی ہے، اُن کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیثوں میں (جو اپنے موقع پر آئیں گی) اسی طرز عمل کی رہنمائی فرمائی ہے، اور اکثر صحابہ کرامؓ جو حضرت ابوذرؓ کی طرح تنہائی پسند نہیں تھے، ان کا طرزِ عمل وہی تھا۔ پس صحابہ کرامؓ کی سیرت کے بعض پہلوؤں میں اور اسی طرح زمانہ مابعد کے اہل ایمان اور اہل صلاح کے مختلف طبقوں کے طرزِ عمل میں جو اس طرح کی رنگارنگی کہیں کہیں نظر آتی ہے اسکی حقیقت بس اتنی ہی ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی طبیعتوں اور مزاجی مناسبتوں کے قدرتی فرق اور رسول اللہ کی تعلیم و تربیت کی جامعیت اور کاملیت کا وہ قدرتی نتیجہ ہے۔ جو لوگ اپنی تنگ نظری سے سب کو ایک ہی حال اور بالکل ایک ہی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں در حقیقت انہوں نے دین کی وسعت، تعلیمِ نبوی ﷺ کی جامعیت و کاملیت اور اللہ تعالیٰ کی تکوینی و تشریعی حکمت پر غور نہیں کیا ہے۔

ترکِ مالا یعنی

۱۸۴) عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيْهِ۔

(رواہ مالك و احمد، ورواہ ابن ماجة عن ابی ہریرة والترمذی والبیہقی فی شعب الایمان عنہما)

ترجمہ حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی اسلامیت کے حسن و کمال میں سے یہ بھی ہے کہ جو بات اُس کیلئے ضروری اور مفید نہ ہو اُس کو چھوڑ دے۔ (اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن الحسینؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے، اور ابن ماجہ نے سنن میں مسنداً حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے جامع میں، اور بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیث کو اسی طرح مرسلاً و مسنداً ان دونوں بزرگوں سے روایت کیا ہے)۔

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں نہ کرنا اور لغو و فضول مشغلوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا کمال ایمان کا تقاضا اور آدمی کے اسلام کی رونق و زینت سے ہے، اسی خصلت کا مختصر اصطلاحی عنوان "ترکِ مالا یعنی" ہے۔

چغل خوری

جن بُری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے جن کو سنگین جُرم اور گناہِ عظیم قرار دیا ہے، اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، اُن میں سے ایک چغلخوری

بھی ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اُس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کردے، اِسی بُری عادت کا نام چغلخوری ہے۔ چونکہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حسنِ معاشرت اور باہم میل و محبت تعلیم نبوی ﷺ کے مقاصد میں سے ہے (یہاں تک کہ ایک حدیث میں بعض حیثیتوں سے اس کو عبادات سے بھی اہم قرار دیا گیا ہے) اس لئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہرحال چغلخوری کو رسول اللہ نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اُس کے بُرے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

۱۸۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ۔
(رواه البخارى و فى رواية مسلم نمّام)

ترجمہ۔ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ چغلخور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ چغلخوری کی عادت اُن سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

۱۸۶) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غُنْمٍ وَاَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِيَارُ عِبَادِ اللهِ الَّذِيْنَ اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللهِ الْمَشَّاؤُنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ اَلْبَاغُوْنَ الْبُرَاءَ الْعَنَتَ۔ (رواه احمد والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنکو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانیوالے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں، اور جو اسکے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ اُن کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان اُن لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادۃً چغلخور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دلچسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگانِ خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ پس آدمی کو چاہئے کہ وہ صحبت و محبت کیلئے ایسے بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کے دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو، اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو، اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی بُرائی کے درپے رہتے ہوں،

اور اُن کو بدنام کرنا اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو اُن سے بچے، اور اُن کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

۱۸۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُبَلِّغُنِىْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِىْ عَنْ اَحَدٍ شَيْئًا فَاِنِّىْ اُحِبُّ اَنْ اُخْرُجَ اِلَيْكُمْ وَاَنَا سَلِيْمُ الصَّدْرِ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ اُمت کو سبق دیا کہ دوسرں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہئے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

غیبت اور بہتان

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغلخوری سے پیدا ہوتے ہیں وہی بلکہ اُن سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں۔ غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اسکے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو، اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر و ذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چونکہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے، اور دلوں میں فتنہ و فساد کا بیج پڑتا ہے، جس کے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دور رس نکلتے ہیں۔ اس لئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کیلئے قرآن و حدیث میں "اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے" سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے۔ بہر حال غیبت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھنونی بد اخلاقی اور گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے۔ اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے، بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی بُرائی اور بد اخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے، اور ایسا کرنے والے اللہ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں۔ اس تمہید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی یہ چند حدیثیں پڑھئے:

۱۸۸) عَنْ اَبِىْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِىْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِهٖ وَلَمْ يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ قَلْبَهٗ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ اِتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَمَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ فِىْ بَيْتِهٖ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ لوگو! جو زبان سے ایمان لائے ہو، اور ایمان ابھی انکے دلوں میں نہیں اُترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور اُنکے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور انکی تشہیر کرنے میں دلچسپی نہ لیا کرو) کیونکہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اُس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے گھر میں ذلیل کر دے گا۔
(سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اُس کے عیوب اور کمزوریوں کی تشہیر میں دلچسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہو سکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں، اور ایمان نے اُن کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

۱۸۹) **عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ اَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَاجِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَ يَقَعُوْنَ فِيْ اَعْرَاضِهِمْ.** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاءِ اعلیٰ کے اُس سفر میں) میرا گذر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کے ناخن سُرخ تانبے کے سے تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور انکی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔　　(سنن ابی داؤد)

تشریح...... نُحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اُس کو بھی نُحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "نُحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ اُن لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں تپے ہوئے سُرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے۔ ان کیلئے عالمِ برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس لئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔

۱۹۰) **عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ) وَاِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرُهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ.**
(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بد بختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اسکی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو سکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اُس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو گی۔ (شعب الایمان للبیہقی)

١٩١) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَاالْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِىْ اَخِىْ مَا اَقُوْلُ؟ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ اِغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اُس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اُس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا کہ حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی بُرائی ذکر کروں جو واقعۃً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہو گی جبکہ وہ بُرائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اُس کی نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

ف...... یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کیلئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی بُرائی دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا گروہ کی بُرائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہو گا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہو گا۔

چنانچہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضرات محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین و شریعت کے محافظ علماء حق کا اہل باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دورخے پن کی ممانعت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے

مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں، تو اُس کے ساتھ اپنے حسنِ تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو اُردو زبان میں "دو رُخا" کہتے ہیں، اور عربی میں "ذوالوجہین" کہا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ طرز عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

۱۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ذَاالْوَجْهَيْنِ الَّذِیْ يَاْتِیْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، تم قیامت کے دن سب سے بُرے حال میں اُس آدمی کو پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح..... قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا اُس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۹۳) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ ذَاوَجْهَيْنِ فِی الدُّنْيَا كَانَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں، اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح بُرے اعمال اور بُرے اخلاق جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں، وہ بھی مختلف قسم کے اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب و عذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دو رخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی دو زبانیں ہوں گی اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!۔ واضح رہے کہ جانوروں میں سے بعضے سانپوں کی دو زبانیں ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات ہمارے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی ہی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللهِ عَظِيْمٌ O" (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے

نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے)۔ یہ بُری عادت (دو رُخاپن) بھی اسی قبیل سے ہے، ہم میں سے بہت سے اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنا سنگین اور خطرناک گناہ ہے اور آخرت میں اس پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

صدق وامانت اور کذب وخیانت

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں جن اخلاق حسنہ پر بہت زور دیا اور جن کو لازمۂ ایمان و اسلام قرار دیا ہے ان میں سچائی اور امانت داری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی یہ حدیث "کتاب الایمان" میں گذر چکی ہے کہ امانت میں خیانت کرنا اور عہد کو توڑنا، نفاق کی خاص علامات میں سے ہے، اور جس شخص میں یہ برائیاں جمع ہوں وہ منافق ہے۔ اسیطرح یہ حدیث بھی وہاں ذکر کی جاچکی ہے کہ "جس میں امانت نہیں اُس میں ایمان نہیں" اور یہ کہ "مؤمن جھوٹ بولنے کا عادی نہیں ہو سکتا"۔

اب یہاں رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں آپ نے براہ راست سچائی اور امانتداری پر قائم رہنے اور جھوٹ اور خیانت سے پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۱۹۴) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّوَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللهِ صِدِّيْقًاوَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِوَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللهِ كَذَّابًا۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو، کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے، اور نیکی جنت تک پہنچادیتی ہے، اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے، اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اور اللہ کے یہاں صدیقین میں لکھ لیا جاتا ہے' اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو، کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستے پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچادیتی ہے اور آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے، تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے یہاں کذابین لکھ لیا جاتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذات خود بھی نیک عبادت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک کردار اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنادیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے، اور اس کی یہ خاصیت بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق وفجور کا میلان پیدا کر کے اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچادیتی ہے، نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے

تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

۱۹۵) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهٗ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّحِبَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهٗ اِذَا ائْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهٗ.

(رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ عبدالرحمٰن بن ابی قراد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن وضو کیا تو آپ کے صحابہؓ وضو کا پانی لے لے کر (اپنے چہروں اور جسموں پر) ملنے لگے، آپ نے فرمایا: "تم کو کیا چیز اس فعل پر آمادہ کرتی ہے، اور کون سا جذبہ تم سے یہ کام کراتا ہے؟" انھوں نے عرض کیا کہ: "اللہ اور اس کے رسول کی محبت:" ان کا یہ جواب سن کر آپؐ نے فرمایا: جس شخص کی یہ خوشی ہو، اور وہ یہ چاہے کہ اس کو اللہ اور اس کے رسول سے حقیقی محبت ہو، یا یہ کہ اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو ہمیشہ سچ بولے اور جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو ادنیٰ خیانت کے بغیر اس کو ادا کرے اور جس کے پڑوس میں اس کا رہنا ہو، اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے۔

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ و رسول کی محبت اور ان کے ساتھ سچے تعلق کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آدمی ہمیشہ سچ بولے، امانتداری کو شعار بنائے اور جھوٹ اور خیانت سے کامل پرہیز کرے، اگر یہ نہیں تو محبت کا دعویٰ ایک بے جا جسارت اور ایک طرح کا نفاق ہے۔

۱۹۶) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ اُصْدُقُوْا اِذَا حَدَّثْتُمْ وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُّمْ وَاَدُّوْا اِذَا ائْتُمِنْتُمْ وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ۔ (رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اسکو پورا کرو، جب کوئی امانت سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے انکی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روک لو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کیلئے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض و ارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ

بنیادی اخلاق (صدق وامانت وغیرہ) کا بھی اپنے کو پابند بنالیتا ہے تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے، اور اس کے لئے اللہ اور رسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

تجارت میں صدق وامانت

۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاء۔ (رواہ الترمذی والدارقطنی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سچا اور امانت دار سوداگر انبیاء، صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن دار قطنی)

تشریح...... اس حدیث نے واضح طور پر یہ بھی بتایا ہے کہ قرب خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات حاصل کرنے کے لیے بھی دنیا اور مشاغل دنیا چھوڑنا ضروری نہیں، بلکہ ایک سوداگر بازار میں بیٹھ کر اللہ اور رسولؐ کے احکام کی فرمانبرداری اور صدق وامانت جیسے دینی قوانین کی پابندی کے ذریعے حضرات انبیاء اور صدیقین وشہداء کی معیت اور رفاقت تک حاصل کر سکتا ہے۔

۱۹۸) عَنْ عُبَیْدِبْنِ رِفَاعَۃَ عَنْ اَبِیْہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ التُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فُجَّارًا اِلاَّ مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ و الدارمی)

ترجمہ: عبید بن رفاعہ اپنے والد ماجد حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث روایت کی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اٹھائے جائینگے (یعنی عام تاجروں کا حشر بدکاروں کا سا ہوگا) سوائے ان (خداترس اور خدا پرست) تاجروں کے جنھوں نے اپنی تجارت میں تقویٰ اور حسنِ سلوک اور سچائی کو برتا ہوگا۔
(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

جھوٹ اور خیانت ایمان کے منافی ہیں

۱۹۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَی الْخِلاَلِ کُلِّھَا اِلَّا الْخِیَانَۃَ وَالْکِذْبَ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ مؤمن کی طبیعت اور فطرت میں ہر خصلت کی گنجائش ہے، سوائے خیانت اور جھوٹ کے۔ (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقیؒ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مؤمن اگر واقعی مؤمن ہو، تو جھوٹ اور خیانت کی اس کی فطرت میں گنجائش نہیں ہو سکتی، دوسری برائیاں اور کمزوریاں اس میں ہو سکتی ہیں لیکن خیانت اور جھوٹ جیسی خالص منافقانہ عادتیں ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں، پس اگر کسی میں یہ بری عادتیں موجود ہوں، تو اسے سمجھنا چاہئے

کہ اس کو ایمان کی حقیقت ابھی نصیب نہیں ہوئی ہے، اور اگر اپنی اس محرومی پر وہ مطمئن نہیں رہنا چاہتا ہے، تو اسکو ان خلاف ایمان عادتوں سے اپنی زندگی کو پاک رکھنا چاہئے۔

جھوٹ کی گندگی اور سڑاہند

۲۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذِبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلاً مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... جس طرح اسی مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے، جس کو اللہ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں، اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جنکی روحانیت انکی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

بڑی سخت خیانت

۲۰۱) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ اَسِيْدِ الْحَضْرَمِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَبُرَتْ خِيَانَةً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاكَ حَدِيْثًا وَهُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِهٖ كَاذِبٌ۔ (رواه ابو داود)

ترجمہ۔ سفیان بن اسید حضرمی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے: یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی جھوٹی بات بیان کرو، درانحالیکہ وہ تم کو اس بیان میں سچا سمجھتا ہو۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جھوٹ اگرچہ بہر حال گناہ اور بہت سنگین گناہ لیکن بعض خاص صورتوں میں اسکی سنگینی اور بھی بڑھ جاتی ہے، ان ہی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک شخص تم پر پورا بھروسہ اور اعتبار کرے اور تم کو بالکل سچا سمجھے اور تم اسکو اعتبار اور حسن ظن سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس سے جھوٹ بولو، اور اسکو دھوکا دو۔

جھوٹی گواہی

۲۰۲) عَنْ خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ۔ خریم بن فاتک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھی، جب آپ اس سے

فارغ ہوئے تو ایکدم کھڑے ہوگئے، اور فرمایا کہ: جھوٹی گواہی اشراک باللہ کے برابر کردی گئی، یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اور قرآن مجید (سورۂ حج) کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۔ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ" (بتوں کی، یعنی بت پرستی کی گندگی سے بچو اور جھوٹی بات کہنے سے بچتے رہو، صرف ایک اللہ کے ہو کر کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرتے ہوئے)۔　　(سنن ابی داؤد، ابن ماجہ)

تشریح...... ابھی اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ ہر جھوٹ گناہ ہے لیکن اس کی بعض قسمیں اور صورتیں بہت ہی بڑا گناہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ کسی قضیہ اور معاملہ میں جھوٹی گواہی دیجائے، اور اس جھوٹی گواہی کے ذریعے کسی اللہ کے بندے کو نقصان پہنچایا جائے۔ سورۂ حج کی مذکورہ بالا آیت میں جھوٹ کی اسی قسم کو شرک اور بت پرستی کیساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور دونوں سے بچنے کی تاکید کیلئے ایک ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اس طرز بیان کا حوالہ دیکر رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا کہ جھوٹی گواہی اپنی گندگی میں اور اللہ کی ناراضی اور لعنت کا باعث ہونے میں شرک باللہ کے ساتھ جوڑ دی گئی ہے، اور یہ بات آپ نے تین بار ارشاد فرمائی۔

اور جامع ترمذی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک دن صحابہؓ سے ارشاد فرمایا، اور تین دفعہ ارشاد فرمایا: "کیا میں تم لوگوں کو بتاؤں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ پھر آپ نے فرمایا "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور معاملات میں جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا" راوی کا بیان ہے کہ پہلے آپ سہارا لگائے بیٹھے تھے لیکن پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، اور بار بار آپ نے اس ارشاد کو دہرایا، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش اب آپ خاموش ہو جاتے یعنی اس وقت آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی اور آپ ایسے جوش سے فرمارہے تھے کہ ہم محسوس کررہے تھے کہ آپ کے قلب مبارک پر اس وقت بڑا بوجھ ہے، اس لئے جی چاہتا تھا کہ اس وقت آپ خاموش ہو جائیں، اور اپنے دل پر اتنا بوجھ نہ ڈالیں۔

جھوٹی قسم

۲۰۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے حاکم کے سامنے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس کے ذریعے کسی مسلمان کا مال مار لے، تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حال میں اس کی پیشی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت غضبناک اور ناراض ہونگے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۲۰۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِيَمِيْنِهٖ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ وَاِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيْرًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَ اِنْ كَانَ قَضِيْبًا مِنْ اَرَاكٍ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ: جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق ناجائز طور پر مار لیا، تو اللہ نے ایسے آدمی کے لیے دوزخ واجب کر دی ہے اور جنت کو اسپر حرام کر دیا ہے' حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ (ﷺ) اگرچہ وہ کوئی معمولی ہی چیز ہو (یعنی اگر کسی نے کسی کی بہت معمولی سی چیز قسم کھا کر ناجائز طور سے حاصل کر لی، تو کیا اس صورت میں بھی دوزخ اس کے لئے واجب اور جنت اس کے لئے حرام ہو گی؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں اگرچہ جنگلی درخت پیلو کی ٹہنی ہی ہو۔

تشریح...... یعنی اگر بالکل معمولی اور بالکل بے حیثیت قسم کی کوئی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر کوئی حاصل کرے گا تو وہ بھی دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

(۲۰۵) عَنِ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْتَطِعُ اَحَدٌ مَالًا بِيَمِيْنٍ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ اَجْذَمُ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی کا مال جھوٹی قسم کھا کر مار لے گا وہ اللہ کے سامنے کوڑھی ہو کر پیش ہو گا۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح...... ان تینوں حدیثوں میں اس شخص کا انجام بیان کیا گیا ہے کہ جو کسی معاملہ اور مقدمہ میں جھوٹی قسم کھا کر دوسرے فریق کا مال مار لے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی پہلی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب خدا کے دربار میں اس کی پیشی ہو گی تو اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہو گا۔۔نعوذ باللہ من غضبہ و عقابہ)۔ اور حضرت ابوامامہؓ والی دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسے شخص پر جنت حرام ہے اور دوزخ کا اس کے لئے لازمی اور قطعی فیصلہ ہے۔ اور اشعث بن قیس کی اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسا شخص قیامت کے دن کوڑھی ہو کر خدا کے سامنے پیش ہو گا۔ اللہ کی پناہ! کتنی سخت ہیں تینوں سزائیں اور ظاہر ہے کہ ان میں باہم کوئی منافات اور تضادات نہیں ہے لہذا اگر یہ شخص اس گناہ عظیم سے توبہ اور تلافی کر کے اس دنیا سے نہیں گیا ہے، تو پھر ان حدیثوں کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو یہ سب کچھ پیش آئے گا، اور وہ یہ سارے عذاب چکھے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حاکم کی عدالت میں خدا کی قسم کھا کر، اور خدا کو گویا اپنا گواہ قرار دیکر جھوٹ بولنا، اور کسی بندے کا مال مارنے کے لئے یا اس کو بے آبرو کرنے کے لئے خدا کے پاک نام کو استعمال کرنا، ہے بھی ایسا بڑا گناہ کہ اس کی سزا جتنی بھی سخت دی جائے عین حکمت ہے۔

(۲۰۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ قَالَ اَبُوْ ذَرٍّ خَابُوْا وَخَسِرُوْا مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ

اَلْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ ان سے ہمکلام ہوگا، نہ ان پر عنایت کی نظر کریگا، اور نہ گناہوں اور گندگیوں سے انکو پاک کریگا، اور انکے لئے دردناک عذاب ہے۔ ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا: یہ لوگ تو نامراد ہوئے اور ٹوٹے میں پڑے، حضور ﷺ! یہ تین کون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: اپنا تہبند حد سے نیچے لٹکانے والا (جیسا کہ متکبروں اور مغروروں کا طریقہ ہے) اور احسان جتانے والا اور جھوٹی قسمیں کھا کے اپنا سودا چلانے والا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جس طرح حاکم اور پنچ کے سامنے کسی معاملے میں جھوٹی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا نہایت غلط اور ناپاک استعمال ہے اسی طرح سودے کو بیچنے کے لئے گاہک کے سامنے جھوٹی قسم کھا کے اسکو یقین دلانا بھی اسم الٰہی کا نہایت بے محل استعمال اور بڑی دنی حرکت ہے، اسلئے یہ بھی جھوٹ کی نہایت سنگین قسم ہے اور قیامت میں ایسے شخص کو دردناک عذاب دیا جائے گا، اور اپنی اس ذلیل بدکرداری کی وجہ سے یہ کذاب تاجر آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی اور اسکی نظر کرم اور گناہوں کی بخشش سے محروم رہے گا۔

جھوٹ کی بعض خفی قسمیں

جھوٹ کی چند سنگین قسموں کا ذکر تو اوپر ہو چکا، لیکن بعض جھوٹ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بہت سے لوگ جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، حالانکہ وہ بھی جھوٹ ہی میں داخل ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اُن سے بھی پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی ہے، ذیل کی حدیثوں میں جھوٹ کی بعض ایسی ہی صورتوں کا ذکر ہے:

۲۰۷) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِىْ اُمِّىْ يَوْمًا وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِىْ بَيْتِنَا فَقَالَتْ هَا تَعَالِ اُعْطِيْكَ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِيَهُ؟ قَالَتْ اَرَدْتُ اَنْ اُعْطِيَهُ تَمْرًا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اَنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كِذْبَةٌ.** (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر میں تشریف فرما تھے، میری والدہ نے مجھے پکارا اور کہا بڑھ کے آ، میں تجھے کچھ دوں گی، رسول اللہ ﷺ نے میری ماں سے فرمایا: تم نے اس بچے کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے؟ میری ماں نے عرض کیا میں نے اسکو ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو اگر اس کہنے کے بعد اس بچے کو کوئی چیز بھی نہ دیتیں، تو تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ (سنن ابی داود، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اصل منشاء یہ ہے کہ بچوں کو بہلانے کے لئے بھی جھوٹ کا استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ مسلمان کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہونی ہی نہیں چاہئے علاوہ ازیں اسکی ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ماں باپ اگر بچوں سے جھوٹ بولیں گے اگرچہ انکا مقصد صرف بہلاوا ہی ہو، پھر بھی بچے اُن

سے جھوٹ بولنا سیکھیں گے، اور جھوٹ بولنے میں وہ کوئی قباحت نہ سمجھیں گے۔

۲۰۸) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ۔ (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ: بہز بن حکیم بواسطہ اپنے والد معاویہ کے اپنے دادا حیدہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص لوگوں کو ہنسانے کے لئے اپنے بیان میں جھوٹ بولے، اس پر افسوس! اس پر افسوس!۔

(مسند احمدؒ جامع ترمذی سنن ابی داود دارمی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ صرف لطفِ صحبت اور ہنسنے ہنسانے کے لئے جھوٹ بولنا بھی بری بات اور بری عادت ہے، اگر چہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا لیکن اولا تو خود بولنے والے کی زبان جھوٹ سے آلودہ ہوتی ہے، دوسرے باتوں سے اہل ایمان کے دل میں جو نفرت ہونی چاہئے اس میں بھی کمی آتی ہے، اور تیسری خرابی یہ ہے کہ لوگوں میں جھوٹی باتیں کرنے کی جرأت اس سے پیدا ہوتی اور جھوٹ کے رواج کو مدد ملتی ہے۔

۲۰۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آدمی کے لئے یہی جھوٹ کافی ہے کہ وہ جو کچھ سُنے اسے بیان کرتا پھرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان کرتے پھرنا بھی ایک درجے کا جھوٹ ہے اور جس طرح جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کی عادت رکھنے والا آدمی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا اسی طرح یہ آدمی بھی لائقِ اعتماد نہیں رہتا۔ بہر حال مؤمن کو چاہئے کہ وہ خفی قسم کے ان سب جھوٹوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرے۔

خیانت کی بعض خفی قسمیں

جس طرح بعض جھوٹ اس قسم کے ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے اسی طرح خیانت کی بھی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ بہت سے لوگ ان کو خیانت ہی نہیں جانتے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے انکے بارے میں بھی امت کو واضح طور پر آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے:

۲۱۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ابوالہیثم بن التیہان سے فرمایا: جس سے کسی معاملے میں مشورہ کیا جائے وہ اس میں امین ہے اور اسکے سپرد امانت کی

جاتی ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ابوالہیثم بن التیہان نے ایک معاملہ میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ چاہا تھا، اس موقع پر آپ نے اُنسے یہ ارشاد فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ جس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اسے چاہئے کہ وہ محسوس کرے کہ مشورہ چاہنے والے نے اس کو اعتماد اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اس سے مشورہ چاہا ہے اور اپنی ایک امانت اسکے سپرد کی ہے، لہٰذا اسے چاہئے کہ حقِ امانت ادا کرنے میں کوتاہی نہ کرے، یعنی اچھی طرح سوچ سمجھ کر مشورہ دے اور پھر اسکی بات کو راز میں رکھے، اگر ایسا نہیں کرے گا تو ایک درجے کی خیانت کا مجرم ہو گا۔

۲۱۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَاحَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ۔ (رواه الترمذی و ابو داود)

ترجمہ۔ حضرت جابر بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہے اور پھر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تم سے بات کرے اور وہ زبانی تم سے نہ کہے اسکو راز رکھنا، لیکن اسکے کسی طریقے سے تمہیں محسوس ہو کہ وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کی یہ بات عام لوگوں کے علم میں آئے، تو پھر اس کی یہ بات امانت ہی ہے اور امانت کی طرح تم کو اسکی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا اور دوسروں کو تم نے پہنچادیا، تو تمہاری طرف سے یہ امانت میں خیانت ہو گی، اور تمہیں خدا کے سامنے اسکا جواب دینا ہو گا۔

لیکن ایک دوسری حدیث میں صاف فرمایا گیا ہے کہ: اگر کسی بندے کے ناحق قتل یا اسکی آبروریزی یا اسکو مالی نقصان پہنچانے کی سازش تمہارے علم میں آئے تو پھر ہر گز اسکو راز میں نہ رکھو بلکہ متعلقہ آدمیوں کو اس سے مطلع کردو۔ وہ حدیث بھی یہیں پڑھ لیجئے:

۲۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوْ اِقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں (یعنی کسی مجلس میں رازداری کے ساتھ جو مشورہ یا فیصلہ ہو، اہل مجلس امانت سمجھ کر اس کو راز میں رکھیں) لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں: ایک وہ جس کا تعلق کسی کے خون ناحق کی سازش سے ہو، دوسرے وہ جس کا تعلق کسی کی عصمت و عفت لوٹنے کے مشورے سے ہو، تیسرے وہ جس کا تعلق بغیر کسی حق کے کسی کا مال چھیننے سے ہو۔ (سنن ابی داود)

تشریح...... ان باتوں کو بھی صرف مثال سمجھنا چاہئے، ورنہ منشاء یہ ہے کہ اگر کسی مجلس میں کسی معصیت اور ظلم کیلئے کوئی سازش اور کوئی مشورہ کیا جائے اور تم کو بھی اس میں شریک کیا جائے، تو پھر ہر گز اس کو راز میں نہ رکھو، بلکہ اس صورت میں تمہاری دیانتداری اور امانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ظلم و معصیت کے اس منصوبہ

کو ناکام بنانے کیلئے جن کو اس سے باخبر کرنا ضروری سمجھو، انکو ضرور باخبر کر دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حق میں بھی خیانت ہو گی اور بندوں کے حق میں بھی۔

اختلاف اور فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی طرف سے کچھ کہہ دینا جھوٹ نہیں

۲۱۳) **عَنْ أُمِّ كُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِىْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ وَيَقُوْلُ خَيْرًا وَيَنْمِىْ خَيْرًا.** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ ام کلثوم (بنت عقبہ بن ابی معیط) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی جھوٹا اور گنہگار نہیں ہے جو باہم لڑنے والے آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس سلسلے میں (ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو) خیر اور بھلائی کی باتیں پہنچائے اور (اچھا تاثر ڈالنے والی) اچھی باتیں کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں یا دو پارٹیوں کے درمیان سخت نزاع اور رنجش ہے، اور ہر فریق دوسرے کو اپنا دشمن سمجھتا ہے، اور پھر اسکے نتیجے میں بڑے بڑے شر اور فتنے پیدا ہوتے ہیں، کبھی کبھی تو خون خرابہ اور قتل و غارت اور آبرو ریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اور عداوت کے جوش میں ہر طرف سے ظلم اور تعدّی کو اپنا حق سمجھا جاتا ہے ان حالات میں اگر کوئی مخلص اور بے غرض بندہ ان دونوں برسر جنگ فریقوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرے، اور اس کے لئے وہ ضرورت محسوس کرے کہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خیر اندیشی کے باتیں پہنچائی جائیں جن سے جنگ و عداوت کی آگ بجھے اور خوش گمانی اور مصالحت کی فضا پیدا ہو، تو اس مقصد کے لئے اگر اللہ کا وہ بندہ ایک فریق کی طرف سے دوسرے فریق کو ایسی خوش کن اور صلح جویانہ باتیں بھی پہنچائے جو واقعے میں اس فریق نے نہ کہی ہوں، اس مخلص بندے کا ایسا کرنا اس جھوٹ میں شمار نہ ہوگا، جو معصیت اور گناہ کبیرہ ہے، بس یہی اس حدیث کا منشاء ہے۔۔ اور یہی مطلب ہے حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقولے کا: "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستیٔ فتنہ انگیز"۔

ایفاءِ وعدہ اور وعدہ خلافی

وعدہ کر کے پورا کرنا درحقیقت سچائی ہی کی ایک عملی قسم ہے اور وعدہ خلافی ایک طرح کا عملی جھوٹ ہے، اسلئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی اخلاقی تعلیم میں وعدہ خلافی سے بچنے اور ہمیشہ وعدہ پورا کرنے کی بھی سخت تاکید فرمائی ہے۔

چند ہی صفحے پہلے وہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے چند اچھے اخلاق کا ذکر کر کے فرمایا، کہ: جو شخص ان باتوں کی پابندی کی ذمہ داری لے میں اس کے لئے جنت کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور ان میں آپ نے ایفاءِ وعدہ کو بھی گنایا۔

اور "کتاب الایمان" میں "شعب الایمان" کے حوالے سے حضرت انسؓ کی وہ حدیث گزر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے، کہ: جو شخص اپنے کئے عہد کا پابند نہیں، اسکا دین میں کوئی حصہ نہیں۔ اب چند حدیثیں اس سلسلہ کی یہاں اور بھی درج کی جاتی ہیں:

۲۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب اسکو کسی چیز کا امین بنادیا جائے، تو خیانت کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے "کتاب الایمان" میں بھی گزر چکی ہے، اور وہاں پوری تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ان باتوں کے منافق کی نشانی ہونے کا کیا مطلب ہے۔ وہاں کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت اور وعدہ خلافی دراصل یہ منافقوں کے اخلاق ہیں، اور جس شخص میں یہ بری عادتیں موجود ہوں وہ خواہ عقیدہ کا منافق نہ ہو لیکن عمل اور سیرت میں منافق ہی ہے۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: "وَاِنْ صَلّٰی وَصَامَ وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ" یعنی وہ آدمی اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا اور سمجھتا ہو پھر بھی ان بد اخلاقیوں کی وجہ سے وہ ایک قسم کا منافق ہی ہے۔

بہر حال اس حدیث میں وعدہ خلافی کو نفاق کی نشانی اور ایک منافقانہ خصلت بتلایا گیا ہے۔

۲۱۵) عَنْ عَلِیٍّ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِدَةُ دَیْنٌ۔
(رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ... حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وعدہ بھی ایک طرح کا قرض ہے (لہٰذا اس کو ادا کرنا چاہئے)۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو کچھ دینے کا یا اس کے ساتھ کوئی سلوک کرنے کا یا اسی طرح کا کوئی اور وعدہ کیا گیا ہے تو وعدہ کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اس کو اپنے پر قرض سمجھے، اور اس کو پورا کرنے کی فکر کرے، لیکن اگر بالفرض کسی بُرے کام میں ساتھ دینے کا، یا کسی اور ایسے کام کے کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے جو شرعاً صحیح نہیں ہے، یا اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے، تو اس وعدہ کا پورا کرنا ضروری نہ ہوگا، بلکہ اس کے خلاف ہی کرنا ضروری ہوگا، اور اس وعدہ خلافی میں کوئی گناہ نہ ہوگا، بلکہ اتباعِ شریعت کا ثواب ہوگا۔

۲۱۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِی الْحَمْسَاءِ قَالَ بَایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یُّبْعَثَ وَبَقِیَتْ

لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ اَنْ اٰتِيَهُ بِهَا فِيْ مَكَانِهِ فَنَسِيْتُ فَذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَاِذَا هُوَ فِيْ مَكَانِهِ فَقَالَ لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ عبداللہ بن ابی الحمساء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے (یعنی آپ کے نبی ہونے سے پہلے) آپ سے خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا (پھر جو کچھ مجھے دینا تھا اس کا کچھ حصہ تو میں نے وہیں دے دیا) اور کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا، تو میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ میں اسی جگہ لے کر آتا ہوں پھر میں بھول گیا اور تین دن کے بعد مجھے یاد آیا (میں اسی وقت لے کر پہنچا) تو دیکھا، کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں، آپ نے فرمایا، کہ تم نے مجھے بڑی مشکل میں ڈالا، اور بڑی زحمت دی، میں تمہارے انتظار میں تین دن سے یہیں ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... گویا نبی ہونے سے پہلے بھی رسول اللہ ﷺ اپنے وعدہ کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ تین دن تک ایک جگہ رہ کر ایک شخص کا انتظار فرماتے رہے' واضح رہے کہ وعدہ کی اس حد تک پابندی کرنا شرعاً ضروری نہیں ہے، (جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث سے معلوم بھی ہو جائے گا) لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی فطرت میں جو "خلق عظیم" ودیعت فرمایا تھا، اس کا تقاضا یہی تھا۔

۲۱۷) **عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَ رَجُلًا فَلَمْ يَاْتِ اَحَدُهُمَا اِلٰى وَقْتِ الصَّلٰوةِ وَ ذَهَبَ الَّذِيْ جَاءَ لِيُصَلِّيَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔** (رواه رزين)

ترجمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے کسی دوسرے شخص سے (کسی جگہ آکر ملنے کا) وعدہ کیا، پھر نماز کے وقت تک اُن میں سے ایک نہیں آیا (اور دوسرا وقتِ معین پر مقرر جگہ پر پہنچ گیا، اور نہ آنے والے کا انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ نماز کا وقت آگیا) اور یہ پہنچ جانے والا نماز پڑھنے کیلئے مقررہ جگہ سے چلا گیا، تو اس کو کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (رزین)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ کے مطابق یہ شخص مقررہ جگہ پر پہنچ گیا، اور کچھ دیر تک دوسرے آدمی کا انتظار بھی کرتا رہا، تو اُس نے اپنا حق ادا کر دیا، اب اگر نماز کا وقت آجانے پر یہ شخص نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے، یا اپنی کسی دوسری ضرورت سے چلا جائے، تو اس پر وعدہ خلافی کا الزام نہیں آئے گا، اور یہ گناہ گار نہیں ہوگا۔

۲۱۸) **عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ اَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهِ اَنْ يَّفِيَ وَلَمْ يَجِئْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ۔** (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، جب کسی آدمی نے اپنے کسی بھائی سے آنے کا وعدہ کیا، اور اس کی نیت یہی تھی کہ وہ وعدہ پورا کرے گا، لیکن (کسی وجہ سے) وہ مقررہ وقت پر آیا نہیں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی وعدہ کیا ہے اور نیت اس کو پورا کرنے کی ہی تھی، لیکن کسی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو عند اللہ گناہگار نہ ہوگا، لیکن اگر نیت ہی وعدہ پورا کرنے کی نہ تھی، اور اس کا یہ وعدہ ایک طرح کا فریب تھا، تو اس کے گناہ ہونے میں شبہ نہیں۔

تواضع و خاکساری اور غرور و تکبر

تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری اُن خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے، اور بڑی ترغیب دی گئی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اُس کے عمل سے بندگی اور نیاز مندی ظاہر ہو، اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے، جیسے کہ اُس کے بالکل بر عکس تکبر کبریائی کا مظہر ہے، اور اسی لئے وہ شان بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کیلئے زیبا ہے۔

٢١٩) عَنْ عَيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَبْغِىْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَفْخَرْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ کوئی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرے، اور کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

٢٢٠) عَنْ عُمَرَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَا اَيُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا فَاِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِىْ نَفْسِهٖ صَغِيْرٌ وَفِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ فَهُوَ فِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَ فِىْ نَفْسِهٖ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِيْرٍ۔ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں بر سر منبر فرمایا: لوگو! فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ فرماتے تھے، جس نے اللہ کیلئے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کیلئے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگانِ خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا، لیکن عام بندگانِ خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا۔ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویّہ اختیار کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا، اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا، لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔ (شعب الایمان بیہقی)

٢٢١) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ

ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَ بَرَّهُ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو، بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اُس کا رویّہ ہو، اور اسلئے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں (اور اللہ کے ساتھ اُس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے، تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے۔ اور کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔ (بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے۔ اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے، کیونکہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ۔ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ۔(صحیح مسلم) (طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے)۔ بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے دب جائے، اور اس لئے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبالیا کریں۔ اسی لئے اس حدیث میں ضعیف و متضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ، متکبر کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے، اور غرور استکبار اور اکھڑپن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اُس کی قسم پوری کر دے۔ بظاہر اس سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لئے اپنی خودی کو مٹا کر اُس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویّہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھالے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا، اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا، یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اُس سے کوئی خاص دعا کرے گا، تو اللہ اُس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

۲۲۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔ (رواه مسلم والبخاری)

ترجمہ...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

تشریح...... کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اُس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت و حیات

اور عزت و ذلت ہے، جس کے لئے کبھی فنا نہیں، اور اس کے علاوہ سب کے لئے فنا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ - (جاثیه: ۴۵: ۳۷)

اور اسی کیلئے کبریائی اور بڑائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست اور حکمت والا۔

پس اب جو بر خود غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو، اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لئے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے، اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے، اور اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا ہے، کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عملی یا بد اخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جا سکے گا، ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بد عملی یا بد اخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہنچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے، بلکہ اُن کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لئے اس حدیث کا مطلب بھی اس اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہئے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے، یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی، اور جب وہاں آگ میں تپا کے اُس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا، اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحبِ ایمان ہے تو اس کے بعد جنت میں جا سکے گا۔

۲۲۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ — وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ — وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، شَيْخٌ زَانٍ وَ مَلِكٌ كَذَّابٌ وَ عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ - (رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا، اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اُنکی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا، اور اُن کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، ایک بوڑھا زانی، دوسرا جھوٹا فرمانروا، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض معصیتیں بذاتِ خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر اُن کا صدور ہو، تو اُن کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، مثلاً چوری بذاتِ خود بڑی معصیت ہے، لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو، جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو، یا سرکاری سپاہی و چوکیدار ہو، تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہو گا، اور اُس کو قابل معافی نہیں سمجھا

جائے گا۔ اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بد بختوں بد نصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم کلام نہ ہوگا، اور اُن کا تزکیہ بھی نہ فرمائے گا، اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر کرم سے بھی قطعی محروم رہیں گے۔ ایک بوڑھا زناکار، دوسرا جھوٹا فرمانروا، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا۔ اور یہ اس لئے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہوا، تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابلِ درگزر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے، لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے، تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے، اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لئے جھوٹ بول جائے، تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہو سکتا ہے، لیکن ایک صاحبِ اقتدار حکمران اگر جھوٹ بولتا ہے، تو یہ اُس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے۔ ایسے ہی کوئی دولت مند اگر تکبر کرے، تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں ع

"چو بدولت برسی مست نہ گردی مردی"

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اُس کی انتہائی دنائت اور کمینہ پن ہے۔ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی سے اور اسکی نظرِ کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے، تزکیہ نہ کئے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کئے جائیں گے، اور صرف عقیدہ یا بعض اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ان کو مؤمنین صالحین کیساتھ شمار نہ کیا جائے گا، بلکہ اُن کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی، واللہ اعلم

شرم و حیا

شرم و حیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے بُرے کاموں اور بُری باتوں سے روکتا، اور فواحش و منکرات سے اس کو بچاتا ہے، اور اچھے اور شریفانہ کاموں کیلئے آمادہ کرتا ہے، الغرض شرم و حیا انسان کی بہت سی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش و منکرات سے اس کی محافظ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و تربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

اس سلسلہ کے آپ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے، اور اس وصف کو اپنے اندر پیدا کرنے اور ترقی دینے کی کوشش کیجئے۔

۲۲۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔ (رواه مالك مرسلا و رواه ابن ماجة والبيهقى فى شعب الايمان عن انس وابن عباس)

ترجمہ ... زید بن طلحہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے، اور دین اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔ (مؤطا امام مالک، سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ہر دین اور ہر شریعت میں اخلاق انسانی کے کسی خاص پہلو پر نسبتاً زیادہ زور دیا جاتا ہے، اور انسانی زندگی میں اُسی کو نمایاں اور غالب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور شریعت میں رحمدلی اور عفو و درگزر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے (یہاں تک کہ مسیحی تعلیمات کا مطالعہ کرنے والے کو صاف محسوس ہوتا ہے کہ رحمدلی اور عفو و درگزر ہی گویا ان کی شریعت کا مرکزی نقطہ اور ان کی تعلیم کی روح ہے) اسی طرح اسلام، یعنی حضرت محمد، رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اور تعلیم میں حیا پر خاص زور دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں حیا کا مفہوم بہت وسیع ہے، ہمارے عرف اور محاورہ میں تو حیا کا تقاضا اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کہ آدمی فواحش سے بچے یعنی شرمناک باتیں اور شرمناک کام کرنے سے پرہیز کرے، لیکن قرآن و حدیث کے استعمالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حیا طبیعتِ انسانی کی اس کیفیت کا نام ہے کہ ہر نامناسب بات اور ناپسندیدہ کام سے اس کو انقباض اور اس کے ارتکاب سے اذیت ہو، پھر قرآن و حدیث ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حیا کا تعلق صرف اپنے ابناء جنس ہی سے نہیں ہے، بلکہ حیا کا سب سے زیادہ مستحق وہ خالق و مالک ہے جس نے بندہ کو وجود بخشا اور جس کی پروردگاری سے وہ ہر آن حصہ پا رہا ہے، اور جس کی نگاہ سے اس کا کوئی عمل اور کوئی حال چھپا نہیں ہے، اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ شرم و حیا کرنے والے انسانوں کو سب سے زیادہ شرم و حیا اپنے ماں باپ کی، اور اپنے بڑوں اور محسنوں کی ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سب بڑوں سے بڑا، اور سب محسنوں کا محسن ہے، لہٰذا بندہ کو سب سے زیادہ شرم و حیا اُسی کی ہونی چاہئے، اور اس حیا کا تقاضا یہ ہوگا کہ جو کام اور جو بات بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اُس کے حکم کے خلاف ہو، آدمی کی طبیعت اُس سے خود انقباض اور اذیت محسوس کرے اور اس سے باز رہے، اور جب بندہ کا یہ حال ہو جائے تو اس کی زندگی جیسی پاک اور اس کی سیرت جیسی پسندیدہ اور اللہ کی مرضی کے مطابق ہوگی ظاہر ہے۔

(اس حدیث کو امام مالکؒ نے مؤطا میں زید بن طلحہ تابعی سے مرسلاً روایت کیا ہے (یعنی اُن صحابی کا ذکر نہیں کیا، جن سے یہ حدیث زید بن طلحہ کو پہنچی تھی) لیکن ابن ماجہ اور بیہقی نے اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دو صحابیوں حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے)۔

۲۲۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر، انصار میں سے ایک شخص پر ہوا، اور وہ اُس وقت اپنے بھائی کو حیا کے بارہ میں کچھ نصیحت و ملامت کر رہا تھا، تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ اس کو اسکے حال پر چھوڑ دو کیونکہ حیا تو ایمان کا جزیا ایمان کا پھل ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انصار میں سے کوئی صاحب تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے شرم و حیا کا وصف خاص طور سے عطا فرمایا تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے معاملات میں نرم ہوں گے، سخت گیری کے ساتھ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی نہ کرتے ہوں گے، اور بہت سے موقعوں پر اسی شرم و حیا کی وجہ سے کھل کر باتیں بھی نہ کرپاتے ہوں گے، جیسا کہ اہل حیا کا عموماً حال ہوتا ہے، اور اُن کے کوئی بھائی تھے، جو اُن کی اس حالت اور روش کو پسند نہیں کرتے تھے، ایک دن یہ بھائی اُن صاحبِ حیا بھائی کو اس پر ملامت اور سرزنش کر رہے تھے کہ تم اس قدر شرم و حیا کیوں کرتے ہو، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کا ان دونوں بھائیوں پر گذر ہوا، اور آپ نے اُن کی باتیں سُن کر ملامت و نصیحت کرنے والے بھائی سے ارشاد فرمایا کہ اپنے ان بھائی کو ان کے حال پہ چھوڑ دو، ان کا یہ حال تو بڑا مبارک حال ہے، شرم و حیا تو ایمان کی ایک شاخ یا ایمان کا پھل ہے اگر اس کی وجہ سے بالفرض دنیا کے مفادات کچھ فوت بھی ہوتے ہوں، تو آخرت کے درجے بے انتہا بڑھتے ہیں۔

۲۲۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، حیا ایمان کی ایک شاخ ہے (یا ایمان کا ثمرہ ہے) اور ایمان کا مقام جنت ہے، اور بے حیائی و بے شرمی بدکاری میں سے ہے، اور بدی دوزخ میں لے جانیوالی ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں بھی جو "الحیاء من الایمان" فرمایا گیا ہے، بظاہر اس کا مطلب یہی ہے کہ شرم و حیا شجرِ ایمان کی خاص شاخ یا اس کا ثمرہ ہے، صحیحین کی ایک دوسری حدیث میں (جو کتاب الایمان میں گذر چکی ہے) فرمایا گیا ہے "والحیاء شعبة من الایمان" (اور حیا ایمان ہی کی ایک شاخ ہے) بہر حال حیا اور ایمان میں ایک خاص نسبت اور خاص رشتہ ہے، اور یہ سب اُسی کی تعبیریں ہیں۔ اور اُسی کی ایک تعبیر وہ بھی ہے، جو اس سے بعد والی حدیث میں آرہی ہے۔

۲۲۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَاءُ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُهُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ۔ (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حیا اور ایمان یہ دونوں ہمیشہ ساتھ اور اکٹھے ہی رہتے ہیں، جب ان دونوں میں سے کوئی ایک اُٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور حیا میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ اگر کسی آدمی یا کسی قوم میں سے ان دونوں میں سے ایک اُٹھالیا جائے تو دوسرا بھی اٹھ جائے گا، الغرض کسی شخص یا جماعت میں حیا اور ایمان یا تو دونوں ہوں گے یا دونوں میں سے ایک بھی نہ ہوگا۔

۲۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَيَاءُ لَا يَاتِىْ اِلَّا بِخَيْرٍ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، حیا صرف خیر ہی کو لاتی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بعض اوقات سرسری نظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ شرم و حیا کی وجہ سے آدمی کو کبھی کبھی نقصان بھی پہنچ جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی شبہ کا ازالہ فرمایا ہے، اور آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ شرم و حیا کے نتیجہ میں کبھی کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ ہمیشہ نفع ہی ہوتا ہے حتی کہ جن مواقع پر ایک عام آدمی کو عامیانہ نقطۂ نظر سے نقصان کا شبہ ہوتا ہے وہاں بھی اگر ایمانی اور اسلامی وسیع نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو بجائے نقصان کے نفع ہی نفع نظر آئے گا۔

یہاں بعض لوگوں کو ایک اور بھی شبہ ہوتا ہے اور وہ شبہ یہ کہ شرم و حیا کی زیادتی بعض اوقات دینی فرائض ادا کرنے سے بھی رکاوٹ بن جاتی ہے، مثلاً جس آدمی میں شرم و حیا کا مادہ زیادہ ہو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے فرائض ادا کرنے، اور اللہ کے بندوں کو نصیحت کرنے اور مجرموں کو سزا دینے جیسے اعلیٰ دینی کاموں میں بھی ڈھیلا اور کمزور ہوتا ہے۔ لیکن یہ شبہ دراصل ایک مغالطہ پر مبنی ہے، انسان کی طبیعت کی جو کیفیت اس قسم کے کاموں کے انجام دینے میں رکاوٹ بنتی ہے وہ دراصل حیا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس آدمی کی ایک فطری اور طبعی کمزوری ہوتی ہے، لوگ ناواقفی سے اس میں اور حیا میں فرق نہیں کرپاتے۔

۲۲۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگلی نبوت کی باتوں میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اُس میں ایک یہ مقولہ بھی ہے کہ "جب تم میں شرم و حیا نہ ہو، تو پھر جو چاہو کرو"۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... انبیائے سابقین کی پوری تعلیمات اگرچہ محفوظ نہیں رہیں، لیکن اُن کی کچھ سچی پکی باتیں ضرب المثل کی طرح ایسی مقبول عام اور مشہور عام ہو گئیں کہ سیکڑوں ہزاروں برس گذرنے پر بھی وہ محفوظ اور زبان زد خلائق رہیں، اُنہیں میں سے ایک تعلیم یہ بھی ہے جو حضور ﷺ کے زمانہ تک بطورِ ضرب المثل لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی تھی "اِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ" جس کو فارسی میں کہا جاتا ہے "بے حیا باش دہرچہ خواہی کن"۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تصدیق فرمائی کہ یہ حکیمانہ اور ناصحانہ مقولہ اگلی نبوت کی تعلیمات میں سے ہے۔

۲۳۰) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحْيُوا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْيِىْ مِنَ اللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ

مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ اَنْ تَحْفَظَ الرَّاْسَ وَمَاوَعٰى وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَ تَذْكُرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَالْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا وَاٰثَرَ الْاٰخِرَةَ عَلَى الْاُوْلٰى فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسی حیا کرو جیسی اُس سے حیا کرنی چاہئے۔ مخاطبین نے عرض کیا، الحمد للہ! ہم اللہ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم اتنا محدود نہیں ہے جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ سر اور سر میں جو افکار و خیالات ہیں اُن سب کی نگہداشت کرو، اور پیٹ کی اور جو کچھ اُس میں بھرا ہے اُس سب کی نگرانی کرو (یعنی بُرے خیالات سے دماغ کی، اور حرام و ناجائز غذا سے پیٹ کی حفاظت کرو) اور موت اور موت کے بعد قبر میں جو حالت ہونی ہے اس کو یاد کرو اور جو شخص آخرت کو اپنا مقصد بنائے، وہ دنیا کی آرائش و عشرت سے دستبردار ہو جائے گا، اور اس چند روزہ زندگی کے عیش کے مقابلہ میں آگے آنے والی زندگی کی کامیابی کو اپنے لئے پسند اور اختیار کرے گا، پس جس نے یہ سب کچھ کیا، سمجھو کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق اُس نے ادا کیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس سلسلہ کی پہلی حدیث کی تشریح میں حیا کے معنی کی وسعت کی طرف جو اشارہ کیا گیا تھا، ترمذی کی اس حدیث سے اس کی توثیق ہی نہیں، بلکہ مزید توضیح و تشریح بھی ہو جاتی ہے، نیز حدیث کے آخری حصہ سے ایک اصولی بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اللہ سے حیا کرنے کا حق وہی بندے ادا کر سکتے ہیں جن کی نظر میں اس دنیا اور اسکے عیش و عشرت کی کوئی قیمت نہ ہو، اور دنیا کو ٹھکرا کے آخرت کو انہوں نے اپنا مطمحِ نظر بنالیا ہو، اور موت، اور موت کے بعد کی منزلیں ان کو ہمہ وقت یاد رہتی ہوں، اور جس کا یہ حال نہ ہو وہ خواہ کیسی ہی باتیں بناتا ہو، اس حدیث کا فیصلہ ہے کہ اُس نے اللہ سے حیا کا حق ادا نہیں کیا۔

قناعت و استغناء اور حرص و طمع

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغناء بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص و لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلا شبہ اُس کو بڑی دولت عطا ہوئی، اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:

۲۳۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کامیاب اور بامراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقتِ اسلام نصیب ہوئی، اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی، اور اللہ تعالیٰ نے اُس کو اس قدر قلیل

روزی پر قانع بھی بنادیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہو، اور ساتھ ہی اس دنیا میں گذارے کا کچھ ضروری سامان بھی، اور پھر اللہ تعالیٰ اُسکے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے، تواس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوشگوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرت بن جاتی ہے

این کیمیائے ہستی قاروں کند گدارا

آدمی کے پاس اگر دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن اس میں اور زیادہ کے لئے طمع اور حرص ہو، اور وہ اس میں اضافہ ہی کی فکر اور کوشش میں لگا رہے، اور "ھل من مزید" ہی کے پھیر میں پڑا رہے تو اُسے کبھی قلبی سکون نصیب نہ ہوگا، اور وہ دل کا فقیر ہی رہے گا بر خلاف اس کے اگر آدمی کے پاس صرف جینے کا مختصر سامان ہو، مگر وہ اس پر مطمئن اور قانع ہو تو فقر وافلاس کے باوجود وہ دل کا غنی رہے گا، اور اس کی زندگی بڑے اطمینان اور آسودگی کی زندگی ہوگی۔ اس حقیقت کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

۲۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعُرُوْضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دولت مندی مال و اسباب سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اصلی دولت مندی دل کی بے نیازی ہے۔ (صحیح بخاری)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یہی حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر اس طرح سمجھائی۔

۲۳۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ تَقُوْلُ كَثْرَةُ الْمَالِ الْغِنٰى قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ تَقُوْلُ قِلَّةِ الْمَالِ اَلْفَقْرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ ذَالِكَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ الْغِنٰى فِی الْقَلْبِ وَالْفَقْرُ فِی الْقَلْبِ۔ (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا: ابوذر! کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مال زیادہ ہونے کا نام تونگری ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! (ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) پھر آپ نے فرمایا، کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ مال کم ہونے کا نام فقیری اور محتاجی ہے؟ میں نے عرض کیا، ہاں حضور! (ایسا ہی خیال کیا جاتا ہے) یہ بات آپ نے مجھ سے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا، اصلی دولتمندی دل کے اندر ہوتی ہے، اور اصلی محتاجی اور فقیری بھی دل ہی میں ہوتی ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح..... حقیقت یہی ہے کہ تونگری اور محتاجی، خوشحالی اور بدحالی کا تعلق روپیہ پیسہ سے زیادہ آدمی کے دل

سے ہے، اگر دل غنی اور بے نیاز ہے، تو آدمی نچنت اور خوشحال ہے اور اگر دل حرص و طمع کا گرفتار ہے، تو دولت کے ڈھیروں کے باوجود وہ خوشحالی سے محروم اور محتاج و پریشاں حال ہے، سعدی علیہ الرحمہ کا مشہور قول ہے:

تونگری بدل ست نہ بہ مال

۲۳۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ اَنَّ نَاسًامِنَ الْاَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ حَتّٰی اِذَا نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ قَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِیْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ اَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ وَمَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَّتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا اُعْطِیَ اَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دفعہ کچھ طلب کیا، آپ نے ان کو عطا فرمادیا، (لیکن ان کی مانگ ختم نہیں ہوئی) اور انہوں نے پھر طلب کیا، آپ نے پھر ان کو عطا فرمادیا، یہاں تک کہ جو کچھ آپ کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا، اور کچھ نہ رہا، آپ نے ان انصاریوں سے فرمایا، سنو! جو مال و دولت بھی میرے پاس ہوگا اور کہیں سے آئے گا، میں اس کو تم سے بچا کر نہیں رکھوں گا اور اپنے پاس ذخیرہ جمع نہیں کروں گا (بلکہ تم کو دیتا رہوں گا، لیکن یہ بات خوب سمجھ لو، کہ اس طرح مانگ مانگ کر حاصل کرنے سے آسودگی اور خوش عیشی حاصل نہیں ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ) جو کوئی خود عفیف بننا چاہتا ہے یعنی دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے اپنے کو بچانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے اور سوال کی ذلت سے اُس کو بچا دیتا ہے، اور جو کوئی بندوں کے سامنے اپنی محتاجی ظاہر کرنے سے بچنا چاہتا ہے، یعنی اپنے کو بندوں کا محتاج اور نیاز مند بنانا نہیں چاہتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بندوں سے بے نیاز کر دیتا ہے، اور جو کوئی کسی کٹھن موقع پر اپنی طبیعت کو مضبوط کر کے صبر کرنا چاہتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکو صبر کی توفیق دیدیتا ہے (اور صبر کی حقیقت اُسکو نصیب ہو جاتی ہے) اور کسی بندہ کو بھی صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی۔

(سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث کا خاص سبق یہی ہے کہ بندہ اگر چاہتا ہے کہ وہ دوسرے بندوں کا محتاج نہ ہو، اور ان کے سامنے اس کو دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے، اور مصائب و مشکلات اس کو اپنی جگہ سے ہٹا نہ سکیں، تو اُسے چاہئے کہ اپنی استطاعت کی حد تک وہ خود ایسا بننے کی کوشش کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی پوری پوری مدد فرمائے گا اور یہ سب چیزیں اس کو نصیب ہو جائیں گی۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ "کسی بندے کو صبر سے زیادہ وسیع کوئی نعمت عطا نہیں ہوئی"۔ واقعہ یہی ہے کہ "صبر" دل کی جس کیفیت کا نام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نہایت وسیع اور نہایت عظیم نعمت ہے، اسی لئے قرآن مجید کی آیت "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" میں صبر کو صلوٰۃ یعنی نماز پر بھی

مقدم کیا گیا ہے۔

۲۳۵) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَانِىْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَاَعْطَانِىْ ثُمَّ قَالَ لِىْ يَا حَكِيْمُ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ اَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ اَخَذَهُ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِىْ يَاْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَرْزَأُ اَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى اُفَارِقَ الدُّنْيَا۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مال طلب کیا، آپ نے مجھے عطا فرمادیا، میں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا فرمادیا، پھر آپ نے مجھے نصیحت فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: اے حکیم! یہ مال سب کو بھلی لگنے والی اور لذیذ و شیریں چیز ہے، پس جو شخص اس کو بغیر حرص اور طمع کے سیر چشمی اور نفس کی فیاضی کے ساتھ لے اس کے واسطے اس میں برکت دی جائے گی اور جو شخص دل کے لالچ کے ساتھ لے گا اُس کے واسطے اس میں برکت نہیں ہوگی اور اُس کا حال جوع البقر کے اس مریض کا سا ہوگا جو کھائے اور پیٹ نہ بھرے۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے (یعنی دینے والے کا مقام اونچا ہے اور ہاتھ پھیلا کر لینا ایک گھٹیا بات ہے لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس سے بچنا چاہئے۔ حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ (حضور ﷺ کی یہ نصیحت سُن کر) میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! قسم ہے اُس پاک ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے اب آپ کے بعد مرتے دم تک میں کسی سے کچھ نہ لونگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حکیم بن حزام نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جو عہد کیا تھا اُس کو پھر ایسا نباہا کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں (جب کہ سب ہی کو وظیفے اور عطیے دیئے جاتے تھے) انکو بھی بُلا کر بار بار کچھ وظیفہ یا عطیہ دینا چاہا لیکن یہ لینے پر آمادہ ہی نہیں ہوئے۔ اور فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے مسند اسحاق بن راہویہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت و امارت میں بھی انہوں نے کبھی کوئی وظیفہ یا عطیہ قبول نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ کے دورِ امارت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔

۲۳۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالشُّحِّ اَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوْا وَاَمَرَهُمْ بِالْقَطِيْعَةِ فَقَطَعُوْا وَ اَمَرَهُمْ بِالْفُجُوْرِ فَفَجَرُوْا۔ (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا کہ حرص و طمع سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی حرص سے تباہ ہوئیں، اسی نے ان کو بخل

کرنے کو کہا تو انہوں نے بخل اختیار کیا اسی نے ان کو قطع رحمی یعنی حقوق قرابت کی پامالی کے لئے کہا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کی، اس نے ان کو بدکاری کے لئے کہا تو انہوں نے بدکاریاں کیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یعنی حرص و طمع صرف ایک بُری خصلت ہی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے انسانی معاشرہ میں دوسری بھی نہایت تباہ کن خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بالآخر قوموں کو لے ڈوبتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس خطرناک اور تباہ کن جذبہ سے اپنے دلوں اور سینوں کی پوری پوری حفاظت کریں۔

۲۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّمَا فِیْ رَجُلٍ شُحٌّ هَالِعٌ وَ جُبْنٌ خَالِعٌ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ، انسان میں سب سے بُری بات کڑھا دینے والی حرص اور گھبرا دینے والی بزدلی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ حقیقت ہے کہ حریص اور لالچی آدمی ہر وقت اس غم میں گھلتا اور کڑھتا رہتا ہے، کہ یہ نہیں ملا، وہ نہیں ملا، فلاں کے پاس یہ ہے اور میرے پاس یہ نہیں ہے، اسی طرح زیادہ بزدل آدمی خواہ مخواہ موہوم خطرات سے بھی ہر وقت گھبراتا رہتا ہے اور اس کو اطمینان کے سانس لینے نصیب نہیں ہوتے، رسول اللہ ﷺ نے انسان کے دل کی ان دونوں کیفیتوں کو بدترین کیفیت بتلایا، اور فی الحقیقت یہ بدترین اور ذلیل ترین خصلتیں ہیں۔

صبر و شکر

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام اور خوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوشگواری بھی ہے اور ناخوشگواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور سراسیمگی کا شکار نہ ہوں بلکہ ایمانی صبر و ثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں، اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔ اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہیں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں بلکہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لئے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے طرح طرح سے اسکی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنیکا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں خدا سے وابستہ رہتا ہے اور دوسرا فائدہ

یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج و غم کے تسلسل سے بھی اسکی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اسکی عملی قوتوں کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس سلسلے کی رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

۲۳۸) عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندۂ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لئے خیر ہی خیر ہے، اور اگر اُسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لئے سراسر خیر اور موجبِ برکت ہوتا ہے۔ (مسلم)

تشریح ...... اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کیلئے ہے لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف اُن اہل ایمان ہی کا حصہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کر لیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوشگواری ان کو پیش آتی ہے، تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چونکہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لئے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔

۲۳۹) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلىٰ لَمْ اَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزندِ آدم! اگر تو نے شروع صدمہ میں صبر کیا اور میری رضا اور ثواب کی نیت کی، تو میں نہیں راضی ہوں گا کہ جنت سے کم اور اسکے سوا کوئی ثواب تجھے دیا جائے۔ (ابن ماجہ)

تشریح ...... جب کوئی صدمہ کسی آدمی کو پہنچتا ہے تو اس کا زیادہ اثر ابتدا ہی میں ہوتا ہے، ورنہ کچھ دن گذرنے کے بعد تو وہ اثر خود بخود بھی زائل ہو جاتا ہے، اس لئے صبر دراصل وہی ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کا خیال کر کے اور اس کی رضا اور ثواب کی امید پر کیا جائے، اُس کی فضیلت ہے اور اسی پر ثواب کا وعدہ ہے، بعد میں طبعی طور پر جو صبر آ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا ہے کہ جو

صاحبِ ایمان بندہ کسی صدمہ کے پہنچنے کے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کی نیت سے صبر کرے گا تو اللہ اس کو جنت ضرور عطا فرمائے گا اور جنت کے سوا اور اس سے کم درجہ کی کوئی چیز اُس کے صبر کے ثواب میں دینے پر خود خدائے تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ اللہ اکبر! کس قدر کریمانہ انداز ہے، براہِ راست بندہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے ابنِ آدم جب تجھے میرے تقدیری حکم سے کوئی صدمہ پہنچے اور تو اس وقت میری رضا اور ثواب کی اُمید پر اُس صدمہ کا استقبال صبر سے کرے تو تجھے جنت دیئے بغیر میں راضی نہ ہوں گا۔ گویا اس صبر کی وجہ سے بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو ایسا خاص تعلق ہو جائے گا کہ اس بندہ کو جنت دیئے بغیر اللہ تعالیٰ راضی اور خوش نہ ہونگے۔

ف...... جب کسی بندۂ خدا کو کسی قسم کا کوئی صدمہ پہنچے تو اگر اس وقت اس حدیث کو اور اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ وعدہ کو یاد کر کے صبر کر لے، تو انشاء اللہ اس صبر میں ایک خاص لذت اور حلاوت ملے گی، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یقیناً جنت بھی عطا ہو گی۔

۲۴۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَفَعَهُ مَنْ اُصِيْبَ بِمُصِيْبَةٍ فِىْ مَالِهٖ اَوْفِىْ نَفْسِهٖ فَكَتَمَهَا وَلَمْ يَشْكُهَا اِلَى النَّاسِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يَغْفِرَلَهٗ ـ (رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ... حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ: جو بندہ کسی جانی یا مالی مصیبت میں مبتلا ہو، اور وہ کسی سے اس کا اظہار نہ کرے، اور نہ لوگوں سے شکوہ شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہے کہ وہ اس کو بخش دیں گے۔ (معجم اوسط طبرانی)

تشریح...... صبر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی مصیبت اور تکلیف کا کسی سے اظہار بھی نہ ہو اور ایسے صابروں کے لئے اس حدیث میں مغفرت کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انکی بخشش کا ذمہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مواعید پر یقین اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۴۱) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَرْسَلَتْ اِبْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِ اَنَّ اِبْنًالِىْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَاَرْسَلَ يَقْرَءُ السَّلَامَ وَ يَقُوْلُ اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَلَهٗ مَا اَعْطىٰ وَ كُلٌّ عِنْدَهٗ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَاَرْسَلَتْ اِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَاتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهٗ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَاُبَىُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَّرِجَالٌ فَرُفِعَ اِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِىُّ وَنَفْسُهٗ يَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللهُ فِىْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ ـ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ... حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آنحضرت ﷺ کے پاس کہلا کے بھیجا کہ میرے بچے کا آخری دم ہے، اور چل چلاؤ کا وقت ہے، لہٰذا آپ اس وقت تشریف لے آئیں، آپ نے اس کے جواب میں سلام کہلا کے بھیجا اور پیام دیا کہ بیٹی! اللہ تعالیٰ کسی سے جو کچھ لے وہ بھی اسی کا ہے، اور کسی کو جو کچھ دے وہ بھی اسی کا ہے،

الغرض ہر چیز ہر حال میں اُسی کی ہے (اگر کسی کو دیتا ہے تو اپنی چیز دیتا ہے اور کسی سے لیتا ہے تو اپنی چیز لیتا ہے) اور ہر چیز کیلئے اس کی طرف سے ایک مدت اور وقت مقرر ہے (اور اس وقت کے آجانے پر وہ چیز اس دنیا سے اٹھالی جاتی ہے) پس چاہئے کہ تم صبر کرو، اور اللہ تعالیٰ سے اس صدمہ کے اجر و ثواب کی طالب بنو۔ صاحبزادی صاحبہ نے پھر آپ کے پاس پیام بھیجا اور قسم دی کہ اس وقت حضور ضرور ہی تشریف لے آئیں، پس آپ اُٹھ کر چلدیئے، اور آپ کے اصحاب میں سے سعد بن عبادہؓ اور معاذ بن جبلؓ اور ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ اور بعض اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ہو لئے، پس وہ بچہ اُٹھا کر آپ کی گود میں دیا گیا، اور اس کا سانس اُکھڑ رہا تھا، اُسکے حال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس پر سعد بن عبادہ نے عرض کیا، حضرت! یہ کیا؟ آپ نے فرمایا کہ، یہ رحمت کے اس جذبہ کا اثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اور اللہ کی رحمت ان ہی بندوں پر ہو گی جن کے دلوں میں رحمت کا یہ جذبہ ہو (اور جن کے دل سخت اور رحمت کے جذبہ سے بالکل خالی ہوں، وہ خدا کی رحمت کے مستحق نہ ہوں گے)۔

تشریح...... حدیث کے آخری حصے سے معلوم ہوا کہ کسی صدمہ سے دل کا متاثر ہونا، اور آنکھوں سے آنسو بہنا صبر کے منافی نہیں، صبر کا مقتضیٰ صرف اتنا ہے کہ بندہ مصیبت اور صدمہ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت یقین کرتے ہوئے اس کو بندگی کی شان کے ساتھ انگیز کرے، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور اس کا شاکی نہ ہو اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کا پابند رہے۔ باقی طبعی طور پر دل کا متاثر ہونا اور آنکھوں سے آنسو بہنا تو قلب کی رقت اور اس جذبۂ رحمت کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی فطرت میں ودیعت رکھا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے اور جو دل اس سے خالی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت سے محروم ہے۔ سعد بن عبادہؓ نے حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر تعجب سے سوال اس لئے کیا کہ اس وقت تک ان کو یہ بات معلوم نہ تھی کہ دل کا یہ تأثر اور آنکھوں سے آنسو گرنا صبر کے منافی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۴۲) عَنْ مَعَاذٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّهُ مَاتَ لَهُ اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّعْزِيَةَ "بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللهِ اِلىٰ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّىْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَ اِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللهُ بِهٖ فِىْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ، اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَّلَا يَدْفَعُ حَزَنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَاَنْ قَدْ. وَالسَّلَامُ۔ (رواه الطبرانى فى الكبير والاوسط)

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُن کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے رسول محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام، میں پہلے اُس اللہ کی تم سے حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ کا اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا، اور جب اُس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا، اور وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو، اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے اجر کو غارت کر دے، اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا، اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔ (معجم کبیر و معجم اوسط)

تشریح...... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے ارشاد ہے، "أُولَـٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ" (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی، اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے، اور وہ ہدایت یاب ہوں گے)۔ رسول اللہ ﷺ نے اس تعزیت نامہ میں اُسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ "تم نے ثواب اور رضاءِ الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا، تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے"۔

ف...... رسول اللہ ﷺ کے اس تعزیت نامہ میں ہر اُس صاحب ایمان بندے کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی تشفی کا پورا سامان ہے، جس کو کوئی صدمہ پہنچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کی اس ایمان افروز تعزیت و نصیحت سے سکون حاصل کریں، اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنائیں۔

۲۴۳) عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَالَ يَا عِيْسىٰ اِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ اُمَّةً اِذَا اَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللهَ وَاِنْ اَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ اِحْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ اُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ... حضرت ابوالدرداؓ کی بیوی ام الدرداءؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں، مجھ سے میرے شوہر ابوالدردا نے بیان کیا کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا، آپ بیان فرماتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے

فرمایا کہ اے عیسیٰ! میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا جس کی سیرت یہ ہوگی کہ جب ان کو ان کی چاہت اور خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی تو وہ جذبۂ شکر سے معمور ہو کر اللہ کی حمد و ثنا کریں گے، اور جب اُن پر ناخوشگوار احوال آئیں گے تو وہ صبر سے اُن کا استقبال کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کے طالب ہوں گے حالانکہ اُن میں (کوئی خاص درجہ کی) بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا کہ، جب ان میں بردباری اور دانشمندی نہ ہوگی، تو اُن سے خوشحالیوں میں شکر، اور مصائب پر صبر کیونکر ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اُن کو اپنے حلم اور اپنے علم میں سے کچھ حصہ دوں گا۔
(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مصیبت میں مایوس، دل شکستہ اور سراسیمہ ہو جانا اور نعمت اور خوشحالی میں مست ہو کر اپنی اصل حقیقت کو اور خدا کو بھی بھول جانا انسانوں کی عام کمزوری ہے، اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا○" اب اگر کسی امت اور کسی گروہ کی سیرت ایسی ہو کہ وہ مصیبتوں میں صابر اور نعمتوں پر شاکر ہو، تو اللہ تعالیٰ کا اس پر خاص فضل ہے، اور یہ اس کا بڑا امتیاز ہے، رسول اللہ ﷺ کے عام صحابہ اور قرون مابعد کے صلحاء مؤمنین کو اللہ تعالیٰ نے جو خاص روحانی صفات عطا فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُن کو صبر و شکر کی دولت سے بہرہ ور فرمایا، اور اُن کے اس صبر و شکر کا سرچشمہ ان کی عقلیت اور علم کی وُسعت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اُس نے اپنے علم و حلم کے کچھ ذرّے ان بندوں کو عطا فرما دیئے ہیں، اور یہ صبر و شکر اُسی کے ثمرات ہیں۔

جس طرح اس امت کے اور بہت سے امتیازات اور خصائص کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء سابقین سے فرمایا، اسی طرح صبر و شکر میں اس کے امتیاز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ انسانوں کی روحانی تربیت اور سیرت سازی کا جو کام انہوں نے اور ان سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے کیا اُس کی تکمیل اُن کے بعد آنے والے اللہ کے پیغمبر کے ذریعہ ہونے والی ہے، اور اُس کے نتیجہ میں ایک ایسی امت ظہور میں آنے والی ہے جو صبر و شکر کے مقام پر فائز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کے علم و حلم سے وہ بہرہ یاب ہوگی۔

توکل اور رضا بالقضا

ہم انسانوں کو جو حقیقتیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ معلوم ہوئی ہیں، اُن میں سے ایک اہم حقیقت یہ بھی ہے کہ اس کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہوتا ہے اور جس کو جو کچھ ملتا یا نہیں ملتا ہے، سب براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے، اور ظاہری اسباب کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ چیزوں کے ہم تک پہنچنے کے لئے اللہ ہی کے مقرر کئے ہوئے صرف ذریعے اور راستے ہیں، جس طرح کہ گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے وہ پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کی تقسیم میں اُن کا اپنا کوئی دخل اور کوئی حصہ نہیں ہے، اسی طرح عالمِ وجود میں کارفرمائی اسباب کی بالکل نہیں ہے، بلکہ کارفرما اور

مؤثر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے۔

اس حقیقت پر دل سے یقین کر کے اپنے تمام مقاصد اور کاموں میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، اسی سے لو لگانا، اسی کی قدرت اور اسی کے کرم پر نظر رکھنا، اسی سے اُمید یا خوف ہونا اور اسی سے دعا کرنا، بس اسی طرزِ عمل کا نام دین کی اصطلاح میں توکل ہے۔ توکل کی اصل حقیقت بس اتنی ہی ہے۔ ظاہری اسباب و تدابیر کا ترک کر دینا، یہ توکل کیلئے لازم نہیں ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام خاص کر سید الانبیاء ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کرامؓ اور ہر دور کے عارفین کاملین کا توکل یہی تھا، یہ سب حضرات اس کارخانۂ ہستی کے اسبابی سلسلے کو اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے ماتحت اور اس کی حکمت کا تقاضا جانتے ہوئے عام حالات میں اسباب کا بھی استعمال کرتے تھے، لیکن دل کا اعتماد اور بھروسہ صرف اللہ ہی کے حکم پر ہوتا تھا، اور جیسا کہ عرض کیا گیا وہ اسباب کو پانی کے نلوں کی طرح صرف ایک ذریعہ ہی جانتے تھے، اور اسی واسطے وہ ان اسباب کے استعمال میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے احکام کی تعمیل کا پورا پورا لحاظ رکھتے تھے، نیز یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان اسباب کی پابند نہیں ہے، وہ اگر چاہتے تو ان کے بغیر بھی سب کچھ کر سکتا ہے، اور کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا مشاہدہ اور تجربہ بھی کرتے تھے۔

الغرض ترکِ اسباب نہ توکل کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کیلئے شرط ہے، ہاں اگر غلبۂ حال سے اللہ کا کوئی صاحبِ یقین بندہ ترکِ اسباب کر دے تو قابل اعتراض بھی نہیں، بلکہ ان کے حق میں یہی کمال ہی ہوگا، اسی طرح اگر اسباب سے دل کا تعلق توڑنے کے لئے اور بجائے اسباب کے اللہ پر یقین پیدا کرنے کے لئے یا دوسروں کو اس کا مشاہدہ اور تجربہ کرانے کیلئے کوئی بندۂ خدا ترکِ اسباب کا رویّہ اختیار کر لے، تو یہ بھی بالکل درست ہوگا، لیکن توکل کی اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے جو اوپر عرض کی گئی، اور قرآن و حدیث میں اسی کی ترغیب و دعوت دی گئی ہے اور اسی کے حاملین کی مدح و ثنا کی گئی ہے، اور بلاشبہ یہ توکل ایمان اور توحید کے کمال کا لازمی ثمرہ ہے، جس کو توکل نصیب نہیں، یقیناً اس کا ایمان اور اس کی توحید کامل نہیں ہے۔

پھر توکل سے بھی آگے رضا بالقضا کا مقام ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر جو بھی اچھے یا بُرے احوال آئیں وہ یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر حال کا بھیجنے والا میرا مالک ہی ہے، اس کے حکم اور فیصلہ پر دل سے راضی اور شاد رہے، اور راحت و عافیت کے دنوں کی طرح تکلیف و مصیبت کی گھڑیوں میں بھی اس کے خدا آشنا دل کی صدا یہی ہو، کہ :

ہر چہ از دوست میرسد نیکوست

ان تمہیدی سطروں کے بعد توکل اور رضا بالقضاء کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں پڑھئے:

۲۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِىْ سَبْعُوْنَ

اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے وہ، وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، اور شگونِ بد نہیں لیتے، اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔　(بخاری و مسلم)

تشریح.....اس حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کیلئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت مبعوث ہوئے اس وقت اہلِ عرب میں دوسری بہت سی چھوٹی بڑی قابلِ اصلاح برائیوں کے علاوہ یہ دو برائیاں بھی عام طور پر رائج تھیں۔ ایک یہ کہ جب وہ خود یا اُن کے بچے کسی بیماری اور دکھ درد میں مبتلا ہوتے، تو اُس وقت کے منتر کرنے والوں سے منتر کراتے، اور سمجھتے کہ یہ جنتر منتر دکھ اور بیماری کو بھگانے کی ایک آسان تدبیر ہے (اور یہ منتر عموماً جاہلیت کے زمانہ ہی کے تھے) اور دوسرے یہ کہ جب وہ کوئی ایسا کام کرنے کا ارادہ کرتے جس میں نفع اور نقصان، ہار اور جیت دونوں کا احتمال ہوتا تو شگون لیتے اور اگر شگون بُرا نکلتا تو سمجھتے کہ یہ کام ہم کو راست نہیں آئے گا، اس لئے پھر اس کو نہیں کرتے تھے، الغرض شگون کو بھی وہ نقصان سے بچنے کی ایک آسان تدبیر جانتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں چیزوں کی مختلف موقعوں پر مذمت فرمائی، اور تعلیم دی کہ بیماری دور کرنے کے لئے منتر نہ کرائے جائیں، اور شگونِ بد لینے اور اس کا اثر قبول کرنے کا یہ طریقہ بھی چھوڑا جائے، اور یقین رکھا جائے کہ بیماری اور تندرستی اور نفع نقصان سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، لہٰذا اس پر بھروسہ کیا جائے اور اپنے مقاصد اور ضروریات کے لئے صرف وہی اسباب اور تدابیر استعمال کی جائیں جو اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں، کیونکہ اصل کار فرما اور مؤثر اسباب نہیں ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کا حکم ہے، لہٰذا کسی مقصد کیلئے ایسے اسباب استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، سخت حماقت کی بات ہے۔

پس اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جنت میں بے حساب جانے والے یہ بندگانِ خدا وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے منتر اور شگونِ بد کے ان غلط طریقوں کو چھوڑ دیا۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ یہ لوگ اسباب کا استعمال مطلقاً ترک کر کے توکل کرنے والے ہوں گے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ مقصد ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی صراحت فرماتے، اس موقع پر اسباب میں سے صرف ان ہی دو چیزوں (منتر اور شگونِ بد) کے ذکر کرنے سے (جو کہ شریعت میں خود ہی ممنوع ہیں) صاف معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہی ہے کہ یہ بندے وہ ہوں گے جو اپنے مقاصد اور ضروریات میں اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے اور اسی کی مشیت اور اسی کے حکم کو اصل کار فرما اور مؤثر سمجھنے کے سبب سے اُس اسباب کو استعمال نہیں کرتے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ پس یہ حدیث خود ہی اس کی دلیل ہے کہ جو اسباب اللہ تعالیٰ نے جن مقاصد کیلئے اپنی حکمت

سے مقرر فرمائے ہیں اور شریعت نے ان کی اجازت دی ہے اُن کا ترک کر دینا توکل کا مقتضیٰ نہیں ہے، بلکہ صرف ان اسباب اور تدابیر کا ترک کرنا توکل کا اقتضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اور شریعت نے جن کو غلط قرار دیا ہے۔ [1]

البتہ توکل کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسباب کو بس ایک راستہ اور اللہ کی حکمت کا پردہ سمجھے اور دل کا تعلق بس اللہ ہی سے ہو، اور یہی چیز متوکل اور غیر متوکل کے طرزِ عمل میں ایک محسوس فرق بھی پیدا کر دیتی ہے۔

اس حدیث میں جنت میں بے حساب داخل ہونے والے رسول اللہ ﷺ کے امتیوں کی تعداد ستر ہزار بتلائی گئی ہے، یہ تعداد صرف اُن کی ہے جو اس فضیلت کے درجۂ اول میں مستحق ہوں گے، ورنہ ایک دوسری حدیث میں یہ اضافہ بھی آیا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار اور بھی بے حساب ہی جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بات کئی دفعہ ذکر کی جاچکی ہے کہ عربی زبان اور محاورات میں یہ عدد صرف کثرت اور غیر معمولی بہتات کے اظہار کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس حدیث میں بھی غالباً ایسا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ حدیث صرف ایک پیشین گوئی اور آخرت میں پیش آنے والے ایک واقعہ کی صرف خبر ہی نہیں ہے بلکہ حدیث کا اصل منشاء یہ ہے کہ آپ کے جن امتیوں کو یہ حدیث پہنچے وہ اپنی زندگی کو توکل والی زندگی بنانے کی کوشش کریں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنت میں بے حساب داخل ہونے والوں کی فہرست میں ان کا نام بھی چڑھ جائے۔

۲۴۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے، کہ اگر تم لوگ اللہ پر ایسا توکل اور اعتماد کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے، تو تم کو وہ اس طرح روزی دے جس طرح کہ پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح کو بھوکے اپنے آشیانوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر بنی آدم روزی کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر ایسا اعتماد اور بھروسہ کریں، جیسا کہ انہیں کرنا چاہئے تو اللہ کا معاملہ اُن کے ساتھ یہ ہو کہ جس طرح وہ چڑیوں کو سہولت سے رزق دیتا ہے کہ

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کو توکل ہی کے بیان میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اقول انما وصفهم النبى صلى الله عليه وسلم بهذا (اى بقوله هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون الخ) اعلاماً بان اثر التوكل ترك الاسباب التى نهى الشرع عنها لا ترك الاسباب التى سنها الله تعالىٰ لعباده۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۹۲ ج ۲)

انہیں آدمیوں کی سی محنت ومشقت کے بغیر معمولی نقل وحرکت سے روزی مل جاتی ہے، صبح کو وہ خالی پیٹ نکلتی ہیں اور شام کو پیٹ بھری اپنے آشیانوں میں واپس آتی ہیں، اسی طرح پھر اللہ تعالیٰ آدمیوں کو بھی سہولت سے رزق پہنچائے، اور انہیں زیادہ کدوکاش نہ اُٹھانی پڑے، جیسا کہ اب اُٹھانی پڑتی ہے۔

۲۴۶) عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِقَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ بِكُلِّ وَادٍ شُعْبَةً فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ كُلَّهَا لَمْ يُبَالِ اللهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے دل کیلئے ہر میدان میں ایک شاخ ہے (یعنی ہر میدان میں آدمی کے دل کی خواہشیں پھیلی ہوئی ہیں) پس جو آدمی اپنے دل کو ان سب شاخوں اور خواہشوں میں لگادے گا، اور فکر کے گھوڑے ہر طرف دوڑائے گا تو اللہ کو پروانہ ہوگی، کہ کس وادی اور کس میدان میں اس کی ہلاکت ہو، اور جو آدمی اللہ پر بھروسہ کرے (اور اپنی حاجتیں اسکے سپرد کردے، اور اپنی زندگی کو اس کا تابع فرمان بنادے) تو اللہ تعالیٰ اس کی ساری ضرورتوں کیلئے کفایت کریگا (اور اسکو دل کے اطمینان وسکون کی وہ دولت نصیب ہوگی جو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے)۔

تشریح...... حدیث کا نفس مطلب ترجمہ کے ساتھ واضح کیا جاچکا ہے، حاصل اور اصل پیغام اس حدیث کا یہ ہے کہ بندہ اپنی ساری ضروریات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے، اور اس پر توکل اور اعتماد کرے، اور اس کے احکام کا پابند ہو کر زندگی گذارے، اور دنیوی ضرورتوں کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو بھی اس کے احکام کے تحت کردے، پھر اللہ اس کیلئے کافی ہوگا اور وہی اس کی ضرورتیں پوری کرتا رہے گا۔

۲۴۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تِجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک ہی سواری پر آپ کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، اے لڑکے تو اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ (یعنی اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل نہ ہو) اللہ تعالیٰ تیرا خیال فرمائے گا، اور دنیا وآخرت کی آفات وبلیات سے تیری حفاظت کرے گا، تو اللہ کو یاد رکھ، جیسا کہ یاد رکھنا چاہئے، اس کو تو اپنے سامنے پائے گا، اور جب تو کسی چیز کو مانگنا چاہے تو بس اللہ سے مانگ، اور جب کسی ضرورت اور مہم میں تو مدد کا محتاج اور طالب ہو تو اللہ ہی سے امداد واعانت طلب کر، اور اس بات کو

دل میں بٹھالے کہ اگر ساری انسانی برادری بھی باہم متفق ہو کر اور جٹ کر چاہے کہ تجھ کو کسی چیز سے نفع پہنچائے تو صرف اُسی چیز سے تجھ کو نفع پہنچا سکے گی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے مقدر کر دی ہے، اس کے سوا کسی چیز سے نہیں اور اسی طرح اگر ساری انسانی دنیا تجھ کو کسی چیز سے نقصان پہنچانا چاہے تو صرف اُسی چیز سے نقصان پہنچا سکے گی جس سے نقصان پہنچنا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی تیرے لئے مقدر کر دیا ہے، اس کے سوا کسی چیز سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا جا سکے گا، اُٹھ چکے قلم اور خشک بھی ہو چکے صحیفے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... حدیث کا مطلب و منشاء اور اس کی روح یہی ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان اور دکھ آرام صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ اگر ساری دنیا کے انسان مل کر کسی بندہ کو کوئی نفع یا نقصان یا دکھ یا آرام پہنچانا چاہیں تب بھی اللہ کے حکم اور اُس کے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، وجود میں وہی آئے گا اور وہی ہو گا جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے، اور قلم تقدیر جس کو اب سے بہت پہلے لکھ کر فارغ ہو چکا ہے، اور اس کی تحریر خشک بھی ہو چکی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی حاجات کے لئے کسی مخلوق سے سوال کرنا اور اس سے مدد مانگنا صرف نادانی اور گمراہی ہے۔ لہٰذا جو مانگنا ہو اللہ سے مانگو اور اپنی حاجات کے لئے اُسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤ، اور اُس سے لینے کی صورت یہ ہے کہ اس کو اور اس کے احکام و حقوق کو یاد رکھو، وہ تمہیں یاد رکھے گا اور تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا، اور دنیا و آخرت میں تم پر فضل فرمائیگا۔

چونکہ کتاب الایمان میں تقدیر کے بیان میں پوری وضاحت اور تفصیل سے بتلایا جا چکا ہے کہ "تقدیر" کا مطلب کیا ہے، اور تقدیر کو ماننے کے باوجود عمل اور تدبیر کی ضرورت کیوں ہے، اس لئے اس شبہ اور وسوسہ کے متعلق یہاں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ ناظرین میں سے اگر کسی کو اس بارے میں خلجان ہو تو معارف الحدیث حصہ اول میں تقدیر کا بیان پڑھ لیا جائے۔

۲۴۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنْ شَيْئٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُ كُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ شَيْئٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ (وَفِىْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ) نَفَثَ فِىْ رَوْعِىْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللهَ وَاَجْمِلُوْا فِى الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِى اللهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرِكُ مَا عِنْدَ اللهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ۔

(رواه البغوى فى شرح السنة والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو جنت سے تم کو قریب اور دوزخ سے تم کو بعید کرے، مگر اس کا حکم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اسی طرح نہیں ہے کوئی چیز ایسی جو دوزخ سے تم کو قریب اور جنت سے بعید کرے، مگر میں تم کو اس سے

منع کر چکا ہوں (یعنی کوئی نیکی اور ثواب کی بات ایسی باقی نہیں رہی جس کی تعلیم میں نے تم کو نہ دے دی ہو، اور کوئی بدی اور گناہ کی بات ایسی نہیں رہی جس کی میں نے تم کو ممانعت نہ کر دی ہو، اس طرح اوامر و نواہی کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اور اللہ کے تمام مثبت و منفی احکام جو مجھے ملے تھے وہ میں تم کو پہنچا چکا ہوں) اور الروح الامین نے اور ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے (اور دونوں سے مراد جبرئیل امین ہیں) ابھی میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے (یعنی اللہ کی طرف سے یہ وحی پہنچائی ہے) کہ کوئی متنفس اس وقت تک نہیں مر تا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کر لے (یعنی ہر شخص کو اس کے مرنے سے پہلے اس کا مقدر رزق ضرور بالضرور مل جاتا ہے، اور جب تک رزق پورا نہ ہو جائے اُس کو موت آ ہی نہیں سکتی ہے) لہٰذا اے لوگو! خدا سے ڈرو اور تلاشِ رزق کے سلسلہ میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، اور روزی میں کچھ تاخیر ہو جانا تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اللہ کی نافرمانیوں اور نامشروع طریقوں سے اس کے حاصل کرنے کی فکر و کوشش کرنے لگو، کیونکہ جو کچھ اللہ کے قبضہ میں ہے وہ اس کی فرمانبرداری اور طاعت گذاری ہی کے ذریعہ اس سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(شرح السنۃ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... حدیث کا ابتدائی حصہ صرف تمہید ہے، رسول اللہ ﷺ اس موقع پر دراصل وہی خاص بات اپنے مخاطبین کو بتلانا اور پہنچانا چاہتے تھے جو جبرئیل امینؑ نے اُس وقت آپ کے دل میں ڈالی تھی، لیکن مخاطبین کے ذہنوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کے لئے آپ نے پہلے ارشاد فرمایا کہ لوگو! حلال و حرام اور گناہ و ثواب کی پوری تعلیم میں تم کو دے چکا ہوں، اب ایک اہم تکمیلی بات جو ابھی جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں۔

اس تمہید کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اپنے مخاطبین کے ذہنوں کو بیدار اور متوجہ کیا اور اس کے بعد وہ خاص بات ارشاد فرمائی، جس کا حاصل یہ ہی ہے کہ ہر شخص کا رزق مکتوب اور مقدّر ہو چکا ہے، وہ مرنے سے پہلے پہلے اس کو مل کر رہے گا، اور جب معاملہ یہ ہے تو آدمی کو چاہئے کہ اگر روزی میں کچھ تنگی اور تاخیر بھی ہو جب بھی وہ اسکے حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اور بس میں اس کی نافرمانی ہوتی ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین رکھتے ہوئے صرف حلال اور مشروع طریقوں ہی سے اسکے حاصل کرنے کی کوشش کرے کیونکہ اللہ کا فضل و انعام اس کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری ہی کے راستہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

اس کو ایک جزئی مثال کے انداز میں آسانی سے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے اللہ کا کوئی بندہ تنگدستی میں مبتلا ہے اور اس کو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، اس موقع پر وہ ایک شخص کو دیکھتا ہے کہ وہ سو رہا ہے، شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اس سونے والے شخص کی کوئی چیز اُٹھا لے اور ابھی ہاتھ کے ہاتھ بیچ کر روزی حاصل کر لے، ایسے وقت کے لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم ہے کہ یقین رکھو جو روزی تم کو پہنچنے والی ہے وہ پہنچ کے رہے گی، پھر کیوں چوری کر کے اپنے اللہ کو ناراض، اپنے ضمیر اور

اپنی روح کو ناپاک، اور اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہو، بجائے چوری کرنے کے کسی حلال اور جائز ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش کرو، حلال کا میدان ہر گز تنگ نہیں ہے۔

۲۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَأٰی مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ اِلَى الْبَرِیَّةِ فَلَمَّا رَاَتِ امْرَاَتُهٗ قَامَتْ اِلَى الرَّحٰى فَوَضَعَتْهَا وَاِلَى التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَةُ قَدِ امْتَلَأَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ اِلَى التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتِ امْرَاَتُهٗ نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا وَقَامَ اِلَى الرَّحٰى فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اَنَّهٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں) اللہ کا ایک بندہ اپنے اہل و عیال کے پاس پہنچا جب اس نے ان کو فقر و فاقہ کی حالت میں دیکھا تو (الحاح کے ساتھ اللہ سے دعا کرنے کیلئے) جنگل کی طرف چل دیا، جب اس کی نیک بی بی نے دیکھا (کہ شوہر اللہ تعالیٰ سے مانگنے کیلئے گئے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کر کے اس نے تیاری شروع کر دی) وہ اٹھ کر چکی کے پاس آئی اور اس کو تیار کیا (تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کہیں سے کچھ غلہ آئے تو جلدی سے اس کو پیسا جا سکے) پھر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کو گرم کیا (تاکہ آٹا پس جانے کے بعد پھر روٹی پکانے میں دیر نہ لگے) پھر اس نے خود بھی دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے مالک ہمیں رزق دے۔ اب اس کے بعد اس نے دیکھا کہ چکی کے گرداگرد آٹے کے لئے جو جگہ بنی ہوتی ہے (جس کو چکی کا گرانڈ اور کہیں کہیں چکی کی بھر بھی کہتے ہیں) وہ آٹے سے بھری ہوئی ہے، پھر وہ تنور کے پاس گئی تو دیکھا کہ تنور بھی روٹیوں سے بھرا ہوا ہے (اور جتنی روٹیاں اس میں لگ سکتی ہیں، لگی ہوئی ہیں) اس کے بعد اس بیوی کے شوہر واپس آئے اور بیوی سے پوچھا کہ میرے جانے کے بعد تم نے کچھ پایا؟ بیوی نے بتایا کہ ہاں ہمیں اپنے پروردگار کی طرف سے ملا ہے (یعنی براہِ راست خزانۂ غیب سے اس طرح ملا ہے) یہ سُن کر یہ بھی چکی کے پاس گئے (اور اس کو اٹھا کر دیکھا یعنی تعجب اور شوق میں غالباً اس کا پاٹ اٹھا کر دیکھا) پھر جب یہ ماجرا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ معلوم ہونا چاہئے کہ اگر یہ اسکو اُٹھا کر نہ دیکھتے تو چکی قیامت تک یوں ہی چلتی رہتی، اور اس سے ہمیشہ آٹا نکلتا رہتا۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس روایت میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے وہ خوارق کے قبیل سے ہے، اس دنیا میں عام طور سے اللہ تعالیٰ کی عطائیں اسباب ہی کے سلسلہ سے ملتی ہیں، لیکن کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ تماشا بھی ظہور میں آتا ہے کہ عالمِ اسباب کے عام دستور کے خلاف براہِ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کیلئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ پھر اس قسم کے واقعات اگر اللہ کے کسی پیغمبر کے ہاتھ پہ ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے، اور اگر انکے کسی متبع اُمتی کے ہاتھ پہ ایسے واقعہ کا ظہور ہو، تو اسکو کرامت کہا جاتا ہے۔

ان دونوں میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ پر پوری طرح یقین کر کے اس سے روزی مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو اس طرح قبول کیا کہ خارقِ عادت طریقہ سے ان کیلئے روزی کا سامان بھیجا، غیب سے چکی میں آٹا آگیا اور تنور میں روٹیاں لگ گئیں۔

جو لوگ یقین اور توکل کی دولت سے محروم اور اللہ کی قدرت کی وسعتوں سے نا آشنا ہیں ان کے دلوں میں شاید اس قسم کی روایات پر شبہات اور وساوس پیدا ہوتے ہوں لیکن اللہ کے جن بندوں کو یقین و توکل اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی معرفت کا کچھ حصہ ملا ہے، اُن کے لئے تو ایسے واقعات میں کوئی اچنبے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" (سورۂ طلاق) اور جو کوئی اللہ پر توکل کرے (جیسا کہ توکل کا حق ہے) تو اللہ اس کیلئے اور اس کے کام بنانے کیلئے کافی ہے۔

۲۵۰) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُهٗ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ۔

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ... حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی نیک بختی اور خوش نصیبی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے جو فیصلہ ہو وہ اُس پر راضی رہے، اور آدمی کی بد بختی اور بد نصیبی میں سے یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے خیر اور بھلائی کا طالب نہ ہو اور اس کی بد نصیبی اور بد بختی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ناخوش ہو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ کے فیصلہ اور اس کی تقدیر سے بعض اوقات بندہ پر ایسے حالات آتے ہیں جو اُس کی طبیعت اور چاہت کے خلاف ہوتے ہیں، ایسے موقع پر بندہ کی سعادت اور نیک بختی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علیم کل اور حکیم مطلق اور رؤف بالعباد یقین کرتے ہوئے اُسکے فیصلہ پر راضی رہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○" (ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو برا سمجھو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے بہتری ہو، اور اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور چاہو اور حقیقت اور انجام کے لحاظ سے اس میں تمہارے لئے برائی اور خرابی ہو، علم حقیقی صرف اللہ کو ہے، اور تم بے خبر ہو)

دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ بندہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے برابر یہ دعا کرتا رہے کہ اس کے نزدیک بندہ کیلئے جو خیر ہو اُسی کا اس کیلئے فیصلہ کیا جائے حضور نے فرمایا کہ بندہ کا اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر نہ مانگنا بندہ کی بڑی بد نصیبی اور بد بختی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بد بختی اور بد نصیبی ہے کہ بندہ اللہ کی قضاو قدر اور اس کے فیصلوں سے ناخوش اور ناراض ہو۔

ظاہر ہے کہ "رضا بالقضا" کا یہ مقام بندہ کو جب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی اُن

صفات کمال وجمال پر پورا پورا ایمان ویقین حاصل ہو جو قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ نے بتلائی ہیں، اور پھر اس معرفت اور اس ایمان ویقین کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت اس کے دل میں رچ بس گئی ہو۔ ایمان و محبت کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بندہ کے دل کی صدا یہ ہوتی ہے ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اخلاص وللّٰہیت اور نام ونمود

رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسانی دنیا کو اخلاقِ حسنہ کی جو تعلیم وہدایت ملی ہے، اس عاجز کے نزدیک اُس کی تکمیل اخلاص وللّٰہیت کی تعلیم سے ہوتی ہے۔ یعنی اخلاص وللّٰہیت کتابِ اخلاق کا آخری تکمیلی سبق اور روحانی واخلاقی بلندی کا آخری زینہ ہے۔

اس اخلاص وللّٰہیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر اچھا کام یا کسی کے ساتھ اچھا برتاؤ صرف اس لئے اور اس نیت سے کیا جائے کہ ہمارا خالق وپروردگار ہم سے راضی ہو، ہم پر رحمت فرمائے اور اس کی ناراضی اور غضب سے ہم محفوظ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا ہے کہ تمام اچھے اعمال واخلاق کی رُوح اور جان یہی اخلاصِ نیت ہے۔ اگر بظاہر اچھے سے اچھے اعمال واخلاق اس سے خالی ہوں اور اُن کا مقصد رضاءِ الٰہی نہ ہو، بلکہ نام ونمود یا اور کوئی ایسا ہی جذبہ ان کا محرک اور باعث ہو تو اللہ کے نزدیک انکی کوئی قیمت نہیں اور اُن پر کوئی ثواب ملنے والا نہیں۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا ثواب جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ کا اصل صلہ اور نتیجہ ہے اور جو انسانوں کا اصل مطلوب ومقصود ہونا چاہئے وہ صرف اعمال واخلاق پر نہیں ملتا بلکہ جب ملتا ہے جبکہ ان اعمال واخلاق سے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اُخروی ثواب کا ارادہ بھی کیا گیا ہو، اور وہی ان کیلئے اصل محرک ہو۔ اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے، اپنے معاملات میں خود ہمارا بھی یہی اصول ہے۔ فرض کیجئے کوئی شخص آپ کی بڑی خدمت کرتا ہے، آپ کو ہر طرح آرام پہنچانے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن پھر کسی ذریعہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُسے آپ کے ساتھ کوئی خلوص نہیں ہے، بلکہ اُس کا یہ برتاؤ اپنی فلاں ذاتی غرض کے لئے ہے، یا آپ کے کسی دوست یا عزیز قریب سے وہ اپنا کوئی کام نکالنا چاہتا ہے اور صرف اس کے دکھاوے کیلئے آپ کے ساتھ اُس کا یہ برتاؤ ہے، تو پھر آپ کے دل میں اُس کی اور اس کے اس برتاؤ کی کوئی قدر وقیمت نہیں رہتی۔ بس یہی معاملہ للہ تعالیٰ کا ہے، فرق اتنا ہے کہ ہم دوسروں کے دلوں کا حال نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ سب کے دلوں اور اُنکی نیتوں کا حال جانتا ہے، پس اُس کے جن بندوں کا یہ حال ہے کہ وہ اُس کی خوشنودی اور رحمت کی طلب میں اچھے اعمال کرتے ہیں وہ ان کے ان اعمال کو قبول کر کے ان سے راضی ہوتا ہے اور ان پر رحمتیں نازل کرتا ہے، اور آخرت جو دارالجزا ہے اس میں اُس کی اس رضا اور رحمت کا پورا ظہور ہو گا۔ اور جو لوگ اچھے اعمال واخلاق کا مظاہرہ دنیا والوں کی داد وتحسین اور نیک نامی وشہرت طلبی کیلئے یا ایسے ہی دوسرے اغراض ومقاصد کیلئے کرتے ہیں اُن کو یہ دوسرے مقاصد چاہے دنیا میں حاصل ہو جائیں لیکن وہ اللہ کی رضا اور رحمت سے محروم رہیں

گے، اوران کی اس محرومی کا پورا پورا ظہور بھی آخرت میں ہی ہوگا۔

اس باب میں اصل بنیاد تو رسول اللہ ﷺ کی مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات"۔ الحدیث ہے، جو حصہ اوّل کے بالکل شروع میں درج ہو چکی ہے اور وہیں اس کی تشریح بھی بسط و تفصیل سے کی جاچکی ہے، اس لئے یہاں اُس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، اب اُس کے علاوہ اس سلسلہ کی دوسری چند حدیثیں یہاں درج کی جارہی ہیں، اوران ہی حدیثوں پر یہ جلد دوم ختم ہورہی ہے۔

۲۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتا، ولیکن تمہارے دلوں اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کا معیار کسی کی شکل وصورت یا اُس کی دولت مندی نہیں ہے، بلکہ دل کی درستی اور نیک کرداری ہے، وہ کسی بندے کیلئے رضا اور رحمت کا فیصلہ اُس کی شکل و صورت یا اس کی دولت مندی کی بنیاد پر نہیں کرتا، بلکہ اس کے دل یعنی اس کی نیت کے صحیح رُخ اور اس کی نیک کرداری کی بنیاد پر کرتا ہے۔

بلکہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں بجائے مذکورۂ بالا الفاظ کے یہ الفاظ ہیں:

اِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى اَجْسَادِكُمْ وَلَا اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ۔

(جمع الفوائد ج ۲ ص ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں اور تمہارے صرف ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ الفاظ اس حقیقت کے ادا کرنے کیلئے زیادہ واضح اور زیادہ صریح ہیں کہ مقبولیت کا اصل دارومدار دل کے رخ کی صحت یعنی نیت کی درستی پر ہے، پس اگر کسی شخص کا عمل بظاہر اچھے سے اچھا ہو لیکن اس کا دل اخلاص سے خالی ہو، اور اس کی نیت درست نہ ہو، تو وہ عمل ہرگز قبول نہ ہوگا۔

اخلاص کی برکت اور تاثیر وطاقت

۲۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا ثَلٰثَةُ نَفَرٍ يَتَمَاشَوْنَ اَخَذَ هُمُ الْمَطَرُ فَمَا لُوْا اِلٰى غَارٍ فِي الْجَبَلِ فَانْحَطَّتْ عَلٰى فَمِ غَارِهِمْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اُنْظُرُوْا اَعْمَالًا عَمِلْتُمُوْهَا لِلّٰهِ صَالِحَةً فَادْعُوا اللهَ بِهَا لَعَلَّهُ يُفَرِّجُهَا فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُ كَانَ لِيْ وَالِدَانِ شَيْخَانِ كَبِيْرَانِ وَلِيَ صِبْيَةٌ صِغَارٌ كُنْتُ اَرْعٰى عَلَيْهِمْ فَاِذَا رُحْتُ عَلَيْهِمْ فَحَلَبْتُ بَدَاْتُ بِوَالِدَيَّ اَسْقِيْهِمَا قَبْلَ وُلْدِيْ وَاَنَّهُ قَدْ نَاٰىٔ

بِیَ الشَّجَرُ فَمَا أَتَیْتُ حَتّٰی اَمْسَیْتُ فَوَجَدْتُهُمَا قَدْ نَامَا فَحَلَبْتُ كَمَا كُنْتُ اَحْلُبُ فَجِئْتُ بِالْحِلَابِ فَقُمْتُ عِنْدَ رُؤُسِهِمَا اَكْرَهُ اَنْ اُوْقِظَهُمَا وَاَكْرَهُ اَنْ اَبْدَأَ بِالصِّبْيَةِ قَبْلَهُمَا وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ قَدَمَیَّ فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَاْبِیْ وَدَاْبُهُمْ حَتّٰی طَلَعَ الْفَجْرُ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرِجْ لَنَا فُرْجَةً نَرٰی مِنْهَا السَّمَآءَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ لَهُمْ حَتّٰی يَرَوْنَ السَّمَآءَ قَالَ الثَّانِیْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ كَانَتْ لِیْ بِنْتُ عَمٍّ اُحِبُّهَا كَاَشَدِّ مَا يُحِبُّ الرِّجَالُ النِّسَآءَ فَطَلَبْتُ اِلَيْهَا نَفْسَهَا فَاَبَتْ حَتّٰی اٰتِيَهَا بِمِائَةِ دِيْنَارٍ فَسَعَيْتُ حَتّٰی جَمَعْتُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَلَقِيْتُهَا بِهَا فَلَمَّا قَعَدْتُ بَيْنَ رِجْلَيْهَا قَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَفْتَحِ الْخَاتَمَ فَقُمْتُ عَنْهَا اَللّٰهُمَّ فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَاَخْرِجْ لَنَا مِنْهَا فَفَرَّجَ لَهُمْ فُرْجَةً وَقَالَ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ كُنْتُ اسْتَاْجَرْتُ اَجِيْرًا بِفَرَقِ اَرُزٍّ فَلَمَّا قَضٰی عَمَلَهٗ قَالَ اَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَقَّهٗ فَتَرَكَهٗ وَرَغِبَ عَنْهُ فَلَمْ اَزَلْ اَزْرَعُهٗ حَتّٰی جَمَعْتُ مِنْهُ بَقَرًا وَرَاعِيْهَا فَجَاءَنِیْ فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَظْلِمْنِیْ وَاَعْطِنِیْ حَقِّیْ فَقُلْتُ اِذْهَبْ اِلَی الْبَقَرِ وَرَاعِيْهَا فَقَالَ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَهْزَاْبِیْ فَقُلْتُ اِنِّیْ لَا اَهْزَأُ بِكَ فَخُذْ ذَالِكَ الْبَقَرَ وَرَاعِيْهَا فَاَخَذَهٗ فَانْطَلَقَ بِهَا فَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرِجْ مَابَقِیَ فَفَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا، ”تین آدمی کہیں چلے جارہے تھے کہ اُن کو مینہ (بارش) نے آلیا، وہ پہاڑ کے ایک غار میں گھس گئے، پہاڑ سے غار کے منہ پر ایک پتھر کی چٹان آپڑی اور غار کو بند کر دیا، تینوں میں سے ایک نے دوسروں سے کہا، اپنے اُن نیک عملوں پر نظر ڈالو جو خاص طور پر خدا کیلئے کئے ہوں، اور اُس عمل کے وسیلہ سے خدا سے دعا مانگو، اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس پتھر یا اس مصیبت کو دور کردے۔ ایک نے ان میں سے کہا اے اللہ! میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے کئی چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں وغیرہ چرایا کرتا تھا کہ ان کا دودھ ان سب کو پلاؤں جب شام ہو جاتی تو میں گھر آتا دودھ دوہتا اور سب سے پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا پھر بچوں کو دیتا، ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ چراگاہ کے درخت مجھ کو دُور لے گئے (یعنی بکریوں کو چراتا چراتا میں دور نکل گیا) اور وقت پر میں گھر واپس نہ آسکا یہاں تک کہ شام ہو گئی، جب گھر پہنچا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ دونوں سوگئے ہیں، میں نے حسب معمول دودھ دوہا پھر دودھ کا برتن لے کر ماں باپ کے پاس پہنچا، اور اُن کے سرہانے کھڑا ہو گیا، مجھ کو اُن کو جگانا بھی بُرا معلوم ہوا، اور یہ بھی کہ ماں باپ سے پہلے بچوں کو دودھ پلادوں، بچے میرے پاؤں کے پاس پڑے بھوک سے روتے اور چلاتے تھے، اور میں دودھ لئے کھڑا تھا، صبح تک یہی کیفیت رہی، یعنی میں دودھ لئے کھڑا رہا، اور بچے روتے رہے، اور ماں باپ پڑے سوتے رہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام محض تیری رضامندی اور خوشنودی کیلئے کیا تھا تو تو اس پتھر کو اتنا کھول دے کہ ہم آسمان کو دیکھ سکیں، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر

کو اتنا ہٹادیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ دوسرے شخص نے کہا اے اللہ! میرے چچا کی ایک بیٹی تھی، میں اُس سے انتہائی محبت رکھتا تھا، ایسی محبت جیسی کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے، میں نے اُس سے جماع کی خواہش ظاہر کی، اُس نے کہا کہ جب تک سو اشرفی نہ دو گے ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے کوشش شروع کی، اور سو اشرفیاں جمع کر لیں، اور اُن کو لیکر میں اُس کے پاس پہنچا، پھر جب میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا (یعنی جماع کیلئے) تو اُس نے کہا کہ اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مُہر کو نہ توڑ! میں خدا کے خوف سے فوراً اُٹھ کھڑا ہوا (یعنی اُس سے جماع نہیں کیا) اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہ فعل محض تیری رضامندی اور خوشنودی کیلئے تھا تو اس پتھر کو ہٹا دے اور ہمارے لئے راستہ کھول دے، خداوند تعالیٰ نے پتھر کو تھوڑا سا اور ہٹادیا۔ تیسرے شخص نے کہا اے اللہ! میں نے ایک شخص کو مزدوری پر لگایا تھا، ایک فرق (پیمانہ) چاول کے معاوضہ پر، جب وہ شخص اپنا کام ختم کر چکا تو کہا میری مزدوری مجھ کو دلوایئے؟ میں اُسکی مزدوری دینے لگا تو وہ اس کو چھوڑ کر چلا گیا، اور پھر اپنے حق کو لینے کیلئے نہ آیا، تو میں نے اس کی مزدوری کے چاولوں سے کاشت شروع کر دی، اور ہمیشہ کاشت کرتا رہا، یہاں تک کہ اُن چاولوں کی قیمت سے میں نے بہت سے بیل اور اُن کے چرواہے جمع کر لئے۔ پھر مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس آیا اور کہا، خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر، اور میرا حق میرے حوالہ کر، میں نے کہا کہ ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا (کہ وہ تیرا حق ہے) اُس نے کہا خدا سے ڈر اور مجھ سے مذاق نہ کر، میں نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا، ان بیلوں اور چرواہوں کو لے جا، یہ سب تیرے ہی ہیں، چنانچہ اُس نے اُن سب کو جمع کیا اور لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرا یہی فعل محض تیری خوشنودی اور رضامندی کے لئے تھا، تو تو اس پتھر کو بالکل ہٹادے، چنانچہ خداوند تعالیٰ نے پتھر کو ہٹادیا اور راستہ کھول دیا"۔

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں جن تین صاحبوں کا قصہ بیان فرمایا ہے، بظاہر یہ کسی اگلے پیغمبر کے امتی تھے، حضور ﷺ نے اپنی امت کو سبق آموزی کیلئے اس قصہ کو بیان فرمایا۔ اس واقعہ میں اللہ کے ان بندوں نے اپنے جن اعمال کو خدا کے حضور میں پیش کر کے اُس سے دعا کی ہے اُن کی چند خصوصیتیں قابلِ لحاظ ہیں۔

سب سے پہلی اور سب سے اہم خصوصیت جس کا حدیث میں صراحۃً ذکر بھی ہے یہ ہے کہ تینوں عمل صرف اللہ کی رضاجوئی میں کئے گئے تھے اور ان اعمال کی اسی خصوصیت کی بنا پر ان بندوں نے اللہ کے حضور میں ان کو پیش کیا تھا۔

دوسری ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تینوں عمل اللہ کے حکم و مرضی کے مقابلے میں اپنے نفس کی چاہت کو دبانے اور قربان کرنے کی اعلیٰ مثال ہیں۔ ذرا سوچئے پہلے شخص کا مجاہدۂ نفس کتنا سخت ہے، دن بھر وہ جانوروں کو جنگل میں چراتا رہا ہے، اور شام کو دیر سے تھکا ہارا آیا ہے، قدرتی طور پر اس کا جی سونے کو بے حد چاہتا ہو گا۔ بلکہ وہ سونے کیلئے مضطر اور بیقرار ہو گا، لیکن چونکہ ماں باپ بلا دودھ پیے سو گئے تھے، اور یہ اللہ

کی رضا اسی میں سمجھتا تھا کہ جس وقت نیند سے انکی آنکھ کھلے، یہ اُن کو دودھ پلادے، اسلئے یہ شخص رات بھر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ اور پھر اس کے بچے اسکے قدموں میں پڑے بھوک سے روتے چلاتے رہے، لیکن اس نے ماں باپ کے حق کو مقدم جان کر اللہ ہی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یہ مجاہدہ بھی کیا کہ بوڑھے ماں باپ سے پہلے اپنے پیارے بچوں کو بھی دودھ نہ پلایا، یہاں تک کہ اسی حال میں صبح ہو گئی۔

اسی طرح دوسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے ایک جوان ایک لڑکی سے عشق رکھتا ہے اور جب ایک بیش قرار رقم طے ہو جاتی ہے، اور کسی طرح وہ رقم مہیا کر کے اس کو دے بھی دیتا ہے اور زندگی کی سب سے بڑی تمنا پوری کرنے کا اُسے پورا موقع مل جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی، تو ٹھیک اُس وقت اللہ کا نام بیچ میں آتا ہے اور وہ بندہ اپنے نفس کی خواہش پوری کئے بغیر اللہ سے ڈر کر اور اسکی رضا طلبی میں اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ہر نفس رکھنے والا انسان اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ کتنا سخت مجاہدہ ہے، اور اللہ کی رضا کے مقابلے میں خواہش نفس قربان کرنے کی یہ کتنی اعلیٰ مثال ہے۔

اسی طرح تیسرے شخص کے عمل کی یہ خصوصیت بھی ظاہر ہے۔ ایک مزدور کے چند سیر چاول ایک شخص کے پاس رہ گئے اُس نے انہی چاولوں کو اپنی زمین میں بو دیا، پھر جو پیداوار ہوئی اس کو اُس نے اُسی مزدور کی ملکیت قرار دے کر اُسی کے حساب میں اُس کو لگاتا اور بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اس سے اتنی دولت فراہم ہو گئی کہ جانوروں کا ایک ریوڑ کا ریوڑ ہو گیا۔ پھر جب کچھ مدت کے بعد وہ مزدور آیا تو اس امانت دار اور نیک کردار بندہ نے وہ ساری دولت جو خود اس کی اپنی محنت اور توجہ سے فراہم ہوئی تھی وہ سب کی سب اُس مزدور کے حوالہ کر دی' ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اُس وقت شیطان نے دل میں کیسے کیسے وسوسے ڈالے ہوں گے، اور اپنے نفس کی یہ کتنی شدید خواہش ہوگی کی یہ دولت جو صرف اپنی محنت سے پیدا کی گئی ہے، اور جس کا اُس مزدور کو کوئی علم بھی نہیں ہے، اس کو اپنے ہی پاس رکھا جائے لیکن اللہ کے اس بندے نے رضاءِ الٰہی کی طلب میں اپنے نفس کی اس خواہش کو قربان کیا اور وہ ساری دولت اس بے چارے مزدور کے حوالے کر دی۔

اسی طرح ان تینوں عملوں کی ایک خصوصیت یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اصطلاحی اور عرفی عبادت نہیں ہے، بلکہ ایک کا تعلق بابِ معاشرت سے ہے، ایک کا بابِ معاملت سے اور ایک کی نوعیت یہ ہے کہ اللہ کے ایک بندہ نے خدا سے ڈر کر اور اس کی رضاجوئی میں ایک ایسے گناہ کو چھوڑا ہے جو اُس کی انتہائی تمنا اور خواہش تھی اور جس کے سارے اسباب بھی اُس نے فراہم کر لئے تھے۔

اس حدیث سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگر بندہ اپنے کسی نیک عمل کے متعلق یہ اندازہ رکھتا ہو کہ وہ اخلاص کی کیفیت کے ساتھ ادا ہوا ہے تو اپنی دعا میں بطور وسیلہ کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں اُس کو پیش کر سکتا ہے۔

ریا ایک درجہ شرک اور ایک قسم کا نفاق ہے

اخلاص وللّٰہیت (یعنی ہر نیک عمل کا اللہ کی رضا اور رحمت کی طلب میں کرنا) جس طرح ایمان و توحید کا تقاضا اور عمل کی جان ہے اسی طرح ریاوسمعہ یعنی مخلوق کے دکھاوے اور دنیا میں شہرت اور ناموری کے لئے نیک عمل کرنا ایمان و توحید کے منافی اور ایک قسم کا شرک ہے۔

۲۵۳) عَنْ شَدَّادِ ابْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ.... شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے، جس نے دکھاوے کیلئے نماز پڑھی اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کیلئے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کیلئے صدقہ خیرات کیا اُسنے شرک کیا۔ (مسند احمد)

تشریح...... حقیقی شرک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات یا اس کے افعال اور اس کے خاص حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کیا جائے یا اللہ کے سوا کسی اور کی بھی عبادت کی جائے، یہ وہ "شرک حقیقی" اور "شرک جلی" اور "شرک اکبر" ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، اور ہم مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اس کا کرنے والا ہر گز ہر گز نہیں بخشا جائے گا۔ لیکن بعض اعمال اور اخلاق ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس معنی کے شرک نہیں ہیں لیکن اُن میں اس شرک کا تھوڑا بہت شائبہ ہے، اُن ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اللہ کی عبادت یا کوئی اور نیک کام اللہ کی رضا جوئی اور اس کی رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرے، یعنی اس غرض سے کرے کہ لوگ اس کو عبادت گذار اور نیکوکار سمجھیں اور اس کے معتقد ہو جائیں، اسی کو ریا کہا جاتا ہے، یہ اگرچہ حقیقی شرک نہیں ہے لیکن ایک درجہ کا شرک اور ایک قسم کا نفاق اور سخت درجہ کا گناہ ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو "شرک خفی" اور ایک اور حدیث میں "شرک اصغر" کہا گیا ہے (یہ دونوں حدیثیں آگے درج کی جارہی ہیں)۔

واضح رہے کہ اس حدیث میں نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کا ذکر صرف مثال کے طور پر کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جو نیک عمل لوگوں کے دکھاوے کیلئے اور انکی نظروں میں معزز و محترم بننے کیلئے یا اُن سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے کیا جائے گا وہ بھی ایک درجہ کا شرک ہی ہوگا، اور اس کا کرنے والا بجائے ثواب کے خدا کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔

۲۵۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَذَاكَرُ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِىْ مِنَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ الشِّرْكُ الْخَفِىُّ اَنْ يَّقُوْمَ الرَّجُلُ يُصَلِّىْ فَيَزِيْدُ صَلٰوتَهٗ لِمَا يَرٰى مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ.... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرۂ مبارک

سے) نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اُس وقت ہم لوگ آپس میں مسیح دجال کا کچھ تذکرہ کر رہے تھے، تو آپ نے ہم سے فرمایا، کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو میرے نزدیک تمہارے لئے دجال سے بھی زیادہ خطرناک ہے، ہم نے عرض کیا، حضور! ضرور بتلائیں وہ کیا چیز ہے! آپ نے فرمایا، وہ شرک خفی ہے (جس کی ایک مثال یہ ہے) کہ آدمی نماز پڑھنے کیلئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو اس لئے لمبا کردے کہ کوئی آدمی اس کو نماز پڑھتا دیکھ رہا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب غالباً یہ تھا کہ دجال جس کھلے شرک و کفر کی دعوت دے گا اور جس کیلئے وہ لوگوں کو مجبور کرے گا، مجھے اس کا زیادہ خطرہ نہیں ہے کہ میرا کوئی سچا امتی اس کی بات ماننے کیلئے آمادہ ہوگا، لیکن مجھے اس کا خطرہ ضرور ہے کہ شیطان تم کو کسی ایسے شرک میں مبتلا کردے جو بالکل کھلا ہوا شرک نہ ہو، بلکہ خفی قسم کا شرک ہو، جس کی مثال آپ نے یہ دی کہ نماز اس لئے لمبی اور بہتر پڑھی جائے کہ دیکھنے والے معتقد ہو جائیں۔

سنن ابن ماجہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنی امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا خطرہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ایسا ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کی امت شرک میں مبتلا ہو جائے؟ آپ نے فرمایا، یہ تو اطمینان ہے کہ میرے امتی چاند سورج کو اور پتھروں اور بتوں کو نہیں پوجیں گے، لیکن یہ ہو سکتا ہے اور ہوگا کہ ریا والے شرک میں وہ مبتلا ہوں۔

۲۵۵) **عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ؟ قَالَ الرِّيَاءُ۔** (رواہ احمد)

ترجمہ...... محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خطرہ "شرک اصغر" کا ہے۔ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "شرک اصغر" کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا، ریا (یعنی کوئی نیک کام لوگوں کے دکھاوے کیلئے کرنا)۔ (مسند احمد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا اصل مقصد و منشاء اپنے امتیوں کو اس خطرہ سے خبردار کرنا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں، اور اس خفی قسم کے شرک سے بھی اپنے دلوں کی حفاظت کرتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ شیطان ان کو اس خفی قسم کے شرک میں مبتلا کر کے تباہ کردے۔

جس عمل میں شرک کی ذرا بھی آمیزش ہوگی وہ قبول نہ ہوگا

۲۵۶) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ فَمَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ ـــ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

کہ میں شرک اور شرکت سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں (یعنی جس طرح اور شرکاء شرکت پر راضی ہو جاتے ہیں اور اپنے ساتھ کسی کی شرکت منظور کر لیتے ہیں، اسی طرح میں راضی نہیں ہوتا، اور کسی کی ادنیٰ شرکت گوارا نہیں کر سکتا، ہر قسم کی شرکت سے بالکل بے نیاز اور سخت بیزار ہوں) پس جو شخص کوئی عمل (عبادت وغیرہ) کرے جس میں میرے ساتھ کسی اور سے بھی کچھ شریک کرے (یعنی اس سے اس کی غرض میری رضا اور رحمت کے علاوہ کسی اور کو بھی کچھ حاصل کرنا یا اس کو معتقد بنانا ہو) تو میں اس کو اور اُس کے شریک کو دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اُس سے بیزار اور بے تعلق ہوں، وہ عمل (میرے لئے بالکل نہیں بلکہ) صرف اس دوسرے کیلئے ہے جس کیلئے اُس نے کیا (یعنی جس کو اُسنے شریک کیا)۔ (صحیح مسلم)

۲۵۷) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ نَادیٰ مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَكَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدً فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ۔ ابو سعید بن ابی فضالہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے سب آدمیوں (اولین و آخرین) کو جمع کرے گا تو ایک منادی یہ اعلان کرے گا، کہ جس شخص نے اپنے کسی ایسے عمل میں جو اُس نے اللہ کیلئے کیا کسی اور کو بھی شریک کیا تھا وہ اُس کا ثواب اُسی دوسرے سے جا کر طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سب شرکاء سے زیادہ بے نیاز ہے شرک سے۔ (مسند احمد)

تشریح...... دونوں حدیثوں کا حاصل اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اُس نیک عمل کو قبول کرتا ہے اور اسی پر ثواب دے گا جو اخلاص کی کیفیت کے ساتھ صرف اُس کی رضا اور رحمت کی طلب میں کیا گیا ہو، اور اس کے بر خلاف جس عمل سے اللہ کے سوا کسی اور کی بھی خوشنودی یا اُس سے کسی قسم کی نفع اندوزی مطلوب و مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ اُس کو بالکل قبول نہ کرے گا، وہ نہایت بے نیاز اور شرک کی لگاوٹ سے بھی بیزار ہے۔

یہ انجام تو اُن اعمال کا ہے جو اللہ کیلئے کئے جائیں لیکن نیت میں پورا اخلوص نہ ہو بلکہ کسی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بھی لگاوٹ ہو لیکن جو "نیک اعمال" محض ریاکارانہ طور پر کئے جائیں، جن سے صرف نام و نمود، دکھاوا اور شہرت اور لوگوں سے خراجِ عقیدت وصول کرنا ہی مقصود ہو تو وہ نہ صرف یہ کہ مردود قرار دے کر ان عمل کرنے والوں کے منہ پر مار دیئے جائیں گے، بلکہ یہ ریاکار اپنے ان ہی اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ریاکاروں کو فضیحت اور رسوائی کی سزا

۲۵۸) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللهُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللهُ بِهِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کوئی عمل سنانے اور شہرت دینے کیلئے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہرت دے گا اور جو کوئی دکھاوے کیلئے کوئی نیک عمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دکھائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ دکھاوے اور شہرت کی غرض سے نیک اعمال کرنے والوں کو ایک سزا اُن کے اس عمل کی مناسبت سے یہ بھی دی جائے گی کہ ان کی اس ریاکاری اور منافقت کو خوب مشہور کیا جائے گا اور سب کو مشاہدہ کرادیا جائے گا کہ یہ بد بخت لوگ یہ نیک اعمال اللہ کیلئے نہیں کرتے تھے، بلکہ نام و نمود اور دکھاوے اور شہرت کیلئے کیا کرتے تھے۔ الغرض جہنم کے عذاب سے پہلے ان کو ایک سزا یہ ملے گی کہ سر محشر ان کی ریاکاری اور منافقت کا پردہ چاک کر کے سب کو انکی بدباطنی دکھادی جائیگی۔ اللہم احفظنا!

دین کے نام پر دنیا کمانے والے ریاکاروں کو سخت تنبیہ

۲۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّانِ مِنَ اللِّيْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللهُ اَبِیْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَیَّ يَجْتَرِءُوْنَ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰى اُولٰئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آخری زمانہ میں کچھ ایسے مکار لوگ پیدا ہوں گے جو دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کریں گے، وہ لوگوں پر اپنی درویشی اور مسکینی ظاہر کرنے اور ان کو متاثر کرنے کیلئے بھیڑوں کی کھال کا لباس پہنیں گے، انکی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی، مگر ان کے سینوں میں بھیڑیوں کے سے دل ہوں گے، (انکے بارے میں) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، کیا یہ لوگ میرے ڈھیل دینے سے دھوکہ کھارہے ہیں، یا مجھ سے نڈر ہو کر میرے مقابلے میں جرأت کر رہے ہیں، پس مجھے اپنی قسم ہے کہ میں ان مکاروں پر انہی میں سے ایسا فتنہ کھڑا کروں گا جو اُن کے عقلمندوں اور داناؤں کو بھی حیران بنا کے چھوڑے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریاکاری کی یہ خاص قسم کہ عابدوں زاہدوں کی صورت بنا کر اور اپنے اندرونی حال کے بالکل برعکس اُن خاصان خدا کی سی نرم و شیریں باتیں کر کر کے اللہ کے سادہ لوح بندوں کو اپنی عقیدت کے جال میں پھانسا جائے، اور ان سے دنیا کمائی جائے، بدترین قسم کی ریاکاری ہے، اور ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اس دنیا میں بھی سخت فتنوں میں مبتلا کئے جائیں گے۔

ریاکار عابدوں اور عالموں کو جہنم کا سخت ترین عذاب

۲۶۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جُبِّ الْحُزْنِ! قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ قَالَ وَادٍ فِیْ جَهَنَّمَ یَتَعَوَّذُ مِنْهُ جَهَنَّمُ كُلَّ یَوْمٍ اَرْبَعَ مِائَةِ مَرَّةٍ، قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَدْخُلُهَا؟ قَالَ اَلْقُرَّاءُ الْمُرَاؤُنَ بِاَعْمَالِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ "جب الحزن" (غم کے کنوئیں یا غم کے خندق) سے پناہ مانگا کرو۔ بعض صحابہ نے عرض کیا، حضرت! جب الحزن کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، جہنم میں ایک وادی (یا خندق) ہے (جس کا حال اتنا برا ہے کہ) خود جہنم ہر دن میں چار سو مرتبہ اُس سے پناہ مانگتی ہے۔ عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! اُس میں کون لوگ جائیں گے؟ آپ نے فرمایا، وہ بڑے عبادت گذار اور زیادہ زیادہ قرآن پڑھنے والے جو دوسروں کو دکھانے کیلئے اچھے اعمال کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... جہنم کے اس خندق جب الحزن میں ڈالے جانے والوں کیلئے رسول اللہ ﷺ نے "القراء" کا لفظ بولا ہے، اس کے معنی زیادہ عبادت کرنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں، اور قرآن کے علم اور قرآن پڑھنے میں خصوصیت اور امتیاز رکھنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں پس حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے اس خاص کنوئیں یا خندق میں وہ لوگ جھونکے جائیں گے جو بظاہر اعلیٰ درجہ کے دیندار، علم قرآن کے سرمایہ دار اور بڑے عبادت گذار ہوں گے لیکن حقیقت میں اور باطن کے لحاظ سے اُن کی یہ ساری دینداری اور عبادت گذاری ریاکارانہ ہوگی۔

قیامت کے دن دوزخ میں ڈالے جانے کا پہلا فیصلہ ریاکار عالم و عابد، ریاکار مجاہد و شہید اور ریاکار سخی کے بارہ میں کیا جائے گا

۲۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اسْتُشْهِدْتُّ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ، ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَ رَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَاَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا؟ قَالَ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهٗ وَقَرَاْتُ فِیْكَ الْقُرْاٰنَ، قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِیُقَالَ اَنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ لِیُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَعْطَاهُ مِنْ اَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهٖ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا قَالَ مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِیْلٍ تُحِبُّ اَنْ یُّنْفَقَ فِیْهَا اِلَّا اَنْفَقْتُ فِیْهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِیُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ

فَسُحِبَ بِهٖ عَلٰى وَجْهِهٖ ثُمَّ اُلْقِيَ فِي النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، سب سے پہلا شخص جس کے خلاف قیامت کے دن (دوزخ میں ڈالے جانے کا) فیصلہ عدالتِ خداوندی کی طرف سے دیا جائے گا ایک آدمی ہوگا جو (میدان جہاد میں) شہید کیا گیا ہوگا، یہ شخص خدا کے سامنے لایا جائے گا، پھر خداوند تعالیٰ اُس کو بتائے گا کہ میں نے تجھے کیا کیا نعمتیں دی تھیں، وہ اللہ کی دی ہوئی سب نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا بتا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ کہے گا (میں نے آخری عمل یہ کیا ہے) کہ میں نے تیری راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا (اور اس طرح میں نے سب سے عزیز اور قیمتی چیز اپنی جان بھی تیری راہ میں قربان کر دی) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے تو نے تو جہاد میں حصہ اس لئے اور اس نیت سے لیا تھا کہ تیری بہادری کے چرچے ہوں، سو (تیرا یہ مقصد حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیری بہادری کے چرچے ہولئے، پھر اُس کیلئے خداوندی حکم ہوگا اور وہ اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کیساتھ ایک دوسرا شخص ہوگا جس نے علم دین حاصل کیا ہوگا، اور دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دی ہوگی اور قرآن بھی خوب پڑھا ہوگا، اس کو بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی بخشی ہوئی نعمتیں بتائے گا وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا، بتا تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور ان کو کن مقاصد کیلئے استعمال کیا) وہ کہے گا خداوندا! میں نے آپ کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپ ہی کی رضا کیلئے آپ کی کتابِ پاک قرآن میں مشغول رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ بات جھوٹ کہی، تو نے تو علم دین اس لئے حاصل کیا تھا، اور قرآن تو اسلئے پڑھتا تھا تاکہ تجھ کو عالم و قاری اور عابد کہا جائے، سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو چکا اور دنیا میں) تیرے عالم و عابد اور قاریٔ قرآن ہونے کا چرچا خوب ہو لیا، پھر اُس کیلئے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ہوگا، اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اسی کے ساتھ ایک تیسرا شخص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھرپور دولت دی ہوگی، اور ہر طرح کا مال اس کو عطا فرمایا ہوگا، وہ بھی خدا کے سامنے پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنی نعمتیں بتلائے گا (کہ میں نے دنیا میں تجھے یہ یہ نعمتیں دی تھیں) وہ سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اُس سے بھی پوچھے گا کہ تو نے میری ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ (اور کن مقاصد کیلئے ان کو استعمال کیا) وہ عرض کرے گا خداوندا! جس جس راستہ میں اور جن جن کاموں میں خرچ کرنا تجھے پسند ہے میں نے تیرا دیا ہوا مال اُن سب ہی میں خرچ کیا ہے، اور صرف تیری رضا جوئی کے لئے خرچ کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے یہ جھوٹ کہا، درحقیقت یہ سب کچھ تو نے اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو سخی مشہور ہو (اور تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے ہوں) سو (تیرا یہ مقصد تجھے حاصل ہو گیا، اور دنیا میں) تیری فیاضی اور داد و دہش کے چرچے خوب ہو لئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کیلئے بھی حکم ہوگا اور وہ بھی اوندھے منہ گھسیٹ کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... العظمة لله! کس قدر لرزا دینے والی ہے یہ حدیث، اسی کی بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرتے وقت کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اُن کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی تو وہ بہت روئے، اور روتے روتے بے حال ہو گئے۔

اس حدیث میں جن تین اعمال کا ذکر ہے، یعنی علم دین کی تحصیل و تعلیم، قرآن مجید میں مشغولیت اور راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانی۔ ظاہر ہے کہ یہ تینوں اعلیٰ درجہ کے اعمال صالحہ میں سے ہیں، اور اگر اخلاص کے ساتھ یہ عمل ہوں تو پھر ان کا صلہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے اعلیٰ درجات ہیں لیکن یہی اعمال جب دکھاوے اور شہرت کیلئے یا اسی قسم کے دوسرے دنیوی مقاصد کیلئے کئے جائیں تو اللہ کے نزدیک یہ اس درجہ کے گناہ ہیں کہ دوسرے سب گنہگاروں (چوروں، ڈاکوؤں اور زناکاروں) سے بھی پہلے جہنم کا فیصلہ ان ہی کیلئے کیا جائے گا، اور یہی سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے۔ اللهم احفظنا!

اعمالِ صالحہ کی وجہ سے لوگوں میں اچھی شہرت، اللہ کی ایک نعمت ہے

۲۶۲) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ـــ وَفِىْ رَوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ ـــ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ارشاد ہے، ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ پوچھنے والے نے یوں عرض کیا کہ کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے اور اس کی وجہ سے لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا، یہ تو مؤمن بندہ کی نقد بشارت ہے۔　(صحیح مسلم)

تشریح...... ریا اور شہرت طلبی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو اتنا ڈرا دیا تھا کہ اُن میں سے بعض کو یہ شبہ ہونے لگا کہ جس نیک عمل پر دنیا کے لوگ عمل کرنے والے کی تعریفیں کریں اور اس کی نیکی کا چرچا ہو، اور لوگ اس کو اللہ کا نیک بندہ سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگیں، تو شاید وہ عمل بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ اس عمل کرنے والے کو دنیا میں شہرت اور محبت کا صلہ ہی مل گیا۔ اسی کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے فرمایا "تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ" جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کی نیک عملی کی شہرت ہو جانا اور لوگوں کا اس کی تعریف یا اُس سے محبت کرنا کوئی بری بات نہیں ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آخرت میں ملنے والے اصل انعام سے پہلے اس دنیا میں نقد صلہ اس بندہ کی مقبولیت و محبوبیت کی ایک خوشخبری اور علامت ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کو ایک دفعہ یہ واقعہ پیش آیا کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے تھے، اسی حال میں ایک شخص آیا اور اس نے ان کو نماز پڑھتا ہوا دیکھا، وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں اس بات سے خوشی پیدا ہوئی کہ اس شخص نے مجھے نماز جیسے اچھے کام میں مشغول پایا، انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا (تاکہ خدانخواستہ اگر یہ بھی ریاکاری کی کوئی شاخ ہو تو اس سے توبہ واستغفار کیا جائے) آپ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ ریا نہیں ہے بلکہ تم کو اس صورت میں خود کی نیکی کا بھی ثواب ملے گا اور جلوت کی نیکی کا بھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو اعمالِ صالحہ اخلاص کیساتھ اللہ ہی کیلئے کئے جائیں، لیکن عمل کرنے والے کے ارادہ اور کوشش کے بغیر اللہ کے دوسرے بندوں کو ان کا علم ہو جائے اور پھر اُس کو اس سے خوشی ہو، تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کوئی نیک عمل اس لئے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ وہ اسکی اقتداء کریں اور اس کو سیکھیں تو یہ بھی ریا نہ ہوگا بلکہ اس صورت میں اللہ کے اس بندہ کو تعلیم و تبلیغ کا بھی ثواب ملے گا، بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بہت سے اعمال میں یہ مقصد بھی ملحوظ ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حقیقتِ اخلاص نصیب فرمائے، اپنا مخلص بندہ بنائے اور ریا سمعہ جیسے مہلکات سے ہمارے قلوب کی حفاظت فرمائے۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْن!۔

...... حصہ دوم مکمل ہوا ......

فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

معارفُ الحدیث

جلد دوم —— حصہ سوم

کتاب الطہارت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طہارت وپاکیزگی کی حقیقت اور دین میں اس کا مقام

اسلام میں طہارت وپاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ نماز، تلاوتِ قرآن اور طوافِ کعبہ جیسی عبادات کے لئے لازمی شرط ہے، بلکہ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بھی دین کا ایک اہم شعبہ اور بذات خود بھی مطلوب ہے۔ قرآن مجید کی آیت "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" [1] (اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک وصاف رہنے والے اپنے بندوں کو محبوب رکھتا ہے)۔

اور قبا کی بستی میں رہنے والے اہل ایمان کی تعریف میں قرآن مجید کا ارشاد "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ" [2] (اس میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو بڑے پاکیزگی پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک وصاف رہنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے)۔ صرف ان ہی دو آیتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام میں طہارت وپاکیزگی کی بجائے خود کتنی اہمیت ہے۔ اسی طرح آگے پہلے ہی نمبر پر صحیح مسلم کی جو حدیث درج کی جا رہی ہے اس کے پہلے فقرے "اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ" کا گویا لفظی ترجمہ ہی یہ ہے کہ طہارت وپاکیزگی اسلام کا ایک حکم ہی نہیں بلکہ وہ دین وایمان کا ایک اہم جزو ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں اسکو "نصف ایمان" فرمایا گیا۔ ہمارے استاذ الاساتذہ اور شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی ایک نفیس تحقیق قابل ذکر ہے، اپنی بے نظیر کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص فضل سے یہ حقیقت سمجھادی ہے کہ فلاح وسعادت جس شاہراہ کی طرف انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اسکے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت سینکڑوں احکام ہیں لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آتے ہیں طہارت، اخبات، سماحت، عدالت۔ [3]

پھر شاہ صاحب نے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ بلا شبہ ساری شریعت بس ان ہی چار حصوں میں منقسم ہے۔ یہاں ہم شاہ صاحب کے کلام کے صرف اس حصے کا خلاصہ درج کرتے ہیں جس میں انھوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ایک سلیم الفطرت اور صحیح المزاج انسان جس کا قلب بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب اور ان میں مشغول نہ ہو، جب وہ کسی نجاست سے آلودہ ہو جاتا ہے یا اسکو پیشاب یا پاخانہ کا سخت تقاضا ہوتا ہے یا وہ جماع وغیرہ سے فارغ ہوا ہوتا ہے وہ اپنے نفس میں ایک خاص قسم کا انقباض وتکدر اور گرانی وبے لطفی

[1] بقرہ ۲:۲۲۲ [2] توبہ ۹:۱۰۸ [3] باب الاصول التی یرجع الیھا تحصیل الطریقۃ الثانیۃ۔ ملخصاً

اور اپنی طبیعت میں سخت ظلمت کی ایک کیفیت محسوس کرتا ہے، پھر جب وہ اس حالت سے نکل جاتا ہے مثلاً پیشاب یا پاخانہ کا جو سخت تقاضا تھا اس سے وہ فارغ ہو جاتا ہے اور اچھی طرح استنجا اور طہارت کر لیتا ہے یا اگر وہ جماع سے فارغ ہوا تھا تو غسل کر لیتا ہے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے پہن لیتا ہے اور خوشبو لگا لیتا ہے تو نفس کے انقباض و تکدر اور طبیعت کی ظلمت کی وہ کیفیت جاتی رہتی ہے اور اس کے بجائے اپنی طبیعت میں وہ ایک انشراح و انبساط اور سرور و فرحت کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ بس دراصل پہلی کیفیت اور حالت کا نام "حدث" (ناپاکی) اور دوسری کا نام "طہارت" (پاکی و پاکیزگی) ہے، اور انسانوں میں جن کی فطرت سلیم اور جن کا وجدان صحیح ہے وہ ان دونوں حالتوں اور کیفیتوں کے فرق کو واضح طور پر محسوس کرتے ہیں اور اپنی طبیعت و فطرت کے تقاضے سے "حدث" کی حالت کو ناپسند اور دوسری کو (یعنی "طہارت" کی حالت کو) پسند کرتے ہیں۔

اور نفس انسانی کی یہ طہارت کی حالت ملاء اعلیٰ یعنی ملئکۃ اللہ کی حالت سے بہت مشابہت و مناسبت رکھتی ہے کیونکہ وہ دائمی طور پر بہیمی آلودگیوں سے پاک و صاف اور نورانی کیفیات سے شاداں و فرحاں رہتے ہیں اور اسی لئے حسب امکان طہارت و پاکیزگی کا اہتمام و دوام انسانی روح کو ملکوتی کمالات حاصل کرنے اور الہامات و منامات کے ذریعے ملاء اعلیٰ سے استفادہ کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جب آدمی حدث اور ناپاکی کی حالت میں ڈوبا رہتا ہے تو اسکو شیاطین سے ایک مناسبت و مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اور شیطانی وساوس کی قبولیت کی ایک خاص استعداد اور صلاحیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی روح کو ظلمت گھیر لیتی ہے"۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۵۴ ج ۱)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طہارت اور حدث دراصل انسانی روح اور طبیعت کی مذکورہ بالا دو حالتوں کا نام ہے اور ہم جن چیزوں کو حدث یا ناپاکی اور طہارت یا پاکیزگی کہتے ہیں وہ دراصل ان کے اسباب و موجبات ہیں اور شریعت ان ہی اسباب پر احکام جاری کرتی ہے اور انہی سے بحث کرتی ہے۔

امید ہے کہ طہارت کی حقیقت اور روح انسانی کیلئے اسکی ضرورت و اہمیت سمجھنے کے لئے شاہ صاحب کا یہ کلام انشاء اللہ کافی ہو گا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ طہارت و پاکیزگی شریعت کا پورا چوتھائی حصہ ہے۔

پھر اسی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" کے ایک دوسرے مقام پر جہاں طہارت کے احکام اور انکے اسرار ہی کا بیان ہے فرماتے ہیں: طہارت کی تین قسمیں ہیں، ایک حدث سے طہارت (یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب یا مستحب ہے۔ ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا۔ دوسرے ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم یا اپنے کپڑوں کو یا جگہ کو پاک کرنا۔ تیسرے جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل و کچیل پیدا ہوتا رہتا ہے اسکی صفائی کرنا (جیسے دانتوں کی صفائی ناک کے نتھنوں کی صفائی، ناخن اور زیر ناف بالوں کی صفائی) آگے طہارت کے متعلق جو حدیثیں درج ہونگی ان میں سے بعض کا تعلق مطلق طہارت سے ہو گا جو ان تینوں قسموں پر حاوی ہے، اور بعض کا تعلق کسی ایک خاص قسم سے ہو گا...... اس تمہیدی بیان کے بعد اب طہارت سے متعلق حدیثیں پڑھئے:

طہارت جزو ایمان ہے

(۱) **عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيْزَانَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَآنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَّالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَّالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْ فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا.** (رواہ مسلم)

ترجمہ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ طہارت و پاکیزگی جزو ایمان ہے اور کلمہ الحمد للہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ والحمد للہ بھر دیتے ہیں آسمان کو اور زمین کو، اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل و برہان ہے اور صبر اجالا ہے اور قرآن یا تو حجت ہے تمہارے حق میں یا حجت ہے تمہارے خلاف ہر آدمی صبح کرتا ہے پھر وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر یا تو اسے نجات دلا دیتا ہے یا اسکو ہلاک کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح …… جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ ہے جس میں آپ ﷺ نے دین کے بہت سے حقائق بیان فرمائے ہیں اس کا صرف پہلا جزو اور پہلا فقرہ (اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ) طہارت سے متعلق ہے اور اسی وجہ سے یہ حدیث کتب حدیث میں "کتاب الطہارۃ" میں درج کی جاتی ہے شطر کے معنی نصف اور آدھے کے ہیں بلکہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث جو امام ترمذی نے ایک دوسرے صحابی سے روایت کی ہے اس میں "اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ"[1] ہی کے الفاظ ہیں، لیکن اس عاجز کے نزدیک شطر و نصف دونوں لفظوں کا مطلب یہاں یہی ہے کہ طہارت و پاکیزگی ایمان کا خاص جزو اور اسکا اہم شعبہ اور حصہ ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ کا جو کلام اوپر نقل ہوا ہے اس سے یہ حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو چکی ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔

طہارت و پاکیزگی کی یہ اہمیت بیان فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کا اجر و ثواب اور اسکی فضیلت بیان فرمائی ہے، تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اسکی شہادت ادا کرنا ہوتا ہے کہ اللہ کی مقدس ذات ہر اس بات سے پاک اور برتر ہے جو اسکی شان الوہیت کے مناسب نہ ہو اور تحمید یعنی الحمدللہ کہنے کا مطلب اپنے اس یقین کا اظہار اور اس شہادت کا ادا کرنا ہوتا ہے کہ ساری خوبیاں اور سارے کمالات جن کی بنا پر کسی کی حمد و ثناء کی جا سکتی ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات میں ہے اور اسلئے بس ساری حمد و ستائش بس اسی کے لئے ہے یہی تسبیح و حمد حق تعالیٰ کی نورانی اور معصوم مخلوق فرشتوں کا خاص وظیفہ ہے۔ قرآن مجید میں خود فرشتوں کا یہ بیان خود ان ہی کی زبانی نقل کیا گیا ہے "نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ" (خداوندا! ہم تیری حمد و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں)۔

پس انسانوں کے لئے بھی بہترین وظیفہ اور مقدس ترین شغل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اور سارے عالم

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات ص۱۹۰ ج۲

کے خالق وپروردگار کی تسبیح کریں رسول اللہ ﷺ نے اسی ترغیب کے لئے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ ایک کلمہ سبحان اللہ میزان عمل کو بھر دیتا ہے اور اس سبحان اللہ کے ساتھ الحمدللہ بھی مل جائے تو ان دونوں کا نور زمین و آسمان کی ساری فضاؤں کو معمور و منور کر دیتا ہے۔

"سبحان اللہ" سے میزان اعمال کا بھر جانا اور "سبحان اللہ والحمدللہ" سے آسمان و زمین کا معمور ہو جانا یہ ان حقائق میں سے ہے جن کے ادراک کا حاسہ یہاں ہم کو نہیں دیا گیا۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر اس قسم کی حقیقتوں کو کبھی کبھی یہاں بھی منکشف فرما دیتا ہے، ہم عوام کا حصہ یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمائی ہوئی ان حقیقتوں پر ایمان لائیں، انکا یقین کریں اور ان سے عمل کا فائدہ اٹھائیں۔ حمد و تسبیح کی اس فضیلت اور ترغیب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے کہ "وہ نور ہے" اس دنیا میں نماز کی اس خصوصیت کا ظہور اسطرح ہوتا ہے کہ اسکی برکت سے قلب میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس کو اللہ کے وہ بندے خود محسوس کرتے ہیں جن کی نمازیں حقیقی نمازیں ہیں پھر اسی نور کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی فواحش و منکرات سے بچتا ہوا چلتا ہے اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" (بلاشبہ نماز میں یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کو فواحش و منکرات سے روکتی ہے) اور آخرت کی منزلوں میں نماز کی اس نورانیت کا ظہور اسطرح ہوگا کہ وہاں کی اندھیریوں میں نماز روشنی اور اجالا بن کر نمازی کے ساتھ ہوگی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ" (اللہ کے نیک صالح بندوں کے آگے آگے اور داہنی جانب انکے اعمال کا نور دوڑتا ہوگا)

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صدقے کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دلیل و برہان ہے اس دنیا میں صدقے کے برہان ہونے کا مطلب بظاہر یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس امر کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ صدقہ کرنے والا بندہ مؤمن و مسلم ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہو تو اپنی کمائی کا صدقہ کرنا آسان نہیں ہے "زر در طلبی سخن درین است" اور آخرت میں اس خصوصیت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ صدقہ کرنے والے مخلص بندے کے صدقے کو اسکے ایمان اور اسکی خدا پرستی اور نشانی مان کر اس کو انعامات سے نوازا جائے گا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صبر کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ "ضیاء" یعنی روشنی اور اجالا ہے بعض حضرات نے نماز اور صدقہ کی مناسبت سے یہاں لفظ صبر سے مراد روزہ لیا ہے، لیکن ناچیز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ صبر یہاں اپنے اصل وسیع معنی ہی میں استعمال ہوا ہے قرآن و حدیث کی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں "اللہ کے حکم کے تحت نفس کی خواہشات کو دبانا اور اس راہ میں تلخیاں اور ناگواریاں برداشت کرتے رہنا" اس لحاظ سے صبر گویا پوری دینی زندگی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور اس میں نماز، صدقہ، روزہ، حج اور جہاد اور انکے علاوہ اللہ کے لئے اور دین کے احکام کی پابندی میں ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کو دبائے رکھنا، سب ہی اس کے مفہوم میں داخل ہے اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ صبر "ضیاء" ہے قرآن مجید میں چاند کی روشنی کو "نور" اور سورج کی روشنی کو 'ضیاء' فرمایا گیا ہے (هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا) (یونس ١٠: ٥) اس لحاظ سے صبر اور نماز سے پیدا ہونے والی

روشنیوں میں نسبت ہوگی جو سورج اور چاند میں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسکے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو وہ تمہارے واسطے اور تمہارے حق میں دلیل یا تمہارے خلاف!...... مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسکا ہدایت نامہ ہے، اب اگر تمہارا تعلق اور رویہ اس کے ساتھ عظمت واحترام اور اتباع کا ہوگا جیسا کہ ایک صاحب ایمان کا ہونا چاہئے تو وہ تمہارے لئے شاہد ودلیل بنے گا اور اگر تمہارا رویہ اسکے برخلاف ہوگا تو پھر اسکی شہادت تمہارے خلاف ہوگی۔

ان تنبیہات وترغیبات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آخر میں ارشاد فرمایا ہے کہ "اس دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی حال اور کسی شغل میں زندگی گزار رہا ہو وہ روزانہ اپنے نفس اور اپنی جان کا سودا کرتا ہے، پھر یا تو وہ اسکو نجات دلانے والا ہے یا ہلاک کرنے والا ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی ایک مسلسل تجارت اور سوداگری ہے، اگر وہ اللہ کی بندگی اور رضا طلبی والی زندگی گزار رہا ہے تو اپنی ذات کیلئے بڑی اچھی کمائی کر رہا ہے اور اسکی نجات کا سامان فراہم کر رہا ہے اور اگر اسکے برعکس وہ نفس پرستی اور خدا فراموشی کی زندگی گزار رہا ہے تو وہ اپنی تباہی اور بربادی کما رہا ہے اور اپنی دوزخ بنا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کی ان ترغیبات وتنبیہات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

ناپاکی سے عذاب قبر

۲) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا يَسْتَنْزِهُ) مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رَطْبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَفِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَّاحِدَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبِسَا** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ جو دو آدمی ان قبروں میں مدفون ہیں انپر عذاب ہو رہا ہے، اور کسی ایسے گناہ کی وجہ سے یہ عذاب نہیں ہو رہا ہے جس کا معاملہ بہت مشکل ہوتا (یعنی جس سے بچنا بہت دشوار ہوتا بلکہ یہ دونوں اپنے ایسے گناہ کی پاداش میں عذاب دیئے جارہے ہیں جس سے بچنا کچھ مشکل نہ تھا) ان میں سے ایک کا گناہ تو یہ تھا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ یا پاک رہنے کی کوشش اور فکر نہیں کرتا تھا اور دوسرے کا گناہ یہ تھا کہ چغلیاں لگاتا پھرتا تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور اسکو بیچ سے چیر کر دو ٹکڑے کیا، پھر ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا گاڑھ دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ نے کس مقصد سے کیا آپؐ نے فرمایا، امید ہے کہ جس وقت تک شاخ کے یہ ٹکڑے بالکل خشک نہ ہو جائیں ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ...... عذاب قبر کے بارے میں اصولی بحث اس سلسلے کی پہلی جلد میں کی جاچکی ہے اور وہیں وہ حدیثیں

بھی ذکر کی جاچکی ہیں جن میں صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ عذاب قبر کی چیخ وپکار کو آس پاس کی دوسری سب مخلوق سنتی ہے لیکن جن وانس عام طور سے نہیں سنتے اور وہیں اسکی حکمت بھی تفصیل سے بیان کی جاچکی ہے، نیز وہیں صحیح مسلم کی ایک حدیث نقل کی جاچکی ہے جس میں بعض قبروں کے عذاب پر رسول اللہ ﷺ کے مطلع ہونے کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ پس یہ واقعہ جو اس حدیث میں بیان ہوا ہے یہ بھی اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ ہے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو عالم غیب کی بہت سی ایسی چیزوں کا مشاہدہ کراتا ہے اور بہت سی ایسی آوازیں سنوادیتا ہے جن کو عام انسانوں کی آنکھیں اس عالم میں نہیں دیکھتیں اور انکے کان نہیں سنتے۔ بہرحال یہ بھی اسی قبیل کی ایک چیز ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں کے عذاب کا سبب ان کے دو خاص گناہوں کو بتایا ہے ایک کے متعلق بتایا کہ وہ چغلی کرتا تھا جو ایک سنگین اخلاقی جرم ہے اور قرآن مجید میں بھی ایک جگہ اس کا ذکر ایک کافرانہ خصلت یا منافقانہ عادت کے طور پر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا "① وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ○ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ" (قلم) اور کتب قدیمہ کے بہت بڑے عالم کعب احبار سے مروی ہے کہ تورات میں چغلخوری کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے۔② اور دوسرے کے عذاب کا سبب آپ نے یہ بتایا کہ وہ پیشاب کی گندگی سے بچاؤ اور پاک صاف رہنے میں بے احتیاطی کرتا (لَا يَسْتَتِرُ اور لَا يَسْتَنْزِهُ) دونوں کا حاصل مطلب یہی ہے، اور صحیح بخاری کی روایت میں اس واقعہ پر "لَا يَسْتَبْرِئُ" بھی آیا ہے اور حاصل اس کا بھی یہی ہے، بہرحال اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کی گندگی سے (اور اسی طرح دوسری ناپاکیوں سے) بچنا یعنی اپنے جسم اور اپنے کپڑوں کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرنا اللہ تعالیٰ کے اہم احکامات میں سے ہے اور اسمیں کوتاہی اور بے احتیاطی ایسی معصیت ہے کہ جس کی سزا آدمی کو قبر میں بھگتنی پڑے گی۔

آگے حدیث میں جو یہ ذکر ہے کہ آپؐ نے کھجور کی ایک تر شاخ منگوائی اور بیچ میں سے اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا ان دونوں کی قبر پر گاڑ دیا۔ اور بعض صحابہؓ نے جب اس کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ "مجھے امید ہے کہ جب تک ان ٹکڑوں میں کچھ تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کردی جائے گی...... اسکی ایک توجیح بعض شارحین نے یہ ذکر کی ہے کہ کسی درخت کی شاخ میں جب تک کچھ تری یا نمی رہتی ہے اس وقت تک وہ زندہ رہتی ہے اور اس وقت تک وہ اللہ کی تسبیح وحمد کرتی رہتی ہے...... گویا قرآن مجید کی آیت "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ" کا مطلب ان حضرات کے نزدیک یہ ہے کہ ہر چیز اس وقت تک جب تک کہ اس میں کچھ زندگی ہو اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح کرتی رہتی ہے اور جب اس چیز کی زندگی ختم ہوجاتی ہے تو اسکی حمد وتسبیح بھی ختم ہوجاتی ہے...... بہرحال اسی بنا پر ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کے اس فعل اور آپ کے اس ارشاد کی توجیہ یہ کی ہے کہ آپؐ نے کھجور کی شاخ کے یہ ٹکڑے ان قبروں پر اسلئے گاڑھے کہ انکی تسبیح وحمد کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہوجائے اور آپؐ نے ان ٹکڑوں

---

① اور مت مانو اس شخص کی بات جو (جھوٹ بولنے میں بے باک) بے تحاشا قسمیں کھانے کا عادی ہے اور عیب چینی اور چغلخوری جس کا مشغلہ ہے۔　② ذکرہ شیخ عبد الحق فی شرح المشکوٰۃ

کے خشک ہونے تک تخفیف کی جو امید ظاہر فرمائی اس کی بنیاد بس یہی تھی۔ لیکن اکثر شارحین نے اس توجیہ کو غلط قرار دیا ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہ توجیہ بالکل غلط بلکہ مہمل ہے۔ ذرا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اگر آپؐ نے یہ کام اس نقطہ نظر سے کیا ہوتا تو کھجور کی شاخ چیر کے آپؐ اس کے ٹکڑے قبروں پر نصب نہ کرتے کیونکہ وہ تو دو چار دن میں خشک ہو جاتے ہیں بلکہ اس صورت میں آپؐ ان قبروں پر کوئی پودا نصب کرا دیتے جو برسہا برس تک ہرا رہتا۔ دوسری واضح دلیل اس توجیہ کے غلط ہونے کی یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ نے آپؐ کا منشاء اور نقطہ نظر یہ سمجھا ہوتا تو وہ سب ایسا ہی کرتے اور ہر قبر پر شاخ نصب کرنے بلکہ درخت لگانے کا اس دور میں عام رواج ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا بہر حال حضور ﷺ کے اس عمل اور اس ارشاد کی یہ توجیہ بالکل غلط ہے اور پھر اس توجیہ پر بزرگان دین کے مزارات پر ہار پھول چڑھانے کی مشرکانہ رسم کا جواز نکالنا تو روح اسلام پر سخت ظلم ہے۔

پس صحیح توجیہ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل اور ارشاد کی یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے ان مردوں کے لئے تخفیف عذاب کیلئے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ آپ ﷺ اسطرح ایک ہری شاخ کے دو حصے کر کے ان قبروں پر ایک ایک گاڑھ دیجئے۔ جب تک اس میں تری رہے گی اس وقت تک کیلئے ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی..... صحیح مسلم کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث ہے اس میں بھی دو قبروں کے عذاب کا ذکر ہے اور وہ دوسرا واقعہ ہے وہاں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ جاؤ ان درختوں میں سے دو شاخیں کاٹ کے فلاں جگہ ڈال آؤ! حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور جب آپ ﷺ سے اسکی بابت میں نے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہاں دو قبریں ہیں جن پر عذاب ہو رہا ہے، میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف عذاب کی استدعا کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اتنی بات قبول فرمائی کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی..... بہر حال حضرت جابرؓ کی اس روایت سے یہ بات صراحۃً معلوم ہو گئی کہ ہری شاخوں کو یا انکی تری کو عذاب کی تخفیف میں کوئی دخل نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات فرمائی گئی تھی کہ آپؐ کی دعا کی وجہ سے ہم اتنی مدت کیلئے انکے عذاب میں تخفیف کر دیں گے پس اصلی چیز تھی حضور ﷺ کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی بنا پر ایک محدود مدت تک کیلئے تخفیف کا فیصلہ۔

شارحین نے اس حدیث کی شرح میں اسپر بھی گفتگو کی ہے کہ یہ دو قبریں جن پر رسول اللہ ﷺ نے کھجور کی شاخ کے ٹکڑے گاڑھے، مسلمانوں کی تھیں یا غیر مسلموں کی؟ اور پھر ترجیح اسکو دی ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں کی تھیں، اسکا ایک واضح قرینہ خود اسی حدیث میں یہ موجود ہے کہ آپ ﷺ نے عذاب کا سبب چغل خوری کی عادت اور پیشاب کے معاملے میں بے احتیاطی اور لاپروائی بتایا ہے حالانکہ یہ قبریں کافروں کی ہوتیں تو عذاب کا سب سے بڑا سبب انکا کفر اور شرک بتلایا جاتا..... علاوہ ازیں مسند احمد میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں بقیع میں تھیں اور آپؐ نے بقیع سے گزرتے ہوئے ان قبروں کے عذاب کو محسوس کیا تھا، اور معلوم ہے کہ مدینہ طیبہ میں بقیع مسلمانوں ہی

کا قبرستان ہے۔۔۔ بہر حال ان سب قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں۔۔۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث کا خاص سبق اور اسکی خاص ہدایت یہ ہے کہ پیشاب وغیرہ کی نجاست سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش اور فکر کی جائے اور جسم اور کپڑوں کے پاک صاف رکھنے کا اہتمام کیا جائے اور چغلخوری جیسی منافقانہ اور مفسدانہ عادت سے بچا جائے ورنہ ان دونوں باتوں میں کوتاہی اور بے احتیاطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا:۔۔۔۔

قضاء حاجت اور استنجاء سے متعلق ہدایات

۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ اُعَلِّمُكُمْ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَاتَسْتَدْبِرُوْهَا، وَاَمَرَ بِثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ وَّنَهٰى عَنِ الرَّوْثِ وَالرِّمَّةِ وَنَهٰى اَنْ يَسْتَطِيْبَ الرَّجُلُ بِيَمِيْنِهٖ. (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں تم لوگوں کے لئے مثل ایک باپ کے ہوں اپنی اولاد کیلئے (یعنی جسطرح اولاد کی خیر خواہی اور انکو زندگی کے اصول و آداب سکھانا ہر باپ کی ذمہ داری ہے اسی طرح تمہاری تعلیم و تربیت میرا کام ہے اسلئے) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم قضائے حاجت کیلئے جاؤ تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھو نہ اسکی طرف پشت (بلکہ اسطرح بیٹھو کہ قبلہ کی جانب نہ تمہارا منہ ہو نہ تمہاری پیٹھ)۔(حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ) اور آپؐ نے استنجے میں تین پتھروں کے استعمال کرنے کا حکم دیا اور منع فرمایا استنجے میں لید اور ہڈی استعمال کرنے سے اور منع فرمایا اپنے ہاتھ سے استنجا کرنے سے۔ (سنن ابن ماجہ، دارمی)

٤) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قِيْلَ لَهٗ قَدْ عَلَّمَكُمْ نَبِيُّكُمْ (ﷺ) كُلَّ شَيْئٍ حَتّٰى الْخِرَاءَةَ قَالَ فَقَالَ اَجَلْ لَقَدْ نَهَانَا اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ لِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِىَ بِالْيَمِيْنِ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِىَ بِاَقَلَّ مِنْ ثَلٰثَةِ اَحْجَارٍ اَوْ اَنْ نَسْتَنْجِىَ بِرَجِيْعٍ اَوْ بِعَظْمٍ.. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (بعض مشرکوں کی طرف سے تمسخر اور طنز کے طور پر) ان سے کہا گیا کہ تمہارے پیغمبرؐ نے تو تم لوگوں کو ساری ہی باتیں سکھائی ہیں۔یہاں تک کہ پاخانہ پھرنے کا طریقہ بھی! حضرت سلمان نے ان سے کہاہاں بیشک (انھوں نے ہم کو سب ہی کچھ سکھایا ہے اور استنجے کے متعلق بھی ضروری ہدایتیں دی ہیں۔چنانچہ) انھوں نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ پاخانہ یا پیشاب کے وقت ہم قبلہ کی طرف رخ کریں یا یہ کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں یا یہ کی ہم استنجے میں تین پتھروں سے کم استعمال کریں یا یہ کہ ہم استنجا کریں (اونٹ گھوڑے یا بیل وغیرہ) کسی چوپائے کے فضلے یا ہڈی سے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جس طرح کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے اسی طرح پاخانہ پیشاب بھی ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔نبیؑ برحق حضرت محمد ﷺ نے جس طرح زندگی کے دوسرے کاموں اور شعبوں میں

ہدایات دی ہیں اسی طرح پاخانہ و پیشاب اور طہارت واستنجا کے بارے میں بھی بتایا ہے کہ یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، یہ درست ہے اور یہ نادرست......

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایات اس باب میں دی ہیں وہ چار ہیں۔

۱) ایک یہ کہ پاخانہ کیلئے اس طرح بیٹھا جائے کہ قبلے کی طرف نہ منہ ہو نہ پیٹھ۔ یہ قبلے کے ادب واحترام کا تقاضا ہے۔ ہر مہذب آدمی جس کو لطیف اور روحانی حقیقتوں کا کچھ شعور واحساس ہو۔ پیشاب یا پاخانے کے وقت کسی مقدس اور محترم چیز کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا بے ادبی اور گنوارپن سمجھتا ہے۔

۲) دوسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی کہ داہنا ہاتھ جو عام طور پر کھانے پینے، لکھنے پڑھنے، لینے دینے وغیرہ سارے کاموں میں استعمال ہوتا ہے اور جس کو ہمارے پیدا کرنے والے نے پیدائشی طور پر بائیں ہاتھ کے مقابلے میں زیادہ صلاحیت اور خاص فوقیت بخشی ہے اسکو استنجے کی گندگی کی صفائی کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات بھی ایسی ہے کہ ہر مہذب آدمی جس کو انسانی شرف کا کچھ شعور واحساس ہے، اپنے بچوں کو یہ بات سکھائی ضروری سمجھتا ہے۔

۳) تیسری ہدایت آپ ﷺ نے یہ دی ہے کہ استنجے میں صفائی کیلئے کم سے کم تین پتھر استعمال کرنے چاہئیں، کیونکہ عام حال یہی ہے کہ تین سے کم میں پوری صفائی نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص محسوس کرے کہ اسکو صفائی کیلئے تین سے زیادہ پتھروں یا ڈھیلوں کے استعمال کرنے کی ضرورت ہے تو اپنی ضرورت کے مطابق زیادہ استعمال کرے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیثوں میں استنجے کے لئے خاص پتھر کا ذکر اسلئے آتا ہے کہ عرب میں پتھر کے ٹکڑے ہی اس مقصد کیلئے استعمال ہوتے تھے، ورنہ پتھر کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ مٹی کے ڈھیلے اور اسی طرح ہر ایسی پاک چیز سے یہ کام لیا جا سکتا ہے جس سے صفائی کا مقصد حاصل ہو سکتا ہو اسکا استعمال اس کام کیلئے نامناسب نہ ہو۔

۴) چوتھی ہدایت آپؐ نے اس سلسلے میں یہ دی کہ کسی جانور کی گری پڑی ہڈی سے اور اسی طرح کسی جانور کے خشک فضلے سے یعنی لید وغیرہ سے استنجانہ کیا جائے۔ کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض لوگ ان چیزوں سے بھی استنجا کر لیا کرتے تھے اسلئے رسول اللہ ﷺ نے صراحۃً اس سے منع فرمادیا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چیزوں سے استنجا کرنا سلیم الفطرت اور صاحب تمیز آدمی کے نزدیک بڑے گنوارپن کی بات ہے۔

۵) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَتَى الْخَلَاءَ اَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فِیْ تَوْرٍ اَوْ رَكْوَةٍ فَاسْتَنْجٰى ثُمَّ مَسَحَ يَدَهُ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ اَتَيْتُهُ بِاِنَاءٍ اٰخَرَ فَتَوَضَّأَ۔** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب استنجے کو جاتے تھے تو میں آپؐ کو پانی لا کے دیتا تھا، پانی کے برتن تور میں (جو کانسی یا پتھر سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا) یا رکوہ میں (یعنی چمڑے کے چھوٹے مشکیزے میں) تو آپؐ اس سے طہارت کرتے تھے، پھر اپنے ہاتھ کو زمین کی مٹی پر ملتے تھے، پھر دوسرا برتن پانی کا لاتا تھا تو اس سے آپؐ وضو کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی طہارت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد ہاتھ کو زمین پر مل کر دھوتے تھے، اس کے بعد وضو بھی فرماتے تھے...... حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے استنجے اور وضو کیلئے پانی لا کر دینے کی سعادت عموماً مجھے حاصل ہوتی تھی...... صحیحین کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خدمت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی خاص حصہ تھا۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا آپؐ کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ قضائے حاجت اور استنجے سے فارغ ہو کر وضو بھی فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ وضو کرنا صرف اولی و افضل ہے فرض یا واجب نہیں ہے آپؐ نے اسکو ترک بھی کیا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ پیشاب سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کے لئے پانی لے کر کھڑے ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عمر یہ کیا ہے، کس کیلئے پانی لئے کھڑے ہو؟" حضرت عمرؓ نے عرض کیا، آپ کے وضو کیلئے پانی لایا ہوں آپؐ نے فرمایا کہ میں اسکے لئے مامور نہیں ہوں کہ جب پیشاب کروں تو ضرور ہی وضو کروں اور اگر میں پابندی اور مداومت کروں تو امت کیلئے ایک قانون اور دستور بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ مسئلہ کی صحیح نوعیت اپنے عمل سے واضح کرنے کیلئے اور امت کو غلط فہمی اور مشقت سے بچانے کیلئے کبھی کبھی اولی اور افضل کو ترک بھی فرمادیتے تھے۔

٦) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ وَ جَابِرٍ وَ اَنَسٍ اَنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ لَمَّا نَزَلَتْ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَثْنٰی عَلَیْكُمْ فِی الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ قَالُوْا نَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَ نَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَ نَسْتَنْجِیْ بِالْمَاءِ قَالَ فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَیْكُمُوْهُ — (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے تینوں حضرات بیان فرماتے ہیں کہ مسجد قبا کے بارہ میں جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی " فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ" (اس مسجد میں ہمارے ایسے بندے ہیں جو پاکیزگی پسند کرتے ہیں اور اللہ ایسے پاکیزگی پسند لوگوں سے محبت کرتا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے (اس مسجد میں نمازیں پڑھنے والے اور اسکو آباد کرنے والے انصار سے) فرمایا۔ اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت و پاکیزگی کے بارے میں تمہاری تعریف فرمائی ہے تو وہ تمہاری کیا صفائی اور پاکیزگی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ (طہارت و پاکیزگی کی کوئی خاص بات اس کے سوا تو ہم اپنے میں نہیں پاتے) کہ نماز کیلئے وضو کرتے ہیں، جنابت کا غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں (یعنی صرف پتھر وغیرہ کے استعمال پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعد میں پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں) آپؐ نے فرمایا بس یہی بات

ہے، پس تم اسکو اپنے اوپر لازم کرلو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... عرب کے بہت سے لوگ صرف ڈھیلے پتھر سے استنجا کرنے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ (موٹی جھوٹی غذا اور ہاضمے کی درستی کی وجہ سے) ان لوگوں کو اجابت اونٹ کی مینگنیوں کی طرح خشک ہوتی تھی اسلئے استنجے میں انکو پانی کے استعمال کی خاص ضرورت بھی نہیں ہوتی تھی۔ اور پتھر کے استعمال پر اکتفا کر لیتے تھے لیکن انصار کی عادت پانی کے استعمال کی بھی تھی، قرآن مجید میں انکی اس پاکیزگی پسندی کی تحسین و تعریف نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے انکو ہدایت فرمائی کہ وہ اسکو اپنے اوپر لازم کر لیں...... اور خود آپکا طرز عمل تو یہ تھا ہی...... الغرض قرآن مجید نے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اور طرز عمل نے امت مسلمہ کو ہدایت دی کہ اگر بالفرض کسی کا حال یہ ہو کہ اجابت کی خشکی کی وجہ سے ڈھیلے، پتھر وغیرہ کا استعمال کافی ہو، تب بھی وہ پانی سے استنجا کرے اور ہاتھ کو مٹی وغیرہ سے مانجھے۔ پاکیزگی پسندی کا تقاضا یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہی طریقہ پسند ہے۔

۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِتَّقُوا للَّاعِنَيْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّاعِنَانِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ الَّذِىْ يَتَخَلّٰى فِىْ طَرِيْقِ النَّاسِ اَوْ فِىْ ظِلِّهِمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لعنت کا سبب بننے والی دو باتوں سے بچو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت! وہ دو باتیں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ایک یہ کہ آدمی لوگوں کے راستے میں قضائے حاجت کرے اور دوسرے یہ کہ ان کے سائے کی جگہ میں ایسا کرے۔
(صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ کہ لوگ جس راستے پر چلتے ہوں یا سائے کی جگہ آرام کرنے کے لئے بیٹھتے ہوں اگر کوئی گنوار آدمی وہاں قضائے حاجت کرے گا تو لوگوں کو اس سے اذیت اور تکلیف پہنچے گی اور وہ اسکو برا بھلا کہیں گے اور لعنت کریں گے۔ لہٰذا ایسی باتوں سے بچنا چاہئے...... اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث مروی ہے، اس میں راستے اور سائے کے علاوہ ایک تیسری جگہ موارد کا بھی ذکر ہے۔ جس سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں پانی کا کوئی انتظام ہو اور اسکی وجہ سے لوگ وہاں آتے ہوں۔ اصل مقصد حضور ﷺ کی ہدایت کا بس یہ ہے کہ اگر گھر کے علاوہ جنگل وغیرہ میں ضرورت پیش آجائے تو ایسی جگہ تلاش کرنی چاہئے جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو اور انکے لئے باعث تکلیف نہ بنے۔

۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ الْبَرَازَ اِنْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ اَحَدٌ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ کو قضائے حاجت کے لئے باہر جانا ہوتا تو اتنی دور اور ایسی جگہ تشریف لے جاتے کہ کسی کی نظر آپؐ پر نہ پڑ سکتی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں شرم و حیا اور شرافت کا جو مادہ ودیعت رکھا ہے اسکا تقاضا ہے کہ

انسان اس کی کوشش کرے کہ اپنے اس قسم کی بشری ضرورتیں اسطرح پوری کرے کہ کوئی آنکھ اس کو نہ دیکھے، اگرچہ اس کیلئے اسکو دور سے دور جانے کی تکلیف اٹھانی پڑے، یہی رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا اور یہی آپؐ کی تعلیم تھی۔

۹) **عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَرَادَ اَنْ یَّبُوْلَ فَاَتٰی دَمِثًا فِیْ اَصْلِ جِدَارٍ فَبَالَ ثُمَّ قَالَ اِذَا اَرَادَ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّبُوْلَ فَلْیَرْتَدْ لِبَوْلِهٖ** — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ کو پیشاب کا تقاضا ہوا تو آپؐ ایک دیوار کے نیچے نرم اور نشیبی زمین کی طرف آئے اور وہاں پیشاب سے فارغ ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو پیشاب کرنا ہو تو اس کے لئے مناسب جگہ تلاش کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ پیشاب کیلئے ایسی جگہ تلاش کر کے بیٹھنا چاہئے جہاں پردہ بھی ہو اور اپنے اوپر چھینٹے پڑنے کا خطرہ نہ ہو اور رخ بھی غلط نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بیشمار رحمتیں اسکے اس پاک پیغمبر ﷺ پر جس نے امت کو پیشاب پاخانے تک کے آداب سکھائے۔

۱۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَایَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مُسْتَحَمِّهٖ ثُمَّ یَغْتَسِلُ فِیْهِ اَوْ یَتَوَضَّأُ فِیْهِ فَاِنَّ عَامَّةَ الْوَسْوَاسِ مِنْهُ** — (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ تم میں سے کوئی ہرگز ایسا نہ کرے کہ اپنے غسل خانے میں پہلے پیشاب کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے اکثر وسوسے اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔

تشریح...... مطلب یہ کہ ایسا کرنا بہت ہی غلط اور بڑی بد تمیزی کی بات ہے کہ آدمی اپنے غسل کرنے کی جگہ میں پہلے پیشاب کرے اور پھر وہیں غسل یا وضو کرے، ایسا کرنے کا ایک برا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے پیشاب کی چھینٹوں کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں...... اس آخری جملے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اسی صورت سے ہے کہ جب غسل خانہ میں پیشاب کے بعد غسل یا وضو کرنے سے ناپاک جگہ کی چھینٹوں کے اپنے اوپر پڑنے کا اندیشہ ہو ورنہ اگر غسل خانہ کی بناوٹ ایسی ہے کہ اس میں پیشاب کیلئے الگ جگہ بنی ہوئی ہے یا اسکا فرش ایسا بنایا گیا ہے کہ پیشاب کرنے کے بعد پانی بہا دینے سے اسکی پوری صفائی اور طہارت ہو جاتی ہے تو پھر اسکا حکم یہ نہیں ہے۔

۱۱) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَبُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ فِیْ جُحْرٍ** (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

ترجمہ۔۔ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ہرگز کسی سوراخ میں پیشاب نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

تشریح...... جنگل میں اور اسی طرح گھروں میں جو سوراخ ہوتے ہیں وہ عموماً حشرات الارض کے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گنوار آدمی یا نادان بچہ کسی سوراخ میں پیشاب کرے تو ایک تو اس میں رہنے والے حشرات الارض کو بے ضرورت اور بے فائدہ تکلیف ہوگی دوسرے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ سوراخ سانپ یا بچھو جیسی کسی زہریلی چیز کا ہو اور وہ اچانک نکل کر کاٹ لے ایسے واقعات بکثرت نقل بھی کئے گئے ہیں بہرحال رسول اللہ ﷺ نے (جو امت کے ہر طبقے کے لئے اصل مربی اور معلم ہیں) سوراخ میں پیشاب کرنے سے ان ہی وجوہ سے بتاکید منع فرمایا ہے۔

قضاء حاجت کے مقام پر جانے کی دُعا

۱۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوشَ مُحْتَضَرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ۔ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ... حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حاجت کے ان مقامات میں خبیث مخلوق شیاطین وغیرہ رہتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب بیت الخلاء جاوے تو چاہئے کہ پہلے یہ دُعا کرے کہ میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جس طرح ملائکہ کو طہارت و نظافت اور ذکر اللہ سے اور ذکر و عبادت کے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہیں ان کا جی لگتا ہے اسی طرح شیاطین جیسی خبیث مخلوقات کو گندگیوں سے اور گندے مقامات سے خاص مناسبت ہے اور وہی اُن کے مراکز اور دلچسپی کے مقامات ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو یہ تعلیم دی کہ قضائے حاجت کی مجبوری سے جب کسی کو ان گندے مقامات میں جانا ہو تو پہلے وہاں رہنے والے خبیثوں اور خبیثنیوں کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اُس کے بعد وہاں قدم رکھے...... ہم عوام کا حال یہ ہے کہ نہ ذکر و عبادت کے مقامات میں ہم فرشتوں کی آمد اور اُن کا نزول محسوس کرتے ہیں اور نہ گندے مقامات پر ہمیں شیاطین کے وجود کا احساس ہوتا ہے لیکن صادق و مصدوق حضرت محمد ﷺ نے اس کی خبر دی ہے اور اللہ کے بعض بندے اس کے خاص فضل سے ان حقیقتوں کو کبھی کبھی خود بھی اسی طرح محسوس کرتے ہیں اور اس سے ان کے ایمان میں بڑی ترقی ہوتی ہے۔

قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد کی دُعا

۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ "غُفْرَانَكَ" (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے "غُفْرَانَكَ" (اے اللہ تیری پوری مغفرت کا طالب و سائل ہوں)۔ (ترمذی و سنن ابن ماجہ)

تشریح...... قضاء حاجت سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ کی اس مغفرت طلبی کی متعدد توجیہیں کی گئی ہیں،

ان میں سب سے زیادہ لطیف اور دل کو لگنے والی توجیہ اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پیٹ میں جو گندہ فضلہ ہوتا ہے وہ ہر انسان کے لئے ایک قسم کے انقباض اور گرانی کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ وقت پر خارج نہ ہو تو اُس سے طرح طرح کی تکلیفیں اور بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور اگر طبعی تقاضے کے مطابق پوری طرح خارج ہو جائے تو آدمی ایک ہلکا پن اور ایک خاص قسم کا انشراح محسوس کرتا ہے اور اس کا تجربہ ہر انسان کو ہوتا ہے...... اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ صحیح احساس رکھنے والے عارفین کے لئے بالکل یہی حال گناہوں کا ہے وہ ہر طبعی انقباض اور دنیا کے ہر اندرونی اور بیرونی بوجھ اور ہر گرانی سے زیادہ گناہوں کے بوجھ اور اُن کی گرانی اور اذیت کو محسوس کرتے ہیں اور گناہوں کے بارے اپنی پیٹھ کے ہلکا ہونے کی فکر ان کو بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ ہم جیسے عام انسانوں کو پیٹ اور آنتوں سے گندے فضلے کے خارج ہو جانے کی، پس رسول اللہ ﷺ جب اس بشری تقاضے سے فارغ ہوتے اور انسانی فطرت کے مطابق طبیعت ہلکی اور منشرح ہوتی تو مذکورۂ بالا احساس کیمطابق اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے کہ جس طرح تو نے اس گندے فضلے کو میرے جسم سے خارج کر کے میری طبیعت کو ہلکا کر دیا اور مجھے راحت و عافیت عطا فرمائی اسی طرح میرے گناہوں کی پوری پوری مغفرت فرما کر میری روح کو پاک صاف اور گناہوں کے بوجھ سے میری پیٹھ کو ہلکا کر دے۔

رہا یہ سوال کہ گناہوں سے معصوم ہونے کے باوجود اور "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" کے قرآنی اعلان کے بعد بھی آپؐ اپنے گناہوں سے استغفار کیوں فرماتے تھے تو اس کا جواب تفصیل سے ان شاء اللہ آگے کتاب الصلاۃ میں تہجد کے بیان میں آئے گا۔

۱۴) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ　　(رواه النسائی)

ترجمہ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قضاء حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو کہتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ" الخ (اس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھ سے گندگی دور فرمائی اور مجھے عافیت بخشی)۔　(سنن نسائی)

تشریح...... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اوپر والی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آپؐ بیت الخلاء سے باہر آکر "غُفْرَانَكَ" کہتے تھے اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس حدیث سے یہ دوسری دُعا معلوم ہوئی...... واقعہ یہ ہے کہ مضمون کے لحاظ سے یہ دونوں دُعائیں موقع کے بہت مناسب اور برمحل ہیں، اس لئے خیال یہ ہے کہ کبھی آپؐ یہ کہتے ہوں گے اور کبھی وہ۔ واللہ اعلم

وضو اور اسکے فضائل و برکات

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ جن سلیم الفطرت انسانوں کی روحانیت بہیمیت سے مغلوب نہیں ہوئی ہے وہ حدث کی حالت میں...... یعنی جب پیشاب پاخانے جیسے کسی سبب سے اُن کا وضو ٹوٹ جائے تو اپنے باطن میں وہ ایک گونہ ظلمت و کدورت اور ایک

طرح کی گندگی محسوس کرتے ہیں۔ (اور اصل حدث یہی کیفیت ہے) اور شریعت اسلامی نے اسی کے ازالہ کے لئے وضو مقرر فرمایا ہے...... جن بندوں نے بہیمیت کے سفلی تقاضوں سے مغلوب ہو کر اپنے لطیف روحانی احساسات کو فنا نہیں کر دیا ہے وہ حدث کی حالت میں اس باطنی گندگی اور ظلمت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ وضو سے یہ کیفیت زائل ہو کر ایک روحانی پاکیزگی و نورانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وضو کا اصل مقصد و موضوع تو یہی ہے اور اسی وجہ سے اس کو نماز یعنی بارگاہِ الٰہی کی خاص حضوری کی لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے فضل سے اس کے علاوہ بھی بہت سی برکات رکھی ہیں...... رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اُمت کو وضو کا طریقہ اور اس کے متعلق احکام بتلائے ہیں اُسی طرح آپؐ نے اُس کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے ہیں۔ پہلے چند حدیثیں اسی سلسلہ کی پڑھ لی جائیں۔

وضو گناہوں کی صفائی اور معافی کا ذریعہ

۱۵) **عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ خَرَجَتْ خَطَايَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ حَتّٰى تَخْرُجَ مِنْ تَحْتِ اَظْفَارِهٖ** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے وضو کیا اور (بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق) خوب اچھی طرح وضو کیا تو اُس کے سارے گناہ نکل جائیں گے یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق باطنی پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے آداب و سنن وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اچھی طرح وضو کرے گا تو اُس سے صرف اعضائے وضو کی میل کچیل اور حدث والی باطنی ناپاکی ہی دور نہ ہو گی بلکہ اس کی برکت سے اس کے سارے جسم کے گناہوں کی ناپاکی بھی نکل جائے گی اور وہ شخص حدث سے پاک ہونے کے علاوہ گناہوں سے بھی پاک صاف ہو جائے گا۔ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے اس کی مزید تفصیل معلوم ہو گی۔

۱۶) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ اَوِ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهٗ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهٖ كُلُّ خَطِيْئَةٍ نَظَرَ اِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيْئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَاِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَ كُلُّ خَطِيْئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلَاهُ مَعَ الْمَاءِ اَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنَ الذُّنُوْبِ** — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم بندہ وضو کرتا ہے اور اس میں اپنے چہرہ کو دھوتا ہے اور اس پر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے چہرہ سے وہ سارے گناہ نکل جاتے ہیں (اور گویا ڈھل جاتے ہیں) جو اس کی آنکھ سے ہوئے تھے، اس کے بعد جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے ہاتھوں سے خارج ہو جاتے ہیں اور ڈھل جاتے ہیں جو اس

کے ہاتھوں سے ہوئے' اس کے بعد جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے تو وہ سارے گناہ اس کے پاؤں سے خارج ہو جاتے ہیں جو اس کے پاؤں سے ہوئے اور جن کے لئے اس کے پاؤں استعمال ہوئے یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہونے کے ساتھ وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہاں چند باتیں وضاحت طلب ہیں:

۱)...... مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کے پانی کے ساتھ گناہوں کے جسم سے نکل جانے اور ڈھل جانے کا ذکر ہے' حالانکہ گناہ میل کچیل اور ظاہری نجاست جیسی کوئی چیز نہیں ہے جو پانی کے ساتھ نکل جائے اور ڈھل جائے...... بعض شارحین حدیث نے اس کی توجیہ میں کہا ہے کہ گناہوں کے نکل جانے کا مطلب صرف معافی اور بخشش ہے.......... اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا ہے کہ بندہ جو گناہ جس عضو سے کرتا ہے اُس کا ظلماتی اثر اور اس کی نحوست پہلے اُس عضو میں اور پھر اس شخص کے دل میں قائم ہو جاتی ہے' پھر جب اللہ کے حکم سے اور اپنے کو پاک کرنے کے لئے وہ بندہ سنن و آداب کے مطابق وضو کرتا ہے تو جس جس عضو سے اُس نے گناہ کئے ہوتے ہیں اور گناہوں کے جو گندے اثرات اور جو ظلمتیں اس کے اعضاء اور اس کے قلب میں قائم ہو چکی ہوتی ہیں وضو کے پانی کے ساتھ وہ سب ڈھل جاتی اور زائل ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی اور مغفرت بھی ہو جاتی ہے.......... یہی دوسری توجیہ اس عاجز کے نزدیک حدیث کے الفاظ سے زیادہ قریب ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲)...... حضرت ابو ہریرہؓ والی اس حدیث میں چہرہ کے دھونے کے ساتھ صرف آنکھوں کے گناہوں کے ڈھل جانے اور نکل جانے کا ذکر فرمایا گیا ہے حالانکہ چہرہ میں آنکھوں کے علاوہ ناک اور زبان و دہن بھی ہیں اور بعضے گناہوں کا تعلق انہی سے ہوتا ہے...... اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اعضاء وضو کا استیعاب نہیں فرمایا ہے بطور تمثیل کے آنکھوں اور ہاتھوں پاؤں کا ذکر فرمایا ہے...... اس مضمون کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مالک اور امام نسائی نے عبداللہ الصنابحی سے روایت کیا ہے) اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ اس میں کلی اور ناک کے پانی (مضمضہ و استنشاق) کے ساتھ زبان و دہن اور ناک کے گناہوں کے نکل جانے اور ڈھل جانے کا اور اسی طرح کانوں کے مسح کے ساتھ کانوں کے گناہوں کے نکل جانے کا بھی ذکر ہے۔

۳)...... نیک اعمال کی یہ تاثیر ہے کہ وہ گناہوں کو مٹاتے اور ان کے داغ دھبوں کو دھوڈالتے ہیں قرآن مجید میں بھی مذکور ہے ارشاد فرمایا گیا ہے "إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (ھود ۱۱:۱۱۴) یعنی نیک اعمال گناہوں کو مٹادیتے ہیں...... اور احادیث میں خاص خاص اعمالِ حسنہ کا نام لے لے کر رسول اللہ ﷺ نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ فلاں نیک عمل گناہوں کو مٹادیتا ہے' فلاں نیک عمل گناہوں کو معاف کرادیتا ہے فلاں نیک عمل گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے' اس قسم کی بعض حدیثیں اس سلسلہ میں پہلے گذر چکی ہیں' اور آئندہ بھی مختلف ابواب میں آئیں گی۔ ان میں سے بعض حدیثوں میں حضورؐ نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں' اسی بنا پر اہل حق اہل السنۃ اس کے قائل ہیں کہ

اعمالِ حسنہ سے صرف صغائر ہی کی تطہیر ہوتی ہے، قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَاتُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (النساء ٤: ٣١)

اگر تم کبائر منہیات (بڑے بڑے گناہوں) سے بچتے رہو گے تو تمہاری (معمولی) برائیاں اور غلطیاں ہم تم سے دفع کر دیں گے۔

الغرض مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں میں وضو کی برکت سے جن گناہوں کے نکل جانے اور دُھل جانے کا ذکر ہے اُن سے مراد صغائر ہی ہیں کبائر کا معاملہ بہت سنگین ہے اس زہر کا تریاق صرف توبہ ہی ہے۔

وضو جنت کے سارے دروازوں کی کنجی ہے

۱۷) **عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُهَا مِنْ اَيِّهَا شَاءَ** (رواہ مسلم)

ترجمہ... حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سلسلۂ کلام میں) فرمایا "جو کوئی تم میں سے وضو کرے (اور پورے آداب کے ساتھ خوب اچھی طرح) اور مکمل وضو کرے، پھر وضو کے بعد کہئے " اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ " تو لازمی طور پر اُس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جائیں گے وہ جس دروازے سے بھی چاہے گا جنت میں جاسکے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... وضو کرنے سے بظاہر صرف اعضاءِ وضو کی صفائی ہوتی ہے اس لئے مؤمن بندہ وضو کرنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل میں اعضاءِ وضو تو دھو لئے اور ظاہری طہارت اور صفائی کر لی لیکن اصل گندگی تو ایمان کی کمزوری، اخلاص کی کمی اور اعمال کی خرابی کی گندگی ہے، اس احساس کے تحت وہ کلمۂ شہادت پڑھ کے ایمان کی تجدید اور اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی پوری پیروی کا گویا نئے سرے سے عہد کرتا ہے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کامل مغفرت کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے جنت کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں۔

امام مسلم ہی نے ایک دوسری روایت میں اسی موقع پر کلمۂ شہادت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں: "اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ... مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" نیز اسی حدیث کی ترمذی کی روایت میں اس کلمۂ شہادت کے بعد "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" کا بھی اضافہ ہے۔

قیامت میں اعضاءِ وضو کی نورانیت

۱۸) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ** — (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اُمتی قیامت کے دن بلائے جائیں گے تو وضو کے اثر سے اُنکے چہرے اور ہاتھ اور پاؤں روشن اور منور ہوں گے۔ پس تم میں سے جو کوئی اپنی وہ روشنی اور نورانیت بڑھا سکے اور مکمل کر سکے تو ایسا ضرور کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... وضو کا اثر اس دنیا میں تو اتنا ہی ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھ پاؤں کی دھلائی صفائی ہو جاتی ہے اور اہل ادراک و معرفت کو ایک خاص قسم کی روحانی نشاط و انبساط کی کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ لیکن جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں (اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں میں) فرمایا ہے۔ قیامت میں وضو کا ایک مبارک اثر یہ بھی ظاہر ہوگا کہ وضو کرنے والے آپؐ کے اُمتیوں کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وہاں روشن اور تاباں ہوں گے اور یہ اُن کا امتیازی نشان ہوگا۔ پھر جس کا وضو جتنا کامل و مکمل ہوگا اُس کی یہ نورانیت اور تابانی اُسی درجہ کی ہوگی، اسی لیے حدیث کے آخر میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس سے ہو سکے وہ اپنی اس نورانیت کو مکمل کرنے کی امکانی کوشش کرتا رہے جس کی صورت یہی ہے کہ وضو ہمیشہ فکر اور اہتمام کے ساتھ مکمل کیا کرے اور آداب کی پوری نگہداشت رکھے۔

تکلیف اور ناگواری کے باوجود کامل وضو

۱۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَمْحُوا اللهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَا اِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰ لِكُم الرِّبَاطُ فَذَالِكُمُ الرِّبَاطُ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ اعمال نہ بتاؤں جن کی برکت سے اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے اور درجے بلند فرماتا ہے؟ حاضرین صحابہؓ نے عرض کیا، حضرت ضرور بتلائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا (۱) تکلیف اور ناگواری کے باوجود پوری طرح کامل وضو کرنا۔ (۲) اور مسجدوں کی طرف قدم زیادہ پڑنا (۳) اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا، پس یہی ہے حقیقی رباط یہی ہے اصلی رباط۔ (صحیح مسلم)

تشریح۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین عملوں کی ترغیب دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان اعمال سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اور درجوں میں ترقی ہوتی ہے ایک یہ کہ وضو کرنے میں اگر کسی وجہ سے تکلیف اور مشقت ہو تو اس کے باوجود وضو پورا پورا کیا جائے اور اس میں خلافِ سنت اختصار سے کام نہ لیا جائے۔ مثلاً سردی کا موسم ہے اور پانی ٹھنڈا ہے، یا پانی کم ہے جو پورا وضو سنت کے مطابق کرنے اور ہر عضو کو تین تین دفعہ دھونے کیلئے کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا کرنے کے لئے پانی کچھ دور چل کر لانا پڑتا ہے تو ایسی صورت میں تکلیف اور مشقت اٹھا کر سنت کے مطابق کامل وضو کرنا، ایسا محبوب عمل ہے جس کی برکت سے بندے کو گناہوں سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اس کے درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں ...... دوسرا عمل آپؐ نے بتایا "مسجد کی طرف قدموں کا زیادہ پڑنا" یعنی مسجد سے زیادہ تعلق رکھنا اور نماز کے لئے بار بار مسجد کی طرف

جانا اور ظاہر ہے کہ جس کا مکان مسجد سے جتنے زیادہ فاصلے پر ہوگا اس کا حصہ اس سعادت میں اسی حساب سے زیادہ ہوگا...... اور تیسرا عمل آپؐ نے بتایا "ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا منتظر رہنا" اور دل کا اسی میں لگا رہنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال اسی بندہ کا ہوگا جس کے دل کو نماز سے چین و سکون ملتا ہوگا اور رسول اللہ ﷺ کی "قُرَّةُ عَيْنِيْ فِى الصَّلٰوةِ" والی کیفیت کا کوئی ذرہ جس کو نصیب ہوگا۔

حدیث کے آخر میں آپؐ نے فرمایا "یہی حقیقی رباط ہے، یہی اصلی رباط ہے" رباط کے معروف معنی اسلامی سرحد پر پڑاؤ کے ہیں۔ دشمن کے حملہ سے حفاظت کے لئے جو مجاہدین سرحد پر متعین کردیئے جاتے ہیں اُن کے پڑاؤ کو رِباط کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بڑا عظیم الشان عمل ہے، ہر وقت جان خطرہ میں رہتی ہے...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان تین اعمال کو غالباً اس لحاظ سے "رباط" فرمایا ہے کہ ان تینوں عملوں کا اہتمام شیطان کی غارت گری سے حفاظت کی بڑی محکم تدبیر ہے اور شیطانی حملوں سے اپنے ایمانوں کی حفاظت مقصدی لحاظ سے ملکی سرحدات کی حفاظت سے بھی اہم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وضو کا اہتمام کمال ایمان کی نشانی

(۲۰) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اسْتَقِيْمُوا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ — (رواه مالك و احمد و ابن ماجه و الدارمى)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھیک ٹھیک چلو، صراط مستقیم پر قائم رہو۔ لیکن چونکہ یہ استقامت بہت مشکل ہے اس لئے، تم اس پر پورا قابو ہرگز نہ پاسکو گے (لہذا ہمیشہ اپنے کو قصوروار اور خطاکار بھی سمجھتے رہو) اور اچھی طرح جان لو کہ تمہارے سارے اعمال میں سب سے بہتر عمل نماز ہے (اس لئے اس کا سب سے زیادہ اہتمام کرو) اور وضو کی پوری پوری نگہداشت بس بندۂ مؤمن ہی کرسکتا ہے۔ (مؤطا امام مالک، مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح...... وضو کی محافظت و نگہداشت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہمیشہ سنت کے مطابق اور آداب کی رعایت کے ساتھ کامل وضو کیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ برابر باوضو رہے، شارحین نے یہ دونوں ہی مطلب بیان کئے ہیں اور اس عاجز کے نزدیک محافظت کا لفظ ان دونوں ہی باتوں پر حاوی ہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں "محافظت علی الوضوء" کو کمال ایمان کی نشانی اور اہل ایمان و یقین کا عمل بتایا ہے۔

وضو پر وضو

(۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ عَلٰى طُهْرٍ كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ .
(رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے

طہارت کے باوجود (یعنی باوضو ہونے کے باوجود تازہ) وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس ارشاد کا مقصد بظاہر یہ واضح کرنا ہے کہ باوضو ہونے کی حالت میں تازہ وضو کرنے کو فضول و عبث نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ایسی نیکی ہے جس کے کرنے والے کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق اس صورت سے ہے کہ جبکہ پہلے وضو سے کوئی ایسی عبادت کرلی گئی ہو جس کے لئے وضو ضروری ہے، اس لئے اگر کسی نے وضو کیا اور ابھی وضو سے کوئی عبادت ادا نہیں کی اور نہ کوئی ایسا کام کیا جس کے بعد وضو کی تجدید مستحب ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں اس کو تازہ وضو نہیں کرنا چاہئے۔

ناقص وضو کے برے اثرات

۲۲) **عَنْ شُبَيْبِ بْنِ اَبِىْ رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَ اِنَّمَا يُلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِكَ .** (رواه النسائى)

ترجمہ: شبیب بن ابی روح ؒ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی ؓ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز پڑھی اور اس میں آپؐ نے سورۂ روم شروع کی تو آپؐ کو اس میں اشتباہ ہو گیا اور خلل پڑھ گیا۔ جب آپؐ نماز پڑھ چکے تو فرمایا بعض لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے ہیں اور طہارت (وضو وغیرہ) اچھی طرح نہیں کرتے، بس یہی لوگ ہمارے قرآن پڑھنے میں خلل ڈالتے ہیں۔ (سنن نسائی)

تشریح..... معلوم ہوا کہ وضو وغیرہ طہارت اچھی طرح نہ کرنے کے برے اثرات دوسرے صاف قلوب پر بھی پڑتے ہیں اور اتنے پڑتے ہیں کہ ان کی وجہ سے قرآن مجید کی قرأت میں گڑبڑ ہو جاتی ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک دوسرے لوگوں کی اس طرح کی کوتاہیوں سے اتنا متاثر ہوتا تھا تو پھر ہم عوام کس شمار و قطار میں ہیں لیکن چونکہ ہمارے قلوب پر زنگ کی تہیں کی تہیں جم گئی ہیں اس لئے ہم کو ان چیزوں کا احساس نہیں ہوتا۔ اس حدیث سے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسانوں کے قلوب پر ساتھ والوں کی اچھی یا بری کیفیات کا کس قدر اثر پڑتا ہے، اصحاب قلوب صوفیاء کرام نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے۔

مسواک کی اہمیت اور فضیلت

طہارت و نظافت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے جن چیزوں پر خاص طور سے زور دیا ہے اور بڑی تاکید فرمائی ہے ان میں سے ایک مسواک بھی ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر مجھے

یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا ان پر لازم کر دیتا۔ مسواک کے جو طبی فوائد ہیں اور بہت سے امراض سے اس کی وجہ سے جو تحفظ ہوتا ہے آج کل کا ہر صاحب شعور اس سے کچھ نہ کچھ واقف ہے۔ لیکن دینی نقطہ نگاہ سے اس کی اصل اہمیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ راضی کرنے والا عمل ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد مسواک کی ترغیب و تاکید کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات پڑھئے!

۲۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ السِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ ۔ (رواه الشافعی واحمد والدارمی و النسائی وروی البخاری فی صحیحه بلا اسناد)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "مسواک منہ کو بہت زیادہ پاک صاف کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ خوش کرنے والی چیز ہے۔"

(مسند امام شافعی، مسند احمد، سنن دارمی، سنن نسائی۔ نیز صحیح بخاری میں امام بخاری نے بھی اس حدیث کو بلا اسناد یعنی تعلیقاً روایت کیا ہے۔)

تشریح..... کسی چیز میں حسن کے دو پہلو ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ حیاۃ دنیا کے لحاظ سے فائدہ مند اور عام انسانوں کے نزدیک پسندیدہ ہو اور دوسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبوب اور اجر اخروی کا وسیلہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتلایا ہے کہ مسواک میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، اس سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، گندے اور مضر مادے خارج ہو جاتے ہیں۔ منہ کی بدبو زائل ہو جاتی ہے، یہ اس کے نقد دنیوی فوائد ہیں اور دوسرا اخروی اور ابدی نفع اس کا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کا بھی خاص وسیلہ ہے۔

۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ ۔ (رواه البخاری و مسلم، و اللفظ لمسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ان کو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حتمی امر کرتا۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح .... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں مسواک کی محبوبیت اور اس کے عظیم فوائد دیکھتے ہوئے میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ہر امتی کے لئے حکم جاری کر دوں کہ وہ ہر نماز کے وقت مسواک ضرور کیا کرے۔ لیکن ایسا حکم میں نے صرف اس خیال سے نہیں دیا کہ اس سے میری امت پر بہت بوجھ پڑ جائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کی پابندی مشکل ہو گی، غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی ترغیب و تاکید کا ایک عنوان ہے اور بلا شبہ بڑا مؤثر عنوان ہے۔

فائدہ..... اسی حدیث کی بعض روایات میں "عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ" کی بجائے "عِنْدَ كُلِّ وُضُوْءٍ" بھی وارد ہوا ہے۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الصوم باب السواک الرطب والیابس للصائم)

۲۵) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَاجَاءَ نِیْ جِبْرَئِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا اَمَرَنِیْ بِالسِّوَاكِ لَقَدْ خَشِیْتُ اَنْ اُحفِیَ مُقَدَّمَ فِیَّ . (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کے فرشتے جبرئیل جب بھی میرے پاس آئے ہر دفعہ انہوں نے مجھے مسواک کے لئے ضرور کہا۔ خطرہ ہے کہ (جبرئیل کی بار بار کی اس تاکید اور وصیت کی وجہ سے) میں اپنے منہ کے اگلے حصہ کو مسواک کرتے کرتے گھس نہ ڈالوں۔" (مسند احمد)

تشریح...... مسواک کے بارہ میں حضرت جبرئیل کی بار بار یہ تاکید وصیت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے تھی اور اس کا خاص راز یہ تھا کہ جو ہستی اللہ تعالیٰ سے مخاطبہ اور مناجاۃ میں ہمہ وقت مصروف رہتی ہو اور اللہ کا فرشتہ جس کے پاس بار بار آتا ہو اور اللہ کے کلام کی تلاوت اور اس کی طرف دعوت جس کا خاص وظیفہ ہو اس کے لئے خاص طور سے ضروری ہے کہ وہ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام کرے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ مسواک کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔

مسواک کے خاص اوقات اور مواقع

۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یَرْقُدُ مِنْ لَیْلٍ وَلَانَهَارٍ فَیَسْتَیْقِظُ اِلَّایَتَسَوَّكُ قَبْلَ اَنْ یَّتَوَضَّأَ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ دن یا رات میں جب بھی آپ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔
(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

۲۷) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّیْلِ یَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب رات کو آپ تہجد کے لئے اٹھتے تو مسواک سے اپنے دہن مبارک کی خوب صفائی کرتے (اس کے بعد وضو فرماتے اور تہجد میں مشغول ہوتے)۔ (صحیح بخاری، مسلم)

۲۸) عَنْ شُرَیْحِ بْنِ هَانِیٍٔ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِاَیِّ شَیْءٍ کَانَ یَبْدَأُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ بَیْتَهٗ قَالَتْ بِالسِّوَاكِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: شریح بن ہانیؒ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جب باہر سے گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے پہلے آپ مسواک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نیند سے جاگنے کے بعد، خاص کر رات کو تہجد کے لئے اٹھنے کے وقت پابندی اور اہتمام سے مسواک فرماتے تھے، اس کے علاوہ باہر سے جب گھر میں تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسواک صرف وضو کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ سو کر اٹھنے کے بعد اور مسواک کئے زیادہ دیر گزرنے کے بعد اگر وضو کرنا نہ بھی ہو جب بھی مسواک کر لینی چاہئے۔ ہمارے علمائے کرام نے ان ہی احادیث کی بناء پر لکھا ہے کہ مسواک کرنا یوں تو ہر وقت میں مستحب اور باعث اجر وثواب ہے، لیکن پانچ موقعوں پر مسواک کی اہمیت زیادہ ہے۔ وضو میں، نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت، اگر وضو اور نماز کے درمیان زیادہ فصل ہو گیا ہو) اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے اور سوتے سے اٹھنے کے وقت اور منہ میں بدبو پیدا ہو جانے یا دانتوں کے رنگ میں تغیر آجانے کے وقت ان کی صفائی کے لئے۔

مسواک سنت انبیاء اور تقاضائے فطرت

۲۹) **عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ الْحَيَاءُ وَ التَّعَطُّرُ وَالسِّوَاكُ وَ النِّكَاحُ .** (رواه الترمذى)

ترجمہ.. حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چار چیزیں پیغمبروں کی سنتوں میں سے ہیں۔ ایک حیاء، دوسرے خوشبو لگانا، تیسرے مسواک کرنا اور چوتھے نکاح کرنا۔

(جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ بتلا کر کہ یہ چاروں چیزیں اللہ کے پیغمبروں کی سنتیں اور ان کے معمولات میں سے ہیں اپنی امت کو ان کی ترغیب دی ہے اور بلاشبہ یہ بڑی مؤثر ترغیب ہے۔ حیا کے بارے میں کتاب الاخلاق میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے، نکاح کے بارہ میں انشاء اللہ کتاب النکاح میں لکھا جائے گا۔ تعطر یعنی خوشبو لگانا بڑی محبوب صفت ہے، انسان کے روحانی اور ملکوتی تقاضوں میں سے ہے اس سے روح اور قلب کو ایک خاص نشاط حاصل ہوتا ہے، عبادت میں کیف اور ذوق پیدا ہوتا ہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو بھی راحت پہنچتی ہے اس لئے تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کے سارے اچھے بندوں کی محبوب سنت ہے۔

۳۰) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَ اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَ اسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَ غَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ وَ حَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ قَالَ زَكَرِيَا قَالَ مُصْعَبٌ وَ نَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ .**

(رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دس چیزیں ہیں جو امور

فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا ترشوانا، داڑھی کا چھوڑنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی لے کر اس کی صفائی کرنا، ناخن ترشوانا، انگلیوں کے جوڑوں کو (جن میں اکثر میل کچیل رہ جاتا ہے اہتمام سے) دھونا، بغل کے بال لینا، موئے زیر ناف کی صفائی کرنا، اور پانی سے استنجا کرنا۔ حدیث کے راوی زکریا کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ مصعب نے بس یہی نو چیزیں ذکر کیں اور فرمایا کہ دسویں چیز بھول گیا ہوں، اور میرا گمان یہی ہے کہ وہ کلی کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں ان دس چیزوں کو "مِنَ الْفِطْرَةِ" یعنی امور فطرت میں سے کہا گیا ہے۔ بعض شارحین حدیث کی رائے یہ ہے کہ الفطرۃ سے مراد یہاں سنت انبیاء یعنی پیغمبروں کا طریقہ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی حدیث کی مستخرج ابی عوانہ کی روایت میں فطرۃ کی جگہ سنت کا لفظ ہے، یعنی اس میں "عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ" کی بجائے "عَشْرٌ مِنَ السُّنَّةِ" کے الفاظ ہیں، ان حضرات کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے طریقہ کو الفطرۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام نے جس طریقہ پر خود زندگی گزاری اور اپنی اپنی امتوں کو جس پر چلنے کی ہدایت کی اس میں یہ دس باتیں شامل تھیں۔ گویا یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی متفقہ تعلیم اور ان کے مشترکہ معمولات سے ہیں۔

بعض شارحین نے الفطرۃ سے دین فطرت یعنی دین اسلام مراد لیا ہے۔ قرآن مجید میں دین کو فطرت کہا گیا ہے، ارشاد ہے "فَاَقِمْ[1] وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ،(الروم ۳۰:۳۰) اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں دین فطرت یعنی اسلام کے اجزاء یا احکام میں سے ہیں۔

اور بعض شارحین نے الفطرۃ سے انسان کی اصل فطرت و جبلت ہی مراد لی ہے اس تشریح کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ دس چیزیں انسان کی اصل فطرت کا تقاضا ہیں جو اللہ نے اس کی بنائی ہے۔ گویا جس طرح انسان کی اصل فطرت یہ ہے کہ وہ ایمان اور نیکی اور طہارت و پاکیزگی کو پسند کرتا ہے اور کفر اور فواحش و منکرات اور گندگی و ناپاکی کو ناپسند کرتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا دس چیزیں ایسی ہیں کہ انسانی فطرت (اگر کسی خارجی اثر سے ماؤف اور فاسد نہ ہو چکی ہو) تو ان کو پسند ہی کرتی ہے اور حقیقت شناسوں کو یہ بات معلوم اور مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو دین اور زندگی کا طریقہ لے کر آتے ہیں وہ دراصل انسانی فطرت کے تقاضوں ہی کی مستند اور منضبط تشریح ہوتی ہے۔

اس تفصیل سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث کے لفظ الفطرۃ کا مطلب خواہ سنت انبیاء ہو خواہ دین فطرت اسلام ہو، اور خواہ انسان کی اصل فطرت و جبلت ہو، حدیث کا مدعا تینوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا اور

---

[1] پس سیدھا کرو اپنا رُخ سب طرف سے یکسو ہو کر دین حق کی طرف 'اللہ کی بنائی ہوئی فطرت جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا' اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی نہیں 'یہ دین ہے سیدھا پکا۔

وہ یہ کہ یہ دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے اس متفقہ طریقہ زندگی اور اس دین کے اجزاء واحکام میں سے ہیں جو دراصل انسان کی اصل فطرت وجبلت کا تقاضا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے خاص حکیمانہ طرز پر اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو چند سطریں لکھی ہیں ان کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں فرماتے ہیں:

"یہ دس عملی باتیں جو دراصل طہارت و نظافت کے باب سے تعلق رکھتی ہیں، ملت حنفیہ کے موسس و مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول ہیں۔ اور ابراہیمی طریقہ پر چلنے والی حنفی امتوں میں عام طور سے ان کا رواج رہا ہے اور ان پر ان کا عقیدہ بھی رہا ہے۔ قرنہا قرن تک وہ ان اعمال کی پابندی کرتے ہوئے جیتے اور مرتے رہے ہیں، اسی لئے ان کو فطرت کہا گیا ہے اور یہ ملت حنفی کے شعائر ہیں۔ اور ہر ملت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کچھ مقرر و معلوم شعائر ہوں اور وہ ایسے علانیہ ہوں جن سے اس ملت والوں کو پہچانا جاسکے اور ان میں کوتاہی کرنے پر ان سے مواخذہ کیا جاسکے تاکہ اس ملت کی فرمانبرداری اور نافرمانی احساس اور مشاہدہ کی گرفت میں آسکے، اور یہ بھی قرین حکمت ہے کہ شعائر ایسی چیزیں ہوں جو نادر الوقوع نہ ہوں اور ان میں معتد بہ فوائد ہوں اور لوگوں کے ذہن ان کو پوری طرح قبول کریں اور ان دس چیزوں میں یہ باتیں موجود ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لئے ان چند باتوں پر غور کرنا چاہئے!

جسم انسانی کے بعض حصوں میں پیدا ہونے والے بالوں کے بڑھنے سے پاکیزگی پسند اور لطیف مزاج آدمی کی سلیم فطرت اسی طرح منقبض اور مکدر ہوتی ہے جس طرح کہ حدث سے یعنی کسی گندگی کے جسم سے خارج ہونے سے ہوا کرتی ہے۔ بغل میں اور ناف کے نیچے پیدا ہونے والے بالوں کا حال یہی ہے۔ اسی لئے ان کی صفائی سے سلیم الفطرت آدمی اپنے قلب و روح میں ایک نشاط اور انشراح کی کیفیت محسوس کرتا ہے جیسے کہ یہ اس کی فطرت کا خاص تقاضا ہے۔ اور بالکل یہی حال ناخنوں کا بھی ہے۔ اور ڈاڑھی کی نوعیت یہ ہے کہ اس سے چھوٹے اور بڑے کی تمیز ہوتی ہے اور وہ مردوں کے لئے شرف اور جمال ہے اور اسی سے ان کی مردانہ ہیئت کی تکمیل ہوتی ہے اور وہ سنت انبیاء ہے۔ اس لئے اس کا رکھنا ضروری ہے[1] اور اس کا صاف کرانا مجوس و ہنود وغیرہ اکثر غیر مسلم قوموں کا طریقہ ہے۔ نیز چونکہ بازاری قسم کے اور نیچی سطح کے لوگ عموماً ڈاڑھیاں نہیں رکھتے اس لئے ڈاڑھیاں نہ رکھنا گویا اپنے کو ان ہی کی صفوں میں شامل کرنا ہے۔

اور مونچھوں کے بڑھانے اور لمبا رکھنے میں کھلا ہوا ضرر یہ ہے کہ منہ تک بڑھی ہوئی مونچھوں میں کھانے پینے کی چیزیں لگ جاتی ہیں اور ناک سے خارج ہونے والی رطوبت کا راستہ بھی وہی ہے اس لئے صفائی اور پاکیزگی کا تقاضا یہی ہے کہ مونچھیں زیادہ بڑی نہ ہونے پائیں اس واسطے مونچھوں کے ترشوانے کا حکم دیا گیا

---

[1] جامع ترمذی کتاب الدعوات ص ۱۹۰ ج ۲ دوسری متعدد حدیثوں میں صاف اور صریح الفاظ میں ڈاڑھی رکھنے کا حکم بصیغۂ امر بھی وارد ہوا ہے جس سے فقہائے اُمت نے عام طور سے وجوب سمجھا ہے۔ لیکن کسی حدیث میں مقدار کی صراحت نہیں ہے۔ فقہاء نے مختلف قرائن وشواہد سے یہ سمجھا ہے کہ ایک مشت کے بقدر رکھنا واجب ہے۔ ۱۲

ہے۔ اور کلی اور پانی کے ذریعہ ناک کی صفائی اور مسواک اور پانی سے استنجا اور اہتمام سے انگلیوں کے ان جوڑوں کو دھونا جن میں میل کچیل رہ جاتا ہے، صفائی اور پاکیزگی کے نقطۂ نظر سے ان سب چیزوں کی ضرورت واہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔"

بعض اکابر علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث سے یہ اصول معلوم ہو گیا کہ جسم کی صفائی اور اپنی ہیئت اور صورت کی درستی اور ایسی ہر چیز کا ازالہ اور اس سے اجتناب جس سے گھن آئے اور کراہیت پیدا ہو احکام فطرت میں سے ہے اور طریقۂ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صورت کی تحسین کو اپنا خاص انعام واحسان بتلایا ہے۔ "وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔"

اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ نے روایت کیا ہے، ان سے روایت کرنے والے طلق بن حبیب ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے مصعب بن شیبہ ہیں۔ ان کے شاگرد زکریا بن ابی زائدہ ہیں۔ ان ہی زکریا نے اپنے شیخ مصعب سے یہ حدیث روایت کی ہے جس میں انہوں نے دس چیزوں میں سے نو کو تو وثوق سے ذکر کیا اور دسویں کے متعلق بتلایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں رہی، البتہ میرا خیال ہے کہ وہ مضمضہ (کلی) کرنا تھا۔

نماز کو قیمتی بنانے میں مسواک کا اثر

۳۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَفْضُلُ الصَّلٰوةُ الَّتِىْ يُسْتَاكُ لَهَا عَلَى الصَّلٰوةِ الَّتِىْ لَا يُسْتَاكُ لَهَا سَبْعِيْنَ ضِعْفًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نماز جس کیلئے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے ستر گنی فضیلت رکھتی ہے۔
(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... پہلے بھی بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ عربی زبان اور محاورہ میں ستر (اور اسی طرح بعض اور عدد بھی) مطلق کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں، غالباً اس حدیث میں بھی سبعین کا لفظ اس محاورہ کے مطابق کثرت اور بہتات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نماز مسواک کر کے پڑھی جائے وہ اس نماز کے مقابلے میں جو بلا مسواک کے پڑھی جائے بدرجہا اور بہت زیادہ افضل ہے۔ اور اگر سبعین سے مراد ستر کا خاص عدد ہو تب بھی کوئی استبعاد کی بات نہیں ہے۔

جب کوئی بندہ مالک الملک اور احکم الحاکمین کے دربار عالی میں حاضری اور نماز کے ذریعہ اس سے مخاطبت اور مناجات کا ارادہ کرے اور یہ سوچے کہ اس کی عظمت و کبریائی کا حق تو یہ ہے کہ مشک و گلاب سے اپنے دہن و زبان کو دھو کر اس کا نام نامی لیا جائے اور اس کے حضور میں کچھ عرض کیا جائے، لیکن چونکہ اس مالک نے اپنی عنایت و رحمت سے صرف مسواک ہی کا حکم دیا ہے اس لئے میں مسواک کرتا ہوں، بہرحال جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اس احساس اور ادب کے اس جذبہ سے نماز کے لئے مسواک کرے تو وہ نماز اگر

اس نماز کے مقابلہ میں جس کے لئے مسواک نہ کی گئی ہو ستریااس سے بھی زیادہ درجے افضل قرار دی جائے تو بالکل حق ہے۔ حقیقت تو یہ ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

فائدہ...... مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن منذری نے ترغیب میں اس حدیث کو حضرت عائشہ ہی کی روایت سے خفیف لفظی فرق کے ساتھ درج کر کے لکھا ہے۔ رواہ احمد والبزار وابو یعلی وابن خزیمہ فی صحیحہ۔ ورواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد۔ اور قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابو نعیم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے اور دوسری حضرت جابرؓ کی روایت سے نقل کی ہے اور پہلی کی سند کو جید اور دوسری کی سند کو صحیح کہا ہے۔

نماز کے لئے وضو کا حکم

طہارت کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی حیثیت مستقل احکام کی ہے جیسے استنجے کے احکام جسم کو اور کپڑوں کو پاک رکھنے کے احکام، پانی کی پاکی اور ناپاکی کے تفصیلی احکام وغیرہ۔ اور بعض وہ ہیں جن کی حیثیت شرائط نماز کی ہے۔ وضو کا حکم اسی قبیل سے ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ۝"

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ نماز جو اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں حاضری اور اس سے مخاطبت و مناجاۃ کی ایک خاص الخاص شکل ہے اس کے لئے باوضو ہونا شرط ہے۔ پس اگر کوئی شخص باوضو نہیں ہے (یعنی حدث کی حالت میں ہے، جس کی حقیقت پہلے بتائی جاچکی ہے) تو نماز شروع کرنے سے پہلے اس کو وضو کر لینا چاہئے۔ دربار الٰہی کی اس خاص حاضری کا یہ لازمی ادب ہے، اس کے بغیر اس کی نماز ہرگز قبول نہیں ہوگی، اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!۔

۳۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ –

(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا وضو نہیں ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ وضو نہ کر لے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۳۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ

(رواه مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نماز طہارت کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی ایسا صدقہ قبول ہو سکتا ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل

کئے ہوئے مال سے کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں "طُھُوْر" سے مراد وضو ہے اور اس کا مطلب وہی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث کا ہے، صرف الفاظ کا فرق ہے۔

۳۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ۔ (رواه ابو داؤد والترمذي والدارمي و رواه ابن ماجة عنه و عن ابي سعيد)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے اور اس کی تحریم تکبیر ہے (یعنی اللہ اکبر کہہ کے آدمی نماز میں داخل ہو جاتا ہے، جس کے بعد بات چیت کرنے اور کھانے پینے کے ایسے جائز کام نماز کے ختم ہونے تک اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں) اور اس کی تحلیل السلام علیکم کہنا ہے (یعنی نماز کے ختم پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کے بعد وہ ساری باتیں آدمی کے لئے حلال اور جائز ہو جاتی ہیں جو نماز کی وجہ سے اس کے لئے حرام اور ناجائز ہو گئی تھیں)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن دارمی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔)

۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہور (یعنی وضو) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں طہور یعنی وضو کو نماز کی کنجی فرمایا گیا ہے۔ گویا جس طرح کوئی شخص کسی مقفل گھر میں کنجی سے اس کا تالا کھولے بغیر داخل نہیں ہو سکتا، اسی طرح بغیر وضو کے نماز میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔ ان چاروں حدیثوں کی تعبیر میں اگرچہ کچھ فرق ہے لیکن حاصل اور مدعا سب کا یہی ہے کہ نماز کے قابل قبول ہونے کے لئے واضح شرط ہے۔ نماز چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری اور اسے مخاطب و مناجاۃ کی اعلیٰ اور انتہائی شکل ہے، جس کے آگے اس دنیا میں ممکن نہیں، اس لئے اس کے ادب کا حق تو یہ تھا کہ ہر نماز کے لئے سارے جسم کے غسل اور بالکل پاک صاف اچھا لباس پہننے کا حکم دیا جاتا لیکن چونکہ اس پر عمل بہت مشکل ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے از راہ کرم صرف اتنا ضروری قرار دیا کہ نماز پاک کپڑے پہن کر پڑھی جائے اور سارے جسم کے غسل کے بجائے صرف وضو کر لیا جائے جس میں وہ سارے ظاہری اعضاء دھل جاتے ہیں جو انسان کے جسم میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے وہی سارے جسم کے قائم مقام قرار دیے جا سکتے ہیں۔ نیز ہاتھ پاؤں اور چہرہ اور سر یہی وہ اعضاء ہیں جو عام طور پر لباس سے باہر رہتے ہیں اسلئے وضو میں صرف انہی کے دھونے اور مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں وضو نہ ہونے کی حالت میں طبیعت میں جو ایک خاص قسم کا روحانی تکدر اور انقباض ہوتا ہے اور وضو کرنے کے بعد انشراح و انبساط کی ایک خاص کیفیت اور ایک خاص طرح کی لطافت و نورانیت جو انسان کے باطن میں پیدا ہوتی ہے

جن بندگان خدا کو ان کیفیتوں کا احساس اور تجربہ ہوتا ہے وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نماز کے لئے وضو کو لازمی شرط قرار دیے جانے کا اصل راز کیا ہے، باقی اتنی بات تو ہم سب عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس اور عالی بارگاہ میں حاضری کا یہ ادب ہے۔ اللہ کے جو بندے صرف اتنی بات سمجھ کر بھی وضو کریں گے۔ انشاءاللہ وہ بھی اپنے وضو میں ایک خاص لذت و نورانیت محسوس کریں گے۔

وضو کا طریقہ

٣٦) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهُ تَوَضَّأَ فَاَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ ثَلٰثاً ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلٰثاً ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُمْنٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثاً ثُمَّ غَسَلَ يَدَهُ الْيُسْرٰى اِلَى الْمِرْفَقِ ثَلٰثاً ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلٰثاً ثُمَّ الْيُسْرٰى ثَلٰثاً ثُمَّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوْئِىْ هٰذَا ثُمَّ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهُ فِيْهِمَا بِشَيْئٍ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ . (رواه البخاری و مسلم و اللفظ للبخاری)

ترجمہ۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اس طرح وضو فرمایا کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین دفعہ پانی ڈالا پھر کلی کی اور ناک میں پانی لے کر اس کو نکالا اور ناک کی صفائی کی پھر تین دفعہ اپنا پورا چہرہ دھویا۔ اس کے بعد داہنا ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا۔ پھر اسی طرح بایاں ہاتھ کہنی تک تین دفعہ دھویا، اس کے بعد سر کا مسح کیا، پھر داہنا پاؤں تین دفعہ دھویا، پھر اسی طرح بایاں پاؤں تین دفعہ دھویا۔ (اس طرح پورا وضو کرنے کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے بالکل میرے اس وضو کی طرح وضو فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جس نے میرے وضو کے مطابق وضو کیا پھر دو رکعت نماز (دل کی پوری توجہ کے ساتھ) ایسی پڑھی جو حدیث نفس سے خالی رہی (یعنی دل میں ادھر ادھر کی باتیں نہیں سوچیں) تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وضو کا جو طریقہ بتلایا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھایا ہے، یہی وضو کا افضل اور مسنون طریقہ ہے البتہ اس میں کلی اور پانی سے ناک کی صفائی سے متعلق یہ نہیں بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ نے یہ کتنے دفعہ کیا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں تین تین دفعہ کی تصریح ہے۔[1]

آگے حدیث میں جو دو رکعتیں خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ نفل ہی ہوں، بلکہ اگر کسی کو مسنون طریقہ پر وضو کر کے کوئی فرض یا سنت نماز بھی ایسی نصیب ہو گئی جو حدیث نفس سے یعنی ادھر ادھر کے خیالات سے خالی رہی تو انشاءاللہ حدیث کی موعود مغفرت اس کو بھی حاصل ہو گی۔ شارحین حدیث اور عارفین نے لکھا ہے کہ حدیث نفس یہ ہے کہ ادھر ادھر کا کوئی خیال ذہن میں

[1] رواہ البغوی عن سفیان بن سلمۃ عن عثمان ۔ حاشیۃ مصابیح

آئے اور دل اس میں مشغول ہو جائے، لیکن اگر کوئی خطرہ دل میں گزرے اور دل اس میں مشغول نہ ہو بلکہ اس کو ہٹانے اور دفع کرنے کی کوشش کرے تو وہ مضر نہیں ہے اور یہ چیز کاملین کو بھی پیش آتی ہے۔

۳۷) **عَنْ اَبِیْ حَیَّةَ قَالَ رَأَیْتُ عَلِیًّا تَوَضَّأَ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ حَتّٰى اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلَاثًا وَ اسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طُهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ** (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ: ابو حیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ نے وضو اس طرح فرمایا، پہلے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب اچھی طرح صاف کر دیا، پھر تین دفعہ کلی کی، پھر تین دفعہ پانی ناک میں لے کر اس کی صفائی کی، پھر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو تین تین دفعہ دھویا، پھر سر کا مسح ایک دفعہ کیا، پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے، اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور کھڑے ہی کھڑے آپ نے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر پیا۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اس طرح پورا وضو کر کے دکھانے کے بعد فرمایا۔ میں نے چاہا کہ تمہیں دکھلاؤں کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ...... جیسا کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ عام طور سے وضو اسی طرح فرماتے تھے کہ دھونے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور سر پر مسح ایک ہی دفعہ فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپؐ نے ایسا بھی کیا ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء کو بھی صرف ایک ہی ایک مرتبہ یا صرف دو ہی مرتبہ دھویا، اور ایسا آپؐ نے یہ بتانے اور دکھانے کے لئے کیا کہ اس طرح بھی وضو ہو جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو بیان جواز کہتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی وقت پانی کی کمی کی وجہ سے آپؐ نے ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۳۸) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً لَمْ يَزِدْ عَلٰى هٰذَا .**

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا ایک ایک مرتبہ (یعنی وضو میں دھوئے جانے والے اعضاء کو آپؐ نے صرف ایک ایک دفعہ دھویا، اس سے زیادہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری)

۳۹) **عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ ــ** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا دو دو مرتبہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو دو بار دھویا)۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... ان دونوں حدیثوں میں اعضاءِ وضو کے صرف ایک ایک دفعہ یا دو دو دفعہ دھونے کا جو ذکر ہے جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ایسا آپؐ نے کبھی کبھی صرف یہ جتانے اور دکھانے کے لئے کیا تھا کہ اتنا کرنے سے بھی وضو ہو جاتا ہے، ورنہ عام عادت شریفہ یہی تھی کہ وضو میں آپؐ ہاتھ، منہ اور پاؤں کو تین تین دفعہ دھوتے تھے اور اسی کی دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، اور وضو کا یہی افضل اور مسنون طریقہ ہے، مندرجہ ذیل دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے۔

۴۰) عَنْ عَمْرِو بنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِىٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْأَلُ عَنِ الْوُضُوءِ فَاَرَاهُ ثَلٰثاً ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰى هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَ تَعَدّٰى وَ ظَلَمَ. (رواه النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی وضو کے بارے میں سوال کرتے ہوئے (یعنی وضو کا طریقہ پوچھتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کو تین تین دفعہ وضو کر کے دکھایا (یعنی ایسا وضو کر کے دکھایا جس میں آپؐ نے دھوئے جانے والے اعضاء کو تین تین دفعہ دھویا) اس کے بعد آپؐ نے ان اعرابی سے فرمایا کہ وضو ایسے ہی کیا جاتا ہے، تو جس نے اس میں اپنی طرف سے کچھ اور اضافہ کیا تو اس نے برائی کی اور زیادتی کی اور ظلم کیا۔ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے وضو میں اضافہ کرنے کی جو سخت مذمت کی ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اعضاءِ وضو کے صرف تین تین دفعہ دھونے سے کامل مکمل وضو ہو جاتا ہے۔ اب جو شخص اس میں کوئی اضافہ کرے گا وہ گویا شریعت میں اپنی طرف سے ترمیم کرے گا، اور بلاشبہ یہ اس کی بڑی جسارت اور بڑی بے ادبی ہو گی۔

۴۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ وَاحِدَةً فَتِلْكَ وَظِيْفَةُ الْوُضُوْءِ الَّتِىْ لَا بُدَّ مِنْهَا وَ مَنْ تَوَضَّأَ اِثْنَيْنِ فَلَهٗ كِفْلَانِ وَمَنْ تَوَضَّأَ ثَلٰثاً فَذَالِكَ وُضُوْئِىْ وَوُضُوْءُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِىْ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو وضو کرے ایک دفعہ (یعنی دھوئے جانے والے اعضاء کو اس میں صرف ایک ہی ایک دفعہ دھوئے) تو یہ وضو کا وہ درجہ ہے جس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں (اور اس کے بغیر وضو ہو تا ہی نہیں) اور جو وضو کرے دو دو مرتبہ (یعنی اس میں اعضاءِ وضو کو دو دو دفعہ دھوئے) تو اس کو (ایک ایک دفعہ والے وضو کے مقابلہ میں) دو حصے ثواب ہو گا۔ اور جس نے وضو کیا تین تین دفعہ (جو) افضل اور مسنون طریقہ ہے، تو یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کا (یعنی میرا دستور اعضاءِ وضو کو تین تین دفعہ دھونے کا ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا طریقہ بھی یہی رہا ہے۔) (مسند احمد)

تشریح ...... یہ حدیث مسند احمد کی ہے اور اسی میں ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ایک ایک دفعہ وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ وہ کم سے کم درجہ کا وضو ہے جس کے بغیر کسی کی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہی نہیں ہو سکتی، اس کے بعد آپؐ نے دو دفعہ کا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ پہلے والے وضو کے مقابلہ میں اس کا ثواب دوہرا ملے گا، پھر آپؐ نے تین تین دفعہ والا وضو کر کے دکھایا اور فرمایا کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کا۔ اس دوسری روایت کو دار قطنی، بیہقی، ابن حبان اور ابن ماجہ نے بھی دریافت کیا ہے۔ (زجاجۃ المصابیح) ان دونوں روایتوں سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

وضو کی سنتیں اور اس کے آداب

وضو میں فرض تو بس وہی چار چیزیں ہیں جن کا ذکر سورۂ مائدہ کی اس مندرجہ بالا آیت میں کیا گیا ہے جس میں نماز سے پہلے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی پورے چہرے کا دھونا، ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا، پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا۔ ان چار چیزوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ وضو میں جن چیزوں کا اہتمام فرماتے تھے یا جن کی ترغیب دیتے تھے، وہ وضو کی سنتیں اور اس کے آداب ہیں جن سے وضو کی ظاہری یا باطنی تکمیل ہوتی ہے۔ مثلاً چہرے اور ہاتھ پاؤں کی بجائے ایک ایک دفعہ کے تین تین بار دھونا اور مل مل کر دھونا، ڈاڑھی میں اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، تاکہ اس کے نیچے پانی پہنچنے میں شبہ نہ رہ جائے اسی طرح کلی اور ناک کی صفائی کا اہتمام کرنا، کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصہ کا مسح کرنا، شروع میں بسم اللہ اور آخر میں کلمۂ شہادت پڑھنا اور خاتمۂ وضو کی دعا کرنا، یہ سب وضو کی سنتیں اور اس کے آداب و مستحبات ہیں جن سے وضو کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!:

۴۲) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ .

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ ... حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کا نام لئے بغیر وضو کیا، اس کا وضو ہی نہیں۔ (جامع ترمذی۔ سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... امت کے اکثر ائمہ اور مجتہدین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو وضو غفلت کے ساتھ، اللہ کا نام لئے بغیر کیا جائے وہ بہت ناقص اور بالکل بے نور ہو گا۔ اور ناقص کو کالعدم قرار دے کر اس کی سرے سے نفی کر دینا عام محاورہ ہے۔ "کتاب الایمان" میں یہ بات تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا چکی ہے۔ اگلے ہی نمبر پر ابو ہریرہ و ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ عنہم کی روایت سے جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کا نام لئے بغیر جو وضو کیا جائے وہ اگرچہ بالکل بیکار نہیں ہے لیکن اپنی باطنی تاثیر اور نورانیت کے لحاظ سے بہت ناقص ہے۔

۴۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَوَضَّأَ وَ ذَكَرَاسْمَ اللّٰهِ فَاِنَّهُ يُطَهِّرُ جَسَدَهُ كُلَّهُ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ يَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ لَمْ يُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ.

(رواه الدار قطني)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ وابن مسعود وابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جو شخص وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام لے، تو یہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے، اور جو کوئی وضو کرے اور اس میں اللہ کا نام نہ لے، تو وہ وضو اس کے صرف اعضائے وضو ہی کو پاک کرتا ہے۔ (سنن دار قطنی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو اللہ کا نام لے کر مثلاً بسم اللہ پڑھ کر یا اسی طرح کوئی کلمہ ذکر زبان سے ادا کر کے کیا جائے تو اس کے اثر سے سارا جسم مطہر اور منور ہو جاتا ہے اور جو وضو اللہ کا نام لئے اور اس کا ذکر کئے بغیر کیا جائے تو اس سے صرف اعضاء وضو ہی کی طہارت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ یہ وضو بہت ناقص قسم کا ہوتا ہے۔

۴۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَاهُرَيْرَةَ اِذَا تَوَضَّأْتَ فَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ فَاِنَّ حَفَظَتَكَ لَا تَبْرَحُ تَكْتُبُ لَكَ الْحَسَنَاتِ حَتّٰى تُحْدِثَ مِنْ ذَالِكَ الْوُضُوْءِ.

(رواه الطبراني في الصغير)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے ابوہریرہ جب تم وضو کرو تو "بسم اللہ والحمد للہ" کہہ لیا کرو (اس کا اثر یہ ہوگا کہ) جب تک تمہارا یہ وضو باقی رہے گا، اس وقت تک تمہارے محافظ فرشتے (یعنی کاتبین اعمال) تمہارے لئے برابر نیکیاں لکھتے رہیں گے۔
(معجم صغیر طبرانی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو وضو "بسم اللہ والحمد للہ" کہہ کر کیا جائے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنی عظیم نیکی ہے، کہ جب تک وہ باقی اور قائم رہے اس وقت تک کاتبان اعمال اس وضو والے کے نامۂ اعمال میں مسلسل نیکیاں لکھنے کے لئے مامور ہیں۔

۴۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَبِسْتُمْ وَ اِذَا تَوَضَّأْتُمْ فَابْدَءُ وا بِمَيَامِنِكُمْ.

(رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم لباس پہنو اور جب تم وضو کرو تو اپنے داہنے اعضاء سے ابتدا کیا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جب کوئی کپڑا یا جوتا یا موزہ وغیرہ پہنا جائے تو پہلے داہنی طرف پہنا جائے اور جب وضو کیا جائے تو ہر عضو کے دھونے کی ابتدا داہنی طرف سے کی جائے۔

۴۶) عَنْ لَقِيْطِ بْنِ صَبُرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنِىْ عَنِ الْوُضُوْءِ قَالَ اَسْبِغِ الْوُضُوْءَ وَ خَلِّلْ بَيْنَ

الْاَصَابِعَ وَبَالِغْ فِی الْاِ سْتِنْشَاقِ اِلَّا اَنْ تَکُوْنَ صَائِماً ۔ (رواہ ابو داؤد و الترمذی و النسائی)

ترجمہ: لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وضو کی بابت بتائیے! (یعنی بتائیے کہ کن باتوں کا وضو میں مجھے خاص طور سے اہتمام کرنا چاہئے) آپ ﷺ نے فرمایا: (ایک تو یہ کہ) پورا وضو خوب اچھی طرح اور کامل طریقہ سے کیا کرو (جس میں کوئی کمی کسر نہ رہے) اور دوسرے یہ کہ ہاتھ پاؤں دھوتے وقت ان کی انگلیوں میں خلال کیا کرو اور تیسرے یہ کہ ناک کے نتھنوں میں پانی چڑھا کے اچھی طرح ان کی صفائی کیا کرو، الا یہ کہ تم روزے سے ہو۔ (یعنی روزہ کی حالت میں ناک میں پانی زیادہ نہ چڑھاؤ)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

۴۷) عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ يَدْلُكُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ بِخِنْصَرِهٖ ۔ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، جب آپ وضو فرماتے، تو ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (چھنگلیا) سے پاؤں کی انگلیوں کو (یعنی ان کے درمیانی حصوں کو) ملتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۴۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ اَخَذَ کَفًّا مِنْ مَاءٍ فَاَدْخَلَهٗ تَحْتَ حَنَکِهٖ فَخَلَّلَ بِهٖ لِحْيَتَهٗ وَقَالَ هٰکَذَا اَمَرَنِیْ رَبِّیْ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب وضو فرماتے تو ایک ہاتھ سے پانی لے کر ٹھوڑی کے نیچے ریش مبارک کے اندرونی حصہ میں پہنچاتے اور اس سے ریش مبارک میں خلال کرتے (یعنی ہاتھ کی انگلیاں اس کے درمیان سے نکالتے) اور فرماتے میرے رب نے مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ وَ اُذُنَيْهِ بَاطِنَهُمَا بِالسَّبَّاحَتَيْنِ وَ ظَاهِرَ هُمَا بِاِبْهَامَيْهِ ۔ (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وضو میں) اپنے سر مبارک کا مسح فرمایا اور اس کے ساتھ دونوں کانوں کا بھی (اس طرح) کہ کانوں کے اندرونی حصہ کا تو انگوٹھوں کے برابر والی، انگلیوں سے مسح فرمایا اور اوپر کے حصہ کا دونوں انگوٹھوں سے۔ (سنن نسائی)

۵۰) عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّأَ فَاَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِیْ جُحْرَیْ اُذُنَيْهِ ۔

(رواہ ابو داؤد و احمد و ابن ماجہ)

ترجمہ: ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا تو (کانوں کا مسح کرتے ہوئے) دونوں کانوں کے سوراخوں میں بھی آپ ﷺ نے اپنی انگلیاں ڈالیں۔

(سنن ابی داؤد، مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

۵۱) عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ وُضُوْءَ الصَّلٰوةِ حَرَّكَ خَاتِمَهٗ فِىْ اَصْبَعِه

(رواه الدار قطنى و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کا وضو فرماتے تھے تو انگلی میں پہنی ہوئی اپنی انگوٹھی کو بھی حرکت دیتے تھے (تاکہ پانی اس جگہ بھی اچھی طرح پہنچ جائے اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے)۔ (سنن دار قطنی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مندرجہ بالا حدیثوں میں وضو کے سلسلہ کے جن جن اعمال کا ذکر ہے، مثلاً ڈاڑھی اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کا خلال کرنا، کانوں کے اندر باہر کا اچھی طرح مسح کرنا اور ان کے سوراخوں تک بھی انگلیاں پہنچانا، اسی طرح ہاتھ میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو حرکت دینا، یہ سب وضو کے تکمیلی آداب ہیں جن کا اہتمام رسول اللہ ﷺ خود بھی فرماتے تھے، اور اپنے قول و عمل سے دوسروں کو بھی ان کی تعلیم و ترغیب دیتے تھے۔

وضو میں پانی بے ضرورت نہ بہایا جائے

۵۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَقَالَ مَاهٰذَا السَّرْفُ يَا سَعْدُ! قَالَ اَفِى الْوُضُوْءِ سَرْفٌ؟ قَالَ وَ اِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ۔ (رواه احمد و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) وضو کر رہے تھے (اور اس میں پانی کے استعمال میں فضول خرچی سے کام لے رہے تھے) رسول اللہ (ﷺ) ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان سے فرمایا:۔ سعد! یہ کیسا اسراف ہے (یعنی پانی بے ضرورت کیوں بہایا جا رہا ہے) انہوں نے عرض کیا حضور (ﷺ)! کیا وضو کے پانی میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ (یعنی کیا وضو میں پانی زیادہ خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں یہ بھی اسراف میں داخل ہے، اگرچہ تم کسی جاری نہر کے کنارے ہی پر کیوں نہ ہو۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ وضو کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال میں اسراف سے کام نہ لیا جائے۔

وضو کے بعد تولیہ یا رومال کا استعمال

۵۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَوَضَّأَ مَسَحَ وَجْهَهٗ بِطَرْفِ ثَوْبِهٖ

(رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ وضو فرماتے تو اپنے ایک کپڑے کے کنارے سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ وضو فرمانے کے بعد اپنے کسی کپڑے (چادر وغیرہ) کے کنارے ہی سے چہرہ مبارک پونچھ لیتے تھے۔ اور امام ترمذی ہی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

سے روایت کیا ہے کہ وضو کے بعد اعضاء وضو کو پونچھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کے واسطے ایک مستقل کپڑا رہتا تھا جس کو آپؐ اس کام میں استعمال کرتے تھے۔ بعض اور صحابہ کرامؓ کی روایات میں بھی ایسے کپڑے یا رومال کا ذکر آیا ہے۔ اس سلسلہ کی تمام روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقصد کیلئے کوئی مستقل کپڑا رومال کی طرح کا بھی رہتا تھا اور کبھی کبھی آپؐ اپنے کسی کپڑے کے کنارے سے بھی یہ کام لیتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہر وضو کے بعد اللہ تعالیٰ کا کچھ ذکر اور نماز

نمبر "۱۷" پر بحوالہ مسلم و ترمذی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں وضو کے بعد کلمۂ شہادت اور دعا ماثور "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَ اجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" پڑھنے کی فضیلت و برکت بیان فرمائی گئی ہے اور نمبر (۳۶) پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث بھی بحوالہ بخاری و مسلم گزر چکی ہے جس میں وضو کرنے کے بعد قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنے پر پچھلے سارے گناہوں کی معافی کی بشارت سنائی گئی ہے، اس سلسلہ میں ایک حدیث یہاں اور پڑھ لی جائے:۔

۵۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ حَدِّثْنِيْ بِاَرْجٰى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْاِسْلَامِ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلاً اَرْجٰى عِنْدِيْ اَنِّيْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِيْ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ اِلَّا وَصَلَّيْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِيْ اَنْ اُصَلِّيَ. (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد بلال سے فرمایا، تمہیں اپنے جس اسلامی عمل سے سب سے زیادہ امید خیر و ثواب ہو وہ مجھے بتلاؤ، کیونکہ میں نے تمہارے چپلوں کی چاپ جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے (مطلب یہ ہے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں چل پھر رہا ہوں اور آگے آگے تمہارے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں، تو میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے کس عمل کی برکت ہے، لہٰذا تم مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جس سے تمہیں سب سے زیادہ ثواب اور رحمت کی اُمید ہو) بلال نے عرض کیا کہ مجھے اپنے اعمال میں سب سے زیادہ امید اپنے اس عمل سے ہے، کہ میں نے رات یا دن کے کسی وقت میں جب بھی وضو کیا ہے تو اس وضو سے میں نے نماز ضرور ہی پڑھی ہے، جتنی نماز کی بھی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت توفیق ملی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قدموں کی آہٹ یا چپلوں کی چاپ جنت میں سننے کی جو اطلاع دی ہے، جیسا کہ ترجمہ میں بھی ظاہر کر دیا گیا ہے۔ یہ خواب[1] کا واقعہ ہے،

[1] جن شواہد اور قرائن کی بنا پر اس کو خواب کا واقعہ قرار دیا گیا ہے اُن کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے فتح الباری کا مطالعہ کیا جائے۔ ۱۲ منہ

اس لئے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ بلالؓ زندگی ہی میں جنت میں کس طرح پہنچ گئے البتہ حضور ﷺ کا خواب میں حضرت بلالؓ کو جنت میں دیکھنا اور اس کا بیان فرمانا اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ حضرت بلالؓ جنتی ہیں بلکہ درجہ اول کے جنتیوں میں ہیں۔

اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ بندہ اس کی عادت ڈالے کہ جب بھی وضو کرے اس سے حسب توفیق کچھ نماز ضرور پڑھے، خواہ فرض ہو، خواہ سنت، خواہ نفل۔

جنابت اور غسل جنابت

ہر سلیم الفطرت اور صاحب روحانیت انسان، جب اس کے جسم کے کسی حصہ سے کوئی گندہ مادہ خارج ہوتا ہے یا اپنی طبیعت کا وہ کوئی ایسا بہیمی اور شہوانی تقاضا پورا کرتا ہے جو ملکوتیت سے بہت ہی بعید ہوتا ہے، تو جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے، وہ اپنے باطن میں ایک خاص قسم کی ظلمت و کدورت اور گندگی و آلودگی محسوس کرتا ہے اور اس حالت میں عبادت جیسے مقدس کاموں کے قابل اپنے کو نہیں سمجھتا اور بتلایا جا چکا ہے کہ دراصل اسی حالت کا نام حدث ہے۔ پھر اس حدث کی دو قسمیں ہیں یا یوں کہئے کہ دو درجے ہیں، ایک حدث اصغر، جس کے ازالہ کے لئے صرف وضو کافی ہو جاتا ہے، یعنی صرف وضو کر لینے سے ظلمت و گندگی کا وہ اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے حدث اکبر، جس کے اثرات زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع ہوتے ہیں، اور ان کا ازالہ پورے جسم کے غسل ہی سے ہو سکتا ہے پیشاب پاخانہ اور خروج ریاح وغیرہ حدث اصغر کی مثالیں ہیں اور مجامعت و حیض و نفاس وغیرہ حدث اکبر کی۔

ہر سلیم الفطرت انسان اس روحانی ظلمت و کدورت کے ازالہ کے لئے جو مجامعت یا حیض و نفاس سے قلب و روح میں پیدا ہوتی ہے، غسل ضروری سمجھتا ہے اور جب تک غسل نہ کر لے، اپنے کو مقدس مشاغل و وظائف میں مشغولی کے لائق بلکہ مقدس مقامات سے گزرنے کے بھی قابل نہیں سمجھتا، گویا یہ انسان کی سلیم فطرت کا تقاضا ہے، شریعت مطہرہ نے بھی ان حالات میں غسل واجب کیا ہے اور غسل سے پہلے نماز اور تلاوت قرآن جیسے مقدس وظائف میں مشغول ہونے سے اور مساجد جیسے مقدس مقامات میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے، اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

٥٥) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَقْرَءُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْاً مِنَ الْقُرْآنِ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ حائضہ عورت اور جنبی آدمی قرآن پاک میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ (یعنی قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے، اس کی تلاوت ان دونوں کے لئے بالکل ممنوع ہے)۔ (جامع ترمذی)

٥٦) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّىْ لَا اُحِلُّ**

الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: ان گھروں کا رخ مسجد کی طرف سے پھیر دو (یعنی ان کے دروازے جو مسجد کی طرف ہیں، ان کو مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری جانب کھولو) کیونکہ کسی حائضہ عورت اور کسی جنبی کے لئے مسجد میں داخل ہونے کا بالکل جواز نہیں ہے (ان کے لئے مسجد میں آنا ناجائز و حرام ہے)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مسجد نبوی ﷺ جب شروع میں بنی تھی، تو اس کے آس پاس کے بہت سے گھروں کے دروازے مسجد کی طرف تھے، گویا کہ صحن مسجد ہی میں کھلتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ حکم آگیا، کہ مسجد کے ادب و احترام کا یہ حق ہے کہ حائضہ اور جنبی اس میں داخل نہ ہوں، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ یہ سب دروازے مسجد کی جانب سے بند کر کے دوسری طرف کھولے جائیں۔

غسل جنابت کا طریقہ اور اس کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنے قول و عمل سے وضو کا طریقہ اور اس کے آداب سکھلائے اور بتلائے ہیں، اسی طرح غسل کا طریقہ اور اس کے آداب بھی تعلیم فرمائے ہیں:

٥٧) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ كُلِّ شَعْرٍ جَنَابَةٌ فَاغْسِلُوا الشَّعْرَ وَانْقُوا الْبَشَرَةَ.** (رواہ ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جسم کے ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہوتا ہے، اس لئے غسل جنابت میں بالوں کو اچھی طرح دھونا چاہئے۔ (تاکہ جسم انسانی کا وہ حصہ بھی جو بالوں سے چھپا رہتا ہے، پاک صاف ہو جائے (اور جلد کا جو حصہ ظاہر ہے (جس پر بال نہیں ہیں) اس کی بھی اچھی طرح صفائی دھلائی کرنی چاہئے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

٥٨) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ شَعْرَةٍ مِنْ جَنَابَةٍ لَمْ يَغْسِلْهَا فُعِلَ بِهَا كَذَا وَ كَذَا مِنَ النَّارِ ، قَالَ عَلِيٌّ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ فَمِنْ ثَمَّ عَادَيْتُ رَأْسِيْ ثَلٰثاً.**

(رواہ ابو داؤد و احمد و الدارمی الا انهما لم يكرر افمن ثم عاديت راسى)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے غسل جنابت میں ایک بال بھر بھی جگہ دھونے سے چھوڑ دی تو اس کو دوزخ کا ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حدیث کے راوی حضرت علیؓ فرماتے ہیں، کہ حضورؐ کے اس ارشاد ہی کی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن بن گیا (یعنی میں نے معمول بنالیا، کہ جب ذرا بڑھے، میں نے ان کا صفایا کر دیا) ابو داؤد کی روایت کے مطابق یہ جملہ آپؓ نے تین دفعہ فرمایا۔ (سنن ابی داؤد، مسند احمد، مسند دارمی)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ غسل جنابت میں سارے جسم کا اس طرح دھویا جانا ضروری

ہے کہ ایک بال بھر جگہ بھی دھونے سے باقی نہ رہ جائے۔

بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غسل کی سہولت کی وجہ سے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے سر کے بال صاف کرانے کا اپنا جو معمول بنالیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس مقصد سے سر منڈانے کا طریقہ بھی جائز اور مستحسن ہے۔ اگرچہ اولی سر پر بال رکھنے ہی کا طریقہ ہے، جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا اور باقی خلفائے راشدین کا معمول تھا۔

۵۹) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ يَبْدَءُ فَيَغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يُفْرِغُ بِيَمِيْنِهٖ عَلٰى شِمَالِهٖ فَيَغْسِلُ فَرْجَهٗ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ يَاْخُذُ الْمَاءَ فَيُدْخِلُ اَصَابِعَهٗ فِيْ اُصُوْلِ الشَّعْرِ حَتّٰى اِذَا رَاٰى اَنْ قَدِاسْتَبْرَأَحَفَنَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ ثُمَّ اَفَاضَ عَلٰى سَائِرِ جَسَدِهٖ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ .** (رواه البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غسل جنابت فرماتے تھے تو سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے تھے، پھر بائیں ہاتھ سے مقام استنجا کو دھوتے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے، پھر وضو فرماتے تھے، اسی طرح جس طرح نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، پھر پانی لیتے تھے اور بالوں کی جڑوں میں انگلیاں ڈال کر وہاں پانی پہنچاتے تھے، یہاں تک کہ جب آپؐ سمجھتے تھے کہ آپ نے سب میں پوری طرح پانی پہنچالیا، تو دونوں ہاتھ بھر بھر کر تین دفعہ پانی اپنے سر کے اوپر ڈالتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم پر پانی بہاتے تھے، اس کے بعد دونوں پاؤں دھوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۶۰) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةُ قَالَتْ اَدْنَيْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ غُسْلَهٗ مِنَ الْجَنَابَةِ فَغَسَلَ كَفَّيْهِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ اَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ اَفْرَغَ بِهٖ عَلٰى فَرْجِهٖ وَ غَسَلَهٗ بِشِمَالِهٖ ثُمَّ ضَرَبَ بِشِمَالِهٖ الْاَرْضَ فَدَ لَكَهَا دَلْكًا شَدِيْدًا ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اَفْرَغَ عَلٰى رَاْسِهٖ ثَلٰثَ حَفَنَاتٍ مِلْأَكَفِّهٖ ثُمَّ غَسَلَ سَائِرَ جَسَدِهٖ ثُمَّ تَنَحّٰى عَنْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ بِالْمِنْدِيْلِ فَرَدَّهٗ .** (رواه البخاری و مسلم و هذااللفظ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے بیان کیا، کہ میں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے غسل جنابت کیلئے پانی بھر کے آپؐ کے پاس رکھ دیا۔ تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دو دو دفعہ یا تین دفعہ دھویا، پھر اپنا دھلا ہوا ہاتھ آپ ﷺ نے پانی کے اس برتن میں ڈالا اور اس سے پانی لے کر اپنے مقام استنجا پر ڈالا اور بائیں ہاتھ سے اس کو دھویا، پھر اپنا وہ بایاں ہاتھ زمین پر مارا اور اس کو خوب زمین کی مٹی سے ملا اور رگڑا، پھر وضو کیا، جیسے کہ آپؐ نماز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے، اس کے بعد تین دفعہ اپنے سر پر پانی لپ بھر بھر کے ڈالا، پھر اپنے سارے جسم کو دھویا، پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے، پھر میں

نے آپؐ کو رومال دیا، تو آپ ﷺ نے اس کو واپس فرمادیا (صحیحین ہی کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، کہ رومال استعمال کرنے کے بجائے آپ ﷺ نے جسم پر سے پانی کو سونت دیا اور جھاڑ دیا)۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت میمونہ کی ان حدیثوں سے رسول اللہ ﷺ کے غسل کے طریقے کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ آپ ﷺ سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دو تین دفعہ دھوتے تھے (کیونکہ ان ہاتھوں ہی کے ذریعہ پورے جسم کو غسل دیا جاتا ہے) اس کے بعد آپؐ مقام استنجا کو بائیں ہاتھ سے دھوتے تھے اور داہنے ہاتھ سے اس پر پانی ڈالتے تھے اس کے بعد بائیں ہاتھ کو مٹی سے مل مل کے اور رگڑ رگڑ کر خوب مانجتے اور دھوتے تھے، پھر اس کے بعد وضو فرماتے تھے (جس کے ضمن میں تین تین دفعہ کلی کر کے اور ناک میں پانی لے کر اس کی اچھی طرح صفائی کر کے منہ اور ناک کے اندرونی حصہ کو غسل دیتے تھے اور حسب عادت ریش مبارک میں خلال کر کے اس کے ایک ایک بال کو غسل دیتے اور بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچاتے تھے) اس کے بعد اسی طرح سر کے بالوں کو اہتمام سے دھوتے تھے اور ہر بال کی جڑ تک پانی پہنچانے کی کوشش کرتے تھے، اس کے بعد باقی سارے جسم کو غسل دیتے تھے، پھر غسل کی اس جگہ سے ہٹ کر پاؤں کو پھر دھوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ غسل کا سب سے زیادہ پاکیزہ اور باسلیقہ طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ غسل کی جگہ سے ہٹ کر پھر پاؤں آپؐ غالباً اس لئے دھوتے تھے کہ غسل کی وہ جگہ صاف اور پختہ نہیں ہوتی تھی۔

(٦١) عَنْ يَعْلَى قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَجُلًا يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سَتِيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالتَّسَتُّرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ ۔

(رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ.. حضرت یعلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھلے میدان میں (برہنہ) غسل کر رہا تھا، تو آپؐ نے (قریبی مناسب وقت میں) منبر پر خطبہ دیا، جس میں معمول کے مطابق پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اس کے بعد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ خود حیا فرمانے والا اور پردہ دار ہے، (یعنی بندوں کی جن شرمناک حرکتوں کا ظاہر کرنا شرم و حیا کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر نہیں فرماتا، بلکہ ان کی پردہ داری فرماتا ہے اور بندوں کے لئے بھی وہ حیاداری اور پردہ داری کو پسند فرماتا ہے، اس بناء پر اس کا حکم ہے اور میں تم کو اس کی ہدایت اور تاکید کرتا ہوں کہ جب تم میں سے کوئی غسل کیا کرے، تو پردہ کر لیا کرے (لوگوں کی نگاہوں کے سامنے بے پردہ کھڑا نہ ہو جایا کرے)۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

مسنون یا مستحب غسل

شریعت نے جن حالات میں غسل کو فرض و واجب قرار دیا ہے اس کا بیان ہو چکا اور اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی درج کئے جا چکے، ان کے علاوہ بھی بعض موقعوں پر رسول اللہ ﷺ نے

غسل کا حکم دیا ہے، لیکن یہ حکم بطور فرضیت اور وجوب کے نہیں ہے بلکہ اس کا درجہ سنت یا مستحب کا ہے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی چند حدیث ذیل میں پڑھئے۔

جمعہ کے دن کا غسل

٦٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ ...

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کو (یعنی جمعہ کی نماز کے لئے) آئے تو اس کو چاہئے کہ غسل کرے (یعنی نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے اس کو غسل کر کے آنا چاہئے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

٦٣) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَغْتَسِلَ فِىْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَوْمًا يَغْسِلُ فِيْهِ رَاْسَهٗ وَجَسَدَهٗ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر حق ہے (یعنی اس کے لئے ضروری ہے) کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن (یعنی جمعہ کے دن) غسل کرے اس میں اپنے سر کے بالوں کو اور سارے جسم کو اچھی طرح دھوئے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: ان دونوں حدیثوں میں جمعہ کے غسل کا تاکیدی حکم ہے اور صحیحین ہی کی ایک اور حدیث میں جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غسل جمعہ کے لئے واجب، کا لفظ بھی آیا ہے لیکن امت کے اکثر آئمہ اور علماء شریعت کے نزدیک اس سے اصطلاحی وجوب مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد بھی وہی تاکید ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں کا مدعا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری وضاحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد سے ہوتی ہے جو انہوں نے بعض اہل عراق کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگرد عکرمہؒ سے اس سوال وجواب کی پوری تفصیل اس طرح مروی ہے کہ:۔

عراق کے بعض لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سوال کیا کہ آپ کے خیال میں جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ انہوں نے فرمایا میرے نزدیک واجب تو نہیں ہے لیکن اس میں بڑی طہارت وپاکیزگی ہے اور بڑی خیر ہے اس کے لئے جو اس دن غسل کرے اور جو (کسی وجہ سے اس دن) غسل نہ کرے تو (وہ گنہگار نہیں ہوگا کیونکہ یہ غسل) اس پر واجب نہیں ہے۔ (اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا) میں تمہیں بتاتا ہوں کہ غسل جمعہ کے حکم کی شروعات کیسے ہوئی (واقعہ یوں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں) مسلمان لوگ غریب اور محنت کش تھے، صوف (یعنی اونٹ، بھیڑ وغیرہ کے بالوں سے بنے ہوئے بہت

موٹے کپڑے) پہنتے تھے اور محنت مزدوری میں اپنی پیٹھوں پر بوجھ لادتے تھے اور ان کی مسجد (مسجد نبوی) بھی بہت تنگ تھی اور اس کی چھت بہت نیچی تھی اور ساری مسجد بس ایک چھپر کا سائبان تھا (جس کی وجہ سے اس میں انتہائی گرمی اور گھٹن رہتی تھی) پس رسول اللہ ﷺ ایک جمعہ کو جب کہ سخت گرمی کا دن تھا گھر سے مسجد تشریف لائے اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ صوف کے موٹے موٹے کپڑوں میں ان کو پسینے چھوٹ رہے تھے اور ان سب چیزوں نے مل ملا کر مسجد کی فضا میں بدبو پیدا کر دی تھی جس سے سب کو تکلیف اور اذیت ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بدبو محسوس کی تو فرمایا کہ:۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِذَا كَانَ هٰذَا الْيَوْمُ فَاغْتَسِلُوْا وَلْيَمَسَّ أَحَدُكُمْ أَفْضَلَ مَايَجِدُ مِنْ دُهْنِهِ وَطِيْبِهِ

اے لوگو جب جمعہ کا یہ دن ہوا کرے تو تم لوگ غسل کیا کرو اور جو اچھا خوشبودار تیل اور جو بہتر خوشبو جس کو دستیاب ہو وہ لگا لیا کرے۔

(حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں) اس کے بعد خدا کے فضل سے فقر و فاقہ کا وہ دور ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوشحالی اور وسعت نصیب فرمائی، پھر صوف کے وہ کپڑے بھی نہیں رہے جن سے بدبو پیدا ہوتی تھی اور وہ محنت و مشقت بھی نہیں رہی اور مسجد کی وہ تنگی بھی ختم ہو گئی اور اس کو وسیع کر لیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمعہ کے دن لوگوں کے پسینہ وغیرہ سے جو بدبو مسجد کی فضا میں پیدا ہو جاتی تھی وہ بات نہیں رہی۔"

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اس خاص حالت کی وجہ سے جس کی ان کے اس بیان میں تفصیل کی گئی ہے غسل جمعہ مسلمانوں کے لئے ضروری قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد جب وہ حالت نہیں رہی تو اس حکم کا وہ درجہ تو نہیں رہا، لیکن بہر حال اس میں پاکیزگی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اب بھی اس میں خیر اور ثواب ہے۔ یعنی اب وہ مسنون اور مستحب ہے، اور سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث میں غسل جمعہ کی یہی حیثیت صریحاً مذکور ہے۔

۶۴) **عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ يَوْمَ الْجُمْعَةِ فَبِهَا وَ نِعْمَتْ وَمَنِ اغْتَسَلَ فَالْغُسْلُ أَفْضَلُ .** (رواه احمد و ابو داؤد و الترمذی و النسائی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن (نماز جمعہ کے لئے) وضو کر لے تو بھی کافی ہے اور ٹھیک ہے اور جو غسل کرے تو غسل کرنا افضل ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند دارمی)

(آگے نماز جمعہ سے متعلق احادیث میں بھی جمعہ کے دن کے نہانے دھونے کا ذکر آئے گا اور اس سلسلہ کی بعض باتیں ان شاء اللہ وہیں مذکور ہوں گی۔

میت کو نہلانے کے بعد غسل

۶۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَلْيَغْتَسِلْ .

(رواه ابن ماجة و زاد احمد والترمذى و ابوداؤد "وَمَنْ حَمَلَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ")

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میت کو غسل دے تو اس کو چاہیے کہ غسل کرے (سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث بس اسی قدر ہے، اور مسند احمد، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی ہے کہ "اور جو شخص میت کا جنازہ اٹھائے اس کو چاہئے کہ وضو کرلے"۔

تشریح...... امت کے ائمہ اور علماء شریعت کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے، اس لئے ان کے نزدیک میت کو غسل دینے والے کے لئے مستحب ہے کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد وہ خود بھی غسل کرلے، کیونکہ اس کا کافی امکان اور احتمال ہے کہ غسالۂ میت کی چھینٹیں اس کے جسم کے کسی حصہ پر پڑ گئی ہوں۔ اور ایک دوسری حدیث میں جس کو امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس غسل کے وجوب کی صریح نفی بھی وارد ہوئی ہے، اس لئے عام ائمہ امت نے میت کو غسل دینے کے بعد غسل کرنے کو مستحب ہی کہا ہے، اسی طرح حدیث کے دوسرے جز میں جنازہ اٹھانے والوں کو وضو کرنے کا جو حکم ہے وہ بھی استحبابی ہی ہے اور اس حکم کا مقصد غالبًا یہ بھی ہے کہ جنازہ اٹھانے والے پہلے ہی سے وضو کر کے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تیار رہیں۔ واللہ اعلم۔

عید کے دن کا غسل

۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ يَوْمَ الْاَضْحٰى .

(رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے۔ (سنن ابن ماجہ)

ف...... عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل کرنا اور حسب توفیق اچھا، صاف ستھرا لباس پہننا اور خوشبو استعمال کرنا، امت کے ان متوارث اعمال میں سے ہے جن کا رواج بلاشبہ قرن اول سے چلا آرہا ہے، اس لئے اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ امت کو اس کی تعلیم و ہدایت رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا عمل ہی سے ملی ہے، لیکن ان چیزوں کے بارہ میں جو روایات کتب حدیث میں ملتی ہیں محدثین کے اصول تنقید کے مطابق ان سب کی سندوں میں ضعف ہے، حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ روایت جو سنن ابن ماجہ کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے اس کی سند بھی ضعیف ہے، یہ ایک واضح مثال ہے اس حقیقت کی کہ بعض روایات کی سندوں میں اصطلاحی ضعف ہوتا ہے لیکن ان کا مضمون صحیح اور ثابت ہوتا ہے۔ پس اگر کسی حدیث کی سند

میں محدثین کے نزدیک ضعف ہو لیکن اس کا مضمون شواہد و قرائن سے صحیح ثابت ہوتا ہو تو وہ "صحیح حدیث" ہی کی طرح حجت اور قابل قبول ہو گی۔

تیمّم

بسا اوقات آدمی ایسی حالت اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کرنا اس کے لیے مضر ہوتا ہے، اسی طرح کبھی آدمی ایسی جگہ ہوتا ہے کہ غسل یا وضو کے لئے وہاں پانی ہی میسر نہیں ہوتا۔ ان حالات میں اگر بلا غسل اور بلا وضو یوں ہی نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی، تو اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا کہ ان اتفاقات سے طبیعتیں ترک طہارت کی عادی بنتیں اور دوسرا اس سے بڑا ضرر یہ ہوتا کہ غسل اور وضو کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا جو اہتمام محسوس ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے اس حاضری کی عظمت اور اس کے تقدس کا جو تصور ذہن پر چھایا ہوا رہتا ہے وہ مجروح ہوتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مجبوری کے ایسے حالات میں تیمّم کو غسل اور وضو کا قائم مقام بنادیا ہے، اب غسل اور وضو سے مجبور ہونے کے حالات میں جب آدمی نماز وغیرہ کے لئے تیمّم کا اہتمام کرے گا تو اس کی عادت اور اس کے ذہن پر انشاءاللہ اس طرح کا کوئی غلط اثر نہیں پڑے گا۔

تیمّم یہ ہے کہ سطح زمین پر یا مٹی یا پتھر یا ریت جیسی کسی چیز پر (یعنی ایسی چیزیں جو سطح زمین پر عموماً ہوتی ہیں، ان میں سے کسی پر) طہارت کی نیت سے ہاتھ مار کر وہ ہاتھ چہرے اور ہاتھوں پر پھیر لیے جائیں، اس طرح بس ہاتھ پھیر لینے سے تیمّم ہو جاتا ہے، مٹی وغیرہ کا چہرے یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ مٹی وغیرہ چہرے اور ہاتھوں پر نہ لگے۔

تیمّم کی حکمت

غسل اور وضو میں پانی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مجبوری کی حالت میں اس کے بجائے تیمّم کا حکم دیا، جس میں مٹی اور پتھر وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے، اس کی ایک حکمت تو بعض اہل تحقیق نے یہ بیان کی ہے، کہ پوری زمین کے دو ہی حصے ہیں، ایک بڑے حصہ کی سطح پانی ہے، دوسرے حصہ کی سطح مٹی، پتھر وغیرہ، اس لیے پانی اور مٹی میں خاص مناسبت ہے نیز انسان کی ابتدائی تخلیق بھی مٹی اور پانی ہی سے ہوئی ہے، علاوہ ازیں مٹی ہی ایسی چیز ہے جس کو انسان سمندر کے علاوہ ہر جگہ پا سکتا ہے اور مٹی کو ہاتھ لگا کر منہ پر پھیرنے میں تذلل اور خاکساری کی بھی ایک خاص شان ہے اور چونکہ انسان کا آخری ٹھکانا مٹی اور خاک ہی ہے اور اس کو خاک ہی میں ملنا ہے، اس لیے تیمّم میں موت اور قبر کی یاد بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار دینہ

اس کے بعد تیمّم سے متعلق چند حدیثیں پڑھئے! سب سے پہلے صحیحین کی وہ حدیث درج کی جاتی ہے جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں تیمّم کا حکم نازل ہوا۔

تیمم کا حکم

۶۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ بَعْضِ اَسْفَارِهٖ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَيْشِ انْقَطَعَ عِقْدٌ لِّىْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْتِمَاسِهٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَهٗ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ فَاَتَى النَّاسُ اِلٰى اَبِىْ بَكْرٍ فَقَالُوا اَلَا تَرٰى اِلٰى مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ اَقَامَتْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ بِالنَّاسِ مَعَهٗ وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاضِعٌ رَأْسَهٗ عَلٰى فَخِذِىْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ قَالَتْ فَعَاتَبَنِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِىْ بِيَدِهٖ فِىْ خَاصِرَتِىْ فَلَا يَمْنَعُنِىْ مِنَ التَّحَرُّكِ اِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى فَخِذِىْ فَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُبْنُ الْحُضَيْرِ وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ مَاهِىَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِىْ بَكْرٍ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَبَعَثْنَا الْبَعِيْرَالَّذِىْ كُنْتُ عَلَيْهِ فَوَجَدْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ. (رواه البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں (تحقیقی قول کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع میں) ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے۔ یہاں تک کہ جب ہم مقام بیداء یا ذات الجیش کے مقام پر تھے (یہ دونوں مقام مدینہ طیبہ اور خیبر کے درمیان پڑتے ہیں) تو وہاں میرا ایک ہار (جو درحقیقت میری بڑی بہن اسماء کا تھا، اور میں نے عاریۃً ان سے لے کر گلے میں ڈال لیا تھا، ٹوٹ کر گر گیا اور گویا گم ہو گیا، میں نے اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو کر دی) تو اس کو تلاش کرانے کے لئے آپؐ نے وہاں قیام فرمالیا اور آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی ٹھہر گئے، اور اس مقام پر پانی کا کوئی بندوبست نہیں تھا، تو کچھ لوگوں نے (میرے والد ماجد) ابو بکر صدیقؓ کے پاس جا کر کہا کہ آپ دیکھتے ہیں (آپ کی صاحبزادی) عائشہؓ نے کیا کیا ہے، انہوں نے (ہار گم کر کے) رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے سب ساتھیوں کو یہاں ٹھہرنے پر مجبور کر دیا ہے، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی ہے، پس (والد ماجد) ابو بکر صدیقؓ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھے آرام فرمارہے تھے اور آپؐ کو نیند آگئی تھی، پس مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ تو رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے سب ساتھیوں کے یہاں رکنے کا باعث بن گئی اور صورت حال یہ ہے کہ یہاں (قریب میں) کہیں پانی نہیں ہے اور نہ لشکر کے ساتھ پانی کا انتظام ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ۔ والد ماجد نے مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور جو اللہ کو منظور تھا، اس وقت انہوں نے مجھے وہ سب کہا اور (غصہ سے) میرے پہلو میں کونچے لگائے، لیکن رسول اللہ ﷺ چونکہ میری ران پر سر رکھے آرام فرمارہے تھے اس لیے میں بالکل نہیں ہلی (کہ میرے حرکت کرنے سے آپؐ کے آرام میں خلل نہ پڑے) پس رسول اللہ ﷺ سوتے رہے، یہاں تک کہ آپؐ نے صبح کی ایسے مقام پر اور ایسی حالت میں کہ وہاں پانی کا کوئی بندوبست

نہیں تھا، تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، تو سب لوگوں نے تیمم کیا (اور تیمم کر کے نماز ادا کی گئی) تو اسید بن حضیر نے (جو ان نقباء انصار میں سے ایک تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ہجرت سے پہلے بیعت کی تھی) کہا کہ اے آل ابو بکرؓ! یہ تیمم کا حکم تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (بلکہ اس سے پہلے بھی تمہارے ذریعہ امت کو برکتیں مل چکی ہیں) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ (اس سب کے بعد) جب اس اونٹ کو اٹھایا گیا جو میری سواری میں تھا، تو میرا وہ ہار اس کے نیچے مل گیا۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس سے غالباً سورۂ نساء کی یہ آیت مراد ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا . (النساء . ٤ : ٤٣)

اور اگر تم بیمار ہو (اور پانی کا استعمال مضر ہو) یا تم سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی شخص استنجے سے آیا ہو یا تم نے بیبیوں سے قربت کی ہو اور تم کو پانی نہ ملے، تو تم پاک زمین سے تیمم کر لیا کرو (یعنی اس زمین پر دو ہاتھ مار کے) اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو، اللہ تعالیٰ بہت معاف فرمانے والا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

یہی مضمون لفظوں کے بہت خفیف فرق کے ساتھ سورۂ مائدہ کے دوسرے رکوع میں بھی ارشاد فرمایا گیا ہے اور بعض راویوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی تھی۔ لیکن اکثر مفسرین کی تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نساء والی آیت پہلے نازل ہوئی ہے اور سورۂ مائدہ والی بعد میں۔ واللہ اعلم

۶۸) **عَنْ عَمَّارٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ اِنِّىْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ الْمَاءَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِعُمَرَ اَمَا تَذْكُرُ اَنَّا كُنَّا فِىْ سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ هٰذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِيْهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ .** (رواه البخاری و مسلم نحوه)

ترجمہ.. حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور اس نے مسئلہ پوچھا کہ مجھے غسل کی حاجت ہو گئی ہے، اور پانی مجھے ملا نہیں (تو کیا کروں؟) حضرت عمارؓ نے (جو وہاں موجود تھے) حضرت عمرؓ سے کہا کیا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دفعہ میں اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی) تو آپ نے تو اس حالت میں نماز نہیں پڑھی، اور میں نے یہ کیا کہ میں زمین پر خوب لوٹا پوٹا (کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جنابت والا تیمم بھی غسل کی طرح سارے جسم کا ہوتا ہوگا، تو جب ہم سفر سے واپس آئے) تو میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ

سے ذکر کی، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، کہ (زمین پر سارے جسم کو لٹانے اور خاک آلود کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی) تمہارے لیے بس اتنا کرنا کافی تھا، یہ کہہ کے آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اوران کو پھونکا (تاکہ جو خاک دھول لگی ہو وہ اڑ جائے) پھر آپؐ نے ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر اور ہاتھوں پر پھیر لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس روایت میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نماز نہ پڑھنے کی شارحین نے مختلف توجیہیں کی ہیں، ان میں سب سے زیادہ سہل الفہم یہ ہے کہ غالباً ان کو پانی مل جانے کا انتظار تھا اور اس کی کچھ امید تھی، اس لئے انہوں نے اس وقت تیمّم کر کے نماز پڑھنا مناسب نہ سمجھا، واللہ اعلم۔ اور حضرت عمار کو اس وقت تک یہ معلوم نہیں تھا کہ غسل جنابت کی جگہ جو تیمّم کیا جاتا ہے، اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمّم کا طریقہ ہے، اس لیے وہ اپنے اجتہاد سے زمین میں لوٹے پوٹے لیکن جب رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے اپنے اس عمل کا ذکر کیا تو آپؐ نے ان کی اس غلطی کی تصحیح فرمادی اور بتلادیا کہ جنابت کی حالت میں غسل کی جگہ جو تیمّم کیا جاتا ہے اس کا طریقہ وہی ہے جو وضو والے تیمّم کا ہے، حضرت عمارؓ چونکہ وضو والے تیمّم کا طریقہ جانتے تھے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف بس اشارہ فرمادیا۔

حضرت عمارؓ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تیمّم میں مٹی یا خاک منہ پر یا ہاتھوں پر لگنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اگر زمین پر یا مٹی پر ہاتھ مارنے سے ہاتھوں کو خاک دھول لگ جائے تو اسکو پھونک دینا بہتر ہے۔

۶۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّعِيْدَ الطَّيِّبَ وُضُوْءُ الْمُسْلِمِ وَاِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَاِذَا وَجَدَالْمَاءَ فَلْيُمِسَّهُ بَشَرَهُ فَاِنَّ ذَالِكَ خَيْرٌ۔ (رواه احمد و الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پاک مٹی مسلمان کا سامان طہارت ہے اگرچہ دس سال تک پانی نہ ملے، پس جب پانی پاوے تو چاہئے کہ اس کو بدن پر ڈالے، یعنی اس سے وضو یا غسل کرلے، کیونکہ یہ بہت اچھا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر برسہا برس تک ایک آدمی وضو یا غسل کے لیے پانی نہ پائے تو تیمّم اس کے لیے برابر کافی ہوتا رہے گا۔ البتہ جب پانی میسر ہو جائے گا، تو غسل یا وضو اس کے لیے ضروری ہو جائے گا۔

ف...... قریب قریب سارے ائمہ امت اس پر متفق ہیں کہ جس شخص پر غسل واجب ہو اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے یا بیماری کی مجبوری سے اس نے بجائے غسل کے تیمّم کیا ہو، تو اس کو جب پانی مل جائے گا یا بیماری کا عذر ختم ہو جائے گا تو غسل کرنا اس پر واجب ہو گا۔

۷۰) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَجُلَا نِ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ فَتَيَمَّمَا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَاالْمَاءَ فِی الْوَقْتِ فَاَعَادَ اَحَدُ هُمَا الصَّلٰوةَ بِوُضُوْءٍ وَلَمْ يُعِدِ الْاٰخَرُثُمَّ اَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَا ذٰلِكَ فَقَالَ لِلَّذِیْ لَمْ يُعِدِ اَصَبْتَ السُّنَّةَ وَاَجْزَأَتْكَ

صَلٰوتُكَ وَقَالَ لِلَّذِىْ تَوَضَّأَ وَ اَعَادَلَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ . (رواه ابو داؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ میں سے دو شخص سفر میں گئے، کسی موقع پر نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی تھا نہیں، اس لئے دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی، پھر نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پانی بھی مل گیا، تو ایک صاحب نے تو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی اور دوسرے صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا، پھر جب دونوں حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو اس کا ذکر کیا، تو جن صاحب نے نماز کا اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپؐ نے فرمایا، تم نے ٹھیک طریقہ اختیار کیا اور تم نے جو نماز تیمّم کر کے پڑھی، وہ تمہارے لیے کافی ہو گئی (شرعی مسئلہ یہی ہے کہ ایسے موقع پر تیمم کر کے نماز پڑھ لینا کافی ہے، بعد میں وقت کے اندر پانی مل جانے پر بھی اعادہ کی ضرورت نہیں، اس لیے تم نے جو کچھ کیا ٹھیک مسئلہ کے مطابق کیا) اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھی تھی ان سے آپؐ نے فرمایا، کہ تمہیں دوہرا ثواب ملے گا (کیونکہ تم نے دوبارہ جو نماز پڑھی وہ نفل ہو گی) اللہ تعالیٰ نیکیوں کو ضائع نہیں فرماتا۔ (سنن ابی داؤد و مسند دارمی)

معارفُ الحدیث

جلد دوم —— حصہ سوم

کتاب الصلوٰۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ط

اے اللہ میں تیری حمد و ستائش کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، تیرا پاک نام بڑا مبارک ہو، تو بڑی عظمت والا ہے، تیرے سوا کوئی بھی عبادت اور بندگی کا مستحق نہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

خداوندا مجھے نماز قائم کرنے والا بنادے اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق دے، میرے رب میری دعا قبول فرمالے!

پروردگار! جس دن اعمال کا حساب ہو اس دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اپنے ایمان والے سب ہی بندوں کو بخش دے۔

اٰمِيْن يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْن !

عبدك المذنب

محمد منظور نعمانی

عفا اللہ عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز کی عظمت واہمیت اور اس کا امتیاز

حضرات انبیاء علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، کمالات واحسانات اور اس کی تقدیس و توحید کے بارے میں جو کچھ بتلاتے ہیں اس کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کا پہلا قدرتی اور بالکل فطری تقاضا یہ ہے کہ انسان اس کے حضور میں اپنی فدویت وبندگی، محبت و شیفتگی اور محتاجی ودریوزہ گری کا اظہار کر کے اس کا قرب اور اس کی رحمت و رضا حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کی یاد سے اپنے قلب و روح کے لئے نور اور سرور کا سرمایہ حاصل کرے۔ نماز کا اصل موضوع دراصل یہی ہے ۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نماز اس مقصد کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔ اسی لیے ہر نبی کی تعلیم میں اور ہر آسمانی شریعت میں ایمان کے بعد پہلا حکم نماز ہی کا رہا ہے۔ اور اسی لیے اللہ کی نازل کی ہوئی آخری شریعت (شریعت محمدیؐ) میں نماز کے شرائط وارکان اور سنن و آداب اور اسی طرح کے مفسدات و مکروہات وغیرہ کے بیان کا اتنا اہتمام کیا گیا ہے اور اس کو اتنی اہمیت دی گئی ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری طاعت و عبادت کو بھی نہیں دی گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ حجۃ اللہ البالغہ میں نماز کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اعلم ان الصَّلٰوۃ اعظم العبادات شأناً وا وضحها برهاناً واشهرها فی النَّاس و انفعها فی النفس ولذ لك اعتنى الشارع ببيان فضلها و تعيين اوقاتها و شروطها واركانها و اٰدابها ورخصها ونوافلها اعتناء عظيما لم يفعل فی سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدين. (ص ۱۸۶)

یعنی ... نماز اپنی عظمت شان اور مقتضائے عقل و فطرت ہونے کے لحاظ سے تمام عبادات میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور خدا شناس و خدا پرست انسانوں میں سب سے زیادہ معروف و مشہور اور نفس کے تزکیہ اور تربیت کے لئے سب سے زیادہ نفع مند ہے اور اسی لیے شریعت نے اس کی فضیلت اس کے اوقات کی تعیین و تحدید اور اس کے شرائط وارکان اور آداب ونوافل اور اس کی رخصتوں کے بیان کا وہ اہتمام کیا ہے جو عبادات و طاعات کی کسی دوسری قسم کے لیے نہیں کیا اور انہی خصوصیات و امتیازات کی وجہ سے نماز کو دین کا عظیم ترین شعار اور امتیازی نشان قرار دیا گیا ہے

اور اسی کتاب میں ایک دوسرے مقام پر نماز کے اجزاء اصلیہ اور اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"واصل الصَّلٰوة ثلثة اشياء ان يخضع القلب عند ملاحظة جلال الله و عظمته ويعبراللسان عن تلك العظمة و ذالك الخضوع بافصح عبارة وان يؤدب الجوارح

حسب ذلك الخضوع."

یعنی۔ نماز کے اصل عناصر تین ہیں:-ایک یہ کہ قلب اللہ تعالیٰ کی لاانتہا عظمت وجلال کے دھیان سے سر افگندہ ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و کبریائی اور اپنی عاجزی و سر افگندگی کو بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی زبان سے ادا کرے اور تیسرے یہ کہ باقی تمام ظاہری اعضاء کو بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت اور اپنی عاجزی و بندگی کی شہادت کے لئے استعمال کرے۔ پھر اسی سلسلہ کلام میں چند سطر کے بعد فرماتے ہیں:-

"اما الصّلوٰة فهى المعجون المركب من الفكر المصروف تلقاء عظمةالله ... ومن الادعية المبينة اخلاص عمله لله و توجيهه وجهه تلقاء الله وقصر الا ستعانة فى الله ومن افعال تعظيمية كا لسجود والركوع يصيركل واحد عضد الأخرومكمله والمنبه عليه ."

یعنی۔ نماز کی حقیقت تین اجزاء سے مرکب ہے:۔ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا تفکر واستحضار۔ دوسرے چند ایسی دعائیں اور ایسے اذکار جن سے یہ بات ظاہر ہو کہ بندہ کی بندگی اور اس کے اعمال خالص اللہ کے لئے ہیں اور وہ اپنا رخ یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف کر چکا ہے اور اپنی حاجات میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد چاہتا ہے اور تیسرے چند تعظیمی افعال جیسے رکوع و سجدہ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے اور اس کی طرف دعوت وترغیب کا ذریعہ بنتا رہتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں:-

والصّلوٰة معراج المؤمنين معدة للتجليات الاخروية ... وسبب عظيم لمحبة الله و رحمته ... واذا تمكنت من العبد اضمحل فى نورالله وكفرت عنه خطاياه ... ولا شئى انفع من سوء المعرفة منها اذا فعلت افعالها واقوالها على حضور القلب والنية الصالحة ... واذا جعلت رسما مشهورًا نفعت من غوائل الرسوم نفعا بينا و صارت شعارا للمسلم يتميزبه من الكافر ... ولا شىء فى تمرين النفس على انقياد الطبيعة للعقل و جريانها فى حكمه مثل الصلوٰة .. ص ٧٢، ٧٣ جلد (١)

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحب نے نماز کی مندرجہ ذیل چند خصوصیات اور تاثیرات بیان کی ہیں، اول یہ کہ وہ اہل ایمان کی معراج ہے اور آخرت میں تجلیات الٰہی کے جو نظارے اہل ایمان کو نصیب ہونے والے ہیں، ان کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرنے کا وہ خاص ذریعہ ہے۔ دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ورحمت کے حصول کا وسیلہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز کی حقیقت جب کسی بندہ کو حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی روح پر نماز کی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ نور الٰہی کی موجوں میں ڈوب کر گناہوں سے پاک صاف ہو جاتا ہے (جیسے کہ کوئی میلی کچیلی چیز دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک صاف ہو جاتی ہے یا جیسے لوہا آگ کی بھٹی میں رکھ کر صاف کیا جاتا ہے)۔۔ چہارم یہ کہ نماز جب حضور قلب اور صادق نیت کے ساتھ پڑھی جائے تو غفلت

اور برے خیالات ووساوس کے ازالہ کی وہ بہترین اور بے مثل دوا ہے۔ پنجم یہ کہ نماز کو جب پوری امت مسلمہ کے لیے ایک معروف و مقرر رسم اور عمومی وظیفہ بنادیا گیا تو اس کی وجہ سے کفر و شرک اور فسق و ضلال کی بہت سی تباہ کن رسوم سے حفاظت کا فائدہ بھی حاصل ہو گیا اور مسلمانوں کا وہ ایک ایسا امتیازی شعار اور دینی نشان بن گیا، جس سے کافر اور مسلم کو پہچانا جاسکتا ہے۔

ششم یہ کہ طبیعت کو عقل کی رہنمائی کا پابند اور اس کا تابع فرمان بنانے کی مشق کا بہترین ذریعہ یہی نماز کا نظام ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز کی یہ تمام خصوصیات و تاثیرات رسول اللہ ﷺ کے مختلف ارشادات سے اخذ کی ہیں اور ہر ایک کا حوالہ بھی دیا ہے، لیکن چونکہ وہ پوری پوری حدیثیں آگے اپنی اپنی جگہ پر آنے والی ہیں اس لیے ہم نے شاہ صاحب کے حوالوں کو اس عبارت سے حذف کر دیا ہے۔

نماز کی عظمت واہمیت اور اس کے امتیاز کے بارے میں جو کچھ مذکورہ بالا اقتباسات میں شاہ صاحب نے فرمایا ہے ہم اس کو بالکل کافی سمجھتے ہوئے اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اب ناظرین کرام شاہ صاحب کے ان اشارات کو ذہن میں رکھ کر نماز سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھیں۔

نماز ترک کرنا ایمان کے منافی اور کافرانہ عمل ہے

۱) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ ..** (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کے اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ نماز دین اسلام کا ایسا شعار ہے اور حقیقت ایمان سے اس کا ایسا گہرا تعلق ہے کہ اس کو چھوڑ دینے کے بعد آدمی گویا کفر کی سرحد میں پہنچ جاتا ہے۔

۲) **عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعَهْدُ الَّذِىْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ** — (رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه)

ترجمہ... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے اور اسلام قبول کرنے والے عام لوگوں کے درمیان نماز کا عہد و میثاق ہے، (یعنی ہر اسلام لانے والے سے ہم نماز کا عہد لیتے ہیں جو ایمان کی خاص نشانی اور اسلام کا شعار ہے) پس جو کوئی نماز چھوڑ دے تو گویا اس نے اسلام کی راہ چھوڑ کے کافرانہ طریقہ اختیار کر لیا۔

۳) **عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِىْ خَلِيْلِىْ اَنْ لَّاتُشْرِكَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ .** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ... حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے خلیل و محبوب صلی اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی ہے کہ اللہ کے ساتھ کبھی کسی چیز کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے کر دیئے جائیں اور تمہیں آگ میں بھون دیا جائے، اور خبردار کبھی بالارادہ نماز نہ چھوڑنا، کیونکہ جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو اس کے بارہ میں وہ ذمہ داری ختم ہو گئی جو اللہ کی طرف سے اس کے وفادار اور صاحب ایمان بندوں کے لئے ہے، اور خبردار شراب کبھی نہ پینا کیونکہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... جس طرح ہر حکومت پر اس کی رعایا کے کچھ حقوق ہوتے ہیں، اور رعایا جب تک بغاوت جیسا کوئی سنگین جرم نہ کرے ان حقوق کی مستحق سمجھی جاتی ہے، اسی طرح مالک الملک حق تعالیٰ شانہ نے تمام ایمان لانے والوں اور دین اسلام قبول کرنے والوں کے لیے کچھ خاص احسانات و انعامات کی ذمہ داری محض اپنے لطف و کرم سے لے لی ہے (جس کا ظہور انشاء اللہ آخرت میں ہو گا) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بتادیا ہے کہ دیدہ و دانستہ اور بالارادہ نماز چھوڑ دینا دوسرے تمام گناہوں کی طرح صرف ایک گناہ نہیں ہے بلکہ باغیانہ قسم کی ایک سرکشی ہے جس کے بعد وہ شخص رب کریم کی عنایت کا مستحق نہیں رہتا اور رحمت خداوندی اس سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث بعض دوسری کتابوں میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ذکر کی گئی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارہ میں قریب قریب انہی الفاظ میں تاکید و تنبیہ فرمائی ہے، لیکن اس کے آخری الفاظ تارک نماز کے بارہ میں یہ ہیں:

فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ

جس نے دیدہ و دانستہ اور عمداً نماز چھوڑ دی تو وہ ہماری ملت سے خارج ہو گیا۔ (رواہ الطبرانی۔ الترغیب المنذری)

ان حدیثوں میں ترک نماز کو کفر یا ملت سے خروج اسی بناء پر فرمایا گیا ہے کہ نماز ایمان کی ایسی اہم نشانی اور اسلام کا ایسا خاص الخاص شعار ہے کہ اس کو چھوڑ دینا بظاہر اس بات کی علامت ہے کہ اس شخص کو اللہ و رسول سے اور اسلام سے تعلق نہیں رہا اور اس نے اپنے کو ملت اسلامیہ سے الگ کر لیا ہے۔ خاص کر رسول اللہ ﷺ کے عہد سعادت میں چونکہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوئی شخص مؤمن اور مسلمان ہونے کے بعد تارک نماز بھی ہو سکتا ہے اس لیے اس دور میں کسی کا تارک نماز ہونا اس کے مسلمان نہ ہونے کی عام نشانی تھی۔ اور اس عاجز کا خیال ہے کہ جلیل القدر تابعی عبداللہ بن شقیق نے صحابہ کرام کے بارے میں جو یہ فرمایا ہے کہ:

كَانَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلٰوةِ

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کرنے کو بھی کفر نہیں سمجھتے تھے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ جامع ترمذی)

تو اس عاجز کے نزدیک اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ صحابہ کرام دین کے دوسرے ارکان و اعمال مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور اسی طرح اخلاق و معاملات وغیرہ ابواب کے احکام میں کوتاہی کرنے کو تو بس گناہ اور معصیت سمجھتے تھے، لیکن نماز چونکہ ایمان کی نشانی اور اس کا عملی ثبوت ہے اور ملت اسلامیہ کا خاص شعار ہے، اس لیے اس کے ترک کو وہ دین اسلام سے بے تعلقی اور اسلامی ملت سے خروج کی علامت سمجھتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان حدیثوں سے امام احمد بن حنبلؒ اور بعض دوسرے اکابر امت نے تو یہ سمجھا ہے کہ نماز چھوڑ دینے سے آدمی قطعاً کافر اور مرتد ہو جاتا ہے اور اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا حتیٰ کہ اگر وہ اسی حال میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی۔ بہر حال اس کے احکام وہی ہوں گے جو مرتد کے ہوتے ہیں۔ گویا ان حضرات کے نزدیک کسی مسلمان کا نماز چھوڑ دینا بت یا صلیب کے سامنے سجدہ کرنے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کی شان میں گستاخی کرنے کی طرح کا ایک عمل ہے جس سے آدمی قطعاً کافر ہو جاتا ہے خواہ اس کے عقیدہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو۔

لیکن۔۔۔ دوسرے اکثر ائمہ حق کی رائے یہ ہے کہ ترک نماز اگر چہ ایک کافرانہ عمل ہے، جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، لیکن اگر کسی بد بخت نے صرف غفلت سے نماز چھوڑ دی ہے مگر اس کے دل میں نماز سے انکار اور عقیدہ میں کوئی انحراف نہیں پیدا ہوا ہے تو اگر چہ وہ دنیا و آخرت میں سخت سے سخت سزا کا مستحق ہے لیکن اسلام سے اور ملت اسلامیہ سے اس کا تعلق بالکل ٹوٹ نہیں گیا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، ان حضرات کے نزدیک مندرجہ بالا احادیث میں ترک نماز کو جو کفر کہا گیا ہے اس کا مطلب کافرانہ عمل ہے اور اس گناہ کی انتہائی شدت اور خباثت ظاہر کرنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے، جس طرح کسی مضر غذا یا دوا کے لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ بالکل زہر ہے۔

۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ ذَكَرَ اَمْرَ الصَّلٰوةِ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَ بُرْهَانًا وَ نَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نُوْرًا وَلَا بُرْهَانًا وَلَا نَجَاةً وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ وَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ اُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ –

(رواہ احمد والدارمی و البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز کے بارے میں گفتگو فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ نماز اہتمام سے ادا کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے واسطے نور ہوگی، (جس سے قیامت کی اندھیریوں میں اس کو روشنی ملے گی اور اس کے ایمان اور اللہ تعالیٰ سے اس کی وفاداری اور اطاعت شعاری کی نشانی) اور دلیل ہوگی، اور اس کے لیے نجات کا ذریعہ بنے گی، اور جس شخص نے نماز کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کیا (اور اس سے غفلت اور بے پروائی برتی) تو وہ

اسکے واسطے نہ نور بنے گی، نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات، اور وہ بد بخت قیامت میں قارون، فرعون، ہامان اور مشرکین مکہ کے سرغنہ) ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (مسند احمد، مسند دارمی، شعب الایمان بیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ نماز سے لاپرواہی وہ جرم عظیم ہے جو آدمی کو اس جہنم میں پہنچائے گا جہاں فرعون وہامان اور قارون اور ابی بن خلف جیسے خدا کے باغی ڈالے جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جہنم میں جانے والے سب لوگوں کا عذاب ایک ہی درجہ کا نہ ہوگا، ایک قید خانہ میں بہت سے قیدی ہوتے ہیں اور اپنے اپنے جرائم کے مطابق ان کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں۔ ظلمات بعضها فوق بعض۔

نماز پنجگانہ کی فرضیت اور ان پر وعدۂ مغفرت

۵) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالیٰ مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَّا هُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اَنْ يَّغْفِرَ لَهٗ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهٗ عَلَى اللّٰهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهٗ.

(رواه احمد و ابو داؤد)

ترجمہ...... پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور ٹھیک وقت پر ان کو پڑھا اور رکوع سجود بھی جیسے کرنے چاہئیں ویسے ہی کئے اور خشوع کی صفت کے ساتھ ان کو ادا کیا تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے کہ وہ اس کو بخش دے گا اور جس نے ایسا نہیں کیا (اور نماز کے بارہ میں اس نے کوتاہی کی) تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے چاہے گا تو اس کو بخش دے گا اور چاہے گا تو سزا دے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو صاحب ایمان بندہ اہتمام اور فکر کے ساتھ نماز اچھی طرح ادا کرے گا تو اولاً تو وہ خود ہی گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہوگا اور اگر شیطان یا نفس کے فریب سے کبھی اس سے گناہ سرزد ہوں گے تو نماز کی برکت سے اس کو توبہ واستغفار کی توفیق ملتی رہے گی (جیسا کہ عام تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے) اور اس سب کے علاوہ نماز اس کے لئے کفارہ سیئات بھی بنتی رہے گی اور پھر نماز بجائے خود گناہوں کے میل کچیل کو صاف کرنے والی اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت وعنایت کا مستحق بنانے والی وہ عبادت ہے جو فرشتوں کے لئے بھی باعث رشک ہے، اس لیے جو بندے نماز کے شرائط وآداب کا پورا اہتمام کرتے ہوئے خشوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کے عادی ہوں گے ان کی مغفرت بالکل یقینی ہے، اور جو لوگ دعوائے اسلام کے باوجود نماز کے بارے میں کوتاہی کریں گے (ان کے حالات کے مطابق) اللہ تعالیٰ جو فیصلہ چاہے گا کرے گا، چاہے ان کو سزا دے یا اپنی رحمت سے معاف فرمادے اور بخش دے۔ بہر حال وہ سخت خطرہ میں ہیں اور ان کی مغفرت اور بخشش کی کوئی گارنٹی نہیں۔

نماز گناہوں کی معافی اور تطہیر کا ذریعہ

٦) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرَئَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ فِیْهِ كُلَّ یَوْمٍ خَمْساً هَلْ یَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئٌ قَالُوا لَایَبْقٰی مِنْ دَرَنِهٖ شَیْئٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ یَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا بتلاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر نہر جاری ہو جس میں روزانہ پانچ دفعہ وہ نہاتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں باقی رہے گا، آپؐ نے ارشاد فرمایا بالکل یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے خطاؤں کو دھوتا اور مٹاتا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح…… صاحب ایمان بندہ جس کو نماز کی حقیقت نصیب ہو۔ جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اس کی روح گویا اللہ تعالیٰ کے بحر جلال و جمال میں غوطہ زن ہوتی ہے، اور جس طرح کوئی میلا کچیلا اور گندہ کپڑا دریا کی موجوں میں پڑ کر پاک و صاف اور اجلا ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کے انوار کی موجیں اس بندہ کے سارے میل کچیل کو صاف کر دیتی ہیں، اور جب دن میں پانچ دفعہ یہ عمل ہو تو ظاہر ہے کہ اس بندہ میں میل کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہ سکے گا، پس یہی حقیقت ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اس مثال کے ذریعہ سمجھائی ہے۔ اگلی حدیث نمبرے میں آنحضرت ﷺ نے یہی بات ایک دوسرے انداز میں اور دوسری مثال کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

٧) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ فَاَخَذَ بِغُصْنَیْنِ مِنْ شَجَرَةٍ قَالَ فَجَعَلَ ذٰلِكَ الْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوةَ یُرِیْدُبِهَا وَجْهَ اللّٰهِ تَتَهَافَتُ عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ هٰذَاالْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن سردی کے ایام میں باہر تشریف لے گئے اور درختوں کے پتے (خزاں کے سبب سے) از خود جھڑ رہے تھے۔ آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا (اور ہلایا) تو ایک دم اس کے پتے جھڑنے لگے، پھر حضور ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپؐ نے ارشاد فرمایا جب مؤمن بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ ان پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح…… یعنی جس طرح آفتاب کی شعاعوں اور موسم کی خاص ہواؤں نے ان پتوں کو خشک کر دیا ہے اور اب یہ ہوا کے معمولی جھونکوں سے ذرا حرکت دینے سے اس طرح جھڑتے ہیں اسی طرح جب بندہ مؤمن پوری طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اس کی رضاجوئی کے لیے نماز پڑھتا ہے تو انوار الٰہی کی

شعاعیں اور رحمت الٰہی کے جھونکے اس کے گناہوں کی گندگی کو فنا اور اس کے قصوروں کے خس و خاشاک کو اس سے جدا کر کے اس کو پاک صاف کر دیتے ہیں۔

۸) **عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنِ امْرَءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَ هَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا اِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ يُؤْتِ كَبِيْرَةً وَذَالِكَ الدَّهْرَ كُلَّهٗ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان آدمی فرض نماز کا وقت آنے پر اس کے لیے اچھی طرح وضو کرے، پھر پورے خشوع اور اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز ادا کرے تو وہ نماز اس کے واسطے پچھلے گناہوں کا کفارہ بن جائے گی جب تک کہ وہ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہوا ہو اور نماز کی یہ برکت اس کو ہمیشہ ہمیشہ حاصل ہوتی رہے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کی یہ تاثیر اور برکت کہ وہ سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور پہلے گناہوں کی گندگی کو دھو ڈالتی ہے اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے آلودہ نہ ہو، کیونکہ کبیرہ گناہوں کی نحوست اتنی غلیظ ہوتی ہے اور اس کے ناپاک اثرات اتنے گہرے ہوتے ہیں جن کا ازالہ صرف توبہ ہی سے ہو سکتا ہے، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو یونہی معاف فرمادے اس کا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

نماز پر جنت اور مغفرت کا وعدہ

۹) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَتَوَضَّأُ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ مُقْبِلًا عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ وَوَجْهِهٖ اِلَّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ اچھی طرح وضو کرے، پھر اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر پوری قلبی توجہ اور یکسوئی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھے، تو جنت اس کے لیے ضرور واجب ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

۱۰) **عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا جو بندہ ایسی دو رکعت نماز پڑھے، جس میں اس کو غفلت بالکل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس نماز ہی کے صلہ میں اس کے سارے سابقہ گناہ معاف فرمادے گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... مندرجہ بالا حدیثوں کی تشریح میں اوپر جو کچھ لکھا جا چکا ہے، وہی اس حدیث کی تشریح کے لیے بھی کافی ہے۔

افسوس کیسی بدبختی ہے

کہ نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ان ترہیبی اور ترغیبی ارشادات کے باوجود امت کی بڑی تعداد آج نماز سے غافل اور بے پرواہو کر اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے الطاف و عنایات سے محروم اور اپنی دنیا و آخرت کو برباد کر رہی ہے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

نماز محبوب ترین عمل

(۱۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ اَيُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ بِرُّالْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَيٌّ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ دینی اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ٹھیک وقت پر نماز پڑھنا، پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ راہ خدا میں جہاد کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت اور جہاد سے افضل اور محبوب ترین "نماز" کو بتلایا ہے، اور بلاشبہ نماز کا مقام یہی ہے۔ اور اس کی کچھ تفصیل اس ناچیز کے رسالہ "حقیقت نماز" میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

نماز کے اوقات

نماز سے جو اعلیٰ مقاصد اور منافع وابستہ ہیں، اور اللہ کے خوش نصیب بندوں کے لیے اس میں جو لذتیں ہیں ان کا تقاضا تو یہ تھا کہ زندگی کے اگر سارے لمحات نہیں تو کم از کم دن رات کے اکثر اوقات نماز میں صَرف کرنے ضروری قرار دیئے جاتے، لیکن چونکہ حکمت الٰہی نے انسانوں پر اور بھی بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اس لیے دن رات میں صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ اور ان کے اوقات ایسی حکمت سے مقرر کئے گئے ہیں کہ نماز سے جو مقاصد وابستہ ہیں وہ بھی پورے ہوں اور دوسری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں بھی خلل نہ پڑے۔

صبح نیند سے اٹھنے کے وقت (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے) فجر کی نماز فرض کی گئی ہے تاکہ صبح کو سب سے پہلا کام بارگاہ قدوسیت میں حاضری و اظہار نیاز اور بندگی کے میثاق کی تجدید ہو، پھر دوپہر یعنی زوال آفتاب تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی، تاکہ ہر شخص اپنے حالات کے مطابق اپنے کام کاج اور دوسری ذمہ داریوں کو اس طویل وقفہ میں انجام دے سکے۔ پورے آدھے دن کے اس وقفہ کے بعد ظہر کی نماز فرض کی گئی اور اس میں بھی یہ سہولت دی گئی کہ خواہ اول وقت ادا کی جائے یا اپنے حالات کے مطابق گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ بہر حال یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ اس طویل وقفہ کے بعد نماز ظہر

ادا کی جائے تاکہ غفلت یا بارگاہ خداوندی سے غیر حاضری کی مدت اس سے زیادہ طویل نہ ہو، پھر شام کے آثار شروع ہونے کے وقت عصر کی نماز فرض کی گئی تاکہ اس خاص وقت میں بھی جو اکثر لوگوں کے لیے اپنے اپنے کاموں سے فرصت پانے اور تفریحی مشاغل میں مشغول ہونے کا وقت ہوتا ہے، ایمان والے بندے اپنے ظاہر و باطن سے رب قدوس کی بارگاہ میں حاضر اور اس کی عبادت میں مشغول ہوں۔ پھر دن کے ختم ہونے پر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز فرض کی گئی، تاکہ دن کے خاتمہ اور رات کے آغاز کے وقت ہم پھر بارگاہ قدوسیت میں حاضر ہو کر اس کی حمد و تسبیح اور بندگی کے عہد کی تجدید کریں۔ اس کے بعد سونے کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز لازم کی گئی، تاکہ روزانہ کی زندگی کا ہمارا آخری عمل یہی نماز ہو، اور ہم اپنے مالک سے رابطۂ نیاز قائم کر کے اور ایمان و عبدیت کے عہد کی تجدید کر کے سوئیں اور ہماری سہولت کے لیے پانچوں نمازوں کے ان وقتوں میں کافی وسعت بھی دی گئی ہے اپنے وقتی حالات کے مطابق ہم اول وقت بھی پڑھ سکتے ہیں اور درمیانی وقت میں بھی اور آخر وقت میں بھی۔

اس پوری تفصیل پر غور کر کے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ظہر سے لے کر عشاء تک کی نمازوں کے درمیانی وقفے تو اتنے مختصر مختصر ہیں کہ ایک سچے مؤمن کے لیے جو نماز کی قدر و قیمت سے واقف ہو اور اس کی لذت سے آشنا ہو، ظہر پڑھنے کے بعد عصر کا، عصر کے بعد مغرب کا اور مغرب کے بعد عشاء کا منتظر اور اس کے لیے فکر مند رہنا قدرتی طور پر بالکل ناگزیر ہے اور اس طرح گویا اس پورے وقفہ میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور نماز سے متعلق ہی رہے گا۔ البتہ فجر سے ظہر تک کا وقفہ خاصا طویل ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، اس کو اس لیے اتنا طویل رکھا گیا ہے کہ بندے اپنی دوسری ضروریات اور دوسرے کاموں کو اس وقفہ میں اطمینان سے انجام دے سکیں تاہم اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جن خوش نصیب بندوں سے ہو سکے وہ اس وقفہ کے درمیان بھی چاشت کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں۔ اسی طرح رات کے سونے کو انسان کی ایک فطری اور حقیقی ضرورت قرار دے کر عشاء سے فجر تک کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اور یہ وقفہ سب سے زیادہ طویل رکھا گیا ہے لیکن یہاں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ اللہ کے بندے آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ کر تہجد کی چند رکعتیں پڑھ لیا کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور خود آپ کا یہ ایسا دائمی معمول تھا کہ سفر میں بھی قضا نہیں ہوتا تھا۔ چاشت اور تہجد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ترغیبی ارشادات انشاء اللہ اپنے موقع پر آئیں گے، یہاں تو یہ تمہیدی اشارے صرف نماز پنجگانہ کے بارے میں کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث پڑھی جائیں۔

۱۲) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْفَجْرِ مَالَمْ يَطْلُعْ قَرْنُ الشَّمْسِ الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الظُّهْرِ اِذَازَالَتِ الشَّمْسُ عَنْ بَطْنِ السَّمَاءِ مَالَمْ تَحْضُرِ الْعَصْرُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعَصْرِ مَالَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَيَسْقُطْ قَرْنُهَا الْاَوَّلُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ مَالَمْ يَسْقُطِ الشَّفَقُ وَوَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ**

اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ . (رواه البخاری و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ فجر کی نماز کا وقت تو اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج کا ابتدائی کنارہ نمودار نہ ہو، (یعنی صبح کو سورج جب طلوع ہونے لگے اور افق پر اس کا کنارہ ذرا بھی نمودار ہو جائے تو فجر کا وقت ختم ہو جاتا ہے) اور ظہر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب بیچ آسمان سے مغرب کی جانب ڈھل جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ عصر کا وقت نہیں آجاتا، اور عصر کی نماز کا وقت اس وقت تک ہے جب تک کہ سورج زرد نہ پڑ جائے اور سورج کا پہلا کنارہ ڈوبنے لگے، اور مغرب کی نماز کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب آفتاب ڈوب کر بالکل غائب ہو جائے اور اسوقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب ہو، اور عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سائل کے سوال کے جواب میں اکثر نمازوں کا آخری اور انتہائی وقت ہی بیان فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل غالباً یہی دریافت کرنا چاہتا تھا کہ ان پانچوں نمازوں کے وقتوں میں کہاں تک وسعت ہے اور ہر نماز کس وقت تک پڑھی جاسکتی ہے اور اس کا آخری وقت کیا ہے؟ ابتدائی وقت غالباً اس کو معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

مغرب کی نماز کے بارہ میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک شفق غائب نہ ہو"۔ اس شفق کی تعین اور تحقیق میں ہمارے ائمہ کی رائیں کچھ مختلف ہیں، اتنی بات تو لوگ عام طور سے جانتے ہیں کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کی جانب کچھ دیر تک سرخی رہتی ہے[1]، اس کے بعد وہ سرخی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ کچھ دیر تک سفیدی رہتی ہے[2]، پھر وہ سفیدی بھی غائب ہو جاتی ہے اور سیاہی آجاتی ہے۔ پس اکثر ائمہ کی تحقیق تو یہ ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد والی سرخی کا نام ہے اس لیے ان حضرات کے نزدیک سرخی ختم ہونے پر مغرب کا وقت ختم ہو کر عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کا مشہور قول یہ ہے کہ غروب آفتاب کے بعد والی سرخی اور اس کے بعد والی سفیدی دونوں کو شفق کہا جاتا ہے، اسلیے انکے قول کے مطابق مغرب کا وقت اسوقت ختم ہوتا ہے، جب مغربی افق پر سفیدی بھی باقی نہ رہے اور سیاہی آجائے اور اسی وقت ان کے نزدیک عشاء کا وقت آتا ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت دوسرے ائمہ کی تحقیق کے مطابق بھی منقول ہے، اور وہی اس مسئلہ میں ان کے دونوں مشہور شاگردوں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی بھی تحقیق ہے۔ اسی لیے بہت سے اکابر احناف نے اسی پر فتویٰ بھی دیا ہے۔

عشاء کا آخری وقت اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں میں آدھی رات تک بتایا گیا ہے لیکن دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح صادق تک عشاء کا وقت باقی رہتا ہے اس لئے جن حدیثوں میں عشاء کا وقت آدھی رات تک بتایا گیا ہے، ان کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ آدھی رات تک عشاء کی نماز پڑھنا جائز ہے اور اس کے بعد پڑھنا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

---

[1] یہ سرخی اکثر موسموں میں قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی ہے۔ ۱۲ [2] یہ سفیدی اکثر موسموں میں تقریباً آدھے گھنٹے تک رہتی ہے۔ ۱۲

۱۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهُ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِى الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ وَ اَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ اَمَرَهُ فَاَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا اَنْ كَانَ الْيَوْمُ الثَّانِىْ اَمَرَهُ فَاَبْرِدْ بِالظُّهْرِ فَاَبْرَدَبِهَا فَاَنْعَمَ اَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ اٰخِرَهَا فَوْقَ الَّذِىْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ اَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى الْعِشَاءَ بَعْدَ مَاذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ بَيْنَ مَارَاَيْتُمْ ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ ان دونوں دن (آج اور کل) تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو پھر (دوپہر کے بعد) جیسے ہی آفتاب ڈھلا آپؐ نے بلالؓ کو حکم دیا اور انہوں نے اذان دی، پھر آپؐ نے ان سے فرمایا تو انہوں نے ظہر کی نماز کے لیے اقامت کہی (اور ظہر کی نماز پڑھی گئی) پھر (عصر کا وقت آنے پر) آپؐ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے (قاعدہ کے مطابق پہلے اذان اور پھر) عصر کے لیے اقامت کہی (اور عصر کی نماز ہوئی) اور یہ اذان اور پھر نماز ایسے وقت ہوئی کہ آفتاب خوب اونچا اور پوری طرح روشن اور صاف تھا (یعنی اس کی روشنی میں وہ فرق نہیں رہا تھا جو شام کو ہو جاتا ہے پھر آفتاب غروب ہوتے ہی آپؐ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے مغرب کی اقامت کہی (اور مغرب کی نماز ہوئی) پھر جیسے ہی شفق غائب ہوئی تو آپؐ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے عشاء کی اقامت کہی (اور عشاء کی نماز پڑھی گئی) پھر رات کے ختم پر جیسے ہی صبح صادق نمودار ہوئی آپؐ نے ان کو حکم دیا اور انہوں نے فجر کی اقامت کہی (اور فجر کی نماز پڑھی گئی) پھر جب دوسرا دن ہوا تو آپؐ نے بلال کو ٹھنڈے وقت ظہر کی نماز قائم کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر (آج تاخیر کر کے) ٹھنڈے وقت پڑھی جائے تو آپؐ کے حسب حکم انہوں نے ٹھنڈے وقت پر ظہر کی اقامت کہی اور خوب اچھی طرح ٹھنڈا وقت کر دیا (یعنی کافی تاخیر کر کے ظہر اس دن بالکل آخری وقت پڑھی گئی) اور عصر کی نماز ایسے وقت پڑھی کہ آفتاب اگرچہ اونچا ہی تھا، لیکن کل گزشتہ کے مقابلہ میں زیادہ مؤخر کر کے پڑھی اور مغرب کی نماز آپؐ نے شفق کے غائب ہو جانے سے پہلے پڑھی، اور عشاء تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی اور فجر کی نماز اسفار کے وقت یعنی (دن کا اجالا پھیل جانے پر) پڑھی، پھر آپؐ نے فرمایا، وہ صاحب کہاں ہیں جو نماز کے اوقات کے بارہ میں سوال کرتے تھے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپؐ نے ان سے فرمایا، تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ان سائل کو نماز کے اوقات کا اول و آخر سمجھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صرف زبانی تعلیم و تفہیم کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ عمل کر کے دکھا دیا جائے، اس لیے آپؐ نے ان سے فرمایا کہ دو دن ہمارے

ساتھ پانچوں نمازیں پڑھو، پھر پہلے دن آپ نے ہر نماز اول وقت پڑھی اور دوسرے دن ہر نماز جائز حد تک مؤخر کر کے پڑھی اور ان سے فرمایا کہ ہر نماز کے وقت کا اول و آخر یہ ہے جس میں تم نے ہم کو نماز پڑھتا دیکھا۔

۱۴) **عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِيْ عَلٰى اَبِيْ بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيّ فَقَالَ لَهٗ اَبِيْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيْرَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰى حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّيْ الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰى رَحْلِهٖ فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَاقَالَ فِي الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُّؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِيْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَى الْمِأَةِ .** (رواه البخاری)

ترجمہ۔ سیار بن سلامہ سے روایت ہے کہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازیں کیسے پڑھا کرتے تھے؟(یعنی آپؐ کے نماز پڑھنے کے اوقات کیا تھے؟) تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ دوپہر والی نماز جس کو تم لوگ نماز اولیٰ کہتے ہو (یعنی ظہر) اس وقت پڑھتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر ایسے وقت پڑھتے تھے کہ اس کے بعد ہم میں سے کوئی آدمی مدینہ کے بالکل آخری سرے پر اپنے گھر واپس جاتا۔۔۔ تو ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب زندہ ہوتا تھا(یعنی اس میں روشنی و حرارت باقی رہتی تھی۔ وہ زرد اور ٹھنڈا نہیں ہو جاتا تھا۔ آگے سیار بن سلامہ کہتے ہیں)اور میں یہ بھول گیا کہ حضورؐ کی مغرب کی نماز کے بارہ میں انہوں نے کیا بتایا تھا(آگے ابو برزہ اسلمی کا بیان نقل کرتے ہیں کہ)اور عشاء (جسے تم لوگ عتمہ کہتے ہو) رسول اللہ ﷺ دیر کر کے پڑھنا پسند فرماتے تھے،اور اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور صبح کی نماز سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے جب آدمی (صبح کے اجالے میں) اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پہچان لیتا تھا اور آپؐ (فجر کی نماز میں) ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کے راوی سیار بن سلامہ کو یہ یاد نہیں رہا کہ ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی مغرب کی نماز کا وقت کیا بتایا تھا، دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ مغرب کی نماز عام طور سے اول وقت یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی پڑھا کرتے تھے، کبھی کسی خاص ضرورت اور مصلحت ہی سے آپؐ نے مغرب کی نماز تاخیر کر کے پڑھی ہے۔

۱۵) **عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو ابْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَالْمَغْرِبَ اِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ اِذَا اَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَاِذَا قَلُّوْا اَخَّرَ وَالصُّبْحَ**

بِغَلَسٍ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن عمرو بن حسن سے روایت ہے کہ ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی نمازوں کے بارہ میں سوال کیا (یعنی یہ کہ آپؐ پنجگانہ نمازیں کس وقت پڑھتے تھے) تو انہوں نے بتایا کہ ظہر کی نماز آپؐ نصف النہار میں (یعنی زوال ہوتے ہی) پڑھتے تھے، اور عصر ایسے وقت کہ سورج بالکل زندہ ہوتا تھا، (اس کی گرمی اور روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا) اور مغرب اس وقت جب آفتاب غروب ہوتا، اور عشاء (کے بارے میں معمول یہ تھا کہ) جب لوگ زیادہ تعداد میں آجاتے تو آپؐ سویرا پڑھ لیتے تھے اور جب لوگ کم ہوتے تو مؤخر کر کے پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت جابرؓ کی اس حدیث میں اور اس سے پہلی ابو برزہ اسلمیؓ والی حدیث میں بھی ظہر کی نماز کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ آپؐ زوال ہوتے ہی نصف النہار میں پڑھ لیا کرتے تھے، لیکن آگے آنے والی بعض دوسری حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ معمول آپؐ کا گرمی کے موسم کے علاوہ تھا۔ جب گرمی سخت پڑتی تھی تو آپؐ ظہر میں اتنی تاخیر فرماتے تھے کہ گرمی کی حدت ختم ہو جائے اور وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے اور اسی کی آپؐ نے امت کو بھی ہدایت فرمائی ہے۔

۱۶) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ.

(رواه النسائی)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب گرمی ہوتی تو دیر کر کے ٹھنڈے وقت (ظہر کی) نماز پڑھتے اور جب سردی کا موسم ہوتا تو جلدی (یعنی اول ہی وقت میں) پڑھ لیتے۔ (نسائی)

۱۷) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. (رواه البخاری)

ترجمہ... حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے۔ (صحیح بخاری)

(یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں "فابردوا بالصلوٰة" کا لفظ ہے، اگرچہ مراد اس سے بھی ظہر ہی ہے)

تشریح...... دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جنہیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس و ادراک کی دسترس سے باہر ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے" یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری

سبب تو آفتاب ہے اور اس بات کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا، لیکن عالم باطن، اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے، اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیاء علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہیں۔ دراصل ہر راحت اور لذت کا مرکز اور سرچشمہ جنت ہے، اور ہر تکلیف و مصیبت کا اصل خزانہ اور سرچشمہ جہنم ہے، اس دنیا میں جو کچھ راحت و لذت یا تکلیف و مصیبت ہے وہ وہیں کے لامحدود خزانہ کا کوئی ذرہ اور اسی اتھاہ سمندر کا کوئی قطرہ اور وہیں کی ہواؤں کا کوئی جھونکا ہے، اور اس کو اس مرکز و مخزن سے خاص نسبت ہے، اسی بنیاد پر اس حدیث میں گرمی کی شدت کو جہنم کی تیزی اور اس کے جوش و خروش سے منسوب کیا گیا ہے، اور اصل مقصد بس اتنا ہے کہ گرمی کی شدت کو جہنم سے ایک خاص نسبت ہے اور وہ غضب خداوندی کا ایک مظہر ہے اور خنکی و ٹھنڈک رحمت خداوندی کی لہر ہے اس لیے جس موسم میں نصف النہار کے وقت سخت گرمی ہو اور گرمی کی شدت سے فضا جہنم بن رہی ہو تو ظہر کی نماز کچھ تاخیر کر کے ایسے وقت پڑھی جائے جب گرمی کی شدت ٹوٹ جائے وقت کچھ ٹھنڈا ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقتِ عصر کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور آپ ﷺ کی ہدایت

۱۸) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ فَيَاْتِي الْعَوَالِيَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ آفتاب بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ پس عوالی (یعنی مدینہ کی بالائی آبادیوں) کی طرف جانے والا آدمی (حضورؐ کے ساتھ نماز عصر پڑھ کے) چلتا تھا تو وہ عوالی ایسے وقت پہنچ جاتا تھا کہ آفتاب اس وقت بھی اونچا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی [1]۔ پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ کے خاتمہ کے بعد اموی حکومت کے بھی تقریباً پچاس سال انہوں نے دیکھے ہیں، ان کے زمانے میں بنوامیہ کے بعض خلفا اور امراء عصر کی نماز میں بہت تاخیر کرتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ ان کے اس طرزِ عمل کو بہت غلط اور خلاف سنت سمجھتے تھے، اور حسب موقع اپنی اس رائے کا اظہار فرماتے تھے، اس حدیث کے بیان کرنے سے بھی ان کا مقصد یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول عصر کی نماز میں اتنی تاخیر کا نہیں تھا، آپؐ ایسے وقت عصر پڑھتے تھے کہ آفتاب خوب بلند اور اپنی

[1] حضرت انس بن مالک رسول اللہ ﷺ کے خاص خادم تھے۔ جب حضورؐ مدینہ تشریف لائے تو ان کی عمر تقریباً دس سال کی تھی، ان کی والدہ ام سلیم نے ان کو آپؐ کی خدمت میں دے دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں دینی تعلیم کی خدمت پر بصرہ منتقل ہو گئے ۹۱ھ میں وہیں وفات پائی۔ ان کے سنہ وفات کے بارہ میں بعض اور اقوال بھی ہیں لیکن راجح یہی ہے کہ آپ کی وفات ۹۱ھ میں ہوئی، واللہ اعلم۔

حرارت اور روشنی کے لحاظ سے بالکل زندہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپؐ کے ساتھ عصر پڑھ کر اگر کوئی شخص عوالی کی طرف جاتا تو جس وقت وہ وہاں پہنچتا اس وقت بھی آفتاب بلندی پر ہوتا۔

عوالی مدینہ طیبہ کے قریب کی وہ آبادیاں کہلاتی ہیں جو بجانب مشرق تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ ان میں سے جو قریب ہیں وہ دو تین میل پر ہیں اور جو دور ہیں وہ پانچ چھ میل پر ہیں[1]۔

۱۹) وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اِصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَىِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَايَذْكُرُاللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ منافق والی نماز ہے کہ آدمی بیٹھا ہوا آفتاب کا انتظار کرتا رہے یہاں تک کہ جب وہ زرد پڑ جائے اور شیطان کے دو قرنوں کے درمیان ہو جائے تو کھڑا ہو اور چار ٹھونگیں مارے اور ان میں اللہ کو بہت ہی تھوڑا یاد کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ عصر کی نماز میں بلا کسی مجبوری کے اتنی تاخیر کرنا کہ آفتاب میں زردی آجائے اور اس آخری اور تنگ وقت میں مرغ کی ٹھونگوں کی طرح جلدی جلدی چار رکعتیں پڑھنا جن میں اللہ کے ذکر کی مقدار بھی بہت کم اور بس برائے نام ہو، ایک منافقانہ عمل ہے، مؤمن کو چاہئے کہ ہر نماز خاص کر عصر کی نماز اپنے صحیح وقت پر اور طمانیت اور تعدیل کے ساتھ پڑھے جلدی جلدی رکوع سجدہ کرنے کی کیفیت کو مرغ کی ٹھونگوں سے تشبیہ دی گئی ہے، غالباً اس سے بہتر کوئی تشبیہ نہیں ہو سکتی۔

"شیطان کے دو قرنوں" کے درمیان آفتاب کے طلوع اور غروب ہونے کا ذکر بعض اور احادیث میں بھی آیا ہے، ہم جس طرح شیطان کی پوری حقیقت نہیں جانتے، اسی طرح اس کے دو قرنوں اور ان کے درمیان آفتاب کے طلوع و غروب کی حقیقت بھی ہمارے معلومات کے دائرے سے باہر کی چیز ہے اور جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ کوئی تشبیہ و تمثیل ہو۔ واللہ اعلم۔

وقت مغرب کے بارے میں

۲۰) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَزَالُ اُمَّتِىْ بِخَيْرٍ اَوْقَالَ عَلَى الْفِطْرَةِ مَالَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰى اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت ہمیشہ خیر کے ساتھ رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز اتنی مؤخر کر کے نہ پڑھے کہ ستارے گنجان ہو جائیں۔ (سنن ابی داؤد)

---

[1] ۴۹-۱۳۴۸ھ م ۳۰-۱۹۲۹ء کی بات ہے کہ یہ ناچیز امروہہ ضلع مراد آباد میں تدریسی خدمت پر مامور تھا کہ عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر موضع حاجی پور کو روانہ ہوتا (جہاں سے رشتہ داری کا کچھ تعلق تھا اور جو امروہہ سے قریباً ۹ میل پر ہے) اور اکثر مغرب کے وقت وہاں پہنچ کے مغرب کی جماعت میں وہاں شریک ہو جایا کرتا۔

تشریح...... مغرب کی نماز رسول اللہ ﷺ عموماً اول وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، بلا کسی عذر اور مجبوری کے اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ ستاروں کا جال آسمان پر پھیل جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، اگرچہ اس کا وقت جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا شفق غائب ہونے تک باقی رہتا ہے۔ تاہم اگر کبھی کسی اہم دینی مشغولیت کی وجہ سے مغرب میں کچھ تاخیر ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے، صحیح بخاری میں عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عصر کے بعد وعظ شروع فرمایا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور آسمان پر ستارے نکل آئے اور آپ کی بات جاری رہی، حاضرین میں سے بعض نے کہا "الصلوٰۃ الصلوٰۃ" تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور کبھی کبھی کے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل کا حوالہ دے کر ان کو بتلایا کہ ایسے مواقع پر تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔

وقت عشاء کے بارہ میں

۲۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ اَنْ یُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ اَوْ نِصْفِهٖ. (رواہ احمد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مجھے امت کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کر کے ہی پڑھا کریں۔" (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۲۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَیْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةَ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ اِلَیْنَا حِیْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّیْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِیْ اَشَیْءٌ شَغَلَهٗ فِیْ اَهْلِهٖ اَوْ غَیْرَ ذَالِكَ فَقَالَ حِیْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ تَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَایَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِیْنٍ غَیْرُكُمْ وَلَوْلَا اَنْ یَّثْقُلَ عَلٰی اُمَّتِیْ لَصَلَّیْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰی. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک رات نماز عشاء کے وقت ہم لوگ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کا بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے، پھر آپؐ اس وقت باہر تشریف لائے جب تہائی رات جا چکی تھی یا اس کے بعد، اور ہمیں پتہ نہیں کہ اس تاخیر کا سبب اپنے گھر والوں کے ساتھ آپؐ کی کوئی مشغولی تھی یا اس کے سوا کوئی اور چیز آپؐ کو پیش آ گئی تھی۔ بہر حال جب آپؐ گھر سے باہر مسجد میں تشریف لائے تو (ہماری تسلی اور دلداری کے لیے) ہم لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ اس وقت اس نماز کے انتظار میں ہو جس کا تمہارے سوا کسی دوسرے دین والے انتظار نہیں کرتے، اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ میری امت کے لئے بھاری اور مشکل ہو جائے گا تو میں یہ نماز (ہمیشہ دیر کر کے) اسی وقت میں پڑھا کرتا (کیونکہ اس نماز کے لیے یہی وقت افضل ہے) اس کے بعد آپؐ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپؐ نے نماز پڑھائی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کا افضل وقت اگرچہ وہ ہے جب کہ تہائی رات گزر جائے، لیکن اس وقت نماز پڑھنے میں چونکہ عام نمازیوں کے لیے زحمت اور مشقت ہے اور روزانہ اتنی دیر تک جاگ کر نماز کا انتظار کرنے میں بڑا سخت مجاہدہ ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عموماً اس سے پہلے ہی نماز پڑھ لیتے تھے، اور حضرت جابرؓ کی ایک حدیث میں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اگر لوگ عشاء کے لیے سویرا جمع ہو جاتے تو آپؐ جلدی پڑھ لیتے تھے اور اگر لوگوں کے آنے میں دیر ہوتی اور شروع وقت میں لوگ کم آتے تو آپؐ کچھ دیر کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کے اس طرز عمل اور ارشاد سے ایک اہم اور نہایت قیمتی اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی اجتماعی عمل کے افضل وقت پر اور افضل شکل میں ادا کرنے کی وجہ سے عوام کو قابل لحاظ زحمت اور مشقت ہوتی ہو تو ان کی سہولت کے خیال سے وہاں اس افضل وقت اور افضل شکل کو ترک کر دینا ہی افضل اور بہتر ہو گا اور عوام کے ساتھ اس شفقت و رعایت کا ثواب انشاء اللہ اس ثواب سے زیادہ ہو گا جو ترک افضل کی وجہ سے فوت ہو گا۔ دوسرے طور پر اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اجتماعی اعمال میں وقت کی فضیلت یا شکل کی فضیلت کے مقابلہ میں عوام کی رعایت اور ان کی سہولت کی فضیلت مقدم ہے۔

ایک دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ نماز عشاء کی فرضیت اس امت کے خصائص میں سے ہے۔ کسی اور امت پر یہ نماز فرض نہیں تھی، یہ بات بعض اور احادیث میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہوئی ہے۔

۲۳) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ .** (رواه ابو داؤد والدارمى)

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ اس نماز عشاء کے وقت کو میں تم سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، رسول اللہ ﷺ نماز عشاء اس وقت پڑھا کرتے تھے جس وقت مہینہ کی تیسری رات میں چاند غروب ہوا کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح...... تجربہ اور حساب سے معلوم ہوا ہے کہ تیسری رات کو چاند اکثر و بیشتر غروب آفتاب سے دو ڈھائی گھنٹے بعد غروب ہوتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول اتنے ہی وقت نماز عشاء پڑھنے کا تھا۔

وقت فجر کے بارہ میں

۲۴) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيُصَلِّى الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ .** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز (ایسے وقت) پڑھا کرتے تھے کہ عورتیں (نماز سے فارغ ہو کر اپنی چادروں میں لپٹی واپس جاتیں تو اندھیرے کی وجہ سے

پہچانی نہ جا سکتیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ نماز ختم ہونے کے بعد بھی اتنا اندھیرا رہتا تھا کہ مسجد سے اپنے گھر کو واپس جانے والی خواتین کو جو اپنی چادروں میں لپٹی لپٹائی ہوتی تھیں ان کا کوئی جاننے پہچاننے والا ان کے قد و قامت اور انداز رفتار سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

۲۵) **عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللهِ ﷺ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِى الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرَمَايَقْرَؤُالرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً.** (رواه البخارى)

ترجمہ... حضرت قتادہ تابعی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاص صحابی زید بن ثابت نے ایک دن ساتھ سحری کھائی، پھر جب یہ دونوں حضرات سحری سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے لیے کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے نماز پڑھائی (قتادہ کہتے ہیں) ہم لوگوں نے پوچھا کہ ان دونوں کے کھانے سے فارغ ہونے اور نماز شروع کرنے کے درمیان کتنا وقفہ ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ بس اسقدر کہ کوئی آدمی جتنی دیر میں قرآن مجید کی پچاس آیتیں پڑھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... پچاس آیتیں پڑھنے میں صرف چند منٹ صرف ہوتے ہیں۔ اس حساب سے اس دن فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا صبح صادق ہوتے ہی پڑھ لی تھی۔ حضورؐ کی عام عادت اگرچہ یہی تھی کہ فجر سویرے پڑھتے تھے، جیسا کہ ابھی حضرت صدیقہؓ کی حدیث سے بھی معلوم ہو چکا ہے، لیکن صبح صادق ہوتے ہی بالکل شروع وقت میں نماز پڑھ لینا آپؐ کا عام طریقہ نہیں تھا، جیسا کہ ابو برزہ اسلمیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے جس دن کا یہ واقعہ بیان کیا ہے اس دن آپؐ نے کسی خاص وجہ سے نماز بالکل شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی، جس طرح ہم لوگ بھی کبھی کبھی خاص حالات میں ایسا کر لیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۶) **عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ."**

(رواه ابوداؤد و الترمذى و الدارمى)

ترجمہ... حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسفار میں ادا کرو نماز فجر (یعنی صبح کا اجالا پھیل جانے پر فجر کی نماز پڑھو) کیونکہ اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سویرے اور اتنے اندھیرے میں پڑھتے تھے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ نماز پڑھ کر گھر واپس جانے والی خواتین پہچانی نہیں جا سکتی تھیں۔

اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز صبح کا اجالا پھیل

جانے پر پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہے۔ ائمہ مجتہدین اور علماء دین نے اس اختلاف کو کئی طریقوں سے حل کیا ہے۔ اس عاجز کے نزدیک بعض اکابر علماء کی یہ توجیہ سب سے زیادہ رائج ہے کہ رافع بن خدیج کی اس حدیث کے مطابق فجر کے لیے افضل تو اسفار ہی ہے، یعنی یہ کہ کچھ تاخیر کر کے اس وقت پڑھی جائے جب صبح کا اجالا پھیل جائے، لیکن چونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زیادہ تر لوگ تہجد پڑھنے والے اور فجر کے لیے اول وقت اٹھنے والے تھے (جیسا کہ آج تک بھی اہل صلاح و تقوی کا عام حال ہے) اس لیے ان کے لئے سہولت اسی میں تھی کہ فجر کی نماز تاخیر سے نہ پڑھی جائے۔ دیر کر کے اسفار میں پڑھنے کی صورت میں ان کو طویل انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز زیادہ تر سویرے غلس ہی میں پڑھتے تھے، گویا جس طرح عشاء کی نماز کے لیے تہائی رات تک کی تاخیر افضل ہونے کے باوجود آپؐ عام مقتدیوں کی سہولت کے خیال سے عشاء عموماً سویرے پڑھتے تھے، اسی طرح فجر بھی لوگوں کی سہولت کے لیے غلس میں یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، اور پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے بندوں کی رعایت اور سہولت کی فضیلت وقت کی فضیلت سے مقدم اور بالاتر ہے۔

ہمارے زمانے میں چونکہ تہجد گزار اور فجر کے لیے اول وقت میں اٹھنے والے بہت کم ہیں اور زیادہ لوگوں کو سہولت اسفار میں (یعنی اجالا پھیل جانے پر پڑھنے میں) ہے، بلکہ فجر کی جماعت اگر اول وقت غلس میں ہو تو نمازیوں میں سے بھی بہت کم شریک جماعت ہو سکیں گے۔ ان سب وجوہ سے ہمارے زمانے میں کچھ تاخیر کر کے اسفار ہی میں فجر کی نماز پڑھنا بہتر ہوگا، تاہم اگر کسی جگہ کے عام نمازی اول وقت ہی میں جمع ہو جاتے ہوں اور تاخیر میں ان کے لیے زحمت اور مشقت ہو تو ان کے لیے یہی بہتر ہوگا کہ وہ اول وقت یعنی غلس ہی میں نماز پڑھ لیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا اکثر معمول تھا۔ بہت سے دینی حلقوں میں رمضان مبارک میں فجر کی نماز اول وقت غلس میں پڑھنے کا دستور اسی بنیاد پر ہے۔

آخر وقت نماز پڑھنے کے بارہ میں

۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰى قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔ (رواه الترمذى)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری عمر میں دو دفعہ بھی کوئی نماز اسکے آخری وقت میں نہیں پڑھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اٹھالیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس بیان میں دو دفعہ کی قید غالباً اس لیے لگائی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص کو ہر نماز کا اول و آخر وقت بتانے کے لیے آپؐ نے ایک دن کی نمازیں آخر وقت میں بھی پڑھ کر دکھائی تھیں۔ یہ واقعہ صحیح مسلم کے حوالے سے **نمبر۱۲** پر درج ہو چکا ہے۔ بہر حال اس بیان سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہی ہے کہ نماز کو مؤخر کر کے آخری وقت میں پڑھنا حضورؐ کا طریقہ

نہیں تھا۔

۲۸) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ يَاعَلِيُّ ثَلٰثٌ لَاتُؤَخِّرْهَا الصَّلٰوةُ اِذَا اَتَتْ وَ الْجِنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَيِّمُ اِذَا وَجَدْتَّ لَهَا كُفُوًا . (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، علی! تین کام وہ ہیں جن میں تاخیر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جب تیار ہو کر آجائے اور بے شوہر والی عورت جب اس کے لیے کوئی مناسب جوڑ مل جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ان تین کاموں میں ہمیشہ جلدی کی جائے، جو عورت کسی کے نکاح میں نہ ہو اس سے نکاح کرنے کے لیے جب کوئی مناسب آدمی تیار ہو جائے تو پھر نکاح میں دیر نہ کی جائے، اسی طرح جب جنازہ آجائے تو نماز جنازہ اور تدفین میں دیر نہ لگائی جائے علی ہذا جب نماز کا وقت آجائے (یعنی وہ وقت جس وقت کہ نماز پڑھنی چاہئے) تو پھر بلا تاخیر نماز پڑھ لی جائے۔

۲۹) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْيُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِىْ؟ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، تمہارا کیا حال اور کیا رویہ ہو گا جب ایسے (غلط کار اور ناخداترس) لوگ تم پر حکمراں ہوں گے جو نماز کو مردہ اور بے روح کریں گے (یعنی ان کی نمازیں خشوع و خضوع اور آداب کا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے بے روح ہوں گی) یا وہ نمازوں کو ان کے صحیح وقت کے بعد پڑھیں گے؟ میں نے عرض کیا تو آپ کا میرے لیے کیا حکم ہے، یعنی ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا تم وقت آجانے پر اپنی نماز پڑھ لو، اس کے بعد اگر ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ پھر پڑھ لو۔ یہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بنی امیہ کے بعض خلفاء اور امراء کے زمانے میں یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہو چکی ہے۔ جن صحابہ کرامؓ نے ان کا زمانہ پایا جیسے حضرت انسؓ اور اکثر اکابر تابعین، ان کو یہ ابتلاء پیش آیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا۔

سونے یا بھول جانے کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو......

۳۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِىَ صَلٰوةً اَوْنَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی نماز کو بھول گیا یا نماز

کے وقت سوتا رہ گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے یا سو کے اٹھے اسی وقت پڑھ لے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جب سو کر اٹھے یا بھول جانے کی صورت میں جس وقت یاد آئے اسی وقت بلا تاخیر نماز پڑھ لے اس صورت میں وہ نماز ادا ہی کے حکم میں ہوگی اور اس شخص کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

بعض سفروں میں رسول اللہ ﷺ کو خود یہ واقعہ پیش آیا کہ رات کے بیشتر حصہ میں آپؐ اور آپؐ کے رفقاء چلتے رہے، اس کے بعد کچھ آرام کر لینے کے ارادے سے لیٹ گئے اور حضرت بلالؓ نے خود جاگتے رہنے اور فجر کے لیے جگانے کی ذمہ داری لے لی۔ لیکن تقدیر الٰہی کہ صبح صادق کے بالکل قریب خود حضرت بلالؓ کی آنکھ لگ گئی اور سب سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ سورج نکل آیا، سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی، پھر سب لوگ گھبرا کر اٹھے، سب کو نماز کا وقت نکل جانے کا اس دن بہت رنج اور صدمہ تھا، آنحضرت ﷺ نے اذان دلوا کر جماعت سے نماز پڑھی اور فرمایا کہ سوتے ہوئے نماز کا وقت نکل جانے سے گناہ نہیں ہوتا۔ گناہ اور جرم جب ہے جب آدمی جاگتے ہوئے اور دانستہ نماز قضا کر دے۔ (مفہوماً: صحیح مسلم)

اذان

رسول اللہ ﷺ جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے مسجد بنائی گئی تو ضرورت محسوس ہوئی کہ جماعت کا وقت قریب ہونے کی عام اطلاع کے لیے اعلان کا کوئی خاص طریقہ اختیار کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بارہ میں صحابہ کرامؓ سے بھی مشورہ فرمایا، کسی نے کہا کہ اس کے لیے بطور علامت کوئی خاص جھنڈا بلند کیا جایا کرے، کسی نے رائے دی کہ کسی بلند جگہ آگ روشن کر دی جایا کرے، کسی نے مشورہ دیا کہ جس طرح یہودیوں کے عبادت خانوں میں نرسنگھا (ایک قسم کا بھونپو) بجایا جاتا ہے اسی طرح ہم بھی نماز کے اعلان اور بلاوے کے لیے نرسنگھا بجایا کریں، کسی نے نصاریٰ والے ناقوس کی تجویز پیش کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کو ان میں سے کسی بات پر بھی اطمینان نہیں ہوا اور آپؐ اس مسئلہ میں متفکر رہے، آپؐ کی اس فکر مندی نے بعض صحابہ کرامؓ کو بھی بہت متفکر کر دیا ان میں سے ایک انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ نے جو حضورؐ کو متفکر دیکھ کر بہت ہی فکر مند اور بے چین ہو گئے تھے، اسی رات خواب دیکھا (جس کی تفصیل آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی) اس خواب میں انہیں اذان اور اقامت کی تلقین ہوئی، انہوں نے صبح سویرے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا خواب عرض کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "انشاءاللہ یہ رؤیا حق ہے" یعنی یہ خواب منجانب اللہ ہے۔ (یہ بات آپؐ نے یا تو اس لیے فرمائی کہ ان صحابی کے بیان کرنے سے پہلے ہی خود آپؐ پر بھی اس بارہ میں وحی آچکی تھی یا خواب سننے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے قلب مبارک میں یہ بات ڈالی) بہر حال آپؐ نے ان صحابی عبداللہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ تم بلال کو اذان کے ان کلمات کی تلقین کر دو، ان کی آواز زیادہ بلند ہے وہ ہر نماز کے لئے اسی طرح اذان دیا کریں۔ بس اس دن سے اذان کا یہ نظام قائم ہوا جو آج تک دین اسلام اور

امت مسلمہ کا خاص الخاص شعار ہے۔ اس تمہید کے بعد اذان واقامت سے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھیے!

اسلام میں اذان کا آغاز

(۲۰) عَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَۃٍ لَہٗ مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ اِہْتَمَّ النَّبِیُّ ﷺ لِلصَّلٰوۃِ کَیْفَ یُجْمَعُ النَّاسُ لَهَا فَقِیْلَ لَہٗ اِنْصِبْ رَایَۃً عِنْدَ حُضُوْرِ الصَّلٰوۃِ فَاِذَا رَأَوْهَا اٰذَنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا فَلَمْ یُعْجِبْہُ ذٰلِكَ قَالَ وَذُکِرَ لَہُ الْقُنْعُ یَعْنِیْ شَبُّوْرَ الْیَهُوْدِ فَلَمْ یُعْجِبْہُ ذٰلِكَ وَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ الْیَهُوْدِ قَالَ فَذُکِرَ لَہُ النَّاقُوْسُ فَقَالَ هُوَ مِنْ اَمْرِ النَّصَارٰی فَانْصَرَفَ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ زَیْدٍ وَهُوَ مُهْتَمٌّ لِهَمِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاُرِیَ الْاَذَانَ فِیْ مَنَامِہٖ قَالَ فَغَدَا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ لَبَیْنَ نَائِمٍ وَیَقْظَانَ اِذْ اَتَانِیْ اٰتٍ فَاَرَانِیَ الْاَذَانَ .... فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا بِلَالُ قُمْ فَانْظُرْ مَایَاْمُرُكَ بِہٖ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ زَیْدٍ فَافْعَلْہُ قَالَ فَاَذَّنَ بِلَالٌ — (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے (سب سے بڑے) صاحبزادے ابو عمیر اپنے بعض چچوں سے جو انصاری صحابیوں میں سے تھے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نماز کے لیے فکر ہوئی (اور آپؐ نے مشورہ بھی فرمایا) کہ اس کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے اور کیا تدبیر اختیار کی جائے، پس بعض لوگوں نے عرض کیا کہ نماز کے وقت ایک جھنڈا نصب کیا جائے، جب لوگوں کی اس پر نگاہ پڑے گی تو ایک دوسرے کو اطلاع کردیں گے، رسول اللہ ﷺ کو یہ رائے پسند نہ آئی، راوی کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں آپؐ کے سامنے یہودیوں کے بھونپو کا بھی ذکر کیا گیا، آپؐ نے فرمایا وہ تو یہودیوں کی چیز اور ان کا طریقہ ہے اور اس کو بھی آپؐ نے پسند نہ کیا، پھر ناقوس کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا وہ نصاریٰ کا طریقہ اور ان کی چیز ہے۔ (الغرض اس مجلس میں کوئی بات طے نہیں ہوسکی) اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی غیر معمولی فکرمندی کو دیکھ کر آپؐ کے ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زیدؓ بن عبدربہٖ بھی بہت فکرمند ہوئے اور اسی فکرمندی کی حالت میں حضورؐ کی مجلس سے واپس آکر پڑ گئے، پھر نیم خواب اور نیم بیداری کی حالت میں انہوں نے اذان سے متعلق خواب دیکھا (اس خواب کی پوری تفصیل آگے آنے والی حدیث سے معلوم ہوجائے گی) وہ صبح سویرے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ رات جب کہ میری حالت یہ تھی کہ نیم خفتہ اور نیم بیدار تھا، نہ پوری طرح بیدار تھا اور نہ سویا ہی ہوا تھا، میرے پاس کوئی آنے والا آیا اور اس نے مجھے اذان کہہ کر دکھائی...... (پھر انہوں نے خواب کی پوری تفصیل سنائی) حضورؐ نے فرمایا، بلال! اٹھو اور یہ عبداللہ بن زید تم سے جو کہیں اور جو بتائیں وہی کرو (یعنی ان کی تلقین کے مطابق اذان دو) راوی کا بیان ہے کہ پھر بلال نے اس حکم کی تعمیل کی اور اذان دی۔ (سنن ابی داؤد)

فائدہ...... ابوداؤد کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبداللہ بن زیدؓ کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا، لیکن جب

عبداللہ بن زیدؓ سبقت کر کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچ گئے اور انہوں نے اپنا خواب پہلے بیان کر دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے خواب کا ذکر کرنے میں کچھ حجاب محسوس ہوا، پھر بعد میں انہوں نے حضورؐ سے ذکر کیا۔

بعض دوسری روایات میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اور بعض میں اور بھی چند صحابہ کرامؓ کے اسی قسم کے خواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتیں ثابت نہیں ہیں۔

۳۲) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ حَدَّثَنِىْ اَبِىْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِىْ وَاَنَانَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِىْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَاللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ؟ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ؟ فَقُلْتَ نَدْعُوْبِهٖ اِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَفَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى مَاهُوَ خَيْرٌ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى فَقَالَ تَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰه اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰهِ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه .. قَالَ ثُمَّ اسْتَاخَرَ عَنِّىْ غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ قَالَ تَقُوْلُ اِذَا اَقَمْتَ الصَّلٰوةَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ، فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَارَاَيْتُ فَقَالَ اِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ اِنْشَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَاَلْقِ عَلَيْهِ مَارَاَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَاِنَّهٗ اَنْدٰى صَوْتاً مِنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ اُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ ذٰلِكَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ فِىْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَ هٗ وَيَقُوْلُ وَالَّذِىْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَيْتُ مِثْلَ مَا اُرِىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ . (رواہ ابوداؤد و الدارمی)

ترجمہ: عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے صاحبزادے محمد بیان کرتے ہیں کہ میرے والد ماجد عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس کے لیے فرمایا کہ وہ بنوایا جائے تاکہ اس کے ذریعہ نماز با جماعت کا اعلان لوگوں کے لیے کیا جائے تو خواب میں میرے سامنے ایک شخص آیا جو اپنے ہاتھ میں ناقوس لیے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا، اے اللہ کے بندے! یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا ہم اس کے ذریعے اعلان کر کے لوگوں کو نماز کے لیے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا کیا میں تم کو ایک ایسی چیز بتادوں؟ جو اس کام کے لیے اس سے بہت بہتر ہے، میں نے کہاں ہاں ضرور بتایئے، اس نے کہا کہو اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان لا الہ الا اللہ، اشہدان محمدا رسول اللہ، اشہدان محمدا رسول اللہ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح ، حی علی الفلاح ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، لا الہ الا اللہ ۔ عبداللہ

بن زید فرماتے ہیں کہ یہ پوری اذان بتا کے وہ شخص مجھ سے تھوڑی دور پیچھے ہٹ گیا اور تھوڑے توقف کے بعد اس نے کہا، پھر جب نماز قائم کرو تو اقامت اس طرح کہو، الله اکبر الله اکبر، اشهدان لا اله الا الله، اشهدان محمدا رسول الله، حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰة قد قامت الصلوٰة، الله اکبر، الله اکبر، لا اله الا الله ۔ (عبداللہ بن زید فرماتے ہیں) کہ جیسے ہی صبح ہوئی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا وہ آپؐ کو بتایا آپؐ نے فرمایا یہ رویاء حق ہے۔ انشاء اللہ (اور آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ) تم بلالؓ کے ساتھ کھڑے ہو کر ان کلمات کی تلقین کرو جو خواب میں تم نے دیکھے ہیں اور وہ پکار کے ان کلمات کے ذریعہ اذان کہیں کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے، تو میں بلال کے ساتھ کھڑا ہوا، میں ان کلمات کی تلقین کرتا تھا اور وہ اذان دیتے تھے۔ عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے گھر میں سنا تو وہ جلدی میں اپنی چادر کھینچتے ہوئے نکلے، وہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کر رہے تھے، قسم اس پاک ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں نے ویسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا عبداللہ بن زید نے دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، فلله الحمد (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح...... اس حدیث سے متعلق دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔ ایک یہ کہ اس میں عبداللہ بن زیدؓ کا بیان یہ نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کے اعلان کے واسطے ناقوس بنوانے کے لیے فرمایا تھا، اور حضرت انسؓ کے صاحبزادے ابو عمیرؒ کی جو روایت اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے سامنے جب ناقوس کی تجویز پیش کی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ "وہ نصاریٰ کی چیز ہے" اس عاجز کے نزدیک اس اختلاف روایت کی صحیح توجیہ یہ ہے کہ نماز کے اعلان کے لیے جو چند تجویزیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی تھیں۔ ان میں جھنڈے والی اور آگ روشن کرنے والی اور یہودیوں کے نرسنگھے والی تجویزوں کے متعلق تو آپؐ نے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرما کر واضح طور پر ان کو نامنظور کر دیا تھا اور اس لیے ان میں سے ہر تجویز کے بعد کوئی دوسری تجویز پیش کی گئی، لیکن ناقوس والی آخری تجویز کے بارہ میں آپؐ نے صرف یہ فرمایا کہ "هو من امر النصارىٰ" (وہ نصاریٰ کی چیز ہے) اور کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا جس سے واضح طور پر اس کی نامنظوری سمجھی جاتی اور ممکن ہے کہ آپؐ کے اس وقت کے لب و لہجہ سے بھی بعض صحابہ کرامؓ نے یہ سمجھا ہو کہ دوسری تجاویز کے مقابلہ میں آپؐ کے نزدیک اس تجویز کو کچھ ترجیح ہے اور اس بناء پر انہوں نے یہ خیال کر لیا ہو کہ اس وقت حضورؐ نے بادل ناخواستہ اس تجویز کو قبول فرما لیا ہے اور جب تک کہ کوئی اور بہتر تجویز سامنے نہ آئے فی الحال ناقوس والی تجویز ہی پر عمل ہو گا (اور غالباً اسی لیے اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی اور تجویز نہیں پیش کی گئی) بہر حال اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے غالباً اسی صورت کو "امر بالناقوس" سے تعبیر فرما دیا ہے، کبھی کبھی کسی چیز کی اجازت اور اختیار دینے کو بھی امر سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، قرآن و حدیث میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ والله تعالىٰ اعلم

دوسری وضاحت طلب بات اس حدیث میں یہ ہے کہ اذان میں جو کلمات دو دو دفعہ کہے گئے تھے

قامت میں ان کو صرف ایک ایک دفعہ کہا گیا ہے۔ آگے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی جو روایت آرہی ہے اس سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اقامت میں ان کلمات کے ایک ہی ایک دفعہ کہنے کا حکم تھا، لیکن بعض دوسری حدیثوں میں (جن میں سے بعض آگے درج بھی کی جا رہی ہیں اور ان کی بھی صحت مسلم ہے) اذان کی طرح اقامت میں بھی ان کلمات کا دو دو دفعہ کہنا وارد ہوا ہے۔ بعض ائمہ نے اپنے اصول اور اپنے معلومات کی بناء پر ایک ایک دفعہ والی روایات کو ترجیح دی ہے اور بعض نے دوسری قسم کی روایات کو، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اقامت کی یہ دونوں صورتیں ثابت ہیں اور اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت میں کیا جا سکتا ہے۔

۳۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ ذَكَرُوْا اَنْ يُعْلِمُوا وَقْتَ الصَّلٰوةِ بِشَيْئٍ يَعْرِفُوْنَهُ فَذَكَرُوْا اَنْ يُوْرُوْا نَارًا اَوْ يَضْرِبُوْا نَاقُوْسًا فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ يَشْفَعَ الْاَذَانَ وَيُوْتِرَ الْاِقَامَةَ .

(رواہ البخاری و مسلم و اللفظ له)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ (نماز کے لیے مسجد میں آنے والے) آدمیوں کی تعداد جب بڑھ گئی تو انہوں نے آپس میں اس مسئلہ پر گفتگو کی کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان کیا کریں جس کو لوگ پہچان لیا کریں (تاکہ جلدی بر وقت جمع ہو جایا کریں) اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر آیا کہ آگ روشن کی جایا کرے یا ناقوس بجایا جائے پھر (آخر کار اس معاملہ کا اختتام اس پر ہوا کہ) بلال کو حکم دیا گیا کہ وہ اذان میں (کلمات اذان کو) دو دو دفعہ کہا کریں اور اقامت میں ایک ایک دفعہ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں واقعہ کو بہت ہی اختصار سے بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عبد اللہ بن زید کے خواب وغیرہ کا ذکر بھی نہیں کیا گیا ہے۔ واقعات کے بیان کرنے والے ایسا اختصار کر دینے میں اس وقت کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے جب وہ اندازہ کرتے ہیں کہ ہمارا مخاطب واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے یا کسی اور وجہ سے وہ پوری تفصیل کا ذکر کرنا اس وقت غیر ضروری سمجھتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی کلمات اقامت ایک ایک دفعہ کہنے کا ذکر کیا گیا ہے، جو حضرات اقامت میں بھی اذان کی طرح ہر کلمہ دو دفعہ کہنے کے حق میں ہیں وہ مذکورہ بالا ان دونوں حدیثوں کے بارہ میں کہتے ہیں کہ یہ اس ابتدائی دور سے متعلق ہیں جب اذان کی شروعات ہوئی تھی اس کے بعد عرصہ تک یہی طرز عمل رہا۔ لیکن سات آٹھ سال کے بعد غزوہ حنین سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان اور اقامت کی تلقین فرمائی ہے تو اس میں آپؐ نے اقامت میں بھی ہر کلمہ دو دو دفعہ کہنے کی تلقین کی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہو گا۔ اس لیے بعد کا حکم ہونے کی وجہ سے اسی کو ترجیح ہے۔

اس عاجز کے نزدیک اس مسئلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ "حرف آخر" ہے کہ اذان

واقامت کے کلمات کے بارے میں یہ اختلاف قرآن مجید کی مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے اور ہر وہ طریقہ جو حضور صلی اللہ ﷺ سے ثابت ہے صحیح اور کافی ہے۔[1]

ابو محذورہؓ کو اذان کی تلقین

۳۴) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّاْذِیْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ، اَللّٰهُ اَكْبَرْ اَللّٰهُ اَكْبَرْ ، اَشْهَدُاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه . اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح . اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ. لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اذان پڑھنا مجھے رسول اللہ ﷺ نے بہ نفس نفیس سکھایا۔ مجھ سے فرمایا کہو:۔

اللّٰه اكبر ، اللّٰه اكبر، اللّٰه اكبر ، اللّٰه اكبر ، اشهدان لا اله الا اللّٰه، اشهدان لا اله الا اللّٰه، اشهدان محمدا رسول اللّٰه ، اشهدان محمدا رسول اللّٰه۔ آپؐ نے فرمایا پھر دوبارہ یہی کہو اشهد ان لا اله الا اللّٰه، اشهدان لا اله الا اللّٰه، اشهدان محمدا رسول اللّٰه ، اشهدان محمدا رسول اللّٰه، حی علی الصلوة ، حی علی الصلوة ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح ، اللّٰه اكبر ، اللّٰه اكبر ، لا اله الا اللّٰه — (صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ عَلَّمَهُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْاِ قَامَةَ سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔ (رواه احمد و الترمذی و ابوداؤد و النسائی والدارمی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اذان سکھائی انیس کلمے اور اقامت سترہ کلمے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حضرت ابو محذورہ کی اوپر والی روایت میں اذان کے پورے انیس کلمے ہیں کیونکہ شہادت کے چاروں کلمے اس میں مکرر آئے ہیں اور اقامت میں سترہ کلمے اس طرح ہوں گے کہ شہادت کے کلمے مکرر نہ ہونے کی وجہ سے چار کلمے کم ہو جائیں گے اور "قد قامت الصلوة ، قد قامت الصلوة "دو کلموں کا اضافہ ہو جائے گا، اس کمی اور بیشی کے بعد ان کی تعداد پوری سترہ ہو جائے گی۔

ابو محذورہ کو اذان سکھانے کا یہ واقعہ شوال ۸ھ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ اس واقعہ کی تفصیل جو مختلف روایات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتی ہے، دلچسپ بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔ اس لیے اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

[1] وعندی انها کا حرف القرآن کلها شاف کاف، حجة اللّٰه البالغه ص ۱۹۱ ج ۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ حنین کی طرف تشریف لے گئے، جبکہ آپؐ کے ساتھ ایک خاصی بڑی تعداد ان طلقا کی بھی ہو گئی تھی جن کو آپؐ نے فتح مکہ کے دن ہی معافی دے کر آزاد کیا تھا، تو یہ ابو محذورہ بھی جو اس وقت ایک شوخ نوجوان تھے اور مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے اپنے ہی جیسے نو اور یار دوستوں کے ساتھ حنین کی طرف چل دیئے۔ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس ہو رہے تھے۔ راستہ ہی میں حضورؐ سے ہماری ملاقات ہوئی۔ نماز کا وقت آنے پر رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے اذان دی۔ ہم سب اس اذان سے (بلکہ اذان والے دین ہی سے) منکر و متنفر تھے اس لیے ہم سب ساتھی مذاق اور تمسخر کے طور پر اذان کی نقل کرنے لگے اور میں نے بالکل مؤذن ہی کی طرح خوب بلند آواز سے نقل کرنی شروع کی، رسول اللہ ﷺ کو آواز پہنچ گئی تو آپؐ نے ہم سب کو بلوا بھیجا، ہم لاکر آپؐ کے سامنے پیش کر دیئے گئے، آپؐ نے فرمایا بتاؤ تم میں وہ کون ہے جس کی آواز بلند تھی۔ (ابو محذورہ کہتے ہیں کہ) میرے سب ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا، اور بات سچی بھی تھی، آپؐ نے اور سب کو تو چھوڑ دینے کا حکم دے دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا کھڑے ہو اور پھر اذان کہو (ابو محذورہ کا بیان ہے کہ) اس وقت میرا حال یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپؐ نے جس اذان کے دینے کا حکم دیا تھا اس سے زیادہ مکروہ اور مبغوض میرے لیے کوئی چیز بھی نہ تھی، یعنی میرا دل (معاذاللہ) آپؐ کی نفرت اور بغض سے بھرا ہوا تھا، لیکن میں مجبور اور بے بس تھا اس لیے ناچار حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خود اذان بتانی شروع کی اور فرمایا کہو "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر" (آخر تک بالکل اسی طرح جس طرح اوپر والی حدیث میں گزر چکی ہے۔ آگے ابو محذورہ بیان کرتے ہیں) جب میں اذان ختم کر چکا تو آپؐ نے مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں کچھ چاندی تھی، اور میرے سر کے اگلے حصہ پر آپؐ نے اپنا دست مبارک رکھا اور پھر آپؐ نے دست مبارک میرے چہرہ پر اور پھر میرے سامنے کے حصہ پر یعنی سینہ پر اور پھر قلب و جگر پر اور پھر نیچے ناف کی جگہ تک پھیرا۔ پھر مجھے یوں دعا دی "بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ وَ بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ" (اللہ تعالیٰ تیرے اندر برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے) یہ دعا آپؐ نے مجھے تین دفعہ دی (حضورؐ کی اس دعا اور دست مبارک کی برکت سے میرے دل سے کفر اور نفرت کی وہ لعنت دور ہو گئی اور ایمان اور محبت کی دولت مجھے نصیب ہو گئی) اور میں نے عرض کیا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا مؤذن بنا دیجئے! آپؐ نے فرمایا کہ جاؤ ہم حکم دیتے ہیں اب مسجد حرام میں تم اذان دیا کرو!۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے شہادت کے کلمے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ مکرر یعنی بجائے دو دو دفعہ کے چار چار دفعہ کیوں کہلوائے، غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دل میں اس وقت تک ایمان آیا نہیں تھا، انہوں نے صرف حکم سے مجبور ہو کر اپنے اس وقت تک کے عقیدے کے بالکل خلاف اذان دینی شروع کر دی تھی اور اذان کے کلمات میں سب سے زیادہ ناگوار ان کو اس وقت شہادت کے یہی دو کلمے تھے (یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ) جب ایک دفعہ کہہ چکے تو حضورؐ نے فرمایا ان کلموں کو پھر دوبارہ کہو

اور خوب بلند آواز سے کہو۔ اس عاجز کا خیال ہے کہ آپؐ ان کی زبان سے یہ کلمے کہلوا رہے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ تھے کہ وہ ان کلموں کو اپنے اس بندے کے دل میں اتار دے، الغرض یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ اس وقت کی ان کی خاص حالت کی وجہ سے آپؐ نے شہادت کے یہ کلمے مکرر کہلوائے ہوں ورنہ کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مستقل مؤذن حضرت بلالؓ کو یہ حکم دیا ہو اور وہ اذان میں شہادت کے یہ کلمے اس طرح چار چار دفعہ کہتے ہوں، اسی طرح عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کی صحیح روایت میں بھی شہادت کے یہ کلمے دو ہی دفعہ وارد ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ابو محذورہؓ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی طرح اذان دیتے رہے یعنی ان کلموں کو مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق چار چار دفعہ کہتے رہے جس کو اصطلاح میں (ترجیع) کہتے ہیں جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضورؐ نے جس طرح ان سے اذان کہلوائی تھی اور جس کی برکت سے ان کو دین کی دولت ملی تھی وہ ایک عاشق کی طرح چاہتے تھے کہ ہو بہو وہی اذان ہمیشہ دیا کریں ورنہ وہ یہ ضرور جانتے ہوں گے کہ حضورؐ کے مؤذن بلالؓ کس طرح اذان دیتے ہیں۔ اسی واقعہ کی روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو محذورہ کے سر کے اگلے حصے (ناصیہ) پر جہاں دست مبارک رکھا تھا وہ وہاں کے اپنے بالوں کو کبھی کٹواتے نہیں تھے، اس عاجز کا خیال ہے کہ جیسی یہ ان کی ایک عاشقانہ ادا تھی اسی طرح ان کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ ترجیع کے ساتھ اذان کہتے تھے، اور بلاشبہ حضورؐ کو اس کا علم تھا لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا، اس لیے اس کے بھی جواز میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں! اور حقیقت وہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بیان فرمائی ہے کہ اذان و اقامت کے کلمات کا یہ اختلاف بس مختلف قرأتوں کا سا اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

اذان واقامت میں دین کے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت

اذان و اقامت کے سلسلہ میں یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی ناظرین کے لیے انشاء اللہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا کہ اگرچہ یہ دونوں چیزیں بظاہر وقت نماز کے اعلان کا ایک وسیلہ اور نماز کا بلاوا ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسے جامع کلمات الہام فرمائے ہیں جو دین کی روح بلکہ دین کے پورے بنیادی اصولوں کی تعلیم و دعوت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں، دین کے سلسلے میں سب سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مسئلہ ہے اس بارہ میں اسلام کا جو نظریہ ہے اس کے اعلان کے لئے اللہ اکبر اللہ اکبر سے بہتر اور اتنے جاندار الفاظ تلاش نہیں کئے جا سکتے، اس کے بعد نمبر آتا ہے عقیدہ توحید کا بلکہ صفات کا مسئلہ اسی سے صاف اور مکمل ہوتا ہے اس کے لئے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جیسا جاندار اور مؤثر کوئی دوسرا مختصر کلمہ منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ پھر اس حقیقت کے واضح اور معلوم ہو جانے کے بعد کہ بس اللہ ہی ہمارا الٰہ و معبود ہے، یہ سوال فوراً سامنے آجاتا ہے کہ اس اللہ تک پہنچنے کا راستہ یعنی اس سے بندگی کا صحیح رابطہ قائم کرنے کا طریقہ کہاں سے معلوم ہو سکے گا؟ اس کے جواب کے لیے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ سے بہتر کوئی کلمہ نہیں سوچا جا سکتا، اس کے بعد "حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ" کے ذریعہ اس صلوٰۃ کی دعوت دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی

عبادت وبندگی اور اس سے رابطہ قائم کرنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے، اور اللہ کی طرف چلنے والے کا سب سے پہلا قدم بھی ہے۔ اس کے بعد حی علی الفلاح کے ذریعہ اس حقیقت کا اعلان کیا جاتا ہے کہ یہی راستہ فلاح یعنی نجات وکامیابی کی منزل تک پہنچانے والا ہے، اور جو لوگ اس راستہ کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلیں گے وہ فلاح سے محروم رہیں گے، گویا اس میں عقیدہ آخرت کا اعلان ہے اور ایسے الفاظ کے ذریعہ اعلان ہے کہ ان سے صرف عقیدہ ہی کا علم نہیں ہوتا بلکہ وہ زندگی کا سب سے اہم اور قابل فکر مسئلہ بن کر ہمارے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور آخر میں اللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ذریعہ پھر یہ اعلان اور پکار ہے کہ انتہائی عظمت وکبریائی والا بس اللہ ہی ہے اور وہی بلاشرکت غیرے الٰہ برحق ہے۔ اس لیے بس اسی کی رضا کو اپنا مطلوب ومقصود بناؤ۔

بار بار غور کیجئے کہ اذان واقامت کے ان چند کلمات میں دین کے بنیادی اصولوں کا کس قدر جامع اعلان ہے اور کتنی جاندار اور مؤثر دعوت ہے۔ گویا ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دین کی یہ تبلیغ دعوت نشر کی جاتی ہے۔

ہم مسلمان اگر اتنا ہی کر لیں کہ اپنے ہر بچہ کو اذان یاد کرا دیں اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا مطلب سمجھا دیں، خصوصاً اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا مطلب زمانہ اور ماحول کے مطابق سمجھا دیں تو انشاء اللہ وہ کبھی کسی غیر اسلامی دعوت کا شکار نہ ہو سکے گا۔ اذان واقامت سے متعلق بعض احکام:

۳۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَ اِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَاِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَالشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ وَالْمُعْتَصِرُ اِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو، اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فصل کیا کرو کہ جو شخص کھانے پینے میں مشغول ہے، وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضا ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو لے اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں اذان واقامت سے متعلق جو ہدایات دی گئی ہیں وہ تو بالکل واضح ہیں۔ کسی تشریح کی محتاج نہیں، البتہ آخری ہدایت "ولا تقوموا حتی ترونی" (اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ مجھے دیکھ نہ لو) وضاحت طلب ہے، غالباً کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ حجرہ شریف سے حضورؐ کے مسجد تشریف لانے سے پہلے یہ اندازہ کر کے کہ آپؐ نماز پڑھانے کے لیے عنقریب باہر تشریف لانے والے ہیں، لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اس کی آپؐ نے ممانعت فرما دی اور ارشاد فرمایا کہ میں جب تک مسجد میں نہ آ جاؤں اور تم مجھے دیکھ نہ لو اس وقت تک کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس ممانعت کی یہ وجہ تو ظاہر ہے کہ پہلے سے کھڑے ہو جانا بے وجہ کی تکلیف اٹھانا ہے اور ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے آپؐ کو تشریف لانے میں دیر ہو جائے، لیکن اس

کے علاوہ آپ کی تواضع پسند طبیعت کے لیے یہ بات بھی تکلیف اور گرانی کا باعث ہوتی ہوگی کہ اللہ کے بندے صف باندھ کر آپ کے انتظار میں کھڑے ہوں۔

۳۷) عَنْ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَجْعَلَ اِصْبَعَيْهِ فِىْ اُذُنَيْهِ قَالَ اِنَّهُ اَرْفَعُ لِصَوْتِكَ . (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ سعد قرظ جو (مسجد قبا) میں رسول اللہ ﷺ کے مقرر کئے ہوئے مؤذن تھے ان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت وہ اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں دے لیا کریں، آپ نے ان سے فرمایا کہ ایسا کرنے سے تمہاری آواز زیادہ بلند ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

۳۸) عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِىِّ قَالَ اَمَرَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اُؤَذِّنَ فِى صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَاَذَّنْتُ فَاَرَادَ بِلَالٌ اَنْ يُقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَخَا صُدَاءٍ قَدْ اَذَّنَ وَمَنْ اَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ . (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی۔ اس کے بعد جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو بلال نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضور نے (میرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۳۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِى الْعَاصِ قَالَ اِنَّ مِنْ آخِرِ مَا عَهِدَ اِلَىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنِ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا يَاْخُذُ عَلٰى اَذَانِهٖ اَجْرًا . (رواہ الترمذی)

ترجمہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جب طائف کا عامل بنا کر مجھے روانہ فرمایا تو اس وقت آپ نے) آخر میں جو تاکیدی ہدایتیں مجھے فرمائیں ان میں سے ایک یہ ہدایت بھی تھی کہ کوئی ایسا مؤذن مقرر کر لینا جو اذان پڑھنے کی مزدوری نہ لے (بس اللہ کے لیے اور آخرت کے ثواب کی نیت سے اذان پڑھا کرے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ دین کا جن میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں مسلک یہ ہے کہ اذان پڑھنے کی تنخواہ اور اجرت لینا درست نہیں ہے۔ دوسرے حضرات نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کو تقویٰ اور عزیمت پر محمول کیا ہے۔ حنفیہ میں سے بھی متاخرین اہل فتویٰ نے زمانہ کے بدلے ہوئے حالات کے تحت اس میں گنجائش سمجھی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اذان اور امامت جیسے دینی اعمال کی عظمت اور تقدس کا تقاضا یہی ہے کہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہوں اور تنخواہ کا معاملہ اگر ناگزیر ہی ہو تو دوسری متعلقہ خدمتوں اور پابندیوں کے عوض میں ہو اور معاملہ کے وقت یہ بات صاف کر لی جائے۔

۴۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ

وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِيْنَ . (رواه احمد و ابو داؤد والترمذى و الشافعى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امام ضامن اور ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے، اے اللہ (اماموں کو ٹھیک چلنے کی توفیق دے اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند شافعی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے علاوہ مقتدیوں کی نماز کی بھی ذمہ داری ہے اس لیے اس کو اپنے امکان کی حد تک ظاہراً اور باطناً اچھی سے اچھی نماز پڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مؤذن پر لوگوں نے اذان کے بارے میں اعتماد کیا ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ وہ اپنے ذاتی مصالح اور خواہشات کی رعایت کے بغیر صحیح وقت پر اذان پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مؤذن اور امام دونوں کی ذمہ داری بتلائی اور دونوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

۴۱) عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِّىْ فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَ اَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا . (رواه البخارى)

ترجمہ: مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ایک چچازاد بھائی بھی ساتھ تھے، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سفر کرو تو نماز کے لیے اذان اور اقامت کہو اور جو تم میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور نماز پڑھائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... صحیح بخاری ہی کی دوسری ایک روایت میں ہے کہ یہ مالک بن الحویرث اپنے قبیلہ کے بعض اور آدمیوں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور دین سیکھنے اور حضورؐ کے فیض صحبت سے مستفید ہونے کی نیت سے قریباً بیس دن قیام کیا تھا، اپنی اس روایت میں انہوں نے حضورؐ کے جس ارشاد کا ذکر کیا ہے وہ غالباً اس وقت کا ہے جب وطن واپس جانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو رخصت فرمایا تھا۔ اس میں آپؐ نے ان کو دو ہدایتیں فرمائی تھیں ایک یہ کہ سفر میں بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کا اہتمام کیا جائے، اور دوسری یہ کہ جو بڑا ہو وہ امامت کرے، چونکہ دین اور علم دین کے لحاظ سے یہ اور ان کے ساتھی بظاہر برابر تھے، کسی کو دوسرے کے مقابلے میں کوئی خاص فضیلت اور فوقیت حاصل نہیں تھی اس لیے رسول اللہ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ تم میں عمر کے لحاظ سے جو بڑا ہو وہ امامت کرے اور ایسی صورت میں یہی اصول اور مسئلہ ہے۔

اذان اور مؤذنوں کی فضیلت

۴۲) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَسْمَعُ مَدٰى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَلَا شَيْئٌ اِلَّا شَهِدَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ . (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچتی ہے وہاں تک جو جن اور جو انسان اور جو چیز بھی اس کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن ضرور

اس کے حق میں شہادت دے گی۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز کو اپنی معرفت کا کوئی حصہ عطا فرمایا ہے (۱ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ۔ الآیۃ) اس لیے جب مؤذن اذان دیتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت اور اس کی دعوت کا اعلان کرتا ہے تو جن وانس کے علاوہ دوسری مخلوقات بھی اس کو سنتی اور سمجھتی ہیں اور قیامت میں اس کی شہادت ادا کریں گی۔ بلاشبہ اذان اور مؤذنوں کی یہ بڑی قابل رشک فضیلت ہے۔ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ

۴۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحاء کے برابر دور چلا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اللہ کی مخلوق میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو بعض دوسری چیزوں کے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ مثلاً اندھیرے کے لیے آفتاب ناقابل برداشت ہے۔ آفتاب کے نکلتے ہی اندھیرا کافور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سردی کے لیے آگ ناقابل برداشت ہے، جہاں آگ روشن کر دی جائے وہاں سے سردی دفع ہو جاتی ہے، بس کچھ یہی حال شیطان کا اذان کی پکار سے ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جیسے ہی وہ اس کو سنتا ہے اتنی دور چلا جاتا ہے جتنی دور مدینہ سے مثلاً مقام روحاء ہے۔ (حضرت جابرؓ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی طلحہ بن نافع کا بیان اسی حدیث کے ساتھ صحیح مسلم میں مروی ہے کہ روحاء مدینہ سے ۳۶ میل دور ہے) حدیث کی روح یہ ہے کہ اذان جو توحید اور ایمان کی پکار ہے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو نہایت محبوب ہے اور اس کے اچھے بندے اس کو سن کر مسجدوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ اسی طرح شیطان مردود کے لیے وہ گویا بم کا گولا ہے، جہاں اللہ کے منادی نے اذان شروع کی وہ اس سے ایسا بھاگتا ہے جیسے آفتاب سے اندھیرا کافور ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۴۴) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ .

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن (یعنی سربلند) ہوں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کے الفاظ "اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا" کا لفظی ترجمہ تو دراز گردن ہی ہے لیکن شارحین نے

---

۱ یہ قرآن مجید کی آیت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن ان کی یہ تسبیح اور حمد تم انسانوں کے فہم وادراک سے باہر ہے۔ ۱۲۔

اس کے کئی مطلب بیان کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک اس سے مراد ان کی سربلندی ہے۔ اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو یہ امتیاز اسی طرح حاصل ہوگا جیسا کہ آگے آنے والی حدیث میں ان کا یہ امتیاز بھی بتایا گیاہے کہ وہ قیامت کے دن مشک کے ٹیلوں پر ہوں گے۔

۴۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ وَ حَقَّ مَوْلَاهُ وَ رَجُلٌ اَمَّ قَوْماً وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُنَادِى بِالصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ — (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی، دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا، اور لوگ (اس کی نیک عملی اور پاکیزہ سیرت کی وجہ سے) اس سے راضی اور خوش رہے اور تیسرا وہ بندہ جو دن رات کی پانچوں نمازوں کے لیے روزانہ اذان دیا کرتا تھا۔ (جامع ترمذی)

۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ . (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے جس بندہ نے سات سال تک اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے اذان دی اس کے لیے آتش دوزخ سے برأت لکھ دی جاتی ہے (یعنی اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے فرمادیا جاتا ہے کہ دوزخ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اور اس کی آگ اور لپٹ کو اس بندہ کو چھونے کی بھی اجازت نہیں)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْمُلَبِّيْنَ يَخْرُجُوْنَ مِنْ قُبُوْرِهِمْ يُؤَذِّنُ الْمُؤَذِّنُ وَ يُلَبِّى الْمُلَبِّىْ . (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اذان کہنے والے اور تلبیہ[1] پڑھنے والے اپنی قبروں سے اس حال میں نکلیں گے کہ اذان کہنے والے اذان پکارتے ہوں گے اور تلبیہ پڑھنے والے تلبیہ کی صدا بلند کرتے ہوں گے۔" (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... اذان اور مؤذنوں کی جو غیر معمولی فضیلتیں ان حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہیں ان کا راز یہی ہے کہ اذان ایمان واسلام کا شعار اور اپنے معنی وترتیب کے لحاظ سے دین کی نہایت بلیغ اور جامع دعوت و پکار ہے اور

---

[1] تلبیہ، حج اور عمرہ کرنے والوں کا خاص ذکر اور گویا ترانہ ہے، اور وہ یہ ہے: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ.

مؤذن اس کا داعی اور گویا اللہ تعالیٰ کا نقیب اور منادی ہے۔ افسوس آج ہم مسلمانوں نے اس حقیقت کو بالکل بھلا دیا ہے اور اذان کہنا ایک حقیر پیشہ بن گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عظیم ترین اجتماعی گناہ کو معاف فرمائے اور توبہ واصلاح کی ہمیں توفیق دے۔

اذان کا جواب اور اس کے بعد کی دعا

۴۸) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرْ ثُمَّ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ المسلم)

ترجمہ... حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور (اس کے جواب میں) تم میں سے کوئی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ اور وہ جواب دینے والا بھی (اس کے جواب میں) کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ پھر مؤذن کہے اشہد ان محمدا رسول اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے، اشہد ان محمدا رسول اللہ پھر مؤذن کہے حی علی الصلوٰۃ تو جواب دینے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ، پھر مؤذن کہے حی علی الفلاح اور جواب دینے والا کہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ پھر مؤذن کہے اللہ اکبر اللہ اکبر اور جواب دینے والا بھی کہے اللہ اکبر اللہ اکبر، پھر مؤذن کہے لا الٰہ الا اللہ اور جواب دینے والا بھی کہے لا الٰہ الا اللہ اور یہ کہنا دل سے ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ناظرین کو جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے اذان کے دو پہلو ہیں یا کہنا چاہئے کہ اذان دو حیثیتوں کی جامع ہے، ایک یہ کہ وہ نماز باجماعت کا اعلان اور بلاوا ہے دوسرے یہ کہ وہ ایمان کی دعوت و پکار اور دین حق کا منشور ہے۔ پہلی حیثیت سے اذان سننے والے اور ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اذان کی آواز سنتے ہی نماز میں شرکت کے لیے تیار ہو جائے اور ایسے وقت مسجد میں پہنچ جائے کہ جماعت میں شریک ہو سکے [1]۔ اور دوسری حیثیت سے ہر مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اذان سنتے وقت اس ایمانی دعوت کے ہر جزو اور ہر کلمے کی اور اس آسمانی منشور کی ہر دفعہ کی اپنے دل اور اپنی زبان سے تصدیق کرے اور اس طرح پوری اسلامی آبادی ہر اذان کے وقت اپنے ایمان عہد و میثاق کی تجدید کیا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اذان کا جواب دینے کی اور اس کے بعد دعا میں پھر کلمہ شہادت پڑھنے کی اپنے ارشادات میں جو تعلیم و ترغیب دی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک

---

[1] اس بارہ میں رسول اللہ کے تاکیدی ارشادات ان شاءاللہ آگے "جماعت" کے بیان میں درج کئے جائیں گے۔ ۱۲

اس کی خاص حکمت یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ اذان کا جواب جو بظاہر ایک معمولی سا عمل ہے اس پر داخلہ جنت کی بشارت کا کیا راز ہے؟

۴۹) **عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّاوَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَلَهٗ ذَنْبُهٗ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کی اذان سننے کے وقت (یعنی جب وہ اذان پڑھ کر فارغ ہو جائے) کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور میں راضی و خوش ہوں اللہ کو رب مان کر اور حضرت محمدؐ کو رسول اللہ مان کر اور اسلام کو دین حق مان کر، تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں کچھ ضروری وضاحت وضو کے فضائل و برکات کے بیان میں کی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۵۰) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِالْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَ نِالَّذِیْ وَعَدْتَهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ –** (رواہ البخاری)

ترجمہ.. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرے "اے اللہ اس دعوت تامہ کاملہ اور اس صلوٰۃ قائمہ ودائمہ کے رب! (یعنی اے وہ اللہ جس کے لیے اور جس کے حکم سے یہ اذان اور یہ نماز ہے (اپنے رسول پاک) محمد کو وسیلہ اور فضیلہ کے خاص درجہ اور مرتبہ عطا فرما اور ان کو اس مقام محمود پر سرفراز فرما جس کا تو نے ان کے لیے وعدہ فرمایا ہے" تو وہ بندہ قیامت کے دن میری شفاعت کا حق دار ہو گیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لیے تین چیزوں کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ اذان سننے کے وقت اللہ تعالیٰ سے ان تین چیزوں کے رسول اللہ ﷺ کو عطا کرنے کی دعا کرے گا وہ قیامت کے دن شفاعت محمدی ﷺ کا خاص طور سے حق دار ہوگا۔ ایک وسیلہ۔ دوسرے فضیلۃ۔ تیسرے مقام محمود۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس وسیلہ کی تشریح خود رسول اللہ ﷺ سے یہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مقبولیت و محبوبیت کا ایک خاص الخاص مقام و مرتبہ اور جنت کا ایک مخصوص و ممتاز درجہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کسی ایک ہی بندہ کو ملنے والا ہے، اور سمجھنا چاہئے کہ فضیلۃ بھی گویا اسی مقام اختصاص و امتیاز کا ایک عنوان ہے اور اسی طرح مقام محمود و مقام عزت ہے جس پر فائز ہونے والا ہر ایک کی نگاہ میں محمود اور محترم ہوگا اور سب اس کے ثناخواں اور شکر گزار ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں معارف الحدیث کی پہلی جلد میں شفاعت کے بیان میں وہ حدیثیں ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہوں گی جن میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جلال کے ظہور کا خاص دن ہوگا اور سارے انسان اپنے اعمال اور احوال کے اختلاف کے باوجود اس وقت دہشت زدہ اور پریشان ہوں گے۔ حتیٰ کہ حضرت نوح وابراہیم اور موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے تو اس وقت سید الرسل حضرت محمد ﷺ ہی انا لَھا انا لَھا کہہ کر احکم الحاکمین کی بارگاہ جلال میں سب سے پہلے سارے انسانوں کے لیے حساب اور فیصلہ کی استدعا اور شفاعت کریں گے اور اس کے بعد گنہگاروں کی سفارش اور ان کے دوزخ سے نکالے جانے کی استدعا کا دروازہ بھی آپ ہی کے اقدام سے کھلے گا، خود آپ کا ارشاد ہے "انا اوّلُ شافعٍ و اوّلُ مشفّعٍ" (سب سے پہلا شافع میں ہوں گا اور بارگاہ خداوندی میں سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی) نیز آپ کا ارشاد ہے "وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَحْتَهٗ آدَمُ فَمَنْ دُوْنَهٗ وَلَا فَخْرَ" (قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور آدم اور ان کے علاوہ سارے انبیاء ورسل اور ان کے متبعین میرے اسی جھنڈے لواء الحمد کے نیچے ہوں گے) بس یہی وہ مقام محمود ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا ہے۔ "عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰) (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرمادے)۔ الغرض وہ خاص الخاص مرتبہ اور درجہ جس کو حدیث میں وسیلہ اور فضیلہ کہا گیا ہے اور عزت وامتیاز اور محمودیت عامہ کا وہ مقام بلند جس کو قرآن مجید میں اور اس حدیث میں مقام محمود کہا گیا ہے۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی ہم امتیوں پر یہ نوازش ہے کہ زیر تشریح حدیث میں آپ نے ہم کو اس کی ترغیب دی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ یہ درجے اور مقامات آپ کو عطا کیے جائیں اور بتلایا کہ جو کوئی میرے لیے یہ دعا کرے گا وہ قیامت کے دن میری شفاعت کا خاص طور سے مستحق ہوگا۔

فائدہ...... مندرجہ بالا تینوں حدیثوں پر عمل کرنے کا طریقہ اور ترتیب یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کے ساتھ تو اس کے ہر کلمے کو دہرایا جائے جس طرح کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہوا، اور اس کے بعد سعد بن ابی وقاص کی حدیث کے مطابق کہا جائے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (آخر تک) اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کی جائے "اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ سے وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَانِ الَّذِىْ وَعَدْتَّهٗ" تک۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ بیہقی کی روایت میں اس دعا کے آخر میں "اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" کا اضافہ بھی ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ان احکام کی روح کو سمجھ کر ان پر عمل کی حقیقی برکات حاصل کریں۔

مساجد

ان کی عظمت واہمیت اور آداب وحقوق

جو عظیم وو سیع مقاصد نماز سے وابستہ ہیں جن میں سے بعض کی طرف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حوالے

سے کچھ اشارے بھی کیے جاچکے ہیں [1]۔ ان کی تحصیل و تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ نماز کا کوئی اجتماعی نظام ہو، اسلامی شریعت میں اس اجتماعی نظام کا ذریعہ مسجد اور جماعت کو بنایا گیا ہے، ذرا سا غور کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس امت کی دینی زندگی کی تشکیل و تنظیم اور تربیت و حفاظت میں مسجد اور جماعت کا کتنا بڑا دخل ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو جماعتی نظام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی انتہائی تاکید فرمائی اور ترک جماعت پر سخت سے سخت وعیدیں سنائیں (جیسا کہ ناظرین عنقریب ہی پڑھیں گے) اور دوسری طرف آپؐ نے مساجد کی اہمیت پر زور دیا اور کعبۃ اللہ کے بعد بلکہ اسی کی نسبت سے ان کو بھی "خدا کا گھر" اور امت کا دینی مرکز بنایا اور ان کی برکات اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی عظمت و محبوبیت بیان فرما کر امت کو ترغیب دی کہ ان کے جسم خواہ کسی وقت کہیں ہوں لیکن ان کے دلوں اور ان کی روحوں کا رخ ہر وقت مسجد کی طرف رہے، اسی کے ساتھ آپؐ نے مساجد کے حقوق اور آداب بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ کے آپؐ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے!

۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شہروں اور بستیوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ان کی مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ مبغوض ان کے بازار اور منڈیاں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... انسان کی زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک ملکوتی و روحانی، یہ نورانی اور لطیف پہلو ہے، اور دوسرا مادی و بہیمی جو ظلماتی اور کثیف پہلو ہے۔ ملکوتی و روحانی پہلو کا تقاضا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر جیسے مقدس اشغال و اعمال ہیں، انہیں سے اس پہلو کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے اور انہیں کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و محبت کا مستحق ہوتا ہے، اور ان مبارک اشغال و اعمال کے خاص مراکز مسجدیں ہیں جو ذکر و عبادت سے معمور رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے ان کو "بیت اللہ" سے ایک خاص نسبت ہے اس لیے انسانی بستیوں اور آبادیوں میں سے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب یہ مسجدیں ہی ہیں۔ اور بازار اور منڈیاں اپنے اصل موضوع کے لحاظ سے انسانوں کی مادی و بہیمی تقاضوں اور نفسانی خواہشوں کے مراکز ہیں اور وہاں جا کر انسان عموماً خدا سے غافل ہو جاتے ہیں اور ان کی فضا اس غفلت اور منکرات و معصیات کی کثرت کی وجہ سے ظلماتی اور مکدر رہتی ہے۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں انسانی آبادیوں کا سب سے زیادہ مبغوض حصہ ہیں۔

حدیث کی اصل روح اور اس کا منشاء یہ ہے کہ اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ مسجدوں سے زیادہ سے زیادہ تعلق رکھیں اور ان کو اپنا مرکز بنائیں اور منڈیوں اور بازاروں میں صرف ضرورت سے جائیں اور ان سے دل نہ

---

[1] زیر عنوان "نماز کی عظمت و اہمیت" ص ۱۰۵

لگائیں اور وہاں کی آلودگیوں سے مثلاً جھوٹ، فریب اور بددیانتی سے اپنی حفاظت کریں۔ ان حدود کی پابندی کے ساتھ بازاروں سے تعلق رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ بلکہ ایسے سوداگروں اور تاجروں کو خود رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت سنائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اصول دیانت و امانت کی پابندی کے ساتھ تجارتی کاروبار کریں اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ بیت الخلا غلاظت اور گندگی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اصلاً سخت ناپسندیدہ مقام ہے لیکن ضرورت کے بقدر اس سے بھی تعلق رکھا جاتا ہے، بلکہ وہاں کے آنے جانے میں اور قضاء حاجت میں اگر بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و سنن کا لحاظ رکھے تو بہت کچھ ثواب بھی کما سکتا ہے۔

۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ، اِمَامٌ عَادِلٌ وَ شَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلَیْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات قسم کے آدمی ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ دے گا۔ قیامت کے اس دن میں جس دن کہ اس کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، ایک عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے والا فرمانروا، دوسرا وہ جوان جس کی نشو نما اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی (یعنی جو بچپن سے عبادت گزار تھا اور جوانی میں بھی عبادت گزار رہا اور جوانی کی مستیوں نے اسے غافل نہیں کیا) تیسرا وہ مرد مؤمن جس کا حال یہ ہے کہ مسجد سے باہر جانے کے بعد بھی اس کا دل مسجد ہی سے اٹکا رہتا ہے جب تک کہ پھر مسجد میں نہ آجائے، اور چوتھے وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ کے لیے باہم محبت کی، اسی پر جڑے رہے اور اسی پر الگ ہوئے (یعنی ان کی محبت صرف منہ دیکھے کی محبت نہیں جیسی کہ اہل دنیا کی محبتیں ہوتی ہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب یکجا اور ساتھ ہیں جب بھی محبت ہے اور جب ایک دوسرے سے الگ اور غائب ہوتے ہیں جب بھی ان کے دل للّٰہی محبت سے لبریز ہوتے ہیں) پانچواں خدا کا وہ بندہ جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اس کے آنسو بہہ پڑے اور چھٹا وہ مردِ خدا جسے حرام کی دعوت دی کسی ایسی عورت نے جو خوبصورت بھی ہے اور صاحب وجاہت و عزت بھی، تو اس بندے نے کہا کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں اس لیے حرام کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا) اور ساتواں وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں کچھ صدقہ کیا اور اس قدر چھپا کر کیا کہ گویا اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں کہ اس کا داہنا ہاتھ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کر رہا ہے اور کس کو دے رہا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اس شخص کو اللہ کے سایہ رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے جس کا

حال یہ ہو کہ مسجد سے باہر ہونے کی حالت میں بھی اس کا دل مسجد میں اٹکا رہے۔ بے شک مؤمن کا حال یہی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان سات باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهٗ نُزُلَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا اَوْرَاحَ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ جس وقت بھی صبح کو یا شام کو اپنے گھر سے نکل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے واسطے جنت کی مہمانی کا سامان تیار کراتا ہے۔ وہ جتنی دفعہ بھی صبح یا شام کو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بندہ صبح یا شام جس وقت بھی اور دن میں جتنی دفعہ بھی خدا کے گھر میں (یعنی مسجد میں) حاضر ہوتا ہے، رب کریم اس کو اپنے عزیز مہمان کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ہر دفعہ کی حاضری پر جنت میں اس کے لیے مہمانی کا خاص سامان تیار کراتا ہے، جو وہاں پہنچنے کے بعد بندہ کے سامنے آنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رب کریم کے جنت والے سامان مہمانی کا یہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، کنز العمال میں تاریخ حاکم کے حوالے سے بروایت عبداللہ بن عباس ایک حدیث کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

اَلْمَسَاجِدُ بُیُوْتُ اللّٰهِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ زُوَّارُاللّٰهِ وَحَقٌّ عَلَی الْمَزُوْرِ اَنْ یُّكْرِمَ زَائِرَهٗ

(کنزالعمال ص ۱۲٤ ج ٤)

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور ان میں حاضر ہونے والے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ملاقاتی (اور مہمان) ہیں اور جن کی ملاقات کو کوئی آئے اس پر حق ہے کہ وہ آنے والے ملاقاتی کا اکرام اور اس کی خاطر داری کرے۔

"تاریخ حاکم" جس کے حوالے سے یہ روایت کنزالعمال میں نقل کی گئی ہے اس کی روایتیں محدثین کے نزدیک عموماً ضعیف ہیں خود کنزالعمال کے مقدمہ میں بھی اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ لیکن اس کی اس روایت کا مضمون بخاری و مسلم کی مندرجہ بالا ابو ہریرہؓ والی حدیث کے بالکل مطابق ہے اس لیے تشریح میں یہاں اس کو نقل کر دینا مناسب معلوم ہوا۔[1]

٥٤) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِی الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰی صَلٰوتِهٖ فِیْ بَیْتِهٖ وَفِیْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّ عِشْرِیْنَ ضِعْفًا وَ ذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ لَایُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ یَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِیْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰی لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا یَزَالُ اَحَدُكُمْ فِیْ صَلٰوةٍ مَاانْتَظَرَالصَّلٰوةَ . (رواه البخاری و مسلم)

---

[1] بعد میں کنز العمال ہی میں بالکل اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابن مسعود کی روایت سے معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے بھی ملی ۱۲۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، آدمی کی نماز جو وہ جماعت سے مسجد میں ادا کرے اس کی اس نماز کے مقابلہ میں جو اپنے گھر میں یا بازار میں پڑھے (ثواب میں) پچیس گنا زیادہ ہوتی ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب وہ بندہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد کی طرف جاتا ہے اور اس جانے میں نماز کے سوا اس کا کوئی دنیوی مقصد نہیں ہوتا، تو اس کے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ نماز پڑھتا ہے تو فرشتے اس وقت تک برابر اس کے حق میں عنایت اور رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھنے کی جگہ میں رہے، ان فرشتوں کی دعا یہ ہوتی ہے، اے اللہ اپنے اس بندے پر خاص عنایت فرما۔ اس پر رحمت فرما! اور جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں مسجد میں رہتا ہے، اللہ کے نزدیک اور اس کے حساب میں وہ برابر نماز ہی میں رہتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے پر بہ نسبت گھر اور دکان وغیرہ کے ۲۵ گنا ثواب، اور راستہ کے ہر قدم پر ایک درجہ کی بلندی اور ایک گناہ کی معافی، یہ کتنی بڑی اور کتنی ارزاں دولت ہے؟ اور پھر اس سے بھی آگے فرشتوں کی دعا "اللهم صلی علیه اللهم ارحمه" کیسی عظیم نعمت ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں فرشتوں کی اس دعا میں "اللهم اغفرله اللهم تب علیه" کا اضافہ بھی ہے (یعنی اے اللہ اس بندے کی مغفرت فرمادے، اس کی توبہ کو قبول فرمالے)۔ نیز اسی روایت کے آخر میں ایک اضافہ یہ بھی ہے "مالم یوذفیه مالم یحدث" یعنی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھنے والے اس بندے کے حق میں فرشتے یہ دعائیں اس وقت تک برابر کرتے رہتے ہیں جب تک وہ کسی کو اپنے ہاتھ یا اپنی زبان سے ایذا نہ پہنچائے یا اس کا وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۵۵) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِئْذَنْ لَنَا فِى التَّرَهُّبِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ تَرَهُّبَ اُمَّتِىْ اَلْجُلُوْسُ فِى الْمَسَاجِدِ اِنْتِظَارَ الصَّلٰوةِ . (رواہ فی شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت مجھ کو رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت نماز کے انتظار میں مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔ (شرح السنہ)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہؓ میں دینوی معاملات اور دنیا کی لذتوں سے بے تعلق اور کنارہ کش ہو جانے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ اس باب میں رسول اللہ ﷺ سے عرض معروض کرتے تھے۔ اس حدیث کے راوی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ میں یہ رجحان بہت تیز تھا، انہوں نے ایک دفعہ کئی باتیں اسی طرح کی حضورؐ سے عرض کیں، ان میں سے آخری بات یہ تھی کہ ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دی جائے جس کے بعد ہم تارک الدنیا راہبوں والی زندگی گزاریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جن روحانی مقاصد اور اخروی منافع کے لیے پہلی امتوں میں رہبانیت تھی

میری امت کو وہ چیزیں نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنے ہی پر اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والے ہیں اور بس یہی میری امت کی رہبانیت اور درویشی ہے۔ دراصل نماز کے انتظار میں مسجد میں بیٹھنا بھی ایک طرح کا "اعتکاف" ہے۔ کاش ہم اس کی قدر و قیمت جانیں۔

٥٦) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَشِّرِ الْمَشَّائِيْنَ فِي الظُّلَمِ اِلَى الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ... (رواه الترمذى و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے جو بندے اندھیروں میں مسجدوں کو جاتے ہیں، ان کو بشارت سناؤ کہ (ان کے اس عمل کے صلہ میں) قیامت کے دن ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... رات کے اندھیروں میں نماز کے لیے پابندی سے مسجد جانا بلاشبہ بڑا مجاہدہ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچے تعلق کی دلیل ہے، ایسے بندوں کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زبانی بشارت سنوائی ہے کہ ان کے اس عمل کے صلہ میں قیامت کے اندھیریوں میں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور کامل عطا فرما دیا جائے گا۔
فبشرى لهم و طوبى لهم

مسجد میں داخل ہونے اور باہر آنے کی دعا

٥٧) عَنْ اَبِىْ اُسَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِىْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ . (رواه مسلم)

ترجمہ: ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہونے لگے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اللهم افتح لی ابواب رحمتك (اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر جانے لگے تو دعا کرے اللهم انی اسئلك من فضلك (اے اللہ میں تجھ سے تیرے فضل کا سوال کرتا ہوں تو میرے لیے اس کا فیصلہ فرمادے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قرآن و حدیث میں رحمت کا لفظ زیادہ تر، اخروی اور دینی و روحانی انعامات کے لیے اور فضل کا لفظ رزق وغیرہ دنیوی نعمتوں کی داد و دہش اور ان میں زیادتی کے لیے استعمال کیا گیا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے داخلہ کے لیے فتح باب رحمت کی دعا تعلیم فرمائی، کیونکہ مسجد دینی و روحانی اور اخروی نعمتوں ہی کے حاصل کرنے کی جگہ ہے اور مسجد سے نکلتے وقت کے لیے اللہ سے اس کا فضل یعنی دنیوی نعمتوں کی فراوانی مانگنے کی تلقین فرمائی، کیونکہ مسجد سے باہر کی دنیا کے لیے یہی مناسب ہے۔ ان دونوں باتوں کا خاص منشاء یہ ہے کہ مسجد میں آنے اور جانے کے وقت بندہ غافل نہ ہو اور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی توجہ سائلانہ ہو۔

تحیۃ المسجد

۵۸) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس کو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... مسجد کو اللہ تعالیٰ سے ایک خاص نسبت ہے اور اسی نسبت سے اس کو "خانۂ خدا" کہا جاتا ہے، اس لیے اس کے حقوق اور اس میں داخلہ کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ وہاں جا کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی جائے، یہ گویا بارگاہ خداوندی کی سلامی ہے، اس لیے اس کو "تحیۃ المسجد" کہتے ہیں (تحیۃ کے معنی سلامی کے ہیں) لیکن یہ حکم جمہور ائمہ کے نزدیک استحبابی ہے۔

ف...... اس حدیث میں صراحۃً حکم ہے کہ تحیۃ المسجد کی یہ دو رکعتیں مسجد میں بیٹھنے سے پہلے پڑھنی چاہئیں، بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ مسجد میں جا کر پہلے قصداً بیٹھتے ہیں اس کے بعد کھڑے ہو کر نماز کی نیت کرتے ہیں معلوم نہیں یہ غلطی کہاں سے رواج پا گئی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چار صدی پہلے ان کے زمانہ کے عام مسلمانوں میں بھی یہ غلطی رائج تھی۔

۵۹) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا يَقْدَمُ مِنْ سَفَرٍ اِلَّا نَهَارًا فِی الضُّحٰى فَاِذَا قَدِمَ بَدَءَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ سفر سے واپسی میں آپؐ دن ہی میں چاشت کے وقت مدینہ میں تشریف لاتے اور پہلے مسجد میں رونق افروز ہوتے تھے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد وہیں (کچھ دیر تک) تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... دوسری بعض حدیثوں میں یہ تفصیل آتی ہے کہ آپؐ سفر سے واپسی میں آخری منزل عموماً مدینہ طیبہ کے قریب ہی فرماتے تھے، جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ میں یہ اطلاع ہو جاتی تھی کہ آپؐ فلاں مقام پر ٹھہر گئے ہیں اور کل صبح تشریف لانے والے ہیں، پھر علی الصبح آپؐ اس منزل سے روانہ ہو کر کچھ دن چڑھے یعنی چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوتے تھے اور سب سے پہلے سیدھے اپنی مسجد مبارک میں تشریف لاتے تھے، گویا گھر والوں کی ملاقات سے بھی پہلے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر اس کے حضورؐ میں یہ ہدیہ عبودیت پیش کرتے تھے، پھر اسکے بعد بھی کچھ دیر تک مسجد ہی میں تشریف رکھتے تھے اور مشتاقان زیارت وہیں آ کر آپؐ سے ملاقات کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ یہ تھا مسجد کے تعلق کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کا اسوۂ حسنہ، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو اس کی روح کو سمجھنے اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے۔

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

۶۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَأَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهٗ بِالْاِیْمَانِ فَاِنَّ اللّٰهَ یَقُوْلُ اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ.

(رواه الترمذی و ابن ماجة والدارمی)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خدمت اور نگہداشت کرتا ہے تو اس کے لیے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد وہی لوگ کرتے ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ مسجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مرکز اور دین مقدس کا شعار و نشان ہے اس لیے اس کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کی خدمت و نگہداشت اور اس بات کی فکر و سعی کہ وہ اللہ کے ذکر و عبادت سے معمور اور آباد رہے، یہ سب سچے ایمان کی نشانی اور دلیل ہے۔

مسجدوں میں صفائی اور خوشبو کا حکم

۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِی الدُّوْرِ وَ اَنْ یُّنَظَّفَ وَ یُطَیَّبَ.

(رواه ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا محلوں میں مسجدیں بنانے کا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو محلے اور آبادیاں دور دور ہوں (جیسا کہ مدینہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا حال تھا) تو ضرورت کے مطابق وہاں مسجدیں بنائی جائیں اور ہر قسم کے کوڑے کرکٹ سے ان کی صفائی کا اور ان میں خوشبو کے استعمال کا انتظام کیا جائے، مسجدوں کی دینی عظمت اور اللہ تعالیٰ سے ان کی نسبت کا یہ بھی خاص حق ہے۔

مسجد بنانے کا اجر

۶۲) عَنْ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ بَنٰی لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ -

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اللہ کے لیے (یعنی صرف اس کی خوشنودی اور اس کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) مسجد تعمیر کرائے تو اللہ تعالیٰ

اس کے لیے جنت میں ایک شاندار محل تعمیر فرمائیں گے۔ ❶ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث و قرآن کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں ہر عمل کا صلہ اس کے مناسب عطا ہوگا۔ اس بنیاد پر مسجد بنانے والے کے لیے جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا یقیناً قرین حکمت ہے۔

مسجدوں کی ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ پسندیدہ نہیں

۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى - (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے خدا کی طرف سے حکم نہیں دیا گیا ہے مسجدوں کو بلند اور شاندار بنانے کا (یہ حدیث بیان فرمانے کے بعد حدیث کے راوی عبداللہ بن عباسؓ نے بطور پیشین گوئی) فرمایا کہ یقیناً تم لوگ اپنی مسجدوں کی آرائش و زیبائش اسی طرح کرنے لگو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں میں کی ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد "ما امرت بتشييد المساجد" کا منشاء اور اس کی روح یہ ہے کہ مسجدوں میں ظاہری شان و شوکت اور ٹیپ ٹاپ مطلوب اور محمود نہیں ہے بلکہ ان کے لیے سادگی ہی مناسب اور پسندیدہ ہے۔ آگے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مسجدوں کے متعلق امت کی بے راہ روی کے بارہ میں جو پیشین گوئی فرمائی ظاہر یہی ہے کہ وہ بات بھی انہوں نے کسی موقع پر رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔

اَرَاكُمْ سَتَشْرِفُوْنَ مَسَاجِدَكُمْ بَعْدِىْ كَمَا شَرَّفَتِ الْيَهُوْدُ كَنَائِسَهُمْ وَ كَمَا شَرَّفَتِ النَّصَارٰى بِيَعَهَا . (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ بھی ایک وقت (جب میں تم میں نہ ہوں گا) اپنی مسجدوں کو اسی طرح شاندار بناؤ گے جس طرح یہود نے اپنے کنیسے بنائے ہیں اور نصاریٰ نے اپنے گرجے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے (جو رسول اللہ ﷺ کے بعد قریباً ساٹھ سال تک اس دنیا میں رہے) مسلمانوں کے مزاج اور طرز زندگی میں تبدیلی کا رخ اور اس کی رفتار دیکھ کر یہ پیشین گوئی فرمائی ہو۔ بہر حال پیشین گوئی کی بنیاد جو بھی ہو وہ حرف بحرف پوری ہوئی، خود ہم نے اپنی آنکھوں سے ہندوستان ہی کے بعض علاقوں میں ایسی مسجدیں دیکھی ہیں جن کی آرائش و زیبائش کے مقابلے میں ہمارا خیال ہے کہ کوئی کنیسہ اور کوئی گرجہ پیش نہیں کیا جا سکتا۔

---

❶ ہمارے نزدیک حدیث کے لفظ "بیتاً" کی تنوین تفخیم کے افادہ کے لئے ہے' اسی بناء پر ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "شاندار محل" کیا ہے۔ ۱۲ واللہ اعلم

۶۴) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ .**

(رواہ ابو داؤد، والنسائی والدارمی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں کے بارے میں لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں فخر و مباہات کرنے لگیں گے۔ (یعنی اپنا تفوق اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے ایک کے مقابلہ میں ایک شاندار مسجد بنائے گا۔)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... قیامت کی نشانیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو اس کے بالکل قریب ظاہر ہوں گی، جیسے خروج دجال اور آفتاب کا مغرب کی سمت سے طلوع ہونا وغیرہ وغیرہ اور بعض وہ ہیں جو قیامت سے پہلے کسی نہ کسی وقت ظاہر ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والی جن خرابیوں اور جن فتنوں کو قیامت کی نشانیوں میں سے بتایا ہے وہ اکثر اسی قسم کی ہیں۔ اور مسجدوں کے بارہ میں فخر و مباہات بھی انہی میں سے ہے اور مسلمان اب سے بہت پہلے اس میں مبتلا ہو چکے ہیں اللّٰهم اصلح امة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے کی ممانعت

۶۵) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ —** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس بدبودار درخت (پیاز یا لہسن) سے کھائے وہ ہماری مسجد میں نہ آئے کیونکہ جس چیز سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... مسجدوں کی دینی عظمت اور حق تعالیٰ کے ساتھ ان کی خاص نسبت کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بدبو سے ان کی حفاظت کی جائے، چونکہ لہسن اور پیاز میں بھی ایک طرح کی بدبو ہوتی ہے اور بعض مخصوص علاقوں میں پیدا ہونے والی ان دونوں چیزوں کی بو بہت ہی تیز اور سخت ناگوار ہوتی ہے اور حضورؐ کے زمانے میں لوگ ان کو کچا بھی کھاتے تھے اس لیے آپؐ نے حکم دیا کہ ان کو کھا کر کوئی آدمی مسجد میں نہ آئے اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ جس چیز سے سلیم الطبع آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے اللہ کے فرشتوں کو بھی اذیت ہوتی ہے اور مسجدوں میں چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت بڑی کثرت سے ہوتی ہے اور خاص کر نماز میں وہ بنی آدم کے ساتھ بڑی تعداد میں شریک رہتے ہیں اسلیے ضروری ہے کہ بدبو جیسی کسی بھی چیز سے ان مقدس اور محترم مہمانوں کو ایذا نہ پہنچے۔

ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ پیاز اور لہسن دونوں کا نام لے کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو کھا کر کوئی ہماری مسجد میں نہ آیا کرے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو یہ چیزیں کھانی ہی

ہوں تو وہ پکا کر ان کی بدبوزائل کر لیا کرے۔①

ان حدیثوں میں اگرچہ صرف پیاز اور لہسن کا ذکر آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ہر بدبودار چیز بلکہ ہر اس چیز کا جس سے سلیم الفطرت انسانوں کو اذیت پہنچے یہی حکم ہے۔

مسجدوں میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت

٦٦) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَنَاشُدِالْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ .** (رواه ابو داؤد و الترمذى)

ترجمہ: عمرو بن شعیب روایت کرتے ہیں اپنے والد شعیب سے اور وہ روایت کرتے ہیں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجدوں میں شعر بازی کرنے سے اور خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ جمعہ کے دن مسجد میں نماز سے پہلے لوگ اپنے حلقے بنا بنا کر بیٹھیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح...... مسجدوں کی دینی عظمت کا یہ بھی حق ہے کہ جو مشغلے اللہ کی عبادت سے اور دین سے قریبی تعلق نہ رکھتے ہوں وہ اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہوں (خواہ کاروباری ہوں جیسے تجارت سوداگری یا تفریحی ہوں جیسے مشاعرے اور ادبی مجلسیں) مسجدیں ان کے لیے استعمال نہ کی جائیں۔ مسجد میں شعر بازی اور خرید و فروخت کی ممانعت کی بنیاد یہی ہے حدیث کا آخری جزجو جمعہ کے دن سے متعلق ہے اس کا منشاء اور مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن نماز کے لیے پہلے سے مسجد پہنچ جائیں (جس کی خود حدیثوں میں ترغیب دی گئی ہے) ان کو چاہیے کہ وہ نماز تک یکسوئی کے ساتھ ذکر و عبادت اور دعا جیسے اشغال میں مشغول رہیں اپنے الگ الگ حلقے اور مجلسیں قائم نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

چھوٹے بچوں سے اور شور و شغب وغیرہ سے مسجدوں کی حفاظت

٦٧) **عَنْ وَاثِلَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ وَ مَجَانِيْنَكُمْ وَشِرَاءَ كُمْ وَبَيْعَكُمْ وَخُصُوْمَاتِكُمْ وَرَفْعَ اَصْوَاتِكُمْ وَاِقَامَةَ حُدُوْدِكُمْ وَسَلَّ سُيُوْفِكُمْ .** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنی مسجدوں سے دور اور الگ رکھو اپنے چھوٹے بچوں کو اور دیوانوں کو (ان کو مسجدوں میں نہ آنے دو) اور اسی طرح مسجدوں سے الگ اور دور رکھو اپنی خرید و فروخت کو اور اپنے باہمی جھگڑوں ٹنٹوں کو اور اپنے شور و شغب کو اور حدوں کے قائم کرنے کو اور تلواروں کو نیاموں سے نکالنے کو (یعنی ان میں سے کوئی بات بھی مسجدوں کی حدود میں نہ ہو، یہ سب باتیں مسجد کے تقدس اور احترام کے خلاف ہیں)۔ (سنن ابن ماجہ)

① رواه ابو داؤد عن معاوية بن قرة ١٢

مسجدوں میں دنیا کی بات نہ کی جائے

۶۸) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِىْ مَسَاجِدِهِمْ فِىْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہوا کرے گی، تمہیں چاہئے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مسجد چونکہ خانۂ خدا ہے اس لیے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ہاں مسلمانوں کے اجتماعی اور ملی مسائل کے بارے میں خواہ ان کا تعلق مسلمانوں کی زندگی کے کسی شعبہ سے ہو، مسجدوں میں مشورے کیے جا سکتے ہیں اور اس سلسلہ کے کاموں کے لیے مسجدوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں بھی مسجدوں کے عام آداب کا لحاظ ضروری ہوگا، نیز یہ بھی شرط ہوگی کہ یہ جو کچھ ہو اللہ کی ہدایت کے تحت ہو اس سے آزاد ہو کر نہ ہو۔

ف...... اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ ان کو یہ حدیث کسی صحابی کے واسطے پہنچی ہوگی، لیکن انہوں نے ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ ایسی حدیث کو جسے کوئی تابعی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر روایت کرے محدثین کی اصطلاح میں "مرسل" کہا جاتا ہے یہ روایت بھی اسی قسم کی ہے۔

مسجد میں نماز کے لیے عورتوں کا آنا

۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا اسْتَاذَنَكُمْ نِسَائُكُمْ بِاللَّيْلِ فَأْذَنُوْا لَهُنَّ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری بیویاں رات کو مسجد جانے کیلئے تم سے اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَمْنَعُوْا نِسَاءَ كُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ.

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع نہ کرو، اور ان کے لیے بہتر ان کے گھر ہی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں جبکہ مسجد نبوی میں پانچوں وقت کی نماز بہ نفس نفیس آپؐ خود پڑھاتے تھے تو آپؐ کی طرف سے بار بار اس کی وضاحت کے باوجود کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کا باعث ہے، بہت سی نیک بخت عورتوں کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ وہ کم از کم رات کی نمازوں میں (یعنی عشاء اور فجر میں) مسجد میں جا کر حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھا کریں، لیکن بعض لوگ

اپنی بیویوں کو اس کی اجازت نہیں دیتے تھے، اور ان کا یہ اجازت نہ دینا کسی فتنہ کے اندیشہ سے یا کسی بدگمانی کی وجہ سے نہ تھا (کیونکہ اس وقت کا پورا اسلامی معاشرہ اس لحاظ سے ہر طرح قابل اطمینان تھا) بلکہ ایک غیر شرعی قسم کی غیرت اس کی بنیاد تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتیں اگر رات کی نمازوں میں مسجد میں آنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت دے دینا چاہیے لیکن خود عورتوں کو آپؐ برابر یہی سمجھاتے رہے کہ بی بیو تمہارے لیے زیادہ بہتر اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنا ہے، جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

۷۱) عَنْ أُمِّ حُمَيْدِ السَّاعِدِيَّةِ أَنَّهَا جَاءَتْ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أُحِبُّ الصَّلوٰةَ مَعَكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلوٰةَ مَعِيَ وَصَلوٰتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلوٰتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ وَصَلوٰتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلوٰتِكِ فِيْ دَارِكِ وَصَلوٰتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلوٰتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ وَصَلوٰتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ مِّنْ صَلوٰتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ. (رواه احمد، كنز العمال)

ترجمہ: مشہور صحابی ابو حمید ساعدی کی بیوی ام حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ کے ساتھ (جماعت سے مسجد میں) نماز ادا کیا کروں، آپؐ نے ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ (یعنی میرے پیچھے جماعت کے ساتھ) نماز پڑھنے کی بڑی چاہت ہے اور مسئلہ شریعت کا یہ ہے کہ تمہاری وہ نماز جو تم اپنے گھر کے اندرونی حصے میں پڑھو وہ اس نماز سے افضل اور بہتر ہے جو تم اپنے بیرونی دالان میں پڑھو اور بیرونی دالان میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر کے صحن میں پڑھو اور اپنے گھر کے صحن میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلہ کی مسجد میں (جو تمہارے مکان سے قریب ہے) نماز پڑھو اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں تمہارا نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں آکر نماز پڑھو۔

(کنز العمال بحوالہ مسند احمد)

تشریح ...... اس حدیث کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کی وضاحت بار بار اور مختلف موقعوں پر فرمائی ہے لیکن اس کے باوجود بہت سی صحابیات کا دلی جذبہ یہی ہوتا تھا کہ چاہے ہمارے لیے اپنے گھروں میں نماز پڑھنا افضل اور زیادہ ثواب کی بات ہو۔ لیکن ہم کم از کم رات کی نمازیں مسجد میں حاضر ہو کر حضورؐ کے پیچھے ہی پڑھ لیا کریں۔ اور چونکہ اس جذبہ کی بنیاد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ آپ کی سچی ایمانی محبت تھی اور اس زمانے میں کسی فتنہ کا اندیشہ بھی نہیں تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ عورتیں اگر رات کو مسجدوں میں جانے کی اجازت چاہیں تو ان کو اجازت دے دیا کرو۔ بہر حال یہ اجازت دینے کا حکم اس وقت کا ہے جب کہ عورتوں کے مسجد جانے میں کسی برائی کا خطرہ اور کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا اور بعض صحابہ کرام صرف عرفی غیرت یا

اپنی خاص افتادِ طبع کی وجہ سے اپنی بیویوں کو مسجد میں جانے سے منع کر دیتے تھے۔ لیکن جب عورتوں اور مردوں دونوں کے حالات میں تبدیلی آگئی اور فتنوں کے اندیشے پیدا ہو گئے تو خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے (جن سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کے ظاہری و باطنی حال اور رسول اللہ ﷺ کے مزاج و منشاء سے واقف نہیں ہو سکتا) وہ فرمایا جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آپ پڑھیں گے۔

۷۲) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَوْ اَدْرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَااَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسَاجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ.** (رواه البخارى و مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ ان باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے اپنے (طرزِ زندگی میں) اب پیدا کر لی ہیں تو آپؐ خود ان کو مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے، جس طرح کہ (اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے) بنی اسرائیل کی عورتوں کو (ان کی عبادت گاہوں میں جانے سے اگلے پیغمبروں کے زمانہ میں) روک دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) ...... یہ بات حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ کے وصال کے بعد اپنے زمانہ میں فرمائی تھی اور بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ اسی بناء پر جمہور صحابہؓ کی یہ رائے ہو گئی تھی کہ اب عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانا چاہئے، بعد کے زمانوں میں ان تبدیلیوں میں جو اور ترقی ہوئی اور ہمارے معاشرے کی خرابیوں میں جو بے حساب اضافہ ہوا اس کے بعد تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔[1]

جماعت

گزشتہ صفحات میں کتاب الصلوٰۃ کے بالکل شروع ہی میں یہ بات ذکر کی جا چکی ہے کہ نماز صرف ایک عبادتی فریضہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایمان کی نشانی اور اسلام کا شعار بھی ہے اور اس کا ادا کرنا اسلامیت کا ثبوت اور اس کا ترک کر دینا دین سے بے اعتنائی اور اللہ و رسولؐ سے بے تعلقی کی علامت ہے، اس لئے ضروری تھا کہ نماز کی ادائیگی کا کوئی ایسا بندوبست ہو کہ ہر شخص اس فریضہ کو اعلانیہ اور علی رؤس الاشہاد یعنی سب کے سامنے ادا کرے۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت کا نظام قائم فرمایا اور ہر مسلمان کے لیے جو بیمار یا کسی دوسری وجہ سے معذور نہ ہو جماعت سے نماز ادا کرنا لازمی قرار دیا۔ ہمارے نزدیک اس نظام جماعت کا خاص راز اور اس کی خاص الخاص حکمت یہی ہے کہ اس کے ذریعہ افرادِ امت کا روزانہ، بلکہ ہر روز پانچ مرتبہ احتساب ہو جاتا ہے۔ نیز تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس جماعتی نظام کے طفیل بہت سے وہ لوگ بھی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے ہیں جو عزیمت کی کمی اور جذبے کی کمزوری کی وجہ

[1] ان حدیثوں کی تشریح میں اور اس مسئلہ پر یہاں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دو سطروں کی توضیح و تفصیل ہے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
ولااختلاف بين قوله ﷺ "اذا استأذنت امراة احدكم الى المسجد فلا يمنعها" و بين ماحكم جمهور الصحابة من منعهن اذا المتنهى الغيرة التى تنبعث من الانفة دون خوف الفتنة و الجائز مافيه خوف الفتنة و ذالك قوله ﷺ الغيرة غيرتان و حديث عائشة ان النساء احدثن . الحديث . حجة الله البالغة ص ۲۶ . ج ۲

سے انفرادی طور پر کبھی بھی ایسی پابندی نہ کر سکتے۔

علاوہ ازیں باجماعت نماز کا یہ نظام بجائے خود افراد امت کی دینی تعلیم و تربیت کا اور ایک دوسرے کے احوال سے باخبری کا ایسا غیر رسمی اور بے تکلف انتظام بھی ہے، جس کا بدل سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

نیز نماز باجماعت کی وجہ سے مسجد میں عبادت و انابت اور توجہ الی اللہ و دعوات صالحہ کی جو فضا قائم ہوتی ہے اور زندہ قلوب پر اس کے جو اثرات پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے مختلف الحال بندوں کے قلوب ایک ساتھ متوجہ ہونے کی وجہ سے آسمانی رحمتوں کا جو نزول ہوتا ہے اور جماعت میں اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کی شرکت کی وجہ سے (جس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے بہت سی حدیثوں میں دی ہے) نماز جیسی عبادت میں ملائکۃ اللہ کی جو معیت اور رفاقت نصیب ہوتی ہے یہ سب اسی نظام جماعت کے برکات ہیں۔

پھر اس سب کے علاوہ اس نظام جماعت کے ذریعہ امت میں جو اجتماعیت پیدا کی جا سکتی ہے اور محلّہ کی مسجد کے روزانہ پنج وقتی اجتماع اور پوری بستی کی جامع مسجد کے ہفتہ وار وسیع اجتماع اور سال میں دو دفعہ عید گاہ کے اس سے بھی وسیع تر اجتماع سے جو عظیم اجتماعی اور ملی فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں ان کا سمجھنا تو آج کے ہر آدمی کے لئے بہت آسان ہے۔

بہر حال نظام جماعت کے انہی برکات اور اس کے اسی قسم کے مصالح اور منافع کی وجہ سے امت کے ہر شخص کو اس کا پابند کیا گیا ہے کہ جب تک کوئی واقعی مجبوری اور معذوری نہ ہو وہ نماز جماعت ہی سے ادا کرے اور جب تک امت میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیمات پر اسی طرح عمل ہوتا تھا جیسا کہ ان کا حق ہے اس وقت سوائے منافقوں یا معذوروں کے ہر شخص جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا اور اس میں کوتاہی کو نفاق کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس تمہید کے بعد جماعت کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے:۔

جماعت کی اہمیت

۷۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَاْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ ...... وَفِيْ رِوَايَةٍ ...... اِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَ اِنَّهُنَّ (اَيِ الصَّلَوَاتُ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ) مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے کو (یعنی مسلمانوں کو) اس حال میں دیکھا ہے کہ نماز باجماعت میں شریک نہ ہونے والا یا تو بس کوئی منافق ہوتا تھا جس کی منافقت ڈھکی چھپی نہیں ہوتی تھی، بلکہ عام طور سے لوگوں کو اس کی منافقت کا علم ہوتا تھا۔ یا

کوئی بیچارہ مریض ہوتا تھا (جو بیماری کی مجبوری سے مسجد تک نہیں آسکتا تھا) اور بعضے مریض بھی دو آدمیوں کے سہارے چل کر آتے اور جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ اسکے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو "سنن ہدیٰ" کی تعلیم دی ہے (یعنی دین و شریعت کی ایسی باتیں بتلائی ہیں جن سے ہماری ہدایت و سعادت وابستہ ہے) اور انہی "سنن ہدیٰ" میں سے ایسی مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہو جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ہے۔ اور ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ ارشاد اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ:۔

"اے مسلمانو! اللہ نے تمہارے نبیؐ کے لیے "سنن ہدیٰ" مقرر فرمائی ہیں (یعنی ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقام قرب و رضا تک پہنچانے والے ہیں) اور یہ پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں ادا کرنا انہی "سنن ہدیٰ" میں سے ہے اور اگر تم اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ یہ ایک آدمی جماعت سے الگ اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے (یہ اس زمانے کے کسی خاص شخص کی طرف اشارہ تھا) تو تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے، اور جب تم اپنے پیغمبرؐ کا طریقہ چھوڑ دو گے تو یقین جانو کہ تم راہ ہدایت سے ہٹ جاؤ گے اور گمراہی کے غار میں جا گرو گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے کہ پانچوں وقت کی نماز جماعت سے مسجد میں ادا کرنا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمودہ "سنن ہدیٰ" میں سے ہے، یعنی آپ کی ان اہم دینی تعلیمات میں سے ہے، جن سے امت کی ہدایت وابستہ ہے۔ آگے آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جماعت کی پابندی ترک کر کے اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھنے لگنا، رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کر لینا ہے۔ اسی کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس امت کے اس اولین دور میں جو مثالی اور معیاری دور تھا، منافقوں اور مجبور مریضوں کے علاوہ ہر مسلمان جماعت ہی سے نماز ادا کرتا تھا، اور اللہ کے بعض صاحب عزیمت بندے تو بیماری کی حالت میں بھی دوسروں کے سہارے آ کر جماعت میں شرکت کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس پورے بیان سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت کی حیثیت ان کے اور عام صحابہؓ کے نزدیک دینی واجبات کی سی ہے۔ پس جن حضرات نے اس روایت کے لفظ "سنن الہدیٰ" سے یہ سمجھا ہے کہ جماعت کا درجہ فقہی اصطلاح کے مطابق بس "سنت" کا ہے، غالباً انہوں نے غور کرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے اس پورے ارشاد کو سامنے نہیں رکھا۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے اس مسئلہ پر اور زیادہ روشنی پڑے گی۔

۷۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لَیْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلُ عَلَی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَافِیْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ الْمُؤَذِّنَ فَیُقِیْمَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا یَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اٰخُذَ شُعَلًا مِنْ نَارٍ فَاُحَرِّقَ عَلٰی مَنْ لَا یَخْرُجُ اِلَی الصَّلٰوةِ بَعْدُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: منافقوں پر کوئی نماز بھی فجر وعشاء سے زیادہ بھاری نہیں ہے، اور اگر وہ جانتے کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب ہے اور کیا برکتیں ہیں تو وہ ان نمازوں میں بھی حاضر ہوا کرتے اگرچہ ان کو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آنا پڑتا (یعنی اگر بالفرض کسی بیماری کی وجہ سے وہ چل کر نہ آسکتے تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کے آتے۔ اس کے بعد آپؐ نے ارشاد فرمایا) کہ میرے جی میں آتا ہے کہ (کسی دن) میں مؤذن کو حکم دوں کہ وہ جماعت کے لئے اقامت کہے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ (میری جگہ) وہ لوگوں کی امامت کرے اور خود آگ کے فتیلے ہاتھ میں لوں اور ان لوگوں پر (یعنی ان کے موجود ہوتے ہوئے ان کے گھروں میں) آگ لگادوں جو اس کے بعد بھی (یعنی اذان سننے کے بعد بھی) نماز میں شرکت کرنے کے لئے گھروں سے نہیں نکلتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اللہ اکبر! کتنی سخت وعید ہے، اور کیسے جلال اور غصہ کا اظہار ہے، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان لوگوں کے حق میں جو آپؐ کے زمانے میں جماعت میں غیر حاضر ہوتے تھے۔

اور اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ کا اسی طرح کا ایک لرزہ خیز ارشاد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے، بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ صاف و صریح ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

لَيَنْتَهِيَنَّ رِجَالٌ عَنْ تَرْكِ الْجَمَاعَةِ اَوْلَاُ حَرِّقَنَّ بُيُوْتَهُمْ — (کنز العمال بحوالہ ابن ماجہ)

لوگوں کو چاہئے کہ وہ جماعت ترک کرنے سے باز آئیں، نہیں تو میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

یہ تارکین جماعت جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اتنے سخت غصہ کا اظہار فرمایا، خواہ عقیدے کے منافق ہوں یا عمل کے منافق (یعنی دینی اعمال میں سستی اور کوتاہی کرنے والے) بہر حال اس وعید اور دھمکی کا تعلق ان کے عمل "ترک جماعت" سے ہے۔ اسی بناء پر بعض ائمہ سلف (جن میں سے ایک امام احمد ابن حنبلؒ بھی ہیں) اس طرف گئے ہیں کہ ہر غیر معذور شخص کے لئے جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے۔ یعنی ان کے نزدیک جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے اسی طرح اس کو جماعت سے پڑھنا ایک مستقل فرض ہے اور جماعت کا تارک ایک فرض عین کا تارک ہے۔ لیکن محققین احناف نے "جماعت" سے متعلق تمام احادیث کو سامنے رکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ اس کا درجہ واجب کا ہے اور اس کا تارک گنہگار ہے۔ اور مندرجہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایک طرح کی تہدید اور دھمکی ہے۔ واللہ اعلم

۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيْ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اِتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلٰوةُ الَّتِيْ صَلّٰى. (رواہ ابوداؤد و الدارقطنی)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص نماز باجماعت کے لئے مؤذن کی پکار سنے اور اس کی تابعداری کرنے سے (یعنی جماعت میں شریک ہونے

سے) کوئی واقعی عذر اس کے لیے مانع نہ ہو (اور اس کے باوجود وہ جماعت میں نہ آئے بلکہ الگ ہی اپنی نماز پڑھ لے) تو اس کی وہ نماز اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو گی۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ) واقعی عذر کیا ہو سکتا ہے؟۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ جان و مال کا خوف یا مرض۔ (سنن ابی داؤد و سنن دار قطنی)

تشریح...... اس حدیث میں بھی تارکین جماعت کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے۔ بعض ائمہ سلف کا مذہب اسی حدیث کی بناء پر یہ ہے کہ جماعت وضوو غیرہ کی طرح نماز کے شرائط میں سے ہے، اور غیر معذور آدمی کی نماز جماعت کے بغیر سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔ لیکن جمہور ائمہ کا مذہب یہ نہیں ہے، ان کے نزدیک ایسی نماز ہو تو جاتی ہے لیکن بہت ناقص ادا ہوتی ہے، اور اس کا ثواب بھی کم ہوتا ہے، اور رضاء الٰہی جو خاص الخاص مقصد اور ثمرہ ہے اس سے محروم رہتی ہے، جمہور کے نزدیک مقبول نہ ہونے کا مطلب یہی ہے۔ اور دوسری ان حدیثوں سے جن میں نماز باجماعت اور نماز بے جماعت کے ثواب کی کمی بیشی بتائی گئی ہے۔ جمہور ہی کے مسلک کی تائید ہوتی ہے۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ بغیر عذر کے ترک جماعت بہت بڑی محرومی اور بد بختی ہے۔

۷۶) **عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ ثَلٰثَةٍ فِىْ قَرْيَةٍ وَلَا بَدْوٍ لَا تُقَامُ فِيْهِمُ الصَّلٰوةُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّمَا يَاْكُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ .**

(رواه احمد و ابو داؤد و النسائى)

ترجمہ۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ کسی بستی میں یا بادیہ[1] میں تین آدمی ہوں اور وہ نماز باجماعت نہ پڑھتے ہوں تو ان پر شیطان یقیناً قابو پالے گا، لہذا تم جماعت کی پابندی کو اپنے پر لازم کر لو، کیونکہ بھیڑیا اسی بھیڑ کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو گلہ سے الگ دور رہتی ہے۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی جگہ صرف تین آدمی بھی نماز پڑھنے والے ہوں تو انکو جماعت ہی سے نماز پڑھنا چاہیئے، اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو شیطان آسانی سے ان کو شکار کر سکے گا۔

نماز باجماعت کی فضیلت اور برکت

۷۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً —** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ باجماعت نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں چیزوں کے خواص اور اثرات میں درجوں اور نمبروں کا فرق

---

[1] بادیہ = وہ جنگل جہاں کوئی مستقل بستی نہ ہو بلکہ عارضی طور پر کوئی مقیم ہو گیا ہو۔ ۱۲

ہوتا ہے اور اس کی بناء پر ان چیزوں کی افادیت اور قدر و قیمت میں بھی فرق ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے اعمال میں بھی درجوں اور نمبروں کا فرق ہوتا ہے، اور اس کا صحیح اور تفصیلی علم بس اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی عمل کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں عمل کے مقابلے میں اتنے درجہ افضل ہے تو وہ اس انکشاف کی بناء پر فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس سلسلہ میں آپؐ پر کیا جاتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ نماز باجماعت کی فضیلت اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ۲۷ درجہ زیادہ ہے اور اس کا ثواب ۲۷ گنا زیادہ ملنے والا ہے، وہ حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر منکشف فرمائی اور آپ نے اہل ایمان کو بتلائی۔ اب صاحب ایمان کا مقام یہ ہے کہ وہ اس پر دل سے یقین کرتے ہوئے ہر وقت کی نماز جماعت ہی سے پڑھنے کا اہتمام کرے۔

اس حدیث سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ اکیلے پڑھنے والے کی نماز بھی بالکل کالعدم نہیں ہے وہ بھی ادا ہو جاتی ہے لیکن ثواب میں ۲۶ درجہ کی رہتی ہے اور یہ بھی یقیناً بہت بڑا خسارا اور بڑی محرومی ہے۔

۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَ بَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چالیس دن تک ہر نماز جماعت کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اس کے لئے دو براءتیں لکھ دی جاتی ہیں ایک آتش دوزخ سے براءت اور دوسری نفاق سے براءت۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ کامل ایک چلہ ایسی پابندی اور اہتمام سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا کہ تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا مقبول و محبوب عمل ہے اور بندہ کے ایمان واخلاص کی ایسی نشانی ہے کہ اسکے لیے فیصلہ کر دیا جاتا ہے کہ اس کا دل نفاق سے پاک ہے اور یہ ایسا جنتی ہے کہ دوزخ کی آنچ سے بھی وہ کبھی آشنا نہ ہو گا۔ اللہ کے بندے صدق دل سے ارادہ اور ہمت کریں تو اللہ تعالیٰ سے توفیق کی امید ہے، کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عمل خیر کی چالیس دن تک پابندی خاص تاثیر رکھتی ہے۔

جماعت کی نیت پر جماعت کا پورا ثواب

۷۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلُّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا .
(رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے وضو کیا اور اچھی طرح (یعنی پورے آداب کے ساتھ) وضو کیا، پھر وہ (جماعت کے ارادے سے مسجد کی طرف)

گیا، وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ لوگ جماعت سے نماز پڑھ چکے اور جماعت ہو چکی، تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو بھی ان لوگوں کے برابر ثواب دے گا جو جماعت میں شریک ہوئے اور جنہوں نے جماعت سے نماز ادا کی، اور یہ چیز ان لوگوں کے اجر و ثواب میں کمی کا باعث نہیں ہوگی۔ (سنن ابی داود، سنن نسائی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جو جماعت کی پابندی کرتا ہے اور اس کے لئے پورا اہتمام کرتا ہے اس کو اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ وہ اپنی عادت کے مطابق اچھی طرح وضو کر کے جماعت کی نیت سے مسجد جائے اور وہاں جا کر اسے معلوم ہو کہ جماعت ہو چکی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور اس کے اہتمام کی وجہ سے اس کو جماعت والی نماز کا پورا ثواب عطا فرمائیں گے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس کی کسی نادانستہ کوتاہی یا غفلت ولاپرواہی کی وجہ سے اس کی جماعت فوت نہیں ہوئی ہے، بلکہ وقت کے اندازہ کی غلطی یا کسی ایسی ہی وجہ سے وہ بے چارہ جماعت سے رہ گیا ہے، جس میں اس کا قصور نہیں ہے۔

کن حالات میں مسجد اور جماعت کی پابندی ضروری نہیں

۸۰) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِىْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِى الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّ مَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِى الرِّحَالِ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات میں جو بہت سردی اور تیز ہوا والی رات تھی، اذان دی، پھر خود ہی اذان کے بعد پکار کے فرمایا: لوگو! اپنے گھروں ہی پر نماز پڑھ لو۔ پھر آپ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب سردی اور بارش والی رات ہوتی تو آپ مؤذن کو حکم فرما دیتے کہ وہ یہ بھی اعلان کر دے کہ آپ لوگ اپنے گھروں ہی میں نماز پڑھ لیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں سردی اور ہوا کا جو ذکر ہے ظاہر ہے کہ اس سے غیر معمولی اور خطرناک قسم کی سردی اور ہوا ہی مراد ہے اور ایسی صورت میں یہی حکم ہے۔ اسی طرح بارش اگر اتنی ہو کہ مسجد تک جانے میں بھیگ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں پانی یا کیچڑ یا پھسلن ہو تو بھی یہی حکم ہے یعنی اجازت ہے کہ نماز گھر ہی پر پڑھ لی جائے، ایسی سب صورتوں میں جماعت میں حاضری ضروری نہیں رہتی۔

۸۱) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ وَلَا يُعَجِّلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا رات کا کھانا (کھانے کے لئے) سامنے رکھ دیا جائے اور (دوسری طرف مسجد میں) جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے وہ کھانا کھا لے اور جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے جلد بازی سے کام نہ لے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... شارحین نے لکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کو بھوک اور کھانے کا تقاضا ہو اور کھانا سامنے رکھ دیا گیا ہو، ایسی حالت میں اگر آدمی کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھانا چھوڑ کے نماز میں شریک ہو تو اس کا کافی امکان ہے کہ اس کا دل نماز پڑھتے ہوئے بھی کھانے میں لگا رہے، اس لئے ایسی صورت میں شریعت کا حکم اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ پہلے کھانے سے فارغ ہو اس کے بعد نماز پڑھے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ خود ان کو بھی ایسا اتفاق ہو جاتا تھا کہ ان کے سامنے کھانا رکھ دیا گیا اور مسجد میں جماعت کھڑی ہو گئی، تو ایسی صورت میں آپ کھانا چھوڑ کے نہیں بھاگتے تھے بلکہ کھانا کھاتے رہتے تھے، حالانکہ (مکان مسجد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے) امام کی قرأت کی آواز کانوں میں آتی رہتی تھی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہو کر ہی نماز پڑھتے تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ شریعت و سنت کے بے حد پابند بلکہ عاشق تھے، ان کا یہ طرز عمل خود ان کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث ہی کی وجہ سے تھا۔

۸۲) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا وَهُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:۔ نماز کا حکم نہیں ہے کھانے کے سامنے ہوتے ہوئے اور نہ ایسی حالت میں جب کہ آدمی کو پاخانے یا پیشاب کا تقاضا ہو۔ (صحیح مسلم)

۸۳) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَبْدَءْ بِالْخَلَاءِ .** (رواه الترمذى و روى مالك و ابوداؤد والنسائى نحوه)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے:۔ جب جماعت کھڑی ہو جائے اور تم میں سے کسی کو استنجے کا تقاضا ہو تو اس کو چاہئے کہ پہلے استنجے سے فارغ ہو۔ (جامع ترمذی۔ نیز یہی حدیث مؤطا امام مالک سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ مروی ہے)

تشریح..... ان حدیثوں میں طوفانی ہوا یا بارش یا سخت سردی کے اوقات میں یا کھانے پینے اور پیشاب پاخانے کے تقاضے کی حالت میں جماعت سے غیر حاضری اور اکیلے ہی نماز پڑھنے کی جو اجازت دی گئی ہے یہ اس کی واضح مثال ہے کہ شریعت میں انسانوں کی حقیقی مشکلوں اور مجبوریوں کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے:۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج . ۲۲ : ۷۸)

اللہ نے دین میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل نہیں رکھی ہے۔

جماعت میں صف بندی

نماز کے لئے جو اجتماعی نظام "جماعت" کی شکل میں تجویز کیا گیا ہے، اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا ہے کہ: لوگ صفیں بنا کر برابر برابر کھڑے ہوں۔ ظاہر ہے کہ نماز جیسی اجتماعی عبادت کے لئے اس سے زیادہ حسین و سنجیدہ اور اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کی تکمیل کے لئے آپؐ نے تاکید فرمائی کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں، کوئی شخص ایک انچ نہ آگے ہو اور نہ پیچھے، پہلے اگلی صف پوری کر لی جائے اس کے بعد پیچھے کی صف شروع کی جائے۔ بڑے اور ذمہ دار اور اصحاب علم و فہم اگلی صفوں میں اور امام سے قریب جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چھوٹے بچے پیچھے کھڑے ہوں اور اگر خواتین جماعت میں شریک ہوں تو ان کی صف سب سے پیچھے ہو۔ امام سب سے آگے اور صفوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ ظاہر ہے کہ ان سب باتوں کا مقصد جماعت کی تکمیل اور اس کو زیادہ مفید اور مؤثر بنانا ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان باتوں کا عملاً اہتمام فرماتے اور وقتاً فوقتاً امت کو بھی ان کی ہدایت و تلقین فرماتے اور ان کا ثواب بیان فرما کر ترغیب دیتے، نیز ان امور میں بے پروائی کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھئے!۔

صفوں کو سیدھا اور برابر کرنے کی اہمیت اور تاکید

۸۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! نماز میں صفوں کو برابر کیا کرو، کیونکہ صفوں کو سیدھا اور برابر کرنا نماز اچھی طرح ادا کرنے کا جزو ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ "اقامت صلوٰۃ" جس کا قرآن مجید میں جا بجا حکم دیا گیا ہے اور جو مسلمانوں کا سب سے اہم فریضہ ہے، اس کی کامل ادائیگی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ جماعت کی صفیں بالکل سیدھی اور برابر ہوں۔

سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے داہنی جانب رخ کر کے لوگوں سے فرماتے کہ: برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ پھر اسی طرح بائیں جانب رخ کر کے ارشاد فرماتے کہ برابر برابر ہو جاؤ اور صفوں کو سیدھا کرو۔ اس حدیث سے اور اسکے علاوہ بھی بعض دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خصوصاً نماز کے لئے کھڑے ہونے کے وقت اکثر و بیشتر یہ تاکید فرماتے تھے۔

۸۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا

الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَامَ حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَاللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھا اور برابر کراتے تھے گویا کہ ان کے ذریعہ آپ تیروں کو سیدھا کریں گے یہاں تک کہ آپ کو خیال ہو گیا کہ اب ہم لوگ سمجھ گئے (کہ ہم کو کس طرح برابر کھڑا ہونا چاہئے) اس کے بعد ایک دن ایسا ہوا کہ آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھانے کے لئے اپنی جگہ پر کھڑے بھی ہو گئے، یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ تکبیر کہہ کے نماز شروع فرمادیں کہ آپ کی نگاہ ایک شخص پر پڑی جس کا سینہ صف سے کچھ آگے نکلا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا کہ :- اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو سیدھا اور بالکل برابر کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے رخ ایک دوسرے کے مخالف کر دے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے الفاظ:

حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ

"گویا کہ آپ صفوں کے ذریعہ تیر سیدھے کریں گے"

کا مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اہل عرب شکار یا جنگ میں استعمال کے لئے جو تیر تیار کرتے تھے ان کو بالکل سیدھا اور برابر کرنے کی بڑی کوشش کی جاتی تھی، اس لئے کسی چیز کی برابری اور سیدھے پن کی تعریف میں مبالغے کے طور پر وہاں کہا جاتا تھا کہ وہ چیز ایسی برابر اور اسقدر سیدھی ہے کہ اس کے ذریعہ تیروں کو سیدھا کیا جا سکتا ہے۔ یعنی وہ تیروں کو سیدھا اور برابر کرنے میں معیار اور پیمانہ کا کام دے سکتی ہے۔ الغرض اس حدیث کے راوی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا مطلب بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو اس قدر سیدھی اور برابر کرنے کی کوشش فرماتے تھے کہ ہم میں سے کوئی سوت برابر بھی آگے یا پیچھے نہ ہو، یہاں تک کہ طویل مدت کی اس مسلسل کوشش اور تربیت کے بعد آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ہم کو یہ بات سمجھ آگئی، لیکن اس کے بعد جب ایک دن آپ نے اس معاملہ میں ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی تو بڑے جلال کے انداز میں فرمایا کہ :- اللہ کے بندو! میں تم کو آگاہی دیتا ہوں کہ اگر صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں تم بے پروائی اور کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں تمہارے رخ ایک دوسرے سے مختلف کر دے گا، یعنی تمہاری وحدت اور اجتماعیت پارہ پارہ کر دی جائے گی اور تم میں پھوٹ پڑ جائے گی، جو امتوں اور قوموں کے لئے اس دنیا میں سو عذابوں کا ایک عذاب ہے۔ صفوں کو برابر اور سیدھا کرنے میں کوتاہی اور غفلت پر باہمی اختلاف اور پھوٹ کی وعید متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے اور بلا شبہ اس قصور اور اس کی اس سزا میں خاص مناسبت ہے۔ افسوس بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس معاملہ میں بھی کوتاہی خاص کر بعض علاقوں میں بہت عام ہو چکی ہے۔

۸۶) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ مَنَاکِبَنَا فِی الصَّلٰوۃِ وَیَقُوْلُ اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُکُمْ لِیَلِنِیْ مِنْکُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰی ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ. (رواه المسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں (یعنی نماز کے لئے جماعت کھڑے ہونے کے وقت) ہمیں برابر کرنے کے لئے ہمارے مونڈھوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے برابر برابر ہو جاؤ اور مختلف (یعنی آگے پیچھے) نہ ہو کہ خدانخواستہ اس کی سزا میں تمہارے قلوب باہم مختلف ہو جائیں (اور فرماتے تھے کہ) تم میں سے جو دانش منداور سمجھ دار ہیں وہ میرے قریب ہوں، ان کے بعد وہ لوگ ہوں جن کا نمبر اس صفت میں ان کے قریب ہو، اور ان کے بعد وہ لوگ جن کا درجہ ان سے قریب ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں صفوں کی برابری کے علاوہ صف بندی ہی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک دوسری ہدایت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے فہم و دانش میں امتیاز عطا فرمایا ہے، ان کے بعد اس لحاظ سے دوم درجہ والے اور انکے بعد سوم درجے والے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب بالکل فطری بھی ہے اور تعلیم و تربیت کی مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اچھی اور ممتاز صفتوں والے درجہ بدرجہ آگے اور قریب رہیں۔

۸۷) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاِذَا اسْتَوَیْنَا کَبَّرَ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب ہم کو نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوتے تو پہلے آپ ہماری صفوں کو برابر فرماتے، اور جب ہماری صفیں درست اور برابر ہو جاتیں، تو آپ تکبیر کہتے یعنی نماز شروع فرماتے۔ (سنن ابی داؤد)

پہلے اگلی صفیں مکمل کی جائیں

۸۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْهِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو پہلے اگلی صف پوری کیا کرو، پھر اس کے قریب والی تاکہ جو کمی کسر رہے وہ آخری ہی صف میں رہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھی جائے تو لوگوں کو چاہئے کہ آگے والی صف پوری کر لینے کے بعد پیچھے والی صف میں کھڑے ہوں اور جب تک کسی اگلی صف میں جگہ باقی رہے پیچھے نہ کھڑے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اگلی صفیں سب مکمل ہوں گی اور جو کمی کسر رہے گی وہ سب سے

آخری ہی صف میں رہے گی!

صف اول کی فضیلت

۸۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قال اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَعَلَی الثَّانِیْ قَالَ وَعَلَی الثَّانِیْ ۔ (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں، پہلی صف کے لئے۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری کے لئے بھی؟۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر عرض کیا گیا۔ اور دوسری صف کے لئے بھی؟۔ آپؐ نے پھر پہلی ہی بات دہرادی۔ یعنی فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور اس کے فرشتے دعا خیر کرتے ہیں پہلی صف کے لئے۔ پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کے لئے بھی؟۔ آپؐ نے تیسری مرتبہ بھی وہی پہلی بات دہرادی کہ اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے دعاءِ رحمت کرتے ہیں پہلی صف والوں کے لئے۔ ان لوگوں نے پھر عرض کیا کہ :۔ یارسول اللہ (ﷺ)! اور دوسری صف کیلئے بھی؟ تو اس چوتھی دفعہ آپؐ نے فرمایا اور دوسری صف والوں کے لئے بھی۔ (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور فرشتوں کی دعاءِ رحمت کے خصوصی مستحق اگلی صف والے ہی ہوتے ہیں، دوسری صف والے بھی اس سعادت میں اگرچہ شریک ہیں لیکن بہت پیچھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی اور دوسری صف میں بظاہر اور ہماری نگاہوں میں فاصلہ تو بہت ہی تھوڑا سا ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں بہت فاصلہ ہے، اس لئے اللہ کی رحمت کے طالب کو چاہئے کہ وہ حتی الوسع پہلی ہی صف میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، جس کا ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ مسجد میں اول وقت پہنچ جائے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ پہلی صف میں کھڑے ہونے کا کیا اجر و ثواب ہے، اور اس پر کیا صلہ ملنے والا ہے تو لوگوں میں اس کے لئے ایسی مسابقت اور کشمکش ہو کہ قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا پڑے۔"

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے۔ آمین

صفوں کی ترتیب

۹۰) عَنْ اَبِیْ مَالِکِ الْاَشْعَرِیْ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُکُمْ بِصَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَصَفَّ

الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ اُمَّتِىْ .

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ انہوں نے لوگوں سے کہا، میں تم سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کا بیان کروں؟ پھر بیان کیا کہ آپؐ نے نماز قائم فرمائی، پہلے آپؐ نے مردوں کو صف بستہ کیا، ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی، پھر آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی، اس کے بعد فرمایا کہ یہی طریقہ ہے میری امت کی نماز کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ صحیح اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ مردوں کی صفیں آگے ہوں، اور چھوٹے بچوں کی صفیں ان کے پیچھے الگ ہوں۔ اور آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ اگر عورتیں بھی شریک جماعت ہوں تو وہ چھوٹے بچوں سے بھی پیچھے کھڑی ہوں۔

امام کو وسط میں کھڑا ہونا چاہئے

۹۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّ الْخَلَلَ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگو! امام کو اپنے وسط میں لو (یعنی اس طرح صف بناؤ کہ امام تمہارے درمیان میں ہو)۔ اور صفوں میں جو خلاء ہو اس کو پر کرو۔ (سنن ابی داؤد)

جب ایک یا دو مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہوں

۹۲) عَنْ جَابِرٍ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِيُصَلِّىَ فَجِئْتُ حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِىْ فَاَدَارَنِىْ حَتّٰى اَقَامَنِىْ عَنْ يَمِيْنِهٖ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ ـ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ (یعنی آپؐ نے نماز شروع فرمائی) اتنے میں میں آگیا اور (نیت کر کے) آپؐ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیچھے کی جانب سے مجھے گھما کے اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا، پھر اتنے میں جبار بن صخر آگئے، وہ نیت کر کے آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہوگئے، تو آپؐ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کے پیچھے کی جانب کر دیا اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو اس کو امام کی داہنی جانب کھڑا ہونا چاہئے، اور اگر وہ غلطی سے بائیں جانب کھڑا ہو جائے تو امام کو چاہئے کہ اس کو داہنی جانب کر لے، اور جب کوئی دوسرا مقتدی آکر شریک ہو جائے تو امام کو آگے اور ان دونوں کو صف بنا کر پیچھے کھڑا ہونا چاہئے۔

صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

۹۳) **عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا يُصَلِّىْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ .** (رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صف کے پیچھے اکیلا کھڑا نماز پڑھ رہا ہے تو آپؐ نے اس کو دوبارہ نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے میں چونکہ جماعت اور اجتماعیت کی شان بالکل نہیں پائی جاتی، اس لئے شریعت میں یہ اس قدر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو نماز دوبارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔

فائدہ...... اگر کوئی شخص ایسے وقت جماعت میں شریک ہو کہ آگے کی صف بالکل بھر چکی ہو اور اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا کوئی دوسرا نمازی موجود نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ آگے کی صف میں سے کسی جاننے والے کو پیچھے ہٹا کے اپنے ساتھ کھڑا کرلے، بشرطیکہ یہ امید ہو کہ وہ آسانی سے پیچھے ہٹ آئے گا، اور اگر ایسا کوئی آدمی اگلی صف میں نہ ہو تو پھر مجبوراً پیچھے اکیلا ہی کھڑا ہو جائے، اور اس صورت میں عنداللہ یہ شخص معذور ہوگا۔

عورتوں کو مردوں سے حتیٰ کہ بچوں سے بھی الگ پیچھے کھڑا ہونا چاہئے

۹۴) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَيَتِيْمٌ فِىْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِىِّ ﷺ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا ۔** (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اپنے گھر میں اور میرے ساتھ (میرے بھائی) یتیم[1] نے بھی (یعنی ہم دونوں صف بنا کر حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے) اور ہماری والدہ ام سلیم ہم دونوں کے پیچھے کھڑی ہوئیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جماعت میں صرف ایک عورت بھی شریک ہو تو اس کو بھی مردوں اور بچوں سے الگ سب سے پیچھے کھڑا ہونا چاہئے، حتیٰ کہ اگر بالفرض آگے صف میں اس کے سگے بیٹے ہی ہوں تب بھی وہ ان کے ساتھ کھڑی نہ ہو، بلکہ الگ پیچھے کھڑی ہو (صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی تصریح ہے کہ ام سلیم کو رسول اللہ ﷺ ہی نے پیچھے کھڑا کیا تھا)۔

اوپر کی حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا کس قدر ناپسندیدہ ہے، لیکن عورتوں کا مردوں بلکہ کمسن لڑکوں کے ساتھ بھی کھڑا ہونا چونکہ شریعت کی نگاہ میں اس سے بھی زیادہ ناپسندیدہ اور خطرناک ہے، اس لئے عورت اگر اکیلی ہو تو اس کو نہ صرف اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ اکیلی ہی صف کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

---

[1] یتیم سے مراد حضرت انسؓ کے ایک بھائی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لقب تھا۔ ۱۲

امامت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے، دین کے تمام اعمال میں سب سے اہم اور مقدم نماز ہے اور دین کے نظام میں اس کا درجہ اور مقام گویا وہی ہے، جو جسم انسانی میں قلب کا ہے، اس لئے اس کی امامت بہت بڑا دینی منصب اور بڑی بھاری ذمہ داری، اور رسول اللہ ﷺ کی ایک طرح کی نیابت ہے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو موجودہ نمازیوں میں دوسروں کی بہ نسبت اس عظیم منصب کے لئے زیادہ اہل اور موزوں ہو، اور وہ وہی ہو سکتا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ سے نسبۃً زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہو اور آپؐ کی دینی وراثت سے جس نے زیادہ حصہ لیا ہو، اور چونکہ آپؐ کی وراثت میں اول اور اعلیٰ درجہ قرآن مجید کا ہے، اس لئے جس شخص نے سچا ایمان نصیب ہونے کے بعد قرآن مجید سے خاص تعلق پیدا کیا، اس کو یاد کیا اور اپنے دل میں اتارا، اس کی دعوت، اس کی تذکیر اور اس کے احکام کو سمجھا، اس کو اپنے اندر جذب اور اپنے اوپر طاری کیا، وہ رسول اللہ ﷺ کی وراثت کے خاص حصہ داروں میں ہوگا، اور ان لوگوں کے مقابلے میں جو اس سعادت میں اس سے پیچھے ہوں گے آپؐ کی اس نیابت یعنی امامت کے لئے زیادہ اہل اور زیادہ موزوں ہوگا۔ اور اگر بالفرض سارے نمازی اس لحاظ سے برابر ہوں تو چونکہ قرآن مجید کے بعد سنت کا درجہ ہے اس لئے اس صورت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو سنت و شریعت کے علم میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز رکھتا ہوگا، اور اگر بالفرض اس لحاظ سے بھی سب برابر کے سے ہوں، تو پھر جو کوئی ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری اور محاسن اخلاق جیسی دینی صفات کے لحاظ سے ممتاز ہوگا امامت کے لئے وہ لائق ترجیح ہوگا، اور اگر بالفرض اس طرح کی صفات میں بھی یکسانی سی ہو تو پھر عمر کی بڑائی کے لحاظ سے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ عمر کی بڑائی اور بزرگی بھی ایک مسلم فضیلت ہے۔

بہرحال امامت کے لئے یہ اصولی ترتیب عقل سلیم کے بالکل مطابق مقتضائے حکمت ہے، اور یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت ہے۔

امامت کی ترتیب

۹۵) **عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَ ةِ سَوَاءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِى السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِى الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِى سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ فِىْ بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ —** (رواہ مسلم)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جماعت کی امامت وہ شخص کرے جو ان میں سب سے زیادہ کتاب اللہ کا پڑھنے والا ہو، اور اگر اس میں سب یکساں ہوں تو پھر وہ آدمی امامت کرے جو سنت و شریعت کا زیادہ علم رکھتا ہو، اور اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ جس

نے پہلے ہجرت کی ہو، اور اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں (یعنی سب کا زمانہ ہجرت ایک ہی ہو) تو پھر وہ شخص امامت کرے جو سن کے لحاظ سے مقدم ہو، اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کے حلقہ سیادت و حکومت میں اس کا امام نہ بنے اور اس کے گھر میں اسکے بیٹھنے کی خاص جگہ پر اس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... حدیث کے لفظ اقرأھم لکتاب اللہ کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو یہاں کیا گیا ہے۔ یعنی "کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا" لیکن اس کا مطلب نہ تو صرف حفظ قرآن ہے اور نہ مجرد کثرت تلاوت، بلکہ اس سے مراد ہے حفظ قرآن کے ساتھ اس کا خاص علم اور اس کے ساتھ خاص شغف۔ عہد نبوی ﷺ میں جو لوگ قراء کہلاتے تھے ان کا یہی امتیاز تھا۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز کی امامت کے لئے زیادہ اہل اور موزوں وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کے علم اور اس کے ساتھ شغف و تعلق میں دوسروں پر فائق ہو، اور ظاہر ہے کہ عہد نبویؐ میں یہی سب سے بڑا دینی امتیاز اور فضیلت کا معیار تھا، اور جس کا اس سعادت میں جس قدر زیادہ حصہ تھا وہ اسی قدر رسول اللہ ﷺ کی خاص وراثت و امانت کا حامل اور امین تھا۔ اس کے بعد سنت و شریعت کا علم فضیلت کا دوسرا معیار تھا (اور یہ دونوں علم یعنی علم قرآن اور علم سنت جس کے پاس بھی تھے، عمل کے ساتھ تھے۔ علم بلا عمل کا وہاں وجود ہی نہیں تھا)

فضیلت کا تیسرا معیار عہد نبوت کے اس خاص ماحول میں ہجرت میں سابقیت تھی، اس لئے اس حدیث میں تیسرے نمبر پر اسی کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن بعد میں یہ چیز باقی نہیں رہی، اس لئے فقہائے کرام نے اس کی جگہ صلاح و تقوے میں فضیلت و فوقیت کو ترجیح کا تیسرا معیار قرار دیا ہے جو بالکل بجا ہے۔

ترجیح کا چوتھا معیار اس حدیث میں عمر میں بزرگی کو قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر مذکورہ بالا تین معیاروں کے لحاظ سے کوئی فائق اور قابل ترجیح نہ ہو تو پھر جو کوئی عمر میں بڑا اور بزرگ ہو وہ امامت کرے۔

حدیث کے آخر میں دو ہدایتیں اور بھی دی گئی ہیں ایک یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کی امامت و سیادت کے حلقہ میں جائے تو وہاں امامت نہ کرے بلکہ اس کے پیچھے مقتدی بن کر نماز پڑھے (ہاں اگر وہ شخص خود ہی اصرار کرے تو دوسری بات ہے)۔

اور دوسری یہ کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے گھر جائے تو اسکی خاص جگہ پر نہ بیٹھے، ہاں اگر وہ خود بٹھائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان دونوں ہدایتوں کی حکمت و مصلحت بالکل ظاہر ہے۔

اپنے میں سے بہتر کو امام بنایا جائے

۹۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ.** رواه الدارقطني و البيهقي (كنز العمال)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں جو اچھے اور بہتر ہوں ان کو اپنا امام بناؤ، کیونکہ تمہارے رب اور مالک کے حضور میں وہ تمہارے نمائندے

ہوتے ہیں۔ (دار قطنی، بیہقی)

تشریح ...... یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ امام اللہ تعالیٰ کے حضور میں پوری جماعت کی نمائندگی کرتا ہے، اس لئے خود جماعت کا فرض ہے کہ وہ اس اہم اور مقدس مقصد کے لئے اپنے میں سے بہترین آدمی کو منتخب کرے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک اس دنیا میں رونق افروز رہے خود امامت فرماتے رہے اور مرض وفات میں جب معذور ہوگئے تو علم و عمل کے لحاظ سے امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امامت کے لئے نامزد اور مامور فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں حق امامت کی جو تفصیلی ترتیب بیان فرمائی گئی ہے اس کا منشاء بھی دراصل یہی ہے کہ جماعت میں جو شخص سب سے بہتر اور افضل ہو اس کو امام بنایا جائے اقرأهم لكتاب الله اور اعلمهم بالسنة ...... یہ سب اسی بہتری اور افضلیت فی الدین کی تفصیل ہے۔

افسوس ہے کہ بعد کے دور میں اس اہم ہدایت سے بہت تغافل برتا گیا اور اس کی وجہ سے امت کا پورا نظام درہم برہم ہو گیا۔

امام کی ذمہ داری اور مسئولیت

۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ وَلْيَعْلَمْ اَنَّهٗ ضَامِنٌ مَسْئُوْلٌ لِمَا ضَمِنَ وَاِنْ اَحْسَنَ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِمِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى خَلْفَهٗ مِنْ غَيْرِاَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَهُوَ عَلَيْهِ. رواه الطبرانى فى الاوسط (كنز العمال)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جماعت کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ خدا سے ڈرے اور یقین رکھے کہ وہ مقتدیوں کی نماز کا بھی ضامن یعنی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کے بارے میں بھی سوال ہوگا، اگر اس نے اچھی نماز پڑھائی تو پیچھے نماز پڑھنے والے سب مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اس کو ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے، اور نماز میں جو نقص اور قصور رہا ہوگا اس کا بوجھ تنہا امام پر ہوگا۔ (معجم اوسط للطبرانی)

مقتدیوں کی رعایت

۹۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَاشَاءَ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھائے تو چاہئے کہ ہلکی نماز پڑھائے (یعنی زیادہ طول نہ دے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار

بھی ہوتے ہیں اور کمزور بھی اور بوڑھے بھی (جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو سکتی ہے) اور جب تم میں سے کسی کو بس اپنی نماز اکیلے پڑھنی ہو تو جتنی چاہے لمبی پڑھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بعض صحابہ کرام جو اپنے قبیلہ یا حلقہ کی مسجدوں میں نماز پڑھاتے تھے اپنے عبادتی ذوق و شوق میں بہت لمبی نماز پڑھتے تھے جس کی وجہ سے بعض بیمار یا کمزور یا بوڑھے یا تھکے ہارے مقتدیوں کو کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچ جاتی تھی، اس غلطی کی اصلاح کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس طرح کی ہدایت فرمائی۔ آپؐ کا منشاء اس سے یہ تھا کہ امام کو چاہئے کہ وہ اس بات کا لحاظ رکھے کہ مقتدیوں میں کبھی کوئی بیمار یا کمزور یا بوڑھا بھی ہوتا ہے، اس لئے نماز زیادہ طویل نہ پڑھے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت کی نماز میں بس چھوٹی سے چھوٹی سورتیں ہی پڑھی جائیں اور رکوع سجدہ میں تین دفعہ سے زیادہ تسبیح بھی نہ پڑھی جائے خود رسول اللہ ﷺ جیسی معتدل نماز پڑھاتے تھے وہی امت کے لئے اس بارے میں اصل معیار اور نمونہ ہے اور اسی کی روشنی میں ان ہدایات کا مطلب سمجھنا چاہئے۔ انشاءاللہ وہ حدیثیں آگے اپنے موقع پر آئیں گی جن سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی تفصیلی کیفیت اور قرأت وغیرہ کی مقدار معلوم ہو گی۔

۹۹) عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِىْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ لَاَتَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجَلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِىْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَاصَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَاالْحَاجَةِ ۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ... قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بخدا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز میں شریک نہیں ہوتا (مجبوراً اپنی نماز الگ پڑھتا ہوں) کیونکہ وہ بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں (جو میرے بس کی نہیں) حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے پھر اس بارے میں خطبہ دیا) اور میں نے کبھی آپ کو وعظ اور خطبہ کی حالت میں اس دن سے زیادہ غضبناک نہیں دیکھا۔ پھر اس خطبے میں آپؐ نے فرمایا کہ: تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اپنے غلط طرز عمل سے اللہ کے بندوں کو دور بھگانے والے ہیں، جو کوئی تم میں سے لوگوں کا امام بنے اور ان کو نماز پڑھائے تو اس کے لئے لازم ہے کہ مختصر نماز پڑھائے (زیادہ طویل نہ پڑھائے) کیونکہ ان میں ضعیف بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی اور حاجت والے بھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... یہ صحابی جن کے طویل نماز پڑھانے کی شکایت اس حدیث میں مذکور ہوئی ہے حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔

اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا بھی مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ عام طور سے نمازِ عشاء دیر کر کے پڑھتے تھے۔ ایک دن حسبِ معمول نماز دیر سے

شروع کی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھنی شروع کر دی۔ مقتدیوں میں سے ایک صاحب نے (جو بیچارے دن بھر کے تھکے ہارے تھے) نیت توڑ کے اپنی الگ نماز پڑھی اور چلے گئے۔ آخر معاملہ حضور ﷺ تک پہنچا۔ آپؐ نے حضرت معاذؓ کو ڈانٹا اور فرمایا "افتان انت یا معاذ" (اے معاذ! کیا تم لوگوں کے لئے باعث فتنہ بننا چاہتے ہو اور ان کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو)۔ آگے اسی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ:۔

والشمس وضحٰھا اور واللیل اذا یغشٰی اور والضحٰی واللیل اذا سجٰی اور سبح اسم ربک الاعلٰی یہ سورتیں پڑھا کرو۔ [1]

۱۰۰) **عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ لَاَ دْخُلُ فِی الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِیْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَاَتَجَوَّزُ فِیْ صَلٰوتِیْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُکَائِهٖ** (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: (کبھی ایسا ہوتا ہے کہ) میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ کچھ طویل پڑھنے کا ہوتا ہے، پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سُن لیتا ہوں تو نماز میں اختصار کر دیتا ہوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے رونے کی آواز سے اس کی ماں کا دل کتنا زیادہ پریشان ہوگا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھانے کی حالت میں جب کسی بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آجاتی ہے تو میں اس خیال سے کہ شاید اس بچے کی ماں جماعت میں شریک ہو اور اس کے رونے سے اس کا دل پریشان ہو رہا ہو، میں نماز مختصر پڑھ کے جلدی ختم کر دیتا ہوں۔

۱۰۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّیْتُ وَرَاءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلٰوةً وَلَا اَتَمَّ صَلٰوةً مِّنَ النَّبِیِّ ﷺ وَاِنْ کَانَ لَیَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِیِّ فَیُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ ۔** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی جو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے ہلکی اور ساتھ ہی مکمل ہو (یعنی آپ کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور بالکل مکمل بھی) اور ایسا ہوتا تھا کہ نماز پڑھانے کی حالت میں کسی بچے کے رونے کی آواز آپؐ سُن لیتے تو نماز کو مختصر اور ہلکا کر دیتے اس خطرے کی وجہ سے کہ اس کی ماں بے چین ہو (اور اس بیچاری کی نماز خراب ہو)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... امام کے لئے صحیح معیار اور رہنما اصول یہی ہے کہ اُس کی نماز ہلکی پُھلکی بھی ہو اور ساتھ ہی مکمل اور تام بھی۔ یعنی ہر رکن اور ہر چیز ٹھیک ٹھیک اور سنت کے مطابق ادا ہو جس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر آئیں گی۔

---

[1] حضرت معاذؓ کی یہ حدیث آگے قرأت کے بیان میں درج ہو گی۔ ۱۲

مقتدیوں کو ہدایت

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَ اِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْن وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ـ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! امام پر سبقت نہ کرو (بلکہ اس کی اتباع اور پیروی کرو) جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم امین کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا لک الحمد کہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ نماز کے تمام ارکان اور اجزاء میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے رہنا چاہئے کسی چیز میں بھی اس پر سبقت نہیں کرنی چاہئے۔

مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھاتا ہے اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہے اور وہ اُس سے ایسا کراتا ہے..... اور حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اُٹھاتا ہے اُس کو ڈرنا چاہئے کہ مبادا اس کا سر گدھے کا سا نہ کر دیا جائے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

۱۰۳) عَنْ عَلِيٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ وَالْاِمَامُ عَلٰى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْاِمَامُ ـ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حال میں ہو (یعنی قیام یا رکوع یا سجدہ وغیرہ میں ہو) تو آنے والے کو چاہئے کہ جو امام کر رہا ہو وہی کرے۔ (جامع ترمذی)

۱۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جِئْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهُ شَيْئًا وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ ـ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کو آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم سجدے میں شریک ہو جاؤ اور اس کو کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اُسنے نماز (یعنی نماز کی وہ رکعت) پالی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ مقتدی اگر امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو جائے تو رکعت کی شرکت کے قائم مقام ہے۔ اور اگر صرف سجدے میں شرکت ہو سکے تو اگرچہ اللہ تعالیٰ اس سجدے کا بھی پورا ثواب یقیناً

عطا فرمائیں گے، لیکن یہ سجدہ رکعت کے قائم مقام نہ ہوگا بلکہ وہ شمار بھی نہ ہوگا۔

نماز کس طرح پڑھی جائے؟

۱۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِی الثَّالِثَةِ اَوْفِی الَّتِیْ بَعْدَهَا عَلِّمْنِیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلوٰةِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَاْ بِمَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِساً (وَفِیْ رِوَايَةٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِیَ قَائِمًا) ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِكَ فِیْ صَلوٰتِكَ كُلِّهَا۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ایک جانب تشریف فرما تھے کہ ایک شخص مسجد میں آیا اور اُس نے نماز پڑھی، اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ: پھر جا کر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ وہ واپس گیا اور اُس نے پھر سے نماز پڑھی اور پھر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سلام عرض کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پھر فرمایا کہ: تم جا کے پھر نماز پڑھو، تم نے ٹھیک نماز نہیں پڑھی۔ اُس آدمی نے تیسری دفعہ میں یا اس کے بعد والی دفعہ میں عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! مجھے بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ میں کس طرح نماز پڑھوں؟ (جیسی مجھے پڑھنی آتی ہے وہ تو میں کئی دفعہ پڑھ چکا)...... آپؐ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو پہلے خوب اچھی طرح وضو کرو، پھر قبلہ کی طرف اپنا رخ کرو، پھر تکبیر تحریمہ کہہ کے نماز شروع کرو، اس کے بعد (جب قرأت کا موقع آجائے تو) جو قرآن تمہیں یاد ہو اور تمہیں پڑھنا آسان ہو وہ پڑھو۔ (اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ: سورۂ فاتحہ پڑھو اور اس کے سوا جو چاہو پڑھو) پھر قرأت کے بعد رکوع کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ رکوع میں، پھر رکوع سے اُٹھو، یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ مطمئن اور ساکن ہو جاؤ سجدہ میں پھر اٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (اور ایک راوی نے اس آخری خط کشیدہ جملے کے بجائے کہا ہے (پھر اٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ) پھر اپنی پوری نماز میں یہی کرو (یعنی ہر رکعت میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ اور تمام ارکان اچھی طرح اطمینان و سکون سے اور ٹھہر ٹھہر کے ادا کرو)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... یہ صاحب جن کا واقعہ اس حدیث میں مذکور ہوا ہے مشہور صحابی رفاعہ بن رافع کے بھائی خلاد

بن رافع تھے۔ اور سنن نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں آکر دو رکعت نماز پڑھی تھی۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں لیکن انہوں نے ان رکعتوں میں بہت جلد بازی سے کام لیا اور رکوع و سجدہ وغیرہ جس طرح تعدیل و اطمینان کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کے کرنا چاہئے نہیں کیا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''تم نے نماز ٹھیک نہیں پڑھی'' اور دوبارہ پڑھنے کا حکم دیا۔

آپ نے پہلی دفعہ میں صاف صاف ان کو یہ نہیں بتلادیا کہ تم سے نماز میں یہ غلطی ہوئی ہے اور تم کو نماز اس طرح پڑھنا چاہئے، بلکہ تیسری یا چوتھی دفعہ میں ان کے دریافت کرنے پر بتلایا جاننے والے جانتے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے یہی بہترین طریقہ ہو سکتا تھا آدمی کو جو سبق اس طرح دیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اُن صاحب کو اس موقع پر دیا، وہ کبھی زندگی بھی نہیں بھولتا اور دوسرے لوگوں میں بھی اس کا چرچا خوب ہوتا ہے۔

آپ نے اس موقع پر نماز کے متعلق تمام ضروری باتیں نہیں بتلائیں۔ مثلاً یہ نہیں بتلایا کہ رکوع میں' قومہ میں' سجدہ میں کیا پڑھا جائے' یہاں تک کہ قعدۂ اخیرہ اور تشہد اور سلام کا بھی ذکر نہیں فرمایا۔ ایسا آپؐ نے اسلئے کیا کہ ان سب باتوں سے وہ صاحب واقف تھے۔ اُن کی خاص غلطی جس کی اصلاح ضروری تھی یہ تھی کہ وہ رکوع' سجدہ وغیرہ تعدیل کے ساتھ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا نہیں کرتے تھے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اسی غلطی کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی فرمائی اور اس کی اصلاح فرمادی۔

حدیث کے آخری جملہ کے بارے میں راویوں کے بیان میں ذرا سا اختلاف ہے۔ بعض راویوں کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے سجدے سے اُٹھنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ''ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا'' (پھر تم اُٹھو یہاں تک کہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاؤ)۔ اور بعض دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا تھا: ''ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَسْتَوِىَ قَائِمًا'' (پھر تم اُٹھو یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ)۔ یہ دونوں روایتیں امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ذکر فرمائی ہیں...... جن ائمہ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں بھی دوسرے سجدے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے ذرا بیٹھ جانا چاہئے (جس کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے) اُن کے نزدیک پہلی روایت راجح ہے۔ اور دوسرے حضرات دوسری روایت کو قابلِ ترجیح سمجھتے ہیں۔

اس حدیث کی خاص ہدایت یہی ہے کہ پوری نماز ٹھہر ٹھہر کے اور اطمینان سے پڑھی جائے اور اگر کسی نے بہت جلدی جلدی اس طرح نماز پڑھی کہ اس کے ارکان پوری طرح ادا نہ ہو سکے' مثلاً رکوع و سجدہ میں بس جانا آنا ہوا' اور جتنا توقف ضروری ہے وہ بھی نہیں ہوا' تو ایسی نماز نا قابلِ اعتبار اور واجب الاعادہ ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

۱۰۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاْءَةِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

الْعَالَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَاْسَهُ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ قَائِمًا وَّكَانَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِىَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِىْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى عَنْ عُقْبَةِ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَّفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ سے نماز شروع فرماتے تھے اور قرأت کا آغاز الحمد للہ رب العالمین سے کرتے تھے، اور جب آپ رکوع میں جاتے تو سر مبارک کو نہ تو اوپر کی جانب اُٹھاتے اور نہ نیچے کی جانب جھکاتے، بلکہ درمیانی حالت میں رکھتے تھے (یعنی بالکل کمر کے متوازی) اور جب رکوع سے سر مبارک اُٹھاتے تو سجدہ میں اُس وقت تک نہ جاتے جب تک کہ سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے، اور جب سجدے سے سر مبارک اُٹھاتے تو جب تک بالکل سیدھے نہ بیٹھ جاتے دوسرا سجدہ نہیں فرماتے اور ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے تھے، اور اُس وقت اپنے بائیں پاؤں کو نیچے بچھا لیتے اور داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے تھے، اور "عقبۃ الشیطان" (یعنی شیطان کی طرح) بیٹھنے سے منع فرماتے تھے، اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنی باہیں (یعنی کلائیاں کہنیوں تک) زمین پر رکھے جس طرح کہ درندے اپنی کلائیاں زمین پر بچھا کے بیٹھتے ہیں، اور آپ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کے نماز ختم فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... نماز عبادت بلکہ اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اس لئے اس کے لئے قیام، قعود، رکوع و سجود کی وہ شکلیں اور ہیئتیں مقرر کی گئی ہیں جو عبادت اور بندگی کی بہترین اور مکمل ترین تصویریں ہیں، اور ان نامناسب ہیئتوں سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے جن میں استکبار، یا بے پروائی یا بد منظری کی شان ہو یا کسی بد فطرت مخلوق کی ہیئت سے مشابہت ہو۔ اس اصول کے تحت رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سجدے میں آدمی کلائیاں زمین پر اس طرح بچھا دے جس طرح کتے اور بھیڑیئے وغیرہ درندے بچھا کر بیٹھتے ہیں اور اسی اصول کے تحت آپ ﷺ نے اس طرح بیٹھنے سے بھی منع فرمایا جس کو اس حدیث میں "عقبۃ الشیطان" اور ایک دوسری حدیث میں "اقعاء الکلب" فرمایا گیا ہے۔ شارحین اور فقہاء نے اس کی تشریح دو طرح سے کی ہے۔

اس عاجز کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس سے مُراد دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے کر کے اُن کی ایڑیوں پر بیٹھنا ہے[1]۔ اور چونکہ اس طریقے میں کچھ استکبار اور جلدبازی کی شان ہے، اور اس شکل میں صرف گھٹنے اور پنجے ہی زمین سے لگتے ہیں۔ نیز کتے، بھیڑیئے وغیرہ درندے بھی اس طرح ایڑیوں پر بیٹھا کرتے ہیں، اس

---

[1] "عقبۃ الشیطان" اور "اقعاء" کا جو دوسرا مطلب بیان کیا گیا ہے، اگرچہ لغت کے لحاظ سے وہ بھی صحیح ہے، لیکن چونکہ کسی جاہل سے جاہل نمازی کے متعلق بھی یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس طرح نماز میں بیٹھے گا، اسلئے اس ناچیز کے نزدیک اس کو مراد لینا بہت بعید ہے۔ واللہ اعلم

لئے نماز میں اس طرح بیٹھنے سے بھی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ ممانعت صرف اس صورت میں ہے جبکہ بغیر کسی مجبوری کے آدمی ایسا کرے۔ اگر بالفرض کسی کو کوئی خاص مجبوری ہو تو وہ معذور ہے' اور اس کے حق میں بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ اُن کے پاؤں میں کچھ تکلیف رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بطریق مسنون قعدہ نہیں کر سکتے تھے' اسلئے کبھی کبھی اس طرح بھی بیٹھ جاتے تھے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں جو مروی ہے کہ انہوں نے اس طرح بیٹھنے کو "سنة نبيكم" فرمایا' تو اسکا مطلب بھی بظاہر یہی ہے رسول اللہ ﷺ کبھی کسی معذوری کی وجہ سے اس طرح بھی بیٹھے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال اگر کوئی معذور ہو تو وہ اس طرح بھی بیٹھ سکتا ہے' ورنہ عام حالات میں اور بلا عذر نماز میں اس طرح بیٹھنے کی ممانعت ہے۔

۱۰۷) عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ فِیْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَا اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَاَيْتُهٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَاءَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَلَا قَابِضَهُمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِی الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهٖ — (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو حُمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے سامنے فرمایا کہ: مجھے رسول اللہ ﷺ کی نماز یعنی اس کی تفصیلات آپ سب لوگوں سے زیادہ یاد ہیں (اس کے بعد فرمایا کہ) میں نے آپؐ کو دیکھا ہے کہ نماز شروع کرتے ہوئے جب آپؐ تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر مونڈھوں تک لے جاتے' اور جب رکوع میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیتے' پھر اپنی کمر کو پوری طرح موڑ دیتے (اور بالکل سیدھی برابر کر دیتے) پھر جب رکوع سے سر مبارک اُٹھاتے تو بالکل سیدھے اس طرح کھڑے ہو جاتے کہ ریڑھ کی ہڈی کا ہر منکا (یعنی ہر جوڑ) ٹھیک اپنی جگہ پر آ جاتا (جہاں سیدھے کھڑے ہونے کی حالت میں وہ رہتا ہے) پھر جب آپؐ سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھ زمین پر اس طرح رکھ دیتے کہ نہ تو اُن کو زمین پر بچھا دیتے اور نہ اُن کو سکیڑ لیتے (مطلب یہ ہے کہ آپؐ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو سکیڑ نہیں لیتے تھے بلکہ آگے بڑھا کر اپنے چہرے کے مقابلے میں دائیں بائیں رکھ لیتے تھے' لیکن کلائیاں اور کہنیاں زمین سے الگ اور اُٹھی رہتی تھیں) اور پاؤں کی انگلیوں کا رُخ سجدہ میں قبلہ کی جانب ہوتا تھا۔ پھر جب دو رکعت پڑھ کے آپؐ (التحیات کے لئے) بیٹھتے تو داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جاتے۔ پھر جب آخری رکعت پڑھ کے آپؐ قعدہ اخیرہ کرتے تو اس طرح بیٹھتے کہ داہنے پاؤں کو کھڑا کر لیتے اور بائیں پاؤں کو (اسکے نیچے سے)

آگے کی جانب نکال دیتے اور اپنی سرینوں پر بیٹھ جاتے (جس کو تورک کہتے ہیں)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے وقت مونڈھوں تک ہاتھ اُٹھانے کا ذکر ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں دوسرے ایک صحابی مالک بن الحویرث کا بیان ہے کہ: "حَتّٰى يُحَاذِىَ بِهِمَا اُذُنَيْهِ" جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ کانوں تک اُٹھاتے تھے' لیکن ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے جب ہاتھ اس طرح اُٹھائے جائیں کہ انگلیاں کانوں تک پہنچ جائیں تو ہاتھوں کا نیچے والا حصہ مونڈھوں کے مقابل ہوگا' اور اس صورت کو کانوں تک ہاتھ اٹھانے سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے اور مونڈھوں تک اُٹھانے سے بھی۔

ایک اور صحابی وائل بن حجرؓ نے وضاحت کے ساتھ یہی بات کہی ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں اُن کے الفاظ یہ ہیں: "رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ اُذُنَيْهِ" (آپ تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھوں کو اتنا اُٹھاتے کہ وہ مونڈھوں کے برابر ہوجاتے' اور دونوں ہاتھوں کے انگوٹھے کانوں کے محاذات میں آجاتے)۔

حضرت ابو حُمید ساعدی کی اس حدیث میں ایک خاص بات یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قعدۂ اخیرہ میں اس طریقے پر بیٹھتے تھے جس کو تورُّک کہتے ہیں' لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ابھی اوپر گزر چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ میں آپؐ کے بیٹھنے کا عام طریقہ وہی تھا جو حضرت ابوحُمید ساعدیؓ نے قعدۂ اولیٰ کا بیان کیا ہے اور جس کو اصطلاح میں افتراش کہتے ہیں۔ بعض ائمہ اور شارحین حدیث کا خیال اس بارے میں یہ ہے کہ قعدہ میں رسول اللہ ﷺ کے بیٹھنے کا عام طریقہ تو وہی تھا جو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہوچکا ہے، لیکن کبھی کبھی سہولت کے لئے یا یہ ظاہر کرنے اور بتانے کے واسطے کہ اس طرح بھی بیٹھا جاسکتا ہے آپؐ نے تورُّک بھی کیا۔ دوسری رائے اسکے بالکل برعکس بھی ہے...... اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دونوں ہی طریقے مشروع ہیں۔

خاص اذکار اور دعائیں

رسول اللہ ﷺ نماز کے مختلف اجزاء یعنی قیام اور رکوع و سجود وغیرہ میں جن کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثناء کرتے تھے اور اس سے جو دعائیں اور التجائیں کرتے تھے (جن میں سے چند ان شاء اللہ آگے درج ہونیوالی حدیثوں سے ناظرین کو معلوم ہوں گی) ان اذکار و دعوات سے دل کی جس کیفیت کی ترجمانی ہوتی ہے وہی دراصل نماز کی حقیقت اور روح ہے۔ اسی نقطۂ نظر سے ان حدیثوں کو پڑھیئے اور ان کیفیات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے' یہی دولت عظمیٰ رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص ورثہ ہے۔

۱۰۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاْةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتَكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاْةِ مَاتَقُوْلُ؟ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِىْ وَبَيْنَ خَطَايَاىَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِىْ مِنَ الْخَطَايَا

كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کچھ دیر سکوت فرماتے تھے (یعنی آواز سے کچھ نہیں پڑھتے تھے، لیکن محسوس ہوتا تھا کہ آپؐ خاموشی سے کچھ پڑھتے ہیں) تو میں نے ایک دفعہ عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتا دیجئے کہ تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان کی خاموشی میں آپؐ کیا پڑھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ سے دُعا کرتا ہوں اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ ..... الخ کہ اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا طویل فاصلہ کر دے جتنا طویل فاصلہ تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دیا ہے، اور اے اللہ! مجھے خطاؤں سے ایسا پاک و صاف کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے پاک صاف کر دیا جاتا ہے، اور اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولے سے دھو ڈال۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ اگرچہ عام معاصی اور منکرات سے معصوم اور محفوظ تھے، لیکن "قربیاں را بیش بود حیرانی" کے فطری اصول پر آپؐ ان لغزشوں سے سخت لرزاں و ترساں رہتے تھے جو بر بنائے بشریت آپؐ سے سرزد ہو سکتی تھیں، اور معصیت نہ ہونے کے باوجود آپؐ کی شانِ عالی اور مقامِ قرب کے لحاظ سے قابلِ گرفت ہو سکتی تھیں۔ ع

جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے

بہر حال رسول اللہ ﷺ کی اس قسم کی دُعاؤں میں "خَطَايَا" یا "ذُنُوْب" جیسے الفاظ جہاں جہاں آتے ہیں وہاں اُن سے اسی قسم کی لغزشیں مُراد ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث میں جو دُعا مذکور ہوئی ہے اس کا حاصل بس یہ ہے کہ اے میرے اللہ! اولاً تو مجھے ہر قسم کی خطاؤں اور غلطیوں سے اس قدر دُور رکھ جس قدر کہ تو نے مشرق کو مغرب سے اور مغرب کو مشرق سے دُور رکھا ہے، اور بنائے بشریت جب کوئی خطا مجھ سے سرزد ہو جائے تو اس کو معاف فرما کر اسکے داغ دھبہ سے بھی مجھے ایسا پاک صاف کر دے جیسا کہ میل کچیل دُور کر کے سفید کپڑا بالکل پاک صاف کر دیا جاتا ہے اور اپنی رحمت کے نہایت ٹھنڈے پانی سے میرے باطن کو غسل دے کر خطا قصور سے پیدا ہونے والی اپنے غضب کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کو بالکل ٹھنڈا کر دے اور اس کے بجائے اپنی رضا کی ٹھنڈک اور سکینت میرے باطن کو نصیب فرما دے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر کے بعد اور قرأت سے پہلے کبھی کبھی یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ — (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو پہلے اللہ کی تسبیح اور حمد اس طرح کرتے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ..... الخ اے اللہ! تیری ذات پاک اور منزہ ہے اور میں تیری تقدیس بیان کرتا ہوں، اور سارے کمالات اور خوبیاں تجھ میں ہیں، میں

تیری حمد کرتا ہوں اور تیرا نام پاک بڑا بابرکت ہے، اور تیری شان بہت اعلیٰ ہے، اور تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... حافظ مجد الدین ابن تیمیہؒ نے منتقیٰ میں سنن سعید بن منصور کے حوالے سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اور صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق، دار قطنی کے حوالہ سے حضرت عثمان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ نقل کرنے کے بعد کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کا افتتاح سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ..... الخ سے کرتے تھے۔ لکھا ہے کہ ان سب حضرات کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد عموماً اور اکثر و بیشتر یہی سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ..... پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے احادیث میں وارد شدہ افتتاح نماز کی دوسری دعاؤں کے مقابلے میں یہی راجح و افضل ہے۔ اگرچہ دوسری ثابت شدہ دعاؤں کا پڑھنا بھی بالکل صحیح ہے۔ مثلاً وہ دعا جو حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بالا روایت میں اوپر مذکور ہو چکی ہے، یعنی اللّٰهُمَّ بَاعِدْ اور اسی طرح وہ دعا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ، لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ اَنَا بِكَ وَاِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وَاِذَا رَكَعَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَ بَصَرِيْ وَ مُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَ عَصَبِيْ، فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَ مِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَاِذَا سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَلَكَ اَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَايَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ — (رواه مسلم)

ترجمہ..... حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب نماز پڑھنے کیلئے کھڑے ہوتے تو تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے۔ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ..... اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ تک (یعنی میں نے اپنا رخ ہر طرف سے یکسو ہو کر اس اللہ کی طرف کر دیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور میں ان

میں سے نہیں ہوں جو اس کے تعلق میں کسی اور کو شریک کرتے ہیں۔ میری عبادت اور میرا ہر دینی عمل اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور میں فرمانبرداری کرنے والوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! تو ہی بادشاہ اور مالک ہے، تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے، تو میرا مالک و رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں، میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اپنے کو تباہ کیا ہے، اور مجھے اپنی خطاؤں کا اقرار ہے پس اے میرے مالک! میری ساری خطائیں معاف کردے، گناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں، اور برے اخلاق میری طرف سے ہٹادے اور دور کردے، ایسا کرنے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے حضور میں اور تیری خدمت و نصرت کے لئے حاضر ہوں، حاضر ہوں۔ مولا! ہر قسم کی خیر اور بھلائی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اور برائی کا تیری طرف گزر نہیں۔ مجھے تیرا ہی سہارا ہے اور تیری ہی طرف میرا رخ ہے، تو برکت والا اور رفعت والا ہے۔ میں تجھ سے مغفرت اور بخشش کا سائل ہوں اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں)۔ (یہ دعا تو آپ تکبیر تحریمہ کے بعد قرأت شروع کرنے سے پہلے پڑھتے) پھر جب (قرأت سے فارغ ہو کر) آپ رکوع میں جاتے تو کہتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ...... وَعَظْمِى وَ عَصَبِى" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے حضور میں جھکا ہوا ہوں، اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے سپرد کردیا ہے۔ میرے کان اور میری آنکھیں اور میرا مغز و استخوان اور میرے رگ پٹھے سب تیرے حضور میں جھکے ہوئے ہیں)...... پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو (سیدھے کھڑے ہو کر) اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

...مٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ... (یعنی اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد ہے، ایسی وسیع اور بے انتہا حمد جس سے آسمان و زمین کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور ان کے درمیان کا سارا خلا پر ہو جائے) اور جب آپ سجدہ میں جاتے تو (اللہ کے حضور میں زمین پر اپنی پیشانی رکھ کے) عرض کرتے: ...ن" تک (یعنی اے اللہ! میں تیرے لئے اور تیرے حضور میں سجدہ کر رہا ہوں اور میں تجھ پر ایمان لایا ہوں اور میں نے اپنے کو تیرے حوالے کردیا ہے۔ میرا چہرہ اپنے اس خالق کے سامنے سجدہ کر رہا ہے جس نے اس کی تخلیق کی اور اس کی یہ صورت بنائی اور اس کے کان اور اس کی آنکھیں بنائیں، مبارک ہے ہمارا بہترین خالق)۔ پھر تشہد یعنی التحیات اور سلام کے درمیان (سب سے آخر میں) آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ ...... لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ" تک۔ (یعنی اے اللہ! جو خطائیں میں نے پہلے کیں یا پیچھے کیں اور چھپا کر کیں یا علانیہ کیں اور جو بھی میں نے زیادتی کی اور جس کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے اس سب کو معاف فرمادے اور مجھے بخش دے، تو ہی آگے کرنے والا اور تو ہی پیچھے ڈال دینے والا ہے، یعنی تو جسے چاہے آگے بڑھائے اور جسے چاہے پیچھے ہٹائے۔ تیرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں)...... (صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے دفاتر میں رسول اللہ ﷺ کی نماز سے متعلق روایات کا جو ذخیرہ ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو تفصیل اور رکوع و

سجود اور قومہ وغیرہ کی جو دعائیں ذکر کی ہیں یہ روز مرہ کی فرض نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کا عام اور دائمی معمول نہیں تھا، غالباً آپؐ کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ تہجد کی نماز اس طرح پڑھتے ہوں۔ امام مسلمؒ نے اس حدیث کو تہجد ہی کی احادیث کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی جو دعائیں منقول ہوئی ہیں ان سے کچھ سمجھا جا سکتا ہے کہ نماز کی حالت میں حضورؐ کے قلب مبارک کی کیفیت کیا ہوتی تھی، اور آپؐ نماز کس ذوق سے ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا کوئی ذرہ ہم کو نصیب فرمائے۔

نماز میں اور خاص کر تہجد میں رسول اللہ ﷺ سے اور بھی بہت سی دعاؤں کا پڑھنا ثابت ہے، جو انشاءاللہ آئندہ اپنے موقع پر ذکر کی جائیں گی، ان سب دعاؤں میں ایک خاص روح ہے، اگر اس کا اطمینان ہو کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہوگی تو فرض نمازوں میں بھی امام ان دعاؤں میں سے پڑھ سکتا ہے، اور نوافل میں تو اس دولت عظمیٰ سے حصہ لینا ہی چاہئے ...... وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون

نماز میں قرأت قرآن

قیام اور رکوع و سجود کی طرح قرآن مجید کی قرأت بھی نماز کا ایک لازمی جزو اور بنیادی رکن ہے اور اس کا محل و موقع قیام ہے۔ جیسا کہ معلوم اور معمول ہے قرأت کی ترتیب یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، تسبیح و تقدیس اور اپنی عبودیت کے اظہار پر مشتمل کوئی دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کی جاتی ہے (اس موقع کی تین ماثورہ دعائیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وغیرہ عنقریب ہی مذکور ہو چکی ہیں) اس کے بعد قرآن مجید کی سب سے پہلی سورۃ جو گویا اس کا افتتاحیہ ہے، یعنی سورۂ فاتحہ پڑھی جاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کی صفات کا بڑا جامع اور مؤثر بیان بھی ہے، ہر قسم کے شرک کی نفی کے ساتھ اس کی توحید کا اثبات و اقرار بھی ہے۔ صراط مستقیم یعنی دین حق اور شریعت الٰہیہ کے لئے اپنی ضرورت مندی اور محتاجی کی بناء پر اس کی ہدایت کے لئے عاجزانہ اور فقیرانہ سوال اور دعا بھی ہے...

بہر حال سب سے پہلے یہ سورۃ پڑھی جاتی ہے، اور اپنی جامعیت اور خاص عظمت و اہمیت کی وجہ سے یہ متعین طور سے اس درجہ میں لازمی اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر گویا نماز ہی نہیں ہوتی، اس کے بعد نمازی کو اجازت بلکہ حکم ہے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی بھی سورت یا کسی سورۃ کا کوئی بھی حصہ پڑھے۔ قرآن مجید کا جو حصہ بھی وہ پڑھے گا اس میں اس کے لئے ہدایت کا کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوگا، یا تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کاملہ کا بیان ہوگا یا یوم آخرت اور جنت و دوزخ اور نیک کرداری و بدکرداری کی جزا سزا کا ذکر ہوگا، یا عملی زندگی سے متعلق کوئی فرمان ہوگا، یا کسی سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ کا تذکرہ ہوگا۔ الغرض پڑھنے والے کے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی اس میں ضرور ہوگی، یہ گویا اس کی دعاء ہدایت (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد جواب ہوگا جو اسی کی زبان پر جاری ہوگا۔ پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی اور سورۃ یا کسی سورۃ سے کچھ آیتیں پڑھی جائیں گی۔ اور اگر نماز تین یا

چار رکعت والی ہو تو تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورۂ فاتحہ تو ضرور پڑھی جائے گی، لیکن اس کے ساتھ کچھ اور پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے جن میں سے بعض تو نماز کے اندر قرأت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، اور زیادہ تر وہ ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ قراۃ فی الصلوٰۃ کے بارے میں آپ کا طرز عمل کیا تھا اور کس نماز میں آپ کتنی قرأت کرتے تھے اور کون کون سی سورتیں زیادہ تر پڑھتے تھے۔

۱۱۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِقِرَاءَ ةٍ ، قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَمَا اَعْلَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْلَنَّاهُ وَمَا اَخْفَاهُ اَخْفَيْنَاهُ لَكُمْ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن کی قرأت کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ آگے حضرت ابوہریرہؓ اپنی طرف سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں میں قرأت بالجہر فرماتے تھے ان میں ہم بھی جہر کرتے ہیں اور دوسروں کو سنا کے پڑھتے ہیں، اور جہاں آپ آہستہ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں، اور تم کو سنا کے نہیں پڑھتے... (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں نماز کے لئے قرآن کی کسی خاص سورۃ کا نہیں بلکہ مطلق قرأت قرآن کا رکن ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن نمازوں اور جن رکعتوں میں بالجہر قرأت فرماتے تھے ان ہی میں ہم بھی بالجہر قرأت کرتے ہیں اور جہاں آپ خاموشی سے پڑھتے تھے وہاں ہم بھی خاموشی سے پڑھتے ہیں۔

۱۱۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ .
(رواہ البخاری و مسلم وفی روایۃ لمسلم لمن لم یقرء بام القران فصاعدا)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس طرح ہے کہ: جس نے سورۂ فاتحہ اور اس کے آگے کچھ اور نہیں پڑھا تو اس کی نماز ہی نہیں۔

تشریح..... اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہوئی کہ سورۂ فاتحہ تو متعین طور سے نماز کا لازمی جزو ہے، اور اس کے بعد قرآن مجید ہی میں سے کچھ اور بھی پڑھنا ضروری ہے۔ لیکن اس میں پوری وسعت ہے اور اجازت ہے کہ جہاں سے چاہے پڑھے۔

مسئلہ قرأت فاتحہ میں ائمہ مجتہدین کے مذاہب

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات نے اس حدیث سے

اور اسی طرح کی بعض اور احادیث سے یہ سمجھا ہے کہ نمازی خواہ اکیلے نماز پڑھ رہا ہو، خواہ امامت کر رہا ہو، خواہ مقتدی ہو اور نماز خواہ جہری ہو یا سری ہر حال میں اس کے لئے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

اور حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے علاوہ دوسرے بھی بہت سے ائمہ نے اس حدیث کے ساتھ اسی مسئلہ سے متعلق دوسری بعض حدیثوں کو بھی سامنے رکھ کر یہ رائے قائم فرمائی ہے کہ اگر نمازی مقتدی ہو اور نماز جہری ہو تو امام کی قرأت مقتدیوں کی طرف سے بھی کافی ہے، لہٰذا اس صورت میں مقتدی کو خود قرأت نہیں کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں نمازی کو سورۂ فاتحہ لازماً پڑھنا چاہئے۔

امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، بلکہ وہ سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کی طرف سے کافی سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کے اس نقطۂ نظر کی بنیاد جن حدیثوں پر ہے، ان میں سے ایک وہ بھی ہے جو اگلے ہی نمبر پر درج ہو رہی ہے۔

۱۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَفَاَنْصِتُوْا . (رواه ابو داؤد و النسائی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ مقتدی لوگ اس کی اقتداء اور اتباع کریں لہٰذا جب امام اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... امام کی قرأت کے وقت خاموشی سے سننے کی یہ ہدایت بالکل انہی الفاظ میں بعض اور صحابہ کرامؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ہدایت انہی الفاظ میں مروی ہے۔ اور وہیں ایک شاگرد کے سوال کے جواب میں امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ والی اس حدیث کی بھی تصحیح اور توثیق کی ہے اور بظاہر رسول اللہ کی اس ہدایت کا ماخذ و منشاء قرآن مجید کا یہ واضح فرمان ہے:

”وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ہ“

(اور جب قرآن پاک کی قرأت ہو تو تم اس کو متوجہ ہو کر سنو اور خاموش رہو، شاید کہ اس کی وجہ سے تم رحمت کے قابل ہو جاؤ)

امام ابو حنیفہؒ جو سری نمازوں میں بھی امام کی قرأت کو مقتدی کے لئے کافی سمجھتے ہیں ان کا خاص استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی ہے جس کو امام محمد اور امام طحاوی اور امام دار قطنی وغیرہ نے خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سند سے اپنی مصنفات میں روایت کیا ہے۔ موطا امام محمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

”عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى خَلْفَ الْاِمَامِ فَاِنَّ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ

لَهٗ قِرَاءَةٌ . "

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کی بھی قرأت ہے۔

فائدہ...... یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یا نہیں ؟ ان معرکۃ الآراء اختلافی مسائل میں سے ہے جن پر ہماری اس صدی میں بلا مبالغہ سینکڑوں کتابیں دونوں طرف سے لکھی گئی ہیں، اور بلا شبہ ان میں بعض تو علم و تحقیق اور نکتہ آفرینی کے لحاظ سے شاہکار ہیں لیکن معارف الحدیث کا یہ سلسلہ امت کے جس طبقہ کے لئے اور جس مقصد کو سامنے رکھ کر لکھا جا رہا ہے، یہ مباحث اس کے لحاظ سے نہ صرف غیر ضروری ہیں بلکہ بعض پہلوؤں سے مضر بھی ہو سکتے ہیں۔ اس قسم کے تمام اختلافی مسائل میں صحیح راہ یہ ہے کہ تمام ائمہ سلف کے ساتھ نیک گمان رکھا جائے، دل سے ان کا احترام کیا جائے اور سمجھا جائے کہ ان میں سے ہر ایک نے کتاب و سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کا مطالعہ اور اس میں غور و فکر کے بعد جو کچھ اپنے نزدیک زیادہ راجح سمجھا ہے نیک نیتی سے اس کو اختیار کر لیا ہے، ان میں سے کوئی بھی باطل پر نہیں ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ امت کی مصلحت عامہ کی خاطر، جہالت و نفسانیت اور فتنوں کے اس دور میں کسی ایک مسلک سے اپنے کو وابستہ رکھا جائے۔ بہر حال معارف الحدیث کے اس سلسلہ میں بحث و مناظرہ کی راہ سے بچتے ہوئے چلنے کا التزام کیا گیا ہے۔ الحمدللہ پوری بصیرت و یقین کے ساتھ اس عاجز کی یہ رائے ہے کہ ہندوستان کے مایہ فخر اور استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں اصولی طور پر جو راہ عدل و اعتدال ان اختلافی مسائل کے بارے میں اختیار کی ہی، اس دور میں امت محمدیہ کے لیے بس وہی راہ ہے جس کو اپنا لینے کے بعد امت کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ سکتا ہے۔

نماز فجر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۱۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَ نَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ بَعْدُ تَخْفِيْفًا . (رواه مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز میں سورۂ ق اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے اور بعد میں آپ کی نماز ہلکی ہوتی تھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... شارحین نے آخری خط کشیدہ فقرے کے دو مطلب بیان کئے ہیں، ایک یہ کہ فجر کے بعد آپ کی نمازیں یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء یہ سب بہ نسبت فجر کے ہلکی ہوتی تھیں اور ان میں بہ نسبت فجر کے آپ قرأت کم فرماتے تھے۔ دوسرا مطلب اس فقرے کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتدائی دور میں جب صحابہ کرامؓ کی تعداد کم تھی، اور آپ کے پیچھے جماعت میں سب سابقین اولین ہی ہوتے تھے۔ آپ کی نمازیں عموماً

طویل ہوتی تھیں، اور بعد کے دور میں جب ساتھ میں نماز پڑھنے والوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، اور ان میں دوم سوم درجہ والے اہل ایمان بھی ہوتے تھے تو آپ نمازیں نسبتاً ہلکی پڑھنے لگے تھے، کیونکہ جماعت میں نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں اس کا امکان زیادہ ہوتا تھا کہ کچھ لوگ مریض یا کمزور یا کم ہمت یا زیادہ بوڑھے ہوں جن کے لئے طویل نماز باعث زحمت ہو جائے۔

اگرچہ واقعاتی لحاظ سے دونوں ہی باتیں صحیح ہیں لیکن اس عاجز کے خیال میں دوسری تشریح اقرب ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۵) **عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَءُ فِي الْفَجْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فجر کی نماز میں "والليل اذا عسعس" (یعنی سورۂ تکویر) پڑھتے ہوئے سنا۔ (صحیح مسلم)

۱۱۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَاءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَ هَارُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ ﷺ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور سورۂ مؤمنون پڑھنی شروع فرمائی، ابھی آپ اس جگہ تک پہنچے تھے، جہاں حضرت موسیٰ وہارون (علیہما السلام) کا یا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر ہے کہ آپ کو کھانسی آنے لگی اور آپ نے رکوع فرمادیا۔ (صحیح مسلم)

۱۱۷) **عن ابی هريرة قال ان رسول الله ﷺ قرأ فی رکعتی الفجر قل يٰا يها الکافرون وقل هو الله احد —** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ قل يٰا يها الکافرون اور سورۂ قل هو الله احد پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

۱۱۸) **عَنْ مَعَاذِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَرَأَ فِي الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتْ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَمْ قَرَأَ ذَالِكَ عَمَدًا** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: معاذ بن عبداللہ الجہنی سے روایت ہے کہ قبیلہ جہینہ کے ایک صاحب نے ان سے بیان کیا کہ انہوں نے ایک دفعہ صبح کی نماز کی دونوں رکعتوں میں رسول اللہ ﷺ کو اذا زلزلت پڑھتے ہوئے سنا۔ (آگے ان صاحب نے کہا کہ) مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا یا عمداً آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... چونکہ رسول اللہ ﷺ کا عام دستور دو رکعتوں میں الگ الگ دو سورتیں پڑھنے کا تھا اس لئے جب ایک دفعہ آپ نے دونوں رکعتوں میں "اذا زلزلت" پڑھی تو ان صحابی کو یہ شبہ ہو گیا کہ آپ نے بھول کر ایسا کیا یا یہ بتانے اور جتانے کے لئے کہ یہ بھی جائز ہے آپ نے عمداً ایسا کیا۔

۱۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِيْ فِيْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر کی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ کی آیات قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الخ" پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۱۲۰) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَاقَتَهُ فِي السَّفَرِ فَقَالَ لِيْ يَا عُقْبَةُ اَلَا اُعَلِّمُكَ خَيْرَ سُوْرَتَيْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِيْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ . قَالَ فَلَمْ يَرَنِيْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ صَلّٰى بِهِمَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَيَّ قَالَ يَا عُقْبَةُ كَيْفَ رَاَيْتَ . (رواه احمد و ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کی ناقہ مبارکہ کی مہار پکڑ کر چل رہا تھا، اثناء سفر میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ عقبہ! میں تم کو قرآن کی دو بہترین سورتیں تعلیم کروں؟ اس کے بعد آپ نے سورہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس تعلیم فرمائیں۔ پھر آپ نے محسوس فرمایا کہ ان دونوں سورتوں کی تعلیم سے مجھے بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی، تو جب صبح کی نماز کیلئے آپ اترے تو آپ نے یہی دونوں سورتیں پڑھ کر فجر کی نماز پڑھائی، پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عقبہ! تم نے کیا دیکھا اور کیا محسوس کیا۔" (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

۱۲۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمٓ تَنْزِيْل فِي الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں الم تنزیل (یعنی سورۃ السجدہ) اور دوسری رکعت میں هل اتى على الانسان (یعنی سورۃ الدھر) پڑھا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... فجر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں اور کتب حدیث میں ان کے علاوہ جو اور روایات اس سلسلہ میں ملتی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قرأت فجر کی نماز میں بہ نسبت دوسری نمازوں کے اکثر و بیشتر کسی قدر طویل ہوتی تھی، لیکن کبھی کبھی (غالباً کسی خاص داعیہ سے) آپ فجر کی نماز بھی قل يـٰايها الكافرون اور قل هو الله احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس جیسی چھوٹی سورتوں سے پڑھا دیتے تھے۔ اسی طرح ان حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کا عام معمول نماز کی رکعتوں میں مستقل سورتیں پڑھنے کا تھا، لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی سورت میں سے کچھ آیات پڑھ دیتے تھے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ نے دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت کی قرأت فرمائی۔

جمعہ کی فجر میں سورۃ "الم تنزيل السجده" اور سورۃ "الدهر" پڑھنے کی حکمت حضرت شاہ ولی اللہ نے

یہ بیان فرمائی ہے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت اور جزا سزا کا بیان بہت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے، اور قیامت جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بتایا گیا ہے جمعہ ہی کے دن قائم ہونے والی ہے، اس لئے غالباً آپ اس کی تذکیر اور یاد دہانی کے لئے جمعہ کی فجر میں یہ دونوں سورتیں پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ واللہ اعلم

ظہر و عصر میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۲) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِی الرَّكْعَتَيْنِ الْاُخْرَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَ يُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ اَحْيَانًا وَ يُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰی مَالَا يُطِيْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اسکے علاوہ دو سورتیں پڑھتے تھے، اور آخر کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ اور کبھی کبھی (سری نماز میں بھی) ایک آدھ آیت آپؐ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ ہم سن لیتے تھے، اور پہلی رکعت میں طویل قرأت فرماتے تھے، اور دوسری رکعت میں اتنی طویل نہیں فرماتے تھے، اور اسی طرح عصر میں، اور اسی طرح فجر میں آپ ﷺ کا معمول تھا۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی ظہر کی سری نماز میں ایک آدھ آیت آپؐ اتنی آواز سے پڑھ دیتے تھے کہ پیچھے والے اس کو سن لیتے تھے۔ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ غالباً ایسا کبھی غلبۂ استغراق میں ہو جاتا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ کبھی بقصد تعلیم ایسا کرتے ہوں۔ یعنی یہ بتانا چاہتے ہوں کہ میں فلاں سورۃ پڑھ رہا ہوں یا اپنے اس عمل سے یہ مسئلہ واضح فرمانا چاہتے ہوں کہ اگر سری نماز میں ایک آدھ آیت اتنی آواز سے پڑھ دی جائے کہ پیچھے والے مقتدی سن لیں تو اس کی گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے نماز میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔

۱۲۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَقْرَأُ فِی الظُّهْرِ بِاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰی وَفِیْ رِوَايَةٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی وَفِی الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِی الصُّبْحِ اَطْوَلَ مِنْ ذٰلِكَ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں سورۃ واللیل اذا یغشیٰ پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سورۂ سبح اسم ربك الاعلی پڑھتے تھے۔ اور عصر کی نماز میں بھی قریب قریب اتنی ہی بڑی سورت پڑھتے تھے، اور صبح کی نماز میں اس سے کچھ طویل۔ (صحیح مسلم)

نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ . (رواہ النسائی)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۂ حم الدخان پڑھی۔ (سنن نسائی)

۱۲۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ... حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۲۶) عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ... حضرت ام الفضل بن الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ والمرسلات عرفا پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۲۷) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الاعراف فَرَّقَهَا فِىْ رَكْعَتَيْنِ . (رواه النسائى)

ترجمہ... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے پوری سورۂ اعراف مغرب کی دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھی۔ (سنن نسائی)

تشریح...... ان چاروں حدیثوں میں نماز مغرب میں جن سورتوں کی قرأت کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ان چھوٹی سورتوں میں سے نہیں ہے جن کو "قصار" کہا جاتا ہے، بلکہ سب ان بڑی سورتوں میں سے ہیں جن کو "طوال" کہا جاتا ہے۔ بلکہ حضرت صدیقہؓ والی آخری حدیث میں جس میں سورۂ اعراف کی قرأت کا ذکر ہے وہ تو پورے سوا سیپارہ کی ہے۔ بہر حال ان چار حدیثوں میں تو نماز مغرب میں رسول اللہ ﷺ کا طویل طویل سورتیں پڑھنا ہی ذکر کیا گیا ہے لیکن آگے درج ہونے والی بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوگا کہ آپؐ کا اکثری معمول مغرب میں چھوٹی سورتیں پڑھنے کا تھا، اس لئے اکثر علمائے کرام کا خیال ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں نماز مغرب کے جن واقعات کا ذکر کیا گیا ہے (جن میں آپؐ نے طویل طویل سورتیں پڑھیں) یہ سب اتفاقی واقعات ہیں، اور آپؐ کا عمومی اور اکثری معمول مغرب میں چھوٹی ہی سورتوں کی قرأت کا تھا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس مکتوب سے بھی معلوم ہوتا ہے جو آپؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا تھا، انشاءاللہ عنقریب ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مکتوب بھی درج کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

نماز عشاء میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۲۸) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ فِى الْعِشَاءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ، وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ... حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۂ والتین والزیتون پڑھتے ہوئے سنا ہے، اور میں نے آپؐ سے زیادہ اچھی آواز والا کسی کو نہیں سنا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... صحیحین ہی کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جس کا ذکر حضرت براء بن عازبؓ نے اس حدیث میں کیا ہے سفر کا ہے، اور آپؐ نے اس نماز کی کسی ایک رکعت میں سورۂ والتین پڑھی تھی۔

۱۲۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّىْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ يَاْتِىْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ ، فَصَلّٰى لَيْلَةً مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهٗ وَ انْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَا فَقْتَ يَافُلَانُ؟ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحَابُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مَعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَاءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ، فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى مُعَاذٍ فَقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ ؟ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ، وَالضُّحٰى، وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل کا معمول تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کی مسجد میں نماز پڑھتے، پھر آکر اپنے قبیلہ کی مسجد میں امامت کرتے۔ ایک رات انہوں نے عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، پھر اپنے قبیلہ میں آئے اور ان کی امامت کی، اور (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع کر دی۔ ایک شخص نماز توڑ کر پیچھے ہٹ گیا، اور اس نے تنہا اپنی نماز پڑھی (چونکہ یہ بات بہت غیر معمولی تھی، اور اس دور میں نماز باجماعت کا اہتمام نہ کرنا منافقوں ہی کا طریقہ تھا، اس لئے) لوگوں نے اس کو بہت محسوس کیا، اور اس شخص سے کہا "فلانے! تو منافق تو نہیں ہو گیا ہے؟" اس نے جواب دیا "خدا کی قسم نہیں! بلکہ میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کے سامنے یہ بات رکھوں گا۔" چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمارا کام اونٹوں کے ذریعہ پانی سینچنا ہے، ہم لوگ دن بھر محنت مشقت کرتے ہیں اور (گزشتہ رات ایسا ہوا کہ) معاذ عشاء کی نماز آپؐ کے ساتھ پڑھنے کے بعد اپنے قبیلہ کی مسجد میں آئے (اور یہاں انہوں نے نماز پڑھائی شروع کی) تو سورۂ بقرہ شروع کر دی؟" رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذ کی طرف رخ فرمایا اور ارشاد فرمایا: معاذ! کیا لوگوں کو تم فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہو؟ سورۂ والشمس وضحٰها، سورہ والضحٰی، سورۂ واللیل اذا یغشٰی، اور سبح اسم ربک الاعلٰی پڑھا کرو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز دو دفعہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کے مقتدی بن کر، اور دوسری دفعہ اپنے قبیلہ کی مسجد میں امام بن کر، لیکن جمہور ائمہ و علماء اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے ایک دفعہ کی نماز وہ نفل کی نیت سے پڑھتے تھے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ جو نماز وہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور آپؐ کی

اقتداء میں پڑھتے تھے وہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنے قبیلہ والی مسجد میں امام بن کر نفل کی نیت سے پڑھتے تھے، اسی بناء پر حضرت امام شافعیؒ اس کے قائل ہیں کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز پڑھی جاسکتی ہے، ان کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کی تحقیق یہ ہے کہ نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے زیر بحث واقعہ کے متعلق ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ وہ فرض عشاء کی نیت سے اپنے قبیلہ کی مسجد ہی میں نماز پڑھاتے تھے، اور چونکہ مسجد نبوی ﷺ کی جماعت کے وقت تک وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اس لئے آپؐ کی نماز کی خاص برکات میں حصہ لینے کے لئے اور سیکھنے کی غرض سے وہ نفل کی نیت سے آپؐ کے ساتھ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ اس مسئلہ پر بھی دونوں طرف بڑی فاضلانہ فقیہانہ اور محدثانہ بحثیں کی گئی ہیں۔ اہل علم شروح حدیث فتح الباری، عمدۃ القاری اور فتح الملہم میں دیکھ سکتے ہیں۔

حدیث کی خاص ہدایت جو ہمارے موضوع اور عنوان سے متعلق ہے بس یہ ہے کہ ائمہ کو چاہئے کہ وہ نماز اتنی طویل نہ پڑھیں جو مقتدیوں کے لئے باعث مشقت ہو جائے، خاص کر ضعیفوں، کمزوروں اور محنت پیشہ لوگوں کا لحاظ رکھیں۔

مختلف اوقات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

۱۳۰) **عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَاصَلَّيْتُ وَرَاءَ اَحَدٍ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صَلَّيْتُ خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَاُ فِى الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَاُ فِى الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَاُ فِى الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ .** (رواہ النسائی)

ترجمہ: سلیمان بن یسار تابعی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (اپنے زمانہ کے ایک امام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ: میں نے کسی شخص کے پیچھے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو رسول اللہ ﷺ کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو فلاں امام کی بہ نسبت"۔ سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ ان صاحب کے پیچھے میں نے بھی نماز پڑھی ہے۔ ان کا معمول یہ تھا کہ ظہر کی پہلی دونوں رکعتیں لمبی پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھتے تھے، اور عصر ہلکی ہی پڑھتے تھے، اور مغرب میں قصار مفصل اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھتے تھے اور فجر کی نماز میں طوال مفصل پڑھا کرتے تھے۔ (سنن نسائی)

تشریح...... "مفصل" قرآن مجید کی آخری منزل کی سورتوں کو کہا جاتا ہے یعنی سورۂ حجرات سے آخر قرآن تک، پھر اس کے بھی تین حصے کئے گئے ہیں۔ حجرات سے لے کر سورۂ بروج تک کی سورتوں کو "طوال مفصل" کہا جاتا ہے، اور بروج سے لے کر سورۂ لم یکن تک کی سورتوں کو "اوساط مفصل" اور "لم یکن" سے لے کر آخر تک کی سورتوں کو "قصار مفصل" کہا جاتا ہے۔

اس حدیث میں ان صاحب کے نام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جنکے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ بیان ہے کہ:

"ان کی نماز رسول اللہ ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ تھی، اور کسی شخص کے پیچھے میں نے ایسی نماز نہیں پڑھی، جو بہ نسبت ان کی نماز کے حضور ﷺ کی نماز سے بہت زیادہ مشابہ ہو۔"

بہر حال ان صاحب کا نام نہ تو حضرت ابوہریرہؓ نے ذکر کیا اور نہ سلیمان بن یسار تابعی نے، مگر شارحین حدیث نے محض قیاس اور اندازہ سے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر کوئی بات بھی اس بارے میں قابل اطمینان نہیں ہے، لیکن حدیث کا مضمون بالکل واضح ہے اور نام معلوم نہ ہونے سے اصل مقصد اور مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

سلیمان بن یسار تابعی نے ان صاحب کی نماز کے بارے میں جو تفصیل بیان کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کے مذکورہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مختلف اوقات کی نماز کی قرأت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بھی وہی تھا جو ان صاحب کا معمول سلیمان بن یسار نے بیان کیا ہے یعنی ظہر کی نماز میں تطویل، عصر میں تخفیف، مغرب میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل، اور فجر میں طوال مفصل۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو خط لکھا تھا (جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے) اس میں بھی مختلف اوقات کی نمازوں کی قرأت کے بارے میں یہی ہدایت کی گئی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

"كَتَبَ عُمَرُ اِلٰى اَبِىْ مُوْسٰى اَنِ اقْرَاْ فِى الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَفِى الْعِشَاءِ بِوَسْطِ الْمُفَصَّلِ وَ فِى الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ". (نصب الرایہ)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا تھا کہ مغرب کی نماز میں قصار مفصل، عشاء میں اوساط مفصل اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔ (نصب الرایہ)

اور امام ترمذی نے اسی خط کا حوالہ دیتے ہوئے ظہر میں اوساط مفصل پڑھنے کی ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی القرأۃ فی الظهر و العصر)

ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت جب ہی فرمائی ہو گی، جب کہ رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی تعلیم سے انہوں نے ایسا ہی سمجھا ہو گا۔ اسی بناء پر اکثر ائمہ مجتہدین نے مختلف اوقات کی نمازوں میں قرأت کی مقدار کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط کو خاص راہنما مان کر اسی کے مطابق عمل کو اولیٰ اور مستحسن قرار دیا ہے۔

جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت

١٣١) عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَاهُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمْعَةَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْجُمْعَةِ فِى السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِى الْاٰخِرَةِ اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمْعَةِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے مشہور غلام اور خادم ابو رافع رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبید اللہ بن ابی رافع (جو اکابر تابعین میں ہیں) بیان کرتے ہیں کہ مروان (جس زمانہ میں کہ امیر معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) حج وغیرہ کسی ضرورت سے مکہ معظمہ گیا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو (ان دونوں کے لئے) اپنا قائم مقام بنا گیا تو حضرت ابو ہریرہؓ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تو اس کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری میں سورۂ منافقون پڑھی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جمعہ کے دن یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ (صحیح مسلم)

۱۳۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْعِيْدَيْنِ وَ فِي الْجُمْعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ' قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمْعَةُ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِي الصَّلٰوتَيْنِ – (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھا کرتے تھے اور عید اور جمعہ دونوں ایک دن میں جمع ہو جاتے تو آپ دونوں نمازوں میں یہی دو سورتیں پڑھتے۔ (صحیح مسلم)

۱۳۳) عن عبيدالله ان عمر بن الخطاب سأل اباواقد الليثى ماكان يقرأ به رسول الله ﷺ فى الاضحى والفطر فقال يقرأ فيهما بق والقران المجيد واقتربت الساعة . (رواہ مسلم)

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے) عبید اللہ بن مسعود (تابعی) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا کہ "عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟" ❶

انہوں نے فرمایا کہ: "آپ ﷺ ان دونوں میں "ق والقرآن المجيد" اور "اقتربت الساعة" پڑھا کرتے تھے"۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کی دونوں رکعتوں میں علی الترتیب اکثر و بیشتر سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون یا سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ پڑھا کرتے تھے، اور عیدین کی نماز میں بھی یا تو یہی دونوں آخری سورتیں سورۂ اعلى وغاشيه پڑھا کرتے تھے، یا "ق والقران المجيد" اور "اقتربت الساعة"۔

نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین کی نمازوں میں قرأت سے متعلق اب تک جو حدیثیں درج کی گئی ہیں اور جو کچھ ان کی تشریح کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے اس سے ناظرین نے یہ دو باتیں ضرور سمجھ لی ہوں گی۔

---

❶ بعض شارحین نے لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال نہ تو ناواقفیت کی وجہ سے تھا اور نہ بھول کی وجہ سے، دونوں ہی باتیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت مستبعد ہیں اس لئے اس سوال کا مقصد یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم اور ان کی یادداشت کا حال معلوم کرنا تھا یا ان کی زبان سے دوسروں کو سنوانا تھا، یا خود اپنے علم کی توثیق مقصود تھی۔ واللہ اعلم

۱) آپؐ کا اکثر معمول یہ تھا کہ فجر میں قرأت طویل فرماتے تھے اور زیادہ تر طوال مفصل پڑھتے تھے، ظہر میں بھی کسی قدر طویل قرأت فرماتے تھے، عصر مختصر اور ہلکی پڑھتے تھے، اور اسی طرح مغرب بھی' عشاء میں اوساط مفصل پڑھنا پسند فرماتے تھے، لیکن کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا۔

۲) کسی نماز میں ہمیشہ کسی خاص سورت کے پڑھنے کا نہ آپؐ نے حکم دیا، اور نہ عملاً ایسا کیا، ہاں بعض نمازوں میں اکثر و بیشتر بعض خاص سورتیں پڑھنا آپؐ سے ثابت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

وقد اختار رسول اللهﷺ بعض السور فی بعض الصلوات لفوائد من غير حتم ولا طلب مؤكد فمن اتبع فقد احسن ومن لا فلا حرج ("حجۃ اللہ البالغہ" (مقصد دوم))

رسول اللہ ﷺ نے بعض نمازوں میں کچھ مصالح اور فوائد کے پیش نظر بعض خاص سورتیں پڑھنی پسند فرمائیں، لیکن قطعی طور پر نہ ان کی تعیین کی نہ دوسروں کو تاکید فرمائی کہ وہ ایسا ہی کریں۔ پس اس بارے میں اگر کوئی آپؐ کا اتباع کرے (اور ان نمازوں میں وہی سورتیں اکثر و بیشتر پڑھے) تو اچھا ہے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔

سورۂ فاتحہ کے ختم پر "آمین"

سورۂ فاتحہ جو متعین اور حتمی طور سے نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے، جیسا کہ معلوم ہے اس کی ابتدائی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اور چوتھی آیت میں اس کی توحید کا اقرار و اظہار اور دعا کی تمہید ہے، اور اس کے بعد کی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا اور اس کا سوال ہے، اور اسی پر یہ سورۃ ختم ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ختم پر "آمین" کہنے کی ہدایت فرمائی ہے، اور جب نماز جماعت کے ساتھ کسی امام کے پیچھے پڑھی جا رہی ہو تو حکم ہے کہ جب امام سورۂ فاتحہ کی آخری دعائیہ آیتیں پڑھنے کے بعد اس حکم کے مطابق آمین کہے تو اس کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اطلاع ہے کہ اس وقت اللہ کے فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

۱۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ تَاْمِيْنُهٗ تَاْمِيْنَ الْمَلٰئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام (سورۂ فاتحہ کے ختم پر) "آمین" کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو، جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... کسی کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ راجح یہ ہے کہ ملائکہ کی آمین کے ساتھ آمین کہی جائے نہ اس سے پہلے ہو نہ اس کے بعد میں اور ملائکہ کی آمین کا وقت وہی ہے جب کہ امام آمین کہے۔ اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا

مطلب یہ ہوگا کہ جب امام سورۂ فاتحہ ختم کر کے آمین کہے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ بھی اسی وقت آمین کہیں کیونکہ اللہ کے فرشتے بھی اسی وقت آمین کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو بندے فرشتوں کی آمین کے ساتھ آمین کہیں گے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوا اٰمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ . (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفیں اچھی طرح درست اور سیدھی کرو، پھر تم میں سے کوئی امام بنے، پھر جب وہ امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو، اور جب وہ سورۂ فاتحہ کی آخری آیت "غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ" پڑھے تو تم کہو آمین (یعنی اے اللہ! قبول فرما۔ جب تم ایسا کرو گے) تو اللہ تعالیٰ سورۂ فاتحہ میں مانگی ہوئی ہدایت کی دعا قبول فرمالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... آمین دراصل قبولیت دعا کی درخواست ہے، اور بندے کی طرف سے اس بات کا اظہار ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول ہی کرلے اس لئے سائلانہ دعا کرنے کے بعد وہ آمین کہہ کے پھر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ! محض اپنے کرم سے میری حاجت پوری فرمادے اور میری دعا قبول فرمالے۔ اس طرح یہ مختصر سالفظ رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے والی ایک مستقل دعا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

> "ایک رات ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جارہے تھے ایک شخص کے پاس سے گزرنا ہوا جو بڑے الحاح اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی دعا پر مہر لگادے تو یہ ضرور قبول کرالے گا۔ آپؐ کے ساتھیوں میں سے کسی نے عرض کیا کہ کس چیز کی مہر؟ آپؐ نے فرمایا کہ آمین کی مہر"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنا ان چیزوں میں سے ہے جن سے دعا کی قبولیت کی خاص امید کی جاسکتی ہے۔

آمین بالجہر یا بالسر

نماز میں آمین بالجہر کہی جائے یا بالسر! یہ مسئلہ بھی خواہ مخواہ معرکہ کا مسئلہ بن گیا ہے، حالانکہ کوئی بالانصاف صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ حدیث کے مستند ذخیرے میں جہر کی روایت بھی موجود ہے اور سر کی بھی، اسی طرح اس سے بھی کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ اور تابعین دونوں میں آمین بالجہر کہنے والے بھی تھے اور بالسر کہنے والے بھی [1]، اور یہ بجائے خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

---

[1] ابن الترکمانی نے طبری سے نقل کیا ہے: والصواب ان الخبرین بالجهر بها والمخافة صحيحان و عمل بكل من فعليه جماعة من العلماء ۔ (الجوہر النقی ص ۱۳۲ ج ۱)

دونوں طریقے ثابت ہیں اور آپؐ کے زمانہ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے، یہ ناممکن ہے کہ آپؐ کے زمانہ میں کبھی آمین بالجہر نہ کہی گئی ہو اور آپؐ کے بعد بعض صحابہ جہر سے کہنے لگے ہوں۔ اسی طرح یہ بھی قطعاً ناممکن ہے کہ آپؐ کے دور میں اور آپؐ کے سامنے آمین بالسر پر کبھی عمل نہ ہوا ہو اور آپؐ کے بعد بعض صحابہ ایسا کرنے لگے ہوں۔ الغرض صحابہ اور تابعین میں دونوں طرح کا عمل پایا جانا اس کی قطعی دلیل ہے کہ عہد نبوی ﷺ میں دونوں طرح عمل ہوا ہے۔ بعد میں بعض ائمہ مجتہدین نے اپنے علم و تحقیق کی بناء پر یہ سمجھا کہ آمین میں اصل جہر ہے اور عہد نبوی ﷺ میں زیادہ تر عمل اسی پر تھا اگرچہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا تھا اس لئے ان حضرات نے آمین بالجہر کو افضل کہا اور بالسر کو بھی جائز کہا، اور اس کے برعکس دوسرے بعض ائمہ نے اپنے معلومات کی بناء پر یہ سمجھا کہ آمین جو قرآن کا لفظ بھی نہیں ہے دراصل وہ بالسر یعنی آہستہ سے کہنے کی چیز ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں عام طور سے آہستہ ہی کہا جاتا تھا اگرچہ کبھی کبھی بالجہر بھی کہا جاتا تھا۔ الغرض جن ائمہ کی تحقیق اور غور و فکر نے ان کو اس نتیجہ پر پہنچایا ان کی رائے یہ ہوئی کہ اصل اور افضل بالسر کہنا ہی ہے لیکن جائز بالجہر بھی ہے۔ بہر حال ائمہ کے درمیان اختلاف صرف افضلیت میں ہے، جواز سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے اور یقیناً ہمارے ائمہ سلف میں سے ہر ایک نے وہی رائے قائم کی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے جس کو انہوں نے دیانتدارانہ غور و فکر اور تحقیق کے بعد زیادہ صحیح سمجھا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے اور ہم سب کو اتباع حق اور عدل کی توفیق دے۔

رفع یدین

بالکل یہی حال مسئلہ رفع یدین کا بھی ہے، اس میں شک کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ رکوع میں جاتے وقت، رکوع سے اٹھتے وقت۔ بلکہ سجدے سے اٹھتے وقت، اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی۔ رفع یدین کیا ہے۔ (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر، وائل بن حجر اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہم وغیرہ متعدد صحابہ کرام نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح اس میں بھی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ آپؐ نماز اس طرح بھی پڑھتے تھے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد پوری نماز میں کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور براء بن عازبؓ وغیرہ نے روایت کیا ہے)۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ اور تابعین میں بھی دونوں طرح عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے اس لئے ائمہ مجتہدین کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف صرف ترجیح اور افضلیت کا ہے، دونوں طریقوں کے جائز اور ثابت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

١٣٦) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَمَنْكِبَيْهِ اِذَا فْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذَالِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَايَفْعَلُ ذَالِكَ فِى السُّجُوْدِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو (تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ) دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اٹھاتے تھے اور جب رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے تھے اور اسیطرح جب رکوع سے اٹھتے تھے تب بھی دونوں ہاتھ اسی طرح اٹھاتے تھے اور کہتے تھے "سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد" اور سجدے میں ایسا نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اس حدیث میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور اسی کے ساتھ سجدے میں رفع یدین نہ کرنے کی تصریح ہے۔ اور ان ہی کی بعض دوسری روایات میں تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، اور یہ روایت بھی صحیح بخاری ہی میں موجود ہے۔

اور مالک بن الحویرثؓ اور وائل بن حجرؓ کی حدیثوں میں (جن کو امام نسائی اور امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے) سجدے کے وقت بھی رفع یدین کا ذکر ہے، جس کی حضرت ابن عمر کی مندرجہ بالا حدیث میں صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر روایت اور ہر بیان بجائے خود صحیح ہے اور مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر کے اس بیان میں کہ رسول اللہ ﷺ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ اور حضرت ابن عمر کے اس بیان میں کہ آپؐ سجدے میں رفع یدین نہیں کرتے تھے تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ایسا آپؐ نے کبھی کبھی کیا جس کو مالک بن الحویرث اور وائل بن حجر نے تو دیکھا اور حضرت ابن عمر نے اتفاق سے نہیں دیکھا اس لئے اپنے علم کے مطابق انہوں نے اس کی نفی کی، اگر یہ آپؐ کا دائمی یا اکثری عمل ہوتا تو ناممکن تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے صحابی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔

۱۳۷) عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّي بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي اَوَّلِ مَرَّةٍ. (رواه الترمذى و ابو داؤد و النسائى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ ہم سے کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھاؤں! یہ کہہ کر انہوں نے ہمیں نماز پڑھائی، اس نماز میں انہوں نے بس پہلی ہی دفعہ (تکبیر تحریمہ کے ساتھ) رفع یدین کیا، اس کے سوا رفع یدین بالکل نہیں کیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان ممتاز اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت تھی کہ وہ نماز میں پہلی صف میں رسول اللہ ﷺ کے قریب کھڑے ہوں، انہوں نے اپنے شاگردوں کو دکھانے اور سکھانے کے لئے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھائی، اور اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بناء پر یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابن عمرؓ وغیرہ نے رکوع میں جاتے

وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا جو ذکر کیا ہے وہ بھی رسول اللہ کا دائمی یا اکثری معمول نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو حضرت ابن مسعودؓ جو آپؐ کے قریب صف اول میں کھڑے ہونے والوں میں تھے اس سے یقیناً واقف ہوتے اور تعلیم کے اس موقع پر رفع یدین ہرگز ترک نہ کرتے۔

ان سب حدیثوں کو سامنے رکھ کر ہر منصف صاحب علم اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول نماز میں رفع یدین کا بھی رہا ہے اور ترک رفع یدین کا بھی۔ یعنی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؐ پوری نماز میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کسی موقع پر بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے ایسا بھی ہوتا تھا کہ تحریمہ کے علاوہ صرف رکوع میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے، اور شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپؐ سجدے میں جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ نے آپؐ کی نماز کے مسلسل مطالعہ اور مشاہدے سے یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور حضرت ابن عمرؓ جیسے بہت سے صحابہ نے یہ سمجھا کہ اصل رفع یدین ہے۔ پھر رائے اور فکر کا یہی اختلاف تابعین اور بعد کے اہل علم میں بھی رہا۔

امام ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی مندرجہ بالا حدیث سند کے ساتھ نقل کرنے کے بعد اور حسب عادت یہ بتانے کے بعد کہ فلاں فلاں دیگر صحابہ کرام سے بھی رفع یدین کی احادیث روایت کی گئی ہیں لکھا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انسؓ وغیرہ اسی کے قائل ہیں یعنی انہوں نے رفع یدین کو اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں اور فلاں حضرات اسی کے قائل ہیں۔"

اس کے بعد ترک رفع یدین کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد اور اسی مضمون کی براء بن عازبؓ کی ایک دوسری حدیث کا حوالہ دینے کے بعد امام ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ:

"متعدد صحابہؓ اسی کے قائل ہیں اور انہوں نے ترک رفع یدین کو اختیار کیا ہے اور اسی طرح تابعین اور بعد کے ائمہ میں سے فلاں فلاں حضرات نے اس کو اختیار کیا ہے۔"

الغرض آمین بالجہر اور آمین بالسر کی طرح رفع یدین اور ترک رفع یدین بلاشبہ دونوں عمل رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ اور صحابہ کرامؓ کے درمیان ترجیح و اختیار میں اختلاف اسی وجہ سے ہوا ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے غور و فکر، اپنے دینی وجدان اور ادراک اور رسول اللہ ﷺ کے معمولات کے مطالعہ و تجزیہ کی بناء پر یہ سمجھا کہ نماز میں اصل ترک رفع یدین ہے، اور رفع یدین جب ہوا ہے وقتی اور عارضی طور پر ہوا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ جیسے صحابہ کرام نے یہی سمجھا اور امام ابو حنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ ائمہ نے اسی کو اختیار کیا۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ دوسرے بہت سے صحابہ کرامؓ نے اس کے برعکس سمجھا، اور حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا، اور رائے کا یہ اختلاف بھی صرف

فضیلت میں ہوا، رفع اور ترک رفع کا جواز سب کے نزدیک مسلم ہے۔
اللہ تعالیٰ غلو اور ناانصافی سے حفاظت فرمائے اور اتباع حق کی توفیق دے۔

رکوع و سجود

نماز کیا ہے؟...... اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیاز مندی کا اظہار اور اس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ...... قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اس سب کی روح یہی ہے، لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال و اجزاء میں رکوع و سجود ہیں...... سر اونچا رکھنا، تکبیر، یعنی برتری اور بالاتری کے احساس کی علامت ہے، اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے۔ اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق و مالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کے ساتھ ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس یا اس کے حضور میں دعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

رکوع و سجود اچھی طرح ادا کرنے کی تاکید

۱۳۸) **عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَ نْصَارِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُجْزِیْ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَهْرَهٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ......** (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجۃ والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی نماز اس وقت تک کافی نہیں ہوتی (یعنی پوری طرح ادا نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

۱۳۹) **عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیِ الْحَنَفِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ عَزَّوَ جَلَّ اِلٰی صَلٰوةِ عَبْدٍ لَا یُقِیْمُ فِیْهَا صُلْبَهٗ بَیْنَ خُشُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا –** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اسکی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ (مسند احمد)

تشریح...... نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اسکے نزدیک قابل قبول نہیں،

ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے...... ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدے کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا، اس کی نماز قبول نہیں ہو گی، یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

۱۴۰) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِعْتَدِلُوْا فِى السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ اِنْبِسَاطَ الْكَلْبِ .** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سجدہ اعتدال کیساتھ کرو اور کوئی اپنی بانہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھادے جس طرح کتا زمین پر بانہیں بچھا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کے ساتھ کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھا لیا۔ اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے۔ دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپؐ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

۱۴۱) **عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدْتَّ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ۔ (صحیح مسلم)

۱۴۲) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكِ بْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَبَيَاضُ اِبِطَيْهِ –** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سجدہ میں جاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اچھی طرح کھول دیتے تھے، (یعنی پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے) یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آ سکتی تھی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۴۳) **عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ وَاِذَا نَهَضَ رَفَعَ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ ......** (رواه ابو داؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا ہے کہ جب آپؐ سجدے میں جاتے تھے تو ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے، اور جب آپؐ سجدے سے اٹھتے تھے تو اس کے برعکس اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۱۴۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں):۔ پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح:...... یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے "اعضاء سجود" کہلاتے ہیں۔ سجدے میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہئے۔ بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں، یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور روح کے منافی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

رکوع اور سجدے میں کیا پڑھا جائے؟

۱۴۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ . (رواه ابوداؤد و ابن ماجه و الدارمی)

ترجمہ:۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت "فسبح باسم ربك العظیم" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت "سبح اسم ربك الاعلی" کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اس کو اپنے سجدے میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں سبحان ربی الاعلی سجدے میں کہا کرو)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

۱۴۶) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى . (رواه النسائی وابن ماجه ورواه الترمذی و ابو داؤد و الدارمی مع زيادة)

ترجمہ:۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدے میں سبحان ربی الاعلی کہتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۱۴۷) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْتَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْتَمَّ سُجُوْدُهٗ وَ ذٰلِكَ اَدْنَاهُ .

(رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا، اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا، اسی طرح جب اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ ۳ بار کہے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدے میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع اور سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کامل ادائیگی کے لئے کم سے کم ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے، اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا زیادہ طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث ہو۔ حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے متعلق فرمایا کہ اس جوان کی نماز حضور ﷺ کی نماز کے ساتھ بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے رکوع و سجود کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً دس دفعہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی رکوع و سجود میں تقریباً دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ تسبیح پڑھا کرے۔

مندرجہ بالا تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع اور سجدے میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی اور یہی آپؐ کا معمول بھی تھا، لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی حالت میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا۔

۱۴۸) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِي رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِكَةِ وَالرُّوْحِ . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع اور سجود میں کہتے تھے سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح (نہایت پاک اور مقدس و منزہ ہے پروردگار ملئکہ کا اور روح کا)۔ (صحیح مسلم)

۱۴۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ . (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے سبحانک اللھم ربنا و بحمدک اللھم اغفرلی۔ (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں، اے اللہ! میری مغفرت فرما)۔ آپ ﷺ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ یتاول القرآن کا مطلب یہ ہے کہ سورہ اذا

جاء میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا فسبح بحمد ربك و استغفره (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپؐ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور سجدے میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ اذا جاء نصر اللہ کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپؐ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اقتدا اور پیروی ہم سب کو نصیب فرمائے۔

۱۵۰) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِىْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِرَضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ — (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ ﷺ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا، اس وقت آپ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اللھم انی اعوذ بك (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ثنا و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں) کہ تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذات اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔ (صحیح مسلم)

۱۵۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِىْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ — (رواہ مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے اللھم اغفرلی ذنبی کلہ (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے امت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپؐ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے۔ لیکن کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دعائیں بھی پڑھنی چاہئیں۔ خاص کر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے

۱۵۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِى الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ .

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ : مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو، اور سجدے میں دعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے۔ لیکن اس کا محل قیام ہے اور کلام الٰہی و فرمان خداوندی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع و سجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرافگندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی مدت العمر یہی رہا اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنے کی تلقین و ہدایت فرمائی ہے اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ دعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اس کے محامد اور کمالات کے گیت گائے۔ ہماری اس دنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے اور اسی بناء پر ایک حدیث میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کو افضل الدعا کہا گیا ہے۔ (جامع ترمذی) اس لحاظ سے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى بھی ایک دعائیہ کلمہ ہے اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اس کا سجدہ بھی دعا سے خالی نہیں ہے لیکن سجدے کی جو دعائیں آنحضرت ﷺ سے منقول و ماثور ہیں (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہیں) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے انکی شان کچھ اور ہی ہے۔

سجدہ کی فضیلت

۱۵۳) عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِىْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهٗ يُدْخِلُنِىَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهٗ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ

بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ بِهَا عَنْكَ خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَاالدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهٗ فَقَالَ لِىْ مِثْلَ مَا قَالَ ثَوْبَانُ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: معدان بن طلحہ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرمادے! انھوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے دوبارہ وہی سوال کیا انہوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ ﷺ سے کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو، جو سجدہ بھی تم اللہ کے لئے کرو گے اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس کی وجہ سے ضرور معاف ہوگا۔ معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے دوسرے صحابی حضرت ابو الدرداءؓ کی خدمت میں حاضری کا مجھے موقع ملا تو ان سے بھی میں نے یہی سوال کیا، انہوں نے بالکل وہی بتایا جو حضرت ثوبانؓ نے فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم)

١٥٤) عَنْ رَبِيْعَةَ بنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِىْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِى الْجَنَّةِ، قَالَ اَوْغَيْرَ ذٰلِكَ ؟ قُلْتُ هُوَ ذٰلِكَ ، قَالَ فَاَعِنِّىْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحاب صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ: میں ایک رات کو حضور ﷺ کے ساتھ اور آپؐ کی خدمت میں تھا (جب آپؐ تہجد کے لئے رات کو اٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر حاضر خدمت ہوا تو آپؐ نے (مسرت اور انبساط کے خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا: "ربیعہ کچھ مانگو" (آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو تو اس وقت مانگ لو میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کروں گا، اور امید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کردے گا)۔ ربیعہؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا:۔ یہی یا اس کے سوا کچھ اور؟۔ میں نے عرض کیا:۔ میں تو بس یہی مانگتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مقربین بارگاہ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت رحمت حق متوجہ ہے، اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائے گا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے ربیعہ بن مالک کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ "سل" (جس چیز کی تمہیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انہوں نے اس کے جواب میں "جنت میں

حضور ﷺ کی رفاقت" مانگی، اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ: "مجھے تو بس یہی چاہئے اس کے سوا کچھ نہیں" تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ: "فاعنی علی نفسك بكثرة السجود" (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپؐ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہنچانے میں خصوصیت کے ساتھ مدد گار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہٰذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دعا کو قوت پہنچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرت سجود سے مراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے اس لئے بجائے کثرت صلوٰۃ کے کثرت سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

قومہ اور جلسہ

رکوع اور سجدے کے درمیان قومہ کا حکم ہے، اور اسی طرح ایک رکعت کے دو سجدوں کے درمیان جلسہ مشروع ہے، ان دونوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور آپؐ کا معمول ذیل کی حدیثوں میں پڑھئے۔

١٥٥) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام (رکوع سے اٹھتے ہوئے) کہے سمع اللہ لمن حمدہ (اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی) تو تم (مقتدی لوگ) کہو اللہم ربنا لک الحمد (اے اللہ! ہمارے پروردگار تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے) تو جس کا کہنا ملائکہ کے کہنے کے موافق ہوگا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... نماز باجماعت میں جب امام رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے تو اللہ کے فرشتے بھی اللہم ربنا لک الحمد کہتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کو حکم دیا ہے کہ اس موقع پر وہ بھی یہی کلمہ کہا کریں اور فرمایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ کلمہ فرشتوں کے کلمہ کے موافق اور مطابق ہوگا۔ اس کلمہ کی برکت سے ان کے پچھلے قصور معاف ہو جائیں گے۔ موافق اور مطابق ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ بالکل ان کے ساتھ ہو آگے پیچھے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

یہ بات اس معارف الحدیث ہی کے سلسلہ میں بار بار لکھی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی خاص عمل

کی برکت سے گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت سنائی جاتی ہے اس سے مراد عموماً صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ کبائر کے متعلق قرآنی آیات اور احادیث سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معافی اصولی طور پر توبہ سے وابستہ ہے، یوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ جس کے چاہے محض اپنے کرم سے بخش دے۔

۱۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَوْفٰى قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْأَ الْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھتے تو فرماتے:

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمِلْأَ مَاشِئْتَ مِنْ شَيْئٍ بَعْدُ

اللہ نے سنی اس بندہ کی جس نے اس کی حمد کی اے اللہ ہمارے رب تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش ہے اتنی کہ جس سے زمین آسمان کی ساری وسعتیں بھر جائیں اور زمین و آسمان سے آگے جو سلسلہ وجود تیری مشیت میں ہے اس کی بھی ساری وسعتیں بھر جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے قومہ میں یہی دعا کچھ اور اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کبھی صرف اللہم ربنا لک الحمد کہتے تھے اور کبھی اس کے ساتھ وہ اضافہ بھی کرتے تھے جو عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوا اور کبھی اس پر مزید اضافہ وہ بھی فرماتے تھے جس کی روایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کی ہے اور اسی واسطے کبھی کبھی آپ کا قومہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ لوگوں کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۵۷) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّى وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّ ثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَّبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلًا . (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کہا سمع اللہ لمن حمدہ تو آپؐ کے پیچھے مقتدیوں میں سے ایک شخص نے کہا:

رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ ۔ اے ہمارے رب آپ ہی کے لئے ہی ساری حمد، بہت زیادہ حمد، بہت پاکیزہ اور مبارک حمد۔

جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اس وقت یہ کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے کہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے تیس سے کچھ اوپر فرشتوں کو دیکھا کہ وہ باہم مسابقت کر رہے تھے کہ کون اس کو پہلے لکھے گا۔　　(صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث میں اس کلمہ "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا" کے لکھنے کے لئے تیس سے زیادہ فرشتوں کی جس مسابقت کا ذکر ہے اس کا خاص سبب غالباً اس بندہ کے دل کی وہ خاص کیفیت تھی جس کیفیت سے اس نے اللہ کی حمد کا یہ مبارک کلمہ کہا تھا۔ واللہ اعلم

۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ۔

(رواه النسائی، والدارمی)

ترجمہ.. حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں کہا کرتے تھے۔ "رَبِّ اغْفِرْلِيْ" — "اے اللہ! میری مغفرت فرما"۔　　(سنن نسائی، مسند دارمی)

۱۵۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ ۔　(رواه ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعا کرتے تھے، "اے اللہ! میری مغفرت فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے ہدایت کی نعمت سے نواز، مجھے معاف فرمادے اور میری روزی کی کفالت فرما۔"　　(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۶۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَه قَامَ حَتّٰى نَقُوْلُ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلُ قَدْ اَوْهَمَ ۔　(رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کبھی ایسا ہوتا) کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو (اتنی دیر تک) کھڑے رہتے کہ ہم کو خیال ہوتا کہ شاید آپ کو سہو ہو گیا، پھر سجدہ میں جاتے اور اس سے اٹھنے کے بعد دونوں سجدوں کے درمیان (اتنی دیر) بیٹھتے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ شاید آپؐ کو سہو ہو گیا۔　　(صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ کبھی کبھی آپؐ کا قومہ اور جلسہ اتنا طویل ہو جاتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کو سہو کا شبہ ہونے لگتا تھا وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا کبھی شاذ و نادر ہی ہوتا تھا، عام عادت شریفہ یہ نہیں تھی، ورنہ اگر روز مرہ کا معمول یہی ہوتا یا بکثرت ایسا ہوا کرتا تو کسی کو سہو کا شبہ کبھی نہ ہوتا۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی جو کلمات اور جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ سب نہایت ہی مبارک اور مقبول دعائیں ہیں۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والا امام ہو، تو حضورؐ

ہی کی ہدایت کے مطابق اس کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کا طرزِ عمل مقتدیوں کے لئے زحمت و مشقت کا باعث نہ بن جائے۔

قعدہ، تشہد اور سلام

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اسکے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اس کو قعدہ اولی کہتے ہیں لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے۔

ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کسطرح قعدہ فرماتے تھے، اور اسمیں کیا پڑھنے کی آپ ﷺ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کسطرح نماز ختم کرنی چاہئے

قعدہ کا صحیح اور مسنون طریقہ

۱۶۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا جَلَسَ فِی الصَّلٰوةِ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْیُمْنٰی الَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَیَدُهُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِهٖ بَاسِطُهَا عَلَیْهَا . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشت شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بایاں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دراز ہوتا تھا (یعنی اس سے آپؐ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قعدہ میں کلمہ شہادت کے وقت انگشت شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلا شبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اشهد ان لا اله الا الله کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جارہی ہو، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشت شہادت کے اس اشارے کے ساتھ آپؐ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے واتبعها بصره۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے:

لَهِیَ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنَ الْحَدِیْدِ

انگشت شہادت کا یہ اشارہ شیطان کے لئے لوہے کی دھار دار چھری اور تلوار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)

۱۶۲) عَنْ عَبْدَاللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَرىٰ عَبْدَاللهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهُ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِيْ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنىٰ وَتَثْنِيَ الْيُسْرىٰ فَقُلْتُ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَایَ لَا تَحْمِلَانِّي — (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے۔ (کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اسی طرح چہار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اسوقت بالکل نوعمر تھا، تو والد ماجد نے مجھے اسطرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرو، اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ :۔ خود آپ جو چہار زانو بیٹھتے ہیں؟۔ انہوں نے فرمایا کہ۔ (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، یہ انہیں کا واقعہ ہے جو مذکور ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ۸۴ سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۶ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اخیر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے وہ نماز میں سنت کے مطابق اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس وجہ سے مجبوراً چہار زانو بیٹھنا پڑتا تھا (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی خاص تکلیف تھی اس کی وجہ سے وہ قعدہ میں سنت کے مطابق بیٹھنے سے معذور تھے) بہر حال ان کے صاحبزادے عبداللہ نے بھی صرف ان کی تقلید اور پیروی میں ان ہی کی طرح چہار زانو بیٹھنا شروع کر دیا (اگرچہ وہ اس وقت بقول خود بوڑھے نہیں بلکہ نوعمر اور نوجوان تھے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو منع فرمایا اور بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کیا جائے اور بایاں پاؤں موڑ کر اس پر بیٹھا جائے اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں معذوری کی وجہ سے چہار زانو بیٹھتا ہوں، میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے آخری الفاظ " ان رجلای لا تحملانی " (میری دونوں پاؤں میرا بوجھ نہیں سہار سکتے) سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزدیک قعدہ کا مسنون طریقہ وہ تھا جس میں آدمی کے جسم کا بوجھ اس کے دونوں پاؤں پر رہتا ہے، اور وہ وہی ہے جس کو "افتراش" کہتے ہیں اور جو ہم لوگوں کا معمول ہے۔

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیر عنوان "نماز کس طرح پڑھی جائے" حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو "تورک" کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ اور شارحین حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدہ اولیٰ میں اختصار اور عجلت

۱۶۳) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كَاَنَّهٗ عَلَى الرَّضَفِ حَتّٰى يَقُوْمَ .** (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدہ اولیٰ فرماتے تھے تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے) جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ..... حضور ﷺ کے اس دوامی طرز عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدہ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد

۱۶۴) **عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّشَهُّدَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِى السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ** – (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا) التحیات للہ والصلوات والطیبات الخ (ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے)۔ اور میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور پیغمبر ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے، لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں۔ تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور ان میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب بارگاہ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپ نے نذرانہ، عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی:

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ

آپ ﷺ نے جواباً عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ

اسکے بعد (عہد ایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے السلام علیك ایها النبی میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ تشہد میں السلام علیك ایها النبی ہم حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں اس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اس کے السلام علی النبی کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی السلام علیك ایها النبی حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اسی کو جوں کا توں برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک خاص لطف ہے۔ اب جو لوگ اس صیغہ خطاب سے حضور ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض، نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی ناآشنا ہیں۔

درود شریف

درود شریف کی حکمت

انسانوں پر خاص کر ان بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس نبی و رسول کا ہوتا ہے، جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو اور ظاہر ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطہ سے ملی ہے، اس لئے یہ امت

اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان آنحضرتﷺ کی ہے۔ پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے مزید رحمت و رأفت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔ درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے۔ اور یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیاز کیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہنچاتا ہے، اور ہماری اس دعاو التجا کے حساب میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے، اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہارِ وفاداری کا خود ہم کو پہنچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے، اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لئے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لئے خدا کے محتاج ہیں، اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں۔ رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے، کیونکہ ساری مخلوق میں انہیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے۔ اور شرک کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔

بہرحال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دعا گو بنا دیا، اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شاندار تمہید کے ساتھ دیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (احزاب ۳۳ : ۵۰)

اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی پر، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن جس طرح نور نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے، کہ جب فسبح باسم ربك العظيم اور سبح اسم ربك الاعلى ۔ آیات قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سبحان ربی العظيم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلى پڑھا جائے۔)

اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صلوا عليه و سلموا تسليما) کے نزول کے وقت بھی صحابہ کرامؓ کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔

اس بارے میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اسکو عرض کروں گا۔ اب حدیث پڑھئے!

۱۶۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتادیا ہے کہ ہم تشہد میں السلام عليك ايها النبى و رحمة الله وبركاته کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا: یوں کہا کرو۔ اللهم صلى على محمد و على آل محمد۔ "اے اللہ! اپنی خاص عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور ان کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... جیسا کہ سورہ احزاب کی مندرجہ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی

بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:

كَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِى صَلٰوتِنَا [1]

حضرت (ﷺ)! ہم جب نماز میں آپ (ﷺ) پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ صحابہؓ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارے میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بہ سند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے:

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّى عَلَى النَّبِىِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ [2]

آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور ﷺ سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہئے۔

بہرحال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔ اسکے بعد انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں 'آل' کا مطلب

اس درود میں 'آل' کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورے میں کسی شخص کے 'آل' ان کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص الخاص تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت [3] کا (جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین)۔ اسلئے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن آگے حضرت ابو حمید

---

[1] ابو مسعودؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اُس میں یہ الفاظ نہیں ہیں اذا نحن صلينا عليك فى صلوتنا۔ ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۷۵ — وفتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ص ۳۰۵ پ ۱۹)

[2] فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ ص ۵۵ پ ۲۶۔ ۱۲

[3] امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں ویستعمل فيمن يختص بالانسان اختصاصاً ذاتيا اما بقرابة قريبة او بموالاة قال عزوجل (و ال ابراهيم و ال عمران) وقال (ادخلوا ال فرعون اشد العذاب) ص ۳۰۔ ۱۲

ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "آل" سے مراد آپ ﷺ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ ﷺ کی نسل واولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم

(۱۶۶) عَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ نُصَلِّی عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْلُوْا . اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ کَمَابَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت (ﷺ)! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟۔ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ اللہم صل علی محمد و ازواجه و ذریته ...... اے اللہ! اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آل ابراہیم پر، اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آل ابراہیم پر، اے اللہ! تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح ...... اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، علماء اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔

اس حدیث میں بجائے آل کے ازواجه و ذریته کے الفاظ ہیں۔ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت طیبہ ہی مراد ہیں، اور جس طرح آنحضرت ﷺ سے قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف ان کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں ان سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح درود سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے، اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ امت میں سب سے افضل ہوں۔ اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ اہل عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں، تو ان کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اس کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور ان کے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں۔ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کیشی کا نذرانہ ہے، اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اس کی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لئے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندے کو رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے صدقے میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربار عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہو گئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لئے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد ﷺ کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقے میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے آپکے لئے اور آپؐ کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپؐ کی ذریت طیبہ کے لئے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبۂ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے۔ اسی کیلئے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابہؓ کرام کو رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائے۔

یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لئے صرف انہی دو حدیثوں پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابل ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ "کتاب الدعوات" میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ "صلوٰۃ و سلام" کے جو اور صیغے آنحضرت ﷺ سے قابل اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ اَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ اَعْجَبَهُ اِلَيْهِ فَيَدْعُوْبِهٖ

یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا اسے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کر لے، اور اللہ سے وہی دعا کرے۔

اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

سے بھی معلوم ہوتی ہے۔

بہر حال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت ﷺ سے تعلیماً بھی ثابت ہے اور عملاً بھی، اور اس موقع کے لئے آپؐ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائیں ہیں۔ اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں:-

۱۶۷) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا فَرَغَ اَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ اَرْبَعٍ مِّنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے:۔ (۱) جہنم کے عذاب سے۔ (۲) قبر کے عذاب سے۔ (۳) زندگی اور موت کی آزمائش سے، اور (۴) دجال کے شر سے۔ (صحیح مسلم)

۱۶۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو: اللہم انی اعوذ بک .... یعنی اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے اور پناہ مانگتا ہوں دجال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... یہ دعا جیسے کہ ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بد بختیوں سے حفاظت کے لئے بڑی جامع دعا ہے۔ اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابل تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بد بختی ہے۔ اس کے بعد دجال کے فتنہ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے، جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اس کے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے جس میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے۔ حضرت عبداللہ! بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس موقع کے لئے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے، لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔ اسی دعا کے بارے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود بھی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے، بلکہ اس میں مندرجہ بالا دعا کے بالکل آخر میں یہ

اضافہ بھی ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ

"اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے اور قرض کے بارے"

بہتر ہے کہ یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

۱۶۹) عَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْبِهٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یوں عرض کیا کرو اللّٰهم انی ظلمت نفسی......... (اے اللہ! میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے (یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے) اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو۔ پس اے میرے اللہ! تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے)۔۔۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں تو صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لئے تعلیم فرمائی تھی، مگر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی موقع کے لئے فرمایا تھا: "تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لئے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہی اللہ تعالیٰ سے مانگے۔" (جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظاہر یہی ہے کہ .... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لئے تعلیم کی درخواست کی تھی، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا ان کو اسی موقع کے لئے تعلیم فرمائی۔ غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں یہ حدیث "باب الدعا قبل السلام" کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً امت میں سب سے افضل ہیں اور ان کی نماز پوری امت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ نے آخری مرض میں ان کو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں، وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرمادیجئے جو میں نماز میں (یعنی اس کے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں!۔ رسول اللہ ﷺ اس کے جواب میں ان کو یہ دعا

تعلیم فرتے ہیں۔ گویا آپؐ نے ان کو بتایا کہ اے ابو بکرؓ! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا، بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصور وار اور خطاکار قرار دیتے ہوئے اس کے سامنے اپنی گناہگاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو، اور یہ کہہ کے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گناہگار کو عطا فرمادے اور میرے لئے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرمادے۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں۔ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے۔ بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں۔ خدا کی قسم حضور ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

خاتمہ نماز کا سلام

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لئے کلمہ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمہ افتتاح نماز کے لئے سوچا ہی نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اس کے اختتام کے لئے "السلام علیکم و رحمة الله" تلقین فرمایا ہے، اور بلا شبہ نماز کے خاتمہ کے لئے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جا سکتا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو، لہٰذا اختتام کیلئے السلام علیکم ورحمة اللہ کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہئے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتی کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے، اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے۔ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کر لے، تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اسلئے اب وہ ان کی طرف رخ کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ

اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد سلام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے

۱۷۰) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَ تَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَ تَحْلِيْلُهَا**

التَّسْلِيْمُ . (رواه ابوداؤد و الترمذی و الدارمی و ابن ماجه)

ترجمہ... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طہارت (یعنی وضو) نماز کی کنجی ہے، اور اس کی تحریمہ اللہ اکبر کہنا ہے اور اسکی بندشیں کھولنے کا ذریعہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہنا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں:-

۱) اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور باوضو ہونا اس کی کنجی یعنی اس کی مقدم شرط ہے، اس کے بغیر کسی کے لئے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔

۲) دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے، اس کے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً کھانا پینا، کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام، جن کی اجازت تھی، وہ بھی ختم نماز تک کے لئے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لئے اس کو "تکبیر تحریمہ" کہتے ہیں۔

۳) تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز و مباح چیزیں "تکبیر تحریمہ" کہنے کے بعد اس کے لئے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ ہے۔

۱۷۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِىْ وَقَّاصٍ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ . (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود دیکھا تھا کہ آپؐ سلام پھیرتے وقت داہنی جانب اور بائیں جانب رخ فرماتے تھے اور چہرہ مبارک کو داہنی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ ﷺ جو دعائیں مانگتے تھے، یا جن دعاؤں کی آپؐ نے اس موقع کے لئے تلقین فرمائی ہے ان کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپؐ نے امت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپؐ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

۱۷۲) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوْبَاتِ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: حضرت (ﷺ)! کون سی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی)

۱۷۳) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّىْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ فَلَاتَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلوٰةٍ "رَبِّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ". (رواه احمد و ابو داؤد و النسائى)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے؟۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ)! مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا (تو اس محبت کی بناء پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ) ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کیا کرو، اور کبھی اسے نہ چھوڑو " رب اعنی علی ذکرك وشکرك وحسن عبادتك " (اے پروردگار! میری مدد فرما، اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔
(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

۱۷۴) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلوٰتِهٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمہ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کے بعد کہتے:۔ اللهم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔ (اے اللہ! تو ہی سالم ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لئے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے، اور جس کے لئے نہ چاہے نہ کرے) تو برکت والا ہے۔ اے بزرگی و برتری والے تعظیم و اکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے استغفر اللہ ، استغفر اللہ ، استغفر اللہ یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصور اور حق عبادت ادا کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کی ہے صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی:۔ اللهم انت السلام و منك السلام تبارکت یا

ذالجلال والاکرام ۔ عوام میں اس دعا کے اندر ومنك السلام کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے: والیك یرجع السلام فحینا ربنا بالسلام وادخلنا الجنة دارالسلام محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۵) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ . اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے۔ لا اله الا الله وحده لا شريك له...... (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو کسی کو دے وے کوئی اسے روک سکنے والا نہیں اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

۱۷۶) عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَاللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَوِ الصَّلَوَاتِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ . (رواه مسلم)

ترجمہ: ابوالزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے: لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك ......اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اسی کی ہیں، فضل و احسان اسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اسی کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مغیرہ بن شعبہؓ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیرؓ کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپؐ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح جس نے جو سنا وہ

نقل کردیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے۔ وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

۱۷۷) عَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَرْذَلِ الْعُمْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ . (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے

اللهم انی اعوذ بك من الجبن۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قوی صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکما اور دوسروں کے لئے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔ (صحیح بخاری)

۱۷۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ، سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے۔ یہ سب ۹۹ کلمے ہوگئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ تو اس کی سب خطائیں معاف کردی جائیں گی، اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں کے بارے میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جاچکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر ان تین کلموں کا عدد ۳۳، ۳۳، ۳۳ بتایا گیا ہے، اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے ایک دفعہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك له پڑھنے کے لئے فرمایا گیا ہے۔ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہؓ کی روایت میں سبحان اللہ اور الحمد اللہ ۳۳، ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اس طرح دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے۔ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں عرف عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح "کتاب الدعوات" میں کی جائے گی۔

۱۷۹) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ اِلَّا مِقْدَارَ مَايَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہتے: اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔ (اے اللہ! تو سالم ہے۔ یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے۔ اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ یعنی جب جس کے لئے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم واکرام والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا اللهم انت السلام کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اُٹھ جاتے تھے لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے۔

بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اللهم انت السلام کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے، بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے، اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارے میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، اس لئے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریق کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے۔ وہ سلام کے بعد کی ان تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:

"بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں اور ذکر الٰہی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے ...... اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے ...... رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ "آنحضرت ﷺ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام ...... کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے" تو اس کی کئی توجیہیں کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے، اس کے بعد نشست بدل دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے) اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف اللهم انت السلام ...... پڑھ کے اٹھ جاتے تھے اور ایسا آپ غالباً اس لئے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے یہ معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد ثانی ص ۱۲)

فائدہ ...... سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں ان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ ﷺ سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ حتی کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے بلکہ قابل اصلاح ہے، امامت اور اقتداء کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے، اس لئے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتداء اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیف کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

سنتیں اور نوافل

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکن رکین اور لازمہ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لئے آپ ﷺ نے تاکیدی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپؐ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا ان کو عرف عام میں "سنت" کہا جاتا ہے اور ان کے ماسوا کو "نوافل" (نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو "نوافل" کہا گیا ہے)۔

پھر جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربار عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے، اور ملاء اعلیٰ سے ایک قرب و مناسبت پیدا کر لی جائے۔ اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ان کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اس کا کچھ تدارک بعد والی ان سنتوں اور نفلوں سے ہو جائے۔ (بطور جملہ معترضہ کے یہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحۃً منع کیا گیا ہے، اس کی کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو ان شاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی)۔

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً دن میں اور رات میں یہ دراصل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل سے متعلق حدیثیں پڑھئے:۔

دن رات کی مؤکدہ سنتیں

۱۸۰) عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلَّى فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ ثِنْتَى عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِىَ لَهُ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لئے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی

تفصیل یہ ہے) ۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد اور ۲ مغرب کے بعد اور ۲ عشاء کے بعد اور ۲ فجر سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(حضرت ام حبیبہؓ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے، لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے)۔

تشریح...... اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ: "آپ ﷺ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے، اس کے بعد جا کر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور ۲ رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لا کر ۲ رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے ۲ رکعتیں پڑھتے تھے"۔ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے ۴ رکعت کے ۲ رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

۱۸۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں، ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپؐ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپؐ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المؤمنین حفصہؓ نے کہ رسول اللہ ﷺ دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے صبح صادق ہو جانے پر۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہر حال دونوں ہی عمل آپؐ سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر ۴ رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن جب دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف ۲ رکعت پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپؐ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اس لئے ان کو سنت مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپؐ نے فجر کی سنتوں کے بارے میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت

۱۸۲) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ "دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے" اس سب سے زیادہ قیمتی اور کار آمد ہے۔ دنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثواب آخرت باقی غیر فانی ہے۔ اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ انشاء اللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

۱۸۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدَعُوْ هُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ – (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو)۔ (سنن ابی داؤد)

۱۸٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى شَيْئٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۸۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ . (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہئے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن و نوافل کی فضیلت

۱۸٦) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے، یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں۔ ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

۱۸۷) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا .** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپؐ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپؐ ان کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپؐ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

۱۸۸) **عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَافَظَ عَلٰى اَرْبَعِ رَكْعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ .** (رواه احمد و الترمذى و ابوداؤد و النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

...... بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ ﷺ سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لئے ظہر کے بعد مؤکدہ سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے، لہٰذا چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان مؤکدہ دو رکعت کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

فائدہ...... ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے، لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کے پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ملے گا۔

۱۸۹) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ اَرْبَعًا —**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کی رحمت اس بندے پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارے میں یہ آپؐ کا ترغیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپؐ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے، اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

۱۹۰) **عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارَ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَاَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّىْ بَعْدَالْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ وَقَالَ رَاَيْتُ حَبِيْبِىْ ﷺ يُصَلِّىْ بَعْدَالْمَغْرِبِ سِتَّ رَكْعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ**

سِتَّ رَكْعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوْبُهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ۔ (رواہ الطبرانی)

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن عمارؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسرؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اسکے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (معجم طبرانی)

تشریح..... مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آ چکا ہے۔ ان کے علاوہ ۴ رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو ۶ ہو جائیں گی، اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ اَوْسِتَّ رَكْعَاتٍ ۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے ۴ رکعتیں یا ۶ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔

..... عشاء کے بعد دو رکعت تو سنت مؤکدہ ہے جس کا ذکر حضرت ام حبیبہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ و حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی گزر چکا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کے بعد اور آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ ۲ رکعت اور کبھی ۴ رکعت مزید نفل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

وتر

۱۹۲) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ ۔

(رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ (کاشانہ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نماز عشاء کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جا سکتی ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۱۹۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپ ؐ نے فرمایا: "نماز وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔" (یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

۱۹۴) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْنَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ اَوِاسْتَيْقَظَ . (رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے، تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے، تو اسی وقت پڑھ لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، و سنن ابن ماجہ)

۱۹۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو)۔ (صحیح مسلم)

۱۹۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَنْ لَا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْدَةٌ وَذَالِكَ اَفْضَلُ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ اٹھ نہ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہئے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے، اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لئے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لئے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکہ رحمت حاضر ہوتے ہیں، اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... وتر کے بارے میں عام حکم یہی ہے کہ جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا، یعنی یہ کہ نماز وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد اور یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اٹھنے کے بارے میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے، اور

جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی پڑھ لیا کرے۔ لیکن بعض صحابہؓ کو رسول اللہ ﷺ نے ان کے خاص حالات کی بناء پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انہی میں سے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے وہ چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ: "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔"

۱۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ قُبَيْسٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّثَلٰثٍ وَّسِتٍّ وَّثَلٰثٍ وَّثَمَانٍ وَّثَلٰثٍ وَّعَشْرٍ وَّثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن ابی قبیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ: چار اور تین اور چھ اور تین اور آٹھ اور تین اور دس اور تین۔ اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... بعض صحابہ کرامؓ تہجد اور وتر کے مجموعے کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قبیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے، کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ ﷺ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

وتر میں قرأت

۱۹۸) عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَىِّ شَيْئٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِى الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِى الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِى الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ:۔ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں آپ ﷺ "سبح اسم ربك الاعلى" پڑھتے تھے اور دوسری میں قل يٰايها الكفرون اور تیری رکعت میں قل هو الله احد اور معوذتین (یعنی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلى دوسری میں قل يٰايها الكفرون اور تیسری رکعت

میں قل هو الله احد پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں "معوذتین" پڑھنے کا ذکر نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ معوذتین بھی۔ واللہ اعلم

قنوت وتر

١٩٩) **عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِىْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ فِىْ مَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِىْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِىْ فِىْ مَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِىْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِىْ شَرَّ مَاقَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِىْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ**

(رواه الترمذی و ابوداؤد و النسائی و ابن ماجه والدارمی)

ترجمہ... حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں۔ اللهم اهدني في من هديت۔ اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے، اور میرا متولی اور کارساز بن جا ان بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے، اور مجھے برکت دے ان تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اپنے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اے میرے مالک اور پروردگار۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح...... اس قنوت کی بعض روایات میں "انه لا يعز" کے بعد بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کسی حال میں باعزت نہیں۔ اور بعض روایات میں تبارکت ربنا و تعالیت کے بعد بھی روایت کیا گیا ہے۔ یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد اس درود کا بھی اضافہ ہے (اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے، اپنے نبی پاک پر)۔ اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے۔ حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے اس کو امام ابن ابی شیبہؒ اور امام طحاویؒ وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اللهم انا نستعينك کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ والی یہ قنوت اللهم اهدني فيمن هديت بھی پڑھی جائے۔

۲۰۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِي اٰخِرِ وِتْرِهٖ . اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ . (رواه ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے "اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك" اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثنا صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا صفت بیان کی ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت و عنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا ذکور ہے کہ "رسول اللہ ﷺ یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے"۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپؐ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ ﷺ کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہر حال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

۲۰۱) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا سَلَّمَ فِي الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ (رواه ابوداؤد و النسائی وزاد "ثلث مرات يطيل")

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تھے تو کہتے تھے سبحان الملك القدوس۔ (سنن ابی داؤد و سنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپؐ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے، اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے)۔ اور بعض روایات میں ہے کہ "ويرفع صوته بالثالثة" یعنی آپ ﷺ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت نفل

۲۰۲) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ . (رواه الترمذی وزاد ابن ماجه "خفيفتين وهو جالس")

ترجمہ... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ ﷺ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

تشریح...... وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابو امامہؓ نے بھی روایت کیا ہے۔ انہی احادیث کی بناء پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارے میں عام امتیوں کو رسول اللہ ﷺ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں مسئلہ وہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے، یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد ان دو رکعتوں کے لئے کوئی الگ اصول نہیں ہے، بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلے میں آدھا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

وتر کے بارے میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہئے، وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں، ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

قیام لیل یا تہجد۔ اس کی فضیلت اور اہمیت

عشاء اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ اگر عشاء اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشاء کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيلًا (رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ

دبانے والا عمل ہے اور اس وقت (دعا یا قرأت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے)۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے

"تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا"

(ان کے پہلو (اس وقت میں جو لوگوں کے سونے کا خاص وقت ہے) خواب گاہوں سے الگ رہتے ہیں، وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید و بیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے۔ جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے، اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ (السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی امید دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا ہے:

"وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا"

اور اے نبی (ﷺ) آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھئے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجئے) یہ حکم آپ کے لئے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہئے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا۔

"مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہو گا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لئے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضور ﷺ کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہو گی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف و کرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس و شعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھئے!۔

۲۰۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ يَقُوْلُ مَنْ يَّدْعُوْنِىْ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ مَنْ يَّسْاَلُنِىْ فَاُعْطِيَهٗ مَنْ يَّسْتَغْفِرُنِىْ فَاَغْفِرَلَهٗ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارا مالک اور رب تبارک و تعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح..... سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور

اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے، جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ اور استویٰ علی العرش اور اس کے عام صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی علم ہے۔ ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے۔ لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود ان کو دعا اور سوال اور استغفار کے لئے پکارتا ہے۔ جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اس وقت بستر پر سوتے رہنا، اس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے، جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بے چین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لئے کھڑا کر دیا کرے۔

۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِیْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصے میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان، اعضاء سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

۲۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیان رات کی نماز ہے (یعنی تہجد)۔ (صحیح مسلم)

۲۰۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ لِلسَّيِّاٰتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیتیں ذکر فرمائی گئی ہیں اول یہ کہ وہ دور قدیم سے اللہ کے

نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ تقریب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کران کے اثرات کو مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کے وصال کے بعد حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔ جواب میں فرمایا:۔ تاهت العبارات و فنيت الاشارات وما نفعنا الاركعات صلينا ها فی جوف الليل" (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات اور اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہو گئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔)

۲۰۷) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپؐ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے)؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسان عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ باآنکہ آپؐ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے آپ کا چلنا پھرنا حتی کہ سونا بھی کار ثواب تھا، لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ اس میں آپؐ کے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابت رسولؐ کے مدعیوں کے لئے بڑا سبق ہے۔

عقیدۂ عصمت اور رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے، اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لئے جاتے ہیں، اس لئے یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپؐ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ ان برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو امت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپؐ سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ

بن ام مکتوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جن پر سورۂ تحریم اور سورۂ عبس میں آپؐ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہ فرمائی گئی۔ بہر حال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہو جاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں۔ لیکن

"قربیاں را بیش بود حیرانی"

کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکر مند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکر مند نہیں ہوتے۔ پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہو سکتی ہیں۔

۲۰۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِیْ وَجْهِهِ الْمَاءَ .** (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندے پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی، اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا۔ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی، اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن صحابہ کرامؓ کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپؐ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرق مراتب کے باوجود عام صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کا یہی حال تھا، اس لئے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی، یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہا گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ طرز عمل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہوگا بلکہ انشاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا۔ بہر حال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے، اور حضور ﷺ کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لئے ہے جو

اس کے اہل ہوں، اور وہ بذات خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا بدل

۲۰۹) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِهٖ اَوْعَنْ شَيْئٍ مِنْهُ فَقَرَأَهٗ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَصَلٰوةِ الظُّهْرِ كُتِبَ لَهٗ كَاَنَّمَا قَرَأَهٗ مِنَ اللَّيْلِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص رات کو سو تارہ گیا اپنے مقررہ ورد سے یا اس کے کسی جز سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لئے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا، اور وہ کسی رات سو تارہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جزو فوت ہو جائے، تو اگر وہ اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لئے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

۲۱۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا فَاتَتْهُ الصَّلٰوةُ مِنَ اللَّيْلِ مِنْ وَجْعٍ اَوْغَيْرِهٖ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے

۲۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنت فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپؐ کا اکثری معمول تھا ورنہ خود حضرت عائشہؓ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپؐ اس سے بھی کم پڑھتے تھے۔

۲۱۲) عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا (کہ آپؐ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ :۔
سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہؓ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (یعنی آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہؓ کی اس حدیث مذکور ہے جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تہجد کی بعض تفصیلات

٢١٣) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لئے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اسکے بعد طویل قرأت کے ساتھ پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ: "اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّي اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ۔ " (جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لئے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے)۔

٢١٤) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكْعَاتٍ كُلَّ ذَالِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ فَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لئے) رسول اللہ ﷺ اٹھے، اور آپؐ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپؐ اس وقت (سورۂ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے:۔ ان فی

خلق السموات والارض۔ (ختم سورت تک) پھر آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور آپؐ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپؐ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لئے) سو گئے، یہاں تک کہ آپؐ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا، اس کے بعد آپؐ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اٹھے مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپؐ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اٹھ کر آپؐ مسواک کرتے اور وضو فرماتے اور آل عمران کے آخر کی وہ آیتیں پڑھتے تھے۔ پھر آپؐ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی۔ پھر مؤذن نے فجر کی اذان دی تو آپؐ نماز فجر کے لئے تشریف لے گئے اور اس وقت آپؐ یہ دعا فرمارہے تھے:۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِىْ قَلْبِىْ نُوْرًا وَّفِىْ لِسَانِىْ نُوْرًا ...... (اے اللہ! میرے دل میں نور پیدا فرما، اور میری زبان میں نور پیدا فرما، اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کردے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کردے، اے اللہ! مجھے نور عطا فرمادے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے، اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے۔ مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ آل عمران کی آخری آیتیں آپؐ نے سو کے اٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نوری:۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِىْ قَلْبِىْ نُوْرًا ۔ آپؐ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی۔ اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لئے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو رکعت کے بعد سونا حضورؐ کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپؐ نے اتفاقاً ایسا کیا ہوگا۔

اس روایت میں دو خفیف رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا، اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحۃً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں، ان دونوں بیانوں میں تطبیق اسی طرح دی جاسکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم

دعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں نو دعائیہ کلمے ہیں، بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کئے گئے ہیں۔ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے۔ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصے میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرمادے اور مجھے از سر تا پا نور بنادے، اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کردے۔ قرآن مجید کی آیت "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ

ہو گا کہ میرا وجود اور گردو پیش بس آپ کے نور سے منور ہو جائے اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔صبغة الله ومن احسن من الله صبغة۔

۲۱۵) عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُوالْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهٗ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهٗ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهٖ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهٗ نَحْواً مِّنْ قِيَامِهٖ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَاسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِالْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپؐ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا۔اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ذوالملکوت والجبروت والکبریاء والعظمة "(اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا، تو آپؐ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی، اسی طرح اس نماز میں آپؐ نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپؐ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا "سبحان ربی العظیم" پھر آپؐ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا: "لربی الحمد" (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لئے ہے) اس کے بعد آپؐ نے سجدہ کیا تو آپؐ کا سجدہ قیام ہی کی طرح طویل تھا اور آپؐ سجدے میں کہتے تھے:۔ سبحان ربی الاعلی ۔پھر آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپؐ اپنے سجدے کی طرح یعنی قریبا اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں دعا کرتے تھے:۔"رب اغفرلی ، رب اغفرلی " (اے میرے رب میری مغفرت فرما! اے میرے مالک مجھے معاف کردے) آپؐ نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں۔ (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبۃ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہو گیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرۃ نے چوتھی رکعت میں سورۂ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا یا سورۂ انعام پڑھنے کا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہؓ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں۔ چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے ایک رات کی آپؐ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپؐ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ

'ال عمران پڑھیں۔ اور اس کے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً نساء اور مائدہ) پڑھیں۔ اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثناء قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح رہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

۲۱۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِاٰيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم . (رواه النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کر دی، اور وہ (سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی) یہ آیت تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ...... الاية"۔ (سنن نسائی و سنن ابن ماجہ)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپؐ نماز تہجد پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پر جلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے۔ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی امت سے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنا لینا؟ حضرت عیسیٰؑ اس کے جواب میں ایسی بات سے اپنی قطعی برأت ظاہر کریں گے، اور عرض کریں گے کہ خداوند! آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے آپ علام الغیوب ہیں آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی، ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰؑ کے جواب کا آخری جز ہے۔

"اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" (مائده) خداوند اگر تو ان کو (ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کر دے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا، بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا)۔

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہنچ کے غالباً آپؐ کو اپنی امت کا خیال آگیا جس کے بارے میں آپؐ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا، اور آپؐ اسی کی فکر میں

عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور درمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور دہراتے رہے۔ واللہ اعلم

۲۱۷) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِىِّ ﷺ بِاللَّيْلِ يَرْفَعُ طَوْرًا وَّيَخْفِضُ طَوْرًا.** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔ (سنن ابی داؤد)

۲۱۸) **عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَيْلَةً فَاِذَاهُوَ بِاَبِىْ بَكْرٍ يُصَلِّىْ يَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّبِعُمَرَ وَهُوَ يُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَالنَّبِىِّ ﷺ قَالَ يَا اَبَابَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّى تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّىْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ يَا اَبَابَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا .** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو ابو بکرؓ کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمرؓ پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے؟۔انہوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اس کو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمرؓ سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ اے ابو بکرؓ تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمرؓ سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو۔ (سنن ابوداؤد)

تشریح...... عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل خفی ہو نہ بہت زیادہ جہر سے، مندرجہ بالا حدیث کا منشاء یہی ہے، لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا اور اس کے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہوگا۔

چاشت یا اشراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے

طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اگر یہ رکعتیں طلوع آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

"دن (جو اہل عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لئے پہلے پہر کے شروع میں نماز فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے خالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی ہے، اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کر کے اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو بندگان خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں.......... پھر یہ "صلوٰۃ الضحیٰ" کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت، اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت"۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ الضحیٰ سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں:

۲۱۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ فَکُلُّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ وَّکُلُّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَیُجْزِئُ مِنْ ذَالِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی – (رواہ مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت سے اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اس کو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہئے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا بھی صدقہ ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے، اس شکر کی ادائیگی کے لئے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو ادا کرنا چاہئے چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرمالیتا ہے، اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۲۰) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِی ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّهٗ قَالَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں میرے لئے پڑھا کر میں دن کے آخری حصے تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یا اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے:۔

۲۲۱) عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ صَلٰوةَ الضُّحٰی ؟ قَالَتْ اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ وَيَزِيْدُ مَاشَاءَ اللّٰهُ . (رواه مسلم)

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ چاشت کی نماز کے (کتنی) رکعت پڑھا کرتے تھے؟۔ انہوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے، لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا، اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں:۔"لونشرلی ابوای ماترکتها" (اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیئے جائیں تو ان کی زیارت وملاقات کی پرمسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)۔

۲۲۲) عَنْ اُمِّ هَانِیٍٔ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰی ثَمَانِیَ رَكْعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِیْ رِوَايَةٍ اُخْرٰی وَذٰلِكَ ضُحًی. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپؐ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپؐ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے۔ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَةِ الضُّحٰی غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ . (رواه احمد و الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے دوگانہ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... عبادات یا دوسرے اعمال صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے، وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہئے۔

۲۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ بِثَلَاثٍ بِصِيَامِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَّ رَكْعَتَیِ الضُّحٰى وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَرْقُدَ ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب ﷺ نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے:۔ ایک ہر مہینے تین دن کے روزے اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

۲۲۵) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّی الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ۔۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپؐ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ:۔

"رسول اللہ ﷺ بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپؐ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرے کی وجہ سے کہ آپؐ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپؐ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اسکو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے"

الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپؐ اس مصلحت سے ترک کر دیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانہ میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپؐ سے مخصوص تھی، کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق و چاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات متعین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ

خاص حالات سے ہے۔ جیسے دوگانہ وضو (جس کو عرف عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں) یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے، بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے، یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں۔ ان میں سے تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں۔ اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی "مساجد کی اہمیت و فضیلت" کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں۔ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

صلوٰۃ استغفار

۲۲۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْ بَكْرٍ وَّ صَدَقَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّي ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غَفَرَاللّٰهُ لَهُ ثُمَّ قَرَءَ " وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ " (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابو بکرؓ نے بیان فرمایا (جو بلا شبہ صادق و صدیق ہیں) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے: جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے، پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ...الاية۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ آیت جو رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلہ میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورۂ آل عمران کی ہے، اوپر اللہ کے ان متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لئے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّااللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَافَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ـ اُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خَالِدِيْنَ فِيْهَاوَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ـ (آل عمران ۳: ۱۳۵، ۱۳۶)

(اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے کہ) جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں، تو جلد ہی انہیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا۔ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش اور معافی ہے ان کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا)

اس آیت میں ان گنہگار بندوں کے لئے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنہوں نے معصیت کو عادت اور

پیشہ نہیں بنایا ہے، بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور پیٹنٹ طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ

۲۲۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِىْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِىِّ ﷺ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ . سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَاتَدَعْ لِىْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَاحَاجَةً هِىَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ . (رواه الترمذى و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثناء کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے:۔

" لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ .... (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین سب مہربانوں سے بڑے مہربان۔!!!۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجۃ)

تشریح..... یہ ایک حقیقت ہے کہ جس میں کسی مؤمن کے لئے کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے

ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔اور صلوٰۃ حاجۃ کا جو طریقہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین طریقہ ہے، اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے، ان کا یہی تجربہ ہے اور انہوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزائن الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان حاجتوں کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لئے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے، اس کے بعد جب وہ کسی بندے کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

۲۲۸) **عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا حَزَبَهُ اَمْرٌ صَلّٰى .** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپؐ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپؐ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔ "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (مشکلات اور مہمات میں ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے آپ ﷺ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ ﷺ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استخارہ

بندوں کا علم ناقص ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے "صلوٰۃ استخارہ" تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔

۲۲۹) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِى الْاُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ . اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ . اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِىْ (اَوْقَالَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِىْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدِرْهُ لِىْ وَيَسِّرْهُ لِىْ ثُمَّ**

بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّلِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ (اَوْقَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّيْ حَاجَتَهٗ . (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ﷺ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں فکر مند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہئے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ۔ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں، اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں، اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں، کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو، میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کردے اور آسان بھی فرمادے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر و بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کردے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالے کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کردے، اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہئے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ تعالیٰ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے، اور اگر استخارہ

کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ملی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح

۲۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَاللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهُ وَاٰخِرَهُ قَدِيْمَهُ وَحَدِيْثَهُ خَطَأَهُ وَعَمَدَهُ صَغِيْرَهُ وَكَبِيْرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَءُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا

فَذَالِكَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمُرِكَ مَرَّةً .

(رواه ابوداؤد و ابن ماجة والبيهقى . فى الدعوات الكبير . وروى الترمذى عن ابى رافع نحوه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا:۔ اے عباس، اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گران قدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں؟ کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں؟ کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اسکو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اگلے بھی اور پچھلے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں، پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں یہ کلمہ دس دفعہ کہیں،

پھر سجدے سے اُٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدے کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں۔ (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفع پڑھ ہی لیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے۔ امام ترمذی نے رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المكفرة" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے [1] "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے، اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت تھی، اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین امت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں۔ اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں ان کے لئے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے، اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے عوام کے لئے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔ صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثناء یعنی سبحانك اللهم وبحمدك اور رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی پڑھنے کا بھی ذکر ہے اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر پندرہ دفعہ، اور

---

[1] علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد احادیث کے بارے میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں۔ انہوں نے "صلوٰۃ التسبیح" کی ترغیب اور تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المكفرة" میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔ ۱۲

قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی ہے، اسی طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقہ میں دوسرے سجدے کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا، اس طرح اس طریقے کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چار رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہو گی۔ بہر حال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں۔ پڑھنے والے کے لئے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

"صلوٰۃ التسبیح" کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ " (سورہ ہود ۱۱:۱۴)

لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ، کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمروؓ) کو "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا:۔

"فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَلَكَ بِذٰلِكَ"

"تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے گناہ گار ہو گے تو بھی اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما دے گا"

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے ان خوش نصیب بندوں میں سے کر دے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

نوافل کا ایک خاص فائدہ

صلوٰۃ التسبیح پر نفل نمازوں کا بیان ختم ہو چکا، اس خاتمہ پر ذیل کی ایک حدیث اور پڑھ لی جائے:

۲۳۱) عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيْصَةَ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَقُلْتُ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْلِىْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَجَلَسْتُ اِلٰى اَبِىْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اِنِّىْ سَاَلْتُ اللّٰهَ اَنْ يَرْزُقَنِىْ جَلِيْسًا صَالِحًا فَحَدِّثْنِىْ بِحَدِيْثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّنْفَعَنِىْ بِهٖ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهٖ شَيْئًا قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِىْ مِنْ تَطَوُّعٍ ؟ لِيُكَمَّلَ بِهٖ مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ اَعْمَالِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ (رواہ الترمذی و النسائی)

ترجمہ: حریث بن قبیصہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ :اے اللہ! مجھے اپنے کسی صالح بندے کی صحبت میسر فرما؟ پھر میں حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے ان سے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ مجھے کسی صالح بندے کی صحبت نصیب فرما (اور میں اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) آپ مجھے کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہو، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو میرے لئے نفع مند بنائے گا، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث سنائی۔ فرمایا کہ :میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا: آپؐ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور اس کی نماز جانچی جائے گی، پس اگر وہ ٹھیک نکلی تو بندہ فلاح یاب اور کامیاب ہو جائیگا اور اگر وہ خراب نکلی تو بندہ ناکام اور نامراد رہ جائے گا پھر اگر اسکے فرائض میں کمی کسر ہوئی تو رب کریم فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے ذخیرہ اعمال میں فرائض کے علاوہ کچھ نیکیاں (سنتیں یا نوافل) ہیں؟ تاکہ ان سے اس کے فرائض کی کمی کسر پوری ہو سکے۔ پھر نماز کے علاوہ باقی اعمال کا حساب بھی اسی طرح ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... سنن و نوافل کی افادیت اور اہمیت کے لئے تنہا یہ حدیث کافی ہے۔

خاص اجتماعی نمازیں جو امت مسلمہ کا شعار ہیں

جمعہ و عیدین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے، اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کئے جا چکے۔ ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس امت کا گویا شعار ہیں، ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں۔ فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں، جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے جمعہ کے بارے میں چند اشارات ذکر کئے جاتے ہیں، امید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشاء سمجھنے میں انشاء اللہ ان اشارات سے ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلّہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اس لئے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا۔ جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے

لئے شہر کی ایک بڑی ❶ مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لئے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اس لئے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مؤثر بنانے کے لئے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا۔ اور اس کیلئے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ باعظمت اور بابرکت ہے۔ جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لئے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا) بہر حال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا۔ اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجے میں تاکید کی گئی، تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس ہفتہ واری اجتماعی توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پربہار ہو، اور مجمع کو ملائکہ کے پاک و صاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔ اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھئے۔

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت

۲۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے۔ جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کئے گئے، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم)

❶ شریعت میں جمعہ کی جو خاص نوعیت رکھی گئی ہے اور عہد نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ و تابعین بلکہ اس کے بھی کافی بعد تک اُمت کا جو طرز عمل جمعہ کے بارے میں تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک بستی میں جمعہ حتی الوسع ایک ہی جگہ ہونا چاہئے۔ ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور بستی کے سارے نمازی آسکیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نماز جمعہ کے لئے تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی اسکا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی مسجد میں ہو، یہ طریقہ کہ محلّہ کی تمام مسجدوں میں الگ الگ جمعہ ہو یقیناً شریعت کے مقصد و منشاء کے خلاف ہے۔

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف

۲۳۳) عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَ فِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ .

(رواه ابو داؤد و النسائی و ابن ماجة والدارمی و البیهقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :- جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی۔ اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا، اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی اور بے حسی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی۔ لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (آپ کے وفات فرما جانے کے بعد) ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :- اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں، زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح..... اوپر والی حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس ثقفیؓ کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہئے، گویا جس طرح رمضان المبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان المبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ لبیك اللهم لبيك ...... ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہئے۔

وفات کے بعد آپ ﷺ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیاتِ انبیاءؑ

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہے کہ امت کا درود میرے پاس پہنچایا جاتا ہے اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ ﷺ کے پاس فرشتے پہنچاتے ہیں)۔ اس پر بعض صحابہ کرامؓ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تک جب کہ آپ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپ ﷺ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہنچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپؐ کی وفات کے بعد جب آپؐ قبر میں دفن

کر دیئے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ ﷺ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ ﷺ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جاسکے گا؟۔ انہوں نے یہ سوال آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :۔ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام ان کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین ان پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی، یعنی جس طرح دنیا میں خاص تدبیروں اور دواؤں سے موت کے بعد بھی اجسام کو محفوظ رکھا جاسکتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل رہے گی (جو اس عالم کے قوانین کے مطابق ہو گی) اس لئے درود کے پہنچنے اور پیش کئے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

۲۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِى الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْئَالُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :۔ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندے کو حسن اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اسکو عطا ہی فرما دیتا ہے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شب قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندے کو اگر توبہ واستغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے۔ اسی طرح ہر ہفتے میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندے کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور کعب احبارؒ دونوں نے نقل کیا ہے کہ :۔ جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے۔ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتب سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کئے ہیں، ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحۃً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے، صرف وہی یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

۱) ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لئے ممبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعت اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیت کی دعا کا خاص وقت ہے۔

۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا

ہے کہ:۔

"ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے، بلکہ منشاء صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگانِ خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لئے اس کی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو۔ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزول قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لئے اس وقت بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔"

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ:۔ "جمعہ کے دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے، پھر جس طرح رمضان مبارک کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کئے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لئے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لئے بھی احادیث میں اشارات کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔"

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے، بلکہ نماز یاذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت

۲۳۵) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْجُمْعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِىْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِامْرَأَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْمَرِيْضٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں: ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔ (سنن ابی داؤد)

۲۳۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَ سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ برسر منبر فرما رہے تھے کہ:۔ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہو گا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا، پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے)۔ (صحیح مسلم)

۲۳۷) عَنْ اَبِى الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ

عَلٰی قَلْبِہٖ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و النسائی و ابن ماجہ و الدارمی و رواہ مالک عن صفوان بن سلیم و احمد عن ابی قتادۃ)

ترجمہ: ابوالجعد ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی بلا عذر تین جمعہ تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (پھر وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی۔ اور یہی حدیث امام مالک نے موطا میں صفوان بن سلیم سے اور امام احمد نے اپنے مسند میں حضرت ابو قتادہ سے بھی روایت کی ہے)

۲۳۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمْعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِىْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِىْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلٰثًا .** (رواہ الشافعی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا اور وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائے گا۔ اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے۔ (مسند شافعی)

تشریح: ... ان حدیثوں میں جمعہ کی جو غیر معمولی اہمیت بیان کی گئی ہے اور اس کے ترک پر جو وعیدیں سنائی گئی ہیں وہ کسی توضیح اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب معصیات و منکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے گر جاتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اللّٰهم احفظنا

نماز جمعہ کا اہتمام اور اسکے آداب

۲۳۹) **عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمْعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ ويَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهٖ اَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهٖ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَايُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْن ثُمَّ يُصَلِّى مَاكُتِبَ لَهٗ ثُمَّ يُنْصِتُ اِذَاتَكَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَهٗ مَابَيْنَه وَبَيْنَ الْجُمْعَةِ الْاُخْرىٰ** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی پاکیزگی کا اہتمام کرے، اور جو تیل خوشبو اس کے گھر ہو وہ لگائے، پھر وہ گھر سے نماز کے لئے جائے اور مسجد میں پہنچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں ان کے بیچ نہ بیٹھے، پھر جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اس کے لئے مقدر ہوں وہ پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔ (صحیح بخاری)

۲۴۰) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمْعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمْعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ**

صَلّٰى مَاكَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُه حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كفارةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمْعَةِ الَّتِىْ قَبْلَهَا ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جو اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے خوشبو اگر اس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لئے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لئے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندے کی نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشاء ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون یا مستحب غسل" کے عنوان سے پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچنے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا۔ جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کئے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا۔

۲۴۱) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ جُمْعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ ۔ (رواہ مالک ورواہ ابن ماجہ وھو عن ابن عباس متصلا)

ترجمہ: عبید بن السباق تابعی سے مرسلا روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہٰذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو اس کے لئے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے، اور مسواک اس دن ضرور کیا کرو۔

(موطا امام مالک، سنن ابن ماجہ، اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو بروایت عبداللہ بن عباس متصلا روایت کیا ہے)

جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن ترشوانا

٢٤٢) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَقْلِمُ اَظْفَارَهُ وَيَقُصُّ شَارِبَهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَى الصَّلٰوةِ . (رواه البزار والطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے۔[1] (مسند بزار و معجم اوسط للطبرانی)

جمعہ کے لئے اچھے کپڑوں کا اہتمام

٢٤٣) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَى مَهْنَتِهِ . (رواه ابن ماجة و رواه مالك عن يحيى بن سعيد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لئے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔

(سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... روزمرہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے، اور آپؐ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لئے جو مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہے چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لئے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپؐ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے، اور جب آپؐ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا"۔

لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔[2]

جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی فضیلت

٢٤٤) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ

---

[1] واضح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے، لیکن حضرت سلمان فارسیؓ کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالہ سے گذری ہے اُس میں رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کیلئے طہارت اور پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اس کی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔ ١٢

[2] جمع الفوائد مع تعلیقات اعذب الموارد ص ٢٦٠ جلد ١۔

الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِىْ يُهْدِىْ بُدْنَةً ثُمَّ كَالَّذِىْ يُهْدِىْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ – (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے، جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی، اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لئے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لئے اول وقت جانے کی ترغیب ہے اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپؐ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

۲۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ يُبَكِّرُ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِى الْجُمْعَةَ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

۲۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِىِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا– (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لئے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے، آپؐ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپؐ کا خطبہ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا اور نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا

گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے۔

۲۴۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَاَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ آپ کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لئے اس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آپہنچا ہے (اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ) پس صبح شام تم پر آپڑنے والا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں، اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لئے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پرجوش اور پر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنیوالا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لئے اس کی تیاری کرو۔

نمازِ جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں

۲۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمْعَةِ اَرْبَعًا وَبَعْدَهَا اَرْبَعًا .

(رواه الطبرانی فی الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت۔ ❶ (معجم کبیر طبرانی)

۲۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ سُلَيْكٌ الْغَطْفَانِيُّ يَوْمَ الْجُمْعَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدٌ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَعَدَ سُلَيْكٌ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَرَكَعْتَ رَكْعَتَيْنِ قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْهُمَا . (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے

---

❶ حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث "جمع الفوائد" میں کبیر طبرانی ہی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اس کے ذیل "اعذب الموارد" میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ ۱۲

وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لئے منبر پر تشریف لے جاچکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) تو سلیک اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اس کے کہ نماز پڑھتے (یعنی انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضور ﷺ خطبہ کے لئے منبر پر جاچکے ہیں خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ نے فرمایا: اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو! (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لئے جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے اس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کرچکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ اور سفیان ثوری وغیرہ اکثر ائمہ ان احادیث کی بناء پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے، اور اسی کے مطابق اکثر صحابہؓ واکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بناء پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے، اور سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں[1]، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہنچ جائے کہ خطبے سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

۲۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا .
(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہئے کہ اس کے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ (صحیح مسلم)

۲۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ فَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ بَیْتِهٖ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے تھے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی اور چھ کا بھی۔ امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت، گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔ اس لئے ائمہ

---

[1] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الملہم" شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: "والانصاف ان الصدر لم ینشرح لترجیح احد الجانبین الی الآن ولعل اللّٰہ یحدث بعد ذٰلک امرا"

مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارے میں مختلف ہیں۔ بعض حضرات دو کو ترجیح دیتے ہیں بعض چار رکعت کو اور بعض چھ رکعت کو۔

عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں، اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اسی لئے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ بس یہی مسلمانوں کے اصلی مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو۔ رمضان المبارک دینی و روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امت مسلمہ پر فرض کئے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا ہے اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات و عبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمانی اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن و مسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے، چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا۔ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امت مسلمہ کے موسس و مورث اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم و اشارہ پا کر اپنے لخت جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لئے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پہ چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم و رضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق و محبت اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسماعیل کو زندہ و سلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمالی تھی، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سر پر "انی جاعلك للناس اماما" کا تاج رکھ دیا تھا، اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لئے "رسم عاشقی" قرار دے دیا تھا، پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس امت مسلمہ کے

لئے جو ملت ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلے میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لئے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا۔ جس وادی غیر ذی زرع میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجے کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید الاضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہے۔ بہر حال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔ اصل مقصد تو یہاں "کتاب الصلوٰۃ" میں عیدین کی نماز کا بیان ہے، لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال واحکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی، جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز

۲۵۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَاهٰذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبْدَ لَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ۔۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے، اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ:۔ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انہوں نے عرض کیا کہ:۔ ہم جاہلیت میں (یعنی) اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لئے مقرر کر دیئے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... قوموں کے تہوار دراصل ان کے عقائد و تصورات اور ان کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس امت کے لئے مقرر فرما دیے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصول حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں۔ کاش اگر

مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لئے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ

۲۵۳) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَيْئٍ يَبْدَءُ بِهِ الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَ يُوْصِيْهِمْ وَيَاْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْيَاْ مُرَبِشَيْئٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپؐ نماز پڑھاتے تھے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے، پھر آپؐ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپؐ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپؐ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپؐ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے، پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپؐ عید گاہ سے واپس ہوتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپؐ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپؐ نے اس کام کے لئے منتخب فرمالیا تھا اور گویا (عید گاہ) قرار دے دیا تھا اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا۔ لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی ﷺ سے قریبا ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھا۔ آپؐ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عید گاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لئے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کئے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان واقامت ہی سنت ہے

۲۵۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِاَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ . (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدین کی

نماز ایک یا دو دفعہ ہی نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے۔ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔(صحیح مسلم)

۲۵۵) عَنْ جَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَءَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَ هُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَ هُنَّ . (رواه النسائى)

ترجمہ.. حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید گاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلالؓ پر سہارا لگا کر آپؐ خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد و ثناء کی، اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی۔ پھر آپؐ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپؐ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپؐ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لئے فرمایا اور ان کو پند و نصیحت فرمائی۔ (سنن نسائی)

تشریح...... حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپؐ نے اس لئے کیا تھا کہ آپؐ کے خیال میں خواتین آپؐ کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔ واللہ اعلم

فائدہ...... رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور شریک ہوتی تھیں' بلکہ ان کے لئے یہ آپؐ کا حکم تھا، لیکن زمانہ مابعد میں مسلم معاشرے میں فساد آ گیا تو جس طرح امت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لئے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا، اسی طرح نماز عید کے لئے ان کا عید گاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفلی نماز نہیں ہے

۲۵۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ.. حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی، اور اس سے پہلے یا بعد آپؐ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

عیدین کی نماز کا وقت

۲۵۷) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ خُمَيْرِ الرَّحْبِيِّ قَالَ خَرَجَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَعَ النَّاسِ

فِیْ یَوْمِ عِیْدِ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰی فَاَنْکَرَ اِبْطَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذِهٖ وَذٰلِكَ حِیْنَ التَّسْبِیْحِ ۔ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لئے لوگوں کے ساتھ عید گاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپؓ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اس کی مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً چاشت کے نوافل ہیں)۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... عبد اللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں "حمص" میں ان کا انتقال ہوا۔ غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہے کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہو جایا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارے میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے "تلخیص الحبیر" میں احمد بن حسن البناء کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:۔

"کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُصَلِّیْ بِنَا یَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلٰی قِیْدِ رُمْحَیْنِ وَالْاَضْحٰی عَلٰی قِیْدِ رُمْحٍ" .

"رسول اللہ ﷺ عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کے بلند ہو تا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہو تا تھا"۔

ہمارے زمانے میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ بلاشبہ خلاف سنت ہے۔

۲۵۸) عَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ رَکْبًا جَاؤُا اِلَی النَّبِیِّ ﷺ یَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاهُمْ۔ (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو عمیر سے روایت ہے وہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور انہوں نے شہادت دی کہ کل (راستہ میں) انہوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کیلئے عید گاہ پہنچیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں

آیا تو قاعدے کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں سے کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپؐ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھولنے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لئے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہنچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی۔

عیدین کی نماز میں قرأت

۲۵۹) **عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ اَبَاوَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَاكَانَ يَقْرَءُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ يَقْرَأُ فِيْهِمَابِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ-** (رواه مسلم)

ترجمہ.. عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا کہ: "ق والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ"۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ ﷺ کی قرأت کے بارے میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انہوں نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا۔ بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لئے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لئے۔ واللہ اعلم

۲۶۰) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَءُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَ فِى الْجُمْعَةِ "بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" و "هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ" قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمْعَةُ فِىْ يَوْمٍ وَاحِدٍ قَرَأَبِهِمَا فِى الصَّلٰوتَيْنِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربك الاعلى" اور "هل اتاك حديث الغاشية" پڑھا کرتے تھے، اور جب (اتفاق سے عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑ جاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ عیدین کی نماز میں رسول اللہ ﷺ کبھی سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھتے تھے، اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں

۲۶۱) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِىْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمِ النَّبِىُّ ﷺ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِى الْمَسْجِدِ .** (رواه ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ.. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ﷺ ہی میں پڑھائی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... عیدین میں "امت مسلمہ کا تہوار" اور "دینی جشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ ﷺ کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لئے عام حالات میں یہی سنت ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

۲۶۲) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَايَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ . (رواه الترمذی، و ابن ماجه والدارمی)

ترجمہ.. حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپؐ عید الفطر کی نماز کے لئے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح ...... صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عید الاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عید الفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھا لینا غالباً اس لئے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا، اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے۔ بندگی کا مقام یہی ہے۔ ؎

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

عید گاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی

۲۶۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ . (رواه البخاری)

ترجمہ.. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کی نماز کے لئے جس راستہ سے عید گاہ تشریف لے جاتے تھے، واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے۔ علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپؐ یہ اس لئے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو۔ نیز عید میں جشن اور تفریح

کا جو پہلو ہے اس کے لئے بھی یہی زیادہ مناسب ہے، کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقۂ فطر —— اس کا وقت اور اسکی حکمت

۲۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكوٰةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَبِهَا اَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد و عورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقہ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو۔ اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقہ فطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... زکوٰۃ کی طرح صدقہ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے، چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لئے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی، رہی بات یہ کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولت مندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل انشاءاللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گردونواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لئے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لئے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے، اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا، جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔ ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكوٰةَ الْفِطْرِ طُهْرًا لِّلصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزوں کو فضول و لایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لئے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کا بندوبست کرنے کے لئے صدقہ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں صدقہ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقہ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی

شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزے پر جو برے اثرات پڑے ہوں گے یہ صدقہ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی

۲۶۶) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاعَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْبِهَا نَفْسًا .** (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :۔ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو! دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۲۶۷) **عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِي يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ .** (رواہ احمد و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا اور وہ کیا کرتے تھے، ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) ان صحابہؓ نے عرض کیا۔ پھر ہمارے لئے یا رسول اللہ (ﷺ) ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ انہوں نے عرض کیا:۔ تو کیا اون کا بھی یا رسول اللہ (ﷺ) یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب تھا کہ بھیڑ، دنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل یا بکری کی طرح کے بال نہیں ہوتے بلکہ اون ہوتا ہے، اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی کی شرح سے ملے گا؟) آپ نے فرمایا:۔ ہاں! اون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

۲۶۸) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا، اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔ (جامع ترمذی)

۲۶۹) **عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا؟ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَوْصَانِيْ اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّي عَنْه .** (رواه ابوداؤد و روى الترمذى نحوه)

ترجمہ: حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ: یہ کیا ہے (یعنی آپ ایک کی بجائے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں۔؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ پابندی کے ساتھ ہر سال قربانی فرماتے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ بعد کے لئے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ

۲۷۰) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَر .** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں انکے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۷۱) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّاوَجَّهَهُمَا قَالَ " اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ -** (رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه والدارمى)

وفى روايته لا حمد و ابى داؤد و الترمذى ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ اُمَّتِيْ -

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ نے سیاہی و سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی۔ جب آپؐ نے ان کا رخ صحیح قبلہ کی طرف کرلیا تو یہ دعا پڑھی۔: "انی وجهت وجهی للذی.......... اللهم منك ولك عن محمد وامته، بسم الله والله اكبر" (میں نے اپنا رخ اس اللہ کی طرف کرلیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے طریقے پر ابراہیم کے ہر طرف سے یکسو ہو کر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساتھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندے محمد کی اس کی امت کی جانب سے بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپؐ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اللهم منك ولك" کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا:۔ "بسم الله والله اكبر"۔(اے اللہ! یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہ کی ہو)۔

تشریح..... قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ:۔" میری جانب سے اور میری امت کی جانب سے، یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنہوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی انتہائی شفقت و رأفت ہے۔ لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپؐ نے ساری امت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے امتیوں کی طرف سے قربانی کردی اور سب کی طرف سے ادا ہوگئی بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ! اس کے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما! ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہو جانا دوسری چیز ہے۔

قربانی کے جانور کے بارے میں ہدایات

۲۷۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظِلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِىْ لَاتُنْقِىْ — (رواه مالك و احمد و الترمذى و ابوداؤد و النسائى و ابن ماجة والدارمى)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے (یعنی وہ کیا عیوب اور خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے جانور قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا اور بتایا کہ چار (یعنی چار عیوب اور نقائص ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی عیب و نقص جانور میں پایا جائے تو قربانی کے قابل نہیں رہتا)۔ ایک ایسا

لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن بہت کھلا ہوا ہو (کہ اس کی وجہ سے اس کو چلنا بھی مشکل ہو)۔ دوسرے وہ جس کی ایک آنکھ خراب ہو گئی ہو، اور وہ خرابی بالکل نمایاں ہو۔ تیسرے وہ جو بہت بیمار ہو۔ چوتھے وہ جو ایسا کمزور اور لاغر ہو کہ اس کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا ہو۔
(موطا امام مالک، مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

۲۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نُضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ . (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایسے جانور کی قربانی سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قربانی دراصل بندہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں نذر ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اپنی استطاعت کی حد تک اچھے جانور کا انتخاب کیا جائے۔ یہ بات بہت غلط ہے کہ لولا، لنگڑا، اندھا، کانا، بیمار، مریل، سینگ ٹوٹا، کان کٹا جانور اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ قرآن مجید میں اصول کے طور پر فرمایا گیا ہے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

تم کو نیکی کا مقام اس وقت تک ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ چیزیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں مرغوب و محبوب ہوں۔

بہرحال قربانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی روح اور انکا خاص مقصد یہی ہے۔

بڑے جانور میں کتنے حصے

۲۷۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ (رواہ مسلم و ابوداؤد و اللفظ له)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گائے یا بیل کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور اسی طرح اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔
(صحیح مسلم و سنن ابی داؤد)

تشریح..... بھینس اہل عرب کے نزدیک گویا گائے ہی کی ایک قسم ہے جو عرب میں نہیں ہوتی اس لئے اس کا اس حدیث میں الگ ذکر نہیں کیا گیا، اس کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے ہو سکتی ہے۔

قربانی کا وقت عید کی نماز کے بعد

۲۷۵) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَءُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُّصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ نُّصَلِّيَ فَاِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْءٍ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید قرباں کے دن خطبہ

دیا اس میں ارشاد فرمایا: آج کے دن کے خاص کاموں میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہم اللہ کے حضور میں نماز عید ادا کریں، پھر وہاں سے لوٹ کر ہم قربانی کریں، جو اس طرح کرے گا وہ ہمارے طریقے کے مطابق ٹھیک کرے گا (اور اس کی قربانی ٹھیک ادا ہو گی) اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر ڈالی اس کی قربانی بالکل نہیں ہوئی، بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کے گوشت کھانے کے لئے بکری ذبح کر لی ہے (اس سے زیادہ اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۷۶) عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدتُ الْاَضْحٰے يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَيَرٰى لَحْمَ اَضَاحِیْ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّىَ اَوْ نُصَلِّىَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى ۔

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں عید قربان کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ جیسے ہی عید کی نماز سے فارغ ہوئے آپ کی نگاہ قربانیوں کے گوشت پر پڑی، یہ قربانیاں نماز سے فارغ ہونے کے قبل ہی ذبح کی جا چکی تھیں، تو آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے نماز سے پہلے قربانی کر دی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کریں (کیونکہ ان کی قربانی قبل از وقت ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوئی)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت و حرمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے سات دنوں میں جمعہ کو، اور سال کے بارہ مہینوں میں سے رمضان المبارک کو، اور پھر رمضان المبارک کے تین عشروں میں سے عشرہ اخیر کو خاص فضیلت بخشی ہے، اسی طرح ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کو بھی فضل و رحمت کا خاص عشرہ قرار دیا ہے، اور اسی لئے حج بھی انہی ایام میں رکھا گیا ہے۔ بہر حال یہ رحمت خداوندی کا خاص عشرہ ہے۔ ان دنوں میں بندے کا ہر نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، اور اس کی بڑی قیمت ہے۔

۲۷۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرَةِ ۔ (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کو عمل صالح جتنا ان دس دنوں میں محبوب ہے اتنا کسی دوسرے دن میں نہیں۔ (صحیح بخاری)

۲۷۸) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّىَ فَلَا يَاْخُذَنَّ شَعْرًا وَلَا يُقَلِّمَنَّ ظُفْرًا ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ

کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے (یعنی ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیا جائے) اور تم میں سے کسی کا ارادہ قربانی کا ہو تو اس کو چاہئے کہ اب قربانی کرنے تک اپنے بال یا ناخن بالکل نہ تراشے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... دراصل یہ عشرہ حج کا ہے، اور ان ایام کا خاص الخاص عمل حج ہے، لیکن حج مکہ معظمہ جا کر ہی ہو سکتا ہے، اس لئے وہ عمر میں صرف ایک دفعہ اور وہ بھی اہل استطاعت پر فرض کیا گیا ہے، اس کی خاص برکات وہی بندے حاصل کر سکتے ہیں جو وہاں حاضر ہو کر حج کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سارے اہل ایمان کو اس کا موقع دیا ہے کہ جب حج کے یہ ایام آئیں تو وہ اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے بھی حج اور حجاج سے ایک نسبت پیدا کر لیں اور ان کے کچھ اعمال میں شریک ہو جائیں، عید الاضحیٰ کی قربانی کا خاص راز یہی ہے۔

حجاج دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں، دنیا بھر کے دوسرے مسلمان جو حج میں شریک نہیں ہو سکے ان کو حکم ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ ٹھیک اسی دن اللہ کے حضور میں اپنی قربانیاں نذر کریں، اور جس طرح حاجی احرام باندھنے کے بعد بال یا ناخن نہیں ترشواتا، اسی طرح یہ مسلمان جو قربانی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال یا ناخن نہ ترشوائیں اور اس طریقے سے بھی حجاج سے ایک مناسبت اور مشابہت پیدا کریں۔

کس قدر مبارک ہدایت ہے جس پر چل کر مشرق و مغرب کے مسلمان حج کے انوار و برکات میں حصہ لے سکتے ہیں۔

تنبیہ...... واضح رہے کہ یہاں قربانی اور اس سے پہلے صدقہ فطر سے متعلق احادیث، نماز عیدین کی احادیث کے ساتھ تبعاً درج کر دی گئی ہیں، ورنہ یہ "کتاب الصلوٰۃ" ہے۔ لیکن اکثر محدثین نے ایسا ہی کیا ہے کہ صدقہ فطر اور قربانی سے متعلق احادیث بھی انہوں نے صلوٰۃ عیدین کے ساتھ ہی درج کی ہیں۔ انہی کی پیروی میں اس کتاب میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

صلوٰۃ کسوف اور صلوٰۃ استسقا

جمعہ اور عیدین کی نمازیں (جن سے متعلق احادیث صفحات ماسبق میں درج کی گئی ہیں) وہ اجتماعی نمازیں ہیں، جن کا دن یا تاریخ مقرر اور معلوم ہے، ان کے علاوہ دو نمازیں اور بھی ہیں جو اجتماعی طور پر ادا کی جاتی ہیں، لیکن نہ ان کا دن مقرر ہے نہ تاریخ۔ ان میں ایک "صلوٰۃ کسوف" ہے، جو سورج کے گہن میں آ جانے کے وقت پڑھی جاتی ہے، اور دوسرے "صلوٰۃ استسقا" جو کسی علاقہ میں سوکھا پڑنے یعنی بارش نہ ہونے کی صورت میں بارش کی دعا کے لئے پڑھی جاتی ہے۔

نماز کسوف

سورج یا چاند کا گہن میں آ جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور اس کے جلال و جبروت کی ایک نشانیوں میں سے ہے جن کا کبھی کبھی ظہور ہوتا ہے اور جن کا حق ہے کہ جب ان کا ظہور ہو تو اللہ کے بندے عاجزی کے

ساتھ اس قادر و قہار کی عظمت و جلال کے سامنے جھک جائیں اور اس سے رحم و کرم کی بھیک مانگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ٹھیک اس دن جس دن آپؐ کے شیر خوار صاحبزادے ابراہیم (علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا قریباً ڈیڑھ سال کی عمر میں انتقال ہوا تھا[1] سورج کو گہن لگا۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت کے توہمات میں سے ایک یہ خیال بھی تھا کہ بڑے آدمیوں کی موت پر سورج کو گہن لگتا ہے، اور گویا وہ اس کے ماتم میں سیاہ چادر اوڑھ لیتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج کے گہن میں آجانے سے اس توہم پرستی اور غلط عقیدہ کو تقویت پہنچ سکتی تھی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں کی زبانوں پر یہی بات آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت غیر معمولی خشیت اور انتہائی فکر مندی کے ساتھ اللہ کے حضور میں جماعت سے دو رکعت نماز پڑھی، یہ نماز بھی غیر معمولی قسم کی تھی، آپؐ نے اس میں بہت طویل قرأت کی اور قرأت کے دوران آپؐ بار بار اللہ کے حضور جھک جاتے تھے (گویا رکوع میں چلے جاتے تھے) اور پھر کھڑے ہو کر قرأت کرنے لگتے تھے۔ اسی طرح اس نماز میں آپؐ نے رکوع اور سجدے بھی بہت طویل کئے اور اثناء نماز میں دعا بھی بہت اہتمام اور ابتہال کے ساتھ کی، اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا اور اس میں خاص طور سے اس غلط خیال کی تردید کی کہ سورج یا چاند کو گہن کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے لگتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ یہ محض جاہلانہ توہم پرستی ہے جس کی اصل بنیاد کوئی نہیں، یہ تو دراصل اللہ کی قدرت و سطوت اور اس کے جلال و جبروت کی نشانی ہے، جب ایسی کسی نشانی کا ظہور ہو تو عاجزی کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اس کی عبادت اور اس سے دعا کرنی چاہئے۔ اس تمہید کے بعد "صلوٰۃ کسوف" سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھئے:

۲۷۹) عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ فَقَالَ النَّاسُ كَسَفَتِ الشَّمْسُ لِمَوْتِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ فَصَلُّوْا وَادْعُوا اللّٰهَ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص اس دن جس دن آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا سورج کو گہن لگا تو بعض لوگوں نے کہا کہ سورج کو یہ گہن ابراہیم کے انتقال فرما جانے کی وجہ سے لگا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو گہن کسی کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا (بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کی نشانیوں میں سے ہے) پس جب تم ایسا دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز پڑھو اور اس سے خوب دعا کرو۔

---

[1] محدثین اس پر قریباً متفق ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا۔ بعض حضرات نے ربیع الاول کا مہینہ بھی لکھا ہے۔ لیکن گزشتہ صدی کے ماہر فلکیات محمود پاشا مرحوم نے اپنے ایک مقالہ میں جو انہوں نے فرانسیسی زبان میں لکھا تھا اور جس کا عربی ترجمہ بعد میں ۱۳۰۵ھ میں (مصر) سے شائع ہوا تھا اپنے فنی حساب سے اس کسوف کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ھ معین کی ہے اور دن دوشنبہ کا اور وقت صبح ساڑھے آٹھ بجے کا لکھا ہے۔ واللہ اعلم

تشریح...... حضرت مغیرہ بن شعبہ کی ایک حدیث میں بہت اختصار ہے، یہاں تک کہ آپؐ کی نماز پڑھنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ دوسری روایات میں آپؐ کی نماز اور اس کی خاص کیفیت کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۲۸۰) **عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَةُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَرُکُوْعٍ وَسُجُوْدٍ مَارَاَیْتُهٗ قَطُّ یَفْعَلُهٗ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰیٰتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰهُ لَاتَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَیٰوتِهٖ وَلٰکِنْ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَاِذَارَاَیْتُمْ شَیْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) سورج گہن میں آ گیا تو رسول اللہ ﷺ ایسے خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے اٹھے جیسے کہ آپؐ کو ڈر ہو کہ اب قیامت ہو جائے گی، پھر آپ مسجد آئے اور آپؐ نے نہایت طویل قیام اور ایسے ہی طویل رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھائی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ (اللہ کی قدرت قاہرہ کی) یہ نشانیاں جن کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے یہ کسی کی موت و حیات کی وجہ سے واقع نہیں ہوتیں بلکہ بندوں کے دلوں میں یہ اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ جب تم ایسی کوئی چیز دیکھو تو خوف اور فکر کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ، اس کو یاد کرو اور اس سے دعا و استغفار کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۸۱) **عَنْ قَبِیْصَةَ الْهِلَالِیِّ قَالَ کَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَخَرَجَ فَزِعًا یَجُرُّ ثَوْبَهٗ وَاَنَا مَعَهٗ یَوْمَئِذٍ بِالْمَدِیْنَةِ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ فَاَطَالَ فِیْهِمَا الْقِیَامَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَانْجَلَتْ فَقَالَ اِنَّمَا هٰذِهِ الْاٰیٰتُ یُخَوِّفُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهَا فَاِذَارَاَیْتُمُوْهَا فَصَلُّوْا کَاَحْدَثِ صَلٰوةٍ صَلَّیْتُمُوْهَا مِنَ الْمَکْتُوْبَةِ .** (رواہ ابو داؤد و النسائی)

ترجمہ.. حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو رسول اللہ ﷺ گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے (اور اس گھبراہٹ کی وجہ سے آپؐ کا حال یہ تھا کہ اپنی چادر مبارک اچھی طرح اوڑھ بھی نہیں سکے تھے بلکہ) آپؐ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی، میں اس دن مدینہ میں آپؐ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں بہت طویل قیام کیا، پھر آپؐ نماز سے فارغ ہوئے اور آفتاب اس اثناء میں معمول کے مطابق روشن ہو گیا تھا تو آپؐ نے (لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان نشانیوں کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا ہو (اور وہ معاصی سے بچیں) لہٰذا جب تم ایسی نشانیاں دیکھو تو اس طرح نماز پڑھو جیسی فرض نماز تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے پڑھی تھی (یعنی فجر کی نماز کی طرح دو رکعت نماز کسوف کے وقت بھی پڑھو۔) (سنن ابی داؤد، سنن النسائی)

۲۸۲) **عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ کُنْتُ اَرْتَمِیْ بِاَسْهُمٍ لِیْ بِالْمَدِیْنَةِ فِیْ حَیٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ**

اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَ نْظُرَنَّ اِلٰى مَاحَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْحَتّٰى حُسِرَعَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَعَنْهَا قَرَأَسُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں اپنے تیروں سے تیر اندازی اور نشانہ بازی کر رہا تھا کہ اچانک آفتاب گہن میں آ گیا، میں نے اپنے تیر وہیں چھوڑ دیئے اور اپنے جی میں کہا کہ میں ابھی چل کر دیکھوں گا کہ سورج گہن کے اس وقت میں رسول اللہ ﷺ پر کیا نئی واردات ہوئی اور آپؐ نے کیا نیا عمل کیا۔ میں آپؐ کے پاس آیا آپؐ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے (یعنی نماز شروع ہو چکی تھی) اسی حال میں آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور دیر تک اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تکبیر و حمد کے ساتھ اس سے دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ آفتاب گہن سے نکل گیا (یعنی آپؐ کی نماز اور دعا کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ آفتاب کا گہن ختم ہوا، اور وہ معمول کے مطابق روشن ہو گیا۔) آپؐ نے اس نماز میں دو سورتیں اور دو رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح مسلم)

۲۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ ثُمَّ قَامَ فَاَطَالَ الْقِيَامَ وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ فَاَطَالَ الرُّكُوْعَ وَهُوَدُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ فَعَلَ فِى الرَّكْعَةِ الْاُخْرٰى مِثْلَ مَافَعَلَ فِى الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَاللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَاِذَارَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوااللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اِنْ مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَزْنِىَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَااَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا اَلَاهَلْ بَلَّغْتُ . (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آفتاب کو گہن لگا تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، اس نماز میں آپؐ نے بہت طویل قیام فرمایا، پھر آپؐ رکوع میں گئے اور بہت طویل رکوع فرمایا: پھر آپؐ کھڑے ہو گئے اور پھر بہت طویل قیام فرمایا، لیکن قیام پہلے قیام کی بہ نسبت کچھ کم طویل تھا، اس کے بعد پھر آپؐ رکوع میں گئے اور آپؐ نے طویل رکوع کیا، لیکن پہلے رکوع کی بہ نسبت یہ رکوع کچھ کم طویل تھا، پھر آپؐ سجدہ میں گئے اور سجدہ بھی آپؐ نے بہت طویل کیا، پھر آپؐ نے دوسری رکعت میں بھی بالکل اسی طرح کیا جس طرح پہلی رکعت میں کیا تھا۔ اس کے بعد (قاعدہ کے مطابق قعدہ اخیرہ اور سلام کے بعد) آپؐ نے نماز ختم کر دی اور آفتاب گہن سے نکل گیا اور (معمول کے مطابق) روشن ہو گیا، پھر آپؐ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اس میں فرمایا

کہ:۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت و حیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ زمین و آسمان کی دوسری مخلوقات کی طرح ان پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے اور ان کی روشنی اور تاریکی اسی مالک الملک اور قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے) لہٰذا جب تم ان کو گہن لگتے دیکھو تو اللہ سے دعا کرو اور اس کی کبریائی بیان کرو اور اس کے حضور میں نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ اے امت محمد (ﷺ)! کسی غلام یا باندی کی بدکاری سے کسی کو اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ناگواری اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے یا بندی کی بدکاری سے ہوتی ہے (اس لئے اس کے قہر و جلال سے ڈرو اور ہر قسم کی بدکاری اور معصیت سے بچو) اے امت محمد (ﷺ)! قسم ہے اللہ کی اگر (اللہ کے قہر و جلال کے بارے میں) تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ خبردار! میں نے بات پوری طرح پہنچا دی (اور اپنا فرض ادا کر دیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... نماز کسوف کا واقعہ چونکہ غیر معمولی قسم کا واقعہ تھا اور آپ نے یہ نماز بھی غیر معمولی طرح پڑھی اس لئے بہت سے صحابہؓ نے اس کو روایت کیا ہے، یہاں صرف پانچ صحابیوں کی روایتیں نقل کی گئی ہیں کتب حدیث میں بیس سے زیادہ صحابیوں کے مجمل یا مفصل بیانات اس واقعہ کے بارے میں ملتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے کسوف کے متعلق ابواب میں اس واقعہ سے متعلق نو صحابیوں کی حدیثیں روایت کی ہیں، ان سب حدیثوں سے واقعہ کی پوری تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔

ایک بات جو ان میں سے اکثر حدیثوں سے مشترک طور پر معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ صحابہؓ کے لئے یہ نماز نئی سی بات تھی اور انہوں نے اس سے پہلے کبھی صلوٰۃ کسوف نہیں پڑھی تھی، اور یہ بات بھی روایات میں صراحۃً موجود ہے کہ یہ کسوف اسی دن ہوا جس دن آپ کے شیر خوار صاحبزادہ ابراہیم کا انتقال ہوا تھا، اور محدثین کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ ان کا انتقال ۱۰ھ میں ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات سے چند ہی مہینے پہلے، اس طرح یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسوف کی نماز بس ایک ہی دفعہ پڑھی ہے جس کا ان احادیث میں ذکر ہے۔ چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھنے کا حکم ان احادیث میں صاف موجود ہے لیکن کسی صحیح حدیث سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی چاند گرہن کے وقت بھی نماز پڑھی، غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نماز کا حکم آپ کو اس کسوف ہی کے موقع پر ملا، اور اسکے بعد جو چند مہینے آپ اس دنیا میں رونق افروز رہے ان میں چاند گرہن کی نوبت ہی نہیں آئی۔ واللہ اعلم

یہ نماز آپ نے بہت غیر معمولی کیفیات کے ساتھ پڑھی (حالانکہ جماعت کے ساتھ اتنی طویل نماز پڑھنا آپ کی عادت مبارکہ نہ تھی بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ میرا اندازہ ہے کہ آپ نے اس نماز کی ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھی، اور دوسری میں آل عمران۔ اور حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ بعض لوگ اس نماز میں کھڑے

نہیں رہ سکے بلکہ گر پڑے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس نماز میں بہت سے لوگ بیہوش ہو گئے اور ان کے سروں پر پانی ڈالا گیا۔

اسی طرح کی ایک نئی بات اس نماز میں یہ تھی کہ آپؐ نے قیام کے دوران ہاتھ اٹھا کے اللہ کی تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کے ساتھ دیر تک دعا بھی کی۔ اسی طرح ایک دوسری نئی اور عجیب بات یہ بھی ہوئی کہ آپؐ قیام کے دوران اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک گئے اور دیر تک رکوع میں رہنے کے بعد پھر کھڑے ہو کر آپؐ نے قرأت کی اور اس کے بعد رکوع اور سجدہ کیا اور بعض روایات کے مطابق قیام کے دوران میں صرف ایک دفعہ نہیں بلکہ آپؐ کئی دفعہ اسی طرح رکوع میں گئے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپؐ اس نماز کے دوران ایک دفعہ پیچھے کی جانب ہٹے اور پھر آگے بڑھے، اور آپؐ نے ایک دفعہ ہاتھ آگے بڑھایا جس طرح کسی چیز کو لینے اور پکڑنے کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ اور پھر خطبہ میں آپؐ نے بتایا کہ اس وقت آپؐ کے سامنے عالم غیب کے بہت سے حقائق منکشف کئے گئے آپؐ نے جنت اور دوزخ کو اپنے سامنے دیکھا، اور دوزخ میں عذاب کے نہایت ہیبت ناک اور لرزہ خیز مناظر دیکھے اور وہ دیکھا جو کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا۔

یہ بات بہت قریب قیاس ہے کہ اس نماز میں جو غیر معمولی باتیں آپؐ سے ظہور میں آئیں۔ مثلاً آپؐ کا دوران نماز ہاتھ اٹھا کر دیر تک دعا کرنا، دوران قیام و قرأت میں بار بار اللہ کے حضور میں جھک جانا کبھی پیچھے ہٹنا کبھی آگے بڑھنا اور کبھی اپنا ہاتھ آگے بڑھانا، یہ سب ان غیبی مشاہدات کی وجہ سے ہوا۔

فائدہ...... ٹھیک آپؐ کے صاحبزادے کی وفات کے دن سورج کو گہن لگنا اور آپؐ کا خطبہ میں پورے زور و قوت کے ساتھ یہ اعلان فرمانا کہ اس گہن کا میرے گھر کے اس حادثہ سے کوئی تعلق نہیں اور ایسا سمجھنا غلط فہمی اور توہم پرستی ہے، رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور بے لوثی کی ایسی دلیل ہے جو بڑے سے بڑے منکر کو متاثر کرتی ہے بشرطیکہ اس کا دل بالکل ہی مردہ نہ ہو۔

نماز استسقا

بارش عام انسانوں کی بلکہ اکثر حیوانات کی بھی ان ضروریات میں سے ہے جن پر زندگی کا گویا انحصار ہے، اس لئے کسی علاقہ میں قحط اور سوکھا پڑ جانا وہاں کی عمومی مصیبت بلکہ ایک گونہ عذاب عام ہے رسول اللہ ﷺ نے جس طرح شخصی اور انفرادی حاجتوں اور پریشانیوں کے لئے وہ "صلوٰۃ حاجت" تعلیم فرمائی جس کا بیان پچھلے صفحات میں اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اس عمومی مصیبت اور پریشانی کے دفعیہ کے لئے بھی آپؐ نے ایک اجتماعی نماز اور دعا کی تعلیم فرمائی جس کی منظم اور مکمل شکل "صلوٰۃ استسقا" ہے۔ استسقا کے لغوی معنی ہی پانی مانگنے اور سیرابی طلب کرنے کے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ قحط پڑا تو آپ ﷺ نے صلوٰۃ استسقا پڑھی اور اللہ کے حکم سے اسی وقت بارش ہوئی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل حدیث میں اس واقعہ کی تفصیل پڑھئے۔

۲۸۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَاَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِى الْمُصَلّٰى وَوَعَدَالنَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ ، قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَ اسْتِخَارَ الْمَطَرِ عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ اَمَرَاللّٰهُ اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِىُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ اِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَّبَ اَوْحَوَّلَ رِدَاءَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَأَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرِقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ وَاِنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی تکلیف بیان کی، آپ نے (مدینہ کی آبادی سے باہر) اس جگہ جہاں عیدین کی نماز پڑھی جاتی تھی نماز استقسا پڑھنے کا فیصلہ فرمایا، اور لوگوں کو ایک دن متعین کر کے بتلایا کہ اس دن سب لوگ آپ کے ساتھ چل کر نماز استسقا پڑھیں، اور حکم دیا کہ آپ کا منبر اس دن وہاں لے جا کر رکھا جائے، چنانچہ منبر وہاں پہنچا دیا گیا۔ آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب وہ دن آیا تو رسول اللہ ﷺ علی الصبح آفتاب طلوع ہوتے ہی وہاں تشریف لے گئے، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے، پھر اللہ کی کبریائی اور حمد و ثناء بیان کی۔ پھر فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے علاقہ میں وقت پر بارش نہ ہونے اور سوکھا پڑ جانے کی شکایت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنی حاجات میں تم اس سے دعا کرو اور اس کا وعدہ ہے کہ وہ قبول فرمائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ . مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ . لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِىُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ

ساری حمد و ستائش اللہ رب العالمین کے لئے ہے وہ نہایت رحمت والا اور بڑا مہربان ہے، یوم جزا کا مالک و فرمانروا ہے، اللہ کے سوا کوئی الہ و معبود نہیں، اس کی یہ شان ہے کہ جو چاہے کر ڈالے۔ خداوند تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی الہ نہیں، تو غنی ہے اور ہم سب تیرے محتاج بندے ہیں، ہم پر بارش نازل فرما اور جو بارش تو بھیجے اس کو ہمارے لئے تقویت کا ذریعہ اور ایک مدت تک کفایت کا وسیلہ بنا۔

پھر آپ نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ اس دعا میں آپ نے ہاتھ جتنے اٹھائے

ہوئے تھے اس سے اور اوپر اٹھائے) اور بہت دیر تک اسی طرح ہاتھ اٹھائے دعا کرتے رہے اور ہاتھ اتنے اوپر اٹھائے کہ (باوجودیکہ آپؐ چادر مبارک اوڑھے ہوئے تھے لیکن) آپؐ کی بغل کے اندرونی حصے کی سپیدی بھی نظر آنے لگی۔ پھر آپؐ نے اپنا رخ قبلہ کی طرف کیا اور پشت لوگوں کی طرف کرلی، اور جو چادر آپؐ اوڑھے ہوئے تھے اس کو آپؐ نے پلٹا اور دعا میں آپؐ کے ہاتھ اب تک اٹھے ہوئے رہے۔ پھر آپؐ نے اپنا رخ لوگوں کی طرف کرلیا اور منبر سے نیچے آکر دو رکعت نماز پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی وقت ایک بدلی اٹھی جس میں گرج اور چمک بھی تھی، پھر وہ اللہ کے حکم سے خوب برسی (اور ایسی بھرپور بارش ہوئی کہ ابھی آپؐ اپنی مسجد تک واپس نہیں پہنچے تھے کہ پانی سے راستے اور نالے بھر کے بہنے لگے، پھر جب آپؐ نے یہ منظر دیکھا کہ لوگ (جو قحط اور سوکھا کی شکایت کررہے تھے) بارش سے پناہ لینے کے لئے سائبان یا چھپر کی طرف دوڑ رہے ہیں تو آپؐ کو ہنسی آگئی یہاں تک کہ آپؐ کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے، اور آپؐ نے فرمایا: میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے، اور میں اس کا بندہ اور رسول (ﷺ) ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

۲۸۵) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالنَّاسِ اِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِىْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَاءَ ةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَاءَ هٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقا کے لئے لوگوں کو ساتھ لے کر عیدگاہ تشریف لے گئے۔ آپؐ نے اس نماز میں دو رکعتیں پڑھیں اور قرأت بالجہر کی اور قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور جس وقت آپؐ نے قبلہ کی طرف اپنا رخ کیا، اس وقت اپنی چادر کو پلٹ کر اوڑھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۸۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَعْنِىْ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا . (رواه الترمذى و ابو داؤد و النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقا کے لئے چلے تو آپؐ بہت معمولی اور کم حیثیت لباس پہنے ہوئے تھے، اور آپؐ کا انداز خاکساری اور مسکینی اور عاجزی کا تھا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا صلوٰۃ استسقا قحط کی عمومی اور اجتماعی مصیبت کے دفعیہ کیلئے اجتماعی نماز اور دعا ہے۔ مندرجہ بالا حدیثوں سے اس نماز کے بارے میں چند باتیں معلوم ہوئیں۔

اول...... یہ کہ یہ نماز آبادی اور بستی سے باہر صحرا اور جنگل میں براہ راست زمین پر ہونی چاہئے، بارش طلبی کے لئے صحرا اور جنگل ہی نسبتاً زیادہ موزوں جگہ ہے اور اس میں اپنی بے مائگی کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرے...... یہ جمعہ یا عید کی نماز کی طرح اس نماز کے لئے نہانے دھونے اور اچھے کپڑے پہننے کا اہتمام نہ کیا

جائے بلکہ اس کے برعکس بالکل معمولی اور کم حیثیت لباس ہو، مسکینوں اور فقیروں کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضری ہو، سائل کے لئے فقیرانہ صورت اور پھٹے حال مسکینوں کی سی حالت ہی زیادہ مناسب ہے۔

تیسرے...... یہ کہ دعا بہت ابتہال اور الحاح کے ساتھ کی جائے، اور اس غرض سے ہاتھ آسمان کی طرف زیادہ اونچے اٹھائے جائیں۔

پہلی دونوں حدیثوں میں "تحویل رداء" کا بھی ذکر ہے یعنی یہ کہ آپؐ نے قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک پلٹ کر اوڑھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اے اللہ! جس طرح میں نے اس چادر کو الٹ دیا اسی طرح تو بارش نازل فرما کر صورت حال بالکل پلٹ دے، گویا ہاتھ اٹھانے کی طرح یہ عمل بھی دعا ہی کا ایک جز تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث میں گزرا کہ جس وقت آپؐ نے نماز استسقا پڑھی اسی وقت ایک بدلی اٹھی اور بھرپور بارش ہوئی۔ دوسرے بعض صحابہ کرامؓ کی روایت میں بھی اس کا ذکر ہے۔

الحمد للہ یہ امت کا بھی عام تجربہ ہے۔ اس عاجز و عاصی کو بھی اپنی عمر میں تین دفعہ نماز استسقا پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ پہلی دفعہ اپنے بالکل بچپن میں اپنے اصل وطن سنبھل میں، دوسری دفعہ اب سے قریباً پندرہ سال پہلے لکھنؤ میں اور تیسری دفعہ ۱۹۵۱ میں مدینہ طیبہ میں اور یہ تینوں دفعہ کی نماز کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ: جب نماز اور دعا کے نتیجہ میں بارش ہوئی اور بھرپور ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّىْ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے اور میں تو اس کا بندہ اور رسول ہوں۔

یہ کمال عبدیت ہے کہ آپؐ کی نماز اور دعا کے نتیجہ میں جب معجزانہ طور پر بارش نازل ہوئی تو آپؐ نے اس حقیقت کا اعتراف و اعلان ضروری سمجھا کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہوا لہٰذا وہی حمد و شکر کا مستحق ہے اور میں تو بس اس اللہ کا ایک بندہ اور پیغامبر ہوں۔ اَللّٰهُمَّ صلی علی سیدنا مُحَمَّد عبدك و رسولك۔

نماز جنازہ، اور اسکے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور معمولات

اسی طرح ذکر کئے جائیں گے۔ ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہوگا ان کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے۔ خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے خوش آئند تذکرے کریں۔ خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں اور سفر آخرت کے قریب ہے تو اس کے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمہ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب طریقے پر کوشش کریں۔ پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندے کی طرح اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں۔ پھر میت کو غسل دیا جائے، پھر اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے، اور خوشبو کا استعمال کیا جائے۔ پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو، اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد ﷺ کے لئے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو، پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں اور ان کی تسلی و تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپؐ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے۔

یہ تو ان ہدیت کے دینوی اور نقد برکات ہیں، اور آخرت میں انشاء اللہ وہ سب سامنے آنے والا ہے۔ جس کا وعدہ آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھئے۔

موت کی یاد اور اس کا شوق

۲۸۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ —

(رواه الترمذی والنسائی و ابن ماجه)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۲۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِىْ فَقَالَ كُنْ فِى الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْعَا بِرُسَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيٰوتِكَ لِمَوْتِكَ . (رواه البخارى)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا: دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پردیسی اور راستہ چلتا مسافر ہے، اور (رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یا دوسروں کو بھی مخاطب کر کے) ابن عمرؓ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لئے اور زندگی میں موت کے لئے کچھ کمائی کر لے۔ (صحیح بخاری)

۲۸۹) عَنْ عَبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ:۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور میں حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے، اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو، اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح..... حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا: حضرت (ﷺ)! ہمارا حال تو یہ ہے کہ:

اِنَّا نَكْرَهُ الْمَوْتَ "ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے"

آپ ﷺ نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہئے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہے، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مؤمن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہئے اور جس بندے کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے، اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس برے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہے اس لئے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت

مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اس سے نفرت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تشریح کی بناء پر لقاء اللہ سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندے کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے، چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کی یہ تصریح ہے کہ:۔ والموت قبل لقاء اللّٰه (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے۔)

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں، اور روح کے لئے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے، اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدے میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے، اس وقت اس صاحب ایمان بندے کی روح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہنچ جائے اور اس کے برعکس جو منکر یا خدافراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا، اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ انہیں دونوں حالتوں کو "احب لقاء اللّٰه" اور "كره لقاء اللّٰه" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے احب اللّٰه لقائه اور كره اللّٰه لقاءه کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

۲۹۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ......

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے موت طبعی طور پر کسی کے لئے بھی خوشگوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد کے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں، بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ میں روشنی آجائے گی، عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر آنکھ میں نشتر لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا

قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان ویقین کے لئے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس کی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لئے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی، لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لئے شادی کی جاتی ہے ان کی وجہ سے بلا شبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے۔ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف وعنایات اور جس طرح قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے!

موت کی تمنا اور دعا کرنے کی ممانعت

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۲۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ اَمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَزْدَادَ خَیْرًا وَاَمَّا مُسِیْئًا فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَسْتَعْتِبَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکو کار ہے تو امید ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اس کے ذخیرے میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرلے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کئے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

۲۹۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَاعِلًا فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَیٰوةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میرے لئے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ

رکھ اور جب میرے لئے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بیماری بھی مومن کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ

جس طرح رسول اللہ ﷺ نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لئے نہایت ہی خوشگوار ہو گا، اور اس لحاظ سے وہ موت مؤمن کا تحفہ ہے۔ اسی طرح آپؐ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں۔ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

۲۹۳) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًى وَّلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةَ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاه . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ: مرد مؤمن کو جو بھی دکھ اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہنچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۹۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّاٰتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مرد مؤمن کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے مرض سے یا اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۹۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِىْ نَفْسِهٖ وَمَا لِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ . (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں۔ کبھی اس کی جان پر کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہنچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں رہتا۔ (جامع ترمذی)

۲۹۶) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِ السُّلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ اِبْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْفِيْ مَالِهٖ اَوْفِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ . (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: محمد بن خالد سلمی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ کسی بندہ مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہو جاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پا سکتا، تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے، یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہنچا دیتا ہے جو اسکے لئے پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندے کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے، لیکن اس کی حکمت اور صفت عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال اور احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندے کے لئے اس کی کوئی ادا پسند کر کے یا خود اس کی یا اسکے حق میں کسی دوسرے بندے کی دعا قبول کر کے اسکو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم

۲۹۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ . (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے، ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ (جامع ترمذی)

۲۹۸) عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقْمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِلِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپؐ نے فرمایا کہ:۔ جب مرد مؤمن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کیلئے نصیحت و تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے

غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جس کو اس کے مالک نے باندھ دیا، پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہئے۔ اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لئے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے اعمال کی کمی کی کسر پوری ہوتی ہے۔ اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت کی ایک صورت سمجھتے ہیں۔ اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانہ تندرستی کے اعمال کا ثواب

۲۹۹) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْسَافَرَ كُتِبَ لَهٗ بِمِثْلِ مَاكَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا . (رواه البخارى)

ترجمہ... حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنی عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانہ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے، جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَانُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ ۔

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی

مریض کی عیادت و تسلی اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک

طرح کی مقبول ترین عبادت بتلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپؐ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، ان سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے:

۳۰۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَطْعِمُو الْجَائِعَ وَعُوْدُ والْمَرِیْضَ وَ كُفُّوْ الْعَانِی ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: - بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

۳۰۱) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَاَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِیْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی يَرْجِعَ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: - بندہ مُومن جب اپنے صاحب ایمان بندے کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

۳۰۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَادیٰ مَرِيْضًا نَادیٰ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّ اْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لئے تیرا چلنا مبارک اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (سنن ابن ماجہ)

۳۰۳) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِيْضِ فَنَفِّسُوْ ا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَّيُطَيِّبُ بِنَفْسِهٖ ۔ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: - جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارے میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو۔ مثلاً یہ تمہاری حالت بہتر ہے، انشاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہو گا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہو گا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۳۰۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِیٌّ يَخْدِمُ النَّبِیَّ ﷺ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ ﷺ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰی اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَاالْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ

وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ . (رواه البخاری)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہو گیا تو آپؐ اس کی عیادت کے لئے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اس نے لڑکے سے کہا تو ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لے، اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے: "حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ ﷺ سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ ﷺ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لئے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اس کے لئے دعا صحت

۳۰۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقْمًا . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: اذھب الباس رب الناس۔ (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرمادے اور شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۰۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ اَنَّهٗ شَكٰى اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجْعًا يَجِدُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِیْ يَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِیْ.
(رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درد کی شکایت کی جو انکے جسم کے کسی حصے میں تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو "بسم اللہ" اور سات مرتبہ کہو "اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اسکی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے

میری وہ تکلیف دور فرمادی۔ (صحیح مسلم)

۳۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ اَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ . (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھ کے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے:

اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

میں تمہیں پناہ میں دیتا ہوں اللہ کے کلمات تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

اور فرماتے تھے کہ: تمہارے جد امجد ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسماعیل اور اسحٰق پر ان کلمات سے دم کرتے تھے۔

تشریح...... "کلمات تامہ" سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں بہر حال آپ ﷺ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور اسطرح ان کے لئے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

۳۰۸) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا شْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجْعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ ﷺ . (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپؐ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپؐ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے اور آپؐ کا دست مبارک آپؐ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں "معوذات" سے مراد بظاہر سورۂ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے، اور جو آپؐ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاءاللہ اپنے موقع پر "کتاب الدعوات" میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں؟

۳۰۹) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَّاَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ـ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مرنے والوں کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں اس وقت ان کے سامنے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھا جائے، یہی تلقین کا مطلب ہے، تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے، اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لیں اور اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو جائیں، علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے، نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

۳۱۰) عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

۳۱۱) عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْرَؤُا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ .

(رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے مرنے والوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہے، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین وایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا مؤثر اور تفصیلی بیان ہے، اور خاص کر اس کی آخری آیت:۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَىْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ موت کے وقت کے لئے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

۳۱۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کی وفات کے تین ہی دن پہلے سنا، تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندے کو اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاص کر اخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہئے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے تیمار دار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے؟

۳۱۳) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى اَبِىْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَاتَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِاَبِىْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِى الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِىْ عَقِبِهٖ فِى الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِىْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْلَهٗ فِيْهِ – (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا:۔ جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے، تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اس لئے موت کے بعد آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہئے۔ آپ ﷺ کی یہ بات سن کر ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رونے لگے (اور اس رنج اور صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بد دعا تھیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔ لوگو! اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اس لئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے خود اس طرح دعا فرمائی:۔ اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما، اور اپنے ہدایت یاب بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما، اور اس کے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما اس کے پس ماندگان کی، اور رب العالمین بخش دے ہم اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔ (صحیح مسلم)

۳۱۴) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهٗ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا اَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِىْ فِىْ مُصِيْبَتِىْ وَاخْلُفْ لِىْ خَيْرًا مِنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَىُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ اَبِىْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَاِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ اِنِّىْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے اور کوئی چیز فوت ہو جائے اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے یعنی:۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون اللهم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منها" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما، اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا۔ (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے، وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھربار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور دعا کی: "اللهم اجرنی فی مصیبتی و اخلف لی خیرا منها" تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمائے۔ (صحیح مسلم)

۳۱۵) عَنْ حَصِيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَةَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهُ فَقَالَ اِنِّىْ لَا اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِىْ بِهٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِىْ لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَىْ اَهْلِهٖ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے تو رسول اللہ ﷺ آپؐ کی عیادت کے لئے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپؐ نے دوسرے آدمیوں سے فرمایا: میں محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آہی گیا ہے (اگر ایسا وقت ہو جائے) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجہیز و تکفین میں) جلدی کی جائے، کیونکہ کسی مسلمان کی میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز و تکفین اور دفن وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ و متعلقین کا رنجیدہ و غمگین ہونا اور اس کے نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہو جانا بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور دردمندی کا جذبہ موجود ہے، جو انسانیت کا ایک قیمتی اور پسندیدہ عنصر ہے، اس لئے شریعت نے اس پر پابندی نہیں عائد کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے، لیکن نوحہ و ماتم اور ارادی واختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو اس لئے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل

و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی جو خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے۔ نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از کم اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے علاوہ ازیں نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا میت کے لئے بھی باعث تکلیف ہوتا ہے۔

۳۱۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ؟ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ ﷺ بَكَوا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْيَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ۔**

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ ایک دفعہ مریض ہوئے، تو رسول اللہ ﷺ عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کو ساتھ لئے ہوئے ان کی عیادت کے لئے آئے۔ آپؐ جب اندر تشریف لائے تو ان کو آپؐ نے "غاشیہ" میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپؐ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپؐ نے فرمایا: "ختم ہو چکے" (یہ بات آپؐ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپؐ نے دریافت کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ان لوگوں نے عرض کیا: نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کو (ان کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آ گیا، جب اور لوگوں نے آپؐ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے، آپؐ نے ارشاد فرمایا: "لوگو اچھی طرح سن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپؐ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر، یعنی زبان سے نوحہ و ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (انا للہ پڑھنے پر اور دعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اسکو عذاب ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے، یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ انا للہ اور دعا و استغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا وسیلہ بنیں۔ اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے۔ یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب ان کے سامنے حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے حضرت ابن عمرؓ کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ :۔ یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں۔ لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا، یا رسول اللہ ﷺ کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس بارے میں قرآن مجید کی آیت "لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ" سے بھی استدلال کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ :۔ اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روئیں گھر والے اور اس کی سزا دی جائے بیچارے مرنے والے کو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمایا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انہیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے، اس لئے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کیلئے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمرو بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ گھر والوں کے رونے میں مرنیوالے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "کارنامے" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی وارد ہوئی ہے۔ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا۔ جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں، اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے تھے، ان کی وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد ایک روایت کے مطابق عہد صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہد فاروقی میں ہوئی۔

۳۱۷) عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِىَ عَلٰى اَبِىْ مُوْسٰى فَاَقْبَلَتْ اِمْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِاللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِىْ وَكَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَنَا بَرِىْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ .

(رواه البخارى و مسلم و اللفظ لمسلم)

ترجمہ:۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰؓ (بیمار پڑے اور ان) پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو انکی بیوی ام عبداللہ بلند آواز سے اور لے کے ساتھ رونے لگیں۔ پھر ابو موسیٰؓ کو افاقہ ہو گیا اور ہوش آ گیا تو انہوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا:۔ کیا

تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقع پر) سرمنڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم وماتم کرے تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابوموسیٰؓ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۱۸) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰى بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ .** (رواہ البخاری)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تماچے مارے اور منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقے پر واویلا کرے وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں ہے)۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ

۳۱۹) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے۔ یہ ابو سیف رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور (ان کے رخسار) پر ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہے) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادے ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوف! جو ناواقفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے، تعجب سے) انہوں نے کہا: یارسول اللہ (ﷺ)! آپؐ کی بھی یہ حالت ؟: آپؐ نے فرمایا:۔ اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپؐ نے فرمایا:۔ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے، اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و

غمگین ہوتا تھا اور اس حالت میں آپؐ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے، کمال نہیں ہے۔

امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ: "ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی، اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا۔ میں اس زمانہ میں سنت نبوی ﷺ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا، اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی، اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

۳۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ.

(رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لئے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

اہل میت کے لئے کھانے کا اہتمام

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

۳۲۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْىُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ. (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انکے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر

۳۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰهُ مَالِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھالوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لئے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری)

۳۲۳) عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمَلَائِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ اِبْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَیْتَ الْحَمْدِ — (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جب اللہ کے کسی بندے کا بچہ انتقال کر جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتے سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کی؟۔ وہ عرض کرتے ہیں:۔ جی ہاں! پھر فرماتا ہے۔ تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ جی ہاں! پھر فرماتا ہے کہ اس بندے نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟)۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ:۔ اس بندے نے آپ کی حمد، آپ کا شکر کیا اور انا لله وانا اليه راجعون پڑھا۔ (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اس کے صابرانہ رویہ پر) اس کے لئے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

آنحضرت ﷺ کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین

۳۲۴) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَیْهِ النَّبِیُّ ﷺ اَلتَّعْزِیَةَ ....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَیْكَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِیَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِیْئَةِ وَعَوَارِیْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِیْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِیْرٍ الصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰی اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا یُحْبِطُ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا یَرُدُّ مَیِّتًا وَلَا یَدْفَعُ حُزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ

وَالسَّلَامِ . (رواه الطبرانی فی الكبير والا وسط)

ترجمہ... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ سلام علیک! میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے، اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا۔ پس اے معاذ! صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہنچا اور اجر سے بھی محرومی رہی) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے، اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے، بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔ (معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنیوالے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ

ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور ہدایت یاب ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کیطرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"اے معاذ! اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لئے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لئے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہنچے۔ کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ ﷺ کی اس ایمان افروز اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

میت کا غسل و کفن

اللہ کا جو بندہ اس دنیا سے رخصت ہو کر موت کے راستے سے دار آخرت کی طرف جاتا ہے اسلامی شریعت نے اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کرنے کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے، جو نہایت ہی پاکیزہ، انتہائی خدا پرستانہ اور نہایت ہمدردانہ اور شریفانہ طریقہ ہے۔ حکم ہے کہ پہلے میت کو ٹھیک اس طرح غسل دیا جائے جس طرح کوئی زندہ آدمی پاکی اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے نہاتا ہے۔ اس غسل میں پاکی اور صفائی کے علاوہ غسل کے آداب کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے۔ غسل کے پانی میں وہ چیزیں شامل کی جائیں جو میل کچیل صاف کرنے کے لئے لوگ زندگی میں بھی نہانے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ آخر میں کافور جیسی خوشبو بھی پانی میں شامل کی جائے تاکہ میت کا جسم پاک صاف ہونے کے علاوہ معطر بھی ہو جائے پھر اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں دفنایا جائے، لیکن اس سلسلہ میں اسراف سے بھی کام نہ لیا جائے اس کے بعد جماعت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اہتمام اور خلوص سے کی جائے۔ پھر رخصت کرنے کے لئے قبرستان تک جایا جائے، پھر اکرام و احترام کے ساتھ بظاہر قبر کے حوالے اور فی الحقیقت اللہ کی رحمت کے سپرد کر دیا جائے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور آپ ﷺ کی ہدایات ذیل میں پڑھئے۔

۳۲۵) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَغْسِلُ اِبْنَتَهٗ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا اَوْخَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِى الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْشَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِىْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حِقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا اَوْخَمْسًا اَوْسَبْعًا وَابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک فوت شدہ صاحبزادی کو ہم غسل دے رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے اور ہم سے فرمایا کہ :- تم اس کو بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیئے ہوئے پانی سے تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ غسل دیجو، اور آخری دفعہ کافور بھی شامل کیجو، پھر جب تم غسل دے چکو تو مجھے خبر کر دیجو۔ (ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ) جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے تو ہم نے آپؐ کو اطلاع دے دی تو آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ :"سب سے پہلے یہ اسے پہنا دو"۔ اور اس حدیث کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:- تم اسکو طاق دفعہ غسل دیجو تین دفعہ یا پانچ دفعہ یا سات دفعہ اور داہنے اعضاء سے اور وضو کے مقامات سے شروع کیجو۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جن صاحبزادی کو غسل دینے کا

اس حدیث میں ذکر ہے وہ آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب تھیں، جو ابو العاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات ۸ھ کے اوائل میں ہوئی تھی، اور ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کی راوی ہیں اور جو اس موقع پر غسل دینے والیوں میں تھیں ممتاز صحابیات میں سے ہیں، اس قسم کی خدمتوں میں یہ پیش پیش رہتی تھیں، خاص کر مرنے والی خواتین کو غسل دینا ان کو خوب آتا تھا۔ ابن سیرین تابعی جیسے جلیل القدر امام کا بیان ہے کہ میں نے غسل میت انہی سے سیکھا۔

اس حدیث میں بیری کے پتوں کے ساتھ ابالے ہوئے پانی سے غسل دینے کا ذکر ہے ایسا پانی جسم سے میل وغیرہ کو خوب صاف کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں جس مقصد کے لئے نہانے میں طرح طرح کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں اس زمانہ میں اس مقصد کے لئے بیری کے پتوں کے ساتھ جوش دیا ہوا پانی استعمال کیا جاتا تھا۔ مقصد صرف یہ ہے کہ میت کے جسم سے ہر قسم کے میل کچیل کی صفائی کا پورا اہتمام کیا جائے۔ اسی لئے حکم فرمایا کہ غسل کم سے کم تین دفعہ دیا جائے، اور اگر اس سے زیادہ مناسب سمجھا جائے تو چونکہ طاق عدد اللہ کو محبوب ہے، اس لئے اس کا لحاظ بہر حال رکھا جائے۔ یعنی تین دفعہ یا پانچ دفعہ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے بھی زیادہ سات دفعہ غسل دیا جائے اور آخری دفعہ کافور بھی پانی میں ملا لیا جائے جو نہایت مہک دار اور دیرپا خوشبو ہے۔ یہ سب میت کا اعزاز و اکرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر صاحبزادی کے لئے جس اہتمام سے اپنا تہبند مبارک دیا (اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب آپؐ کو غسل مکمل ہو جانے کی اطلاع دی گئی اس وقت آپ نے اپنے جسم اقدس سے نکال کر وہ تہبند دیا) اور تاکید فرمائی کہ اس کو شعار (یعنی سب سے اندر کا لباس) بنادو۔ اس سے علماء کرام نے سمجھا ہے کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندوں کے لباس وغیرہ کا تبرک کے طور پر اس طرح کا استعمال درست ہے اور اس سے نفع کی امید ہے۔ ہاں ان چیزوں میں غلو اور ان کے بھروسہ پر عمل سے غافل ہو جانا یقیناً گمراہی ہے۔

اس روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان صاحبزادی کو کیسے کپڑوں میں کفنایا گیا۔ لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں جوزقی کی تخریج سے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے سلسلہ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

فَكَفَّنَّاهَا فِىْ خَمْسَةِ اَثْوَابٍ وَخَمَرْنَاهَا كَمَا يُخْمَرُ الْحَىُّ

ہم نے ان صاحبزادی کو پانچ کپڑوں میں کفنایا اور خمار (اوڑھنی) بھی اڑھائی، جس طرح زندوں کو اڑھائی جاتی ہے۔ (اسی بناء پر عورتوں کے لئے کفن میں پانچ کپڑے ہی مسنون کئے گئے ہیں)۔

کفن میں کیا کیا اور کیسے کپڑے ہونے چاہئیں؟

۳۲۶) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كُفِّنَ فِىْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ يَمَانِيَّةٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عَمَامَةٌ .** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (وصال کے بعد) تین سفید یمنی کپڑوں میں کفنائے گئے جو سحولی تھے، ان تین کپڑوں میں نہ تو کرتا تھا اور نہ عمامہ۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اکثر شارحین نے سحولی کی تشریح میں کہا ہے کہ یمن کے علاقہ میں سحول ایک بستی تھی جہاں کے کپڑے مشہور تھے۔ بعض حضرات نے اس کے دوسرے معنی بھی بیان کئے ہیں، لیکن راجح یہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے بھی یمنی چادریں استعمال فرماتے تھے، وصال کے بعد آپ کے کفن میں بھی وہی استعمال کی گئیں اور آپؐ کو تین کپڑوں میں کفنایا گیا جس میں نہ کرتا تھا اور نہ عمامہ۔ اور مردوں کے لئے کفن کے تین ہی کپڑے مسنون ہیں۔

۳۲۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَفَّنَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُحَسِّنْ كَفَنَهٗ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب تم میں کوئی اپنے کسی مرنے والے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث کا اصل منشاء بھی میت کا اعزاز و اکرام ہے اور مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص استطاعت کے باوجود اپنی میت کو اس خیال سے کہ اب تو اس کو قبر میں دفن ہونا اور مٹی میں ملنا ہے پھٹے پرانے اور ردی کپڑے میں نہ کفنائے بلکہ اچھا اور مناسب کفن دے یہ میت کے اعزاز و اکرام کا تقاضا اور حق ہے۔

۳۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ (رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ سفید کپڑے پہنا کرو وہ تمہارے لئے اچھے کپڑے ہیں اور انہی میں اپنے مرنے والوں کو کفنایا کرو۔
(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۳۲۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُغَالُوْا فِى الْكَفَنِ فَاِنَّهٗ يُسْلَبُ سَرِيْعًا— (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ بیش قیمت کفن نہ استعمال کرو کیونکہ وہ جلدی ہی ختم ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ بات ٹھیک نہیں ہے کہ استطاعت کے باوجود میت کو کفن ردی کپڑے کا دیا جائے، اسی طرح یہ بھی درست نہیں ہے کہ بیش قیمت کپڑا کفن میں استعمال کیا جائے۔
واضح رہے کہ مردوں کو تین اور عورتوں کو پانچ کپڑوں میں کفنانے اور درمیانی حیثیت کے اچھے سفید کپڑے کا کفن دینے کے مذکورہ بالا احکام کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ میت کے گھر والے سہولت سے اس کا انتظام کر سکتے ہوں اور اس کی استطاعت رکھتے ہوں، ورنہ مجبوری کی حالت میں صرف ایک اور

پرانے کپڑے میں بھی کفن دیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی عار نہیں ہونی چاہئے۔

غزوہ احد میں حضور ﷺ کے حقیقی چچا سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن عمیرؓ کو صرف ایک پرانی اور اتنی چھوٹی سی چادر میں کفنایا گیا تھا کہ جب اس سے آپ کا سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس چادر سے سر ڈھک دیا گیا، اور پاؤں کو اذخر گھاس سے چھپادیا گیا اور اسی کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

جنازہ کے ساتھ چلنے اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب

۳۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلِّىَ عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ - (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی ایمان کی صفت کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس وقت تک جنازے کے ساتھ رہے جب تک کہ اس پر نماز پڑھی جائے اور اس کے دفن سے فراغت ہو تو وہ ثواب کے دو قیراط لے کر واپس ہوگا، جن میں سے ہر قیراط گویا احد پہاڑ کے برابر ہوگا، اور جو آدمی صرف نماز جنازہ پڑھ کے واپس آجائے (دفن ہونے تک ساتھ نہ رہے) تو وہ ثواب کا (ایسا ہی) ایک قراط لے کر واپس ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ ظاہر ہے حدیث کا مقصد جنازہ کے ساتھ جانے، اس پر نماز پڑھنے اور دفن میں شرکت کرنے کی ترغیب دینا اور فضیلت بیان کرنا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جو شخص جنازہ کے ساتھ چلا اور صرف نماز میں شرکت کر کے واپس آ گیا، وہ بقدر ایک قیراط کے اجر کا مستحق ہوگا، اور جو شخص دفن تک شریک رہا وہ دو قیراط کا مستحق ہوگا۔ قیراط راجح قول کے مطابق درہم کا بارہواں حصہ ہوتا ہے۔ قریبا دو پیسہ چونکہ اس زمانہ میں مزدوروں کو ان کے کام کی اجرت قیراط کے حساب سے دی جاتی تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی اس موقع پر قیراط کا لفظ بولا، اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ اس کو دنیا کا قیراط (درہم کا بارھواں حصہ آنہ آدھ آنہ) نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ ثواب آخرت کا قیراط ہوگا جو دنیا کے قیراط کے مقابلہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا احد پہاڑ اس کے مقابلے میں بڑا اور عظیم الشان ہے۔ اسی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس عمل پر یہ عظیم ثواب تب ہی ملے گا جب کہ یہ عمل ایمان و یقین کی بنیاد پر اور ثواب ہی کی نیت سے کیا گیا ہو، یعنی اس عمل کا اصل محرک اللہ و رسول کی باتوں پر ایمان و یقین اور آخرت کے ثواب کی امید ہو۔ پس اگر کوئی شخص صرف تعلق اور رشتہ داری کے خیال سے یا میت کے گھر والوں کا جی خوش کرنے ہی کی نیت سے یا ایسے ہی کسی دوسرے مقصد سے جنازہ کے ساتھ گیا اور نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہوا، اللہ اور رسول کے حکم اور آخرت کا ثواب اس کے پیش نظر تھا ہی نہیں، تو وہ اس ثواب عظیم کا مستحق نہیں ہوگا۔ حدیث کے الفاظ "ایمانا

و احتسابا" کا مطلب یہ ہے۔ اور سمجھنا چاہئے کہ اعمال کے اجر اخروی کے لئے ایک عام شرط ہے۔ اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں حدیث "انما الاعمال بالنیات" کی تشریح میں اور دوسری جلد میں "اخلاص" کے زیر عنوان اس پر تفصیلی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔

جنازہ کے ساتھ تیز رفتاری اور جلدی کا حکم

۳۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِسْرَعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَاِنْ تَكُ سِوٰی ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازے کو تیز لے جایا کرو، اگر وہ نیک ہے تو (قبر اس کے لئے) خیر ہے (یعنی اچھی منزل ہے) جہاں تم (تیز چل کے) اس کو جلدی پہنچادو گے، اور اگر اس کے سوا دوسری صورت ہے (یعنی جنازہ نیک کا نہیں ہے) تو ایک برا (بوجھ تمہارے کندھوں پر) ہے (تم تیز چل کے جلدی) اس کو اپنے کندھوں سے اتار دو گے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا مقصد یہ ہے کہ جنازہ کو جلدی اپنے ٹھکانے پہ پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ تجہیز و تکفین کے انتظام میں بھی بے ضرورت تاخیر نہ کی جائے اور جب دفن کے لئے جنازہ لے جایا جائے تو خواہ مخواہ آہستہ آہستہ نہ چلا جائے بلکہ مناسب حد تک تیز چلا جائے، اگر میت نیک اور اللہ کی رحمت کی مستحق ہے تو پھر جلدی اس کو اس کے اچھے ٹھکانے پر پہنچادیا جائے، اور اگر خدانخواستہ اس کے برعکس معاملہ ہے تو پھر جلدی اس کے بار سے سبکدوشی حاصل کی جائے۔

نماز جنازہ اور اس میں میت کیلئے دعا

۳۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلَی الْمَیِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ ۔
(رواه ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ پڑھو تو پورے خلوص سے اس کیلئے دعا کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... نماز جنازہ کا اصل مقصد میت کے لئے دعا ہی ہے۔ پہلی تکبیر کے بعد اللہ کی حمد و تسبیح اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف گویا دعا ہی کی تمہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں جو دعائیں پڑھتے تھے۔ (جو آگے درج کی جا رہی ہیں) وہ سب اس موقع کے لئے بہترین دعائیں ہیں۔

۳۳۳) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی جَنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَایَا كَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَیْرًا مِنْ دَارِهٖ

وَاَهْلًا خَيْرًا مِنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت کے جنازہ کی نماز پڑھی (اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا کی) اس دعا کے یہ الفاظ مجھے یاد ہیں، آپ اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے اے اللہ! تو اس بندہ کی مغفرت فرما، اس پر رحمت فرما، اس کو عافیت دے، اس کو معاف کر دے، اس کی باعزت مہمانی فرما، اس کی قبر کو اس کے لئے وسیع فرمادے (جہنم کی آگ اور اس کی سوزش و جلن کی بجائے) پانی سے، برف سے اور اولوں سے اس کو نہلا دے (اور ٹھنڈا اور پاک فرمادے) اور گناہوں کی گندگی سے اس کو صاف فرمادے جس طرح اجلے کپڑے کو تو نے میل سے صاف فرمادیا ہے، اور اس کو دنیا کے گھر کے بدلے میں آخرت کا اچھا گھر اور گھر والوں کے بدلہ میں اچھے گھر والے اور رفیق حیات کے بدلہ میں اچھا رفیق حیات عطا فرمادے، اور اس کو جنت میں پہنچادے اور عذاب قبر اور عذاب دوزخ سے اس کو پناہ دے (حدیث کے راوی عوف بن مالک صحابیؓ) کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی یہ دعا سن کر میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

۳۳۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ.

(رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنازے پر نماز پڑھتے تھے تو اس میں یوں دعا کرتے تھے۔ اے اللہ! ہمارے زندوں کی اور مردوں کی، حاضروں کی اور غائبوں کی، چھوٹوں کی اور بڑوں کی، مردوں کی اور عورتوں کی، سب کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اس کو اسلام پر قائم رکھتے ہوئے زندہ رکھ، اور جس کو اس عالم سے اٹھائے اس کو ایمان کی حالت میں اٹھا۔ اے اللہ! اس میت کی موت کے اجر سے ہمیں آخرت میں محروم نہ رکھ، اور اس دنیا میں اس کے بعد تو ہمیں کسی فتنہ اور آزمائش میں نہ ڈال۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

۳۳۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِىْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ. (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی، میں نے سنا اس میں آپؐ یہ دعا کر رہے تھے۔ اے اللہ! تیرا یہ بندہ فلاں بن فلاں تیری

امان میں اور تیری پناہ میں ہے، تو اس کو عذاب قبر اور عذاب نار سے بچا، تو وعدوں کا وفا کرنے والا اور خداوند حق ہے۔ اے اللہ! تو اس بندے کی مغفرت فرما دے، اس پر رحمت فرما تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ... جنازہ کی نماز میں رسول اللہ ﷺ سے بعض اور دعائیں بھی ثابت ہیں، لیکن زیادہ مشہور یہی تین ہیں، جو مندرجہ بالا حدیثوں میں مذکور ہوئیں، پڑھنے والے کو اختیار ہے جو چاہے دعا پڑھے، اور چاہے تو ان میں سے متعدد دعائیں پڑھے۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے خاص کر واثلہ ابن اسقع اور ابو ہریرہؓ کی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے جنازہ کی نماز میں یہ دعائیں اتنی آواز سے پڑھیں کہ ان صحابہ کرامؓ نے سن کر ان کو محفوظ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات نماز میں بعض دعائیں وغیرہ اس لئے بالجہر اور آواز سے پڑھتے تھے کہ دوسرے لوگ سن کر سیکھ لیں۔ جنازہ کی ان نمازوں میں دعاؤں کا باآواز پڑھنا بھی غالباً اسی مقصد سے تھا، ورنہ عام قانون دعا کے بارے میں یہ ہے کہ اس کا آہستہ کرنا افضل ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

"ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ" "اپنے رب سے دعا کرو عاجزی و مسکینی کے ساتھ اور چپکے چپکے"

نماز جنازہ میں کثرت تعداد کی برکت اور اہمیت

۳۳۶) **عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس میت پر مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نماز پڑھے۔ جن کی تعداد سو تک پہنچ جائے، اور وہ سب اللہ کے حضور میں اس میت کے لئے سفارش کریں (یعنی مغفرت و رحمت کی دعا کریں) تو ان کی یہ سفارش اور دعا ضرور ہی قبول ہوگی۔ (صحیح مسلم)

۳۳۷) **عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلٰى اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ اَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ اُنْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهٗ مِنَ النَّاسِ قَالَ خَرَجْتُ فَاِذَا نَاسٌ قَدْ اِجْتَمَعُوْا لَهٗ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ اَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَخْرِجُوْهُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ .** (رواہ مسلم)

ترجمہ ... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص کریب تابعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کے ایک صاحبزادے کا انتقال مقام قدید میں یا مقام عسفان میں ہو گیا (جب کچھ لوگ جمع ہو گئے) تو حضرت ابن عباس نے مجھ سے فرمایا کہ جو لوگ جمع ہو گئے ہیں ذرا تم ان پر نظر ڈالو، کریب

کہتے ہیں کہ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں، میں نے ان کو اس کی اطلاع دی۔ انہوں نے فرمایا: تمہارا خیال ہے کہ وہ چالیس ہوں گے؟۔ کریب نے کہا ہاں ۴۰ ضرور ہوں گے) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اب جنازہ باہر لے چلو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ جس مسلمان کا انتقال ہو جائے اور اس کے جنازے کی نماز چالیس ایسے آدمی پڑھیں جن کی زندگی شرک سے بالکل پاک ہو اور وہ نماز میں اس میت کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا اور سفارش کریں) تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش اس میت کے حق میں ضرور قبول فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قدید، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں رابغ کے قریب ایک قصبہ تھا، اور عسفان مکہ معظمہ اور رابغ کے درمیان مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵، ۳۶ میل کے فاصلہ پر ایک بستی تھی۔ راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے کے انتقال کا یہ واقعہ ان دونوں مقامات میں سے کس مقام پر پیش آیا تھا۔

۲۳۸) عَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّىْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّ اَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپؐ کا یہ ارشاد سنا کہ جس مسلمان بندے کا انتقال ہو جائے اور مسلمانوں کی تین صفیں اس کی نماز جنازہ پڑھیں (اور اس کے لئے مغفرت و جنت کی دعا کریں) تو ضرور ہی اللہ تعالیٰ اس بندے کے واسطے (مغفرت اور جنت) واجب کر دیتا ہے۔ (مالک بن ہبیرہؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے مرثد یزنی کہتے ہیں کہ) مالک بن ہبیرہؓ کا یہ دستور تھا کہ جب وہ جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو اسی حدیث کی وجہ سے ان لوگوں کو تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ تین حدیثیں ہیں۔ سب سے پہلی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں سو مسلمانوں کے لئے نماز جنازہ پڑھنے پر اور اس کے بعد والی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث میں چالیس مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر اور آخری مالک بن ہبیرہ والی حدیث میں مسلمانوں کی تین صفوں کے نماز پڑھنے پر مغفرت و جنت کی سفارش اور دعا کے قبول ہونے کا اطمینان ظاہر فرمایا گیا ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ تینوں باتیں منکشف ہوئیں۔ غالباً پہلے آپ کو بتایا گیا کہ اگر کسی بندے کی نماز جنازہ سو مسلمان بندے پڑھیں اور اس نماز میں اس بندے کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے حق میں ضرور ہی ان کی یہ دعا قبول فرمالے گا۔ اس کے بعد اور تخفیف کر دی گئی اور صرف ۴۰ مسلمانوں کے نماز پڑھنے پر یہی بشارت سنا دی گئی۔ اس کے بعد اور مزید تخفیف کر دی گئی اور تین صفوں کے نماز پڑھنے پر بھی آپؐ کو یہی اطمینان دلا دیا گیا اگرچہ تعداد ۴۰ سے بھی

کم ہو۔ واللہ اعلم۔

بہر حال ان حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں کثرت مطلوب اور باعث برکت و رحمت ہے، اس لئے مناسب حد تک اس کا اہتمام اور اس کی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔

دفن کا طریقہ اور اس کے آداب

۳۳۹) عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِی وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ هَلَكَ فِيْهِ اَلْحِدُوْلِیْ لَحْدًا وَانْصَبُو عَلَی اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عامر بیان کرتے ہیں کہ (والد ماجد) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض وفات میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے واسطے بغلی قبر بنائی جائے اور اس کو بند کرنے کے لئے کچی اینٹیں کھڑی کر دی جائیں، جس طرح رسول اللہ ﷺ کے لئے کیا گیا تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس سے معلوم ہوا کہ قبر کا افضل اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ وہ بغلی بنائی جائے اور کچی اینٹوں سے اس کو بند کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک بھی اسی طرح بنائی گئی تھی۔ لیکن اگر زمین ایسی کچی ہو کہ بغلی قبر نہ بن سکتی ہو تو پھر دوسرے طریقہ کی قبر بنائی جائے جس کو شق کہتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حسب موقع دونوں طرح کی قبریں بنائی جاتی تھیں، لیکن افضل لحد یعنی بغلی قبر ہی کا طریقہ ہے۔

۳۴۰) عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَاَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَاَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلٰثَةَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد و النسائی)

ترجمہ: ہشام بن عامر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ (شہداء کے لئے) قبریں کھودو اور ان کو وسیع اور گہرا کرو، اور اچھی طرح بناؤ اور دو دو تین تین کو ایک ایک قبر میں دفن کرو، اور ان میں سے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو اس کو آگے کرو اور مقدم رکھو۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... غزوہ احد میں قریب ستر کے صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے ان سب کے لئے اس وقت الگ الگ قبریں کھودنا بہت مشکل بھی تھا، اور ایسے خاص موقعوں کے لئے رسول اللہ کو ایک نظیر بھی قائم کرنی تھی، اس لئے آپ نے حکم دیا کہ ایک ایک قبر میں دو دو تین تین دفن کئے جائیں، لیکن اس کی تاکید فرمائی کہ قبریں باقاعدہ کھودی جائیں، گہری بھی ہوں اور وسیع بھی ہوں۔ اور ایک ہدایت یہ بھی دی کہ ایک قبر میں جب متعدد شہید دفن کئے جائیں تو ترتیب میں مقدم یعنی پہلے اور قبلہ کی جانب اس کو رکھا جائے جس کے پاس قرآن زیادہ ہو، گویا وہ امام ہے اور اس کے ساتھ والے مقتدی اس حدیث کی بناء پر۔ جنگ کے جیسے غیر

معمولی حالات میں جائز ہے کہ ایک ایک قبر میں کئی کئی مردوں کو دفن کیا جائے۔

(۳۴۱) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَدْخَلَ الْمَيِّتَ الْقَبْرَ وَقَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ . وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ . (رواه احمد و الترمذى و ابن ماجة و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی میت کو قبر میں اتارتے (یا کوئی میت قبر میں اتاری جاتی) تو فرماتے تھے: "بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله" (ہم اس بندے کو اللہ کے نام پاک کے ساتھ اور اس کی مدد سے اور اس کے نبی کے طریقے پر سپرد خاک کرتے ہیں) اور اسی حدیث کی بعض روائتوں میں "على ملة رسول الله" کے بجائے "على سنة رسول الله" کا لفظ بھی روایت کیا گیا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد)

(۳۴۲) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ اِبْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ.

(رواه البغوى فى شرح السنه)

ترجمہ: امام جعفر صادق اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک میت پر (یعنی دفن کے وقت اس کی قبر پر) دونوں ہاتھ ایک ساتھ بھر کے تین دفعہ مٹی ڈالی۔ اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا یا چھڑکوایا اور اس کے اوپر سنگ ریزے ڈلوائے۔ (شرح السنہ)

(۳۴۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَاَسْرِعُوْا بِهٖ اِلٰى قَبْرِهٖ وَيُقْرَءُ عِنْدَ رَأْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ .

(رواه اللبيهقى فى شعب الايمان و قال و الصحيح انه موقوف عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرماتے تھے کہ: جب تمہارا کوئی آدمی انتقال کر جائے تو اس کو دیر تک گھر میں مت رو کو اور قبر تک پہنچانے اور دفن کرنے میں سرعت سے کام لو اور (دفن کے بعد) سر کی جانب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات (تا مفلحون) اور پاؤں کی جانب اس کی اختتامی آیات (امن الرسول سے ختم سورۃ تک) پڑھی جائیں۔ (یہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ روایت میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے سند کے لحاظ سے یہ ثابت نہیں ہے)۔

تشریح..... میت کو دیر تک گھر میں نہ رکھنے اور کفن دفن میں جلدی کرنے کی ہدایت تو رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثوں میں وارد ہوئی ہے، اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور اختتامی آیات کے قبر پر پڑھنے کا حکم ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، یقیناً یہ بات بھی انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھی ہوگی اس لئے سند کے لحاظ سے اگرچہ یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہ ہو، لیکن محدثین اور فقہا کے اصول پر یہ حکم

میں مرفوع ہی کے ہے۔

قبور سے متعلق ہدایات

۳۴۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ ـ (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے کہ قبر کو گچھ سے پختہ کیا جائے یا اس پر عمارت بنائی جائے یا اس پر بیٹھا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قبر کے بارے میں شریعت کا اصولی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف تو میت کے تعلق سے اس کا احترام کیا جائے کسی قسم کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ اسی بناء پر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ کوئی اس پر بیٹھے نہیں، یہ اس کے احترام کے خلاف ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ کہ وہ دیکھنے میں ایسی سادہ ہو کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور آخرت کی یاد اور فکر دل میں پیدا ہو، اسی واسطے اس کو گچھ وغیرہ سے پختہ اور شاندار بنانے کی اور اس کے اوپر بطور یادگار وغیرہ کے عمارت کھڑی کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

دوسری حکمت اس حکم میں یہ بھی ہے کہ قبر جب بالکل سادہ اور کچی ہوگی اور اس پر کوئی شاندار عمارت بھی نہ کھڑی ہوگی تو شرک پسند طبیعتیں اس کو پرستش گاہ بھی نہ بنائیں گی۔ جن صحابہؓ یا تابعین یا اولیاء امت کی قبریں شریعت کے اس حکم کے مطابق بالکل سادہ اور کچی ہیں وہاں کوئی خرافات نہیں ہوتی، اور جن بزرگوں کے مزارات پر شاندار مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے آنکھوں کے سامنے ہے، اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ تکلیف ان بزرگوں کی پاک روحوں کو ہی ہو رہی ہے۔

۳۴۵) عَنْ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا . (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تو قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ ابھی اوپر کہا گیا قبر پر بیٹھنے میں اس کی بے حرمتی ہے، اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اس سے صاحب قبر کو اذیت بھی ہوتی ہے، اور قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا خاص مقصد امت کو شرک کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچانا ہے۔

۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِى النَّبِيُّ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ وَلَا تُؤْذِهٖ . (رواه احمد)

ترجمہ.. حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھا ہوں تو آپ نے مجھ سے فرمایا: "اس قبر والے کو تکلیف نہ دو"۔ (مسند احمد)

زیارت قبور

۳۴۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ. (رواه ابن ماجة)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کر دیا تھا، اب (اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، کیونکہ (اس کا یہ فائدہ ہے کہ) اس سے دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر پیدا ہوتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... شروع شروع میں جب تک کہ توحید پوری طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں راسخ نہیں ہوئی تھی اور انہیں شرک اور جاہلیت سے نکلے ہوئے تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے سے منع فرمادیا تھا، کیونکہ اس سے ان لوگوں کے شرک اور قبر پرستی میں ملوث ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب امت کا توحیدی مزاج پختہ ہو گیا، اور ہر قسم کے جلی اور خفی شرک سے دلوں میں نفرت بھر گئی اور قبروں پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ یہ اجازت اس لئے دی جارہی ہے کہ وہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی یاد اور فکر دلوں میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے شریعت کا یہ بنیادی اصول معلوم ہوا کہ اگر کسی کام میں خیر اور نفع کا کوئی پہلو ہے اور اسی کے ساتھ کسی بڑے ضرر کا بھی اندیشہ ہے تو اس اندیشہ کی وجہ سے خیر کے پہلو سے صرف نظر کر کے اس کی ممانعت کر دی جائے گی، لیکن اگر کسی وقت حالات میں ایسی تبدیلی ہو کہ ضرر کا وہ اندیشہ باقی نہ رہے تو پھر اس کی اجازت دے دی جائے گی۔

۳۴۸) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ. (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب وہ قبرستان جائیں تو اہل قبور پر اس طرح سلام پڑھیں، اور ان کے لئے دعا کریں: "السلام علیکم اهل الدیار...... (سلام ہو تم پر ان گھروں والوں! مؤمنوں میں سے اور مسلموں میں سے، اور انشاء اللہ ہم تم سے آ ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے دعا اور سوال کرتے ہیں اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت کا (یعنی چین اور سکون کا)۔ (صحیح مسلم)

۳۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر مدینہ ہی میں چند قبروں پر ہوا، آپؐ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا "السلام علیکم یا اهل القبور...... (سلام ہو تم

پر اے قبر والو! اللہ تعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے، تم ہم سے آگے جانے والے ہو اور ہم پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں میں قبر والوں پر سلام و دعا کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں، جن میں صرف الفاظ کا معمولی سا فرق ہے۔ ان میں ان کے واسطے بس سلام اور دعائے مغفرت ہے، اور ساتھ ہی اپنی موت کی یاد ہے۔ معلوم ہوا کہ یہی دو چیزیں کسی کی قبر پر جانے کا اصل مقصد ہونی چاہئیں، اور صحابہ کرام اور ان کے تابعین بالاحسان کا طریقہ یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انہی کے طریقے پر قائم رکھے اور اسی پر اٹھائے۔

اموات کے لئے ایصال ثواب

کسی کی موت کے بعد اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مغفرت اور رحمت کی دعا کی جائے اور رحم و کرم کی بھیک مانگی جائے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، نماز جنازہ کی خاص غرض و غایت بھی یہی ہے، اور زیارت قبور کے سلسلہ میں ابھی اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی ہیں ان میں بھی اصحاب قبور کو سلام کے ساتھ ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کی گئی ہے۔ دعائے خیر کے اس طریقہ کے علاوہ اموات کی خدمت اور نفع رسانی کی ایک دوسری صورت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتائی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ یا اسی طرح کا کوئی دوسرا عمل خیر کر کے اس کا ثواب ان کو ہدیہ کیا جائے "ایصال ثواب" اسی کا عنوان ہے۔ اس کے بارے میں ذیل کی حدیثیں پڑھئے!

۳۵۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّي تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْءٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّي اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِي الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ.... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے، جب واپس آئے) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو ان کے لئے نفع مند ہو گا؟ (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا) آپ نے فرمایا:۔ ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا:۔ تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ اپنا باغ (مخراف) میں نے اپنی مرحوم والدہ کیلئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایصال ثواب کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔ قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بھی مروی ہے، اس میں حضرت سعد کا نام نہیں ہے، لیکن شارحین نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے۔

۳۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰى اَنْ يُعْتَقَ عَنْهُ مِائَةُ رَقَبَةٍ فَاَعْتَقَ

اِبْنُہٗ ھِشَامٌ خَمْسِیْنَ رَقَبَۃً فَاَرَادَابْنُہٗ عَمْرٌو اَنْ یُعْتِقَ عَنْہُ الْخَمْسِیْنَ الْبَاقِیَۃَ فَقَالَ حَتّٰی اَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَاَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَبِیْ اَوْصٰی بِعِتْقِ مِائَۃِ رَقَبَۃٍ وَاِنَّ ھِشَامًا اَعْتَقَ عَنْہُ خَمْسِیْنَ وَبَقِیَتْ عَلَیْہِ خَمْسُوْنَ رَقَبَۃً اَفَاُعْتِقُ عَنْہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّہٗ لَوْ کَانَ مُسْلِمًا فَاَعْتَقْتُمْ عَنْہُ اَوْتَصَدَّقْتُمْ عَنْہُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْہُ بَلَغَہٗ ذٰلِکَ . (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے (جن کو اسلام نصیب نہیں ہوا، اپنے بیٹوں کو) وصیت کی تھی کہ ان کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں۔ (اس وصیت کے مطابق ان کے ایک بیٹے) ہشام بن العاص نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کردیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو بن العاص نے بھی ارادہ کیا کہ وہ بھی اپنے حصے کے باقی پچاس آزاد کردیں، لیکن انہوں نے طے کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر کے ایسا کروں گا۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: میرے والد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی اور میرے بھائی ہشام نے پچاس اپنی طرف سے آزاد کردیئے اور پچاس باقی ہیں تو کیا میں اپنے والد کی طرف سے وہ پچاس غلام آزاد کردوں؟۔ آپؐ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے والد اسلام وایمان کے ساتھ دنیا سے گئے ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے، یا صدقہ کرتے یا حج کرتے، تو ان اعمال کا ثواب ان کو پہنچ جاتا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ حدیث بھی مسئلہ ایصال ثواب کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ اس میں صدقے کے ذریعے ایصال ثواب کے علاوہ حج کا بھی ذکر ہے اور اسی حدیث کی مسند احمد کی روایت میں بجائے حج کے روزہ کا ذکر ہے۔

بہر حال اس حدیث سے یہ بات اصول اور قاعدے کے طور پر معلوم ہوئی کہ اموات کو ان سب اعمال خیر کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے لیکن ایمان واسلام شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

"کتاب الصلوٰۃ" ختم ہوئی

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ وَعَلٰی رَسُوْلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مَعارِفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردُو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد چہارم

کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارُالاشاعت
اردو بازار، ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 021-2213768

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر : 7118

طباعت کمپیوٹرایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX-77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

دیباچہ

از مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ ﷺ کا یہ نہایت عظیم اور روشن ترین معجزہ ہے کہ باوجودیکہ آپ اُمی تھے، اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے تھے، لیکن آپ کی ہدایت و تعلیم نے دنیا کا عظیم ترین کتب خانہ پیدا کر دیا...... اس کتب خانہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے لائے ہوئے قرآن مجید سے ہے، جو در اصل کلام اللہ ہے، جس کے الفاظ بھی آسمانی اور الہامی ہیں...... اور دوسرا وہ جس کا تعلق آپ ﷺ کے ارشادات و ہدایات اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی سے ہے، جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں غور و خوض سے جو سینکڑوں علوم پیدا ہوئے، ان میں جو لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور جو وسیع و مستقل کتب خانہ صرف اسی سے متعلق وجود میں آیا جس میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اس وقت اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا نہیں ہے۔ صرف حدیث سے متعلق جو علوم مدون ہوئے اور ان میں جو کتابیں لکھی گئیں یقیناً ان کا شمار بھی لاکھوں سے کم نہیں ہے...... احادیث کے جو ہزاروں مجموعی مسانید[1]، معاجم، جوامع اور سنن وغیرہ کی شکلوں میں عہد نبوی ﷺ سے اس وقت تیار ہوئے، پھر ان کے راویوں کو سوانح و تراجم، ان کی تنقید اور جرح و تعدیل پر جو بے شمار کتابیں لکھی گئیں، پھر احادیث کی تشریح، حل لغات ان سے احکام کے استخراج و استنباط اور حکم و اسرار پر جو کتابیں مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں امت کے اہل علم نے لکھیں، جن میں اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، اگر ان سب کا صرف ایک ایک نسخہ جمع کیا جائے تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ کوئی وسیع سے وسیع عمارت بھی صرف حدیث سے متعلق اس ذخیرے کے لئے کافی نہیں ہو گی۔

واقعہ یہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کی خدمت کے سلسلہ میں ہر دور اور ہر علاقے کے مخصوص تقاضوں

---

[1] احادیث کا جو مجموعہ اس طرح تیار کیا جائے کہ ہر صحابی کی مرویات اس میں یکجا اور الگ الگ ہوں، اس کو محدثین کی اصطلاح میں مسند کہتے ہیں، جیسے مسند احمد، مسند حمیدی وغیرہ۔ اور اگر بجائے صحابی کے مؤلف نے اسی طرح اپنے ہر استاد کی مرویات الگ الگ جمع کی ہوں تو ایسے مجموعہ کو معجم کہتے ہیں، جیسے طبرانی کی معجم کبیر، معجم اوسط، معجم صغیر۔ اور اگر احادیث کو مضامین اور ابواب کے لحاظ سے مرتب کیا گیا ہو تو دین و شریعت کے تمام ابواب پر حاوی ہونے کی صورت میں اس کو جامع کہا جاتا ہے، جیسے: صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحیح ترمذی وغیرہ۔ اور اگر اس میں فقہی ابواب ہی کو زیادہ اہمیت سے جمع کیا گیا ہو تو اس کو سنن کہا جاتا ہے۔ جیسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی وغیرہ۔ ۱۲

کے مطابق اسلام کی گزشتہ تیرہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے خادمانِ حدیث سے جو کام لیا ہے اور جس طرح لیا ہے وہ اہلِ بصیرت کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ کی خاص نشانی اور رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کی روشن دلیل ہے۔

یہ سلسلہ "معارف الحدیث" بھی (جس کی یہ چوتھی جلد آپ کے سامنے ہے) (مصنف کی علمی تہی مایگی اور بے حیثیتی سے قطع نظر) اپنے مبارک موضوع کے لحاظ سے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اس ربِ کریم کا شکر ادا کرنے سے زبان قاصر ہے جس نے اپنے ایک نااہل اور گناہگار بندے کو یہ توفیق بخشی کہ وہ بھی خادمانِ حدیث کے زمرے میں شامل ہو...... سبحان اللہ! ایک غریب مسکین بڑھیا کو بھی توفیق ملی کہ وہ اپنی کل مایہ ہاتھ کا کاتا ہوا چند تولے سوت لے کر خریدارانِ یوسفؑ کی قطار میں کھڑی ہو جائے — لک الحمد یا ربی ۔

من آں خاکم کہ ابرِ نو بہاری | کند از لطف بر من قطرہ باری
اگر روید از تن صد زبانم | چو سوسن شکر لطفش کے توانم

❁

حدیثِ نبوی ﷺ کا مستند ذخیرہ رسول اللہ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کا ریکارڈ ہے جو آپ ﷺ کی زندہ شخصیت کے قائم مقام ہے، جن اہلِ ایمان نے اس حیاۃِ دنیا میں آپ کو نہیں پایا وہ اس حدیثی ذخیرے کے ذریعہ بڑی حد تک آپؐ کو پا سکتے ہیں، اور قریب قریب ویسے ہی قلبی اطمینان کے ساتھ آپؐ کے ارشادات کی تعمیل اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کر سکتے ہیں جس اطمینان کے ساتھ قرنِ اول کے وہ خوش نصیب مؤمنین کرتے تھے جنہوں نے ایمان کے ساتھ آپ ﷺ کو اس زندگی میں ہی پالیا تھا۔

اس سلسلہ میں "معارف الحدیث" کی تالیف کا اصل مقصد یہی ہے کہ ہمارے جو بھائی اصل کتاب حدیث کا مطالعہ کر کے آنحضرت ﷺ کی حیاۃِ طیبہ اور آپؐ کی تعلیم و ہدایت کے بارے میں وہ واقفیت حاصل نہیں کر سکتے جو کتبِ حدیث ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اور اس راستہ سے دربارِ نبوی ﷺ تک نہیں پہنچ سکتے، ان کے لئے بھی یہ راستہ کھل جائے اور وہ بھی اس بارگاہِ عالی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

امید ہے کہ جو صاحبِ ایمان بندے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور عظمت قلب میں بیدار کر کے سچی طلب اور ادب کے ساتھ اس سلسلہ کا مطالعہ کریں گے انشاءاللہ انہیں یہ دولت نصیب ہوگی اور احادیثِ نبوی ﷺ کے خاص انوار و برکات سے ان کو حصہ ملے گا، اور حضورِ انور ﷺ کے ساتھ وہ ایک خاص قرب و نسبت محسوس کریں گے۔

❁

جیسا کہ اس سلسلہ "معارف الحدیث" کے ناظرین کو معلوم ہے اس کی نوعیت یہ نہیں ہے کہ حدیث کی کوئی کتاب سامنے رکھ لی گئی ہو اور تشریحات کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہو، بلکہ اس کی تالیف میں

طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پہلے موضوع اور باب سے متعلق وسیع ذخیرۂ حدیث کا مطالعہ کر کے ان احادیث کا انتخاب کیا جاتا ہے جس کو مذکورۂ بالا مقصد کے لحاظ سے اس میں شامل کرنا ہوتا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے انہیں ترتیب دیا جاتا ہے اور ان کا ترجمہ اور حسب ضرورت تشریح میں کچھ لکھا جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر ہر باب کے شروع میں دور حاضر کے خاص فکری رجحانات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر اس باب سے متعلق حضور ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے حکم و مصالح پر بھی کلام کیا جاتا ہے..... اس پورے کام میں بنیادی نقطہ نظر یہی رہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہدایت و تعلیم اور آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کی تصویر اس طرح سامنے آجائے کہ اس کا مطابق فطرت، سراسر مبنی بر حکمت اور انسانیت کے لئے باعث صلاح و فلاح ہونا بھی کھلتا چلا جائے اور ناظرین کے قلوب میں نور یقین و اطمینان اور جذبہ عمل بھی پیدا ہو۔

اس سلسلہ کی تین جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ جلد اول میں ابواب ایمان و آخرت کی، اور جلد دوم میں اخلاق اور رقاق کی حدیثیں جمع کر کے پیش کی گئی تھیں۔ جلد سوم میں ابواب طہارت اور عبادات اربعہ (نماز، زکوۃ، روزہ اور حج) کی حدیثیں جمع کر کے نذر ناظرین کرنے کا ارادہ تھا، لیکن ضخامت کے بہت زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے اس جلد کو کتاب الصلوٰۃ ہی پر ختم کر دیا گیا تھا، باقی حصہ (یعنی کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج) اس چوتھی جلد میں پیش کیا جا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور اس کا عبادت گزار بنائیں جو کہ ان کی تخلیق کا مقصد ہے (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) اسی لئے وہ ایمان باللہ اور توحید کی دعوت دینے کے بعد سب سے پہلے ان کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں..... انسانی اعمال میں عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور قدویت کا اظہار کرتا ہے اور ان کی تاثیر سے اس کی زندگی عبدیت کے رنگ میں رنگتی ہے۔ نیز عبادات ہی کے ذریعہ ملاءِ اعلیٰ سے خاص رابطہ اور حق تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اور اس میں مسلسل ترقی ہوتی ہے..... اسی لئے آسمانی شریعتوں میں ایمان کے بعد سب سے اہم اور مقدم حکم اور مطالبہ عبادات کا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی شہادت توحید و رسالت کے بعد نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کو اسلام کے بنیادی ارکان قرار دیا ہے۔ دراصل یہی چار بنیادی عبادات ہیں اور انسانی سعادت و شقاوت کا بہت کچھ دار و مدار انہیں پر ہے۔

ان میں سے نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ہدایات و تعلیمات اور آپ کے معمولات کی حدیثیں جلد سوم میں ذکر کی جا چکی ہیں..... باقی ارکان ثلثہ (زکوۃ، روزہ اور حج) سے متعلق احادیث اس جلد میں پیش کی جا رہی ہیں..... پہلے خیال تھا کہ "اذکار و دعوات" کی احادیث بھی اسی جلد میں آجائیں گی، لیکن جب ان کو

جمع کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ وہ ایک مستقل جلد ہی میں آ سکیں گی۔ انشاء اللہ اب اگلی پانچویں جلد "کتاب الاذکار والدعوات" ہی کی ہو گی...... اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ اس کی تیاری اور اشاعت میں زیادہ تاخیر نہ ہو۔

❀❀❀

اس چوتھی جلد کی احادیث بھی پہلی تینوں جلدوں کی طرح زیادہ تر مشکوٰۃ المصابیح یا جمع الفوائد سے لی گئی ہیں اور تخریج کے بارے میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ اور اس بارے میں صاحب مشکوٰۃ کے طریقے کی پیروی کی گئی ہے کہ تخریج میں صحیح بخاری و صحیح مسلم یا ان میں سے کسی ایک کے حوالہ کے بعد دوسری کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا ہے، کیونکہ ان کا حوالہ دوسری کتابوں کے حوالہ سے مستغنی کر دیتا ہے۔ بعض حدیثیں کنز العمال سے بھی لی گئی ہیں اور کچھ حدیثیں براہ راست کتب صحاح صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد وغیرہ سے بھی لی گئی ہیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جو ان الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ اور جمع الفوائد میں مذکور نہیں ہیں۔

❀❀❀

ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

پہلی تینوں جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ صرف اضافہ معلومات کے لئے اور علمی سیر کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے کے لئے اور رشد و ہدایت حاصل کرنے اور عمل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز درس و مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کو دل میں بیدار کر کے اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھایا سنا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلس مبارک میں ہم حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں...... اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست روحانی و ایمانی استفادہ کی توفیق بخشی تھی۔

آخری کلمہ اللہ کی حمد ہے، اور اس سلسلہ کے اتمام کے لئے حسن توفیق کی استدعا اور غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

اللہ کی رحمت اور اس کے بندوں کی دعاؤں کا محتاج و طلب گار

عاجز و گناہ گار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۲ ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ...... ۱۵ مارچ ۱۹۶۷ء

معارفِ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الزکوٰۃ

قال اللہ تعالیٰ

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَـٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَـٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَـٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ۝

(البقرہ ۲:۲۵۴)

اے ایمان والو! جو مال و متاع ہم نے تم کو بخشا ہے تم اُس میں سے (ہماری راہ میں ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے، جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہو سکے گی، نہ کسی کی دنیوی دوستی کام آئے گی، اور نہ کوئی سفارش (کسی قابلِ سزا مجرم کو بچا سکے گی) اور نہ ماننے والے اصلی ظالم ہیں (جن کو قیامت میں اپنے ظلم کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین میں زکوٰۃ کی اہمیت اور اس کا مقام

یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ شہادت توحید و رسالت اور اقامت صلوٰۃ کے بعد زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔ قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر اقامت صلوٰۃ اور اداءِ زکوٰۃ کا ذکر اس طرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ان دونوں کا مقام اور درجہ قریب قریب ایک ہی ہے۔ اسی لئے جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض علاقوں کے ایسے لوگوں نے جو بظاہر اسلام قبول کر چکے تھے اور توحید و رسالت کا اقرار کرتے اور نمازیں پڑھتے تھے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کا اسی بنیاد پر فیصلہ کیا تھا کہ یہ نماز اور زکوٰۃ کے حکم میں تفریق کرتے ہیں جو اللہ اور رسول ﷺ کے دین سے انحراف اور ارتداد ہے...... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ

خدا کی قسم نماز اور زکوٰۃ کے درمیان جو لوگ تفریق کریں گے، میں ضرور انکے خلاف جہاد کروں گا۔

پھر تمام صحابہ کرام ؓ نے ان کے اس نقطہ نظر کو قبول کر لیا اور اس پر سب کا اجماع ہو گیا۔

اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد کے بالکل شروع میں رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیثیں ذکر کی جا چکی ہیں جن میں آپ ﷺ نے اسلام کے ارکان اور بنیادی احکام و مطالبات کا ذکر کرتے ہوئے توحید و رسالت کی شہادت کے بعد اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ ہی کا ذکر کیا ہے۔ بہرحال قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و خطبات میں اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کا ذکر عموماً اسطرح ساتھ ساتھ کیا گیا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان دونوں کا درجہ قریب قریب ایک ہی ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی خاص رابطہ ہے۔

زکوٰۃ کے تین پہلو

زکوٰۃ میں نیکی اور افادیت کے تین پہلو ہیں: ایک یہ کہ مؤمن بندہ جس طرح نماز کے قیام اور رکوع و سجود کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی اور تذلل و نیاز مندی کا مظاہر جسم و جان اور زبان سے کرتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت اور اس کا قرب اس کو حاصل ہو اسی طرح زکوٰۃ ادا کر کے وہ اس کی بارگاہ میں اپنی مالی نذر اسی غرض سے پیش کرتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت دیتا ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے اپنا نہیں بلکہ خدا کا سمجھتا اور یقین کرتا ہے، اور اس کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے وہ اس کو قربان کرتا اور نذرانہ چڑھاتا ہے...... زکوٰۃ کا شمار "عبادات" میں اسی پہلو سے ہے۔ دین و شریعت کی خاص اصطلاح میں "عبادات" (جیسے کہ پہلے بھی اپنے موقع پر ذکر کیا جا چکا ہے) بندے کے انہی اعمال کو کہا جاتا

ہے جن کا خاص مقصد و موضوع اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی عبدیت اور بندگی کے تعلق کو ظاہر کرنا اور اس کے ذریعہ اس کا رحم و کرم اور اس کا قرب ڈھونڈھنا ہو۔

دوسرا پہلو زکوٰۃ میں یہ ہے کہ اس کے ذریعے اللہ کے ضرورت منداور پریشان حال بندوں کی خدمت و اعانت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے زکوٰۃ، اخلاقیات کا نہایت ہی اہم باب ہے۔

تیسرا پہلو اس میں افادیت کا یہ ہے کہ حبِ مال اور دولت پرستی جو ایک ایمان کش اور نہایت مہلک روحانی بیماری ہے، زکوٰۃ اس کا علاج اور اس کے گندے اور زہریلے اثرات سے نفس کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے۔ اسی بناء پر قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا . (سورۂ توبہ،۹:۱۰۳)

اے نبی (ﷺ)! آپ مسلمانوں کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجئے جس کے ذریعہ ان کے قلوب کی تطہیر اور ان کے نفوس کا تزکیہ ہو۔)

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى. (سورۃ اللیل)

اور اس آتش دوزخ سے نہایت متقی بندہ دور رکھا جائے گا جو اپنا مال راہ خدا میں اس لئے دیتا ہو کہ اس کی روح اور اس کے دل کو پاکیزگی حاصل ہو۔

بلکہ زکوٰۃ کا نام غالباً اسی پہلو سے زکوٰۃ رکھا گیا ہے، کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی ہی پاکیزگی کے ہیں۔

زکوٰۃ کا حکم اگلی شریعتوں میں

زکوٰۃ کی اس غیر معمولی اہمیت اور افادیت کی وجہ سے اس کا حکم اگلے پیغمبروں کی شریعتوں میں بھی نماز کے ساتھ ہی ساتھ برابر رہا ہے۔

سورۂ انبیاء میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ اور پھر ان کے صاحبزادے حضرت یعقوب علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عَابِدِيْنَ. (سورۂ انبیاء ۲۱:۳)

اور ہم نے ان کو حکم بھیجا نیکیوں کے کرنے کا (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا، اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مریم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم ۱۹:۵۵)

اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں۔

اور اسرائیلی سلسلے کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے

لوگوں سے فرمایا:

اِنِّیْ عَبْدُاللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيًّا ـ وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَيْنَمَا كُنْتُ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ـ (سورئہ مریم ۱۹:۳۱)

میں اللہ کا ایک بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور نبی بنایا ہے، اور جہاں کہیں میں ہوں مجھے اس نے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں گا مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کے ایمانی میثاق اور بنیادی احکام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی ادائیگی اور ان سے عہد لیا گیا تھا ان میں ایک حکم یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (بقرہ. ۲:۸۳)

اور نماز قائم کرتے رہنا اور زکوٰۃ ادا کیا کرنا۔

اسی طرح جہاں سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے اس عہد و میثاق کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ. (مائدہ ۵:۱۲)

اور اللہ نے فرمایا، میں (اپنی مدد کے ساتھ) تمہارے ساتھ ہوں اگر تم قائم کرتے رہے نماز، اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ، اور ایمان لاتے رہے میرے رسولوں پر۔

قرآن مجید کی ان آیات سے ظاہر ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ہمیشہ سے آسمانی شریعتوں کے خاص ارکان اور شعائر رہے ہیں، ہاں ان کے حدود اور تفصیلی احکام و تعینات میں فرق رہا، اور یہ فرق تو خود ہماری شریعت کے بھی ابتدائی اور آخری تکمیلی دور میں رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ پہلے نماز تین وقت کی تھی پھر پانچ وقت کی ہوگئی اور مثلاً یہ کہ پہلے ہر فرض نماز صرف دو رکعت پڑھی جاتی تھی پھر فجر کے علاوہ باقی چار وقتوں میں رکعتیں بڑھ گئیں، اور مثلاً یہ کہ ابتدائی دور میں نماز پڑھتے ہوئے سلام کلام کی اجازت تھی اس کے بعد اس کی ممانعت ہوگئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے مکہ کے زمانہ قیام میں زکوٰۃ کا حکم تھا۔ (چنانچہ سورۂ مؤمنون، سورۂ نمل، اور سورۂ لقمان) کی بالکل ابتدائی آیتوں میں اہل ایمان کی لازمی صفات کے طور پر اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر موجود ہے۔ حالانکہ یہ تینوں سورتیں مکی دور کی ہیں) لیکن اس دور میں زکوٰۃ کا مطلب صرف یہ تھا کہ اللہ کے حاجت مند بندوں پر اور خیر کی دوسری راہوں میں اپنی کمائی صرف کی جائے۔ نظام زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اس وقت نہیں آئے تھے وہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آئے۔ پس جن مؤرخین اور مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے بعد دوسرے سال میں یا اس کے بھی بعد میں آیا، اس کا مطلب غالباً یہی ہے کہ اس کی حدود و تعینات اور تفصیلی احکام اس وقت آئے، ورنہ زکوٰۃ کا مطلق حکم تو یقیناً اسلام کے ابتدائی دور میں ہجرت سے کافی پہلے آچکا تھا۔ یہ بات قرآن مجید کی محولہ بالا مکی سورتوں کی ان آیات کے علاوہ جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بھی ثابت ہوتی ہے جس میں انہوں نے حبشہ کی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی اس گفتگو کا

ذکر کیا ہے جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے سوال کے جواب میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے تعارف میں کی تھی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم کے بارے میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں:

وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ...... الخ "اور وہ ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں"۔

اور یہ معلوم ہے کہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ سے بہت پہلے اسلام کے ابتدائی دور میں حبشہ جا چکے تھے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق شاہ روم کے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق (اس وقت کے آپ ﷺ کے شدید دشمن) ابو سفیان کا یہ بیان کہ:

يَأْمُرُنَا بِا لصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَالصِّلَةِ وَالْعَفَافِ...... الخ

وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں، اور صلہ رحمی اور پاکدامنی کی ہدایت کرتے ہیں۔

اس کا واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ کے زمانہ قیام میں بھی نماز اور زکوٰۃ کی دعوت دیتے تھے..... ہاں نظام زکوٰۃ کے تفصیلی مسائل اور حدود و تعینات ہجرت کے بعد آئے، اور مرکزی طور پر اس کی تحصیل وصول کا نظام تو ۸ھ کے بعد قائم ہوا..... اس تمہید کے بعد زکوٰۃ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے۔

ایمان اور نماز کے بعد زکوٰۃ کی دعوت

١) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ اِنَّكَ تَاْتِىْ قَوْمًا اَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ اِلٰى شَهَادَةِ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلٰوَاتٍ فِى الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاَعْلِمْهُمْ اَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ فَاِنْ هُمْ اَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَاِيَّاكَ وَكَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ...... (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو (رخصت کرتے ہوئے ان سے) فرمایا کہ تم وہاں ایک صاحب کتاب قوم کے پاس پہنچو گے (جب تم ان کے پاس پہنچو) تو (سب سے پہلے) ان کو اس کی دعوت دینا کہ وہ (اس حقیقت کو مانیں اور) اس کی شہادت ادا کریں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو تم ان کو بتلانا کہ اس اللہ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو ان کو بتلانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض کی ہے جو ان میں کے مالداروں سے وصول کی جائے گی اور انہی میں کے فقراء اور غرباء کو دے دی جائے گی۔ پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو (زکوٰۃ کی اس وصولیابی کے سلسلے میں چھانٹ چھانٹ کے) ان کے

اچھے نفیس اموال لینے سے پرہیز کرنا (بلکہ اوسط کے حساب سے وصول کرنا، اور اس بارے میں کوئی ظلم و زیادتی کسی پر نہ کرنا) اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی روک نہیں ہے (وہ بلا روک ٹوک سیدھی بارگاہ خداوندی میں پہنچتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... یہ حدیث اگرچہ اس سلسلہ معارف الحدیث کی پہلی جلد کتاب الایمان میں گذر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کافی تفصیل سے کی جاچکی ہے لیکن امام بخاریؒ وغیرہ کے طریقے پر یہی مناسب معلوم ہوا کہ کتاب الزکوٰۃ کا آغاز بھی اسی حدیث سے کیا جائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی بنا کر بھیجنے کا یہ واقعہ جس کا ذکر اس حدیث میں ہے اکثر علماء اور اہل سیر کی تحقیق کے مطابق ۹ ھ کا ہے اور امام بخاریؒ اور بعض دوسرے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ۱۰ ھ کا واقعہ ہے۔ یمن میں اگرچہ اہل کتاب کے علاوہ بت پرست مشرکین بھی تھے، لیکن اہل کتاب کی خاص اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے ان کا ذکر کیا اور اسلام کی دعوت و تبلیغ کا یہ حکیمانہ اصول تعلیم فرمایا کہ اسلام کے سارے احکام و مطالبات ایک ساتھ مخاطبین کے سامنے نہ رکھے جائیں، اس صورت میں اسلام انہیں بہت کٹھن اور ناقابل برداشت بوجھ محسوس ہوگا، اس لئے پہلے ان کے سامنے اسلام کی اعتقادی بنیاد صرف توحید و رسالت کی شہادت رکھی جائے جس کو ہر معقولیت پسند اور ہر سلیم الفطرت اور نیک دل انسان آسانی سے ماننے پر آمادہ ہو سکتا ہے، خصوصاً اہل کتاب کے لئے وہ جانی بوجھی بات ہے...... پھر جب مخاطب کا ذہن اور دل اس کو قبول کر لے اور وہ اس فطری اور بنیادی بات کو مان لے تو اس کے سامنے فریضہ نماز رکھا جائے جو جانی، جسمانی اور زبانی عبادت کا نہایت حسین اور بہترین مرقع ہے اور جب وہ اس کو قبول کر لے تو اس کے سامنے فریضۂ زکوٰۃ رکھا جائے اور اس کے بارے میں خصوصیت سے یہ وضاحت کر دی جائے کہ یہ زکوٰۃ اور صدقہ اسلام کا داعی اور مبلغ تم سے اپنے لئے نہیں مانگتا بلکہ ایک مقررہ حساب اور قاعدے کے مطابق جس قوم اور علاقہ کے دولت مندوں سے یہ لی جائے گی اسی قوم اور علاقہ کے پریشان حال ضرورت مندوں میں خرچ کر دی جائے گی۔ دعوت اسلام کے بارے میں اس ہدایت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ تاکید بھی فرمائی کہ زکوٰۃ کی وصولی میں پورے انصاف سے کام لیا جائے، ان کے مویشی اور ان کی پیداوار میں بھی چھانٹ چھانٹ کے بہتر مال نہ لیا جائے۔

سب سے آخر میں نصیحت فرمائی کہ تم ایک علاقے کے حاکم اور والی بن کر جا رہے ہو، ظلم و زیادتی سے بہت بچنا، اللہ کا مظلوم بندہ جب ظالم کے حق میں بددعا کرتا ہے تو وہ سیدھی عرش پر پہنچتی ہے۔

بہ ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس حدیث میں دعوت اسلام کے سلسلے میں صرف شہادت توحید و رسالت، نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام کے دوسرے احکام حتیٰ کہ روزہ اور حج کا بھی ذکر نہیں فرمایا گیا ہے، جو نماز اور زکوٰۃ ہی کی طرح

اسلام کی ارکان خمسہ میں سے ہیں، حالانکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جس زمانہ میں یمن بھیجے گئے ہیں روزہ اور حج دونوں کی فرضیت کا حکم آچکا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد دعوت اسلام کے اصول اور حکیمانہ طریقے کی تعلیم دینا تھا اس لئے آپ ﷺ نے صرف ان تین ارکان کا ذکر فرمایا، اگر ارکان اسلام کی تعلیم دینا مقصود ہوتا تو آپ ﷺ سب ارکان کا ذکر فرماتے، لیکن حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کی تعلیم کی ضرورت نہیں تھی، وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو علم دین میں خاص امتیاز رکھتے تھے۔

زکوۃ ادا نہ کرنے کا عذاب

۲) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اٰتَاهُ اللهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ (يَعْنِىْ شِدْقَيْهِ) ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ.** (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرمائی پھر اس نے اس کی زکوۃ نہیں ادا کی تو وہ دولت قیامت کے دن اس آدمی کے سامنے ایسے زہریلے ناگ کی شکل میں آئے گی جس کے انتہائی زہریلے پن سے اس کے سر کے بال جھڑ گئے ہوں اور اس کی آنکھوں کے اوپر دو سفید نقطے ہوں (جس سانپ میں یہ دو باتیں پائی جائیں، وہ انتہائی زہریلا سمجھا جاتا ہے) پھر وہ سانپ اس (زکوۃ ادا نہ کرنے والے بخیل) کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا (یعنی اس کے گلے میں لپٹ جائے گا) پھر اس کی دونوں باچھیں پکڑے گا (اور کاٹے گا) اور کہے گا کہ میں تیری دولت ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں...... یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ...... (آل عمران ۳: ۱۸۰)

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس مال و دولت میں جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دیا ہے (اور اس کی زکوۃ نہیں نکالتے) کہ وہ مال و دولت ان کے حق میں بہتر ہے، بلکہ انجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے بدتر ہے اور شر ہے۔ قیامت کے دن ان کے گلوں میں طوق بنا کے ڈالی جائے گی وہ دولت جس میں انہوں نے بخل کیا (اور جس کی زکوۃ ادا نہیں کی)۔ (صحیح بخاری)

(اور جامع ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں قریب قریب یہی مضمون لفظوں کے معمولی فرق کیساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی مروی ہے۔)

تشریح...... قرآن و حدیث میں خاص خاص اعمال کی جو مخصوص جزائیں یا سزائیں بیان کی گئی ہیں ان اعمال اور ان کی ان جزاؤں اور سزاؤں میں ہمیشہ کوئی خاص مناسبت ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ ایسی واضح ہوتی ہے جس

کا سمجھنا ہم جیسے عوام کے لئے بھی زیادہ مشکل نہیں ہوتا اور کبھی کبھی وہ ایسی دقیق اور خفی مناسبت ہوتی ہے جس کو صرف خواص عرفاء اور امت کے اذکیاء ہی سمجھ سکتے ہیں...... اس حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے کے گناہ کی جو خاص سزا بیان ہوئی ہے یعنی اس دولت کا ایک زہریلے ناگ کی شکل میں اس کے گلے میں لپٹ جانا اور اس کی دونوں باچھوں کو کاٹنا یقیناً اس گناہ اور اس کی اس سزا میں بھی ایک خاص مناسبت ہے...... یہ وہی لطیف مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس بخیل آدمی کی جو حب مال کی وجہ سے اپنی دولت سے چمٹا رہے اور خرچ کرنے کے موقعوں پر خرچ نہ کرے، کہتے ہیں کہ وہ اپنی دولت اور اپنے خزانے پہ سانپ بنا بیٹھا رہتا ہے، اور اسی مناسبت کی وجہ سے بخیل و خسیس آدمی کبھی کبھی اس طرح کے خواب بھی دیکھتے ہیں۔

اس حدیث میں نیز آل عمران کی مندرجہ بالا آیت میں یوم القیمۃ کا جو لفظ ہے، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ عذاب دوزخ یا جنت کے فیصلے سے پہلے محشر میں ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے ایک خاص طبقہ کے اسی طرح کے ایک خاص عذاب کے بیان کے ساتھ آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں:

حَتّٰی یُقْضٰی بَیْنَ الْعِبَادِ فَیُرٰی سَبِیْلَهٗ اِمَّا اِلَی الْجَنَّةِ وَاِمَّا اِلَی النَّارِ

اس عذاب کا سلسلہ اس وقت تک ب ی رہے گا جب تک کہ حساب کتاب کے بعد بندوں کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اس فیصلے کے بعد یہ آدمی یا جنت کی طرف چلا جائے گا یا دوزخ کی طرح (جیسا بھی اس کے حق میں فیصلہ ہوگا۔)

یعنی جتنا عذاب و حساب وہ آخری فیصلہ سے پہلے اٹھا چکے گا اگر اس کی بداعمالی کی سزا کے لئے اللہ کے نزدیک وہی کافی ہوگا تو اس کے بعد اس کو چھٹی اور نجات مل جائے گی اور وہ جنت میں بھیج دیا جائے گا، اور اگر محشر کے اس عذاب سے اس کا حساب بے باق نہ ہوا ہوگا تو مزید سزا اور عذاب پانے کے لئے وہ دوزخ میں بھی بھیجا جائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا وَاغْفِرْلَنَا وَلَا تُعَذِّبْنَا۔

قیامت اور جنت دوزخ کے عذاب و ثواب کے بارے میں جو اصولی باتیں معارف الحدیث جلد اول میں لکھی جا چکی ہیں جن حضرات کی نظر سے نہ گزری ہوں وہ ان کا ضرور مطالعہ کریں، ان چیزوں کے بارے میں جو ذہنی الجھنیں بہت سوں کے لئے خلجان کا باعث بنتی ہیں، انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے دور ہو جائیں گی۔

۳) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَاخَالَطَتِ الصَّدَقَةُ مَالًا قَطُّ اِلَّا اَهْلَكَتْهُ**
(رواہ الشافعی والبخاری فی تاریخه والحمیدی فی مسنده)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ مال زکوٰۃ جب دوسرے مال میں مخلوط ہوگا تو ضرور اس کو تباہ کرد ے گا۔
(مسند شافعی، تاریخ کبیر بخاری، مسند حمیدی)

تشریح...... امام حمیدیؒ جو امام بخاریؒ کے استاد ہیں انہوں نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ

روایت نقل کر کے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آدمی پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ اس کو ادا نہ کرے تو بے برکتی سے اس کا باقی مال بھی تباہ ہو جائے گا۔[1]

اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب اور مصداق یہ ہے کہ اگر ایک غنی آدمی (جو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے) غلط طریقے پر زکوٰۃ وصول کر لے تو یہ زکوٰۃ اس کے باقی مال میں شامل ہو کر اس کو بھی تباہ کر دے گی...... راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں ان دونوں تشریحوں کی گنجائش ہے، اور ان دونوں میں کوئی تناقض اور منافات بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ مال کی تطہیر اور تزکیہ کا ذریعہ ہے

٤) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الْاٰيَةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ اَنَا اُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهُ كَبُرَ عَلٰى اَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكٰوةَ اِلَّا لِيُطِيْبَ مَابَقِىَ مِنْ اَمْوَالِكُمْ وَاِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ...... وَذَكَرَ كَلِمَةً ...... لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ...... ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ .** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب (سورۂ توبہ) کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ـ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ...... (توبہ ۹: ۳۴، ۳۵)

اور جو لوگ سونا چاندی (وغیرہ مال و دولت) بطور ذخیرے کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں حرچ نہیں کرتے، تو اے پیغمبر (ﷺ)! آپ ان (پرستاران دولت کو آخرت کے) دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (یہ عذاب انہیں اس دن ہو گا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے) کہا جائے گا کہ یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لئے جوڑا تھا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی دولت اندوزی کا۔

(تو جب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ذخیرے کے طور پر مال و دولت جمع کرنے والوں کے لئے آخرت کے سخت دردناک عذاب کی وعید ہے) تو صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس کا بہت بوجھ پڑا (اور وہ بڑی فکر میں پڑ گئے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں تمہاری اس فکر اور پریشانی کو دور کرنے کی کوشش کروں

[1] مسند حمیدی، شائع کردہ مجلس علمی (جلد اول) صفحہ ۱۱۵

گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! آپ کے اصحاب پر اس آیت کا بڑا بوجھ ہے...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ پاک نے زکوٰۃ تو اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کی ادائیگی کے بعد جو مال باقی رہ جائے وہ پاک ہو جائے...... اور (اسی طرح) میراث کا قانون اس لئے مقرر کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہاں ایک کلمہ آپؐ نے کہا تھا جو مجھے یاد نہیں رہا (لیکن میراث کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میراث کا قانون اسی لئے مقرر کیا گیا ہے کہ) تمہارے پسماندگان کے لئے سہارا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر خوشی میں) کہا اللہ اکبر۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میں تم کو وہ بہترین دولت بتاؤں جو اس کی مستحق ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے، اور قدر کے ساتھ رکھا جائے — وہ نیک خصلت اور صالح زندگی والی رفیقہ حیات ہے، جس کو آدمی دیکھے تو روح اور دل خوش ہو اور اس سے کسی کام کو کہے تو وہ اطاعت کرے اور اس کو انجام دے، اور جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر بار اور ہر امانت کی حفاظت کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... سورۂ توبہ کی جس آیت کا حدیث میں ذکر ہے جب وہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے ظاہری الفاظ اور انداز سے یہ سمجھا کہ اس کا مطلب اور مطالبہ یہ ہے کہ اپنی کمائی میں سے کچھ بھی پس انداز نہ کیا جائے اور دولت بالکل ہی جمع نہ کی جائے، جو ہو سب خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ بات انسانوں کے لئے بہت ہی بھاری اور بڑی دشوار ہے — حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمت کی اور رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں استفسار کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو مال و دولت جمع کریں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہ کریں، لیکن اگر زکوٰۃ ادا کی جائے تو پھر باقی مال حلال اور طیب ہو جاتا ہے...... آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اسی لئے فرض کی ہے کہ اس کے نکالنے سے باقی مال پاک ہو جائے — اس کے بعد آپ ﷺ نے مزید فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قانون میراث اس لئے رکھا ہے کہ آدمی کے اٹھ جانے کے بعد اس کے پسماندگان کے لئے ایک سہارا ہو...... اس جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی اشارہ فرمایا ہے کہ اگر پس انداز کرنا اور مال و دولت کا جمع کرنا مطلقاً منع ہوتا تو شریعت میں زکوٰۃ کا حکم اور میراث کا حکم ہی نہ ہوتا، کیونکہ شریعت کے ان دونوں حکموں کا تعلق جمع شدہ مال ہی سے ہے، اگر مال و دولت رکھنے کی بالکل اجازت نہ ہو تو زکوٰۃ اور میراث کا سوال ہی پیدا نہ ہو گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل سوال کے جواب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذہنی تربیت کے لئے ایک مزید بات یہ بھی فرمائی کہ مال و زر سے زیادہ کام آنے والی چیز جو اس دنیا میں دل کے سکون اور روح کی راحت کا سب سے بڑا سرمایہ ہے، اچھی صاحب صلاح، نیک سیرت اور اطاعت شعار رفیقہ حیات ہے، اس کی قدر مال و دولت سے بھی زیادہ کرو، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت سمجھو...... یہ بات آپؐ نے اس موقع پر اس لئے فرمائی کہ اس دور میں عورتوں کی بڑی ناقدری اور ان کے ساتھ بڑی بے

انصافی کی جاتی تھی۔

زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اور ضوابط

زکوٰۃ کی اجمالی اور بنیادی حقیقت تو یہی ہے کہ اپنی دولت اور اپنی کمائی میں سے اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کیا جائے...... (وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ) اور جیسا کہ عنقریب میں ہی ذکر کیا جاچکا ہے، اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں یہی مجمل حکم تھا۔ بعد میں اس کے تفصیلی احکام آئے اور ضوابط مقرر ہوئے۔ مثلاً یہ کہ مال کی کن اقسام پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ کم از کم کتنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، کتنی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوگی، کن کن راہوں میں وہ خرچ ہو سکے گی۔

اب وہ حدیثیں پڑھی جائیں جن میں زکوٰۃ کے یہ تفصیلی احکام اور ضوابط بیان فرمائے گئے ہیں۔

کم سے کم کتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہے؟

۵) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسَةِ اَوْسُقٍ مِنَ التَّمَرِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ اَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَّلَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ خَمْسِ ذُوْدٍ مِنَ الْاِبِلِ صَدَقَةٌ۔** (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ وسق سے کم کھجوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوٰۃ نہیں ہے، اور پانچ راس اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے............ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح...... عہد نبوی ﷺ میں خاص کر مدینہ طیبہ کے قرب و جوار میں جو لوگ خوش حال اور دولت مند ہوتے تھے ان کے پاس دولت زیادہ تر تین جنسوں میں سے کسی جنس کی صورت میں ہوتی تھی۔ یا تو ان کے باغوں کی پیداوار اور کھجوروں کی شکل میں، یا چاندی کی شکل میں، یا اونٹوں کی شکل میں...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ان تینوں جنسوں کا نصاب زکوٰۃ بیان فرمایا ہے۔ یعنی ان چیزوں کی کم سے کم کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی...... کھجوروں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ وسق سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک وسق قریباً چھ من ہوتا ہے، اس حساب سے پانچ وسق کھجوریں تیس من کے قریب ہوں گی...... اور چاندی کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ایک اوقیہ چاندی چالیس درہم کے برابر ہوتی ہے، اس بناء پر پانچ اوقیہ دو سو درہم کے برابر ہوگی۔ جس کا وزن مشہور قول کی بناء پر ساڑھے باون تولے ہوتا ہے۔ اور اونٹوں کے بارے میں آپ ﷺ نے بتایا کہ پانچ راسوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اس حدیث میں صرف ان ہی تین جنسوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کا کم سے کم نصاب بیان فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ پانچ وسق (۳۰ من) کھجوریں ایک مختصر گھرانے کے سال بھر کے گذارے کے لئے کافی ہو جاتی ہیں، اسی طرح دو سو درہم میں سال بھر کا خرچ چل سکتا ہے اور مالیت کے لحاظ سے قریب قریب یہی حیثیت پانچ اونٹوں کی ہوتی ہے، اس لئے مقدار کے مالک کو خوش حال اور صاحب مال قرار دے کر زکوٰۃ واجب کر دی گئی ہے۔ [1]

٦) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَّةِ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَاِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑوں میں اور غلاموں میں زکوٰۃ واجب نہیں کی گئی ہے۔ پس ادا کرو زکوٰۃ چاندی کی ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور ۱۹۹ درہم تک میں کچھ واجب نہیں ہے اور جب دو سو پورے ہو جائیں تو ان میں سے پانچ درہم واجب ہوں گے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... گھوڑے اور غلام اگر کسی کے پاس تجارت کے لئے ہوں تو حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی آگے درج ہونے والی حدیث کے مطابق ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ سواری کے لئے اور خدمت کے لئے ہوں تو خواہ ان کی قیمت کتنی ہی ہو ان پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں غلاموں اور گھوڑوں پر زکوٰۃ واجب نہ ہونے کا جو بیان ہے اس کا تعلق اسی صورت میں سے ہے..... آگے چاندی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک کسی کے پاس پورے دو سو درہم برابر چاندی نہ ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو گی اور دو سو درہم کے بقدر ہو جانے پر (۱/۴۰) کے حساب سے پانچ درہم ادا کرنے ہوں گے۔

اموال تجارت پر زکوٰۃ

۷) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُنَا اَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِىْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ...... (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ہم کو حکم تھا کہ ہم ہر اس چیز میں زکوٰۃ نکالیں جو ہم نے بیع و فروخت (یعنی تجارت) کیلئے مہیا کی ہو (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس مال کی بھی تجارت اور سوداگری کرے اس پر زکوٰۃ واجب

---

[1] حضرات علماء کرام کے لئے یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ اب جب کہ ان تینوں نصابوں کی مالیت میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے اور سونے اور چاندی کی قیمت میں بھی بہت بڑا فرق ہے اور قریباً دنیا کے سب ملکوں میں سکہ کاغذی نوٹوں کی شکل میں ہے اور حکومتیں اپنے سکوں کی قیمت میں مختلف عوامل کے تحت کمی بیشی کرتی رہتی ہیں، تو ان حالات میں وجوب زکوٰۃ کا کم سے کم نصاب کس اصول پر متعین کیا جائے۔

ہو گی۔

سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو گی

۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَفَادَ مَالًا فَلَا زَكٰوةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی کو کسی راہ سے مال حاصل ہو تو اس پر اس کی زکوٰۃ اس وقت تک واجب نہیں ہو گی جب تک اس مال پر سال نہ گزر جائے۔ (جامع ترمذی)

زیورات پر زکوٰۃ کا حکم

۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَاَةً اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ بِابْنَةٍ لَّهَا فِيْ يَدِ ابْنَتِهَا مُسْكَتَانِ غَلِيْظَتَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ اَتُعْطِيْنَ زَكٰوةَ هٰذَا؟ قَالَتْ لَا، قَالَ اَيَسُرُّكِ اَنْ يُّسَوِّرَكِ اللّٰهُ بِهِمَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سِوَارَيْنِ مِنَ النَّارِ فَخَلَعَتْهُمَا فَاَلْقَتْهُمَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَتْ هُمَا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ — (رواه ابوداؤد وغیره من اصحاب السنن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک خاتون اپنی ایک لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس لڑکی کے ہاتھوں میں سونے کے موٹے اور بھاری کنگن تھے۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: تم ان کنگنوں کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ: میں اس کی زکوٰۃ تو نہیں دیتی! آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے لئے یہ بات خوشی کی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کنگنوں کی (زکوٰۃ نہ دینے کی) وجہ سے قیامت کے دن آگ کے کنگن پہنائے؟ اللہ کی اس بندی نے وہ دونوں کنگن ہاتھوں سے اتار کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے ڈال دیئے اور عرض کیا کہ: اب یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

۱۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْبَسُ اَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَكَنْزٌ هُوَ؟ فَقَالَ مَابَلَغَ اَنْ تُؤَدّٰى زَكٰوتُهٗ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ — (رواه مالك و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں سونے کے "اوضاح" (ایک خاص زیور کا نام ہے) پہنتی تھی۔ میں نے ان کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) سے دریافت کیا کہ: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ بھی اس "کنز" میں داخل ہے (جس پر سورۂ توبہ کی آیت وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ الاٰية میں دوزخ کی وعید آئی ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مال اتنا ہو جائے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہو، پھر حکم کے مطابق اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے تو "کنز" نہیں ہے۔ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح...... ان حدیثوں ہی کی بنیاد پر امام ابو حنیفہؒ سونے چاندی کے زیورات پر (اگر وہ بقدر نصاب ہوں) زکوٰۃ

فرض ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسرے ائمہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک زیورات پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں فرض ہے جب وہ تجارت کے لئے ہوں، یا مال کو محفوظ کرنے کے لئے بنوائے گئے ہوں، لیکن جو زیورات صرف استعمال اور آرائش کے لئے ہوں، ان ائمہ کے نزدیک ان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے بھی مختلف رہی ہے۔ لیکن احادیث سے زیادہ تائید امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مسلک کی ہوتی ہے۔ اسی لئے بعض شافعی المسالک علماء محققین نے بھی اس مسئلہ میں حنفی مسلک کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے یہی رویہ اختیار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر نصوص اسی کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

زکوٰۃ پیشگی بھی ادا کی جا سکتی ہے

۱۱) **عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهٖ قَبْلَ اَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهٗ فِيْ ذٰلِكَ۔** (رواہ ابوداؤد والترمذی و ابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پیشگی اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو اس کی اجازت دے دی۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

زکوٰۃ اور صدقات کے مستحقین

۱۲) **عَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَبَايَعْتُهٗ فَذَكَرَ حَدِيْثًا طَوِيْلًا. فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اَعْطِنِيْ مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَّلَا غَيْرِهٖ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ هُوَ فَجَزَّاَهَا ثَمَانِيَةَ اَجْزَاءٍ فَاِنْ كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْاَجْزَاءِ اَعْطَيْتُكَ.** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ سے بیعت کی...... زیاد نے اس موقع پر ایک طویل حدیث ذکر کی اور اسی سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں اس وقت ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ مجھے عنایت فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف کو نہ تو کسی نبی کی مرضی پر چھوڑا ہے اور نہ کسی غیر نبی کی مرضی پر، بلکہ خود ہی فیصلہ فرمادیا ہے اور ان کے آٹھ حصے (یعنی آٹھ قسمیں) کر دی ہیں تو اگر تم ان قسموں میں سے کسی قسم کے آدمی ہو تو میں زکوٰۃ میں سے تم کو دے دوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں مصارف زکوٰۃ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس حکم کا حوالہ دیا ہے وہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں مذکور ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ. (سورۂ توبہ ۹: ۶۰)

زکوٰۃ بس حق ہے مفلسوں اور محتاجوں کا اور اس کی تحصیل وصول کا کام کرنے والوں کا اور مؤلفۃ القلوب کا، نیز وہ صرف کی جاسکتی ہے غلاموں کو آزادی دلانے اور ان کی گلوخلاصی کرانے میں اور ان لوگوں کی مدد میں جو قرض وغیرہ کی مصیبت میں مبتلا ہوں، اور (اسی طرح) مجاہدوں اور مسافروں کی مدد میں۔

فقراء یعنی عام غریب اور مفلس لوگ...... فقیر عربی زبان میں غنی کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے وہ تمام غریب لوگ اس میں آجاتے ہیں جو غنی نہیں ہیں (یعنی جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔) شریعت میں غناء کا معیار یہی ہے۔ کتاب الزکوٰۃ کے بالکل شروع میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد ہوا ہے تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَاءِ هِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَاءِ هِمْ۔

مساکین وہ حاجت مند جن کے پاس اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کچھ نہ ہو اور بالکل خالی ہاتھ ہوں۔

عاملین یعنی زکوٰۃ کی تحصیل وصول کرنے والا عملہ ...... یہ لوگ اگر بالفرض غنی بھی ہوں جب بھی ان کی محنت اور ان کے وقت کا معاوضہ زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہی دستور تھا۔

مؤلفۃ القلوب ایسے لوگ جنکی تالیف قلب اور دلجوئی اہم دینی وملی مصالح کے لئے ضروری ہو، وہ اگر دولت مند بھی ہوں تب بھی اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی مد سے ان پر خرچ کیا جاسکتا ہے۔

رقاب یعنی غلاموں اور باندیوں کی آزادی اور گلوخلاصی...... اس مد میں بھی زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔

غارمین جن لوگوں پر کوئی ایسا مالی بار آپڑا ہو، جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت و قوت نہ ہو، جیسے اپنی مالی حیثیت سے زیادہ قرض کا بوجھ یا کوئی دوسرا مالی تاوان...... ان لوگوں کی مدد بھی زکوٰۃ سے کی جاسکتی ہے۔

فی سبیل اللہ علماء اور ائمہ کے نزدیک اس سے مراد دین کی نصرت و حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سلسلے کی ضروریات ہیں۔

ابن السبیل اس سے مراد وہ مسافر ہیں جنہیں مسافرت میں ہونے کی وجہ سے مدد کی ضرورت ہو۔

زیاد بن حارث صدائی کی اس حدیث میں جن صاحب کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ زکوٰۃ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت فرما دیجئے! انہیں جواب دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف خود ہی مقرر فرما دیئے ہیں، اگر تم ان میں سے

کسی طبقہ میں داخل ہو تو میں دے سکتا ہوں، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر مجھے یہ حق اور اختیار نہیں ہے کہ اس مد میں سے تم کو کچھ دے سکوں...... (یہاں صرف حدیث کی تشریح اور تفہیم کے لئے مصارف کا مختصر بیان کر دیا گیا ہے۔ تفصیلی مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جائیں، یا علماء و اصحاب فتویٰ سے دریافت کئے جائیں۔)

۱۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَیْسَ الْمِسْكِیْنُ الَّذِیْ یَطُوْفُ عَلَی النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنِ الْمِسْكِیْنَ الَّذِیْ لَایَجِدُ غَنِیً یُغْنِیْهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْهِ وَلَا یَقُوْمُ فَیَسْاَلُ النَّاسَ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصلی مسکین (جس کی صدقہ سے مدد کرنی چاہئے) وہ آدمی نہیں ہے جو (مانگنے کے لئے) لوگوں کے پاس آتا جاتا ہے (در در پھرتا ہے اور سائلانہ چکر لگاتا ہے) اور ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں (جب اس کے ہاتھ میں رکھ دی جاتی ہیں تو) لے کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ بلکہ اصل مسکین وہ بندہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورتیں پوری کرنے کا سامان بھی نہیں ہے، اور (چونکہ وہ اپنے اس حال کو لوگوں سے چھپاتا ہے اس لئے) کسی کو اس کی حاجت مندی کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ صدقہ سے اس کی مدد کی جائے، اور نہ وہ چل پھر کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ وہ پیشہ ور سائل اور گداگر جو در در پھر کر لوگوں سے مانگتے ہیں، اصلی مسکین اور صدقہ کے اصلی مستحق نہیں ہیں، بلکہ صدقہ کے لئے ایسے باعفت ضرورت مندوں کو تلاش کرنا چاہئے جو شرم و حیا اور عفت نفس کی وجہ سے لوگوں پر اپنی حاجت مندی ظاہر نہیں کرتے اور کسی سے سوال نہیں کرتے...... یہی لوگ اصل مسکین ہیں۔ جن کی خدمت اور مدد نہایت مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔

۱۴) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ.**
(رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زکوٰۃ حلال نہیں ہے غنی (مالدار) کو اور توانا و تندرست کو۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی)

۱۵) **عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِیِّ بْنِ الْخَیَارِ قَالَ اَخْبَرَنِیْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَیَا النَّبِیَّ ﷺ وَهُوَفِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ یَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَاَ لَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِیْنَا النَّظَرَ وَخَفَّضَهٗ فَرَاٰنَا جَلْدَیْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَیْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِیْهَا لِغَنِیٍّ وَّلَا لِقَوِیٍّ مُكْتَسِبٍ.** (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: عبیداللہ بن عدی بن الخیار تابعی نقل کرتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ اس وقت زکوٰۃ کے اموال تقسیم فرما رہے تھے، تو ہم دونوں نے بھی اس میں سے کچھ مانگا، آپ ﷺ نے نظر اٹھا کر ہمیں اوپر سے نیچے تک دیکھا، تو آپ ﷺ نے ہم کو تندرست و توانا محسوس کیا، پھر فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دے دوں (مگر یہ سمجھ لو کہ) ان

اموال میں مالداروں کا اور ایسے تندرست و توانا لوگوں کا حصہ نہیں ہے جو اپنی معاش کمانے کے قابل ہوں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... ان دونوں حدیثوں میں غنی سے مراد غالباً وہ آدمی ہے جس کے پاس اپنے کھانے، کپڑے جیسی ضروریات کے لئے کچھ سامان موجود ہو اور اسے فی الحال ضرورت نہ ہو، ایسے آدمی کو اگر وہ مالک نصاب نہیں ہے زکوٰۃ دی جائے، تو اگرچہ ادا ہو جائے گی، لیکن خود اس آدمی کو زکوٰۃ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اسی طرح جو آدمی تندرست و توانا ہو اور محنت کر کے روزی کما سکتا ہو اس کو بھی زکوٰۃ لینے سے بچنا چاہئے...... عام ضابطہ یہی ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اسی عام ضابطہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے- لیکن خاص حالات میں ایسے لوگوں کو بھی زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ اسی لئے عبیداللہ بن عدی والی دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے ان دونوں صاحبوں سے یہ بھی فرمایا کہ: "اگر تم لینا چاہو تو میں دے دوں گا۔" "اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا"

زکوٰۃ و صدقات اور خاندان نبوت

۱۶) عَنْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِىَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ صدقات لوگوں کے مال و دولت کا میل کچیل ہیں، اور وہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کے لئے حلال نہیں ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں زکوٰۃ و صدقات کو میل کچیل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ جس طرح میل کچیل نکل جانے کے بعد کپڑا ظاہری نظر میں صاف ہو جاتا ہے اسی طرح زکوٰۃ نکلنے کے بعد باقی مال عنداللہ اور باطنی نظر میں پاک ہو جاتا ہے- اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال زکوٰۃ کے استعمال سے پرہیز ہی کیا جائے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور قیامت تک کے واسطے اپنے اہل خاندان بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ کو ناجائز قرار دے دیا۔

۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِىُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِى الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْلَا اَنِّىْ اَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَاَكَلْتُهَا. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ گزر رہے تھے، راستے میں پڑی ہوئی ایک کھجور آپ ﷺ نے دیکھی تو فرمایا کہ اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی ہو تو میں اس کو اٹھا کے کھا لیتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس موقع پر آپ ﷺ کا یہ فرمانا دراصل لوگوں کو یہ سبق دینے کے لئے تھا کہ اگر اللہ کا رزق اور اس کی کوئی نعمت (اگرچہ کیسی ہی کم حیثیت اور کم قیمت ہو) کہیں گری پڑی نظر آئے تو اس کا احترام اور اس کی قدر کی جائے اور اس سے وہ کام لیا جائے جس کے لئے اللہ نے وہ بنائی ہے۔ اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بتا

کے کہ: ”میں اس کو اس لئے نہیں کھا سکتا کہ شاید یہ زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے گر گئی ہو۔“ مشکوک اور مشتبہ چیزوں کے استعمال کرنے سے پرہیز اور احتیاط کا سبق بھی اہل تقویٰ کو دے دیا ہے۔

۱۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِيْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ كَخْ كَخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ اَمَا شَعُرْتَ اَنَّا لَا نَاْكُلُ الصَّدَقَةَ.** (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے (اپنے بچپن میں) زکوٰۃ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا: کخ کخ (اخ اخ) تا کہ وہ اس کو منہ سے نکال دیں اور تھوک دیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگ (بنی ہاشم) زکوٰۃ نہیں کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اُتِیَ بِطَعَامٍ سَاَلَ عَنْهُ اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ؟ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِاَصْحَابِهٖ كُلُوْا وَلَمْ يَاْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهٖ فَاَكَلَ مَعَهُمْ -** (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ ﷺ کے پاس لاتا تو آپ ﷺ اس کے بارے میں دریافت فرماتے کہ: یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے، تو آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے (یعنی ان اصحاب رضی اللہ عنہم سے جن کے لئے صدقہ کھانے میں کوئی مضائقہ نہ ہوتا، جیسے کہ اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم) فرما دیتے کہ تم لوگ کھاؤ، اور خود اس میں سے نہ کھاتے -اور اگر آپ ﷺ کو بتایا جاتا کہ یہ کھانا ہدیہ تو آپ ﷺ بھی اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور ان اصحاب رضی اللہ عنہم کیساتھ اس کے کھانے میں شرکت فرماتے۔
(صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح ...... کسی شخص کو غریب اور ضرورت مند سمجھ کر اعانت و امداد کے طور پر ثواب کی نیت سے جو کچھ دیا جائے وہ شریعت کی اصطلاح میں صدقہ کہلاتا ہے، خواہ وہ فرض و واجب ہو، جیسے زکوٰۃ یا صدقہ فطر، یا نفلی ہو (جس کو ہماری زبان میں امداد اور خیرات کہا جاتا ہے)...... (اور اگر عقیدت اور تعلق و محبت کی وجہ سے اور اس کے تقاضے سے کسی اپنے محترم اور محبوب کی خدمت میں کچھ پیش کیا جائے تو وہ ہدیہ کہلاتا ہے...... صدقہ میں دینے والے کی پوزیشن اونچی اور بلند ہوتی ہے اور بے چارے لینے والی کی نیچی اور پست، اس لئے رسول اللہ ﷺ کسی قسم کا صدقہ استعمال نہیں فرماتے تھے...... اور ہدیہ دینے والا اس کے ذریعے احترام و عقیدت اور تعلق و محبت کا اظہار کرتا ہے اور اس کو اپنی ذاتی ضرورت سمجھتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ اس کو خوشی سے قبول فرماتے تھے، پیش کرنے والے کو دعائیں دیتے تھے، اور بسا اوقات اپنی طرف سے اس کو ہدیہ دے کر اس کی مکافات بھی کرتے تھے [1] ...... اور جب کوئی صدقہ کے طور پر کچھ لاتا تو وہ اپنے اصحاب

[1] صحیح بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ يُثِيْبُ عَلَيْهَا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، اور ہدیہ پیش کرنے والے کو خود بھی ہدیے دیتے تھے۔)

مستحقین کو دے دیتے تھے۔

۲۰) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِیْ مَخْزُوْمٍ عَلَی الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِاَبِیْ رَافِعٍ اِصْحَبْنِیْ کَیْمَا تُصِیْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰی اٰتِیَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَسْاَلَهٗ فَانْطَلَقَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَاتَحِلُّ لَنَا وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.

(رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اس مخزومی نے ابورافع سے کہا: تم بھی میرے ساتھ چلو، تاکہ تمہیں بھی (حق المحنت کے طور پر) اس میں سے کچھ مل جائے جس طرح مجھے ملے گا۔ ابورافع نے ان سے کہا کہ: جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت نہ کرلوں تمہارے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اس کے بعد ابورافع حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ہمارے گھر اور ہمارے خاندان کے لئے زکوٰۃ میں سے کچھ لینا جائز نہیں ہے، اور کسی گھرانے کے غلام بھی انہی میں سے ہیں (اس لئے ہماری طرح تمہارے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داود، سنن نسائی)

تشریح...... اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اہل خاندان کے لئے زکوٰۃ حلال نہیں ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے خاندان والوں کے غلاموں کے لئے بھی حلال نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آزاد ہونے کے بعد بھی وہ زکوٰۃ فنڈ سے کچھ نہیں لے سکتے...... دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ کی تحصیل وصول کی اجرت اور حق المحنت کے طور پر اسی زکوٰۃ میں سے ہر عامل کو دیا جاسکتا ہے (حتیٰ کہ عامل اگر اپنے گھر کا دولت مند ہو اور خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو، تب بھی اس کو بطور اجرت زکوٰۃ سے دیا جاتا ہے) لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والوں اور ان کے غلاموں کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے...... ایک تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ نے اور اسلامی قانون نے غلاموں کو اس زمانہ میں جب دنیا میں ان کی کوئی بھی حیثیت نہیں تھی کتنا بلند درجہ دیا تھا، اور قانونی مالکوں کی خاندانی خصوصیات تک میں ان کو کس حد تک شریک کر دیا تھا۔

کن حالات میں سوال کرنے کی اجازت ہے اور کن حالات میں ممانعت

حضرات محدثین "کتاب الزکوٰۃ" ہی میں وہ حدیثیں بھی درج کرتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ کن حالات میں سوال کرنے کی ممانعت ہے اور کن حالات میں اجازت ہے۔ ان کے اس طریقے کی پیروی میں اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں بھی وہ حدیثیں یہیں درج کی جاتی ہیں:

۲۱) عَنْ حُبْشِیِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِیٍّ وَّلَا لِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍّ اِلَّا لِذِیْ فَقْرٍ مُّدْقِعٍ اَوْ غُرْمٍ مُّفْظِعٍ وَمَنْ سَاَلَ النَّاسَ لِیُثْرِیَ بِهٖ مَالَهٗ کَانَ خُمُوْشًا فِیْ

وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَرَضْفًا يَّاْكُلُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سوال کرنا جائز نہیں ہے غنی آدمی کو اور نہ توانا و تندرست آدمی کو۔ البتہ ایسے آدمی کو جائز ہے جس کو ناداری و افلاس نے زمین پر گرادیا ہو، یا جس پر قرض یا کسی تاوان وغیرہ کا کوئی بھاری بوجھ پڑ گیا ہو، اور جو آدمی (محتاجی کی وجہ سے نہیں بلکہ) اپنے مال میں اضافہ کے لئے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور سوال کرے تو قیامت کے دن اس کا یہ سوال اس کے چہرے پر ایک زخم اور گھاؤ کی شکل میں نمایاں ہوگا، اور جہنم کا گرم جلتا ہوا پتھر ہوگا جس کو وہاں وہ کھائے گا......... اس کے بعد جس کا جی چاہے سوال کم کرے اور جس کا جی چاہے زیادہ کرے (اور آخرت میں اس کا یہ نتیجہ بھگتے)...... (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں بھی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث (نمبر ۱۴) کی طرح غنی سے مراد وہ آدمی ہے جو فی الحال محتاج اور ضرورت مند نہ ہو (اگرچہ وہ صاحب نصاب اور سرمایہ دار بھی نہ ہو) ایسے آدمی کو اور اس تندرست و توانا آدمی کو جو محنت کر کے اپنی روزی کما سکتا ہو، اس حدیث میں سوال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ عام ضابطہ اور مسئلہ یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرنا چاہئے۔ ہاں اگر افلاس و ناداری نے کسی کو بالکل ہی گرادیا ہو اور سوال کے سوا اس کے سامنے کوئی راہ نہ ہو، یا کسی کو کوئی جرمانہ یا تاوان یا قرض ادا کرنا ہو اور وہ دوسروں سے امداد لئے بغیر اس کو ادا نہ کر سکتا ہو تو ان صورتوں میں اس کو سوال کرنے کی اجازت ہے...... آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص ضرورت مندی اور محتاجی کی مجبوری سے نہیں بلکہ اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے گا اس کو قیامت میں اس کی سزا یہ دی جائے گی کہ اسکے چہرے پر ایک بدنما گھاؤ ہوگا...... اور جو کچھ اسنے سوال کر کے لوگوں سے لیا تھا وہ وہاں جہنم کا گرم پتھر بنادیا جائے اور وہ اسے کھانے پر مجبور ہوگا۔

۲۲) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ اَمْوَالَهُمْ تَكَثُّرًا فَاِنَّمَا يَسْاَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ اَوْلِيَسْتَكْثِرْ — (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو کوئی (حاجت سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ) زیادہ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے مانگتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے لئے جہنم کا انگارہ مانگتا ہے (یعنی جو کچھ اس طرح سوال کر کے وہ حاصل کرے گا وہ آخرت میں اس کے لئے دوزخ کا انگارہ بن جائے گا)...... اب خواہ اس میں کمی کرے، یا زیادتی کرے۔ (صحیح مسلم)

۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَاَلَ النَّاسَ وَلَهٗ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَسْئَلَتُهٗ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ اَوْ خُدُوْشٌ اَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُغْنِيْهِ؟ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا اَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ. (رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی وابن ماجہ و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایسی حالت

میں لوگوں سے سوال کرے کہ اس کے پاس "ما يغنيه" ہو (یعنی اتنا موجود ہو جو اس کے لئے کافی ہو، اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہ رہے) تو وہ قیامت کے دن محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس کا سوال اس کے چہرے میں ایک گھاؤ کی صورت میں ہوگا (خموش) خدوش، کدوخ۔ یہ تینوں لفظ قریب المعنی ہیں، ان کے معنی زخم کے ہیں۔ غالباً راوی کو شک ہو گیا ہے کہ اصل حدیث میں ان تینوں میں سے کون سا لفظ تھا...... آگے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کا یہ ارشاد سن کر آپؐ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کتنی مقدار ہے جس کو آپ نے "ما يغنيه" فرمایا ہے (اور جس کے بعد وہ دوسروں کا محتاج اور دست نگر نہیں رہتا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پچاس درہم، یا ان کی قیمت کا سونا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے قریب مالیت موجود ہو، جسے وہ اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتا ہو اور کسی کاروبار میں لگا سکتا ہو اس کے لئے سوال کرنا گناہ ہے، اور ایسا شخص قیامت میں اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر اس ناجائز سوال کی وجہ سے بد نما داغ ہو گا۔

اس حدیث میں اس غنا کا معیار جس کے ہوتے ہوئے سوال جائز نہیں، پچاس درہم کی مالیت کو قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم کی مالیت کا بھی ذکر ہے...... اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی بڑا فرق نہیں ہے لیکن سنن ابی داؤد کی ایک اور حدیث میں جو سہل بن الحنظلیہ سے مروی ہے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: ما الغنى الذي لا تنبغي معه المسئلة (غنا کی وہ کیا مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: قدر ما يغديه ويعشيه (اتنا کہ اس سے دن کا کھانا کھا سکے اور رات کا کھانا کھا سکے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس ایک دن کے کھانے بھر بھی ہے تو اس کو سوال کرنا درست نہیں۔

وہ غنا جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس کا معیار تو متعین ہے اور اس کے متعلق حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں، لیکن وہ غنا جس کے حاصل ہوتے ہوئے سوال نہیں کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے مختلف اوقات میں اس کے معیار مختلف بیان فرمائے ہیں۔ شارحین حدیث نے اس اختلاف کی توجیہ کئی طرح سے کی ہے۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے اقرب بات یہ ہے کہ یہ اختلاف اشخاص اور احوال کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بعض حالات اور اشخاص ایسے ہو سکتے ہیں کہ تھوڑا بہت اثاثہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لئے سوال کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن اگر یہ اثاثہ (۴۰، ۵۰) درہم کے قریب ہو تو پھر بالکل گنجائش نہیں...... اور بعض حالات اور اشخاص ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے پاس اگر ایک دن کے کھانے کے لئے بھی کچھ ہو تو ان کے لئے سوال کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح اس اختلاف کو رخصت و عزیمت کے فرق پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہ جن احادیث میں (۴۰، ۵۰) درہم کی مالیت کو معیار بتایا گیا ہے ان میں رخصت اور فتوے کا بیان ہے، اور جن میں ایک دن کے کھانے بھر ہونے کی صورت میں بھی سوال سے منع کیا گیا ہے وہ عزیمت اور تقوے کا مقام ہے۔ واللہ اعلم

سوال میں بہر حال ذلت ہے

۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کا اور مانگنے سے پرہیز کرنے کا ذکر کرتے ہوئے بر سر منبر ایک دن فرمایا: اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا ہوتا ہے اور نیچے والا ہاتھ لینے والا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ دینے والے کا مقام اونچا اور عزت کا ہے، اور مانگنے والے کا نیچا اور ذلت کا۔ اس لئے مؤمن کو دینے والا بننا چاہئے اور سوال کی ذلت سے اپنے کو حتی الامکان بچانا ہی چاہئے۔

اگر سوال کرنا ناگزیر ہو تو اللہ کے نیک بندوں سے کیا جائے

۲۵) عَنِ ابْنِ الْفَرَاسِيِّ اَنَّ الْفَرَاسِيَّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَسْأَلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَاوَاِنْ كُنْتَ لَابُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ. (رواه ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: ابن الفراسی تابعی اپنے والد فراسی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: میں اپنی ضرورت کے لئے لوگوں سے سوال کر سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (جہاں تک ہو سکے) سوال نہ کرو، اور اگر تم سوال کے لئے مجبور ہی ہو جاؤ تو اللہ کے نیک بندوں سے سوال کرو۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اپنی حاجت بندوں کے سامنے نہ رکھو، اللہ کے سامنے رکھو

۲۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَاَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ اَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ اَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنَا اِمَّابِمَوْتٍ عَاجِلٍ اَوْغِنًى اٰجِلٍ. (رواه ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور اسے اس نے بندوں کے سامنے رکھا (اور ان سے مدد چاہی) تو اسے اس مصیبت سے مستقل نجات نہیں ملے گی، اور جس آدمی نے اسے اللہ کے سامنے رکھا اور اس سے دعا کی، تو پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی اس کی یہ حاجت ختم کر دے گا، یا تو جلدی موت دے کر (اور اگر اس کی موت کا مقرر وقت آ گیا ہو) یا کچھ تاخیر سے خوشحالی دے کر۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

بندوں سے سوال نہ کرنے پر جنت کی ضمانت

۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَايَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ

فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَايَسْئَالُ اَحَدًا شَيْئًا— (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا: جو مجھ سے اس بات کا عہد کرے کہ وہ اللہ کے بندوں سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگے گا تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: حضرت (ﷺ)! میں یہ عہد کرتا ہوں...... راوی کا بیان ہے کہ اس وجہ سے حضرت ثوبان کا یہ دستور تھا کہ وہ کسی آدمی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

اگر بغیر سوال اور طمع نفس کے کچھ ملے تو اس کو لے لینا چاہئے

۲۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْطِيْنِيْ الْعَطَاءَ فَاَقُوْلُ اَعْطِهِ اَفْقَرَ اِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَ كَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَ اَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَّلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ - (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) کبھی مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ: حضرت (ﷺ)! کسی ایسے آدمی کو دے دیجئے جس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہو؟ تو آپ (ﷺ) فرماتے کہ عمر اس کو لے لو اور اپنی ملکیت بنالو (پھر چاہو تو) صدقہ کے طور پر کسی حاجت مند کو دے دو (اور اپنا یہ اصول بنالو کہ) جب کوئی مال تمہیں اس طرح ملے کہ نہ تو تم نے اس کے لئے سوال کیا اور نہ تمہارے دل میں اس کی چاہت اور طمع ہو (تو اس کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر) لے لیا کرو، اور جو مال اس طرح تمہارے پاس نہ آئے تو اس کی طرف توجہ بھی نہ کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جب تک محنت سے کما سکتے ہو سوال نہ کرو

۲۹) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَاْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّسْئَلَ النَّاسَ اَعْطَوْهُ اَوْمَنَعُوْهُ.

(رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت زبیر بن العوام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی ضرورت مند) آدمی کا یہ رویہ کہ وہ رسی لے کر جنگل جائے اور لکڑیوں کا ایک گٹھا اپنی کمر پر لاد کے لائے اور بیچے، اور اس طرح اللہ کی توفیق سے وہ سوال کی ذلت سے اپنے کو بچالے، اس سے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے سوال کا ہاتھ پھیلائے پھر خواہ وہ اس کو دیں یا نہ دیں۔ (صحیح بخاری)

۳۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْأَلُهٗ فَقَالَ اَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْئٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهٗ وَنَبْسُطُ بَعْضَهٗ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ اِئْتِنِيْ بِهِمَا فَاَتَاهُ بِهِمَا فَاَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ وَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِيْ هٰذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ اَوْثَلٰثًا قَالَ رَجُلٌ اَنَا اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَاَعْطَاهُمَا اِيَّاهُ فَاَخَذَ

الدِّرْهَمَيْنِ فَاَعْطَا هُمَا الْاَنْصَارِيَّ وَقَالَ اِشْتَرِ بِاَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ اِلٰى اَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْاٰخَرِ قَدُوْمًا فَاْتِنِيْ بِهٖ فَاَتَاهُ بِهٖ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عُوْدًا بِيَدِهٖ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا اُرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهٗ وَقَدْ اَصَابَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرٰى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْءَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ الْمَسْئَلَةَ لَاتَصْلُحُ اِلَّا لِثَلٰثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ اَوْلِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ اَوْلِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ — (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک (مفلس اور غریب شخص) انصار میں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور (اپنی حاجت مندی ظاہر کر کے) آپ ﷺ سے کچھ مانگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا تمہارے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے؟ انہوں نے عرض کیا: پس ایک کمبل ہے جس میں سے کچھ ہم اوڑھ لیتے ہیں اور کچھ بچھا لیتے ہیں، اور ایک پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ (باقی بس اللہ کا نام ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہی دونوں چیزیں میرے پاس لے آؤ۔ انہوں نے وہ دونوں لا کر آپ ﷺ کو دے دیں۔ آپؐ نے وہ کمبل اور پیالہ ہاتھ میں لیا، اور (نیلام کے طریقے پر) حاضرین سے فرمایا: کون ان دونوں چیزوں کو خریدنے پر تیار ہے؟ ایک صاحب نے عرض کیا: حضرت! میں ایک درہم میں ان کو لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ایک درہم سے زیادہ لگاتا ہے (یہ بات آپؐ نے دو دفعہ یا تین دفعہ فرمائی) ایک دوسرے صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! میں یہ دو درہم میں لے سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان صاحب کو دے دیں اور ان سے دو درہم لے لئے اور ان انصاری کے حوالے کئے اور ان سے فرمایا کہ: ان میں سے ایک کا تو تم کھانے کا کچھ سامان (غلہ وغیرہ) لے کر اپنی بیوی بچوں کو دے دو، اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید و اور اس کو میرے پاس لے کر آؤ۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس کلہاڑی میں لکڑی کا ایک دستہ خوب مضبوط لگا دیا، اور ان سے فرمایا: جاؤ اور جنگل کی لکڑیاں لا کر بیچو، اور اب میں پندرہ دن تک تم کو نہ دیکھوں (یعنی دو ہفتہ تک یہی کام کرو اور میرے پاس آنے کی بھی کوشش نہ کرو) چنانچہ وہ صاحب چلے گئے اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق جنگل کی لکڑیاں لا لا کر بیچتے رہے۔ پھر ایک دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنی محنت اور لکڑی کے اس کاروبار میں دس بارہ درہم کما لئے تھے جن میں کچھ کا انہوں نے کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اپنی محنت سے یہ کمانا تمہارے لئے اس سے بہت ہی بہتر ہے کہ قیامت کے دن لوگوں سے مانگنے کا داغ تمہارے چہرے پر ہو۔ (پھر آپ ﷺ نے فرمایا) سوال کرنا صرف تین قسم کے آدمیوں کے لئے درست ہے: ایک وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے زمین سے لگا دیا ہو اور بالکل لاچار کر دیا ہو۔ دوسرے وہ جس پر قرض یا کسی ڈنڈ کا بھاری بوجھ ہو (جس کی ادائیگی اس کے امکان میں نہ ہو) تیسرے وہ جس کو کوئی خون بہا ادا کرنا ہو اور وہ اسے ادا نہ کر سکتا ہو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ افسوس! جس پیغمبر کی یہ ہدایت اور یہ طرز عمل تھا، اس کی امت میں پیشہ ور سائلوں اور گداگروں کا ایک طبقہ موجود ہے، اور کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو عالم یا پیر بن کر معزز قسم کی گداگری کرتے ہیں۔ یہ لوگ سوال اور گداگری کے علاوہ فریب دہی اور دین فروشی کے بھی مجرم ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ مالی صدقات

(۳۱) **عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. الْاٰيَةَ......** (رواه الترمذى وابن ماجة والدرمى)

ترجمہ: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (اللہ کا) حق ہے۔" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ...... الْاٰيَةَ (البقرہ ۲: ۱۷۷)

اصل نیکی اور بھلائی (کا معیار) یہ نہیں ہے کہ (عبادت میں) تم مشرق کی طرف اپنا رخ کرو، یا مغرب کی طرف، بلکہ اصل نیکی کی راہ بس ان لوگوں کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر اور جنہوں نے مال کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کیا قرابت داروں پر اور یتیموں، مسکینوں پر اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزادی دلانے میں اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز اور ادا کی زکوٰۃ...... الخ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح...... حدیث کا مقصد و منشاء یہ ہے کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ مقررہ زکوٰۃ (یعنی فاضل سرمایہ کا چالیسواں حصہ) ادا کر دینے کے بعد آدمی پر اللہ کا کوئی مالی حق اور مطالبہ باقی نہیں رہتا اور وہ اس سلسلہ کی ہر قسم کی ذمہ داریوں سے بالکل سبکدوش ہو جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ خاص حالات میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اللہ کے ضرورت مند بندوں کی مدد کی ذمہ داری دولت مندوں پر باقی رہتی ہے۔ مثلاً ایک صاحب ثروت آدمی حساب سے پوری زکوٰۃ ادا کر چکا ہو، اس کے بعد اسے معلوم ہو کہ اس کے پڑوس میں فاقہ یا اس کا فلاں قریبی رشتہ دار سخت محتاجی کی حالت میں ہے، یا کوئی شریف مصیبت زدہ مسافر ایسی حالت میں اسکے پاس پہنچے جس کو فوری امداد کی ضرورت ہو تو ایسی صورتوں میں ان ضرورتمندوں، محتاجوں کی امداد اس پر واجب ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی اور بطور استشہاد سورۂ بقرہ کی مندرجہ بالا آیات تلاوت فرمائی۔ اس آیت میں اعمال بر (نیکی کے کاموں) کے ذیل میں ایمان کے بعد یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں وغیرہ حاجت مند طبقوں کی مالی مدد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اقامت صلوٰۃ اور اداء زکوٰۃ کا بھی ذکر کیا گیا

ہے -اس سے معلوم ہوا کہ ان کمزور اور ضرورت مند طبقوں کی مالی مدد کا جو ذکر یہاں کیا گیا ہے وہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مستقلاً ذکر اس آیت میں آگے موجود ہے۔

امیر غریب ہر مسلمان کے لئے صدقہ لازم ہے

۳۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْهِ فَیَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَاالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفَ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْهُ قَالَ فَیَاْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ – (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ: اگر کسی آدمی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے دست و بازو سے محنت کرے اور کمائے- پھر اس سے خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ نہ کر سکتا ہو تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی پریشان حال محتاج کا کوئی کام کر کے اس کی مدد ہی کر دے (یہ بھی ایک طرح کا صدقہ ہے)۔ عرض کیا گیا کہ: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اپنی زبان ہی سے لوگوں کو بھلائی اور نیکی کے لئے کہے -لوگوں نے عرض کیا: اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے تو کیا کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (کم از کم) شر سے اپنے کو روکے (یعنی اس کا اہتمام کرے کہ اس سے کسی کو تکلیف اور ایذا نہ پہنچے) یہ بھی اس کے لئے ایک طرح کا صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں پر دولت اور سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ان کو بھی صدقہ کرنا چاہئے۔ اگر روپیہ پیسہ سے ہاتھ بالکل خالی ہو تو محنت مزدوری کر کے اور اپنا پیٹ کاٹ کر صدقہ کی سعادت حاصل کرنی چاہئے -اگر اپنے خاص حالات کی وجہ سے کوئی اس سے بھی مجبور ہو تو کسی پریشان حال کی خدمت ہی کر دے، اور ہاتھ پاؤں سے کسی کا کام نہ کر سکے تو زبان ہی سے خدمت کرے..... حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، طاقتور اور توانا ہو یا ضعیف اس کے لئے لازم ہے کہ دامے، درمے، قدمے، سخنے جس طرح اور جس قسم کی بھی مدد اللہ کے حاجت مند بندوں کی کر سکے ضرور کرے، اور اس سے دریغ نہ کرے۔

صدقہ کی ترغیب اور اس کی برکات

۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا بْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْكَ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ: ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے

آدمؑ کے فرزند! تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانہ سے تجھ کو دیتا رہوں گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے کہ جو بندہ اس کے ضرورت مند بندوں کی ضرورتوں پر خرچ کرتا رہے گا اس کو اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب سے ملتا رہے گا...... اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو یقین کی دولت سے نوازا ہے ہم نے دیکھا کہ ان کا یہی معلوم ہے اور انکے ساتھ انکے رب کریم کا یہی معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اس یقین کا کوئی حصہ نصیب فرمائے۔

فائدہ...... پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات بیان فرمائیں اور وہ قرآن مجید کی آیت نہ ہو، اس حدیث کو "حدیث قدسی" کہا جاتا ہے، یہ حدیث بھی اسی قسم کی ہے۔

۳۴) عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْفِقِىْ وَلَا تُحْصِىْ فَيُحْصِى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَلَا تُوْعِىْ فَيُوْعِى اللّٰهُ عَلَيْكِ اِرْضَخِىْ مَااسْتَطَعْتِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: تم اللہ کے بھروسہ پر اس کی راہ میں کشادہ دستی سے خرچ کرتی رہو اور گنو مت (یعنی اس فکر میں نہ پڑو کہ میرے پاس کتنا ہے اور اس میں کتنا راہ خدا میں دوں) اگر تم اس کی راہ میں اس طرح حساب کر کے دو گی تو وہ بھی تمہیں حساب ہی سے دے گا (اور اگر بے حساب دو گی تو وہ بھی تم پر اپنی نعمتیں پر بے حساب انڈیلے گا) اور دولت جوڑ جوڑ کر اور بند کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ یہی معاملہ کرے گا (کہ رحمت اور برکت کے دروازے تم پر خدانخواستہ بند ہو جائیں گے) لہٰذا تھوڑا بہت کچھ ہو سکے اور جس کی توفیق ملے راہ خدا میں کشادہ دستی سے دیتی رہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۳۵) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَنْ تَبْذُلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَّكَ وَاَنْ تُمْسِكَهٗ شَرٌّ لَّكَ وَلَا تُلَامُ عَلٰى كَفَافٍ وَابْدَءْ بِمَنْ تَعُوْلُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے آدمؑ کے فرزندو! اللہ کی دی ہوئی دولت جو اپنی ضرورت سے فاضل ہو اس کا راہ خدا میں صرف کر دینا تمہارے لئے بہتر ہے اور اس کا روکنا تمہارے لئے برا ہے، اور ہاں گزارے کے بقدر رکھنے پر کوئی ملامت نہیں۔ اور سب سے پہلے ان پر خرچ کرو جن کی تم پر ذمہ داری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کا پیغام یہ ہے کہ آدمی کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو دولت وہ کمائے یا کسی ذریعہ سے اس کے پاس آئے اس میں سے اپنی زندگی کی ضرورت کے بقدر تو اپنے پاس رکھے باقی راہ خدا میں اس کے بندوں پر خرچ کرتا رہے، اور اس پر پہلا حق ان لوگوں کا ہے جن کا اللہ نے اس کو ذمہ دار بنایا ہے اور جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے۔ مثلاً اس کے اہل و عیال اور حاجت مند قریبی اعزہ وغیرہ۔

جو راہ خدا میں خرچ کر دیا جائے وہی باقی اور کام آنے والا ہے

٣٦) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهُمْ ذَبَحُوْا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَابَقِيَ مِنْهَا؟ قَالَتْ مَابَقِيَ مِنْهَا اِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ مِنْهَا غَيْرُ كَتِفِهَا ...... (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بکری ذبح کی گئی (اور اس کا گوشت للہ تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور) آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ: بکری میں سے کیا باقی رہا؟ حضرت عائشہ ﷺ نے عرض کیا کہ: صرف ایک دست اس کی باقی رہی ہے (باقی سب ختم ہو گیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس دست کے علاوہ جو للہ تقسیم کر دیا گیا در اصل وہی سب باقی ہے اور کام آنے والا ہے (یعنی آخرت میں انشاء اللہ اس کا اجر ملے گا۔) (جامع ترمذی)

انفاق کے بارے میں اصحاب یقین و توکل کی راہ

٣٧) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْكَانَ لِيْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِيْ اَنْ لَايَمُرَّ عَلَيَّ ثَلٰثُ لَيَالٍ وَعِنْدِيْ مِنْهُ شَيْئٌ اِلَّا شَيْئٌ اَرْصُدُهُ لِدَيْنٍ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو میرے لئے بڑی خوشی کی بات یہ ہوگی کہ تین راتیں گزرنے سے پہلے اس کو راہ خدا میں خرچ کر دوں اور میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے سوائے اس کے کہ میں قرض ادا کرنے کے لئے اس میں سے کچھ بچالوں۔ (صحیح بخاری)

٣٨) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰى بِلَالٍ وَّعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمَرٍ فَقَالَ مَاهٰذَا يَابِلَالُ؟ قَالَ شَيْئٌ اِدَّخَرْتُهُ لِغَدٍ فَقَالَ اَمَا تَخْشٰى اَنْ تَرٰى لَهُ بُخَارًا فِيْ نَارِجَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پہنچے اور دیکھا کہ ان کے پاس چھواروں کا ایک ڈھیر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو آئندہ کے لئے ذخیرہ بنایا ہے (تاکہ مستقبل میں روزی کی طرف سے ایک گونہ اطمینان رہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: بلال! کیا تمہیں اس کا ڈر نہیں ہے کہ کل قیامت کے دن آتش دوزخ میں تم اس کی تپش اور سوزش دیکھو۔ اے بلال! جو ہاتھ پاس آئے اس کو اپنے پر اور دوسروں پر خرچ کرتے رہو اور عرش عظیم کے مالک سے قلت کا خوف نہ کرو (یعنی یقین رکھو کہ جس طرح اس نے یہ دیا ہے آئندہ بھی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا، اس کے خزانہ میں کیا کمی ہے، اس لئے کل کے لئے ذخیرہ رکھنے کی فکر نہ کرو۔) (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حضرت بلال رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ والی متوکلانہ زندگی کا

طریقہ اپنایا تھا۔ ان کے لئے مستقبل کے واسطے غذا کا ذخیرہ کرنا بھی مناسب نہ تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے یہ بات بالکل جائز ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو بھی اس سے روکا تھا کہ وہ اپنا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دیں اور گھر والوں کے لئے کچھ نہ رکھیں...... لیکن صحابہ میں سے جن حضرات نے رسول اللہ ﷺ اور اصحاب صفہ والی خالص توکل کی راہ اپنائی تھی ان کے لئے اس طرز عمل کی گنجائش نہ تھی...... ع

"جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے"

حدیث کے آخری فقرے میں اشارہ ہے...... کہ اللہ کا جو بندہ خیر کی راہوں میں ہمت کے ساتھ صرف کرے گا...... وہ اللہ تعالیٰ کی عطا میں کبھی کمی نہ پائے گا!

جو دولت مند کشادہ دستی سے راہ خدا میں صرف نہ کریں بڑے خسارے میں ہیں

۳۹) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ انْتَهَیْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ جَالِسٌ فِیْ ظِلِّ الْکَعْبَةِ فَلَمَّا رَاٰنِیْ قَالَ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ وَرَبِّ الْکَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْاَکْثَرُوْنَ اَمْوَالًا اِلَّا مَنْ قَالَ هٰکَذَا وَهٰکَذَا وَهٰکَذَا مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ وَعَنْ شِمَالِهٖ وَقَلِیْلٌ مَاهُمْ۔**

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت کعبہ کے سائے میں اور اس کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا: رب کعبہ کی قسم! وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! کون لوگ ہیں جو بڑے خسارے میں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ جو بڑے دولت مند اور سرمایہ دار ہیں، ان میں سے وہی لوگ خسارے سے محفوظ ہیں جو اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں (ہر طرف خیر کے مصارف میں) اپنی دولت کشادہ دستی کے ساتھ صرف کرتے ہیں...... مگر دولت مندوں اور سرمایہ داروں میں ایسے بندے بہت کم ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فقر کی زندگی اختیار کر رکھی تھی اور ان کے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے یہی ان کے لئے بہتر تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب وہ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے اطمینان خاطر کے لئے بیان فرمایا کہ: دولت مندی اور سرمایہ داری جو بظاہر بڑی نعمت ہے دراصل کڑی آزمائش بھی ہے اور صرف وہی بندے اس میں کامیاب ہو سکتے ہیں جو اس سے دل نہ لگائیں اور پوری کشادہ دستی کے ساتھ دولت کو خیر کے مصارف میں خرچ کریں، جو ایسا نہ کریں گے وہ انجام کار بڑے خسارے میں رہیں گے۔

صدقہ کے خواص اور برکات

۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ اللہ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... جس طرح دنیا کی مادی چیزوں جڑی بوٹیوں تک کے خواص اور اثرات ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں کے اچھے برے اعمال اور اخلاق کے بھی خواص اور اثرات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں صدقہ کی دو خاصیتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اگر بندے کی کسی بڑی لغزش اور معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضی کے اس کی رضا اور رحمت کا مستحق بن جاتا ہے اور دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بری موت سے آدمی کو بچاتا ہے (یعنی صدقہ کی برکت سے اس کا خاتمہ اچھا ہوتا ہے) دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس طرح کی موت سے بچاتا ہے جس کو دنیا میں بری موت سمجھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۴۱) عَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِىْ بَعْضُ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ صَدَقَتُهٗ. (رواه احمد)

ترجمہ: مرثد بن عبداللہ تابعی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ قیامت کے دن مؤمن پر اس کے صدقہ کا سایہ ہوگا۔ (مسند احمد)

تشریح...... حدیثوں میں بہت سے اعمال صالحہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن یہ اعمال سایہ کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس حدیث میں صدقہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت میں اس کی ایک برکت یہ ظاہر ہوگی کہ صدقہ کرنے والے کے لئے اس کا صدقہ سائبان بن جائے گا جو اس دن کی تپش اور تمازت سے اس کو بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین اور اس کے مطابق عمل نصیب فرمائے۔

صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی بلکہ برکت ہوتی ہے:

۴۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَانَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللّٰهُ بِعَفْوٍ اِلاَّ عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی (بلکہ اضافہ ہوتا ہے) اور قصور معاف کر دینے سے آدمی نیچا نہیں ہوتا بلکہ اس کو سر بلند کر دیتا ہے — اور اس کی عزت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور جو بندہ اللہ کے لئے فروتنی اور خاکساری کا رویہ اختیار کرے اللہ

تعالیٰ اس کو رفعت اور بالاتری بخشے گا۔ (صحیح مسلم)

۴۳) **عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ یَانَبِیَّ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ الصَّدَقَةَ مَا هِیَ قَالَ اَضْعَافٌ مُضَاعَفَةٌ وَعِنْدَاللّٰهِ الْمَزِیْدُ.** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! بتائیے کہ صدقہ کیا ہے؟ (یعنی اللہ کی طرف سے اس کا کیا اجر ملنے والا ہے؟) آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ: چند در چند (یعنی جتنا کوئی اللہ کی راہ میں صدقہ کرے اس کا کئی گنا اس کو ملے گا) اور اللہ کے ہاں بہت ہے۔ (مسند احمد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کی راہ میں جتنا صدقہ کرے گا اس کو اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ دوسری بعض احادیث میں دس گنے سے سات سو گنے تک کا ذکر ہے اور یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے گا۔ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَاءُ..... اس کا خزانہ لاانتہاء ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ صدقہ کے عوض میں کئی گنا تو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں عطا فرماتا ہے، اور اس کا صلہ جو آخرت میں عطا فرمایا جائے گا وہ اس سے بہت زیادہ ہو گا۔

اللہ کے بندوں کا یہ عام تجربہ ہے کہ اللہ پر یقین اور اعتماد کرتے ہوئے وہ اخلاص کے ساتھ جتنا اس کی راہ میں اس کے بندوں پر صرف کرتے ہیں اس کا کئی گنا اللہ تعالیٰ ان کو اس دنیا ہی میں عطا فرما دیتا ہے، ہاں اخلاص اور یقین شرط ہے۔

ضرورتمندوں کو کھلانے پلانے اور پہنانے کا اجر و ثواب

۴۴) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّمَا مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰی عُرًی کَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ خُضَرِ الْجَنَّةِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَیُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰی مُسْلِمًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ** — (رواہ ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس مسلم نے کسی دوسرے مسلم بھائی کو جس کے پاس کپڑا نہیں تھا، پہننے کو کپڑا دیا، اللہ تعالیٰ اس کو جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس مسلم بھائی نے دوسرے مسلم بھائی کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا، اور جس مسلم نے پیاس کی حالت میں دوسرے مسلم بھائی کو پانی پلایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سر بمہر شراب طہور پلائے گا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۴۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا مِنْ مُسْلِمٍ کَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا اِلَّا کَانَ فِیْ حِفْظِ اللّٰهِ مَادَامَ عَلَیْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ.**

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے

تھے: جس بندے نے کسی مسلم کو کپڑا پہنایا وہ یقیناً اس وقت تک اللہ کے حفظ وامان میں رہے گا جب تک کہ اس کے جسم پر اس کپڑے میں سے کچھ بھی رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

۴۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ اَوَّلُ مَاقَالَ يَااَيُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ. (رواه الترمذی وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تو میں (آپ ﷺ کو دیکھنے سمجھنے کے لئے) آپؐ کے پاس آیا، جب میں نے غور سے آپ ﷺ کا روئے انور دیکھا تو پہچان لیا (اور بلا کسی شک و شبہ کے جان لیا) کہ یہ ہرگز کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سب سے پہلی جو بات فرمائی وہ یہ تھی کہ: "اے لوگو! آپس میں سلام کی خوب اشاعت کرو اور رواج دو (یعنی ہر ایک دوسرے کو سلام کیا کرے اس سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں اور تعلق بڑھتا ہے) اور (اللہ کے بندوں کو خاص کر ان کو جو ضرورت مند ہوں) کھانا کھلاؤ، اور آپس میں صلہ رحمی کرو (یعنی قرابت کے حقوق ادا کرو) اور رات کو جس وقت لوگ پڑے سوتے ہیں اللہ کے حضور میں نماز پڑھو، ایسا کرو گے تو سلامتی کے ساتھ جنت میں جاؤ گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

بھوکے پیاسے جانوروں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ ہے

۴۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطْشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَلَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ اِنَّ لَنَافِى الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِىْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍرَطْبَةٍ اَجْرٌ...... (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدچلن عورت اس عمل پر بخش دی گئی کہ وہ ایک کنوئیں کے پاس سے گزری اور اس نے دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے (اور اس کی حالت ایسی ہے کہ) گویا وہ پیاس سے مر ہی جائے گا (اس عورت کے دل میں ترس آیا۔ وہاں پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کچھ موجود نہیں تھا) اس نے اپنا چمڑے کا موزہ پاؤں سے نکالا اور (کسی طرح اس کو) اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (محنت مشقت کر کے) اسی کے ذریعہ کنوئیں سے پانی نکال کر اس کو پلایا، وہ عورت اپنے اسی عمل کی وجہ سے بخش دی گئی...... کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! کیا جانوروں کے کھلانے پلانے میں بھی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! ہر حساس جانور (جس کو بھوک پیاس کی تکلیف ہوتی ہو) اس کو کھلانے پلانے میں اجر و ثواب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۴۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْطَيْرٌ اَوْبَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسلمان بندہ کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس درخت یا اس کھیتی سے جو پھل اور جو دانہ کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا کوئی چوپایہ کھائے گا وہ اس بندہ کے لئے صدقہ اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ کی بندوں کو زحمت سے بچانے کا صلہ جنت

۴۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ** ...... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: اللہ کا کوئی بندہ کسی راستے پر چلا جا رہا تھا جس پر کسی درخت کی ایک شاخ تھی (جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی) اس بندے نے اپنے جی میں کہا کہ میں اس شاخ کو یہاں سے الگ کر کے راستہ صاف کروں گا تاکہ بندگان خدا کو تکلیف نہ ہو (پھر اس نے ایسا ہی کیا) تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنت میں بھیج دیا گیا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... بعض اعمال بظاہر بہت چھوٹے اور معمولی ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی وہ دل کی ایسی کیفیت اور ایسے خدا پرستانہ جذبہ کے ساتھ صادر ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بڑا قیمتی اور محبوب ہوتا ہے، اس کی وجہ سے ارحم الراحمین کا دریائے رحمت جوش میں آجاتا ہے، پھر اس بندے کے سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے مغفرت اور داخلۂ جنت کا فیصلہ فرما دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی مندرجہ بالا حدیث میں ایک پیاسے کتے کو پانی پلانے والی ایک بد چلن عورت کی مغفرت کی جو خوشخبری دی گئی ہے اور اس حدیث میں راستے سے ایک درخت کی صرف شاخ ہٹا دینے پر ایک آدمی کے داخلہ جنت کی جو بشارت سنائی گئی ہے اس کا راز یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

کس وقت کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے

۵۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلْ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: کس صدقہ کا ثواب زیادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: زیادہ ثواب کی صورت یہ ہے کہ تم ایسی حالت میں صدقہ کرو جب کہ تمہاری تندرستی قائم ہو اور تمہارے اندر دولت کی چاہت اور اس کو اپنے پاس رکھنے کی حرص ہو، اس حالت میں (راہ خدا میں مال خرچ کرنے سے) تمہیں محتاجی کا خطرہ ہو، اور دولت مندی کی دل میں آرزو ہو (ایسے وقت میں اللہ کی رضا کے لئے اپنا مال خرچ کرنا سچی خدا پرستی اور خدا طلبی کی دلیل ہے اور ایسے صدقہ کا ثواب بہت بڑا ہے۔) اور ایسا نہ ہونا چاہئے کہ تم سوچتے رہو اور ٹالتے رہو، یہاں تک

کہ جب موت کا وقت آجائے اور جان کھنچ کر حلق میں آجائے تو تم مال کے بارے میں وصیت کرنے لگو کہ اتنا فلاں کو اور اتنا فلاں کو، حالانکہ اب تو مال (تمہاری ملکیت سے نکل کر) فلاں فلاں کا (یعنی وارثوں) کا ہو ہی جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... انسانوں کی یہ عام کمزوری ہے کہ جب تک وہ تندرست و توانا ہوتے ہیں اور موت سامنے نہیں کھڑی ہوتی، وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں۔ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر ہم نے راہ خدا میں خرچ کیا تو ہمارے پاس کمی ہو جائے گی، ہم خود تنگدست اور محتاج ہو جائیں گے۔ اس لئے ان کا ہاتھ نہیں کھلتا، لیکن جب موت سامنے آجاتی ہے اور زندگی کی امید باقی نہیں رہتی تو انہیں صدقہ یاد آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: یہ طرز عمل ٹھیک نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں محبوب اور مقبول صدقہ وہ ہے جو بندہ تندرستی اور توانائی کی ایسی حالت میں کرے کہ اس کے سامنے اپنے مسائل اور اپنا مستقبل بھی ہو اس کے باوجود وہ اللہ کی رضاجوئی کے لئے اور آخرت کے ثواب کی امید میں اور رب کریم کے وعدوں پر یقین و اعتماد کرتے ہوئے اسی حالت میں ہاتھ کھول کر اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پہ خرچ کرے۔ ایسے بندوں کے لئے قرآن مجید میں فلاح کا وعدہ ہے۔ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے

اپنے اہل و عیال کی ضروریات پر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم و بیش خرچ تو سب ہی کرتے ہیں لیکن اس خرچ کرنے سے لوگوں کو وہ روحانی خوشی حاصل نہیں ہوتی جو اللہ کے نیک بندوں کو دوسرے ضرورت مندوں اور مساکین و فقراء پر صدقہ کرنے سے ہوتی ہے، کیونکہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو لوگ کار ثواب نہیں سمجھتے، بلکہ اس کو مجبوری کا ایک تاوان، یا نفس کا ایک تقاضا سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ اپنے اہل و عیال اور اعزہ و اقارب پر بھی لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے خرچ کرنا چاہئے، اس صورت میں جو خرچ اس مد میں ہوگا وہ سب صدقہ کی طرح آخرت کے بینک میں جمع ہوگا، بلکہ دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے زیادہ اس کا ثواب ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم سے ہمارے لئے خیر و سعادت کا ایک بہت بڑا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب ہم جو کچھ اپنے بیوی بچوں کے کھانے، کپڑے پر، حتیٰ کہ ان کے جوتوں پر جائز حدود میں خرچ کریں وہ ایک طرح کا "صدقہ" اور کار ثواب ہوگا۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اس ذہن سے اور اس نیت سے خرچ کریں۔

(۵۱) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلٰى اَهْلِهٖ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهٗ صَدَقَةً — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی صاحب ایمان بندہ اپنے اہل و عیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا (اور وہ عند اللہ ثواب کا

مستحق ہوگا۔)۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۲) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ؟ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ.**
(رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: یارسول اللہ! کونسا صدقہ افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ صدقہ افضل ترین صدقہ ہے جو غریب آدمی اپنی محنت کی کمائی سے کرے اور پہلے ان پر خرچ کرو جن کے تم ذمہ دار ہو (یعنی اپنے بیوی بچوں پر)۔
(سنن ابی داؤد)

۵۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عِنْدِیْ دِيْنَارٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرٌ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی اَهْلِكَ قَالَ عِنْدِی اٰخَرَ قَالَ اَنْفِقْهُ عَلٰی خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِیْ اٰخَرُ قَالَ اَنْتَ اَعْلَمُ.** (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: میرے پاس ایک دینار ہے (بتائیے کہ میں وہ کہاں خرچ کروں اور کس کو دے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: (سب سے مقدم یہ ہے) کہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی اولاد کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کو اپنی بیوی کی ضروریات پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: پھر اس کو اپنے غلام اور خادم پر صرف کردو۔ اس نے کہا کہ: اس کے لئے میرے پاس اور ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم زیادہ واقف ہو (کہ تمہارے اہل قرابت میں کون زیادہ ضرورت مند اور مستحق ہے)۔　(سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... غالباً ان صاحب کے ظاہری حال سے رسول اللہ ﷺ نے یہ اندازہ کیا تھا کہ یہ خود ضرورت مند اور تنگ حال ہیں اور ان کے پاس بس ایک دینار ہے اور یہ اس کو ثواب آخرت اور اللہ کی رضا کے لئے کہیں خرچ کرنا چاہتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ مؤمن بندہ جو کچھ اپنی ضرورتوں پر خرچ کرے یا اپنے بیوی بچوں اور غلاموں پر (جن کی اس پر ذمہ داری ہے) خرچ کرے وہ سب بھی صدقہ اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا وسیلہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو بالترتیب یہ مشورہ دیا۔ عام اصول اور حکم یہی ہے کہ آدمی پہلے ان حقوق اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرے جن کا وہ ذاتی اور شخصی طور پر ذمہ دار ہے اس کے بعد آگے بڑھے۔ ہاں وہ خاصان خدا جن کو توکل و اعتماد علی اللہ کا بلند مقام حاصل ہو اور ان کے اہل و عیال کو بھی اس دولت میں سے حصہ ملا ہو ان کے لئے یہ صحیح ہے کہ خود فاقہ سے رہیں، پیٹوں پہ پتھر باندھیں اور گھر میں جو کھانا ہو وہ دوسرے اہل حاجت کو کھلادیں۔ خود رسول اللہ ﷺ اور خواص صحابہ کا حال اور طرز عمل یہی تھا۔ یوثرون علی انفسهم ولو كان بهم خصاصة۔ (سورۃ الحشر)

اہل قرابت پر صدقہ کی خاص فضیلت

۵۴) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی اجنبی مسکین کو اللہ کے لئے کچھ دینا صرف صدقہ ہے اور اپنے کسی عزیز قریب (ضرورت مند) کو اللہ کے لئے کچھ دینے میں دو پہلو ہیں اور دو طرح کا ثواب ہے، ایک یہ کہ وہ صدقہ ہے اور دوسرے یہ کہ وہ صلہ رحمی ہے (یعنی حق قرابت کی ادائیگی ہے) جو بجائے خود بڑی نیکی ہے ...... (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ، سنن دارمی)

۵۵) عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَصَدَّقْنَ يَامَعْشَرَ النِّسَاء وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ اِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْئَلْهُ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَاِلَّا صَرَفْتُهَا اِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ بَلْ اِئْتِيْهِ اَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَاِذَا امْرَاءَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبِرْهُ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ اَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى اَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى اَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ هُمَا قَالَ اِمْرَاَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ اِمْرَاَةُ عَبْدِاللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ لَهُمَا اَجْرَانِ اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک خطبہ میں خاص طور سے عورتوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ: اے خواتین! تم کو چاہئے کہ راہ خدا میں صدقہ کیا کرو، اگرچہ تم کو اپنے زیورات میں سے دینا پڑے (آگے زینب بیان کرتی ہیں کہ) میں نے جب حضور ﷺ کا یہ ارشاد سنا تو میں اپنے شوہر عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور میں نے ان سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم عورتوں کو خاص طور سے صدقہ کی تاکید فرمائی ہے (اور میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس جو کچھ ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے کی سعادت حاصل کروں) اور تم بھی تنگ حال اور خالی ہاتھ ہو، اب تم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کرو (کہ اگر میں تم کو ہی دے دوں تو کیا میرا صدقہ ادا ہو جائے گا) اگر میرا تم کو دینا صحیح ہو تو میں تم ہی کو دے دوں گی، ورنہ دوسرے ضرورت مند پر خرچ کر دوں گی...... کہتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود نے مجھ سے کہا کہ: تم خود ہی جا کر حضور ﷺ سے دریافت کرو۔ تو میں خود گئی، وہاں پہنچی تو دیکھا کہ انصار میں سے ایک عورت آپ ﷺ کے دروازے پر کھڑی اور اس کی غرض بھی وہی ہے جو میری غرض ہے (یعنی وہ بھی یہی مسئلہ معلوم کرنے کے لئے حاضر

ہوئی تھی)۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص ہیبت دی تھی (جس کی وجہ سے ہر ایک کو آپ ﷺ سے دو بدو بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اس لئے ہمیں خود آپ کے قریب پہنچ کر پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی) اتنے میں (آپ کے خاص خادم اور مؤذن) حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ ہم دونوں نے ان سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیجئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ اگر وہ اپنے ضرورت مند شوہروں اور یتیموں پر جو خود ان کی گود میں پرورش پارہے ہیں صدقہ کریں تو کیا یہ صدقہ ادا ہو جائے گا (اور ہم کو اس صدقہ کا ثواب ملے گا) اور رسول اللہ ﷺ کو یہ نہ بتانا کہ ہم کون دو عورتیں ہیں؟...... بلال رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں عورتوں کا سوال آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ: وہ کون عورتیں ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ایک عورت تو انصار میں سے ہے اور دوسری زینب ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کونسی زینب؟ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی زینب۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں (ان کا صدقہ ادا ہو جائیگا، بلکہ اس صورت میں) ان کو دوہرا ثواب ملے گا، ایک صدقہ کا اور دوسرا صلہ رحمی کا ثواب۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَبُوْطَلْحَةَ اَكْثَرَ الْاَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالًا مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ اَحَبَّ اَمْوَالِهِ اِلَيْهِ بَيْرُ حَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ اَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ اَبُوْطَلْحَةَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَاِنَّ اَحَبَّ مَالِىْ اِلَىَّ بَيْرُحَاءَ وَاِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى اَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَاللّٰهِ فَضَعْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَيْثُ اَرَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَاِنِّىْ اَرٰى اَنْ تَجْعَلَهَا فِى الْاَقْرَبِيْنَ فَقَالَ اَبُوْطَلْحَةَ اَفْعَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَسَمَهَا اَبُوْطَلْحَةَ فِىْ اَقَارِبِهٖ وَبَنِىْ عَمِّهٖ** — (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کھجور کے باغات کے لحاظ سے مدینہ کے انصار میں سب سے زیادہ دولت مند حضرت ابو طلحہ انصاری تھے اور انہیں اپنے باغات اور جائیدادوں میں سب سے زیادہ محبوب بیر حاء تھا (یہ ان کے ایک قیمتی باغ کا نام تھا) اور یہ مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، اور رسول اللہ ﷺ اس میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور اس کا نفیس پانی (شوق سے) نوش فرماتے تھے...... انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (نیکی اور مقبولیت کا مقام تم کو اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک اپنی محبوب چیزوں کو تم راہ خدا میں خرچ نہ کرو) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ اور مجھے اپنی ساری

مالیات میں سب سے زیادہ محبوب بیر حاء ہے، اس لئے اب وہی میری طرف سے اللہ کے لئے صدقہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ آخرت میں مجھے اس کا ثواب ملے گا، اور میرے لئے ذخیرہ ہوگا۔ لہٰذا آپ ﷺ اس کے بارے میں وہ فیصلہ فرمادیں جو اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں ڈالے (یعنی جو مصرف اس کا مناسب سمجھیں معین فرمادیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: واہ واہ! یہ تو بڑی نفع منداور کار آمد جائیداد ہے، میں نے تمہاری بات سن لی (اور تمہارا منشاء سمجھ لیا) میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کو اپنے ضرورت مند قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ حضرت ابو طلحہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (ﷺ)! میں یہی کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے وہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں میں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... بعض روایات میں تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ باغ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنے خاص اقارب ابی بن کعب، حسان بن ثابت، شداد بن اوس اور نبیط بن جابر پر تقسیم کردیا تھا..... یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بعد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے صرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔

فائدہ..... چونکہ آدمی کا زیادہ واسطہ اپنے عزیزوں قریبوں ہی سے رہتا ہے اور زیادہ تر معاملات انہیں سے پڑتے ہیں، اس لئے اختلافات اور تنازعات بھی زیادہ تر اقارب ہی سے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اس دنیا کی زندگی بھی عذاب بن جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت پر عمل کیا جائے اور لوگ اپنے قرابت داروں پر اپنی کمائی خرچ کرنا اللہ کی رضا کا وسیلہ سمجھیں تو دنیا اور آخرت کے بڑے عذاب سے محفوظ رہیں۔ کاش دنیا رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی قدر سمجھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔

مرنے والوں کی طرف صدقہ

صدقہ کیا ہے؟ اللہ کے بندوں کے ساتھ اس نیت سے اور اس امید پر احسان کرنا کہ اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور مہربانی نصیب ہوگی اور بلا شبہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا کرم و احسان حاصل کرنے کا خاص الخاص وسیلہ ہے..... رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جس طرح ایک آدمی اپنی طرف سے صدقہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ثواب و صلہ کی امید کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی مرنے والے کی طرف سے صدقہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا ثواب و صلہ اس مرنے والے کو عطا فرمائے گا..... پس مرنے والوں کی خدمت اور ان کے ساتھ ہمدردی و احسان کا ایک طریقہ ان کے لئے دعا و استغفار کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، یا اسی طرح ان کی طرف سے دوسرے اعمال خیر کر کے ان کو ثواب پہنچایا جائے..... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

۵۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اِنَّ اُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسُهَا وَاَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا اَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا

کہ: میری والدہ کا بالکل اچانک اور دفعتاً انتقال ہو گیا اور میرا گمان ہے کہ اگر وہ موت واقع ہونے سے پہلے کچھ بول سکتیں تو وہ ضرور کچھ صدقہ کرتیں، تو اب اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچ جائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! پہنچ جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ تُوُفِّيَتْ اُمُّهٗ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّيْ تُوُفِّيَتْ وَاَنَا غَائِبٌ عَنْهَا اَيَنْفَعُهَا شَيْئٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ بِهٖ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنِّيْ اُشْهِدُكَ اَنَّ حَائِطِيْ الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا—** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ایسے وقت ہوا کہ خود سعد موجود نہیں تھے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کی واپسی ہوئی) تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا وہ ان کے لئے نفع مند ہو گا (اور ان کو اس کا ثواب پہنچے گا؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کیا: تو میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنا باغ مخراف اپنی والدہ مرحومہ کے لئے صدقہ کر دیا۔ (صحیح بخاری)

۵۹) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ اَبِيْ مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَّلَمْ يُوْصِ فَهَلْ يُكَفِّرُ عَنْهُ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ.** (رواه ابن جریر فی تهذیب الآثار)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور انہوں نے ترکہ میں کچھ مال چھوڑا ہے اور (صدقہ وغیرہ کی) کوئی وصیت نہیں کی ہے، تو اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لئے کفارۂ سیئات اور مغفرت و نجات کا ذریعہ بن جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! (اللہ تعالیٰ سے اسی کی امید ہے)۔ (تہذیب الآثار لابن جریر)

۶۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ يَّنْحَرَمِائَةَ بُدْنَةٍ وَاَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حِصَّتَهٗ خَمْسِيْنَ وَاَنَّ عَمْرًوا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَمَّا اَبُوْكَ لَوْ اَقَرَّبِا لتَوْحِيْدِ فَصُمْتَ وَتَصَدَّقْتَ عَنْهُ نَفَعَهٗ ذٰلِكَ.** (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے دادا عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹ قربان کرنے کی نذر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہیں کر سکے تھے) تو ان کے ایک بیٹے ہشام بن العاص نے تو پچاس اونٹوں کی قربانی (اپنے باپ کی اس نذر کے حساب میں) کر دی، اور دوسرے بیٹے عمرو بن العاص نے (جن کو اللہ نے اسلام کی توفیق دے دی تھی) رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر تمہارے باپ ایمان لے آئے ہوتے اور پھر تم ان کی

طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ کرتے، تو ان کے لئے نفع مند ہوتا (اور اس کا ثواب ان کو پہنچتا، لیکن کفر و شرک کی حالت میں مرنے کی وجہ سے اب تمہارا کوئی عمل ان کے کام نہیں آسکتا)۔ (مسند احمد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے ان حدیثوں میں (اور ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثوں میں جو کتب حدیث کے مختلف ابواب میں مروی ہیں) یہ بات پوری صراحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے کہ صدقہ وغیرہ جو قابل قبول نیک عمل کسی مرنے والے کی طرف سے کیا جائے یعنی اس کا ثواب اس کو پہنچایا جائے وہ اس کے لئے نفع مند ہوگا اور اس کو اس کا ثواب پہنچے گا...... گویا جس طرح اس دنیا میں ایک آدمی اپنا کمایا ہوا پیسہ اللہ کے کسی دوسرے بندے کو دے کر اس کی خدمت اور مدد کر سکتا ہے اور وہ بندہ اس سے نفع اٹھا سکتا ہے اسی طرح اگر کوئی صاحب ایمان اپنے مرحوم ماں باپ یا کسی دوسرے مؤمن بندہ کی طرف سے صدقہ کر کے اس کو آخرت میں نفع پہنچانا اور اس کی خدمت کرنا چاہے تو مندرجہ بالا حدیثوں نے بتایا کہ ایسا ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کتنا عظیم فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس راستے سے ہم اپنے ماں باپ اور دوسرے عزیزوں قریبوں اور دوستوں محسنوں کی خدمت ان کے مرنے کے بعد بھی کر سکتے ہیں، اور اپنے ہدیئے اور تحفے ان کو برابر بھیج سکتے ہیں۔

یہ مسئلہ احادیث نبویہ سے بھی ثابت ہے اور اس پر امت کے ائمۂ حق کا اجماع بھی ہے — ہمارے زمانہ کے بعض ان لوگوں نے جو حدیث و سنت کو کتاب اللہ کے بعد دین و شریعت کی ثانوی اساس بھی نہیں مانتے، اور اس کے حجتِ دینی ہونے کے قطعی منکر ہیں، اس مسئلہ سے انکار کیا ہے...... اس عاجز نے اب سے قریباً ۲۰ سال پہلے ایک مستقل مبسوط رسالہ اس موضوع پر لکھا تھا، اس میں اس مسئلہ کے ہر پہلو پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور منکرین کے ہر شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔ الحمد للہ وہ اس موضوع پر کافی شافی ہے۔

کتاب الزکوٰۃ کو ہم اسی پر ختم کر کے کتاب الصوم شروع کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ

معارِفُ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الصوم

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ
عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرہ آیت ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری پیدا ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید ورسالت کی شہادت کے بعد نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔

وہ حدیثیں اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کے بالکل شروع میں ذکر کی جاچکی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور بنیادی ستون بتایا ہے۔ ان کے ارکان اور عناصر ہونے کا مطلب جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام اللہ کی فرمانبرداری والے جس طرز حیات کا نام ہے اس کی تخلیق و تعمیر اور نشوونما میں ان پانچوں کو خاص الخاص دخل ہے...... اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ کی جو تاثیری خصوصیات ہیں وہ اپنے موقع پر ذکر کی جاچکی ہیں...... روزے کی اس تاثیر و خصوصیت کا ذکر خود قرآن مجید میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے...... سورۂ بقرہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان فرمانے کیساتھ ہی ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ" یعنی اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روحانیت اور حیوانیت کا یا دوسرے الفاظ میں کہئے کہ ملکوتیت اور بہیمیت کا نسخہ جامعہ بنایا ہے، اس کی طبیعت اور جبلت میں وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے بھی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں ہوتے ہیں، اور اسی کے ساتھ اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ہے جو ملاءِ اعلیٰ کی لطیف مخلوق فرشتوں کی خاص دولت ہے۔ انسان کی سعادت کا دارومدار اس پر ہے کہ اس کا یہ روحانی اور ملکوتی عنصر بہیمی اور حیوانی عنصر پر غالب اور حاوی رہے اور اس کو حدود کا پابند رکھے، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب کہ بہیمی پہلو روحانی اور ملکوتی پہلو کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کا عادی ہو جائے اور اس کے مقابلے میں سرکشی نہ کر سکے...... روزہ کی ریاضت کا خاص مقصد و موضوع یہی ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی حیوانیت اور بہیمیت کو اللہ کے احکام کی پابندی اور ایمانی و روحانی تقاضوں کی تابعداری و فرمانبرداری کا خوگر بنایا جائے اور چونکہ یہ چیز نبوت اور شریعت کے خاص مقاصد میں سے ہے اس لئے پہلی تمام شریعتوں میں بھی روزے کا حکم رہا ہے۔ قرآن مجید میں اس امت کو روزے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرہ ۲:۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے (روزوں کا یہ حکم تم کو اس لئے دیا گیا ہے) تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو۔

بہر حال روزہ چونکہ انسان کی قوت بہیمی کو اس کی ملکوتی اور روحانی قوت کے تابع رکھنے اور اللہ کے احکام کے مقابلہ میں نفس کی خواہشات اور پیٹ اور شہوت کے تقاضوں کو دبانے کی عادت ڈالنے کا خاص ذریعہ اور وسیلہ ہے، اس لئے اگلی امتوں کو بھی اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اگرچہ روزوں کی مدت اور بعض دوسرے تفصیلی احکام میں ان امتوں کے خاص حالات اور ضروریات کے لحاظ سے کچھ فرق بھی تھا...... اس آخری امت کے

لئے جس کا دور دنیا کے آخری دن تک ہے سال میں ایک مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور روزے کا وقت طلوع سحر سے غروب آفتاب تک رکھا گیا ہے، اور بلا شبہ یہ مدت اور یہ وقت مذکورۂ بالا مقصد کے لئے اس دور کے واسطے مناسب ترین اور نہایت معتدل مدت اور وقت ہے، اس سے کم میں ریاضت اور نفس کی تربیت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، اور اگر اس سے زیادہ رکھا جاتا۔ مثلاً روزے میں دن کے ساتھ رات بھی شامل کر دی جاتی، اور بس سحر کے وقت کھانے پینے کی اجازت ہوتی، یا سال میں دو چار مہینے مسلسل روزے رکھنے کا حکم ہوتا، تو انسانوں کی اکثریت کے لئے ناقابل برداشت اور صحتوں کے لئے مضر ہوتا...... بہر حال طلوع سحر سے غروب آفتاب تک کا وقت اور سال میں ایک مہینے کی مدت اس دور کے عام انسانوں کے حالات کے لحاظ سے ریاضت و تربیت کے مقصد کے لئے بالکل مناسب اور معتدل ہے۔

پھر اس کے لئے مہینہ وہ مقرر کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کا نزول ہوا، اور جس میں بے حساب برکتوں اور رحمتوں والی رات (لیلۃ القدر) ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی مبارک مہینہ اس کیلئے سب سے زیادہ موزوں اور مناسب ہو سکتا تھا...... پھر اس مہینے میں دن کے روزوں کے علاوہ رات میں بھی ایک خاص عبادت کا عمومی اور اجتماعی نظام قائم کیا گیا ہے جو تراویح کی شکل میں امت پر رائج ہے...... دن کے روزوں کے ساتھ رات کی تراویح کی برکات مل جانے سے اس مبارک مہینے کی نورانیت اور تاثیر میں وہ اضافہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے اپنے ادراک و احساس کے مطابق ہر وہ بندہ محسوس کرتا ہے جو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق اور مناسبت رکھتا ہے۔

ان مختصر تمہیدی اشارات کے بعد رمضان اور روزہ وغیرہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

ماہ رمضان کے فضائل و برکات

(۶۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ:...... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں...... (اور ایک روایت میں بجائے "ابواب جنت" کے "ابواب رحمت" کا لفظ ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... استاذ الاساتذہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ...... اللہ کے صالح اور اطاعت شعار بندے رمضان میں چونکہ طاعات و حسنات میں مشغول و منہمک ہو جاتے ہیں، وہ دنوں کو روزہ رکھ کے ذکر و تلاوت میں گزارتے ہیں اور راتوں کا بڑا حصہ تراویح و تہجد اور دعا و استغفار میں بسر کرتے ہیں اور ان کے انوار و برکات سے متاثر ہو کر عوام

مومنین کے قلوب بھی رمضان مبارک میں عبادات اور نیکیوں کی طرف زیادہ راغب اور بہت سے گناہوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں، تو اسلام اور ایمان کے حلقے میں سعادت اور تقوے کے اس عمومی رجحان اور نیکی اور عبادت کی اس عام فضاء کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام طبائع جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی ہے۔ اللہ کی مرضیات کی جانب مائل اور شر و خباثت سے متنفر ہو جاتی ہیں، اور پھر اس ماہ مبارک میں تھوڑے سے عمل خیر کی قیمت بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے دوسرے دنوں کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھادی جاتی ہے، تو ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیئے جاتے ہیں، اور شیاطین ان کو گمراہ کرنے سے عاجز اور بے بس ہو جاتے ہیں۔

اس تشریح کے مطابق ان تینوں باتوں (یعنی جنت و رحمت کے دروازے کھل جانے، دوزخ کے دروازے بند ہو جانے اور شیاطین کے مقید اور بے بس کر دیئے جانے) کا تعلق صرف ان اہل ایمان سے ہے جو رمضان مبارک میں خیر و سعادت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوتے اور رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفید ہونے کے لئے عبادات و طاعات کو اپنا شغل بناتے ہیں...... باقی رہے وہ کفار اور خدا ناشناس اور وہ خدا فراموش اور غفلت شعار لوگ جو رمضان اور اس کے احکام و برکات سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے اور نہ اس کے آنے پر ان کی زندگیوں میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، انہوں نے جب اپنے آپ کو خود ہی محروم کر لیا ہے اور بارہ مہینے شیطان کی پیروی پر وہ مطمئن ہیں تو پھر اللہ کے یہاں بھی ان کے لئے محرومی کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذَالِكَ کُلَّ لَیْلَةٍ (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بھی کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ان کا کوئی دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور اللہ کا منادی پکارتا ہے کہ اے خیر اور نیکی کے طالب قدم بڑھا کے آ، اور اے بدی اور بدکرداری کے شائق رک، آگے نہ آ! اور اللہ کی طرف سے بہت سے (گناہ گار) بندوں کو دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے (یعنی ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے) اور یہ سب رمضان کی ہر رات میں ہوتا رہتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث کے ابتدائی حصے کا مضمون تو وہی ہے جو اس سے پہلی حدیث کا تھا، آخر میں عالم غیب کے منادی کی جس کی ندا کا ذکر ہے اگرچہ ہم اس کو اپنے کانوں سے نہیں سنتے اور نہیں سن سکتے، لیکن اس کا یہ

اثر اور یہ ظہور ہم اس دنیا میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ رمضان میں عموماً اہل ایمان کا رجحان اور میلان خیر و سعادت والے اعمال کی طرف بڑھ جاتا ہے، یہاں تک کہ بہت سے غیر محتاط اور آزاد منش عامی مسلمان بھی رمضان میں اپنی روش کو کچھ بدل لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ملاء اعلیٰ کی اس ندا اور پکار ہی کا ظہور اور اثر ہے۔

۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ فَاِذَا لَقِيَهُ جِبْرَئِيْلُ كَانَ اَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیر کی بخشش اور خلق اللہ کی نفع رسانی میں اللہ کے سب بندوں سے فائق تھے، اور رمضان مبارک میں آپ ﷺ کی یہ کریمانہ صفت اور زیادہ ترقی کر جاتی تھی۔ رمضان کی ہر رات میں جبرائیل امین آپ ﷺ سے ملتے تھے، اور رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔ تو جب روزانہ جبرئیل آپ ﷺ سے ملتے تو آپ ﷺ کی اس کریمانہ نفع رسانی اور خیر کی بخشش میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہواؤں سے بھی زیادہ تیزی آ جاتی اور زور پیدا ہو جاتا......
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... گویا رمضان مبارک کا مہینہ رسول اللہ ﷺ کی طبع مبارک کے لئے بہار و نشاط اور نشر خیر کی صفت میں ترقی کا مہینہ تھا، اور اس میں اس چیز کو بھی دخل تھا کہ اس مہینے کی ہر رات میں اللہ کے خاص پیغامبر جبرئیل امین آتے تھے اور آپ ﷺ ان کو قرآن مجید سناتے تھے۔

رمضان کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ

۶۴) عَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا يَجِدُ مَا يُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْ تَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَ اَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَ اٰخِرُهُ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهِ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَاَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک خطبہ دیا..... اس میں آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ افگن ہو رہا ہے، اس مبارک مہینہ کی ایک رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں بارگاہ خداوندی میں کھڑا ہونے (یعنی نماز تراویح پڑھنے) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے (جس کا بہت بڑا ثواب رکھا ہے) جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے زمانہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے زمانے کے ستر فرضوں کے برابر ہے۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غمخواری کا مہینہ ہے، اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مؤمن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرایا تو اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے..... آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو تو افطار کرانے کا سامان میسر نہیں ہوتا (تو کیا غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے (رسول اللہ ﷺ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے ارشاد فرمایا کہ) اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پورا کھانا کھلادے اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں پہنچ جائے گا..... (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) اور جو آدمی اس مہینے میں اپنے غلام و خادم کے کام میں تخفیف اور کمی کر دے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا اور اس کو دوزخ سے رہائی اور آزادی دے دے گا..... (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس خطبہ نبوی ﷺ کا مطلب و مدعا واضح ہے، تاہم اس کے چند اجزاء کی مزید وضاحت کے لئے کچھ عرض کیا جاتا ہے:

۱) اس خطبہ میں ماہ رمضان کی سب سے بڑی اور پہلی عظمت و فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس میں ایک ایسی رات ہوتی ہے جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں بلکہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یہ بات جیسا کہ معلوم ہے قرآن مجید سورۃ القدر میں بھی فرمائی گئی ہے بلکہ اس پوری سورۃ میں اس مبارک رات کی عظمت اور فضیلت ہی کا بیان ہے، اور اس رات کی عظمت و اہمیت سمجھنے کے لئے بس یہی بات کافی ہے۔

ایک ہزار مہینوں میں قریباً تیس ہزار راتیں ہوتی ہیں، اس لیلۃ القدر کے ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے اور اس کے قرب و رضا کے طالب

بندے اس ایک رات میں قربِ الٰہی کی اتنی مسافت طے کر سکتے ہیں جو دوسری ہزاروں راتوں میں طے نہیں ہو سکتی۔ ہم جس طرح اپنی اس مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تیز رفتار ہوائی جہاز یا راکٹ کے ذریعہ اب ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ میں اس سے زیادہ مسافت طے کی جا سکتی ہے جتنی پرانے زمانے میں سینکڑوں برس میں طے ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح حصولِ رضائے خداوندی اور قربِ الٰہی کے سفر کی رفتار لیلۃ القدر میں اتنی تیز کر دی جاتی ہے کہ جو بات صادق طالبوں کو سینکڑوں مہینوں میں حاصل نہیں ہو سکتی، وہ اس مبارک رات میں حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی طرح اور اسی کی روشنی میں حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب بھی سمجھنا چاہئے کہ اس مبارک مہینہ میں جو شخص کسی قسم کی نفلی نیکی کرے گا اس کا ثواب دوسرے زمانہ کی فرض نیکی کے برابر ملے گا اور فرض نیکی کرنے والے کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کا ثواب ملے گا ...... گویا "لیلۃ القدر" کی خصوصیت تو رمضان مبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے، لیکن نیکی کا ثواب ستر گنا ملنا یہ رمضان مبارک کے ہر دن اور ہر رات کی برکت اور فضیلت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے مستفید اور متمتع ہونے کی توفیق دے۔

۲) ...... اس خطبہ میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ یہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے — دینی زبان میں صبر کے اصل معنی ہیں اللہ کی رضا کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو دبانا اور تلخیوں اور ناگواریوں کو جھیلنا۔ ظاہر ہے کہ روزہ کا اول و آخر بالکل یہی ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر ہر روزہ دار کو تجربہ ہوتا ہے کہ فاقہ کیسی تکلیف کی چیز ہے، اس سے اس کے اندر ان غرباء اور مساکین کی ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے جو بے چارے ناداری کی وجہ سے فاقوں پہ فاقے کرتے ہیں۔ اس لئے رمضان کا مہینہ بلاشبہ صبر اور غمخواری کا مہینہ ہے —

۳) ...... یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ: "اس بابرکت مہینہ میں اہل ایمان کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔" اس کا تجربہ تو بلااستثناء ہر صاحبِ ایمان روزہ دار کو ہوتا ہے کہ رمضان مبارک میں جتنا اچھا اور جتنی فراغت سے کھانے پینے کو ملتا ہے باقی گیارہ مہینوں میں اتنا نصیب نہیں ہوتا۔ خواہ اس عالمِ اسباب میں وہ کسی بھی راستے سے آئے، سب اللہ ہی کے حکم سے اور اسی کے فیصلے سے آتا ہے۔

۴) ...... خطبہ کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ: "رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانہ حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا وقت ہے —"

اس عاجز کے نزدیک اس کی راجح اور دل کو زیادہ لگنے والی توجیہ اور تشریح یہ ہے کہ رمضان کی برکتوں سے مستفید ہونے والے بندے تین طرح کے ہو سکتے ہیں، ایک وہ اصحابِ صلاح و تقویٰ جو ہمیشہ گناہوں سے بچنے کا اہتمام رکھتے ہیں اور جب کبھی ان سے کوئی خطا اور لغزش ہو جاتی ہے تو اسی وقت توبہ و استغفار سے اس کی صفائی و تلافی کر لیتے ہیں، تو ان بندوں پر تو شروع مہینہ ہی سے بلکہ اس کی پہلی ہی رات سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہونے لگتی ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو ایسے متقی اور پرہیزگار تو نہیں ہیں لیکن اس

لحاظ سے بالکل گئے گزرے بھی نہیں ہیں، تو ایسے لوگ جب رمضان کے ابتدائی حصے میں روزوں اور دوسرے اعمال خیر اور توبہ واستغفار کے ذریعے اپنے حال کو بہتر اور اپنے کو رحمت ومغفرت کے لائق بنا لیتے ہیں، تو درمیانی حصے میں ان کی بھی مغفرت اور معافی کا فیصلہ فرمادیا جاتا ہے...... اور تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفسوں پر بہت ظلم کر چکے ہیں اور ان کا حال بڑا ابتر رہا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے وہ گویا دوزخ کے پورے پورے مستحق ہو چکے ہیں، وہ بھی جب رمضان کے پہلے اور درمیانی حصے میں عام مسلمانوں کے ساتھ روزے رکھ کے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی سیاہ کاریوں کی کچھ صفائی اور تلافی کر لیتے ہیں تو آخیر عشرہ میں (جو دریائے رحمت کے جوش کا عشرہ ہے) اللہ تعالیٰ دوزخ سے ان کی بھی نجات اور رہائی کا فیصلہ فرمادیتا ہے...... اس تشریح کی بناء پر رمضان مبارک کے ابتدائی حصے کی رحمت، درمیانی حصے کی مغفرت اور آخری حصے میں جہنم سے آزادی کا تعلق بالترتیب امت مسلمہ کے ان مذکورۂ بالا تین طبقوں سے ہوگا۔ واللہ اعلم

روزہ کی قدر و قیمت اور اس کا صلہ

(۶۵) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجَلِیْ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخَلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرَءٌ صَائِمٌ –** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (روزہ کی فضیلت اور قدر و قیمت بیان کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے (یعنی اس امت مرحومہ کے اعمال خیر کے متعلق عام قانون الٰہی یہی ہے کہ ایک نیکی کا اجر اگلی امتوں کے لحاظ سے کم از کم دس گنا ضرور عطا ہوگا اور بعض اوقات عمل کرنے کے خاص حالات اور اخلاص وخشیت وغیرہ کیفیات کی وجہ سے اس سے بھی بہت زیادہ عطا ہوگا، یہاں تک کہ بعض مقبول بندوں کو ان کے اعمال حسنہ کا اجر سات سو گنا عطا فرمایا جائے گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس عام قانون رحمت کا ذکر فرمایا) مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب دوں گا۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہش نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے (پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی اس قربانی اور نفس کشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لئے دو مسرتیں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرف باریابی کے وقت اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (یعنی انسانوں کے لئے مشک کی خوشبو جتنی اچھی اور جتنی پیاری ہے اللہ کے ہاں روزہ دار کے منہ کی بو اس سے بھی اچھی ہے) اور روزہ

(دنیا میں شیطان و نفس کے حملوں سے بچاؤ کے لئے اور آخرت میں آتش دوزخ سے حفاظت کے لئے ڈھال ہے- اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہئے کہ وہ بے ہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور شور و شغب نہ کرے، اور اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا ٹنٹا کرے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کے اکثر وضاحت طلب اجزاء کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے جو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ: "جب کسی کا روزہ ہو تو وہ فحش اور گندی باتیں اور شور و شغب بالکل نہ کرے، اور اگر بالفرض کوئی دوسرا اس سے الجھے اور گالیاں بکے جب بھی یہ کوئی سخت بات نہ کہے، بلکہ صرف اتنا کہہ دے کہ: بھائی! میرا روزہ ہے۔ اس آخری ہدایت میں اشارہ ہے کہ اس حدیث میں روزہ کی جو خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان کی گئی ہیں یہ انہی روزوں کی ہیں جن میں شہوت نفس اور کھانے پینے کے علاوہ گناہوں سے حتیٰ کہ بری اور ناپسندیدہ باتوں سے بھی پرہیز کیا گیا ہے..... ایک دوسری حدیث میں (جو عنقریب درج ہو گی) فرمایا گیا ہے کہ: جو شخص روزہ رکھے لیکن برے کاموں اور غلط باتوں سے پرہیز نہ کرے تو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی اللہ کو کوئی احتیاج نہیں ہے۔

٦٦) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ فِى الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّائِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ يُقَالُ اَيْنَ الصَّائِمُوْنَ؟ فَيَقُوْمُوْنَ لَا يَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ –** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کو "باب الریان" کہا جاتا ہے۔ اس دروازے سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہو گا، ان کے سوا کوئی اس دروازے سے داخل نہیں ہو سکے گا۔ اس دن پکارا جائے کہ کدھر ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزے رکھا کرتے تھے اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھایا کرتے تھے؟ وہ اس پکار پر چل پڑیں گے- اس کے سوا کسی اور کا اس دروازے سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ جب وہ روزہ دار اس دروازے سے جنت میں پہنچ جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر کسی کا اس سے داخلہ نہیں ہو سکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... روزہ میں جس تکلیف کا احساس سب سے زیادہ ہوتا ہے اور جو روزہ دار کی سب سے بڑی قربانی ہے وہ اس کا پیاسا رہنا ہے، اس لئے اس کو جو صلہ اور انعام دیا جائے گا اس میں سب سے زیادہ نمایاں اور غالب پہلو سیرابی کا ہونا چاہئے۔ اسی مناسبت سے جنت میں روزہ داروں کے داخلہ کے لئے جو مخصوص دروازہ مقرر کیا گیا ہے اس کی خاطر صفت سیرابی و شادابی ہے۔ ریان کے لغوی معنی ہیں "پورا پورا سیراب" یہ بھرپور سیرابی تو اس دروازہ کی صفت ہے جس سے روزہ داروں کا داخلہ ہو گا، آگے جنت میں پہنچ کر جو کچھ اللہ تعالیٰ کے انعامات ان پر ہوں گے ان کا علم تو بس اس اللہ تعالیٰ کو ہی ہے جس کا ارشاد ہے کہ:

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ...... "بندہ کا روزہ بس میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا صلہ دوں گا"۔

۶۷) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مُرْنِیْ بِاَمْرٍ یَنْفَعُنِیَ اللّٰهُ بِهٖ قَالَ عَلَیْكَ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَا مِثْلَ لَهٗ. (رواه النسائی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے، جس سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی بھی عمل نہیں ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح..... نماز، روزہ، صدقہ، حج اور خلق اللہ کی خدمت وغیرہ اعمال صالحہ میں یہ بات مشترک ہونے کے باوجود کہ یہ سب تقرب الی اللہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں ان کی الگ الگ کچھ خاص تاثیرات اور خصوصیات بھی ہیں جن میں یہ ایک دوسرے سے ممتاز اور منفرد ہیں۔ گویا۔

"ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"

ان انفرادی اور امتیازی خصوصیات کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے"...... مثلاً نفس کو مغلوب اور مقہور کرنے اور اس کی خواہشوں کو دبانے کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس صفت میں کوئی دوسرا عمل روزہ کے مثل نہیں ہے۔ پس حضرت ابو امامہؓ کی اس حدیث میں روزہ کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے کہ: "اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے" اس کی حقیقت یہی سمجھنی چاہئے۔ نیز ملحوظ رہنا چاہئے کہ ابو امامہؓ کے خاص حالات میں ان کے لئے زیادہ نفع مند روزہ ہی تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسی کی ہدایت فرمائی...... اور اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ ابو امامہ نے یہ جواب پانے کے بعد دوبارہ اور سہ بارہ بھی عرض کیا کہ: "مجھے کسی عمل کا حکم فرمائیے جس کو میں کیا کروں" تو دونوں دفعہ آپ ﷺ نے روزہ ہی کی ہدایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ: بس روزہ رکھا کرو، اس کے مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ یعنی تمہارے خاص حالات میں تم کو اسی سے زیادہ نفع ہوگا۔ واللہ اعلم۔

روزے اور تراویح باعث مغفرت

۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے ان کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور ایسے ہی جو لوگ ایمان واحتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں میں نوافل (تراویح و تہجد) پڑھیں گے ان کے بھی سب پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور اسی طرح جو لوگ شب قدر میں ایمان واحتساب کے

ساتھ نوافل پڑھیں گے انکے بھی سارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں رمضان کے روزوں، اس کی راتوں کے نوافل اور خصوصیت سے شب قدر کے نوافل کو پچھلے گناہوں کی مغفرت اور معافی کا یقینی وسیلہ بتایا گیا ہے بشرطیکہ یہ روزے اور نوافل ایمان و احتساب کے ساتھ ہوں...... یہ ایمان واحتساب خاص دینی اصطلاحیں ہیں، اور ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو نیک عمل کیا جائے اس کی بنیاد اور اس کا محرک بس اللہ ورسول کو ماننا اور اس کے وعدہ وعید پر یقین لانا اور ان کے بتائے ہوئے اجر و ثواب کی طمع اور امید ہی ہو، کوئی دوسرا جذبہ اور مقصد اس کا محرک نہ ہو۔ اسی ایمان واحتساب سے ہمارے اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑتا ہے، بلکہ یہی ایمان واحتساب ہمارے اعمال کے قلب وروح ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ظاہر کے لحاظ سے بڑے سے بڑے اعمال بھی بے جان اور کھوکھلے ہیں جو خدانخواستہ قیامت کے دن کھوٹے سکے ثابت ہوں گے، اور ایمان واحتساب کے ساتھ بندوں کا ایک عمل بھی اللہ کے ہاں اتنا عزیز اور قیمتی ہے کہ اس کے صدقہ اور طفیل میں اس کے برسہا برس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان واحتساب کی یہ صفت اپنے فضل سے نصیب فرمائے۔

روزہ اور قرآن کی شفاعت

۶۹) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ.** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما۔) اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا! آج اس کی حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرمادیا جائے گا) اور خاص مراحم خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... کیسے خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کے حق میں ان کے روزوں کی اور نوافل میں ان کے پڑھے ہوئے یا سنے ہوئے قرآن پاک کی سفارش قبول ہوگی، یہ ان کے لئے کیسی مسرت اور فرحت کا وقت ہوگا...... اللہ تعالیٰ اپنے اس سیاہ کار بندے کو بھی محض اپنے کرم سے ان خوش بختوں کے ساتھ کردے۔

رمضان کا ایک روزہ چھوڑنے کا نقصان ناقابل تلافی

۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ
(رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی والبخاری فی ترجمۃ باب)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری (جیسے کسی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا) وہ اگر اس کے بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہو گئی وہ پوری ادا نہیں ہو سکتی...... (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی) (اور صحیح بخاری میں بھی بغیر سند کے ایک ترجمہ باب میں اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے۔)

تشریح...... حدیث کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ شرعی عذر اور رخصت کے بغیر رمضان کا ایک روزہ دانستہ چھوڑنے سے رمضان مبارک کی خاص برکتوں اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رحمتوں سے جو محرومی ہوتی ہے، عمر بھر نفل روزے رکھنے سے بھی اس محرومی اور خسران کی تلافی نہیں ہو سکتی، اگرچہ ایک روزے کی قانونی قضا ایک ہی دن کا روزہ ہے، لیکن اس سے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا جو روزہ چھوڑنے سے کھو گیا...... پس جو لوگ بے پروائی کے ساتھ رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں وہ سوچیں کہ اپنے کو وہ کتنا نقصان پہنچاتے ہیں۔

روزے میں معصیتوں سے پرہیز

۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ — (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو آدمی روزہ رکھتے ہوئے باطل کلام اور باطل کام نہ چھوڑے، تو اللہ کو اسکے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں روزے کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ معصیات و منکرات سے بھی زبان و دہن اور دوسرے اعضاء کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص روزہ رکھے اور گناہ والے اعمال کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے روزے کی کوئی پرواہ نہیں۔

عشرۂ اخیر اور لیلۃ القدر

جس طرح رمضان المبارک کو دوسرے مہینوں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے اسی طرح اس کا آخری عشرہ پہلے دونوں عشروں سے بہتر ہے اور لیلۃ القدر اکثر و بیشتر اسی عشرہ میں ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ عبادت وغیرہ کا اہتمام اس میں اور زیادہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔

۷۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِىْ غَيْرِهٖ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت وغیرہ میں مجاہدہ کرتے اور وہ مشقت اٹھاتے جو دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۷۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِيْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: جب رمضان کا عشرۂ اخیر شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کمر کس لیتے اور شب بیداری کرتے (یعنی پوری رات عبادت اور ذکر و دعا میں مشغول رہتے) اور اپنے گھر کے لوگوں (یعنی ازواج مطہرات اور دوسرے متعلقین) کو بھی جگا دیتے (تاکہ وہ بھی ان راتوں کی برکتوں اور سعادتوں میں حصہ لیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۷۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِى الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ شب قدر زیادہ تر عشرۂ اخیر کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے، یعنی اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں...... شب قدر کی اگر اس طرح تعین کر دی جاتی کہ وہ خاص فلاں رات ہے تو بہت سے لوگ بس اسی رات میں عبادت وغیرہ کا خاص اہتمام کیا کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح مبہم رکھا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا کہ قرآن شب قدر میں نازل ہوا۔ اور دوسری جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کا نزول ماہ رمضان میں ہوا۔ اس سے اشارہ ملا کہ وہ شب قدر رمضان کی راتوں میں سے کوئی رات تھی...... پھر رسول اللہ ﷺ نے مزید نشاندہی کی طور پر فرمایا کہ: رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے اس کا زیادہ امکان ہے، لہٰذا ان راتوں کا خاص اہتمام کیا جائے...... اس مضمون کی حدیثیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں...... اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا خیال تھا کہ شب قدر عموماً رمضان کی ستائیسویں ہی ہوتی ہے۔

۷۵) عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ اُبَىَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ اِبْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يُقِمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَا يَتَّكِلَ النَّاسُ اَمَا اِنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِىْ رَمَضَانَ وَاَنَّهَا فِى الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِىْ اَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ فَقُلْتُ بِاَىِّ شَىْءٍ تَقُوْلُ ذَالِكَ يَا اَبَالْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ اَوْقَالَ بِالْاٰيَةِ الَّتِىْ

اَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: زر ابن حبیش جو اکابر تابعین میں سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ کے دینی بھائی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کوئی پورے سال کی راتوں میں کھڑا ہو گا (یعنی ہر رات عبادت کیا کرے گا) اس کو شب قدر نصیب ہو ہی جائے گی (یعنی لیلۃ القدر سال کی کوئی نہ کوئی رات ہے، پس جو اس کی برکات کا طالب ہو اسے چاہئے کہ سال کی ہر رات کو عبادت سے معمور کرے اس طرح وہ یقینی طور پر شب قدر کی برکات پا سکے گا...... زر ابن حبیش نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ بات نقل کر کے حضرت ابی بن کعب سے دریافت کیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بھائی ابن مسعود پر خدا کی رحمت ہو، ان کا مقصد اس بات سے یہ تھا کہ لوگ (کسی ایک ہی رات کی عبادت پر) قناعت نہ کر لیں ورنہ ان کو یہ بات یقیناً معلوم تھی کہ شب قدر رمضان ہی کے مہینہ میں ہوتی ہے اور اس کے بھی خاص آخری عشرہ ہی میں ہوتی ہے (یعنی اکیسویں سے انتیسویں یا تیسویں تک) اور وہ معین ستائیسویں شب ہے۔ پھر انہوں نے پوری قطعیت کے ساتھ قسم کھا کر کہا کہ: وہ بلا شبہ ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے (اور اپنے یقین و اطمینان کے اظہار کے لئے قسم کے ساتھ) انہوں نے انشاء اللہ بھی نہیں کہا (زر ابن حبیش کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ اے ابوالمنذر! (یہ حضرت ابی کی کنیت ہے) یہ آپ کس بناء پر فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں یہ بات اس نشانی کی بناء پر کہتا ہوں جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو خبر دی تھی، اور وہ یہ کہ شب قدر کی صبح کو جب سورج نکلتا ہے تو اس کی شعاع نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے جواب سے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو قطعیت کے ساتھ یہ بات کہی کہ شب قدر معین طور پر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے۔ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی تھی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی جو ایک خاص نشانی بتائی تھی انہوں نے چونکہ وہ نشانی عموماً ستائیسویں شب کی صبح ہی کو دیکھی تھی، اس لئے یقین کے ساتھ انہوں نے رائے قائم کر لی تھی...... رسول اللہ ﷺ نے کبھی تو یہ فرمایا کہ اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرو، اور کبھی فرمایا کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو، کبھی عشرۂ اخیرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے چار یا تین راتوں کے لئے فرمایا، کسی خاص رات کی تعیین آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں بہت سے اصحاب ادراک کا تجربہ یہی ہے کہ وہ زیادہ تر ستائیسویں شب ہی ہوتی ہے...... اس عدم تعیین کی بڑی حکمت یہی ہے کہ طالب بندے مختلف راتوں میں عبادت و ذکر و دعا کا اہتمام کریں، ایسا کرنے والوں کی کامیابی یقینی ہے۔

۷۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ كُبْكُبَةٍ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْقَاعِدٍ يَّذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل

علیہ السلام فرشتوں کے جھرمٹ میں نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں جو کھڑا یا بیٹھا اللہ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔۔۔۔۔ (شعب الایمان للبیہقی)

شب قدر کی خاص دعا

۷۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَىُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِىْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَفَاعْفُ عَنِّىْ...... (رواه احمد والترمذى وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے بتائیے کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون رات شب قدر ہے تو میں اس رات اللہ سے کیا عرض کروں اور کیا دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا یہ عرض کرو:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَفَاعْفُ عَنِّىْ

اے میرے اللہ! تو بہت معاف فرمانے والا اور بڑا کرم فرما ہے، اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے۔ پس تو میری خطائیں معاف فرمادے!۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث کی بناء پر اللہ کے بہت سے بندوں کا یہ معمول ہے کہ وہ ہر رات میں یہ دعا خصوصیت سے کرتے ہیں، اور رمضان مبارک کی راتوں میں اور ان میں سے بھی خاص کر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس دعا کا اور بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

رمضان کی آخری رات

۷۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ يُغْفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِىْ اٰخِرِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهِىَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ اِنَّمَا يُوَفّٰى اَجْرَهٗ اِذَا قَضٰى عَمَلَهٗ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رمضان کی آخری رات میں آپ کی امت کے لئے مغفرت اور بخشش کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یا رسول اللہ! کیا وہ شب قدر ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: شب قدر تو نہیں ہوتی، لیکن بات یہ ہے کہ عمل کرنے والا جب اپنا عمل پورا کر دے تو اس کو پوری اجرت مل جاتی ہے۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کی آخری رات بھی خاص مغفرت کے فیصلہ کی رات ہے لیکن اس رات میں مغفرت اور بخشش کا فیصلہ انہی بندوں کے لئے ہوگا جو رمضان مبارک کے عملی مطالبات کسی درجہ میں پورے کر کے اس کا استحقاق پیدا کر لیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اعتکاف

رمضان مبارک اور بالخصوص اسکے آخری عشرہ کے اعمال میں سے ایک اعتکاف بھی ہے...... اعتکاف کی حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف سے یکسو اور سب سے منقطع ہو کر بس اللہ سے لو لگا کے اس کے در پہ (یعنی کسی مسجد کے کونہ میں) پڑ جائے، اور سب سے الگ تنہائی میں اس کی عبادت اور اسی کے ذکر و فکر میں مشغول رہے، یہ خواص بلکہ اخص الخواص کی عبادت ہے۔ اس عبادت کے لئے بہترین وقت رمضان مبارک اور خاص کر اس کا آخری عشرہ ہی ہو سکتا تھا۔ اس لئے اسی کو اس کے لئے انتخاب کیا گیا۔

نزول قرآن سے پہلے رسول اللہ کی طبیعت مبارک میں سب سے یکسو اور الگ ہو کر تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر و فکر کا جو بیتابانہ جذبہ پیدا ہوا تھا جس کے نتیجہ میں آپ مسلسل کئی مہینے غار حرا میں خلوت گزینی کرتے رہے، یہ گویا آپ کا پہلا اعتکاف تھا اور اس اعتکاف ہی میں آپ کی روحانیت اس مقام تک پہنچ گئی تھی کہ آپ ﷺ پر قرآن مجید کا نزول شروع ہو جائے۔ چنانچہ حرا کے اس اعتکاف کے آخری ایام ہی میں اللہ کے حامل وحی فرشتے جبرئیل سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیتیں لے کر نازل ہوئے...... تحقیق یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ[1] اور اس کا آخری عشرہ تھا اور وہ رات شب قدر تھی، اس لئے بھی اعتکاف کے لئے رمضان مبارک کے آخری عشرہ کا انتخاب کیا گیا۔

روح کی تربیت و ترقی اور نفسانی قوتوں پر اس کو غالب کرنے کے لئے پورے مہینے رمضان کے روزے تو تمام افراد امت پر فرض کئے گئے، گویا کہ اپنے باطن میں ملکوتیت کو غالب اور بہیمیت کو مغلوب کرنے کے لئے اتنا مجاہدہ اور نفسانی خواہشات کی اتنی قربانی تو ہر مسلمان کے لئے لازم کر دی گئی کہ وہ اس پورے محترم اور مقدس مہینے میں اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی عبادت کی نیت سے دن کو نہ کھائے نہ پئے، نہ بیوی سے متمتع ہو، اور اسی کے ساتھ ہر قسم کے گناہوں بلکہ فضول باتوں سے بھی پرہیز کرے اور یہ پورا مہینہ ان پابندیوں کے ساتھ گزارے...... پس یہ تو رمضان مبارک میں روحانی تربیت و تزکیہ کا عوامی اور کمپلسری کورس مقرر کیا گیا، اور اس سے آگے تعلق باللہ میں ترقی اور ملاءِ اعلیٰ سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے اعتکاف رکھا گیا۔ اس اعتکاف میں اللہ کا بندہ سب سے کٹ کے اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک و مولا کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں میں پڑ جاتا ہے، اس کو یاد کرتا ہے، اسی کے دھیان میں رہتا ہے، اس کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے، اس کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہے، اپنے گناہوں اور قصوروں پر روتا ہے، اور رحیم و کریم مالک سے رحمت و مغفرت مانگتا ہے، اس کی رضا اور اس کا قرب چاہتا ہے۔ اسی حال میں اس کے دن گزرتے ہیں اور اسی حال میں اسکی راتیں...... ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی بندے کی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے......

رسول اللہ ﷺ اہتمام سے ہر سال رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف فرماتے تھے، بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال آپ نے دو عشروں کا اعتکاف فرمایا...... اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں پڑھئے:-

---

[1] کمارواه البیهقی واختاره ابن اسحاق. راجع فتح الباری

۷۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، وفات تک آپ کا یہ معمول رہا، آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات اہتمام سے اعتکاف کرتی رہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ازواج مطہرات اپنے حجروں میں اعتکاف فرماتی تھیں، اور خواتین کے لئے اعتکاف کی جگہ ان کے گھر کی وہی جگہ ہے جو انہوں نے نماز پڑھنے کی مقرر کر رکھی ہو، اگر گھر میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر نہ ہو تو اعتکاف کرنے والی خواتین کو ایسی جگہ مقرر کر لینی چاہئے۔

۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَعْتَكِفُ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال آپ اعتکاف نہیں کر سکے، تو اگلے سال بیس دن تک اعتکاف فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں یہ مذکورہ نہیں ہے کہ ایک سال اعتکاف نہ ہو سکنے کی کیا وجہ پیش آئی تھی۔ سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت ابی بن کعب کی ایک حدیث مروی ہے اس میں تصریح ہے کہ ایک سال رمضان کے عشرۂ اخیر میں آپ ﷺ کو کوئی سفر کرنا پڑ گیا تھا اس کی وجہ سے اعتکاف نہیں ہو سکا تھا اس لئے اگلے سال آپ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال کے رمضان میں بھی آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا تھا۔ یہ بیس دن کا اعتکاف غالباً اس وجہ سے فرمایا تھا کہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ عنقریب آپ کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا اس لئے اعتکاف جیسے اعمال کا شغف بڑھ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز تر گردد

۸۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَّلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَّلَا يَمَسَّ الْمَرْاَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَّلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِیْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا کہ: معتکف کے لئے شرعی دستور اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کو جائے، نہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے باہر نکلے، نہ عورت سے صحبت کرے، نہ بوس و کنار کرے اور اپنی ضرورتوں کے لئے بھی مسجد سے باہر نہ جائے سوائے ان حوائج کے جو

بالکل ناگزیر ہیں (جیسے پیشاب پاخانہ وغیرہ) اور اعتکاف (روزہ کے ساتھ ہونا چاہئے) بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں، اور مسجد جامع میں ہونا چاہئے، اس کے سوا نہیں۔ (سنن ابی داود)

تشریح..... اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب کوئی یہ کہے کہ "سنت" یہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد یا طرزِ عمل سے جانا ہے۔ اس لئے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوتا ہے، اس بناء پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں اعتکاف کے جو مسائل بیان کئے گئے ہیں وہ نبوی ہدایات ہی کے حکم میں ہیں، اس کے بالکل آخر میں "مسجد جامع" کا جو لفظ ہے اس سے مراد جماعت والی مسجد ہے۔ یعنی ایسی مسجد جس میں پانچوں وقت جماعت پابندی سے ہوتی ہو..... حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اعتکاف کے لئے روزہ بھی شرط ہے اور جماعت والی مسجد کا ہونا بھی۔

۸۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِى الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيَجْرِىْ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا ...... (رواه ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ (اعتکاف کی وجہ سے مسجد میں مقید ہو جانے کی وجہ سے) گناہوں سے بچا رہتا ہے، اور اس کا نیکیوں کا حساب ساری نیکیاں کرنے والے بندے کی طرف جاری رہتا ہے، اور نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... جب بندہ اعتکاف کی نیت سے اپنے کو مسجد میں مقید کر دیتا ہے تو اگرچہ وہ عبادت اور ذکر و تلاوت وغیرہ کے راستہ سے اپنی نیکیوں میں خوب اضافہ کرتا ہے لیکن بعض بہت بڑی نیکیوں سے وہ مجبور بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً وہ بیماروں کی عیادت اور خدمت نہیں کر سکتا جو بہت بڑے ثواب کا کام ہے، کسی لاچار، مسکین، یتیم اور بیوہ کی مدد کے لئے دوڑ دھوپ نہیں کر سکتا، کسی میت کو غسل نہیں دے سکتا، جو اگر ثواب کے لئے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو بہت بڑے اجر کا کام ہے، اسی طرح نماز جنازہ کی شرکت کے لئے نہیں نکل سکتا، میت کے ساتھ قبرستان نہیں جا سکتا۔ جس کے ایک ایک قدم پر گناہ معاف ہوتے ہیں اور نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن اس حدیث میں اعتکاف والے کو بشارت سنائی گئی ہے کہ اس کے حساب اور اس کی صحیفہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ سب نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جن کے کرنے سے وہ اعتکاف کی وجہ سے مجبور ہو جاتا ہے، اور وہ ان کا عادی تھا۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

رؤیتِ ہلال

شریعت اسلامی نے خاص اعمال و عبادات کے لئے جو مخصوص اوقات یا دن یا زمانے مقرر کئے ہیں ان کی تعیین میں اس بات کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس وقت یا دن یا اس زمانہ کا جاننا پہچاننا کسی علم یا فلسفہ

پر یا کسی آلہ کے استعمال پر موقوف نہ ہو، بلکہ ایک عامی اور بے پڑھا دیہاتی آدمی بھی مشاہدہ سے اس کو جان سکے۔ اسی طرح بند اور روزے کے اوقات سورج کے حساب سے مقرر کیے گئے۔ مثلاً فجر کا وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک کا مقرر کیا گیا، ظہر کا وقت سورج کے نصف النہار سے ڈھل جانے کے بعد سے ایک مثل یا دو مثل سایہ ہو جانے تک اور عصر کا وقت اس کے بعد سے غروب آفتاب تک کا رکھا گیا، اسی طرح مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے شفق کے رہنے تک اور عشاء کا شفق سے غائب ہو جانے کے بعد بتایا گیا۔ ایسا ہی روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کا رکھا گیا...... ظاہر ہے کہ ان اوقات کو جاننے کے لئے کسی علم یا فلسفہ کی اور کسی آلہ کے استعمال کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر آدمی اپنے مشاہدہ سے اس کو جان سکتا ہے، اور جس طرح عوام کی سہولت کے پیش نظر نماز اور روزہ کو ان اوقات کے لئے سورج کے طلوع و غروب اور اتار چڑھاؤ کو معیار اور نشان قرار دیا گیا، اسی طرح زکوٰۃ اور حج اور روزہ وغیرہ ان اعمال اور عبادات کے لئے جن کا تعلق مہینے یا سال سے ہے چاند کو معیار قرار دیا گیا، اور بجائے شمسی سال اور مہینوں کے قمری سال اور مہینوں کا اعتبار کیا گیا، کیونکہ عوام اپنے مشاہدہ سے قمری مہینوں ہی کو جان سکتے ہیں۔ شمسی مہینوں کے آغاز پر کوئی ایسی علامت آسمان یا زمین پر ظاہر نہیں ہوتی جو خود دیکھ کر ہر عام آدمی سمجھ سکے کہ اب پہلا مہینہ ختم ہو کر دوسرا مہینہ شروع ہو گیا، ہر قمری مہینوں کا آغاز چونکہ چاند نکلنے سے ہوتا ہے اس لئے ایک ان پڑھ دیہاتی بھی آسمان پر نیا چاند دیکھ کر جان لیتا ہے کہ پچھلا مہینہ ختم ہو کر اب اگلا مہینہ شروع ہو گیا۔

بہر حال شریعت اسلامی نے مہینے اور سال کے سلسلے میں نظام قمری کا جو اعتبار کیا ہے اس کی ایک خاص حکمت عوام کی یہ سہولت بھی ہے...... رسول اللہ ﷺ نے جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم سنایا، تو یہ بھی بتایا کہ رمضان کے شروع یا ختم کا ضابطہ اور معیار کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ شعبان کے ۲۹ دن پورے ہونے کے بعد اگر چاند نظر آجائے تو رمضان کے روزے شروع کر دو اور اگر ۲۹ ویں کو چاند نظر نہ آئے تو مہینہ کے تیس دن پورے کر کے روزے شروع کرو، اور اسی طرح رمضان کے روزے ۲۹ یا ۳۰ رکھو...... پھر آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر رؤیت ہلال کے متعلق اور سب ضروری ہدایات دیں...... اس تمہید کے بعد مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:۔

۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ ذَكَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ. (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر رمضان کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: رمضان کا روزہ اس وقت تک مت رکھو جب تک کہ چاند نہ دیکھ لو اور روزوں کا سلسلہ ختم نہ کرو جب تک شوال کا چاند نہ دیکھ لو، اور اگر (۲۹) کو چاند دکھائی نہ دے تو اس کا حساب پورا کرو (یعنی مہینے کو ۳۰ دن کا سمجھو)...... (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۸۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلٰثِيْنَ ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑ دو، اور اگر (۲۹ تاریخ کو) چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی ۳۰ کی گنتی پوری کرو...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رمضان کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا دارومدار رؤیت ہلال (یعنی چاند دکھائی دینے پر ہے...... صرف کسی حساب یا قرینہ و قیاس کی بناء پر اس کا حکم نہیں لگایا جا سکتا...... پھر رؤیت ہلال کے ثبوت کی ایک شکل تو یہ ہے کہ خود ہم نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہو، اور دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے نے دیکھ کر ہم کو بتایا ہو اور وہ ہمارے نزدیک قابل اعتبار ہو۔ خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی کبھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی دیکھنے والے کی اطلاع اور شہادت پر رؤیت ہلال کو مان لیا، اور روزہ رکھنے یا عید کرنے کا حکم دے دیا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو گا۔

۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ...... (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے لحاظ سے شعبان کے چاند کو خوب اچھی طرح گنو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رمضان کے پیش نظر شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خاص اہتمام کیا جائے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کی خاص فکر اور کوشش کی جائے، اور جب ۲۹ دن پورے ہو جائیں تو رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی جائے۔

۸۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلٰثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان کے دن اور اس کی تاریخیں جتنے اہتمام سے یاد رکھتے تھے اتنے اہتمام سے کسی دوسرے مہینے کی تاریخیں یاد نہیں رکھتے تھے، پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزے رکھتے تھے، اور اگر (۲۹ شعبان کو) چاند دکھائی نہ دیتا تو ۳۰ دن کی شمار پورا کر کے پھر روزے رکھتے تھے...... (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان مبارک کے اہتمام کی وجہ سے شعبان کا چاند دیکھنے اور اس کی تاریخیں یاد رکھنے کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ پھر اگر ۲۹ شعبان کو رمضان کا چاند نظر آ جاتا تو رمضان کے روزے رکھنے شروع فرما دیتے تھے، اور اگر نظر نہ آتا تو شعبان کے ۳۰ دن پورے کر کے روزے رکھتے تھے۔

خبر اور شہادت سے چاند کا ثبوت

۸۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اِنِّی رَأَیْتُ الْهِلَالَ یَعْنِیْ هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ اَتَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ یَا بِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْ غَدًا...... (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بدوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے آج چاند دیکھا ہے (یعنی رمضان کا چاند۔) رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا: کیا تم لاالٰہ الا اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں! میں لاالٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اور کیا تم محمد الرسول اللہ کی شہادت دیتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں اس کی بھی شہادت دیتا ہوں (یعنی میں توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہوں، مسلمان ہوں اس تصدیق کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اس کا اعلان کر دو کہ کل سے روزے رکھیں ..... (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رؤیت ہلال کی شہادت یا اطلاع قبول کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شہادت یا اطلاع دینے والا صاحب ایمان ہو، کیونکہ وہی اس کی نزاکت اور اہمیت کو اور اس کی بھاری ذمہ داری کو محسوس کر سکتا ہے۔

۸۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَ آ النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنِّیْ رَاَیْتُهٗ فَصَامَ وَاَمَرَالنَّاسَ بِصِیَامِهٖ ۔ (رواہ ابوداؤد والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں لوگوں نے رمضان کا چاند دیکھنے کی کوشش کی (لیکن عام طور سے لوگ دیکھ نہ سکے) تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ بھی روزے رکھیں۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح..... ان دونوں حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رمضان کا چاند ثابت ہونے کے لئے صرف ایک مسلمان کی شہادت اور اطلاع بھی کافی ہو سکتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے مشہور قول کے مطابق ایک آدمی کی شہادت اس صورت میں کافی ہوتی ہے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، ابر یا غبار وغیرہ کا اثر ہو، یا وہ شخص بستی کے باہر سے یا کسی بلند علاقہ سے آیا ہو، لیکن اگر مطلع بالکل صاف ہو اور چاند دیکھنے والا آدمی باہر سے یا کسی بلند مقام سے بھی نہ آیا ہو، بلکہ اس بستی ہی میں چاند دیکھنے کا دعویٰ کرے جس میں باوجود کوشش کے اور کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، تو ایسی صورت میں اس کی شہادت پر چاند ہو جانے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس صورت میں دیکھنے والے اتنے آدمی ہونے چاہئیں جن کی شہادت پر اطمینان ہو جائے، امام ابو حنیفہ کا مشہور قول یہی ہے۔ لیکن ایک روایت امام صاحبؒ سے یہ بھی ہے کہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لئے ایک دیندار اور

قابل اعتبار مسلمان کی شہادت بہر حال کافی ہے، اور اکثر دوسرے ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔
یہ جو کچھ ذکر کیا گیا اس کا تعلق رمضان کے چاند سے ہے، لیکن عید کے چاند کے ثبوت کے لئے جمہور ائمہ کے نزدیک کم سے کم دو دیندار اور قابل اعتبار مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے...... دار قطنی اور طبرانی نے اپنی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ تابعی سے روایت کیا ہے کہ: ایک دفعہ مدینہ کے حاکم کے سامنے ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھنے کی شہادت دی، اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں مدینہ میں موجود تھے، والی مدینہ نے ان دونوں بزرگوں کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس ایک آدمی کی شہادت قبول کر لی جائے، اور رمضان ہونے کا اعلان کر دیا جائے اور ساتھ ہی فرمایا کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَجَازَ شَهَادَةَ وَاحِدٍ عَلٰى رُؤْيَةِ هِلَالِ رَمَضَانَ وَكَانَ لَا يُجِيْزُ شَهَادَةَ الْاِفْطَارِ اِلَّا بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ.

(رسول اللہ ﷺ نے رؤیت ہلال رمضان کی ایک آدمی کی شہادت کو بھی کافی مانا ہے، اور عید کے چاند کی شہادت دو آدمیوں سے کم کی آپ کافی نہیں قرار دیتے تھے۔)

رمضان سے ایک دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

شریعت اسلام میں پورے رمضان کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھنے کا خاص اہتمام کیا جائے، بلکہ اس مقصد سے شعبان کا چاند دیکھنے کا بھی خصوصی اہتمام کیا جائے تاکہ کسی دھوکہ یا غفلت سے رمضان کا کوئی روزہ چھوٹ نہ جائے۔ لیکن حدود و شریعت کی حفاظت کے لئے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے ایک دو دن پہلے سے روزے نہ رکھے جائیں، اگر عبادت کے شوقین ایسا کریں گے تو خطرہ ہے کہ بیچارے ناواقف عوام اسی کو شریعت کا حکم اور مسئلہ سمجھنے لگیں، اسلئے اسکی ممانعت فرما دی گئی۔

۸۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ اَوْ يَوْمَيْنِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذَالِكَ الْيَوْمَ......** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی آدمی رمضان کے ایک دن پہلے سے روزے نہ رکھے، الّا یہ کہ اتفاق سے وہ دن پڑ جائے جس میں روزہ رکھنے کا کسی آدمی کا معمول ہو تو وہ شخص اپنے معمول کے مطابق اس دن بھی روزہ رکھ سکتا ہے۔ (مثلاً ایک آدمی کا معمول ہے کہ وہ ہر جمعرات یا پیر کو روزہ رکھتا ہے تو اگر ۲۹، ۳۰ شعبان کو جمعرات یا پیر پڑ جائے تو اس آدمی کو اس دن روزہ رکھنے کی اجازت ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۹۰) **عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِىْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ**
(رواہ ابوداؤد، والترمذی، والنسائی، وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: جس آدمی نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے پیغمبر خدا ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح..... "شک والے دن" سے مراد وہ دن ہے جس کے بارے میں شک ہو کہ یہ شاید رمضان کا دن ہو۔ مثلاً ۲۹ شعبان کو مطلع پر ابر یا غبار ہو اور چاند نظر نہ آئے تو اگلے دن کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ شاید آج چاند ہو چکا ہو اور غبار یا ابر کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو، اور اس لحاظ سے کل رمضان کا دن ہو..... تو شریعت میں اس شک اور وہم کا اعتبار نہیں ہے اور اس کی بناء پر اس دن روزہ رکھنے سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے، اور جیسا کہ اوپر درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہو چکا، ایسی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔

سحر اور افطار کے بارے میں ہدایات

(۹۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِى السَّحُوْرِ بَرَكَةً.**...... (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کھایا کرو کیونکہ سحر میں برکت ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... سحری میں برکت کا ایک ظاہری اور عمودی پہلو تو یہ ہے کہ اس کی وجہ سے روزہ دار کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور روزہ رکھنا زیادہ ضعف کا باعث اور زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔ اور دوسرا ایمانی اور دینی پہلو یہ ہے کہ اگر سحری کھانے کا رواج نہ رہے یا امت کے اکابر اور خواص سحری نہ کھائیں تو اس کا خطرہ ہے کہ عوام اسی کو شریعت کا حکم یا کم از کم اولیٰ یا افضل سمجھنے لگیں، اور اس طرح شریعت کے مقررہ حدود میں فرق پڑ جائے۔ اگلی امتوں میں اسی طرح تحریفات ہوئی ہیں تو سحری کی ایک برکت اور اس کا ایک بڑا دینی فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ اس قسم کی تحریفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اور اس لئے وہ اللہ کے محبوب اور اس کی رضا و رحمت کا باعث ہے..... مسند احمد میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

اَلسَّحُوْرُ بَرَكَةٌ فَلَا تَدَعُوْهُ وَلَوْ اَنْ يَّجْرَعَ اَحَدُكُمْ جُرْعَةً مِّنْ مَّاءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الْمُتَسَحِّرِيْنَ.

سحری میں برکت ہے اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت تک پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے، کیونکہ سحر میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے، اور فرشتے ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں۔

(۹۲) **عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَكْلَةُ السَّحَرِ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز سحری کھانا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے ہاں روزوں کے لئے سحری نہیں ہے، اور ہمارے ہاں سحری کھانے کا حکم ہے، اس لئے اس فرق اور امتیاز کو عملاً بھی قائم رکھنا چاہئے، اور اللہ کی اس نعمت کا کہ اس نے ہم کو یہ سہولت بخشی شکر ادا کرنا چاہئے۔

افطار میں تعجیل اور سحری میں تاخیر کا حکم

۹۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَحَبُّ عِبَادِىْ اِلَىَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا.**
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے بندوں میں مجھے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو روزہ کے افطار میں جلدی کرے۔ (یعنی غروب آفتاب کے بعد بالکل دیر نہ کرے)۔ (جامع ترمذی)

۹۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا عَجَّلُوا الْفِطْرَ......**
(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تک میری امت کے لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے وہ اچھے حال میں رہیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اسی مضمون کی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ کے آگے وَاَخَّرُوا السُّحُوْرَ بھی ہے (یعنی اس امت کے حالات اس وقت تک اچھے رہیں گے جب تک کہ افطار میں تاخیر نہ کرنا بلکہ جلدی کرنا، اور سحری میں جلدی نہ کرنا بلکہ تاخیر کرنا اس کا طریقہ اور طرز عمل رہے گا۔ اس کا راز یہ ہے کہ افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا شریعت کا حکم اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے، اور اس میں عام بندگان خدا کے لئے سہولت اور آسانی بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نگاہ کرم کا ایک مستقل وسیلہ ہے اس لئے امت جب تک اس پر عامل رہے گی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم کی مستحق رہے گی اور اس کے حالات اچھے رہیں گے، اور اس کے برعکس افطار میں تاخیر اور سحری میں جلدی کرنے میں چونکہ اللہ کے تمام بندوں کے لئے مشقت ہے اور یہ ایک طرح کی بدعت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے اس لئے وہ اس امت کے لئے بجائے رضا اور رحمت کے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے، اس واسطے جب امت اس طریقے کو اپنائے گی تو اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے محروم ہوگی اور اس کے حالات بگڑیں گے۔ افطار میں جلدی کا مطلب یہ ہے کہ جب آفتاب غروب ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر تاخیر نہ کی جائے اور اسی طرح سحری میں تاخیر کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے بہت پہلے سحری نہ کھالی جائے بلکہ جب صبح صادق کا

وقت قریب ہو تو اس وقت کھایا پیا جائے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا۔

۹۵) **عَنْ اَنَسٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ تَسَحَّرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَ الْاَذَانِ وَالسُّحُوْرِ قَالَ قَدْرُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً .** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی پھر (جلد ہی) آپ ﷺ نماز فجر کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ: سحری کھانے اور فجر کی اذان کے درمیان کتنا وقفہ رہا ہوگا؟ انہوں نے فرمایا: پچاس آیتوں کی تلاوت کے بقدر۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... صحت مخارج اور قواعد قرات کے لحاظ کے ساتھ پچاس آیات کی تلاوت میں پانچ منٹ سے بھی کم وقت صرف ہوتا ہے، اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سحری اور اذان فجر کے درمیان صرف چار پانچ منٹ کا فصل تھا۔

صوم وصال کی ممانعت

"صوم وصال" یہ ہے کہ بغیر افطار اور سحری کے مسلسل روزے رکھے جائیں اور دنوں کی طرح راتیں بھی بلا کھائے پیے گزریں، چونکہ اس طرح کے روزے سخت مشقت اور ضعف کا باعث ہوتے ہیں، اور اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ آدمی اتنا کمزور ہو جائے کہ دوسرے فرائض اور دوسری ذمہ داریوں کو ادا نہ کر سکے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس طرح روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن خود رسول اللہ ﷺ کا حال چونکہ یہ تھا کہ اس طرح روزے رکھنے سے آپ ﷺ کی صحت اور توانائی میں کوئی خاص فرق نہیں آتا تھا اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کی غیر مادی غذا اور روحانی قوت ملتی رہتی تھی اس لئے آپ ﷺ خود ایسے روزے رکھتے تھے۔

۹۶) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ فِى الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَيُّكُمْ مِثْلِىْ اِنِّىْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ** ...... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے لوگوں کو منع فرمایا تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: حضرت (ﷺ)! آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون میری طرح ہے (یعنی اس بارے میں میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو دوسروں کے ساتھ نہیں ہے اور وہ یہ ہے) میری رات اس طرح گزرتی ہے کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے (یعنی مجھے عالم غیب سے غذا ملتی ہے اس لئے اس معاملہ میں اپنے کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس مضمون کی حدیثیں الفاظ کے خفیف فرق کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہیں۔ ان تمام روایات سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس ممانعت کا مقصد اور منشاء یہی تھا کہ اللہ کے بندے مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوں اور ان کی صحتوں کو نقصان نہ پہنچے، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں تو یہ بات اور زیادہ صراحت کیساتھ مذکور ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَّهُمْ. (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے ترحم اور شفقت کی بناء پر صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔

اور آگے درج ہونیوالی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے صوم وصال کا شوق رکھنے والوں کو سحر تک کے وصال کی اجازت بھی دے دی تھی۔

۹۷) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تُوَاصِلُوْا فَاَيُّكُمْ اَرَادَ اَنْ يُّوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوْا فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّىْ اَبِيْتُ لِىْ مُطْعِمٌ يُّطْعِمُنِىْ وَسَاقٍ يَّسْقِيْنِىْ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ: تم لوگ صوم وصال نہ رکھو اور جو کوئی (اپنے شوق اور دل کے داعیہ اور جذبہ کی بناء پر) صوم وصال رکھنا ہی چاہے تو وہ بس سحر تک رکھے (یعنی سحر سے سحر تک قریباً ۲۴ گھنٹے کا۔) بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ: آپ خود تو صوم وصال رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: (اس معاملے میں) میرا حال تمہارا سا نہیں ہے، میں اس طرح رات گزارتا ہوں کہ ایک کھلانے والا مجھے کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا مجھے پلاتا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... ان حدیثوں میں صوم وصال کی راتوں میں اللہ تعالیٰ کے کھلانے اور پلانے کا جو ذکر ہے اس کی کوئی وضاحت اور خاص صورت احادیث سے معلوم نہیں ہوتی، بعض حضرات نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ آپ ﷺ کو صوم وصال میں خاص کر رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کا جو خاص الخاص قرب حاصل ہوتا تھا اس سے آپ ﷺ کی روح اور قلب کو وہ طاقت اور توانائی ملتی تھی جو کھانے پینے کے قائم مقام ہو جاتی تھی، اس کی تعبیر روحانی غذا سے بھی کی جاسکتی ہے...... اور بعض حضرات نے اس کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ صوم وصال کی راتوں میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت اور عالم غیب کے ماکولات و مشروبات کھلائے پلائے جاتے تھے...... لیکن یہ کھانا پینا اس عالم میں نہیں ہوتا تھا، اس وقت آپ کسی دوسرے عالم میں ہوتے تھے۔ ہم جیسے عوام خواب کے کھانے پینے میں غور کر کے اس کو سمجھ سکتے ہیں۔

افطار کے لئے کیا چیز بہتر ہے؟

۹۸) **عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلْيُفْطِرْ عَلَى التَّمْرِ فَاِنْ لَّمْ يَجِدِ التَّمْرَ فَعَلَى الْمَاءِ فَاِنَّ الْمَآءَ طَهُوْرٌ**...... (رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پھر پانی ہی سے افطار کرے، اسلئے کہ پانی کو اللہ تعالیٰ نے طہور بنایا ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح...... اہل عرب خاص طور سے اہل مدینہ کے لئے کھجور بہترین غذا تھی اور سہل الحصول اور ارزاں بھی تھی کہ غرباء اور فقراء بھی اس کو کھاتے تھے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے افطار کی ترغیب دی اور جس کو بروقت کھجور بھی نہ ملے اس کو پانی سے افطار کی ترغیب دی، اور اس کی یہ مبارک خصوصیت بتائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو طہور قرار دیا ہے۔ اس سے افطار کرنے میں ظاہر و باطن کی طہارت کی نیک فالی بھی ہے۔

۹۹) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ** ...... (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے تھے، اگر تر کھجوریں بروقت موجود نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

افطار کی دعا

۱۰۰) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ.** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: معاذ بن زہرہ تابعی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: اللّٰهم لك صمت وعلى رزقك افطرت۔ (اے اللہ! میں نے تیرے ہی واسطے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا)۔ (سنن ابی داؤد)

۱۰۱) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَاءَ اللّٰهَ.** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب روزہ افطار فرماتے تھے تو کہتے تھے: پیاس چلی گئی، اور رگیں (جو سوکھ گئی تھیں وہ) تر ہو گئیں، اور خدا نے چاہا تو اجر و ثواب قائم ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یعنی پیاس اور خشکی کی جو تکلیف ہم نے کچھ دیر اٹھائی وہ تو افطار کرتے ہی ختم ہو گئی، اب نہ پیاس باقی ہے اور نہ رگوں میں خشکی، اور انشاء اللہ آخرت کا نہ ختم ہونے والا ثواب ثابت و قائم ہو گیا...... یہ اللہ کے حضور میں آپ ﷺ کا شکر بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم و تلقین بھی کہ روزہ داروں کا احساس اور اذعان یہ ہونا چاہئے...... مندرجہ بالا دونوں دعاؤں کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ افطار کے بعد یہ کلمات کہتے

تھے۔

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ افطار کے وقت دعا کرتے تھے: یا واسع الفضل اغفرلی (اے وسیع فضل و کرم والے مالک! میری مغفرت فرما)۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

۱۰۲) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ فَطَّرَ صَآئِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ......
(رواہ البیهقی فی شعب الایمان ورواہ محی السنة فی شرح السنة)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا، یا کسی مجاہد کو جہاد کا سامان دیا (مثلاً اسلحہ وغیرہ) تو اس کو روزہ دار اور مجاہد کے مثل ہی ثواب ملے گا۔ (شعب الایمان للبیہقی و شرح السنہ للبغوی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قوانین میں سے یہ بھی ایک قانون ہے کہ کسی نیک عمل کی ترغیب دینے والے اور اس میں مدد دینے والے کو بھی اس عمل کے کرنے والے کا سا ثواب عطا فرماتے ہیں جو ناحقیقت شناس اللہ تعالیٰ کی شان کرم سے آشنا نہیں ہیں انہی کو اس طرح کی بشارتوں میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں...... اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

مسافرت میں روزہ

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں اور وہیں بتادیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (البقرہ، ۲:۱۸۵)

اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے، اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے سہولت اور آسانی منظور ہے، وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

اس آیت سے خود معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے، اس لئے آپ ﷺ نے کبھی سفر میں

روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تاکہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں ...... اس سلسلے کے آپ ﷺ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا کرنا بہتر ہے اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

۱۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْاَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ ...... فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ ...... (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے جو بہت روزے رکھا کرتے تھے ...... رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: چاہو تو رکھو اور چاہو نہ رکھو ...... (صحیح بخاری و مسلم)

۱۰۴) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ اِلٰى يَدِهِ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذَالِكَ فِيْ رَمَضَانَ ...... فَكَانَ اِبْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ اَفْطَرَ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ ﷺ برابر روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے (وہاں سے آپ ﷺ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے، اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ ﷺ نے پانی منگوایا، پھر آپ ﷺ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا، تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو پیا) پھر مکہ پہنچنے تک آپ نے روزے نہیں رکھے، اور یہ سب ماہ رمضان میں پیش آیا ...... تو ابن عباس رضی اللہ عنہ (اسی بناء پر) کہا کرتے تھے کہ: رسول اللہ ﷺ نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضاء بھی کئے ہیں، تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے ...... (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا جو رمضان ۸ھ میں ہوا تھا، اس میں آپ ﷺ شروع میں روزے رکھتے رہے جب مقام عسفان پہ پہنچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵، ۳۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا، اور اس کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آجائے تو آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں اس لئے آپ ﷺ نے روزہ قضا کر دیا، اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو ...... رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضاء کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے عسفان تک برابر روزے رکھے، اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ

قضا کرنا ہی افضل ہوتا، تو آپ ﷺ شروع سفر ہی سے قضاء کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح بالاعلان روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے۔ جب رسول خدا ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "یہ لوگ خطاکار اور گناہ گار ہیں" (کیونکہ انہوں نے منشاء نبوی ﷺ کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگر نادانستہ اور غلط فہمی سے کی، لیکن "حسنات الابرار سیات المقربین"۔

۱۰۵) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ غَزَوْ نَامَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِسِتَّ عَشَرَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ ...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جہاد کے لئے چلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہویں رمضان کو، تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بناء پر قضاء کئے، تو نہ تو روزے رکھنے والوں نے قضاء سفر کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضاء کرنے والوں نے روزے رکھنے والوں پر اعتراض کیا (یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا۔)

۱۰۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُواالْاَبْنِيَةَ وَسَقُواالرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعضے روزے رکھتے تھے، اور بعضے روزے قضاء کرتے تھے تو ایک دن جب کہ سخت گرمی تھی ہم ایک منزل پر اترے، تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انہوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو (یعنی سواری کے اونٹوں) کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آج روزے قضاء کرنے والے ثواب مار لے گئے۔ (یعنی انہوں نے زیادہ ثواب کما لیا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۰۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَرَأٰى زِحَامًا وَّرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَاهٰذَا؟ قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: یہ صاحب روزہ دار ہیں (ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اس لئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ

جمع ہو گئے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضاء کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کو ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے، ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضاء کرنا ضروری ہے اور اس میں اللہ کی رضا ہے۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں — خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

فرض روزوں کی قضا

۱۰۸) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَابَالُ الْحَائِضِ تَقْضِى الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِى الصَّلٰوةَ قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيْبُنَا ذَالِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُبِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: معاذہ عدویہ (جو ایک تابعی خاتون ہیں) وہ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: یہ کیا بات ہے کہ ایام حیض میں جو روزے قضا ہوتے ہیں ان کی تو قضا ہو جاتی ہے اور جو نمازیں قضا ہوتی ہیں ان کی قضا نہیں پڑھی جاتی؟ ام المؤمنین نے فرمایا کہ: (بس اللہ و رسول کا حکم ہے) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جب ہم اس میں مبتلا ہوتے تھے (اور اس کی وجہ سے ان دنوں میں روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتے تھے) تو ہم کو ان دنوں کے قضا شدہ روزے رکھنے کا حکم دیا جاتا تھا اور قضا نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم)

نفس کی خواہش سے بلا عذر شرعی فرض روزہ توڑنے کا کفارہ:

۱۰۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَالنَّبِىِّ ﷺ اِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْتُ قَالَ وَمَالَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰى اِمْرَاَتِىْ وَاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنَ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا...... قَالَ اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِىُّ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰى ذَالِكَ اُتِىَ النَّبِىُّ ﷺ بِعَرْقٍ فِيْهِ تَمَرٌ (وَالْعَرْقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْم) قَالَ اَيْنَ السَّائِلُ قَالَ اَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ فَقَالَ الرَّجُلُ اَعَلٰى اَفْقَرَمِنِّىْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا (يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْن) اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ فَضَحِكَ النَّبِىُّ ﷺ حَتّٰى بَدَتْ اَنْيَابُهٗ ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے

ہوئے تھے ایک آدمی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں تو ہلاک ہو گیا (یعنی میں ایک ایسا کام کر بیٹھا ہوں جس نے مجھے ہلاک و برباد کر دیا ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہو گیا؟ اس آدمی نے کہا: میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرلی (دوسری روایت میں ہے کہ یہ رمضان کا واقعہ ہے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اور تمہاری ملکیت میں کوئی غلام ہے جس کو تم اس غلطی کے کفارہ میں آزاد کر سکو؟ اس آدمی نے کہا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر کیا تم یہ کر سکتے ہو کہ متواتر دو مہینے کے روزے رکھو؟ اس نے عرض کیا کہ: یہ بھی میرے بس کی بات نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہارے پاس اتنا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکو؟ اس نے عرض کیا کہ: مجھے اس کی بھی مقدرت نہیں...... آپ ﷺ نے فرمایا: تو بیٹھے رہو (شاید اللہ تعالیٰ کوئی سبیل تمہارے لئے پیدا کرے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ)۔ رسول اللہ ﷺ بھی وہیں تشریف فرما رہے اور ہم لوگ بھی ابھی وہیں حاضر تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک بہت بڑا بورا آیا۔ آپ ﷺ نے پکارا کہ: مسئلہ پوچھنے والا وہ آدمی کدھر ہے؟ اس آدمی نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس بورے کو لے لو (اور اپنی طرف سے) صدقہ کر دو۔ اس نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ (ﷺ)! کیا ایسے محتاجوں پر صدقہ کروں جو مجھ سے زیادہ حاجت مند ہوں؟ خدا کی قسم! مدینہ کی دونوں طرف کی پتھریلی زمین کے درمیان (یعنی مدینہ کی پوری بستی) میں کسی گھر کے لوگ بھی میرے گھر والوں سے زیادہ حاجت مند نہیں ہیں (اس کی اس بات پر) رسول اللہ ﷺ کو (خلاف عادت) ایسی ہنسی آئی کہ آپ ﷺ کے دائیں بائیں کنارے والے دانت (کچلیاں) بھی ظاہر ہو گئیں (حالانکہ عادت مبارکہ صرف تبسم کی تھی) پھر آپ ﷺ نے اس آدمی سے فرمایا: اچھا! یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال ہی کو کھلا دو...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی رمضان کے روزہ میں نفس کی خواہش سے ایسی غلطی کر بیٹھے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرنے کی مقدرت ہو تو غلام آزاد کرے، اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو متواتر دو مہینے کے روزے رکھے، اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے...... جمہور ائمہ وفقہاء کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ اس میں ائمہ کی رائے میں اختلاف ہو گیا ہے کہ یہ کفارہ کیا صرف اسی صورت میں واجب ہو گا جبکہ کسی نے رمضان کے روزہ میں جماع کیا ہو۔ یا اس صورت میں بھی واجب ہو گا جب کسی نے دانستہ کچھ کھا پی کے روزہ توڑ ڈالا ہو۔ حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ کفارہ صرف جماع والی صورت کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ جماع ہی کا ہے...... لیکن امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ کفارہ دراصل رمضان کے روزہ کی بے حرمتی کا ہے اور اس جرم کی سزا ہے کہ اس نے اپنے نفس کی خواہش کے مقابلہ میں رمضان کے روزہ کا احترام نہیں کیا اور اس کو توڑ ڈالا، اور یہ جرم دونوں صورتوں میں یکساں ہے اس لئے اگر کسی نے دانستہ کھا پی کے روزہ توڑا تو اس پر بھی یہ کفارہ واجب ہو گا۔

اس واقعہ میں ایک عجیب و غریب بات یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان صاحب واقعہ صحابی کو

کھجوروں کا جو بورا اس لئے عنایت فرمایا تھا کہ مساکین پر صدقہ کر کے وہ اپنا کفارہ ادا کریں، ان کے اس کہنے پر کہ مدینہ بھر میں مجھ سے اور میرے اہل و عیال سے زیادہ حاجت مند کوئی بھی نہیں ہے آپ ﷺ نے اس بارے میں ان کو اجازت دے دی کہ اس کو اپنے ہی کام میں لے آئیں...... اس کے بارے میں جمہور ائمہ کی رائے یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس طرح ان کا کفارہ ادا ہو گیا، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وقتی ضرورت اور حاجت مندی کا لحاظ کر کے ان کھجوروں کو اپنے خرچ میں لے آنے کی ان کو اس وقت اجازت دے دی اور کفارہ ان کے ذمہ واجب رہا...... اور مسئلہ یہی ہے کہ اگر رمضان کا روزہ کوئی ایسا آدمی اس طرح توڑ ڈالے جو نہ تو فی الوقت غلام آزاد کر سکتا ہو، نہ دو مہینے متواتر روزے رکھ سکتا ہو اور نہ افلاس و غربت کی وجہ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو تو کفارہ اس کے ذمہ واجب رہے گا، وہ اس کی ادائیگی کی نیت رکھے اور جب کبھی اس کو استطاعت ہو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے...... اور امام زہری وغیرہ ائمہ کی رائے یہ ہے کہ عام شرعی قانون اور مسئلہ تو یہی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان صحابی کے ساتھ ایک طرح کا استثنائی معاملہ کیا اور ان کا کفارہ اسی طرح ادا ہو گیا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں کسی قدر اختصار کے ساتھ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ بعض علمائے کبار نے (جن کو ہمارے اساتذہ اور شیوخ نے دیکھا ہے) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کی شرح دو جلدوں میں لکھی ہے اور دکھایا ہے کہ اس حدیث سے ایک ہزار علمی فائدے اور نکتے پیدا ہوتے ہیں۔

کن چیزوں سے روزہ خراب نہیں ہوتا

بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں شبہ ہو سکتا ہے کہ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو گا، یا اس میں کچھ خرابی آجاتی ہو گی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات یا عمل سے واضح فرمادیا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے۔

۱۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جس نے روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھالیا یا پی لیا تو (اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا، اس لئے) وہ قاعدہ کے مطابق اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اس کو اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے (اس نے خود ارادہ کر کے روزہ نہیں توڑا ہے، اس لئے اس کا روزہ علیٰ حالہ ہے)

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحَجَامَةُ وَالْقَيْئُ وَالْاِحْتِلَامُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان تین چیزوں سے روزہ

نہیں ٹوٹتا۔ پچھنے لگوانا، قے ہو جانا اور احتلام۔ (جامع ترمذی)

۱۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَسَأَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَالَّذِیْ رَخَّصَ لَهٗ شَیْخٌ وَاِذَا لَّذِیْ نَهَاهُ شَابٌّ . (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لیٹنے لپٹنے کے بارے میں سوال کیا (کہ اس کی گنجائش ہے یا نہیں) آپ ﷺ نے ان کو بتایا کہ گنجائش ہے، اور دوسرے ایک صاحب نے آکر آپ ﷺ سے یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ممانعت فرمادی (اور اجازت نہیں دی) تو جن کو آپ ﷺ نے گنجائش بتلائی تھی وہ بوڑھی عمر کے آدمی تھے اور جن کو ممانعت فرمائی وہ جوان تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... فرق کی وجہ ظاہر ہے، جوان آدمی کے لئے چونکہ اس کا قوی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس کی خواہش اس پر غالب آجائے گی اور وہ روزہ خراب کر بیٹھے اس لئے آپ نے جوان سائل کو اجازت نہیں دی، اور بوڑھا آدمی چونکہ اس خطرے سے نسبتاً مامون ہوتا ہے اس لئے بوڑھے سائل کو آپ ﷺ نے رخصت اور گنجائش بتلادی۔

۱۱۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِشْتَكَیْتُ عَیْنَیَّ اَفَاَكْتَحِلُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ: میری آنکھ میں تکلیف ہے تو کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! لگا سکتے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... معلوم ہوا کہ آنکھ میں سرمہ یا کسی دوا کے لگانے سے روزہ پر اثر نہیں پڑتا۔

۱۱٤) عَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَةَ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَالَا اُحْصِیْ یَتَسَوَّكُ وَهُوَ صَائِمٌ...... (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اتنی دفعہ کہ میں شمار بھی نہیں کر سکتا، روزہ کی حالت میں مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۱۱۵) عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ بِالْعَرْجِ یَصُبُّ عَلٰی رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطْشِ اَوْمِنَ الْحَرِّ. (رواه مالك و ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے بعض اصحاب سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام عرج میں دیکھا، آپ ﷺ روزے سے تھے اور پیاس یا گرمی کی (شدت) کی وجہ سے سر مبارک پر پانی بہا رہے تھے۔ (موطا امام مالک، سنن ابی داؤد)

تشریح..... معلوم ہوا کہ روزہ کی حالت میں پیاس یا گرمی کی شدت کم کرنے کے لئے سر پر پانی ڈالنا اور اس قسم

کی دوسری تدابیر کرنا جائز ہے، اور یہ روزہ کی روح کے بھی خلاف نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس طرح کے بعض اعمال اس لئے بھی کرتے تھے کہ اس طرز عمل سے اپنی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو بندگی کی روح ہے...... نیز امت کے لئے آپ سہولت کا نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے...... اللہ کی رحمتیں ہوں آپ ﷺ پر اور اس کا سلام۔

عرج، مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے تین منزل پر ایک آباد موضع تھا، اس لئے یہ واقعہ کسی سفر کا ہے، ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ والے سفر ہی کا ہو، جو رمضان مبارک میں ہوا تھا، اور آپ ﷺ نے مقام عسفان پہنچنے تک برابر روزے رکھے تھے۔

۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ هَشَشْتُ فَقَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ صَنَعْتُ الْيَوْمَ اَمْرًا عَظِيْمًا قَبَّلْتُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ مَضْمَضْتَ مِنَ الْمَاءِ وَاَنْتَ صَائِمٌ قُلْتُ لَابَاسَ قَالَ فَمَهْ . (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ (روزے کی حالت میں) میرے اندر سخت تقاضا اور جذبہ پیدا ہوا، اور میں نے (اپنی بیوی) کا بوسہ لے لیا۔ اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ اگر تم پانی منہ میں لے کر کلی کرو (تو کیا اس سے تمہارے روزہ میں خرابی آئے گی؟) میں نے عرض کیا اس سے تو کوئی خرابی نہ آئے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر (خالی بوسہ لینے سے) کیا ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس جواب سے صرف یہ جزئی مسئلہ ہی نہیں معلوم ہوا کہ خالی بوسہ لینے سے روزہ میں خرابی نہیں آتی، بلکہ ایک اصول اور قاعدہ کلیہ معلوم ہو گیا، اور وہ یہ کہ دراصل روزے کو توڑنے والی چیز کھانا پینا اور جماع ہے، اور جس طرح کھانے پینے کی کسی چیز کا صرف منہ میں رکھنا (جو کھانے پینے کا گویا مقدمہ اور دیباچہ ہوتا ہے) روزہ کو نہیں توڑتا، اسی طرح بوس و کنار وغیرہ (جو جماع کے صرف مقدمات ہوتے ہیں) روزے کو خراب نہیں کرتے...... ہاں جس آدمی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ خواہش اور تقاضے سے مغلوب ہو کر کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے اس کو اس قسم کی باتوں سے روزے میں پورا پرہیز کرنا چاہئے...... جیسا کہ اوپر کی بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا۔

نفلی روزے

نماز اور زکوٰۃ کی طرح روزوں کا ایک نصاب اور کورس تو اسلام کا رکن اور گویا شرط لازم قرار دی گئی ہے۔ جس کے بغیر کسی مسلمان کی زندگی اسلامی زندگی نہیں بن سکتی، اور وہ رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہیں۔ اس کے علاوہ شریعت اسلام میں روحانی تربیت اور تزکیہ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کا خاص تقرب حاصل کرنے کے لئے دوسری نفلی عبادات کی طرح نفلی روزوں کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور بعض خاص دنوں اور

تاریخوں کی خاص فضیلتیں اور برکتیں بیان فرما کے ان کے روزوں کی خصوصی ترغیب دی گئی ہے۔رسول اللہ ﷺ زبانی تعلیم و تلقین کے علاوہ اپنے عمل سے بھی امت کو ان نفلی روزوں کی ترغیب دیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ اس کی بھی پوری احتیاط فرماتے تھے کہ نفلی روزوں میں حد اعتدال سے آگے نہ بڑھیں، اور ان کا اہتمام اور پابندی فرض روزوں کی طرح نہ کریں، بلکہ حدود اللہ کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے فرائض کو فرائض کی طرح ادا کریں اور نوافل کو نوافل کے درجے میں رکھیں...... اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلے کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے:۔

۱۱۷) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِكُلِّ شَيْئٍ زَكٰوةٌ وَزَكٰوةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ......**

(رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی زکوٰۃ ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور جسم کی زکوٰۃ روزے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

ماہ شعبان میں نفلی روزوں کی کثرت

۱۱۸) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَاَيْتُهٗ فِىْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِىْ شَعْبَانَ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور (نفلی روزوں کے بارے میں) یہ تھا کہ آپ (کبھی کبھی) مسلسل بلاناغہ روزے رکھنے شروع کرتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ ہی نہیں کریں گے، اور (کبھی اس کے برعکس ایسا ہوتا کہ) آپ روزے نہ رکھتے اور مسلسل بغیر روزے کے دن گزارتے، یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب آپ بلا روزے کے ہی رہا کریں گے...... اور فرماتی ہیں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کہ...... میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوں (اس حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ شعبان کے (قریباً) پورے مہینے ہی کے روزے رکھتے تھے)۔

تشریح...... حدیث کے پہلے جز کا مطلب تو یہ ہے کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپ ﷺ کا کوئی لگاؤ بندھا دستور و معمول نہیں تھا، بلکہ کبھی آپ مسلسل بلاناغہ روزے رکھتے تھے، اور کبھی مسلسل بغیر روزے کے رہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ امت کے لئے؟ آپ کی پیروی میں مشکل اور تنگی نہ ہو بلکہ وسعت کا راستہ کھلا رہے، اور ہر شخص اپنے حالات اور اپنی ہمت کے مطابق آپ کے کسی رویہ کی پیروی کر سکے۔ دوسرے جز کا مطلب یہ ہے کہ آپ پورے اہتمام سے پورے مہینے کے روزے صرف رمضان کے رکھتے تھے (جو اللہ نے

فرض کئے ہیں) ہاں شعبان میں دوسرے مہینوں کی بہ نسبت زیادہ روزے رکھتے ہوں...... بلکہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے کہ: قریب قریب پورے مہینے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور بہت کم دن ناغہ فرماتے تھے۔

ماہ شعبان میں رسول اللہ ﷺ کے زیادہ نفلی روزے رکھنے کے کئی سبب اور کئی حکمتیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے بعض وہ ہیں جن کی طرف بعض حدیثوں میں بھی اشارہ ملتا ہے- چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس مہینے میں بارگاہ الٰہی میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے سے ہوں۔

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ماہ شعبان میں بہت زیادہ روزے اس لئے رکھتے تھے کہ پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالہ کی جاتی ہے، آپ چاہتے تھے کہ جب آپ کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیئے جارہے ہوں تو اس وقت آپ روزے سے ہوں۔

اس کے علاوہ رمضان کا قرب اور اس کے خاص انوار و برکات سے مزید مناسبت پیدا کرنے کا شوق اور داعیہ بھی غالباً اس کا سبب اور محرک ہوگا، اور شعبان کے ان روزوں کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں سے پہلے پڑھے جانے والے نوافل کو فرضوں سے ہوتی ہے، اور اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ نفلی روزوں کی تعلیم و ترغیب جو آگے درج ہونے والی حدیث میں آرہی ہے، اس کو رمضان کے روزوں سے وہی نسبت ہوگی جو فرض نمازوں کے بعد والی سنتوں اور نفلوں کو فرضوں سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

رمضان کے بعد شوال کے چھ روزے

۱۱۹) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ...... (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رمضان کا مہینہ اگر ۲۹ ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ۳۰ روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے ۶ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد ۳۶ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون "الحسنة بعشر امثالها" (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق ۳۶ کا دس گنا ۳۶۰ ہو جاتا ہے اور

پورے سال کے دن ۳۶۰ سے کم ہی ہوتے ہیں..... پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں ۶ نفلی روزے رکھے وہ اس حساب سے ۳۶۰ روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے ۳۶۰ دن برابر روزے رکھے۔

ہر مہینہ میں تین نفلی روزے کافی ہیں

۱۲۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاعَبْدَ اللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَّاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِىْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ اِنِّىْ اُطِيْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذَالِكَ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَاِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَءْ فِىْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَّلَا تَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ...... (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: مجھے بتایا گیا ہے کہ تم نے یہ معمول بنا رکھا ہے کہ تم ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نوافل پڑھتے ہو (کیا واقعہ ایسا ہی ہے؟) میں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ طریقہ چھوڑ دو روزے بھی رکھا کرو اور ناغہ بھی کیا کرو، اسی طرح رات کو نماز بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے (تمہیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ جسم پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالو اور اس کے ضروری تقاضے بھی پورے نہ کرو) اسی طرح تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے (کہ تم اس کو سونے اور آرام لینے کا موقع دو) اسی طرح بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے ملاقاتیوں مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے (تم کو جائز نہیں کہ ان کی حق تلفی کر کے) اللہ کی عبادت کرو۔ سنو) جو ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس نے گویا روزہ رکھا ہی نہیں، ہر مہینے میں تین دن کے نفلی روزے رکھ لینا ہمیشہ روزہ رکھنے کے حکم میں ہے، اس لئے تم ہر مہینے بس تین روزے رکھ لیا کرو، اور مہینے میں ایک قرآن (تہجد میں) ختم کر لیا کرو۔ (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں (اس لئے مجھے زیادہ کی اجازت مرحمت فرمائیے۔) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم داؤد علیہ السلام کے روزوں کا طریقہ اختیار کر لو، اور یہ کہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار (یعنی روزہ کا ناغہ اور تہجد میں سات راتوں میں ایک قرآن ختم کر لیا کرو، اور اس سے زیادہ نہ کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوق عبادت بہت بڑھا ہوا تھا وہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھتے اور رات بھر نوافل پڑھتے اور اس میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کو وہ ہدایت فرمائی جو حدیث میں مذکور ہوئی اور اس کی عبادت میں اعتدال اور میانہ

روی کا حکم دیا اور فرمایا کہ: تم پر اپنے جسم و جان اور اپنے اہل تعلق کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی بھی رعایت اور ادائیگی ضروری ہے۔ آپ ﷺ نے پہلے انہیں مہینے میں تین نفلی روزے رکھنے اور تہجد میں پورے مہینے میں ایک قرآن پڑھنے کے لئے فرمایا، اور جب انہوں نے عرض کیا کہ میں با آسانی اس سے زیادہ کر سکتا ہوں لہٰذا کچھ زیادہ کی مجھے اجازت دے دیجئے تو آپ ﷺ نے ان کو صوم داؤد کی (یعنی ہمیشہ ایک دن روزہ اور ایک دن افطار کی) اور ہفتہ میں ایک قرآن مجید رات کے نوافل میں پورا کر لینے کی اجازت مرحمت فرمادی اور اس سے زیادہ کے لئے منع فرمادیا...... لیکن اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی ممانعت کا منشاء یہ نہیں تھا کہ زیادہ عبادت کرنا کوئی بری بات ہے، بلکہ یہ ممانعت بربنائے شفقت تھی (جس طرح چھوٹے بچوں کو زیادہ بوجھ اٹھانے سے منع کیا جاتا ہے) یہی وجہ ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے پر کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں آپ ﷺ نے ان کو مہینہ میں صرف تین روزوں کے بجائے صوم داؤد کی یعنی ۱۵ دن روزہ اور ۱۵ دن افطار کی اور مہینہ میں قرآن ختم کرنے کے بجائے ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کی اجازت دے دی۔ بلکہ ترمذی کی روایت کے مطابق بعد میں صرف پانچ دن میں قرآن مجید ختم کرنے کی بھی اجازت دے دی تھی اور بعض صحابہ کو حضور ﷺ نے تین دن میں قرآن ختم کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ [1]

۱۲۱) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ کَیْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ فَجَعَلَ عُمَرُ یُرَدِّدُ هٰذَا الْکَلَامَ حَتّٰی سَکَنَ غَضَبُهٗ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ الدَّهْرَ کُلَّهٗ قَالَ لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ یَصُمْ وَلَمْ یُفْطِرْ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمَیْنِ وَیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ وَیُطِیْقُ ذَالِکَ اَحَدٌ؟ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمًا قَالَ ذَالِکَ صَوْمُ دَاوٗدَ قَالَ کَیْفَ مَنْ یَّصُوْمُ یَوْمًا وَّیُفْطِرُ یَوْمَیْنِ قَالَ وَدِدْتُ اَنِّیْ طُوِّقْتُ ذَالِکَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ فَهٰذَا صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَصِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهٗ وَصِیَامَ یَوْمِ عَاشُوْرَاءَ احتَسِبُ عَلَی اللّٰهِ اَنْ یُّکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهٗ...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ: آپ روزے کس طرح رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزے رکھنے کے بارے میں آپ کا کیا معمول و دستور ہے؟) اس کے اس سوال پر رسول اللہ ﷺ کو ناگواری ہوئی (یعنی چہرۂ مبارک پر تکدر اور برہمی کے آثار ظاہر ہوئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو حاضر تھے) جب آپ کی ناگواری کی کیفیت کو محسوس کیا تو کہا:

---

[1] جمع الفوائد میں مسند احمد اور کبیر طبرانی کے حوالہ سے سعید بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت مروی ہے۔

رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ.

ہم راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد علیہ السلام کو نبی مان کر، اللہ کی پناہ اس کی ناراضی سے اور اس کے رسول کی ناراضی سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بار بار اپنی یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے مزاج مبارک میں جو ناگواری پیدا ہو گئی تھی اس کا اثر زائل ہو گیا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ (ﷺ)! وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ بلاناغہ روزے رکھے، اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اور اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو دو دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے یعنی بغیر روزے کے رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا کسی میں اس کی طاقت ہے؟ (یعنی یہ بہت مشکل ہے ہمیشہ روزہ رکھنے سے بھی زیادہ مشکل ہے اس لئے اس کا ارادہ نہ کرنا چاہئے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اور اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے: جو ہمیشہ ایک دن روزے رکھے اور ایک دن ناغہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ صوم داؤد ہے (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے غیر معمولی جسمانی قوت بخشی تھی ان کا معمول یہی تھا کہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن ناغہ کرتے تھے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اس آدمی کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن ناغہ کرے؟ اور اس طرح اوسطاً ہر مہینے میں دس دن روزہ رکھے۔) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میرا جی چاہتا ہے کہ مجھے اس کی طاقت عطا فرمائی جائے...... پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ہر مہینے کے تین نفلی روزے اور رمضان تا رمضان یہ (اجر و ثواب کے لحاظ سے) ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے (لہٰذا جو صوم دہر کا ثواب حاصل کرنا چاہے وہ اس کو اپنا معمول بنا لے) اور یوم عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں، میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے کرم سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی اور بعد کے سال کی (یعنی اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کی گندگیاں دھل جائیں۔) اور یوم عاشورا (۱۰ محرم) کے روزے کے بارے میں میں امید کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے کہ وہ صفائی کر دے گا اس سے پہلے سال کی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا اصل مفہوم و مقصد تو ظاہر ہے لیکن چند ضمنی باتیں وضاحت طلب ہیں، انہی کے بارے میں کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

حدیث کے بالکل شروع میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ: آپ کس طرح روزے رکھتے ہیں؟ (یعنی نفلی روزوں کے بارے میں خود آپ کا معمول اور طریقہ کیا ہے) آپ کو اس سوال پر ناراضی اور ناگواری ہوئی...... یہ ناراضی اور ناگواری ایسی ہی تھی جیسی شفیق استاد اور مربی کو کسی شاگرد اور زیر تربیت طالب و مرید کے غلط اور نامناسب سوال سے ہوتی ہے۔ سوال کرنے والے کو اصل بات دریافت

کرنی چاہئے تھی۔ یعنی یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ میرے لئے نفلی روزوں کے بارے میں کیا طرز عمل مناسب ہے؟ اس نے بجائے اس کے حضور ﷺ کا معمول دریافت کیا تھا۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ زندگی کے بہت سے شعبوں میں ان بہت سے اسباب کی بناء پر جو آپ کے منصب نبوت اور مصالح امت سے تعلق رکھتے تھے ایسا طرز عمل بھی اختیار کرتے تھے جس کی تقلید ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے اس لئے سائل کو آپ کا معمول دریافت کرنے کے بجائے اصل مسئلہ دریافت کرنا چاہئے تھا...... استاذ اور مربی کی اس طرح کی ناگواری بھی دراصل تربیت ہی کا ایک جزء ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سوال سے حضور ﷺ کی ناگواری کو محسوس کر کے مسلمانوں کی طرف سے عرض کیا: رضينا بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا نعوذ بالله من غضب الله وغضب رسوله ...... اس کے بعد آپ نے نفلی روزوں ہی کے بارے میں صحیح طریقے پر سوالات کئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔

جو شخص ہمیشہ بلاناغہ روزہ رکھے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ: لاصام ولاافطر (نہ اس نے روزہ رکھا نہ افطار کیا) اس سے آپ کا مقصد ناپسندیدگی کا اظہار ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ غلط ہے، نہ صوم ہے نہ افطار ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوالات کے جوابات کے بعد آپ ﷺ نے اپنی طرف سے جو مزید فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کے باب میں عام مسلمین کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ رمضان کے فرض روزے رکھا کریں، اس کے علاوہ ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھ لیا کریں جو الحسنة بعشر امثالها کے حساب سے ثواب میں تیس روزوں کے برابر ہوں گے اور اس طرح ان کو صوم دہر کا ثواب مل جائے گا...... مزید نفع مندی اور کمائی کے لئے یوم عرفہ اور یوم عاشورا کے دو روزے بھی رکھ لیا کریں۔ حضور ﷺ نے امید ظاہر فرمائی کہ رب کریم کے کرم سے مجھے امید ہے کہ یوم عرفہ کا روزہ ایک سال پہلی اور ایک سال بعد کی خطاکاریوں کا اور یوم عاشورا کا روزہ پہلے سال کی غلط کاریوں کا کفارہ بن جائے گا۔

واضح رہے کہ عرفہ کے دن جو دراصل حج کا دن ہے روزہ کی یہ فضیلت اور ترغیب غیر حاجیوں کے لئے ہے، حاجیوں کی اس دن کی خاص الخاص اور مقبول ترین عبادت میدان عرفات کا وقوف ہے جس کے لئے ظہر و عصر کی نماز مختصر اور ایک ساتھ پڑھ لینے کا حکم ہے اور ظہر کی سنتیں بھی اس دن چھوڑ دینے کا حکم ہے، اگر حاجی لوگ اس دن روزہ رکھیں گے تو ان کے لئے عرفات میں وقوف اور آفتاب غروب ہوتے ہی مزدلفہ کو چل دینا مشکل ہوگا، اس لئے حاجیوں کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا پسندیدہ نہیں ہے (بلکہ ایک حدیث میں ممانعت بھی وارد ہوئی ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے عمل سے بھی اسی کی تعلیم امت کو دی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ٹھیک اس وقت جب کہ آپ میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر تھے اور وقوف فرما رہے تھے سب کے سامنے دودھ نوش فرمایا تا کہ سب دیکھ لیں کہ آج آپ روزہ سے نہیں ہیں۔

غیر حاجیوں کے لئے یوم عرفہ کا روزہ دراصل اس دن کی ان رحمتوں اور برکتوں میں شریک اور حصہ دار ہونے ہی کے لئے ہے جو عرفات میں حجاج پر نازل ہوتی ہیں، اور اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ کے جو صاحب ایمان بندے حج میں شریک نہیں ہیں وہ اس پورے دن میں روزہ رکھ کر اس دن کی خاص الخاص رحمتوں اور برکتوں میں کسی درجے کا حصہ لے لیں۔ اسی طرح یوم النحر یعنی بقرعید کے دن غیر حاجیوں کو قربانی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا راز بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم عاشورا کا روزہ نفلی روزوں میں اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے پہلے وہی فرض تھا۔ جب رمضان المبارک کے روزے فرض کئے گئے تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور صرف نفلی درجہ رہ گیا۔ اس کے بارے میں احادیث آگے مستقل عنوان کے تحت انشاءاللہ درج ہوں گی۔

مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا معمول

۱۲۲) عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ تَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ صِيَامَ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ – (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چار چیزیں وہ ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ کبھی نہیں چھوڑتے تھے..... (۱) عاشورا کا روزہ، (۲) عشرۂ ذی الحجہ (یعنی یکم ذی الحجہ سے یوم العرفہ نویں ذی الحجہ تک) کے روزے، (۳) ہر مہینے کے تین روزے، (۴) اور قبل فجر کی دو رکعتیں ... (سنن نسائی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ یہ چار چیزیں اگرچہ فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ ان کا اتنا اہتمام اور ایسی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی یہ چیزیں ترک نہیں ہوتی تھیں۔

۱۲۳) عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ اَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِىْ مِنْ اَيِّ اَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: معاذہ عدویہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینہ تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! آپ ہر مہینے تین روزے رکھتے تھے۔ معاذہ نے پوچھا کہ: مہینے کے کس حصے میں (اور کن تاریخوں) میں رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ: اس کی فکر نہیں فرماتے تھے کہ مہینہ کے کس حصے میں رکھیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض روایات میں ہر مہینے کے شروع میں روزے رکھنے کا حضور ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے اور بعض روایات میں مہینہ کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں کا، اور بعض روایات میں ہفتہ کے خاص خاص تین دنوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے جیسا کہ معلوم ہوا

ان میں سے کوئی بھی آپ کا دوامی معمول نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کو سفر اور اس کے علاوہ بھی دوسری چیزیں بکثرت پیش آتی رہتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے لئے خاص تاریخوں یا دنوں کی پابندی مناسب نہیں تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کا خاص تاریخوں اور خاص دنوں میں ہمیشہ روزے رکھنا امت کے مختلف الحال لوگوں کے لئے باعث زحمت ہوتا اور اس سے یہ غلط فہمی بھی ہو سکتی تھی کہ یہ روزے واجبات میں سے ہیں۔ الغرض اس طرح کی مصلحتوں کی وجہ سے آپ خود خاص تاریخوں اور دنوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا، لیکن صحابۂ کرام کو آپ مہینے کے تین دن کے روزوں کے سلسلے میں اکثر ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

ایام بیض کے روزے

۱۲۴) **عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔** (رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ: اے ابوذر! جب تم مہینے کے تین روزے رکھو تو تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کے روزے رکھا کرو۔
(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔)

۱۲۵) **عَنْ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْمُرُنَا اَنْ نَّصُوْمَ الْبِيْضَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ وَقَالَ هُوَ كَهَيْئَةِ الدَّهْرِ۔** (رواه ابوداؤد والنسائى)

ترجمہ: حضرت قتادہ بن ملحان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو حکم فرماتے تھے کہ ہم ایام بیض یعنی مہینہ کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو روزہ رکھا کریں۔ اور فرماتے تھے کہ مہینے کے ان تین دنوں کے روزے رکھنا اجر و ثواب کے لحاظ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح ...... یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہر مہینے تین نفلی روزے رکھنے والا صاحب ایمان بندہ الحسنة بعشر امثالها کے کریمانہ قانون کے حساب سے مہینے کے تیس دن یعنی ہمیشہ روزے رکھنے کے ثواب کا مستحق ہوگا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ روزے تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کو رکھے جائیں۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ خود رسول اللہ ﷺ ان اہم دینی مصالح کی وجہ سے جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ ان تاریخوں کی پابندی نہیں فرماتے تھے، اور آپ کے حق میں یہی افضل اور اولیٰ تھا۔

یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت

اوپر جو حدیثیں ہر مہینہ میں تین دن کے نفلی روزوں کے بارے میں درج ہوئیں، ان میں سے بھی بعض یوم عاشورہ کے روزے کی فضیلت اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کے خصوصی اہتمام و پابندی کا ذکر ضمناً آچکا ہے۔ ذیل میں چند حدیثیں درج کی جارہی ہیں جو خاص اسی سے متعلق ہیں، اور جن سے اس دن کی خصوصیت اور تاریخی اہمیت بھی معلوم ہوگی۔

۱۲۶) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَّوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یوم عاشورہ (۱۰ محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت اور اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: ہمارے ہاں یہ بڑی عظمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا اس لئے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے پیغمبر موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی عاشورہ کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا۔ حالانکہ صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صریح روایت موجود ہے کہ قریش مکہ میں قبل از اسلام بھی یوم عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے۔ پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آکر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ زمانۂ جاہلیت میں قریش مکہ کے نزدیک بھی بڑا محترم دن تھا اسی دن خانہ کعبہ پر نیا غلاف ڈالا جاتا تھا اور قریش اس دن روزہ رکھتے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کی کچھ روایات اس دن کے بارے میں ان تک پہنچی ہوں گی اور رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ قریش ملت ابراہیمی کی نسبت سے جو اچھے کام کرتے تھے ان میں آپ ﷺ ان سے اتفاق اور اشتراک فرماتے تھے۔ اسی بناء پر حج میں بھی شرکت فرماتے تھے۔ پس اپنے اس اصول کی بناء پر آپ قریش کے ساتھ عاشورہ کا روزہ بھی رکھتے تھے،

لیکن دوسروں کو اس کا حکم نہیں دیتے تھے...... پھر جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے اور یہاں کے یہود کو بھی آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا اور ان سے آپ کو یہ معلوم ہوا کہ وہ یہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ نے نجات فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا (اور مسند احمد وغیرہ کی روایت کے مطابق اسی یوم عاشورہ کو حضرت نوحؑ کی کشتی جودی پہاڑ پر لگی تھی) تو آپ ﷺ نے اس دن کے روزے کا زیادہ اہتمام فرمایا، اور مسلمانوں کو عمومی حکم دیا کہ وہ بھی اس دن روزہ رکھا کریں۔ بعض احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا ایسا تاکیدی حکم دیا جیسا حکم فرائض اور واجبات کے لئے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا اور سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم عاشورہ کی صبح مدینہ کے آس پاس کی ان بستیوں میں جن میں انصار رہتے تھے یہ اطلاع بھجوائی کہ جن لوگوں نے ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو وہ آج کے دن روزہ داروں کی طرح رہیں......

ان حدیثوں کی بناء پر بہت سے ائمہ نے یہ سمجھا ہے کہ شروع میں عاشورہ کا روزہ واجب تھا، بعد میں جب رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کی حیثیت ایک نفلی روزے کی رہ گئی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس کی برکت سے پہلے ایک سال کے گناہوں کی صفائی ہو جائے گی۔" اور صوم یوم عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی رہا کہ آپ رمضان مبارک کے فرض روزوں کے علاوہ سب سے زیادہ اہتمام نفلی روزوں میں اسی کا کرتے تھے۔

۱۲۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَتَحَرّٰی صِیَامَ یَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰی غَیْرِهٖ اِلَّا هٰذَا لْیَوْمَ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَاالشَّهْرَ یَعْنِیْ شَهْرَ رَمَضَانَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ کسی فضیلت والے دن کے روزے کا بہت زیادہ اہتمام اور فکر کرتے ہوں، سوائے اس دن یوم عاشورہ کے اور سوائے اس ماہ مبارک رمضان کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے طرز عمل سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہی سمجھا کہ نفلی روزوں میں جس قدر اہتمام آپ یوم عاشورہ کے روزے کا کرتے تھے اتنا کسی دوسرے نفلی روزے کا نہیں کرتے تھے۔

۱۲۸) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حِیْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَاَمَرَبِصِیَامِهٖ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ یَوْمٌ یُعَظِّمُهُ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا کَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْشَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْیَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ فَلَمْ یَاتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰی تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یوم عاشورہ میں روزہ

رکھنے کو اپنا اصول و معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! اس دن کو تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں (اور یہ گویا ان کا قومی و مذہبی شعار ہے اور خاص اس دن ہمارے روزہ رکھنے کے ان کے ساتھ اشتراک اور تشابہ ہوتا ہے، تو کیا اس میں کوئی ایسی تبدیلی ہو سکتی ہے جس کے بعد یہ اشتراک اور تشابہ والی بات باقی نہ رہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: انشاء اللہ! جب اگلا سال آئے گا تو ہم نویں کو روزہ رکھیں گے ...... عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی وفات واقع ہو گئی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اشکال عرض کرنے پر یہ بات رسول اللہ ﷺ نے وفات شریف سے کچھ ہی پہلے فرمائی، اتنی پہلے کہ اس کے بعد محرم کا مہینہ آیا ہی نہیں، اور اس لئے اس نئے فیصلے پر عمل درآمد حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں نہیں ہو سکا، لیکن امت کو رہنمائی مل گئی کہ اس طرح کے اشتراک اور تشابہ سے بچنا چاہئے...... چنانچہ اسی مقصد سے آپ ﷺ نے یہ طے فرمایا کہ انشاء اللہ آئندہ سال سے ہم نویں کا روزہ رکھیں گے۔

نویں کا روزہ رکھنے کا آپ نے جو فیصلہ فرمایا اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور علماء نے دونوں بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ آئندہ سے ہم بجائے دسویں محرم کے یہ روزہ نویں محرم ہی کو رکھا کریں گے اور دوسرا یہ کہ آئندہ سے ہم دسویں محرم کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھا کریں گے، اور اس طرح سے ہمارے اور یہود و نصاریٰ کے طرز عمل میں فرق ہو جائے گا...... اکثر علماء نے اسی دوسرے مطلب کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ یوم عاشورہ کے ساتھ اس سے پہلے نویں کا روزہ بھی رکھا جائے اور اگر نویں کو کسی وجہ سے نہ رکھا جا سکے تو اس کے بعد کے دن گیارہویں کو رکھ لیا جائے۔

یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں چونکہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے، بلکہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لئے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانہ رفع تشابہ کے لئے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

عشرۂ ذی الحجہ اور یوم العرفہ کا روزہ

۱۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ اَنْ یُّتَعَبَّدَ فِیْهَا مِنْ عَشْرِ ذِی الْحِجَّةِ یَعْدِلُ صِیَامُ كُلِّ یَوْمٍ بِصِیَامِ سَنَةٍ وَّقِیَامُ كُلِّ لَیْلَةٍ مِّنْهَا بِقِیَامِ لَیْلَةِ الْقَدْرِ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنوں میں سے کسی دن میں بھی بندے کا عبادت کرنا اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب نہیں جتنا کہ عشرۂ ذی الحجہ میں محبوب ہے (یعنی ان دنوں کی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے تمام دنوں سے زیادہ محبوب ہے) اس عشرہ کے ہر دن کا روزہ سال بھر کے

روزوں کے برابر ہے، اور اس کی ہر رات کے نوافل شب قدر کے نوافل کے برابر ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس سے پہلے بھی ایک حدیث میں ضمنی طور پر عشرۂ ذی الحجہ کے نفلی روزوں کا ذکر آچکا ہے اور وہاں یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد یکم ذی الحجہ سے نویں ذی الحجہ تک کے ۹ دن ہیں، کیونکہ عید کے دن تو روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

۱۳۰) عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اِنِّىْ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ بَعْدَهٗ وَالسَّنَةِ الَّتِىْ قَبْلَهٗ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ اس کے بعد والے سال اور پہلے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت ابو قتادہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے زیر عنوان "ہر مہینہ کے تین نفلی روزے" پہلے گزر چکی ہے، اس میں یہ مضمون بھی قریب قریب انہی الفاظ میں آچکا ہے اور وہاں دوسری احادیث کی روشنی میں یہ وضاحت بھی کی جاچکی ہے کہ یوم عرفہ کے روزہ کی فضیلت اور ترغیب ان حجاج کے لئے نہیں ہے جو اداءِ حج کے لئے عرفہ کے دن میدان عرفات میں حاضر ہوں، ان کے لئے وہاں روزہ نہ رکھنا افضل ہے..... اور وہیں اس کی حکمت بھی بیان کی جاچکی ہے۔

فائدہ..... بعض لوگ ایسی حدیثوں میں شک کرنے لگتے ہیں جن میں کسی عمل کا ثواب اور ثمرہ ان کے خیال کے لحاظ سے بہت زیادہ اور غیر معمولی بیان کیا گیا ہو، جس طرح کہ اس حدیث میں عرفہ کے روزے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "اس کی برکت سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کے معاف ہو جانے کی امید ہے۔" اس میں شک کی بنیاد ارحم الراحمین کی رحمت و کرم کی وسعت سے ناآشنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی کریم اور مختار مطلق ہے جس دن کے جس عمل کی اپنے کرم سے جتنی بڑی چاہے قیمت مقرر فرمائے — سال کی ایک رات "ليلة القدر" کو اس نے "خير من الف شهر" ہزار مہینوں یعنی قریباً تیس ہزار دنوں اور راتوں سے بہتر قرار دیا ہے، یہ اس کی کریمی ہے..... الغرض جب حدیث صحیح ہو تو اس طرح کے وساوس مؤمن کو نہ ہونے چاہئیں۔

پندرھویں شعبان کا روزہ

۱۳۱) عَنْ عَلِيٍّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَصُوْمُوْا نَهَارَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُلَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقُهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيْهِ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلَعَ الْفَجْرُ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب شعبان کی پندرھویں رات آئے تو اس رات میں اللہ کے حضور میں نوافل پڑھو اور اس دن کو روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں آفتاب غروب ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص تجلی اور رحمت پہلے آسمان پر اتر آتی ہے اور وہ ارشاد فرماتا ہے کہ: کوئی بندہ ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کا فیصلہ کروں، کوئی بندہ ہے جو روزی مانگے اور میں اس کو روزی دینے کا فیصلہ کروں، کوئی مبتلائے مصیبت بندہ ہے جو مجھ سے صحت و عافیت کا سوال کرے اور میں اس کو عافیت عطا کروں، اسی طرح مختلف قسم کے حاجت مندوں کو اللہ پکارتا ہے کہ وہ اس وقت مجھ سے اپنی حاجتیں مانگیں اور میں عطا کروں۔ غروب آفتاب سے لے کر صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اپنے بندوں کو اس رات میں پکارتی رہتی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس حدیث کی بناء پر اکثر بلاد اسلامیہ کے دیندار حلقوں میں پندرھویں شعبان کے نفلی روزے کا رواج ہے، لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سند کے لحاظ سے نہایت ضعیف قسم کی ہے۔ اسکے ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل نے یہاں تک کہا ہے کہ وہ حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

پندرھویں شعبان کے روزہ کے متعلق تو صرف یہی ایک حدیث روایت کی گئی ہے، البتہ شعبان کی پندرھویں شب میں عبادت اور دعا و استغفار کے متعلق بعض کتب حدیث میں اور بھی متعدد حدیثیں مروی ہیں لیکن ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند محدثین کے اصول و معیار کے مطابق قابل اعتماد ہو، مگر چونکہ یہ متعدد حدیثیں ہیں اور مختلف صحابۂ کرام سے مختلف سندوں سے روایت کی گئی ہیں اس لئے ابن الصلاح وغیرہ بعض اکابر محدثین نے لکھا ہے کہ غالباً اس کی کوئی بنیاد ہے۔ واللہ اعلم

خاص دنوں میں نفلی روزے

جس طرح اب تک کی درج ہونے والی حدیثوں میں سال کے بعض متعین مہینوں اور مہینوں کی بعض مخصوص تاریخوں میں نفلی روزے رکھنے کی خاص ترغیب دی گئی ہے اسی طرح ہفتہ کے بعض مخصوص دنوں کے لئے بھی یہ ترغیب دی گئی ہے اور خود رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی اس بارے میں رہنمائی ملتی ہے۔

۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِىْ وَاَنَا صَائِمٌ . (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پیر کو اور جمعرات کو اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میرے عمل کی پیشی ہو تو میں اس دن روزہ سے ہوں۔ (جامع ترمذی)

۱۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْس.

(رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

۱۳۴) **عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُ وَفِيْهِ اُنْزِلَ عَلَيَّ.**

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں پیر ہی کے دن پیدا ہوا، اور پیر ہی کے دن سے مجھ پر قرآن کا نزول شروع ہوا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ پیر کا دن بڑی برکت اور رحمت والا دن ہے، اسی دن میں تمہارے نبی ﷺ کی پیدائش ہوئی اور اسی دن کتاب اللہ کا نزول شروع ہوا، پھر اس دن کے روزے کا کیا پوچھنا!...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ جو پیر کے دن (کبھی کبھی یا اکثر) روزہ رکھتے تھے تو اس کا ایک محرک تو وہ تھا جس کا اوپر کی حدیث میں ذکر آیا، یعنی یہ کہ "اس دن اعمال کی ایک پیشی ہوتی ہے اور آپ چاہتے تھے کہ اس پیشی کے دن آپ روزہ کی حالت میں ہوں۔" اور دوسرا محرک اللہ تعالیٰ کی ان دو عظیم نعمتوں (ولادت اور وحی و نبوت) کے شکر کا جذبہ بھی تھا جو آپ ﷺ کو پیر ہی کے دن عطا ہوئیں اور جو ساری دنیا کے لئے بھی نعمت اور رحمت ہے...... وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔

۱۳۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ...... قَلَّمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ .**

(رواہ الترمذی والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے تھے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر آپ ﷺ کا روزہ ہوتا تھا، لیکن دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے منع فرماتے تھے کہ جمعہ کی فضیلت اور خصوصیت کی وجہ سے لوگ ایسا کرنے لگیں کہ نفلی روزے جمعہ ہی کو رکھیں اور شب بیداری اور عبادت کے لئے شب جمعہ ہی کو مخصوص کریں۔

۱۳۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ اَحَدُكُمْ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم لوگ راتوں میں سے جمعہ کی رات کو نماز اور عبادت کے لئے مخصوص نہ کرو اور اسی طرح دنوں میں سے جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے مخصوص نہ کرو، الّا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جس کو تم میں سے کوئی روزہ رکھتا ہو (اس

صورت میں اس جمعہ کے نفلی روزے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جمعہ کے دن اور اس کی رات کی خاص فضیلت کی وجہ سے چونکہ اس کا امکان زیادہ تھا کہ فضیلت پسند لوگ اس دن نفلی روزہ رکھنے کا اور اس کی رات میں شب بیداری اور عبادت کا بہت زیادہ اہتمام کرنے لگیں اور جس چیز کو اللہ ورسول نے فرض وواجب نہیں بتایا اس کے ساتھ فرض وواجب کا سا معاملہ ہونے لگے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت فرمائی..... اس کے علاوہ اس ممانعت کے علمائے کرام نے اور بھی بعض مصالح لکھے ہیں۔ بہر حال یہ ممانعت انتظامی ہے اور منشاء یہ ہے کہ جمعہ کا روزہ اور شب جمعہ کی شب بیداری ایک زائد رسم نہ بن جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْاٰخَرِ الثُّلَثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایسا بھی کرتے تھے کہ) ایک مہینہ میں سنیچر، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے، اور دوسرے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت سے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مہینہ کے تین روزوں کے بارے میں حضور ﷺ کا کوئی لگا بندھا معمول نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ کی اس روایت کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ ایسا بھی کرتے تھے کہ ایک مہینہ میں آپ ﷺ نے کبھی ہفتہ کے پہلے تین دنوں سنیچر، اتوار، پیر کا روزہ رکھ لیا اور دوسرے مہینہ میں بعد والے تین دنوں منگل، بدھ اور جمعرات کا..... (اور جمعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان گزر ہی چکا کہ آپ جمعہ کے دن اکثر و بیشتر روزہ رکھتے تھے)..... گویا علاوہ ان مخصوص تاریخوں اور دنوں کے جن کے روزہ کی خاص فضیلت ہے۔ آپ اس کا بھی اہتمام فرماتے تھے کہ آپ کا نفلی روزہ ہفتہ کے ہر دن میں پڑ جائے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ کے بنائے ہوئے ساتوں دن مبارک اور عبادت کے دن ہیں۔

وہ دن جن میں نفلی روزہ رکھنا منع ہے

سال میں بعض مخصوص دن وہ بھی ہیں جن میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، اور اللہ تعالیٰ حاکم مطلق ہے، اس نے نماز کو عظیم عبادت بھی قرار دیا اور بعض خاص اوقات میں (مثلاً طلوع و غروب اور استواء کے وقت) نماز کی ممانعت بھی فرمادی۔ اسی طرح اس نے روزہ کو محبوب ترین عبادت اور روحانی ترقی کا خاص وسیلہ بھی قرار دیا، اور بعض خاص دنوں میں روزہ رکھنا حرام بھی کر دیا، یہ بات حاکم مطلق کی شان حاکمیت کے عین مطابق ہے، اور ہم بندوں کا کام بس حکم کی تعمیل اور فرمانبرداری ہے۔

۱۳۸) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِىِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔

(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: یوم الفطر کے روزے، اور قربانی کے دن کے روزہ رکھنے سے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صِيَامِ يَوْمَيْنِ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر میں روزہ رکھنے سے۔ (صحیح مسلم)

۱۴۰) عَنْ اَبِیْ عُبَيْدٍ مَوْلٰى ابْنِ اَزْهَرَ قَالَ شَهِدْتُّ الْعِيْدَ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَجَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ انْصَرَفَ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَانِ يَوْمَانِ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِهِمَا يَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَالْاٰخَرُ يَوْمٌ تَاكُلُوْنَ فِيْهِ مِنْ نُسُكِكُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابو عبید مولیٰ ابن ازہر تابعی سے روایت ہے کہ میں نے عید کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں پڑھی۔ انہوں نے نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر خطبہ دیا، اس میں فرمایا کہ: عید کے یہ دونوں دن وہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک دن تو (پورے مہینے رمضان کے روزوں کے بعد) تمہارے فطر کا دن ہے، اور دوسرا اپنی قربانیوں کے گوشت کھانے کا دن ہے۔ (صحیح مسلم)

۱۴۱) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَّذِكْرِ اللّٰهِ.

(رواہ مسلم)

ترجمہ: نُبَیْشَہ ھُذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے دن ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں یوم الفطر اور یوم النحر کے دنوں میں روزہ رکھنے کی صریح ممانعت فرمائی گئی ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یوم الفطر کا روزہ تو اس لئے منع ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے رمضان کے بعد "فطر کا دن" یعنی روزہ نہ رکھنے اور کھانے پینے کا دن قرار دیا ہے اس لئے اس دن روزہ رکھنے میں منشاء الٰہی کی مخالفت ہے، اور یوم النحر کا روزہ اس لئے منع ہے کہ وہ قربانی کا گوشت کھانے کا دن ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ اس دن جو قربانیاں اللہ تعالیٰ کے لئے کی جائیں اس کے بندے ان قربانیوں کا گوشت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی ضیافت سمجھ کر اور اس کے در کے فقیر بن کر شکر کے ساتھ کھائیں، اور وہ بندہ بلاشبہ بڑا متکبر اور کافر نعمت ہے جو اللہ کی عام ضیافت کے دن دانستہ روزہ رکھ لے، اور چونکہ ذی الحجہ کی گیارھویں اور بارھویں بھی قربانی کے دن ہیں، اس لئے ان کا حکم بھی یہی ہے..... اور

نبیشہ ہذلی کی آخری حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے ایام تشریق کو کھانے پینے کے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ضیافت کے دن فرمایا ہے جس میں ۱۳ ذی الحجہ بھی شامل ہے، اسلئے ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک پانچوں دن روزہ رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، اب ان دنوں میں روزہ رکھنا عبادت نہیں بلکہ معصیت ہوگا۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

نفلی روزہ توڑا بھی جا سکتا ہے

رمضان کا روزہ اگر بغیر عذر شرعی توڑ دیا جائے تو اس کا بہت بھاری کفارہ بھی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کا تفصیلی بیان اپنے موقع پر گزر چکا ہے۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والا اگر چاہے تو توڑ بھی سکتا ہے، اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا اور وہ گناہ گار بھی نہیں ہوگا..... رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی خود بھی ایسا کیا ہے، اور دوسروں کو بھی یہ مسئلہ بتلایا ہے۔

۱۴۲) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْئٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا اٰخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ ـ** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: کیا تمہارے ہاں کھانے کے لئے اس وقت کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ: اس وقت تو کچھ بھی نہیں ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اب ہم روزہ رکھتے ہیں..... پھر ایک اور دن آپ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ: آج ہمارے ہاں حَیس (خرما اور مکھن کا ملیدہ) ہدیہ آیا ہے، اس کو نوش فرمالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دکھاؤ! ہم نے آج روزے کی نیت کرلی تھی..... پھر آپ ﷺ نے اس میں سے نوش فرمایا، اور روزہ نہیں رکھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ نفلی روزے کی نیت دن میں بھی کی جاسکتی ہے، اور دوسری یہ کہ نفلی روزے کی نیت کرلینے کے بعد اگر رائے بدل جائے تو اس کو توڑا بھی جاسکتا ہے..... اگلی حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت کے ساتھ معلوم ہوگی۔

۱۴۳) **عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأُمُّ هَانِئٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ فَجَاءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِإِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا.** (رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: فتح مکہ کے بعد (جب کہ رسول اللہ ﷺ

مکہ معظمہ میں تشریف فرما تھے) حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھ گئیں اور ام ہانی رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے داہنی جانب تھیں کہ ایک بچی آپ ﷺ کے پینے کے لئے کوئی مشروب لے کر آئی اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پی لیا اور پھر ام ہانی رضی اللہ عنہا کی طرف بڑھادیا۔ انہوں نے بھی اس میں سے پی لیا اور پھر حضور ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں روزے سے تھی اور میں نے یہ پی کر روزہ توڑ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس روزے کے ذریعے کسی فرض یا واجب کو ادا کرنا چاہتی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں (بلکہ صرف نفلی روزہ تھا۔) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر نفلی تھا، تو پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ (سنن ابی داود، جامع ترمذی، سنن دارمی)

تشریح...... اس حدیث میں تصریح ہے کہ نفلی روزہ توڑ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَاءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ (یعنی نفل روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے کہ چاہے تو روزہ پورا کرے اور کسی وجہ سے توڑنا چاہے تو توڑ دے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھنا پڑے گا یا نہیں...... آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی قضا رکھنے کا بھی حکم ہے۔

۱۴۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهُ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: میں اور حفصہ (رضی اللہ عنہا) دونوں نفلی روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا پیش کیا گیا جس کو کھانے کا ہمارا جی چاہا، اور ہم نے اس کو کھالیا۔ پھر حفصہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھے، ہمارے سامنے کھانا آیا، جس کو کھانے کے لئے ہمارا جی چاہا، تو ہم نے اس میں سے کچھ کھالیا (اور روزہ توڑ دیا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی جگہ کسی دن قضا روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دینے کی صورت میں اس کی قضا کے طور پر روزہ رکھنا چاہئے۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قضا واجب ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک واجب نہیں صرف مستحب ہے۔

تَمَّ كِتَابُ الصَّوْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

معارفُ الحدیث

حصہ چہارم

کتاب الحج

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ
سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ

(آل عمران، ۳:۹۷)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر
جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو نہ مانے تو اللہ کو
پرواہ نہیں دنیا بھر کی!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے اسلام کے پانچ ارکان میں سے آخری اور تکمیلی رکن "حج بیت اللہ" ہے۔ حج کیا ہے؟...... ایک معین اور مقررہ وقت پر اللہ کے دیوانوں کی طرح اس کے دربار میں حاضر ہونا، اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اداؤں، اور طور طریقوں کی نقل کر کے ان کے سلسلے اور مسلک سے اپنی وابستگی اور وفاداری کا ثبوت دینا اور اپنی استعداد کے بقدر ابراہیمی جذبات اور کیفیات سے حصہ لینا اور اپنے کو ان کے رنگ میں رنگنا۔

مزید وضاحت کے لئے کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان یہ ہے کہ وہ ذوالجلال والجبروت، احکم الحاکمین اور شہنشاہ کل ہے، اور ہم اس کے عاجز و محتاج بندے اور مملوک و محکوم ہیں۔ اور دوسری شان اس کی یہ ہے کہ ان تمام صفات جمال سے بدرجہ اتم متصف ہے جس کی وجہ سے انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے وہ...... بلکہ صرف وہی...... محبوب حقیقی ہے۔ اس کی پہلی حاکمانہ اور شاہانہ شان کا تقاضا یہ ہے کہ بندے اس کے حضور میں ادب و نیاز کی تصویر بن کر حاضر ہوں...... ارکان اسلام میں پہلا عملی رکن نماز اسی کا خاص مرقع ہے اور اس میں یہی رنگ غالب ہے۔ اور زکوٰۃ بھی اسی نسبت کے ایک دوسرے رخ کو ظاہر کرتی ہے...... اور اس کی دوسری شان محبوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ بندوں کا تعلق اس کے ساتھ محبت اور والہیت کا ہو۔ روزے میں بھی کسی قدر یہ رنگ ہے، کھانا پینا چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشات سے منہ موڑ لینا عشق و محبت کی منزلوں میں سے ہے، مگر حج اس کا پورا پورا مرقع ہے۔ سلے کپڑوں کے بجائے ایک کفن نما لباس پہن لینا، ننگے سر رہنا، حجامت نہ بنوانا، ناخن نہ ترشوانا، بالوں میں کنگھا نہ کرنا، تیل نہ لگانا، خوشبو کا استعمال نہ کرنا، میل کچیل سے جسم کی صفائی نہ کرنا، چیخ چیخ کے لبیک لبیک پکارنا، بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، اس کے ایک گوشے میں لگے ہوئے سیاہ پتھر (حجر اسود) کو چومنا، اور اس کے در و دیوار سے لپٹنا اور آہ وزاری کرنا، پھر صفا و مروہ کے پھیرے کرنا، پھر مکہ شہر سے بھی نکل جانا اور منیٰ اور کبھی عرفات اور کبھی مزدلفہ کے صحراؤں میں جا پڑنا، پھر جمرات پہ بار بار کنکریاں مارنا، یہ سارے اعمال وہی ہیں جو محبت کے دیوانوں سے سرزد ہوا کرتے ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام گویا اس رسم عاشقی کے بانی ہیں...... اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادائیں اتنی پسند آئیں کہ اپنے دربار کی خاص الخاص حاضری حج و عمرہ کے ارکان و مناسک ان کو قرار دے دیا۔ انہی سب کے مجموعہ کا نام گویا حج ہے، اور یہ اسلام کا آخری اور تکمیلی رکن ہے۔

اس سلسلہ معارف الحدیث کی پہلی جلد "کتاب الایمان" میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں اسلام کے ارکان پنجگانہ کا بیان ہے، اور ان میں آخری رکن "حج بیت اللہ" بتایا گیا ہے۔

حج کی فرضیت کا حکم راجح قول کے مطابق ۹ھ میں آیا، اور اس کے اگلے سال ۱۰ھ میں اپنی وفات سے صرف تین مہینے پہلے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد کے ساتھ حج فرمایا، جو

"حجۃ الوداع" کے نام سے مشہور ہے۔ اور اسی حجۃ الوداع میں خاص عرفات کے میدان میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ ۔ الْاٰيَةِ...... (المائدہ : ۵ : ۳)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔

اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے۔

اگر بندہ کو صحیح اور مخلصانہ حج نصیب ہو جائے جس کو دین و شریعت کی زبان میں "حج مبرور" کہتے ہیں اور ابراہیمی و محمدی نسبت کا کوئی ذرہ اس کو عطا ہو جائے تو گویا اس کو سعادت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا، اور وہ نعمت عظمیٰ اس کے ہاتھ آگئی جس سے بڑی کسی نعمت کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اس کو حق ہے کہ تحدیث نعمت کے طور پر کہے اور مست ہو ہو کر کہے

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است　　افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را　　کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اس مختصر تمہید کے بعد حج کے متعلق ذیل کی حدیثیں پڑھئے:-

حج کی فرضیت اور فضیلت

۱۴۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَكُلَّ عَامٍ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلٰثًا فَقَالَ لَوْقُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِىْ مَاتَرَكْتُكُمْ فَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُوَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِ هِمْ فَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْئٍ فَدَعُوْهُ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے لہٰذا اس کو ادا کرنے کی فکر کرو...... ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ اس شخص نے تین دفعہ اپنا وہ سوال دوہرایا، تو آپ ﷺ نے (ناگواری کے ساتھ) فرمایا کہ: اگر میں تمہارے اس سوال کے جواب میں کہہ دیتا کہ: "ہاں! ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا" تو اسی طرح فرض ہو جاتا، اور تم ادا نہ کر سکتے...... اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: کسی معاملہ میں جب میں خود تم کو کوئی حکم نہ دوں تم مجھ سے حکم لینے (اور سوال کر کر کے اپنی پابندیوں میں اضافہ کرنے) کی کوشش نہ کرو...... تم سے پہلی امتوں کے لوگ اسی لئے تباہ ہوئے کہ وہ اپنے نبیوں سے سوال بہت کرتے تھے اور پھر ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے...... لہٰذا (میری ہدایت تم کو یہ ہے کہ)

جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب تم کو کسی چیز سے منع کروں تو اس کو چھوڑ دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جامع ترمذی وغیرہ میں قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کی فرضیت کا یہ اعلان اور اس پر یہ سوال وجواب جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے سورۂ آل عمران کی اس آیت کے نازل ہونے پر پیش آیا تھا۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (آل عمران، ۳:۹۷)

اللہ کے واسطے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے ان لوگوں پر، جو اس کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان صحابی کا نام مذکور نہیں ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تھا کہ: "کیا ہر سال حج کرنا فرض کیا گیا ہے؟" لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اسی مضمون کی حدیث جس کو امام احمد اور دارمی اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے، اس میں تصریح ہے کہ یہ سوال کرنے والے اقرع بن حابس تمیمی تھے، یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، ان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا ابھی پورا موقع نہیں ملا تھا، اسی لئے ان سے یہ لغزش ہوئی کہ ایسا سوال کر بیٹھے، اور جب حضور ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا تو پھر دوبارہ اور سہ بارہ سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا واجب ہو جاتا۔" اس کا منشاء اور مطلب یہ ہے کہ سوال کرنے والے کو سوچنا سمجھنا چاہئے تھا کہ میں نے حج کے فرض ہونے کا جو حکم سنایا تھا اس کا تقاضا اور مطالبہ عمر بھر میں بس ایک حج کا تھا، اس کے بعد ایسا سوال کرنے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا (اور ظاہر ہے کہ آپ ہاں جب ہی کہتے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا) تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا، اور امت سخت مشکل میں پڑ جاتی...... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگلی امتوں کے بہت سے لوگ کثرت سوال اور قیل و قال کی اسی بری عادت کی وجہ سے تباہ ہوئے، انہوں نے اپنے نبیوں سے سوال کر کر کے شرعی پابندیوں میں اضافہ کرایا اور پھر اس کے مطابق عمل کر نہیں سکے۔

حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی اہم اور اصولی بات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی تعمیل کرو، اور جس چیز سے منع کروں اس کو ترک کردو۔"

مطلب یہ ہے کہ میری لائی ہوئی شریعت کا مزاج سختی اور تنگی نہیں ہے بلکہ سہولت اور وسعت کا ہے، جس حد تک تم سے تعمیل ہو سکے اس کی کوشش کرو، بشری کمزوریوں کی وجہ سے جو کمی کسر رہ جائے گی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے اس کی معافی کی امید ہے۔

۱۴۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا

عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا وَّذَالِكَ اَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَقُوْلُ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (رواه الترمذی)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس سفر حج کا ضروری سامان ہو اور اس کو سواری میسر ہو جو بیت اللہ تک اس کو پہنچا سکے اور پھر وہ حج نہ کرے، تو کوئی فرق نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ کے لئے بیت اللہ کا حج فرض ہے ان لوگوں پر جو اس تک جانے کی استطاعت رکھتے ہوں"۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید ہے جو حج کرنے کی استطاعت رکھنے کے باوجود حج نہ کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ ان کا اس حال میں مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا گویا برابر ہے (معاذ اللہ) یہ اس طرح کی وعید ہے جس طرح ترک نماز کو کفر و شرک کے قریب کہا گیا ہے..... قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

"اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ." (الروم ۳۰: ۳۱)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترک صلوٰۃ مشرکوں والا عمل ہے۔

حج فرض ہونے کے باوجود حج نہ کرنے والوں کو مشرکین کے بجائے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دینے کا راز یہ ہے کہ حج نہ کرنا یہود و نصاریٰ کی خصوصیت تھی کیونکہ مشرکین عرب حج کیا کرتے تھے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتے تھے، اس لئے ترک نماز کو مشرکوں والا عمل بتلایا گیا۔

اس حدیث میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے لئے جو سخت وعید ہے اس کے لئے سورہ آل عمران کی اس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کی سند پیش کی گئی ہے جس میں حج کی فرضیت کا بیان ہے، یعنی "لله على الناس حجُّ البيت من استطاع اليه سبيلا" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے صرف حوالہ کے طور پر آیت کا یہ ابتدائی حصہ پڑھنے پر اکتفا کیا، یہ وعید آیت کے جس حصے سے نکلتی ہے وہ اس کے آگے والا حصہ ہے، یعنی "ومن كفر فانّ الله غنيٌّ عن العلمين۔" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کے بعد جو کوئی کافرانہ رویہ اختیار کرے یعنی باوجود استطاعت کے حج نہ کرے تو اللہ کو کوئی پرواہ نہیں، وہ ساری دنیا اور ساری کائنات سے بے نیاز ہے)..... اس میں استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے والوں کے رویہ کو "من كفر" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور "ان الله غنى عن العلمين" کی وعید سنائی گئی ہے، اسکا مطلب یہی ہوا کہ ایسے ناشکرے اور نافرمان جو کچھ بھی کریں اور جس حال میں مریں اللہ کو انکی کوئی پرواہ نہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند دارمی وغیرہ میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۱۴۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُوْجِبُ الْحَجَّ قَالَ الزَّادُ وَالرَّاحِلَةُ — (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے پوچھا کہ: کیا چیز حج کو واجب کر دیتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سامان سفر اور سواری۔
(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... قرآن مجید میں فرضیت حج کی شرط کے طور پر "من استطاع الیه سبیلا" فرمایا گیا ہے، یعنی حج ان لوگوں پر فرض ہے جو سفر کر کے مکہ معظمہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں...... اس میں جو اجمال ہے غالباً سوال کرنے والے صحابی نے اس کی وضاحت چاہی اور دریافت کیا کہ اس کی استطاعت کا متعین معیار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک تو سواری کا انتظام ہو جس میں مکہ معظمہ تک سفر کیا جا سکے، اور اس کے علاوہ کھانے پینے جیسی ضروریات کے لئے اتنا سرمایہ ہو جو اس زمانہ سفر کے گزارے کے لئے کافی ہو...... فقہائے کرام نے اس گزارے میں ان لوگوں کے گزارے کو بھی شامل کیا ہے جن کی کفالت جانے والے کے ذمہ ہو۔

۱۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب کیا، اور نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ۔ اس آیت میں حج کرنے والوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ خاص کر زمانہ حج میں وہ شہوت کی باتوں اور اللہ کی نافرمانی والے سارے کاموں اور آپس کی جھگڑے بازی سے بچیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں اس ہدایت پر عمل کرنے والوں کو بشارت سنائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو شخص حج کرے اور ایام حج میں نہ تو شہوت کی باتیں کرے، اور نہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی کوئی ایسی حرکت کرے جو فسق کی حد میں آتی ہو، تو حج کی برکت سے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور وہ گناہوں سے بالکل ایسا پاک و صاف ہو کر واپس ہوگا جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے دن بے گناہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ دولت نصیب فرمائے۔

۱۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعُمْرَةُ اِلَى الْعُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کفارہ ہو جاتا ہے اس کے درمیان کے گناہوں کا۔ اور "حج مبرور" (پاک اور مخلصانہ حج) کا بدلہ تو بس جنت ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ . (رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: پے در پے کیا کرو حج اور عمرہ کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے اور "حج مبرور" کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے ...... (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ...... جو شخص اخلاص کے ساتھ حج یا عمرہ کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں غوطہ لگاتا اور غسل کرتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ گناہوں کے گندے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور اس کے علاوہ دنیا میں بھی اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوتا ہے کہ فقر و محتاجی اور پریشان حالی سے اس کو نجات مل جاتی ہے اور خوش حالی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہو جاتی ہے اور مزید بر آں "حج مبرور" کے صلہ میں جنت کا عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔

۱۵۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ اَلْحَاجُّ وَالْعُمَّارُ وَفْدُاللّٰهِ اِنْ دَعَوْهُ اَجَابَهُمْ وَاِنِ اسْتَغْفَرُوْهُ غَفَرَلَهُمْ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ ان کی دعا قبول فرمائے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرمائے۔ (سنن ابن ماجہ)

۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا لَقِيْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ يَّسْتَغْفِرَلَكَ قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتَهٗ فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ- (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی حج کرنے والے سے تمہاری ملاقات ہو تو اس کے اپنے گھر میں پہنچنے سے پہلے اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور اس سے مغفرت کی دعا کے لئے کہو، کیونکہ وہ اس حال میں ہے کہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا فیصلہ ہو چکا ہے (اس لئے اس کی دعا کے قبول ہونے کی خاص توقع ہے)۔ (مسند احمد)

۱۵۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِىْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِىْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ...... (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کا جو بندہ حج یا عمرہ کی نیت سے یا راہ خدا میں جہاد کے لئے نکلا، پھر راستہ ہی میں اس کو موت آگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے واسطے وہی اجر و ثواب لکھ

دیا جاتا ہے جو حج و عمرہ کرنے والوں کیلئے اور راہ جہاد کرنے والے کیلئے مقرر ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کے اس کریمانہ دستور و قانون کا اعلان خود قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا. (النساء. ٤: ١٠٠)

اور جو بندہ اپنا گھر بار چھوڑ کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی نیت سے نکل پڑے، پھر آجائے اس کو موت (راستہ ہی میں) تو مقرر ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ہاں، اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ اللہ کی رضا کا کوئی کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے اور اس کے عمل میں آنے سے پہلے راستہ ہی میں اس کی زندگی ختم ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عمل کا پورا اجر اس بندہ کے لئے مقرر ہو جاتا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کا تقاضا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

میقات، احرام، تلبیہ

کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کا قبلہ اور اپنا محترم و مقدس "بیت" (گھر) قرار دیا ہے، اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، جو لوگ وہاں حاضری کی استطاعت رکھتے ہوں، ان پر عمر میں ایک دفعہ حاضر ہونا اور حج کرنا فرض کیا ہے، اور اس حاضری اور حج کے کچھ لازمی آداب مقرر کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حاضر ہونے والے اپنے روزمرہ کے اور عام عادی لباس میں حاضر نہ ہوں بلکہ ایسے فقیرانہ لباس میں حاضر ہوں جو مردوں کے کفن سے مشابہت رکھتا ہو، اور آخرت میں میدان حشر کی حاضری کو یاد دلاتا ہو..... کرتا، پاجامہ، صدری، شیروانی، کوٹ، پتلون کچھ نہ ہو بس ایک تہبند باندھ لیں، اور ایک چادر جسم کے اوپر کے حصے میں ڈال لیں، سر بھی کھلا ہو، پاؤں میں موزہ بلکہ ایسا جوتا بھی نہ ہو جس سے پورا پاؤں ڈھک جائے۔[1] اسی قسم کی کچھ اور بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں جن کا منشاء یہ ہے کہ بندہ ایسی ہیئت اور صورت میں حاضر ہو جس سے اس کی عاجزی اور بیچارگی اور بے حیثیتی و بے مائگی اور عیش دنیوی سے بے رغبتی ظاہر ہو..... لیکن بندوں کے ضعف کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کو اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے گھر ہی سے احرام بند اور ان آداب کے پابند ہو کے روانہ ہوں، اگر یہ حکم دیا جاتا تو اللہ کے بندے بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔ اب سے کچھ ہی زمانہ پہلے تک بہت سے ملکوں کے حاجی کئی کئی مہینے سفر کرنے کے بعد مکہ معظمہ پہنچا کرتے تھے، اور اب بھی بہت سے ملکوں کے حجاج کئی کئی ہفتے کا بری اور بحری سفر کر کے وہاں پہنچتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنی طویل مدت تک احرام کی پابندیوں کا نبھانا اکثر لوگوں کے لئے سخت مشکل ہوتا ہے، اس لئے مختلف راستوں سے آنے والے حجاج کے لئے مکہ معظمہ کے قریب مختلف سمتوں میں کچھ مقامات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ حج یا

[1] احرام کے سلسلہ میں یہ احکام صرف مردوں کے لئے ہیں، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے سلے کپڑے پہننے اور سر ڈھکنے کی اور اسی طرح پاؤں میں موزہ وغیرہ پہننے کی اجازت دی گئی ہے۔

عمرہ کیلئے آنے والے جب ان میں سے کسی مقام پہ پہنچیں تو "بیت اللہ" اور "بلد اللہ الحرام" کے ادب میں وہیں سے احرام بند ہو جائیں...... مختلف سمتوں کے یہ معین مقامات جن کی تفصیل آگے آئے گی "میقات" کہلاتے ہیں۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احرام باندھنے کا مطلب صرف احرام والے کپڑے پہن لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کپڑے پہن کے پہلے دو رکعت نماز (دوگانہ احرام) پڑھی جاتی ہے اس کے بعد پکار کر تلبیہ پڑھا جاتا ہے:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ لَاشَرِيْكَ لَكَ."

اس تلبیہ کے پڑھنے کے بعد آدمی محرم (احرام بند) ہو جاتا ہے، اور اسی سے حج کا عمل شروع ہو جاتا ہے، اور احرام والی ساری پابندیاں اس پر عائد ہو جاتی ہیں...... جس طرح تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد نماز کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔

اس تمہید کے بعد مواقیت، احرام اور تلبیہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل احادیث پڑھئے:

مواقیت

۱۵۴) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ وَقَّتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ذَالْحُلَيْفَةِ وَلِاَهْلِ الشَّامِ الْجُحْفَةَ وَلِاَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ الْمَنَازِلِ وَلِاَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ فَهُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ اَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ اَهْلِهِنَّ لِمَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَمَنْ كَانَ دُوْنَهُنَّ فَمَهَلُّهُ مِنْ اَهْلِهٖ وَكَذَا كَ وَكَذَاكَ حَتّٰى اَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّوْنَ مِنْهَا.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کو اہل مدینہ کا میقات مقرر کیا، اور جحفہ کو اہل شام کا اور قرن المنازل کو اہل نجد کا، اور یلملم کو اہل یمن کا۔ پس یہ چاروں مقامات خود ان کے رہنے والوں کے لئے میقات ہیں، اور ان سب لوگوں کے لئے جو دوسرے علاقوں سے ان مقامات پر ہوتے ہوئے آئیں جن کا ارادہ حج یا عمرہ کا ہو۔ پس جو لوگ ان مقامات کے ورے ہوں (یعنی ان مقامات سے مکہ معظمہ کی طرف کے رہنے والے ہوں) تو وہ اپنے گھر ہی سے احرام باندھیں گے اور یہ قاعدہ اسی طرح چلے گا، یہاں تک کہ خاص مکہ کے رہنے والے مکہ ہی سے احرام باندھیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۵۵) **عَنْ جَابِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَهَلُّ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِنْ ذِى الْحُلَيْفَةِ وَالطَّرِيْقِ الْاٰخَرِ الْجُحْفَةُ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ ذَاتِ عِرْقٍ وَّمَهَلُّ اَهْلِ نَجْدٍ قَرْنٌ وَمَهَلُّ اَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمْ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اہل

مدینہ کا میقات (جہاں سے ان کو احرام باندھنا چاہئے) ذوالحلیفہ ہے، اور دوسرے راستہ سے جانے والوں کا میقات جحفہ ہے، اور اہل عراق کا میقات، ذات عرق ہے، اور اہل نجد کا میقات قرن المنازل ہے، اور اہل یمن کا میقات یلملم ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اوپر والی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں صرف چار میقاتوں کا ذکر ہے۔ (۱) ذوالحلیفہ، (۲) جحفہ، (۳) قرن المنازل، (۴) یلملم...... اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں پانچویں میقات "ذات عرق" کا بھی ذکر ہے جس کو اہل عراق کا میقات قرار دیا گیا ہے- دونوں روایتوں میں ایک خفیف سا فرق یہ بھی ہے کہ پہلی روایت میں جحفہ کو اہل شام کا میقات بتایا گیا ہے اور دوسری روایت میں اس کو "دوسرے راستہ والوں کا" میقات کہا گیا ہے، جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اہل مدینہ بھی اگر دوسرے راستہ سے (یعنی جحفہ کی طرف سے) مکہ معظمہ جائیں تو وہ جحفہ سے بھی احرام باندھ سکتے ہیں، اور ان کے علاوہ جو دوسرے علاقوں کے لوگ مثلاً اہل شام جحفہ کی طرف سے آئیں وہ بھی جحفہ سے احرام باندھیں۔ اور بعض شارحین نے "دوسرے طریقہ والوں سے" مراد اہل شام ہی لئے ہیں، اس صورت میں دونوں روایتوں میں صرف تعبیر اور لفظ ہی کا فرق رہے گا...... بہر حال یہ پانچوں مقامات معین اور متفق علیہ میقات ہیں۔ جن علاقوں کے لئے یہ میقات قرار دیئے گئے ہیں ان سے مکہ مکرمہ آنے والوں کے راستہ میں یہ پڑتے تھے۔ ان کا مختصر تعارف یہ ہے:

ذوالحلیفہ: جو اہل مدینہ کے لئے میقات مقرر کیا گیا ہے، مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے صرف پانچ چھ میل پہ پڑتا ہے، یہ مکہ معظمہ سے سب سے زیادہ بعید میقات ہے۔ یہاں سے مکہ مکرمہ قریباً دو سو میل ہے، بلکہ آج کل کے راستے سے قریباً ڈھائی سو میل ہے...... چونکہ اہل مدینہ کا دین سے خاص تعلق ہے اس لئے ان کا میقات اتنی بعید مسافت پر مقرر کیا گیا ہے، دین میں جس کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اس کو مشقت بھی اتنی ہی زیادہ اٹھانی پڑتی ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

جحفہ: یہ شام وغیرہ مغربی علاقوں سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ موجودہ رابغ کے قریب ایک بستی تھی، اب اس نام کی کوئی بستی موجود نہیں ہے، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا محل وقوع رابغ کے قریب تھا جو مکہ معظمہ سے قریباً سو میل کے فاصلہ پر بجانب مغرب ساحل کے قریب ہے-

قرن المنازل: یہ نجد کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ مکہ معظمہ سے قریباً ۳۰، ۳۵ میل مشرق میں نجد جانے والے راستہ پر ایک پہاڑی ہے-

ذات عرق: یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے- مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں عراق جانے والے راستہ پر واقع ہے- مسافت مکہ معظمہ سے ۵۰ میل کے قریب ہے۔

یَلَمْلَمْ: یہ یمن کیطرف سے آنے والوں کیلئے میقات ہے۔ یہ تہامہ کی پہاڑیوں میں سے ایک معروف پہاڑی ہے، جو مکہ معظمہ سے قریباً ۴۰ میل جنوب مشرق میں یمن سے مکہ آنے والے راستہ پر پڑتی ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں مقامات کو خود ان کے باشندوں کے لئے اور دوسرے تمام علاقوں کے ان لوگوں کے لئے جو حج یا عمرہ کے واسطے ان مقامات کی طرف سے آئیں "میقات" مقرر فرمایا ہے۔ فقہائے امت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو شخص حج یا عمرہ کے لئے ان مقامات میں سے کسی مقام کی طرف سے آئے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ احرام باندھ کر اس مقام سے آگے بڑھے۔ احرام باندھنے کا مطلب اور اس کا طریقہ ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

احرام کا لباس

۱۵۶) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا يَلْبِسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَلْبِسُوا الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبَرَانِسَ وَلَا الْخِفَافَ اِلَّا اَحَدٌ لَا يَجِدُ النَّعْلَيْنِ فَيَلْبَسُ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا تَلْبِسُوْا مِنَ الثِّيَابِ شَيْئًا مَسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: محرم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (حالت احرام میں) نہ تو کرتا قمیض پہنو اور نہ سر پر عمامہ اور نہ شلوار پاجامہ پہنو اور نہ بارانی پہنو اور نہ پاؤں میں موزے پہنو، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لئے چپل جوتا نہ ہو تو وہ مجبوراً پاؤں کی حفاظت کیلئے موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے جوتا سا بنالے (آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس لگا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں قمیض، شلوار، عمامہ وغیرہ صرف ان چند کپڑوں کا نام لیا ہے جن کا اس وقت رواج تھا، یہی حکم ان تمام کپڑوں کا ہے جو مختلف زمانوں میں اور مختلف قوموں اور ملکوں میں ان مقاصد کے لئے استعمال ہوتے ہیں یا آئندہ استعمال ہوں گے جن مقاصد کے لئے قمیض، شلوار، عمامہ وغیرہ استعمال ہوتے تھے۔

زعفران تو معروف ہے، ورس بھی ایک خوشبودار زرد رنگ کی پتی ہے — یہ دونوں چیزیں چونکہ خوشبو کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس لئے حالت احرام میں ایسے کپڑے کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے جس کو زعفران یا ورس لگی ہو۔

سوال کرنیوالے شخص نے پوچھا تھا کہ: "محرم کون سے کپڑے پہنے؟" آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ: "فلاں فلاں کپڑے نہ پہنے۔" اس جواب میں گویا آپ ﷺ نے اس کی بھی تلقین فرمائی کہ پوچھنے کی بات یہ نہیں ہے کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ بلکہ یہ دریافت کرنا چاہئے کہ کس قسم کے کپڑے پہننے کی اس کو ممانعت ہے، کیونکہ احرام کا اثر یہی پڑتا ہے کہ کچھ کپڑے اور کچھ چیزیں جن کا استعمال عام حالات میں جائز ہے احرام کی وجہ سے ان کا استعمال ناجائز ہو جاتا ہے، اس لئے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ احرام میں کن کپڑوں

اور کن چیزوں کا استعمال ممنوع اور ناجائز ہو جاتا ہے۔

۱۵۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَى النِّسَاءَ فِىْ اِحْرَامِهِنَّ عَنِ الْقُفَّازَيْنِ وَالنِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّيَابِ وَلْتَلْبَسْ بَعْدَ ذَالِكَ مَا اَحَبَّتْ مِنْ اَلْوَانِ الثِّيَابِ مُعَصْفَرٍ اَوْ خَزٍّ اَوْ حُلِيٍّ اَوْ سَرَاوِيْلَ اَوْ قَمِيْصٍ اَوْ خُفٍّ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں عورتوں کو احرام کی حالت میں دستانے پہننے اور چہرے پر نقاب ڈالنے اور ان کپڑوں کے استعمال سے جن کو زعفران یا ورس لگی ہو اور انکے بعد اور ان کے علاوہ جو رنگین کپڑے وہ چاہیں پہن سکتی ہیں کسمی کپڑا ہو یا ریشمی، اور اسی طرح وہ چاہیں تو زیور بھی پہن سکتی ہیں اور شلوار اور قمیض اور موزے بھی پہن سکتی ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ احرام کی حالت میں قمیض، شلوار وغیرہ سلے کپڑے پہننے کی ممانعت صرف مردوں کو ہے، عورتوں کو پردہ کی وجہ سے ان سب کپڑوں کے استعمال کی اجازت ہے اور موزے پہننے کی بھی اجازت ہے، ہاں دستانے پہننے کی ان کو بھی ممانعت ہے اور منہ پر نقاب ڈالنے کی بھی ممانعت ہے..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اجنبی مردوں کے سامنے بھی اپنے چہرے بالکل کھلے رکھیں۔ حدیث میں ممانعت چہرے پر باقاعدہ نقاب ڈالنے کی ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو اپنی چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے..... سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ:

"ہم عورتیں حج میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احرام کی حالت میں تھیں (تو احرام کی وجہ سے ہم چہروں پر نقاب نہیں ڈالتی تھیں) جب ہمارے سامنے سے مرد گزرتے تو ہم اپنی چادر سر کے اوپر سے لٹکا لیتی تھیں اور اس طرح پردہ کر لیتی تھیں، پھر جب وہ مرد آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہرے کھول دیتی تھیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ احرام کی حالت میں عورتوں کو نقاب کے استعمال کی ممانعت ہے، لیکن جب اجنبی مردوں کا سامنا ہو تو چادر سے یا کسی اور چیز سے ان کو آڑ کر لینی چاہئے۔

احرام سے پہلے غسل

۱۵۸) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّهٗ رَأَى النَّبِىَّ ﷺ تَجَرَّدَ لِاِهْلَالِهٖ وَاغْتَسَلَ۔ (رواه الترمذى والدارمى)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے کپڑے اتارے اور غسل فرمایا احرام باندھنے کیلئے۔ (جامع ترمذی، مسند دارمی)

تشریح...... اس حدیث کی بناء پر احرام سے پہلے غسل کو سنت کہا گیا ہے، لیکن اگر کسی نے دوگانہ احرام پڑھنے کے لئے صرف وضو کرلیا تب بھی کافی ہے اور اس کا احرام صحیح ہوگا۔

تلبیہ احرام

۱۵۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُهِلُّ مُلَبِّدًا يَّقُوْلُ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، لَا يَزِيْدُ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ کے سر کے بال جمے ہوئے اور مرتب طور پر لگے ہوئے تھے (جیسا کہ غسل کے بعد سر کے بالوں کا حال ہوتا ہے۔) آپ اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ.

میں حاضر ہوں خداوندا تیرے حضور حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک ساتھی نہیں، میں تیرے حضور حاضر ہوں، ساری حمد و ستائش کا تو ہی سزاوار ہے اور ساری نعمتیں تیری ہی ہیں اور ساری کائنات میں فرماں روائی بھی بس تیری ہی ہے، تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں!

یہی کلمات تلبیہ آپ پڑھتے تھے، ان پر کسی اور کلمہ کا اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم (علیہ السلام) کے ذریعہ اپنے بندوں کو حج یعنی اپنے دربار کی حاضری کا بلاوا دلوایا تھا (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حج کو جانے والا بندہ جب احرام باندھ کے یہ تلبیہ پڑھتا ہے تو گویا وہ ابراہیم علیہ السلام کی اس پکار اور اللہ تعالیٰ کے اس بلاوے کے جواب میں عرض کرتا ہے کہ خداوندا تو نے اپنے دربار کی حاضری کے لئے بلوایا تھا اور اپنے خلیل علیہ السلام سے ندا دلوائی تھی۔ میں حاضر ہوں اور سر کے بل حاضر ہوں...... (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ... الخ)

احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت

۱۶۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَدْخَلَ رِجْلَهُ فِى الْغَرْزِ وَاسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ قَائِمَةً اَهَلَّ مِنْ عِنْدِ مَسْجِدِ ذِى الْحُلَيْفَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ (ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد) جب آپ مسجد کے پاس ہی ناقہ کی رکاب میں پاؤں رکھتے اور ناقہ آپکو لیکر سیدھی کھڑی ہو جاتی تو اسوقت آپ احرام کا تلبیہ پڑھتے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... صحابۂ کرام کی روایات اور ان کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع

میں احرام کا پہلا تلبیہ کس وقت اور کس جگہ پڑھا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان (جیسا کہ اس حدیث میں بھی مذکور ہے) یہ ہے کہ: ذوالحلیفہ کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد آپ وہیں اپنی ناقہ پر سوار ہوئے، اور جب ناقہ آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت آپ نے پہلی دفعہ احرام کا تلبیہ پڑھا اور گویا اس وقت سے آپ محرم ہوئے، اور بعض دوسرے صحابہ کا بیان ہے کہ جب آپ ناقہ پر سوار ہو کر کچھ آگے بڑھے اور مقام "بیداء" پر پہنچے (جو ذوالحلیفہ کے بالکل قریب کسی قدر بلند میدان سا تھا) تو اس وقت آپ نے پہلا تلبیہ کہا۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانہ احرام پڑھا تو اسی وقت ناقہ پر سوار ہونے سے پہلے آپ نے پہلا تلبیہ پڑھا..... سنن ابی داؤد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مشہور جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیر کا ایک بیان مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے **صحابۂ کرام** کے اختلاف کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ: "اصل واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ذوالحلیفہ میں دوگانہ احرام پڑھنے کے بعد متصلاً پہلا تلبیہ پڑھا تھا، لیکن اس کا علم صرف ان چند لوگوں کو ہوا جو اس وقت آپ ﷺ کے قریب وہاں موجود تھے، اس کے بعد جب آپ وہیں ناقہ پر سوار ہوئے اور ناقہ سیدھی کھڑی ہوئی تو اس وقت پھر آپ نے تلبیہ پڑھا اور ناقہ پر سوار ہونے کے بعد یہ آپ کا پہلا تلبیہ تھا تو جن لوگوں نے یہ تلبیہ آپ سے سنا اور پہلا نہیں سنا تھا، انہوں نے سمجھا کہ پہلا تلبیہ آپ نے ناقہ پر سوار ہو کر پڑھا۔ پھر جب ناقہ چل دی اور مقام بیداء پر پہنچی تو آپ نے تلبیہ پڑھا، تو جن لوگوں نے پہلا اور دوسرا تلبیہ آپ سے نہیں سنا تھا انہوں نے سمجھا کہ آپ نے پہلا تلبیہ اس وقت پڑھا جب آپ بیداء پر پہنچے۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے اصل حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

تلبیہ بلند آواز سے پڑھا جائے

۱۶۱) **عَنْ خَلَّادِ بْنِ السَّائِبِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَانِىْ جِبْرَئِيْلُ فَاَمَرَنِىْ اَنْ اٰمُرَ اَصْحَابِىْ اَنْ يَّرْفَعُوْا اَصْوَاتَهُمْ بِالْاِهْلَالِ اَوِالتَّلْبِيَةِ.**

(رواہ مالك والترمذی و ابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: خلاد بن سائب تابعی اپنے والد سائب بن خلاد انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے حکم پہنچایا کہ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دوں کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھیں۔

(موطا امام مالک، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

۱۶۲) **عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُلَبِّىْ اِلَّا لَبّٰى مَنْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ مِنْ حَجَرٍ اَوْمَدَرٍ حَتّٰى تَنْقَطِعَ الْاَرْضُ مِنْ هٰهُنَا وَهٰهُنَا.** (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا مؤمن و مسلم بندہ

جب حج یا عمرہ کا تلبیہ پکارتا ہے (اور کہتا ہے: لبیک اللّٰھم لبیک الخ) تو اس کے داہنی طرف اور بائیں طرف اللہ کی جو بھی مخلوق ہوتی ہے، خواہ وہ بے جان پتھر اور درخت یا ڈھیلے ہی ہوں، وہ بھی اس بندے کے ساتھ لبیک کہتی ہیں، یہاں تک کہ زمین اس طرف اور اس طرف سے تمام ہو جاتی ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یہ حقیقت واضح طور پر قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے، لیکن اس حمد و تسبیح کو انسان نہیں سمجھ سکتے...... بس اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ لبیک کہنے والے صاحب ایمان بندہ کے ساتھ اس کے داہنے اور بائیں کی ہر چیز لبیک کہتی ہے، لیکن ہم انسان اس لبیک کو نہیں سن سکتے۔

تلبیہ کے بعد کی خاص دعا

۱۶۳) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ كَانَ اِذَا فَرَغَ مِنْ تَلْبِيَتِهٖ سَأَلَ اللّٰهَ رِضْوَانَهُ وَالْجَنَّةَ وَاسْتَعْفَاهُ بِرَحْمَتِهٖ مِنَ النَّارِ. (رواه الشافعي)

ترجمہ۔ عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب تلبیہ سے فارغ ہوتے (یعنی تلبیہ پڑھ کر محرم ہوتے) تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کی دعا کرتے اور اس کی رحمت سے دوزخ سے خلاصی اور پناہ مانگتے...... (مسند شافعی)

تشریح..... اس حدیث کی بناء پر علماء نے تلبیہ کے بعد ایسی دعا کو افضل اور مسنون کہا ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا اور جنت کا سوال کیا جائے اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگی جائے...... ظاہر ہے کہ مؤمن بندہ کی سب سے بڑی حاجت اور اس کا سب سے اہم مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے، اور اللہ کے غضب اور دوزخ کے عذاب سے اس کو پناہ مل جائے، اس لئے اس موقع کی سب سے اہم اور مقدم دعا یہی ہے، اس کے بعد اس کے علاوہ بھی جو چاہے دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔

حجۃ الوداع یعنی رسول اللہ ﷺ کا رخصتی حج

اس بارے میں علماء کے اختلاف رائے کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حج کی فرضیت کا حکم کس سنہ میں آیا، اور یہ بھی لکھا جا چکا ہے کہ راجح قول یہ ہے کہ ۸ھ میں مکہ معظمہ پر اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد ۹ھ میں حج کی فرضیت کا حکم آیا۔ اس سال رسول اللہ ﷺ نے خود تو حج نہیں فرمایا، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کی امارت میں اس سال حج ادا ہوا، اور آئندہ کے لئے چند اہم اعلانات کئے گئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آئندہ کوئی مشرک اور کافر حج میں شرکت نہیں کر سکے گا اور جاہلیت کے گندے اور مشرکانہ طور طریقوں کی کسی کو اجازت نہیں ہو گی...... غالباً رسول اللہ ﷺ کے اس سال خود حج نہ

کرنے کی خاص حکمت یہ بھی تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ آپ کا حج ایسا مثالی حج ہو جس میں کوئی ایک آدمی بھی کفر و شرک اور جاہلیت کے طور طریقوں سے حج کو مکدر کرنے والا نہ ہو، بلکہ از اول تا آخر بس نور ہی نور اور خیر ہی خیر ہو، اور آپ کی دعوت ہدایت اور تعلیم و تربیت کے نتائج کا صحیح آئینہ ہو...... اس طرح گویا ۹ھ کا یہ حج جو صدیق اکبر کی امارت میں ادا ہوا اگلے سال ہونے والے آپ کے حج کا پیش خیمہ اور اس کی تیاری کے سلسلہ ہی کا ایک قدم تھا۔

پھر اگلے سال ۱۰ھ میں جو آپ کی حیات مبارکہ کا آخری سال ہے آپ نے حج کا ارادہ فرمایا، اور چونکہ آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ اب دنیا میں آپ کے قیام اور کام کا وقت تھوڑا ہی باقی رہ گیا ہے اس لئے آپ نے اس ارادۂ حج کی خاص اہتمام سے اطلاع اور تشہیر کرائی تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر مناسک حج اور دین کے دوسرے مسائل واحکام سیکھ سکیں اور سفر حج کی صحبت و رفاقت کے خاص برکات حاصل کر سکیں۔ چنانچہ دور و قریب کے ہزارہا مسلمان جن کو اس کی اطلاع ہوئی اور ان کو کوئی خاص مجبوری نہیں تھی مدینہ طیبہ آگئے۔ ۲۴ ذیقعدہ کو جمعہ تھا۔ اس دن آپ ﷺ نے خطبہ میں حج اور سفر حج کے متعلق خصوصیت سے ہدایتیں دیں اور اگلے دن ۲۵ ذیقعدہ ۱۰ھ بروز شنبہ بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے یہ عظیم الشان قافلہ روانہ ہوا، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ جاکر پڑھی، جہاں آپ کو پہلی منزل کرنی تھی، اور یہیں سے احرام باندھنا تھا، رات بھی وہیں گزاری اور اگلے دن یکشنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد آپ نے اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوگئے اور نویں دن ۴ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوئے...... رفقاء سفر کی تعداد میں راستہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ حج کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے۔ چالیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ بیس ہزار اور ایک لاکھ تیس ہزار تک کے بیانات روایتوں میں موجود ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ بڑے مجمعوں اور میلوں میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے اندازے آج بھی مختلف ہوتے ہیں، جس نے جو عدد بتایا اپنے اندازے کے مطابق بتایا۔ باقاعدہ حساب لگا کے اور شمار کر کے کسی نے بھی نہیں بتایا، تاہم اتنی بات بطور قدر مشترک کے تمام ہی روایات میں ہے کہ مجمع بے حد و حساب تھا، جدھر نظر جاتی تھی آدمی ہی آدمی نظر پڑتے تھے۔

اس حج میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر خطبے دیئے اور بالکل اس انداز سے بلکہ صاف صاف یہ آگاہی دے کے یہ خطبے دیئے کہ اب میرا وقت موعود قریب ہے اور تمہیں دین کی تعلیم و تربیت مجھ سے حاصل کرنے کا موقع اس کے بعد نہیں مل سکے گا۔ بہر حال اس پورے سفر میں آپ نے تعلیم و تلقین اور ہدایت وارشاد کا خاص اہتمام فرمایا۔

حجۃ الوداع کے سلسلے میں جو روایات کتب حدیث میں ہیں (جن میں سے چند یہاں بھی درج کی جارہی ہیں) ان سے حج کے مناسک و احکام اور اس کا تفصیلی طریقہ معلوم ہونے کے علاوہ دین اور شریعت کے دوسرے بہت سے ابواب اور شعبوں کے بارے میں نہایت اہم تعلیمات اور ہدایات بھی امت کو مل جاتی

ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ قریباً ایک مہینے کے اس سفر میں دین کی تعلیم و تبلیغ اور ہدایت و ارشاد کا اتنا کام ہوا، اور اتنے وسیع پیمانے پر ہوا کہ اس کے بغیر برسوں بھی انجام نہیں پا سکتا...... اسی سے بعض باتوفیق اکابر امت نے سمجھا ہے کہ دین اور برکات دین حاصل کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ دینی سفروں کی رفاقت اور صحبت ہے۔

اس تمہید کے بعد حجۃ الوداع کے سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے، لیکن چونکہ یہ حدیث بہت طویل ہے اس لئے ناظرین کی سہولت فہم کے لئے اس کے ایک ایک حصہ کا ترجمہ کر کے تشریح کی جائے گی۔

۱۶۴) عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ دَخَلْنَا عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ فَسَأَلَ عَنِ الْقَوْمِ حَتّٰى اَنْتَهٰى اِلَيَّ فَقُلْتُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى رَاسِيْ فَنَزَعَ زِرِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ نَزَعَ زِرِّيَ الْاَسْفَلَ ثُمَّ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ ثَدْيَيَّ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ شَابٌّ فَقَالَ مَرْحَبًا بِكَ يَابْنَ اَخِيْ سَلْ عَمَّا شِئْتَ فَسَأَلْتُهٗ وَهُوَ اَعْمٰى وَحَضَرَ وَقْتُ الصَّلٰوةِ فَقَامَ فِيْ نَسَّاجَةٍ مُلْتَحِفًا بِهَا كُلَّمَا وَضَعَهَا عَلٰى مَنْكِبَيْهِ رَجَعَ طَرَفَاهَا اِلَيْهِ مِنْ صِغْرِهَا وَرِدَائُهٗ عَلٰى جَنْبِهٖ عَلَى الْمِشْجَبِ فَصَلّٰى بِنَا فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ عَنْ حَجَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ بِيَدِهٖ فَعَقَدَ تِسْعًا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَكَثَ تِسْعَ سِنِيْنَ لَمْ يَحُجَّ ثُمَّ اَذَّنَ فِي النَّاسِ فِي الْعَاشِرَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ حَاجٌّ فَقَدِمَ الْمَدِيْنَةَ بَشَرٌ كَثِيْرٌ كُلُّهُمْ يَلْتَمِسُ اَنْ يَّاتَمَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَيَعْمَلَ مِثْلَ عَمَلِهٖ فَخَرَجْنَا مَعَهٗ حَتّٰى اَتَيْنَا ذَاالْحُلَيْفَةِ فَوَلَدَتْ اَسْمَاءُ بِنْتُ عُمَيْسٍ مُحَمَّدَ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَصْنَعُ قَالَ اِغْتَسِلِيْ وَاسْتَثْفِرِيْ بِثَوْبٍ وَّاَحْرِمِيْ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اِذَااسْتَوَتْ بِهٖ نَاقَتُهٗ عَلَى الْبَيْدَاءِ نَظَرْتُ اِلٰى مَدِّبَصَرِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ رَاكِبٍ وَّمَاشٍ وَعَنْ يَّمِيْنِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَعَنْ يَسَارِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَمِنْ خَلْفِهٖ مِثْلَ ذَالِكَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَظْهُرِنَا وَعَلَيْهِ يَنْزِلُ الْقُرْاٰنُ وَهُوَ يَعْرِفُ تَاوِيْلَهٗ وَمَا عَمِلَ مِنْ شَيْئٍ عَمِلْنَا بِهٖ فَاَهَلَّ بِالتَّوْحِيْدِ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ، وَاَهَلَّ النَّاسُ بِهٰذَا الَّذِيْ يُهِلُّوْنَ بِهٖ فَلَمْ يَرُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْهِمْ شَيْئًا مِنْهُ وَلَزِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَلْبِيَتَهٗ.

ترجمہ: جعفر بن محمد (جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے پرپوتے ہیں، اور امام جعفر صادق کے لقب سے معروف ہیں) اپنے والد ماجد محمد بن علی (معروف بہ امام باقر) سے روایت کرتے ہیں کہ: ہم چند ساتھی جابر بن عبداللہ کی خدمت میں پہنچے، انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم کون کون ہیں؟ (ہم میں سے ہر ایک نے اپنے متعلق بتلایا) یہاں تک کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں محمد بن علی بن حسین ہوں (وہ اس وقت بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو چکے تھے انہوں نے شفقت اور محبت سے) اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا، پھر میرے کرتے کی اوپر والی گھنڈی کھولی، اس کے نیچے والی گھنڈی کھولی، پھر اپنا ہاتھ

(کرتے کے اندر لے جا کر) میرے بیچ سینے پر رکھا، اور میں ان دنوں بالکل جوان تھا ❶، اور (میرے آنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے) مجھ سے فرمایا: "مرحبا بك يا ابن اخي" (مرحبا! اے میرے بھتیجے، میرے بھائی حسین کی یادگار!!) جو کچھ تمہیں مجھ سے پوچھنا ہے بے تکلف پوچھو! (امام باقرؒ کہتے ہیں) کہ اس اثناء میں نماز کا وقت آگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک چھوٹی سی چادر لپیٹے ہوئے تھے، وہ اسی میں لپٹے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور اس کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے حالت یہ تھی کہ جب وہ اس کو اپنے مونڈھوں پر رکھتے تو اس کے کنارے اٹھ کر ان کی طرف آ جاتے، حالانکہ ان کی رداء (یعنی بڑی چادر) ان کے قریب ہی ٹکٹی پر رکھی ہوئی تھی (مگر انہوں نے اس کو اوڑھ کر نماز پڑھنا ضروری نہیں سمجھا، بلکہ وہی چھوٹی چادر لپیٹ کر ہمیں نماز پڑھائی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کہا کہ: "مجھے رسول اللہ ﷺ کے حج (حجۃ الوداع) کی تفصیلات بتائیے؟"...... انہوں نے ہاتھ کی انگلیوں سے نو کی گنتی کا اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے کہا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آکر نو سال تک کوئی حج نہیں کیا۔ پھر ۱۰ھ میں آپ نے اعلان کرایا کہ اس سال آپ کا ارادہ حج کرنے کا ہے۔ یہ اطلاع پا کر لوگ بہت بڑی تعداد میں مدینہ آ گئے۔ ہر ایک کی خواہش اور آرزو یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ رہ کر آپ کی پوری پوری پیروی کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلے...... (حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر جب روانگی کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں) یہ پورا قافلہ مدینہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ آیا، اور اس دن یہیں قیام کیا۔ یہاں پہنچ کر ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ اسماء بنت عمیس (جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، اور وہ بھی اس قافلہ میں تھیں) ان کے یہاں بچہ پیدا ہوا (یعنی محمد بن ابی بکر)۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایسی حالت میں میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اسی حالت میں احرام کے لئے غسل کر لیں، اور جس طرح عورتیں ایسی حالت میں کپڑے کا لنگوٹ استعمال کرتی ہیں اسی طرح استعمال کریں، اور احرام باندھ لیں...... پھر رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ کی مسجد میں آخری نماز (ظہر کی) پڑھی، پھر آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ جب ناقہ (مسجد ذوالحلیفہ سے کچھ آگے بڑھ کر) بیداء پر پہنچی (جو ذوالحلیفہ کے قریب ہی ذرا بلند اور ہموار میدان سا تھا) تو میں نے اس بلندی سے ہر طرف نگاہ دوڑائی تو آگے پیچھے دائیں بائیں حد نظر تک سوار اور پیادے آدمی ہی آدمی نظر آئے، اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان میں تھے اور آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تھا اور آپ اس کی حقیقت اور اس کا صحیح مطلب و مدعا جانتے تھے (اس لئے آپ جو کچھ بھی کرتے تھے اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے مطابق کرتے تھے) اور ہمارا رویّہ یہ تھا کہ جو کچھ آپ کو کرتے دیکھتے تھے وہی ہم بھی کرتے

❶ محمد بن علی امام باقرؒ ۵۶ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اگر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ ملاقات انہوں نے ۱۴، ۱۵ سال کی عمر میں بھی کی ہو، تو اس وقت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی عمر تقریباً نوے سال کی ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۴ سال کی عمر میں ۷۴ھ میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، اور مشہور قول کے مطابق اہل مدینہ میں وہ آخری صحابی تھے جن کے انتقال کے بعد مدینہ طیبہ صحابی کے وجود سے خالی ہو گیا۔

تھے (تو جب آپ کی ناقہ بیداء پر پہنچی) اس وقت آپ نے بلند آواز میں توحید کا یہ تلبیہ کہا:

"لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ."

اور آپ ﷺ کے رفقاء صحابہ جو تلبیہ پڑھتے تھے (جس میں بعض الفاظ کا اضافہ بھی ہوتا تھا) انہوں نے اپنا وہی تلبیہ بلند آواز سے کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے تلبیہ کی کوئی تردید اور تغلیط نہیں کی اور خود اپنا ہی تلبیہ پڑھتے رہے (مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد صحابہ تلبیہ میں بعض تعظیمی اور تعبدی کلمات کا اضافہ کر کے پکارتے تھے، اور چونکہ اس کی اجازت اور گنجائش ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن آپ نے اپنے تلبیہ میں کوئی کمی زیادتی نہیں فرمائی۔)

قَالَ جَابِرٌ لَسْنَا نَنْوِىْ اِلَّا الْحَجَّ لَسْنَا نَعْرِفُ الْعُمْرَةَ حَتّٰى اِذَا اَتَيْنَا الْبَيْتَ مَعَهٗ اسْتَلَمَ الرُّكْنَ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا ثُمَّ تَقَدَّمَ اِلٰى مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ فَقَرَءَ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى فَجَعَلَ الْمَقَامَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْبَيْتِ فَكَانَ اَبِىْ يَقُوْلُ وَلَا اَعْلَمُهٗ ذَكَرَهٗ اِلَّا عَنِ النَّبِىِّ ﷺ كَانَ يَقْرَءُ فِى الرَّكْعَتَيْنِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ثُمَّ رَجَعَ اِلَى الرُّكْنِ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ خَرَجَ مِنَ الْبَابِ اِلَى الصَّفَا فَلَمَّا دَنٰى مِنَ الصَّفَا قَرَأَ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهٖ فَبَدَأَ بِالصَّفَا فَرَقٰى عَلَيْهِ حَتّٰى رَاَى الْبَيْتَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَوَحَّدَ اللّٰهَ وَكَبَّرَهٗ وَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ ثُمَّ دَعَا بَيْنَ ذٰلِكَ قَالَ مِثْلَ هٰذَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ نَزَلَ وَمَشٰى اِلَى الْمَرْوَةِ فَفَعَلَ عَلَى الْمَرْوَةِ كَمَا فَعَلَ عَلَى الصَّفَا حَتّٰى اِذَا كَانَ اٰخِرُ طَوَافٍ عَلَى الْمَرْوَةِ نَادٰى وَهُوَ عَلَى الْمَرْوَةِ وَالنَّاسُ تَحْتَهٗ فَقَالَ لَوْ اَنِّى اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِىْ مَااسْتَدْبَرْتُ لَمْ اَسُقِ الْهَدْىَ وَجَعَلْتُهَا عُمْرَةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ لَيْسَ مَعَهٗ هَدْىٌ فَلْيَحِلَّ وَلْيَجْعَلْهَا عُمْرَةً فَقَامَ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) لِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِاَبَدٍ؟ فَشَبَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَصَابِعَهٗ وَاحِدَةً فِى الْاُخْرٰى وَقَالَ دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِى الْحَجِّ لَابَلْ لِاَبَدٍ اَبَدٍ.

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے (حجۃ الوداع کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے) بتایا کہ اس سفر میں ہماری نیت (اصلاً) صرف حج کی تھی (مقصد سفر کی حیثیت سے) عمرہ ہمارے ذہن میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب ہم سفر پورا کر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے سب سے پہلے حجر اسود کا استلام کیا (یعنی قاعدے کے مطابق اس پر ہاتھ رکھ کر اس کو چوما، پھر آپ ﷺ نے طواف شروع کیا) جس میں تین چکروں میں آپ نے رمل کیا (یعنی وہ خاص چال چلے جس میں قوت اور شجاعت کا اظہار ہوتا ہے) اور باقی چار چکروں میں اپنی عادت کے مطابق چلے، پھر (طواف کے سات چکر پورے کر کے) آپ مقام ابراہیم کی طرف بڑھے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى

(اور مقام ابراہیم کے پاس نماز ادا کرو) پھر اس طرح کھڑے ہو کر کہ مقام ابراہیم آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان تھا آپ نے نماز پڑھی (یعنی دوگانہ طواف ادا کیا۔) حدیث کے راوی امام جعفر صادقؒ بیان کرتے ہیں کہ: میرے والد ذکر کرتے تھے کہ ان دو رکعتوں میں آپ ﷺ نے قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کی قراءت کی۔ اس کے بعد آپ پھر حجر اسود کی طرف واپس آئے اور پھر اس کا استلام[1] کیا، پھر ایک دروازہ سے (سعی کے لئے) صفا پہاڑی کی طرف چلے گئے اور اس کے بالکل قریب پہنچ کر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (بلا شبہ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں جن کے درمیان سعی کا حکم ہے) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "میں اسی صفا سے سعی شروع کرتا ہوں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پہلے کیا ہے۔ چنانچہ آپ پہلے صفا پر آئے اور اس حد تک اس کی بلندی پر چڑھے کہ بیت اللہ آپ کی نظر کے سامنے آ گیا، اس وقت آپ قبلہ کی رخ رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور اللہ کی توحید اور تکبیر اور تمجید میں مصروف ہو گئے - آپ ﷺ نے کہا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ (اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں، وہی تنہا معبود مالک ہے، کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں، ساری کائنات پر اسی کی فرماں روائی ہے، اور حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی تنہا مالک و معبود ہے۔ اس نے (مکہ پر اور سارے عرب پر اقتدار بخشنے اور اپنے دین کو سربلند کرنے کا) اپنا وعدہ پورا فرمایا، اپنے بندے کی اس نے بھرپور مدد فرمائی، اور کفر و شرک کے لشکروں کو اس نے تنہا، اسی نے شکست دی)...... آپ نے تین دفعہ یہ کلمات فرمائے اور ان کے درمیان دعا مانگی۔ اس کے بعد آپ ﷺ اتر کر مروہ کی طرف چلے، یہاں تک کہ جب آپ کے قدم وادی کے نشیب میں پہنچے تو آپ کچھ دوڑ کے چلے پھر جب آپ نشیب سے اوپر آ گئے تو پھر اپنی عام رفتار کے مطابق چلے، یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آ گئے اور یہاں آپ نے بالکل وہی کیا جو صفا پر کیا تھا۔ یہاں تک کہ جب آپ آخری پھیرا پورا کر کے مروہ پر پہنچے، آپ نے اپنے رفقاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا...... اگر پہلے سے میرے خیال میں وہ بات آ جاتی جو بعد میں آئی تو میں قربانی کے جانور مدینہ سے ساتھ نہ لاتا اور اسی طواف و سعی کو جو میں نے کیا ہے عمرہ بنا دیتا...... تو اب میں تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم میں سے جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں آئے ہیں وہ اپنا احرام ختم کر دیں اور اب تک جو طواف و سعی انہوں نے کی ان کو عمرہ بنا دیں...... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ بن مالک نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ حکم کہ اشہر حج (حج کے مہینوں) میں عمرہ کیا جائے خاص اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے حکم ہے...... آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا کہ: دخلت

---

[1] یہ استلام سعی کے لئے تھا، جس طرح بیت اللہ کا طواف حجر اسود کے استلام سے شروع کیا جاتا ہے اسی طرح سعی سے پہلے بھی استلام مسنون ہے۔

العمرة فی الحج، لابل لابدابد۔ (عمرہ حج میں داخل ہو گیا، خاص اسی سال کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے)۔

تشریح..... آپ ﷺ نے مروہ کے خاتمہ پر جو یہ بات فرمائی کہ "جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے طواف و سعی کو عمرہ قرار دے دیں، اور میں بھی اگر قربانی کے جانور ساتھ نہ لایا ہوتا تو ایسا ہی کرتا"..... اس کا مطلب اور اس کی حقیقت سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ زمانہ جاہلیت میں حج اور عمرہ کے سلسلہ میں جو اعتقادی اور عملی غلطیاں رواج پاکر دلوں میں راسخ ہو چکی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ جو اشہر الحج (یعنی حج کے مہینے) کہلاتے ہیں (کیونکہ حج کا سفر انہی مہینوں میں ہوتا ہے) ان مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھا جاتا تھا، حالانکہ یہ بات بالکل غلط اور من گھڑت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے شروع سفر ہی میں وضاحت کے ساتھ لوگوں کو یہ بات بتادی تھی کہ جس کا جی چاہے صرف حج کا احرام باندھے (جس کو اصطلاح میں افراد کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے شروع میں صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ میں عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد حج کے لئے دوسرا احرام باندھے (جس کو تمتع کہتے ہیں) اور جس کا جی چاہے حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھے اور ایک ہی احرام سے دونوں کو ادا کرنے کی نیت کرے (جس کو قران کہتے ہیں)..... آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد صحابۂ کرام میں سے غالباً چند ہی نے اپنے خاص حالات کے لحاظ سے تمتع کا ارادہ کیا، اور انہوں نے ذوالحلیفہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھا..... ان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ورنہ زیادہ تر صحابہ نے صرف حج کا یا حج و عمرہ دونوں کا مشترک احرام باندھا۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دونوں کا احرام باندھا، یعنی (قران) اختیار فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنی قربانی کے جانور (اونٹ) بھی آپ مدینہ طیبہ ہی سے ساتھ لے کر چلے، اور جو حاجی قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلے وہ اس وقت تک احرام ختم نہیں کر سکتا جب تک دسویں ذی الحجہ کو قربانی نہ کر دے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ اور وہ صحابۂ کرام جو آپ ﷺ کی طرح اپنی قربانی کے جانور ساتھ لائے تھے حج سے پہلے (یعنی ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کرنے سے پہلے) احرام سے باہر نہیں آ سکتے تھے، لیکن جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے ان کے واسطے یہ شرعی مجبوری نہیں تھی۔

مکہ معظمہ پہنچ کر آپ کو اس کا احساس زیادہ ہوا کہ یہ جو جاہلانہ بات لوگوں کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا سخت گناہ ہے اس کی تردید اور بیخ کنی کے لئے اور دماغوں سے اس کے جراثیم ختم کرنے اور دلوں سے اس کے اثرات کو دھونے کے لئے ضروری ہے کہ وسیع پیمانے پر ان کے خلاف عمل کر کے دکھایا جائے، اور اس کی ممکن صورت یہی تھی کہ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے زیادہ سے زیادہ لوگ جو آپ کے ساتھ طواف اور سعی کر چکے تھے، اس طواف اور سعی کو عمرہ قرار دے کے احرام ختم کر دیں اور حلال ہو جائیں اور حج کے لئے اس کے وقت پر دوسرا احرام باندھیں، اور خود آپ چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لے کے آئے تھے اس لئے آپ کے لئے اس کی گنجائش نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "اگر شروع میں مجھے اس بات کا احساس ہو جاتا جس کا احساس بعد میں ہوا تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور نہ لاتا،

اور جو طواف و سعی میں نے کی ہے اس کو مستقل عمرہ قرار دے کر یہ احرام ختم کر دیتا (لیکن میں تو قربانی کے جانور لانے کی وجہ سے ایسا کرنے سے مجبور ہوں، اس لئے آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ) آپ میں سے جو لوگ قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے ہیں وہ اپنے اس طواف و سعی کو مستقل عمرہ قرار دے دیں اور اپنا احرام ختم کر کے حلال ہو جائیں"...... آپ کا یہ ارشاد سن کر سراقہ[1] بن مالک کھڑے ہوگئے، چونکہ وہ اب تک یہی جانتے تھے کہ حج کے مہینوں میں مستقل عمرہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے، اس لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: ان دنوں میں مستقل عمرہ کرنے کا یہ حکم کیا صرف اسی سال کے لئے ہے، یا اب ہمیشہ کے لئے مسئلہ یہی ہے کہ اشہر حج میں مستقل عمرہ کیا جا سکتا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے ان کو اچھی طرح سمجھانے اور ان کے ذہن نشین کرنے کیلئے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا: دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ۔ (حج میں عمرہ اس طرح داخل ہو گیا) یعنی حج کے مہینوں میں اور ایام حج کے بالکل قریب بھی عمرہ کیا جا سکتا ہے، اور اسکو گناہ سمجھنے والی بات بالکل غلط اور جاہلانہ ہے، اور یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔

وَقَدِمَ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ بِبُدْنِ النَّبِيِّ ﷺ (فَوَجَدَ فَاطِمَةَ مِمَّنْ حَلَّ وَلَبِسَتْ ثِيَابًا صَبِيغًا وَاكْتَحَلَتْ فَاَنْكَرَ ذَالِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ اِنَّ اَبِىْ اَمَرَنِىْ بِهٰذَا) فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاذَا قُلْتَ حِيْنَ فَرَضْتَ الْحَجَّ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ قَالَ فَاِنَّ مَعِىَ الْهَدْىَ فَلَا تَحِلَّ قَالَ فَكَانَ جَمَاعَةُ الْهَدْىِ الَّذِىْ قَدِمَ بِهٖ عَلِيٌّ مِنَ الْيَمَنِ وَالَّذِىْ اَتٰى بِهِ النَّبِيُّ ﷺ مِائَةً قَالَ فَحَلَّ النَّاسُ كُلُّهُمْ وَقَصَّرُوْا اِلَّا النَّبِيُّ ﷺ وَمَنْ كَانَ مَعَهٗ هَدْىٌ:

ترجمہ: اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (جو زکوٰۃ اور دوسرے مطالبات کی وصولی وغیرہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے یمن گئے ہوئے تھے) وہاں سے رسول اللہ ﷺ کی قربانی کے لئے مزید جانور لے کر مکہ معظمہ پہنچے، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ احرام ختم کر کے حلال ہو چکی ہیں، اور رنگین کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور سرمہ بھی استعمال کیا ہے، تو انہوں نے ان کے اس رویہ کو بہت غلط سمجھا اور ناگواری کا اظہار کیا (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: تم کو کس نے یہ کہا تھا کہ تم احرام ختم کر کے حلال ہو جاؤ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: مجھے ابا جان (رسول اللہ ﷺ) نے یہ حکم دیا تھا (میں نے اس کی تعمیل میں ایسا کیا ہے)...... پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب تم نے حج کی نیت کی اور تلبیہ کہہ کے احرام باندھا تو اس وقت

---

[1] یہ وہی سراقہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے بعد آپ کو معاذ اللہ گرفتار کرنے اور ان کا انعام حاصل کرنے کے لئے اپنے ایک غلام کی نشان دہی پر آپ کا تعاقب کیا تھا اور آپ کے قریب پہنچ جانے پر ان کی گھوڑی کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے، اور ان کی درخواست پر جب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو گھوڑی صحیح سلامت نکل آئی تھی اور یہ مکہ واپس لوٹ گئے تھے ۸ھ تک یہ مکہ معظمہ میں کفر و شرک ہی پر قائم رہے، پھر مکہ معظمہ فتح ہونے کے بعد عام اہل مکہ کی طرح انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

تم نے کیا کہا تھا؟ (یعنی افراد کے طریقے پر صرف حج کی نیت کی تھی یا تمتع کے طریقے پر صرف عمرہ کی یا قِران کے طریقے پر دونوں کی ساتھ ساتھ نیت کی تھی؟) انہوں نے عرض کیا کہ: میں نے نیت اس طرح کی تھی کہ: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُهِلُّ بِمَا اَهَلَّ بِهٖ رَسُوْلُكَ۔ (اے اللہ! میں احرام باندھتا ہوں اس چیز کا جس کا احرام باندھا ہو تیرے رسول ﷺ نے)۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں چونکہ قربانی کے جانور ساتھ لایا ہوں (اور اس کی وجہ سے اب حج سے پہلے احرام ختم کرنے کی میرے لئے گنجائش نہیں ہے، اور تم نے میرے جیسے احرام کی نیت کی ہے) اس لئے تم بھی میری طرح احرام ہی کی حالت میں رہو...... آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے جو جانور رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ لے کے آئے تھے اور جو بعد میں آپ ﷺ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لے کر آئے ان کی مجموعی تعداد سو تھی (بعض روایات سے تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۶۳ اونٹ آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے اور ۳۷ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے) حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آگے بیان کیا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق تمام ان صحابہ نے احرام ختم کر دیا جو قربانی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے اور صفا مروہ کی سعی سے فارغ ہونے کے بعد اپنے سروں کے بال ترشوا کر وہ سب حلال ہو گئے اور جو طواف و سعی انہوں نے کی تھی اس کو مستقل عمرہ قرار دے دیا۔ بس رسول اللہ ﷺ اور وہ صحابہؓ حالت احرام میں رہے جو اپنی قربانیاں ساتھ لائے تھے۔

تشریح...... جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق اپنا احرام ختم کیا انہوں نے اس موقع پر بال منڈوائے نہیں بلکہ صرف ترشوائے، ایسا انہوں نے غالباً اس لئے کیا کہ منڈوانے کی فضیلت حج کے احرام کے خاتمہ پر حاصل کر سکیں۔ واللہ اعلم۔

فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ تَوَجَّهُوْا اِلٰى مِنٰى فَاَهَلُّوْا بِالْحَجِّ وَرَكِبَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلّٰى بِهَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ وَالْفَجْرَ ثُمَّ مَكَثَ قَلِيْلًا حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَاَمَرَ بِقُبَّةٍ مِنْ شَعْرٍ تُضْرَبُ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَسَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَا تَشُكُّ قُرَيْشٌ اِلَّا اَنَّهٗ وَاقِفٌ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ كَمَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تَصْنَعُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَجَازَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى اَتٰى عَرَفَةَ فَوَجَدَ الْقُبَّةَ قَدْ ضُرِبَتْ لَهٗ بِنَمِرَةَ فَنَزَلَ بِهَا.

ترجمہ: پھر جب یوم الترویہ (یعنی ۸ ذی الحجہ کا دن) ہوا تو سب لوگ منیٰ جانے لگے (اور جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے صفا مروہ کی سعی کر کے اپنا احرام ختم کر چکے تھے اور حلال ہو گئے تھے) انہوں نے حج کا احرام باندھا، اور رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر منیٰ کو چلے، پھر وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے (اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد خیف میں) ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر پانچوں نمازیں پڑھیں، پھر فجر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر آپ منیٰ میں اور ٹھہرے، یہاں تک کہ جب سورج نکل آیا تو آپ ﷺ عرفات کی طرف روانہ ہوئے، اور آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ صوف کا بنا ہوا خیمہ آپ کے لئے نمرہ میں نصب کیا جائے۔

نمرہ دراصل وہ جگہ ہے جہاں سے آگے عرفات کا میدان شروع ہوتا ہے) آپ کے خاندان قریش کے لوگوں کو اس کا یقین تھا اور اس کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا کہ آپ "مشعر حرام" کے پاس قیام کریں گے، جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے (لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا بلکہ) آپ مشعر حرام کے حدود سے آگے بڑھ کر عرفہ پہنچ گئے اور آپ ﷺ نے دیکھا کہ (آپ کی ہدایت کے مطابق) نمرہ میں آپ کا خیمہ نصب کر دیا گیا ہے تو آپ اس خیمہ میں اتر گئے۔

تشریح..... حج کی خاص نقل و حرکت کا سلسلہ ۸ ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے جس کو "یوم الترویہ" کہا جاتا ہے۔ اس دن صبح کو حجاج منیٰ کے لئے روانہ ہوتے ہیں، افراد یا قران کے طریقے پر حج کرنے والے تو پہلے سے احرام کی حالت میں ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اور حجاج اسی دن یعنی ۸ ذی الحجہ کو احرام باندھ کر منیٰ کو جاتے ہیں اور نویں کی صبح تک وہیں قیام کرتے ہیں..... رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم جو اپنی قربانیاں اپنے ساتھ لائے تھے وہ تو احرام کی حالت میں تھے، باقی صحابہ جنہوں نے عمرہ کر کے احرام ختم کر دیا تھا ان سب نے آٹھویں کی صبح کو حج کا احرام باندھا اور حج کا یہ سارا قافلہ منیٰ کو روانہ ہو گیا، اور اس دن وہیں قیام کیا، اور پھر نویں کی صبح کو سورج نکلنے کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہوئی۔ عرفات منیٰ سے قریباً ۶ میل اور مکہ سے قریباً ۹ میل ہے، اور یہ حدود حرم سے باہر ہے، بلکہ اس جانب میں حرم کی سرحد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے عرفات کا علاقہ شروع ہوتا ہے..... عرب کے عام قبائل جو حج کے لئے آتے تھے وہ سب نویں ذی الحجہ کو حدود حرم سے باہر نکل کے عرفات میں وقوف کرتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ کے خاندان والے یعنی قریش جو اپنے کو کعبہ کا مجاور و متولی اور "اہل حرم اللہ" کہتے تھے وہ وقوف کے لئے بھی حدود حرم سے باہر نہیں نکلتے تھے، بلکہ اس کی حد کے اندر ہی مزدلفہ کے علاقہ میں مشعر حرام پہاڑی کے پاس وقوف کرتے تھے اور اس کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے۔ اپنے اس پرانے خاندانی دستور کی بناء پر قریش کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ بھی مشعر حرام کے پاس ہی وقوف کریں گے، لیکن چونکہ ان کا یہ طریقہ غلط تھا اور وقوف کی صحیح جگہ عرفات ہی ہے، اس لئے آپ ﷺ نے منیٰ سے چلتے وقت ہی اپنے لوگوں کو ہدایت فرما دی تھی کہ: آپ کے قیام کے لئے خیمہ نمرہ میں[1] نصب کیا جائے۔ چنانچہ اس ہدایت کے مطابق وادی نمرہ ہی میں آپ کے لئے خیمہ نصب کیا گیا، اور آپ وہیں جا کر اترے، اور اس خیمہ میں قیام فرمایا:

حَتّٰى إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِالْقَصْوَاءِ فَرُحِلَتْ لَهُ فَأَتَى بَطْنَ الْوَادِيْ فَخَطَبَ النَّاسَ وَقَالَ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا أَلَا كُلُّ شَيْئٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ ابْنِ الْحَارِثِ وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَهُ هُذَيْلٌ وَرِبَا

---

[1] نمرہ ٹھیک وہ جگہ ہے جہاں حرم کی حد ختم ہو کر عرفات کی حد شروع ہوتی ہے۔ موجودہ مسجد نمرہ عرفات کے بالکل سرے پر ہے۔ کہا جاتا کہ اس کی جو دیوار مکہ کی جانب ہے وہ عرفات اور نمرہ کے درمیان حد فاصل ہے۔ حتیٰ کہ اگر خدانہ کردہ وہ دیوار باہر کی جانب گرے تو عرفات کی حد سے باہر وادی نمرہ میں گرے گی۔

الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَّاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ مِنْ رِبَانَا رِبَاعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَاِنَّهٗ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ فَاتَّقُوااللّٰهَ فِي النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْ تُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَايُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ ؟ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاَصْبِعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَذَّنَ بِلَالٌ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ اَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا.

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آفتاب ڈھل گیا تو آپ نے اپنی ناقہ قصواء پر کجاوا کسنے کا حکم دیا، چنانچہ اس پر کجاوا کس دیا گیا، آپ اس پر سوار ہو کر وادی (وادیٔ عرنہ) کے درمیان آئے، اور آپ ﷺ نے اونٹنی کی پشت پر ہی سے لوگوں کو خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: "لوگو! تمہارے خون اور تمہارا مال تم پر حرام ہیں (یعنی ناحق کسی کا خون کرنا اور ناجائز طریقے پر کسی کا مال لینا تمہارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے) بالکل اسی طرح جس طرح کہ آج یوم العرفہ کے دن ذی الحجہ کے اس مبارک مہینہ میں، اپنے اس مقدس شہر میں (تم ناحق کسی کا خون کرنا اور کسی کا مال لینا حرام جانتے ہو)...... خوب ذہن نشین کر لو کہ جاہلیت کی ساری چیزیں (یعنی اسلام کی روشنی کے دور سے پہلے تاریکی اور گمراہی کے زمانہ کی ساری باتیں اور سارے قصے ختم ہیں) میرے دونوں قدموں کے نیچے دفن اور پامال ہیں (میں اس کے خاتمہ اور منسوخی کا اعلان کرتا ہوں) اور زمانۂ جاہلیت کے خون بھی ختم ہیں معاف ہیں (یعنی اب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کے کسی خون کا بدلہ نہیں لے گا، اور سب سے پہلے میں اپنے گھرانہ کے ایک خون ربیعہ ابن الحارث بن عبدالمطلب کے فرزند کے خون کے ختم اور معاف کئے جانے کا اعلان کرتا ہوں جو قبیلہ بنی سعد کے ایک گھر میں دودھ پینے کے لئے رہتے تھے اور ان کو قبیلہ ہذیل کے آدمیوں نے قتل کر دیا تھا۔[1] (ہذیل سے اس خون کا بدلہ لینا ابھی بھی باقی تھا لیکن اب میں اپنے خاندان کی طرف سے اعلان کرتا ہوں کہ اب یہ قصہ ختم، بدلہ نہیں لیا جائے گا) اور زمانۂ جاہلیت کے سارے سودی مطالبات (جو کسی کے کسی کے ذمہ باقی ہیں وہ سب بھی) ختم اور سوخت ہیں (اب کوئی مسلمان کسی سے اپنا سودی مطالبہ وصول نہیں کرے گا) اور اس باب میں بھی میں سب سے پہلے اپنے خاندان کے سودی مطالبات میں سے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سودی مطالبات کے ختم اور سوخت ہونے کا اعلان کرتا ہوں (اب وہ کسی سے اپنا سودی

[1] ربیعہ بن الحارث رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے۔ ان کا ایک شیر خوار بچہ، جس کو عرب کے دستور کے مطابق قبیلہ بنی سعد کی ایک عورت نے دودھ پلانے کے لئے اپنے گھر رکھ لیا تھا، قبیلہ ہذیل کے آدمیوں کے ہاتھ سے بنی سعد اور ہذیل کے ایک جھگڑے میں قتل ہو گیا تھا، رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کو اس کا بدلہ لینے کا حق تھا، آپ ﷺ نے اس خطبہ میں اسی حق سے دستبرداری کا اعلان فرمایا تھا۔

مطالبہ وصول نہیں کریں گے) ان کے سارے سودی مطالبات آج ختم کر دیئے گئے...... اور اے لوگو! عورتوں کے حقوق اور ان کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں خدا سے ڈرو، اس لئے کہ تم نے ان کو اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے حکم اور اس کے قانون سے اس کے ساتھ تمتع تمہارے لئے حلال ہوا ہے، اور تمہارا خاص حق ان پر یہ ہے کہ جس آدمی کا گھر میں آنا اور تمہاری جگہ تمہارے بستر پر بیٹھنا تم کو پسند نہ ہو وہ اس کو اس کا موقع نہ دیں...... لیکن اگر وہ یہ غلطی کریں تو تم (تنبیہ اور آئندہ سد باب کے لئے اگر کچھ سزا دینا مناسب اور مفید سمجھو) انکو کوئی خفیف سی سزا دے سکتے ہو...... اور ان کا خاص حق تم پر یہ ہے کہ اپنے مقدور اور حیثیت کے مطابق ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو...... اور میں تمہارے لئے وہ سامان ہدایت چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی پیروی کرتے رہے تو پھر کبھی تم گمراہ نہ ہو...... وہ ہے "کتاب اللہ"...... اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سے میرے متعلق پوچھا جائے گا (کہ میں نے تم کو اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام پہنچائے یا نہیں)۔ تو بتاؤ! کہ وہاں تم کیا کہو گے اور کیا جواب دو گے؟...... حاضرین نے عرض کیا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور قیامت کے دن بھی گواہی دیں گے کہ آپ (ﷺ) نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اس کے احکام ہم کو پہنچا دیئے اور رہنمائی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نصیحت و خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا...... اس پر آپ ﷺ نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے ہوئے اور لوگوں کے مجمع کی طرف اس سے اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: "اللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اللّٰهُمَّ اشْهَدْ!!!" یعنی اے اللہ! تو گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیام اور تیرے احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے اور تیرے بندے اقرار کر رہے ہیں...... اس کے بعد (آپ ﷺ کے حکم سے) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر اقامت کہی، اور آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

تشریح...... یہ معلوم ہے کہ اس دن (یعنی اس سال وقوف عرفہ کے دن) جمعہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے زوال آفتاب کے بعد پہلے مندرجہ بالا خطبہ دیا، اس کے بعد ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں (ظہر ہی کے وقت میں) ساتھ ساتھ بلا فصل پڑھیں۔ حدیث میں صاف ظہر کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے اس دن جمعہ کی نماز نہیں پڑھی، بلکہ اس کے بجائے ظہر پڑھی اور جو خطبہ آپ نے دیا وہ جمعہ کا خطبہ نہیں تھا بلکہ یوم العرفات کا خطبہ تھا...... جمعہ نہ پڑھنے کی وجہ غالباً یہ تھی کہ عرفات کوئی آبادی اور بستی نہیں ہے، بلکہ ایک وادی اور صحرا ہے، اور جمعہ بستیوں اور آبادیوں میں پڑھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

یوم العرفہ کے اس خطبہ میں آپ ﷺ نے جو ہدایات دیں اس وقت اور اس مجمع میں انہی چیزوں کا اعلان اور تبلیغ و تلقین ضروری اور اہم تھی...... خطبہ کے بعد آپ ﷺ نے ظہر و عصر ایک ساتھ ظہر ہی کے وقت ادا فرمائیں اور درمیان میں سنت یا نفل کی دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں...... امت کا اس پر اتفاق ہے کہ وقوف عرفات کے دن یہ دونوں نمازیں اسی طرح پڑھی جائیں، اور اسی طرح مغرب و عشاء اس دن مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت میں ایک ساتھ پڑھی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہو گا......

اس دن ان نمازوں کا صحیح طریقہ اور ان کے صحیح اوقات یہی ہیں...... اس کی ایک حکمت تو یہی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا یہ امتیاز ہر خاص و عام کو معلوم ہو جائے کہ آج کے دن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں کے اوقات میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے...... اور دوسری حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس دن کا اصل وظیفہ جو ذکر اور دعا ہے اس کے لئے پوری یکسوئی کے ساتھ بندہ فارغ رہے، اور ظہر سے مغرب تک بلکہ عشاء تک نماز کی بھی فکر نہ ہو۔

آپ ﷺ نے یوم العرفات کے اس خطبہ میں جو اپنے موقع اور محل کے لحاظ سے آپ کی حیاتِ طیبہ کا سب سے اہم خطبہ کہا جا سکتا ہے۔ سب سے آخری بات اپنی وفات اور جدائی کے قرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ فرمائی کہ: "میں تمہارے لئے ہدایت و روشنی کا وہ کامل و مکمل سامان چھوڑ کر جاؤں گا جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو گے بشرطیکہ تم اس سے وابستہ رہے اور اس کی روشنی میں چلتے رہے، اور وہ ہے اللہ کی مقدس کتاب قرآن مجید"...... اس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مرض وفات کے آخری دنوں میں جب کہ شدت مرض کی وجہ سے آپ کو سخت تکلیف تھی آپ نے بطور وصیت کے ایک تحریر لکھانے کا جو خیال ظاہر کیا تھا جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: "تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو گے۔" اس میں آپ کیا لکھانا چاہتے تھے۔ حجۃ الوداع کے اس اہم خطبہ سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کتاب اللہ سے وابستگی اور اس کی پیروی کی وصیت لکھانا چاہتے تھے۔ آپ اس اہم خطبہ میں بھی بتا چکے تھے کہ یہ شان کتاب اللہ کی ہے، اور چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت سے آشنا تھے اور اللہ نے موقع پر بات کہنے کی جرأت بھی دی تھی اس لئے انہوں نے اس موقع پر یہ رائے ظاہر کی کہ آپ کی مسلسل تعلیم و تربیت سے ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حیثیت کتاب اللہ کی ہے اس لئے اس سخت تکلیف کی حالت میں وصیت لکھنے لکھانے کی زحمت کیوں فرمائی جائے، ہمیں آپ کا پڑھایا ہوا سبق یاد ہے اور یاد رہے گا۔ "حسبنا کتاب اللہ۔"

ثُمَّ رَكِبَ حَتّٰى اَتَى الْمَوْقِفَ فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ اِلَى الصَّخَرَاتِ وَجَعَلَ حَبْلَ الْمُشَاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى غَرُبَتِ الشَّمْسُ وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قَلِيْلًا حَتّٰى غَابَ الْقُرْصُ وَاَرْدَفَ اُسَامَةَ وَدَفَعَ حَتّٰى اَتَى الْمُزْدَلِفَةَ فَصَلّٰى بِهَا الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ بِاَذَانٍ وَاحِدٍ وَاِقَامَتَيْنِ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا شَيْئًا ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ فَصَلَّى الْفَجْرَ حِيْنَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ بِاَذَانٍ وَّاِقَامَةٍ ثُمَّ رَكِبَ الْقَصْوَاءَ حَتّٰى اَتَى الْمَشْعَرَ الْحَرَامَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَدَعَاهُ وَكَبَّرَهُ وَهَلَّلَهُ وَوَحَّدَهُ فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفًا حَتّٰى اَسْفَرَ جِدًّا فَدَفَعَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَاَرْدَفَ الْفَضْلَ بْنَ عَبَّاسٍ حَتّٰى اَتٰى بَطْنَ مُحَسِّرٍ فَحَرَّكَ قَلِيْلًا ثُمَّ سَلَكَ الطَّرِيْقَ الْوُسْطٰى الَّتِىْ تَخْرُجُ عَلَى الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰى حَتّٰى اَتَى الْجَمْرَةَ الَّتِىْ عِنْدَ الشَّجَرَةِ فَرَمَاهَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ مِنْهَا مِثْلَ حَصَى الْخَذْفِ رَمٰى مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمَنْحَرِ فَنَحَرَ ثَلٰثًا وَّسِتِّيْنَ بُدْنَةً بِيَدِهٖ ثُمَّ اَعْطٰى عَلِيًّا فَنَحَرَ مَا غَبَرَ وَاَشْرَكَهٗ فِىْ هَدْيِهٖ ثُمَّ

اَمَرَ مِنْ كُلِّ بُدْنَةٍ بِبُضْعَةٍ فَجُعِلَتْ فِىْ قِدْرٍ فَطُبِخَتْ فَاَكَلَا مِنْ لَحْمِهَا وَشَرِبَا مِنْ مَرَقِهَا ثُمَّ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَفَاضَ اِلَى الْبَيْتِ فَصَلّٰى بِمَكَّةَ الظُّهْرَ فَاَتٰى عَلٰى بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ يَسْقُوْنَ عَلٰى زَمْزَمَ فَقَالَ اِنْزِعُوْا بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَلَوْلَا اَنْ يَغْلِبَكُمُ النَّاسُ عَلٰى سِقَايَتِكُمْ لَنَزَعْتُ مَعَكُمْ فَنَاوَلُوْهُ دَلْوًا فَشَرِبَ مِنْهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: پھر (جب آپ ظہر وعصر کی نماز ایک ساتھ بلا فصل پڑھ چکے تو اپنی ناقہ پر سوار ہو کر آپ میدان عرفات میں خاص وقوف کی جگہ پر تشریف لائے اور اپنی ناقہ قصواء کا رخ آپ نے اس طرف کر دیا جدھر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں ہیں اور پیدل مجمع آپ نے اپنے سامنے کر لیا اور آپ قبلہ رو ہو گئے اور وہیں کھڑے رہے یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت آ گیا، اور (شام کے آخری وقت میں فضا جو زرد ہوتی ہے وہ) زردی بھی ختم ہو گئی، اور آفتاب بالکل ڈوب گیا، تو آپ (عرفات سے مزدلفہ کے لئے) روانہ ہوئے، اور اسامہ بن زید کو آپ نے اپنی ناقہ پر اپنے پیچھے سوار کر لیا تھا یہاں تک کہ آپ مزدلفہ آ گئے (جو عرفات سے قریباً تین میل ہے) یہاں پہنچ کر آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ پڑھیں، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ (یعنی اذان ایک ہی دفعہ کہی گئی اور اقامت مغرب کے لئے الگ کہی گئی اور عشاء کے لئے الگ کہی گئی) اور ان دونوں نمازوں کے درمیان بھی آپ نے سنت یا نفل کی رکعتیں بالکل نہیں پڑھیں، اس کے بعد آپ لیٹ گئے، اور لیٹے رہے، یہاں تک کہ صبح صادق ہو گئی اور فجر کا وقت آ گیا، تو آپ نے صبح صادق کے ظاہر ہوتے ہی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز فجر ادا کی، اس کے بعد آپ مشعر حرام کے پاس آئے (راجح قول کے مطابق یہ ایک بلند ٹیلہ سا تھا مزدلفہ کے حدود میں، اب بھی یہی صورت ہے اور وہاں نشانی کے طور پر ایک عمارت بنا دی گئی ہے) یہاں آ کر آپ قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دعا اور اللہ کی تکبیر و تہلیل اور توحید و تمجید میں مشغول رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا۔ پھر طلوع آفتاب سے ذرا پہلے آپ وہاں سے منیٰ کے لئے روانہ ہو گئے اور اس وقت آپ نے اپنی ناقہ کے پیچھے فضل بن عباس کو سوار کر لیا اور چل دیئے، یہاں تک کہ جب وادی محسّر کے درمیان پہنچے تو آپ نے اونٹنی کی رفتار کچھ تیز کر دی، پھر اس سے نکل کر اس درمیان والے راستہ سے چلے جو بڑے جمرہ پر پہنچتا ہے، پھر اس جمرہ کے پاس پہنچ کر جو درخت کے پاس ہے آپ نے اس پر رمی کی، سات سنگ ریزے اس پر پھینک کر مارے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ آپ تکبیر کہتے تھے، یہ سنگ ریزے "خذف کے سنگریزوں" کی طرح کے تھے (یعنی چھوٹے چھوٹے تھے جیسے کہ انگلیوں میں رکھ کر پھینکے جاتے ہیں جو قریباً چنے اور مٹر کے دانے کے برابر ہوتے ہیں) آپ نے جمرہ پر یہ سنگ ریزے (جمرہ کے قریب والی) نشیبی جگہ سے پھینک کر مارے، اور اس رمی سے فارغ ہو کر قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، وہاں آپ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کی، پھر جو باقی رہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ فرما دیئے۔ ان سب کی قربانی انہوں نے کی اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی قربانی میں شریک فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ قربانی کے ہر اونٹ میں سے گوشت کا ایک پارچہ لے

لیا جائے، یہ سارے پارچے ایک دیگ میں ڈال کر پکائے گئے تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں نے اس میں سے گوشت کھایا اور شوربا پیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر سوار ہو کر طواف زیارت کے لئے بیت اللہ کی طرف چل دیئے اور ظہر کی نماز آپ نے مکہ میں جا کر پڑھی، نماز سے فارغ ہو کے (اپنے اہل خاندان) بنی عبدالمطلب کے پاس آئے جو زمزم سے پانی کھینچ کھینچ کر لوگوں کو پلا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ: اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ دوسرے لوگ غالب آ کر تم سے یہ خدمت چھین لیں گے تو میں بھی تمہارے ساتھ ڈول کھینچتا۔ ان لوگوں نے آپ کو بھر کے ایک ڈول زمزم کا دیا تو آپ نے اس میں سے نوش فرمایا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حج کے سلسلہ کا سب سے بڑا عمل اور رکن اعظم "وقوف عرفہ" ہے یعنی ۹ ذی الحجہ کو بعد زوال ظہر وعصر کی نماز پڑھ کر میدان عرفات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہونا۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ وقوف کتنا طویل فرمایا تھا..... ظہر وعصر کی نماز آپ نے ظہر کے شروع وقت ہی میں پڑھ لی تھی اور اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے وقوف فرمایا اور اس کے بعد سیدھے مزدلفہ چل دیئے اور مغرب وعشاء آپ نے وہاں پہنچ کر ایک ساتھ ادا فرمائیں اور جیسا کہ گزر چکا یہی اس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

مزدلفہ کی اس رات میں آپ ﷺ نے عشاء سے فارغ ہو کر فجر تک آرام فرمایا، اور اس رات تہجد یکسر ناغہ کیا، دو رکعتیں بھی نہیں پڑھیں (حالانکہ تہجد آپ سفر میں بھی ناغہ نہیں کرتے تھے) اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ نویں کے پورے دن آپ سخت مشغول رہے تھے۔ صبح کو منیٰ سے چل کر عرفات پہنچے، جہاں پہلے خطبہ دیا، پھر ظہر وعصر کی نماز پڑھی اور اس کے بعد سے مغرب تک مسلسل وقوف فرمایا، پھر اسی وقت عرفات سے مزدلفہ تک کی مسافت طے کی، گویا فجر سے لے کر عشاء تک مسلسل حرکت اور مشقت، اور اگلے دن ۱۰ ذی الحجہ کو بھی اسی طرح مشغول رہنا تھا، یعنی صبح کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچنا، وہاں جا کر پہلے رمی کرنا، اس کے بعد صرف ایک یا دو یا دس بیس نہیں بلکہ ساٹھ سے بھی اوپر اونٹوں کی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا، اس کے بعد طواف زیارت کے لئے منیٰ سے مکہ جانا اور وہاں سے پھر منیٰ واپس آنا۔ بہر حال نویں اور دسویں ذی الحجہ کا پروگرام چونکہ اس قدر بھرا ہوا اور پر مشقت تھا، اس لئے ان دو دنوں کی مزدلفہ والی درمیانی رات میں پوری طرح آرام فرمانا ضروری تھا۔ جسم اور جسمانی قوتوں کے لئے بھی کچھ حقوق ہیں اور ان کی رعایت خاص کر ایسے مجمعوں میں ضروری ہے، تاکہ سہولت اور رعایت کا پہلو بھی عوام کے علم میں آئے اور وہ شریعت کے صحیح اور معتدل مزاج کو سمجھ سکیں۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث میں صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے ہاتھ سے قربان کئے۔ یہ غالباً وہی تریسٹھ (۶۳) اونٹ تھے جو آپ مدینہ طیبہ سے اپنے ساتھ قربانی کے لئے لائے تھے، باقی سینتیس اونٹ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے وہ آپ نے انہی کے ہاتھ سے قربان کرائے، تریسٹھ کے عدد کی یہ حکمت بالکل کھلی ہوئی ہے کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی، گویا زندگی کے ہر سال کے شکر

میں آپ نے ایک اونٹ قربان کیا۔ واللہ اعلم۔

آپ ﷺ نے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی کے اونٹوں کا گوشت پکوا کے کھایا، اور شوربا پیا، اس سے یہ بات سب کو معلوم ہو گئی کہ قربانی کرنے والا اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور اپنے اعزہ کو بھی کھلا سکتا ہے۔

۱۰ ذی الحجہ کو قربانی سے فارغ ہونے کے بعد آپ طواف زیارت کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مسنون اور بہتر یہی ہے کہ طواف زیارت، قربانی سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰ ذی الحجہ ہی کو کر لیا جائے، اگرچہ تاخیر کی بھی اس میں گنجائش ہے۔

زمزم کا پانی کھینچ کھینچ کر حجاج کو پلانا یہ خدمت اور سعادت زمانہ قدیم سے آپ کے گھرانے بنی عبدالمطلب ہی کے حصے میں تھی۔ رسول اللہ ﷺ طواف زیارت سے فارغ ہونے کے بعد زمزم پر تشریف لائے، وہاں آپ کے اہل خاندان ڈول کھینچ کھینچ کر لوگوں کو اس کا پانی پلا رہے تھے۔ آپ کا بھی جی چاہا کہ اس خدمت میں کچھ حصہ لیں، لیکن آپ ﷺ نے بالکل صحیح سوچا کہ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے اتباع اور تقلید میں آپ کے سارے رفقاء بھی اس سعادت میں حصہ لینا چاہیں گے، اور پھر بنی عبدالمطلب جن کا یہ قدیمی حق ہے وہ محروم ہو جائیں گے، اس لئے آپ ﷺ نے اپنے اہل خاندان کی دلداری اور اظہار تعلق کے لئے اپنی دلی خواہش کا اظہار تو فرما دیا، مگر ساتھ ہی وہ مصلحت بھی بیان فرما دی جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اس دلی خواہش کے قربان کر دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

جیسا کہ شروع میں ذکر کیا گیا تھا، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حجۃ الوداع کے بیان میں سب سے طویل اور مفصل حدیث ہے، لیکن پھر بھی بہت سے واقعات کا ذکر اس میں چھوٹ گیا ہے، یہاں تک کہ حلق اور دسویں تاریخ کے خطبہ کا بھی اس میں ذکر نہیں آیا ہے جو دوسری حدیثوں میں مذکور ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بعض راویوں نے اسی حدیث میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ:

نَحَرْتُ هٰهُنَا وَمِنٰى كُلُّهَا مَنْحَرٌ فَانْحَرُوْا فِىْ رِحَالِكُمْ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَوَقَفْتُ هٰهُنَا وَجَمْعٌ كُلُّهَا مَوْقِفٌ. (رواہ مسلم)

میں نے قربانی اس جگہ کی ہے لیکن منیٰ کا سارا علاقہ قربانی کی جگہ ہے اس لئے تم سب لوگ اپنی اپنی جگہ قربانی کر سکتے ہو، اور میں نے عرفات میں وقوف یہاں (پتھر کی بڑی بڑی چٹانوں کے قریب کیا ہے) اور سارا عرفات وقوف کی جگہ ہے (اس کے جس حصہ میں بھی وقوف کیا جائے صحیح ہے) اور میں نے مزدلفہ میں یہاں (مشعر حرام کے قریب) قیام کیا اور سارا مزدلفہ موقف ہے (اس کے جس حصے میں بھی اس رات میں قیام کیا جائے صحیح ہے)۔

١٦٥) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ نِسَائِهِ بَقَرَةً فِي حَجَّتِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حج میں اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی۔ (صحیح مسلم)

١٦٦) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ اَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَنْ اَتَصَدَّقَ بِلَحْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَاَجِلَّتِهَا وَاَنْ لَا اُعْطِيَ الْجَزَّارَ مِنْهَا قَالَ نَحْنُ نُعْطِيْهِ مِنْ عِنْدِنَا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کی قربانیوں کا انتظام و انصرام کروں اور ان کا گوشت اور کھالیں اور جھولیں صدقہ کردوں اور قصاب کو (بطور اجرت اور حق المحنت کے) ان میں سے کوئی چیز نہ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم ان کو اجرت الگ اپنے پاس سے دیں گے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

١٦٧) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَتٰى مِنًى فَاَتَى الْجَمْرَةَ فَرَمَاهَا ثُمَّ اَتٰى مَنْزِلَهٗ بِمِنًى وَنَحَرَ نُسُكَهٗ ثُمَّ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَنَاوَلَ الْحَالِقَ شِقَّهُ الْاَيْمَنَ فَحَلَقَهٗ ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيَّ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقَّ الْاَيْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ فَحَلَقَهٗ فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ–
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (۱۰ ذی الحجہ کو صبح مزدلفہ سے) منیٰ تشریف لائے تو پہلے جمرۃ العقبیٰ پر پہنچ کر اس کی رمی کی۔ پھر آپ اپنے خیمہ پر تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کی، پھر آپ نے حجام کو طلب فرمایا اور پہلے اپنے سر مبارک کی داہنی جانب اس کے سامنے کی، اس نے اس جانب کے بال مونڈے۔ آپ ﷺ نے ابو طلحہ انصاری کو طلب فرمایا اور وہ بال ان کے حوالے کر دیئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے سر کی بائیں جانب حجام کے سامنے کی اور فرمایا کہ اب اس کو بھی مونڈو، اس نے اس جانب کو بھی مونڈ دیا، تو آپ نے وہ بال بھی ابو طلحہ ہی کے حوالے فرما دیئے اور ارشاد فرمایا کہ: ان بالوں کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا مفصل حدیث رسول اللہ ﷺ کے سر منڈوانے کا یہ واقعہ ذکر سے چھوٹ گیا ہے، حالانکہ یہ حج کے سلسلے کے دسویں ذی الحجہ کے خاص اعمال اور مناسک میں سے ہے۔

جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، حلق (سر منڈوانے) کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ پہلے داہنی جانب کے بال صاف کرائے جائیں اور پھر بائیں جانب کے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اپنے بال ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائے – یہ ابو طلحہ آپ کے خاص محبین اور فدائیوں میں سے تھے۔ غزوۂ احد میں حضور ﷺ کو کافروں کے حملے سے بچانے کے لئے انہوں نے اپنا جسم تیروں سے چھلنی کرا لیا تھا، اس کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کے راحت و آرام اور آپ کے ہاں

آنے والے مہمانوں کا بھی یہ بڑا خیال رکھتے تھے۔ الغرض اس قسم کی خدمتوں میں ان کا اور ان کی بیوی ام سلیم (والدہ انس رضی اللہ عنہ) کا ایک خاص مقام تھا۔ غالباً ان کی انہی خصوصی خدمات کی وجہ سے آپ نے سر مبارک کے بال ان کو مرحمت فرمائے اور دوسروں کو بھی انہی کے ہاتھوں تقسیم کرائے...... یہ حدیث اہل اللہ اور صالحین کے تبرکات کے لئے بھی واضح اصل اور بنیاد ہے۔ بہت سے مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے جو "موئے مبارک" بتائے جاتے ہیں ان میں سے جن کے بارے میں قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند موجود ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے تقسیم کئے ہوئے انہی بالوں میں سے ہوں گے...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ایک ایک دو دو بال تقسیم کئے تھے، اس طرح ظاہر ہے کہ وہ ہزاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پہنچے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے، اور ان کے انتقال کے بعد ان کے اخلاف نے اس مقدس تبرک کی حفاظت کا کافی اہتمام کیا ہوگا، اس لئے ان میں سے بہت سے اگر اب تک بھی کہیں کہیں محفوظ ہوں تو کوئی تعجب کی بات نہیں...... لیکن قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ ﷺ کا "موئے مبارک" قرار دینا بڑی سنگین بات اور گناہ عظیم ہے، اور بہرحال (اصلی ہو یا فرضی) اس کو اور اس کی زیارت کو ذریعہ تجارت بنانا جیسا کہ بہت سی جگہوں پر ہوتا ہے بدترین جرم ہے۔

۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِىْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ قَالُوْا وَالْمُقَصِّرِيْنَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِيْنَ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: "اللہ کی رحمت ہو ان پر جنہوں نے یہاں اپنا سر منڈوایا۔" حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا: یارسول اللہ! رحمت کی یہی دعا بال ترشوانے والوں کے لئے بھی فرمادیجئے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا کہ: "اللہ کی رحمت ہو سر منڈوانے والوں پر۔" ان لوگوں نے پھر وہی عرض کیا، تو تیسری دفعہ آپ نے فرمایا کہ: "اور ان لوگوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے یہاں بال ترشوائے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... عادت یا ضرورت کے طور پر بال منڈوانا یا ترشوانا کوئی عبادت نہیں ہے، لیکن حج و عمرہ میں جو بال منڈوائے یا ترشوائے جاتے ہیں یہ بندہ کی طرف سے عبدیت اور تذلل کا ایک اظہار ہے اس لئے خاص عبادت ہے، اور اسی نیت سے منڈوانا یا ترشوانا چاہئے اور چونکہ عبدیت اور تذلل کا اظہار سر منڈوانے میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے وہی افضل ہے، اور اسی واسطے رسول اللہ ﷺ نے دعائے رحمت میں اس کو ترجیح دی۔ واللہ اعلم۔

۱۶۹) عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِىُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَ اِنَّ الزَّمَانَ اِسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اِثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلٰثٌ مُتَوَالِيَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ

وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِىْ بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ وَقَالَ اَىُّ شَهْرٍ هٰذَا فَقُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ اَىُّ بَلَدٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ الْبَلْدَةُ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاَىُّ يَوْمٍ هٰذَا قُلْنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَيُسَمِّيْهِ بِغَيْرِ اِسْمِهٖ قَالَ اَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ فَاِنَّ دِمَاءَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْئَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ ابو بکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حجۃ الوداع) میں دسویں ذی الحجہ کو خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا: زمانہ گھوم پھر کر اپنی اس اصلی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ زمین و آسمان کی تخلیق کے وقت تھا...... سال پورے بارہ مہینہ کا ہوتا ہے، ان میں سے ۴ مہینے خاص طور سے قابل احترام ہیں۔ تین مہینے تو مسلسل ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور چوتھا وہ رجب جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو قبیلہ مضر زیادہ مانتا ہے...... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ یہ کونسا مہینہ ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ: اللہ و رسول کو ہی زیادہ علم ہے۔ اس کے بعد کچھ دیر آپ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس مہینہ کا کوئی اور نام مقرر کریں گے (لیکن) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ "ذی الحجہ" کا مہینہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا: بے شک یہ ذی الحجہ ہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بتلاؤ یہ کونسا شہر ہے؟ ہم لوگوں نے عرض کیا کہ: اللہ و رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ اب آپ اس شہر کا کوئی اور نام مقرر کریں گے۔ (لیکن) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ "بلدہ" نہیں ہے؟ (مکہ کے معروف ناموں میں ایک "بلدہ" تھا) ہم نے عرض کیا: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ: اللہ اور اس کے رسول ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آج "یوم النحر" نہیں ہے۔ (یعنی ۱۰ ذی الحجہ جس میں قربانی کی جاتی ہے)۔ ہم نے عرض کیا: بے شک آج یوم النحر ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے خون اور تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں حرام ہیں تم پر (یعنی کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ناحق کسی کا خون کرے، یا کسی کے مال پر یا اس کی آبرو پر دست درازی کرے۔ یہ سب تم پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں جیسا کہ آج کے مبارک اور مقدس دن میں خاص اس شہر اور اس مہینہ میں تم کسی کی جان لینا یا اس کا مال یا اس کی آبرو لوٹنا حرام سمجھتے ہو (بالکل اسی طرح یہ باتیں تمہارے واسطے ہمیشہ کے لئے حرام ہیں)...... اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اور عنقریب (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنے پروردگار کے سامنے تمہاری پیشی ہو گی، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی بابت سوال کرے گا۔ دیکھو، میں

خبردار کرتا ہوں کہ تم میرے بعد ایسے گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں...... (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا) بتاؤ کیا میں نے اللہ کا پیام تم کو پہنچادیا؟ سب نے عرض کیا: بے شک آپ ﷺ نے تبلیغ کا حق ادا فرمادیا۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہا):۔ اللّٰھُمَّ اشْھَدْ (اے اللہ! تو گواہ رہ۔) (اس کے بعد آپ ﷺ نے حاضرین سے فرمایا):۔ جو لوگ یہاں حاضر اور موجود ہیں (اور انہوں نے میری بات سنی ہے) وہ ان لوگوں کو پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جن کو کسی سننے والے سے بات پہنچے اس سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں (اور وہ اس علم کی امانت کا حق ادا کرتے ہیں)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس خطبہ نبوی ﷺ کے ابتدائی حصے میں زمانہ کے گھوم پھر کے اپنے اصلی ابتدائی ہیئت پر آجانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جاہلیت میں اہل عرب کا ایک گمراہانہ دستور اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی خاص مصلحتوں کے تحت کبھی کبھی سال تیرہ مہینے کا قرار دے دیتے تھے اور اس کے لئے ایک مہینہ کو مکرر مان لیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مہینوں کا سارا نظام غلط اور حقیقت کے خلاف تھا، اس لئے حج جو ان کے حساب سے ذی الحجہ میں ہوتا تھا در اصل ذی الحجہ میں نہیں ہوتا بلکہ جاہلیت کے پچاسوں اور سینکڑوں برس کے چکر کے بعد ایسا ہوا کہ ان اہل عرب کے حساب سے مثلاً جو محرم کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے بھی محرم کا مہینہ تھا، اسی طرح جو اہل عرب کے حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا وہی اصل آسمانی حساب سے ذی الحجہ کا مہینہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے ابتدائی حصے میں یہی بات فرمائی ہے، اور یہ بتلایا ہے کہ یہ ذی الحجہ جس میں یہ حج ادا ہو رہا ہے اصل آسمانی حساب سے بھی ذی الحجہ ہی ہے اور سال بارہ ہی مہینہ کا ہوتا ہے، اور آئندہ صرف یہی اصلی اور حقیقی نظام چلے گا۔

خطبہ کے آخر میں آپ ﷺ نے خاص وصیت و ہدایت امت کو یہ فرمائی کہ میرے بعد باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہو جانا، اگر ایسا ہوا تو یہ انتہائی گمراہی کی بات ہو گی...... اسی خطبے کی بعض روایات میں "ضلالاً" کے بجائے "کفاراً" کا لفظ آیا ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ باہم جدال و قتال اور خانہ جنگی اسلام کے مقاصد اور اس کی روح کے بالکل خلاف کافرانہ رویّہ ہو گا، اور اگر امت اس میں مبتلا ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے اسلامی رویّہ کے بجائے کافرانہ طرز عمل اختیار کر لیا۔

امت کو یہ آگاہی آپ نے بہت سے اہم خطبوں میں دی تھی اور غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر کسی درجہ پر منکشف ہو چکا تھا کہ شیطان اس امت کے مختلف طبقوں کو باہم لڑانے اور بھڑکانے میں بہت کامیاب ہو گا...... وَكَانَ ذَالِكَ قَدَرًا مَقْدُوْرًا۔

حج کے اہم افعال وارکان

حجۃ الوداع کے سلسلہ میں حج کے قریباً سارے ہی اعمال و مناسک کا ذکر واقعہ کی شکل میں آچکا ہے، اب

الگ الگ اس کے اہم افعال وارکان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور آپ کا طرز عمل معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے۔

مکہ میں داخلہ اور پہلا طواف

مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے کعبہ مکرمہ کی نسبت سے جو خاص شرف بخشا ہے اور اس کی بلد اللہ الحرام اور مرکز حج قرار دیا ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ اس میں داخلہ اہتمام اور احترام کے ساتھ ہو، اور اس کے بعد کعبہ مقدسہ کا حق ہے کہ سب سے پہلے اس کا طواف کیا جائے اور پھر اسی کعبہ کے ایک گوشہ میں جو ایک خاص مبارک پتھر (حجر اسود) لگا ہوا ہے (جس کو اللہ تعالیٰ سے اور جنت سے خاص نسبت ہے) اس کا حق ہے کہ طواف کا آغاز ادب اور محبت کے ساتھ اس کے استلام سے کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے یہی سکھایا تھا۔

۱۷۰) عَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَايَقْدِمُ مَكَّةَ اِلَّا بَاتَ بِذِىْ طُوًى حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَغْتَسِلَ وَيُصَلِّىَ فَيَدْخُلَ مَكَّةَ نَهَارًا وَاِذَا نَفَرَمِنْهَا مَرَّ بِذِىْ طُوًى وَبَاتَ بِهَا حَتّٰى يُصْبِحَ وَيَذْكُرُ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذَالِكَ ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم نافع سے روایت ہے کہ: عبداللہ بن عمر جب بھی مکہ آتے تو اس میں داخلہ سے پہلے رات ذی طویٰ میں گذارتے (جو مکہ کے قریب ایک بستی تھی) یہاں تک کہ صبح ہونے پر غسل کرتے اور نماز پڑھتے، اور اس کے بعد دن کے وقت میں مکہ معظمہ میں داخل ہوتے، اور جب مکہ معظمہ سے واپس لوٹتے تو بھی ذی طویٰ میں رات گذار کر صبح کو وہاں سے روانہ ہوتے، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا دستور بھی یہی تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ اَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهٖ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَّمَشٰى اَرْبَعًا...... (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ پہنچے تو سب سے پہلے حجر اسود پر آئے اور اس کا استلام کیا، پھر آپ نے داہنی طرف طواف کیا، جس میں پہلے تین چکروں میں آپ نے رمل کیا، اور اس کے بعد چار چکروں میں آپ اپنی عادی رفتار سے چلے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ہر طواف حجر اسود کے استلام سے شروع ہوتا ہے، استلام کا مطلب ہے حجر اسود کو چومنا یا اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر یا ہاتھ اس کی طرف کر کے اپنے اس ہاتھ ہی کو چوم لینا۔ بس یہ استلام کر کے طواف شروع کیا جاتا ہے، اور ہر طواف میں خانہ کعبہ کے سات چکر لگائے جاتے ہیں۔

رمل ایک خاص انداز کی چال کو کہتے ہیں جس میں طاقت و قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ روایات میں ہے کہ ۷ھ میں جب رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ عمرہ کے لئے مکہ

معظمہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ یثرب یعنی مدینہ کی آب و ہوا کی خرابی اور بخار وغیرہ وہاں کی بیماریوں نے ان لوگوں کو کمزور اور دبلا پتلا کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کی چال چلی جائے، اور اس طرح طاقت و قوت کا مظاہرہ کیا جائے، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا...... لیکن اللہ تعالیٰ کو اس وقت کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس کو مستقل سنت قرار دے دیا گیا۔ اب یہی طریقہ جاری ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا جو پہلا طواف کرتا ہے جس کے بعد اس کو صفا، مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہوتی ہے۔ اس کے پہلے تین چکروں میں رمل کیا جاتا ہے، اور باقی چار چکر اپنی عادی رفتار سے کئے جاتے ہیں۔

۱۷۲) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَقبلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَدَخَلَ مَكَّةَ فَاَقْبَلَ اِلَى الْحَجَرِ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ طَافَ بِالْبَيْتِ ثُمَّ اَتَى الصَّفَا فَعَلَاهُ حَتّٰى يَنْظُرَ اِلَى الْبَيْتِ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَاشَاءَ وَيَدْعُوْ.** (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو مکہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے حجر اسود کے قریب پہنچ کر آپ نے اس کا استلام کیا، پھر آپ ﷺ نے طواف کیا، پھر صفا پہاڑی پر آئے اور اس کے اتنے اوپر چڑھ گئے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، پھر آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے (جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں) اور پھر جتنی دیر تک آپ نے چاہا آپ اللہ کے ذکر و دعا میں مشغول رہے۔ (سنن ابی داؤد)

۱۷۳) **عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ النَّبِيُّ ﷺ فِىْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ عَلٰى بَعِيْرٍ يَسْتَلِمُ الرُّكْنَ بِمِحْجَنٍ.**
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک خمدار چھڑی تھی اسی سے آپ حجر اسود کا استلام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اوپر صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ کے طواف کے بارے میں یہ صریح الفاظ ہیں: ثُمَّ مَشٰى عَلٰى يَمِيْنِهِ فَرَمَلَ ثَلٰثًا وَمَشٰى اَرْبَعًا۔ آپ ﷺ حجر اسود کا استلام کرنے کے بعد داہنی جانب کو چلے (اور طواف شروع کیا۔ پھر تین چکروں میں تو آپ نے رمل کیا اور چار چکر آپ نے اپنی عادی رفتار سے لگائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے طواف اپنے پاؤں پر چل کر کیا تھا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس راویت میں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان دونوں بیانوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد پہلا طواف پیادہ پا کیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسی کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دسویں ذی الحجہ

کو منیٰ سے مکہ آکر جو طواف کیا تھا وہ اونٹ پر کیا تھا، تاکہ سوالات کرنے والے آپ سے سوالات کر سکیں، گویا آپ کی اونٹنی اس وقت آپ کیلئے منبر بنی ہوئی تھی، اور غالبًا اپنے عمل سے اس کا اظہار بھی مقصود تھا کہ خاص حالات میں سواری پر بھی طواف کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۴) عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ قَالَتْ شَكَوْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنِّىْ اَشْتَكِىْ فَقَالَ طُوْفِىْ مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ رَاكِبَةً فَطُفْتُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّىْ اِلٰى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَءُ بِالطُّوْرِ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے بیماری کی تکلیف ہے (میں طواف کیسے کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: تم سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کر لو، تو میں نے اسی طرح طواف کیا، اور اس وقت رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پہلو میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، اور اس میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِىِّ ﷺ لَانَذْكُرُ اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا كُنَّا بِسَرِفَ طَمِثْتُ فَدَخَلَ النَّبِىُّ ﷺ وَاَنَا اَبْكِىْ فَقَالَ لَعَلَّكِ نَفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ ذَالِكَ شَيْئٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ اٰدَمَ فَافْعَلِىْ مَا يَفْعَلُ الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوْفِىْ بِالْبَيْتِ حَتّٰى تَطْهُرِىْ.

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم لوگ (حجۃ الوداع والے سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے چلے۔ ہماری زبانوں پر بس حج ہی کا ذکر تھا، یہاں تک کہ جب (مکہ کے بالکل قریب) مقام سرف پر پہنچے (جہاں سے مکہ صرف ایک منزل رہ جاتا ہے) تو میرے وہ دن شروع ہو گئے جو عورتوں کو ہر مہینے آتے ہیں...... رسول اللہ ﷺ (خیمہ) میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ میں بیٹھی رو رہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تمہارے ماہواری ایام شروع ہو گئے ہیں؟...... میں نے عرض کیا کہ: ہاں! یہی بات ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (رونے کی کیا بات ہے) یہ تو ایسی چیز ہے جو اللہ نے آدم کی بیٹیوں (یعنی سب عورتوں) کے ساتھ لازم کر دی ہے، تم وہ سارے عمل کرتی رہو جو حاجیوں کو کرنے ہوتے ہیں سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف اس وقت تک نہ کرو جب تک اس سے پاک صاف نہ ہو جاؤ...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ الطَّوَافُ حَوْلَ الْبَيْتِ مِثْلَ الصَّلٰوةِ اِلَّا اَنَّكُمْ تَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ فَمَنْ تَكَلَّمَ فِيْهِ فَلَا يَتَكَلَّمَنَّ اِلَّا بِخَيْرٍ. (رواہ الترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح کی عبادت ہے، بس یہ فرق ہے کہ طواف میں تم کو باتیں کرنے کی اجازت ہے، تو جو کوئی

طواف کی حالت میں کسی سے بات کرے تو نیکی اور بھلائی ہی کی بات کرے (لغو و فضول یا ناجائز باتوں سے طواف کو مکدر نہ کرے)۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

۱۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ مَسْحَهُمَا (اَلْحَجَرِ الْاَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِىْ) كَفَّارَةٌ لِلْخَطَايَا وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ مَنْ طَافَ بِهٰذَاالْبَيْتِ اُسْبُوْعًا فَاَحْصَاهُ كَانَ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَايَضَعُ قَدَمًا وَّلَا يَرْفَعُ اُخْرٰى اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةً وَّكَتَبَ لَهٗ بِهَا حَسَنَةً. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ: حجر اسود اور رکن یمانی ان دونوں پر ہاتھ پھیرنا گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: جس نے اللہ کے اس گھر کا سات بار طواف کیا اور اہتمام اور فکر کے ساتھ کیا (یعنی سنن و آداب کی رعایت کے ساتھ کیا) تو اس کا یہ عمل ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ہو گا۔ اور میں نے آپ ﷺ سے یہ بھی سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: بندہ طواف کرتے ہوئے جب ایک قدم رکھے گا اور دوسرا قدم اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ ایک گناہ معاف کرے گا اور ایک نیکی کا ثواب اس کے لئے لکھا جائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... حدیث کے لفظ "مَنْ طَافَ بِهٰذَاالْبَيْتِ اُسْبُوْعًا" کا ترجمہ ہم نے سات بار طواف کرنا کیا ہے۔ شارحین نے لکھا ہے کہ اس میں تین احتمال ہیں: اول طواف کے سات چکر (یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ ایک طواف میں بیت اللہ کے سات چکر کئے جاتے ہیں۔) اور دوسرا احتمال ہے پورے سات طواف جس کے انچاس چکر ہوں گے اور تیسرا احتمال ہے بلاناغہ سات دن طواف..... لیکن بظاہر پہلا مطلب راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

حجر اسود

۱۷۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْحَجَرِ وَاللّٰهِ لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَهٗ عَيْنَانِ يُبْصِرُبِهِمَا وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهٖ يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهٗ بِحَقٍّ. (رواه الترمذى و ابن ماجه والدارمى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: خدا کی قسم! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو نئی زندگی دے کر اس طرح اٹھائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا، اور زبان ہو گی جس سے وہ بولے گا، اور جن بندوں نے اس کا استلام کیا ہو گا ان کے حق میں سچی شہادت دے گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح..... حجر اسود دیکھنے میں پتھر کا ایک ٹکڑا ہے، لیکن اس میں ایک روحانیت ہے اور وہ ہر اس شخص کو پہچانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نسبت سے ادب اور محبت کے ساتھ اس کو بلاواسطہ یا بالواسطہ چومتا ہے اور اس کا استلام

کرتا ہے، قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک دیکھنے اور بولنے والی ہستی بنا کر کھڑا کرے گا اور وہ ان بندوں کے حق میں شہادت دے گا جو اللہ کے حکم کے مطابق عاشقانہ اور نیاز مندانہ شان کے ساتھ اس کا استلام کرتے تھے۔

۱۷۹) **عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّىْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ مَاتَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُ مَاقَبَّلْتُكَ .** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: عابس بن ربیعہ تابعی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور کہتے تھے میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے (تیرے اندر کوئی خدائی صفت نہیں ہے) نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا، تو میں تجھے نہ چومتا...... (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بالاعلان اور علی رؤس الاشہاد اس لئے کہی کہ کوئی ناتربیت یافتہ نیا مسلمان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اکابر مسلمین کا حجر اسود کو چومنا دیکھ کر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس پتھر میں کوئی خدائی کرشمہ اور خدائی صفت اور بناؤ بگاڑ کی کوئی طاقت ہے، اور اس لئے اس کو چوما جارہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک اصولی اور بنیادی بات یہ معلوم ہوئی کہ کسی چیز کی جو تعظیم و تکریم اس نظریہ سے کی جائے کہ اللہ و رسول کا حکم ہے — وہ تعظیم برحق ہے، لیکن اگر کسی مخلوق کو نافع اور ضار اور بناؤ بگاڑ کا مختار یقین کر کے اس کی تعظیم کی جائے تو وہ شرک کا ایک شعبہ ہے، اور اسلام میں اس کی گنجائش نہیں۔

طواف میں ذکر اور دعا

۱۸۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَابَيْنَ الرُّكْنَيْنِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.** (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (طواف کی حالت میں) رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان (کی مسافت میں) یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ (سنن ابی داؤد)

۱۸۱) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ وُكِّلَ بِهٖ سَبْعُوْنَ مَلَكًا (يَعْنِى الركن اليمانى) فَمَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ، قَالُوْا...... اٰمِين.** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رکن یمانی پر ستر فرشتے مقرر ہیں جو ہر اس بندے کی دعا پر امین کہتے ہیں جو اسکے پاس یہ دعا کرے کہ: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (اے

اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت مانگتا ہوں۔ اے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا!)۔ (سنن ابن ماجہ)

وقوف عرفہ کی اہمیت اور فضیلت

حج کا سب سے اہم رکن نویں ذی الحجہ کو میدان عرفات کا وقوف ہے، اگر یہ ایک لحظہ کے لئے بھی نصیب ہو گیا تو حج نصیب ہو گیا، اور اگر کسی وجہ سے حاجی ۹ ذی الحجہ کے دن، اور اس کے بعد والی رات کے کسی حصے میں بھی عرفات میں نہ پہنچ سکا تو اس کا حج فوت ہو گیا۔ حج کے دوسرے ارکان و مناسک طواف، سعی، رمی، جمرات وغیرہ اگر کسی وجہ سے فوت ہو جائیں تو ان کا کوئی نہ کوئی کفارہ اور تدارک ہے، لیکن اگر وقوف عرفہ فوت ہو جائے تو اسکا کوئی تدارک نہیں ہے۔

۱۸۲) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْمَرَ الدُّئَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ الْحَجُّ عَرَفَةُ مَنْ اَدْرَكَ عَرَفَةَ لَيْلَةَ جَمْعٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ فَقَدْ اَدْرَكَ الْحَجَّ...... اَيَّامُ مِنٰى ثَلٰثَةٌ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِىْ يَوْمَيْنِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ...... (رواہ الترمذی، وابو داؤد، والنسائی، وابن ماجہ، والدارمی)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن یعمر دئلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: حج (کا خاص الخاص رکن جس پر حج کا دارومدار ہے) وقوف عرفہ ہے، جو حاجی مزدلفہ والی رات میں (یعنی ۹ اور ۱۰ ذی الحجہ کی درمیانی شب میں) بھی صبح صادق سے پہلے عرفات میں پہنچ جائے تو اس نے حج پالیا اور اس کا حج ہو گیا...... (یوم النحر یعنی ۱۰ ذی الحجہ کے بعد) منیٰ میں قیام کے تین دن ہیں (جن میں تینوں جمروں کی رمی کی جاتی ہے ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) اگر کوئی آدمی صرف دو دن میں یعنی (۱۱، ۱۲ کو رمی کر کے) جلدی منیٰ سے چل دے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور اگر کوئی ایک دن مزید ٹھہر کے (۱۳ ذی الحجہ کی رمی کر کے) وہاں سے جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں ہے (دونوں باتیں جائز ہیں۔)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

تشریح...... چونکہ وقوف عرفات پر حج کا دارومدار ہے اس لئے اس میں اتنی وسعت رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی آدمی نویں ذی الحجہ کے دن میں عرفات نہ پہنچ سکے (جو وقوف کا اصلی وقت ہے) وہ اگر اگلی رات کے کسی حصے میں بھی وہاں پہنچ جائے تو اس کا وقوف ادا ہو جائے گا اور وہ حج سے محروم نہ سمجھا جائے گا۔

یوم العرفہ کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو یوم النحر ہے جس میں ایک جمرہ کی رمی اور قربانی اور حلق وغیرہ کے بعد احرام کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور اسی دن مکہ جا کر طواف زیارت کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد منیٰ میں زیادہ سے زیادہ تین دن اور کم سے کم دو دن ٹھہر کر تینوں جمروں پر کنکریاں مارنا مناسک میں سے ہے...... پس اگر کوئی شخص صرف دو دن ۱۱، ۱۲ ذی الحجہ کو رمی جمرات کر کے منیٰ سے چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر کوئی ۱۳ ذی الحجہ کو بھی ٹھہرے، اور رمی کر لے، تو یہ بھی جائز ہے۔

۱۸۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَامِنْ يَوْمٍ اَكْثَرُ مِنْ اَنْ يُّعْتِقَ اللّٰهُ فِيْهِ عَبْدًا مِنَ النَّارِ

مِنْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَإِنَّهُ لَيَدْنُوْ ثُمَّ يُبَاهِيْ بِهِمُ الْمَلٰئِكَةَ فَيَقُوْلُ مَاۤ اَرَادَ هٰؤُلَاۤءِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی دن ایسا نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ عرفہ کے دن سے زیادہ اپنے بندوں کے لئے جہنم سے آزادی اور رہائی کا فیصلہ کرتا ہو (یعنی گناہ گار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے آزادی کا سب سے بڑے اور وسیع پیمانے پر فیصلہ سال کے ۳۶۰ دنوں میں سے ایک دن یوم العرفہ میں ہوتا ہے) اس دن اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمت و رافت کے ساتھ (عرفات میں جمع ہونے والے) اپنے بندوں کے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے اور ان پر فخر کرتے ہوئے فرشتوں سے کہتا ہے کہ: ماارادھٰؤلاء؟ دیکھتے ہو! میرے یہ بندے کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟...... (صحیح مسلم)

۱۸۴) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ كَرِيْزٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا رَاَى الشَّيْطَانُ يَوْمًا هُوَ فِيْهِ اَصْغَرَ وَلَا اَدْحَرَ وَلَا اَحْقَرَ وَلَا اَغْيَظَ مِنْهُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا يَرٰى مِنْ تَنَزُّلِ الرَّحْمَةِ وَتَجَاوُزِ اللّٰهِ عَنِ الذُّنُوْبِ الْعِظَامِ. (رواہ مالک مرسلاً)

ترجمہ: طلحہ بن عبید اللہ بن کریز (تابعی) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: شیطان کسی دن بھی اتنا ذلیل خوار، اتنا دھتکارا اور پھٹکارا ہوا اور اتنا جلا بھنا ہوا نہیں دیکھا گیا جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ذلیل و خوار روسیاہ اور جلا بھنا دیکھا جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے کہ وہ اس دن کی رحمت کو (موسلا دھار) برستے ہوئے اور بڑے بڑے گناہوں کی معافی کا فیصلہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہے (اور یہ اس لعین کے لئے ناقابل برداشت ہے)۔ .... (موطا امام مالک مرسلا)

تشریح...... عرفات کے مبارک میدان میں ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو، جو رحمتوں اور برکتوں کے نزول کا خاص دن ہے جب ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں اللہ کے بندے فقیروں، محتاجوں کی صورت بنا کر جمع ہوتے ہیں اور اس کے حضور میں اپنے اور دوسروں کے لئے مغفرت اور رحمت کے لئے دعائیں اور آہ و زاری کرتے ہیں اور اس کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے ہیں تو لامحالہ ارحم الراحمین کی رحمت کا اتھاہ سمندر جوش میں آجاتا ہے، اور پھر وہ اپنی شان کریمی کے مطابق گناہ گار بندوں کی مغفرت اور جہنم سے رہائی و آزادی کے وہ عظیم فیصلے فرماتا ہے کہ شیطان بس جل بھن کے رہ جاتا ہے اور اپنا سر پیٹ لیتا ہے۔

رمی جمرات

منیٰ میں کافی کافی فاصلے سے تین جگہوں پر تین ستون بنے ہوئے ہیں۔ انہی ستونوں کو جمرات کہا جاتا ہے، ان جمرات پر کنکریاں پھینکنا بھی حج کے اعمال اور مناسک میں سے ہے، دسویں ذی الحجہ کو صرف ایک جمرہ پر سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں، اور ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کو تینوں جمروں پر سات سات کنکریاں پھینکی جاتی ہیں..... ظاہر بات ہے کہ کنکریاں پھینکنا بذات خود کوئی نیک عمل نہیں ہے، لیکن اللہ کے حکم سے ہر عمل میں عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے، اور بندگی یہی ہے کہ بے چوں و چرا اللہ کے حکم کی تعمیل کی جائے، علاوہ

از یں اللہ کے بندے جب اللہ کے حکم سے اس کے جلال و جبروت کا دھیان کرتے ہوئے اور اس کی کبریائی کا نعرہ لگاتے ہوئے شیطانی خیالات و عادات اور نفسانی خواہشات و معصیات کو عالم تصور میں نشانہ بنا کر ان جمروں پر کنکریاں مارتے ہیں، اور اس طرح گمراہی اور معصیت کو سنگسار کرتے ہیں تو ان کے قلوب کی اس وقت جو کیفیت ہوتی ہے اور ان کے ایمان والے سینوں کو جو انشراح اور سرور و انبساط اس سے نصیب ہوتا ہے اس کا ذائقہ بس وہی جانتے ہیں...... بہر حال اللہ کے حکم سے اور اس کا حکم نام لے کر جمروں پر کنکریاں پھینکنا بھی اہل بصیرت کی نگاہ میں ایک ایمان افروز عمل ہے۔

۱۸۵) **عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ رَمْیُ الْجِمَارِ وَالسَّعْیُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِاَقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ......** (رواه الترمذی والدارمی)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمرات پر کنکریاں پھینکنا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا اور پھیرے لگانا (لہو و لعب کی باتیں نہیں ہیں، بلکہ) یہ ذکر اللہ کی گرم بازاری کے وسائل ہیں...... (جامع ترمذی، سنن دارمی)

۱۸۶) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَمٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَمْرَةَ يَوْمَ النَّحْرِ ضُحًى وَّاَمَّا بَعْدَ ذَالِكَ فَاِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ......** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی چاشت کے وقت فرمائی، اور اسکے بعد ایام تشریق میں جمرات کی رمی آپ نے زوال آفتاب کے بعد کی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... یہی سنت ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کی رمی دوپہر سے پہلے کر لی جائے اور بعد کے دنوں میں زوال کے بعد۔

۱۸۷) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ اِنْتَهٰی اِلَی الْجَمْرَةِ الْكُبْرٰی فَجَعَلَ الْبَيْتَ عَنْ يَسَارِهٖ وَمِنًی عَنْ يَمِيْنِهٖ وَرَمٰی بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ مَعَ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَمَی الَّذِیْ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے راویت ہے کہ وہ رمی کے لئے جمرہ کبریٰ کے پاس پہنچے، پھر اس طرح اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوئے کہ بیت اللہ (یعنی مکہ) اس کے بائیں جانب تھا اور منیٰ داہنی جانب۔ اس کے بعد انہوں نے جمرہ پر سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ: اسی طرح رمی کی تھی اس مقدس ہستی نے جس پر سورۂ بقرہ نازل ہوئی تھی (جس میں حج کے احکام اور مناسک کا بیان ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے رمی کرنے کے طریقے کو تفصیل سے یاد رکھا تھا، اور اسی کے مطابق عمل کر کے لوگوں کو دکھایا کہ رسول اللہ ﷺ جن پر اللہ نے حج کے احکام

نازل کئے تھے اسی طرح رمی کیا کرتے تھے۔

۱۸۸) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَرْمِىْ عَلىٰ رَاحِلَتِهٖ يَوْمَ النَّحْرِ وَيَقُوْلُ لِتَاخُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ فَاِنِّىْ لَا اَدْرِىْ لَعَلِّىْ لَا اَحُجُّ بَعْدَ حَجَّتِىْ هٰذِهٖ** – (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (۱۰ ذی الحجہ کو) اپنی ناقہ پر سے رمی کرتے ہوئے دیکھا، آپ اس وقت فرمارہے تھے کہ تم مجھ سے اپنے مناسک سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ شاید اس حج کے بعد میں کوئی اور حج نہ کروں (اور پھر تمہیں اس کا موقع نہ ملے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... دسویں ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ اپنی ناقہ پر مزدلفہ سے روانہ ہو کر منیٰ پہنچے تو اس دن آپ ﷺ نے ناقہ پر سوار ہونے ہی کی حالت میں جمرہ عقبہ کی رمی کی، تاکہ سب لوگ آپ کو رمی کرتا ہوا دیکھ کر رمی کا طریقہ سیکھ لیں اور آسانی سے مسائل اور مناسک پوچھ سکیں، لیکن دوسرے اور تیسرے دن آپ نے رمی پاپیادہ کی...... بہر حال رمی سوار ہو کر بھی جائز ہے اور پاپیادہ بھی۔

یہ اشارہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے بار بار فرمایا کہ :اہل ایمان مجھ سے مناسب اور دین وشریعت کے احکام سیکھ لیں، شاید اب اس دنیا میں میرا قیام بہت زیادہ نہیں ہے۔

۱۸۹) **عَنْ سَالِمٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرْمِىْ جَمْرَةَ الدُّنْيَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عَلىٰ اِثْرِ كُلِّ حَصَاةٍ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ حَتّٰى يُسْهِلَ فَيَقُوْمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ طَوِيْلًا وَيَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَرْمِى الْوُسْطٰى بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَمٰى بِحَصَاةٍ ثُمَّ يَاخُذُ بِذَاتِ الشِّمَالِ فَيُسْهِلُ وَيَقُوْمُ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ ثُمَّ يَدْعُوْ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ وَيَقُوْمُ طَوِيْلًا ثُمَّ يَرْمِىْ جَمْرَةَ ذَاتِ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِىْ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ يُكَبِّرُ عِنْدَ كُلِّ حَصَاةٍ وَّلَا يَقِفُ عِنْدَهَا ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْلُ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهٗ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: سالم بن عبداللہ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ رمی جمرات کے بارے میں ان کا معمول اور دستور تھا کہ وہ پہلے جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے، اس کے بعد آگے نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور ہاتھ اٹھا کے دیر تک دعا کرتے، پھر درمیان والے جمرہ پر بھی اسی طرح سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے، پھر بائیں جانب نشیب میں اتر کر قبلہ رو کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کے دعا کرتے، پھر آخری جمرہ (جمرۃ العقبہ) پر بطن وادی سے سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ اللہ اکبر کہتے اور اس جمرہ کے پاس کھڑے نہ ہوتے بلکہ واپس ہو جاتے، اور بتاتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پہلے اور دوسرے جمروں کی رمی کے بعد قریب میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دیر تک دعا کرتے تھے اور آخری جمرہ کی رمی کے بعد بغیر کھڑے ہوئے اور دعا کئے واپس

ہو جاتے تھے، یہی سنت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس سنت پر عمل کرنے والے بلکہ اس کے جاننے والے بھی بہت کم ہیں۔

قربانی

قربانی کی عام فضیلت اور اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی عام ہدایات "کتاب الصلوٰۃ" میں عید الاضحیٰ کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، اور حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ۶۳ اونٹوں کی، اور آپ کے حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ۳۷ اونٹوں کی جو قربانی کی تھی، اس کا ذکر حجۃ الوداع کے بیان میں گزر چکا ہے، یہاں قربانی کے بارے میں صرف دو تین حدیثیں اور پڑھ لی جائیں۔

۱۹۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قُرْطٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَيَّامِ عِنْدَاللّٰهِ يَوْمُ النَّحْرِ ثُمَّ يَوْمُ الْقَرِّ (قَالَ ثَوْرٌ وَهُوَ الْيَوْمُ الثَّانِىْ) قَالَ وَقُرِّبَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ اَوْسِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ اِلَيْهِ بِاَيَّتِهِنَّ يَبْدَءُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت والا دن یوم النحر (قربانی کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ کا دن) ہے (یعنی یوم العرفہ کی طرح یوم النحر بھی بڑی عظمت والا دن ہے) اس کے بعد اس سے اگلا دن یوم القر (۱۱ ذی الحجہ) کا درجہ ہے (اس لئے قربانی جہاں تک ہو سکے ۱۰ ذی الحجہ کو کر لی جائے) اور کسی وجہ سے ۱۰ ذی الحجہ کو نہ کی جا سکے تو ۱۱ کو ضرور کر لی جائے۔ اس کے بعد (یعنی ۱۲ ذی الحجہ کو) اگر کی جائے تو ادا تو ہو جائے گی لیکن فضیلت کا کوئی درجہ ہاتھ نہ آئے گا) حدیث کے راوی عبداللہ بن قرط (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد اپنا یہ عجیب و غریب مشاہدہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ پانچ یا چھ اونٹ قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب لائے گئے تو ان میں سے ہر ایک آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا، تاکہ پہلے اسی کو آپ ذبح کریں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ جانوروں میں، بلکہ مٹی، پتھر جیسے جمادات میں حقائق کا شعور پیدا کر دے۔ یہ ۵، ۶ اونٹ جو قربانی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے قریب کئے گئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ شعور پیدا فرما دیا تھا کہ اللہ کی راہ میں اس کے محبوب اور برگزیدہ رسول محمد ﷺ کے ہاتھ سے قربان ہونا ان کی کتنی بڑی خوش بختی ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک اس خواہش کے ساتھ آپ سے قریب ہونا چاہتا تھا کہ پہلے آپ اسی کو ذبح کریں۔

همه آهوانِ صحرا سر خود نهاده بر کف
به اُمید آنکه روزے به شکار خواهی آمد

۱۹۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ ضَحّٰى مِنْكُمْ فَلَا يُصْبِحَنَّ بَعْدَ ثَالِثَةٍ وَّفِىْ بَيْتِهٖ مِنْهُ شَيْئٌ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَفْعَلُ كَمَا فَعَلْنَا الْعَامَ الْمَاضِىْ قَالَ كُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا فَاِنَّ ذَالِكَ الْعَامَ كَانَ بِالنَّاسِ جَهْدٌ فَاَرَدْتُّ اَنْ تُعِيْنُوْا فِيْهِمْ –

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک سال عید الاضحیٰ کے موقع پر) ہدایت فرمائی کہ تم میں سے جو کوئی قربانی کرے تو (اس کا گوشت بس تین دن تک کھا سکتا ہے) تیسرے دن کے بعد اس کے گھر میں اس قربانی کے گوشت میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہنا چاہئے...... پھر جب اگلا سال آیا تو لوگوں نے دریافت کیا: کیا ہم اس سال بھی ایسا کریں جیسا کہ گزشتہ سال آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ہم نے کیا تھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں! اس سال تین دن والی وہ پابندی نہیں ہے بلکہ اجازت ہے کہ جب تک چاہو) کھاؤ، کھلاؤ اور محفوظ رکھو۔ گزشتہ سال وہ ہدایت اس لئے دی گئی تھی کہ عوام کو (غذا کی کمی اور تنگدستی کی وجہ سے) کھانے پینے کی تکلیف تھی اس لئے میں نے چاہا کہ قربانی کے گوشت سے تم ان کی پوری مدد کرو (اس لئے میں نے عارضی اور وقتی طور پر وہ حکم دیا تھا، اب جب کہ وہ ضرورت باقی نہیں رہی تمہارے لئے کھانے کھلانے اور محفوظ رکھنے کی پوری گنجائش ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۱۹۲) عَنْ نُبَيْشَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُوْمِهَا اَنْ تَاْكُلُوْهَا فَوْقَ ثَلٰثٍ لِكَيْ تَسَعَكُمْ جَاءَ اللّٰهُ بِالسَّعَةِ فَكُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَاتَّجِرُوْا اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الْاَيَّامَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَّشُرْبٍ وَذِكْرِ لِلّٰهِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (عید الاضحیٰ کے موقع پر فرمایا) پہلے ہم نے قربانیوں کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے کی ممانعت کر دی تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی گئی تھی کہ سب لوگوں کو گوشت اچھی طرح مل جائے، اب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے (وہ تنگدستی اور فقر و فاقہ والی بات اب نہیں رہی ہے بلکہ) اللہ کے کرم سے لوگ اب خوشحال ہیں، اس لئے (اب وہ پابندی نہیں ہے) اجازت ہے، لوگ کھائیں اور محفوظ رکھیں، اور قربانی کا ثواب بھی حاصل کریں...... یہ دن کھانے پینے کے اور اللہ کی یاد کے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا قربانی کے گوشت کے بارے میں اجازت ہے کہ جب تک چاہیں کھائیں اور رکھیں۔ اور آخری حدیث کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں بندوں کا کھانا پینا بھی اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، گویا یہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ضیافت کے دن ہیں، لیکن اس کھانے پینے کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کی تکبیر و تمجید تقدیس و توحید سے بھی زبان تر رہنی چاہئے...... اس کی آمیزش کے بغیر اللہ کے بندوں کے لئے ہر چیز بے ذائقہ ہے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَااِلٰــهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَـرُ اَللّٰهُ اَكْبَـرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْــدُ

طوافِ زیارت اور طوافِ وداع

حج کے اعمال و مناسک اور ان کی ترتیب سے جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے اس کا اہم مقصد بیت اللہ کی تعظیم و تکریم اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار ہے جو ملت ابراہیمی کا خاص شعار ہے...... اس لئے جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے مکہ معظمہ میں حاضری کے بعد حج کا سب سے پہلا عمل طواف ہی کرنا ہوتا ہے، یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے تحیۃ المسجد بھی نہیں پڑھی جاتی، بلکہ طواف پہلے کیا جاتا ہے، اور دوگانہ طواف اس کے بعد پڑھا جاتا ہے...... حاجی کے اس پہلے طواف کا معروف اصطلاحی نام ہی "طواف قدوم" ہے (یعنی حاضری کا طواف)۔ اس کے متعلق احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔

اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی اور حلق سے فارغ ہونے کے بعد ایک طواف کا حکم ہے، اس کا معروف اصطلاحی نام "طواف زیارۃ" ہے۔ یہ وقوف عرفات کے بعد حج کا سب سے اہم رکن ہے...... پھر حج سے فارغ ہونے کے بعد جب حاجی مکہ معظمہ سے اپنے وطن واپس ہونے لگے تو حکم ہے کہ وہ آخری وداعی کر کے واپس ہو، اور اس کے سفر حج کا آخری عمل بھی طواف ہی ہو، اس کا معروف اصلاحی نام طواف وداع اور طواف رخصت ہے...... ان دونوں طوافوں سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے!

۱۹۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَرْمُلْ فِي السَّبْعِ الَّذِيْ اَفَاضَ فِيْهِ. (رواه ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کے سات چکروں میں رمل نہیں کیا (یعنی پورا طواف عادی رفتار سے کیا)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... پہلے گزر چکا ہے کہ حاجی جب مکہ معظمہ حاضر ہو کر پہلا طواف کرے (جس کے بعد اس کو صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی کرنی ہو گی) تو اس طواف کے پہلے تین چکروں میں وہ رمل کرے گا۔ حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے تمام صحابہ نے ایسا ہی کیا تھا، اس کے بعد ۱۰ ذی الحجہ کو آپ ﷺ نے منیٰ سے مکہ معظمہ آ کر طواف کیا اس میں آپ ﷺ نے رمل نہیں کیا، جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تصریح ہے۔

۱۹۴) عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَخَّرَطَوَافَ الزِّيَارَةِ يَوْمَ النَّحْرِ اِلَى اللَّيْلِ......

(رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف زیارت کو مؤخر کیا (یعنی اس کی تاخیر کی اجازت دے دی) دسویں ذی الحجہ کی رات تک۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ طواف زیارت کے لئے افضل دن یوم النحر (عید الاضحیٰ) کا دن ہے،

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے کہ اس دن کے ختم ہونے کے بعد رات میں بھی وہ کیا جا سکتا ہے اور اس رات کا طواف بھی افضلیت کے لحاظ سے ۱۰ ذی الحجہ ہی کا طواف شمار ہو گا...... عام عربی قاعدے کے مطابق رات کی تاریخ اگلے دن والی تاریخ ہوتی ہے اور ہر رات اگلے دن کے ساتھ لگتی ہے، لیکن حج کے مناسک اور احکام میں بندوں کی سہولت کے لئے اس کے برعکس قاعدہ مقرر کیا گیا ہے اور ہر دن کے بعد والی رات کو اس دن کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، اسی بناء پر جو طواف ۱۰ ذی الحجہ کا دن گزرنے کے بعد رات میں کیا جائے گا وہ ۱۰ ذی الحجہ ہی میں شمار ہو گا، اگرچہ عام قاعدے کے لحاظ سے وہ ۱۱ ذی الحجہ کی رات ہے۔

۱۹۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَنْصَرِفُوْنَ فِيْ كُلِّ وَجْهٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَنْفِرَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ اٰخِرُ عَهْدِهٖ بِالْبَيْتِ اِلَّا اَنَّهٗ خَفَّفَ عَنِ الْحَائِضِ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ (حج کرنے کے بعد) اپنے اپنے وطنوں کے رخ پر چل دیتے تھے (طواف وداع کا اہتمام نہیں کرتے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک وطن کی طرف کوچ نہ کرے جب تک کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر نہ ہو (یعنی جب تک کہ طواف وداع نہ کر لے) البتہ جو عورت خاص ایام کے عذر کی وجہ سے طواف سے معذور ہو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کو طواف وداع معاف ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے۔ پہلے لوگ طواف وداع کا اہتمام اور پابندی نہیں کرتے تھے۔ ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کر کے اور رمی جمرات وغیرہ وہاں کے مناسک ادا کر کے اپنے اپنے وطنوں کو چل دیتے تھے...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گویا اس کے وجوب اور اہمیت کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ فقہاء نے طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے، البتہ حدیث کی تصریح کے مطابق وہ مستورات جو اپنے خاص ایام کی وجہ سے طواف سے معذور ہوں، وہ اگر طواف زیارت کر چکی ہوں تو بغیر طواف وداع کئے مکہ معظمہ سے وطن رخصت ہو سکتی ہیں...... ان کے علاوہ ہر بیرونی حاجی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ملک کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وداع اور رخصت ہی کی نیت سے آخری طواف کرے اور یہی حج کے سلسلے کا اس کا آخری عمل ہو۔

۱۹۶) **عَنِ الْحَارِثِ الثَّقَفِيِّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ اَوِاعْتَمَرَ فَلْيَكُنْ اٰخِرُ عَهْدِهٖ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ.** (رواه احمد)

ترجمہ: حارث ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ کرے تو چاہئے کہ اس کی آخری حاضری بیت اللہ پر ہو اور آخری عمل طواف ہو۔ (مسند احمد)

۱۹۷) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اَحْرَمْتُ مِنَ التَّنْعِيْمِ بِعُمْرَةٍ فَدَخَلْتُ فَقَضَيْتُ عُمْرَتِيْ وَانْتَظَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْاَبْطَحِ حَتّٰى فَرَغْتُ وَاَمَرَ النَّاسَ بِالرَّحِيْلِ قَالَتْ وَاَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْبَيْتَ فَطَافَ بِهٖ ثُمَّ خَرَجَ.** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سفر میں قیام مکہ کی اس آخری رات میں جس میں مدینہ کی طرف واپسی ہونے والی تھی) میں نے مقام تنعیم جا کر عمرہ کا احرام باندھا، اور عمرہ کے ارکان (طواف، سعی وغیرہ) ادا کئے اور رسول اللہ ﷺ نے (منیٰ اور مکہ کے درمیان) مقام ابطح میں میرا انتظار فرمایا۔ جب میں عمرہ سے فارغ ہو چکی تو آپ نے لوگوں کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ طواف وداع کے لئے بیت اللہ کے پاس آئے اور طواف کیا، اور اسی وقت مکہ سے مدینہ کی طرف چل دیئے۔

تشریح..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب حجۃ الوداع کے سفر میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں تو آپ نے تمتع کا ارادہ کیا تھا اور اس وجہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا، لیکن جب مکہ معظّمہ کے قریب پہنچیں، تو (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خاص ایام شروع ہو گئے جس کی وجہ سے وہ عمرہ کا طواف وغیرہ کچھ بھی نہ کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ نے عمرہ ترک کر کے ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لیا، اور آپ کے ساتھ پورا حج کیا۔ ۱۳ ذی الحجہ کو جمرات کی رمی کر کے جب رسول اللہ ﷺ منیٰ سے واپس ہوئے تو آپ نے ابطح میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی رات میں آپ نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ بھیجا کہ حدود حرم سے باہر تنعیم جا کر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھیں اور عمرہ سے فارغ ہو کر آجائیں، اس حدیث میں اسی واقعہ کا ذکر ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب عمرہ سے فارغ ہو کے آئیں تو آپ نے قافلے کو کوچ کرنے کا حکم دیا، قافلہ ابطح سے مسجد حرام آیا، آپ نے اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے سحر میں طواف وداع کیا اور اسی وقت مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمرہ اس عمرہ کی قضا تھا جو احرام باندھنے کے باوجود نہ کر سکی تھیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف وداع مکہ معظّمہ سے روانگی ہی کے وقت کیا جائے۔

طواف کے بعد ملتزم سے چمٹنا اور دعا کرنا

خانہ کعبہ کی دیوار کا قریباً دو گز کا جو حصہ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان ہے وہ ملتزم کہلاتا ہے۔ حج کے مسنون اعمال میں سے یہ بھی ہے کہ اگر موقع ملے تو طواف کے بعد اس ملتزم سے چمٹ کر دعا کی جائے۔ مندرجہ ذیل احادیث سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ایسا ہی کیا تھا:

۱۹۸) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَرَاَيْتُ قَوْمًا الْتَزَمُوا الْبَيْتَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنْطَلِقْ بِنَا نَلْتَزِمُ الْبَيْتَ مَعَ هٰؤُلَاءِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ طَوَافِهٖ اِلْتَزَمَ الْبَيْتَ بَيْنَ الْبَيْتِ وَالْحَجَرِ وَقَالَ هٰذَا وَاللّٰهِ الْمَكَانُ الَّذِىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِلْتَزَمَهٗ.** (رواه البيهقى بهذا اللفظ)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کر رہا تھا، میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بیت اللہ سے چمٹ رہے ہیں تو میں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے عرض کیا کہ ہم کو یہاں

لے چلئے ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی ان کی طرح بیت اللہ سے چمٹ جائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ: میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں مردود شیطان سے (مطلب غالباً یہ تھا کہ اگر میں طواف کے درمیان ان لوگوں کی طرح ملتزم کی خاص جگہ کا لحاظ کئے بغیر بیت اللہ کی کسی دیوار سے چمٹ جاؤں تو یہ خلاف سنت اور غلط کام ہوگا اور اس سے خدا راضی نہیں ہوگا بلکہ شیطان راضی ہوگا اور میں اس مردود سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں...... شعیب کہتے ہیں کہ) پھر جب میرے دادا طواف سے فارغ ہوگئے تو دیوار کعبہ کے خاص اس حصہ پر آئے جو باب کعبہ اور حجر اسود کے درمیان ہے (جس کو ملتزم کہتے ہیں) اور مجھ سے فرمایا: خدا کی قسم! یہی وہ جگہ ہی جس سے رسول اللہ ﷺ چمٹ گئے تھے۔ (سنن بیہقی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ملتزم سے اس طرح چمٹ گئے کہ اپنا سینہ اور اپنا چہرہ اس سے لگا دیا اور ہاتھ بھی پوری طرح پھیلا کے اس پہ رکھ دیئے، اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملتزم سے چمٹنے والا یہ عمل طواف کے بعد ہونا چاہئے اور اس کی خاص جگہ ملتزم ہی ہے۔ اللہ کے دیوانوں کو اس میں جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ بس انہی کا حصہ ہے اور حج کی خاص الخاص کیفیات میں سے ہے۔

فضائل حرمین

محدثین کرام کا دستور ہے کہ کتاب الحج ہی میں حرمین پاک کے فضائل کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں، اسی دستور کی پیروی میں حرم مکہ اور حرم مدینہ کے فضائل کی احادیث یہاں درج کی جا رہی ہیں۔

حرم مکہ کی عظمت

خانہ کعبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقدس بیت (گھر) قرار دیا ہے، اور اسی نسبت سے شہر مکہ کو جس میں بیت اللہ واقع ہے بلد اللہ الحرام قرار دیا گیا ہے، گویا جس طرح دنیا بھر کے گھروں میں کعبہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ سے خاص نسبت ہے اسی طرح دنیا بھر کے شہروں میں مکہ معظمہ کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کا خاص شرف حاصل ہے۔ پھر اسی نسبت سے اس کی ہر سمت میں کئی کئی میل کے علاقہ کو حرم (یعنی واجب الاحترام) قرار دیا گیا ہے اور اس کے خاص آداب واحکام مقرر کئے گئے ہیں اور ادب واحترام ہی کی بنیاد پر بہت سی ان باتوں کی بھی وہاں ممانعت ہے جن کی باقی ساری دنیا میں اجازت ہے۔ مثلاً ان حدود میں کسی کو شکار کی اجازت نہیں، جنگ اور قتال کی اجازت نہیں، درخت کاٹنے اور درختوں کے پتے جھاڑنے کی اجازت نہیں۔ اس محترم علاقہ میں ان سب چیزوں کو ادب واحترام کے خلاف گناہ گارانہ جسارت قرار دیا گیا ہے۔

اس علاقہ حرم کی حدود پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے معین کی تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے عہد میں انہی کی تجدید فرمائی اور اب وہ حدود معلوم ومعروف ہیں، گویا یہ پورا علاقہ بلد اللہ الحرام کا صحن ہے اور اس کا وہی ادب واحترام ہے جو اللہ کے مقدس شہر مکہ معظمہ کا ...... اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے:۔

۱۹۹) عَنْ عَيَّاشِ بْنِ اَبِىْ رَبِيْعَةَ الْمَخْزُوْمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ بِخَيْرٍ مَاعَظَّمُوْا هٰذِهِ الْحُرْمَةَ حَقَّ تَعْظِيْمِهَا فَاِذَا ضَيَّعُوْا ذَالِكَ هَلَكُوْا — (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت جب تک اس حرم مقدس کا پورا احترام کرتی رہے گی اور اس کی حرمت و تعظیم کا حق ادا کرے گی خیریت سے رہے گی اور جب اس میں یہ بات باقی نہ رہے گی برباد ہو جائے گی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... گویا بیت اللہ اور بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) اور پورے علاقہ حرم کی تعظیم و حرمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کے صحیح تعلق اور سچی وفاداری کی علامت اور نشانی ہے۔ جب تک یہ چیز اجتماعی حیثیت سے امت میں باقی رہے گی اللہ تعالیٰ اس امت کی نگہبانی فرمائے گا اور وہ دنیا میں سلامتی اور عزت کے ساتھ رہے گی، اور جب امت کا رویہ بحیثیت مجموعی اس بارے میں بدل جائے گا اور خانہ کعبہ اور حرم مقدس کی حرمت و تعظیم کے بارے میں اس میں تقصیر آجائے گی تو پھر یہ امت اللہ تعالیٰ کی حمایت و نگہبانی کا استحقاق کھودے گی،

اور اس کے نتیجہ میں تباہیاں اور بربادیاں اس پر مسلط ہوں گی۔

ہمارے اس زمانہ میں سفر کی سہولتوں کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہ سے بھی اگرچہ حج کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے لیکن وہاں ساری دنیا کے جو مسلمان آتے ہیں ان کا طرزِ عمل بتاتا ہے کہ بیت اللہ اور حرم مقدس کے ادب واحترام کے لحاظ سے امت میں بحیثیت مجموعی بہت بڑی تقصیر آ گئی ہے اور بلاشبہ یہ بھی ان اسباب میں سے ایک اہم سبب ہے جن کی وجہ سے امت مشرق ومغرب میں اللہ تعالیٰ کی نصرت اور نگہبانی سے محروم کردی گئی ہے۔ اللّٰهُمَّ عَافِنَا وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَعَامِلْنَا بِمَا أَنْتَ أَهْلُهُ وَلَا تُعَامِلْنَا بِمَا نَحْنُ أَهْلُهُ۔

۲۰۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ لَاهِجْرَةَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ فَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوْا وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَاِنَّهٗ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيْهِ لِاَحَدٍ قَبْلِيْ وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ اِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَايُعْضَدُ شَوْكُهٗ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهٗ وَلَا يَلْتَقِطُ لُقْطَتَهٗ اِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا قَالَ الْعَبَّاسُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخَرَ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوْتِهِمْ فَقَالَ اِلَّا الْاِذْخَرَ...... (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا لیکن جہاد ہے، اور نیت! تو جب تم سے راہِ خدا میں کوچ کرنے کو کہا جائے تو چل دو..... اور اسی فتح مکہ کے دن آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا کہ: یہ شہر مکہ اللہ نے اس کو اسی دن سے محترم قرار دیا ہے جس دن کہ زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی (یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اسی وقت زمین کے اس قطعہ کو جس پر مکہ معظمہ آباد ہے، اور اس کے آس پاس کے علاقہ احرام کو واجب الاحترام قرار دیا، لہٰذا اللہ کے اس حکم سے قیامت تک کے لئے اس کا ادب واحترام واجب ہے) اور مجھ سے پہلے اللہ نے اپنے کسی بندے کو یہاں قتال فی سبیل اللہ کی بھی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی دن کے تھوڑے وقت کے لئے اس کی عارضی اور وقتی اجازت دی گئی تھی اور وہ وقت ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک کے لئے یہاں قتال اور ہر وہ اقدام اور عمل جو اس مقدس جگہ کے ادب واحترام کے خلاف ہو حرام ہے، اس علاقہ کے خاردار جھاڑ بھی نہ کاٹے چھانٹے جائیں۔ یہاں کے کسی قابل شکار جانور کو پریشان بھی نہ کیا جائے اور اگر کوئی گری پڑی چیز نظر پڑے تو اس کو وہی اٹھائے جو قاعدے کے مطابق اس کا اعلان اور تشہیر کرتا رہے، اور یہاں کی سبز گھاس بھی نہ کاٹی اکھاڑی جائے..... (اس پر آپ کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اذخر گھاس کو مستثنیٰ قرار دیا جائے، کیونکہ یہاں کے لوہار اس کو استعمال کرتے ہیں اور گھروں کی چھتوں کیلئے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے اس عرض کرنے پر اذخر گھاس کو مستثنیٰ فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے دو اعلانوں کا ذکر ہے، جو آپ نے فتح مکہ کے دن خاص طور سے فرمائے تھے..... پہلا اعلان یہ تھا کہ: اب ہجرت کا حکم نہیں رہا..... اس کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جب مکہ پر ان اہل کفر و شرک کا اقتدار تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھا، اور مکہ میں رہ کر کسی مسلمان کے لئے اسلامی زندگی گذارنا گویا ناممکن تھا تو حکم یہ تھا کہ مکہ میں اللہ کا جو بندہ اسلام قبول کرے اس کے لئے اگر ممکن ہو تو وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر جائے جو اس وقت اسلامی مرکز اور روئے زمین پر اسلامی زندگی کی واحد تعلیم گاہ اور تربیت گاہ تھی۔ بہر حال ان خاص حالات میں یہ ہجرت فرض تھی اور اس کی بڑی فضیلت اور اہمیت تھی..... لیکن جب ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ پر بھی اسلامی اقتدار قائم کرا دیا تو پھر ہجرت کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے آپ ﷺ نے فتح مکہ ہی کے دن اعلان فرما دیا کہ: اب ہجرت کا وہ حکم اٹھا لیا گیا..... اس سے قدرتی طور پر ان لوگوں کو بڑی حسرت اور مایوسی ہوئی ہو گی جن کو اب اسلام کی توفیق ملی تھی اور ہجرت کی عظیم فضیلت کا دروازہ بند ہو جانے کی وجہ سے وہ اس سعادت سے محروم رہ گئے تھے..... ان کی اس حسرت کا مداوا فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ہجرت کی فضیلت و سعادت کا دروازہ اگرچہ بند ہو گیا ہے لیکن جہاد فی سبیل اللہ کا راستہ اور اللہ تعالیٰ کے سارے اوامر کی اطاعت کی نیت اور بالخصوص اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں ہر قربانی کے لئے دلی عزم و آمادگی کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور بڑی سے بڑی سعادت اور فضیلت ان راہوں سے اللہ کا ہر بندہ حاصل کر سکتا ہے۔

دوسرا اعلان فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ: یہ شہر جس کی عظمت و حرمت دور قدیم سے مسلم چلی آرہی ہے یہ محض رسم و رواج یا کسی فرد یا پنچائیت کی تجویز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ازلی حکم سے ہے اور قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کا خاص ادب و احترام کیا جائے، یہاں تک کہ اللہ کے لئے جہاد و قتال جو ایک اعلیٰ درجہ کی عبادت اور بڑے درجہ کی سعادت ہے یہاں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے کسی بندہ کو اس کی اجازت وقتی طور پر بھی نہیں دی گئی۔ مجھے بھی بہت تھوڑے سے وقت کے لئے اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور وہ بھی وقت ختم ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک کے لئے کسی بندے کو یہاں قتال کی اجازت نہیں ہے..... جس طرح مخصوص سرکاری علاقوں کے خاص قوانین ہوتے ہیں اسی طرح یہاں کے خاص آداب اور قوانین ہیں، اور وہ وہی ہیں جن کا آپ ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا..... قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۲۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ لَايَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّحْمِلَ بِمَكَّةَ السِّلَاحَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ مکہ میں ہتھیار اٹھائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جمہور علماء امت کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مکہ اور حدود حرم میں کسی مسلمان کو دوسرے کے خلاف ہتھیار اٹھانا اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں، یہ اس مقام مقدس کے ادب و احترام کے

خلاف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو ہتھیار ہاتھ میں لینے کی اجازت ہی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

۲۰۲) عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ الْعَدَوِیِّ اَنَّهٗ قَالَ لِعَمْرِوبْنِ سَعِیْدٍ وَّهُوَ یَبْعَثُ الْبُعُوْثَ اِلٰی مَکَّةَ اِئْذَنْ لِیْ اَیُّهَا الْاَمِیْرُ اُحَدِّثْکَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْغَدَ مِنْ یَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَایَ وَوَعَاهُ قَلْبِیْ وَاَبْصَرَتْهُ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مَکَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ یُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَا یَحِلُّ لِاِمْرِءٍ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا یَعْضِدُ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ بِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْهَا فَقُوْلُوْا لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ یَاْذَنْ لَکُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِیْ فِیْهَا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْیَوْمَ کَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَقِیْلَ لِاَبِیْ شُرَیْحٍ مَاقَالَ لَكَ عَمْرٌو؟ قَالَ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِذٰالِكَ مِنْكَ یَا اَبَا شُرَیْحٍ اِنَّ الْحَرَمَ لَا یُعِیْذُ عَاصِیًا وَّلَا فَارًّا بِدَمٍ وَّلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ...... (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا، جب کہ وہ (یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا اور اس کے حکم سے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف) مکہ پر چڑھائی کرنے کے لئے لشکر تیار کر کے روانہ کر رہا تھا کہ: اے امیر! مجھے اجازت دیجئے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا ایک فرمان بیان کروں جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن (مکہ میں) ارشاد فرمایا تھا۔ میں نے اپنے کانوں سے آپ ﷺ کا وہ فرمان خود سنا تھا اور میرے ذہن نے اس کو یاد کر لیا تھا اور جس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے وہ فرمان صادر ہو رہا تھا اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، اس کے بعد فرمایا تھا کہ: مکہ اور اس کے ماحول کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے، اس کی حرمت کا فیصلہ انسانوں سے نہیں کیا ہے، اس لئے جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حرام ہے کہ وہ یہاں خونریزی کرے بلکہ یہاں کے درختوں کا کاٹنا بھی منع ہے۔ (آپ ﷺ نے فرمایا) اور اگر کوئی شخص میرے قتال کو سند بنا کر اپنے لئے اس کا جواز نکالے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی، تجھے اجازت نہیں دی ہے، اور مجھے بھی اللہ نے ایک دن کے تھوڑے سے وقت کے لئے عارضی اور وقتی طور پر اجازت دی تھی، اور اس وقت کے ختم ہونے کے بعد وہ حرمت لوٹ آئی، اور اب قیامت تک کسی کے لئے اس کا جواز نہیں ہے...... (اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ) جو لوگ یہاں موجود ہیں اور جنہوں نے میری یہ بات سنی ہے وہ دوسرے لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں (اس لئے اے امیر! میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ کا یہ فرمان تم کو پہنچایا ہے)...... ابو شریح سے کسی نے پوچھا کہ پھر عمرو بن سعید نے کیا جواب دیا، انہوں نے بتلایا کہ اس نے کہا کہ: ابو شریح! میں یہ باتیں تم سے زیادہ جانتا ہوں، حرم کسی نافرمان کو یا ایسے آدمی کو جو کسی کا ناحق خون کر کے یا کوئی نقصان کر کے بھاگ گیا ہو پناہ نہیں دیتا (یعنی ایسے لوگوں کے خلاف حرم میں بھی کارروائی کی جائے گی۔)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اسلام کی پہلی ہی صدی میں سیاسی اقتدار کی ہوس رکھنے والوں نے اسلام کے ساتھ جو معاملہ کیا اور اس کے احکام کو اپنی اغراض کے لئے جس طرح توڑا مروڑا وہ تاریخ اسلام کا نہایت تکلیف دہ باب ہے۔ ابو شریح عدوی جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، انہوں نے اموی حاکم عمرو بن سعید کے سامنے بروقت کلمہ حق کہہ کے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنا کر اپنا فرض ادا کر دیا..... صحیحین کی اس روایت میں یہ مذکور نہیں ہے کہ عمرو بن سعید نے جو بات کہی، ابو شریح نے اس کے جواب میں کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن مسند احمد کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

قَدْ كُنْتَ شَاهِدًا وَّكُنْتَ غَائِبًا وَقَدْ اَمَرَنَا اَنْ يُّبَلِّغَ شَاهِدُنَا غَائِبَنَا وَقَدْ بَلَّغْتُكَ [1]

فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی میں اس وقت وہاں حاضر اور موجود تھا اور تم وہاں نہیں تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ جو یہاں موجود ہے وہ میری یہ بات ان لوگوں کو پہنچادیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں..... میں نے اس حکم نبوی ﷺ کی تعمیل کر دی اور تم کو یہ بات پہنچادی۔

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ کے اس جواب میں یہ بھی مضمر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مقصد و منشاء سمجھنے کے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی، اور جنہوں نے موقع پر حضور ﷺ سے یہ بات سنی۔

۲۰۳) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ حَمْرَاءَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَاقِفًا عَلَى الْحَزْوَرَةِ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَخَيْرُ اَرْضِ اللّٰهِ وَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا اَنِّيْ اُخْرِجْتُ مِنْكَ مَاخَرَجْتُ.....** (رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ: عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ مکہ میں حزورہ (ایک ٹیلے) پر کھڑے تھے اور مکہ سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے: خدا کی قسم! تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر جگہ ہے، اور اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے اور ہجرت کرنے پر مجبور نہ کیا گیا ہوتا، تو میں ہرگز تجھے چھوڑ کے نہ جاتا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ مکہ معظمہ تمام روئے زمین میں سب سے افضل اور باعظمت اور اللہ کے نزدیک محبوب ترین جگہ ہے، اور ہونا بھی یہی چاہئے، کیونکہ اس میں کعبۃ اللہ ہے جو حق تعالیٰ کی خاص الخاص تجلی گاہ اور قیامت تک کے لئے اہل ایمان کا قبلہ ہے، جس کا رسول اللہ ﷺ بھی طواف کرتے تھے، اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے..... اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے:

۲۰۴) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِمَكَّةَ مَا اَطْيَبَكِ مِنْ بَلَدٍ وَّاَحَبَّكِ اِلَيَّ وَلَو لَا اَنَّ**

---

[1] فتح الباری کتاب المناسک، باب لایعضد شجر الحرام۔ الخ

قَوْمِیْ اَخْرَجُوْنِیْ مِنْكَ مَا سَكَنْتُ غَيْرَكِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تو کس قدر پاکیزہ اور دل پسند شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے، اور اگر میری قوم نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کے کسی اور جگہ نہ بستا...... (جامع ترمذی)

تشریح...... ان دونوں حدیثوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ یہ بات آپ نے کس موقع پر فرمائی۔ شارحین نے حضرت عبداللہ بن عباس والی اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات فتح مکہ کے سفر میں مکہ سے واپس ہونے کے وقت فرمائی تھی۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کی عظمت اور محبوبیت

اکثر محدثین کا دستور ہے کہ وہ اپنی مؤلفات میں حج و عمرہ سے متعلق حدیثوں کے ساتھ "باب فضل مکہ" کے تحت مکہ معظمہ کی عظمت و فضیلت کی حدیثیں، اور انہی کے ساتھ "باب فضل المدینہ" کے تحت مدینہ طیبہ کی عظمت کی حدیثیں بھی درج کرتے ہیں۔ اس طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی پہلے مکہ معظمہ سے متعلق احادیث درج کی گئی ہیں اور اب مدینہ طیبہ سے متعلق درج کی جارہی ہیں۔

۲۰۵) **عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ سَمَّى الْمَدِيْنَةَ طَابَةَ.**
(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام "طابہ" رکھا ہے (صحیح مسلم)

تشریح...... طابہ، طیبہ اور طیّبہ ان تینوں کے معنی پاکیزہ اور خوشگوار کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ نام رکھا اور اس کو ایسا ہی کردیا، اس میں روحوں کے لئے جو خوشگواری، جو سکون و اطمینان اور جو پاکیزگی ہے وہ بس اسی کا حصہ ہے۔

۲۰۶) **عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَامًا وَّاِنِّىْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَّا بَيْنَ مَا زِمَيْهَا اَنْ لَا يُهْرَاقَ فِيْهَا دَمٌ وَّلَا يُحْمَلَ فِيْهَا سِلَاحٌ وَلَا يُخْبَطَ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ** - (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت ابراہیم نے مکہ کے "حرم" ہونے کا اعلان کیا تھا (اور اس کے خاص آداب و احکام بتائے تھے) اور میں مدینہ کے "حرم" قرار دیئے جانے کا اعلان کرتا ہوں، اس کے دونوں طرف کے دروں کے درمیان پورا رقبہ واجب الاحترام ہے، اس میں خوں ریزی نہ کی جائے، کسی کے خلاف ہتھیار نہ اٹھایا جائے (یعنی اسلحہ کا استعمال نہ کیا جائے) اور جانوروں کے چارے کی ضرورت کے سوا درختوں کے پتے بھی نہ جھاڑے

جائیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، مدینہ طیبہ بھی سرکاری علاقہ کی طرح واجب الاحترام ہے، اور وہاں ہر وہ عمل اور اقدام منع ہے جو اس کی عظمت و حرمت کے خلاف ہو، لیکن اس کے احکام بالکل وہ نہیں ہیں جو حرم مکہ کے ہیں۔ خود اسی حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے، اس میں جانوروں کے چارہ کے لئے وہاں کے درختوں کے پتے توڑنے اور جھاڑنے کی اجازت دی گئی ہے، جب کہ حرم مکہ میں اس کی بھی اجازت نہیں ہے۔

۲۰۷) عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ اَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا اَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا وَقَالَ الْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَا يَدَعُهَا اَحَدٌ رَغْبَةً عَنْهَا اِلَّا اَبْدَلَ اللّٰهُ فِيْهَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَلَا يَثْبُتُ اَحَدٌ عَلٰى لَاْوَائِهَا وَجَهْدِهَا اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں حرم قرار دیتا ہوں مدینہ کے دونوں طرف کے سنگتانی کناروں کے درمیان کے علاقہ کو (یعنی اس کے واجب الاحترام ہونے کا اعلان کرتا ہوں، اور حکم دیتا ہوں کہ) اس کے خاردار درخت کاٹے نہ جائیں اور اس میں رہنے والے جانوروں کو شکار نہ کیا جائے..... اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ (بعض اشیاء کی کمی اور بعض تکلیفوں کے باوجود) مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے، اگر وہ اس کی خیر و برکت کو جانتے (تو کسی تنگی اور پریشانی کی وجہ سے اور کسی لالچ میں اس کو نہ چھوڑتے) جو کوئی اپنی پسند اور خواہش سے اس کو چھوڑ کے جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اپنے کسی ایسے بندے کو بھیج دے گا جو اس سے بہتر اور افضل ہوگا (یعنی کسی کے اس طرح چلے جانے سے مدینہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی بلکہ وہ جانے والا ہی اس کی برکات سے محروم ہو کر جائے گا) اور جو بندہ مدینہ کی تکلیفوں، تنگیوں اور مشقتوں پر صبر کر کے وہاں پڑا رہے گا میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا یا اس کے حق میں شہادت دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... سفارش اس کی کہ اس کے قصور اور اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں اور اس کو بخش دیا جائے۔ اور شہادت اس کے ایمان اور اعمال صالحہ کی اور اس بات کی کہ یہ بندہ تنگیوں تکلیفوں پر صبر کئے ہوئے مدینہ ہی میں پڑا رہا۔

۲۰۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَصْبِرُ عَلٰى لَاْوَاءِ الْمَدِيْنَةِ وَشِدَّتِهَا اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِیْ اِلَّا كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو امتی مدینہ کی تکلیفوں اور سختیوں پر صبر کر کے وہاں رہے گا، میں قیامت کے دن اس کی شفاعت اور سفارش کروں گا۔ (صحیح مسلم)

۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّاسُ اِذَا رَاَوْا اَوَّلَ الثَّمْرَةِ جَاؤُا بِهِ اِلَى النَّبِیِّ ﷺ فَاِذَا اَخَذَهُ قَالَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ مَدِيْنَتِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَبَارِكْ لَنَا فِیْ مُدِّنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَبْدُكَ وَخَلِيْلُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنِّیْ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ وَاَنَا اَدْعُوْكَ لِلْمَدِيْنَةِ بِمِثْلِ مَادَعَاكَ لِمَكَّةَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ ثُمَّ قَالَ يَدْعُوْا اَصْغَرَ وَلِيْدٍ لَهُ فَيُعْطِيَهُ ذَالِكَ الثَّمَرَ...... (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا دستور تھا کہ جب وہ درخت پر نیا پھل دیکھتے تو اس کو لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے، آپ اس کو قبول فرما کر اس طرح دعا فرماتے: اے اللہ! ہمارے پھلوں میں اور پیداوار میں برکت دے، اور ہمارے شہر مدینہ میں برکت دے، اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت دے! الٰہی! ابراہیمؑ تیرے خاص بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ کے لئے تجھ سے دعا کی تھی، اور میں مدینہ کے لئے تجھ سے ویسی ہی دعا کرتا ہوں، اور اس کے ساتھ اتنی ہی مزید...... پھر آپ کسی چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ نیا پھل اس کو دے دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... پھلوں اور پیداوار میں برکت کا مطلب تو ظاہر ہے کہ زیادہ سے زیادہ پیداوار ہو اور فصل بھرپور ہو۔ اور شہر مدینہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ وہ خوب آباد ہو، اور اس کے رہنے والوں پر اللہ کا فضل ہو...... اور صاع اور مد دو پیمانے ہیں۔ اس زمانہ میں غلہ وغیرہ کی خرید و فروخت ان پیمانوں ہی سے ہوتی تھی، ان میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاع ایک مد جتنے آدمیوں کے لئے یا جتنے دنوں کے لئے کافی ہوتا ہے اس سے زیادہ کے لئے کافی ہو۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے اپنی بیوی بچے کو مکہ کی غیر آباد اور بے آب و گیاہ وادی میں بسا کر اللہ سے ان کے لئے کی تھی کہ: "اے اللہ! تو اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت و مودت ڈال دے، اور ان کو ان کی ضرورت کا رزق اور پھل وغیرہ پہنچا، اور یہاں کے لئے امن اور سلامتی مقدر فرما!"

رسول اللہ ﷺ بطور نظیر اس ابراہیمی دعا کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ سے مدینہ کے لئے وہی دعا، بلکہ مزید اضافے کے ساتھ کرتے تھے...... اس دعا کا یہ ثمرہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا بھر کے جن ایمان والے بندوں کو مکہ سے محبت ہے ان سب کو مدینہ طیبہ سے بھی محبت ہے، اور اس محبوبیت میں تو اس کا حصہ مکہ سے یقیناً زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کا بندہ، اس کا نبی اور اس کا خلیل کہا، اور اپنے کو صرف بندہ اور نبی کہا، حبیب ہونے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تواضع اور کسر نفسی آپ کا مستقل مزاج تھا۔

بالکل نیا اور درخت کا پہلا پھل چھوٹے بچے کو بلا کر دینے میں یہ سبق ہے کہ ایسے مواقعوں پر چھوٹے معصوم بچوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اس کے علاوہ نئے پھل اور کمسن بچے کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔

۲۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَنْفِی الْمَدِيْنَةُ شِرَارَهَا كَمَا

يَنْفِى الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک مدینہ اپنے فاسد اور خراب عناصر کو اس طرح باہر نہ پھینک دے گا جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یعنی قیامت آنے سے پہلے مدینہ کی آبادی کو ایسے خراب عناصر سے پاک صاف کر دیا جائے گا جو عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے لحاظ سے گندے ہوں گے۔

۲۱۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى اَنْقَابِ الْمَدِيْنَةِ مَلَائِكَةٌ لَا يَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مدینہ کے راستوں پر فرشتے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتا۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... صحیحین ہی کی بعض دوسری حدیثوں میں مدینہ طیبہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی بھی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ دجال اس میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ یہ غالباً ان دعاؤں کی برکات میں سے ہے جو اللہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور اس کے حبیب حضرت محمد ﷺ نے ان دونوں مقدس و مبارک شہروں کے لئے کی تھیں۔

۲۱۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّىْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا. (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو اس کی کوشش کر سکے کہ مدینہ میں اس کی موت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس کی کوشش کرے، اور) مدینہ میں مرے۔ میں ان لوگوں کی ضرور شفاعت کروں گا جو مدینہ میں مریں گے (اور وہاں دفن ہوں گے)۔

(مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... ظاہر ہے کہ یہ بات کہ موت فلاں جگہ آئے، کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ تاہم بندہ اس کی آرزو اور دعا کر سکتا ہے اور کسی درجہ میں اس کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جس جگہ مرنا چاہے وہیں جا کر پڑ جائے، اگر قضا و قدر کا فیصلہ خلاف نہیں ہے، تو موت وہیں آئے گی..... بہر حال حدیث کا مدعا یہی ہے کہ جو شخص یہ سعادت حاصل کرنا چاہے، وہ اس کے لئے اپنے امکان کی حد تک کوشش کرے، اخلاص کے ساتھ کوشش کرنے والوں کی اللہ تعالیٰ بھی مدد کرتا ہے۔

۲۱۳) عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ جَالِسًا وَّقَبْرٌ يُحْفَرُ بِالْمَدِيْنَةِ فَاطَّلَعَ رَجُلٌ فِى الْقَبْرِ فَقَالَ بِئْسَ مَضْجَعُ الْمُؤْمِنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِئْسَ مَاقُلْتَ قَالَ الرَّجُلُ اِنِّىْ لَمْ اُرِدْ

هٰذَا اِنَّمَا اَرَدْتُ الْقَتْلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَامِثْلَ الْقَتْلِ فَقَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَىَّ اَنْ يَّكُوْنَ قَبْرِيْ فِيْهَا مِنْهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواه مالك مرسلاً)

ترجمہ: یحییٰ بن سعید انصاری تابعی سے بطریق ارسال روایت ہے (یعنی وہ صحابی کا واسطہ ذکر کئے بغیر رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں) کہ رسول اللہ ﷺ (مدینہ کے قبرستان میں) تشریف فرما تھے، اور (کسی میت کی) قبر کھودی جا رہی تھی۔ ایک صاحب نے قبر میں جھانک کر دیکھا اور ان کی زبان سے نکلا کہ مسلمان کے لئے یہ اچھی آرام گاہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تمہاری زبان سے بہت بری بات نکلی۔ (ایک مسلمان کو مدینہ میں موت اور قبر نصیب ہوئی اور تم کہتے ہو کہ مسلمان کے لئے یہ آرام گاہ اچھی نہیں)۔ ان صاحب نے (بطور معذرت) عرض کیا: حضور ﷺ میرا مطلب یہ نہیں تھا (کہ مدینہ میں موت اور قبر اچھی نہیں) بلکہ میرا مقصد راہ خدا میں شہادت سے تھا (یعنی میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ یہ مرنے والے بھائی اگر بستر پر مرنے اور اس قبر میں دفن ہونے کے بجائے جہاد کے کسی میدان میں شہید ہوتے، اور ان کی لاش وہاں خاک و خون میں تڑپتی تو اس قبر میں دفن ہونے سے یہ زیادہ اچھا ہوتا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: راہ خدا میں شہید ہونے کے برابر تو نہیں (یعنی شہادت کا مقام تو بے شک بلند ہے، لیکن مدینہ میں مرنا اور اس کی خاک میں دفن ہونا بھی بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہے) روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اپنی قبر کا ہونا مجھے مدینہ سے زیادہ محبوب ہو...... یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (موطا امام مالک)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ شہادت فی سبیل اللہ کی فضیلت و عظمت بے شک مسلم ہے اور بستر پر مرنا اور میدان جہاد میں اللہ کے لئے سر کٹانا برابر نہیں، لیکن مدینہ میں مرنا اور یہاں دفن ہونا بھی بڑی خوش بختی ہے، جس کی خود مجھے بھی چاہت اور آرزو ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنی جامع صحیح بخاری میں کتاب الحج کے بالکل آخر میں مدینہ طیبہ کے فضائل کے سلسلہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد اس بیان کا خاتمہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی اس مشہور دعا پر کیا ہے کہ:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"

اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت بھی دے اور اپنے محبوب رسول اللہ ﷺ کے پاک شہر (مدینہ) میں مرنا اور دفن ہونا بھی نصیب فرما!

اس دعا کا واقعہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی حسرت سے کہا:

اَنّٰى لِيْ بِالشَّهَادَةِ وَاَنَا بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ لَسْتُ اَغْزُوْ وَالنَّاسُ حَوْلِيْ

مجھے شہادت فی سبیل اللہ کیسے نصیب ہو سکتی ہے جب کہ میں جزیرۃ العرب کے درمیان مقیم ہوں (اور وہ سب دار الاسلام بن چکا) اور میں خود جہاد نہیں کرتا، اور اللہ کے بندے ہر وقت میرے آس پاس رہتے ہیں۔

پھر خود ہی کہا:

بَلٰی یَاْتِیْ بِهَا اللّٰهُ اِنْ شَآءَ. (فتح الباری بحوالہ ابن سعد)

مجھے شہادت کیوں نہیں نصیب ہو سکتی، اگر اللہ چاہے تو انہی حالات میں مجھے شہادت سے نوازے گا۔

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعا کی جو اوپر درج کی گئی ہے۔ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"...... آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ: "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ راہِ خدا میں شہید بھی ہوں، اور موت مدینہ میں بھی ہو؟" آپ نے فرمایا: "اللہ چاہے گا تو یہ دونوں باتیں ہو جائیں گی۔"

اس سلسلہ کی روایات میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس عجیب و غریب بلکہ بظاہر ناممکن سی دعا سے تعجب ہوا تھا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دونوں باتیں کس طرح ہو سکتی ہیں۔ جب ابولؤلؤ نے مسجد نبوی ﷺ کی محراب میں آپ کو زخمی کیا، تب سب نے سمجھا کہ دعا کی قبولیت اس طرح مقدر تھی۔

بے شک جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو اس چیز کو واقع کر کے دکھا دیتا ہے جس کے امکان میں بھی انسانی عقلیں شبہ کریں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

مسجد نبوی ﷺ کی عظمت و فضیلت

مسجد نبوی ﷺ جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رکھی، پھر جس میں آپ ﷺ نے عمر بھر نمازیں پڑھیں اور جو آپ ﷺ کی ساری دینی سرگرمیوں، تعلیم و تربیت، ہدایت و ارشاد اور دعوت و جہاد کا مرکز بنی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے مقدس بیت خانہ کعبہ اور مسجد حرام کے ماسوا دنیا کے سارے معبدوں پر عظمت و فضیلت بخشی ہے...... صحیح احادیث میں ہے کہ اس کی ایک نماز اجر و ثواب میں دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے۔

۲۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں (یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی میں) ایک نماز، دوسری تمام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ کی نماز کو مکہ معظمہ کی مسجد حرام کے علاوہ دوسری عام مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر بتلایا گیا ہے لیکن مسجد حرام کے درجہ سے یہ حدیث ساکت ہے، مگر دوسری مندرجہ ذیل

حدیث میں اس کی بھی وضاحت فرمادی گئی ہے۔

۲۱۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلٰوةٌ فِىْ مَسْجِدِىْ هٰذَا اَفْضَلُ مِنْ اَلْفِ صَلٰوةٍ فِيْمَا سِوَاهُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَصَلٰوةٌ فِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَفْضَلُ مِنْ مِأَةِ صَلٰوةٍ فِىْ هٰذَا.** (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز میری اس مسجد کی سو نمازوں سے افضل ہے...... (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دنیا کی عام مسجدوں کے مقابلہ میں مسجد نبوی ﷺ میں نماز کا ثواب ہزار گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اور مسجد حرام کی نماز مسجد نبوی ﷺ کی نماز سے بھی سو درجہ افضل ہے، یعنی عام مساجد کے مقابلہ میں مسجد حرام میں نماز کا ثواب ایک لاکھ گنا بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے۔

۲۱۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى فِىْ مَسْجِدِىْ اَرْبَعِيْنَ صَلٰوةً لَا تَفُوْتُهُ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَ ةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَ ةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرَاءَ ةٌ مِنَ النِّفَاقِ.** (رواه احمد والطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اس مسجد میں مسلسل ۴۰ نمازیں پڑھیں ایک نماز بھی فوت نہیں ہوئی اس کے لئے لکھ دی جائے گی نجات اور براءت دوزخ سے اور اسی طرح براءت نفاق سے۔ (مسند احمد، معجم اوسط طبرانی)

تشریح...... بعض اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی خاص مقبولیت اور محبوبیت کی وجہ سے بڑے بڑے فیصلوں کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس حدیث میں مسجد نبوی ﷺ میں مسلسل ۴۰ نمازیں ادا کرنے پر بشارت سنائی گئی ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمان الٰہی ہو جائے گا کہ یہ بندہ نفاق کی نجاست سے بالکل پاک ہے، اور دوزخ اور ہر قسم کے عذاب سے اس کو نجات اور چھٹی ہے۔

۲۱۷) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ بَيْتِىْ وَمِنْبَرِىْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِىْ عَلٰى حَوْضِىْ -** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے، اور میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... مسجد نبوی ﷺ میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ کا منبر مبارک تھا جس پر رونق افروز ہو کر آپ ﷺ خطبات دیتے تھے (اور وہ جگہ اب بھی معلوم اور متعین ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ منبر کی اس جگہ اور آپ ﷺ کے حجرۂ شریفہ کے درمیان جو قطعہ زمین ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور عنایتوں کا خاص مورد اور محل ہے

اور اس کی وجہ سے وہ گویا جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور اس لئے اس کا مستحق ہے کہ اللہ کی رحمت اور جنت کے طالبوں کو اس کے ساتھ جنت کی سی دلچسپی ہو۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ اللہ کی رحمت اور جنت کا طالب بن کر اس قطعہ ارض میں آیا وہ گویا جنت کے ایک باغیچہ میں آ گیا اور آخرت میں وہ اپنے کو جنت کے ایک باغیچہ ہی میں پائے گا۔

حدیث کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "میرا منبر میرے حوض کوثر پر ہے" اس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ آخرت میں حوض کوثر پر میرا منبر ہوگا اور جس طرح اس دنیا میں اس منبر سے میں اللہ کے بندوں کو اس کی ہدایت پہنچاتا ہوں اور پیغام سناتا ہوں اسی طرح آخرت میں اس منبر پر جو حوض کوثر پر میرا نصب ہوگا اس خداوندی ہدایت کے قبول کرنے والوں کو رحمت کے جام پلاؤں گا، پس جو کوئی قیامت کے دن کے لئے آب کوثر کا طالب ہو وہ آگے بڑھ کر اس منبر پر سے دیئے جانیوالے پیغام ہدایت کو قبول کرے اور اس دنیا میں اس کو اپنی روحانی غذا بنائے۔

۲۱۸) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَ مَسْجِدِىْ هٰذَا.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا میں صرف تین مسجدیں ہیں، ان کے سوا کسی مسجد کے لئے رخت سفر نہ باندھا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی ﷺ)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ عظمت و شرف صرف ان تین مسجدوں کو حاصل ہے کہ ان میں اللہ کی عبادت کرنے کے لئے سفر کرنا درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کا باعث ہے۔ ان کے علاوہ کسی مسجد کو یہ درجہ اور شرف حاصل نہیں ہے، بلکہ ان کے لئے سفر کرنے کی ممانعت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث کا تعلق صرف مساجد سے ہے، اور بلا شبہ اس حدیث کی رو سے مسجد حرام اور مسجد نبوی ﷺ اور مسجد اقصیٰ کے سوا دنیا کی کسی بھی مسجد میں عبادت کے لئے سفر کرنا ممنوع ہے، لیکن دوسرے جائز دنیوی و دینی مقاصد مثلاً تجارت، تحصیل دین، صحبت صلحاء اور تبلیغ و دعوت وغیرہ کے لئے سفر کرنے سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں۔

زیارت روضۂ مطہرہ

اگرچہ روضۂ نبوی ﷺ کی زیارت حج کا کوئی رکن یا جز نہیں ہے، لیکن قدیم سے امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ خاص کر دور دراز علاقوں کے مسلمان جب حج کو جاتے ہیں تو روضہ پاک کی زیارت اور وہاں صلوٰۃ و سلام کی سعادت بھی ضرور حاصل کرتے ہیں۔ اسی لئے حدیث کے بہت سے مجموعوں میں کتاب الحج کے آخر میں زیارت نبوی ﷺ کی حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں، اسی دستور کی پیروی کرتے ہوئے کتاب الحج کے اس سلسلہ کو ہم بھی زیارت نبوی ﷺ ہی کی حدیثوں پر ختم کرتے ہیں۔

۲۱۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ. (رواه البيهقي في شعب الايمان والطبراني في الكبير والاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور اس کے بعد میری قبر کی زیارت کی میری وفات کے بعد، تو وہ (زیارت کی سعادت حاصل کرنے میں) انہی لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے میری حیات میں میری زیارت کی۔

(شعب الایمان للبیہقی، معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا اپنی منور قبور میں زندہ ہونا جمہور امت کے مسلمات میں سے ہے، اگرچہ حیات کی نوعیت میں اختلاف ہے اور روایات اور خواص امت کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو امتی قبر پر حاضر ہوکر سلام عرض کرتے ہیں آپ ان کا سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، ایسی صورت میں بعد وفات آپ ﷺ کی قبر پر حاضر ہونا اور سلام عرض کرنا ایک طرح سے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بالمشافہ سلام کا شرف حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے، اور بلاشبہ ایسی سعادت ہے کہ اہل ایمان ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۲۲۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ......

(رواه ابن خزيمه في صحيحه والدارقطني والبيهقي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری قبر کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوگی ... (صحیح ابن خزیمہ، سنن دار قطنی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس سلسلہ "معارف الحدیث" کی جلد اول میں وہ حدیثیں درج ہو چکی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ جب تک ایک امتی کو رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے (حتیٰ کہ اپنے ماں باپ، اہل و عیال اور خود اپنی ذات سے بھی) زیادہ نہ ہو اس وقت تک اس کو ایمان کی حقیقت و لذت حاصل نہیں ہو سکتی..... اور روضۂ اقدس نبوی ﷺ کی زیارت بلاشبہ اس محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے، اور گویا اس کی ایک عملی صورت ہے۔ عربی شاعر نے کہا ہے [1]

امر علی الديار ديار ليلی　　اُقبّـِلُ ذا الجدار و ذالجدارا
و ما حب الديار شغفن قلبی　　و لكن حب من سكن الديارا

علاوہ ازیں زیارت کے وقت زائر کے قلب مؤمن کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جوار نبوی ﷺ کی برکت سے ایمانی عہد کی تجدید، گناہوں پر ندامت و شرمساری، انابت الی اللہ اور توبہ و استغفار کی جو لہریں اس وقت اس کے قلب میں اٹھتی ہیں اور محبت نبوی ﷺ کے جو جذبات موجزن ہوتے ہیں اور محبت و ندامت کے ملے

---

[1] میں جب اپنی محبوبہ لیلیٰ کی بستی سے گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں، کبھی اس دیوار کو، اور دراصل اس بستی کے گھروں کی محبت نے میرے دل کو اپنا دیوانہ نہیں بنایا بلکہ میں تو اس بستی میں بسنے والے محبوب پر فدا ہوں۔

جلے جذبات آنکھوں سے جو آنسو گراتے ہیں ان میں سے ہر چیز ایسی ہے جو شفاعت نبوی ﷺ بلکہ مغفرت خداوندی کو بھی واجب کر دیتی ہے، اس لئے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ روضہ اقدس نبوی کے ہر صاحب ایمان زائر کو انشاء اللہ ضرور شفاعت نبوی ﷺ نصیب ہو گی...... ہاں اگر بدنصیبی سے کوئی "زائر" ایسا ہے جس کے قلب کو ان کیفیات و جذبات اور ان واردات میں سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوتا تو سمجھنا چاہئے کہ اسکا قلب دولت ایمانی سے خالی ہے پھر اسکی زیارت حقیقی زیارت نہیں صرف صورت زیارت ہے، اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے ہاں کسی عمل کی بھی صرف صورت معتبر نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے جن منافع اور برکات و مصالح کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر اسکو پیش نظر رکھ کے ان احادیث پر غور کیا جائے جو اس زیارت کی ترغیب میں مروی ہیں تو خواہ سند کی لحاظ سے ان پر کلام کیا جا سکے (1) لیکن معنوی لحاظ سے وہ دین کے پورے فکری اور عملی نظام کے ساتھ بالکل مرتبط اور ہم آہنگ نظر آئیں گی اور ذہن سلیم اس پر مطمئن ہو جائے گا کہ قبر مبارک کی یہ زیارت صاحب قبر ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ ایمانی تعلق اور محبت و توقیر میں اضافہ اور دینی ترقی کا خاص وسیلہ ہے، یقین ہے کہ ہر خوش نصیب صاحب ایمان بندہ جسے اللہ تعالیٰ نے زیارت کی سعادت سے بہرہ ور فرمایا ہے اس کی شہادت دے سکے گا۔

زیارت روضۂ اقدس کے آداب یہ عاجز پوری تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "آپ حج کیسے کریں؟" میں لکھ چکا ہے۔ ناظرین سے گزارش ہے کہ وہ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ انشاء اللہ بڑی روحانی لذتیں پائیں گے۔

"معارف الحدیث" (جلد چہارم) زیارت نبوی ﷺ کے اس مختصر بیان پر ختم ہوئی۔

فللّٰه الحمد و علی رسوله الصلوة و السلام

---

(1) شیخ تقی الدین سبکی شافعیؒ نے اپنے رسالہ "شفاء السقام" میں (جو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق حافظ ابن تیمیہؒ کے رد میں لکھا ہے) زیارت روضۂ مطہرہ کی فضیلت و ترغیب میں متعدد حدیثیں نقل کی ہیں۔ جن میں سب سے پہلی حضرت عبداللہ بن عمر کی یہی حدیث ہے "من زار قبري وجبت له شفاعتي"۔ پھر شیخ سبکیؒ نے اس کی سند اور اس کے متعدد طرق پر بسیط کلام کر کے ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کے ایک شاگرد حافظ ابو عبداللہ عبدالہادی حنبلی نے "شفاء السقام" کے جواب "الصارم المنکی" میں شفاء السقام کی مندرجہ تمام احادیث پر محدثانہ کلام کر کے دکھایا ہے کہ یہ سب حدیثیں ضعیف یا منکر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے تسلیم کیا ہے کہ قبر نبوی ﷺ کی زیارت از قبیلہ قربات و مستحبات اور موجب برکات ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے شیخ امام ابن تیمیہؒ کا مسلک بھی یہی ہے، اور جو لوگ ان کی طرف اس کے خلاف منسوب کرتے ہیں وہ شیخ پر افترا کرتے ہیں۔ بلکہ انہوں نے ابن تیمیہؒ کے مناسک کے حوالہ سے زیارت نبوی ﷺ کے پورے آداب اور محبت و توقیر سے بھرپور اور ایمان افروز ایک سلام بھی نقل کیا ہے، جو حافظ ابن تیمیہؒ نے زائرین ہی کے لئے لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کی سندی حیثیت کے متعلق معتدل رائے حافظ ذہبیؒ کی معلوم ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفا میں اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

وله طرق و شواهد حسنه الذهبي لاجلها (شرح شفا ملا علی قاری ص ۱۴۹۔ جلد ۲)

اس حدیث کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں جن کی وجہ سے اس کو ذہبی نے حسن قرار دیا ہے۔

معارفُ الحدیث

حصہ پنجم

کتابُ الاذکار والدعوات

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ۙ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

الاحزاب: ۴۱۔ ۴۲

اے ایمان والو (دل وزبان سے) اللہ کو خوب یاد کیا کرو، اور (خاصکر) صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ

الاعراف: ۵۶

اور اپنی خطاؤں پر اللہ کی پکڑ اور اس کے عذاب سے (ڈرتے ہوئے اور (اس کے رحم و کرم سے) امیدیں رکھتے ہوئے اللہ سے دُعائیں کیا کرو۔ خدا کی رحمت ان بندوں سے قریب ہے جو نیک کردار ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اسی سلسلہ معارف الحدیث میں "کتاب الطہارۃ" کے بالکل شروع میں "حجۃ اللہ البالغہ" کے حوالے سے حضرت شاہ ولی اللہؒ کا یہ ارشاد نقل کیا جاچکا ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے مجھے یہ حقیقت سمجھا دی ہے کہ فلاح و سعادت کی جس شاہراہ کی طرف دعوت دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی (جس کا نام شریعت ہے) اگرچہ اس کے بہت سے ابواب ہیں، اور ہر باب کے تحت سینکڑوں ہزاروں احکام ہیں، لیکن اپنی اس بے پناہ کثرت کے باوجود وہ سب بس ان چار اصولی عنوانوں کے تحت آجاتے ہیں:

۱) طہارت
۲) اخبات
۳) سماحت
۴) عدالت

یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان چاروں میں سے ہر ایک کی حقیقت بیان کی ہے جس کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ بلاشبہ ساری شریعت ان ہی چار شعبوں میں منقسم ہے۔

جلد سوم میں (کتاب الطہارۃ) کے شروع میں حضرت شاہ صاحبؒ کے اس سلسلۂ کلام کا صرف وہ حصہ تلخیص کے ساتھ نقل کیا گیا تھا۔ جس میں انہوں نے طہارت کی حقیقت بیان فرمائی تھی۔

اخبات کی حقیقت کے بارے میں جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کو مختصر الفاظ میں اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ:

"تحیر اور خوف و محبت کی کیفیات اور رضاجوئی و عنایت طلبی کے جذبہ کے ساتھ ساتھ اللہ ذوالجلال والجبروت کے حضور میں ظاہر و باطن سے اپنی بندگی و نیاز مندی اور محتاجی و رحمت طلبی کا اظہار ہے۔"

اسی کا دوسرا معروفِ عام عنوان **عبادت** ہے، اور وہی انسانوں کی تخلیق کا خاص مقصد ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ○

حضرت شاہ صاحبؒ نے سعادت کے ان چاروں شعبوں پر "حجۃ اللہ البالغہ" مقصد دوم میں ابواب الاحسان کے ذیل میں بھی کلام فرمایا ہے، وہاں فرماتے ہیں کہ:

"ان میں سے پہلی چیز یعنی طہارت کی تحصیل کیلئے وضو اور غسل وغیرہ کا حکم دیا گیا ہے، اور دوسری بنیاد یعنی اخبات کی تحصیل کا خاص وسیلہ نماز اور اذکار اور قرآن مجید کی تلاوت ہے۔"[1]

بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ فی الحقیقت ذکر اللہ ہی اخبات کا مخصوص وسیلہ ہے اور نماز اور تلاوت اور اسی طرح

---

[1] ابواب الاحسان۔ حجۃ اللہ البالغہ (جلد دوم ص ۶۷)

دُعا بھی اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔

بہر حال نماز اور ذکر اللہ اور تلاوتِ کلام مجید' ان سب کی غرض و غایت اس مبارک صفت کی تحصیل و تکمیل ہے جس کو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اخبات کے عنوان سے ادا کیا ہے' اس لئے یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔

نماز کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کے ارشادات و معمولات اللہ کی توفیق سے اس سلسلہ کی تیسری جلد میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ اذکار و دعوات اور تلاوتِ قرآن مجید سے متعلق حدیثیں اب اس پانچویں جلد میں پیش کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے اس گنہگار بندے کو اور پڑھنے والے حضرات کو ان احادیثِ پاک پر عمل کرنے اور پورا نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذِکر اللہ کی عظمت
اور
اس کی برکات

جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے "ذکراللہ" اپنے وسیع معنیٰ کے لحاظ سے نماز، تلاوتِ قرآن اور دُعاواستغفار وغیرہ سب ہی کو شامل ہے، اور یہ سب اس کی خاص خاص شکلیں ہیں۔ لیکن مخصوص عرف و اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، توحید و تمجید، اس کی عظمت و کبریائی اور اس کی صفاتِ کمال کے بیان اور دھیان کو "ذِکراللہ" کہا جاتا ہے۔ اور جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے صراحۃً معلوم ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور انسان کی روحانی ترقی اور ملاءِ اعلیٰ سے اس کے ربط کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے "مدارج السَّالِکِیْن" میں ذِکراللہ کی عظمت و اہمیت اور اس کی برکات پر ایک بڑا بصیرت افروز اور روح پرور مضمون لکھا ہے، اس کے ایک حصہ کا خلاصہ ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں۔ آگے درج ہونے والی احادیث میں ذکراللہ کی جو عظمت بیان ہوگی اس مضمون کے مطالعہ کے بعد اس کا سمجھنا انشاءاللہ آسان ہوگا۔ فرماتے ہیں:

قرآن مجید میں ذِکراللہ کی تاکید و ترغیب کے ہم کو مندرجہ ذیل دس ۱۰ عنوانات ملتے ہیں:-

(۱)...... بعض آیات میں اہلِ ایمان کو تاکید کے ساتھ اسکا حکم دیا گیا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوااللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (الاحزاب۔۳۳: ۴۱،۴۲)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کیا کرو، اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً

اور اپنے رب کا ذکر کرو اپنے جی میں (یعنی دل سے) گڑگڑا کر اور خوف کی کیفیت کے ساتھ۔

(۲)...... بعض آیات میں اللہ کو بھولنے اور اس کی یاد سے غافل ہونے سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی ذِکراللہ کی تاکید ہی کا ایک عنوان ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ۝ (اعراف۔۷: ۲۰۵) "اور نہ ہونا تم غفلت والوں میں سے"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوااللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ. (الحشر۔۵۹: ۱۹)

اور تم ان میں سے نہ ہو جاؤ، جنہوں نے اللہ کو بھلادیا پھر (اس کی پاداش میں) اللہ نے ان کو ان کے نفس بھلادیئے (اور خدا فراموشی کے نتیجہ میں وہ خود فراموش ہوگئے۔)

(۳)...... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ فلاح اور کامیابی اللہ کے ذکر کی کثرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (سورۃ الجمعہ ۶۲:۱۰)

اور کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کرو، پھر تم فلاح و کامیابی کی امید کر سکتے ہو۔

(۴)...... بعض آیات میں حق تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ذکر کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ذکر کے صلہ میں ان کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ کیا جائے گا اور ان کو اجرِ عظیم سے نوازا جائے گا۔ چنانچہ سورۂ احزاب میں ایمان والے بندوں اور بندیوں کے چند دوسرے ایمانی اوصاف بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ٥ (الاحزاب ۳۳:۳۵)

اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے اس کے بندے اور اس کی بندیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لئے تیار کر رکھی ہے خاص بخشش اور عظیم ثواب۔

(۵)...... اسی طرح بعض آیات میں آگاہی دی گئی ہے کہ جو لوگ دنیا کی بہاروں اور لذتوں میں منہمک اور مست ہو کر اللہ کی یاد سے غافل ہو جائیں گے وہ ناکام اور نامراد رہیں گے۔ مثلاً سورۂ منافقون میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ O (المنافقون ۶۳:۹)

اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے، اور جو لوگ اس غفلت میں مبتلا ہوں گے وہ بڑے گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

یہ تینوں عنوان بھی ذکر اللہ کی تاکید اور ترغیب کے لئے بلاشبہ بڑے مؤثر ہیں۔

(۶)...... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے ہمیں یاد کریں گے ہم انکو یاد کریں گے اور یاد رکھیں گے۔

فَاذْكُرُوْنِيْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ O (بقرہ ۲:۱۵۲)

میرے بندو! تم مجھے یاد کرو، میں تم کو یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور ناشکری نہ کرو۔

سبحان اللہ وبحمدہ۔ بندے کی اس سے بڑی سعادت و کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات کا خالق و مالک اس کو یاد کرے اور یاد رکھے۔

(۷)...... بعض آیات میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے ذکر کو ہر چیز کے مقابلہ میں عظمت و فوقیت حاصل ہے اور اس کائنات میں وہ ہر چیز سے بالاتر اور بزرگ تر ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط (عنکبوت ع:۵) "اور یقین کرو کہ اللہ کا ذکر ہر چیز سے بزرگ تر ہے"

بے شک اگر بندے کو عرفان نصیب ہو تو اللہ کا ذکر اس کے لئے اس ساری کائنات سے عظیم تر ہے۔

(٨)...... بعض آیات میں بڑے اونچے درجہ کے اعمال کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ان کے اختتام پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے، گویا ذکر اللہ ہی کو ان اعمال کا "خاتمہ" بنانا چاہئے۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ. (النساء. ٤:١٠٣)

جب تم نماز ادا کر لو تو اللہ کا ذکر کرو (ہر حال میں) کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل لیٹے۔

اور خاص کر جمعہ کی نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الجمعه. ٦٢:١٠)

جب جمعہ کی نماز ختم ہو جائے تو (اجازت ہے) کہ تم (مسجد سے نکل کر اپنے کام کاج کے سلسلہ میں) زمین میں چلو پھرو، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اس حالت میں بھی اللہ کا خوب ذکر کرو، پھر تم فلاح کی امید کر سکتے ہو۔

اور حج کے بارے میں ارشاد ہے:

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا. (بقره. ٢:٢٠٠)

پھر جب تم اپنے مناسک ادا کر کے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسے کہ تم (تفاخر کے طور پر) اپنے باپ داداؤں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ نماز اور حج جیسی اعلیٰ درجہ کی عبادات سے فارغ ہونے کے بعد بھی بندہ کے لئے اللہ کے ذکر سے غافل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ ان سے فراغت کے بعد بھی اس کے دل میں اور اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے، اور اسی کو ان اعمال کا خاتمہ بننا چاہئے۔

(٩)...... بعض آیات میں ذکر اللہ کی ترغیب اس عنوان سے دی گئی ہے کہ دانش مند اور صاحب بصیرت بندے وہی ہیں جو ذکر اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ جس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ جو ذکر اللہ سے غافل ہوں وہ عقل و بصیرت سے محروم ہیں۔ مثلاً سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ. (ال عمرن. ٣:١٩٠،١٩١)

یقیناً زمین و آسمان کی تخلیق میں اور رات اور دن کی تبدیلیوں میں کھلی نشانیاں ہیں، اُن ارباب دانش کے لئے جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں بھی اللہ کو یاد کرتے ہیں (اور اس سے غافل نہیں ہوتے)۔

(١٠)...... بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونچے سے اونچے اعمالِ صالحہ کا مقصد اور ان کی روح ذکر اللہ ہے۔ مثلاً نماز کے بارے میں ارشاد ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ (طٰه. ٢٠:١٤)　　"میری یاد کے لئے نماز قائم کرو"۔

اور مناسک حج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَّافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْىُ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَرَمْىُ الْجِمَارِ لِاِقَامَةِ ذِكْرِ اللهِ.

بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی، اور جمرات کی رمی یہ سب چیزیں ذکر اللہ ہی کے لئے مقرر ہوئی ہیں۔

اور جہاد کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (انفال ۸: ۴۵)

اے ایمان والو! جب تمہاری مُڈ بھیڑ ہو جائے کسی دشمن فوج سے، تو ثابت قدم رہو (اور قدم جما کے جنگ کرو) اور اللہ کا ذکر کرو، امید ہے کہ تم فلاح یاب ہو گے۔

اور ایک حدیث قدسی میں ہے:

اِنَّ عَبْدِىْ كُلَّ عَبْدِىَ الَّذِىْ يَذْكُرُنِىْ وَهُوَ مُلَاقٍ قِرْنَهٗ

میرا بندہ مکمل بندہ وہ ہے جو اپنے حریف مقابل سے جنگ کے وقت بھی مجھے یاد کرتا ہے۔

قرآن حدیث کے ان نصوص سے ظاہر ہے کہ نماز سے لے کر جہاد تک تمام اعمالِ صالحہ کی روح اور جان ذکر اللہ ہے۔ اور یہی ذکر اور دل وزبان سے اللہ کی یاد وہ پروانہ ولایت ہے جس کو عطا ہو گیا وہ واصل ہو گیا اور جس کو عطا نہیں ہوا وہ دور اور مہجور رہا۔ یہ ذکر اللہ والوں کے قلوب کی غذا اور ذریعۂ حیات ہے، اگر وہ ان کو نہ ملے تو جسم ان قلوب کے لئے قبور بن جائیں۔ اور ذکر ہی سے دلوں کی دنیا کی آبادی ہے، اگر دلوں کی دنیا اس سے خالی ہو جائے تو بالکل ویرانہ ہو کر رہ جائے اور ذکر ہی ان کا وہ ہتھیار ہے جس سے وہ روحانیت کے رہزنوں سے جنگ کرتے ہیں اور وہی ان کے لئے وہ ٹھنڈا پانی ہے جس سے وہ اپنے باطن کی آگ بجھاتے ہیں اور وہی ان کی بیماریوں کی وہ دوا ہے کہ اگر ان کو نہ ملے تو ان کے دل گرنے لگیں اور وہی وسیلہ ربط ہے ان کے اور ان کے علام الغیوب رب کے درمیان۔ کیا خوب کہا گیا ہے ۔

اِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ ۔۔۔ فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ اَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

جب ہم بیمار پڑ جاتے ہیں تو تمہاری یاد سے اپنا علاج کرتے ہیں اور جب کسی وقت یاد سے غافل ہو جائیں تو مرنے لگتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح بینا آنکھوں کو روشنی اور بینائی سے منور کیا ہے اسی طرح ذکر کرنے والی زبانوں کو ذکر سے مزین فرمایا ہے، اسی لئے اللہ کی یاد سے غافل زبان اس آنکھ کی طرح ہے جو بینائی سے محروم ہے اور اس کان کی طرح ہے جو شنوائی کی صلاحیت کھو چکا ہے، اور اس ہاتھ کیطرح ہے جو مفلوج ہو کر بیکار ہو گیا ہے۔

ذکر اللہ ہی وہ راستہ اور دروازہ ہے جو حق جل جلالہ اور اس کے بندے کے درمیان کھلا ہوا ہے اور اس سے بندہ اس کی بارگاہِ عالی تک پہنچ سکتا ہے اور جب بندہ اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو یہ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے ۔

فَنِسْيَانُ ذِكْرِاللّٰهِ مَوْتُ قُلُوْبِهِمْ وَاَجْسَامُهُمْ قَبْلَ الْقُبُوْرِ قُبُوْرٗ
وَاَرْوَا حُهُمْ فِيْ وَحْشَةٍ مِنْ جُسُوْمِهِمْ وَلَيْسَ لَهُمْ حَتّٰى النُّشُوْرِ نُشُوْرٗ

اللہ کی یاد سے غافل ہو جانا اور فراموش کر دینا ان کے قلوب کی موت ہے' اور ان کے جسم زمین والی قبروں سے پہلے ان کے مردہ دلوں کی قبریں ہیں۔

اور ان کی روحیں سخت وحشت میں ہیں ان کے جسموں سے' اور ان کے لئے قیامت اور حشر سے پہلے زندگی نہیں۔ (ملخصا من کلام الشیخ ابن القیمؒ فی مدارج السالکین)

ناچیز راقم سطور عرض کرتا ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس میں ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب کے جن دس عنوانات کا ذکر کیا گیا ہے' قرآن مجید میں ان کے علاوہ بھی بعض عنوانات سے ذکر اللہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا ہے کہ:

"قلوب کو (یعنی اللہ سے رابطہ رکھنے والوں کے دلوں اور ان کی روحوں کو) اللہ کے ذکر ہی سے چین و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔" اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ O (جان لو کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو چین اور سکون ملتا ہے۔)

ذکر اللہ کی تاثیر اور برکت کے بارے میں ایک دوسرے ربانی محقق اور صوفی صاحب "ستر صیع الجواھر المکیه" کے چند فقروں کا ترجمہ بھی پڑھ لیا جائے۔ آگے درج ہونے والی اس باب کی احادیث کے سمجھنے میں انشاء اللہ اس سے بھی خاص مدد ملے گی۔

فرماتے ہیں:

"قلوب کو نورانی بنانے اور اوصاف رویہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کر دینے میں سب طاعات و عبادات سے زیادہ زود اثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔"

خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُاللّٰهِ اَكْبَرُ.

بلاشبہ نماز گندی اور ناشائستہ باتوں سے روکتی ہے اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ اللہ کا ذکر بہت ہی بڑی چیز ہے۔

اور اکابر نے فرمایا ہے کہ:

"ذکر کا عمل قلب کو صاف کرنے میں بالکل ویسا ہی کام کرتا ہے جیسا کہ تانبے کو صاف کرنے اور مانجھنے میں بال۔ اور باقی دوسری عبادات کا عمل قلوب کی صفائی کے بارے میں ویسا ہے جیسا کہ تانبے کے صاف کرنے میں صابن کا عمل۔" (ترصیع الجواہر المکیہ)

اس تمہید کے بعد ذکر اللہ کی عظمت اور برکات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے:

۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ وَ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "جب بھی اور جہاں بھی بیٹھ کے کچھ بندگانِ خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف سے ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ان کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ان پر چھا جاتی ہے اور ان کو اپنے سایہ میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ کی کیفیت نازل ہوتی ہے اور اللہ اپنے ملائکہ مقربین میں ان کا ذکر فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کے ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنے کی خاص برکات ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں فرمایا ہے:

"اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ مسلمانوں کا جمع ہو کر ذکر وغیرہ کرنا رحمت و سکینت اور قرب ملائکہ کا خاص وسیلہ ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ 'ص:۷۰' جلد:۲)

اس حدیث میں اللہ کا ذکر کرنے والے بندوں کیلئے چار خاص نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک-۱ یہ کہ ہر طرف سے اللہ کے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ دوسرے ۲ یہ کہ رحمت الٰہی ان کو اپنے آغوش اور سایہ میں لے لیتی ہے' اور ان دونوں نعمتوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر تیسری ۳ نعمت ان کو یہ حاصل ہوتی ہے کہ ان کے قلب پر "سکینت" نازل ہوتی ہے' جو عظیم ترین روحانی نعمتوں میں سے ہے۔ یہاں سکینت سے مراد خاص درجہ کا قلبی اطمینان اور روحانی سکون ہے جو اللہ کے خاص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطیہ کے طور پر نصیب ہوتا ہے' اسی کو اہلِ سلوک "جمعیت قلبی" بھی کہتے ہیں۔ اس دولت اور نعمت کا صاحبِ سکینہ کو احساس اور شعور بھی ہوتا ہے۔ اور ذاکر بندوں کو ملنے والی چوتھی ۴ نعمت جس کا اس حدیث میں سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ مقربین کے حلقہ میں ان ذاکر بندوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ: "دیکھو آدمؑ ہی کی اولاد میں سے میرے یہ بھی بندے ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں غائبانہ ہی ایمان لائے ہیں' اس کے باوجود محبت و خشیت کی کیسی کیفیت اور کیسے ذوق و شوق اور کیسے سوز و گداز کے ساتھ میرا ذکر کر رہے ہیں۔ بلاشبہ مالک الملک کا اپنے مقرب فرشتوں کے سامنے اپنے بندوں کا اس طرح ذکر فرمانا وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے آگے کسی نعمت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے۔

فائدہ...... اس حدیث سے یہ بھی اشارہ ملا کہ اگر اللہ کا کوئی ذاکر بندہ اپنے قلب و باطن میں "سکینت" کی کیفیت محسوس نہ کرے (جو ایک محسوس کی جانے والی چیز ہے) تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ ابھی وہ ذِکر کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکا ہے جس پر یہ نعمتیں موجود ہیں' یا اس کی زندگی میں کچھ ایسی خرابیاں ہیں جو آثارِ ذِکر کے حصول میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ بہر حال اسے اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے۔ ربِ کریم کے وعدے برحق ہیں۔

۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ خَرَجَ مُعَاوِیَةُ عَلٰی حَلْقَةٍ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ قَالُوْا جَلَسْنَا

نَذْكُرُاللّٰهَ قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ؟ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا غَيْرُهٗ قَالَ اَمَا اِنِّىْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَمَا كَانَ اَحَدٌ بِمَنْزِلَتِىْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَقَلَّ عَنْهُ حَدِيْثًا مِّنِّىْ وَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَلٰى حَلْقَةٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ فَقَالَ مَا اَجْلَسَكُمْ هٰهُنَا قَالُوْا جَلَسْنَا نَذْكُرُ اللّٰهَ وَ نَحْمَدُهٗ عَلٰى مَا هَدَانَا لِلْاِسْلَامِ وَمَنَّ بِهٖ عَلَيْنَا قَالَ آللّٰهِ مَا اَجْلَسَكُمْ اِلَّا ذٰلِكَ؟ قَالُوْا آللّٰهِ مَا اَجْلَسَنَا اِلَّا ذٰلِكَ قَالَ اَمَا اِنِّىْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَّكُمْ وَلٰكِنَّهٗ اَتَانِىْ جِبْرَئِيْلُ فَاَخْبَرَنِىْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُبَاهِىْ بِكُمُ الْمَلٰئِكَةَ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مسجد میں قائم ایک حلقہ پر پہنچے تو آپؓ نے ان اہلِ حلقہ سے پوچھا۔ "تم یہاں کس لئے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا۔ "ہم بیٹھ کر اللہ کو یاد کر رہے ہیں۔" حضرت معاویہؓ نے کہا۔ "کیا اللہ کی قسم! تم صرف ذِکر اللہ ہی کے لئے بیٹھے ہو؟" انہوں نے کہا۔ "قسم بخدا! ہمارے بیٹھنے کا کوئی اور مقصد اللہ کے ذِکر کے سوا نہیں ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا۔" آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے کسی بد گمانی کی بناء پر آپ لوگوں سے قسم نہیں لی ہے، اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جس درجہ کا تعلق اور قرب مجھے حاصل تھا اس درجہ کے تعلق والا کوئی آدمی آپ کی حدیثیں مجھ سے کم بیان کرنے والا نہیں ہے (یعنی میں روایتِ حدیث میں بہت زیادہ احتیاط کرتا ہوں اس لئے اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی بہ نسبت بہت کم حدیثیں بیان کرتا ہوں مگر اس وقت ایک حدیث ذِکر کرتا ہوں اور میں نے اسی کی پیروی میں آپ لوگوں سے قسم لی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ "رسول اللہ ﷺ ایک دن اپنے اصحاب کے ایک حلقہ کے پاس پہنچے، آپ ﷺ نے ان سے پوچھا۔ "آپ لوگ یہاں کیوں جُڑے بیٹھے ہیں؟" انہوں نے عرض کیا۔ "ہم اللہ کو یاد کر رہے ہیں اور اس نے جو ہم کو ہدایت سے نوازا اور ایمان واسلام کی توفیق دے کر احسانِ عظیم فرمایا اس پر اس کی حمد و ثناء کر رہے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تمہیں معلوم ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ کسی بد گمانی کی بناء پر تم سے قسم نہیں لی، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی جبرئیل امینؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فخر و مباہات کے ساتھ فرشتوں سے تم لوگوں کا ذکر فرما رہا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... معلوم ہوا کہ اللہ کے کچھ بندوں کا ایک جگہ بیٹھ کے اخلاص کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا، اس کی باتیں کرنا، اس کی حمد و تسبیح کرنا اللہ کو بے حد پسند ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتوں کے سامنے ایسے بندوں کے لئے اپنی رضا کا اظہار فرماتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ.

۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا مَعَ عَبْدِىْ اِذَا ذَكَرَنِىْ وَ تَحَرَّكَتْ بِىْ شَفَتَاهُ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس

بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کی ایک معیت وہ ہے جو اس کائنات کی ہر اچھی بری چیز کو اور ہر مؤمن و کافر کو ہر وقت حاصل ہے۔ کوئی چیز بھی کسی وقت اللہ سے دور نہیں، اللہ ہر چیز کو محیط ہے، ہر جگہ اور ہمہ وقت حاضر و ناظر ہے۔ اور ایک معیت رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اس حدیث قدسی میں جس معیت کا ذکر ہے وہ یہی رضا اور قبول والی معیت ہے۔ اور حدیث کا مدعا یہ ہے کہ جب میرا بندہ میرا قرب اور میری رضا حاصل کرنے کے لئے میرا ذکر کرتا ہے تو اس کو میرے قرب و رضا کی دولت فوراً مل جاتی ہے جو وہ ذکر کے ذریعہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس دولت کی طلب، اس کا ذوق و شوق اور پھر وہ دولت نصیب فرمائے۔

۴) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَ اَنَا مَعَهٗ اِذْ ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ وَ اِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِنْهُمْ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا معاملہ بندے کے ساتھ اس کے یقین کے مطابق ہے۔ اور میں اس کے بالکل ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے جی میں اس طرح یاد کرے کہ کسی اور کو خبر بھی نہ ہو تو میں بھی اس کو اسی طرح یاد کروں گا۔ اور اگر وہ دوسرے لوگوں کے سامنے مجھے یاد کرے تو میں ان سے بہتر بندوں کی جماعت میں اس کا ذکر کروں گا (یعنی ملائکہ کی جماعت میں اور ان کے سامنے)" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کے پہلے جملے (اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ) کا مطلب یہ ہے کہ بندہ میرے بارے میں جیسا یقین قائم کرے گا تو میرا معاملہ اس کے ساتھ بالکل اسی کے مطابق ہوگا۔ مثلاً وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں رحم اور کرم کا یقین کرے تو اللہ تعالیٰ کو رحیم کریم ہی پائے گا۔ اس لئے بندہ کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا یقین کرے اور اسی کے مطابق عمل کرے۔ حدیث کے آخری حصہ میں جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ مجھے خلوت میں اس طرح یاد کرتا ہے کہ اس کے اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوتی تو میری عنایت بھی اس کے ساتھ اسی طرح مخفی ہوتی ہے۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

اور جب بندہ جلوت میں اور دوسروں کے سامنے میرا ذکر کرتا ہے (جس میں دعوت اور ارشاد اور وعظ و نصیحت بھی داخل ہے) تو اس بندہ کے ساتھ اپنے تعلق اور اس کی قبولیت کا ذکر میں فرشتوں کے سامنے بھی کرتا ہوں، جس کے بعد وہ بندہ فرشتوں میں مقبول و محبوب ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد اس دنیا میں بھی اس کو قبولِ عام اور محبوبیتِ عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔

اسی سنت اللہ کا یہ ظہور ہے کہ بہت سے عرفاءِ کاملین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے خاص تعلق کا اخفا کرتے ہیں اگرچہ اللہ کے ہاتھ اُن کو مقبولیت کا خاص الخاص مقام حاصل ہوتا ہے۔ لیکن دنیا میں ان کو پہچانا

ہی نہیں جاتا، اور جن کا تعلق باللہ اور دعوت الی اللہ ظاہر اور جلی قسم کی ہوتی ہے اُن کو دنیا میں بھی مقبولیت امہ حاصل ہو جاتی ہے۔

۵) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَسِیْرُ فِیْ طَرِیْقِ مَکَّةَ فَمَرَّ عَلٰی جَبَلٍ یُّقَالُ لَهٗ جُمْدَانُ فَقَالَ سِیْرُوْا هٰذَا جُمْدَانُ سَبَقَ الْمُفَرِّدُوْنَ قَالُوْا وَمَا الْمُفَرِّدُوْنَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں جمدان نامی پہاڑ پر سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ پہاڑ جمدان ہے، مُفَرِّدُوْن سبقت لے گئے۔ عرض کیا گیا: مفردون کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور زیادہ ذکر کرنے والی بندیاں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جمدان ایک پہاڑی کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کے قریب ہی ایک دن کی مسافت پر ہے۔ متعدد حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے جس حصہ پر اللہ کا نام لیا جاتا ہے اس کا شعور و احساس اس حصۂ زمین کو ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ "ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ کیا آج اللہ کا نام لینے والا کوئی بندہ تجھ پر سے گزرا؟" جب وہ بتاتا ہے کہ ہاں گزرا، تو وہ کہتا ہے کہ "تجھے بشارت ہو، مبارک ہو!" معلوم ہوتا ہے کہ جمدان پہاڑ پر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ جو زیادہ ذکر کرنے والے بندے اور بندیاں ہیں اُنہوں نے قبول و رضا کے بڑے مقامات حاصل کر لئے اور وہ بہت آگے بڑھ گئے، تو آپ ﷺ نے یہ بات فرمائی کہ مُفَرِّدُوْن یعنی بہت زیادہ ذکر کرنے والے سبقت لے گئے۔ مُفَرِّدُوْن کے لغوی معنی ہیں اپنے کو سب سے الگ اور اکیلا اور ہلکا پھلکا کر لینے والے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے قرب و رضا کی طلب میں اپنے کو اس دنیا کی الجھنوں سے ہلکا کر لیں، اور سب طرف سے کٹ کے اکیلے اللہ کے ہو جائیں، یہی مقام تفرید ہے، اور یہی قرآن مجید کی خاص اصطلاح میں تَبَتُّل ہے (وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا) پس "الذَّاکِرُوْنَ اللّٰهَ کَثِیْرًا وَّالذَّاکِرَاتِ" کے مصداق وہی بندے ہیں جن کا یہ حال ہو اور جنہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اللہ جل جلالہٗ کو اپنا قبلۂ مقصود بنا لیا ہو۔

دوسرے تمام اعمال کے مقابلہ میں ذکر اللہ کی افضلیت

٦) **عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرِ اَعْمَالِکُمْ وَاَزْکَاهَا عِنْدَ مَلِیْکِکُمْ وَاَرْفَعِهَا فِیْ دَرَجَاتِکُمْ وَ خَیْرٍ لَّکُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَیْرٍلَّکُمْ مِنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّکُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَ یَضْرِبُوْا اَعْنَاقَکُمْ؟ قَالُوْا بَلٰی قَالَ ذِکْرُ اللّٰهِ.**
(رواہ احمد والترمذی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "کیا میں تم کو وہ عمل بتاؤں جو تمہارے سارے اعمال میں بہتر اور تمہارے مالک کی نگاہ میں پاکیزہ تر ہے اور تمہارے درجوں کو

دوسرے تمام اعمال سے زیادہ بلند کرنے والا ہے' اور راہِ خدا میں سونا اور چاندی خرچ کرنے سے بھی زیادہ اس میں خیر ہے' اور اس جہاد سے بھی زیادہ تمہارے لئے اس میں خیر ہے جس میں تم اپنے دشمنوں اور خدا کے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتارو اور وہ تمہیں ذبح کریں اور شہید کریں؟ صحابہؓ نے عرض کیا۔ "ہاں یارسول اللہ! ایسا قیمتی عمل ضرور بتایئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ اللہ کا ذکر ہے۔"

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یہ حدیث دراصل قرآن مجید کی آیت "ولذکر اللہ اکبر" کی تشریح و تفسیر ہے۔ بیشک "ذکر اللہ" اس لحاظ سے کہ وہ اصلاً و بالذات مقصدِ اعلیٰ ہے اور اللہ کی رضا اور اس کے تقرب کا سب سے قریبی ذریعہ ہے۔ وہ دوسرے تمام اعمال سے بہتر اور بالاتر ہے۔ اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص حالت میں اور کسی ہنگامی موقع پر صدقہ اور انفاق لوجہ اللہ یا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو زیادہ اہمیت حاصل ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عمل ایک اعتبار سے افضل و اہم ہو اور دوسرے اعتبار سے کوئی دوسرا عمل زیادہ اہمیت رکھتا ہو۔ آگے درج ہونے والی حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیثوں کا مطلب و مدعا بھی قریب قریب یہی ہے اور ان میں سے ہر حدیث سے دوسری حدیث کی شرح اور تائید ہوتی ہے۔

۷) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ سُئِلَ اَیُّ الْعِبَادِ اَفْضَلُ؟ وَاَرْفَعُ دَرَجَةً عِنْدَاللهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ؟ قَالَ الذّٰاکِرُوْنَ اللهَ کَثِیْرًا وَّالذّٰاکِرَاتِ، قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللهِ وَمِنَ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ؟ قَالَ لَوْ ضَرَبَ بِسَیْفِهٖ فِی الْکُفَّارِ وَالْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یَنْکَسِرَ وَیَخْتَضِبَ دَمًا فَاِنَّ الذّٰاکِرَ لِلّٰهِ اَفْضَلُ مِنْهُ دَرَجَةً** (رواہ احمد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ! بندوں میں کون (یعنی کس عمل کا کرنے والا) سب سے افضل ہے' اور قیامت میں کس کو اللہ کے ہاں زیادہ بلند درجہ ملنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ کو زیادہ یاد کرنے والے بندے اور زیادہ یاد کرنے والی بندیاں۔ (یعنی افضلیت اور قیامت میں درجہ کی بلندی انہیں کے لئے ہے) عرض کیا گیا: "یارسول اللہ! کیا ان لوگوں کا درجہ اس بندے سے بھی اُونچا ہے جو (سر بکف ہو کر) راہِ خدا میں جہاد کرے؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اگر کسی بندہ نے (اس طرح جہاد میں جانبازی کی کہ) دشمنانِ حق (کفار و مشرکین) کی صفوں میں گھس کر تلوار چلائی یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے زخمی ہو کر خون میں شرابور ہو گیا' جب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ درجہ میں اس سے افضل ہے"۔ (مسند احمد' جامع ترمذی)

۸) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْئٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُاللهِ وَمَا مِنْ شَیْئٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِکْرِاللهِ' قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ قَالَ وَلَا اَنْ یَّضْرِبَ بِسَیْفِهٖ حَتّٰی یَنْقَطِعَ** (رواہ البیهقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: "ہر چیز کی

صفائی کے لئے کوئی صیقل ہے، اور قلوب کی صیقل (یعنی ان کی صفائی کا خاص مسالہ) ذکر اللہ ہے، اور اللہ کے عذاب سے بچانے اور نجات دلانے میں اللہ کا ذکر جس قدر مؤثر ہے اتنی کوئی دوسری چیز مؤثر نہیں۔ "لوگوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا: "ہاں! وہ جہاد بھی عذاب خداوندی سے نجات دلانے میں ذکر کے برابر مؤثر نہیں جس کا کرنے والا ایسی جانبازی سے جہاد کرے کہ تلوار چلاتے چلاتے اس کی تلوار بھی ٹوٹ جائے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اصل حقیقت یہی ہے کہ سارے اعمال صالحہ کے مقابلہ میں "ذکر اللہ" افضل اور عند اللہ محبوب تر ہے (وَلَذِكْرُ اللهِ اَكْبَرُ) بندے کو اللہ تعالیٰ کا جو قرب اور اس کی وجہ سے جو سعادت اور شرف ذکر کے وقت حاصل ہوتا ہے وہ کسی دوسرے عمل کے وقت نہیں ہوتا، بشرطیکہ یہ ذکر عظمت اور محبت و خشیت اور دل کی توجہ کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ" (تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا) اور حدیث قدسی: "اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِىْ" ـــ "وَاَنَا مَعَ عَبْدِىْ اِذَا ذَكَرَنِىْ وَ تَحَرَّكَتْ بِىْ شَفَتَاهُ" (میں اپنے ذکر کرنے والے بندے کے ساتھ اور اس کا ہم نشین رہتا ہوں) ـــ اور میرا بندہ جب میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے لب میرا ذکر کرنے سے حرکت کرتے ہیں تو بس اس کے بالکل پاس اور ساتھ ہوتا ہوں) بہر حال قرآن و حدیث کے ان واضح نصوص کا مدعا یہی ہے کہ تمام اعمال صالحہ میں ذکر اللہ ہی افضل اور عند اللہ محبوب تر اور اس کے قرب و رضا کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ البتہ یہ ملحوظ رہے کہ اس ذکر میں اور نماز اور تلاوت قرآن وغیرہ اس قسم کی عبادات سب داخل ہیں۔

خاص ذکرِ لسانی کی فضیلت

۹) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِىٌّ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ اَىُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فَقَالَ طُوْبٰى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهٗ وَحَسُنَ عَمَلُهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَىُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللهِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ: "یارسول اللہ! آدمیوں میں کون بہتر ہے؟ (یعنی کس قسم کے آدمیوں کا انجام زیادہ اچھا ہونے والا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ لوگ جن کی عمر زیادہ ہو اور عمل اچھے ہوں۔" پھر انہوں نے پوچھا کہ: "یارسول اللہ! اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ کہ تم دنیا کو خیر باد کہو اور اس وقت تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... پہلے سوال کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ عمر جتنی زیادہ ہوگی بندہ اتنی ہی ترقی کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوگا۔ دوسرے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے سب سے اچھا عمل یہ بتایا کہ مرتے دم تک اور خاص کر آخری وقت میں بندہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان ہو۔ یعنی اس کی زبان پر ذوق اور لذت کے ساتھ اللہ کا نام ہو۔

بلاشبہ یہ عمل اور یہ حال بڑا ہی عزیز اور قیمتی ہے' اور جو بندہ اس کی قدر جانتا ہو وہ سب کچھ دے کے بھی اس کو لینے کے لئے خوشی سے آمادہ ہو گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ بات اسی بندے کو نصیب ہو گی جو زندگی میں اللہ کے ذکر سے خاص مناسبت پیدا کر لے' اور ذکر اللہ اس کی روح کی غذا بن جائے۔

۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبْوَابَ الْخَيْرِ كَثِيْرَةٌ وَّلَا اَسْتَطِيْعُ الْقِيَامَ بِكُلِّهَا فَاَخْبِرْنِىْ عَنْ شَيْئٍ اَتَشَبَّثُ بِهٖ وَلَا تُكْثِرْ عَلَىَّ فَاَنْسٰى قَالَ لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِاللّٰهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: "اے اللہ کے پیغمبر (ﷺ)! نیکی کے ابواب (یعنی ثواب کے کام) بہت ہیں' اور یہ بات میری طاقت سے باہر ہے کہ میں ان سب کو بجالاؤں' لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو میں مضبوطی سے تھام لوں اور اس پر کاربند ہو جاؤں (اور بس وہی میرے لئے کافی ہو جائے) اسی کے ساتھ یہ بھی عرض ہے کہ جو کچھ آپ ﷺ بتائیں وہ بہت زیادہ بھی نہ ہو' کیونکہ خطرہ ہے کہ میں اس کو یاد بھی نہ رکھ سکوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: (بس اس کا اہتمام کرو اور اس کی عادت ڈالو کہ) تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ تمہاری فلاح و کامیابی کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اللہ کے ذکر سے رطب اللسان رہو۔

۱۱) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوْا ذِكْرَاللّٰهِ حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ. (رواہ احمد وابویعلی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر اتنا اور اس طرح کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ دیوانہ ہے۔

تشریح.....اہلِ دنیا جو تعلق باللہ کی دولت سے محروم ہیں جب کسی ایسے اللہ والے کو دیکھتے ہیں جس کو یہ دولت نصیب ہے' اور اس کی وجہ سے وہ دنیا کی طرف سے کسی قدر بے فکر اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا طلبی میں منہمک ہے' اور اسی کے نام کی رَٹ لگا رہا ہے تو اپنے خیال کے مطابق وہ اس کو دیوانہ کہتے ہیں' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود ہی دیوانے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد   اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

ذکر اللہ سے غفلت کا انجام حسرت و محرومی اور دل کی قساوت

۱۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ وَمَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهِ كَانَتْ عَلَيْهِ مِنَ اللّٰهِ تِرَةٌ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کہیں بیٹھا اور اس

نشست میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ نشست اس کے لئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہو گی' اور اسی طرح جو شخص کہیں لیٹا اور اس میں اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو یہ لیٹنا اس کے لئے بڑی حسرت اور خسران کا باعث ہو گا۔ (سنن ابی داؤد)

۱۳) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُكْثِرُ والْكَلَامَ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ كَثْرَةَ الْكَلَامِ بِغَيْرِ ذِكْرِ اللّٰهِ قَسْوَةٌ لِلْقَلْبِ وَاِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ کے ذکر کے بغیر زیادہ کلام نہ کیا کرو' کیونکہ اس سے دل میں قساوت (سختی اور بے حسی) پیدا ہوتی ہے اور لوگوں میں وہ آدمی اللہ سے زیادہ دور ہے جس کے قلب میں قساوت ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اللہ کے ذکر کے بغیر زبان زیادہ چلانے کا عادی ہو گا' اس کے دل میں قساوت یعنی بے حسی اور بے نوری پیدا ہو گی اور وہ اللہ کے قرب اور اس کی خاص رحمت سے محروم رہے گا۔ اعاذنا اللہ منہ

کلماتِ ذکر اور ان کی فضیلت و برکت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اللہ کے ذکر کی ترغیب دی اور تاکید فرمائی اُسی طرح اس کے خاص کلمات بھی تلقین فرمائے' اگر یہ نہ ہوتا تو اس کا امکان تھا کہ علم و معرفت کی کمی کی وجہ سے بہت سے لوگ اللہ کا ذکر اسطرح کرتے جو اسکے شایانِ شان نہ ہوتا' یا جس سے بجائے حمد و ثناء کے معاذ اللہ اسکی تنقیص ہوتی۔ عارف رومی نے اپنی مثنوی میں حضرت موسیٰ اور ایک چرواہے کی جو حکایت بیان کی ہے وہ اسی کی ایک مثال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کلماتِ ذکر تلقین فرمائے ہیں وہ معنوی لحاظ سے مندرجہ ذیل چند قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ہیں: یا ۱ تو ان میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات سے منزہ اور پاک ہے جس میں عیب و نقص کا شائبہ بھی ہو ("سُبْحَانَ اللّٰہ" کا یہی مفہوم اور مدعا ہے۔ یا ۲ ان میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے (یعنی ان کا مفہوم اور مدعا یہ ہے کہ ساری خوبیاں اور تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں اور اس لئے حمد و ثناء اُسی کو سزاوار ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کی یہی خصوصیت ہے۔ یا ۳ ان میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی شانِ یکتائی کا بیان ہے۔ چنانچہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کی یہی شان ہے۔ یا ۴ ان میں اللہ تعالیٰ کی اس شانِ عالی کا اظہار ہے کہ ہم نے اس کے بارے میں منفی اور مثبت طور پر جو کچھ جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے' "اَللّٰہُ اَکْبَر" کا یہی مفہوم و مدعا ہے۔ یا ۵ اِن کلمات میں اس حقیقت کا اظہار ہے کہ سب کچھ کرنے والا اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کے بس میں کچھ نہیں' لہذا وہی اس کا حقدار ہے کہ اس سے مدد مانگی جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ" کی یہی نوعیت اور خصوصیت ہے۔

اس طرح کے کلماتِ ذکر کے علاوہ مختلف اوقات اور مختلف حاجتوں کے لئے دعائیں آپ ﷺ نے تعلیم

فرمائیں۔ان کے بارے میں انشاءاللہ آگے مستقلاً لکھا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے آگے درج ہونے والی حدیثوں میں جن کلماتِ ذکر کی تلقین فرمائی ہے وہ اختصار کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور تحمید و توحید اور اس کی شانِ کبریائی و صمدیت کے بیان میں بلاشبہ معجزانہ شان رکھتے ہیں اور اس کی معرفت کے گویا دروازے ہیں۔

اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

۱۴) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: "سُبْحَانَ اللهِ" اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" اور "اَللهُ اَكْبَرُ" (صحیح مسلم)

تشریح..... اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں "اَفْضَلُ الْكَلَامِ اَرْبَعٌ" کے بجائے "اَحَبُّ الْكَلَامِ اِلَى اللهِ اَرْبَعٌ" کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ سب کلموں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے یہ چار کلمے ہیں۔

۱۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعاعیں پڑتی ہیں، ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ محبوب ہے کہ میں ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" کہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... ان چاروں کلموں کا اجمالی مفہوم اوپر کی تمہیدی سطروں میں ذکر کیا جا چکا ہے۔اس سے یہ اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ یہ نہایت مختصر اور ہلکے پھلکے چار کلمے اللہ تعالیٰ کی تمام مثبت و منفی صفاتِ کمال پر کس قدر حاوی ہیں۔ بعض عرفاء کاملین نے لکھا ہے کہ:-

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ جو اس کی تمام صفاتِ کمال کی ترجمانی کرتے ہیں ان میں سے کسی کا مفہوم بھی ان چار کلموں سے باہر نہیں ہے۔ مثلاً اَلْقُدُّوْسُ، اَلسَّلَامُ، اَلطَّاهِرُ جیسے اسماء جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک سے ہر عیب و نقص کی نفی کرتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مفہوم ان سب پر حاوی ہے۔ اسی طرح اَلرَّحْمٰنُ، اَلرَّحِيْمُ، اَلْكَرِيْمُ، اَلْعَلِيْمُ، اَلْقَدِيْرُ، اَلسَّمِيْعُ، اَلْبَصِيْرُ، اَلْعَزِيْزُ، اَلْحَكِيْمُ جیسے وہ تمام اسماء حسنیٰ جو اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفاتِ کمال پر دلالت کرتے ہیں، وہ سب الحمد للہ کے احاطے میں آجاتے ہیں۔اسی طرح جو اسماء حسنیٰ اس کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی شانِ لاشریکی و بے مثالی پر دلالت کرتے ہیں، جیسے اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ وغیرہ،

ان کی پوری ترجمانی کلمۂ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کرتا ہے۔ علیٰ ہذا اَلْعَلِيُّ، اَلْاَعْلٰى، اَلْكَبِيْرُ، اَلْمُتَعَالِيْ جیسے اسماء حسنیٰ جن کا مفہوم و مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ کسی نے جانا اور سمجھا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند و بالا اور وراء الوراء ہے۔ بلاشبہ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" اس حقیقت کی بہترین تعبیر ہے۔

پس جس نے دل کے شعور و یقین کے ساتھ کہا "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" اُس نے اللہ کی ساری ثناء و صفت بیان کر دی اور تمام اسماء حسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی جن ایجابی یا سلبی صفاتِ کمال کا بیان ہے دل سے ان سب کی شہادت دے دی، اس لئے یہ چار کلمے اپنی قدر و قیمت اور عظمت و برکت کے لحاظ سے بلاشبہ اس ساری کائنات کے مقابلے میں فائق ہیں جس پر سورج کی روشنی یا اس کی شعاعیں پڑتی ہیں۔ جن قلوب کو ایمان کی دولت نصیب ہے ان کے لئے یہ حقیقت بالکل وجدانی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان کی یہ دولت نصیب فرمائے۔

۱۶) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى شَجَرَةٍ يَابِسَةِ الْوَرَقِ فَضَرَبَهَا بِعَصَاهُ فَتَنَاثَرَ الْوَرَقُ فَقَالَ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تُسَاقِطُ ذُنُوْبَ الْعَبْدِ كَمَا يَتَسَاقَطُ وَرَقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزرے جس کے پتے سوکھ چکے تھے، آپ ﷺ نے اس پر اپنا عصائے مبارک مارا تو اس کے سوکھے پتے جھڑ پڑے (اور ساتھ والوں نے وہ منظر دیکھا) پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کلمے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" بندے کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتے ہیں جس طرح تم نے اس درخت کے پتے جھڑتے دیکھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... نیک اعمال کی اس خاصیت کا ذکر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے کہ ان کی برکت اور تاثیر سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ ارشاد ہے: "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" (یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔)

احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے نماز اور صدقہ وغیرہ بہت سے اعمالِ صالحہ کی اس تاثیر کا خصوصیت سے بیان فرمایا ہے۔ اس حدیث میں آپؐ نے ان چار کلموں کی یہ تاثیر بیان فرمائی اور درخت کے سوکھے پتے عصا کی ایک ضرب سے جھاڑ کے صحابہ کرامؓ کو اسکا ایک نمونہ بھی دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے، اور ان کلموں کی عظمت و تاثیر سے استفادہ کی توفیق دے۔

۱۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِيْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَ اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے روزانہ سو دفعہ کہا (سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ) اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں

کے برابر ہوں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... "سبحان الله وبحمده" کا مطلب وہی ہے جو "سبحان الله والحمدلله" کا ہے، یعنی ہر اس بات سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس جو اس کے شایانِ شان نہیں ہے اور جس میں ذرا بھی قصور یا عیب کا کوئی شائبہ ہے، اور اسی کے ساتھ تمام صفات کمال کا اس کی ذات عالی کے لئے اثبات اور اس کی بناء پر اس کی حمد و ثناء اس طرح یہ مختصر کلمہ "سبحان الله وبحمده" اس سب پر حاوی ہے جو سلبی یا ایجابی طور پر اللہ تعالیٰ کی ثناء و صفت کہا جا سکتا ہے۔ حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں مختصر دو حرفی کلمہ کی یہ تاثیر بیان کی گئی ہے کہ جو بندہ روزانہ یہ کلمہ سو دفعہ پڑھے تو اس کے سارے گناہ دور ہو جائیں گے اور وہ گناہوں کی گندگی سے پاک صاف ہو جائے گا، اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں کے برابر حد و حساب سے باہر ہوں۔ گویا جس طرح تیز روشنی اندھیرے کو ایک دم ختم کر دیتی ہے، اور جس طرح سخت تپش بالخاصہ نمی اور رطوبت کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اور دوسری نیکیاں گناہوں کے گندے اثرات کو فنا کر دیتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ (معارف الحدیث) میں کئی بار پہلے ذکر کیا جا چکا ہے قرآن مجید کی بعض آیات اور رسول اللہ ﷺ کے بعض ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں کی برکت اور تاثیر سے صرف وہ خطائیں معاف ہوتی ہیں جو "کبیرہ" درجہ کی نہ ہوں، اس لئے بڑے درجہ کے گناہ جن کو خاص اصطلاح میں "گناہ کبیرہ" کہا جاتا ہے۔ اُن کی معافی کے لئے توبہ و استغفار ضروری ہے۔ واللہ اعلم

۱۸) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّ الْکَلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ مَا اَصْطَفَی اللّٰہُ لِمَلٰئِکَتِہٖ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ"** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: "کلاموں میں کون سا کلام افضل ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ملائکہ کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یعنی "سبحان الله وبحمده" (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا خاص ذکر یہی "سبحان الله وبحمده" ہے۔ اس حدیث میں اس کلمہ کو سب سے افضل کہا گیا ہے۔ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو دو ہی ورق پہلے درج ہو چکی ہے فرمایا گیا ہے کہ سب سے افضل یہ چار کلمے ہیں: "سبحان الله، الحمدلله، لا اله الا الله، الله اکبر" اور ایک دوسری حدیث میں "لا اله الا الله" کو افضل الذکر فرمایا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب کلمے دوسرے سب کلاموں کے مقابلے میں افضل اور اللہ کو زیادہ محبوب ہیں۔

۱۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِيْمِ** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے،

میزانِ اعمال میں بڑے بھاری اور خداوند مہربان کو بہت پیارے۔ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ۔" (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح..... ان دو کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کو محبوب ہونا بھی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے، لیکن میزانِ اعمال میں بھاری ہونے والی بات کا سمجھنا شاید بعض لوگوں کے لئے آسان نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح مادی چیزیں ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا وزن معلوم کرنے کے لئے آلات ہوتے ہیں جن کو میزان (ترازو یا کانٹا) کہا جاتا ہے اسی طرح بہت سی غیر مادی چیزیں بھی ہلکی اور بھاری ہوتی ہیں اور ان کا ہلکا اور بھاری پن بتانے والا آلہ ہوتا ہے۔ وہی اس کی میزان ہوتی ہے۔ مثلاً حرارت اور برودت یعنی گرمی اور ٹھنڈک ظاہر ہے کہ مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ کیفیات ہیں، لیکن ان کا ہلکا اور بھاری پن تھرمامیٹر کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت میں اللہ کے نام کا وزن ہوگا، کلماتِ ذکر کا وزن ہوگا، تلاوتِ قرآن کا وزن ہوگا، نماز کا وزن ہوگا۔ ایمان کا اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی محبت کا وزن ہوگا۔ اس وقت یہ بات کھل کر سامنے آئے گی کہ بعض بہت ہلکے پھلکے کلمے بے حد وزنی ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز بھی بھاری اور وزنی نہ ہوگی۔ لَا يَزِنُ مَعَ اِسْمِ اللهِ شَيْءٌ۔

اس کلمہ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ" کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں اس کی حمد وستائش کے ساتھ، میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے۔

۲۰) عَنْ جُوَيْرِيَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا بُكْرَةً حِيْنَ صَلَّى الصُّبْحَ وَهِيَ فِيْ مَسْجِدِهَا ثُمَّ رَجَعَ بَعْدَ اَنْ اَضْحٰى وَهِيَ جَالِسَةٌ قَالَ مَازِلْتِ عَلَى الْحَالِ الَّذِيْ فَارَقْتُكِ عَلَيْهَا؟ قَالَتْ نَعَمْ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ اَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ لَوْوُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُالْيَوْمَ لَوَزَنَتْهُنَّ.سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (رواه مسلم)

ترجمہ. ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نمازِ فجر پڑھنے کے بعد ان کے پاس سے باہر نکلے، وہ اس وقت اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں۔ پھر آپ ﷺ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے، حضرت جویریہؓ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں۔ آپ ﷺ نے انؓ سے فرمایا: "میں جب سے تمہارے پاس سے گیا ہوں کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی طرح پڑھ رہی ہو؟" انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں!" آپ ﷺ نے انؓ سے فرمایا: "تمہارے پاس سے جانے کے بعد میں نے چار کلمے تین دفعہ کہے، اگر وہ تمہارے اس پورے وظیفے کے ساتھ تولے جائیں جو تم نے آج صبح سے پڑھا ہے تو ان کا وزن بڑھ جائے گا، وہ کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَرِضٰى نَفْسِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ (اللہ کی تسبیح اور اس کی حمد اس کی ساری مخلوقات کی تعداد کے برابر اور اس کے عرشِ عظیم کے وزن کے برابر، اور

اس کی ذاتِ پاک کی رضا کے مطابق اور اس کے کلموں کی مقدار کے مطابق۔ (صحیح مسلم)

(۲۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّهُ دَخَلَ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی اِمْرَاَةٍ وَ بَیْنَ یَدَیْهَا نَوًی اَوْ حَصًی تُسَبِّحُ بِهٖ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُكِ بِمَا هُوَ اَیْسَرُ عَلَیْكِ مِنْ هٰذَا اَوْ اَفْضَلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِثْلَ ذٰلِكَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ مِثْلَ ذٰلِكَ (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پہنچے ایک بیوی کے پاس اور انکے آگے کھجور کی کچھ گٹھلیاں تھیں' (یا سنگریزے تھے) وہ ان گٹھلیوں (یا سنگریزوں) پر تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں تم کو وہ نہ بتادوں جو تمہارے لئے اس سے زیادہ آسان ہے۔ (یا فرمایا کہ اس سے افضل ہے) وہ یہ ہے کہ تم اس طرح کہو:

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی السَّمَاءِ... وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا خَلَقَ فِی الْاَرْضِ... وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا بَیْنَ ذٰلِكَ... وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ مَا هُوَ خَالِقٌ.

سبحان اللہ ساری مخلوق کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ ساری زمینی مخلوقات کی تعداد کے مطابق۔ سبحان اللہ زمین و آسمان کے درمیان کی ساری مخلوقات کی تعداد کے مطابق جس کو وہ ابدالآباد تک پیدا فرمانے والا ہے۔

اور (اللہ اکبر) اسی طرح' اور (الحمد للہ) اسی طرح اور (لا الٰہ الا اللہ) اسی طرح اور (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اسی طرح (جامع ترمذی' سنن ابن داؤد)

تشریح...... ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک طریقہ جس طرح کثرتِ ذکر ہے اسی طرح ایک آسان تر طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ایسے الفاظ شامل کر دیئے جائیں جو کثرتِ تعداد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ جیسا کہ مندرجۂ بالا دونوں حدیثوں میں حضور ﷺ نے بتلایا ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بعض حدیثوں میں کثرتِ ذکر کی ترغیب دی ہے۔ اور قریب ہی وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ ﷺ نے روزانہ سو دفعہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" کہنے والے کو گناہوں کے معاف کئے جانے کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس لئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث' اور اس سے پہلے والی حضرت جویریہؓ کی حدیث سے کثرتِ ذکر کی نفی یا ناپسندیدگی سمجھنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں کا منشاء اور مدعا دراصل یہ ہے کہ زیادہ ثواب حاصل کرنے کا ایک زیادہ آسان طریقہ یہ بھی ہے اور خاص کر وہ لوگ جو اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ذِکر اللہ کے لئے زیادہ وقت فارغ نہ کر سکیں' وہ اس طرح سے بھی بڑا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ: "جس شخص کا مقصد اپنے باطن اور

اپنی زندگی کو ذکر کے رنگ میں رنگنا ہو اس کو کثرت ذکر کا طریقہ اختیار کرنا ناگزیر ہے' اور جس کا مقصد ذکر سے صرف ثوابِ اُخروی حاصل کرنا ہو اس کو ایسے کلمات ذکر کا انتخاب کرنا چاہئے جو معنوی لحاظ سے زیادہ فائق اور وسیع تر ہوں جیسے کہ ان دونوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عہدِ نبوی ﷺ میں تسبیح کا رواج تو نہیں تھا لیکن بعض حضرات اس مقصد کے لئے گٹھلیاں یا سنگریزے استعمال کرتے تھے' اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور تسبیح کے دانوں کے ذریعے شمار میں کوئی فرق نہیں' بلکہ تسبیح دراصل اس کی ترقی یافتہ اور سہل شکل ہے۔ جن حضرات نے تسبیح کو بدعت قرار دیا ہے بلاشبہ انہوں نے شدت اور غلو سے کام لیا ہے۔

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی خاص فضیلت

۲۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الذِّكْرِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ." (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے افضل ذکر "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح..... حضرت سمرہ بن جندبؓ والی وہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ سب کلموں میں افضل یہ چار کلمے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ' اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ' اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اور حضرت جابرؓ والی اس حدیث میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو افضل ترین کلمہ فرمایا گیا ہے۔ واقعہ یہی ہے کہ دنیا بھر کے دوسرے سب کلموں اور کلاموں کے مقابلے میں تو یہ چاروں کلمے افضل ہیں' لیکن ان سب میں نسبتاً "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" افضل ہے' کیونکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ باقی تینوں کلموں کے مدعا کو بھی ضمنی طور پر اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں' تو اس کے ضمن میں یہ بات خود بخود آ جاتی ہے کہ وہ ہر نقص و عیب سے پاک اور منزّہ ہے' اور تمام صفاتِ کمال کا وہ جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے' کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں۔ اس لئے جس نے صرف لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا' اس نے گویا وہ سب کچھ بھی کہہ دیا جو سُبْحَانَ اللّٰهِ' اَلْحَمْدُلِلّٰه اور اَللّٰهُ اَكْبَر کے ذریعے کہا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کلمۂ ایمان ہے۔ اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے۔ نیز اپنے اپنے تجربہ کی بناء پر عرفا اور صوفیاء کا اس پر گویا اتفاق ہے کہ باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کے اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے میں سب سے زیادہ مؤثر اسی کلمہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور ترقی دینے کے لئے اس کلمہ لا الـہ الا اللہ کی کثرت کا حکم دیا ہے۔ [1]

---

[1] عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم جددوا ایمانکم قیل یا رسول الله کیف نجدد ایماننا؟ قال اکثروا من قول لا اله الا الله (رواه احمد)

۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاقَالَ عَبْدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ حَتّٰی تُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بندہ دل کے اخلاص سے کہے "لا الٰہ الا اللہ" اس کیلئے لازماً آسمانوں کے دروازے کھل جائیں گے، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرشِ الٰہی تک پہنچے گا بشر طیکہ وہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی ایک خاص فضیلت و خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر اخلاص سے یہ کلمہ کہا جائے اور اللہ سے دور کرنے والے بڑے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کیا جائے تو یہ کلمہ براہِ راست عرشِ الٰہی تک پہنچتا ہے اور خاص مقبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ اور ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَیْسَ لَهَا حِجَابٌ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْهِ.

کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں، یہ کلمہ سیدھا اللہ کے پاس پہنچتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ذِکراللہ کے دوسرے کلموں کے مقابلے میں اس کلمہ کی یہ ایک مخصوص فضیلت اور خصوصیت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ "لا الٰہ الا اللہ" میں بہت سے خواص ہیں۔ پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ شرکِ جلی کو ختم کر دیتا ہے۔ دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرکِ خفی کو بھی ختم کرتا ہے، اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ وہ بندے کے اور معرفتِ الٰہی کے درمیان حجابات کو سوخت کر کے حصولِ معرفت اور قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۲۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَارَبِّ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا اَذْكُرُكَ بِهٖ اَوْ اَدْعُوْكَ بِهٖ فَقَالَ یَا مُوْسٰی قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ یَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ یَقُوْلُ هٰذَا اِنَّمَا اُرِیْدُ شَیْئًا تَخُصُّنِیْ بِهٖ قَالَ مُوْسٰی لَوْ اَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَ هُنَّ غَیْرِیْ وَالْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِیْ كِفَّةٍ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فِیْ كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ: "اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو کوئی کلمہ تعلیم فرما جسکے ذریعے میں تیرا ذکر کروں (یا کہا کہ جس کے ذریعے میں تجھے پکاروں) تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اے موسیٰ" لا الٰہ الا اللہ کہا کرو۔" انہوں نے عرض کیا کہ: "اے میرے رب یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے کہتے ہیں، میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصیت سے مجھے ہی بتائیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! اگر ساتوں آسمان اور میرے سوا وہ سب کائنات جس سے آسمانوں کی آبادی ہے اور ساتوں

زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو لا الہ الا اللہ کا وزن ان سب سے زیادہ ہو گا۔ (شرح السنۃ للبغوی)

تشریح...... موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی اور محبت کا جو خاص تعلق تھا اور اس کی بناء پر قربِ خصوصی کی جو قدرتی خواہش تھی اسی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ مجھے ذکر کا کوئی خاص کلمہ تعلیم فرمایا جائے' اللہ تعالیٰ نے ان کو لا الہ الا اللہ بتایا جو افضل الذکر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری استدعا کسی خاص کلمہ کے لئے ہے جس سے مجھے ہی نوازا جائے۔ الغرض کلمۂ لا الہ الا اللہ کا عموم اس کی قدر و قیمت اور عظمت کے بارے میں ان کے لئے حجاب بن گیا۔ اس لئے ان کو بتایا گیا کہ لا الہ الا اللہ کی حقیقت زمین و آسمان کی ساری کائنات کے مقابلے میں زیادہ قیمتی اور بھاری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عامہ ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمتِ عظمیٰ ہر عامی کو بھی پہنچادی ہے۔ بہر کیف انبیاء و مرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ "لا الہ الا اللہ" سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔

اس بے بہا نعمتِ خداوندی کا شکر یہی ہے کہ اس کلمۂ پاک کو اپنا ورد بنایا جائے' اور اس کی کثرت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خاص رابطہ قائم کیا جائے۔

کلمۂ توحید کی خاص عظمت و برکت

۲۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ فِىْ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ كَانَتْ لَهٗ عِدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ وَكُتِبَتْ لَهٗ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ وَكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ يَوْمَهٗ ذٰلِكَ حَتّٰى يُمْسِىَ وَلَمْ يَاْتِ اَحَدٌ بِاَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ اِلَّا رَجُلٌ عَمِلَ اَكْثَرَمِنْهُ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے سو دفعہ کہا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے' وہ اکیلا ہے' کوئی اس کا شریک ساجھی نہیں' فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی کے لئے ہر قسم کی ستائش ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے) تو وہ دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب کا مستحق ہو گا اور اس کے لئے سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو غلط کاریاں محو کر دی جائیں گی' اور یہ عمل اس کے لئے اس دن شام تک شیطان کے حملہ سے حفاظت کا ذریعہ ہو گا' اور کسی آدمی کا عمل اس کے عمل سے افضل نہ ہو گا سوائے اس آدمی کے جس نے اس سے بھی زیادہ عمل کیا ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... بے شک کلمۂ توحید جس میں کلمہ لا الہ الا اللہ پر کچھ اور اضافہ ہے جس سے اس کے منفی و مثبت مضمون کی مزید تشریح اور وضاحت ہوتی ہے اتنا ہی عظیم القدر اور بابرکت ہے جتنا کہ اس حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ مرنے کے بعد انشاء اللہ یہ چیز ہم سب کے مشاہدے میں آجائے گی۔ بعض لوگوں کو ایسی

حدیثوں کے بارے میں شکوک و شبہات ہوتے ہیں جن میں کسی کلمہ کا اتنا بڑا ثواب بتایا جائے۔ حالانکہ خود انہیں اپنی زندگی میں بارہا اس کا تجربہ ہوا ہوگا کہ برائی اور فساد کا ایک کلمہ آگ لگا دیتا ہے' اور اس کے منحوس اثرات برسہا برس تک کے لئے خاندانوں اور گروہوں کی زندگیوں کو جہنم بنادیتے ہیں۔ اسی طرح کبھی خلوص سے نکلا ہوا ایک اصلاحی کلمہ' خیر و فساد کی بھڑکتی آگ کو بجھانے میں ٹھنڈے پانی کا کام کرتا ہے اور بے چینیوں اور تلخیوں کو دور کر کے زندگیوں کو باغ و بہار بنادیتا ہے۔ انسان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک کلمہ کے جو اثرات ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں ان میں غور و فکر کر کے آخرت کے ان سے بڑے اور دور رس نتائج و ثمرات کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں رہتا۔

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کی خاص فضیلت

۲۶) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى الْاَشْعَرِىِّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ بَلٰى فَقَالَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رواه مسلم و البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک دن فرمایا: "میں تمہیں وہ کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: "ہاں حضرت ﷺ! ضرور بتائیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "وہ ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح...... اس کلمہ کے "خزائن جنت" میں سے ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص یہ کلمہ اخلاص کے ساتھ پڑھے گا اس کے لئے اس کلمہ کے بے بہا اجر و ثواب کا خزانہ اور ذخیرہ جنت میں محفوظ کیا جائے گا جس سے وہ آخرت میں ویسا ہی فائدہ اُٹھا سکے گا جیسا کہ ضرورت کے موقعوں پر محفوظ خزانوں سے اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا منشا اس لفظ سے اس کلمہ کی صرف عظمت اور قدر و قیمت بتانا ہے' یعنی یہ کہ جنت کے خزانوں کے جواہرات میں سے یہ ایک جوہر ہے۔ کسی چیز کو بہت قیمتی بتانے کیلئے یہ بہترین تعبیر ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم

"لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے سعی و حرکت اور اس کے کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے' کوئی بندہ خود کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرا ایک مطلب جو اس کے قریب ہی قریب ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ "گناہ سے باز آنا اور طاعت کا بجالانا اللہ کی مدد و توفیق کے بغیر بندے سے ممکن نہیں۔"

۲۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرْ مِنْ قَوْلِ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" فَاِنَّهَا مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ: "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه" زیادہ پڑھا کرو' کیونکہ یہ خزائن جنت میں سے ہے۔ (جامع ترمذی)

۲۸) عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِىْ وَاسْتَسْلَمَ.

(رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "میں تم کو وہ کلمہ بتاؤں جو عرش کے نیچے سے اُترا ہے اور خزانۂ جنت میں سے ہے، وہ ہے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" (جب بندہ دل سے یہ کلمہ پڑھتا ہے تو) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "یہ بندہ (اپنی انانیت سے دستبردار ہو کر) میرا تابعدار اور بالکل فرمانبردار ہو گیا۔" (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" کو "مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ" کے علاوہ "مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ" بھی فرمایا گیا ہے۔ یہ بھی دراصل اس کلمہ کی عظمت کے اظہار کا ایک عنوان ہے، اور مطلب یہ ہے کہ مجھ پر اس کا نزول عرشِ الٰہی سے ہوا ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ...... بعض مشائخ طریقت کا ارشاد ہے کہ: "جس طرح شرکِ جلی و خفی اور قلب نفس کی دوسری کدورتیں دور کرنے اور ایمان و معرفت کا نور حاصل کرنے میں کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" خاص اثر کرتا ہے۔ اسی طرح عملی زندگی درست کرنے یعنی معصیات اور منکرات سے بچنے اور نیکی کی راہ پر چلنے میں یہ کلمہ "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ" خاص اثر رکھتا ہے۔"

اسمائے حسنیٰ

حقیقی معنی میں اللہ پاک کا نام یعنی اسم ذات صرف ایک ہی ہے، اور وہ ہے "اللہ" البتہ اس کے صفاتی نام سینکڑوں ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، انہی کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں امام جعفر بن محمد صادق اور سفیان بن عیینہ اور بعض دوسرے اکابرِ امت سے نقل کیا ہے کہ: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تو صرف قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں۔ اور پھر انہی حضرات سے ان کی تفصیل اور تعیین بھی نقل ہے۔ اس کے بعد حافظ ممدوحؒ نے ان میں سے بعض اسماء کے متعلق یہ تبصرہ کر کے کہ یہ اپنی خاص شکل میں قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں بلکہ استخراج اور اشتقاق کے طور پر وضع کئے گئے ہیں، انکے بجائے دوسرے اسماء قرآن مجید ہی سے نکال کے بتایا ہے کہ یہ ننانوے اسماء الٰہیہ قرآن مجید میں اپنی اصل شکل میں مذکور ہیں اور انکی پوری فہرست دی ہے جو انشاءاللہ عنقریب نقل ہو گی۔

ہمارے ہی زمانہ کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء کا تتبع احادیث سے کیا تو دو سو سے زائد ان کو ملے۔ یہ سارے صفاتی اَسماءِ حُسنیٰ اللہ تعالیٰ کے صفات کمال کے عنوانات اور اس کی معرفت کے دروازے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ایک بڑی جامع اور تفصیلی شکل یہ بھی ہے کہ بندہ عظمت اور محبت کے ساتھ ان اسماء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور ان کو اپنا وظیفہ بنائے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند احادیث ذیل میں پڑھئے!

۲۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام یعنی ایک کم سو نام ہیں، جس نے ان کو محفوظ کیا اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح صحیحین کی روایت میں صرف اتنا ہی ہے' ان ننانوے ناموں کی تفصیل اور تعین اس روایت میں نہیں کی گئی ہے۔ عنقریب ہی ان شاء اللہ جامع ترمذی وغیرہ کی اس روایت کا ذکر آئے گا جس میں تفصیل کے ساتھ یہ ننانوے نام بیان کئے گئے ہیں۔ شارحین حدیث اور علماء کا اس پر قریب قریب اتفاق ہے کہ اسماءِ الٰہیہ صرف ننانوے میں منحصر نہیں ہیں اور یہ ان کی پوری تعداد نہیں ہے' کیونکہ تتبع اور تلاش کے بعد احادیث میں اس سے بہت زیادہ تعداد مل جاتی ہے۔ اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اور مدعا صرف یہ ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو یاد کرے گا اور ان کی نگہداشت کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ یعنی صرف ننانوے ناموں کا احصاء کر لینے پر بندہ اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا۔

حدیث پاک کے جملہ "من احصاها دخل الجنة" کی تشریح میں علماء اور شارحین نے مختلف باتیں لکھی ہیں۔ ایک[1] مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماءِ الٰہیہ کے مطالب سمجھ کر اور ان کی معرفت حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر یقین کرے گا جن کے یہ اسماء عنوانات ہیں وہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا[2] ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ان اسماء حسنیٰ کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو گا وہ جنت میں جائے گا۔ تیسرا[3] ایک مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو بندہ ننانوے ناموں سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا اور ان کے ذریعے اس سے دعا کرے گا وہ جنت میں جائے گا۔ امام بخاریؒ نے "من احصاها" کی تشریح "من حفظها" سے کی ہے' بلکہ اس حدیث کی بعض روایات میں "من احصاها" کی جگہ "من حفظها" کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں' اس لئے اس تشریح کو ترجیح دی گئی ہے' اور اسی لئے ترجمہ میں اس عاجز نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ جو بندہ ایمان اور عقیدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کے ننانوے نام محفوظ کر لے اور ان کے ذریعہ اس کو یاد کرے وہ جنت میں جائے گا۔ واللہ اعلم

۳۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدَةً مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ. هُوَاللهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ الْغَفَّارُ الْقَهَّارُ الْوَهَّابُ الرَّزَّاقُ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْخَافِضُ الرَّافِعُ الْمُعِزُّ الْمُذِلُّ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

اَلْحَكَمُ الْعَدْلُ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ الْحَلِيْمُ الْعَظِيْمُ الْغَفُوْرُ الشَّكُوْرُ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ الْحَفِيْظُ الْمُقِيْتُ الْحَسِيْبُ الْجَلِيْلُ الْكَرِيْمُ الرَّقِيْبُ الْمُجِيْبُ الْوَاسِعُ الْحَكِيْمُ الْوَدُوْدُ الْمَجِيْدُ الْبَاعِثُ الشَّهِيْدُ الْحَقُّ الْوَكِيْلُ الْقَوِيُّ الْمَتِيْنُ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ الْمُحْصِيُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْمُحْيِيْ الْمُمِيْتُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الْوَاجِدُ الْمَاجِدُ الْوَاحِدُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الْقَادِرُ الْمُقْتَدِرُ الْمُقَدِّمُ الْمُؤَخِّرُ الْاَوَّلُ الْاٰخِرُ الظَّاهِرُ الْبَاطِنُ الْوَالِيْ الْمُتَعَالِيْ الْبَرُّ التَّوَّابُ الْمُنْتَقِمُ الْعَفُوُّ الرَّؤُفُ مَالِكُ الْمُلْكِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ الْمُقْسِطُ الْجَامِعُ الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ الْمَانِعُ الضَّارُ النَّافِعُ النُّوْرُ الْهَادِيُ الْبَدِيْعُ الْبَاقِيُ الْوَارِثُ الرَّشِيْدُ الصَّبُوْرُ

(رواه الترمذی والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں (ایک کم سو) جس نے ان کو محفوظ کیا، اور ان کی نگہداشت کی وہ جنت میں جائے گا۔ (ان ناموں کی تفصیل یہ ہے۔)

وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں وہ ہے الرَّحمٰن (بڑی رحمت والا) الرَّحِیمُ (نہایت مہربان) المَلِکُ (حقیقی بادشاہ اور فرمانروا) القُدُّوسُ (نہایت مقدس اور پاک) السَّلامُ (جس کی ذاتی صفت سلامتی ہے) المُؤمِنُ (امن و امان عطا فرمانے والا) المُھَیمِنُ (پوری نگہبانی فرمانے والا) العَزِیزُ (غلبہ اور عزت جس کی ذاتی صفت ہے، اور جو سب پر غالب ہے) الجَبَّارُ (صاحب جبروت ہے، ساری مخلوق اس کے زیر تصرف ہے) المُتَکَبِّرُ (کبریائی اور بڑائی اس کا حق ہے) الخَالِقُ (پیدا فرمانے والا) البَارِی (ٹھیک بنانے والا) المُصَوِّرُ (صورت گری کرنے والا) الغَفَّار (گناہوں کا بہت زیادہ بخشنے والا) القَھَّارُ (سب پر پوری طرح غالب اور قابو یافتہ جس کے سامنے سب عاجز اور مغلوب ہیں) الوَھَّابُ (بغیر کسی عوض اور منفعت کے خوب عطا فرمانے والا) الرَّزَّاقُ (سب کو روزی دینے والا) الفَتَّاحُ (سب کے لئے رحمت اور رزق کے دروازے کھولنے والا) العَلِیمُ (سب کچھ جاننے والا) القَابِضُ، البَاسِطُ (تنگی کرنے والا، فراخی کرنے والا۔ یعنی اس کی شان یہ ہے کہ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق کبھی کسی کے حالات میں تنگی پیدا کرتا ہے اور کبھی فراخی کر دیتا ہے) الخَافِضُ، الرَّافِعُ (پست کرنے والا، بلند کرنے والا) المُعِزُّ، المُذِلُّ (عزت دینے والا، ذلت دینے والا) (یعنی کسی کو نیچا اور کسی کو اونچا کرنا، کسی کو عزت دے کر سرفراز کرنا اور کسی کو قعرِ مذلت میں گرا دینا اس کے قبضہ و اختیار میں ہے، اور یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہوتا ہے) السَّمِیعُ البَصِیرُ (سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا) الحَکَمُ العَدلُ (حاکم حقیقی، سراپا عدل و انصاف) اللَّطِیفُ (لطافت اور لطف و کرم جس کی ذاتی صفت ہے) الخَبِیرُ (ہر بات سے باخبر) الحَلِیمُ (نہایت بردبار) العَظِیمُ (بڑی عظمت والا، سب سے بزرگ و برتر) الغَفُورُ (بہت بخشنے والا) الشَّکُورُ (حسن عمل کی قدر کرنے والا اور بہتر سے بہتر جزا دینے والا) العَلِیُّ، الکَبِیرُ (سب سے بالا، سب سے بڑا) الحَفِیظُ (سب کا نگہبان) المُقِیتُ (سب کو سامانِ حیات فراہم کرنے والا) الحَسِیبُ

(سب کے لئے کفایت کرنے والا) اَلْجَلِیْلُ (عظیم القدر) اَلْكَرِیْمُ (صاحب کرم) اَلرَّقِیْبُ (نگہداراور محافظ) اَلْمُجِیْبُ (قبول فرمانے والا) اَلْوَاسِعُ (وسعت رکھنے والا) اَلْحَكِیْمُ (سب کام حکمت سے کرنے والا) اَلْوَدُوْدُ (اپنے بندوں کو چاہنے والا) اَلْمَجِیْدُ (بزرگی والا) اَلْبَاعِثُ (اٹھانے والا، موت کے بعد مُردوں کو جلانے والا) اَلشَّهِیْدُ (حاضر جو سب کچھ دیکھتا ہے اور جانتا ہے) اَلْحَقُّ (جس کی ذات اور جس کا وجود اصلاً حق ہے) اَلْوَكِیْلُ (کارسازِ حقیقی) اَلْقَوِیُّ، اَلْمَتِیْنُ (صاحب قوت، اور بہت مضبوط) اَلْوَلِیُّ (سرپرست مددگار) اَلْحَمِیْدُ (مستحق حمد و ستائش) اَلْمُحْصِیُ (سب مخلوقات کے بارے میں پوری معلومات رکھنے والا) اَلْمُبْدِیُٔ، اَلْمُعِیْدُ (پہلا وجود بخشنے والا، دوبارہ زندگی دینے والا) اَلْمُحْیِیُ، اَلْمُمِیْتُ (زندگی بخشنے والا، موت دینے والا) اَلْحَیُّ (زندۂ جاوید، زندگی جس کی ذاتی صفت ہے) اَلْقَیُّوْمُ (خود قائم رہنے والا اور سب مخلوق کو اپنی مشیت کے مطابق قائم رکھنے والا) اَلْوَاجِدُ (سب کچھ اپنے پاس رکھنے والا) اَلْمَاجِدُ (بزرگی اور عظمت والا) اَلْوَاحِدُ، اَلْاَحَدُ (ایک اپنی ذات میں، اور یکتا اپنی صفات میں) اَلصَّمَدُ (سب سے بے نیاز اور سب اس کے محتاج) اَلْقَادِرُ، اَلْمُقْتَدِرُ (قدرت والا، سب پر کامل اقتدار رکھنے والا) اَلْمُقَدِّمُ، اَلْمُؤَخِّرُ (جسے چاہے آگے کردینے والا اور جسے چاہے پیچھے کردینے والا) اَلْاَوَّلُ، اَلْاٰخِرُ (سب سے پہلے اور سب سے پیچھے) (یعنی جب کوئی نہ تھا، کچھ نہ تھا، جب بھی وہ موجود تھا اور جب کوئی نہ رہے گا کچھ نہ رہے گا وہ اس وقت اور اس کے بعد بھی موجود رہے گا۔) اَلظَّاهِرُ، اَلْبَاطِنُ (بالکل آشکار اور بالکل مخفی) اَلْوَالِیْ (مالک و کارساز) اَلْمُتَعَالِیْ (بہت بلند و بالا) اَلْبَرُّ (بڑا محسن) اَلتَّوَّابُ (توبہ کی توفیق دینے والا اور توبہ قبول کرنے والا) اَلْمُنْتَقِمُ (مجرمین کو کیفر کردار کو پہنچانے والا) اَلْعَفُوُّ (بہت معافی دینے والا) اَلرَّءُوْفُ (بہت مہربان) مَالِكُ الْمُلْكِ (سارے جہان کا مالک) ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (صاحب جلال اور بہت کرم فرمانے والا۔ جس کے جلال سے بندہ ہمیشہ خائف رہے اور جس کے کرم سے ہمیشہ امید رکھے) اَلْمُقْسِطُ (حقدار کا حق ادا کرنے والا عادل و منصف) اَلْجَامِعُ (ساری مخلوق کو قیامت کے دن یکجا کرنے والا) اَلْغَنِیُّ، اَلْمُغْنِیْ (خود بے نیاز جس کو کسی سے کوئی حاجت نہیں، اور اپنی عطا کے ذریعہ بندوں کو بے نیاز کردینے والا) اَلْمَانِعُ (روک دینے والا ہر اس چیز کو جس کو روکنا چاہے) اَلضَّارُّ، اَلنَّافِعُ (اپنی حکمت اور مشیت کے تحت ضرر پہنچانے والا اور نفع پہنچانے والا) اَلنُّوْرُ (سراپا نور) اَلْهَادِیْ (ہدایت دینے والا) اَلْبَدِیْعُ (بغیر مثالِ سابق کے مخلوق کا پیدا فرمانے والا) اَلْبَاقِیْ (ہمیشہ رہنے والا جس کو کبھی فنا نہیں) اَلْوَارِثُ (سب کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہنے والا) اَلرَّشِیْدُ (صاحب رُشد و حکمت جس کا ہر فعل اور فیصلہ درست ہے) اَلصَّبُوْرُ (بڑا صابر کہ بندوں کی بڑی سے بڑی نافرمانیاں دیکھتا ہے اور فوراً عذاب بھیج کر ان کو تہس نہس نہیں کر دیتا) (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ابتدائی حصہ بالکل وہی ہے جو صحیحین کے حوالے

سے ابھی اوپر نقل ہو چکا ہے۔ البتہ اس میں ننانوے ناموں کی تفصیل بھی ہے جو صحیحین کی روایت میں نہیں ہے۔ اس بناء پر بعض محدثین اور شارحینِ حدیث کی یہ رائے ہے کہ حدیث مرفوع یعنی رسول اللہ ﷺ کا اصل ارشاد بس اسی قدر ہے جتنا صحیحین کی روایت میں ہے یعنی: "اِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اِسْمًا مِائَةً اِلَّا وَاحِدًا مَنْ اَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ." (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جس نے ان کا احصا کیا وہ جنت میں جائے گا) اور ترمذی کی اس روایت میں اور اسی طرح ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ کی روایتوں میں جو ننانوے نام بہ تفصیل ذکر کئے گئے ہیں وہ ارشادِ نبوی ﷺ کا جز نہیں ہیں، بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی شاگرد نے حدیث کے اجمال کی تفصیل اور ابہام کی تفسیر کے طور پر قرآن وحدیث میں وارد شدہ یہ اسماءِ الٰہیہ ذکر کر دیئے ہیں، گویا محدثین کی اصطلاح میں یہ اسماءِ حسنیٰ مدرج ہیں۔ اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ ترمذی اور ابنِ ماجہ اور حاکم کی روایات میں ننانوے ناموں کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس میں بہت بڑا فرق اور اختلاف ہے۔ اگر یہ ننانوے اسماءِ حسنیٰ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے ہوتے تو ان میں اتنا اختلاف اور فرق ناممکن تھا۔

بہر حال یہ تو فنِ حدیث وروایت کی ایک بحث ہے، مگر اتنی بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں اور اسی طرح ابنِ ماجہ وغیرہ کی روایات میں جو ننانوے اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ننانوے اسماءِ الٰہیہ کے احصاء پر (محفوظ کرنے پر) جو بشارت سنائی ہے اس کے وہ بندے یقیناً مستحق ہیں جو اخلاص اور عظمت کے ساتھ ان اسماءِ حسنیٰ کو محفوظ کریں اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی لِم اور اس کے سبب پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "جو صفاتِ کمال حق تعالیٰ کے لئے ثابت کی جانی چاہئیں اور جن چیزوں کی اس کی ذاتِ پاک سے نفی کی جانی چاہئے، ان ننانوے اسماءِ حسنیٰ میں وہ سب کچھ آجاتا ہے، اس بناء پر یہ اسماءِ حسنیٰ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا مکمل اور صالح نصاب ہیں، اور اسی وجہ سے ان کے مجموعہ میں غیر معمولی برکت ہے، اور عالمِ قدس میں ان کو خاص قبولیت حاصل ہے اور جب کسی بندے کے اعمال نامہ میں یہ اسماءِ الٰہیہ ثبت ہوں تو یہ اس کے حق میں رحمتِ الٰہی کے فیصلہ کے موجب ہوں گے۔ واللہ اعلم.

ترمذی کی مندرجۂ بالا روایت میں جو ننانوے اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے دو تہائی تو قرآن مجید میں مذکور ہیں باقی احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق وغیرہ جن حضرات نے دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام قرآن مجید میں موجود ہیں ان کا ذکر ابھی اوپر کیا جا چکا ہے، اور اس سلسلہ میں حافظ ابنِ حجرؒ کی آخری کاوش کا بھی حوالہ دیا جا چکا ہے کہ انہوں نے صرف قرآن مجید سے وہ ننانوے اسماءِ الٰہیہ نکالے ہیں جو اپنی اصل شکل میں قرآنِ پاک میں موجود ہیں۔

اگر ان محدثین اور شارحین کی بات مان لی جائے جن کی رائے ہے کہ ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں

جو اسماءِ حسنیٰ ذکر کئے گئے ہیں یہ حدیث مرفوع کا جزو نہیں ہیں بلکہ کسی راوی کی طرف سے مُدرج ہیں ❶ یعنی حدیث کے اجمال کی تفصیل کے طور پر انہوں نے قرآن و حدیث میں وارد شدہ ان ناموں کا اضافہ کر دیا ہے تو پھر حافظ ابنِ حجر کی پیش کردہ وہ فہرست قابلِ ترجیح ہونی چاہئے جس کے سب اسماء بغیر کسی خاص تصرف کے قرآن مجید ہی سے لئے گئے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی وہ فہرست فتحُ البارِی سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے اسم ذات اللہ کو بھی ان ننانوے ناموں میں شمار کیا ہے، بلکہ اسی سے اپنی فہرست کا آغاز کیا ہے۔

ننانوے اسماءِ حسنیٰ جو سب کے سب قرآن مجید میں ہیں

اَللّٰهُ	اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِيْمُ	اَلْمَلِكُ	اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلَامُ
اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَيْمِنُ	اَلْعَزِيْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَكَبِّرُ	اَلْخَالِقُ
اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ	اَلْغَفَّارُ	اَلْقَهَّارُ	اَلتَّوَّابُ	اَلْوَهَّابُ
اَلْخَلَّاقُ	اَلرَّزَّاقُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلْعَلِيْمُ	اَلْحَلِيْمُ	اَلْعَظِيْمُ
اَلْوَاسِعُ	اَلْحَكِيْمُ	اَلْحَيُّ	اَلْقَيُّوْمُ	اَلسَّمِيْعُ	اَلْبَصِيْرُ
اَللَّطِيْفُ	اَلْخَبِيْرُ	اَلْعَلِيُّ	اَلْكَبِيْرُ	اَلْمُحِيْطُ	اَلْقَدِيْرُ
اَلْمَوْلٰى	اَلنَّصِيْرُ	اَلْكَرِيْمُ	اَلرَّقِيْبُ	اَلْقَرِيْبُ	اَلْمُجِيْبُ
اَلْوَكِيْلُ	اَلْحَسِيْبُ	اَلْحَفِيْظُ	اَلْمُقِيْتُ	اَلْوَدُوْدُ	اَلْمَجِيْدُ
اَلْوَارِثُ	اَلشَّهِيْدُ	اَلْوَلِيُّ	اَلْحَمِيْدُ	اَلْحَقُّ	اَلْمُبِيْنُ
اَلْقَوِيُّ	اَلْمَتِيْنُ	اَلْغَنِيُّ	اَلْمَالِكُ	اَلشَّدِيْدُ	اَلْقَادِرُ
اَلْمُقْتَدِرُ	اَلْقَاهِرُ	اَلْكَافِيْ	اَلشَّاكِرُ	اَلْمُسْتَعَانُ	اَلْفَاطِرُ
اَلْبَدِيْعُ	اَلْغَافِرُ	اَلْاَوَّلُ	اَلْاٰخِرُ	اَلظَّاهِرُ	اَلْبَاطِنُ
اَلْكَفِيْلُ	اَلْغَالِبُ	اَلْحَكَمُ	اَلْعَالِمُ	اَلرَّفِيْعُ	اَلْحَافِظُ
اَلْمُنْتَقِمُ	اَلْقَائِمُ	اَلْمُحْيِى	اَلْجَامِعُ	اَلْمَلِيْكُ	اَلْمُتَعَالِ
اَلنُّوْرُ	اَلْهَادِئ	اَلْغَفُوْرُ	اَلشَّكُوْرُ	اَلْعَفُوُّ	اَلرَّؤُفُ
اَلْاَكْرَمُ	اَلْاَعْلٰى	اَلْبَرُّ	اَلْحَفِيُّ	اَلرَّبُّ	اَلْاِلٰهُ

❶ حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں اسی کو راجح بتایا ہے۔ ۱۲

اَلْوَاحِدُ	اَلْاَحَدُ	اَلصَّمَدُ	اَلَّذِیْ	لَمْ یَلِدْ	وَلَمْ یُوْلَدْ
		وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ	کُفُوًا اَحَدٌ۵		

(فتح الباری صفحہ ۸۳ جز ۲۶)

ننانوے اسماءِ حسنٰی جو ترمذی کی روایت میں مذکور ہیں اور اسی طرح یہ جو حافظ ابن حجرؒ نے قرآن مجید سے نکالے ہیں، بلاشبہ ان میں سے ہر ایک معرفتِ الٰہی کا دروازہ ہے۔ علمائے اُمت نے مختلف زمانوں میں ان کی شرح میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مہمات میں ان کے ذریعہ دعا کرنا بہت سے اہل اللہ کے خاص معمولات میں سے ہے اور اس کی قبولیت مجرب ہے۔

اسم اعظم

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنٰی میں سے بعض وہ ہیں جن کو اس لحاظ سے خاص عظمت وامتیاز حاصل ہے کہ جب انکے ذریعہ دعا کی جائے تو قبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے۔

ان اسماء کو حدیث میں "اسم اعظم" کہا گیا ہے، لیکن صفائی اور صراحت کے ساتھ ان کو متعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کسی درجہ میں ان کو مبہم رکھا گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ لیلۃ القدر کو اور جمعہ کے دن قبولیت دعا کے خاص وقت کو مبہم رکھا گیا ہے۔ احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک ہی اسمِ پاک "اسمِ اعظم" نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ متعدد اسماءِ حسنٰی کو "اسمِ اعظم" کہا گیا ہے۔ نیز انہی احادیث سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ عوام میں اسمِ اعظم کا جو تصور ہے اور اس کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں، اصل حقیقت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی ہے۔ اس کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھی جائیں:

۳۱) عَنْ بُرَیْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم سَمِعَ رَجُلاً یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ، فَقَالَ دَعَا اللّٰهَ بِاِسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِیْ اِذَاسُئِلَ بِهٖ اَعْطٰى وَاِذَا دُعِیَ بِهٖ اَجَابَ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو اس طرح دُعا کرتے ہوئے سنا، وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہا تھا: "اے اللہ! میں اپنی حاجت تجھ سے مانگتا ہوں بوسیلہ اسکے کہ بس تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، ایک اور یکتا ہے، بالکل بے نیاز ہے، اور سب تیرے محتاج ہیں، نہ کوئی تیری اولاد، نہ تو کسی کی اولاد اور نہ تیرا کوئی ہمسر" رسول اللہ ﷺ نے (جب اس بندے کو یہ دُعا کرتے سنا تو) فرمایا کہ: اس بندے نے اللہ سے اسکے اس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے جب اسکے وسیلہ سے اس سے مانگا جائے تو وہ دیتا ہے، اور جب اسکے وسیلہ سے دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

٣٢) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ وَرَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَاذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَاحَيُّ يَاقَيُّوْمُ اَسْئَلُكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا اللّٰهَ بِاسْمِهِ الْاَعْظَمِ الَّذِيْ اِذَا دُعِيَ بِهِ اَجَابَ وَاِذَا سُئِلَ بِهِ اَعْطٰى (رواه الترمذى و ابوداؤد والنسائى و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا اور ایک بندہ وہاں نماز پڑھ رہا تھا' اس نے اپنی دعا میں عرض کیا: "اے اللہ! میں تجھ سے اپنی حاجت مانگتا ہوں بوسیلہ اس کے کہ ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے' کوئی معبود نہیں تیرے سوا' تو نہایت مہربان اور بڑا محسن ہے' زمین و آسمان کا پیدا فرمانے والا ہے' میں تجھ ہی سے مانگتا ہوں' اے ذوالجلال والاکرام! اے حی! اے قیوم!" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اس بندے نے اللہ کے اُس اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا کی ہے کہ اس کے وسیلہ سے جب خدا سے دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے' اور جب اس کے وسیلہ سے مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔" (جامع ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

٣٣) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِسْمُ اللّٰهِ الْاَعْظَمُ فِيْ هَاتَيْنِ الْاٰيَتَيْنِ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وَ فَاتِحَةِ اٰلِ عِمْرَانَ ط الٓمّٓ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. (راوه الترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه والدارمى)

ترجمہ: اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اسم اللہ الاعظم" ان دو آیتوں میں موجود ہے۔ ایک[1] "وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ" اور دوسری[2] "آل عمران کی ابتدائی آیت" الٓمّٓ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"۔ (جامع ترمذی' سنن ابوداؤد' سنن ابن ماجہ' سنن دارمی)

تشریح ...... ان احادیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ایک مخصوص نام پاک کو اسم اعظم نہیں فرمایا گیا ہے' بلکہ یہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آخری حدیث میں جن دو آیتوں کا حوالہ دیا گیا' اور اس سے پہلی دونوں حدیثوں میں دو شخصوں کی جو دو دُعائیں نقل کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک میں متعدد اسماءِ الٰہیہ کی خاص ترکیب سے اللہ تعالیٰ کا جو مرکب اور جامع وصف مفہوم ہوتا ہے اس کو "اسم اعظم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کو اللہ تعالیٰ نے اس نوع کے علوم و معارف سے خاص طور پر نوازا ہے' انہوں نے ان احادیث سے یہی سمجھا ہے۔ واللہ اعلم[1]

[1] شاہ صاحبؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں: واعلم ان الاسم الاعظم الذى اذا سئل به اعطى واذا دعى به اجاب هو الاسم الذى يدل على اجمع تدل من تدليات الحق والذى تدا وله الملاء الا على اكثر تد اول ونطقت به التراجمة فى كل عصر......... و هذا معنى يصدق على "انت الله لا اله الا انت الاحد الصمد الذى لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوًا احد" و على "لك الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بديع السمٰوٰت والارض يا ذاالجلال والاكرام يا حى يا قيوم" ويصدق على اسماء تضاهى ذلك. (حجۃ اللہ البالغہ صہ ۷۷' جلد ۲)

قرآن مجید کی تلاوت

ذکر کیا جاچکا ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت بھی "ذکر اللہ" کی ایک قسم ہے، اور بعض حیثیتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ قسم ہے۔ اس میں بندے کی مشغولیت اللہ تعالیٰ کو بے حد محبوب ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ تشبیہ اور مثال سے وراء الورا ہے، لیکن ناچیز راقم سطور نے اس حقیقت کو اپنے اس ذاتی تجربہ سے خوب سمجھا ہے کہ جب کبھی کسی کو اس حال میں دیکھا کہ وہ میری لکھی ہوئی کوئی کتاب قدر اور توجہ سے پڑھ رہا ہے تو دل سرور سے بھر گیا اور اس شخص سے ایک خاص تعلق اور لگاؤ پیدا ہو گیا، ایسا تعلق اور لگاؤ جو بہت سے قریبی عزیزوں، دوستوں سے بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال میں نے تو اپنے اسی تجربہ سے یہ سمجھا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے پاک کلام قرآن مجید کی تلاوت کرتے سنتا اور دیکھتا ہوگا، تو اس بندہ پر اس کو کیسا پیار آتا ہوگا (الا یہ کہ اپنے کسی شدید جرم کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے پیار اور نظرِ کرم کا مستحق ہی نہ ہو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو قرآن مجید کی عظمت سے آشنا کرنے اور اس کی تلاوت وغیرہ کی ترغیب دینے کے لئے مختلف عنوانات استعمال فرمائے ہیں۔ ہم نے بھی اس سلسلہ کی احادیث کو مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے وہ نفع اٹھانے کی توفیق دے، جو ان کا اصل مقصد ہے۔

قرآن مجید کی عظمت و فضیلت

قرآن مجید کی بے انتہا عظمت کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ وہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ بھی ہے، یہاں تک کہ زمینی مخلوقات میں کعبۃ اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی مقدس ہستیاں، اور عالمِ بالا و عالمِ غیب کی مخلوقات میں عرش، کرسی، لوح و قلم، جنت اور جنت کی نعمتیں اور اللہ کے مقرب ترین فرشتے، یہ سب اپنی معلوم و مسلم عظمت کے باوجود غیر اللہ اور مخلوق ہیں۔ لیکن قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اور اس سے الگ کی کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کی ذاتِ عالی کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اللہ پاک کا بے انتہا کرم اور اس کی عظیم تر نعمت ہے کہ اس نے اپنے رسولِ امین ﷺ کے ذریعے وہ کلام ہم تک پہنچایا اور ہمیں اس لائق بنایا کہ اس کی تلاوت کر سکیں اور اپنی زبان سے اس کو پڑھ سکیں، پھر اس کو سمجھ کر اپنی زندگی کا راہنما بنا سکیں۔

قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طویٰ کی مقدس وادی میں ایک مبارک درخت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلام سنوایا تھا۔ کتنا خوش قسمت تھا وہ بے جان درخت جس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام سنوانے کے لئے بطور آلہ کے استعمال فرمایا تھا۔ جو بندہ اخلاص اور عظمت و احترام کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت

کرتا ہے اس کو اس وقت شجرۂ موسوی والا یہ شرف نصیب ہوتا ہے' اور گویا وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے کلامِ مقدس کا ریکارڈ ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ انسان اس سے آگے کسی شرف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس مختصر تمہید کے بعد قرآن مجید کی عظمت و فضیلت کے بیان میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل چند حدیثیں پڑھیے:

۳۴) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِکْرِیْ وَمَسْاَلَتِیْ اَعْطَیْتُهٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِیَ السَّائِلِیْنَ وَ فَضْلُ کَلَامِ اللّٰهِ تَعَالیٰ عَلیٰ سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰهِ عَلیٰ خَلْقِهٖ.** (راوه الترمذی والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو قرآن نے مشغول رکھا میرے ذکر سے اور مجھ سے سوال اور دعا کرنے سے' میں اس کو اس سے افضل عطا کروں گا جو سائلوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں' اور دوسرے اور کلاموں کے مقابلہ میں اللہ کے کلام کو ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو۔ (جامع ترمذی' سنن دارمی' شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس سلسلۂ معارف الحدیث میں پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ جب کسی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے کوئی بات فرمائیں اور وہ بات قرآن مجید میں نہ ہو تو خاص عرف و اصطلاح میں ایسی حدیثوں کو "حدیث قدسی" کہتے ہیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی یہ حدیث بھی اسی طرح کی ہے۔ اس میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے جس بندے کو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے ایسا شغف ہو کہ وہ دن رات اسی میں لگا لپٹا رہتا ہو' یعنی اس کی تلاوت میں اس کے یاد کرنے میں' اس کے تدبر اور تفکر میں' یا اس کے سیکھنے سکھانے میں اخلاص کے ساتھ مشغول رہتا ہو' اور قرآنِ پاک میں اس ہمہ وقتی مشغولیت کی وجہ سے اس کے علاوہ اللہ کے ذکر اس کی حمد و تسبیح اور اس سے دعائیں کرنے کا موقع ہی اس کو نہ ملتا ہو' تو وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ خسارے میں رہے گا اور ذکر و دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ اس کو نہ پاسکے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ ایسے بندوں کو میں اس سے زیادہ اور اس سے بہتر دوں گا جو ذکر کرنے والے اور دعائیں مانگنے والے اپنے بندوں کو دیتا ہوں۔ دوسری بات اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلے میں ویسی ہی عظمت و فضیلت حاصل ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے مقابلہ میں' اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفتِ قائمہ ہے۔

۳۵) **عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّهَا سَتَکُوْنُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَاالْمَخْرَجُ مِنْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ کِتَابُ اللّٰهِ، فِیْهِ نَبَأُمَا قَبْلَکُمْ وَ خَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَ حُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ هُوَالْفَصْلُ لَیْسَ بِالْهَزْلِ، مَنْ تَرَکَهٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ، وَمَنِ ابْتَغَی الْهُدیٰ فِیْ غَیْرِهٖ اَضَلَّهُ اللّٰهُ، وَهُوَ**

حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ، وَهُوَالذِّكْرُالْحَكِيْمُ، وَهُوَالصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، هُوَالَّذِىْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْاَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْاَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِىْ عَجَائِبُهُ، هُوَالَّذِىْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا "اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِىْ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ" مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا اِلَيْهِ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ نے ایک دن فرمایا: "آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے۔" میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "کتاب اللہ' اس میں تم سے پہلے امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں' اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں' (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دنیوی و اخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں' قرآن مجید میں ان سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں ان کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قول فیصل ہے' وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا' اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے' اور محکم نصیحت نامہ ہے' اور وہی صراطِ مستقیم ہے۔ وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اس کو محرف کر دیا اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی' اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا' بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ قرآن کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہو گا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد ان کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا' قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہو گا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَباً یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ. (الجن، ۷۲:۱،۲)

ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے' رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی' پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی' اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل وانصاف کیا اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی۔ (جامع ترمذی و سنن دارمی)

تشریح ...... یہ حدیث قرآن کریم کی عظمت و فضیلت کے بیان میں بلاشبہ نہایت جامع حدیث ہے۔ اس میں جو کلمات اور جو جملے وضاحت طلب تھے انکی وضاحت ترجمہ ہی میں کر دی گئی ہے۔

قرآن کا معلم اور متعلم

۳۶) **عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں سب سے بہتر اور افضل بندہ وہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... قرآن مجید کو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے جب دوسرے کلاموں پر اس طرح کی فوقیت اور فضیلت حاصل ہے جس طرح کی اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا سیکھنا' سکھانا دوسرے تمام اچھے کاموں سے افضل واشرف ہو گا۔ علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے اہم پیغمبرانہ وظیفہ وحی کے ذریعہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے لینا' اس کی حکمت کو سمجھنا اور دوسروں تک اس کو پہنچانا اور اس کو سکھانا تھا اس لئے اب قیامت تک جو بندہ قرآن مجید کے سیکھنے سکھانے کو اپنا شغل اور وظیفہ بنائے گا وہ گویا رسول اللہ ﷺ کے خاص مشن کا علمبردار اور خادم ہو گا۔ اور اس کو آنحضرت ﷺ سے خاص الخاص نسبت حاصل ہو گی۔ اس بناء پر قرآن پاک کے متعلم اور معلم کو سب سے افضل و اشرف ہونا ہی چاہئے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ہے جبکہ قرآن مجید کا یہ سیکھنا سکھانا اخلاص کے ساتھ اور اللہ کے لئے ہو' اگر بد قسمتی سے کسی دنیوی غرض کے لئے قرآن سیکھنے سکھانے کو کوئی اپنا پیشہ بنائے تو حدیث پاک میں ہے کہ: وہ ان بد نصیبوں میں سے ہو گا جو سب سے پہلے جہنم میں جھونکے جائیں گے اور اس کا اولین ایندھن بنیں گے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا......

(یہ حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے معارف جلد دوم کے بالکل آخر میں درج ہو چکی ہے)

حامل قرآن پر رشک بر حق

۳۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ لَاحَسَدَ اِلَّا عَلٰی اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْاٰنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ**

النَّهَارِ وَ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صرف دو آدمی قابلِ رشک ہیں (اوران پر رشک آنا بر حق ہے) ایک وہ جس کو اللہ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی پھر وہ دن اور رات کے اوقات میں اس میں لگا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ خوش نصیب آدمی جس کو اللہ نے مال و دولت سے نوازا' اور وہ دن اور رات کے اوقات میں راہِ خدا میں اس کو خرچ کرتا رہتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... دن اور رات میں قرآن پاک میں مشغول ہونے اور رہنے کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے سیکھنے سکھانے میں لگا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں اور بیرونِ نماز اس کی تلاوت کرتا رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ فکر و اہتمام کے ساتھ اس کے احکام و ہدایات پر عمل کرتا رہتا ہے۔ حدیث کے الفاظ: "فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ" اس طرح کی سب شکلوں پر حاوی ہیں۔ قرآنِ پاک کی عظیم نعمت کا شکر یہی ہے کہ بندہ اس کو اپنا شغل اور اپنی زندگی کا دستور بنالے۔

قرآن کے خاص حقوق

۳۸) عَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَا اَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَاتَتَوَسَّدُوا الْقُرْاٰنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَافْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهٗ فَاِنَّ لَهٗ ثَوَابًا (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے قرآن والو! قرآن کو اپنا تکیہ اور سہارا نہ بنالو' بلکہ دن اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کرو جیسا کہ اس کا حق ہے' اور اس کو پھیلاؤ اور اس کو دلچسپی سے اور مزہ لے لے کر پڑھا کرو' اور اس میں تدبر کرو' امید رکھو کہ تم اس سے فلاح پا جاؤ گے' اور اس کا عاجل معاوضہ لینے کی فکر نہ کرو' اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا عظیم ثواب اور معاوضہ (اپنے وقت پر) ملنے والا ہے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن بندوں کو قرآن کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ اسی پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہمارے پاس قرآن ہے اور ہم قرآن والے ہیں' بلکہ انہیں چاہئے کہ قرآن مجید کے حقوق ادا کریں' رات اور دن کے اوقات میں اس کے حق کے مطابق اس کی تلاوت کیا کریں' اس کو اور اس کے پیغامِ ہدایت کو دوسروں تک پہنچائیں' اس کو مزہ لے لے کے پڑھیں' اس کے احکام' اس کی ہدایات' اس کے قصص اور نصائح پر غور و فکر کیا کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی فلاح کی پوری امید ہے۔ اور انہیں چاہئے کہ وہ قرآن کے اس پڑھنے اور پڑھانے اور اس کی خدمت کا معاوضہ دنیا ہی میں نہ چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو اپنے وقت پر اس کا بڑا غیر معمولی معاوضہ اور عظیم صلہ ملنے والا ہے۔

قرآن اور قوموں کا عروج وزوال

۳۹) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَاماً وَ يَضَعُ بِهٖ آخِرِيْنَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ اس کتاب پاک (قرآن مجید) کی وجہ سے بہت سوں کو اونچا کرے گا اور بہت سوں کو نیچے گرائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی صفتِ قائمہ اور بندوں کے لئے اس کا فرمان اور عہد نامہ ہے۔ اس کی وفاداری اور تابعداری اللہ تعالیٰ کی وفاداری اور تابعداری ہے۔ اسی طرح اس سے انحراف اور بغاوت اللہ تعالیٰ سے انحراف اور سرکشی ہے' اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ جو قوم اور جو اُمت خواہ وہ کسی نسل سے ہو' اس کا کوئی بھی رنگ اور کوئی بھی زبان ہو' قرآن مجید کو اپنا راہنما بنا کر اپنے کو اس کا تابعدار بنادے گی اور اس کے ساتھ وہ تعلق رکھے گی جو کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کا حق ہے' اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سربلند کرے گا۔ اور اس کے برعکس جو قوم اور امت اس سے انحراف اور سرکشی کرے گی وہ اگر بلندیوں کے آسمان پر بھی ہوگی تو نیچی گرادی جائے گی۔

اسلام اور مسلمانوں کی پوری تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے۔ اس حدیث میں "اَقْوَاماً" کے لفظ سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ عروج وزوال کے اس الٰہی قانون کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ قوموں اور امتوں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

تلاوت قرآن کا اجر و ثواب

۴۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهٗ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ "الٓمٓ" حَرْفٌ، اَلِفٌ حَرْفٌ وَ لَامٌ حَرْفٌ وَ مِيمٌ حَرْفٌ (رواه الترمذى والدارمى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ کہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ (مزید وضاحت کے لئے آپ نے فرمایا) میں یہ نہیں کہتا (یعنی میرا مطلب یہ نہیں ہے) کہ "الٓمٓ" ایک حرف ہے' بلکہ الف ایک حرف ہے' لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (اس طرح "الٓمٓ" پڑھنے والا بندہ تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرنے کا مستحق ہوگا۔ (جامع ترمذی' سنن دارمی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون کہ ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کے برابر ثواب عطا ہوگا۔

واضح طور پر قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (الانعام' ع: ۲۰)

جو بندہ ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

مندرجۂ بالا حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ خوشخبری سنائی ہے کہ جو بندہ اخلاص کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا تو حروف تہجی کے ہر حرف کی تلاوت ایک نیکی شمار ہوگی جو اَجر و ثواب کے لحاظ سے دس نیکیوں کے برابر ہوگی۔ اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں نہیں کہتا کہ بسم اللہ ایک حرف ہے بلکہ "ب" ایک حرف ہے "س" ایک حرف ہے "م" ایک حرف ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ "ا' ل' م" الگ الگ حروف ہیں۔" اللہ پاک یقین کی دولت نصیب فرمائے۔ اس حدیث میں کلام پاک کی تلات کرنے والوں کے لئے بڑی ہی خوشخبری ہے۔ فطوبیٰ لھم.

اس حدیث سے ایک واضح اشارہ یہ بھی ملا کہ قرآن مجید کی تلاوت پر ثواب کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تلاوت معنی مفہوم سمجھ کر ہی ہو۔ کیونکہ "الم" اور سارے حروف مقطعات کی تلاوت معنی مفہوم سمجھے بغیر ہی کی جاتی ہے' اور حدیث نے صراحۃً بتلایا کہ ان حروف کی تلاوت کرنے والوں کو بھی ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم.

قرآن کی تلاوہ قلب کا صیقل

۴۱) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا اَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاجِلَاءُ هَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِالْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْاٰنِ.** (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی آدم کے قلوب پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ: "حضور (ﷺ) دلوں کے اس زنگ کے دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "موت کو زیادہ یاد کرنا' اور قرآن مجید کی تلاوت"۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... قلب کا زنگ یہ ہے کہ وہ اللہ سے اور آخرت کے انجام سے غافل اور بے فکر ہو جائے' یہ سارے چھوٹے بڑے گناہوں کی جڑ بنیاد ہے۔ اور بلاشبہ اس بیماری کی اکسیر دوا یہی ہے کہ اپنی موت کو بہت زیادہ یاد کیا جائے' اس کا دھیان اور مراقبہ کیا جائے اور قرآن مجید کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی خاص الخاص نسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ادب اور اخلاص کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے اگر یہ تلاوت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شوق اور تدبر کے ساتھ ہوگی تو انشاءاللہ قلب کے زنگ کو دور کر کے اس کو نور سے بھر دے گی۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔[1] (حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ فرمائیں)

ماہرِ قرآن کا مقام

۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْاٰنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِىْ يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ اَجْرَانِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے قرآن میں مہارت حاصل کرلی ہو (اور اس کی وجہ سے وہ اس کو...... حفظ یا ناظرہ...... بہتر طریقے پر اور بے تکلف رواں پڑھتا ہو وہ معزز اور وفادار و فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو بندہ قرآن پاک (اچھا یاد اور رواں نہ ہونے کی وجہ سے زحمت اور مشقت کے ساتھ) اس طرح پڑھتا ہو کہ اس میں اٹکتا ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے (ایک تلاوت کا اور دوسرے زحمت و مشقت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں سفرہ کا جو لفظ ہے اس سے اکثر شارحین نے حامل وحی فرشتے مراد لئے ہیں، اور بعض حضرات نے اس سے انبیاء و رُسل علیہم السلام مراد لئے ہیں، اور لفظی معنی میں ان دونوں ہی کی گنجائش ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جو بندے قرآن کو کلام اللہ یقین کرتے ہوئے اس سے شغف رکھیں اور کثرتِ تلاوت اور اہتمام کی وجہ سے قرآنِ پاک سے ان کو خاص مناسبت اور مہارت حاصل ہو جائے۔ ان کو انبیاء و رسل کی یا حاملِ وحی فرشتوں کی معیت اور رفاقت حاصل ہوگی۔ اور جن ایمان والے بندوں کا حال یہ ہو کہ صلاحیت اور مناسبت کی کمی کی وجہ سے وہ قرآن کو رواں نہ پڑھ سکتے ہوں، بلکہ تکلف کے ساتھ اور اٹک اٹک کے پڑھتے ہوں اور اس کے باوجود اجر و ثواب کی امید پر تلاوت کرتے ہوں، ان کو تلاوت کے اجر و ثواب کے علاوہ اس زحمت و مشقت کا بھی ثواب ملے گا، اس لئے ان کو اپنی اس حالت کی وجہ سے شکستہ دل نہ ہونا چاہئے۔

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنیکا انعام

۴۳) عَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

❶ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں "احسان" کے بیان میں قرآن مجید کی تلاوت پر کلام کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق و محبت اور انتہائی تعظیم و اجلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے، اور اس کے مواعظ اور نصائح میں غور اور اُن سے اثر لینے کی کوشش کرے، اور اُس کے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے، اور جب اللہ کی صفات کا بیان آئے تو کہے "سبحان اللہ" اور جب اُن آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور اپنے لئے جنت اور رحمت کا سوال کرے۔ اور جب اُن آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو اللہ سے پناہ مانگے"۔ بلاشبہ اس طرح کی تلاوت قلب کا خاص الخاص صیقل ہے اور جس بندہ کو کسی درجہ میں بھی ایسی تلاوت نصیب ہو اُس پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس فضل سے محروم نہ فرمائے۔ ۱۲

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُ هُ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِىْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْكَانَتْ فِيْكُمْ فَمَاظَنُّكُمْ بِالَّذِىْ عَمِلَ بِهٰذَا. (رواه احمد و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت معاذ جہنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا، قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ حسین ہو گی، جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے۔ (اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا) پھر تمہارا کیا گمان ہے خود اس آدمی کے بارے میں جس نے خود یہ عمل کیا ہو؟" (مسند احمد، سنن ابی داود)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ قرآن کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے والدین کو جب ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی حسین تر ہو گی، تو سمجھ لو کہ خود اس قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا عطا فرمایا جائے گا۔

قیامت میں قرآنِ پاک کی شفاعت و وکالت

۴۴) **عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِقْرَئُوْا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ يَاْتِىْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهٖ اِقْرَوُا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ اٰلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا تَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْغَيَايَتَانِ اَوْفِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَصْحَابِهِمَا، اِقْرَوُا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے کہ: "قرآن پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا..... (خاصکر) "زہراوین" یعنی اس کی دو اہم نورانی سورتیں البقرة اور ال عمران پڑھا کرو، وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کو اپنے سایہ میں لئے اس طرح آئیں گی جیسے کہ وہ اَبر کے ٹکڑے ہیں، یا سائبان ہیں، یا صف باندھے پرندوں کے پرے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں قیامت میں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے مدافعت کریں گی۔ (آپؐ نے فرمایا) پڑھا کرو سورۂ بقرہ کیونکہ اس کو حاصل کرنا بڑی برکت والی بات ہے، اور اس کو چھوڑنا بڑی حسرت اور ندامت کی بات ہے، اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ: قرآن اپنے "اصحاب" کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کرے گا۔ "اصحابِ قرآن" وہ سب لوگ ہیں جو قرآن پاک پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس سے تعلق اور شغف کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا وسیلہ یقین کرتے ہوئے اس سے خاص نسبت اور لگاؤ رکھیں، جس کی شکلیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ مثلاً: کثرت سے اس کی تلاوت کریں، اس میں تدبر اور تفکر اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام رکھیں، یا اس کی تعلیم

ہدایت کو عام کرنے اور پھیلانے کی جدوجہد کریں' ان سب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کہ قرآن ان کے حق میں شفیع ہوگا۔ ہاں اخلاص یعنی اللہ کی رضا اور ثواب کی نیت شرط ہے۔

اس حدیث میں قرآن پاک کی قرأت و تلاوت کی عمومی ترغیب کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ اور سورۂ ال عمران کی تلاوت و قرأت کی خصوصیت کے ساتھ بھی ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ: قیامت میں اور حشر میں جب ہر شخص سایہ کا بہت ہی محتاج اور ضرورت مند ہوگا' یہ دونوں سورتیں بادل یا سایہ دار چیز کی طرح یا پرندوں کے پرے کی طرح اپنے اصحاب پر سایہ کئے رہیں گی اور ان کی طرف سے وکالت اور جوابدہی کریں گی۔ اور آخر میں سورۂ بقرہ کے متعلق مزید فرمایا کہ: اس کے سیکھنے اور پڑھنے میں بڑی برکت ہے' اور اس سے محرومی میں بڑا خسارہ ہے۔ اور اہل بطالت اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث کے بعض راویوں نے کہا ہے کہ اس سے مراد "ساحرین" ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی تلاوت کا معمول رکھنے والے پر کبھی کسی جادوگر کا جادو نہیں چلے گا۔

سورۂ بقرہ کی اس خاصیت اور تاثیر کا اشارہ اس حدیث سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے' شیطان اس گھر سے بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے[1] بعض شارحین نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اہل بطالت یعنی ناحق کوش لوگ سورۂ بقرہ کی برکات حاصل نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان برکات کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ واللہ اعلم

(۴۵) عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یُؤْتٰی بِالْقُرْاٰنِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَهْلِهِ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بِهٖ تَقْدُمُهٗ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَاٰلِ عِمْرَانَ کَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْظُلَّتَانِ سَوْدَا وَانِ بَیْنَهُمَا شَرِقٌ اَوْکَاَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافٍّ تُحَاجَّانِ عَنْ صاحِبِهِمَا
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا' آپؐ فرماتے تھے کہ: "قیامت کے دن قرآن کو اور ان قرآن والوں کو لایا جائے گا جو اس پر عامل تھے۔ سورۂ بقرہ اور آل عمران (جو قرآن کی سب سے پہلی سورتیں ہیں) وہ پیش پیش ہوں گی (محسوس ہوگا) گویا کہ وہ بادل کے دو ٹکڑے ہیں' یا سیاہ رنگ کے دو سائبان ہیں جن میں نور کی چمک ہے' یا صف باندھے پرندوں کے دو پرے ہیں' اور وہ مدافعت اور وکالت کریں گی اپنے سے تعلق رکھنے والوں کی۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث کا مضمون قریب قریب وہی ہے جو حضرت ابوامامہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے۔ ذرا تصور کیا جائے قیامت اور میدانِ حشر کی ہولناکیوں کا۔ کیسے خوش نصیب ہوں گے اللہ کے وہ بندے جو قرآنِ پاک سے خاص تعلق اور شغف اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کی برکت سے حشر کے اس پر ہول میدان میں اس شان سے آئیں گے کہ اللہ کا کلام پاک ان کا شفیع و وکیل بن کر ان کے ساتھ ہوگا' اور اس کی

---

[1] ان الشیطان ینفر من البیت الذی یقرء فیه سورة البقرة — رواه مسلم عن ابی هریرة

پہلی اور اہم نورانی سورتیں بقرہ اور آل عمران اپنے انوار کے ساتھ ان کے سروں پر سایہ فگن ہوں گی۔ ان احادیث پر مطلع ہو جانے کے بعد بھی جو بندے اس سعادت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کریں، بلاشبہ وہ بڑے محروم ہیں۔

خاص خاص سورتوں اور آیتوں کی برکات

بعض حدیثوں میں خاص خاص سورتوں اور آیتوں کے فضائل و برکات بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوامامہ باہلیؓ اور حضرت نواس بن سمعانؓ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں پورے قرآن کی فضیلت کیساتھ خاص طور سے سورۂ بقرہ اور آل عمران کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔

اسی طرح دوسری بعض سورتوں اور خاص خاص آیتوں کے فضائل و برکات بھی مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔ ذیل میں اس سلسلہ کی بھی چند حدیثیں درج کی جارہی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ

۴۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاُبَیِّ ابْنِ كَعْبٍ اَتُحِبُّ اَنْ اُعَلِّمَكَ سُوْرَةً لَمْ يَنزِلْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا قَالَ نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ تَقْرَءُ فِی الصَّلٰوةِ قَالَ فَقَرَأَ اُمَّ الْقُرْاٰنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا اُنْزِلَتْ فِی التَّوْرَاةِ وَلَا فِی الْاِنْجِيْلِ وَلَا فِی الزَّبُوْرِ وَلَا فِی الْقُرْاٰنِ مِثْلُهَا وَاِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِیْ اُعْطِيْتُهٗ. (رواہ ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب سے فرمایا کہ: "کیا تمہاری خواہش ہے کہ میں تم کو قرآن کی وہ سورت سکھاؤں جس کے مرتبہ کی کوئی سورت نہ توریت میں نازل ہوئی نہ انجیل میں، نہ زبور میں اور نہ قرآن ہی میں؟" ابی نے عرض کیا ہاں حضور ﷺ! مجھے وہ سورت بتا دیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نماز میں قرأت کس طرح کرتے ہو؟" ابی نے آپؐ کو سورۂ فاتحہ پڑھ کر سنائی (کہ میں نماز میں یہ سورت پڑھتا ہوں، اور اس طرح پڑھتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: "قسم ہے اس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ توریت، انجیل، زبور میں سے کسی میں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی سورت نازل نہیں ہوئی، یہی وہ "سبع من المثانی والقرآن العظیم" ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... قرآن مجید میں سورۂ حجر کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر اپنے خاص الخاص انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: "وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ" (اور ہم نے تم کو سات آیتیں وظیفہ کے طور پر بار بار دہرائی جانے والی عطا کیں اور قرآنِ عظیم) رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ بالا حدیث میں اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ "سبعٌ من المثانی والقرآن العظیم" سورۂ فاتحہ ہی ہے۔ اور یہ ایسی عظیم الشان اور عظیم البرکت سورت ہے کہ اس درجہ کی سورت کسی پہلی آسمانی کتاب میں

بھی نازل نہیں کی گئی، اور قرآن میں بھی اس کے درجہ کی کوئی دوسری سورت نہیں ہے۔ یہ پورے قرآن کے مضامین پر حاوی ہے۔ اسی لئے اسکو "ام القرآن" بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اسکو قرآن کا افتتاحیہ قرار دیا گیا ہے، اور ہر نماز کی ہر رکعت میں اسکا پڑھنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ جس بندے کو سورۂ فاتحہ یاد ہے اور اخلاص کے ساتھ اسکا پڑھنا اس کو نصیب ہوتا ہے اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی دولت اور نعمت نصیب ہے۔ چاہئے کہ وہ اسکی قدر و عظمت کو محسوس کرے اور اس کا حق ادا کرے۔

سورۂ بقرہ

۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِكُلِّ شَیْئٍ سِنَامٌ وَسِنَامُ الْقُرْاٰنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَفِیْهَا اٰیَةٌ هِیَ سَیِّدَةُ اٰیِ الْقُرْاٰنِ اٰیَةُ الْكُرْسِیْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "ہر چیز کی کوئی چوٹی ہوتی ہے (جو سب سے اوپر اور بالاتر ہوتی ہے) اور قرآن کی چوٹی سورۂ بقرہ ہے، اور اس میں ایک آیت (آیت الکرسی) تمام آیاتِ قرآنی کی گویا سردار ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اسلام کے بنیادی اصول و عقائد اور احکامِ شریعت کا جتنا تفصیلی بیان سورۂ بقرہ میں کیا گیا، اتنا اور ایسا قرآن پاک کی کسی دوسری سورت میں نہیں کیا گیا۔ غالباً اسی خصوصیت کی وجہ سے اس کو قرآن مجید میں سب سے مقدم رکھا گیا ہے، اور غالباً اسی امتیاز کی وجہ سے اس کو اس حدیث میں "سنام القرآن" کا لقب دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۴۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَاتَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ مَقَابِرَ وَاِنَّ الْبَیْتَ الَّذِیْ تُقْرَءُ الْبَقَرَةُ فِیْهِ لَایَدْخُلُهُ الشَّیْطَانُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اپنے گھروں کو مقبرے نہ بنالو) یعنی جس طرح قبرستانوں میں مُردے ذکر و تلاوت نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے قبرستانوں کی فضاذِ کر و تلاوت کے انوار و آثار سے خالی رہتی ہے، تم اس طرح اپنے گھروں کو نہ بنالو، بلکہ گھروں کو ذِکر و تلاوت سے معمور رکھا کرو) اور جس گھر میں (خاصکر) سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر میں شیطان نہیں آسکتا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... بعض سورتوں کے، اور اسی طرح بعض آیات کے کچھ خواص ہیں۔ اس حدیث میں سورۂ بقرہ کی خاص برکت اور تاثیر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ جس گھر میں اس کی تلاوت کی جائے وہ شیطان کے اثرات اور تسلط سے محفوظ رہے گا۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی بعض خاص فضیلتوں کا بیان اس سے پہلے بھی بعض حدیثوں میں ضمناً گزر چکا ہے۔

سورۃ الکہف

۴۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْكَهْفِ فِیْ يَوْمِ الْجُمْعَةِ اَضَاءَ لَهُ النُّوْرُ مَابَيْنَ الْجُمْعَتَيْنِ. (رواه البيهقی فی الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھے اس کے لئے نور روشن ہو جائے گا دو جمعوں کے درمیان۔ (دعوات الکبیر للبیہقی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ کہف کو جمعہ کے دن کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے جس کی وجہ سے اس دن میں اس کی تلاوت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ ترغیب دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے سے قلب میں ایک خاص نور پیدا ہوگا جس کی روشنی اور برکت اگلے جمعہ تک رہے گی۔ اس حدیث کو حاکم نے بھی مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ "هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه"

ایک دوسری حدیث میں (جس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے) سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ: "جوان کو یاد کرلے گا اور پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔" اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ سورۂ کہف کے ابتدائی حصہ میں جو تمہیدی مضمون ہے اور اسی کے ساتھ اصحاب کہف کا جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اس میں ہر دجالی فتنہ کا پورا توڑ موجود ہے اور جس دل کو ان حقائق اور مضامین کا یقین نصیب ہو جائے جو کہف کی ان ابتدائی آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ دل کسی دجالی فتنہ سے کبھی متاثر نہ ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے جو بندے ان آیتوں کی اس خاصیت اور برکت پر یقین کرتے ہوئے ان کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کریں گے اور ان کی تلاوت کریں گے اللہ تعالیٰ ان کو بھی دجالی فتنوں سے محفوظ رکھے گا۔

سورۂ یٰسین

۵۰) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَءَ يٰسٓ اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ فَاقْرَءُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ. (رواه البيهقی فی شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی رضا کے لئے سورۂ یٰسین پڑھی اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لہٰذا یہ مبارک سورت مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس حدیث میں مرنے والوں کے پاس (عند موتاکم) یٰسٓ شریف پڑھنے کے لئے جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ مرنے والے کے پاس اس کے آخری وقت میں یہ سورت پڑھی جائے۔ اور اکثر علماء نے یہی سمجھا ہے اور اس لئے یہی معمول ہے لیکن دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مر جانے

والے کی قبر پر یہ سورۃ پڑھی جائے تاکہ یہ اس کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔

۵۱) عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِیْ رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَرَأَ یٰسٓ فِیْ صَدْرِ النَّهَارِ قُضِیَتْ حَوَائِجُهٗ (رواہ الدارمی مرسلاً)

ترجمہ: عطا بن ابی رباح تابعی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "جو بندہ دن کے ابتدائی حصے میں یعنی علی الصباح سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری فرمائے گا۔ (سنن دارمی)

سورۂ واقعہ

۵۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ اَبَدًا وَکَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ یَاْمُرُ بَنَاتَهٗ یَقْرَأْنَ بِهَا فِیْ کُلِّ لَیْلَةٍ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے اسے کبھی فقر و فاقہ کی نوبت نہیں آئے گی۔ (نیچے کے راوی بیان کرتے ہیں) کہ خود حضرت ابنِ مسعودؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی صاحبزادیوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور وہ ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتی تھیں۔ (شعب الایمان للبیہقی)

سورۃ الملک

۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ سُوْرَةً فِی الْقُرْاٰنِ ثَلٰثُوْنَ اٰیَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰی غُفِرَلَهٗ وَهِیَ تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (رواہ احمد و الترمذی و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "قرآن کی ایک سورت نے جو صرف تیس آیتوں کی ہے اس نے ایک بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں سفارش کی، یہاں تک کہ وہ بخش دیا گیا اور وہ سورۃ ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

الٓمّٓ تنزیل

۵۴) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ لَایَنَامُ حَتّٰی یَقْرَءَ الٓمّٓ تَنْزِیْل وَتَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (رواہ احمد والترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ "الٓمّٓ تَنْزِیْل" اور "تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ" نہ پڑھ لیتے۔ (یعنی رات کو سونے سے پہلے یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن دارمی)

سورۃ الاعلیٰ

۵۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ سورۃ (سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى) خاص طور سے محبوب تھی۔ (مسند احمد)

تشریح..... کتاب الصلوٰۃ میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز میں اور اسی طرح عیدین کی نماز میں اکثر پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى" پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کا یہ معمول اسی لئے تھا کہ یہ سورۃ اپنے خاص مضمون اور پیغام کے لحاظ سے آپ ﷺ کو زیادہ محبوب تھی۔

سورۃ التکاثر

۵۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَءَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ؟ قَالُوْا وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَقْرَأَ اَلْفَ اٰيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ اَمَا يَسْتَطِيْعُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَأَ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کرسکتا کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں قرآن پاک کی پڑھ لیا کرے؟" صحابہؓ نے عرض کیا: "حضور ﷺ! کس میں یہ طاقت ہے کہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھے (یعنی یہ بات ہماری استطاعت سے باہر ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کیا تم میں کوئی اتنا نہیں کرسکتا کہ سورۂ "الھٰکم التکاثر" پڑھ لیا کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... قرآن مجید کی بعض بہت چھوٹی سورتیں ایسی ہیں جو اپنے مضمون اور پیغام کی اہمیت کی وجہ سے سینکڑوں اور ہزاروں آیتوں کے برابر ہیں۔ انہی میں سورۂ التکاثر بھی ہے۔ اس میں دنیا پرستی اور آخرت فراموشی پر سخت ضرب لگائی گئی ہے، اور آخرت کے محاسبہ اور دوزخ کے عذاب کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے کہ اگر دل بالکل مُردہ نہ ہو گیا ہو تو اس میں فکر اور بیداری پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غالباً اسی لحاظ سے اس کے پڑھنے کو ہزار آیتیں پڑھنے کے قائم مقام بتایا ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں میں جن دوسری چھوٹی چھوٹی سورتوں کو نصف قرآن یا تہائی قرآن یا چوتھائی قرآن کے برابر بتایا گیا ہے، ان کے بارے میں بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے اور ممکن ہے ان کی تلاوت کا ثواب بھی اسی حساب سے زیادہ عطا فرمایا جائے۔ اللہ کا خزانہ ہمارے وہم و گمان سے زیادہ وسیع ہے۔

سورۂ زلزال، سورۂ کافرون، سورۂ اخلاص

۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِذَا زُلْزِلَتْ" تَعْدِلُ نِصْفَ

الْقُرْاٰنِ وَ "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ و "قُلْ يَآ يُّهَاالْكٰفِرُوْنَ" تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْاٰنِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سورۂ "اذازلزلت" نصف قرآن کے برابر ہے اور "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے اور "قل یآایھاالکفرون" چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... سورۂ اذا زلزلت" میں قیامت کا بیان اور اس کی منظر کشی نہایت ہی مؤثر انداز میں کی گئی ہے اور اسی طرح اس کی آخری آیت: "فَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَن يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ" میں جزاو سزا کا بیان اختصار کے باوجود ایسے مؤثر پیرایہ میں کیا گیا ہے کہ اگر اس موضوع پر پوری کتاب بھی لکھی جائے تو اس سے زیادہ مؤثر نہ ہو گی۔ غالباً اس سورت کی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس حدیث میں اس کو نصف قرآن کے برابر بتایا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ احد) میں انتہائی اختصار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی تنزیہ اور اس کی صفاتی کمال جس معجزانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اسکو تہائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔ اور "قل یا ایھا الکفرون" میں واشگاف طریقے پر شرک اور اہل شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

شرک سے براءت اور بیزاری کا اعلان کر کے جس طرح خالص توحید کی تعلیم دی گئی ہے (جو دین کی جڑ، بنیاد ہے) وہ اس سورت کی خصوصیت ہے اور غالباً اسی کی وجہ سے اس سورت کو اس حدیث میں چوتھائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم

۵۸) **عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِىْ شَيْئًا اَقُوْلُهٗ اِذَا اَوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِىْ فَقَالَ اِقْرَأْ "قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ** (رواه الترمذى وابوداؤد والنسائى)

ترجمہ۔ فروہ بن نوفل اپنے والد ماجد نوفل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز پڑھنے کو بتا دیجئے جس کو میں سوتے وقت بستر پر پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "قل یا ایھا الکفرون" پڑھ لیا کرو اس میں شرک سے براءت ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

۵۹) **عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ فِىْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَاُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ قَالَ "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" يَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ.**

(رواه مسلم و رواه البخارى عن ابى سعيد وروى الترمذى عن ابى ايوب الانصارى بمعناه)

ترجمہ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی اس سے بھی عاجز ہے کہ ایک رات میں تہائی قرآن پڑھ لیا کرے؟" صحابہ نے عرض کیا کہ ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھا جاسکتا ہے۔" حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "قل ھو اللہ احد" تہائی قرآن کے برابر ہے" (تو جس نے رات میں وہی پڑھی اس نے گویا تہائی قرآن پڑھ لیا) (صحیح مسلم)

اور امام بخاریؒ نے یہی حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے' اور امام ترمذی نے اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

۶۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّى اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، قَالَ اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذى وروى البخارى معناه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: "حضرت ﷺ! مجھے یہ سورۃ" قل ھواللہ احد" خاص طور سے محبوب ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس سورت کے ساتھ تمہاری یہ محبت تم کو جنت میں پہنچادے گی۔ (جامع ترمذی)

(الفاظ وعبارت کے کچھ فرق کے ساتھ اسی مضمون کی ایک حدیث امام بخاریؒ نے بھی روایت کی ہے۔)

۶۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ (رواه مالك والترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو "قل ھو اللہ احد" پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس کے لئے واجب ہوگئی ہے" میں نے عرض کیا: 'یارسول اللہ! کیا چیز واجب ہوگئی؟' آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت"۔ (موطا امام مالک' جامع ترمذی' سنن نسائی)

تشریح...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے تعلیم وتربیت براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے حاصل کی تھی اور جوہر عمل میں آپؐ کی تقلید اور پیروی کے حریص تھے' ظاہر ہے کہ جب وہ قرآنِ پاک کی اور خاص کر ان سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کرتے ہوں گے جن میں اللہ کی توحید اور صفات کا بیان نہایت مؤثر انداز میں کیا گیا ہے تو دوسروں کو بھی صاف محسوس ہوتا ہوگا کہ یہ ان کے دل کا حال ہے اور ان کی زبان پر اللہ بول رہا ہے۔ اس حدیث میں جن صحابیؓ کے (قل ھو اللہ احد) پڑھنے کا ذکر ہے ان کا حال اس وقت یہی ہوگا اور حضور ﷺ کو محسوس ہوا ہوگا کہ یہ پوری ایمانی کیفیت اور ایمانی ذوق کے ساتھ "قل ھو اللہ احد" پڑھ رہے ہیں۔ ایسے شخص کے لئے جنت واجب ہونے میں کیا شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کا کچھ حصہ ہم کم نصیبوں کو بھی نصیب فرمائے۔

۶۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَرَادَاَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ اِذَاكَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِىْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص بستر پر سونے کا ارادہ کرے' پھر وہ (سونے سے پہلے) سو دفعہ سورۂ "قل ھو اللہ احد" پڑھے تو' جب قیامت قائم ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا: "اے میرے بندے! اپنے داہنے ہاتھ پر جنت میں چلا جا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... "علی یمینك" (اپنے داہنے ہاتھ پر) کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بندہ حساب کے موقف میں جہاں ہوگا وہاں سے جنت اس کے داہنی جانب ہوگی اور اس سے فرمایا جائے گا کہ: "اپنے داہنے رخ پر چل

کر جنت میں چلا جا" دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود جنت کا جو داہنی جانب کا حصہ ہو گا وہ بائیں جانب کے حصہ سے افضل ہو گا' اور اس بندے سے فرمایا جائے گا کہ: "تو داہنی جانب والی جنت میں چلا جا" بلا شبہ بڑا سستا ہے یہ سودا کہ سونے سے پہلے صرف سو دفعہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے پر یہ دولت نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اللہ کے بعض بندوں کو دیکھا ہے کہ ان کارات کو سونے سے پہلے کا روز مرہ کا معمول اس سے بہت زیادہ ہے۔

معوذتین

۶۳) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلَمْ تَرَ اٰيَاتٍ اُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمہیں معلوم نہیں آج رات جو آیتیں مجھ پر نازل ہوئی ہیں (وہ ایسی بے مثال ہیں کہ ان کی مثل نہ کبھی دیکھی گئیں' نہ سنی گئیں: "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس"۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... یہ دونوں سورتیں اس لحاظ سے بے مثال ہیں کہ ان میں اول سے آخر تک تعوذ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ لی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ شرور سے بھی اور باطن کے شرور سے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان میں شرور سے حفاظت کی بے پناہ تاثیر رکھی ہے' گویا ہر قسم کے شرور سے حفاظت کے لئے یہ حصن حصین ہیں' اور دونوں اختصار کے باوجود نہایت جامع اور کافی وافی ہیں۔

۶۴) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْاَبْوَاءِ اِذْ غَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَتَعَوَّذُ بِاَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَاَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا جُحفہ اور ابواء کے درمیان (یہ دونوں دو مشہور مقام تھے مدینہ اور مکہ کے درمیان) اچانک سخت اندھی آگئی اور سخت اندھیری چھا گئی رسول اللہ ﷺ یہ دونوں سورتیں (معوذتین) پڑھ کر اللہ سے پناہ مانگنے لگے اور مجھ سے ارشاد فرمانے لگے: "عقبہ تم بھی یہ دو سورتیں پڑھ کر اللہ کی پناہ لو۔ کسی پناہ لینے والے نے ان کے مثل پناہ نہیں لی (یعنی اللہ کی پناہ لینے کے لئے کوئی دعا ایسی نہیں ہے جو ان دونوں سورتوں کے مثل ہو' اس خصوصیت میں یہ بے مثل اور بے مثال ہیں۔) (رواہ مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی مصیبت اور خطرے کا سامنا ہو تو معوذتین پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینی چاہئے' اس سے بہتر بلکہ اس جیسا بھی کوئی دوسرا تعوذ نہیں ہے۔

۶۵) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ**

فِيْهِمَا قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ، وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَااسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَأُبِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذَالِكَ ثَلٰثَ مَرَّات. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ ہر رات کو جب آرام فرمانے کے لئے اپنے بستر پر تشریف لاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا لیتے (جس طرح دعا کے وقت دونوں ہاتھ ملائے جاتے ہیں) پھر ہاتھوں پر پھونکتے اور قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے، پھر جہاں تک ہو سکتا اپنے جسم مبارک پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرتے، سر مبارک اور چہرۂ مبارک اور جسدِ اطہر کے سامنے کے حصے سے شروع فرماتے (اس کے بعد باقی جسم پر جہاں تک آپ کے ہاتھ جاسکتے وہاں تک ہاتھ پھیرتے) یہ آپ تین دفعہ کرتے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... رات کو سونے سے پہلے کا یہ معمولِ نبی ﷺ تو بہت آسان ہے، کم از کم اس کا اہتمام ہم سب کو کرنا چاہئے، اس کی برکات بیان سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

چند مخصوص آیات کی فضیلت اور امتیاز

مندرجۂ بالا احادیث میں جس طرح خاص خاص سورتوں کے فضائل بیان ہوئے ہیں، اسی طرح بعض احادیث میں بعض مخصوص آیات کی فضیلت اور ان کا امتیاز بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

آیۃ الکرسی

٦٦) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا اَبَاالْمُنْذِرَ اَتَدْرِىْ اَىَّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ يَا اَبَاالْمُنْذِرَ اَتَدْرِىْ اَىَّ اٰيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَىُّ الْقَيُّوْمُ؟ قَالَ فَضَرَبَ فِىْ صَدْرِىْ وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا اَبَاالْمُنْذِرِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان کی کنیت ابو المنذر سے مخاطب کرتے ہوئے) ان سے فرمایا: "اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ: "اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے۔" آپ ﷺ نے (مکرر) فرمایا: "اے ابو المنذر! تم جانتے ہو کہ کتاب اللہ کی کون سی آیت تمہارے پاس سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟" میں نے عرض کیا: "اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔" تو آپ ﷺ نے میرا سینہ ٹھونکا (گویا اس جواب پر شاباش دی) اور فرمایا: "اے ابو المنذر! تجھے یہ علم موافق آئے اور مبارک ہو۔" (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس جواب میں ابی بن کعب نے پہلے عرض کیا کہ "اللہ و رسولہ اعلم" (اللہ اور اس کے رسول کو اس کا علم زیادہ ہے کہ کون سی آیت کتاب اللہ میں زیادہ عظمت والی ہے) یہ جواب ادب کے تقاضے کے مطابق تھا، لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ وہی سوال فرمایا تو ابی بن کعب نے اپنے علم و فہم کے مطابق جواب دیا کہ میرے خیال میں تو "اللہ لا الہ الاھو الحی القیوم" یعنی آیۃ الکرسی قرآن مجید کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کی تصویب فرمائی اور شاباش دی، اور اس شاباش میں ان کا سینہ آپ ﷺ نے غالباً اس لئے ٹھوکا کہ قلب (جو محلِ علم و معرفت ہے) وہ سینہ ہی میں ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیاتِ قرآنی میں آیۃ الکرسی سب سے زیادہ باعظمت آیت ہے، اور یہ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور صفاتِ کمال اور اس کی شانِ عالی کی عظمت و رفعت جس طرح بیان کی گئی ہے وہ اس میں منفرد اور بے مثال ہے۔

سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں

۶۷) عَنْ اَيفَعَ بْنِ عَبْدِالْكَلَاعِيْ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ فَاَىُّ سُوْرَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ قُلْ هُوَاللهُ اَحَد قَالَ فَاَىُّ اٰيَةٍ فِى الْقُراٰنِ اَعْظَمُ؟ قَالَ آيَةُ الْكُرْسِى "اَللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَىُّ الْقَيُّوْم" قَالَ فَاَىُّ اٰيَةٍ يَانَبِىَّ اللهِ تُحِبُّ اَنْ تُصِيْبَكَ وَاُمَّتَكَ؟ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالٰى مِنْ تَحتِ عَرْشِهٖ اَعْطاهَا هٰذهِ الْاُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنْ خَيْرِالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَة اِلَّا اشْتَملتْ عَلَيْهِ. (روا الدارمی)

ترجمہ: ایفع بن عبدالکلاعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! قرآن کی کون سی سورت سب سے زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا "قل ھو اللہ احد" اس نے عرض کیا: "اور آیتوں میں قرآن کی کون سی آیت زیادہ عظمت والی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "آیۃ الکرسی اَللہُ لَااِلٰہَ اِلَّاھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْم" اس نے عرض کیا: "اور قرآن کی کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ کی خاص طور سے خواہش ہے کہ اس کا فائدہ اور اس کی برکات آپ کو اور آپ ﷺ کی اُمت کو پہنچیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے ختم سورۃ تک) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اُن خاص الخاص خزانوں میں سے ہیں جو اس کے عرشِ عظیم کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ رحمت اس امت کو عطا فرمائی ہیں، یہ دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی اور ہر خیر کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ (مسند دارمی)

تشریح...... قل ھو اللہ احد اور آیۃ الکرسی کی عظمت اور امتیاز کے بارے میں اوپر عرض کیا جاچکا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آخری آیات کے متعلق جیسا کہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے بلاشبہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص خزائن رحمت میں سے ہیں۔ شروع میں "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْن" سے "لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهٖ" تک ایمان کی تلقین فرمائی گئی ہے، اس کے بعد "سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا" میں اسلام

اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد لیا گیا ہے' اس کے بعد "غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ" میں ان کوتاہیوں کی معافی اور مغفرت کی استدعا ہے جو ایمان اور عہدِ اطاعت کے بعد بھی ہم بندوں سے سرزد ہوتی ہیں۔ اس کے بعد "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" میں کمزور بندوں کو تسلی دی گئی ہے اور اطمینان دلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا جاتا اور کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا جو ان کی استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے بعد "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا" سے آخر سورت تک نہایت جامع دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ آیتیں بجائے خود رحمتِ الٰہی کا خزانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قدر شناسی اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

۶۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ بِاٰيَتَيْنِ اُعْطِيْتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِىْ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْهُنَّ وَعَلِّمُوْ هُنَّ نِسَاءَ كُمْ فَاِنَّهَا صَلٰوةٌ وَقُرْبَانٌ وَ دُعَاءٌ. (رواه الدارمى مرسلاً)

ترجمہ۔ جبیر بن نفیر تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ایسی دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو اس نے اپنے اس خاص خزانے سے مجھے عطا فرمائی ہیں جو اس کے عرشِ عظیم کے تحت ہے۔ تم لوگ ان کو سیکھو اور اپنی خواتین کو سکھاؤ' کیونکہ یہ آیتیں سراپا رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے تقرب کا خاص وسیلہ ہیں' اور ان میں بڑی جامع دُعا ہے۔ (مسند دارمی)

فائدہ...... واضح رہے کہ جبیر بن نفیر جنہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے تابعی ہیں' انہوں نے ان صحابی کا ذکر نہیں کیا جن سے ان کو یہ حدیث پہنچی۔ اس لئے یہ حدیث مرسل ہے۔ اسی طرح پہلی حدیث بھی مرسل ہے کیونکہ اس کے راوی ایفع بن عبد کلاعی بھی تابعی ہیں' انہوں نے بھی کسی صحابی کا حوالہ دیئے بغیر اس کو روایت کیا ہے۔

۶۹) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰيَتَانِ مِنْ اٰخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَاَبِهِمَا فِىْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں جو کوئی کسی رات میں ان کو پڑھے گا وہ اس کے لئے کافی ہوں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص رات کو بقرہ کی یہ آخری آیتیں پڑھ لے گا وہ انشاء اللہ ہر شر سے محفوظ رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص تہجد میں صرف یہی آیتیں پڑھ لے تو اس کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا۔ واللہ اعلم

آلِ عمران کی آخری آیات

۷۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَءَ آخِرَ آلِ عِمْرَانَ فِىْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ (رواه دارمى)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: "جو شخص کسی رات کو آل عمران کی آخری آیات پڑھے گا اس کے لئے پوری رات کی نماز کا ثواب لکھا جائے گا۔ (مسند دارمی)

تشریح...... "آخر آل عمران" سے مراد "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" سے ختم سورت تک کی آیات ہیں۔ صحیح روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کے لئے اُٹھتے تو سب سے پہلے (وضو کرنے سے بھی پہلے) یہی ایات پڑھتے تھے۔

آل عمران کا یہ آخری رکوع بھی سورۂ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح نہایت جامع دُعا پر مشتمل ہے، اور غالباً اس رکوع کی خاص فضیلت کا راز ان دعائیہ آیات ہی میں مضمر ہے۔ کائنات کی تخلیق میں تفکر کرنے والے اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والے بندوں کی زبان سے یہ جامع دعا اس رکوع میں اس طرح ذکر کی گئی ہے:

رَبَّنَا مَاخَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخزَيْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِیْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ○ رَبَّنَاوَاٰتِنَامَاوَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِيْعَادْ.

اے ہمارے پروردگار! تونے یہ کارخانۂ ہستی بے مقصد نہیں پیدا کیا، تو اس بات سے پاک اور مقدس ہے کہ کوئی عبث کام کرے (یقیناً اس دنیوی زندگی کے بعد جزا و سزا برحق ہے) سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ اے ہمارے رب! جس کو تونے دوزخ میں ڈالا بے شک اس کو تونے رسوا کر دیا اور ایسے ظالموں کا کوئی بھی حمایتی اور مددگار نہیں ہوگا۔ اے ہمارے رب ہم نے ایک داعی اور منادی کو سنا کہ وہ ایمان کی دعوت دیتا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ تو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو بخش دے ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے، اور ہمیں اپنا وفادار نیکوکار بندوں کیساتھ دنیا سے اٹھا، اور اے ہمارے رب ہمیں وہ سب عطا فرما جس کا تونے اپنے رسولوں کی زبانی اہلِ ایمان کے لئے وعدہ فرمایا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن کی رسوائی سے بچا۔ بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔

سورۂ آل عمران کے آخری رکوع کی یہ دعا قرآن مجید کی جامع ترین دو تین دعاؤں میں سے ہے، اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس رکوع کی خاص فضیلت ان دعائیہ آیات ہی کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا کہ: "جو شخص رات کو یہ آیتیں پڑھے اس کے لئے پوری رات کے نوافل کا ثواب لکھا جائے گا۔" ظاہر ہے کہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہوگی۔ حضور ﷺ سے سنے بغیر کوئی صحابیؓ اپنی طرف سے ایسی بات نہیں کہہ سکتے، اس لئے حضرت عثمانؓ کا یہ ارشاد حدیثِ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

فائدہ...... امتِ مسلمہ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کی جو خاص رحمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تھوڑے

عمل پر بڑے اجر و ثواب کی بہت سی صورتیں اور بہت سے طریقے رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس امت کو بتلائے گئے ہیں' تاکہ جو لوگ اپنے خاص حالات کی وجہ سے بڑے بڑے عمل نہ کر سکیں وہ یہ چھوٹے چھوٹے عمل کر کے ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے مستحق ہو سکیں۔

مندرجۂ بالا حدیثیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے خاص خاص سورتوں اور مخصوص آیتوں کے فضائل بیان فرمائے ہیں' یہ اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ بہت سے بندے جو اپنے خاص حالات کی وجہ سے قرآن مجید کی بہت زیادہ تلاوت نہیں کر سکتے وہ ان مخصوص سورتوں اور آیتوں کی تلاوت کے ذریعہ بڑے اجر و ثواب اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات کے قابل ہو جائیں۔ اس لئے ان حدیثوں کا حق ہے کہ ان پر یقین کر کے ان سورتوں اور آیات کی تلاوت کا ہم خاص طور سے اہتمام کریں' تاکہ اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات میں ہمارا بھی حصہ ہو۔ بلاشبہ ہم بڑے محروم ہیں اگر اتنا بھی نہ کر سکیں۔

یہاں تک جو ستر حدیثیں درج ہوئیں وہ "ذکر اللہ" اور "تلاوتِ قرآن مجید" سے متعلق تھیں۔

آگے وہ حدیثیں پیش کی جا رہی ہیں جن کا تعلق بابِ دُعا سے ہے' ان میں وہ بھی ہیں جن میں دُعا کی عظمت و اہمیت بیان فرمائی گئی ہے' وہ بھی ہیں جن میں دُعا سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں' وہ بھی ہیں جن میں اللہ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کی دُعائیں محفوظ کر کے پیش کی گئی ہیں' جو اُمت کے لئے آپ ﷺ کی عظیم ترین میراث ہیں۔ آخر میں استغفار اور درود شریف سے متعلق احادیث ہیں۔

دعا

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن کمالات و امتیازات سے نوازا ان میں سب سے بڑا امتیاز و کمال عبدیت کاملہ کا مقام ہے۔

عبدیت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حضور میں انتہائی تذلل، بندگی و سرافگندگی عاجزی و لاچاری اور محتاجی و مسکینی کا پورا پورا اظہار، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سب کچھ اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے، اس کے دَر کی فقیری و گدائی۔ اس سب کے مجموعہ کا عنوان مقام عبدیت ہے، جو تمام مقامات میں اعلیٰ و بالا ہے اور بلا شبہ سیدنا حضرت محمد ﷺ اس صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں کامل ترین اور سب پر فائق ہیں، اور اسی لئے افضلِ مخلوقات او اشرفِ کائنات ہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے مقصد کے لحاظ سے کامل یا ناقص سمجھی جاتی ہے۔ مثلاً گھوڑا جس مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے یعنی سواری اور تیز رفتاری، اس کو بڑھیا یا گھٹیا اسی مقصد کے پیمانے سے سمجھا جائے گا۔ اسی طرح گائے یا بھینس کا جو مقصد ہے یعنی دودھ کا حاصل ہونا اس کی قدر و قیمت دودھ کی کمی یا زیادتی ہی کے حساب سے لگائی جائے گی۔ وقس علیٰ ہذا۔ انسان کی تخلیق کا مقصد اس کے پیدا کرنے والے نے عبدیت اور عبادت بتایا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" اس لئے سب سے افضل و اشرف انسان وہی ہوگا جو اس مقصد میں سب سے اکمل و فائق ہو۔ پس سیدنا حضرت محمد ﷺ چونکہ کمالِ عبدیت میں سب سے فائق ہیں اس لئے آپ ﷺ افضلِ مخلوقات اور اشرفِ کائنات ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید میں جہاں جہاں آپ ﷺ کے بلند ترین خصائص و کمالات اور اللہ تعالیٰ کے آپ ﷺ پر خاص الخاص انعامات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں معزز ترین لقب کے طور پر آپ ﷺ کو عبد ہی کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔ معراج کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ اسراء میں فرمایا گیا ہے: "سُبْحٰنَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" پھر اسی سفر معراج کی آخری منزلوں کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ النجم میں فرمایا گیا: "فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى" اور سب سے بڑی نعمت و دولت قرآنِ حکیم کی تنزیل کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ فرقان میں ارشاد فرمایا گیا: "تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ" اور سورۂ کہف میں فرمایا گیا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ"۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بندوں کے مقامات میں سب سے بلند عبدیت کا مقام ہے، اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام کے امام یعنی اس وصف خاص میں سب پر فائق ہیں۔ اور دعا چونکہ عبدیت کا جوہر اور خاص مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت (بشرطیکہ حقیقی دعا ہو) بندے کا ظاہر و باطن عبدیت میں ڈوبا ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کے احوال و اوصاف میں غالب ترین وصف اور حال دُعا کا ہے، اور اُمت کو آپ کے ذریعہ روحانی دولتوں کے جو عظیم خزانے ملے ہیں ان میں سب سے بیش قیمت خزانہ ان دُعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ ﷺ نے کیں یا اُمت کو ان کی تلقین فرمائی۔

ان میں سے کچھ دُعائیں ہیں جن کا تعلق خاص حالات یا اوقات اور مخصوص مقاصد و حاجات سے ہے،

اور زیادہ تر وہ ہیں جن کی نوعیت عمومی ہے۔ ان دُعاؤں کی قدر و قیمت اور افادیت کا ایک عام عملی پہلو تو یہ ہے کہ ان سے دُعا کرنے اور اللہ سے اپنی حاجتیں مانگنے کا سلیقہ اور طریقہ معلوم ہوتا ہے اور اس باب میں وہ رہنمائی ملتی ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی۔ اور ایک دوسرا خاص علمی اور عرفانی پہلو یہ ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روحِ پاک کو اللہ تعالیٰ سے کتنی گہری اور ہمہ وقتی وابستگی تھی اور آپ کے قلب پر اس کا جلال و جمال کس قدر چھایا ہوا تھا، اور اپنی اور ساری کائنات کی بے بسی اور لاچاری اور اس مالک الملک کی قدرتِ کاملہ اور ہمہ گیر رحمت و ربوبیت پر آپ کو کس درجہ یقین تھا کہ گویا یہ آپ کے لئے غیب نہیں شہود تھا۔ حدیث کے ذخیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سینکڑوں دعائیں محفوظ ہیں ان میں اگر تفکر کیا جائے تو کھلے طور پر محسوس ہوگا کہ ان میں سے ہر دُعا معرفتِ الٰہی کا شاہکار اور آپ کے کمالِ روحانی و خدا آشنائی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ ﷺ کے صدقِ تعلق کا مستقل برہان ہے، اور اس لحاظ سے ہر ماثور دُعا بجائے خود آپ کا ایک روشن معجزہ ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

اس عاجز راقم سطور کا دستور ہے کہ جب کبھی پڑھے لکھے اور سمجھ دار غیر مسلموں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا تعارف کرانے کا موقع ملتا ہے تو آپ ﷺ کی کچھ دُعائیں ان کو ضرور سناتا ہوں۔ قریب قریب سو فیصد تجربہ ہے کہ وہ ہر چیز سے زیادہ آپ ﷺ کی دعاؤں سے متاثر ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کے کمالِ خدارسی و خداشناسی میں ان کو شبہ نہیں رہتا۔

اس تمہید کے بعد پہلے چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی برکتیں بیان فرمائی ہیں، یا دُعا کے آداب بتائے ہیں، یا اس کے بارے میں کچھ ہدایتیں دی ہیں۔ ان کے بعد ایک خاص ترتیب کے ساتھ وہ حدیثیں درج کی جائیں گی جن میں وہ دُعائیں مذکور ہیں جو مختلف موقعوں پر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیں، یا اُمت کو جن کی تلقین فرمائی۔

دُعا کا مقام اور اِس کی عظمت

۷۱) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّعَاءُ هُوَالْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِىْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○

(رواه احمد و الترمذى و ابو دائود و النسائى و ابن ماجه)

ترجمہ۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دُعا عین عبادت ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے سند کے طور پر یہ آیت پڑھی: "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْ الخ" (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دُعا کرو اور مانگو، میں قبول کروں گا اور تم کو دوں گا، جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ روگردانی کرینگے انکو ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جانا ہوگا) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اصل حدیث صرف اتنی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "دُعا عین عبادت ہے۔" غالباً حضور ﷺ کے

اس ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ بندے جس طرح اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے دوسری محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اسی طرح کی ایک کوشش دُعا بھی ہے' جو اگر قبول ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور اس کو کوشش کا پھل مل گیا' اور اگر قبول نہ ہوئی تو وہ کوشش بھی رائیگاں گئی۔ بلکہ دُعا کی ایک مخصوص نوعیت ہے اور وہ یہ کہ وہ حصولِ مقصد کا ایک مقدس عمل ہے جس کا پھل اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

جو آیت آپ ﷺ نے سند کے طور پر تلاوت فرمائی اس سے یہ بات صراحۃً معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُعا عین عبادت ہے۔ آگے درج ہونے والی دوسری حدیث میں دُعا کو عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا گیا ہے۔

۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔" (جامع ترمذی)

تشریح: عبادت کی حقیقت ہے اللہ کے حضور میں خضوع تذلل اور اپنی بندگی و محتاجی کا مظاہرہ' اور دعا کا جزو وکل اور اول و آخر اور ظاہر و باطن یہی ہے' اس لئے دُعا بلاشبہ عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔

۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ شَيْئٌ اَكْرَمُ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ. (رواه الترمذی و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اللہ کے یہاں کوئی چیز اور کوئی عمل دعا سے زیادہ عزیز نہیں۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح: جب یہ معلوم ہو چکا کہ دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے اور عبادت ہی انسان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے تو یہ بات خود بخود متعین ہو گئی کہ انسانوں کے اعمال و احوال میں دُعا ہی سب سے زیادہ محترم اور قیمتی ہے' اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو کھینچنے کی سب سے زیادہ طاقت اسی میں ہے۔

۷۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَمَا سُئِلَ اللهُ شَيْئًا يَعْنِىْ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يُّسْأَلَ الْعَافِيَةَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جس کے لئے دُعا کا دروازہ کھل گیا اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ اور اللہ کو سوالوں اور دُعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں' یعنی کوئی دُعا اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح: عافیت کا مطلب ہے تمام دنیوی و اُخروی اور ظاہری و باطنی آفات اور بلیات سے سلامتی اور تحفظ۔ تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دُعا مانگتا ہے وہ برملا اس بات کا اعتراف اور اظہار کرتا ہے کہ اللہ کی

حفاظت اور کرم کے بغیر وہ زندہ اور سلامت بھی نہیں رہ سکتا اور کسی چھوٹی یا بڑی مصیبت اور تکلیف سے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ پس ایسی دعا اپنی کامل عاجزی و بے بسی اور سراپا محتاجی کا مظاہرہ ہے اور یہی کمالِ عبدیت ہے، اسی لئے عافیت کی دعا اللہ تعالیٰ کو سب دعاؤں سے زیادہ محبوب ہے۔ دوسری بات حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جس کے لئے دعا کا دروازہ کھل گیا یعنی جس کو دعا کی حقیقت نصیب ہو گئی اور اللہ سے مانگنا آ گیا اس کے لئے رحمتِ الٰہی کے دروازے کھل گئے۔ دعا دراصل ان دعائیہ الفاظ کا نام نہیں ہے جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو تو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس یا قالب کہا جا سکتا ہے۔ دعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے اور حدیث پاک میں اس کیفیت کے نصیب ہونے ہی کو بابِ دعا کے کھل جانے سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جب بندے کو وہ نصیب ہو جائے تو اس کے لئے رحمت کے دروازے کھل ہی جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ یَسْاَلِ اللّٰهَ یَغْضَبْ عَلَیْهِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ سے نہ مانگے اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔“ (جامع ترمذی)

تشریح..... دنیا میں کوئی نہیں ہے جو سوال نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہو، ماں باپ تک کا یہ حال ہوتا ہے کہ اگر بچہ ہر وقت مانگے اور سوال کرے تو وہ بھی چڑ جاتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ ایسا رحیم و کریم اور بندوں پر اتنا مہربان ہے کہ جو بندہ اس سے نہ مانگے وہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ اللہ کی نگاہ میں بندے کا سب سے عزیز اور قیمتی عمل دعا اور سوال ہے۔ لك الحمد یارَبَّ العالمِیْنَ وَیَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ!

۷۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَلُوااللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ اَنْ یُسْاَلَ وَ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ سے اس کا فضل مانگو (یعنی دعا کرو کہ وہ فضل و کرم فرمائے) کیونکہ اللہ کو یہ بات محبوب ہے کہ اس کے بندے اس سے دعا کریں اور مانگیں! اور فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ کے کرم سے اُمید رکھتے ہوئے) اس بات کا انتظار کرنا کہ وہ بلا اور پریشانی کو اپنے کرم سے دور فرمائے گا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے (کیونکہ اس میں عاجزانہ اور سائلانہ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

دعا کی مقبولیت اور نافعیت

۷۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدُّعَاءَ یَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّالَمْ

يَنْزِلُ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَاللهِ بِالدُّعَاءِ. (رواه الترمذى و رواه احمد عن معاذ بن جبل)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "دعا کار آمد اور نفع مند ہوتی ہے اور ان حوادث میں بھی جو نازل ہو چکے ہیں اور ان میں بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئے، پس اے خدا کے بندو دعا کا اہتمام کرو۔ (جامع ترمذی)

(اور امام احمد نے مسند میں اس حدیث کو بجائے عبداللہ بن عمر کے معاذ بن جبل سے روایت کیا ہے)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو بلا اور مصیبت ابھی نازل نہیں ہوئی، بلکہ اس کا صرف خطرہ اور اندیشہ ہے، اس سے حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ نفع مند ہوگی۔ اور جو بلا یا مصیبت نازل ہو چکی ہے اس کے دفعیہ کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے، انشاء اللہ وہ بھی نافع ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کو دور فرما کر عافیت نصیب فرمائے گا۔

۷۸) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ اِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ اَنْ يَّرُدَّهُمَا صِفْرًا (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تمہارے پروردگار میں بدرجۂ غایت حیا اور کرم کی صفت ہے، جب بندہ اس کے آگے مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ ان کو خالی واپس کرے (کچھ نہ کچھ عطا فرمانے کا فیصلہ ضرور فرماتا ہے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۷۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَايُنْجِيْكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَ يَدُرُّلَكُمْ اَرْزَاقَكُمْ تَدْعُوْنَ اللهَ فِيْ لَيْلِكُمْ وَنَهَارِكُمْ فَاِنَّ الدُّعَاءَ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ. (رواه ابويعلى فى مسنده)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دلائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے اللہ سے دُعا کیا کرو رات میں اور دن میں، کیونکہ دُعا مؤمن کا خاص ہتھیار یعنی اس کی خاص طاقت ہے۔ (مسند ابویعلیٰ موصلی)

تشریح..... دعا در اصل وہی ہے جو دل کی گہرائی سے اور اس یقین کی بنیاد پر ہو کہ زمین و آسمان کے سارے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، اور وہ اپنے در کے سائلوں، مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے، اور مجھے جب ہی ملے گا جب وہ عطا فرمائے گا، اس کے در کے سوا میں کہیں سے نہیں پا سکتا۔ اس یقین اور اپنی سخت محتاجی اور کامل بے بسی کے احساس سے بندے کے دل میں جو خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ دعا کی روح ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی بندہ جب اس اندرونی کیفیت کے ساتھ کسی دشمن کے حملہ سے یا کسی دوسری بلا اور آفت سے بچاؤ کے لئے یا وسعتِ رزق یا اس قسم کی کسی

دوسری عام و خاص حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو اس کریم کا عام دستور ہے کہ وہ دعا قبول فرماتا ہے' اس لئے بلاشبہ دعا ان بندوں کا بہت بڑا ہتھیار اور میگزین ہے جن کو ایمان و یقین کی دولت اور دعا کی روح و حقیقت نصیب ہو۔

دُعا سے متعلق ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے دُعا کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دی ہیں' ضروری ہے کہ دعا کرنے والے بندے ان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں۔

۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اُدْعُوااللهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللهَ لَايَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ لَاهٍ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب اللہ سے مانگو اور دعا کرو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول کرے گا اور عطا فرمائے گا' اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اسکی دعا قبول نہیں کرتا جسکا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ دعا کے وقت دل کو پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اس کی کریمی پر نگاہ رکھتے ہوئے یقین کے ساتھ قبولیت کی امید رکھنی چاہئے' تذبذب اور بے یقینی کے ساتھ جو دعا ہو گی وہ بے جان اور روح سے خالی ہو گی۔

۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَعَا اَحَدُكُم فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اِرْحَمْنِیْ اِنْ شَئْتَ اُرْزُقْنِیْ اِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهٗ اِنَّهٗ يَفْعَلُ مَايَشَاءُ وَلَامُكْرِهَ لَهٗ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اس طرح نہ کہے کہ: "اے اللہ! تو اگر چاہے تو مجھے بخش دے اور تو چاہے تو مجھ پر رحمت فرما اور تو چاہے تو مجھے روزی دے۔" بلکہ اپنی طرف سے عزم اور قطعیت کے ساتھ اللہ کے حضور میں اپنی مانگ رکھے۔ بے شک وہ کرے گا وہی جو چاہے گا۔ کوئی ایسا نہیں جو زور ڈال کر اس سے کرا سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ عاجزی اور محتاجی اور فقیری اور گدائی کا تقاضا یہی ہے کہ بندہ اپنے ربِ کریم سے بغیر کسی شک اور تذبذب کے اپنی حاجت مانگے' اس طرح نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو ایسا کر دے' اس میں استغنا کا شائبہ ہے اور یہ مقامِ عبدیت اور دُعا کے منافی ہے' نیز ایسی دعا کبھی جاندار دعا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے بندے کو چاہئے کہ اپنی طرف سے اس طرح عرض کرے کہ: "میرے مولا! میری یہ حاجت تو پوری کر ہی دے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ کرے گا وہ اپنے ارادہ اور مشیت سے کرے گا' کوئی ایسا نہیں ہے جو زور ڈال کر اس کی مشیت کے خلاف اس سے کچھ کرالے۔

۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللّٰهُ لَهُ عِنْدَالشَّدَائِدِ فَلْيُكْثِرِالدُّعَاءَ فِى الرُّخَاءِ.
(رواه الترمذى)

ترجمہ: جو کوئی یہ چاہے کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے وقت اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے' تو اس کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے زمانہ میں دعا زیادہ کیا کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ تجربہ اور واقعہ ہے کہ جو لوگ صرف پریشانی اور مصیبت کے وقت ہی خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسی وقت ان کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھتے ہیں' ان کا رابطہ اللہ کے ساتھ بہت ضعیف ہوتا ہے' اور خدا کی رحمت پر ان کو وہ اعتماد نہیں ہوتا جس سے دعا میں روح اور جان پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برعکس جو بندے ہر حال میں اللہ سے مانگنے کے عادی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رابطہ قوی ہوتا ہے اور اللہ کے کرم اور اس کی رحمت پر ان کو بہت زیادہ اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے' اس لئے ان کی دعا قدرتی طور پر جاندار ہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہی ہدایت دی ہے کہ بندوں کو چاہئے کہ عافیت اور خوش حالی کے دنوں میں بھی وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعا کیا کریں اور مانگا کریں' اس سے ان کو وہ مقام حاصل ہوگا کہ پریشانیوں اور تنگیوں کے پیش آنے پر جب وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تو انکی دعا خاص طور سے قبول ہوگی۔

دُعا میں عجلت طلبی کی ممانعت

دعا بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں معروضہ کی پیشی ہے' اور وہ مالکِ کل اور قادرِ مطلق ہے' چاہے تو اسی لمحہ دعا کرنے والے بندے کو وہ عطا فرمادے جو وہ مانگ رہا ہے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ وہ ظلوم وجہول بندے کی خواہش کی ایسی پابندی کرے بلکہ بسا اوقات خود اس بندے کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ اس کی مانگ جلد پوری نہ ہو۔ لیکن انسان کے خمیر میں جو جلد بازی ہے اس کی وجہ سے وہ چاہتا ہے کہ جو میں مانگ رہا ہوں وہ مجھے فوراً مل جائے' اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ مایوس ہو کر دعا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ انسان کی وہ غلطی ہے جس کی وجہ سے وہ قبولیتِ دعا کا مستحق نہیں رہتا' اور گویا اس کی یہ جلد بازی ہی اس کی محرومی کا باعث بن جاتی ہے۔

۸۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْتَجَابُ لِاَحَدِكُمْ مَالَمْ يُعَجِّلُ فَيَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِىْ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تمہاری دعائیں اس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہیں جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ (جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دُعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے' اس لئے چاہئے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے' یقین کرے کہ ارحم الراحمین کی رحمت دیر

سو یر ضرور اس کی طرف متوجہ ہو گی۔ کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا جو وہ بڑے اخلاص و اضطرار سے کرتے ہیں اس لئے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دُعا کا تسلسل ان کے لئے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے' اگر ان کی منشاء کے مطابق ان کی دُعا جلدی قبول کرلی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔

حرام کھانے اور پہننے والے کی دُعا قبول نہیں

۸۴) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا اَیُّهَاالنَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَایَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَالْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ "یٰاَیُّهَاالرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ" وَقَالَ "یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَارَزَقْنَاکُمْ" ثُمَّ ذَکَرَالرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّیَدَیْهِ اِلَی السَّمَاءِ یَارَبِّ یَارَبِّ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِّیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ.** (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے' اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے۔ پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے: "اے رسولو! تم کھاؤ پاک اور حلال غذا' اور عمل کرو صالح' میں خوب جانتا ہوں تمہارے اعمال۔" اور اہل ایمان کو مخاطب کرکے اس نے فرمایا ہے کہ: "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو)" اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کرکے (کسی مقدس مقام پہ) ایسی حالت میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گردو غبار ہے' اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے: "اے میرے رب! اے میرے پروردگار!" اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے' اس کا پینا حرام ہے' اس کا لباس بھی حرام ہے' اور حرام غذا سے اس کا نشوونما ہوا ہے' تو اس آدمی کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... آج بہت سے دعا کرنے والوں کے دلوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب دعا اور اس کی قبولیت برحق ہے اور دعا کرنے والوں کے لئے اللہ کا وعدہ ہی: "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ" (تم دعا کرو میں قبول کروں گا) تو پھر ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ اس حدیث میں اس کا پورا جواب ہے۔ آج دعا کرنے والوں میں کتنے ہیں جن کو اطمینان ہے کہ وہ جو کھا رہے ہیں جو پی رہے ہیں جو پہن رہے ہیں وہ سب حلال اور طیب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

وہ دُعائیں جن کی ممانعت ہے

انسان بے صبر اور جلد گھبرا جانے والا ہے' اور اس کا علم بھی بہت محدود اور ناقص ہے اس لئے بعض

اوقات وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں بھی کرنے لگتا ہے جو اگر قبول ہو جائیں تو اس میں خود اسی کا خسارہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دعاؤں سے منع فرمایا ہے۔

۸۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ وَلَاتَدْعُوْا عَلٰى اَوْلَادِكُمْ وَلَاتَدْعُوْا عَلٰى اَمْوَالِكُمْ وَلَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبَ لَكُمْ۔ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم کبھی اپنے حق میں یا اپنی اولاد اور مال و جائیداد کے حق میں بد دعا نہ کرو، مبادا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہو اور تمہاری وہ دعا اللہ تعالیٰ قبول فرمالے (جس کے نتیجہ میں خود تم پر یا تمہاری اولاد یا مال و جائیداد پر کوئی آفت آجائے) (صحیح مسلم)

۸۶) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَتَمَنّٰى اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَايَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَامَاتَ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ وَاِنَّهٗ لَايَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهٗ اِلَّا خَيْرًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی اپنی موت کی تمنا نہ کرے، نہ جلدی موت آنے کے لئے اللہ سے دعا کرے، کیونکہ جب موت آجائے گی تو عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا (اور اللہ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے والا کوئی عمل بندہ نہیں کر سکے گا، جو عمل بھی کیا جا سکتا ہے جیتے جی ہی کیا جا سکتا ہے) اور بندۂ مؤمن کی عمر تو اس کے لئے خیر ہی میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ ہے (اس لئے موت کی تمنا اور دعا کرنا بڑی غلطی ہے)۔ (صحیح مسلم)

۸۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَدْعُوْا بِالْمَوْتِ وَلَاتَتَمَنَّوْهُ فَمَنْ كَانَ دَاعِيًا لَابُدَّ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مَاكَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّىْ وَتَوَفَّنِىْ اِذَاكَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّىْ. (رواه نسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "تم لوگ موت کی دعا اور تمنا نہ کرو، اور کوئی آدمی ایسی دعا کے لئے مضطر ہی ہو (اور کسی وجہ سے زندگی اس کے لئے دوبھر ہو) تو اللہ کے حضور میں یوں عرض کرے: "اے اللہ! جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ، اور جب میرے لئے موت بہتر ہو تو دنیا سے مجھے اٹھالے۔" (سنن نسائی)

تشریح..... ان حدیثوں میں دراصل موت کی اس دعا اور تمنا سے ممانعت فرمائی گئی ہے جو کسی تکلیف اور پریشانی سے تنگ آکر زبان پر آجاتی ہے۔ بعض حدیثوں کے الفاظ میں اس کی صراحت بھی ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: "لايتمنين احدكم الموت لضر نزل به" الحدیث (تم میں سے کوئی کسی پیش آجانے والی تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا نہ کرے)

اس صورت میں موت کی تمنا اور دعا سے ممانعت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ صبر کی صفت کے خلاف ہے، اور دوسری اس سے بھی اہم وجہ یہ ہے کہ آدمی جب تک زندہ ہے اس کے لئے توبہ واستغفار کے ذریعہ اپنے کو پاک صاف کرنے کا اور حسنات و طاعات کے ذریعہ اپنے ذخیرۂ آخرت میں اضافہ اور اللہ

تعالیٰ کا مزید تقرب حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ پس موت کی دعا اس کھلے دروازے کو بند کرنے کی دعا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس میں بندہ کے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ البتہ اللہ کے خاص مقرب بندے جب ان کا وقتِ موعود قریب آتا ہے تو لقاءِ الٰہی کے غلبۂ شوق کی وجہ سے کبھی کبھی ان سے موت کی تمنا اور دعا کا ظہور بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا: "[1] فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۝" اور آخر وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: "اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى" (اے اللہ! میں رفیقِ اعلیٰ کا طالب و سائل ہوں) اسی قبیل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

دعا کے چند آداب

دوسرے سے پہلے اپنے لئے دُعا

دعا کا ایک ادب یہ ہے کہ جب کسی دوسرے کے لئے دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے اس کے بعد دوسرے کے لئے۔ اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے گا تو اس کی حیثیت محتاج سائل کی نہ ہوگی، بلکہ صرف "سفارشی" کی سی ہوگی اور یہ بات دربارِ الٰہی کے کسی منگتا کے لئے مناسب نہیں ہے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی دستور تھا کہ جب آپ ﷺ کسی دوسرے کے لئے دعا فرمانا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے۔ عبدیتِ کاملہ کا تقاضا یہی تھا۔

۸۸) **عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَكَرَ اَحَدًا فَدَعَا لَهٗ بَدَاَبِنَفْسِهٖ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو یاد فرماتے اور اس کے لئے دُعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے، پھر اس شخص کے لئے دُعا فرماتے۔ (جامع ترمذی)

ہاتھ اٹھا کے دُعا کرنا

۸۹) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ اَكُفِّكُمْ وَلَاتَسْاَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا فَاِذَا فَرَغْتُمْ فَامْسَحُوْا بِهَا وُجُوْهَكُمْ.** (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ سے اس طرح ہاتھ اٹھا کے مانگا کرو کہ ہتھیلیوں کا رُخ سامنے ہو ہاتھ الٹے کر کے نہ مانگا کرو، اور جب دُعا کر چکو تو اُٹھے ہاتھ چہرے پر پھیر لو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... دوسری بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آنے والی اور

---

[1] اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مولا ہے دنیا اور آخرت میں، مجھے اٹھا لے اس حالت میں کہ تیرا فرمانبردار بندہ ہوں، اور مجھے ساتھ کر دے اپنے اچھے نیک بندوں کے۔ ۱۲

نازل ہونے والی کسی بلا کو رکوانے کے لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کرتے تو ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف ہوتی تھی، اور جب دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگتے تھے تو سیدھے ہاتھ پھیلا کے مانگتے تھے جس طرح کسی سائل اور منگتا کو ہاتھ پسار کے اور پھیلا کے مانگنا چاہئے۔ اس کی روشنی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جب اللہ سے اپنی کوئی حاجت مانگی جائے تو اس کے سامنے فقیروں کی طرح ہاتھ سیدھے پھیلا کے مانگی جائے اور آخر میں وہ پھیلے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر لئے جائیں۔ اس تصور کے ساتھ کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی حصہ ان کو ضرور ملا ہے۔

۹۰) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا دَعَا فَرَفَعَ يَدَيْهِ مَسَحَ وَجْهَهُ بِيَدَيْهِ.

(رواہ ابو داؤد والبیہقی)

ترجمہ: سائب بن یزید تابعی اپنے والد یزید بن سعید بن ثمامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ ﷺ ہاتھ اُٹھا کے دُعا مانگتے تو آخر میں اپنے ہاتھ چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے تھے۔ (سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ...... دعا میں ہاتھ اُٹھانا اور آخر میں ہاتھ منہ پر پھیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب قریب بتواتر ثابت ہے۔ جن لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے صرف غلط فہمی ہوئی ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں قریباً تیں حدیثیں اس کے متعلق یکجا کر دی ہیں اور تفصیل سے ان حضرات کی غلط فہمی کی حقیقت واضح کی ہے۔

دُعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ

۹۲) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ قَالَ سَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُجُلًا يَدْعُوْ فِيْ صَلٰوتِهِ لَمْ يَحْمَدِ اللهَ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَّلَ هٰذَا ثُمَّ دَعَاهُ فَقَالَ لَهُ اَوْ لِغَيْرِهِ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِتَحْمِيْدِ رَبِّهٖ وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَدْعُوْ بَعْدُ بِمَاشَاءَ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ: فضالہ بن عبید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو سنا اس نے نماز میں دعا کی جس میں نہ اللہ کی حمد کی نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: اس آدمی نے دعا میں جلد بازی کی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کو بلایا اور اس سے یا اس کی موجودگی میں دوسرے آدمی کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو (دعا کرنے سے پہلے) اس کو چاہئے کہ اللہ کی حمد و ثناء کرے، پھر اس کے رسول ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد جو چاہے اللہ سے مانگے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

دُعا کے آخر میں "آمین"

۹۲) عَنْ اَبِیْ زُهَیْرِ النُّمَیْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةً فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِی الْمَسْئَلَةِ فَوَقَفَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَسْتَمِعُ مِنْهُ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِاٰمِیْن، فَاِنَّهٗ اِنْ خَتَمَ بِاٰمِیْن فَقَدْ اَوْجَبَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: ابو زہیر نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلے۔ ہمارا گزر اللہ کے ایک بندے پر ہوا جو بڑے الحاح سے اللہ سے مانگ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا اور اللہ کے حضور میں اس کا مانگنا گڑگڑانا سننے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ: "اگر اس نے دُعا کا خاتمہ صحیح کیا اور مُہر ٹھیک لگائی تو جو اس نے مانگا ہے اس کا اس نے فیصلہ کرالیا۔" ہم میں سے ایک نے پوچھا کہ: "حضور ﷺ! صحیح خاتمہ کا اور مُہر ٹھیک لگانے کا طریقہ کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "آخر میں آمین کہہ کے دُعا ختم کرے (تو اگر اس نے ایسا کیا تو بس اللہ سے طے کرالیا) (رواہ ابو داؤد)

تشریح..... ختم کے معنی ختم کرنے کے بھی ہیں اور مہر لگانے کے بھی ہیں، بلکہ یہ دونوں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں، اس لئے ترجمہ میں دونوں ہی لفظوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ حدیث کا اصل سبق یہ ہے کہ ہر دُعا کے خاتمہ پر بندے کو آمین کہنا چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! میری یہ دُعا قبول فرما! اسی پر ہر دعا کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس کی حکمت عنقریب ہی پہلے لکھی جاچکی ہے۔

اپنے چھوٹوں سے بھی دُعا کی درخواست

۹۳) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اِسْتَاذَنْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِی الْعُمْرَةِ فَاَذِنَ وَقَالَ اَشْرِكْنَا یَا اُخَیَّ فِیْ دُعَائِكَ وَلَاتَنْسَنَا فَقَالَ كَلِمَةً مَایَسُرُّنِیْ اَنَّ لِیْ بِهَاالدُّنْیَا. (رواه ابوداؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: "ایک دفعہ میں نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ جانے کی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت عطا فرمادی، اور ارشاد فرمایا: "بھیا! ہمیں بھی اپنی دُعاؤں میں شامل کرنا اور ہم کو بھول نہ جانا؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "آپ ﷺ نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھیا کا جو کلمہ کہا، اگر مجھے اس کے عوض ساری دنیا دیدی جائے تو میں راضی نہ ہوں گا۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دُعا ایسی چیز ہے جس کی استدعا بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے کرنی چاہئے۔ بالخصوص اس وقت جبکہ وہ کسی ایسے مقبول عمل کے لئے یا ایسے مقدس مقام کو جارہا ہوں جہاں قبولیت کی خاص امید ہو۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "اُخَیَّ" کے لفظ سے خطاب فرمایا جو "اخی" کی تصغیر ہے، اور جس کا لفظی ترجمہ "بھیا" ہے۔ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جتنی خوشی

ہوئی (جس کا انہوں نے اظہار بھی فرمایا ہے) وہ بالکل برحق ہے۔ اس کے ساتھ اس حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقام کی رفعت اور بارگاہِ الٰہی میں ان کی مقبولیت کی جو شہادت ملتی ہے وہ بجائے خود بہت بڑی سند ہے۔

وہ دُعائیں جو خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

۹۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهٖ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِاَخِيْهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ بِهٖ اٰمِيْنَ وَلَكَ بِمِثْلٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کی اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دُعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے پاس ایک فرشتہ ہے جس کی یہ ڈیوٹی ہے کہ جب وہ اپنے کسی بھائی کے لئے (غائبانہ) کوئی اچھی دُعا کرے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ: "تیری یہ دُعا اللہ قبول کرے، اور تیرے لئے بھی اسی طرح کا خیر عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... غائبانہ دُعا کی جس خصوصی قبولیت اور برکت کا اس حدیث میں ذکر ہے اس کی خاص وجہ بظاہر یہ ہے کہ ایسی دعا میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثُ دَعْوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَاشَكَّ فِيْهِنَّ دَعْوَةُ الْوَالِدِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ. (رواه الترمذى و ابوداؤد و ابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین دعائیں ہیں جو خاص طور سے قبول ہوتی ہیں، ان کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے۔ ایک اولاد کے حق میں ماں باپ کی دُعا۔ دوسرے مسافر اور پردیسی کی دُعا۔ تیسرے مظلوم کی دُعا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ان دعاؤں کی مقبولیت کا خاص راز بھی یہی ہے کہ یہ دعائیں اخلاص سے اور دل سے ہوتی ہیں۔ اولاد کے لئے ماں باپ کا خلوص تو ظاہر ہے۔ اسی طرح بے چارے پردیسی اور مظلوم کا دل شکستہ ہوتا ہے، اور دل کی شکستگی میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچنے کی خاص طاقت ہے۔

۹۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ خَمْسُ دَعْوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ حَتّٰى يَنْتَصِرَ وَدَعْوَةُ الْحَاجِّ حَتّٰى يَصْدِرَ وَدَعْوَةُ الْمُجَاهِدِ حَتّٰى يُفْقَدَ وَدَعْوَةُ الْمَرِيْضِ حَتّٰى يَبْرَأَ وَدَعْوَةُ الْاَخِ لِاَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ ثُمَّ قَالَ وَاَسْرَعُ هٰذِهِ الدَّعْوَاتِ اِجَابَةً دَعْوَةُ الْاَخِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پانچ آدمیوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں۔ مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے لے۔ اور حج کرنے والے کی دعا جب تک وہ لوٹ کے اپنے گھر واپس نہ آئے اور راہِ خدا میں جہاد کرنیوالے کی دعا جب تک وہ شہید ہو

کے دنیا سے لاپتہ نہ ہو جائے' اور بیمار کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو اور ایک بھائی کی دوسرے بھائی کیلئے غائبانہ دُعا۔ یہ سب بیان فرمانے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اور ان دعاؤں میں سب سے جلدی قبول ہونے والی دُعا کسی بھائی کے لئے غائبانہ دُعا ہے۔ (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... دُعا اگر حقیقۃً دُعا ہو اور خود دُعا کرنے والے کی ذات اور اس کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جو قبولیت میں مانع ہوتی ہے تو دُعا عموماً قبول ہی ہوتی ہے لیکن بندۂ مؤمن کے بعض خاص احوال یا اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے رحمتِ الٰہی خصوصیت سے متوجہ ہوتی ہے اور دعا کی قبولیت کا خصوصی استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث میں جن پانچ آدمیوں کی دعاؤں کا ذکر ہے ان میں سے مظلوم کی دعا اور غائبانہ دعا کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور حج اور جہاد ایسے اعمال ہیں کہ جب تک بندہ ان میں مشغول ہو وہ گویا اللہ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے قریب تر ہے۔ اسی طرح مرد مؤمن کی بیماری گناہوں سے اس کی تطہیر کا ذریعہ اور قربِ الٰہی کی راہ میں اس کی غیر معمولی ترقی کا وسیلہ ہوتی ہے۔ اور بیماری کے بستر پر وہ ولایت کی منزلیں طے کرتا ہے اسلئے اس کی دعا بھی خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔

قبولیت دُعا کے خاص احوال واوقات

دُعا کی قبولیت میں بنیادی دخل تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دعا کرنے والے کے تعلق اور اس اندرونی کیفیت کو ہوتا ہے جس کو قرآن مجید میں "اضطرار" اور "ابتہال" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ خاص احوال اور اوقات بھی ایسے ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی خاص طور سے امید کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ان احوال واوقات کی خاص طور سے نشاندہی فرمائی ہے۔

۹۷) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى فَرِيْضَةً فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَمَنْ خَتَمَ الْقُرْاٰنَ فَلَهٗ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ. (رواه الطبرانی فی الكبير)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بندہ فرض نماز پڑھے (اور اس کے بعد دل سے دُعا کرے) تو اس کی دُعا قبول ہو گی' اسی طرح جو آدمی قرآن مجید ختم کرے (اور دُعا کرے) تو اس کی دُعا بھی قبول ہو گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... نماز اور خاص کر فرض نماز میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے' بشرطیکہ نماز اور تلاوت کی صرف صورت نہ ہو' بلکہ حقیقت ہو۔ گویا یہ دونوں عمل بندۂ مؤمن کی معراج ہیں۔ پس ان دونوں کے ختم پر بندہ اللہ تعالیٰ سے جو دُعا کرے وہ اس کی مستحق ہے کہ رحمتِ الٰہی خود آگے بڑھ کے اس کا استقبال کرے۔

۹۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلدُّعَاءُ لَايُرَدُّ بَيْنَ الْاَذَانِ وَ الْاِقَامَةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اذان اور اقامت کے درمیان دُعا رد نہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

دُعا رَدنہیں ہوتی قبول ہی ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۹۹) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تُفْتَحُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَیُسْتَجَابُ الدُّعَاءُ فِیْ اَرْبَعَۃِ مَوَاطِنَ عِنْدَالْتِقَاءِ الصُّفُوْفِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَعِنْدَ نُزُوْلِ الْغَیْثِ وَعِنْدَ اِقَامَۃِ الصَّلٰوۃِ وَعِنْدَ رُؤْیَۃِ الْکَعْبَۃِ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چار موقعے ہیں جن میں دُعا خصوصیت سے قبول ہوتی ہے: ”راہِ خدا میں جنگ کے وقت، اور جس وقت آسمان سے بارش ہو رہی ہو (اور رحمت کا سماں ہو) اور نماز کے وقت اور جب کعبۃ اللہ نظر کے سامنے ہو۔ (معجم کبیر طبرانی)

۱۰۰) عَنْ رَبِیْعَۃَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ثَلَاثَۃُ مَوَاطِنَ لَاتُرَدُّ فِیْھَا دَعْوَۃُ رَجُلٍ یَکُوْنُ فِیْ بَرِیَّۃٍ حَیْثُ لَایَرَاہُ اَحَدٌ اِلَّااللّٰہُ فَیَقُوْمُ وَیُصَلِّیْ وَرَجُلٌ یَکُوْنُ مَعَہٗ فِئَۃٌ فَیَفِرُّعَنْہُ اَصْحَابُہٗ فَیَثْبُتُ وَرَجُلٌ یَقُوْمُ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ. (رواہ ابن مندۃ فی مسندہ)

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تین موقعے ایسے ہیں کہ ان میں دُعا کی جائے تو وہ رَد نہیں ہوگی (بلکہ لازماً قبول ہی ہوگی) ایک یہ کہ کوئی آدمی ایسے جنگل بیابان میں ہو جہاں خدا کے سوا کوئی اسے دیکھنے والا نہ ہو وہاں وہ خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھے (اور پھر دعا کرے) دوسرے یہ کہ کوئی شخص میدانِ جہاد میں (دشمن کی فوج کے سامنے) ہو، اس کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں، مگر وہ دشمنوں کے نرغہ میں) ثابت قدم رہا ہو (اور اس حال میں دعا کرے) تیسرے وہ آدمی جو رات کے آخری حصہ میں (بستر چھوڑ کے) اللہ کے حضور میں کھڑا ہو (اور پھر دعا کرے تو ان بندوں کی یہ دعائیں ضرور قبول ہوں گی۔) (مسند ابن مندہ)

۱۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ اِنَّ فِی اللَّیْلِ لَسَاعَۃً لَایُوَا فِقُھَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ یَسْأَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا مِنْ اَمْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَۃٍ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے کہ: ”رات میں ایک خاص وقت ہے جو مؤمن بندہ اس وقت میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی مانگے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور عطا فرما دے گا۔ اور اس میں کسی خاص رات کی خصوصیت نہیں بلکہ اللہ کا یہ کرم ہر رات میں ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث (معارف الحدیث کی جلد سوم میں) تہجد کے بیان میں صحیحین کے حوالہ سے ذِکر کی جا چکی ہے، جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سماءِ دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اور خود ان کی طرف سے پکار ہوتی ہے کہ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کا فیصلہ کروں، کوئی ہے مجھ

رات کا آخری حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

مندرجہ بالا حدیثوں سے دعا کی قبولیت کے جو خاص احوال و اوقات معلوم ہوئے ہیں وہ یہ ہیں:

فرض نمازوں کے بعد، ختم قرآن کے بعد، اذان اور اقامت کے درمیان، میدانِ جہاد میں جنگ کے وقت، بارانِ رحمت کے نزول کے وقت جس وقت کعبۃ اللہ آنکھوں کے سامنے ہو، ایسے جنگل بیابان میں نماز پڑھ کے جہاں خدا کے سوا کوئی دیکھنے والا نہ ہو، میدانِ جہاد میں، جب کمزور ساتھیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا ہو، اور رات کے آخری حصے میں۔

وہ حدیثیں اپنے موقع پر پہلے ذکر کی جا چکی ہیں جن میں شبِ قدر میں اور عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں اور جمعہ کی خاص ساعت میں اور روزہ کے افطار کے وقت، اور سفرِ حج اور سفرِ جہاد میں اور بیماری اور مسافری کی حالت میں دعاؤں کی قبولیت کی خاص توقع دلائی گئی ہے۔

لیکن یہ بات برابر ملحوظ رہنی چاہیے کہ دعا کا مطلب دعا کے الفاظ اور صرف اس کی صورت نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حقیقت ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، پودا اسی دانے سے اگتا ہے جس میں مغز ہو۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی احادیث سے دعا کی قبولیت کا مطلب بھی سمجھ لینا چاہیے۔

دُعا قبول ہونے کا مطلب اور اس کی صورتیں

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیتِ دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دُعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندے کا علم بے حد ناقص ہے، بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم و جہول ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولتمندی نعمت ہے، اور بہت سے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے۔ بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قربِ خداوندی کا وسیلہ ہے۔ اور حجاج اور ابن زیاد کی طرح بہت سے ہیں جن کے لئے حکومتی اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا میرے لئے فتنہ اور زہر ہے۔ اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کے لئے بہتر نہیں ہوتی، یا اس کا عطا کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم و دانا ہے، یہ بات اس کے علم و حکم کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا فرما دے۔ دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب اس کا بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عوض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کے لئے ذخیرۂ آخرت بن جاتی ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اسباب و مسببات کا جو سلسلہ ہے اس کے حساب سے اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس دعا کے نتیجے میں اس آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے۔ بہر حال دعا کے قبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعا رائیگاں نہیں جاتی، اور دعا کرنے والا محروم نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے مطابق مذکورۂ بالا صورتوں میں سے کسی نہ کسی طرح اس کو ضرور نواز تا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَدْعُوْبِدَعْوَةٍ لَیْسَ فِیْهَا اِثْمٌ وَلَا قَطِیْعَةُ رَحْمٍ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ بِهَا اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا اَنْ یُعَجِّلَ لَهٗ دَعْوَتَهٗ وَاِمَّا اَنْ یَّدَّخِرَهَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ وَاِمَّا اَنْ یَّصْرِفَ عَنْهُ مِنَ السُّوْءِ مِثْلَهَا قَالُوْا اِذًا نُکْثِرُ قَالَ اللّٰهُ اَکْثَرُ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو مؤمن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے: یا تو جو اس نے مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرمادیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنادیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: جب بات یہ ہے (کہ ہر دعا ضرور قبول ہوتی ہے اور اس کے حساب میں کچھ نہ کچھ ضرور ملتا ہے) تو ہم بہت زیادہ دعائیں کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ احمد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اللہ کا خزانہ لا انتہا اور غیر فانی ہے اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ ہر ایک کے لئے عطا فرمانے کا فیصلہ کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے حساب میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا فرمائیں گے تو بندے کی زبان سے نکلے گا:

یَالَیْتَهٗ لَمْ یُعَجَّلْ لَهٗ شَیْئٌ مِنْ دُعَائِهٖ (کنز العمال: ص ۵۷ جلد ۲)

اے کاش! میری کوئی بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی، اور ہر دعا کا پھل مجھے یہیں ملتا۔

رسول اللہ ﷺ کی دُعائیں

دعا سے متعلق جو حدیثیں یہاں تک مذکور ہوئیں ان میں یا تو دعا کی ترغیب اور اس کی عظمت و برکات کا بیان تھا یا دعا کے آداب اور اس سے متعلق ہدایات اور موجباتِ قبولیت بیان فرمائے گئے تھے۔ یہ سب مضامین گویا تمہیدی تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ کی وہ اصل دعائیں اور سوز و گداز سے بھری ہوئی بارگاہِ خداوندی میں آپ ﷺ کی وہ مناجاتیں پڑھئے جو آپ کے مقامِ معرفت اور قلبی کیفیات و واردات کو ممکن حد تک جاننے کا بہترین وسیلہ اور امت کیلئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں اور جن کو پورے ذخیرۂ حدیث کا بجا طور پر گلِ سرسبد کہا جا سکتا ہے۔ نبوی ﷺ دعاؤں کے اس پورے ذخیرے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ایک وہ جن کا تعلق خاص اوقات اور مخصوص حالات سے ہے مثلاً صبح نمودار ہونے کے وقت کی دعا' شام کے وقت کی' سونے کے وقت کی دعا' نیند سے بیدار ہونے کے وقت کی دعا' آندھی یا بارش کے وقت کی دعا' کسی مصیبت اور پریشانی کے وقت کی دعا وغیرہ وغیرہ۔

دوسری وہ دعائیں جو عام نوعیت کی ہیں' کسی خاص وقت اور مخصوص حالات سے ان کا تعلق نہیں۔ یہ دعائیں اکثر جامع قسم کی ہیں۔

تیسری قسم کی دعائیں وہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ نماز میں یا نماز سے فارغ ہو کر یعنی سلام کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں کیا کرتے تھے۔ یہاں پہلے یہی تیسری قسم کی نماز والی دعائیں درج کی جا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے اس عظیم ترین اور بیش بہا ورثہ کی شایانِ شان قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز میں اور نماز کے بعد کی جانے والی دعائیں

تکبیر تحریمہ کے بعد کی بعض افتتاحی دُعائیں

۱۰۳) عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ، ثُمَّ قَالَ "اِنَّ صَلٰوتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اهْدِنِىْ لِاَحْسَنِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ لَايَهْدِىْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَقِنِىْ سَيِّئَ الْاَخْلَاقِ لَايَقِىْ سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ." (رواہ النسائی)

ترجمہ. حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے' پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں' مجھے اسی کا حکم

ہے اور میں سب سے پہلے اس کی فرمانبرداری کرنیوالا ہوں' اے میرے اللہ! مجھے بہترین اعمال واخلاق کی ہدایت فرما' یہ ہدایت صرف تجھ ہی سے مل سکتی ہے' اور برے اعمال واخلاق سے مجھے بچا اور میری حفاظت فرما' یہ حفاظت بھی تو ہی فرما سکتا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح...... اس دعا میں شروع میں تو جیسا کہ چاہئے توحید کی شہادت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور میں اپنی بندگی و نیاز مندی اور مخلصانہ فدویت و وفاداری کا اقرار و اظہار ہے اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے اچھے اعمال و اخلاق کی ہدایت توفیق اور برے اعمال واخلاق سے حفاظت اور بچاؤ کی التجا اور استدعا کی گئی ہے' اور دراصل اسی ہدایت اور حفاظت پر انسان کی سعادت اور فلاح کا دارومدار ہے۔ معارف الحدیث جلد سوم میں (صفحہ ...... سے ...... تک) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک طویل حدیث صحیح مسلم کے حوالہ سے درج کی جاچکی ہے' اس میں تکبیر تحریمہ کے بعد یہی افتتاحی دعا کافی اضافہ کے ساتھ مذکور ہوچکی ہے اور وہ اضافہ بڑا دلگداز ہے۔ نیز اس میں اس افتتاحی دعا کے علاوہ رکوع اور قومہ اور سجدہ' اور پھر جلسہ اور قعدۂ اخیرہ کی خاص پرسوز دعائیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ اور بلاشبہ نماز کی دعاؤں کے بارے میں وہ بڑی جامع حدیث ہے۔ اس کی تشریح میں یہ بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کی دعائیں زیادہ تر رات کے نوافل میں پڑھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کی جو دعائیں تفصیل سے ذکر کی ہیں ان میں آپ ﷺ کی نماز کی باطنی کیفیات کا عکس ممکن حد تک دیکھا جاسکتا ہے۔ حدیث کے زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے یہاں اس کو مکرر درج نہیں کیا جارہا ہے۔ ان چیزوں کا ذوق و شوق رکھنے والے حضرات اس کو معارف الحدیث جلد سوم میں پڑھ لیں۔

١٠٤) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاؤُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْكَ اَنَبْتُ وَبِكَ خَاصَمْتُ وَاِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو تہجد پڑھنے کھڑے ہوتے تو یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ الخ۔" (اے میرے اللہ! ساری حمد و ستائش تیرے ہی لئے ہے اور تو ہی اس کا مستحق ہے' تو ہی قائم رکھنے والا ہے زمین و آسمان کا اور ان سب چیزوں کا جو ان میں ہیں (یعنی سارے عالم علوی اور سفلی کا وجود تیرے ہی ارادہ سے قائم ہے) مولا! ساری حمد و ستائش کا تو ہی مستحق ہے' تو ہی نور ہے زمین و آسمان کا اور

ان سب کا جو زمین و آسمان میں ہیں (یعنی سارے عالم میں جہاں بھی نور کی کوئی کرن ہے وہ تیرے ہی نور سے ہے) اور ساری حمد وستائش تیرے ہی لئے ہے' تو فرمانروا ہے زمین و آسمان اور اس ساری کائنات کا جو زمین و آسمان میں ہے' ساری حمد وستائش تیرے ہی لئے سزاوار ہے' تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے' مرنے کے بعد تیرے حضور حاضری اور تیری ملاقات حق ہے' اور تیرا فرمان حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور سارے نبی برحق ہیں اور محمد ﷺ بھی برحق ہیں اور قیامت کا آنا برحق ہے' اے اللہ! میں نے اپنے کو تیرے سپرد کر دیا اور میں تجھ پر ایمان لایا اور میں نے تیرا سہارا پکڑ لیا اور پورا بھروسہ تجھ پر کر لیا اور اپنا رخ تیری طرف کر دیا اور (مخالفین حق سے) تیری ہی مدد سے میری ٹکر ہے' اور میں نے اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے تیری ہی بارگاہ میں پیش کر دیا ہے' پس اے میرے اللہ! بخش دے میرے وہ سب قصور جو مجھ سے پہلے سرزد ہوئے اور جو پیچھے ہوئے اور جو میں نے پوشیدہ کئے اور جو اعلانیہ کئے اور جن کے بارے میں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے' تو جسے چاہے آگے بڑھانے والا ہے اور جسے چاہے پیچھے ڈال دینے والا ہے' تیرے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ صرف تو ہی معبود برحق ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں میں سے ہے جن سے آپ ﷺ کے مقامِ معرفت اور آپ ﷺ کی باطنی کیفیات وواردات کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۰۵) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِلٰهَ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نمازِ تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو بالکل شروع میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ الخ۔" اے میرے اللہ! جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! زمین و آسمان کو پیدا کرنے والے غیب اور شہود کو یکساں جاننے والے' تو ہی فیصلہ فرمائے گا بندوں کے درمیان ان کے اختلافات کے بارے میں' مجھے اپنی خاص توفیق سے اس راہِ حق وہدایت پر چلا جس کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے' تو ہی جسے چاہے گا سیدھے راستہ پر چلائے گا۔ (صحیح مسلم)

رکوع و سجود کی دعائیں

۱۰۶) **عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَيَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ "سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ.** (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو گیا۔ جب آپ ﷺ رکوع میں گئے تو آپ ﷺ نے اتنی دیر تک رکوع کیا جتنی دیر میں سورۂ بقرہ

پڑھی جائے۔ اس رکوع میں آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری تھے:

سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ

پاک ہے اللہ زور و قوت اور فرمانروائی والا، اور عظمت و کبریائی والا۔ (سنن نسائی)

تشریح ..... معارف الحدیث جلد سوم میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" اور سجدے میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى" پڑھنے کا تھا، اور آپ ﷺ نے اسی کی تعلیم فرمائی۔ لیکن کبھی کبھی ان کے علاوہ دوسرے تسبیح و تقدیس کے کلمات اور دوسری دعائیں بھی آپ ﷺ رکوع و سجود میں کرتے تھے۔ اس سلسلہ کی متعدد احادیث وہاں ذکر کی جا چکی ہیں۔ نیز یہ بھی وہاں ذکر کیا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نفل نماز میں خاص کر رات کے نوافل میں کبھی کبھی طویل رکوع و سجود بھی کرتے تھے۔ یہ نماز جس میں عوف بن مالکؓ حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوگئے اور جس میں آپ ﷺ نے بقدر سورۂ بقرہ کے طویل رکوع کیا یہ بھی نفلی نماز تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو کوئی ذرہ اس کیفیت کا نصیب فرمائے جو اس رکوع میں آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر طاری رہی ہوگی۔

۱۰۷) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِىْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخْطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِىْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ ﷺ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا، اس وقت آپ ﷺ سجدے میں تھے اور آپ ﷺ کے دونوں پاؤں کھڑے تھے (جیسے کہ سجدے کی حالت میں ہوتے ہیں) اور آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ الخ" (اے میرے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے تیری پناہ لیتا ہوں، میں تیری ثنا و صفت پوری طرح بیان نہیں کر سکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے۔ (صحیح مسلم)

۱۰۸) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِىْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجُلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سجدے میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِىْ كُلَّهٗ الخ" (اے میرے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، چھوٹے بھی، بڑے بھی، پہلے بھی، پچھلے بھی، کھلے بھی اور ڈھکے چھپے بھی)۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کی یہ دونوں حدیثیں معارف الحدیث جلد سوم میں بھی ذکر کی جاچکی ہیں۔

قعدۂ اخیرہ کی بعض دُعائیں

۱۰۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَدْعُوْا فِي الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں یہ دعا بھی کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ الخ" (اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں قبر کے عذاب سے اور دجال کے فتنہ سے اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اور گناہ کے ہر کام سے اور قرضہ کے بار سے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے ساتھ متصلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد عذابِ نار، عذابِ قبر، فتنہ دجال اور زندگی اور موت کے سارے فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بات متعین ہو گئی کہ یہ دعا آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کی جائے۔ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث صحیح مسلم ہی کے حوالے سے معارف جلد سوم میں ذکر کی جاچکی ہے۔

۱۱۰) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِوَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْباً سَلِيْماً وَّلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَاتَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاتَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ. (رواه النسائى)

ترجمہ۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ الخ" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں دین میں ثابت قدمی اور حق وہدایت پر استواری و مضبوطی اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری نعمتوں کی شکر گزاری کا اور اچھی طرح تیری عبادت گزاری کا، اور مانگتا ہوں تجھ سے وہ دل جس میں روگ نہ ہو اور وہ زبان جو صداقت شعار ہو، اور تجھ سے سائل ہوں اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے، اور پناہ چاہتا ہوں اس شر اور برائی سے جس کا تجھے علم ہے، اور معافی اور مغفرت مانگتا ہوں ان گناہوں کے لئے جو تجھے معلوم ہیں۔ (سنن نسائی)

۱۱۱) عَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ صَلّٰى عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ بِالْقَوْمِ صَلٰوةً اَخَفَّهَا فَكَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْهَا فَقَالَ

اَلَمْ اُتِمَّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ؟ قَالُوْا بَلٰى، قَالَ اَمَا اِنِّىْ دَعَوْتُ فِيْهَا بِدُعَاءٍ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَدْعُوْبِهٖ، اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ اَحْيِنِىْ مَاعَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّىْ وَتَوَفَّنِىْ اِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّىْ، اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ فِى الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَاَسْاَلُكَ كَلِمَةَ الْاِخْلَاصِ فِى الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَ اَسْاَلُكَ الْقَصْدَ فِى الْفَقْرِ وَالْغِنٰى وَاَسْاَلُكَ نَعِيْمًا لَا يَنْفَدُ وَاَسْئَلُكَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَا وَاَسْئَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَاَسْاَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَالْمَوْتِ وَاَسْاَلُكَ لَذَّةَ النَّظْرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَالشَّوْقَ اِلٰى لِقَائِكَ فِىْ غَيْرِضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ وَّلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا بِزِيْنَةِ الْاِيْمَانِ وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ. (رواه النسائى)

ترجمہ... قیس بن عباد (تابعی) سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہلکی اور مختصر نماز پڑھائی تو لوگوں نے اس پر کچھ چہ میگوئیاں کیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا بات ہے؟ کیا میں نے رکوع اور سجدے (اور دوسرے ارکان) پوری طرح ادا نہیں کئے؟" لوگوں نے کہا: "یہ بات تو نہیں، لیکن ہم نے محسوس یہی کیا کہ آپ نے (اس وقت) بہت ہلکی نماز پڑھی۔" حضرت عمارؓ نے فرمایا: "میں نے تو رکوع و سجود اور دوسرے ارکان پوری طرح ادا کرنے کے علاوہ نماز میں (اچھی خاصی طویل) وہ خاص دعا بھی کی تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کیا کرتے تھے (اور وہ یہ ہے): "اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ ..." (اے میرے اللہ! تو عالم الغیب ہے، اور تجھے اپنی مخلوق پر پوری قدرت حاصل ہے۔ تو اپنے اس علم غیب اور اس قدرتِ مطلقہ سے مجھے اس وقت تک دنیا میں رکھ جب تک تیرے علم میں میری زندگی میرے لئے باعثِ خیر ہو اور مجھے اس وقت دنیا سے اٹھا لے جب اٹھایا جانا میرے لئے بہتر ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف اور تیری خشیت خلوت میں اور جلوت میں، اور مانگتا ہوں تجھ سے بے لاگ اور خدا لگتی مخلصانہ بات کرنے کی توفیق رضامندی کی حالت میں اور سخت ناراضی کی حالت میں (یعنی مجھے توفیق دے کہ کسی کی رضامندی یا ناراضی کی وجہ سے حق و انصاف کے خلاف کوئی بات نہ کہوں) اور اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں میانہ روی، تنگدستی میں اور خوش حالی میں اور میں سائل ہوں رضا بالقضا کی صفت کا، اور سوال کرتا ہوں تجھ سے آخرت کے جاودانی عیش و آرام کا اور آنکھوں کی اس ٹھنڈک کا جو کبھی منقطع نہ ہو، اور تجھ سے مانگتا ہوں مرنے کے بعد ٹھنڈی اور چین و سکون کی زندگی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کا اشتیاق، بغیر اس کے کہ کوئی ضرر رساں کیفیت پیدا ہو، اور بغیر اس کے کہ کسی گمراہ کن فتنہ میں ابتلا ہو[1]۔ اے میرے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے آراستہ فرما اور ہمیں ہدایت یافتہ اور دوسروں کے لئے ذریعہ ہدایت بنا۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیں نماز میں کس موقع پر کرتے تھے لیکن دوسری حدیثوں کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے کہ آپؐ یہ دعائیں نماز کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے کرتے تھے، نماز میں

---

1 غالباً مطلب یہ ہے کہ لقاء الٰہی کے شوق کے غلبہ سے کوئی ایسی کیفیت پیدا نہ ہو جائے جو کسی ضرر کا سبب اور کسی گمراہی میں ابتلا کا باعث بن جائے۔ واللہ اعلم

اس قسم کی دعاؤں کا خاص موقع و محل یہی ہے۔ اس موقع کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی درخواست پر جو دعا ان کو تعلیم فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ ظُلْمًا كَثِيْرًا الخ" وہ معارف الحدیث کی جلد سوم میں ذکر کی جاچکی ہے اور اسی کی تشریح میں وہ دلائل اور قرائن لکھے جاچکے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دعاؤں کا موقع اور محل تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے۔

۱۱۲) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يُعَلِّمُنَا بَعْدَالتَشَهُّدِ "اَلِّفِ اللّٰهُمَّ عَلَى الْخَيْرِ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِىْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمِ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو تشہد کے بعد یہ دعا سکھایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ عَلَى الْخَيْرِ بَيْنَ قُلُوْبِنَا الخ۔" (اے اللہ! خیر اور بھلائی پر ہمارے دلوں کو جوڑ دے اور ہمارے باہمی تعلقات کو درست کردے اور ہمیں سلامتی کی راہوں پر چلا اور ہمیں اندھیروں سے نکال کے روشنی کی فضا میں لا اور ظاہر و باطن کی ساری گندگیوں سے ہمیں بچا اور دور رکھ۔ اور ہمارے کانوں ہماری آنکھوں اور ہماری بیویوں اور ہماری نسل میں برکت دے اور ہم پر عنایت فرما، تو بڑا عنایت فرما اور مہربان ہے، اور ہمیں تو اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا اور شایانِ شان طریقے پر ان کا استقبال کرنے والا بنا اور نعمتوں کا ہم پر اتمام فرما، یعنی اپنی نعمتیں بھرپور عطا فرما۔ (سنن ابی داؤد)

نماز کے بعد کی دُعائیں

۱۱۳) **عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّكَ اَنْتَ الرَّبُّ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ، اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اَنَا شَهِيْدٌ اَنَّ الْعِبَادَ كُلَّهُمْ اِخْوَةٌ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ اِجْعَلْنِىْ مُخْلِصًا لَكَ وَاَهْلِىْ فِىْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ يَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ اِسْمَعْ وَاسْتَجِبْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ اَللّٰهُ نُوْرُالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ حَسْبِىَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الْاَكْبَرُ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْئٍ الخ" (اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی اکیلا تو ہی مالک اور پروردگار ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے۔ اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! میں گواہی دیتا

ہوں کہ تیرے سارے بندے (بندگی کے رشتے سے) بھائی بھائی ہیں۔ اے میرے اللہ! اے ہمارے پروردگار! اور ہر چیز کے پروردگار! مجھے اور میرے گھر والوں کو ہمیشہ کے لئے دنیا اور آخرت کی ایک ایک ساعت کے لئے اپنا مخلص اور وفادار بندہ بنا لے۔ اے ذوالجلال والاکرام میری التجا سن لے' میری دعا قبول فرمالے' اللہ ہی سب سے بڑا ہے' وہی بزرگ و برتر ہے' اللہ زمین و آسمان کا نور ہے (سارا جہان اسی کے نور سے قائم ہے اور منور ہے) اللہ ہی سب سے بڑا ہے وہی بزرگ و برتر ہے' میرے لئے میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا میرا سہارا اور بھروسا ہے۔ اللہ ہی سب سے بڑا ہے' وہی بزرگ و برتر ہے) (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ایک وہ جن میں اللہ تعالیٰ سے دنیا یا آخرت کی کوئی چیز طلب کی جائے' یا کسی شر اور بلا سے اس کی پناہ مانگی جائے۔ اور دوسری وہ جن میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کے جلال و جبروت اور بے نہایت احسانات کو یاد کر کے اس کے حضور میں اپنی بندگی و نیاز مندی اور مخلصانہ وفاداری و ممنونیت کا مظاہرہ کرے' اور اس طرح اس کی رحمت و عنایت اور اس کا قرب چاہے۔ نماز کے بعد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا جو حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت سے یہاں مذکور ہوئی اسی دوسری قسم کی ہے۔ اس سے پہلے جو دعائیں درج ہو چکی ہیں ان میں سے اکثر میں بھی یہی عنصر غالب ہے۔

۱۱۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ اَحْبَبْنَا اَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہم یہ چاہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے داہنی جانب کھڑے ہوں آپ ﷺ (نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے تھے تو میں نے سنا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے: "رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" (اے پروردگار! مجھے اپنے عذاب سے بچا اس دن جس دن کہ تو بندوں کو اٹھائے اور دوبارہ ان کو زندہ کرے) (صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت براءؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نماز کے بعد داہنی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ اور حضرت سمرہ بن جندبؓ کی ایک روایت سے جس کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سلام کے بعد مقتدیوں کی جانب رخ کر کے بیٹھتے تھے۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ مقتدیوں کی طرف رخ کر کے اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی قدر داہنی جانب کو بھی آپ کا رخ ہوتا تھا' اس بناء پر یہ دونوں بیان بجائے خود صحیح ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۵) عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَالْفَقْرِ وَ عَذَابِ الْقَبْرِ۔" (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں کفر سے، اور فقر و فاقہ سے اور قبر کے عذاب سے) (جامع ترمذی)

۱۱۶) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا سَلَّمَ مِنَ الصَّلٰوةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَفْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّىْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ مَا قَدَّمْتُ الخ۔" (اے اللہ! میرے سارے گناہ معاف فرمادے جو میں نے پہلے کئے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپا کے کئے اور جو اعلانیہ کئے اور جو بھی میں نے زیادتی کی، اور وہ گناہ بھی معاف فرمادے جن کا تجھ کو مجھ سے زیادہ علم ہے، تو آگے بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے کرنے والا ہے تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں) (سنن ابی داؤد)

۱۱۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ فِىْ دُبُرِالْفَجْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ عَمَلاً مُتَقَبَّلاً وَّرِزْقًا طَيِّبًا. (رواہ رزین)

ترجمہ۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر کے بعد (کبھی کبھی) یہ دعا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّ عَمَلاً مُتَقَبَّلاً وَّرِزْقًا طَيِّبًا." (اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس علم کا جو نفع مند ہو، اور ایسے اعمال کا جو تیری نگاہ میں قابل قبول ہوں، اور تجھ سے سائل ہوں حلال طیب روزی کا۔) (جامع رزین)

۱۱۸) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَسَرَّ اِلَيْهِ فَقَالَ اِذَا نْصَرَفْتَ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ سَبْعَ مَرَّاتٍ قَبْلَ اَنْ تَكَلَّمَ اَحَدًا فَاِنَّكَ اِذَا قُلْتَ ذَالِكَ ثُمَّ مُتَّ فِىْ لَيْلَتِكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِّنْهَا وَاِذَا صَلَّيْتَ الصُّبْحَ فَقُلْ ذَالِكَ فَاِنَّكَ اِذَا مُتَّ يَوْمَكَ كُتِبَ لَكَ جَوَارٌ مِنْهَا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت مسلم بن الحارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو خصوصیت کے ساتھ تلقین فرمائی کہ جب تم مغرب کی نماز ختم کرو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ یہ دعا کرو: "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ." (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) تم نے مغرب کے بعد اگر یہ دعا کی اور اسی رات میں تم کو موت آگئی تو دوزخ سے تمہارے بچاؤ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، اور اسی طرح جب تم صبح کی نماز پڑھو تو کسی آدمی سے بات کرنے سے پہلے سات دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرو "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ." (اے اللہ! مجھے دوزخ سے پناہ دے) اگر اس دن تمہاری موت مقدر ہو گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو دوزخ سے بچانے کا حکم ہو جائے گا۔ (سنن ابی داؤد)

۱۱۹) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَقَالَ يَا مَعَاذُ وَاللهِ لَاُحِبُّكَ اُوْصِيْكَ يَامُعَاذُ لَاتَدَعْهُنَّ فِىْ كُلِّ صَلٰوةٍ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ.

(رواه ابو داؤد و النسائى)

ترجمہ: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کے فرمایا: "اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے' میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کر: "اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ." (اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی' اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی)۔ (سنن ابی داؤد' سنن نسائی)

تشریح ..... نہایت مختصر ہونے کے باوجود یہ بڑی عظیم اور اہم دُعا ہے۔ اس کی عظمت اور اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنی محبت کا واسطہ دے کر تاکید کے ساتھ اس کی وصیت اور تلقین فرمائی۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث کی دعا "اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِىْ مِنَ النَّارِ—" کی تلقین بھی آپ ﷺ نے مسلم بن الحارث کو خصوصیت اور اہتمام سے فرمائی تھی اور وہ بھی نہایت مختصر ہے۔ اس غیر معمولی اہتمام کیساتھ حضور ﷺ کی تعلیم و تلقین کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام نہ کرنا بڑی ناقدری اور کم نصیبی کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

ختم تہجد پر آپ ﷺ کی ایک نہایت جامع دُعا

۱۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَيْلَةً حِيْنَ فَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِىْ بِهَا قَلْبِىْ وَ تَجْمَعُ بِهَا اَمْرِىْ وَتَلُمَّ بِهَا شَعْثِىْ وَتُصْلِحُ بِهَا غَائِبِىْ وَ تَرْفَعُ بِهَا شَاهِدِىْ وَتُزَكِّىْ بِهَا عَمَلِىْ وَ تُلْهِمُنِىْ بِهَا رُشْدِىْ وَتَعْصِمُنِىْ بِهَا مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِىْ اِيْمَانًا وَّ يَقِيْنًا لَيْسَ بَعْدَهٗ كُفْرٌ وَّ رَحْمَةً اَنَالُ بِهَاشَرَفَ كَرَامَتِكَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْفَوْزَ فِى الْقَضَاءِ وَنُزُلَ الشُّهَدَاءِ وَعَيْشَ السُّعَدَاءِ وَالنَّصْرَ عَلَى الْاَعْدَاءِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اُنْزِلُ بِكَ حَاجَتِىْ وَاِنْ قَصُرَ رَاْيِىْ وَضَعُفَ عَمَلِىْ اِفْتَقَرْتُ اِلٰى رَحْمَتِكَ فَاَسْئَلُكَ يَا قَاضِىَ الْاُمُوْرِ وَيَاشَافِىَ الصُّدُوْرِ كَمَا تُجِيْرُ بَيْنَ الْبُحُوْرِ اَنْ تُجِيْرَنِىْ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَمِنْ دَعْوَةِ الثُّبُوْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ مَاقَصُرَعَنْهُ رَاْئِى وَلَمْ تَبْلُغْهُ نِيَّتِىْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْاَلَتِىْ مِنْ خَيْرٍ وَعَدْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوْخَيْرٍ اَنْتَ مُعْطِيْهِ اَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ فَاِنِّىْ اَرْغَبُ اِلَيْكَ فِيْهِ وَاَسْاَلُكَهٗ بِرَحْمَتِكَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ ذَاالْحَبْلِ الشَّدِيْدِ وَالْاَمْرِالرَّشِيْدِ اَسْئَلُكَ الْاَمْنَ يَوْمَ الْوَعِيْدِ وَالْجَنَّةَ يَوْمَ الْخُلُوْدِ مَعَ الْمُقَرَّبِيْنَ الشُّهُوْدِ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ الْمُوْفِيْنَ بِالْعُهُوْدِ اِنَّكَ رَحِيْمٌ وَدُوْدٌ وَّاِنَّكَ تَفْعَلُ مَاتُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ سِلْمًا لِاَوْلِيَائِكَ وَعَدُوًّا لِاَعْدَائِكَ نُحِبُّ بِحُبِّكَ مَنْ اَحَبَّكَ وَنُعَادِىْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا الدُّعَاءُ وَعَلَيْكَ الْاِجَابَةُ وَهٰذَا الْجَهْدُ وَ عَلَيْكَ التُّكْلَانُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِىْ

نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَ نُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَ نُوْرًا مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ نُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَ نُوْرًا عَنْ یَمِیْنِیْ وَنُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَ نُوْرًا مِنْ فَوْقِیْ وَ نُوْرًا مِنْ تَحْتِیْ وَ نُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَشَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا سُبْحَانَ الَّذِیْ تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَکَرَّمَ سُبْحَانَ ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات نمازِ تہجد سے فارغ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِکَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ الخ ـ" (اے اللہ! میں تجھ سے دعا اور التجا کرتا ہوں تو محض اپنے فضل و کرم سے مجھ پر ایسی وسیع اور ہمہ گیر رحمت فرما جس سے میرا قلب تیری ہدایت سے بہرہ یاب ہو اور اپنے سارے معاملات میں مجھے تیری اس رحمت سے جمعیت نصیب ہو۔ میری ظاہری و باطنی پراگندگی اور ابتری دور ہو اور مجھ سے تعلق رکھنے والی جو چیزیں میرے پاس نہیں دور اور غائب ہیں تیری رحمت سے ان کو صلاح و فلاح حاصل ہو اور جو میرے پاس حاضر و موجود ہیں ان کو تیری رحمت سے رفعت اور قدر افزائی نصیب ہو اور خود میرے اعمال کا تیری اس رحمت سے تزکیہ ہو اور تیری طرف سے میرے قلب میں وہی ڈالا جائے جو میرے لئے صحیح اور مناسب ہو اور جس چیز سے مجھے رغبت اور الفت ہو وہ مجھے تیری اس رحمت سے عطا ہو اور ہر برائی سے تو میری حفاظت فرما۔ اے میرے اللہ! میرے دل کو وہ ایمان و یقین عطا فرما جس کے بعد کسی درجہ کا بھی کفر نہ ہو (یعنی کوئی بات بھی مجھ سے ایمان کے خلاف سرزد نہ ہو) اور مجھے اپنی اس رحمت سے نواز جس کے طفیل دنیا اور آخرت میں مجھے عزت و شرف کا مقام حاصل ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں قضاء و قدر کے فیصلوں میں کامیابی کی اور تجھ سے مانگتا ہوں تیرے شہید بندوں والا اعزاز اور تیرے نیک بخت بندوں والی زندگی اور دشمنوں کے مقابلے میں تیری حمایت اور مدد۔ اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں اپنی حاجتیں لے کر حاضر ہوا ہوں اگرچہ میری عقل و رائے کوتاہ اور میرا عمل اور جدوجہد ضعیف ہے۔ اے رحیم و کریم! میں تیری رحمت کا محتاج ہوں پس اے سارے اُمور کا فیصلہ فرمانے والے اور قلوب کے روگ دور کر کے ان کو شفا بخشنے والے مالک و مولا! جس طرح تو اپنی قدرتِ کاملہ سے (ایک ساتھ بہنے والے) سمندروں کو ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے (کہ کھاری شیریں سے الگ رہتا ہے اور شیریں کھاری سے) اسی طرح تو مجھے آتش دوزخ سے اور اُس عذاب سے جُدا اور دور رکھ جس کو دیکھ کے آدمی موت کی دُعا مانگے گا۔ اور اسی طرح مجھے عذاب قبر سے بچا۔ اے میرے اللہ! تو نے جس خیر اور نعمت کا اپنے کسی بندے کے لئے وعدہ فرمایا ہو، یا جو چیز اور نعمت تو کسی کو بغیر وعدے کے عطا فرمانے والا ہو اور میری عقل و رائے اس کے شعور اور اس کی طلب سے قاصر رہی ہو اور میری نیت بھی اس تک نہ پہنچی ہو اور میں نے تجھ سے اس کی استدعا بھی نہ کی ہو، تو اے میرے اللہ! تیری رحمت سے میں اُس کی بھی تجھ سے التجا کرتا ہوں، اور تیرے کرم کے بھروسے اُس کا طالب اور شائق ہوں، تو اپنے رحم و کرم سے وہ خیر و نعمت بھی مجھے عطا فرما۔ اے میرے وہ اللہ! جس کا رشتہ مضبوط و محکم ہے اور جس کا

ہر حکم اور کام صحیح اور درست ہے، میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ "یوم الوعید" یعنی قیامت کے دن مجھے امن وچین عطا فرما، اور "یوم الخلود" یعنی آخرت میں میرے لئے جنت کا فیصلہ فرما اپنے اُن بندوں کے ساتھ جو تیرے مقرب اور تیری بارگاہ کے حاضر باش ہیں اور رکوع و سجود یعنی نماز و عبادت میں مشغول رہنا جن کا وظیفۂ حیات ہے اور وفائے عہد جن کی خاص صفت ہے۔ اے میرے اللہ! تو بڑا مہربان اور بڑی عنایت و محبت فرمانے والا ہے اور "فعّال لما یرید" تیری شان ہے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا کردے کہ ہم دوسروں کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنیں، اور خود ہدایت یاب ہوں۔ نہ خود گم کردہ راہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن۔ تیرے دوستوں سے ہماری صلح ہو، تیرے دشمنوں کے ہم دشمن ہوں، جو کوئی تجھ سے محبت رکھے ہم تیری اس محبت کی وجہ سے اُس سے محبت کریں اور جو تیرے خلاف چلے اور عداوت کی راہ اختیار کرے، تیری عداوت کی وجہ سے ہم بھی اُس سے عداوت اور بغض رکھیں۔ اے اللہ! یہ میری دُعا ہے، اور قبول فرمانا تیرے ذمہ ہے، اور یہ میری حقیر کوشش ہے، اور اعتماد و بھروسہ اپنی کوشش اور دُعا پر نہیں بلکہ صرف تیرے کرم پر ہے۔ اے اللہ! میرے قلب میں نور پیدا فرما، اور میری قبر کو نورانی کردے، اور منور کردے میرے آگے اور میرے پیچھے اور میرے دائیں اور میرے بائیں اور میرے اوپر اور میرے نیچے (یعنی میرے ہر طرف تیرا نور ہی نور ہو) اور اے اللہ! میرے نور کو بڑھا اور مجھے نور عطا فرما، اور نور کو میرا اور میرے ساتھ کردے۔ پاک ہے وہ پروردگار جس نے عزت وجلال کی چادر اوڑھ لی ہے اور مجد و کرم اس کا لباس و شعار ہے، پاک ہے وہ رب قدوس جس کے سوا کسی کو تسبیح سزاوار نہیں، پاک ہے بندوں پر فضل وانعام فرمانے والا، پاک ہے جس کی خاص صفت عظمت و کرم ہے، پاک ہے رب ذوالجلال والاکرام۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... سبحان اللہ! کتنی بلند اور کس قدر جامع ہے یہ دُعا، تنہا اسی ایک دُعا سے (اور اس سے پہلے جو دعائیں درج ہوئیں اُن سے بھی) اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے شئون و صفات کی کتنی معرفت حاصل تھی، اور عبدیت جو بندے کا سب سے بڑا کمال ہے اُس میں آپؐ کا کیا مقام تھا، اور سید العالمین ﷺ اور محبوب رب العالمین ﷺ ہونے کے باوجود اپنے کو آپؐ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، اور بندگی و نیاز مندی کی کس فقیرانہ شان کے ساتھ اس سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے، نیز یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دُعا کے وقت آپؐ کے قلب مبارک کی کیا کیفیت ہوتی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے انسانی حاجتوں کا کتنا تفصیلی اور عمیق احساس آپؐ کو عطا فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ جیسے رؤف اور رحیم و کریم ہیں اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ان دعاؤں کے ایک ایک فقرے پر اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کیسا تلاطم اور دعا مانگنے والے پر کتنا پیار آتا ہوگا۔

پہلے لکھا جاچکا ہے کہ حضور ﷺ کی دعائیں اُمت کے لئے آپ ﷺ کا عظیم ترین ورثہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس ورثہ کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس سے پورا حصہ لینے کی کوشش کریں۔

مختلف اوقات واحوال کی دُعائیں

اب تک جو دعائیں مذکور ہوئیں وہ سب نماز کے اندر کی یا نماز کے بعد کی تھیں، اور نماز چونکہ اپنی روح و حقیقت کے لحاظ سے خود دعا و مناجات بلکہ اس کی مکمل ترین صورت ہے، اور اس کا موضوع ہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں اظہارِ عجز و نیاز اور دعا و سوال ہے، اس لئے اس میں اس طرح کی دعائیں کامل معرفت اور کمالِ عبدیت کی علامت ہونے کے باوجود کوئی عجوبہ نہیں۔ لیکن جو دعائیں رسول اللہ ﷺ نے دوسرے اوقات خاص کر کھانے پینے، سونے جاگنے اور دوسرے بشری و حیوانی تقاضوں والے اعمال واشغال کے اوقات کے لئے تعلیم فرمائی ہیں جن کے ذریعہ یہ اعمال واشغال بھی سراسر روحانی و نورانی اور اللہ تعالیٰ کے تقریب کا وسیلہ بن جاتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا خاص الخاص معجزہ ہے ذیل میں انہی دعاؤں کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔

صبح و شام کی دُعائیں

ہر آدمی کے لئے رات کے بعد صبح ہوتی ہے اور دن ختم ہونے پر شام آتی ہے، گویا ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہو کر اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور اپنے عملی نمونہ سے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ وہ ہر صبح و شام اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ و مستحکم کرے، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرے، اپنے قصوروں کے اعتراف کے ساتھ معافی مانگے، اور سائل و بھکاری بن کر ربِ کریم سے مناسبِ وقت دُعائیں کرے۔

۱۲۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ اَبَا بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مُرْنِىْ بِكَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ اِذَا اَصْبَحْتُ وَاِذَا اَمْسَيْتُ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ وَمَلِيْكَهٗ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِىْ وَ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ" قَالَ قُلْهَا اِذَا اَصْبَحْتَ وَ اِذَا اَمْسَيْتَ وَاِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ. (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "مجھے ذکر و دعا کے وہ کلمے تعلیم فرما دیجئے جن کو میں صبح و شام کہہ لیا کروں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو۔ "اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ. تا شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ" (اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے، غیب و شہود کا پورا علم رکھنے والے، ہر چیز کے مالک و پروردگار۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے نفس کے شر سے اور شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے (یعنی اس بات سے کہ وہ مجھے شرک میں مبتلا کر دے۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو بکر! تم اللہ سے یہ دعا کیا کرو صبح کو اور شام کو اور سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۲۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ یُعَلِّمُ اَصْحَابَهٗ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْیَقُلْ "اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ نَحْیَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ وَ اِذَا اَمْسٰی فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَمْسَیْنَا وَبِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ نَحْیَا وَبِكَ نَمُوْتُ وَاِلَیْكَ النُّشُوْرُ (رواه ابوداؤد والترمذی واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کو تلقین فرماتے تھے کہ جب رات ختم ہو کر تمہاری صبح ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا . تا "وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری صبح ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری شام، تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی حکم سے ہم وقت آجانے پر مریں گے، اور پھر تیری ہی طرف لوٹ کر جائیں گے) اسی طرح جب شام ہو تو عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصْبَحْنَا وَبِكَ اَمْسَيْنَا . تا وَاِلَيْكَ النُّشُوْرُ۔" (اے اللہ! تیرے ہی حکم سے ہماری شام ہوتی ہے، اور تیرے ہی حکم سے ہماری صبح، اور تیرے ہی فیصلہ سے ہم زندہ ہیں، اور تیرے ہی فیصلہ سے مریں گے، اور پھر اُٹھ کر تیرے ہی حضور حاضر ہوں گے۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ..... رات کے اندھیرے کے بعد صبح کے اُجالے کا نمودار ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ انسان عموماً دن ہی میں اپنے سارے کام کاج کرتے ہیں، اگر رات کے بعد صبح نہ ہو تو گویا قیامت ہو جائے۔ اسی طرح دن کے ختم پر شام کا آنا اور رات کا شروع ہونا بھی بڑی نعمت ہے، شام آکر کاموں سے چھٹی دلاتی ہے اور آرام و راحت کا پیام لاتی ہے، اگر ایک دن شام نہ آئے، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عام انسانوں پر کیا گزر جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب صبح یا شام ہو تو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا احساس و اعتراف کیا جائے۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی یاد کیا جائے کہ جس طرح اللہ کے حکم سے دن کی عمر ختم ہو کر رات آتی ہے اور رات کی عمر ختم ہو کر دن نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کے حکم سے ہماری زندگی چل رہی ہے، اور اسی کے حکم سے مقررہ وقت پر موت آجائے گی اور پھر اللہ کے حضور میں پیشی ہو گی۔ الغرض روزانہ صبح و شام اللہ کی نعمت کا اعتراف اور موت اور آخرت کو یاد کیا جائے۔ نہ صبح کو اس سے غفلت ہو نہ شام کو۔

۱۲۳) عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَمْسٰی قَالَ "اَمْسَیْنَا وَاَمْسَی الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ وَخَیْرِ مَا فِیْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَ شَرِّ مَا فِیْهَا. اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَسُوْءِ الْكِبْرِ وَفِتْنَةِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ." وَاِذَا اَصْبَحَ قَالَ ذٰلِكَ اَیْضًا اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شام ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَمْسَيْنَا وَاَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ۔" (یہ شام اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں۔ ساری حمد و ستائش اسی اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں،

اس کا کوئی شریک سا جھی نہیں، راج اور ملک اسی کا ہے، وہی لائق حمد و ثنا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! یہ آنے والی رات اور جو کچھ اس رات میں ہونے والا ہے میں اس کے خیر کا تجھ سے سائل ہوں، اور اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی اور کاہلی سے (جو امورِ خیر سے محرومی کا سبب بنتی ہے) تیری پناہ بالکل نکما کر دینے والے بڑھاپے سے، اور کبر سنی کے برے اثرات سے، تیری پناہ دُنیا کے ہر فتنہ سے (اور یہاں کی ہر آزمائش سے) تیری پناہ قبر کے عذاب سے۔ اور جب صبح ہوتی ہے تو رسول اللہ ﷺ بس ایک لفظ کی تبدیلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرتے: "وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ الخ۔" (ہماری صبح اس حال میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ ہی کے ہیں الخ۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا میں اپنی ذات اور ساری کائنات کے اوپر اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اقرار اور اس کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی توحید کا اعلان ہے۔ پھر رات یا دن میں جو خیر اور برکتیں ہوں ان کا سوال ہے، اور جو کمزوریاں خیر و سعادت سے محرومی کا سبب بن جاتی ہیں ان سے پناہ طلبی ہے۔ اور آخر میں دنیا کے ہر فتنہ اور عذابِ قبر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دُعا ہے اور اس میں اپنی بندگی اور نیاز مندی کا کیسا اظہار ہے۔

۱۲۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ حِيْنَ يُمْسِيْ وَحِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَ اَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْ رَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ." (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جب شام یا صبح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ یہ دعا ضرور کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ الخ۔" (اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں معافی اور عافیت کا طالب و سائل ہوں۔ اے میرے اللہ! میں اپنے دین اور دنیا اور اپنے اہل و عیال اور مال کے بارے میں معافی اور عافیت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! میری شرم و عار والی باتوں کی پردہ داری فرما۔ میرے دل کی گھبراہٹ اور تشویشات دور فرما کر مجھے امن و اطمینان نصیب فرما۔ اے اللہ! میری حفاظت فرما میرے آگے سے اور پیچھے سے اور میرے دائیں بائیں اور میری اوپر کی جانب سے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اس بات سے کہ نیچے کی جانب سے مجھ پر کوئی آفت آئے، مجھے ہمیشہ اس سے محفوظ رکھ۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کی صبح شام کی دعاؤں میں یہ دعا بھی بڑی جامع ہے، انسانی ضرورت کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو ان چند لفظوں میں نہ آ گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ قدر شناسی عطا فرمائے، اور عمل کی توفیق دے۔

۱۲۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسٰى وَاِذَا اَصْبَحَ ثَلَاثًا

"رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا" اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُرْضِيَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح اور شام تین دفعہ کہے: "رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا" (میں راضی ہوں اللہ کو اپنا مالک و پروردگار مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور محمد کو نبی مان کر) تو اللہ نے اس بندے کے لئے اپنے ذمہ کر لیا ہے کہ قیامت کے دن اس کو ضرور خوش کر دے گا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... سبحان اللہ! کتنی عظیم بشارت ہے کہ جو مؤمن و مسلم بندہ اس مختصر کلمہ کو صبح شام تین تین دفعہ کہہ کے اللہ و رسول ﷺ اور ان کے دین کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ اور مستحکم کرے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے کہ میں قیامت کے دن اس کو راضی اور خوش کر دوں گا۔ اس بشارت کے معلوم ہو جانے کے بعد اس دولت کو حاصل کرنے سے غافل رہنا کتنا عظیم خسارہ اور کتنی بڑی محرومی ہو گی۔

۱۲۶) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ غَنَّامٍ الْبَيَاضِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِىْ مِنْ نِعْمَةٍ اَوْبِاَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ. لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ." فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ يَوْمِهٖ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ حِيْنَ يُمْسِىْ فَقَدْ اَدّٰى شُكْرَ لَيْلَتِهٖ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عبداللہ بن غنام بیاضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بندہ صبح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرے کہ: "اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَ بِىْ مِنْ نِعْمَةٍ الخ۔" (اے میرے اللہ! اس صبح جو بھی نعمت مجھے نصیب ہے یا تیری مخلوق میں سے کسی کو بھی میسر ہے وہ تنہا تیرے ہی کرم کا نتیجہ ہے، تیرا کوئی شریک ساجھی نہیں، تیرے ہی لئے ساری حمد و ثنا اور اے کریم صرف تیرا ہی شکر ہے) تو اسنے اس دن کی ساری نعمتوں کا شکر ادا کر دیا، اور جس نے شام ہونے پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اسی طرح عرض کیا تو اسنے پوری رات کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... حق یہ ہے کہ بندہ اللہ کی نعمتوں کا کسی طرح شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ رب کریم کا صرف کرم ہے کہ ایسے حقیر سے شکر کو بھی وہ کافی قرار دیتا ہے۔ منقول ہے کہ: حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ: "اے پروردگار! تیری نعمتیں بے شمار ہیں میں کیسے ان کا شکر ادا کروں۔ ارشاد ہوا کہ: "تمہارا یہ محسوس کرنا کہ وہ نعمتیں میری ہی طرف سے ہیں، بس یہی شکر کافی ہے۔ لك الحمد ولك الشكر

۱۲۷) عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَصْبَحَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ "اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْيَوْمِ وَفَتْحَهٗ وَنَصْرَهٗ وَنُوْرَهٗ وَبَرَكَتَهٗ وَهُدَاهُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَشَرِّمَا بَعْدَهٗ." ثُمَّ اِذَا اَمْسٰى فَلْيَقُلْ مِثْلَ ذٰلِكَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب صبح ہو تو کہو: "اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. تا وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَافِيْهِ وَشَرِّمَا بَعْدَهٗ۔" (صبح اس حالت میں ہوئی کہ

ہم اور ساری کائنات اللہ رب العالمین کی ملک اور اس کے قبضہ میں ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس دن کی خیر اور فتح و نصرت، نور و برکت اور ہدایت کا سائل ہوں اور اس دن اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں) پھر جب شام ہو تو اسی طرح کہو۔ (سنن ابی داؤد)

۱۲۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ "فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ○" اَدْرَكَ مَافَاتَهُ يَوْمَهُ ذٰلِكَ وَمَنْ قَالَهُنَّ حِيْنَ يُمْسِيْ اَدْرَكَ مَافَاتَهُ فِيْ لَيْلَتِهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جو کوئی (سورۂ روم کی یہ تین آیتیں) صبح ہونے پر تلاوت کرے وہ اس دن کی وہ ساری خیر اور برکتیں پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی۔ اور اسی طرح جو کوئی شام آنے پر یہ تین آیتیں تلاوت کرے وہ اس رات کی وہ ساری خیر و برکت پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی۔ وہ آیات یہ ہیں:

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ.

اللہ کی پاکی بیان کرو جب تمہارے لئے صبح ہو اور جب شام آئے۔ اور زمین و آسمان میں ہر وقت اس کی حمد و ثناء ہوتی ہے۔ اور چوتھے پہر اور دوپہر کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کرو، وہی قادرِ مطلق زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے برآمد کرتا ہے اور زمین پر مردگی طاری ہو جانے کے بعد اپنی رحمت سے اسے حیاتِ تازہ بخشتا ہے۔ اور تم بھی اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر دیئے جاؤ گے۔ (سنن ابی داؤد)

۱۲۹) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ يَّقُوْلُ فِيْ صَبَاحِ كُلِّ يَوْمٍ وَمَسَاءِ كُلِّ لَيْلَةٍ "بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَايَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَلَا يَضُرُّهُ شَيْئٌ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دُعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور وہ کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دُعا یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَايَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَيْئٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

اس اللہ کے نام سے جس کے نام پاک کیساتھ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ

سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تشریح...... حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی ان کے صاحبزادے ابان ہیں۔ ان پر فالج کا حملہ ہو گیا تھا جس سے ان کا جسم متاثر تھا۔ ایک دفعہ جب وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے ایک آدمی خاص طرح کی نظر سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ سمجھ گئے کہ اس کے دل میں یہ اعتراض پیدا ہو رہا ہے کہ جب آپ یہ حدیث اپنے والدِ ماجد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سن چکے تھے تو پھر آپ پر فالج کا حملہ کیسے ہو گیا، اس حدیث میں تو اس دعا کے صبح و شام پڑھنے والے کے لئے ہر حادثہ سے حفاظت کی ضمانت بتائی گئی ہے۔ ابان نے اس آدمی سے کہا: "میاں دیکھتے کیا ہو، نہ میں غلط بیان کر رہا ہوں نہ حضرت عثمانؓ نے مجھ سے غلط بیان کیا تھا۔ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس میں جو وعدہ ہے وہ بھی برحق ہے، اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ کسی معاملہ کی وجہ سے مجھے سخت غصہ تھا، اس غصہ کی حالت میں اس دن وقت پر یہ دعا پڑھنا بھول گیا، اسی دن یہ فالج کا حملہ ہوا۔ چونکہ تقدیرِ الٰہی میں فالج ہونا مقرر تھا اس لئے اسی دن بھلا دیا گیا۔ حضرت ابان کا یہ بیان بھی حدیث کے ساتھ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مروی ہے۔ صبح شام تین دفعہ اس دعا کا پڑھنا اللہ کے نیک بندوں کے معمولات میں سے ہے، اور بلاشبہ اس میں آفاتِ ارضی و سماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

۱۳۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْرَأْ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُمْسِىْ وَ حِيْنَ تُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "شام کو اور صبح کو (یعنی دن شروع ہونے پر اور رات شروع ہونے پر) تم قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق و قل اعوذ برب الناس تین بار پڑھ لیا کرو۔ یہ ہر چیز کے واسطے تمہارے لئے کافی ہوں گی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... قل ھو اللہ اور معوذتین قرآن مجید کی بہت چھوٹی سورتوں میں ہیں، لیکن اپنے مضمون کے لحاظ سے بہت فائق اور بالاتر ہیں، جیسا کہ فضائل تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں کچھ ہی پہلے بیان بھی کیا جا چکا ہے۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ جو لوگ اور زیادہ نہ پڑھ سکیں وہ صبح و شام کم از کم یہی تین سورتیں پڑھ لیا کریں، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے، یہی ان شاء اللہ کافی ہوں گی، ہر مسلمان کو یہ یاد بھی ہوتی ہیں۔

خاص سونے کے وقت کی دعائیں

نیند کو موت سے بہت مشابہت ہے۔ سونے والا مُردے ہی کی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے نیند، بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ تاکید کے ساتھ ہدایت فرماتے تھے کہ جب سونے لگو تو اس سے پہلے دھیان اور اہتمام سے اللہ کو یاد کرو، گناہوں سے معافی مانگو اور اس سے مناسب وقت دعائیں کرو۔ اس سلسلہ میں جو دعائیں آپ ﷺ نے تلقین فرمائیں اور جو آپ ﷺ کے معمولات میں سے تھیں وہ ذیل میں پڑھی جائیں۔

۱۳۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ اَمَرَ رَجُلًا قَالَ اِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَكَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِىْ وَاَنْتَ تَوَفّٰهَا لَكَ مَمَاتُهَا وَمَحْيَاهَا اِنْ اَحْيَيْتَهَا فَاَحْفَظْهَا وَاِنْ اَمَتَّهَا فَاغْفِرْلَهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ" فَقِيْلَ لَهُ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُهُ مِنْ خَيْرٍ مِنْ عُمَرَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو بتایا کہ جب تم سونے کے لئے بستر پر لیٹ جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرو: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَ نَفْسِىْ. تا اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ" (اے میرے اللہ! تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور تو ہی جب چاہے گا میری روح قبض کرلے گا، میرا مرنا اور جینا تیرے ہی اختیار میں ہے، اگر تو مجھے زندہ رکھے تو (ہر بلا اور گناہ سے اور شر و فتنہ کی ہر بات سے) میری حفاظت فرما، اور اگر تیرا فیصلہ میری موت کا ہو تو میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے، اے میرے اللہ! میں تجھ سے معافی اور عافیت کا سائل ہوں (تو میرے لئے معافی کا اور دنیا و آخرت میں عافیت کا فیصلہ فرما) حضرت عبداللہ بن عمر نے جب یہ دعا تلقین فرمائی تو کسی نے انؓ سے کہا کہ: "یہ آپ نے اپنے والد ماجد حضرت عمرؓ سے سنی ہوگی؟" انہوں نے فرمایا: "میں نے اس ہستی سے سنا ہے جو حضرت عمرؓ سے بھی بہتر تھی، میں نے یہ دعا براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یہ مختصر دعا عبدیت کے جذبات سے بھرپور ہے اور اللہ کے حضور میں عبدیت و نیاز مندی اور اظہارِ عاجزی و بے بسی ہی سب سے زیادہ اس کی رحمت کو کھینچنے والی چیز ہے۔ خاص کر سوتے وقت کسی بندے کو اس طرح کی دعا کی توفیق ملنا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ عنایت و کرم اس کی طرف متوجہ ہے۔

۱۳۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا آوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِىَ لَهُ وَلَا مُؤْوِىَ لَهُ." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آرام کے لئے بستر پر تشریف لاتے تو اس طرح اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ. تا وَلَا مُؤْوِىَ لَهُ." (اس اللہ کی حمد اور اس کا شکر جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہماری پوری ضرورتیں عطا فرمائیں اور آرام کے لئے ہمیں ٹھکانا دیا، کتنے ہی ایسے بندے ہیں جن کی نہ کوئی ضروریات پوری کرنے والا ہے نہ کوئی انہیں ٹھکانا دینے والا ہے) (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ ہم جو کھاتے پیتے ہیں اور جو کچھ ہمیں ملتا ہے وہ سب رب کریم کا عطیہ ہے۔ ہمارے کسی ہنر اور کرتب کو اس میں دخل نہیں، اس لئے وہی لائق حمد و شکر ہے۔ جس نے سوتے وقت یہ دعا کی اس نے کھانے پینے اور ان سب نعمتوں کا جن سے اسنے فائدہ اُٹھایا شکر ادا کردیا۔

۱۳۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ. (رواه البخارى و رواه مسلم عن البراء بن عازب)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو آرام فرمانے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے 'جیسا کہ دوسری احادیث میں تفصیل ہے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰ" (اے اللہ! تیرے ہی نام پہ مجھے مرنا اور تیرے ہی نام پر مجھے جینا ہے) اور جب سو کر اٹھتے تو اللہ کا شکر اس طرح ادا کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اسی کے پاس جانا ہے) (صحیح بخاری)

تشریح ..... چونکہ نیند میں بہت کچھ مشابہت موت کی ہے اس لئے اس دعا میں نیند کو مرنے اور بیدار ہونے کو زندہ سے تعبیر کیا گیا ہے 'اور اس طرح روزمرہ کے سونے جاگنے کو حیات بعد الموت کی یاددہانی اور اس کی تیاری کی فکر کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ سونے اور جاگنے کے وقت کی دعاؤں میں سے یہ دعا بہت مختصر ہے اور اس کا یاد کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائے۔

۱۳۴) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا اَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّاْ وُضُوءَكَ لِلصَّلٰوةِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰى شِقِّكَ الْاَيْمَنِ وَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِىْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِىْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِىْ اِلَيْكَ رَهْبَةً وَّرَغْبَةً اِلَيْكَ لَامَلْجَاَ وَلَا مَنْجَاَ مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِىْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ" فَاِنْ مُتَّ مُتَّ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ اٰخِرَمَا تَقُوْلُ فَقُلْتُ اَسْتَذْكِرُهُنَّ وَبِرَسُوْلِكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ قَالَ بِنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "جب تم بستر پر سونے کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو (جس طرح نماز کیلئے وضو کرتے ہو) پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرو: "اللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْهِىْ اِلَيْكَ تا وَنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ" (اے اللہ! میں نے اپنی ہستی کو بالکل تیرے سپرد کر دیا اور اپنے سب اُمور تیرے حوالہ کر دیئے اور تجھ ہی کو اپنا پشت پناہ بنا یا تیرے جلال سے ڈرتے ہوئے اور تیرے رحم و کرم کی طلب و امید کرتے ہوئے میرے مولا تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ کی جگہ نہیں 'میں ایمان لایا تیری مقدس کتاب پر جو تو نے نازل فرمائی اور تیرے نبی ﷺ پاک پر جن کو تو نے پیغمبر بنا کر بھیجا) آپ نے یہ دعا تلقین فرمانے کے بعد براء بن عازبؓ سے ارشاد فرمایا کہ "رات کو سونے سے پہلے یہ دعا تمہارا آخری بول ہو 'یعنی اس دعا کے بعد کوئی بات نہ کرو اور بس سو جاؤ 'اگر اللہ کے حکم سے اسی حال میں تم کو موت آگئی تو تمہاری موت بڑی

مبارک اور دین فطرت پر ہو گی۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں حضور کے سامنے ہی اس دعا کو یاد کرنے لگا تو میں نے آخری جملہ میں "نَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ۔" کی جگہ "بِرَسُوْلِكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ" کہا (جو بالکل اس کے ہم معنی تھا، صرف ایک لفظ کا فرق تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں بِنَبِيِّكَ الَّذِىْ اَرْسَلْتَ" کہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس دعا میں اللہ پر اعتماد اور تسلیم و تفویض کی روح بھری ہوئی ہے، اور ساتھ ہی ایمان کی تجدید بھی ہے۔ اس مضمون کے لئے دنیا کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اس سے بہتر الفاظ تلاش نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی معجزانہ دعاؤں میں سے ہے۔

۱۳۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَاْمُرُنَا اِذَا اَرَادَ اَحَدُنَا اَنْ يَنَامَ اَنْ يَضْطَجِعَ عَلٰى شِقِّهٖ الْاَيْمَنِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَ رَبَّ كُلِّ شَيْئٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى، مُنْزِلَ التَّوْرٰاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ، اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِكُلِّ دَابَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْئٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْئٌ اِقْضِ عَنَّاالدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم کو ہدایت فرماتے تھے کہ جب ہم میں سے کوئی سونے کا ارادہ کرے تو اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے اور اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَرَبَّ الْاَرْضِ۔ تا وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ۔" (اے میرے اللہ! آسمان و زمین کے مالک اور عرش عظیم کے مالک، ہمارے اور ہر چیز کے مالک، دانے اور گٹھلی کو اپنی قدرت سے پھاڑ کر اس سے پودا نکالنے والے تورات و انجیل اور قرآن کے نازل فرمانے والے! میں تیری پناہ مانگتا ہوں زمین میں چلنے یا رینگنے والی تیری ہر مخلوق کے شر سے جس پر تیرا مکمل قابو ہے۔ اے اللہ! تو ہی اول (سب سے پہلا) ہے، کوئی چیز تجھ سے پہلی نہیں، تو ہی آخر (سب کے بعد باقی رہنے والا) ہے، کوئی چیز نہیں جو تیرے بعد ہو (اے مالک کل اور قادرِ مطلق اور اول و آخر) مجھ پر جو قرض ہے اسے ادا کرا دے، اور فقر و محتاجی دور فرما کر مجھے غنی اور خوش حال کر دے) (صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں بھی سونے کے لئے داہنی کروٹ پر لیٹنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور خود حضور ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔ اس کروٹ پر لیٹنے کی صورت میں قلب جو بائیں پہلو میں ہے اوپر معلق رہتا ہے، اور اللہ والوں کا تجربہ ہے کہ لیٹتے وقت ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ کے لئے یہی شکل زیادہ مناسب ہوتی ہے۔ یہ دعا اُن بندگانِ خدا کے زیادہ حسب حال ہے جو مقروض اور معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ بندہ یہ دعا کر کے سوئے اور رب کریم سے امید رکھے کہ وہ رزق میں کشائش کی کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔

۱۳۶) عَنْ حَفْصَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَرْقُدَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى تَحْتَ خَدِّهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ قِنِىْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ "ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ قِنِیْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ" (اے میرے اللہ! مجھے اپنے عذاب سے بچا قیامت کے دن جبکہ سارے بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... خاص سوتے وقت اس دعا کی ایک کھلی وجہ تو یہی ہے کہ سونے کو موت سے جو ایک خاص مشابہت ہے اس کی وجہ سے آپ سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت موت اور قیامت اور وہاں کے حساب اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے تھے' اور جس بندے کو اللہ کی معرفت حاصل ہو گئی اس کو جب موت و قیامت یاد آئے گی تو قدرتی طور پر اسکی سب سے اہم فکر اور دل کی پکار یہی ہو گی کہ وہاں عذاب سے نجات نصیب ہو۔

۱۳۷) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَاْوِیْ اِلٰی فِرَاشِهٖ "اَسْتَغْفِرُاللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَا لْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ کَانَ عَدَدَ وَرَقِ الْاَشْجَارِ وَاِنْ کَانَتْ عَدَدَ رَمْلٍ عَالِجَ وَاِنْ کَانَتْ عَدَدَ اَیَّامِ الدُّنْیَا.** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص سونے کے لئے بستر پر لیٹتے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ واستغفار کرے' اور تین دفعہ عرض کرے: "اَسْتَغْفِرُاللهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَا لْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ" (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور وہ حی و قیوم ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے' اور اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اس کے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے' اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں سوتے وقت مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ توبہ واستغفار کرنے پر سارے گناہ بخش دیئے جانے کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے۔ کتنی بڑی محرومی ہو گی اگر حضور ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا اہتمام نہ کیا جائے۔ ہاں یہ استغفار و توبہ سچے دل سے ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال دیکھنے والا ہے' اس کو زبان سے دھوکا نہیں دیا جا سکتا۔

۱۳۸) **عَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاَبِیْ اِقْرَاْ قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ثُمَّ نَمْ عَلٰی خَاتِمَتِهَا فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِنَ الشِّرْكِ.** (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: فروہ بنت نوفل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد نوفل سے فرمایا کہ: جب تم سونے کا ارادہ کرو تو سورہ "قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ" پڑھ لیا کرو' اس کے بعد سو جایا کرو' اس سورت کے مضمون میں شرک سے پوری براءت ہے۔ (سنن ابی داؤد' جامع ترمذی)

تشریح..... ترمذی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ نوفل نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ مجھے کوئی چیز بتا دیجئے جو میں سوتے وقت پڑھ لیا کروں' اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ان کو یہ بتلایا کہ: "قُلْ

يَاۤ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔" پڑھ لیا کرو۔

۱۳۹) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَاَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَااسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهٖ يَبْدَاُ بِهِمَا عَلٰى رَاْسِهٖ وَوَجْهِهٖ وَمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهٖ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دوامی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لئے لیٹتے تو "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" و"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "وَقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے' اور جہاں تک آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے' پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصے پر پھیرتے' تین دفعہ یہ عمل کرتے۔ (سنن ابی داؤد' جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آخری مرض میں جب رسول اللہ ﷺ کو تکلیف زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسی طرح تینوں سورتیں پڑھ کے اور اپنے ہاتھوں پر دم کر کے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیروں' اور میں ایسا ہی کرتی تھی۔

فائدہ..... ممکن ہے بعض لوگوں کے لئے سونے کے وقت کی بعض دوسری ماثورہ دعائیں یاد کرنا مشکل ہوں' وہ کم از کم "قُلْ يَاۤ اَيُّهَاالْكٰفِرُوْنَ' قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" تو پڑھ ہی سکتے ہیں' ان کے لئے یہی سب کچھ ہے۔ کم از کم یہ معمول تو مقرر ہی کر لینا چاہئے' جو اتنا بھی اہتمام نہ کر سکے اس کی محرومی قابلِ عبرت ہے۔

نیند نہ آنے کی شکایت کی دُعا

۱۴۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ شَكٰى خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ لَايَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْاَرَقِ فَقَالَ اِذَا اَوَيْتَ اِلٰى فِرَاشِكَ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ وَمَا اَقَلَّتْ وَ رَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضَلَّتْ كُنْ لِيْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيْعًا اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيَّ اَحَدٌ اَوْ اَنْ يَبْغِىَ عَلَيَّ عَزَّجَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خالد بن ولیدؓ نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم بستر پر لیٹو تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کر لیا کرو: "اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ. تا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔" (اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور ان سب چیزوں کے مالک جو اس کے نیچے واقع ہیں' اور شیاطین اور ان کی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک' اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے' کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کر پائے۔ باعزت اور محفوظ ہے وہ جس کو تیری پناہ حاصل ہے۔ تیری حمد و ثنا کا مقام بلند ہے' تیرے سوا کوئی لائق

پرستش نہیں، بس تو ہی معبود برحق ہے۔ (جامع ترمذی)

نیند میں ڈر جانے کی دُعا

۱۴۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا فَزِعَ اَحَدُكُمْ فِى النَّوْمِ فَلْيَقُلْ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعَذَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ" فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهٗ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُلَقِّنُهَا مَنْ بَلَغَ مِنْ اَوْلَادِهٖ وَمَنْ لَّمْ يَبْلُغْ مِنْهُمْ كَتَبَ فِىْ صِكٍّ وَعَلَّقَهَا فِىْ عُنُقِهٖ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی (ڈراؤنا خواب دیکھ کے) سوتے میں ڈر جائے تو یوں دُعا کرے: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ۔ تا وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔" (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وَساوِس واثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے یہ حدیث ان کے صاحبزادے شعیب نے روایت کی ہے) ان کا بیان ہے کہ ہمارے والد ماجد عبداللہ بن عمروؓ کا یہ دستور تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے وہ یہ دعا ان کو تلقین فرماتے تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں۔ اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں (بطور تعویذ کے) ڈال دیتے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈراؤنے اور پریشان کن خواب شیطانی اثرات سے ہوتے ہیں، اور اگر اس دعا کو معمول بنالیا جائے تو انشاء اللہ ان اثرات سے حفاظت ہو گی۔ صحابی رسول ﷺ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اس عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام یا اس کا کلام یا کوئی دعا کاغذ پر لکھ کر بطور تعویذ گلے وغیرہ میں ڈال دینا کوئی غلط کام نہیں ہے۔

سو کر اٹھنے کے وقت کی دعا

۱۴۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِىْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِىْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِىْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِىْ وَهَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ تا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔" (اے اللہ! تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہر حمد و ثناء کا تو ہی سزاوار ہے، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سائل ہوں، اے میرے اللہ! میرے علم و معرفت میں اضافہ فرما

اور میرے دل کی حفاظت فرما کہ تیری طرف سے ہدایت ملنے کے بعد وہ کج روی اختیار نہ کرے' اور اپنے کرم سے مجھے اپنی رحمت سے نواز تو بڑا بخشش والا اور بہت عطا فرمانے والا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ دعا مختصر ہونے کے باوجود کتنی جامع ہے اور اس کے ایک ایک جز میں عبدیت کی کیسی روح بھری ہوئی ہے' اس کا کچھ اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جو بندہ کے اور اللہ کے تعلق کو کچھ جانتا سمجھتا ہو۔ بلاشبہ جب بندہ نیند سے بیدار ہو کر اخلاص اور حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و عنایت اور اس کے بڑے پیار کا مستحق ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس عنایت و رحمت کی سچی طلب اور اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۴۳) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اَوْدَعَا اُسْتُجِيْبَ فَاِنْ تَوَضَّأَ قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب رات کو سو کر کسی کی آنکھ کھلے اور وہ اس وقت کہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ. سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ." اس کے بعد کہے۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ" (اے اللہ! میری مغفرت فرما اور مجھے بخش دے) یا کوئی اور دعا کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی یہ دعا و التجا قبول فرمائی جائے گی۔ اس کے بعد اگر (وہ ہمت کر کے اُٹھ جائے اور) وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی ضرور قبول ہو گی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث کا مندرجہ بالا متن صحیح بخاری سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں کلمہ "الحمدللہ" "سبحان اللہ" سے پہلے ہے۔ لیکن امام بخاریؒ کے علاوہ امام ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہ جن آئمہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے ان سب کی روایات میں "سبحان اللہ" پہلے اور "الحمدللہ" بعد میں ہے' جیسا کہ کلمۂ تمجید میں ہے۔ اسی لئے حافظ ابن حجرؒ وغیرہ شارحین بخاری نے کہا ہے کہ بخاری کی روایت میں "الحمدللہ" کا مقدم ہو جانا کسی راوی کا تصرف ہے۔ بہر حال ان شارحین کے نزدیک بھی ان کلمات کی صحیح ترتیب وہی ہے جو سنن ابی داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے۔ اسی بنا پر ترجمہ میں اسی ترتیب کے مطابق لکھ دیا گیا ہے۔

اس حدیث میں بشارت سنائی گئی ہے کہ جو بندہ رات کو آنکھ کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی توحید تمجید اور تسبیح و تحمید اور اس کی مدد کے بغیر اپنی عاجزی و بے بسی کے اعتراف کے یہ کلمے پڑھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت و بخشش کی دعا مانگے' یا کوئی اور دعا کرے تو وہ ضرور قبول فرمائی جائے اسی طرح اس وقت وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے گی وہ بھی قبول ہو گی۔ بعض اکابر کا یہ ارشاد ہے کہ جس بندے کو یہ حدیث پہنچے وہ رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص عطیہ سمجھے اور آپ ﷺ کی اس بشارت پر یقین کرتے ہوئے اس کے مطابق عمل

کر کے استغفار و دعا کی قبولیت کی یہ دولت حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے۔ بلاشبہ حضور ﷺ کے ایسے عطیات کی ناقدری بڑی محرومی ہے۔ امام بخاریؒ سے صحیح بخاری کو روایت کرنے والے امام ابو عبد اللہ فربریؒ فرماتے ہیں کہ: "ایک دن رات کو سوتے سے میری آنکھ کھلی اور میں نے اللہ کی توفیق سے یہ کلمے اپنی زبان سے ادا کئے۔ اس کے بعد پھر میری آنکھ لگ گئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی میرے پاس آیا اور اس نے یہ آیت تلاوت کی: "وَهُدُوْا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ" [1] (اور ان کو توفیق و ہدایت ملی بہت اچھی بات کی، اور وہ لگا دیئے گئے اللہ کے راستے پر۔)

استنجا کے وقت کی دعائیں

سونے اور کھانے پینے کی طرح بول و براز بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے، اور بلاشبہ وہ خاص وقت (جبکہ آدمی اس گندگی کے اخراج میں مشغول ہو) ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ کا نام لینا اور اس سے دعا کرنا بے ادبی کی بات ہوگی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب کوئی بندہ قضائے حاجت کو جائے تو مشغول ہونے سے پہلے اللہ سے یہ دعا کرے، اور فارغ ہونے کے بعد اس کے حضور میں یہ عرض کرے:

۱۴۴) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ هٰذِهِ الْحُشُوْشَ مُحْتَضِرَةٌ فَاِذَا اَتٰى اَحَدُكُمُ الْخَلَاءَ فَلْيَقُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ قضائے حاجت کے مقامات (شیاطین اور موذی چیزوں کے) اڈے ہیں، لہٰذا جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کیلئے ان میں جانا چاہے تو اللہ کے حضور میں پہلے عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیثوں سے اور خبیثنیوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... جس طرح مکھیاں اور دوسرے غلاظت پسند کیڑے مکوڑے غلاظت پر گرتے ہیں اسی طرح خبیث شیاطین اور بعض دوسری موذی مخلوقات غلاظت کے مقامات سے خاص دلچسپی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اسلئے رسول اللہ ﷺ نے ان مقامات میں جانے کے وقت کیلئے یہ دعا فرمائی اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کا معمول بھی تھا کہ بیت الخلاء جانیکے وقت دُعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ۔"

۱۴۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ. (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حاجت سے فارغ ہو کر بیت الخلاء سے باہر آتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ۔" (حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے

[1] فتح الباری باب فضل من تعار من اللیل فصلی۔ ص ۶۱۰ (ج ۵)۔ ۱۲

میرے اندر سے گندگی اور تکلیف والی چیز دور فرمادی اور مجھے عافیت وراحت دی۔) (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... پیشاب یا پاخانہ خدانخواستہ رک جائے اور فطری طریقے سے خارج نہ ہو تو اللہ کی پناہ! کیسی تکلیف ہوتی ہے اور اس کے خارج کرنے کے لئے اسپتالوں میں کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں اگر بندہ اس کا دھیان کرے تو محسوس کرے گا کہ فطری طریقے سے پیشاب یا پاخانہ کا خارج ہونا اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت اور کتنا عظیم احسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسی احساس اور دھیان کے تحت اس موقع پر اس کلمہ کے ذریعہ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے تھے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَذْهَبَ عَنِّى الْاَذٰى وَعَافَانِىْ" سبحان اللہ! کیسی بر محل اور کتنی عارفانہ دعا ہے۔

گھر سے نکلنے اور گھر میں آنے کے وقت کی دُعا

آدمی کے لئے صبح و شام کے آنے جانے اور سونے جاگنے کی طرح گھر سے باہر نکلنا اور باہر سے گھر میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بندہ قدم قدم پر اللہ کے رحم و کرم اور اس کی حفاظت و نگہبانی کا محتاج ہے' اس لئے جب گھر سے باہر قدم نکالے یا باہر سے گھر میں آئے تو برکت و استعانت کے لئے خدائے پاک کا نام لے اور اس سے دعا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے ذکر و دعا کے جو کلمے تعلیم فرمائے وہ مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیئے۔

١٤٦) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَرَجَ الرَّجُلُ مِنْ بَيْتِهٖ فَقَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" يُقَالُ لَهٗ حَسْبُكَ، هُدِيْتَ وَكُفِيْتَ وَ وُقِيْتَ وَيَتَنَحّٰى عَنْهُ الشَّيْطَانُ. (رواه ابو داؤد والترمذى واللفظ له)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنے گھر سے نکلے اور نکلتے وقت کہے: "بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں' اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے' کسی خیر کے حاصل کرنے یا کسی شر سے بچنے میں کامیابی اللہ ہی کے حکم سے ہو سکتی ہے) تو عالم غیب میں اس آدمی سے کہا جاتا ہے (یعنی فرشتے کہتے ہیں): "اللہ کے بندے تیرا یہ عرض کرنا تیرے لئے کافی ہے' تجھے پوری رہنمائی مل گئی' اور تیری حفاظت کا فیصلہ ہو گیا۔" اور شیطان مایوس و نامراد ہو کر اس سے دور ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس مختصر حدیث کا پیغام اور روح یہ ہے کہ جب بندہ گھر سے باہر قدم نکالے تو اپنی ذات کو بالکل عاجز ناتواں اور خدا کی حفاظت و مدد کا محتاج سمجھتے ہوئے اپنے کو اسکی پناہ میں دیدے' اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے گا اور شیطان اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا۔

١٤٧) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْنَضِلَّ اَوْنَظْلِمَ اَوْ يُظْلَمَ عَلَيْنَا اَوْنَجْهَلَ اَوْيُجْهَلَ عَلَيْنَا. (رواه احمد والترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب گھر سے نکلتے تو کہتے: "بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ تا اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا" (میں اللہ کا نام لے کر نکل رہا ہوں، اللہ ہی پر میرا بھروسا ہے۔ اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہمارے قدم بہکیں اور ہم غلط راہ پر چلیں (یا ہم دوسروں کی گمراہی اور غلط روی کا ذریعہ بنیں) یا ہم کسی پر ظلم وزیادتی کریں، یا ہمارے ساتھ ظلم وزیادتی کی جائے یا ہم کسی کے ساتھ جہالت سے پیش آئیں یا کوئی ہمارے ساتھ جہالت سے پیش آئے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح...... آدمی جب کسی کام سے گھر سے باہر نکلتا ہے تو مختلف حالات اور مختلف لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اس کے شامل حال نہ ہو اور اس کی دستگیری اور حفاظت نہ کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ ظلوم وجہول بہک جائے اور کسی ناکردنی میں مبتلا ہو جائے، یا کسی دوسرے بندے کی گمراہی اور بے راہ روی کا سبب بن جائے، یا کسی سے کوئی جھگڑا ہو جائے اور اس میں وہ کوئی ظالمانہ یا جاہلانہ حرکت کر بیٹھے، یا خود کسی کے ظلم و ستم اور جہل و نادانی کا نشانہ بن جائے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلتے وقت اللہ کا نام پاک لینے اور اس پر اپنا ایمان اور اعتماد و توکل تازہ کرنے کے علاوہ ان سب خطرات سے بھی اس کی پناہ مانگتے تھے اور اپنے عمل سے گویا اس کی شہادت دیتے تھے کہ آپ بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق اور حفاظت و دستگیری کے حاجت مند ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس سے پہلے حدیث میں مختصر کلمہ "لاحول ولا قوة الا بالله" بھی ان سب خطرات سے پناہ جوئی کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے وہ بھی کافی ہے۔

۱۴۸) عَنْ اَبِىْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا وَلَجَ الرَّجُلُ بَيْتَهُ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ خَيْرَالْمَوْلِجِ وَخَيْرَالْمَخْرَجِ، بِسْمِ اللهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا"، ثُمَّ يُسَلِّمُ عَلٰى اَهْلِهٖ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جب کوئی آدمی اپنے گھر میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کرتا ہوا داخل ہو: "اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ تا تَوَكَّلْنَا" (اے خدا میں تجھ سے مانگتا ہوں گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے کا خیر (یعنی میرا گھر میں داخل ہونا اور باہر نکلنا میرے واسطے خیر اور بھلائی کا وسیلہ بنے) ہم اللہ کا نام پاک لے کر داخل ہوتے ہیں اور اسی طرح اس کا نام پاک لے کر باہر نکلتے ہیں، اور اسی پر ہمارا بھروسا ہے، وہی کارساز ہے) اللہ کے حضور میں یہ عرض کرنے کے بعد داخل ہونے والا آدمی گھر والوں کو سلام کرے اور کہے: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ!" (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس تعلیم ہدایت کی روح یہی ہے کہ گھر میں آنے اور گھر سے نکلنے کے وقت بھی بندے کے دل کی نگاہ اللہ تعالیٰ پر ہو، زبان پر اس کا بابرکت نام ہو، اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ ہر خیر و برکت اسی کے قبضہ

قدرت میں ہے اس سے دعااور سوال ہو اور اسی کی کریمی و کارسازی کا بھروسااور اعتماد ہو۔ پھر گھر کے بڑوں اور چھوٹوں پر سلام ہو، جو درحقیقت ان کے لئے اللہ تعالیٰ ہی سے خیر اور سلامتی کی دعا ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا

مسجد گویا خانۂ خدا اور دربارِ الٰہی ہے۔ آنے والے وہاں اس لئے آتے ہیں کہ عبادت کے ذریعہ ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کوئی بندہ غفلت کے ساتھ نہ مسجد میں جائے اور نہ مسجد سے نکلے، بلکہ جانے کے وقت بھی اور آنے کے وقت بھی اس کے دل و زبان پر مناسب دعا ہو۔ اللہ کے دربار کی حاضری کا یہ لازمی ادب ہے۔

۱۴۹) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ" وَاِذَا خَرَجَ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ." (اے اللہ! میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے) اور جب مسجد سے باہر آنے لگے تو عرض کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ." (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں)۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ "رحمت" کا لفظ خاص طور سے روحانی اور اُخروی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے کہ نبوت، ولایت، مقامِ قرب و رضا اور نعماء جنت وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ زخرف میں فرمایا گیا ہے: "وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ." ❶ اور "فضل" کا لفظ خصوصیت کے ساتھ دنیوی نعمتوں کے لئے بولا جاتا ہے، جیسے رزق کی وسعت اور خوشحالی کی زندگی وغیرہ۔ چنانچہ سورۂ جمعہ میں فرمایا گیا ہے: "فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ." ❷ پس مسجد چونکہ ان اعمال کی مخصوص جگہ ہے جن کے صلہ میں روحانی اور اُخروی نعمتیں ملتی ہیں اسلئے مسجد میں داخلہ کے وقت کے لئے فتح ابواب رحمت کی اور مسجد سے نکلنے کے وقت کے لئے اللہ سے اس کا فضل مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

کسی مجلس سے اُٹھنے کے وقت کی دُعا

جب آدمی کسی مجلس میں بیٹھتا ہے تو بسا اوقات اس میں ایسی باتیں کہتا یا سنتا ہے جو ایک مؤمن کے لئے مناسب نہیں ہوتیں، اور ان پر مؤاخذہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب مجلس سے اُٹھو تو اللہ کی حمد و تسبیح، شہادتِ توحید اور توبہ واستغفار کا کلمہ پڑھو، یہ مجلس کی بے احتیاطیوں کا کفارہ ہو جائے گا۔

---

❶ اور تیرے پروردگار کی رحمت اُس مال و دولت سے کہیں بہتر ہے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ ۱۲

❷ جب نماز سے فراغت ہو جائے تو اللہ کی زمین میں چل پھر کر اللہ کے فضل کی تلاش و جستجو میں لگ جاؤ (جس سے تمہاری دنیوی اور معاشی ضرورتیں پوری ہوں)۔ ۱۲

۱۵۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا كَثُرَفِيْهِ لَغَطُهٗ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ "سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ" اِلَّا غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ مَاكَانَ فِىْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا جس میں اس سے بہت سی قابلِ مواخذہ فضول و لایعنی باتیں سرزد ہوئیں، مگر اس نے اس مجلس سے اٹھتے وقت کہا: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔" (اے اللہ! میں تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، گواہی دیتا ہوں کہ صرف تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں اپنے گناہوں کی تجھ سے بخشش چاہتا ہوں، اور تیرے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اللہ تعالیٰ اس کی ان سب لغزشوں کو معاف کردے گا جو اس مجلس میں اس سے سرزد ہوئیں۔ (جامع ترمذی)

۱۵۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٌ لَايَتَكَلَّمُ بِهِنَّ اَحَدٌ فِىْ مَجْلِسِهٖ عِنْدَ قِيَامِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِلَّا كَفَّرَ بِهِنَّ عَنْهُ وَلَا يَقُوْلُهُنَّ فِىْ مَجْلِسِ خَيْرٍ اَوْ مَجْلِسِ ذِكْرٍ اِلَّا خُتِمَ لَهٗ بِهِنَّ عَلَيْهِ كَمَا يُخْتَمُ بِالْخَاتَمِ عَلَى الصَّحِيْفَةِ "سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ." (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چند مختصر سے کلمے ہیں اگر کوئی بندہ کسی مجلس سے اٹھتے وقت اخلاص سے کہہ لے تو وہ اس مجلس کی ساری لغزشوں کا کفارہ ہو جائیں گے، اور اگر یہی کلمے کسی مجلس خیر یا مجلس ذکر کے خاتمے پر کہے جائیں تو اس مجلس کی روئداد کے نوشتہ پر ان کلموں کی مہر لگادی جائے گی، جس طرح اہم کاغذات اور دستاویزوں پر مہر لگادی جاتی ہے، وہ کلمے یہ ہیں: "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ۔"

(رواه ابو داؤد)

تشریح ...... یہ بڑا ہی مختصر اور جامع کلمہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد بھی ہے، اس کی توحید کی شہادت بھی ہے، اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار بھی ہے۔ اللہ کے بعض مقبول بندوں کو دیکھا کہ ہر تھوڑی دیر کے بعد اور خاص کر ہر سلسلۂ کلام کے ختم پر دل کی ایسی گہرائی سے جو اس وقت ان کے چہرے پر اور ان کی آواز میں بھی محسوس کی جاتی تھی یہی کلمے کہتے تھے جس سے سننے والوں کے دل بھی متاثر ہوتے تھے۔

بلاشبہ یہ کلمہ اپنی معنویت اور خاص ترتیب کے لحاظ سے ایسا ہی ہے کہ جب اخلاص کے ساتھ بندہ اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اس کی طرف ضرور بالضرور متوجہ ہوگی۔ یہ کلمہ بھی رسول اللہ ﷺ کے عطا فرمائے ہوئے خاص تحفوں میں سے ہے، اللہ تعالیٰ اس کی قدر اور استفادہ کی توفیق دے۔

۱۵۲) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَلَّمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْمُ مِنْ مَجْلِسٍ حَتّٰى يَدْعُوْ بِهٰؤُلَاءِ الدَّعْوَاتِ لِاَصْحَابِهٖ "اَللّٰهُمَّ اَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَاتَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَاتُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَاتُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا، وَ مَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَارَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِىْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی مجلس سے اُٹھیں اور اپنے ساتھ اپنے اصحاب کے لئے بھی یہ دُعا نہ فرمائیں۔

اَللّٰهُمَّ اَقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ. تا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَا يَرْحَمُنَا۔" (اے اللہ! ہمیں اپنے خوف اور خشیت سے اتنا حصہ دے جو ہمارے درمیان اور تیری نافرمانیوں کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی تیرے اس خوف کی وجہ سے ہمارے قدم تیری نافرمانیوں کے لئے نہ اُٹھ سکیں۔)

اور اپنی طاعت و عبادت سے اتنا حصہ عطا فرما جس سے تو ہمیں اپنی جنت میں پہنچا دے (یعنی جو ہمارے لئے داخلہ جنت کا وسیلہ بن جائے۔)

اور (قضا و قدر) کے یقین سے اتنا حصہ دے جو ہمارے لئے دنیاوی مصائب کو ہلکا کر دے، اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے اس لائق رکھ کہ اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں اور اپنی دوسری قوتوں سے کام لیتے رہیں (یعنی مرتے دم تک ہم آنکھ، کان وغیرہ تیری بخشی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہیں) اور ان کو ہمارے مرنے کے بعد بھی باقی رکھ (یعنی ان سے ہم کچھ ایسے کام کر جائیں جو ہمارے مرنے کے بعد بھی کام آئیں۔)

اور اے ہمارے مالک و مولا! جو کوئی ہم پر (یعنی تیرے ایمان والے بندوں پر) ظلم ڈھائے تو تو اس سے ہمارا بدلہ لے، اور جو کوئی ہماری دشمنی پر کمربستہ ہو تو، تو اس کے مقابلے میں ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے مقابلہ میں غالب اور منصور فرما۔ اور ہم پر ہمارے دین میں کوئی مصیبت نہ آئے (یعنی دینی مصائب اور فتنوں سے خاص طور پر ہماری حفاظت فرما) اور اے اللہ ایسا نہ ہو کہ دنیا ہمارا مقصدِ اعظم اور ہمارے علم و نظر کا منتہا بن جائے۔ اور اے اللہ! ہم پر کبھی بے رحم دشمنوں کو مسلط نہ فرما۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی نہایت جامع و بلیغ خاص معجزانہ دعاؤں میں سے ہے۔ حق یہ ہے کہ اپنے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان دعاؤں کی قدر و قیمت ظاہر کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرامؓ اور زمانۂ مابعد کے ان سب بزرگوں کی قبروں کو منور فرمائے جنہوں نے اہتمام سے ان دعاؤں کو محفوظ رکھا اور اُمت کو پہنچایا اور ہمیں قدر و استفادہ کی توفیق دے۔

بازار جانے کی دعا

انسان اپنی ضروریات اور خرید و فروخت کے لئے بازار بھی جاتا ہے جہاں اس کے لئے نفع اور نقصان

دونوں کے امکانات ہیں اور ہر دوسری جگہ سے زیادہ خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ہیں اور اسی واسطے اس کو "شر البقاع" (بدترین جگہ) قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ جب ضرورت سے بازار تشریف لے جاتے تو اللہ کے ذکر اور اس سے دعا کا خاص اہتمام فرماتے۔

۱۵۳) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا دَخَلَ السُّوْقَ قَالَ "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ السُّوْقِ وَ خَيْرَ مَا فِيْهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُصِيْبَ فِيْهَا صَفْقَةً خَاسِرَةً. (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ بازار جاتے تو کہتے: "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ ۔ تا صَفْقَةً خَاسِرَةً۔" (میں اللہ کا نام لے کر بازار جاتا ہوں۔ اے اللہ! اس بازار میں اور اس کی چیزوں میں جو خیر اور بھلائی ہو اس کا میں تجھ سے سائل ہوں اور اس میں اور اس کی چیزوں میں جو شر ہو میں اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں' اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں اس بازار میں کوئی گھاٹے کا سودا کروں۔) (دعوات کبیر للبیہقی)

بازار کی ظلمانی فضاؤں میں اللہ کے ذکر کا غیر معمولی ثواب

۱۵۴) عَنْ عُمَرَاَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ دَخَلَ السُّوْقَ فَقَالَ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَحَیٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ." كَتَبَ اللهُ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَ مَحَاعَنْهُ اَلْفَ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَرَفَعَ لَهٗ اَلْفَ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَبَنَالَهٗ بَيْتًا فِی الْجَنَّةِ. (رواه الترمذى وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ بازار گیا اور اس نے (بازار کی غفلت اور شور وشر سے بھرپور فضا میں دل کے اخلاص سے کہا: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. تا وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ۔" تو اللہ کی طرف سے اس کیلئے ہزاروں ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور ہزاروں ہزار گناہ محو کر دیئے جائیں گے اور ہزاروں ہزار درجے اس کے بلند کر دیئے جائیں گے' اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے جنت میں ایک شاندار محل تیار ہوگا۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... بازار بلاشبہ غفلت اور معصیات کے مراکز اور شیاطین کے اڈے ہیں۔ پس اللہ کا جو باتوفیق بندہ وہاں کی ظلمانی اور شیطانی فضاؤں میں ایسے طریقے پر اور ایسے کلمات کے ساتھ اللہ کا ذکر کرے جن کے ذریعہ وہاں کی ظلمتوں کا پورا توڑ ہوتا ہو' وہ بلاشبہ اس کا مستحق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر بے حد وحساب عنایت ہو۔ اسکے لئے ہزار نیکیوں کا لکھا جانا' ہزاروں ہزار گناہوں کا محو کیا جانا' اور ہزاروں ہزار درجے بلند ہونا' اور جنت میں ایک شاندار محل عطا ہونا اسی عنایتِ الٰہی کی تفصیلی تعبیر ہے۔

بازار میں آدمی کی نگاہ کے سامنے طرح طرح کی وہ چیزیں آتی ہیں جن کو دیکھ کر وہ خدا کو اور اپنے اور ساری دنیا کے فانی ہونے کو بھول جاتا ہے۔ یہ چیزیں اس کے دل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔ کسی چیز کو وہ

سمجھتا ہے کہ یہ بڑی دلکش اور بڑی حسین ہے، کسی کو سمجھتا ہے کہ یہ بڑی نفع بخش ہے، کسی بڑے کامیاب تاجر یا صاحب دولت و حکومت کو دیکھ کر دل میں سوچنے لگتا ہے کہ اگر اس سے تعلق قائم کر لیا جائے تو سارے کام بن جائیں گے۔ بازار کی فضاؤں میں یہی وہ خیالات و وَساوِس ہوتے ہیں جو دلوں اور نگاہوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے علاوہ اور تحفظ کے لئے ہدایت فرمائی کہ بازار جاؤ تو یہ کلمہ توحید تمہاری زبانوں پر ہو:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَ يُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

اللہ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں، اکیلا وہی معبود برحق ہے، کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں، صرف اسی کا راج اور اسی کی فرمانروائی ہے، وہی حمد ستائش کے لائق ہے سب کی زندگی اور موت اسی کے قبضہ میں ہے اور وہ زندۂ جاوید ہے، اسے کبھی فنا نہیں، ساری خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، اور سب کچھ اسی کی قدرت میں ہے۔

یہ کلمہ ان گمراہانہ خیالات اور ان شیطانی وسوسوں پر براہِ راست ضرب لگاتا ہے جو بازار میں انسان کے دل ودماغ کو متاثر کرتے ہیں۔ اس کلمہ میں ان حقائق پر یقین کو تازہ کیا جاتا ہے:

۱) الٰہ حق جو اس کا مستحق ہے کہ اس کو دل و جان سے چاہا جائے، اس کی عبادت کی جائے اور اپنا مطلوب و مقصودِ حقیقی بنایا جائے صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس استحقاق میں کوئی چیز اور کوئی ہستی اس کی شریک نہیں۔

۲) ساری کائنات میں صرف اسی کی فرمانروائی ہے، بلاشرکت غیرے اسی کا حکم چلتا ہے، وہی ساری کائنات کا مالک اور حاکم حقیقی ہے۔

۳) حمد وستائش کے لائق بھی صرف وہی ہے، اس کے علاوہ اس کی مخلوق میں جو چیزیں دل یا نگاہ کو اچھی اور قابلِ تعریف نظر آتی ہیں وہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات ہیں، ان کا حسن و جمال اسی کا عطیہ ہے۔

۴) اس کی اور صرف اسی کی شان "حی لایموت" ہے، اس کے علاوہ ہر چیز فانی ہے، اور ہر ایک کی موت و حیات اور فنا و بقاء اسی کے ہاتھ میں ہے۔

۵) ہر خیر اور بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، اسکے سوا کسی کے اختیار اور قبضہ میں کچھ نہیں۔

۶) وہ اور صرف وہی قادرِ مطلق ہے، ہر چیز اور ہر تبدیلی اسی کی قدرت میں ہے۔ بازار کی فضاؤں میں جو بندہ اللہ کو اس طرح یاد کرتا ہے وہ گویا شیاطین کی سرزمین میں اللہ کے نام کا علم بلند کرتا ہے اور گمراہی کی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ہدایت کی شمع جلا جاتا ہے۔ اس لئے بلاشبہ وہ اس غیر معمولی عنایت اور رحمت کا مستحق ہے جس کا اس حدیث پاک میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث کے لفظ "الف الف" کا ترجمہ ہم نے بجائے دس لاکھ کے "ہزاروں ہزار" کیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان شارحین کی رائے زیادہ قرینِ قیاس ہے جنہوں نے کہا ہے کہ یہاں یہ لفظ معین عدد کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ غیر معمولی کثرت کے لئے کنایہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

کسی کو مصیبت میں مبتلا دیکھنے کے وقت کی دُعا

بسا اوقات ہماری نگاہ اللہ کے ایسے بندوں پر پڑتی ہے جو بے چارے کسی دکھ اور مصیبت میں مبتلا اور برے حال میں ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے وقت کے لئے ہدایت فرمائی کہ بندہ ایسا کوئی منظر دیکھے تو اس بات پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے کہ اس نے مجھے اس مصیبت میں مبتلا نہیں کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حمد و شکر کی برکت سے وہ اس مصیبت سے محفوظ رکھا جائے گا۔

۱۵۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ رَجُلٍ رَاٰی مُبْتَلًی فَقَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا" اِلَّا لَمْ یُصِبْهُ ذٰلِكَ الْبَلَاءُ كَائِنًا مَّا كَانَ. (رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن ابن عمرؓ)

ترجمہ: امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کی نظر کسی مبتلائے مصیبت اور دکھی پر پڑے اور وہ کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ ... تَفْضِیْلًا" (حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے عافیت دی اور محفوظ رکھا اس بلا اور مصیبت سے جس میں تجھ کو مبتلا کیا گیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اس نے مجھے فضیلت بخشی) تو وہ اس بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا خواہ کوئی بھی مصیبت ہو۔ (جامع ترمذی)

(اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی گئی ہے)

تشریح..... امام ترمذیؒ نے اس حدیث کے ساتھ ہی گویا اس کی تشریح کے طور پر امام زین العابدینؒ کے صاحبزادے امام باقرؒ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ: "جب بندہ کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے تو پہلے اس مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہے اس کے بعد یہ دُعا اس طرح آہستہ پڑھے کہ وہ بے چارہ مبتلائے مصیبت سُن نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اگر سُن لے گا تو اس سے اس کا دل دُکھے گا۔

حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمۃ سے نقل کیا گیا ہے کہ: جب وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتے جو خدا سے غافل اور آخرت سے بے فکر ہو کر دنیا میں پھنسا ہو تو یہی دعا پڑھتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا."

کھانے پینے کے وقت کی دُعا

کھانا پینا انسان کے لوازمِ حیات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب کچھ کھانے یا پینے کو میسر ہوتا تو آپ ﷺ اس کو اللہ کی طرف سے اور اس کا عطیہ یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرماتے۔

۱۵۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَوْ شَرِبَ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ." (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کچھ کھاتے پیتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھانے اور پینے کو دیا اور (اس سے بھی بڑا کرم یہ فرمایا کہ) ہمیں اپنے مسلم بندوں میں سے بنایا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۵۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ طَعَامًا ثُمَّ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ" غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بندہ کھانا کھائے اور پھر کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ" (ساری حمد اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا، اور میری اپنی سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے یہ عطا فرمایا) تو اس حمد و شکر کی برکت سے اس کے پہلے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... بعض اعمال بظاہر بڑے چھوٹے سے ہوتے ہیں لیکن اللہ کی نگاہ میں وہ بہت بڑے اور اس کی میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور ان کا نتیجہ بڑا غیر معمولی نکلتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جو بندہ کھانے کے بعد صدقِ دل سے یہ اعتراف کرے کہ یہ کھانا مجھے میرے پروردگار اور پالنہار نے عطا فرمایا، میرے کسی ہنر اور کسی صلاحیت اور استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا، جو کچھ عطا فرمایا وہ اس نے صرف اپنے کرم سے عطا فرمایا، اور ساری حمد و ستائش کا مستحق وہی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حمد کی اتنی قدر فرمائے گا کہ اس کے سارے پہلے گناہ اس کی برکت سے بخش دے گا۔ اور سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جس بندے نے کپڑا پہنا اور پھر اس طرح اللہ کی حمد کی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ هٰذَا وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ.

ساری حمد و ستائش اس اللہ کیلئے جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و تدبیر اور قوت و طاقت کے مجھے یہ عطا فرمایا۔ تو اس کے پہلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

دراصل بندے کا یہ اعتراف و احساس کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے رب کا عطیہ ہے وہ خود کسی لائق بھی نہیں ہے، عبدیت کا جوہر ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اور ان اعمال میں سے ہے جن کے صدقہ میں عمر بھر کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان پر یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

کسی کے یہاں کھانا کھا کر کھلانے والے کیلئے دُعا

۱۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَنَعَ اَبُوْ الْهَیْثَمِ التَّیْهَانُ طَعَامًا فَدَعَا النَّبِیَّ ﷺ وَاَصْحَابَهٗ فَلَمَّا فَرَغُوْا قَالَ ﷺ

اَثِيْبُوْا اَخَاكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا اِثَابَتُه؟ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا دُخِلَ بَيْتُهٗ وَ اُكِلَ طَعَامُهٗ وَشُرِبَ شَرَابُهٗ فَدَعَوْا لَهٗ فَذٰلِكَ اِثَابَتُهٗ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالہیثم بن التیہان نے اپنے ہاں کھانا تیار کرایا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی دعوت کی جب سب کھانا کھا کے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اپنے بھائی کو بدلہ دو۔ عرض کیا گیا کہ: حضور ﷺ! ان کو کیا بدلہ دیا جا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب کسی بھائی کے گھر جائیں اور وہاں کھائیں پئیں اور پھر اس کے لئے خیر و برکت کی دعا کریں تو بس یہی بندوں کی طرف سے اس کا بدلہ ہے۔ (سنن ابی داؤد)

۱۵۹) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ اِلٰى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَجَاءَ هٗ بِخُبْزٍ وَزَيْتٍ فَاَكَلَ ثُمَّ قَالَ ﷺ "اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ. (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاں تشریف لائے انہوںؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پکی ہوئی روٹی اور روغنِ زیتون پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور پھر ان کے لئے اس طرح دعا فرمائی:

اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ، وَ اَكَلَ طَعَامَكُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

اللہ کے روزہ دار بندے تمہارے ہاں افطار کیا کریں اور ابرار و صالحین تمہارے ہاں کھانا کھایا کریں اور اللہ کے فرشتے تمہارے لئے دُعائے خیر کیا کریں۔ (سنن ابی داؤد)

۱۶۰) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ نَزَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰى اَبِيْ فَقَرَّبْنَا اِلَيْهِ طَعَامًا وَّ وَطْبَةً فَاَكَلَ مِنْهَا ثُمَّ اُتِيَ بِتَمْرٍ فَكَانَ يَاكُلُهٗ وَيُلْقِي النَّوٰى بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ وَيَجْمَعُ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى ثُمَّ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَهٗ فَقَالَ اَبِيْ وَاَخَذَ بِلِجَامِ دَابَّتِهٖ اُدْعُ اللهَ لَنَا فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ." (رواہ مسلم)

ترجمہ: عبداللہ بن بسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے والد بسر اسلمی کے مہمان ہوئے تو میرے والد نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا اور وطبہ (ایک قسم کا مالیدہ) پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کھجوریں پیش کی گئیں، آپ ﷺ ان کو کھاتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا کر کھجور کی گٹھلیاں ان میں لے کر پھینکتے جاتے تھے۔ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پینے کے لئے کوئی مشروب پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی نوش فرمایا، پھر آپ ﷺ تشریف لے جانے لگے تو میرے والد نے آپ ﷺ کی سواری کی لگام تھام کے عرض کیا کہ ہمارے لئے دُعا فرما دیجئے تو آپ ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْلَهُمْ وَارْحَمْهُمْ (صحیح مسلم)

اے اللہ! تو نے ان کو روزی کا جو سامان عطا فرمایا ہے اس میں ان کے لئے برکت دے اور ان کو اپنی

مغفرت اور رحمت سے نواز۔

تشریح...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانے پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے' اسی طرح جب اللہ کا کوئی بندہ کھلائے پلائے تو اس کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے یہاں کھانا کھانے کے بعد ان کے لئے جو دعا فرمائی جس کا حضرت انسؓ کی اوپر والی حدیث میں ذکر ہے' یعنی: "اَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ الخ." اور بسرا سلمیؓ کے ہاں کھانے کے بعد ان کے لئے آپ ﷺ نے جو دعا فرمائی جس کا عبداللہ بن بسر والی اس حدیث میں ذکر ہے یعنی: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ الخ." ان دعاؤں کے مضمونوں میں فرق غالباً حضرت سعد بن عبادہؓ اور بسرا سلمیؓ کے دینی مقام اور درجہ کے لحاظ سے ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ آپ ﷺ کے خاص فیض یافتہ اور صفِ اول کے اصحاب کرامؓ میں سے تھے' انؓ کو آپ ﷺ نے دعا دی کہ: "اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ ہمیشہ تمہارے ہاں اللہ کے روزہ دار بندے افطار کیا کریں' اور اس کے صالح اور متقی بندے کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے لئے دعائے خیر کریں۔' حضرت سعد بن عبادہؓ کے دینی مقام کے لئے ایسی ہی دعا زیادہ مناسب تھی۔ اور بسرا سلمیؓ جو اس درجہ کے نہیں تھے ان کے لئے خیر و برکت اور مغفرت و رحمت کی وہی دعا زیادہ مناسب تھی جو آپ ﷺ نے انؓ کو دی۔ واللہ اعلم

نیا لباس پہننے کے وقت کی دُعا

لباس بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' اور کھانے پینے ہی کی طرح انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نیا کپڑا نصیب فرمائے اور وہ اس کو زیبِ تن کرے تو اللہ تعالیٰ کے احسان کے استحضار کے ساتھ اس کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے' اور جو پہنا ہوا کپڑا اس نے پرانا کر کے اتارا ہے اس کو صدقہ کر دے۔' آپ ﷺ نے بشارت دی کہ ایسا کرنے والے بندے کو زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پردہ داری نصیب رہے گی۔

۱۶۱) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ "اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ" ثُمَّ عَمِدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِىْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِىْ كَنَفِ اللهِ وَ فِىْ حِفْظِ اللهِ وَفِىْ سَتْرِاللهِ حَيًّا وَّمَيِّتًا. (رواہ احمد والترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "جو بندہ نیا کپڑا پہنے اور کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ كَسَانِىْ مَا اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِىْ حَيَاتِىْ۔" (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے مجھے وہ لباس عطا فرمایا جس سے میں اپنی پردہ داری کرتا ہوں اور زندگی میں وہ میرے لئے سامانِ زینت بنتا ہے) پھر وہ بندہ اپنا وہ لباس جو اس نے پرانا کر کے اتار دیا ہے صدقہ کر دے تو وہ زندگی میں اور مرنے کے بعد اللہ کی حفاظت و نگہبانی میں رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی پردہ داری فرمائے گا۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

آئینہ دیکھنے کے وقت کی دعا

۱۶۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا نَظَرَ فِي الْمِرْاٰةِ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَوّٰى خَلْقِيْ وَاَحْسَنَ صُوْرَتِيْ وَزَانَ مِنِّيْ مَاشَانَ مِنْ غَيْرِيْ." (رواه البزار)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ آئینہ دیکھتے تو کہتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ. تا مِنْ غَيْرِيْ." (حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس نے میرے جسم کو برابر موزوں بنایا اور مجھے اچھی شکل و صورت عطا فرمائی اور مجھے اس خوشنمائی سے نوازا جس سے دوسرے بہت سے بندوں کو نہیں نوازا گیا) (مسند بزار)

تشریح...... دوسری اکثر دعاؤں کی طرح اس دعا کی روح بھی یہی ہے کہ بندہ اپنے اندر جو حسن و خوبی اور جو جمال و کمال محسوس کرے وہ اس کو اللہ کی دین یقین کرتے ہوئے اس کی حمد اور اس کا شکر کرے' اس طرزِ عمل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور جذبۂ عبودیت میں برابر ترقی ہوتی رہے گی اور وہ خود پسندی اور کبر نفس جیسے مہلک امراض سے محفوظ رہے گا۔

نکاح اور شادی سے متعلق دعائیں

نکاح اور شادی بھی انسانی زندگی کے لوازم میں سے ہے اور بظاہر اس کا تعلق انسان کے صرف ایک بہیمی اور نفسانی تقاضا سے ہے' اور اس وقت خدا فراموشی کا بڑا امکان ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اُمت کو ہدایت فرمائی کہ اس موقعہ پر بھی تمہاری نگاہ خدا پر رہے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اس سلسلہ کا خیر و شر بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے' اس سے دعا کیا کرو' اس طرح آپ ﷺ نے زندگی کے اس شعبہ کو بھی خدا پرستی کے رنگ میں رنگ دیا۔

۱۶۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَةً اَوِاشْتَرٰى خَادِمًا فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَاجَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو اپنے نکاح میں لائے اور بیوی بنائے یا خدمت کے لئے غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ. تا وَشَرِّمَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ." (اے اللہ! اس میں اور اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی ہو۔ میں تجھ سے اس کی استدعا کرتا ہوں' اور اس میں اور اس کی فطرت میں جو شر اور برائی ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

۱۶۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَفَّاَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ " (رواه احمد والترمذى وابوداؤد وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ شادی کرنے والے آدمی کو ان الفاظ کے ساتھ دعا اور مبارک باد دیا کرتے تھے: "بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكُمَا وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔" (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے مبارک کرے، اور تم پر برکتیں نازل کرے، اور تم دونوں (میاں اور بیوی) کو خیر اور بھلائی پر جوڑے رکھے) یعنی دنیا اور آخرت کی ہر چیز اور بھلائی کے معاملہ میں تم دونوں کے درمیان باہم اتفاق اور تعاون رہے، اور شیطان کوئی فتنہ انگیزی نہ کر سکے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

مباشرت کے وقت کی دعا

۱۶۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّاْتِيَ اَهْلَهٗ قَالَ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا" فَاِنَّهٗ اِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِيْ ذٰلِكَ لَمْ يَضُرَّهٗ شَيْطَانٌ اَبَدًا.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کر لیا کرے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔" (بسم اللہ، اے اللہ! تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا، اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا تو شیطان اس کو کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا اور وہ ہمیشہ شر شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ: "اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی (اور خدا کی طرف سے بالکل غافل ہو کر بہائم کی طرح بس اپنے نفس کا تقاضا پورا کر لیا) تو ایسی مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہونیوالی اولاد شر شیطان سے محفوظ نہیں رہے گی۔" اس کے بعد فرماتے ہیں: "از ینجاست فساد احوال اولاد و تباہ کاری ایشاں۔" (یعنی اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق و عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں تو اس کی خاص بنیاد یہی ہے)۔

اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایات کی قدر شناسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی پوری توفیق دے۔

سفر پر جانے اور واپس آنے کے وقت کی دعائیں

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ: سفر کیلئے روانہ ہوتے وقت اللہ سے کیا کیا مانگنا چاہیے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد کرنا چاہیے، اور اسکی تیاری سے غافل نہ ہونا چاہیے۔

۱۶۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اسْتَوٰى عَلٰى بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلَى السَّفَرِ كَبَّرَ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ "سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا**

نَسْئَلُكَ فِي سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِلَنَا بُعْدَهُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمَنْظَرِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ." وَاِذَا رَجَعَ قَالَهُنَّ وَزَادَ فِيْهِنَّ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب آپؐ سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے' اس کے بعد کہتے: سُبْحَانَ اللہ ... تا فی الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کردیا ہے' اور خود ہم میں اس کی طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر و طاقت سے اس طرح قابو یافتہ ہو جاتے (بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل و کرم سے ایسا کردیا ہے) اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکوکاری اور پرہیزگاری کی' اور ان اعمال کی جو تیری رضا کے باعث ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کردے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت و رحمت سے مختصر کردے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں (اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے) اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل و عیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے (اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ بس تجھ ہی پر ہے) اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنج دِہ بات دیکھوں' اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل و عیال یا مال و جائیداد میں کوئی بری بات پاؤں) اور جب آپ ﷺ سفر سے واپس ہوتے تب بھی اس کے حضور میں یہی دعا کرتے۔ اور آخر میں ان کلمات کا اضافہ کرتے " آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔" (ہم واپس لوٹنے والے ہیں' توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کرنے والے ہیں) (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس دعا کا ایک ایک جزا اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا اسی طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ تین دفعہ "اللہ اکبر" کہہ کے اس پر گویا ضرب لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کہتے تھے: "سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ" (پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے اس سواری کو مسخر کردیا' ورنہ ہم میں وہ طاقت نہ تھی کہ ایسا کر سکتے) اس میں اس کا اعتراف اور اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کرم ہے' ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: "وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" (یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں' اسی طرح ایک دن اس

دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے جو اصل مقصود و مطلوب ہے، وہی سفر حقیقی سفر ہو گا اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد سب سے پہلی دعا آپ یہ کرتے کہ: "اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق دے جن سے تو راضی ہو۔" بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے، اس لئے ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہیئے۔ اس کے بعد آپؐ سفر میں سہولت کی اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ." (یعنی اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو میں چھوڑ کے جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگراں بھی تو ہی ہے اور تیری ہی نگہبانی پر بھروسہ ہے۔ ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ ﷺ سفر کی مشقت سے یا دورانِ سفر میں یا واپسی پر کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں بھی تیری رحمت سے عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آکر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

حدیث کے آخر میں بیان کیا گیا ہے کہ جب واپسی کے لئے آپ ﷺ سفر شروع فرماتے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ ﷺ یہی سب کچھ عرض کرتے اور آخر میں یہ کلمات مزید کہتے: "اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ." یعنی اب ہم واپس ہو رہے ہیں، اپنے قصوروں اور لغزشوں سے توبہ کرتے ہیں، ہم اپنے پروردگار اور مالک و مولا کی عبادت اور حمد و ثناء کرتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے کہ جب سفر کے لئے سواری پر سوار ہوتے وقت رسول اللہ ﷺ کے قلبِ مبارک کی یہ واردات ہوتی تھیں، جو ان کلمات کے قالب میں زبانِ مبارک پر جاری ہوتی تھیں، تو خلوتوں کے خاص اوقات میں کیا حال ہوتا ہو گا۔

کیسی خوش نصیبی ہے اس اُمت کی جس کے پاس اس کے نبی کا چھوڑا ہوا ایسا خزانہ محفوظ ہے، اور کیسی قابلِ عبرت بد نصیبی ہے اس اُمت کی جس کے ۹۹ فیصد افراد یا اس سے بھی زیادہ اس سے بے خبر اور اس لئے استفادہ سے محروم ہیں۔

۱۶۷) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهٖ يُرِيْدُ سَفَرًا اَوْغَيْرَهٗ فَقَالَ حِيْنَ يَخْرُجُ "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ، اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" اِلَّا رُزِقَ خَيْرَ ذٰلِكَ الْمَخْرَجِ وَصُرِفَ عَنْهُ شَرُّ ذٰلِكَ الْمَخْرَجِ." (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ بارادۂ سفر ہو یا بغیر ارادۂ سفر، گھر سے روانگی کے وقت کہے: "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ... تا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ." (میں اللہ پر ایمان لایا، میں نے اللہ کو مضبوطی سے تھام لیا، میں نے اللہ پر بھروسا کر لیا اور میں یقین کرتا ہوں کہ کوئی سعی و حرکت اور کوئی قوت و طاقت کام نہیں کر سکتی اللہ کے حکم کے بغیر) تو اس مسلمان کو گھر سے اس نکلنے کا خیر ضرور حاصل ہو گا، اور اس کے شر سے وہ محفوظ رکھا جائے گا۔ (مسند احمد)

سفر میں کسی منزل پر اُترنے کے وقت کی دعا

۱۶۸) عَنْ خَوْلَةَ بِنْتِ حَكِيْمٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ نَزَلَ مَنْزِلاً فَقَالَ "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ" لَمْ يَضُرَّهُ شَيْئٌ حَتّٰى يَرْتَحِلَ مِنْ مَنْزِلِهٖ. (رواه مسلم)

ترجمہ: خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے: جو شخص اثنائے سفر میں کسی منزل پر اُترے اور اس وقت یہ دعا کرے: "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَا خَلَقَ۔" (میں اللہ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں اس کی ساری مخلوقات کے شر سے) تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہو جائے گا اس کو کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ (صحیح مسلم)

کسی بستی میں داخل ہونے کے وقت کی دعا

۱۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَإِذَا رَأَىٰ قَرْيَةً يُرِيْدُ اَنْ يَّدْخُلَهَا قَالَ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا" ثَلٰثَ مَرَّاتٍ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا وَحَبِّبْنَا اِلٰى اَهْلِهَا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا." (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب وہ بستی دکھائی دیتی جس میں آپ ﷺ جانے کا ارادہ رکھتے تو پہلے تین دفعہ کہتے: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهَا۔" (اے اللہ ہمارے لئے اس بستی کو مبارک کردے) اس کے بعد یہ دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاهَا۔ تا وَحَبِّبْ صَالِحِيْ اَهْلِهَا اِلَيْنَا۔" (اے اللہ! اس بستی کی اچھی پیداوار کو ہمارا رزق بنا اور ہماری محبت اس بستی والوں کے دل میں ڈال دے اور اس میں جو تیرے صالح بندے ہوں ان کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا فرمادے۔) (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح ...... کسی نئی بستی میں جانے والے کے لئے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! کتنی مختصر، برمحل اور جامع دعا ہے۔

سفر پر جانے والے کو وصیت، اور اس کیلئے دعا

۱۷۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اُسَافِرَ فَاَوْصِنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ قَالَ "اَللّٰهُمَّ اَطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَ هَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: میرا ارادہ سفر کا ہے، حضور ﷺ مجھے کچھ وصیت اور نصیحت فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلی وصیت تو یہ ہے کہ اللہ کا خوف اور اس کی ناراضی سے بچنے کی فکر کو لازم پکڑلو (اس بارے میں ادنیٰ تساہل اور غفلت

نہ ہو) اور دوسری بات یہ یاد رکھو کہ اثناءِ سفر میں جب کسی بلندی پر پہنچنا ہو تو "اللہ اکبر" کہو۔ پھر جب وہ آدمی روانہ ہو گیا تو آپ ﷺ نے دعا دی: "اللّٰهُمَّ اطْوِ لَهُ الْبُعْدَ وَ هَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ۔" (اے اللہ! اس کے طولِ مسافت کو سمیٹ کر مختصر کر دے، اور سفر کو اس کے واسطے آسان فرما دے)۔ (جامع ترمذی)

۱۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اِنِّىْ اُرِيْدُ سَفَرًا فَزَوِّدْنِىْ فَقَالَ زَوَّدَكَ اللهُ التَّقْوٰى قَالَ زِدْنِىْ قَالَ وَغَفَرَ ذَنْبَكَ قَالَ زِدْنِىْ بِاَبِىْ اَنْتَ وَ اُمِّىْ قَالَ وَيَسَّرَلَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یارسول اللہ! میرا ارادہ سفر کا ہے، آپ ﷺ مجھے "زادِ سفر" عنایت فرما دیجئے؟ (یعنی ایسی دعائیں کر دیجئے جو سفر میں میرے کام آئیں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تقویٰ کو تمہارا زادِ سفر بنائے (اور تمہیں پورے سفر میں یہ دولت نصیب رہے) اس شخص نے عرض کیا: حضرت ﷺ! اس میں اور اضافہ فرمایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور تمہارے گناہوں کی اللہ مغفرت فرمائے۔ اس نے پھر عرض کیا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اس میں اور اضافہ فرمایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اور جہاں بھی تم پہنچو، اللہ تعالیٰ خیر اور بھلائی تمہارے لئے میسر فرمائے۔ (جامع ترمذی)

۱۷۲) عَنْ عَبْدِاللهِ الْخَطْمِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ الخطمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ لشکر کو رخصت کرتے وقت فرماتے: "اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكُمْ وَاَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ۔" (میں اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارے دین کو اور تمہاری صفت امانت کو، اور تمہارے آخری اعمال کو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہاں "امانت" سے مراد انسان کے دل کی وہ خاص صفت اور کیفیت ہے، جو اس سے تقاضا کرتی ہے کہ وہ اللہ کے اور اس کے بندوں کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے۔ مختصر لفظوں میں اس کو "بندگی کی ذمہ داریوں کے احساس" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

مؤمن کی خاص پونجی اس کی یہ صفت امانت اور اس کا دین اور دینی اعمال ہیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ لشکر کو رخصت کرتے وقت مجاہدین کی ان چیزوں کو خاص طور سے اللہ کی سپردگی میں دیتے تھے اور دعا فرماتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے۔ اسی طرح کسی شخص کو رخصت کرتے وقت بھی آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ اس کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور فرماتے: "اَسْتَوْدِعُ اللهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَآخِرَ عَمَلِكَ۔" (تمہارے دین تمہارے امانت اور خاتمہ والے اعمال کو میں خدا کے سپرد کرتا ہوں، وہ ان کی حفاظت فرمائے۔) رواہ الترمذی عن ابن عمر۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کو رخصت کرنے کے وقت

مصافحہ فرمانا بھی آپ ﷺ کا معمول تھا۔ واللہ اعلم۔

سخت خطرے کے وقت کی دعا

۱۷۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قُلْنَا یَوْمَ الْخَنْدَقِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هَلْ مِنْ شَیْئٍ نَقُوْلُهٗ فَقَدْ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ قَالَ نَعَمْ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" قَالَ فَضَرَبَ اللّٰهُ وُجُوْهَ اَعْدَائِهٖ بِالرِّیْحِ هَزَمَ اللّٰهُ بِالرِّیْحِ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں نے غزوۂ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: حضرت ﷺ! کیا اس نازک وقت کے لئے کوئی خاص دعا ہے، جو ہم اللہ کے حضور میں عرض کریں، حالت یہ ہے کہ ہمارے دل مارے دہشت کے اچھل اچھل کے گلوں میں آرہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" (اے اللہ! ہماری پردہ داری فرما اور ہماری گھبراہٹ کو بے خوفی اور اطمینان سے بدل دے) ابو سعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر اللہ نے آندھی بھیج کر دشمنوں کے منہ پھیر دیئے اور اس آندھی ہی سے اللہ نے ان کو شکست دی۔ (مسند احمد)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم پر جو سخت سے سخت دن گزرے ہیں ان میں غزوۂ خندق کے بعض ایام بھی تھے، جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی اس طرح کیا گیا ہے:

اِذْجَاؤُكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْازِلْزَالًا شَدِیْدًا. (الاحزاب ۳۳:۱۰،۱۱)

جب آگئے دشمنوں کے لشکر تمہارے اوپر کی جانب سے اور نیچے کی طرف سے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل مارے دہشت کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے اس وقت اہل ایمان بڑی آزمائش میں پڑے اور سخت طریقے سے ہلا ڈالے گئے۔

انہی حالات میں ایک دن حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے وہ درخواست کی تھی جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے یہ مختصر دعا تلقین فرمائی تھی: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْعَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا" اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت آندھی بھیجی گئی جس نے سارے لشکر کو تتر بتر کر دیا، اور وہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

۱۷۴) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا خَافَ قَوْمًا قَالَ "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ. (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی دشمن گروہ کے حملہ کا خطرہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ."

اے اللہ! ہم تجھے ان دشمنوں کے مقابلے میں کرتے ہیں تو ان کو دفع فرما' اور ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ (مسند احمد' سنن ابی داؤد)

فکر اور پریشانی کے وقت کی دعا

۱۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ عِنْدَ الْكَرْبِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو زبانِ مبارک پر یہ کلمات جاری ہوتے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ. تا رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔" (کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا' وہ بڑی عظمت والا اور حلیم ہے' کوئی مالک و معبود نہیں اللہ کے سوا' وہ رب العرش العظیم ہے' کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا وہ' رب السمٰوات والارض اور رب العرش الکریم ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا كَرَبَهٗ اَمْرٌ يَقُوْلُ "يَاحَیُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ." وَقَالَ "اَلِظُّوْابِيَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی فکر اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ ﷺ کی دعا یہ ہوتی تھی: "يَاحَیُّ يَاقَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔" (اے حی و قیوم! بس تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں) اور دوسروں سے) فرماتے: "اَلِظُّوْابِيَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔" (یاذالجلال والاکرام سے چمٹے رہو) یعنی (اس کلمہ کے ذریعہ اللہ سے استغاثہ اور فریاد کرتے رہو۔ (جامع ترمذی)

۱۷۷) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ اَلَا اُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُوْلِيْنَهُنَّ عِنْدَالْكَرْبِ؟ "اَللّٰهُ اللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا." (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: "میں تمہیں ایسے کلمے بتادوں جو پریشانی اور فکر کے وقت تم کہا کرو۔ (انشاء اللہ وہ تمہارے لئے باعث سکون ہوں گے) "اَللّٰهُ اللّٰهُ رَبِّیْ لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا۔" (اللہ اللہ وہی میرا رب ہے' میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی۔)

۱۷۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَثُرَ هَمُّهٗ فَلْيَقُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اُمَتِكَ وَفِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِیْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَاءُكَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اِسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ كِتَابِكَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمِ، رَبِيْعَ قَلْبِىْ وَجِلَاءَ هَمِّىْ وَغَمِّىْ" مَا قَالَهَا عَبْدٌ قَطُّ اِلَّا اَذْهَبَ اللّٰهُ هَمَّهٗ اَبْدَلَهٗ بِهٖ فَرَجًا. (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کو پریشانی اور فکر زیادہ ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: "اللّٰهُمَّ اِنِّىْ عَبْدُكَ ... جِلَاءَ هَمِّىْ وَغَمِّىْ۔" (اے اللہ! میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے ایک بندے کا اور تیری ایک بندی کا، اور بالکل تیرے قبضہ میں ہوں اور ہمہ تن تیرے دستِ قدرت میں ہوں، نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ، میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم پاک کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی مقدس ذات کو موسوم کیا ہے یا اپنی کسی کتاب میں اس کو نازل فرمایا ہے، یا اپنے خاص مخفی خزانۂ غیب ہی میں اس کو محفوظ رکھا ہے۔ استدعا کرتا ہوں کہ قرآنِ عظیم کو میرے دل کی بہار بنادے، اور میری فکروں اور میرے غموں کو اس کی برکت سے دور فرمادے) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "جو بندہ بھی ان کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی فکروں اور پریشانیوں کو دور فرما کر ضرور بالضرور اس کو کشادگی عطا فرمادے گا۔ (رزین)

تشریح رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمودہ اس دعا کا ایک ایک کلمہ عبدیت کی کیفیت سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے اپنی اور اپنے ماں باپ کی بندگی اور عبدیت کا اظہار و اعتراف کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ میں تیرا بندہ ہوں، میرا باپ بھی تیرا بندہ اور میری ماں بھی تیری بندی تھی یعنی میں تیرا پشتینی بندہ ہوں، تو میرا مالک و رب ہے اور میرے ماں باپ کا بھی مالک و رب ہے۔ اور میں ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، میرے لئے جو بھی تیرا فیصلہ ہے وہ برحق ہے اور نافذ ہونے والا ہے، مجھے اور کسی کو بھی چون و چرا کی مجال نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا گیا ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا عمل اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر تجھ سے کچھ مانگنے کا مجھے حق ہو، اس لئے تیرے ہی ان اسماءِ پاک کے واسطے سے جن سے تو نے اپنی ذاتِ پاک کو موسوم کیا ہے، یا جو تیری کتابوں میں بتائے گئے ہیں یا جو صرف تیرے ہی علم میں ہیں اور جنہیں تیرے سوا کوئی نہیں جانتا، تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے قرآنِ پاک کو میرے دل کی بہار بنادے اور میری فکریں اور پریشانیاں اس کی برکت سے دور فرمادے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جب بندہ اس طرح دعا کرے گا تو اس کی فکریں اور پریشانیاں ضرور بالضرور دور فرمادی جائیں گی۔

مصائب اور مشکلات کے وقت کی دعائیں

اس دنیا میں انسانوں کو بعض اوقات بڑے بڑے مصائب اور مشکلات سے سابقہ پڑتا ہے، اس میں خیر کا خاص پہلو یہ ہے کہ ان ابتلاءات اور مجاہدات کے ذریعہ اہل ایمان کی تربیت ہوتی ہے اور یہ ان کیلئے انابت الی اللہ اور تعلق باللہ میں ترقی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مواقع کیلئے جو دعائیں تعلیم فرمائی ہیں وہ مصائب و مشکلات سے نجات کا وسیلہ بھی ہیں اور قربِ خداوندی کا ذریعہ بھی۔ ان میں سے چند دعائیں ذیل میں پڑھیئے:

۱۷۹) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ دَعْوَۃُ ذِی النُّوْنِ الَّذِیْ دَعَا بِھَا وَھُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ "لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ." لَمْ یَدْعُ بِھَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ فِیْ شَیْئٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰہُ لَہٗ. (رواہ احمد والترمذی و النسائی)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذوالنون (اللہ کے پیغمبر یونس علیہ السلام) جب سمندر کی ایک مچھلی کا لقمہ بن کر اس کے پیٹ میں پہنچ گئے تھے تو اس وقت اللہ کے حضور میں ان کی دعا اور پکار یہ تھی: "لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ O (میرے مولا تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس سے رحم و کرم کی درخواست اور مدد کی التجا کروں تو پاک اور مقدس ہے تیری طرف سے کوئی ظلم و زیادتی نہیں میں ہی ظالم اور پاپی ہوں) جو مسلمان بندہ اپنے کسی معاملہ اور مشکل میں ان کلمات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو قبول ہی فرمائے گا۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی)

تشریح ...... حضرت یونس علیہ السلام کی یہ دعا قرآن مجید (سورۂ انبیاء) میں انہی الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ بظاہر تو اس میں صرف اللہ کی توحید و تسبیح اور اپنے قصوروار' خطاکار ہونے کا اعتراف ہے لیکن فی الحقیقت یہ اللہ کے حضور میں اظہارِ ندامت اور استغفار و انابت کا بہترین انداز ہے' اور اس میں اللہ کی رحمت کو کھینچ لینے کی خاص تاثیر ہے۔

۱۸۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا وَقَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ الْعَظِیْمِ فَقُوْلُوْا "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ." (رواہ ابن مردویہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کوئی بھاری اور بہت مشکل معاملہ پیش آجائے تو کہو "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔" (اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے۔) (ابن مردویہ)

تشریح ...... یہ بھی قرآن مجید کا خاص کلمہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب ان کی قوم کے بت پرستوں نے آگ کے ڈھیر میں ڈالا تو ان کی زبانِ مبارک پر یہی کلمہ تھا: "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ." مصائب و مشکلات کے موقع پر ہر بندۂ مؤمن کا یہی نعرہ ہونا چاہئے۔

۱۸۱) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا قَالَ عَبْدٌ "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اِکْفِنِیْ کُلَّ مُھِمٍّ مِنْ حَیْثُ شِئْتَ مِنْ اَیْنَ شِئْتَ" اِلَّا اَذْھَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھَمَّہٗ. (رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ (کسی سخت مشکل اور پریشانی میں مبتلا ہو اور) اللہ کے حضور میں عرض کرے: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ

الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اِكْفِنِىْ كُلَّ مُهِمٍّ مِنْ حَيْثُ شِئْتَ مِنْ اَيْنَ شِئْتَ۔" (اے میرے اللہ! ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کے مالک! میری مہمات و مشکلات حل کرنے کے لئے تو کافی ہو جا اور حل کردے جس طرح تو چاہے اور جہاں سے تو چاہے) تو اللہ اس کی مشکل کو حل کر کے پریشانی سے اس کو نجات عطا فرمادے گا۔ (مکارم الاخلاق للخرائطی)

۱۸۲) **عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا عَلِيُّ اِذَاحَزَبَكَ اَمْرٌ فَقُلْ "اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَاتَنَامُ وَاكْنُفْنِىْ بِكَنْفِكَ الَّذِىْ لَا يُرَامُ وَاغْفِرْلِىْ بِقُدْرَتِكَ عَلَىَّ فَلَا اَهْلِكُ وَاَنْتَ رَجَاىْ، رَبِّ كَمْ مِنْ نِعْمَةٍ اَنْعَمْتَهَا عَلَىَّ قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا شُكْرِىْ وَكَمْ مِنْ بَلِيَّةٍ اِبْتَلَيْتَنِىْ بِهَا قَلَّ لَكَ عِنْدَهَا صَبْرِىْ فَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ نِعْمَتِهٖ شُكْرِىْ فَلَمْ يَحْرِمْنِىْ وَيَامَنْ قَلَّ عِنْدَ بَلِيَّتِهٖ صَبْرِىْ فَلَمْ يَخْذُلْنِىْ وَيَامَنْ رَاٰنِىْ عَلَى الْخَطَايَا فَلَمْ يَفْضَحْنِىْ يَا ذَاالْمَعْرُوْفِ الَّذِىْ لَايَنْقَضِىْ اَبَدًا وَ يَاذَالنَّعْمَاءِ الَّتِىْ لَاتُحْصٰى اَبَدًا اَسْئَلُكَ اَنْ تُصَلِّىَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبِكَ اَدْرَاُ فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ۔** (رواه الديلمى فى مسند الفردوس)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اے علیؓ! جب تمہیں کسی بڑی پریشانی اور مصیبت کا سامنا ہو تو اللہ سے اس طرح دعا کرو: "اَللّٰهُمَّ احْرُسْنِىْ بِعَيْنِكَ الَّتِىْ لَاتَنَامُ. تا فِىْ نُحُوْرِ الْاَعْدَاءِ وَالْجَبَّارِيْنَ۔" (اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی نیند اور اونگھ سے آشنا نہیں ہوتی، اور مجھے اپنی اس حفاظت میں لے لے جس کے قریب جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں کر سکتا، اور مجھ مسکین و گناہگار بندے پر تجھے جو قدرت اور دسترس حاصل ہے اس کے صدقہ میں تو میرے گناہ معاف فرمادے کہ میں ہلاکت و بربادی سے بچ جاؤں تو ہی میری اُمیدوں کا مرکز ہے۔ اے میرے مالک و پروردگار! تو نے مجھے کتنی ہی ایسی نعمتوں سے نوازا جن کا شکر مجھ سے بہت ہی کم ادا ہو سکا، اور کتنی ہی آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا اور ان آزمائشوں کے وقت مجھ سے صبر میں بڑی ہی اور کوتاہی ہوئی۔ پس اے میرے وہ کریم رب جس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں میں نے کوتاہی کی تو اس نے مجھے نعمتوں سے محروم کرنے کا فیصلہ نہیں کیا (بلکہ میری اس کوتاہی کے باوجود اپنی نعمتیں مجھ پر انڈیلتا رہا) اور آزمائشوں میں صبر سے میرے قاصر رہنے کے باوجود اس نے مجھے اپنی نگاہِ کرم سے نہیں گرایا (بلکہ میری بے صبری کے باوجود مجھ پر کرم فرماتا رہا) اور اے میرے وہ کریم رب جس نے مجھے معصیتیں کرتے ہوئے خود دیکھا مگر اپنی مخلوق کے سامنے مجھے رسوا نہیں کیا (بلکہ مجھ گنہگار کی پردہ داری فرمائی) اے ہمیشہ اور تا ابد احسان و کرم فرمانے والے اور بے شمار و بے حساب نعمتوں سے نوازنے والے پروردگار! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ اپنے بندے اور پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر اور ان کے خاص متعلقین پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ خداوندا! میں تیرے ہی زور پر اور تیرے ہی بھروسہ پر مقابلہ میں آتا ہوں دشمنوں اور جباروں کے۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی اس دعا کے ایک ایک کلمہ پر غور کیا جائے' اس کا ہر جملہ عبدیت کی روح سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور ان کی قدر اور نفع اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حاکم وقت کے ظلم سے حفاظت کی دعا

بسا اوقات انسان خاص کر حق پرست انسان کو ایسے مواقع پیش آتے ہیں کہ وہ وقت کے اربابِ اقتدار کے غصہ اور ناراضی کا نشانہ بن جاتا ہے' اور ان کے ظلم و عدوان کا خطرہ فطری طور پر اس کے لئے فکر و پریشانی کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے مستقل طور سے دعا تعلیم فرمائی۔

۱۸۳) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا تَخَوَّفَ اَحَدُکُمُ السُّلْطَانَ فَلْیَقُلْ "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّ فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ وَّ شَرِّالْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَاَتْبَاعِھِمْ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِنْھُمْ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو حاکم وقت کے ظلم و عدوان کا خطرہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ سے یوں دعا کرے: "اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ. تا وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ" (اے اللہ! ہفت افلاک اور عرشِ عظیم کے مالک! فلاں ابن فلاں (حاکم) کے شر سے اور سارے شریر انسانوں اور جنوں اور ان کے چیلوں کے شر سے میری حفاظت فرما' اور مجھے اپنی پناہ میں لے، کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے۔ جو تیری پناہ میں ہے وہ باعزت ہے' تیری ثناء و صفت باعظمت ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، صرف تو ہی معبودِ برحق ہے (معجم کبیر طبرانی)

قرض اور تنگ حالی سے نجات کی دعا

۱۸۴) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ذَاتَ یَوْمِ الْمَسْجِدَ فَاِذَا ھُوَ بِرَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ اُمَامَةَ فَقَالَ یَا اَبَا اُمَامَةَ مَالِیْ اَرَاکَ جَالِسًا فِی الْمَسْجِدِ فِیْ غَیْرِ وَقْتِ الصَّلٰوۃِ قَالَ ھُمُوْمٌ لَزِمَتْنِیْ وَدُیُوْنٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَفَلَا اُعَلِّمُکَ کَلَامًا اِذَا قُلْتَہٗ اَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمَّکَ وَقَضٰی عَنْکَ دَیْنَکَ قَالَ قُلْتُ بَلٰی یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ قُلْ اِذَا اَصْبَحْتَ وَاِذَا اَمْسَیْتَ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ" قَالَ فَفَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَذْھَبَ اللّٰہُ ھَمِّیْ وَقَضٰی دَیْنِیْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو ایک انصاری کو (جن کا نام ابوامامہ تھا) آپ ﷺ نے مسجد میں بیٹھے دیکھا' آپ ﷺ نے انؓ سے فرمایا: کیا

بات ہے کہ تم اس وقت جبکہ کسی نماز کا وقت نہیں ہے مسجد میں بیٹھے ہو؟ انہوںؓ نے عرض کیا: حضرت ﷺ مجھ پر بہت سے قرضوں کا بوجھ ہے اور فکروں نے مجھے گھیر رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسا دعائیہ کلمہ بتادوں جس کے ذریعہ دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں ساری فکروں سے نجات دیدے اور تمہارے قرضے بھی ادا کرادے؟ (ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ) میں نے عرض کیا: حضرت ﷺ! ضرور بتادیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تم صبح و شام اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کرو: "اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ تا وَقَهْرِ الرِّجَالِ" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور نکمے پن اور ڈھول پنے سے، اور سستی و کاہلی سے، اور بزدلی و کنجوسی سے، اور پناہ مانگتا ہوں قرضے کے بار کے غالب آجانے سے اور لوگوں کے دباؤ سے) ابوامامہؓ نے بیان کیا کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کیا (اور اس دعا کو اپنا صبح و شام کا معمول بنالیا) تو خدا کے فضل سے میری ساری فکریں ختم ہو گئیں، اور میرا قرض بھی ادا ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... یہ صاحبِ واقعہ ابوامامہ مشہور صحابی ابوامامہ باہلیؓ کے علاوہ دوسرے صحابی ہیں۔

۱۸۵) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ جَاءَهٗ مُكَاتَبٌ فَقَالَ اِنِّىْ عَجَزْتُ عَنْ كِتَابَتِىْ فَاَعِنِّىْ قَالَ اَلَا اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ عَلَّمَنِيْهِنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ كَانَ عَلَيْكَ مِثْلُ جَبَلٍ كَبِيْرٍ دَيْنًا اَدَّاهُ اللّٰهُ عَنْكَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ." (رواہ الترمذی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مکاتب انکے پاس آیا اور اس نے کہا کہ: میں زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا ہوں آپ اس میں میری مدد کر دیجئے؟ آپ نے فرمایا: میں تم کو وہ دعائیہ کلمات نہ بتادوں جو مجھے رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے تھے، اگر تم پر کسی بڑے پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہو گا تو اس دعا کی برکت سے اور اللہ کے حکم سے وہ ادا ہو جائیگا (وہ مختصر دعا یہ ہے): "اللّٰهُمَّ اكْفِنِىْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِىْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔" (اے میرے اللہ! مجھے حلال طریقے سے اتنی روزی دے جو میرے لئے کافی ہو اور حرام کی ضرورت نہ ہو، اور اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنے ماسوا سے بے نیاز کر دے) (جامع ترمذی، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ...... "مکاتب" اس غلام کو کہا جاتا ہے جس کے آقا نے اس کے بارے میں طے کر دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کر دو تو آزاد ہو، ایسا غلام جب وہ معینہ رقم ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اسی طرح کا کوئی بیچارہ مکاتب آیا تھا جو زرِ کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو رہا تھا، آپؓ اس وقت رقم سے تو اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے لیکن اسی مقصد کے لئے ایک خاص دعا آپؓ نے اس کو تعلیم فرمادی جو رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کو تعلیم فرمائی تھی۔ معلوم ہوا کہ ضرورت مند سائل کی اگر روپیہ پیسہ سے کسی وقت مدد نہ کی جاسکے تو اس کو اس طرح کی دعا ہی کی طرف رہنمائی کر دی جائے، یہ بھی اعانت اور خدمت کی ایک صورت ہے۔

خوشی اور غم کے وقت کی دعا

۱۸۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَاٰىٓ مَايَسُرُّ بِهٖ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات"، وَاِذَا رَاٰىٓ شَيْئًا مِّمَّا يَكْرَهُ قَالَ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ." (رواہ ابن النجار)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی ایسی بات دیکھتے جس سے آپ ﷺ کو مسرت اور خوشی ہوتی تو کہتے: "الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔" (حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جس کے فضل و احسان سے اچھائیاں تکمیل پاتی ہیں) اور جب کوئی ایسی بات دیکھتے جو آپ ﷺ کو ناپسند اور ناگوار ہوتی تو کہتے: "الحمد للہ علی کل حال۔" (ہر حال میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر۔) (ابن النجار)

تشریح اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے چاہے اس میں ہمارے لئے مسرت اور خوشی کا سامان ہو یا رنج و غم کا وہ سب بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے حکم سے ہوتا ہے، اور وہ حکیم مطلق ہے اس کا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں، اس لئے وہ ہر حال میں حمد و ستائش کا مستحق ہے۔

غصہ کے وقت کی دعا

۱۸۷) عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَالنَّبِيِّ ﷺ حَتّٰى عُرِفَ الْغَضَبُ فِىْ وَجْهِ اَحَدِهِمَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنِّىْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَ لَذَهَبَ غَضَبُهٗ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ." (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں دو آدمیوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہو گئی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک کے چہرے پر غصہ کے آثار محسوس ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جانتا ہوں ایک دعائیہ کلمہ، اگر یہ آدمی اس وقت وہ کہہ لے تو اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے گا، وہ کلمہ ہے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔" (جامع ترمذی)

تشریح..... بلا شبہ اگر آدمی شعور اور دعا کی کیفیت کے ساتھ سخت غصہ کی حالت میں بھی یہ کلمہ کہے اور اللہ سے پناہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے غصہ کی آگ کو ٹھنڈا کر دے گا، اور وہ غصہ کے نتائج بد سے محفوظ رہے گا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (حم السجدہ)

اور اگر (کسی وقت شیطان کی طرف سے وسوسہ اندازی ہو (اور اس سے تمہارے اندر غصہ کی آگ بھڑک اٹھے) تو اللہ کی پناہ مانگو، وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے (وہ تمہیں پناہ دے گا)

لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ غصہ کی بحرانی کیفیت میں جب آدمی سنجیدگی اور توازن اور اچھائی برائی کا احساس کھو بیٹھتا ہے تو بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ یہ باتیں اسے یاد آئیں۔ ایسے وقت میں خیر خواہوں کو چاہیئے

کہ وہ حکمت سے اس کو اس طرف متوجہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کی یہ زریں ہدایت یاد دلائیں۔

عیادت کے وقت کی دعائیں

بیماروں کی عیادت اور خدمت کو رسول اللہ ﷺ نے اونچے درجہ کی نیکی اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت قرار دیا ہے اور اس کی بڑی ترغیب دی ہے' نیز اپنے عمل اور ارشادات سے اس کی تعلیم دی ہے کہ جب کسی مریض کی عیادت کی جائے تو اس کے لئے دعائے صحت بھی کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کو تسلی بھی ہو گی۔ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی تیسری جلد میں "کتاب الجنائز" کے ذیل میں اس سلسلہ کی متعدد حدیثیں درج کی جاچکی ہیں یہاں کتاب الدعوات میں بھی بعض حدیثوں کے اضافہ کے ساتھ ان کو درج کیا جارہا ہے۔

۱۸۸) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ "اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سُقْمًا.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے: "اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ الخ۔" (اے سب آدمیوں کے پروردگار! اس بندے کی تکلیف دور فرمادے اور شفا عطا فرمادے' تو ہی شفا دینے والا ہے' بس تیری ہی شفا شفا ہے' ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری کا اثر بالکل نہ چھوڑے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۸۹) **عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ " بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّ حَاسِدٍ، اَللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ" .** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ کچھ بیمار ہوئے تو) جبرئیل امین نے یہ دعا پڑھ کے جھاڑا: "بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْئٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّ حَاسِدٍ، اَللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ اَرْقِيْكَ"۔ (میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا ہوں، ہر اس چیز سے جو تمہیں ایذا پہنچائے، اور ہر نفس اور حاسد کے شر سے اللہ تم کو شفادے، میں اللہ کے نام سے تمہیں جھاڑتا پھونکتا ہوں۔) (صحیح مسلم)

۱۹۰) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِالنَّبِيِّ ﷺ.** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے

اوپر دم فرماتے اور خود اپنا دستِ مبارک اپنے جسم پر پھیرتے پھر جب آپ ﷺ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ ﷺ دم کیا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کا دستِ مبارک آپ ﷺ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں "مُعَوِّذَاتِ" سے مراد بظاہر سورہ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی جاتی ہے اور جو آپ ﷺ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بھی بعض حدیثوں میں آچکی ہیں۔

چھینک آنے کے وقت کی دعا

آدمی کو چھینک آجانے کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے بھی دعا تلقین فرمائی، اور اس کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کا ذریعہ بنادیا۔

۱۹۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ لَهٗ اَخُوْهُ اَوْصَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ.

(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اس کو چاہیئے کہ کہے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" (اللہ کی حمد اور اس کا شکر) اور جو بھائی اس کے پاس ہوں، انہیں جواب میں کہنا چاہیئے: "يَرْحَمُكَ اللهُ" (تم پر اللہ کی رحمت ہو) اور جب وہ یہ کہیں تو چھینکنے والے کو چاہیئے کہ وہ جواب الجواب کے طور پر کہے: "يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تم کو صحیح راہ پر چلائے اور تمہارا حال درست فرمائے) (صحیح بخاری)

تشریح..... چھینک اگر زکام وغیرہ کسی بیماری کی وجہ سے نہ ہو تو دماغ کی صفائی اور اس کے ہلکے ہونے کا ذریعہ ہے۔ جو مادہ چھینک کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اگر وہ خارج نہ ہو تو طرح طرح کی دماغی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لئے بندے کو چاہیئے کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرے، اور کم از کم اَلْحَمْدُ لِلّٰه کہے۔ بعض روایات میں اس موقع کے لئے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ" اور بعض دوسری روایات میں "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" بھی وارد ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے ہر کلمہ کہا جا سکتا ہے۔

سننے والوں کو اس کے جواب میں "يَرْحَمُكَ اللهُ" کہنا چاہیئے۔ یہ چھینکنے والے کے حق میں دُعائے خیر ہوگی، اس کا جواب چھینکنے والے کو بھی دعائے خیر سے دینا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے "يَهْدِيْكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" تعلیم فرمایا۔ قربان اس تعلیم کے، ایک چھینک کو خود چھینکنے والے کے لئے اور اس کے پاس والوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو تازہ کرنے کا اور بڑھانے کا کیسا ذریعہ بنایا۔

اگر کسی کو نزلہ اور زکام کی وجہ سے مسلسل چھینکیں آتی ہوں تو اس صورت میں نہ چھینکنے والا ہر دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنے کا مکلف ہے، نہ سننے والے کو ہر دفعہ "يَرْحَمُكَ اللهُ" کہنے کا حکم ہے۔

۱۹۲) **عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ وَعَطَس رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللهُ ثُمَّ عَطَسَ اُخْرىٰ فَقَالَ الرَّجُلُ مَزْكُوْمٌ.** (رواہ مسلم و فی روایۃ للترمذی انہ قال لہ فی الثالثۃ انہ مذکوم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے چھینک آئی تو آپ ﷺ نے "یرحمك الله" فرمایا۔ وہ پھر چھینکا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے (اس لئے ہر دفعہ یرحمك الله کہنا ضروری نہیں۔) (صحیح مسلم)

تشریح ..... اور جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ یہ بات حضور ﷺ نے اس وقت فرمائی جب اس آدمی کو تیسری دفعہ چھینک آئی۔

ایک دوسرے صحابی عبید ابن ابی رفاعہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے:

شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَا زَادَ فَاِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَاِنْ شِئْتَ فَلَا

چھینکنے والے کو تین دفعہ تک تو یرحمک اللہ کہو اس کے آگے کہو چاہے نہ کہو۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

۱۹۳) **عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا، عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر کے خادم نافع سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا اسے چھینک آئی تو اس نے کہا: "الحمد لله والسلام علی رسول الله" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا: میں بھی کہتا ہوں "الحمد لله والسلام علی رسول الله" یعنی یہ کلمہ فی نفسہ بڑا مبارک ہے اس میں اللہ کی حمد ہے اور رسول اللہ ﷺ پر سلام ہے، لیکن اس موقع پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے ہمیں تعلیم دی ہے کہ "الحمد لله علی کل حال" کہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے ایک بڑی اہم اور اصولی بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص مواقع کے لئے جو اذکار تعلیم فرمائے ہیں ان میں صلوٰۃ و سلام کا اضافہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہ بہت مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی پوری قدر شناسی و احسان مندی اور کامل اتباع نصیب فرمائے۔

بادل گرجنے اور بجلی چمکنے کے وقت کی دعا

بلاشبہ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک اور چمک اللہ تعالیٰ کے جلال کے مظہر ہیں اور جب خدا پرست بندہ ان سے دوچار ہو تو پوری عاجزی کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم اور عافیت کی دعا کرنی چاہئے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔

۱۹۴) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ "اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ.** (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی کڑک سنتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ" (اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے ختم نہ کر، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر، اور ہمیں اس سے پہلے عافیت دے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

آندھی اور تیز و تند ہوا کے وقت کی دعا

تیز و تند ہوائیں اور آندھیاں کبھی عذاب بن کر آتی ہیں اور کبھی رحمتِ الٰہی (یعنی بارش کا مقدمہ بن کر، اس لئے خدا شناس اور خدا پرست بندوں کو چاہئے کہ جب اس طرح کی ہوائیں چلیں تو وہ جلالِ خداوندی کے خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دعا کریں کہ یہ ہوائیں شر اور ہلاکت کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ رحمت کا وسیلہ بنیں۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔

۱۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاهَبَّتْ رِيحٌ قَطُّ اِلَّاجَثَا النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَّلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا (رواه الشافعى والبيهقى فى الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو رسول اللہ ﷺ اپنے زانوؤں کے بل اللہ تعالیٰ کے حضور میں جھک جاتے اور دعا کرتے تھے کہ: "اے اللہ! یہ ہوا ہمارے حق میں رحمت اور سامانِ حیات ہو، عذاب اور سامانِ ہلاکت نہ ہو۔ یہ وہ نہ ہو جسکو قرآن نے "ریح" کہا ہے، وہ ہو جس کو "ریاح" کہا ہے۔" (مسند شافعی والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

تشریح..... قرآن مجید کی بعض آیات میں اس ہوا کو جو کسی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی گئی "ریح" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور بعض دوسری آیات میں ان ہواؤں کے لئے جو رحمت بن کر آتی ہیں "ریاح" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ تیز ہوا کے وقت یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ۔ "اے اللہ! یہ "ریح" یعنی عذاب والی ہوا نہ ہو بلکہ "ریاح" یعنی رحمت والی ہوا ہو۔"

۱۹۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَمَا فِيْهَا وَخَيْرَمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَافِيْهَا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ "وَاِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَاَقْبَلَ وَاَدْبَرَ فَاِذَامَطَرَتْ سُرِّىَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَاَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّه يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا جب تیز و تند ہوا چلتی اور آندھی کی کیفیت ہوتی تو اس طرح دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ تا وَشَرِّمَا اُرْسِلَتْ بِهٖ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس ہوا کی خیر و برکت اور اس ہوا میں جو کچھ مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی

جارہی ہے اس کی خیر و برکت اور میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اس ہوا کے شر سے اور جو کچھ اس میں مضمر ہے اور جس کے ساتھ وہ بھیجی گئی ہے اس کے شر اور برے اثرات سے) اور جب آسمان پر ابر گھر کے آتا (جس میں خیر و شر اور رحمت و عذاب کے دونوں پہلو ہو سکتے ہیں) تو اللہ کے قہر و جلال کے خوف سے رسول اللہ ﷺ کا یہ حال ہو جاتا کہ آپ ﷺ کا رنگ بدل جاتا، کبھی باہر جاتے کبھی اندر آتے، کبھی آگے بڑھتے کبھی پیچھے ہٹتے۔ پھر جب خیریت سے بارش ہو جاتی تو آپ ﷺ کی یہ کیفیت ختم ہوتی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کیفیت کو محسوس کیا تو آپ ﷺ سے پوچھا کہ: "آپ ﷺ کا یہ حال کیوں ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "آسمان پر ابر دیکھ کے مجھے خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ اس قسم کا ابر نہ ہو جسے اپنی وادیوں کی طرف بڑھتا دیکھ کر قوم عاد نے کہا تھا کہ یہ بادل ہمارے علاقے پر برس کے ہماری کھیتیوں کو شاداب کرے گا (حالانکہ وہ عذاب کا بادل تھا جو اُن کی مکمل تباہی و بربادی کا سامان لے کر آیا تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بادل اور بارش کے وقت کی دعا

۱۹۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا اَبْصَرْنَا شَيْئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِى السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا فِيْهِ." فَاِنْ كَشَفَهُ حَمِدَاللهَ وَاِنْ مَطَرَتْ قَالَ "اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا." (رواه ابو داؤد والنسائى وابن ماجه والشافعى واللفظ له)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم لوگ آسمان پر بادل چڑھتا دیکھتے تو رسول اللہ ﷺ کا حال یہ ہو جاتا کہ جس کام میں آپ ﷺ مشغول ہوتے اس کو چھوڑ کے بادل کی طرف رخ کر لیتے اور اللہ سے دعا کرتے کہ: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا فِيْهِ" (اے اللہ! اس بادل میں جو شر ہو اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں) پھر اگر وہ بادل گھٹ کر آسمان صاف ہو جاتا تو آپ ﷺ اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے، اور اگر وہ بادل برسنے لگتا تو دعا فرماتے کہ: "اَللّٰهُمَّ سَقْيًا نَافِعًا" (اے اللہ! اس بارش سے پوری سیرابی کر دے، اور اس کو نفع مند بنا۔) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند شافعی)

۱۹۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ اِذَا رَاَى الْمَطَرَ قَالَ "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش ہوتی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے: "اَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا" (اے اللہ! بھرپور اور نفع مند بارش ہو)۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... بارش کا حال بھی یہی ہے کہ اس کے ذریعہ تباہیاں اور بربادیاں بھی آتی ہیں اور مخلوق کے لئے وہ سامانِ حیات بن کر بھی برستی ہے، اس لئے جب بارش ہو تو خدا پر ایمان رکھنے والے بندوں کو دعا کرنی چاہئے کہ بارش نفع مند اور رحمت بن کر برسے۔ رسول اللہ ﷺ جب بارش کی ضرورت محسوس کر کے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے جب بھی آپ ﷺ کی دُعا یہی ہوتی۔

بارش کے لئے دُعا

۱۹۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُوَاكِئُ فَقَالَ "اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ" قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک دفعہ ہاتھ اُٹھائے بارش کے لئے اس طرح دعا کرتے ہوئے دیکھا' آپ ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض کر رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مُرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ۔" (اے اللہ! ہم پر ایسی بھرپور بارش نازل فرما جو زمین کے لئے موافق اور سازگار ہو' کھیتوں میں سرسبزی اور شادابی لائے۔ اس سے نفع ہی نفع ہو نقصان بالکل نہ ہو۔ اے اللہ! جلدی نازل فرما دیر نہ ہو) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دعا کرتے کرتے آسمان پر گھٹا چھا گئی اور بھرپور بارش ہوئی۔ (سنن ابی داؤد)

۲۰۰) عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا سْتَسْقٰى قَالَ "اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ. (رواه مالك و ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بارش کے لئے دعا فرماتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرتے: "اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔" (اے اللہ! اپنے بندوں اور اپنے پیدا کئے ہوئے بے زبان چوپایوں اور جانوروں کو سیراب فرما' اپنی رحمت بھیج اور تیری جو بستیاں بارش نہ ہونے کی وجہ سے مُردہ ہو گئی ہیں بارش نازل فرما کر ان میں جان ڈال دے) (موطا امام مالک' سنن ابی داؤد)

تشریح..... غور کیا جائے اس دعا میں کیسی اپیل ہے' اور رحمت الٰہی کو متوجہ کرنے کی کتنی طاقت ہے۔

مہینہ کا نیا چاند دیکھنے کے وقت کی دُعا

۲۰۱) عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَاَى الْهِلَالَ قَالَ "اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللهُ. (رواه الترمذى)

ترجمہ۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی مہینہ کا چاند دیکھتے تو اسطرح دعا کرتے: "اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّىْ وَرَبُّكَ اللهُ۔" (اے اللہ یہ چاند ہمارے لئے امن وایمان اور سلامتی واسلام کا چاند ہو۔ اے چاند تیرا ربّ اور میرا ربّ اللہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... ہر مہینہ زندگی کا ایک مرحلہ ہے۔ جب ایک مہینہ ختم ہو کے دوسرے مہینے کا چاند آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو گویا اعلان ہو جاتا ہے کہ ہر آدمی کی زندگی کا ایک مرحلہ پورا ہو کے آگے کا مرحلہ شروع ہو رہا ہے' ایسے موقع کے لئے مناسب ترین دعا یہی ہو سکتی ہے کہ: "اے اللہ! یہ شروع ہونے والا مرحلہ یعنی مہینہ بھی امن وامان اور ایمان واسلام کے ساتھ گزرے اور تیری فرمانبرداری نصیب رہے۔" چونکہ دنیا

میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چاند کو ایک رب اور دیوتا مانتے ہیں' اس لئے رسول اللہ ﷺ مندرجہ بالا دعا کے ساتھ یہ بھی اعلان فرماتے تھے کہ چاند اللہ کی صرف ایک مخلوق ہے' اور جس طرح ہمارا رب اللہ ہے اسی طرح اس کا رب بھی اللہ ہے۔

۲۰۲) عَنْ قَتَادَةَ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا رَأَى الْهِلَالَ قَالَ "هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ" هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ "اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ ذَهَبَ بِشَهْرِ كَذَا وَجَاءَ بِشَهْرِ كَذَا. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مہینہ کا نیا چاند دیکھتے تو تین دفعہ کہتے: "هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ۔" (خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا چاند ہے) پھر تین ہی دفعہ کہتے: "اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ۔" (میرا ایمان ہے اس اللہ پر جس نے تجھے پیدا کیا) اس کے بعد فرماتے حمد و شکر اس اللہ کے لئے جس کے حکم سے فلاں مہینہ ختم ہوا اور فلاں مہینہ شروع ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... رویتِ ہلال کے وقت کی یہ دوسری دعا ہے۔ سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ نیا چاند دیکھ کے کبھی مندرجۂ بالا حدیث والی دعا کرتے تھے اور کبھی یہ دوسری دعا۔

تین دفعہ "هِلَالُ خَيْرٍ وَّرُشْدٍ" کہنے کا منشاء غالباً یہ تھا کہ بہت سے طبقے بعض مہینوں کو منحوس اور نامبارک سمجھتے ہیں' اس کلمہ سے اس توہم پرستی کی تردید کر کے یہ بتانا مقصود ہوتا تھا کہ ہر مہینہ خیر و برکت اور رشد و ہدایت کا مہینہ ہے۔

"اٰمَنْتُ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ" تین دفعہ کہہ کے آپ ﷺ ان گمراہوں کے مشرکانہ عقیدہ پر ضرب لگاتے تھے جو چاند کو رب اور دیوتا مانتے ہیں۔

قتادہ' جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ غالباً قتادہ بن دعامہ سدوسی تابعی ہیں' انہوں نے یہ حدیث کسی صحابی سے سنی ہو گی' بعض تابعین اور اسی طرح بعض تبع تابعین بھی کبھی درمیانی راوی کا ذکر کئے بغیر اس طرح روایت کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے۔ محدثین کی اصطلاح میں ایسی حدیث کو 'بلاغات' کہا جاتا ہے۔ امام مالکؒ کی موطا میں انکی اچھی خاصی تعداد ہے۔

لیلۃ القدر کی دعا

قبولیتِ دعا کے لحاظ سے شبِ قدر کو جو امتیاز حاصل ہے اس کے بارے میں حدیثیں "معارف الحدیث جلد چہارم" کتاب الصوم میں درج ہو چکی ہیں۔ اس رات کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک مختصر ترین دعا یہاں بھی درج کی جا رہی ہے۔

۲۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَا اَدْعُوْبِهٖ؟ قَالَ قُوْلِيْ "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض

کیا: حضرت ﷺ! اگر میں شب قدر کو پالوں تو کیا دعا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حضور میں یوں عرض کرو: "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔" (اے اللہ! تو قصور والوں کو بہت معاف فرمانے والا ہے' اور معاف کر دینا تجھے پسند ہے' پس تو مجھے معاف فرمادے)۔ (جامع ترمذی)

عرفات کی دعا

۹ر ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جب اللہ کے خصوصی مہمان' حجاج بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں تو جیسا کہ کتاب الحج میں درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے اس دن وہاں رحمتِ خداوندی کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے' وہ قبولیتِ دعا کا خاص الخاص موقع ہے۔ اس موقع کی جو دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں وہ ذیل میں پڑھیے:

۲۰۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الدُّعَاءِ يَوْمَ عَرَفَةَ وَاَفْضَلُ مَاقُلْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّوْنَ قَبْلِیْ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ." (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرفہ کے دن کی بہترین دعا اور بہترین کلمہ جو میری زبان سے اور مجھ سے پہلے نبیوں کی زبان سے ادا ہوا یہ کلمہ ہے: "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ۔" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہی ایک معبود ہے' کوئی اس کا ساجھی اور شریک نہیں' اسی کی فرمانروائی ہے' صرف اسی کیلئے حمد و ستائش سزاوار ہے اور ہر چیز اسکے زیرِ قدرت ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس کلمہ میں اگرچہ بظاہر دعا اور سوال نہیں ہے لیکن یہ کہنا کہ "بس وہی رب اور معبود ہے اور ہر چیز پر اس کو قدرت ہے اور اس کی اور صرف اسی کی فرمانروائی ہے۔" یہ بھی دعا ہی کی ایک صورت ہے اور بڑی بلیغ صورت ہے اور بلا شبہ بعض حیثیتوں سے اور بعض پہلوؤں سے یہی افضل ترین کلمہ ہے۔ کلماتِ ذکر کے سلسلہ میں جہاں اس کلمہ سے متعلق حدیث درج کی گئی ہے وہاں اس کی کچھ وضاحت بھی کی جاچکی ہے۔

۲۰۵) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَكْثَرُ مَادَعَا بِهِ النَّبِیُّ ﷺ يَوْمَ عَرَفَةَ فِی الْمَوْقِفِ "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِیْ تَقُوْلُ وَ خَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلٰوتِیْ وَنُسُكِیْ وَ مَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَيْكَ مَآبِیْ وَلَكَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ وَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَ شَتَاتِ الْاَمْرِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاتَجِیْءُ بِهِ الرِّيْحُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرفہ کے دن وقوف کے وقت رسول اللہ ﷺ نے سب سے زیادہ یہ دعا کی: "اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ تا مِنْ شَرِّ مَاتَجِیْءُ بِهِ الرِّيْحُ۔" (اے اللہ! تیرے ہی لئے ساری حمد و ستائش سزاوار ہے' اس طرح جس طرح تو فرماتا ہے' اس سے بہتر جو ہم تیری حمد و ثناء میں کہتے ہیں! اے اللہ! میری نماز اور میرا حج اور میری ساری عبادات اور میرا جینا مرنا سب تیرے ہی لئے

ہے اور مجھے زندگی ختم کر کے تیرے ہی حضور میں واپس جانا ہے اور جو کچھ میں چھوڑ کے جاؤں تو ہی اس کا وارث ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذابِ قبر سے اور دل کے وسوسوں سے اور پراگندہ حالی سے اور پناہ مانگتا ہوں ہواؤں کے شر سے اور ان کے بُرے اثرات اور عواقب سے) (جامع ترمذی)

۲۰۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ دُعَاءُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ "اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَرٰى مَكَانِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَعَلَانِيَتِيْ لَايَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْئٌ مِنْ اَمْرِيْ وَاَنَا الْبَائِسُ الْفَقِيْرُ الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِهٖ اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَادْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَفَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَرَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ اَللّٰهُمَّ لَاتَجْعَلْنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَكُنْ بِيْ رَؤُفًا رَحِيْمًا يَاخَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ."

(رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں رسول اللہ ﷺ کی خاص دعا یہ تھی: "اے اللہ! تو میری بات سنتا ہے اور میں جہاں اور جس حال میں ہوں تو اس کو دیکھتا ہے اور میرے ظاہر و باطن سے تو باخبر ہے، تجھ سے میری کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں۔ میں دُکھی ہوں، محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، ترساں ہوں، ہراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقراری ہوں۔ تجھ سے سوال کرتا ہوں جیسے کوئی عاجز مسکین بندہ سوال کرتا ہے۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار ذلیل و خوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے دعا کرتا ہوں جیسے کوئی خوف زدہ آفت رسیدہ دعا کرتا ہے۔ اور اس بندے کی طرح مانگتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اس دعا مانگنے میں ناکام اور نامراد نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحیم ہو جا۔ اے ان سب سے بہتر و برتر جن سے مانگنے والے مانگتے ہیں اور جو مانگنے والوں کو دیتے ہیں۔" (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح ...... اس دعا کا ایک ایک لفظ عبدیت کی روح سے لبریز اور کمالِ معرفت کا ترجمان ہے۔ دنیا بھر کے دینی و مذہبی ادب میں اور کسی بھی زبان کی دعاؤں اور مناجاتوں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس عاجز کو زندگی میں کئی دفعہ اس کا موقع ملا کہ بعض خدا پرست غیر مسلموں کو میں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا سنائی اور اس کا ترجمہ کر کے بتایا تو وہ اپنا یہ تاثر ظاہر کرنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ دعا اُسی دل سے نکل سکتی ہے جسے اللہ نے اپنے علم کا خاص حصہ دیا ہو اور اس کو معرفتِ نفس اور معرفتِ رب کا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس قیمتی ورثہ کی قدر شناسی اور اس سے استفادہ کی توفیق دے۔

خاص اوقات و مقامات اور خاص مواقع کی دعاؤں کا سلسلہ یہاں ختم ہوا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

جامع اور ہمہ گیر دعائیں

عرض کیا گیا تھا کہ کتبِ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ماثور اور منقول ہیں اگر ان کو مضامین اور موقع محل کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے تو وہ تین قسم کی ہیں: ایک وہ جن کا تعلق نماز سے ہے۔ دوسری وہ جن کا تعلق خاص اوقات یا مواقع اور حالات سے ہے تیسری وہ جن کا تعلق نہ نماز سے ہے نہ خاص اوقات یا مواقع سے بلکہ وہ عمومی قسم کی ہیں۔ پہلی دو قسم کی دعائیں درج کی جا چکیں' تیسری قسم کی اب پیش کی جا رہی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر مضامین کے لحاظ سے ہمہ گیر اور جامع قسم کی ہیں' اسی لئے ائمہ حدیث نے اپنی مؤلفات میں ان دعاؤں کو "جامع الدعوات" کے زیرِ عنوان درج کیا ہے۔ یہ دعائیں اُمت کے لئے رسول اللہ ﷺ کا خاص الخاص عطیہ اور بیش بہا تحفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو قدر شناسی اور تشکر کی اور ان دعاؤں کو اپنے دل کی آواز اور دھڑکن بنا لینے کی توفیق دے۔ جس بندے کو یہ دولت مل گئی اسے سب کچھ مل گیا۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث ذیل میں پڑھئے:

۲۰۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِىْ دِيْنِىَ الَّذِىْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِىْ وَاَصْلِحْ لِىْ دُنْيَاىَ الَّتِىْ فِيْهَا مَعَاشِىْ وَاَصْلِحْ لِىْ اٰخِرَتِىَ الَّتِىْ فِيْهَا مَعَادِى وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّىْ فِىْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّىْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِىْ۔۔۔ تا رَاحَةً لِّىْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔" (اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور سلامتی کا دارومدار ہے اور میری دنیا بھی درست فرما دے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے' اور میری آخرت بھی درست فرما دے جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے' اور میری زندگی کو خیر اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنا دے' اور میری موت کو ہر شر سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنا دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ ظاہر ہے یہ بہت ہی جامع دعا ہے' اس کا پہلا جز یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِىْ دِيْنِىَ الَّذِىْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِىْ

اے اللہ! میری دینی حالت درست فرما دے جس پر میری خیریت اور میری ہر چیز کی سلامتی اور تحفظ کا دارومدار ہے۔

دراصل دین ہی وہ چیز ہے کہ اگر وہ درست اور سلامت ہو تو آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی و لعنت اور اس کے غضب و عذاب سے مامون و محفوظ ہو کر اس کے لطف و کرم کا مستحق ہو جاتا ہے اور اسلامی قانون کی رو سے اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کو ایک خاص درجہ کی حرمت و عصمت حاصل ہو جاتی ہے' اس لئے اسی پر آدمی کی سلامتی خیریت اور صلاح و فلاح کا دارومدار ہے۔ اسی چیز کو اس دعاءِ نبوی ﷺ میں "عِصْمَةُ اَمْرِىْ" کہا گیا ہے۔ دین کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ بندے کا ایمان و یقین صحیح ہو' اس کے افکار و جذبات اور اعمال و

اخلاق درست ہوں، وہ زندگی کے ہر شعبہ میں نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام پر چلنے والا ہو، اور ظاہر ہے کہ اس کا دار و مدار اللہ کی توفیق پر ہے، اس لئے ہر بندۂ مومن کے دل کی اولین مانگ اور پکار یہی ہونا چاہئے۔ اس دعا کا دوسرا جز ہے:

وَاَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَاشِیْ

اور میری دنیا درست فرمادے جس میں مجھے یہ زندگی گزارنا ہے۔

دنیا کی درستی کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی رزق وغیرہ کی ضرورتیں حلال اور جائز راستوں سے پوری ہوتی رہیں۔ بلاشبہ ہر مومن بندے کی دوسری مانگ اللہ تعالیٰ سے یہی ہونا چاہئے۔ تیسرا جز دعا کا یہ ہے:

وَاَصْلِحْ لِیْ اٰخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْهَا مَعَادِیْ.

اور میری آخرت اچھی بنادے، جہاں مجھے لوٹ کے جانا اور ہمیشہ رہنا ہے۔

اگرچہ دین کی درستی کا لازمی نتیجہ آخرت کی صلاح و فلاح ہے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے مستقل طور سے آخرت کی درستی کی یہ دعا کی۔ ایک تو غالباً اس لئے کہ آخرت کی غیر معمولی اہمیت کا یہ حق ہے، دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دینی لحاظ سے اچھی حالت ہونے کے باوجود بندے کو آخرت کے بارے میں مطمئن اور بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ قرآن مجید میں اچھے بندوں کی شان یہی بتائی گئی ہے: "وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ"۔ (المومنون: ۶۰) [1]

چوتھا اور پانچواں جز دعا کا یہ ہے:

وَاجْعَلِ الْحَیٰوةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّیْ مِنْ کُلِّ شَرٍّ.

اور زندگی کو میرے لئے نیکی اور بھلائی میں اضافہ اور زیادتی کا ذریعہ بنادے اور موت کو ہر شر اور برائی سے راحت اور حفاظت کا وسیلہ بنادے۔

ہر آدمی کو اس دنیا میں اپنی زندگی کا وقت پورا کر کے مرنا یقینی ہے۔ اللہ کی دی ہوئی عمر سے آدمی نیکی بھی کما سکتا ہے اور بدی بھی، وہ اس کے لئے سعادت میں ترقی کا وسیلہ بھی بن سکتی ہے اور شقاوت میں اضافہ کا ذریعہ بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ دین و دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی کرتے تھے کہ اے اللہ! میری حیات کو خیر اور سعادت میں اضافہ اور ترقی کا وسیلہ بنادے یعنی مجھے توفیق دے کہ میں عمر کے لمحات اور زندگی کے اوقات کو تیری رضا والے کاموں میں صرف کر کے سعادت کے راستہ میں آگے بڑھتا چلوں، اور میری موت کو شر و روفتن کی اذیتوں سے راحت کا ذریعہ بنادے، یعنی مستقبل کے جو شر اور فتنے میرے لئے اذیت کا باعث ہو سکتے ہیں تیرے حکم سے آنے والی میری موت ان سے میری حفاظت کا ذریعہ بن کر ان سے مجھے راحت دے دے۔

---

[1] اس آیت میں اللہ کے اچھے بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں ہدیہ قبول ہوتا ہے یا نہیں ۱۲۔

یہ دعا بھی "جَوَامِعُ الْكَلِم" اور دریا بکوزہ کی بہترین مثال ہے' الفاظ کتنے مختصر اور مضامین کتنے وسیع!

۲۰۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ." (اے میرے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما' اور ہمیں آتشِ دوزخ کے عذاب سے بچا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... سبحان اللہ! کتنی مختصر اور کتنی جامع دعا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ سے اس دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں بھی بھلائی مانگی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس میں دنیا اور آخرت کی ساری ہی اچھی مرغوبات اور مطلوبات آگئیں۔ اور آخر میں عذابِ دوزخ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی استدعا کی گئی ہے۔ الغرض دنیا اور آخرت میں ایک بندے کو جو کچھ چاہئے وہ سب ہی اس مختصر ترین دعا میں مانگ لیا گیا ہے۔ پھر اس کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ دراصل قرآن مجید کی دعا ہے' اس فرق کے ساتھ کہ قرآن پاک میں اس کا پہلا لفظ "رَبَّنَا" ہے اور حدیث میں اس کی جگہ پہلا لفظ "اَللّٰهُمَّ" ہے۔ حاصل ایک ہی ہے۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہ کثرت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے اس اکثری معمول کی پیروی کی توفیق دے۔

۲۰۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ تا وَالْغِنٰى." (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ہدایت اور تقویٰ اور پاک دامنی اور مخلوق کی نامحتاجی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے چار باتوں کا سوال ہے: ایک ہدایت یعنی راہِ حق پر چلنا' اور استقامت کے ساتھ چلتے رہنا۔ دوسرے تقویٰ اور پرہیز گاری یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے معاصی و منکرات سے بچنا۔ تیسرے عفت و پاک دامنی۔ چوتھے غنیٰ' یعنی دل کی یہ حالت کہ بندہ اپنے اندر کسی مخلوق کی محتاجی اور دست نگری محسوس نہ کرے' اپنے مالک کی عطا پر مطمئن ہو۔ یہ دعا بھی "جوامع الکلم" کی اعلیٰ مثال ہے۔

۲۱۰) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ وَالْعِفَّةَ وَالْاَمَانَةَ وَحُسْنَ الْخُلُقِ وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ." (رواه البيهقى فى الدعوات الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الصِّحَّةَ تا وَالرِّضٰى بِالْقَدْرِ." (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی

اور عفت وپاکدامنی ' اور امانت کی صفت اور اچھے اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا) (دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح...... اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے صحت مانگی ہے۔ صحت و تندرستی دین ودنیا دونوں کے لحاظ سے بلاشبہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب کسی وقت بندہ اس سے محروم کردیا جاتا ہے اور کسی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے' اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ صحت کا ایک ایک لمحہ کتنی بڑی دولت اور اللہ تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت ہے۔ عارفین کو اس کا احساس اس لئے اور بھی زیادہ ہوتا ہے کہ صحت کی خرابی کی حالت میں اکثر و بیشتر عبادت کا نظام بھی درہم برہم ہو جاتا ہے اور توجہ الی اللہ کا ذوق و کیف بھی متاثر ہوتا ہے' اور یہ چیز ان کے لئے شدید روحانی کرب اور بے چینی کا باعث بنتی ہے۔

امانت' قرآنی اور دینی زبان کا نہایت اہم اور وسیع المعنیٰ لفظ ہے' اس سے مراد انسان کے اندرون کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور بندوں کے تعلق سے جو ذمہ داریاں ہیں وہ ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کی فکر اور کوشش کرے۔ حسن اخلاق اور راضی بہ تقدیر رہنا کسی تشریح کے محتاج نہیں۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ نے صحت کے علاوہ عفت' امانت' حسن اخلاق اور رضا بالقدر کا سوال کیا ہے یہ سب ایمانی صفات اور ایمان کے اہم شعبے ہیں اور ان سے محرومی بلاشبہ بڑی محرومی ہے' اور ساری دینی اور دنیوی نعمتوں کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہی سے کسی کو مل سکتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۱۱) عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ عَلَّمَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِىْ خَيْرًا مِّنْ عَلَانِيَتِىْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِىْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَاتُؤْتِى النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ." (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک دعا تعلیم فرمائی' اور مجھ سے ارشاد فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِىْ" تا "غَيْرِ الضَّالِّ وَالْمُضِلِّ۔" (اے اللہ! میرا باطن میرے ظاہر سے اچھا کردے اور میرے ظاہر کو بھی صلاح سے آراستہ فرمادے۔ اے اللہ! تو اپنے بندوں کو (اپنے فضل و کرم سے) جو ایسے صالح گھر والے' صالح مال اور صالح اولاد عطا فرماتا ہے جو نہ خود گمراہ ہوں اور نہ دوسروں کے لئے گمراہ کن ہوں۔ میں بھی تجھ سے ان چیزوں کا سائل ہوں (مجھے بھی اپنے فضل و کرم سے یہ چیزیں عطا فرما)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس دعا کا پہلا جز یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنادے کہ میرا ظاہر بھی صالح ہو اور میرا باطن بھی صالح ہو' اور باطن کی حالت ظاہر سے بھی بہتر ہو۔ اور دوسرا جز یہ ہے کہ میرے اہل خانہ اور میری اولاد اور میرا مال و منال یہ سب بھی صالح ہوں' نہ خود ان میں ضلال و فساد ہو' نہ دوسروں کے لئے یہ باعث ضلال و فساد بنیں۔

۲۱۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ دُعَاءٌ حَفِظْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا اَدَعُهٗ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ

وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاتَّبِعُ نُصْحَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دعا رسول اللہ ﷺ سے سن کر یاد کی تھی (وہ دعا میں برابر کیا کرتا ہوں) اس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا (وہ یہ ہے) "اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي اُعَظِّمُ شُكْرَكَ تا اَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔" (اے اللہ! مجھے ایسا کردے کہ میں تیری نعمتوں کے شکر کی عظمت و اہمیت کو سمجھوں (تاکہ پھر شکر میں کوتاہی نہ کروں) اور تیرا ذکر کثرت سے کروں اور تیری نصیحتوں کی پیروی کروں اور تیری وصیتوں اور حکموں کو یاد رکھوں (اور ان کی تعمیل سے غفلت نہ برتوں)۔ (جامع ترمذی)

۲۱۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُوْ يَقُوْلُ رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ وَانْصُرْنِيْ وَلَا تَنْصُرْ عَلَيَّ وَامْكُرْلِيْ وَلَا تَمْكُرْ عَلَيَّ وَاهْدِنِيْ وَيَسِّرِ الْهُدٰى لِيْ وَانْصُرْنِيْ عَلٰى مَنْ بَغٰى عَلَيَّ رَبِّ اجْعَلْنِيْ لَكَ شَكَّارًا لَكَ ذَكَّارًا لَكَ رَهَّابًا لَكَ مِطْوَاعًا لَكَ مُخْبِتًا اِلَيْكَ اَوَّاهًا مُنِيْبًا ○ رَبِّ تَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَاغْسِلْ حَوْبَتِيْ وَاَجِبْ دَعْوَتِيْ وَثَبِّتْ حُجَّتِيْ وَسَدِّدْ لِسَانِيْ وَاهْدِ قَلْبِيْ وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے: "رَبِّ اَعِنِّيْ وَلَا تُعِنْ عَلَيَّ. تا وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ۔" (اے میرے رب! میری مدد فرما، میرے خلاف (میرے دشمنوں کی کارروائیوں میں ان کی) مدد نہ فرما، میری حمایت فرما (میرے مخالفین کی) میرے خلاف حمایت نہ فرما، اپنی لطیف خفیہ تدبیر میرے حق میں استعمال فرما، میرے خلاف استعمال نہ فرما۔ مجھے ٹھیک راستے پر چلا اور صراطِ مستقیم پر چلتے رہنا میرے لئے آسان فرما، جو کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی کرے اس کے مقابلے میں میری مدد فرما۔ اے پروردگار! مجھے بنادے اپنا خوب شکر کرنے والا، خوب ذکر کرنے والا، اپنے سے بہت ڈرنے والا، سراپا اطاعت گزار و فرمانبردار، اپنے حضور میں عاجزی اور نیازمندی سے جھکنے والا، نرم دل اور تیری بارگاہِ کرم کی طرف رجوع ہونے اور پلٹنے والا۔ اے میرے رب! میری توبہ قبول فرمالے، میرے گناہوں کے میل کچیل کو دھو دے، میری دعا قبول فرما، میرا ایمان (جو آخرت میں میری حجت بننے والا ہے اسکو) مستحکم کردے، میری زبان کو ٹھیک چلنے والی بنادے، میرے دل کو ہدایت بخش دے اور میرے سینہ کے کینہ کپٹ اور ہر قسم کی کھوٹ نکال دے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس دعا کی جامعیت ظاہر ہے۔ مندرجۂ بالا سب ہی دعاؤں کا خاص قابل غور پہلو یہ ہے کہ ہر دعا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح پیش کیا ہے کہ میں زندگی کے ہر معاملہ میں تیرا محتاج ہوں، خود عاجز اور بے بس ہوں، یہاں تک کہ اپنے ظاہر و باطن اور زبان و قلب پر بھی میرا اختیار اور قابو نہیں۔ اپنے اخلاق و جذبات اور اعمال و احوال کی اصلاح میں بھی تیری نظرِ کرم کا محتاج ہوں۔ میری صحت اور بیماری بھی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، دشمنوں اور بدخواہوں کے شر سے تو ہی میری حفاظت فرما سکتا ہے، میں اس معاملہ میں بھی عاجز و بے بس ہوں، تو کریم رب اور داتا ہے اور میں سائل و منگتا ہوں۔

یہ رسول اللہ ﷺ کا کمالِ عبدیت ہے، اور بلا شبہ یہ کمال آپ ﷺ پر ختم ہے، اور یہ دوسرے تمام کمالات سے بالاتر ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

۲۱۴) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ اَعْلَمْ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ مَاعَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ اَعْلَمْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ مِنْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ، وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ، وَاَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِىْ خَيْرًا (رواہ ابن ابی شیبۃ وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ جامع دُعا تعلیم فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهٖ تا كُلَّ قَضَاءٍ تَقْضِيْهِ لِىْ خَيْرًا" (یعنی اے اللہ! میں تجھ سے ہر قسم کی خیر اور بھلائی مانگتی ہوں، دنیا کی خیر بھی اور آخرت کی خیر بھی، وہ خیر بھی مانگتی ہوں جس کو میں جانتی ہوں اور وہ بھی جس کو میں نہیں جانتی، اور میں تیری پناہ چاہتی ہوں ہر قسم کے شر اور برائی سے دنیا کے بھی شر سے اور آخرت کے بھی شر سے، اس شر سے بھی جس کو میں جانتی ہوں اور اس سے بھی جس کو میں نہیں جانتی۔ اے میرے اللہ! تیرے خاص بندے اور پیارے نبی ﷺ نے جس جس خیر کا بھی تجھ سے سوال کیا میں تجھ سے اس کی سائل ہوں، اور جس جس شر سے انہوں نے تیری پناہ چاہی اے اللہ میں بھی اس شر سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتی ہوں اور اس قول و عمل کی توفیق کی سائل ہوں جو مجھے جنت سے قریب کردے، اور میں تجھ سے دوزخ سے پناہ چاہتی ہوں اور ہر اس قول و عمل سے جو دوزخ سے قریب کرنے والا ہو۔ اور اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ جو فیصلہ تو میرے حق میں فرمائے وہ میرے لئے خیر اور بھلائی کا ضامن ہو۔ (مصنف ابن ابی شیبہ و سنن ابن ماجہ)

تشریح..... اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیا جائے، انسان کو دنیا اور آخرت میں جس چیز کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے یہ اس سب پر حاوی ہے۔ اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ تفصیل بھی بیان کی گئی ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے گھر پر حاضر ہوئے اور کوئی بات بالکل تنہائی میں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت نماز پڑھ رہی تھیں، اور بہت طویل طویل دعائیں مانگ رہی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے جلدی تخلیہ کرانے کے لئے ان سے فرمایا کہ: جامع قسم کی دعائیں کر کے جلدی پوری کرلو۔ انہوں نے عرض کیا کہ: مجھے ایسی جامع دعا بتا دیجئے؟ اس وقت آپ ﷺ نے ان کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

۲۱۵) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ دَعَا النَّبِىُّ ﷺ بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ دَعَوْتَ بِدُعَاءٍ كَثِيْرٍ لَمْ نَحْفَظْ مِنْهُ شَيْئًا، قَالَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَا يَجْمَعُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ؟ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا

نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ ﷺ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی دعائیں فرمائیں جو ہمیں یاد نہیں رہیں، تو ہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ نے بہت سی دعائیں فرمائی تھیں اُن کو ہم یاد نہیں رکھ سکے (اور چاہتے یہ ہیں کہ اللہ سے وہ سب دعائیں مانگیں، تو کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں ایسی دعا بتائے دیتا ہوں جس میں وہ ساری دعائیں آجائیں! اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرو کہ: "اے اللہ! ہم تجھ سے وہ سب مانگتے ہیں جو تیرے نبی محمد ﷺ نے تجھ سے مانگا، اور ہم ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں جن سے تیرے نبی محمد ﷺ نے تیری پناہ چاہی، بس تو ہی ہے جس سے مدد چاہی جائے اور تیرے ہی کرم پر موقوف ہے مقاصد اور مرادوں تک پہنچنا۔ اور کسی مقصد کیلئے سعی و حرکت اور اس کو حاصل کرنے کی قوت و طاقت بس اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔" (جامع ترمذی)

تشریح...... دنیا میں ایسے ہی بندوں کی تعداد زیادہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول شدہ زیادہ دعائیں یاد نہیں رکھ سکتے۔ ان کے لئے اس حدیث میں نہایت آسان طریقہ بتادیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح مانگا کریں کہ: اے اللہ! تجھ سے جو کچھ تیرے نبی حضرت محمد ﷺ نے مانگا میں وہ سب تجھ سے مانگتا ہوں، اور جن چیزوں سے انہوں نے تیری پناہ چاہی میں ان سب چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ناچیز راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس میں بھی کوئی خسارہ اور مضائقہ نہیں ہے کہ یہ بات اپنی ہی زبان میں کہی جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حضور میں دل سے عرض کیا جائے، دراصل دعا وہی ہے جو دل سے ہو۔

۲۱۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ. (رواه الحاكم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْأَلُكَ تا مِنَ النَّارِ۔" (اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں تیری رحمت کو واجب کردینے والے، اور تیری مغفرت کو پکا کردینے والے اعمال کا اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کی توفیق کا اور تجھ سے مانگتے ہیں جنت کا حصول اور دوزخ سے نجات۔) (مستدرک حاکم)

۲۱۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِىْ بِالْاِسْلَامِ قَائِمًا وَاحْفَظْنِىْ بِالْاِسْلَامِ قَاعِدًا وَاحْفَظْنِىْ بِالْاِسْلَامِ رَاقِدًا وَلَا تُشْمِتْ بِىْ عَدُوًّا وَلَا حَاسِدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ كُلِّ شَرٍّ خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ." (رواه الحاكم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِىْ۔ تا خَزَائِنُهٗ بِيَدِكَ۔" (اے اللہ! میری حفاظت فرما اسلام کے ساتھ کھڑے ہونے کی حالت میں اور بیٹھے

ہونے کی حالت میں اور سونے کی حالت میں (یعنی میں کھڑے بیٹھے اور سوتے ہر حال میں ایمان واسلام کے ساتھ محفوظ رہوں) اور میرے دشمنوں اور حاسدوں کو تیرے کسی فیصلہ سے شماتت کا موقع نہ ملے۔ اے میرے اللہ! تیرے ہاتھ میں خیر کے جو خزانے ہیں میں تجھ سے ان کو مانگتا ہوں' اور تیرے قبضہ میں جو شر ہے اس سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (مستدرک حاکم)

۲۱۸) عَنْ بُرَيْدَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِىْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِىْ فِىْ عَيْنِىْ صَغِيْرًا وَفِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا." (رواه البزار)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ تا كَبِيْرًا" (اے اللہ! مجھے اپنا شکر کرنے والا اور صبر کرنے والا بندہ بنا' اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور دوسرے لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنادے) (مسند بزار)

تشریح اس دعا کا آخری جزء خاص طور سے قابل غور ہے۔ بندے کو چاہئے کہ اپنے کو وہ چھوٹا اور حقیر و ذلیل سمجھے اور ساتھ ہی اللہ سے دعا کرتا رہے کہ دوسروں کی نگاہ میں وہ ذلیل نہ ہو۔

۲۱۹) عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ مُرْسَلًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ التَّوْفِيْقَ لِمَحَابِّكَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ." (رواه ابونعيم فى الحلية)

ترجمہ: امام اوزاعیؒ نے بطریق ارسال رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ تا وَحُسْنَ الظَّنِّ بِكَ" (اے اللہ! میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں تو مجھے توفیق دے ان اعمال کی جو تجھے محبوب ہیں' اور عطا فرما مجھے سچا توکل' اور اپنی ذات پاک کیساتھ حسن ظن۔ (حلیہ ابو نعیم)

۲۲۰) عَنْ عَلِيٍّ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِىْ لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِىْ طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُوْلِكَ وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ. (رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِىْ تا وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ" (اے اللہ! اپنے ذکر کے لئے اور اپنی نصیحت کے لئے میرے دل کے کان کھول دے' اور مجھے اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسول پاک ﷺ کی تابعداری نصیب فرما اور اپنی مقدس کتاب قرآن مجید پر عمل کی توفیق دے۔) (معجم اوسط طبرانی)

۲۲۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً فِىْ اِيْمَانٍ وَّاِيْمَانًا فِىْ حُسْنِ خُلُقٍ وَنَجَاحًا تُتْبِعُهُ فَلَاحًا وَّ رَحْمَةً مِّنْكَ وَعَافِيَةً وَمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَانًا. (رواه الطبرانى فى الاوسط والحاكم فى المستدرك)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ صِحَّةً تا وَرِضْوَانًا" (اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں صحت و تندرستی ایمان کے ساتھ' اور استدعا کرتا ہوں

ایمان کی حسن اخلاق کے ساتھ 'اور سوال کرتا ہوں تجھ سے مقاصد میں کامیابی کا آخرت کی فلاح کے ساتھ اور سائل ہوں تجھ سے رحمت اور عافیت کا 'اور تیری مغفرت اور رضامندی کا۔) (معجم اوسط للطبرانی ومستدرک حاکم)

۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا یُبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَایُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَاکَتَبْتَ لِیْ وَرِضًا مِنَ الْمَعِیْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ. (رواہ البزار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تا بِمَا قَسَمْتَ لِیْ "(اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے 'اور ایسا یقینِ صادق جس کے بعد یہ حقیقت میرا علم بن جائے کہ مجھ پر صرف وہی تکلیف آئیگی جو تو نے میرے لئے لکھ دی ہے 'اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں کہ میرا یہ حال کر دے کہ زندگی کا جو سامان تو مجھے دے میں اس پر دل سے راضی رہوں)۔ (مسند بزار)

۲۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ فِیْ تَیْسِیْرِ كُلِّ عَسِیْرٍ فَاِنَّ تَیْسِیْرَ كُلِّ عَسِیْرٍ عَلَیْكَ یَسِیْرٌ وَاَسْئَلُكَ الْیُسْرَ وَالْمُعَافَاةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ." (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا روایت کی گئی ہے: "اَللّٰهُمَّ الْطُفْ بِیْ تا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ "(اے اللہ! میری ہر دشواری کو آسان فرما کے مجھ پہ مہربانی فرما' ساری دشواریوں اور مشکلوں کو آسان کرنا تیرے لئے بالکل آسان ہے۔اور میں تجھ سے استدعا کرتا ہوں دنیا اور آخرت میں سہولت اور آسانی کیلئے اور کامل عافیت کیلئے)۔ (معجم اوسط للطبرانی)

۲۲۴) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَدْعُوْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِیْنِ وَاِذَا اَرَدْتَّ بِقَوْمٍ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ غَیْرَمَفْتُوْنٍ."

(مالك فی الموطا)

ترجمہ: امام مالکؒ سے مروی ہے 'انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تا غَیْرَمَفْتُوْنٍ "(اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اچھے عمل کرنے کی توفیق اور برے اعمال کو چھوڑ دینے کی توفیق اور تیرے مکین بندوں کے ساتھ محبت کرنے کی توفیق۔اور اے اللہ! جب تیرا فیصلہ کسی قوم کو فتنہ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا ہو تو مجھے اس فتنہ میں مبتلا کئے بغیر اپنی طرف اُٹھالے۔ (مؤطا امام مالکؒ)

تشریح..... پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جو تبع تابعین میں سے ہیں کبھی کبھی بعض حدیثیں سند کا ذکر کئے بغیر "بَلَغَنِیْ" کے عنوان سے بھی بیان کرتے ہیں۔ان کو اصطلاح میں "بلاغات مالکؒ" کہا جاتا ہے اور محدثین کے نزدیک یہ سب قابلِ قبول ہیں۔یہ روایت بھی انہیں "بلاغات" میں سے ہے۔

۲۲۵) عَنْ بُسْرِ بْنِ اَرْطَاةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِى الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَجِرْنَا مِنْ خِزْىِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ" (رواه احمد وابن حبان والحاكم)

ترجمہ: حضرت بسر بن ارطات رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا نقل فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ تا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ" (اے اللہ! ہمارے سارے کاموں کا انجام بہتر کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے ہمیں بچا اور ہماری حفاظت فرما)۔ (مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

تشریح...... یہ دعا بھی بہت ہی مختصر اور بہت جامع ہے۔

۲۲۶) عَنْ اُمِّ مَعْبَدِ الْخُزَاعِيَةِ مَرْفُوْعًا "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِىْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِىْ مِنَ الْكِذْبِ وَعَيْنِىْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ.
(رواه الحكيم الترمذى والخطيب)

ترجمہ: ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِىْ تا وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ۔" (اے اللہ! میرے دل کو نفاق سے، میرے اعمال کو ریاء کی آمیزش سے، میری زبان کو جھوٹ سے، اور میری آنکھوں کو نظر کی خیانت سے بالکل پاک صاف کر دے، تو آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے، تجھ سے میری کوئی چیز مخفی نہیں) (نوادر حکیم ترمذی، تاریخ خطیب)

تشریح...... ان سب دعاؤں کی جامعیت اور ہمہ گیری ظاہر ہے۔ انکے مضامین بھی کسی خاص تشریح اور وضاحت کے محتاج نہیں۔ غور کرنیوالوں اور سمجھنے والوں کیلئے ان کا ہر جز معرفت کا خزانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس محفوظ اور نہایت قیمتی ورثہ کی قدر کریں۔ اور ان دعاؤں کے ذریعہ دنیا اور آخرت کی برکتیں اور رحمتیں براہِ راست مالک الملک کے خزانہ سے حاصل کیا کریں۔

۲۲۷) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُعَلِّمُنَا اَنْ نَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِى الْاَمْرِ وَاَسْئَلُكَ عَزِيْمَةَ الرُّشْدِ وَاَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْئَلُكَ لِسَانًا صَادِقًا وَّ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ. (رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تعلیم فرماتے تھے کہ ہم دعا میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ. تا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔" (اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے استقامت اور ثابت قدمی دین کے معاملہ میں اور طلب کرتا ہوں اعلیٰ صلاحیت اور سوجھ بوجھ میں پختگی اور تیری نعمتوں کے شکر کی اور حسن عبادت کی توفیق اور طالب ہوں تجھ سے لسانِ صادق اور قلب سلیم کا، اور تیری پناہ چاہتا ہوں ہر اس شر سے جس کا تجھے علم ہے۔ اور سائل ہوں ہر اس خیر اور بھلائی کا جو تیرے علم میں ہے اور معافی اور مغفرت چاہتا ہوں اپنے ان سب گناہوں سے جو تجھے معلوم ہیں، تو ساری پوشیدہ باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔) (جامع ترمذی و سنن نسائی)

تشریح...... اس دعا کے ایک ایک جز پر غور کیجئے، یہ ان تمام مقاصد پر حاوی ہے جو ایک مؤمن کو عزیز ہونے چاہئیں۔ اسی حدیث کو ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین کرنے کے بعد فرمایا کہ:

"اے شداد بن اوس! جب تم دیکھو کہ لوگ سونے اور چاندی کو بطور خزانہ کے جمع کرتے ہیں تو تم اس دعا کو اپنا خزانہ سمجھو۔"

۲۲۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللهِ سَمِعْتُ دُعَاءَ كَ اللَّیْلَةَ فَكَانَ الَّذِیْ وَصَلَ اِلَیَّ مِنْهُ اِنَّكَ تَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ" قَالَ فَهَلْ تَرَاهُنَّ تَرَكْنَ شَیْئًا.** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: "رات میں نے آپ ﷺ کو دعا کرتے سنا، اس دعا میں سے یہ الفاظ مجھے پوری طرح پہنچے، آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے عرض کر رہے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ ... وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ" (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے میرے گھر میں وسعت عطا فرما، اور تو نے جو رزق مجھے عطا فرمایا ہے اس میں میرے لئے برکت دے۔) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے دیکھا ان مختصر لفظوں نے کچھ بھی چھوڑا۔" (جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کے رزق میں برکت دی جائے اس کو رہنے بسنے کے لئے ایسا مکان عطا ہو جس کو وہ اپنے لئے کافی سمجھے اور اس میں وسعت محسوس کرے اور آخرت کیلئے اس کی لغزشوں، گناہوں کی مغفرت اور معافی کا فیصلہ ہو جائے تو اس کو سب ہی کچھ مل گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے آخری جملہ "هل تراهن تركن شيئا." کا مطلب یہی ہے کہ بندے کو جو کچھ چاہئے وہ اس مختصر سی دعا میں سب آگیا ہے، چھوٹے چھوٹے ان تین کلموں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے۔

۲۲۹) **عَنْ طَارِقِ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ كَیْفَ اَقُوْلُ حِیْنَ اَسْاَلُ رَبِّیْ قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَ ارْزُقْنِیْ" (وَجَمَعَ اَصَابِعَهُ الْاَرْبَعَ اِلَّا الْاِبْهَامَ) فَاِنَّ هٰؤُلَاءِ یَجْمَعْنَ لَكَ دِیْنَكَ وَدُنْیَاكَ.** (رواه ابن ابی شیبه)

ترجمہ: حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا کہ: "مجھے بتا دیجئے کہ جب میں اپنے پروردگار سے مانگوں تو کس طرح عرض کروں اور کیا عرض کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں عرض کیا کرو۔ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَ ارْزُقْنِیْ۔" (اے اللہ! میرے گناہ معاف فرمادے اور مجھے بخش دے، مجھ پہ رحمت فرما مجھے عافیت اور آرام و چین نصیب فرما، اور مجھے روزی عطا فرما) اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں ملا کے ۴ کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ: یہ چار کلمے تیری دینی اور دنیوی ساری ضرورتوں پر حاوی

ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

تشریح...... بلاشبہ جس کو دنیا میں بقدرِ ضرورت روزی اور چین و آرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو جائے اور آخرت میں اسکے لئے مغفرت اور رحمت کا فیصلہ ہو جائے اسے سب کچھ مل گیا۔ یہ دعا بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی نہایت جامع اور مختصر دعاؤں میں سے ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی شخص اسلام لاتا تو رسول اللہ ﷺ اس کو نماز کی تعلیم فرماتے' اور اس دعا کی تلقین فرماتے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَ اهْدِنِیْ وَعَافِنِیْ وَ ارْزُقْنِیْ"

۲۳۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ قُدْرَتِكَ وَاَدْخِلْنِیْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَاقْضِ اَجَلِیْ فِیْ طَاعَتِكَ وَاخْتِمْ لِیْ بِخَیْرِ عَمَلِیْ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ.　(رواه البيهقى فى السنن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی: "اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ تا وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ" (اے اللہ! مجھے اپنی قدرت سے عافیت عطا فرما اور مجھے اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے' اور میری زندگی اپنی طاعت و عبادت میں پوری کرادے (یعنی میں زندگی کے آخری لمحہ تک تیری طاعت و عبادت کرتا رہوں) اور میرے بہترین عمل پر میرا خاتمہ فرما اور اس کے صلے میں مجھے جنت عطا فرما۔)　(سنن کبریٰ للبیہقی)

۲۳۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فَاِنَّهٗ لَایَمْلِكُهُمَا اِلَّا اَنْتَ."　(رواه الطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تا اِلَّا اَنْتَ" (اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل اور تیری رحمت مانگتا ہوں' بس تو ہی فضل و رحمت کا مالک ہے۔)　(معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دینوی اور مادی نعمتیں نصیب ہوں ان کو قرآن و حدیث کی زبان میں "فضل" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور روحانی و اُخروی نعمتوں کو "رحمت" سے۔ اس بناء پر اس دعا کا مطلب یہ ہوا کہ: "اے اللہ! دنیوی و اُخروی اور مادی و روحانی سب نعمتوں کا مالک تو ہی ہے' تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو کچھ بھی دے سکے' اس لئے میں تجھ ہی سے دونوں قسم کی نعمتوں کا طالب و سائل ہوں۔

۲۳۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِیْشَةً نَقِیَّةً وَّمِیْتَةً سَوِیَّةً وَّمَرَدًّا غَیْرَمُخْزِیٍّ وَلَا فَاضِحٍ."　(رواه البزار والحاكم والطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تا وَلَا فَاضِحٍ" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں پاک صاف زندگی اور ڈھنگ کی موت (جس میں کوئی بدنمائی نہ ہو) اور (اصلی وطن آخرت کی طرف) ایسی مراجعت جس میں رسوائی اور فضیحت نہ ہو۔)

(مسند بزار' مستدرک حاکم' معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... آدمی کے لئے تین ہی مرحلے ہیں: ایک اس دنیا کی زندگی کا مرحلہ' دوسرا موت کا مرحلہ اور تیسرا دارِ آخرت کا مرحلہ۔ اس مختصر دعا میں تینوں مرحلوں کے لئے بڑے سادہ انداز میں بہترین دعا موجود ہے۔

۲۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ." (رواه الترمذی ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ تا مِنْ حَالِ اَهْلِ النَّارِ۔" (اے اللہ! جو کچھ علم تو نے مجھے عطا فرمایا اس کو میرے لئے نفع مند بنادے (یعنی مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق دے) اور مجھے وہ علم عطا فرما جو میرے لئے نافع ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ اللہ کے لئے حمد و ستائش ہے ہر حال میں' اور میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں دوزخیوں کے حال سے)۔

(جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

۲۳۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ لَاتَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَّلَا تَنْزِعْ مِنِّیْ صَالِحَ مَااَعْطَیْتَنِیْ." (رواه البزار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ لَاتَکِلْنِیْ تا مَااَعْطَیْتَنِیْ۔" (اے اللہ! مجھے پل بھر کے لئے میرے نفس کے حوالے نہ کر' اور جو کوئی اچھی چیز (اچھا عمل یا اچھا حال) تو نے مجھے عطا فرمایا ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لے)۔ (مسند بزار)

تشریح...... بندوں کے پاس جو کچھ خیر ہے وہ صرف اللہ کی توفیق اور اس کی عطا سے ہے' اگر اللہ تعالیٰ ایک لمحہ کے لئے بھی نگاہِ کرم پھیر لے اور بندے کو اس کے نفس کے حوالے کردے تو وہ محروم ہو کے رہ جائے گا' اس لئے ہر عارف بندے کے دل کی یہ صدا ہوتی ہے کہ: "اے اللہ! ایک لمحہ کے لئے مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ کر' ہر دم میری نگرانی اور مجھ پر نظرِ کرم فرما۔"

۲۳۵) عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَیَّ عِنْدَ کِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِیْ."

(رواه الحاکم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ تا وَانْقِطَاعِ عُمُرِیْ۔" (اے اللہ! میرے بڑھاپے کے دنوں میں اور میری عمر کے آخری حصے میں میری روزی میں زیادہ سے زیادہ وسعت فرما)۔ (مستدرک حاکم)

تشریح...... بڑھاپے میں اور عمر کے آخری حصے میں رزق کی تنگی زیادہ تکلیف دہ ہو سکتی ہے' کیونکہ آدمی اس وقت دوڑ بھاگ اور جدوجہد کے قابل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں موت کے قرب کا زمانہ ہوتا ہے' اور ہر مؤمن کی آرزو یہ ہونی چاہئے کہ اس زمانہ میں آدمی اللہ کی یاد اور آخرت کی تیاری کے لئے دوسری تمام فکروں سے فارغ اور آزاد ہو' اس لئے یہ مسنون دعا ہر مؤمن کے دل کی دھڑکن ہونی چاہئے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَیَّ عِنْدَ کِبَرِ سِنِّیْ وَانْقِطَاعِ عُمُرِیْ۔"

۲۳۶) عَنْ اَنَسٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِىْ اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِىْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِىْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ." (رواه الطبرانى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِىْ تا يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ" (اے اللہ! میری عمر کے آخری حصے کو میری زندگی کا بہترین حصہ کر دے' اور میرے آخری عمل میری زندگی کے بہترین عمل ہوں' اور میرا سب سے اچھا دن وہ ہو جو تیرے حضور میں میری حاضری کا دن ہو۔) (معجم کبیر طبرانی)

۲۳۷) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَارْضَ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ." قِيْلَ زِدْنَا قَالَ اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهٗ."

(رواه احمد وابن ماجه والطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَنَا تا شَاْنَنَا كُلَّهٗ" (اے اللہ! ہم کو بخش دے' ہم پر رحمت فرما اور دوزخ سے ہمیں بچالے' اور ہمارے حالات اور جملہ معاملات درست فرمادے) آپ سے عرض کیا گیا: حضور (ﷺ)! ہمارے لئے اور زیادہ دعا فرمائیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا (اس دعا میں جو میں نے ابھی کی) ساری خیر کو ہم نے جمع نہیں کر لیا۔

(مسند احمد' سنن ابن ماجہ' معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش مانگی گئی ہے' رحمت مانگی گئی ہے اللہ کی رضا اور قبولیت مانگی گئی ہے' جنت کا داخلہ اور دوزخ سے نجات مانگی گئی ہے' اور سب سے آخر میں استدعا کی گئی ہے کہ ہمارے جملہ معاملات اور سارے حالات درست فرمادے (وَاَصْلِحْ لَنَا شَاْنَنَا كُلَّهٗ) ظاہر ہے کہ اس کے بعد کوئی بھی انسانی حاجت اور ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس سے زیادہ جو کچھ مانگا جائے گا وہ اسی اجمال کی تفصیل ہو گی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اَوَلَيْسَ قَدْ جَمَعْنَا الْخَيْرَ كُلَّهٗ-" (یعنی اس دعا میں ہم نے وہ سب مانگ لیا ہے جو انسان کو دنیا اور آخرت میں مطلوب ہو سکتا ہے۔)

۲۳۸) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْىُ يَوْمًا...... فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَاَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا." (رواه احمد والترمذى)

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی (اور اس وقت آپ ﷺ کی وہ کیفیت ہو گئی جو نزولِ وحی کے وقت ہو جایا کرتی تھی' جب وہ کیفیت ختم ہوئی) تو آپ ﷺ قبلہ رو ہو گئے اور ہاتھ اُٹھا کے یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ زِدْنَا تا وَارْضَ عَنَّا-" (اے اللہ! ہماری تعداد میں زیادتی اور اضافہ فرما' کمی نہ فرما' اور ہمیں عزت و عظمت عطا فرما' ہماری اہانت و ذلت نہ فرما' ہمیں اپنی ہر طرح کی نعمتیں عطا فرما' ہمیں محروم نہ فرما ہمیں اپنا لے' ہمارے مقابلے میں دوسروں کو ترجیح

نہ دے، ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں خوش کر دے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں آگے یہ بھی ہے کہ اس وقت آپ ﷺ پر سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیتیں نازل ہوئی تھیں، ان کا آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر غیر معمولی اثر تھا، اسی تاثر کے ماتحت آپ ﷺ نے خاص اہتمام سے اپنی جماعت اور امت کے لئے یہ دعا فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی دعا زیادہ اہتمام سے کرنی ہو تو بہتر ہے کہ قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اُٹھا کر کی جائے۔

۲۳۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاهْدِنَا سُبُلَ السَّلَامِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَجَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَمِنْهَا وَمَا بَطَنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمِ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا.

(رواه الطبرانى فى الكبير والحاكم فى المستدرك)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا تا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا۔" (اے اللہ! ہمارے آپس کے تعلقات درست فرما دے اور ہمارے دلوں کو جوڑ دے، اور ہمیں سلامتی کے راستوں پر چلا، اور ہر طرح کی گمراہیوں سے نکال کر ہمیں نور کی طرف لا، اور ظاہری و باطنی قسم کی ساری بے حیائیوں سے ہمیں بچا۔ اے اللہ! ہماری سماعت و بصارت اور ہمارے قلوب میں اور اسی طرح ہمارے بیوی بچوں میں برکت عطا فرما، اور ہماری توبہ قبول فرما کر ہم پر عنایت فرما، تو بڑا عنایت فرمانے والا بڑا مہربان ہے اور ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ثناء خواں اور قدر کے ساتھ قبول کرنے والا بنا اور ہمیں اپنی وہ نعمتیں بھرپور عطا فرما۔ (معجم کبیر طبرانی، مستدرک حاکم)

تشریح..... اس جامع ترین دعا میں سب سے پہلے آپس کے تعلقات کی درستی اور دِلوں کے جوڑ کی استدعا کی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دِلوں میں پھوٹ اور سینوں میں بغض و عداوت ہو تو دین بھی برباد ہوتا ہے اور دنیا بھی۔ اللہ تعالیٰ کی دینی و دنیوی اور مادی و روحانی ساری نعمتوں سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانے کیلئے ضروری ہے کہ معاشرہ بغض و عداوت کے عذاب سے محفوظ ہو۔ علاوہ ازیں اہلِ ایمان کے دلوں کا باہمی جوڑ اور انکے تعلقات کی خوش گواری بجائے خود اہم مطلوبات میں سے ہے۔

آنکھوں، کانوں اور بیوی بچوں وغیرہ میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمتیں برابر نصیب رہیں، اور ان سے وہ فوائد و برکات حاصل ہوتے رہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان میں رکھے ہیں۔

نعمتوں کی قدر اور ان پر شکر و حمد کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اور ان سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے، اس لئے اس کو بھی اللہ سے مانگنا چاہئے اور ایک محتاج بندے کی حیثیت سے ہر نعمت کے اتمام کی بھی اس سے استدعا کرنی چاہئے۔

۲۴۰) عَنْ عَائِشَةَ (مَرْفُوْعًا) رَبِّ اَعْطِ نَفْسِىْ تَقْوَاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرٌ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا

وَمَوْلَاهَا. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "رَبِّ اَعْطِ نَفْسِيْ تا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔" (اے میرے رب! میرے نفس کو تقویٰ سے آراستہ فرما اور (اس کی گندگیاں دور فرما کر) اس کو پاکیزہ بنا دے، تو ہی سب سے اچھا پاکیزہ بنانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مالک و مولیٰ ہے۔) (مسند احمد)

۲۴۱) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ (مَرْفُوْعًا) قُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ نَفْسًا مُطْمَئِنَّةً تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعَ بِعَطَائِكَ." (رواه الضياء فى المختارة والطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ تا تَقْنَعَ بِعَطَائِكَ۔" (اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں "نفس مطمئنہ" یعنی ایسا نفس جس کو تیری طرف سے اطمینان اور جمعیت کی دولت نصیب ہو، اور مرنے کے بعد تیرے حضور میں حاضری کا اس کو کامل یقین ہو اور تیرے فیصلوں پر وہ راضی و مطمئن ہو، اور تیری طرف سے جو کچھ ملے وہ اس پر قانع ہو)۔
(مختارہ للضیاء المقدسی، معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... "نفسِ مطمئنہ" وہی ہے جس میں یہ صفائی پائی جائیں اور یہ وہ نعمت ہے جو خاص ہی خاص بندوں کو عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

۲۴۲) عَنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ لِيْ عَلِيٌّ اَلَا اُعَلِّمُكَ دُعَاءً عَلَّمَنِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُلْتُ بَلٰى قَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِيْ لِذِكْرِكَ وَارْزُقْنِيْ طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُوْلِكَ وَ عَمَلًا بِكِتَابِكَ."
(رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حارث اعور سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ: "میں تم کو ایک دعا بتاؤں جو مجھے رسول ﷺ نے بتائی تھی! میں نے عرض کیا: ضرور بتایئے! آپ نے فرمایا: یوں عرض کیا کرو۔ "اَللّٰهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِيْ تا وَ عَمَلًا بِكِتَابِكَ۔" (اے اللہ! تو اپنے ذکر کے لئے (یعنی اپنی ہدایت و نصیحت قرآن پاک کے لئے) میرے دل کے کان کھول دے، اور مجھے اپنی اور اپنے رسولِ پاک ﷺ کی تابعداری کی اور اپنی کتاب پاک قرآنِ مجید پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔) (معجم اوسط للطبرانی)

۲۴۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَخْشَاكَ كَاَنِّيْ اَرَاكَ اَبَدًا حَتّٰى اَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنِيْ بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ. (رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ تا وَلَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ۔" (اے اللہ! میرا حال ایسا کر دے کہ تیرے حضور میں حاضر ہونے تک (یعنی مرتے دم تک) تیرے قہر و جلال سے میں ہر وقت اس طرح ترساں و لرزاں رہوں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ رہا ہوں، اور اپنے خوف و تقویٰ کی دولت نصیب فرما کر مجھے خوش بخت کر دے، اور ایسا نہ ہو کہ تیری

نافرمانی کر کے میں بد بختی میں مبتلا ہو جاؤں۔) (معجم اوسط طبرانی)

تشریح ...... غور کیا جائے مندرجۂ بالا دعاؤں میں خاص کر اس دعا میں کتنے مختصر الفاظ میں کتنی عظیم نعمتوں کی استدعا کی گئی ہے۔ یہ دعائیں آنحضرت ﷺ کی خاص میراث میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔

۲۴۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تَسْقِيَانِ الْقَلْبَ بِذُرُوْفِ الدَّمْعِ مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَكُوْنَ الدَّمُ دَمْعًا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا." (رواه ابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ تا وَالْاَضْرَاسُ جَمْرًا۔" (اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں نصیب فرما جو تیرے عذاب اور غضب کے خوف سے آنسوؤں کی بارش برسا کر دل کو سیراب کر دیں، اُس گھڑی کے آنے سے پہلے جب بہت سی آنکھیں خون کے آنسو روئیں گی اور بہت سے مجرمین کی ڈاڑھیں انگارہ ہو جائیں گی۔) (ابن عساکر)

تشریح ...... جن کو اللہ نے حقائق کی معرفت دی ہے ان کے نزدیک وہی آنکھ زندہ اور بینا ہے جو اللہ کے خوف سے روئے اور آنسوؤں کی بارش برسائے ان کے دل اسی بارش سے سیراب ہوتے ہیں، اس لئے وہ اللہ سے رونے والی آنکھیں مانگتے ہیں۔

۲۴۵) عَنِ الْهَيْثَمِ الطَّائِىْ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ الْاَشْيَاءِ اِلَىَّ كُلِّهَا وَاجْعَلْ خَشْيَتَكَ اَخْوَفَ الْاَشْيَاءِ عِنْدِىْ وَاقْطَعْ عَنِّىْ حَاجَاتِ الدُّنْيَا بِالشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ وَاِذَا اَقْرَرْتَ اَعْيُنَ اَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ دُنْيَا هُمْ فَاَقْرِرْ عَيْنِىْ مِنْ عِبَادَتِكَ. (رواه ابو نعيم فى الحلية)

ترجمہ: ہیثم بن مالک طائی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ تا مِنْ عِبَادَتِكَ۔" (اے اللہ! ایسا کر دے کہ کائنات کی ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیری محبت ہو، اور ساری چیزوں سے زیادہ مجھے تیرا خوف ہو اور اپنی ملاقات کے شوق کو مجھ پر اتنا طاری کر دے کہ دنیا کی ساری حاجتوں کا احساس اس کی وجہ سے فنا ہو جائے اور جہاں تو بہت سے اہلِ دنیا کو ان کی مرغوبات دے کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو میری آنکھیں طاعت و عبادت سے ٹھنڈی کر (یعنی مجھے عبادت کا وہ ذوق و شوق بخش دے کہ اس میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور پھر مجھے عبادت کی بھرپور توفیق دے۔) (حلیہ ابی نعیم)

۲۴۶) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِىْ يُبَلِّغُنِىْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ نَفْسِىْ وَاَهْلِىْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ" قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ

السلام جو دعائیں کرتے تھے ان میں ایک خاص دعا یہ بھی تھی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ تا وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔" (اے میرے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیری محبت (یعنی مجھے اپنی محبت عطا فرما) اور اپنے اُن بندوں کی محبت بھی مجھے عطا فرما جو تجھ سے محبت کرتے ہیں' اور اُن اعمال کی بھی محبت مجھے عطا فرما جو تیری محبت کے مقام تک پہنچاتے ہوں۔ اے اللہ! ایسا کر دے کہ اپنی جان اور اہل و عیال کی محبت اور ٹھنڈے پانی کی چاہت سے بھی زیادہ مجھے تیری محبت اور چاہت ہو) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماتے تو ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "وہ بہت ہی زیادہ عبادت گزار بندے تھے۔" (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ دعا جو ان کے جذبۂ محبت اور عشق الٰہی کی آئینہ دار تھی رسول اللہ ﷺ کو بہت ہی پسند تھی' اسی لئے آپ ﷺ نے خاص طور سے صحابہ کرامؓ کو بتلائی۔ وصفِ نبوت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک شرف ہے' لیکن اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام کے کچھ خصائص بھی ہوتے ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کثرتِ عبادت حضرت داؤد علیہ السلام کی امتیازی خصوصیت تھی۔

۲۴۷) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ يَزِيْدَ الْخَطْمِىِّ الْاَنْصَارِىِّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِىْ دُعَائِهٖ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنِىْ حُبُّهٗ عِنْدَكَ اَللّٰهُمَّ مَا رَزَقْتَنِىْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ قُوَّةً لِّىْ فِيْمَا تُحِبُّ وَمَا زَوَيْتَ عَنِّىْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْهُ فَرَاغًا لِّىْ فِيْمَا تُحِبُّ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزید خطمی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دعا یہ بھی کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِىْ تا فِيْمَا تُحِبُّ۔" (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور اپنے ان بندوں کی محبت عطا فرما جن کی محبت میرے لئے تیرے نزدیک نفع مند ہو۔ اے اللہ! میری چاہت اور رغبت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا فرمائی ہیں ان سے مجھے ان کاموں میں تقویت پہنچا جو تجھے محبوب ہیں' اور میری رغبت و چاہت کی جو چیزیں تو نے مجھے عطا نہیں فرمائیں (اور میرے اوقات کو ان سے فارغ رکھا) تو مجھے توفیق دے کہ میں اس فراغ کو ان کاموں میں استعمال کروں جو تجھے محبوب ہیں)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... آدمی کو اس کی مرغوبات دے دی جائیں تو اس کا بھی امکان ہے کہ وہ ان میں مست اور منہمک ہو کر خدا سے غافل ہو جائے' یا وہ ان کو اس طرح استعمال کرے کہ معاذ اللہ خدا سے اور دور ہو جائے۔ اسی طرح مرغوبات نہ ملنے کی صورت میں بھی امکان ہے کہ وہ دوسری قسم کی خرافات میں اپنا وقت برباد کرے۔ اس لئے بندے کو برابر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اگر اس کی مرغوبات عطا فرمائے تو اس کو اس کی بھی توفیق دے کہ وہ مرغوبات کو تقربِ الی اللہ کا وسیلہ بنائے' اور اگر مرغوبات نہ ملیں اور اس کی وجہ سے فرصت و فراغ حاصل ہو تو اس کو توفیق ملے کہ فارغ اور خالی وقت کو اللہ تعالیٰ کی مرضیات ہی میں لگائے۔ رسول اللہ ﷺ کی ہر دعا اور اس کا ہر جزو بلاشبہ معرفت کا خزانہ ہے۔

۲۴۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ." (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا تلقین فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ۔" (اے اللہ! میرے دل میں وہ ڈال جس میں میرے لئے بھلائی اور بہتری ہو، اور میرے نفس کے شر سے مجھے بچا، اور اپنی پناہ میں رکھ۔)

(جامع ترمذی)

۲۴۹) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ اَنَّ اَكْثَرَ دُعَاءِ النَّبِيِّ ﷺ اِذَا كَانَ عِنْدَهَا يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب اُن کے پاس ہوتے تو اکثر یہ دعا کیا کرتے تھے: "يَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ۔" (اے دلوں کو پلٹنے! والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت و قائم رکھ)۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس روایت میں آگے حضرت ام سلمہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں نے ایک دن حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: کیا بات ہے کہ آپ ﷺ اکثر و بیشتر یہ دعا کرتے ہیں؟ (حضرت ام سلمہؓ کا مطلب غالباً اس سوال سے یہی ہوگا کہ آپ ﷺ تو لغزشوں سے محفوظ ہیں پھر آپ ﷺ یہ دعا کیوں کرتے ہیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ہر آدمی کا دل اللہ کے ہاتھ میں ہے اُسی کے اختیار میں ہے جس کا دل چاہے سیدھا رکھے اور جس کا چاہے ٹیڑھا کر دے۔ آپ ﷺ کے اس جواب کا مطلب یہ ہوا کہ میرا معاملہ بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اسی لئے مجھے بھی اس سے دعا مانگنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ جس بندے کو اپنے نفس کی اور ساتھ ہی اپنے رب کی معرفت نصیب ہو گی اس کا یہی حال ہو گا اور وہ کبھی اپنے کو مامون و محفوظ نہیں سمجھے گا۔ بندوں کے حق میں یہی بلندی اور کمال ہے۔

"قربیاں را بیش بود حیرانی"

۲۵۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ (مَرْفُوْعًا) اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّ بِيْ رِضَاكَ ضُعْفِيْ وَخُذْ اِلَى الْخَيْرِ بِنَاصِيَتِيْ وَاجْعَلِ الْاِسْلَامَ مُنْتَهٰى رِضَائِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِيْ وَاِنِّيْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِيْ وَاِنِّيْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ." (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ضَعِيْفٌ تا وَاِنِّيْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِيْ۔" (اے میرے اللہ! میں تیرا ایک کمزور بندہ ہوں تو اپنی رضا طلبی کی راہ میں میری کمزوری کو قوت سے بدل دے (تاکہ میں پوری تندہی اور تیز رفتاری سے تیری رضا کے لئے کام کر سکوں) اور میری پیشانی پکڑ کے میرا رُخ خیر کی طرف کر دے، اور اسلام کو میرا منتہائے رضا بنا دے (یعنی میری انتہائی خوشی یہ ہو کہ میں پورا پورا مسلم ہو جاؤں) اے میرے اللہ! میں ضعیف و ناتواں ہوں،

تو میری ناتوانی کو توانائی سے بدل دے اور میں ذلت و پستی کے حال میں ہوں تو مجھے عزت بخش دے' اور میں فقیر و نادار ہوں تو مجھے میری ضروریات عطا فرمادے۔) (معجم کبیر طبرانی)

۲۵۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ (مَرْفُوْعًا) اِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِىْ وَفِىْ نَفْسِىْ لَكَ فَذَلِّلْنِىْ وَ فِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ فَعَظِّمْنِىْ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَخْلَاقِ فَجَنِّبْنِىْ." (رواه ابن هلال فى مكارم الاخلاق)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا روایت کی ہے: "اِلَيْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِىْ تا فَجَنِّبْنِىْ۔" (اے میرے پروردگار! مجھے اپنا پیارا بنالے اور مجھے ایسا کردے کہ میں اپنے کو تیرے حضور میں ذلیل سمجھوں اور دوسرے بندوں کی نگاہ میں مجھے باعظمت بنادے' اور برے اخلاق سے مجھے بالکل بچادے اور دور رکھ۔ (مکارم الاخلاق لابن ہلال)

تشریح...... کسی بندے سے اللہ تعالیٰ کا محبت فرمانا عظیم ترین دولت ہے جس کی ہر مؤمن کو دلی آرزو ہونی چاہئے' اس دعا میں سب سے پہلے یہی نعمت مانگی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی بندے پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ وہ خود کو تو ذلیل و حقیر سمجھے لیکن اللہ کے بندے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کا احترام و اکرام کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا پہلے گزر چکی ہے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ فِىْ عَيْنِىْ صَغِيْرًا وَفِىْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا." ❶

۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ' اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ' اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ' اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ فَاغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ وَعَافِنِىْ وَرْزُقْنِىْ وَاسْتُرْنِىْ وَاجْبُرْنِىْ وَارْفَعْنِىْ وَاهْدِنِىْ وَلَا تُضِلَّنِىْ وَاَدْخِلْنِىَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنِ." تَعَلَّمْهُنَّ وَعَلِّمْهُنَّ عَقْبَكَ مِنْ بَعْدِكَ. (رواه الديلمى)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ دعا تلقین فرمائی: "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْخَلَّاقُ الْعَظِيْمُ تا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔" (اے میرے اللہ! تو خالق کل اور خلاق عظیم ہے تو سمیع و علیم (سب کچھ سننے والا اور جاننے والا) ہے۔ تو غفور و رحیم (بخشنے والا اور نہایت مہربان) ہے۔ تو مالک عرشِ عظیم ہے' تو نہایت فیاض اور کریم ہے۔ اپنی ان عالی صفات کے صدقہ میں' تو مجھے بخش دے' مجھ پر رحمت فرما' مجھے عافیت عطا فرما' مجھے رزق نصیب فرما' میری پردہ داری فرما' میری شکستگی کو جوڑ دے' مجھے عزت و رفعت عطا فرما' مجھے اپنی راہ پر چلا' مجھے گمراہی سے بچا اور اے ارحم الرحمین (مرنے کے بعد آخرت میں) اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخلہ نصیب فرما۔)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا تلقین فرمائی اور مجھ سے ارشاد فرمایا: اس کو سیکھ لو اور اپنے بعد والوں کو سکھاؤ۔ (مسند فردوس دیلمی)

❶ اے اللہ! مجھے اپنی نظر میں چھوٹا اور حقیر بنادے، اور دوسرے لوگوں کی نگاہ میں بڑا کردے۔ ۱۲

تشریح ...... کس قدر جامع دعا ہے! اس کو نہ سیکھنا اور اس سے فائدہ نہ اُٹھانا بلا شبہ بڑے خسارے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ان انمول جواہرات کی قدر نصیب فرمائے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

دعواتِ استعاذہ

ذخیرۂ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ماثور و منقول ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں خود کیں یا اُمت کو ان کی تعلیم و تلقین فرمائی ان میں زیادہ تر وہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ سے کسی دنیوی یا اُخروی، روحانی یا جسمانی، انفرادی یا اجتماعی نعمت اور بھلائی کا سوال کیا گیا ہے اور مثبت طور پر کسی حاجت اور ضرورت کے لئے استدعا کی گئی ہے۔ ڈیڑھ سو سے کچھ اوپر جو دعائیں اس سلسلہ میں اب تک درج ہو چکی ہیں وہ سب اسی قبیل کی تھیں۔ ان کے علاوہ بہت سی ایسی دعائیں بھی آپ ﷺ سے مروی ہیں جن میں کسی خیر و نعمت اور کسی مثبت حاجت و ضرورت کے سوال کے بجائے دنیا یا آخرت کے کسی شر سے اور کسی بلا اور آفت سے پناہ مانگی گئی ہے اور حفاظت و بچاؤ کی استدعا کی گئی ہے۔ پھر جس طرح پہلی قسم کی دعاؤں کو مجموعی طور پر سامنے رکھ کر یہ کہنا برحق ہے کہ دنیا اور آخرت کی کوئی خیر اور بھلائی اور کوئی حاجت و ضرورت ایسی نہیں ہے جس کی دعا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے نہ کی ہو، اور اُمت کو تلقین نہ فرمائی ہو۔ اسی طرح دوسری قسم کی دعاؤں کو پیشِ نظر رکھ کر یہ کہنا بھی بالکل صحیح ہے کہ دنیا اور آخرت کا کوئی شر، کوئی فساد، کوئی فتنہ اور کوئی بلا اور آفت اس عالمِ وجود میں ایسی نہیں ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ مانگی ہو اور اُمت کو اس کی تلقین نہ فرمائی ہو۔ غور کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کا نہایت روشن معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی دعائیں انسانوں کی دنیوی و اخروی، روحانی اور جسمانی، انفرادی اور اجتماعی ظاہری اور باطنی، مثبت اور منفی ساری ہی حاجتوں اور ضرورتوں پر حاوی ہیں اور کوئی خفی سے خفی اور دقیق سے دقیق حاجت نہیں بتائی جا سکتی جس کو آپ ﷺ نے بہتر سے بہتر پیرائے میں اللہ تعالیٰ سے نہ مانگا ہو، اور اُمت کو اس کے مانگنے کا طریقہ نہ سکھایا ہو۔ قرآن مجید میں بھی ان دونوں ہی قسموں کی یعنی مثبت اور منفی دعائیں موجود ہیں اور بالکل آخر کی دو مستقل سورتیں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" اول سے آخر تک منفی قسم کی دعا یعنی استعاذہ ہی پر مشتمل ہیں، اور اسی لئے ان کو "معوذتین" کہا جاتا ہے اور ان ہی پر قرآن مجید ختم ہوا ہے۔

قرآن پاک کے اس طریقے ہی کی پیروی میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ جو احادیث ایسی دعاؤں پر مشتمل ہیں جن میں شرور اور فتن اور بلیات سے اور برے اعمال و اخلاق اور ہر قسم کی ناپسندیدہ باتوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، اُن کو آخر میں درج کیا جائے اور ان ہی کو اس سلسلہ کا خاتمہ بنایا جائے۔ اب ذیل میں وہی حدیثیں پڑھیئے:

۲۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ تَعَوَّذُوْا بِاللهِ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشِّقَاءِ وَسُوْءِ

الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی پناہ مانگو بلاؤں کی سختی سے، اور بد بختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کی شماتت سے"۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں بظاہر تو چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے، لیکن فی الحقیقت دنیا اور آخرت کی کوئی برائی اور کوئی تکلیف اور کوئی مصیبت اور کوئی پریشانی ایسی نہیں سوچی جاسکتی جو ان چار عنوانوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ ان میں سب سے پہلی چیز ہے: "جَهْدُ الْبَلَاءِ" (کسی بلا کی مشقت اور سختی) بلا ہر اس حالت کا نام ہے جو انسان کے لئے باعث تکلیف اور موجب پریشانی ہو، اور جس میں اس کی آزمائش ہو، یہ دنیوی بھی ہو سکتی ہے اور دینی بھی، روحانی بھی ہو سکتی ہے اور جسمانی بھی، انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ الغرض یہ ایک ہی لفظ تمام مصائب و تکالیف اور آفات و بلیات کو حاوی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے، وہ ہے "دَرْكُ الشَّقَاءِ" (بد بختی کا لاحق ہونا) اور تیسری چیز ہے: "سُوْءُ الْقَضَاءِ" (بری تقدیر) ان دونوں کی جامعیت بھی بالکل ظاہر ہے، جس بندے کو ہر نوع کی بد بختی سے اور بری تقدیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گئی بلاشبہ اسے سب کچھ مل گیا۔ آخری چیز جس سے پناہ مانگنے کی اس حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے وہ ہے "شَمَاتَةُ الْاَعْدَاءِ" (یعنی کسی مصیبت اور ناکامی پر دشمنوں کا ہنسنا) بلاشبہ دشمنوں کی شماتت اور طعنہ زنی بعض اوقات بڑی روحانی تکلیف و اذیت کا باعث ہوتی ہے، اس لئے اس سے خصوصیت کے ساتھ پناہ مانگنے کے لئے فرمایا، اگرچہ اس سے پہلے تین جامع عنوانات اس کو بھی حاوی تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی تعمیل میں ان چاروں چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے صحیح اور مناسب الفاظ یہ ہوں گے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ جَهْدِ الْبَلَاءِ وَدَرْكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَشَمَاتَةِ الْاَعْدَاءِ."

اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بلا کی سختی سے اور بد بختی لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور دشمنوں کے ہنسنے اور ان کی طعنہ زنی سے۔

۲۵۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّيْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ." (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ س روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ۔ تا غَلَبَةِ الرِّجَالِ۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر سے اور غم سے اور کم ہمتی اور کاہلی و بزدلی سے اور بخیلی و کنجوسی اور قرضہ کے بار سے اور لوگوں کے دباؤ سے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس دعا میں جن آٹھ چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے، ان میں سے چار (فکر و غم، قرضہ کا

بار اور مخالفین کا غلبہ) ایسی چیزیں ہیں جو حساس و صاحبِ شعور آدمی کے لئے زندگی کے لطف سے محرومی اور سخت روحانی اذیت کا باعث ہوتی ہیں اور اس کی قوتِ کار اور صلاحیتوں کو معطل کر کے رکھ دیتی ہیں جس کے نتیجہ میں وہ دنیا اور آخرت کی بہت سی کامیابیوں اور سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اور باقی چار (کم ہمتی، کاہلی، کنجوسی اور بزدلی) ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے آدمی وہ جرأت مندانہ اقدامات اور محنت و قربانی والے وہ اعمال نہیں کر سکتا جن کے بغیر نہ دنیا میں کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ آخرت میں فوز و فلاح اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ان سب چیزوں سے اللہ کی پناہ چاہتے تھے، اور اپنے عمل سے اُمت کو بھی اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

۲۵۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَغْرَمِ وَالْمَاْثَمِ، اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ النَّارِ وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْفَقْرِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ، اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَاىَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ وَنَقِّ قَلْبِىْ كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْبَيْنِىْ وَبَيْنَ خَطَايَاىَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ." (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ تا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں سستی، کاہلی سے اور انتہائی بڑھاپے سے (جو آدمی کو بالکل ہی از کار رفتہ کر دے) اور قرضہ کے بوجھ سے، اور ہر گناہ سے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور دوزخ کے فتنہ سے اور فتنۂ قبر سے، اور عذابِ قبر سے، اور دولت و ثروت کے فتنہ کے شر سے، اور مفلسی و محتاجی کے فتنہ کے شر سے اور فتنۂ دجال کے شر سے۔ اے میرے اللہ! میرے گناہوں کے اثرات دھو دے اولے اور برف کے پانی سے اور میرے دل کو (گندے اعمال و اخلاق کی گندگیوں سے) اس طرح پاک صاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے، اور میری اور گناہوں کے درمیان اتنی دوری پیدا کر دے جتنی دوری تو نے مشرق و مغرب کے درمیان کر دی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس دعا میں علاوہ اور چیزوں کے "ھرم" یعنی بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عمر کی اس حد تک درازی کہ ہوش و حواس صحیح سالم رہیں (اور آخرت کی کمائی کا سلسلہ جاری رہے) اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، لیکن ایسا بڑھاپا جو بالکل ہی از کار رفتہ کر دے جس کو قرآن پاک میں "اَرْذَلِ الْعُمُرِ" فرمایا گیا ہے۔ ایسی ہی چیز ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگی جائے "ھَرَم" بڑھاپے کا وہی درجہ ہے۔

اس دعا میں "عذابِ نار" کے ساتھ "فتنۂ نار" سے اور "عذابِ قبر" کے ساتھ "فتنۂ قبر" سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔ عذابِ نار سے مراد بظاہر دوزخ کا وہ عذاب ہے جو ان دوزخیوں کو ہوگا جو کفر و شرک جیسے سنگین جرائم کی وجہ سے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ اسی طرح عذابِ قبر سے مراد بظاہر قبر کا وہ عذاب ہے جو اسی

طرح کے بڑے مجرموں کو قبر میں ہو گا۔ لیکن جو ان سے کم درجہ کے مجرمین ہیں ان کو اگرچہ دوزخیوں کی طرح دوزخ میں نہیں ڈالا جائے گا اور قبر میں بھی ان پر درجہ اول کے ان مجرمین والا وہ سخت عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا، لیکن دوزخ اور قبر کی کچھ تکلیفوں سے ان لوگوں کو بھی گزرنا پڑے گا اور بس یہی سزا ان کے لئے کافی ہو گی۔ اس عاجز کے نزدیک "فتنۂ نار" اور "عذاب قبر" کے ساتھ اس "فتنۂ نار" اور "فتنۂ قبر" سے بھی پناہ چاہی اور اپنے عمل سے ہم کو بھی اس کی تلقین فرمائی ہے۔

دجال کا فتنہ بھی ان عظیم ترین فتنوں میں سے ہے جن سے رسول اللہ ﷺ بکثرت پناہ مانگتے تھے، اور اہلِ ایمان کو اس کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ تعالے دجالِ اکبر کے فتنہ سے (جس کی رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے) اور ہر دجالی فتنہ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مرتے دم تک ایمان واسلام پر ثابت قدم رکھے۔

اس دعا میں دولت مندی کے فتنہ سے اور اس کے ساتھ فقر و محتاجی کے فتنہ سے بھی اللہ کی پناہ مانگی گئی ہے۔ دولت وثروت بذاتِ خود کوئی بری چیز نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اگر اس کا حق ادا کرنے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی توفیق ملے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت ہی سے وہ مقام پایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں اعلان فرمایا کہ: "عثمان اس کے بعد جیسا بھی عمل کریں ان پر کوئی عتاب نہ ہو گا اور ان سے کوئی باز پرس نہ ہو گی (مَاعَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذَا مَرَّتَيْنِ [1])" اسی طرح فقر کے ساتھ اگر صبر وقناعت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی کی زندگی پسند فرمائی، اور فقر اور اہلِ فقر کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے دولت مندی وخوش حالی تکبر وغرور پیدا کرے اور مال ودولت کے صحیح استعمال کی توفیق نہ ملے تو پھر وہ قارونیت ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اسی طرح اگر فقر و محتاجی کے ساتھ صبر وقناعت نہ ہو اور اس کی وجہ سے آدمی ناکردنی کرنے لگے تو وہ خدا کا ایک عذاب ہے، اور اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا۔" (محتاجی اور مفلسی آدمی کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے) اس دعا میں غنا اور فقر (دولت مندی اور ناداری) کے جس شر وفتنہ سے پناہ مانگی گئی ہے وہ یہی ہے، اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ اس سے ہزار بار پناہ مانگی جائے۔

اس دعا کے آخر میں گناہوں کے اثرات دھونے کی اور دل کی صفائی کی اور گناہوں سے بہت دور کئے جانے کی جو دعا کی گئی ہے وہ اگرچہ بظاہر مثبت دعاؤں میں سے ہے، لیکن غور کیا جائے تو وہ بھی ایک طرح کہ سلبی دعا ہے اور گویا استعاذہ ہی ہے۔

۲۵۶) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْهَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِىْ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَايَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَايَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَاتَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَايُسْتَجَابُ لَهَا." (رواه مسلم)

[1] رواہ الترمذی۔ ۱۲

ترجمہ۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ تا وَمِنْ دَعْوَةٍ لَايُسْتَجَابُ لَهَا۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی و کاہلی اور بزدلی سے، اور بخیلی و کنجوسی سے اور انتہائی درجہ کے بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے۔ اے میرے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرمادے اور اس کا تزکیہ فرما کے اس کو مصفّٰی بنا دے تو ہی سب سے اچھا تزکیہ فرمانے والا ہے، تو ہی اس کا والی اور مولیٰ ہے۔ اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع مند نہ ہو، اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس (ہوسناک) نفس سے جس کی سیری نہ ہو، اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔) (صحیح مسلم)

تشریح..... علم غیر نافع، قلب غیر خاشع، اور ہوسناک نفس جس کی ہوسناکی ختم ہی نہ ہو اور وہ دعا جس کی اللہ کے ہاں سماعت نہ ہو۔ ان چاروں چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگنے کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ علم نافع عطا فرمائے، قلب کو خشوع کی صفت مرحمت فرمائے، نفس کو ہوسناکی سے پاک فرما کر اس کو قناعت سے آراستہ فرمائے اور دعاؤں کو قبولیت سے نوازے۔

۲۵۷) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَاءَةِ نَقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی تھی: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ تا وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں تیری نعمتوں کے زائل ہو جانے سے، اور تیری بخشی ہوئی عافیت کے چلے جانے سے، اور تیرے عذاب کے ناگہانی آجانے سے، اور تیری ہر قسم کی ناراضی اور ناخوشی سے) (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی اس دعا سے بلکہ اس سلسلہ کی ساری ہی دعاؤں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبوت رسالت بلکہ مقامِ محبوبیت پر بھی فائز ہونے کے باوجود قضاء و قدر کے فیصلوں سے آپ ﷺ کتنے لرزاں و ترساں رہتے تھے، اور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم اور اس کی حفاظت و پناہ کا کتنا محتاج سمجھتے تھے، صحیح ہے۔

"قربیاں را بیش بود حیرانی"

۲۵۸) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ."** (رواہ ابوداؤد و النسائی)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔" (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شقاق یعنی آپس کے سخت اختلاف اور نفاق سے اور برے اخلاق سے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... "شقاق" اس شدید اختلاف کو کہتے ہیں جس کے نتیجہ میں فریقین ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو جائیں اور ان کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔ نفاق کے معنی ہیں ظاہر و باطن کا فرق، یہ اعتقادی نفاق کے

علاوہ عملی زندگی میں منافقانہ رویہ کو بھی شامل ہے، یہ تینوں چیزیں جن سے اس دعا میں اللہ کی پناہ چاہی گئی ہے (یعنی خلاف و شقاق، نفاق اور برے اخلاق) آدمی کے دین کو بلکہ اس کی دنیا کو بھی برباد کر دیتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اگرچہ معصوم اور قطعاً محفوظ تھے لیکن اس کے باوجود ان مہلکات کی ہلاکت خیزی ہی کی وجہ سے ان سے اللہ کی پناہ مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ان چیزوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی اُتنی فکر کریں جتنی ایک مؤمن کو ہونی چاہئے اور ہمیشہ ان سے اللہ کی پناہ مانگتے رہیں۔

۲۵۹) عَنْ شَكَلِ بْنِ حُمَيْدٍ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ عَلِّمْنِىْ تَعَوُّذًا اَتَعَوَّذُ بِهٖ فَاَخَذَ بِكَفِّىْ وَقَالَ قُلْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِىْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِىْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِىْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِىْ وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّىْ." (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

ترجمہ: شکل بن حمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! مجھے کوئی تعوذ تعلیم فرما دیجئے (یعنی کوئی ایسی دعا بتا دیجئے) جس کے ذریعہ میں اللہ سے پناہ و حفاظت طلب کیا کروں؟ آپ ﷺ نے میرا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں تھام کر فرمایا: کہو "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِىْ تا وَمِنْ شَرِّ مَنِيِّىْ۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے، اپنی نگاہ کے شر سے، اور اپنی زبان کے شر سے، اور اپنے قلب کے شر سے، اور اپنے مادۂ شہوت کے شر سے)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح — سمع و بصر اور زبان و قلب اور اسی طرح جنسی خواہش کا شر یہ ہے کہ یہ چیزیں احکامِ خداوندی کے خلاف استعمال ہوں، جس کا انجام اللہ کا غضب اور اس کا عذاب ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس شر سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور اس کی پناہ مانگی جائے، وہی اگر بچائے گا تو بندہ بچ سکے گا ورنہ مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

۲۶۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ الضَّجِيْعُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخِيَانَةِ فَاِنَّهَا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ." (رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُوْعِ تا بِئْسَتِ الْبِطَانَةُ۔" (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں بھوک اور فاقہ سے، وہ بڑا تکلیف دہ رفیقِ خواب ہے اور خیانت کے جرم سے، وہ بہت بری ہمراز ہے۔)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح — جب آدمی کو بھوک اور فاقہ کی تکلیف ہو تو نیند نہیں آتی، بس اسی احساس کے ساتھ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے بھوک کو "رفیقِ خواب" (یعنی بستر کا ساتھی) کہا گیا ہے۔ اور خیانت ہمیشہ چوری چھپے ہی کی جاتی ہے اور اس کا راز بس خیانت کرنے والے ہی کو معلوم ہوتا ہے، اس لئے خیانت کو "بطانۃ" (ہمراز) کہا گیا ہے۔

بھوک اور خیانت جیسی چیزوں سے رسول اللہ ﷺ کا پناہ مانگنا کمالِ عبدیت کا وہ آخری اور انتہائی مقام ہے

جو بلا شبہ آپ ﷺ کا طرۂ امتیاز ہے اور اس میں ہمارے لئے بڑا سبق ہے۔

۲۶۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرْصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ." (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ تا وَمِنْ سَيِّئِ الْاَسْقَامِ." (اے میرے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، برص، جذام اور پاگل پن سے، اور سب خراب بیماریوں سے) (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... برص، جذام، جنون اور اس طرح کی وہ سب بیماریاں جن کی وجہ سے لوگ مریض سے نفرت اور گھن کریں اور جن کی وجہ سے آدمی زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ بلا شبہ ان سے ہر آدمی کو پناہ مانگنی چاہئے، لیکن ہلکی اور معمولی قسم کی بیماریاں بعض پہلوؤں سے یقیناً خدا کی رحمت ہوتی ہیں۔

۲۶۲) عَنْ اَبِى الْيُسْرِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَدْعُوْ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ التَّرَدِّىْ وَمِنَ الْغَرَقِ وَالْحَرَقِ وَالْهَرَمِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِىَ الشَّيْطَانُ عِنْدَالْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ فِىْ سَبِيْلِكَ مُدْبِرًا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (رواہ ابو داؤد والنسائی)

ترجمہ: ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ تا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا." (اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں {اپنے اوپر کسی عمارت وغیرہ کے} ڈھے جانے سے اور {کسی بلندی کے اوپر} گر پڑنے سے اور {دریا وغیرہ میں} ڈوب جانے سے، اور آگ میں جل جانے سے، اور انتہائی بڑھاپے سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں، اس بات سے کہ موت کے وقت شیطان مجھے وسوسوں میں مبتلا کر دے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہوا مروں، اور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے مجھے موت آ جائے)۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح...... کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مر جانا، اور اسی طرح کسی بلندی سے نیچے گر کر، یا دریا وغیرہ میں ڈوب کے، یا آگ میں جل کر یا کسی زہریلے جانور سانپ وغیرہ کے ڈسنے سے ختم ہو جانا، یہ سب صورتیں مفاجاتی اور ناگہانی موت کی ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انسانی روح موت کی ان سب صورتوں سے فطری طور پر بہت زیادہ گھبراتی ہے، ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں مرنے والے کو موت کی تیاری، تجدید ایمان اور توبہ واستغفار وغیرہ کا موقع نہیں ملتا (جو موت کی دوسری عام شکلوں میں عموماً مل جاتا ہے) اس لئے ایک مؤمن کو موت کی ان سب ناگہانی صورتوں سے پناہ ہی مانگنا چاہئے۔ اسی طرح اس سے بھی پناہ مانگنا چاہئے کہ میدانِ جہاد میں پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے موت آئے، اللہ کی نگاہ میں یہ نہایت سنگین جرم ہے، علیٰ ہذا اس سے بھی پناہ مانگتے رہنا چاہئے کہ موت کے وقت شیطان وسوسہ اندازی کے ذریعہ ہم کو گڑبڑا سکے اور گمراہ

کر سکے۔ خاتمہ ہی کے اچھے یا برے ہونے پر سارا دارومدار ہے۔

موت کی جن ناگہانی صورتوں سے اس دعا میں پناہ مانگی گئی ہے' دوسری حدیثوں میں اس قسم کے حوادث سے مرنے والوں کو شہادت کی بشارت سنائی گئی ہے' اور ان کو شہید قرار دیا گیا۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے۔ اپنی بشری کمزوری کے لحاظ سے موت کی ان سب صورتوں سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے لیکن جب تقدیر الٰہی سے کسی بندے کو اس طرح سے موت آجائے تو ارحم الراحمین کی رحمت پر نگاہ رکھتے ہوئے توقع رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس مفاجاتی موت ہی کی وجہ سے اسکو "اعزازی شہادت" کا مقام عطا فرمائیگا۔ اور اگر عقائد واعمال کے حساب سے کچھ بھی گنجائش ہوگی تو یقیناً رب کریم کی طرف سے ایسا ہی ہوگا۔ "انه غفور رحيم."

۲۶۳) عَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ." (رواه الترمذى)

ترجمہ... قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ وَالْاَعْمَالِ وَالْاَهْوَاءِ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں برے اخلاق' برے اعمال اور بری خواہشات سے) (جامع ترمذی)

۲۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّمَالَمْ اَعْمَلْ." (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا عَمِلْتُ وَمِنْ شَرِّمَالَمْ اَعْمَلْ." (اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں ان اعمال کے شر سے جو میں نے کئے ہیں' اور ان اعمال کے شر سے جو میں نے نہیں کئے۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... کسی برے عمل کا سرزد ہو جانا اور اسی طرح کسی اچھے عمل کا فوت ہو جانا' دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کے شر سے ہم جیسے عامی بھی پناہ مانگتے ہیں' لیکن عارفین اچھے سے اچھے عمل کرنے اور برے اور گندے اعمال سے دامن بچانے کے بعد بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارے اندر اس کی وجہ سے عجب وغرور اور نیکی و پاکدامنی کا پندار نہ پیدا ہو جائے (جو اللہ کی نگاہ میں جرم عظیم ہے) اس لئے وہ اپنے اچھے اعمال کے شر اور برے اعمال کے ترک کے شر سے بھی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ سچ ہے "حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ."

بیماری اور برے اثرات سے تحفظ کے لئے استعاذہ

۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَيَقُوْلُ "اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّه." وَيَقُوْلُ هٰكَذَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يُعَوِّذُ اِسْحٰقَ وَاِسْمٰعِيْلَ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (اپنے دونوں نواسوں) حضرت حسن و حسین پر دم کیا کرتے تھے (یہ کلمات پڑھ کے دم فرماتے تھے): "اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ" (میں تم کو اللہ کے پورے پورے کلموں کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان کے اَثر سے، اور ڈسنے والے ہر زہریلے کیڑے سے، اور لگنے والی ہر نظرِ بد سے)۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ کلمات پڑھ کر بچوں پر دم کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اور آپ ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ بلاشبہ بڑے بابرکت ہیں یہ کلمات۔

۲۶۶) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ الثَّقَفِيْ اَنَّهُ شَكَى اِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَجْعًا يَجِدُهُ فِيْ جَسَدِهِ مُنْذُ اَسْلَمَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ "اَعُوْذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ." (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی تکلیف عرض کی کہ: جب سے میں اسلام لایا ہوں جسم کے فلاں حصہ میں درد رہتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس جگہ درد ہے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھو اور تین دفعہ بسم اللہ پڑھ کر سات دفعہ کہو: "اَعُوْذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔" (میں اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اس تکلیف کے شر سے جو مجھے لاحق ہے اور تو اس سے بھی جس کا مجھے خطرہ ہے۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... ہر جسمانی تکلیف کے لئے یہ عمل اور تعوذ رسول اللہ ﷺ کا خاص عطیہ ہے اور بہت مجرب ہے۔

استغفار و توبہ

دُعا ہی کی ایک خاص قسم استغفار ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی اور بخشش مانگنا۔ اور توبہ گویا اس کے لوازم میں سے ہے، بلکہ یہ دونوں ہی آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانی یا ناپسندیدہ عمل بندے سے سرزد ہو جائے اس کے بُرے انجام کے خوف کے ساتھ اس پر اسے دِلی رنج و ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اس سے بچے رہنے اور دور رہنے کا اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اسکی رضاجوئی کا وہ عزم اور فیصلہ کرے۔

ظاہر ہے کہ جب یہ توبہ والی کیفیت نصیب ہوگی تو جو گناہ سرزد ہو چکے ہیں بندہ اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی اور بخشش کی استدعا بھی ضرور کرے گا، تاکہ ان کی سزا اور برے انجام سے بچ سکے۔ اور اسی طرح جب سزا اور عذاب کے خوف سے معافی اور بخشش مانگے گا تو اس کو گناہ پر رنج و افسوس اور آئندہ کے لئے اس کے پاس نہ جانے کا عزم بھی ضرور ہوگا۔ اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ فی الحقیقت یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

توبہ واستغفار کی حقیقت اس مثال سے اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ کوئی آدمی مثلاً غصہ کی حالت میں خودکشی کے ارادہ سے زہر کھالے، اور جب وہ زہر اندر پہنچ کر اپنا عمل شروع کرے اور آنتیں کٹنے لگیں اور وہ ناقابل برداشت تکلیف اور بے چینی ہونے لگے جو زہر کے نتیجہ میں ہوتی ہے، اور مَوت سامنے کھڑی نظر آئے تو اس کو اپنی اس احمقانہ حرکت پر رنج و افسوس ہو اور اس وقت وہ چاہے کہ کسی بھی قیمت پر اس کی جان بچ جائے، اور جو دوا حکیم یا ڈاکٹر اسے بتائیں وہ اسے استعمال کرے اور اگر قے کرنے کے لئے کہیں تو قے لانے کے لئے بھی ہر تدبیر اختیار کرے۔ یقیناً اس وقت وہ پوری صدق دلی کے ساتھ یہ بھی فیصلہ کرے گا کہ اگر میں زندہ بچ گیا تو آئندہ کبھی ایسی حماقت نہیں کروں گا۔

بالکل اسی طرح سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی صاحبِ ایمان بندہ غفلت کی حالت میں اغواءِ شیطانی یا خود اپنے نفسِ امارہ کے تقاضے سے گناہ کر بیٹھتا ہے، لیکن جب اللہ کی توفیق سے اس کا ایمانی حاسہ بیدار ہوتا ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنے مالک و مولیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو ہلاک کر ڈالا، اور اللہ کی رحمت و عنایت اور اس کی رضا کے بجائے میں اس کے غضب اور عذاب کا مستحق ہو گیا اور اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو قبر میں اور اس کے بعد حشر میں مجھ پر کیا گزرے گی اور وہاں اپنے مالک کو کیا منہ دکھاؤں گا اور آخرت کا عذاب کیسے برداشت کر سکوں گا۔ الغرض جب توفیقِ الٰہی سے اس کے اندر یہ فکر و احساس پیدا ہوتا ہے تو وہ یہ یقین و عقیدہ رکھتے ہوئے کہ میرا مالک و مولیٰ بڑا رحیم و کریم ہے، معافی مانگنے پر بڑے سے بڑے گناہوں، قصوروں کو وہ بڑی خوشی سے معاف فرما دیتا ہے، وہ اس سے معافی اور بخشش کی استدعا کرتا ہے اور اسی کو گناہ کے زہر کا علاج سمجھتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ وہ آئندہ کے لئے فیصلہ کرتا ہے کہ اب کبھی اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کروں گا اور کبھی اس گناہ کے پاس نہیں جاؤں گا۔ بس بندے کے اِسی عمل کا نام استغفار اور توبہ ہے۔

توبہ واستغفار بلند ترین مقام

پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ مقبولین و مقربین کے مقامات میں سب سے بلند مقام عبدیت اور بندگی کا ہے' اور دعا چونکہ عبدیت اور بندگی کا سب سے اعلیٰ مظہر ہے' بلکہ ارشادِ نبوی ﷺ کے مطابق وہی "مُخُّ الْعِبَادَة" (یعنی بندگی اور عبادت کا مغز اور جوہر ہے) اسلئے انسانی اعمال واحوال میں سب سے اکرم واشرف دعا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے موقع پر درج ہو چکا ہے: لَيْسَ شَيْئٌ اَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَا (اللہ کے یہاں کوئی چیز دعا سے زیادہ عزیز اور قیمتی نہیں ہے۔)

اور استغفار و توبہ کے وقت بندہ چونکہ اپنی گنہگاری اور تقصیر کے احساس کی وجہ سے انتہائی ندامت اور احساسِ پستی کی حالت میں ہوتا ہے' اور گناہ کی گندگی کی وجہ سے مالک کو منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا' اور اپنے کو مجرم اور خطاوار سمجھ کر معافی اور بخشش مانگتا اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے' اس لئے بندگی اور تذلل اور گنہگاری و قصورواری کے احساس کی جو کیفیت استغفار و توبہ کے وقت میں ہوتی ہے وہ کسی دوسری دعا کے وقت میں نہیں ہوتی بلکہ نہیں ہو سکتی اس بناء پر استغفار و توبہ دراصل اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قربِ الٰہی کے مقامات میں بلند ترین مقام ہے' اور توبہ واستغفار کرنے والے بندوں کے لئے صرف معافی اور بخشش ہی کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و محبت اور اس کے پیار کی بشارت سنائی گئی ہے۔

وہ حدیثیں آگے آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ ہر وقت توبہ واستغفار کرتے تھے۔ اوپر کی سطروں میں توبہ واستغفار کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا اس کی روشنی میں آنحضرت ﷺ کے اس کثرتِ استغفار کی وجہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

دراصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ اور غلط ہے کہ استغفار و توبہ عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے' اور انہی کو اس کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں سے محفوظ و معصوم ہوتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق بالکل ادا نہ ہوسکا' اس لئے وہ برابر توبہ واستغفار کرتے ہیں' اور اپنے ہر عمل کو حتیٰ کہ اپنی نمازوں تک کو قابلِ استغفار سمجھتے ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری جلد "كتاب الصلوٰة" میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کا سلام پھیرنے کے بعد تین مرتبہ کہتے تھے: "اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ، اَسْتَغْفِرُ اللهَ (یعنی اے اللہ میں تجھ سے بخشش و معافی چاہتا ہوں) نماز کے بعد آپ ﷺ کا یہ استغفار اسی بنیاد پر ہوتا تھا کہ آپ ﷺ محسوس کرتے تھے کہ نماز کا حق ادا نہیں ہوا۔ واللہ اعلم

بہر حال توبہ واستغفار عاصیوں اور گنہگاروں کے لئے مغفرت و رحمت کا ذریعہ اور مقربین و معصومین کے لئے درجاتِ قرب و محبوبیت میں بے انتہا ترقی کا وسیلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

اس تمہید کے بعد استغفار و توبہ سے متعلق احادیث پڑھئے۔ اور سب سے پہلے وہ احادیث پڑھئے جن میں توبہ و استغفار کے باب میں خود رسول اللہ ﷺ کا معمول ذکر کیا گیا ہے۔

توبہ و استغفار کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا اُسوۂ حسنہ

۲۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُاللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَمِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خدا کی قسم میں دن میں ستر دفعہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ و استغفار کرتا ہوں۔" (صحیح بخاری)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے بارے میں جس بندے کو جس درجہ کا شعور و احساس ہوگا وہ اسی درجہ میں اپنے آپ کو اداءِ حقوقِ عبودیت میں قصوروار سمجھے گا، اور رسول اللہ ﷺ کو چونکہ یہ چیز بدرجہ کمال حاصل تھی اس لئے آپ ﷺ پر یہ احساس غالب رہتا تھا کہ عبودیت کا حق ادا نہ ہو سکا، اسی واسطے آپ ﷺ بار بار اور مسلسل توبہ و استغفار فرماتے تھے۔ اور اس کا اظہار فرما کر دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

۲۶۸) عَنِ الْاَغَرِّالْمُزَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ فَاِنِّیْ اَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت اغر مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ کے حضور میں توبہ کرو، میں خود دن میں سو سو دفعہ اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... پہلی حدیث میں "اَكْثَرَمِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً" (سو دفعہ) دراصل صرف کثرت کے بیان کے لئے ہیں، اور قدیم عربی زبان کا یہ عام محاورہ ہے، ورنہ حضور ﷺ کے استغفار و توبہ کی تعداد یقیناً اس سے بہت زیادہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی حضرت عبداللہ ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

۲۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّا كُنَّا لَنَعُدُّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الْمَجْلِسِ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواه احمد والترمذی وابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایک ایک نشست میں شمار کر لیتے تھے کہ آپ ﷺ سو سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے: "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔" (اے میرے رب مجھے معاف کردے، بخش دے اور میری توبہ قبول فرما کر مجھ پر عنایت فرما، بے شک تو بہت ہی عنایت فرمانے اور بہت ہی بخشنے والا ہے۔)

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اس بیان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ بطورِ

ورد و وظیفہ کے استغفار و توبہ کا یہ کلمہ ایک نشست میں سو دفعہ پڑھتے تھے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مجلس میں تشریف فرما ہوتے' ہم لوگ بھی حاضر رہتے' بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور آپ ﷺ اسی درمیان میں بار بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر ان کلمات کیساتھ استغفار و توبہ بھی کرتے رہتے' اور ہم اپنے طور پر اس کو شمار کرتے رہتے تو معلوم ہوتا کہ ایک نشست میں آپ ﷺ نے سو دفعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کیا۔ واللہ اعلم

۲۷۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقُوْلُ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا. (رواہ ابن ماجہ والبیھقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اِسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاؤُا اسْتَغْفَرُوْا۔" (اے اللہ! مجھے اپنے اُن بندوں میں سے کر دے جو نیکی کریں تو خوش ہوں' اور ان سے جب کوئی غلطی اور برائی سرزد ہو جائے تو تیرے حضور میں استغفار کریں)۔ (سنن ابن ماجہ' دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح..... کسی بندے کو ان اچھے اعمال کی توفیق ملنا جن کے صلہ میں جنت اور رضائے الٰہی کا وعدہ ہے اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے' اسلئے اس کا حق ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اعمالِ حسنہ کی اس توفیق پر خوش ہو اور شکر ادا کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت و عنایت پر اس کے بندوں کو خوش ہونا چاہئے۔

اسی طرح جب کسی بندے سے کوئی چھوٹی بڑی معصیت یا لغزش ہو جائے تو اسے اس کا رنج اور دکھ ہونا چاہئے' اور فوراً اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا چاہئے۔ جس بندے کو یہ دونوں باتیں حاصل ہوں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنے لئے دعا فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ دونوں باتیں نصیب فرمائے۔

گناہوں کی سیاہی اور توبہ واستغفار سے اس کا ازالہ

۲۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ کَانَتْ نُکْتَةٌ سَوْدَاءُ فِیْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰی تَعْلُوْا قَلْبَهٗ فَذٰلِکُمُ الرَّانُ الَّذِیْ ذَکَرَاللهُ تَعَالٰی "کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ. (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مؤمن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے' پھر اگر اس نے اس گناہ سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں معافی اور بخشش کی التجا واستدعا کی تو وہ سیاہ نقطہ زائل ہو کر قلب صاف ہو جاتا ہے' اور اگر اس نے گناہ کے بعد توبہ واستغفار کے بجائے مزید گناہ کئے اور گناہوں کی وادی میں قدم بڑھائے تو دل کی وہ سیاہی اور بڑھ جاتی ہے' یہاں تک کہ قلب پر چھا جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: یہی

وہ زنگ اور سیاہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... قرآن مجید میں ایک موقع پر بدانجام کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ جس کا مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کی بد کرداریوں کی وجہ سے اُن کے دلوں پر زنگ اور سیاہی آ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہوں اور بد کرداریوں کی وجہ سے صرف کافروں ہی کے دل سیاہ نہیں ہوتے، بلکہ مسلمان بھی جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں بھی گناہ کی نحوست سے ظلمت پیدا ہوتی ہے، لیکن اگر وہ سچے دل سے توبہ واستغفار کر لے تو یہ سیاہی اور ظلمت ختم ہو جاتی ہے اور دِل حسبِ سابق صاف اور نورانی ہو جاتا ہے، لیکن اگر گناہ کے بعد توبہ و استغفار نہ کرے یا کہ معصیت ونافرمانی ہی کے راستہ پر آگے بڑھتا رہے تو پھر یہ ظلمت برابر بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ پورے دِل پر چھا جاتی ہے، اور کسی مسلمان کے لئے بلا شبہ یہ انتہائی بد بختی کی بات ہے کہ گناہوں کی ظلمت اس کے دل پر چھا جائے، اور اس کے قلب میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو جائے۔ اعاذنا اللہ منہ

۲۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ.

(رواه الترمذى وابن ماجه والدارمى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر آدمی خطاکار ہے (کوئی نہیں ہے جس سے کبھی کوئی خطا اور لغزش نہ ہو) اور خطاکاروں میں وہ بہت اچھے ہیں جو (خطا و قصور کے بعد) مخلصانہ توبہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائیں۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

۲۷۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ.

(رواه ابن ماجه والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہگار بندہ بالکل اُس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ سچی توبہ کے بعد گناہ کا کوئی اثر اور داغ دھبہ باقی نہیں رہتا، اور بعض روایات میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا بے گناہ ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ) اور وہ احادیث ان شاء اللہ آگے درج ہوں گی جن سے معلوم ہو گا کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں، اور معصیات کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دیئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے، اور اس کی توبہ سے اس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجعلنا مِنَ التَّوَّابِين۔

غفاریت کے ظہور کیلئے گناہوں کی ضرورت

۲۷۴) عَنْ اَبِىْ اَيُّوْبَ اَنَّهُ قَالَ حِيْنَ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ كُنْتُ كَتَمْتُ عَنْكُمْ شَيْئًا سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ لَوْلَا اَنَّكُمْ تُذْنِبُوْنَ لَخَلَقَ اللهُ خَلْقًا يُذْنِبُوْنَ يَغْفِرَ لَهُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوںؓ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ: میں نے ایک بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی (اب جبکہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں) میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے: اگر بالفرض تم سب (ملائکہ کی طرح) بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو' تو اللہ اور مخلوق پیدا کرے گا جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ فرمائے گا (اور اس طرح اس کی شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔) (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ گناہ مطلوب ہیں اور وہ گناہگاروں کو پسند فرماتا ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ گناہوں اور گناہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی ہے' بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ لوگوں کو گناہوں سے بچایا جائے اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب دی جائے۔ دراصل حدیث کا منشاء اور مدعا اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کو ظاہر کرنا ہے' اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کے ظہور کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق پیدا کی جائے اور صفتِ رزاقیت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس کو رزق کی ضرورت ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو رزق عطا فرمائے۔ علیٰ ہذا جس طرح اللہ تعالیٰ کی صفتِ ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مخلوق ہو جس میں ہدایت لینے کی صلاحیت ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ہدایت ملے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاریت کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مخلوق ہو جس سے گناہ بھی سرزد ہوں پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرے اور گناہوں کی معافی اور بخشش چاہے' اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت اور بخشش کا فیصلہ فرمائے۔ اس لئے ناگزیر ہے اور ازل سے طے ہے کہ اس دنیا میں گناہ کرنے والے بھی ہوں گے اُن میں سے جن کو توفیق ملے گی وہ استغفار بھی کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا فیصلہ بھی فرمائے گا اور اس طرح اس کی صفتِ مغفرت اور شانِ غفاریت کا ظہور ہوگا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا اپنی زندگی میں اس خیال سے کبھی تذکرہ نہیں کیا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں پھر اپنے آخری وقت میں اپنے خاص لوگوں سے اظہار فرما کر امانت گویا اُن کے سپرد کردی۔

یہی مضمون الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنیوالے

۲۷۵) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ عَبْدًا اَذْنَبَ ذَنْبًا فَقَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ فَاغْفِرْهُ فَقَالَ رَبُّهٗ اَعَلِمَ عَبْدِىْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِىْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْهُ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِىْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِىْ ثُمَّ مَكَثَ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ اَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ رَبِّ اَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ فَاغْفِرْهُ لِىْ فَقَالَ اَعَلِمَ عَبْدِىْ اَنَّ لَهٗ رَبًّا يَّغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَاْخُذُ بِهٖ غَفَرْتُ لِعَبْدِىْ فَلْيَفْعَلْ مَاشَاءَ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا' مجھے معاف فرمادے! تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے' اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا' اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا' اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہو گیا تو اس کو بخش دے اور معاف فرمادے' تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کر سکتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے' میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف کر دیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رُکا رہا۔ اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے گناہ ہو گیا تو مجھے معاف فرمادے اور میرا گناہ بخش دے! تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کہ میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے' میں نے اپنے بندے کو بخش دیا' اب جو اسکا جی چاہے کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بار بار گناہ اور بار بار استغفار کرنے والے جس بندے کا واقعہ بیان فرمایا ہے' بعض شارحین نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ ہی کا کوئی اُمتی ہو اور ممکن ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی کا اُمتی ہو' لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کسی خاص اور معین واقعہ کا بیان نہیں ہے' بلکہ ایک کردار کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لاکھوں کروڑوں بندے ہوں گے جن کا حال اور کردار یہی ہے کہ اللہ اور آخرت پر ایمان کے باوجود اُن سے گناہ ہو جاتا ہے' اور پھر وہ نادم و پشیمان ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار کرتے ہیں' اور اس کے بعد بھی ان سے بار بار گناہ سرزد ہوتے ہیں' اور وہ ہر بار سچے دل سے استغفار کرتے ہیں' ایسے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی کریمانہ معاملہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے: "غفرت لعبدى فليفعل

ماشاء." (یعنی میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اب اس کا جو جی چاہے کرے) اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اب اس کو گناہوں کی بھی اجازت دیدی گئی ہے' بلکہ ان الفاظ میں بندے کے مالک و مولیٰ کی طرف سے صرف اس لطف و کرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ: اے بندے تو جتنی بار بھی گناہ کر کے اس طرح استغفار کرتا رہے گا میں تجھے معافی دیتا رہوں گا اور تو اپنے اس صادق و مؤمنانہ استغفار کی وجہ سے گناہوں کے زہر سے ہلاک نہ ہوگا' بلکہ یہ استغفار ہمیشہ تریاق کا کام کرتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ مؤمن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا' اور اس کے دل میں مالک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ اُبھرے گا۔

اس حدیث کی صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیث کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان فرمایا۔ اس روایت کی بناء پر یہ "حدیث قدسی" ہے۔

۲۷۶) **عَنْ اَبِیْ بَکْرِنِ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا اَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَاِنْ عَادَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً.** (رواہ الترمذی وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو بندہ (گناہ کر کے) استغفار کرے (یعنی سچے دل سے اللہ سے معافی مانگے) وہ اگر دن میں ستر دفعہ بھی پھر وہی گناہ کرے تو (اللہ کے نزدیک) وہ گناہ پر اصرار کرنیوالوں میں نہیں ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

تشریح..... گناہ پر اصرار' یعنی بے فکری اور بے خوفی کے ساتھ گناہ کرتے رہنا اور اس پر دائم و قائم رہنا بڑی بد بختی اور بہت برے انجام کی نشانی ہے' اور ایسا عادی مجرم گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں ہے۔ اس حدیث میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اگر بندہ گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے یعنی معافی مانگے تو پھر بار بار گناہ کرنے کے باوجود وہ "اصرار کرنے والوں" میں سے نہیں ہے۔ مگر ملحوظ رہے کہ استغفار صرف زبان سے نکلنے والے الفاظ کا نام نہیں ہے' بلکہ وہ دل کی ایک طلب ہے' زبان اس کی صرف ترجمانی کرتی ہے' اگر استغفار اور معافی طلبی دل سے ہو تو بلا شبہ ستر دفعہ بلکہ ستر ہزار دفعہ گناہ کرنے کے بعد بھی آدمی رحمتِ الٰہی کا مستحق ہے' اور گناہ پر اصرار کرنے والے مجرموں میں سے نہیں ہے۔

کس وقت تک کی توبہ قابلِ قبول ہے

۲۷۷) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اللّٰہَ یُقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ.**

(رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ کی کیفیت شروع نہ ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

تشریح..... موت کے وقت جب بندے کی روح جسم سے نکلنے لگتی ہے تو حلق کی نالی میں ایک قسم کی آواز

پیدا ہو جاتی ہے، جسے عربی میں "غرغرہ" اور اردو میں "خرہ چلنا" کہتے ہیں۔ اس کے بعد زندگی کی کوئی آس اور اُمید نہیں رہتی، یہ موت کی قطعی اور آخری علامت ہے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ غرغرہ کی اس کیفیت کے شروع ہونے سے پہلے پہلے بندہ اگر توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ غرغرہ کی کیفیت شروع ہونے کے بعد آدمی کا رابطہ اور تعلق اس دنیا سے کٹ کر دوسرے عالم سے جڑ جاتا ہے، اس لئے اس وقت اگر کوئی کافر اور منکر ایمان لائے یا کوئی نافرمان بندہ گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قبول نہ ہوگا۔ ایمان اور توبہ اُسی وقت تک کی معتبر اور قابلِ قبول ہے جب تک زندگی کی آس اور امید ہو، اور موت آنکھوں کے سامنے نہ آگئی ہو۔ قرآنِ پاک میں بھی صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے:

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ. (النساء: ۴: ۱۸)

ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں جو برابر گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہو تو کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔

حدیث کے مضمون کا ماخذ بظاہر یہی آیت ہے اور اس کا پیغام یہی ہے کہ:

بندے کو چاہئے کہ توبہ کے معاملہ میں ٹال مٹول نہ کرے، معلوم نہیں کس وقت موت کی گھڑی آجائے اور خدانخواستہ توبہ کا وقت ہی نہ ملے۔

مرنے والوں کیلئے سب سے بہتر تحفہ استغفار

۲۷۸) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَاالْمَيِّتُ فِى الْقَبْرِ اِلَّا كَالْغَرِيْقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ اَبٍ اَوْ اُمٍّ اَوْ اَخٍ اَوْصَدِيْقٍ فَاِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَيُدْخِلُ عَلٰى اَهْلِ الْقُبُوْرِ مِنْ دُعَاءِ اَهْلِ الْاَرْضِ اَمْثَالَ الْجِبَالِ وَاِنَّ هَدْيَةَ الْاَحْيَاءِ اِلَى الْاَمْوَاتِ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ.** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبر میں مدفون مُردے کی مثال بالکل اس شخص کی سی ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہو اور مدد کے لئے چیخ پکار رہا ہو۔ وہ بیچارہ انتظار کرتا ہے کہ ماں یا باپ یا بھائی یا کسی دوست آشنا کی طرف سے دعائے رحمت و مغفرت کا تحفہ پہنچے، جب کسی طرف سے اس کو دعا کا تحفہ پہنچتا ہے تو وہ اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز و محبوب ہوتا ہے۔ اور دنیا میں رہنے بسنے والوں کی دعاؤں کی وجہ سے قبر کے مُردوں کو اتنا عظیم ثواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے جس کی مثال پہاڑوں سے دی جاسکتی ہے۔ اور مُردوں کے لئے زندوں کا خاص ہدیہ ان کے لئے دعائے مغفرت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۲۷۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِى**

الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ آنّٰى لِىْ هٰذِهٖ؟ فَيَقُوْلُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں کسی مرد صالح کا درجہ ایک دم بلند کر دیا جاتا ہے تو وہ جنتی بندہ پوچھتا ہے کہ اے پروردگار! میرے درجہ اور مرتبہ میں یہ ترقی کس وجہ سے اور کہاں سے ہوئی؟ جواب ملتا ہے کہ تیرے واسطے تیری فلاں اولاد کے دعائے مغفرت کرنے کی وجہ سے۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں اولاد کی دعا سے درجہ میں ترقی کا ذکر صرف تمثیلاً کیا گیا ہے، ورنہ دوسرے اہلِ ایمان کی دعائیں بھی اسی طرح نفع مند ہوتی ہیں۔ زندگی میں جس طرح سب سے بڑا حق اولاد پر والدین کا ہے اور ان کی خدمت و اطاعت فرائض میں سے ہے، اسی طرح مرنے کے بعد اولاد پر والدین کا خاص حق ہے کہ ان کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے رہیں۔ مرنے کے بعد ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا یہی خاص راستہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں کا مقصد صرف ایک حقیقت کی اطلاع دینا ہی نہیں ہے بلکہ ایک بلیغ انداز میں اولاد اور دوسرے اقارب و متعلقین کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مرنے والوں کے لئے مغفرت و رحمت کی دعائیں کرتے رہیں۔ ان کے یہ تحفے قبروں میں اور جنت تک مرحومین کو پہنچتے رہیں گے۔

راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اپنے بعض بندوں کو اس کا مشاہدہ بھی کرا دیتا ہے کہ کسی کی دعاؤں سے کسی بندے کو اس عالم میں کیا ملا، اور اس کے حال اور درجہ میں کیسی ترقی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے، اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

عام مومنین کے لئے استغفار

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: "آپ اپنے لئے اور عام مؤمنین و مومنات کے لئے استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی استدعا کیا کریں (وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ) یہی حکم ہم اُمتیوں کے لئے بھی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی بڑی ترغیب دی اور بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی دو حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

۲۸۰) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ حَسَنَةٌ. (رواه الطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لئے ہر مومن مرد و عورت کے حساب سے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... کسی صاحبِ ایمان بندے یا بندی کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا، ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ بہت بڑا احسان اور اس کی بہت بڑی خدمت ہے اس لئے جب کسی بندے نے عام اہلِ ایمان

(مؤمنین و مؤمنات) کے لئے استغفار کیا اور ان کے لئے اللہ سے بخشش کی دعا کی تو فی الحقیقت اس نے اولین و آخرین، زندہ اور مردہ سب ہی اہلِ ایمان کی خدمت اور ان کے ساتھ نیکی کی، اس لئے ہر ایک کے حساب میں اس کی یہ نیکی لکھی جائے گی۔ سبحان اللہ! ہمارے لئے لاتعداد نیکیوں کے کمانے کا کیسا راستہ کھولا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ جمیع مؤمنین و مؤمنات کے لئے دعائے مغفرت کے بہترین الفاظ وہ ہیں جو قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نقل کئے گئے ہیں:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ○

اے ہمارے رب! مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو بخش دے، اور تمام ہی ایمان والوں کی مغفرت فرمادے قیامت کے دن۔

۲۸۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنِ اسْتَغْفَرَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعاً وَعِشْرِیْنَ مَرَّةً کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ یُسْتَجَابُ لَهُمْ وَیُرْزَقُ بِهِمْ اَهْلُ الْاَرْضِ (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو بندہ عام مؤمنین و مؤمنات کے لئے (ہر روز ۲۷ دفعہ) اللہ تعالیٰ سے معافی اور مغفرت کی دعا کرے گا وہ اللہ کے اُن مقبول بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور جن کی برکت سے دنیا والوں کو رزق ملتا ہے۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ہی محبوب ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت و خیر خواہی اور ان کو نفع پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ ایک حدیث میں ہے:

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللهِ فَاَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِیَالِهٖ. (کنز العمال)

سب مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس لئے لوگوں میں اللہ کو زیادہ محبوب وہ بندے ہیں جو اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں۔

پھر جس طرح مخلوق کے لئے کھانے، کپڑے کے قسم کی زندگی کی ضروریات فراہم کرنا اور ان کو راحت و آرام پہنچانا وغیرہ اس دنیا میں ان کی خدمت اور نفع رسانی کی صورتیں ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بندوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرنا بھی اُخروی زندگی کے لحاظ سے ان کی بہت بڑی خدمت اور ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی ہے، اور اس کی قدر و قیمت آخرت میں اس وقت معلوم ہو گی جب یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ کسی کے استغفار نے کسی کو کیا دلوایا اور کتنا نفع پہنچایا۔ پس جو مخلص بندے اخلاص اور دل کی گہرائی سے ایمان والے بندوں اور بندیوں کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعائیں کرتے ہیں اور دن رات میں بار بار کرتے ہیں (جس کا کورس اس حدیث میں ۲۷ بتایا گیا ہے) وہ تمام مومنین و مومنات کے خاص الخاص محسن اور گویا آخرت کے لحاظ سے "اصحابِ خدمت" ہیں اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ایسے مقرب اور مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں، اور ان کی دعاؤں کی برکت سے دنیا والوں

کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔

لیکن یہ بات یہاں قابلِ لحاظ ہے کہ اس دنیا میں تو ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی خدمت اور اس کو ضروری درجہ کا آرام پہنچانے کی کوشش نیکی اور کارِ ثواب ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے: "فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبٍ صَدَقَةٌ." لیکن اللہ سے مغفرت اور جنت کی دعا صرف اہلِ ایمان ہی کے لئے کی جا سکتی ہے۔ کفر و شرک والے جب تک اس سے توبہ نہ کریں مغفرت اور جنت کے قابل نہیں ہیں' اس لئے ان کے واسطے مغفرت اور جنت کی دعا بھی نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ان کے واسطے ہدایت اور توبہ کی توفیق کی دعا کرنی چاہئے' جس کے بعد ان کے لئے مغفرت اور جنت کا دروازہ کھل سکے۔ ان کے حق میں یہی دعا کرنا ان کے ساتھ بہت بڑی نیکی اور خیر خواہی ہے۔

توبہ و انابت سے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت بے حد وسیع ہے' اور اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ توبہ کرنے اور معافی مانگنے پر بڑے سے بڑا گناہ معاف فرما دیتا ہے' اور بڑے سے بڑے پاپیوں اور گناہ گاروں کو بخش دیتا ہے۔ اگرچہ اس میں قہر و جلال کی صفت بھی ہے' اور یہ صفت بھی اس کی شانِ عالی کے مطابق بدرجہ کمال ہے' لیکن وہ انہی مجرموں کیلئے ہے جو جرائم اور گناہ کرنے کے بعد بھی توبہ کر کے اسکی طرف رجوع نہ ہوں اور اس سے معافی اور مغفرت نہ مانگیں' بلکہ اپنے مجرمانہ رویہ ہی پر قائم رہیں اور اسی حال میں دنیا سے چلے جائیں۔ مندرجہ ذیل حدیثوں کا یہی مدعا اور یہی پیغام ہے۔

سو آدمیوں کا قاتل سچی توبہ سے بخش دیا گیا

۲۸۲) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ نَفْسًا فَسَأَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰى رَاهِبٍ فَاَتَاهُ وَقَالَ اِنَّهُ قَتَلَ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ نَفْسًا فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَكَمَّلَ بِهِ مِائَةً ، ثُمَّ سَاَلَ عَنْ اَعْلَمِ اَهْلِ الْاَرْضِ فَدُلَّ عَلٰى رَجُلٍ عَالِمٍ فَقَالَ اِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ؟ فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ يَّحُوْلُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ؟ اِنْطَلِقْ اِلٰى اَرْضِ كَذَا وَكَذَا فَاِنَّ بِهَا اُنَاسًا يَّعْبُدُوْنَ اللهَ تَعَالٰى فَاعْبُدِاللهَ تَعَالٰى مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ اِلٰى اَرْضِكَ فَاِنَّهَا اَرْضُ سُوْءٍ فَانْطَلَقَ حَتّٰى اِذَا نَصَفَ الطَّرِيْقَ اَتَاهُ الْمَوْتُ فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَمَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ فَقَالَتْ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ جَاءَ تَائِبًا مُقْبِلًا بِقَلْبِهٖ اِلَى اللهِ وَقَالَتْ مَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ اِنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ فَاَتَاهُمْ مَلَكٌ فِىْ صُوْرَةِ اٰدَمِيٍّ فَجَعَلُوْهُ بَيْنَهُمْ فَقَالَ قِيْسُوْا مَابَيْنَ الْاَرْضَيْنِ فَاِلٰى اَيَّتِهِمَا كَانَ اَدْنٰى فَهُوَلَهُ فَقَاسُوْا فَوَجَدُوْهُ اَدْنٰى اِلَى الْاَرْضِ الَّتِىْ اَرَادَ فَقَبَضَتْهُ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ. (رواه البخاری و مسلم واللفظ له)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلے کسی امت میں ایک آدمی تھا جس نے اللہ کے ننانوے بندے قتل کئے تھے (ایک وقت اس کے دل میں

ندامت اور اپنے انجام اور آخرت کی فکر پیدا ہوئی) تو اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس علاقہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے (تاکہ اس سے جا کر پوچھے کہ میری بخشش کی کیا صورت ہو سکتی ہے) لوگوں نے اس کو ایک راہب (کسی بزرگ درویش) کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ وہ اُن کے پاس گیا اور اُن سے عرض کیا کہ میں (ایسا بد بخت ہوں) جس نے ننانوے خون کئے ہیں، تو کیا ایسے آدمی کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ (اور وہ بخشا جا سکتا ہے؟) اس راہب بزرگ نے کہا: بالکل نہیں، تو ۹۹ آدمیوں کے اس قاتل نے اس بزرگ راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور سو کی گنتی پوری کر دی (لیکن پھر اس کے دل میں وہی خلش اور فکر پیدا ہوئی) اور پھر اس نے کچھ لوگوں سے کسی بہت بڑے عالم کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے اس کو کسی بزرگ عالم کا پتہ بتا دیا، وہ ان کے پاس بھی پہنچا اور کہا کہ: میں نے سو خون کئے ہیں تو کیا ایسے مجرم کی توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے (اور وہ بخشا جا سکتا ہے؟) انہوں نے کہا: ہاں ہاں! (ایسے کی توبہ بھی قبول ہوتی ہے) اور کون ہے جو اس کے اور توبہ کے درمیان حائل ہو سکے۔ (یعنی کسی مخلوق میں یہ طاقت نہیں ہے کہ اس کی توبہ کو قبول ہونے سے روک دے۔ پھر انہوں نے کہا میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ) تو فلاں بستی میں چلا جا، وہاں اللہ کے عبادت گزار کچھ بندے رہتے ہیں تو بھی (وہیں جا پڑ اور) ان کے ساتھ عبادت میں لگ جا (اس بستی پر خدا کی رحمت برستی ہے) اور پھر وہاں سے کبھی اپنی بستی میں نہ آ، وہ بڑی خراب بستی ہے۔ چنانچہ وہ اس دوسری بستی کی طرف چل پڑا۔ یہاں تک کہ جب آدھا راستہ اس نے طے کر لیا تو اچانک اس کو موت آ گئی۔ اب اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں میں نزاع ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ توبہ کر کے آیا ہے اور اس نے صدقِ دل سے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا ہے (اس لئے یہ رحمت کا مستحق ہو چکا ہے) اور عذاب کے فرشتوں نے کہا کہ اس نے کبھی بھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہے (اور یہ سو خون کر کے آیا ہے اس لئے یہ سخت عذاب کا مستحق ہے) اس وقت ایک فرشتہ (اللہ کے حکم سے) آدمی کی شکل میں آیا، فرشتوں کے دونوں گروہوں نے اس کو حکم مان لیا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں بستیوں تک کے فاصلہ کی پیمائش کر لی جائے (یعنی شر و فساد اور خدا کے عذاب والی وہ بستی جس سے وہ چلا تھا اور اللہ کے عبادت گزار بندوں والی وہ قابلِ رحمت بستی جس کی طرف وہ جا رہا تھا) پھر جس بستی سے وہ نسبتاً قریب ہو اس کو اُسی کا مان لیا جائے، چنانچہ پیمائش کی گئی تو وہ نسبتاً اس بستی سے قریب پایا گیا جس کے ارادہ سے وہ چلا تھا، تو رحمت کے فرشتوں نے اس کو اپنے حساب میں لے لیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... یہ حدیث دراصل صرف ایک جزئی واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ اس پیرائے میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کی وسعت اور اس کے کمال کو بیان فرمایا ہے، اور اس کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ بڑے سے بڑا گنہگار اور پاپی بھی اگر سچے دل سے اللہ کے حضور میں توبہ اور آئندہ کے لئے فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرنے کا ارادہ کر لے تو وہ بھی بخش دیا جائے گا اور ارحم الراحمین کی رحمت بڑھ کر اس کو اپنے آغوش میں لے لے گی، اگرچہ اس توبہ و انابت کے بعد وہ فوراً ہی اس دنیا سے اُٹھا لیا جائے اور اسے

اس کو اپنے آغوش میں لے لے گی' اگرچہ اس توبہ وانابت کے بعد وہ فوراً ہی اس دنیا سے اُٹھالیا جائے اور اسے کوئی نیک عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے اور اس کا اعمال نامہ اعمالِ صالحہ سے بالکل خالی ہو۔

اس حدیث کے مضمون پر ایک علمی اور اصولی اشکال بھی کیا گیا ہے' اور وہ یہ ہے کہ "ناحق قتل" ان گناہوں میں سے ہے جن کا تعلق صرف اللہ ہی سے نہیں بلکہ حقوق العباد سے بھی ہے جس مجرم اور قاتل نے کسی بندے کو ناحق قتل کیا' اس نے اللہ کی نافرمانی کے علاوہ اس مقتول بندے پر اور اس کے بیوی بچوں پر بھی ظلم کیا اور مسلمہ اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مظالم صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے' بلکہ ان کے لئے مظلوم بندوں سے معاملہ صاف کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ شارحین نے اس کا یہ جواب دیا ہے اور صحیح جواب دیا ہے کہ بے شک اصول اور قانون یہی ہے' لیکن مظلوموں کے حق کی ادائیگی اور ان سے معاملہ صاف کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ان پر ظلم کرنے والے اور پھر اس ظلم سے سچی اور گہری توبہ کرنے والے بندوں کی طرف سے ان کے مظلوموں کو اپنے خزانۂ رحمت سے دے کر راضی کر دے۔ اس حدیث میں سوخون کرنے والے جس تائب بندے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ یہی کرے گا' اور اس کی طرف سے اس کے مقتولوں اور سب مظلوموں کو اپنے خزانۂ رحمت سے اتنا دے دے گا کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ اور یہ سوخون کرنے والا تائب بندہ اللہ کی رحمت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

مشرکوں اور کافروں کیلئے بھی منشورِ رحمت

۲۸۳) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِىَ الدُّنْيَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ "يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○" فَقَالَ رَجُلٌ فَمَنْ اَشْرَكَ؟ فَسَكَتَ النَّبِىُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے کہ: مجھے اس آیت کے مقابلہ میں ساری دنیا (اور اس کی نعمتوں) کا لینا بھی پسند نہیں: "يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○" (اے میرے بندو! جنہوں نے (گناہ کر کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے کو تباہ کر لیا ہے) تم اللہ کی رحمت سے نااُمید مت ہو' اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے' وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے) ایک شخص نے عرض کیا: حضرت! جن لوگوں نے شرک کیا ہے' کیا ان کے لئے بھی یہی ارشاد ہے؟" آپ نے پہلے تو کچھ سکوت کیا' پھر تین دفعہ فرمایا: "اَلَا وَمَنْ اَشْرَكَ" سن لو! مشرکوں کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے، سن لو مشرکوں کے لئے بھی یہی ارشاد ہے، ہاں! مشرکوں کے لئے بھی میرے مالک کا یہی ارشاد ہے۔) (مسند احمد)

تشریح..... اس حدیث میں جس آیت کا حوالہ ہے' یہ سورۂ زُمر کی آیت ہے۔ بلاشبہ اس میں ہر قسم کے گنہگاروں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ خود ان کا مالک و پروردگار اُن ہی کو مخاطب کر کے فرمارہا ہے کہ تم بھی میری رحمت سے نااُمید نہ ہو۔ آگے اس کا تکملہ یہ ہے:

وَاَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْنَ ○ وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ ○

اور رخ کرلو اپنے پروردگار کی طرف قبل اس کے کہ تم عذاب میں گرفتار ہو جاؤ اور پھر کوئی تمہاری مدد اور حمایت نہ کر سکے' اور جو بہترین ہدایت تمہارے لئے تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی ہے' اس کی پیروی اختیار کرلو اس وقت کے آنے سے پہلے جب اچانک خدا کا عذاب نازل ہو کر تم کو اپنی گرفت میں لے لے' اور تمہیں پہلے سے پتہ بھی نہ ہوگا۔

اس تکملہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر قسم اور ہر درجہ کے مجرموں اور گنہگاروں کے لئے اللہ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے' کسی کے لئے بھی دروازہ بند نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ عذاب یا موت کے آنے سے پہلے توبہ کرلیں' اور نافرمانی کی راہ چھوڑ کر ہدایتِ ربانی کی فرمانبرداری اختیار کرلیں۔

اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ "رحمتِ خداوندی" کا جو "منشورِ عام" سب کے لئے ہے کافر اور مشرک بھی اس کے مخاطب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ چونکہ خود رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپ ﷺ کو اس "منشورِ رحمت" سے بے حد خوشی تھی' اور فرماتے تھے کہ مجھے اس آیت کے نزول کی اتنی خوشی ہے کہ اگر ساری دنیا مجھے دیدی جائے تو اتنی خوشی مجھے نہ ہوگی۔

توبہ واستغفار کے خاص کلمات

توبہ اور استغفار کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس میں اصل اہمیت اور بنیادی حیثیت معنی اور مقصد اور دل کی کیفیت کی ہے۔ بندہ جس زبان میں اور جن مناسب الفاظ میں توبہ و استغفار کرے' وہ اگر سچے دل سے ہے تو اللہ کے نزدیک حقیقی توبہ و استغفار ہے اور قابلِ قبول ہے۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے توبہ و استغفار کے بعض کلمات بھی تلقین فرمائے ہیں اور ان کی خاص فضیلت اور برکت بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

۲۸۴) عَنْ بِلَالِ بْنِ يَسَارِ بْنِ زَيْدٍ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ عَنْ جَدِّيْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ قَالَ اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ غُفِرَلَهٗ وَاِنْ كَانَ قَدْ فَرَّمِنَ الزَّحْفِ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

❶ یہ زید آنحضرت ﷺ کے مشہور آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ نہیں ہیں، بلکہ یہ دوسرے صحابی ہیں، ان کا نام بھی زید ہے اور انکے والد کا نام بولی بتایا گیا ہے، یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ نے ان کو بھی آزاد فرمادیا تھا۔ ۱۲

رسول اللہ ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام تھے) نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں توبہ واستغفار کیا:

اَسْتَغْفِرُاللّٰهَ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَالْحَىُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ

میں اس اللہ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں جو حی وقیوم ہے' اور اسکے حضور میں توبہ کرتا ہوں

تو وہ بندہ ضرور بخش دیا جائے گا' اگرچہ اس نے میدانِ جنگ سے بھاگنے کا گناہ کیا ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

تشریح...... جان بچانے کے لئے میدانِ جہاد سے بھاگنا بدترین کبیرہ گناہوں میں سے ہے' لیکن اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر اس بدترین اور سخت ترین گناہ کا مرتکب بھی ان الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں استغفار اور توبہ کرے گا تو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحی والہام کے بغیر نہیں فرما سکتے' اس لئے سمجھنا چاہئے کہ گناہگاروں کے لئے معافی اور مغفرت کی درخواست کے یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے ہیں' اور ان الفاظ کے ساتھ درخواست کرنے والوں کیلئے بڑے سے بڑے گناہوں کی معافی اور مغفرت کا حتمی وعدہ بلکہ فیصلہ فرمادیا گیا ہے۔ قربان اس رحمت کے۔ لیکن یہ بات پھر بھی ملحوظ رہے کہ استغفار صرف الفاظ کا نام نہیں ہے' اللہ کے نزدیک حقیقی استغفار وہی ہے جو دل سے ہو۔

سید الاستغفار

مندرجہ ذیل حدیث سے استغفار کے ایک کلمہ کو رسول اللہ ﷺ نے "سید الاستغفار" بتایا ہے' اور اس کی غیر معمولی فضیلت بیان فرمائی ہے' اور بلا شبہ اپنے مضمون و مفہوم کے لحاظ سے بھی وہ ایسا ہی کلمہ ہے۔

۲۸۵) **عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدُالْاِسْتِغْفَارِ اَنْ تَقُوْلَ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَايَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ" قَالَ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ النَّهَارِ مُوْقِنًا بِهَا فَمَاتَ مِنْ يَوْمِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّمْسِىَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَمَنْ قَالَهَا مِنَ اللَّيْلِ وَهُوَ مُوْقِنٌ بِهَا فَمَاتَ قَبْلَ اَنْ يُّصْبِحَ فَهُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "سید الاستغفار" (یعنی سب سے اعلیٰ استغفار) یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَااسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِىْ فَاغْفِرْلِىْ فَاِنَّهٗ لَايَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ.

اے اللہ! تو ہی میرا رب (یعنی مالک مولا) ہے' تیرے سوا کوئی مالک و معبود نہیں' تو نے ہی مجھے پیدا فرمایا

اور وجود بخشا۔ میں تیرا بندہ ہوں، اور جہاں تک مجھ عاجز وناتواں سے ہو سکے گا تیرے ساتھ کئے ہوئے (ایمانی) عہد ومیثاق اور (اطاعت وفرمانبرداری کے) وعدے پر قائم رہوں گا۔ تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے عمل و کردار کے شر سے، میں اقرار کرتا ہوں کہ تو نے مجھے نعمتوں سے نوازا، اور اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نافرمانیاں کیں اور گناہ کئے۔ اے میرے مالک ومولا! تو مجھے معاف فرمادے اور میرے گناہ بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو بخشنے والا کوئی نہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا کہ: جس بندے نے اخلاص اور دل کے یقین کیساتھ دن کے کسی حصے میں اللہ کے حضور میں یہ عرض کیا (یعنی ان کلمات کے ساتھ استغفار کیا) اور اسی دن رات شروع ہونے سے پہلے اس کو موت آگئی تو وہ بلا شبہ جنت میں جائے گا اور اسی طرح اگر کسی نے رات کے کسی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہی عرض کیا اور صبح ہونے سے پہلے اس رات میں وہ چل بسا تو بلا شبہ وہ جنت میں جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... اس استغفار کی اس غیر معمولی فضیلت کا راز بظاہر یہی ہے کہ اس کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے عرض کیا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِىْ وَاَنَا عَبْدُكَ

اے اللہ! تو ہی میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی مالک ومعبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے وجود بخشا ہے اور میں بس تیرا بندہ ہوں۔

اس کے بعد عرض کیا گیا ہے کہ:

وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ

یعنی میں نے ایمان لا کے تیری عبادت واطاعت کا جو عہد ومیثاق اور وعدہ کیا ہے جہاں تک مجھ سے بُن پڑے گا اس پر قائم رہنے کی کوشش کروں گا۔

یہ بندے کی طرف سے اپنی کمزوری کے اعتراف کے ساتھ ایمانی عہد ومیثاق کی تجدید ہے۔ اس کے آگے عرض کیا گیا ہے:

اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ

مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئیں اور آئندہ ہوں، انکے بُرے نتیجہ سے اے میرے مالک ورب میں تیری پناہ کا طالب ہوں۔

اس میں اعترافِ قصور کے ساتھ اللہ کی پناہ بھی چاہی گئی ہے۔ اس کے بعد عرض کیا گیا ہے:

اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَىَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِىْ

میں تیرے انعامات واحسانات کا اور اپنی گناہ گاریوں اور خطاکاریوں کا اعتراف کرتا ہوں۔

آخر میں عرض کیا گیا ہے:

فَاغْفِرْلِىْ ذُنُوْبِىْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُالذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

میرے مالک و مولا! تو اپنے رحم و کرم سے میرے جرائم، میرے گناہ بخش دے، جرموں اور گناہوں کو بخشنے والا بس تو ہی ہے۔

حق یہ ہے کہ جس صاحبِ ایمان بندے کو وہ معرفت و بصیرت نصیب ہو جس کے ذریعے وہ اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور اس کے حقوق کو بھی کچھ جانتا ہو تو وہ خود کو صرف قصوروار اور گناہگار اور خیر اور بھلائی کے معاملہ میں بالکل مفلس اور تہی مایہ محسوس کرے گا اور پھر اس کے دِل کی آواز اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی التجا یہی ہو گی جو رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے اس استغفار میں محسوس ہوتی ہے۔ اس کو "سید الاستغفار" اسی خصوصیت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث پہنچ جانے کے بعد آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والے ہر اُمتی کو چاہئے کہ وہ اس کا اہتمام کرے کہ ہر دن اور رات میں کم از کم ایک دفعہ ضرور وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ استغفار کر لیا کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ہمارے استاذ حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدیؒ پر، اب سے ۴۵ سال پہلے دار العلوم دیوبند میں ان ہی سے مشکوٰۃ شریف پڑھی تھی۔ جب سبق میں یہ حدیث آئی تو حضرت مولاناؒ نے پوری جماعت کو حکم دیا کہ یہ "سید الاستغفار" سب یاد کر لیں کل میں سب سے سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن قریب قریب سب طلباء سے سنا اور وصیت فرمائی کہ دِن رات میں کم از کم ایک دفعہ اس کو ضرور پڑھ لیا کرو۔

۲۸۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ کَانَ یَدْعُوْ بِهٰذِهِ الدُّعَاءِ "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ وَجَهْلِیْ وَاِسْرَافِیْ فِیْ اَمْرِیْ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ هَزْلِیْ وَجِدِّیْ وَخَطَایَایَ وَعَمَدِیْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ." (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بارگاہِ خداوندی میں اس طرح عرض کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ تا وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِیْ" (اے اللہ! میری خطا، میرے قصور معاف کر دے، اور (علم و معرفت کے تقاضے کیخلاف) جو نادانی کا کام میں نے کیا ہو اس کو معاف فرما دے اور اپنے جس معاملہ میں بھی میں نے تیرے حکم اور تیری رضا کی حد سے تجاوز کیا ہو اس کو بخش دے۔ اے میرے اللہ! میرے وہ گناہ بھی معاف فرمادے جو ہنسی مذاق میں مجھ سے سرزد ہو گئے ہوں اور وہ بھی معاف کر دے جو میں نے سوچ سمجھ کے اور سنجیدگی سے کئے ہوں۔ میرے مالک! میری وہ خطائیں بھی معاف کر دے جو بلا ارادہ مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں، اور وہ بھی معاف فرمادے جو میں نے جان بوجھ کے ارادہ سے کی ہوں۔ اور (اے میرے مالک! تو جانتا ہے کہ) یہ سب طرح کی خطائیں میں نے کی ہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اللہ اکبر! سید المرسلین محبوبِ رب العالمین ﷺ جو یقیناً معصوم تھے، اُن کے احساسات اپنے بارے میں یہ تھے، اور وہ اپنے کو سرتاسر خطاکار اور قصوروار سمجھتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں اس طرح استغفار کرتے

تھے۔ حق یہ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی جتنی معرفت ہوگی وہ اُتنا ہی زیادہ اپنے کو ادائے حقِ عبدیت کے بارے میں قصوروار سمجھے گا۔ "قربیاں را بیش بود حیرانی۔"

رسول اللہ ﷺ کے اس استغفار کے ایک ایک لفظ میں عبدیت کی روح بھری ہوئی ہے' اور ہم اُمتیوں کے لئے اس میں بڑا سبق ہے۔

حضرت خضرؑ کا استغفار

۲۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَثِيْرًا مَا يَقُوْلُ لَنَا مَعْشَرَ اَصْحَابِىْ مَايَمْنَعُكُمْ اَنْ تُكَفِّرُوْا ذُنُوْبَكُمْ بِكَلِمَاتٍ يَسِيْرَةٍ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ مَاهِيَ؟ قَالَ تَقُوْلُوْنَ مَقَالَةَ اَخِي الْخِضْرِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا كَانَ يَقُوْلُ ؟ قَالَ كَانَ يَقُوْلُ؟ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدتُّ فِيْهِ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا اَعْطَيْتُكَ مِنْ نَفْسِىْ ثُمَّ لَمْ اُوْفِ لَكَ بِهٖ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِىْ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَتَقَوَّيْتُ بِهَا عَلٰى مَعَاصِيْكَ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِكُلِّ خَيْرٍ اَرَدْتُّ بِهٖ وَجْهَكَ فَخَالَطَنِىْ فِيْهِ مَالَيْسَ لَكَ اَللّٰهُمَّ لَاتُخْزِنِىْ فَاِنَّكَ بِىْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِىْ فَاِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ.

(رواہ الدیلمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے: اے میرے ساتھیو! تمہارے لئے کیا چیز اس سے مانع ہو سکتی ہے کہ چند آسان کلموں کے ذریعے اپنے گناہوں کی صفائی کر لیا کرو! عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کون سے کلمے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہا کرو جو میرے بھائی خضر کہا کرتے تھے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا کہا کرتے تھے؟ فرمایا: وہ کہا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَاتُبْتُ اِلَيْكَ مِنْهُ ثُمَّ عُدْتُّ فِيْهِ تا اَللّٰهُمَّ لَاتُخْزِنِىْ فَاِنَّكَ بِىْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِىْ فَاِنَّكَ عَلَيَّ قَادِرٌ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن گناہوں کی جن سے میں نے تیرے حضور میں توبہ کی ہو {اور شامتِ نفس سے} پھر پلٹ کر وہی گناہ دوبارہ کئے ہوں' اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اس عہد کے بارے میں جو میں نے اپنی ذات کی طرف سے تجھ سے کیا ہو اور پھر میں نے اس کو وفا نہ کیا ہو {بلکہ عہد شکنی کی ہو} اور میں تجھ سے معافی اور بخشش چاہتا ہوں اُن نعمتوں کے بارے میں جن سے طاقت و قوت حاصل کر کے میں نے تیری نافرمانیاں کی ہوں' اور تجھ سے معافی اور بخشش کا سوال کرتا ہوں ہر اس نیکی کے بارے میں جو میں نے تیری رضاجوئی کی نیت سے کرنی چاہی ہو پھر اس میں تیرے ماسوا دوسرے اغراض کی آمیزش ہو گئی ہو۔ اے میرے اللہ! مجھے {دوسروں کے سامنے} رسوانہ کرنا۔ بیشک تو مجھے خوب جانتا ہے' تجھ سے میرا کوئی راز ڈھکا چھپا نہیں ہے اور {میرے گناہوں پر} مجھے عذاب نہ دینا' تجھے مجھ پر ہر طرح قدرت حاصل ہے (اور میں بالکل عاجز اور تیرے قبضہ و اختیار میں ہوں)۔ (مسند فردوس دیلمی)

تشریح...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا بندہ پورے صدق و خلوص کے ساتھ کسی گناہ سے توبہ کرتا ہے

لیکن پھر اس سے وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد و میثاق کرتا ہے اور پھر کسی وقت اس کے خلاف کر بیٹھتا ہے۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق اور راحت و آرام وغیرہ کی جو نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ان کے استعمال سے وہ جو قوت و طاقت یا دولت حاصل کرتا ہے اس کو وہ بجائے طاعت کے معصیت کی راہ میں استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی نیک عمل خالص اللہ کے لئے اور اس کی رضاجوئی کے جذبہ کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے لیکن بعد میں دوسرے غلط جذبات اور ناپسندیدہ اغراض کی اس میں آمیزش ہو جاتی ہے۔ یہ سب روزمرہ کے تجربے اور روزمرہ کی واردات ہیں اور اچھے اچھوں کو پیش آتی ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ سے تعلق اور آخرت کی فکر رکھنے والے بندوں کے دل و زبان کی استدعا کیا ہونی چاہئے؟ مندرجہ بالا استغفار کے کلمات میں اسی کی پوری رہنمائی اور تلقین فرمائی گئی ہے، اور یہ کلمات اپنے مضمون کی گہرائی اور جامعیت کے لحاظ سے یقیناً معجزانہ ہیں، اسی لئے اس حدیث کو یہاں درج کیا گیا ہے، اگرچہ "کنز العمال" میں اس کی تخریج صرف دیلمی سے کی گئی ہے جو محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ضعیف ہونے کی علامت ہے۔ "کلماتِ استغفار" کے زیرِ عنوان یہاں صرف ان چار ہی حدیثوں پر اکتفا کیا گیا ہے، نماز سے متعلق دُعاؤں میں، اور اسی طرح مخصوص حالات و اوقات کی دعاؤں میں، اور علیٰ ھذا جامع اور ہمہ گیر دعاؤں میں ان کے علاوہ استغفار کے بیسیوں بلکہ پچاسوں کلمات گزر چکے ہیں۔ اس طرح استغفار کے ان کلمات کی مجموعی تعداد بہت زیادہ ہے جو رسول اللہ ﷺ سے کتب حدیث میں ماثور و منقول ہیں اور بلا شبہ وہ سب ہی بڑے بابرکت ہیں۔

استغفار کی برکات

استغفار کی اصل غرض و غایت اور اس کا موضوع تو اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کو معاف کرانا ہے تاکہ بندہ اُن کے عذاب و وبال سے بچ جائے، لیکن قرآن مجید سے بھی معلوم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بتلایا ہے کہ استغفار بہت سی دینوی برکات کا بھی باعث بنتا ہے اور بندے کو اس دنیا میں بھی اس کے طفیل بہت کچھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین و عمل نصیب فرمائے۔

۲۸۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَّ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.** (رواہ احمد و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ استغفار کو لازم پکڑ لے (یعنی اللہ تعالیٰ سے برابر اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی اور مشکل سے نکلنے اور رہائی پانے کا راستہ بنا دے گا۔ اور اس کی ہر فکر اور ہر پریشانی کو دور کر کے کشادگی اور اطمینان عطا فرمائے گا، اور اس کو ان طریقوں سے رزق دے گا جن کا اس کو خیال و گمان بھی نہ ہو گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ... ملحوظ رہے کہ یہ وعدہ صرف زبان سے کلماتِ استغفار پڑھنے پر نہیں ہے، بلکہ استغفار کی حقیقت پر ہے جس کی پہلے وضاحت کی جاچکی ہے، اللہ تعالیٰ شانہ نصیب فرمائے۔

۲۸۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِىْ صَحِيْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا.
(رواہ ابن ماجه والنسائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خوشی ہو اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے (یعنی آخرت میں وہ دیکھے کہ اس کے اعمال نامہ میں استغفار بکثرت درج ہے۔) (سنن ابن ماجہ، سنن نسائی)

تشریح ... واضح رہے کہ اعمال نامہ میں حقیقی استغفار کے طور پر وہی استغفار درج ہوگا جو حقیقت کے لحاظ سے عنداللہ بھی استغفار ہوگا۔ اور جو صرف زبان سے استغفار ہوگا وہ اگر درج ہوگا تو صرف زبانی اور لفظی استغفار کے طور پر درج ہوگا اور اگر اندراج پانے کے قابل نہ ہوگا تو درج ہی نہ ہوگا اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ: "طُوْبٰى لِمَنِ اسْتَغْفَرَ كَثِيْرًا" (خوشی اور مبارک ہو اس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے۔) بلکہ یہ فرمایا کہ: طُوْبٰى لِمَنْ وَجَدَ فِىْ صَحِيْفَتِهٖ اسْتِغْفَارًا كَثِيْرًا (خوشی اور مبارک ہو اُس بندے کو جو اپنے اعمال نامہ میں بہت زیادہ استغفار پائے) امت کی مشہور عارفہ حضرت رابعہ عدویہ قدس سرہا سے منقول ہے، وہ فرماتی تھیں کہ: ہمارا استغفار خود اس قابل ہوتا ہے کہ اللہ کی حضور میں اس سے بہت زیادہ استغفار کیا جائے۔

اس حدیث میں "طُوْبٰى" کا لفظ بہت ہی جامع ہے، دنیا اور آخرت اور جنت کی ساری ہی مسرتیں اور نعمتیں اس میں شامل ہیں۔ بلاشبہ جس بندے کو حقیقی استغفار نصیب ہو اور خوب کثرت سے نصیب ہو وہ بڑا خوش نصیب ہے اور اس کو سب ہی کچھ نصیب ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے فضل و کرم سے نصیب فرمائے۔

استغفار پوری اُمت کیلئے اَمان

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں استغفار کی جن برکات کا ذکر کیا گیا وہ انفرادی تھیں۔ یعنی وہ استغفار کرنے والے افراد ہی کو حاصل ہوں گی۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ ان انفرادی برکات کے علاوہ استغفار کرنے والوں کے استغفار کی ایک بہت بڑی اور عمومی برکت یہ ہے کہ وہ پوری اُمت کے لئے عذابِ عام سے امان ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سے قیامت تک اُمت گویا اسی کے سایہ میں ہے۔

۲۹۰) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَىَّ اَمَانَيْنِ لِاُمَّتِىْ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" فَاِذَا مَضَيْتُ تَرَكْتُ فِيْهِمُ الْاِسْتِغْفَارَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں (سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا) "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ الآية۔" (یعنی

اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کہ تم ان کے درمیان موجود ہو اور ان پر عذاب نازل کردے' اور اللہ انہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں گے اور معافی و مغفرت مانگتے ہوں گے) آپ ﷺ نے فرمایا: پھر جب میں گزر جاؤں گا تو قیامت تک کے لئے تمہارے درمیان استغفار کو (بطورِ امان) چھوڑ جاؤں گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... سورۂ انفال کی آیت ع ۳۳ "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ." جس کا اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حوالہ دیا ہے اس کا مدعا اور مقتضا یہ ہے کہ ایک-تو خود آپ ﷺ کی ذات اور آپ ﷺ کا وجود امت کے لئے عذاب سے امان ہے' جب تک آپ ﷺ ان میں موجود ہیں ان پر عذابِ عام نازل نہیں کیا جائے گا۔ اور دوسری—چیز جو اُن کے لئے وسیلۂ امان ہے وہ خود ان کا استغفار ہے۔ جب تک یہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی اور مغفرت مانگتے رہیں گے اور استغفار کرتے رہیں گے عذابِ عام سے ہلاک نہیں کئے جائیں گے۔ گویا ایک امان خود آپ ﷺ کا وجود تھا' جس سے اُمت آپ ﷺ کی وفات کے بعد محروم ہو گئی۔ دوسری امان خود اُمت کو آپ ﷺ ہی کے ذریعہ ملا ہے' اور وہ قیامت تک باقی رہے گا۔ اور امت انتہائی بداعمالیوں کے باوجود عذابِ عام سے آج تک محفوظ ہے' یہ استغفار کرنے والے بندوں کے استغفار ہی کی برکت ہے۔

توبہ واستغفار سے اللہ کتنا خوش ہوتا ہے

توبہ واستغفار سے متعلق احادیث و روایات کے سلسلہ کو مندرجہ ذیل حدیث پر ختم کیا جاتا ہے جو صحیحین میں بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے' اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے توبہ کرنے والے گناہگاروں کو وہ بشارت سنائی ہے جو کسی دوسرے بڑے سے بڑے عمل پر بھی نہیں سنائی گئی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت کو سمجھنے کے لئے صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو کافی تھی۔ حق یہ ہے کہ اس چند سطری حدیث میں معرفت کا ایک دفتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

۲۹۱) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَلّٰهُ اَفْرَحُ بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنْ رَجُلٍ نَزَلَ فِىْ اَرْضٍ دَوِيَّةٍ مُهْلِكَةٍ مَعَهُ رَاحِلَتُهُ عَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ فَوَضَعَ رَأْسَهُ فَنَامَ نَوْمَةً فَاسْتَيْقَظَ وَقَدْ ذَهَبَتْ رَاحِلَتُهُ فَطَلَبَهَا حَتّٰى اِذَا اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْحَرُّ وَالْعَطَشُ اَوْمَا شَاءَ اللّٰهُ قَالَ اَرْجِعُ اِلٰى مَكَانِىَ الَّذِىْ كُنْتُ فِيْهِ فَاَنَامَ حَتّٰى اَمُوْتَ فَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلٰى سَاعِدِهِ لِيَمُوْتَ فَاسْتَيْقَظَ فَاِذَا رَاحِلَتُهُ عِنْدَهُ عَلَيْهَا زَادُهُ وَ شَرَابُهُ فَاللّٰهُ اَشَدُّ فَرْحًا بِتَوْبَةِ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ مِنْ هٰذَا بِرَاحِلَتِهِ وَزَادِهِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے: خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اُتر گیا ہو جو سامانِ

حیات سے خالی اور اسبابِ ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو اُسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کے لئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اُسی جگہ جا کر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آکر) اپنے بازو پر سر رکھ کے مرنے کے لئے لیٹ جائے، پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں محفوظ) ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا خدا کی قسم مؤمن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ذرا تصور کیجئے اس بدو مسافر کا جو اکیلا اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اور راستہ بھر کے لئے کھانے پینے کا سامان اُسی پر لاد کر دور دراز کے سفر پر کسی ایسے راستہ سے چلا جس میں کہیں دانہ پانی ملنے کی امید نہیں، پھر اثنائے سفر میں وہ کسی دن دوپہر میں کہیں سایہ دیکھ کر اُترا اور آرام کرنے کے ارادہ سے لیٹ گیا، اس تھکے ماندے مسافر کی آنکھ لگ گئی، کچھ دیر کے بعد جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹنی اپنے سارے سازوسامان کے ساتھ غائب ہے، وہ بے چارہ حیران وسراسیمہ ہو کر اس کی تلاش میں دوڑا بھاگا، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس کی شدت نے اس کو لبِ دم کر دیا، اب اس نے سوچا کہ شاید میری موت اسی طرح اس جنگل بیابان میں لکھی تھی، اور اب بھوک پیاس میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے یہاں مرنا ہی میرے لئے مقدر ہے، اس لئے وہ اسی سایہ کی جگہ میں مرنے کے لئے آ کے پڑ گیا اور موت کا انتظار کرنے لگا، اسی حالت میں اس کی آنکھ پھر جھپکی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹنی اپنے پورے سازوسامان کے ساتھ اپنی جگہ کھڑی ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے کہ بھاگی ہوئی اور گم شدہ اونٹنی کو اس طرح اپنے پاس کھڑا دیکھ کے اس بدو کو جو مایوس ہو کر مرنے کے لئے پڑ گیا تھا کس قدر خوشی ہوگی۔ صادق مصدوق ﷺ نے اس حدیث پاک میں قسم کھا کے فرمایا کہ: خدا کی قسم! بندہ جب جرم و گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور سچے دل سے توبہ کر کے اس کی طرف آتا ہے تو اس رحیم و کریم رب کو اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی کہ اس بدو کو اپنی بھاگی ہوئی اونٹنی کے ملنے سے ہوگی۔

قریب قریب یہی مضمون صحیحین میں حضرت ابنِ مسعودؓ کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایت سے بھی مروی ہے۔ اور صحیح مسلم میں ان دونوں بزرگوں کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ، حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مضمون مروی ہے، بلکہ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بدو مسافر کی فرطِ مسرت کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: اونٹنی کے اس طرح مل جانے سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس بے انتہا عنایت اور بندہ نوازی کے اعتراف کے طور پر وہ کہنا چاہتا تھا کہ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ" (خداوندا! بس تو ہی میرا رب ہے اور میں تیرا

بندہ) لیکن خوشی کی سرمستی میں اس کی زبان بہک گئی اور اس نے کہا: "اللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّكَ" (میرے اللہ! بس تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا خدا۔) آنحضرت ﷺ نے اس کی اس غلطی کی معذرت کرتے ہوئے فرمایا: "اَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ" (فرطِ مسرت اور بے حد خوشی کی وجہ سے اس بے چارے بدو کی زبان بہک گئی ❶)۔

بلاشبہ اس حدیث میں توبہ کرنے والے گناہگاروں کو اللہ تعالیٰ کی جو خوشنودی کی بشارت سنائی گئی ہے وہ جنت اور اس کی ساری نعمتوں سے بھی فائق ہے۔

شیخ ابن القیمؒ نے "مدارج السالکین" میں توبہ واستغفار ہی کے بیان میں اسی حدیث پر کلام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اس خوشنودی کی وضاحت میں ایک عجیب وغریب مضمون لکھا ہے جس کو پڑھ کر ایمانی روح وجد میں آجاتی ہے۔ ذیل میں اس کا صرف حاصل وخلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی ساری کائنات میں انسان کو خاص شرف بخشا ہے، دنیا کی ساری چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور اس کو اپنی معرفت اور اطاعت وعبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے، ساری مخلوقات کو اس کے لئے مسخر کیا، اور اپنے فرشتوں تک کو اس کا خادم اور محافظ بنایا، پھر اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور نبوت ورسالت کا سلسلہ جاری فرمایا، پھر ان ہی میں سے کسی کو اپنا خلیل بنایا اور کسی کو شرفِ ہم کلامی بخشا اور بہت بڑی تعداد کو اپنی ولایت اور قربِ خصوصی کی دولت سے نوازا۔ اور انسانوں ہی کے لئے دراصل جنت ودوزخ کو بنایا۔ الغرض دنیا وآخرت میں عالمِ خلق وامر میں جو کچھ ہے اور ہوگا اس سب کا اصل مرکز ومحور بنی نوع انسان ہی ہے، اس نے امانت کا بوجھ اٹھایا، اسی کے لئے شریعت کا نزول ہوا، اور ثواب وعذاب دراصل اسی کے لئے ہے۔ پس اس پورے کارخانۂ عالم میں انسان ہی اصل مقصود ہے، اللہ نے اس کو اپنے خاص دستِ قدرت سے بنایا، اس میں اپنی روح ڈالی، اپنے فرشتوں سے اس کو سجدہ کرایا، اور ابلیس اس کو سجدہ ہی نہ کرنے کے جرم میں مردودِ بارگاہ ہوا اور اللہ نے اس کو اپنا دشمن قرار دیا۔ یہ سب اس لئے کہ اس خالق نے انسان ہی میں اس کی صلاحیت رکھی ہے کہ وہ ایک زمینی اور مادی مخلوق ہونے کے باوجود اپنے خالق وپروردگار کی (جو وراء الوراء اور غیب الغیب ہے) اعلیٰ درجہ کی معرفت حاصل کرے، ممکن حد تک اس کے اسرار اور اس کی حکمتوں سے آشنا ہو، اس سے محبت اور اس کی اطاعت کرے، اس کے لئے اپنے نفسانی مرغوبات اور اپنی ہر چیز کو قربان کرے، اور اس دنیا میں اس کی خلافت کی ذمہ داریوں کو ادا کرے، اور پھر اس کی خاص الخاص عنایتوں اور بے حساب بخششوں کا مستحق ہو کر اس کی رحمت ورافت، اس کے پیار ومحبت اور اس کے بے انتہا لطف وکرم کا مورد بنے۔ اور چونکہ وہ ربِ کریم اپنی ذات سے رحیم ہے اور لطف وکرم اس کی ذاتی صفت ہے (جس طرح بلا تشبیہ ماؤں کی ممتا ان کی ذاتی صفت ہے) اس لئے اپنے وفادار اور نیک کردار بندوں کو انعامات و

❶ علماء وفقہاء نے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے سمجھ کر کہ اگر اس طرح کسی کی زبان بہک جائے اور اس سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہوگا، فقہ اور فتاویٰ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔ ۱۲

احسانات سے نوازنا اور اپنے عطیات سے ان کی جھولیوں کو بھر دینا اس کے لئے بلا تشبیہ اسی طرح بے انتہا خوشی کا باعث ہوتا ہے جس طرح اپنے بچے کو دودھ پلانا اور نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنانا ممتا والی ماں کے لئے انتہائی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ اب اگر بندے نے بد بختی سے اپنے اس خالق و پروردگار کی وفاداری اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کے بغاوت و نافرمانی کا طریقہ اختیار کر لیا اور اس کے دشمن اور باغی شیطان کے لشکر اور اس کے متبعین میں شامل ہو گیا اور ربِ کریم کی ذاتی صفت رحمت و رافت اور لطف و کرم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے بجائے وہ اس کے قہر و غضب کو بھڑکانے لگا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں (بلا تشبیہ) اس غصہ اور ناراضی کی سی کیفیت پیدا ہو گی جو نالائق اور ناخلف بیٹے کی نافرمانی اور بدکرداری دیکھ کر ممتا والی ماں کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اگر اس بندے کو کبھی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ محسوس کرے کہ میں نے اپنے مالک و پروردگار کو ناراض کر کے خود کو اور اپنے مستقبل کو برباد کر لیا اور اس کے دامنِ رحم و کرم کے سوا میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، پھر وہ اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہو اور مغفرت و رحمت کا سائل بن کر اس کی بارگاہِ کرم کی طرف رجوع کرے، سچے دل سے توبہ کرے، روئے اور گڑگڑائے اور معافی مانگے اور آئندہ کے لئے وفاداری اور فرمانبرداری کا عہد و رادہ کر لے تو سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کے اس کریم رب کو جس کی ذاتی صفت رحمت و رأفت اور جس کا پیار ماں کے پیار سے بھی ہزاروں گنا زیادہ ہے، اور جو بندوں پر نعمتوں کی بارش برسا کے اتنا خوش ہوتا ہے جتنا نعمتوں کو پا کر محتاج بندے خوش نہیں ہوتے، تو سمجھا جا سکتا ہے کہ ایسے کریم پروردگار کو اپنے اس بندے کی اس توبہ و انابت سے کتنی خوشی ہو گی۔"

شیخ ابن القیمؒ نے اس سے بہت زیادہ وضاحت اور بسط کے ساتھ یہ مضمون لکھنے کے بعد آخر میں کسی عارف کا ایک واقعہ لکھا ہے جو شیطان یا نفسِ امارہ کے اغواء سے غلط راستے پر پڑ گئے تھے اور سرکشی و نافرمانی کے جراثیم ان کی روح میں پیدا ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

"وہ عارف ایک گلی سے گزر رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ ایک گھر کا دروازہ کھلا اور ایک بچہ روتا چلاتا ہوا اس میں سے نکلا، اس کی ماں اس کو گھر سے دھکے دے دے کر نکال رہی تھی، جب وہ دروازے سے باہر ہو گیا تو ماں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا، بچہ اسی طرح روتا چلاتا بکتا بڑبڑاتا کچھ دور تک گیا، پھر ایک جگہ پہنچ کر کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر کے سوا کہاں جا سکتا ہوں اور کون مجھے اپنے پاس رکھ سکتا ہے، یہ سوچ کر ٹوٹے دل کے ساتھ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑا۔ دروازہ پر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے تو وہ بے چارہ وہیں چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑ گیا اور اسی حالت میں سو گیا۔ ماں آئی، اس نے دروازہ کھولا اور اپنے بچے کو اس طرح چوکھٹ پر سر رکھ کے پڑا دیکھ کے اس کا دل بھر آیا اور ممتا کا جذبہ اُبھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، بچے کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور اس کو پیار کرنے لگی، اور کہہ رہی تھی: بیٹے تو نے دیکھا تیرے لئے میرے سوا کون ہے، تو نے نالائقی، نادانی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے اور میرا دل دکھا کے مجھے وہ غصہ دلایا جو تیرے لئے میری فطرت نہیں ہے، میری فطرت اور ممتا کا تقاضا تو یہی ہے کہ میں تجھ پر پیار کروں اور تجھے راحت و آرام پہنچانے کی

کوشش کروں، تیرے لئے ہر خیر اور بھلائی چاہوں میرے پاس جو کچھ ہے تیرے ہی لئے ہے۔
ان عارف نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور اس میں اُن کے لئے جو سبق تھا وہ لیا۔"

اس قصہ پر غور کرتے وقت رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سامنے رکھیئے: "اَللّٰهُ اَرْحَمُ لِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا"[1] (خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کی ذات میں اپنے بندوں کے لئے اس سے زیادہ پیار اور رحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔)

کیسے بدبخت اور محروم ہیں وہ بندے جنہوں نے نافرمانی کی راہ اپنا کے ایسے رحیم و کریم پروردگار کی رحمت سے اپنے کو محروم کر لیا ہے اور اس کے قہر و غضب کو بھڑکا رہے ہیں، حالانکہ توبہ کا دروازہ اُن کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ اس کی طرف قدم بڑھا کے اللہ تعالیٰ کا وہ پیار حاصل کر سکتے ہیں جس کے سامنے ماں کا پیار کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم اور یقین نصیب فرمائے۔

يَا غَفَّارُ اغْفِرْلِيْ يَا تَوَّابُ تُبْ عَلَيَّ يَا رَحْمٰنُ ارْحَمْنِيْ يَا رَؤُفُ ارْؤُفْ بِيْ يَا عَفُوُّ اعْفُ عَنِّيْ يَا رَبِّ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَطَوِّقْنِيْ حُسْنَ عِبَادَتِكَ.

[1] یہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ ایک عورت تھی جو بڑے والہانہ انداز میں اپنے بچے کو بار بار اٹھا کے سینے سے لگاتی اور دودھ پلاتی تھی، دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا تھا کہ مامتا کے جذبہ سے اس کا سینہ بھرا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: "خدا کی قسم! اللہ کی ذات میں اپنے بندوں کیلئے اُس سے زیادہ پیار اور ترحم ہے جتنا کہ اس ماں میں اپنے بچے کے لئے ہے۔" ۱۲

صلوٰۃ وسلام

"صلوٰۃ وسلام" دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ اور اشرف درجہ کی ایک دعا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کے اظہار کے لئے آپ ﷺ کے حق میں کی جاتی ہے' اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں دیا گیا ہے' اور بڑے پیارے اور مؤثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (الاحزاب۔ع:۷)

اس آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لئے پہلے بطورِ تمہید فرمایا گیا ہے کہ :اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ " یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے) خداوند قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے' تم بھی اِس کو اپنا معمول بنا کے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

حکم اور خطاب کا یہ انداز قرآن پاک میں صرف صلوٰۃ وسلام کے اس حکم ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ عمل کے لئے بھی نہیں کہا گیا کہ خدا اور اس کے فرشتے یہ کام کرتے ہیں تم بھی کرو۔ بلا شبہ صلوٰۃ وسلام کا یہ بہت بڑا امتیاز ہے' اور رسول اللہ ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے خصائص میں سے ہے۔

صلوٰۃ علی النبی کا مطلب اور ایک اشکال کا حل

سورۂ احزاب کی اس آیت میں بہت سے لوگوں کو یہ اشکال محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اللہ اور فرشتوں کی نسبت سے بھی "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے' اور مؤمن بندوں کی نسبت سے بھی وہی لفظ استعمال فرمایا گیا ہے' حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے ان میں سے ہر ایک کا عمل دوسرے سے یقیناً مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کا جو عمل ہوتا ہے (جس کو اس آیت میں فرشتوں کے عمل کے ساتھ جوڑ کر "يُصَلُّوْنَ" کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے) وہ ہرگز فرشتوں اور مؤمنین کا عمل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح ایمان والے بندوں سے جس عملِ صلوٰۃ کا مطالبہ "صَلُّوْا" کے لفظ سے کیا گیا ہے وہ ہرگز خدا کا فعل نہیں ہو سکتا۔

اس کو حل کرنے کے لئے اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نسبت بدلنے سے صلوٰۃ کے معنی بدل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف اُس کی نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے رحمت نازل کرنا' اور جب ملائکہ یا مؤمنین کی طرف نسبت ہو تو اس کا مطلب ہوتا ہے اللہ سے رحمت کی دعا کرنا۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ صلوٰۃ کے معنی میں بہت وسعت ہے۔ تکریم و تشریف' مدح و ثنا' رفعِ مراتب' محبت و عطوفت' برکت و رحمت' پیار

دُلار، ارادۂ خیر و دعائے خیر، ان سب کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اس لئے اس کی نسبت اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف ایمان والے بندوں کی طرف یکساں طور پر کی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ فرق ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ اس کی شانِ عالی کے مطابق ہو گی، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے مرتبہ کے مطابق اور مؤمنین کی طرف سے اُن کی حیثیت کے مطابق۔

اس بنا پر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے نبی ﷺ پر خاص الخاص عنایت و نوازش اور بڑا پیار دُلار ہے، اور وہ ان کی مدح و ستائش کرتا اور عظمت و شرف کے بلند ترین مقام تک ان کو پہنچانا چاہتا ہے، اور فرشتے بھی ان کی تکریم و تعظیم اور مدح و ثناء کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیش از بیش الطاف و عنایات اور رفع درجات کی دعائیں کرتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی ایسا ہی کرو، اور آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ سے خاص الخاص لطف و عنایت، محبت و عطوفت، مراتب اور درجات کی رفعت، پورے عالم کی سیادت و امامت اور مقامِ محمود و قبولیت شفاعت کی دعا کیا کرو اور آپ ﷺ پر سلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت

اس آیت میں جیسی شاندار تمہید اور جس اہتمام کے ساتھ اہلِ ایمان کو صلوٰۃ و سلام کا حکم دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت و عظمت ہے اور وہ کیسا محبوب عمل ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہو گا کہ اس میں اہلِ ایمان کے لئے کس قدر خیر، کتنی رحمت اور کیسی برکات ہیں۔

صلوٰۃ و سلام کے بارے میں فقہاء کے مسالک

اُمت کے فقہاء اس پر تقریباً متفق ہیں کہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا ہر فردِ اُمت پر فرض ہے، پھر ائمہ اُمت میں سے امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں کہ خاص کر ہر نماز کے قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا واجباتِ نماز میں سے ہے، اگر نہ پڑھی تو ان ائمہ کے نزدیک نماز ہی نہ ہو گی۔ لیکن امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور اکثر دوسرے فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قعدہ میں تشہد تو بے شک واجب ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ پر سلام بھی آ جاتا ہے لیکن اس کے بعد مستقلاً درود شریف پڑھنا فرض یا واجب نہیں بلکہ ایک اہم اور مبارک سنت ہے جس کے چھوٹ جانے سے نماز میں بڑا نقص رہ جاتا ہے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہر مسلمان پر اُسی طرح فرضِ عین ہے جس طرح مثلاً آپ ﷺ کی رسالت کی شہادت دینا، جس کے لئے کسی وقت اور تعداد کا تعین نہیں کیا گیا ہے اور اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ پڑھ لے اور پھر اس پر قائم رہے۔

آگے بعض وہ حدیثیں آئیں گی جن سے معلوم ہو گا کہ جب جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آئے آپ ﷺ پر لازماً درود بھیجا جائے اور اس میں کوتاہی کرنے والوں کے لئے سخت وعیدیں بھی آئیں گی۔ ان احادیث

کی بناء پر بہت سے فقہااس کے بھی قائل ہیں کہ جب کوئی آپ ﷺ کا ذکر کرے یا کسی دوسرے سے سنے تو اس وقت آپ ﷺ پر درود بھیجنا واجب ہے۔ پھر ایک رائے یہ ہے کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی سلسلۂ کلام میں بار بار آپ ﷺ کا ذکر آئے تو ہر دفعہ درود پڑھنا واجب ہوگا۔ اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس صورت میں ایک دفعہ درود پڑھنا تو واجب ہوگا اور ہر دفعہ پڑھنا مستحب ہوگا اور محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں اور اُن میں مختلف قسم کی خوشبوئیں رکھی ہیں (ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات اور اذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خاصیت یہ ہے کہ خلوصِ دل سے اس کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت، رسول اللہ ﷺ کے روحانی قرب اور آپ ﷺ کی خصوصی شفقت و عنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ہر اُمتی کا درود و سلام اس کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے اور اس کے لئے فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے۔

ذرا غور کریں! اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا فلاں بندہ آپ کے لئے اور آپ کے گھر والوں اور سب متعلقین کے لئے اچھی سے اچھی دعائیں برابر کرتا رہتا ہے، اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے اتنا نہیں مانگتا جتنا آپ کے لئے مانگتا ہے اور یہ اس کا محبوب ترین مشغلہ ہے تو آپ کے دل میں اس کی کیسی قدر و محبت اور خیر خواہی کا کیسا جذبہ پیدا ہوگا۔ پھر جب کبھی اللہ کا وہ بندہ آپ سے ملے گا اور آپ کے سامنے آئے گا تو آپ کس طرح اس سے ملیں گے۔ اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ کا جو بندہ ایمان و اخلاص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ پر کثرت سے درود و سلام پڑھے اس پر آپ کی کیسی نظرِ عنایت ہوگی اور قیامت و آخرت میں اس کے ساتھ آپ کا معاملہ کیا ہوگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے اس کو پیش نظر رکھ کر اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس بندے سے اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوگا اور اس پر اس کا کیسا کرم ہوگا۔

درود و سلام کا مقصد

یہاں ایک بات یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ درود و سلام اگرچہ بظاہر رسول اللہ ﷺ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ایک دعا ہے لیکن جس طرح کسی دوسرے کے لئے دعا کرنے کا اصل مقصد اس کو نفع پہنچانا ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا مقصد آپ ﷺ کی ذات پاک کو نفع پہنچانا نہیں ہوتا، ہماری دعاؤں کی آپ ﷺ کو قطعاً کوئی احتیاج نہیں۔ بادشاہوں کو فقیروں، مسکینوں کے تحفوں اور ہدیوں کی کیا ضرورت۔ بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ہم بندوں پر حق ہے کہ اس کی عبادت اور حمد و تسبیح کے ذریعہ اپنی عبدیت اور عبودیت کا نذرانہ اس کے حضور میں پیش کریں اور اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع نہیں پہنچتا بلکہ وہ خود ہماری

ضرورت ہے، اور اس کا نفع ہم ہی کو پہنچتا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے محاسن و کمالات، آپ ﷺ کی پیغمبرانہ خدمات اور اُمت پر آپ ﷺ کے عظیم احسانات کا یہ حق ہے کہ امتی آپ ﷺ کے حضور میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کریں، اسی کے لئے درود و سلام کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ ﷺ کو کوئی نفع پہنچانا نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے ہی نفع کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا و ثوابِ آخرت اور اس کے رسولِ پاک کا روحانی قرب اور ان کی خاص نظرِ عنایت حاصل کرنے کے لئے درود و سلام پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والے کا اصل مقصد بس یہی ہوتا ہے۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ وہ ہمارا درود و سلام کا یہ ہدیہ اپنے رسولِ پاک تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچواتا ہے اور بہت سوں کا آپ ﷺ کو قبرِ مبارک میں براہ راست بھی سنوا دیتا ہے (جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا) نیز ہمارے اس درود و سلام کے حساب میں بھی رسول اللہ ﷺ پر اپنے الطاف و عنایات اور تکریم و تشریف میں اضافہ فرماتا ہے۔

درود و سلام کی خاص حکمت

انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کی خدمت میں عقیدت و محبت اور وفاداری و نیاز مندی کا ہدیہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے درود و سلام کا طریقہ مقرر کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام ہی کی ہیں اور اُن میں سب سے اکرم و افضل خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ ہیں۔ جب اُن کے بارے میں بھی یہ حکم دیدیا گیا کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے خاص الخاص عنایت و رحمت اور سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت اور نظرِ کرم کے محتاج ہیں، اور اُن کا حق اور مقام عالی یہی ہے کہ اُن کے واسطے اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ سے اعلیٰ دعائیں کی جائیں، اس کے بعد شرک کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کتنا بڑا کرم ہے ربِ کریم کا کہ اس کے اس حکم نے ہم بندوں اور اُمتیوں کو نبیوں اور رسولوں کا اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کا دعا گو بنا دیا۔ جو بندہ ان مقدس ہستیوں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے۔

احادیث میں درود و سلام کی ترغیبات اور فضائل و برکات

اس تمہید کے بعد وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام کی ترغیب دی گئی ہے، اور اس کی فضیلت اور برکات کا بیان فرمایا گیا ہے۔

۲۹۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَىَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرًا.

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ

صلوٰۃ بھیجے 'اللہ تعالیٰ اس پر دس بار صلوٰۃ بھیجتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اوپر عرض کیا جاچکا ہے کہ صلوٰۃ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے 'اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی جو تکریم و تشریف اور آپ ﷺ پر جو خاص الخاص عنایت و نوازش ہوتی ہے اس کو بھی صلوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عام ایمان والے بندوں کے ساتھ رحمت و کرم کا جو معاملہ ہوتا ہے اس کے لئے بھی صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں اس رحمت و عنایت کے لئے بھی جو رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: "صلی اللہ علیہ عشرا" (یعنی حضور ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے بندے پر اللہ تعالےٰ دس دفعہ صلوٰۃ بھیجتا ہے) مگر ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ میں اور دوسرے کسی ایمان والے بندے پر اس کی صلوٰۃ میں وہی فرق ہوگا جو رسول اللہ ﷺ کے مقامِ عالی اور اُس بندے کے درجہ میں ہوگا۔

آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ پر ہم بندوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کی استدعا کریں۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد و مدعا صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی اطلاع دینا نہیں ہے بلکہ اس مبارک عمل (الصَّلٰوۃ عَلَی النَّبِی) کی ترغیب دینا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ یعنی خصوصی رحمتوں اور عنایتوں کے حاصل کرنے اور خود رسول اللہ ﷺ کے قربِ روحانی کی برکات سے بہرہ ور ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔ اسی طرح آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے۔

۲۹۳) عَن اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرَ خَطِيْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَات. (رواه النسائى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کی دس خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں اور اس کے دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ (سنن نسائی)

۲۹۴) عَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مِنْ اُمَّتِىْ صَلٰوةً مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَرَفَعَهٗ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ وَكَتَبَ لَهٗ بِهَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَمَحٰى عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ. (سنن نسائى)

ترجمہ: ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو اُمتی خلوصِ دل سے مجھ پر صلوٰۃ بھیجے 'اللہ تعالیٰ اس پر دس صلواتیں بھیجتا ہے اور اس کے صلہ میں اس کے دس درجے بلند کرتا ہے' اور اس کے حساب میں دس نیکیاں لکھتا ہے' اور اس کے دس گناہ محو فرما دیتا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر ایک دفعہ صلوٰۃ بھیجنے والے

کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف دس صلوٰتوں کے بھیجے جانے کا ذکر تھا۔ اس کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ والی دوسری حدیث میں دس صلوٰتوں کے علاوہ دس درجوں کی بلندی اور دس گناہوں کی معافی کا بھی ذکر فرمایا گیا۔ اور ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ والی اس تیسری حدیث میں ان سب کے علاوہ اس بندے کے نامۂ اعمال میں مزید دس نیکیوں کے لکھے جانے کی بشارت بھی سنائی گئی۔ اس عاجز کے نزدیک یہ صرف اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، یعنی دوسری اور تیسری حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ پہلی حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ صلہ پانے کے لئے شرط ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ "اخلاص قلب" سے بھیجی جائے۔

۲۹۵) عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَ نِیْ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ اَنْ لَا يُصَلِّیَ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا. (رواه النسائى والدارمى)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نمایاں تھے (اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: آج جبرئیل امین آئے اور انہوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کر دے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے، میں اس پر دس صلوتیں بھیجوں، اور جو تم پر سلام بھیجے، میں اس پر دس سلام بھیجوں۔ (سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح..... قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (اے نبی ﷺ تمہارا رب تم کو اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔) اس وعدہ کا پورا ظہور تو آخرت میں ہو گا، لیکن یہ بھی اس کی ایک قسط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اتنا اکرام فرمایا، اور محبوبیت کبریٰ کا وہ مقام عالی آپ ﷺ کو عطا فرمایا کہ جو بندہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے احترام میں خالصاً للہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اس پر دس صلوتیں اور دس سلام بھیجنے کا دستور اپنے لئے مقرر فرمایا اور جبرائیل امینؑ کے ذریعہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی اور اس پیارے انداز میں دی: "اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ (ﷺ)" (تمہارا رب فرماتا ہے اے محمد (ﷺ)! کیا تمہیں ہمارا یہ فیصلہ راضی اور خوش نہیں کر دے گا)۔

اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے تو ان احادیث سے رسول اللہ ﷺ کے مقام محبوبیت کو کچھ سمجھا جا سکتا ہے۔

۲۹۶) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ؟ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذَالِكَ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِیْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ آبادی سے نکل کر کھجوروں کے ایک باغ میں پہنچے اور سجدے میں گر گئے اور بہت دیر تک اسی طرح سجدے میں پڑے رہے، یہاں تک کہ مجھے خطرہ ہوا کہ آپ ﷺ وفات تو نہیں پا گئے۔ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ آپ ﷺ نے سر مبارک سجدے سے اٹھایا اور مجھ سے فرمایا کیا بات ہے اور تمہیں کیا فکر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ (آپ کے دیر تک سجدے سے سر نہ اٹھانے کی وجہ سے) مجھے ایسا شبہ ہوا تھا، اس لئے میں آپ کو دیکھ رہا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ جبرئیلؑ نے آکر مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو بندہ تم پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجوں گا، اور جو تم پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجوں گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے والے کے لئے اللہ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام بھیجے جانے کا ذکر ہے، لیکن دس کا عدد اس روایت میں مذکور نہیں ہے، مگر اس سے پہلی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ والی روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ صلوٰۃ و سلام بھیجے جانے کی بشارت دی تھی۔ پھر یا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ کو بتاتے وقت دس کے عدد کا ذکر ضروری نہیں سمجھا، یا بعد کے کسی راوی کے بیان کرنے سے رہ گیا۔

اسی حدیث کی مسند احمد کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہے کہ: "فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا" (یعنی میں نے اس بشارت کے شکر میں یہ سجدہ کیا تھا) امام بیہقیؒ نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سجدۂ شکر کے ثبوت میں میری نظر میں یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۹۷) قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی ہے، اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ایک غیر معمولی قسم کے سجدے کا ذکر ہے، اس کے آخر میں ہے کہ آپ ﷺ نے سجدے سے اُٹھ کر مجھے بتایا کہ:

اِنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَانِیْ فَقَالَ مَنْ صَلّٰی عَلَیْكَ مِنْ اُمَّتِكَ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا وَرَفَعَهُ بِهَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ. (معجم اوسط للطبرانی وسنن سعید بن منصور)

جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ تمہارا جو اُمتی تم پر ایک صلوٰۃ بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس صلوٰتیں بھیجے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا۔

ان سب حدیثوں کا مقصد و مدعا ہم امتیوں کو یہی بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و سلام کا تمغہ اور اس کی بے انتہا عنایتیں اور رحمتیں حاصل کرنے کا ایک کامیاب اور بہترین ذریعہ خلوصِ قلب سے رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک دفعہ کے صلوٰۃ و سلام کے صلہ میں دس دفعہ صلوٰۃ و سلام بھیجتا ہے، دس درجے بلند فرماتا ہے، نامۂ اعمال میں سے دس گناہ محو کر دیئے اور مِٹا دیئے جاتے ہیں اور دس نیکیاں لکھا دی جاتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بندہ رسول اللہ ﷺ پر روزانہ صرف سو دفعہ درودِ پاک پڑھتا ہے تو ان احادیث کی

بشارت کے مطابق (جو ایک دو نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرامؓ [1] سے صحاح اور سنن و مسانید کی قریباً سب ہی کتابوں میں قابلِ اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں) اس پر اللہ تعالیٰ ایک ہزار صلوٰتیں بھیجتا ہے، یعنی رحمتیں اور نوازشیں فرماتا ہے، اس کے مرتبہ میں ایک ہزار درجے ترقی دی جاتی ہے، اس کے اعمال نامہ سے ایک ہزار گناہ محو کئے جاتے ہیں اور ایک ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ اکبر۔ کتنا ارزاں اور نفع بخش سودا ہے۔ اور کتنے خاسر اور بے نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس سعادت اور کمائی سے خود کو محروم کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

آپ ﷺ کے ذِکر کے وقت بھی درود سے غفلت کرنیوالوں کی محرومی اور ہلاکت

۲۹۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَیَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَلَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ اس وقت بھی مجھ پر صلوٰۃ یعنی درود نہ بھیجے، اور اسی طرح ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے لئے رمضان کا (رحمت و مغفرت والا) مہینہ آئے اور اس کے گزرنے سے پہلے اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو جائے (یعنی رمضان کا مبارک مہینہ بھی وہ غفلت و خدا فراموشی میں گزار دے اور توبہ واستغفار کر کے اپنی مغفرت کا فیصلہ نہ کرالے) اور ذلیل و خوار ہو وہ آدمی جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں اور وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت کا استحقاق حاصل نہ کر لے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث میں تین قسم کے جن آدمیوں کے لئے ذلت و خواری کی بددعا ہے ان کا مشترک سنگین جرم یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور رحمت و مغفرت حاصل کرنے کے بہترین مواقع فراہم کئے، لیکن انہوں نے خدا کی رحمت و مغفرت کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہا اور اس سے محروم رہنا ہی اپنے لئے پسند کیا، بے شک وہ بدبخت ایسی ہی بددعا کے مستحق ہیں۔ اور آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ ایسے محروموں کے لئے اللہ کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرئیل امینؑ نے بھی بڑی سخت بددعا کی ہے، اللہ کی پناہ!

۲۹۹) **عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُحْضُرُوْا فَحَضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ قَالَ**

---

[1] حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس، حضرت ابو بردہ بن نیار، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابو طلحہ انصاری اور حضرت عمرؓ کی احادیث تو یہاں درج کی جاچکی ہیں، ان کے علاوہ حضرت براء بن عازب، سعید بن عمر انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے بھی یہ مضمون مختلف کتب حدیث میں مروی ہے، گویا یہ مضمون "قدرِ مشترک" کے لحاظ سے متواتر ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا ثبوت اس لحاظ سے یقینی اور قطعی ہے۔ ۱۲

اٰمِيْنَ ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اٰمِيْن ثُمَّ ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا فَرَغَ نَزَلَ عَنِ الْمِنْبَرِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَاكُنَّا نَسْمَعُهٗ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهٗ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّانِيَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ فَلَمَّا رَقِيْتُ الثَّالِثَةَ قَالَ بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ فَقُلْتُ اٰمِيْنَ. (رواه الحاكم فى المستدرك وقال صحيح الاسناد)

ترجمہ: حضرت کعب بن عجرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو فرمایا: میرے پاس آجاؤ؟ ہم لوگ حاضر ہو گئے (آپ ﷺ کو جو کچھ ارشاد فرمانا تھا اس کے لئے آپ ﷺ منبر پر جانے لگے) جب منبر کے پہلے درجے پر آپ ﷺ نے قدم رکھا تو فرمایا: اٰمین۔ پھر جب دوسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: اٰمین۔ اسی طرح جب تیسرے درجے پر قدم رکھا تو پھر فرمایا: اٰمین۔ پھر جو کچھ آپ ﷺ کو فرمانا تھا جب اُس سے فارغ ہو کر آپ ﷺ منبر سے نیچے اُتر آئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آج ہم نے آپ سے ایک ایسی چیز سنی جو ہم پہلے نہیں سنتے تھے (یعنی منبر کے ہر درجے پر قدم رکھتے وقت آج آپ اٰمین۔ کہتے تھے' یہ نئی بات تھی) آپ نے بتایا کہ: "جب میں منبر پر چڑھنے لگا تو جبرئیل امینؑ آگئے۔ انہوں نے کہا کہ: "بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْلَهٗ۔" (تباہ و برباد ہو وہ محروم جو رمضان مبارک پائے اور اس میں بھی اس کی مغفرت کا فیصلہ نہ ہو) تو میں نے کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے دوسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: "بَعُدَ مَنْ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ۔" (تباہ و برباد ہو وہ بے توفیق اور بے نصیب جس کے سامنے تمہارا ذِکر آئے اور وہ اس وقت بھی تم پر درود نہ بھیجے) تو میں نے اس پر بھی کہا آمین۔ پھر جب میں نے منبر کے تیسرے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا: "بَعُدَ مَنْ اَدْرَكَ اَبَوَيْهِ الْكِبَرُ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔" (تباہ و برباد ہو وہ بد بخت آدمی جس کے ماں باپ یا اُن دو میں سے ایک اس کے سامنے بوڑھے ہو جائیں' اور وہ (اُن کی خدمت کر کے اور ان کو راضی و خوش کر کے) جنت کا مستحق نہ ہو جائے) اس پر بھی میں نے کہا آمین۔

(مستدرک حاکم)

تشریح...... اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب ہی ہے جو اس سے پہلی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کا تھا' فرق اتنا ہے کہ اس میں اصل بددعا کرنے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی ہر بددعا پر آمین کہا ہے۔

حضرت جبرئیلؑ کی بددعا اور رسول اللہ ﷺ کے آمین کہنے کا یہی واقعہ الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ حضرت کعب بن عجرہ انصاری کے علاوہ حضرت ابن عباس' حضرت انس' حضرت جابر بن سمرہ' مالک بن الحویرث اور عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں روایت کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ بددعا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرتے تھے کہ آپ آمین کہئے تو آپ آمین کہتے تھے۔ ان سب حدیثوں میں مذکورۂ بالا تین قسم کے

محروموں کے لئے رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیلؑ کی طرف سے سخت ترین بددعا کے اندازِ میں جس طرح انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اظہار کیا گیا ہے، یہ دراصل ان تینوں کوتاہیوں کے بارے میں سخت ترین انتباہ ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی وجہ سے فرشتوں کی دنیا اور ملاءِ اعلیٰ میں عظمت و محبوبیت کا وہ بلند ترین مقام حاصل ہے کہ جو شخص آپ کے حق کی ادائیگی کے معاملہ میں صرف اتنی کوتاہی اور غفلت کرے کہ آپ ﷺ کے ذکر کے وقت آپؐ پر درود نہ بھیجے تو اس کے لئے سارے ملاءِ اعلیٰ کے امام اور نمائندے حضرت جبرئیل کے دِل سے اتنی سخت بددعا نکلتی ہے اور وہ اس پر رسول اللہ ﷺ سے بھی آمین کہلواتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی ہر تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ رکھے، اور آنحضرت ﷺ کی حق شناسی اور حق کی ادائیگی کی توفیق دے۔

ان ہی احادیث کی بناء پر فقہاء نے یہ رائے قائم کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذِکر آئے تو آپ ﷺ پر درود بھیجنا ذِکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی واجب ہے، جیسا کہ پہلے ذِکر کیا جا چکا ہے۔

۳۰۰) عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْبَخِيْلُ الَّذِىْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اصل بخیل اور کنجوس وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذِکر آئے اور وہ (ذرا سی زبان ہلا کے) مجھ پر درود بھی نہ بھیجے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ عام طور سے بخیل ایسے آدمی کو سمجھا جاتا ہے جو دولت کے خرچ کرنے میں بخل کرے، لیکن اس سے بھی بڑا بخیل اور بہت بڑا بخیل وہ آدمی ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ زبان سے درود کے دو کلمے کہنے میں بھی بخل کرے۔ حالانکہ آپ ﷺ نے امت کے لئے وہ کیا ہے اور امت کو آپ کے ہاتھوں سے وہ دولتِ عظمیٰ ملی ہے کہ اگر ہر اُمتی اپنی جان بھی آپ ﷺ کے لئے قربان کر دے تو حق ادا نہ ہو سکے گا۔

مرحبا اے پیک مشتاقاں بدہ پیغامِ دوست
تاکنم جاں از سرِ رغبت فدائے نامِ دوست

مسلمانوں کی کوئی نشست ذِکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے خالی نہ ہونی چاہئے

۳۰۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاجَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوااللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهِمْ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةٌ فَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُمْ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَلَهُمْ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لوگ کہیں بیٹھے اور انہوں نے اس نشست میں نہ اللہ کو یاد کیا اور نہ اپنے نبی ﷺ پر درود بھیجا (یعنی ان کی وہ مجلس اور نشست ذِکر اللہ اور صلوٰۃ علی النبی ﷺ سے بالکل خالی رہی) تو قیامت میں یہ اُن کے لئے حسرت و خسران کا باعث ہوگی۔

پھر چاہے اللہ ان کو عذاب دے اور چاہے معاف فرمادے اور بخش دے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... معلوم ہوا کہ مسلمان کی کوئی نشست اور مجلس ایسی نہ ہونی چاہئے جو اللہ کے ذکر سے اور رسول پاک ﷺ پر درود و سلام سے خالی رہے۔ اگر زندگی میں ایک نشست بھی ایسی ہوئی تو قیامت میں اس پر باز پرس ہوگی۔ اور اس وقت سخت حسرت اور پشیمانی ہوگی پھر چاہے اللہ کی طرف سے معافی مل جائے یا سزا دی جائے۔

یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو سعید خدری، حضرت ابو امامہ باہلی اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہم سے بھی حدیث کی مختلف کتابوں میں مروی ہے۔

درود شریف کی کثرت قیامت میں حضور ﷺ کے خصوصی قرب کا وسیلہ

۳۰۲) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْلَى النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً.**
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مجھ سے قریب ترین اور مجھ پر زیادہ حق رکھنے والا میرا وہ اُمتی ہوگا جو مجھ پر زیادہ صلوٰۃ بھیجنے والا ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ ایمان اور ایمان والی زندگی کی بنیادی شرط کے ساتھ میرا جو امتی مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام بھیجے گا اُس کو قیامت میں میرا خصوصی قرب اور خاص تعلق حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ یہ دولت و سعادت حاصل کرنے کی توفیق دے۔

۳۰۳) **عَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ.** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا جو اُمتی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اور ساتھ ہی یہ دعا کرے کہ: "اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ" (اے اللہ! ان کو یعنی اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو قیامت کے دن اپنے قریب کی نشست گاہ (کرسی) عطا فرما) اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ (مسند احمد)

تشریح ...... اس حدیث کو طبرانی نے بھی معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے یہ الفاظ ہیں: "مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ" اس میں صلوٰۃ اور دعا کے پورے الفاظ آگئے ہیں اور بہت مختصر ہیں۔ یوں تو رسول اللہ ﷺ اپنے سب ہی اُمتیوں کی ان شاء اللہ شفاعت فرمائیں گے، لیکن جو اہلِ ایمان آپ ﷺ پر ان الفاظ میں درود بھیجیں اور اللہ تعالیٰ سے آپ کے لئے یہ دعا کریں۔ ان کی شفاعت کا آپ ﷺ اپنے پر خصوصی حق سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی

سفارش اُمید ہے کہ اہتمام سے فرمائیں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

اگر کوئی اپنے مقصد کیلئے دعاؤں کی جگہ بھی درود ہی پڑھے تو اُسکے سارے مسائل غیب سے حل ہوں گے

۳۰۴) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّىْ اُكْثِرُ الصَّلٰوةَ عَلَيْكَ فَكَمْ اَجْعَلُ لَكَ مِنْ صَلٰوتِىْ فَقَالَ مَاشِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌلَّكَ قُلْتُ النِّصْفَ، فَقَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌلَّكَ، قُلْتُ فَالثُّلُثَيْنِ قَالَ مَاشِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌلَّكَ، قُلْتُ اَجْعَلُ لَكَ صَلٰوتِىْ كُلَّهَا قَالَ اِذًا تُكْفٰى هَمَّكَ وَيُكَفَّرُلَكَ ذَنْبُكَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوٰۃ کی استدعا زیادہ کیا کروں) آپ ﷺ مجھے بتادیجئے کہ اپنی دعا میں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں؟ (یعنی میں اپنے لئے دعا کرنے میں جو وقت صرف کیا کرتا ہوں اس میں سے کتنا آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں) آپ نے فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا کہ: میں اس وقت کا چوتھائی حصہ آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کردوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جتنا تم چاہو اور اگر اور زیادہ کردو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو کردو، اور اگر اور زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو کردو، اور اگر زیادہ کردو گے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔ میں نے عرض کیا: پھر تو میں اپنی دعا کا سارا ہی وقت آپ پر صلوٰۃ کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی (یعنی تمہارے سارے دینی و دنیاوی مہمات غیب سے انجام پائینگے) اور تمہارے گناہ و قصور معاف کردیئے جائیں گے۔

(جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ میں کردی گئی ہے۔ عام طور سے شارحین نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں "صلوٰۃ" دعا کے معنی میں استعمال ہوا ہے، جو اس کے اصل معنی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب کثیر الدعوات تھے، اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں مانگا کرتے تھے۔ ان کے دل میں آیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو دعائیں مانگتا ہوں اور جتنا وقت اس میں صرف کرتا ہوں اس میں سے کچھ وقت رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ کے لئے (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ کے واسطے مانگنے کے لئے) مخصوص کردوں۔ اس بارے

میں انہوں نے خود حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں کتنا وقت اس کے لئے مخصوص کر دوں۔ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے وقت کی کوئی تحدید و تعین مناسب نہیں سمجھی، بلکہ ان ہی کی رائے پر چھوڑ دیا، اور یہ اشارہ فرما دیا کہ اس کے لئے جتنا بھی زیادہ وقت دو گے تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ آخر میں انہوں نے طے کیا کہ میں سارا وقت جس میں اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنے ہی میں یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لئے مانگنے میں صرف کروں گا۔ اُن کے اس فیصلہ پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے وہ سارے مسائل و مہمات جن کے لئے تم دعائیں کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے کرم سے آپ سے آپ حل ہوں گے، اور تم سے جو گناہ و قصور ہوئے ہوں گے وہ بھی ختم کر دیئے جائیں گے، اُن پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

"معارف الحدیث" کی اسی جلد میں تلاوتِ قرآن مجید کے فضائل کے بیان میں وہ حدیثِ قدسی گزر چکی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے: "مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِىْ وَمَسْئَلَتِىْ اَعْطَيْتُهُ اَفْضَلَ مَا اُعْطِى السَّائِلِيْنَ۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ تلاوتِ قرآن میں اتنا مشغول رہے کہ اس کے علاوہ اللہ کے ذکر کے لئے اور اپنے مقاصد کے واسطے دعا کرنے کے لئے اسے وقت ہی نہ ملے، تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے اس سے بھی زیادہ اور بہتر دے گا جتنا دعا کرنے والوں اور مانگنے والوں کو دیتا ہے۔

جس طرح اس حدیث میں اُن بندوں کے لئے جو تلاوتِ قرآن میں اپنا سارا وقت صرف کر دیں، اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنالیں، اللہ تعالیٰ کی اس خاص عنایت و نوازش کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ ان کو دعائیں کرنے والوں اور مانگنے والوں سے بھی زیادہ اور بہتر عطا فرمائے گا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب والی اس زیرِ تشریح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے لئے وقف کر دیں، اور اپنے ذاتی مسائل و مقاصد کے لئے دعاؤں کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجیں، بتایا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص کرم ہوگا کہ اُن کے مسائل و مہمات غیب سے حل کئے جائیں گے اور اُن کے گناہ دُھو ڈالے جائیں گے۔

اس کا راز یہ ہے کہ جس قرآن مجید کی تلاوت سے خاص شغف اور بس اسی کو اپنا وظیفہ بنا لینا اللہ کی مقدس کتاب پر ایمان اور اس سے محبت و تعلق کی خاص نشانی ہے، اور اس لئے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص فضل کے مستحق ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام سے ایسا شغف کہ اپنے ذاتی مقاصد و مسائل کے لئے دعا کی جگہ بھی بس آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے، اور اپنے لئے کچھ مانگنے کی جگہ بس آپ ﷺ ہی کے لئے خدا سے مانگا جائے۔ اللہ کے محبوب رسول ﷺ پر صادق ایمان اور سچے ایمانی تعلق اور قلبی محبت کی علامت ہے اور ایسے مخلص بندے بھی اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے مسائل اپنی رحمت سے بلا اُن کے مانگے حل فرمائے۔

علاوہ ازیں وہ احادیث ابھی گزر چکی ہیں جن میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جو بندہ رسول اللہ ﷺ پر ایک صلوٰۃ بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر دس صلوٰتیں بھیجی جاتی ہیں۔ اس کے اعمال نامے میں دس نیکیاں

درج کی جاتی ہیں، دس گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں اور دس درجے بلند کر دیئے جاتے ہیں۔ ذرا غور کیا جائے، جس بندے کا حال یہ ہو کہ وہ اپنی ذاتی دعاؤں کی جگہ بھی بس رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے، اللہ سے اپنے لئے کچھ بھی نہ مانگے، صرف حضور ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ و برکات اور رحمتوں عنایتوں کی کیسی موسلا دھار بارش ہو گی، جس کا لازمی اثر اور انجام یہی ہو گا کہ اللہ کی رحمت بلا مانگے اس کی چاہتیں اور ضرورتیں پوری کریگی، اور گناہوں کے اثرات سے وہ بالکل پاک صاف کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اِن حقائق کا یقین اور عمل نصیب فرمائے۔

درود شریف دُعا کی قبولیت کا وسیلہ

۳۰۵) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْئٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: دعا آسمان اور زمین کے درمیان ہی رکی رہتی ہے اوپر نہیں جا سکتی جب تک کہ نبی پاک ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... وہ حدیث "آدابِ دُعا" کے ذیل میں (صفحہ ۹۹ پر) گزر چکی ہے۔ جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ دُعا کرنے والے کو چاہئے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجت عرض کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دعا کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجنی چاہئے، وہ دعا کی قبولیت کا خاص وسیلہ ہے۔ "حصن حصین" میں شیخ ابو سلیمان دارانی سے نقل کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ درود شریف (جو رسول اللہ ﷺ کے حق میں ایک اعلیٰ واشرف دعا ہے) وہ تو اللہ تعالیٰ ضرور ہی قبول فرماتا ہے، پھر جب بندہ اپنی دعا سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ سے حضور ﷺ کے حق میں دعا کرے اور اس کے بعد بھی دعا کرے تو اس کے کرم سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اول و آخر کی دعائیں تو قبول کر لے اور درمیان کی اس بے چارے کی دعا رد کر دے، اس لئے پوری امید رکھنی چاہئے کہ جس دعا کے اول و آخر رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجی جائے گی وہ ان شاء اللہ ضرور قبول ہو گی۔

مندرجۂ بالا روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات (جو انہوں نے دعا کی قبولیت کے بارے میں فرمائی) رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، لیکن چونکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی شخص اپنی رائے اور فہم سے ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا، بلکہ اللہ کے پیغمبر ﷺ سے سُن کے ہی ایسی بات کہی جا سکتی ہے، اس لئے محدثین کے مسلمہ اصول کے مطابق یہ روایت حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دنیا میں کہیں بھی درود بھیجا جائے، رسول اللہ ﷺ کو پہنچتا ہے

۳۰۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَاتَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِىْ عِيْدًا وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِىْ حَيْثُ كُنْتُمْ. (رواه النسائى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو، اور میری قبر کو میلہ نہ بنالینا ہاں مجھ پر صلوٰۃ بھیجا کرنا، تم جہاں بھی ہو گے مجھے تمہاری صلوٰۃ پہنچے گی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... اس حدیث میں تین ہدایتیں فرمائی گئی ہیں: پہلی یہ کہ: "اپنے گھروں کو قبریں نہ بنالو۔" اس کا مطلب عام طور سے شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ جس طرح قبروں میں مُردے ذِکر و عبادت نہیں کرتے، اور قبریں ذکر و عبادت سے خالی رہتی ہیں، تم اپنے گھروں کو ایسا نہ بنالو کہ وہ ذِکر و عبادت سے خالی رہیں، بلکہ ان کو ذِکر و عبادت سے معمور رکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن گھروں میں اللہ کا ذِکر اور اسکی عبادت نہ ہو وہ زندوں کے گھر نہیں، بلکہ مُردوں کے قبرستان ہیں۔

دوسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ "میری قبر کو میلہ نہ بنالینا"، یعنی جس طرح سال کے کسی معین دن میں میلوں میں لوگ جمع ہوتے ہیں اس طرح میری قبر پر کوئی میلہ نہ لگایا جائے۔

بزرگانِ دین کی قبروں پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں اُن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف پر کوئی میلہ اس طرح کا ہوتا تو اس سے روحِ پاک کو کتنی شدید اذیت پہنچتی۔

تیسری ہدایت یہ فرمائی گئی ہے کہ تم مشرق یا مغرب میں خشکی یا تری میں جہاں بھی ہو، مجھ پر صلوٰۃ بھیجو، وہ مجھے پہنچے گی۔ یہی مضمون قریب قریب ان ہی الفاظ میں طبرانی نے اپنی سند سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: "حَيْثُمَا كُنْتُمْ فَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلوتَكُمْ تَبْلُغُنِي." اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قلبی تعلق کا کچھ حصہ عطا فرمایا ہے اُن کے لئے یہ کتنی بڑی بشارت اور تسلی کی بات ہے کہ خواہ وہ ہزاروں میل دور ہوں، اُن کا صلوٰۃ و سلام آپؐ کو پہنچتا ہے۔

قرب جانی چو بودِ بُعد مکانی سہل است

۳۰۷) **عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِى الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِىْ مِنْ اُمَّتِىْ السَّلَامَ.** (رواه النسائي والدارمي)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کے کچھ فرشتے ہیں جو دنیا میں چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرے اُمتیوں کا سلام و صلوٰۃ مجھے پہنچاتے ہیں۔

(سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح..... ایک دوسری حدیث میں جس کو طبرانی وغیرہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، یہ بھی تفصیل ہے کہ صلوٰۃ و سلام پہنچانے والا فرشتہ بھیجنے والے امتی کے نام کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پہنچاتا ہے، کہتا ہے: "يَا مُحَمَّدُ صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانٌ كَذَا وَكَذَا." (اے محمد ﷺ! تمہارے فلاں اُمتی نے تم پر

اس طرح صلوٰۃ وسلام بھیجا ہے) اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ وہ فرشتہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والے اُمتی کا نام اس کی ولدیت کے ساتھ ذکر کرتا ہے، یعنی حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا ہے: "یامحمد صلی علیك فلان بن فلان." کتنی خوش قسمتی ہے اور کتنا اَرزاں سودا ہے کہ جو امتی اخلاص کے ساتھ صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ فرشتے کے ذریعہ پہنچتا ہے، اور اس طرح آپ ﷺ کی بارگاہِ عالی میں اُس بے چارے مسکین اُمتی اور اس کے باپ کا ذکر بھی آجاتا ہے۔

جاں میدہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے کہ از ما مے رَوَد

۳۰۸) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّاللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامُ.** (رواہ ابو داؤد والبیهقی فی الدعوات الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب کوئی مجھ پر سلام بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر واپس فرمائے گا تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دیدوں۔ (سنن ابی داؤد، دعوات کبیر للبیہقی)

تشریح ...... حدیث کے ظاہری الفاظ "الارد اللہ علی روحی" سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آپ کی روحِ مبارک جسدِ اطہر سے الگ رہتی ہے، جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر میں روحِ مبارک کو لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام کا جواب دے سکیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتی، اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن میں لاکھوں کروڑوں دفعہ آپ ﷺ کی روحِ مبارک جسمِ اقدس میں ڈالی اور نکالی جاتی ہے، کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ آپ کے لاکھوں کروڑوں اُمتی آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام نہ بھیجتے ہوں۔ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام عرض کرنے والوں کا بھی ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، اور عام دنوں میں بھی ان کا شمار ہزاروں سے کم نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا ایک مسلم حقیقت ہے۔ اگرچہ اس حیات کی نوعیت کے بارے میں علماء امت کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اتنی بات سب کے نزدیک مسلم اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید الانبیاء ﷺ کو اپنی قبور میں حیات حاصل ہے اس لئے حدیث کا یہ مطلب کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ کا جسدِ اطہر روح سے خالی رہتا ہے اور جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دلوانے کے لئے اس میں روح ڈال دیتا ہے۔ اس بناء پر اکثر شارحین نے "رد روح" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبرِ مبارک میں آپ ﷺ کی روحِ پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی و جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے (اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے) پھر جب کوئی اُمتی سلام عرض کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہِ راست آپ ﷺ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ ﷺ

کی روح اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ ﷺ سلام کا جواب دیتے ہیں، بس اس روحانی توجہ والتفات کو "ردِروح" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

عاجز راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو عالمِ برزخ کے معاملات و احوال سے کچھ مناسبت رکھتے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کی معرفت نصیب فرمائے۔

اس حدیث کا خاص پیغام یہ ہے کہ جو امتی بھی اخلاصِ قلب سے آپ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے، آپ ﷺ عادی اور سرسری طور پر صرف زبان سے نہیں بلکہ روح اور قلب سے متوجہ ہو کر اس کے سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر عمر بھر کے صلوٰۃ و سلام کا کچھ بھی اجر و ثواب نہ ملے صرف آپ ﷺ کا جواب مل جائے تو سب کچھ مل گیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

۳۰۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِىْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے گا (یا سلام عرض کرے گا) وہ میں خود سنوں گا، اور جو کہیں دُور سے بھیجے گا تو وہ مجھے پہنچایا جائے گا۔ (شعب الایمان، للبیہقی)

تشریح ..... اس حدیث سے یہ تفصیل معلوم ہو گئی کہ فرشتوں کے ذریعہ آپ کو صرف وہی درود و سلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے، لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبرِ مبارک کے پاس پہنچادے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام عرض کریں تو آپ ﷺ اس کو بنفسِ نفیس سنتے ہیں، اور جیسا کہ ابھی معلوم ہو چکا ہے ہر ایک کو جواب بھی عنایت فرماتے ہیں۔

کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جو روزانہ سینکڑوں یا ہزاروں بار صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا جواب پاتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اگر ساری عمر کے صلوٰۃ و سلام کا ایک ہی دفعہ جواب مل جائے تو جن کو محبت کا کوئی ذرہ نصیب ہے اُن کے لئے وہی دو جہاں کی دولت سے زیادہ ہے۔ کسی محبّ نے کہا ہے۔

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى

دُرود شریف کے خاص کلمات

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا ہم بندوں کو حکم دیا اور بڑے مؤثر اور پیارے انداز میں حکم دیا، اور خود رسول اللہ ﷺ نے مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کے وہ برکات اور فضائل بیان فرمائے جو ناظرین کو مندرجہ سابق احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں۔ پھر صحابہ کرام کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے دُرود و سلام کے خاص کلمات بھی تعلیم فرمائے۔ اپنے امکان کی حد تک کتبِ حدیث کی پوری چھان بین کے بعد اس سلسلہ کی مستند روایات جمع کر کے ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْق

۳۱۰) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ بْن عُجْرَةَ فَقَالَ اَلَا اُهْدِی لَكَ هَدِیَّةً سَمِعْتُهَامِنَ النَّبِیِّ ﷺ فَقُلْتُ بَلٰی فَاهْدِهَا لِیْ، فَقَالَ سَأَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ الصَّلٰوةُ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: مشہور جلیل القدر تابعی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی (جو اصحابِ بیعتِ رضوان میں سے ہیں) انہوں نے مجھ سے فرمایا میں تمہیں ایک خاص تحفہ پیش کروں (یعنی ایک بیش بہا حدیث سناؤں) جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے، میں نے عرض کیا مجھے وہ تحفہ ضرور دیجئے! انہوں نے بتایا کہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتادیا کہ ہم آپ ﷺ پر سلام کس طرح بھیجا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ نے ہم کو بتادیا ہے کہ ہم تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" کہہ کر آپ ﷺ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتادیجئے کہ ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کیسے بھیجا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اے اللہ! اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے نوازش اور عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر، بیشک تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! خاص برکتیں نازل فرما حضرت

محمد ﷺ اور حضرت محمد ﷺ کے گھر والوں پر، جیسے تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھرانے والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت کعب بن عجرہ نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو یہ حدیث جس طرح اور جس تمہید کے ساتھ سنائی اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو اور اس درود شریف کو کتنا عظیم اور کیسا بیش بہا تحفہ سمجھتے تھے۔ اور طبری کی اسی حدیث کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کعب بن عجرہ نے یہ حدیث عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے سنائی تھی۔[1] اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دِل میں اس کی کتنی عظمت تھی۔

اسی حدیث کی بیہقی کی روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ صلوٰۃ یعنی درود کے طریقہ کے بارے میں یہ سوال رسول اللہ ﷺ سے اس وقت کیا گیا جب سورۂ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی[2] اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○

اس آیت میں صلوٰۃ و سلام کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سوال کے جواب میں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے کا ہم کو جو حکم دیا ہے اس کا کیا طریقہ ہے اور کس طرح ہم آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ صلوٰۃ کے جو کلمات اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بھی بہت سی دوسری حدیثوں میں تلقین فرمائے یعنی اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ..... الخ.

ان سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ پر ہمارے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ سے التجا اور استدعا کریں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے۔ یہ اس لئے کہ ہم خود چونکہ محتاج و مفلس اور تہی مایہ ہیں، ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ اپنے محسنِ اعظم اور اللہ کے نبی محترم ﷺ کی بارگاہ میں کچھ پیش کر سکیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں استدعا اور التجا کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ اور برکت بھیجے یعنی آپ ﷺ کی تشریف و تکریم، آپ پر نوازش و عنایت، رحمت و رأفت، پیار دُلار میں اور مقبولیت کے درجات و مراتب میں اضافہ فرمائے اور آپ ﷺ کو اپنی خاص برکتوں سے نوازے، نیز آپ ﷺ کے گھر والوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمائے۔

استدعاء "صلوٰۃ" کے بعد "برکت" مانگنے کی حکمت

صلوٰۃ کے بارے میں پہلے بقدرِ ضرورت کلام کیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ تشریف و تکریم، مدح و ثنا، رحمت و رأفت، محبت و عطوفت، رفع مراتب، ارادۂ خیر، اعطاء خیر، اور دعائے خیر سب ہی کو صلوٰۃ کا مفہوم حاوی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندہ پر "برکت" ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے بھرپور نوازش و عنایت اور خیر و نعمت کا اور اس کے دوام اور اس میں برابر

[1]، [2] فتح الباری کتاب الدعوات

اضافہ وترقی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہے۔ بہر حال برکت کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جس کو "صلوٰۃ" کا وسیع مفہوم حاوی نہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کے لئے صلوٰۃ کی استدعا کرنے کے بعد آپ ﷺ کے واسطے برکت یا رحمت کی دعا اور التجا کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا اور سوال کے موقع پر یہی مستحسن ہے کہ مختلف الفاظ وعبارات میں بار بار عرض و معروض کی جائے، اس سے بندہ کی شدید محتاجی اور صدقِ طلب کا اظہار ہوتا ہے اور سائل اور منگتا کے لئے یہی مناسب ہے۔ اس لئے اس درود شریف میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ کی استدعا کے بعد برکت کی التجا بھی کی گئی ہے اور بعض دوسری روایات میں (جو عنقریب درج ہوں گی) صلوٰۃ اور برکت کے بعد ترحم کا بھی سوال کیا گیا ہے۔

درود شریف میں لفظ "آل" کا مطلب

اس درود شریف میں "آل" کا لفظ چار دفعہ آیا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ "گھرانے والوں کا کیا ہے۔ عربی زبان اور خاص کر قرآن حدیث کے استعمالات میں کسی شخص کی آل ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو ان لوگوں کے ساتھ خصوصی تعلق رکھتے ہوں، خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو، جیسے اس کے بیوی بچے، یا رفاقت اور عقیدت و محبت، اور اتباع واطاعت کا، جیسے کہ اس کے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین[1] اس لئے نفس لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگلے ہی نمبر پر اسی مضمون کی حضرت ابو حمید ساعدی کی جو حدیث درج کی جارہی ہے اس میں درود شریف کے جو الفاظ ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "آل" سے "گھرانے والے" ہی مراد ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کی نسل و اولاد، اور جس طرح ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قرابت وجزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف حاصل ہے (جو دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ درجہ میں ان سے افضل ہوں) اسی طرح یہ بھی ان کا ایک مخصوص شرف ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان پر بھی درود و سلام بھیجا جاتا ہے۔ اور اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ ازواجِ مطہرات وغیرہ جو لفظ "آل" کے مصداق ہیں، اُمت میں سب سے افضل ہوں، عنداللہ افضلیت کا مدار ایمان اور ایمان والے اعمال اور ایمانی کیفیات پر ہے جس کا جامع عنوان تقویٰ ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ.

اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہئے کہ ہماری اس دنیا میں بھی جب کوئی مخلص محبّ اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص مرغوب تحفہ اور سوغات پیش کرتا ہے تو اس کے پیش نظر خود وہ بزرگ اور ان کے ذاتی تعلق کی بناء پر ان کے گھر والے ہوتے ہیں اور اس مخلص کی یہ خوشی ہوتی ہے کہ یہ تحفہ ان بزرگ کے ساتھ ان کے گھر والے یعنی اہل وعیال بھی استعمال کریں، کسی کے ساتھ تعلق و محبت کا دراصل یہ فطری

---

[1] امام راغب اصفہانی نے "مفردات القرآن" میں "آل" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے "ویستعمل فیمن یختص بالانسان اختصاصا ذاتیااما بقرابة قریبة اوبموا لاة قال عزوجل (وآل ابراهیم وآل عمران) وقال (ادخلو آآل فرعون اشد العذا ب) ص ۳۰

تقاضا ہے۔ درود شریف بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک تحفہ اور سوغات ہے‘ اس میں آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ آپ کے خاص متعلقین یعنی اہل و عیال کو بھی شریک کرنا بلاشبہ آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے‘ اور اس سے آپ ﷺ کے قلبِ مبارک کا بہت زیادہ خوش ہونا بھی ایک فطری بات ہے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی کلامی بحث کرنا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔ بہر حال اس عاجز کے نزدیک راجح یہی ہے کہ درود شریف میں آلِ محمد ﷺ سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت مراد ہے‘ اور اسی طرح سے آلِ ابراہیم علیہ السلام سے حضرت ابراہیمؑ کے گھر والے! قرآن مجید میں حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ مطہرہ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ○ بلاشبہ آلِ ابراہیمؑ وہی ہیں جن کو اس آیت میں اہل البیت فرمایا گیا ہے۔

درود شریف میں تشبیہ کی حقیقت اور نوعیت

رسول اللہ ﷺ کے تلقین فرمائے ہوئے اس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر صلوٰۃ اور برکت نازل کرنے کی درخواست کرتے ہوئے عرض کیا گیا ہے کہ ایسی صلوٰۃ اور برکت نازل فرما جیسی کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی آل پر نازل فرمائی۔ اس تشبیہ کے بارے میں ایک مشہور علمی اشکال ہے کہ تشبیہ میں مُشبّہ‘ مشبّہ بہ کے مقابلہ میں کمتر ہوتا ہے اور مُشبّہ بہ اعلیٰ اور برتر ہوتا ہے۔ مثلاً ٹھنڈے پانی کو برف سے تشبیہ دی جاتی ہے تو پانی خواہ کتنا ہی ٹھنڈا ہو‘ ٹھنڈک میں بہر حال برف سے کمتر ہوتا ہے اور برف میں اس سے زیادہ ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اس اُصول پر درود شریف کی مذکورۂ بالا تشبیہ سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیمؑ پر نازل ہونے والی صلوٰۃ و برکات ان صلوٰۃ و برکات سے اعلیٰ اور افضل ہوں جن کی اس درودِ پاک میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے لئے استدعا اور التجا کی گئی ہے۔

شارحین حدیث نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے ہیں جو فتح الباری وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس عاجز کے نزدیک سب سے زیادہ تسلی بخش جواب یہ ہے کہ تشبیہ کبھی صرف نوعیت کی تعین کے لئے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کسی خاص قسم کے کپڑے کا ایک پرانا ٹکڑا لے کر کپڑے کی بڑی دکان پر جاتا ہے کہ مجھے ایسا کپڑا چاہیئے‘ حالانکہ جس ٹکڑے کو وہ نمونے کے طور پر دکھارہا ہے اور جو مشبہ بہ ہے وہ ایک پرانا اور بے قیمت ٹکڑا ہے اور اسی قسم کا جو کپڑا وہ دکاندار سے چاہتا ہے وہ ظاہر ہے کہ نیا اور قیمتی ہوگا اور اس لحاظ سے نمونہ والے ٹکڑے سے بہتر ہوگا۔ پس درود شریف میں تشبیہ اسی قسم کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس خاص نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سے سیدنا ابراہیمؑ و آلِ ابراہیم کو نوازا گیا‘ اسی نوعیت کی صلوٰۃ و برکات سیدنا محمد ﷺ و آلِ محمد ﷺ پر نازل فرمائی جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام نبیوں بلکہ ساری مخلوق میں یہ امتیازات حاصل ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا خلیل بنایا (وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا) ان کو امامتِ کبریٰ کے عظیم شرف سے مشرف اور سرفراز فرمایا (إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا○) ان کو بیت اللہ کا بانی بنایا۔ ان کے بعد سے قیامت تک کے لئے

نبوت ورسالت کا سلسلہ اُن ہی کی نسل اور ان ہی کے اخلاف میں منحصر کر دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا کسی پر بھی اللہ تعالیٰ کی یہ نوازشیں اور عنایتیں نہیں ہوئیں اور کسی کو بھی محبوبیت و مقبولیت کا یہ مقام عالی عطا نہیں ہوا۔ پس درود شریف میں اللہ تعالیٰ سے یہی دعا اور التجا کی جاتی ہے کہ اسی قسم کی اور اسی نوع کی عنایتیں اور نوازشیں اپنے حبیب **حضرت محمد** ﷺ اور ان کی آل پر بھی فرما اور محبوبیت و مقبولیت کا ویسا ہی مقام ان کو بھی عطا فرما۔ الغرض یہ تشبیہ صرف نوعیت کی تعین اور وضاحت کے لئے جس میں بسا اوقات مشبّہ ' مشبّہ بہ کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہوتا ہے اور اس کی مثال وہی ہے جو اوپر کپڑے کی دی گئی ہے۔

درود شریف کا اول و آخر اَللّٰهُمَّ —— اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

درود شریف کو اَللّٰهُمَّ سے شروع کر کے اللہ تعالیٰ کے دو مبارک اور پاک ناموں حمید و مجید پر ختم کیا گیا ہے۔ بعض جلیل القدر آئمہ سلف سے نقل کیا گیا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء حسنیٰ کے قائم مقام ہے۔ اور اس کے ذریعہ دعا کرنا ایسا ہے جیسا کہ تمام اسماء حسنیٰ کے ذریعہ دعا کی جائے۔ شیخ ابن القیم نے "جلاء الافہام" میں اس پر بڑی نفیس فاضلانہ بحث کی ہے جو اہلِ علم کے لئے قابلِ دید ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ یہ معنی اَللّٰهُمَّ کی میم مشدد سے پیدا ہوتے ہیں اور اس کو فلسفہ لغت سے ثابت کیا ہے۔ پھر اس دعوے کی تائید میں چند آئمہ سلف کے اقوال بھی نقل کئے ہیں ❶ اور حمید و مجید اللہ تعالیٰ کے یہ دو مبارک نام اس کی تمام صفاتِ جلال و جمال کے آئینہ دار ہیں حمید وہ ہے جس کی ذات میں سارے وہ محاسن و کمالات ہوں جن کی بناء پر وہ ہر ایک کی حمد و ستائش کا مستحق و سزاوار ہو۔ اور مجید وہ ہے جس کو ذاتی جلال و جبروت اور عظمت کبریائی بدرجۂ کمال حاصل ہو۔ اس بناء پر اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو تمام صفاتِ جمال و کمال اور شانِ جلال کا جامع ہے اس لئے **سیدنا محمد** ﷺ اور **آلِ محمد** پر صلوٰۃ اور برکت بھیجنے کی تجھ ہی سے استدعا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے گھر والوں پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و برکت کا جہاں ذِکر کیا گیا ہو وہاں بھی اللہ کے ان دونوں ناموں کی اسی خصوصیت اور امتیاز کی وجہ سے انہی کو بالکل اسی طرح خاتمۂ کلام بنایا گیا ہے۔ سورۂ ہود میں فرشتوں کی زبانی فرمایا گیا ہے رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

الغرض اَللّٰهُمَّ سے درود شریف کا آغاز اور اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ پر اس کا اختتام اپنے اندر بڑی معنویت رکھتا ہے اور ان دونوں کلموں کی اس معنویت کا لحاظ کرنے سے درود شریف کا کیف بے حد بڑھ جاتا ہے۔

---

❶ قریباً دس صفحے پر یہ بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں "وهذا القول الذى اخترناه قد جاء عن غير واحد من السلف قال الحسن البصرى اللّٰهم مجمع الدعاء وقال ابو رجاء العطاردى أن الميم فى قوله اللّٰهم فيها تسعة وتسعون إسماء الله تعالىٰ وقال النظربن شميل من قال اللّٰهم فقد دعا الله لجميع اسماء ه —— جلاء الافہام ص ۹۴

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى الِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى الِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى الِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ○

اس درود شریف کے الفاظ کی روایتی حیثیت

حضرت کعب بن عجرہ کی روایت سے درود شریف کے جو الفاظ اوپر نقل کئے گئے ہیں وہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء میں روایت کئے ہیں (جلد اول ص ۴۷۷) اس کے علاوہ کم سے کم دو جگہ اور یہ حدیث امام بخاریؒ نے روایت کی ہے۔ ایک سورۂ احزاب کی تفسیر میں (ص ۷۰۸ ج:۲) اور دوسرے کتاب الدعوات میں ص ۹۴۱ ج:۲) ان دونوں جگہوں پر درود شریف میں "كَمَا صَلَّيْتَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ" کے بعد "عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" کی جگہ صرف "علی آل ابراھیم" روایت کیا ہے اور صحیح مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی صحیحین اور غیر صحیحین کی تمام روایات کو سامنے رکھتے ہوئے فتح الباری میں اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کعب بن عجرہ کی روایت میں درود شریف کے پورے الفاظ یہی ہیں جو یہاں نقل کئے گئے ہیں اور جن روایات میں صرف "علی ابراھیم" یا "علی آل ابراھیم" وارد ہوا ہے وہاں بعض راویوں کے حافظہ کے فرق سے ایسا ہو گیا ہے۔ ❶
(فتح الباری جزء ۲۶ ص ۵۱)

حضرت کعب بن عجرہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ کرام سے قریب قریب یہی مضمون اور درود شریف کے قریباً یہی الفاظ کتب حدیث میں روایت کئے گئے ہیں۔ وہ تمام روایات آگے پیش کی جا رہی ہیں۔

۳۱۱) عَنْ اَبِىْ حُمَيْدِنِ السَّاعِدِىْ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه البخاری)

ترجمہ۔ حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم

❶ شیخ ابن القیمؒ کی کتاب "جلاء الافہام" کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ یہ درود و سلام کے موضوع پر انکی بہترین تالیف ہے جو ان کے کمال علمی کی آئینہ دار ہے۔ لیکن درود شریف کے الفاظ کے بارے میں اس میں ان سے یہ بھول ہو گئی ہے کہ "کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" کے بارے میں انہوں نے لکھ دیا ہے کہ یہ الفاظ کسی صحیح روایت میں وارد نہیں ہوئے۔ صحیح روایت میں یا صرف "علی ابراھیم" روایت کیا گیا ہے یا صرف "علی آل ابراھیم" (جلاءالافہام ص ۲۰) حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ صحیح بخاری میں کعب بن عجرہ کی اس روایت میں موجود ہیں جس کو امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں روایت کیا ہے (ص ۴۷۷ ج ۱) اور اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ابو سعید خدریؓ کی روایت میں بھی موجود ہیں (ص ۹۴۰ ج ۲) درود شریف کے ان الفاظ کے بارے میں قریب قریب یہی سہو شیخ ابن القیمؒ کے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو بھی ہوا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم" کی کوئی سند میرے علم میں نہیں (فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۶ ج ۱) اس طرح کے سہو بڑے بڑے اکابر سے ہو جاتے ہیں اور اس سے اُن کی جلالت شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سہو و نسیان سے پاک صرف ایک ہی ذات "لا یضل ربی ولا ینسی" ۔ ۱۲

آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو "اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ..... الخ" اے اللہ! اپنی خاص نوازش اور عنایت ورحمت فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ ﷺ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے نوازش اور عنایت ورحمت فرمائی آلِ ابراہیم پر' اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ ﷺ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیم پر' اے اللہ تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لئے ساری عظمت و بڑائی ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ کعب بن عجرہؓ والی پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں۔ پہلی حدیث میں "اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ" اور "اللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ" فرمایا گیا تھا' اور اس حدیث میں دونوں جگہ "وعلى آل محمد" کے بجائے "وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ" فرمایا گیا ہے' اسی بناء پر اس عاجز نے پہلی حدیث کی تشریح میں ان حضرات کے قول کو راجح قرار دیا تھا جنہوں نے کہا ہے کہ درود شریف میں آلِ محمد سے مراد ازواجِ مطہرات اور آپ ﷺ کی ذریت طیبہ ہے۔ ایک دوسرا خفیف لفظی فرق یہ بھی ہے کہ پہلی حدیث میں "كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" فرمایا گیا تھا اور اس حدیث میں دونوں جگہ صرف "عَلٰى آلِ ابراهيم" ہے۔ اور حضرت ابو حمید ساعدی کی اس روایت کے علاوہ دوسرے اکثر صحابہ کی حدیثوں میں بھی جو آگے درج ہوں گی' اسی طرح صرف "عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" وارد ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا یہ صرف لفظی فرق ہے۔ اس سے معنی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ عربی محاورات میں جب کسی کا نام لے کر اس کی آل کا ذکر کیا جائے اور خود اس کا ذکر نہ کیا جائے تو وہ بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى آدَمَ وَ نُوْحًا وَّ آلَ اِبْرَاهِيْمَ عَلَى الْعَالَمِيْنَ" (اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری قوموں میں برگزیدہ کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آل ابراہیم) کو ظاہر ہے کہ یہاں آلِ ابراہیم میں خود حضرت ابراہیم بھی شامل ہیں۔ اسی طرح "وَاَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ" اور "وَاَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابَ" میں خود فرعون بھی شامل ہے۔

بہر حال ان دونوں حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات وارد ہوئے ہیں ان میں خفیف سا فرق صرف الفاظ میں ہے۔ اسی لئے علماء و فقہا نے تصریح کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اور اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں سے آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں درود شریف کے جو کلمات آرہے ہیں' جن میں الفاظ کی کچھ کمی بیشی ہے' وہ سب بھی نماز میں پڑھے جا سکتے ہیں۔

۳۱۲) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىْ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِىْ مَجْلِسِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فَقَالَ لَهٗ بَشِيْرُ بْنُ سَعْدٍ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُصَلِّىَ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ نُصَلِّىْ عَلَيْكَ؟ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى تَمَنَّيْنَا اَنَّهٗ لَمْ يَسْئَلْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ." وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کچھ لوگ سعد بن عبادہ کی نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے، وہیں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے تو (حاضرین مجلس میں سے) بشیر بن سعد نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا حکم دیا ہے (ہمیں بتایئے کہ) ہم کس طرح آپ ﷺ پر صلوٰۃ بھیجا کریں؟ حدیث کے راوی ابو مسعود انصاری کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ دیر تک خاموش رہے اور آپ ﷺ نے بشیر بن سعد کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا (جس سے ہمیں یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ سوال آپ کو اچھا نہیں لگا) یہاں تک کہ ہمارے دل میں آیا کہ کاش یہ سوال نہ کیا گیا ہوتا، پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد (اس سوال کا جواب دیتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوں کہا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ فِى الْعَالَمِيْنَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ." وَالسَّلَامُ كَمَا قَدْ عَلِمْتُمْ.

اے اللہ! اپنی خاص نوازش و عنایت اور رحمت فرما حضرت محمد پر اور انکے گھرانے والوں پر جس طرح تو نے نوازش و عنایت اور رحمت فرمائی حضرت ابراہیم کے گھرانے پر اور اپنی خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد اور ان کے گھرانے پر، جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم کے گھرانے پر، ساری دنیا میں، تو حمد و ستائش کا سزاوار ہے اور تیرے ہی لئے ساری عظمت و بزرگی ہے اور سلام اس طرح جس طرح کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابو مسعود انصاری کی اس حدیث کی طبری کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب بشیر بن سعد نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم آپ ﷺ پر کس طرح درود بھیجا کریں؟ تو آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ پر وحی آئی (فَسَكَتَ حَتّٰى جَاءَهُ الْوَحْىُ) اس کے بعد آپ ﷺ نے مندرجہ بالا درود تلقین فرمایا۔ اس اضافہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ کی خاموشی وحی کے انتظار میں تھی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درود شریف کے کلمات آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمائے گئے تھے۔ اور مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ درود کے بارے میں یہ سوال آپ ﷺ سے پہلی دفعہ سعد بن عبادہ کی مجلس ہی میں کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ ﷺ کو وحی کا انتظار کرنا پڑا۔ دوسرے بعض صحابہ (کعب بن عجرہ اور ابو حمید ساعدی وغیرہ) کی روایات میں جو اسی طرح کے سوال کا ذکر ہے وہ یا تو اسی مجلس کے واقعہ کا بیان ہے یا مختلف حضرات نے مختلف موقعوں پر رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے جواب میں ان کو درود شریف کے وہ کلمات تلقین فرمائے جو ان کی روایات میں وارد ہیں۔ اکثر احادیث کے سیاق اور الفاظ و کلمات کے فرق سے اسی دوسرے احتمال کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابو سعید انصاری کی اس حدیث کی امام احمد اور ابن خزیمہ اور حاکم وغیرہ کی روایات میں ایک اضافہ یہ بھی ہے کہ بشیر بن سعد نے درود بھیجنے کے بارے میں سوال کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا:

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ اِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلٰوتِنَا

جب ہم نماز میں آپ ﷺ پر درود بھیجیں تو کس طرح بھیجا کریں؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سوال خاص طور سے نماز میں درود پڑھنے کے بارے میں کیا گیا تھا اور یہ درود ابراہیمی رسول اللہ ﷺ نے خصوصیت سے نماز میں پڑھنے کے لئے تلقین فرمایا۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ کی اس روایت میں بھی ابو حمید ساعدی کی حدیث کی طرح "كَمَا صَلَّيْتَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ" کے بعد صرف "عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ" روایت کیا گیا ہے اور آخر میں "اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" سے پہلے "فِي الْعَالَمِيْنَ" کا اضافہ بھی ہے۔

۳۱۳) **عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا السَّلَامُ عَلَيْكَ فَقَدْ عَلِمْنَا فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم نے عرض کیا حضرت! آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو گیا (یعنی تشہد کے ضمن میں بتا دیا گیا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" اب ہمیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ ہم آپ پر "صلوۃ" کس طرح بھیجا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ آلِ اِبْرَاهِيْمَ. (رواہ البخاری)

اے اللہ! اپنی خاص عنایت و نوازش اور محبت و رحمت فرما اپنے خاص بندے اور رسول (حضرت) محمد پر جیسی تو نے نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرمائی (اپنے خلیل حضرت) ابراہیم پر اور خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد و آلِ محمد پر جس طرح تو نے برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم و آل ابراہیم پر۔
(صحیح بخاری)

۳۱۴) **عَنْ طَلْحَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.** (رواہ النسائی)

ترجمہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے پیغمبرِ خدا ہم آپ ﷺ پر کس طرح صلوٰۃ بھیجا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کرو اے اللہ! نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرما محمد ﷺ پر جیسی نوازش و عنایت اور محبت و رحمت فرمائی تو نے ابراہیمؑ پر، تو حمد

وستائش کا سزاوار ہے اور ہر طرح کی عظمت وبزرگی تیرے لئے ہے۔　(سنن نسائی)

۳۱۵) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قُلْنَا يَارَسُوْلُ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا اَلسَّلَامَ عَلَيْكَ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہم لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ (ﷺ) پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے۔ اب بتا دیجئے کہ آپ (ﷺ) پر صلوٰۃ کس طرح بھیجی جائے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے حضور میں یوں عرض کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلٰوتَكَ وَرَحْمَتَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا جَعَلْتَهَا عَلٰى اِبْـرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O

اے اللہ! اپنی خاص نوازشیں، عنایتیں اور اپنی مخصوص رحمت نازل فرما حضرت محمد اور ان کے گھر والوں پر، جیسے تو نے نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر، تو ہر حمد وستائش کا سزاوار ہے اور عظمت وکبریائی تیری ذاتی صفت ہے۔　(مسند احمد)

۳۱۶) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O　(رواه احمد وابن حبان والدارقطنى والبيهقى فى السنن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر صلوٰۃ بھیجو تو اس طرح کہا کرو "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَاصَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O　(مسند احمد، صحیح ابن حبان، سنن دار قطنی، سنن بیہقی)

(چونکہ درود پاک کے ان کلمات کا ترجمہ بار بار کیا جا چکا ہے اسلئے اسکے اعادہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی)۔

تشریح..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ اس درود میں رسول اللہ ﷺ کا نام پاک آپ کی امتیازی صفت اور خاص لقب "النبی الامی" کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، قرآن مجید میں آپ ﷺ کی یہ صفت ایک خاص نشانی اور پہچان کے طور پر ذکر کی گئی ہے (اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ......الاعراف) اس آیت میں اشارہ ہے کہ تورات وانجیل میں آپ ﷺ کا ذکر اس صفت کے ساتھ کیا گیا تھا "امی" کے معنی ہیں "بے لکھے پڑھے" مطلب یہ ہے کہ جو علم وہدایت آپ ﷺ لے کر آئے وہ آپ ﷺ نے کسی استاد یا کتاب سے حاصل نہیں کیا ہے، بلکہ براہِ راست

اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے حاصل ہوا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے لحاظ سے آپ ﷺ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے۔ ظاہر ہے آپ ﷺ کی اس صفت اور اس لقب میں ایک خاص محبوبیت ہے اور اس چھوٹے سے لفظ میں آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی ایک بڑی روشن دلیل پیش کردی گئی ہے۔

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

۳۱۷) **عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ صَلُّوْا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ وَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ**

(رواه احمد والنسائی)

ترجمہ: حضرت زید بن خارجہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھ پر درود بھیجا کرو اور خوب اہتمام اور دل لگا کے دعا کیا کرو اور یوں عرض کیا کرو: "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ" (اے اللہ حضرت محمد اور آلِ محمد پر اپنی خاص عنایت ورحمت اور برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر برکتیں نازل فرمائیں، تو ہر حمد وستائش کا سزاوار ہے اور عظمت و بزرگی تیری صفت ہے) (مسند احمد، سنن نسائی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن خارجہ کے اس سوال کے جواب میں کہ آپ ﷺ پر درود کس طرح بھیجی جائے؟ درود کے کلمات بھی تلقین فرمائے اور اس سے پہلے ارشاد فرمایا "صَلُّوْا عَلَيَّ وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ" اس عاجز نے "وَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ" کا مطلب یہی سمجھا ہے کہ درود شریف جو دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک دعا ہے، صرف زبان سے سرسری طور پر نہیں، بلکہ اہتمام اور دل کی پوری توجہ سے مانگی جائے۔ واللہ اعلم۔

۳۱۸) **عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهٗ مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ، شَهِدْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشَفَعْتُ لَهٗ.**

(رواه الطبری فی تهذیب الآثار فتح الباری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھ پر اس طرح درود بھیجا "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ

اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ تَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ۔" تو میں قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دوں گا اور اس کی شفاعت کروں گا۔ (تہذیب الآثار للطبری)

تشریح...... حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی ہوئی اس درود میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل کے لئے صلوٰۃ اور برکت کے علاوہ ترحم کی بھی دعا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہت سے علما اور فقہاء نے رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت کی دعا سے منع فرمایا ہے کیونکہ یہ دعا تو عام مؤمنین کے لئے کی جاتی ہے لیکن اگر صلوٰۃ و سلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے رحمت و ترحم کی استدعا آپ ﷺ کے لئے کی جائے تو مضائقہ نہیں ہے۔ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ" ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس میں آپ ﷺ کے لئے سلام کے ساتھ رحمت کی دعا بھی ہے، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ کے روایت کئے ہوئے اس درود میں صلوٰۃ اور برکت کی استدعا کے بعد ترحم کی استدعا بھی کی گئی ہے۔ اس طرح ترحم کی استدعا صلوٰۃ و سلام کا تکملہ بن جاتی ہے۔

۳۱۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو اس سے خوشی ہو اور وہ چاہے کہ مجھ پر اور میرے گھر والوں پر درود بھیج کر للہ کی رحمتیں اور برکتیں زیادہ سے زیادہ اور بھرپور حاصل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں یوں عرض کرے۔

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ." (سنن ابی داؤد)

اے اللہ اپنی خاص نوازش اور عنایت و رحمت فرما نبی اُمی حضرت محمد ﷺ پر اور اُنکی ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین اور اُن کی نسل پر اور اُن کے سب گھر والوں پر، تو ہر حمد و ستائش کا مستحق و سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ہی صفت ہے۔

تشریح...... اس حدیث کی بنا پر بعض حضرات کا خیال ہے کہ درودوں میں یہ درود سب سے افضل ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے کہ جو زیادہ سے زیادہ اور بھرپور رحمت و برکت اور اجر و ثواب حاصل کرنا چاہے وہ یہ درود پڑھے۔ اور بعض حضرات نے لکھا ہے کہ نماز میں تو وہ درود پڑھنا افضل ہے جو ابتدائی حدیثوں میں گزر چکا، اور نماز سے باہر یہ درود افضل ہے جس کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۳۲) **عَنْ عُمَرَ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَدَّهُنَّ فِىْ يَدِىْ جِبْرَئِيْلُ وَقَالَ جِبْرَئِيْلُ**

هٰكَذَا اُنْزِلَتْ مِنْ عِنْدِ رَبِّ الْعِزَّةِ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ وَتَرَحَّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ تَحَنَّنْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تَحَنَّنْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

اَللّٰهُمَّ وَسَلِّمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا سَلَّمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان والديلمى)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین نے میرے ہاتھ کی انگلیوں پر گن کر درود شریف کے یہ کلمات تعلیم فرمائے اور بتایا کہ رب العزت جل جلالہ کی طرف سے یہ اسی طرح اُترے ہیں وہ کلمات یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ...... الخ (مسند فردوس دیلمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس درود میں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلوٰۃ اور برکت اور ترحم کی استدعا کے علاوہ سلام اور تحنن کی استدعا کی گئی ہے۔ تحنن کے مفہوم کو اردو زبان میں شفقت اور پیار دُلار سے ادا کیا جا سکتا ہے اور سلام کے معنی ہیں ہر برائی اور ناپسندیدہ چیز سے سلامتی اور حفاظت۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ کنز العمال جلد اول میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے وہیں سند کے لحاظ سے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح بھی کر دی گئی ہے۔ پھر اسی کی دوسری جلد میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث اور درود شریف کے یہی کلمات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی صاحب مستدرک ابو عبداللہ حاکم نیشاپوری کی "معرفۃ علم الحدیث" کے حوالے سے ان کی مسلسل سند کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں اور اس سند کے بھی بعض راویوں پر سخت جرح کی گئی ہے، ساتھ ہی سیوطی سے نقل کیا گیا ہے کہ انہیں اس حدیث کے بعض اور "طریقے" بھی ملے، نیز حضرت انس سے بھی قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث روایت کی گئی ہے جو ابنِ عساکر کے حوالے سے کنز العمال میں بھی درج ہے اور اصحاب فن کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی وجہ سے قابلِ قبول ہو جاتی ہے۔ خاص کر فضائل اعمال میں ایسی حدیث سب کے نزدیک قابلِ عمل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح شفاء میں حاکم کی روایت کردہ حضرت علی والی حدیث کے راویوں پر سخت جرح کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ "غایۃ الامر یہ ہے کہ یہ حدیث

ضعیف ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو بھی قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے۔" (شرح شفاء ص ۳۷۔۴ ج ۳) انہی سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ حدیث ضعیف ہونے کے باوجود یہاں درج کر دی گئی ہے۔

یہاں تک جو احادیث درج ہوئیں جن میں درود و سلام کے کلمات تلقین فرمائے گئے ہیں' یہ سب مرفوع حدیثیں تھیں' یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات تھے۔ اور ان میں درود و سلام کے جو کلمات تعلیم فرمائے گئے ہیں۔ ان سب کی بنیاد وحی ربانی پر ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے بشیر بن سعد نے دریافت کیا کہ ہم آپ پر درود کس طرح بھیجا کریں؟ تو آپ ﷺ کچھ دیر خاموش رہے' یہاں تک کہ وحی آئی اس کے بعد آپ ﷺ نے درودِ ابراہیمی تلقین فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے بارے میں آپ ﷺ کو بنیادی رہنمائی وحی سے ملی تھی' اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ درود و سلام کے جو کلمات بھی کسی وقت آپ ﷺ نے تلقین فرمائے ان کی بنیاد وحی پر ہے اور یہ فضیلت درود و سلام کے انہیں کلمات کو حاصل ہے جو کسی وقت آپ نے تعلیم فرمائے۔ ان کے علاوہ بعض صحابہ کرام اور دوسرے سلف صالحین سے درود و سلام کے جو کلمات منقول ہیں ان کو یہ خصوصیت اور فضیلت حاصل نہیں ہے' اگرچہ ان میں سے بعض لفظی اور معنوی لحاظ سے بہت ہی بلند ہیں اور ان کی مقبولیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ان میں سے ایک جو کتبِ حدیث میں فقیہ الامۃ حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا گیا ہے' اور دوسرا جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہاں درج کئے جا رہے ہیں اور انہی پر روایات کا یہ سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔

۳۲۱) عَنْ عَبْدِاللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَحْسِنُوْا الصَّلٰوةَ عَلَيْهِ فَاِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذٰلِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ فَقَالُوْا لَهُ فَعَلِّمْنَا، فَقَالَ قُوْلُوْا.

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتِكَ وَبَرَكَاتِكَ عَلٰى سَيِّدِالْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَ خَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ اِمَامِ الْخَيْرِ وَ قَائِدِ الْخَيْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَه اَللّٰهُمَّ ابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا يَّغْبِطُ بِهِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ.

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجو تو بہتر سے بہتر طریقہ پر درود بھیجنے کی کوشش کرو' تم جانتے نہیں ہو ان شاء اللہ تمہارا وہ درود آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا تو آپ ﷺ ہمیں بتا دیجئے اور سکھا دیجئے کہ ہم کس طرح درود بھیجا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یوں عرض کیا کرو:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ...... اِلٰى قَوْلِه ...... اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(رواه ابن ماجه)

(اے اللہ! اپنی خاص عنایات اور رحمتیں اور برکتیں نازل فرما سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر جو تیرے خاص بندے اور رسول ہیں، نیکی اور بھلائی کے راستہ کے امام اور راہنما ہیں، رحمت والے پیغمبر ہیں (یعنی جن کا وجود ساری دنیا کے لئے باعث رحمت ہے) اے اللہ! ان کو اس "مقام محمود" پر فائز فرما جو اولین و آخرین کے لئے قابل رشک ہو۔ اے اللہ! حضرت محمد اور آلِ محمد پر اپنی خاص نوازشیں اور عنایتیں فرما جس طرح کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ پر نوازشیں اور عنایتیں فرمائیں اور حضرت محمد و آلِ محمد ﷺ پر اپنی خاص برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ و آلِ ابراہیمؑ پر برکتیں نازل فرمائیں، تیری ذات ہر حمد و ستائش کی سزاوار ہے اور عظمت و کبریائی تیری ذاتی صفت ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... درود شریف کے یہ کلمات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے لوگوں کو تعلیم فرمائے تھے۔ بلاشبہ بڑے مبارک اور مقبول کلمات ہیں اور اس میں وہ درودِ ابراہیمی بھی لفظ بہ لفظ شامل ہے جو کعب بن عجرہ کی اس روایت میں گزر چکا ہے جو صحیحین کے حوالہ سے سب سے پہلے درج کی جاچکی ہے۔

۳۲۲) عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ...... اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَا اَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ رَبِّىْ وَسَعْدَيْكَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّالرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْئٍ يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِالْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الشَّاهِدِالْبَشِيْرِالدَّاعِىْ اِلَيْكَ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَام (اورده القاضى عياض فى كتاب الشفا)

ترجمہ۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر اس طرح درود بھیجتے تھے۔ (پہلے سورۂ احزاب کی یہ آیت تلاوت فرماتے جس میں رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے) اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًاO...... اس کے بعد کہتے "لبيك اللّٰهم ربى وسعديك۔" اے میرے اللہ میں تیرے اس فرمان کی بسر و چشم تعمیل کرتا ہوں اور عرض کرتا ہوں۔

"صَلَوَاتُ اللّٰهِ الْبَرِّالرَّحِيْمِ وَالْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ...... الخ"

اس خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو بڑا احسان فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ خاص نوازشیں اور عنایتیں، ہوں، اور اس کے ملائکہ مقربین اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی اور اس ساری

مخلوقات کی جو اللہ کی تسبیح و حمد کرتی ہے۔ بہترین دعائیں اور نیک تمنائیں ہوں۔ حضرت محمد بن عبداللہ کے لئے جو خاتم النبیین، سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین ہیں، جو اللہ کی طرف سے شہادت ادا کرنے والے ہیں، اللہ کے فرمانبردار بندوں کو رحمت و جنت کی بشارت سنانے والے اور مجرموں، نافرمانوں کو بُرے انجام سے اور اللہ کے عذاب سے آگاہی دینے والے ہیں، جو تیرے بندوں کو تیرے حکم سے تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور تیرے ہی روشن کئے ہوئے چراغ ہیں، اور ان پر سلام ہو۔ (شفاء قاضی عیاض)

تشریح...... یہ درودپاک جیسا کہ ظاہر ہے الفاظ و مطالب کے لحاظ سے نہایت بلند اور ایمان افروز ہے۔ لیکن حدیث کی کسی کتاب میں اس کی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ پانچویں اور چھٹی صدی کے عالم اور محدث قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب "الشفاء بحقوق المصطفیٰ" میں اس کو حضرت علی مرتضیٰ سے نقل کیا ہے [1] اور علامہ قسطلانی نے "مواهب لدنيه" میں شیخ زین الدین بن الحسین مراغی کی کتاب "تحقيق النصرة فى دار الهجرة" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نمازِ جنازہ میں حضرت علی مرتضیٰ نے آپ ﷺ پر یہی درودپاک پڑھا تھا اور لوگوں کے دریافت کرنے پر اُن کو بھی تعلیم فرمایا تھا [2]...... بہر حال الفاظ و مطالب کے لحاظ سے بڑا پیارا اور روح پرور یہ درود ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے درود و سلام کے جو کلمات یہاں نقل کئے گئے ان سے معلوم ہو گیا کہ اُمت کے لئے یہ پابندی نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر صرف آپ ﷺ کے تلقین فرمائے کلمات ہی کے ذریعہ درود و سلام بھیجے، بلکہ اربابِ ذوق و محبت کے لئے دروازہ کھلا ہوا ہے۔ وہ حدود شریعت کے پابند رہتے ہوئے اپنے ذوق و شوق کے تقاضے کے مطابق دوسرے کلمات کے ذریعہ بھی آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام بھیج سکتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے اکابر اُمت، تابعین اور بعد کے علماء عارفین سے اور بھی کلمات منقول ہیں لیکن وہ سلسلۂ معارف الحدیث کے دائرہ سے باہر ہیں اس لئے ان کو یہاں درج کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا، اگر اللہ نے توفیق دی تو ان میں سے بھی چند منتخب کلمات کو ایک مستقل مضمون میں جمع کرنے اور ان پر کچھ لکھنے کا ارادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے معارف الحدیث کی پانچویں جلد یہاں ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے مؤلف اور ناظرین کے لئے وسیلۂ رحمت و مغفرت بنائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

[1] شرح شفاء ص۱۸۴ ج۳ [2] زرقانی شرح مواہب لدنیہ ص۲۹۱ ج۸

مَعارِفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبویؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردُو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ششم

کتاب المعاشرۃ والمعاملات

حصہ اول

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارالاشاعت

اردو بازار ایم اے جناح روڈ

کراچی پاکستان 021-2213768

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء
باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121, HALLIWELL ROAD
BOLTON BL 3NE, U.K.

امریکہ میں ملنے کے پتے

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX 77074, U.S.A.

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET,
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ　　از نبیِّ اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں ——— جو ''نبی اُمی'' سیدنا حضرت محمد
عربی (فداہُ اُمی وابی وروحی وقلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں
اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں
اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے
علم و تصور ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دیباچہ

از مؤلف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰی

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو "ہدایت" اور "دین" حق لے کر آئے اس میں سب سے پہلی چیز ایمان اور توحید کی دعوت تھی۔ پھر جو لوگ آپ ﷺ کی اس دعوت کو قبول کر لیتے ان کو آپ ﷺ عملی زندگی کے بارے میں ہدایات دیتے تھے۔ آپ ﷺ کی اس ہدایت اور تعلیم کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہے جس میں آپ ﷺ نے بتلایا کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے اور اس باب میں ان کے فرائض کیا ہیں اور اس حق اور ان فرائض کی ادائیگی کے لئے انہیں کیا کرنا چاہئے۔

دوسرا حصہ آپ ﷺ کی تعلیم کا وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ بندوں پر دوسرے بندوں کے اور عام مخلوقات کے کیا حقوق ہیں اور اس دنیا میں جب ایک انسان کا دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق سے واسطہ اور معاملہ پڑتا ہے تو اسکے ساتھ اسکا رویہ کیا ہونا چاہئے اور اس باب میں اللہ کے احکام کیا ہیں۔

حقوق العباد کا مسئلہ اس لحاظ سے زیادہ اہم اور قابلِ فکر ہے کہ اس میں اگر تقصیر اور کوتاہی ہو جائے یعنی کسی بندہ کی ہم سے حق تلفی ہو جائے تو اس کی معافی اور اس سے نجات و سبکدوشی کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے (جو رحیم و کریم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا ہے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ یا تو اس دنیا میں اس بندہ کا حق ادا کر دیا جائے یا اس سے معافی حاصل کر لی جائے اگر ان دونوں میں سے کوئی بات بھی یہاں نہ ہو سکی تو آخرت میں لازماً اس کا معاوضہ ادا کرنا ہوگا اور وہ بے حد مہنگا پڑے گا یا اس کے حساب میں آخرت کا سخت عذاب بھگتنا ہوگا جیسا کہ حدیثوں میں تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:

من كانت له مظلمة لاخيه من عرضه اوسيئى فليتحلل له منه اليوم قبل ان لايكون دينارولا درهم ان كان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته وان لم يكن له حسنات اخذمن سيّات صاحبه فحمل عليه. (صحیح بخاری، ابواب المظالم و القصاص)

جس کسی نے اپنے کسی بھائی کے ساتھ ظلم زیادتی کی ہو اس کی آبروریزی کی ہو یا کسی اور معاملہ میں

حق تلفی کی ہو تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اور اسی زندگی میں اس سے معاملہ صاف کرالے 'آخرت کے اس دن کے آنے سے پہلے جب اس کے پاس ادا کرنے کے لئے دینار درہم کچھ بھی نہ ہوگا اگر اس کے پاس اعمال صالحہ ہوں گے تو اس کے ظلم کے بقدر مظلوم کو دلا دیئے جائیں گے اور اگر وہ نیکیوں سے بھی خالی ہاتھ ہوگا تو مظلوم کے کچھ گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے (اور اس طرح انصاف کا تقاضا پورا کیا جائے گا۔)

اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے 'آپ ﷺ نے فرمایا:

الدواوين ثلثة ديوان لا يغفرالله الاشراك بالله بقول الله عزوجل "ان الله لا يغفر ان يشرك به" وديوان لا يتركه الله ظلم العباد فيما بينهم حتىٰ يقص بعضهم من بعض وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم وبين الله فذٰلك الى الله ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان' مشکوٰۃ المصابیح صہ ۴۳۵)

اعمالنامے (جن میں بندوں کے گناہ لکھے گئے ہیں) تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی ہرگز معافی اور بخشش نہ ہوگی' وہ "شرک" ہے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا گناہ ہرگز نہیں بخشے گا۔ اور گناہوں کی ایک وہ فہرست ہے جس کو اللہ تعالیٰ انصاف کے بغیر نہ چھوڑے گا وہ بندوں کے باہمی مظالم وزیادتیاں اور حق تلفیاں ہیں ان کا بدلہ ضرور دلایا جائیگا اور ایک فہرست گناہوں کی وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں اہمیت اور پرواہ نہیں یہ بندوں کے وہ مظالم اور تقصیرات ہیں جن کا تعلق بس ان سے ہے اور ان کے اللہ سے ہے' ان کے بارے میں فیصلہ بس اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو سزا دے اور چاہے تو بالکل معاف کردے۔

بہر حال حقوق العباد کا معاملہ اس لحاظ سے بہت زیادہ سنگین اور قابلِ فکر ہے کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے (جو کریم ورحیم ہے) اپنے ہاتھ میں نہیں رکھا بلکہ وہ بندوں سے ہی متعلق ہے اور ان کا حال معلوم ہے۔

پھر حقوق العباد سے متعلق آپ ﷺ کی تعلیم وہدایت کے بھی دو حصے ہیں ایک وہ جس کا تعلق معاشرتی آداب واحکام سے ہے' مثلاً یہ کہ ماں باپ کا اولاد کے ساتھ 'اولاد کا ماں باپ کے ساتھ 'بیوی کا شوہر اور شوہر کا بیوی کے ساتھ' قریب وبعید کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے ساتھ' بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ' نوکروں' ماتحتوں کے ساتھ' خاص کر کمزور اور ضرورت مند طبقوں کے ساتھ' اسی طرح اللہ کی عام مخلوق کے ساتھ کیا رویہ اور کیسا برتاؤ ہونا چاہئے۔ علیٰ ہٰذا آپس میں ملنے جلنے' ہنسنے' بولنے' کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' شادی بیاہ اور خوشی وغم کے موقعوں پر کن احکام اور آداب کی پابندی کرنی چاہئے۔ دین کے اس حصہ کا جامع عنوان معاشرت ہے۔

دوسرا حصہ حقوق العباد سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کا وہ ہے جس میں معاشی ومالی معاملات مثلاً خرید وفروخت' تجارت وزراعت' قرض وامانت' ہبہ ووصیت' محنت ومزدوری یا باہمی نزاعات میں عدل و انصاف' محکمۂ قضا اور شہادت ووکالت وغیرہ سے متعلق ہدایات دی گئی ہیں' اس کا جامع عنوان معاملات ہے۔

معارف الحدیث کی پہلی جلد (کتاب الایمان) میں ایمان اور ایمان کے لوازم و متعلقات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث ایک خاص نہج اور ترتیب سے مرتب کر کے ان کی تشریح کی گئی تھی جن کو حضراتِ محدثین نے اپنی مؤلفات کے ابوابِ ایمان میں درج کیا ہے اور قیامت و آخرت، جنت، دوزخ وغیرہ سے متعلق احادیث کو بھی اس جلد میں شامل کر دیا گیا تھا، کیونکہ ان کا تعلق بھی ایمان اور عقیدہ ہی سے ہے۔

پھر دوسری جلد (کتاب الرقاق والاخلاق) میں ان حدیثوں کی تشریح کی گئی جن کا تعلق ابوابِ زہد و رقاق اور اخلاق سے ہے کیونکہ ایمان اور احسان سے ان کا بہت قریبی رابطہ ہے اور ان کا تعلق بھی عملی زندگی سے نہیں بلکہ قلب و باطن سے ہے۔

پھر تیسری جلد میں طہارت و نماز، اور چوتھی جلد میں زکوٰۃ، روزہ اور حج اور پانچویں جلد میں تلاوتِ قرآن، اذکار و دعوات، توبہ و استغفار وغیرہ سے متعلق احادیث جمع کر کے ان کی تشریح کی گئی۔ اس طرح ان تینوں جلدوں میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا وہ حصہ ضروری تشریح اور وضاحت کے ساتھ کم از کم اصولی طور پر پورا آ گیا جس کا تعلق بندوں پر اللہ تعالیٰ کے حقوق اور خاص کر عبادات سے ہے۔

اب یہ چھٹی جلد جس کو ضخامت بڑھ جانے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا۔ اس میں کتبِ حدیث سے وہ حدیثیں منتخب کر کے ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئی ہیں جن کا تعلق حقوق العباد یعنی معاشرت اور معاملات کے ابواب سے ہے۔

جلد ششم حصہ اول (جو آپ کے ہاتھ میں ہے) اس میں صرف ابواب معاشرت سے متعلق سوا تین سو حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے اس کی جامعیت کا کچھ اندازہ آپ اس فہرستِ عنوانات سے بھی کر سکتے ہیں جو کتاب کے شروع میں شامل ہے۔ اس کے حصہ دوم میں معاشرت و معاملات کے بقیہ ابواب، مثلاً نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات اور تجارت و زراعت، وصیت و امانت، قرض و ہبہ اور اجارہ داری وغیرہ معاشی و مالی معاملات اور قضا و عدالت وغیرہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و معمولات کی تشریح انشاء اللہ اسی انداز میں آپ کے سامنے آئے گی۔ واللہ الموفق۔

اس جلد کی بھی زیادہ تر بلکہ قریباً تمام تر حدیثیں مشکوٰۃ المصابیح، جمع الفوائد اور کنز العمال سے منتخب کی گئی ہیں اور سابقہ جلدوں کی طرح اس کی احادیث کی تخریج میں بھی انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔ جو حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی لی گئی ہیں وہ اگرچہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی ہوں گی لیکن صاحبِ مشکوٰۃ کے طریقہ پر ان حدیثوں کی تخریج میں صرف انہی دو کتابوں کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کا ان دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ہونا جمہورِ محدثین کے نزدیک اس کی صحت کی ضمانت کے لئے کافی ہے۔

حدیثوں کی ترتیب و تشریح اور عنوانات وغیرہ میں وہی رعایتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں اور ان ہی اصولوں کی پابندی کی گئی ہے جن کا ذکر سابقہ جلدوں کے دیباچہ میں کیا جا چکا ہے، اس لئے اب یہاں ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث کی تالیف سے مقصود چونکہ عام تفہیم ہے اس لئے اس جلد کی حدیثوں کے

ترجمہ میں بھی لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی پابندی ضروری نہیں سمجھی گئی ہے۔ لیکن اگر مصنف سے کسی حدیث کا مفہوم سمجھنے اور ادا کرنے میں غلطی ہو گئی ہو (جو بلاشبہ ممکن ہے) تو جو صاحبِ علم اس پر مطلع ہوں وہ ازراہِ کرم اس عاجز کو اطلاع دے کر ممنون فرمائیں تاکہ اس کی تصحیح کر دی جائے۔ واجرھم علی اللہ۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہر گز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرمارہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔

اگر ایسا کیا گیا..... تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاءاللہ ضرور نصیب ہو گا جو عہد نبوی کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔ اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ازراہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ ادب نصیب فرمائے۔

آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

اپریل ۱۹۷۵ء

معارِفُ الحدیث

حصہ ششم

کتابُ المعاملات والمعاشرت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

خاتم النّبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح ہدایات دی گئی ہیں۔ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی اس سے پہلی پانچ جلدوں میں رسول اللہ کی جو احادیث اور آپ ﷺ کے جو ارشادات مرتب کر کے پیش کئے جا چکے ہیں ان کا تعلق یا عقائد و ایمانیات سے تھا یا اخلاق و جذبات اور قلب و روح کی کیفیات سے یا طہارت اور نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ و عبادات اور اذکار و دعوات سے۔ اب ان احادیث کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جن کا تعلق معاشرتی حقوق اور آداب اور معاشی معاملات سے ہے اور جن سے معلوم ہوگا کہ ہم اپنے ابناء جنس اور عزیزوں، قریبوں، چھوٹوں اور بڑوں، اپنوں اور پرایوں کے ساتھ، جن سے زندگی میں ہمارا واسطہ پڑتا ہے کس طرح پیش آئیں، کیسا برتاؤ کریں اور کس کے کس پر کیا حقوق ہیں اور لین دین، خرید و فروخت، قرض و امانت، تجارت و زراعت، مزدوری و دستکاری، کارخانہ داری و کرایہ داری اور اسی طرح دوسرے معاشی مشاغل کے بارے میں اللہ و رسول ﷺ کے کیا احکام ہیں اور ان کی کون سی شکلیں جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔

معاشرت و معاملات کی خصوصی اہمیت

یہ دونوں باب (معاشرت و معاملات) اس لحاظ سے شریعت کے نہایت اہم ابواب ہیں کہ ان میں ہدایتِ ربانی اور خواہشاتِ نفسانی اور احکامِ شریعت اور دنیوی مصلحت و منفعت کی کشمکش، عبادات وغیرہ دوسرے تمام ابواب سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے اللہ کی بندگی و فرمانبرداری اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی شریعت کی تابعداری کا جیسا امتحان ان میدانوں میں ہوتا ہے دوسرے کسی میدان میں نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے بنی آدم کو فرشتوں پر نوعی فضیلت حاصل ہوئی، ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان و یقین اور ہمہ وقتی ذکر و عبادت اور روح کی لطافت و طہارت میں انسان فرشتوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔

معاشرت سے متعلق احکام و ہدایات

اس تمہید کے بعد ہم پہلے معاشرت کے سلسلہ کی حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

نکاح و طلاق اور عدت و نفقہ وغیرہ سے متعلق احادیث بھی اس ضمن میں درج ہوں گی۔

معاشرتی احکام و ہدایات کا سلسلہ بچے کی پیدائش ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم انہی حدیثوں سے اس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں جن میں پیدائش ہی کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کے بارے میں ماں باپ کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

ماں باپ کی ابتدائی ذمہ داریاں

نومولود بچہ کے کان میں اذان

۱) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَذَّنَ فِیْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِیْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ. (رواه الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو (اپنے نواسے حسن بن علی کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا (جب آپ کی صاحبزادی) فاطمہؓ کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح حضرت ابورافعؓ کی اس حدیث میں حضرت حسنؓ کے کان میں صرف اذان پڑھنے کا ذکر ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے جو "کنز العمال" میں مسند ابویعلی موصلی کی تخریج سے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کی گئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نومولود بچہ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم وترغیب دی اور اس برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی وجہ سے بچہ اُم الصبیان کے ضرر سے محفوظ رہے گا (جو شیطانی اثرات سے بھی ہوتا ہے)۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نومولود بچہ کا پہلا حق گھر والوں پر یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے کانوں کو اور کانوں کے ذریعہ اس کے دل ودماغ کو اللہ کے نام اور اس کی توحید اور ایمان ونماز کی دعوت وپکار سے آشنا کریں۔ اس کا بہتر سے بہتر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ اس کے کانوں میں اذان واقامت پڑھی جائے۔ اذان و اقامت میں دین حق کی بنیادی تعلیم اور دعوت نہایت مؤثر طریقے سے دی گئی ہے' نیز ان دونوں کی یہ تاثیر اور خاصیت بہت سی احادیث میں بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اس لئے بچہ کی حفاظت کی بھی یہ ایک تدبیر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پیدائش کے وقت نومولود مسلمان بچے کے کان میں اذان واقامت پڑھنے کی تعلیم دی' اور جب عمر پوری کرنے کے بعد اس کو موت آجائے تو غسل دے کر اور کفنا کر اس پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ اس طرح یہ بتلا دیا اور جتلا دیا کہ مومن کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان کی زندگی ہے اور بس اس طرح گزرنی چاہئے جس طرح اذان کے بعد نماز کے انتظار اور اس کی تیاری میں گزرتی ہے۔ نیز یہ کہ مسلمان بچے کا پہلا حق یہ ہے کہ پیدائش کے ساتھ ہی اسکے کان میں اذان دی جائے اور آخری حق یہ ہے کہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔

تحنیک اور دعائے برکت

رسول اللہ ﷺ کی معرفت اور صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ کے ساتھ عقیدت کا جو تعلق

تھا اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ نومولود بچے آپ ﷺ کی خدمت میں لائے جاتے تھے تاکہ آپ ﷺ ان کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائیں اور کھجور یا ایسی ہی کوئی چیز چبا کر بچے کے تالو پر مل دیں اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیں جو خیر و برکت کا باعث ہو۔ اس عمل کو تحنیک کہتے ہیں۔

۲) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتىٰ بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَيُحَنِّكُهُمْ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو رسول اللہ کے پاس لایا کرتے تھے تو آپ ﷺ انکے لئے خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے اور تحنیک فرماتے تھے۔ (صحیح مسلم)

۳) **عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا حَمَلَتْ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِمَكَّةَ قَالَتْ فَوَلَدتُّ بِقُبَاءٍ ثُمَّ اَتَيْتُ بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَوَضَعْتُهٗ فِىْ حَجْرِهٖ ثُمَّ دَعَا بِتَمْرَةٍ فَمَضَغَهَا ثُمَّ تَفَلَ فِىْ فِيْهِ ثُمَّ حَنَّكَهٗ ثُمَّ دَعَا لَهٗ وَ بَرَّكَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَوَّلَ مَوْلُوْدٍ وُلِدَ فِى الْاِسْلَامِ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں حمل سے تھیں جب ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو قباء میں ان کی ولادت ہوئی اور عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے کہتی ہیں کہ میں بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں نے اس کو آپ ﷺ کی گود میں رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے چھوہارا منگوایا اور اس کو چبایا پھر اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور پھر اس کے تالو پر ملا' پھر اس کے لئے دعا کی اور برکت سے نوازا' اور یہ اسلام میں پہلا بچہ تھا (جو ہجرت کے بعد ایک مہاجر کے گھر پیدا ہوا)۔ (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

تشریح صحیح بخاری کی اس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پیدا ہونے سے مسلمانوں کو خاص کر اس لئے بہت زیادہ خوشی ہوئی تھی کہ یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر ایسا جادو کر دیا ہے کہ ان کے بچے پیدا ہی نہ ہوں گے۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش نے اس کو غلط ثابت کر دیا اور مسلمانوں کے جو دشمن یہ جادو والی بات مشہور کر رہے تھے وہ ذلیل ہوئے۔

کتب حدیث میں "تحنیک" کے بہت سے واقعات مروی ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ جب کسی گھرانے میں بچہ پیدا ہو تو چاہئے کہ اللہ کے کسی مقبول اور صالح بندے کے پاس اس کو لے جائیں' اس کے لئے خیر و برکت کی دعائیں بھی کرائیں اور "تحنیک" بھی کرائیں۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جن کا رواج بہت ہی کم رہ گیا ہے۔

عقیقہ

دنیا کی قریب قریب سب ہی قوموں اور ملتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ بچہ پیدا ہونے کو ایک نعمت اور خوشی کی بات سمجھا جاتا ہے اور کسی تقریب کے ذریعہ اس خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا بھی ہے اور اس میں ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس سے نہایت لطیف اور خوبصورت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ باپ اس بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھتا ہے' اور اس بارے میں اس کو اپنی بیوی پر کوئی شک و شبہ

نہیں ہے۔ اس سے بہت سے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ عربوں میں اس کے لئے جاہلیت میں بھی عقیقہ کا رواج تھا۔ دستور یہ تھا کہ پیدائش کے چند روز بعد نو مولود بچے کے سر کے وہ بال جو وہ ماں کے پیٹ سے لے کے پیدا ہوا ہے صاف کرا دیئے جاتے اور اُس دن خوشی میں کسی جانور کی قربانی کی جاتی (جو ملتِ ابراہیمیؑ کی نشانیوں میں سے ہے) رسول اللہ ﷺ نے اصولی طور پر اس کو باقی رکھتے ہوئے بلکہ اس کی ترغیب دیتے ہوئے اس کے بارے میں مناسب ہدایات دیں اور خود عقیقے کر کے عملی نمونہ بھی پیش فرمایا۔

٤) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا وُلِدَ لِاَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَاْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ الْاِسْلَامُ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً يَوْمَ السَّابِعِ وَ نَحْلِقُ رَاْسَهُ وَنُلَطِّخُهُ بِزَعْفَرَانَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کے لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری یا بکرا ذبح کرتا اور اس کے خون سے بچے کے سر کو رنگ دیتا، پھر جب اسلام آیا تو (رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کے مطابق) ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ ہم ساتویں دن عقیقہ کی بکری یا بکرے کی قربانی کرتے اور بچے کا سر صاف کرا کے اس کے سر پر زعفران لگا دیتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

اور اسی حدیث کی رزین کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ ہم بچے کا نام بھی رکھتے ہیں۔

٥) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا عَقُّوْا عَنِ الصَّبِيِّ خَضَّبُوْا قُطْنَةً بِدَمِ الْعَقِيْقَةِ فَاِذَا حَلَقُوْا رَاْسَ الصَّبِيِّ وَضَعُوْهَا عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِجْعَلُوا مَكَانَ الدَّمِ خَلُوْقًا. (رواه ابن حبان فى صحيحه)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ بچے کا عقیقہ کرتے تو روئی کے ایک پھوئے میں عقیقہ کے جانور کا خون بھر لیتے، پھر جب بچے کا سر منڈوا دیتے تو وہ خون بھرا پھویا اس کے سر پر رکھ دیتے (اور اس کے سر کو عقیقہ کے خون سے رنگین کر دیتے، یہ ایک جاہلانہ رسم تھی) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "بچے کے سر پر خون نہیں بلکہ اس کی جگہ خلوق لگایا کرو۔" (صحیح ابن حبان)

تشریح: خلوق ایک مرکب خوشبو کا نام ہے جو زعفران وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ حضرت بریدہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عقیقہ کا رواج عربوں میں زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا چونکہ اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، اور یہ بنیادی طور پر شریعت اسلامی کے مزاج کے مطابق تھا، اور غالباً مناسکِ حج کی طرح ملتِ ابراہیمی کے بقایا میں سے تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصل کو باقی رکھا اور جاہلانہ رسوم کی اصلاح فرمائی۔

اسی طرح بیہقی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کا رواج یہود میں بھی تھا لیکن وہ صرف لڑکوں کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرتے تھے لڑکیوں کی طرف سے نہیں کرتے تھے جس کی وجہ سے غالباً

لڑکیوں کی ناقدری تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بھی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی طرف سے بھی عقیقہ کیا جائے۔[1] البتہ دونوں صنفوں میں قدرتی اور فطری فرق ہے (جس کا لحاظ میراث اور قانونِ شہادت وغیرہ میں بھی کیا گیا ہے) اس کی بناء پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری اور لڑکے کے عقیقہ میں (اگر استطاعت اور وسعت ہو) تو دو بکریوں کی قربانی کی جائے۔

٦) **عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اُنَاثًا.** (رواه الترمذى والنسائى)

ترجمہ: ام کرز رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ (عقیقہ کے بارے میں) فرمارہے تھے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں کی جائیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری اور اسمیں کوئی حرج نہیں کہ عقیقہ کے جانور نر ہوں یا مادہ۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

٧) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ يَّنْسِكَ عَنْهُ فَلْيَنْسِكْ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً.** (رواه ابو داؤد و النسائى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کی طرف سے عقیقہ کی قربانی کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ فرائض وواجبات کی طرح کوئی لازمی چیز نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ استحباب کا ہے جیسا کہ حدیث کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں کرنا بھی کچھ ضروری نہیں ہے، ہاں اگر وسعت ہو تو دو کی قربانی بہتر ہے ورنہ ایک بھی کافی ہے۔

آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں ایک ایک ہی بکری کی قربانی کی تھی۔

٨) **عَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ كُلُّ غُلَامٍ رَهِيْنَةٌ بِعَقِيْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى.** (رواه ابو داؤد والترمذى و النسائى)

ترجمہ: حضرت حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے عقیقہ کے جانور کے عوض رہن ہوتا ہے جو ساتویں دن اسکی طرف سے قربانی کیا جائے اور اسکا سر منڈوادیا جائے اور نام رکھا جائے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح عقیقہ کے جانور کے عوض بچے کے رہن ہونے کے شارحین نے کئی مطلب بیان کئے ہیں۔ اس

---

[1] ان اليهود تعق عن الغلام ولا تعق عن الجارية فعقوا عن الغلام شاتين و عن الجارية شاةً رواه البيهقى فى شعب الايمان عن ابى هريرة مرفوعاً (كنز العمال ص ۲۰۲ ج ۱)

عاجز کے نزدیک دل کو زیادہ لگنے والی بات یہ ہے کہ بچہ اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے اور صاحب استطاعت کے لئے عقیقہ کی قربانی اس کا شکرانہ اور گویا اس کا فدیہ ہے۔ جب تک یہ شکریہ پیش نہ کیا جائے اور فدیہ ادا نہ کر دیا جائے وہ بار باقی رہے گا اور گویا بچہ اس کے عوض رہن رہے گا۔

پیدائش ہی کے دن عقیقہ کرنے کا حکم غالباً اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس وقت گھر والوں کو زچہ کی دیکھ بھال کی فکر ہوتی ہے علاوہ ازیں اسی دن بچے کا سر صاف کرا دینے میں طبی اصول پر ضرر کا بھی خطرہ ہے۔ ایک ہفتہ کی مدت ایسی ہے کہ اس میں زچہ بھی عموماً ٹھیک ہو جاتی ہے اور بچہ بھی سات دن تک اس دنیا کی ہوا کھا کے ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کا سر صاف کرا دینے میں ضرر کا خطرہ نہیں رہتا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے اور بعض دوسری احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیقہ کے ساتھ ساتویں دن بچے کا نام بھی رکھا جائے۔ لیکن بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کا نام پیدائش کے دن ہی رکھ دیا تھا اس لئے ساتویں دن سے پہلے نام رکھ دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے ہاں اگر پہلے نام نہ رکھا گیا ہو تو ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ بھی نام رکھ دیا جائے۔ جن حدیثوں میں ساتویں دن عقیقہ کے ساتھ نام رکھنے کا ذکر ہے ان کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔

(۹) **عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَعَ الْغُلَامِ عَقِيْقَةٌ فَاَهْرِيْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَّ اَمِيْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰى.** (رواہ البخاری)

ترجمہ حضرت سلمان بن عامر الضبیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بچے کے ساتھ عقیقہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ جس کو بچہ عطا فرمائے وہ عقیقہ کرے) لہذا بچے کی طرف سے قربانی کرو اور اس کا سر صاف کرا دو۔ (صحیح بخاری)

تشریح عقیقہ میں جیسا کہ ان حدیثوں سے ظاہر ہے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ ایک بچے کا سر منڈوا دینا اور دوسرا اس کی طرف سے شکرانہ اور فدیہ کے طور پر جانور قربان کر دینا۔ ان دونوں عملوں میں ایک خاص ربط اور مناسبت ہے اور یہ ملت ابراہیمیؑ کے شعائر میں سے ہیں۔ حج میں بھی ان دونوں کا اسی طرح جوڑ ہے اور حاجی قربانی کرنے کے بعد سر صاف کراتا ہے۔ اس لحاظ سے عقیقہ عملی طور پر اس کا بھی اعلان ہے کہ ہمارا رابطہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے اور یہ بچہ بھی ملت ابراہیمیؑ کا ایک فرد ہے۔

(۱۰) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے نواسوں) حسن اور حسین کا عقیقہ کیا اور ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے عقیقہ میں رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک ایک مینڈھے کی قربانی غالباً اس لئے کی کہ اس وقت اتنی ہی وسعت تھی۔ اور اس طرح ان لوگوں کے لئے جن کو زیادہ وسعت حاصل نہ ہو ایک نظیر بھی قائم ہو گئی۔ اس حدیث کی بعض روایات میں بجائے ایک ایک مینڈھے

کے دو دو مینڈھوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک سنن ابی داؤد کی یہی روایت قابل ترجیح ہے جس میں ایک ایک مینڈھے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَ عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاةٍ وَقَالَ يَافَاطِمَةُ اِحْلِقِىْ رَأْسَهٗ وَتَصَدَّقِىْ بِزِنَةِ شَعْرِهٖ فِضَّةً فَوَزَنَّاهُ فَكَانَ وَزْنُهٗ دِرْهَمًا اَوْبَعْضَ دِرْهَمٍ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری کی قربانی کی اور آپ ﷺ نے (اپنی صاحبزادی سیدہ) فاطمہؓ سے فرمایا کہ اس کا سر صاف کردو اور بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کردو ہم نے وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے بھی کچھ کم تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں عقیقہ کے سلسلے میں قربانی کے علاوہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا بھی ذکر ہے، یہ بھی مستحب ہے۔

اس حدیث کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صاحبزادہ حسنؓ کے بالوں کے وزن بھر چاندی صدقہ کرنے کا حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو حکم دیا تھا بعض حضرات نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ حضرت حسنؓ کی پیدائش کے دنوں میں ان کے ماں باپ (حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) کے ہاں اتنی وسعت نہیں تھی کہ وہ عقیقہ کی قربانی کر سکتے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بکری کی قربانی تو اپنی طرف سے کردی، لیکن حضرت فاطمہؓ سے فرمادیا کہ بچے کے بالوں کے وزن بھر چاندی وہ صدقہ کردیں، تاکہ ان کی طرف سے بھی کچھ شکرانہ صدقے کی شکل میں اللہ کے حضور میں گزر جائے۔

تسمیہ (نام رکھنا)

بچے کا اچھا نام رکھنا بھی ایک حق ہے۔ احادیث نبوی ﷺ میں اس بارے میں بھی واضح ہدایات وارد ہوئی ہیں۔

۱۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقُّ الْوَلَدِ عَلَى الْوَالِدِ اَنْ يُحْسِنَ اِسْمَهٗ وَ يُحْسِنَ اَدَبَهٗ. (رواہ البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو حسن ادب سے آراستہ کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۱۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَّلُ مَايَنْحَلُ الرَّجُلُ وَلَدَهٗ اِسْمُهٗ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ. (رواہ ابو الشیخ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بچے کو سب سے پہلا تحفہ نام کا دیتا ہے اس لئے چاہئے کہ اس کا نام اچھا رکھے۔ (ابو الشیخ)

۱۴) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَآءِ کُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَ کُمْ۔ (رواہ احمد و ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تم اپنے اور اپنے آباء کے نام کے ساتھ پکارے جاؤ گے (یعنی پکارا جائے گا فلاں بن فلاں) لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

۱۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَاءِ کُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُاللّٰہِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے ناموں میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ (رواہ مسلم)

تشریح...... عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے زیادہ پسندیدہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے اس میں بندے کی عبدیت کا اعلان ہے اور وہ چیز اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے نام بھی پسندیدہ ناموں میں سے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نسبت کو ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے: "سَمُّوْا بِاَسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ۔" (یعنی پیغمبروں کے نام پہ نام رکھو) اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کے نام ایسے بھی رکھے جو معنوی لحاظ سے اچھے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبروں کے معروف ناموں میں سے نہیں ہیں مثلاً اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا، اور ایک انصاری صحابی کے بچے کا نام مُنذِر رکھا۔ الغرض اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل اور آپ ﷺ کے ارشادات سے یہی رہنمائی ملتی ہے کہ باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچے کا اچھا نام رکھے یا اپنے کسی بزرگ سے رکھوائے۔

حسنِ ادب اور دینی تربیت

اللہ کے سارے پیغمبروں نے اور ان سب کے آخر میں ان کے خاتم سیدنا حضرت محمد ﷺ نے اس چند روزہ دنیوی زندگی کے بارے میں یہی بتایا ہے کہ یہ دراصل آنے والی اس اخروی زندگی کی تمہید اور اس کی تیاری کے لئے ہے جو اصل اور حقیقی زندگی ہے اور جو کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس نقطہ نظر کا قدرتی اور لازمی تقاضا ہے کہ دنیا کے سارے مسئلوں سے زیادہ آخرت کو بنانے اور وہاں فوز و فلاح حاصل کرنے کی فکر کی جائے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ہر صاحبِ اولاد پر اس کی اولاد کا یہ حق بتایا ہے کہ وہ بالکل شروع ہی سے اس کی دینی تعلیم و تربیت کی فکر کرے، اگر وہ اس میں کوتاہی کرے گا تو قصوروار ہوگا۔

اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھئے:

۱۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِفْتَحُوْا عَلٰی صِبْیَانِکُمْ اَوَّلَ کَلِمَۃٍ بِلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَقِّنُوْھُمْ عِنْدَالْمَوْتِ لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہلواؤ، اور موت کے وقت ان کو اسی کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کرو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... انسانی ذہن کی صلاحیتوں کے بارے میں جدید تجربات اور تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے اور اب گویا تسلیم کر لی گئی ہے کہ پیدائش کے وقت ہی سے بچے کے ذہن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ جو آوازیں وہ کان سے سنے اور آنکھوں سے جو کچھ دیکھے اس سے اثر لے، اور وہ اثر لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پیدا ہونے کے بعد ہی بچے کے کان میں (خاص کان میں) اذان و اقامت پڑھنے کی جو ہدایت فرمائی ہے (جیسا کہ حضرت ابو رافع اور حضرت حسین بن علی کی متذکرہ بالا روایات سے معلوم ہو چکا ہے) اس سے بھی یہ صاف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی اس حدیث میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ بچے کی زبان جب بولنے کے لئے کھلنے لگے تو سب سے پہلے اس کو "کلمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کی تلقین کی جائے اور اسی سے زبانی تعلیم و تلقین کا افتتاح ہو۔ آگے بھی یہ ہدایت فرمائی گئی کہ جب آدمی کا وقتِ آخر آئے تو اس وقت بھی اس کو اسی کلمہ کی تلقین کی جائے۔ بڑا خوش نصیب ہے اللہ کا وہ بندہ جس کی زبان سے دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے یہی کلمہ نکلے، اور دنیا سے جاتے وقت یہی اس کا آخری کلمہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

۱۷) **عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَانَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ... حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی باپ نے اپنی اولاد کو کوئی عطیہ اور تحفہ حسن ادب اور اچھی سیرت سے بہتر نہیں دیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یعنی باپ کی طرف سے اولاد کے لئے سب سے اعلیٰ اور بیش بہا تحفہ یہی ہے کہ ان کی ایسی تربیت کرے کہ وہ شائستگی اور اچھے اخلاق و سیرت کے حامل ہوں۔

۱۸) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اٰدَابَهُمْ.** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی اولاد کا اکرام کرو، اور (اچھی تربیت کے ذریعہ) ان کو حسنِ ادب سے آراستہ کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اولاد کا اکرام یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کی امانت سمجھ کر ان کی قدر اور ان کا لحاظ کیا جائے۔ حسبِ استطاعت ان کی ضروریاتِ حیات کا بندوبست کیا جائے۔ انکو بوجھ اور مصیبت نہ سمجھا جائے۔

۱۹) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعٍ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ.**

(رواه ابو داؤد و رواه فى شرح السنه عن ابن معبد)

ترجمہ... حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے

بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان کو نماز کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز میں کوتاہی کرنے پر ان کو سزا دو اور ان کے بستر بھی الگ کر دو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... عام طور سے بچے سات سال کی عمر میں سمجھدار اور باشعور ہو جاتے ہیں' اس وقت سے ان کو خدا پرستی کے راستے پر ڈالنا چاہئے' اور اس کے لئے ان سے نماز کی پابندی کرانی چاہیے۔ دس سال کی عمر میں ان کا شعور کافی ترقی کر جاتا ہے اور بلوغ کا زمانہ قریب آ جاتا ہے' اس وقت نماز کے بارے میں ان پر سختی کرنی چاہئے اور اگر وہ کوتاہی کریں تو مناسب طور پر ان کو سرزنش بھی کرنی چاہئے۔ نیز اس عمر کو پہنچ جانے پر ان کو الگ الگ سلانا چاہئے۔ ایک ساتھ اور ایک بستر پر نہ سلانا چاہئے (دس سال سے پہلے اس کی گنجائش ہے)۔

حدیث کا مدعا یہ ہے کہ ماں باپ پر یہ سب اولاد کے حقوق ہیں' لڑکوں کے بھی اور لڑکیوں کے بھی اور قیامت کے دن ان سب کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

خاص کر لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت

آج تک بھی بہت سے علاقوں میں لڑکی کو ایک بوجھ اور مصیبت سمجھا جاتا ہے' اور اس کے پیدا ہونے پر گھر میں بجائے خوشی کے افسردگی اور غمی کی فضاء ہو جاتی ہے۔ یہ حالت تو آج ہے لیکن اسلام سے پہلے عربوں میں تو بے چاری لڑکی کو باعث ننگ و عار تصور کیا جاتا تھا اور اس کا یہ حق بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کو زندہ ہی رہنے دیا جائے۔ بہت سے شقی القلب خود اپنے ہاتھوں سے اپنی بچی کا گلا گھونٹ کر اسکا خاتمہ کر دیتے تھے' یا اسکو زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے۔

ان کا یہ حال قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيمٌ ۝ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ط أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُوْنٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ط (النحل، ١٦: ٥٩)

جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر سنائی جاتی ہے تو وہ دل مسوس کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے' ان کو منہ نہیں دکھانا چاہتا' اس برائی کی وجہ سے جس کی اسے خبر ملی ہے۔ سوچتا ہے کیا اس نو مولود بچی کو ذلت کے ساتھ باقی رکھے یا اس کو کہیں لے جا کر مٹی میں دبا دے۔

یہ تھا لڑکیوں کے بارے میں ان عربوں کا ظالمانہ رویہ جن میں رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ اس فضا اور اس پس منظر کو پیش نظر رکھ کے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھیے:

(٢٠) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ وُلِدَتْ لَهٗ اِبْنَةٌ فَلَمْ يُؤْذِهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا...... يَعْنِى الذُّكُوْرَ...... اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهَا الْجَنَّةَ. (رواه احمد والحاكم فى المستدرك)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو' پھر وہ نہ تو اسے کوئی ایذاء پہنچائے اور نہ اس کی توہین اور ناقدری کرے' اور نہ محبت اور برتاؤ میں لڑکوں کو اس پر ترجیح دے (یعنی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے جیسا کہ لڑکوں کے ساتھ کرتا

ہے) تو اللہ تعالیٰ لڑکی کے ساتھ اس حسنِ سلوک کے صلے میں اس کو جنت عطا فرمائے گا۔
(مسند احمد، مستدرک حاکم)

۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْئٍ فَاَحْسَنَ اِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس بندے یا بندی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیٹیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی (اور اس نے اس ذمہ داری کو ادا کیا) اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، تو یہ بیٹیاں اس کے لئے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت صدیقہؓ کی اسی حدیث کی ایک روایت میں وہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک نہایت غریب عورت کچھ مانگنے کے لئے آئی، اس کے ساتھ اس کی دو بچیاں بھی تھیں، اتفاق سے ان کے پاس اس وقت صرف ایک کھجور تھی۔ حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے وہی کھجور اس بیچاری کو دیدی۔ اس نے اسی ایک کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دیئے، اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیا اور چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جس بندے یا بندی پر بیٹیوں کی ذمہ داری پڑے، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، تو یہ بیٹیاں آخرت میں اس کی نجات کا سامان بنیں گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آدمی اگر بالفرض اپنے کچھ گناہوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے قابل ہوگا تو لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کے صلہ میں اس کی مغفرت فرمادی جائے گی اور وہ دوزخ سے بچا دیا جائے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ایک بیچاری مسکین عورت اپنی دو بچیوں کو گود میں لئے ان کے پاس آئی اور سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو تین کھجوریں دیں، اس نے ایک ایک دونوں بچیوں کو دیدی، اور ایک خود کھانے کے لئے اپنے منہ میں رکھنے لگی، بچیوں نے اس تیسری کھجور کو بھی مانگا تو اس نے خود نہیں کھائی، بلکہ وہ بھی آدھی آدھی کر کے دونوں بچیوں کو دیدی۔ حضرت عائشہؓ اس کے اس طرز عمل سے بہت متاثر ہوئیں اور انہوںؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے اسی عمل کی وجہ سے اس کے لئے جنت کا اور دوزخ سے رہائی کا فیصلہ فرمادیا۔"

ہو سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کے ساتھ یہ دونوں واقعے الگ الگ پیش آئے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ واقعہ ایک ہی ہو اور راویوں کے بیان میں اختلاف ہو گیا ہو۔

۲۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَ هُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو بندہ دو لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح ساتھ ہوں گے۔ راوی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔ (یعنی یہ کہ جس طرح یہ انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں، اسی طرح میں اور وہ شخص بالکل ساتھ ہوں گے)۔ (صحیح مسلم)

۲۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ ثَلٰثَ اَخَوَاتٍ اَوْ اُخْتَیْنِ اَوْ بِنْتَیْنِ فَاَدَّبَهُنَّ وَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ وَزَوَّجَهُنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس بندے نے تین بیٹیوں یا تین بہنوں یا دو ہی بیٹیوں یا بہنوں کا بار اٹھایا اور ان کی اچھی تربیت کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور پھر ان کا نکاح بھی کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس بندے کیلئے جنت کا فیصلہ ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے حُسنِ سلوک کو لڑکیوں کا صرف حق ہی نہیں بتلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر داخلۂ جنت اور عذابِ دوزخ سے نجات کا آپ نے اعلان فرمایا، اور یہ انتہائی خوش خبری سنائی کہ لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اہل ایمان قیامت میں اس طرح میرے قریب اور بالکل میرے ساتھ ہوں گے جس طرح ایک ہاتھ کی باہم ملی ہوئی انگلیاں ساتھ ہوتی ہیں۔

داد و دہش میں مساوات و برابری بھی اولاد کا حق ہے

رسول اللہ ﷺ نے اولاد کے بارے میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ داد و دہش میں سب کے ساتھ انصاف اور برابری کا برتاؤ کیا جائے، یہ نہ ہو کہ کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو محروم رکھا جائے یا کم دیا جائے۔ یہ چیز بذاتِ خود بھی مطلوب ہے، اور اس عدل و انصاف کا بھی تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس کے علاوہ اس میں یہ بھی حکمت و مصلحت ہے کہ اگر اولاد میں سے کسی کو زیادہ نوازا جائے اور کسی کو کم تو ان میں باہم بغض و حسد پیدا ہوگا جو دین اور تقوے کے لئے تباہ کن اور ہزار فتنوں کی جڑ ہے۔ نیز اولاد میں جس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اس کے دل میں باپ کی طرف سے میل آئے گا اور شکایت کدورت پیدا ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس کا انجام کتنا خراب ہوگا۔ ان سب وجوہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں سخت تاکیدیں فرمائی ہیں اور اس رویہ کو ایک طرح کا ظلم قرار دیا ہے۔ اس باب میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

۲۴) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ اَنَّ اَبَاهُ اَتٰی بِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ نَحَلْتُ اِبْنِیْ هٰذَا غُلَامًا فَقَالَ اَكُلَّ وُلْدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ؟ قَالَ لَا قَالَ فَارْجِعْهُ وَفِیْ رِوَایَةٍ اِنَّهٗ قَالَ اَیَسُرُّكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا اِلَیْكَ فِی الْبِرِّ سَوَاءً قَالَ بَلٰی قَالَ فَلَا اِذًا وَ فِیْ رِوَایَةٍ اَنَّهٗ قَالَ اَعْطَانِیْ اَبِیْ عَطِیَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ لَا اَرْضٰی حَتّٰی تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنِّیْ

اَعْطَيْتُ اِبْنِىْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِىْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَعْطَيْتَ سَائِرَ وُلْدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ لَا قَالَ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ قَالَ فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ اِنَّهُ قَالَ لَا اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے والد مجھے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (بعض روایات میں ہے کہ گود میں لے کر حاضر ہوئے) اور عرض کیا کہ میں نے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کر دیا ہے۔ بعض روایات میں بجائے غلام کے باغ ہبہ کرنے کا ذکر ہے، بہر حال آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: "کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی اتنا دیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ: نہیں (اوروں کو تو نہیں دیا، صرف اسی لڑکے نعمان کو دیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: پھر یہ تو ٹھیک نہیں۔ اور فرمایا کہ: اس کو واپس لے لو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری سب اولاد یکساں طور پر تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار بنے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ہاں! حضرت ﷺ یہ تو ضرور چاہتا ہوں! تو آپؐ نے فرمایا: پھر ایسا نہ کرو (کہ ایک کو دو اور دوسروں کو محروم رکھو) اور نعمان بن بشیرؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں (یہی واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ میرے والد نے (میری والدہ کے اصرار پر) میرے لئے کچھ ہبہ کیا تو میری والدہ عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں جب خوش اور مطمئن ہوں گی جب تم رسول اللہ ﷺ کو اس ہبہ کا گواہ بنا دو گے۔ چنانچہ میرے والد نعمان حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری بیوی عمرہ بنت رواحہ سے میرا جو بچہ (نعمان) ہے میں نے اس کے لئے کچھ ہبہ کیا ہے، تو اس کی ماں نے مجھ سے تاکید کی ہے کہ حضور ﷺ کو اس کا گواہ بنا دوں اور اس طرح حضور ﷺ کی منظوری بھی حاصل کر کے ہبہ کو پکا کر دوں) آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ: کیا تم اپنے اور سب بچوں کے لئے بھی اتنا ہی ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں (اوروں کے لئے تو نہیں کیا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: فاتقوا اللہ واعدلوا بین اولادکم (یعنی خدا سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ مساوات اور برابری کا سلوک کرو) حضرت نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمانے پر والد صاحب نے رجوع کر لیا اور ہبہ واپس لے لیا۔ اور ایک روایت میں ہے: حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: میں بے انصافی کے معاملہ کا گواہ نہیں بن سکتا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ ظاہر ہے اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے اور اس کو جور یعنی بے انصافی قرار دیا گیا ہے کہ اولاد میں سے کسی کے ساتھ داد و دہش میں ترجیحی سلوک کیا جائے۔ بعض فقہاء نے اس کو حرام تک کہا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اور آئمہ اربعہ میں سے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے (بعض دوسرے دلائل اور قرائن کی بناء) پر اس کو حرام تو نہیں، لیکن مکروہ اور سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے مگر واضح رہے کہ یہ حکم اسی صورت میں ہے جبکہ ترجیحی سلوک بلا کسی ایسی وجہ کے جو شرعاً معتبر ہو، لیکن اگر کوئی ایسی وجہ موجود ہو تو پھر اس وجہ کے بقدر ترجیحی سلوک درست ہوگا۔ مثلاً اولاد میں سے کسی کی صحت مستقل طور پر خراب ہے اور وہ دوسرے بھائیوں کی طرح معاشی جد و جہد نہیں کر سکتا تو اس کے

ساتھ خصوصی سلوک عدل وانصاف کے خلاف نہ ہوگا بلکہ ایک درجہ میں ضروری اور باعث اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر اولاد میں سے کسی نے اپنے کو دین وملت کی خدمت میں اس طرح لگادیا ہے کہ معاشی جد وجہد میں زیادہ حصہ نہیں لے سکتا تو اس کے ساتھ بھی مناسب حد تک خصوصی سلوک جائز ہے بلکہ باعثِ اجر ہوگا۔ علیٰ ہذا اگر کسی ایک بھائی کے ساتھ خصوصی اور ترجیحی سلوک پر دوسرے بھائی رضامند ہوں تب بھی یہ جائز ہوگا۔

۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ ﷺ سَوُّوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِى الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلًا اَحَدًا فَضَّلْتُ النِّسَاءَ. (رواه سعيد بن منصور فى سننه والطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: داد ودہش میں اپنی سب اولاد کیساتھ مساوات اور برابری کا معاملہ کرو۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کو ترجیح دیتا تو عورتوں (یعنی لڑکیوں) کو ترجیح دیتا۔ (یعنی مساوات اور برابری ضروری نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ لڑکیوں کو لڑکوں سے زیادہ دیا جائے۔) (سنن سعید ابن منصور، معجم کبیر للطبرانی)

تشریح...... اس حدیث سے فقہا کی ایک جماعت نے یہ بھی سمجھا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد میراث میں اگرچہ لڑکیوں کا حصہ لڑکوں سے نصف ہے، لیکن زندگی میں ان کا حصہ بھائیوں کے برابر ہے، لہٰذا ماں باپ کی طرف سے جو کچھ اور جتنا کچھ لڑکوں کو دیا جائے وہی اور اتنا ہی لڑکیوں کو دیا جائے۔

نکاح اور شادی کی ذمہ داری

رسول اللہ ﷺ نے باپ کی یہ بھی ذمہ داری بتلائی ہے کہ جب بچہ یا بچی نکاح کے قابل ہو جائے تو اسکے نکاح کا بندوبست کیا جائے اور تاکید فرمائی ہے کہ اس میں غفلت نہ برتی جائے۔

۲۶) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَاَدَّبَهُ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ.
(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس کو اللہ تعالیٰ اولاد دے تو چاہئے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو اچھی تربیت دے اور سلیقہ سکھائے، پھر جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے تو اس کے نکاح کا بندوبست کرے، اگر (اس نے اس میں کوتاہی کی اور) شادی کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی (اپنی غفلت اور بے پروائی سے) اس کی شادی کا بندوبست نہیں کیا اور وہ اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس گناہ کا ذمہ دار ہوگا۔
(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اس حدیث میں اولاد کے قابل شادی ہو جانے پر ان کے نکاح اور شادی کے بندوبست کو بھی باپ کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں اس بارے میں بڑی کوتاہی ہو رہی ہے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم نے دوسروں کی تقلید میں نکاح شادی کو بے حد بھاری اور بوجھل بنالیا

ہے اوران کے رسم ورواج کی بیڑیاں اپنے پاؤں میں ڈال لی ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں اور نکاح شادی اس طرح کرنے لگیں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح کئے تھے تو یہ کام اتنا ہلکا پھلکا ہو جائے جتنا ایک مسلمان کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنا' اور پھر اس نکاح اور شادی میں وہ برکتیں ہوں جن سے ہم بالکل محروم ہو گئے ہیں۔

ماں باپ کے حقوق اولاد پر

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق اور اس سلسلہ کی ان کی ذمہ داریاں بیان فرمائیں اسی طرح اولاد پر ماں باپ کے حقوق اور اس سلسلہ کے ان کے فرائض بھی بتلائے' بلکہ اس کو آپ ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں جزو ایمان کا درجہ دیا۔ قرآن مجید جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر نازل کیا ہوا صحیفہ ہدایت ہے' اس میں ماں باپ کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کے ساتھ ساتھ اس طرح دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کے اعمال میں خدا کی عبادت کے بعد ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی کا درجہ ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۝ (بنی اسرائیل، ۱۷:۲۳)

اور تمہارے رب کا قطعی حکم ہے کہ صرف اسی کی عبادت اور پرستش کرو اور ماں باپ کیساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ اور انکی خدمت کرو۔

اور دوسری جگہ سورۂ لقمان میں ماں باپ کا حق بیان کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں اور اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئے کہ ان کے کہنے سے کفر و شرک تو نہ کرے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک اور ان کی خدمت پھر بھی کرتی رہے۔

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۝ (سورہ لقمان، ۳۱:۱۵)

آگے درج ہونے والی حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے ماں باپ کے حقوق اور ان سے متعلق اولاد کے فرائض کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ دراصل قرآن مجید کی ان آیات ہی کی تشریح و تفسیر ہے۔

ماں باپ اولاد کی جنت اور دوزخ ہیں

۲۷) **عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلٰى وَلَدِهِمَا قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ.** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: حضرت (ﷺ)! اولاد پر ماں باپ کا کتنا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: وہ تمہاری جنت اور دوزخ ہیں۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر تم ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت کرو گے اور ان کو راضی رکھو گے تو جنت

پالو گے اور اس کے برعکس اگر ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کر کے انہیں ناراض کرو گے اور ان کا دل دکھاؤ گے تو پھر تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں ہو گا۔

اللہ کی رضا والدین کی رضامندی سے وابستہ ہے

۲۸) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رِضَى الرَّبِّ فِى رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِىْ سَخَطِ الْوَالِدِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک و مولا کو راضی رکھنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے۔ اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لئے والد کی رضاجوئی شرط ہے اور والد کی ناراضی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضی ہے' لہٰذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (ماں کے لئے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے) اس بناء پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحۃً نہیں آیا ہے۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں جو عنقریب درج ہوں گی اس بارے میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے' اس لئے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہو گی اور اس کا بھی وہی درجہ ہو گا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضی کا بتایا گیا ہے۔

ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ

۲۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِىْ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: تمہاری ماں' پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں' پھر میں کہتا ہوں تمہاری ماں' اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے' اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں' پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔

تشریح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے' لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ "مَنْ اَبَرُّ؟" (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے؟) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اُمَّكَ" (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا "ثُمَّ مَنْ؟" (پھر کس کا حق ہے۔) آپ ﷺ

نے پھر فرمایا "اُمُّكَ" (تمہاری ماں کا۔) انہوں نے پھر پوچھا۔ "ثُمَّ مَنْ" (اس کے بعد کس کا حق ہے) آپ ﷺ نے پھر فرمایا اُمُّكَ انہوں نے اس کے بعد پھر پوچھا "ثُمَّ مَنْ" (پھر ماں کے بعد کس حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: "اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ" یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے' اسکے بعد درجہ بدرجہ اہلِ قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے انکے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لئے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم نے امام ترمذی اور امام ابو داؤد نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسنِ سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے' کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اُٹھانی پڑتی ہیں۔

بوڑھے ماں باپ کی خدمت میں کوتاہی کرنے والے بدبخت اور محروم

۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَالْكِبَرِ اَوْاَحَدَ هُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ذلیل ہو' وہ خوار ہو' وہ رسوا ہو۔ عرض کیا گیا' یا رسول اللہ کون؟ (یعنی کس کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: وہ بدنصیب جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے پھر (ان کی خدمت اور ان کا دل خوش کر کے) جنت حاصل نہ کر لے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث اوپر درج ہو چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں (یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی آدمی کو دوزخی بنادیتی ہے) پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کے از کار رفتہ ہو جائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں' اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا زینہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے' اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے بلاشبہ وہ بڑا بدنصیب اور محروم ہے اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمانا ہے کہ وہ نامراد ہوں' ذلیل و خوار ہوں' رسوا ہوں۔

ماں باپ کی خدمت بعض حالات میں ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم

۳۱) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ اُجَاهِدُ قَالَ اَلَكَ اَبَوَانِ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوااور عرض کیا کہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے کہا۔ہاں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ان کی خدمت اور راحت رسانی میں جدو جہد کرو۔ یہی تمہارا جہاد ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح غالباً رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف ہو گئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں' اور یہ ان کو چھوڑ کے ان کی اجازت کے بغیر جہاد کے لئے آ گیا ہے' اس لئے آپ ﷺ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے' کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لئے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہو گا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لئے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے' اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کی خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کرتے تھے اور ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

۳۲) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَجُلًا هَاجَرَ اِلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ هَلْ لَكَ اَحَدٌ بِالْيَمَنِ؟ قَالَ اَبَوَاىَ فَقَالَ اَذِنَا لَكَ؟ قَالَ لَا' قَالَ اِرْجِعْ اِلَيْهِمَا فَاسْتَاْذِنْهُمَا فَاِنْ اَذِنَالَكَ فَجَاهِدْ وَ اِلَّا فَبِرَّهُمَا.** (رواہ ابو داؤد و احمد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا' تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا یمن میں تمہارا کوئی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ :ہاں میرے والدین ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: کیا انہوں نے تم کو اجازت دی ہے؟ (اور تم ان کی اجازت سے یہاں آئے ہو؟) اس نے عرض کیا: ایسا تو نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر ماں باپ کے پاس واپس جاؤ' اور یہاں آنے کی (اور جہاد اور دین کی محنت میں لگنے کی) ان سے اجازت مانگو' پھر وہ اگر تمہیں اجازت دے دیں تو آؤ اور جہاد میں لگ جاؤ اور اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ (سنن ابی داؤد' مسند احمد)

تشریح ہجرت کر کے آنے والوں اور جہاد میں شرکت کرنے والوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو عام مستقل رویہ اور اسوۂ حسنہ تھا اس کی روشنی میں اس قسم کی تمام احادیث کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا تعلق اس صورت سے ہے جب ماں باپ خدمت کے سخت محتاج ہوں اور کوئی دوسرا ان کی خبر گیری

کرنے والا نہ ہو اور اس وجہ سے وہ اجازت بھی نہ دیں تو پھر بلاشبہ ان کی خدمت اور خبر گیری ہجرت اور جہاد سے بھی مقدم ہو گی۔

جنت ماں کے قدموں میں ہے

۳۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا.

(رواه احمد والنسائى)

ترجمہ: معاویہ بن جاہمہ سے روایت ہے کہ میرے والد جاہمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: "میرا ارادہ جہاد میں جانے کا ہے اور میں آپ ﷺ سے اس بارے میں مشورہ لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" آپ ﷺ نے اُن سے پوچھا: کیا تمہاری ماں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: "ہاں! ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر انہی کے پاس اور انہی کی خدمت میں رہو' ان کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ (مسند احمد' سنن نسائی)

۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نِمْتُ فَرَاَيْتُنِيْ فِي الْجَنَّةِ فَسَمِعْتُ فِيْهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا حَارِثَةُ بْنُ النُّعْمَانِ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ كَذٰلِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّهِ.

(رواه البغوى فى شرح السنه والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں سویا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں' وہیں میں نے کسی کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی' تو میں نے دریافت کیا کہ: "اللہ کا یہ کون بندہ ہے جو یہاں جنت میں قرآن پڑھ رہا ہے؟" تو مجھے بتایا گیا کہ "یہ حارثہ بن النعمان ہیں" ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے' ماں باپ کی خدمت و اطاعت شعاری ایسی ہی چیز ہے۔ (رسول اللہ ﷺ نے اپنا یہ خواب بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ) حارثہ بن النعمان اپنی ماں کے بہت ہی خدمت گزار اور اطاعت شعار تھے (یعنی اس عمل نے ان کو اس مقام تک پہنچایا کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ان کی قرأت سنی۔) (شرح السنہ للبغوی و شعب الایمان)

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ

۳۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيْمًا فَهَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ؟ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ لَا قَالَ وَهَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَبِرَّهَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: حضرت! میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے' تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے (اور مجھے معافی مل سکتی ہے) آپ ﷺ نے پوچھا: تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ماں تو نہیں ہے

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو (اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہیں معاف فرمادے گا۔) (جامع ترمذی)

تشریح ..... توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا' تاکہ اللہ کے غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے' اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرمادے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضا و رحمت کو کھینچتے ہیں (ان الحسنات یذهبن السیات) لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہی اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہ کاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے' اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

خدمت اور حسن سلوک کافر و مشرک ماں کا بھی حق ہے

۳۶) **عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ مُشْرِكَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَیْشٍ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اُمِّیْ قَدِمَتْ عَلَیَّ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ صِلِیْهَا.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور قریش مکہ کے (حدیبیہ والے) معاہدے کے زمانہ میں میری ماں جو اپنے مشرکانہ مذہب پر قائم تھی (سفر کر کے مدینے میں) میرے پاس آئی' تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ کچھ خواہش مند ہے' تو کیا میں اس کی خدمت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کی خدمت کرو (اور اس کے ساتھ وہ سلوک کرو جو بیٹی کو ماں کے ساتھ کرنا چاہئے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح حضرت اسماء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور دوسری ماں سے حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھیں' ان کی ماں کا نام روایات میں قتیلہ بنت عبدالعزی ذکر کیا گیا ہے (جن کو حضرت ابو بکرؓ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں طلاق دے کر الگ کر دیا تھا' بہر حال اسلام کے دور میں یہ ان کی بیوی نہیں رہیں اور اپنے مشرکانہ طریقے ہی پر قائم رہیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں جب مشرکین مکہ کو مدینہ آنے کی اور مدینہ کے مسلمانوں کو مکہ جانے کی آزادی حاصل ہو گئی تو حضرت اسماء کی یہ ماں اپنی بیٹی کے پاس مدینے آئیں۔ حضرت اسماءؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: "مجھے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہئے' کیا ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے میں ان سے "ترک موالات" کروں' یا ماں کے رشتے کا لحاظ کر کے ان کی خدمت اور انکے ساتھ اچھا سلوک کروں؟" آپ ﷺ نے حکم دیا کہ: انکے ساتھ اچھا سلوک کرو جو ماں کا حق ہے۔

حدیث میں "راغبة" کا لفظ ہے جس کا ترجمہ اس عاجز نے خواہش مند کیا ہے' اس بناء پر مطلب یہ ہو گا کہ حضرت اسماء نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں جو مشرک ہیں کچھ خواہش مند ہو کر یہاں آئی

ہیں یعنی وہ اس کی طالب و متوقع ہیں کہ میں ان کی مالی خدمت کروں۔ بعض شارحین نے اس کا ترجمہ منحرف اور بیزار بھی کیا ہے اور لغت کے لحاظ سے اس کی بھی گنجائش ہے۔ اس بناء پر مطلب یہ ہوگا کہ میری ماں ملنے تو آئی ہیں لیکن ہمارے دین سے منحرف اور بے زار ہیں' ایسی صورت میں ان کے ساتھ میرا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ کیا ماں ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کروں' یا بے تعلقی اور بے رخی کا رویہ اختیار کروں۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو' جو ماں کا حق ہے۔ (نَعَمْ صِلِيهَا)

اوپر قرآن مجید کی وہ آیت ذکر کی جاچکی ہے جس میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی کے ماں باپ کافر و مشرک ہوں' اور وہ اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں اور دباؤ ڈالیں تو اولاد انکی یہ بات تو نہ مانے لیکن انکی خدمت اور انکے ساتھ حسنِ سلوک برابر کرتی رہے۔

ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کے خاص حقوق

اولاد پر ماں باپ کے حقوق کا سلسلہ ان کی زندگی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے کچھ اور حقوق عائد ہو جاتے ہیں جن کا ادا کرتے رہنا سعادت مند اولاد کی ذمہ داری اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا وسیلہ ہے۔

۳۷) **عَنْ اَبِىْ اُسَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اِذْجَاءَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِىْ سَلِمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ بَقِىَ مِنْ بَرِّ اَبَوَيَّ شَيْئٌ اَبَرُّهُمَا مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمَا؟ قَالَ نَعَمْ اَلصَّلٰوةُ عَلَيْهِمَا وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَاِنْفَاذُ عَهْدِ هِمَا وَصِلَةُ الرَّحْمِ الَّتِىْ لَاتُوْصَلُ اِلَّا بِهِمَا وَاِكْرَامُ صَدِيْقِهِمَا.** (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے بنی سلمہ میں سے ایک شخص آئے اور انہوں نے دریافت کیا کہ: یا رسول اللہ! کیا میرے ماں باپ کے مجھ پر کچھ ایسے بھی حق ہیں جو ان کے مرنے کے بعد مجھے ادا کرنے چاہئیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! ان کے لئے خیر و رحمت کی دعا کرتے رہنا' ان کے واسطے اللہ سے مغفرت اور بخشش مانگنا' ان کا اگر کوئی عہد معاہدہ کسی سے ہو تو اس کو پورا کرنا' ان کے تعلق سے جو رشتے ہوں ان کا لحاظ رکھنا اور ان کا حق ادا کرنا' اور ان کے دوستوں کا اکرام و احترام کرنا۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

۳۸) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصِلَ اَبَاهُ فِىْ قَبْرِهٖ فَلْيَصِلْ اِخْوَانَ اَبِيْهِ بَعْدَهٗ.** (رواہ ابن حبان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو کوئی یہ چاہے کہ قبر میں اپنے باپ کو آرام پہنچا ئے اور خدمت کرے تو باپ کے انتقال کے بعد اس کے بھائیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے' جو رکھنا چاہئے۔ (صحیح ابن حبان)

۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ يُّوَلِّىْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: باپ کی خدمت اور حسن سلوک کی ایک اعلیٰ قسم یہ ہے کہ انکے انتقال کے بعد انکے دوستوں کے ساتھ (اکرام واحترام کا) تعلق رکھا جائے اور باپ کی دوستی و محبت کا حق ادا کیا جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ان دونوں حدیثوں میں صرف باپ کے بھائیوں اور اہل محبت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بات پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس باب میں ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ابھی اوپر حضرت ابو اسید ساعدی کی روایت سے جو حدیث ذکر کی جا چکی ہے اس میں ماں باپ دونوں کے اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک اور اہلِ محبت کے اکرام واحترام کو اولاد پر ماں باپ کے مرنے کے بعد ان کا حق بتایا گیا ہے۔

۴۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوْتُ وَالِدَاهُ اَوْ اَحَدُهُمَا وَاِنَّهُ لَهُمَا لَعَاقٌّ فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْ لَهُمَا وَيَسْتَغْفِرُلَهُمَا حَتّٰى يَكْتُبَهُ اللّٰهُ بَارًّا. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی آدمی کے ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی کا انتقال ہو جاتا ہے اور اولاد زندگی میں ان کی نافرمان اور ان کی رضامندی سے محروم ہوتی ہے لیکن یہ اولاد ان کے انتقال کے بعد (سچے دل) سے ان کیلئے اللہ تعالیٰ سے خیر و رحمت کی دعا اور مغفرت و بخشش کی استدعا کرتی رہتی ہے (اور اسطرح اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہتی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس نافرمان اولاد کو فرمانبردار قرار دے دیتا ہے (پھر وہ ماں باپ کی نافرمانی کے وبال اور عذاب سے بچ جاتی ہے) (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... جس طرح زندگی میں ماں باپ کی فرمانبرداری و خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اعلیٰ درجے کا عملِ صالح ہے جو بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے اخلاص اور الحاح سے رحمت و مغفرت کی دعا ایسا عمل ہے جو ایک طرف تو ماں باپ کے لئے قبر میں راحت و سکون کا وسیلہ بنتا ہے اور دوسری طرف اس سے اولاد کے ان قصوروں کی تلافی ہو جاتی ہے جو ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت میں ان سے ہوئی ہو اور وہ خود اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ قرآن پاک میں اولاد کو خاص طور سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ماں باپ کے لئے رحمت و مغفرت مانگا کرے۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِىْ صَغِيْرًا. (بنی اسرائیل ع ۳)

اور اللہ سے یوں عرض کیا کرو کہ: اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپنے میں (شفقت کے ساتھ) پالا تھا۔

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی دنیوی برکات

ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کی اصل جزاء تو جنت اور رضائے الٰہی ہے جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہو چکا ہے جو "ماں باپ کے حقوق" کے زیر عنوان پہلے درج ہو چکی ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرنے والی اولاد کو اللہ تعالیٰ کچھ خاص برکتوں سے اس دنیا میں بھی نوازتا ہے۔

۴۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ فِىْ عُمُرِ الرَّجُلِ بِبِرِّهٖ وَالِدَيْهِ.
(رواه ابن منيع و ابن عدى)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ ماں باپ کی خدمت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی وجہ سے آدمی کی عمر بڑھادیتا ہے۔ (مسند ابن منیع کامل ابن عدی)

تشریح...... اس طرح کی احادیث کا تقدیر کے مسئلہ سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا اور معلوم ہے کہ فلاں آدمی ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری کرے گا اسی لحاظ سے اس کی عمر اس سے زیادہ مقرر فرمائی گئی جتنی کہ اس کو ماں باپ کی خدمت اور فرمانبرداری نہ کرنے کی صورت میں دی جاتی۔ اسی طرح ان سب حدیثوں کو سمجھنا چاہئے جن میں کسی اچھے عمل پر رزق میں وسعت اور برکت وغیرہ کی خوش خبری سنائی گئی ہے۔ حالانکہ رزق کی تنگی اور وسعت بھی مقدر ہے۔

۴۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِرُّوا آبَاءَ كُمْ يَبِرُّ اَبْنَاءُ كُمْ وَعِفُّوْا تَعِفُّ نِسَاءُ كُمْ.
(رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے آباء (ماں باپ) کی خدمت و فرمانبرداری کرو، تمہاری اولاد تمہاری فرمانبردار اور خدمت گزار ہوگی اور تم پاک دامنی کے ساتھ رہو تمہاری عورتیں پاک دامن رہیں گی۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرے گی اللہ تعالیٰ اس کی اولاد کو اس کا فرمانبردار اور خدمت گزار بنادے گا، اسی طرح جو لوگ پاکدامنی کی زندگی گزاریں گے، اللہ تعالیٰ ان کی بیویوں کو پاک دامنی کی توفیق دے گا۔

والدین کی نافرمانی وایذاءرسانی عظیم ترین گناہ

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ماں باپ کی فرمانبرداری اور راحت رسانی کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے (جو جنت اور رضائے الٰہی کا خاص وسیلہ ہے) اسی طرح ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی کو "اکبر الکبائر" یعنی بدترین اور خبیث ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے۔

۴۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِىُّ ﷺ عَنِ الْكَبَائِرِ فَقَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ

وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کبیرہ (یعنی بڑے بڑے) گناہوں کے بارے میں دریافت کیا گیا (کہ وہ کون کون سے گناہ ہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: خدا کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی وایذاء رسانی، کسی بندے کو ناحق قتل کرنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ (صحیح بخاری)

تشریح: صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ان گناہوں کو "اکبر الکبائر" (یعنی کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ) بتایا گیا ہے، اور جس ترتیب سے آپ ﷺ نے ان کا ذکر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک کے بعد والدین کے حقوق (یعنی انکی نافرمانی اور ایذاء رسانی) کا درجہ ہے، حتی کہ قتلِ نفس کا درجہ بھی اس کے بعد ہے۔

۴۴) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْه؟ قَالَ نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ آبَاهُ وَيَسُبُّ اُمَّهُ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ: یارسول اللہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے، پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے، (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے، اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا، اور یہ گناہِ کبیرہ کے درجہ کی چیز ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے، اور اس بارے میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیئے۔

دوسرے اہلِ قرابت کے حقوق اور صلۂ رحمی کی اہمیت

اسلامی تعلیم میں والدین کے علاوہ دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی پر بھی بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور "صلۂ رحمی" اس کا خاص عنوان ہے۔ قرآن مجید میں جہاں والدین کی خدمت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی گئی ہے وہیں "وَذِي الْقُرْبٰى" فرما کر دوسرے اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوقِ قرابت کی ادائیگی کی بھی وصیت فرمائی گئی ہے۔ ابھی چند صفحے پہلے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک سائل کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ: خدمت اور حسنِ سلوک کا سب سے پہلا حق تم پر تمہاری ماں کا ہے، اسکے بعد باپ کا، اس کے بعد درجہ بدرجہ دوسرے اہلِ قرابت کا۔" اب یہاں چند وہ حدیثیں اور پڑھ لیجئے جن میں صلۂ رحمی کی اہمیت اور

اسکے فضائل و برکات بیان فرمائے گئے ہیں، یا اسکے برعکس قطع رحمی کے بُرے انجام سے خبر دار کیا گیا ہے۔

۴۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ قَالَ اللهُ تَعَالٰی مَنْ وَصَلَكَ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكَ قَطَعْتُهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: رحم (یعنی حق قرابت) مشتق ہے رحمٰن سے (یعنی خداوند رحمٰن کی رحمت کی ایک شاخ ہے اور اس نسبت سے) اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ جو تجھے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا، اور جو تجھے توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ انسانوں کی باہم قرابت اور رشتہ داری کے تعلق کو اللہ تعالیٰ کے اسم پاک رحمٰن سے اور اس کی صفت رحمت سے خاص نسبت ہے اور وہی اس کا سر چشمہ ہے، اور اسی لئے اس کا عنوان رحم مقرر کیا گیا ہے۔ اس خصوصی نسبت ہی کی وجہ سے عنداللہ اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو صلۂ رحمی کرے گا (یعنی قرابت اور رشتہ داری کے حقوق ادا کرے گا، اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا) اس کو اللہ تعالیٰ اپنے سے وابستہ کرلے گا، اور اپنا بنالے گا، اور جو کوئی اس کے برعکس قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سے کاٹ دے گا اور دور اور بے تعلق کر دے گا۔ اسی ایک حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں صلۂ رحمی کی (یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ حسن سلوک کی) کتنی اہمیت ہے، اور اس میں کوتاہی کتنا سنگین جرم اور کتنی بڑی محرومی ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں کا مضمون بھی اس کے قریب ہی قریب ہے۔

۴۶) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی اَنَا اللهُ وَاَنَا الرَّحْمٰنُ خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اِسْمِیْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَ بَتَّتُّهٗ.

(رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "میں اللہ ہوں، میں الرحمٰن ہوں، میں نے رشتۂ قرابت کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن کے مادہ سے نکال کر اس کو رحم کا نام دیا ہے، پس جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑدوں گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے پیدائش کا ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا رشتوں کے بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے، پھر ان رشتوں کے کچھ فطری تقاضے اور حقوق ہیں جن کا عنوان اللہ تعالیٰ نے رحم مقرر کیا ہے، جو اس کے نام پاک رحمٰن سے گویا مشتق ہے (یعنی دونوں کا مادہ ایک ہی ہے) پس جو بندہ انسان کی فطرت میں رکھے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا (یعنی صلۂ رحمی کرے گا) اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ وہ اس کو جوڑے گا (یعنی اس کو اپنا بنالے گا اور فضل و کرم سے نوازے گا) اور اس کے برعکس جو قطع رحمی کا رویہ اختیار کرے گا اور قرابت کے

ان حقوق کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو توڑ دے گا' یعنی اپنے قرب اور اپنی رحمت و کرم سے محروم کر دے گا۔

آج کی دنیا میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت سے محرومی کا منظر جو ہر جگہ نظر آرہا ہے' بلاشبہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والی ہماری بہت سی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے' لیکن ان احادیث کی روشنی میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس بربادی اور محرومی میں بڑا دخل ہمارے اس جرم کو بھی ہے کہ صلہ رحمی کی تعلیم و ہدایت کو ہماری غالب اکثریت نے بالکل ہی بھلا دیا ہے' اور اس باب میں ہمارا طرزِ عمل غیر مسلموں سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے۔

صلۂ رحمی کے بعض دنیوی برکات

۴۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِىْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَأَ لَهٗ فِىْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی یہ چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی اور کشادگی ہو' اور دنیا میں اس کے آثارِ قدم تادیر رہیں (یعنی اس کی عمر دراز ہو) تو وہ (اہل قرابت کے ساتھ) صلہ رحمی کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اللہ کی کتاب قرآنِ پاک اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں یہ حقیقت جا بجا بیان فرمائی گئی ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ صلہ رحمی یعنی اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک وہ مبارک عمل ہے جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق میں وسعت اور عمر میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی کی دو ہی صورتیں ہیں' ایک یہ کہ آدمی اپنی کمائی سے اہلِ قرابت کی مالی خدمت کرے' دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور اپنی زندگی کا کچھ حصہ ان کے کاموں میں لگائے' اس کے صلہ میں رزق و مال میں وسعت اور زندگی کی مدت میں اضافہ اور برکت بالکل قرینِ قیاس اور اللہ تعالیٰ کی حکمت و رحمت کے عین مطابق ہے۔

اسبابی نقطۂ نظر سے بھی یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے' یہ واقعہ اور عام تجربہ ہے کہ خاندانی جھگڑے اور خانگی الجھنیں جو زیادہ تر حقوقِ قرابت ادا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کے لئے دلی پریشانی اور اندرونی کڑھن اور گھٹن کا باعث بنتی ہیں اور کاروبار اور صحت ہر چیز متاثر کرتی ہیں لیکن جو لوگ اہلِ خاندان اور اقارب کے ساتھ نیکی اور صلہ رحمی کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک رکھتے ہیں ان کی زندگی انشراح و طمانیت اور خوش دلی کے ساتھ گزرتی ہے اور ہر لحاظ سے ان کے حالات بہتر رہتے ہیں اور فضلِ خداوندی ان کے شاملِ حال رہتا ہے۔

قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ

۴۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داروں اور اہلِ قرابت کے ساتھ براسلوک کرنے والا) جنت میں نہ جاسکے گا۔
(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... اس ایک حدیث سے سمجھا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں اور اللہ کے نزدیک صلۂ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطعی رحمی کس درجہ کا گناہ ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا' ہاں جب اس کو سزا دے کے پاک کردیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کردیا جائیگا تو جاسکے گا' جب تک ان دونوں میں سے ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اسکے لئے بند رہے گا۔

قطع رحمی کرنیوالوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا۔ اہلِ قرابت کے ساتھ براسلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

۴۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِي وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو (صلہ رحمی کرنے والے اپنے اقرباء کے ساتھ) بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں صلہ رحمی کرے (اور قرابت داروں کا حق ادا کرے) جب وہ اس کے ساتھ قطع رحم (اور حق تلفی) کا معاملہ کریں۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس کے برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ دیر سویر ان کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا۔

میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریاں

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ازدواجی تعلق کی جو خاص نوعیت اور اہمیت ہے اور اس سے جو عظیم مصالح اور منافع وابستہ ہیں وہ کسی وضاحت کے محتاج نہیں' نیز زندگی کا سکون اور قلب کا اطمینان بڑی حد

تک اسی کی خوشگواری اور باہمی الفت واعتماد پر موقوف ہے۔ پھر جیسا کہ ظاہر ہے اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ فریقین کو پاکیزگی کے ساتھ زندگی کی وہ مسرتیں اور راحتیں نصیب ہوں جو اس تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور آدمی آوارگی اور پراگندگی سے محفوظ رہ کر زندگی کے فرائض و وظائف ادا کر سکے اور نسلِ انسانی کا وہ تسلسل بھی انسانی عظمت اور شرف کے ساتھ جاری رہے جو اس دنیا کے خالق کی مشیت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد بھی اسی صورت میں بہتر طریقے پر پورے ہو سکتے ہیں جبکہ فریقین میں زیادہ سے زیادہ محبت و یگانگت اور تعلق میں زیادہ سے زیادہ خوشگواری ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے باہمی حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا خاص مقصد یہی ہے کہ یہ تعلق فریقین کے لئے زیادہ سے زیادہ خوش گوار اور مسرت و راحت کا باعث ہو' دل جڑے رہیں اور وہ مقاصد جن کے لئے یہ تعلق قائم کیا جاتا ہے بہتر طریقے سے پورے ہوں۔

اس باب میں آنحضرت ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا خلاصہ یہ ہے کہ بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو اپنے لئے سب سے بالاتر سمجھے' اس کی وفادار اور فرمانبردار رہے' اس کی خیر خواہی اور رضاجوئی میں کمی نہ کرے' اپنی دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کی خوشی سے وابستہ سمجھے۔ اور شوہر کو چاہئے کہ وہ بیوی کو اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت سمجھے' اس کی قدر اور اس سے محبت کرے' اگر اس سے غلطی ہو جائے تو چشم پوشی کرے' صبر و تحمل و دانش مندی سے اس کی اصلاح کی کوشش کرے' اپنی استطاعت کی حد تک اس کی ضروریات اچھی طرح پوری کرے' اس کی راحت رسانی اور دل جوئی کی کوشش کرے۔

ان تعلیمات کی صحیح قدر و قیمت سمجھنے کے لئے اب سے قریباً ۱۴۰۰ سو سال پہلے پوری انسانی دنیا اور خاص کر عربوں کے اس ماحول کو سامنے رکھنا چاہئے جس میں بے چاری بیوی کی حیثیت ایک خرید کردہ جانور سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی اور اس غریب کا کوئی حق نہ سمجھا جاتا تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پڑھئے:

بیوی پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہے

۵۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْاَةِ زَوْجُهَا وَاَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الرَّجُلِ اُمُّهٗ. (رواه الحاكم في المستدرك)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت پر سب سے بڑا حق اسکے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے بڑا حق اس کی ماں کا ہے۔ (مستدرک حاکم)

اگر غیر اللہ کیلئے سجدے کی گنجائش ہوتی تو عورتوں کو شوہروں کیلئے سجدے کا حکم ہوتا

۵۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَوْ كُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں کسی کو کسی مخلوق کیلئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... کسی مخلوق پر کسی دوسری مخلوق کا زیادہ سے زیادہ حق بیان کرنے کے لئے اس سے زیادہ بلیغ اور مؤثر کوئی دوسرا عنوان نہیں ہو سکتا جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بیوی پر شوہر کا حق بیان کے لئے اختیار فرمایا۔ حدیث کا مطلب اور مدعا یہی ہے کہ کسی کے نکاح میں آجانے اور اس کی بیوی بن جانے کے بعد عورت پر خدا کے بعد سب سے بڑا حق اسکے شوہر کا ہو جاتا ہے۔ اسے چاہئے کہ اس کی فرمانبرداری اور رضا جوئی میں کوئی کمی نہ کرے۔

جامع ترمذی میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہی الفاظ میں روایت کی گئی ہے۔

۵۲) اور امام احمد نے مسند میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت انسؓ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے

لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ اَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عَظْمِ حَقِّهٖ عَلَيْهَا. (الحدیث)

کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے آدمی کو سجدہ کرے اور اگر یہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے کیونکہ اس پر اس کے شوہر کا بہت بڑا حق ہے۔

۵۳) اور سنن ابن ماجہ میں یہی مضمون حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے حضرت معاذ بن جبل کے ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس روایت میں واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:

"مشہور انصاری صحابی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ملک شام گئے ہوئے تھے، جب وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا۔ آپ ﷺ نے تعجب سے پوچھا:

"مَاهٰذَا يَا مُعَاذُ؟" "معاذ! یہ کیا کر رہے ہو؟"

انہوں نے عرض کیا کہ: میں شام گیا تھا، وہاں کے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے دینی پیشواؤں، پادریوں کو اور قومی سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں، تو میرے دل میں آیا کہ ایسے ہی ہم بھی آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایسا نہ کرو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فَاِنِّیْ لَوْ كُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِغَيْرِ اللّٰهِ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (الحدیث)

اگر میں کسی کو اللہ کے سوا اور کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورت سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

۵۴) اور سنن ابی داؤد میں اس سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی قیس بن سعد سے روایت کیا گیا ہے۔ وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں حیرہ گیا تھا (یہ کوفہ کے پاس ایک قدیمی شہر تھا) وہاں کے لوگوں نے دیکھا کہ وہ ادب و تعظیم کے طور پر اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے اپنی جی میں کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے زیادہ مستحق ہیں

کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں، پھر جب میں (سفر سے لوٹ کے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہی بات عرض کی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا:

اَرَاَيْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ؟ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا، لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَّسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ.

بتاؤ اگر (میرے مرنے کے بعد) تم میری قبر کے پاس سے گزرو گے تو کیا میری قبر کو بھی سجدہ[1] کرو گے؟ (قیس کہتے ہیں) میں نے عرض کیا کہ نہیں (میں آپ کی قبر کو تو سجدہ نہیں کروں گا) تو آپ ﷺ نے فرمایا) ایسے ہی اب بھی نہ کرو۔ (اس کے بعد آپ نے فرمایا) اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کے لئے کہتا تو عورتوں کو کہتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں، اس عظیم حق کی بناء پر جو اللہ نے ان کے شوہروں کا ان پر مقرر کیا ہے۔"

۵۵) اور مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور واقعہ روایت کیا گیا ہے کہ ایک اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدہ کیا (یعنی وہ اس طرح آپ ﷺ کے حضور میں جھک گیا جس کو دیکھنے والوں نے سجدہ سے تعبیر کیا) اس اونٹ کا یہ طرز عمل دیکھ کر بعض صحابہؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اونٹ جیسے چوپائے اور درخت آپ کے لئے سجدہ کرتے ہیں (یعنی جھک جاتے ہیں) تو ان کی بہ نسبت ہمارے لئے زیادہ سزاوار ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْكُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (الحدیث)

عبادت اور پرستش بس اپنے رب کی کرو اور اپنے بھائی کا (یعنی میرا) بس اکرام واحترام کرو، اور اگر میں کسی کو کسی دوسری مخلوق کے لئے سجدہ کرنے کو کہتا تو عورت کو کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ الخ

ان مختلف احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیوی پر شوہر کے حق کے بارے میں یہ سجدے والی بات مختلف موقعوں پر اور بار بار فرمائی۔

ہر قسم کا سجدہ صرف اللہ کیلئے

ان سب حدیثوں سے یہ بات بھی پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ معلوم ہوگئی کہ شریعت محمدی ﷺ میں سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے، اس کے سوا کسی دوسرے کے لئے حتیٰ کہ افضل مخلوق سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کے لئے بھی کسی طرح کے سجدہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معاذ یا قیس بن سعدؓ یا جن دوسرے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سجدے کے بارے میں عرض کیا تھا وہ سجدہ

---

[1] اس سوال سے آپ کا مقصد قیس بن سعد کو یہی بتانا اور سمجھانا تھا کہ میں تو ایک فانی ہستی ہوں، ایک دن وفات پاکر قبر میں دفن ہو جاؤں گا اور اس کے بعد تم بھی مجھے سجدے کے لائق نہ سمجھو گے، پھر مجھے سجدہ کیونکر روا ہو سکتا ہے، سجدہ تو اس ذات کے لئے روا ہے جو "حی لا یموت" ہے اور جس کیلئے کبھی فنا نہیں۔

تحیہ ہی کے بارے میں عرض کیا تھا (جس کو لوگ سجدۂ تعظیمی بھی کہہ دیتے ہیں) اس کا تو شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان صحابہؓ نے معاذ اللہ سجدۂ عبادت و عبودیت کے بارے میں عرض کیا ہو۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا چکا اور آپ ﷺ کی دعوتِ توحید کو قبول کر چکا اس کو تو اس کا وسوسہ بھی نہیں آ سکتا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو سجدۂ عبادت کرے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان حدیثوں کا تعلق خاص کر سجدہ تحیہ ہی سے ہے۔ اسی لئے فقہا نے تصریح کی ہے کہ کسی مخلوق کے لئے سجدۂ تحیہ بھی حرام ہے۔ پس جو لوگ اپنے بزرگوں' مرشدوں کو' یا مرنے کے بعد ان کے مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ بہر حال شریعت محمدی ﷺ کے مجرم اور باغی ہیں اور ان کا یہ عمل صورۃ بلا شبہ شرک ہے۔

{غیر اللہ کے لئے سجدے کے بارے میں یہاں جو چند سطریں لکھی گئیں' یہ مندرجہ بالا احادیث کی تشریح کا ضروری حق اور تقاضا تھا' اب اصل موضوع (یعنی بیوی پر شوہر کے حقوق) سے متعلق بقیہ احادیث پڑھیئے}

شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری

میاں بیوی کے تعلق میں یہ ضروری تھا کہ کسی ایک کو سربراہی کا درجہ دیا جائے اور اسی حساب سے اس پر ذمہ داریاں بھی ڈالی جائیں' اور ظاہر ہے کہ فطری برتری کے لحاظ سے اس کے لئے شوہر ہی زیادہ موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ شریعتِ محمدی ﷺ میں گھر کا سربراہ مرد ہی کو قرار دیا گیا ہے' اور بڑی ذمہ داریاں اسی پر ڈالی گئی ہیں۔ فرمایا گیا ہے: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ" (مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں) اور عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ گھر کے سربراہ و ذمہ دار اور اپنے سرتاج کی حیثیت سے شوہر کی بات مانیں' اور بیوی ہونے کی حیثیت سے ان کی جو مخصوص خانگی ذمہ داریاں ہیں ان کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔ چنانچہ ان کے لئے فرمایا گیا ہے: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ" (النساء:۳۴) (نیک بیویاں شوہروں کی فرمانبردار ہوتی ہیں' اور شوہر کے پیچھے بھی (اس کی آبرو اور ہر امانت کی' حفاظت کرتی ہیں)

اگر عورت شوہر کی اطاعت فرمانبرداری کے بجائے نافرمانی و سرکشی کا رویہ اختیار کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں پہلے کشمکش اور پھر خانہ جنگی ہو گی' جو دونوں کی دینی و دنیوی بربادی کا باعث ہو گی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضاجوئی کی تاکید بھی فرمائی ہے' اور اس کا عظیم اجر و ثواب بیان فرما کر ترغیب بھی دی ہے۔

۵۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمَرْاَةُ اِذَاصَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَىِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ.** (رواه ابو نعيم فى الحلية)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو۔ (حلیہ ابو نعیم)

تشریح   اس حدیث میں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو نماز، روزہ اور زنا سے اپنی حفاظت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، یہ اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ شریعت کی نگاہ میں اس کی بھی ایسی ہی اہمیت ہے جیسی کہ ان ارکان و فرائض کی۔

۵۷) **عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَيُّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عِنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اس حالت میں دنیا سے جائے کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح   اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار واضح کی جاچکی ہے کہ جن احادیث میں کسی خاص عمل پر جنت کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے اور اس کا صلہ جنت ہے اور اس کا کرنے والا جنتی ہے لیکن اگر بالفرض وہ عقیدہ یا عمل کی کسی ایسی گندگی میں ملوث ہو جس کی لازمی سزا دوزخ کا عذاب ہو تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اس کا اثر بھی ظاہر ہو کے رہے گا۔ اسی روشنی میں ام سلمہؓ کی اس حدیث کا مطلب سمجھنا چاہئے۔

دوسری بات یہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ اگر کوئی شوہر ناواجب طور پر اپنی بیوی سے ناراض ہو تو اللہ کے نزدیک بیوی بے قصور ہوگی اور ناراضی کی ذمہ داری خود شوہر پر ہوگی۔

(یہاں تک وہ حدیثیں مذکور ہوئیں جن میں بیویوں پر شوہروں کا حق بیان کیا گیا ہے، اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضاجوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے، اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری اور رضا جوئی کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اب وہ حدیثیں پڑھئے جن میں شوہروں کو بیویوں کی رعایت اور دلجوئی و دلداری اور بہتر رویہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔)

بیویوں کے حقوق اور ان کی رعایت و مدارات کی تاکید

۵۸) **عَنْ جَابِرٍ (فى حديث طويل فى قصة حجة الوداع قال رسول الله ﷺ فى خطبته يوم عرفة) اِتَّقُوا اللهَ فِى النِّسَاءِ وَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَلَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ فَاِنْ فَعَلْنَ ذَالِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حجۃ الوداع میں یوم عرفہ کے خطبہ میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت بھی دی) لوگو! اپنی بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ اپنے عقد میں لیا ہے۔ اور اسی اللہ کے کلمہ اور حکم سے وہ تمہارے لئے حلال ہوئی ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ جس کا (گھر میں آنا اور) تمہارے بستروں پر بیٹھنا تمہیں ناپسند ہو وہ اس کو آکر وہاں بیٹھنے کا موقع نہ دیں، پس اگر وہ ایسی غلطی کریں تو ان کو (تنبیہ و تادیب کے طور پر) تم سزا دے سکتے ہو جو زیادہ سخت نہ ہو،

اور تمہارے ذمہ مناسب طریقے پر انکے کھانے کپڑے (وغیرہ ضروریات) کا بندوبست کرنا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں سب سے پہلی بات تو یہ فرمائی گئی ہے کہ مرد جو عورتوں کے بااختیار اور صاحب امر سربراہ ہیں وہ اپنی اس سربراہی کو خدا کے مواخذہ اور محاسبہ سے بے پرواہو کر عورتوں پر استعمال نہ کریں' وہ ان کے معاملہ میں خدا سے ڈریں اور یاد رکھیں کہ ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان خدا ہے' اسی کے حکم اور اسی کے مقرر کئے ہوئے ضابطۂ نکاح کے مطابق وہ ان کی بیوی بنی ہیں اور ان کے لئے حلال ہوئی ہیں' اور وہ اللہ کی امان میں ان کی ماتحت اور زیرِ دست بنائی گئی ہیں' یعنی ان کی بیوی بن جانے کے بعد ان کو اللہ کی امان اور پناہ حاصل ہے۔ اگر شوہر ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کریں گے تو اللہ کی دی ہوئی امان کو توڑیں گے اور اس کے مجرم ہوں گے۔ "اخذتموهن بامان الله" کا یہی مطلب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس جملہ نے بتایا کہ جب کوئی عورت اللہ کے حکم کے مطابق کسی مرد سے نکاح کر کے اسکی بیوی بن جاتی ہے تو اس کو اللہ کی ایک خاص امان حاصل ہو جاتی ہے۔

یہ عورتوں کے لئے کتنا بڑا شرف ہے اور اس میں ان کے سربراہ شوہروں کو کتنی سخت آگاہی ہے کہ وہ یہ بات یاد رکھیں کہ ان کی بیویاں اللہ کی امان میں ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ شوہروں کا بیویوں پر یہ حق ہے کہ جن مردوں یا عورتوں کا گھر میں آنا اور بیویوں سے بات چیت کرنا انہیں پسند نہ ہو بیویاں ان کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ "ولكم عليهن الا يوطين فرشكم" کا یہی[1] مطلب ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو تم مردوں کو ان کے سربراہ کی حیثیت سے حق ہے کہ ان کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے مناسب سمجھیں تو ان کو سزا دیں' لیکن صراحت کے ساتھ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ یہ سزا سخت نہ ہو "غیر مبرح" کا یہی مطلب ہے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے کہ بیویوں کا شوہر پر یہ خاص حق ہے کہ وہ ان کو کھانے' کپڑے وغیرہ کی ضروریات اپنی حیثیت اور معاشرے کے دستور کے مطابق پوری کریں' اس معاملہ میں بخل و کنجوسی سے کام نہ لیں۔ "بالمعروف" کا یہی مطلب ہے۔

---

[1] اس کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عربوں کی معاشرت میں' گھروں کے اندر دور قریب کے رشتہ داروں اور دوسرے تعلق رکھنے والوں کے آنے جانے اور عورتوں سے بات چیت کرنے کا عام رواج تھا' حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوتے تھے جن کا گھر میں آنا اور بیوی سے بات چیت کرنا شوہر کو ناگوار اور ناپسند ہو سکتا تھا۔ اسی کے بارے میں اس حدیث میں عورتوں کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ وہ اس معاملہ میں شوہروں کی مرضی کی پابندی کریں' اور ایسے کسی مرد یا عورت کو گھر میں آنے اور پاس بیٹھ کر بات چیت کرنے کی اجازت نہ دیں جن کا آنا جانا شوہروں کو ناپسند ہو۔ الغرض "لا یوطین فرشکم" کا یہی مطلب ہے۔ اور آگے اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: اگر بیویاں اس کی خلاف ورزی کریں تو شوہروں کو بطور تنبیہ و تادیب کے سزا دینے کا حق ہے' لیکن یہ سزا سخت نہ ہو **[ضرباً غیر مبرح]** جو لوگ اس کا مطلب بدکاری اور زنا سمجھتے ہیں وہ بہت غلط سمجھتے ہیں' کیونکہ اس کی سزا تو شریعت میں سنگساری ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت

۵۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْئٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو (یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو) ان کی تخلیق پسلی سے ہوئی ہے (جو قدرتی طور پر ٹیڑھی ہوتی ہے) اور زیادہ کجی پسلی کے اوپر کے حصے میں ہوتی ہے، اگر تم اس ٹیڑھی پسلی کو (زبردستی) بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی، اور اگر اسے یونہی اپنے حال پر چھوڑ دو گے (اور درست کرنے کی کوئی کوشش نہ کرو گے) تو پھر وہ ہمیشہ ویسی ہی ٹیڑھی رہے گی، اس لئے بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کی میری وصیت قبول کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: "اِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ" (ان کی تخلیق اور بناوٹ پسلی سے ہوئی ہے) یہ واقعہ کا بیان بھی ہو سکتا ہے اور اس کو محاوراتی تمثیل بھی کہا جا سکتا ہے۔ بہر صورت مقصد و مدعا یہ ہے کہ عورتوں کی جبلت اور سرشت میں کچھ نہ کچھ کجی ہوتی ہے[1] جیسے کہ آدمی کے پہلو کی پسلی میں قدرتی کجی ہوتی ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ زیادہ کجی اس کے اوپر والے حصے میں ہوتی ہے، یہ غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ عورت میں کجی کا زیادہ تر ظہور اوپر کے حصے میں ہوتا ہے جس میں سوچنے والا دماغ اور بولنے والی زبان ہے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ اگر تم ٹیڑھی پسلی کو زور و قوت سے بالکل سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر یونہی چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی اور تشدد سے عورت کی مزاجی کجی نکالنے کی کوشش کرے گا تو وہ کامیاب نہ ہو سکے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ افتراق اور علیحدگی کی نوبت آ جائے اور اگر اصلاح کی بالکل فکر نہ کرے گا تو وہ کجی ہمیشہ رہے گی اور کبھی قلبی سکون اور زندگی کی خوشگواری کی وہ دولت حاصل نہ ہو سکے گی جو رشتۂ ازدواج کا خاص مقصد ہے۔ اس لئے مردوں کو چاہئے کہ وہ عورتوں کی معمولی غلطیوں اور کمزوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کے ساتھ بہتر سلوک اور دلداری کا برتاؤ کریں۔ اس طریقے سے ان کی اصلاح بھی ہو سکے گی، یہ میری خاص وصیت اور نصیحت ہے۔ اس پر کاربند رہو۔ "اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا" سے آپ نے کلام شروع فرمایا تھا اور خاتمہ کلام پر پھر فرمایا: "فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو عورتوں

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے: معناه اقبلوا وصيتى واعملوا بها فى النساء وان فى خلقهن عوجا وسوءا وهو كا لامر اللازم بمنزلة ما يتوارثه الشئ من مادته وان الانسان اذا اراد استيفاء مقاصد المنزل منها لا بدان يجاوزعن محقرات الامور ويكظم الغيظ فيما يجده خلاف هواه ... الخ حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳۵ ج ۲

کے ساتھ حسن سلوک اور دلداری کے برتاؤ کا کتنا اہتمام تھا۔

٦٠) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَایَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ایمان والا شوہر اپنی مؤمنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کو کوئی عادت ناپسندیدہ ہو گی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ بھی ہو گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات و اطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور لاتعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر و قیمت کو سمجھے، یہ مؤمن شوہر کی صفتِ ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ اسی صورتحال کے بارے میں قرآن مجید میں ہدایت دی گئی ہے۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا. (النساء ٤: ١٩)

اور بیویوں کے ساتھ مناسب و معقول طریقے سے گزران کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند بھی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ نے اسمیں بہت خیر و خوبی رکھی ہو۔

بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کمال ایمان کی شرط

٦١) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کا اخلاق برتاؤ (سب کے ساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کے ساتھ جس کا رویہ لطف و محبت کا ہو۔ (جامع ترمذی)

٦٢) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں میں زیادہ کامل الایمان وہ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور (واقعہ میں اللہ کی نگاہ میں) تم میں اچھے اور خیر کے زیادہ حامل وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (جامع ترمذی)

بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا معیاری اور مثالی برتاؤ

۶۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ.

(رواه الترمذي والدارمي ورواه ابن ماجه عن ابن عباس)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی تم میں زیادہ اچھا اور بھلا ہے جو اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ (اسی کے ساتھ فرمایا) اور میں اپنی بیویوں کے لئے بہت اچھا ہوں۔ (جامع ترمذی)

(نیز مسند دارمی اور سنن ابن ماجہ میں یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کی گئی ہے)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ آدمی کی اچھائی اور بھلائی کا خاص معیار اور نشانی یہ ہے کہ اس کا برتاؤ اپنی بیوی کے حق میں اچھا ہو۔ آگے مسلمانوں کے واسطے اپنی اس ہدایت کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی مثال بھی پیش فرمائی کہ خدا کے فضل سے میں اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا برتاؤ انتہائی دلجوئی اور دلداری کا تھا، جس کی ایک دو مثالیں آگے درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گی۔

۶۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ لِيْ صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّ بُهُنَّ اِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ. (رواه البخاري و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس (یعنی نکاح و رخصتی کے بعد آپ ﷺ کے ہاں آجانے کے بعد بھی) گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی، اور میرے ساتھ کھیلنے والی میری کچھ سہیلیاں تھیں (جو ساتھ کھیلنے کے لئے میرے پاس بھی آیا جایا کرتی تھیں) تو جب آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو وہ (آپ کے اس احترام میں کھیل چھوڑ کے) گھر کے اندر جا چھپتیں تو آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھجوا دیتے (یعنی خود فرما دیتے کہ وہ اسی طرح میرے ساتھ کھیلتی رہیں) چنانچہ وہ آ کے پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح — حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صحیح روایات کے مطابق نو سال کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے گھر آگئیں تھیں [1] اور اس وقت وہ گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں اور انہیں اس سے دلچسپی تھی۔ صحیح مسلم کی

---

[1] رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پہلے اور ان کے بعد بھی جن ازواج مطہرات سے نکاح کیا وہ عموماً سن رسیدہ بیوائیں یا پہلے شوہروں کی مطلقہ تھیں، تنہا حضرت صدیقہؓ وہ ہیں جن کی عمر کم تھی۔ اس کم عمری میں یہ نکاح جن عظیم مقاصد اور مصالح کیلئے کیا گیا تھا ان کی وضاحت کے لئے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے۔ اثناء اشارہ یہاں بھی مناسب ہوگا کہ اُمت کو ایک ایسی معلّمہ کی ضرورت تھی جس کی مکمل تربیت خود رسول اللہ ﷺ نے کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اعلیٰ صلاحیتیں بخشی ہوں، اور وہ رسول اللہ ﷺ کی پوری محرم راز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے وحی کے اشارہ سے اس مقصد کیلئے حضرت عائشہؓ کا انتخاب فرمایا تھا اور اسی لئے گویا بچپن ہی سے اُنکو اپنی رفاقت اور تربیت میں لے لیا تھا۔ ۱۲

ایک دوسری حدیث میں خود حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اپنے متعلق یہ بیان ہے: "وَزُفَّتْ اِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعٍ وَلُعَبُهَا مَعَهَا." (یعنی جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور ان کے کھیلنے کی گڑیاں ان کے ساتھ تھیں) صحیحین کی زیر تشریح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ انہیں اس کھیل اور تفریح کی مشغلہ سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں فرماتے تھے بلکہ اس بارے میں ان کی اس حد تک دلداری فرماتے تھے کہ جب آپ کے تشریف لانے پر ساتھ کھیلنے والی دوسری بچیاں کھیل چھوڑ کے بھاگتیں تو آپ ﷺ خود ان کو کھیل جاری رکھنے کے لئے فرمادیتے۔ ظاہر ہے کہ بیوی کی دلداری کی یہ انتہائی مثال ہے۔

حضرت عائشہؓ کی گڑیاں اور تصویر کا مسئلہ

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ذی روح کی تصویر بنانا اور اس کا گھر میں رکھنا جائز نہیں اور اس پر صحیح حدیثوں میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت صدیقہؓ کو گڑیوں سے کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت کیوں دی؟ بعض شارحین نے اس کا ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے گڑیوں سے کھیلنے کا یہ واقعہ ہجرت کے ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ تصویروں کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا' بعد میں جب تصویروں کے بنانے اور رکھنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تو گڑیوں کے بنانے اور کھیلنے کی بھی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن اس عاجز کے نزدیک زیادہ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ گڑیاں تصویر کے حکم میں داخل ہی نہیں تھیں۔ وہ تو چودہ سو برس پہلے کی بات ہے' خود ہمارے اس زمانے میں جبکہ سینے پرونے کے فن نے وہ ترقی کر لی ہے جو معلوم ہے گھروں کی چھوٹی بچیاں اپنے کھیلنے کے لئے جو گڑیاں بناتی ہیں ہم نے دیکھا کہ تصویریت کے لحاظ سے وہ اتنی ناقص ہوتی ہیں کہ ان پر کسی طرح بھی تصویر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا' اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گڑیوں کے بارے میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضور ﷺ کا حضرت عائشہؓ سے دوڑ میں مقابلہ

٦٥) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِيْ قَالَ هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھی تو پیدل دوڑ میں ہمارا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی اور آگے نکل گئی' اس کے بعد جب (فربہی سے) میرا جسم بھاری ہو گیا تو (اس زمانہ میں بھی ایک دفعہ) ہمارا دوڑ میں مقابلہ ہوا تو آپ جیت گئے اور آگے نکل گئے' اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ تمہاری اس جیت کا جواب ہو گیا۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح..... بلاشبہ بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ بھی نہایت اعلیٰ مثال ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کے لئے خاص سبق ہے جن کے نزدیک دین میں اس طرح کی تفریحات کی

کوئی جگہ نہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو خود کھیل دکھایا

٦٦) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَاللهِ رَايَتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجرَتِيْ وَالْحَبْشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهٖ لِاَنْظُرَ اِلٰى لَعْبِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهٖ وَعَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجَلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدَرَالْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں: خدا کی قسم! میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ (ایک روز) حبشی لوگ مسجد میں نیزہ ماری کا کھیل کھیل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے ان کا کھیل دکھانے کے لئے میرے لئے اپنی چادر کا پردہ کر کے میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے (جو مسجد ہی میں کھلتا تھا) میں آپ ﷺ کے کاندھے اور کان کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھتی رہی، آپ ﷺ میری وجہ سے مسلسل کھڑے رہے، یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود ہی لوٹ آئی۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ سے) اندازہ کرو کہ ایک نوعمر اور کھیل تماشہ سے دلچسپی رکھنے والی لڑکی کا کیا مقام تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح یہ واقعہ بھی بیویوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی حسن معاشرت اور ان کی دل جوئی اور دلداری کی انتہائی مثال ہے، اور اس میں امت کے لئے بڑا سبق ہے۔

عید میں لہو ولعب کی بھی گنجائش

البتہ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ یہ عید کا دن تھا۔ جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں اس کی تصریح ہے [1] اور عید میں لہو ولعب کی بھی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے، کیونکہ عوامی جشن و نشاط کا یہ بھی ایک فطری تقاضا ہے۔ صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ واقعہ مروی ہے کہ: ایک دفعہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے، دو بچیاں آئیں اور دَف بجا بجا کر جنگ بُعاث سے متعلق کچھ اشعار گانے لگیں، اتنے میں حضرت ابو بکرؓ آ گئے۔ انہوں نے ان بچیوں کو ڈانٹ کر بھگا دینا چاہا، آنحضرت ﷺ نے منہ کھول کر فرمایا: "دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ" [2] (ابو بکر! ان بچیوں کو چھوڑ دو، یعنی جو کر رہی ہیں کرنے دو، یہ عید کا دن ہے) مطلب یہی تھا کہ عید میں اس طرح کے لہو ولعب کی ایک حد تک گنجائش رکھی گئی ہے۔

الغرض زیر تشریح حدیث میں حبشیوں کے جس کھیل کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس کھیل کو دیکھنے کا جو ذکر ہے اس کے بارے میں ایک بات ملحوظ رہنی چاہیئے کہ وہ عید کا دن تھا، اور عید میں اس طرح کی تفریحات کی ایک حد تک گنجائش ہے۔

[1] ، [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب العیدین۔ ۱۲

یہ ایک بامقصد اور تربیتی کھیل تھا، اسی لئے خود حضور ﷺ نے اسمیں دلچسپی لی

علاوہ ازیں نیزہ ماری کا یہ کھیل ایک بامقصد کھیل تھا جو فن جنگ کی تعلیم و تربیت کا بھی ایک ذریعہ تھا' غالباً اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس سے دلچسپی لی۔ صحیحین کی اسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کھلاڑیوں کو "دُونَكُمْ يَابَنِي اَرْفِدَةَ" کہہ کر ایک طرح کی داد بھی دیتے اور ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے۔ ❶

اور اسی واقعہ سے متعلق صحیحین کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کھلاڑیوں حبشیوں کو (جو مسجد میں اپنا کھیل دکھا رہے تھے) مسجد سے بھگا دینا چاہا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: "دَعْهُمْ" (یعنی انہیں کھیلنے دو) اور ان کھلاڑیوں سے فرمایا: "امنا بنی ارفدہ" ❷ (یعنی تم بے خوف اور مطمئن ہو کر کھیلو!)

پردہ کا سوال

اس حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ یہ حبشی لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے یقیناً غیر محرم اور اجنبی تھے' پھر انہوں نے ان کا کھیل کیوں دیکھا اور رسول اللہ ﷺ نے کیوں دکھایا؟

بعض شارحین نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ یہ واقعہ اس ابتدائی زمانہ کا ہے جب پردہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ لیکن روایات کی روشنی میں یہ بات صحیح ثابت نہیں ہوتی' فتح الباری میں حافظ ابن حجرؒ نے ابن حبان کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ یہ واقعہ ۷ھ کا ہے جبکہ حبشہ کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور حجاب کا حکم یقیناً اس سے پہلے آ چکا تھا۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہؓ کی زیر تشریح حدیث میں بھی یہ مذکور ہے کہ جس وقت وہ یہ کھیل دیکھ رہی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک کا پردہ کر دیا تھا' اگر یہ واقعہ حجاب کے حکم سے پہلے کا ہوتا تو اس کی ضرورت نہ ہوتی۔

دوسری بات اس سوال کے جواب میں یہ کہی گئی ہے کہ چونکہ اس کا قطعاً کوئی خطرہ نہیں تھا کہ ان حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی وجہ سے حضرت صدیقہؓ کے دل میں کوئی برا خیال اور وسوسہ پیدا ہو' اس لئے ان کے لئے یہ دیکھنا جائز تھا۔ اور جب بھی کسی عورت کے لئے ایسی صورت ہو کہ وہ فتنہ اور مفسدہ سے مامون و محفوظ ہو تو اس کے لئے اجنبی کو دیکھنا جائز نہیں ہوگا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب النکاح میں اسی حدیث پر "باب النظر الی الحبش و نحوھم من غیر ریبة" کا ترجمۃ الباب قائم کر کے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے' اور بلاشبہ یہی جواب زیادہ تشفی بخش ہے۔ واللہ اعلم

❶، ❷ صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب العیدین۔ ۱۲

ہمسایوں کے حقوق

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے، اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین و سکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام و رعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا جزوِ ایمان اور داخلۂ جنت کی شرط اور اللہ و رسول ﷺ کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھئے!

پڑوسی کے بارے میں حضرت جبرئیل کی مسلسل وصیت اور تاکید

۶۷) **عَنْ عَائِشَةَ وَابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ ... حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ کے خاص قاصد جبرائیلؑ کے پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیدیں گے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام و رعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیلؑ مسلسل ایسے تاکیدی احکام لاتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بھی بنادیا جائے گا، یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف یہ واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کیلئے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

پڑوسیوں کیساتھ اچھا رویہ اللہ و رسول ﷺ کی محبت کی شرط اور اسکا معیار

۶۸) **عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِىُّ ﷺ مَايَحْمِلُكُمْ عَلٰى هٰذَا؟ قَالُوْا حُبُّ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُحِبَّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ اَوْيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهُ اِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ اَمَانَتَهُ اِذَا اُئْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ.** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ۔ عبدالرحمن بن ابی قراد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا تو صحابہؓ

آپ ﷺ کے وضو کا استعمال شدہ پانی لے لیکر اپنے پر ملنے لگے۔ حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ: تمہارے لئے اس کا کیا باعث اور محرک ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ: بس اللہ و رسول ﷺ کی محبت! آپ نے ارشاد فرمایا کہ: "جس کی یہ خوشی اور چاہت ہو کہ اس کو اللہ اور رسول کی محبت نصیب ہو یا یہ کہ اس سے اللہ اور رسول کو محبت ہو تو اسے چاہئے کہ وہ ان تین باتوں کا اہتمام کرے: بات ۱ کرے تو سچ بولے، جب ۲ کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو امانتداری کے ساتھ اس کو ادا کرے اور ۳ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ اچھا رویہ رکھے۔" (شعب الایمان للبیہقی)

پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ لازمہ ایمان

۶۹) **عَنْ اَبِیْ شُرَیْحٍ الْعَدْوِیِّ قَالَ سَمِعَتْ اُذُنَایَ وَاَبْصَرَتْ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ النَّبِیُّ ﷺ فَقَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْلِیَصْمُتْ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا اور جس وقت آپ ﷺ یہ فرمارہے تھے اس وقت میری آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسکے لئے لازم ہے کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اکرام کا معاملہ کرے اور جو اللہ پر یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے اور جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے لازم ہے کہ اچھی بات بولے یا پھر چپ رہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے۔)

وہ آدمی مؤمن اور جنتی نہیں جسکے پڑوسی اس سے مامون اور بے خوف نہ ہوں

۷۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ وَاللّٰہِ لَایُؤْمِنُ قِیْلَ مَنْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الَّذِیْ لَا یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ: خدا کی قسم! وہ شخص مؤمن نہیں، خدا کی قسم! اسمیں ایمان نہیں، خدا کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں۔" عرض کیا گیا: "یارسول اللہ! کون شخص؟" (یعنی حضور ﷺ کس بد نصیب شخص کے بارے میں قسم کے ساتھ ارشاد فرمارہے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں اور اس میں ایمان نہیں؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور مفسدہ پردازیوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔" (یعنی ایسا آدمی ایمان سے محروم ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(یہ حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت طلق بن علیؓ سے طبرانی نے معجم کبیر میں اور حضرت انسؓ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے۔)

تشریح... حدیث کے الفاظ میں غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کیسے جلال

سے معمور ہے اور جس وقت آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا اُس وقت آپ ﷺ کا حال اور آپ ﷺ کے خطاب کا انداز کیا رہا ہوگا۔ بہر حال اس پر جلال ارشاد کا مدعا و پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لئے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں ان کے دلوں و دماغوں میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو۔ اگر کسی مسلمان کا یہ حال نہیں ہے اور اس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

۷۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بداطواریوں سے خائف رہتے ہوں وہ اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اور اس کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جا سکے گا۔

تشریح: ان دو حدیثوں سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت میں ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتانے کے لئے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مؤمن نہیں یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔ افسوس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں شاذ و نادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں حالانکہ حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کی پہلی جلد "کتاب الایمان" میں تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں جن میں کسی عملی یا اخلاقی تقصیر اور کوتاہی کی بناء پر ایمان کی نفی کی گئی ہے یا جنت میں نہ جا سکنے کی وعید سنائی گئی ہے ان کا مدعا اور مطلب کیا ہے اور شریعت میں ایسے لوگوں کا حکم کیا ہے۔

وہ شخص مؤمن نہیں جو پیٹ بھر کے سو جائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو

۷۲) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اٰمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ اِلٰى جَنْبِهٖ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهٖ.** (رواه البزار والطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا (اور وہ میری جماعت میں نہیں ہے) جو ایسی حالت میں اپنا پیٹ بھر کے رات کو (بے فکری سے) سو

جائے کہ اس کے برابر رہنے والا اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اس آدمی کو اس کے بھوکے ہونے کی خبر ہو۔
(مسند بزار معجم کبیر للطبرانی)

(یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں امام بخاری نے "الادب المفرد" میں اور بیہقی نے "شعب الایمان" میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اور حاکم نے "مستدرک" میں ان کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی روایت کیا ہے)

ف..... افسوس! ہم مسلمانوں کے طرز عمل اور رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں اتنا بعد اور فاصلہ ہو گیا ہے کہ کسی ناواقف کو اس بات کا یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ تعلیم اور ہدایت مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان ارشادات میں اعلان فرمادیا ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسیوں کے بھوک پیاس کے مسئلوں اور اسی طرح کی دوسری ضرورتوں سے بے فکر اور بے نیاز ہو کر زندگی گزارے وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا اور اس نے میری بات بالکل نہیں مانی اور وہ میرا نہیں ہے۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ان تمام حدیثوں میں مسلم اور غیر مسلم پڑوسیوں کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے بلکہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ یہ سارے حقوق غیر مسلم پڑوسیوں کے بھی ہیں۔

ہم سائیگی کے بعض متعین حقوق

رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں کے بعض متعین حقوق کی نشان دہی بھی فرمائی ہے ان سے اس باب میں شریعت کا اصولی نقطۂ نظر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔

۷۳) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَقُّ الْجَارِ اِنْ مَرِضَ عُدْتَهُ وَاِنْ مَاتَ شَيَّعْتَهُ وَاِنِ اسْتَقْرَضَكَ اَقْرَضْتَهُ وَاِنْ اَعْوَرَسَتَرْتَهُ وَاِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ هَنَّأْتَهُ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ عَزَّيْتَهُ وَلَا تَرْفَعْ بِنَائَكَ فَوْقَ بِنَائِهٖ فَتَسُدَّ عَلَيْهِ الرِّيْحَ وَلَا تُؤْذِيْهِ بِرِيْحِ قِدْرِكَ اِلَّا اَنْ تَغْرِفَ لَهٗ مِنْهَا.
(رواه الطبرانى فى الكبير)

ترجمہ: معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پڑوسی کے حقوق تم پر یہ ہیں کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت اور خبر گیری کرو اور اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹاؤ) اور اگر وہ (اپنی ضرورت کے لئے) قرض مانگے تو (بشرط استطاعت) اس کو قرض دو اور اگر وہ کوئی برا کام کر بیٹھے تو پردہ پوشی کرو اور اگر اسے کوئی نعمت ملے تو اس کو مبارک باد دو اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو تعزیت کرو اور اپنی عمارت اس کی عمارت سے اس طرح بلند نہ کرو کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور (جب تمہارے گھر کوئی اچھا کھانا پکے تو اس کی کوشش کرو کہ) تمہاری ہانڈی کی مہک اس کے لئے (اور اس کے بچوں کے لئے) باعث ایذا نہ ہو (یعنی اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک اس کے گھر تک نہ جائے) الا یہ کہ اس میں سے تھوڑا سا کچھ اس کے گھر بھی بھیج دو (اس صورت میں کھانے کی مہک اس کے گھر تک جانے میں

کوئی مضائقہ نہیں) (معجم کبیر طبرانی)

تشریح..... اس حدیث میں ہمسایوں کے جو متعین حقوق بیان کئے گئے ہیں ان میں سے آخری دو خاص طور سے قابلِ غور ہیں: ایک یہ کہ اپنے گھر کی تعمیر میں اس کا لحاظ رکھو اور اس کی دیواریں اس طرح نہ اُٹھاؤ کہ پڑوسی کے گھر کی ہوا بند ہو جائے اور اس کو تکلیف پہنچے۔ اور دوسرے یہ کہ گھر میں جب کوئی اچھی مرغوب چیز پکے تو اس کو نہ بھولو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک جائے گی، اور اس کے یا اس کے بچوں کے دل میں اس کی طلب اور طمع پیدا ہوگی جو ان کے لئے باعثِ ایذاء ہوگی۔ اس لئے یا تو اپنے پر لازم کرلو کہ اس کھانے میں سے کچھ تم پڑوسی کے گھر بھیجو گے یا پھر اس کا اہتمام کرو کہ ہانڈی کی مہک پڑوسی کے گھر تک نہ جائے جو ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی ان دو ہدایتوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پڑوسیوں کے بارے میں کتنے نازک اور باریک پہلوؤں کی رعایت کو آپ ﷺ نے ضروری قرار دیا ہے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث ابنِ عدی نے "کامل" میں اور خرائطی نے "مکارم الاخلاق" میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی روایت کی ہے۔ اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

وَاِنِ اشْتَرَيْتَ فَاكِهَةً فَاهْدِ لَهُ فَاِن لَّمْ تَفْعَلْ فَاَدْخِلْهَا سِرًّا وَلَا يَخْرُجْ بِهَا وَلَدُكَ لِيَغِيظَ بِهَا وَلَدَهُ. (کنزالاعمال)

اور اگر تم کوئی پھل پھلار خرید کر لاؤ، تو اس میں سے پڑوسی کے ہاتھ بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس کو چھپا کے لاؤ) کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو، اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچہ وہ پھل لیکر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اُسے دیکھ کر جلن پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ اُمت کو توفیق دے کہ وہ اپنے رسول اللہ ﷺ کی ان ہدایتوں کی قدروقیمت کو سمجھیں، اور اپنی زندگی کا معمول بنا کر ان کی بیش بہا برکات کا دنیا ہی میں تجربہ کریں۔

۷۴) **عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا طَبَخَ اَحَدُكُمْ قِدْرًا فَلْيُكْثِرْ مِرَقَهَا ثُمَّ لِيُنَا وِلْ جَارَهُ مِنْهَا.** (رواه الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کسی کے ہاں سالن کی ہانڈی پکے تو اسے چاہئے کہ شوربہ زیادہ کرلے، پھر اس میں سے کچھ پڑوسیوں کو بھی بھیج دے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

(رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت قریب قریب انہی الفاظ میں جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

پڑوسی کی تین قسمیں، غیر مسلم پڑوسی کا بھی حق ہے

۷۵) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْجِيْرَانُ ثَلٰثَةٌ فَجَارٌ لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ وَهُوَ اَدْنَى الْجِيْرَانِ حَقًّا**

وَجَارٌ لَهُ حَقَّانِ وَجَارٌ لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوقٍ فَاَمَّا الَّذِىْ لَهُ حَقٌّ وَاحِدٌ فَجَارٌ مُشْرِكٌ لَارَحْمَ لَه' لَهُ حَقُّ الْجَوَارِ، وَاَمَّا الَّذِى لَهُ حَقَّانِ فَجَارٌ مُسْلِمٌ لَهُ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَ حَقُّ الْجَوَارِ، وَاَمَّاالَّذِىْ لَهُ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَجَارٌ مُسْلِمٌ ذُوْرَحْمٍ لَهُ حَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الْجَوَارِ وَحَقُّ الرَّحْمِ.

(رواہ البزار فی المسند و ابو نعیم فی الحلیه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پڑوسی تین قسم کے اور تین درجے کے ہوتے ہیں ایک وہ پڑوسی جس کا صرف ایک ہی حق ہو اور وہ (حق کے لحاظ سے) سب سے کم درجہ کا پڑوسی ہے' اور دوسرا وہ پڑوسی جس کے دو حق ہوں اور تیسرا وہ جس کے تین حق ہوں۔ تو ایک حق والا وہ مشرک (غیر مسلم) پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری بھی نہ ہو (تو اس کا صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے) اور دو حق والا وہ پڑوسی ہے' جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم (یعنی دینی بھائی) بھی ہو' اس کا ایک حق مسلمان ہونے کی وجہ سے ہوگا اور دوسرا پڑوسی ہونے کی وجہ سے اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے' جو پڑوسی بھی ہو' مسلم بھی ہو اور رشتہ دار بھی ہو۔ تو اس کا ایک حق مسلمان ہونے کا ہوگا دوسرا حق پڑوسی ہونے کا' اور تیسرا حق رشتہ داری کا ہوگا۔ (مسند بزار' حلیہ ابی نعیم)

تشریح..... اس حدیث میں صراحت اور وضاحت فرمادی گئی ہے کہ پڑوسیوں کے جو حقوق قرآن و حدیث میں بیان فرمائے گئے اور ان کے اکرام اور رعایت و حسنِ سلوک کی جو تاکید فرمائی گئی ہے ان میں غیر مسلم پڑوسی بھی شامل ہیں اور ان کے بھی وہ سب حقوق ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے یہی سمجھا۔ جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا گیا ہے کہ ایک دن ان کے گھر بکری ذبح ہوئی وہ تشریف لائے تو انہوں نے گھر والوں سے کہا:

اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِىِّ اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِىِّ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ.

تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے بھی گوشت کا ہدیہ بھیجا؟ تم لوگوں نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لئے بھی بھیجا؟ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں مجھے جبرئیل (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث ہی قرار دے دیں گے۔

افسوس کہ عہدِ نبوی ﷺ سے جتنا بعد ہوتا گیا اُمت آپ ﷺ کی تعلیمات اور ہدایات سے اسی قدر دور ہوتی چلی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے پڑوسیوں کے بارے میں جو وصیت اور تاکید اُمت کو فرمائی تھی اگر صحابہ کرامؓ کے بعد بھی اس پر اُمت کا عمل رہا ہوتا تو یقیناً آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم وہدایت کی قدر و قیمت سمجھیں اور اس کو اپنا دستورالعمل بنائیں۔

تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی پڑوسی کا حق ہے

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے جو ارشادات یہاں تک درج ہوئے ان کا زیادہ تر تعلق زندگی کے معاملات میں ان کے ساتھ اکرام و رعایت کے برتاؤ اور حسن سلوک سے تھا۔ آخر میں آپ ﷺ کا ایک وہ ارشاد بھی پڑھئے جس میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اگر کسی کے پڑوس میں بے چارے ایسے لوگ رہتے ہوں جو دینی تعلیم و تربیت اور اپنی عملی اور اخلاقی حالت کے لحاظ سے پسماندہ ہوں تو دوسرے لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت اور ان کے سدھار و اصلاح کی فکر و کوشش کریں اور اگر وہ اس میں کوتاہی کریں تو مجرم اور سزا کے مستحق ہوں گے۔

۷۶) عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَابَالُ اَقْوَامٍ لَايُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَا يُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَايَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَا يَنْهَوْنَهُمْ وَمَا بَالُ اَقْوَامٍ لَايَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَلَا يَتَفَقَّهُوْنَ وَلَا يَتَّعِظُوْنَ وَاللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَاْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْ لَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِى الدُّنْيَا. (رواه ابن راهويه والبخارى فى الوحدان وابن السكن وابن مندة)

ترجمہ: علقمہ بن عبدالرحمن بن ابزیٰ نے اپنے والد عبدالرحمن کے واسطے سے اپنے دادا ابزیٰ خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن (اپنے ایک خاص خطاب میں) ارشاد فرمایا: کیا ہو گیا ہے ان لوگوں کو اور کیا حال ہے ان کا (جنہیں اللہ نے علم و تفقہ کی دولت سے نوازا ہے اور ان کے پڑوس میں ایسے پسماندہ لوگ ہیں جن کے پاس دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ نہیں ہے) وہ اپنے ان پڑوسیوں کو دین سکھانے اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے ہیں نہ ان کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں نہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرتے ہیں۔ اور کیا ہو گیا ہے ان (بے علم اور پسماندہ) لوگوں کو کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھنے اور دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی فکر نہیں کرتے نہ ان سے نصیحت لیتے ہیں۔ خدا کی قسم! (دین کا علم اور اس کی سمجھ رکھنے والے) لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے (ناواقف اور پسماندہ) پڑوسیوں کو دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں اور وعظ و نصیحت (کے ذریعہ ان کی اصلاح) کریں اور انہیں نیک کاموں کی تاکید اور برے کاموں سے منع کریں اور اسی طرح ان کے ناواقف اور پسماندہ پڑوسیوں کو چاہئے کہ وہ خود طلب کر کے اپنے پڑوسیوں سے دین کا علم و فہم حاصل کریں اور ان سے نصیحت لیں۔ یا پھر (یعنی اگر یہ دونوں طبقے اپنا اپنا فرض ادا نہیں کریں گے) تو میں ان کو دنیا ہی میں سخت سزا دوں گا۔ (مسند اسحاق بن راہویہ)

تشریح: یہ حدیث کنز العمال جلد پنجم میں "حق الجار" کے زیر عنوان اسی طرح مرقوم ہے۔ جس طرح یہاں درج کی گئی ہے لیکن دوسری جگہ اسی کنز العمال میں حضور ﷺ کا یہی خطاب قریب قریب انہی الفاظ میں

اس اضافہ کے ساتھ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا روئے سخن اس خطاب میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو مالک اشعری کی قوم اشعر یین کی طرف تھا۔ اس قوم کے افراد عام طور سے دین کے علم اور تفقہ سے بہرہ مند تھے لیکن ان ہی کے علاقہ میں اور ان کے پڑوس میں ایسے لوگ بھی آباد تھے جو اس لحاظ سے بہت پسماندہ تھے نہ ان کی تعلیم و تربیت ہوئی تھی اور نہ خود ان میں اس کی طلب اور فکر تھی۔ اس لحاظ سے یہ دونوں طبقے قصوروار تھے' اس بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کریمانہ عادت کے مطابق ان کو نامزد کئے بغیر اپنے اس خطاب میں ان دونوں پر عتاب فرمایا تھا۔ اس روایت میں آگے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب اشعر یین کو یہ معلوم ہوا کہ اس خطاب میں حضور ﷺ کے عتاب کا روئے سخن ہماری طرف تھا تو ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حضور ﷺ سے یہ وعدہ کیا کہ ہم انشاء اللہ ایک سال کے اندر اندر ان آبادیوں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دے دیں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر علاقہ کے لوگوں کو جو دین کا علم رکھتے ہوں اس کا ذمہ دار قرار دیا کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے ناواقف لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہیں۔ اور اسی طرح ناواقف لوگوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کہ وہ اپنے پاس پڑوس کے اہل علم اور اہل دین سے تعلیم اور تربیت و اصلاح کا رابطہ رکھیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل جاری رہتا تو امت کے کسی طبقہ میں بھی دین سے بے خبری اور رسول اللہ ﷺ سے وہ بے تعلقی نہ ہوتی جس میں امت کی غالب اکثریت آج مبتلا ہے۔ بلاشبہ اس وقت کا سب سے بڑا اصلاحی اور تجدیدی کارنامہ یہی ہے کہ امت میں تعلیم اور تعلم کے اس عمومی غیر رسمی نظام کو پھر سے جاری اور قائم کیا جائے جس کی اس حدیث پاک میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ بڑے خوش نصیب ہوں گے وہ بندے جن کو اس کی توفیق ملے گی۔

کمزور اور حاجت مند طبقوں کے حقوق

یہاں تک جن طبقوں کے حقوق کا بیان کیا گیا یہ سب وہ تھے جن سے آدمی کا کوئی خاص تعلق اور رابطہ ہوتا ہے خواہ نسلی اور خونی رشتہ ہو یا ازدواجی رابطہ' یا ہمسائیگی اور پڑوس کا تعلق' یا عارضی اور وقتی سنگھ ساتھ۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ان کے علاوہ تمام طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں' یتیموں' بیواؤں' غریبوں' مسکینوں' مظلوموں' آفت رسیدوں اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے' اور آپ ﷺ نے اپنے پیرووں کو ان کی خدمت و خبر گیری اور ہمدردی و معاونت کی تلقین و تاکید فرمائی ہے' اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔ ان سب طبقوں سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے۔

مسکینوں' یتیموں اور بیواؤں کی کفالت و سرپرستی

۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ

سَبِيْلِ اللهِ وَاَحْسِبُهٗ قَالَ كَالْقَائِمِ لَايَفْتُرُ وَ كَالصَّائِمِ لَايُفْطِرُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بے چاری بے شوہر والی عورت یا کسی مسکین حاجت مند کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا بندہ (اللہ کے نزدیک اور اجر و ثواب میں) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے بندے کے مثل ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ یہ بھی فرمایا تھا کہ اس قائم اللیل (یعنی شب بیدار) بندے کی طرح ہے جو (عبادت اور شب خیزی میں) سستی نہ کرتا ہو اور اس صائم الدہر بندے کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی ناغہ نہ کرتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ہر شخص جو دین کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے، جانتا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد و جانبازی بلند ترین عمل ہے، اسی طرح کسی بندے کا یہ حال کہ اس کی راتیں عبادت میں کٹتی ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو، بڑا ہی قابلِ رشک حال ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک یہی درجہ اور مقام ان لوگوں کا بھی ہے جو کسی حاجت مند مسکین یا کسی ایسی لاوارث عورت کی خدمت و اعانت کے لئے جس کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو دوڑ دھوپ کریں، جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ خود محنت کر کے کمائیں اور ان پر خرچ کریں، اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو ان کی خبر گیری اور اعانت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے دوڑ دھوپ کریں۔ بلاشبہ وہ بندے بڑے محروم ہیں جو اس حدیث کے علم میں آ جانے کے بعد بھی اس سعادت سے محروم رہیں۔

۷۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ لَهٗ اَوْلِغَيْرِهٖ فِى الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں اور اپنے یا پرائے یتیم کی کفالت کرنے والا آدمی جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے اور آپ نے اپنی انگشت شہادت اور بیچ والی انگلی سے اشارہ کر کے بتلایا، اور ان کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کلمہ والی انگلی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی اس طرح اٹھا کر ان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا، بتلایا کہ جتنا تھوڑا سا فاصلہ اور فرق تم میری ان دو انگلیوں کے درمیان دیکھتے ہو بس اتنا ہی فاصلہ اور فرق جنت میں میرے اور اس مردِ مؤمن کے مقام میں ہو گا جو اللہ کے لئے اس دنیا میں کسی یتیم کی کفالت اور پرورش کا بوجھ اٹھائے خواہ وہ یتیم اس کا اپنا ہو (جیسے پوتا یا بھتیجہ وغیرہ) یا پرایا ہو یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا کوئی خاص تعلق نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں پر یقین نصیب فرمائے اور وہ سعادت میسر فرمائے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ان ارشادات میں ترغیب دی ہے۔

۷۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ اَلْبَتَّةَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ عَمِلَ ذَنْبًا لَايُغْفَرُ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں داخل کر دے گا۔ الا یہ کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو نا قابلِ معافی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلۂ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے سخت گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک نا قابلِ معافی ہو (جیسے شرک و کفر اور خونِ ناحق وغیرہ) دراصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے، اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو۔ بہر حال اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

۸۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَن مَّسَحَ رَاْسَ يَتِيْمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ اِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ يَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهٗ حَسَنَاتٌ وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰى يَتِيْمَةٍ اَوْيَتِيْمٍ عِنْدَهٗ كُنْتُ اَنَا وَهُوَ فِى الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ وَ قَرَنَ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ. (رواه احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لئے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا تو ہر ہر بال کے حساب سے اسکی نیکیاں ثابت ہوں گی، اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا (کہ ان دو انگلیوں کی طرح بالکل پاس پاس ہوں گے۔) (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ حسنِ سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رسول الله ﷺ خَيْرُ بَيْتٍ فِى الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيْمٌ يُحسَنُ اِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِى الْمُسْلِمِيْنَ بَيْتٌ فِيْهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ اِلَيْهِ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے گھرانوں میں بہترین گھرانہ وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو، اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ)

۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا شَكَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهِ قَالَ اِمْسَحْ رَاْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی قساوتِ قلبی اور

تنگ دلی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یتیموں کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں حاجت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔ (مسند احمد)

تشریح یتیموں کے سروں پر شفقت کا ہاتھ پھیرنا اور مسکینوں حاجت مندوں کو کھانا کھلانا دراصل وہ اعمال ہیں جو دل کی دردمندی اور ترحم کے جذبہ سے صادر ہوتے ہیں لیکن اگر کسی کا دل دردمندی اور جذبۂ ترحم سے خالی ہو اور اس کی وجہ سے اس میں قساوت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ وہ عزمت اور قوت ارادی سے کام لے کر یہ اعمال کرے تو انشاء اللہ اس کے دل کی قساوت دردمندی سے بدل جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں اسی طریق علاج کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

محتاجوں بیماروں اور مصیبت زدوں کی خدمت و اعانت

۸۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِىْ حَاجَةِ اَخِيهِ كَانَ اللهُ فِىْ حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اس لئے) نہ تو خود اس پر ظلم و زیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار و مددگار چھوڑے اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا اور جو کوئی کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۸۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللهُ فِىْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِىْ عَوْنِ اَخِيْهِ. (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی مسلمان کی دنیوی تکلیف اور پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ (اس کے عوض میں) قیامت کے دن کی تکلیف اور پریشانی سے اس کو نجات دے گا اور (جو قرض وغیرہ دینے) کسی تنگ دست مقروض کو (اپنے قرضے کی وصولی کے سلسلے میں) سہولت دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت دے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا اور جو کوئی بندہ جب تک اپنے کسی بھائی کی مدد و اعانت کرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا رہتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۸۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرْىٍ كَسَاهُ اللهُ

مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَا مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ مِنَ الرَّحِيْقِ الْمَخْتُوْمِ. (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے سبز جوڑے عطا فرمائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھل اور میوے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پانی (یا کوئی مشروب) پلائے اللہ تعالیٰ اس کو نہایت نفیس (جنت کی) شراب طہور پلائے گا جس پر غیبی مہر لگی ہوگی۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۸۶) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِىْ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی خبر لو (اور دیکھ بھال کرو) اور اسیروں قیدیوں کو رہائی دلانے کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح: اس حدیث میں بھوکوں کو کھانا کھلانے کے علاوہ مریضوں کی عیادت اور قیدیوں کو رہا کرانے کی بھی تلقین فرمائی گئی ہے۔ "عیادت" کے متعلق یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ہمارے عرف اور محاورہ میں عیادت کا مطلب صرف بیمار پرسی (یعنی مریض کا حال دریافت کرنا) سمجھا جاتا ہے لیکن عربی زبان میں اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے، اور بیمار پرسی اور خبر گیری کے علاوہ تیمار داری بھی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ اس لئے اس حدیث میں مریضوں کی عیادت کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب صرف بیمار پرسی ہی نہیں بلکہ تیمار داری اور حسب استطاعت دوا علاج کی فکر بھی اس میں شامل ہے۔ اسی طرح قیدیوں کو رہا کرانے کا جو حکم اس حدیث میں دیا گیا ہے اس کے بارے میں بھی یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اس سے وہی اسیران بلا مراد ہیں جو ناحق قید میں رکھے گئے ہوں یا کم از کم انکے رہا ہو جانے سے خیر کی امید ہو، بلاشبہ ایسے گرفتاران بلا کا رہا کرانا اور ان کو آزادی دلانا بڑا کار ثواب ہے۔

۸۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِىْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهُ لَوَجَدْتَّنِىْ عِنْدَهُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اِسْتَطْعَمَكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِىْ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِىْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اِسْتَسْقَاكَ عَبْدِىْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ اَمَا اِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَّ ذٰلِكَ عِنْدِىْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

فرزند آدم سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم میں بیمار پڑا تھا تو نے میری خبر نہیں لی؟ بندہ عرض کرے گا: اے میرے مالک اور پروردگار! میں کیسے تیری تیمارداری یا بیمار پرسی کر سکتا تھا تو تو رب العالمین ہے (بیماری کا تجھ سے کیا واسطہ اور تیری بارگاہ میں اس کا کہاں گزر۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اور خبر نہیں لی؟ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی خبر لیتا اور تیمارداری کرتا تو مجھے اس کے پاس ہی پاتا؟ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے مجھے نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا: (خداوندا!) میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو تو رب العالمین ہے (تجھے کھانے سے کیا واسطہ) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے اس کو کھانا نہیں دیا، کیا تجھے علم نہیں ہے کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ اے ابن آدم! میں نے پینے کے لئے تجھ سے (پانی) مانگا تھا تو نے مجھے نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا: میں تجھے پانی کیسے پلاتا تو تو رب العالمین ہے۔ تجھے پینے سے کیا واسطہ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کے لئے پانی مانگا تھا تو نے اس کو نہیں پلایا سن! اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو اس کو میرے پاس پالیتا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں مؤثر اور غیر معمولی انداز میں کسمپرس بیماروں کی عیادت و تیمارداری اور بھوکوں، پیاسوں کو کھلانے پلانے کی ترغیب دی گئی ہے اس میں غور کرنے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت میں ان معاشرتی اعمال اور حاجت مندوں کی خدمت و اعانت کی کس قدر اہمیت ہے اور ان کا درجہ کتنا بلند ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ جو کسی حاجت مند اور بیمار کی عیادت کرے گا وہ خدا کو اس کے پاس پائے گا اور اسے خدا مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

غلاموں اور زیر دستوں کے بارے میں ہدایت

رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں مبعوث ہوئے تو عرب میں بلکہ قریب قریب اس پوری دنیا میں جس کی تاریخ معلوم ہے غلاموں کا طبقہ موجود تھا۔ فاتح قومیں مفتوح قوموں کے افراد کو غلام بنا لیتی تھیں، پھر وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے، ان سے جانوروں کی طرح محنت و مشقت کے کام لئے جاتے تھے، اور ان کا کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو غلاموں کو آزاد کرنے کو بہت سے گناہوں کا کفارہ اور بہت بڑا کارِ ثواب قرار دیا اور طرح طرح سے اس کی ترغیب دی، دوسری طرف ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے، ان پر محنت و مشقت کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، ان کے طعام لباس جیسی بنیادی ضرورتوں کا مناسب انتظام کیا جائے، بلکہ حکم دیا کہ جو گھر میں کھایا جائے وہی ان کو کھلایا جائے، جیسا کپڑا خود پہنا جائے ویسا ہی ان کو پہنایا جائے، ان کے معاملے میں خدا کے محاسبہ اور مواخذہ سے ڈرا جائے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان ہدایات اور تعلیمات نے غلاموں کی دنیا ہی بدل دی، پھر تو ان میں سے ہزاروں امت کے آئمہ اور پیشوا تک ہوئے، ہزاروں حکومت کے بڑے سے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، ان کی

حکومتیں تک قائم ہوئیں۔ یہ سب اس ہدایت و تعلیم ہی کے نتائج تھے جو انسانیت کے اس مظلوم و ناتواں طبقہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی اُمت کو دی تھی، اور پھر ساری دنیا اس سے متاثر ہوئی۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

غلاموں کے بنیادی حقوق

۸۸) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَايُطِيْقُ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: طعام اور لباس غلام کا حق ہے، اور یہ بھی اس کا حق ہے کہ اسے ایسے سخت کام کی تکلیف نہ دی جائے جس کا وہ متحمل نہ ہو سکے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ... اس حدیث میں صرف یہ فرمایا گیا ہے کہ طعام و لباس غلام کا حق ہے۔ آقا کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کا یہ حق ادا ہو، اسے ضرورت بھر کھانا اور کپڑا دیا جائے۔

آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اسے وہی کھانا کھلایا جائے جو گھر میں کھایا جائے، وہی لباس پہنایا جائے جو خود پہنا جائے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ: اس پر کام کا بے جا بوجھ نہ ڈالا جائے، اتنا ہی کام لیا جائے جتنا وہ کر سکے۔ یہ گویا غلاموں کے بنیادی حقوق ہیں۔

یہ غلام تمہارے بھائی ہیں، ان سے برادرانہ سلوک کیا جائے

۸۹) **عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللهُ اَخَاهُ تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا يُكَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهٗ اِنْ كَلَّفَهٗ مَايَغْلِبُهٗ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (یہ بیچارے غلام) تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہارا زیرِ دست (محکوم) بنا دیا ہے، تو اللہ جس کے زیرِ دست (اور تحت حکم) اس کے کسی بھائی کو کر دے تو اس کو چاہئے کہ اس کو وہ کھلائے جو خود کھاتا ہے، اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے، اور اس کو ایسے کام کا مکلّف نہ کرے جو اس کے لئے بہت بھاری ہو، اور اگر ایسے کام کا مکلّف کرے تو پھر اس کام میں خود اس کی مدد کرے۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح ... اس حدیث میں ہر غلام کو اس کے آقا کا بھائی بتایا گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحت میں کر دیا ہے۔ اس تعبیر میں اس مظلوم طبقہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی جتنی مؤثر اپیل ہے وہ ظاہر ہے۔ غلام اور آقا کو بھائی غالباً اسی بناء پر قرار دیا گیا ہے کہ دونوں بہرحال آدم و حوا کی اولاد ہیں۔

بنی　آدم　اعضائے　یکد　یگرند

کہ　در　آفرینش　ز　یک　جوہر　اند

پھر اسی تعلق اور رشتہ کی بنیاد پر فرمایا گیا ہے کہ جب تمہارا غلام اور خادم تمہارا بھائی ہے تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ ہونا چاہئے جو بھائیوں کے ساتھ ہوتا ہے اُسے وہی کھلایا اور پہنایا جائے جو خود کھایا اور پہنا جائے۔

غلام یا نوکر جو کھانا بنائے اس میں سے اس کو ضرور کھلایا جائے

(۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِکُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَ هٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِیَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْیُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْیَاکُلْ فَاِنْ کَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِیلاً فَلْیَضَعْ فِیْ یَدِهٖ مِنْهُ اُکْلَةً اَوْ اُکْلَتَیْنِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے، پھر وہ اس کے پاس لے کر آئے اور اس نے اس کے پکانے اور بنانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے، تو آقا کو چاہئے کہ کھانا تیار کرنے والے اس خادم کو بھی کھانے میں اپنے ساتھ بٹھائے اور وہ بھی کھائے۔ پس اگر (کبھی) وہ کھانا تھوڑا ہو (جو دونوں کے لئے کافی نہ ہوسکے) تو آقا کو چاہئے کہ اس کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی اس خادم کو دے دے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جن گھروں میں غلام یا باندیاں ہوتی تھیں کھانے پکانے جیسے خدمت کے کام انہی سے لئے جاتے تھے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ جب وہ کھانا پکا کے لائیں تو ان کو اپنے کھانے میں شریک کرلو اور ساتھ بٹھا کر کھلاؤ اور جب کھانا کم ہو اس کی گنجائش نہ ہو تب بھی ان کو اس میں سے کچھ حصہ ضرور دو کیونکہ انہوں نے اس کے پکانے میں گرمی اور دھوئیں کی تکلیف برداشت کی ہے۔ ہمارے زمانہ میں اسی بنیاد پر یہی حکم کھانا پکانے والے نوکروں اور نوکرانیوں کے لئے ہوگا۔

غلاموں کی غلطیوں اور قصوروں کو معاف کیا جائے

(۹۱) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَکَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَیْهِ الْکَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا کَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اعْفُوْا عَنْهُ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اپنے خادم اور غلام کی غلطیاں کس حد تک ہمیں معاف کردینا چاہئیں؟ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے دوبارہ آپ ﷺ کی خدمت میں یہی عرض کیا۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے اور جواب میں کچھ نہیں فرمایا۔ پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر روز ستر دفعہ۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح پہلی اور دوسری دفعہ جو آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار فرمائی اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ آپ ﷺ نے سوال کرنے والے صاحب کو اپنی خاموشی سے یہ تاثر دینا چاہا کہ یہ کوئی پوچھنے کی بات نہیں ہے، اپنے زیرِ دست خادم اور غلام کا قصور معاف کر دینا تو ایک نیکی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے معاف ہی کیا جائے لیکن جب دو دفعہ کے بعد تیسری دفعہ بھی ان صاحب نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "كل يوم سبعين مرة" یعنی اگر بالفرض ہر روز صبح سے شام تک ستر قصور کرے تب بھی اسے معاف ہی کر دو۔ ظاہر ہے کہ یہاں سبعین سے ستر کا خاص عدد مراد نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا زیرِ دست غلام یا نوکر بار بار غلطی اور قصور کرے تو انتقام نہ لو، معاف ہی کر دو۔

اس عاجز کے نزدیک معافی کے اس حکم کا مطلب یہی ہے کہ اس کو انتقاماً سزا نہ دی جائے، لیکن اگر اصلاح و تادیب کے لئے کچھ سرزنش مناسب سمجھی جائے تو اس کا پورا حق ہے، اور اس حق کا استعمال کرنا اس ہدایت کے خلاف نہ ہوگا، بلکہ بعض اوقات اس کے حق میں یہی بہتر ہوگا۔

۹۲) عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَاتَضْرِبُوْا اِمَاءَ كُمْ عَلٰى كَسْرِ اِنَاءِ كُمْ فَاِنَّ لَهَا اٰجَالًا كَاٰجَالِكُمْ. (رواه الديلمي)

ترجمہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: اپنی باندیوں کو برتن توڑ دینے پر سزا نہ دیا کرو، اسلئے کہ برتنوں کی بھی عمریں مقرر ہیں تمہاری عمروں کی طرح۔ (مسند الفردوس للدیلمی)

تشریح گھروں میں کام کرنے والی باندیوں اور نوکرانیوں سے اور اسی طرح غلاموں اور نوکروں سے برتن ٹوٹ پھوٹ جاتے تھے اور ان بے چاروں کی پٹائی ہوتی تھی۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس طرح وقت پورا ہونے پر آدمی مر جاتا ہے اسی طرح وقت پورا ہونے پر برتن بھی ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان بے چاروں سے انتقام لینا اور مارنا پیٹنا بہت ہی غلط بات ہے۔ (ہاں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اصلاح و تادیب کی نیت سے مناسب تنبیہ اور سرزنش کی جا سکتی ہے۔)

غلام پر ظلم کرنیوالے سے قیامت میں بدلہ لیا جائے گا

۹۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ ضَرَبَ مَمْلُوْكَهٗ ظَالِمًا اُقِيْدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ.

(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب کوئی اپنے غلام کو ناحق مارے گا قیامت کے دن اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ (شعب الایمان بیہقی)

غلام پر ظلم کا کفارہ

۹۴) عَنْ اَبِىْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَاْتِهِ اَوْلَطَمَهُ فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ يُعْتِقَهُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس کسی نے اپنے غلام کو کسی ایسے جرم پر سزا دی جو اس نے نہیں کیا تھا' یا اس کو طمانچہ مارا' تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کر دے۔ (یعنی اگر ایسا نہیں کرے گا تو خدا کے ہاں سزا کا مستحق ہو گا۔) (صحیح مسلم)

۹۵) عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِىْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِىْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهُ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْلَمَسَّتْكَ النَّارُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا' میں نے پیچھے سے آواز سنی (کوئی کہہ رہا تھا) کہ اے ابو مسعود! تجھے معلوم رہنا چاہئے (اور اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے) کہ اللہ کو تجھ پر اس سے زیادہ قدرت اور قابو حاصل ہے جتنا تجھے اس بے چارے غلام پر ہے۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ فرمانے والے رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ (میں نے اس کو آزاد کر دیا) اب یہ (میری طرف سے) اللہ کے لئے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تم یہ نہ کرتے (یعنی اس غلام کو اللہ کے لئے آزاد نہ کر دیتے) تو "للفحتك النار" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں جلا ڈالتی) یا فرمایا: "لمستك النار" (جس کا ترجمہ ہے کہ جہنم کی آگ تمہیں لپیٹ میں لے لیتی۔) (صحیح مسلم)

تشریح اگر اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہو تو ظلم و زیادتی اور ہر قسم کے گناہوں سے بچانے کے لئے بہترین تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پکڑ اور آخرت کے مواخذہ و محاسبہ کو یاد دلایا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نصیب فرمائے۔

غلاموں کے بارے میں حضور ﷺ کی آخری وصیت

۹۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَلصَّلٰوةَ الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوا اللهَ فِيْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (وفات سے پہلے) جو آخری کلام فرمایا' وہ یہ تھا: "الصلوة الصلوة واتقوا الله فيما ملكت ايمانكم" (یعنی نماز کی پابندی کرو' نماز کا پورا اہتمام کرو' اور اپنے غلاموں میں زیر دستوں کے بارے میں خدا سے ڈرو۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دنیا سے اور امت سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو خاص طور سے دو باتوں کی تاکید اور وصیت فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ نماز کا پورا اہتمام کیا جائے اس سے غفلت اور کوتاہی نہ ہو یہ سب سے اہم فریضہ اور بندوں پر اللہ کا سب سے بڑا حق ہے۔ دوسری یہ کہ غلاموں، باندیوں کے ساتھ برتاؤ میں اس خداوند ذوالجلال سے ڈرا جائے جس کی عدالت میں ہر ایک کی پیشی ہوگی اور ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ غلاموں زیردستوں کے لئے یہ بات کتنے شرف کی ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری وصیت اللہ کے حق کے ساتھ ان کے حق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی فرمائی، اور اس حدیث کے مطابق سب سے آخری لفظ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو ادا ہوا وہ یہ تھا: "واتقوا الله فيما ملكت ايمانكم"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت سے جو صحیح بخاری میں بھی مروی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے آخری کلمہ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ ادا ہوا تھا: "اللّٰهم الرفيق الاعلىٰ" (اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ کی طرف اُٹھا لے) شارحین نے ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ امت سے مخاطب ہو کر آپ ﷺ نے وصیت کے طور پر آخری بات تو وہ فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں مذکور ہوئی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف مخاطب ہو کر آخری کلمہ وہ فرمایا تھا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نقل فرمایا ہے۔ واللہ اعلم

آقاؤں کی خیر خواہی اور وفاداری کے بارے میں غلاموں کو ہدایت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے بارے میں آقاؤں کو ہدایات دیں اسی طرح غلاموں کو بھی آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ جس کے زیرِ دست ہیں اس کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا رویہ رکھیں۔ آپ ﷺ نے کسی غلام کی بڑی خوش نصیبی اور کامیابی یہ بتائی کہ وہ اپنے خالق و پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا وفادار و فرمانبردار ہو۔

۹۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَتَوَفَّاهُ اللهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَيِّدِهٖ نِعِمَّا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی غلام اور مملوک کے لئے بڑی اچھی اور کامیابی کی بات ہے کہ اللہ اس کو ایسی حالت میں اُٹھائے کہ وہ اپنے پروردگار کا عبادت گزار اور اپنے سید و آقا کا فرمانبردار ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

۹۸) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی غلام جب اپنے سید و آقا کی خیر خواہی اور وفاداری کرے اور خدا کی عبادت بھی اچھی طرح کرے تو وہ دہرے ثواب کا مستحق

ہو گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم کا یہ ایک بنیادی اُصول ہے کہ ہر فرد اور ہر طبقہ کو آپ ﷺ ترغیب دیتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ وہ دوسرے کا حق ادا کرے اور حقوق کے ادا کرنے میں اپنی کامیابی سمجھے۔

سیدوں اور آقاؤں کو آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ وہ غلاموں زیرِ دستوں کے بارے میں خدا سے ڈریں' اُن کے حقوق ادا کریں' اُن کے ساتھ بہتر سلوک کریں' اُن کو اپنا بھائی سمجھیں' اور ایک فردِ خاندان کی طرح رکھیں۔

اور غلاموں اور مملکوں کو ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ وہ سیدوں اور آقاؤں کے خیر خواہ اور وفادار ہو کر رہیں۔

ہماری اس دنیا کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے سے منکر یا کم از کم بے پرواہ ہے' اور اپنا حق دوسرے سے وصول کرنے بلکہ چھیننے کے لئے ہر کشمکش اور جبر و زور کو صحیح سمجھتا ہے' اسی نے دنیا کو جہنم بنا رکھا ہے' اور اس وقت تک یہ دنیا امن سکون سے محروم رہے گی جب تک کہ حق لینے اور چھیننے کے بجائے حق ادا کرنے پر زور نہ دیا جائے گا۔ اگر عقل و بصیرت سے محرومی نہ ہو تو مسئلہ بالکل بدیہی ہے۔

بڑوں اور چھوٹوں کے باہمی برتاؤ کے بارے میں ہدایات

ہر معاشرہ اور سماج میں کچھ بڑے ہوتے ہیں اور کچھ ان کے چھوٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑوں کو چھوٹوں کے ساتھ اور چھوٹوں کو بڑوں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں بھی ہدایات فرمائی ہیں۔ اگر ان کا اتباع کیا جائے تو معاشرہ میں وہ خوشگواری اور روحانی سرور و سکون رہے جو انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔

اس سلسلہ کی چند حدیثیں یہاں بھی پڑھ لی جائیں:

۹۹) **عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا.** (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی ہمارے چھوٹوں کے ساتھ شفقت کا برتاؤ نہ کرے اور بڑوں کی عزت کا خیال نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۱۰۰) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ شَيْخٌ يُرِيْدُ النَّبِيَّ ﷺ فَاَبْطَاَ الْقَوْمُ اَنْ يُّوَسِّعُوْا لَهُ فَقَالَ ﷺ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا.** (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ آئے' وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنا چاہتے تھے' لوگوں نے (جو اس وقت حاضر تھے) ان کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں دیر کی (یعنی ایسا نہیں کیا کہ ان کے بڑھاپے کے احترام میں جلدی سے اُن کو راستہ دے دیتے اور جگہ خالی کر دیتے) تو

حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو آدمی ہمارے چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دین سے وابستگی چاہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کا برتاؤ رکھے اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے، اور جو ایسا نہ کرے اس کو حق نہیں ہے کہ وہ حضور ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کی خاص جماعت کی طرف اپنی نسبت کرے۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جامع ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔

(۱۰۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجَلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُكْرِمُهٗ. (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو جوان کسی بوڑھے بزرگ کا اس کے بڑھاپے ہی کی وجہ سے ادب واحترام کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس جوان کے بوڑھے ہونے کے وقت ایسے بندے مقرر کردے گا جو اس وقت اس کا ادب واحترام کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح اوپر جو دو حدیثیں درج ہوئی ہیں ان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بڑوں کے ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کا رسول اللہ ﷺ کی ہدایت وتعلیم میں کیا درجہ ہے، اور اس میں غفلت اور کوتاہی کتنا سنگین جرم ہے۔ اللّٰہم احفظنا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ادب واحترام اور ان کی خدمت وہ نیکی ہے جس کا صلہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی عطا فرماتا ہے اور اصل جزاء ثواب کی جگہ تو آخرت ہی ہے۔

اسلامی برادری کے باہمی تعلقات اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ ﷺ (اور اسی طرح آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام بھی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق کی دعوت اور ہدایت لے کر آئے تھے، جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کرکے ان کا دین اور ان کا راستہ اختیار کرلیتے تھے وہ قدرتی طور سے ایک جماعت اور امت بنتے جاتے تھے۔ یہی دراصل "اسلامی برادری" اور "امت مسلمہ" تھی۔

جب تک رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں رونق افروز رہے یہی برادری اور یہی امت آپ ﷺ کا دست وبازو اور دعوت وہدایت کی مہم میں آپ ﷺ کی رفیق ومددگار تھی، اور آپ ﷺ کے بعد قیامت تک اسی کو آپ ﷺ کی نیابت میں اس مقدس مشن کی ذمہ داری سنبھالنی تھی۔ اس کے لئے جس طرح ایمان ویقین، تعلق باللہ اور اعمال واخلاق کی پاکیزگی اور جذبۂ دعوت کی ضرورت تھی اسی طرح دلوں کے جوڑ اور شیرازہ بندی کی بھی

ضرورت تھی' اگر دل پھٹے ہوئے ہوں' اتحاد و اتفاق کے بجائے اختلاف و انتشار اور خود آپس میں جنگ و پیکار ہو تو ظاہر ہے کہ نیابتِ نبوت کی یہ ذمہ داری کسی طرح بھی ادا نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اسلامیت کو بھی ایک مقدس رشتہ قرار دیا۔ اور امت کے افراد اور مختلف طبقوں کو خاص طور سے ہدایت و تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں' اور باہم خیر خواہ و خیر اندیش اور معاون و مددگار بن کے رہیں۔ ہر ایک دوسرے کا لحاظ رکھے' اور اس دینی ناطہ سے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

اس تعلیم و ہدایت کی ضرورت خاص طور سے اس لئے بھی تھی کہ امت میں مختلف ملکوں' نسلوں اور مختلف طبقوں کے لوگ تھے۔ جن کے رنگ و مزاج اور جن کی زبانیں مختلف تھیں اور یہ رنگا رنگی آگے کو اور زیادہ بڑھنے والی تھی۔ اس سلسلہ کی رسول اللہ ﷺ کی اہم ہدایات مندرجہ ذیل حدیثوں میں پڑھیے:

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے تعلق ایک مضبوط عمارت کا سا ہے' اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا (کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم وابستہ اور پیوستہ ہونا چاہیے) (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جس طرح عمارت کی اینٹیں باہم مل کر مضبوط قلعہ بن جاتی ہیں اسی طرح امت مسلمہ ایک قلعہ ہے' اور ہر مسلمان اس کی ایک ایک اینٹ ہے' ان میں باہم وہی تعلق اور ارتباط ہونا چاہیئے جو قلعہ کی ایک اینٹ کا دوسری اینٹ سے ہوتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا کہ مسلمانوں کے مختلف افراد اور طبقوں کو باہم پیوستہ ہو کر اس طرح امتِ واحدہ بن جانا چاہیئے جس طرح الگ الگ دو ہاتھوں کی یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک حلقہ اور گویا ایک وجود بن گئیں۔

۱۰۳) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہٗ اِشْتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشْتَکٰی رَاْسُہٗ اِشْتَکٰی کُلُّہٗ. (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب مسلمان ایک شخص واحد (کے مختلف اعضاء) کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دُکھے تو اس کا سارا جسم درد محسوس کرتا ہے' اور اسی طرح اگر اس کے سر میں تکلیف ہو تو بھی سارا جسم تکلیف میں شریک ہوتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ پوری امت مسلمہ گویا ایک جسم و جان والا وجود ہے' اور اس کے افراد اس کے اعضاء ہیں۔ کسی کے ایک عضو میں اگر تکلیف ہو تو اس کے سارے اعضاء تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ اسی

طرح پوری ملتِ اسلامیہ کو ہر مسلمان فرد کی تکلیف محسوس کرنی چاہئے۔ اور ایک کے دکھ درد میں سب کو شریک ہونا چاہئے۔

۱۰۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهٗ وَلَا یُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِیْ حَاجَةِ اَخِیْهِ كَانَ اللهُ فِیْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (اسلئے) نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا نشانۂ ظلم بننے کے لئے اس کو بے مدد چھوڑے (یعنی دوسروں کے ظلم سے بچانے کے لئے اس کی مدد کرے) اور جو کوئی اپنے ضرورت مند بھائی کی حاجت پوری کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا۔ اور جو کسی مسلمان کو کسی تکلیف اور مصیبت سے نجات دلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن کسی مصیبت اور پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَایَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یُحَقِّرُهٗ اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا(وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ) بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِ اَنْ یُحَقِّرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے (لہٰذا) نہ خود اس پر ظلم وزیادتی کرے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لئے اس کو بے یار ومددگار چھوڑے' نہ اس کی تحقیر کرے (حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ فرمایا) "تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔" "کسی آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے' اور اس کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان کے لئے حرام ہے (یعنی اس پر دست درازی حرام ہے) اس کا خون بھی' اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمانے کے ساتھ کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو حقیر وذلیل نہ سمجھے اور اس کی تحقیر نہ کرے (لایحقرہ) اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین دفعہ اشارہ کر کے جو یہ فرمایا کہ "التقوی ھھنا" (تقویٰ یہاں سینہ کے اندر اور باطن میں ہوتا ہے) اس کا مقصد اور مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑائی' چھوٹائی' عظمت وحقارت اور عزت وذلت کا دار ومدار "تقویٰ" پر ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاكُمْ

اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز اور قابلِ اکرام وہ ہے جس میں تقویٰ زیادہ ہے۔

اور تقویٰ در حقیقت خدا کے خوف اور محاسبۂ آخرت کی فکر کا نام ہے، اور ظاہر ہے کہ وہ دل کے اندر کی اور باطن کی ایک کیفیت ہے، اور ایسی چیز نہیں ہے جسے کوئی دوسرا آدمی آنکھوں سے دیکھ کر معلوم کر سکے کہ اس آدمی میں تقویٰ ہے یا نہیں ہے، اس لئے کسی بھی صاحبِ ایمان کو حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے ایمان والے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ کیا خبر جس کو تم اپنی ظاہری معلومات یا قرائن سے قابلِ تحقیر سمجھتے ہو اس کے باطن میں تقویٰ ہو اور وہ اللہ کے نزدیک مکرم ہو۔ اس لئے کسی مسلم کے لئے روا نہیں کہ وہ دوسرے مسلم کی تحقیر کرے۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ: کسی آدمی کے برے ہونے کے لئے تنہا یہی ایک بات کافی ہے کہ وہ اللہ کے کسی مسلم بندے کو حقیر سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔

۱۰۶) **عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے پر اور ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ خیر خواہی پر۔ ([illegible])

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جب میں نے بیعت کی تھی تو آپ ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ تین باتوں کا مجھ سے عہد لیا تھا۔ ایک اہتمام سے نماز پڑھنے کا، دوسرے زکوٰۃ ادا کرنے کا، تیسرے ہر مسلمان کے ساتھ مخلصانہ تعلق اور اس کے لئے خیر خواہی اور خیر اندیشی کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے باہمی تعلق کا اتنا اہتمام تھا کہ آپ ﷺ نماز اور زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کے ساتھ اس کی بھی بیعت لیتے تھے۔

۱۰۷) **عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ لَايَهْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ يُصْبِحْ وَيُمْسِيْ نَاصِحًا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَلِكِتَابِهٖ وَلِاِمَامِهٖ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ.** (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو مسلمانوں کے مسائل و معاملات کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے اور جس کا یہ حال ہو کہ وہ ہر دن اور ہر صبح و شام اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پاک قرآن مجید کا اور اس کے امام (یعنی خلیفۂ وقت) کا اور عام مسلمانوں کا مخلص و خیر خواہ اور وفادار ہو (یعنی جو کسی وقت بھی اس اخلاص اور وفاداری سے خالی ہو) وہ مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ ([illegible])

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بندے کے اللہ کے نزدیک مسلمان اور مقبول الاسلام ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ عام مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مصائب و مشکلات سے بے پروانہ ہو بلکہ ان کی فکر رکھتا ہو۔ اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ وہ اللہ و رسول اور کتاب اللہ اور حکومت اسلام اور عوام مسلمین کا ایسا مخلص اور وفادار و خیر خواہ ہو کہ یہ خلوص اور وفاداری اس کی زندگی کا جزو بن گئی ہو، اور اس کی

رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گئی ہو کہ وہ کسی وقت بھی اس سے خالی نہ ہو سکے۔ خدا کے لئے ہم غور کریں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس قدر اہم ہدایات کو کیسا پس پشت ڈال دیا ہے۔

۱۰۸) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَایُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' کوئی بندہ سچا مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کیلئے دوسرے مسلمان کی اس درجہ خیر خواہی کہ جو خیر اور بھلائی اپنے لئے چاہے وہی اس کیلئے بھی چاہے ایمان کے شرائط اور لوازم میں سے ہے' اور ایمان و اسلام کا جو مدعی اس سے خالی ہے وہ ایمان کی روح و حقیقت اور اس کے برکات سے محروم ہے۔

اسلامی رشتے کے چند خاص حقوق

۱۰۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّالسَّلَامِ وَعِیَادَةُ الْمَرِیْضِ وَ اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلم کے دوسرے مسلم پر پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا' بیمار کی عیادت کرنا' جنازے کے ساتھ جانا' دعوت قبول کرنا اور چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کہہ کے اس کے لئے دعائے رحمت کرنا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی عملی زندگی میں یہ پانچ باتیں ایسی ہیں جن سے دو مسلمانوں کا باہمی تعلق ظاہر ہوتا ہے اور نشوونما بھی پاتا ہے' اس لئے ان کا خاص طور سے اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسری حدیث میں سلام کا جواب دینے کی جگہ خود سلام کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے' اور ان پانچ کے علاوہ بعض اور چیزوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ان پانچ کا ذکر بطور تمثیل کے فرمایا گیا ہے' ورنہ اور بھی اس درجہ کی چیزیں ہیں جو اسی فہرست میں شامل ہیں۔

مسلمان کی عزت و آبرو کی حفاظت و حمایت

۱۱۰) **عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ اِمْرَأً مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَهَكُ فِیْهِ حُرْمَتُهٗ وَیُنْتَقَصُ فِیْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللهُ تَعَالٰی فِیْ مَوْضعٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ وَمَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِهٖ وَیُنْتَهَكُ فِیْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللهُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو (بے توفیق) مسلمان

کسی دوسرے مسلمان بندے کو کسی ایسے موقع پر بے مدد چھوڑے گا جس میں اس کی عزت پر حملہ ہو اور اس کی آبرو اُتاری جاتی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ایسی جگہ اپنی مدد سے محروم رکھے گا جہاں وہ اللہ کی مدد کا خواہش مند (اور طلبگار) ہوگا۔ اور جو (باتوفیق مسلمان) کسی مسلمان بندے کی ایسے موقع پر مدد اور حمایت کرے گا جہاں اس کی عزت و آبرو پر حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں وہ اس کی نصرت کا خواہشمند (اور طلب گار) ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

۱۱۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِىْ لَحْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْئٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جَسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بددین منافق کے شر سے بندۂ مؤمن کی حمایت کی (مثلاً کسی شریر بددین نے کسی مؤمن بندے پر کوئی الزام لگایا اور کسی باتوفیق مسلمان نے اس کی مدافعت کی) تو اللہ تعالیٰ قیامت میں ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جو اس کے گوشت (یعنی جسم) کو آتشِ دوزخ سے بچائے گا۔ اور جس کسی نے کسی مسلمان بندے کو بدنام کرنے اور گرانے کے لئے اس پر کوئی الزام لگایا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے پل پر قید کردے گا اس وقت تک کے لئے کہ وہ اپنے الزام کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ کسی بندۂ مومن کو بدنام رسوا کرنے کے لئے اس پر الزام لگانا اور اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ایسا سنگین اور اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا اگرچہ مسلمانوں میں سے ہو جہنم کے ایک حصہ پر (جس کو حدیث میں جسر جہنم کہا گیا ہے) اس وقت تک ضرور قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ جل بھن کر اپنے اس گناہ کی گندگی سے پاک صاف نہ ہو جائے، جس طرح کہ سونا اس وقت تک آگ پر رکھا جاتا ہے جب تک کہ اس کا میل کچیل ختم نہ ہو جائے۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گناہ اللہ کے ہاں ناقابلِ معافی ہے، لیکن آج ہم مسلمانوں کا، ہمارے خواص تک کا یہ لذیذ ترین مشغلہ ہے۔ اللّٰهم احفظنا ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا

۱۱۲) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝" (رواہ البغوی فی شرح السنہ)

ترجمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ: جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلم بھائی کی آبرو پر ہونے والے حملہ کا جواب دے (اور اس کی طرف سے مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ کا یہ ذمہ ہوگا کہ وہ قیامت کے دن آتشِ جہنم کو اس سے دفع کرے۔ پھر (بطورِ سند کے) آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۝" (اور ہمارے

ذمہ ہے ایمان والوں کی مدد کرنا)۔ (شرح السنہ للامام محی السنہ البغوی)

۱۱۳) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس بندے نے اپنے کسی مسلم بھائی کے خلاف کی جانے والی غیبت اور بدگوئی کی اسکی عدم موجودگی میں مدافعت اور جواب دہی کی تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے کہ آتشِ دوزخ سے اس کو آزادی بخش دے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۱۱۴) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنِ اغْتِيْبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَه. (رواه البغوى فى شرح السنه)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے سامنے اس کے کسی مسلم بھائی کی غیبت اور بدگوئی کی جائے اور وہ اس کی نصرت و حمایت کر سکتا ہو اور کرے (یعنی غیبت و بدگوئی کرنے والے کو اس سے روکے یا اس کا جواب دے اور مداخلت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرمائے گا، اور اگر قدرت حاصل ہونے کے باوجود وہ اس کی نصرت و حمایت نہ کرے (نہ غیبت کرنے والے کو غیبت سے روکے نہ جوابدہی اور مدافعت کرے) تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کو اس کوتاہی پر پکڑے گا (اور اس کی سزا دے گا)۔ (شرح السنہ للامام محی السنہ البغوی)

تشریح — حضرت جابر، حضرت معاذ بن انس، حضرت ابوالدرداء، حضرت اسماء بنت یزید اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کی ان پانچوں حدیثوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک بندۂ مسلم کی عزت و آبرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر محترم ہے، اور دوسرے مسلمانوں کے لئے اس کی حفاظت و حمایت کس درجہ کا فریضہ ہے، اور اس میں کوتاہی کس درجہ کا سنگین جرم ہے۔ افسوس ہے کہ ہدایتِ محمدی ﷺ کے اس اہم باب کو امت نے بالکل ہی فراموش کر دیا ہے۔ بلاشبہ یہ ہمارے اُن اجتماعی گناہوں میں سے ہے جن کی پاداش میں ہم صدیوں سے اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم ہیں، ٹھوکریں کھا رہے ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کیلئے آئینہ ہے

۱۱۵) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ يَكُفُّ عَنْهُ ضَيْعَتَهٗ وَيَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ. (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا آئینہ ہے، اور ایک مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے، اس کے ضرر کو اس سے دفع کرتا ہے اور اس کے پیچھے سے اس کی پاسبانی و نگرانی کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح آئینہ کا یہ کام ہے کہ وہ دیکھنے والے کو اس کے چہرے کا ہر داغ دھبہ اور ہر بدنما نشان دکھا دیتا ہے، اور صرف اسی کو دکھاتا ہے دوسروں کو نہیں دکھاتا۔ ایک مؤمن کے دوسرے مؤمن کے لئے آئینہ ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کو چاہئے کہ دوسرے بھائی میں جو نامناسب اور قابلِ اصلاح بات دیکھے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی کے ساتھ اس کو اس پر مطلع کر دے، دوسروں میں اس کی تشہیر نہ کرے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اس دینی اخوت کے ناطے سے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اگر اس پر کوئی آفت اور تباہی آنے والی ہو تو وہ اپنے مقدور بھر اس کو روکنے اور اس کی زد سے اس کو بچانے کی کوشش کرے، اور جس طرح اپنی کسی عزیز ترین چیز کی ہر طرف سے پاسبانی اور نگرانی کی جاتی ہے اسی طرح اپنے دینی و ایمانی بھائی کی نگرانی اور پاسبانی کرے۔

عام انسانوں اور مخلوقات کیساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایت

مندرجہ بالا حدیثوں میں مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلق اور برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ ذیل میں وہ حدیثیں پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے عام انسانوں اور دوسری مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں ہدایات دی ہیں۔

۱۱۶) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَ تُبْغِضَ لِلّٰهِ وَ تُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِاللّٰهِ، قَالَ وَمَا ذَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ وَ اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهُ لَهُمْ مَاتَكْرَهُ لِنَفْسِكَ.** (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایمان کا افضل درجہ کیا ہے؟ (یعنی ایمان والے اعمال واخلاق میں وہ کون سے ہیں جن کو فضیلت کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ تمہاری محبت و مودت اور تمہاری نفرت و عداوت بس اللہ کے واسطے ہو، اور تمہاری زبان اللہ کے ذکر میں استعمال ہو۔ معاذ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ اور کیا یارسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: اور یہ کہ تم سب لوگوں کے وہی چاہو اور وہی پسند کرو جو اپنے لئے چاہتے اور پسند کرتے ہو اور اس چیز اور اس حالت کو سب لوگوں کے لئے ناپسند کرو جس کو اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔ (مسند احمد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و تعلیم میں عام انسانوں کی اس حد تک خیر خواہی و خیر اندیشی اور ان کے ساتھ اتنا خلوص کہ جو اپنے لئے چاہے وہ سب کے لئے چاہے اور جو اپنے لئے نہ چاہے وہ کسی کے لئے بھی نہ چاہے، اعلیٰ درجہ کے ایمانی اعمال واخلاق میں سے ہے۔

۱۱۷) **عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَايَرْحَمُ النَّاسَ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس شخص پر اللہ کی رحمت نہ ہوگی، جو (اس کے پیدا کئے ہوئے) انسانوں پر رحم نہ کھائے گا اور ان کے ساتھ ترحم کا معاملہ نہ کریگا۔

تشریح اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے جو دوسرے قابل رحم انسانوں کے ساتھ ترحم کا برتاؤ نہ کریں، یعنی ان کی تکلیف اور ضرورت کو محسوس کر کے اپنے مقدور کے مطابق ان کی مدد اور خدمت نہ کریں، بڑی سخت وعید ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ: ایسے لوگ خداوند رحمٰن کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ الفاظ میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ اس کو بددعا سمجھا جائے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ایسے لوگ خدا کی رحمت سے محروم رہیں۔ واضح رہے کہ چوروں، ڈاکوؤں اور اس طرح کے دوسرے مجرموں کو سزا دینا اور قاتلوں کو قصاص میں قتل کرنا، ترحم کی اس تعلیم وہدایت کے خلاف نہیں ہے، بلکہ یہ بھی عوام کے ساتھ ترحم ہی کا تقاضا ہے۔ اگر مجرموں کو تعزیری قانون کے مطابق سخت سزائیں نہ دی جائیں تو بے چارے عوام ظالموں کے مظالم اور مجرمین کے جرائم کا اور زیادہ نشانہ بنیں گے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَا أُولِي الْاَلْبَابِ.

اے اہل دانش قصاص کے قانون میں تمہارے لئے زندگی کا سامان ہے۔

۱۱۸) **عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.** (رواه ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کی مخلوق پر) رحم کھانے والوں اور (ان کے ساتھ) ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر خداوند رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی۔ تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحمت فرمائے گا۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث میں بڑے ہی بلیغ اور مؤثر انداز میں تمام مخلوق کے ساتھ جس سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے ترحم کی ترغیب دی گئی ہے، پہلے فرمایا گیا ہے کہ ترحم کرنے والوں پر خدا کی رحمت ہوگی، اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تم خدا کی زمینی مخلوق کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرو، آسمان والا (رب العرش) تم پر رحمت کرے گا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے کہ "وہ جو آسمان میں ہے" ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے وہ نسبت نہیں ہے جو ایک مکین کو اپنے خاص رہائشی مکان سے ہوتی ہے، آسمان بھی زمین اور دوسری مخلوقات کی طرح اس کی ایک مخلوق ہے، وہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے، اور اس کی خالقیت اور الوہیت و ربوبیت کا دونوں سے یکساں تعلق ہے (وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ[1]) اس کے باوجود فوقیت اور بالاتری کے لحاظ سے اس کو آسمان سے ایک خاص نسبت ہے جو زمین اور اس عالم اسفل کی دوسری مخلوقات سے نہیں ہے، اور وہی اس کی نوعیت اور کیفیت جانتا ہے، اسی نسبت کے اعتبار سے اس حدیث میں "مَنْ فِي الْاَرْضِ" کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے "مَنْ فِي السَّمَاءِ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

---

[1] سورۂ زخرف، آیت نمبر ۸۴

۱۱۹) عَنْ اَنَسٍ وَ عَبْدِاللهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ. (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساری مخلوق اللہ کی عیال (گویا اس کا کنبہ) ہے' اس لئے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح آدمی کے "عیال" ان کو کہا جاتا ہے جن کی زندگی کی ضروریات کھانے' کپڑے وغیرہ کا وہ کفیل ہو۔ بلا شبہ اس لحاظ سے ساری مخلوق اللہ کی "عیال" ہے' وہی سب کا پروردگار اور روزی رَساں ہے۔ اس نسبت سے جو آدمی اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا' اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس کی محبت اور پیار کا مستحق ہوگا۔

جانوروں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی ہدایت

اگرچہ رسول اللہ ﷺ نے (اور آپ ﷺ سے پہلے آنے والے نبیوں' رسولوں نے بھی) اس کی اجازت دی ہے کہ جو جانور سواری یا بار برداری کے لئے یا کسی دوسرے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان سے وہ کام لئے جائیں۔ اسی طرح جن جانوروں کو حلال طیّب قرار دیا گیا ہے ان کو اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے اس کے حکم کے مطابق غذا میں استعمال کیا جائے' لیکن اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ ان کے ساتھ ایذاء رسانی اور بے رحمی کا برتاؤ نہ کیا جائے' اور ان کے معاملہ میں بھی خدا سے ڈرا جائے۔

۱۲۰) عَنْ سُهَيْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّالنَّبِيُّ ﷺ بِبَعِيْرٍ قَدْلَحِقَ ظَهْرُهٗ بِبَطْنِهٖ فَقَالَ اِتَّقُوا اللهَ فِىْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَّاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت سہیل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ (بھوک کی وجہ سے) اس کی کمر سے لگ گیا تھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو! (ان کو اس طرح بھوکا نہ مارو) ان پر سوار ہو تو ایسی حالت میں جب یہ ٹھیک ہوں (یعنی ان کا پیٹ بھرا ہو) اور ان کو چھوڑو تو (اسی طرح کھلا پلا کر) اچھی حالت میں۔ (سنن ابی داؤد)

۱۲۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيَ النَّبِيُّ ﷺ حِمَارًا قَدْوُسِمَ فِىْ وَجْهِهٖ فَقَالَ لَعَنَ اللهُ مَنْ فَعَلَ هٰذَا. (رواہ احمد)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ایک گدھے پر پڑی جس کے چہرے پر داغ دے کر نشان بنایا گیا تھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص خدا کی رحمت سے دور اور محروم ہے جس نے یہ (بے رحمی کا) کام کیا ہے۔ (مسند احمد)

تشریح دنیا کے بہت سے حصوں میں گھوڑوں' گدھوں جیسے جانوروں کی پہچان کے لئے ان کے جسم کے

کسی حصہ پر گرم لوہے سے داغ دے کر نشان بنادیا جاتا تھا' اب بھی کہیں کہیں اس کا رواج ہے لیکن اس مقصد کے لئے چہرے کو داغنا (جو جانور کے سارے جسم میں سب سے زیادہ نازک اور حساس عضو ہے) بڑی بے رحمی اور گنوار پنے کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک گدھے کو دیکھا جس کا چہرہ داغا گیا تھا تو آپ ﷺ کو سخت دکھ ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "لعن اللہ من فعل ھذا" (یعنی اس پر خدا کی لعنت جس نے یہ کیا ہے) ظاہر ہے کہ یہ انتہائی درجہ کی ناراضی اور بے زاری کا کلمہ تھا' جو ایک گدھے کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کرنے والے کے لئے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلا۔

دنیا نے "انسدادِ بے رحمی" کو اب اپنی ذمہ داری سمجھا ہے لیکن اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے اب سے چودہ سو برس پہلے اس کی طرف رہنمائی فرمائی تھی اور اس پر زور دیا تھا۔

۱۲۲) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ غُفِرَ لِاِمْرَاَةٍ مُؤْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلٰى رَاْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَاَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ. قِيْلَ اِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ.** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک بد چلن عورت کی اسی عمل پر بخشش ہو گئی کہ وہ ایک کتے کے پاس سے گزری جو ایک کنویں کے پاس اس حالت میں (چکر کاٹ رہا) تھا کہ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور وہ ہانپ رہا تھا کہ پیاس سے مر جائے۔ اس عورت نے (ڈول رسی نہ ہونے کی وجہ سے) پاؤں سے اپنا چمڑے کا موزہ اتارا پھر اپنی اوڑھنی میں (کسی طرح) اس کو باندھا اور اس پیاسے کتے کے لئے (کنویں سے) پانی نکالا (اور پلایا) تو اسی پر اس کی مغفرت کا فیصلہ فرمادیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ: کیا جانور (کے کھلانے پلانے) میں بھی ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک ہر زندہ جانور کے کھلانے پلانے میں ثواب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح　ظاہر ہے کہ اس بد چلن عورت کے اس واقعہ کا ذکر کرنے سے رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف واقعہ سنا دینا نہ تھا' بلکہ یہ سبق دینا تھا کہ کتے جیسی مخلوق کے ساتھ بھی اگر ترحم کا برتاؤ کیا جائے گا تو وہ خداوند قدوس کی رحمت و مغفرت کا باعث ہو گا اور بندہ اس کا اجر و ثواب پائیگا۔

قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث جس میں عورت کے بجائے ایک راستہ چلتے مسافر کا اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کے حوالہ سے اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں اب سے بہت پہلے (کتاب الاخلاق میں رحم دلی کے زیرِ عنوان) درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح میں بہت تفصیل سے کلام کیا جا چکا ہے اور اس سوال کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ صرف ایک کتے کو پانی پلا دینا کیونکر ایک گنہگار آدمی کی مغفرت کا سبب بن سکتا ہے' اور اس میں کیا راز[1] ہے۔ اس حدیث کی روح اور اس کا خاص پیغام یہی ہے کہ کتے جیسے جانوروں کے ساتھ بھی ہمارا برتاؤ ترحم کا ہونا چاہئے۔

---

[1] یہ حدیث اور اس سے متعلق تشریحی بحث معارف الحدیث (جلد ۲) کتاب الاخلاق میں دیکھی جا سکتی ہے۔

١٢٣) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْيَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ اِنْسَانٌ اَوْطَيْرٌ اَوْبَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی مسلم بندہ کسی درخت کا پودا لگائے یا کھیتی کرے، پھر کوئی انسان یا کوئی پرندہ یا چوپایہ اس درخت یا کھیتی میں سے کھائے، تو یہ اس بندے کی طرف سے صدقہ اور کارِ ثواب ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث کا بھی پیغام اور سبق یہی ہے کہ انسانوں کے علاوہ اللہ کے پیدا کئے ہوئے سب جانوروں، پرندوں اور چوپایوں کو کھلانا پلانا بھی صدقہ اور کارِ ثواب ہے۔ اس کے برعکس مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوگا کہ کسی جانور کو بلاوجہ ستانا اور اس کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرنا سخت گناہ ہے، جو آدمی کو عذابِ خداوندی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

١٢٤) عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عُذِّبَتْ اِمْرَاَةٌ فِىْ هِرَّةٍ اَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَاْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْاَرْضِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایک ظالم عورت کو ایک بلی کو (نہایت ظالمانہ طریقہ سے) مار ڈالنے کے جرم میں عذاب دیا گیا ہے۔ اس نے اس بلی کو بند کر لیا، پھر نہ تو خود اسے کچھ کھانے دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض سے اپنا پیٹ بھر لیتی (اس طرح اسے بھوکا تڑپا تڑپا کے مار ڈالا۔ اس کی سزا اور پاداش میں وہ عورت عذاب میں ڈالی گئی ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح یہ چند حدیثیں یہ جاننے کے لئے کافی ہیں کہ جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور تعلیم کیا ہے۔ اور یہ اس کے بالکل منافی نہیں ہے کہ سانپ، بچھو جیسے موذی جانوروں کو مار ڈالنے کا خود آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، اور حرم میں بھی ان کے مار دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ بھی دراصل اللہ کی مخلوق اور اس کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

آدابِ ملاقات

یہاں تک جو حدیثیں درج ہوئیں ان سے انسانوں کے مختلف طبقات اور اللہ کی عام مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات معلوم ہوئیں' آگے "آدابِ ملاقات" اور اس کے بعد "آدابِ مجلس" کے سلسلہ کی جو احادیث درج کی جارہی ہیں' وہ بھی دراصل زندگی کے ایک خاص دائرے میں آپس کے برتاؤ ہی سے متعلق ہدایات ہیں۔

تحیۂ اسلام' سلام

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار و محبت یا جذبہ اکرام و خیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس و مسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے' اور آج بھی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں ہمارے برادرانِ وطن ہندو' ملاقات کے وقت "نمستے" کہتے ہیں' کچھ پرانے قسم کے کم پڑھے لکھوں کو "رام رام" کہتے ہوئے بھی سنا ہے۔ یورپ کے لوگوں میں صبح کی ملاقات کے وقت "گڈ مارننگ" (اچھی صبح) اور شام کی ملاقات کے وقت "گڈ ایوننگ" (اچھی شام) اور رات کی ملاقات میں "گڈ نائٹ" (اچھی رات) وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کے صحابی عمران بن حصینؓ کا یہ بیان مروی ہے کہ : ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور "اَنْعِمْ صَبَاحًا" (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔ جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آگئے تو ہمیں اس کی ممانعت کردی گئی' یعنی اس کے بجائے ہمیں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جاسکتا۔ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے' یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے' اسکا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کیلئے شفقت اور مرحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے' اور پھر "اَلسَّلَام" اسماءِ الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے' اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔ ارشاد ہوا ہے: سَلَامٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعَالَمِيْنَ۝ ...... سَلَامٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ۝ ...... سَلَامٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهَارُوْنَ۝ ...... سَلَامٌ عَلٰى اِلْيَاسِيْنَ۝ ......سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ۝ ...... سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ

اصطفٰی ()

اور اہلِ ایمان کو وحکم ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں: "السلام علیک ایہا النبی الخ" اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: جب ہمارے وہ بندے آپ کے پاس آئیں۔ جو ایمان لاچکے ہیں، تو آپ ان سے کہیں کہ: "سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ" (السلام علیکم! تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرمادیا ہے) اور آخرت میں داخلۂ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ ایمان سے فرمایا جائے گا: "ادخلوہا بسلام" اور "سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار"

الغرض ملاقات کے وقت کے لئے "السلام علیکم" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ملنے والے پہلے سے باہم متعارف اور شناسا ہیں اور ان میں محبت واخوت یا قرابت کے قسم کا کوئی تعلق ہے تو اس کلمہ میں اس تعلق اور اس کی بناء پر محبت و مسرت اور اکرام و خیر اندیشی کا پورا اظہار ہے اور اگر پہلے سے کوئی تعارف اور تعلق نہیں ہے، تو یہ کلمہ ہی تعلق واعتماد اور خیر سگالی کا وسیلہ بنتا ہے، اور اس کے ذریعے ہر ایک دوسرے کو گویا اطمینان دلاتا ہے کہ میں تمہارا خیر اندیش اور دعا گو ہوں، اور میرے تمہارے درمیان ایک روحانی رشتہ اور تعلق ہے۔

بہر حال ملاقات کے وقت "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے، اور یہ اسلام کا شعار ہے، اور اسی لئے آپ ﷺ نے اس کی بڑی تاکید فرمائی اور بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی احادیث پڑھیئے!

سلام کی فضیلت و اہمیت

۱۲۵) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ، وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَاَفْشُوْا السَّلَامَ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگو! خداوند رحمٰن کی عبادت کرو اور بندگانِ خدا کو کھانا کھلاؤ اور سلام کو خوب پھیلاؤ، تم جنت میں پہنچ جاؤ گے، سلامتی کے ساتھ۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تین نیک کاموں کی ہدایت فرمائی ہے، اور ان کے کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے۔ ایک خداوند رحمٰن کی عبادت (یعنی بندے پر اللہ کا جو خاص حق ہے اور جو دراصل مقصدِ تخلیق ہے کہ اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کو ادا کیا جائے) دوسرے اطعام طعام، یعنی اللہ کے محتاج اور مسکین بندوں کو بطور صدقہ کے اور دوستوں عزیزوں اور اللہ کے نیک بندوں کو بطورِ ہدیہ اخلاص و محبت کے کھانا کھلایا جائے (جو دلوں کو جوڑنے اور باہم محبت والفت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے، اور بخل جیسی مہلک بیماری کا علاج بھی ہے) تیسرے "السلام علیکم" اور "وعلیکم السلام" کو جو

اسلامی شعار ہے اور اللہ تعالیٰ کا تعلیم فرمایا ہوا دعائیہ کلمہ ہے' اس کو خوب پھیلایا جائے اور اس کی ایسی کثرت اور ایسی رواج ہو کہ اسلامی دنیا کی فضاء اس کی لہروں سے معمور رہے۔ ان تین نیک کاموں پر رسول اللہ ﷺ نے بشارت سنائی ہے: "تدخلوا الجنة بسلام" (تم پوری سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچ جاؤ گے)

۱۲۶) عَنْ عَبْدِاللهِ بِنِ عَمرٍ و اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَن لَّمْ تَعْرِف. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: "حضرت اسلام میں (یعنی اسلامی اعمال میں) وہ کیا چیز (اور کون سا عمل) زیادہ اچھا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "(ایک) یہ کہ تم اللہ کے بندوں کو کھانا کھلاؤ' اور (دوسرے) یہ کہ جس سے جان پہچان ہو اس کو بھی اور جس سے جان پہچان نہ ہو اس کو بھی سلام کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلامی اعمال میں اطعام طعام اور سلام کو خیر اور بہتر قرار دیا ہے۔ بعض دوسری حدیثوں میں)جو گزر بھی چکی ہیں(دوسرے بعض اعمالِ صالحہ کو مثلاً ذکر اللہ یا جہاد فی سبیل اللہ کو یا والدین کو خدمت واطاعت کو "خیر اعمال" اور "افضل اعمال" قرار دیا گیا ہے لیکن جیسا کہ اسی سلسلہ میں بار بار واضح کیا جا چکا ہے' اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے جوابات کا یہ فرق دراصل پوچھنے والوں کی حالت وضرورت اور موقع محل کے فرق کے لحاظ سے ہے' اور اسلامی نظامِ حیات میں ان سب ہی اعمال کو مختلف جہتوں سے خاص اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔

۱۲۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَاتَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوا' اَوَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْئٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ' اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم جنت میں نہیں جا سکتے تاوقتیکہ پورے مؤمن نہ ہو جاؤ (اور تمہاری زندگی ایمان والی زندگی نہ ہو جائے) اور یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم میں باہم محبت نہ ہو جائے' کیا میں تمہیں وہ عمل نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت ویگانگت پیدا ہو جائے۔ (وہ یہ ہے کہ) سلام کو آپس میں خوب پھیلاؤ۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ایمان جس پر داخلہ جنت کی بشارت اور وعدہ ہے' وہ صرف کلمہ پڑھ لینے کا اور عقیدہ کا نام نہیں ہے' بلکہ وہ اتنی وسیع حقیقت ہے کہ اہلِ ایمان کی باہمی محبت ومودت بھی اس کی لازمی شرط ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بڑے اہتمام کے ساتھ بتلایا ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے سے یہ محبت ومودت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ کسی عمل کی خاص تاثیر جب ہی ظہور میں آتی ہے جبکہ اس عمل میں روح ہو' نماز' روزہ اور حج اور ذکر اللہ جیسے اعمال کا حال بھی یہی ہے۔ بالکل یہی معاملہ سلام اور مصافحہ کا بھی ہے کہ یہ اگر دل کے اخلاص اور ایمانی رشتہ کی بناء پر صحیح جذبہ سے ہوں تو پھر دلوں سے کدورت نکلنے اور محبت و

مودت کا رس پیدا ہو جانے کا یہ بہترین وسیلہ ہیں۔ لیکن آج ہمارا ہر عمل بے روح ہے۔

سلام کا اجر و ثواب

۱۲۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَاءَ آخَرُ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ ثَلَاثُوْنَ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا' پھر وہ مجلس میں بیٹھ گیا' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "دس (یعنی اس بندے کے لئے اس کے سلام کی وجہ سے دس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک اور آدمی آیا' اس نے کہا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ الله" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا' پھر وہ آدمی بیٹھ گیا تو' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بیس (یعنی اس کے لئے بیس نیکیاں لکھی گئیں) پھر ایک تیسرا آدمی آیا' اس نے کہا: "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ و رَحْمَةُ الله وبركاتہ" آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب دیا' اور وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو' آپ ﷺ نے فرمایا: تیس (یعنی اس کے لئے تیس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔) (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

تشریح...... اللہ تعالیٰ کا یہ کریمانہ قانون ہے کہ اس نے ایک نیکی کا اجر اس آخری امت کے لئے دس نیکیوں کے برابر مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا: "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا." اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے حق میں جس نے صرف ایک کلمہ "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کہا تھا' فرمایا کہ: اس کے لئے دس نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اور جس شخص نے اس کے ساتھ دوسرے کلمہ "وَرَحْمَةُ الله" کا بھی اضافہ کیا' اس کے لئے آپ نے فرمایا کہ بیس نیکیاں ثابت ہو گئیں اور تیسرے شخص کے لئے جس نے "السَّلَامُ عَلَيْكُمْ و رَحْمَةُ الله" کے ساتھ تیسرے کلمہ "وبركاتہ" کا بھی اضافہ کیا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کے لئے ۳۰ نیکیاں ثابت ہو گئیں۔ اسی حساب سے سلام کا جواب دینے والا بھی اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت حاصل کرنے کے جو راستے معلوم ہوئے ہیں ان کی قدر اور استفادے کی توفیق دے۔

امام مالکؒ نے ابی بن کعب کے صاحبزادے طفیل کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ: میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ ان کا طریقہ تھا کہ وہ ہمیں ساتھ لے کر بازار جاتے اور جس دکاندار اور جس کباڑیئے اور جس فقیر و مسکین کے پاس سے گزرتے اس کو بس سلام کرتے (اور کچھ خرید و فروخت کے بغیر واپس آجاتے) ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا' تو معمول کے مطابق مجھے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ بازار جا کے کیا کریں گے؟ نہ تو آپ کسی دکان پر کھڑے ہوتے ہیں' نہ کسی

چیز کا سودا کرتے ہیں، نہ بھاؤ ہی کی بات کرتے ہیں، اور بازار کی مجلسوں میں بھی نہیں بیٹھتے (پھر آپ بازار کس لئے جائیں؟) یہیں بیٹھیئے، باتیں ہوں اور ہم استفادہ کریں! حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ: ہم تو صرف اس غرض اور اس نیت سے بازار جاتے ہیں کہ جو سامنے پڑے اس کو سلام کریں اور ہر سلام پر کم از کم دس نیکیاں کما کر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور بندگانِ خدا کے جوابی سلاموں کی برکتیں حاصل کریں۔)

۱۲۹) **عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ.**

(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں میں اللہ کے قرب اور اس کی رحمت کا زیادہ مستحق وہ بندہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۱۳۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ الْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِنَ الْكِبْرِ.**

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے بری ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... یعنی سلام میں پہل کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس بندے کے دل میں تکبر نہیں ہے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سلام میں پہل کرنا کبر کا علاج ہے جو بدترین رزیلہ ہے، جس پر احادیث میں عذابِ نار کی وعید ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!۔

اس کے بعد چند وہ حدیثیں پڑھیئے جن میں خاص خاص موقعوں پر سلام کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

عند الملاقات، سلام

۱۳۱) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِیْلَ مَاهُنَّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا لَقِیْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ (خاص) حق ہیں: اول یہ کہ جب ملاقات ہو تو سلام کرے۔ دوسرے جب وہ مدعو کرے تو اس کی دعوت قبول کرے (بشرطیکہ کوئی شرعی محذور اور مانع نہ ہو) تیسرے جب وہ نصیحت (یا مخلصانہ مشورہ) کا طالب ہو تو اس سے دریغ نہ کرے، چوتھے جب اس کو چھینک آئے اور وہ "الحمد للہ" کہے تو یہ اس کو کہے یَرْحَمُكَ اللّٰه (جو دعائیہ کلمہ ہے)۔ پانچویں جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ چھٹے جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے پہلا حق یہ بتلایا ہے کہ ملاقات ہو تو سلام کرے، یعنی "السلام علیکم" کہے۔ (حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت سے قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث "اسلامی رشتہ کے چند حقوق" کے زیرِ عنوان) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالہ سے چند ہی ورق پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ضروری تشریح بھی کی جا چکی ہے، اسلئے یہاں اس سے زیادہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔

۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَهُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کی اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملاقات ہو تو چاہئے کہ اس کو سلام کرے، اگر اس کے بعد کوئی درخت یا کوئی دیوار یا کوئی پتھر ان دونوں کے درمیان حائل ہو جائے (اور تھوڑی دیر کے لئے ایک دوسرے سے غائب ہو جائیں) اور اس کے بعد پھر سامنا ہو، تو پھر سلام کرے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ اگر ملاقات اور سلام کے بعد دو چار سیکنڈ کے لئے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں اور اس کے بعد پھر ملیں تو دوبارہ سلام کیا جائے اور دوسرا اس کا جواب دے۔ اس حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور شریعتِ اسلام میں سلام کی کتنی اہمیت ہے۔

اپنے گھر یا کسی مجلس میں آؤ یا جاؤ تو سلام کرو

۱۳۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ یَا بُنَیَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ یَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَیْكَ وَعَلٰى اَهْلِ بَیْتِكَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ — حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیٹا! جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو سلام کرو، یہ تمہارے لئے بھی باعث برکت ہوگا اور تمہارے گھر والوں کے لئے بھی۔

(جامع ترمذی)

۱۳۴) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا دَخَلْتُمْ بَیْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِه وَاِذَا خَرَجْتُمْ فَاَوْدِعُوْا اَهْلَهٗ بِسَلَامٍ. (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ — حضرت قتادہ (تابعی) سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کسی گھر میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو، اور پھر جب گھر سے نکلو اور جانے لگو تو وداعی سلام کر کے نکلو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا انْتَهٰى اَحَدُکُمْ اِلٰى مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَالَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَلْیَجْلِسْ ثُمَّ اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَة. (رواه الترمذی)

ترجمہ — حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم

میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو چاہیئے کہ (اولاً اہلِ مجلس کو سلام کرے، پھر بیٹھنا مناسب سمجھے تو بیٹھ جائے، پھر جانے لگے تو پھر سلام کرے اور پہلا سلام بعد والے سلام سے اعلیٰ اور بالا نہیں ہے۔ (یعنی بعد والے رخصتی سلام کا بھی وہی درجہ ہے جو پہلے سلام کا، اس سے کچھ کم نہیں۔) (جامع ترمذی)

سلام کے متعلق کچھ احکام اور ضابطے

رسول اللہ ﷺ نے سلام اور جوابِ سلام کے کچھ احکام اور ضابطے بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ ان کے لئے ذیل کی چند حدیثیں پڑھیئے:

۱۳۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَلِّمُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ.** (رواه البخارى)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ: چھوٹا بڑے کو سلام کیا کرے اور راستہ سے گزرنے اور چلنے والا بیٹھے ہوؤں کو سلام کیا کرے، اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کی جماعت کو سلام کریں۔ (صحیح بخاری)

(اور حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ سوار آدمی کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔)

تشریح مطلب یہ ہے کہ جب ایک چھوٹے اور بڑے کی ملاقات ہو تو چھوٹے کو چاہئے کہ وہ پیش قدمی کر کے بڑے کو سلام کرے۔ اور اسی طرح جب کسی چلنے والے کا گزر کسی بیٹھے ہوئے آدمی پر ہو تو چلنے والے کو چاہئے کہ وہ سلام میں پیش قدمی کرے، اور اگر دو جماعتوں کی ملاقات ہو تو جس جماعت میں نسبتاً آدمی کم ہوں وہ دوسری زیادہ آدمیوں والی جماعت کو سلام کرنے میں پیش قدمی کرے، اور جو شخص کسی سواری پر جا رہا ہو وہ پیش قدمی کر کے پیدل چلنے والوں کو سلام کرے۔ اس ہدایت کی یہ حکمت عملی ظاہر ہے کہ سوار کو بظاہر ایک دنیوی بلندی اور بڑائی حاصل ہے اس لئے اس کو حکم دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے والوں کو سلام کر کے اپنی بڑائی کی نفی اور تواضع اور خاکساری کا اظہار کرے۔

۱۳۷) **عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِب مَرْفُوعًا قَالَ يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ.** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت ہے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان فرمایا کہ گزرنے والی جماعت میں سے اگر کوئی ایک سلام کر لے تو پوری جماعت کی طرف سے کافی ہے، اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک جواب دیدے تو سب کی طرف سے کافی ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

بعض حالتوں میں سلام نہ کیا جائے

۱۳۸) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَلَّمَ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَ يَبُوْلُ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ النَّبِیُّ ﷺ**

السَّلَام. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اس حالت میں سلام کیا جب آپ ﷺ پیشاب کے لئے بیٹھے تھے۔ تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

(جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی حالتوں میں سلام نہیں کرنا چاہئے۔ اور اگر کوئی آدمی ناواقفی سے سلام کرے تو اس کا جواب نہ دینا چاہئے۔

۱۳۹) عَنْ مِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ فَیَجِیْئُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ اللَّیْلِ فَیُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا لَا یُوْقِظُ النَّائِمَ وَیُسْمِعُ الْیَقْظَانَ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اصحاب صفہ کے پاس تشریف لاتے تو آپ ﷺ اس طرح آہستہ اور احتیاط سے سلام کرتے کہ سونے والے نہ جاگتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنے والے کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اس کے سلام سے کسی سونے والے کی آنکھ نہ کھل جائے یا اس طرح کی کوئی دوسری اذیت اللہ کے کسی بندے کو نہ پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ آداب سیکھنے اور برتنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مصافحہ

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبۂ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں صراحۃً یہی بات فرمائی گئی ہے۔

۱۴۰) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مِنْ تَمَامِ التَّحِیَّةِ الْاَخْذُ بِالْیَدِ. (رواه الترمذی، ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔)

مصافحہ کا اجر و ثواب اور اسکی برکتیں

۱۴۱) عَنِ الْبَرَاءِ بنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا لْتَقَی الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو ہی جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

۱۴۲) عَنْ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِي اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَصَافَحُوْا يَذْهَبُ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَاءُ. (رواه مالك. مرسلا)

ترجمہ: عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہوگی اور دلوں سے دشمنی دور ہوگی۔ (موطا امام مالک)

(یہ روایت امام مالکؒ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے۔ یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی سے پہنچی۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے' اور اس طریقہ سے روایت کرنے کو ارسال۔)

تشریح..... یہاں بھی اس بات کو یاد کر لیا جائے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو اور جو دانہ بے جان ہو چکا اس سے پودا نہیں اگتا۔

معانقہ و تقبیل..... اور ..... قیام

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے' لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو' اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ: جب اپنے بھائی یا عزیز دوست سے ملاقات ہو تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں' اسے گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا: تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔ اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ سے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

۱۴۳) عَنْ اَيُّوْبَ بْنِ بُشَيْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ اَنَّهُ قَالَ قُلْتُ لِاَبِىْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهُ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِىْ وَبَعَثَ اِلَىَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ

اَكُنْ فِي اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَيْتُهُ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرٍ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ وَاَجْوَدَ. (رواه ابو داؤد)

ایوب بن بشیر قبیلہ بنوعنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا رسول اللہ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں جب بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ نے مجھے گھر سے بلوایا میں اس وقت اپنے گھر پر نہیں تھا، جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا (کہ حضور نے مجھے بلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ اپنے سریر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنا لیا جاتا تھا) آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگایا، اور آپ کا یہ معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوبصورت تھا (یعنی بڑا لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَقّٰى جَعْفَرَ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهُ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ. (رواه ابو داؤد البيهقي في شعب الايمان مرسلاً)

امام شعبی تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ نے جعفر بن ابی طالب کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے۔ تو آپ ان کو لپٹ گئے (یعنی معانقہ فرمایا) اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔

١٤٥) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ اَحَدًا كَانَ اَشْبَهَ سَمْتًا وَهَدْيًا وَدَلًّا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ كَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ اِلَيْهَا فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَاَجْلَسَهَا فِيْ مَجْلِسِهٖ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ اِلَيْهِ فَاَخَذَتْ بِيَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَاَجْلَسَتْهُ فِيْ مَجْلِسِهَا.** (رواه ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل و صورت، سیرت و عادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو۔ صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ سے مشابہ تھیں) جب وہ حضور کے پاس آتیں تو آپ (جوشِ محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے لیتے اور (پیار سے) اس کو چومتے، اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا) جب آپ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں۔ آپ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں۔

یہ روایات اس کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (یعنی ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز، اور خود رسول اللہ سے ثابت ہیں، اس لئے حضرت انسؓ کی اس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم ان مواقع کے لئے جب سینہ سے

لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ حضرت عائشہؓ والی آخری حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور ﷺ کے کھڑے ہو جانے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہؓ کے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام واحترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز، محبوب یا محترم بزرگ کے لئے کھڑا ہو جانا بھی درست ہے۔ لیکن بعض احادیث سے (جو آگے درج ہوں گی) یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرامؓ کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے تھے، غالباً اسکی وجہ آپ ﷺ کی مزاجی خاکساری اور تواضع پسندی تھی۔ واللہ اعلم۔

ملاقات یا گھر یا مجلس میں آنے کیلئے اجازت کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ جب کسی سے ملاقات کرنے کے لئے یا اس کے گھر یا اس کی مجلس میں کوئی جانا چاہے تو پہلے سلام کہے اور اجازت مانگے، اس کے بغیر ہرگز اچانک داخل نہ ہو، معلوم نہیں وہ اس وقت کس حال اور کس کام میں ہو، ممکن ہے اس وقت اس کے لئے ملنا مناسب نہ ہو۔

(۱۴۶) عَنْ كَلْدَةَ بْنِ حَنْبَلٍ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ بَعَثَهُ بِلَبَنٍ وَجِدَايَةٍ وَضَغَا بِيْسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ ﷺ بِاَعْلَى الْوَادِى قَالَ فَدَخَلْتُ عَلَيْهِ وَلَمْ اُسَلِّمْ وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ فَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ ءَ اَدْخُلُ؟ (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: کلدہ بن حنبل سے روایت ہے کہ (ان کے اخیافی بھائی) صفوان بن امیہ نے ان کو دودھ اور ہرنی کا ایک بچہ اور کچھ کھیرے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ وادیٔ مکہ کے بالائی حصے میں تھے کلدہ کہتے ہیں کہ میں یہ چیزیں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گیا اور نہ میں نے پہلے سلام کیا اور نہ حاضری کی اجازت چاہی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم واپس جاؤ اور (قاعدہ کے مطابق) "السلام علیکم ا ادخل" کہہ کر اجازت مانگو۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: یہ صفوان بن امیہ مشہور دشمنِ اسلام اور دشمنِ رسول ﷺ امیہ بن خلف کے لڑکے تھے۔ یہ اللہ کی توفیق سے فتح مکہ کے بعد اسلام لے آئے۔ اور یہ واقعہ جو اس روایت میں ذکر کیا گیا ہے غالباً فتح مکہ کے سفر ہی کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا قیام وادیٔ مکہ کے اس بالائی حصہ میں تھا جس کو معلی کہتے ہیں۔ صفوان بن امیہ نے اپنے اخیافی بھائی کلدہ بن حنبل کو ہدیہ کے طور پر یہ تین چیزیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ کچھ دودھ تھا، ایک ہرنی کا بچہ تھا اور کچھ کھیرے تھے۔ یہ اس سے واقف نہیں تھے کہ جب کسی سے ملنے کے لئے جانا ہو تو سلام کر کے اور پہلے اجازت لے کر جانا چاہئے، اسی لئے یونہی حضور ﷺ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے اس ادب کی تعلیم کے لئے ان سے فرمایا کہ: باہر واپس جاؤ اور کہو: "السلام علیکم ا ادخل" (السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں) اور جب اجازت ملے تو آؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے

سلام اور استیذان (یعنی اجازت چاہنے) کا طریقہ صرف زبانی بتا دینے کے بجائے اس سے عمل بھی کرا دیا۔ ظاہر ہے جو سبق اس طرح دیا جائے اس کو آدمی کبھی نہیں بھول سکتا۔

۱۴۷) **عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَسْتَاْذِنُ عَلٰى اُمِّي؟ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ مَعَهَا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِسْتَاذِنْ عَلَيْهَا، فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ خَادِمُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا، اَتُحِبُّ اَنْ تَرَاهَا عُرْيَانَةً؟ قَالَ لَا، قَالَ فَاسْتَاْذِنْ عَلَيْهَا.** (رواه مالك مرسلاً)

ترجمہ عطاء بن یسار تابعی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا میں اپنی ماں کے پاس جانے کے لئے بھی پہلے اجازت طلب کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! ماں کے پاس جانے کے لئے بھی اجازت لو! اس شخص نے عرض کیا کہ: میں ماں کے ساتھ ہی گھر میں رہتا ہوں (مطلب یہ کہ میرا گھر کہیں الگ نہیں ہے، ہم ماں بیٹے ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے ہیں۔ تو کیا ایسی صورت میں بھی میرے لئے ضروری ہے کہ اجازت لے کر گھر میں جاؤں؟)

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں! اجازت لے کر ہی جاؤ۔ اس شخص نے عرض کیا کہ: میں ہی اس کا خادم ہوں (اس کے سارے کام کاج میں ہی کرتا ہوں اس لئے بار بار جانا ہوتا ہے، ایسی صورت میں تو ہر دفعہ اجازت لینا ضروری نہ ہوگا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: نہیں، اجازت لے کر ہی جاؤ، کیا تم یہ پسند کرو گے کہ اس کو برہنہ دیکھو! اس شخص نے عرض کیا کہ: یہ تو ہرگز پسند نہیں کرونگا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تو پھر اجازت لے کر ہی جاؤ۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اجازت اور اچانک اپنی ماں کے گھر میں جانے کی صورت میں اس کا امکان ہے کہ تم ایسی حالت میں گھر میں پہنچو کہ تمہاری ماں کسی ضرورت سے کپڑے اتارے ہوئے ہو، اس لئے ماں کے پاس بھی اجازت لے کر ہی جانا چاہئے۔

۱۴۸) **عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ يَبْدَأْ بِالسَّلَامِ** (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ۔جو شخص اجازت لینے سے پہلے سلام نہ کرے اس کو اجازت نہ دو۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ اجازت لینے کا اسلامی طریقہ یہ ہے کہ پہلے **السلام علیکم** کہے، اس کے بعد کہے کیا میں آ سکتا ہوں، اگر کوئی آدمی بغیر سلام کے اجازت چاہے تو اس کو اجازت نہ دو۔ بلکہ اس کو بتا دو کہ پہلے السلام علیکم کا دعائیہ کلمہ کہہ کے (جو اسلامی شعار بھی ہے) اسلامی اخوت اور للہی رشتہ کا اظہار کرے، اس کے بعد اجازت طلب کرے۔ جب وہ اس طریقہ پر اجازت طلب کرے تو اس کو اجازت دے دو۔

۱۴۹) **عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَاْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَ أَلِجُ؟**

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِخَادِمِہٖ اُخْرُجْ اِلٰی ھٰذَا فَعَلِّمْہُ الْاِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَہٗ "قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَ اَدْخُلُ؟ فَسَمِعَہُ الرَّجُلُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَ اَدْخُلُ؟ فَاَذِنَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: ربعی بن حراش (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی اور عرض کیا: أ ألج؟ (کیا میں اندر آسکتا ہوں؟) رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ اس سے کہو کہ وہ یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَ اَدْخُلُ؟" اس شخص نے آپ ﷺ کی بات خود سن لی اور عرض کیا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَ اَدْخُلُ؟" تو آپ ﷺ نے آنے کی اجازت دے دی اور وہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد)

۱۵۰) عَنْ قَیْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ زَارَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مَنْزِلِنَا فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ، فَرَدَّ اَبِیْ رَدًّا خَفِیًّا، فَقُلْتُ اَلَا تَاْذَنُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ ذَرْہُ حَتّٰی یُکْثِرَ عَلَیْنَا السَّلَامُ فَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" فَرَدَّ سَعْدٌ رَدًّا خَفِیًّا ثُمَّ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" ثُمَّ رَجَعَ، فَاتَّبَعَہُ سَعْدٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ کُنْتُ اَسْمَعُ تَسْلِیْمَکَ وَاَرُدُّ عَلَیْکَ رَدًّا خَفِیًّا لِتُکْثِرَ عَلَیْنَا مِنَ السَّلَامِ، فَانْصَرَفَ مَعَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَلَہٗ سَعْدٌ بِغُسْلٍ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ نَاوَلَہٗ مِلْحَفَۃً مَصْبُوْغَۃً بِزَعْفَرَانٍ اَوْوَرْسٍ فَاشْتَمَلَ بِھَا، ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ وَھُوَ یَقُوْلُ "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ عَلٰی اٰلِ سَعْدٍ، ثُمَّ اَصَابَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الطَّعَامِ، فَلَمَّا اَرَادَالْاِنْصِرَافَ قَرَّبَ لَہٗ سَعْدٌ حِمَارًا قَدْ وَطَّاَ عَلَیْہِ بِقَطِیْفَۃٍ فَقَالَ لِیْ سَعْدٌ اِصْحَبْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَصَحِبْتُہٗ فَقَالَ لِیْ اِرْکَبْ مَعِیْ فَاَبَیْتُ فَقَالَ اِمَّا اَنْ تَرْکَبَ وَاِمَّا اَنْ تَنْصَرِفَ فَانْصَرَفْتُ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہؓ کے فرزند قیس بن سعد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) ہمارے گھر پہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے (قاعدے کے مطابق باہر سے) فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" تو میرے والد (سعد بن عبادہؓ) نے (بجائے اس کے کہ آپ ﷺ کے سلام کا آواز سے جواب دیتے اور اندر تشریف لے آنے کے لئے عرض کرتے) بہت خفی آواز سے (کہ حضور سن نہ سکیں) صرف سلام کا جواب دیا۔ تو میں نے کہا کہ آپ حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کے لئے کیوں عرض نہیں کرتے؟ میرے والد نے فرمایا کہ بلاؤ مت ایسے ہی رہنے دو تاکہ آپ بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکتیں حاصل ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" حضرت سعدؓ نے پھر۔اسی طرح) چپکے سے سلام کا جواب دیا (جس کو حضور ﷺ نے نہیں سنا۔ تو پھر (تیسری بار) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ" (اور جب اس کے بعد بھی حضرت سعدؓ کی طرف سے کوئی جواب آپ ﷺ نے نہیں سنا) تو آپ واپس لوٹنے لگے۔

تو حضرت سعدؓ آپ کے پیچھے آئے اور عرض کیا کہ: حضرت! میں آپ کا سلام سنتا تھا اور (دانستہ) چپکے سے جواب دیتا تھا، تاکہ آپ ( ) بار بار ہمارے لئے سلام فرمائیں (اور ہمیں اس کی برکات حاصل ہوں) تو رسول اللہ سعدؓ کے ساتھ ان کے گھر لوٹ آئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ حضور کے غسل کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ حضور نے غسل فرمایا۔ پھر حضرت سعدؓ نے حضور کو ایک چادر دی (جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی) جسے آپ نے "الاشتمال" کے طریقے پر باندھ لیا، پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کے اس طرح دعا فرمائی: "اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على آل سعد" (اے میرے اللہ! اپنی خاص نوازشیں اور رحمتیں نازل فرما سعد کے گھر والوں پر) اس کے بعد آپ نے کچھ کھانا تناول فرمایا۔ پھر جب آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا تو میرے والد سعد بن عبادہ نے سواری کے لئے اپنا حمار پیش کیا۔ جس کی کمر پر چادر کا گدا بنا کر رکھ دیا گیا تھا اور مجھ سے فرمایا کہ تم حضور کے ساتھ جاؤ، تو میں آپ کے ساتھ ساتھ چلا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ: تم بھی میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے معذرت کر دی اور سوار نہیں ہوا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یا تو میرے ساتھ تم بھی سوار ہو جاؤ یا پھر واپس چلے جاؤ (یعنی مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں سوار ہو کر چلوں اور تم ساتھ ساتھ پیدل چلو، واقعہ کے راوی قیس بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضور نے یہ فرمایا تو میں واپس لوٹ آیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کسی کے ہاں ملاقات کے لئے جائے تو پہلے "السلام علیکم" کہہ کے اندر آنے کی اجازت چاہے۔ اور جب کوئی جواب نہ ملے تو دوسری دفعہ اور پھر جواب نہ ملے تو تیسری دفعہ "السلام علیکم" کہہ کے اجازت مانگے، اور بالفرض اگر تیسری دفعہ بھی جواب نہ ملے تو پھر واپس ہو جائے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے حضور کے بار بار سلام اور اس کی برکات حاصل کرنے کے لئے جو رویہ اختیار کیا) جس کی وجہ سے حضور کو تین دفعہ سلام کرنا اور اس کے بعد واپسی کا ارادہ کر لینا پڑا) بظاہر ایک نامناسب بات تھی، لیکن ان کی نیت اور جذبہ بہت مبارک تھا، اور حضور کی مزاج شناسی کی بناء پر انہیں یقین تھا کہ آپ اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ اس لئے انہوں نے یہ جرأت کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور حضور نے کسی گرانی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کے جذبہ اور نیت کی قدر فرمائی، جیسا کہ آپ کی دعا سے ظاہر ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور نے غسل فرمانے کے بعد ایک ایسی چادر لپیٹ لی جو زعفران یا ورس سے رنگی ہوئی تھی۔ حالانکہ دوسری بعض حدیثوں میں اس کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے کہ کوئی مرد زعفران یا ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہنے (ورس بھی زعفران ہی کی طرح ایک نبات ہے جو رنگ دار بھی ہوتی ہے اور خوشبودار بھی) اب یا تو یہ سمجھا جائے کہ یہ واقعہ جو زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس ابتدائی زمانہ کا ہے جبکہ مردوں کے لئے زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑوں کی ممانعت کا حکم نہیں آیا

تھا، یا یہ کہا جائے کہ جو چادر حضور ﷺ نے استعمال فرمائی وہ کبھی پہلے رنگی گئی تھی لیکن بعد میں اچھی طرح دھو دی گئی تھی، اور ایسی صورت میں اس کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

ملاقات کو آنے والے کا حق ہے کہ اس کو پاس بٹھایا جائے

۱۵۱) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اِنَّ فِى الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَارَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهُ.

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: واثلہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کے لئے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (اپنی جگہ تشریف رکھیں) جگہ میں کافی گنجائش ہے (مطلب یہ تھا کہ میرے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کی حضرت زحمت نہ فرمائیں) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مسلم کا یہ حق ہے کہ جب کوئی بھائی اس کو (اپنے پاس آتا) دیکھے تو اس کے لئے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اپنے قریب بٹھائے۔)

(شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی بڑے سے بڑے کے پاس بھی کوئی مسلم آئے تو اس کو بھی اس کے ساتھ اکرام کا یہی برتاؤ کرنا چاہئے، اس میں رسول اللہ ﷺ سے قرب و جان نشینی کی نسبت رکھنے والے بزرگوں کے لئے خاص سبق ہے۔

مجلس سے کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھنا چاہئے

۱۵۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی ایسا نہ کرے (یعنی کسی کو اس کا حق نہیں ہے) کہ کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، بلکہ لوگوں کو چاہئے کہ (آنے والوں کے لئے) کشادگی اور گنجائش پیدا کریں (اور ان کو جگہ دے دیں)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: اس حدیث میں اس بات سے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ بیٹھ جائے، لیکن اگر خود بیٹھنے والا ایثار کر کے کسی کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے تو اپنی نیت کے مطابق وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

۱۵۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَامَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ

اَحَقُّ بِهٖ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص اپنی جگہ سے (کسی ضرورت سے) اُٹھا اور پھر واپس آ گیا تو اس جگہ کا وہی شخص زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم)

مجلس میں دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر بیٹھنا چاہیئے

١٥٤) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَجْلِسْ بَيْنَ اِثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: دو آدمیوں کے بیچ میں ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سنن ابی داؤد ہی میں اور اس کے علاوہ جامع ترمذی میں بھی ایک دوسرے طریقے سے ان الفاظ میں روایت کی گئی ہے: "لا يحلّ لرجل ان يفرّق بين اثنين الا باذنهما" (کسی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ (قریب قریب بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دے)

سبحان اللہ العظیم! رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات و ہدایات میں لطیف انسانی جذبات اور نازک احساسات کا کتنا لحاظ فرمایا گیا ہے۔

اپنی تعظیم کیلئے بندگانِ خدا کا کھڑا ہونا جسے اچھا لگے وہ جہنمی ہے

١٥٥) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس آدمی کو اس بات سے خوشی ہو کہ لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے رہیں اُسے چاہیئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: ظاہر ہے کہ اس وعید کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ کوئی آدمی خود یہ چاہے اور اسی سے خوش ہو کہ اللہ کے بندے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوں، اور یہ تکبر کی نشانی ہے، اور تکبر والوں کی جگہ جہنم ہے جس کے حق میں فرمایا گیا ہے: "بِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ" (وہ دوزخ متکبرین کا برا ٹھکانہ ہے) لیکن اگر کوئی آدمی خود بالکل نہ چاہے مگر دوسرے لوگ اکرام اور عقیدت و محبت کے جذبہ میں اس کے لئے کھڑے ہو جائیں تو یہ بالکل دوسری بات ہے اگرچہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے اس کو بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے لئے تعظیمی قیام کو ناپسند فرماتے تھے

۱۵۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُتَّكِئًا عَلٰى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا كَمَا يَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ عصا کا سہارا لیتے ہوئے باہر تشریف لائے تو ہم کھڑے ہوگئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اس طرح مت کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

۱۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کے لئے کوئی شخصیت بھی رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں تھی، اس کے باوجود ان کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہ ہوتے تھے، کیونکہ جانتے تھے کہ یہ آپ ﷺ کو ناپسند ہے۔ (جامع ترمذی)

صاحبِ مجلس کے اُٹھنے پر اہلِ مجلس کا کھڑا ہو جانا

۱۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْلِسُ مَعَنَا فِى الْمَسْجِدِ يُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَامًا حَتّٰى نَرَاهُ قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُيُوْتِ اَزْوَاجِهٖ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے اور ہم سے باتیں فرماتے تھے، پھر جب آپ (گھر تشریف لے جانے کے لئے مجلس سے) اٹھتے تو ہم سب لوگ بھی کھڑے ہو جاتے، اور اس وقت تک کھڑے رہتے جبکہ ہم دیکھ لیتے کہ ازواجِ مطہرات کے گھروں میں سے کسی گھر میں آپ ﷺ داخل ہوگئے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... صحابہ کرام کو اس طریقہ عمل سے رسول اللہ ﷺ کا منع نہ فرمانا اس کی دلیل ہے کہ اس کو آپ ﷺ نے گوارا فرمایا، حالانکہ ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت لوگوں کے کھڑے ہونے کو آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے۔ اس عاجز کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ مجلس میں تشریف آوری کے وقت اہلِ مجلس کا کھڑا ہونا صرف تعظیم ہی کے لئے ہوتا تھا جو آپ کے لئے گرانی کا باعث ہوتا تھا، اور مجلس سے حضور ﷺ کے اُٹھ جانے کے وقت کھڑا ہونا مجلس کے برخواست ہو جانے کی وجہ سے بھی ہوتا تھا، اس کے بعد خود اہلِ مجلس بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر جانے والے ہوتے تھے، اس لئے کھڑے ہونے کو حضور ﷺ گوارا فرما لیتے تھے۔ واللہ اعلم۔

لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں حضور ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے لیٹنے، سونے اور بیٹھنے کے بارے میں بھی امت کو ہدایات دی ہیں، اور اپنے طرزِ عمل سے بھی رہنمائی فرمائی ہے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی چند احادیث پڑھئے اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کی جامعیت کا اندازہ کیجئے۔

سپاٹ چھت پر سونے کی ممانعت

۱۵۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنَامَ الرَّجُلُ عَلٰى سَطْحٍ لَيْسَ بِمَحْجُوْرٍ عَلَيْهِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا، جو (دیواروں یا منڈیروں سے) گھیری نہ گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو اس پر سونے سے اس کا اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۱۶۰) عَنْ عَلِيِّ بْنِ شَيْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَاتَ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَيْسَ عَلَيْهِ حِجَابٌ (وَفِيْ رِوَايَةٍ حِجَارٌ) فَقَدْ بَرِأَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سوئے جس پر پردہ اور رکاوٹ کی دیوار نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ختم ہو گئی۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... یہ بھی دراصل ممانعت کا ایک بلیغ انداز ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی حفاظت کے جو غیبی انتظامات ہیں، جن کا اشارہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے (قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ الآية) تو اگر کوئی آدمی جان بوجھ کر ایسی چھت پر سوتا ہے جس کے گرد رکاوٹ کے لئے کوئی دیوار یا منڈیر نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی۔ اور اگر خدانخواستہ وہ گر کے ہلاک ہو جاتا ہے یا اسکو سخت جسمانی صدمہ پہنچ جاتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمہ داری نہیں وہ خود ہی ذمہ دار ہے۔

کھڑی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹنے کی ممانعت اور اُسکی وجہ

۱۶۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْفَعَ الرَّجُلُ اِحْدٰى رِجْلَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى وَهُوَ مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی چت لیٹنے کی حالت میں اپنی ایک ٹانگ اُٹھا کے دوسری ٹانگ پر رکھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حضور ﷺ کے زمانہ میں عربوں میں عام طور سے تہبند باندھنے کا رواج تھا اور ظاہر ہے کہ اگر تہبند باندھ کے اس طرح چت لیٹا جائے کہ اپنا ایک زانو کھڑا کر کے دوسرا پاؤں اس کے اوپر رکھا جائے تو بسا اوقات ستر کھل جائے گا۔ غالباً اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس طرح لیٹنے سے منع فرمایا۔ لیکن اگر لباس ایسا ہو کہ اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا اندیشہ نہ ہو تو' ظاہر یہی ہے کہ اس کی ممانعت نہ ہو گی۔ واللہ اعلم۔

پیٹ کے بل اوندھے لیٹنے کی ممانعت

۱۶۲) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُضْطَجِعًا عَلٰى بَطْنِهٖ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهٖ ضِجْعَةٌ لَايُحِبُّهَااللهُ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو پیٹ کے بل اوندھا لیٹا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ لیٹنے کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

(جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ یہ لیٹنے کا غیر فطری اور غیر مہذب طریقہ ہے اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اس کو دوزخیوں کا طریقہ بھی فرمایا گیا ہے۔

۱۶۳) **عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ مَرَّبِىَ النَّبِىُّ ﷺ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ عَلٰى بَطْنِىْ فَرَكَضَنِىْ بِرِجْلِهٖ وَقَالَ يَا جُنْدُبُ اِنَّمَا هِىَ ضِجْعَةُ اَهْلِ النَّارِ.** (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گزرے اور میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اپنے قدم مبارک سے مجھے ہلایا اور فرمایا: اے جندب! یہ دوزخیوں کے لیٹنے کا طریقہ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... کسی عمل یا کسی عادت کی قباحت یا شناخت اہلِ ایمان کے دلوں پر بٹھانے کے لئے یہ نہایت مؤثر طریقہ ہے کہ ان کو بتایا جائے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ یا ان کی عادت ہے۔ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ کا اصل نام ہے۔ حضور ﷺ نے اس تعلیم وہدایت کے وقت ان کو اسی نام سے یاد فرمایا۔

خود آنحضرت ﷺ کس طرح لیٹتے تھے

۱۶٤) **عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ كَانَ اِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اِضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ وَاِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهٗ وَوَضَعَ رَاْسَهٗ عَلٰى كَفِّهٖ.** (رواه فى شرح السنه)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول اور دستور تھا کہ (سفر میں) جب آپ ﷺ رات میں پڑاؤ کرتے تو داہنی کروٹ پر آرام فرماتے' اور جب صبح سے کچھ پہلے پڑاؤ کرتے تو اپنی کلائی کھڑی کر لیتے اور سر مبارک اپنی ہتھیلی پر رکھ کر کچھ آرام لے لیتے۔ (شرح السنۃ للبغوی)

تشریح...... اہلِ عرب عام طور سے رات کے ٹھنڈے وقت میں سفر کرتے تھے' پھر اگر سفر سویرے سر شام

شروع کرتے تو کسی مناسب جگہ ایسے وقت آرام کے لئے اُتر جاتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کا کافی حصہ باقی ہوتا تھا اور سونے کا کافی موقع مل جاتا تھا۔ اور اگر سفر دیر رات سے شروع کرتے تو آرام کے لئے صبح سے کچھ پہلے اتر جاتے تھے۔ حضرت ابو قتادہؓ کی اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ جب ایسے وقت اترتے اور پڑاؤ کرتے کہ رات کافی باقی ہوتی تو آپ ﷺ سونے کے لئے اطمینان سے داہنی کروٹ پر لیٹ جاتے جیسا کہ سونے میں آپ ﷺ کا ہمیشہ معمول تھا۔ اور جب آپ ﷺ رات کے بالکل آخری حصہ میں اترتے کہ فجر کا وقت ہوتا تو آپ اپنی کہنی ٹیک کے اور کلائی کھڑی کر کے ہتھیلی پر سر مبارک رکھ کر لیٹ جاتے تھے' اور اس طرح گویا نمازِ فجر کا انتظار فرماتے تھے۔ اس قسم کی احادیث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کے لیٹنے اور سونے تک کی ہیئتوں کو بھی کتنے اہتمام سے محفوظ رکھ کر اُمت کو پہنچایا ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی اس فکر و کاوش کا ان کو بہتر سے بہتر صلہ پوری امت کی طرف سے عطا فرمائے اور ہم کو اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔

۱۶۵) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهُ مِنَ اللَّيْلِ وَضَعَ يَدَهُ تَحْتَ خَدِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى وَاِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ. (رواه البخاری)

ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا جب آپ ﷺ رات کو بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے "اللّٰهم باسْمك اَمُوْتُ واَحْيٰى۔" (اے اللہ! میں تیرے ہی نام کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں' اور تیرے ہی نام کے ساتھ جینا چاہتا ہوں) اور پھر جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔" (ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جِلادیا' اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اُٹھنا ہوگا۔)

(صحیح بخاری)

تشریح ..... دوسری روایتوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ داہنی کروٹ پر داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں سونے کے لئے لیٹنے کے وقت اور پھر جاگتے وقت کی جس مختصر دعا کا ذکر ہے دوسری حدیثوں میں اس کے علاوہ بھی متعدد دعائیں ان دونوں موقعوں کے لئے روایت کی گئی ہیں۔ یہ سب حدیثیں اس سلسلۂ معارف الحدیث کی پانچویں جلد میں "زیرِ عنوان" سونے کے وقت کی دعائیں درج کی جاچکی ہیں۔

سو کے اٹھ کر مسواک کا اہتمام

۱۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَايَنَامُ اِلَّا وَالسِّوَاكُ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاِذَا اسْتَيْقَظَ بَدَأَ

بِالسِّوَاكِ. (رواه احمد والحاكم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ سونے کا ارادہ کرتے تو مسواک اپنے سرہانے رکھ لیتے، پھر جب بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے۔ (مسند احمد مستدرک حاکم)

۱۶۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَايَرْقُدُ مِنْ لَيْلٍ وَلَانَهَارٍ فَيَسْتَيْقِظُ اِلَّا تَسَوَّكَ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات میں یا دن میں جب بھی سوتے تو اٹھ کر مسواک ضرور کرتے۔ (سنن ابی داؤد)

حضور ﷺ کس طرح بیٹھتے تھے اور کس طرح بیٹھنے کی ہدایت فرماتے تھے

۱۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ مُحْتَبِيًا بِيَدَيْهِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ کو بیت اللہ کے صحن میں احتبا کے طور پر (یعنی گوٹ مارے) بیٹھا دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... احتبا بیٹھنے کا ایک خاص طریقہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرینیں اور دونوں پاؤں کے تلوے زمین پر ہوں اور دونوں زانوں کھڑے ہوں اور ان کو دونوں ہاتھوں کے حلقہ میں لے لیا جائے، یہ اہل تفکر اور اصحاب مسکنت کے بیٹھنے کا طریقہ ہے، اس کو ہندی میں گوٹ مار کے بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اکثر اس طرح بیٹھتے تھے۔

۱۶۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلَّى الْفَجْرَ تَرَبَّعَ فِيْ مَجْلِسِهٖ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ حَسَنًا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا یہ معمول تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ اپنی اسی جگہ میں چہار زانو بیٹھے رہتے تھے، یہاں تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ احتبا کی شکل کے علاوہ چہار زانو بھی بیٹھتے تھے۔ اور حدیث کے راوی جابر بن سمرہ کے بیان کے مطابق فجر کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب کے بعد تک (گویا اشراق تک) حضور ﷺ مسجد شریف میں اپنی جگہ پر چہار زانو ہی بیٹھے رہتے تھے۔

مجلس میں آنے والے کو چاہئے کہ مجلس کے کنارے ہی بیٹھ جائے

۱۷۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِيْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگوں کا (یعنی صحابہ کا) یہ طریقہ اور دستور تھا کہ جب ہم میں سے کوئی حضور ﷺ کی مجلس میں آتا تو (حاضرین مجلس کے درمیان سے گزر کے آگے جانے کی کوشش نہیں کرتا تھا بلکہ) کنارے ہی بیٹھ جایا کرتا تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اصولِ حدیث میں یہ بات مسلم اور مقرر ہو چکی ہے کہ کسی صحابی کا یہ بیان کرنا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں آپ کے صحابہؓ ایسا کیا کرتے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کا وہ عمل آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس بناء پر اس حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہو گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ ادب سکھایا تھا کہ جب مجلس قائم ہو اور کوئی آدمی بعد میں آئے تو وہ مجلس کے کنارے پر جہاں جگہ پائے وہاں بیٹھ جائے۔ ہاں صاحبِ مجلس کو حق ہے کہ کسی خصوصیت یا کسی مصلحت کے پیشِ نظر اس کو آگے بلالے۔

حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جانا سخت ممنوع ہے

۱۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ. (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی زبانِ مبارک نے اس شخص کو قابل لعنت قرار دیا ہے جو بیچ حلقہ میں بیٹھ جائے۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح ...... شارحین نے اس حدیث کی کئی توجیہیں کی ہیں: ایک یہ کہ اللہ کے بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک متکبر یا بے تمیز اور ادب سے ناآشنا آدمی لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے حلقہ کے بیچ میں آکر بیٹھ جاتا ہے بلاشبہ یہ سخت مجرمانہ حرکت ہے، اور ایسا آدمی لوگوں کی لعنت کا مستحق ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں اور ہر ایک کا دوسرے سے مواجہہ یعنی آمنا سامنا ہے، ایک آدمی آکر اس طرح حلقہ کے بیچ میں بیٹھ جاتا ہے کہ بعض لوگوں کا مواجہہ باقی نہیں رہتا ظاہر ہے کہ یہ بھی بہت بے ہودہ حرکت ہے۔ تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس سے وہ مسخرے مراد ہیں جو لوگوں کے بیچ میں ان کو ہنسانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں اور یہی ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

متفرق ہو کر بیٹھنے کی ممانعت

۱۷۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سُمَرَةَ قَالَ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَصْحَابُهٗ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ.

(رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور صحابہ متفرق الگ الگ (ٹکڑیاں بنائے) بیٹھے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تمہیں الگ الگ بیٹھے دیکھ رہا ہوں۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... کسی چیز پر اظہارِ ناراضی کا یہ ایک خاص انداز ہے کہ کہا جائے "میری آنکھیں یہ کیا دیکھ رہی ہیں" یعنی جو کچھ دیکھنے میں آرہا ہے وہ نہیں ہونا چاہئے اور نظر نہ آنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ الگ الگ ٹکڑیوں کی شکل میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حیرت کا اظہار فرما کر تنبیہ فرمائی اور بتایا کہ بجائے اس طرح الگ الگ بیٹھنے کے سب مل کر قرینے سے بیٹھو۔ بعض دوسری حدیثوں میں اشارہ

فرمایا گیا ہے کہ اس سے ظاہری تفرق اور تشتت کا اثر دلوں پر پڑتا ہے اور مل کر ساتھ بیٹھنے سے قلوب میں جوڑ اور توافق پیدا ہوتا ہے۔

اس طرح نہ بیٹھا جائے کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں ہو اور کچھ سائے میں

۱۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِذَاكَانَ اَحَدُكُمْ فِی الْفَیْئِ فَقَلَصَ عَنْهُ الظِّلُّ فَصَارَبَعْضُهُ فِی الشَّمْسِ وَبَعْضُهُ فِی الظِّلِّ فَلْیَقُمْ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سایہ کی جگہ میں بیٹھا ہو پھر اس پر سے سایہ ہٹ جائے اور پھر اسکے جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سائے میں ہو جائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس جگہ سے اُٹھ جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... ماہرین نے بتایا ہے کہ اس طرح بیٹھنا یا لیٹنا کہ جسم کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو طبی لحاظ سے مضر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ممانعت غالباً اسی لئے فرمائی ہو گی۔ واللہ اعلم۔

مجلس میں گفتگو، ہنسی ومزاح، چھینک اور جمائی وغیرہ کے بارے میں ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس بارے میں واضح ہدایات دی ہیں کہ بات چیت میں کن باتوں کا لحاظ رکھا جائے، اور ظرافت ومزاح اور کسی بات پر ہنسنے یا چھینک اور جمائی آنے کے جیسے موقعوں پر کیا رویہ اختیار کیا جائے۔ اس سلسلہ کی آپ ﷺ کی ہدایات وتعلیمات کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنے فطری اور معاشرتی تقاضوں و وقار اور خوبصورتی کے ساتھ پورا کرے لیکن ہر حال میں اللہ کو اور اس کے ساتھ اپنی بندگی کی نسبت کو اور اس کے احکام اور اپنے عمل اور رویہ کے اُخروی انجام کو پیش نظر رکھے۔

زبان کے استعمال اور بات چیت کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا کافی حصہ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد (کتاب الاخلاق) میں درج ہو چکا ہے۔ سچ اور جھوٹ، شیریں کلامی اور بدزبانی، چغل خوری وعیب جوئی، یاوہ گوئی، غیبت اور بہتان وغیرہ کے متعلق احادیث وہاں گزر چکی ہیں، اس لئے گفتگو اور زبان کے استعمال کے سلسلہ میں چند باقی مضامین کی حدیثیں ہی یہاں درج کی جارہی ہیں۔

بے ضرورت بات کو لمبا نہ کیا جائے

۱۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ یَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِیْ قَوْلِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَقَدْرَاَیْتُ اَوقَالَ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِی الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَخَیْرٌ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن جبکہ ایک شخص نے (ان کی موجودگی میں) کھڑے ہو کر (وعظ و تقریر کے طور پر) بات کی اور بہت لمبی بات کی، تو آپ نے فرمایا کہ: اگر یہ

شخص مختصر بات کرتا تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: میں یہ مناسب سمجھتا ہوں۔ یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے "بات کرنے میں اختصار سے کام لوں کیونکہ بات میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح...... تجربہ شاہد ہے کہ بہت لمبی بات سے سننے والے اُکتا جاتے ہیں اور دیکھا ہے کہ بعض اوقات کسی تقریر یا وعظ سے سامعین شروع میں بہت اچھا تاثر لیتے ہیں لیکن جب بات حد سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے تو لوگ اُکتا جاتے ہیں، اور وہ اثر بھی زائل ہو جاتا ہے۔

منہ سے نکلنے والی کوئی بات وسیلۂ فوز و فلاح بھی ہوسکتی ہے اور مؤجب ہلاکت بھی

۱۷۵) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الْخَيْرِ مَايَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَاِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُبُ اللهُ بِهَا عَلَيْهِ سَخْطَهُ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَاه.

(رواه فى شرح السنه و روى مالك والترمذى وابن ماجه نحوه)

ترجمہ: بلال بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی پوری برکت اور قدر و قیمت وہ خود بھی نہیں جانتا، مگر اللہ تعالیٰ اسی ایک بات کی وجہ سے اپنے حضور میں حاضری تک کے لئے اس بندہ کے واسطے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے۔ اور (اسی طرح) کبھی آدمی کی زبان سے شر کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے جس کی برائی اور خطرناکی کی حد وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ تعالیٰ اس بات کی وجہ سے اس آدمی پر آخرت کی پیشی تک کے لئے اپنی ناراضی اور اپنے غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ (شرح السنہ للبغوی)

(اور ایسی ہی حدیث امام مالکؒ نے مؤطا میں اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کی ہے۔)

تشریح...... حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ اور آخرت کے انجام سے غافل و بے پروا ہو کر باتیں نہ کرے، منہ سے نکلنے والی بات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور رحمت کا مستحق بنا دے، اور (خدا پناہ میں رکھے) ایسی بھی ہو سکتی ہے جو اس کی رضا اور رحمت الٰہی سے محروم کر کے جہنم میں پہنچا دے۔

کسی کی تعریف کرنے میں بھی احتیاط سے کام لیا جائے

کسی کی تعریف کرنا دراصل اس کے حق میں ایک شہادت اور گواہی ہے جو بڑی ذمہ داری کی بات ہے اور اس سے اس کا بھی خطرہ ہے کہ اس آدمی میں اعجابِ نفس اور خود پسندی پیدا ہو جائے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں سخت احتیاط کی تاکید فرمائی ہے۔ افسوس ہے کہ اس تعلیم و ہدایت سے فی زماننا ہمارے

دینی حلقوں میں بھی بڑی بے پروائی برتی جارہی ہے۔ نعوذباللہ من شرور انفسنا۔

۱۷۶) عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ اَثْنٰى رَجُلٌ عَلٰى رَجُلٍ عِنْدَالنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَيلَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِيْكَ ثَلٰثًا...... مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَادِحًالَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِيْبُهٗ اِنْ كَانَ يَرىٰ اِنَّهٗ كَذٰلِكَ وَلَا يُزَكِّىْ عَلَى اللّٰهِ اَحَدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک صاحب نے ایک دوسرے صاحب کی تعریف کی (اور اس تعریف میں بے احتیاطی کی) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے اپنے اس بھائی کی (اس طرح تعریف کر کے) گردن کاٹ دی (یعنی ایسا کام کیا جس سے وہ ہلاک ہو جائے) یہ بات آپ ﷺ نے تین بار ارشاد فرمائی۔ (اس کے بعد فرمایا) تم میں سے (کسی بھائی کی) تعریف کرنا ضروری ہی سمجھے اور اس کو اس تعریف و مدح کا مستحق سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں بھائی کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں (اور میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے) اور اس کا حساب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے (جس کو حقیقت کا پورا علم ہے) اور ایسا نہ کرے کہ خدا پر کسی کی پاکیزگی کا حکم لگائے (یعنی کسی کے حق میں ایسی بات نہ کہے کہ وہ بلا شبہ اور یقیناً عنداللہ پاک اور مقدس ہے' کیونکہ یہ خدا پر حکم لگانا ہے اور کسی بندہ کو اس کا حق نہیں ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۷۷) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِىْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم "مداحین" (بہت زیادہ تعریف کرنیوالوں) کو دیکھو تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث میں "مداحین" سے غالباً وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے لئے اور پیشہ وارانہ طور پر ان کی مبالغہ آمیز تعریفیں اور ان کی قصیدہ خوانی کیا کرتے ہیں' اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب ایسے لوگوں سے سابقہ پڑے اور وہ تمہارے منہ پر تمہاری مبالغہ آمیز تعریفیں کریں تو ان کے منہ پر خاک ڈال دو۔ اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اظہارِ ناراضگی کے طور پر ان کے منہ پر حقیقۃً خاک ڈال دو۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہیں کسی قسم کا انعام واکرام کچھ نہ دو گویا "منہ پہ خاک ڈالنے" کا مطلب انہیں کچھ نہ دینا اور محروم و نامراد واپس کر دینا ہے اور بلا شبہ یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ تیسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان مداحین سے کہہ دو کہ تمہارے منہ میں خاک! گویا یہ کہنا ہی ان کے منہ میں خاک ڈالنا ہے۔ حدیث کے راوی حضرت مقداد بن الاسود سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان کی موجودگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تو انہوں نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے مٹی زمین سے اُٹھا کے اس شخص کے منہ پر پھینک ماری۔ زمانہ مابعد کے بعض اکابر سے بھی اسی طرح کے واقعات مروی ہیں۔

واضح رہے کہ اگر اچھی نیت اور کسی دینی مصلحت سے کسی بندۂ خدا کی سچی تعریف اس کے سامنے یا اس کے پیچھے کی جائے اور اس کا خطرہ نہ ہو کہ وہ اعجاب نفس اور اپنے بارے میں کسی غلط قسم کی خوش فہمی میں مبتلا ہو جائے گا تو ایسی تعریف کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ انشاء اللہ اچھی نیت کے مطابق وہ اس پر اجر و ثواب کا مستحق ہوگا' خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کی اور بعض صحابہ کرام نے بعض دوسرے صحابیوں کی جو مدح و تعریف کبھی کی ہے وہ اسی قبیل سے ہے۔

شعر و سخن

اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں اور اس سے پہلے بھی شعر و شاعری عام تھی اور شاذ و نادر ہی ایسے لوگ تھے جو اس کا ذوق نہ رکھتے ہوں' لیکن خود آنحضرت ﷺ کو اس سے بالکل مناسبت نہ تھی۔ بلکہ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ مشیتِ الٰہی نے خاص حکمت کے تحت آپ ﷺ کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔ سورہ یٰسین شریف میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ. (یٰس ۳٦: ٦۹)

ہم نے اپنے نبی کو شعر و شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کیلئے مناسب اور سزاوار نہیں تھا۔

علاوہ ازیں جس قسم کی شعر و شاعری کا وہاں عام رواج تھا اور یہ شاعر جس سیرت و کردار کے ہوتے تھے قرآن مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ، وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ.
(الشعراء' ۲۷: ۲۲٤-۲۲٦)

اور ان شاعروں کا حال یہ ہے کہ بے راہ اور بد چلن لوگ ہی ان کی راہ چلتے ہیں' کیا تم نے دیکھا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ کہتے ہیں۔

بعض صحابہ نے شعر و شاعری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا وہ مطلقاً قابلِ مذمت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر شعر کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر برا ہے تو وہ برا ہے۔ اور بعض موقعوں پر آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار تو بڑے حکیمانہ ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے:

۱۷۸) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ.**

(رواه الدارقطني وروى الشافعي عن عودة مرسلاً)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے شعر کے بارے میں ذکر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ شعر بھی کلام ہے۔ اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔

(سنن دار قطنی)

اور امام شافعی نے اسی حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے حضرت عروہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

۱۷۹) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِكْمَةً. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض شعر (اپنے مضمون کے لحاظ سے) سراسر حکمت ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

۱۸۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ "اَلَا كُلُّ شَيْئٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ" (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید بن ربیعہ شاعر کی یہ بات (یعنی یہ مصرع) ہے: الا كل شيئ ماخلا الله باطل۔" (آگاہی ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے)۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح یہ لبید زمانۂ جاہلیت کا مشہور و مقبول شاعر تھا، لیکن اس کی شاعری اس زمانہ میں بھی خدا پرستانہ اور پاکیزہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصرعہ "الا كُلُّ شيئي ماخلا الله باطلٌ" کو شعر کی دنیا کا سب سے سچا کلمہ "اس لئے فرمایا کہ یہ قرآن مجید کے اس ارشاد کے بالکل ہم معنی ہے۔ "كُلُّ شيئي هالكٌ الا وجْهه" اس کے ساتھ کا دوسرا مصرعہ یہ ہے "وكُلُّ شيئي لا محالة زائلٌ" (یعنی یہاں کی ہر نعمت ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔)

یہ شعر لبید کے جس قصیدہ کا ہے وہ انہوں نے اپنے دورِ جاہلیت ہی میں کہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔ روایات میں ہے کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد شعر و شاعری کا مشغلہ بالکل چھوٹ گیا اور کہا کرتے تھے کہ "يكْفِيْنِي الْقُرْآنُ" (بس اب قرآن میرے لئے کافی ہے) اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر بھی عطا فرمائی۔ حافظ ابن حجر کے بیان کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۵۶ سال کی عمر میں وفات پائی[1] رضی الله عنه وارضاه۔

۱۸۱) عَنْ عَمْرِوبْنِ الشَّرِيْدِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ هَلْ مَعَكَ مِنْ شِعْرِ اُمَيَّةَ بْنِ الصَّلْتِ شَيْئٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ، قَالَ هِيْهِ فَاَنْشَدْتُّهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ بَيْتًا فَقَالَ هِيْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُّهٗ مِائَةَ بَيْتٍ. (رواہ مسلم زاد فی روایۃ لقد کاد یسلم فی شعرہ)

ترجمہ: عمرو بن شرید اپنے والد شرید بن سوید ثقفی سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن (سفر میں) رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ ہی کی سواری پر سوار تھا، آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کیا تمہیں امیۃ بن الصلت کے کچھ شعر بھی یاد ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا سناؤ! تو میں نے ایک بیت آپ ﷺ کو سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا اور سناؤ، میں نے ایک اور بیت سنایا، آپ ﷺ نے پھر فرمایا اور سناؤ، تو میں

[1] فتح الباری ص ۴۲۹ ج ۱۵

نے سو بیت سنائے (اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ امیہ اپنے اشعار میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) (صحیح مسلم)

تشریح ...... امیہ بن الصلت ثقفی بھی جاہلی شاعر تھا لیکن اس کی شاعری خدا پرستانہ تھی' اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا اس کے اشعار سے دلچسپی تھی اور آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: "لَقَدْ كَادَ يُسْلِمُ فِي شِعْرِهِ." (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہو گیا تھا) اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ امیہ بن الصلت کے اشعار سن کر فرمایا: "آمَنَ ❶ شِعْرُهُ وَكَفَرَ قَلْبُهُ" (اس کی شاعری مسلمان ہو گئی اور اس کا قلب کافر رہا) امیہ نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا اور دین کی دعوت بھی پہنچی مگر ایمان کی توفیق نہیں ہوئی۔

ظرافت ومزاح

ظرافت و مزاح بھی انسانی زندگی کا ایک خوش کن عنصر ہے اور جس طرح اس کا حد سے متجاوز ہونا نازیبا اور مضر ہے اسی طرح آدمی کا اس سے بالکل خالی ہونا بھی ایک نقص ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر کسی بلند پایہ اور مقدس شخصیت کی طرف سے چھوٹی اور معمولی حیثیت کے کسی آدمی کے ساتھ لطیف ظرافت مزاح کا برتاؤ ہو تو وہ اس کے لئے ایسی مسرت اور عزت افزائی کا باعث ہوتا ہے جو کسی دوسرے طریقہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ بھی کبھی کبھی اپنے جاں نثاروں اور نیاز مندوں سے مزاح فرماتے تھے اور یہ ان کے ساتھ آپ ﷺ کی نہایت لذت بخش شفقت ہوتی تھی' لیکن آپ ﷺ کا مزاح بھی نہایت لطیف اور حکیمانہ ہوتا تھا۔

۱۸۲) **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّكَ تُدَا عِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُوْلُ إِلَّا حَقًّا.** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے حضور ﷺ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں (مزاح میں بھی) حق ہی کہتا ہوں (یعنی اس میں کوئی بات غلط اور باطل نہیں ہوتی)۔ (جامع ترمذی)

۱۸۳) **عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلًا اِسْتَحْمَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِنَاقَةٍ فَقَالَ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِالنَّاقَةِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُالْإِبِلَ إِلَّا النُّوقُ.** (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے لئے اونٹ مانگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا' ہاں میں تم کو سواری کے لئے ایک اونٹنی کا بچہ دوں گا' اس شخص نے عرض کیا کہ میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اونٹ اونٹنیوں ہی کے تو بچے

❶ فتح الباری ص ۳۰۴ ج ۱۵

ہوتے ہیں۔ (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہے جو اونٹ بھی دیا جائے گا وہ اونٹنی کا بچہ ہی ہو گا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۱۸۴) **عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاِمْرَاَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهُ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ فَقَالَتْ وَمَا لَهُنَّ؟ وَكَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْآنَ فَقَالَ لَهَا اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْآنَ اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا.** (رواه رزين)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا کہ "کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔ اس (بے چاری) نے عرض کیا کہ ان میں (یعنی بوڑھیوں میں) کیا ایسی بات ہے جس کی وجہ سے وہ جنت میں نہیں جا سکیں گی؟ وہ بوڑھی قرآن خواں تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھتی ہو "اِنَّا اَنْشَاْنَا هُنَّ اِنْشَاءً فَجَعَلْنَا هُنَّ اَبْكَارًا۔" (جس کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی عورتوں کی ہم نئے سرے سے نشوونما کریں گے اور ان کو نوخیز دوشیزائیں بنا دیں گے۔) (مسند رزین)

تشریح..... حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے لطیف مزاح کی مثالیں ہیں۔ بعض حدیثوں میں مزاح کی ممانعت بھی وارد ہوئی ہے لیکن ان حدیثوں میں اس کا قرینہ موجود ہے اور رسول اللہ ﷺ کا جو اسوۂ حسنہ اس بارے میں مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہوا ہے وہ بھی اس کا قرینہ بلکہ اس کی واضح دلیل ہے کہ ممانعت اسی مزاح کی فرمائی گئی ہے جو دوسرے آدمی کیلئے ناگواری اور اذیت کا باعث ہو۔

۱۸۵) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی سے جھگڑا ٹنٹا نہ کرو، اور اس سے مزاح (یعنی مذاق) نہ کرو اور اس سے ایسا وعدہ نہ کرو جس کی تم وعدہ خلافی کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ اس حدیث میں مزاح کی ممانعت جس سیاق و سباق میں کی گئی ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ اسی مزاح کی ممانعت ہے جو ناگوار اور اذیت کا باعث ہو۔

ضحک و تبسم (ہنسنا اور مسکرانا)

ہنسی کے موقع پر ہنسنا یا مسکرانا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور اس میں قطعاً کوئی خیر نہیں ہے کہ آدمی کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ بھی نہ آئے اور وہ ہمیشہ "عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا" ہی بنا رہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ اللہ کے بندوں اور اپنے مخلصوں سے ہمیشہ مسکرا کر ملنے کی تھی، ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا یہ رویہ اور برتاؤ ان لوگوں کے لئے کیسی قلبی روحانی مسرت کا باعث ہوتا ہو گا اور اس کی وجہ سے ان کے اخلاص و محبت میں کتنی ترقی ہوتی ہو گی۔ اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیئے:

١٨٦) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِىْ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ اَسْلَمْتُ وَلَا رَاٰنِىْ اِلَّا تَبَسَّمَ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سے مجھے اسلام نصیب ہوا کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے (خدمت میں) حاضری سے روکا ہو اور جب بھی آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا (یعنی ہمیشہ مسکرا کر ملے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... "مَا حَجَبَنِىْ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ جب بھی میں نے حاضر خدمت ہونا چاہا تو آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی اور شرفِ ملاقات بخشا' ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا ہو۔

١٨٧) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَارَاَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: عبداللہ بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی دوسرا نہیں دیکھا۔ (جامع ترمذی)

١٨٨) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَارَاَيْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعاً ضَاحِكاً حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ۔ (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی پوری طرح (کھل کھلاتے) ہنستا ہوا نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر پڑ جاتا۔ (یعنی آپ اس طرح کھل کھلا کر اور قہقہہ لگا کر کبھی نہیں ہنستے تھے کہ آپ ﷺ کے دہن مبارک کا اندرونی حصہ نظر آ سکتا) بس تبسم فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... بعض روایات میں آنحضرت ﷺ کے ہنسنے کو "ضحک" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے یعنی اس سے مراد وہی ہنسنا ہے جو آپ ﷺ کی عادتِ شریفہ تھی' یعنی مسکرانا' البتہ کبھی کبھی جب ہنسی کا غلبہ ہوتا تو آپ ﷺ اس طرح بھی مسکراتے تھے کہ دہن مبارک کسی قدر کھل جاتا تھا' چنانچہ بعض روایات میں ہے "ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ" (آپ کو ایسی ہنسی آئی کہ اندر کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو گئیں۔)

١٨٩) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ مِنْ مُصَلَّاهُ الَّذِىْ يُصَلِّىْ فِيْهِ الصُّبْحَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ قَامَ وَكَانُوْا يَتَحَدَّثُوْنَ فَيَاْخُذُوْنَ فِىْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ فَيَضْحَكُوْنَ وَيَتَبَسَّمُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ فجر کی نماز جس جگہ پڑھتے تھے آفتاب طلوع ہونے تک وہاں سے نہیں اٹھتے تھے' پھر جب آفتاب طلوع ہو جاتا تو کھڑے ہو جاتے۔ اور (اس اثناء میں) آپ ﷺ کے صحابہ زمانہ جاہلیت کی باتیں (بھی) کیا کرتے اور اس سلسلے میں

خوب ہنستے اور رسول اللہ ﷺ بس مسکراتے رہتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی کبھی مسجد نبوی میں اور رسول اللہ ﷺ کی مجلس مبارک میں بھی زمانۂ جاہلیت کی ایسی لغویات و خرافات کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے جن پر خوب ہنسی آتی تھی۔ اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں یہ الفاظ مزید ہیں "وَيَتَنَاشَدُوْنَ الشِّعْرَ" (یعنی اس سلسلۂ گفتگو میں اشعار بھی پڑھے اور سنائے جاتے تھے) اور رسول اللہ ﷺ یہ سب کچھ سنتے اور اس پر تبسم فرماتے تھے۔

ناچیز راقم السطور عرض کرتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب کرام کے ساتھ اس طرح کی بے تکلفی کا برتاؤ نہ کرتے تو ان حضرات پر آپ ﷺ کا ایسا رعب چھایا رہتا جو استفادہ میں رکاوٹ بنتا۔ حضرت مشائخ صوفیہ کی اصطلاح میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا نزول تھا' اسکے بغیر مقصد رسالت کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔

صحابہ کرام کے باہم ہنسنے ہنسانے کے اس تذکرہ کے ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر اور ایک بزرگ تابعی بلال بن سعد کے دو بیان پڑھ لینا بھی انشاءاللہ موجب بصیرت ہوگا۔ یہ دونوں بیان مشکوٰۃ المصابیح میں "شرح السنہ" کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔

قتادہ تابعی نے بیان فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہنسا بھی کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ.

ہاں۔ بے شک! وہ حضرات (ہنسنے کے موقع پر) ہنستے بھی تھے لیکن اس وقت بھی ان کے قلوب میں ایمان پہاڑوں سے عظیم تر ہوتا تھا۔

(یعنی ان کا ہنسنا غافلین کا سا ہنسنا نہیں ہوتا تھا جو قلوب کو مردہ کر دیتا ہے)

اور بلال بن سعد کا بیان ہے:

اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا

میں نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے وہ مقررہ نشانیوں کے درمیان دوڑا بھی کرتے تھے (جس طرح بچے اور نوجوان کھیل اور مشق کیلئے دوڑ میں مقابلہ کیا کرتے ہیں) اور باہم ہنستے ہنساتے بھی تھے' پھر جب رات ہو جاتی تو بس درویش ہو جاتے۔

چھینکنے اور جمائی لینے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات

چھینکنا اور جمائی لینا بھی انسانی فطرت کے لوازم میں سے ہے' ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے:

۱۹۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلْيَقُلْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَلْيَقُلْ يَهْدِيْكُمُ اللّٰهُ

وَ يُصْلِحِ بَالَكُمْ۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیئے کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے۔ اور اس کا جو بھائی (یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جو ساتھی اس کے پاس) ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللهُ" (تم پر اللہ کی رحمت) اور جب یہ بھائی "يَرْحَمُكَ اللهُ" (کا دعائیہ کلمہ) کہے تو چاہیئے کہ چھینکنے والا (اس کے جواب میں یہ دعائیہ کلمہ) کہے "يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ" (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت سے نوازے اور تمہارے حالات درست فرمادے)۔ (صحیح بخاری)

تشریح: چھینک آنے کے ذریعہ ایسی رطوبت اور ایسے ابخرات دماغ سے نکل جاتے ہیں ؟ اگر نہ نکلیں تو کسی تکلیف یا بیماری کا باعث بن جائیں اس لئے صحت واعتدال کی حالت میں چھینک کا آنا گویا اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے۔ اس لئے ہدایت فرمائی گئی کہ جس کو چھینک آئے وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے اور جو کوئی اس کے پاس ہو وہ کہے "يَرْحَمُكَ اللهُ" (یعنی یہ چھینک تمہارے لئے خیر و برکت کا ذریعہ بنے) اور پھر چھینکنے والا اس دعا دینے والے بھائی کو کہے "يَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ"

ذرا غور کیا جائے رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم و ہدایت نے ایک چھینک کو اللہ کی کتنی یاد اور کتنی رحمتوں کا وسیلہ بنادیا۔

۱۹۱) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا عَطَسَ اَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہے تو تم کو چاہیئے کہ اس کو "يَرْحَمُكَ اللهُ" کہہ کر دعا دو اور اگر وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" نہ کہے (اور خدا کو یاد نہ کرے) تو تم بھی "يَرْحَمُكَ اللهُ" نہ کہو (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے کی وجہ سے وہ تمہاری اس دعا رحمت کا حقدار نہیں رہا)

۱۹۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ عَطَسَ رَجُلَانِ عِنْدَالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَمَّتَ اَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتِ الْاٰخِرَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللهِ شَمَّتَّ هٰذَا وَلَمْ تُشَمِّتْنِىْ قَالَ اِنَّ هٰذا حَمِدَاللهَ وَلَمْ تَحْمَدِاللهَ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے) دو آدمیوں کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے ایک کو "يَرْحَمُكَ اللهُ" کہہ کر دعا دی اور دوسرے کو آپ ﷺ نے "يَرْحَمُكَ اللهُ" نہیں کہا تو اس دوسرے نے عرض کیا کہ حضرت آپ نے ان (بھائی) کو "يَرْحَمُكَ اللهُ" کہہ کے دعا دی اور مجھے یہ دعا نہیں دی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ 'ان (بھائی) نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" کہا تھا اور تم نے نہیں کہا (اس لئے خود تم نے "يَرْحَمُكَ اللهُ" کا حق کھودیا۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۹۳) عَنْ سَلْمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهٗ فَقَالَ لَهٗ

يَرْحَمُكَ اللهُ، ثُمَّ عَطَسَ أُخْرىٰ فَقَالَ الرَّجُلُ مَذْكُوْمٌ. (رواه مسلم)

وفى روايةٍ للترمذى اَنَّهُ قَالَ فِى الثَّالِثَةِ اَنَّهُ مَذْكُوْمٌ.

ترجمہ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (بیٹھے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے "یرحمك الله" کہہ کے ان کو دعا دی 'ان کو دوبارہ چھینک آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ زکام میں مبتلا ہیں۔ (صحیح مسلم)

(اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے تیسری دفعہ چھینکنے پر یہ فرمایا تھا کہ ان کو زکام ہے)۔

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر نزلہ زکام کی وجہ سے کسی کو بار بار چھینک آئے تو اس صورت میں ہر دفعہ "یرحمك الله" کہنا ضروری نہیں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس بارے میں واضح ہدایت آرہی ہے۔

۱۹۴) عَنْ عُبَيْدِ بْنِ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَمِّتِ الْعَاطِسَ ثَلٰثًا فَمَازَادَ فَإِنْ شِئْتَ فَشَمِّتْهُ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا۔ (رواه ابو داؤد والترمذى)

ترجمہ عبید بن رفاعہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ چھینکنے والے کو تین دفعہ تو "یرحمك الله" کہو اور اس سے زیادہ چھینکیں آئیں تو اختیار ہے چاہے "یرحمك الله" کہو، چاہے نہ کہو۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

۱۹۵) عَنْ نَافِعٍ اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلُ اللهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَقُوْلَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ. (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت نافع سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جو حضرت عبداللہ بن عمر کے برابر میں بیٹھے تھے چھینک آئی تو انہوں نے کہا "الحمد لله والسلام على رسول الله" تو حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ میں بھی کہتا ہوں "الحمد لله والسلام على رسول الله" (یعنی یہ کلمہ بجائے خود مبارک ہے اور میں بھی کہتا ہوں) لیکن (چھینکنے کے وقت) اس طرح نہیں کہا جاتا 'ہم کو رسول اللہ ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ "الحمد لله على كلّ حالٍ" کہا کریں۔ (جامع ترمذی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے پر رسول اللہ ﷺ نے جس طرح "الحمد لله" کہنا تعلیم فرمایا ہے 'اسی طرح "الحمد لله على كلّ حالٍ" کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے اس ارشاد سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے خاص موقعوں کے لئے ذکر یا دعا کے جو مخصوص کلمے تعلیم فرمائے ہیں اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہ کرنا چاہئے اگرچہ معنوی حیثیت سے وہ اضافہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

۱۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا عَطَسَ غَطّٰى وَجْهَهٗ بِيَدِهٖ اَوْثَوْبِهٖ وَ غَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تھی تو آپ ﷺ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے چہرۂ مبارک کو ڈھک لیتے تھے' اور اس کی آواز کو دبا لیتے تھے۔
(جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آنے کے وقت کے آداب میں یہ بھی ہے کہ اس وقت منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیا جائے اور چھینک کی آواز کو بھی حتی الوسع دبا لیا جائے۔

۱۹۷) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهٖ عَلٰى فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہئے کہ وہ اپنا ہاتھ رکھ کے منہ بند کر لے' کیونکہ شیطان داخل ہو جاتا ہے۔
(صحیح مسلم)

تشریح واقعہ یہ ہے کہ جمائی لینے میں آدمی کا منہ بہت بد نما انداز میں کھل جاتا ہے اور با اوقات مکروہ آواز منہ سے نکلتی ہے اور چہرہ کی قدرتی شکل بدل کر ایک بد نما ہیئت ہو جاتی ہے۔ ان چیزوں کے انسداد کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی ہے کہ جب جمائی آئے تو ہاتھ سے منہ کو بند کر لینا چاہئے۔ اس طرح کرنے سے منہ کھلے گا بھی نہیں اور وہ مکروہ آواز بھی پیدا نہیں ہو گی اور چہرہ کی ہیئت بھی زیادہ نہیں بگڑے گی۔ حدیث کے آخر میں شیطان کے داخل ہونے کا جو ذکر فرمایا گیا ہے' شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس سے اس کا حقیقی داخلہ بھی مراد ہو سکتا ہے (جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے) اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی حالت میں شیطان کو وسوسہ اندازی کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس کی شرح یہ کی ہے کہ جب جمائی لیتے وقت آدمی کا منہ پوری طرح کھل جاتا ہے تو شیطان کسی مکھی مچھر جیسی چیز کو اڑا کر اس کے منہ میں داخل کر دیتا ہے[1] واللہ اعلم۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۰ ج ۲ (آداب الصحبہ)

کھانے پینے کے احکام و آداب

کھانے پینے سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن میں ماکولات و مشروبات یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی حلت یا حرمت بیان فرمائی گئی ہے۔ دوسرے وہ جن میں خورد و نوش کے وہ آداب سکھائے گئے ہیں جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے' یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے' یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں' اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل ہے اور نفس کے تقاضے سے ہوتا ہے نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے۔

ماکولات و مشروبات کی حلت و حرمت کے بارے میں بنیادی بات وہ ہے جس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ"[1] (یہ نبی اُمی ﷺ اچھی اور پاکیزہ چیزوں (الطَّيِّبَات) کو اللہ کے بندوں کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور خراب اور گندی چیزوں (الْخَبَائِث) کو حرام قرار دیتے ہیں۔)

قرآن و حدیث میں کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے جو احکام ہیں وہ دراصل اسی آیت کے اجمال کی تفصیل ہیں۔ جن چیزوں کو آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے حرام قرار دیا ہے ان میں فی الحقیقت کسی نہ کسی پہلو سے ظاہری یا باطنی خباثت اور گندگی ضرور ہے' اسی طرح جن چیزوں کو آپ ﷺ نے حلال قرار دیا ہے وہ بالعموم انسانی فطرت کے لئے مرغوب اور پاکیزہ ہیں' اور غذا کی حیثیت سے نفع بخش ہیں۔

قرآن مجید میں پینے والی چیزوں میں سے صراحت کے ساتھ شراب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ حدیثوں میں اس کے بارے میں مزید تفصیلی اور تاکیدی احکام ہیں' جیسا کہ اس سلسلہ کی آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔ اور غذائی اشیاء میں سے ان چیزوں کی حرمت کا قرآن پاک میں واضح اعلان فرمایا گیا ہے۔

میتہ یعنی وہ جانور جو اپنی موت مر چکا ہو' خون یعنی وہ لہو جو رگوں سے نکلا ہو' خنزیر جو ایک ملعون اور خبیث جانور ہے' اور وہ جانور جو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو (وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ) یہ سب وہ چیزیں تھیں جن کو عرب کے کچھ طبقات کھاتے تھے' حالانکہ پہلی آسمانی شریعتوں میں بھی ان کو حرام قرار دیا گیا تھا' اسی لئے قرآن مجید میں صراحت کیساتھ اور بار بار انکی حرمت کا اعلان کیا گیا۔

میتہ یعنی مرے ہوئے جانور کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ اس کو کھانے کے قابل نہیں سمجھتی بلکہ اس سے گھن کرتی ہے۔ اور طبی حیثیت سے بھی وہ مضر ہے کیونکہ جیسا کہ علماءِ طب نے کہا ہے حرارتِ غریزیہ کے گھٹ جانے اور خون کے اندر ہی جذب ہو جانے سے اس میں سمیت کا

---

[1] سورۂ اعراف رکوع ۱۹۔

اثر آجاتا ہے۔

خون یعنی لہو کا بھی یہی حال ہے کہ فطرت سلیمہ اس کو کھانے کی چیز نہیں سمجھتی اور شریعت میں اس کو قطعاناپاک اور نجس العین قرار دیا گیا ہے۔

اور خنزیر وہ ملعون مخلوق ہے کہ جب اللہ کے غضب و جلال نے بعض سخت مجرم اور بد کردار قوموں کو مسخ کرنے کا فیصلہ فرمایا تو ان کو خنزیروں اور بندروں کی شکل میں مسخ کیا گیا (فجعل منھم القردة والخنازیر) اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں جانور انتہائی خبیث و ملعون ہیں اور خدا کی لعنت و غضب کا مظہر ہیں' اس لئے ان کو قطعی حرام قرار دیا گیا۔ البتہ چونکہ بندر کو غالباً دنیا کی کوئی قوم نہیں کھاتی اور اس طرح گویا اس کی حرمت پر انسانوں کے تمام طبقات اور اقوام و ملل کا اتفاق ہے اسلئے قرآن مجید میں اس کی حرمت پر خاص زور نہیں دیا گیا' بخلاف خنزیر کے بہت سی قوموں نے خاص کر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت نے اس کو اپنی مرغوب غذا بنالیا ہے اس لئے قرآن پاک میں اس کی حرمت کا بار بار اور شدت و تاکید سے اعلان فرمایا گیا۔ اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب آخری زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا تو وہ صلیب شکنی کے ساتھ دنیا کو خنزیر کے وجود سے پاک کرنے کا بھی حکم دیں گے (ویقتل الخنزیر) اور اسی وقت اس بات کا پورا ظہور ہوگا کہ ان کے نام لیوا عیسائیوں نے خنزیر کو اپنی مرغوب غذا بنا کر ان کی تعلیم اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعت کی کیسی مخالفت کی ہے۔

اور وہ جانور جس کو غیر اللہ کی نذر کر دیا گیا ہو جس کو قرآن مجید میں "فسقا اُھِلَّ لغیر اللہ بہ" کے عنوان سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نذر کرنے والے کی مشرکانہ نیت اور اس کے اعتقادی شرک کی نجاست و خباثت سرایت کر جاتی ہے اس لئے وہ جانور بھی حرام ہو جاتا ہے۔

الغرض یہ چار چیزیں وہ ہیں جن کی حرمت کا اعلان اہتمام اور صراحت کے ساتھ خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ انکے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے وہ گویا اسی حکم الٰہی کا تکملہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب وہ احادیث پڑھئے جن میں رسول اللہ ﷺ نے کھانے پینے کی چیزوں کی علت و حرمت کے بارے میں ہدایات فرمائی ہیں:

۱۹۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَاْكُلُوْنَ اَشْيَاءَ وَيَتْرُكُوْنَ اَشْيَاءَ تَقَذُّرًا فَبَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ وَاَنْزَلَ كِتَابَهُ وَاَحَلَّ حَلَالَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ وَتَلَا "قُلْ لَا اَجِدُ فِيْمَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً" الاية. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل جاہلیت (یعنی اسلام سے پہلے عرب) کچھ چیزوں کو (طبعی خواہش اور رغبت کی بناء پر) کھاتے تھے اور کچھ چیزوں کو (طبعی نفرت اور گھن کی بنیاد پر) نہیں کھاتے تھے' (اسی طرح ان کی زندگی چل رہی تھی) پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا اور اپنی مقدس کتاب نازل فرمائی اور جو چیزیں عند اللہ حلال تھیں ان کو حلال ہونا بیان فرمایا

اور جو حرام تھیں ان کو حرام ہونا بیان فرمایا (پس جس چیز کو اللہ و رسول اللہ نے حلال بتلایا ہے وہ حلال ہے اور جس کو حرام بتایا ہے وہ حرام ہے) اور جس کے بارے میں سکوت فرمایا گیا ہے (یعنی اس کا حلال یا حرام ہونا بیان نہیں فرمایا گیا) وہ معاف ہے (یعنی اس کے استعمال پر مواخذہ نہیں) اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس نے بطورِ سند یہ آیت تلاوت فرمائی "قُل لَّا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً ... الآیۃ" (سنن ابی داؤد)

تشریح مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور قرآنِ پاک کے نزول کے بعد کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا معیار وحیِ الٰہی اور خدا اور رسول کا حکم ہے، کسی کی پسند و ناپسند اور رغبت و نفرت کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

۱۹۹) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كُلِّ ذِىْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ وَكُلِّ ذِىْ مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہر کچلی والے درندے اور ہر چنگل گیر (یعنی شکاری پنجہ والے پرندے کے کھانے سے) (صحیح مسلم)

تشریح وہ سب درندے جو منہ سے اور دانتوں سے شکار کرتے ہیں، جیسے شیر، چیتا، بھیڑیا، اسی طرح کتا اور بلی ان سب کے وہ نکیلا دانت ہوتا ہے جس کو عربی میں "ناب" اور اردو میں کچلی اور کیلا کہتے ہیں، وہی ان درندوں کا خاص جارحہ اور ہتھیار ہے۔ اسی طرح جو پرندے شکار کرتے ہیں جیسے باز، چیل اور شاہین ان کا جارحہ وہ پنجہ ہوتا ہے جس سے جھپٹا مار کر بے چارے شکار کو یہ اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

حدیث کا مطلب اور حاصل یہ ہے کہ درندوں کی قسم کے سب چوپائے جن کے منہ میں کچلی ہوتی ہے اور جو شکار کرتے ہیں اور اسی طرح شکاری پرندے جو ذی مخلب یعنی پنجہ سے جھپٹا مار کر شکار کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کے کھانے سے منع فرمایا، یعنی حکم دیا کہ ان کو نہ کھایا جائے۔ یہ بھی محرمات اور خبائث میں شامل ہیں۔

۲۰۰) **عَنْ اَبِىْ ثَعْلَبَةَ قَالَ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لُحُوْمَ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ.**

(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کو حرام قرار دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح بعض دوسری حدیثوں میں گدھوں کے ساتھ خچروں کا بھی ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں ہی جانوروں کی حرمت کا اعلان فرمایا ہے اور یہ بھی محرمات میں سے ہیں۔

۲۰۱) **عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاَهْلِيَّةِ وَاَذِنَ فِىْ لُحُوْمِ الْخَيْلِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن منع فرمایا پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے اور اجازت دی گھوڑوں کے گوشت کے بارے میں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث کی بناء پر اکثر آئمہ گھوڑے کے گوشت کی حلت کے قائل ہیں' امام ابو حنیفہ سے کراہت کا قول نقل کیا گیا ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہ ہے کہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيْرِ.

رسول اللہ ﷺ نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے اور خچر کے ساتھ گھوڑے کے گوشت کی بھی ممانعت فرمائی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں ضعف ہے لیکن امام ابو حنیفہ کا عام دستور یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت و حرمت دلائل کی بناء پر مشتبہ ہو جائے تو وہ از راہ احتیاط ممانعت کو ترجیح دیتے ہیں غالباً اسی لئے انہوں نے گھوڑے کے گوشت کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ان کے کچھ دلائل ہیں۔ لیکن فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آخر میں امام ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں دوسرے آئمہ کے قول کی طرف رجوع فرما لیا تھا اور جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صحیحین کی حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۰۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ اَكْلِ الْهِرَّةِ وَ اَكْلِ ثَمَنِهَا
(رواہ ابو داؤد و الترمذی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلی کے کھانے سے منع فرمایا ہے اور اس کی قیمت کے کھانے سے بھی ممانعت فرمائی۔ (سنن ابی داؤد، ترمذی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی بھی محرمات میں سے ہے' اور ہونا بھی یہی چاہئے کیونکہ وہ بھی ایک درندہ ہے۔ نیز اسی حدیث میں بلی کی قیمت کھانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے' علماء اور شارحین کے نزدیک اس کی ممانعت کا مطلب کراہت ہے۔

۲۰۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَكْلِ الْجَلَّالَةِ وَاَلْبَانِهَا.
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ (نجاست خور جانور) کے کھانے اور اس کا دودھ پینے سے منع فرمایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... کبھی کبھی بعض جانور اونٹ گائے' بکری وغیرہ کا مزاج ایسا بگڑ جاتا ہے کہ وہ نجاست اور غلاظت ہی کھاتے ہیں یہاں تک کہ ان کے گوشت اور دودھ میں اس کی بدبو محسوس ہونے لگتی ہے۔ ایسے ہی جانور کو جلالہ کہا جاتا ہے' اس حدیث میں اس کا گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اگر کسی مرغی کا یہ

حال ہو تو اس کا حکم بھی یہی ہے۔ ہاں اگر اس جانور کو اتنی مدت تک باندھ کے اور پابند کر کے نجاست کھانے سے باز رکھا جائے کہ اس کے گوشت اور دودھ میں کوئی اثر باقی نہ رہے تو پھر اس کا گوشت کھانا یا دودھ پینا جائز ہوگا۔ اب وہ گوشت اور دودھ "جلالہ" کا نہیں رہا۔

۲۰۴) عَنْ اَبِیْ وَاقِدِ اللَّيْثِيْ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَجُبُّوْنَ اَسْنِمَةَ الْاِبِلِ وَيَقْطَعُوْنَ اَلْيَاتَ الْغَنَمِ فَقَالَ مَا يُقْطَعُ مِنَ الْبَهِيْمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهِيَ مَيْتَةٌ لَا تُؤْكَلُ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب (مکہ سے ہجرت فرما کے) مدینہ تشریف لائے تو یہاں (نہایت سنگدلانہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ) کچھ لوگ کھانے کے لئے اپنے زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ لیتے (جو بہت مرغوب قسم کا گوشت ہوتا ہے) اور اسی طرح دنبوں کی چکی کاٹ لیتے (اور پھر اس اونٹ اور دنبہ کا علاج کر لیتے) تو رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں فرمایا کہ کسی زندہ جانور میں سے جو گوشت کاٹا جائے گا وہ مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ ([illegible])

۲۰۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ شَرِيْطَةِ الشَّيْطَانِ زَادَ ابْنُ عِيْسٰى وَهِيَ الذَّبِيْحَةُ مِنْهُ الْجِلْدُ وَلَا تُفْرَى الْاَوْدَاجُ ثُمَّ تُتْرَكُ حَتّٰى تَمُوْتَ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا "شریطۂ شیطان" کے کھانے سے حدیث کے راوی ابن عیسی نے (لفظ "شریطۂ شیطان" کی تشریح میں) یہ اضافہ کیا ہے کہ اس سے مراد وہ ذبح کیا ہوا جانور ہے جس کے اوپر سے صرف کھال کاٹ دی جائے اور گلے کی رگیں (جن سے خون جاری ہوتا ہے) نہ کاٹی جائیں اور یوں ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ مر جائے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ سنگدلانہ فعل بھی ناجائز و حرام ہے کیونکہ اس سے جانور کو جو اللہ کی مخلوق ہے بے ضرورت اور بہت دیر تک سخت تکلیف و اذیت ہوتی ہے اور اس طرح ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ اس طرح ذبح کئے ہوئے جانور کو "شریطۂ شیطان" کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں شیطان کا گھائل کیا ہوا گویا جانور کو ذبح کرنے کا یہ طریقہ شیطان کا سکھایا ہوا ہے۔

۲۰۶) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ شِبْلٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ اَكْلِ لَحْمِ الضَّبِّ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: عبدالرحمن بن شبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گوہ کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ حلال جانوروں میں سے نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ کا قول یہی ہے لیکن آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا گوشت کھانا ناجائز نہیں ہے اس بناء پر دوسرے اکثر آئمہ نے

اس کو جائز اور حلال کہا ہے۔

۲۰۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ خَالِدَبْنَ الْوَلِيْدِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَلٰى مَيْمُوْنَةَ وَ هِيَ خَالَتُهُ وَخَالَةُ اِبْنِ عَبَّاسٍ فَوَجَدَ عِنْدَهَا ضَبًّا مَحْنُوْذًا فَقَدَّمَتِ الضَّبَّ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَدَهُ عَنِ الضَّبِّ فَقَالَ خَالِدٌ اَحَرَامٌ الضَّبُّ يَارَسُوْلَ اللهِ وَقَالَ لَا، وَلٰكِنْ لَمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهُ، قَالَ خَالِدٌ فَاَجْتَرَرْتُهُ فَاَكَلْتُهُ وَرَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَنْظُرُ اِلَيَّ. (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خالد بن ولید نے ان سے بیان کیا کہ میں ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا (راوی نے بتایا کہ حضرت میمونہ خالد بن الولید اور عبداللہ بن عباس کی بھی حقیقی خالہ تھیں' آگے حضرت خالد کا بیان ہے کہ) میں نے دیکھا کہ ان کے (یعنی ہماری خالہ میمونہ کے) پاس ایک بھنی ہوئی گوہ ہے' وہ انہوں نے کھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھادی' تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ہاتھ کھینچ لیا' (جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اس کو کھانا نہیں چاہتے) تو خالد بن الولید نے (جو کھانے میں شریک تھے) پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں (یعنی حرام تو نہیں ہے) لیکن یہ ہمارے علاقہ میں (یعنی مکہ کی سرزمین میں) ہوتی نہیں تھی اس لئے میری طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی' خالد نے بیان کیا کہ (رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر) میں نے اس کو اپنی طرف سرکالیا اور کھاتا رہا' اور رسول اللہ ﷺ دیکھتے رہے (یعنی آپ ﷺ نے مجھے کھاتا دیکھا اور منع نہیں فرمایا۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح جو حضرات آمہ گوہ کی حلت کے قائل ہیں ان کی سب سے بڑی دلیل یہی حدیث ہے' اس کے علاوہ بھی بعض حدیثیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گوہ کا کھانا حلال ہے' امام ابو حنیفہ کا خیال یہ ہے کہ یہ حدیثیں غالباً اس زمانہ کی ہیں جبکہ اس کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا' اور جب تک کسی چیز کی حرمت کا حکم نہ آئے وہ مباح ہے' بہر حال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ممانعت کی حدیث کو جو اوپر درج ہو چکی ہے' زمانہ کے لحاظ سے موخر اور ناسخ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں ابھی کچھ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ امام صاحب کا عام دستور اور رویہ یہ ہے کہ جب کسی چیز کی حلت اور حرمت کے بارے میں اشتباہ پیدا ہو جائے تو وہ از راہ احتیاط حرمت کے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

۲۰۸) عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ فَارَةً وَقَعَتْ فِيْ سَمْنٍ فَمَاتَتْ فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَقَالَ اَلْقُوْهَا وَمَاحَوْلَهَا وَكُلُوْهُ. (رواه البخارى)

ترجمہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ گھی میں چوہا گر گیا اور مر گیا' تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا گیا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس مرے ہوئے چوہے کو اور اس کے ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو' اور پھر باقی گھی کو کھالو۔ (صحیح بخاری)

تشریح　جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ گھی منجمد ہو، یعنی اگر منجمد نہ ہو بلکہ رقیق اور سیال ہو تو پھر وہ سارا گھی کھانے کے لائق نہیں رہے گا۔

۲۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا وَقَعَتِ الْفَارَةُ فِی السَّمْنِ فَاِنْ كَانَ جَامِدً فَاَلْقُوْهَا وَمَا حَوْلَهَا وَاِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَا تَقْرَبُوْهُ.

(رواه احمد و ابو داؤد و رواه الدارمی عن ابن عباس)

ترجمہ　حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب چوہا گھی میں گر جائے (اور مر جائے) تو اگر گھی جما ہوا ہو تو اس چوہے کو اور ارد گرد کے گھی کو نکال کر پھینک دو اور اگر گھی پتلا ہو تو پھر اس کے پاس نہ جاؤ (یعنی اس کا کھانا جائز نہیں ہے نہ کھاؤ)۔　(مسند احمد، سنن ابی داؤد)
(اور یہی حدیث دارمی نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے)

۲۱۰) عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ رَاٰی حِمَارًا وَحْشِيًّا فَعَقَرُوْهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ هَلْ مَعَكُمْ مِنْ لَحْمِهٖ شَيْئٌ؟ قَالَ مَعَنَا رِجْلُهٗ فَاَخَذَهَا فَاَكَلَهَا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ　حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک سفر میں) ایک گور خر ان کی نظر پڑا (وہ اچھے ماہر شکاری تھے) انہوں نے اس کو زخمی کر کے شکار کر لیا (پھر جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے گوشت میں سے کچھ بچا ہوا تمہارے پاس ہے؟ ابو قتادہؓ نے عرض کیا کہ ہاں اس کا ایک پاؤں ہے (اور وہ پیش کر دیا) آپ ﷺ نے اس کو قبول فرما لیا اور تناول فرمایا۔　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح　اس سے معلوم ہوا کہ گور خر حلال ہے اور شکار کیا ہوا جانور حلال طیب ہے۔

۲۱۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَنْفَجْنَا اَرْنَباً بِمَرِّالظَّهْرَانِ فَاَخَذْتُهَا فَاَتَيْتُ بِهَا اَبَا طَلْحَةَ فَذَبَحَهَا وَبَعَثَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِوَرِكِهَا وَ فَخِذَيْهَا فَقَبِلَهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ　حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم نے مر الظہران کے جنگل میں ایک خرگوش دوڑا کر پکڑ لیا اور اس کی دونوں رانیں اور کولہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (بطور تحفہ کے) بھیجا تو آپ ﷺ نے اس کو قبول فرما لیا۔　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح　خرگوش جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے حلال ہے، اور آئمہ کا اس پر اتفاق ہے۔

۲۱۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ لَحْمَ الدَّجَاجِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ　حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۱۳) عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ اَكَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَحْمَ الْحُبَارٰی. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ　(رسول اللہ ﷺ کے خادم اور آزاد کردہ غلام) حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حباری پرندکا گوشت کھایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح لغت کی کتابوں میں "حباری" کے ترجمے مختلف کئے گئے ہیں، بعض نے سرخاب کیا ہے اور بعض نے تغدری۔ بہر حال "حباری" پرندہ ہے اور معلوم ہے کہ وہ سب پرندے حلال ہیں جو ذی مخلب نہیں ہیں، یعنی جو جھپٹا مار کر پنجے سے شکار نہیں کرتے اور جو فطرت کے لحاظ سے موذی اور خبیث نہیں ہیں۔

۲۱۴) **عَنْ اَبِیْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ وَدَمَانِ، اَلْمَیْتَتَانِ الْحُوْتُ وَالْجَرَادُ وَالدَّمَانِ اَلْکَبِدُ وَالطِّحَالُ.** (رواہ احمد و ابن ماجہ والدارقطنی)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حلال قرار دی گئی ہیں ہمارے لئے دو مردہ چیزیں اور خون کی دو قسمیں۔ دو مردہ چیزیں ہیں مچھلی اور ٹڈی اور خون کی دو قسمیں ہیں کلیجی اور تلی (کہ یہ دونوں منجمد خون ہیں)۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ، سنن دارقطنی)

تشریح مطلب یہ ہے کہ سارے حلال جانوروں کے لئے شرعی قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ شرعی طریقہ سے ذبح کئے جائیں تو حلال ہیں اور اگر بغیر ذبح کئے مر جائیں تو مردار اور حرام ہیں لیکن دو چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی۔ یہ دونوں مری ہوئی بھی حلال ہیں۔ اسی طرح کلیجی اور تلی اگرچہ یہ دونوں دراصل منجمد خون ہیں اور خون حرام ہے۔ لیکن جب وہ جم کر کلیجی اور تلی کی شکل اختیار کرلے تو اس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے۔

۲۱۵) **عَنِ ابْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ کُنَّا نَاْکُلُ مَعَہُ الْجَرَادَ.** (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سات غزوے کئے ہیں (یعنی سات غزووں میں ہمیں آپ کی معیت اور رفاقت نصیب ہوئی ہے) ہم ان غزووں میں آپ کے ساتھ رہ کر ٹڈیاں بھی کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح سنن ابی داؤد میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ٹڈیوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اَکْثَرُ جُنُوْدِ اللّٰہِ لَا آکُلُہٗ وَلَا اُحَرِّمُہٗ" (اللہ کی بہت سی مخلوق یعنی بہت سے جانور ایسے ہیں کہ میں ان کو خود تو نہیں کھاتا لیکن ان کو حرام نہیں بتلاتا) مطلب یہ کہ وہ حلال ہیں، لوگ ان کو کھا سکتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ خود ٹڈی نہیں کھاتے تھے۔ اس کی روشنی میں شارحین نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کے ساتھ غزوات میں ٹڈیاں بھی کھاتے تھے اور آپ ﷺ منع نہیں فرماتے تھے۔ اس کا مطلب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت ابن ابی اوفی والی اس حدیث کی صحیح مسلم اور جامع ترمذی وغیرہ کی روایات میں "معہ" کا لفظ نہیں ہے، بلکہ آخری الفاظ یہ ہیں "کنا ناکل الجراد" واللہ اعلم۔

۲۱۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ غَزَوْتُ جَيْشَ الْخَبَطِ وَأُمِّرَ اَبُوْعُبَيْدَةَ فَجُعْنَا جُوْعًا شَدِيْدًا فَاَلْقَى الْبَحْرُ حُوْتًا مَيِّتًا لَمْ نَرَمِثْلَهُ يُقَالُ لَهُ الْعَنْبَرُ فَاَكَلْنَا مِنْهَا نِصْفَ شَهْرٍ فَاَخَذَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ عَظْمًا مِنْ عِظَامِهٖ فَمَرَّ الرَّاكِبُ تَحْتَهُ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَكَرْنَا لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كُلُوْا رِزْقًا اَخْرَجَهُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ وَاَطْعِمُوْنَا اِنْ كَانَ مَعَكُمْ قَالَ فَاَرْسَلْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْهُ فَاَكَلَهُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں "جَيْشُ الْخَبَطِ" کے جہاد میں شریک تھا اور ابو عبیدہ اس لشکر کے امیر بنائے گئے تھے (غذا کا کچھ سامان نہ ہونے کی وجہ سے اس سفر جہاد میں) ہم سخت بھوک میں گرفتار ہوگئے۔ تو سمندر نے ایک مچھلی پھینکی یہ مر چکی تھی ہم نے ایسی (یعنی اتنی بڑی) مچھلی کبھی نہیں دیکھی تھی' اس کا نام عنبر بتلایا جاتا تھا' ہم سب نے (یعنی پورے لشکر نے) اس کو آدھے مہینہ تک کھایا' پھر ابو عبیدہ نے اس کی ہڈیوں میں سے ایک ہڈی (غالباً پسلی) اٹھا کے کھڑی کی تو اونٹ کا سوار اس کے نیچے سے نکل گیا' پھر جب ہم سفر سے مدینہ واپس آئے تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا (اور پوچھا کہ ہمارا اس کو کھانا درست تھا یا نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا کھاؤ اللہ تعالیٰ کا عطیہ (اور تحفہ) جو اللہ نے تمہارے واسطے نکالا تھا' اور اگر اس میں سے کچھ تمہارے ساتھ ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ (جابر کہتے ہیں کہ) ہم نے اس میں سے رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی بھیجا تو آپ ﷺ نے اس کو تناول فرمایا۔

تشریح　اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ ۶ھ کی ایک جہادی مہم کا واقعہ ہے' رسول اللہ ﷺ نے قریباً تین سو مجاہدین کا ایک لشکر روانہ فرمایا تھا' اس کا امیر حضرت ابو عبیدہ کو بنایا گیا تھا' پورے لشکر کے کھانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے صرف ایک بورا کھجوریں حضرت ابو عبیدہ کو دی تھیں' اس وقت اتنا ہی بندوبست ہو سکا تھا' ابو داؤد وغیرہ کی اس واقعہ کی روایت میں ہے کہ ابو عبیدہ روزانہ ہر لشکری کو اس بورے میں سے صرف ایک کھجور دیتے تھے' اور یہ اللہ کے سپاہی اسی پر گزارہ کرتے تھے' خود اس لشکر کے بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم اس ایک کھجور کو منہ میں دیر تک رکھ کر اس طرح چوستے تھے جس طرح ننھے بچے چوستے ہیں اور اوپر سے پانی پی لیتے تھے' بس یہی دن بھر کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔ پھر وہ کھجوریں ختم ہو گئیں تو درختوں سے پتے جھاڑے اور انہیں پانی سے تر کر کے کھانے لگے' اس سے ہمارے منہ زخمی ہوگئے اور سوج گئے' اس لشکر کو "جیش الخبط" کے نام سے اسی لئے یاد کیا جاتا ہے۔ خبط کے معنی درخت سے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں حضرت جابرؓ ہی کا بیان ہے کہ اسی حال میں ہم سمندر کے کنارے سے قریب چل رہے تھے کہ ہمیں ایک ٹیلہ یا ایک پہاڑی سی نظر پڑی' قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر کا پھینکا ہوا ایک مچھلی نما جانور ہے اور مرا ہوا ہے' حضرت ابو عبیدہ کو اس کے حلال ہونے کے بارے میں شک ہوا' بعد میں انہوں نے سوچا کہ ہم اللہ کے کام کے لئے نکلے ہیں اور اس کے رسول کے بھیجے ہوئے ہیں' اور کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ ہماری غذا کا سامان فراہم کیا ہے' پھر اس بارے میں

انہیں شرح صدر ہو گیا تو انہوں نے لشکر کو اسکے کھانے کی اجازت دیدی۔ اور صحیحین کی اس روایت کے بیان کے مطابق پورے لشکر نے اس کو آدھے مہینے تک کھایا۔ اور دوسری بعض روایات میں ہے کہ اس کو ایک مہینہ تک کھایا گیا۔

اس عاجز کے نزدیک ان دونوں باتوں میں مطابقت اس طرح ہے کہ لشکر کا قیام آدھے مہینہ کے قریب اسی علاقہ میں رہا اور ان دنوں میں وہی مچھلی خوب فراوانی سے کھائی جاتی رہی' اس کے بعد واپسی ہوئی اور قریباً آدھے مہینہ میں مدینہ پہنچے' ان دنوں میں بھی اسی سے کچھ کام چلتا رہا' تو جن روایات میں آدھے مہینہ تک کھائے جانے کا ذکر ہے ان میں صرف سفر واپسی سے پہلے دنوں کا ذکر کیا گیا ہے' جبکہ پورا لشکر فراوانی سے اس کو کھاتا رہا' اور جن روایات میں ایک مہینہ تک کھانے کا ذکر کیا گیا ان میں واپسی کا زمانہ بھی شامل کر لیا گیا ہے' کیونکہ ان دنوں میں بھی اس کو بطور غذا کے کچھ نہ کچھ استعمال کیا جاتا رہا۔ واللہ اعلم۔

حدیث کے آخر میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مدینہ کی واپسی پر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا اور غالباً ابو عبیدہ کے شک و شبہ کا ذکر آیا' تو آپ ﷺ نے یہ فرما کر کہ "كلوا رزقا اخرجه الله لكم" اطمینان دلایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور تحفہ تھا جو اس نے تمہارے ہی واسطے سمندر سے نکلوایا تھا' ایسی چیز کو تو بڑی قدر اور شکر کے ساتھ کھانا چاہیئے۔ آخر میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کا دل خوش کرنے کیلئے اور اس عطیہ ربانی کی قدردانی کے اظہار کے لئے یہ بھی فرمایا:

"واطعمونا ان كان معكم" (یعنی اگر اس میں سے کچھ ساتھ لائے ہو تو ہم کو بھی کھلاؤ) چنانچہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے تناول فرمایا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سمندر کی اتنی بڑی مچھلی' جو ظاہر ہے کہ ایک عجیب و غریب مخلوق معلوم ہوتی ہو گی حلال طیب ہے۔

حدیث میں ہے کہ اس مچھلی کو عنبر کہا جاتا ہے' بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ عنبر جو بعض خاص علاقوں میں سمندر کے کنارے ملتا ہے اس مچھلی سے نکلتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالُوا يَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّ هٰهُنَا اَقْوَامًا حَدِيْثٌ عَهْدِهِمْ بِشِرْكٍ يَاتُوْنَنَا بِلُحْمَانٍ لَانَدْرِىْ اَيَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا اَمْ لَا؟ قَالَ اُذْكُرُوْا اَنْتُمْ اِسْمَ اللهِ وَكُلُوْا. (رواه البخاري)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمارے وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا شرک کا زمانہ قریب ہی کا ہے (یعنی قریبی زمانہ کے نومسلم ہیں اور ابھی ان کی اسلامی تعلیم و تربیت نہیں ہو سکی ہے) وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں' ہم نہیں جانتے کہ ذبح کرتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں (تو اس صورت میں وہ گوشت کھائیں یا نہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کا نام لو اور کھالو۔ (صحیح بخاری)

تشریح حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ وہم میں نہیں پڑنا چاہیئے' جب وہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں تو

سمجھنا چاہئے کہ اللہ کا نام لے کر ہی ذبح کرتے ہوں گے اس لئے تم اللہ کا نام لے کر کھالیا کرو' یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اگر انہوں نے اللہ کا نام لئے بغیر ہی کافرانہ طریقہ پر ذبح کر لیا ہے تو تمہارے بسم اللہ پڑھنے سے اب وہ حلال ہو جائے گا' قرآن پاک میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّالَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهُ لَفِسْقٌ. (الانعام ۱۲۱)

اور جس جانور پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اس کو مت کھاؤ' اس کا کھانا سخت گناہ ہے۔

۲۹۸) **عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى فَقَالَ لَا يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ طَعَامٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ.** (رواه الترمذی)

ترجمہ قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلب طائی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نصاریٰ کا کھانا کھانے کے بارے میں سوال کیا (کہ جائز ہے یا ناجائز؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے کھانے کے بارے میں تمہارے دل میں کوئی خلجان نہیں ہونا چاہئے۔ تم اس (تنگ نظری اور بیجا شدت پسندی میں) طریقہ نصرانیت سے مشابہ ہو گئے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح یہ ہلب طائی پہلے خود نصرانی المذہب تھے' بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایمان و اسلام نصیب فرمایا تو ان کو نصاریٰ یعنی عیسائیوں کے ہاں کھانے اور ان کا ذبیحہ کھانے کے بارے میں تردد تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بارے میں تمہارے دل میں کئی تردد اور خلجان نہیں ہونا چاہئے یعنی ہماری شریعت میں ان کا کھانا اور ذبیحہ جائز ہے۔ قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم"[1]۔ (یعنی اہل کتاب کا کھانا تمہارے واسطے حلال ہے) آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ کھانے پینے میں یہ تنگ نظری اور شدت پسندی عیسائی راہبوں کا شیوہ ہے۔ اگر تم وہی طریقہ اپناتے ہو تو گویا ان کی ہم رنگی اختیار کرتے ہو۔ ہماری شریعت میں یہ تنگی نہیں بلکہ وسعت ہے۔ والحمد للہ۔

مشروبات کے احکام

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے' کھانے پینے کی چیزوں کی حلت و حرمت کے بارہ میں شریعت کا بنیادی اُصول وہی ہے جسے قرآن پاک میں ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

"یحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث" اس بناء پر مشروبات میں بھی جو طیبات ہیں یعنی پاکیزہ اور مرغوب و خوشگوار اور نفع بخش چیزیں مثلاً حلال چوپایوں کا دودھ' پھلوں کا رس' اچھے سے اچھے شربت' نفیس عرقیات وغیرہ یہ سب حلال قرار دیئے گئے ہیں۔ اور ان کے برعکس جو مشروبات خبیث اور انسانیت کے لئے مضر ہیں وہ حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر جس طرح کھانے کی بعض ان چیزوں کی

[1] سورۂ مائدہ ۵:۵

حرمت کا اعلان اہتمام اور خصوصیت سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا ہے جو اگلی شریعتوں میں بھی حرام قرار دی گئی تھیں مگر ان کو بعض طبقے کھاتے تھے جیسے کہ مردار جانور اور خنزیر وغیرہ' اسی طرح مشروبات میں خمر یعنی شراب کی حرمت کا اعلان بھی خاص اہتمام سے قرآن پاک میں بھی کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں غیر معمولی اہتمام فرمایا اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے اس سلسلہ میں نہایت سخت رویہ آپ ﷺ نے اختیار فرمایا۔ جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہوگا۔

شراب کی حرمت کا حکم

شراب کے حرام قرار دیئے جانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے استعمال سے آدمی کم از کم کچھ دیر کے لئے اس جوہر عقل و تفکر سے محروم ہو کر جو اس کے پروردگار کا خاص الخاص عطیہ اور معرفت الٰہی کا وسیلہ ہے' ان حیوانوں کی صف میں آجاتا ہے جن کو ان کے پیدا کرنے والے نے عقل و تمیز کی نعمت اور اپنی خاص معرفت کی صلاحیت عطا نہیں فرمائی ہے۔ اور یہ انسان کا اپنے اوپر بڑے سے بڑا ظلم اور اپنے پروردگار کی انتہائی ناشکری ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کی حالت میں بسا اوقات اس سے انتہائی نامناسب اور شرمناک حرکتیں سرزد ہوتی ہیں اور وہ شیطان کا کھلونا بن جاتا ہے' علاوہ ازیں شراب نوشی کے نتیجہ میں بعض اوقات بڑے دوررس اور تباہ کن فسادات برپا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے تمام آسمانی شریعتوں میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور ہر دور کے خدا پرست مصلحوں اور روحانیت پسندوں نے اس سے پرہیز کیا ہے اور اسکے خلاف جدوجہد کی ہے۔

آگے جو احادیث شراب کے بارے میں درج ہوں گی ان کا یہ پس منظر ناظرین کے ذہن میں رہنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت اور غالباً اس کے بہت پہلے سے عربوں میں خاص کر اہل مدینہ میں شراب کا بے حد رواج تھا' گھر گھر شراب بنتی تھی اور پی جاتی تھی' اس سے وہ نشاط و سرور بھی حاصل کیا جاتا تھا جس کے لئے عموماً پینے والے اس کو پیتے ہیں' اس کے علاوہ اس ماحول میں شراب نوشی کو ایک اخلاقی عظمت و فضیلت کا مقام بھی حاصل تھا وہاں کا عام رواج یہ تھا کہ دولت مند لوگ شراب پی کر نشہ کی حالت میں خوب داد و دہش کرتے اور مال لٹاتے تھے جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا اور اسی وجہ سے شراب نہ پینا یا کم پینا بخل و کنجوسی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہی حال جوئے کا بھی تھا وہاں جوئے کے کچھ خاص طریقے رائج تھے اور حوصلہ مند اور دریادل لوگ ہی وہ جوا کھیلتے تھے اور جو کچھ جیتتے تھے وہ غربا اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے تھے۔ اس لئے جوا بھی امیروں کا ایک معزز کھیل تھا جس سے غریبوں کا بھلا ہوتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی روایات اور شاعری میں اس کا پورا سراغ ملتا ہے۔

شراب اور جوئے میں نافعیت کا غالباً یہی وہ خاص پہلو تھا جس کی طرف اشارہ سورۂ بقرہ کی اس آیت میں بھی کیا گیا ہے جو شراب اور جوئے کے بارے میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ بہر حال شراب کا چونکہ

وہاں عام رواج تھا اور گویا وہ ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اس کے وہ بری طرح عادی تھے اور ان کی نگاہ میں اس کو ایک عظمت بھی حاصل تھی اس لئے اس کی ممانعت کے بارے میں ابتداءً تو نرم تدریجی رویہ اختیار کیا گیا لیکن جب قوم میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قطعی حرمت کا اعلان ہو جانے پر وہ اس کو یکلخت چھوڑ دے تو پھر اتنا سخت رویہ اختیار کیا گیا کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پینے کا رواج تھا' سرے سے ان برتنوں ہی کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ اسی طرح کے بعض اور بھی انتہائی سخت احکام جاری کئے گئے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہل ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے' چنانچہ جب یہ بات پیدا ہو گئی تو وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے۔ اس تمہید کے بعد شراب کی حرمت سے متعلق آگے درج ہونے والی حدیثیں پڑھئے:

۲۱۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یَشْرَبُوْنَهَا وَیَاْكُلُوْنَ الْمَیْسِرَ فَسَاَلُوْهُ عَنْهُمَا فَنَزَلَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ الآیة" فَقَالَ النَّاسُ مَاحُرِّمَ عَلَیْنَا وَكَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی اِذَا كَانَ یَوْمٌ صَلّٰی رَجُلٌ مِنَ الْمَهَاجِرِیْنَ بِاَصْحَابِهٖ وَخَلَطَ فِیْ قِرَاءَتِهٖ فَنَزَلَتْ آیَةٌ اَغْلَظَ مِنْهَا "یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكَارٰی. الایة" وَكَانُوْا یَشْرَبُوْنَ حَتّٰی نَزَلَتْ اَغْلَظَ مِنْهَا." یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُوَالْمَیْسِرُ. الایة." قَالُوْا اِنْتَهَیْنَا رَبَّنَا فَقَالُوا یَارَسُوْلَ اللهِ نَاسٌ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَوْمَاتُوْا عَلٰی فُرُشِهِمْ كَانُوْا یَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَ یَاْكُلُوْنَ الْمَیْسِرَ وَقَدْ جَعَلَهُ اللهُ رِجْسًا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَنَزَلَ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْاالصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْا. الایة."** (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شراب کی ممانعت (تدریجاً) تین دفعہ میں کی گئی ہے (جس کی تفصیل یہ ہے) کہ رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اس زمانہ میں اہل مدینہ شراب پیا کرتے تھے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے' تو ان دونوں چیزوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا (کہ یہ جائز ہیں یا ناجائز؟ دریافت کرنے کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ خود ان میں سے صالح طبیعت رکھنے والوں نے محسوس کیا ہو گا کہ اسلام کی عام تعلیمات اور اس کے پاکیزہ مزاج سے یہ دونوں چیزیں میل نہیں کھاتیں۔ واللہ اعلم (ان کے اس سوال کے جواب میں (سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔)

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ط قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط

اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں' آپ انہیں بتا دیجئے کہ ان دونوں چیزوں میں گناہ ہے بہت اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے' اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

تو کچھ لوگوں نے کہا کہ (اس آیت میں) شراب اور جوئے کو قطعیت کے ساتھ حرام قرار نہیں دیا گیا ہے' تو وہ لوگ (گنجائش سمجھتے ہوئے) اس کے بعد بھی پیتے رہے' یہاں تک کہ ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ مہاجرین میں سے ایک صاحب اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے (اور امامت کر رہے تھے اور نشہ میں تھے) انہوں نے قرأت میں کچھ گڑبڑ کر دی (اور کچھ کا کچھ پڑھ گئے) تو شراب کی ممانعت کے سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی جو پہلی آیت کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھی۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ.

اے ایمان والو! ایسی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ جبکہ تم نشہ میں ہو تاوقتیکہ (تمہیں ایسا ہوش نہ ہو) کہ تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

مگر کچھ لوگ (اس کے بعد بھی گنجائش سمجھتے ہوئے) پیتے رہے (ہاں جیسا کہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے اسکا اہتمام کرنے لگے کہ نماز کے قریب نہیں پیتے تھے) تو سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں جو پہلی دونوں آیتوں کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور صاف صریح تھیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ط فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۞

اے ایمان والو! بلاشبہ یہ شراب اور جوا اور بت پانسے (جو ایک خاص قسم کے جوئے میں استعمال ہوتے تھے' یہ سب چیزیں) گندی اور ناپاک ہیں اور شیطانی اعمال میں سے ہیں لہذا ان سے کلی پرہیز کرو' پھر تم امید کر سکتے ہو کہ فلاح یاب ہو جاؤ' شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں پھانس کر تمہارے درمیان بغض و عداوت پیدا کر دے (اور تم کو آپس میں لڑا دے) اور اللہ کی یاد سے اور نماز جیسی نعمت سے (جو بارگاہ خداوندی کی حضوری ہے) تم کو روک دے تو کیا تم (شراب اور جوئے وغیرہ سے) باز آؤ گے؟

جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ان لوگوں نے کہا "انتهينا ربنا" (اے ہمارے پروردگار! ہم باز آئے اور اب ہم نے اس کو بالکل چھوڑ دیا) پھر ان لوگوں نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہمارے ان لوگوں کا کیا انجام ہو گا جو راہِ خدا میں شہید ہو چکے ہیں یا اپنے بستروں پر (بیمار پڑ کر) انتقال کر چکے ہیں اور وہ شراب پیا کرتے اور جوئے سے حاصل کیا ہوا مال کھایا کرتے تھے۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دیا ہے (تو ہمارے جو بھائی ان دونوں میں ملوث تھے اور اسی حال میں انتقال کر گئے یا راہ خدا میں شہید ہو گئے' تو آخرت میں ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا؟) تو اس کے جواب میں بعد والی یہ آیت نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ..................الاية

ان صاحبِ ایمان اور نیکوکار بندوں پر کوئی گناہ (اور مواخذہ) نہیں ہے ان کے کھانے پینے پر' جبکہ ان کا حال یہ ہو کہ وہ خدا سے ڈر کر پرہیزگاری کی زندگی گزارتے ہوں اور دل سے مانتے ہوں اور اعمال صالحہ کرتے ہوں۔ الخ (مسند احمد)

تشریح...... حدیث کی تشریح ترجمہ کے ضمن میں جا بجا کر دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ کی اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ شراب کی حرمت کے بارے میں ابتداء تدریجی رویہ اختیار کیا گیا اور آخر میں سورۂ مائدہ کی آیت میں اس کے بارے میں "رجس من عمل الشیطان" فرما کر اس کی قطعی حرمت کا اعلان فرما دیا گیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ۸ھ میں نازل ہوئی۔

۲۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنْتُ سَاقِى الْقَوْمِ فِىْ مَنْزِلِ اَبِىْ طَلْحَةَ فَنَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ فَاَمَرَ مُنَادِيًا فَنَادٰى فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُخْرُجْ فَانْظُرْمَا هٰذَا الصَّوْتُ؟ قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ هٰذَا مُنَادٍ يُنَادِىْ اَلَا اِنَّ الْخَمْرَ قَدْحُرِّمَتْ، فَقَالَ لِىْ اِذْهَبْ فَاَهْرِقْهَا قَالَ فَجَرَتْ فِىْ سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ وَكَانَتْ خَمْرُهُمْ يَوْمَئِذٍ الْفَضِيْخُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ قُتِلَ قَوْمٌ وَهِىَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ قَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (میرے مربی اور سرپرست) ابو طلحہ انصاری کے گھر میں مجلس قائم تھی اور شراب کا دور چل رہا تھا اور میں پلانے والا تھا تو رسول اللہ ﷺ پر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا (یعنی سورۂ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوگئی جس میں شراب کو "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" بتلا کر اس کو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے) تو آپ ﷺ نے اسی وقت ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اس کا اعلان مدینہ میں کر دے' چنانچہ اس نے (معمول کے مطابق پکار کے) اعلان کیا تو ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ انس باہر جا کر دیکھو کہ یہ کیسی پکار ہے اور کیا اعلان ہو رہا ہے کہ "شراب حرام ہوگئی" تو ابو طلحہ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور ساری شراب کو باہر لے جا کر بہا دو' چنانچہ (میں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے گھروں سے بھی شراب بہائی گئی جس کی وجہ سے) شراب مدینہ کی گلیوں سے بہنے لگی۔ انس کہتے ہیں کہ اس دن وہ شراب وہ تھی جو "فضیخ" بولی جاتی ہے۔ پھر بعض لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی کہ بہت سے بندگانِ خدا ایسی حالت میں شہید ہوئے ہیں کہ شراب ان کے پیٹ میں تھی (تو ان کا کیا انجام ہوگا؟) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ شراب کی قطعی حرمت کے اس حکم کے آنے سے پہلے اس دنیا سے جا چکے اور ان کی زندگی ایمان اور عملِ صالح اور تقویٰ والی تھی تو اس پچھلے دور کے کھانے پینے کے بارے میں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... "فضیخ" ایک خاص قسم کی شراب بنائی جاتی تھی۔ کچی پکی کھجوروں کے باریک ٹکڑے کر کے ان کو ؁ میں ڈال دیا جاتا تھا' ایک مقررہ مدت گزرنے پر اس میں سرور اور نشہ پیدا ہو جاتا تھا' اس زمانہ میں یہ اوسط ؁جہ کی ایک شراب تھی جو بہت آسانی سے بن جاتی تھی۔

۲۲۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ عِنْدَنَا خَمْرٌ لِیَتِیْمٍ فَلَمَّا نَزَلَتِ الْمَائِدَۃُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ عَنْہُ وَقُلْتُ اِنَّہٗ لِیَتِیْمٍ فَقَالَ اَھْرِیْقُوْہُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمارے یہاں کچھ شراب تھی جو ایک یتیم بچہ کی ملکیت تھی تو جب سورۂ مائدہ (یعنی اس کی وہ آیت جس میں شراب کی قطعی حرمت کا حکم بیان ہوا ہے) نازل ہوئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شراب کے بارے میں پوچھا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ اور میں نے یہ عرض کر دیا کہ وہ ایک یتیم بچہ کی ملکیت ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پھینک دیا جائے اور بہا دیا جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس کو کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ دیا جائے یا کسی طرح بھی اس سے کوئی فائدہ اٹھالیا جائے۔ اور حضرت انسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی قطعی حرمت نازل ہونے سے کچھ ہی پہلے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے بعض یتیموں کے لئے جو ان کی سرپرستی میں تھے ان ہی کے حساب میں شراب خریدی تھی' انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ اب اس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اھرق الخمر و اکسر الدباء" یعنی شراب کو بہا دو' پھینک دو اور جن مٹکوں میں وہ ہے ان کو بھی توڑ دو۔

شراب کی حرمت اور شرابی کے بارے میں وعیدیں

۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ کُلُّ مُسْکِرٍ خَمْرٌ وَکُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِی الدُّنْیَا فَمَاتَ وَھُوَ یُدْمِنُھَا لَمْ یَشْرَبْھَا فِی الْاٰخِرَۃِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز (یعنی ہر وہ مشروب جس کو پی کر نشہ آجائے) خمر (شراب) کا مصداق ہے اور حرام ہے اور جو کوئی دنیا میں شراب پیئے اور اس حال میں مرے کہ برابر شراب پیتا ہو اور اس نے اس سے توبہ نہ کی ہو تو وہ آخرت میں جنت کی شرابِ طہور سے محروم رہے گا۔ (صحیح مسلم)

۲۲۳) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا قَدِمَ مِنَ الْیَمَنِ فَسَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنْ شَرَابٍ یَشْرَبُوْنَہٗ بِاَرْضِھِمْ مِنَ الذُّرَۃِ یُقَالُ لَہُ الْمِزْرُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَوَ مُسْکِرٌ ھُوَ؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ...... اِنَّ عَلَی اللہِ عَھْدًا لِمَنْ یَشْرَبُ الْمُسْکِرَ اَنْ یَسْقِیَہٗ مِنْ طِیْنَۃِ الْخَبَالِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللہِ وَمَا طِیْنَۃُ الْخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ اَھْلِ النَّارِ اَوْ عُصَارَۃُ اَھْلِ النَّارِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں سوال کیا جو اس علاقہ میں پی جاتی تھی جسکو "مزر" کہا جاتا تھا اور وہ چینا سے بنتی تھی آپ ﷺ نے اس آدمی سے پوچھا کہ کیا وہ نشہ پیدا کرتی ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اصولی بات یہ ہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے' (مزید آپ ﷺ نے فرمایا کہ

سنو) نشہ پینے والے کے لئے اللہ کا یہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ آخرت میں اس کو "طِينَةُ الْخَبَال" ضرور پلائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "طِينَةُ الْخَبَال" کیا چیز ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا پسینہ یا فرمایا کہ دوزخیوں کے جسم سے نکلنے والا لہو پیپ۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... یعنی راوی کو شک ہے کہ "طِينَةُ الْخَبَال" کی وضاحت کے لئے رسول اللہ ﷺ نے "عَرَقُ اَهْلِ النَّارِ" فرمایا تھا یا "عُصَارَةُ اَهْلِ النَّار" پہلے کا ترجمہ "دوزخیوں کا پسینہ" اور دوسرے کا ترجمہ "دوزخیوں کے جسم سے بہنے والا لہو اور پیپ" بہر حال شراب کی حرمت کے بعد اس کا پینا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس حدیث کے مطابق اللہ تعالیٰ نے یہ طے فرمالیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب سے دلچسپی رکھے گا اور بلا توبہ کے اس دنیا سے چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو شراب نوشی کی پاداش میں "طینۃ الخبال" ضرور پلائے گا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا۔

۲۲۴) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى بَعَثَنِىْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ وَ اَمَرَنِىْ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصَّلِيْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَحَلَفَ رَبِّىْ عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِىْ لَايَشْرَبُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِىْ جُرْعَةً مِنْ خَمْرٍ اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنَ الصَّدِيْدِ مِثْلَهَا وَ لَايَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِىْ اِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدْسِ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام عالم کے لئے رحمت اور سب کے لئے وسیلۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور میرے پروردگار عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے معازف و مزامیر (یعنی ہر طرح کے باجوں) کے مٹا دینے کا اور بت پرستی اور صلیب پرستی کو مٹا دینے کا اور تمام رسوم جاہلیت کو ختم کر دینے کا، اور میرے رب عزوجل نے یہ قسم کھائی ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم میرے بندوں میں سے جو بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو میں آخرت میں اس کو اتنا ہی لہو و پیپ ضرور پلاؤں گا۔ اور جو بندہ میرے خوف سے شراب کو چھوڑ دے گا اور اس سے باز رہے گا تو میں آخرت کے قدسی حوضوں کی شرابِ طہور اپنے اس بندہ کو ضرور نوش کراؤں گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ چند اصلاحی کام رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے خاص مقاصد میں سے ہیں۔ بت پرستی اور صلیب پرستی کا قلع قمع کرنا، زمانۂ جاہلیت کی جاہلی رسوم کو ختم کرنا، اور معازف و مزامیر یعنی ہر قسم کے باجوں کے رواج کو مٹانا...... معازف ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو ہاتھ سے بجائے جاتے ہیں جیسے ڈھولک، طبلہ، ستار، سارنگی وغیرہ اور مزامیر وہ باجے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں جیسے شہنائی اور بانسری وغیرہ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ سب باجے دراصل لہو لعب اور فسق و فجور کے آلات ہیں اور دنیا سے ان کے رواج کو مٹانا رسول اللہ ﷺ کے ان خاص کاموں میں سے ہے جن کے لئے آپ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ لیکن کس قدر دکھ کی بات ہے اور شیطان کی کتنی بڑی

کامیابی ہے کہ بزرگانِ دین کے مزارات پر عرسوں کے نام سے جو میلے ہوتے ہیں ان میں دوسری خرافات کے علاوہ معازف و مزامیر کا بھی وہ زور ہوتا ہے کہ فسق و فجور کے کسی تماشے میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوتا ہوگا۔ کاش یہ لوگ سمجھ سکتے کہ خود ان کے بزرگانِ دین کی روحوں کو ان خرافات اور ان باجوں گانوں سے کتنی تکلیف ہوتی ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں شیطان کے مشن کو کامیاب بنا کر روحِ نبوی ﷺ کو کتنا صدمہ پہنچا رہے ہیں۔

حدیث کے آخری حصہ میں شراب اور ان شراب پینے والوں کے بارے میں اور خدا کے خوف سے شراب سے بچنے والوں کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے جو اس کے حکم سے اور اس کی پکڑ اور عذاب کے خوف سے شراب سے پرہیز کرتے ہیں اور جنت کے قدسی حوضوں کی شرابِ طہور سے ہمیں سیراب فرمائے۔

نشہ آور شراب کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے

۲۲۵) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ فَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ.

(رواه ابو داؤد والترمذى و ابنُ ماجه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

(سنن ابی داؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

"قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے"

شراب بطور دوا کے بھی استعمال نہ کی جائے

۲۲۶) عَنْ وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِقَ بْنَ سُوَيْدٍ سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهٗ دَاءٌ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طارق بن سوید رضی اللہ عنہ نے شراب کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ان کو شراب پینے سے منع فرمایا' انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے لئے استعمال کرتا ہوں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوا نہیں ہے بلکہ وہ تو بیماری ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... بعض قرائن کی بناء پر کچھ آئمہ اور علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث اس دور کی ہے جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے ایک خاص مصلحت اور مقصد کے لئے (جو آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا) شراب کے بارے میں انتہائی سخت رویہ ہنگامی طور پر اختیار کیا تھا

اور اس سلسلہ میں بعض ان چیزوں کو بھی منع فرمادیا تھا جن کی بعد میں آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ اس بناء پر ان حضرات نے اس کی گنجائش سمجھی ہے کہ اگر کسی ایسے مریض کے بارے میں جس کی زندگی خطرہ میں ہو، معتمد اور حاذق طبیب کی رائے ہو کہ اس کے علاج میں شراب ناگزیر ہے تو صرف بقدرِ ضرورت استعمال کی جاسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

شراب نوشی پر اصرار کرنیوالی قوم کیخلاف اعلانِ جنگ

۲۲۷) **عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَاِنَّانَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَاالْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِبِلَادِنَا' قَالَ هَلْ يُسْكِرُ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ اِنْ لَمْ يَتْرُكُوْهُ فَاقْتُلُوْهُمْ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت دیلم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم لوگ سرد علاقہ میں رہتے ہیں اور وہاں بڑی سخت محنت کرتے ہیں، اور ہم گیہوں سے ایک شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں اور اس سے قوت و طاقت حاصل کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم اپنے سخت محنت طلب کام بھی کر لیتے ہیں اور اپنے ملک کی سردی کا مقابلہ بھی کر لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا "کیا اس سے نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں وہ نشہ پیدا کرتی ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اس سے بچو، بالکل استعمال نہ کرو۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں کے لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں، (یعنی مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کہنے سننے سے اس کا استعمال چھوڑ دیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرو۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ کے مسلمان اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اپنے واسطے شراب کے استعمال کو ناگزیر اور ضروری سمجھیں تب بھی ان کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی علاقہ یا بستی والے شراب کے استعمال پر اجتماعی طور پر اصرار کریں اور باز نہ آئیں تو اسلامی حکومت ان کے خلاف طاقت استعمال کرے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں شراب نوشی کتنا سنگین جرم ہے۔

شرابیوں کے واسطے سخت ترین وعید

۲۲۸) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِوَثَنٍ.** (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمیشہ شراب پینے والا اگر اسی حال میں مرے گا تو خدا کے سامنے اس کی پیشی مشرک اور بت پرست کی طرح

ہو گی۔ (مسند احمد)

۲۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْخَمْرِ عَشْرَةً عَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَ حَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ اِلَيْهِ وَبَايِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَوَاهِبَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کے سلسلے میں (اس سے تعلق رکھنے والے) دس آدمیوں پر لعنت کی۔ ایک (انگور وغیرہ سے) شراب نچوڑنے والے پر (اگرچہ کسی دوسرے کے لئے نچوڑے) اور خود اپنے واسطے نچوڑنے والے پر' اور اس کے پینے والے پر اور ساقی یعنی پلانے والے پر اور اس پر جو شراب کو لے کر جائے اور اس پر جس کے لئے وہ لے جائی جائے اور اس کے بیچنے والے اور خریدنے والے پر اور اس پر جو کسی دوسرے کو ہدیہ اور تحفہ میں شراب دے اور اس پر جو اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... لعنت کا مطلب ہے خدا کی رحمت اور اس کی نگاہِ کرم سے محرومی کی بد دعا' اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شراب سے کچھ بھی تعلق رکھے' خواہ اس کا بنانے والا یا بنوانے والا ہو' یا پینے والا یا پلانے والا ہو' یا خریدنے والا یا بیچنے والا ہو۔ کسی کو ہبہ کرنے والا یا اس کو کسی کے پاس پہنچانے والا ہو' ان سب کے لئے رسول اللہ ﷺ نے بد دعا کی کہ وہ خدا کی رحمت اور اس کی نگاہِ کرم سے محروم رہیں۔

قریب قریب اسی مضمون کی حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات نے صحابہ کرامؓ کو شراب کے بارے میں کتنا شدت پسند بنادیا تھا اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے انگور کے باغات تھے' ایک دفعہ ان میں بہت پھل آیا تو باغوں کے اس محافظ نے جو ان کی دیکھ بھال اور حفاظت کے لئے ان کی طرف سے مقرر تھا (اور ان کا معتمد ملازم تھا) ان کو خط لکھا کہ اس فصل میں انگور کی پیداوار بہت ہے اور مجھے ان کے ضائع اور برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو آپ کی رائے ہو تو میں انگوروں سے شیرہ حاصل کر کے محفوظ کر لوں؟ حضرت نے اس کے جواب میں خط لکھا۔

اِذَا جَاءَ كَ كِتَابِىْ فَاعْتَزِلْ ضَيْعَتِىْ فَوَاللّٰهِ لَا أَئْتَمِنُكَ عَلٰى شَيْئٍ بَعْدَهٗ اَبَدًا[1]

(جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو میری زمین اور باغات سے الگ اور بے تعلق ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! میں اس کے بعد کسی چیز کے بارے میں بھی تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔)

بہر حال حضرت سعد نے اس محافظ اور باغبان کو صرف اس بناء پر الگ اور ملازمت سے برطرف کر دیا کہ اس نے انگور سے شیرہ حاصل کر کے اس کو محفوظ کرنے کے بارے میں سوچا تھا جس سے شراب بنائی جا سکتی ہے۔

---

[1] رواہ النسائی وصحیح جمع الفوائد ص ۷۷۸' ج ا۔

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

۲۳۰) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَمُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ فَقَالَ اُدْعُوْا النَّاسَ وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا وَیَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا قَالَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفْتِنَا فِیْ شَرَابَیْنِ کُنَّا نَصْنَعُھُمَا بِالْیَمَنِ الْبِتْعُ وَھُوَمِنَ الْعَسَلِ یُنْبَذُ حَتّٰی یَشْتَدَّ وَالْمِزْرُ وَھُوَ مِنَ الذُّرَّۃِ وَالشَّعِیْرُ یُنْبَذُ حَتّٰی یَشْتَدَّ قَالَ وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہُ ﷺ قَدْ اُعْطِیَ جَوَامِعَ الْکَلِمِ بِخَوَاتِمِہٖ فَقَالَ اَنْھٰی عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ اَسْکَرَ عَنْ الصَّلٰوۃِ۔ (رواہ البخاری و مسلم واللفظ لہ)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (دعوت و تبلیغ اور دوسرے دینی مقاصد کے لئے) مجھے اور معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا اور ہم لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کو دین حق کی دعوت دینا اور ان کو (خوش انجامی کی) بشارتیں سنانا اور ان سے ایسی باتیں نہ کرنا جن سے وہ دور بھاگیں اور ان کو وحشت ہو' نیز لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنا' ان کو مشکلات میں نہ ڈالنا! ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ہمیں دو شرابوں کے بارے میں شریعت کا حکم بتادیجئے' جو ہم یمن میں بنایا کرتے تھے (یعنی وہاں ان کے پینے کا عام رواج تھا) ایک وہ جسے بتع کہا جاتا ہے وہ شہد سے بنائی جاتی ہے (مقررہ حساب سے) شہد میں پانی ملا کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے' اور دوسری وہ شراب جسے مزر کہا جاتا ہے اور وہ چینا اور جو سے بنائی جاتی ہے۔ اسے بھی پانی میں چھوڑ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس میں جوش پیدا ہو جائے (الغرض ان دو شرابوں کے بارے میں ابو موسیٰ اشعری نے شرعی حکم دریافت کیا) ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو "جوامع الکلم اور خواتم الکلم" کی نعمت عطا فرمائی تھی' یعنی آپ ﷺ کو اس کی خاص صلاحیت بخشی تھی کہ (بہت مختصر الفاظ میں) انتہائی جامع' مانع اور فیصلہ کن بات فرمادیتے تھے (چنانچہ آپ ﷺ نے میرے سوال کے جواب میں) ارشاد فرمایا "اَنْھٰی عَنْ کُلِّ مُسْکِرٍ اَسْکَرَ عَنِ الصَّلٰوۃِ" (میں ہر اس چیز کی ممانعت کرتا ہوں جو نشہ آور ہو اور نماز سے آدمی کو غافل کردے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حدیث سے بطور قاعدہ کلیہ کے معلوم ہو گیا کہ جس چیز کے کھانے پینے سے نشہ پیدا ہو اور نماز جیسی چیز سے غفلت ہو جائے' وہ شریعت اسلام میں ممنوع اور ناجائز ہے۔ اس سے بھنگ وغیرہ ان تمام نباتات کا حکم بھی معلوم ہو گیا جو نشہ پیدا کرتی ہیں' اور نشہ ہی کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔

امت کی شراب نوشی کے بارے میں ایک پیشین گوئی

شراب کی حرمت کے بارے میں شریعت اسلام کا جو بے لاگ فیصلہ ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے متعلق جو سخت ترین رویہ اختیار فرمایا ہے وہ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہو چکا ہے' لیکن آپ ﷺ پر یہ منکشف کیا گیا تھا کہ شریعت کے ان واضح احکام اور آپ ﷺ کے اس سخت رویہ کے باوجود آپ ﷺ کی امت کے کچھ غلط کار لوگ شراب پئیں گے اور اپنے بچاؤ کے لئے بطور حیلہ کے اس شراب کا کوئی اور نام رکھیں

گے اور نام کی تبدیلی سے دوسروں کو یا خود کو فریب دینا چاہیں گے۔ حالانکہ صرف نام بدل دینے سے حقیقت نہیں بدلتی اور شریعت کا حکم بھی نہیں بدلتا۔ اس لئے خدا کے نزدیک وہ شراب نوشی کے مجرم ہوں گے اور نام بدلنے کا فریب ان کا دوسرا جرم ہوگا۔

۲۳۱) عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیْ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لَیَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ الْخَمْرَ یُسَمُّوْنَهَا بِغَیْرِ اِسْمِهَا. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا' آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ میری امت میں سے کچھ لوگ شراب پئیں گے اور (از راہِ فریب) اس کا کوئی دوسرا نام رکھیں گے۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

شراب کے سلسلہ میں کچھ سخت ہنگامی احکام

یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ جب سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد شراب کی قطعی حرمت کا اعلان کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلہ میں بعض ایسے سخت ہنگامی احکام بھی جاری فرمائے جن کا مقصد صرف یہ تھا کہ اہلِ ایمان کے دلوں میں اس ام الخبائث سے سخت نفرت پیدا ہو جائے اور پرانی عادت کبھی اس کی طرف میلان اور رغبت پیدا نہ کر سکے۔ ذیل میں اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھی جائیں۔

۲۳۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِیْرِ وَاَمَرَ اَنْ یُّنْبَذَ فِیْ اَسْقِیَةِ الْاَدَمِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ دبا یا حنتم یا مزفت یا نقیر میں نبیذ بنائی جائے اور حکم دیا کہ اب چمڑے کے مشکیزوں میں نبیذ بنائی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... کھجور یا منقّی یا انگور یا اس طرح کی کوئی چیز پانی میں ڈال دی جائے اور اتنی دیر پڑی رہے کہ اس کا ذائقہ اور شیرینی پانی میں آجائے اور نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کو نبیذ کہتے ہیں۔ عربوں میں اس کا بھی رواج تھا اور جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ خود رسول اللہ ﷺ بھی اس کو نوش فرماتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں چار قسم کے جن برتنوں میں نبیذ بنانے سے رسول اللہ نے ممانعت فرمائی ہے' یہ عام طور سے شراب بنانے میں استعمال ہوتے تھے۔ دباء کدو کی تونبی ہوتی تھی' حنتم اور مزفت یہ خاص طرح کی ٹھلیاں ہوتی تھیں اور نقیر کھجور کی لکڑی سے بنا ہوا ایک برتن ہوتا تھا۔ بہر حال یہ چاروں قسم کے برتن عام طور سے شراب میں استعمال ہوتے تھے' جب شراب کی قطعی حرمت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی منع فرمادیا۔ غالباً اس ممانعت کا مقصد یہ تھا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر دل میں اس کی طلب اور خواہش پیدا نہ کریں۔ پھر جب شراب کی نفرت پوری طرح دلوں میں جاگزیں ہوگئی اور اس کا اندیشہ باقی نہ رہا کہ یہ برتن شراب کو یاد دلا کر اس کی طلب اور خواہش پیدا کریں تو

رسول اللہ ﷺ نے ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحۃً مذکور ہے۔

۲۳۳) **عَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الظُّرُوْفِ فَاِنَّ ظَرْفًا لَا يُحِلُّ شَيْئًا وَلَا يُحَرِّمُهُ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ. وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْاَشْرِبَةِ اِلَّا فِىْ ظُرُوْفِ الْاَدَمِ فَاشْرِبُوْا فِىْ كُلِّ وِعَاءٍ غَيْرَ اَنْ لَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم کو کچھ برتنوں کے استعمال سے منع کر دیا تھا (اب میں اس کی اجازت دیتا ہوں) کیونکہ صرف برتن کی وجہ سے کوئی چیز حلال یا حرام نہیں ہو جاتی -- (ہاں یہ ملحوظ رہے کہ) ہر نشہ آور چیز حرام ہے (لہٰذا اس سے بچو) -- اور یہی حدیث اس طرح بھی روایت کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے تم کو منع کیا تھا کہ چمڑے کے برتنوں (مشکیزوں) کے سوا کوئی اور برتن استعمال نہ کرو (اب میں اجازت دیتا ہوں کہ) ہر قسم کے برتن میں پی سکتے ہو، لیکن کوئی نشہ پیدا کرنے والی چیز ہرگز نہ پی جائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — اس حدیث سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہو گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے شراب کی قطعی حرمت نازل ہو جانے کے بعد اس کے بارے میں کچھ زیادہ سخت احکام مذکورۂ بالا مصلحت سے وقتی اور عارضی طور پر بھی دیئے تھے جو بعد میں واپس لے لئے گئے۔

۲۳۴) **عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ نَهٰى عَنْ خَلِيْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِيْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ اِنْتَبِذُوْا كُلَّ وَاحِدَةٍ عَلٰحِدَةً.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (نبیذ بنانے کے لئے) پکی خشک کھجوروں اور ادھ پکی کھجوروں کے ملانے سے، اور اسی طرح خشک انگور اور پکی خشک کھجوروں کے ملانے سے اور کچی کھجوروں اور پکی تازہ کھجوروں کے ملانے سے اور ارشاد فرمایا کہ ان سب چیزوں کی علیحدہ علیحدہ نبیذ بنایا کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح — شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں جن مختلف چیزوں کو باہم ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا گیا ہے ان کو ملا کر پانی میں ڈالنے سے نشہ کی کیفیت جلدی پیدا ہو جانے کا امکان ہوتا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بطور احتیاط کے یہ ممانعت فرمائی تھی اور حکم دیا تھا کہ ان چیزوں کی نبیذ علیحدہ علیحدہ ہی بنائی جائے۔ اور غالبًا یہ حکم بھی آپ ﷺ نے اسی زمانہ میں دیا تھا جبکہ شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ امت کی تربیت کے لئے اس بارے میں ایسے سخت احکام بھی دے رہے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ ایمان شراب اور نشہ کے ادنیٰ شبہ سے بھی نفرت کرنے لگیں۔ لیکن جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو پھر وہ سخت احکام واپس لے لئے گئے جو اس مقصد کے لئے ہنگامی طور پر دیئے گئے تھے۔ آگے درج ہونے والی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے معلوم ہو گا کہ خود رسول اللہ کے لئے خشک انگور اور کھجوریں پانی

میں ساتھ ڈال کر نبیذ تیار کی جاتی تھی اور آپ ﷺ نوش فرماتے تھے۔

نبیذ حلال طیب ہے اور خود رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے

۲۳۵) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُنْبَذُ لَهُ زَبِيْبٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ تَمْرٌ اَوْتَمَرٌ فَيُلْقٰى فِيْهِ زَبِيْبٌ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خشک انگوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں کھجوریں بھی ڈال دی جاتی تھیں' یا کھجوروں سے نبیذ بنائی جاتی تھی اور اس میں خشک انگور بھی ڈال دیئے جاتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انگور اور کھجور وغیرہ مخلوط اجناس کی نبیذ بھی جائز ہے ہاں اس کی شدید احتیاط ضروری ہے کہ اس میں نشہ کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطے نبیذ بنانے کے لئے ہم پانی میں کھجوریں وغیرہ شام کو ڈال دیتے تھے جس کو آپ صبح کو نوش فرمالیتے تھے اور پھر ہم شام کے واسطے اسی طرح صبح کو ڈال دیتے تھے اور اس کو آپ ﷺ شام کے وقت نوش فرمالیتے تھے۔

۲۳۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بِقَدْحِي هٰذَا الشَّرَابَ كُلَّهُ الْعَسَلَ وَالنَّبِيْذَ وَالْمَاءَ وَاللَّبَنَ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے (اپنے ایک پیالہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا کہ میں نے اپنے اس پیالہ سے رسول اللہ ﷺ کو پینے والی سب چیزیں پلائی ہیں' شہد بھی' نبیذ بھی' پانی بھی اور دودھ بھی۔ (صحیح مسلم)

تشریح: ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نبیذ استعمال کرتے تھے اور آپ ﷺ کے واسطے اس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔

حضور ﷺ کو ٹھنڈا میٹھا مرغوب تھا

۲۳۷) **عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللهُ عَنْهَا قَالَت كَانَ اَحَبُّ الشَّرابِ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ الْحُلْوُ الْبَارِدُ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو پینے میں ٹھنڈا میٹھا محبوب و مرغوب تھا۔ (جامع ترمذی)

حضور ﷺ کے لئے میٹھے پانی کا اہتمام

۲۳۸) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُسْتَعْذَبُ لَهُ الْمَاءُ مِنْ بُيُوْتِ السُّقْيَا. (قَالَ قُتَيْبَةُ عَيْنٌ بَيْنَهَا**

بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الْمَدِيْنَةِ يَوْمَانِ) (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لئے "بیوت سقیا" سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ امام ابو داؤد کے استاذ قتیبہ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں اُن کا بیان ہے کہ یہ مقام (بیوت سقیا) جہاں سے حضور ﷺ کیلئے یہ میٹھا پانی لایا جاتا تھا' مدینہ سے دو دن کی مسافت پر تھا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح...... ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ مشروبات میں ٹھنڈے میٹھے کی رغبت یا اسی طرح کھانے پینے کی کسی اچھی چیز کی رغبت جو فطرتِ سلیمہ کا تقاضا ہے مقام زہد کے منافی نہیں ہے اور للّٰہی تعلق و محبت کی بناء پر اس کا اہتمام کرنا سعادت ہے۔

کھانے پینے کے آداب

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کیطرف سے امت کے لئے اشیاء خورد و نوش کے بارے میں حلت و حرمت کے احکام بھی بیان فرمائے اور کھانے پینے کے آداب بھی بتلائے جن کا تعلق تہذیب و سلیقہ اور وقار سے ہے' یا ان میں طبی مصلحت ملحوظ ہے یا وہ اللہ کے ذکر و شکر کے قبیل سے ہیں اور ان کے ذریعہ کھانے پینے کے عمل کو جو بظاہر خاصی مادی عمل ہے اور نفس حیوانی کے تقاضے سے ہوتا ہے' روحانی اور نورانی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بنادیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ کی گزشتہ تین قسطوں میں جو احادیث درج ہوئیں ان کا تعلق اشیاء خوردنی و نوشیدنی کی حلت و حرمت سے تھا' آگے وہ حدیثیں درج کی جارہی ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے کھانے پینے کے اداب کی تلقین فرمائی ہے۔ ان حدیثوں میں ایسے ارشادات موجود ہیں جن سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان میں کھانے پینے کے جن آداب کی تعلیم و تلقین فرمائی گئی ہے ان کا درجہ استحباب اور استحسان کا ہے' اسلئے اگر اس پر عمل نہ ہوا تو کوئی گناہ کی بات نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا

۲۳۹) **عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَرَأْتُ فِى التَّوْرَاةِ اَنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ اَلْوُضُوْءُ بَعْدَهُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوْءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوْءُ بَعْدَهُ.** (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا باعث برکت ہے۔ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ اور منہ کا دھونا باعث برکت ہے۔ (جامع ترمذی' ابو داؤد)

تشریح...... قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم و ہدایت اگلے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ آتی رہی اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ اس کی تکمیل فرمائی ہے (اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الخ) اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تورات میں آدابِ طعام کے سلسلے میں صرف کھانے

کے بعد ہاتھ دھونے کو باعث برکت بتلایا گیا تھا اور اس کی ترغیب دی گئی تھی، رسول اللہ ﷺ کے ذریعے کھانے سے پہلے بھی ہاتھ اور منہ دھو لینے (یعنی کلی کر لینے) کی ترغیب دی گئی، اور آپ ﷺ نے بتلایا کہ یہ بھی باعثِ برکت ہے۔

برکت بڑا وسیع المعنی لفظ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ" میں اسی حدیث اور کھانے میں برکت کے سلسلہ کی بعض دوسری احادیث کا حوالہ دے کر جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کھانے میں برکت ہونے کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ غذا کا جو اصل مقصد ہے وہ اچھی طرح حاصل ہو، کھانا رغبت اور لذت کے ساتھ کھایا جائے، طبیعت کو سیری نصیب ہو، جی خوش ہو اور دلجمعی حاصل ہو اور تھوڑی سی مقدار کافی ہو اور اس سے صالح خون پیدا ہو کر جزو بدن بنے اور اس کا نفع دیرپا ہو، پھر اس سے نفس کی طغیانی اور غفلت نہ پیدا ہو بلکہ شکر اور اطاعت کی توفیق ملے۔ دراصل یہ اس حقیقت کے آثار ہیں جس کو حدیث میں برکت کہا گیا ہے، اور کنز العمال میں معجم اوسط طبرانی کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد ہاتھ منہ دھونا دافع فقر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہے۔" اس کے علاوہ یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ صفائی اور اصولِ صحت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے کے آلے ہیں، کھانے سے پہلے بھی ان کو دھو کر اچھی طرح ان کی صفائی کر لی جائے۔ اور پھر کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی دھو کر صاف کر لیا جائے۔ ❶

حضرت سلمان فارسی کی اس حدیث میں بلکہ اس سلسلہ کی اکثر دوسری حدیثوں میں بھی ہاتھ اور منہ دھونے کے لئے "وضو" کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے اس سے وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لئے کیا جاتا ہے، بلکہ بس ہاتھ منہ دھونا ہی مراد ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نماز کا وضو تو وہ ہے جو معلوم و معروف ہے اور کھانے کا وضو بس یہ ہے کہ ہاتھ اور منہ جو کھانے میں استعمال ہوتے ہیں ان کو دھو لیا جائے اور ان کی صفائی کر لی جائے، بعض حدیثوں میں اس کی تصریح بھی ہے۔

۲۴۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ بَاتَ وَفِىْ يَدِهٖ غِمْرٌ لَمْ يَغْسِلْهُ فَاَصَابَهٗ شَيْئٌ فَلَا يَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ. (رواه الترمذى و ابو داؤد ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی رات کو اس حال میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی کا اثر اور اس کی بو ہو اور اس کی وجہ سے اسے کوئی گزند پہنچ جائے (مثلاً کوئی کیڑا کاٹ لے) تو وہ بس اپنے ہی کو ملامت کرے (اور اپنی ہی غلطی اور غفلت کا نتیجہ سمجھے۔) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

---

❶ ظاہر ہے کہ یہ اسی صورت میں ہوگا جبکہ کھانے میں ہاتھ استعمال کیا جائے مگر بالفرض ہاتھ نہ لگے مثلاً چمچے ہی سے کھایا جائے تو یہ حکم نہ ہوگا۔

تشریح اس حدیث کا مدعا اور تقاضا یہی ہے کہ کھانے کے بعد خاص کر جب ہاتھ میں چکنائی وغیرہ کا اثر ہو تو ہاتھوں کو اس طرح دھولیا جائے کہ اس کا اثر باقی نہ رہے۔ اور چونکہ یہ صرف استحبابی حکم ہے اس لئے خود رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اس کے خلاف بھی عمل فرمایا جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہوگا۔

کھانے کے بعد صرف ہاتھ پونچھ لینا

۲۴۱) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ اُتِیَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِخُبْزٍ وَلَحْمٍ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاَكَلَ وَاَكَلْنَا مَعَهٗ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَلَمْ نَزِدْ عَلٰى اَنْ مَسَحْنَا اَيْدِيَنَا بِالْحَصْبَاءِ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے، کسی شخص نے آپ کی خدمت میں روٹی اور گوشت لا کر پیش کیا، آپ ﷺ نے مسجد ہی میں تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھایا، پھر آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ ہم بھی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور (اس وقت) اس سے زیادہ ہم نے کچھ نہیں کیا کہ اپنے ہاتھ بس سنگریزوں سے پونچھ ڈالے (جو مسجد میں بچھے ہوئے تھے)۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن الحارث کا مقصد اس واقعہ کے بیان کرنے سے بظاہر یہی ہے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے اصحابِ کرام نے کھانا کھایا اور اس کے بعد ہاتھ نہیں دھوئے جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ آپ ﷺ نے یہی بات ظاہر کرنے کے لئے (کہ کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھونا کوئی فرض وواجب نہیں ہے اور اس کے بغیر نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے) یہ عمل کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ امت کو رخصت اور جواز کے حدود بتلانے کے لئے بسا اوقات اولیٰ اور افضل کو ترک کر دیتے تھے اور معلم اور ہادی ہونے کی حیثیت سے ایسا کرنا آپ کے لئے ضروری تھا۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ بہ ظاہر واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نماز کے لئے کھڑے ہونے کا وقت قریب تھا، صحابہ کرام بھی نماز کے لئے مسجد میں آچکے تھے، اس وقت کوئی صاحب آپ کی خدمت میں کچھ کھانا روٹی اور گوشت لے آئے ممکن ہے بلکہ اغلب یہی ہے کہ حاضرین مسجد میں کچھ وہ بھی ہوں جو بھوک میں مبتلا ہوں اور ان کو کھانے کی اشتہا ہو، ایسی صورت میں آپ ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ کھانا نماز سے پہلے ہی کھالیا جائے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی شریک فرمالیا، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں سب نے پیٹ بھر کر تو کھایا نہ ہوگا تبرک کے طور پر کم و بیش کچھ حصہ لے لیا ہوگا۔ اس لئے ہاتھوں پر کھانے کا کچھ زیادہ اثر بھی نہ آیا ہوگا۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ مسجد شریف میں پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا، اگر اس وقت ہاتھ دھونا ضروری سمجھا جاتا تو لوگوں کو اپنے گھروں پر جانا پڑتا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ ہاتھ نہ دھونے میں ان تمام باتوں کا کچھ نہ کچھ دخل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں سنگریزوں اور کنکریوں سے ہاتھ صاف کرنے کا ذکر جس طرح کیا گیا ہے اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس وقت ایسا ہی کیا' اس سے یہ بھی رہنمائی ملی کہ کھانا کھا کر تولیہ یا کاغذ یا کسی بھی ایسی چیز سے ہاتھ صاف کئے جا سکتے ہیں جس سے ہاتھوں کی صفائی ہو جائے اور ایسا کرنا بھی سنت کے دائرہ ہی میں ہوگا۔

کھانے سے پہلے اللہ کو یاد کیا جائے اور اس کا نام لیا جائے

۲۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَذْكُرِاسْمَ اللّٰهِ فَاِنْ نَسِيَ اَنْ يَّذْكُرَاللّٰهَ فِيْ اَوَّلِهٖ فَلْيَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ. (رواہ ابو داؤد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ اللہ کا نام لے (یعنی پہلے بسم اللہ پڑھے) اور اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بعد میں کہہ لے "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ۔" (سنن ابی داؤد جامع ترمذی)

تشریح: ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام پاک لینا باعثِ برکت ہے' اور جیسا کہ دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہوا ہے اس نام پاک کی یہ بھی ایک خاص تاثیر ہے کہ پھر شیاطین پاس نہیں آتے' اس لئے وہ کھانا جس پر اللہ کا نام لیا جائے شیاطین کی شرکت اور ان کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس کے علاوہ اس تعلیم و ہدایت کا یہ بھی ایک مقصد ہے کہ بندہ کے سامنے جب کھانا آئے تو اس حقیقت کو یاد کرلے کہ یہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا عطیہ ہے اور اسی کے کرم سے میں اس لائق ہوں کہ اس کو کھا سکوں اور اس سے لذت و فائدہ حاصل کرسکوں۔ اس طرح کھانے کا عمل جو بظاہر ایک خالص مادی عمل ہے اور حیوانی تقاضے سے ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتی ہے اور وہ ایک ربانی اور نورانی عمل بن جاتا ہے۔ اور چونکہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بندہ اللہ کا نام لینا اور بسم اللہ کہنا بھول جاتا ہے تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایسی صورت میں جب یاد آجائے اسی وقت بندہ کہہ لے "بِسْمِ اللّٰهِ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ" (میں اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں' شروع میں بھی اور آخر میں بھی)

۲۴۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَسْتَحِلُّ الطَّعَامَ اَنْ لَّا يُذْكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اپنے لئے کھانے کو جائز کرلیتا ہے (یعنی اس کے لئے کھانے میں شرکت اور حصہ داری کا امکان اور جواز پیدا ہو جاتا ہے) جبکہ اس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اللہ کا نام شیطان کے لئے تازیانہ بلکہ گرز ہے جب کسی کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے گا اور بسم اللہ پڑھ کے کھانا شروع کیا جائے گا تو شیطان اس میں شریک نہ ہو سکے گا لیکن جب کسی کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کھانا یونہی شروع کر دیا جائے تو پھر شیطان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہوگی' اگرچہ کھانے والے کی آنکھ نہ دیکھ سکے گی مگر شیطان اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا۔

صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے گھر میں جہاں وہ رات کو رہتا اور سوتا ہے اللہ کا نام لے کر داخل ہوتا ہے اور پھر کھانے کے وقت بھی اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے چل دو یہاں ہمارے تمہارے لئے نہ رہنے کا ٹھکانا ہے نہ کھانے کا سامان ہے۔ اور اس کے برعکس جب کوئی آدمی اپنے گھر میں آکر اللہ کا نام نہیں لیتا اور کھانے کے وقت بھی اللہ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنے رفیقوں سے کہتا ہے کہ آجاؤ یہاں تمہارے لئے آرام سے شب باشی کی جگہ بھی ہے اور راشن کھانا بھی۔

الغرض اللہ کا نام پاک شیطانوں کے لئے ایسی ضرب کاری ہے جس کا وہ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتے بالکل اسی طرح جس طرح اندھیرا آفتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

یہاں اس ایمانی حقیقت کو ذہن میں تازہ کر لینا چاہئے کہ ملائکہ اور شیاطین کا وجود اور ان کے افعال و صفات ان امور غیب میں سے ہیں جن کا علم ہم بندے اپنے طور پر اپنے حواس آنکھ کان وغیرہ کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتے۔ خود خدا کی ذات و صفات کا حال بھی یہی ہے مؤمن کا مقام یہ ہے کہ ان تمام غیبی حقائق کے بارے میں بس اللہ کے صادق و مصدوق پیغمبر ﷺ کے بیان پر اعتماد کرے۔

کھانا داہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھایا جائے

۲۴۴) عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ كُنْتُ غُلَامًا فِیْ حِجْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ يَدِیْ تَطِیْشُ فِی الصَّحْفَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی سلمہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں (بچپن میں) رسول اللہ ﷺ کی آغوش شفقت میں پرورش پا رہا تھا تو (کھانے کے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ (کھانے سے پہلے) بسم اللہ پڑھا کرو اور اپنے داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے ہی سے کھایا کرو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... ابو سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپی زاد بھائی اور سابقین اولین میں سے تھے، ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کی بیوی تھیں اور بڑی مخلص مؤمنہ تھیں، حدیث کے راوی عمر بن ابی سلمہ انہی کے بیٹے تھے۔ ۳ھ یا ۴ھ میں ابو سلمہ رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی بیوہ ام سلمہ سے ان کی دلداری کے لئے نکاح کر لیا، ان کے یہ بیٹے عمر بن ابی سلمہؓ جو اس وقت کم عمر بچے تھے آپ ﷺ کی آغوشِ تربیت میں آگئے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بچپنے میں اس زمانہ میں جب رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھلاتے تو میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف چلتا، تو حضور ﷺ نے مجھے بتلایا اور سکھایا کہ بسم اللہ پڑھ کے کھانا کھایا کرو، اور داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنی طرف سے اور اپنے سامنے سے کھایا کرو۔ (دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سامنے مختلف الانواع کھانے یا مختلف قسم کے پھل ہوں تو ہر طرف ہاتھ بڑھانے کی اجازت ہے۔)

۲۴۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِيْنِهِ وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِيْنِهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی کچھ کھائے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب کچھ پیئے تو داہنے ہاتھ سے پیئے۔ (صحیح مسلم)

تشریح انسان اپنے ہاتھوں کو پاک و ناپاک ہر قسم کے کاموں اور چیزوں میں استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کی فطری طہارت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ نجاست و گندگی کی صفائی جیسے کاموں کے لئے ایک ہاتھ کو مخصوص کر دیا جائے اور دوسرے کاموں میں دوسرا ہاتھ استعمال ہو۔ اس فطری تقاضے کے مطابق دفع نجاست وغیرہ کے لئے بایاں ہاتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور باقی کھانے پینے وغیرہ دوسرے سارے اچھے اور پاکیزہ کاموں کے بارے میں حکم ہے کہ وہ داہنے ہاتھ سے انجام دیئے جائیں۔ اور خلقی اور فطری لحاظ سے بائیں ہاتھ کے مقابلے میں داہنے ہاتھ کی فضیلت اور برتری ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے۔ لہٰذا یہ حکم اور یہ تقسیم بالکل فطرت کے بھی مطابق ہے۔ اس بناء پر بائیں ہاتھ سے کھانا بالکل ایسی الٹی بات ہے کہ کوئی آدمی بجائے پاؤں کے سر کے بل چلے، اسی لئے آگے درج ہونے والی حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھانا شیطان کا طریقہ اور اس کا عمل ہے کیونکہ شیطان کی فطرت یہی ہے کہ ہر کام الٹا کرے۔

۲۴۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَأْكُلَنَّ أَحَدُكُمْ بِشِمَالِهِ وَلَا يَشْرَبَنَّ بِهَا فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی نہ بائیں ہاتھ سے کھائے اور نہ اس سے پیئے۔ کیونکہ (یہ شیطانی طریقہ ہے) وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

جوتا اُتار کے کھانے میں زیادہ راحت ہے

۲۴۷) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا وُضِعَ الطَّعَامُ فَاخْلَعُوْا نِعَالَكُمْ فَإِنَّهُ أَرْوَحُ لِأَقْدَامِكُمْ. (رواه الدارمی)

ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کھانا سامنے رکھ دیا جائے تو اپنے جوتے اُتار دیا کرو اس سے تمہارے پاؤں کو زیادہ راحت ملے گی۔ (مسند دارمی)

تشریح اس حدیث میں کھانے کے وقت جوتا اتار دینے کا حکم دیتے ہوئے اس کی جو حکمت اور مصلحت بیان فرمائی گئی ہے (کہ اس سے پاؤں کو زیادہ آرام ملے گا) اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حکم شفقت کی بناء پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ جوتا پہنے کھانا کوئی گناہ کی بات ہو۔

کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے

۲۴۸) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهَا کَانَتْ اِذَا اُتِیَتْ بِثَرِیْدٍ اَمَرَتْ بِهٖ فَغُطِّیَ حَتّٰی تَذْهَبَ فَوْرَةُ دُخَانِهٖ وَتَقُوْلُ اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ یَقُوْلُ هُوَ اَعْظَمُ لِلْبَرَکَةِ. (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کا یہ طریقہ تھا کہ جب ثرید پکا کر ان کے پاس لائی جاتی تو وہ ان کے حکم سے اس وقت تک ڈھکی رہتی کہ اس کی گرمی کا جوش اور تیزی ختم ہو جاتی (اس کے بعد وہ کھائی جاتی) اور (اپنے اس طرزِ عمل کی سند میں) وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اس طرح (کچھ ٹھنڈا کر کے) کھانا زیادہ برکت کا باعث ہوتا ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح ..... ثرید ایک معروف و مرغوب کھانا ہے، جس کا عہدِ نبوی ﷺ میں زیادہ رواج تھا، ایک خاص طریقہ سے گوشت کے ساتھ روٹی کے ٹکڑے پکا کر تیار کیا جاتا تھا۔ اس روایت میں اگرچہ خاص ثرید کا ذکر ہے (کیونکہ وہاں وہی زیادہ پکتا تھا) لیکن ظاہر ہے کہ حدیث پاک میں جو تعلیم دی گئی ہے وہ ہر پکے ہوئے کھانے سے متعلق ہے کہ زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔ اس کو موجب برکت بتلایا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ برکت کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ غذا کا جو مقصد ہے وہ اس طرح کھانے سے بہتر طریقہ پر حاصل ہوتا ہے۔ اصولِ طب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کھانا زیادہ گرم نہ کھایا جائے۔

کنز العمال میں مختلف کتبِ حدیث کے حوالے سے متعدد صحابہ کرام کی روایت سے مختلف الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت روایت کی گئی ہے کہ کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا جائے۔ اس میں برکت ہے۔
(کنز العمال ص ۸۳ و ۸۰، ج ۸)

ساتھ کھانے میں برکت ہے

۲۴۹) عَنْ وَحْشِیِّ بْنِ حَرْبٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ النَّبِیِّ ﷺ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللهِ اِنَّا نَاْکُلُ وَلَا نَشْبَعُ قَالَ لَعَلَّکُمْ تَفْتَرِقُوْنَ؟ قَالُوا نَعَمْ قَالَ فَاجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِکُمْ وَاذْکُرُو اسْمَ اللهِ یُبَارَکْ لَکُمْ فِیْهِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت وحشی[1] بن حرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے بعض صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارا حال یہ ہے کہ کھانا کھاتے ہیں اور آسودگی حاصل نہیں ہوتی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ الگ الگ

[1] یہ وہی وحشی بن حرب ہیں جنہوں نے غزوۂ احد میں کفر کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے محب و محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد یہ ایمان لائے اور برابر اس فکر میں رہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسا کام لے لے جو کسی درجہ میں قتل سید نا حمزہ کی تلافی کر دے۔ وفات نبوی کے بعد جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے داعی نبوت مسیلمہ کذاب کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا تو یہ بھی اس میں گئے اور یہ آرزو لے کر گئے کہ اللہ تعالیٰ مسیلمہ کو انہی کے ہاتھ سے قتل کرا دے۔ ان کی یہ آرزو اور مراد پوری ہوئی اور مسیلمہ انہی کے نیزہ کا نشانہ بنا، ان کا بیان ہے کہ یہ وہی نیزہ تھا جس سے میں نے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔

کھاتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں' الگ الگ کھاتے ہیں! آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کھانے پر ایک ساتھ بیٹھا کرو! اور اللہ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ کر کے (اجتماعی طور پر) کھایا کرو' پھر تمہارے واسطے اس کھانے میں برکت ہوگی (اور طبیعت کو سیری حاصل ہو جایا کرے گی)۔ (سنن ابی داؤد)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ ﷺ فرماتے تھے ایک کا کھانا دو کے لئے کافی ہو جاتا ہے' اور دو کا کھانا چار کے لئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اجتماعی طور پر کھانے کی یہ برکت جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اس کا ہر ایک تجربہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کھانے والوں میں ایثار کی صفت ہو' جو ہر سچے مسلمان میں ہونی چاہئے' یعنی ہر ایک یہ چاہے کہ میرے دوسرے ساتھی اچھا کھالیں اور اچھی طرح کھالیں' اگر کھانے والوں میں یہ بات نہ ہو تو پھر اس برکت کا کوئی استحقاق نہیں ہے' بلکہ اس صورت میں اندیشہ ہے کہ اکثر وبیشتر تجربہ اس کے برعکس ہو۔

آگے درج ہونے والی حدیث کو بھی اسی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔

۲۵۰) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الْاِثْنَيْنِ — وَ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْاَرْبَعَةَ وَطَعَامُ الْاَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَه** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے' ایک کا کھانا دو کیلئے کافی ہو جاتا ہے' اور دو کا کھانا چار کیلئے اور اسی طرح چار کا کھانا آٹھ کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم)

کتب حدیث میں اس مضمون کی حدیثیں اور بھی متعدد صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

تشریح: کنز العمال میں معجم کبیر طبرانی کے حوالے سے اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی ہے فاجتمعوا عليه ولا تفرقوا (لہذا تم کو چاہئے کہ الگ الگ نہ کھایا کرو' بلکہ جڑ کے ساتھ کھایا کرو۔)

اس اضافہ سے معلوم ہوا کہ جن حدیثوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ "ایک کا کھانا دو کے لئے اور دو کا چار کے لئے اور چار کا آٹھ کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔" ان کا مقصد و مدعا بھی یہی ہے کہ لوگ اجتماعی طور پر ایک ساتھ کھایا کریں اور اس کی برکت سے فائدہ اٹھائیں لیکن شرط وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

کھانا برتن کے اطراف اور کناروں سے کھایا جائے' بیچ میں ہاتھ نہ ڈالا جائے

۲۵۱) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ اُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيْدٍ فَقَالَ كُلُوْا مِنْ جَوَانِبِهَا وَلَا تَاْكُلُوْا مِنْ وَسْطِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِيْ وَسْطِهَا.** (رواه الترمذى و ابن ماجه والدارمى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ثرید سے بھری ہوئی ایک لگن آئی' آپ ﷺ نے (لوگوں کو اس میں شریک فرمالیا اور فرمایا کہ اس کے اطراف سے کھاؤ

اور بیچ میں ہاتھ نہ ڈالو' کیونکہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی)

اور سنن ابی داؤد کی روایت میں ثرید آنے کا مذکورہ بالا ذکر کئے بغیر رسول اللہ ﷺ کا صرف یہ ارشاد روایت کیا گیا ہے:

اِذَا اَكَلَ اَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَاْكُلْ مِنْ اَعْلَى الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاْكُلُ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلاهَا.

جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہئے کہ طباق کے بالائی حصہ سے (یعنی بیچ سے) نہ کھائے بلکہ نیچے والے حصہ سے (یعنی کنارہ سے) کھائے کیونکہ برکت بالائی حصہ سے اُترتی ہے۔

تشریح..... ابھی اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ برکت دراصل ایک امر الٰہی ہے' رسول اللہ ﷺ کو اس کا ادراک ہوتا تھا اور آپ ﷺ محسوس فرماتے تھے کہ برکت براہِ راست کھانے کے وسط میں نازل ہوتی ہے' اور پھر اس کے اثرات اطراف وجوانب کی طرف آتے ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ کھانے والے برتن کے کناروں سے کھاتے رہیں بیچ میں ہاتھ نہ ڈالیں۔ کھانے وغیرہ میں برکتیں نازل ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون وہی ہے جو پہلے تھا لیکن یقین اور استحقاق شرط ہے۔

جو کھانا انگلیوں میں یا برتن میں لگا رہ جائے اس کی بھی قدر کی جائے

۲۵۲) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَمَرَ بِلَعْقِ الْاَصَابِعِ وَالصَّحْفَةِ وَقَالَ اِنَّكُمْ لَاتَدْرُوْنَ فِىْ اَيَّةِ الْبَرَكَةُ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ (کھانے کے بعد) انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن کو بھی صاف کر لیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ اور کس جز میں برکت کا خاص اثر ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کھانا عطیہ خداوندی ہے اس کے ایک ایک ذرہ کی قدر کی جائے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس جز میں اللہ تعالیٰ نے خاص برکت اور خصوصی نافعیت رکھی ہے' اس لئے کھانے کے جو اجزاء انگلیوں پر لگے رہ جائیں ان کو چاٹ کر صاف کر لیا جائے۔ اسی طرح جو کچھ برتن میں لگا رہ جائے اس کو بھی اللہ کا رزق سمجھ کر صاف کر لیا جائے۔ اس میں اللہ کے رزق کی قدر دانی بھی ہے اور ربِ کریم کے سامنے اپنے عمل سے اپنی محتاجی کا اظہار بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں عرض کیا تھا۔

رَبِّ اِنِّىْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ○

پروردگار! تو جو کچھ مجھے عطا فرمائے میں اس کا محتاج ہوں۔

۲۵۳) عَنْ نُبَيْشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَكَلَ فِىْ قَصْعَةٍ فَلَحِسَهَا اِسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ.
(رواہ احمد والترمذی والدارمی و ابنُ ماجۃ)

ترجمہ: حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی قصعہ (طباق یا لگن) میں کھائے اور اس کو بالکل صاف کر دے (کہ اس میں کچھ لگا نہ جائے) تو وہ قصعہ اس آدمی کے حق میں مغفرت کی دعا کرتا ہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

گرا ہوا لقمہ بھی اُٹھا کر کھا لیا جائے

۲۵۴) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَحْضُرُ اَحَدَكُمْ عِنْدَ كُلِّ شَيْئٍ مِنْ شَاْنِهٖ حَتّٰى يَحْضُرَهٗ عِنْدَ طَعَامِهٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِكُمُ اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَاكَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَا كُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهٗ فَاِنَّهٗ لَايَدْرِىْ فِىْ اَىِّ طَعَامِهٖ يَكُوْنُ الْبَرَكَةُ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا کہ: "تمہارے ہر کام کے وقت، یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی، شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ رہتا ہے، لہذا جب (کھانا کھاتے وقت) کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اسے چاہئے کہ اس کو صاف کر کے کھالے اور شیطان کے لئے چھوڑ نہ دے۔ پھر جب کھانے سے فارغ ہو تو اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کس جز میں خاص برکت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے آخری حصہ میں تو کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ کر صاف کر لینے کی ہدایت فرمائی گئی ہے جس کے بارے میں ابھی اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ اور ابتدائی حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کھاتے وقت کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اس کو مستغنی اور متکبر لوگوں کی طرح نہ چھوڑ دے، بلکہ ضرورت مند اور قدردان بندہ کی طرح اس کو اُٹھالے، اور اگر نیچے گر جانے کی وجہ سے اس پر کچھ لگ گیا ہو تو صاف کر کے اس لقمہ کو کھالے۔ اس میں مزید یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ کھانے کے وقت بھی شیطان ساتھ ہوتا ہے اگر گرا ہوا لقمہ چھوڑ دیا جائے گا تو وہ شیطان کے حصہ میں آئے گا۔

کھانے میں شیطانی تصرفات، یہ حقیقت ہے یا مجاز؟

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے فرشتے اور شیاطین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جو یقیناً اکثر اوقات میں ہمارے ساتھ رہتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں جو کچھ بتلایا ہے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم سے بتلایا ہے اور وہ بالکل حق ہے اور آپ ﷺ کو کبھی کبھی ان کا اس طرح مشاہدہ بھی ہوتا تھا، جس طرح ہم اس دنیا کی مادی چیزوں کو دیکھتے ہیں (جیسا کہ بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے ایسی حدیثوں کو جن میں مثلاً کھانے کے وقت شیاطین کے ساتھ ہونے اور کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس میں شیاطین کے شریک ہو جانے یا گرے ہوئے لقمہ کا شیطان کا حصہ ہو جانے کا ذکر ہے تو ان حدیثوں کو مجاز پر محمول کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "حجۃ اللہ البالغہ" میں یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک دن ہمارے ایک دوست (شاگرد یا مرید) ہمارے ہاں

آئے' ان کے لئے کھانا لایا گیا' وہ کھا رہے تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک ٹکڑا گر گیا اور لڑھک کر زمین میں چلا گیا' انہوں نے اس کو اٹھا لینے کی کوشش کی اور اس کا پیچھا کیا مگر وہ ان سے اور دور ہوتا چلا گیا' یہاں تک کہ جو لوگ وہاں موجود تھے (اور اس تماشے کو دیکھ رہے تھے) انہیں اس پر تعجب ہوا' اور وہ صاحب جو کھانا کھا رہے تھے انہوں نے جد و جہد کر کے (آخر کار) اس کو پکڑ لیا اور اپنا نوالہ بنا لیا۔ چند روز کے بعد کسی آدمی پر ایک جنی شیطان مسلط ہو گیا اور اس آدمی کی زبان سے باتیں کیں اور (ہمارے اس مہمان دوست کا نام لے کر) یہ بھی کہا کہ فلاں آدمی کھانا کھا رہا تھا' میں اس کے پاس پہنچا' مجھے اس کا کھانا بہت اچھا معلوم ہوا مگر اس نے مجھے نہیں کھلایا۔ تو میں نے اُس کے ہاتھ سے اُچک لیا (اور گرا دیا) لیکن اُس نے مجھ سے پھر چھین لیا۔

اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ اپنے گھر ہی کا شاہ صاحبؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ 'ایک دفعہ ہمارے گھر کے کچھ لوگ گاجریں کھا رہے تھے۔ ایک گاجر ان میں سے گر گئی' ایک آدمی اس پر جھپٹا اور اس نے جلدی سے اُٹھا کر اس کو کھا لیا' تھوڑی ہی دیر بعد اس کے پیٹ اور سینہ میں سخت درد اُٹھا' پھر اس پر شیطان یعنی جن کا اثر ہو گیا تو اس نے اس آدمی کی زبان میں بتایا کہ اس آدمی نے میری گاجر اُٹھا کر کھالی تھی۔

یہ واقعات بیان فرمانے کے بعد شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ:

اس طرح کے واقعات ہم نے بکثرت سنے بھی ہیں اور ان سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ احادیث (جن میں کھانے پینے کے سلسلہ میں شیاطین کی شرکت اور ان کے افعال و تصرفات کا ذکر آیا ہے) مجاز کے قبیلہ سے نہیں ہیں' بلکہ جو کچھ بتلایا گیا ہے وہی حقیقت ہے۔ واللہ اعلم۔

اگر کھانے میں مکھی گر جائے

۲۵۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا وَقَعَ الذُّبَابُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَامْقُلُوْهُ فَاِنَّ فِیْ اَحَدِ جَنَاحَیْهِ دَاءً وَفِی الْاٰخَرِ شِفَاءً فَاِنَّهٗ یَتَّقِیْ بِجَنَاحِهِ الَّذِیْ فِیْهِ الدَّاءُ فَلْیَغْمِسْهُ كُلَّهٗ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی کے کھانے پینے کے برتن میں مکھی گر جائے تو اس کو غوطہ دے کر نکال دو' کیونکہ اس کے دو بازوؤں میں سے ایک میں بیماری (پیدا کرنے والا مادہ) ہوتا ہے اور دوسرے میں (اس بیماری کے اثر کو (دفع کر کے) شفا دینے والا مادہ ہوتا ہے' اور وہ اپنے اس بازو سے جس میں بیماری والا مادہ ہوتا ہے بچاؤ کرتی ہے' (یعنی جب کسی چیز میں گرتی ہے تو اس کے بل گرتی ہے اور دوسرے بازو کو بچانا چاہتی ہے) تو کھانے والے کو چاہئے کہ مکھی کو غوطہ دے کر نکال دے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح: یہ ان حدیثوں میں سے ہے جو اس زمانے میں بہت سے لوگوں کے لئے ایمان کی آزمائش کا سبب بن جاتی ہیں' حالانکہ اگر فطرت کے اسرار و حکمت کے اصولوں اور تجربوں کی روشنی میں غور کیا جائے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خلاف قیاس یا مستبعد ہو' بلکہ جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ دراصل حکمت ہی کی

بات ہے۔

یہ ایک معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ بہت سے دوسرے حشرات الارض کی طرح مکھی میں بھی ایسا مادہ ہوتا ہے جس سے بیماری پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کی فطرت اور طبیعت میں یہ بات رکھی ہے کہ اس کے اندر جو خراب اور زہریلے مادے پیدا ہوتے ہیں طبیعت مدبرہ ان کو خارجی اعضاء کی طرف پھینک دیتی ہے۔ اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اندر کے اس طرح کے فاسد مادہ کو اس کی طبیعت اس کے بازو کی طرف پھینک دیتی ہو' کیونکہ وہی اس کا خارجی عضو ہے اور دونوں بازوؤں میں سے بھی خاص اس بازو کی طرف پھینکتی ہو جو نسبتاً کمزور اور کم کام دینے والا ہو' (جس طرح ہمارے داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں بایاں ہاتھ)

اور ہر جانور کی یہ بھی فطرت ہے کہ جب اس کو کوئی خطرہ پیش آئے تو وہ زیادہ کام آنے والے اعلیٰ و اشرف عضو کو اس سے بچانے کی کوشش کرے' اس لئے یہ بھی قرین قیاس ہے کہ مکھی جب گرے تو اس بازو کو بچانے کی کوشش کرے جو خراب مادہ سے محفوظ اور نسبتاً اشرف ہو۔

اور جن لوگوں نے اللہ کی مخلوق کے احوال اور ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے عجائبات پر غور کیا ہے۔ انہوں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ جہاں بیماری کا سامان ہے وہیں اس کے علاج کا بھی سامان ہے۔ اس لئے یہ بھی بالکل قرین قیاس ہے کہ مکھی کے اگر ایک بازو میں کوئی مضر اور زہریلا مادہ ہو تو دوسرے بازو میں اس کا تریاق اور شفاء کا مادہ ہو۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی یہ تعلیم بالکل اصولِ حکمت کے مطابق ہے۔ بلکہ دراصل آپ کی اس ہدایت کا تعلق دوسری بہت سی ہدایات کی طرح تحفظِ صحت کے باب سے ہے' اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے جس پر عمل نہ کرنا معصیت کی بات ہو' بلکہ ایک طرح کی طبی رہنمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ان سطور میں حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ بھی بنیادی طور پر "حجۃ اللہ البالغہ" ہی سے ماخوذ ہے)۔

کھانے کے معاملہ میں حضور ﷺ کی شانِ بندگی

۲۵۶) عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ لَا اٰكُلُ مُتَّكِئًا. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر یا کسی چیز کے سہارے بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... ٹیک لگا کر یا بلا ضرورت کسی چیز کا سہارا لے کر کھانے کے لئے بیٹھنا متکبرانہ طریقہ ہے' حدیث پاک کا مطلب یہی ہے کہ میں متکبرین کی طرح تکیہ وغیرہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا اور اس کو پسند نہیں کرتا' میں اللہ کا بندہ ہوں اور کھانا بھی اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح ایک بندہ کو کھانا چاہئے۔

کنز العمال میں مسند ابو یعلیٰ اور ابن سعد کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

اٰكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ.

میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا ہوں اور غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔

قریب قریب یہی مضمون دیگر صحابہ کرام کی روایات کا بھی ہے۔ ان سب احادیث و روایات کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھانے کے لئے ایک عاجز بندہ کی طرح بیٹھتے تھے، متکبرین کی طرح نہیں بیٹھتے تھے، اور یہی آپ ﷺ کی تعلیم تھی۔ اور جو بندہ کھانے کے وقت اس حقیقت سے غافل نہ ہوگا کہ کھانا اللہ تعالیٰ کی نعمت اور (اس کا عطیہ ہے اور وہ رب کریم حاضر و ناظر ہے اور میں اس کے سامنے اس کی نگاہ میں ہوں، وہ کبھی متکبروں کی طرح نہیں بیٹھے گا اور متکبروں کی طرح نہیں کھائے گا۔

۲۵۷) عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَكَلَ النَّبِيُّ ﷺ على خوان ولا فی سُكُرُّ جَةٍ وَلَا خُبِزَلَهُ مُرَقَّقٌ...... قِيْلَ لِقَتَادَةَ عَلَى مَايَاْكُلُوْنَ قَالَ على السُّفُرِ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت قتادہ نے رسول اللہ کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی خوان پر کھانا نہیں کھایا اور نہ چھوٹی طشتری یا پیالی میں کھایا اور نہ کبھی آپ کے لئے چپاتی پکائی گئی۔ قتادہ سے پوچھا گیا تو پھر (رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ) کس چیز پر کھانا کھایا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ دستر خوان پر۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... خُوان (جس کا ترجمہ خُوان کیا گیا ہے) ایک چوکی یا نیچی قسم کی میز ہوتی تھی جو کھانے ہی میں استعمال ہوتی تھی، بڑے لوگ (مترفین) اسی پر کھانا کھاتے تھے اور نیچے فرش پر دستر خوان بچھا کر کھانے کو بڑائی اور امارت کی شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح امیر لوگوں کے دستر خوان پر سکرجہ یعنی چھوٹی چھوٹی طشتریاں اور پیالیاں ہوتی تھیں۔ خود صحابہ کرامؓ کے آخری دور میں یہ چیزیں خود مسلمان گھرانوں میں بہت عام ہو گئی تھیں۔

حضرت انسؓ کی اس حدیث کا مطلب و مدعا بھی بس یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کھانے میں نہایت سادگی اور بندگی کی شان ہوتی تھی، نہ آپ ﷺ نے کبھی خوان پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی طشتریوں اور پیالیوں میں کھایا، نہ کبھی خاص طور سے آپ ﷺ کے لئے گھر میں چپاتیاں بنائی گئیں۔ اس سلسلۂ معارف الحدیث کی دوسری جلد "کتاب الرقاق" میں وہ حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی معیشت کس قدر سادہ اور غریبانہ بلکہ فقیرانہ تھی۔

سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ممانعت

۲۵۸) عَنْ اَنَسٍ ان النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ فِىْ اِنَاءِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. (رواه النسائی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے اور چاندی کے برتن میں کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن نسائی)

تشریح ... سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینادراصل اپنی دولت مندی اور سرمایہ داری کی بے جانمائش اور ایک طرح کا استکبار ہے' اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور صحیحین کی ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ جو شخص سونے یا چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو گویا وہ جہنم کی آگ اپنے پیٹ میں داخل کررہا ہے۔ اللهم احفظنا.

آنحضرت ﷺ کسی کھانے کو برا نہیں بتاتے تھے

۲۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا عَابَ النَّبِیُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهٗ وَاِنْ كَرِهَهٗ تَرَكَهٗ.
(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا (یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اس میں یہ خرابی یا یہ عیب اور نقص ہے) اگر مرغوب ہوا تو تناول فرمالیا اور نا مرغوب ہوا تو نہ کھایا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آپ ﷺ کو کھانے میں کیا چیزیں مرغوب تھیں

۲۶۰) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ خَيَّاطًا دَعَا النَّبِیَّ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ فَذَهَبْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَرَّبَ خُبْزَ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّآءٌ وَقَدِيْدٌ رَاَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّآءَ مِنْ حَوَالَی الْقَصعَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّآءَ بَعْدَ يَوْمَئِذٍ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر مدعو کیا جو اس نے تیار کیا تھا تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلا گیا (غالباً خادم کی حیثیت سے ان کو بھی مدعو کیا گیا ہوگا) تو اس نے جو کی روٹی اور شوربا حاضر کیا جس میں لوکی کے قتلے تھے اور سکھائے ہوئے گوشت کی بوٹیاں تھیں' میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ لوکی کے قتلے پیالے کی اطراف سے چن چن کر تناول فرماتے ہیں' تو اس دن سے لوکی مجھے بھی مرغوب اور محبوب ہو گئی۔
(صحیح بخاری صحیح مسلم)

۲۶۱) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَاكُلُ الرُّطَبَ بِالْقِثَّاءِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پکی تر کھجوریں کھیرے کے ساتھ تناول فرماتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۶۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يَاكُلُ الْبِطِّيْخَ بِالرُّطَبِ وَيَقُوْلُ يُكْسَرُ حَرُّ هٰذَا بِبَرْدِ هٰذَا وَبَرْدُ هٰذَا بِحَرِّ هٰذَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خربوزہ اور پکی تر کھجوریں ایک ساتھ کھاتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان کھجوروں کی گرمی کا توڑ اس خربوزہ کی ٹھنڈک سے ہو جاتا ہے اور خربوزہ کی ٹھنڈک کا توڑ کھجوروں کی گرمی سے ہو جاتا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

۲۶۳) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ اَحَبُّ الطَّعَامِ اِلٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الثَّرِيْدَ مِنَ الْخُبْزِ وَالثَّرِيْدَ مِنَ الْحِيْسِ.** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو روٹی (اور گوشت کے شوربے) سے بنی ہوئی ثرید اور میدہ والی ثرید (یعنی روٹی، کھجور اور گھی کا ملیدہ یہ دونوں چیزیں زیادہ مرغوب تھیں۔ (سنن ابی داؤد)

۲۶۴) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحِبُّ الحلْوَاءَ وَالْعَسَلَ.** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میٹھی چیز اور شہد پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... "حلوا" عربی میں ہر میٹھی چیز اور میٹھے کھانے کو کہتے ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رسول ﷺ کو ہر میٹھی چیز اور خاص کر شہد مرغوب تھا۔

کھانے کے بعد اللہ کی حمد اور اس کا شکر

۲۶۵) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَيَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ اَنْ يَّاْكُلَ الْاَ كْلَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا اَوْيَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهٗ عَلَيْهَا.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے اس عمل سے بڑا خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے اور اس پر اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرے یا کچھ پیئے اور اس پر اس کی حمد اور شکر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

۲۶۶) **عَنْ اَبِی سَعِيْدِ الخدری قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهُ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِه قَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ.** (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ○

ساری حمد و ستائش اس اللہ پاک کیلئے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

تشریح ...... جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کھانے سے پہلے بسم اللہ اور آخر میں اللہ کی حمد اور اس کا شکر کھانے کے عمل کو جو بظاہر خالص مادی عمل اور ایک بشری تقاضا ہے، نورانی اور روحانی بنادیتا ہے، اور اس پر

خداپرستی اور عبادت کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔

اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی جلد پنجم میں کھانے سے فراغت کے بعد کی وہ متعدد دعائیں درج کی جا چکی ہیں جو کتبِ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں۔ اس لئے یہاں صرف ایک ہی دعا پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پینے کے آداب

ایک سانس میں نہ پیا جائے

۲۶۷)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَلٰكِنِ اشْرَبُوْا مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَسَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَاحْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو بلکہ دو دو یا تین تین سانس میں پیا کرو، اور جب تم پینے لگو تو بسم اللہ پڑھ کے پیو اور جب پی چکو اور برتن منہ سے ہٹاؤ تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر کرو۔ (جامع ترمذی)

۲۶۸)عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِى الشَّرَابِ ثَلٰثًا. (رواه البخارى و مسلم) (وزاد مسلم يَقُوْلُ اِنَّهٗ اَرْوٰى وَ اَبْرَأُ وَاَمْرَأُ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ پینے میں تین دفعہ سانس لیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

(اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ اس طرح درمیان میں سانس لے لے کر پینے سے زیادہ سیرابی حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لئے زیادہ خوشگوار ہے)۔

تشریح..... اس حدیث میں سانس توڑ توڑ کے پینے کی جو حکمت بیان فرمائی گئی ہے وہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ حکم طبی مصلحت کی بناء پر دیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ ایک سانس میں پینا کوئی گناہ ہو، ہاں وہ ناپسندیدہ اور نامناسب ہے۔ واللہ اعلم

پینے کے برتن میں نہ سانس لیا جائے نہ پھونکا جائے

۲۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّتَنَفَّسَ فِى الْاِنَاءِ اَوْيُنْفَخَ فِيْهِ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پینے کے برتن میں سانس لینے یا پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد وابن ماجہ)

تشریح..... بعض لوگ برتن سے پانی پیتے پیتے اسی میں سانس لیتے ہیں، اس حدیث میں اس سے بھی منع فرمایا گیا ہے، اور اس کی بھی ممانعت کی گئی ہے کہ برتن میں پھونک ماری جائے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ اور تہذیب و سلیقہ کے خلاف ہیں اور صحت کے لئے بھی مضر ہیں۔

کھڑے کھڑے پینے کی ممانعت

۲۷۰) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ نَهٰى اَنْ يَّشْرَبَ الرَّجُلُ قَائِمًا. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے کھڑے پینے سے منع فرمایا۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... بعض اور حدیثوں میں بھی کھڑے ہونے کی حالت میں پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کو کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پانی پیتے دیکھا ہے۔ اس سلسلہ کی مختلف احادیث و روایات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں پینا پسندیدہ نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کا عام معمول بیٹھ کر ہی پینے کا تھا، لیکن کبھی کبھی آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیا ہے تو یا تو اس وقت اس کا کوئی خاص سبب ہو گیا آپ ﷺ نے بیانِ جواز کے لئے کیا ہوگا۔ کچھ ہی پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ جائز یہ بھی ہے اور اس کی بھی گنجائش ہے، افضل و ادنیٰ کے خلاف بھی عمل کر لیتے تھے اور چونکہ تعلیم کی نیت سے کرتے تھے اس لئے آپ ﷺ کے حق میں اس وقت یہی اولیٰ و افضل ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

لباس کے احکام و آداب

اس باب کی تعلیمات کی اساس و بنیاد

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے اور کھانے پینے وغیرہ زندگی کے سارے معمولات کے بارے میں احکام و آداب کی تعلیم دی اور بتلایا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ صحیح ہے اور یہ غلط، یہ مناسب ہے اور یہ نامناسب، اسی طرح لباس اور کپڑے کے استعمال کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے واضح ہدایات دیں۔

اس باب میں آپ کی تعلیمات و ہدایات کی اساس و بنیاد سورۂ اعراف کی یہ آیت ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ (الاعراف، ع۔۳)

اے فرزندانِ آدم ہم نے تم کو پہننے کے کپڑے عطا کئے جن سے تمہاری ستر پوشی ہو اور تجمل و آسائش کا سامان اور تقوے والا لباس تو سراسر خیر اور بھلائی ہے۔

اس آیت میں لباس کے دو خاص فائدے ذکر کئے گئے ہیں۔ ایک ستر پوشی یعنی انسانی جسم کے ان حصوں کو چھپانا جن پر غیروں کی نظر نہیں پڑنی چاہئے اور دوسرے زینت و آرائش یعنی یہ کہ دیکھنے میں آدمی

بھلا اور آراستہ معلوم ہو اور جانوروں کی طرح ننگ دھڑنگ نہ پھرے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے: "وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ" یعنی اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ لباس اچھا ہے اور سراسر خیر ہے جو خدا ترسی اور پرہیزگاری کے اصول سے مطابقت رکھتا ہو' اس میں اللہ کی ہدایت اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو' بلکہ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق ہو۔ ایسا ہر لباس بلاشبہ سراسر خیر و نعمت اور شکر کے ساتھ اس کا استعمال قربِ الٰہی کا وسیلہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات اور ذاتی معمولات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ لباس ایسا ہو جس سے ستر پوشی کا مقصد حاصل ہو اور دیکھنے میں آدمی باجمال اور باوقار معلوم ہو۔ نہ تو ایسا ناقص ہو کہ ستر پوشی کا مقصد ہی پورا نہ ہو اور نہ ہی ایسا گندہ اور بے تکا ہو کہ بجائے زیب و زینت کے آدمی کی صورت بگاڑ دے' اور دیکھنے والوں کے دلوں میں تنفر و توحش پیدا ہو۔ اسی طرح یہ کہ آرائش و تجمل کے لئے افراط اور بے جا اسراف بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذا شان و شوکت کی نمائش اور برتری کا اظہار و تفاخر بھی مقصود نہ ہو۔ جو مقام عبدیت کے بالکل ہی خلاف ہے۔ اسی طرح یہ کہ مرد ریشمی کپڑا استعمال نہ کریں' یہ سونے چاندی کے زیورات کی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہے' اور یہ کہ مرد خاص عورتوں والا لباس پہن کر نسوانی صورت نہ بنائیں اور عورتیں مردوں والے مخصوص کپڑے پہن کر اپنی نسوانی فطرت پر ظلم نہ کریں۔

اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جن بندوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو انہیں چاہئے کہ اس طرح رہیں اور ایسا لباس پہنیں جس سے محسوس ہو کہ ان پر ان کے رب کا فضل ہے' یہ شکر کا ایک شعبہ ہے لیکن بے جا تکلف و اسراف سے پرہیز کریں' اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ غریب و نادار بندوں کی دل شکنی اور ان کے مقابلہ میں تفوق و بالاتری کی نمائش نہ ہو۔

نیز یہ کہ ہر لباس کو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ سمجھیں اور اس کے شکر کے ساتھ استعمال کریں۔ بلاشبہ ان احکام و ہدایات کی تعمیل کے ساتھ ہر لباس کا استعمال ایک طرح کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہوگا۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیئے:

لباس نعمتِ خداوندی اور اس کا مقصد

۲۷۱) عَنْ اَبِىْ مَطَرٍ اَنَّ عَلِيًّا اِشْتَرٰى ثَوْبًا بِثَلٰثَةِ دَرَاهِمَ فَلَمَّا لَبِسَهٗ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ رَزَقَنِىْ مِنَ الرِّيَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِى النَّاسِ اُوَارِىْ بِهٖ عَوْرَتِىْ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ. (رواہ احمد)

ترجمہ: ابو مطر تابعی سے روایت ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تین درہم میں ایک کپڑا خریدا اور جب اسے پہنا تو کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَا اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِی النَّاسِ اُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ.

حمد و شکر ہے اس اللہ کے لئے جس نے مجھے یہ لباس زینت عطا فرمایا جس سے میں لوگوں میں آرائش حاصل کرتا ہوں اور اپنی ستر پوشی کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ ﷺ (کپڑا پہن کر) اسی طرح ان ہی الفاظ میں اللہ کی حمد و شکر کرتے تھے۔ (مسند احمد)

تشریح جامع ترمذی میں قریب قریب اسی مضمون کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے' ان دونوں حدیثوں سے اور ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث سے معلوم ہوا کہ لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کا اصل مقصد ستر پوشی اور تجمل و آرائش ہے۔

بے پردہ اور بے ڈھنگے لباس کی ممانعت

۲۷۲) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ یَّاْکُلَ الرَّجُلُ بِشِمَالِہٖ اَوْ اَنْ یَّمْشِیَ فِیْ نَعْلٍ وَاحِدَةٍ وَاَنْ یَّشْتَمِلَ الصَّمَّاءَ اَوْیَحْتَبِیَ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ کَاشِفًا عَنْ فَرْجِہٖ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ آدمی بائیں ہاتھ سے کھائے' یا صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلے' اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی صرف ایک چادر اپنے اوپر لپیٹ کر ہر طرف سے بند ہو جائے یا ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھے اس طرح کہ اس کا ستر کھلا ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح عربوں میں کپڑے کے استعمال کے بعض طریقے رائج تھے اور ان کے لئے ان کی زبان میں بعض مخصوص الفاظ تھے' مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ سارے جسم پر ایک چادر اس طرح لپیٹ لی کہ ہر طرف سے بند ہو گئے اور اس طرح بندھ گئے کہ ہاتھ بھی باہر نہیں نکل سکتا' اس کو "اشتمال صماء" کہا جاتا تھا' اس حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے کیونکہ یہ ایک بے ڈھنگا طریقہ ہے اور آدمی اس میں ہر طرف سے بندھ جاتا ہے اور مثلاً ایک طریقہ یہ تھا کہ آدمی سرینیں زمین پر رکھ کے اور گھٹنے کھڑے کر کے بیٹھ جاتا اور بس ایک کپڑا اپنی کمر اور پنڈلیوں پر لپیٹ لیتا' اس میں ستر پوشی بھی نہ ہوتی (کیونکہ اسفل کھلا رہ جاتا) اس کو "احتباء" کہتے تھے' اس سے بھی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے' کیونکہ یہ وقار کے خلاف اور بے ڈھنگے پن کی علامت ہے' ہاں اگر کسی عذر کی وجہ سے ہو تو ظاہر ہے وہ معذور ہوگا۔

عورتوں کیلئے زیادہ باریک لباس کی ممانعت

۲۷۳) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَلَیْهَا ثِیَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ یَا اَسْمَاءُ اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَنْ یَّصْلُحَ اَنْ یُّرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَاَشَارَا اِلٰی وَجْهِہٖ وَ کَفَّیْهِ.** (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری بہن) اسماء بنت ابی بکر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء عورت جب بلوغ کو پہنچ جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر آئے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو ایسا باریک کپڑا پہننا جائز نہیں جس سے جسم نظر آئے۔ ہاں چہرہ اور ہاتھوں کا کھلا رہنا جائز ہے، یعنی باقی جسم کی طرح ان کو کپڑے سے چھپانا ضروری نہیں۔ یہاں ملحوظ رہے کہ اس حدیث میں عورت کے لئے ستر کا حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ حجاب (پردہ) کا حکم اس سے الگ ہے، اور وہ یہ ہے کہ بے ضرورت باہر نہ گھومیں، اور اگر ضرورت اور کام سے باہر نکلیں تو پردہ میں نکلیں۔ ستر اور حجاب شریعت کے دو حکم ہیں اور ان کے حدود الگ الگ ہیں، بعض حضرات کو ان میں اشتباہ ہو جاتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ کے حضور ﷺ کے سامنے آنے کے جس واقعہ کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے وہ حجاب (پردہ) کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ اس طرح آپ ﷺ کے سامنے نہیں آسکتی تھیں۔ واللہ اعلم۔

امام مالکؒ نے موطا میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ان کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان کے پاس آئیں اور وہ زیادہ باریک اوڑھنی (خمار) اوڑھے ہوئے تھیں، تو حضرت صدیقہ نے اس کو اتار کے پھاڑ دیا اور موٹے کپڑے کی خمار اوڑھا دی۔ ظاہر ہے حضرت صدیقہؓ کا یہ فعل رسول اللہ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا۔

عورتوں کے لئے باریک کپڑا بھی جائز ہے بشرطیکہ

۲۷۴) عَنْ دِحْيَةَ بْنِ خَلِيْفَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبَاطِيَّ فَاَعْطَانِيْ مِنْهَا قُبْطِيَّةً فَقَالَ اِصْدَ عْهَا صَدْعَيْنِ فَاقْطَعْ اَحُدَهُمَا قَمِيْصًا وَّاَعْطِ الْاٰخَرَ اِمْرَأَتَكَ تُخَمِّرْبِه فَلَمَّا اَدْبَرَ قَالَ وَاْمُرُ اِمْرَأَتَكَ اَنْ تَجْعَلَ تَحْتَهُ ثَوْبًا لَايَصِفُهَا. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قبطی چادریں آئیں تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک مجھے عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر لینا ایک ٹکڑے کا تو اپنے لئے کرتہ بنا لینا اور دوسرا ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ اس کو خمار (اوڑھنی) کے طور پر استعمال کرلے گی۔ پھر جب دحیہ اٹھ کر جانے لگے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی بیوی سے کہہ دینا کہ وہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگا لے تاکہ دکھائی نہ دیں اس کے بال اور جسم وغیرہ۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح قباطی سفید رنگ کی باریک بڑھیا قسم کی چادریں ہوتی تھیں جو عہد نبوی ﷺ میں مصر سے آتی تھیں، ایک دفعہ کہیں سے وہ چادریں حضور ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے ان میں سے ایک حضرت دحیہ کلبی کو بھی عنایت فرمائی اور فرمایا کہ اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے تو اپنا پیراہن (کرتہ) بنا لینا اور دوسرا

ٹکڑا اپنی بیوی کو دے دینا وہ خمار کے طور پر استعمال کرلے گی' اور چونکہ وہ باریک تھا اس لئے آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ بیوی سے کہہ دینا کہ اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگالے تاکہ جسم اور بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو باریک کپڑے پہننے کی بھی اجازت ہے' بشرطیکہ اس کے نیچے دوسرا کپڑا ہو جس کے بعد جسم اور سر کے بال وغیرہ نظر نہ آئیں۔

لباس میں تفاخر اور نمائش کی ممانعت

۲۷۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِى الدُّنْيَا اَلْبَسهُ اللهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی دنیا میں نمائش اور شہرت کے کپڑے پہنے گا اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت ورسوائی کے کپڑے پہنائے گا۔

(مسند احمد' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح حدیث میں "ثوب شہرت" سے مراد وہ لباس ہے جو اپنی شان و شوکت کی نمائش کے لئے اور لوگوں کی نظر میں بڑا بننے کے لئے پہنا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو لوگوں کی نظروں میں علامہ یا بڑا مقدس بزرگ بننے کے لئے اس طرح کا خاص لباس تقدس پہنیں یا اپنی فقیری و درویشی کی نمائش کے لئے ایسے کپڑے پہنیں جن سے لوگ ان کو پہنچا ہوا فقیر و درویش سمجھیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا تعلق آدمی کے دل اور اس کی نیت سے ہے' ایک ہی کپڑا اگر نمود و نمائش کے لئے اور اپنی بڑائی کے مظاہرہ کے لئے پہنا جائے تو گناہ اور اس حدیث کا مصداق ہوگا اور وہی کپڑا اگر اس نیت کے بغیر پہنا جائے تو جائز اور بعض صورتوں میں موجب اجر و ثواب ہوگا۔ اور چونکہ ہم بندوں کو کسی کی نیت اور دل کا حال معلوم نہیں اس لئے ہمارے لئے جائز نہ ہوگا کہ کسی کے لباس کو نمود و نمائش اور ریاکاری کا لباس قرار دے کر اس پر اعتراض کریں ہاں اپنے دل' اپنی نیت اور اپنے لباس کا محاسبہ کرتے رہیں۔ یہی اس حدیث کا پیغام ہے۔

متکبرانہ لباس کی ممانعت اور سخت وعید

عہد نبوی ﷺ میں عرب متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ ازار یعنی تہبند اس طرح باندھتے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا' اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے' گویا اپنے دل کے استکبار اور احساس بالاتری کے اظہار اور تفاخر کا یہ ایک ذریعہ تھا۔ اور اس وجہ سے متکبرین کا یہ خاص فیشن بن گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی اور نہایت سنگین وعیدیں اسکے بارے میں سنائیں۔

۲۷۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللهُ

اِلَيْـهِ يَـوْمَ الْقِيٰمَـــــــــةِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا استکبار اور فخر کے طور پر زیادہ نیچا کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر بھی نہ اُٹھائے گا۔
(صحیح بخاری و مسلم)

۲۷۷) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ اِلٰى اَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَاجُنَاحَ عَلَيْهِ فِيْمَا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْكَعْبَيْنِ وَمَا اَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَفِى النَّارِ' قَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَلَا يَنْظُرُاللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' فرماتے تھے کہ مؤمن بندہ کے لئے ازار یعنی تہبند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر اور اولیٰ صورت) یہ ہے کہ نصف ساق تک (یعنی پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو) اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے یعنی جائز ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے (یعنی اس کا نتیجہ جہنم ہے) (راوی کہتے ہیں کہ) یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی (اس کے بعد فرمایا) اللہ اس آدمی کی طرف نگاہ اُٹھا کے بھی نہ دیکھے گا جو ازراہِ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ان حدیثوں میں فخر و غرور والا لباس استعمال کرنے والوں کو یہ سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ قیامت کے اس دن میں جبکہ ہر بندہ اپنے ربِ کریم کی نگاہِ رحم و کرم کا محتاج اور آرزومند ہوگا وہ اس کی نگاہِ رحمت سے محروم رہیں گے 'اللہ تعالیٰ اس دن ان کو بالکل ہی نظرانداز کر دے گا انکی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔ کیا ٹھکانہ ہے اس محرومی اور بدبختی کا۔ اللهم احفظنا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تہبند (اور اسی طرح پاجامہ) نصف ساق تک ہو' اور ٹخنوں کے اوپر تک ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن اس سے نیچے جائز نہیں' بلکہ سخت گناہ ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔ لیکن یہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ اس کا محرک اور باعث استکبار اور فخر و غرور کا جذبہ ہو' آگے درج ہونے والی حدیث میں یہ بات بہت صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

۲۷۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِاللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِزَارِىْ يَسْتَرْخِىْ اِلَّا اَنْ اَتَعَاهَدَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ لَسْتَ مِمَّنْ يَفْعَلُهٗ خُيَلَاءَ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی فخر و تکبر کے طور پر اپنا کپڑا زیادہ نیچا کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہیں کرے گا (حضرت عبداللہ بن عمر راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) حضرت ابو بکر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ

میرا تہبند اگر میں اس کا خیال نہ رکھوں تو نیچے لٹک جاتا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو فخر و غرور کے جذبہ سے ایسا کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

تشریح اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کا تہبند یا پاجامہ بے خیالی کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے ہو جائے تو یہ گناہ کی بات نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر ٹخنوں سے نیچا تہبند یا پاجامہ تفاخر و استکبار کے جذبہ سے ہو تو حرام ہے اور اسی پر جہنم کی وعید ہے اور اگر صرف عادت اور فیشن کی بناء پر ہے تو مکروہ ہے اور اگر نادانستہ بے خیالی اور بے توجہی کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہو تو اس پر کوئی مواخذہ اور عتاب نہیں، معاف ہے۔

مردوں کے لئے ریشم اور سونے کی ممانعت اور عورتوں کو اجازت

۲۷۹) **عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِیْرُ لِلْاِنَاثِ مِنْ اُمَّتِیْ وَحُرِّمَ عَلٰی ذُكُوْرِهَا.** (رواه الترمذی والنسائی)

ترجمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سونا اور ریشمی کپڑے کا استعمال میری اُمت کی عورتوں کے لئے حلال اور جائز ہے اور مَردوں کے لئے حرام ہے۔

(جامع ترمذی)

تشریح دوسری حدیث سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ مردوں کے لئے وہ کپڑا حرام و ناجائز ہے جو خالص ریشم سے بنایا گیا ہو یا اس میں ریشم غالب ہو، اگر ایسا نہ ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح ایسا کپڑا بھی مردوں کے لئے جائز ہے جو ریشمی نہ ہو، لیکن اس پر نقش و نگار ریشم سے بنائے گئے ہوں یا دو چار انگل کا ریشمی حاشیہ ہو۔

مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کی ممانعت

۲۸۰) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ رَجُلٌ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَحْمَرَانِ فَسَلَّمَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ.** (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے) ایک آدمی گزرا اور وہ دونوں کپڑے سرخ رنگ کے پہنے ہوئے تھا، اس نے حضور ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ نے اسکے سلام کا جواب نہیں دیا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح شارحین نے لکھا ہے کہ ان صاحب کے کپڑے شوخ سرخ رنگ کے تھے جو کہ مردوں کے لئے زیبا نہیں اور سلام کا جواب نہ دینا اس پر حضور ﷺ کا عتاب تھا، اسی حدیث کی بناء پر مردوں کے لئے شوخ سرخ رنگ کے لباس کو بعض علماء نے حرام کہا ہے اور بعض نے مکروہ۔ بہر حال حضور ﷺ کی طرف سے سلام کا جواب نہ دیا جانا آپ ﷺ کی سخت ناراضی و ناگواری کی کھلی دلیل ہے۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ

وَ غَضَبَ رَسُوْلِهٖ.

مردوں کو زنانہ اور عورتوں کو مردانہ لباس و ہیئت کی ممانعت

۲۸۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی ان کی ہی شکل و ہیئت' ان کا سا لباس اور ان کا انداز اپنائیں) اور ان عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں۔ (یعنی ان کی سی شکل و ہیئت بنائیں' ان کا سا لباس اور طرز و انداز اختیار کریں۔) (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث میں خصوصیت سے لباس کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق تشبہ پر لعنت فرمائی گئی ہے لیکن تشبہ کی بہت نمایاں صورت یہی ہے کہ مرد زنانہ لباس پہن کر اور عورتیں مردانہ لباس اپنا کر اپنی فطرت کے تقاضوں سے بغاوت کریں۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں خصوصیت کے ساتھ لباس کے بارے میں یہی فرمایا گیا ہے:

۲۸۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو زنانہ لباس پہنیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنیں۔ (سنن ابی داؤد)

مردوں کے لئے سفید رنگ کے کپڑے زیادہ پسندیدہ

۲۸۳) عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ اِلْبَسُوْا الثِّيَابَ الْبِيْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَاَطْيَبُ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ. (رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو' وہ زیادہ پاک صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

۲۸۴) عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحْسَنَ مَازُرْتُمُ اللّٰهَ فِىْ قُبُوْرِكُمْ ومساجِدِكُمْ الْبَيَاضُ. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے اچھا رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور مسجدوں میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو خالص سفید رنگ ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح یعنی بہتر یہ ہے کہ مرنے کے بعد قبروں میں اللہ کے حضور میں حاضری ہو تو سفید کفن میں ہو'

اور مساجد میں جو اس دنیا میں اللہ کے دربار ہیں) حاضری ہو تو سفید کپڑوں میں ہو۔ لیکن دوسری بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ بسا اوقات مختلف رنگ کے کپڑے بھی پہنتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے سبز یا ہلکے نیلے رنگ کے کپڑے پہننا بھی ثابت ہے، اسی طرح زرد رنگ کے بھی، نیز سرخ دھاری دار چادر اوڑھنا اور سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمانا بھی ثابت ہے۔ اس لئے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں سفید رنگ کے کپڑوں کے استعمال کی جو ترغیب دی گئی ہے اس کا درجہ بس ترغیب ہی کا ہے اور اس کا تعلق صرف مردوں سے ہے، عورتوں کے لئے رنگین لباس ہی زیادہ پسند فرمایا گیا ہے، ازواجِ مطہرات کے طرزِ عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اللہ نصیب فرمائے تو پھٹے حال رہنا ٹھیک نہیں

۲۸۵) عَنْ اَبِى الْاَحْوَصِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَىَّ ثَوْبٌ دُوْنٌ فَقَالَ لِىْ اَلَكَ مَالٌ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مِنْ اَىِّ الْمَالِ؟ قُلْتُ مِنْ كُلِّ الْمَالِ قَدْ اَعْطَانِىَ اللّٰهُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ قَالَ فَاِذَا اٰتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرٰى اَثَرُ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَكَرَامَتِهٖ. (رواه احمد والنسائى)

ترجمہ: ابوالاحوص تابعی اپنے والد (مالک بن فضلہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں بہت معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں (اللہ کا فضل ہے) آپ ﷺ نے پوچھا کہ کس نوع کا مال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے، اونٹ بھی ہیں، گائے بیل بھی ہیں بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں، غلام باندیاں بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب اللہ نے تم کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام و احسان اور اس کے فضل و کرم کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہئے۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

۲۸۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اس پر اس کا اثر نظر آئے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: جس طرح بعض لوگ اپنی بڑائی کے اظہار کے لئے یا فیشن کے طور پر بہت بڑھیا لباس پہنتے اور اس مد میں بے جا اسراف کرتے ہیں اسی طرح بعض کنجوس کنجوسی کی وجہ سے یا صرف طبیعت کے گنوارپن کی وجہ سے صاحبِ استطاعت ہونے کے باوجود بالکل پھٹے حال رہتے ہیں۔ ان دونوں حدیثوں میں ایسے ہی لوگوں کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا فضل ہو تو اس کو اس طرح رہنا چاہئے کہ دیکھنے

والوں کو بھی نظر آئے کہ اس پر اس کے رب کا فضل ہے، یہ شکر کے تقاضوں میں سے ہے۔

خوب کھاؤ، پہنو، بشرطیکہ استکبار اور اسراف نہ ہو

۲۸۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَتَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَالَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَّلَا مَخِيلَةٌ. (رواه احمد والنسائى وابن ماجه)

ترجمہ: عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اجازت ہے خوب کھاؤ، پیو، دوسروں پر صدقہ کرو، اور کپڑے بنا کر پہنو، بشرطیکہ اسراف اور نیت میں فخر و استکبار نہ ہو۔

(مسند احمد، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح: کھانے اور لباس وغیرہ کے بارے میں اس حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ ایک واضح قانون ہے یعنی یہ کہ آدمی حلال غذاؤں میں سے اپنے حسب مرضی جو کچھ کھائے اور جو پیئے اور جو من بھاتا حلال لباس پہنے جائز ہے، بشرطیکہ اسراف کی حد تک نہ پہنچے اور دل میں تفاخر اور استکبار نہ ہو۔ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول بھی صحیح بخاری میں نقل کیا ہے کہ:

"كُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَا شِئْتَ مَا اَخْطَاَتْكَ اِثْنَتَانِ سَرَفٌ وَّمَخِيْلَةٌ.

جو جی چاہے کھاؤ اور جو جی چاہے پہنو، (جائز ہے) جب تک کہ دو باتیں نہ ہوں ایک اسراف اور دوسرے استکبار و تفاخر۔

اس باب میں یہی بنیادی اصول اور معیار ہے۔

اُول جلول، پراگندہ حال اور میلے کچیلے رہنے کی ممانعت

۲۸۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَائِرًا فَرَاٰى رَجُلًا شَعِثًا قَدْ تَفَرَّقَ شَعْرُهٗ فَقَالَ مَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهٖ رَاْسَهٗ وَرَاٰى رَجُلًا عَلَيْهِ ثِيَابٌ وَّسِخَةٌ فَقَالَ مَاكَانَ يَجِدُ هٰذَا مَايَغْسِلُ بِهٖ ثَوْبَهٗ؟ (رواه احمد والنسائى)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ ملاقات کے لئے ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی نظر ایک پراگندہ حال آدمی پر پڑی جس کے سر کے بال بالکل منتشر تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ آدمی ایسی کوئی چیز نہیں پا سکتا تھا جس سے اپنے سر کے بال ٹھیک کر لیتا۔ (اور اسی مجلس میں) آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو بہت میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو ارشاد فرمایا: کیا اس کو کوئی چیز نہیں مل سکتی تھی جس سے یہ اپنے کپڑے دھو کر صاف کر لیتا؟ (مسند احمد، سنن نسائی)

ڈاڑھی اور سر کے بالوں کی خبر گیری اور درستی کی ہدایت

۲۸۹) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ ثَائِرَالرَّاْسِ وَاللِّحْيَةِ

فَاَشَارَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهٖ كَاَنَّهٗ يَاْمُرُهٗ بِاِصْلَاحِ شَعْرِهٖ وَلِحْيَتِهٖ فَفَعَلَ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ ثَائِرُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ شَيْطَانٌ. (رواہ مالک)

ترجمہ عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے' ایک آدمی مسجد میں آیا' اس کے سر اور داڑھی کے بال بالکل بکھرے ہوئے (اور بے تکے) تھے۔ حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس کو اشارہ فرمایا' جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو ٹھیک کرائے' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور پھر لوٹ کر آگیا' تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا یہ (یعنی تمہارا سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو درست کر کے آنا) اس سے بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی سر کے بال بکھیرے ہوئے ایسی (وحشیانہ) صورت میں آئے کہ گویا وہ شیطان ہے۔ (موطا امام مالک)

تشریح ان حدیثوں سے ان اہل تقشف کے خیال کی واضح تغلیط ہو جاتی ہے جو سمجھتے ہیں کہ خدا کے طالبوں اور آخرت کی فکر رکھنے والوں کو اپنی صورت و ہیئت اور لباس کے حسن و قبح سے بے پروا ہو کر میلا کچیلا' پراگندہ حال اور پراگندہ بال رہنا چاہئے اور صفائی' ستھرائی' صورت و لباس کو سنوارنے کی فکر اور اس میں جمال پسندی ان کے نزدیک گویا دنیاداری کی بات ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ہدایت اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ ہاں صورت و لباس وغیرہ کے بناؤ سنوار کا حد سے زیادہ اہتمام اور اس کے لئے فضول و بے جا تکلفات بھی ناپسند اور مزاجِ شریعت کے خلاف ہیں' جیسا کہ آگے آنے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح اس شعبہ سے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کا حاصل یہی ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کی راہ اپنائی جائے۔

اوپر جو حدیثیں مذکور ہوئی جن میں اچھا اور صاف ستھرا لباس استعمال کرنے اور شکل و صورت کی اصلاح اور سر اور ڈاڑھی کے بالوں وغیرہ کو درست رکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے' جیسا کہ ان مضامین سے ظاہر ہے' ان سب کے مخاطب وہی لوگ تھے جو اس معاملے میں تفریط میں مبتلا تھے اور جنہوں نے اپنے حلیے بگاڑ رکھے تھے - آج بھی جن کا یہ حال ہو ان کو رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے ہدایت حاصل کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس جو لوگ اس بارے میں افراط میں مبتلا ہوں اور لباس اور ظاہری شکل و صورت کے بناؤ سنگار کو حد سے زیادہ اہمیت دیں' اور اسی کو برتری اور کمتری کا معیار سمجھنے لگیں ان کو آگے درج ہونے والی احادیث سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنی چاہئے۔ ان حدیثوں کے مخاطب دراصل ایسے ہی لوگ ہیں۔

سادگی اور خستہ حالی بھی ایک ایمانی رنگ ہے

۲۹۰) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ؟ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم سنتے نہیں' کیا تم سنتے

نہیں (یعنی سنو اور غور سے سنو اور یاد رکھو) کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے' یہ آپ نے مکرر ارشاد فرمایا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ ظاہری سادگی و خستہ حالی' اور زینت و آرائش کی طرف سے بے فکری یا کم توجہی' اندرونی ایمانی کیفیت سے بھی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ایمان ہی کا ایک شعبہ اور ایک رنگ ہے۔

لباس میں خاکساری اور تواضع پر انعام و اکرام

۲۹۱) **عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ تَرَكَ اللِّبَاسَ تَوَاضُعًا لِلّٰهِ وَهُوَيَقْدِرُ عَلَيْهِ دَعَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ مِنْ اَيِّ حُلَلِ الْاِيْمَانِ يَلْبَسُهَا.** (رواه الترمذى)

ترجمہ — معاذ بن انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بندہ بڑھیا لباس کی استطاعت کے باوجود ازراہِ تواضع و انکساری اس کو استعمال نہ کرے (اور سادہ معمولی لباس ہی پہنے) تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ساری مخلوقات کے سامنے بلا کر اختیار دے گا کہ وہ ایمان کے جوڑوں میں سے جو جوڑا بھی پسند کرے اس کو زیب تن کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح — یہ بشارت ان بندوں کے لئے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ وہ بہت بڑھیا اور بیش قیمت لباس بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن وہ اس مبارک جذبے کے تحت بڑھیا لباس نہیں پہنتے کہ اس کی وجہ سے دوسرے بندوں پر میرا تفوق اور میری بڑائی ظاہر ہو گی اور شاید کسی غریب و نادار بندے کا دل ٹوٹے۔ بلاشبہ بہت ہی مبارک اور پاکیزہ ہے یہ جذبہ۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو بندے اس جذبے کے تحت ایسا کریں گے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ محشر کے سامنے انہیں اس انعام و اکرام سے نوازے گا کہ اہلِ ایمان جنتیوں کے لئے جو اعلیٰ سے اعلیٰ جوڑے وہاں موجود ہونگے فرمایا جائے گا کہ انمیں سے جو جوڑا چاہو لے لو اور استعمال کرو۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اگر کسی کے ذہن میں یہ خلجان پیدا ہو کہ ابھی اوپر ابوالاحوص اور عمرو بن شعیب کی دو حدیثیں گزر چکی ہیں جن میں مال و دولت اور استطاعت کی صورت میں اچھا لباس پہننے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اور یہاں اس حدیث میں قدرت و استطاعت کے باوجود اچھا لباس نہ پہننے پر ایسے عظیم انعام و اکرام کی بشارت سنائی گئی ہے' اور اس سے اوپر والی ابوامامہ کی حدیث میں بہت ہی اہتمام اور زور کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ "ان البذاذة من الایمان' ان البذاذة من الایمان" جس کا حاصل یہی ہے کہ اچھے لباس کا اہتمام نہ کرنا اور معمولی کپڑوں میں خستہ حالوں کی طرح رہنا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ دراصل ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں' ان کا محل الگ الگ ہے۔ ابوالاحوص اور عمرو بن شعیب والی حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مالی وسعت کے باوجود محض کنجوسی سے یا طبیعت کے لااُبالی پن کی وجہ سے پھٹے حال رہیں جیسے کہ انہیں کپڑے نصیب ہی نہیں' ایسے لوگوں کے لئے فرمایا گیا ہے کہ جب کسی بندے پر اللہ کا

فضل ہو تو اس کے رہن سہن اور اس کے لباس میں اس کا اثر محسوس ہونا چاہئے۔ اور ابوامامہ اور معاذ بن انس کی ان حدیثوں میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب دراصل وہ لوگ ہیں جو لباس کی بہتری کو زیادہ اہمیت دیتے' اور اس کے بارے میں بہت زیادہ اہتمام اور تکلف سے کام لیتے ہیں' گویا آدمی کی قدر و قیمت کا وہی معیار اور پیمانہ ہے۔

اصلاح و تربیت کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ افراط اور غلو کے مریض ہوں ان سے ان کے حال کے مطابق اور جو تفریط کی بیماری میں مبتلا ہوں ان سے ان کے حسب حال اصلاح کی بات کی جائے۔ اگر کوئی آدمی محل اور مخاطبین کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھے گا تو بسا اوقات اس کو مصلحین کی ہدایتوں اور نصیحتوں میں تضاد محسوس ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا لباس

رسول اللہ ﷺ لباس کے بارے میں ان حدود و احکام کی پابندی کے ساتھ جو مذکورۂ بالا احادیث سے معلوم ہو چکے ہیں اسی طرح کے کپڑے پہنتے تھے جس طرح اور جس وضع کے کپڑوں کا اس زمانے میں آپ ﷺ کے علاقے اور آپ ﷺ کی قوم میں رواج تھا۔ آپ ﷺ تہبند باندھتے تھے' چادر اوڑھتے تھے' کرتا پہنتے تھے' عمامہ اور ٹوپی بھی زیب سر فرماتے تھے' اور یہ کپڑے اکثر و بیشتر معمولی سوتی قسم کے ہوتے تھے' کبھی کبھی دوسرے ملکوں اور دوسرے علاقوں کے بنے ہوئے ایسے بڑھیا کپڑے بھی پہن لیتے تھے جن پر ریشمی حاشیہ یا نقش و نگار بنے ہوتے تھے۔ اسی طرح کبھی کبھی بہت خوش نما یمنی چادریں بھی زیب تن فرماتے تھے جو اس زمانے کے خوش پوشوں کا لباس تھا۔ اس بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ زبانی ارشادات و ہدایات کے علاوہ آپ ﷺ نے امت کو اپنے طرز عمل سے بھی یہی تعلیم دی کہ کھانے پینے کی طرح لباس کے بارے میں بھی وسعت ہے۔ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ ہر طرح کا معمولی یا قیمتی لباس پہنا جا سکتا ہے' اور یہ کہ ہر علاقے اور ہر زمانے کے لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ شرعی حدود و احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا علاقائی و قومی پسندیدہ لباس استعمال کر سکتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ امت کے ان اصحاب صلاح و تقویٰ نے بھی جن کی زندگی میں اتباع سنت کا حد درجہ اہتمام تھا یہ ضروری نہیں سمجھا کہ بس وہی لباس استعمال کریں جو رسول اللہ ﷺ استعمال فرماتے تھے۔ دراصل لباس ایسی چیز ہے کہ تمدن کے ارتقاء کے ساتھ اس میں تبدیلی ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی' اسی طرح علاقوں کی جغرافیائی خصوصیات اور بعض دوسری چیزیں بھی لباس کی وضع قطع اور نوعیت پر اثر انداز ہوتی ہیں اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ساری دنیا کے لوگوں کا لباس یکساں ہو' یا کسی قوم یا کسی علاقے کا لباس ہمیشہ ایک ہی رہے۔ اس لئے شریعت نے کسی خاص قسم اور خاص وضع کے لباس کا پابند نہیں کیا ہے' ہاں ایسے اصولی احکام دیئے گئے ہیں جن کی ہر زمانے میں اور ہر جگہ بہ سہولت پابندی کی جا سکتی ہے۔

ان تمہیدی سطروں کے بعد حضور ﷺ کے لباس سے متعلق چند احادیث ذیل میں پڑھیئے:

۲۹۲) عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَةَ کِسَاءً مُلَبَّدًا وَّ اِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ هٰذَیْنِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: ابو بردہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو نکال کے دکھائی ایک دبیز دہری چادر اور ایک موٹے کپڑے کا تہبند اور ہمیں بتایا کہ انہی دونوں کپڑوں میں حضور ﷺ کا وصال ہوا تھا (یعنی آخری وقت میں حضور ﷺ کے جسم اطہر پر یہی دو کپڑے تھے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۲۹۳) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَمِیْصَ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں کرتا زیادہ پسند تھا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: کرتے کو حضور ﷺ غالباً اس لئے زیادہ پسند فرماتے تھے کہ وہ جبے اور چادر کی بہ نسبت ہلکا ہوتا ہے اور لباس کا مقصد اس سے اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے کرتے کی آستیں ہاتھ کے پہنچوں تک ہوتی تھیں، اور نیچے کی جانب ٹخنوں سے اوپر تک ہوتا تھا۔

۲۹۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ اَحَبَّ الثِّیَابِ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ اَنْ یَّلْبَسَهَا الْحِبَرَةُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑوں میں حبرہ (چادر) کا پہننا بہت پسند تھا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: حبرہ یمن کی بنی ہوئی ایک خاص سوتی چادر ہوتی تھی جس میں سرخ یا سبز دھاریاں ہوتی تھیں، یہ اوسط درجے کی اچھی چادروں میں سمجھی جاتی تھی۔ حضرت انس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ چادروں میں سے حبرہ قسم کی چادر کا استعمال زیادہ پسند فرماتے تھے۔

۲۹۵) عَنِ الْمُغِیْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِیَّةً ضَیِّقَةَ الْکُمَّیْنِ.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک (دفعہ) رومی جبہ پہنا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح: حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی اکثر دوسری روایتوں میں اس کو "شامی جبہ" کہا گیا ہے۔ قرین قیاس یہ ہے کہ شام اس زمانے میں چونکہ رومی حکومت کے زیر اقتدار تھا اس لئے وہاں کی چیزوں کو رومی بھی کہہ دیا جاتا تھا اور شامی بھی! بہر حال اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ دوسری قوموں کے بنائے ہوئے اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے کپڑے استعمال کئے جا سکتے ہیں، اور خود حضور ﷺ نے استعمال فرمائے ہیں۔

۲۹۶) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِىْ بَكْرٍ اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةً لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ وَّفَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ وَقَالَتْ هٰذَا جُبَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَكَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَلْبَسُهَا وَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِىْ بِهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے طیلسان کا بنا ہوا ایک کسروانی جبہ نکال کر دکھایا اس کا گریبان ریشمی دیباج سے بنوایا گیا تھا اور دونوں چاکوں کے کناروں پر بھی دیباج لگا ہوا تھا (یعنی گریبان اور جبہ کے آگے پیچھے چاکوں پر دیباج کا حاشیہ تھا) اور حضرت اسماءؓ نے بتایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ مبارک ہے۔ یہ (میری بہن) عائشہ صدیقہ (ام المؤمنینؓ) کے پاس تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو میں نے لے لیا (یعنی میراث کے حساب میں مجھے مل گیا) حضور ﷺ اس کو زیب تن فرمایا کرتے تھے اور اب ہم اس کو مریضوں کے لئے دھوتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا حاصل کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح رومی جبہ استعمال فرمایا (جس کا ذکر اوپر والی حدیث میں گزر چکا ہے) اسی طرح آپؐ نے کسروانی جبہ بھی استعمال فرمایا (جس کی نسبت کسی وجہ سے شاہِ فارس کسریٰ کی طرف کی جاتی تھی) اور یہ کہ اس کے گریبان اور چاکوں پر دیباج کا حاشیہ بھی تھا، جس کا اس زمانہ میں رواج تھا۔ یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دوسری بعض احادیث میں تشریح ہے کہ ریشم کا حاشیہ دو چار انگل کا تو مردوں کے لئے جائز ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے یقین ہے کہ اس کسروانی جبہ کا حاشیہ اس حد کے اندر ہی ہوگا۔ دوسری خاص بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کرامؓ ہی کے دور میں رسول اللہ ﷺ کے استعمالی کپڑوں سے یہ برکت بھی حاصل کی جاتی تھی کہ انکا غسالہ (دھوون کا پانی) شفایابی کی امید پر مریضوں کو پلایا جاتا یا ان پر چھڑکا جاتا تھا۔

۲۹۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ وَقَدْ اَرْخٰى طَرْفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ. (رواه مسلم)

ترجمہ حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر (خطبہ دیتے ہوئے) دیکھا، اس وقت آپ ﷺ سیاہ رنگ کا عمامہ زیب سر فرمائے ہوئے تھے، اور اس کا کنارہ (شملہ) آپ ﷺ نے پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔ (صحیح مسلم)

۲۹۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يَلْبَسُ قَلَنْسُوَةً بَيْضَاءَ (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفید ٹوپی (بھی) زیبِ سر فرماتے تھے۔ (معجم کبیر طبرانی)

۲۹۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا خَرَجَتِ الْحَرُوْرِيَّةُ اَتَيْتُ عَلِيًّا فَقَالَ اِئْتِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ فَلَبِسْتُ اَحْسَنَ مَايَكُوْنُ مِنْ حُلَلِ الْيَمَنِ...... قَالَ اَبُوْزُمَيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَجُلًا جَمِيْلًا جَهِيْرًا...... قَالَ فَاَتَيْتُهُمْ، قَالُوا مَرْحَبًا بِكَ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! مَاهٰذِهِ الْحُلَّةُ؟ قُلْتُ مَاتَعِيْبُوْنَ عَلَىَّ لَقَدْ رَاَيْتُ

عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ اَحْسَنَ مَایَکُوْنَ مِنَ الْحُلَلِ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب خوارج کا ظہور ہوا' تو میں حضرت علی کے پاس آیا' انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ: تم ان لوگوں کے (یعنی گروہِ خوارج کے) پاس جاؤ (اور ان کو سمجھانے اور ان پر حجت قائم کرنے کی کوشش کرو) ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے حسین و نفیس قسم کا ایک یمنی جوڑا پہنا۔ واقعہ کے راوی ابو زمیل کہتے ہیں کہ ابنِ عباس خود بہت حسین و جمیل تھے اور آواز بھی زوردار تھی۔ آگے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں خوارج کی جماعت کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرحبا کہہ کے میرا استقبال کیا اور ساتھ ہی (طنز و اعتراض کے طور پر) کہا کہ یہ بڑھیا جوڑا (جو آپ پہنے ہوئے ہیں) کیا ہے؟ (مطلب یہ تھا کہ یہ بڑھیا قسم کا حسین جمیل لباس اسوۂ نبوی ﷺ اور مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے) (حضرت ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں) میں نے کہا کہ تم میرے اس اچھے لباس پر کیا اعتراض کرتے ہو' میں نے رسول اللہ ﷺ کو حسین سے حسین جوڑا پہنے دیکھا ہے۔ (سنن ابی داود)

تشریح: حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کبھی اچھا نفیس لباس بھی استعمال فرمایا ہے۔ اس لئے ان خوارج کا یہ سمجھنا کہ اچھا اور عمدہ لباس پہننا طریقۂ نبوی ﷺ یا مقامِ تقویٰ کے خلاف ہے ان کی جہالت تھی۔ ہاں اگر پہننے والے کا مقصد تفاخر و استکبار اور اپنی بڑائی کی نمائش ہو تو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہو چکا ہے سخت درجے کی معصیت اور موجبِ غضبِ خداوندی ہے۔ لیکن اگر اظہارِ نعمت کی نیت سے یا کسی دوسری دینی مصلحت سے پہنا جائے تو نہ صرف جائز بلکہ باعثِ اجر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا پہننا اظہارِ نعمت کیلئے بھی تھا اور لانے والوں کی تطییبِ خاطر کے لئے بھی' اور بیانِ جواز کے لئے بھی۔

لباس میں داہنی طرف سے ابتداء حضور ﷺ کا معمول تھا

بائیں اعضاء کے مقابلے میں داہنے اعضاء کو جو فضیلت حاصل ہے اور اس کی جو لِم ہے اس کا ذکر "آدابِ طعام" کے ذیل میں کیا جا چکا ہے۔ اسی فضیلت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ لباس میں داہنی طرف سے ابتداء فرماتے تھے' یعنی جو کپڑا پہنتے' داہنی جانب سے پہننا شروع فرماتے۔

۳۰۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا لَبِسَ قَمِیْصًا بَدَاَ بِمَیَامِنِہٖ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کرتا پہنتے تو داہنی جانب سے شروع فرماتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح: اس حدیث میں کرتے کا ذکر بطورِ مثال سمجھنا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ ہی سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ: "جب کپڑا پہنا جائے' یا وضو کیا جائے تو داہنے اعضاء سے شروع کیا جائے۔"

کپڑا پہننے کے وقت کی حضور ﷺ کی دعا

(۳۰۱) **عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِالْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ عِمَامَةً اَوْقَمِيْصًا اَوْرِدَاءً ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ اَسْأَلُكَ خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّمَا صُنِعَ لَهٗ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا کپڑا پہنتے عمامہ یا کرتا یا چادر تو اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کہتے کہ :اے اللہ! تیرا شکر اور تیری حمد جیسا کہ تو نے مجھے پہننے کو دیا یہ (عمامہ یا کرتا یا چادر) خداوندا! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس کا خیر اور جو اس کا وجود ہے اس کا خیر (یعنی یہ کپڑا میرے لئے باعث خیر ہو اور اس کا جو اچھا مقصد ہے وہ مجھے نصیب ہو مثلاً اس کو پہن کر تیری عبادت کروں اور تیرا شکر ادا کروں) اور میں مانگتا ہوں اسکے شر سے اور اس کے مقصد یعنی استعمال کے شر سے تیری پناہ (یعنی اس کپڑے میں اور اس کے استعمال میں جو شر ہو سکتا ہے اس سے میری حفاظت فرما۔)" (جامع ترمذی)

تشریح کپڑا پہننے کے وقت کی رسول اللہ ﷺ کی ایک اور مختصر دعا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے "کتاب اللباس" کے بالکل شروع میں بھی درج کی جاچکی ہے۔ اور اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد پنجم) میں سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث درج ہو چکی ہے کہ جو شخص کپڑا پہنتے وقت اللہ تعالیٰ کے شکر و حمد کا یہ کلمہ دل و زبان سے کہے: "الحمد لله الذي كساني هذا ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة" (۱) تو اس کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی اور ہر نعمت پر شکر کی توفیق عطا فرمائے۔

جوتا پہننے کے بارے میں ہدایات

(۳۰۲) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ فِیْ غَزْوَةٍ غَذَاهَا يَقُوْلُ اِسْتَكْثِرُوْا مِنَ النِّعَالِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ رَاكِبًا مَا انْتَعَلَ** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ جہاد کے ایک سفر پر روانہ ہو رہے تھے، میں نے آپ ﷺ کو سنا آپ ﷺ ہدایت دے رہے تھے کہ :لوگو! جوتیاں زیادہ لے لو کیونکہ آدمی جب تک پاؤں میں جوتا پہنے رہتا ہے تو وہ سوار کی طرح رہتا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ جو آدمی جوتا پہن کے چلتا ہے وہ بہ نسبت اس شخص کے جو بغیر جوتا پہنے چلے، تیز بھی چلتا ہے اور کم تھکتا ہے۔ اس کا پاؤں محفوظ بھی رہتا ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ "وہ سوار کی طرح رہتا ہے" اور ہمارے اس زمانہ میں تو فوجیوں کے لئے ان کا خاص جوتا ان کی وردی کا جز ہے۔

---

(۱) اس دعا کا ترجمہ یہ ہے: "اُس اللہ کیلئے حمد و شکر جس نے مجھے یہ کپڑا پہنایا اور بغیر میری سعی و محنت کے محض اپنے فضل سے مجھے عطا [illegible]

۳۰۳)عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَءْ بِالْيُمْنٰى وَاِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَءْ بِالشِّمَالِ لِتَكُنِ الْيُمْنٰى اَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ　　(رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے داہنے پاؤں میں پہنے، اور جب نکالنے لگے تو پہلے بائیں پاؤں سے نکالے (الغرض) داہنا پاؤں جوتا پہننے میں مقدم اور نکالنے میں مؤخر ہو۔　　(صحیح بخاری و مسلم)

تشریح　ظاہر ہے کہ جوتا پہننے میں پاؤں کا اکرام و اعزاز ہے اور داہنے اعضاء کو بائیں اعضاء کے مقابلہ میں جو فضیلت اور ترجیح حاصل ہے (جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے) اس کا حق اور تقاضا ہے کہ جوتا داہنے پاؤں میں پہنا پہلے جائے اور نکالا بعد میں جائے۔

انگشتری اور مہر کے بارے میں حضور ﷺ کا طرزِ عمل

۳۰۴)عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ اَرَادَ اَنْ يَّكْتُبَ اِلٰى كِسْرٰى وَ قَيْصَرَ وَالنَّجَاشِىِّ فَقِيْلَ اِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُوْنَ كِتَابًا اِلَّا بِخَاتَمٍ فَصَاغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَاتَمًا حَلْقَةَ فِضَّةٍ نُقِشَ فِيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ.

(رواه مسلم)

(وفى رواية للبخارى كان نقشُ الخاتم ثلثة اَسْطُر مُحَمَّدٌ سَطْرٌ وَرَسُوْلُ سَطْرٌ واللّٰهُ سَطْرٌ)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ شاہِ فارس کسریٰ اور شاہِ روم قیصر اور شاہِ حبشہ نجاشی کو خطوط لکھائیں (اور ان کو اسلام کی دعوت دیں) تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر خطوط کو تسلیم نہیں کرتے، تو حضور ﷺ نے مہر بنوائی جو چاندی کی انگوٹھی تھی اس میں نقش تھا:

"محمد رسول الله......................................　(صحیح مسلم)

(اور اسی حدیث کی صحیح بخاری کی روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ مہر میں تین سطریں تھیں، ایک سطر میں "محمد" دوسری سطر میں "رسول" اور تیسری سطر میں "اللہ")

تشریح　صحیح روایات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ۶ھ کے آخر میں سفر حدیبیہ سے واپسی کے بعد اس وقت کی دنیا کے بہت سے مشہور بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوتی خطوط لکھائے تھے۔ اسی وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ جب آپ ﷺ نے ان خطوط کے لکھانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو بعض صحابہ کرام نے جو ان حکومتوں کے طور طریقوں سے کچھ باخبر تھے عرض کیا کہ ان خطوط پر حضور ﷺ کی مہر ہونا ضروری ہے، یہ حکمران لوگ مہر کے بغیر کسی خط کو کوئی اہمیت نہیں دیتے (گویا ایسے خطوط ان کے پاس ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں) حضور ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور چاندی کی ایک انگوٹھی بنوالی جس کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ صحیح بخاری کی روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تینوں لفظ تین سطروں میں نیچے اوپر لکھے گئے تھے۔ اس طرح  یہ آپ ﷺ کی مہر اور یہی آپ ﷺ کی انگوٹھی تھی۔

روایات میں بائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی میں پہننے کا بھی ذکر آتا ہے اور داہنے ہاتھ میں بھی 'گویا کبھی آپ داہنے ہاتھ میں پہن لیتے تھے اور کبھی بائیں ہاتھ میں۔

۳۰۵) **عَنْ عبدالله بن عَبَّاسٍ ان رَسُوْلَ اللهُ ﷺ رَاٰى خاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فِيْ يَدِرَجُلٍ فَنَزَعَهٗ فَطَرَحَهٗ فَقَالَ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ اِلٰى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِيْ يَدِهٖ فَقِيْلَ لِلرَّجُلِ بَعْدَمَاذَهَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ خُذْخَاتَمَكَ اِنْتَفِعْ بِهٖ قَالَ لَا وَاللهِ لَا اٰخُذُهٗ اَبَدًا وَقَدْ طَرَحَهٗ رَسُوْلُ اللهُ ﷺ** (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ ﷺ نے اس کے ہاتھ سے نکال کر پھینک دی۔ اور ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے کسی کسی کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی خواہش سے دوزخ کا انگارہ لے کر اپنے ہاتھ میں پہن لیتا ہے (یعنی مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی گویا دوزخ کی آگ ہے جو اس نے شوق سے ہاتھ میں لے رکھی ہے۔) پھر جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے تو کسی نے ان صاحب سے کہا (جن کے ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی نکال کر حضور ﷺ نے پھینک دی تھی) کہ اپنی انگوٹھی اُٹھالو اور (کسی طرح) اپنے کام میں لے آؤ (مثلاً فروخت کردو' یا گھر کی خواتین میں سے کسی کو دے دو) ان صاحب نے کہا خدا کی قسم! جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو پھینک دیا تو اب کبھی میں اس کو نہیں اُٹھاؤں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے دوسرے زیورات کی طرح اس کی انگوٹھی کا استعمال بھی مردوں کے لئے حرام وناجائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر مناسب اور مفید سمجھا جائے تو اپنے خاص لوگوں کے ساتھ اصلاح کا یہ طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ ان کے پاس جو چیز شریعت کے خلاف ہو اس کو چھین کر پھینک دیا جائے یا توڑ پھوڑ دیا جائے۔

ان صحابی نے لوگوں کے کہنے کے باوجود اپنی سونے کی انگوٹھی نہیں اٹھائی اور وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صحابۂ کرام کا ایمانی مقام کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

داڑھی مونچھ کے بالوں اور ظاہری ہیئت سے متعلق ہدایات

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور طرزِ عمل سے زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ظاہری ہیئت اور شکل وصورت کے بارے میں بھی امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

۳۰۶) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ الخِتَانُ وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَ نَتْفُ الْاِبِطِ.** (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: پانچ چیزیں انسان کی فطرتِ سلیمہ کے تقاضے اور دینِ فطرت کے خاص احکام ہیں۔ ختنہ' زیرناف بالوں کی صفائی' مونچھیں تراشنا' ناخن لینا اور بغل کے بال لینا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... بعض دوسری حدیثوں میں ان چیزوں کو انبیاء و مرسلین کی سنت اور ان کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اور چونکہ یہ انسانی فطرت کے تقاضے ہیں اس لئے ہونا بھی یہی چاہئے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا یہی طریقہ اور یہی ان کی تعلیم ہو۔ ان سب میں جو چیز مشترک ہے وہ طہارت و صفائی اور پاکیزگی ہے جو بلاشبہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔

۳۰۷) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ وُقِّتَ لَنَا فِىْ قَصِّ الشَّوَارِبِ وَ تَقْلِيْمِ الْاَظْفَارِ وَ نَتْفِ الْاِبِطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ اَنْ لَا نَتْرُكَ اَكْثَرَمِنْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً.** (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مونچھیں ترشوانے اور ناخن لینے اور بغل اور زیرِ ناف کی صفائی کے سلسلہ میں ہمارے واسطے حد مقرر کر دی گئی ہے کہ ۴۰ دن سے زیادہ نہ چھوڑیں۔

(صحیح مسلم)

تشریح ...... کنزالعمال میں بیہقی کی شعب الایمان کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ کو نکلنے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے اور لبیں لیتے تھے۔" [1]

اس لئے مسنون یہی ہے کہ ہر ہفتہ یہ جسمانی اصلاح و صفائی کا کام کیا جائے، اور آخری حد ۴۰ دن تک کی ہے، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ اگر اس سے زیادہ تغافل برتا تو ایک درجہ کی نافرمانی ہو گی، اور علماء نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ سے نماز بھی مکروہ ہو گی۔

۳۰۸) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى.** (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: مونچھوں کو خوب باریک کرو اور ڈاڑھیاں چھوڑو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... دوسری بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلے انبیاء و مرسلین کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ ڈاڑھیاں رکھتے اور مونچھیں باریک کراتے تھے۔

جیسا کہ ظاہر ہے، ڈاڑھی رجولیت کی علامت اور وقار کی نشانی ہے۔ خود مغربی اقوام میں بھی جہاں ڈاڑھی نہ رکھنے کا عام رواج ہے) ڈاڑھی کو قابلِ احترام اور عظمت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ کاش! ہم مسلمان محسوس کریں کہ ڈاڑھی رکھنا ہمارے ہادیٔ برحق ﷺ اور سارے نبیوں، رسولوں کی سنت اور انکے طریقہ سے وابستگی کی علامت ہے، اور ڈاڑھی نہ رکھنا اُنکے منکروں کا طریقہ ہے۔

اس حدیث میں صرف ڈاڑھی چھوڑنے کا حکم دیا گیا ہے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ ڈاڑھی کس حد تک چھوڑی جائے، بلکہ اس کے الفاظ سے شبہ ہو سکتا ہے کہ کسی صورت میں بھی اس کو قینچی نہ لگائی جائے اور کم نہ کرایا جائے۔ لیکن آگے متصلاً امام ترمذی کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی جو

[1] کنزالعمال ص ۲۵ جلد ۴

حدیث درج کی جارہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ اپنی ریش مبارک (برابر اور ہموار کرنے کیلئے) اس کے عرض میں سے بھی اور طول میں سے بھی کچھ ترشوادیتے تھے۔ اور مندرجہ بالا حدیث: "انهكوا الشوارب واعفوا اللحى" کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی روایت میں ہے کہ ان کی ڈاڑھی کے جو بال ایک مشت سے زیادہ ہوتے وہ ان کو ترشوادیتے تھے۔ بعض دوسرے صحابہ کا طرزِ عمل بھی یہی روایت کیا گیا ہے۔ ان سب روایات کی روشنی میں زیرِ تشریح حدیث: "انهكوا الشوارب واعفوا اللحى" کا مطلب اور مدعا یہ ہوگا کہ ڈاڑھی رکھی جائے، نہ منڈائی جائے نہ زیادہ کم کرائی جائے۔

ہمارے فقہانے ایک مشت سے کم کرانے کو نادرست کہا ہے۔ ایک مشت کی مقدار کی یہ تحدید کسی حدیث میں نہیں ہے۔ غالباً اس کی بنیاد یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ سے ایک مشت تک رکھنا تو ثابت ہے اس سے کم کرانا ثابت نہیں۔ واللہ اعلم۔

۳۰۹) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا. (رواه الترمذى)

عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ریش مبارک کے عرض سے بھی اور طول سے بھی کچھ ترشوادیتے تھے۔ (جامع ترمذی)

۳۱۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ مَنْ كَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس شخص کے بال ہوں اس کو چاہئے کہ وہ ان بالوں کا اکرام کرے۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح بالوں کا اکرام یہ ہے کہ ان کو دھویا جائے، حسب ضرورت تیل لگایا جائے، ان میں کنگھی بھی کی جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا، آپ ﷺ ہمیشہ سر پر بال رکھتے تھے جو کبھی کانوں تک اور کبھی کانوں کے نیچے تک رہتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو اہتمام سے دھوتے بھی تھے، ان میں تیل بھی لگاتے تھے، کنگھی بھی فرماتے تھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حج اور عمرہ کے سوا کبھی سر کے بالوں کا منڈوانا آپ ﷺ سے ثابت نہیں۔

۳۱۱) عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهٰى عَنِ الْقَزَعِ. قِيْلَ لِنَافِعٍ مَا الْقَزَعُ؟ قَالَ يُحْلَقُ بَعْضُ رَاْسِ الصَّبِيِّ وَيُتْرَكُ الْبَعْضُ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خادم) نافع، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ منع فرماتے تھے قزع سے۔ نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ قزع یہ ہے کہ بچے کے سر کے کچھ حصہ کے بال مونڈ دیئے جائیں اور کچھ حصہ کے چھوڑ دیئے جائیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح بخاری میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بچہ کو دیکھا جس کے سر کے کچھ بال مونڈ دیئے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے تھے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا اور ہدایت فرمائی کہ یا تو پورا سر مونڈا جائے یا پورے سر پر بال چھوڑ دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ ظاہر ہے' سر کے کچھ حصے کے بال مونڈ دینا اور کچھ چھوڑ دینا انتہائی بے ڈھنگے پن کی بات ہے اور اس سے بچے کی شکل بگڑ جاتی ہے۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس حکم پر اس سے ملتی جلتی دوسری صورتوں کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

عورتوں کو مہندی لگانے کا حکم

۳۱۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَانَبِيَّ اللهِ بَايِعْنِي فَقَالَ لَا اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِىْ كَفَّيْكِ فَكَاَنَّمَا كَفَّا سَبُعٍ. (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ: "مجھے بیعت کر لیجئے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں تم کو اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک کہ تم (مہندی لگا کر) اپنے ہاتھوں کی صورت نہ بدلو گی (تمہارے ہاتھ اس وقت) کسی درندے کے سے ہاتھ معلوم ہوتے ہیں۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح..... یہ ہند بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی تھیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں' اور اسی دن قریش کی دوسری بہت سی عورتوں کے ساتھ پہلی بیعت کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں ہندہ کی طرف سے جس بیعت کی درخواست کا ذکر ہے بظاہر یہ انہوں نے بعد میں کسی وقت کی ہے' اور اسی موقع پر حضور ﷺ نے ان کو ہاتھوں میں مہندی لگانے کی یہ ہدایت فرمائی۔

دوسری بعض روایات میں اور بھی بعض عورتوں کا ذکر ہے جن کو آپ ﷺ نے مہندی استعمال کرنے کی اسی طرح تاکید فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت و تعلیم سے اسلامی شریعت کا یہ نقطۂ نظر معلوم ہو گیا کہ عورتوں کو جائز حد تک زینت اور سنگھار کے اسباب استعمال کرنے چاہئیں' ظاہر ہے یہ چیز ان کے اور ان کے شوہروں کے درمیان محبت اور قلبی تعلق میں اضافہ کا باعث ہو گی۔

ستر اور پردے کے بارے میں ہدایات

انسان کی معاشی زندگی میں ستر اور پردے کے مسئلہ کی بھی خاص اہمیت ہے اور یہ ان خصائص میں سے جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے۔ خالقِ کائنات نے دوسرے حیوانات میں حیا اور شرم کا وہ مادہ نہیں رکھا جو انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اس لئے حیوانات اپنے جسم کے کسی حصے کو اور اپنے کسی فعل کو

چھپانے کی وہ کوشش نہیں کرتے جو انسان کرتا ہے' اور جس کے لئے وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔

بہر حال ستر اور پردہ اصولی درجہ میں انسانی فطرت کا تقاضا ہے اسی لئے تمام اقوام و ملل اپنے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے بہت سے اختلافات کے باوجود بنیادی طور پر اس پر متفق ہیں کہ آدمی کو دوسرے حیوانات کی طرح ننگ دھڑنگ نہیں رہنا چاہئے۔

اسی طرح یہ بات بھی تمام انسانی گروہوں کے مسلمات بلکہ معمولات میں سے ہے کہ اس بارے میں عورت کا درجہ مرد سے بھی بلند ہے' گویا جس طرح ستر اور پردے کے باب میں انسانوں کو عام حیوانات کے مقابلے میں امتیاز و تفوق حاصل ہے اسی طرح اس معاملہ میں عورت کو مرد کے مقابلہ میں فوقیت اور برتری حاصل ہے' کیونکہ اس کی جسمانی ساخت ایسی ہے کہ اس میں جنسی کشش جو بہت سے فتنوں کا ذریعہ بن سکتی ہے مردوں سے کہیں زیادہ ہے' اسی لئے ان کے پیدا کرنے والے نے ان میں حیاء کا جذبہ بھی مردوں سے زیادہ رکھا ہے۔ بہر حال اولادِ آدم کیلئے ستر اور پردہ بنیادی طور پر ان کی فطرت کا تقاضا اور پوری انسانی دنیا کے مسلمات میں سے ہے۔

پھر جس طرح انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہدایت کی تکمیل اللہ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ ہوئی اسی طرح اس شعبہ میں بھی جو ہدایات آپ ﷺ نے دیں وہ بلاشبہ اس شعبہ کی تکمیلی ہدایات ہیں۔

اس باب میں اصولی اور بنیادی احکام تو آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتابِ ہدایت قرآن مجید ہی میں دیئے گئے ہیں۔ سورۂ اعراف کے شروع ہی میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور انسانی دنیا کے آغاز کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے کہ: "نسل آدمؑ کو ستر چھپانے کی ہدایت اسی ابتدائی دور میں دے دی گئی تھی اور آگاہ کر دیا گیا تھا کہ اس بارے میں تم شیطان کے اغوا کا شکار نہ ہو جانا وہ تمہیں انسانیت کی بلند سطح سے گرا کر جانوروں کی طرح ننگا اور بے پردہ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

پھر سورۂ نور اور سورۂ احزاب میں خاص کر عورتوں کے پردے کے بارے میں احکام دیئے گئے۔ مثلاً یہ کہ ان کی اصل جگہ اپنا گھر ہے' لہٰذا بے ضرورت سیر سپاٹے یا اپنی نمائش کے لئے گھروں سے باہر نہ گھومیں۔ اور اگر ضرورت سے نکلیں (جس کی اجازت ہے) تو پورے پردے والا لباس پہن اوڑھ کر نکلیں۔ اور گھروں میں شوہروں کے علاوہ گھر کے دوسرے لوگوں' یا آنے جانے والے عزیزوں' قریبوں کے سامنے لباس اور پردے کے بارے میں ان مقررہ حدود کی پابندی کریں۔ اور مردوں کو چاہئے کہ اپنے اہلِ قرابت یا دیگر اہلِ تعلق کے گھروں میں اچانک یا بلا اطلاع اور اجازت کے نہ جائیں۔ نیز مرد عورتوں کو اور عورتیں مردوں کو دیکھنے' تاکنے کی کوشش نہ کریں' بلکہ سامنا ہو جائے تو نگاہیں نیچی کر لیں۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو عقلِ سلیم دی ہے اور ان کی فطرت مسخ نہیں ہوئی ہے' وہ اگر غور کریں تو انشاءاللہ انہیں اس میں شبہ نہ ہو گا کہ یہ احکام انسان کے جذبۂ حیا کے فطری تقاضوں کی تکمیل بھی کرتے ہیں اور ان سے ان شیطانی اور شہوانی فتنوں کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے جو زندگی کو گندہ اور اخلاق کو برباد کرتے ہیں' اور

کبھی کبھی بڑے شرمناک اور گھناؤنے نتائج کا باعث بن جاتے ہیں۔
اس تمہید کے بعد اور اسکی روشنی میں اس باب سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھیئے:

ضروری ستر

۳۱۳) **عَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ.** (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت جرہد بن خویلد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ ران (بھی) ستر میں شامل ہے۔ (یعنی اس کا کھولنا جائز نہیں) (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... انسانی جسم کے جو حصے عرف میں شرم گاہ کہلاتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہر آدمی حتیٰ کہ خدا کے اور کسی دین و مذہب کے نہ ماننے والے بھی سمجھتے ہیں کہ ان کا ستر یعنی چھپانا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ انسانی جسم میں صرف شرم گاہ اور اس کے قریبی حصے ہی نہیں بلکہ ران تک ستر میں شامل ہے جس کا چھپانا ضروری ہے۔ یہ گویا ستر کے بارے میں تکمیلی تعلیم اور ہدایت ہے۔ اس حدیث میں فخذ (ران) کو **عورة** فرمایا گیا ہے۔ عورۃ کے لفظی معنی ہیں 'چھپانے کی چیز' جس کا کھلنا شرم وحیاء کے خلاف ہو۔

۳۱۴) **عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَاتُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَاتَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ.** (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ: اے علی! اپنی ران نہ کھولو، اور کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران کی طرف نظر نہ کرو۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

۳۱۵) **عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَنْظُرِ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْاَةِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: مرد دوسرے مرد کے ستر کی طرف اور عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نظر نہ کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جسم کے وہ مخصوص حصے جن کو چھپانا ضروری قرار دیا گیا ہے (یعنی ناف کے نیچے سے رانوں تک) ان کی طرف نظر کرنا ہم جنسوں کے لئے بھی جائز نہیں۔ اور بلا شبہ حیا اور شرم کا تقاضا یہی ہے، ہاں ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہوں گے۔

تنہائی میں بھی ستر کا چھپانا ضروری

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی ہدایت فرمائی کہ اگر آدمی کسی وقت اور کسی جگہ بالکل تنہا ہو کوئی دوسرا شخص دیکھنے والا نہ ہو تب بھی بلا ضرورت برہنہ نہ ہو اور ستر کی حفاظت کرے، اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے شرم کرے۔

۳۱۶) عَنِ ابْنِ عَمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالتَّعرِّى فَاِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَايُفَارِقُكُمْ اِلَّا عِنْدَالْغَائِطِ وَ حِيْنَ يُفْضِىْ الرَّجُلُ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَاَكْرِمُوْهُمْ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو (تنہائی کی حالت میں بھی) برہنگی سے پرہیز کرو (یعنی بے ضرورت تنہائی میں بھی ستر نہ کھولو) کیونکہ تمہارے ساتھ فرشتے برابر رہتے ہیں کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتے، سوائے قضائے حاجت اور میاں بیوی کی صحبت کے وقت کے، لہٰذا ان سے شرم کرو اور ان کا احترام کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کراماً کاتبین وغیرہ جو فرشتے انسانوں کے ساتھ رہتے ہیں، وہ ان اوقات میں الگ ہو جاتے ہیں جو آدمی اپنی فطری ضرورت سے بے پردہ ہوتا ہے۔

۳۱۷) عَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِحْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ اَفَرَاَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا...... قَالَ فَاللهُ اَحَقُّ اَنْ يُسْتَحْيٰى مِنْهُ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: بہز بن حکیم نے اپنے والد حکیم سے اور انہوں نے بہز کے دادا (یعنی اپنے والد) معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اپنی شرم گاہ محفوظ رکھو (کسی کے سامنے نہ کھولو) سوائے اپنی بیوی اور (شرعی) باندی کے (معاویہ بن حیدہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ: حضرت! کیا فرماتے ہیں اس حالت کے بارے میں جب آدمی بالکل تنہائی میں ہو؟ (کوئی دوسرا آدمی دیکھنے والا نہ ہو) آپ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اسکا زیادہ سزاوار ہے اور اسکا زیادہ حق ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عورتوں کو پردہ ضروری، باہر نکلنا موجب فتنہ

۳۱۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ الْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: عورت گویا ستر ہے (یعنی جس طرح ستر کو چھپا رہنا چاہئے، اسی طرح عورت کو گھر میں پردے میں رہنا چاہئے) جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... عربی زبان میں "عورت" اس چیز یا اس حصۂ جسم کو کہتے ہیں جس کا چھپانا اور پردے میں رکھنا ضروری اور کھولنا معیوب سمجھا جائے۔ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ" یعنی صنف خواتین کی نوعیت یہی ہے، ان کو پردے میں رہنا چاہئے۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ: جب کوئی خاتون باہر نکلتی ہے تو شیطان تاک جھانک کرتے ہیں۔ حضور ؐ کے اس ارشاد کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ عورتوں کو حتی الوسع باہر نکلنا ہی نہ چاہئے تاکہ شیطانوں اور ان کے چیلے چانٹوں کو شیطنت اور شرارت کا موقع ہی نہ ملے، اور اگر ضرورت سے

نکلنا ہو تو اس طرح باپردہ نکلیں کہ زینت و آرائش کا اظہار نہ ہو۔ قرآن مجید کی آیت: "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى." میں بھی یہی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ البتہ ضرورت سے باہر نکلنے کے بارے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضورﷺ کا صریح ارشاد ہے: "إِنَّهُ قَدْ أُذِنَ لَكُنَّ أَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ." یعنی بہ ضرورت باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

نظر بازی موجب لعنت

۳۱۹) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ إِلَيْهِ.
(رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: خدا کی لعنت ہے دیکھنے والے پر اور اس پر جس کو دیکھا جائے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی نامحرم عورت کو یا کسی کے ستر کو (جس کا دیکھنا حرام ہے) دیکھے، تو اس پر خدا کی طرف سے لعنت ہے، یعنی رحمت سے محرومی کا فیصلہ ہے اور اسی طرح وہ بھی رحمت خداوندی سے محروم ہے جس نے قصداً دیکھنے والے کو دیکھنے کا موقع دیا اور دکھایا۔

کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے کا حکم

۳۲۰) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِي أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِيْ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہئے؟) تو آپﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُدھر سے نگاہ پھیر لوں۔ (صحیح مسلم)

۳۲۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلَى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ. (رواه احمد والترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے حضرت علی سے ایک دفعہ فرمایا: اے علی! (اگر کسی نامحرم پر تمہاری نظر پڑ جائے) تو دوبارہ نظر نہ کرو، تمہارے لئے پہلی نظر (جو بلا ارادہ اور اچانک پڑ گئی وہ) تو جائز ہے (یعنی اس پر مواخذہ اور گناہ نہ ہوگا) اور دوسری جائز نہیں۔
(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

۳۲۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلَى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپﷺ نے

فرمایا: جس مردِ مؤمن کی کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی دفعہ نظر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ نیچی کر لے اور (اس کی طرف نہ دیکھے) تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی وہ لذت و حلاوت محسوس کرے گا۔ (مسند احمد)

تشریح یعنی ایک ناجائز نفسانی لذت کی قربانی کے صلہ میں اللہ تعالیٰ آخرت کے بے حساب اجر و ثواب سے پہلے اپنے اس مؤمن بندے کو حلاوتِ عبادت کی نہایت اعلیٰ روحانی لذت اسی دنیا میں عطا فرمائے گا۔

غیر عورت پر نظر پڑ جانے سے دل میں گندہ جذبہ پیدا ہو تو

انسان کی یہ فطرت ہے کہ کوئی کھانے پینے کی مرغوب چیز دیکھے یا خوشبو ہی آجائے تو اس کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ گرمی اور تپش کی حالت میں ٹھنڈی، سایہ دار اور خوش منظر جگہ دیکھ کر وہاں ٹھہرنے اور آرام کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی غیر عورت پر اچانک نگاہ پڑ جانے سے بسا اوقات شہوانی تقاضا پیدا ہو جاتا ہے جو اغواء شیطانی سے بہت برے نتائج تک بھی پہنچا سکتا ہے، اور کم از کم آدمی ایک قسم کی بے چینی میں تو مبتلا ہو ہی جاتا ہے۔ نفس و روح کے معالج اعظم رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی علاج بتلایا ہے۔

۳۲۳) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمَرْاَةَ تُقْبِلُ فِىْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَ تُدْبِرُ فِىْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْاَةُ فَوَقَعَتْ فِىْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمِدْ اِلٰى امْرَاَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِىْ نَفْسِهٖ.** (رواہ مسلم)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا ہوتا ہے کہ کوئی عورت شیطان کی طرح آتی یا جاتی ہے (یعنی اس کا ڈھنگ اور اس کی چال آدمی کے لئے شیطانی فتنہ کا سامان بن سکتی ہے) تو اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ کوئی ایسی عورت اچھی لگے اور اس کے ساتھ دلچسپی اور دل میں اس کی خواہش پیدا ہو جائے تو آدمی کو چاہئے کہ اپنی بیوی کے پاس جائے اور اپنی نفسانی خواہش پوری کرے، اس سے اس کی اس گندی خواہشِ نفس کا علاج ہو جائے گا۔ (صحیح مسلم)

نامحرم عورتوں سے تنہائی میں ملنے کی ممانعت

معاشرے کو فواحش اور گندے اعمال و اخلاق سے محفوظ رکھنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی نامحرم عورت سے تنہائی میں نہ ملے، ایسی صورت میں اس شیطان کو اپنا کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے جو ہر وقت ساتھ رہتا ہے۔

۳۲۴) **عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَاَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جب کوئی نامحرم شخص تنہائی میں کسی عورت سے ملے گا تو شیطان ان کو معصیت میں مبتلا کرنے کی ضرور کوشش کرے گا۔ اس لعین دشمن ایمان کو اس کا موقع ہی نہ دیا جائے۔

۳۲۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: تم (نامحرم) عورتوں کے پاس جانے سے بچو (اور اس معاملہ میں بہت احتیاط کرو) ایک شخص نے دریافت کیا کہ: شوہر کے قریبی رشتہ داروں (دیور وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ (کیا ان کے لئے بھی یہی حکم ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ تو بالکل موت اور ہلاکت ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح..... شوہر کے قریبی رشتہ داروں میں اس کے باپ اور اس کی اولاد تو بیوی کے لئے محرم ہیں' ان کے علاوہ سارے رشتہ دار حتی کہ حقیقی بھائی بھی نامحرم ہیں' ان کا بھی آزادانہ طور پر گھر میں آنا اور خلوت و جلوت میں بے تکلف اور بے پردہ ملنا اور باتیں کرنا رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق انتہائی خطرناک اور عفت و دیانت کے لئے گویا زہر قاتل ہے۔

۳۲۶) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا وَمِنْكَ يَارَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ وَ مِنِّىْ وَلٰكِنَّ اللهَ اَعَانَنِىْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمُ. (رواه الترمذى)

ترجمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (خاصکر) ان خواتین کے گھروں میں نہ جایا کرو جن کے شوہر کہیں باہر (سفر وغیرہ) میں گئے ہوئے ہوں' کیونکہ شیطان (یعنی اس کے اثرات و وساوس) سب میں اس طرح (غیر مرئی طور پر) جاری ساری رہتے ہیں جس طرح رگوں میں خون رواں دواں رہتا ہے۔ ہم نے عرض کیا: اور کیا آپ میں بھی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اور مجھ میں بھی' لیکن اللہ تعالیٰ نے میری (اس معاملہ میں) خاص مدد فرمائی ہے' اس لئے میں محفوظ رہتا ہوں۔

(جامع ترمذی)

تشریح..... شادی شدہ عورتیں جن کے شوہر کہیں سفر وغیرہ میں گئے ہوئے ہوں ان سے نامحرم مردوں کے ملنے میں ظاہر ہے فتنہ کا خطرہ زیادہ ہے' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں یہ خاص ہدایت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے' اور اس کے وساوس و اثرات آدمی میں اس طرح دوڑ جاتے ہیں جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ اس موقع پر کسی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ: حضرت! اس بارے میں (یعنی شیطانی وساوس و تصرفات کے بارے میں) حضور ﷺ کا کیا حال ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: شیطان تو میرے ساتھ بھی ہے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں میری خاص مدد فرمائی ہے جس کی وجہ سے میں اس کے وساوس اور اثرات سے محفوظ رہتا ہوں' مجھ پر اس کا داؤ نہیں چلتا اور وہ مجھے کسی غلطی

یا فتنہ میں مبتلا نہیں کر سکتا۔ یہ دراصل عفت عصمت کا لازمی تقاضا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضور ﷺ نے شیطانی اثرات و وساوس سے محفوظ رہنے کو اپنا ذاتی کمال نہیں بتلایا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اعانت کا نتیجہ قرار دیا۔ یہ عبدیت کا خاص الخاص مقام ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ

معارفُ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی ؐ کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اُردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

جلد ہفتم

کتاب المعاشرۃ والمعاملات

حصہ دوم

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768-021

طباعت کمپیوٹر ایڈیشن : اپریل ۲۰۰۷ء

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی

پریس : علمی گرافکس کراچی

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھہ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

ISLAMIC BOOKS CENTRE
119-121 HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE, U.K.

AZHAR ACADEMY LTD.
54-68 LITTLE ILFORD LANE
MANOR PARK, LONDON E12 5QA

امریکہ میں ملنے کے پتے

DARUL-ULOOM AL-MADANIA
182 SOBIESKI STREET
BUFFALO, NY 14212, U.S.A.

MADRASAH ISLAMIAH BOOK STORE
6665 BINTLIFF, HOUSTON
TX 77074 U.S.A.

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ از نبیّ اُمیے پیغام دہ

پیشکش

اُن سب اخوان دینی کی خدمت میں —— جو "نبی اُمّی" سیدنا حضرت محمد
عربی (فداہُ اُمّی وابی وروحی و قلبی) ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں

اور آپ ﷺ کی ہدایت اور اُسوۂ حسنہ کی پیروی ہی میں اپنی اور تمام اولادِ آدم
علیہ السلام کی نجات کا یقین رکھتے ہیں

اور اس لئے آپ ﷺ کی تعلیم اور طرزِ زندگی سے صحیح واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں

آیئے

علم و تصوّر ہی کے راستہ سے مجلسِ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر
آپ ﷺ کے ارشادات سنیں

اور

اس چشمۂ انوار سے
اپنے تاریک دلوں کیلئے روشنی حاصل کریں

عاجز و عاصی

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

پیش لفظ

از مؤلف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰت

اس عاجز بندے پر اس کے رب کریم کا ایک عظیم احسان اس سلسلۂ "معارف الحدیث" کی تالیف کی توفیق ہے۔ اس کی چھ جلدیں پہلے شائع ہو چکی ہیں۔ چھٹی جلد کی حیثیت کتاب المعاشرۃ والمعاملات کے حصہ اول کی تھی اور یہ ساتویں جلد اس کا حصہ دوم ہے۔ پہلے ارادہ ان دونوں کو ایک ہی جلد میں شائع کرنے کا تھا، پھر ضخامت بہت زیادہ ہو جانے کی وجہ سے دو حصوں میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جلد ششم میں صرف معاشرت سے متعلق سوا تین سو احادیث کی تشریح کی گئی تھی۔

پیشِ نظر جلد ہفتم میں نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات، معاشی معاملات اور تمدنی زندگی کے تمام بنیادی شعبوں اور روز مرہ پیش آنے والے مسائل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے تقریباً دو سو ارشادات یا معمولات تشریح کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور پڑھنے اور سننے والوں کو اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

چھٹی جلد کے شروع میں جو دیباچہ ہے وہی اس ساتویں جلد کا بھی دیباچہ ہے۔ بہتر ہے کہ اس کے مطالعہ سے پہلے اس پر نظر ڈال لی جائے۔ البتہ اتنی بات کی طرف یہاں توجہ دلانا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کا ایسا عادلانہ اور فطری حل پیش کرنے والا وہ نبی امی تھا جس نے نہ کسی قدیم آسمانی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ متمدن قوموں کے قوانین اور دساتیر کا، نہ کسی استاذ کے سامنے کبھی زانوئے تلمذ تہہ کیا بلکہ وہ حروف اور الفاظ کو پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ کیا یہ آپ ﷺ کے نبی برحق ہونے کی ایک روشن دلیل اور آپ ﷺ کا ایک جیتا جاگتا معجزہ نہیں ہے؟ ان تعلیمات سے یہ حقیقت بھی خوب روشن ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی زندگی اور فطرت کے تقاضوں کو کچل کر نہیں، بلکہ ان کے فطری حل کے ذریعہ اس کی روحانی ترقی کا ضامن و داعی ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام خصوصاً ہم کو اس نعمت کی قدردانی کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے باتوفیق ناظرین سے آخری گزارش یا وصیّت

اس سے پہلی جلدوں کے دیباچہ میں بھی یہی کی گئی تھی اور اب بھی یہی ہے کہ:

حدیث نبوی ﷺ کا مطالعہ خالص "علمی سیر" کے طور پر ہرگز نہ کیا جائے بلکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اپنے ایمانی تعلق کو تازہ کرنے اور عمل کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔ نیز مطالعہ کے

وقت رسول اللہ ﷺ کی محبت و عظمت کو دل میں ضرور بیدار کیا جائے اور اس طرح ادب اور توجہ سے پڑھا جائے کہ گویا حضور ﷺ کی مجلسِ اقدس میں حاضر ہیں اور آپ ﷺ فرما رہے ہیں۔ اور ہم سن رہے ہیں۔ اگر ایسا کیا گیا تو قلب و روح کو ان انوار و برکات اور ان ایمانی کیفیات کا کچھ نہ کچھ حصہ انشاء اللہ ضرور نصیب ہوگا جو عہدِ نبوی ﷺ کے ان خوش نصیبوں کو حاصل ہوتی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے براہِ راست روحانی اور ایمانی استفادہ کی دولت عطا فرمائی تھی۔

اس عاجز نے اپنے اساتذہ اور بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اَز راہِ ادب حدیث نبوی ﷺ کے درس و مطالعہ کے لئے وضو کا اہتمام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ راقم السطور اور اس کتاب کے ناظرین کو بھی یہ اَدب نصیب فرمائے۔

آخری بات اللہ کی حمد اور اس کا شکر ہے اور اس کے اتمام کے لئے اس سے حسنِ توفیق کی استدعا اور کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی التجا۔

عاجز و گنہگار بندہ

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

۱۷ر شوال ۱۴۰۲ھ ۸ر اگست ۱۹۸۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

نکاح وازدواج اور اس کے متعلقات

نکاح اور شادی کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مرد و عورت کے باہمی تعلق اور اولاد سے متعلق کئی طریقے اور ضابطے رائج تھے' ان میں سے بعض نہایت گندے اور شرمناک تھے' ایک طریقہ اصولی طور پر صحیح اور شریفانہ تھا' رسول اللہ ﷺ نے اس کی اصلاح فرما کر بس اسی کو باقی رکھا اور دوسرے سارے طریقے یکسر ختم فرمادیئے اور ان کو سنگین گناہ اور جرم قرار دیا۔

آپ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے نکاح و شادی کا جو عمومی طریقہ مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کے اولیاء اور سرپرستوں کو پیام دیا جائے اور رشتہ کی طلب واستدعا کی جائے' وہ اگر رشتہ کو مناسب اور قرینِ مصلحت سمجھیں تو عورت کے عاقلہ بالغہ اور صاحبِ رائے ہونے کی صورت میں اس کی مرضی معلوم کرکے اور کم سن ہونے کی صورت میں اپنی مخلصانہ اور خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق رشتہ منظور کرلیں اور نکاح کردیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہی طریقہ فطرت وحکمت کے عین مطابق ہے۔

نکاح و شادی کی اصل ذمہ داریاں چونکہ منکوحہ عورت پر عائد ہوں گی اور وہی ساری عمر کے لئے ان کی پابند ہوگی اس لئے اس کی رائے اور رضامندی لینا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے' اور اس کے نفس کا اصل مختار خود اسی کو قرار دیا گیا ہے۔ ولی اور سرپرست کو حق نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے خلاف کسی سے اس کا نکاح کردے۔ اسی کے ساتھ عورت کے شرف نسوانیت کی رعایت سے ہدایت فرمائی گئی کہ معاملہ اولیاء اور سرپرستوں ہی کے ذریعہ طے ہو اور وہی عقد و نکاح کرنے والے ہوں۔ یہ بات عورت کے مقامِ شرف کے خلاف ہے کہ کسی کی بیوی بننے کا معاملہ وہ خود براہِ راست طے کرے اور خود سامنے آکر اپنے کو کسی کے نکاح میں دے۔ علاوہ ازیں چونکہ کسی لڑکی کے نکاح کے کچھ اثرات اس کے خاندان پر بھی پڑتے ہیں اس وجہ سے بھی اولیاء (خاندانی بزرگوں) کو کسی درجہ میں دخیل قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر سارا معاملہ عورت ہی کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور اولیاء بے تعلق رہیں تو اس کا بہت زیادہ امکان ہے کہ بے چاری عورت دھوکا کھا جائے اور کسی کے دامِ فریب میں آکر خود اپنے حق میں غلط فیصلہ کرلے' ان سب وجوہ کی بناء پر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ (خاص استثنائی صورتوں کے علاوہ) نکاح و شادی اولیاء ہی کے ذریعہ ہو۔

نکاح و شادی کے سلسلہ میں ایک رہنمائی یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ جس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ ہو

اگر دیکھی بھالی بالکل نہ ہو تو اگر ہو سکے تو پیام دینے سے پہلے ایک نظر دیکھ لیا جائے تاکہ بعد میں کوئی خدشہ پیدا نہ ہو۔ یہ مقصد ایک درجہ میں قابلِ اعتماد عورتوں کے دیکھنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے۔

ایک ہدایت یہ بھی فرمائی گئی کہ اگر کسی عورت سے نکاح کے لئے کسی دوسرے مرد کی طرف سے پیام دیا جا چکا ہے تو جب تک اس کے لئے انکار نہ ہو جائے اور بات ٹوٹ نہ جائے اس کے لئے پیام نہ دیا جائے۔ اس کی حکمت ظاہر ہے۔

نکاح کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ خفیہ نہ ہو کچھ لوگوں کی موجودگی میں اعلانیہ ہو جو اس کے شاہد اور گواہ ہوں بلکہ بہتر بتایا گیا ہے کہ مسجد میں ہو اسی طرح نکاح کے موقعہ پر خطبہ بھی مسنون ہے۔

مرد کی طرف سے عورت کے لئے مہر کا نذرانہ بھی ضروری قرار دیا گیا

ان سب اُمور اور نکاح کے دوسرے متعلقات سے متعلق احادیث ذیل میں پڑھیے!

مرد عورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے طریقے اور ضابطے

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النِّكَاحَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانَ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَنْحَاءٍ فَنِكَاحٌ مِنْهَا نِكَاحُ النَّاسِ الْيَوْمَ يَخْطِبُ الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ وَلِيَّتَهٗ اَوْ اِبْنَتَهٗ فَيُصْدِقُهَا ثُمَّ يَنْكِحُهَا وَنِكَاحٌ اٰخَرُ كَانَ الرَّجُلُ يَقُوْلُ لِاِمْرَاَتِهٖ اِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا اَرْسِلِيْ اِلٰى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِيْ مِنْهُ وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا اَبَدًا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَالِكَ الرَّجُلِ الَّذِيْ تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ فَاِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا اَصَابَهَا زَوْجُهَا اِذَا اَحَبَّ وَاِنَّمَا يَفْعَلُ ذَالِكَ رَغْبَةً فِيْ نَجَابَةِ الْوَلَدِ فَكَانَ هٰذَا النِّكَاحُ نِكَاحَ الْاِسْتِبْضَاعِ وَنِكَاحٌ اٰخَرُ يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ مَادُوْنَ الْعَشْرَةِ فَيَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ كُلُّهُمْ يُصِيْبُهَا فَاِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ وَمَرَّ عَلَيْهَا لَيَالٍ بَعْدَ اَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا اَرْسَلَتْ اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ اَنْ يَّمْتَنِعَ حَتّٰى يَجْتَمِعُوْا عِنْدَهَا تَقُوْلُ لَهُمْ قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِيْ كَانَ مِنْ اَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدتُّ فَهُوَ اِبْنُكَ يَافُلَانُ تُسَمِّيْ مَنْ اَحَبَّتْ بِاِسْمِهٖ فَيَلْحَقُ بِهٖ وَلَدُهَا وَلَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يَّمْتَنِعَ مِنْهُ الرَّجُلُ وَالنِّكَاحُ الرَّابِعُ يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيْرُ فَيَدْخُلُوْنَ عَلَى الْمَرْاَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَ هَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلٰى اَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ تَكُوْنُ عَلَمًا فَمَنْ اَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَاِذَا حَمَلَتْ اِحْدَاهُنَّ وَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوْا لَهَا وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ ثُمَّ اَلْحَقُوْا وَلَدَهَا بِالَّذِيْ يَرَوْنَ فَالْتَاطَ بِهٖ وَدُعِيَ ابْنَهٗ لَايَمْتَنِعُ مِنْ ذَالِكَ...... فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ ﷺ بِالْحَقِّ هَدَمَ نِكَاحَ الْجَاهِلِيَّةِ كُلَّهٗ اِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ الْيَوْمَ. (رواہ البخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے (انہوں نے بیان فرمایا) کہ زمانۂ جاہلیت میں نکاح (یعنی مرد و عورت کے جوڑ ملاپ اور اس سے پیدا ہونے والی اولاد سے متعلق) چار طریقے رائج تھے۔

ان میں سے ایک طریقہ تو وہ تھا جو (اصولی طور پر) آج بھی رواج میں ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا اس کی زیر ولایت لڑکی کے لئے نکاح کا پیام دیا جاتا ہے۔ پھر وہ مناسب مہر مقرر کر کے اس لڑکی کا نکاح اس آدمی سے کر دیتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ کسی آدمی کی بیوی جب حیض سے پاک ہوتی (اس وقت عورت میں حاملہ ہونے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے) تو وہ (کسی بڑی شان والے آدمی کے بارے میں) خود اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو اس آدمی کو بلا کر اس سے نیوگ کر لے (یعنی اس سے تعلق قائم کر لے، اور اس کی صحبت سے حمل حاصل ہونے کی کوشش کر) اور پھر وہ شوہر اپنی بیوی سے خود اس وقت تک الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا، پھر جب اس کے حمل کے آثار ظاہر ہو جاتے تو اس کے بعد یہ شوہر حسب خواہش اپنی بیوی سے صحبت کرتا، اور یہ سب کچھ اس غرض سے کرتا کہ لڑکا نجیب (بڑی شان والا) پیدا ہو، اور اس طریقہ کو "نکاح استبضاع" کہا جاتا تھا [1]۔

اور ایک اور (تیسرا) طریقہ یہ تھا کہ چند آدمیوں کی ٹولی (روایت میں "رھط" کا لفظ ہے جو دس سے کم کے لئے بولا جاتا ہے) ایک عورت کے پاس پہنچتی اور ان میں سے ہر ایک اس سے صحبت کرتا (اور یہ سب باہمی رضامندی سے ہوتا) پھر اگر وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ ہو جاتا تو چند روز کے بعد وہ ان سب آدمیوں کو بلواتی (اور دستور کے مطابق) کسی کے لئے بھی اس کی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ نہ آئے۔ اس لئے سب ہی پہنچ جاتے تو وہ کہتی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور (اس کے نتیجہ میں) میرے یہ بچہ پیدا ہوا اور پھر وہ ان میں سے جس کو چاہتی نامزد کر کے کہتی اے فلانے یہ تیرا لڑکا ہے۔ پھر وہ لڑکا اسی کا مان لیا جاتا تھا اور وہ آدمی انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (یہ تیسرا طریقہ تھا)

اور چوتھا طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت سے بہت سے لوگوں کا جنسی تعلق ہوتا۔ کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ ہوتی، یہ پیشہ ور لونڈیاں ہوتی تھیں، ان کے گھروں کے دروازے پر بطور علامت کے ایک نشان نصب ہوتا تھا جو کوئی بھی چاہتا ان کے پاس پہنچ جاتا، تو جب ان میں سے کسی کو حمل رہ جاتا اور پھر بچہ پیدا ہوتا تو اس سے تعلق رکھنے والے یہ سب لوگ جمع ہو جاتے اور قیافہ شناسی کے ماہرین بلائے جاتے، پھر وہ (اپنی قیافہ شناسی سے) اس بچہ کو جس کے نطفہ سے سمجھتے اسی کا لڑکا قرار دے دیتے اور بس وہ اس سے چپک جاتا۔ اور اسی کا بیٹا کہا جاتا، وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ (ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زمانۂ جاہلیت کے یہ سب طریقے بیان کرنے کے بعد

---

[1] یہ شرمناک طریقہ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے بعض پست قبیلوں میں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ ایک پست سطح کا آدمی چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا مثلاً بہادر اور شہسوار ہو یا شکیل و جمیل اور قد آور ہو تو وہ کسی ایسے آدمی کے متعلق جو ان صفات میں ممتاز ہوتا اپنی بیوی سے کہتا کہ تو اس آدمی سے تعلق قائم کر لے تاکہ اس کا حمل قرار پا جائے اور پھر بیٹا انہی صفات کا اور اسی طرح کا پیدا ہو، اور خود اس وقت بیوی سے الگ رہتا جب تک کہ اس دوسرے آدمی سے حمل قرار پاتا...... عربی میں اس کو "استبضاع" کہا جاتا ہے، ہم نے اس کا ترجمہ "نیوگ" کیا ہے۔ ہندو معاشرہ میں نیوگ کا رواج رہا ہے۔ اور اس کو جائز اور درست سمجھا جاتا ہے، اس کی صورت قریب قریب یہی ہوتی ہے۔ اسکی تفصیلات کیلئے بانی آریہ سماج سوامی دیانند سرسوتی کی "ستیارتھ پرکاش" کا مطالعہ کیا جائے۔

فرمایا) پھر جب حضرت محمد ﷺ اللہ کی طرف سے دینِ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے ان سب (شرمناک اور حیا سوز) مروج طریقوں کو یکسر مٹادیا۔ اور نکاح و شادی کا بس وہی (پاکیزہ) طریقہ رہ گیا جواب جاری ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب کیسی گندگیوں اور تاریکیوں میں تھے، اور پھر آپ ﷺ کی ہدایت اور تعلیم و تربیت نے ان کو آسمانِ ہدایت کا چاند اور سورج بنادیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ نَبِيِّكَ رَسُوْلِ الرَّحْمَةِ مُخْرِجِ النَّاسِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِكَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

جس عورت سے نکاح کرنیکا ارادہ ہو اسکو ایک نظر دیکھ لینا گناہ نہیں، بلکہ بہتر ہے

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَلْقَى اللهُ فِىْ قَلْبِ امْرِءٍ خِطْبَةَ امْرَاَةٍ فَلَا بَاسَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهَا. (رواه احمد وابن ماجه)

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی کے دل میں کسی عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا خیال ڈالے تو اس کے واسطے گناہ نہیں ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ اِمْرَاَةً فَقَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هَلْ نَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قُلْتُ لَا، قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَحْرٰى اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا. (رواه احمد والترمذى والنسائى وابن ماجه)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک خاتون کے لئے نکاح کا پیام دیا (یا پیام دینے کا ارادہ کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا تو نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا، ایک نظر دیکھ لو، یہ اس مقصد کے لئے زیادہ مفید ہوگا کہ تم دونوں میں الفت و محبت اور خوشگواری رہے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ابن ماجہ)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد یہی ہے کہ نکاح و شادی کا مسئلہ بہت اہم ہے ساری عمر کے لئے ایک فیصلہ اور معاہدہ ہے، یہ مناسب نہیں کہ یہ معاملہ ناواقفی و بے خبری کے ساتھ اندھیرے میں ہو، بلکہ واقفیت اور بصیرت کے ساتھ ہونا چاہئے۔ قابلِ اعتماد لوگوں اور خاص کر عورتوں کے ذریعہ بھی صحیح معلومات حاصل ہوسکتے ہیں، جو بھی ذریعہ اختیار کیا جائے اس کا بہر حال لحاظ رکھا جائے کہ عورت کو یا اس کے گھر والوں کو گرانی اور ناگواری نہ ہو، بلکہ اچھا ہے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو، سنن ابی داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے ایک عورت کے لئے نکاح کا پیام دینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کے مطابق میں چھپ چھپ کر اس کو دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس میں کامیاب ہو گیا پھر میں نے اس سے نکاح کر لیا۔

پیام پر دوسرا پیام نہ دیا جائے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ حَتّٰی یَنْكِحَ اَوْ یَتْرُكَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ اپنے دوسرے بھائی کے پیام نکاح کے مقابلہ میں اپنا پیام دے، تاآنکہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے اور بات ختم ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کے لئے اپنا پیام دے دیا ہے تو جب تک ادھر کا معاملہ ختم نہ ہو جائے کسی دوسرے آدمی کے لئے درست نہیں کہ وہ اپنا پیام وہیں کے لئے دے، ظاہر ہے کہ یہ بات پہلے پیام دینے والے آدمی کے لئے ایذاء اور ناگواری کا باعث ہوگی اور ایسی باتوں سے فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔

نکاح کے معاملے میں عورت کی مرضی اور ولی کا مقام

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلثَّیِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِیِّهَا وَالْبِكْرُ یَسْتَاْذِنُهَا اَبُوْهَا فِیْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اپنے نفس کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق اور اختیار ہے اور باکرہ (کنواری) کے باپ کو بھی چاہئے کہ اس کے نکاح کے بارے میں اس کی اجازت حاصل کرے اور اس کی خاموشی بھی اجازت ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ، قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ اَنْ تَسْكُتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شوہر دیدہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کرلیا جائے اور باکرہ (کنواری) لڑکی کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اس کی اجازت کا طریق کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (دریافت کرنے پر) اس کا خاموش ہو جانا (اس کی اجازت سمجھا جائے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... ایّم کے اصل معنی ہیں "بے شوہر والی عورت"، لیکن اس حدیث میں اس سے مراد ایسی عورت ہے جو شادی اور شوہر کے ساتھ رہنے کے بعد بے شوہر ہو گئی ہو، خواہ شوہر کا انتقال ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دے دی ہو۔ (اسی کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اوپر والی حدیث میں "ثیّب" کہا گیا ہے) ایسی عورت کے بارے میں ان دونوں حدیثوں میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کی رائے اور مرضی معلوم کئے بغیر اس کا نکاح نہ کیا

جائے، یعنی یہ ضروری ہے کہ وہ زبان سے یا واضح اشارہ سے اپنی رضامندی ظاہر کرے، اس حدیث کے لفظ "حتی تستامر" کا یہی مطلب ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں "بکر" سے مراد وہ کنواری لڑکی ہے جو عاقل بالغ تو ہو لیکن شوہر دیدہ نہ ہو۔ اس کے بارے میں ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اس کا نکاح بھی اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، لیکن ایسی لڑکیوں کو حیا و شرم کی وجہ سے چونکہ زبان یا اشارہ سے اجازت دینا مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے دریافت کرنے اور اجازت مانگنے پر ان کی خاموشی کو بھی اجازت قرار دے دیا گیا ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی عاقل بالغ عورت کا نکاح خواہ وہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو، اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کا ولی نہیں کر سکتا، ہاں اگر کوئی لڑکی صغیر السن ہے، ابھی نکاح شادی کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے لائق نہیں ہے اور کوئی بہت اچھا رشتہ سامنے ہے اور خود لڑکی کی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا نکاح کر دیا جائے تو ولی (جو خیر خواہی کا ذمہ دار ہے) اپنی خیر خواہانہ صوابدید کے مطابق نکاح کر سکتا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضور ﷺ سے صرف اپنی صوابدید کے مطابق اس وقت کر دیا تھا جب کہ ان کی عمر ۶۔۷ سال کی تھی۔ [1]

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ. (رواہ احمد والترمذی وابو داؤد و ابن ماجہ والدارمی)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کے بدون نکاح نہیں۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح...... حدیث کا مقصد و مدعا بظاہر یہ ہے کہ نکاح ولی ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ عورت کے لئے یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وہ خود اپنا نکاح کرے۔ یہ اس کے شرف اور مقامِ حیا کے بھی خلاف ہے اور اس سے خرابیاں پیدا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے۔ ہاں جیسا کہ مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا اپنے بارے میں اصل اختیار عورت ہی کا ہے۔ ولی اس کی مرضی اور رائے کے خلاف اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

ضروری ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اعلانیہ ہو

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِی الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ. (رواہ الترمذی)

---

[1] اس نکاح میں فریقین کے لئے بڑی مصلحتیں اور برکتیں تھیں، حضرت ابو بکر صدیقؓ حضورؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے اور ایسی قربانیاں دیں اور صحبت و رفاقت کا ایسا حق ادا کیا کہ وفات سے کچھ پہلے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے ساتھ جس نے جو احسان کیا تھا یا جو خدمت کی تھی میں نے سب کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابو بکر کی خدمات کا بدلہ نہیں دے سکا...... تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی کم عمری کے باوجود اُن سے نکاح اس لئے بھی کر لیا تھا کہ ابو بکرؓ سے قرابت کا بھی خاص الخاص تعلق ہو جائے اور ان کا اور اُن کے گھر والوں کا جی خوش ہو۔ اس نکاح میں جو اور مصلحتیں اور برکتیں تھیں اُن پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نکاح بالاعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کیا کرو اور دف بجوایا کرو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ نکاح چوری چھپے نہ ہو اس میں بڑے مفاسد کا خطرہ ہے لہذا بالاعلان کیا جائے۔ اور اس کے لئے آسان اور بہتر یہ ہے کہ مسجد میں کیا جائے، مسجد کی برکت بھی حاصل ہو گی اور لوگوں کو جمع کرنے جوڑنے کی زحمت بھی نہ ہو گی، گواہوں شاہدوں کی شرط بھی آپ سے آپ پوری ہو جائے گی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں نکاح و شادی کی تقریب کے موقع پر دف بجانے کا رواج تھا اور بلاشبہ اس تقریب کا تقاضا ہے کہ بالکل خشک نہ ہو، کچھ تفریح کا بھی سامان ہو اس لئے آپ ﷺ نے دف بجانے کی اجازت بلکہ ایک گونہ ترغیب دی۔

نکاح کے لئے شہادت ضروری

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْبَغَايَا الَّتِىْ يَنْكِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورتیں اپنا نکاح شاہد گواہ کے بغیر (چوری چھپے) کرلیں وہ حرام کار ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... اس حدیث کو امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے جس طرح کہ یہاں نقل کیا گیا ہے، اور موقوفاً بھی روایت کیا ہے، یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا قول اور فتوٰی ہے۔ اور سند کے لحاظ سے اسی کو ترجیح دی ہے۔ لیکن اگر یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ حضور ﷺ سے سنے بغیر ایسی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے فقہا اور محدثین کے مسلمہ اصول پر یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اسی وجہ سے اُمت کے قریب قریب تمام آئمہ مجتہدین اس پر متفق ہیں کہ شہادت نکاح کے شرائط میں سے ہے جس کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہو گا۔

خطبۂ نکاح

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُطْبَةَ الْحَاجَةِ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ يَّهْدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ○ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا○

(فی شرح السنة عن ابن مسعود فی خطبة الحاجة من النكاح وغيره)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو (نکاح وغیرہ) ہر

اہم ضرورت (اور مواقع) کے لئے یہ خطبہ تعلیم فرمایا۔ "الحمدللّٰہ نستعینہ و نستغفرہ ...... فقد فاز فوزا عظیما۔" (ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے' ہم (اپنی سب ضرورتوں اور تمام مقاصد میں) اسی سے مدد کے طالب اور خواستگار ہیں' اور اسی سے (اپنے قصوروں اور گناہوں کی) معافی اور مغفرت کی استدعا کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کی شرارتوں سے اسی اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کے لئے اللہ ہدایت سے محرومی کا فیصلہ فرمادے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور پرستش کے لائق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول برحق ہیں۔
اے ایمان والو! اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم باہم سوال کرتے ہو اور قرابتوں کی حق تلفی سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم اس کے فرمانبردار ہو۔
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ سیدھی بات بولو' وہ تمہارے اعمال درست فرمادے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا' اور جو بندہ حکموں پر چلے اللہ اور اس کے رسول کے تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ (سنن ابی داؤد' مسند احمد' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

تشریح..... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا روایت کردہ یہ خطبہ جیسا کہ روایت میں تصریح ہے صرف نکاح کے موقع کے ہی لئے نہیں ہے' بلکہ عمومی قسم کا ہے' اس کا مضمون بہت ہی جامع ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک ایک لفظ الہامی ہے' اس کی بعض روایات میں ایک دو لفظوں کا اضافہ بھی ہے۔ یہاں جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ سنن ابی داؤد کی روایت کے ہیں' ابن ماجہ کی روایت میں شروع میں "الحمدللّٰہ" کے بعد "نحمدہ" کا اضافہ ہے۔ اسی طرح "ونعوذ باللہ من شرور انفسنا" کے بعد "ومن سیئات اعمالنا" کا بھی اضافہ ہے۔ آخر میں قرآن پاک کی تین آیتیں ہیں۔ ایک سورۂ نساء کی پہلی آیت کا آخری حصہ ہے۔ [1] "واتقوااللہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا O" اسکے بعد دوسری آیت سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۲ ہے "یاایھاالذین امنوا اتقوااللہ حق تقاتہ." الآیۃ. اسکے بعد تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ۷۰ ہے۔ "یا ایھاالذین امنوا اتقوا اللہ وقولوا قولا سدیدا." الآیۃ.

کسی بھی اہم موقع پر ایک بندہ کو اللہ کے حضور میں اپنی بندگی اور نیازمندی و وفاداری کے اظہار کے لئے بارگاہِ خداوندی میں جو کچھ عرض کرنا چاہئے وہ سب اس خطبہ کے ابتدائی حصہ میں آگیا ہے' اور آخر میں جو تین آیتیں ہیں وہ بندہ کی ہدایت کے لئے بالکل کافی ہیں۔ یہ خطبہ عقدِ نکاح سے پہلے پڑھا جاتا ہے بلکہ اسی مقدس خطبہ سے نکاح کی کارروائی کا آغاز ہوتا ہے۔ افسوس یہ خطبہ پڑھنا بھی اب ایک رسم بن کر رہ گیا ہے'

---

1. خطبہ میں یہاں حدیث کے کسی راوی سے سہو ہو گیا ہے' اور سورۂ نساء کی یہ آیت اس طرح روایت کی گئی ہے "یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا" حالانکہ یہاں شروع میں "یاایھا الذین امنوا" نہیں ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ اس موقع پر صرف یہ ہیں ...... "واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام۔ الآیۃ

ورنہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی نصیحت اور یاددہانی کی نکاح کے فریقین کو اور سب ہی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس خطبہ ہی پر عمل نصیب فرمادے تو دنیا اور آخرت میں اعلیٰ سے اعلیٰ کامیابی کے لئے کافی ہے۔

مہر کی اہمیت اور اُس کا لزوم

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے جو نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے معلوم ہو چکا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ عربوں میں رائج تھا اس میں بھی مہر مقرر کیا جاتا تھا یعنی نکاح کرنے والے مرد کے لئے ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیوی کو ایک معین رقم ادا کرنا اپنے ذمہ لے۔ اسلام میں اس طریقہ کو برقرار رکھا گیا۔ یہ مہر اس بات کی علامت ہے کہ کسی عورت سے نکاح کرنے والا مرد اس کا طالب اور خواستگار ہے اور وہ اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اس کو مہر کا نذرانہ پیش کرتا ہے یا اس کی ادائیگی اپنے ذمہ لیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہر کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی کیونکہ نکاح کرنے والوں کے حالات اور ان کی وسعت واستطاعت مختلف ہو سکتی ہے۔ البتہ خود آنحضرت ﷺ نے اپنی صاحبزادیوں کا مہر پانچ سو درہم (یا اس کے قریب) مقرر فرمایا اور آپ ﷺ کی اکثر ازواجِ مطہرات کا مہر بھی یہی تھا۔ لیکن حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے سامنے اس سے بہت کم اور بہت زیادہ بھی مہر باندھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی صاحبزادیوں اور ازواجِ مطہرات والے مہر کی پابندی ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔

مہر کے بارے میں قرآن وحدیث کی ہدایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض فرضی اور رسمی بات اور زبانی جمع خرچ کے قسم کی چیز نہیں ہے بلکہ شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی لازم ہے، الّا یہ کہ بیوی خود ہی وصول کرنا نہ چاہے۔ قرآن پاک میں صراحۃ ارشاد ہے۔

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً. یعنی اپنی بیویوں کے مہر خوش دلی سے ان کو ادا کرو (النساء ع ۱)......

اور رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں جو تاکید و تشدید فرمائی ہے وہ آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

عَنْ مَيْمُوْنَ الْكُرْدِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَاَةً عَلٰى مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْ كَثُرَ لَيْسَ فِىْ نَفْسِهٖ اَنْ يُّؤَدِّىَ اِلَيْهَا حَقَّهَا لَقِىَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَهُوَ زَانٍ. (رواه الطبرانی فی الاوسط والصغیر)

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر نکاح کیا اور اس کے دل میں اس حق مہر کی ادائیگی کا ارادہ ہی نہیں ہے تو قیامت میں اللہ کے حضور میں زناکار کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ (معجم اوسط و معجم صغیر للطبرانی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ جو شخص اداءِ مہر کے بارے میں شروع ہی سے بدنیت ہے، اس نے مہر کا اقرار تو کر لیا ہے لیکن دل میں یہ ہے کہ یہ بس زبانی بات ہے، دینا دلانا کچھ نہیں ہے تو اس کے نکاح میں اتنا بڑا نقص

اور وہ اس درجہ کا گنہگار ہے کہ قیامت میں وہ زنا کا مجرم قرار دیا جائے گا۔ قریب قریب اسی مضمون کی اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثیں مختلف کتب حدیث کے حوالہ سے کنزالعمال میں نقل کی گئی ہیں۔ ان حدیثوں میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے جو مہر کو صرف زبانی اور رسمی بات سمجھتے ہوئے اتنی بڑی رقم کے مہر مقرر کر لیتے ہیں جن کی ادائیگی کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا۔

عَنْ اَبِیْ سَلِمَةَ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ کَمْ کَانَ صِدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَتْ کَانَ صِدَاقُهٗ لِاَزْوَاجِهٖ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اَوْقِیَةً وَنَشٌّ. (رواہ مسلم)

ابو سلمہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا مہر کتنا تھا؟ تو انہوں نے بتلایا کہ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے لئے جو مہر مقرر فرمایا تھا وہ ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا' اس حساب سے ساڑھے بارہ اوقیہ کے پورے پانچ سو درہم ہوتے تھے۔ یہ حساب اور تشریح خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس زمانے میں پانچ سو درہم کی رقم اچھی خاصی ہوتی تھی' اس سے کم و بیش چالیس پچاس بکریاں خریدی جا سکتی تھیں۔

عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ اَنَّهَا کَانَتْ تَحْتَ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِیُّ النَّبِیَّ ﷺ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ وَّبَعَثَ بِهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَعَ شُرَحْبِیْلِ بْنِ حَسَنَةَ. (رواہ ابو داؤد والنسائی)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں (اور اپنے شوہر کے ساتھ انہوں نے مکہ سے ملک حبشہ کو ہجرت کی تھی' وہیں حبشہ میں) ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش کا انتقال ہو گیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور حضور ﷺ کی طرف سے چار ہزار درہم مہر باندھ کے خود ہی ان کو ادا کر دیا اور شرحبیل بن حسنہؓ صحابی کے ساتھ ان کو حضور ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ (سنن ابی داؤد' سنن نسائی)

تشریح...... یہ ام حبیبہؓ ابو سفیانؓ کی بیٹی تھیں جو فتح مکہ تک کفار مکہ کے لیڈر اور حضور ﷺ کے سخت ترین دشمن رہے' پھر ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے موقع پر ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی' لیکن ان کی بیٹی بہت پہلے دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر چکی تھیں' ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا' پھر جب مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کو حد سے زیادہ ستایا گیا تو حضور ﷺ کی اجازت اور ایماء سے بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ام حبیبہؓ اور ان کے شوہر نے بھی ہجرت کی۔ پھر اللہ کی شان کچھ مدت کے بعد شوہر عبیداللہ بن جحش نے اسلام چھوڑ کر نصرانی مذہب اختیار کر لیا جو عام اہل حبشہ کا مذہب تھا اور شراب وغیرہ کثرت سے پینے لگے' پھر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا لیکن ام حبیبہؓ

استقامت کے ساتھ برابر اسلام پر قائم رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو جب عبیداللہ بن جحش کے انتقال کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ام حبیبہؓ کی قدر دانی و دلداری اور دوسرے اہم مصالح کے پیش نظر ان کو اپنے نکاح میں لے لینے کا ارادہ کیا اور شاہ حبشہ نجاشی کے پاس قاصد بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو میری طرف سے نکاح کا پیام دیا جائے۔ نجاشی نے ابرھہ نامی اپنی باندی کے ذریعہ ام حبیبہؓ کو پیام دیا۔ انہوں نے بہت ہی مسرت اور ممنونیت کے ساتھ اس کو منظور کر لیا' اور مہاجر مسلمانوں میں سے اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاصی کو اپنا وکیل بنادیا اور جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی کی اس زیر تشریح روایت میں ہے نجاشی نے حبشہ ہی میں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اور خود ہی آپ ﷺ کی طرف سے مہر بھی نقد ادا کر دیا۔ ابوداؤد کی اس روایت میں مہر کی مقدار چار ہزار درہم بتائی گئی ہے لیکن مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت میں چار ہزار دینار ذکر کی گئی ہے' اور اصحاب نقل و روایت نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ بہر حال ازواج مطہرات میں سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر دوسری امہات المؤمنین کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا' لیکن یہ حضور ﷺ نے نہیں بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا جو ایک بادشاہ تھا اور یہی اس کی شان اور حیثیت کے لائق تھا' اور جیسا کہ حدیث میں ہے اس نے خود ہی ادا بھی کیا' روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں سال کا ہے۔

نجاشی' حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا' اس نجاشی کا اصل نام اصحمہ تھا وہ مہاجرین کے ذریعے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم سے واقف ہوا تھا۔ اور اس نے اسلام قبول کر لیا تھا ۸ھ یا ۹ھ میں اس کا انتقال ہوا' رسول اللہ ﷺ کو وحی سے اس کی اطلاع ہوئی' آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو اس کی اطلاع دی اور مدینہ طیبہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

نکاح کے بعد مبارکباد اور دعا

دنیا کی مختلف قوموں اور گروہوں میں شادی اور نکاح کے موقع پر مبارک بادی کے مختلف طریقے رائج ہیں' رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کے لئے اپنی تعلیم اور عمل سے یہ طریقہ مقرر فرمایا کہ دونوں کے لئے اللہ سے برکت کی دعا کی جائے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھرپور خیر اور بھلائی نصیب فرمائے اور اپنے کرم کے بادل برسائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ اِذَا رَفَّأَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَ بَارَكَ عَلَیْكُمَا وَ جَمَعَ بَیْنَكُمَا فِیْ خَیْرٍ. (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی ایسے آدمی کو جس نے شادی کی ہوتی مبارک باد دیتے تو یوں فرماتے' اللہ تم کو مبارک کرے تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور خیر اور بھلائی میں تم دونوں کو ہمیشہ متفق اور مجتمع رکھے۔ (مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُكُمْ اِمْرَأَةً اَوِشْتَرٰی

خَادِمًا فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْاَلُكَ خَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے یا خدمت کرنے والا غلام یا باندی خریدے تو یہ دعا کرے۔ اے اللہ! اس میں جو خیر اور بھلائی ہے اور تو نے اس کی فطرت میں جو خیر اور بھلائی رکھی ہے میں تجھ سے اسکا سائل ہوں وہ مجھے نصیب فرما۔ اور اسکے شر سے اور اسکی فطرت کے شر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں تو اس سے میری حفاظت فرما۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... شادی اور نکاح انسان کی نفسانی شہوت کی تسکین کا ذریعہ ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ دعائیں تعلیم فرما کر اس کو بھی قُربِ الٰہی کا وسیلہ اور ایک نورانی عمل بنا دیا۔ (یہ دونوں دعائیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی "کتاب الدعوات" میں بھی گزر چکی ہیں)

شادی جتنی ہلکی پھلکی اور آسان ہو اتنی ہی بابرکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نکاح بہت بابرکت ہے جس کا بار کم سے کم پڑے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ..... ظاہر ہے کہ اس حدیث کا مقصد صرف ایک حقیقت بیان کر دینا نہیں ہے، بلکہ اس میں اُمت کو ہدایت اور رہنمائی دی گئی ہے کہ شادیاں ہلکی پھلکی اور کم خرچ ہوا کریں، اور بشارت سنائی گئی ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری شادیوں اور اس کے نتیجوں میں بڑی برکتیں ہوں گی۔ آج ہم جن پریشانیوں میں مبتلا ہیں اور خاص کر خانگی زندگی میں جو الجھنیں ہیں ان کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ نکاح و شادی کے بارے میں حضور ﷺ کی ان ہدایات سے انحراف کر کے ہم آسمانی برکات اور خداوندی عنایات سے محروم ہو گئے ہیں۔

فاطمی جہیز

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ جَهَّزَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاطِمَةَ فِىْ خَمِيْلٍ وَّ قِرْبَةٍ وَّ وِسَادَةٍ حَشْوُهَا اِذْخَرٌ. (رواه النسائی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جہیز کے طور پر یہ چیزیں دی تھیں، ایک پلودار چادر، ایک مشکیزہ، ایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھری ہوئی تھی۔ (سنن نسائی)

تشریح..... ہمارے ملک کے اکثر اہل علم اس حدیث کا مطلب یہی سمجھتے اور بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ چیزیں (چادر، مشکیزہ، تکیہ) اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے موقع پر "جہیز"

کے طور پر دی تھیں۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں نکاح شادی کے موقع پر لڑکی کو "جہیز" کے طور پر کچھ سامان دینے کا رواج بلکہ تصور بھی نہیں تھا اور "جہیز" کا لفظ بھی استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اس زمانہ کی شادیوں کے سلسلے میں کہیں اس کا ذکر نہیں آتا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادیوں کے نکاح کے سلسلہ میں بھی کہیں کسی قسم کے "جہیز" کا ذکر نہیں آیا' حدیث کے لفظ "جہز" کے معنی اصطلاحی جہیز دینے کے نہیں بلکہ ضرورت کا انتظام اور بندوبست کرنے کے ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے حضور ﷺ نے ان چیزوں کا انتظام حضرت علیؓ کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے انہی کی طرف سے اور انہی کے پیسوں سے کیا تھا کیونکہ یہ ضروری چیزیں ان کے گھر میں نہیں تھیں۔ روایات سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ بہر حال یہ اصطلاحی جہیز نہیں تھا۔

شادی کے بعد ولیمہ

اپنی حسبِ خواہش کسی عورت سے نکاح ہو جانا بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اور دِلی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور اس کا حق ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اپنی دلی مسرت و شادمانی کا اظہار ہو' ولیمہ اس کی عملی شکل ہے۔ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس کے ذریعہ شادی کرنے والے مرد اور اس کے گھرانے کی طرف سے خوبصورتی کے ساتھ اس کا اعلان و اظہار ہو جاتا ہے کہ شادی کے اس رشتہ سے ہم کو اطمینان اور خوشی ہے اور ہم اس کو اللہ تعالیٰ کی قابلِ شکر نعمت سمجھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز منکوحہ عورت اور اس کے گھر والوں کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگی اور اس سے باہمی تعلق و مودت میں اضافہ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات اور عمل دونوں سے اس کی رہنمائی فرمائی۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَاٰى عَلٰى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَاهٰذَا؟ قَالَ تَزَوَّجْتُ اِمْرَاَةً عَلٰى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف پر (یعنی ان کے کپڑوں پر یا جسم پر) زردی کا کچھ اثر دیکھا تو ان سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونے پر (یعنی اس کا مہر اتنا مقرر کیا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہیں مبارک کرے! ولیمہ کی دعوت کر و اگرچہ پوری ایک بکری کر ڈالو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضور ﷺ کے ارشاد "اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ" کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ دل کھول کے ولیمہ کرو' چاہو تو اس ولیمہ کے لئے ایک بکری مستقل ذبح کر ڈالو۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب اور رفقاء کی تطییب خاطر کے لئے کبھی ایسی بے تکلفی اور خوش طبعی کی باتیں بھی فرمایا کرتے تھے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی اسی قبیل سے تھا۔

ایک بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت نے صحابۂ کرامؓ کو ایسا بنا

دیا تھا کہ وہ اپنی شادی نکاح کی تقریبات میں بھی حضور ﷺ کو شرکت کی زحمت نہیں دیتے تھے بلکہ اطلاع کرنا بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف جو خواص اصحاب اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے خود اپنی شادی کی اور حضور ﷺ کو خبر بھی نہیں ہوئی۔

حدیث میں عبدالرحمٰن بن عوف پر زردی کے اثر کا جو ذکر ہے' اس کی حقیقت یہ سمجھنی چاہئے کہ نئی دلہنیں زعفران وغیرہ سے رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں' اس کا اثر مرد کے کپڑوں یا جسم پر بھی آجاتا تھا' رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کا اثر عبدالرحمٰن بن عوف پر محسوس کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰی زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ.

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بیوی کے نکاح پر ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا کہ زینب بنت جحش کے نکاح کے موقع پر کیا۔ پوری ایک بکری پر ولیمہ کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور سب بیویوں کے نکاح پر آپ ﷺ نے جو ولیمہ کی دعوت کی وہ اس سے مختصر اور ہلکے پیمانہ پر کی تھی۔ چنانچہ صحیح بخاری میں صفیہ بنت شیبہ کی روایت سے یہ حدیث مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بعض بیویوں کے نکاح پر جو ولیمہ کی دعوت کی تو صرف دو سیر جَو کام میں آئے اور اسی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت صفیہؓ کو اپنے نکاح میں لیا اور لوگوں کو ولیمہ کی دعوت دی تو دستر خوان پر گوشت روٹی کچھ نہیں تھا' کچھ کھجوریں تھیں اور کچھ پنیر اور مکھن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمہ کے لئے باقاعدہ کھانے کی دعوت بھی ضروری نہیں' کھانے پینے کی جو بھی مناسب اور مرغوب چیز میسر ہو رکھ دی جائے۔ لیکن بدقسمتی کی انتہا ہے کہ ہم مسلمانوں نے جہیز کی طرح ولیمہ کو بھی ایک مصیبت بنالیا۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہئے

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اس کو چاہئے کہ دعوت قبول کرے اور آئے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حکم دیا تھا اس وقت ولیمے صحیح قسم کے ہی ہوتے تھے اور ایسے ولیمے جب بھی اور جہاں بھی ہوں ان کے لئے یہی حکم ہے۔ ایسی مخلصانہ دعوتیں بابرکت ہیں لیکن جن ولیموں میں کھلا اسراف اور نمائش اور تفاخر ہو یا دوسری قسم کی منکرات ہوں ان کے لئے ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کے ہاں کھانے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

کیسے لوگوں کا کھانا نہ کھایا جائے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِیَیْنِ اَنْ یُّؤْکَلَ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی شان اونچی دکھانے کے لئے شاندار دعوتیں کریں ان کے کھانے میں شرکت کرنے سے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَةِ یُدْعٰی لَهَا الْاَغْنِیَاءُ وَیُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ولیمہ کا کھانا برا کھانا ہے جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے اور حاجتمندوں غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اور جس نے دعوت کو (بلاوجہ شرعی) قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے خلاف کیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... حدیث کے پہلے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ جب کوئی ولیمہ کرے تو غریبوں حاجت مندوں کو نظر انداز نہ کرے ان کو ضرور دعوت دے جس ولیمہ میں ان کو نہ بلایا جائے صرف امیروں اور بڑے لوگوں کو مدعو کیا جائے اس کا کھانا اس لائق نہیں ہے کہ کھایا جائے۔ ظاہر ہے کہ ولیمہ کے علاوہ دوسری قسم کی دعوتوں کا حکم بھی یہی ہے۔ حدیث کے دوسرے جز کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شرعی مانع یا مجبوری نہ ہو تو مسلمان بھائی کی دعوت کو قبول کرنا چاہئے۔ اس سے دلوں میں جوڑ پیدا ہوتا ہے اور قبول نہ کرنے سے دلوں میں دوری اور بدگمانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لئے بلاوجہ دعوت کا قبول نہ کرنا اللہ و رسول کی مرضی اور حکم کے خلاف ہے۔

مباشرت سے متعلق ہدایات اور احکام

دعا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّاْتِیَ اَهْلَهٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّهٗ اِنْ یُّقَدَّرْ بَیْنَهُمَا وَلَدٌ فِیْ ذَالِكَ لَمْ یَضُرَّهٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی بیوی کے پاس جاتے وقت اللہ کے حضور میں یہ عرض کرے: "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ و

جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا "(بسم اللہ! اے اللہ تو شیطان کے شر سے ہم کو بچا اور ہم کو جو اولاد دے اس کو بھی بچا) تو اگر اس مباشرت کے نتیجہ میں ان کے لئے بچہ مقدر ہو گا تو شیطان کبھی اسکا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور وہ ہمیشہ شرِ شیطان سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ..... یہ حدیث معارف الحدیث "کتاب الدعوات" میں بھی ذکر کی جاچکی ہے اور وہاں تشریح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی "اشعۃ اللمعات" کے حوالہ سے ان کا یہ عارفانہ نکتہ بھی نقل کیا جاچکا ہے کہ اس حدیث سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگر مباشرت کے وقت اللہ تعالیٰ سے اس طرح کی دعا نہ کی اور خدا سے غافل رہ کر جانوروں کی طرح شہوتِ نفس کا تقاضا پورا کر لیا تو ایسی مباشرت سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ شیطان کے شر سے محفوظ نہیں رہے گی۔ اس کے آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ "اس زمانہ میں پیدا ہونے والی نسل کے احوال، اخلاق، عادات جو عام طور سے خراب و برباد ہیں اس کی خاص بنیاد یہی ہے۔" اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی ان ہدایات کی روشنی میں اور ان سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

مباشرت ایک راز ہے اس کا افشا بدترین گناہ

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ الرَّجُلُ يُفْضِىْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَتُفْضِىْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا. (رواه مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں وہ آدمی بدترین درجہ میں ہو گا جو بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کا راز فاش کرے۔ (صحیح مسلم)

خلافِ وضع فطری عمل پر خدا کی لعنت ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى اِمْرَاَةً فِىْ دُبُرِهَا. (رواه احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیوی کے ساتھ خلافِ وضع فطرت عمل کرے وہ ملعون ہے۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا يَنْظُرُ اللهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوْ اِمْرَاَةً فِى الدُّبُرِ. (رواه الترمذى)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مرد یا عورت کے ساتھ خلافِ وضع فطرت حرکت کرے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر بھی نہ فرمائے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... بے چارے حیوانات بھی جو عقل و تمیز سے محروم ہیں وہ بھی شہوت کا تقاضا خلاف فطرت طریقے سے پورا نہیں کرتے، پس جو انسان ایسا کرتے ہیں وہ حیوانوں سے بھی بدتر اور "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

سَافِلِیْنَO" کے مصداق ہیں۔ یہ بات قیامت اور آخرت ہی میں معلوم ہو گی کہ اللہ کی نظر کرم سے محروم ہو جانا کتنی بڑی بد بختی ہے۔

عزل

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کسی خاص وجہ سے (مثلاً بیوی کی صحت یا پہلے بچہ کی صحت کے تحفظ کے خیال سے) یہ نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کی بیوی کو حمل قرار پائے، وہ اس غرض سے ایسا کرتا ہے کہ انزال کا وقت قریب آنے پر اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ مادۂ منویہ باہر خارج ہو جائے، اسی کو عزل کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی بعض لوگ ایسا کرتے تھے، اس کے بارے میں حضور ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے جواب دیا جس کا ذکر آگے حدیث میں آرہا ہے اور بظاہر جس کا مفاد یہ ہے کہ یہ ممنوع اور ناجائز تو نہیں ہے لیکن اچھا بھی نہیں ہے۔ امت کے اکثر فقہا نے اس باب کی حدیثوں سے یہی سمجھا ہے اور ان کے نزدیک مسئلہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور مصالح کی وجہ سے عزل کرے تو گنجائش ہے گناہ نہیں ہے۔ لیکن فی زماننا مغربی اقوام و ممالک کی تقلید و پیروی میں بعض ملکوں میں ملکی اور قومی پیمانے پر تحدید نسل کی مہمیں جس طرح چلائی جاری ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ انسانی نسل بڑھنے نہ پائے، اگر بڑھتی رہی تو روٹی نہ ملے گی، اس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں ہے، یہ وہی گمراہانہ نقطۂ نظر ہے جس کی بناء پر زمانۂ جاہلیت کے بعض عرب اپنے نومولود بچوں کو ختم کر دیتے تھے۔ قرآن پاک میں انہی سے فرمایا گیا ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْO (الانعام، ع:۱۹)

اپنے بچوں کو مفلسی اور ناداری کی وجہ سے ختم نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

اس تمہید کے بعد عزل سے متعلق مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ. (رواه البخاری و مسلم) **وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِىَّ فَلَمْ يَنْهَنَا**

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں) جبکہ نزولِ قرآن کا سلسلہ جاری تھا، ہم لوگ (یعنی بعض اصحاب) عزل کرتے تھے (اور اس کی ممانعت میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی) اور صحیح مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کو اس کی اطلاع بھی ہوئی مگر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَ اِذَا اَرَادَ اللهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ. (رواه مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کے بارے میں دریافت کیا گیا تو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ پورے مادۂ منویہ ہی سے بچہ ہو۔ (یعنی غیر ارادی طور پر خارج ہونے والے ایک قطرہ سے بھی اللہ کا حکم ہو تو حمل قرار پا سکتا ہے) اور جب

کسی چیز کی تخلیق کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو جائے تو پھر کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی۔ (صحیح مسلم)

تشریح آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ عزل کیا جائے گا تو بچہ نہیں ہو گا، اگر اللہ کی مشیت ہو گی تو بچہ بہر حال پیدا ہو گا۔ یہ مضمون آگے درج ہونے والی حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جائے گا۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اِنَّ لِىْ جَارِيَةً هِىَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهُ سَيَاتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهُ سَيَاتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے اور وہی ہمارے گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ اور میں اس سے صحبت بھی کرتا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے حمل قرار پا جائے (غالباً مطلب یہ تھا کہ کیا میں عزل کر سکتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر چاہو تو عزل کرو۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ اس باندی کے لئے جو مقدر ہو چکا ہے وہ ضرور ہو گا۔ کچھ دنوں کے بعد وہی آدمی آیا اور عرض کیا کہ اس باندی کے تو حمل قرار پا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تم کو بتایا تھا کہ جو اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کے رہے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں اور اس سے پہلے والی حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد نقل کیا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے وجود کا فیصلہ ہو چکا ہے تو اس کو روکنے کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہو کے رہے گا۔ مثلاً ایک آدمی اس مقصد سے کہ بیوی کے حمل قرار نہ پائے عزل کرتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کسی وقت بچہ پیدا ہونے کی ہو گی، تو ایسا ہو گا کہ وہ بروقت عزل نہ کر سکے گا اور مادۂ منویہ اندر ہی خارج ہو جائے گا یا وہ عزل کرے گا لیکن مادہ کا کوئی جز پہلے ہی خارج ہو جائے گا اور اس کو شعور بھی نہ ہو گا۔ الغرض انسانی تدبیر فیل ہو گی اور ارادۂ الٰہیہ پورا ہو کے رہے گا۔ واللہ اعلم۔

چار بیویوں تک کی اجازت

جو لوگ انسانوں کی فطرت اور ان کے مختلف طبقات کے حالات سے واقف ہیں وہ یقین کے ساتھ جانتے ہوں گے کہ بہت سے آدمی اپنی طبیعت اور مزاج کے لحاظ سے اور بہت سے اپنے یا اپنی بیوی کے مخصوص حالات کی وجہ سے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی ایک سے زیادہ بیوی رکھنے کی اجازت نہ ہو تو اس کا بڑا خطرہ ہو گا کہ وہ حرام میں مبتلا ہو جائیں، اسی لئے آسمانی شریعتوں میں جن میں زنا اشد حرام قرار دیا گیا ہے عام طور سے اس کی اجازت رہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں خاص کر شادی شدہ آدمی کے لئے زنا اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کی سزا سنگساری ہے، ایسی شریعت میں اگر کسی حال میں بھی تعدد ازواج کی اجازت نہ ہو تو انسان پر قانون کی یہ

بہت زیادتی ہوگی۔ جن مغربی ملکوں اور قوموں کے قانون میں تعدد ازدواج کی بالکل گنجائش نہیں ہے ان میں زنا کو قانونی جواز حاصل ہے اور عملاً بھی وہاں زنا کی جتنی کثرت ہے وہ کوئی پوشیدہ راز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے زنا کو ختم کرنے کے لئے ایک طرف تو اس کے لئے سخت سے سخت سزا مقرر کی، اور دوسری طرف مناسب شرائط کے ساتھ چار بیویوں تک کی اجازت دی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے وجوہ واسباب ہیں جن کا یہی تقاضا ہے لیکن ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کی بہت سی دوسری قوموں کی طرح عربوں میں بھی بیویوں کی تعداد کا کوئی تحدیدی ضابطہ نہ تھا، بعض لوگ دس دس اور اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھتے تھے، اسلامی شریعت میں انسانوں کی مختلف حالتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی آخری حد چار مقرر فرمادی گئی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنِ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَ هُنَّ (رواه احمد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی نے اسلام قبول کیا اور اس وقت ان کی دس بیویاں تھیں، ان سب نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تو حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ چار بیویاں تو رکھو اور باقیوں کو جدا کردو۔ (مسند احمد)

بیویوں کے ساتھ برتاؤ میں عدل و مساوات

اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لئے بطور فریضہ کے لازم کیا گیا ہے کہ وہ سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے کسی کے ساتھ ادنیٰ بے انصافی نہ ہو۔ قرآن مجید میں سورۂ نساء کی جس آیت میں چار تک کی اجازت دی گئی ہے اس میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ "وَاِنْ لَّمْ تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً" یعنی اگر تم ایک سے زیادہ بیویوں سے نکاح کرنے کی صورت میں عدل پر قائم نہ رہ سکو اور ہر ایک کے ساتھ یکساں برتاؤ نہ کرسکو تو بس ایک ہی بیوی پر قناعت کرو، ایک سے زیادہ نکاح مت کرو۔

بیویوں کے ساتھ عدل نہ کرنے والے شوہروں کو آخرت میں جو خاص رسوا کن عذاب ہوگا، رسول اللہ ﷺ نے اس کا بھی ذکر فرمایا تاکہ لوگ اس معاملے میں ڈرتے رہیں۔ ہاں دل کے میلان پر انسان کا اختیار نہیں اس میں بندہ معذور ہے لیکن معاملہ اور برتاؤ میں فرق نہ ہونا چاہئے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَالرَّجُلِ اِمْرَاَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَشِقُّهُ سَاقِطٌ. (رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجه والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کسی آدمی کی دو (یا زیادہ) بیویاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ نہ کرے تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح دنیا کے گناہوں اور آخرت کی سزاؤں میں جو مناسب اور مشابہت ہوگی یہ بھی اس کی ایک مثال

ہے' وہ معاملہ اور برتاؤ میں ایک بیوی کی طرف جھکتا تھا' قیامت کے دن وہ اس حال میں ہوگا کہ اس کا ایک دھڑ گرا ہوا ہوگا اور سب اس کو اس حال میں دیکھیں گے۔ اللہ کی پناہ کیسا منظر ہوگا اور کیسی رسوائی ہوگی۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهِ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ. (رواه الترمذى و ابو داؤد و النسائى و ابن ماجة والدارمى)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی سب بیویوں کے ہاں باری باری رہتے تھے اور پورے عدل کا برتاؤ فرماتے تھے اور اس کے ساتھ اللہ سے عرض کرتے تھے کہ اے میرے اللہ! یہ میری تقسیم ہے ان معاملات میں اور اس عملی برتاؤ میں جو میرے اختیار میں ہیں۔ پس میری سرزنش اور محاسبہ نہ فرما (دل کے) اس معاملے میں جو تیرے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح ... مطلب یہ ہے کہ جہاں تک رہن سہن اور عملی برتاؤ کا تعلق ہے اس میں رسول اللہ ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ مثالی اور کامل عدل فرماتے تھے' جو معاملہ اور برتاؤ کسی ایک کے ساتھ تھا وہ سب کے ساتھ تھا' لیکن قلبی محبت اور دل کا میلان ایسی چیز ہے جس پر کسی بشر کا قابو نہیں' آپ ﷺ کا بھی قابو نہیں تھا' اس کا حال یکساں نہیں تھا' اس کے لئے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح معذرت فرماتے تھے کہ "اے اللہ! یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے آپ کے اختیار میں ہے' اس پر مواخذہ اور محاسبہ نہ ہو۔ یہ آپ ﷺ کا کمالِ عبدیت تھا ورنہ قرآن مجید میں فرمادیا گیا ہے..... لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"

طلاق اور عدت

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے' نکاح و شادی کا مقصد یہ ہے کہ مرد وعورت یہ رشتہ قائم کر کے اور باہم وابستہ ہو کر عفت و پاکبازی کے ساتھ مسرت و شادمانی کی زندگی گزار سکیں اور جس طرح وہ خود کسی کی اولاد ہیں اسی طرح ان سے بھی اولاد کا سلسلہ چلے اور وہ اولاد ان کے لئے دل اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان اور آخرت میں حصولِ جنت کا وسیلہ بنے۔ اور ان مقاصد کے لئے ضروری ہے کہ دونوں میں محبت اور خوشگواری کا تعلق رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے شوہروں اور بیویوں کو باہم برتاؤ کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں ان کا محور اور مرکزی نقطہ یہی ہے۔ اس کے باوجود کبھی ایسے حالات ہو جاتے ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان سخت تلخی اور ناگواری پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ رہنا بجائے راحت و مسرت کے مصیبت بن جاتا ہے۔ ایسے وقت کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و ترغیب یہی ہے کہ حتی الوسع دونوں ناگواریوں کو جھیلیں' نباہنے اور تعلقات کو خوش گوار بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن آخری چارۂ کار کے طور پر "طلاق" کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اگر کسی حالت میں بھی طلاق اور علیٰحدگی کی اجازت نہ ہو تو پھر یہ تعلق اور رشتہ دونوں کیلئے عذاب بن سکتا ہے۔ پھر طلاق کے سلسلے میں تفصیلی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ طلاق اور اس کے ذریعے شوہر و بیوی کے تعلقات کا ٹوٹنا اللہ تعالیٰ کو بے حد ناپسند ہے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو اس سے بچنا ہی چاہئے' نہ مرد خود یہ اقدام کرے نہ عورت اس کا مطالبہ کرے بس انتہائی مجبوری کی صورت ہی میں ایسا کیا جائے جس طرح کسی عضو میں بڑا فساد پیدا ہو جانے کی صورت میں آپریشن گوارا کیا جاتا ہے۔

پھر اس طلاق اور علیحدگی کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ شوہر طہر کی حالت میں (یعنی جن دنوں میں عورت کی ناپاکی کی خالص حالت نہ ہو) صرف ایک رجعی طلاق دے تاکہ زمانہ عدت میں رجعت یعنی رجوع کر لینے کی گنجائش رہے پھر اگر شوہر رجوع کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے تو عدت کی مدت گزر جانے دے اس سے رجعت کی گنجائش تو نہ رہے گی لیکن دونوں کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کا رشتہ قائم ہو سکے گا۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو تو ناجائز اور سخت گناہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا' لیکن متفرق اوقات میں تین طلاقیں دینے کو بھی سخت ناپسند کیا گیا ہے۔ اور اس کی یہ سزا اس دنیا ہی میں مقرر کی گئی ہے کہ اگر وہ شوہر اپنی اس مطلقہ بیوی سے پھر نکاح کرنا چاہے تو نہیں کر سکے گا' جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں آ کر اس کی زیر صحبت نہ رہی ہو' پھر یا تو اس کے انتقال کر جانے سے بیوہ ہو گئی ہو یا اس نے بھی طلاق دے دی ہو۔

.....الغرض صرف اسی صورت میں عدت گزر جانے کے بعد ان دونوں کا دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔ یہ سخت پابندی دراصل شوہر کو تین طلاق دینے ہی کی سزا ہے۔ اس تمہید کے بعد اس سلسلے کی چند احادیث ذیل میں پڑھیے:

طلاق سخت ناپسندیدہ فعل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال اور جائز چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ مبغوض "طلاق ہے۔ (سنن ابی داؤد)

عَنْ مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَا مَعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئاً عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئاً عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواہ الدارقطنی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو' غلاموں اور باندیوں کو آزاد کرنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسندیدہ ہو۔ اور روئے زمین پر کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو طلاق دینے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہو۔" (سنن دار قطنی)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ

عَلَيْهِ رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر سے کسی سخت تکلیف کے بغیر طلاق کا مطالبہ کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو کسی مرد کے ساتھ رہنے میں واقعی زیادہ تکلیف ہو اور وہ طلاق طلب کرے تو اس کے لئے یہ وعید نہیں ہے ہاں اگر بغیر کسی بڑی تکلیف اور مجبوری کے طلاق چاہے گی تو یہ اس کے لئے سخت محرومی اور گناہ کی بات ہو گی۔

عَنْ اَبِىْ مُوْسَى الْاَشْعَرِىْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تُطَلِّقُوا النِّسَاءَ اِلَّا مِنْ رِيْبَةٍ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى لَا يُحِبُّ الذَّوَّاقِيْنَ وَالذَّوَّاقَاتِ. (رواہ البزار و الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہیں دینی چاہئے الّا یہ کہ ان کا چال چلن مشتبہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ان مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو ذائقہ چکھنے کے شوقین اور خوگر ہوں۔ (مسند بزار' معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

تشریح حدیث کے آخری جزو کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرد اللہ کی محبت اور پسندیدگی سے محروم ہیں جو بیوی کو اس لئے طلاق دیں کہ اس کی جگہ دوسری بیوی لا کر نیا ذائقہ چکھیں' اسی طرح وہ عورتیں بھی محروم ہیں جو اس غرض سے شوہروں سے طلاق لیں کہ کسی دوسرے مرد کی بیوی بن کر نیا مزا چکھیں۔

طلاق کا وقت اور طریقہ

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَةً لَهُ وَهِىَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ لِيُرَا جِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَالَهُ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِىْ اَمَرَاللهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَآءُ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خود انہوں نے اپنی بیوی کو ایسی حالت میں کہ اس کی ناپاکی کے ایام جاری تھے' طلاق دے دی تو ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا' آپ ﷺ نے اس پر بہت سخت برہمی اور ناراضی کا اظہار فرمایا' اور حکم دیا کہ عبداللہ بن عمر کو چاہئے کہ وہ اس طلاق سے رجعت کر لے اور بیوی کو اپنے پاس اپنے نکاح میں رکھے' یہاں تک کہ ناپاکی کے ایام ختم ہو کر طہر (یعنی پاکی کے ایام) آجائیں اور پھر اس طہر کی مدت ختم ہو کر دوبارہ ناپاکی کے ایام آجائیں اور اس کے بعد وہ پھر طہر کی حالت میں آجائے۔ تو اس حالت میں اگر وہ طلاق ہی دینا مناسب سمجھے تو اس طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر اس کو طلاق دے دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے (فطلقوهن

لعذبتهن (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو حالت حیض میں طلاق دینا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے، اور اگر غلطی سے کوئی ایسا کرے تو اس کو رجعت کر لینی چاہئے۔ پھر اگر طلاق ہی دینے کی رائے قائم ہو تو اس طہر میں طلاق دینی چاہئے جس میں صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔ اس کی حکمت ظاہر ہے کہ ناپاکی کی حالت میں عورت قابلِ رغبت نہیں ہوتی۔ طہر کی حالت میں اس کا کافی امکان ہے کہ شوہر کے دل میں رغبت پیدا ہو جائے اور طلاق دینے کا خیال ہی ختم ہو جائے اور اللہ ورسول کی زیادہ خوشی اسی میں ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو حکم دیا کہ جو طلاق انہوں نے حیض کی حالت میں دے دی تھی وہ اس سے رجعت کر لیں، اور ایک طہر گزر جانے دیں، اور اگر طلاق دینی ہی ہو تو پھر دوسرے طہر میں دیں۔ اس کا مقصد بھی بظاہر یہی تھا کہ درمیان کے طہر کی پوری مدت میں جب دونوں ساتھ رہیں گے تو اس کا امکان ہے کہ تعلقات میں پھر خوشگواری آجائے اور طلاق کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو اور طلاق دینے ہی کا فیصلہ ہو تو آپ ﷺ نے اجازت دی کہ دوسرے طہر میں قبل از صحبت طلاق دی جائے۔ "قبل از صحبت" کی پابندی لگانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جب ناپاکی کے ایام ختم ہوتے ہیں تو فطری طور پر صحبت کی رغبت ہوتی ہے اس طرح یہ پابندی بھی طلاق دینے میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رجعت کرنے کا جو حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو حیض کے ایام میں طلاق دینا اگرچہ ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے لیکن یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اگر طلاق واقع نہ ہوئی ہوتی تو رجعت کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آنحضرت ﷺ رجعت کا حکم دینے کے بجائے یہ فرماتے کہ طلاق واقع ہی نہیں ہوئی۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلَا اَقْتُلُهُ. (رواه النسائی)

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاق دیدی ہیں، تو آپ ﷺ سخت غصہ کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا کہ ابھی جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں کیا کتاب اللہ سے کھیلا جائے گا؟ (یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینا اس کتاب اللہ کے ساتھ گستاخانہ کھیل اور مذاق ہے جس میں طلاق کا طریقہ اور قانون پوری وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ تو کیا میری موجودگی میں اور میری زندگی ہی میں کتاب اللہ اور اس کی تعلیم سے مذاق کیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے سخت غصہ کی حالت میں یہ بات ارشاد فرمائی) تو ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اس

آدمی کو قتل ہی نہ کر دوں جس نے یہ حرکت کی ہے؟ (سنن نسائی)

تشریح اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا سخت گناہ اور قرآن مجید کے بتلائے ہوئے طریق طلاق سے انحراف اور اس کے ساتھ ایک طرح کا کھیل اور مذاق ہے، لیکن جس طرح حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق سخت گناہ اور معصیت ہونے کے باوجود پڑ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے عورت "مطلقہ" ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک دفعہ کی دی ہوئی تین طلاقیں بھی جمہور آئمہ امت کے نزدیک پڑ جاتی ہیں۔

بیک وقت تین طلاقیں دینے کو "کتاب اللہ کے ساتھ کھیل اور مذاق" غالباً اسی بناء پر فرمایا گیا کہ قرآن مجید کی آیت "اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ..... الیٰ قوله تعالیٰ" فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ "سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک سے زیادہ طلاقیں دینی ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نہیں، بلکہ مختلف دفعات میں درمیان میں مناسب وقفوں کے ساتھ دی جائیں، جس کی شرح اور تفصیل حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے۔

حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جن صحابی نے اس غلط کار آدمی کو قتل کر دینے کے بارے میں حضور ﷺ سے عرض کیا تھا ان کو آپ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ بظاہر یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، اور خاموشی ہی سے یہ بتلا دیا کہ اگرچہ اس آدمی نے سخت گمراہانہ کام کیا ہے، لیکن یہ ایسا گناہ نہیں ہے جس کی سزا قتل ہو۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہمارے زمانہ میں خاص کر ہمارے ملک میں طلاق کے جو واقعات سامنے آتے ہیں ان میں قریباً نوے فیصد وہ ہوتے ہیں جن میں جاہل شوہر ایک ساتھ تین طلاقیں دیتے ہیں اور وہ بالکل نہیں جانتے کہ یہ سخت گناہ بھی ہے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کا مسئلہ بھی سخت مشکل ہو جاتا ہے۔

تین طلاقیں دینے کا نتیجہ اور شرعی حکم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَاَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا مِثْلَ هُدْبَةِ الثَّوْبِ، فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهٗ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ قرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے بتایا کہ میں رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھی اس نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق کا پورا کورس ختم کر دیا (یعنی اس نے مجھے تین طلاقیں دے دیں) تو اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا لیکن وہ بالکل از کار رفتہ ہے (یعنی نکاح سے جو خاص مقصد ہوتا ہے وہ اس کے قابل نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ تو کیا یہ چاہتی ہے کہ پھر رفاعہ کے نکاح میں چلی جائے؟ اس نے کہا ہاں یہی چاہتی ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس وقت

تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم دونوں میں باہم صحبت کا عمل نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... شریعت کا یہ حکم قرآن مجید میں بھی بیان فرمایا گیا ہے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: "فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (مطلب یہ ہے کہ اگر شوہر نے بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی تو وہ عورت اس شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں نہ رہی ہو۔) اس کے بعد وہ دوسرا شوہر اگر انتقال کر جائے یا طلاق دے دے تو عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکے گا۔

پھر اس حدیث سے اور اس کے علاوہ بھی متعدد حدیثوں سے اس آیت کی تفسیر تشریح یہ معلوم ہوئی کہ دوسرے شوہر کے ساتھ صرف عقد نکاح ہو جانا کافی نہیں، بلکہ وہ عمل بھی ضروری ہے جو نکاح سے خاص طور پر مقصود ہوتا ہے۔ جمہور آئمہ اُمت کا مسلک اس مسئلہ میں یہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر دوسرے شوہر کے ساتھ زناشوئی کی پابندی نہ ہو تو نکاح ثانی کی شرط بالکل لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

ہنسی مذاق کی طلاق بھی طلاق ہے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدَّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کے ارادہ اور سنجیدگی کے ساتھ بات کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کے حکم میں ہے۔ نکاح، طلاق، رجعت۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے ہنسی مذاق میں نکاح کیا، یا اسی طرح ہنسی مذاق میں بیوی کو طلاق دی یا مطلقہ بیوی سے ہنسی مذاق میں رجعت کی، تو شریعت میں یہ سب چیزیں واقع اور معتبر ہوں گی۔ یعنی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ طلاق پڑ جائے گی اور رجعت ہو جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں چیزیں اسلامی شریعت میں اتنی نازک اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان کے بارے میں ہنسی مذاق کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ آدمی کی زبان سے نکلے گا اس کو حقیقت اور سنجیدہ بات ہی سمجھا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلامی شریعت میں یہ میدان ہی ہنسی مذاق کا نہیں ہے۔

مغلوب العقل کی طلاق

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ. (رواه الترمذى)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر طلاق درست و نافذ ہے سوائے اس آدمی کی طلاق کے جس کی عقل و فہم مغلوب ہو گئی ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح..... کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مرض یا صدمہ کی وجہ سے آدمی کی عقل دانش غیر متوازن اور مغلوب

ہو جاتی ہے اور وہ ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جو عقل و فہم کی سلامتی کی حالت میں نہ کرتا' اور اسے اپنی باتوں کا پورا شعور بھی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کو "معتوہ" اور "مغلوب العقل" کہا جائے گا۔ پس اگر ایسا شخص اس حالت میں بیوی کو طلاق دے تو وہ واقع نہ ہوگی جس طرح دیوانے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں مانی جاتی۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تین آدمی شریعت میں "مرفوع القلم" ہیں' یعنی ان کے کسی قول و فعل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور اس پر شرعی حکم مرتب نہیں ہوگا۔ ایک وہ جو نیند کی حالت میں ہو' دوسرے نابالغ بچہ' اور تیسرے مغلوب العقل آدمی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی سونے کی حالت میں بڑبڑائے اور اس میں بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی' اسی طرح چھوٹے بچے کی اور مغلوب العقل کی طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

زبردستی کی طلاق

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ اِغْلَاقٍ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجة)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے "عتاق" کا اعتبار نہیں۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح یعنی اگر کسی آدمی کو مجبور اور بالکل بے بس کر کے اس سے بیوی کو طلاق دلوائی گئی یا اس کے غلام کو آزاد کرایا گیا (یعنی اس کی زبان سے زبردستی طلاق یا عتاق کی بات کہلوائی گئی) تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اکثر آئمہ مجتہدین کا مسلک یہی ہے کہ جو طلاق زبردستی لی جائے (جس کو اصطلاح میں "طلاقِ مکرہ" کہتے ہیں اس کا اعتبار نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ ہنسی مذاق کی طرح زبردستی والی طلاق کو بھی نافذ مانتے ہیں اور مصنفین احناف اس حدیث کی تاویل و توجیہ دوسری طرح کرتے ہیں..... ملحوظ رہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ منفرد نہیں ہیں۔ سلف میں سعید بن المسیبؒ' ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا مذہب بھی شروحِ حدیث میں یہی نقل کیا گیا ہے۔

عدت

اسلامی شریعت میں طلاق یافتہ عورت کے لئے عدت کا قانون بھی مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی حکم ہے کہ جس بیوی کو اس کا شوہر طلاق دے دے وہ ایک مقررہ مدت تک عدت گزارے جس کی مختصر تفصیل (جو خود قرآن مجید میں بیان فرمادی گئی ہے) یہ ہے کہ اگر اس عورت کو حیض کے ایام ہوتے ہوں تو ان کے پورے تین دور گزر جائیں اور اگر عمر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں اور حمل بھی نہ ہو تو تین مہینے اور اگر حمل کی حالت ہو تو پھر عدت کی مدت وضع حمل تک ہے، کم ہو یا زیادہ۔

عدت کے اس قانون میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ رشتۂ نکاح کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے ' اگر عدت کا قانون نہ ہو اور عورت کو اجازت ہو کہ شوہر کی طرف سے طلاق کے بعد وہ اپنے حسب خواہش فوراً نکاح کر لے تو یقیناً یہ بات نکاح کی عظمت شان کے خلاف ہوگی اور نکاح بچوں کا ایک کھیل سا ہو جائے گا۔ ایک دوسری مصلحت خاص کر طلاق رجعی کی صورت میں یہ بھی ہے کہ عدت کی اس مدت میں مرد کے لئے امکان ہوگا کہ وہ معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے رجعت کر لے اور پھر دونوں میاں بیوی بن کے زندگی گزارنے لگیں۔ یہ ہی بات اللہ ورسول کو زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے طلاق رجعی کی عدت میں عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اپنے کو بنانے سنوارنے کا ایسا اہتمام کرے اور اپنا رویہ ایسا رکھے کہ شوہر کی طبیعت پھر اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ رجعت کر لے۔ اور طلاق بائنہ کی صورت میں اگرچہ رجعت کا امکان تو نہیں رہتا لیکن زمانہ عدت میں عورت کو دوسرا نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے اس کی زیادہ گنجائش رہتی ہے کہ دونوں باہم راضی ہو کر دوبارہ نکاح کے ذریعے اپنا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر سے جوڑ لیں۔

ایک تیسری مصلحت یہ بھی ہے کہ عدت کے اس قانون کی وجہ سے عورت سے آئندہ پیدا ہونے والے بچہ کے نسب میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں رہتی...... بہر حال قانون عدت کی یہ چند کھلی ہوئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اکثر متمدن قوموں کے قوانین میں میاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں کسی نہ کسی شکل میں عدت کا ضابطہ ہے لیکن بعض قوموں کے قانون میں یہ عدت بہت طویل رکھی گئی ہے جو بے چاری عورت کے لئے تکلیف مالا یطاق ہے...... شریعت اسلام نے جو مدت مقرر کی ہے وہ یقیناً معتدل اور متوسط ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت کا قانون اس وقت نازل ہوا تھا جب ایک صحابیہ اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنَ السَّكَنِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ اَنَّهَا طُلِّقَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَكُنْ لِلْمُطَلَّقَةِ عِدَّةٌ فَاَنْزَلَ اللهُ الْعِدَّةَ لِلطَّلَاقِ فَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ نَزَلَ فِيْهَا الْعِدَّةُ لِلطَّلَاقِ.

(رواہ ابو داؤد)

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ان کو طلاق ہو گئی تھی اور اس وقت تک مطلقہ عورت کے لئے عدت کا کوئی حکم نہیں آیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں طلاق والی عدت کا بیان ہے، تو یہ اسماء بنت یزید وہ پہلی طلاق یافتہ خاتون ہیں جن کے بارے میں طلاق کی عدت کا حکم نازل ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں عدت سے متعلق جس آیت کے نازل ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر سورۂ بقرہ کی یہ آیت ہے "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ...... الاٰية." اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے جن کو ایام ہوتے ہیں۔ اور جن کو صغر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے ایام نہ ہوتے ہوں یا ان کو حمل ہو تو ان کی عدت سورۂ طلاق کی آیات میں بیان فرمائی گئی ہے۔

عدتِ وفات اور سوگ

شریعت اسلام میں جس طرح مطلقہ عورت کے لئے عدت کا حکم ہے اسی طرح اس بیوہ عورت کے لئے بھی عدت کا حکم ہے جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو، اس عدت کا حکم بھی قرآن مجید میں صراحۃً بیان فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے: "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا." (تم میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور وہ بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں اپنے کو روکے رکھیں گی چار مہینے دس دن) یہ عدت ان بیوہ عورتوں کے لئے ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حمل کی حالت میں ہوں ان کی عدت دوسری آیت میں وضع حمل تک کی مدت قرار دی گئی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ اور اس عدت وفات میں سوگ کا بھی حکم ہے یعنی بیوہ ہو جانے والی عورت کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ عدت کی پوری مدت میں سوگ منائے جو چیزیں زینت اور سنگھار کے لئے استعمال ہوتی ہیں وہ اس مدت میں بالکل استعمال نہ کرے، الغرض اس پوری مدت میں اس طرح رہے کہ اس کی شکل صورت ولباس وہیئت سے اس کی بیوگی اور غمزدگی ظاہر ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی ظاہری حالت سے محسوس ہو کہ شوہر کے انتقال کا اس کو ویسا ہی رنج وصدمہ ہے، جیسا کہ ایک شریف وپاکدامن بیوی کو ہونا چاہئے۔ لیکن یہ حکم صرف مدتِ عدت کے لئے ہے، عدت کے ایام ختم ہو جانے کے بعد اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کوئی عورت بیوہ ہو جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے سوگ کا طریقہ اختیار کر لے۔

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے اپنے عزیز قریب مثلاً بھائی، باپ وغیرہ کے انتقال پر اگر کوئی عورت اپنا دلی صدمہ اور تاثر، سوگ کی شکل میں ظاہر کرے تو صرف تین دن تک کی اجازت ہے اس سے زیادہ منع ہے۔

عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلٰثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا.

(رواه البخاری و مسلم)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی ایمان والی عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے عزیز قریب کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے سوائے شوہر کے، اس کے انتقال پر چار مہینے دس دن سوگ کا حکم ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ أُمِّ سَلِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَاتَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواه ابو داؤد والنسائى)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس عورت کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، وہ کسم کے رنگے ہوئے اور اسی طرح سرخ، گیروے رنگے ہوئے کپڑے نہ پہنے، نہ زیورات پہنے، نہ خضاب (مہندی وغیرہ) کا استعمال کرے نہ سرمہ لگائے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو خواتین زیب و زینت کے لئے کپڑے رنگتی تھیں وہ زیادہ تر یہی دو چیزیں استعمال کرتی تھیں کسم یا خاص قسم کا لال گیرو، اس لئے آپ ﷺ نے ان کا خاص طور سے ذکر فرمایا، ورنہ ان دو چیزوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسے رنگین اور شوخ کپڑے استعمال نہ کئے جائیں جو زیب و زینت کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح زیورات اور سرمہ مہندی جیسی چیزیں بھی استعمال نہ کی جائیں جو زینت اور سنگھار کے لئے استعمال کی جاتی ہیں، زمانہ عدت میں سوگ کے ان احکام کا مقصد یہی ہے کہ شوہر کے انتقال کا بیوی کو جو رنج و صدمہ ہو اس کا اثر دل اور باطن کی طرح ظاہر یعنی جسم اور لباس میں بھی ہو یہ جوہر نسوانیت کا فطری تقاضا ہے اور اسی میں نسوانیت کا شرف ہے۔

معارِفُ الحدیث

حصہ ہفتم

کتابُ المعاملات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی معاملات — انسانوں کی فطری ضرورت

اس باب میں خداوندی ہدایت اور اسکے بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے یعنی انسان کی فطری ساخت ایسی ہے کہ وہ اپنی اس زندگی میں باہمی تعاون اور معاملاتی لین دین کے محتاج ہیں، ہر فرد اور طبقہ کی ضرورت دوسرے سے وابستہ ہے۔ مثلاً ایک مزدور جس کی زندگی کی ضرورتیں بہت مختصر ہیں، جو صبح سے شام تک محنت مزدوری کر کے بس گزارہ کے پیسے حاصل کرتا ہے، اسے بھی ضرورت ہے اس آدمی کی جس سے وہ اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے غلہ وغیرہ خرید سکے، اور غلہ پیدا کرنے والے کاشتکار کو ضرورت ہے اس مزدور کی جس سے وہ اپنی کھیتی باڑی کے کاموں میں مدد لے سکے، اسی طرح مزدور اور کاشت کار دونوں کو ضرورت ہے اس آدمی کی جوان کے لباس کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کپڑا تیار کرے، اور یہ اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ کپڑا خرید سکیں اور کپڑا تیار کرنے والے کو ضرورت ہے اس آدمی یا اس ایجنسی کی جس سے وہ سوت یا ریشم اور کپڑے کی صنعت کی دوسری ضروریات نقد یا قرض ادھار خرید سکے، پھر ان میں سے کسی کو رہنے کے لئے مکان تعمیر کرانا ہو تو اس کو ضرورت ہوگی کسی سے اینٹ سیمنٹ وغیرہ تعمیری ضروریات خریدنے کی اور اس کے بنوانے کے لئے معماروں اور مزدوروں کی۔ پھر خدانخواستہ ان میں سے کوئی بیمار پڑ جائے تو ضرورت ہوگی حکیم ڈاکٹر سے رجوع کرنے کی اور دواؤں کی دکان سے دوا خریدنے کی۔ الغرض اشیاء کی خرید و فروخت اور تجارتی مبادلہ اور محنت و مزدوری، اور صنعت و زراعت اور قرض و عاریت وغیرہ معاشی معاملات، اس دنیا میں انسانی زندگی کے لوازم ہیں، پھر ان معاملات میں کبھی کبھی تنازعات کا پیدا ہونا بھی ناگزیر ہے ان کے حل کے لئے ضرورت ہے عدل و انصاف کے کسی نظام کی اور کسی دستور و قانون کی۔ یہ جو کچھ عرض کیا گیا کوئی فلسفہ یا منطق کا مسئلہ نہیں ہے، سب مشاہدہ اور ہم سب کا روزمرہ کا تجربہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے اور سب سے آخر میں خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد ﷺ کے ذریعے جس طرح انسانوں کو یہ ہدایت دی کہ وہ اپنے آغاز و انجام کے بارے میں، اپنے پیدا کرنے والے مالک و معبود کی ذات و صفات اور توحید و آخرت وغیرہ کے بارے میں کیا عقیدہ اور یقین رکھیں اور کس طرح اس کی عبادت کریں اور کون سے اعمال ان کی روحانیت اور انسانی شرافت کے لئے مضر اور مہلک ہیں جن سے وہ بچیں اور پرہیز کریں اور اخلاق اور معاشرت کے بارے میں ان کا رویہ کیا رہے، اسی طرح اس نے خرید و فروخت، صنعت و تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ ان معاشی معاملات کے بارے میں بھی جو انسانی شرافت

وعظمت سے مطابقت رکھتے ہیں اور جن میں انسانوں کی دنیوی واخروی فلاح ہے۔

اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس خداوندی ہدایت اور اس شعبہ سے متعلق شریعت محمدی کے احکام کی پابندی اور پیروی کرتے ہوئے ان کاموں کا کرنا اب دنیا نہیں بلکہ عین دین اور ایک معنی کر عبادت ہے' اور اللہ کی طرف سے اس پر اسی طرح اجر وثواب اور جنت کے درجات عالیہ کا وعدہ ہے جس طرح نماز' روزہ اور ذکر و تلاوت وغیرہ عبادات اور اچھے اخلاق پر اور دین کی دعوت اور خدا کی راہ میں جان ومال کی قربانی پر۔

انسانی زندگی کے اس شعبہ یعنی معاملات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ جو ہدایتیں اور جو احکام امت کو ملے ہیں ان کی بنیاد جہاں تک ہم نے سمجھا ہے چار اصولوں پر ہے۔ ایک خلق اللہ کی نفع رسانی۔ دوسرے عدل' تیسرے سچائی و دیانت داری' چوتھے سماحت' جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے ساتھ رعایت اور خیر خواہی کا معاملہ کرے' خاص کر کمزور اور ضرورت مند فریق کو حتی الوسع سہولت دی جائے۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام معاشی معاملات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات ذیل میں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ لکھنے والے اپنے گنہگار بندہ کو نیز پڑھنے والوں اور سننے والوں کو ان ہدایات وارشادات کی پیروی کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائے۔

سب سے پہلے حضور ﷺ کے چند وہ ارشادات درج کئے جاتے ہیں جن میں معاشی معاملات کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے اور ان پر اجر وثواب کی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرائض میں سے ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حلال حاصل کرنے کی فکر و کوشش فرض کے بعد فریضہ ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... اکثر شارحین نے حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے اور بظاہر یہی اللہ و رسول پر ایمان اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ جو اسلام کے اولین اور بنیادی ارکان و فرائض ہیں' درجہ اور مرتبہ میں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر اور کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔ بندہ اگر اس سے غفلت برتے اور کوتاہی کرے گا تو خطرہ ہے حرام روزی سے پیٹ بھرے اور آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔ اللہ کی پناہ!

پھر یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے کسی فریضہ کا ادا کرنا اس کی بندگی اور عبادت ہے اور بندہ اس پر اس اجر وثواب کا مستحق ہے جو فریضہ کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنا چاہئے۔ پس کسب حلال کی فکر و کوشش اور اس میں مشغول ہونا عین دین و عبادت اور موجب اجر وثواب ہے۔ اس میں کسب

حلال کے طالب ہر تاجر، ہر مزدور، ہر کاشتکار اور ہر دست کار کے لئے کتنی بڑی بشارت ہے لیکن یہ بہر حال پیش نظر رہے کہ اس حدیث میں صرف کمائی کرنے کو نہیں بلکہ کسب حلال کی تلاش و فکر کا فریضہ بتلایا گیا ہے اور اس ارشاد کا خاص مقصد اور مطمع نظر حرام سے بچانا ہے۔

بعض حالات میں روپیہ پیسہ کی ضرورت اور اہمیت

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَايَنْفَعُ فِيْهِ اِلَّا الدِّيْنَارُ وَ الدِّرْهَمُ. (رواه احمد)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے 'لوگوں کے لئے ایک وقت آئے گا جب روپیہ پیسہ ہی کام آئے گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث کو حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ایک تابعی ابو بکر بن ابی مریم ہیں، انہوں نے واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت مقدامؓ کے یہاں دودھ دینے والے جانور تھے، ان کی ایک باندھی دودھ فروخت کرتی اور اس کی قیمت خود حضرت مقدام لے لیتے تھے، اس پر بعض لوگوں نے ناپسندیدگی کے ساتھ تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ دودھ فروخت کراتے ہیں اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کرتا ہوں، اور اپنے طرز عمل کے جواز کی سند میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حوالہ دیا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی چیز فروخت کر کے روپیہ پیسہ حاصل کرنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسا وقت بھی آئے گا کہ روپیہ پیسہ ہی آدمی کے کام آئے گا۔ یعنی میں اسی خیال سے دودھ فروخت کرا کے روپیہ پیسہ حاصل کرتا ہوں، مطلب یہ تھا کہ یہ اگر عزیمت نہیں تو رخصت ضرور ہے۔

سچائی اور دیانتداری کیساتھ کاروبار کرنیوالے انبیاء صدیقین اور شہداء کیساتھ

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ. (رواه الترمذى والدارمى والدارقطنى، و رواه ابن ماجة عن ابن عمر)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن دارمی، سنن دار قطنی)...... اور ابنِ ماجہ نے یہی حدیث اپنی سند سے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

تشریح...... "الصدوق" اور "الامین" دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، حدیث کا مطلب اور پیغام واضح ہے کہ جو تاجر اور سوداگر اپنے کاروبار میں سچائی اور امانت یعنی دیانت داری کی پورے اہتمام سے پابندی کریں گے، قیامت اور آخرت میں وہ نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔

قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ

النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا O" (جو بندے اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کریں گے، وہ (قیامت و آخرت میں) ان مقبولین و مقربین کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے، یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین (کے ساتھ) اور یہ سب بہت ہی اچھے رفیق ہیں)

تجارت اور سوداگری بڑی آزمائش کی چیز ہے، تاجر کے سامنے بار بار ایسی صورتیں آتی ہیں کہ اگر وہ خدا کے حکم کے مطابق سچائی اور دیانت داری کا لحاظ کرنے کے بجائے اس وقت وہ اپنی تجارتی مصلحت کے مطابق بازاری بات کرے تو ہزاروں لاکھوں کا نفع ہوتا ہے۔ پس جو تاجر اپنی تجارتی مصلحت اور نفع نقصان سے صرف نظر کر کے اللہ کے حکم کے مطابق ہر حال میں سچائی اور ایمانداری کی پابندی کرتا ہے وہ خدائی امتحان میں بڑا کامیاب ہے اور اس حدیث میں ایسے تاجروں کو بشارت سنائی گئی ہے کہ قیامت و آخرت میں وہ اللہ کے مقبول ترین بندوں یعنی نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ان کی سچائی و دیانت داری کا صلہ ہوگا۔

تنبیہ ...... اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرآن و حدیث کے نصوص کی بنیاد پر بار بار یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ ایسی تمام بشارتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہیں کہ وہ آدمی ان خبیث اور مہلک باتوں سے پرہیز کرے جو بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کر دیتی ہیں۔

دستکاری، صنعت و حرفت اور محنت مزدوری کی فضیلت

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ يْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ. (رواه البخاری)

حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نے کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ اپنے ہاتھوں کی محنت سے کما کے کھائے، اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ تحصیل معاش کی صورتوں میں بہت اچھی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کوئی ایسا کام کرے جس سے کھانے پینے وغیرہ کی ضروریات پوری ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام کی سنت بھی ہے۔ قرآن مجید میں بھی ہے کہ وہ زرہیں بناتے تھے اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسی کو انہوں نے اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا۔ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد نے دستکاری اور ذاتی محنت کو بہت بلند مقام عطا فرما دیا۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الْكَسْبِ اَطْيَبُ؟ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهٖ وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ. (رواه احمد)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت کون سی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام

کرنا' اور ہر تجارت جو پاکبازی کے ساتھ ہو۔ (مسند احمد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ سب سے اچھی کمائی تو وہ ہے جو خود اپنے دستِ بازو اور اپنی محنت سے ہو' اور اس تجارت کی کمائی بھی پاکیزہ ہے جو شریعت کے احکام کے مطابق اور دیانت داری کے ساتھ ہو "كُلُّ بَيْعٍ مَبْرُوْرٍ" کا یہی مطلب ہے۔

زراعت و باغبانی کا عظیم اجر و ثواب

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صاحبِ ایمان بندہ درخت کا پودا لگائے' یا کاشت کرے پھر اس میں سے پرندے کھائیں یا آدمی یا کوئی جانور تو وہ اس کے حق میں صدقہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ باغات لگانے والوں اور کاشت کاری کرنے والوں کے لئے اس حدیث نبوی میں کتنی عظیم بشارت ہے کہ اگر کوئی آدمی یا چلتا پھرتا جانور یا اڑتا ہوا پرندہ ان کے درخت کا پھل یا کھیت کے دانے کھائے تو باغ والے اور کھیت والے بندہ کو فی سبیل اللہ صدقہ کا ثواب ہوگا۔ اس حدیث پاک میں باغبانی اور کاشتکاری کے لئے جن پر انسانوں کی بنیادی ضرورتوں کا دار و مدار ہے' کتنی بڑی ترغیب اور ہمت افزائی ہے۔

جائز مال و دولت بندۂ مؤمن کیلئے اللہ کی نعمت ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ لَهُ اُرِيْدُ اَنْ اَبْعَثَكَ عَلٰى جَيْشٍ فَيُسَلِّمَكَ اللهُ وَ يُغْنِمُكَ وَاَزْعَبَ لَكَ مِنَ الْمَالِ زَعْبَةً صَالِحَةً فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا اَسْلَمْتُ مِنْ اَجَلِ الْمَالِ وَلٰكِنْ اَسْلَمْتُ رَغْبَةً فِى الْاِسْلَامِ وَاَنْ اَكُوْنَ مَعَكَ فَقَالَ يَا عَمْرُو نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ. (رواه احمد)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجوں' پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح سالم لوٹو (اور وہ مہم تمہارے ہاتھ پر فتح ہو) اور تم کو مال غنیمت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو مال و دولت کا اچھا عطیہ ملے۔ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام مال و دولت کے لئے قبول نہیں کیا ہے' بلکہ میں نے اسلام کی رغبت و محبت کی وجہ سے اس کو قبول کیا ہے' اور اس لئے کہ آپ ﷺ کی معیت و رفاقت مجھے نصیب ہو۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرو! اللہ کے صالح بندہ کے لئے جائز و پاکیزہ مال و دولت اچھی چیز (اور قابلِ قدر نعمت) ہے۔ (مسند احمد)

تشریح...... حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت اگر جائز

طریقہ سے حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر نعمت اور اس کا خاص فضل ہے۔ اور زہد و رقاق کے عنوانات کے تحت متعدد وہ حدیثیں اسی سلسلۂ معارف الحدیث (جلد دوم) میں ذکر کی جاچکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر و مسکنت اور مال و دولت سے خالی ہاتھ رہنے کو افضلیت حاصل ہے۔ اور امت کے فقرا اغنیا سے افضل ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں' اگر فقر و مسکنت کے ساتھ صبر اور تسلیم و رضا اور تعفف نصیب ہو تو پھر بلا شبہ یہ فقر و مسکنت بہت بلند مقام ہے اور اس میں بڑی خیر ہے' رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے یہی پسند فرمایا تھا' اور آپ ﷺ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے تھے (اس سلسلے کی آپ ﷺ کی دعائیں پہلے اپنے موقع پر (جلد پنجم میں) ذکر کی جاچکی ہیں)...... اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور پاک ذرائع سے مال و دولت نصیب فرمائے اور شکر کی اور صحیح مصارف میں خرچ کرنے کی توفیق ملے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور بڑی قابلِ قدر نعمت ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت داؤد و سلیمان اور حضرت ایوب و یوسف علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اس فضل سے نوازا تھا اور اکابر صحابہ میں حضرت عثمان' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن عوام وغیرہم رضی اللہ عنہم کو بھی اس فضلِ خداوندی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا' بہر حال یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی قابلِ قدر اور لائق شکر نعمت ہے۔ (نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ)

مالی معاملات کی نزاکت واہمیت

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا تَزُوْلُ قَدَ مَا اِبْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْئَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمْرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَ عَنْ شَبَا بِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَ عَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ ایک اس کی پوری زندگی کے بارے میں کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟ اور دوسرے خصوصیت سے اس کی جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں میں بوسیدہ اور پرانا کیا۔ اور تیسرے اور چوتھے مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے اس کو حاصل کیا تھا اور کن کاموں اور کن راہوں میں اس کو صرف کیا۔ اور پانچواں سوال یہ ہوگا کہ جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر آدمی کو اپنے پورے آمد و خرچ کا بھی حساب دینا ہوگا کہ کتنا کمایا' حلال طریقہ سے کمایا یا خدانخواستہ حرام طریقہ سے؟ اور کمائی کو کن مدوں میں خرچ کیا' جائز میں یا ناجائز میں؟ الغرض اس دنیا اور اس کی زندگی میں ہم جو کچھ کماتے اور خرچ کرتے ہیں آخرت میں اس کا

پورا پورا حساب دینا ہو گا۔ وہ بندے بڑے خوش نصیب اور خوش قسمت ہیں جو قیامت کے دن کے اس حساب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کمانے اور خرچ کرتے ہیں اور سارے مالی معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے احکام کی پابندی کرتے ہیں' اور انکا انجام بہت خطرناک ہے جو اسطرف سے بے فکر اور بے پروا ہیں۔

حرام مال کی نحوست اور بدانجامی

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَكْسِبُ عَبْدٌ مَالَ حَرَامٍ فَيَتَصَدَّقُ مِنْهُ فَيُقْبَلُ مِنهُ فَيُبَارَكُ لَهُ فِيهِ وَلَا يَتْرُكُهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ اِلَّاكَانَ زَادَهُ اِلَى النَّارِ' اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ وَلٰكِن يَمْحُو السَّيِّئَ بِالْحَسَنِ' اِنَّ الْخَبِيْثَ لَا يَمْحُوالْخَبِيْثَ. (رواه احمد وكذافى شرح السنة.)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی بندہ (کسی ناجائز طریقہ سے) حرام مال کمائے اور اس میں سے للہ صدقہ کرے' تو اس کا صدقہ قبول ہو۔ اور اس میں سے خرچ کرے تو اس میں (من جانب اللہ) برکت ہو۔ اور جو شخص حرام مال (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ کے جائے گا تو وہ اس کے لئے جہنم کا توشہ ہی ہو گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بدی کو بدی سے نہیں مٹاتا بلکہ بدی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ گندگی گندگی کو نہیں دھو سکتی۔" (مسند احمد، نیز شرح السنۃ میں بھی اسی طرح ہے)

تشریح..... حدیث کا حاصل اور مدعا یہ ہے کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا اور حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی' اور جب کوئی آدمی ناجائز و حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مرنے کے بعد وارثوں کے لئے چھوڑ گیا تو وہ آخرت میں اس کے لئے وبال ہی کا باعث ہو گا اس کو حرام کمانے کا بھی گناہ ہو گا اور وارثوں کو حرام کھلانے کا بھی۔ (حالانکہ وارثوں کے لئے حلال مال چھوڑ جانا ایک طرح کا صدقہ ہے اور اس پر یقیناً اجر و ثواب ملنے والا ہے) آگے جو فرمایا گیا ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَمْحُو السَّيِّئَ بِالسَّيِّئِ الخ" اس میں مال حرام کا صدقہ قبول نہ ہونے اور مرنے کے بعد باعثِ وبال ہونے کا سبب بیان فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صدقہ اگر صحیح اور پاک مال سے ہو تو وہ گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بن جاتا ہے لیکن اگر حرام اور ناپاک مال سے صدقہ کیا گیا تو وہ نجس اور ناپاک ہے وہ گناہوں کی گندگی کو دھونے کی اور گناہوں کا کفارہ اور مغفرت کا وسیلہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس طرح گندے اور ناپاک پانی سے ناپاک کپڑا پاک صاف نہیں کیا جا سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَالْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يٰـاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا وَّقَالَ يٰـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَارَزَقْنَاكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ اِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ يَارَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّ مَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَ مَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِىَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى

يُسْتَجَابُ لِذَالِكَ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے اور اس نے اس بارے میں جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی اپنے سب مؤمن بندوں کو دیا ہے، پیغمبروں کے لئے اس کا ارشاد ہے کہ "اے پیغمبرو! تم کھاؤ، پاک اور حلال غذا اور عمل کرو صالح۔" اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے اس نے فرمایا ہے کہ ...... "اے ایمان والو! تم ہمارے رزق میں سے حلال اور طیب کھاؤ (اور حرام سے بچو۔)"

اس کے بعد حضور ﷺ نے ذکر فرمایا ایک ایسے آدمی کا جو طویل سفر کر کے (کسی مقدس مقام پر) ایسے حال میں جاتا ہے کہ اس کے بال پراگندہ ہیں اور جسم اور کپڑوں پر گرد و غبار ہے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کے دعا کرتا ہے۔ اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے اس کا پینا حرام ہے اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا سے اس کا نشو و نما ہوا ہے تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہو گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح حدیث کا مطلب اور پیغام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدس اور پاک ہے اور وہ اسی صدقہ اور اسی نذر و نیاز کو قبول کرتا ہے جو پاک مال سے ہو۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ حرام سے بچنے اور صرف حلال استعمال کرنے کا حکم وہ امر الٰہی ہے جو تمام اہل ایمان کی طرح سب پیغمبروں کو بھی دیا گیا تھا۔ لہٰذا ہر مؤمن کو چاہئے کہ وہ اس حکم الٰہی کی عظمت و اہمیت کو محسوس کرے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے اس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ حرام مال اتنا خبیث اور ایسا منحوس ہے کہ اگر کوئی آدمی سر سے پاؤں تک درویش اور قابل رحم فقیر بن کے کسی مقدس مقام پہ جا کے دعا کرے لیکن اس کا کھانا پینا اور لباس حرام سے ہو تو اس کی دعا قبول نہ ہو گی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَنِ اشْتَرٰى ثَوْبًا بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ وَ فِيْهِ دِرْهَمٌ حَرَامٌ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةً مَّا دَامَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَدْخَلَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ قَالَ صُمَّتَا اِنْ لَّمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُهٗ. (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ "جس شخص نے دس درہم میں کوئی کپڑا خریدا اور ان میں ایک درہم بھی حرام کا تھا تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اس کی کوئی نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہ ہو گی۔" (یہ بیان کر کے) حضرت ابن عمر نے اپنی دو انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں دے لیں اور بولے "بہرے ہو جائیں میرے یہ دونوں کان اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے نہ سنا ہو۔" (یعنی میں نے جو کہا یہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اپنے کانوں سے سنا ہے۔) (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ. (رواہ احمد والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی نشو و نما حرام مال سے ہوئی ہو۔ اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ (مسند احمد، سنن دارمی، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ..... اللہ کی پناہ! اس حدیث میں بڑی سخت وعید ہے۔ الفاظ حدیث کا ظاہر مطلب یہی ہے کہ دنیا میں جو شخص حرام کمائی کی غذا سے پلا بڑھا ہو گا وہ جنت کے داخلہ سے محروم رہے گا اور دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہو گا۔ اللھم احفظنا۔

شارحین حدیث نے قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ ایسا آدمی حرام خوری کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکے گا۔ ہاں اگر وہ مؤمن ہو گا تو حرام کا عذاب بھگتنے کے بعد جنت میں جاسکے گا اور اگر مرنے سے پہلے اس کو صادق توبہ و استغفار نصیب ہو گیا یا کسی مقبول بندہ نے اس کی مغفرت کی دعا کی اور قبول ہو گئی یا خود رحمت الٰہی نے مغفرت کا فیصلہ فرمادیا تو عذاب کے بغیر بھی بخشا جاسکتا ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَاْتِىْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِى الْمَرْءُ مَا اَخَذَ مِنْهُ، مِنَ الْحَلَالِ اَمْ مِنَ الْحَرَامِ. (رواه البخاری وزادرزین علیه فاذ ذالك لاتجاب لهم دعوة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو اسکی پرواہ نہ ہو گی کہ وہ جو لے رہا ہے حلال ہے یا حرام، جائز ہے یا ناجائز۔ (صحیح بخاری)

تشریح ..... حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جس زمانہ کی اس حدیث میں خبر دی ہے بلا شبہ وہ آچکا ہے آج امت میں ان لوگوں میں بھی جو دین دار سمجھے جاتے ہیں کتنے ہیں جو اپنے پاس آنے والے روپیہ پیسہ یا کھانے پہننے کی چیزوں کے بارے میں یہ سوچنا اور تحقیق کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ ہو سکتا ہے کہ آگے اس سے بھی زیادہ خراب زمانہ آنے والا ہو۔ (مسند رزین کی اسی حدیث کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس وقت ان لوگوں کی دعائیں قبول نہ ہوں گی)

حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں تمیز نہ کرنا، روحِ ایمانی کی موت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس سلسلہ کی تعلیمات و ہدایات نے صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں اور ان کے دلوں پر کیا اثر ڈالا تھا اس کا اندازہ ان دو واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ مروی ہے کہ ان کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز ان کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس میں سے کچھ کھالیا، اس کے بعد اس غلام نے بتلایا کہ یہ چیز مجھے اس طرح حاصل ہوئی کہ اسلام کے دور سے پہلے زمانہ جاہلیت میں ایک آدمی کو میں نے اپنے کو کاہن ظاہر کر کے دھوکا دیا تھا اور اس کو کچھ بتلادیا تھا۔ جیسے کہ کاہن لوگ بتلادیا کرتے تھے، تو آج وہ آدمی ملا اور اس نے مجھے اس کے حساب میں کھانے کی یہ چیز دی۔ حضرت ابو بکرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے حلق میں انگلی ڈال کر قے کی اور جو کچھ پیٹ میں تھا سب نکال دیا۔

اسی طرح امام بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں دودھ پیش کیا، آپؓ نے اس کو قبول فرمالیا اور پی لیا، آپؓ نے اس آدمی سے پوچھا کہ دودھ تم کہاں سے لائے؟ اس نے بتلایا کہ فلاں گھاٹ کے پاس سے میں گزر رہا تھا وہاں زکوٰۃ کے جانور اونٹنیاں بکریاں وغیرہ تھیں لوگ ان کا دودھ دوہ رہے تھے، انہوں نے مجھے بھی دیا، میں نے لے لیا، یہ وہی دودھ تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو حضرت ابو بکرؓ کی طرح حلق میں انگلی ڈال کر آپؓ نے بھی قے کر دی اور اس دودھ کو اس طرح نکال دیا۔ (مشکوٰۃ)

ان دونوں واقعوں میں ان دونوں بزرگوں نے جو کھایا پیا تھا چونکہ لاعلمی اور بے خبری میں کھایا پیا تھا اس لئے ہرگز گناہ نہ تھا لیکن حرام غذا کے بارے میں حضور ﷺ سے جو کچھ ان حضرات نے سنا تھا، اس سے یہ اتنے خوفزدہ تھے کہ اس کو پیٹ سے نکال دینے کے بغیر چین نہ آیا۔ بے شک حقیقی تقویٰ یہی ہے۔

مقامِ تقویٰ، مشتبہ سے بھی پرہیز ضروری

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَايَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبْهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَ عِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِى الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِى الْحَرَامِ كَالرَّاعِىْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَرْتَعَ فِيْهِ، اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَ اِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَ اِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِىَ الْقَلْبُ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو حلال ہے وہ واضح اور روشن ہے اور جو حرام ہے وہ بھی واضح اور روشن ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں ہیں جو مشتبہ ہیں، ان کو (یعنی ان کے شرعی حکم کو) بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی (ازراہِ احتیاط) پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور بے داغ رہے گا۔ اور جو شخص شبہ والی چیزوں میں پڑے گا اور مبتلا ہوگا وہ (خدانکردہ) حرام کے حدود میں جا گرے گا۔ اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانور محفوظ سرکاری علاقے کے آس پاس بالکل قریب میں چراتا ہے تو اس کا قریبی خطرہ ہوتا ہے کہ وہ جانور اس محفوظ سرکاری علاقے میں داخل ہو کر چرنے لگیں (جو قابلِ سزا جرم ہے) اور معلوم ہونا چاہئے کہ ہر بادشاہ اور فرمانروا کا ایک حمیٰ (محفوظ علاقہ) ہوتا ہے (جس کی حدود میں بغیر اجازت داخلہ جرم سمجھا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ کا وہ حمیٰ (محفوظ علاقہ) اس کے محارم یعنی محرمات ہیں (آدمی کو چاہئے کہ اس کے قریب بھی نہ جائے یعنی مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے) اور خبردار! انسان کے جسم میں ایک مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) ہے (جس کی شان یہ ہے) کہ اگر وہ ٹھیک ہو (یعنی اس میں نورِ ایمان، خدا کی معرفت اور اس کا خوف ہو) تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے (یعنی اس کے اعمال و احوال صحیح و درست ہوتے ہیں) اور اگر اس کا حال خراب ہو تو سارے جسم

کا حال بھی خراب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال واحوال خراب ہو جاتے ہیں۔) آگاہ رہو گوشت کا وہ ٹکڑا قلب ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے پورے ذخیرہ میں چند حدیثیں وہ ہیں جن کو امت کے علماء اور فقہا نے بہت اہم اور اصولی سمجھا ہے، انہی میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت کی ہوئی یہ حدیث بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں سب سے پہلے تو یہ فرمایا ہے کہ شریعت میں جو چیزیں اور جو معاملات صراحت کے ساتھ حلال یا حرام قرار دیئے گئے ہیں ان کا معاملہ تو صاف اور روشن ہے، لیکن ان کے علاوہ بہت سی چیزیں اور بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا جائز یا ناجائز ہونا کسی صریح دلیل سے معلوم نہ ہو سکے گا بلکہ دونوں رایوں کی گنجائش ہو گی، مثلاً شریعت کے ایک اصول کی روشنی میں ان کو جائز اور کسی دوسرے اصول کی روشنی میں ناجائز قرار دیا جا سکے گا تو ایسی شبہ والی چیزوں اور ایسے معاملات کے بارے میں بندۂ مؤمن کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ ازراہِ احتیاط و تقویٰ ان سے بھی پرہیز کرے، اسی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ آگے آپ نے ارشاد فرمایا کہ...... "جو شخص ایسی مشتبہ چیزوں سے پرہیز کا اہتمام نہ کرے گا تو وہ بے احتیاطی کا عادی بن کر محرمات کا بھی مرتکب ہو جائے گا۔" پھر اس بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مثلاً جو چرواہا اپنے جانوروں کو اس سرکاری محفوظ علاقے کے قریب اور بالکل اس کی سرحد پر چرائے گا جس میں عوام کے لئے جانوروں کا چرانا جرم ہے تو بعید نہیں کہ اس کے جانور کسی وقت اس محفوظ علاقہ کی حدود میں داخل ہو کر چرنے لگیں، پس جس طرح چرواہے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو سرکاری علاقہ سے دور ہی رکھے اور اس کے قریب بھی نہ جانے دے اسی طرح بندۂ مؤمن کو چاہئے کہ وہ مشتبہ چیزوں اور مشتبہ معاملات سے بھی پرہیز کرے، اسطرح وہ محرمات اور معصیات سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ یہی مقام تقویٰ ہے۔

آخر میں حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ انسانی وجود کے بگاڑ اور سدھار، سعادت اور شقاوت کا دارومدار اس کے قلب کے حال پر ہے جو انسان کے پورے جسمانی وجود پر اور تمام اعضاء پر حکمرانی کرتا ہے اگر وہ درست ہو گا اور اس میں خدا کی معرفت کا خوف اور ایمان کا نور ہو گا تو انسان کا پورا جسمانی وجود درست رہے گا اور اس کے اعمال واحوال صحیح اور صالح ہوں گے اور اگر قلب میں فساد و بگاڑ ہو گا اور اس پر حیوانی و شیطانی جذبات کا غلبہ ہو گا تو اس کا پورا جسمانی وجود فاسد اور غلط کار ہو گا اور اس کے اعمال واحوال شیطانی و حیوانی ہوں گے۔

اس حدیث میں قلب سے مراد انسان کا وہ باطنی حاسہ ہے جس کا رجحان خیر یا شر کی طرف ہوتا ہے۔ اس کو مضغہ (گوشت کا ٹکڑا) اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان کے سینہ میں بائیں جانب صنوبری شکل کا جو ایک خاص عضو اور مضغۂ لحم ہے جس کو قلب اور دل کہا جاتا ہے وہ اس باطنی حاسہ کا خاص محل اور گویا اس کا تخت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث پاک میں پہلے تو محرمات کے علاوہ مشتبہات سے بھی بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی جو تقوے کی بنیادی شرط ہے اس کے بعد آپ ﷺ نے قلب کے بارے میں یہ آگاہی دی اور بتلا کر کہ انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار قلب کے صلاح و فساد پر ہے، اس کی حفاظت اور نگرانی کی

طرف توجہ دلائی۔ مبارک ہیں وہ بندے جو قلب اور باطن کی اس اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قالب اور ظاہر سے زیادہ اپنے قلب اور باطن کی فکر رکھتے ہیں۔ حضرات صوفیائے کرام کا یہی امتیاز ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت کی اہمیت کو سب سے زیادہ انہوں نے سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات سے ہمیں محروم نہ فرمائے۔

بعض شارحین نے اس حدیث پاک کے مضامین کی ترتیب سے یہ بھی سمجھا ہے کہ قلب کی صفائی اور طہارت کے لئے یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے میں محرمات کے علاوہ مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔

عَنْ عَطِيَّةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ "لَايَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَالَا بَاْسَ بِهٖ حَذْرًا لِمَا بِهٖ بَاْسٌ . (رواه الترمذى و ابن ماجه)

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کہ وہ متقیوں میں شمار ہو جب تک کہ اس کا رویّہ یہ نہ ہو کہ گناہوں سے بچنے کے لئے وہ مباحات کو بھی ترک نہ کرے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح بہت سی چیزیں اور بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں کہ وہ فی نفسہ جائز اور مباح ہوتے ہیں لیکن اس کا اندیشہ ہوتا ہے کہ آدمی اُن میں مبتلا ہو کر گناہ تک پہنچ جائے اس لئے مقامِ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ ان جائز و مباح چیزوں اور کاموں سے بھی پرہیز کرے۔ اس کے بغیر آدمی مقامِ تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔

معاملات اور دوسرے ابواب میں تقوے کا جو تقاضا ہے وہ ان تین حدیثوں سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا.

مالی معاملات میں دوسروں کے ساتھ نرمی اور رعایت

رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تعلیم میں ایمان اور اللہ کی عبادت کے بعد بندگانِ خدا اور عام مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک، خاص کر کمزوروں اور حاجت مندوں کی خدمت اور اعانت پر بڑا زور دیا گیا ہے، اور آپ ﷺ کی تعلیم و ہدایت کا یہ نہایت وسیع اور اہم باب ہے۔ اسی سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الاخلاق[1] اور کتاب المعاشرہ[2] میں ناظرین کرام مختلف عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ پچاسوں ارشادات پڑھ چکے ہیں جن کا تعلق اسی وسیع باب کے مختلف شعبوں سے ہے۔

خرید و فروخت اور قرض وغیرہ لین دین کے معاملات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مختلف عنوانات سے اس کی ہدایت فرمائی اور ترغیب دی کہ ہر فریق دوسرے کی رعایت اور خیر خواہی کرے، جس پر کسی کا حق ہے وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے، اور جس کا کسی دوسرے پر حق ہے وہ اس کے وصول کرنے میں فراخ دلی، نرمی اور فیاضی سے کام لے، اور سخت اور بے لچک رویّہ اختیار نہ کرے۔ آپ ﷺ نے بتلایا کہ جو بندے ایسا کریں گے وہ ارحم الراحمین کی خاص الخاص رحمت کے مستحق ہونگے۔ اس سلسلہ کے حضور ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھئے:

---

[1] معارف الحدیث جلد دوم [2] معارف الحدیث جلد ششم

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى. (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رحمت اس بندے پر جو بیچنے میں، خریدنے میں اور اپنے حق کا تقاضا کرنے اور وصول کرنے میں نرم اور فراخ دل ہو۔ (صحیح بخاری)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ رَجُلًا كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَتَاهُ الْمَلَكُ لِيَقْبِضَ رُوْحَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ هَلْ عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ مَا اَعْلَمُ قِيْلَ لَهُ اُنْظُرْ قَالَ مَا اَعْلَمُ شَيْئًا غَيْرَ اَنِّيْ كُنْتُ اُبَايِعُ النَّاسَ فِى الدُّنْيَا وَاُجَازِيْهِمْ فَاُنْظِرُ الْمُوسِرَ وَ اَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَاَدْخَلَه اللهُ الْجَنَّةَ. (رواہ البخاری و مسلم و فی روایۃ لمسلم)

نحوه عن عقبة بن عامر وابى مسعود الانصارى فقال الله انا احق بذامنك تجاوزوا عن عبدى

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی کسی امت میں ایک آدمی تھا، جب موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرنے آیا (اور قبض روح کے بعد وہ اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو گیا) تو اس سے پوچھا گیا کہ تو نے دنیا میں کوئی نیک عمل کیا تھا؟ (جو تیرے لئے وسیلۂ نجات بن سکے) اس نے عرض کیا کہ میرے علم میں میرا کوئی (ایسا) عمل نہیں ہے۔ اس سے کہا گیا کہ (اپنی زندگی پر) نظر ڈال (اور غور کر!) اس نے پھر عرض کیا کہ میرے علم میں (میرا ایسا کوئی عمل اور) کوئی چیز نہیں سوا اس کے کہ میں لوگوں کے ساتھ کاروبار اور خرید و فروخت کا معاملہ کیا کرتا تھا تو میرا رویّہ ان کے ساتھ درگزر اور احسان کا ہوتا تھا، میں پیسے والوں اور اصحاب دولت کو بھی مہلت دے دیتا تھا (کہ وہ بعد میں جب چاہیں ادا کردیں) اور غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لئے جنت میں داخلہ کا حکم فرمادیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ کی یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اسی طرح روایت کی گئی۔ اور صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ سے بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے اور اس کے آخر میں بجائے "فَاَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ" کے یہ الفاظ ہیں فَقَالَ اللهُ اَنَا اَحَقُّ بِذَامِنْكَ، تَجَاوَزُوْا عَنْ عَبْدِیْ. "(اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے فرمایا کہ احسان اور درگزر کا جو معاملہ تو میرے بندوں سے کرتا تھا (کہ غریبوں مفلسوں کو معاف بھی کر دیتا تھا) یہ (کریمانہ رویّہ) میرے لئے زیادہ سزاوار ہے اور اس کا تجھ سے زیادہ حقدار ہوں (کہ معافی و درگزر کا معاملہ کروں) اور اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس بندے سے درگزر کرو (یہ معاف کردیا گیا... بخش دیا گیا۔)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے زمانہ کے کسی شخص کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے، ظاہر ہے کہ

وہ آپ ﷺ کو وحی سے ہی معلوم ہوا ہوگا' یہ شخص دنیا سے ایسے حال میں گیا کہ خود اس کی نظر میں اس کا کوئی عمل ایسا نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ نجات اور جنت کی امید کر سکتا' سوا اس کے کہ وہ کاروباری معاملات اور لین دین میں اللہ کے بندوں کے ساتھ رعایت کیا کرتا اور ان کو سہولت دیا کرتا تھا۔ اگر کسی غریب شخص کے ساتھ کوئی چیز ادھار بیچی ہوتی یا قرض دیا ہوتا اور وہ ادا نہ کر سکتا تو اس کو معاف کر دیا کرتا تھا اور پیسے والوں سے بھی فوراً ادائیگی پر اصرار نہیں کرتا تھا بلکہ ان کو مہلت دے دیتا تھا کہ آئندہ ادا کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اسی عمل کی بنیاد پر مغفرت فرما دی۔ اور اس کو جنت کا پروانہ عطا ہو گیا۔ تعلیم اور نصیحت کا یہ مؤثر ترین طریقہ ہے کہ اگلوں کے سبق آموز واقعات بیان کئے جائیں۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں یا بعض اشخاص و افراد کے جو واقعات اور قصص بیان فرمائے گئے ہیں ان کا خاص مقصد و مدعا یہی ہے۔ اس حدیث میں اور اس سے آگے والی حدیث میں حضور ﷺ نے نصیحت اور تربیت کا یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يُدَايِنُ النَّاسَ فَكَانَ يَقُوْلُ لِفَتَاهُ اِذَا اَتَيْتَ مُعْسِرًا تَجَاوَزْ عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ اَنْ يَّتَجَاوَزَ عَنَّا قَالَ فَلَقِىَ اللهَ فَتَجَاوَزَ عَنْهُ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جو لوگوں کو قرض ادھار دے دیا کرتا تھا (تو جب اپنے غلام کو تقاضے کے لئے اور قرض وصول کرنے کے لئے بھیجتا) تو غلام سے کہتا اور اس کو ہدایت کر دیتا کہ جب تم قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی غریب اور مفلس کے پاس جاؤ تو اس سے درگزر کیجیو' شاید (اس کی وجہ سے) اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے اور معاف فرماوے۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر جب مرنے کے بعد وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں جس شخص کا واقعہ بیان کیا گیا ہے ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی اگلی امتوں میں سے کسی امت کا فرد تھا۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَنْجَاهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس بندہ نے کسی غریب تنگدست کو مہلت دی یا (اپنا مطالبہ کل یا اس کا جز) معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی تکلیفوں اور پریشانیوں سے اس بندہ کو نجات عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِى الْيَسَرِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللهُ فِىْ ظِلِّهِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو الیسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا

آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ کسی غریب تنگدست کو (جس پر اس کا قرضہ وغیرہ ہو) مہلت دے دے یا (مطالبہ کل یا جز) معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لے گا۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهُ عَلٰى رَجُلٍ حَقٌّ فَمَنْ اَخَّرَهُ كَانَ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ (رواہ احمد)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی کا کسی دوسرے بھائی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لئے دیر تک مہلت دے دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا۔ (مسند احمد)

تشریح...... ان سب حدیثوں کا مضمون اور پیغام بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

قرض کی فضیلت اور اس سے متعلق ہدایات

ظاہر ہے کہ حاجت مند اور ضرورت مند کو قرض دینا اس کی مدد ہے اور بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ قرض کے بارے میں سخت وعیدیں بھی ہیں۔

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّةَ فَرَاٰى عَلٰى بَابِهَا مَكْتُوْبًا اَلصَّدَقَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ. (رواہ الطبرانی فی الکبیر)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی جنت میں داخل ہوا تو اس نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ کا اجر و ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا۔ (معجم کبیر طبرانی)

تشریح...... حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ حضور ﷺ نے یہ کس آدمی کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنت میں داخل ہوا تو اس نے اس کے دروازے پر مندرجہ بالا جملہ لکھا دیکھا، ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ کسی مرد صالح کے خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود آپ ﷺ کا مشاہدہ یا مکاشفہ ہو اور آپ ﷺ نے اس انداز میں اس کو بیان فرمایا ہو اس دوسرے احتمال کی کسی قدر تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ:

فقلت لجبريل مابال القرض افضل من الصدقة؟ قال لان السائل يسئل و عنده والمستقرض لا يستقرض الا من حاجة (جمع الفوائد)

میں نے جبریل سے پوچھا کہ قرض میں کیا خاص بات ہے کہ وہ صدقہ سے افضل ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ سائل (جس کو صدقہ دیا جاتا ہے) اس حالت میں بھی سوال کرتا اور صدقہ لے لیتا ہے جبکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہے اور قرض مانگنے والا قرض جب ہی مانگتا ہے جب وہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کا ایک غریب مگر شریف و عفیف بندہ انتہائی حاجت مند اور گویا اضطرار کی

حالت میں ہوتا ہے لیکن نہ وہ کسی سے سوال کرنا چاہتا ہے اور نہ صدقہ خیرات لینے کے لئے اس کا دل آمادہ ہوتا ہے' ہاں وہ اپنی ضرورت پوری کرنے اور بچوں کو فاقہ توڑنے کے لئے قرض چاہتا ہے ظاہر ہے کہ اس کو قرض دینا صدقہ سے افضل ہوگا۔ نیز خود راقم السطور کا تجربہ ہے کہ بہت سے لوگ کسی ضرورت مند کی زکوۃ خیرات سے مدد کرنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن اس کو قرض دینے پر ان کا دل آمادہ نہیں ہوتا اس کے لئے اس حدیث میں خاصا سبق ہے۔ حدیث کے اس آخری حصہ سے (جو ابن ماجہ کے حوالہ سے درج کیا گیا ہے) یہ بھی اشارہ ملا کہ صدقہ کے مقابلہ میں وہی قرض افضل ہے جو کسی حاجتمند کو اس کی حاجت رفع کرنے کے لئے دیا جائے۔

قرض کا معاملہ بڑا سنگین اور اس کے بارے میں سخت وعیدیں

رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف تو اصحاب وسعت کو ترغیب دی کہ وہ ضرورت مند بھائیوں کو قرض دیں اور اس کی ادائیگی کے لئے مقروض کو مہلت دیں کہ جب سہولت ہو ادا کرے اور نادار مفلس ہو تو قرضہ کا کل یا جز معاف کر دیں اور اس کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا اور دوسری طرف قرض لینے والوں کو آگاہی دی کہ وہ جلد سے جلد قرض کے ادا کرنے اور اس کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کریں' اگر خدانخواستہ قرض ادا کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو آخرت میں اس کا انجام ان کے حق میں بہت برا ہوگا کبھی کبھی آپ ﷺ نے اس کو سنگین ترین اور ناقابلِ معافی گناہ بتلایا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی میت کے متعلق آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو اس نے ادا نہیں کیا ہے' تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرمادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ آپ ﷺ کی طرف سے آخری درجہ کی تنبیہ تھی۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اَعْظَمَ الذُّنُوْبِ عِنْدَاللّٰهِ اَنْ یَّلْقَاهُ عَبْدٌ بَعْدَ الْكَبَائِرِ الَّتِیْ نَهَی اللّٰهُ عَنْهَا اَنْ یَّمُوْتَ رَجُلٌ وَّعَلَیْهِ دَیْنٌ لَا یَدَ عُ لَهٗ قَضَاءً. (رواہ احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو موسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان کبیرہ گناہوں کے بعد جن سے اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے (جیسے شرک اور زنا وغیرہ) سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اس حال میں مرے کہ اس پر قرض ہو اور اس کی ادائیگی کا سامان چھوڑ نہ گیا ہو۔ (مسند احمد' سنن ابی داؤد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَیْنِهٖ حَتّٰی یُقْضٰی عَنْهُ. (رواہ الشافعی واحمد والترمذی و ابن ماجة والدارمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن بندہ کی روح اس کے قرضہ کی وجہ سے بیچ میں معلق اور رکی رہتی ہے جب تک وہ قرضہ ادا نہ کر دیا جائے جو اس پر ہے۔ (مسند شافعی' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' مسند دارمی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بندہ ایسی حالت میں دنیا سے گیا جس کو ایمان بھی نصیب ہے اور اعمال صالحہ بھی اس کے اعمال میں ہیں جو نجات اور جنت کا وسیلہ بنتے ہیں لیکن اس پر کسی کا قرضہ ہے جس کو وہ ادا

کر کے نہیں گیا اور اس معاملہ میں اس نے غفلت اور کوتاہی کی تو جب تک اس کی طرف سے قرضہ ادا نہ ہو جائے وہ راحت و رحمت کی اس منزل اور مقام تک نہیں پہنچ سکے گا جو مؤمنین صالحین کیلئے موعود ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يُغْفَرُ لِلشَّهِيْدِ كُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّيْنِ. (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہید ہونے والے مردِ مؤمن کے سارے گناہ (راہِ خدا میں جان کی قربانی دینے کی وجہ سے) بخش دیئے جاتے ہیں بجز قرض کے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں شہید ہونا ایسا مقبول عمل ہے کہ وہ آدمی کے سارے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے اور اس کی برکت سے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے اور بخش دیئے جاتے ہیں، لیکن اگر اس پر کسی بندہ کا قرضہ تھا تو اس کے حساب میں وہ گرفتار بلا رہے گا کیونکہ وہ حق العبد ہے، اس سے نجات اور رہائی کی صورت یہی ہے کہ وہ قرضہ ادا کیا جائے۔ (یا جس کا قرضہ ہے وہ لوجہ اللہ معاف کر دے) آگے درج ہونے والی دو حدیثوں سے یہ بات اور زیادہ صراحت سے معلوم ہو گی کہ اس معاملہ میں اللہ کا قانون کس قدر بے لاگ اور سخت ہے۔

عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرَاَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلاً غَيْرَ مُدْبِرٍ يُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّىْ خَطَايَاىَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ...... فَلَمَّا اَدْبَرَ نَا دَاهُ فَقَالَ نَعَمْ اِلَّا الدَّيْنَ كَذَالِكَ قَالَ جِبْرِيْلُ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ (ﷺ)! مجھے بتلایئے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ اور اللہ کی رضا اور ثواب آخرت کی طلب ہی میں جہاد کروں اور مجھے اس حالت میں شہید کر دیا جائے کہ میں پیچھے نہ ہٹ رہا ہوں بلکہ پیش قدمی کر رہا ہوں تو کیا میری اس شہادت اور قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ میرے سارے گناہ معاف کر دے گا؟ آپ ﷺ نے جواب فرمایا ہاں (اللہ تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا) پھر جب وہ آدمی آپ سے یہ جواب پا کر) لوٹنے لگا تو آپ ﷺ نے اس کو پھر پکارا اور فرمایا ہاں (تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے) سوائے قرضہ کے یہ بات اللہ کے فرشتہ جبرئیل امین نے اسی طرح بتلائی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ یہ بات کہ شہید ہونے سے بندے کے سارے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی کے قرضہ کا بار لے کر گیا ہے تو اس کی وجہ سے گرفتار رہے گا۔ میں خدا کی وحی کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں جو جبرئیل امین نے مجھے پہنچائی ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا بِفِنَاءِ الْمَسْجِدِ حَيْثُ يُوْضَعُ الْجَنَائِزُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَيْنَا، فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَصَرَهُ اِلَى السَّمَاءِ فَنَظَرَ ثُمَّ طَاطَاً

بَصَرَهٗ وَ وَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى جَبْهَتِهٖ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاذَا نَزَلَ مِنَ التَّشْدِيْدِ، قَالَ فَسَكَتْنَا يَوْمَنَا وَلَيْلَتَنَا فَلَمْ نَرَ اِلَّا خَيْرًا حَتّٰى اَصْبَحْنَا، قَالَ مُحَمَّدٌ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا التَّشْدِيْدُ الَّذِىْ نَزَلَ؟ قَالَ فِى الدَّيْنِ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّ رَجُلًا قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ ثُمَّ قُتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ عَاشَ وَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مَا دَخَلَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يُقْضٰى دَيْنُهٗ. (رواه احمد)

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک دن مسجد کے باہر کے میدان میں جہاں جنازے لا کر رکھے جاتے ہیں بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے، اچانک آپ ﷺ نے نگاہ مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیکھا۔ پھر نگاہ نیچی فرمالی، اور (ایک خاص فکر مندانہ انداز میں) اپنا ہاتھ پیشانی مبارک پر رکھ کر بیٹھ گئے، اور اسی حالت میں فرمایا۔ ''سبحان اللہ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے، اس کا ہر حکم اور فیصلہ برحق) کس قدر سخت وعید اور سنگین فرمان نازل ہوا ہے'' حدیث کے راوی محمد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ اس دن اور اس رات ہم سب خاموش رہے (اور منتظر رہے کہ کیا ظہور میں آتا ہے، مگر) خیریت ہی رہی تو اگلے دن صبح کو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت وہ کیا سخت اور بھاری چیز تھی جو کل نازل ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نہایت سخت وعید اور بھاری فرمان قرضہ کے بارے میں نازل ہوا ہے (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس خداوندی فرمان اور وعید کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے) اگر کوئی آدمی راہِ خدا میں یعنی جہاد میں شہید ہو اور وہ شہادت کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر جہاد میں شہید ہو اور اس کے بعد پھر زندہ ہو جائے اور پھر راہِ خدا میں شہید ہو اور پھر زندہ ہو اور اس کے ذمہ قرض ہو تو وہ جنت میں اس وقت تک نہ جا سکے گا جب تک اس کا قرض ادا نہ ہو جائے۔

تشریح..... بظاہر ان سب حدیثوں اور وعیدوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ قرضہ کے ادا نہ کرنے میں بدنیتی اور غفلت و لاپروائی کا دخل ہو، اگر ادا کرنے کی نیت تھی اور فکر مند بھی تھا لیکن بے چارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکا اور اسی حال میں دنیا سے چلا گیا تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ عنداللہ معذور ہوگا جیسا کہ عنقریب ہی درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے دور میں جنازوں کی نماز مسجد سے باہر میدان میں ہوتی تھی، حنفیہ کے نزدیک یہی بہتر ہے۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِىِّ ﷺ اِذْ اُتِىَ بِجَنَازَةٍ فَقَالُوْا صَلِّ عَلَيْهَا فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قَالُوْا لَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِىَ بِجَنَازَةٍ اُخْرٰى، فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ قِيْلَ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ اُتِىَ بِالثَّالِثَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؟ قَالُوْا ثَلٰثَةَ دَنَانِيْرَ قَالَ هَلْ تَرَكَ شَيْئًا؟ قَالُوْا لَا قَالَ صَلُّوْا عَلٰى صَاحِبِكُمْ قَالَ اَبُوْ قَتَادَةَ صَلِّ عَلَيْهِ يَا

رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ عَلَيَّ دَيْنُهٗ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ. (رواه البخارى)

حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک میت کا جنازہ لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ حضرت اس کی نمازِ جنازہ پڑھا دیجئے! آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس آدمی پر کچھ قرض ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ قرض نہیں ہے، تو آپ ﷺ نے اس جنازہ کی نماز پڑھادی۔ پھر ایک دوسرا جنازہ لایا گیا اس کے بارے میں آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس میت پر کسی کا قرضہ ہے؟ عرض کیا گیا کہ ہاں اس پر قرض ہے، تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو جائے) لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے تین دینار چھوڑے ہیں تو آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھادی، پھر تیسرا جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں بھی دریافت فرمایا کہ کیا اس مرنے والے پر کچھ قرضہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ہاں اس پر تین دینار کا قرضہ ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس نے کچھ ترکہ چھوڑا ہے (جس سے قرض ادا ہو سکے) لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ نہیں چھوڑا تو آپ ﷺ نے حاضرین صحابہ سے فرمایا کہ اپنے اس ساتھی کی نماز جنازہ تم لوگ پڑھ لو۔ تو ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضورؐ! اس کی نماز پڑھا دیں اور اس پر جو قرضہ ہے وہ میں نے اپنے ذمہ لے لیا (میں ادا کروں گا) تو اس کے بعد آپ ﷺ نے اس جنازے کی بھی نماز پڑھادی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل بظاہر زندوں کو تنبیہ کے لئے تھا کہ وہ قرضوں کے ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی نہ کریں اور ہر شخص کی یہ کوشش ہو کہ اگر اس پر کسی کا قرضہ ہے تو وہ اس سے سبکدوش ہونے کی فکر اور کوشش کرے اور دنیا سے اس حال میں جائے کہ اس کے ذمہ کسی کا کچھ مطالبہ نہ ہو۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث اسی بارے میں مروی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل (کہ قرض دار میت کی نماز جنازہ سے خود معذرت فرمادیتے اور صحابۂ کرامؓ سے فرمادیتے تھے کہ تم لوگ پڑھ لو) ابتدائی دور میں تھا، بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور افلاس و ناداری کا دور ختم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اگر کوئی مسلمان اس حال میں انتقال کر جائے کہ اس پر قرض ہو (اور ادائیگی کا سامان نہ چھوڑا ہو) تو وہ قرض میرے ذمہ ہے میں اس کو ادا کروں گا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ کسی مسلمان کے ذمہ کسی دوسرے کا حق باقی نہ رہ جائے۔

بہر حال ان سب حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قرض ادا نہ کرنا اور اس حال میں دنیا سے چلا جانا بڑا سنگین گناہ ہے اور اس کا انجام بہت ہی خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات سے سبق لینے کی ہم سب کو توفیق دے اور دنیا سے اس حال میں اُٹھائے کہ کسی بندہ کا قرض اور کوئی حق ہمارے ذمہ نہ ہو۔

قرض ادا کرنے کی نیت ہو تو اللہ تعالیٰ ادا کرا ہی دے گا

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيْدُ اَدَاءَ هَا اَدَّى اللهُ عَنْهُ وَ مَنْ اَخَذَ يُرِيْدُ اِتْلَا فَهَا اَتْلَفَهُ اللهُ عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی لوگوں سے (قرض ادھار) مال لے اور اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے ادا کرادے گا۔ (یعنی ادائیگی میں اس کی مدد فرمائے گا اور اگر زندگی میں وہ ادا نہ کر سکا تو آخرت میں اس کی طرف سے ادا فرما کر اس کو سبکدوش فرمادے گا) اور جو کوئی کسی سے (قرض ادھار) لے اور اس کا ارادہ ہی مار لینے کا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کو تلف اور تباہ ہی کرادے گا (یعنی دنیا میں بھی وہ اس بدنیت آدمی کو لینا نہ ہو گا اور آخرت میں اس کے لئے وبالِ عظیم ہو گا۔ (صحیح بخاری)

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ خَلِيْلِیْ وَ صَفِيِّیْ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَحَدٍ يُدَانُ دَيْنًا فَيَعْلَمُ اللهُ اَنَّهُ يُرِيْدُ قَضَاءَ هُ اِلَّا اَدَّاهُ اللهُ عَنْهُ فِی الدُّنْيَا. (رواه النسائی)

حضرت عمران بن حصینؓ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی بندہ قرض لے اور اللہ کے علم میں ہو کہ اس کی نیت اور ارادہ ادا کرنے کا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا وہ قرضہ دنیا ہی میں ادا کرا دے گا۔ (سنن نسائی)

تشریح..... حضرت عمران بن حصین کی اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا بہت قرض لیا کرتی تھیں (غالباً مصارف خیر میں صرف کرنے کے لئے لیتی ہوں گی) تو ان کے خاص اعزہ اور متعلقین نے اس بارے میں ان سے بات کی (اور اس معاملہ میں احتیاط کا مشورہ دیا) تو آپؓ نے صاف فرمادیا کہ میں اس کو نہیں چھوڑوں گی اور ان کو حضور ﷺ کا یہی ارشاد سنایا، مطلب یہ تھا کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بناء پر مجھے کامل یقین ہے کہ میں جو کچھ قرض لیتی رہوں گی اس کی پائی پائی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ادا کرادے گا، مجھے اس کی ضمانت اور کفالت پر پورا اعتماد اور بھروسا ہے۔ بے شک ایسے اصحاب یقین کیلئے یہ طرزِ عمل درست ہے۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ مَعَ الدَّائِنِ حَتّٰى يَقْضِیَ دَيْنَهُ مَالَمْ يَكُنْ فِيْمَا يَكْرَهُ. (رواه ابن ماجة)

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقروض کے ساتھ ہے جب تک کہ اس کا قرضہ ادا ہو بشرطیکہ یہ قرضہ کسی برے کام کے لئے نہ لیا گیا ہو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ جو بندہ اپنی صحیح ضرورت و حاجت یا کسی نیک کام کے لئے قرض لے اور وہ اس

کی ادائیگی کی نیت اور فکر رکھتا ہو تو قرضہ ادا ہونے تک اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مدد اس کے ساتھ رہے گی۔ سنن ابن ماجہ کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حدیث کے راوی عبداللہ بن جعفرؓ اس حدیث کی بناء پر ہمیشہ مقروض رہتے تھے، فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا کوئی دن اور کوئی رات ایسی نہ گزرے جس میں اللہ تعالیٰ کی "معیت" یعنی خاص عنایت مجھے نصیب نہ ہو۔

ان کے حالات میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بہت سخی تھے اس لئے بھی ہمیشہ مقروض رہتے تھے۔

قرض لینے اور ادا کرنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل

رسول اللہ ﷺ کو بھی قرض لینے کی ضرورت پڑتی تھی اور آپ ﷺ قرض لیتے تھے اسی سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ آپ ﷺ غیر مسلموں یہودیوں سے بھی قرض لیتے تھے اور اس میں جو عظیم دینی مصلحتیں اور حکمتیں تھیں وہ بھی وہاں بیان کی جاچکی ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں صرف تین حدیثیں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ لِيْ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ دَيْنٌ فَقَضٰى لِيْ وَزَادَنِيْ. (رواہ ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرا رسول اللہ ﷺ پر کچھ قرض تھا تو آپ ﷺ نے جب وہ ادا فرمایا تو (میری واجبی رقم سے) زیادہ عطا فرمایا۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح قرض دار کا ادائیگی کے وقت اپنی طرف سے کچھ زیادہ ادا کرنا جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے۔ چونکہ یہ کسی شرط اور معاہدہ کی بناء پر نہیں ہوتا اس لئے یہ "ربوا" (سود) نہیں بلکہ تبرع اور احسان ہے۔ یہ ان سنتوں میں سے ہے جس کو بتلانے اور رواج دینے کی ضرورت ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا تَقَاضٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ اَصْحَابُهٗ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا وَاشْتَرُوْا لَهٗ بَعِيْرًا فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ قَالُوْا لَانَجِدُ اِلَّا اَفْضَلَ مِنْ سِنِّهٖ قَالَ اشْتَرُوْهُ فَاَعْطُوْهُ اِيَّاهُ فَاِنَّ خَيْرَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے قرضہ کا تقاضا کیا اور سخت کلامی کی تو آپ ﷺ کے اصحابِ کرامؓ نے (جو اس وقت موجود تھے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا) ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا "اس کو چھوڑ دو کچھ نہ کہو کیونکہ صاحبِ حق کو کہنے کا حق ہے اور اس کا قرض ادا کرنے کے واسطے ایک اونٹ خرید لاؤ اور اس کو دے دو۔" انہوں نے واپس آکر کہا (اس شخص کا اونٹ جس حیثیت کا تھا اس طرح کا اونٹ نہیں مل رہا ہے) صرف ایسا اونٹ ملتا ہے جو اس کے اونٹ سے زیادہ عمر کا اور زیادہ بڑھیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو، کیونکہ وہ آدمی زیادہ اچھا ہے جو بہتر اور برتر ادا کرے۔ (صحیح مسلم)

تشریح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اس سے پہلے سے عرب میں یہ عام رواج تھا کہ ایک آدمی اپنی ضرورت کے لئے دوسرے آدمی سے اونٹ قرض لے لیتا اور یہ معاملہ روپیہ پیسے کے حساب سے نہ ہوتا بلکہ یہ طے ہو جاتا کہ اس عمر اور اس حیثیت کا دوسرا اونٹ اس کے بدلے مقررہ مدت تک دے دیا جائے گا۔ تو

رسول اللہؐ نے اس رواج کے مطابق کسی وقت کسی شخص سے اونٹ قرض لیا تھا۔ غالباً مقررہ وقت آجانے پر وہ تقاضا کرنے آیا اور اس نے ادب و تمیز کے خلاف سخت رویہ اختیار کیا، صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اس وقت حاضر و موجود تھے انہوں نے اس کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس کو کچھ نہ کہو، اس کا ہم پر حق ہے اور صاحبِ حق کو سخت سست کہنے کا حق ہے۔ ہاں تم یہ کرو کہ جس عمر کا اور جس حیثیت کا اس شخص کا اونٹ تھا ویسا ہی خرید کر لادو اور اس کو ادا کردو۔ صحابہ کرامؓ نے ویسا اونٹ تلاش کیا، لیکن کہیں نہیں ملا، ہاں عمر اور حیثیت کے لحاظ سے اس سے بڑا اور بڑھیا اونٹ ملتا تھا، انہوں نے واپس آکر حضور سے یہی عرض کردیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو بڑا اور بڑھیا مل رہا ہے وہی خرید لاؤ اور اس کو وہی دے دو۔ ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ جو آدمی زیادہ بہتر اور برتر ادا کرتا ہے وہی زیادہ اچھا ہے۔ اس حدیث میں امت کے لئے جو سبق ہے وہ کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں۔

کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ شخص جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اور جس نے تقاضا کرنے میں ادب و تمیز کے خلاف رویّہ اختیار کیا تھا، کون تھا، غالب گمان یہی ہے کہ کوئی غیر مسلم یہودی وغیرہ ہوگا۔ اس سلسلہ معارف الحدیث میں اس حدیث کی تشریح میں جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی زرہ مبارک ۳۰ صاع جو کے عوض ایک یہودی کے یہاں رہن رکھی ہوئی تھی) تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے کہ حضور ﷺ یہودیوں وغیرہ غیر مسلموں سے بھی قرض لے لیتے تھے اور وہیں اس کی حکمتیں و مصلحتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ اَبِىْ رَبِيْعَةَ قَالَ اِسْتَقْرَضَ مِنِّى النَّبِىُّ ﷺ اَرْبَعِيْنَ اَلْفًافَجَاءَ هُ مَالٌ فَدَفَعَهُ اِلَىَّ وَقَالَ بَارَكَ اللهُ تَعَالٰى فِىْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ. (رواہ النسائی)

حضرت عبداللہ بن ابی ربیعہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے چالیس ہزار قرض لیا پھر آپ کے پاس سرمایہ آگیا تو آپ نے مجھے عطا فرمادیا اور ساتھ ہی مجھے دعا دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ قرض کا بدلہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور (قرض دینے والے کی) تعریف اور شکریہ ادا کیا جائے۔ (سنن نسائی)

تشریح ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ قرض بھی لیتے تھے اور ادائیگی کے وقت "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" کے اصول پر حق واجب سے زیادہ اور بہتر ادا فرماتے تھے اور دعائے خیر سے بھی نوازتے تھے۔ آخری حدیث میں چالیس ہزار قرض لینے کا ذکر ہے۔ بظاہر اس سے مراد چالیس ہزار درہم ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات آپ بڑی بڑی رقمیں بھی قرض لیتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے قرضے آپ ﷺ جہاد وغیرہ دینی مہمات ہی کے لئے لیتے ہوں گے، ورنہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل و عیال کی معیشت کا حال تو یہ تھا کہ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کبھی دو دن متواتر پیٹ بھر کے جو کی روٹی بھی نہیں کھائی اور بسا اوقات فاقوں کی نوبت آتی تھی اور مہینوں گھر میں چولہا گرم نہیں ہوتا تھا صرف پانی اور کھجور پر گزارہ ہوتا تھا۔

صلی اللہ علیہ وسلم

رِبا (سود)

دنیا کے دوسرے ملکوں اور قوموں کی طرح عربوں میں بھی سودی لین دین کا رواج تھا، اور ہمارے یہاں کے سود خور مہاجنوں کی طرح وہاں بھی کچھ سرمایہ دار یہ کاروبار کرتے تھے جس کی عام مروج و معروف صورت یہی تھی کہ ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے اور طے ہو جاتا کہ یہ رقم وہ فلاں وقت تک اتنے اضافے کے ساتھ ادا کر دیں گے۔ پھر اگر مقررہ وقت پر قرض لینے والا ادا نہ کر سکتا تو مزید مہلت لے لیتا اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اضافہ طے ہو جاتا۔ اس طرح غریب قرض داروں کا بوجھ بڑھتا رہتا اور سود خور مہاجن ان کا خون چوستے رہتے۔ ظاہر ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح اور اس کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ اسلام کی تعلیم اور ہدایت تو اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ غریبوں کی مدد کی جائے، کمزوروں کو سہارا دیا جائے اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جائے اور یہ سب اپنی کسی دنیوی مصلحت و منفعت کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لئے کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں جس طرح ام الخبائث شراب سے لوگوں کو بچانے کے لئے تدریجی رویہ اختیار فرمایا اسی طرح سود کے ظالمانہ اور لعنتی کاروبار کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بھی اسی حکمت عملی کو استعمال کیا گیا۔ شروع میں طویل مدت تک صرف مثبت انداز میں اس بات پر زور دیا گیا کہ اپنی دولت فی سبیل اللہ خرچ کرو، غریبوں کی مدد کرو، کمزوروں کو سہارا دو، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرو۔ رحم، سخاوت اور ایثار جیسے اخلاق کو اپناؤ بتلایا گیا کہ تم بھی فانی ہو، تمہاری دولت بھی فنا ہو جانے والی ہے۔ اس لئے اس دولت کے ذریعہ آخر کی ابدی فلاح اور جنت کماؤ، قارون جیسے پرستارانِ دولت کے انجام سے سبق حاصل کرو۔

اس تعلیم وہدایت اور اس کے مطابق عمل نے معاشرہ کا مزاج ایسا بنا دیا، اور فضا اس کے لئے ایسی سازگار ہو گئی کہ اس ظالمانہ اور انسانیت کش کاروبار (ربوا۔ سود) کی قطعی حرمت کا قانون نافذ کر دیا جائے۔ چنانچہ اواخر سورۂ بقرہ کی ۲۷۵ سے ۲۸۰ تک کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں واضح طور پر ربوا (سود) کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ (یعنی "اَلَّذِیْنَ یَأْکُلُوْنَ الرِّبٰوا" سے لے کر "وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌلَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ." تک۔

ان آیتوں میں یہ بھی صراحت کر دی گئی اگر پچھلے لین دین کے سلسلے میں کسی کی کوئی سودی رقم کسی مقروض کے ذمے باقی ہے تو وہ بھی اب نہیں لی جائے گی۔ انہی آیتوں میں آخر میں یہ بھی اعلان فرما دیا گیا کہ سودی کاروبار کی حرمت کے اس اعلان کے بعد بھی جو لوگ باز نہ آئیں اور خداوندی قانون کی نافرمانی کریں ان کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے (فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ)۔ اللہ کی پناہ!

یہ وعید (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کی وعید) سودی کاروبار کے سوا زنا،

شراب، خونِ ناحق وغیرہ کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں قرآن مجید میں وارد نہیں ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی نگاہ میں یہ گناہ دوسرے سب گناہوں سے زیادہ شدید و غلیظ ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے سود خوری کو انتہائی درجہ کے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ اور سود لینے والوں کے ساتھ اس کے دینے والوں یہاں تک کہ سودی دستاویز لکھنے والوں اور سودی معاملے کے گواہ بننے والوں کو بھی مستحق لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض روایات میں سود کا گناہ زنا سے ستر گنا زیادہ بتلایا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس باب کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھیے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ وَ قَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَكْلُ الرِّبٰوا وَاَكْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّی یَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سات مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بچو، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ کون سے سات گناہ ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ (اس کی عبادت یا صفات یا افعال میں کسی کو) شریک کرنا، اور جادو کرنا، اور ناحق کسی آدمی کو قتل کرنا اور سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا اور (اپنی جان بچانے کے لئے) جہاد میں لشکر اسلام کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جانا اور اللہ کی پاک دامن بھولی بھالی بندیوں پر زنا کی تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں جن گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے یہ شدید ترین اور خبیث ترین کبیرہ گناہ ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو "موبقات" فرمایا ہے (یعنی آدمی کو اور اس کی ایمانی روح کو ہلاک و برباد کردینے والے) ان میں آپ ﷺ نے شرک اور سحر اور قتل ناحق کے بعد اکل ربا (سود لینے اور کھانے) کا ذکر فرمایا اور اس کو روحِ ایمانی کے لئے قاتل اور مہلک بتلایا ہے۔ جس طرح اطبا اور ڈاکٹر اپنے تحقیقی علم و فن اور تجربہ کی بناء پر اس دنیا میں زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں، دواؤں، غذاؤں وغیرہ کے خواص بیان کرتے ہیں کہ فلاں چیز میں یہ خاصیت اور تاثیر ہے اور یہ آدمی کے فلاں مرض کے لئے مفید یا مضر ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنیاد پر انسانوں کے عقائد و افکار اور اعمال و اخلاق کے خواص اور نتائج بتلاتے ہیں کہ فلاں ایمانی عقیدہ اور فلاں نیک عمل اور فلاں اچھی خصلت کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں جنت کی نعمتیں اور دنیا میں قلب و روح کا سکون ہے اور فلاں کافرانہ و مشرکانہ عقیدے اور فلاں ظلم و معصیت کا انجام اللہ کی لعنت او دوزخ کا عذاب اور دنیا میں طرح طرح کی بے چینیاں اور پریشانیاں ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ اطباء اور ڈاکٹروں کی تحقیق اور غور و فکر میں غلطی کا امکان ہے اور کبھی کبھی غلطی کا تجربہ بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کے علم کی بنیاد خالق کائنات اور علیم کل اللہ تعالیٰ کی وحی پر ہوتی ہے اس میں کسی بھول چوک یا غلطی کا احتمال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ مگر عجب معاملہ ہے کہ

حکیموں ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دواؤں کو سب بلا چون وچرا ان کے اعتماد پر استعمال کرتے ہیں، پرہیز کے بارے میں وہ جو ہدایت دیں اس کی بھی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسی کو عقل کا تقاضا سمجھا جاتا ہے اور کسی مریض کا یہ حق تسلیم نہیں کیا جاتا کہ وہ کہے کہ میں دوا جب استعمال کروں گا جب اس کی تاثیر کا فلسفہ مجھے سمجھا دیا جائے۔ لیکن اللہ کی کتاب قرآن مجید اور اس کے رسولِ برحق خاتم الانبیاء ﷺ مثلاً سود کے بارے میں فرمائیں کہ وہ شدید و خبیث کبیرہ گناہ اور "موبقات" میں سے ہے۔ خدا کی لعنت و غضب کا موجب اور روح ایمان کے لئے قاتل ہے اور سود خوروں کے لئے آخرت میں لرزہ خیز عذاب ہے تو بہت سے مدعیانِ عقل وایمان کے لئے یہ کافی نہ ہوا اور وہ اس کا "فلسفہ" معلوم کرنا ضروری سمجھیں۔ اللہ دلوں کو ایمان ویقین نصیب فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ کَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرَیٰ مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ یَا جِبْرَئِیْلَ؟ قَالَ هٰؤُلَاءِ اٰکَلَةُ الرِّبٰوا.

(رواه احمد و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے معراج ہوئی میرا گزر ایک ایسے گروہ پر ہوا جن کے پیٹ گھروں کی طرح ہیں اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو باہر سے نظر آتے ہیں، میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ (جو ایسے عذاب میں مبتلا ہیں) انہوں نے بتلایا کہ یہ سود خور لوگ ہیں۔　(مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... شبِ معراج میں رسول اللہ ﷺ کو عالمِ غیب کی بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔ اسی ضمن میں جنت اور دوزخ کے بعض مناظر بھی دکھائے گئے تاکہ خود آپ ﷺ کو "حق الیقین" کے بعد "عین الیقین" کا مقام بھی حاصل ہو جائے اور آپ ﷺ ذاتی مشاہدہ کی بناء پر بھی لوگوں کو عذاب وثواب سے آگاہ کر سکیں، اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے ایک منظر یہ بھی دیکھا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے کہ کچھ لوگوں کے پیٹ اتنے بڑے ہیں جیسے کہ اچھا خاصا گھر اور ان میں سانپ بھرے ہوئے ہیں جو دیکھنے والوں کو باہر ہی سے نظر آتے ہیں اور آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ سود لینے والے اور کھانے والے لوگ ہیں جو اس لرزہ خیز عذاب میں مبتلا کئے گئے ہیں۔ صحابۂ کرامؓ نے حضور ﷺ کے اس مشاہدہ کو خود آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سنا اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے بعد کے راویانِ حدیث کو ان کی محنت وعنایت کے طفیل میں حدیث کی مستند کتابوں کے ذریعہ یہ مشاہدہ ہم تک بھی پہنچ گیا۔ اللہ تعالیٰ ایسا یقین نصیب فرمائے کہ دل کی آنکھوں سے یہ منظر ہم کو بھی نظر آئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرِّبٰوا سَبْعُوْنَ جُزْءً اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ.

(رواه ابن ماجه، والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سود خوری کے

ستر حصے ہیں ان میں سے ادنیٰ اور معمولی ایسا ہے کہ جیسے اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرنا۔
(سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... اس سلسلۂ معارف الحدیث میں بار بار ذکر کیا جاچکا ہے کہ عربی محاورہ اور قرآن و حدیث کی زبان میں "سبعون" کا لفظ خاص معین عدد (۷۰) کے علاوہ کثرت اور بہتات کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ اکثر اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود خوری اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بھی بدرجہا زیادہ شدید و خبیث گناہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے صرف یہی وہ گناہ ہے جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف قرآنِ پاک میں اللہ و رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے۔ (فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَ مُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ. (رواه مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی سود لینے اور کھانے والے پر اور سود دینے اور کھلانے والے پر اور سودی دستاویز لکھنے والے پر اور اس کے گواہوں پر، آپ ﷺ نے فرمایا کہ (گناہ کی شرکت میں) یہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اصل خبیث اور موجبِ لعنت ظالمانہ گناہ سود لینا اور کھانا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے روایت کئے ہوئے اس ارشادِ نبوی کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ سودی کاروبار ایسا خبیث اور لعنتی کاروبار ہے کہ اس میں کسی طرح کی شرکت بھی لعنتِ الٰہی کا موجب ہے اس بناء پر سود دینے والا، سودی دستاویز کا کاتب اور اس کے گواہ بھی لعنت میں حصہ دار ہیں۔ اس لئے جو خدا اور رسول کی لعنت اور ان کے غضب سے بچنا چاہے وہ اس کاروبار سے دور دور رہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ اَوْحَمَلَهٗ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهُ وَلَايَقْبَلْهَا اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ جَرٰى بَيْنَهٗ وَ بَيْنَهٗ قَبْلَ ذَالِكَ. (رواه ابن ماجه والبيهقي في شعب الايمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کسی کو قرض دے تو اگر وہ مقروض و مدیون آدمی قرض دینے والے کو کوئی چیز بطورِ ہدیہ دے یا سواری کے لئے اپنا جانور پیش کرے تو چاہئے کہ وہ اس کے ہدیہ کو قبول نہ کرے اور اس کے جانور کو سواری میں استعمال میں نہ کرے۔ الّا یہ کہ ان دونوں کے درمیان پہلے سے اس کا تعلق اور معاملہ ہوتا رہا ہو۔ (سنن ابن ماجہ و شعب الایمان للبیہقی)

تشریح ...... حدیث کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ سود کا معاملہ اتنا سنگین اور خطرناک ہے کہ اس کے ادنیٰ شبہ سے بھی بچنا چاہئے۔ جب کسی بندہ کو آدمی قرض دے تو اس کی پوری احتیاط کرے کہ اس قرض کی وجہ سے ذرہ

برابر بھی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہو اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی بچے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ اٰخِرَمَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا فَدَعُوا لرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ. (رواہ ابن ماجۃ والدارمی)

حضرت عمر بن خطاب رضی للہ عنہ سے روایت ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ربوا والی آیت (یعنی سورۂ بقرہ کی جس آیت میں ربوا کی حرمت کا قطعی اعلان فرمایا گیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات کے) آخری دور میں نازل ہونے والی آیتوں میں سے ہے۔ حضور ﷺ اس دنیا سے اُٹھالئے گئے اور آپ ﷺ نے ہمارے لئے اس کی پوری تفسیر و تشریح نہیں فرمائی' لہٰذا ربوا کو بالکل چھوڑ دو اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی پرہیز کرو۔ (سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح...... "ربوا" عربی زبان کا ایک عام معروف لفظ تھا جو نزول قرآن سے پہلے بھی بولا جاتا تھا اور وہاں کا ہر شخص اس کا مطلب سمجھتا تھا اور وہ وہی تھا جو اوپر تمہیدی سطروں میں بیان کیا گیا ہے اس لئے جب حرمت ربوا والی آیت نازل ہوئی تو وہاں سب نے اس سے یہی سمجھا کہ سودی کاروبار (جس کا وہاں رواج تھا) حرام قرار دے دیا گیا' اس میں نہ کسی کو کوئی شبہ ہوا اور نہ کسی شبہ کی گنجائش تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جو (آگے درج ہو رہے ہیں) خرید و فروخت کی بعض ایسی صورتوں کے بھی "ربوا" کے حکم میں ہونے کا اعلان فرمایا جن میں کسی پہلو سے ربوا کا شائبہ تھا اور جن کو وہاں پہلے "ربوا" نہیں کہا اور سمجھا جاتا تھا مگر اس سلسلہ کی ساری جزئیات رسول اللہ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں بلکہ جیسا کہ حکمت شریعت کا تقاضا تھا اصولی ہدایت فرمادی اور یہ کام امت کے مجتہدین اور فقہا کے لئے رہ گیا کہ وہ آپ کی دی ہوئی اصولی ہدایات کی روشنی میں جزئیات کے بارے میں فیصلہ کریں (تمام ابواب شریعت کا یہی حال ہے) لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو امت کے فقہا و مجتہدین کی صف اول میں ہیں ربوا کے بارے میں سخت وعیدوں سے ڈرتے اور لرزتے ہوئے یہ خواہش رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس باب (ربوا) کی وہ جزئیات بھی بیان فرما جاتے جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائیں اور جن کے بارے میں اب اجتہاد سے فیصلہ کرنا پڑے گا۔ اپنے اس انتہائی خدا ترسانہ اور محتاط نقطۂ نظر کی بناء پر انہوں نے اپنے اس ارشاد کے آخر میں فرمایا "فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَة" یعنی اب اہل ایمان کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ "ربوا" اور اس کے شبہ اور شائبہ سے بھی اپنے کو بچائیں لیکن اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے بعض دانشور مدعیان اجتہاد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "ربوا" کی حقیقت مشتبہ بلکہ نامعلوم ہے اور پھر اس کی بنیاد پر وہ سود کی بہت سی مروجہ صورتوں کا جواز نکالتے ہیں۔

"ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا"

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الرِّبَا وَ اِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ. (رواہ احمد' و ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ سود

اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے لیکن اس کا آخری انجام قلت اور کمی ہے۔
(مسند احمد، سنن ابن ماجہ، شعب الایمان للبیہقی)

تشریح اگر حدیث کے لفظ عاقبة سے اخروی انجام مراد لیا جائے تو ظاہر ہے کہ کسی صاحبِ ایمان کو اس میں شک شبہ نہیں ہوگا، عالم آخرت میں پہنچ کر ہم سب دیکھ لیں گے کہ جن لوگوں نے سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کیا اور یہاں وہ لکھ پتی کروڑ پتی ہو گئے، آخرت میں وہ بالکل مفلس کوڑی کوڑی کے محتاج ہوں گے اور ان کی وہ دولت ہی ان کے لئے وبال اور عذاب ہو گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اطلاع دی ہے۔ اور اگر حدیث کا مطلب یہ لیا جائے کہ سود کے ذریعہ دولت خواہ کتنی ہی بڑھ جائے لیکن آخر کار دنیا میں بھی اس پر زوال آئے گا تو ظاہر بینوں کو تو اس میں شک اور کلام ہو سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو حقائق دیکھنے والی نگاہ دی ہے انہیں اس میں بھی کوئی شک شبہ نہ ہوگا۔ بکثرت ایسے واقعات مشہور ہیں کہ ایک شخص سود کے ذریعہ اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا اور وہ اپنے وقت کا قارون بن گیا، پھر کبھی اس شخص کی زندگی ہی میں اور کبھی اس کے بعد کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا اور ایسی کوئی آفت آئی جس نے سارا حساب برابر کر دیا اور کبھی کبھی تو وہ لکھ پتی اور کروڑ پتی دیوالیہ اور محتاج ہو کر رہ گیا۔ اور یہ بات سو فیصدی مشاہدہ اور تجربہ میں ہے کہ سود خور لوگ اس حقیقی راحت اور عزت و احترام سے یکسر محروم رہتے ہیں جو دولت کا اصل مقصد اور ثمرہ ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ کوئی سود خور سودی کاروبار کے ذریعہ خواہ کتنی ہی دولت پیدا کر لے وہ دولت کے حقیقی لطف و ثمرہ سے ہمیشہ محروم ہی رہتا ہے، اس حساب سے وہ دولت مند ہونے کے باوجود مفلس اور تہی دَست ہی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا" (ربا اور سود سے کمائی ہوئی دولت کو اللہ تعالیٰ برکت سے محروم رکھتا ہے اور اس پر دیر سویر بربادی آتی ہے) حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث میں اسی ارشادِ خداوندی کی ترجمانی کی گئی ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيَاْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا اٰكِلَ الرِّبٰا فَاِنْ لَّمْ يَاْكُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ بُخَارِهٖ (وَيُرْوٰى مِنْ غُبَارِهٖ) (رواه احمد و ابو داؤد والنسائى و ابن ماجة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ہر شخص سود کھانے والا ہوگا، (کوئی بھی اس سے محفوظ نہ ہوگا) اگر خود سود نہ بھی کھاتا ہوگا تو اس کے بخارات یا اس کا غبار ضرور اس کے اندر پہنچے گا۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح اس ارشاد سے حضور ﷺ کا مقصد مستقبل کے بارے میں صرف ایک پیشن گوئی کرنا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد امت کو خبردار کرنا ہے کہ ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب سود کی وباء عام ہو جائے گی اور اس سے محفوظ رہنا بہت ہی دشوار ہوگا۔ لہٰذا چاہئے کہ ہر صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ اس بارے میں چوکنا رہے اور اپنے کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کی فکر اور کوشش کرتا رہے۔ یقیناً ہمارا زمانہ بھی وہی زمانہ ہے، اللہ کے جو بندے سود کو لعنت سمجھتے اور بتوفیق خداوندی اس سے پرہیز کرتے ہیں وہ بھی اپنا غذائی سامان یا پہننے کا کپڑا جن

دکانداروں سے خریدتے ہیں ان کے کاروبار کا رشتہ بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی سودی سلسلہ سے ضرور ہے، آج کل کسی کاروباری سلسلہ کا اس سے محفوظ رہنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا جنگل کے کسی درخت کا ہوا سے محفوظ رہنا۔ اللّٰھم احفظنا

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمَرُ بِالتَّمَرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَاِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْاَجْنَاسُ فَبِيْعُوْا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (رواہ مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی بیع سونے کے بدلے اور چاندی کی چاندی کے بدلے اور گیہوں کی گیہوں کے بدلے اور جَو کی جَو کے بدلے اور کھجوروں کی کھجوروں کے بدلے اور نمک کی نمک کے بدلے یکساں اور برابر اور دست بدست ہونی چاہئے، اور جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ لین دین دست بدست ہو۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمَرُ بِالتَّمَرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ اَوِاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰى اَلْآخِذُ وَالْمُعْطِىْ فِيْهِ سَوَاءٌ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا سونے کے عوض اور چاندی چاندی کے عوض اور گیہوں گیہوں کے عوض اور جَو جَو کے عوض اور کھجوریں کھجوروں کے عوض دست بدست برابر سرابر بیچا خریدا جائے۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو اس نے سود کا معاملہ کیا (اور وہ سود کے گناہ کا مرتکب ہوا) اس میں لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس مضمون کی حدیثیں اس حدیث کے راوی حضرت ابو سعید خدری کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت عبادہ بن صامت حضرت ابو بکرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ اور بھی متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہیں۔ ان کا مدعا اور مطلب یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے (یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور، نمک) اگر ان میں سے کسی جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے (مثلاً گیہوں دے کر اس کے بدلے میں گیہوں لئے جائیں) تو یہ معاملہ جب جائز ہوگا جب برابر برابر اور دست بدست لیا جائے۔ اگر کمی بیشی ہوئی یا لین دین دست بدست (ہاتھ کے ہاتھ) نہ ہوا بلکہ قرض ادھار کی بات ہوئی تو جائز نہ ہوگا بلکہ یہ ایک طرح کا سود کا معاملہ ہو جائے گا اور دونوں فریق سود کے مرتکب اور گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "حجة الله البالغه" میں ان حدیثوں کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور اس سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں جس ربا (سود) کا رواج تھا اور

جس کو "ربا" کہا جاتا تھا وہ قرض ادھار والا ہی سود تھا جس کی صورت (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا) یہ تھی کہ جو سرمایہ دار مہاجن سودی کاروبار کرتے تھے، ضرورت مند لوگ ان سے قرض لیتے تھے اور طے ہو جاتا تھا کہ اتنے اضافہ کے ساتھ فلاں وقت تک وہ یہ قرض ادا کر دیں گے، پھر اگر مقررہ میعاد پر وہ ادا نہ کر سکتے تو اور مہلت لے لیتے اور اس مہلت کے حساب میں سود کی رقم میں اور اضافہ طے ہو جاتا (شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ) اسی سودی کاروبار کا رواج تھا اور اسی کو "ربا" کہا جاتا تھا، قرآن مجید میں براہ راست اسی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے خرید و فروخت کی بعض صورتوں کے بھی ربوا کے حکم میں داخل ہونے کا اعلان فرمایا اور ان سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی۔ ان حدیثوں میں اسی کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد و مدعا یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کا مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی جنس کا بھی اگر اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو کسی طرف کمی بیشی نہ ہو بلکہ برابر برابر ہو اور لین دین ہاتھ کے ہاتھ ہو اگر تبادلہ میں کمی بیشی ہوئی یا لین دین ہاتھ کے ہاتھ نہ ہوا تو یہ ربوا اور سود کی ایک قسم ہو گی اور دونوں فریق گنہگار ہوں گے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے معمول کے مطابق اس حکم کی جو حکمت بیان فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تعیش اور "رفاہیت بالغہ" یعنی زیادہ بلند معیار اور رئیسانہ ٹھاٹ باٹ کی زندگی پسند نہیں فرماتا کیونکہ جو شخص بہت اونچے معیار کی تعیش کی زندگی گزارے گا وہ لازمی طور پر طلب دنیا میں زیادہ منہمک ہو گا اور آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے اور روح کے تزکیہ کی فکر سے وہ اسی حساب سے غافل ہو گا، علاوہ ازیں معاشرہ میں زیادہ اونچ نیچ سے جو طرح طرح کے مفاسد پیدا ہوتے ہیں وہ بھی پیدا ہوں گے اور تعیش اور اعلیٰ معیارِ زندگی ہی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بڑھیا سے بڑھیا اور اعلیٰ معیار کی استعمال کی جائے، گیہوں اعلیٰ قسم ہی کا کھایا جائے، کھجوریں اعلیٰ قسم ہی کی کھائی جائیں، سونا اور چاندی اعلیٰ معیار ہی کی استعمال کی جائیں جس کی عملی صورت اکثر یہی ہوتی تھی کہ اگر اپنے پاس اعلیٰ درجہ کی چیز نہیں ہے بلکہ معمولی درجہ کی ہے تو وہ زیادہ مقدار میں دے کر ان کے بدلے میں اعلیٰ معیار کی تھوڑی مقدار میں لے لی جائے، بہر حال کمی بیشی کے ساتھ ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ عموماً تعیش اور اعلیٰ معیارِ زندگی کے تقاضے سے ہی کیا جاتا تھا تو اس کی ممانعت کے ذریعہ اس کے راستہ میں رکاوٹ ڈالی گئی اور ایک حد تک اس کا سدباب کیا گیا۔ واللہ اعلم باسرار احکامہ۔

حدیث میں صرف مذکورہ بالا چھ چیزوں کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے لیکن امت کے فقہا مجتہدین کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ ان چھ چیزوں کے علاوہ بھی جو چیزیں اس نوعیت کی ہیں ان کا حکم بھی یہی ہے اگرچہ تفصیلات میں فقہا کی رایوں میں کچھ فرق و اختلاف ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِتَمْرٍ بَرْنِیٍّ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ مِنْ اَیْنَ هٰذَا؟ قَالَ كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِیٌّ فَبِعْتُ مِنْ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ اَوَّهْ عَیْنُ الرِّبٰوا لَا تَفْعَلْ وَلٰكِنْ اِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَیْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِهٖ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت اچھی قسم کی (برنی) کھجوریں لائے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آئیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پاس گھٹیا قسم کی کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر یہ برنی ایک صاع خرید لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اوہو! یہ تو عین ربا ہوا' آئندہ ایسا کبھی نہ کرو' جب تم (کھجوروں سے) کھجوریں خریدنی چاہو تو پہلے اپنی کھجوریں بیچ دو۔ پھر ان کی قیمت سے دوسری کھجوریں خرید لو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ (جو یقیناً اس سے ناواقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ربوا کو حرام قرار دے دیا ہے) انہوں نے جس طرح کھجوریں خریدی تھیں اس کو انہوں نے ربوا نہیں سمجھا تھا وہ "ربوا" قرض والے سود ہی کو سمجھتے تھے جس کو عام طور سے ربوا کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بتلایا کہ کمی بیشی کے ساتھ کھجوروں کا تبادلہ بھی ربوا کے حکم میں ہے' بقول حضرت شاہ ولی اللہ قرض والا ربوا "حقیقی ربوا" ہے اور حضرت ابو سعیدؓ وغیرہ کی حدیثوں میں جس کو ربوا قرار دیا گیا ہے وہ "حکمی ربوا" ہے یعنی ربوا کے حکم میں ہے۔

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ مُعَاوِيَةَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ اَوْ وَرَقٍ بِاَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْهٰى عَنْ مِثْلِ هٰذَا اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ مَا اَرٰى بِمِثْلِ هٰذَا بَاسًا فَقَالَ اَبُوالدَّرْدَاءِ مَنْ يُّعْذِرُنِىْ مِنْ مُعَاوِيَةَ اَنَا اُخبِرهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يُخْبِرُنِىْ عَنْ رَاْيِهٖ لَا اُسَاكِنُكَ بِاَرْضٍ اَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ اَبُوالدَّرْدَاءِ عَلٰى عُمَرَ فَذَكَرَ لَهٗ ذَالِكَ فَكَتَبَ عُمَرُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اَنْ لَا تَبِعْ ذَالِكَ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ. (رواه مالك فى الموطا والنسائى فى سننه)

عطا بن یسار تابعی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ (یا جگ) اسی جنس کے اس سے زیادہ وزن کے عوض فروخت کیا' تو حضرت ابوالدرداء نے ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا۔ آپ ﷺ اس طرح کی بیع فروخت سے منع فرماتے تھے۔ اِلّا یہ کہ برابر برابر ہو' تو حضرت معاویہؓ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی مضائقہ اور گناہ کی بات نہیں ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ نے (سخت رنجیدہ ہو کر) کہا کہ مجھے معاویہؓ کے بارے میں معذور سمجھا جائے۔ میں ان کو رسول اللہ ﷺ کا حکم بتاتا ہوں اور وہ مجھے اپنی رائے بتاتے ہیں۔ (اس کے بعد خود حضرت معاویہؓ سے کہا کہ) میں تمہارے ساتھ اس سرزمین میں نہیں رہوں گا' جہاں تم ہو گے۔ اس کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے اور آپؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ اس طرح کی بیع فروخت نہ کرو' سونا' چاندی وغیرہ کا اسی جنس سے تبادلہ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دونوں طرف وزن یکساں اور برابر برابر ہو۔ (موطا امام مالک' سنن نسائی)

تشریح ..... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت معاویہؓ علاقہ شام کے حاکم (گورنر) تھے'

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قیام بھی وہیں تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت معاویہؓ نے سونے یا چاندی سے بنا ہوا پانی کا ایک برتن (پیالہ یا جگ) بطور قیمت اسی جنس سے وزن میں کچھ زیادہ لے کر فروخت کیا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا، حضرت ابوالدرداءؓ نے ان سے ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیع سے منع فرمایا ہے، حکم یہ ہے کہ سونے یا چاندی کی کوئی چیز اگر اسی جنس کے عوض بیچی یا خریدی جائے تو وزن میں کمی بیشی نہ ہونی چاہئے وزن برابر برابر ہونا چاہئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال غالباً یہ تھا کہ سونے یا چاندی سے بنی ہوئی چیز (زیور یا برتن) اگر فروخت کیا جائے تو بنوائی کی اجرت کا لحاظ کر کے کچھ زیادہ لینا ناجائز نہ ہو گا، اس بناء پر انہوں نے کہا کہ "میرے نزدیک تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔"

لیکن حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہؓ کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ سے جو کچھ سنا تھا وہ اس کی روشنی میں اس رائے یا اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے۔ بہر حال وہ ناراض ہو کر وہاں کی سکونت ترک کر کے مدینہ چلے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے واقعہ بیان کیا، آپؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ شرعی حکم وہی ہے جو ابوالدرداء نے بتلایا لہٰذا ایسی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ربا (سود) کی اس دوسری قسم (ربائے حکمی) کے بارے میں بھی صحابۂ کرامؓ میں کتنی شدت تھی اور اس بارے میں کسی کی اجتہادی غلطی بھی ان کے لئے قابلِ برداشت نہیں تھی۔

خرید و فروخت کے متعلق احکامات

پھلوں کی فصل تیاری سے پہلے نہ بیچی، خریدی جائے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُو صَلَاحُهَا نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُشْتَرِىْ. (رواه البخارى و مسلم)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ نَهٰى عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى تَزْهُوَ وَعَنِ السُّنْبُلِ حَتّٰى يَبْيَضَّ وَيَامَنَ الْعَاهَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا پھلوں کی بیع سے اس وقت تک کہ ان میں پختگی آجائے۔" آپ ﷺ نے بیچنے والے کو بھی منع فرمایا اور خریدنے والے کو بھی۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے منع فرمایا کھجوروں کی فصل کی بیع سے جب تک ان پر سرخی نہ آجائے اور کھیت کی بالوں کی بیع سے جب تک ان پر سفیدی نہ آجائے اور تباہی کا خطرہ نہ رہے۔

تشریح...... جس طرح ہمارے ملک اور ہمارے علاقوں میں آم کے باغوں کی فصل آم تیار ہونے سے پہلے، بہت پہلے بھی فروخت کردی جاتی ہے اسی طرح مدینہ منورہ وغیرہ عرب کے پیداواری علاقوں میں کھجور یا انگور کے باغات اور درختوں کے پھل تیاری سے پہلے فروخت کردیئے جاتے تھے اور کھیتوں میں پیدا ہونے والا غلہ بھی تیاری سے پہلے فروخت کردیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ کیونکہ اس میں خطرہ اور امکان ہے کہ فصل پر کوئی آفت آجائے مثلاً تیز آندھیاں یا آسمان سے گرنے والے اولے غلہ کو یا پھلوں کو ضائع کردیں یا ان میں کوئی خرابی اور بیماری پیدا ہوجائے تو بے چارے خریدنے والے کو بہت نقصان پہنچ جائے گا، پھر اس کا بھی خطرہ ہے کہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا پیدا ہو۔ بہر حال اس بیع فروخت میں یہ کھلے ہوئے مفاسد اور خطرات ہیں۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی۔ آگے درج ہونے والی حدیث میں اس کی مزید وضاحت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِىَ، قِيْلَ وَمَا تُزْهِىَ؟ قَالَ حَتّٰى يَحْمَرَّ، وَقَالَ اَرَاَيْتَ اِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمْرَةَ بِمَا يَاخُذُ اَحَدُكُمْ مَالَ اَخِيْهِ. (رواه البخارى و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کی بیع سے منع فرمایا تھا تاآنکہ ان پر رونق آجائے، عرض کیا گیا کہ رونق آجانے سے کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ سرخی آجائے۔ (اس کے بعد) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ پھل

عطانہ فرمائے (یعنی بحکم خداوندی کسی آفت سے پھل تیار ہونے سے پہلے ضائع ہو جائیں) تو بیچنے والا کس چیز کے عوض میں (خریدنے والے) اپنے بھائی سے مال وصول کرے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... علماء نے لکھا ہے کہ اگر پھل میں ایسا نقصان ہو گیا ہے کہ خریدار کو کچھ بھی نہیں بچا، سب برباد ہو گیا تو باغ فروخت کرنے والے کو چاہئے کہ قیمت بالکل نہ لے اور لے چکا ہے تو واپس کر دے اور اگر نہیں بلکہ کچھ نقصان ہو گیا ہے تو اس کا لحاظ کر کے قیمت میں تخفیف اور کمی کر دے۔ ان احکام کی روح یہ ہے کہ ہر ایک کی خیر خواہی اور مناسب حد تک ہر ایک کے مفاد کی حفاظت کی جائے۔

چند سالوں کے لئے باغوں کی فصل کا ٹھیکہ نہ دیا جائے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ السِّنِيْنَ وَاَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا (باغ کو) چند سالوں کے واسطے فروخت کرنے سے اور آپ ﷺ نے حکم دیا ناگہانی آفات (کے نقصان) کو وضع کر دینے کا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... باغ کی فصل کئی سال کے لئے فروخت کرنے سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ معلوم نہیں کہ پھل آئے گا بھی یا نہیں، اور باقی رہے گا یا خدانخواستہ کسی ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں بے چارے خریدار کو سخت نقصان پہنچے گا اور وہ قیمت ادا کرنا نہ چاہے گا جس سے نزاع اور جھگڑا پیدا ہو گا جو سو خرابیوں کی جڑ ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا کہ اگر باغ کی فصل فروخت کی گئی اور پھلوں پر کوئی آفت آگئی تو باغ کے مالک کو چاہئے کہ نقصان کا لحاظ کر کے قیمت میں کمی اور تخفیف کر دے۔

ظاہر ہے کہ ان سب احکام کا مقصد اہلِ معاملہ کی خیر خواہی اور ان کو باہمی اختلاف و نزاع سے بچانا اور ایک دوسرے کی ہمدردی اور غم خواری اور ایثار و قربانی کا عادی بنانا ہے۔

جو چیز فی الحال اپنے پاس نہ ہو اس کی بیع نہ کی جائے

کاروباری دنیا میں حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی ہوتا تھا اور ہمارے زمانہ میں بھی ہوتا ہے کہ تاجر کے پاس ایک چیز موجود نہیں ہے لیکن اس کے طالب خریدار سے وہ اس کا سودا اس امید پر کر لیتا ہے کہ میں کہیں سے خرید کر اس کو دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح کی بیع سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اس کا امکان ہے کہ وہ چیز فراہم نہ ہو سکے یا فراہم ہو جائے مگر خریدار اس کو پسند نہ کرے، اس صورت میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو سکتا ہے۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهَانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَبِيْعَ مَالَيْسَ عِنْدِىْ. (رواہ الترمذی)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے منع فرمایا کہ جو چیز میرے پاس موجود نہیں ہے میں اس کی بیع فروخت کا کسی سے معاملہ کروں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ حکیم بن حزام ایک دولت مند تاجر تھے، سنن نسائی اور سنن ابی داؤد کی روایت سے معلوم ہوتا

ہے کہ انہوں نے حضورﷺ سے دریافت کیا تھا کہ بعض اوقات کسی چیز کا خریدار میرے پاس آتا ہے اور وہ چیز میرے پاس موجود نہیں ہوتی تو میں اس سے معاملہ کر لیتا ہوں اور بازار سے وہی چیز خرید کے اس کو دے دیتا ہوں۔ تو آپﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہیں ہے اس کی بیع فروخت نہ کرو۔

اگر غلہ وغیرہ خریدا جائے تو اُٹھا لینے سے پہلے اُسکو فروخت نہ کیا جائے

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَه. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غلہ (وغیرہ) خریدے تو جب تک اس کو اپنے قبضہ میں نہ لے لے اس وقت تک کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... اس حکم کا مقصد بھی یہی ہے کہ کوئی جھگڑا ٹنٹا پیدا نہ ہو۔ اس حدیث میں اگرچہ صرف طعام (یعنی غلہ) کا ذکر ہے لیکن تمام اُموال منقولہ کا یہی حکم ہے۔

مضطر (سخت ضرورتمند) سے خرید و فروخت کی ممانعت

بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور "مضطر" ہوتا ہے۔ ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اسی کو "بیع مضطر" کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْمُضْطَرِّ وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ وَعَنْ بَيْعِ الثَّمْرَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْرِكَ (رواه ابو داؤد)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے منع فرمایا "مضطر" کی خرید و فروخت سے، اور ایسی چیز کی بیع سے جس کا ملنا یقینی نہ ہو اور پھلوں کی تیاری سے پہلے ان کی بیع فروخت سے۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح..... "مضطر کی بیع" کی تشریح اوپر کی جا چکی ہے، اس کی ممانعت کا مقصد یہ ہے کہ ایسے مجبور و مضطر آدمی سے خرید و فروخت کا تاجرانہ معاملہ نہ کیا جائے بلکہ اس بھائی کی خدمت اور اعانت کی جائے۔ دوسری چیز جس سے اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے "بیع غرر" ہے یعنی ایسی چیز کی بیع جو فروخت کرنے والے کے ہاتھ میں نہیں ہے اور اس کا ملنا یقینی نہیں ہے، جیسے کہ کوئی جنگل کے ہرن کی یا کسی پرند کی یا دریا کی مچھلی کی اس امید پر بیع کرے کہ شکار کر کے فراہم کر دوں گا۔ یہ "بیع غرر" ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے، کیونکہ بیچی جانے والی چیز نہ بائع کے پاس موجود ہے اور نہ اس کا ملنا یقینی ہے اور مل بھی جائے تو نوعیت کے بارے میں نزع و اختلاف کا خطرہ ہے۔ تیسری چیز جس کی اس حدیث میں ممانعت فرمائی گئی ہے تیار ہونے

سے پہلے پھلوں کی فصل کی فروخت ہے۔اس کی تشریح اوپر کی جاچکی ہے۔

فروختنی چیز کا عیب چھپانے کی سخت ممانعت اور وعید

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَرَّعَلٰى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِيْهَا فَنَالَتْ اَصَابِعُهٗ بَلَلًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَاصَاحِبَ الطَّعَامِ؟ فَقَالَ اَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُوْلَ اللهِ ! قَالَ اَفَلَا جَعَلْتَهٗ فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے (جو ایک دکاندار کا تھا) آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس ڈھیر کے اندر داخل کر دیا تو آپ ﷺ کی انگلیوں نے گیلا پن محسوس کیا، آپ ﷺ نے اس غلہ فروش دکاندار سے فرمایا کہ (تمہارے ڈھیر کے اندر) یہ تری و گیل کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا یارسول اللہ غلہ پر بارش کی بوندیں پڑ گئی تھیں (تو میں نے اوپر کا بھیگ جانے والا غلہ نیچے کر دیا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بھیگے ہوئے غلہ کو تم نے ڈھیر کے اوپر کیوں نہیں رہنے دیا تاکہ خریدنے والے لوگ اس کو دیکھ سکتے۔ (سن لو) جو آدمی دھوکے بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اور طبرانی نے معجم کبیر و معجم صغیر میں یہی واقعہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ "وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِى النَّارِ" (یعنی اس طرح کی دغا بازی اور فریب کا انجام جہنم ہے) اللّٰھم احفظنا!

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا وَلَمْ يُنَبِّهْ لَمْ يَزَلْ فِىْ مَقْتِ اللهِ اَوْلَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُهٗ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی عیب والی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کی، اور خریدار کو وہ عیب بتلا نہیں دیا تو اس پر ہمیشہ کا عذاب رہے گا۔۔۔یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا۔۔۔ کہ اللہ کے فرشتے ہمیشہ اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح...... بعض اوقات حدیث کے کسی راوی کو حضور ﷺ کے الفاظ کے بارے میں شبہ ہو جاتا ہے تو از راہِ احتیاط وہ روایت کے وقت اس شبہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔اس حدیث کی روایت میں بھی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ حضور ﷺ نے "لَمْ يَزَلْ فِىْ مَقْتِ اللهِ" فرمایا تھا، یا "لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تَلْعَنُه" فرمایا تھا۔ حدیث کے ترجمہ میں اس شک کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔

بیچنے والے یا خریدنے والے کی ناواقفی سے ناجائز فائدہ اُٹھانے اور ہر طرح کے دھوکے فریب کی ممانعت

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا تَلَقُّوا الْجَلَبَ فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرٰى مِنْهُ فَاِذَا اَتٰى سَيِّدُهُ السُّوْقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو، جس تاجر نے آگے جا کر راستہ ہی میں سودا کیا اور خرید لیا تو مال کا مالک جب بازار پہنچے تو اس کو اختیار ہوگا (کہ چاہے تو وہ معاملہ فسخ کردے) (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ غلہ وغیرہ ضروریات کی چیزیں باہر سے لاکر شہروں کے بازاروں میں فروخت کرتے تھے اور یہ چھوٹے چھوٹے قافلوں کی شکل میں آتے تھے' (ان تجارتی قافلوں کو "جلب" کہا جاتا تھا) چالاک تاجر ایسا کرتے تھے کہ بازار اور منڈی پہنچنے سے بہت پہلے راستہ ہی میں ان کے پاس پہنچ کر مال کا سودا کر لیتے تھے اس میں اس کا بہت امکان ہوتا تھا کہ بازار کے بھاؤ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے باہر سے مال لانے والے اپنا مال ان تاجروں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیں اور اس سے ان کو نقصان پہنچے۔ اور اس سے بڑی دوسری خرابی اس طریقہ میں یہ تھی کہ باہر سے آنے والا سارا غلہ اور دیگر سامان ان چالاک سرمایہ دار تاجروں کے ہاتھ میں چلا جاتا تھا پھر یہ اس کو عام صارفین کے ہاتھ من مانے داموں پر بیچتے اور زیادہ سے زیادہ نفع کماتے۔ اگر مال بازار میں آکر بکتا تو لانے والوں کو بھی مناسب قیمت ملتی اور عام ضرورت مند بھی مناسب داموں پر خرید سکتے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں ہدایت فرمائی کہ غلہ وغیرہ لانے والوں سے بازار پہنچنے سے پہلے راستے میں جا کر خریداری نہ کی جائے اور اگر اس طرح کسی نے کوئی سودا کیا تو مال لانے والا اگر بازار پہنچ کر محسوس کرے کہ بازار کے بھاؤ سے بے خبری کی وجہ سے اسکو دھوکا اور نقصان ہو گیا تو اسکو معاملہ فسخ کردینے کا اختیار ہے۔

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَلَقُّوا الرُّكْبَانَ لِبَيْعٍ وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدَ ذَالِكَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظْرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَّحْلِبَهَا اِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا وَاِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ غلہ وغیرہ لانے والے قافلہ والوں سے مال خریدنے کے لئے آگے جا کے نہ ملو' اور تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کے بیع کے معاملہ میں اپنے معاملۂ بیع سے مداخلت نہ کرے اور (کسی سودے کے نمائشی خریدار بن کر اس کی قیمت بڑھانے کا کام نہ کرو' اور شہری تاجر بدویوں کا مال اپنے پاس رکھ کر بیچنے کا کام نہ کریں۔ اور (بیچنے کے لئے) اونٹنی یا بکری کے تھنوں میں دودھ جمع نہ کرو۔ اگر کسی نے ایسی اونٹنی یا بکری خریدی تو اس کا

دودھ دوہنے کے بعد اس کو اختیار ہے اگر پسند ہو تو اپنے پاس رکھے اور اگر ناپسند ہو تو واپس کر دے اور (جانور کے مالک کو) ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی دے دے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں تجارت اور خرید و فروخت سے متعلق چند ہدایتیں دی گئی ہیں پہلی ہدایت تو وہی ہے جو اس سے اوپر والی حدیث میں دی گئی تھی کہ غلہ وغیرہ ضروریات باہر سے لانے والے تجارتی قافلوں سے بازار اور منڈی میں ان کے پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں جا کر ان سے مال نہ خریدا جائے بلکہ جب وہ بازار اور منڈی میں مال لے آئیں تو ان سے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے۔ اس ہدایت کی حکمت اور مصلحت بھی لکھی جا چکی ہے۔

دوسری ہدایت کے الفاظ یہ ہیں "وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی خریدار ایک دکاندار سے کوئی چیز خرید رہا ہے تو دوسرے دکاندار کو نہ چاہئے کہ وہ معاملہ میں مداخلت کرے اور خریدار سے کہے کہ یہی چیز تم مجھ سے خرید لو' ظاہر ہے کہ اس سے دکانداروں میں باہم عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی پیدا ہوگی جو شر و فساد کی جڑ ہے۔

تیسری ہدایت کے الفاظ ہیں "وَلَا تَنَاجَشُوْا" بازار کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی دکاندار سے کوئی چیز خریدنے کی بات چیت کر رہا ہے تو کوئی صاحب اسی چیز کے صرف نمائشی خریدار بن کے کھڑے ہو گئے اور زیادہ قیمت لگادی تاکہ جو اصلی اور واقعی خریدار ہے وہ زیادہ قیمت دینے پر آمادہ ہو جائے' ظاہر ہے کہ بے چارے خریدار کے ساتھ یہ ایک طرح کا فریب ہے "لَا تَنَاجَشُوْا" میں اسی کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

چوتھی ہدایت کے الفاظ ہیں "لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ" اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کے تاجروں کو چاہئے کہ دیہات کے لوگ جو سامان غلہ وغیرہ فروخت کرنے کے لئے لائیں تو ان کا وہ مال اپنے پاس اس غرض سے نہ رکھیں کہ جب دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت فروخت کریں گے' بلکہ دیہات کے لوگ جب مال لائیں تو اس کو فروخت ہو جانا چاہئے۔ اس صورت میں ان اشیاء کی قلت نہیں ہوگی، عوام کے لئے قیمتیں نہیں چڑھیں گی اور گرانی نہیں بڑھے گی۔ اور دیہات سے مال لانے والوں کو جبکہ دن کے دن اور ہاتھ کے ہاتھ اپنے مال کی قیمت مل جائے گی تو جلد ہی وہ بازار میں دوسرا مال لا سکیں گے اس طرح ان کی تجارت بڑھ جائے گی اور نفع بھی بڑھے گا۔

پانچویں اور آخری ہدایت ہے "لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ الخ" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا نہ کرے کہ جب اس کو اپنا دودھ دینے والا جانور (اونٹنی، بکری وغیرہ) بیچنا ہو تو ایک دو وقت پہلے سے اس کا دودھ دوہنا چھوڑ دے تاکہ خریدار اس کے بھرے ہوئے تھن دیکھ کر سمجھے کہ جانور بہت دودھ دینے والا ہے اور زیادہ قیمت میں خرید لے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک طرح کا دھوکا فریب ہے۔ آگے اس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے ایسا جانور خریدا تو اس کو اختیار ہے کہ اپنے گھر پر دوہنے کے بعد اگر جانور کو ناپسند کرے تو واپس کر دے اور پسند کرے تو اپنے پاس رکھ لے۔ اور واپس کرنے کی صورت میں ایک صاع (قریباً ۴ سیر) کھجوریں بھی جانور کے مالک کو پیش کر دے۔ صحیح مسلم کی اس حدیث کی روایت میں الفاظ ہیں "فَهُوَ بِالْخِيَارِ

ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا جانور خریدنے والے کو تین دن تک واپسی کا اختیار رہے گا۔ (اس کے بعد واپسی کا حق نہ ہوگا۔) نیز "مسلم" کی اس روایت میں "صَاعًا مِنْ تَمْرٍ" کے بجائے "صَاعًا مِنْ طَعَامٍ لَاسَمْرَاءَ" کے الفاظ ہیں' ان کی بناء پر ایک صاع کھجوروں کی جگہ گیہوں کے علاوہ ایک صاع کوئی غلہ (جَو وغیرہ) دینا بھی صحیح ہوگا۔ جانور کی واپسی کی صورت میں اس کے مالک کو ایک صاع کھجور وغیرہ پیش کرنے کی ہدایت کی حکمت و مصلحت شاید یہ ہو کہ خریدنے والے نے ایک دن یا دو دن یا تین دن (جب تک جانور کو اپنے پاس رکھا) اس کا دودھ دوہا اور استعمال کیا' ساتھ ہی اس کے کھلانے پلانے پر خرچ بھی کیا' اس طرح حساب گویا برابر ہوگیا۔ پھر بھی جو کسر رہی ہو اور واپسی سے جانور کے مالک کی جو دل شکنی ہوئی ہو اس کی مکافات اور واپسی کے معاملہ کی ناخوشگواری ختم کرنے یا کم کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَاعَ حِلْسًا وَقَدَحًا فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ هٰذَا الْحِلْسَ وَالْقَدَحَ فَقَالَ رَجُلٌ اٰخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ مَنْ يَّزِيْدُ عَلٰى دِرْهَمٍ فَاَعْطَاهُ رَجُلٌ دِرْهَمَيْنِ فَبَاعَهُمَا مِنْهُ. (رواه الترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بچھانے کا) ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ اس طرح فروخت کیا کہ آپ نے (مجلس کے حاضرین کو مخاطب کرکے) فرمایا کہ یہ ٹاٹ اور پیالہ کون خریدنا چاہتا ہے (وہ بولی بولے) ایک شخص نے عرض کیا کہ میں یہ دونوں چیزیں ایک درہم میں لے سکتا ہوں'...... آپ نے فرمایا کون ایک درہم سے زیادہ دینے کو تیار ہے؟ تو ایک دوسرے صاحب نے آپ کو دو درہم پیش کردیئے تو آپ نے وہ دونوں چیزیں اُنکے ہاتھ بیچ دیں۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیلام کے طریقہ پر خرید و فروخت جائز ہے اور خود آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ نیلام کے جس واقعہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر ہے وہ پوری تفصیل کے ساتھ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے...... کہ ایک نہایت مفلس اور مفلوک الحال انصاری صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنی حاجت مندی کا حال بیان کیا اور آپ ﷺ سے امداد و اعانت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے (یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کرکے کمانے کے قابل ہیں) ان سے پوچھا کہ تمہارے گھر میں کچھ سامان ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ کچھ بھی نہیں ہے بس ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم (بطورِ فرش کے) بچھا لیتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ بس ایک پیالہ ہے جو پانی پینے کے کام آتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں لے آؤ' وہ لے آئے' آپ ﷺ نے حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں بکتی ہیں' آپ لوگوں میں سے کون ان کا خریدار ہے۔ "ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک درہم میں دونوں چیزیں لے سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "مَن یزید" (یعنی جو کوئی اس سے زیادہ قیمت میں خریدنے والا ہو' وہ بولے!) ابو داؤد کی

روایت میں ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ۲، ۳ دفعہ فرمائی تو ایک صاحب نے دو درہم نکال کر حضور ﷺ کو پیش کر دیئے تو آپ ﷺ نے دونوں چیزیں ان کو دے دیں۔ اور جو دو درہم انہوں نے دیئے تھے وہ آپ ﷺ نے ان انصاری صحابی کو دیئے اور فرمایا کہ ان میں سے ایک درہم کا تو کھانے پینے کا کچھ سامان خرید کے اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کے میرے پاس لے آؤ' انہوں نے ایسا ہی کیا اور کلہاڑی خرید کے حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے' آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس میں لکڑی کا دستہ لگایا اور ان سے کہا کہ یہ کلہاڑی لے کے جنگل نکل جاؤ' لکڑیاں لاؤ اور بیچو! حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی تاکید فرمائی کہ اب ۱۵ دن تک ہر گز میرے پاس نہ آؤ (یعنی زیادہ سے زیادہ وقت محنت اور کمائی ہی میں صرف کرو) انہوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس محنت اور کمائی کے نتیجہ میں ان کے پاس دس درہم جمع ہوگئے اس سے انہوں نے گھر والوں کے لئے غذائی سامان اور کچھ کپڑا وغیرہ خریدا اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ یہ محنت کر کے گزارا کرنا تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ سائل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ اور قیامت میں تمہارے چہرے پر اس کا داغ اور نشان ہو۔

اس حدیث میں امت کے لئے کتنی عظیم رہنمائی ہے کاش ہم اس سے سبق لیتے۔

زیادہ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

جس طرح ہمارے زمانہ میں بہت سے تاجر غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کی ذخیرہ اندوزی کر کے مصنوعی قلت پیدا کر دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں مہنگائی اور گرانی بڑھ جاتی ہے اور عام صارفین پر بوجھ پڑتا ہے اور ان کے لئے گزارہ دشوار ہو جاتا ہے' اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کچھ تاجر ایسا کرتے تھے (اور غالباً اس کو کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے) لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کو سختی سے منع فرمایا اور گناہ قرار دیا۔ عربی زبان میں اس کو "احتکار" کہا جاتا ہے۔

عَنْ مَعْمَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ (رواه مسلم)

حضرت معمر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو تاجر احتکار کرے (یعنی غلہ وغیرہ ضروریات زندگی کا ذخیرہ عوام کی ضرورت کے باوجود مہنگائی کے لئے محفوظ رکھے) وہ خطاکار گنہگار ہے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْجَالِبُ مَرْزُوْقٌ وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُوْنٌ. (رواه ابن ماجه والدارمی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جالب (یعنی غلہ وغیرہ باہر سے لا کر بازار میں بیچنے والا تاجر) مرزوق ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اسکے رزق کا کفیل ہے) اور محتکر (یعنی مہنگائی کیلئے ذخیرہ اندوزی کرنے والا) ملعون ہے (یعنی اللہ کی طرف سے پھٹکارا ہوا اور اس کی رحمت و برکت سے محروم ہے) (سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا رُخ یہ ہے کہ معاشی نظام ایسا ہو جس میں عوام خاص کر غربا یعنی کم آمدنی والوں کو زندگی گزارنا دشوار نہ ہو' تجارت پیشہ اور دولت مند طبقہ زیادہ نفع اندوزی اور اپنی دولت میں اضافہ کے بجائے عوام کی سہولت کو پیش نظر رکھے اور اس مقصد کے لئے کم نفع پر قناعت کر کے اللہ کی رضا اور رحمت اور آخرت کا اجر حاصل کرے۔ اگر ایمان ویقین نصیب ہو تو بلا شبہ یہ تجارت بڑی نفع بخش ہے۔

"تَسْعِیر" یعنی قیمتوں پر کنٹرول کا مسئلہ

کبھی حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ غذا جیسی ضروری اشیاء کی قیمتوں پر حکومت کی طرف سے یا کسی بااختیار ادارہ کی طرف سے کنٹرول کیا جائے اور تاجروں کو من مانے طریقہ پر زیادہ نفع خوری کی اجازت نہ دی جائے' تاکہ عوام خاص کر غربا کو زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔ اسی کو عربی زبان میں تسعیر کہا جاتا ہے۔ یہاں اسی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد درج کیا جارہا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ هُوَالْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰی رَبِّیْ وَلَیْسَ اَحَدٌ مِنْكُمْ یَطْلُبُنِیْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَلَا مَالٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه والدارمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دفعہ) مہنگائی بڑھ گئی' تو لوگوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آپ نرخ مقرر فرمادیں (اور تاجروں کو اس کا پابند کردیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ نرخ کم و بیش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہی تنگی یا فراخی کرنے والا ہے' وہی سب کا روزی رَساں ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملوں کہ کوئی مجھ سے جان و مال کے ظلم اور حق تلفی کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ' مسند دارمی)

تشریح..... اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض صحابہ کی طرف سے مہنگائی کی شکایت اور تسعیر (یعنی قیمتوں پر کنٹرول) کی درخواست کرنے کے باوجود اپنے لئے اس کو مناسب نہیں سمجھا اور اندیشہ ظاہر فرمایا کہ اس طرح کے حکم سے کسی پر زیادتی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو جائے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ غلہ وغیرہ کی گرانی اور مہنگائی کبھی قحط اور پیداوار کی کمی جیسے قدرتی اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی تاجر اور کاروباری لوگ زیادہ نفع کمانے کے لئے مصنوعی قلت کی صورت پیدا کر کے قیمتیں بڑھادیتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو جواب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی گرانی قدرتی اسباب کی پیدا کی ہوئی تھی' تاجروں کی نفع اندوزی کا اس میں دخل نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے کنٹرول نافذ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آپ ﷺ کو خطرہ ہوا کہ تاجروں پر زیادتی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر حاکم وقت یقین کے ساتھ محسوس کرے کہ

تاجروں کی طرف سے عام صارفوں پر زیادتی ہو رہی ہے اور افہام تفہیم اور نصیحت سے تاجر اپنے رویہ کی اصلاح نہیں کرتے تو وہ قیمتیں مقرر کر کے کنٹرول نافذ کر سکتا ہے۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہؒ تاجروں کو ظالمانہ نفع اندوزی کی چھوٹ دینا تو فساد فی الارض اور اللہ کی مخلوق پر تباہی لانا ہے[1]...... لیکن بہر حال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا مقتضی یہی ہے کہ حتی الوسع اس سے بچا جائے اور یہ قدم اسی وقت اُٹھایا جائے جب تاجروں کی طرف سے نفع اندوزی کے جذبہ کے تحت عوام کے ساتھ کھلی زیادتی ہو رہی ہو اور تسعیر کی کارروائی ناگزیر ہو جائے۔

امام مالک نے مؤطا میں حضرت سعید بن المسیب تابعی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بازار میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ خشک انگور (یعنی منقیٰ) ایسے نرخ پر فروخت کر رہے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک نامناسب حد تک گراں ہے، تو آپ نے ان سے فرمایا:

اما ان تزيد فى اسعر واما ان ترفع من سوقنا[2]

یا تو تم بھاؤ بڑھاؤ (یعنی قیمت مناسب حد تک کم کرو) اور یا پھر اپنا مال ہمارے بازار سے اُٹھالو۔

شریعت کے عام قواعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر ہی کی روشنی میں علماء محققین نے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر حالات کا تقاضا ہو تو عوام کو تاجروں کے استحصال سے بچانے کے لئے حکومت کی طرف سے ضروری اشیاء کی قیمتیں مقرر کر دینی چاہئیں اور کنٹرول نافذ کر دینا چاہئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے بعض رسائل میں یہی رائے ظاہر کی ہے۔

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کا اختیار

خرید و فروخت کے معاملہ میں اگر دونوں فریق (بیچنے والا اور خریدنے والا) یا دونوں میں سے کوئی ایک یہ شرط کر لے کہ ایک دن یا دو تین دن تک مجھے اختیار ہوگا کہ میں چاہوں تو اس معاملہ کو فسخ کر دوں، تو شرعاً جائز ہے۔ اور شرط کرنے والے فریق کو فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا۔ فقہ کی اور شریعت کی اصطلاح میں اس کو "خیارِ شرط" کہا جاتا ہے، اس کا حدیث میں صراحۃً ذکر ہے اور اس پر فقہا کا اتفاق ہے۔ امام شافعیؒ اور بعض دوسرے آئمہ کے نزدیک اس طرح کی شرط اور قرار داد کے بغیر بھی فریقین کو معاملہ فسخ کرنے کا اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ دونوں اسی جگہ رہیں جہاں سودا طے ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اس جگہ سے ہٹ جائے اور علیحدہ ہو جائے تو یہ اختیار ختم ہو جائے گا۔ اس کو فقہ کی زبان میں "خیارِ مجلس" کہا جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے آئمہ اس "خیارِ مجلس" کے قائل نہیں ہیں۔ اس بارے میں ان کا مسلک یہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: "فان روى منهم جور ظاهر لا يشك فيه الناس جاز تغييره فانه من الافساد فى الارض" حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۱۳ ج ۲

[2] جمع الفوائد ص ۲۶۲ ج ا

ہے کہ خرید و فروخت کی بات جب فریقین کی طرف سے بالکل طے ہو گئی اور سودا پکا ہو گیا اور لین دین بھی ہو گیا تو اگر پہلے سے کسی فریق نے بھی فسخ کے اختیار کی شرط نہیں لگائی ہے تو اب کوئی فریق بھی یک طرفہ طور پر معاملہ فسخ نہیں کر سکتا' ہاں باہمی رضامندی سے معاملہ فسخ کیا جا سکتا ہے جس کو شریعت کی اور فقہ کی زبان میں "اِقَالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَبَايِعَان كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهٖ مَالَمْ يَتَفَرَّ قَا اِلَّا بَيْعَ الْخِيَار. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں کو (فسخ کرنے کا) اختیار ہے جب تک کہ وہ جدا نہ ہوں' سوائے خیار شرط والی بیع کے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی فریق کی طرف سے بھی فسخ کرنے کے اختیار کی شرط نہیں لگائی گئی ہے تو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار صرف اس وقت تک ہے جب تک دونوں فریق جدا نہ ہوں۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیال آئمہ نے اس حدیث کے لفظ "مالم یتفر قا" سے خیار مجلس سمجھا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بات بالکل ختم اور طے نہ ہو جائے اس وقت تک ہر فریق کو اختیار ہے کہ وہ اپنی پیش کش واپس لے لے' اس کے بعد کسی کو فسخ کرنے کا اختیار نہ رہے گا۔ وہ "تفرق" سے مکانی علیحدگی نہیں بلکہ معاملاتی اور قولی علیحدگی وجدائی مراد لیتے ہیں' جیسا کہ قرآن مجید میں یہی لفظ اس معنی میں آیت "وَاِنْ يَّتَفَرَّ قَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ" میں طلاق کے سلسلہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ صَفْقَةَ خِيَارٍ وَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهٗ خَشْيَةَ اَنْ يَّسْتَقِيْلَهٗ. (رواه الترمذی و ابو داؤد والنسائی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خریدار اور فروخت کرنے والے دونوں فریقوں کو اس وقت تک اختیار ہے جب تک باہم جدا نہ ہوں (اس کے بعد اختیار نہیں) سوائے اس صورت کے کہ (شرط لگا کے) اختیار کر لیا گیا ہو۔ دونوں میں سے کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اقالہ اور واپسی کے خطرہ کی وجہ سے دوسرے سے جدا ہو۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن نسائی)

تشریح..... اس حدیث کا مدعا بھی وہی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے کہ معاملہ بیع کے دونوں فریقوں (بائع و مشتری) کو اس وقت تک معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ متفرق اور جدا نہ ہوں۔ جدا ہونے کے بعد صرف اسی صورت میں فسخ کا اختیار ہو گا جب شرط کے طور پر یہ طے کر لیا گیا ہو۔ اس کے آگے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت بھی ہے کہ 'فریقین میں سے کوئی

بھی اس خطرہ کی وجہ سے الگ اور جدا نہ ہو کہ وہ اپنی بات واپس لے کر معاملہ فسخ نہ کردے۔"

خیارِ عیب، یعنی عیب کی وجہ سے معاملہ فسخ کرنے کا اختیار

خرید و فروخت کا معاملہ فسخ کرنے کی اختیار کی دو صورتوں کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے (ایک "خیارِ شرط" دوسرے "خیارِ مجلس") ایک تیسری شکل یہ ہے کہ خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب معلوم ہو جائے جو پہلے معلوم نہیں تھا، اس صورت میں بھی خریدار کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کی ایک مثال وہ ہے جو حضرت عائشہؓ کی مندرجہ ذیل حدیث میں ذکر کی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا اِبْتَاعَ غُلَامًا فَاَقَامَ عِنْدَهُ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ وَجَدَ بِهٖ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللهِ قَدْ اِسْتَغَلَّ غُلَامِيْ فَقَالَ ﷺ اَلْخِرَاجُ بِالضَّمَان.

(ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجة)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے سے ایک غلام خریدا، اور وہ (کچھ دن) جتنے اللہ نے چاہا اس کے پاس رہا، پھر اسے معلوم ہوا کہ غلام میں ایک عیب ہے، تو وہ شخص اس معاملہ کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ ﷺ سے فیصلہ چاہا، تو آپ ﷺ نے (اس عیب کی بنیاد پر) غلام واپس کردینے کا فیصلہ فرمادیا۔ مدعا علیہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس بھائی نے (اتنے دن تک) میرے غلام سے کام لیا ہے اور فائدہ اٹھایا ہے (لہٰذا مجھے اس کا معاوضہ بھی ملنا چاہئے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "الخراج بالضمان" (یعنی نفع کا مستحق وہی ہے جو نقصان کا ضامن ہے)۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... حدیث کے آخر میں آپ ﷺ کا ارشاد "الخراج بالضمان" شریعت کے ان اصولی قواعد میں سے ہے جن سے فقہاء نے سینکڑوں مسئلوں کا حکم نکالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منفعت کا مستحق وہی ہوتا ہے جو نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر بالفرض غلام خریدنے والے کے پاس یہ غلام مر جاتا یا کسی حادثہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ پھوٹ جاتا تو یہ نقصان خریدنے والے ہی کا ہوتا۔ اس لئے ان دونوں میں جو فائدہ خریدنے والے نے غلام سے اٹھایا وہ اس کا حق تھا لہٰذا اس کے معاوضے کا کوئی سوال نہیں۔

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے جس کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں نقل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں کسی شخص کے ہاتھ بیچا اور یہ وضاحت کردی کہ اس غلام میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بعد میں غلام خریدنے والے نے کہا کہ اس کو فلاں بیماری ہے جس کے بارے میں آپ نے بتلایا نہیں تھا (حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے غالباً کہا کہ یہ بیماری اس کو میرے ہاں نہیں تھی) بہرحال یہ مقدمہ خلیفۂ وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؓ نے معاملہ سن کے (اور یہ دیکھ کے کہ خریدار اس بات کے گواہ پیش نہیں کرسکتا کہ غلام کو یہ بیماری پہلے سے تھی) قانونِ شریعت کے مطابق حضرت ابنِ عمرؓ سے کہا کہ آپ قسم کے ساتھ یہ بیان دے دیں کہ غلام کو یہ مرض آپ کے ہاں نہیں تھا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے قسم کے ساتھ یہ بیان دینے

سے معذرت کر دی اور اپنا غلام واپس لے لیا۔ پھر اللہ نے کیا کہ بیماری کا اثر ختم ہو کے غلام بالکل صحیح تندرست ہو گیا اور اس کے بعد وہی غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

آئمہ فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اگر خریدی ہوئی چیز میں کوئی عیب نکل آئے (جس کی وجہ سے اس کی قیمت اور حیثیت کم ہو جائے) تو یہ ثابت ہو جانے پر کہ یہ عیب خرید و فروخت کے معاملے سے پہلے کا ہے، خریدار کو معاملہ فسخ کر دینے اور خریدی ہوئی چیز واپس کر کے اپنی ادا کی ہوئی قیمت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اسی کو "خیارِ عیب" کہا جاتا ہے۔

اِقالہ یعنی بیع کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فسخ اور واپسی

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو شخصوں کے درمیان کسی چیز کی بیع کا معاملہ ہوا اور فریقین کی طرف سے بات بالکل ختم ہو گئی لین دین بھی ہو گیا، اس کے بعد کسی ایک نے اپنی مصلحت سے معاملہ فسخ کرنا چاہا، مثلاً خریدار نے جو چیز خریدی تھی اس کو واپس کرنا چاہا یا بیچنے والے نے اپنی چیز واپس لینی چاہی تو اگرچہ قانونِ شریعت کی رو سے دوسرا فریق مجبور نہیں ہے کہ وہ اس کے لئے راضی ہو لیکن رسول اللہ ﷺ نے اخلاقی انداز میں اس کی اپیل کی ہے اور اس کو بہت بڑی نیکی قرار دیا ہے۔ شریعت کی زبان میں اسی کو "اقالہ" کہا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا اَقَالَهُ اللهُ عَثْرَتَهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ اپنے کسی مسلمان بھائی کے ساتھ اقالہ کا معاملہ کرے (یعنی اس کی بیچی یا خریدی ہوئی چیز کی واپسی پر راضی ہو جائے) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی غلطیاں (یعنی اس کے گناہ) بخش دے گا۔ (سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... کسی چیز کو خرید کر یا بیچ کر آدمی واپس کرنا یا واپس لینا جب ہی چاہتا ہے جب محسوس کرتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، میں اس معاملہ میں نقصان اور خسارہ میں رہا اور دوسرا فریق نفع میں رہا۔ اس صورت میں دوسرے فریق کا معاملہ فسخ کر کے واپسی پر راضی ہو جانا بلا شبہ ایثار ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں اس ایثار ہی کی ترغیب دی ہے اور ایسا کرنے والے کو بشارت سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کے قصوروں اور گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ بلا شبہ بڑا نفع بخش ہے یہ سودا۔

سوداگروں کو قسمیں کھانے کی ممانعت

بعض سوداگر اور دکاندار اپنا سودا بیچنے کے لئے بہت قسمیں کھاتے ہیں اور قسموں کے ذریعے گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے نام پاک کا بہت بے جا استعمال ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اس سے منع فرمایا اور اس کو بے برکتی کا موجب بتلایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَلْفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّهُ یُنْفِقُ ثُمَّ

يَمْحَقُ. (رواه مسلم)

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بیع فروخت میں زیادہ قسمیں کھانے سے بہت بچو کیونکہ اس سے (اگرچہ بالفعل) دکانداری خوب چل جاتی ہے لیکن بعد میں یہ برکت کھودیتی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں سوداگروں، دکانداروں کو زیادہ قسمیں کھانے کی بری عادت سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس کو بے برکتی کا مؤجب بتلایا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ سودا بیچنے کے لئے کثرت سے قسم کھانا اگرچہ وہ قسم جھوٹی نہ ہو سچی ہو اللہ تعالیٰ کے باعظمت نام کا بہت نامناسب استعمال ہے۔ اور جھوٹی قسم کھانا تو ایک دفعہ بھی گناہِ عظیم ہے۔ صحیح مسلم ہی کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جو سوداگر جھوٹی قسم کھا کر اپنا کاروبار چلاتا ہے وہ ان مجرمین میں شامل ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ "لا يكلمهم الله يوم القيمة ولا ينظر اليهم ولا يزكيهم ولهم عذاب اليمO (یعنی قیامت میں ان کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کی لذت و عزت سے اور نگاہِ رحمت و نظرِ عنایت سے محروم رکھے گا اور فسق و فجور کی نجاست سے ان کو پاک نہیں کیا جائے گا، ان کا حصہ بس خدا کا دردناک عذاب ہو گا۔

دکانداری میں قسمیں کھانے اور دوسری نامناسب باتوں کا کفارہ

عَنْ قَيْسِ بْنِ غَرْزَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ. (رواه ابو داؤد والترمذى والنسائى وابن ماجة)

قیس بن غرزہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اے معشرِ تجار (اے سوداگرو!) بیع میں لغو اور بے فائدہ باتیں بھی ہو جاتی ہیں اور قسم بھی کھائی جاتی ہے تو (اس کے علاج اور کفارہ کے طور پر) اس کے ساتھ صدقہ ملا دیا کرو۔" (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... یہ واقعہ ہے کہ اپنا سودا بیچنا اور گاہک کو خریداری پر آمادہ کرنے کے لئے بہت سے دکاندار قسمیں بھی کھاتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کے نزدیک لغو و لایعنی اور ناپسندیدہ ہوتی ہیں اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں ہدایت فرمائی کہ اس کے کفارہ کے طور پر تاجر لوگ صدقہ (یعنی فی سبیل اللہ غربا اور مساکین وغیرہ کی خدمت و اعانت) کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیں، یہ انشاء اللہ حبِ مال کی اس بیماری کا علاج بھی ہو گا جو کاروباری لوگوں سے ناپسندیدہ باتیں اور غلط کام کراتی ہے۔

اگر تجارت نیکی سچائی اور تقوے کے ساتھ نہیں تو حشر بہت خراب

عَنْ رِفَاعَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ التُّجَّارُ يُحْشَرُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَ بَرَّ وَ صَدَقَ

(رواه الترمذى و ابن ماجه والدارمى)

حضرت رفاعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تاجر لوگ سوائے ان کے جنھوں نے (اپنی تجارت میں) تقوے اور نیکی اور سچائی کا رویہ اختیار کیا۔ قیامت میں

فاجر اور بدکار اٹھائے جائیں گے۔

تشریح..... اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے بڑی سخت وعید اور آگاہی ہے خوفِ خدا، احکام شریعت اور سچائی و نیکوکاری سے آزاد ہو کر تجارت اور سوداگری کرتے ہیں اور جھوٹ سچ، جس طرح بھی ہو سکے بس اپنی دولت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن ان کا حشر "فاجروں" یعنی بدکار مجرموں کی حیثیت سے ہو گا اور اسی حیثیت سے بارگاہِ خداوندی میں ان کی پیشی ہو گی۔ اللہ کی پناہ؟ اس کے برخلاف جو تجارت پیشہ بندے اپنی تجارت اور کاروبار میں آخرت کے انجام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سچائی اور دیانت داری کی پابندی کے ساتھ تجارت اور کاروبار کریں ان کو رسول اللہ ﷺ نے خوش خبری سنائی ہے کہ:

"وہ قیامت میں انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء کرام کے ساتھ ہوں گے۔"

یہ حدیث جامع ترمذی اور سنن دارمی وغیرہ کے حوالہ سے (اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں) کچھ ہی پہلے درج ہو چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح بھی کی جا چکی ہے۔

مکان وغیرہ جائیداد کی فروخت کے بارے میں ایک مشفقانہ ہدایت

مکان باغ یا کاشت کی زمین جیسی غیر منقولہ چیزوں کی یہ خصوصیت ہے کہ نہ ان کو کوئی چرا سکتا ہے نہ ان پر اس طرح کے دوسرے حادثے آسکتے ہیں جو اموالِ منقولہ پر آتے ہیں دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر کسی خاص ضرورت اور مصلحت کے ان چیزوں کو فروخت نہ کیا جائے اور اگر فروخت کیا جائے تو بہتر یہ ہو گا کہ اس قیمت سے کوئی غیر منقولہ جائیداد ہی خریدی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو امت کے حال پر جو شفقت تھی اس کی بناء پر آپ ﷺ نے اس طرح کے مشورے بھی دیئے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث اسی قبیل سے ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ حُرَيْثٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ دَارًا اَوْ عِقَارًا قَمِنٌ اَنْ لَا يُبَارَكَ لَهٗ اِلَّا اَنْ يَجْعَلَهٗ فِىْ مِثْلِهٖ. (رواہ ابن ماجہ والدارمی)

حضرت سعید بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے جو کوئی اپنا گھر یا جائداد بیچے تو سزاوار ہے کہ اس کے اس عمل میں برکت و فائدہ نہ ہو۔ البتہ اگر وہ اس کی قیمت کو اسی طرح کی کسی جائداد میں لگا دے تو پھر ٹھیک ہے۔ (سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح..... جیسا کہ اوپر تمہید میں عرض کیا گیا حضور ﷺ کے اس ارشاد کی حیثیت ایک مشفقانہ ہدایت اور مشورہ کی ہے۔ یہ شرعی مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم اُمتیوں کو حضور ﷺ کے اس طرح کے مشفقانہ مشوروں، بلکہ اشاروں پر بھی چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

کاروبار میں شرکت کا جواز اور دیانتداری کی تاکید

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ الشَّرِیْکَیْنِ مَالَمْ یَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَیْنِهِمَا. (رواہ ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے کہ جو دو آدمی شرکت میں کاروبار کریں تو تیسرا میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت اور برکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساجھے دار کے حق میں خیانت اور بددیانتی نہ کرلے۔ پھر جب کسی شریک کی طرف سے خیانت اور بددیانتی کا صدور ہوتا ہے تو میں ان سے الگ ہو جاتا ہوں (اور وہ میری معیت کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔) (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... علماء و مصنفین کی اصطلاح کے مطابق یہ "حدیث قدسی" ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالےٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اس سے ضمناً یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تجارت اور کاروبار میں شرکت جائز ہے۔ بلکہ باعثِ برکت بھی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تجارت اور کاروبار کی شرکت ہی کے باب میں زہرہ بن معبد تابعی کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ میرے دادا عبداللہ بن ہشام کو ان کے بچپن ہی میں 'ان کی والدہ (زینب بنت حمید) حضور ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ حضرت میرے اس بچے کو بیعت فرمالیں' آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ھو صغیر" یعنی یہ ابھی بہت کم عمر ہے 'اور آپ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی (آگے زہرہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ) پھر میرے یہ دادا عبداللہ بن ہشام جب تجارت اور کاروبار کرنے لگے تو میں ان کے ساتھ بازار اور منڈی جایا کرتا تھا تو بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تجارت کے لئے غلہ کی خریداری کرتے تو حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر (دونوں بزرگ صحابی) ان کو ملتے اور ان سے کہتے کہ ہم کو بھی شریک کرلو اور حصہ دار بنالو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تمہارے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی (تو اس دعا کی برکت سے انشاءاللہ خوب نفع ہوگا) تو میرے دادا عبداللہ ابن ہشام سودے میں ان دونوں صاحبوں کو بھی شریک کر لیتے تھے' تو بسا اوقات اتنا نفع ہوتا کہ پورا ایک اونٹ بھر غلہ نفع سے بچ جاتا جس کو وہ اپنے گھر بھیج دیتے۔ (صحیح بخاری کتاب الشرکۃ)

تجارت اور کاروبار میں کسی کو وکیل بنانا بھی جائز ہے

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ الْبَارِقِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَاهُ دِیْنَارًا لِیَشْتَرِیَ شَاةً فَاشْتَرٰی لَهٗ شَاتَیْنِ فَبَاعَ اَحَدَهُمَا بِدِیْنَارٍ وَاٰتَاهُ بِشَاةٍ وَدِیْنَارٍ فَدَعَا لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ بَیْعِهٖ بِالْبَرَکَةِ فَکَانَ لَوِ اشْتَرٰی تُرَابًا لَرَبِحَ فِیْهِ. (رواہ البخاری)

عروہ بن ابی الجعد بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس مقصد سے ایک دینار دیا کہ وہ آپ کے لئے ایک بکری خرید لائیں وہ گئے اور انہوں نے اس ایک دینار کی دو بکریاں خرید

لیں۔ پھر ان میں سے ایک، ایک دینار کی بیچ دی اور واپس آکر حضورﷺ کی خدمت میں ایک بکری بھی پیش کر دی اور ایک دینار بھی (اور واقعہ بتلا دیا) تو آپﷺ نے ان کے واسطے (خاص طور سے) خرید و فروخت میں یعنی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے ان کا حال یہ تھا کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی ان کو نفع ہو جاتا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... عروہ بن ابی الجعد بارقی نے بکریوں کی یہ خرید و فروخت رسول اللہﷺ کی طرف سے آپ کے وکیل کی حیثیت سے کی تھی اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ پہلے خریدی ہوئی دو بکریوں میں سے ایک حضورﷺ سے اجازت لئے بغیر فروخت کر دی اور حضورﷺ نے ان کے اس فعل کو غلط اور خلافِ شریعت قرار نہیں دیا بلکہ شاباشی اور دعا دی تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وکیل اپنے مؤکل کی چیز اس کی اجازت کے بغیر بھی فروخت کر سکتا ہے اور مؤکل اگر اس کو قبول کر لے تو وہ بیع جائز اور نافذ ہو گی۔

عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ مَعَهُ بِدِيْنَارٍ لِيَشْتَرِيَ لَهُ بِهِ اُضْحِيَّةً فَاشْتَرٰى كَبْشًا بِدِيْنَارٍ وَبَاعَهُ بِدِيْنَارَيْنِ فَرَجَعَ فَاشْتَرٰى اُضْحِيَّةً بِدِيْنَارٍ فَجَاءَ بِهَا وَبِالدِّيْنَارِ الَّذِىْ اِسْتَفْضَلَ مِنَ الْاُخْرٰى فَتَصَدَّقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِالدِّيْنَارِ فَدَعَا لَهُ اَنْ يُبَارَكَ لَهُ فِىْ تِجَارَتِهِ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے ان کو ایک دینار دے کر اس کام کے لئے بھیجا کہ وہ آپ کے لئے قربانی کا جانور خرید لائیں۔ تو انہوں نے اس دینار سے ایک مینڈھا (یا دنبہ) خرلیا اور پھر وہیں اس کو (کسی خریدار کے ہاتھ) دو دینار میں فروخت کر دیا، پھر لوٹے اور ان میں سے ایک دینار میں قربانی کا جانور خرید لیا اور آکر حضورﷺ کی خدمت میں قربانی کے جانور کے ساتھ وہ دینار بھی پیش کر دیا جو دوسرا جانور (یعنی پہلا خریدا ہوا مینڈھا یا دنبہ) فروخت کر کے بچا لیا تھا۔ تو رسول اللہﷺ نے وہ دینار صدقہ کر دیا اور حکیم بن حزام کے لئے تجارت اور کاروبار میں برکت کی دعا فرمائی۔ (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

تشریح ...... حکیم[1] بن حزام کی اس حدیث کا مضمون بھی قریب قریب وہی ہے جو اس سے پہلے والی حضرت عروہ بارقیؓ کی حدیث کا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی سے وہ مسئلہ معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پہلے والی حدیث کی تشریح میں ذکر کیا گیا۔

اجارہ (یعنی مزدوری اور کرایہ داری)

کسی کو اجرت اور مزدوری دے کر اپنا کام کرانا، یا استعمال کے لئے کسی کو اپنی چیز دے کر اس کا کرایہ لینا۔ شریعت اور فقہ کی زبان میں اسکو "اجارہ" کہا جاتا ہے اور یہ ان معاملات میں سے ہے جن پر انسانی تمدن کی بنیاد

---

[1] یہ حکیم بن حزام ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ قریش کے بڑے لوگوں میں تھے۔ دولت مند بھی تھے اور فیاض بھی۔ ۸ھ میں فتح مکہ کے موقع پر قریباً ۶۰ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، اس کے بعد بھی قریباً ساٹھ سال زندہ رہے کچھ کم سوا سو سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی رضی اللہ عنہ و ارضاہ

قائم ہے۔اس موضوع سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

• **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَابَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ اَصْحَابُهُ وَاَنْتَ؟ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ اَرْعٰى عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ.** (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب نے بکریاں چرائی ہیں،صحابہؓ نے عرض کیااور حضرت آپ نے؟ فرمایا کہ ہاں میں نے بھی بکریاں چرائی ہیں،میں چند قیراط پر اہلِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔(صحیح بخاری)

تشریح ...... حضور ﷺ نے اس حدیث میں چند قیراط مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چرانے کا اپنا جو واقعہ بیان فرمایا ہے یہ غالباً ابتدائی عمر کا ہے جب آپ ﷺ اپنے چچا خواجہ ابو طالب کے ساتھ رہتے تھے تو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے مزدوری پر مکہ والوں کی بکریاں چراتے تھے جس کے عوض آپ ﷺ کو چند قیراط مل جاتے تھے۔یہی اس زمانہ میں آپ ﷺ کا ذریعہ معاش تھا۔ایک قیراط،درہم کا قریباً بارہواں حصہ ہوتا تھا۔

بکریاں چرانا بڑا صبر آزما کام ہے اور اگر آدمی میں صلاحیت ہو تو اس سے اس کی بڑی تربیت ہوتی ہے۔غرور اور تکبر جیسے رزائل کا علاج ہوتا ہے،صبر کی اور غصہ پینے کی عادت پڑتی ہے اور شفقت و ترحم کی مشق ہوتی ہے۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سب پیغمبروں نے یہ کورس پورا کیا ہے۔ ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح کی مزدوری نہ صرف جائز بلکہ سنتِ انبیاء ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَعْطُوا الْاَجِيْرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَجُفَّ عَرَقُهُ.

(رواه ابن ماجه)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کی مزدوری ادا کر دیا کرو۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اجیر اور مزدور جب تمہارا کام پورا کر دے تو اس کی مزدوری فوراً ادا کر دی جائے تاخیر بالکل نہ کی جائے۔

لگان یا بٹائی پر زمین دینا

اجارہ ہی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی زمین کسی کو دی جائے کہ وہ اس سے کاشت کرے اور طے شدہ کرایہ نقد کی شکل میں ادا کرے جس کو زرِلگان کہا جاتا ہے یا بجائے نقد لگان کے بٹائی طے ہو جائے کہ پیداوار کا اتنا حصہ زمین کے مالک کو دیا جائے۔مندرجہ ذیل حدیثوں کا تعلق ان دونوں صورتوں سے ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطٰى خَيْبَرَ الْيَهُوْدَ اَنْ يَّعْمَلُوْهَا وَيَزْرَعُوْهَا وَلَهُمْ شَطْرُمَا يَخْرُجُ مِنْهَا. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (فتح خیبر کے بعد) خیبر کی زمین وہاں کے یہودیوں کے سپرد کر دی اور اس شرط پر کہ وہ محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا

نصف حصہ ان کا ہو۔ (صحیح بخاری)

تشریح ... یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحیح مسلم میں بھی ہے اس میں صراحت کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہے کہ کاشت والی زمینوں کے علاوہ خیبر کے نخلستان بھی رسول اللہ ﷺ نے اس شرط پر وہاں کے یہودیوں کے سپرد کر دیئے تھے کہ ان کی پیداوار کا نصف ان کو ملے گا۔ یہ گویا بٹائی والا معاملہ تھا۔

عَنْ عَمْرٍو قَالَ قُلْتُ لِطَاؤُسٍ لَوْ تَرَكْتَ الْمُخَابَرَةَ فَإِنَّهُمْ يَزْعَمُوْنَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْهُ قَالَ اَىْ عَمْرو وَاُعْطِيْهِمْ وَاُعِيْنُهُمْ وَاِنَّ اَعْلَمَهُمْ اَخْبَرَنِىْ يَعْنِىْ اِبْنَ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ وَلٰكِنْ قَالَ اَنْ يَمْنَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ اَنْ يَّاْخُذَ عَلَيْهِ خَرْجًا مَعْلُوْمًا. (رواه البخاری و مسلم)

عمرو بن دینار تابعی نے فرمایا کہ میں نے جناب طاؤس (تابعی) سے ایک بار کہا کہ آپ بٹائی (یا لگان) پر زمین اُٹھانا چھوڑ دیتے تو اچھا ہوتا کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں کاشت کاروں کو کاشت کے لئے زمین بھی دیتا ہوں اور اس کے علاوہ بھی ان کی مدد کرتا ہوں۔ اور امت کے بڑے عالم یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو بٹائی یا لگان پر اُٹھانے سے منع نہیں فرمایا تھا۔ البتہ یہ فرمایا تھا کہ اپنی زمین اپنے دوسرے بھائی کو کاشت کے لئے (بغیر کسی معاوضہ کے) دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی مقررہ لگان وصول کرے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ... عمرو بن دینار کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ و تابعین کے زمانہ میں کچھ حضرات کا خیال تھا کہ اپنی مملوکہ زمین کی بٹائی یا لگان پر اُٹھانا درست نہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگرد اور فیض یافتہ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ وضاحت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناجائز قرار نہیں دیا تھا بلکہ اخلاقی طور پر فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو مقررہ لگان یا بٹائی پر زمین دینے سے بہتر یہ ہے کہ حسبۃً للہ بغیر کسی معاوضہ کے اس کو کاشت کے لئے زمین دے دی جائے۔ طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس وضاحت اور فتوے کی روشنی میں اپنی زمینیں بٹائی یا لگان پر اُٹھاتے تھے اور ان کاشتکاروں کی کاشت کے اخراجات وغیرہ میں مزید امداد و اعانت بھی کرتے تھے۔

دم کرنے اور جھاڑنے پر معاوضہ لینا

اپنے عمل اور اپنی محنت کا معاوضہ لینا اجارہ ہے اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مریض وغیرہ پر قرآن شریف یا کوئی دعا پڑھ کر دم کیا جائے یا تعویذ لکھا جائے اور اس کا معاوضہ لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں اور صحابۂ کرامؓ نے دم کرنے کا معاوضہ لیا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو جائز اور طیب قرار دیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مَرُّوْا بِمَاءٍ فِيْهِمْ لَدِيْغٌ اَوْ سَلِيْمٌ فَعَرَضَ لَهُمْ

رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَاءِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ رَاقٍ اِنَّ فِى الْمَاءِ رَجُلًا لَدِيْغًا اَوْسَلِيْمًا فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَرأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ عَلٰى شَاءٍ فَبَرءَ فَجَاءَ بِالشَّأ اِلٰى اَصْحَابِهٖ فَكَرِهُوْا ذَالِكَ وَقَالُوْا اَخَذْتَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا حَتّٰى قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخَذَ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ اَجْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَقَّ مَا اَخَذْتُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ. (رواه البخارى) وَفِى رواية اَصَبْتُمْ اَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِى مَعَكُمْ سَهْمًا.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایک بستی پر گزری تو بستی کا ایک آدمی ملا اور اس نے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے؟ ہماری بستی میں ایک آدمی کو سانپ نے کاٹ لیا ہے یا کہا کہ بچھو نے کاٹ لیا ہے۔ (غالباً یہ راوی کا شک ہے) تو جماعت صحابہ میں سے ایک آدمی اُٹھ کر چل دیا اور بستی میں جا کر کچھ بکریاں بطور معاوضہ مقرر کر کے اس کاٹے ہوئے آدمی پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو وہ بالکل اچھا ہو گیا تو صاحب ٹھہرائی ہوئی بکریاں ساتھ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آ گئے۔ تو ان حضرات نے اس کو برا سمجھا اور ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھنے کا معاوضہ لے لیا۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات مدینہ آ گئے۔ لوگوں نے مسئلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا کہ ہمارے فلاں ساتھی نے کتاب اللہ (سورۂ فاتحہ) پڑھ کر معاوضہ لے لیا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس پر معاوضہ لیا جائے۔" (صحیح بخاری)...... اور اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ تم نے ٹھیک کیا' ان بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

تشریح...... صحیح بخاری میں یہ واقعہ اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اور اسی طرح کا ایک دوسرا واقعہ مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں بھی روایت کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ اسی طرح کے ایک سفر میں ایک دیوانے اور پاگل پر لوگوں نے دم کرایا' ایک صحابی نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر صبح و شام تین دن دم کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ انہوں نے بھی معاوضہ وصول کیا۔ لیکن ان صحابی کو خود تردد ہو گیا کہ میرا معاوضہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ چنانچہ واپسی پر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے اس کو صحیح اور جائز قرار دیا۔

انہی حدیثوں کی روشنی میں علماء و فقہا کا اس پر قریباً اتفاق ہے کہ اس طرح دم کرنے یا تعویذ لکھنے پر معاوضہ لینا جائز ہے جس طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں کے لئے علاج کی فیس لینا جائز ہے۔ ہاں اگر بغیر معاوضہ فی سبیل اللہ بندگانِ خدا کی خدمت کی جائے تو وہ بلند درجہ کی بات ہے اور انبیاء علیہم السلام سے نیابت کی نسبت رکھنے والوں کا طریقہ یہی ہے۔

عاریت (منگنی)

تمدنی زندگی میں اس کی بھی ضرورت پڑتی ہے کہ وقتی ضرورت کے لئے کسی سے کوئی چیز (بغیر اُجرت اور معاوضہ) کے استعمال کے لئے مانگ لی جائے اور ضرورت پوری ہو جانے پر واپس کر دی جائے' اس کو

"عاریت" کہا جاتا ہے، یہ ایک طرح کی اعانت اور امداد ہے اور بلا شبہ کسی ضرورت مند کو عاریت پر اپنی چیز دینے والا اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ضرورت کے موقعوں پر بعض چیزیں بطورِ عاریت کے لے کر استعمال فرمائی ہیں اور اس کے بارے میں ہدایات بھی دی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیثوں سے معلوم ہو گا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنَةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا مِنْ اَبِيْ طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ الْمَنْدُوْبُ فَرَكِبَ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ مَا رَاَيْنَا مِنْ شَيْئٍ وَاِنْ وَجَدْنَاهُ لَبَحْرًا (رواه البخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (کسی شبہ کی بناء پر) مدینہ میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی (غالباً دشمن کے لشکر کی آمد کا شبہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے مدینہ طیبہ کے عوام میں گھبراہٹ اور خطرہ کے احساس کی کیفیت پیدا ہو گئی) تو رسول اللہ ﷺ نے ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ان کا گھوڑا عاریتاً مانگا جس کو "مندوب" کہا جاتا تھا (جس کے معنی ہیں سست رفتار اور مٹھا) اور آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر (اس جانب تشریف لے گئے جدھر سے خطرہ کا شبہ تھا) جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا (یعنی کوئی خطرہ والی بات نظر نہیں آئی لہٰذا لوگوں کو مطمئن ہو جانا چاہئے، اس کے ساتھ آپ ﷺ نے ابو طلحہ کے اس گھوڑے کے بارے میں فرمایا کہ) ہم نے اس کو بحرِ رواں پایا۔

(صحیح بخاری)

تشریح…… اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا عاریتاً لے کر اس پر سواری کی۔ نیز اس واقعہ سے رسول اللہ ﷺ کی شجاعت اور احساسِ ذمہ داری کی صفت بھی سامنے آئی کہ خطرہ کے موقع پر تحقیق و تجسس کے لئے تن تنہا تشریف لے گئے اور واپس آکر لوگوں کو مطمئن کر دیا تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے کاموں میں لگیں۔ ضمنی طور پر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو طلحہؓ کا وہ گھوڑا جو اتنا سست رفتار اور مزاج کا مٹھا تھا کہ اس کا نام ہی لوگوں نے "مندوب" (مٹھا) رکھ دیا تھا، رسول اللہ ﷺ کی سواری میں آکر ایسا تیز رو اور سبک رفتار ہو گیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے تو اس کو "بحرِ رواں" پایا (بہترین تیز رفتار گھوڑے کو "بحر" کہا جاتا تھا)

عَنْ اُمَيَّةَ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَعَارَ مِنْهُ اَدْرَاعَهُ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَقَالَ اَغَصْبًا يَا مُحَمَّدُ؟ قَالَ بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُوْنَةٌ. (رواه ابو داؤد)

حضرت امیہ بن صفوان اپنے والد صفوان بن امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے موقع پر ان کی زرہیں ان سے مانگیں (یعنی آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنی زرہیں جنگ میں استعمال کے لئے ہم کو دے دو) تو صفوان نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کہا کہ کیا (میری زرہیں) غصب کے طور پر لینا چاہتے ہو؟ (یعنی چونکہ تم فاتح ہو اور قوت و اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اس لئے زبردستی لے لینا چاہتے ہو؟) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ عاریت کے طور پر (لینا چاہتا ہوں) جس کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح یہ صفوان بن امیہ قریش مکہ کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمنوں میں تھے، ۸ھ میں جب مکہ فتح ہو گیا اور وہاں رسول اللہ ﷺ کا اور اسلام کا اقتدار قائم ہو گیا تو یہ صفوان اس دن مکہ مکرمہ سے فرار ہو گئے۔ ان سے تعلق رکھنے والے بعض صحابہ نے ان کے لئے رسول اللہ ﷺ سے امان کی درخواست کی، آپ ﷺ نے قبول فرمالی، وہ ان کی تلاش میں نکلے اور یہ مل گئے تو وہ ان کو واپس لے آئے لیکن یہ اپنے کفر پر قائم رہے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے فارغ ہو کر حنین کا قصد کیا تو مکہ کے ایسے بہت سے لوگ بھی آپ ﷺ کی اجازت سے اس سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہو گئے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، ان میں یہ صفوان بن امیہ بھی تھے۔ اسی موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے آہنی زر ہیں عاریتاً مانگی تھیں، تو ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میری یہ زر ہیں غصب اور ضبط کر لی جائیں گی اور مجھے واپس نہیں ملیں گی، انہوں نے صفائی سے اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا، آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ "یہ زر ہیں تم سے صرف عاریت کے طور پر مانگی جارہی ہیں ان کی واپسی کی ذمہ داری ہے۔" تو انہوں نے وہ زر ہیں آپ کے حوالہ کر دیں۔

اسی غزوۂ حنین کے سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ کر اور آپ کے طور طریقوں اور خاص کر اپنے جیسے قدیمی اور خون کے پیاسے دشمن کے ساتھ آپ ﷺ کا غیر معمولی حسنِ سلوک دیکھ کر آپ ﷺ کے نبی صادق ہونے کا ان کو یقین ہو گیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ بہر حال یہ صحابی ہیں اور ان سے اس واقعہ کے نقل کرنے والے ان کے بیٹے امیہ بن صفوان بھی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہما وعن سائر الصحابة اجمعین۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ وَالْمِنْحَةُ مَرْدُوْدَةٌ وَالدَّيْنُ مَقْضِيٌّ وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ (رواه الترمذى و ابو داؤد)

حضرت ابو امامہ باہلی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرمارہے تھے کہ عاریت (والی چیز لازماً) واپس کی جائے۔ اور منحہ (یعنی جو چیز فائدہ اُٹھانے کے لئے دی گئی ہو وہ عرف کے مطابق فائدہ اُٹھا کر مالک کو) لوٹائی جائے گی۔ اور قرض (حسب قرار داد) ادا کرنا ہو گا۔ اور کفالت کرنے والا ادائیگی کا ذمہ دار ہو گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں شریعت کے چار حکم بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اپنی ضرورت اور استعمال کیلئے کسی کی کوئی چیز عاریت کے طور پر لی جائے تو اس کا واپس کرنا لازم ہے، اس میں تساہل نہیں کرنا چاہئے۔

دوسرا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ "منحہ" کا لوٹانا ضروری ہے۔ عرب میں رواج تھا کہ فیاض اور فراخ حوصلہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتا اپنی ملکیت کی کوئی چیز صرف فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لئے دوسرے کسی بھائی کو دے دیتے۔ مثلاً اپنا اونٹ سواری کے لئے یا اونٹنی یا بکری دودھ پینے کے لئے دے دیتے تھے کہ اس کو اپنے پاس رکھو اور کھلاؤ پلاؤ اور اس سے فائدہ اٹھاؤ، یا پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنا باغ یا کاشت کے لئے اپنی زمین بغیر کسی معاوضہ کے دے دیتے۔ اس کو "منحہ" کہا جاتا تھا۔ تو اس کے بارے میں حکم دیا گیا کہ جس شخص کو "منحہ" کے طور پر کوئی چیز دی گئی وہ اس کو اپنی مِلک نہ بنالے بلکہ عرف کے مطابق

اس سے فائدہ اٹھا کے اصل مالک کو واپس کر دے۔ بلا شبہ بڑا مبارک تھا یہ رواج اور کچھ دن پہلے تک ہمارے علاقوں میں بھی یہ رواج تھا۔ لیکن اب اس طرح کی ساری خوبیاں اور نیکیاں اٹھتی اور مٹتی جا رہی ہیں، خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی

تیسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان فرمایا گیا کہ جس کسی نے اللہ کے کسی بندہ سے قرض لیا ہو وہ اس کے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔ (قرض کی ادائیگی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے سخت تاکیدی ارشادات اور شدید وعیدیں، اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں قرض کے زیرِ عنوان پہلے ذکر کی جا چکی ہیں۔)

چوتھا حکم یہ بیان فرمایا گیا کہ کسی شخص کے ذمہ اگر کسی دوسرے کا قرض یا کسی قسم کا مالی حق ہو اور کوئی اس کا کفیل اور ضامن بن جائے تو وہ ادائیگی کا ذمہ دار ہے، یعنی اگر بالفرض اصل مدیون ادا نہ کرے تو اس کفیل اور ضامن کو ادا کرنا پڑے گا۔

غصب (کسی دوسرے کی چیز ناحق لے لینا)

اگر کسی کی کوئی چیز قیمت دے کر لی جائے تو شریعت اور عرف میں اس کو بیع و شراء (خرید و فروخت) کہا جاتا ہے اور اگر اجرت اور کرایہ معاوضہ دے کر کسی کی چیز استعمال کی جائے تو شریعت اور عرف میں وہ "اجارہ" ہے اور اگر بغیر کسی معاوضہ اور کرایہ کے کسی کی چیز وقتی طور پر استعمال کے لئے لی جائے اور استعمال کے بعد واپس کر دی جائے تو وہ "عاریت" ہے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی ہدایات وارشادات گزشتہ صفحات میں ناظرین کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

کسی دوسرے کی چیز لے لینے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زبردستی اور ظالمانہ طور پر اس کی مملوکہ چیز لے لی جائے۔ شریعت کی زبان میں اس کو "غصب" کہا جاتا ہے اور یہ حرام اور سخت ترین گناہ ہے اس کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات ناظرین کرام پڑھ لیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَخَذَ مِنَ الْاَرْضِ شَيْئاً بِغَيْرِ حَقِّهٖ خُسِفَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلٰى سَبْعِ اَرْضِيْنَ. (رواه البخارى)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی دوسرے کی کچھ بھی زمین ناحق لے لی تو قیامت کے دن وہ اس زمین کی وجہ سے (اور اس کی سزا میں) زمین کے ساتوں طبق تک دھنسایا جائے گا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... یہ مضمون رسول اللہ ﷺ سے ایک دو لفظوں کے فرق کے ساتھ متعددِ صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے۔ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ٹکڑا بھی ناحق غصب کیا (ایک روایت میں ہے کہ اگر صرف بالشت بھر بھی غصب کیا) تو قیامت کے دن اس گناہ کی سزا میں وہ زمین میں دھنسایا جائے گا اور آخری حد تک گویا تحت الثریٰ تک دھنسایا جائے گا...... اللہ کی پناہ!

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک بڑا عبرت آموز واقعہ زمین کے غصب ہی کے بارے میں روایت کیا

گیا ہے۔ جس کا تعلق اس حدیث ہی سے ہے اور وہ یہ کہ ایک عورت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف (جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا انہوں نے مروان سے کہا کہ میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں یہ سخت وعید سنی ہے...... (یہ بات حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا) اور اس نے کہا کہ اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا۔ اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دُکھے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کردے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنادے۔ (واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا۔ میں نے خود اس عورت کو دیکھا' وہ آخر عمر میں نابینا ہوگئی اور خود کہا کرتی تھی کہ سعید بن زید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے' اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جارہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔　　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً فَلَيْسَ مِنَّا. (رواہ الترمذی)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' جس نے کسی کی کوئی چیز چھین لی اور لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔　(جامع ترمذی)

تشریح　اگر دل میں ایمان کا ذرہ ہو تو یہ وعید انتہائی سخت وعید ہے کہ کسی کی چیز کا چھیننے والا اور غصب کرنے والا رسول اللہ ﷺ کی جماعت اور آپ ﷺ کے لوگوں میں سے نہیں ہے جس کو آپ ﷺ نے اپنے سے الگ اور دور کردیا وہ بڑا محروم اور بدبخت ہے۔

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَاْخُذُ اَحَدُكُمْ عَصَا اَخِيْهِ لَاعِبًا جَادًّا فَمَنْ اَخَذَ عَصَا اَخِيْهِ فَلْيَرُدَّهَا اِلَيْهِ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد)

سائب بن یزید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے دوسرے بھائی کی لکڑی اور چھڑی بھی نہ لے نہ ہنسی مذاق میں اور نہ لینے کے ارادہ سے۔ پس اگر لے لیوے تو اس کو واپس لوٹائے۔　(جامع ترمذی' سنن ابی داؤد)

تشریح　مطلب یہ ہے کہ کسی بھائی کی لکڑی اور چھڑی کی طرح کی حقیر اور معمولی چیز بھی بغیر اس کی مرضی اور اجازت کے نہ لی جائے' ہنسی مذاق میں بھی نہ لی جائی اور اگر غفلت یا غلطی سے لی گئی ہو تو واپس ضرور لوٹائی جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسی معمولی چیز کا واپس کرنا کیا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ان ہدایات کی اہمیت محسوس کرنے کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِیْ حُرَّةَ الرَّقَاشِیِّ عَنْ عَمِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يُحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان والدارقطنى فى المجتبى)

ابو حرہ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خبردار کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرو! خبردار کسی آدمی کی ملکیت کی کوئی چیز اس کی دِلی رضامندی کے بغیر لینا حلال اور جائز نہیں ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی، مجتبیٰ للدار قطنی)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ وَاَصْحَابُهٗ بِامْرَاَةٍ فَذَبَحَتْ لَهُمْ شَاةً وَاتَّخَذَتْ لَهُمْ طَعَامًا فَاَخَذَ لُقْمَةً فَلَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّسِيْغَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ شَاةٌ ذُبِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ اَهْلِهَا فَقَالَتِ الْمَرْاَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَا نَحْتَشِمُ مِنْ اٰلِ مُعَاذٍ نَاْخُذُ مِنْهُمْ وَيَاْخُذُوْنَ مِنَّا. (رواه احمد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے چند اصحاب ورفقاء کا گزر ایک خاتون کی طرف سے ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے کھانا تناول فرمانے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔) تو اس نے ایک بکری ذبح کی اور کھانا تیار کیا (اور آپ ﷺ کے اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے حاضر کردیا) آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا مگر اس کو آپ ﷺ حلق سے نہیں اُتار سکے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے) یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔ اس خاتون نے عرض کیا کہ ہم لوگ (اپنے پڑوسی) معاذ کے گھر والوں سے کوئی تکلف نہیں کرتے ہم ان کی چیز لے لیتے ہیں اور اسی طرح وہ ہماری چیز لے لیتے ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح ...... جیسا کہ دعوت کرنے والی خاتون کے جواب سے معلوم ہوا واقعہ یہی تھا کہ وہ بکری جو ذبح کی گئی تھی پڑوس کے ایک گھرانے آلِ معاذ کی تھی اور باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے ان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور بکری ذبح کر کے اور کھانا تیار کر کے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کے سامنے پیش کردیا گیا، لیکن آپ ﷺ نے جب پہلا ہی لقمہ اس میں سے لیا تو آپ ﷺ کی طبیعت مبارک نے اس کو قبول نہیں کیا اور وہ حلق سے اتر ہی نہیں سکا اور آپ ﷺ پر یہ منکشف کردیا گیا کہ یہ بکری اصل مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کرلی گئی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں عام انسانوں کو ایک ذوق اور احساس دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ کڑوی کسیلی چیزوں کا کھانا اور حلق سے اتارنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح وہ اپنے بعض خاص بندوں کو جن کو وہ ناجائز غذاؤں سے حفاظت فرمانا چاہتا ہے ایسا ذوق عطا فرمادیتا ہے کہ ناجائز غذا نہ ان سے کھائی جاسکتی ہے اور نہ حلق سے اتاری جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا لقمہ منہ میں لے لینے کے باوجود نہ کھا سکنا اللہ تعالیٰ کی اسی خاص الخاص عنایت کا ظہور تھا۔ امت کے بعض اولیاء اللہ سے بھی اسی طرح کے واقعات منقول ہیں۔ "ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔"

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ بکری نہ چرائی گئی تھی، نہ غصب کی گئی تھی، بلکہ

باہمی اعتماد و تعلق اور رواج و چلن کی وجہ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور ذبح کرلی گئی تھی، اس کے باوجود اس میں ایسی خباثت اور خرابی پیدا ہو گئی کہ حضور ﷺ اس کو نہیں کھا سکے اور حلق سے نہیں اُتار سکے۔ اس میں سبق ہے کہ دوسروں کی چیز بغیر اجازت لے لینے اور استعمال کرنے کے بارے میں کس قدر احتیاط کرنی چاہئے۔

ہدیہ تحفہ دینا لینا

تمدنی زندگی میں لین دین کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اپنی کوئی چیز ہدیہ اور تحفہ کے طور پر کسی کو پیش کر دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں اسکی بڑی ترغیب دی ہے۔ اسکی یہ حکمت بھی بتلائی ہے کہ اس سے دِلوں میں محبت واُلفت اور تعلقات میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے جو اس دنیا میں بڑی نعمت اور بہت سی آفتوں سے حفاظت اور عافیت و سکون حاصل ہونے کا وسیلہ ہے۔

ہدیہ وہ عطیہ ہے جو دوسرے کا دل خوش کرنے اور اس کے ساتھ اپنا تعلقِ خاطر ظاہر کرنے کے لئے دیا جائے اور اس کے ذریعے رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ یہ عطیہ اور تحفہ اگر اپنے کسی چھوٹے کو دیا جائے تو اس کے ساتھ اپنی شفقت کا اظہار ہے، اگر کسی دوست کو دیا جائے تو یہ اِزدیادِ محبت کا وسیلہ ہے، اگر کسی ایسے شخص کو دیا جائے جس کی حالت کمزور ہے تو یہ اس کی خدمت کے ذریعہ اس کی تطییب خاطر کا ذریعہ ہے اور اگر اپنے کسی بزرگ اور محترم کو پیش کیا جائے تو ان کا اکرام ہے اور "نذرانہ" ہے۔

اگر کسی کو ضرورت مند سمجھ کر اللہ کے واسطے اور ثواب کی نیت سے دیا جائے تو یہ ہدیہ نہ ہوگا صدقہ ہوگا۔ ہدیہ جب ہی ہوگا جبکہ اس کے ذریعہ اپنی محبت اور اپنے تعلقِ خاطر کا اظہار مقصود ہو اور اس کے ذریعہ رضائے الٰہی مطلوب ہو۔

ہدیہ اگر اخلاص کے ساتھ دیا جائے تو اس کا ثواب صدقہ سے کم نہیں بلکہ بعض اوقات زیادہ ہوگا۔ ہدیہ اور صدقہ کے اس فرق کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ شکریہ اور دعا کے ساتھ قبول فرماتے اور اس کو خود بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور صدقہ کو بھی اگرچہ شکریہ کے ساتھ قبول فرماتے اور اس پر دعائیں بھی دیتے لیکن خود استعمال نہیں فرماتے تھے، دوسروں ہی کو مرحمت فرما دیتے تھے۔

افسوس ہے کہ امت میں باہم مخلصانہ ہدیوں کی لین دین کا رواج بہت ہی کم ہو گیا ہے۔ بعض خاص حلقوں میں بس اپنے بزرگوں، عالموں، مرشدوں کو ہدیہ پیش کرنے کا تو کچھ رواج ہے لیکن اپنے عزیزوں، قریبوں، پڑوسیوں وغیرہ کے ہاں ہدیہ بھیجنے کا رواج بہت ہی کم ہے حالانکہ قلوب میں محبت و الفت اور تعلقات میں خوشگواری اور زندگی میں چین و سکون پیدا کرنے اور اسی کے ساتھ رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے یہ رسول اللہ ﷺ کا بتلایا ہوا "نسخۂ کیمیا" تھا۔ اس تمہید کے بعد ہدیہ سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل چند ارشادات پڑھئے!

ہدیہ دِلوں کی کدورت دور کر کے محبت پیدا کرتا ہے

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ. (رواه الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "آپس میں ہدیے تحفے بھیجا کرو، ہدیے تحفے دِلوں کے کینے ختم کر دیتے ہیں۔" (جامع ترمذی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تُحَقِّرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ. (رواه الترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو، ہدیہ سینوں کی کدورت و رنجش دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لئے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... ہدیے تحفے دینے سے باہمی رَنجشوں اور کدورتوں کا دور ہونا، دِلوں میں جوڑ، تعلقات میں خوشگواری پیدا ہونا بدیہی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زریں ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں جو یہ اضافہ ہے کہ ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے بکری کے کھر کے ٹکڑے کے ہدیہ کو بھی حقیر نہ سمجھے۔ اس سے حضور ﷺ کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ ہدیہ دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑھیا ہی چیز ہو، اگر اس کی پابندی اور اس کا اہتمام کیا جائے گا تو ہدیہ دینے کی نوبت بہت کم آئے گی۔ اس لئے بالفرض اگر گھر میں بکری کے پائے پکے ہیں تو پڑوسن کو بھیجنے کے لئے اس کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے وہی بھیج دیا جائے۔

(واضح رہے کہ یہ ہدایت اس حالت میں ہے جب اطمینان ہو کہ پڑوسن خوشی کے ساتھ قبول کرے گی اور اس کو اپنی توہین و تذلیل نہ سمجھے گی، رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ماحول ایسا ہی تھا۔)

ہدیہ کا بدلہ دینے کے بارے میں آپ ﷺ کا معمول اور آپ ﷺ کی ہدایت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. (رواه البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول و دَستور تھا کہ آپ ﷺ ہدیہ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں خود بھی عطا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو جب کوئی محب و مخلص ہدیہ پیش کرتا تو آپ ﷺ خوشی سے قبول فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" کے مطابق اس ہدیہ دینے والے کو خود بھی ہدیے اور تحفے سے نوازتے تھے (خواہ اسی وقت عنایت فرماتے یا دوسرے وقت) آگے درج ہونے والی بعض حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے اُمت کو بھی اس طرزِ عمل کی ہدایت فرمائی اور بلاشبہ مکارمِ اخلاق کا تقاضا یہی ہے لیکن افسوس ہے کہ امت میں بلکہ خواصِ امت میں بھی اس کریمانہ سنت کا اہتمام بہت کم نظر آتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهِ وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَإِنَّ مَنْ أَثْنَى فَقَدْ شَكَرَ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ وَمَنْ تَحَلَّى بِمَا لَمْ يُعْطَ كَانَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُورٍ. (رواه الترمذی و ابو داؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلہ میں دینے کے لئے کچھ موجود ہو تو وہ اس کو دے دے اور جس کے پاس بدلہ میں تحفہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ (بطور شکریہ کے) اس کی تعریف کرے اور اس کے حق میں کلمۂ خیر کہے، جس نے ایسا کیا اس نے شکریہ کا حق ادا کر دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا اور احسان کے معاملہ کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔ اور جو کوئی اپنے کو آراستہ دکھائے اس صفت سے جو اس کو عطا نہیں ہوئی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دھوکے فریب کے دو کپڑے پہنے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ جس کو کسی محبّ کی طرف سے ہدیہ تحفہ دیا جائے تو اگر ہدیہ پانے والا اس حال میں ہو کہ اس کے جواب اور صلہ میں ہدیہ تحفہ دے سکے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی مقدرت نہ ہو تو اس کے حق میں کلمہ خیر کہے اور اس کے اس احسان کا دوسروں کے سامنے بھی تذکرہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو بھی شکر سمجھا جائے گا۔ (اور آگے درج ہونے والی ایک حدیث سے معلوم ہوگا کہ "جزاك الله" کہنے سے بھی یہ حق ادا ہو جاتا ہے) اور جو شخص ہدیہ تحفہ پانے کے بعد اس کا اخفا کرے، زبان سے ذکر تک نہ کرے "جزاك الله" جیسا کلمہ بھی نہ کہے تو وہ کفرانِ نعمت اور ناشکری کا مرتکب ہوگا۔

حدیث کے آخری جملے "وَمَنْ تَحَلَّى الخ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جو شخص اپنی زبان یا طرزِ عمل یا خاص قسم کے لباس وغیرہ کے ذریعے اپنے اندر وہ کمال (مثلاً عالمیت یا مشیخت) ظاہر کرے جو اس میں نہیں ہے تو وہ اس دھوکہ باز اور فریبی بہروپیئے کی طرح ہے جو لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے باعزت اور باوقار لوگوں کا سا لباس پہنے۔ بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عرب میں کوئی شخص تھا جو نہایت گھٹیا اور ذلیل درجہ کا آدمی تھا لیکن وہ باعزت اور باوقار لوگوں کے سے نفیس اور شاندار کپڑے پہنتا تھا تاکہ اس کو معززین میں سمجھا جائے اور اس کی گواہی پر اعتبار کیا جائے، حالانکہ وہ جھوٹی گواہیاں دیتا تھا۔ اسی کو "لابس ثوبي زور" کہا گیا ہے۔ ہدیہ تحفہ سے متعلق مذکورۂ بالا ہدایت کے ساتھ اس آخری جملہ کے فرمانے سے حضور ﷺ کا مقصد غالباً یہ ہے کہ کوئی شخص جس میں وہ کمالات اور وہ اوصاف نہ ہوں جن کی وجہ سے لوگ ہدیہ وغیرہ پیش کرنا سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسا شخص اگر لوگوں کے ہدیے تحفے حاصل کرنے کے لئے اپنی باتوں اور اپنے لباس اور اپنے طرزِ زندگی سے وہ کمالات اور اوصاف اپنے لئے ظاہر کردے تو یہ فریب اور بہروپیاپن ہوگا اور یہ آدمی اس روایتی "لابس ثوبي زور" کی طرح مکار اور دھوکے باز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

محسنوں کا شکریہ اور ان کے لئے دعائے خیر

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ. (رواہ احمد والترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے احسان کرنے والے بندہ کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

تشریح ...... بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ جس بندے کے ہاتھ سے کوئی ہدیہ تحفہ، کوئی نعمت ملے یا وہ کسی طرح کا بھی احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے لئے کلمہ خیر کہا جائے، تو جس نے ایسا نہیں کیا اس نے خدا کی بھی ناشکری اور نافرمانی کی۔ بعض شارحین نے اس حدیث کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جو احسان کرنے والے بندوں کا شکر گزار نہ ہو گا وہ ناشکری کی اس عادت کی وجہ سے اللہ کا بھی شکر گزار نہ ہو گا۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِى الثَّنَاءِ. (رواہ الترمذی)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی پر کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے اس محسن کے لئے یہ کہہ کے دعا کی کہ "جزاک اللہ خیرا" (اللہ تعالیٰ تم کو اس کا بہتر بدلہ اور صلہ عطا فرمائے) تو اس نے (اس دعائیہ کلمہ ہی کے ذریعہ) اس کی پوری تعریف بھی کر دی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... "جزاك الله خيرا" بظاہر صرف دعائیہ کلمہ ہے لیکن اللہ کا بندہ جب کسی احسان کرنے والے کے لئے ان الفاظ میں دعا کرتا ہے تو گویا وہ اس کا اظہار و اعتراف کرتا ہے کہ میں اس کا بدلہ دینے سے عاجز ہوں بس میرا کریم پروردگار ہی تم کو اس کا اچھا بدلہ دے سکتا ہے میں اسی سے عرض و استدعا کرتا ہوں کہ تمہارے اس احسان کا وہ اپنی شانِ عالی کے مطابق بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ اس طرح اس دعائیہ کلمہ میں اس احسان کرنے والے کی تعریف اور اس کے احسان کی قدر شناسی بھی مضمر ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَدِيْنَةَ اَتَاهُ الْمُهَاجِرُوْنَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا رَاَيْنَا قَوْمًا اَبْذَلَ مِنْ كَثِيْرٍ وَلَا اَحْسَنَ مُوَاسَاةً مِنْ قَلِيْلٍ مِنْ قَوْمٍ نَزَلْنَا بَيْنَ اَظْهُرِهِمْ لَقَدْ كَفَوْنَا الْمُؤْنَةَ وَاَشْرَكُوْنَا فِى الْمَهْنَا حَتّٰى لَقَدْ خِفْنَا اَنْ يَّذْهَبُوْا بِالْاَجْرِ كُلِّهٖ فَقَالَ لَا مَا دَعَوْتُمُ اللّٰهَ لَهُمْ وَاَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِمْ. (رواہ الترمذی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے (اور مہاجرین نے انصار کی میزبانی اور ان کے ایثار کا تجربہ کیا) تو ایک دن مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم نے کہیں ایسے لوگ نہیں دیکھے جیسے یہ لوگ ہیں جن کے ہاں

آ کے ہم اُترے ہیں (یعنی انصارِ مدینہ) زیادہ ہو تو اس کو (فراخ حوصلگی اور دریادِلی سے ہماری میزبانی پر) خوب خرچ کرنے والے اور (کسی کے پاس) تھوڑا ہو تو اس سے بھی ہماری غم خواری اور مدد کرنے والے، انہوں نے محنت مشقت کی ساری ذمہ داری ہماری طرف سے بھی اپنے ذمہ لے لی ہے اور منفعت میں ہم کو شریک کر لیا ہے (ان کے اس غیر معمولی ایثار سے) ہم کو اندیشہ ہے کہ سارا اجر و ثواب انہی کے حصہ میں آ جائے (اور آخرت میں ہم خالی ہاتھ رہ جائیں) آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، ایسا نہیں ہو گا جب تک اِس احسان کے عوض تم ان کے حق میں دعا کرتے رہو گے اور ان کے لئے کلمۂ خیر کہتے رہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... جب رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کے مدینہ پاک تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ مہاجرین کی بھی اچھی خاصی جماعت تھی جو آپ ﷺ سے پہلے یا آپ ﷺ کے بعد اپنے اپنے گھر چھوڑ کے مدینہ طیبہ آئے، تو جیسا کہ معلوم ہے ابتدائی ایام میں ان سب کو مدینہ طیبہ کے انصار نے لِلّٰہ فی اللہ اپنا مہمان بنا لیا۔ کھیتی باڑی اور دوسرے کاموں میں خود محنت کرتے اور جو کچھ حاصل ہو تا اس میں مہاجرین کو شریک کر لیتے۔ ان انصار میں اچھے دولت مند بھی تھے اور نادار غربا بھی لیکن اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مہاجرین کی خدمت میں سب حصہ لیتے، جو دولت مند تھے وہ پوری دریادلی سے مہاجرین پر اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے اور جو غربا تھے وہ بھی اپنا پیٹ کاٹ کے ان کی خدمت اور مہمان داری کرتے تھے۔ اس صورت حال سے مہاجرین کے دِلوں میں یہ خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انصار کے اس غیر معمولی ایثار و احسان کی وجہ سے ہماری ہجرت اور عبادات وغیرہ کا ثواب بھی ہمارے اِنہی محسن میزبانوں کے حصہ میں آ جائے اور ہم خسارہ میں رہیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا یہ خدشہ عرض کیا تو آپ ﷺ نے اطمینان دلایا کہ ایسا نہ ہو گا، شرط یہ ہے کہ تم ان کے اس احسان کے عوض ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور دل و زبان سے ان کے احسان کا اعتراف اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اتنے ہی عمل کو ان کے احسان کے بدلے اور شکریے کے طور پر قبول فرمالے گا اور تمہاری طرف سے ان کے اس احسان و ایثار کا پورا بدلہ اپنے خزانۂ کرم سے عطا فرمائے گا۔

وہ چیزیں جن کا ہدیہ قبول ہی کرنا چاہئے

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يَرُدَّهٗ فَاِنَّهٗ خَفِيْفُ الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيْحِ. (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی کو ہدیہ کے طور پر خوشبودار پھول پیش کیا جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو بھی قبول ہی کرے رَد نہ کرے کیونکہ وہ بہت ہلکی اور کم قیمت چیز ہے اور اس کی خوشبو باعثِ فرحت ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... پھول جیسی کم قیمت چیز قبول کرنے سے اگر انکار کیا جائے تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ بے چارے

پیش کرنے والے کو خیال ہو کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کی گئی اور اس سے اسکی دل شکنی ہو۔

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ "جس کو خوشبودار پھول کا ہدیہ دیا جائے وہ واپس نہ کرے کیونکہ خوشبودار پھول جنت کا تحفہ ہے اور صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے خود حضور ﷺ کا یہ معمول بھی منقول ہے کہ "آپ ﷺ خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ثَلٰثٌ لَا تُرَدُّ اَلْوَسَائِدُ وَالدُّهْنُ وَاللَّبَنُ. (رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں (بالخصوص) ایسی ہیں جن کو رد نہیں کرنا چاہئے، قبول ہی کر لینا چاہئے۔ تکیہ اور تیل اور دودھ۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ان تینوں چیزوں کی خصوصیت یہی ہے کہ دینے والے پر ان کا زیادہ بار نہیں پڑتا اور جس کو دی جائیں وہ ان کو استعمال کر کے ان سے فائدہ اٹھاتا ہے جس سے دینے والے کا جی خوش ہوتا ہے۔ اور بھی جو چیزیں اس حیثیت کی ہوں ان کو بھی انہی پر قیاس کر لینا چاہئے۔

ہدیہ دے کر واپس لینا بڑی مکروہ بات

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ يُّعْطِيَ عَطِيَّةً ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا اِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهٗ، وَمَثَلُ الَّذِيْ يُعْطِي الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعُ فِيْهَا كَمَثَلِ الْكَلْبِ اَكَلَ حَتّٰى اِذَا شَبِعَ قَاءَ ثُمَّ عَادَ فِيْ قَيْئِهٖ. (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجہ)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی آدمی کے لئے یہ جائز اور درست نہیں ہے کہ وہ کسی کو کوئی چیز عطیہ کے طور پر دے دے پھر اس کو واپس لے۔ ہاں اگر باپ اپنی اولاد کو کچھ دے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے (یعنی اس کے لئے واپسی کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اولاد پر باپ کا ہر طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ہدیہ اور عطیہ کی واپسی کی قباحت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ) جو شخص ہدیہ اور عطیہ دے کر واپس لے اس کی مثال اس کتے کی سی ہے کہ اس نے ایک چیز کھائی، یہاں تک کہ جب خوب پیٹ بھر گیا تو اس کو قے کر کے نکال دیا، پھر اپنی اسی قے ہی کو کھانے لگا۔ (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... ہدیہ دے کر واپس لینے کے لئے اس سے زیادہ صحیح اور مؤثر کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔

کن لوگوں کو ہدیہ لینا منع ہے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هَدَايَا الْاِمَامِ غُلُوْلٌ. (رواہ الطبرانی فی الاوسط)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام وقت (یعنی حاکم اور فرمانروا) کے ہدیے "غلول" (یعنی ایک طرح کی خیانت و رشوت اور ناجائز استحصال کے قبیل سے) ہیں۔ (معجم اوسط للطبرانی)

عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰى لَهٗ هَدِيَّةً عَلَيْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰى بَابًا عَظِيْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا. (رواه ابو داؤد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی شخص کے لئے (کسی معاملہ میں) سفارش کی تو اگر اس شخص نے اس سفارش کرنے والے کو کوئی ہدیہ پیش کیا اور اس نے وہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ سود کی ایک بڑی خراب قسم کے گناہ کا مرتکب ہوا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح حضرت جابر اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما کی ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہدیہ وہی قابلِ قبول ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو اور غلط قسم کے اغراض کا شبہ اور شائبہ بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کی لین دین کے سلسلہ کی ان تمام ہدایات کی روح کو سمجھیں اور ان کی پابندی اور پیروی کو اپنی زندگی کا اُصول بنائیں۔

وقف فی سبیل اللہ

ہدیہ اور صدقہ و خیرات جیسے باعثِ ثواب مالی معاملات و تصرفات میں سے ایک وقف بھی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ عرب کے لوگ رسول اللہ ﷺ سے پہلے وقف کے تصور اور طریقہ سے واقف نہیں تھے، آپ ﷺ ہی نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے اس کی تعلیم و ترغیب دی۔ وقف کی حقیقت یہ ہے کہ جائیداد جیسی باقی رہنے والی اپنی کوئی مالیت، جس کا نفع جاری رہنے والا ہو اپنی طرف سے مصارفِ خیر کے لئے محفوظ کر دی جائے۔ اس کی پیداوار یا آمدنی وقف کرنے والے کی منشاء کے مطابق ایک یا ایک سے زیادہ مصارف خیر میں صرف ہوتی رہے، اور خود وقف کرنے والا اپنے مالکانہ حق تصرف سے ہمیشہ کے لئے دست بردار ہو جائے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ اَصَابَ اَرْضًا بِخَيْبَرَ فَاَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّىْ اَصَبْتُ اَرْضًا بِخَيْبَرَ لَمْ اُصِبْ مَالًا قَطُّ اَنْفَسَ عِنْدِىْ مِنْهُ فَمَا تَامُرُنِىْ بِهٖ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ حَبَّسْتَ اَصْلَهَا وَتَصَدَّقْتَ بِهَا فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ اَنَّهٗ لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا يُوْهَبُ وَلَا يُوْرَثُ وَتَصَدَّقَ بِهَا فِى الْفُقَرَاءِ وَفِى الْقُرْبٰى وَ فِى الرِّقَابِ وَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَالضَّيْفِ لَاجُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا اَنْ يَّاكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اَوْيُطْعِمَ غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ میرے والد ماجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے خیبر میں ایک قطعہ زمین ملی ہے (وہ نہایت نفیس اور قیمتی ہے) اس سے بہتر کوئی مالیت میں نے نہیں پائی، آپ ﷺ اس بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ایسا کرو کہ اصل زمین کو محفوظ (یعنی وقف) کر دو اور (اس کی پیداوار اور آمدنی کو) صدقہ قرار

دے دو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو (اسی طرح وقف کر دیا اور) فی سبیل اللہ صدقہ قرار دے دیا اور طے فرمادیا کہ یہ زمین نہ کبھی بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے نہ اس میں وراثت جاری ہو، اور اس کی آمدنی اللہ کے واسطے خرچ ہو فقیروں، مسکینوں اور اہلِ قرابت پر اور غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں اور جہاد کے سلسلہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کی خدمت میں۔ اور جو شخص اس کا متولّی اور منتظم ہو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ مناسب حد تک اس میں سے خود کھائے اور کھلائے بشرطیکہ اس کے ذریعہ مال جوڑنے اور مالدار بننے والا نہ ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... یہ حدیث وقف کے باب میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے ۷ھ میں خیبر جنگ کے نتیجہ میں فتح ہوا تھا، وہاں کی زمین عام طور سے بڑی زرخیز تھی، فتح کے بعد اس کی زمینوں کا قریباً نصف حصہ رسول اللہ ﷺ نے مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں جو قطعہ زمین آیا انہوں نے محسوس کیا کہ میری ساری مالیت میں وہ نہایت قیمتی اور گرانقدر چیز ہے۔ اور قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ O" (تم نیکی اور مقبولیت کا مقام اس وقت تک حاصل نہیں کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب و مرغوب چیزیں راہِ خدا میں صرف نہ کر دو گے) اس بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دِل میں یہ آیا کہ خیبر کی یہ جائیداد جو میرے حصہ میں آئی ہے اور اس سے بہتر قیمتی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور سعادت حاصل کر لوں۔ لیکن خود فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی میرے لئے سب سے بہتر صورت کیا ہے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ تو آپ ﷺ نے ان کو وقف کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ صدقہ جاریہ رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کر دیا اور اس کے مصارف بھی متعین فرمادیئے۔ یہ مصارف قریب قریب وہی ہیں جو قرآن پاک میں زکوٰۃ کے بیان میں فرمائے گئے ہیں۔ (سورۂ توبہ، آیت: ۶۰)

آخر میں وقف کے متولی اور اس کا انتظام و اہتمام کرنے والے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے تو اس میں سے کچھ نہ لے لیکن کھانے پینے اور اپنے اہل و عیال اور مہمانوں وغیرہ کو کھلانے کے لئے اس میں سے بحد مناسب لے سکتا ہے، یہ اس کے لئے جائز ہے۔

(شریعت کے دوسرے ابواب کی طرح وقف کے مسائل بھی کتبِ فقہ میں دیکھے جائیں)

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ اُمِّیْ مَاتَتْ فَاَیُّ الصَّدَقَةِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِيْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ. (رواه ابو داؤد والنسائى)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، (میں ان کے لئے کچھ صدقہ کرنا چاہتا ہوں) تو کونسا صدقہ زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کا ذریعہ ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی (یعنی کہیں کنواں بنوا دینا اور اس کو وقفِ عام کر دینا جس سے اللہ کے بندے اپنی پینے وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے پانی حاصل کرتے رہیں) چنانچہ

انہوں نے ایک کنواں کھدوا اور بنوادیا اور کہا کہ یہ میری والدہ ام سعد کے لئے ہے (کہ اس کا ثواب ان کو پہنچتا رہے۔) (سنن ابی داود، سنن نسائی)

تشریح...... اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ تفصیل ذکر کی گئی ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا جب انتقال ہوا تو وہ سفر میں تھے، سفر سے واپسی پر وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا، میرا خیال ہے کہ اگر میں موجود ہوتا تو وہ اپنی آخرت کے لئے صدقہ وغیرہ کی وصیت کرتیں۔ اب میں ان کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ کرنا چاہتا ہوں تو کس طرح کا صدقہ بہتر اور ان کے حق میں زیادہ ثواب کا باعث ہوگا؟ آپ ﷺ نے ان کو کنواں بنوا دینے کا مشورہ دیا، چنانچہ انہوں نے ایسی جگہ پر جہاں اس کی ضرورت تھی، کنواں بنوایا اور اپنی والدہ کے نام پر یعنی ان کے ایصال ثواب کے لئے اس کو وقف کر دیا۔ بعض روایات میں باغ وقف کرنے کا بھی ذکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اسی باغ میں کنواں بنوایا ہو۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کی ہدایت پر وقف کی یہ دوسری مثال ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی مرنے والے کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کوئی نیک کام کرنا صحیح ہے اور ایصال ثواب کا نظریہ برحق ہے اور اصولی درجہ میں اس پر آئمہ اہل سنت کا اتفاق ہے۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزْنِ الْقُشَيْرِيِّ قَالَ شَهِدتُّ الدَّارَحِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرُ بِيْرِرُوْمَةَ فَقَالَ مَنْ يَّشْتَرِىْ بِيْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ...... فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ يَّشْتَرِىْ بُقْعَةَ الِ فُلَانٍ فَيَزِيْدَهَا فِى الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَّهٗ مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اُصَلِّىَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّىْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِىْ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَ مَعَهٗ اَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَرُ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَةٌ بِالْحَضِيْضِ فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ اُسْكُنْ ثَبِيْرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِىٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ، قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللهُ اَكْبَرُ شَهِدُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ اَنِّىْ شَهِيْدٌ ثَلٰثًا. (رواه الترمذى والنسائى)

ثمامہ بن حزن قشیری (تابعی) نے بیان کیا کہ میں اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب موجود تھا (جب باغیوں کے لشکر نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا) تو انہوں نے مکان کے اوپر سے ان کو دیکھا اور مجمع سے مخاطب ہو کر کہا، میں تم کو اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں اور تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو "بیر رومہ" کے علاوہ

میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہیں تھا (اور وہ کسی شخص کی ملکیت تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی ہے اللہ کا بندہ جو بیر رومہ کو خرید کے عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے کہ اس کی طرح عام مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کا حق ہو اور اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر دے' تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا (اور وقفِ عام کر دیا) اور آج تم مجھے اس کا پانی بھی نہیں پینے دیتے اور مجبور کرتے ہو کہ سمندر کا سا کھاری پانی پیئوں ...... لوگوں نے جواب دیا کہ ہاں خداوندا! (ہم کو اس کا علم ہے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں تم کو اللہ کا اور اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ مسجدِ نبوی نمازیوں کے لئے بہت تنگ ہو گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا کہ اللہ کا کوئی بندہ ہے جو فلاں گھرانے کی زمین کا قطعہ (جو مسجد کے قریب ہے) خرید کے مسجد میں شامل کر دے' تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر اس کو عطا فرمائے' تو میں نے اپنی ذاتی رقم سے اس کو خرید لیا تھا (اور مسجد میں شامل کر دیا تھا) اور آج تم لوگ مجھے اس میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے ہو۔ تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ خداوندا! یہ بھی ہمارے علم میں ہے' اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی ترغیب و ایماء پر) تبوک کے لشکر کا ساز و سامان میں نے اپنی ذاتی رقم سے کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ خداوندا یہ بھی ہمارے علم میں ہے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں خدا کا اور اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ تمہارے علم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مکہ کے پہاڑ ثبیر پر تھے اور آپ ﷺ کی ساتھ ابو بکر اور عمر تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ ہلنے لگا یہاں تک کہ کچھ پتھر اس کے نیچے گر گئے' تو آپ ﷺ نے اس پر اپنے قدم شریف سے ضرب لگائی اور فرمایا ثبیر ساکن ہو جا! تیرے اوپر ایک نبی ہے ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔ (حضرت عثمانؓ کی اس بات کے جواب میں بھی) لوگوں نے کہا کہ خداوندا! ہاں ہم کو اس کا بھی علم ہے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ نے کہا "اللہ اکبر! ربِّ کعبہ کی قسم یہ لوگ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ میں شہید ہوں۔" یہ بات حضرت عثمانؓ نے تین دفعہ فرمائی۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

تشریح ...... اس حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب اور اپیل پر آپؓ نے کئے۔ پہلے بیر رومہ کا وقف جو غالباً اسلام میں سب سے پہلا وقف ہو گا کیونکہ وہ اس وقت عمل میں آیا جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے' اس سے پہلے مکہ معظمہ میں کسی وقف کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا وقف اس زمین کا جو انہوں نے خرید کر مسجدِ نبوی میں شامل کی۔

یہ حدیث جیسا کہ ظاہر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے باب کی ہے اور اکثر کتب حدیث میں اسی باب کے تحت درج کی گئی ہے لیکن چونکہ اس میں حضرت عثمانؓ کے دو وقفوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر کئے گئے تھے اس لئے یہاں اس کا درج کرنا مناسب سمجھا گیا۔

اس حدیث میں عبرت کا بڑا سامان ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان فضائل و مناقب اور ان کارناموں سے اور ان بشارتوں سے جو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں دی تھیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ

عام طور سے واقف تھے۔ اور یہ باتیں ایسی مشہور و مسلم تھیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں تھی لیکن جن لوگوں پر شیطان سوار تھا اور جن کے لئے شقاوت مقدر ہو چکی تھی انہوں نے اس سب کے باوجود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت ظالمانہ طریقہ سے شہید کیا۔ اور پھر امت پر اس کا اجتماعی عذاب یہ آیا کہ باہم قتل و قتال کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑا۔

وصیت

مالی معاملات و تصرفات کے ابواب میں سے ایک "وصیت" کا باب بھی ہے۔ وصیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص جس کے پاس جائیداد یا کسی شکل میں سرمایہ ہو وہ یہ طے کردے کہ میری فلاں جائیداد یا سرمایہ کا اتنا حصہ میرے انتقال کے بعد فلاں مصرفِ خیر میں صرف کیا جائے یا فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ شریعت میں اس طرح کی وصیت کو قانونی حیثیت حاصل ہے' اور اس کے خاص شرائط اور احکام ہیں جن میں سے بعض ذیل میں درج ہونے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوں گے اور مزید تفصیلی احکام کتب فقہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اپنے متروکہ مال کے بارے میں اس طرح کی وصیت اگر لوجہ اللہ اور ثوابِ آخرت کی نیت سے کی گئی ہے تو ایک طرح کا صدقہ ہے اور شریعت میں اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور اگر کسی کے پاس کسی کی کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی ہے' یا اس پر کسی شخص کا قرض ہے یا کسی طرح کا حق ہے تو اس کی واپسی اور ادائیگی کی وصیت کرنا واجب ہے اور جو بھی وصیت ہو اس کو لکھ کر محفوظ کر دینا چاہئے۔ اس باب کی چند حدیثیں ذیل میں مطالعہ کی جائیں۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْئٌ يُوْصٰى فِيْهِ يَبِيْتُ لَيْلَتَيْنِ اِلَّا وَ وَصِيَّتُهُ مَكْتُوْبَةٌ عِنْدَهُ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی ایسے مسلمان بندے کے لئے جس کے پاس کوئی ایسی چیز (جائیداد یا سرمایہ یا امانت اور قرض وغیرہ) ہو جس کے بارے میں وصیت کرنی چاہئے تو درست نہیں کہ وہ دو راتیں گزار دے' مگر اس حال میں کہ اس کا وصیت نامہ لکھا ہوا اس کے پاس ہو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ وصیت کرنے اور وصیت نامہ لکھنے یا لکھانے کے لئے اس کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کہ جب موت قریب نظر آئے گی اس وقت وصیت کردیں گے۔ بلکہ ہر مردِ مومن کو چاہئے کہ وہ ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور اپنا وصیت نامہ تیار رکھے' دو دن بھی ایسے گزرنے نہیں چاہئیں کہ وصیت نامہ موجود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے۔ معلوم نہیں کہ موت کا فرشتہ کس وقت آجائے۔ حضرت ابن عمرؓ سے اس حدیث کی روایت کرنے والے ان کے خادم نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ارشاد سننے کے بعد

ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ میرا وصیت نامہ میرے پاس نہ ہو۔

افسوس ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس ہدایت پر عمل کا رواج اُمت میں اب بہت ہی کم ہے۔ بس خواص بلکہ اخص الخواص کو اس کی توفیق ہوتی ہے، حالانکہ اس میں دنیوی لحاظ سے بھی بہت خیر ہے، وصیت نامہ کے ذریعہ عزیزوں، قریبوں اور وارثوں کے درمیان بعد میں اُٹھنے والے بہت سے نزاعات اور جھگڑوں کا بھی انسداد ہو سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَ سُنَّةٍ وَ مَا تَ عَلٰى تُقًى وَ شَهَادَةٍ وَ مَاتَ مَغْفُوْرًا لَهٗ. (رواہ ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے وصیت کی حالت میں انتقال کیا (یعنی اس حالت میں جس کا انتقال ہوا کہ اپنی مالیت اور معاملات وغیرہ کے بارے میں جو وصیت اس کو کرنی چاہئے تھی وہ اس نے کی اور صحیح اور لوجہ اللہ کی) تو اس کا انتقال ٹھیک راستہ پر اور شریعت پر چلتے ہوئے ہوا اور اس کی موت تقویٰ اور شہادت والی موت ہوئی اور اس کی مغفرت ہو گئی۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... اس حدیث میں وصیت کرنے کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ جَاءَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُ نِیْ وَاَنَا بِمَكَّةَ وَهُوَ يَكْرَهُ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْاَرْضِ الَّتِیْ هَاجَرَ مِنْهَا، فَقَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ ابْنَ عَفْرَاءَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْصِیْ بِمَا لِیْ كُلِّهٖ؟ قَالَ لَا قُلْتُ فَالشَّطْرَ؟ قَالَ لَا، قُلْتُ فَالثُّلُثُ؟ قَالَ الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيْرٌ اِنَّكَ اَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ فِیْ اَيْدِيْهِمْ وَاِنَّكَ مَهْمَا اَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةَ الَّتِیْ تَرْفَعُهَا اِلٰى فِیْ اِمْرَاَتِكَ وَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَرْفَعَكَ فَيَنْتَفِعَ بِكَ نَاسٌ وَيُضَرُّ بِكَ اٰخَرُوْنَ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ يَوْمَئِذٍ اِلَّا ابْنَتُهٗ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں (سخت مریض ہوا) تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور میں اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ میری موت مکہ کی اس سرزمین میں ہو جس سے میں ہجرت کر چکا ہوں (اور جس کو اللہ کے لئے ہمیشہ کے واسطے چھوڑ چکا ہوں) تو رسول اللہ ﷺ نے (دعا کے طور پر مجھے تسلی دینے کے لئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ رحمت فرمائے عفراء کے بیٹے (سعد) پر (حضرت سعد کی والدہ کا نام یا لقب عفراء تھا) میں نے آپ ﷺ سے (بطور استفسار کے عرض کیا کہ (حضرت کی کیا رائے ہے) میں اپنی ساری دولت کو (فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر میں) صرف کرنے کی وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں (ایسا نہ کرو) میں نے عرض کیا کہ پھر آدھی دولت کے بارے میں یہ وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں (اتنا بھی نہیں) میں نے عرض کیا کہ تو پھر تہائی کے لئے وصیت کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں تہائی کی وصیت کر دو، اور تہائی بھی بہت ہے۔ (اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ) تمہارے لئے یہ بات کہ تم

اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑ کے جاؤ' اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو مفلسی اور تنگ دستی کی حالت میں چھوڑ کے جاؤ کہ وہ (اپنی ضروریات کے لئے) دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا ئیں۔ اور تم جو کچھ بھی (لوجہ اللہ اور ثواب کی نیت سے) خرچ کرو گے (اگرچہ وہ خرچ اپنے عزیزوں' قریبوں اور وارثوں پر ہو) تو وہ تمہاری طرف سے "صدقہ" ہو گا' حتیٰ کہ جو لقمہ تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کے اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی عند اللہ تمہارا صدقہ ہو گا) آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی امید ہے کہ وہ تم کو اس مرض سے صحت و شفاء دے کر) مستقبل میں تم کو بلند مرتبہ پر پہنچائے پھر تم سے بہت سے بندگانِ خدا کو نفع پہنچے گا اور بہت لوگوں کو نقصان۔ (اس حدیث کو حضرت سعد سے روایت کرنے والے (ان کے صاحبزادے عامر بن سعد) کہتے ہیں کہ جس زمانہ کا یہ واقعہ ہے) اس زمانے میں حضرت سعد کے صرف ایک بیٹی تھیں (اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں تھی) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سفر میں یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے مکہ معظمہ میں یہ سخت بیمار پڑے' اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں "اشفيت على الموت" یعنی میں گویا موت کے کنارہ پہنچ گیا تھا اور چونکہ وہ مہاجرین میں سے تھے اس لئے یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ جس مکہ کو وہ اللہ کے لئے چھوڑ چکے ہیں اور ہجرت کر چکے ہیں وہاں ان کا انتقال ہو اور اس کی سرزمین میں دفن ہوں۔ رسول اللہ ﷺ جب ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان کی یہ فکر اور پریشانی آپ ﷺ کے علم میں آئی تو آپ ﷺ نے "یرحم الله ابن عفراء" کہہ کر ان کے لئے دعا کی اور تسلی دی' پھر حضرت سعد نے (جو دولت مند صحابہ میں سے تھے) آپ ﷺ سے اپنے مال و دولت کے بارے میں وصیت سے متعلق دریافت کیا' (اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے صراحت کے ساتھ حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ کی دی ہوئی میرے پاس بہت دولت ہے اور میری صرف ایک بیٹی ہے) میں اپنی آخرت بہتر بنانے کے لئے سوچتا ہوں کہ اپنی ساری دولت کے لئے وصیت کر جاؤں کہ وہ فی سبیل اللہ مصارفِ خیر میں صرف کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی' پھر آدھی دولت کے لئے ایسی وصیت کرنے کی بھی اجازت نہیں دی' صرف تہائی کی اجازت دی اور فرمایا کہ تہائی بھی بہت ہے۔" اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو یہ بھی بتلایا کہ عند اللہ اور تمہاری آخرت کے لئے بھی یہی بہتر ہے کہ تم تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو۔ عزیزوں' قریبوں پر خرچ کرنا اور وارثوں کے لئے چھوڑنا بھی عند اللہ صدقہ ہے۔ (بشرطیکہ رضائے الٰہی اور ثواب کی نیت ہو' اس حدیث کی بعض روایات میں اس شرط کی صراحت ہے) اسی سلسلہ میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حتیٰ کہ اس نیت کے ساتھ اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دینے میں بھی تمہارے لئے ثواب ہے حالانکہ اس میں حظِ نفس بھی ہے۔

سب سے آخر میں آپ نے جو فرمایا کہ "عسى الله ان يرفعك الخ۔" یہ حضرت سعد کے حق میں ایسی پیشین گوئی تھی جس کا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی تم سے بہت کام لینا ہے' تم انشاءاللہ اس مرض سے صحت یاب ہو کر اٹھ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تم کو

ایسے بلند مرتبہ پر پہنچائے گا کہ تمہارے ہاتھوں قوموں کی تقدیریں بنیں گی اور بگڑیں گی۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں ۱۰ھ میں ایسی حالت میں ارشاد فرمائی تھی کہ حضرت سعدؓ اپنے کو موت کے کنارے پر سمجھ رہے تھے لیکن حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت سعدؓ اس کے بعد قریباً آدھی صدی تک اس دنیا میں رہے اور اللہ نے ان کو یہ بلند مرتبہ بخشا کہ حکومت فارس کے قریباً سارے زیر اقتدار علاقے انہی کی قیادت میں فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اللہ کے لاکھوں بندوں کو اسلام کی دولت نصیب ہوئی، پھر وہ عراق کے حاکم بھی رہے اور ۵۵ء میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۸ء میں ان کی وفات ہوئی۔ حضرت سعد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ پیشین گوئی اور اس کا اس طرح ظہور میں آنا بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

اس حدیث سے "وصیت" کے بارے میں یہ اصولی حکم معلوم ہوا کہ جس شخص کے وارث ہوں اس کو فی سبیل اللہ اور مصارفِ خیر کے لئے بھی اپنے تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنی جائز نہیں، اس پر امت کے آئمہ و علماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ ہاں اپنی زندگی میں فی سبیل اللہ اور مصارف خیر میں جو کچھ خرچ کرنا چاہے کر سکتا ہے، تہائی کی یہ قید موت کے بعد سے متعلق وصیت ہی کے بارے میں ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ واقعہ حجۃ الوداع کے سفر کا ہے جو ۱۰ھ کے اواخر میں ہوا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متعدد روایات میں اس کی صراحت ہے لیکن ترمذی کی ایک روایت میں اس کو فتح مکہ والے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے۔ جو ۸ھ میں ہوا تھا۔ محدثین کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ترمذی کی روایت میں ایک راوی کو سہو ہوا ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "وہم" کہا جاتا ہے۔[1]

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اِنَّ اللهَ اَعْطٰى كُلَّ ذِیْ حَقٍّ حَقَّهٗ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حجۃ الوداع کے سال رسول اللہ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے اس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنی کتاب پاک میں وارثوں میں سے) ہر صاحبِ حق کو اس کا حصہ عطا فرما دیا ہے۔ لہٰذا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد جب معاشرت وغیرہ سے متعلق احکام کا نزول شروع ہوا تو ابتداً سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۰ (كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ. الاٰية) کے

---

[1] اس کی تفصیل فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الوصایا میں دیکھی جا سکتی ہے ...... یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی اس حدیث کے بارہ میں مشکوٰۃ المصابیح میں بھی ایک سہو ہوا ہے، اور وہ یہ کہ جامع ترمذی کی اُس روایت کو جس میں اس واقعہ کو "فتح مکہ" کے سفر کا واقعہ بتلایا گیا ہے، فصل اول میں درج کر دیا گیا ہے اور متفق علیہ (یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت) قرار دیا گیا ہے حالانکہ جیسا عرض کیا گیا وہ روایت صحیحین میں نہیں ہے، جامع ترمذی میں ہے۔

ذریعے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کچھ مال و دولت ہو اس کو چاہئے کہ مرنے سے پہلے اپنے ماں باپ اور دوسرے قریبی عزیزوں کے لئے وہ مناسب طریقہ پر وصیت کر جائے۔ اس کے کچھ مدت بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے وراثت کا مفصل قانون سورۃ النساء میں نازل فرمادیا گیا اس طرح وصیت کا پہلا حکم کم از کم شرعی وارثوں کے حق میں منسوخ ہو گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں جہاں اور بہت سے ضروری احکام کا اعلان فرمایا وہاں یہ اعلان بھی فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون نازل فرما کر سب وارثوں کا حق مقرر فرمادیا ہے لہٰذا اب کسی وارث کے لئے وصیت نہ کی جائے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں اسی کا ذکر فرمایا اور "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابوامامہؓ کی مندرجہ بالا حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد آخر میں یہ اضافہ ہے۔

وَفِىْ رِوَايَةِ الدَّارَقُطْنِىْ قَالَ لَا تَجُوْزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ الْوَرَثَةُ

اور دار قطنی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اب کسی وارث کیلئے وصیت جائز (اور نافذ) نہیں 'الّا یہ کہ دوسرے وارث چاہیں اور راضی ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے شرعی وارث اس پر راضی ہو جائیں کہ مورث کسی وارث کے حق میں (اس کے شرعی حصے کے علاوہ مزید کی) وصیت کر دے اور ان کو اس پر اعتراض نہ ہو تو یہ وصیت جائز اور نافذ ہو جائے گی۔ (بشرطیکہ یہ دوسرے وارث عاقل بالغ ہوں)

عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ وَالْمَرْاَةُ بِطَاعَةِ اللّٰهِ سِتِّيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَحْضُرُهُمَا الْمَوْتُ فيضَارّ انِ فِى الْوَصِيَّةِ فَتَجِبُ لَهُمَا النَّارُ.

(رواه احمد والترمذى و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (کبھی ایسا ہوتا ہے) کوئی مرد یا کوئی عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری والی زندگی گزارتے رہتے ہیں' پھر جب اُن کی موت کا وقت آتا ہے تو وصیت میں (حق داروں کو) نقصان پہنچادیتے ہیں (تو اس ظلم اور حقداربندوں کی اس حق تلفی کی وجہ سے) ان کے لئے دوزخ واجب ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص کے شرعی وارث موجود ہیں جو اللہ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے مطابق اس کے مَرنے کے بعد اس کے ترکہ کے حق دار ہوں گے تو یہ آدمی کسی ناراضی وغیرہ کی وجہ سے ان کو محروم کرنے کے لئے کسی غیر آدمی کے حق میں یا کسی خاص مصرف کے لئے وصیت کر دیتا ہے یا کوئی اور ایسی تدبیر کرتا ہے جس سے وہ وارث محروم ہو جائیں' تو یہ (اس حدیث کے مطابق) اتنا بڑا گناہ اور ایسا ظلم ہے کہ اس کی وجہ سے ساٹھ سالہ اطاعت و فرمانبرداری برباد ہو جاتی ہے اور آدمی عذاب دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہر شخص کو اپنی ایک تہائی دولت کے بارے میں وصیت کرنے کی اجازت ہے لیکن نیک نیتی شرط

ہے۔ وارثوں اور حقداروں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ بہر حال گناہ اور ظلم ہے۔

نظامِ عدالت

لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے مختلف قسم کے نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے اور حقداروں کو ان کا حق دِلوانے، نیز تعزیر و سزا کے مستحق چوروں، ڈاکوؤں جیسے مجرموں کو سزا دینے کے لئے محکمۂ قضا یعنی نظامِ عدالت کا قیام بھی انسانی معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی معاملات کے دوسرے ابواب کی طرح اس باب میں بھی اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ کی زندگی میں تو اس کا سوال ہی نہیں تھا لیکن جب آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آبسے اور یہاں اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو اس وقت نظامِ عدالت بھی اپنی ابتدائی سادہ شکل میں قائم ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ نبی و رسول ہونے کے ساتھ قاضی اور حاکمِ عدالت بھی تھے، نزاعی معاملات آپ ﷺ کے سامنے آتے اور آپ ﷺ ان کا فیصلہ فرماتے، حدود جاری کرتے یعنی سزا کے مستوجب مجرمین کو قانونِ خداوندی کے مطابق سزائیں دِلواتے۔ قرآن مجید میں براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ، آیت: ۴۹)

(اے پیغمبر!) آپ لوگوں (کے نزاعات و معاملات) کا فیصلہ اللہ کی نازل کی ہوئی ہدایت اور اس کے قانون کے مطابق کیا کریں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء، آیت: ۱۰۵)

ہم نے نازل کی آپ کی طرف "کتاب" حق (کی ہدایت) کیساتھ تاکہ آپ لوگوں کے باہمی معاملات کا فیصلہ کریں اللہ کی رہنمائی کے مطابق۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نزاعات و خصومات کے فیصلے خود فرماتے تھے نیز بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں قاضی کی حیثیت سے مقدمات کے فیصلے فرماتے تھے اور جب یمن کا علاقہ بھی اسلامی اقتدار کے دائرہ میں آگیا تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بھی وہاں قاضی بنا کر بھیجا۔

آپ ﷺ نے اُن لوگوں کو جو کسی علاقہ میں عدل و انصاف کے ذمہ دار (قاضی) بنائے جائیں سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے امکان اور اپنی فہم و فکر کی آخری حد تک عدل و انصاف اور خداترسی کے ساتھ انجام دینے کی پوری کوشش کریں اور ایسا کرنے والوں کو آپ ﷺ نے خدا کی مدد اور رہنمائی کی اور آخرت میں عظیم انعامات اور بلند درجات کی بشارتیں سنائیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر بالفرض ایسے لوگوں

سے نادانستہ اجتہادی غلطی بھی ہو جائے گی تو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا بلکہ اپنی نیک نیتی اور حق سمجھنے کی محنت و کوشش کا ان کو اجر و ثواب ملے گا۔ اور اس کے بالمقابل آپ ﷺ نے جانبداری اور بے انصافی کرنے والے حاکموں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا اور سخت وعیدیں سنائیں۔ نیز آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حاکم اور قاضی ایسے بندگانِ خدا کو بنایا جائے جو اس منصب اور عہدے کے خواہش مند نہ ہوں اور جو لوگ اس کے طالب اور خواہش مند ہوں ان کو ہر گز یہ منصب اور عہدہ نہ دیا جائے۔ قضا اور عدالت کے طریقۂ کار کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے رہنمائی فرمائی اور اس کے لئے کچھ بنیادی اصول بھی تعلیم فرمائے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عادل اور غیر عادل حاکم و قاضی

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَاللهِ عَلٰى مَنَابِرَ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِيْنٌ، اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُوْنَ فِىْ حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَا وُلُّوْا.

(رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (اہلِ حکومت اور اربابِ اقتدار میں سے) عدل و انصاف کرنے والے بندے اللہ تعالیٰ کے ہاں (یعنی آخرت میں) نور کے منبروں پر ہوں گے اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب۔ اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے معاملات میں اور اپنے اختیارات کے استعمال کے بارے میں عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں اُن اہلِ حکومت اور اربابِ اختیار کو جو اپنے فیصلوں میں اور اپنے اختیارات کے استعمال اور سارے معاملات میں عدل و انصاف کا اہتمام اور اس کی پابندی کریں یہ عظیم بشارت سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا یہ اعزاز و اکرام ہو گا کہ وہ اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر بٹھائے جائیں گے۔ اس دنیا کے شاہی درباروں میں کسی کی کرسی کا تختِ شاہی کے داہنی جانب ہونا اس کے خاص الخاص اعزاز و اکرام کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس بناء پر اس حدیث کا مقصد و مدعا یہ ہو گا کہ جو بندے برسرِ حکومت اور صاحبِ اختیار ہونے کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کی پوری پابندی کریں، تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں ان کے ساتھ ایسا ہی خاص الخاص اعزاز و اکرام ہو گا ان کی نورانی نشست گاہیں (منبر کہئے یا کرسیاں) اللہ تعالیٰ کے داہنی جانب ہوں گی۔

حدیث کے لفظ "عن يمين الرحمن" (خداوند رحمٰن کے داہنی جانب) سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جس طرح ہم لوگوں کے داہنے ہاتھ کے ساتھ دوسرا بایاں ہاتھ ہوتا ہے (جو داہنے ہاتھ کے مقابلہ میں کمزور اور کمتر ہوتا ہے) اسی طرح خداوند رحمٰن کا بھی دوسرا بایاں ہاتھ ہو گا۔ تو رسول اللہ ﷺ کی اس وضاحت سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ اس حدیث میں یا اس طرح کی دوسری احادیث یا قرآنی آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو

"یمین" یا "ید" (ہاتھ یا داہنے ہاتھ) کے الفاظ میں کہیں استعمال ہوئے ہیں ان سے ہمارے جیسے ہاتھ مراد نہیں ہیں۔ قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "لیس کمثله شیئ" (کوئی چیز بھی اللہ کی مثل یا مثال نہیں ہے) رہی یہ بات کہ پھر "ید" جیسے الفاظ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے بارے میں آئمہ سلف کے اس مسلک میں زیادہ سلامتی اور احتیاط ہے کہ ہم اس کا اعتراف اور اقرار کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نوعیت اور حقیقت کی دریافت سے ہم عاجز ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ہیں "الذین یعدلون فی حکمهم واهلیهم وماو لوا" یعنی یہ بشارت ان عادل و منصف بندوں کے لئے ہے جو اپنے عدالتی اور حکومتی فیصلوں میں انصاف کریں اور اپنے اہل و عیال اور اہلِ تعلق کے ساتھ بھی ان کا رویہ عادلانہ اور منصفانہ ہو' اور اگر وہ کسی کے ولی اور سرپرست ہوں یا کسی جائیداد یا ادارہ کے متولّی اور ذمہ دار ہوں تو اس کے معاملات میں بھی عدل و انصاف کے تقاضوں کی پابندی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل و انصاف کا حکم اور اس پر بشارت کا تعلق صرف اربابِ حکومت اور حاکمانِ عدالت ہی سے نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے دائرہ عمل میں ہر شخص اس کا مکلّف ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَاَشَدَّهُمْ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ (رواه الترمذی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والے حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارے ہوں گے اور ان کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا۔ اور (اس کے برعکس) وہ اربابِ حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے اور بے انصافی کے ساتھ حکومت کریں گے۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِیْ مَالَمْ یَجُرْ فَاِذَا جَارَ تَخَلّٰی عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّیْطَانُ. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قاضی (یعنی حاکم عدالت) کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے (یعنی اس کی مدد اور توفیق اس کی رفیق رہتی ہے) جب تک وہ عدل و انصاف کا پابند رہے' پھر جب وہ (عدل و انصاف کی پابندی چھوڑ کے) بے انصافی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ اس سے الگ اور بے تعلق ہو جاتا ہے (یعنی اس کی مدد اور رہنمائی اس کو حاصل نہیں رہتی) اور پھر شیطان اس کا ہمدم اور رفیق ہو جاتا ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حاکم اور قاضی کی نیت اور کوشش جب تک یہ رہے کہ میں حق و انصاف ہی کے مطابق فیصلے کروں اور مجھ سے بے انصافی سرزد نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد اور رہنمائی ہوتی

رہتی ہے۔ لیکن جب خود اس کی نیت خراب ہو جائے اور ظلم و بے انصافی کا راستہ اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مدد اور رہنمائی سے محروم فرما دیتا ہے اور پھر شیطان ہی اس کا رفیق و رہنما بن جاتا ہے اور وہ اسکو جہنم کی طرف لیجانے والے راستہ پر چلاتا ہے۔

قاضی اور حاکم سے اگر اجتہادی غلطی ہو جائے ......

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَ اِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَ اَخْطَأَ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب حاکم (کسی معاملہ کا) فیصلہ کرنا چاہے اور (حق کے مطابق اور صحیح فیصلہ کرنے کے لئے) غور و فکر اور کوشش کرے اور صحیح فیصلہ کر دے تو اس کو دہرا اجر ملے گا۔ (ایک صحیح فیصلہ کرنے کی نیت اور کوشش و محنت کا اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا) اور اگر اس نے حقیقت کو جاننے سمجھنے اور صحیح فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے باوجود فیصلہ غلط کر دیا تو بھی اس کو ایک اجر و ثواب ملے گا (یعنی حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی نیت اور محنت کا) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح حدیث کے مطلب کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث سے ایک بڑی اہم اصولی بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر حاکم اور مجتہد کسی معاملہ اور مسئلہ میں حق و صواب کو جاننے سمجھنے کی امکان بھر کوشش کرے تو اگر وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہنچ سکے تب بھی وہ عند اللہ اجر و ثواب کا مستحق ہوگا کیونکہ اس کی نیت حق و صواب کو سمجھنے کی تھی اور اس کے لئے اس نے غور و فکر اور محنت و کوشش بھی کی۔ اور وہ اسی کا مکلف تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق انہی لوگوں سے ہے جو اس کے اہل ہوں۔ نااہلوں کو اجتہاد کی اجازت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ جس شخص نے قدیم یا جدید طب کا فن حاصل ہی نہیں کیا وہ اگر مطلب کھول کر بیٹھ جائے اور بیماروں کا علاج کرنے لگے تو مجرم اور جیل خانہ کا مستحق ہوگا۔ ہماری زبان کی صحیح مثل ہے "نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم مُلا خطرۂ ایمان" آگے درج ہونے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ شخص ضروری درجہ کے علم اور اہلیت کے بغیر فیصلے کرے وہ دوزخ کا مستحق ہے۔

جنتی اور دوزخی قاضی و حاکم

عَنْ بُرَیْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقُضَاةُ ثَلٰثَةٌ وَاحِدٌ فِی الْجَنَّةِ وَ اِثْنَانِ فِی النَّارِ فَاَمَّا الَّذِیْ فِی الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰی بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِی الْحُكْمِ فَهُوَ فِی النَّارِ، وَرَجُلٌ قَضٰی لِلنَّاسِ عَلٰی جَهْلٍ فَهُوَ فِی النَّارِ. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قاضی (حاکمانِ عدالت) تین قسم کے ہیں۔ ان میں سے ایک جنت کا مستحق اور دو دوزخ کے مستحق ہیں۔ جنت کا مستحق وہ حاکم عدالت

ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔ اور جس حاکم نے حق کو سمجھنے کے باوجود ناحق فیصلہ کیا وہ دوزخ کا مستحق ہے' اور اسی طرح وہ حاکم بھی دوزخ کا مستحق ہے جو بے علم اور ناواقف ہونے کے باوجود فیصلے کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ (سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

رِشوت لینے اور دینے والے مستحق لعنت

حاکمانِ عدالت کو حق وانصاف کے خلاف فیصلہ پر آمادہ کرنے والے اسباب میں ایک بڑا سبب رِشوت کی طمع ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشوت لینے اور دینے کو موجبِ لعنت گناہ بتلایا ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيْ. (رواه ابو داؤد و ابن ماجه و رواه الترمذی عنه و عن ابی هريرة)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی رشوت دینے اور رِشوت لینے والے پر۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ۔۔۔ اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے)

تشریح ..... کسی مجرم کے لئے اللہ یا اس کے رسول کی طرف سے لعنت' اس سے انتہائی ناراضی و بے زاری کا اعلان اور نہایت سنگین سزا ہے۔ اللہ کی طرف سے کسی پر لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خداوند رحمٰن ورحیم نے اس مجرم کو اپنی وسیع رحمت سے محروم کردینے کا فیصلہ فرمادیا ہے۔ اور اللہ کے رسول یا فرشتوں کی طرف سے لعنت کا مطلب اس شخص سے بے زاری اور اس کے قابلِ لعنت ہونے کا اعلان اور اس کی رحمت سے محروم کردیئے جانے کی بددعا ہوتی ہے۔ اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے رِشوت لینے والوں اور رِشوت دینے والوں سے اپنی انتہائی ناراضی و بیزاری کا اظہار فرمایا اور ان کے لئے بددعا فرمائی کہ اللہ ان کو اپنی رحمت سے محروم کردے۔ اللہ کی پناہ! رحمت للعالمین شفیع المذنبین ﷺ جس بدنصیب سے بیزاری کا اعلان فرمائیں اور اس کے لئے رحمتِ خداوندی سے محروم کئے جانے کی بددعا فرمائیں اس بدبخت کا کہاں ٹھکانہ!

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ایک لفظ "والرائش" کا اضافہ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ رشوت لینے اور دینے والے کے علاوہ اس درمیانی آدمی (دلّال) پر بھی رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی جو رشوت کے لین دین کا ذریعہ اور واسطہ بنے۔

حاکم اور قاضی بننا بڑی آزمائش اور بہت خطرناک

ظاہر ہے قاضی اور حاکم بن جا۔ نے کے بعد اس کے بہت امکانات پیدا ہوجاتے ہیں کہ آدمی کی نیت اور اس کے اخلاق میں فساد آجائے اور وہ ایسے '' ا کام کرنے لگے جن سے اس کا دین وایمان برباد اور آخرت خراب ہوجائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس لئے اس سے ۔ ت ڈرایا ہے اور حتی الوسع اس سے بچنے کی تاکید فرمائی

ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ حکومتی عہدے اور عدالتی مناصب ان لوگوں کو نہ دیئے جائیں جو ان کے طالب اور خواہش مند ہوں بلکہ ایسے لوگوں کو یہ ذمہ داری سپرد کی جائے جو اس کے طالب نہ ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ جُعِلَ قَاضِیًا بَیْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَیْرِ سِکِّیْنٍ.
(رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد و ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا' جو شخص قاضی (حاکم عدالت) بنایا گیا تاکہ لوگوں کے مقدمات نزاعات کا فیصلہ کرے تو وہ بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔
(مسند احمد' جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح جس آدمی کو چھری سے ذبح کیا جائے وہ ۲۔۴ منٹ میں ختم ہو جائے گا لیکن اگر کسی کو چھری کے بغیر ذبح کرنے کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے اس کا جلدی کام تمام نہ ہو سکے گا اور اس کی تکلیف طویل المیعاد ہو گی۔ حدیث کا مدعا اور مقصد یہ ہے کہ قاضی اور حاکم عدالت بننا اپنے کو بڑی آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنا ہے۔ اور اس منصب اور ذمہ داری کے قبول کرنے والے کو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سر پہ کانٹوں کا تاج رکھ رہا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُوْنَ عَلَی الْاِمَارَةِ وَسَكُوْنُ نَدَامَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَنِعْمَتِ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ. (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ تم لوگ حکومت اور اس کے عہدوں کی حرص کرو گے اور وہ قیامت کے دن ندامت و پشیمانی کا باعث ہو گی۔ بڑی اچھی لگتی ہے حکومت کی آغوش میں لے کر دودھ پلانے والی' اور بہت بری لگتی ہے دودھ چھڑانے والی۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے منکشف فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کی امت میں حکومت اور اس کے عہدے حاصل کرنے کا شوق اور اس کی حرص پیدا ہو گی۔ ایسے لوگوں کو آپ ﷺ نے آگاہی دی کہ یہ حکومت قیامت میں سخت ندامت اور پشیمانی کا باعث ہو گی جب ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حکومت کا حساب دینا ہو گا۔ آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حکومت جب کسی کو ملتی ہے تو بڑی اچھی لگتی ہے جیسے بچہ کو دودھ پلانے والی دایہ اچھی لگتی ہے اور جب وہ ہاتھ سے جاتی ہے (خواہ موت کے وقت' یا زندگی ہی میں اس سے محروم یا دست بردار رہنا پڑے) تو بہت بری لگتی ہے جیسے کہ دودھ چھڑانے والی دایہ بچہ کو بہت بری لگتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکومت کے شوقین اور طالبوں کو اس کے اُخروی انجام سے غافل نہ ہونا چاہئے' قیامت میں ان کو اپنے زیر حکومت لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا کے حقوق کے بارے میں جواب دہی کرنی ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کا یہ اثر پڑا تھا کہ بہت سے صحابۂ کرامؓ حکومتی اور عدالتی عہدوں سے دور رہنا چاہتے تھے۔ امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ

خلافت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قاضی بنانا چاہا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

حکومت کے طالب اللہ کی مدد و رہنمائی سے محروم

عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ لِی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسْئَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے لئے حکومت کا عہدہ طلب مت کرو' اگر تمہارے طلب کرنے پر تم کو حکومت کی ذمہ داری سپرد کی گئی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے (اللہ کی طرف سے تمہاری کوئی مدد اور رہنمائی نہیں ہو گی) اور تمہاری طلب کے بغیر تم کو کوئی حکومتی ذمہ داری سپرد کی گئی تو اللہ کی طرف سے اس میں تمہاری مدد ہو گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَاَلَ وُكِلَ اِلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اُكْرِهَ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ. (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی منصبِ قضا کا طالب ہو گا اور درخواست کر کے اس کو حاصل کرے گا تو اس کو اس کے نفس اور اس کی ذات کے حوالے کر دیا جائے گا (کہ وہ خود ہی اس کی ذمہ داریوں سے نمٹے جو بہت مشکل اور بڑا خطرناک کام ہے) اور جس شخص کو مجبور کر کے قاضی اور حاکم عدالت بنایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی کے لئے خاص فرشتہ نازل فرمائے گا جو اس کو ٹھیک ٹھیک چلائے گا۔ (جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن ابن ماجہ)

تشریح...... دونوں حدیثوں کا مدعا اور مطلب یہی ہے کہ حکومتی عہدہ یا عدالتی منصب اپنے نفس کی خواہش سے نہیں لینا چاہیئے جو کوئی اس طرح حاصل کرے گا اس کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہ ہو گی' اور جس کو بغیر اس کی ذاتی خواہش کے یہ ذمہ داری سپرد کی جائے وہ متوکلاً علی اللہ اس کو قبول کر لے' اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایسے بندوں کی مدد اور رہنمائی فرمائی جائے گی۔

قاضیوں کے لئے رہنما اصول اور ہدایات

مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور حاکموں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو رہنما اصول مقرر فرمایا اور جو ہدایات دیں ان کے لئے مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَهٗ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِىْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِىْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فِىْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ بِرَاْىِ وَلَا اٰلُوْا قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ.

(رواه الترمذی و ابو داؤد والدارمی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو قاضی بنا کر یمن کے لئے روانہ فرمایا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ اور قضیہ پیش ہوگا تو تم اس کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں اللہ کی کتاب (قرآن مجید کی ہدایت) کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں تمہیں (اس کے بارے میں کوئی حکم اور ہدایت) نہ ملے؟ (تو کیا کرو گے) انہوں نے عرض کیا کہ پھر میں اللہ کے رسول کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اگر رسول اللہ (ﷺ) کی سنت میں تمہیں (اس بارے میں) حکم اور ہدایت نہ ملے (تو کیا کرو گے؟) انہوں نے عرض کیا تو پھر میں اپنی رائے اور قیاس سے کام لوں گا اور اجتہاد کروں گا اور صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان کا سینہ ٹھونکتے ہوئے شاباشی دی اور فرمایا حمد و شکر اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے رسول کو پسند ہے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، مسند دارمی)

تشریح ...... حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ان چند ممتاز صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو اپنے طالب علمانہ مزاج اور حضور ﷺ کی طویل صحبت اور خصوصی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں کتاب و سنت کے علم اور تفقہ فی الدین میں امتیازی مقام حاصل تھا۔ اسی سلسلہ معارف الحدیث میں پہلے بھی متعدد حدیثوں میں اس کا ذکر آچکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں ان کو یمن کا قاضی اور حکم بنا کر بھیجا تھا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور آپ ﷺ کے طریقۂ کار کے مسلسل مطالعہ سے انؓ کو یہ اصول معلوم ہو چکا تھا کہ جب کوئی فیصلہ طلب معاملہ پیش آئے تو اس کے بارے میں ہدایت حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے اگر وہاں سے ہدایت نہ مل سکے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کے طریقہ کار سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، وہاں بھی نہ ملے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد و قیاس کیا جائے۔ تو جب آنحضرت نے ان کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو امتحان کے طور پر اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے سامنے جو معاملات اور مقدمات آئیں گے تم ان کا فیصلہ کس طرح کرو گے؟ انہوں نے اس کا وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو شاباش دی، ان کا سینہ ٹھوکا، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی مرضی اور منشاء کے مطابق جواب دیا جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے آپ ﷺ کی تعلیم اور صحبت سے اچھا استفادہ کیا ہے۔

اس حدیث کی اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت ہے کہ دین و شریعت میں اجتہاد و قیاس کی یہ سب سے زیادہ واضح بنیاد ہے، اور امت کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے اسی حدیث کو بنیاد بنا کر اجتہاد و قیاس سے کام لیا ہے اور ان ہزاروں مسائل و معاملات کا فیصلہ کیا ہے جن کے بارے میں واضح ہدایت اور حکم کتاب و سنت میں نہیں ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضراتِ محدثین کے مقررہ معیار کے لحاظ سے اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے بلکہ اس میں ضعف ہے (جس کی تفصیل شروحِ حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔) لیکن اس کے

باوجود امت کے آئمہ وفقہاء نے اس کو قبول کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر قیاس واجتہاد کا سلسلہ چلا ہے۔ شیخ ابن القیم وغیرہ محققین نے لکھا ہے کہ آئمہ فقہاء کے اس کو قبول کر لینے کے بعد اس کی صحت کے لئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی معاملہ اور مسئلہ میں قیاس واجتہاد کی گنجائش جب ہی ہے جب کہ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں کوئی حکم وہدایت نہ مل سکے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَىِ الْحَاكِمِ.

(رواه احمد و ابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ مقدمہ کے دونوں فریق حاکم کے سامنے بیٹھیں۔ (مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح...... مطلب یہ ہے کہ حاکم کو چاہئے کہ مقدمہ کے دونوں فریقوں (مدعی اور مدعا علیہ) کے ساتھ اس کا برتاؤ مساویانہ ہو، کسی فریق کی کسی خصوصیت یا تعلق کی وجہ سے اس کے ساتھ ترجیحی سلوک نہ ہو، قاضی کے سامنے دونوں کی نشست یکساں ہو۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا تَقَاضٰى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِىْ كَيْفَ تَقْضِى، قَالَ عَلِىٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدَ هٰذَا. (رواه الترمذى)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، جب تمہارے پاس دو آدمی (کوئی نزاعی معاملہ اور مقدمہ لے کر) فیصلہ کرانے آئیں، تو تم پہلے ہی فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ دے دو جب تک کہ دوسرے کا بیان نہ سن لو، ایسا کرو گے تو تم سمجھ لو گے اور جان لو گے کہ تم کس طرح اور کیسا فیصلہ کرو" حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میں برابر قاضی رہا ہوں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضی کو قاضی بنا کر یمن بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میری عمر بہت کم ہے اور میں مقدمات اور نزاعات کا فیصلہ کرنا نہیں جانتا، تو آپ ﷺ نے ان کو اطمینان دلایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد اور راہنمائی فرمائے گا اور تم سے صحیح فیصلہ کرائے گا اور ساتھ ہی یہ اصولی ہدایت فرمائی کہ جب کوئی قضیہ تمہارے سامنے آئے تو جب تک تم دونوں فریقوں کا بیان نہ سن لو اس وقت تک کوئی رائے قائم نہ کرو اور نہ فیصلہ دو۔ جب دونوں کی بات سننے کے بعد معاملہ پر غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہو گی اور صحیح فیصلہ کی توفیق ملے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں جو فرمایا تھا اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ مقدمات ونزاعات کے فیصلہ کے باب میں طبقہ صحابہؓ میں آپؓ کو خصوصی امتیاز حاصل تھا اور آپؓ کا فیصلہ آخری فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔

عَنْ اَبِىْ بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَقْضِيَنَّ حَكَمٌ بَيْنَ اِثْنَيْنِ وَ هُوَ غَضْبَانُ.

(رواه البخارى و مسلم)

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ کوئی قاضی اور حاکم (کسی معاملہ کا فیصلہ) ایسی حالت میں ہرگز نہ کرے کہ وہ غصہ کی حالت میں ہو۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح ..... غصہ کی حالت میں آدمی کا ذہنی توازن صحیح نہیں ہوتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ ایسی حالت میں کوئی حاکم عدالت کسی مقدمہ اور قضیہ کا فیصلہ نہ کرے، ایسے وقت غور فکر کر کے رائے قائم کرے اور فیصلہ کرے جب دماغ ٹھنڈا اور اعتدال و سکون کی حالت میں ہو۔ (اور اگر حاکم کو غصہ مقدمہ کے کسی فریق پر ہو تو اس کا بھی خطرہ ہے کہ فیصلہ میں ناانصافی ہو جائے۔)

دعوے کے لئے دلیل اور ثبوت ضروری

اگر کوئی شخص حاکم اور قاضی کی عدالت میں کسی دوسرے آدمی کے خلاف کوئی دعویٰ یا شکایت کرے تو خواہ دعویٰ کرنے والا کیسا ہی ثقہ صالح اور کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو محض اس کے دعوے کی بنیاد پر قاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکے گا، اسلامی قانون میں ہر عوے کے لئے ضابطہ کے مطابق ثبوت اور شہادت ضروری ہے۔ اگر مدعی شہادت اور ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ سے کہا جائے گا کہ اگر اس کو دعویٰ تسلیم نہیں ہے تو وہ حلف کے ساتھ کہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر مدعا علیہ اس طرح کے حلف سے انکار کرے تو دعویٰ صحیح سمجھ کے ڈگری کر دیا جائے گا اور اگر وہ حلف کے ساتھ مدعی کے دعوے کو غلط قرار دے تو دعویٰ خارج کر دیا جائے گا اور مدعا علیہ کے حق میں فیصلہ دے دیا جائے گا۔ یہ عدالتی قانون اور ضابطہ ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی اور جو خود آپ ﷺ کا طریقہ کار بھی تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَوْيُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالَهُمْ وَلٰكِنَّ الْيَمِيْنَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ. (رواه مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر محض دعوے پر لوگوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جایا کرے تو لوگ دوسروں کے خلاف (بیباکی سے) خون یا مال کے) جھوٹے سچے) دعوے کرنے لگیں گے۔ لیکن (محض کسی کے دعوے پر اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ ثبوت طلب کیا جائے گا اور ثبوت و شہادت نہ ہونے کی صورت میں) مدعیٰ علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... صحیح مسلم کی اس روایت کے الفاظ میں مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر نہیں ہے، صرف مدعیٰ علیہ سے حلفیہ انکاری بیان لینے کا ذکر ہے لیکن صحیح مسلم کے شارح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اسی حدیث کو امام بیہقی نے بھی حسن یا صحیح سند سے روایت کیا ہے اور اس میں پہلے مدعی سے ثبوت و شہادت طلب کرنے کا ذکر ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ "وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِيْ وَالْيَمِيْنَ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ" امام نووی کا یہ کلام صحیح مسلم کی اس حدیث کے ساتھ ہی مشکوٰۃ المصابیح میں بھی نقل کیا گیا ہے، اسی لئے حدیث کے ترجمہ میں ہم نے قوسین میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ متعدد دوسرے صحابۂ کرامؓ سے بھی اس مضمون کی حدیثیں مروی ہیں۔

عَنِ الْاَ شْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِيْ فَقَدَّمْتُهٗ اِلَى

النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ اَلَکَ بَیِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْیَهُوْدِیِّ اِحْلِفْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذًا یَّحْلِفُ یَذْهَبُ بِمَالِی فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِهِمْ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُکَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَکِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

(رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ)

اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک زمین میری اور ایک یہودی کی مشترکہ ملکیت تھی، اس نے میری ملکیت سے انکار کردیا اور تنہا اس کا مالک بن بیٹھا میں اس یہودی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا (اور اپنا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا) آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "تمہارے پاس اپنے دعوے کی کوئی دلیل (یعنی گواہ شاہد ہے)؟" میں نے عرض کیا کوئی گواہ شاہد تو نہیں ہے۔ آپ نے یہودی سے فرمایا، کہ (اگر تمہیں اس سے انکار ہے تو) تم قسم کھاؤ (کہ زمین میں مدعی کا کوئی حصہ نہیں ہے تنہا میری ہے۔۔۔ اشعث کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت یہ یہودی (جھوٹی) قسم کھالے گا اور میرا مال یعنی میری جائداد ہڑپ کرلے گا...... تو اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ ...... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (جو لوگ اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ کر) اور اپنی (جھوٹی) قسموں کے ذریعہ "ثَمَنٌ قَلِیْلٌ" یعنی دنیا کا تھوڑا سا نفع حاصل کرتے ہیں، آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی بات نہ فرمائے گا اور وہ اس کی نگاہِ کرم سے بھی محروم رہیں گے اور وہ ان کو پاک صاف بھی نہ کرے گا اور ان کو نہایت دردناک عذاب ہوگا۔

(سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قضیہ میں مدعی مسلم اور مدعا علیہ غیر مسلم ہو تب بھی اس قانون کے مطابق کاروائی کی جائے گی اور مدعی کے پاس ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں اگر غیر مسلم مدعا علیہ کے ساتھ انکاری بیان دے گا تو اسکو قبول کرلیا جائے گا۔ اور اگر فی الواقع اس نے بددیانتی کی ہے اور جھوٹا حلفیہ بیان دیا ہے تو آخرت میں وہ اس کی سخت ترین سزا پائے گا۔

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ مِنْ حَضْرَمَوْتَ وَ رَجُلٌ مِنْ کِنْدَةَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ الْحَضْرَمِیُّ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا غَلَبَنِیْ عَلٰی اَرْضٍ لِیْ فَقَالَ الْکِنْدِیُّ هِیَ اَرْضِیْ وَ فِیْ یَدِیْ لَیْسَ لَهٗ فِیْهَا حَقٌّ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِلْحَضْرَمِیِّ اَلَکَ بَیِّنَةٌ؟ قَالَ لَا قَالَ فَلَکَ یَمِیْنُهٗ؟ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لَا یُبَالِیْ عَلٰی مَاحَلَفَ عَلَیْهِ وَلَیْسَ یَتَوَرَّعُ مِنْ شَیْئٍ قَالَ لَیْسَ لَکَ مِنْهُ اِلَّا ذَالِکَ فَانْطَلَقَ لِیَحْلِفَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا اَدْبَرَ لَئِنْ حَلَفَ عَلٰی مَالِهٖ لِیَاْکُلَهٗ ظُلْمًا لَیَلْقَیَنَّ اللّٰهَ وَهُوَ عَنْهُ مُعْرِضٌ. (رواہ مسلم)

علقمہ بن وائل نے اپنے والد وائل کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص حضر موت کے رہنے والے اور ایک قبیلہ کندہ کے (اپنا مقدمہ لے کر) حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرمی نے (جو مدعی تھا) عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کندی نے میری ایک زمین پر غاصبانہ قبضہ کررکھا ہے۔ کندی نے (جو مدعا علیہ

تھا) جواب میں کہا کہ وہ زمین فی الواقع میری ہی ملکیت ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدعی حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس دعوے کی دلیل (گواہ شاہد) ہیں؟ اس نے عرض کیا کہ گواہ شاہد تو نہیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تو تم کو صرف یہ حق ہے کہ اپنے مدعا علیہ کندی سے قسم لے لو۔ حضرمی نے عرض کیا کہ حضرت یہ آدمی تو فاجر (بدکار و بد چلن اور بد دیانت) ہے اس کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ کس بات کی قسم کھا رہا ہے اور کسی بھی (بری) بات سے اس کو پرہیز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس دعوے کے گواہ شاہد نہیں ہیں تو) تم کو بس یہی حق ہے کہ اس آدمی سے قسم لے لو! تو جب وہ کندی حلف اُٹھانے کے لئے دوسری طرف کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کو آگاہی دیتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اگر اس نے حضرمی کا مال ظالمانہ اور ناجائز طور پر ہڑپ کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو اللہ کے حضور میں یہ اس حال میں پیش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و ناراضی کی وجہ سے) اس کی طرف سے رخ پھیر لیں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — بلاشبہ آخرت میں کسی بندے کی یہ انتہائی بدبختی اور بد نصیبی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ غضب و ناراضی کی وجہ سے اسکی طرف سے رُخ پھیر لیں' یہ اس کے مردودِ بارگاہ اور ناقابل معافی ہونے کی علامت ہو گی۔ اس سے پہلی اشعث بن قیس کی حدیث میں ایسے لوگوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی تھی (اولئك لا خلاق لهم في الآخرة ولا يكلمهم الله ... ولهم عذاب اليم ○) وائل کی اس حدیث میں وهو عنه معرض اسی کی اجمالی تعبیر ہے اور آیت کا مضمون گویا اس کی تفصیل ہے۔

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ایک جملہ یہ تھا "فانطلق ليحلف فقال رسول الله ﷺ لما ادبر ... الخ" جس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے "کہ جب وہ کندی حلف اُٹھانے کیلئے دوسری طرف کو چلا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" غالباً اس کندی سے کہا گیا ہوگا کہ مسجد چل کر نماز کے بعد سب کے سامنے قسم کھاؤ' یا یہ کہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر قسم کھاؤ۔ تو جب وہ قسم کھانے کیلئے اُدھر کو چلا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو آگاہی دی کہ جو کوئی جھوٹی قسم کھا کر پرایا مال ناجائز طور پر حاصل کریگا آخرت میں اسکا یہ انجام ہو گا۔ صحیح مسلم کی اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ پھر اس شخص نے قسم کھائی یا قسم کھانے سے باز آ گیا۔ لیکن سنن ابی داؤد میں حضرمی اور کندی کے اسی مقدمہ سے متعلق اشعث بن قیس کی ایک حدیث ہے' اس کے آخر میں یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے آخرت کے برے انجام کی وعید سنائی تو کندی قسم کھانے سے رُک گیا اور اس نے اقرار کر لیا کہ وہ زمین مدعی حضرمی ہی کی ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔

جھوٹے دعوے اور جھوٹی قسم والوں کا ٹھکانہ جہنم

جیسا کہ معلوم ہے تمام انبیاء علیہم السلام کی عموماً اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصاً اصل حیثیت نبی و رسول اور بشیر و نذیر کی ہے [1] ...... وہ اللہ کے حکم سے اس کے بندوں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ اور اخلاق حسنہ کی

---

[1] سورۂ نساء میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا "رسلا مبشرين و منذرين" اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ فرقان میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا "وما ارسلناك الا مبشرا و نذيرا"

دعوت وترغیب دیتے اور ان پر خداوندی فضل وانعام اور رحمت وجنت کی بشارت سناتے ہیں۔ اور کفر وشرک اور بداعمالیوں وبداخلاقیوں اور جرائم سے بندگانِ خدا کو روکتے' ان کو برے انجام سے آگاہی دیتے اور خدا کے غضب وعذاب سے ڈراتے ہیں' یہی ان کی دعوت وہدایت کی بنیاد اور یہی ان کا سب سے کارگر ہتھیار اور یہی ان کی اصل طاقت ہوتی ہے۔

عدالت میں جھوٹا دعویٰ کرنا اور اسی طرح ناجائز طور پر کسی کی چیز حاصل کرنے یا اس کو نقصان پہنچانے کے لئے جھوٹی قسم کھانا' بدترین اور شدید ترین گناہوں میں سے ہے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ ادَّعٰی مَا لَیْسَ لَهٗ فَلَیْسَ مِنَّا وَلْیَتَبَوَّءْ مقعده من النَّار. (رواہ مسلم)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جو کوئی ایسی چیز پر دعوے کرے جو فی الحقیقت اس کی نہیں ہے' تو وہ ہم میں سے (یعنی ہمارا آدمی اور ہمارا ساتھی) نہیں ہے' اور اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اپنے کو مسلمان کہنے اور مسلمانوں میں شمار کرنے والے شخص کے لئے اس سے زیادہ سخت و شدید وعید کیا ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں فرمادیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے' ہماری جماعت سے خارج ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ کی پناہ!

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِءٍ مسلمٍ بِیَمِیْنِهٖ فَقَدْ اوجب الله له النار و حرم عليه الجنة فقال له رجلٌ وإن كَانَ شَیْئًا یسیرًا یَا رَسُول الله قَالَ وَاِنْ کَانَ قَضِیْبًا مِنْ اَرَاکٍ. (رواہ مسلم)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا کوئی حق مارا (اور عدالتی فیصلے سے اس کی کوئی چیز حاصل کرلی) تو اللہ نے اس شخص کے لئے دوزخ واجب کردی ہے اور جنت حرام۔ ایک شخص نے سوال کیا یارسول اللہ اگرچہ وہ چیز بالکل معمولی اور تھوڑی سی ہو (تب بھی یہی سزا ہوگی؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ (جنگلی درخت) پیلو کی ایک ٹہنی ہی ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ اگر کسی نے عدالت میں جھوٹی قسم کھا کے کسی دوسرے بندے کی بالکل معمولی اور بے قیمت چیز بھی حاصل کی تو اس نے بھی اتنا بڑا گناہ کیا جس کی سزا میں اس کو دوزخ کا عذاب ضرور بھگتنا ہوگا اور مؤمنین صالحین والی جنت سے محروم رہے گا۔

حدیث میں "من اقتطع حق امرءٍ مسلم" فرمایا گیا' یہ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ ہی تھا اور آپ ﷺ کے سامنے عموماً مسلمانوں ہی کے باہمی مقدمات آتے تھے۔ ورنہ

کسی غیر مسلم کی چیز بھی جھوٹی قسم کھا کر حاصل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی چیز حاصل کرنا۔ اس کی واضح دلیل قرآن پاک کی وہ آیت ہے جس کا حوالہ خود رسول اللہ ﷺ نے (ایک حدیث میں جو پہلے درج ہو چکی ہے) جھوٹی قسم کے عذاب ہی کے سلسلہ میں دیا ہے۔ یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَھْدِاللّٰہِ وَاَیْمَانِھِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِکَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْھِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْھِمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔" (آل عمران ۷۷)

خود حضور ﷺ کے فیصلے سے بھی دوسرے کی چیز حلال نہیں ہو سکتی

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک چالاک مقدمہ باز آدمی دوسرے کی چیز پر جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اسکا ایسا ثبوت پیش کرتا ہے کہ قاضی اسکو برحق سمجھ کر اسکے حق میں فیصلہ دے دیتا ہے۔ اور اسی طرح کبھی کوئی جھوٹا مدعاعلیہ اپنی چرب زبانی سے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنی سچائی کا قاضی کو یقین دلا دیتا ہے اور وہ اسکے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، تو قاضی شریعت کے اس فیصلہ سے وہ چیز اس جھوٹے مدعی یا مدعاعلیہ کیلئے حلال و جائز نہیں ہو جاتی، حرام ہی رہتی ہے اور جھوٹا مقدمہ لڑانے اور جھوٹی قسم کھانے سے وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی ایک بشر ہوں اور کسی مقدمہ باز کی چرب زبانی سے متاثر ہو کر مجھ سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے تو میرے فیصلہ سے بھی وہ چیز اس کیلئے حلال نہ ہوگی حرام ہی رہے گی۔ حدیث یہ ہے:

عن ام سلمة ان رسول الله ﷺ قال انما انا بشرٌ و اِنكم تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ و لعل بعضكم اَن يكون اَلحن بِحُجَّتِه من بعض فاقضى له على نحوما اسمع منه فمن قضيت له بشيٍ من حق اخيه فلا ياخذنه فانما اقطع له قطعة من النار. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک بشر ہوں، اور تم لوگ میرے پاس اپنے نزاعات اور مقدمات لاتے ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے ایک زیادہ اچھا بولنے والا اور بہتر انداز میں تقریر کر کے اپنی دلیل پیش کرنے والا ہو دوسرے سے، اور پھر میں اس کی بات سن کر اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ دے دوں تو اس طرح میں جس کے لئے اس کے بھائی کی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو ہرگز نہ لے (اس کے جھوٹے دعوے یا جھوٹی قسم کے نتیجہ میں) اس کو جو دیتا ہوں وہ (انجام کے لحاظ سے) اس کے واسطے دوزخ کا ایک حصہ ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ میں ایک انسان اور بندہ ہوں عالم الغیب نہیں ہوں، ہو سکتا ہے کہ کسی مدعی یا مدعاعلیہ کی تقریر و استدلال سے متاثر ہو کر اسکے حق میں فیصلہ دیدوں اور فی الواقع وہ اس کا حق نہ ہو تو میرے فیصلہ سے بھی دوسرے فریق کی چیز اس کیلئے حلال اور جائز نہ ہوگی بلکہ وہ اس کے حق میں دوزخ ہوگی۔

جھوٹی قسم شدید ترین گناہِ کبیرہ

عن عبدالله بن اُنيس قال قال رسول الله ﷺ اِنَّ من اكبر الكبائِرِ الشركُ بالله وعقوقُ الوالدين واليمين الغموس وما حلف بالله حالفُ يمينِ صبرفادخل فيها مثل جناح بعوضةٍ

اِلّا جُعلتْ نکتة فی قلبه اِلی یوم القیٰمة. (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے (اور سب سے خبیث) گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ اور ماں باپ کی نافرمانی۔ اور (حاکم کے سامنے) جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا۔ اور عدالت میں جو قسم کھانے والا قسم کھائے اور اس میں مچھر کے پر کے برابر گڑ بڑ کرے (یعنی ذرہ برابر بھی جھوٹ یا خیانت شامل کرے) تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) اس کے دِل میں قیامت تک کے لئے ایک داغ بنادیا جاتا ہے۔ (یعنی اس کا وَبال قیامت میں ظاہر ہوگا)۔ (جامع ترمذی)

عَنْ خُرَیْم بن فاتكٍ قَالَ صلّی رسول الله ﷺ صلوٰة الصبح فلما انصرف قام قائمًا فقال عُدِلت شهادة الزور بالاشراك بالله ثلٰث مَرَّاتٍ ثم قرأ فاجتنبوا الرِّجْسَ من الاوثانِ وَاجتنبوا قول الزورِ حنفاء لله غیر مشرکین به (رواه ابو داؤد)

خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) صبح کی نماز پڑھی، جب آپ فارغ ہوئے تو (اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی شرک کے برابر کردی گئی۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، پھر آپ ﷺ نے (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھی "فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء لله غیر مشرکین به۔" (اے لوگو! بت پرستی کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی گواہی سے بچو، یکسوئی کے ساتھ بس اللہ ہی کے ہو کے اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے نہ ہو۔" (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ نے جو آیت اس خطاب میں تلاوت فرمائی اس میں شرک و بت پرستی کے ساتھ "قولِ زور" سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دونوں کے لئے اَمر کا ایک ہی صیغہ اور ایک ہی کلمہ "اجتنبوا" استعمال فرمایا گیا ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا اور مخاطبین کو سمجھایا کہ شہادتِ زور (جھوٹی شہادت) ایسا ہی گندہ اور خبیث گناہ ہے جیسا کہ شرک و بت پرستی اور ایمان والوں کو اس سے ایسا ہی پرہیز کرنا چاہئے جتنا کہ شرک و بت پرستی سے۔

کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدّه عن النبی ﷺ قال لا تجوز شهادةُ خائنٍ ولا خائنَةٍ ولا زانٍ ولا زانیةٍ ولا ذی غِمرٍ علٰی اخیه وردّ شهادةَ القانِع لاهل البیت. (رواه ابو داؤد)

عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نقل کیا اور انہوں نے اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے کسی مرد اور (اسی طرح) خیانت کرنے والی کسی عورت کی شہادت درست نہیں (یعنی قابلِ قبول نہیں) اور کسی زانی اور زانیہ کی شہادت بھی قابل قبول نہیں) اور کسی دشمنی رکھنے والے کی شہادت بھی اس بھائی کے خلاف جس سے

اس کی دشمنی ہو قابلِ قبول نہیں، اور جو شخص (اپنی روزی اور ضروریات زندگی کے لئے) کسی گھرانے سے وابستہ ہو کر پڑ گیا ہو اس گھر والوں کے حق میں اس کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے ناقابلِ قبول قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح اس حدیث میں پہلے خیانت اور زنا کا ارتکاب کرنے والے مردوں اور عورتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی شہادت قابلِ قبول نہیں۔ ان دونوں گناہوں کو بطور مثال کے سمجھنا چاہئے، اصول اور قانون یہ ہوگا کہ جو شخص ایسے کبائر اور فواحش کا مرتکب ہو، دوسرے لفظوں میں فاسق و فاجر ہو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ ایسے گناہوں کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں ہے اس لئے اس کی سچائی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کسی دشمنی رکھنے والے کی مخالفانہ گواہی کے قابلِ قبول نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ اسی طرح جو آدمی کسی گھرانے سے وابستہ ہو، اس کا رہنا سہنا، کھانا پینا انہیں کے ساتھ ہو وہ گویا اسی گھرانے کا ایک فرد ہے اس لئے اس گھرانے کے حق میں اس کی شہادت بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس سے معلوم ہو گیا کہ گھر والوں کی بدرجہ اولیٰ قابلِ رد ہوگی۔

نظامِ حکومت...... خلافت و امارت

جیسا کہ معلوم ہے "اسلام" انسانی زندگی کے سارے ہی شعبوں پر حاوی ہے۔ وہ عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق، آدابِ معاشرت اور معاملات کی طرح نظامِ حکومت کے بارے میں بھی اپنے پیروؤں کی رہنمائی کرتا اور احکام و ہدایات دیتا ہے، بلکہ سلطنت و حکومت کا شعبہ اس کا اہم ترین شعبہ ہے کیونکہ دوسرے بہت سے شعبوں کا وجود اس سے وابستہ اور اسی پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے طرزِ عمل اور ارشادات سے اس شعبہ کے بارے میں بھی امت کی پوری رہنمائی فرمائی ہے۔ ہجرت کے بعد جب مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی اجتماعیت کی ایک شکل پیدا ہو گئی تو غیر رسمی طور پر ایک چھوٹی سی حکومت بھی قائم ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی و رسول ہونے کے ساتھ اس حکومت کے سربراہ اور فرمانروا بھی تھے ہجرت کے بعد قریباً دس سال آپ ﷺ اس دنیا میں رہے، اس مدت میں اس حکومت کا دائرۂ اقتدار برابر وسیع ہوتا رہا اور تیزی سے وسیع ہوا یہاں تک کہ حیاتِ مبارک کے آخری دور میں پورا عرب بلکہ یمن اور بحرین کے علاقے بھی اس حکومت کے زیرِ اقتدار آگئے۔ ان دس سالوں میں اس دور کے معیار کے مطابق وہ سب ہی کام اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے کرائے جو حکومت کے سربراہوں ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکمرانی قائم کرنے کے لئے اس کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والی دشمن طاقتوں سے جہاد بھی کیا، اس سلسلے میں فوجی مہمیں اور فوجی دستے بھی بھیجے۔ صلح کے معاہدے بھی کئے، جزیہ اور خراج اور زکوٰۃ کی وصولی کا نظام بھی قائم فرمایا۔ زیرِ اقتدار آجانے والے علاقوں میں قاضی، والی اور عامل بھی مقرر کئے اور ان سب کاموں کے بارے میں آپ ﷺ کی ہدایات میں اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے لئے اصولی درجہ میں پوری رہنمائی موجود ہے۔ آپ ﷺ کے

بعد آپ ﷺ کے تربیت یافتہ خواص واصحاب ورفقاء میں سے جو چار حضرات یکے بعد دیگرے اس حکومتی نظام کو چلانے میں آپ ﷺ کے جانشین ہوئے۔ (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم) انہوں نے اپنے زمانے کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امکان بھر اس کی کوشش کی کہ حکومت سے متعلق سارے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے طور طریقوں اور آپ ﷺ کی ہدایات کی پوری پابندی اور پیروی کی جائے، ان کا یہی وہ امتیاز ہے جس کی وجہ سے ان کو "خلفائے راشدین" کہا جاتا ہے۔ "خلافت راشدہ" وہی حکومت ہے جس میں آپ ﷺ کی ہدایات اور آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی حتی الامکان پوری پابندی و پیروی کی جائے۔

اس تمہید کے بعد نظام حکومت وامارات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات ذیل میں پڑھے جائیں۔ انہیں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اسلامی حکومت اور اس کے سربراہ کی کیا خاص ذمہ داریاں ہیں اور عام مسلمانوں کا رویّہ ان کے ساتھ کیسا رہنا چاہئے۔

عوام کو امیر کی اطاعت اور امیر کو تقویٰ اور عدل کی ہدایت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَی اللهَ وَمَنْ یُّطِعِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ یَّعْصِ الْاَمِیْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ یُّقَاتَلُ مِنْ وَّرَائِهٖ وَیُتَّقٰی بِهٖ فَاِنْ اَمَرَ بِتَقْوَی اللهِ وَعَدَلَ فَاِنَّ لَهٗ بِذَالِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَیْرِهٖ فَاِنَّ عَلَیْهِ مِنْهُ۔

(رواه البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ اور امام (یعنی اسلامی حکومت کا سربراہ) سپر اور ڈھال ہے، قتال کیا جاتا ہے اس کے پیچھے سے اور اس کے ذریعہ بچاؤ کیا جاتا ہے، پس اگر وہ خدا ترسی اور پرہیزگاری کا حکم کرے اور عدل وانصاف کا رویّہ اختیار کرے تو اس کے لئے اس کا بڑا اجر وثواب ہے اور اگر وہ اس کے خلاف بات کرے تو اس پر اس کا وبال و عذاب پڑے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" (جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی) کیونکہ اللہ کے رسول جو احکام دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتے ہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے اس لئے ان کے احکام کی تعمیل اللہ تعالیٰ کے احکام اور ان کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ پھر چونکہ اللہ ہی کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی ہدایت یہ ہے کہ امیر کی اطاعت کی جائے اور اس کا حکم مانا جائے (بشرطیکہ شریعت کے خلاف نہ ہو) تو امیر کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہو گی اور اس کی نافرمانی رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی

ہو گی) ملحوظ رہے کہ عربی میں خاص کر قرآن وحدیث کی زبان میں "امیر" کے معنی حکمراں کے ہیں۔

بظاہر حضور ﷺ کے اس ارشاد کا خاص مقصد و مدعا امیر (حاکم وقت) کی اطاعت فی المعروف کی اہمیت جتلانا ہے کہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی اللہ کے رسول کی اور بالواسطہ خود اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور نافرمانی ہے۔ آگے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ امیر بمنزلہ سپر اور ڈھال کے ہے' سپر اور ڈھال کے ذریعہ اپنی حفاظت اور دشمن کے حملہ سے بچاؤ کیا جاتا ہے' اسی طرح امام وقت (اسلامی حکومت کا سربراہ) مسلمانوں کا اور دین کا محافظ اور پاسبان ہے' یہ حفاظت اور دفاع اس کی خاص ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں جہاد و قتال کی نوبت آئے گی۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی وفاداری اور اطاعت کریں اس کے حکم کو مانیں' اس کے بغیر وہ دفاع اور حفاظت کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔

آخر میں ان اُمراء (اصحابِ حکومت) کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ وہ تقویٰ اور عدل وانصاف کو لازم پکڑیں یعنی ہمیشہ یہ بات ان کے پیشِ نظر رہے کہ خدا ہر وقت اور ہر حال میں ہم کو دیکھ رہا ہے اور قیامت میں اس کے حضور میں پیشی ہو گی اور امیر و حاکم کی حیثیت سے جو کچھ ہم نے یہاں کیا ہو گا اس کا بڑا سخت محاسبہ ہو گا' اس سے کبھی غافل نہ ہوں اور عدل وانصاف پر قائم رہنے کی پوری کوشش کریں۔ اگر ایسا کریں گے تو آخرت میں بڑا اجر پائیں گے اور اگر اس کے خلاف چلیں گے تو اس کا شدید عذاب وو بال بھگتنا پڑے گا۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَا مُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللهَ وَاعْدِلْ' قَالَ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّىْ مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِىِّ ﷺ. حَتّٰى ابْتُلِيْتُ. (رواه احمد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے معاویہ! اگر تم کو حاکم مقرر کیا جائے تو خوفِ خدا اور عدل وانصاف کو اپنا شعار بنانا۔ معاویہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے مجھے برابر یہ خیال رہا کہ غالباً میں حکومت کی لائن کے کام میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ منجانب اللہ اس میں مبتلا کیا گیا۔ (مسند احمد)

تشریح ...... پہلی حدیث کی طرح اصحابِ حکومت کو اس حدیث کا پیغام بھی یہی ہے کہ وہ خدا ترسی اور عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کریں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر غالبا یہ منکشف ہو گیا تھا کہ ایک وقت آئے گا کہ معاویہؓ صاحب امر اور حاکم ہوں گے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں وہ شام کے گورنر رہے۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ سے صلح کے بعد ایک وقت آیا کہ وہ پوری اسلامی مملکت کے امیر و سربراہ تسلیم کر لئے گئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِمَامٌ عَادِلٌ وَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے بندوں میں سب سے افضل اللہ کے نزدیک نرم خو' رحم دل اور عادل و منصف سربراہ

حکومت ہوں گے' اور بدترین درجہ میں سخت دل اور ظالم و غیر منصف سربراہِ حکومت ہوں گے۔ (شعب الایمان' بیہقی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلیفہ اور امیر کو خداترس اور عادل و منصف ہونے کے ساتھ نرم خو اور رحم دل بھی ہونا چاہئے' جیسا کہ حکومت کے معاملہ میں خود رسول اللہ ﷺ کا رویّہ تھا۔

امیر کو عوام کی خیر خواہی کی تاکید

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يُحِطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (رواه البخاری و مسلم)

حضرت معقل بن یسار سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے کہ جس بندہ کو اللہ کسی رعیت کا راعی (یعنی حاکم و نگراں بنائے اور وہ اس کی خیر خواہی پوری پوری نہ کرے تو وہ حاکم جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امیر اور حکمران کا فرض ہے کہ جو لوگ اس کے زیرِ حکومت ہیں ان کی خیر خواہی اور خیر اندیشی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھے' اگر عوام کی خیر خواہی میں کوتاہی کرے گا تو جنت سے بلکہ اس کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔

اس حدیث میں اور اس کے علاوہ بعض حدیثوں میں بھی امیر یعنی صاحبِ حکومت کو "راعی" اور اس کے زیرِ حکومت عوام کو "رعیت" کہا گیا ہے۔ اصل عربی زبان میں راعی کے معنی چرواہے اور نگہبان کے ہیں اور "رعیت" وہ ہے جس کو وہ چرائے اور جس کی حفاظت و نگہبانی اس کے ذمہ ہو۔ صرف یہ دو لفظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ اسلام میں حکومت و امارت کا کیا تصور ہے اور حکمرانوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔ فرض شناس چرواہے ان جانوروں کو جن کا چرانا اور جن کی نگہبانی ان کے ذمہ ہوتی ہے سرسبز چراگاہوں میں لے جاتے ہیں' درندوں اور چوروں رہزنوں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں اور شام کو گھر واپس لاتے ہیں' اس طرح ان کو کھلانا پلانا اور ان کی دیکھ بھال ہی اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ ان حدیثوں نے بتلایا کہ اسلام میں یہی حیثیت خلیفہ اور حکمران کی ہے وہ عوام کا محافظ اور رکھوالا ہے اور ان کی ضروریات کی فکر اس کی ذمہ داری ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں بے پروائی برتے گا تو اللہ کے نزدیک مجرم ہوگا۔

اہلِ حاجت کے لئے امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہئے

عَنْ عَمرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اِمَامٍ يُغْلِقُ بَابَهُ دُوْنَ ذَوِى الْحَاجَةِ وَالْخَلَّةِ وَالْمَسْكَنَةِ اِلَّا اَغْلَقَ اللّٰهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهٖ وَحَاجَتِهٖ وَمَسْكَنَتِهٖ. (رواه الترمذی)

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ جو حکمران ضرورت مندوں اور کمزور بندوں کے لئے اپنا دروازہ بند کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت' اس کی ضرورت اور اس کی مسکینی کے وقت آسمان کے دروازے بند کرلے گا

(یعنی اس کی ضرورت مندی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مدد نہیں ہو گی)۔ (جامع ترمذی)

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی طریقہ یہ تھا کہ اصحابِ حاجت بلا روک ٹوک پہنچ کر مل سکتے تھے اور اپنے مسئلے پیش کر سکتے تھے' ان کے لئے دروازہ بند نہیں رہتا تھا۔ لیکن جب خوارج کی طرف سے خفیہ حملوں کا سلسلہ شروع ہوا اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ان کے ہاتھوں شہید ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے لوگوں کی آمدورفت پر پابندی لگادی' اسی موقع پر حدیث کے راوی حضرت عمرو بن مرہؓ نے ان کو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنایا: اسی روایت میں آگے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت معاویہؓ نے دروازہ پر ایک خاص آدمی مقرر کر دیا جو لوگوں کی حاجات و ضروریات معلوم کر کے حضرت معاویہؓ تک پہنچاتا تھا۔

امیر کا حکم اگر خلاف شریعت نہیں ہے تو بہرحال اس کی اطاعت کی جائے لیکن معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَا اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ. (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصحابِ امر کے احکام سننا اور ماننا ہر مردِ مؤمن کے لئے ضروری ہے ان امور میں بھی جو پسند ہوں اور ان امور میں بھی جو ناپسندیدہ ہوں' جب تک کہ کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن جب کوئی صاحبِ امر کسی خلافِ شریعت بات کا حکم دے تو پھر سمع واطاعت (سننے اور ماننے) کا حکم نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی ایسی بات کا حکم دے جو آپ کی طبیعت یا آپ کی ذاتی رائے کے خلاف ہو لیکن شریعت کے خلاف نہ ہو تو اپنی طبیعت کے رجحان اور رائے کو نظر انداز کر کے اس کی اطاعت کرنی ضروری ہے' اگر ایسا نہ کیا گیا تو ظاہر ہے کہ قدم قدم پر اختلاف وانتشار ہو گا۔ ہاں اگر شریعت کے خلاف امیر کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اللہ کا اور اس کی شریعت کا حکم مقدم اور سب سے بالا ہے۔

ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَابِرٍ. (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنا افضل الجہاد ہے۔ (جامع ترمذی' سنن ابو داؤد' سنن ابن ماجہ)

کافر دشمنوں سے قتال کرنے میں اگرچہ شکست اور اپنی موت کا خطرہ بھی ہوتا ہے لیکن فتح اور کامیابی کی امید بھی ہوتی ہے۔ مگر ظالم حکمراں کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں اپنی جان کا یا کم سے کم سزا کا خطرہ ہی ہوتا ہے' غالباً اسی وجہ سے اس کو افضل الجہاد فرمایا گیا ہے۔

عورت کو سربراہِ حکومت بنانا صحیح نہیں

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَنَّ اَھْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّکُوْا عَلَیْھِمْ بِنْتَ کِسْرٰی قَالَ لَنْ یُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَھُمْ اِمْرَءَۃً. (رواہ البخاری)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ شاہ فارس کی بیٹی کو اپنا بادشاہ اور فرمانروا بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قوم فلاح یاب نہیں ہوگی جس نے ایک عورت ذات کو اپنا حکمراں اور فرمانروا بنایا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... مرد اور عورت کی خلقت اور فطرت میں جو کھلا ہوا فرق ہے وہ اسکی روشن دلیل ہے کہ عورت کی تخلیق ملک و قوم پر حکمرانی جیسے کاموں کیلئے نہیں ہوئی ہے، اگر کہیں کہیں اس کے خلاف عمل میں آتا ہے تو وہ یقیناً فطرت کے خلاف ہے اور ان خلافِ فطرت کاموں میں سے ہے جو دنیا میں ہوتے رہے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

خلیفہ اپنا جانشین نامزد بھی کرسکتا ہے اور اہل حل وعقد کے انتخاب پر بھی چھوڑ سکتا ہے

دورِ حاضر کے مغربی نظام جمہوریت سے مرعوبیت کے نتیجہ میں جو کچھ لوگوں نے کہنا شروع کیا ہے کہ "اسلامی نظام" میں استخلاف (یعنی سربراہِ حکومت کی طرف سے اپنے جانشین کی نامزدگی) کی گنجائش نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریہ صرف مرعوبیت کی پیداوار ہے۔ استخلاف اور نامزدگی کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا انحصار حالات اور اشخاص پر ہے، اگر خلیفۂ وقت (موجودہ سربراہِ حکومت) کسی شخص کے بارے میں پوری دیانتداری کے ساتھ سو فیصدی مطمئن ہے کہ اس منصب کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی اس میں زیادہ صلاحیت ہے اور عوام بھی اس کی سربراہی کو بخوشی قبول کرلیں گے تو اس صورت میں خلافت کے لئے اس کی نامزدگی نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہوگی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسی ہی صورت حال میں خلیفہ نامزد کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں صدیقِ اکبر کی نامزدگی کا ارادہ فرمایا تھا لیکن پھر آپ ﷺ پر انکشاف و یقین ہوگیا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلیفہ اور جانشین صدیقِ اکبر ہی ہوں گے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہی مسلمانوں کا فیصلہ ہوگا، تو آپ ﷺ نے ان کو باضابطہ نامزد نہیں کیا۔ اگرچہ اپنے مرض وفات میں اپنی جگہ انہی کو امام نماز بنا کر اس طرف کھلا اشارہ فرمادیا۔

الغرض اگر خلیفہ برحق دین اور اُمت کے حق میں کسی اہل کی نامزدگی کو بہتر سمجھے تو اس کو اس کا حق ہے اور اس طرح وہ نامزد شخص خلیفہ برحق ہوگا۔ اور اگر خود نامزد کرنے کے بجائے اربابِ حل و عقد کی ایک مجلس کو انتخاب کا اختیار دینا مناسب سمجھے اور ایسا کرے تو یہ بھی صحیح ہوگا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ اور اگر کسی وقت انتخاب کے دائرہ کو امت کے عام اہلِ دین و فہم کی حد تک وسیع کرنا مناسب سمجھا جائے تو ایسا کرنا بھی درست ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے طرزِ عمل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل قابلِ لحاظ چیز مقصد ہے، استخلاف اور انتخابِ امیر کا کوئی خاص طریقہ اور ضابطہ متعین نہیں ہے اور وہ دینی مقاصد اور شرعی حدود و احکام کا لحاظ رکھتے ہوئے حالات کے مطابق تجویز کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ مَرَضِہٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَا بَکْرٍ اَبَاکِ وَاَخَاکِ حَتّٰی اَکْتُبَ

كِتَابًا فَاِنِّىْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا وَلَا وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَكْرٍ.

(رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں مجھ سے فرمایا کہ (اے عائشہ!) اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن بن ابی بکر) کو میرے پاس بلوادو تاکہ میں (خلافت کے بارے میں) تحریر لکھوادوں، مجھے اندیشہ ہے کہ (خلافت کی) تمنا رکھنے والا کوئی آدمی اس کی تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں ہوں اس کا مستحق اور وہ نہیں ہوگا مستحق، اور اللہ تعالیٰ کو اور مؤمنین کو ابو بکر کے سوا کوئی منظور نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرضِ وفات میں یہ ارادہ فرمایا تھا کہ اپنے بعد خلیفہ کی حیثیت سے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمادیں اور "خلافت نامہ" تحریر کرادیں، اور اس کی تکمیل کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوانا بھی چاہا تھا لیکن پھر آپ ﷺ کو یہ انکشاف و یقین ہو گیا کہ مشیت الٰہی میں یہی طے ہو چکا ہے اور میرے بعد اہلِ ایمان ابو بکر کے سوا کسی کو خلیفہ منتخب نہیں کریں گے تو آپ ﷺ نے اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور یہی مناسب سمجھا کہ میری نامزدگی کے بغیر ہی اہلِ ایمان کے انتخاب سے وہ خلیفہ ہوں۔ چنانچہ ایسا ہوا۔ بہر حال اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ استخلاف اور نامزدگی بھی ایک طریقہ ہے جس کے بارے میں آپ ﷺ نے سوچا تھا اور اس کا اظہار فرمادیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے بعد کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا تو غالباً ان کے سامنے دلیل کے طور پر رسول اللہ ﷺ کا یہی ارادہ تھا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرنے کے بجائے مسئلہ کو ایک مجلسِ شوریٰ کے سپرد کیا تو انہوں نے حضور ﷺ کے عمل سے روشنی حاصل کی۔ الغرض اسی ایک حدیث سے معلوم ہوا کہ استخلاف و نامزدگی بھی درست ہے اور انتخاب بھی۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ صرف ۳۰ سال

عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يُؤْتِى اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ.

(رواہ ابو داؤد)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خلافۃ النبوۃ (یعنی نبوی اصول و طریقِ کار کی پابندی کے ساتھ نظام حکومت کی سربراہی) صرف ۳۰ سال تک رہے گی، اس کے بعد اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف کردی گئی تھی کہ آپ ﷺ کی امت میں آپ ﷺ کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ یعنی ممکن حد تک آپ ﷺ کے اصول اور طور طریقوں کے ساتھ نظام حکومت صرف ۳۰ سال تک چلے گا۔ اس کے بعد بادشاہی اور حکمرانی کا دور آجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور ﷺ کی وفات کے ٹھیک تیسویں سال حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپؓ کے بعد آپؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپؓ کے جانشین اور خلیفہ ہوئے، لیکن انہوں نے چند ہی مہینے بعد مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی کے مطابق

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے یہ چند مہینے شامل کر لئے جائیں تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں۔ خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافتِ راشدہ، جس کو اس حدیث میں "خلافۃ النبوۃ" کہا گیا ہے بس ان تیس سالوں تک رہی۔ اس کے بعد طور طریقوں میں تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا اور رشدہ شدہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جگہ بادشاہت کا رنگ آ گیا۔

آنحضرت ﷺ کی دوسری پیشین گوئیوں کی طرح یہ حدیث بھی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا، جس کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی اطلاع دی اور وہی وقوع میں آیا۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے ہی ذریعہ ہوا تھا۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو نصیحت کا صحیح طریقہ

عَنْ عَيَاضِ بْنِ غُنْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْصَحَ لِذِىْ سُلْطَانٍ بِاَمْرٍ فَلَا يُبْدِهٖ عَلَانِيَةً وَلٰكِنْ لِيَاْخُذْ بِيَدِهٖ فَيَخْلُوْ بِهٖ فَاِنْ قَبِلَ مِنْهُ فَذَالِكَ وَ اِلَّا كَانَ قَدْ اَدّٰى الَّذِىْ عَلَيْهِ.

(رواه احمد)

حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی صاحبِ حکومت کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ اعلانیہ (اور دوسروں کے سامنے) نصیحت نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تنہائی میں اپنی بات اس کے سامنے رکھے۔ پھر اگر وہ اس کو قبول کر لے اور مان لے تو فبہا (یعنی مقصد حاصل ہو گیا) اور اگر اس نے نصیحت قبول نہ کی تو اس نصیحت کرنے والے نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (مسند احمد)

تشریح ... بے شک حکمتِ نصیحت کا تقاضا یہی ہے کہ خاص کر اہلِ حکومت اور اصحابِ وجاہت کو نصیحت ان سے تنہائی میں ملاقات کر کے کی جائے، یہ طرزِ عمل مخاطب کے دل میں یقین پیدا کرتا ہے کہ نصیحت کرنے والا مخلص اور میرا خیر خواہ ہے اور اگر اچھی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت سے اس کا دل بالکل خالی اور محروم نہیں ہے تو قبول کرنے کی پوری امید ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اعلانیہ اور دوسروں کے سامنے نصیحت میں وہ اپنی توہین محسوس کر سکتا ہے اور اس کا ردِ عمل بہت برا بھی ہو سکتا ہے۔ رازدارانہ خط و کتاب کے ذریعہ نصیحت کرنا بھی تنہائی کی ملاقات ہی کے حکم میں ہے۔

حکمرانوں کا ظلم و تشدد ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ اور خدا کا عذاب ہوتا ہے لہٰذا اربابِ حکومت کو کوسنے کے بجائے خدا کی طرف رجوع ہو اور اس سے دعا کرو!

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا مَالِكُ الْمُلُوْكِ وَمَلِكُ الْمُلُوْكِ قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِىْ يَدِىْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْكِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِىْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تُشْغِلُوْا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَى الْمُلُوْكِ وَلٰكِنْ اَشْغِلُوْا

اَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَيْ اَكْفِيَكُمْ مُلُوْكَكُمْ. (رواه ابو نعيم فى الحلية)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود و مالک نہیں، میں حکمرانوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہانِ عالم کے دل میرے ہاتھ میں ہیں (اور میرا قانون ہے کہ) جب میرے بندے میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے دِلوں کو رحمت و شفقت کے ساتھ ان بندوں پر متوجہ کر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتے ہیں تو میں ان کے حکمرانوں کے قلوب کو خفگی اور عذاب کے ساتھ ان بندوں کی طرف موڑ دیتا ہوں پھر وہ ان کو سخت تکلیفیں پہنچاتے ہیں، پس تم اپنے کو حکمرانوں کے لئے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ اپنے کو میری یاد میں اور میری بارگاہ میں الحاح وزاری میں، تاکہ تمہارے لئے کافی ہو جاؤں حکمرانوں کے عذاب سے نجات دینے کے لئے۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

تشریح اس دنیا میں جو اچھے برے حالات آتے ہیں تو ان کے کچھ تو ظاہری اسباب ہوتے ہیں جن کو دنیا کی عام سمجھ رکھنے والے سمجھ لیتے ہیں اور کچھ غیبی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خود خداوند تعالیٰ کی طرف سے بیان فرمایا ہے کہ بندوں پر دنیا میں جو اچھے برے حالات ان کے حکمرانوں کی طرف سے آتے ہیں وہ دراصل ان کے اعمال کے نتائج ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میں بادشاہوں کا بادشاہ اور سب حاکموں کا حاکم ہوں۔ سب حکمرانوں کے قلوب میرے قبضہ میں ہیں اور میرا یہ قانون و دستور ہے کہ جب بندوں کی عام زندگی اطاعت و فرمانبرداری کی ہوتی ہے تو میں ان کے حاکموں کے قلوب میں ان کے لئے رحمت و شفقت ڈال دیتا ہوں تو ان کا برتاؤ رحمت و شفقت کا ہوتا ہے اور اگر ان کی زندگی نافرمانی و بدکرداری کی ہوتی ہے اور معصیت کا غلبہ ہوتا ہے تو میں ان کے حکاموں کے قلوب میں ان کے لئے غصہ اور تکلیفیں دینے کا جذبہ ڈال دیتا ہوں پھر وہ ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے ہیں اور ستاتے ہیں، تو دراصل یہ میرا عذاب ہوتا ہے، تمہارے احکام صرف آلۂ کار ہوتے ہیں۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ جب حاکموں سے تم کو تکلیفیں پہنچیں تو ان کے لئے بددعائیں نہ کرو، ان کو نہ کوسو، اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ مجھے یاد کرو معصیتوں کی زندگی سے توبہ کر کے میری فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو، آہ وزاری کے ساتھ میری طرف رجوع ہو، اس طرح تم حاکموں کے مظالم سے نجات پاسکو گے۔

جب نادر شاہ نے دِلی کو تاراج کیا اور دِلی والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے تو اس وقت، کے عارف حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے فرمایا تھا:

"شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت"

معارفُ الحدیث

حصہ ہشتم

کتابُ العلم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

دینی اصطلاح اور قرآن و حدیث کی زبان سے مراد وہی علم ہوتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لئے آتا ہے۔

اللہ کے کسی نبی و رسول پر ایمان لانے اور ان کو نبی و رسول مان لینے کے بعد سب سے پہلا فرض آدمی پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ یہ معلوم کرنے اور جاننے کی کوشش کرے کہ میرے لئے یہ پیغمبر کیا تعلیم و ہدایت لے کر آئے ہیں، مجھے کیا کرنا اور کیا چھوڑنا ہے...... سارے دین کی بنیاد اسی علم پر ہے، اس لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا ایمان کے بعد سب سے پہلا فریضہ ہے...... یہ سیکھنا سکھانا زبانی بات چیت اور مشاہدہ سے بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ عہد نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد کے قریبی دور میں تھا، صحابۂ کرامؓ کا سارا علم وہی تھا جو ان کو خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے اور آپ ﷺ کے افعال و اعمال کے مشاہدہ سے یا اسی طرح آپ کے فیض یافتہ دوسرے صحابۂ کرامؓ سے حاصل ہوا تھا، علیٰ ہذا اکثر تابعین کا علم بھی وہی تھا جو صحابۂ کرامؓ کی صحبت و سماع سے حاصل ہوا تھا...... اور یہ علم نوشت و خواند اور کتابوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتا ہے، جیسا کہ بعد کے زمانوں میں اس کا عام ذریعہ کتابوں کا پڑھنا اور پڑھانا رہا اور اب بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا ہر اس شخص کے لئے فرض و واجب بتلایا ہے جو آپ ﷺ کو اللہ کا پیغمبر مان کر آپ ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کا دین اسلام قبول کرے اور اس علم کے حاصل کرنے میں محنت و مشقت کو آپ ﷺ نے ایک طرح کا "فی سبیل اللہ" جہاد اور قرب الٰہی کا خاص الخاص وسیلہ اور اس بارے میں غفلت و بے پروائی کو قابلِ تعزیر جرم قرار دیا ہے، یہ علم انبیاء علیہم السلام اور خاص کر رسول اللہ ﷺ کی خاص میراث اور اس پوری کائنات کی سب سے زیادہ عزیز اور قیمتی دولت ہے اور جو خوش نصیب بندے اس کو حاصل کریں اور اس کا حق ادا کریں وہ وارثین انبیاء ہیں، آسمان کے فرشتوں سے لے کر زمین کی چیونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں تک تمام مخلوقات ان سے محبت رکھتی اور ان کے لئے دعائے خیر کرتی ہے، یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں رکھ دی ہے، اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس میراث کو غلط اغراض کے لئے استعمال کریں، وہ بدترین مجرم اور خداوندی غضب و عذاب کے مستحق ہیں...... نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا

اس مختصر تمہید کے بعد علم اور تعلیم و تعلّم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھئے:-

ہر مسلمان پر علم کی طلب و تحصیل فرض ہے

۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ

رواہ البیہقی فی شعب الایمان وابن عدی فی الکامل ورواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس وفی الکبیر والاوسط عن ابی مسعود وابی سعید وفی الصغیر عن الحسین

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کی طلب و تحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(یہ حدیث حضرت انسؓ سے بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عدی نے کامل میں روایت کی ہے ...... اور طبرانی نے معجم اوسط میں یہی حدیث حضرت عبداللہ ابن عباس سے اور معجم کبیر و معجم اوسط میں ابو مسعودؓ اور ابو سعید خدری سے اور معجم صغیر میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہم) سے بھی روایت کی ہے [1]۔)

تشریح...... مسلم وہی شخص ہے جس نے دین اسلام قبول کیا اور طے کیا کہ میں اسلامی تعلیم و ہدایت کے مطابق زندگی گزاروں گا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ اسلام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلے، اس لئے ہر مؤمن و مسلم پر فرض ہے کہ وہ بقدر ضرورت اسلام کا علم حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس حدیث کا یہی مدعیٰ اور پیغام ہے اور جیسا کہ عرض کیا گیا یہ علم صرف گفت و شنید اور صحبت سے بھی حاصل کیا جاسکتا ہے، اور دوسرے تعلیمی ذرائع سے بھی، بہر حال حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے ہر مسلمان پر "عالم فاضل" بننا فرض ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ جس شخص کو اسلامی زندگی گزارنے کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے، اس کا حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔

بعض کتابوں میں میں یہی حدیث لفظ "کل مسلم" کے بعد "مسلمۃ" کے اضافہ کے ساتھ نقل کی گئی ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس حدیث میں "مسلمۃ" کا اضافہ ثابت اور صحیح نہیں، البتہ "مسلم" کا لفظ معنوی حیثیت سے ہر مسلمان مرد و عورت کو شامل ہے۔

دین نہ جاننے والوں کا فرض ہے کہ وہ جاننے والوں سے سیکھیں اور جاننے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ انکو سکھلائیں

۲) **عَنْ اَبْزَى الْخُزَاعِيِّ وَالِدِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَاَثْنٰى عَلٰى طَوَائِفَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ مَابَالُ اَقْوَامٍ لَايُفَقِّهُوْنَ جِيْرَانَهُمْ وَلَايُعَلِّمُوْنَهُمْ وَلَايَعِظُوْنَهُمْ وَلَا يَاْمُرُوْنَهُمْ وَلَايَنْهَوْنَهُمْ وَمَابَالُ اَقْوَامٍ لَايَتَعَلَّمُوْنَ مِنْ جِيْرَانِهِمْ**

---

[1] کنزالعمال ج ۲ صفحہ ۲۰۰ و جمع الفوائد ج ا صفحہ ۴۰۔ اس حدیث میں "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم" کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگرچہ یہ اتنی مشہور ہے کہ علماء کے علاوہ بہت سے عوام کو بھی یاد ہوتی ہے اور حدیث کی مختلف کتابوں میں یہ متعدد صحابۂ کرامؓ سے روایت کی گئی ہے (اور مفہوم و مدعیٰ کے لحاظ سے اس کے صحیح ہونے میں تو کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ محدثین کے اصول و معیار کے مطابق اس کی کوئی سند بھی "صحیح" نہیں ہے، ہر سند میں ضعف ہے، اس لئے تمام متقدم محدثین نے اس کو ضعیف ہی قرار دیا ہے...... البتہ حافظ سیوطی نے کہا ہے کہ میں نے حدیث کی کتابوں میں تلاش کر کے اس کی روایت کے قریباً پچاس طریقے دریافت اور جمع کئے ہیں، اس کثرت طرق کی بناء پر اس کو "صحیح" قرار دیتا ہوں، اگرچہ مجھ سے پہلے تمام محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے...... اور حافظ سخاوی نے کہا ہے کہ ابن شاہین نے اس حدیث کو حضرت انسؓ سے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے سب راوی ثقہ ہیں (تو اس سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے اصول و معیار پر بھی صحیح ہے)۔ (اعذب الموارد فی تخریج جمع الفوائد...... بحوالہ فیض القدیر ج ۴ صفحہ ۲۶۸)

وَلَايَتَفَقَّهُوْنَ وَلَايَتَّعِظُوْنَ، وَاللّٰهِ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَيُفَقِّهُوْنَهُمْ وَيَعِظُوْنَهُمْ وَيَاْمُرُوْنَهُمْ وَيَنْهَوْنَهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَفَقَّهُوْنَ وَيَتَّعِظُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِالدُّنْيَا...... ثُمَّ نَزَلَ فَدَخَلَ بَيْتَه‘ فَقَالَ قَوْمٌ مَنْ تَرَوْنَهُمْ عَنٰى بِهٰؤُلَاءِ؟ فَقَالُوْانَرَاهُ عَنٰى بِهِ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، هُمْ قَوْمٌ فُقَهَاءُ وَلَهُمْ جِيْرَانٌ جُفَاةٌ مِنْ اَهْلِ الْمِيَاهِ وَالْاَعْرَابِ...... فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، فَاَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ذَكَرْتَ قَوْمًا بِخَيْرٍ وَذَكَرْتَنَا بِشَرٍّ فَمَابَالُنَا؟ فَقَالَ لَيُعَلِّمَنَّ قَوْمٌ جِيْرَانَهُمْ وَلَيُفَقِّهُنَّهُمْ وَلَيَعِظُنَّهُمْ وَلَيَاْمُرُنَّهُمْ وَلَيَنْهَيُنَّهُمْ وَلَيَتَعَلَّمَنَّ قَوْمٌ مِنْ جِيْرَانِهِمْ وَيَتَّعِظُوْنَ وَيَتَفَقَّهُوْنَ اَوْلَاُعَاجِلَنَّهُمْ بِالْعُقُوْبَةِ فِيْ دَارِالدُّنْيَا فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَبِطَيْرِ غَيْرِنَا؟ فَاَعَادَ قَوْلَه‘ عَلَيْهِمْ وَاَعَادُوْا قَوْلَهُمْ اَبِطَيْرِغَيْرِنَا؟ فَقَالَ ذٰلِكَ اَيْضًا، فَقَالُوْا اَمْهِلْنَا سَنَةً فَاَمْهَلَهُمْ سَنَةً لِيُفَقِّهُوْهُمْ وَيُعَلِّمُوْهُمْ وَيَعِظُوْهُمْ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَايَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَاكَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ رواه ابن راهويه والبخارى فى الوحدان وابن السكن وابن مندة والطبرانى فى الكبير ❶

ترجمہ: مشہور صحابی عبدالرحمٰن بن ابزی الخزاعی رضی اللہ عنہما کے والد) ابزی الخزاعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے (مسجد میں منبر پر) خطاب فرمایا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تعریف فرمائی (کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے ہیں) اس کے بعد آپ ﷺ نے (مسلمانوں کے بعض دوسرے گروہوں کو تنبیہ اور سرزنش کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس) جو اپنے پڑوس والے (ان مسلمانوں کو جو دین سے واقف نہیں ہیں) دین نہیں سمجھاتے اور دین کی تعلیم نہیں دیتے اور وعظ و نصیحت نہیں کرتے اور ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام نہیں دیتے (اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا) اور کیا حال ہے، ان لوگوں کا (اور کیا عذر ہے، ان کے پاس جو دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں ہیں، اس کے باوجود) وہ اپنے پڑوس میں رہنے والے (ان مسلمانوں سے جو دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں) دین سیکھنے اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کی اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔

(اس کے بعد آپ ﷺ نے قسم کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) کہ وہ لوگ (جو دین کا علم رکھتے ہیں، علم نہ رکھنے والے) اپنے پڑوسیوں کو لازماً دین سکھانے اور دین کی سمجھ بوجھ ان میں پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور ان کو وعظ نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں...... اور (جو لوگ دین اور اس کے احکام سے واقف نہیں... کو) میری تاکید ہے کہ وہ (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھنے

❶ کنزالعمال ج ۳ صفحہ ۳۸۸ وجمع الفوائد ج ۱ صفحہ ۵۲ (بحوالہ معجم بیر المطبر انی عن عبدالرحمٰن بن ابزی)

والے) اپنے پڑوسیوں سے دین سیکھیں اور اس کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں، ورنہ (یعنی اگر ان دونوں فریقوں نے اس ہدایت پر عمل نہیں کیا تو) میں ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا۔

اس کے بعد (یعنی یہ تنبیہی خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد) آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپس میں کہا کہ کیا خیال ہے، حضور ﷺ کی مراد کون لوگ ہیں؟ (یعنی آپ ﷺ نے اس خطاب میں کن لوگوں کو تنبیہ اور سرزنش فرمائی ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی مراد اشعریین (یعنی ابو موسیٰ اشعری کے قبیلہ کے لوگ) ہیں، انہی کا یہ حال ہے کہ وہ فقہاء ہیں (دین کی سمجھ بوجھ اور اس کا علم رکھتے ہیں) اور ان کے جوار میں پانی کے چشموں کے پاس رہنے بسنے والے اور ایسے بدوی لوگ ہیں جو بالکل اجڈ (اور دین سے بالکل ناواقف) ہیں۔

یہ ساری بات اشعریین کے علم میں آئی تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (معلوم ہوا ہے کہ) آپ ﷺ نے بعض گروہوں کا ذکر تعریف کے ساتھ فرمایا اور ہم لوگوں کی مذمت فرمائی، ہمارا کیا معاملہ (اور کیا قصور) ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (میرا کہنا بس یہی ہے کہ دین کا علم و فہم رکھنے والے) لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ (دین نہ جاننے والے) اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، ان کو وعظ و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کریں...... اور جو دین کو نہیں جانتے ان کا فرض ہے کہ وہ (جاننے والے) اپنے پڑوسیوں سے سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے مستفید ہوا کریں اور دین کی سمجھ بوجھ ان سے حاصل کریں، یا پھر ان کو اس دنیا ہی میں سزا دلواؤں گا...... اشعریین نے عرض کیا کہ کیا دوسرے لوگوں کے جرم اور کوتاہی کی بھی سزا ہم کو بھگتنا ہوگی؟ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں اپنی وہی بات دہرائی جو فرمائی تھی، اشعریوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے عرض کیا تھا کہ کیا دوسروں کی غفلت و کوتاہی کی سزا بھی ہم پائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، وہ بھی (یعنی دین کے جاننے والے اگر نہ جاننے والے اپنے پڑوسیوں کو دین سکھانے میں کوتاہی کریں گے تو وہ اس کی بھی سزا پائیں گے) اشعریوں نے عرض کیا کہ پھر ہم کو ایک سال کی مہلت دی جائے! تو آپ ﷺ نے ان کو ایک سال کی مہلت اس کام کے لئے دے دی کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو دین سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں، اس کے بعد آپ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۝ (مسند ابن راھویہ، کتاب الوحدان للبخاری، صحیح ابن السکن، مسند ابن مندہ، معجم کبیر للطبرانی)

ترجمہ: لعنت ہوئی ہے بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں پر جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا، داؤدؑ اور عیسیٰ بن مریم

کی زبان سے، یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی راہ اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے، وہ ایک دوسرے کو ان برائیوں اور گناہوں سے نہیں روکتے تھے، جن کا وہ ارتکاب کرتے تھے، براتھا ان کا یہ فعل۔

تشریح...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جتنی تشریح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ساتھ کر دی گئی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ کسی آبادی یا علاقے کے جو لوگ دین کا علم اور اس کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں ان کی یہ ذمہ داری اور ڈیوٹی ہے کہ وہ اپنے قرب و جوار کے ان لوگوں کو جو دین سے ناواقف ہوں للہ فی اللہ دین سکھائیں، اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان کی دینی اصلاح و تربیت کی کوشش کرتے رہیں، اور اس تعلیمی خدمت کو اپنی زندگی کے پروگرام کا خاص جز بنائیں۔

اور دین کی واقفیت نہ رکھنے والے مسلمان اس کو اپنا فرض اور زندگی کی ضرورت سمجھیں کہ دین کے جاننے والوں سے رابطہ قائم کر کے دین سیکھیں اور ان کے وعظ و نصیحت سے استفادہ کیا کریں ...... آنحضرت ﷺ نے اس بارے میں غفلت اور کوتاہی کو قابل تعزیر جرم قرار دیا تھا۔

دینی تعلیم و تربیت کا یہ ایسا عمومی نظام تھا کہ اس کے ذریعہ ہر شخص بغیر مکتب یا مدرسہ کے اور بغیر کتاب اور کاغذ قلم کے اور بغیر کچھ لکھے پڑھے بھی دین کا ضروری علم حاصل کر سکتا تھا۔ بلکہ اپنی محنت و صلاحیت کے مطابق اس میں کمال بھی حاصل کر سکتا تھا۔ صحابۂ کرامؓ نے اور اسی طرح تابعین کی غالب اکثریت نے بھی علم دین اسی طرح حاصل کیا تھا، ان کا علم یقیناً ہمارے کتابی علم سے زیادہ گہرا اور قابل اعتماد تھا، ان کے بعد امت میں جو کچھ علم دین رہا ہے اور آج ہے وہ سب انہی کا ترکہ ہے...... افسوس ہے کہ بعد میں امت میں یہ نظام قائم نہیں رہا، اگر قائم رہتا تو امت کا کوئی طبقہ اور کوئی عنصر بلکہ کوئی فرد بھی دین سے ناواقف اور بے بہرہ نہ ہوتا...... اس نظام تعلیم کی یہ خاص برکت تھی کہ زندگی علم کے سانچہ میں ڈھلتی چلی جاتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ اشعریین کے وفد نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو ایک سال کی مہلت دے دی جائے، ہم اس مدت میں انشاء اللہ یہ تعلیمی مہم انجام دے لیں گے، آپ ﷺ نے ان کی یہ بات منظور فرمالی، یہ گویا اس علاقہ کی پوری آبادی کے لئے "ایک سالہ تعلیمی منصوبہ" تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر آج بھی ہر ملک اور ہر علاقے کے مسلمان خواص و عوام اس طریق کار کو اپنالیں اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس مقصد کے لئے جدوجہد کریں تو امت کے تمام طبقوں میں ایمانی زندگی اور ضروری درجہ کی دینی واقفیت عام ہو سکتی ہے۔

سلسلۂ کلام کے آخر میں رسول اللہ ﷺ نے سورۂ مائدہ کی جو دو آیتیں تلاوت فرمائیں، ان میں بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں پر اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے لعنت ہوئی اور ان کی ملعونیت کا اعلان ہوا، ان کا ایک خاص جرم جو لعنت کا موجب ہوا یہ تھا کہ وہ باہم ایک دوسرے کو گناہوں اور برائیوں سے روکنے کی اور ان کی دینی و اخلاقی اصلاح کی کوئی فکر اور کوشش نہیں

کرتے تھے...... معلوم ہوا کہ یہ جرم ایسا سنگین ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اللہ کی اور اس کے پیغمبروں کی لعنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں جو تنبیہ اور سرزنش فرمائی تھی یہ آیتیں اس کی قرآنی سند ہیں، آپ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرما کر گویا بتلایا کہ جو کچھ میں نے خطبہ میں کہا ہے اور جس پر مجھے اصرار ہے، یہ وہی ہے جس کی ہدایت اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کی ان آیتوں میں فرمائی ہے۔

علم دین اور اس کے سیکھنے سکھانے والوں کا مرتبہ و مقام

۳) **عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ بِهٖ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ وَاِنَّ الْعَالِمَ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالْحِيْتَانُ فِیْ جَوْفِ الْمَاءِ وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ۔**

(رواہ احمد والترمذی وابی داؤد وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ جو بندہ (دین کا) علم حاصل کرنے کے لئے کسی راستہ پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا...... اور (آپ ﷺ نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبان علم کے لئے اظہار رضا (اور اکرام واحترام) کے طور پر اپنے بازو جھکادیتے ہیں، اور (فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لئے آسمان وزمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا کرتی ہیں، یہاں تک کہ دریا کے پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی...... اور (آپ ﷺ نے فرمایا) عبادت گذاروں کے مقابلہ میں حاملین علم کو ایسی برتری حاصل ہے جیسی کہ چودھویں رات کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر اور (یہ بھی فرمایا کہ) علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا ہے، بلکہ انہوں نے اپنے ترکے اور ورثے میں صرف علم چھوڑا ہے تو جس نے اس کو حاصل کر لیا، اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کر لی۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی)

تشریح...... فی الواقع انبیاء علیہم السلام کی میراث ان کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے، طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بازار کی طرف سے گزرے، لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے، لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آکر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ

رہا۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ قرآن کی تلاوت کررہے ہیں، کچھ لوگ حلال و حرام کی یعنی شرعی احکام و مسائل کی باتیں کررہے ہیں...... حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث اور آپ ﷺ کا ترکہ ہے۔ (جمع الفوائد ج ا صفحہ ۳۷)

٤) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَرَجَ فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَرْجِعَ (رواه الترمذی و الضياء المقدسی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بندہ علم کی طلب و تحصیل میں (گھر سے یا وطن سے) نکلا وہ اس وقت تک اللہ کے راستے میں ہے، جب تک واپس آئے۔

(جامع ترمذی، مختار للضیاء المقدسی)

٥) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَه، وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى النَّمْلَةِ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتِ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور آسمان و زمین میں رہنے والی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور (پانی میں رہنے والی) مچھلیاں بھی اس بندے کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (جامع ترمذی)

٦) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسَيْنِ فِیْ مَسْجِدِهٖ فَقَالَ كِلَاهُمَا عَلٰى خَيْرٍ وَاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ، اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَيَرْغَبُوْنَ اِلَيْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَيَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ اَوِالْعِلْمَ وَيُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِمْ — (رواه الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو مجلسوں پر ہوا جو آپ کی مسجد میں قائم تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں مجلسیں خیر کی اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں، اللہ چاہے تو عطا فرمادے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے (وہ مالک مختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارے میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں، لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں، پھر آپ انہیں میں بیٹھ گئے۔ (مسند دارمی)

٧) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِىَ بِهٖ

❶ جیسا کہ معلوم ہے حضرت حسن بصری تابعی ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہیں پایا۔ مختلف صحابۂ کرامؓ کے ذریعہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں پہنچی ہیں، انہوں نے یہ حدیث اور اس سے آگے درج ہونے والی حدیث بھی براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، ان صحابی کا حوالہ نہیں دیا، جن سے ان کو یہ حدیثیں...... (جاری ہے)

الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَاحِدَةٌ فِى الْجَنَّةِ (رواه الدارمی)

ترجمہ... حضرت حسن بصری نے بطریقہ ارسال[1] روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اس نیت سے علم دین کی طلب و تحصیل میں لگا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے، تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان بس ایک درجہ کا فرق ہوگا۔ (مسند دارمی)

۸) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلَيْنِ كَانَا فِىْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَحَدُهُمَا كَانَ عَالِمًا يُصَلِّى الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَالْاٰخَرُ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ الَّيْلَ اَيُّهُمَا اَفْضَلُ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَضْلُ هٰذَا الْعَالِمِ الَّذِىْ يُصَلِّى الْمَكْتُوْبَةَ ثُمَّ يَجْلِسُ فَيُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ عَلَى الْعَابِدِ الَّذِىْ يَصُوْمُ النَّهَارَ وَيَقُوْمُ الَّيْلَ كَفَضْلِىْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ (رواه الدارمی)

ترجمہ... حضرت حسن بصری نے بطریق ارسال روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا...... اور دوسرے صاحب کا حال یہ تھا کہ وہ دن کو برابر روزہ رکھتے اور رات کو کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے (آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں کون افضل اور اعلیٰ ہے؟...... آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عالم جو فرض نماز ادا کرتا ہے پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لئے بیٹھ جاتا ہے، اس کو اس صائم النہار اور قائم اللیل عابد کے مقابلہ میں اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح کی تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح...... مندرجہ بالا حدیثوں میں "علم"، "طالبین علم"، "علماء" اور "معلمین" کی جو غیر معمولی عظمتیں اور فضیلتیں بیان کی گئیں، ان کی لم اور ان کا راز یہی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نور ہدایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ آیا ہے اور دنیا سے آپ ﷺ کے اٹھائے جانے کے بعد آپ ﷺ کا لایا ہوا الٰہی علم (جو قرآن و حدیث میں ہے) امت کے لئے آپ ﷺ کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے اور جو اس کے بعد حامل اور امین علماء و معلمین ہیں وہ زندہ انسانوں کی شکل میں حضور ﷺ کے قائم مقام ہیں، وہ نبی تو نہیں ہیں، لیکن وارث انبیاء ہونے کی حیثیت سے کار نبوت سنبھالے ہوئے ہیں اور رسول پاک ﷺ ہی کا کام انجام دے رہے ہیں، گویا آپ ﷺ کے دست و بازو اور آلۂ کار ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مقام و مرتبہ پر پہنچا دیا ہے اور ان غیر معمولی انعامات الٰہیہ کا مستحق بنا دیا ہے جن کا مندرجہ بالا حدیثوں کے ذریعہ اعلان فرمایا گیا ہے...... لیکن جیسا کہ آگے درج ہونے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا، اس کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی یہ طلب و تحصیل اور تعلیم و تدریس خالصاً لوجہ اللہ اور اجر آخرت کے لئے ہو، اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لئے ہو تو بدترین معصیت ہے، اور ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

(گذشتہ سے پیوستہ)
پہنچی ہیں، تابعین کے اس طریقہ روایت کو "ارسال" اور ایسی حدیث کو "مرسل" کہا جاتا ہے۔

ایک ضروری وضاحت

اس سلسلہ میں یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے...... ہمارے اس زمانے میں دینی مدارس اور دارالعلوموں کی شکل میں علم دین کی تحصیل و تعلیم کا جو نظام قائم ہے، اس کی وجہ سے جب ہمارے دینی حلقوں میں "طالب علم" کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن ان دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے "طالب علموں" ہی کی طرف جاتا ہے، اسی طرح عالم دین یا معلم دین کا لفظ سن کر ذہنی اصطلاحی و عرفی علماء اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور پھر اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں علم دین کی طلب و تعلیم، یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل و مناقب بیان ہوئے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں، ان سب کا مقصد ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلہ کو اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے...... حالانکہ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، عہد نبوی میں اور اس کے بعد صحابۂ کرامؓ بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا، نہ مدارس اور دارالعلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا، بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا، بس صحبت و سماع ہی تعلیم و تعلم کا ذریعہ تھا، صحابۂ کرامؓ نے (ان کے درجہ اول کے علماء و فقہاء مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی) جو کچھ حاصل کیا صرف صحبت و سماع ہی کے ذریعہ حاصل کیا تھا اور بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے۔ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے سے مثلاً صحبت و سماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق ہیں اور بلاشبہ ان کے لئے بھی یہ سب بشارتیں ہیں...... بلکہ ان کو اصطلاحی و عرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت و فوقیت حاصل ہے اور وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس اور دارالعلوموں میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہوسکتے ہیں (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بے چارے اصلاح وارشاد کی مجالس میں یا کسی دینی حلقہ میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں، یا دین سیکھنے سکھانے والے کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت گزارتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کرسکتے، اس لئے ان کی غیر رسمی "طالب علمی" یا "معلمی" بالکل بے غل و غش صرف اللہ ہی کے لئے اور آخرت ہی کے واسطے ہوتی ہے...... اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے، جو خالصاً لوجہ اللہ ہو...... اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں...... ان میں متعدد ایسے بھی پائے جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقت دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت یہاں اس لئے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں "عالم"، "معلم" اور "طالب علم" کے مصداق کے بارے میں مذکورہ بالا غلط فہمی بہت عام ہے، اگرچہ غیر شعوری طور پر ہے۔

دنیوی اغراض کیلئے علم دین حاصل کرنیوالوں کا ٹھکانہ دوزخ، وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم

۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَايَتَعَلَّمُه، اِلاَّ لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَعْنِىْ رِيْحَهَا

(رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ علم جس سے اللہ کی رضا چاہی جاتی ہے (یعنی دین اور کتاب و سنت کا علم) اگر اس کو کوئی شخص دنیا کی دولت کمانے کے لئے حاصل کرے تو وہ قیامت میں جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ (مسند احمد۔ سنن ابی داؤد۔ سنن ابن ماجہ)

۱۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِغَيْرِاللّٰهِ وَاَرَادَ بِهٖ غَيْرَاللّٰهِ فَلْيَتَبَوَّءَ مَقْعَدَه، مِنَ النَّارِ۔ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے علم دین اللہ کی رضا کے لئے نہیں بلکہ غیر اللہ کے لئے (یعنی اپنی دنیوی اور نفسانی اغراض کے لئے) حاصل کیا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے دین کا علم انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اور آخر میں سیدنا حضرت محمد خاتم النبیین ﷺ اور اپنی آخری مقدس کتاب قرآن مجید کے ذریعہ اس لئے نازل فرمایا کہ اس کی روشنی اور رہنمائی میں اس کے بندے اللہ کی رضا کے راستہ پر چلتے ہوئے اس کے دار رحمت جنت تک پہنچ جائیں...... اب جو بدنصیب آدمی اس مقدس علم کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے بجائے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیوی دولت کمانے کا وسیلہ بناتا ہے، اور اسی کے واسطے اس کی تحصیل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس مقدس علم پر ظلم عظیم کرتا ہے، اور یہ شدید ترین معصیت ہے، اور ان حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی ہے کہ اس کی سزا جنت کی خوشبو تک سے محرومی اور جہنم کا عذاب الیم ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

بے عمل عالم اور معلم کی مثال اور آخرت میں اس کا حال

۱۱) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْعَالِمِ الَّذِىْ يُعَلِّمُ النَّاسَ الْخَيْرَ وَيَنْسٰى نَفْسَه، كَمَثَلِ السِّرَاجِ يُضِيْئُ النَّاسَ وَيُحَرِّقُ نَفْسَه، (رواہ الطبرانی والضیاء)

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس عالم کی مثال جو

دوسرے لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتا ہے اور اپنے کو بھولے رہتا ہے، اس چراغ کی سی ہے جو آدمیوں کو تو روشنی فراہم کرتا ہے لیکن اپنی ہستی کو بس جلاتا رہتا ہے۔ (معجم کبیر طبرانی، مختار للضیاء المقدسی)

۱۲) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَالِمٌ لَمْ يَنْفَعْهُ عِلْمُه‘...... (رواه الطيالسى فى مسنده وسعيد بن منصور فى سننه وابن عدى فى الكامل والبيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اس کے علم دین نے نفع نہیں پہنچایا (یعنی اس نے اپنی عملی زندگی کو علم کے تابع نہیں بنایا) (مسند ابوداؤد طیالسی۔ سنن سعید بن منصور۔ کامل ابن عدی۔ شعب الایمان للبیہقی)

تشریح...... بعض گناہ ایسے ہیں جن کو بلا تفریق مؤمن و کافر سب ہی انسان شدید و سنگین جرم اور سخت سزا کا مستوجب سمجھتے ہیں، جیسے ڈاکہ زنی، خون ناحق، زنا بالجبر، چوری، رشوت ستانی، یتیموں اور بیواؤں اور کمزوروں پر ظلم و زیادتی اور ان کی حق تلفی جیسے ظالمانہ گناہ، لیکن بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کو عام انسانی نگاہ اس طرح شدید سنگین نہیں سمجھتی لیکن اللہ کے نزدیک اور فی الحقیقت وہ ان کبائر و فواحش ہی کی طرح یا ان سے بھی زیادہ شدید و سنگین ہیں، شرک و کفر بھی ایسے ہی گناہ ہیں، اور علم دین (جو نبوت کی میراث ہے) اس کا بجائے دینی مقاصد کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا علیٰ ہذا اپنی عملی زندگی کو اس کے تابع نہ بنانا بلکہ اس کے خلاف زندگی گزارنا یہ بھی اسی قبیل سے ہیں...... پہلی قسم کی معصیتوں میں مخلوق کا مخلوق پر ظلم ہوتا ہے، اس لئے اس کو خدانا آشنا کافر بھی محسوس کرتا اور ظلم و پاپ سمجھتا ہے...... لیکن دوسری قسم کے گناہوں میں اللہ و رسول اور ان کی ہدایت و شریعت اور اس کے مقدس علم کی حق تلفی اور ان پر ایک طرح کا ظلم ہوتا ہے، اس کی سنگینی اور شدت کو وہی بندے محسوس کر سکتے ہیں، جن کے قلوب اللہ و رسول اور دین و شریعت اور ان کے علم کی عظمت سے آشنا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم دین کو بجائے رضائے الٰہی اور اجر اخروی کے دنیوی اغراض کے لئے سیکھنا اور اس کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا، اسی طرح خود اس کے خلاف زندگی گزارنا، شرک و کفر اور نفاق کے قبیل کے گناہ ہیں، اس لئے ان کی سزا وہ ہے جو مندرجہ بالا حدیثوں میں بیان فرمائی گئی ہے (یعنی جنت کی خوشبو تک سے محروم رہنا اور دوزخ کا عذاب)...... اللہ تعالیٰ حاملین علم دین کو توفیق عطا فرمائے کہ رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات و تنبیہات ہمیشہ ان کے سامنے رہیں۔

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کی پابندی اور بدعات سے اجتناب کی ہدایت و تاکید

اس دنیا سے رسول اللہ ﷺ کے رخصت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ کی لائی ہوئی اللہ کی کتاب قرآن مجید اور آپ کی تعلیمات جن کا معروف عنوان "سنت" ہے اس دنیا میں ہدایت کا مرکز و سر چشمہ اور گویا آپ ﷺ کی مقدس شخصیت کے قائم مقام ہیں، اور امت کی صلاح و فلاح، ان کی پیروی و پابندی سے وابستہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں امت کو مختلف عنوانات سے ہدایت و آگاہی دی ہے، اور محدثات و بدعات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے، اگلی امتیں اسی لئے گمراہ ہوئیں کہ محدثات و بدعات کو اپنا دین بنالیا..... اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے چند اہم ارشادات ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

۱۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَالْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَالْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّالْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ — (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اثنائے خطبہ میں) ارشاد فرمایا کہ...... امابعد...... سب سے بہتر بات اور سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے، اور سب سے بہتر طریقہ (اللہ کے رسول) محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور بدترین امور وہ ہیں جو دین میں ایجاد کر لئے جائیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح..... حضرت جابر کی یہ حدیث صحیح مسلم میں خطبہ جمعہ کے باب میں متعدد سندوں سے روایت کی گئی ہے۔ روایات کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی حضرت جابرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے خطبہ جمعہ میں یہ ارشاد بار بار سنا تھا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد جوامع الکلم میں سے ہے، بہت مختصر الفاظ میں امت کو وہ ہدایت دے دی گئی ہے جو قیامت تک راہ راست پر قائم رکھنے اور ہر طرح کی گمراہی سے بچانے کے لئے کافی ہے..... اعتقادات، اعمال، اخلاق اور جذبات وغیرہ کے بارے میں انسانوں کو جس مثبت یا منفی ہدایت (امر بالمعروف یا نہی عن المنکر) کی ضرورت ہے یقیناً کتاب اللہ اور سنت نبوی و طریق محمدی اس کے پورے کفیل ہیں، اس کے بعد گمراہی کا ایک دروازہ رہ جاتا ہے کہ اللہ و رسول نے جن باتوں کو دین قرار نہیں دیا ان کو دین کا رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور قرب و رضائے الٰہی اور فلاح اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنالیا جائے۔ دین کے رہزن شیطان کا سب سے خطرناک جال یہی ہے، اگلی امتوں کو اس نے زیادہ تر اسی راستہ سے گمراہ کیا ہے..... مختلف امتوں کے مشرکوں میں بت پرستی، عیسائیوں میں تثلیث اور حضرت مسیح کی ابنیت و ولدیت اور کفارہ کا عقیدہ اور احبار و رہبان کو "ارباباً من دون اللّٰه" بنانے کی گمراہی یہ سب اسی راستہ سے آئی تھیں..... اور رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں میں جو گمراہیاں آئی تھیں، وہ سب آپ کی امت میں بھی آئیں گی اور انہی راستوں سے آئیں گی جن سے پہلی امتوں میں آئی تھیں، اس لئے آپ ﷺ اپنے مواعظ و

خطبات میں بار بار یہ آگاہی دیتے تھے کہ بس کتاب اللہ اور میری سنت کا اتباع کیا جائے، صرف وہی حق و ہدایت ہے اور اسی میں خیر و فلاح ہے، اور محدثات و بدعات سے اپنی اور دین کی حفاظت کی جائے۔ بدعت خواہ ظاہری نظر میں کیسی ہی حسین و جمیل معلوم ہو، فی الحقیقت وہ صرف ضلالت اور ہلاکت ہے...... آپ ﷺ کا یہ ارشاد جو بقول حضرت جابرؓ آپ جمعہ کے خطبوں میں بار بار فرماتے تھے، اس کا یہی پیغام ہے اور اس میں یہی آگاہی دی گئی ہے۔

بدعت کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا آخری جملہ ہے "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے) بعض اکابر علماء و شارحین حدیث نے "بدعة" کے اصل لغوی معنی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ سمجھا اور لکھا ہے کہ ہر وہ امر بدعت ہے جو عہد نبوی میں نہیں تھا اور قرآن و حدیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ہے...... پھر انہوں نے دیکھا کہ ایسے بہت سے امور ہیں جو نہ تو عہد نبوی میں تھے اور نہ قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہے، مگر دینی لحاظ سے وہ اشد ضروری اور ناگزیر ہیں اور امت کے علماء و فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کو "بدعت" اور ناجائز نہیں قرار دیا ہے، بلکہ دین کی ضروری خدمت اور موجب اجر و ثواب سمجھا ہے۔ مثلاً قرآن مجید پر اعراب لگانا، فصل و وصل اور وقف وغیرہ کی علامات کا لکھنا تاکہ عوام بھی قرآن پاک کی صحیح تلاوت کر سکیں، اسی طرح حدیث اور فقہ کی تدوین اور کتابوں کی تالیف اور حسب ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر تصانیف اور ان کی طباعت و اشاعت کا اہتمام اور دینی تعلیم کے لئے مکاتب و مدارس کا قیام وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ظاہر ہے کہ عہد نبوی میں نہیں تھیں اور قرآن و حدیث میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، تو بدعت کی مذکورہ بالا تشریح کے لحاظ سے یہ سب امور بدعت ہونے چاہئیں، اسی طرح ساری نئی ایجادات، ریل، موٹر، ہوائی جہاز، تار برقی اور ٹیلی فون وغیرہ کا استعمال بھی اس تشریح کے لحاظ سے بدعت اور ناجائز ہونا چاہئے۔ حالانکہ یہ بات بداہۃً غلط ہے۔

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے ان علماء و شارحین حدیث نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف ہو وہ "بدعت سیئہ" ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اسی کے بارے میں فرمایا ہے "کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"...... مطلب یہ ہے کہ ہر "بدعت سیئہ" گمراہی ہے...... اور دوسری قسم بدعت کی وہ ہے جو کتاب و سنت اور اصول شریعت کے خلاف نہ ہو بلکہ مطابق ہو وہ "بدعت حسنہ" ہے اور یہ بدعت حسنہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے کبھی واجب ہوتی ہے، کبھی مستحب اور کبھی مباح و جائز...... پس قرآن مجید پر اعراب اور فصل و وصل وغیرہ کی علامات لکھنا اور حدیث و فقہ کی تدوین اور حسب تقاضائے ضرورت مختلف زبانوں میں دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت اور مدارس کا قیام وغیرہ یہ سب بدعت حسنہ کے قبیل سے ہیں، اس طرح نئی ایجادات کا استعمال بھی بدعت حسنہ ہی اس کے قبیل سے ہے، ناجائز نہیں ہے مباح اور جائز ہے۔

لیکن علمائے محققین بدعت کی مذکورہ بالا تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف ان کی تقسیم کے اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایمان و کفر اور صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ کی طرح "بدعۃ" ایک خاص دینی اصطلاح ہے اور اس سے مراد ہر وہ امر ہے جس کو دینی رنگ دے کر دین میں شامل کیا جائے اور اگر وہ کوئی عمل ہے تو اس کو دینی عمل کی حیثیت سے کیا جائے اور عبادات وغیرہ دینی امور کی طرح اس کو ثواب آخرت اور رضائے الٰہی کا وسیلہ سمجھائے اور شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہو، نہ کتاب و سنت کی نص، نہ قیاس اور اجتہاد و استحسان جو شریعت میں معتبر ہیں۔

ظاہر ہے کہ بدعت کی اس تشریح کی بناء پر ان نئی ایجادات کا استعمال اور وہ نئی باتیں جو عہد نبوی میں نہیں تھیں اور جن کو امر دینی نہیں سمجھا جاتا بدعت کے دائرے ہی میں نہیں آتیں، جیسے کہ ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کے ذریعہ سفر اور اسی طرح کی دوسری جدید چیزوں کا استعمال...... اسی طرح جس زمانے میں دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے جن جدید وسائل کا استعمال کرنا ضروری ہو، وہ بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گے، جیسے قرآن مجید پر اعراب وغیرہ لگانا تاکہ عوام بھی صحیح تلاوت کر سکیں اور کتب حدیث کی تالیف اور ان کی شرحیں لکھنا، اور فقہ کی تدوین اور مختلف زبانوں میں حسب ضرورت دینی موضوعات پر کتابوں کی تصنیف و اشاعت کا اہتمام اور دینی مدارس اور کتب خانوں کا قیام وغیرہ، یہ سب چیزیں بھی بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے میں نہیں آئیں گی کیونکہ اگرچہ یہ عہد نبوی میں نہیں تھیں لیکن جب اہم دینی مقاصد کی تحصیل و تکمیل اور دینی احکام کی تعمیل کے لئے یہ ضروری اور ناگزیر ہو گئیں تو یہ شرعاً مطلوب اور مامور بہ ہو گئیں۔ جس طرح وضو کرنا شریعت کا حکم ہے لیکن جب اس کے لئے پانی کا تلاش کرنا یا کنویں سے نکالنا ضروری ہو تو وہ بھی شرعاً واجب ہوگا، دین و شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی فرض و واجب کے ادا کرنے کے لئے جو کچھ کرنا ضروری اور ناگزیر ہو، وہ بھی واجب ہے، لہٰذا اس طرح کے سارے امور جن کا اوپر ذکر کیا گیا بدعت کی اس تشریح کی بناء پر اس کے دائرے ہی میں نہیں آتے بلکہ یہ سب شرعی مطلوبات اور واجبات ہیں۔

بدعت کی یہی تشریح و تعریف صحیح ہے اور اس بناء پر ہر بدعت ضلالت ہے جیسا کہ زیر تشریح حدیث میں فرمایا گیا ہے "كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ" (ہر بدعت گمراہی ہے)

اس موضوع پر نویں صدی ہجری کے ممتاز عالم و محقق، امام ابو اسحاق ابراہیم شاطبیؒ نے اپنی کتاب "الاعتصام" میں بڑی فاضلانہ اور محققانہ بحث کی ہے، اور بدعت کی پہلی والی تشریح اور حسنہ اور سیئہ کی طرف اس کی تقسیم کے نظریہ کو بڑے محکم دلائل سے رد کیا ہے، اس ضخیم کتاب کا یہی موضوع ہے...... ہمارے اس ملک کے عظیم ترین عارف و مصلح امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بہت سے مکتوبات میں اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور بڑی شدت سے ساتھ اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ جن علماء نے بدعت کو دو خانوں (حسنہ اور سیئہ) میں تقسیم کیا ہے، ان سے بڑی علمی غلطی ہوئی ہے، بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں ہے، بدعت ہمیشہ سیئہ اور ضلالت ہی ہوتی ہے، اگر کسی کو کسی بدعت میں نورانیت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کے

احساس و ادراک کی غلطی ہے، بدعت میں صرف ظلمت ہوتی ہے...... صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع پر شرح وبسط سے کلام کیا ہے اور وہ اہل علم کے لئے لائق مطالعہ اور قابل استفادہ ہے۔

۱۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْدَثَ فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو اس کی وہ بات رد ہے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بدعات و محدثات کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان محدثات اور نوایجاد باتوں کو (خواہ وہ اعمال کے قبیلہ سے ہو یا عقائد کے قبیل سے) قابل رد اور مردود قرار دیا گیا ہے، جو دین میں ایجاد کی جائیں اور انکو امر دینی یعنی رضائے الٰہی اور ثواب اخروی کا وسیلہ سمجھ کر اپنایا جائے اور فی الواقع ان کی یہ حیثیت نہ ہو، نہ اللہ و رسول کی طرف سے صراحۃً یا اشارۃً ان کا حکم دیا گیا ہو، نہ شرعی اجتہاد و استحسان اور قواعد شریعت پر ان کی بنیاد ہو...... حدیث کے لفظ "فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا" اور "مَالَیْسَ مِنْهُ" کا مفاد اور مطلب یہی ہے، پس دنیا کی وہ ساری ایجادات اور وہ تمام نئی چیزیں جن کو دینی اور وسیلہ رضائے الٰہی و ثواب اخروی نہیں سمجھا جاتا، اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور شرعی اصطلاح کے لحاظ سے ان کو بدعت نہیں کہا جائے گا جیسے نئی نئی قسم کے کھانے، نئے طرز کے لباس، جدید طرز کے مکانات اور سفر کے نئے ترقی کے ذرائع کا استعمال کرنا، اسی طرح شادی وغیرہ کی تقریبات کے سلسلہ کے وہ خرافاتی رسوم اور لہو و لعب اور تفریحات کے وہ پروگرام جن کو کوئی بھی امر دینی نہیں سمجھتا، ان سے بھی اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں، ہاں جن رسوم کو امر دینی سمجھا جائے اور ان سے ثواب آخرت کی امید کی جائے وہ اس حدیث کا مصداق، قابل رد اور بدعت ہیں، موت اور غمی کے سلسلہ کی زیادہ رسوم اسی قبیل سے ہیں، جیسے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی، ہر جمعرات کو مردوں کی فاتحہ، بڑے پیر صاحب کی گیارہویں، بارہویں، بزرگوں کی قبروں پر چادر پھول وغیرہ چڑھانا اور عرسوں کے میلے ٹھیلے ان سب کو امر دینی سمجھا جاتا ہے اور ثواب آخرت کی ان سے امید رکھی جاتی ہے، اس لئے یہ سب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث "من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد" کا مصداق اور مردود بدعات و محدثات ہیں۔

پھر ان عملی بدعات سے زیادہ مہلک وہ بدعات ہیں جو عقائد کے قبیل سے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ اور اولیاء اللہ کو عالم الغیب اور حاضر و ناظر سمجھنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ دور دراز سے پکارنے والوں کی پکار و فریاد کو سنتے ہیں اور ان کی مدد اور حاجت روائی کرتے ہیں، یہ عقیدۂ بدعت ہونے کے ساتھ شرک بھی ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی کتاب پاک کا اعلان ہے کہ اس جرم کے مجرم اللہ کی مغفرت و

بخشش سے قطعی محروم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ"

۱۵) عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَلَوْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ـ

(رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ الا انھما لم یذکر الصلوۃ)

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ ہم لوگوں کی طرف متوجہ ہوگئے اور ہماری طرف رخ فرمالیا اور ایسا مؤثر وعظ فرمایا کہ اس کے اثر سے آنکھیں بہہ پڑیں اور دل خوفزدہ ہوکر دھڑکنے لگے تو ہم میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہ تو گویا ایسا وعظ ہے جیسے الوداع کہنے والے اور رخصت ہونے والے کا وعظ ہوتا ہے (پس اگر ایسی بات ہے) تو پھر آپ ہم کو (ضروری امور کی) وصیت فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی اور اولوالامر (خلیفہ یا امیر) کا حکم سننے اور ماننے کی اگرچہ وہ کوئی حبشی غلام ہی ہو، اس لئے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بڑے اختلافات دیکھے گا (تو ایسی حالت میں) تم اپنے اوپر لازم کرلینا میرے طریقے اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کی پیروی و پابندی اور مضبوطی سے اس کو تھام لینا اور دانتوں سے پکڑ لینا اور (دین میں) نئی نکالی ہوئی باتوں سے اپنے کو الگ رکھنا، اس لئے کہ دین میں نئی نکالی ہوئی ہر بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ظاہر ہے کہ یہ حدیث کسی وضاحت اور تشریح کی محتاج نہیں، اس کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے آخری دور حیات کا ہے، آپ نے نماز کے بعد جو وعظ فرمایا اس کے غیر معمولی انداز سے اور اس میں آپ ﷺ نے جو ہدایات اور آگاہیاں دیں ان سے صحابۂ کرامؓ نے اندازہ کیا کہ شاید آپ ﷺ پر منکشف ہوگیا ہے کہ اس دنیا سے آپ ﷺ کے رخصت ہونے کا وقت قریب ہے، اس بناء پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ ہم کو بعد کے لئے وصیت فرمائیے!...... آپ ﷺ نے اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے وصیت فرمائی سب سے پہلے تقوے کی، یعنی خدا سے ڈرتے رہنے اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہنے کی، اس کے بعد دوسرے نمبر پر وصیت فرمائی کہ خلیفہ اور امیر کے حکم کی بہر حال اطاعت کی جائے اگرچہ وہ کسی کمتر طبقہ کا آدمی ہو...... دین میں تقوے کی اہمیت تو ظاہر ہے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح اسی پر موقوف ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں امت کا اجتماعی نظام صحیح اور مضبوط طور پر قائم رہنے کے لئے

ضروری ہے کہ خلیفہ اور امیر کی اطاعت کی جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو انتشار و افتراق پیدا ہوگا اور انارکی پھیلے گی اور نوبت خانہ جنگی تک پہنچے گی (لیکن رسول اللہ ﷺ نے مختلف موقعوں پر بار بار یہ وضاحت فرمائی ہے) کہ اگر امیر و خلیفہ اور کوئی بالاتر شخصیت کسی ایسی بات کا حکم دے جو اللہ و رسول کے کسی حکم کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ (لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق)

تقویٰ اور اولوالامر کی اطاعت کی ہدایت و وصیت کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی میرے بعد زندہ رہے گا وہ امت میں بڑے اختلافات دیکھے گا۔ ایسے حالات میں نجات کا راستہ یہی ہے کہ میرے طریقہ کو اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کے طریقہ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے اور بس اس کی پیروی کی جائے اور دین میں پیدا کی ہوئی نئی نئی باتوں اور بدعتوں سے بچا جائے کیونکہ ہر بدعت گمراہی اور صرف گمراہی ہے۔

یہ حدیث شریف حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات مقدسہ میں ایسی حالت میں جب کہ کسی کو آپ ﷺ کی امت میں اختلاف و افتراق کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا فرمادیا تھا کہ تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بڑے بڑے اختلافات دیکھیں گے، یہی ظہور میں آیا کہ آپ کے وہ اصحاب و رفقاء جو آپ کے بعد ۲۵۔۳۰ سال بھی زندہ رہے انہوں نے امت کا یہ اختلاف آنکھوں سے دیکھ لیا...... اور اس کے بعد اختلافات میں اضافہ ہی ہوتا رہا اور آج جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم اور پندرہویں صدی شروع ہو چلی ہے، امت کے اختلافات کا جو حال ہے وہ ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں...... اللہ تعالیٰ حق و ہدایت اور آپ ﷺ کی سنت پر قائم رہنے کی توفیق دے۔

کتاب اللہ اور تعلیمات نبوی کی پابندی

۱۶) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَايُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ......** (رواه فى شرح السنة وقال النووى فى اربعينه هذا حديث صحيح رويناه فى كتاب الحجة باسناد صحيح مشكوٰة المصابيح)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی (حقیقی) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کے تابع نہ ہو جائیں۔ (اس حدیث کو امام محی السنہ بغویؒ نے شرح السنہ میں روایت کیا ہے اور امام نووی نے اپنی کتاب "اربعین" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اسناد کی رو سے صحیح ہے۔ ہم نے اس کو کتاب الحجہ میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

تشریح...... حدیث کا پیغام اور مدعیٰ یہ ہے کہ حقیقی مؤمن وہی ہے جس کا دل و دماغ اور جس کی خواہشات و رجحانات آپ کی لائی ہوئی ہدایت و تعلیم (کتاب و سنت) کے تابع ہو جائیں، یہ آپ پر ایمان لانے اور آپ کو خدا کا رسول مان لینے کا لازمی اور منطقی نتیجہ بھی ہے۔ اگر کسی کا یہ حال نہیں ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کو حقیقی ایمان ابھی نصیب نہیں ہوا ہے، وہ اس کی فکر اور اپنے کو اس معیار پر لانے کی کوشش کرے۔

۱۷) عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ ـ (رواہ فی المؤطا)

ترجمہ: حضرت امام مالک بن انس سے بطریق ارسال روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دو چیزیں تمہارے میں چھوڑی ہیں تم جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے (وہ ہیں) کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت۔ (مؤطا امام مالک)

تشریح...... حدیث کا مدعا یہ ہے کہ میرے بعد میری لائی ہوئی کتاب اللہ اور میری سنت میری قائم مقام ہوں گی، امت جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہے گی گمراہیوں سے محفوظ اور راہ ہدایت پر مستقیم رہے گی۔

اس سلسلۂ معارف الحدیث میں یہ بات بار بار ذکر کی جاچکی ہے کہ کبھی کبھی کوئی تابعی یا تبع تابعی رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث اس طرح روایت کرتے ہیں کہ اس واسطہ کا ذکر نہیں کرتے جن سے ان کو وہ حدیث پہنچی ہے، اس طرح روایت کرنے کو محدثین کی اصطلاح میں "ارسال" کہا جاتا ہے اور ایسی حدیث کو "مرسل" ...... یہ حدیث امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں اسی طرح روایت کی ہے، وہ خود تبع تابعین میں سے ہیں، انہوں نے کسی صحابی کو بھی نہیں پایا، ہاں تابعین کو پایا ہے اور انہی کے ذریعہ ان کی حدیثیں پہنچی ہیں ...... یہ حدیث انہوں نے درمیانی راویوں کا ذکر کئے بغیر براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، ایسا وہ جب ہی کرتے ہیں، جب ان کے نزدیک حدیث روایت کے لحاظ سے صحیح اور قابل قبول ہوتی ہے ...... لیکن حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں یہی مضمون قریب قریب انہی الفاظ میں پوری سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا گیا ہے ...... کنزالعمال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے سنن بیہقی کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے:

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَااِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ ❶

ترجمہ: اے لوگو! میں وہ (سامان ہدایت) چھوڑ کر جاؤں گا جس سے اگر تم وابستہ رہے تو ہر گز کبھی گمراہ نہ ہو گے، اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔

نیز اسی کنزالعمال میں اسی مضمون کی حدیث قریب قریب انہی الفاظ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ ❷

کتاب اللہ کی طرح "سنت" بھی واجب الاتباع ہے

رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ کسی زمانے میں کچھ کھاتے پیتے پیٹ بھرے بے فکرے فتنہ پرداز لوگ امت میں یہ گمراہی پھیلانے کی کوشش کریں گے کہ دینی حجت اور واجب الاتباع صرف "کتاب اللہ" ہے، اس کے علاوہ کوئی چیز، خود رسول اللہ ﷺ کی بھی کوئی تعلیم و ہدایت واجب الاتباع نہیں ...... آپ نے

❶ کنزالعمال جلد اول صفحہ ۱۸۷۔　❷ ایضاً صفحہ ۱۷۳

اس فتنہ کے بارے میں امت کو واضح آگاہی اور ہدایات دیں۔

۱۸) عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيْكَرِبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلاَ اِنِّیْ اُوْتِيْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَه' مَعَه' اَلاَ يُوْشَكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَقُوْلُ عَلَيْكُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَلاَلٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدتُّمْ فِيْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ وَاِنَّ مَاحَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ كَمَا حَرَّمَ اللّٰهُ –

(رواه ابو داؤد والدارمی وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو اور آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ہدایت کے لئے) قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی...... آگاہ رہو کہ عنقریب بعض پیٹ بھرے لوگ (پیدا) ہوں گے جو اپنے شاندار تخت (یا مسہری) پر (آرام کرتے ہوئے) لوگوں سے کہیں گے کہ بس اس قرآن ہی کو لے لو، اس میں جس چیز کو حلال بنایا گیا ہے اس کو حلال جانو اور جو حرام قرار دیا گیا ہے اس کو حرام سمجھو (یعنی حلال و حرام بس وہی ہے، جس کو قرآن میں حلال یا حرام بتلایا گیا ہے، اس کے سوا کچھ نہیں)...... (آگے رسول اللہ ﷺ نے اس گمراہانہ نظریہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا) اور یہ واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ کے رسول نے حرام قرار دیا ہے، وہ بھی انہیں چیزوں کی طرح حرام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حرام قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داؤد، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

تشریح...... یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو وحی آتی تھی، اس کی دو صورتیں تھیں، ایک متعین الفاظ اور عبارت کی شکل میں اس کو "وحی متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے) یہ حیثیت قرآن پاک کی ہے...... دوسری صورت وحی کی یہ ہوتی تھی کہ آپ کو مضمون کا القاء اور الہام ہوتا تھا، آپ اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرماتے یا عمل کے ذریعہ تعلیم فرماتے تھے، اس کو "وحی غیر متلو" کہا جاتا ہے، (یعنی وہ وحی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی) رسول اللہ ﷺ کی عام دینی ہدایات وارشادات کی حیثیت یہی ہے، الغرض ان کی بنیاد بھی وحی الٰہی پر ہے، اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ چیز منکشف فرمادی تھی کہ آپ کی امت میں ایسے لوگ اٹھیں جو یہ کہہ کر لوگوں کو گمراہ اور اسلامی شریعت کو معطل کریں گے کہ دینی احکام بس وہی ہیں جو قرآن میں ہیں اور جو قرآن میں نہیں ہے، وہ دینی حکم ہی نہیں ہے...... رسول اللہ ﷺ نے اس زیر تشریح حدیث میں امت کو اس فتنہ سے باخبر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن بھی عطا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس کے علاوہ بھی وحی غیر متلو کے ذریعہ احکام دیئے گئے ہیں اور وہ قرآن ہی کی طرح واجب الاتباع ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ احادیث نبوی کے حجت دینی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ اسلامی شریعت کے پورے نظام سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہیں...... قرآن مجید کا معاملہ یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی

تعلیم اور احکام ہیں، ان کے بارے میں وہ ضروری تفصیلات جن کے بغیر ان احکام پر عمل ہی نہیں ہو سکتا، رسول اللہ ﷺ کی فعلی یا قولی احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، مثلاً قرآن پاک میں نماز کا حکم ہے، لیکن نماز کس طرح پڑھی جائے؟ کن اوقات میں پڑھی جائے؟ اور کس وقت کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں یہ قرآن میں کہیں نہیں ہے، یہ ساری تفصیلات احادیث ہی سے معلوم ہوتی ہیں، اسی طرح مثلاً قرآن مجید میں زکوٰۃ کا حکم ہے، لیکن یہ بھی نہیں بتلایا گیا کہ زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے اور ساری عمر میں ایک دفعہ نکالی جائے یا ہر سال یا ہر مہینے نکالی جائے، یہی حال اکثر وبیشتر قرآنی احکام کا ہے...... الغرض حدیث کے حجت دینی ہونے کا انکار انجام کے لحاظ سے پورے نظام دینی کا انکار ہے...... اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں امت کو خاص طور پر آگاہی دی ہے...... یہ حدیث اس حیثیت سے حضور ﷺ کا معجزہ بھی ہے کہ اس میں آپ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے اس فتنہ (انکار حدیث) کی اطلاع دی ہے جس کا آپ ﷺ کے زمانے میں بلکہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں بھی تصور تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۱۹) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْنَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُوْلُ لَااَدْرِیْ مَاوَجَدْنَاهُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ —

(رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں پاؤں (یعنی اس کا یہ حال ہو) کہ وہ اپنے شاندار تخت پر تکیہ لگائے (متکبرانہ انداز میں) بیٹھا ہو اور اس کو میری کوئی بات پہنچے، جس میں، میں نے کسی چیز کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیا ہو تو وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اسی حکم کو مانیں گے جو ہم کو قرآن میں ملے گا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، دلائل النبوۃ بیہقی)

تشریح...... اس حدیث کا مدعا اور پیغام بھی وہی ہے جو حضرت مقدام بن معدیکرب کی مندرجہ بالا حدیث کا ہے اور دونوں حدیثوں کے الفاظ و انداز سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس گمراہی (انکار حدیث) کے اصل علمبردار ایسے لوگ ہوں گے جن کے پاس دنیا کے ساز و سامان کی فراوانی ہوگی اور ان کے طور طریقے متکبرانہ ہوں گے جو اس بات کی علامت ہوگی کہ عیش دنیا نے ان کو خدا سے غافل اور آخرت کی طرف سے بے فکر کر دیا ہے...... اللہ تعالیٰ ہر فتنے اور ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے۔

امت کیلئے رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ہی اسوۂ حسنہ ہے

۲۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ يَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ وَقَدْ غَفَرَاللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدٌ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّی اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا

وَكَذَا؟ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (صحابۂ کرامؓ میں سے) تین آدمی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے اور آپ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے لگے (یعنی انہوں نے دریافت کیا کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول کیا ہے؟) جب ان کو وہ بتلایا گیا تو (محسوس ہوا کہ) گویا انہوں نے اس کو بہت کم سمجھا اور آپس میں کہا کہ ہم کو رسول پاک ﷺ سے کیا نسبت! ان کے تو اگلے پچھلے سارے قصور اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیئے ہیں (اور قرآن میں اس کی خبر بھی دے دی گئی ہے، لہٰذا آپ کو زیادہ عبادت ریاضت کی ضرورت ہی نہیں، ہاں ہم گناہگاروں کو ضرورت ہے کہ جہاں تک بن پڑے زیادہ سے زیادہ عبادت کریں) چنانچہ ایک نے کہا کہ اب میں تو ہمیشہ پوری رات نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب نے کہا کہ میں طے کرتا ہوں کہ ہمیشہ بلاناغہ دن کو روزہ رکھا کروں گا، تیسرے صاحب نے کہا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ ہمیشہ عورتوں سے بے تعلق اور دور رہوں گا، نکاح شادی کبھی نہیں کروں گا۔ (رسول اللہ ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی) تو آپ ان تینوں صاحبوں کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم ہی لوگوں نے یہ بات کہی ہے (اور اپنے بارے میں ایسے ایسے فیصلے کئے ہیں) سن لو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی اور ناراضی کی باتوں سے تم سب سے زیادہ پرہیز کرنے والا ہوں لیکن (اس کے باوجود) میرا حال یہ ہے کہ میں (ہمیشہ روزے نہیں رکھتا بلکہ) روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں اور (ساری رات نماز نہیں پڑھتا بلکہ) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (اور میں نے تجرد کی زندگی اختیار نہیں کی ہے) میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں (یہ میرا طریقہ ہے) اب جو کوئی میرے اس طریقہ سے ہٹ کر چلے وہ میرا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... جن تین صحابیوں کا اس حدیث میں ذکر ہے بظاہر ان کو یہ غلط فہمی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت میں مغفرت و جنت حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ آدمی دنیا اور اس کی لذتوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلے اور بس اللہ کی عبادت میں لگا رہے، اپنی اسی غلط فہمی کی بناء پر وہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہی حال ہوگا...... لیکن جب ان کو ازواج مطہرات سے عبادت (نماز روزے وغیرہ) کے بارے میں حضور ﷺ کا معمول معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے خیال کے لحاظ سے اس کو بہت کم سمجھا، لیکن ازراہ عقیدت و ادب اس کی توجیہ یہ کی کہ آپ ﷺ کے لئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور جنت میں درجات عالیہ کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس لئے آپ کو عبادت میں زیادہ مشغول رہنے کی ضرورت ہی نہیں...... ہمارا معاملہ دوسرا ہے ہم کو اس کی ضرورت ہے اور اس بناء پر انہوں نے اپنے لئے وہ فیصلے کئے جن کا حدیث میں ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مثال پیش کر کے ان کی غلط فہمی کی اصلاح اور تنبیہ فرمائی...... آپ نے فرمایا کہ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے، اس کے باوجود میرا حال یہ ہے کہ میں راتوں کو نماز بھی پڑھتا

ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، دنوں میں روزے سے بھی رہتا ہوں اور بلا روزے کے بھی رہتا ہوں، میری بیویاں ہیں، ان کے ساتھ ازدواجی زندگی گزارتا ہوں...... زندگی کا یہی وہ طریقہ ہے جو میں بہ حیثیت نبی اور رسول کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں، اب جو کوئی اس طریقہ سے ہٹ کر چلے اور اس سے منہ موڑے وہ میرا نہیں ہے۔

صرف عبادت اور ذکر و تسبیح میں مشغول رہنا، فرشتوں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا ہی پیدا کیا ہے کہ ان کے ساتھ نفس کا کوئی تقاضا نہیں ہے، ان کے لئے ذکر و عبادت قریب قریب ایسے ہی ہے جیسے ہمارے لئے سانس کی آمدورفت...... لیکن ہم بنی آدم کھانے پینے کی جیسی بہت سی ضرورتیں اور نفس کے بہت سے تقاضے لے کر پیدا کئے گئے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہم کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود و احکام کی پابندی کرتے ہوئے اپنی دنیوی ضرورتیں اور نفسانی تقاضے پورے کریں اور باہمی حقوق کو صحیح طور پر ادا کریں...... یہ بڑا سخت امتحان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی ہے، اور اسی میں کمال ہے، اسی لئے وہ فرشتوں سے افضل ہیں اور ان میں بہترین نمونہ خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے...... حدیث کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کثرت عبادت کوئی غلط چیز ہے بلکہ اس کا مدعا اور پیغام یہ ہے کہ وہ ذہنیت اور وہ نقطہ نظر غلط اور طریقۂ محمدی کے خلاف ہے، جس بنیاد پر ان تین صاحبوں نے اپنے بارے میں وہ فیصلے کئے تھے...... غالباً انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راتوں میں آرام فرمانا اور ہمیشہ روزہ نہ رکھنا اور ازدواجی زندگی اختیار کرنا اور اس طرح کے دوسرے مشاغل میں مشغول ہونا اپنے طرز عمل سے امت کی تعلیم کے لئے تھا، اور یہ کار نبوت کا جز تھا اور یقیناً آپ کے حق میں یہ نفلی عبادات سے افضل تھا...... اس کے باوجود آپ کبھی کبھی اتنی عبادت فرماتے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا اور جب آپ سے عرض کیا جاتا کہ آپ کو اس قدر عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ فرماتے "اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا"...... اسی طرح کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن بلا افطار اور بلا سحری کے روزے رکھتے، جس کو "صوم وصال" کہا جاتا ہے...... الغرض حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث یا اسی مضمون کی دوسری حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوگا کہ عبادت کی کثرت کوئی ناپسندیدہ چیز ہے۔ ہاں رہبانیت اور رہبانیت والی ذہنیت بلاشبہ ناپسندیدہ اور طریق محمدی اور تعلیم محمدی کے خلاف ہے۔

اس دور میں نجات کا واحد راستہ اتباع محمدی ہے

(۲۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ، فَسَكَتَ، فَجَعَلَ يَقْرَءُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَغَيَّرُ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرٰى مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْبَدَالَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ

وَتَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ — (رواه الدارمي)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تورات کا ایک نسخہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ تورات کا ایک نسخہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمرؓ نے اس کو پڑھنا (اور حضور ﷺ کو سنانا) شروع کر دیا، اور رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ (حضرت عمرؓ پڑھتے رہے اور حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابو بکرؓ نے (جو مجلس میں حاضر تھے، حضرت عمرؓ کو ڈانٹا اور) فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے...... اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے ہم (دل و جان سے) راضی ہیں، اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...... اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آ جائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کر لو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے۔) (مسند دارمی)

تشریح...... "نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَاةِ" کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو رسول اللہ ﷺ کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو جملہ فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" اس کا لفظی ترجمہ ہے "رونے والیاں تجھ کو روئیں"...... جب اظہار ناراضی کے موقع پر یہ جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے، ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے "موا" کہتی ہیں، (جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضور ﷺ کی ناراضی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ "خاتم الکتب" قرآن مجید اور "خاتم الانبیاء" حضرت محمد ﷺ کی ہدایت و تعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیمی صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے، اگلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین و احکام تھے، جن کی بنی آدم کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیئے گئے ہیں "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" جو قرآن پاک کی صفت ہے، اس کا مطلب یہی ہے...... نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہو چکا ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف ہے، اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ علیہ السلام زندہ ہو کر اس

نیا میں تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت و تعلیم کو چھوڑ کے ان کی پیروی اختیار رلو، تو تم راہ یاب نہیں ہوگے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہو جاؤ گے...... اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی التے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت ورسالت کا یہ ور پاتے تو وہ خود بھی اسی ہدایت الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، اور اس طرح میری اقتدا اور میری پیروی کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آپ ﷺ کے اخص الخواص اصحاب میں سے تھے، اس لئے ان کی یہ ذرا سی لغزش بھی حضور ﷺ کے لئے ناگواری کا باعث ہوئی۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

۲۲) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ اَهْلُ الْکِتَابِ یَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِیَّةِ وَیُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِیَّةِ لِاَهْلِ الْاَسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْکِتَابِ وَلَا تُکَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا الْاٰیَة** — (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ اہل کتاب مسلمانوں کے سامنے عبرانی زبان میں توراۃ پڑھتے اور عربی میں اس کی تفسیر وتشریح کرتے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کی (ان باتوں کو جو وہ تورات کے حوالہ سے تم کو سناتے اور بتلاتے ہیں) نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، بس (اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق قرآن پاک کے الفاظ میں) یہ کہہ دیا کرو کہ:

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (سورۃ البقرہ آیت ۱۳۶)

ترجمہ: ہم ایمان لائے، اللہ پر اور اس کی اس کتاب پر جو ہماری طرف (اور ہماری ہدایت کے لئے) نازل کی گئی ہے، اور ان سب ہدایت ناموں پر ایمان لائے جو نازل کئے گئے تھے (انبیاء سابقین) ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق اور اسباط پر اور جو نازل کئے گئے موسیٰ و عیسیٰ پر اور (ان کے علاوہ) اور نبیوں کو جو ہدایت عطا ہوئی ان کے پروردگار کی طرف سے، ہم (نبی ورسول ہونے کی حیثیت سے) ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے (ہم سب کو مانتے ہیں) اور ہم بس اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ تورات میں اور اسی طرح انجیل میں طرح طرح کی تحریفات ہوئی تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی کہ ان کی سب باتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب، یہ عقیدہ رکھو اور دوسروں کے سامنے بھی اپنا یہ موقف واضح کردو کہ اللہ کے سب نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے سب ہدایت ناموں پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان سب کو برحق مانتے ہیں، اس لحاظ سے اللہ کے نبیوں میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے بندے ہیں، اسی کے حکموں پر چلتے ہیں، اور اس دور کے

لئے اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے آخری نبی و رسول کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کی جائے ...... اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایمان اللہ کے سب نبیوں پر اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں پر لایا جائے، سب کا احترام اور سب کی عظمت کا احترام کیا جائے لیکن پیروی اپنے زمانے کے نبی و رسول کی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی کی جائے۔

۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيَاتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذَالِكَ، وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلٰثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً، قَالُوْا مَنْ هِىَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر برابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بد بخت ہوا ہوگا جس نے اعلانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بد بخت ہوگا جو ایسا کرے اور بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہوگا) صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا فرقہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو اس راستے پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ (جامع ترمذی)

(قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے۔)

تشریح ...... اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لئے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد و نظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کے لئے ہے۔

اس طبقہ نے اپنے لئے "اہل السنۃ والجماعۃ" کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ ﷺ اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے) ...... دوسرے بہتّر (۷۲) فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے "كُلُّهُمْ فِى النَّارِ" ان سب کی تعیین کے ساتھ نشاندہی نہیں کی جا سکتی، بہر حال یہ وہ ہیں، جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ" سے اصولی طور پر مختلف ہے، مثال کے طور پر کہا جا سکتا ہے جیسے زیدیہ، معتزلہ، جہمیہ اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث اور وہ مبتدعین جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لئے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے...... جیسے قدیم زمانے میں مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیان نبوت کو نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی، سو ایسے لوگ "امت" کے دائرہ ہی سے نکل گئے اس لئے یہ ان بہتر (۷۲) فرقوں میں شامل نہیں ہیں، یہ بہتر (۷۲) فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، مگر انہوں نے "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرز فکر اختیار کر لیا، لیکن ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور امت کے دائرہ ہی سے خارج ہو گئے ہوں...... ان کے بارے میں جو فرمایا گیا "كُلُّهُمْ فِى النَّارِ" (یہ سب جہنم میں جائیں گے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ عذاب جہنم کے مستحق ہوں گے۔ اسی طرح "مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ" کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہترویں فرقے کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہو گا...... بہر حال حدیث میں جس "تفرق" (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے، اس کا اعمال کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد وانکار سے ہوتا ہے...... اعمال صالحہ اور اعمال سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے، لیکن اس حدیث کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امت میں عمومی فساد و بگاڑ کے وقت سنت اور طریق محمدی ﷺ سے وابستگی

۲۴) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِىْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِىْ لَهٗ اَجْرُ شَهِيْدٍ

(رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے وقت میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے، اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب ہے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اس کے علاوہ دوسری متعدد حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی آئیں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اس کی غالب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقہ کی پابند نہیں رہے گی...... ظاہر ہے کہ ایسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہو گا اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی...... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہو گا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں "سنت" کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے، مگر حدیث میں "سنت" سے مراد آپ کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے جس میں عقائد اور فرائض وواجبات بھی شامل ہیں۔

فائدہ "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔ "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِأَةِ شَهِيْدٍ" اور اس کی تخریج کے لئے حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا ہے، بظاہر زیادہ قابل اعتماد معجم اوسط طبرانی کی وہی روایت ہے جو یہاں "جمع الفوائد" سے نقل کی گئی ہے اور جس میں "فَلَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ" فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

احیاء سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد

۲۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد مردہ ہوگئی تھی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کی کسی ہدایت اور کسی سنت پر جب تک عمل ہو رہا ہے اور وہ رواج میں ہے تو وہ زندہ ہے اور جب اس پر عمل متروک ہو جائے اور رواج نہ رہے تو گویا اس کی زندگی ختم کردی گئی...... اب آپ کا جو وفادار امتی آپ کی اس سنت اور ہدایت کو پھر سے عمل میں لانے اور رواج دینے کی جدوجہد کرے اس کے لئے اس حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس نے مجھ سے محبت کی اور محبت کا حق ادا کردیا اور اب وہ آخرت اور جنت میں میرے ساتھ اور میرا رفیق ہوگا۔

۲۶) عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا —

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت بلال بن الحارث مزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کردی گئی تھی، (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر وثواب ملے گا ان تمام بندگان خدا کے اجر وثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ فرض کیجئے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندۂ خدا کی محنت اور جدوجہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں

کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو ان کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر و ثواب ملے گا، اس سب کے مجموعہ کے برابر اس بندے کو عطا ہو گا جس نے ان دینی احکام و اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جدوجہد کی تھی اور یہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہو گا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کر کے دیا جائے...... اس کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان، جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے خیالات اور استطاعت کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لئے محنت اور کوشش کرے...... لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمان کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہو گیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ہے...... پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول اللہ ﷺ کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے چالو کرنے اور رواج میں لانے کے لئے جدوجہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لئے وقف کر دی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرہویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے...... اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ و رسول ﷺ کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لئے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں...... بلاشبہ احیاء سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ "وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ"

۲۷) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِىْ مِنْ سُنَّتِىْ- (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کے لئے اجنبی اور کسمپرسی کی حالت میں) تھا، پس شادمانی ہو غرباء کے لئے اور (غرباء سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ پیدا کریں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... ہماری اردو زبان میں تو "غریب" نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا ہے، لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا اور پرسان حال نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم

سے آپ ﷺ نے اہل مکہ کے سامنے اسلام پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کے نظام زندگی لوگوں کے لئے بالکل نامانوس اور اجنبی تھے اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پردیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بات پوچھنے والا نہ ہو...... پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے، یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلدی ہی قریباً پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنا لیا، پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی، لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طور طریقوں کو اپنا لے گی اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی، بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گی اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پردیسی کی طرح ہو جائے گا...... تو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے...... اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو وفادار امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جدوجہد کریں گے ان کو شاباش اور مبارکباد...... اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ ﷺ نے "غرباء" کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے، اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے، امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسے صریح شرک میں مبتلا اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے، دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول ﷺ کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں، علماء و درویشوں کی بڑی تعداد میں نفس پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جا سکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان میں پیدا ہو گئی تھیں، اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی، ایسے فساد عام کے وقت میں جو باتوفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انہیں کو اس حدیث میں "غربا" کہا گیا ہے) اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس عاجز راقم سطور کو اور اس کے پڑھنے والوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے کو اس زمرے میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاحْشُرْنَا فِىْ زُمْرَتِهِمْ"

دنیوی معاملات میں حضور ﷺ کی ذاتی رائے کی حیثیت

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی

کے کسی بھی شعبہ سے...... لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لئے واجب اطاعت نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعیٰ یہی ہے۔

۲۸) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَابِرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَاتَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ، قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَكَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ فَذَكَرُوْا ذَالِكَ لَهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْئٍ مِنْ رَاْئٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ. (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انہوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو، تو انہوں نے اس کو ترک کر دیا، تو پیداوار کم ہوئی، تو لوگوں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں تو اس کو لازم پکڑ لو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لئے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

تشریح...... مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوند کاری کرتے ہیں، جس کو "تابیر" کہا جاتا تھا، چونکہ مکہ معظمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لئے یہ تابیر کا عمل آپ ﷺ کے لئے ایک نئی بات تھی، آپ ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لئے کرتے ہیں؟ وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لئے ہم بھی کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہو...... ان لوگوں نے آپ ﷺ سے یہ سن کر اس عمل تابیر کو ترک کر دیا...... لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ...... الخ" یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں۔ ی ہر بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں تو جب میں بی سول کی حیثیت سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم

دوں تو وہ واجب التعمیل ہے اور جب میں کسی دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اور عمل تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب خاصیتیں رکھ دی ہیں، جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے، تابیر کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا، اور آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کے لئے نہیں آئے تھے، بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الٰہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور اس کے لئے جس علم کی ضرورت تھی، وہ آپ کو بھرپور عطا فرمایا گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ خیال اور عقیدہ غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دنیا کی ہر بات اور ہر چیز کا علم تھا...... جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ حضور ﷺ کے مقام عالی سے نا آشنا ہیں۔

اس حدیث پر "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" ختم ہوئی۔

دعوت الی الخیر
امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اسی لئے بھیجے جاتے تھے کہ اس کے بندوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیں، پسندیدہ اعمال و اخلاق اور ہر طرح کے اعمال خیر کی طرف ان کی رہنمائی کریں اور ہر نوع کی برائیوں سے ان کو روکنے اور بچانے کی کوشش کریں تاکہ دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت اور رضا کے مستحق ہوں اور اس کے غضب و عذاب سے محفوظ رہیں ... اسی کا جامع عنوان "دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے۔

جب خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تو قیامت تک کے لئے اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری آپ کی امت کے سپرد کر دی گئی ..... قرآن پاک میں فرمایا گیا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران ۳: ۱۰۴)

ترجمہ: اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو (لوگوں کو) دعوت دے خیر اور بھلائی کی اور حکم کرے معروف (اچھی باتوں) کا اور روکے ہر طرح کی برائیوں سے اور وہی بندے فلاح یاب ہوں گے (جو یہ فریضہ ادا کریں گے)

پھر چند ہی آیتوں کے بعد اسی سورت میں فرمایا گیا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ. (آل عمران ۳: ۱۱۰)

ترجمہ: اے پیروان محمد! تم (تمام امتوں میں) وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لئے ظہور میں لائی گئی ہے تمہارا کام (اور تمہاری ذمہ داری) یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (اور ایمان والی زندگی گزارتے ہو۔)

بہر حال سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لئے امت محمدیہ پر عائد کر دی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے جو امتی اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے عظیم انعامات کے مستحق ہوں گے اور جو اس میں کوتاہی کریں گے وہ اپنے نفسوں پر کتنا بڑا ظلم کریں گے، اور ان کا انجام اور حشر کیا ہوگا ...... اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا اجر و ثواب

۲۹) **عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ ......** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی

نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث کا مطلب و مدعا اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص نماز کا عادی نہیں تھا، آپ کی دعوت ترغیب اور محنت کے نتیجہ میں وہ پابندی سے نماز پڑھنے لگا، وہ قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر اللہ سے غافل تھا، آپ کی دعوت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے لگا، ذکر و تسبیح کا بھی عادی ہو گیا، وہ زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا، آپ کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے اثر سے وہ زکوۃ بھی ادا کرنے لگا، اسی طرح اور بھی اعمال صالحہ کا پابند ہو گیا..... تو اس کو عمر بھر کی نمازوں، ذکر و تلاوت، زکوۃ و صدقات اور دیگر اعمال صالحہ کا جتنا اجر و ثواب آخرت میں ملے گا (اس حدیث کی بشارت کے مطابق) اللہ تعالیٰ اتنا ہی اجر و ثواب بطور انعام کے اپنے لا محدود خزانۂ کرم سے اس داعی الی الخیر بندے کو بھی عطا فرمائے گا جس کی دعوت و تبلیغ نے اس کو ان اعمال صالحہ پر آمادہ کیا اور عادی بنایا..... واقعہ یہ ہے کہ اس راستہ سے جتنا اجر و ثواب اور آخرت میں جو درجہ حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ کسی دوسرے راستہ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا..... بزرگان دین کی اصطلاح میں یہ "طریق نبوت" کا سلوک، بشرطیکہ خالصاً لوجہ اللہ اور صرف رضائے الٰہی کی طلب میں ہو۔

۳۰) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعیٰ اِلیٰ هُدیً کَانَ لَه، مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَه، لَایَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعیٰ اِلیٰ ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَه، لَایَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا** (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس بندے نے کسی نیکی کے راستہ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی تو اس داعی کو ان سب لوگوں کے اجروں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر نیکی کے اس راستہ پر چلیں گے اور عمل کریں گے اور اس کی وجہ سے ان عمل کرنے والوں کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہو گی..... (اور اسی طرح) جس نے (لوگوں کو) کسی گمراہی (اور بدعملی) کی دعوت دی تو اس داعی کو ان سب لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہو گا جو اس کی دعوت پر اس گمراہی اور بدعملی کے مرتکب ہوں گے اور اس کی وجہ سے ان لوگوں کے گناہوں میں (اور ان کے عذاب میں) کوئی کمی نہ ہو گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح اس حدیث میں داعیان حق وہدایت کو بشارت سنانے کے ساتھ داعیان ضلالت کی بدانجامی بھی بیان فرمائی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دعوت الی الخیر اور ارشاد و ہدایت کی توفیق ملتی ہے، وہ رسول اللہ ﷺ بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مشن کے خادم اور ان کے لشکر کے سپاہی ہیں اور جن کی بدبختی نے ان کو گمراہی اور بدعملی کا داعی بنادیا ہے، وہ شیطان کے ایجنٹ اور اس کے لشکری ہیں، اور ان دونوں کا انجام وہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

٣١) عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاَنْ یَّهْدِیَ اللّٰهُ عَلٰی یَدَیْكَ رَجُلاً، خَیْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ وَغَرُبَتْ. (رواه الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر اور تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تمہارے لئے اس ساری کائنات سے بہتر ہے، جس پر آفتاب طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ اس دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس پر آفتاب طلوع اور غروب نہ ہوتا ہو، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے حق میں اس سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے کہ مشرق سے مغرب تک کی ساری دنیا تم کو مل جائے...... اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید اور اس میں کوتاہی پر سخت تہدید

٣٢) عَنْ حُذَیْفَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَیُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَلَا یُسْتَجَابُ لَكُمْ. (رواه الترمذی)

ترجمہ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، (اے اہل ایمان) قسم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے اور تم کو تاکید ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو (یعنی اچھی باتوں اور نیکیوں کی لوگوں کو ہدایت و تاکید کرتے رہو اور بری باتوں اور برے کاموں سے ان کو روکتے رہو) یا پھر ایسا ہوگا کہ (اس معاملہ میں تمہاری کوتاہی کی وجہ سے) اللہ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیج دے گا، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کو واضح الفاظ میں آگاہی دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میری امت کا ایسا اہم فریضہ ہے کہ جب اس کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی...... اور پھر جب دعائیں کرنے والے اس عذاب اور فتنہ سے نجات کے لئے دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی۔

اس عاجز کے نزدیک اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ صدیوں سے یہ امت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور امت کے اخیار اور صلحاء کی دعاؤں اور التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے، تو اس کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیئے تھے اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا، وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، امت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے

ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں ہیں...... الغرض یہ وہی صورت حال ہے، جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں واضح آگاہی دی تھی۔

۳۳) **عَنْ اَبِیْ بَکْرِ ِالصِّدِّیْقِ اِنَّکُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَیْتُمْ" فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاس اِذَا رَاَوْ مُنْکَرًا فَلَمْ یُغَیِّرُوا یُوْشِكُ اَنْ یَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهٖ.** (رواہ ابن ماجہ والترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہو "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَایَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَااهْتَدَیْتُمْ" (اے ایمان والو تم پر لازم ہے اپنے نفسوں کی فکر، تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے گمراہ ہونے والے لوگ جب تم راہ ہدایت پر ہو۔)...... (حضرت صدیق اکبر نے اس آیت کا حوالہ دیکر فرمایا کہ کسی کو اس آیت سے غلط فہمی نہ ہو) میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ شریعت کے خلاف کام ہوتے دیکھیں اور اس کی تغییر واصلاح کے لئے کچھ نہ کریں تو قریبی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب ہی پر عذاب آجائے۔" (سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی)

تشریح...... سورۂ مائدہ کی یہ ایک سو پچیسویں ۱۲۵ آیت ہے جس کا حوالہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے دیا ہے، اس آیت کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ وہ اس کی فکر کریں کہ وہ خود اللہ ورسول کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں، دوسروں کی اصلاح وہدایت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر دوسرے لوگ اللہ ورسول کے احکام کے خلاف چل رہے ہیں تو چلتے رہیں، ہم کو ان کی گمراہی اور غلط کاری سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ آیت سے ایسا سمجھنا غلط ہوگا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا رویّہ یہ ہو جائے کہ وہ دوسرے لوگوں کو خلاف شریعت کام کرتے دیکھیں اور ان کی اصلاح کے لئے کچھ نہ کریں بلکہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تو اس بات کا قریبی خطرہ ہوگا کہ خدا کی طرف سے ایسا عذاب آئے جو سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور قرآن وحدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں سورۂ مائدہ کی اس آیت کا مفاد اور مدعیٰ یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان جب تم راہ ہدایت پر ہو، اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (جس میں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور بقدر امکان بندگان خدا کی اصلاح وہدایت کی کوشش بھی شامل ہے) تو اس کے بعد جو ناخدا ترس لوگ ہدایت قبول نہ کریں اور گمراہی کی حالت میں رہیں، تو اس کی اس گمراہی اور معصیت کوشی کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں، تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ ...... الحدیث" اس سلسلۂ معارف الحدیث کی کتاب الایمان میں درج ہو چکی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو

شخص کوئی خلاف شریعت کام ہوتا دیکھے تو اگر اس کے لئے اس کا امکان ہے کہ طاقت استعمال کر کے اس کو روک دے تو ایسا ہی کرے اور اگر اس کی استطاعت اور قدرت نہیں ہے تو زبان ہی سے نصیحت اور اظہار ناراضی کرے، اگر اس کی بھی استطاعت اور قدرت نہیں ہے، تو دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور دل میں اس کے خلاف جذبہ رکھے۔)

۳۴) عَنْ جَرِيْرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَامِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَايُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَمُوْتُوْا. (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی قوم (اور جماعت) میں کوئی آدمی ہو جو ایسے اعمال کرتا ہو جو گناہ اور خلاف شریعت ہیں اور اس قوم اور جماعت کے لوگ اس کی قدرت اور طاقت رکھتے ہوں کہ اس کی اصلاح کر دیں اور اس کے باوجود اصلاح نہ کریں (اسی حال میں اس کو چھوڑے رکھیں) تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح..... مطلب یہ ہے کہ استطاعت اور قدرت کے باوجود غلط کار اور بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی کوشش نہ کرنا اور بے پروائی کا رویہ اختیار کرنا، اللہ کے نزدیک ایسا گناہ ہے جس کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی دی جاتی ہے "اللهم اغفرلنا وارحمنا ولا تعذبنا!"

۳۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا، فَقَالَ يَارَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدُكَ فُلَاناً لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ، قَالَ تَعَالٰى اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْفِيَّ سَاعَةً قَطُّ. (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کی پوری آبادی کے ساتھ الٹ دو! جبرائیل نے عرض کیا خداوندا اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے پل جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس بستی کو اس بندے پر اور اس کے دوسرے سب باشندوں پر الٹ دو، کیونکہ کبھی ایک ساعت کے لئے بھی میری وجہ سے اس بندے کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔ (شعب الایمان للبیہقی)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے پہلے کسی زمانہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ کوئی بستی تھی، جس کے باشندے عام طور سے سخت فاسق فاجر تھے اور ایسی بداعمالیاں کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال کا باعث بن جاتی ہیں ..... لیکن اسی بستی میں ایک ایسا بندہ بھی تھا جو اپنی ذاتی زندگی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پورا فرمانبردار تھا اور اس سے کبھی معصیت سرزد نہیں ہوئی تھی، مگر دوسری طرف اس کا حال یہ تھا کہ بستی والوں کے فسق و فجور اور ان کی بداعمالیوں پر کبھی اس کو غصہ بھی نہیں آتا تھا اور اس کے چہرے پر شکن بھی

نہیں پڑتی تھی...... اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی اس درجہ کا جرم تھا کہ جبرائیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بستی کے فاسق فاجر باشندوں کے ساتھ اس بندے پر بھی بستی کو الٹ دو۔

اللہ تعالیٰ اس حدیث سے عبرت حاصل کرنے اور سبق لینے کی توفیق دے۔ (آمین)

۳۶) **عَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِى الْاَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا**

ترجمہ: حضرت عرس بن عمیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی سرزمین میں گناہ کیا جائے تو جب لوگ وہاں موجود ہوں اور اس گناہ سے ناراض ہوں تو (اللہ کے نزدیک) وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود نہیں ہیں (یعنی ان سے اس گناہ کے بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی) اور جو لوگ اس گناہ والی سرزمین میں موجود نہ ہوں مگر اس گناہ سے راضی ہوں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود تھے (اور گویا شریک گناہ تھے)۔ (سنن ابی داود)

تشریح اس باب کی دوسری حدیثوں کی روشنی میں حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے سامنے اللہ ورسول کے احکام اور شریعت کے خلاف کام کئے جائیں وہ اگر ان سے ناراض ہوں اور حسب استطاعت اصلاح و تغییر کی کوشش کریں ورنہ کم از کم دل ہی میں اس کے خلاف جذبہ رکھیں تو خواہ ان کی ناراضی اور کوششوں کا کوئی اثر نہ ہو اور معصیتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے تب بھی ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی (بلکہ وہ انشاء اللہ ماجور ہوں گے) اور جن لوگوں کو ان خلاف شریعت کاموں سے ناگواری اور ناراضی بھی نہ ہو، وہ اگرچہ گناہوں کی جگہ سے دور ہوں پھر بھی وہ مجرم ہوں گے اور شریک گناہ سمجھے جائیں گے...... اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم اپنا احتساب کریں۔

۳۷) **عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِىْ حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعُ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِىْ اَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِى اَعْلَاهَا فَكَانَ الَّذِىْ فِىْ اَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِى اَعْلَاهَا، فَتَاَذَّوْا بِهٖ فَاَخَذَ فَاْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ اَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ فَاَتَوْهُ فَقَالُوْا مَالَكَ؟ قَالَ تَاَذَّيْتُمْ بِىْ وَلَابُدَّلِىْ مِنَ الْمَاءِ، فَاِنْ اَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ نَجَّوْهُ وَنَجَّوْا اَنْفُسَهُمْ وَاِنْ تَرَكُوْهُ اَهْلَكُوْهُ وَاَهْلَكُوْا اَنْفُسَهُمْ.** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی حدود اور اس کے احکام کے بارے میں مداہنت (یعنی سہل انگاری اور ڈھیلے پن) سے کام لیتے ہیں (روک ٹوک نہیں کرتے) اور ایسے لوگوں کی جو خود اللہ کی حدود کو پامال اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایک ایسے گروہ کی سی مثال ہے جو باہم قرعہ اندازی کر کے ایک کشتی پر سوار ہوا تو کچھ لوگوں نے کشتی کے نیچے کے درجہ میں جگہ پائی اور کچھ نے اوپر والے درجہ میں...... تو نیچے کے درجہ والا آدمی پانی لے کر اوپر کے درجہ والوں پر سے گزرتا تھا، اس سے انہوں نے تکلیف محسوس کی (اور اس پر ناراضی

کا اظہار کیا) تو نیچے کے درجہ والے نے کلہاڑا لیا اور لگا سوراخ کرنے کشتی کے نیچے کے حصے میں (تاکہ نیچے ہی سے دریا سے براہ راست پانی حاصل کر لے اور پانی کے لئے اوپر آنا جانا نہ پڑے) تو اوپر کے درجہ والے اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو کیا ہو گیا ہے؟ (یہ کیا کر رہے ہو؟) اس نے کہا کہ (پانی کے لئے میرے آنے جانے سے) تم کو تکلیف ہوئی (اور تم نے ناراضی کا اظہار کیا) اور پانی تو (زندگی کی) ناگزیر ضرورت ہے (میں دریا سے پانی حاصل کرنے کے لئے یہ سوراخ کر رہا ہوں...... رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) تو اگر یہ کشتی والے اس آدمی کا ہاتھ پکڑلیں (اور اس کو کشتی میں سوراخ نہ کرنے دیں) تو اس کو بھی ہلاکت سے بچالیں گے اور اپنے کو بھی اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے (اور کشتی میں سوراخ کرنے دیں گے) تو اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور اپنے کو بھی (سب ہی غرقاب ہو جائیں گے۔) (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں کر دی گئی ہے، بڑی ہی عام فہم اور سبق آموز مثال ہے...... حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب کسی بستی یا کسی گروہ میں اللہ کی حدود پامال کی جاتی ہوں اور اس کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوتی ہو، وہ بداعمالیاں ہوتی ہوں جو خداوند ذوالجلال کے قہر و عذاب کو دعوت دیتی ہیں، تو اگر ان میں کے اچھے اور نیک لوگ اصلاح و ہدایت کی کوئی کوشش نہیں کریں گے تو جب خدا کا عذاب نازل ہوگا تو یہ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے اور ان کی ذاتی نیکی اور پرہیزگاری ان کو نہ بچا سکے گی...... قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" ۝ (الانفال نمبر ۲۵) (اور اس عذاب سے ڈرو اور بچنے کی کوشش کرو، جو صرف ظالموں، مجرموں ہی پر نہیں آئے گا، اور خود جان لو کہ اللہ کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔)

کن حالات میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے

۳۸) **عَنْ اَبِىْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ سَاَلْتُ عَنْهَا خَبِيْرًا، سَاَلْتُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى اِذَا رَاَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَّدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَاِعْجَابَ كُلِّ ذِىْ رَاْىٍ بِرَاْيِهٖ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ فَاِنَّ مِنْ وَّرَائِكُمْ اَيَّامًا اَلصَّبْرُ فِيْهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ، لِلْعَامِلِ فِيْهِنَّ مِثْلُ اَجْرِ خَمْسِيْنَ رَجُلًا يَعْمَلُوْنَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَايَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ" کے بارے میں (ایک صاحب کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں اس ہستی سے پوچھا تھا جو (اس کے مطلب اور مدعیٰ سے اور اللہ کے حکم سے) سب سے زیادہ باخبر تھی، (یعنی) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ نے ارشاد

فرمایا کہ (اس آیت سے غلط فہمی میں نہ پڑو) بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہو...... یہاں تک کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) تم دیکھو کہ بخل اور دولت اندوزی کے جذبہ کی اطاعت کی جاتی ہے اور (اللہ ورسول کے احکام کے مقابلہ میں) اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور (آخرت کو فراموش کر کے) بس دنیا ہی کو مقصود بنالیا گیا ہے اور ہر شخص خود رائی اور خود بینی کا مریض ہے (تو جب عام لوگوں کی حالت یہ ہو جائے) تو اس وقت بس اپنی ذات ہی کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو (ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کردو) کیونکہ تمہارے بعد میں ایسا دور بھی آئے گا کہ صبر اور ثابت قدمی (کے ساتھ دین پر قائم رہنا اور شریعت پر چلنا) ایسا (مشکل اور صبر آزما) ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ لے لینا، ان دنوں میں شریعت پر عمل کرنے والوں کو تمہاری طرح عمل کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی ابوامیہ شعبانی نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت نمبر ۱۰۵ کے متعلق جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اوپر گزر چکا ہے، سوال کیا تھا، تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تھا (کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہم خود اللہ و رسول کی ہدایت کے مطابق چل رہے ہیں تو دوسرے لوگوں کے دین کی فکر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہماری ذمہ داری نہیں ہے)...... تو رسول اللہ ﷺ نے وہ جواب ارشاد فرمایا جو حدیث میں مذکور ہوا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے، اس لئے اس کو برابر کرتے رہو...... ہاں جب امت کا حال یہ ہو جائے کہ بخل و کنجوسی اس کا مزاج بن جائے اور دولت کی پوجا ہونے لگے، اور اللہ ورسول کے احکام کے بجائے بس خواہشات نفس کا اتباع کیا جانے لگے اور آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنالیا جائے اور خود بینی اور خود رائی کی وبا عام ہو جائے تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چونکہ امر بالمعروف اور نہی منکر کی تاثیر وافادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی امید نہیں ہوتی اس لئے چاہئے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کے بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعد میں ایسے دور بھی آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ ورسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما ہوگا...... ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا جہاد ہوگا اور دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی...... اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ ورسول کے احکام پر صبر و ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو پچاس پچاس تمہارے جیسے عمل کرنے والوں کی برابر اجر و ثواب ملے گا۔

فی سبیل اللہ جہاد و قتال اور شہادت

جیسا کہ معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نبی و رسول اسی لئے بھیجے گئے کہ اس کے بندوں کو "دین حق" یعنی زندگی کے اس خدا پرستانہ اور شریفانہ طریقہ کی دعوت و تعلیم دیں اور اس پر چلانے کی کوشش کریں جو ان کے خالق و پروردگار نے ان کے لئے مقرر کیا ہے اور جس میں ان کی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح ہے اور جس پر چلنے والوں کے لئے خدا کی رضا و رحمت اور جنت کی ضمانت ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ سب ہی انبیاء و رسل علیہم السلام نے اپنے اپنے دور اور دائرہ میں اسی کی دعوت دی اور اسی کے لئے جدوجہد کی...... لیکن قریباً سب ہی کے ساتھ ایسا ہوا کہ ان کے زمانے اور ان کی قوم کے شریر و بد نفس لوگوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی دعوت حق کو قبول نہیں کیا بلکہ شدید مخالفت و مزاحمت کی اور دوسروں کا بھی راستہ روکا اور اگر ان کے ہاتھ میں طاقت ہوئی تو انہوں نے اللہ کے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ظلم و جبر کا بھی نشانہ بنایا...... بلاشبہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی دعوت حق کے یہ دشمن، انسانوں اور انسانیت کے حق میں سانپوں اور اژدہوں سے بھی زیادہ زہریلے اور خطرناک تھے، اس لئے اکثر ایسا ہوا کہ ایسے لوگوں اور ایسی قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا اور وہ اسی کے مستحق تھے "وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۝" قرآن مجید میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے شریر و بد نفس مکذبین کے یہ حالات تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔

سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے انبیائے سابقین کی طرح آپ نے بھی قوم کو "دین حق" کی دعوت دی...... کچھ نیک فطرت بندگانِ خدا نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کفر و شرک، فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی جاہلی زندگی چھوڑ کے وہ خدا پرستانہ پاکیزہ زندگی اختیار کر لی جس کی آپ دعوت دیتے تھے، لیکن قوم کے اکثر بڑوں اور سرداروں نے شدید مخالفت اور مزاحمت کا رویہ اختیار کیا، خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ستایا اور آپ پر ایمان لانے والوں پر، خاص کر بیچارے غرباء اور ضعفاء پر مظالم و مصائب کے پہاڑ توڑے، مکہ کے یہ اشرار ابوجہل، ابولہب وغیرہ بلاشبہ اس کے مستحق تھے کہ اگلی امتوں کے معذبین کی طرح ان پر بھی آسمانی عذاب آتا اور صفحۂ ہستی کو ان کے وجود سے پاک کر دیا جاتا، لیکن رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین و خاتم النبیین کے علاوہ "رحمۃ للعلمین" بنا کر بھی بھیجا تھا اور اس بنا پر آپ ﷺ کے لئے طے فرما دیا گیا تھا کہ آپ کے مخالفین و مکذبین اور ستانے والے خبیث ترین دشمنوں پر بھی آسمانی عذاب نازل نہیں کیا جائے گا...... اور بجائے اس کے آپ پر ایمان لانے والوں ہی کے ذریعہ ان کا زور توڑا جائے گا اور "دین حق" کی دعوت کا راستہ صاف کیا جائے گا اور انہی کے ہاتھوں سے ان مجرمین کو سزا دلوائی جائے گی اور اس عمل میں ان کی حیثیت اللہ کے لشکریوں اور خداوندی کارندوں کی ہوگی...... چنانچہ جب وہ وقت آ گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے مقرر تھا تو نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم ہوا...... یہ ہجرت دراصل دین حق کی دعوت کے اس

دوسرے مرحلہ کی ابتدا تھی، جس کے لئے ایمان لانے والے حاملین دعوت کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ وہ مزاحمت کرنے والے اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کرنے والے اشرار ناہنجار کا زور توڑنے کے لئے اور دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کے لئے حسب ضرورت اپنی جان اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور میدان میں آجائیں...... اسی کا عنوان "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے اور اس راستہ میں اپنی جان قربان کر دینے کا نام شہادت ہے۔

ناظرین کرام نے اس تمہید سے سمجھ لیا ہوگا کہ کفر و اہل کفر کے خلاف اہل ایمان کی مسلح جد و جہد (خواہ اقدامی ہو یا مدافعانہ) اللہ و رسول کے نزدیک اور شریعت کی زبان میں جب ہی "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے جب کہ اس کا مقصد دین حق کی حفاظت و نصرت یا اس کے لئے راستہ صاف کرنا اور اللہ کے بندوں کو خدا کی رحمت کا مستحق اور جنتی بنانا ہو...... لیکن اگر جنگ اور طاقت آزمائی کا مقصد ملک و مال ہو یا اپنی قوم یا وطن کا جھنڈا اونچا رکھنا ہو تو وہ ہرگز "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" نہیں ہے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں جہاد کا حکم و قانون اس لحاظ سے "بڑی رحمت" ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت حق کی تکذیب اور مزاحمت کرنے والوں پر جس طرح کے آسمانی عذاب پہلے آیا کرتے تھے، اب قیامت تک کبھی نہیں آئیں گے، گویا "جہاد" کسی درجہ میں اس کا بدل ہے...... واللہ اعلم۔

اس تمہید کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھے جائیں، جن میں مختلف عنوانات سے جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

۳۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلاً وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا اَبُوْسَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْهَا عَلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَعَادَهَا عَلَیْهِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِی الْجَنَّةِ بَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، قَالَ وَمَا هِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے دل سے برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو اپنا مالک و پروردگار، اسلام کو اپنا دین، اور محمد (ﷺ) کو اللہ کا رسول و ہادی مان لیا، اس کے لئے جنت واجب ہو گئی...... (رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر حدیث کے راوی) ابو سعید خدریؓ کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے (حضور ﷺ سے) عرض کیا کہ یارسول اللہ یہی بات پھر ارشاد فرمادیں! چنانچہ آپ ﷺ نے پھر وہی بات دوبارہ ارشاد فرمائی، (اسی کے ساتھ مزید یہ بھی) آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک اور دینی عمل ہے (جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا عظیم ہے کہ) اس عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو درجے بلند فرمائیں گے جن میں سے دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا سا فاصلہ ہوگا۔ (یہ سن کر) ابو سعید خدریؓ نے عرض کیا کہ حضرت

وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ظاہر ہے کہ جو شخص بشرح صدر اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کو رسول برحق اور اسلام کو اپنا دین بنالے گا، اس کی زندگی بھی اسلامی ہوگی وہ اپنے رب کا فرمانبردار اور رسول پاک ﷺ کا تابعدار ہوگا..... آپ ﷺ نے ایسے بندوں کو بشارت سنائی کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے، اور جنت ان کے لئے واجب ہو چکی ہے..... حضرت ابو سعید خدریؓ کو حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بشارت سن کر بے حد خوشی ہوئی (غالباً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دولت ان کو نصیب تھی) انہوں نے (اسی وجد و مسرت کی حالت میں) حضور ﷺ سے درخواست کی حضرت اس کو دوبارہ ارشاد فرمادیں..... آپ ﷺ نے دوبارہ ارشاد فرمادیا اور اس کے ساتھ مزید ارشاد فرمایا کہ ایک اور عمل ایسا ہے جس کے عامل کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو (۱۰۰) درجے بلند فرمائیں گے، حضرت ابو سعیدؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ وہ کون سا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ہے، جهاد فی سبیل الله، جهاد فی سبیل الله، جهاد فی سبیـــــــل الله۔

آپ ﷺ نے جواب میں تین دفعہ ارشاد فرمایا "اَلْجِهَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ" اس سے ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں جہاد کی کیسی عظمت اور کیسی رغبت و محبت تھی، آگے درج ہونے والی حدیث سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی۔

واضح رہے کہ آخرت اور جنت و دوزخ کے بارے میں قرآن و حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے، اس کی پوری حقیقت وہاں پہنچ کر ہی معلوم ہوگی، ہماری اس دنیا میں اس کی کوئی نظیر اور مثال بھی موجود نہیں ہے ..... ہمیں بس دل سے مان لینا اور یقین کر لینا چاہئے کہ اللہ و رسول نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے، اور جب وقت آئے گا انشاء اللہ اس کو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

(۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَا اَنَّ رِجَالاً مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَاتَطِیْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ یَتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلَا اَجِدُمَا اَحْمِلُهُمْ عَلَیْهِ مَاتَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے اہل ایمان کے دل اس پر راضی نہیں کہ وہ جہاد کے سفر میں میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان کے لئے سواریوں کا انتظام نہیں ہے (اگر یہ مجبوری حائل نہ ہوتی) تو میں راہ خدا میں جہاد کے لئے جانے والی ہر جماعت کے ساتھ جاتا (اور جہاد کی ہر مہم میں حصہ لیتا) قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میری دلی آرزو

ہے کہ میں راہ خدا میں شہید کیا جاؤں اور مجھے پھر زندہ کر دیا جائے، اور میں پھر شہید کیا جاؤں، اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا فرمائی جائے اور پھر میں شہید کیا جاؤں۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح — حدیث کا مقصد و مدعا، جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت اور محبوبیت بیان فرمانا ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میرے دل کا داعیہ اور جذبہ تو یہ ہے کہ راہ خدا میں جہاد کے لئے جانے والے ہر لشکر اور ہر دستہ کے ساتھ جاؤں اور ہر جہادی مہم میں میری شرکت ہو، لیکن مجبوری یہ دامن گیر ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے فدائی ہیں، جو اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ میں جاؤں اور وہ میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان سب کے لئے سواریوں کا بندوبست نہیں ہے، اس لئے ان کی خاطر میں اپنے جذبہ کو دبا لیتا ہوں اور انتہائی دلی خواہش کے باوجود ہر جہادی مہم میں نہیں جاتا۔... آگے آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اپنے دلی داعیہ اور جذبے کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور قسم کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں میدان جہاد میں دشمنان حق کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے پھر زندہ فرمائے اور میں پھر اس کی راہ میں اسی طرح قتل کیا جاؤں، اور پھر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرمائے، اور پھر اسی طرح شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا ہو اور میں پھر اس کو قربان کروں اور شہید کیا جاؤں۔

(۴۱) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَافِى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّاالشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ** — (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا اور نہیں پسند کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں اس حال میں واپس کر دیا جائے کہ دنیا کی ساری چیزیں اس کی ہوں (وہ سب کا مالک ہو) البتہ جو راہ خدا میں شہید ہو کر جنت میں پہنچے گا وہ اس کی آرزو کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں واپس کر دیا جائے اور وہ پھر (ایک دفعہ نہیں) دس دفعہ راہ خدا میں شہید کیا جائے　وہ یہ آرزو اس لئے کرے　گا کہ جنت میں دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہیدوں کا کیسا اکرام و اعزاز ہے (اور وہاں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴۲) **عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْقَتْلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا الدَّيْنَ** — (رواه مسلم)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونا سب گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، سوائے قرض کے۔ (صحیح مسلم)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں اور جو قصور و گناہ ہوئے ہوں گے، راہ خدا میں جان کی مخلصانہ قربانی اور فی سبیل اللہ شہادت ان سب کا کفارہ بن

جائے گی، شہادت کے طفیل وہ سب معاف ہو جائیں گے.... ہاں اس پر جو کسی بندے کا قرض ہوگا اور اس کے علاوہ بھی بندوں کے جو حقوق ہوں گے وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوں گے، اس حدیث سے شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت بھی معلوم ہوئی اور قرض وغیرہ حقوق العباد کی غیر معمولی سنگینی بھی...... اللہ تعالیٰ اس سے سبق لینے کی توفیق دے۔

۴۳) **عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشَّهِيْدُ لَايَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقُرْصَةِ.** (رواه الترمذی والنسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونے والا بندہ قتل کئے جانے کی بس اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے، جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ...... جس طرح ہماری اس دنیا میں آپریشن کی جگہ کو دوا یا انجکشن کے ذریعہ سن کر کے بڑے بڑے آپریشن کئے جاتے ہیں، اور اس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف برائے نام ہی محسوس ہوتی ہے، اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ایسی کیفیت طاری کردی جاتی ہے کہ اس کو اس سے زیادہ تکلیف محسوس نہیں ہوتی جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

جامع ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اسی وقت جنت میں اس کا جو ٹھکانا ہے، وہ اس کے سامنے کردیا جاتا ہے (یریٰ مقعدہ من الجنة) جنت کے اس نظارہ کی لذت و محویت بھی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے قتل کی تکلیف کا محسوس نہ ہونا قرین قیاس ہے۔ [1]

۴۴) **عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَاِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهِ.** (رواه مسلم)

---

[1] ہمارے ہی زمانے کا واقعہ ہے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسین امرتسری (رحمۃ اللہ علیہ) جو ملک کی تقسیم کے بعد امرتسر سے لاہور منتقل ہوگئے تھے، اور وہاں "جامعہ اشرفیہ" قائم فرمایا، ان کے پاؤں میں ایک زخم تھا جو بڑھتے بڑھتے گھٹنے کے اوپر ران تک پہنچ گیا تھا لاہور کے ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ ران کے اوپر کے حصہ سے ٹانگ کاٹ دینا ضروری ہے، حضرت ممدوح اس کے لئے آمادہ ہوگئے، آپریشن روم میں جب میز پر لٹایا گیا تو ڈاکٹروں نے قاعدہ کے مطابق آپ کو بے ہوش کرنا چاہا، آپ نے فرمایا کہ بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں، آپ لوگ اسی طرح اپنا کام کریں، ڈاکٹروں نے کہا کہ بہت غیر معمولی آپریشن ہے کئی گھنٹے لگیں گے اور ہڈی کاٹی جائے گی اس لئے بے ہوش کرنا ضروری ہے، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بالکل ضرورت نہیں، آپ اپنا کام شروع کریں، اور خود تسبیح ہاتھ میں لے کر دوسری طرف رخ کر کے لیٹ گئے، ڈاکٹروں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اسی طرح کام شروع کیا، آپریشن میں تقریباً ڈھائی گھنٹے لگے اور مفتی صاحب اسی طرح لیٹے رہے، ڈاکٹروں کو انتہائی حیرت ہوئی، یہ چیز ان کی عقل و قیاس سے باہر تھی۔ بعد میں کسی خاص نیازمند نے اصرار سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا؟ تو فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت اس تکلیف کا اجر میرے سامنے کردیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نظارے میں محو کردیا تھا، اس آپریشن کے واقعہ کے بعض مشاہد اب بھی لاہور میں ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمارے بنائے ہوئے قیاس سے وراء الوراء ہے۔

ترجمہ: حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو بندہ صدق قلب سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی استدعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی کے مقام و مرتبہ پر پہنچا دے گا اگرچہ اپنے بستر ہی پر اس کا انتقال ہو۔" (صحیح مسلم)

تشریح ہمارے زمانے میں قتال فی سبیل اللہ اور شہادت کا دروازہ گویا بند ہے، لیکن اس حدیث نے بتلایا کہ جو بندے شہادت کے مندرجہ بالا فضائل پر نگاہ رکھتے ہوئے سچے دل سے اس کے طالب اور آرزومند ہوں گے، اللہ تعالیٰ ان کی طلب اور نیت کی بناء پر ان کو شہیدوں ہی کا مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا۔

۴۵) **عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ بِالْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَاقَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ ؟ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ.** (رواه البخاری و رواه مسلم عن جابر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے جب واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس پورے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور جب تم نے کسی وادی کو عبور کیا تو اس وقت بھی وہ تمہارے ساتھ تھے...... بعض رفقاء سفر نے عرض کیا کہ حضرت وہ مدینہ میں تھے (اور پھر بھی سفر میں ہمارے ساتھ رہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہاں وہ مدینہ ہی میں رہے، کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکے...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے صحابہؓ میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہتے تھے، اور ان کا پکا ارادہ تھا، لیکن کسی وقتی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکے، تو چونکہ ان کی نیت حضور ﷺ کے ساتھ جانے کی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے دفتر میں وہ جانے والوں ہی میں لکھے گئے، اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی "اِلَّا شَرِكُوْكُمْ فِى الْاَجْرِ" یعنی وہ مؤمنین مخلصین اپنی صادق نیت کی وجہ سے اس غزوۂ تبوک کے اجر و ثواب میں تمہارے شریک اور حصہ دار قرار پائے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ کسی نیک عمل میں شرکت کی نیت رکھتا ہو لیکن کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے وہ بروقت شرکت نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت ہی پر عملی شرکت کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

۴۶) **عَنْ اَبِىْ مُوْسىٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ.**

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں۔" (صحیح مسلم)

تشریح مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں جہاں تلواریں سروں پر کھیلتی ہیں اور اللہ کے راستہ میں جان کی

بازی لگانے والے مجاہد شہید ہوتے ہیں، وہیں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جو بندہ راہ خدا میں شہید ہوتا ہے وہ اسی وقت جنت کے دروازے سے اس میں داخل ہو جاتا ہے...... صحیح مسلم میں اس حدیث کی جو روایت ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کسی جہاد کے میدان میں ایسے وقت سنایا تھا، جب میدان کارزار گرم تھا...... آگے روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی زبان سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہوا جو دیکھنے میں خستہ حال سا تھا، اس نے کہا کہ اے ابو موسیٰ کیا تم نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں میں نے خود حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے، تو وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم کو آخری سلام کرنے آیا ہوں، میرا رخصتی سلام لو، اس کے بعد اس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کے پھینک دیا، اور ننگی تلوار لے کر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتا چلا گیا، پھر وہ شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اور اپنی مراد کو پہنچ گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق جنت کے دروازے سے داخل جنت ہو گیا۔

۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ لَايَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَّلَاصَلٰوةٍ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ .

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ کے نزدیک) اس بندہ کی مانند ہے جو برابر روزے رکھتا ہو، اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہو اور آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہو اور اس روزے اور نماز سے تھک کر سستاتا نہ ہو...... وہ جب تک گھر واپس آئے (اللہ کے نزدیک اسی حال میں ہے) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ جو بندہ راہ خدا میں جہاد کے لئے گھر سے نکلا، وہ گھر واپس آنے تک اللہ کے نزدیک مسلسل عبادت میں ہے، اور اس عبادت گذار بندے کی طرح ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہو اور اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہو۔

۴۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَيْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ تَحْرُسُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو(۲) آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہیں سکے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو اور دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد میں (رات کو جاگ کر) چوکیداری اور پہرہ داری کی خدمت انجام دی ہو۔ (جامع ترمذی)

۴۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک صبح کو راہ خدا میں نکلنا

یا ایک شام کو نکلنا، دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح — مطلب یہ ہے کہ راہ خدا میں تھوڑے سے وقت کا نکلنا بھی اللہ کے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے، اور یقین کرنا چاہئے کہ آخرت میں اس کا جو اجر ملے گا اس کے مقابلہ میں یہ ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ہیچ ہے، دنیا و مافیہا فانی ہے، اور وہ اجر لا فانی۔

۵۰) عَنْ اَبِیْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَمَسَّهُ النَّارُ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی بندے کے قدم راہ خدا میں چلنے سے گرد آلود ہوئے ہوں پھر ان کو دوزخ کی آگ چھو سکے۔ (صحیح بخاری)

تشریح — اس حدیث کا مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت ابوعبس کی اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے (جامع مسجد کی طرف) جا رہا تھا تو مجھے عبایہ بن رفاعہ تابعی ملے اور انہوں نے مجھ سے فرمایا،

"اَبْشِرْ فَاِنَّ خُطَاكَ هٰذِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ سَمِعْتُ اَبَا عَبْسٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاهُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُمَا حَرَامٌ عَلَی النَّارِ"

ترجمہ: تم کو بشارت ہو کہ تمہارے یہ قدم (جن سے چل کر تم جامع مسجد کی طرف جا رہے ہو) یہ راہ خدا میں ہیں اور میں نے ابو عبس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کے قدم راہ خدا میں گرد آلود ہوئے تو وہ قدم دوزخ پر حرام ہیں (یعنی دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہ سکے گی)

تشریح — عبایہ بن رفاعہ تابعی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک "فی سبیل اللہ" جہاد و قتال ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وسعت ہے، نماز ادا کرنے کے لئے جانا اور اسی طرح دین کی خدمت اور اللہ کی مرضیات کے لئے دوڑ دھوپ کرنا بھی اس کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، اسی طرح اس سے پہلی حضرت انسؓ والی حدیث (لَغَدْوَةٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْرَوْحَةٌ الخ) کے بارے میں بھی سمجھنا چاہئے کہ اللہ کے لئے اور دین کی خدمت کے سلسلہ کی ہر مخلصانہ جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنے والوں کا بھی اس بشارت میں حصہ ہے۔

۵۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں انتقال کیا کہ نہ تو کبھی جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ کبھی جہاد کو سوچا (نہ اس کی نیت کی) تو اس نے ایک قسم

کی منافقت کی حالت میں انتقال کیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... قرآن پاک سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (حجرات: ۴۹)

ترجمہ۔ اصلی ایمان والے بس وہی بندے ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر، پھر (ان کے دل میں) کوئی شک شبہ نہیں آیا اور انہوں نے اپنے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا، بس وہی سچے پکے ہیں۔

تشریح ...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ راہ خدا میں جہاد ایمانِ صادق کے لوازم میں سے ہے، اور سچے پکے مؤمن وہی ہیں جن کی زندگی اور جن کے اعمالنامہ میں جہاد بھی ہو (اگر عملی جہاد نہ ہو تو کم از کم اس کا جذبہ اور اس کی نیت اور تمنا ہو) پس جو شخص دنیا سے اس حال میں گیا کہ نہ تو اس نے جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ جہاد کی نیت اور تمنا ہی کبھی کی تو وہ "مؤمن صادق" کی حالت میں دنیا سے نہیں گیا بلکہ ایک درجہ کی منافقت کی حالت میں گیا...... بس یہی اس حدیث کا پیغام اور مدعا ہے۔

۵۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ بِغَيْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِيَ اللّٰهَ وَفِيْهِ ثُلْمَةٌ. (رواه الترمذی و ابن ماجه)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اس حال میں اللہ کے حضور پیش ہو گا کہ اس میں جہاد کا کوئی اثر اور نشان نہ ہو تو اس کی یہ پیشی ایسی حالت میں ہو گی کہ اس میں (یعنی اس کے دین) نقص اور رخنہ ہو گا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

تشریح ...... حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی اوپر والی حدیث کی تشریح میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے، اسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے ...... اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کے مطالعہ کے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن و سنت کی زبان میں "جہاد" صرف قتال اور مسلح جنگ ہی کا نام نہیں ہے، بلکہ دین کی نصرت و خدمت کے سلسلہ میں جس وقت جس قسم کی جدوجہد کا امکان ہو، وہی اس وقت کا جہاد ہے، اور جو بندے اخلاص و للٰہیت کے ساتھ اس دور میں وہ جدوجہد کریں اور اس کے سلسلہ میں اپنے جان و مال اور اپنی صلاحیتوں کو قربان کریں وہ عند اللہ "مجاہدین فی سبیل اللہ" ہیں ...... عنقریب انشاء اللہ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

۵۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِياً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِيًا فِيْ اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی نے راہ خدا میں جہاد کرنے والے کسی غازی کو سامان جہاد فراہم کیا تو (اللہ کے نزدیک) اس نے بھی جہاد اور غزوے میں حصہ لیا، اور جس کسی نے جہاد میں جانے والے کسی غازی کے اہل و عیال کی اس کی نیابت میں خدمت کی

اور خبر لی اس نے بھی جہاد میں عملی حصہ لیا (یعنی ان دونوں آدمیوں کو بھی جہاد کا ثواب حاصل ہو گا اور اللہ کے دفتر میں وہ بھی مجاہدین میں لکھے جائیں گے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ دین کی کسی بڑی خدمت کرنے والوں کے لئے اس کا سامان فراہم کرنے والے اور اسی طرح خدمت دین اور نصرت دین کے سلسلہ میں باہر جانے والوں کے اہل و عیال کی خبر گیری کرنے والے، اللہ کے نزدیک دین کی اس خدمت و نصرت میں شریک اور پورے اجر کے مستحق ہیں..... ہم میں جو لوگ اپنے خاص حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے دین کی نصرت و خدمت کے کسی بڑے کام میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتے، وہ دوسروں کے لئے اس کا سامان فراہم کر کے اور ان کے گھر والوں کی خدمت اور دیکھ بھال اپنے ذمہ لے کے دین کے خدام و انصار کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں، اور اس کا پورا اجر حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

٥٤) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ.

(رواہ ابوداؤد، والنسائی، والدارمی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جہاد کرو مشرکوں سے اپنے جان و مال اور اپنی زبانوں سے۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کو توحید اور دین حق کے راستہ پر لانے اور ان کا زور توڑ کے دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کے لئے جیسا موقع اور وقت کا تقاضا ہو اپنے جان و مال سے جدو جہد کرو اور ان کی قربانی دو اور زبان و بیان سے بھی کام لو..... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کے راستہ میں پیسے خرچ کرنا اور زبان و بیان (اور اسی طرح قلم) سے کام لینا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

جہاد کے بارے میں ضروری وضاحت

ہماری اردو زبان میں "جہاد" اس مسلح جنگ ہی کو کہتے ہیں جو اللہ و رسول کے حکم کے مطابق دین کی حفاظت و نصرت کے لئے دشمنان حق سے کی جائے، لیکن اصل عربی زبان اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "جہاد" کے معنی حریف کے مقابلہ میں کسی مقصد کے لئے پوری جدو جہد اور امکانی طاقت صرف کرنے کے ہیں، جو احوال و ظروف کے لحاظ سے جنگ و قتال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے، اور دوسرے طریقوں سے بھی..... (قرآن مجید میں جہاد کا لفظ جا بجا اسی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے)

رسول اللہ ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد قریباً ۱۳ برس مکہ معظمہ میں رہے، اس پوری مدت میں دین کے دشمنوں، کافروں، مشرکوں سے نہ صرف یہ کہ جہاد بالسیف اور جنگ و قتال کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اس کی ممانعت تھی اور حکم تھا "كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ ....." (یعنی جنگ اور قتال سے اپنے ہاتھ روکے رکھو)..... سورۃ "الفرقان" اسی مکی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے "فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" (آیت نمبر ۵۲) مطلب یہ ہے کہ

اے ہمارے نبی و رسول آپ ان منکروں کی بات نہ مانئے اور ہمارے نازل کئے ہوئے قرآن کے ذریعہ ان سے بڑا جہاد کرتے رہئے!...... ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس جہاد کا حکم ہے اس سے مراد جہاد بالسیف اور جنگ و قتال نہیں ہے، بلکہ قرآن کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی جدو جہد ہی مراد ہے، اور اسی کو اس آیت میں صرف "جہاد" نہیں بلکہ "جہاد کبیر" اور "جہاد عظیم" فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ "عنکبوت" بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی کے زمانۂ قیام میں نازل ہوئی ہے، اس میں فرمایا گیا ہے "وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَلَمِيْنَ" (آیت نمبر ۶) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ (راہ خدا میں) جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لئے کرے گا (خدا کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا) خدا سب سے بے نیاز ہے۔

اور اسی سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ہے "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ " یعنی جو بندے ہماری راہ میں یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لئے جہاد و مجاہدہ کریں گے اور مشقتیں جھیلیں گے ان کو ہم اپنے راستوں (یعنی اپنے قرب و رضا کے راستوں) کی ہدایت کی نعمت سے نوازیں گے...... ظاہر ہے کہ سورۂ عنکبوت کی ان دونوں آیتوں میں بھی "جہاد" سے جہاد بالسیف، مراد نہیں لیا جا سکتا، بلکہ راہ خدا میں اور اس کے قرب و رضا کے لئے جدو جہد اور محنت و مشقت ہی مراد ہے جس صورت میں بھی ہو...... بہر حال دین کی راہ میں اور اللہ کے لئے ہر مخلصانہ جدو جہد، اور جان و مال اور عیش و آرام کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال، یہ سب بھی اپنے اپنے درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی شکلیں ہیں، اور ان کا راستہ ہر وقت اور دنیا کے ہر حصے میں آج بھی کھلا ہوا ہے۔

ہاں جہاد بالسیف اور قتال فی سبیل اللہ بعض پہلوؤں سے اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے، اور اس راہ میں جان کی قربانی اور شہادت مؤمن کی سب سے بڑی سعادت ہے، جس کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دلی شوق اور تمنا کا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

آگے درج ہونے والی حضرت فضالہ بن عبیدؓ کی حدیث بھی جہاد کے مفہوم کی اس وسعت کی ایک مثال ہے۔

۵۵) عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ —
(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے "إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ" (یعنی انسان کا نفس برائی اور گناہ کا تقاضا کرتا ہے) پس اللہ کا جو بندہ اپنی نفسانی خواہشات سے جنگ کرے، ان کی پیروی کے بجائے احکام الٰہی کی تابعداری کرے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ وہ اصل "مجاہد" ہے...... اسی

طرح اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کتاب المعاشرہ میں والدین کی خدمت کے بیان میں وہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے والدین کی خدمت کو بھی "جہاد" قرار دیا ہے۔ (ففیهما فجاهد)

شہادت کے دائرہ کی وسعت

پھر جس طرح "جہاد" کے مفہوم میں یہ وسعت ہے، اور وہ جہاد بالسیف میں محدود نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اطلاع دی ہے کہ "شہادت کا دائرہ بھی وسیع ہے، اور بہت سے وہ بندے بھی اللہ کے نزدیک شہیدوں میں شامل ہیں، جو جہاد بالسیف اور قتال کے میدان میں اہل کفر وشرک کی تلواروں یا گولیوں سے شہید ہوتے بلکہ ان کی موت کا سبب کوئی ناگہانی حادثہ یا کوئی غیر معمولی مرض ہوتا ہے۔

۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاتَعُدُّوْنَ الشَّهِیْدَ فِیْكُمْ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِیْ اِذًا لَقَلِیْلٌ مَنْ قُتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِی الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِی الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِیْدٌ (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز صحابہؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں کس کو "شہید" شمار کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہ خدا میں قتل کیا گیا وہی شہید ہے...... آپ ﷺ نے فرمایا اس صورت میں تو میری امت کے شہداء تھوڑے ہی ہوں گے...... (سنو!) جو بندہ راہ خدا میں شہید کیا گیا وہ شہید ہے، اور جس بندہ کا انتقال راہ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آگئی) وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا طاعون میں انتقال ہوا، وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تخمہ، اسہال استسقاء وغیرہ) وہ بھی شہید ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ حقیقی "شہید" تو وہی خوش نصیب بندے ہیں جو میدان جہاد میں اہل کفر و شرک کے ہاتھوں شہید ہوں (شریعت میں ان کے لئے خاص احکام ہیں، مثلاً یہ کہ ان کو غسل نہیں دیا جاتا، اور وہ اپنے ان کپڑوں ہی میں دفن کئے جاتے ہیں، جن میں وہ شہید ہوئے) لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بعض غیر معمولی امراض یا حادثوں سے مرنے والوں کو بھی آخرت میں شہید کا درجہ دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جن میں سے کچھ کا ذکر اس حدیث میں اور بعض کا آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے، امتیاز کے لئے پہلی قسم کے شہداء کو "شہید حقیقی" اور دوسری قسم والوں کو "شہید حکمی" کہا جاتا ہے، غسل اور کفن کے معاملہ میں ان کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی شہداء کا ہے، بلکہ عام اموات کی طرح ان کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی۔

۵۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "شہداء" پانچ (قسم) ہیں، طاعون

میں مرنے والا، اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، اور ڈوب کے مرنے والا اور عمارت وغیرہ ڈھے جانے کے نتیجہ میں مرنے والا اور راہ خدا میں (یعنی میدان جہاد میں) شہید ہونے والا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسافرت کی موت شہادت ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

تشریح..... ان حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بندوں کی موت کسی بھی ناگہانی حادثہ میں یا کسی دردناک اور قابل ترحم مرض میں ہو، ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص رحم و کرم سے کسی درجہ میں شہادت کا اجر عطا فرمائے گا..... ظاہر ہے کہ اس میں اس طرح مرنے والوں کے لئے بڑی بشارت اور ان کے متعلقین اور پسماندگان کے لئے تسلی کا بڑا سامان ہے، اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے..... ہمارے اس زمانہ میں موٹروں وغیرہ کے ایکسیڈنٹ میں یا ریلوں، ہوائی جہازوں کے حادثوں میں، اسی طرح قلبی دورے جیسے مفاجاتی امراض کے نتیجہ میں بندگان خدا کی زندگیاں ختم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ ان سب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ یہی ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حد وسیع ہے۔

كتاب الفتن

امت میں پیدا ہونے والے دینی انحطاط و زوال اور فتنوں کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق اور معاشرت و معاملات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بارے میں ہدایت دیں اور امت کی رہنمائی فرمائی، اسی طرح مستقبل میں واقع ہونے والے دینی زوال وانحطاط، تغیرات اور فتنوں کے بارے میں بھی امت کو آگاہی دی ہے، اور ہدایات فرمائی ہیں...... اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمایا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں دینی زوال وانحطاط آیا اور وہ طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نصرت سے محروم ہوئیں ایسے ہی حالات آپ کی امت پر بھی آئیں گے...... اس انکشاف واطلاع کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ امت کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اس بارے میں ہدایات دیں۔

حدیث کی کتابوں میں "کتاب الفتن" یا "ابواب الفتن" کے زیر عنوان جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کے اسی سلسلہ کے ارشادات ہیں...... ان کی حیثیت صرف پیشین گوئیوں کی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد و مدعا امت کو آئندہ آنے والے فتنوں سے باخبر کرنا اور ان کے اثرات سے تحفظ کا داعیہ پیدا کرنا اور طریق کار کے بارے میں ہدایات دینا ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں درج ہونے والی حدیثیں پڑھی جائیں، ان میں غور و فکر کیا جائے، ان کی روشنی میں خود اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لیا جائے، اور ان سے ہدایت ورہنمائی حاصل کی جائے۔

۵۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ فَمَنْ؟ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً ایسا ہو گا کہ تم (یعنی میری امت کے لوگ) اگلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کرو گے بالشت برابر بالشت اور برابر ذراع (یعنی بالکل ان کے قدم بقدم چلو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گھسے ہوں گے گوہ کے بل میں تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے...... عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسول کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں)؟ آپ نے فرمایا تو اور کون؟...... (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح ...... "شبر" کے معنی بالشت اور "ذراع" کے معنی ہاتھ کی انگلیوں کے سرے سے لے کر کہنی تک کی مقدار، جو ٹھیک دو بالشت برابر ہوتی ہے...... حدیث کے الفاظ "شبرًا بشبر وذراعاً بذراع" کا مطلب بالکل وہ ہے جو اردو محاورہ میں "قدم بقدم" کا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے، جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے، یہ بھی ان میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ان میں سے

کسی سر پھرے پاگل نے "ضب" (گوہ) کے بل میں گھسنے کی کوشش کی ہو گی تو میری امت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے (مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے، یہ دراصل کامل پیروی اور نقالی کی ایک تعبیر و تمثیل ہے)...... آگے حدیث میں ہے کہ حضور کا یہ ارشاد سن کر کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضرت! ہم سے پہلی امتوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ نہیں تو اور کون...... مطلب یہ کہ ہاں میری مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

جیسا کہ تمہیدی سطروں میں عرض کیا گیا یہ صرف پیشینگوئی نہیں ہے، بلکہ بڑے موثر انداز میں آگاہی ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والے خبر دار اور ہوشیار رہیں، اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں اور غلط کاریوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔

٦٠) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ ﷺ اَصَابِعَه، وَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَاعَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِذَا بَقِيَتْ حُثَالَةٌ قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَصَارُوْا هٰكَذَا، قَالَ فَكَيْفَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ تَاخُذُ مَاتَعْرِفُ وَتَدَعُ مَاتُنْكِرُ وَتُقْبِلُ عَلٰى خَاصَّتِكَ، وَتَدَعُهُمْ وَعَوَامَهُمْ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور (مجھ سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! تمہارا اس وقت کیا حال اور کیا رویہ ہو گا جب صرف ناکارہ لوگ باقی رہ جائیں گے ان کے معاہدات اور معاملات میں دغا فریب ہو گا اور ان میں (سخت) اختلاف (اور ٹکراؤ) ہو گا اور وہ باہم اس طرح گتھ جائیں گے (جیسے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گتھی ہوئی ہیں) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر مجھے کیسا ہونا چاہئے یا رسول اللہ؟ (یعنی اس فساد عام کے زمانہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات اور جس عمل کو تم اچھا اور معروف جانو اس کو اختیار کرو اور جس کو منکر اور برا سمجھو اس کو چھوڑ دو اور اپنی پوری توجہ خاص اپنی ذات پر رکھو (اور اپنی فکر کرو) اور ان ناکارہ و بے صلاحیت اور آپس میں لڑنے بھڑنے والوں سے اور ان کے عوام سے تعرض نہ کرو۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... "حثالہ" کے معنی بھوسی کے ہیں، یہاں اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آدمی ہونے کے باوجود آدمیت کے جوہر سے بالکل خالی ہوں، ان میں کوئی صلاحیت نہ ہو، جس طرح بھوسی میں صلاحیت نہیں ہوتی...... آگے رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ حال بھی بیان فرمایا کہ ان کے معاہدات اور معاملات میں مکر و فریب اور دغابازی ہو اور باہم جنگ و پیکار ان کا مشغلہ ہو۔

نوعمر صحابۂ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فطری طور پر بڑے خیر پسند، پرہیز گار اور عبادت گذار تھے، رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ان سے فرمایا کہ جب کبھی ایسا وقت آجائے کہ ایسے ہی ناکارہ اور

بد کردار اور باہم لڑنے بھڑنے والے لوگ باقی رہ جائیں، تو تمہارا رویہ اس وقت کیا ہوگا؟..... رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال ان سے اسی لئے کیا تھا کہ وہ اس بارے میں آپ سے ہدایت کے طالب ہوں تو آپ ﷺ ہدایت فرمائیں..... یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقۂ تعلیم تھا..... چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب واسطہ ایسے ہی لوگوں سے ہو جو آدمیت کے جوہر سے محروم ہوں اور نیکی کو قبول کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہ رہی ہو تو اہل ایمان کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے صرف نظر کر کے بس اپنی فکر کریں۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت تک کے مسلمانوں کو جو ہدایت دینا چاہتے تھے، اس کا مخاطب صحابۂ کرامؓ ہی کو بناتے تھے..... اللہ تعالیٰ ان اصحاب کرام اور ان کے بعد والے راویانِ حدیث کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایات بعد والوں تک پہنچائیں اور ائمہ حدیث نے ان کو کتابوں میں محفوظ کر دیا۔

۶۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُوْشِكُ اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتَّبِعُ بِهَا شَعْفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک مسلمان کا اچھا مال بکریوں کا گلہ ہو جن کو لے کر وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش والی وادیوں کی تلاش کرے، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے بھاگ جائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح..... قرآن پاک میں قیامت کو قریب ہی بتلایا گیا ہے (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) رسول اللہ ﷺ بھی قیامت اور اس سے پہلے ظاہر ہونے والے فتنوں کا اس طرح ذکر فرماتے تھے، جیسے کہ یہ سب کچھ عنقریب ہی ہونے والا ہے..... اولاً تو اس لئے کہ جو چیز آنے والی ہے، اور اس کا آنا یقینی ہے، اس کو قریب ہی سمجھنا چاہئے ..... دوسرے اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ کوئی شخص اس کو بہت دور سمجھ کر مطمئن نہ ہو بیٹھے اور اس کے لئے جو کچھ کرنا چاہئے اس میں سستی نہ کرے..... اسی اصول و معمول کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فتنہ کے ایسے زمانے کے قریب ہونے کی آگاہی دی ہے جب بھری پڑی آبادیوں کا حال ایسا خراب ہو جائے گا کہ وہاں رہنے والے کے لئے دین پر قائم رہنا اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا قریباً ناممکن ہو جائے گا..... آپ..... نے فرمایا ایسے وقت میں وہ بندۂ مؤمن بڑی خیریت میں ہوگا جس کے پاس چند بکریوں کا گلہ ہو، وہ ان کو لے کر پہاڑیوں کی چوٹیوں پر یا ایسی وادیوں میں چلا جائے جہاں بارشیں ہوتی ہوں، بکریاں اللہ کے اگائے ہوئے سبزے سے اپنا پیٹ بھریں اور یہ بندہ ان بکریوں سے گزارہ کرے، اور اس طرح آبادیوں کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

۶۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَاْتِیْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِیْهِمْ عَلٰی دِیْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمَرِ. (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے ایک وقت ایسا آئے گا کہ صبر واستقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والا بندہ اس وقت اس آدمی کی مانند ہو گا جو ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ تھام لے...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ فسق وفجور اور خدا فراموشی ماحول اور فضا پر ایسی غالب آجائے گی کہ خدا اور رسول کے احکام پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا اور حرام سے بچ کر زندگی گزارنا اتنا مشکل اور صبر آزما ہو جائے گا جیسا کہ جلتا انگارہ ہاتھ میں تھام لینا...... یہ وہی زمانہ ہو گا جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں کیا گیا ہے...... واللہ اعلم

۶۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّكَ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ فِيْهِ عُشْرَ مَا اُمِرَ هَلَكَ، ثُمَّ يَاتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ فِيْهِ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ نَجَا ـ (رواہ الترمذی)

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت ایسے زمانے میں ہو کہ جو کوئی اس زمانے میں احکام الٰہی کے (بڑے حصہ پر) عمل کرے صرف، دسویں حصہ پر عمل ترک کردے تو وہ ہلاک ہو جائے گا (اس کی خیریت نہیں) اور بعد میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جو کوئی اس زمانہ میں احکام الٰہی کے صرف دسویں حصہ پر عمل کرلے گا وہ نجات کا مستحق ہو گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں آپ کی صحبت اور براہ راست تعلیم وتربیت اور معجزات و خوارق کے مشاہدہ کے نتیجہ میں ایسا ماحول بن گیا تھا کہ احکام الٰہی ذوق وشوق سے تعمیل کرنا نہ صرف آسان بلکہ مرغوب ومحبوب بن گیا تھا، اور اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اس ماحول اور اس ایمانی فضا میں جو شخص احکام الٰہی کی پیروی میں تھوڑی بھی کوتاہی کرے، اس کے بارے میں اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ قصوروار اور قابل مواخذہ ہے "قربا را بیش بود حیرانی"...... اسی کے ساتھ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ماحول دین کے لئے سخت ناسازگار ہو گا (اور جیسا کہ حضرت انسؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں فرمایا گیا ہے، دین پر چلنا ایسا صبر آزما ہو گا جیسا ہاتھ میں انگارہ تھام لینا) ایسے زمانے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت میں اللہ کے جو بندے دین کے تقاضوں اور شریعت کے احکام پر تھوڑا بھی عمل کرلیں گے، ان کی نجات ہو جائے گی...... (عاجز کا خیال ہے کہ "اس حدیث "میں "عشر" کے لفظ سے متعین طور پر دسواں حصہ (۱/۱۰) مراد نہیں ہے، بلکہ کثیر کے مقابلہ میں قلیل مراد ہے...... اور حضور ﷺ کے ارشاد کا مدعا وہی ہے جو عاجز نے ان سطروں میں عرض کیا ہے......

(واللہ اعلم)

دولت، تعیش اور حب دنیا کا فتنہ

۶۴) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِیِّ قَالَ حَدَّثَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِی الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَاعَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَه‘

مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَكٰى لِلَّذِىْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِىْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِىْ حُلَّةٍ وَرَاحَ فِىْ حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ اُخْرٰى وَسَتَرْتُمْ بُيُوْتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا اَلْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَااَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے بیان کیا جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خود (یہ واقعہ) سنا تھا کہ ہم لوگ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) اس حالت اور ہئیت میں سامنے آگئے کہ ان کے جسم پر بس ایک (پھٹی پرانی) چادر تھی جس میں کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو (اس حالت اور ہئیت میں) دیکھا تو آپ کو رونا آگیا، ان کا وہ وقت یاد کر کے جب وہ (اسلام لانے سے پہلے مکہ میں) عیش و تنعم کی زندگی گذارتے تھے، اور ان کی (فقر و فاقہ کی) موجودہ حالت کا خیال کر کے...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ (بتلاؤ) اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہو گی اور کیا حال ہو گا، جب (دولت اور سامان تعیش کی ایسی فراوانی ہو گی کہ) تم میں کے لوگ صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلیں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہن کر، اور (کھانے کے لئے) ان کے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا، اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح لباس پہناؤ گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے۔ (آپ کے اس سوال کے جواب میں حاضرین مجلس میں سے کچھ) لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا حال اس وقت آج کے مقابلہ میں بہت اچھا ہو گا...... ہمیں اللہ کی عبادت کے لئے پوری فراغت اور فرصت حاصل ہو گی، (معاش وغیرہ کے لئے) محنت و مشقت اٹھانی نہیں پڑے گی...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تم آج (فقر و فاقہ کے اس دور میں، عیش و تنعم والے) اس دن کے مقابلہ میں بہت اچھے ہو۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کے راوی محمد بن کعب قرظی تابعی ہیں جو علم قرآن اور صلاح و تقوے کے لحاظ سے اپنے طبقہ میں ممتاز تھے، انہوں نے اس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ان کو سنایا تھا...... لیکن ان کا اس طرح روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔

مصعب بن عمیرؓ کی صحابۂ کرامؓ میں ایک خاص شان اور تاریخ تھی، وہ بڑے ناز پروردہ ایک رئیس زادے تھے، ان کا گھرانہ مکہ کا بڑا دولت مند گھرانہ تھا، اور یہ اپنے گھر کے بڑے لاڈلے چہیتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ اور عیش و تنعم کی زندگی تھی، پھر اسلام لانے کے بعد زندگی کا رخ بالکل بدل گیا، اور وہ حال ہو گیا جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پھٹی پرانی چادر ہی جسم پر تھی، جس میں جابجا چمڑے کے ٹکڑوں کے بھی پیوند تھے، ان کو اس حالت اور ہئیت میں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ان کی

عیش و تنعم والی امیرانہ زندگی کا نقشہ آگیا، اور آپ کو رونا آگیا...... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرامؓ کو ایک اہم حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے ان سے فرمایا کہ ...... ایک وقت آئے گا جب تمہارے پاس یعنی میری امت کے پاس عیش و تنعم کے سامان کی فراوانی ہو گی، ایک آدمی صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور شام کو دوسرا جوڑا...... اسی طرح دستر خوان پر انواع و اقسام کے کھانے ہوا کریں گے، بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے وہ وقت تمہارے لئے کیسا ہو گا؟...... کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ وقت اور وہ دن تو بہت ہی اچھا ہو گا، ہمیں فراغت اور فرصت ہی فرصت ہو گی، بس اللہ کی عبادت کیا کریں گے ...... آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، آج تم جس حال میں ہو یہ آئندہ آنے والے ...... عیش و تنعم کے حال سے بہت بہتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ حقیقت بیان فرمائی تھی اس وقت تو "ایمان بالغیب" ہی کی طور پر اس پر یقین کیا جا سکتا تھا، لیکن پہلے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور حکومت میں اور بعد کی اکثر دوسری مسلم حکومتوں کے دور میں بھی اور آج کی ان مسلم حکومتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے عیش و تنعم کا سامان انتہائی فراوانی سے دے رکھا ہے، یہ حقیقت آنکھوں سے دیکھ لی گئی ہے اور دیکھی جارہی ہے...... بلاشبہ یہ اور اس طرح کی تمام پیشین گوئیاں رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔

٦٥) **عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعىٰ عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكِلَةُ اِلىٰ قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ.**

(رواه ابوداؤد والبيهقى فى دلائل النبوة)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قریب ہے (ایسا زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمہارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹا دینے کے لئے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن (تشت) کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں...... کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ کیا اس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہو گے، لیکن تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح (بے جان اور بے وزن) ہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دے گا، اور (اس کے برعکس) تمہارے دلوں میں "وھن" ڈال دے گا، کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "وھن" کا کیا مطلب؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔ (سنن ابی داؤد و دلائل النبوۃ بیہقی)

تشریح ...... حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد نقل ہوا ہے، جس وقت آپ ﷺ نے وہ فرمایا ہو گا، اس وقت بلکہ اس کے کئی صدی بعد تک بھی حالات ایسے رہے کہ بظاہر دور دور

تک اس کا امکان بھی نظر نہیں آتا تھا کہ کبھی آپ ﷺ کی امت کا ایسا حال بھی ہو گا اور وہ دشمن قوموں کے مقابلہ میں ایسی کمزور اور بے جان ہو جائے گی اور ان کے لئے نرم نوالہ بن جائے گی...... لیکن آپ ﷺ نے جو فرمایا تھا، وہ واقع ہو کر رہا اور بار بار وقوع میں آیا اور آج بھی اس کے مظاہرے آنکھوں کے سامنے ہیں...... اور اس انقلاب حال اور انحطاط وزوال کا بنیادی سبب جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی ہے کہ اس دنیا اور یہاں کی زندگی سے ہم کو عشق ہو گیا اور موت، (راہ خدا کی موت بھی) ہمارے لئے کڑوا گھونٹ بن گئی...... بلاشبہ ہماری اس حالت نے ہم کو دشمنوں کے لئے تر نوالہ بنادیا ہے، جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی صرف پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کو آگاہی ہے کہ "وھن" (یعنی حب دنیا اور کراہیت موت) کی بیماری سے قلوب کی حفاظت کی جائے۔

٦٦) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا كَانَ اُمَرَاءُ كُمْ خِيَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَيْرٌلَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا كَانَ اُمَرَاءُ كُمْ شِرَارَكُمْ وَاَغْنِيَاءُ كُمْ بُخَلَاؤَكُمْ وَاُمُوْرُكُمْ اِلٰى نِسَاءِ كُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَيْرٌلَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب (حالت یہ ہو کہ) تمہارے حکمراں تم میں کے نیک لوگ ہوں، اور تم میں کے دولت مندوں میں سماحت و سخاوت کی صفت ہو، اور تمہارے معاملات باہم مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو (ایسی حالت میں) زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے بطن (پیٹ) سے بہتر ہے...... اور (اس کے برعکس) جب حالت یہ ہو کہ تمہارے حکمراں تم میں کے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مندوں میں (سماحت کے بجائے) بخل اور دولت پرستی آجائے، اور تمہارے معاملات (بجائے اہل الرائے کی مشاورت کے) تمہاری عورتوں کی رایوں سے چلیں، تو (ایسی حالت میں) زمین کا بطن (پیٹ) تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ امت کا حال ایک زمانے تک یہ رہے گا کہ ان کے حکمراں اور عمال حکومت نیک اور اچھے لوگ ہوں گے، اور ان میں کے دولت مندوں میں سماحت کی صفت ہو گی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت کو اخلاص و خوشدلی سے اچھے مصارف میں صرف کریں گے، ان کے معاملات خاص کر حکومتی اور اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوا کریں گے، (یہ تین حالتیں اس بات کی علامت ہیں کہ امت کا اجتماعی حال اور مزاج اللہ ورسول کے احکام اور مرضیات کے مطابق ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امت کے لئے یہ دور خیریت کا ہو گا اور اس دور کے یہ اہل ایمان اس کے مستحق ہوں گے کہ اس دنیا میں اور اس زمین کی پشت پر رہیں، خیر امت ہونے کی حیثیت سے دنیا کی ہدایت و قیادت کی ذمہ داری سنبھالیں...... اسی کے ساتھ آپ پر منکشف کیا گیا تھا کہ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ امت کا حال اس کے

بالکل برعکس ہو جائے گا۔

حکومت کی باگ اور سارا حکومتی نظام بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گا، اور مسلمانوں میں کے دولت مند لوگ سماحت و سخاوت کے بجائے دولت کے پجاری ہو جائیں گے اور اہم معاملات بجائے اس کے کہ اہل الرائے کے باہمی مشورے سے طے کئے جائیں، گھر والیوں کی خواہشات اور ان کی رائے کے مطابق طے کئے جانے لگیں گے...... رسول اللہ ﷺ نے شر و فساد کے اس زمانے کے بارے میں فرمایا کہ اس وقت یہ بگڑی ہوئی امت زمین کے اوپر چلنے اور رہنے بسنے سے زیادہ اس کی مستحق ہو گی کہ ختم ہو کر زمین کے پیٹ میں چلی جائے اور اس میں دفن ہو جائے۔

جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا یہ حدیث شریف بھی صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ اس میں امت کو بڑی سخت آگاہی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر رہنے اور چلنے پھرنے کا حق اس وقت تک ہے جب تک اس میں "خیر امت" والی ایمانی صفات رہیں، لیکن جب وہ ان صفات سے محروم ہو جائے اور اس کی زندگی میں شر و فساد غالب آجائے تو وہ اس کی مستحق ہو گی کہ ختم ہو کر زمین میں دفن ہو جائے۔

امت میں پیدا ہونے والے فتنوں کا بیان

٦٧) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِىْ كَافِرًا وَيُمْسِىْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا. (رواه مسلم)

ترجمہ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جلدی کر لو اعمال صالحہ، ان فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح پے بہ پے آئیں گے (حال یہ ہو گا کہ) صبح کرے گا آدمی اس حال میں کہ اس میں ایمان ہو گا، اور شام کرے گا اس حال میں کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہو گا، اور شام کو وہ مؤمن ہو گا اور اگلی صبح وہ مؤمن نہ رہے گا کافر ہو جائے گا، دنیا کی متاع قلیل کے بدلے وہ اپنا دین و ایمان بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ پر منکشف کیا گیا تھا کہ آپ کی امت پر ایسے حالات بھی آئیں گے کہ رات کے اندھیرے کی طرح نوع بہ نوع فتنے لگاتار برپا ہوں گے، ان کی وجہ سے ایسا بھی ہو گا کہ ایک آدمی صبح کو اس حال میں اٹھے گا کہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اچھا خاصا مؤمن و مسلم ہو گا لیکن شام ہوتے ہوتے وہ کسی گمراہی یا بد عملی میں مبتلا ہو کر اپنا دین ایمان برباد کر دے گا۔

یہ فتنے گمراہانہ تحریکوں اور دعوتوں کی شکل میں بھی آسکتے ہیں اور آتے رہے ہیں اور مال و دولت یا اقتدار کی ہوس اور دوسری نفسانی خواہشات کی شکل میں بھی، حدیث کا آخری جملہ "يَبِيْعُ دِيْنَهٗ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا" (دنیا کی قلیل متاع کے بدلے اپنا دین ایمان بیچ ڈالے گا) اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث کا

مطلب یہی نہیں ہے کہ آدمی دین حق اسلام کا منکر ہو کر ملت سے خارج اور ٹھیٹ کافر ہو جائے گا، بلکہ اس میں وہ سب صورتیں داخل ہیں، جن میں آدمی دنیا کے لئے (جس میں مال و دولت اور اقتدار کی ہوس اور ہر طرح کی نفسانی اغراض شامل ہیں) دین کو یعنی اللہ و رسول کے احکام کو نظر انداز کردے، اس طرح دنیا کی طلب میں آخرت فراموشی اور ہر قسم کا فسق و فجور بھی اس میں شامل ہے جو عملی کفر ہے جیسا کہ بار بار عرض کیا جا چکا ہے، رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات کے مخاطب اگرچہ بظاہر صحابۂ کرام ہی ہوتے تھے لیکن فی الحقیقت ان کے مخاطب ہر دور کے آپ ﷺ کے امتی ہیں اور آپ ﷺ کے اس پیام اور وصیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر مؤمن، آنے والے ایمان کش فتنوں سے ہوشیار رہے، اور اعمال صالحہ کے اہتمام میں سبقت اور جلدی کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر اعمال خیر کی توفیق ہی نہ ہو ..... نیز اگر اعمال صالحہ کرتا رہے گا تو وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔

۶۸) عَنِ الْمِقْدَادِبْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ، وَلَمَنِ ابْتُلِىَ فَصَبَرَ فَوَاهًا. (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ فرما رہے تھے کہ یقیناً وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا، وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور رکھا گیا، وہ بندہ نیک بخت اور خوش نصیب ہے جو فتنوں سے الگ رکھا گیا، اور جو بندہ مبتلا کیا گیا اور وہ صابر اور ثابت قدم رہا تو (اس کا کیا کہنا) اس کو شاباش اور مبارک باد۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ..... رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا کہ کسی بات کی اہمیت سامعین اور مخاطبین کے ذہن نشین فرمانا چاہتے تو اس کو مکرر سہ کرر ارشاد فرماتے، اس حدیث میں آپ ﷺ نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا "اِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ" (وہ بندہ خوش نصیب ہے جو فتنوں سے دور اور الگ رکھا جائے) یہ بات آپ ﷺ نے بار بار غالباً اس لئے ارشاد فرمائی کہ کسی بندہ کا فتنوں سے محفوظ رہنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، لیکن یہ نعمت چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے بہت سے بندوں کو اس کا احساس اور شعور بھی نہیں ہوتا، اس وجہ سے نہ ان کے دل میں اس نعمت کی قدر ہوتی ہے نہ اس پر شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو بڑی محرومی ہے، رسول اللہ ﷺ نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرما کر اس نعمت کی اہمیت و عظمت ذہن نشین کرنے کی کوشش فرمائی ..... آخر میں فرمایا کہ اور جو بندہ تقدیر الٰہی سے فتنوں میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اپنے کو تھاما، یعنی وہ دین پر اور اللہ و رسول کی وفاداری پر صابر و ثابت قدم رہا تو اس کو شاباش اور مبارک باد اس کا کیا کہنا، وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے ..... حدیث کے آخری جملے "وَلَمَنِ ابْتُلِىَ فَصَبَرَ فَوَاهًا" کا مطلب شارحین نے اور بھی بیان کیا ہے، اس عاجز کے نزدیک وہی راجح ہے جو یہاں لکھا گیا ہے۔ والعلم عند اللّٰه

۶۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى

الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قَالُوْا وَمَاالْهَرْجُ؟ قَالَ الْقَتْلُ- (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (وقت آئے گا) زمانہ قریب قریب ہو جائے گا، اور علم اٹھالیا جاوے گا، اور فتنے نمودار ہوں گے، اور (انسانی طبیعتوں اور دلوں میں) بخل ڈال دیا جائے گا، اور بہت ہوگا ہرج صحابہ نے عرض کیا کہ ہرج کا کیا مطلب؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس کا مطلب ہے) کشت وخون۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت میں پیدا ہونے والے چند فتنوں کے بارے میں آگاہی دی ہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی بات آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ" شارحین نے اس کے متعدد مطلب بیان کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک ان میں قریب الفہم یہ ہے کہ وقت میں برکت نہ رہے گی، جلدی جلدی گزرے گا، جو کام ایک دن میں ہو جانا چاہئے وہ کئی دن میں ہو سکے گا، راقم سطور کا تو یہ ذاتی تجربہ بھی ہے واللہ اعلم ...... دوسری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ علم اٹھالیا جائے گا، مطلب یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے وہ اٹھالیا جائے گا، ایک دوسری حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی ہے کہ علمائے ربانی (جو اس علم کے وارث وامین ہیں) اٹھالئے جائیں گے (چاہے کتب خانے باقی رہیں اور پیشہ ور عالموں سے ہماری بستیاں بھری رہیں) حقیقت یہ ہے کہ علم جو نبوت کی میراث ہے، اور جو ہدایت اور نور ہے، وہ وہی ہے جس کے حامل اور امین علمائے ربانی ہیں ...... جب وہ باقی نہیں رہیں گے اور اٹھالئے جائیں گے تو وہ علم اور نور بھی ان کے ساتھ اٹھ جائے گا ...... تیسری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی "اور طرح طرح کے فتنے نمودار ہوں گے" یہ بات کسی توضیح وتشریح کی محتاج نہیں ...... چوتھی بات آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمائی "وَيُلْقَى الشُّحُّ" مطلب یہ ہے کہ سخاوت وفیاضی اور ایثار جو صفات محمودہ ہیں وہ لوگوں میں سے نکل جائیں گے اور ان کے بجائے ان کی طبیعت میں بخل جو ایک منحوس رذیلہ ہے ڈال دیا جائے گا ...... آخری بات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی کہ کشت وخون کی گرم بازاری ہوگی، جو دنیا کے لحاظ سے بھی افراد اور امتوں کے لئے تباہ کن ہے، اور آخرت کے لحاظ سے بھی گناہ عظیم ...... اللہ تعالیٰ ان سب فتنوں سے حفاظت فرمائے۔

۷۰) عَنْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِبَادَةُ فِى الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ اِلَيَّ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کشت وخون کے زمانے میں عبادت میں مشغول ہو جانا ایسا ہے جیسا کہ ہجرت کر کے میری طرف آجانا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ جب ناحق کشت وخون کی گرم بازاری ہو تو مؤمن کو چاہئے کہ اپنا دامن بچا کے اور یکسو ہو کے اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جائے ...... اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسا ہوگا جیسا کہ اپنا ایمان بچانے کے لئے دار الکفر سے ہجرت کر کے میری طرف آجانا۔

۷۱) عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ اَتَيْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا اِلَيْهِ مَانَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ

اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَايَاتِىْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّاالَّذِىْ بَعْدَهٗ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ، سَمِعْتَهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ ﷺ (رواه البخارى)

ترجمہ: زبیر بن عدی تابعی سے روایت ہے کہ ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے حجاج کی طرف سے ہونے والے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ (ان مظالم اور مصائب پر) صبر کرو، اور یقین کرو کہ جو زمانہ بھی تم پر آئے گا، اس کے بعد کا زمانہ اس سے بدتر ہی ہو گا، یہاں تک کہ تم اپنے رب کے حضور میں حاضر ہو جاؤ گے ...... یہ بات میں نے سنی ہے، تمہارے نبی ﷺ سے۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... اس سلسلہ معارف الحدیث میں یہ بات ذکر کی جاچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ میں آپ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت طویل عمر عطا فرمائی، وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد قریباً اسی ۸۰ سال حیات رہے، بصرہ میں قیام رہا ...... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ کا جو دور ہے اس میں حجاج ثقفی کا ظلم اور اس کی سفاکی ضرب المثل ہے ...... زبیر بن عدی تابعی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے حجاج کے مظالم کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا جو کچھ ہو رہا ہے اس کا مقابلہ صبر و تحمل سے کرو، آگے اس سے بھی زیادہ برا زمانہ آنے والا ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بعد میں آنے والا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا۔

اس پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ حجاج کے بعد تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دور بھی آیا ان کے بعد بھی مختلف زمانوں میں اچھے اچھے عادل و صالح سلاطین اور حکمراں ہوئے ہیں، پھر حضور ﷺ کے اس ارشاد کی کیا توجیہ ہو گی کہ بعد کا ہر زمانہ پہلے سے بدترین ہو گا؟

واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا تعلق صرف حکومت اور ارباب حکومت سے نہیں ہے، بلکہ عام امت کے عمومی احوال کے لحاظ سے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ "بعد کا زمانہ پہلے سے بدتر ہی ہو گا" ...... اور اس میں کوئی شبہ نہیں، مشاہدہ ہے ...... حجاج بلا شبہ ویسا ہی تھا، جیسا کہ اس کو سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ حکمراں طبقہ میں اسوقت اور بھی لوگ تھے، جن میں شر و فساد تھا، لیکن امت میں اسوقت اچھی خاصی تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی، اکابر تابعین جو امت میں صحابہ کرامؓ کے بعد سب سے افضل ہیں بڑی تعداد میں تھے، تو عام مؤمنین میں بھی صلاح و تقویٰ تھا، بعد کا ہر دور مجموعی لحاظ سے اس کے مقابلہ میں یقیناً بدتر ہی رہا ...... اور تاریخ شاہد ہے کہ ماضی اور مستقبل میں یہی تناسب رہا ہے ...... اور اپنی زندگی میں تو آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے ...... اللہ تعالیٰ فتنوں سے ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرمائے۔

۷۲) عَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ يَكُوْنُ مُلْكاً ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِيْنَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِىْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشْرَةً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَىْ عَشَرَةَ وَعَلِيٍّ

سِتَّةً. (رواه احمد والترمذى وابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خلافت بس تیس (۳۰) سال تک ہے، اس کے بعد ہو جائے گی بادشاہت۔ پھر کہتے سفینہ شمار کرو خلافت ابو بکرؓ کی دو (۲) سال، اور خلافت عمرؓ کی دس (۱۰) سال اور عثمان کی بارہ (۱۲) سال اور علی کی چھ (۶) سال۔ (مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح... حضرت سفینہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، انہوں نے حضور ﷺ کا جو ارشاد نقل فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ خلافت یعنی ٹھیک ٹھیک میرے طریقہ پر اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ طریقہ پر میری نیابت میں دین کی دعوت و خدمت اور نظام حکومت کا کام (جس کا مختصر معروف عنوان "خلافت راشدہ" ہے) بس تیس (۳۰) سال تک چلے گا، اس کے بعد نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر یہ حقیقت منکشف فرمادی تھی، آپ ﷺ نے مختلف موقعوں پر اس کا اظہار فرمایا اور امت کو اس کے بارے میں آگاہی دی، مختلف صحابۂ کرامؓ سے اس سلسلہ کے آپ ﷺ کے ارشادات مروی ہیں۔ حضرت سفینہؓ نے حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمانے کیساتھ اس کا حساب بھی بتلایا لیکن اس کو تقریبی یعنی موٹا حساب سمجھنا چاہئے، تحقیقی حساب یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کی مدت دو (۲) سال چار (۴) مہینے ہے — اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کی مدت خلافت دس ۱۰ سال چھ ۶ ماہ ہیں، اس کے بعد حضرت ذوالنورینؓ کی خلافت کی مدت چند دن کم بارہ (۱۲) سال ہیں، اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کی مدت چار (۴) سال نو (۹) مہینے ہے، ان کی میزان انتیس (۲۹) سال سات مہینے ہوتی ہے، ان کے ساتھ سیدنا حضرت حسنؓ کی خلافت کی مدت قریباً پانچ (۵) ماہ جوڑ لی جائے تو پورے تیس (۳۰) سال ہو جاتے ہیں یہی تیس (۳۰) سال خلافت راشدہ کے ہیں، اس کے بعد جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، نظام حکومت بادشاہت میں تبدیل ہو گیا، اس طرح کی رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں آپ ﷺ کی نبوت کی کھلی دلیلیں بھی ہیں، اور ان میں امت کو آگاہی بھی ہے۔

۷۳) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامًا مَاتَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِىْ مَقَامِهٖ ذَالِكَ اِلىٰ قِيَامِ السَّاعَةِ اِلَّاحَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِىْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْئُ قَدْنَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُالرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَاغَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن وعظ و بیان کے لئے) کھڑے ہوئے اس بیان میں آپ ﷺ نے نہیں چھوڑی کوئی چیز جو ہوگی قیامت تک، مگر آپ ﷺ نے اس کو بیان فرمایا، اس کو یاد رکھا جس نے یاد رکھا، اور اس کو بھول گیا جو بھول گیا، میرے ان ساتھیوں کو بھی اس کا علم ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس بیان کی کوئی چیز میں بھولے ہوئے ہوتا ہوں پھر اس کو (ہوتا

ہوا) دیکھتا ہوں تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے، جس طرح ایک آدمی دوسرے کسی آدمی کے چہرے کو بھول جاتا ہے جب وہ اس سے غائب ہو جائے، پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے (اور بھولا ہوا چہرہ یاد آجاتا ہے)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... حضرت حذیفہ کے علاوہ دوسرے متعدد صحابۂ کرامؓ سے بھی یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن بہت طویل بیان فرمایا جس میں آپ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے واقعات و حوادث کا ذکر فرمایا، ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے غیر معمولی حوادث و واقعات اور ایسے اہم فتنوں کا ذکر فرمایا جن کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا، یہی آپ ﷺ کے منصب نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایان شان تھا، لیکن وہ لوگ جن کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ابتدائے آفرینش عالم سے قیامت تک زمین و آسمان کی ساری کائنات اور تمام مخلوقات کا ذرے ذرے اور پتے پتے کا علم کلی محیط حاصل تھا..... وہ حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں..... ان کے نزدیک ان حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے اس بیان میں ان کی اصطلاح کے مطابق تمام "ماکان و مایکون" بیان فرمایا تھا یعنی روئے زمین کے سارے ملکوں، ہندوستان، ایران، افغانستان، چین، جاپان، امریکہ، افریقہ انگلینڈ، فرانس، ترکی، روس وغیرہ وغیرہ دنیا کے تمام ملکوں میں قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں، حیوانوں، چرندوں، پرندوں، چونٹیوں، مکھیوں، مچھروں، کیڑے مکوڑوں اور سمندر میں پیدا ہونے والی مخلوقات کے بھی تمام حالات آپ ﷺ نے بیان فرمائے تھے کہ یہ سب بھی "ماکان ومایکون" میں شامل ہے، اسی طرح مختلف ملکوں کے ریڈیو سے مختلف زبانوں میں جو خبریں اور جو گانا بجانا نشر ہوتا ہے، اور مختلف ملکوں کے ہزاروں اخبارات میں مختلف زبانوں میں جو کچھ چھپتا رہا ہے اور چھپتا ہے اور قیامت تک چھپے گا وہ سب بھی آپ ﷺ نے مسجد نبوی کے اس خطبہ میں صحابۂ کرامؓ کو بتلایا تھا، کیونکہ یہ سب بھی "ماکان و ما یکون" میں داخل ہیں۔

جس آدمی کو اللہ نے ذرہ برابر بھی عقل دی ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ حدیث کا یہ مطلب بیان کرنا اور ایسا دعویٰ کرنا کس قدر جاہلانہ اور احمقانہ بات ہے۔

اس کے علاوہ اس سلسلہ میں یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ میں ان لوگوں کے دعوے کے مطابق تمام "ماکان ومایکون" اور ہر طرح کے جزئی حوادث و واقعات بیان فرمائے تھے، تو اس کا تو ضرور ہی ذکر فرمایا ہوگا کہ میرے بعد پہلے خلیفہ ابو بکرؓ ہوں گے اور ان کے زمانہ خلافت میں یہ یہ ہوگا..... ان کے بعد دوسرے خلیفہ عمر بن الخطاب اور ان کے بعد تیسرے خلیفہ عثمان بن عفانؓ ہوں گے اور ان کے دور میں اور اس کے بعد یہ یہ واقعات پیش آئیں گے ..... تو اگر حضور ﷺ نے اس خطبہ میں "جمیع ماکان وما یکون" اور اس سلسلہ میں یہ سب بھی بیان فرمادیا تھا، تو حضور ﷺ کی وفات کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا کچھ بھی نہ ہوتا..... ہر شخص کو یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے چند ہی روز پہلے تو فرمایا تھا کہ میرے بعد خلیفہ

ابو بکرؓ ہوں گے ...... اسی طرح حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے سلسلہ میں کسی غور و فکر اور کسی مشاورت کی ضرورت نہ ہوتی، خود حضرت عمرؓ کو اور ان چھوں حضرات کو جن کے سپرد آپ ﷺ نے انتخاب خلیفہ کا مسئلہ فرمایا تھا، ضرور یاد ہوتا کہ حضور ﷺ نے بتلادیا تھا کہ عمرؓ بن الخطاب کے بعد میرے تیسرے خلیفہ عثمانؓ بن عفان ہوں گے ...... یہ سب حضرات اس وقت امت میں سب سے افضل سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضور ﷺ نے اس خطبہ میں بیان تو یہ سب کچھ فرمادیا تھا، لیکن یہ سب اس کو بھول گئے ...... تو دین کی کوئی بات بھی قابل اعتبار نہیں رہتی ...... امت کو سارا دین صحابۂ کرامؓ ہی کے ذریعہ اور انہی کی نقل و روایت سے ملا ہے، جب ان کے درجہ اول کے حضرات، سابقین اولین اور عشرۂ مبشرہ کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ خود ان ہی سے متعلق حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی اتنی اہم باتوں کو بھول گئے اور کسی ایک کو بھی حضور ﷺ کا وہ بیان یاد نہیں رہا، تو ان کی نقل و روایت پر قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے کسی راوی کے متعلق بھی ثابت ہو جائے کہ وہ ایسا بھولنے والا تھا تو محدثین اس کی کسی بھی روایت کا اعتبار نہیں کرتے وہ روایت میں ساقط الاعتبار اور ناقابل اعتماد قرار دے دیا جاتا ہے۔

بہر حال حضرت حذیفہ کی اس حدیث اور اس مضمون کی دوسری حدیثوں کی بنا پر ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ حضور ﷺ نے مسجد نبوی کے اپنے اس بیان اور خطبہ میں ان کی اصطلاح کے مطابق "جميع ما كان وما يكون" بیان فرمایا تھا، مذکورہ بالا وجوہ سے انتہائی احمقانہ اور جاہلانہ دعویٰ ہے ...... ان سب حدیثوں کا مطلب و مفاد صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس بیان اور خطبہ میں قیامت تک واقع ہونے والے ان غیر معمولی واقعات و حوادث اور ان اہم فتنوں کا بیان فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے تھے اور ان کے بارے میں امت کو آگاہی دینا آپ ﷺ نے ضروری سمجھا ...... یہی منصب نبوت کا تقاضا اور آپ ﷺ کے شایان شان ہے۔

علاماتِ قیامت

علامات قیامت

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح امت میں پیدا ہونے والے فتنوں کی اطلاع دی ہے اسی طرح کچھ چیزوں کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت سے پہلے ان کا ظہور ہوگا، ان میں سے کچھ بہت غیر معمولی قسم کی ہیں، جو بظاہر اس عام قانون قدرت کے خلاف ہیں جن پر اس دنیا کا نظام چل رہا ہے ...... جیسے سورج کا مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہونا، اور دابۃ الارض کا خروج، اور دجال کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول وغیرہ، ان غیر معمولی علامات کا ظہور اس وقت ہوگا جب قیامت بہت قریب ہوگی، یہ چیزیں گویا قیامت کا پیش خیمہ اور اس کی تمہید ہوں گی، ان کو قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی کہا جاسکتا ہے ...... ان کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے قیامت سے پہلے کچھ ایسی چیزوں، ایسے واقعات اور ایسے تغیرات کے ظہور کی اطلاع دی ہے، جو اس طرح کے غیر معمولی تو نہیں ہیں، لیکن خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک اور زمانۂ خیر القرون کے لحاظ سے مستبعد اور غیر معمولی ہیں، اور امت میں ان کا ظہور شر و فساد کی علامت ہے، ان کو قیامت کی عمومی علامات کہا جاسکتا ہے ...... ذیل میں پہلے رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات پیش کئے جارہے ہیں جن میں آپ نے دوسری قسم کی چیزوں کا یعنی قیامت کی عمومی علامات کا ذکر فرمایا ہے ...... پہلی قسم یعنی "علامات کبریٰ" سے متعلق حدیثیں بعد میں پیش کی جائیں گی۔

قیامت کی عمومی نشانیاں

۷۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ ﷺ یُحَدِّثُ اِذْجَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ؟ قَالَ اِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ، قَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُهَا؟ قَالَ اِذَا وُسِّدَالْاَمْرُ اِلیٰ غَیْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس اثناء میں کہ رسول اللہ ﷺ بیان فرما رہے تھے، ایک اعرابی (بدوی) آیا اور اس نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) امانت ضائع کی جانے لگے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو، اس اعرابی نے عرض کیا کہ امانت کیسے ضائع کی جائے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جانے لگیں تو انتظار کرو قیامت کا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... ہماری اردو زبان میں "امانت" کا مفہوم بہت محدود ہے لیکن قرآن و حدیث کی زبان میں اس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اپنے اندر عظمت اور اہمیت بھی لئے ہوئے ہے، ہر عظیم اور اہم ذمہ داری کو "امانت" سے تعبیر کیا جاتا ہے، امانت کے مفہوم کی وسعت اور عظمت کو سمجھنے کے لئے آخر سورۂ احزاب کی آیت "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ ...... الآیۃ" پر غور کر لیا جائے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں امانت کے ضائع کئے جانے کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ ذمہ داریاں ایسے لوگوں کو سپرد کی جائیں جو ان کے اہل نہ ہوں، اس میں درجہ بدرجہ ہر طرح کی ذمہ داری شامل ہے۔ حکومت، حکومتی مناصب اور عہدے، حکومتی اختیارات، اسی طرح دینی قیادت وامامت، افتاء وقضاء، او قاف کی تولیت اور ان کے انتظام وغیرہ کی ذمہ داری، اس طرح کی جو بھی بڑی یا چھوٹی ذمہ داری نااہلوں کے سپرد کی جائے گی تو یہ امانت کی اضاعت اور اجتماعی زندگی کی شدید معصیت ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کی نشانی بتلایا ہے۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد ہے اگرچہ وہ ایک اعرابی سائل کے جواب میں ہے، لیکن عام امتیوں کے لئے اس کا یہ پیغام اور سبق ہے کہ امانت کی حفاظت کی اہمیت کو محسوس کرو اس کا حق ادا کرو، ہر درجہ کی ہر نوع کی ذمہ داریاں ان افراد کے سپرد کرو جو ان کے اہل ہوں، اس کے خلاف کرو گے تو امانت کی اضاعت کے مجرم ہو گے اور خدا کے سامنے اس کی جواب دہی کرنی ہو گی۔

۷۵) عَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ كَذَّابِیْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ . (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے) کچھ کذاب لوگ ہوں گے، تم کو چاہئے کہ ان سے پرہیز کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... "کذابین" سے یہاں مراد وہ لوگ ہیں جن کا جھوٹ غیر معمولی قسم کا ہو اور اس کا تعلق دین سے ہو جیسے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے، اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے اور جھوٹے قصے گھڑ کے اپنی بدعات وخرافات کو رواج دینے والے...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد قیامت سے پہلے ایسے لوگ پیدا ہوں گے اور تم کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے...... میرے امتیوں کو چاہئے کہ ان سے ہوشیار اور دور رہیں، ان کے جال میں نہ پھنسیں جیسا کہ معلوم ہے عہد نبوی سے اب تک سینکڑوں مدعیان نبوت بھی پیدا ہوئے جن میں سب سے پہلا یمامہ کا مسیلمہ کذاب تھا، اور ہماری معلومات کے لحاظ سے آخری غلام احمد قادیانی، اسی طرح مہدویت کے مدعی بھی پیدا ہوتے رہے، اور بہت سی گمراہ کن دعوتوں کے داعی اور قائد بھی...... یہ سب ان کذابین میں شامل ہیں، جن کی اطلاع رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں دی ہے، اور ان سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

۷۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْئُ دِوَلًا وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا وَالزَّكٰوةُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهٗ وَعَقَّ اُمَّهٗ وَاَدْنَا صَدِیْقَهٗ وَاَقْصَا اَبَاهُ وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ وَكَانَ زَعِیْمَ الْقَوْمِ اَرْذَلُهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا فَارْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰیَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ

سِلْکِه، فَتَتَابَعَ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب غنیمت کو بنایا جانے لگے ذاتی دولت، اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان، اور علم حاصل کیا جانے لگے دین کے علاوہ دوسری (دنیوی) اغراض کے لئے، اور لوگ فرمانبرداری کریں اپنی بیوی کی اور نافرمانی کریں اپنی ماں کی، اور اپنے سے لگائیں دوستوں کو اور دور کریں باپ کو، اور بلند ہوں آوازیں مسجدوں میں اور قبیلہ کی سرداری کرے ان میں کا فسق، اور قوم کا لیڈر ایسا شخص ہو جو ان میں سب سے کمینہ ہو، اور جب کسی آدمی کا اکرام کیا جائے اس کے شر کے ڈر سے اور (پیشہ ور) گانے والیاں اور باجے گاجے عام ہوں، اور شرابیں پی جائیں، اور امت کے بعد والے اس کے اگلوں پر لعنت کریں...... تو اس وقت انتظار کرو، سرخ آندھیوں کا، اور زلزلوں کا، اور زمین میں دھنسائے جانے کا اور صورتیں مسخ کئے جانے کا اور پتھر برسنے کا اور (ان کے علاوہ اس طرح کی) اور نشانیوں کا جو پے در پے اس طرح آئیں گی جس طرح ایک ہار ہو، کاٹ دیا گیا ہو اس کا دھاگہ، تو پے در پے گریں اس کے دانے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے امت میں پیدا ہونے والی پندرہ (۱۵) خرابیوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلی یہ کہ مال غنیمت جو دراصل مجاہدین اور غازیوں کا حق ہے، اور جس میں فقراء و مساکین کا بھی حصہ ہے، ارباب اختیار اس میں ذاتی دولت کی طرح تصرف کرنے لگیں گے، دوسری یہ کہ لوگ حکومت کو زکوٰۃ خوش دلی سے ادا نہیں کریں گے، بلکہ اس کو ایک طرح کا تاوان سمجھیں گے،[1] تیسری یہ کہ علم دین جو دین ہی کے لئے اور اپنی آخرت ہی کے لئے حاصل کیا جانا چاہئے، وہ غیر دینی اغراض کے لئے یعنی دنیوی منافع اور مقاصد کے لئے حاصل کیا جانے لگے گا، چوتھی اور پانچویں یہ کہ لوگ اپنی بیویوں کی تابعداری اور ناز برداری کریں گے، اور ماؤں کے ساتھ ان کا رویّہ نافرمانی اور ایذارسانی کا ہوگا، اور چھٹی اور ساتویں یہ کہ یار دوستوں کو گلے لگایا جائے گا اور باپ دھتکارا جائے گا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے گی آٹھویں یہ کہ مسجدیں جو خانہ خدا ہیں، اور از راہ ادب ان میں بلاضرورت زور سے بولنا منع ہے، ان کا ادب و احترام نہیں رہے گا، ان میں آوازیں بلند ہوں گی اور شور و ہنگامہ ہوگا، نویں یہ کہ قبیلوں کی سیادت و قیادت فاسقوں فاجروں کے ہاتھ میں آجائے گی، دسویں یہ کہ قوم کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو ان میں سب سے زیادہ کمینے ہوں گے، گیارہویں یہ کہ شریر آدمیوں کی شرارت اور شیطنت کے خوف سے ان کا اکرام و اعزاز کیا جائے گا، بارہویں اور تیرہویں یہ کہ پیشہ ور گانے والیوں کی اور معازف و مزامیر یعنی باجوں گاجوں کی (اور ان سے دل بہلانے والوں کی) کثرت ہوگی، چودھویں یہ کہ شرابیں خوب پی جائیں گی، اور پندرھویں یہ کہ امت میں بعد میں آنے والے لوگ امت کے پہلے طبقہ کو اپنی لعنت و بدگوئی کا نشانہ بنائیں گے...... آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امت میں یہ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو انتظار کرو کہ خداوندی قہر ان

---

[1] ملحوظ رہے کہ اسلامی نظام میں زکوٰۃ حکومت وصول کرتی اور وہی اس کو مستحقین کو پہنچاتی ہے، جن کے دلوں میں خوف خدا اور ایمان راسخ نہیں ہوتا وہ اس کو حکومتی ٹیکسوں کی طرح تاوان سمجھتے ہیں۔

شکلوں میں آئے، سرخ آندھیاں اور شدید زلزلے اور آدمیوں کا زمین میں دھنسایا جانا، اور ان کی صورتوں کا مسخ ہو جانا، اور اوپر سے پتھروں کا برسنا، اور ان کے علاوہ بھی خداوندی قہر و جلال کی نشانیاں جو اس طرح لگاتار اور پے بہ پے ظاہر ہوں گی جس طرح ہار کا دھاگا ٹوٹ جانے کی وجہ سے اس کے دانے لگاتار گرتے ہیں۔

بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ خرابیاں امت میں اور مسلم معاشرے میں بہت عام ہو جائیں گی تو خداوندی قہر و جلال ان شکلوں میں ظاہر ہوگا۔

۷۷) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ فَلاَ يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَتَعُوْدُ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَاَنْهَارًا.

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ (ایسا وقت نہ آجائے کہ) غیر معمولی بہتات ہو مال کی اور وہ بہا بہا پھرے، یہاں تک کہ (حالت یہ ہو جائے کہ) ایک آدمی اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے اور وہ نہ پا سکے کوئی ایسا (فقیر مسکین صاحب حاجت) جو زکوٰۃ کو اس سے قبول کرے، اور ہو جائے عرب کی زمین (جس کا بڑا حصہ آج بے آب و گیاہ ہے) سرسبز چراگاہوں اور نہروں کی شکل میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح: گزشتہ نصف صدی کے اندر اندر عرب ملکوں میں پیٹرول کی دریافت کے بعد جو انقلاب آیا ہے، اور دولت کی جو ریل پیل ہے اور چٹیل میدانوں اور ریگستانوں کو کشت زار اور باغ و بہار میں تبدیل کرنے اور نہریں نکالنے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، یقیناً یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہیں جس وقت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا اس وقت اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمایا تھا کہ ایک وقت ایسا انقلاب آئے گا، آپ ﷺ نے اس ارشاد میں امت کو اس کی اطلاع دی تھی، صحابۂ کرامؓ نے صرف سنا تھا، اور ہمارے زمانہ میں آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہے..... بلاشبہ حضور ﷺ کی اس طرح کی اطلاعات آپ کا معجزہ اور آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

۷۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْئُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ (یہ واقعہ نہ ہو جائے کہ) ایک (غیر معمولی قسم کی) آگ اٹھے گی حجاز کی سرزمین سے جو روشن کر دے گی شہر بصریٰ میں اونٹوں کی گردنوں کو۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: دنیا میں واقع ہونے والے جو غیر معمولی حوادث اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر منکشف کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ایک وقت پر سرزمین حجاز سے ایک انتہائی غیر معمولی قسم کی آگ نمودار ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائبات میں سے ہوگی، اس کی روشنی ایسی ہوگی کہ سینکڑوں میل دور

ملک شام کے شہر بصریٰ کے اونٹ اوران کی گردنیں اس روشنی میں نظر آئیں گی ..... اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اسی کی اطلاع دی ہے۔

حجاز اس وسیع علاقہ کا نام ہے جس میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ، طائف، رابغ وغیرہ شہر واقع ہیں ..... اور بصریٰ ملک شام کا ایک شہر تھا، دمشق سے قریباً تین منزل کی مسافت پر ..... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے شارحین، حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور امام نووی وغیرہ اکثر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس پیشین گوئی کا مصداق وہ آگ تھی جو ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مدینہ منورہ کے قریب سے نمودار ہونی شروع ہوئی، پہلے تین دن شدید زلزلہ کی کیفیت رہی اس کے بعد ایک نہایت وسیع و عریض علاقے میں آگ نمودار ہوئی، اس آگ میں بادل کی سی گرج اور کڑک بھی تھی۔

لکھا ہے کہ یہ آگ ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ آگ کا ایک بہت بڑا شہر ہے، وہ جس پہاڑ پر سے گزرتی وہ چور چور ہو جاتا یا پگھل جاتا یہ آگ اگرچہ مدینہ منورہ سے فاصلہ پر تھی، لیکن اس کی روشنی سے مدینہ منورہ کی راتوں میں دن کا سا اجالا رہتا تھا، لوگ اس میں وہ سب کام کر سکتے تھے، جو دن کے اجالے میں کئے جاتے ہیں، اس کی روشنی سینکڑوں میل دور تک پہنچتی تھی، یمامہ اور بصریٰ تک پہنچتی دیکھی گئی۔

یہ بھی لکھا ہے کہ اس آگ کے عجائبات میں سے یہ بھی تھا کہ وہ پتھروں کو تو جلا کر راکھ کر دیتی تھی، لیکن درختوں کو نہیں جلاتی تھی، لکھا ہے کہ یہ آگ شروع جمادی الاخریٰ سے اواخر رجب تک قریباً پونے دو مہینے تک رہی لیکن مدینہ منورہ اس سے نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا بلکہ ان دنوں میں وہاں نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں۔ بلاشبہ یہ آگ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان قہر و جلال کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی ..... آنحضرت ﷺ نے ساڑھے چھ سو برس پہلے اس کی اطلاع دی تھی۔

قیامت کی علاماتِ کبریٰ

آفتاب کا جانبِ مغرب سے طلوع، دابۃ الارض کا خروج، دجال کا فتنہ، حضرت مہدی کی آمد، حضرت مسیح کا نزول

۷۹) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰيٰتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّابَّةِ عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَاَيُّهُمَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبِهَا فَالْاُخْرٰى عَلٰى اِثْرِهَا قَرِيْبًا. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ قیامت کی نشانیوں سے سب سے پہلے جس کا ظہور ہوگا وہ آفتاب کا طلوع ہونا ہے مغرب کی طرف سے اور لوگوں کے سامنے چاشت کے وقت دابۃ الارض کا برآمد ہونا اور دونوں میں سے

جو بھی پہلے ہو، دوسری اس کے بعد متصلاً ہی ہو گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر اتنا ہی منکشف کیا گیا تھا کہ قیامت کی علامات کبریٰ میں سے سب سے پہلے ان دو غیر معمولی اور خارق عادت واقعات کا ظہور ہو گا، ایک یہ کہ آفتاب جو ہمیشہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے، وہ ایک دن جانب مغرب سے طلوع ہو گا، اور دوسرے یہ کہ ایک عجیب و غریب جانور (دَابَّةُ الْاَرْض) کا خارق عادت طریقہ سے ظہور ہو گا...... اس وقت تک آپ ﷺ پر یہ منکشف نہیں فرمایا گیا تھا کہ ان میں سے کون سا واقعہ پہلے ہو گا اور کون بعد میں، اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی پہلے ہو دوسرا اس کے بعد متصلاً ہی ہو گا...... گویا یہ دونوں واقعے ساتھ ساتھ ہوں گے۔

"دَابَّةُ الْاَرْضِ" کے خروج کا ذکر قرآن مجید (سورۂ نحل کی آیت نمبر ۸۲) میں بھی فرمایا گیا ہے...... اس کے بارے میں بہت سی بے اصل باتیں عوام میں مشہور ہیں، اور تفسیر کی بعض کتابوں میں بھی اس سے متعلق رطب ویابس روایتیں لکھ دی گئی ہیں، لیکن قرآن پاک کے ظاہری الفاظ اور قابل اعتبار روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمین پر چلنے اور دوڑنے والا جانور ہو گا، جس کو اللہ تعالیٰ خارق عادت طریقہ سے زمین سے پیدا فرمائے گا، (جس طرح حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کی ایک چٹان سے پیدا فرمائی تھی) اور وہ بحکم خداوندی انسانوں کی طرح کلام کرے گا، اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم کرے گا...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کی صفا پہاڑی سے بر آمد ہو گا۔

یہ دونوں واقعات جن کا اس حدیث میں ذکر ہے (آفتاب کا بجائے مشرق کے جانب مغرب سے طلوع ہونا اور کسی جانور (دَابَّةُ الْاَرْضِ) کا توالد و تناسل کے عام معروف طریقہ کے بجائے زمین سے بر آمد ہونا) بظاہر اس نظام قدرت کے خلاف ہے، جو اس دنیا کا عام نظام ہے، اس لئے ایسے کم فہموں کو جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے آشنا نہیں ہیں، ان کے بارے میں شک شبہ ہو سکتا ہے، لیکن ان کو سمجھنا چاہئے کہ یہ سب اس وقت ہو گا جب دنیا کا وہ نظام جس پر یہ دنیا چل رہی ہے ختم کیا جائے گا اور قیامت کا دور شروع ہو گا، اور زمین و آسمان بھی فنا کر دیئے جائیں گے اور دوسرا عالم برپا ہو گا پھر تو وہ سب کچھ سامنے آئے گا جو ہماری اس دنیا کے نظام سے بالکل مختلف ہو گا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قیامت کی "علامات خاصہ" اور "علامات کبریٰ" بھی دو طرح کی ہیں، بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بالکل قریب میں ہو گا، گویا ان علامات کے ظہور ہی سے قیامت کی شروعات ہو جائے گی جس طرح صبح صادق کی نمود دن کی آمد کی علامت ہوتی ہے اور اسی سے دن کی آمد شروع ہو جاتی ہے، یہ دونوں علامتیں جن کا اس حدیث میں ذکر ہے اسی قبیل سے ہیں، اور اس قبیل کی علامتوں میں سب سے پہلے انہی کا ظہور ہو گا اور ان کا ظہور گویا اس کا اعلان ہو گا کہ یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اب تک جس نظام پر چل رہی تھی، اب وہ ختم ہو گیا اور قیامت کا دور اور دوسرا نظام شروع ہو گیا...... اور

قیامت کی "علاماتِ کبریٰ" میں سے بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت سے کچھ مدت پہلے ہوگا اور وہ قرب قیامت کی علامات ہوں گے، دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (جن کا ذکر آگے درج ہونے والی حدیثوں میں آرہا ہے) قیامت کی اس قسم کی علامات میں سے ہے۔

۸۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ اِذَا خَرَجْنَ لَایَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْ اِیْمَانِهَا خَیْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْاَرْضِ.

(رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کی نشانیوں میں سے) تین وہ ہیں جن کے ظہور کے بعد کسی ایسے شخص کو جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا، اور ایمان کے ساتھ عمل صالح نہیں کیا تھا اس کا ایمان لانا (اور نیک عمل کرنا) کوئی نفع نہیں پہنچائے گا (اور کچھ کام نہ آئے گا) آفتاب کا طلوع ہونا مغرب کی جانب سے اور دجال کا ظاہر ہونا اور دَابَّةُ الْاَرْض کا برآمد ہونا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... ان تینوں نشانیوں کے ظہور کے بعد یہ بات کھل کر سب کے سامنے آجائے گی کہ اب دنیا کے نظام کے درہم برہم ہونے کا اور قیامت کا وقت قریب آگیا، اس لئے اس وقت ایمان لانا یا گناہوں سے توبہ کرنا یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرنا جو پہلے نہیں کیا گیا تھا ایسا ہوگا جیسا کہ موت کے دروازے پر پہنچ کر اور غیبی حقائق کا مشاہدہ کر کے کوئی ایمان لائے یا گناہوں سے توبہ کرے، یا صدقہ خیرات جیسا کوئی نیک کام کرے، اس لئے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ کام نہ آئے گا۔

۸۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ مَابَیْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ حضرت آدم کی پیدائش سے لے کر قیامت آنے تک کوئی امر (کوئی واقعہ اور حادثہ) دجال کے فتنہ سے بڑا اور سخت نہ ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ..... مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے اب تک اور اب سے قیامت تک اللہ کے بندوں کے لئے جو بے شمار فتنے پیدا ہوئے اور ہوں گے دجال کا فتنہ ان میں سب سے عظیم و شدید ہوگا اور بندگان خدا کیلئے اس میں سخت ترین آزمائش ہوگی، اللہ تعالیٰ ایمان پر قائم رکھے اور ایمان کے ساتھ اٹھائے۔

۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ حَدِیْثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَاحَدَّثَ بِهٖ نَبِیٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ یَجِیْءُ مَعَهٗ مِثْلَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِیْ یَقُوْلُ اِنَّهَا الْجَنَّةُ هِیَ النَّارُ وَاِنِّیْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں دجال کے فتنہ

کے بارے میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلاؤں جو کسی پیغمبر نے اپنی امت کو نہیں بتلائی (سنو) وہ کانا ہو گا (اس کی آنکھ میں انگور کے دانے کی طرح ناخنہ پھولا ہو گا) اور اس کے ساتھ ایک چیز ہو گی جنت کی طرح اور ایک دوزخ کی طرح، پس وہ جس کو جنت بتائے گا وہ فی الحقیقت دوزخ ہو گی، اور میں تم کو دجال کے بارے میں آگاہی دیتا ہوں، جیسی آگاہی اللہ کے پیغمبر نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی تھی۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حدیث کے ذخیرے میں مختلف صحابہ کرامؓ سے دجال سے متعلق اتنی حدیثیں مروی ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کے قریب دجال کے ظہور کی اطلاع دی ہے اور یہ کہ اس کا فتنہ بندگانِ خدا کے لئے عظیم ترین اور شدید ترین فتنہ ہو گا، وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اسکے ثبوت میں عجیب و غریب کرشمے دکھائے گا...... انہی کرشموں میں سے ایک یہ بھی ہو گا کہ اس کے ساتھ جنت کی طرح ایک نقلی جنت اور دوزخ کی طرح ایک نقلی دوزخ ہو گی...... اور حقیقت یہ ہو گی کہ جس کو وہ جنت بتلائے گا وہ دوزخ ہو گی۔ اور اسی طرح جس کو وہ دوزخ کہے گا وہ درحقیقت جنت ہو گی،...... یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ دجال کے ساتھ والی یہ دوزخ اور جنت صرف اس کی جادوگری، شعبدہ بازی اور نظر فریبی کا نتیجہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے، کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے ہماری آزمائش کے لئے شیطان پیدا فرمایا ہے، اور دجال پیدا فرمائے گا اسی طرح دجال کے ساتھ والی جنت اور دوزخ بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہو...... اسی کے ساتھ اس کی دجالیت اور کذابیت کی ایک کھلی علامت یہ ہو گی کہ وہ آنکھ سے کانا ہو گا اور صحیح روایات میں ہے کہ اس کی آنکھ میں انگور کے دانے جیسا پھولا ہو گا جو سب کو نظر آئے گا، اس کے باوجود بہت سے خدا نا آشنا جو ایمان سے محروم ہوں گے یا جو بہت ضعیف الایمان ہوں گے اس کی شعبدہ بازیوں اور استدراجی کرشموں سے متاثر ہو کر اس کے خدائی کے دعوے کو مان لیں گے، اور جن کو ایمان کی حقیقت نصیب ہو گی ان کے لئے دجال کا ظہور اور اس کے خارق عادت کرشمے ایمان و یقین میں مزید ترقی اور اضافہ کا ذریعہ بنیں گے، وہ اس کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی وہ دجال ہے جس کی خبر ہمارے پیغمبر صادق ﷺ نے دی تھی، اس طرح دجال کا ظہور ان کے لئے ترقی درجات کا وسیلہ بنے گا۔

دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا قیامت سے پہلے دجال کے ظہور سے متعلق حدیث نبوی کے ذخیرہ میں اتنی روایتیں ہیں جن کے بعد اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قیامت سے پہلے دجال کا ظہور ہو گا، اسی طرح ان روایات کی روشنی میں اس میں بھی کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور اس کے ہاتھ پر بڑے غیر معمولی اور محیر العقول قسم کے ایسے خارق عادت امور ظاہر ہوں گے جو بظاہر مافوق الفطرت اور کسی بشر اور کسی بھی مخلوق کی طاقت و قدرت سے باہر اور بالاتر ہوں گے...... مثلاً یہ کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہو گی (جس کا مندرجہ بالا حدیث میں بھی ذکر ہے) اور مثلاً یہ کہ وہ بادلوں کو حکم دے گا

کہ بارش برسے اور اس کے حکم کے مطابق اسی وقت بارش ہو گی...... اور مثلاً یہ کہ وہ زمین کو حکم دے گا کہ کھیتی اُگے، اور اسی وقت زمین سے کھیتی اگتی نظر آئے گی...... اور مثلاً یہ کہ جو خدا ناشناس اور ظاہر پرست لوگ اس طرح کے خوارق دیکھ کر اس کو خدا مان لیں گے ان کے دنیوی حالات بظاہر بہت ہی اچھے ہو جائیں گے اور وہ خوب پھولتے پھلتے نظر آئیں گے اور اس کے برخلاف جو مؤمنین صادقین اس کے خدائی کے دعوے کو رد کر دیں گے اور اس کو دجال قرار دیں گے بظاہر ان کے دنیوی حالات بہت ہی ناساز گار ہو جائیں گے، اور وہ فقر و فاقے میں اور طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا نظر آئیں گے...... اور مثلاً یہ کہ وہ ایک اچھے طاقتور جوان کو قتل کر کے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور پھر وہ اس کو اپنے حکم سے زندہ کر کے دکھادے گا اور سب دیکھیں گے کہ وہ جیسا تندرست و توانا جوان تھا ویسا ہی ہو گیا...... الغرض حدیث کی کتابوں میں دجال کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے اس طرح کے محیر العقول خوارق کی روایتیں بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ اس بارے میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کے ہاتھ پر اس طرح کے خوارق ظاہر ہوں گے...... اور یہی بندوں کے لئے امتحان اور آزمائش کا باعث ہوں گے۔

اس طرح کے خوارق اگر انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو معجزہ کہا جاتا ہے جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ وغیرہ انبیاء کرام کے وہ معجزات جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا گیا ہے، یا رسول اللہ ﷺ کا معجزہ شق القمر اور دوسرے معجزات جو حدیثوں میں مروی ہیں...... اور اگر ایسے خوارق انبیاء علیہم السلام کے متبعین مؤمنین صالحین کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو کرامت کہا جاتا ہے، جیسے کہ قرآن پاک میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے اور اس امت محمدیہ کے اولیاء اللہ کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں واقعات معلوم و معروف ہیں...... اور اگر اس طرح کے خوارق کسی کافر و مشرک یا فاسق و فاجر داعی ضلالت کے ہاتھ پر ظاہر ہوں تو ان کو استدراج کہا جاتا ہے، دجال کے ہاتھ پر جو خوارق ظاہر ہوں گے وہ استدراج ہی کے قبیل سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار الامتحان بنایا ہے، انسان میں خیر کی بھی صلاحیت رکھی گئی ہے اور شر کی بھی، اور ہدایت اور دعوت الی الخیر کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے اور ان کے نائبین قیامت تک یہ خدمت انجام دیتے رہیں گے اور اضلال اور دعوت شر کے لئے شیطان اور انسانوں اور جنات میں سے اس کے چیلے چانٹے بھی پیدا کئے گئے جو قیامت تک اپنا کام کرتے رہیں گے...... بنی آدم میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد ﷺ پر ہدایت اور دعوت الی الخیر کا کمال ختم کر دیا گیا، اب آپ ہی کے نائبین کے ذریعہ قیامت تک ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا سلسلہ جاری رہے گا...... اور اضلال اور دعوت شر کا کمال دجال پر ختم ہو گا اور اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور استدراج ایسے غیر معمولی اور محیر العقول خوارق دیئے جائیں گے جو پہلے کسی داعی ضلال کو نہیں دیئے گئے۔

یہ گویا بندوں کا آخری امتحان ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ ظاہر فرمائے گا کہ سلسلۂ نبوت و ہدایت خاص کر خاتم النبیین ﷺ اور آپ ﷺ کے نائبین کی ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کی مخلصانہ کوششوں کے

نتیجہ میں وہ صاحب استقامت بندے بھی اس دجالی دنیا میں موجود ہیں جن کے ایمان ویقین میں ایسے محیر العقول خوارق دیکھنے کے بعد بھی کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ ہوا اور ان کو وہ مقام صدیقیت حاصل ہوا جو اس سخت امتحان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت مہدی کی آمد، ان کے ذریعہ برپا ہونے والا انقلاب

اس موضوع سے متعلق جو احادیث وروایات کسی درجہ میں قابل اعتبار واستناد ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ اس دنیا کے خاتمہ اور قیامت سے پہلے آخری زمانے میں امت مسلمہ پر اس دور کے ارباب حکومت کی طرف سے ایسے شدید وسنگین مظالم ہوں گے کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی، ہر طرف ظلم وستم کا دور دورہ ہوگا، اس وقت اللہ تعالیٰ اس امت میں سے (بعض روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی نسل سے) ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد کے نتیجہ میں ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہو جائے گا، ہر طرف عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا، آسمان سے ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی، اور زمین سے غیر معمولی اور خارق عادت پیداوار ہوگی، جس مرد مجاہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ انقلاب برپا فرمائے گا (بعض روایات کے مطابق اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا، مہدی اس کا لقب ہوگا) اللہ تعالیٰ ان سے بندوں کی ہدایت کا کام لے گا۔

اس مختصر تمہید کے بعد ناظرین کرام اس سلسلہ کے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں۔

۷۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَنْزِلُ بِاُمَّتِیْ بَلاَءٌ شَدِیْدٌ مِنْ سُلْطَانِهِمْ حَتّٰی یَضِیْقَ الْاَرْضُ عَنْهُمْ فَیَبْعَثُ اللّٰهُ رَجُلاً مِنْ عِتْرَتِیْ فَیَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً کَمَا مُلِئَتْ ظُلْماً وَجَوْرًا، یَرْضٰی عَنْهُ سَاکِنُ السَّمَآءِ وَسَاکِنُ الْاَرْضِ لَاتَدَّخِرُ الْاَرْضُ شَیْئًا مِنْ بَذْرِهَا اِلَّا اَخْرَجَتْهُ وَلَاالسَّمَآءُ مِنْ قَطْرِهَا اِلَّاصَبَّتْهُ وَیَعِیْشُ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْتِسْعًا. (رواہ الحاکم فی المستدرک)[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ (آخری زمانے میں) میری امت پر ان کے ارباب حکومت کی طرف سے سخت مصیبتیں آئیں گی، یہاں تک کہ اللہ کی وسیع زمین ان کے لئے تنگ ہو جائے گی اس وقت اللہ تعالیٰ میری نسل میں سے ایک شخص کو کھڑا کرے گا، اس کی جدوجہد سے ایسا انقلاب برپا ہوگا کہ اللہ کی زمین جس طرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی، اسی طرح عدل وانصاف سے بھر جائے گی، آسمان والے بھی اس سے راضی ہوں گے اور زمین کے رہنے والے بھی، زمین میں جو بیج ڈالا جائے گا اس کو زمین اپنے پاس روک کے نہیں رکھے گی، بلکہ اس سے جو پودا برآمد ہونا چاہئے وہ برآمد ہوگا (بیج کا ایک دانہ بھی ضائع نہ ہوگا) اور اسی طرح آسمان بارش کے قطرے

[1] کنز العمال کتاب القیامت۔

ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ ان کو برسادے گا (یعنی ضرورت کے مطابق بھرپور بارشیں ہوں گی) اور یہ مرد مجاہد لوگوں کے درمیان سات سال، یا آٹھ سال یا نو سال زندگی گزارے گا۔" (مستدرک حاکم)

تشریح...... قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت قرہ مزنی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ "اِسْمُهٗ اِسْمِیْ وَاسْمُ اَبِیْهِ اِسْمُ اَبِیْ" (اس شخص کا نام میرا والا نام (یعنی محمد) ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے والد کا نام (عبداللہ) ہوگا۔ یہ حدیث طبرانی کی معجم کبیر اور مسند بزار کے حوالہ سے کنزالعمال میں نقل کی گئی ہے، ان دونوں حدیثوں میں مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن دوسری روایات کی روشنی میں یہ متعین ہوجاتا ہے کہ مراد حضرت مہدی ہی ہیں، ان کا نام محمد اور مہدی لقب ہوگا۔

اس حدیث میں حضرت مہدی کا زمانہ حکومت سات یا آٹھ یا نو سال بیان فرمایا گیا ہے۔ لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ ہی کی ایک دوسری روایت میں جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے آگے ذکر کی جائے گی، ان کا زمانہ حکومت صرف سات سال بیان کیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مندرجہ بالا روایت میں جو "سات یا آٹھ یا نو سال" ہے وہ راوی کا شک ہو، واللہ اعلم۔

۸۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِىْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِىْ — (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک یہ نہ ہوگا کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا مالک اور فرمانروا ہوگا، اس کا نام میرے نام کے مطابق (یعنی محمد) ہوگا۔

تشریح...... اس حدیث میں بھی مہدی کا لفظ نہیں ہے، لیکن مراد حضرت مہدی ہی ہیں، اور سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے مطابق (یعنی عبداللہ) ہوگا، نیز یہ بھی اضافہ ہے کہ "يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا" (وہ اللہ کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح پہلے وہ ظلم وناانصافی سے بھری ہوئی تھی) سنن ابی داؤد کی اس روایت سے اور حضرت مہدی سے متعلق دوسری بہت سی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت پوری دنیا میں ہوگی، پس جامع ترمذی کی زیر تشریح روایت میں جو عرب پر حکومت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ غالباً اس بنیاد پر ہے کہ ان کی حکومت کا اصل مرکز عرب ہی ہوگا۔ دوسری توجیہ اس کی یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ابتداء میں ان کی حکومت عرب پر ہوگی، بعد میں پوری دنیا ان کے دائرۂ حکومت میں آجائے گی۔ واللہ اعلم۔

۸۵) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَهْدِىُّ مِنِّىْ اَجْلَى الْجَبْهَةِ اَقْنَى الْاَنْفِ يَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ — (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مہدی میری

اولاد میں سے ہوگا۔ روشن اور کشادہ پیشانی، بلند بنی، وہ بھر دے گا روئے زمین کو عدل وانصاف سے جس طرح وہ بھر گئی تھی ظلم وستم سے، وہ سات سال حکومت کرے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اس حدیث میں آنکھوں سے نظر آنے والی حضرت مہدی کی دو جسمانی نشانیوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، ایک یہ کہ وہ روشن اور کشادہ پیشانی ہوں گے اور دوسری یہ کہ وہ بلند بنی (کھڑی ناک والے) ہوں گے۔ ان دونوں چیزوں کو انسان کی خوبصورتی اور حسن وجمال میں خاص دخل ہوتا ہے، اسی لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیثوں میں خود رسول اللہ ﷺ کا جو حلیہ مبارک اور سراپا بیان کیا گیا ہے، اس میں بھی ان دونوں چیزوں کا ذکر آتا ہے، ان دو نشانیوں کے ذکر کا مطلب یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ حسین وجمیل بھی ہوں گے، لیکن ان کی اصل نشانی اور پہچان ان کا یہ کارنامہ ہوگا کہ دنیا سے ظلم وعدوان کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہماری یہ دنیا عدل وانصاف کی دنیا ہو جائے گی۔

۸۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَايَعُدُّهٗ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک خلیفہ (یعنی سلطان برحق) ہوگا جو (مستحقین کو) مال تقسیم کرے گا، اور گن گن کر نہیں دے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب ومدعا صرف یہ ہے کہ آخری زمانہ میں میری امت میں ایک ایسا حاکم اور فرمانروا ہوگا جس کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی برکت اور مال و دولت کی کثرت اور بہتات ہوگی، اور خود اس میں سخاوت ہوگی، وہ مال ودولت کو ذخیرہ بنا کے نہیں رکھے گا، بلکہ گنتی شمار کے بغیر مستحقین کو تقسیم کرے گا۔ صحیح مسلم ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں "يَحْثِى الْمَالَ حَثْيًا وَلَايَعُدُّهٗ عَدًّا" (جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کے مستحقین کو دے گا اور گنتی شمار نہیں کرے گا) حدیث کے بعض شارحین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ اس حدیث میں جس خلیفہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، وہ غالباً مہدی ہی ہیں، کیونکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی برکات کا ظہور ہوگا اور مال ودولت کی فراوانی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۸۷) عَنْ اُمِّ سَلِمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ الْمَهْدِىُّ مِنْ عِتْرَتِىْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَةَ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ مہدی میری نسل سے فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

۸۸) عَنْ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِىٌّ وَنَظَرَ اِلٰى اِبْنِهِ الْحَسَنِ اِبْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَسَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاِسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِى الْخُلُقِ وَلَايُشْبِهُهٗ فِى الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا۔ (رواه ابوداؤد)

ترجمہ: ابواسحاق سبیعی سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو یہ نام (سید) دیا ہے۔ ضرور ایسا ہوگا کہ اس کی نسل سے ایک مرد خدا پیدا ہوگا، جس کا نام تمہارے نبی والا نام (یعنی محمد) ہوگا، وہ اخلاق و سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت مشابہ ہوگا اور جسمانی بناوٹ میں وہ آپ ﷺ کے زیادہ مشابہ نہ ہوگا، پھر حضرت علی رضی اللہ نے بیان فرمایا یہ واقعہ کہ وہ روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس روایت میں ابواسحاق سبیعی نے (جو تابعی ہیں) حضرت حسنؓ کی نسل سے پیدا ہونے والے جس مرد خدا کے بارے میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، چونکہ وہ امور غیب سے ہے، اور سینکڑوں یا ہزاروں برس بعد ہونے والے واقعہ کی خبر ہے، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ بات صاحب وحی رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی فرمائی ہوگی۔ صحابۂ کرامؓ کے ایسے بیانات محدثین کے نزدیک حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ ﷺ کے ارشادات) ہی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے یہ رسول اللہ ﷺ ہی سے سنا ہوگا۔

اس روایت میں حصرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ "میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو یہ نام (سید) دیا تھا، بظاہر اس سے حضرت علیؓ کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی طرف ہے جو آپ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا تھا "اِبْنِىْ هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ" (میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے متحارب (برسر جنگ) گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے گا) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں سید کا استعمال فرمایا ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے ہوں گے، بعض شارحین نے ان دونوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہوں گے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دی کہ مہدی ان کی اولاد میں سے ہوں گے، لیکن یہ روایتیں بہت ہی ضعیف درجہ کی ہیں، [1] جو روایتیں کسی درجہ قابل اعتبار ہیں، ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نسل اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہوں گے۔

---

[1] یہ روایتیں کنز العمال کتاب القیامۃ قسم الاقوال اور قسم الافعال میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ طبع اول دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد، جلد ۷ صفحہ ۱۸۸ و ۲۶۰

اسی موضوع سے متعلق ایک ضروری انتباہ

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بھی ضروری معلوم ہوا کہ ان کے بارے میں اہل سنت کے مسلک و تصور اور شیعی عقیدہ کا فرق و اختلاف بھی بیان کر دیا جائے کیونکہ بعض شیعہ صاحبان ناواقفوں کے سامنے اس طرح بات کرتے ہیں گویا ظہور مہدی کے مسئلہ پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہے، حالانکہ یہ سراسر فریب اور دھوکا ہے۔

اہل سنت کی کتب حدیث میں حضرت مہدی سے متعلق جو روایات ہیں (جن میں سے چند ان صفحات میں بھی درج کی گئی ہیں) ان کی بنیاد پر اہل سنت کا تصور ان کے بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے قریب ایک وقت آئے گا جب دنیا میں کفر و شیطنت اور ظلم و طغیان کا ایک ایسا غلبہ ہو جائے گا کہ اہل ایمان کے لئے اللہ کی وسیع زمین تنگ ہو جائے گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ امت مسلمہ ہی میں سے ایک مرد مجاہد کو کھڑا کرے گا (ان کی بعض علامات اور صفات و خصوصیات بھی احادیث میں بیان کی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ان کے ساتھ ہو گی، ان کی جد و جہد سے کفر و شیطنت اور ظلم و عدوان کا غلبہ دنیا سے ختم ہو جائے گا، پورے عالم میں ایمان و اسلام اور عدل و انصاف کی فضا قائم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی طریقہ پر آسمانی اور زمینی برکات کا ظہور ہو گا۔ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانے میں دجال کا خروج ہو گا، جو ہماری اس دنیا کا سب سے بڑا اور آخری فتنہ اور اہل ایمان کے لئے سخت ترین امتحان ہو گا، اس وقت خیر اور شر کی طاقتوں میں آخری درجہ کی کشمکش ہو گی، خیر اور ہدایت کے قائد و علمبردار حضرت مہدی ہوں گے، اور شر اور کفر و طغیان کا علمبردار دجال ہو گا، پھر اسی زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے فتنہ کو ختم کرائے گا (نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق احادیث انشاء اللہ آگے پیش کی جائیں گی، وہیں ان کی تشریح کے ساتھ حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کے مسئلہ پر بھی بقدر ضرورت انشاءاللہ کلام کیا جائے گا۔)

الغرض حضرت مہدی کے بارے میں اہل سنت کا مسلک اور تصور یہی ہے، جو ان سطور میں عرض کیا گیا، لیکن شیعی عقیدہ اس سے بالکل مختلف ہے، اور دنیا کے عجائبات میں سے ہے، اور تنہا یہی عقیدہ جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے، ارباب دانش کو اثنا عشری مذہب کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہاں تو صرف اہل سنت کی واقفیت کے لئے اجمال و اختصار ہی کے ساتھ اس کا ذکر کیا جا رہا ہے، اس کی کسی قدر تفصیل شیعہ مذہب کی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ اس عاجز کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مہدی کے بارے میں شیعی عقیدہ

شیعوں کا عقیدہ ہے جو ان کے نزدیک جزو ایمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سے قیامت تک کے لئے

اللہ تعالیٰ نے بارہ امام نامزد کر دیئے ہیں، ان سب کا درجہ رسول اللہ ﷺ کے برابر اور دوسرے تمام نبیوں و رسولوں سے برتر و بالا ہے۔ یہ سب رسول اللہ ﷺ کی طرح معصوم ہیں، اور ان کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی کی طرح فرض ہے، ان سب کو وہ تمام صفات و کمالات حاصل ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے، بس یہ فرق ہے کہ ان کو نبی یا رسول نہیں کہا جائے گا بلکہ امام کہا جائے گا، اور امامت کا درجہ نبوت و رسالت سے بالاتر ہے، ان کی امامت پر ایمان لانا اسی طرح نجات کی شرط ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانا شرط نجات ہے، ان بارہ میں سب سے پہلے امام امیر المومنین حضرت علیؓ، ان کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ، ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن الحسین (امام زین العابدین) ان کے بعد اسی طرح ہر امام کا ایک بیٹا امام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ گیارہویں امام حسن عسکری تھے، جن کی وفات ۲۶۰ھ میں ہوئی، شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے کہ ان کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (باختلاف روایت ۲۵۵ھ یا ۲۵۶ھ میں) ان کی فرنگی کنیز (نرگس) کے بطن سے ایک بیٹے پیدا ہوئے تھے، جن کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا کر رکھا جاتا تھا، کوئی ان کو دیکھ نہیں پاتا تھا، اس وجہ سے لوگوں کو (خاندان والوں کو بھی ان کی پیدائش اور ان کے وجود کا علم نہیں تھا) یہ صاحبزادے اپنے والد حسن عسکری کی وفات سے صرف دس دن پہلے (یعنی ۴۔۵ سال کی عمر میں) امامت سے متعلق وہ سارے سامان ساتھ لے کر (جو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے لے کر گیارہویں امام ان کے والد حسن عسکری تک ہر امام کے پاس رہے تھے) معجزانہ طور پر غائب اور اپنے شہر "سرمن رائی" کے ایک غار میں روپوش ہو گئے۔ اس وقت سے وہ اسی غار میں روپوش ہیں، ان کی غیبوبت اور روپوشی پر اب ساڑھے گیارہ سو برس سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، شیعہ صاحبان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ وہی بارہویں اور آخری امام مہدی ہیں، وہی کسی وقت غار سے برآمد ہوں گے، اور دوسرے بے شمار معجزانہ اور محیر العقول کارناموں کے علاوہ وہ مردوں کو بھی زندہ کریں گے اور (معاذ اللہ) (حضرت) ابو بکرؓ، (حضرت) عمرؓ اور (حضرت) عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم) کو (جو شیعوں کے نزدیک ساری دنیا کے کافروں، مجرموں، فرعون و نمرود وغیرہ سے بھی بدتر درجہ کے کفار و مجرمین ہیں) ان کی قبروں سے نکال کر اور زندہ کر کے ان کو سزا دیں گے، سولی پر چڑھائیں گے، اور ہزاروں بار زندہ کر کر کے سولی پر چڑھائیں گے، اور اسی طرح ان کا ساتھ دینے والے تمام صحابۂ کرامؓ اور ان سے محبت و عقیدت رکھنے والے تمام سنیوں کو بھی زندہ کر کے سزا دی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور تمام آئمہ معصومین اور خاص شیعہ محبین بھی زندہ ہوں گے اور (معاذ اللہ) اپنے ان دشمنوں کی سزا اور تعذیب کا تماشہ دیکھیں گے، گویا شیعوں کے نزدیک یہ جناب امام مہدی قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کریں گے، شیعہ حضرات کی خاص مذہبی اصطلاح میں اس کا نام رجعت ہے اور اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ رجعت کے سلسلہ کی شیعی روایات میں یہ بھی ہے کہ جب یہ رجعت ہوگی تو ان جناب مہدی کے ہاتھ پر سب سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ بیعت کریں گے، اس کے بعد دوسرے نمبر پر امیر المؤمنین حضرت علیؓ بیعت کریں گے، اس کے بعد درجہ بہ درجہ دوسرے حضرات بیعت کریں گے۔

یہ ہیں شیعہ حضرات کے امام مہدی، جن کو وہ القائم، الحجۃ اور المنتظر کے ناموں سے یاد کرتے ہیں، اور غار سے ان کے بر آمد ہونے کے منتظر ہیں اور جب ان کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے اور لکھتے ہیں عجل اللہ فرجه (اللہ جلدی ان کو باہر لے آئے)

اہل سنت کے نزدیک اول سے آخر تک یہ صرف خرافاتی داستان ہے جو اس وجہ سے گھڑی گئی ہے کہ فی الحقیقت شیعوں کے گیارہویں امام حسن عسکری ۲۶۰ھ میں لاولد فوت ہوئے تھے، ان کا کوئی بیٹا نہیں تھا، اور اس سے اثنا عشریہ کا یہ عقیدہ باطل ہوتا ہے کہ امام کا بیٹا ہی امام ہوتا ہے اور بارہواں امام آخری امام ہوگا، اور اس کے بعد دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ الغرض صرف اس غلط عقیدہ کی مجبوری سے یہ بے تکی داستان گھڑی گئی، جو غور و فکر کی صلاحیت رکھنے والے شیعہ حضرات کے لئے آزمائش کا سامان بنی ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ اختصار کے ارادہ کے باوجود مہدی سے متعلق شیعہ عقیدہ کے بیان میں اتنی طوالت ہوگئی، لیکن مہدی سے متعلق اہل سنت کے تصور و مسلک اور شیعی عقیدہ کے فرق و اختلاف کو واضح کرنے کے لئے یہ سب لکھنا ضروری سمجھا گیا۔

حضرت مہدی سے متعلق احادیث کی تشریح کے سلسلہ میں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ آٹھویں صدی ہجری کے محقق اور ناقد و بصیر عالم و مصنف ابن خلدون مغربی نے اپنی معرکۃ الاراء تصنیف "مقدمہ" میں مہدی سے متعلق قریب قریب ان سب ہی روایات کی سندوں پر مفصل کلام کیا ہے جو اہل سنت کی کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں، اور قریباً سبھی کو مجروح اور ضعیف قرار دیا ہے،[1] اگرچہ بعد میں آنے والے محدثین نے ان کی جرح و تنقید سے پورا اتفاق نہیں کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابن خلدون کی اس جرح و تنقید نے مسئلہ کو قابل بحث و تحقیق بنا دیا ہے۔ والمسئول من اللہ تعالیٰ ہدایۃ الحق والصواب۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

قیامت کی علامات کبریٰ جو احادیث نبوی ﷺ کے بیان کے مطابق دنیا کے خاتمہ کے قریب، قیامت قائم ہونے سے پہلے ظاہر ہوں گی، ان میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہے، ان صفحات میں تو حسب معمول اس موضوع سے متعلق بھی چند ہی حدیثیں پیش کی جائیں گی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی قریباً تمام ہی کتابوں میں مختلف سندوں سے اتنے صحابۂ کرامؓ سے نزول مسیح علیہ السلام کی حدیثیں روایت کی گئی ہیں، جن کے متعلق (ان کی صحابیت سے قطع نظر کر کے بھی از روئے عقل و عادت) یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے باہم سازش کر کے حضور ﷺ پر یہ بہتان باندھا ہے کہ آپ نے قیامت سے پہلے آسمان سے حضرت مسیح کے نازل ہونے کی خبر دی تھی، اور اسی طرح یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان سب صحابۂ کرامؓ سے آپ ﷺ کی بات سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہوگی۔ بہر حال حدیث کے ذخیرہ میں اس مسئلہ سے متعلق جو روایات ہیں، ان کو سامنے رکھنے کے بعد ہر سلیم العقل کو اس بات کا قطعی اور یقینی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون مغربی فصل فی امر الفاطمی وما یذھب الیہ الناس فی شانہ و کشف الغطاء عن ذالک صفحہ ۲۴۶ تا ۲۶۱

علم ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کی اطلاع امت کو دی تھی، اس کے لئے استاذنا حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا مطالعہ کافی ہے، اس میں صرف اسی مسئلہ سے متعلق حدیث کی کتابوں سے منتخب کر کے ستر (۷۰) سے اوپر حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔

پھر احادیث نبوی ﷺ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھالیا جانا، اور پھر قیامت سے پہلے اس دنیا میں آنا ثابت ہے، اس بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے لئے حضرت استاذ قدس سرہ کے رسالہ "عقیدۃ الاسلام فی حیوۃ عیسیٰ علیہ السلام" کا مطالعہ کافی ہوگا۔ (ملحوظ رہے کہ حضرت استاذ قدس سرہ کے یہ دونوں رسالے عربی زبان میں ہیں۔)

اس عاجز راقم سطور کا ایک رسالہ ہے "قادیانی کیوں مسلمان نہیں...... اور مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح" اس میں قریباً ۷۰ صفحات اسی مسئلہ سے متعلق لکھے گئے ہیں، اردو خواں حضرات کو اس کے مطالعہ سے بھی انشاء اللہ یہ اطمینان و یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ انداز میں اور رسول اللہ ﷺ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ قیامت کے قریب حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دی ہے۔

لیکن چونکہ اس مسئلہ کے بارے میں بہت سے لوگوں کو عقلی شبہات اور وساوس ہوتے ہیں اور قادیانی مصنفین و اہل قلم نے (مرزا غلام احمد قادیانی کے لئے دعوائے مسیحیت کی گنجائش پیدا کرنے کے واسطے) اس موضوع پر چھوٹے بڑے بے گنتی رسائل اور مضامین لکھ کر شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش بھی کی ہے، اس لئے مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس سلسلہ کی احادیث کی تشریح سے پہلے تمہید کے طور پر کچھ اصولی باتیں عرض کر دی جائیں، امید ہے کہ ان کے مطالعہ کے بعد انشاء اللہ صاحب ایمان اور سلیم الفہم ناظرین کرام کو اس مسئلہ کے بارے میں وہ اطمینان و یقین حاصل ہو جائے گا، جس کے بعد کسی شبہ اور وسوسہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔ واللہ ولی التوفیق۔

مسئلہ نزول مسیح سے متعلق چند اصولی باتیں

(۱)...... سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ پر غور و فکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اس کا تعلق اس ذات سے ہے جس کا وجود ہی عام سنت اللہ اور اس دنیا میں جاری قانون فطرت کے بالکل خلاف ہے، یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح ہماری اس دنیا میں انسان، مرد اور عورت کے ملاپ اور مباشرت کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں (اور جس طرح تمام اولوالعزم پیغمبر اور ان کے خاتم و سردار حضرت محمد ﷺ بھی پیدا ہوئے تھے) بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور اس کے حکم سے اس کے فرشتہ جبریل امین (روح القدس) کے توسط سے اپنی ماں حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے بغیر اس کے کہ ان کو کسی مرد نے چھوا بھی ہو معجزانہ طور پر پیدا کئے گئے، اسی لئے قرآن مجید

میں ان کو "اللہ کا کلمہ" بھی کہا گیا ہے، قرآن مجید نے سورۂ آل عمران کی آیات ۴۵، ۵۱ میں اور سورۂ مریم کی آیات ۱۹ تا ۲۳ میں ان کی معجزانہ پیدائش کا حال تفصیل سے بیان فرمایا ہے (اور انجیل کا بیان بھی یہی ہے، اور اسی کے مطابق ساری دنیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں کا عقیدہ ہے۔)

ایسی ہی ایک دوسری عجیب بات قرآن مجید نے اس بارے میں یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی قدرت اور اس کے حکم و کلمہ سے معجزانہ طور پر مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا ہوئے (جو کنواری تھیں اور ان کا کسی مرد سے نکاح نہیں ہوا تھا) اور وہ ان کو اپنی گود میں لئے بستی میں آئیں اور برادری اور بستی کے لوگوں نے ان کے بارے میں اپنے گندے خیالات کا اظہار کیا اور معاذ اللہ اس نومولو بچے کو ولد الزنا سمجھا، تو اسی نومولود بچہ (عیسیٰ بن مریم) نے اللہ کے حکم سے اسی وقت کلام کیا اور اپنے بارے میں اور حضرت مریم علیہا السلام کی پاکبازی کے بارے میں بیان دیا۔ (سورۂ مریم آیات ۲۷ تا ۳۰)

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے حکم سے ان کے ہاتھوں پر انتہائی محیر العقول معجزے ظاہر ہوئے کہ وہ مٹی کے گوندے سے پرندہ کی شکل بناتے، پھر اس پر پھونک مار دیتے تو وہ زندہ پرندہ کی طرح فضا میں اڑ جاتا، اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں پر ہاتھ پھیر دیتے یا دم کر دیتے تو وہ فوراً اچھے بھلے ہو جاتے، اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور کوڑھیوں کے جسم پر کوئی اثر اور داغ دھبہ بھی نہیں رہتا اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیتے۔ ان کے ان محیر العقول معجزوں کا بیان بھی قرآن مجید (سورۂ آل عمران اور سورۂ مائدہ) میں تفصیل اور وضاحت سے فرمایا گیا ہے اور انجیل میں بھی ان معجزات کا ذکر کچھ اضافہ ہی کے ساتھ کیا گیا، اور عیسائی دنیا کا عقیدہ بھی اسی کے مطابق ہے۔

پھر قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا اور آپ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ایمان اور ایمانی زندگی کی دعوت دی تو آپ کی قوم کے لوگوں نے ان کو جھوٹا مدعی نبوت قرار دے کر سولی کے ذریعہ سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا، [1] اور اپنے خیال میں انہوں نے اس فیصلہ کا نفاذ بھی کر دیا، اور سمجھ لیا کہ ہم نے عیسیٰ کو سولی پر چڑھا کے موت کے گھاٹ اتار دیا، لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہوا۔ (انہوں نے جس شخص کو عیسیٰ سمجھ کر سولی پر چڑھایا وہ دوسرا شخص تھا) عیسیٰ علیہ السلام کو تو وہ یہودی پا ہی نہ سکے، اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا، اور وہ قیامت سے پہلے اللہ کے حکم سے پھر اس دنیا میں آئیں گے، اور یہیں وفات پائیں گے اور ان کی وفات سے پہلے اس وقت کے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے، اور اللہ تعالیٰ ان سے دین محمدی کی خدمت لے گا، اور ان کا نزول ہونا قیامت کی ایک خاص علامت اور نشانی ہوگا۔ (یہ سب سورۂ نساء اور سورۂ زخرف میں بیان فرمایا گیا ہے [2]۔)

---

[1] تورات کے قانون اور اسرائیلی شریعت میں نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے کی یہی سزا تھی جس طرح اسلامی شریعت میں بھی جھوٹا مدعی نبوت سزاوارِ قتل ہے۔

[2] سورۂ نساء اور سورۂ زخرف کی جن آیات میں یہ بیان فرمایا گیا ہے، ان کی تشریح و تفسیر راقم سطور.... (جاری ہے)

پس جو اہل ایمان قرآن پاک کے بیان کے مطابق ان کی معجزانہ پیدائش اور ان کے مذکورہ بالا محیر العقول معجزات پر ایمان لا چکے ہیں، ان کو بحکم خداوندی آسمان پر ان کے اٹھالئے جانے اور اسی کے حکم سے مقرر کئے ہوئے وقت پر آسمان پر نازل ہونے کے بارے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

الغرض سب سے پہلی اور اہم بات جس کا اس مسئلہ نزول مسیح پر غور و فکر کرتے وقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے وہ حضرت مسیح علیہ السلام کی نرالی شخصیت اور ان کی مذکورہ بالا وہ خصوصیات ہیں جو قرآن پاک کے حوالہ سے سطور بالا میں ذکر کی گئیں اور جن میں وہ انسانی دنیا میں منفرد ہیں۔

(۲)...... اسی طرح کی ایک دوسری یہ بات بھی اس مسئلہ پر غور کرتے وقت پیش نظر رکھنی چاہئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول جس کی اطلاع قرآن مجید میں بالاجمال اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں تفصیل اور وضاحت کے ساتھ دی گئی ہے، اس وقت ہوگا جبکہ قیامت بالکل قریب ہوگی، اور اس کی قریب ترین علامات کبریٰ کا ظہور شروع ہو چکا ہوگا۔ مثلاً آفتاب کا بجائے مشرق کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونا اور دابۃ الارض کا خارق عادت طریقہ پر زمین سے پیدا ہونا اور وہ کرنا جس کا ذکر صحیح احادیث میں ہے۔ گویا اس وقت قیامت کی صبح صادق ہو چکی ہوگی اور نظام عالم میں تبدیلی کا عمل شروع ہو چکا ہوگا اور لگاتار وہ خوارق و حوادث رونما ہوں گے جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا (انہیں میں سے دجال کا خروج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوگا)

پس عیسیٰ علیہ السلام کے نزول یا دجال کے خروج و ظہور کا اس بناء پر انکار کرنا کہ ان کی جو نوعیت اور تفصیل حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ ہماری عقل میں نہیں آتی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قیامت اور جنت دوزخ کا اس وجہ سے انکار کر دیا جائے کہ ان کی جو تفصیلات خود قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی ہیں، ان کو ہماری عقلیں ہضم نہیں کر سکتیں، جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ وہ خداوند قدوس کی معرفت سے محروم اور اس کی قدرت کی وسعت سے نا آشنا ہیں۔

(۳)...... مسئلہ حیات مسیح و نزول مسیح علیہ السلام پر غور کرتے وقت ایک تیسری بات یہ بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ قرآن مجید کے بیان اور ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہماری اس دنیا میں نہیں ہیں، جہاں کا عام فطری نظام یہ ہے کہ آدمی کھانے پینے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں سے بے نیاز نہیں ہوتا، بلکہ وہ عالم سمٰوات میں ہیں، جہاں اس طرح کی کوئی ضرورت اور کوئی تقاضا نہیں ہوتا، جیسا کہ فرشتوں کا حال ہے، حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ ماں کی طرف سے انسانی نسل ہیں، لیکن ان کی پیدائش اللہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

کے رسالہ "قادیانی کیوں مسلمان نہیں اور مسئلہ نزول مسیح و حیات مسیح علیہ السلام" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (صفحہ ۹۴ تا ۱۲۰) امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے ہر سلیم الفطرت صاحب ایمان کو انشاء اللہ اطمینان ہو جائے گا کہ ان آیتوں میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھالئے جانے اور آخری زمانے میں پھر اس دنیا میں نازل کئے جانے کا بیان فرمایا گیا ہے، اور ان کے اس نزول کو قیامت کی علامت اور نشانی بتلایا گیا ہے۔ ۱۲

تعالیٰ کے "کلمہ" سے اس کے فرشتے روح القدس کے توسط سے ہوئی، اس لئے وہ جب تک ہماری انسانی دنیا میں رہے، انسانی ضروریات اور تقاضے بھی ان کے ساتھ رہے، لیکن جب وہ انسانی دنیا سے عالم سمٰوات اور عالم ملکوت کی طرف اٹھالئے گئے تو وہ ان ضروریات اور تقاضوں سے فرشتوں ہی کی طرح بے نیاز ہو گئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" (جو دراصل عیسائیوں کے رد میں لکھی گئی ہے) اس میں ایک جگہ گویا اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ "حضرت مسیح علیہ السلام جب آسمان پر ہیں تو ان کے کھانے پینے جیسی ضروریات کا کیا انتظام ہے؟" شیخ الاسلام نے تحریر فرمایا ہے:

فلیست حاله کحالة اهل الارض فی الاکل والشرب واللباس والنوم والغائط والبول ونحو ذالك . [1]

ترجمہ (وہاں آسمان پر) کھانے پینے اور لباس اور سونے کی جیسی ضروریات اور تقاضوں کے معاملہ میں ان کا حال زمین والوں کا سا نہیں ہے (وہاں وہ فرشتوں کی طرح ان چیزوں سے بے نیاز ہیں۔)

امید ہے کہ ان اصولی باتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا تو حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول کے بارے میں وہ شبہات اور وساوس انشاءاللہ پیدا نہ ہوں گے جو عقلوں کی خامی، ایمان کے ضعف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت سے ناآشنائی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے۔

۸۹) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُوْشِكَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْكُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَیَكْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَایَقْبَلَهٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَیْرًا مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا ثُمَّ یَقُوْلُ اَبُوْهُرَیْرَةَ فَاقْرَءُ وْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ" الایة** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یقیناً قریب ہے کہ نازل ہوں گے تم میں (یعنی مسلمانوں میں) عیسیٰ بن مریم عادل حاکم کی حیثیت سے، پھر توڑ دیں گے وہ صلیب کو، اور قتل کرائیں گے خنزیروں کو اور ختم کر دیں گے جزیہ، اور کثرت و بہتات ہو گی مال کی، یہاں تک کہ کوئی قبول نہیں کرے گا اس کو، تا آنکہ ہو گا اس وقت ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر...... پھر کہتے تھے ابوہریرہؓ کہ اگر (قرآن سے اس کا ثبوت چاہو تو) پڑھو (سورۂ نساء کی یہ آیت) "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ"...... الایة (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) "اور سب ہی اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ضرور بالضرور ایمان لے آئیں گے، اور قیامت کے دن وہ ان کے بارے میں شہادت دیں گے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول اور ان کے چند اہم اقدامات

[1] الجواب الصحیح. ج ۲ صفحہ ۲۸۰

اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اور امت کو اس کی اطلاع دی ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ غیر معمولی تھا اور بہت سے کوتاہ عقل اور ضعیف الایمان لوگوں کو اس میں شک شبہ ہو سکتا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو قسم کے ساتھ ذکر فرمایا، سب سے پہلے فرمایا "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ" (اس خداوند پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے) اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا "لَیُوْشِکَنَّ" یقیناً قریب ہے) یہ بھی نزول مسیح علیہ السلام کے یقینی اور قطعی ہونے کی ایک تعبیر ہے، جس طرح قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں فرمایا گیا، "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ" (قیامت قریب ہی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھنا چاہئے کہ بس آنے ہی والی ہے، بہر حال قسم کے بعد "لَیُوْشِکَنَّ" کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو اطلاع دی جارہی ہے وہ قطعی اور یقینی ہے۔

قسم اور "لَیُوْشِکَنَّ" کے ذریعہ مزید تاکید کے بعد جو اطلاع رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس ارشاد میں دی، اس کو واضح اور عام فہم الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ یقیناً یہ ہونے والا ہے کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم اللہ کے حکم سے عادل حاکم کی حیثیت سے تم مسلمانوں میں (یعنی اس وقت ان کی حیثیت مسلمانوں ہی میں کے ایک عادل حاکم اور امیر کی ہوگی) اور وہ اپنی حاکمانہ حیثیت سے جو اقدامات کریں گے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صلیب جو بت پرستوں کے بتوں کی طرح عیسائیوں کا گویا "بت" بن گئی ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہ کن اور موجب کفر عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کو توڑ دیں گے، توڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو تعظیم اور ایک طرح کی پرستش عیسائیوں میں ہو رہی ہے، اس کو ختم کر دیں گے۔ الغرض "صلیب شکنی" کا مطلب وہی سمجھنا چاہئے جو ہماری زبان میں "بت شکنی" کا سمجھا جاتا ہے، اسی طرح کا ایک دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ خنزیروں کو قتل کرائیں گے، عیسائیوں کی ایک بڑی گمراہی اور دین عیسوی میں ایک بڑی تحریف یہ بھی ہے کہ خنزیر (جو تمام آسمانی شریعتوں میں حرام ہے) اس کو انہوں نے جائز کر لیا ہے، بلکہ وہ ان کی مرغوب ترین غذا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نہ صرف یہ کہ اس کی حرمت کا اعلان فرمائیں گے بلکہ اس نسل ہی کو نیست و نابود کر دینے کا حکم دیں گے، اس کے علاوہ ان کا ایک خاص اقدام یہ بھی ہوگا کہ وہ جزیہ کے خاتمہ کا اعلان فرمادیں گے۔ (جب رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں یہ ارشاد فرمایا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فیصلہ اور اعلان اسی کی بنیاد پر ہوگا، اپنی طرف سے اسلامی شریعت و قانون میں تبدیلی نہیں ہوگی) آخر میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں مال و دولت کی ایسی کثرت اور بہتات ہوگی کہ کوئی کسی کو دینا چاہے گا تو وہ لینے اور قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور اس کے مقابلہ میں آخرت کے اجر و ثواب کی طلب و رغبت اللہ کے بندوں میں اس درجہ پیدا ہو جائے گی کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک سجدہ زیادہ عزیز اور قیمتی سمجھا جائے گا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ "فاقرء وا ان شئتم الخ" مطلب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کے نازل ہونے کا بیان قرآن میں پڑھنا چاہو تو سورۂ نساء کی یہ آیت "وَاِنْ مِّنْ اَہْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ

مَوْتِه الاٰية (سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۵۹) پڑھو۔

۹۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا، اس وقت جب نازل ہوں گے تم میں عیسیٰ ابن مریم اور امام تمہارے ہوں گے، تم میں سے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بظاہر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت حالات بہت غیر معمولی ہوں گے، جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث اور اس موضوع سے متعلق دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے، حدیث کے آخری جز "وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ اس وقت عیسیٰ بن مریم کی حیثیت یہ ہوگی کہ (اگلے زمانے کے ایک نبی ورسول ہونے کے باوجود) تم میں کے یعنی تم مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کی حیثیت سے تمہارے امام اور امیر ہوں گے، اسی حدیث کی صحیح مسلم کی ایک روایت میں "وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" کی جگہ "فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ" ہے اور اس کے ایک راوی ابن ابی ذئب نے اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے "فَاَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ ﷺ" یعنی عیسیٰ بن مریم نازل ہونے کے بعد مسلمانوں کے امام وحاکم ہوں گے اور وہ امامت وحکومت قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق کریں گے، اس تشریح کے مطابق اس حدیث میں عیسیٰ علیہ السلام کی امامت سے مراد صرف نماز کی امامت نہیں بلکہ امامت عامہ مراد ہے۔ یعنی امت کی دینی ودنیوی قیادت وسربراہی اور حاکمانہ حیثیت۔ گویا اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے نائب وخلیفہ ہوں گے۔

۹۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِىْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَااِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ — (رواه مسلم)

ترجمہ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق کے لئے لڑتی رہے گی، اور کامیاب رہے گی، اسی سلسلہ کلام میں آگے آپ نے فرمایا کہ پھر نازل ہوں گے عیسیٰ بن مریم، تو مسلمانوں کے اس وقت کے امیر وامام ان سے کہیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے تو عیسیٰ بن مریم فرمائیں گے نہیں (یعنی میں اس وقت امام بن کر نماز نہیں پڑھاؤں گا) تمہارے امیر وامام تم ہی میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... اس حدیث کے پہلے جز میں تو رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طے ہو چکا ہے کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت رہے گی جو حق پر ہوگی اور حق کے لئے حسب حالات

وضرورت دشمنان حق سے لڑتی رہے گی، اور کامیاب رہے گی، حدیث کے شارحین نے لکھا ہے کہ دین حق کی حفاظت وبقااور فروغ کے لئے یہ لڑائی مسلح جنگ کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، اور زبان و قلم اور دلائل و براہین سے بھی، اور دین حق کی اس طرح حفاظت اور اس کے فروغ کی جدوجہد کرنے والے سب ہی باتوفیق بندے دین حق کے سپاہی اور مجاہد فی سبیل الحق ہیں، اور بلاشبہ کوئی زمانہ ایسے بندگان خدا سے خالی نہیں رہا، اور قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہو چکا ہے، حدیث کے دوسرے جز میں رسول اللہ ﷺ نے بطور پیشین گوئی و آگاہی یہ اطلاع دی ہے کہ قیامت کے قریب آخری زمانے میں عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ نماز کا وقت ہو گا تو اس وقت مسلمانوں کے جو امام وامیر ہوں گے، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے آئے، اب آپ ہی نماز پڑھائیں، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز کی امامت کرنے سے انکار کردیں گے اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو جو خاص اعزاز بخشا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا امام انہی میں سے ہو۔

سنن ابن ماجہ میں حضرات ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے خروج دجال اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے (یعنی دجال کے فتنہ سے حفاظت اور اس کے مقابلہ کے لئے مسلمان بیت المقدس میں جمع ہوں گے) فجر کی نماز کا وقت ہوگا اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوگئے ہوں گے، ان کے امام جو ایک "مرد صالح" ہوں گے، (ہو سکتا ہے کہ وہ جناب مہدی ہوں) نماز پڑھانے کے لئے امام کی جگہ کھڑے ہو جائیں گے، اور اقامت کہی جاچکی ہوگی اس وقت اچانک عیسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں گے تو مسلمانوں کے جو امام وامیر نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑے ہو چکے ہوں گے، وہ پیچھے ہٹنے لگیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے کہ اب نماز آپ پڑھائیں (کیونکہ بہتر یہی ہے کہ جماعت میں جو سب سے افضل ہو وہی امامت کرے اور نماز پڑھائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اگلے زمانے میں اللہ کے نبی ورسول تھے بلاشبہ سب سے افضل ہوں گے، اس لئے اس وقت کے مسلمانوں کے امام امامت کے مصلے سے پیچھے ہٹ کر ان سے درخواست کریں گے کہ اب جبکہ آپ تشریف لے آئے تو نماز آپ ہی پڑھائیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت نماز پڑھانے سے انکار کردیں گے، اور فرمائیں گے کہ نماز آپ ہی پڑھائیں، کیونکہ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے اس وقت جماعت کھڑی ہوئی ہے اور اقامت کہی جاچکی ہے۔

بہرحال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ پہلی نماز ہو گی اور وہ یہ نماز رسول اللہ ﷺ کے ایک امتی کے مقتدی بن کر ادا کریں گے، اور خود امامت سے انکار فرمادیں گے۔ وہ ایسا اس لئے کریں گے کہ ابتداء ہی میں عمل سے بھی یہ بات ظاہر ہو جائے کہ اگلے زمانے کے جلیل القدر نبی ورسول ہونے کے باوجود اس وقت وہ امت محمدیہ کے افراد کی طرح شریعت محمدی کے متبع ہیں، اور اب دنیا کے خاتمہ تک شریعت محمدی ہی کا دور ہے۔

۹۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَه‘ (یعنی عِیْسٰی عَلَیْهِ السَّلام) نَبِیٌّ وَاِنَّه‘ نَازِلٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ رَجُلٌ مَرْبُوْعٌ اِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ بَیْنَ مُمَصَّرَتَیْنِ كَاَنَّ رَاْسَه‘ یَقْطُرُ وَاِنْ لَّمْ یُصِبْهُ بَلَلٌ فَیُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَیَدُقُّ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْجِزْیَةَ وَیُهْلِكُ اللّٰهُ فِیْ زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا اِلَّا الْاِسْلَامَ وَیُهْلِكُ الْمَسِیْحُ الدَّجَّالَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ثُمَّ یُتَوَفّٰی فَیُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمُسْلِمُوْنَ — (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے، اور ان کے ساتھ اپنا خاص تعلق بیان فرماتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی پیغمبر نہیں (ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے ہی نبی و رسول بنا کر بھیجا ہے) اور یقیناً وہ (میرے دور نبوت میں قیامت سے پہلے) نازل ہونے والے ہیں، تم جب ان کو دیکھو تو پہچان لیجیو، وہ میانہ قد ہوں گے، ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا، وہ زرد رنگ کے دو کپڑوں میں ہوں گے، ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں اگرچہ سر کو تر نہ کیا گیا ہوگا، وہ نازل ہونے کے بعد اسلام کے لئے جہاد و قتال کریں گے، وہ صلیب کو پاش پاش کردیں گے اور خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے اور جزیہ موقوف کردیں گے، اور ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا ساری ملتوں اور مذہبوں کو ختم کردیں گے، اور حضرت مسیح علیہ السلام دجال کا خاتمہ کردیں گی، اس کو فنا کردیں گے، پس وہ اس زمین اور اس دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر یہیں وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی اطلاع کے ساتھ ان کی بعض ظاہری علامتیں بھی بیان فرمائیں، ایک یہ کہ نہ تو وہ زیادہ دراز قد ہوں گے نہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد ہوں گے، دوسری یہ کہ ان کا رنگ سرخ و سفید ہوگا، تیسری یہ کہ ان کا لباس ہلکے زرد رنگ کے دو کپڑے ہوں گے، چوتھی یہ کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوگا کہ ان کے سر کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، حالانکہ ان کے سر پر پانی نہ پڑا ہوگا، وہ تو اسی وقت آسمان سے اترے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے صاف شفاف ہوں گے اور ان کے سر کے بالوں کی کیفیت ایسی ہوگی جیسے کہ ابھی غسل فرما کے تشریف لا رہے ہیں۔

یہ چند ظاہری علامتیں بتلانے کے بعد آپ ﷺ نے ان کے خاص اقدامات اور کارناموں کا ذکر فرمایا، اس سلسلہ کی پہلی اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین حق اسلام کی دعوت دیں گے (جس کی دعوت اپنے اپنے وقت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے سب پیغمبروں نے دی ہے) اور ان کا آسمان سے نازل ہو کر دین اسلام کی دعوت دینا اس کے دین حق ہونے کی ایسی روشن دلیل ہوگی جس کے بعد اس کو قبول کرنے سے صرف وہی بدبخت اور سیاہ باطن لوگ انکار کریں گے جن کے دلوں میں حق سے عناد ہوگا، اور اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہی نہ ہوگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو بھی دین حق اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لئے بالآخر طاقت استعمال فرمائیں گے، اور جہاد و قتال کریں گے، اس کے علاوہ دو

اقدام ان کے خاص طور سے ان کے نام لیوا عیسائیوں سے متعلق ہوں گے، ایک یہ کہ وہ صلیب کو پاش پاش کر دیں گے، جس کو عیسائیوں نے اپنا شعار اور گویا معبود بنالیا ہے، اور جس پر ان کے انتہائی گمراہانہ عقیدہ کفارہ کی بنیاد ہے، اس کے ذریعہ اس حقیقت کا بھی اظہار ہوگا کہ وہ صلیب پر نہیں چڑھائے گئے، اس بارے میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں فرقوں کا عقیدہ غلط باطل ہے۔ حق وہ ہے جس کا اعلان قرآن پاک میں کیا گیا ہے اور جو امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔ اپنے نام لیوا عیسائیوں سے ہی متعلق دوسرا اقدام ان کا یہ ہوگا کہ وہ خنزیروں کو نیست و نابود کرائیں گے، جن کو عیسائیوں نے اپنے لئے حلال قرار دے لیا ہے، حالانکہ وہ تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے، اس کے بعد حدیث شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کے اس اقدام کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ جزیہ لینا موقوف اور ختم کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرما کر ظاہر فرمادیا کہ ہماری شریعت میں جزیہ کا قانون نزول مسیح کے وقت تک کے لئے ہے، جب وہ نازل ہو جائیں گے اور آپ کے خلیفہ کی حیثیت سے امت مسلمہ کے سربراہ اور حاکم ہوں گے، تو جزیہ کا قانون ختم ہو جائے گا، (اس کا ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو غیر معمولی برکات ہوں گی تو حکومت کو جزیہ وصول کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی جو ایک طرح کا ٹیکس ہے) اس کے بعد حدیث شریف میں ان کے دو اہم کارناموں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ دین حق اسلام کے سوا دوسرے تمام باطل مذہبوں اور ملتوں کو ختم فرمادے گا، سب ایمان لے آئیں گے، اور اسلام قبول کرلیں گے، اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی کے ہاتھ سے دجال کو ہلاک کرا کے جہنم واصل کرے گا، اور دنیا دجال کے اس فتنہ سے نجات پائے گی، جو اس دنیا کا سب سے بڑا فتنہ ہوگا، آخر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ مسیح علیہ السلام نازل ہونے کے بعد اس دنیا اور اس زمین میں چالیس سال رہیں گے، اس کے بعد یہیں وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے یہاں نقل کی گئی اور یہاں تک اس کی تشریح کی گئی یہ مسند امام احمد میں بھی ہے، اور اس میں کچھ اضافہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد اور ان کے زمانہ حکومت و خلافت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خارق عادت برکات ہوں گی ان میں سے ایک یہ بھی ہوگی کہ شیر، بھیڑیے وغیرہ درندوں کی فطرت بدل جائے گی، بجائے درندگی کے ان میں سلامتی آجائے گی، شیر، چیتے، اونٹوں، گایوں، بیلوں کے ساتھ اسی طرح بھیڑیے بکریوں کے ساتھ گھومیں گے، کوئی کسی پر حملہ نہیں کرے گا، اسی طرح چھوٹے بچے سانپوں سے کھیلیں گے اور سانپ کسی کو نہیں ڈسے گا، اور کسی سے کسی کو ایذا نہیں پہنچے گی، یہ خوارق اور درندوں کی فطرت تک میں یہ انقلاب اس کی علامت ہوگا کہ یہ دنیا اب تک جس نظام کے ساتھ چل رہی تھی، اب وہ ختم ہونے والا ہے، اور قیامت قریب ہے، اور اس کے بعد آخرت والا نظام چلنے والا ہے، جیسا کہ راقم سطور نے تمہیدی اصولوں کے ضمن میں عرض کیا تھا، اس وقت کو روز قیامت کی صبح صادق سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی وسعت پر جس کا ایمان ہو، اس کے لئے ان میں سے کوئی بات بھی ناقابل فہم اور ناقابل یقین نہیں۔

۹۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہوں گے، وہ یہاں آکر نکاح بھی کریں گے، اور ان کی اولاد بھی ہوگی، اور وہ پینتالیس سال رہیں گے۔ پھر ان کی وفات ہو جائے گی، وفات کے بعد ان کو میرے ساتھ (اس جگہ جہاں میں دفن کیا جاؤں گا) دفن کیا جائے گا، پھر جب قیامت قائم ہوگی تو میں اور عیسیٰ بن مریم ابوبکر و عمر کے درمیان قبر کی اسی جگہ سے اٹھیں گے۔ (کتاب الوفا لابن الجوزی)

تشریح یہ مسلمات میں سے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب ہماری دنیا میں تھے، تو انہوں نے یہاں پوری زندگی تجرد کی گزاری، نکاح نہیں کیا، حالانکہ نکاح اور تزوج انسان کی فطری ضروریات میں سے ہیں، اور اس میں بڑی حکمتیں ہیں، اسی لئے جہاں تک معلوم ہے، ان سے پہلے اللہ کے تمام پیغمبروں نے اور ان کے بعد آنے والے خاتم النبیین ﷺ نے بھی نکاح کیا ہے، ابن الجوزی کی کتاب الوفا کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے آخر زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی خبر دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ نزول کے بعد کی یہاں کی زندگی میں وہ نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہوگی۔ آگے اس روایت میں ان کے قیام کی مدت پینتالیس سال بیان کی گئی ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت (جو سنن ابی داؤد کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے) نزول کے بعد ان کی مدت قیام چالیس سال بتلائی گئی ہے، بعض اور روایات میں بھی ان کی مدت قیام چالیس سال ہی بیان فرمائی گئی ہے، بعض شارحین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ چالیس والی روایات میں اوپر کا عدد حذف کر دیا گیا ہے اور عربی محاورات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسر حذف کر دی جاتی ہے، واللہ اعلم۔ روایت کے آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہیں وفات پائیں گے، اور جہاں میں دفن کیا جاؤں گا وہیں وہ بھی دفن کئے جائیں گے، اور جب قیامت قائم ہوگی تو میں اور وہ ساتھ ہی اٹھیں گے اور ابوبکر و عمر بھی دائیں بائیں ہمارے ساتھ ہوں گے، اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر مستقبل کی جو بہت سی باتیں منکشف کی گئی تھیں، جن کی آپ ﷺ نے امت کو اطلاع دی، ان میں سے یہ بھی تھی کہ جس جگہ میں دفن کیا جاؤں گا، وہیں میرے بعد میرے دونوں خاص رفیق ابوبکر و عمر بھی دفن کئے جائیں گے۔ اور آخری زمانے میں جب عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے اور یہیں وفات پائیں گے تو ان کو بھی اس جگہ میرے ساتھ ہی دفن کیا جائے گا اور جب قیامت قائم ہوگی تو ہم دونوں ساتھ اٹھیں گے اور ابوبکر و عمر ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ شریفہ میں ہوئی تھی، اور آپ کے ایک ارشاد کے مطابق اسی جگہ آپ دفن کئے گئے، اس کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو وہ بھی وہیں برابر میں دفن کئے گئے۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ

عنہ شہید کئے گئے تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رضا اور اجازت سے وہ بھی وہیں صدیق اکبرؓ کے برابر میں دفن کئے گئے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حجرہ شریفہ میں ایک قبر کی جگہ اسکے بعد بھی باقی رہی، پھر سبط اکبر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو لوگوں نے چاہا کہ انکو وہاں دفن کیا جائے۔ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رضامندی اور اجازت دے دی، لیکن اس وقت اموی حکومت کے جو حکام مدینہ منورہ میں تھے وہ مانع ہوئے (غالباً اس وجہ سے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں دفن نہیں کیا گیا۔)

پھر جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) تب بھی یہی ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انکی تدفین کی اجازت دے دی، لیکن وہ بھی وہاں دفن نہیں کئے جا سکے۔ پھر جب خود ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مرض وفات پر ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو اس جگہ دفن کیا جائے، تو انہوں نے فرمایا کہ بقیع میں جہاں حضور ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات مدفون ہیں، مجھے بھی انکے ساتھ بقیع ہی میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ وہ وہیں دفن کی گئیں، بہرحال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد روضہ اقدس میں ایک قبر کی جو خالی جگہ رہی تھی، وہ خالی ہی ہے، اور مندرجہ بالا روایت کیمطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہونیکے بعد وفات پائیں گے تو وہیں دفن کئے جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مشہور صحابی ہیں۔ یہ پہلے یہودی تھے، اور تورات اور قدیم آسمانی صحیفوں کے بہت بڑے عالم تھے۔ امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ جامع ترمذی میں ان کا یہ بیان روایت کیا ہے، جس کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی ترمذی ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

۹۴) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهٗ — (جامع ترمذی. مشکوٰۃ المصابیح)

ترجمہ: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ تورات میں حضرت محمد ﷺ کا حال بیان کیا گیا ہے (اس میں یہ بھی ہے) کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ (یعنی ان کے قریب ہی) دفن کئے جائیں گے۔

امام ترمذی کی سند میں اس حدیث کے راویوں میں ایک ابو مودود ہیں، امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ ان ابو مودود کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے، وقد بقي في البيت موضع قبر (یعنی حجرہ شریفہ میں (جواب روضہ مقدسہ ہے) ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔

کیا عجب بلکہ قرین قیاس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قبر کی جگہ خالی رہنے کا تکوینی انتظام اسی لئے ہوا ہو کہ اس جگہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مدفون ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵) عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ فَلْيَقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ — (رواه الحاكم في المستدرك)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی عیسیٰ

بن مریم علیہ السلام کو پائے، وہ ان کو میرا سلام پہنچائے۔ (مستدرک حاکم)

تشریح ...... اس مضمون کی ایک اور حدیث مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے، اور مسند احمد ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ "اِقْرَؤُهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ السَّلَامَ" (تم لوگ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو پاؤ تو انکو رسول اللہ ﷺ کا سلام پہنچائیو) اور مستدرک حاکم میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد بیان کرنے کے بعد حاضرین مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے اپنی طرف سے فرمایا:

"أَيْ بَنِيْ أَخِيْ إِنْ رَأَيْتُمُوْهُ، فَقُوْلُوْا أَبُوْهُرَيْرَةَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ" (اے میرے بھتیجو[1] اگر تم عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھو تو میری طرف سے ان سے عرض کیجیو کہ ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے آپکو سلام کہا ہے۔)

حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول سے متعلق یہاں صرف سات حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور ان کی بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کی گئی ہے (جیسا کہ اس سلسلہ "معارف الحدیث" میں راقم السطور کا عام معمول رہا ہے۔)

ابتدائی تمہیدی سطروں میں استاذنا امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کا ذکر کیا جا چکا ہے، اس میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق حدیث کی صرف مطبوعہ کتابوں سے مختلف صحابۂ کرامؓ کی روایت کی ہوئی پچھتر حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔

یہ مختلف اوقات اور مختلف مجلسوں میں فرمائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں، جن میں آپ ﷺ نے آخر زمانے میں قیامت سے پہلے جبکہ دجال کا خروج ہو چکا ہوگا جو آپ ﷺ کی امت کے لئے عظیم ترین فتنہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی اور ان کے ان اہم اقدامات اور کارناموں کی امت کو خبر دی ہے، جن کا خاص تعلق آپ ﷺ کی امت سے ہوگا، اس رسالہ میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث نبویہ کے علاوہ اسی مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام سے متعلق حضرات صحابہ و تابعین کے ۲۶ ارشادات بھی حدیث کی کتابوں سے جمع فرمادیئے ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح سامنے آجاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری زمانے میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کے نازل ہونے کی امت کو خبر دینا ایسے تواتر سے ثابت ہے کہ اس میں کسی تاویل اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں، نیز یہ کہ حضرات صحابۂ کرامؓ اور ان کے بعد حضرات تابعینؒ کا عقیدہ بھی یہی تھا، اور انہوں نے قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے یہی سمجھا تھا۔ بلاشبہ حضرت استاذؒ کا یہ رسالہ اس مسئلہ میں حجت قاطعہ ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ

---

[1] عرب کے لوگ جب اپنے سے بڑے سے بات کرتے ہیں تو ادب و احترام کے طور پر کہتے ہیں "یَا عَمّ" (اے چچا جان) اور جب چھوٹوں سے بات کرتے ہیں تو شفقت اور پیار کے طور پر کہتے ہیں "یَا ابنَ اَخِی" (اے میرے بھتیجے)

كتاب المناقب والفضائل

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو جو علم و معارف عطا ہوئے اور آپ کے ذریعے امت کو ملے، جو انسانی زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق اور مختلف ابواب میں منقسم ہیں، ان میں سے ایک مناقب و فضائل کا باب بھی ہے، حدیث کی قریباً سبھی کتابوں میں "کتاب المناقب" یا "ابواب المناقب" جیسے عنوانات کے تحت رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات روایت کئے گئے ہیں جن میں آپ نے بعض خاص اشخاص و افراد، یا خاص طبقات کے وہ مناقب و فضائل بیان فرمائے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر منکشف فرمائے ...... یہ باب بعض پہلوؤں سے حدیث کے اہم ابواب میں سے ہے ...... اس میں امت کے لئے ہدایت کا بہت بڑا سامان ہے ...... آج بنام خدا اس باب کی احادیث کی تشریح کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے، اور اس کا آغاز چند ان حدیثوں کی تشریح سے کیا جارہا ہے، جن میں رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم وارشاد وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے رب کریم کے خصوصی انعامات کا اور ان مقامات عالیہ کا ذکر فرمایا ہے، جن پر آپ کو فائز کیا گیا تھا، ساتھ ہی انشاءاللہ آپ ﷺ کے شمائل و خصائل اور خاص احوال سے متعلق احادیث بھی تشریح کے ساتھ نذر ناظرین کی جائیں گی۔

رسول اللہ ﷺ کے فضائل اور مقاماتِ عالیہ

۹۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ ادم یوم القیامة واول من ینشق عنه القبرو اول شافع واول مشفع. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سید (سردار) ہوں گا، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا، جس کی قبر شق ہو گی (یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی، اور میں سب سے پہلے اپنی قبر سے اٹھوں گا) اور میں شفاعت کرنے والا پہلا شخص ہوں گا (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے شفاعت کی اجازت مجھے ملے گی اور سب سے پہلے میں ہی اس کی بارگاہ میں شفاعت کروں گا) اور میں ہی وہ شخص ہوں گا جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول فرمائی جائے گی۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک خاص انعام یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پوری نسل میں (جس میں تمام انبیاء علیہم السلام بھی شامل ہیں) مجھے سب سے اعلیٰ مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے، مجھے سب کا سید و آقا بنایا ہے ...... اس کا پورا ظہور جس کو سب آنکھوں سے دیکھیں گے قیامت کے دن ہو گا اور اسی دن اللہ تعالیٰ کے اس خصوصی انعام کا بھی ظہور ہو گا کہ جب مردوں کے قبر سے اٹھنے کا وقت آئے گا تو بحکم خداوند سب سے پہلے میری قبر اوپر سے شق ہو گی اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا، اور پھر جب شفاعت کا دروازہ کھلنے کا وقت آئے گا تو باذنِ خداوندی سب سے پہلے میں ہی شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور میں ہی پہلا وہ شخص ہوں گا جس

کی شفاعت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرف قبول حاصل ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ اس طرح کے عظیم خداوندی انعامات کا اظہار اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے اس لئے بھی فرماتے تھے کہ امت آپ ﷺ کے مقام عالی سے واقف ہو اور اس کے قلب میں آپ ﷺ کی وہ عظمت اور محبت پیدا ہو جو ہونی چاہئے اور پھر دل میں آپ ﷺ کی اتباع کا جذبہ اور داعیہ ابھرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کے شکر کی توفیق ہو کہ اس نے ایسے عظیم المرتبت پیغمبر کا امتی بنایا...... الغرض آپ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات تحدیث نعمت اور شکر نعمت کے علاوہ امت کی ہدایت و تربیت کے اسباق بھی ہیں۔

یہاں ایک یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے متعدد حدیثیں اس مضمون کی مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فلاں پیغمبر پر مجھے فضیلت نہ دی جائے، آپ کے اس طرح کے ارشادات کا مطلب (جو شارحین نے لکھا ہے اور خود ان حدیثوں کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی پیغمبر کے ساتھ مقابلہ اور موازنہ کر کے ان کو کمتر ثابت کرنے کی بات نہ کی جائے، اس میں ان کی کسر شان اور سوء ادب کا اندیشہ ہے...... ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں فرمایا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (یہ ہمارے رسول ہیں جن میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت اور برتری دی ہے) اور قرآن مجید میں متعدد آیتیں ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کا تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے، مثلاً "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ O " اور "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ...... الاية" وغيرها

٩٧) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِىْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِىْ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يَّنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تمام بنی آدم کا سید (سردار) ہوں گا اور یہ میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور تمام انبیاء علیہم السلام، آدمؑ اور ان کے سوا بھی سب انبیاء و مرسلین اس دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جس کی قبر کی زمین اوپر سے شق ہوگی اور یہ بھی میں فخر کے طور پر نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے انعام و احسان کا بیان کر رہا ہوں) (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث کے اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کے جن دو انعامات کا ذکر فرمایا گیا ہے، ایک "اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" اور دوسرا "وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ" ان دونوں کا ذکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں بھی کیا گیا ہے، اور ان کی تشریح بھی کی جاچکی ہے...... حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مزید اس خاص الخاص انعام و اکرام کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے

دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) میرے ہاتھ میں دیا جائے گا اور تمام انبیاء و مرسلین میرے اس جھنڈے تلے ہوں گے۔ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جھنڈا لشکر کے سپہ سالار اعظم کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے اور باقی لشکری اس کے ماتحت ہوتے ہیں، پس قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جھنڈا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جانا اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کا آپ ﷺ کے اس جھنڈے تلے ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام مخلوقات اور تمام انبیاءؑ پر رسول اللہ ﷺ کی سیادت و فضیلت کا ایسا ظہور ہوگا جس کو ہر دیکھنے والا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں بھی اللہ تعالیٰ کا ہر انعام ذکر فرمانے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "ولا فخر" کہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر میں فخر کے طور پر نہیں کر رہا ہوں بلکہ اسکے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور اداء شکر کے طور پر اور تمہاری واقفیت کیلئے کر رہا ہوں۔

یہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) جو قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جائے گا اس واقعی حقیقت کی علامت اور اس کا اعلان ہوگا کہ جس برگزیدہ بندے کے ہاتھ میں حمد خداوندی کا یہ جھنڈا ہے، اس کا حصہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے عمل میں (جو کسی بندے کو اللہ کا محبوب و مقبول بنانے والا خاص الخاص عمل ہے) سب سے زیادہ ہے، اللہ کی حمد خود اس کی زندگی کا ہمہ وقتی وظیفہ تھا، دن رات کی نمازوں میں بار بار اللہ کی حمد، اٹھتے بیٹھتے اللہ کی حمد، کھانا کھانے کے بعد اللہ کی حمد، پانی پینے کے بعد اللہ کی حمد، سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد اللہ کی حمد، لذت اور مسرت کے ہر موقع پر اللہ کی حمد، اللہ تعالیٰ کی کسی بھی نعمت کے احساس کے وقت اس کی حمد، یہاں تک کہ چھینک آنے پر اللہ کی حمد، استنجے سے فراغت پر اللہ کی حمد (ان تمام موقعوں پر رسول اللہ ﷺ سے جو دعائیں ثابت ہیں ان سب میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہی ہے) پھر آپ ﷺ نے اپنی امت کو بڑے اہتمام سے اسی طرز عمل کی ہدایت اور تلقین فرمائی جس کے نتیجہ میں بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی اتنی حمد ہوئی اور قیامت تک ہوگی جس کا حساب بس اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے، اس لئے بلا شبہ آپ ﷺ ہی اس کے مستحق ہیں کہ لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) قیامت کے دن آپ ﷺ کے ہاتھ میں دیا جائے اور اس کے ذریعہ آپ کی اس خصوصیت کا اعلان و اظہار کیا جائے۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم

۹۸) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو میں تمام نبیوں کا امام اور پیشوا ہوں گا اور ان کی طرف سے خطاب اور کلام کرنے والا ہوں گا اور ان کی سفارش کرنے والا بھی ہوں گا، اور یہ میں بطور فخر کے نہیں کہتا (بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں)۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کو قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا خطیب اور صاحب شفاعت بھی فرمایا ہے، مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب جلال خداوندی کا غیر معمولی ظہور ہوگا تو انبیاء

علیہم السلام کو بارگاہ خداوندی میں کچھ عرض کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی تو میں ان کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں کلام اور عرض و معروض کروں گا اور ان کے لئے سفارش کروں گا...... یہاں بھی آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ سب کچھ ازراہ فخر و تعلی نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اور تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بیان کر رہا ہوں۔

۹۹) **عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ، قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلاً وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ اللّٰهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ عِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُه' وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ. وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذَالِكَ، وَعِيْسٰى رُوْحُه' وَكَلِمَتُه' وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَاٰدَمُ اِصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذَالِكَ، اَلاَ وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَه' اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَه' وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ، وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِىْ فَيُدْ خِلُنِيْهَا وَمَعِىَ فُقَرَآءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَافَخْرَ، وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ.** (رواه الترمذی و الدارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعض صحابہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے، اسی حال میں رسول اللہ ﷺ اندر سے تشریف لے آئے جب آپ ﷺ ان لوگوں کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے سنا کہ وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے ہیں، ان میں سے ایک نے (حضرت ابراہیمؑ کی عظمت شان بیان کرتے ہوئے) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، ایک دوسرے صاحب نے کہا کہ اور حضرت موسیٰؑ کو ہم کلامی کا شرف بخشا، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مقام ہے کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، پھر ایک اور صاحب نے کہا کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا (کہ ان کو براہ راست اپنے دست قدرت سے بنایا اور ان کو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم دیا، وہ صحابہ یہ باتیں کر رہے تھے) کہ اچانک رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے، اور فرمایا کہ میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارا اظہار تعجب سنا، بے شک ابراہیمؑ اللہ کے خلیل ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں (ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے) اور بے شک موسیٰ نجی اللہ (اللہ کے ہمراز و ہم سخن) ہیں، اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور بے شک آدم صفی اللہ (اللہ کے برگزیدہ) ہیں، اور فی الحقیقت وہ ایسے ہی ہیں...... اور تم کو معلوم رہنا چاہئے کہ میں حبیب اللہ (اللہ کا محبوب) ہوں اور یہ میں بطور فخر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) اٹھانے والا ہوں گا، آدم اور ان کے سوا بھی سب (انبیاء و مرسلین) میرے اس جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور یہ بات میں فخر کے طور پر نہیں کہتا، اور میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں گا، جو قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں شفاعت کرے گا، اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول فرمائی

جائے گی، اور میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو (جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے) اس کے حلقہ کو ہلائے گا تو اللہ تعالیٰ میرے لئے اس کو کھلوادے گا اور مجھے جنت میں داخل فرمائے گا اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے، اور یہ بات بھی میں فخر سے نہیں کہتا، اور بارگاہ خداوندی میں اولین و آخرین میں سب سے زیادہ میرا اکرام و اعزاز ہوگا اور یہ بھی میں فخر سے نہیں کہتا...... (جامع ترمذی و مسند دارمی)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کا مزاج مبارک اور عام رویّہ تواضع اور انکساری کا تھا، لیکن ضرورت محسوس ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کی تعمیل میں اللہ کے ان خصوصی انعامات اور اعلیٰ کمالات و مقامات کا بھی ذکر فرماتے جن سے آپ سرفراز فرمائے گئے...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی یہ حدیث اور جو حدیثیں اوپر درج کی گئیں یہ سب آپ ﷺ کے اسی سلسلہ کے بیانات ہیں...... وہ صحابۂ کرامؓ جن کی گفتگو کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت آدم (علیہم السلام) پر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات سے تو واقف تھے جن کا وہ تذکرہ کر رہے تھے، ان کو یہ سب کچھ خود حضور ﷺ ہی کی تعلیم سے قرآن مجید سے معلوم ہو چکا تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے مقام عظمت کے بارے میں غالباً ان کی معلومات ناقص تھیں، اس لئے یہ خود ان کی ضرورت اور حاجت تھی کہ رسول اللہ ﷺ اس بارے میں ان کو بتلائیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بتلایا اور اس طرح بتلایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور حضرت آدم پر ہونے والے جن انعامات الٰہیہ اور ان کے جن فضائل و مناقب کا وہ ذکر کر رہے تھے، پہلے آپ ﷺ نے ان سب کی تصدیق فرمائی اس کے بعد اپنے بارے میں بتلایا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص الخاص انعام ہے کہ مجھ کو مقام محبوبیت عطا فرمایا گیا ہے اور میں اللہ کا حبیب ہوں...... (ملحوظ رہے کہ جن اصحاب کرام سے آپ ﷺ نے یہ فرمایا وہ جانتے تھے کہ محبوبیت کا مقام سب سے اعلیٰ و بالا ہے اس لئے آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھی)۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے بعض ان انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا جس کا ظہور اس دنیا کے خاتمہ کے بعد قیامت میں ہوگا، ان میں سے "لواء الحمد" ہاتھ میں ہونے اور اولین شافع اور اولین مقبول الشفاعۃ ہونے کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی آچکا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے دو خصوصی انعامات خداوندی کا اور ذکر فرمایا، ایک یہ کہ جنت کا دروازہ کھلوانے کے لئے سب سے پہلے میں ہی اس کے حلقوں کو حرکت دوں گا (جس طرح کسی مکان کا دروازہ کھلوانے کے لئے دستک دی جاتی ہے) تو اللہ تعالیٰ فوراً دروازہ کھلوادیں گے اور مجھ کو جنت میں داخل فرمائیں گے اور میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہوں گے وہ بھی میرے ساتھ ہی جنت میں داخل کر لئے جائیں گے،...... (یہ سب آنحضرت ﷺ کے مقام محبوبیت پر فائز ہونے کا ظہور ہوگا) آخری بات آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں یہ ارشاد فرمائی کہ "وانا اکرم الاولین والاخرین علی اللہ" یعنی یہ بھی مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہے کہ اس کی بارگاہ میں تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ اکرام و اعزاز میرا ہی ہے اور جو مقام عزت مجھے عطا فرمایا گیا ہے، وہ اولین و آخرین میں سے کسی اور کو عطا نہیں فرمایا گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جن خصوصی انعامات الٰہیہ کا ذکر فرمایا ان میں سے ہر ایک کے

ساتھ یہ بھی فرمایا "ولا فخر" جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خصوصی انعامات کا ذکر میں از راہ فخر اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے نہیں کر رہا ہوں بلکہ محض اللہ کے حکم کی تعمیل میں تحدیث نعمت اور اداء شکر کے لئے اور تم لوگوں کو واقف کرنے کے لئے کر رہا ہوں تاکہ تم بھی اس رب کریم کا شکر ادا کرو کیونکہ یہ انعامات تمہارے حق میں بھی وسیلہ خیر و سعادت ہیں۔

۱۰۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ . (رواہ الدارمی)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں (بروز قیامت) پیغمبروں کا قائد اور پیش رو ہوں گا، اور یہ بات میں بطور فخر نہیں کہتا اور میں خاتم النبیین ہوں اور یہ بھی میں از راہ فخر نہیں کہتا، اور میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں گا، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول فرمائی جائے گی اور یہ بھی میں بطور فخر نہیں کہتا۔ (مسند دارمی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ جو خاتم النبیین ہیں، اور اس دنیا میں اللہ کے سارے نبیوں رسولوں کے بعد آئے، قیامت کے دن آپ سب انبیاء مرسلین کے قائد و پیش رو ہوں گے ...... پھر آپ نے اسی قیامت کے دن شفاعت اور شفاعت کی قبولیت میں اپنی اولیت اور سابقیت کا ذکر بھی فرمایا جس کا ذکر مندرجہ بالا متعدد حدیثوں میں بھی آچکا ہے ...... اور آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ذکر کے ساتھ فرمایا "ولا فخـــر"۔

۱۰۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ كَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُه، تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لِبْنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بِنَائِهٖ اِلاَّ مَوْضِعَ تِلْكَ اللِّبْنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللِّبْنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ...... وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا اللِّبْنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اور اگلے سب پیغمبروں کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاندار محل ہے جس کی تعمیر بڑی حسین اور خوبصورت کی گئی ہے لیکن اس کی تعمیر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی، دیکھنے والے اس محل کو ہر طرف سے گھوم پھر کے دیکھتے ہیں، انہیں اس کی تعمیر کی خوبی اور خوبصورتی بہت اچھی لگتی ہے، ان کو اس سے تعجب ہوتا ہے، سوائے اینٹ کی خالی جگہ کے۔ (وہ اس حسین عمارت کا ایک نقص ہے ...... حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ) پس میں نے آکر اس خالی جگہ کو بھر دیا، میرے ذریعہ اس محل کی تکمیل اور اس کی تعمیر کا اختتام ہو گیا، اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی ختم اور مکمل ہو گیا۔

(صاحب "مشکوٰۃ المصابیح" محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی کہتے ہیں کہ) اس حدیث کی صحیحین ہی کی ایک روایت میں آخری خط کشیدہ الفاظ کی جگہ یہ الفاظ ہیں، فَاَنَا اللِّبْنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ میں ہی وہ اینٹ ہوں

جس سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی، اور میں خاتم النبیین ہوں۔) (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... قرآن مجید میں بھی رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے، اور بہت سی حدیثوں میں بھی، اور بلا شبہ یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم ترین انعام ہے کہ قیامت تک آپ ہی پوری انسانی دنیا کے لئے اللہ کے نبی ورسول ہیں ...... اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی خاتمیت کی حقیقت اور نوعیت کو ایک عام فہم مثال کے ذریعہ سمجھایا ہے جو ایسی سہل الفہم ہے کہ اس کے سمجھانے کے لئے کسی توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں، اس حدیث نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے جو ہزاروں پیغمبر آئے ان کی آمد سے گویا قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی اور تکمیل کو پہنچ گئی تھی، بس ایک اینٹ کی جگہ خالی رہ گئی تھی، رسول اللہ ﷺ کی بعثت و آمد سے وہ بھی بھر گئی، اور قصر نبوت بالکل مکمل ہو گیا، کسی نئے نبی ورسول کے آنے کی نہ ضرورت رہی نہ گنجائش، اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم اور دروازہ بند کر دیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ کے "خاتم النبیین" ہونے کا اعلان فرمادیا گیا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

رسول اللہ ﷺ کی ولادت، بعثت، وحی کی ابتداء اور عمر شریف

۱۰۲) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ سَاُخْبِرُكُمْ بِاَوَّلِ اَمْرِیْ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ، وَبِشَارَةُ عِيْسٰى، وَرُؤْيَا اُمِّیَ الَّتِیْ رَاَتْ حِيْنَ وَضَعَتْنِیْ، وَقَدْ خَرَجَ نُوْرٌ اَضَاءَ لَهَا مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ.

(رواه احمد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تم لوگوں کو اپنے اول امر (اپنی ابتداء) کے بارے میں بتلاتا ہوں، میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا ہوں (یعنی ان کی دعا کی قبولیت کا ظہور ہوں) اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت ہوں (یعنی وہ نبی ہوں جس کی آمد کی بشارت انہوں نے دی تھی) اور اپنی والدہ کا خواب ہوں (یعنی ان کے اس خواب کی تعبیر ہوں) جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا نور ظاہر ہوا جس سے میری والدہ کے لئے ملک شام کے محل بھی روشن ہو گئے۔ (مسند احمد)

تشریح ...... قرآن مجید سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۷ او نمبر ۱۲۸ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر کعبۃ اللہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انہوں نے یہ دعا بھی کی تھی کہ اے ہمارے پروردگار ہماری نسل میں سے ایک ایسی امت پیدا فرمانا جو تیری فرمانبردار ہو ، اور ان میں انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک صاف کرے ...... اور سورۂ صف کی آیت نمبر ۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم بنی اسرائیل کے پاس بھیجا تو آپؑ نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے لئے بھیجا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں اس عظیم الشان پیغمبر کی آمد کی بشارت سناؤں جو ... کے بعد آئے گا، اور اس کا نام احمد ہوگا۔ رسول اللہ

ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں قرآن مجید کی انہی آیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا نتیجہ اور ظہور ہوں، اور میں عیسیٰ بن مریم کی بشارت کا مصداق ہوں۔ آگے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس خواب کی تعبیر ہوں جو میری والدہ ماجدہ نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا کہ ایک ایسا غیر معمولی نور ظاہر ہوا جس کی روشنی نے میری والدہ صاحبہ کے لئے ملک شام کی عالی شان عمارتیں اور محل روشن کر دیئے اور میری والدہ نے اس نور کے اجالے میں ان کو دیکھ لیا۔

یہ خواب رسول اللہ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے آپ ﷺ کی ولادت کے قریبی وقت میں غالباً اسی رات میں دیکھا تھا، جس کی صبح آپ کی ولادت ہوئی...... ملک شام کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء ہے اور اسی میں وہ بیت المقدس ہے جو تمام انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا ہے۔

راقم سطور نے حدیث کے لفظ "رؤيا" کا ترجمہ خواب کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر تشریح کی ہے، لیکن یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے اس نور کا ظہور اور اس کی روشنی میں ملک شام کے محلات عین ولادت کے وقت بیداری میں دیکھے بعض دوسری روایات سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ولادت سے پہلے سونے کی حالت میں خواب دیکھا ہو اور پھر ولادت کے وقت بیداری میں بھی آنکھوں نے یہ دیکھا ہو، بہر حال یہ نور کا ظہور اور اس کے اجالے میں ملک شام کے محلات کا نظر آنا اس کی علامت تھی کہ اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کے ذریعہ ہدایت کا نور ملک شام تک بھی پہنچائے گا جو ہزاروں برس تک خود ہدایت کا مرکز رہا ہے، اور بیت المقدس کو قبلہ ماننے والی قومیں بھی اس نور ہدایت سے فیضیاب ہوں گی جیسا کہ ظہور میں آیا اور قیامت تک آتا رہے گا۔

۱۰۳) عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ عَامَ الْفِيْلِ۔ (رواه الترمذی)

ترجمہ: قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... "فیل" عربی میں ہاتھی کو کہتے ہیں "عام الفیل" سے مراد وہ سال ہے جس میں یمن کے عیسائی حاکم ابرہہ نے کعبۃ اللہ کو ڈھادینے اور برباد کر دینے کے ارادے سے ایسے لشکر کے ساتھ جس میں بڑے بڑے کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے، مکہ معظمہ پر لشکر کشی کی تھی، تو مکہ کے حدود میں ان کے داخل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی شکل میں اپنا غیبی لشکر بھیج دیا، ان چڑیوں نے لشکر پر کنکر کی پتھریاں برسا کر، (جو گولی کا کام کرتی تھیں) سارے لشکر کو تہس نہس کر دیا، قرآن مجید "سورۃ الفیل" میں یہی واقعہ بیان فرمایا گیا ہے...... جس سال یہ غیر معمولی واقعہ ہوا تھا اسی کو "عام الفیل" کہا جاتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی پیدائش اسی سال ہوئی، ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے پچاس دن بعد آپ ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی۔

علامہ ابن الجوزی کے بیان کے مطابق اس پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت اسی سال میں ہوئی، اس پر

بھی قریباً اتفاق ہے کہ مہینہ ربیع الاول اور دن دو شنبہ کا تھا...... تاریخ کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ۲۔ ربیع الاول کی بھی روایت ہے، ۸۔ کی بھی، ۱۰۔ کی بھی اور ۱۲۔ کی بھی (اور یہی زیادہ مشہور ہے) اس کے علاوہ ۱۷۔ ۱۸۔ کی بھی روایتیں ہیں، علامہ قسطلانی نے لکھا ہے کہ اکثر محدثین کے نزدیک ۸۔ ربیع الاول والی روایت زیادہ قوی ہے...... ماضی قریب کے مصر کے ایک ماہر فلکیات محمود پاشا نے ریاضی کے حساب سے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت باسعادت عام الفیل ۹۔ ربیع الاول کو ہوئی۔

ٹھیک اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ کی اس دنیا میں (مکہ مکرمہ ہی میں) آمد کا وقت قریب تھا، ابرہہ کے لشکر کا جس کو قرآن مجید میں "اصحاب الفیل" کہا گیا ہے اور جو کعبۃ اللہ کو ڈھانے اور نیست و نابود کر دینے کے ارادہ سے کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی سنگ باری سے تہس نہس ہو جانا یقیناً قدرت خداوندی کا ایک معجزہ تھا، ہمارے علماء و مصنفین نے اس کو ان معجزانہ واقعات میں شمار کیا ہے، جو رسول اکرم ﷺ کی دنیا میں آمد سے پہلے اس کے مقدمات اور پیشگی برکات کے طور پر ظہور میں آئے، اور بلا شبہ ایسا ہی ہے۔

۱۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بُعِثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَمَكَثَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوْحٰى اِلَيْهِ، ثُمَّ اُمِرَ بِالْهِجْرَةِ، فَهَاجَرَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو نبوت و رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا) چالیس سال کی عمر میں...... اس کے بعد آپ مکہ مکرمہ میں رہے تو تیرہ سال، آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی رہی، پھر آپ ﷺ کو حکم ہوا (مکہ سے) ہجرت کا، تو آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی، اور مہاجر بن کر دس ۱۰ سال رہے اور پھر (مدینہ منورہ میں) وفات پائی اس وقت جب کہ عمر شریف تریسٹھ ۶۳ سال تھی......

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

۱۰۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ وَهُوَ ابْنُ ثَلٰثٍ وَّسِتِّيْنَ، وَاَبُوْبَكْرٍ وَهُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّيْنَ، وَعُمَرُو هُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّيْنَ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی جب کہ عمر شریف تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی وفات پائی جب کہ آپ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال تھی اور حضرت عمرؓ نے بھی وفات پائی تریسٹھ (۶۳) سال ہی کی عمر میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... شیخین (حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو خاص بلکہ خاص الخاص نسبت تھی، اس کا ایک ظہور یہ بھی تھا کہ آنحضرت ﷺ کی طرح ان دونوں حضرات نے بھی تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں ہی وفات پائی اور اسی کا ایک ظہور یہ بھی ہے کہ وفات کے بعد یہ دونوں

حضرات بھی روضۂ اقدس میں حضور اکرم ﷺ کے برابر میں مدفون ہیں...... اور علامت قیامت کے زیر عنوان وہ حدیث گذر چکی ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب آنحضرت ﷺ قبر شریف سے اٹھ کر میدان حشر یا دربار خداوندی کی طرف چلیں گے تو آپ کے یہ دونوں رفیق آپ کے دائیں بائیں ہوں گے...... اور آگے "شیخین کے مناقب" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت انشاء اللہ ذکر کی جائے گی جس میں انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شیخین کے اس خصوصی تعلق اور امتیازی نسبت کو خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا حوالہ دے کر بڑے جامع اور واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔

۱۰۶) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اَوَّلُ مَابُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّادِقَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَايَرٰى رُؤْيَا اِلَّاجَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءَ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ...... وَهُوَ التَّعَبُّدُ...... اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ يَّنْزِعَ اِلٰى اَهْلِهٖ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ، ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِيْ غَارِ حِرَاءَ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اِقْرَاْ فَقَالَ مَا اَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّيْ الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَااَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ قُلْتُ مَااَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ الثَّالِثَ، حَتّٰى بَلَغَ مِنِّي الْجُهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ○ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ، فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ لَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا، اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَصْدُقُ الْحَدِيْثَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، ثُمَّ انْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ اِلٰى وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ ابْنِ عَمِّ خَدِيْجَةَ فَقَالَتْ لَهٗ يَاابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِيْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ يَاابْنَ اَخِيْ مَاذَا تَرٰى؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَارَاٰى فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى، يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ فِيْهَا جَذَعًا يٰلَيْتَنِيْ اَكُوْنُ حَيًّا، اِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَاجِئْتَ بِهٖ، اِلَّاعُوْدِيَ وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ وہ پہلی چیز جس سے رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی رؤیاء صادقہ (سچے خواب) تھے، جو آپ سونے کی حالت میں دیکھتے تھے، چنانچہ آپ جو خواب بھی دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح سامنے آجاتا...... پھر آپ کے دل میں خلوت

گزینی کی محبت ڈال دی گئی تو آپ غار حرا میں جا کر خلوت گزینی کرنے لگے۔ وہاں آپ (اپنے اہل خانہ کی طرف اشتیاق سے پہلے) کئی کئی رات تک عبادت فرماتے اور اس کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان ساتھ لے جاتے پھر (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے، اور اتنی ہی راتوں کے لئے پھر سامان خورد و نوش ساتھ لے جاتے...... یہاں تک کہ اسی حال میں کہ آپ غار حرا میں تھے، آپ کے پاس حق آگیا (یعنی وحی حق آگئی) چنانچہ (خدا کا فرستادہ) فرشتہ (جبرائیل) آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اقرا (پڑھئے!) آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، آپ نے بیان فرمایا کہ پھر اس فرشتے نے مجھے زور سے دبایا (بھینچا) یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، پھر اس نے مجھے پکڑا اور پھر دوسری دفعہ زور سے دبایا، یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور پھر کہا اقرا (پڑھئے!) پھر میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ زور سے دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ O خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْO" (اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، انسان کو جس نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، وہ جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)...... پھر رسول اللہ ﷺ ان آیتوں کو لے کر اس حال میں لوٹے کہ آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا...... تو آپ (اپنی زوجہ محترمہ) حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کپڑا اڑھا دو، مجھے کپڑا اڑھا دو، تو گھر والوں نے آپ کو کپڑا اڑھا دیا یہاں تک کہ گھبراہٹ اور دہشت کی وہ کیفیت ختم ہو گئی تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے بات کی اور پورا واقعہ بتلایا اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز ایسے خطرہ کی بات نہیں، قسم بخدا اللہ تعالیٰ کبھی آپ کو رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کہتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں اور ناداروں کے لئے کماتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کی مدد کرتے ہیں ان حادثوں پر جو حق ہوتے ہیں...... پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو لے گئیں اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس اور ان سے کہا کہ اے میرے چچازاد بھائی اپنے بھتیجے کی بات (اور واردات) سنیئے! تو ورقہ بن نوفل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اے بھتیجے بتلاؤ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو وہ سب بتلایا جو مشاہدہ فرمایا تھا تو ورقہ نے کہا کہ یہ وہ خاص رازداں فرشتہ (جبرائیل) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر بھیجا تھا (پھر ورقہ نے کہا کہ) کاش میں اس وقت جوان پٹھا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تمہاری قوم تم کو نکالے گی...... تو رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے) کہا کہ کیا میری قوم کے لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا کہ ہاں! (تمہاری قوم تم کو دیس سے نکال دے گی) کوئی آدمی بھی اس طرح کی دعوت لے کر نہیں آیا جیسی تم لائے ہو مگر یہ کہ لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا

اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو تمہاری بھرپور مدد کروں گا، پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ..... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی ابتداء اور نزول وحی کے آغاز کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور اس کی راوی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں، لیکن حدیث کے مستند ہونے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ یا تو انہوں نے یہ واقعہ اس تفصیل کے ساتھ خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو گا (اور غالب گمان یہی ہے) یا اپنے والد ماجد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یا کسی دوسرے بزرگوار صحابی سے جنہوں نے خود حضور ﷺ سے سنا ہو گا اور اہل سنت کا مسلمہ ہے (جو گویا ان کے عقائد میں شامل ہے) کہ اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ (یعنی تمام صحابۂ کرام عادل اور ثقہ ہیں) جس صدیقہ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ یہ بتلائیں کہ انہوں نے یہ کس سے سنا تھا، ہمارے یقین کے لئے ان کا بیان فرمانا کافی ہے، اگر اس بارے میں ان کو پورا اطمینان و یقین نہ ہوتا تو وہ ہرگز اس طرح بیان نہ فرماتیں۔ یقیناً حضور ﷺ کی تربیت کے نتیجہ میں وہ یہ جانتی تھیں کہ حضور ﷺ سے متعلق اس طرح کے اہم اور غیر معمولی واقعہ کا بیان کتنی بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔

حدیث میں سب سے پہلی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کہ آپ کو "رویائے صادقہ" (سچے خواب) آنے شروع ہوئے، آگے خود حدیث میں اس کی یہ وضاحت ہے کہ آپ سونے کی حالت میں جو خواب دیکھتے وہ صبح کے اجالے کی طرح بیداری میں آنکھوں کے سامنے آجاتا، سمجھنا چاہئے کہ وحی نبوت کے لئے آپ کی روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح کے خوابوں سے شروع ہوا، یہ پہلا مرحلہ تھا۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے قلب میں سب سے یکسوئی اور خلوت گزینی کی محبت اور اس کا شوق و جذبہ پیدا فرمادیا گیا، آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے قلب میں مجرد خلوت گزینی اور سب سے الگ تھلگ رہنے کا جذبہ اور داعیہ ہی پیدا نہیں فرمایا گیا تھا، بلکہ سب سے یکسورہ کر خلوت میں عبادت کا (گویا ایک طرح کے اعتکاف کا) جذبہ اور شوق پیدا فرمایا گیا تھا، پھر اس کے لئے آپ ﷺ نے غار حرا کا انتخاب فرمایا۔ حراء ایک پہاڑ کا نام ہے، مکہ مکرمہ کے ہر طرف پہاڑیاں ہی پہاڑیاں ہیں، کچھ کم بلند ہیں، کچھ زیادہ بلند ہیں (جہاں تک خیال ہے) ان میں سب سے بلند یہی حراء ہے، جس کو لوگ اب جبل النور کہتے ہیں، یہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً ڈھائی میل کے فاصلے پر ہے، اس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چٹانیں باہم اس طرح مل گئی ہیں کہ ان کے درمیان ایک چھوٹا سا مثلث نما (تکونہ) حجرہ سا بن گیا ہے، اسی کو غار حراء کہا جاتا ہے، اور اس میں بس اتنی جگہ ہے کہ ایک آدمی کسی طرح داخل ہو کر گزارہ کر سکتا ہے، چونکہ یہ پہاڑ بہت بلند ہے اور غار اس کی بالکل چوٹی پر ہے اور اس تک چڑھائی میں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، اس لئے اچھے تندرست و توانا آدمی بھی بہ مشکل ہی وہاں پہنچ پاتے ہیں، اب تو اس مبارک واقعہ کی وجہ سے جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے کہ اگر وہ پہنچ

سکے تو اس کی زیارت کی سعادت ضرور حاصل کرے لیکن ظاہر ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ نے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا تھا تو کسی آدمی کے لئے اس غار میں ایسی کوئی کشش نہیں تھی کہ اس تک پہنچنے کے لئے وہ پہاڑ کی اتنی لمبی چڑھائی کی مشقت برداشت کرے (چنانچہ کہیں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ جن ایام میں حضور ﷺ اس غار میں خلوت گزیں (گویا معتکف) رہے، آپ ﷺ کا کوئی عزیز قریب بھی آپ ﷺ کے پاس پہنچا ہو) اس لئے خلوت میں یکسوئی سے عبادت کے لئے اس سے بہتر جگہ کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا اور آگے جو ظہور میں آنے والا تھا (جس کا اس حدیث میں بھی ذکر ہے) اس کے لئے ازل سے یہی مبارک غار مقدر ہو چکا تھا۔

آگے حدیث شریف میں جو فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ غار حرا کی اس خلوت گزینی اور عبادت کے سلسلہ میں آپ کا معمول یہ تھا کہ چند دن رات کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر آپ غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں پوری یکسوئی سے عبادت میں مشغول رہتے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ کے دل میں گھر والوں کی دیکھ بھال اور ملاقات کا داعیہ پیدا ہوتا تو گھر زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے اور پھر اتنے ہی دنوں کے لئے خورد و نوش کا ضروری سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے اور وہاں عبادت میں مشغول رہتے۔

حضرت صدیقہؓ نے غار حرا میں آپ ﷺ کی مشغولیت کے لئے **فَيَتَحَنَّثُ** کا لفظ استعمال فرمایا ہے حدیث کے ایک راوی امام زہری نے تعبد کے لفظ سے اس کا حاصل مطلب بیان کیا ہے...... لیکن کسی روایت سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ غار حرا کے اس قیام میں حضور ﷺ کی عبادت کا طریقہ کیا تھا شارحین حدیث نے اس بارے میں حضرات علمائے کرام کے مختلف اقوال نقل کئے ہیں، لیکن وہ سب قیاسات ہیں...... اس عاجز کا خیال ہے کہ نبوت و رسالت کے منصب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی مسلسل تربیت ہو رہی تھی جس کا پہلا مرحلہ رؤیائے صادقہ کا سلسلہ تھا، وہ بھی ایک طرح کا الہام تھا، اس کے بعد خلوت گزینی اور خلوت میں عبادت کا داعیہ آپ ﷺ کے قلب میں پیدا کیا گیا یہ بھی جاذبۂ الٰہیہ اور ایک طرح کے الہام ربانی کا نتیجہ تھا۔

پھر غار میں آپ ﷺ جو عبادت فرماتے تھے جس کو حضرت صدیقہؓ نے فیتحنث کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، سمجھنا چاہئے کہ وہ بھی الہام ربانی کی رہنمائی میں تھی، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے لئے نور ہدایت کی دعا کرتے ہوں اور آپ ﷺ کی قوم شرک و بت پرستی اور شدید مظالم و معاصی کی جس نجاست و غلاظت میں غرق تھی، جس سے آپ ﷺ کی فطرت سلیمہ صالحہ کو سخت اذیت تھی، اس سے آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بیزاری کا اظہار اور قوم کے لئے بھی اصلاح و ہدایت کی دعا فرماتے ہوں (دعا کو حضور ﷺ نے عبادت کا مغز اور جوہر فرمایا ہے)......

بہر حال راقم الحروف کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کو عبادت کی اس مشغولیت میں الہام خداوندی کی رہنمائی حاصل تھی اور اس کے ذریعہ آپ ﷺ کی روحانیت کو آگے کی منزلوں کے لئے تیار کیا جا رہا تھا، واللہ اعلم۔

آگے حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے کہ غار حرا میں آپ ﷺ کی خلوت گزینی اور عبادت کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک (ایک رات ❶میں) آپ ﷺ کے پاس فرشتہ وحی لے کر آگیا اور اس نے آپ ﷺ سے کہا اقرا (پڑھئے) آپ ﷺ کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ مَاأنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لئے پڑھ نہیں سکتا)...... آپ ﷺ کا بیان ہے کہ اس جواب کے بعد اس نے مجھے پکڑ کے اتنے زور سے دبایا کہ اس کا دباؤ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا یعنی اس حد تک کہ اس سے آگے میں برداشت نہیں کر سکتا تھا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرشتہ نے آپ ﷺ کا گلوئے مبارک پکڑ کے ❷اس قدر زور سے دبایا تھا) حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا ہے کہ تین (۳) دفعہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے مجھ سے کہا اقرأ (پڑھئے) میں نے کہا کہ ماانا بقارئ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس لئے پڑھ نہیں سکتا) اور میرے اس جواب کے بعد ہر دفعہ اس نے مجھے پکڑ کے اسقدر زور سے دبایا کہ میری حد برداشت کی آخری حد تک پہنچ گیا، تیسری دفعہ کے بعد اس نے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پڑھیں (اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ تک)

حدیث میں صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا ہے کہ فرشتہ سے یہ آیتیں سن کر آپ ﷺ نے خود بھی ان کی تلاوت فرمائی، لیکن آگے جو بیان فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ کو یہ آیتیں محفوظ ہو گئیں اور آپ ﷺ ان آیات کی تلاوت کرتے ہوئے غار سے گھر تشریف لائے اور آپ ﷺ کی اس وقت جو حالت تھی وہ حدیث میں آگے ذکر کی گئی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ یوں تو پورا قرآن مجید معجزہ ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں اور اسی طرح بعض چھوٹی چھوٹی آیتوں میں اعجاز کی شان ایسی واضح اور نمایاں ہے کہ عربی زبان سے واقفیت اور اس کا ذوق رکھنے والا ہر شخص ان کو صرف سن کر یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بشر کا کلام نہیں بلکہ خالق بشر کا کلام ہے...... راقم سطور بغیر ادنیٰ انکسار کے عرض کرتا ہے کہ میں عربی زبان کا ادیب نہیں ہوں بس اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کا مقدس کلام قرآن مجید اور اس کے رسول پاک ﷺ کی احادیث پڑھ لیتا اور کچھ سمجھ لیتا ہوں اپنے اس حال میں بھی سورۂ علق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کے بارے میں الحمد للہ دن میں سورج کی روشنی کی طرح یقین رکھتا ہوں کہ یہ بشر کا یا فرشتہ کا کلام نہیں ہو سکتا ہے یہ بلا شبہ رب ذوالجلال ہی کا کلام ہے...... چھوٹی چھوٹی ان پانچ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا جو دفتر اور علوم کا جو سمندر اس کی شان ربوبیت، قدرت و حکمت، کرم و احسان اور صفات و افعال کا جو بیان ہے، اس پر ایک پورا مقالہ بلکہ ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے...... رسول اللہ ﷺ نے صرف یہ کہ آپ ﷺ کی مادری زبان عربی تھی بلکہ آپ ﷺ افصح العرب) تھے، اس لئے اس میں شک شبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے کہ جیسے ہی آپ ﷺ نے فرشتہ (جبرائیل) سے یہ آیتیں سنی ہوں گی آپ ﷺ نے

❶ سورۃ القدر کی پہلی آیت "انا انزلناه في ليلة القدر" سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ رات میں ہوا تھا۔
❷ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ابوداؤد طیالسی کی روایت سے نقل کیا ہے "فاخذ بحلقي" اور اس کی اسناد کو حسن کہا ہے۔ (فتح الباری مطبوعہ انصاری دہلی پارہ اول ص ۱۳)

یقین فرمالیا ہوگا کہ یہ میرے خالق ومالک رب کریم کا کلام ہے اس نے مجھے اپنے فضل خاص سے نوازا ہے۔

حدیث میں غار حرا کے مذکورۂ بالا واقعہ کے ذکر کے بعد بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۃ العلق کی ان ابتدائی پانچ آیتوں کو لے کر غار حرا سے اس حال میں گھر تشریف لائے کہ آپ ﷺ دہشت زدہ سے تھے، آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا، جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا آپ ﷺ نے آتے ہی اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھے کپڑا اڑھادو، (ایسی حالت میں کپڑا اوڑھنے کا طبعی تقاضا ہوتا ہے اور اس سے سکون ملتا ہے) چنانچہ گھر والوں نے آپ ﷺ کو کپڑا اڑھادیا، پھر وہ دہشت زدگی اور دل کے لرزنے کی کیفیت ختم ہوگئی اور حالت معمول پر آگئی تو آپ ﷺ نے زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ کو وہ سب بتلایا جو پیش آیا تھا، اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا (لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ) اے خدیجہؓ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا) مطلب یہ ہے کہ فرشتہ نے گلا پکڑ کے تین دفعہ ایسے زور زور سے دبایا تھا کہ مجھے خطرہ تھا کہ میری جان ہی نکل جائے گی۔

آگے حدیث میں جو بیان فرمایا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے غار حرا کی ساری واردات حضور ﷺ کی زبان مبارک سے سن کر آپ ﷺ کو تسلی اور بشارت دینے کے لئے بڑے اعتماد کے ساتھ اور قسم کھا کے اپنے اس یقین کا اظہار فرمایا کہ ہرگز کوئی خطرہ اور اندیشہ کی بات نہیں تھی اور نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اعلیٰ درجہ کے مکارم اخلاق اور محاسن اعمال سے نوازا ہے، آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں یعنی قرابت داروں کے حقوق ادا کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، ہمیشہ حق اور سچی بات کرتے ہیں، صداقت اور راست بازی آپ ﷺ کا شعار ہے، آپ ﷺ ایسے ضعیفوں، اپاہجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں جو بے چارے خود اپنا بوجھ نہیں اٹھا سکتے یعنی ان کی کفالت کرتے ہیں اور آپ ﷺ کا حال یہ ہے کہ خود محنت کر کے کمائی کرتے ہیں (تاکہ غریبوں حاجت مندوں کی مدد کریں) اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور جو لوگ بغیر کسی جرم وقصور کے کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے ہیں آپ ان کی امداد واعانت کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقصد اس گفتگو سے یہی تھا کہ آپ ﷺ کے یہ مکارم اخلاق اور مبارک احوال اس بات کی علامت اور دلیل ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں اور آپ ﷺ پر اس کا خاص فضل وکرم ہے، اس لئے مجھے یقین ہے کہ یہ جو کچھ ہوا یہ بھی اس کے کرم ہی کا ایک خاص ظہور ہے۔

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر حضرت خدیجہؓ حضور ﷺ کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل [1] کے پاس پہنچیں..... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں ورقہ بن نوفل کے تعارف میں یہ بھی ہے کہ:۔

وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِىَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْاِنْجِيْلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِىَ.

ترجمہ: یہ ورقہ بن نوفل ایسے آدمی تھے جو زمانۂ جاہلیت میں (یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے) نصرانیت

[1] ورقہ کے والد نوفل اور حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد دونوں اسد بن عبدالعزیٰ کے بیٹے تھے اس لئے ورقہ حضرت خدیجہؓ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔

اختیار کر چکے تھے اور یہ عبرانی زبان لکھتے تھے، چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے اور یہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے

تشریح...... اور صحیح مسلم کی روایت میں عبرانی کے بجائے عربی ہے، جس کا مطلب یہ ہو گا کہ ورقہ بن نوفل انجیل کے مضامین عربی زبان میں لکھا کرتے تھے، اور بظاہر یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

ورقہ بن نوفل کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ شرک و بت پرستی سے بیزار تھے، دین حق کی تلاش میں ملکوں ملکوں پھرے بالآخر ملک شام میں بتوفیق الٰہی نصرانی مذہب کے ایک ایسے راہب یعنی عیسوی مذہب کے درویش عالم سے ملاقات ہو گئی جو صحیح عیسوی مذہب پر تھے (یعنی عیسائیت میں الوہیت مسیح، تثلیث اور کفارہ وغیرہ جیسے جو مشرکانہ اور گمراہانہ عقیدے بعد میں شامل کر لئے گئے وہ ان سے بیزار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی صحیح تعلیم وہدایت پر قائم تھے) ورقہ نے ان کے ہاتھ پر نصرانی مذہب قبول کر لیا اور اس کی تعلیم بھی حاصل کرلی، عبرانی زبان بھی سیکھ لی جس میں توراۃ نازل ہوئی تھی (اور بعض محققین کی تحقیق کے مطابق انجیل بھی عبرانی زبان ہی میں تھی)۔ بہر حال ورقہ بن نوفل صحیح عیسوی مذہب پر تھے اور کتب قدیمہ کے عالم تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب "الاصابہ" میں ان ورقہ بن نوفل کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے۔

وَكَانَ وَرَقَةُ قَدْ كَرِهَ عِبَادَةَ الْأَوْثَانِ وَطَلَبَ الدِّيْنَ فِي الْآفَاقِ وَقَرَأَ الْكُتُبَ وَكَانَتْ خَدِيْجَةُ تَسْئَلُهُ عَنْ أَمْرِ النَّبِيِّ ﷺ فَيَقُوْلُ مَا أَرَاهُ إِلَّا نَبِيَّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الَّذِيْ بَشَّرَ بِهِ مُوْسٰى وَعِيْسٰى.

(الاصابہ ج٦ص٣١٨)

ترجمہ: ورقہ بتوں کی پوجا کو برا اور غلط سمجھتے تھے اور دین حق کی تلاش میں یہ مختلف علاقوں اور ملکوں میں پھرے اور انہوں نے کتابوں کا (یعنی ان کتابوں کا جو آسمانی کہی اور سمجھی جاتی تھی) مطالعہ کیا تھا، اور خدیجہؓ ان سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا کرتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ میرا خیال ہے کہ یہ اس امت کے نبی ہوں گے جن کی بشارت حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔ (الاصابہ ج٦ص٣١٨)

اس سے معلوم ہوا کہ ورقہ بن نوفل کی اس خصوصیت کی وجہ سے کہ انہوں نے اپنی قوم کے شرک و بت پرستی والے مذہب سے بیزار ہو کر عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا (اور اس طرح نبوت ورسالت کے پورے سلسلہ پر وہ ایمان لے آئے تھے) اور تورات انجیل وغیرہ کتب سماویہ کے عالم تھے اور ظاہر ہے کہ ان کی زندگی بھی عام اہل مکہ کی زندگی سے الگ قسم کی عابدانہ، زاہدانہ درویشانہ زندگی رہی ہو گی۔

(الغرض ان کی ان صفات وخصوصیات کی وجہ سے) ان کی چچازاد بہن حضرت خدیجہؓ جو ایک نہایت سلیم الفطرت اور عاقلہ خاتون تھیں، ان کو ایک روحانی بزرگ سمجھتی تھیں اور ان سے ایک طرح کی عقیدت

رکھتی تھیں اور غار حراء کے اس واقعہ سے پہلے بھی حضور ﷺ کے غیر معمولی احوال [1] کا تذکرہ کر کے آپ ﷺ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کیا کرتی تھیں اور وہ جواب میں کہا کرتے تھے ما اراہ الا نبی هذه الا مة الذی بشربه موسیٰ وعیسیٰ (یعنی میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت حضرت موسیٰؑ وحضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

پھر جب غار حرا کا یہ واقعہ ظہور میں آیا جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور حضور ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو بتلایا تو ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ وہ یہ پورا واقعہ حضور کی زبان مبارک سے ورقہ بن نوفل کو سنوائیں۔

جو پہلے ہی سے آپ ﷺ کے نبی و رسول ہونے کا خیال ظاہر کرتے تھے...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ کسی روایت میں اس کا ذکر بلکہ اشارہ بھی نہیں ہے کہ حضور نے ورقہ کے پاس جانے کی خواہش کی ہو بلکہ جیسا کہ حدیث میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے حضرت خدیجہؓ ہی آپ ﷺ کو ان کے پاس لے کر گئیں۔

آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کے پاس پہنچ کر حضرت خدیجہؓ ہی نے ان سے کہا کہ آپ اپنے ان بھتیجے [2] سے ان کی بات اور واردات سنئے! تو ورقہ نے حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے بھتیجے مجھے بتلاؤ کہ تم کیا دیکھتے ہو؟ تو آپ نے وہ سب بیان فرمایا جو غار حرا میں آپ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا اور آپ ﷺ پر گزرا تھا، تو ورقہ ابن نوفل نے بغیر کسی تامل اور تردد کے کہا کہ یہ فرشتہ جو غار حرا میں تمہارے پاس آیا اور جس کا پورا واقعہ تم نے ذکر کیا یہ وہی "ناموس" (یعنی وہی وحی لانے والا خاص فرشتہ) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام و پیام لے کر اپنے پیغمبر موسیٰؑ پر بھی بھیجا تھا۔

یہاں کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ ورقہ بن نوفل تو نصرانی یعنی عیسوی مذہب کے پیرو تھے پھر اس موقع پر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کا نام چھوڑ کے حضرت موسیٰؑ کا نام کیوں لیا حالانکہ جبرائیل جس

---

[1] مثلاً بچپن میں شق صدر کا واقعہ اور نبوت سے بہت پہلے بعض پتھروں کا آپ کو سلام کرنا اور بعض درختوں کا آپ کی طرف جھک جانا، جیسے واقعات جن کا ذکر ایسی روایات میں کیا گیا ہے جو قابل قبول ہیں، اور بحیرا راہب کا مشہور تاریخی واقعہ جو حدیث کی کتابوں میں بھی روایت کیا گیا ہے...... ظاہر ہے کہ اس طرح کے غیر معمولی واقعات کا آپ ﷺ نے اپنی ہمراز اور ہمدم و ہمساز رفیقہ حیات حضرت خدیجہؓ سے ضرور ذکر فرمایا ہوگا جو نہایت سلیم الفطرت اور عاقلہ خاتون تھیں۔ وہ انہی احوال واقعات کا اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے ذکر کر کے حضور ﷺ کے بارے میں ان کا خیال اور ان کی رائے دریافت کرتی ہوں گی، اسی کے جواب میں ورقہ وہ بات فرماتے تھے جو روایت میں ذکر کی گئی ہے یعنی یہ کہ "میرا گمان ہے کہ یہ اس امت کے وہ نبی ہوں گے جن کی بشارت اللہ کے جلیل القدر پیغمبروں حضرت موسیٰؑ وحضرت عیسیٰؑ نے دی ہے۔

[2] یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت خدیجہؓ نے حضور کو جو ورقہ بن نوفل کا بھتیجا کہا اور اسی طرح ورقہ نے بھی آپ ﷺ کو "ابن اخی" (بھتیجا) کہہ کر مخاطب کیا تو یہ نسبی رشتہ کی بنیاد پر نہیں کہا گیا، بلکہ اہل عرب کے اس عام رواج کے مطابق کہا تھا کہ وہ اپنے سے بڑوں کو از راہ احترام چچا اور چھوٹوں کو پیار اور شفقت سے بھتیجا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔

طرح موسیٰ علیہ السلام کی طرف بھیجے گئے تھے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بھی بھیجے گئے تھے؟...... شارحین حدیث نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر تھے اور جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی طرف بھی بھیجے جاتے تھے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستقل شریعت نہیں لائے تھے، ان کی شریعت وہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ آئی تھی عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعض احکام میں جزوی تبدیلیاں فرمائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ مستقل اور کامل شریعت لانے والے نبی و رسول تھے، اس لئے آپ کو موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ مشابہت تھی...... قرآن مجید سورۂ مزمل میں بھی فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلاً شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلاًO"...... بہر حال اس خاص وجہ سے ورقہ بن نوفل نے اس موقع پر جبرائیل امینؑ کے تعارف میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

آگے حدیث میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے پورے یقین کے ساتھ یہ بتلا کر کہ غار حرا میں آنے والے یہ فرشتے جبرائیل امینؑ تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر موسیٰ علیہ السلام (اور دوسرے نبیوں رسولوں) کے پاس بھی آیا کرتے تھے، حضور ﷺ کی نبوت کی واضح الفاظ میں تصدیق فرمائی اور ساتھ میں بڑی حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت طاقتور جوان پٹھا ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو اس شہر مکہ سے نکالے گی (تو میں آپ ﷺ کا ساتھ دیتا اور جان کی بازی لگا کر آپ ﷺ کی مدد کرتا)...... حضور ﷺ نے ورقہ سے یہ سن کر ازراہ تعجب پوچھا کہ کیا میری قوم مجھے اس شہر سے نکال دے گی؟ (آپ ﷺ کو تعجب اس لئے ہوا کہ اب تک اپنے کریمانہ اخلاق اور معصومانہ زندگی کی وجہ سے آپ ﷺ قوم میں انتہائی درجہ ہر دلعزیز تھے، آپ ﷺ کو الصادق الامین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اس لئے یہ بات فی الحقیقت قابل تعجب تھی کہ یہی قوم آپ کو کبھی شہر مکہ چھوڑنے پر مجبور کردے گی) ورقہ نے آپ ﷺ کے اس سوال کے جواب میں کہا کہ اللہ کی طرف سے جو پیغمبر بھی وہ دعوت و تعلیم لے کر آیا ہے، جو تم لائے ہو (اور لاؤ گے) تو اس کی قوم اس کی دشمن ہوگئی ہے، تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا، تمہاری قوم کے لوگ تمہارے جانی دشمن ہو جائیں گے اور تم کو شہر چھوڑ کے نکل جانا ہوگا...... غالب گمان یہ ہے کہ ورقہ بن نوفل نے یہ جو کچھ کہا قدیم آسمانی کتابوں کی پیشن گوئیوں اور اللہ کی طرف سے آنے والے نبیوں رسولوں کی تاریخ کی روشنی میں کہا۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جو واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، ان کی شہادت بھی یہی ہے۔

حدیث کے آخر میں ہے کہ ورقہ بن نوفل نے اپنی بات ختم کرتے ہوئے مکرر کہا کہ اگر میں نے آپ ﷺ کا وہ زمانہ پایا جب آپ ﷺ قوم کو دین حق کی دعوت دیں گے اور قوم آپ ﷺ کی مخالف اور دشمن ہو جائے گی تو میں اپنے اس بڑھاپے اور اس معذوری کے باوجود آپ ﷺ کی اپنے امکان بھر مدد کروں گا...... اس کے آگے روایت میں ہے کہ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد یہ ورقہ بن نوفل وفات پاگئے...... اور غار حرا کے اس واقعہ کے بعد کچھ مدت تک وحی کی آمد کا سلسلہ بند رہا۔ (حدیث کے اصل مضمون کی توضیح و تشریح ختم ہوئی)

حدیث سے متعلق چند امور کی وضاحت

۱)...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے اور ایمان لانے والے ورقہ بن نوفل اور حضرت خدیجہؓ ہیں، لیکن یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی طرف دعوت دینے کا حکم نہیں ہوا تھا اور ورقہ بن نوفل اسی زمانے میں اس حال میں انتقال فرما گئے کہ وہ صحیح عیسوی دین پر قائم تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر کے آپ ﷺ پر بھی ایمان لا چکے تھے، اس لحاظ سے ان کو اس امت کا اول مومن بھی کہا جا سکتا ہے...... پھر جب آپ ﷺ کو دعوت دینے کا حکم ہوا تو جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے، سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت خدیجہؓ نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا جو آپ ﷺ کی نبوت پر پہلے بھی ایمان لا چکی تھیں۔

۲)...... حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیلؑ نے تین دفعہ انتہائی زور زور سے حضور ﷺ کا گلوئے مبارک دبایا (جیسے کوئی کسی کا گلا گھونٹنا چاہتا ہے) شارحین اور علمائے کرام نے اس کی مختلف توجیہیں بیان فرمائی ہیں۔

اس عاجز راقم سطور کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس طرح انتہائی زور سے گلا دبانے سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ کچھ دیر کے لئے آپ کی توجہ ہر طرف سے اپنی ذات کی طرف سے بھی ہٹ کر صرف اپنے رب کریم کی طرف ہو جائے جب کسی عارف باللہ اور خدا آشنا بندے کا اس طرح گلا گھونٹا جائے گا تو یقیناً اس کی تمام تر توجہ صرف اپنے پروردگار کی طرف ہو جائے گی اور اس کا احساس و شعور بڑی حد تک اس عالم سے کٹ کر ملا اعلیٰ سے جڑ جائے گا، اس وقت حضور ﷺ پر جو وحی پہلی دفعہ القا کی جانے والی تھی، اس کے لئے اس کی ضرورت تھی، بالفاظ دیگر اس عمل کے ذریعہ حضور کی روح و قلب میں وہ قوت پیدا کرنی تھی، جو اس وحی الٰہی کا تحمل کر سکے جس کو قرآن پاک میں قولاً ثقیلاً فرمایا گیا ہے...... بعد میں بھی نزول وحی کے وقت حضور کا جو حال ہوتا تھا، وہ حدیثوں میں ذکر کیا گیا ہے، سخت سردی کے موسم میں جب آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تو آپ کو پسینہ پھوٹ پڑتا۔

روایات میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں اگر وحی نازل ہوئی تو اونٹنی بیٹھ گئی...... الغرض اس عاجز کے نزدیک زیادہ قرین قیاس یہی ہے کہ اس سخت دباؤ کا مقصد یہی تھا کہ آپ ﷺ اس وحی کا تحمل فرما سکیں جو پہلی دفعہ القا کی جا رہی تھی، واللہ اعلم۔

۳)...... حدیث میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ غار حرا سے جب گھر واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کا دل لرز رہا تھا اور جسم مبارک پر بھی اس کا اثر تھا اور حضرت خدیجہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا "لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِىْ" (مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا) آپ ﷺ کا یہ حال بھی حضرت جبرائیل کے اس گلا دبانے کا اور کلام الٰہی کے بار گراں کا بھی نتیجہ تھا، یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و حکمت ہے کہ ہم پر قرآن پاک کی تلاوت کا کوئی بوجھ نہیں پڑتا ورنہ اس کی شان تو خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے:۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

(سورة الحشر آیت نمبر ۲۱)

ترجمہ: اگر یہ قرآن ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دب جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں خود آپ ﷺ کے اور ساری کائنات کے خالق و پروردگار نے اپنی کتاب مبین قرآن مجید میں فرمایا ہے "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝" [1] یعنی اے ہمارے پیغمبر (ﷺ) آپ اخلاق کے بلند و برتر مقام پر ہیں، احادیث و سیرت کی روایات میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کا جو بیان ہے، وہ اسی مختصر قرآنی بیان کی گویا تشریح و تفسیر ہے "معارف الحدیث جلد دوم" میں کتاب الاخلاق قریباً پونے دو سو صفحات پر ہے اس میں اخلاق سے متعلق آنحضرت ﷺ کی تعلیمات وارشادات اور باب اخلاق کے سلسلہ کے آپ ﷺ کے بعض اہم واقعات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

شروع میں وہ حدیثیں بھی درج کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اور اللہ کے نزدیک اخلاق کا کیا درجہ اور مقام ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے چند مختصر ارشادات یہاں بھی ناظرین کی یاد دہانی کے لئے ذکر کر دیئے جائیں...... ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا [2]

ترجمہ: تم لوگوں میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ [3]

ترجمہ: میں خاص اس کام کے لئے بھیجا گیا ہوں کہ اپنی تعلیم اور عمل سے کریمانہ اخلاق کی تکمیل کر دوں۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ فِىْ مِيْزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ [4]

ترجمہ: قیامت کے دن مؤمن کی میزان اعمال میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔

آپ ﷺ نے عمر شریف کے آخری دور میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو داعی و معلم اور حاکم بنا کر یمن بھیجا تو آخری نصیحت یہ فرمائی:۔

---

1. سورۃ القلم آیت نمبر ۴۔
2. صحیح بخاری و صحیح مسلم۔
3. موطا امام مالک، مسند احمد۔
4. سنن ابی داؤد۔ جامع ترمذی۔

اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ. ❶

ترجمہ: دیکھو سب لوگوں سے اچھے اخلاق کا برتاؤ کرنا۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں چند وہ حدیثیں پڑھئے جن میں صحابۂ کرام نے اپنے تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر آپ کے کریمانہ اخلاق کا بیان فرمایا ہے...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو زندگی کے اس شعبہ میں بھی آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع نصیب فرمائے۔

۱۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ وَلَا لِمَا صَنَعْتَ، وَلَا اَلَّاصَنَعْتَ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف کا کلمہ بھی نہیں فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

تشریح...... عربی زبان میں اف کا کلمہ کسی بات پر ناگواری و ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے...... رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی عمر آٹھ (۸) سال (اور ایک دوسری روایت کے مطابق دس (۱۰) سال) تھی، ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جو بڑی مخلص مؤمنہ صالحہ تھیں اپنے ان بیٹے کو حضور کی خدمت میں پیش کر دیا اور گویا آپ ﷺ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا اور پھر یہ حضور ﷺ کی وفات تک پورے دس (۱۰) سال آپ ﷺ کی خدمت میں رہے، اس حدیث میں انہوں نے حضور کے حسن اخلاق اور نرم مزاجی کے بارے میں اپنا یہ ذاتی تجربہ بیان فرمایا ہے کہ دس (۱۰) سال کی خادمانہ مدت میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ﷺ نے ناراضی اور غصہ کے اظہار کے لئے اف کا کلمہ بھی فرمایا ہو، اسی طرح کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کام کے کرنے پر آپ ﷺ نے ڈانٹا ہو کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، یا کسی کام کے نہ کرنے پر ڈانٹا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا...... مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عادت شریف اور آپ ﷺ کا عام رویہ عفو و درگزر کا تھا...... حضرت انس رضی اللہ عنہ، ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے جس کو بیہقی نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے کہ:۔

خَدَمْتُہٗ عَشْرَسِنِیْنَ فَمَا لَا مَنِیْ عَلٰی شَیْءٍ اُتِیَ فِیْهِ عَلٰی یَدَیَّ فَاِنْ لَامَنِیْ لَائِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَوْ قُضِیَ شَیْءٌ کَانَ. (مشکوۃ المصابیح)

ترجمہ: میں نے دس (۱۰) سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، اگر کبھی میرے ہاتھ سے کوئی چیز ضائع یا خراب ہو گئی تو آپ ﷺ نے اس پر بھی مجھے ملامت نہیں فرمائی، اور اگر میری اس غلطی پر آپ کے گھر والوں میں سے کوئی ملامت کرتا تو آپ فرما دیتے تھے کہ جب بات مقدر ہو چکی تھی وہ ہونی ہی تھی۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ آپ کا یہ رویّہ ذاتی معاملات میں تھا، لیکن جیسا کہ دوسری حدیثوں

❶ مؤطا امام مالک۔

سے معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام وحدود کے بارے میں آپ ﷺ کوئی رورعایت نہیں فرماتے تھے۔

۱۰۸) **وَعَنْهُ قَالَ كُنْتُ اَمْشِىْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِىٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ فَاَدْرَكَهُ اَعْرَابِىٌّ فَجَبَذَهُ بِرِدَائِهٖ جَبْذَةً شَدِيْدَةً وَرَجَعَ نَبِىُّ اللّٰهُ ﷺ فِىْ نَحْرِ الْاَعْرَابِىْ حَتّٰى نَظَرْتُ اِلٰى صَفْحَةِ عَاتِقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَدْاَثَّرَتْ بِهَا حَاشِيَةُ الْبُرْدِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهٖ، ثُمَّ قَالَ يَامُحَمَّدُ مُرْلِىْ مِنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْ عِنْدَكَ، فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ ضَحِكَ، ثُمَّ اَمَرَلَهُ بِعَطَاءٍ.** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے جارہے تھے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے جس کے کنارے موٹے تھے (چلتے چلتے) حضرت ﷺ کو ایک گنوار بدو نے پکڑ لیا اور آپ ﷺ کی چادر پکڑ کے اس زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ اس بدو کے سینے سے آلگے اور میں نے دیکھا کہ اس بدو کے زور سے چادر کھینچنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی گردن مبارک کے ایک طرف نشان پڑ گیا۔ پھر اس گنوار بدو نے کہا کہ اے محمد تمہارے پاس جو اللہ کا مال ہے تم (اپنے آدمیوں کو) حکم دو کہ وہ اس میں سے مجھ کو دیں (حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس گنوار بدو کی طرف دیکھا (اور بجائے غصہ فرمانے کے) آپ ﷺ اس کی اس حرکت پر ہنسے اور اس کو کچھ دینے کا حکم فرمایا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح نجران یمن کے علاقہ میں ایک شہر تھا جہاں خاص قسم کی چادریں بنتی تھیں، ان کو نجرانی چادر کہا جاتا تھا...... اس بدو نے جس "اللہ کے مال" (مال اللہ) کا سوال کیا تھا اس سے مراد بظاہر زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کا وہ سرمایہ تھا جو بیت المال میں رہتا تھا جو آپ ﷺ مستحقین کو عطا فرماتے تھے...... حدیث کا مضمون و مفہوم واضح ہے کسی توضیح وتشریح کا محتاج نہیں...... ظاہر ہے کہ یہ بدو انتہائی درجہ کا اجڈ گنوار تھا، اس وقت اس میں کسی اصلاحی بات کے قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد بھی نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سزا یا تنبیہ درکنار کوئی نصیحت کی بات بھی نہیں فرمائی، بلکہ اس کی اس انتہائی گستاخانہ حرکت کا جواب آپ ﷺ نے صرف ہنس کر دیا اور جس روپے پیسے کا وہ طالب تھا اس کو عنایت فرمادیا اور امت کو سبق دیا کہ اس درجہ کی بدتمیزی اور ایذارسانی کے مواقع پر بھی نفس پر قابو رکھیں اور عفو ودرگزر کا رویّہ اختیار کر کے لوگوں کے دل جیتیں اور اپنے سے قریب کریں، پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت عطا فرمادے گا اور ان کی اصلاح بھی ہو جائے گی...... بلاشبہ ارباب بصیرت کے نزدیک آپ ﷺ کی زندگی کے اس طرح کے واقعات بھی آپ ﷺ کے معجزات ہیں۔

۱۰۹) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ مَاسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شيئاً قَطُّ فَقَالَ لَا** (رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے اس کے جواب میں "لا" (یعنی نہیں) فرمایا ہو۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ﷺ سے جب کسی چیز کا سوال کیا جاتا کہ یہ عنایت فرمادی جائے، تو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار نہیں فرماتے تھے، جس سے سوال کرنے والے کی دل شکنی ہوتی اگر وہ چیز موجود ہوتی تو عطا فرمادیتے، ورنہ عذر فرمادیتے اور دعا فرمادیتے الغرض سوال کرنے والے کو آپ کبھی "لا" کہہ کر انکار اور نفی میں جواب نہیں دیتے تھے۔

بہ ظاہر یہ ایک معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے کسی شخص کے کسی مطالبہ یا سوال کے جواب میں کبھی بھی "نہ" نہ کہنا آخری درجہ کی کریم النفسی، شرافت طبع اور عالی ظرفی کی دلیل ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ وہبی طور پر یہ صفات نصیب فرمادے، اسی طرح وہ اللہ کے بندے جو ان صفات سے آراستہ اللہ والوں کے ساتھ رہ کر اپنے اندر یہ اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی بہت قابل رشک ہیں۔

۱۱۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِاٰنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ فَمَا يَاْتُوْنَ بِاِنَاءٍ اِلَّاغَمَسَ يَدَهٗ فِيْهَا فَرُبَّمَا جَاءَ هٗ بِالْغَدَاةِ الْبَارِدَةِ فَغَمَس يَدَهٗ فِيْهَا. (رواه مسلم)

ترجمہ .. حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح فجر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے تو مدینہ کے گھروں کے خدمت گار (غلام یا باندیاں) اپنے اپنے برتن لے کر آجاتے جن میں پانی ہوتا (تاکہ آپ برکت کے لئے یا بیماری سے شفا جیسے مقاصد کے لئے اس پانی میں اپنا دست مبارک ڈال دیں) تو آپ ہر برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تو بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ (سخت سردی کے موسم میں) ٹھنڈی صبح کے وقت (برتن میں بہت ٹھنڈا پانی لے کر آپ کے) پاس آجاتے تو آپ ﷺ اس میں بھی اپنا دست مبارک ڈال دیتے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... مدینہ منورہ میں سردی کے خاص موسم میں سخت سردی ہوتی ہے اور برتنوں میں رکھا پانی برف جیسا ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ پانی لانے والے کی دلداری کے لئے اور اس عمل کو بندگان خدا کی خدمت تصور فرماتے ہوئے اس برف جیسے ٹھنڈے پانی میں بھی دست مبارک ڈال دینے کی تکلیف برداشت فرماتے تھے ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ، کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ کبھی اتفاقاً ہی کوئی شخص برتن میں پانی لے آتا ہو اور آپ ﷺ اس میں دست مبارک ڈال دیے ہوں بلکہ یہ گویا روزمرہ کا سا معمول تھا...... اگر اللہ کے کسی صالح بندے کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے تو یہ حدیث اس کی اصل اور بنیاد ہے۔ بشرطیکہ عقیدہ میں فساد اور غلو نہ ہو۔

۱۱۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اِنِّىْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (رواه مسلم)

ترجمہ .. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روا... ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضور ﷺ آپ مشرکین اور کفار کے حق میں بددعا فرمائیں، تو آپ . نے ارشاد فرمایا کہ میں لعنت اور بددعا کرنے والا بنا کر

نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کفار و مشرکین آپ ﷺ کے اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے انتہائی درجہ کے دشمن تھے، خود آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کی ایذائیں دیتے تھے، یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کو اپنا عزیز اور مقدس وطن مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑا،اس کے بعد بھی ان کی شر انگیزیوں کا سلسلہ جاری رہا، تو کسی وقت آپ ﷺ کے اصحاب کرام نے درخواست کی کہ حضور ان ظالموں بد بختوں کے حق میں بد دعا فرمائیں کہ اللہ ان پر اپنا قہر و عذاب نازل فرمائے اور یہ ہلاک و برباد کر دیئے جائیں جس طرح اگلی بہت سی امتوں کے ایسے ظالم کفار پر عذاب نازل ہو،اور زمین ان کے وجود سے پاک کر دی گئی۔ تو آنحضرت ﷺ نے اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ میں لعنت اور بد دعا کروں، مجھے تو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس قرآن مجید میں فرمایا ہے: "وما ارسلنٰك الا رحمةً للعٰلمين"

۱۱۲) عَنْ عَائِشَةَ مَاضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَاامْرَاَةً وَلَاخَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَمَانِيْلَ مِنْهُ شَيْئٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمُ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلاَّ اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْئٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ. (رواہ مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو،البتہ جہاد فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں ضرور ایسا ہوا ہے...... اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے والی کوئی حرکت کی گئی ہو تو آپ ﷺ نے اس سے انتقام لیا ہو،(بلکہ آپ ﷺ ذاتی معاملات میں معافی اور درگزر ہی کا معاملہ فرماتے تھے (البتہ اگر کسی شخص کی طرف سے کسی فعل حرام کا ارتکاب کیا جاتا تو آپ اللہ کے لئے (یعنی فرمان خداوندی کی تعمیل میں) اس مجرم کو سزا دیتے (یا سزا دینے کا حکم فرماتے) تھے...... (صحیح مسلم)

تشریح ...... ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق دو باتیں بیان فرمائی ہیں۔ایک یہ کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کی غلطی یا بے تمیزی پر غصہ ہو کر اس کو نہیں مارا حتیٰ کہ نہ کبھی کسی خادم پر آپ کا ہاتھ اٹھا نہ کسی عورت پر...... یعنی کسی خادم غلام یا باندی سے یا کسی بیوی سے کیسی ہی غلطی ہوئی ہو، کبھی غصہ سے آپ کا ہاتھ اس پر نہیں اٹھا...... ہاں جہاد فی سبیل اللہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اس کے کسی دشمن پر آپ ﷺ کا ہاتھ اٹھا ہے، چنانچہ غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کا سردار ابی بن خلف آپ ﷺ ہی کے ہاتھ سے ہلاک ہوا۔

دوسری بات حضرت صدیقہؓ نے یہ بیان فرمائی کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی بدبخت نے آپ ﷺ کو ایذا پہنچائی ہو یا آپ ﷺ کے ساتھ بد تمیزی کی ہو تو آپ ﷺ نے اس سے انتقام لیا ہو، آپ ﷺ اپنی ذات کے معاملہ میں ہمیشہ عفو و درگزر ہی سے کام لیتے تھے۔البتہ اگر کوئی شخص کسی حرام فعل اور جرم کا ارتکاب کرتا تو آپ

ﷺ اس کو سزا دیتے تھے، لیکن یہ سزا بھی نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غصہ سے نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور اس کے حکم کی تعمیل میں دی جاتی تھی۔

۱۱۳) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَاكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْنَعُ فِىْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِىْ (تَعْنِىْ) اَهْلِهٖ (مِهْنَةِ خِدْمَةِ اَهْلِهٖ) فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ. (رواه البخارى)

ترجمہ: جناب اسود سے روایت ہے (جو ایک بزرگ تابعی ہیں) انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ (جن اوقات میں حضور ﷺ گھر کے اندر رہتے تھے) تو ان اوقات میں آپ کیا کرتے تھے؟ تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اپنے گھر والوں کے کاموں میں شریک ہو کر ان کی مدد اور خدمت کرتے تھے، پھر جب نماز کا وقت آجاتا تو سب چھوڑ کر نماز کو تشریف لے جاتے...... (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہو کہ گھر کے کام کاج میں گھر والیوں کی مدد کرنا اور ان کا ہاتھ بٹانا حضور کا مستقل معمول تھا اور یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی سنتوں پر عمل کرنے کی بھی ہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔ اس میں خدمت اور مدد کرنے کا اجر و ثواب بھی ہے اور کبر جیسے روحانی امراض کا علاج بھی۔

۱۱٤) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْصِفُ نَعْلَه' وَيَخِيْطُ ثَوْبَه' وَيَعْمَلُ فِىْ بَيْتِهٖ كَمَا يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِىْ بَيْتِهٖ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِىْ ثَوْبَه' وَيَحْلِبُ شَاتَه' وَيَخْدِمُ نَفْسَه'. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عام رویہ اور معمول یہ تھا کہ (ضرورت پڑنے پر) خود ہی اپنی (ٹوٹی پاپوش) گانٹھ لیتے تھے اور خود ہی اپنا (پھٹا ہوا) کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے، جس طرح تم میں سے کوئی بھی آدمی گھر کا کام کرتا ہے...... اور حضرت صدیقہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ ﷺ (کوئی مافوق البشر غیر انسانی مخلوق نہیں تھے، بلکہ) بنی آدم ہی میں سے ایک آدمی تھے (معمولی سے معمولی کام بھی خود کر لیتے تھے) اپنے کپڑے میں خود جوئیں دیکھتے تھے، بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے، اپنے ذاتی کام خود ہی کر لیتے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث اور رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بڑا سبق ہے، ان حضرات کے لئے جو دین اور علم دین میں حضور ﷺ کے خواص نائبین و وارثین ہیں، اللہ تعالیٰ سب کو اس کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۱۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا صَافَحَ الرَّجُلَ لَمْ يَنْزِعْ يَدَه' مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَالَّذِىْ يَنْزِعُ يَدَه'، وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَه' عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَالَّذِىْ يَصْرِفُ وَجْهَه' عَنْ وَجْهِهٖ وَلَمْ يُرَمُقَدِّمًا رُكْبَتَيْهِ بَيْنَ يَدَىْ جَلِيْسٍ لَه'. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور معمول تھا کہ جب کسی شخص سے آپ ﷺ مصافحہ کرتے تو اپنا دست مبارک اس کے ہاتھ میں سے اس وقت تک نہ نکالتے جب تک

کہ وہ شخص اپنا ہاتھ آپ ﷺ کے دست مبارک سے نہ نکالتا، اسی طرح اپنا رخ اور چہرۂ مبارک اس کی طرف سے نہ پھیرتے جب تک کہ خود وہ شخص اپنا چہرہ آپ ﷺ کی طرف سے نہ پھیرتا، اور کبھی آپ ﷺ کو اس حال میں نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے زانوئے مبارک برابر بیٹھے ہوئے دوسرے آدمی سے آگے کئے ہوئے ہوں...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے اور آپ ﷺ سے مصافحہ کرنے والے حضرات آپ ﷺ پر ایمان لانے والے آپ کے خادم و جاں نثار صحابۂ کرام ہی ہوتے تھے، ان کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا اکرام اور لحاظ کا یہ رویّہ تھا جو آپ ﷺ کے ہمہ وقتی خادم حضرت انس نے اس حدیث میں بیان کیا...... افسوس ہم جیسے اُمتیوں نے ان اخلاق عالیہ اور اس اسوۂ حسنہ کے اتباع سے اپنے کو کس قدر محروم کر لیا ہے۔

۱۱۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَسْرِدُ الْحَدِيْثَ كَسَرْدِكُمْ كَانَ يُحَدِّثُ حَدِيْثًا لَوْعَدَّهُ الْعَادُّ لَاَحْصَاهُ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح روانی اور تیزی سے گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بات فرماتے تھے کہ اگر (آپ ﷺ کے الفاظ اور کلمات کو) کوئی شمار کرنا چاہتا تو شمار کر سکتا تھا...... (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... ظاہر ہے کہ تعلیم اور تفہیم کے لئے یہی بہتر ہے کہ بات ٹھہر ٹھہر کے اس طرح کی جائے کہ سامعین پوری طرح سمجھ سکیں اور ذہن نشین کر لیں جامع ترمذی میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے اسی مضمون کی جو حدیث روایت کی گئی ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيْنَهٗ فَصْلٌ يَحْفَظُهٗ مَنْ جَلَسَ اِلَيْهِ

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اس طرح کلام فرماتے تھے کہ اس کے کلمات جدا جدا ہوتے تھے جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوتے وہ اس کو حافظہ میں محفوظ کر لیتے تھے۔

۱۱۷) عَنْ جَابِرِبْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ طَوِيْلَ الصَّمْتِ (رواه فی شرح السنه)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خاموشی طویل ہوتی تھی...... (شرح السنہ)

تشریح ...... مطلب یہ کہ آپ ﷺ تعلیم و تربیت جیسی کسی ضرورت ہی سے گفتگو فرماتے تھے، اگر کچھ فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی تو آپ ﷺ خاموش ہی رہتے، اسی سلسلہ معارف الحدیث۔ (کتاب الایمان جلد اول) میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ حدیث درج کی جا چکی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْلِيَصْمُتْ.

ترجمہ:- جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اچھی بات کرے (جس پر اجر و ثواب کی امید ہو) یا خاموش رہے۔

یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور ہدایت تھی اور اسی پر آپ ﷺ کا عمل تھا، اللہ تعالیٰ ہم امتیوں کو بھی اس کا اتباع نصیب فرمائے۔

یہاں کتاب المناقب والفضائل میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق حسنہ سے متعلق صرف یہ دس حدیثیں درج کی گئی ہیں بلاشبہ یہ صرف "مشتے نمونہ از خروارے" ہے۔

وفات اور مرض وفات

صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے رسول اللہ ﷺ کے فضائل اور ولادت باسعادت اور بعثت و آغاز وحی اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے ابواب کے سلسلہ کو باب وفات پر ختم کیا ہے جس میں حضور ﷺ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق احادیث ذکر کی ہیں، اسی کی پیروی کرتے ہوئے یہاں بھی آپ ﷺ کی وفات اور مرض وفات سے متعلق چند حدیثوں کے ذکر پر اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔

پہلے یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے وفات کے بارے میں اس پر تو محدثین اور اہل سیر و تاریخ کا اتفاق ہے کہ ۱۱ ہجری ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، لیکن تاریخ کے بارے میں، تاریخ ولادت ہی کی طرح روایات اور اقوال مختلف ہیں، جہاں تک اپنا مطالعہ ہے حدیث کی کسی کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس میں حضور کی تاریخ وفات کا ذکر کیا گیا ہو، تاریخ اور سیر کی کتابوں میں تین تاریخوں کی روایات ذکر کی گئی ہیں، ربیع الاول کی پہلی، دوسری اور بارہویں اور تاریخ ولادت کی طرح وفات کی تاریخ بھی بارہویں ہی زیادہ مشہور ہے لیکن بعض محققین نے لکھا ہے کہ تاریخ وفات ۱۲۔ ربیع الاول کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ بات مسلم اور صحیح ترین روایات سے ثابت ہے کہ وفات سے قریباً پونے تین مہینے پہلے آپ ﷺ نے جو حج کیا (حجۃ الوداع) تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا...... اور یہ بھی مسلم اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی وفات دوشنبہ کے دن ہوئی تو ۹۔ ذی الحجہ کو جمعہ ہونے کی صورت میں ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن کسی طرح نہیں ہو سکتا ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینوں کو خواہ ۳۰۔ ۳۰ دن کا فرض کیا جائے یا ۲۹۔ ۲۹ دن کا یا بعض کو ۲۹ اور بعض کو ۳۰ دن کا کسی صورت میں بھی ۱۲۔ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہیں ہو سکتا...... ہاں اگر تینوں مہینوں کو ۲۹ دن کا مانا جائے (جو بہت مستبعد ہے اور جس کا امکان بہت کم ہے) تو ربیع الاول کو پہلے دوشنبہ کو ۲ تاریخ ہو گی اور اگر ایک مہینہ کو ۲۹ دن کا اور دو مہینوں کو ۳۰۔ ۳۰ دن کا مانا جائے (جو بکثرت ہوتا ہے) تو ربیع الاول کے پہلے دوشنبہ کو یکم تاریخ ہو گی۔ ان سب حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین قیاس یکم ربیع الاول والی روایت ہے...... واللہ اعلم۔

اب پہلے آنحضرت ﷺ کے بعض وہ ارشادات ذکر کئے جائیں گے جن میں آپ ﷺ نے اشارۃً یا صراحۃً صحابہ کرام کو اپنی وفات کے قریب ہونے کی اطلاع دی تھی نیز بعض وہ حدیثیں جن میں مرض وفات کے

بعض اہم واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، آخر میں وہ حدیثیں جن میں سانحۂ وفات کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ ان احادیث مبارکہ کو اس عاجز راقم سطور کے لئے اور ناظرین کرام کے لئے ہدایت و سعادت کا وسیلہ بنائے اور ان کی برکت سے حسن خاتمہ نصیب فرمائے "اللّٰهُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَالْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ"!

۱۱۸) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ بَعْدَ ثَمَانِ سِنِيْنَ كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ الْمُنِيْرُ فَقَالَ اِنِّىْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَاَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ، وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَاِنِّىْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَا فِىْ مَقَامِىْ هٰذَا، وَاِنِّىْ قَدْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ، وَاِنِّىْ لَسْتُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِىْ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا اَنْ تُنَافِسُوْا فِيْهَا (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے احد پر آٹھ سال کے بعد نماز پڑھی، اس شخص کی طرح جو الوداع کہنے والا ہو زندوں کو اور مردوں کو، پھر آپ (مسجد شریف آکر) منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے صحابۂ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تمہارے آگے فرط (میر منزل) کی طرح جانے والا ہوں اور میں تمہارے بارے میں شہادت دینے والا ہوں اور تم سے ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے، اور میں اپنی اسی جگہ سے اس حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا فرمادی گئی ہیں، زمین کے خزانوں کی کنجیاں، اور مجھے تمہارے بارے میں اس کا خطرہ نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے اس کا ڈر ہے کہ میرے بعد تمہاری رغبت اور چاہت کا رخ دنیا کی طرف ہو جائے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احد میں جو صحابۂ کرامؓ شہید ہوئے تھے (جن میں حضور ﷺ کے محبوب و محترم چچا حمزہ رضی اللہ عنہ، بھی تھے) ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی (بغیر نماز جنازہ ہی دفن کئے گئے تھے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ پر منکشف کیا گیا کہ آپ کا سفر آخرت قریب ہے تو آپ ایک دن مشہد احد تشریف لے گئے (جہاں شہدائے احد مدفون ہیں) اور آپ نے ان پر جنازہ کی نماز پڑھی...... صحیح البخاری کتاب الجنائز کی اسی حدیث کی روایت میں ہے "صَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَهٗ عَلَى الْمَيِّتِ" ...... اس میں صراحت ہے کہ آپ نے آٹھ سال پہلے شہید ہو کر دفن ہونے والوں پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت کی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے...... آگے حدیث کے راوی عقبہ بن عامر کے الفاظ ہیں "كَالْمُوَدِّعِ لِلْاَحْيَاءِ وَالْاَمْوَاتِ" مطلب یہ ہے کہ اس نماز میں حضور ﷺ کا حال وہ تھا جو زندوں اور مردوں سب کو الوداع کہنے والے اور رخصت کرنے والے کسی شخص کا ہوتا ہے...... آگے حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ پھر وہاں سے آپ مسجد تشریف لائے (غالباً نماز کا وقت ہوگا اور مسجد میں لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوں گے) آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور خاص اہتمام کے ساتھ یہ چند باتیں ارشاد فرمائیں......اول یہ کہ میں تم سے پہلے اور تم سے آگے عالم آخرت کی طرف

"فرط" کی طرح جانے والا ہوں...... عرب میں دستور تھا کہ جب قافلہ کسی طرف جانے والا ہوتا تو ایک سمجھدار اور تجربہ کار آدمی، آگے کی منزل کی طرف پہلے روانہ ہو جاتا، جو قافلہ سے پہلے منزل پہ پہنچ کر قافلہ کے لئے ضروری انتظامات کر لیتا اس کو فرط کہا جاتا تھا (صاحب مظاہر حق نے فرط کا ترجمہ میر منزل کیا ہے)......اس ارشاد میں حضور ﷺ نے اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کا اشارہ دینے کے ساتھ صحابۂ کرام کو تسلی دی کہ میرا تم سے پہلے چلا جانا تمہارے لئے باعث خیر ہوگا، میں آگے جا کر تمہارے لئے وہ کروں گا جو فرط کرتا ہے اور جس طرح قافلہ روانہ ہونے کے بعد منزل پر پہنچ کر پھر فرط سے مل جاتا ہے اسی طرح تم بھی مجھ سے آملو گے...... آگے آپ نے فرمایا اور میں تمہارے بارے میں شہادت دوں گا کہ تم ایمان لائے تھے اور تم نے میرا اتباع کیا اور راہ حق میں ساتھ دیا تھا...... آگے حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہاں ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔

یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس حوض کوثر کو میں اس وقت اپنی اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں (یعنی اللہ تعالیٰ نے سارے پردے اٹھا کر آخرت کے حوض کوثر کو میرے سامنے کر دیا ہے) اس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس زمین اور اس دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا فرمادی گئی ہیں یہ بشارت تھی کہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں میری امت کو عطا فرمائے جانے کا خداوندی فیصلہ ہو چکا (واقعہ یہ ہے کہ اس کا ظہور عہد صحابہ ہی میں ہو گیا۔)

اس خطاب کے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اس کا اندیشہ نہیں ہے کہ تم پھر مشرک ہو جاؤ گے اس طرف سے مجھے اطمینان ہے، ہاں یہ خطرہ ضرور ہے کہ تمہاری رغبت اور طلب کا رخ دنیا کی زینتوں لذتوں کی طرف ہو جائے، حالانکہ مؤمن کے لئے رغبت اور چاہت کی چیز صرف جنت و نعمہائے آخرت ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہی کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "وَفِیْ ذَالِكَ فَلْيَتَنَا فَسِ الْمُتَنَا فِسُوْنَ O"

۱۱۹) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَه مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَاشَاءَ وَبَيْنَ مَاعِنْدَه فَاخْتَارَ مَاعِنْدَه قَالَ فَبَكٰى اَبُوْبَكْرٍ قَالَ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا" فَعَجِبْنَا لَه فَقَالَ النَّاسُ اُنْظُرُوا اِلٰى هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ اَنْ يُّؤْتِيَه مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَاعِنْدَه وَهُوَ يَقُوْلُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا، فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هُوَالْمُخَيَّرُ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ اَعْلَمُنَا.

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے (صحابۂ کرامؓ کو خطاب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ یا تو دنیا کی بہاروں اور نعمتوں میں سے جس قدر چاہے لے لے، یا (آخرت کی) جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں، ان کو لے لے...... تو اس بندے نے (آخرت کی وہ نعمتیں) پسند کر لیں جو اللہ کے پاس ہیں...... یہ سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ ہم اور ہمارے ماں باپ

آپ ﷺ پر سے قربان ہوں (حدیث کے راوی ابو سعید خدری کہتے ہیں) کہ ہم کو ابو بکرؓ کے اس حال اور اس بات پر تعجب ہوا اور لوگوں نے آپس میں کہا کہ ان بزرگوار کو دیکھو! حضور ﷺ تو اس بات کی خبر دے رہے ہیں، کہ اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا تا کہ یا تو وہ دنیا کی بہاروں نعمتوں میں سے جس قدر چاہے پسند کرے یا آخرت کی وہ نعمتیں جو اللہ کے پاس ہیں پسند کرے اور یہ بزرگوار ابو بکر کہہ رہے ہیں کہ "ہم اور ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں" (آگے ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ جب جلدی ہی حضور ﷺ وفات پا گئے تو معلوم ہو گیا کہ) آپ ﷺ ہی وہ بندے تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے وہ اختیار دیا تھا (اور معلوم ہو گیا کہ) ابو بکرؓ علم و دانش اور فراست میں ہم سب سے فائق تھے (انہوں نے وہ حقیقت سمجھ لی جو ہم میں سے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکا۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر یہ خطاب کب فرمایا تھا، صاحب مشکوٰۃ نے الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ سنن دارمی کے حوالہ سے

اس خطبہ کے متعلق حضرت ابو سعید خدریؓ ہی کی روایت نقل کی ہے اس میں صراحت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خطاب مرض وفات ہی میں فرمایا تھا اور یہ حضرت کا آخری خطاب تھا، اسکے بعد حضور ﷺ نے مسجد شریف میں کوئی خطاب نہیں فرمایا یہاں تک کہ وصال فرما گئے۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے (جس کے راوی حضرت جندب ہیں) معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پانچ دن پہلے (یعنی جمعرات کے دن) آپ نے یہ خطاب فرمایا تھا۔

صاحب مشکوٰۃ نے "باب وفات النبی ﷺ" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث صرف اتنی ہی نقل کی ہے جو یہاں درج کی گئی، لیکن صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کے فضائل کے باب میں بھی نقل کی گئی ہے اور دونوں میں یہ اضافہ ہے کہ حضور نے اسی خطاب میں یہ بھی فرمایا کہ :۔

اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ مَالِهٖ وَصُحْبَتِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْكُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلاً وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَايُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّاسُدَّ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرٍ

ترجمہ .. یہ حقیقت ہے کہ لوگوں میں سے جس شخص نے میرے ساتھ سب سے زیادہ حسن سلوک کیا اپنے مال سے اور اپنی صحبت (یعنی خادمانہ رفاقت) سے وہ ابو بکر ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کے سوا کسی کو خلیل (یعنی جانی دوست) بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ لیکن اسلامی اخوت و مودت کا خاص تعلق ابو بکر سے ہے، (اسی کے ساتھ آپ نے ہدایت فرمائی کہ) مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دیئے جائیں سوائے ابو بکر کے دروازے کے (بس اسی کو باقی رکھا جائے)[1]

---

[1] رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض صحابہ کرامؓ کے بھی دروازے مسجد شریف میں کھلتے تھے جن سے وہ براہ راست مسجد شریف میں آجاتے تھے، آنحضرت ﷺ نے اس خطاب میں ہدایت فرمائی کہ ابو بکر کے ......(جاری ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس خطاب میں (جو وفات سے صرف پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے فرمایا تھا اور جو مسجد شریف میں آپ کی زندگی کا آخری خطاب تھا) اپنے سفر آخرت کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمانے کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا تھا کہ امت میں جو مقام و مرتبہ ابو بکر کا ہے، وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ فرما کر کہ مسجد میں سب دروازے بند کر دیئے جائیں صرف ایک دروازہ ابو بکر کا باقی رہے یہ اشارہ بھی فرمادیا تھا کہ میرے بعد ابو بکر ہی کا وہ تعلق مسجد سے رہے گا جو میرا تھا (محفوظ رہے کہ عہد نبوت کی مسجد نبوی ہماری مسجدوں کی طرح صرف نماز کی مسجد نہیں تھی بلکہ وہ تمام کار ہائے نبوت کا مرکز تھا۔)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس خطاب میں اور بھی چند اہم ہدایات فرمائی تھیں۔

۱۲۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ "لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ" قَالَتْ عَائِشَةُ لَوْلَا ذَاكَ لَاُبْرِزُ قَبْرَهٗ خَشِيَ اَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس مرض میں جس سے آپ صحت یاب نہیں ہوئے (یعنی مرض وفات میں) ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (حضور ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرنے کے بعد) حضرت صدیقہؓ نے فرمایا کہ اگر آپ ﷺ نے یہ فرمایا نہ ہوتا تو میں آپ ﷺ کی قبر مبارک کو کھول دیتی، آپ ﷺ کو خطرہ تھا کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کو بھی اسی طرح سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بھی اسی خطاب میں فرمائی تھی جو آپ ﷺ نے وفات سے پانچ دن پہلے مسجد میں منبر پر روشن افروز ہو کر فرمایا تھا (جس کا ذکر ابو سعید خدریؓ کی مندرجہ بالا حدیث میں آچکا ہے) اور بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مرض کی شدت کی حالت میں جب کہ آپ اپنے بستر ہی پر تھے، یہ فرمایا تھا، قرین قیاس یہ ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے مرض کی شدت کی حالت میں بستر پر بھی فرمائی اور مسجد کے خطاب عام میں بھی کیوں کہ آپ کو اس کی غیر معمولی فکر تھی کہ میرے بعد میرے امتی میری قبر کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کے ساتھ کیا ہے اور اس کی وجہ سے وہ خداوندی لعنت کے مستحق ہوگئے ہیں، آپ ﷺ کو یہ تو اطمینان تھا کہ میرے امتی بت پرستی جیسے شرک میں کبھی مبتلا نہ ہوں گے (اس اطمینان کا آپ ﷺ نے

(گذشتہ سے پیوستہ)

سوا سب کے دروازے بند کر دیئے جائیں، اسی حدیث کی ایک روایت میں "باب" کے بجائے "خوخہ" کا لفظ ہے جس کے معنی کھڑکی کے بھی ہیں اور روشن دان کے بھی۔

اظہار بھی فرمایا) لیکن آپ ﷺ کو یہ خطرہ تھا کہ شیطان ان کو میری محبت اور تعظیم کے حیلہ سے اس شرک میں مبتلا کر دے کہ وہ میری قبر کو سجدہ کرنے لگیں، اس لئے اس بارے میں آپ ﷺ نے بار بار اور مختلف موقعوں پر اور مختلف عنوانوں سے تنبیہ فرمائی اور خاص کر مرض وفات میں آپ ﷺ نے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا، خطاب عام میں بھی فرمایا اور گھر میں بستر علالت پر بھی۔

۱۲۱) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَرَضِهٖ اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَكْرٍ اَبَاكِ وَاَخَاكِ حَتّٰی اَكْتُبَ كِتَابًا، فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰی مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلُ قَائِلٌ اَنَا اَوْلٰی وَيَاْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ.**
(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں (مجھ سے) فرمایا کہ اپنے والد ابو بکر کو اور اپنے بھائی (عبدالرحمٰن) کو میرے پاس بلالو تاکہ میں ایک نوشہ (وصیت نامہ کے طور پر) لکھا دوں، مجھے خطرہ ہے کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہے کہ میں زیادہ مستحق ہوں...... اور اللہ اور مؤمنین ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے۔ (صحیح مسلم)

تشریح ...... اس حدیث کا حاصل اور مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آخری مرض میں آپ ﷺ کے قلب مبارک میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لئے مجھے مبعوث فرمایا ہے اور جو کام مجھ سے لیتا رہا ہے، اپنے بعد اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے (جس کا عنوان خلافت نبوت ہے) ابو بکر کو نامزد کر دیا جائے اور اس بارے میں وصیت لکھا دی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اپنے والد ابو بکر اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو میرے پاس بلادو مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی دوسرا تمنا کرنے لگے اور کوئی تیسرا کہنے والا کہنے لگے کہ میں اس کا زیادہ مستحق ہوں اور اس خدمت اور ذمہ داری کو میں بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہوں اور اس سے اختلاف پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اس خطرہ سے امت کی حفاظت کے لئے میں چاہتا ہوں کہ ابو بکر کے بارے میں وصیت نامہ لکھا دوں، لیکن پھر آپ ﷺ نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی، آپ کو اطمینان ہو گیا کہ ایسا ہی ہوگا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے خود مؤمنین یہی فیصلہ کریں گے، چنانچہ آپ ﷺ نے خود ہی حضرت صدیقہؓ سے فرمادیا کہ "یابی اللہ والمؤمنون الا ابا بکر" (اللہ تعالیٰ اور مؤمنین ابو بکرؓ کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے)...... صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضور کے مرض وفات کے پہلے دن کا ہے، (خلافت نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ اس بارے میں انشاءاللہ آگے درج ہونے والی ایک حدیث کی تشریح میں عرض کیا جائے گا۔

۱۲۲) **عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ فَاطِمَةَ ابْنَتَهٗ فِیْ شَكْوَاهُ الَّذِیْ قُبِضَ فِيْهِ فَسَارَّهَا بِسِرٍّ فَبَكَتْ ثُمَّ دَعَاهَا فَسَارَّهَا فَضَحِكَتْ، قَالَتْ فَسَأَلْتُهَا عَنْ ذَالِكَ فَقَالَتْ سَارَّنِی النَّبِیُّ ﷺ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهٗ يُقْبَضُ فِیْ وَجْعِهِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِيْهِ فَبَكَيْتُ ثُمَّ سَارَّنِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنِّیْ اَوَّلُ اَهْلِ بَيْتِهٖ اَتْبَعُهٗ فَضَحِكْتُ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں (ایک دن) اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (اپنے پاس) بلایا اور رازداری کے طور پر ان سے کوئی بات کی تو وہ رونے لگیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو بلایا اور اسی طرح رازداری کے طور پر کوئی بات کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ (حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ) میں نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے جب مجھ سے رازداری کے طور پر بات کی تھی تو مجھے یہ اطلاع دی تھی کہ آپ اسی مرض میں وفات پائیں گے (جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی) تو میں رنج اور صدمہ سے رونے لگی تھی آپ ﷺ نے جب دوبارہ اسی طرح رازداری سے بات کی تو آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ آپ ﷺ کے گھر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ کے پیچھے روانہ ہوں گی (اور آپ ﷺ سے جاملوں گی) تو مجھے خوشی ہوئی اور میں ہنسنے لگی۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... حدیث کا مضمون واضح ہے البتہ یہ ذکر کردینا مناسب ہوگا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کی صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ حضور ﷺ کے مرض وفات میں جس دن یہ واقعہ ہوا اور حضرت صدیقہؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کرنا چاہا کہ حضور ﷺ نے تم سے کیا بات فرمائی تھی، جس کی وجہ سے تم پہلے رونے لگی تھیں اور پھر جلدی ہی ہنسنے لگی تھیں؟ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس دن نہیں بتلایا بلکہ یہ کہا کہ جو بات حضور ﷺ نے رازداری کے ساتھ فرمائی ہے اس کو میں ظاہر نہیں کرسکتی...... پھر جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت صدیقہؓ نے پھر ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلی دفعہ حضور ﷺ نے مجھے یہ بتلایا تھا کہ میں اسی مرض میں دنیا سے اٹھا لیا جاؤں گا تو میں رنج و صدمہ سے رونے لگی تھی، پھر جب دوسری دفعہ آپ ﷺ نے مجھے بتلایا کہ آپ ﷺ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں ہی آپ ﷺ سے جاملوں گی، تو رنج و غم کی کیفیت ختم ہوگئی اور میں خوشی سے ہنسنے لگی تھی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دونوں باتیں اسی طرح واقع ہوئیں، ایک یہ کہ حضور ﷺ نے جیسا کہ فرمایا تھا اسی مرض میں وفات پائی اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی وفات ہوئی، صرف چھ مہینے کے بعد...... یقیناً یہ ان پیشنگوئیوں میں سے ہے جو آپ ﷺ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔

۱۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِىْ طَالِبٍ خَرَجَ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِىْ وَجْعِهِ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا حَسَنٍ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِاللّٰهِ بَارِئًا، فَاَخَذَهٗ بِيَدِهٖ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهٗ اَنْتَ وَاللّٰهِ بَعْدَ ثَلَاثٍ عَبْدُالْعَصَا، وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ لَاَرَى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَوْفَ يُتَوَفّٰى فِىْ وَجْعِهٖ هٰذَا اِنِّىْ لَاَعْرِفُ وُجُوْهَ بَنِىْ عَبْدِالْمُطَّلِبِ عِنْدَالْمَوْتِ، اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلْنَسْئَلْهُ فِىْ مَنْ

هٰذَا الْاَمْرُ؟ اِنْ كَانَ فِيْنَا عَلِمْنَا ذَالِكَ، وَاِنْ كَانَ فِىْ غَيْرِنَا عَلِمْنَاهُ فَاَوْصٰى بِنَا فَقَالَ عَلِىٌّ اِنَّا وَاللّٰهِ لَئِنْ سَاَلْنَاهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَمَنَعْنَا هَالَا يُعْطِيْنَاهَا النَّاسُ وَاِنِّىْ وَاللّٰهِ لَااَسْئَلُهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ. (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مرض وفات کے ایام میں (ایک دن) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کے پاس سے باہر نکل کر آئے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آج رسول اللہ ﷺ کا حال کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ الحمد للہ آج حالت اچھی ہے (مرض میں افاقہ ہے) تو (ان کے چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، نے ان کا ہاتھ پکڑ کے ان سے کہا کہ خدا کی قسم تین دن کے بعد تم دوسروں کے تابع اور محکوم ہو جاؤ گے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ جلد ہی وفات پا جائیں گے...... موت کے قریبی وقت میں عبدالمطلب کی اولاد کے چہروں کی جو کیفیت ہوتی ہے میں اس کو پہچانتا ہوں (اس پہچان اور تجربہ کی بنا پر میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ کا وقت قریب ہی ہے) تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو، ہم آپ ﷺ سے دریافت کریں کہ (آپ ﷺ کے بعد) یہ کام (یعنی کار خلافت و نیابت) کس کے پاس رہے گا؟..... اگر ہمارے (یعنی اہل خاندان) کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو معلوم ہو جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ کسی کے سپرد ہونے والا ہوگا تو ہم کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ ہمارے بارے میں وصیت فرمادیں گے...... تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر ہم نے خلافت کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کیا اور آپ ﷺ نے ہم کو منع فرمادیا (یعنی خلافت ہم کو سپرد نہ کرنے کا فیصلہ فرمادیا) تو خدا کی قسم (آپ کے منع فرمادینے کے بعد) لوگ ہم کو خلافت نہ دیں گے تو میں تو خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ سے خلافت کا سوال نہیں کروں گا (صحیح بخاری)

تشریح...... یہ بات تو حدیث کے مضمون ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جو واقعہ اس میں بیان ہوا، وہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کے آخری ایام کا ہے...... اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کی شرح میں ابن اسحاقؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام زہری جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ خاص اسی دن صبح کا واقعہ ہے جس دن سہ پہر کو آپ ﷺ نے وفات فرمائی۔

یہ بات بھی حدیث ہی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ جس دن کا واقعہ اس میں بیان ہوا ہے اس کی صبح کو حضور ﷺ کی حالت بہ ظاہر ایسی اچھی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (جو آپ کے خاص تیمار داروں میں تھے) اپنے احساس اور اندازہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر کے ساتھ آپ ﷺ کے بارے میں اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو مطمئن کرنا چاہا تھا...... لیکن ان کے (اور خود حضور ﷺ کے بھی چچا) حضرت عباس رضی اللہ عنہ، (جو خاندان کے بوڑھے بزرگ اور زیادہ تجربہ کار تھے) اس کے برعکس حضور ﷺ کے چہرۂ انور میں وہ آثار محسوس کر لئے تھے، جن سے ان کو اندازہ اور گویا یقین ہو گیا تھا کہ آپ جلدی ہی اس دنیا دار فانی سے دار البقا آخرت کی طرف رحلت فرمانے والے ہیں، اسی بنا پر انہوں نے حضرت علیؓ سے (جو حضور ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے) وہ بات کہی جو حدیث میں

صراحت اور صفائی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہے ..... ہمارے زمانے کے ان لوگوں کو جو خلافت نبوت کو بھی بادشاہت اور حکومت ہی سمجھتے ہیں حضرت علیؓ کے اس جواب اور طرز عمل سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دل میں بادشاہت اور حکومت کی طمع تھی (اور بعض ناآشنایان حقیقت نے اس کا اظہار بھی کیا ہے) لیکن حقیقت یہ ہے کہ خلافت نبوت دنیوی بادشاہت اور حکومت سے بالکل مختلف چیز ہے (ان دونوں میں ویسا ہی فرق ہے جیسا کہ دین اور دنیا میں فرق ہے) خلافت نبوت کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ دین حق کی دعوت و اشاعت، امت کی تعلیم و تربیت، اعلاء کلمۃ الحق، جہاد و قربانی، اور نظام عدل کے قیام کا جو کام وحی الٰہی کی رہنمائی میں نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے جس طریق و منہاج پر اور جن اخلاقی اصولوں کی پابندی کے ساتھ انجام دے رہے تھے، وہی کام آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے جانشین اور قائم مقام کی حیثیت سے، اسی طریقہ و منہاج پر اور انہی اصولوں کی پابندی کے ساتھ کتاب و سنت اور اسوۂ نبوی کی رہنمائی میں انجام دیا جائے ..... اسی کو خلافت نبوت اور خلافت راشدہ کہا جاتا ہے ..... ظاہر ہے کہ یہ "دنیوی بادشاہت" کی طرح پھولوں کی سیج نہیں، کانٹوں بھرا بستر ہے ..... اس کی طمع اور طلب اس بندہ خدا کے لئے جو امید رکھتا ہو کہ اللہ کی مدد و توفیق سے وہ اس کا حق ادا کر سکے گا، ہر گز مذموم نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے ..... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو توقع تھی کہ اگر قرعہ فال میرے نام پر آیا اور یہ خدمت عظمیٰ میرے سپرد ہوئی تو انشاء اللہ بتوفیق خداوندی میں اس کو کما حقہ، انجام دے سکوں گا، اس لئے اس کی طمع اور طلب ایک اعلیٰ درجہ کی سعادت کی طلب تھی ..... چنانچہ ازل سے طے شدہ ترتیب کے مطابق جب پہلے تین خلفائے راشدین کے بعد آپ رسول اللہ ﷺ کے چوتھے خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ نے کتاب و سنت کی رہنمائی میں اور رسول اللہ ﷺ کے قائم کئے ہوئے اصولوں کی پابندی کے ساتھ کار خلافت انجام دیا، لیکن چونکہ آپ کا پورا دور خلافت فتنوں کا زمانہ تھا، (جن میں امت حضرت عثمانؓ کی انتہائی مظلومانہ شہادت کی پاداش میں مبتلا کر دی گئی تھی) اس لئے آپ کا پورا وقت اور تمام تر قوت و صلاحیت فتنوں کی آگ بجھانے میں صرف ہوئی اور مثبت تعمیر کا آپ کو وقت ہی نہ ملا ..... وكان ذلك قدراً مقدوراً

۱۲۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حُضِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فِيْهِمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلُمُّوا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَه' فَقَالَ عُمَرُ غَلَبَهُ الْوَجْعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَن يَّقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ مَاقَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُوااللَّغَطَ وَالْاِخْتِلَافَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قُوْمُوْا عَنِّيْ..... قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَاحَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ اَنْ يَّكْتُبَ لَهُمْ ذَالِكَ الْكِتَابَ لِاَخْتِلَافِهِمْ وَلَغَطِهِمْ -

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ (ایک دن) جب کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ گیا تھا اور (حضور ﷺ کے پاس) گھر میں چند اشخاص تھے، جن میں ایک حضرت عمر بن الخطابؓ بھی تھے، آپ ﷺ نے فرمایا آؤ میں لکھ دوں (یعنی لکھا دوں) تمہارے لئے ایک نوشتہ کہ ہر گز گمراہ نہ ہوں گے تم اس کے بعد...... تو کہا حضرت عمرؓ نے (لوگوں سے) کہ حضور ﷺ کو اس وقت سخت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور وہ اللہ کی کتاب تمہارے لئے (یعنی تمہاری ہدایت کے لئے اور گمراہی سے حفاظت کے لئے) کافی ہے پس جو لوگ اس وقت (حضور ﷺ کے پاس) گھر میں تھے، ان کی رائیں مختلف ہو گئیں اور وہ آپس میں بحث کرنے لگے، ان میں سے کچھ کہتے تھے کہ (لکھنے کا سامان) آپ ﷺ کے پاس لے آؤ تا کہ آپ ﷺ وہ لکھا دیں (جو لکھنا چاہتے ہیں) اور بعض وہ کہتے تھے جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا تو جب (اس بحث و مباحثہ کی وجہ سے) اختلاف اور شور و شغب زیادہ ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس واقعہ کے روایت کرنے والے راوی) عبید اللہ بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس اس واقعہ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ مصیبت ساری مصیبت وہ ہے جو حائل ہوئی رسول اللہ ﷺ کے درمیان اور اس نوشتہ کی کتابت کے درمیان (جو آپ ﷺ لکھنا چاہتے تھے) ان لوگوں کے باہمی اختلاف رائے اور شور و شغب کی وجہ سے۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

جیسا کہ ذکر کیا گیا حضرت عبداللہ بن عباس سے اس واقعہ کی یہ روایت عبید اللہ بن عبداللہ کی ہے حضرت ابن عباسؓ کے ایک دوسرے شاگرد سعید بن جبیر نے بھی ان سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، اس میں چند باتوں کا اضافہ ہے، وہ روایت بھی صحیحین ہی میں ہے، اس کو بھی ذیل میں درج کیا جاتا ہے تا کہ پورا واقعہ سامنے آ جائے...... سعید بن جبیر راوی ہیں:

۱۲۵) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَوْمُ الْخَمِيْسِ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ ثُمَّ بَكىٰ حَتّٰى بَلَّ دَمْعُهُ الْحَصىٰ قُلْتُ يَاابْنَ عَبَّاسٍ وَمَا يَوْمُ الْخَمِيْسِ؟ قَالَ اشْتَدَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَجْعُه' فَقَالَ اِئْتُوْنِىْ بِكَتْفٍ اَكْتُبُ لَكُمْ كِتَابًا لَاتَضِلُّوْا بَعْدَه' اَبَدًا فَتَنَا زَعُوْا وَلَا يَنْبَغِىْ عِنْدَ نَبِيٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَاشَاْنُه' اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ فَذَهَبُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ فَقَالَ دَعُوْنِىْ ذَرُوْنِىْ فَالَّذِىْ اَنَا فِيْهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنَنِىْ اِلَيْهِ فَاَمَرَهُمْ بِثَلٰثٍ فَقَالَ اَخْرِجُوا الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ جَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاَجِيْزُوا الْوَفْدَ بِنَحوِ مَاكُنْتُ اُجِيْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْقَالَهَا فَنَسِيْتُهَا...... قَالَ سُفْيَانُ هٰذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: (سعید ابن جبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن) حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ (ہائے) جمعرات کا دن اور کیسا تھا جمعرات کا وہ دن (یہ کہہ کر) وہ ایسے روئے کہ ان کے آنسوؤں سے فرش زمین کے سنگریزے تر ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ اے ابن عباسؓ کیا تھا وہ جمعرات کا دن؟ (جس کو آپ اس طرح یاد کر رہے

ہیں) تو انہوں نے بیان کیا کہ (جمعرات کا دن تھا) کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو (اسی حالت میں) آپ نے فرمایا کہ کتف (شانہ کی ہڈی) لے آؤ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے، تو اس معاملہ میں (ان لوگوں میں جو اس وقت آپ ﷺ کے پاس حاضر تھے) اختلاف رائے ہو گیا...... اور نبی کے پاس تنازعہ اور اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کیا آپ ﷺ ہم کو چھوڑ رہے ہیں (داغ مفارقت دے رہے ہیں) آپ سے دریافت کرو (کیا فرماتے ہیں اور کیا عرض ہے؟) پھر لوگ آپ ﷺ سے بار بار اس بارے میں عرض کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے، جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو...... پھر آپ ﷺ نے تین باتوں کا حکم فرمایا ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے اور (حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے) وفود یا قاصدوں کے ساتھ اسی طرح کا حسن سلوک کیا جائے جس طرح میں کیا کرتا تھا...... سعید بن جبیرؒ سے اس حدیث کے روایت کرنے والے راوی سلیمان کہتے ہیں کہ سعید بن جبیر نے تو تیسری بات بیان ہی نہیں کہ یا میں بھول گیا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... ایک ہی واقعہ سے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے یہ دو بیان ہیں ان میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے صرف بعض اجزا کی کمی زیادتی کا فرق ہے، بظاہر اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ واقعہ عبید اللہ بن عبد اللہ کے سامنے بیان کیا تو صرف وہ اجزاء بیان کئے جو پہلی روایت میں ذکر کئے گئے ہیں اور اس وقت حضور ﷺ کے پاس حضرت عمرؓ کا ہونا اور انہوں نے جو فرمایا تھا اس کا بھی ذکر کیا اور جب سعید بن جبیرؒ کے سامنے بیان کیا تو اس میں حضرت عمرؓ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا لیکن کئی باتیں وہ بیان کیں جو پہلے بیان میں ذکر نہیں کی تھیں...... اور ایسا بکثرت ہوتا ہے۔

دونوں روایتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو پورا واقعہ اس طرح سامنے آتا ہے...... کہ جمعرات کا دن تھا، (یعنی وفات سے پانچ دن پہلے، کیونکہ یہ بات قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی وفات دوشنبہ کو ہوئی) تو اس جمعرات کو آنحضرت ﷺ کے مرض میں شدت ہو گئی، بخار بہت تیز ہو گیا اور تکلیف بہت بڑھ گئی، اس وقت آپ ﷺ کے پاس چند حضرات تھے ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے، اسی حالت میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لے آؤ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے ایک تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ (صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ "اِیْتُوْنِیْ بِالْکَتِفِ وَالدَّوَاۃِ" یعنی شانہ کی ہڈی اور دوات لے آؤ)[1] اس موقع پر حضرت عمرؓ نے وہاں موجود دوسرے لوگوں سے کہا کہ اس وقت حضور ﷺ کو بہت تکلیف ہے، آپ ﷺ ہی کے ذریعہ آیا ہوا قرآن مجید تمہارے پاس موجود ہے، ہماری تمہاری ہدایت کے لئے اور ہر طرح کی ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے اللہ کی وہ کتاب کافی ہے (جیسا کہ خود قرآن

---

[1] ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خاص کر حجاز میں کاغذ بہت کم دستیاب ہوتا تھا اس وجہ سے جب کچھ لکھنا ہوتا تو مختلف چیزوں پر لکھا جاتا تھا، ان میں سے ایک جانور کے شانہ کی ہڈی بھی تھی، اس پر اسی طرح لکھا جاتا تھا جس طرح لکڑی یا پتھر کی تختی پر لکھا جاتا ہے۔

میں بارہا فرمایا گیا ہے) حاضرین میں اس بارے میں اختلاف رائے ہو گیا، کچھ حضرات نے کہا کہ لکھنے کا سامان لانا چاہئے تاکہ حضور ﷺ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ لکھا جائے اور کچھ حضرات نے وہ کہا جو حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ اس سخت تکلیف کی حالت میں حضور ﷺ کو کچھ لکھوانے کی زحمت نہ دی جائے، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہدایت قرآن مجید کافی ہے ...اسی موقع پر بعض حضرات نے کہا "ماشانه اهجر استفهموه" (حضور ﷺ کا کیا حال ہے، کیا آپ ﷺ جدائی اختیار فرمارہے ہیں ہم کو چھوڑ کر جارہے ہیں؟ آپ سے دریافت کرو) پھر لوگ اس بارے میں بار بار آپ سے عرض کرتے رہے، اس سے آپ کی توجہ الی اللہ اور اس وقت کی خاص قلبی کیفیت میں خلل پڑا، آپ نے فرمایا اس وقت تم لوگ مجھے چھوڑ دو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہ کرو میں جس شغل اور جس حال میں ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلارہے ہو۔ (یعنی میں اس وقت اپنے رب کریم کی طرف متوجہ ہوں اس کے حضور میں حاضر ہونے کی تیاری کر رہا ہوں اور تم مجھے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو مجھے چھوڑ دو... حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (کہ اس کے بعد آپ نے اسی مجلس میں تین باتوں کا حکم فرمایا۔ ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے باہر کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ حکومتوں یا قبیلوں کی طرف سے آنے والے وفود اور قاصدوں کے ساتھ اسی طرح حسن سلوک کیا جائے (ان کو مناسب تحائف دیئے جائیں) جیسا کہ میرا طرز عمل رہا ہے ... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے اس حدیث کے روایت کرنے والے سعید بن جبیر کے شاگرد سلیمان نے تین باتوں میں سے یہی دو باتیں بیان کیں، اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو سعید بن جبیر نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں۔

یہ ہے پورا واقعہ جو "حدیث قرطاس" کے نام سے معروف ہے، اس میں چند باتیں خاص طور سے قابل لحاظ اور وضاحت طلب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا ہے، اس کے پانچویں دن دو شنبہ تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں رہے، ان دنوں میں آپ نے وہ تحریر نہیں لکھوائی بلکہ اس کے لکھوانے کا کسی دن ذکر بھی نہیں فرمایا، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ اس تحریر کے لکھانے کا آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نہیں ہوا تھا، بلکہ آپ ﷺ کو بطور خود ہی اس کا خیال ہوا تھا اور بعد میں خود آپ کی رائے اس کے لکھانے کی نہیں رہی ... اگر اس کے لکھوانے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہوتا یا آپ کی رائے میں تبدیلی نہ ہوئی ہوتی اور آپ کے نزدیک گمراہی سے امت کی حفاظت کے لئے اس کا لکھانا ضروری ہوتا تو ان پانچ دنوں میں آپ ﷺ اس کو ضرور لکھواتے اور اس کا نہ لکھوانا (معاذ اللہ) فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی (حاشا، ثم حاشا)

اور یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح آپ ﷺ نے اسی مرض وفات کے بالکل ابتداء میں [1] حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا اور اس کے لئے حضرت ابو بکرؓ اور ان کے صاحب زادے

[1] اس حدیث کی جو روایت صحیح بخاری کتاب المرضیٰ "باب قول المریض وارأساه" میں ہے اس میں جو الفاظ روایت کے ہیں، ان سے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کے ابتدائے مرض کا ہے (صحیح بخاری ص ۸۴۶ طبع رشیدیہ دہلی)

عبدالرحمٰن کو بلوانے کا بھی ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن بعد میں خود آپ نے اس کو غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا خیال چھوڑ دیا...... اور فرمایا کہ "یَابَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ" تو سمجھنا چاہئے کہ جمعرات کے دن کے اس واقعہ میں بھی ایسا ہوا اور خود حضور ﷺ نے اس تحریر کا لکھانا غیر ضروری سمجھ کر اس کے لکھانے کا ارادہ ترک فرمادیا۔

اس حدیث قرطاس کے بارے میں ایک دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے تیز بخار اور شدید تکلیف کی حالت میں تحریر لکھوانے کے لئے لکھنے کا سامان لانے کے لئے فرمایا، تو حضرت عمرؓ نے جو اس وقت حاضر خدمت تھے، حضور ﷺ سے تو کچھ عرض نہیں کیا البتہ حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے ان کو رسول اللہ ﷺ کی اس وقت کی غیر معمولی حالت اور تکلیف کی شدت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ان سے کہا کہ اس وقت حضور ﷺ کو سخت تکلیف ہے اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اس حالت میں ہم لوگوں کو کچھ لکھوانے کی زحمت حضور ﷺ کو نہیں دینا چاہئے، خود قرآن مجید کے نصوص اور حضور ﷺ کی تعلیم و تربیت سے یہ یقین ان کے اندر پیدا ہو گیا تھا کہ انسانی دنیا کی ہدایت اور ہر قسم کی گمراہی اور ضلالت سے حفاظت کے لئے رسول اللہ ﷺ ہی کے ذریعہ آئی ہوئی اللہ تعالیٰ کی کتابِ ہدایت قرآن مجید کافی ہے، اس کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ" اور "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" اور "تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" اور ابھی "حَجَّةُ الْوِدَاعِ" میں یہ آیت نازل ہو چکی ہے "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمادیا ہے کہ انسانی دنیا کی ہدایت کے لئے جو کچھ بتلانا ضروری تھا وہ قرآن میں بیان فرمادیا گیا، اس سلسلہ کی کوئی ضروری بات بیان کرنے سے نہیں چھوڑی گئی ہے۔ دین یعنی ضابطۂ حیات و ہدایت بالکل مکمل ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم لوگوں کو حضور ﷺ کو کچھ لکھانے کی زحمت اس تکلیف کی حالت میں نہ دینی چاہئے قرآن آپ لوگوں کے پاس موجود ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہماری آپ کی ہدایت کے لئے اور ہر قسم کی ضلالت اور گمراہی سے حفاظت کے لئے کافی ہے (عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ)

جیسا کہ عرض کیا گیا اس مجلسی گفتگو کے بعد حضور ﷺ پانچ دن تک اس دنیا میں رہے اور وہ تحریر نہیں لکھوائی، بلکہ اس کے بعد کبھی اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا...... آپ کے اس طرز عمل نے حضرت عمرؓ کی اس رائے کی تصویب و تائید فرمادی۔ بلا شبہ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عظیم فضائل و مناقب میں سے ہے۔ شارحین حدیث نے عام طور سے یہی سمجھا اور یہی لکھا ہے۔

اس حدیث قرطاس کے سلسلہ میں ایک تیسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں (جو صحیحین کے حوالہ سے یہاں درج کی گئی ہے) اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم کس کو دیا تھا۔ لیکن اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مسند احمد کے حوالہ سے خود حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے جس میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم انہی کو دیا تھا خود حضرت علی مرتضیٰ کا بیان ہے کہ:

اَمَرَنِی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ اٰتِیْهِ بِطَبَقٍ (اَیْ کَتْفٍ) یَکْتُبُ مَالَاتَضِلُّ اُمَّتُه، بَعْدَه،

(فتح الباری جزاول ص۱۰٦ طبع انصاری دهلی ۱۳۰٤ھ)

ترجمہ:- رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو حکم فرمایا تھا کہ میں طبق (یعنی کتف) لے آؤں تا کہ آپ ایسی تحریر لکھوادیں جس کے بعد آپ کی امت گمراہ نہ ہو۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ، لکھنا جانتے تھے، ان کو لکھنے کا سامان لانے کے لئے حکم فرمانے کا مطلب بظاہر یہی تھا کہ وہ لکھنے کا سامان لے آئیں اور حضور ﷺ جو لکھوانا چاہتے ہیں وہ اس کو لکھیں...... اور یہ بات بطور واقعہ معلوم اور مسلم ہے کہ حضرت علی مرتضٰی نے بھی وہ تحریر نہیں لکھی...... یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرت عمرؓ کی طرح انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ حضور ﷺ اس شدید تکلیف کی حالت میں کچھ لکھوانے کی زحمت نہ فرمائیں اور غالبًا ان کی رائے بھی یہی ہوئی کہ امت کی ہدایت اور ہر قسم کی ضلالت سے حفاظت کے لئے کتاب اللہ کافی ہے۔

اس حدیث میں ایک اور وضاحت طلب بات یہ ہے کہ سعید بن جبیر کی مندرجہ بالا روایت کے مطابق جب حضور ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کا حکم فرمایا تو بعض لوگوں نے کہا "مَاشَانَه' اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" اس کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے یہ صورت حال پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جب حضور ﷺ نے بیماری کی شدت اور سخت تکلیف کی حالت میں بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ ظاہر فرمایا جس کے بعد آپ کی امت کبھی گمراہ نہ ہو تو بعض حضرات کو محسوس ہوا کہ شاید حضور ﷺ کا سفر آخرت کا وقت قریب آگیا ہے، اس وجہ سے بطور وصیت ایسی تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمارہے ہیں، یہ لوگ اس احساس سے سخت مضطرب اور بے چین ہوگئے اور انہوں نے اس اضطراب اور بے چینی کی حالت میں کہا "مَاشَانَه' اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" (حضور ﷺ کا کیا حال ہے، کیا آپ ﷺ جدائی اختیار فرمارہے ہیں، ہم کو چھوڑ کے جارہے ہیں؟ آپ ﷺ سے دریافت کیا جائے) اس میں لفظ **هجر** ہجر سے مشتق ہے جس کے معنی جدائی اختیار کرنے اور چھوڑ کے جانے کے ہیں...... یہ لفظ اسی معنی میں اردو میں بھی مستعمل ہے، "وَصَلَ" کے مقابلہ میں "هجر" بولا جاتا ہے اور ہجرت کے معنی ترک وطن کے ہیں...... بعض حضرات نے اس کو **هجر** سے مشتق سمجھا۔ جس کے معنی ہیں بیمار آدمی کا بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرنا۔ جس کو ہذیان کہا جاتا ہے، اس صورت میں حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور ﷺ کچھ لکھوانے کے لئے جو فرمارہے ہیں کیا یہ ہذیان ہے؟ آپ سے دریافت کرو...... ظاہر ہے کہ یہ مطلب کسی طرح درست نہیں ہو سکتا، کیونکہ جو مریض بے ہوشی کی حالت میں بہکی بہکی باتیں کرتا ہو وہ ایسے حال میں نہیں ہوتا کہ اس سے کچھ دریافت کیا جائے...... الغرض "اِسْتَفْهِمُوْهُ" کا لفظ اس کا قرینہ ہے کہ ہجر کا لفظ **هُجر** سے مشتق نہیں ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔

اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں ایک تحریر لکھوادوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، یہ ہرگز ایسی بات نہیں تھی جس کے بارے میں کسی کو ہذیان کا شبہ بھی ہو۔ اگرچہ اَهَجر

کو استفہام انکاری قرار دے کر یہ معنی بھی بن سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہی ہے کہ یہاں اس لفظ کا ہذیان کے معنی میں ہونا بہت مستبعد ہے۔

حدیث کے اس جملہ "اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" کے بارے میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ اس کے کہنے والے حضرت عمرؓ نہیں ہیں، یہ بات کچھ دوسرے حضرات نے کہی تھی جن کے نام بھی حدیث میں مذکور نہیں ہیں بلکہ فقالوا کا لفظ ہے (یعنی کچھ لوگوں نے کہا) شیعہ مصنفین حضرت عمرؓ کو لعن طعن کا نشانہ بنانے کے لئے یہ جملہ زبردستی ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے اس ارشاد کو ہذیان کہا (معاذ اللہ) حالانکہ اہل سنت کی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں کوئی روایت نہیں ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ یہ بات حضرت عمرؓ نے فرمائی تھی...... انہوں نے اس موقع پر وہی فرمایا تھا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مندرجہ پہلی روایت میں ذکر کیا گیا ہے (عِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُكُمْ كِتَابُ اللّٰهِ) ہاں "اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْهُ" بھی بعض صحابۂ کرامؓ ہی نے کہا تھا، لیکن اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا اور وہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے عشق و محبت کی دلیل ہے۔

شارحین حدیث نے اس حدیث کی شرح میں اس پر بھی گفتگو کی ہے کہ آپ نے جو فرمایا تھا کہ "لکھنے کا سامان لے آؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے"...... تو آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے؟ اس سلسلہ میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ سب قیاسات ہیں...... شیعہ حضرات کا دعویٰ ہے کہ حضور ﷺ حضرت علیؓ کے لئے خلافت نامہ لکھوانا چاہتے تھے؟ جو حضرت عمرؓ کی مداخلت کی وجہ سے نہیں لکھا جا سکا لیکن واقعہ یہ ہے کہ شیعوں کے لئے اس کے کہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے اور اسی پر ان کے بنیادی عقیدہ امامت کی بلکہ ان کے پورے مذہب کی بنیاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی میں وفات سے صرف ستّر (۷۰) بہتر (۷۲) دن پہلے غدیر خم کے مقام پر سفر حج کے تمام رفقاء ہزاروں مہاجرین و انصار کو خاص اہتمام سے جمع کرا کے منبر پر کھڑے ہو کر (جو خاص اسی کام کے لئے تیار کرایا گیا تھا) اپنے بعد کے لئے حضرت علیؓ کی خلافت و امامت کا اعلان فرمایا تھا، اور صرف اعلان ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت علیؓ کے لئے سب سے بیعت بھی لی تھی (اگرچہ ہمارے نزدیک یہ صرف گھڑا ہوا افسانہ ہے، لیکن شیعہ حضرات کا تو اس پر ایمان ہے اور ان کی مستند ترین کتابوں "الجامع الکافی" اور "احتجاج طبرسی" وغیرہ میں اس کی پوری تفصیلات ہیں) تو جب ایک کام ہو چکا اور ہزاروں کے مجمع میں اس شان اور اس دھوم دھام سے ہو چکا تو اس کے لئے بطور وصیت کچھ لکھوانے کی کیا ضرورت رہی...... ہاں اس حدیث کی شرح میں جن حضرات نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن بعد میں جب آپ ﷺ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے تو آپ ﷺ نے تحریر لکھوانے کا ارادہ ترک فرما دیا تو یہ بات قابل فہم ہے...... علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث قرطاس کی شرح میں لکھا ہے:

قَالَ الْبَیْھَقِیْ وَقَدْحَکٰی سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَہ عَنْ اَھْلِ الْعِلْمِ قِیْلَ اِنَّ النَّبِیَّ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَرَادَاَنْ یَکْتُبَ اِسْتِخْلَافَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ ثُمَّ تَرَکَ ذَالِکَ اِعْتِمَادًا عَلٰی مَاعَلِمَ مِنْ تَقْدِیْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی ذٰلِکَ کَمَا ھَمَّ فِیْ اَوَّلِ مَرَضِہٖ حِیْنَ قَالَ وَارَاْسَاہُ ثُمَّ تَرَکَ الْکِتَابَ وَقَالَ، یَاْبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْر ثُمَّ قَدَّمَہٗ فِی الصَّلٰوۃِ. (عمدۃ القاری ج۲ ص ۱۷۱ طبع مصر)

ترجمہ: امام بیہقی نے بیان کیا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے (جو اس حدیث قرطاس کے ایک راوی ہیں) اہل علم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرما دیں (اور اس کیلئے تحریر لکھوادیں) پھر آپ نے یہ معلوم ہونے پر کہ تقدیر الٰہی میں یہ طے ہو چکا ہے اس کے لکھانے کا خیال ترک فرمادیا جیسا کہ اسی مرض کے ابتدا میں (جب آپ نے فرمایا تھا وارَاْساہ) حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا خیال فرمایا تھا پھر لکھوانے کا خیال ترک فرما دیا تھا اور فرمایا تھا "یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابا بکر" (اور بجائے کچھ لکھوانے کے) آپ نے ان کو نماز کی امامت کرنے کا حکم فرمادیا۔ (یہ گویا عملی استخلاف تھا)

ملحوظ رہے کہ سفیان بن عیینہ تابعین میں سے ہیں، انہوں نے جن "اہل علم" سے نقل کیا ہے ان میں غالباً حضرات تابعین بھی ہوں گے، اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث قرطاس کے بارے میں یہ رائے کہ حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے بارے میں تحریر لکھوانے کا ارادہ فرمایا تھا حضرات تابعین کی بھی رہی ہے۔

اس حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ اس کو تسلیم کر کے لکھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا سامان لانے کے لئے جو فرمایا تھا وہ کچھ لکھوانے کی نیت ہی سے فرمایا تھا اور آپ کا ارادہ اس وقت کوئی تحریر لکھوانے کا تھا۔ (جو بعد میں نہیں رہا اور آپ نے کچھ نہیں لکھوایا) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث قرطاس کی تشریح کے سلسلہ میں ایک احتمال یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ دراصل حضور ﷺ کا ارادہ کچھ تحریر کرانے کا تھا ہی نہیں بلکہ آپ اپنے صحابہ کا امتحان لینا چاہتے تھے اور دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کے قلوب میں یہ بات پوری طرح راسخ ہو گئی یا نہیں کہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید امت کی ہدایت کے لئے کافی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت عمرؓ، نے جو کہا "عند کم القران حسبکم کتاب اللّٰہ" اور حاضرین مجلس میں سے اور لوگوں نے بھی اس کی تائید کی تو حضور ﷺ کو اطمینان ہو گیا۔ (فتح الباری جز ۱۸ص ۱۰۱ طبع انصاری دہلی ۱۳۰۷ھ)

ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں جابجا "اطیعوا اللّٰہ" کے ساتھ اطیعوالرسول فرما کر اور دوسرے عنوانات سے بھی رسول اللہ ﷺ کے احکام وارشادات کی تعمیل اور آپ کے طریقہ کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے اس لئے وہ بھی قرآن کی ہدایت میں شامل ہے اور قرآن مجید اس کو بھی حاوی ہے، اس لئے یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ "حسبکم کتاب اللّٰہ" میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور ہدایت سے استغنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا آخری جزیہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی مجلس

میں تین باتوں کا حکم خاص طور سے دیا۔ (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں "واوصاهم بثلاث" یعنی آپ نے اس موقع پر زبانی ہی تین باتوں کی وصیت فرمائی) ایک یہ کہ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دیا جائے (واضح رہے کہ یہاں مشرکین سے مراد عام کفار ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب، دوسری روایات میں "اخرجوا اليهود والنصارىٰ" بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ "جزیرۂ عرب" اسلام کا مرکز اور خاص قلعہ ہے اس میں صرف اہل اسلام کی آبادی ہونی چاہئے اہل کفر کو آبادی کی اجازت نہ دی جائے اور جو ابھی تک آباد ہیں ان کو اس علاقہ سے باہر بسادیا جائے (حضور ﷺ کے اس حکم اور وصیت کی تعمیل کی سعادت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی، انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں اس کی تکمیل فرمادی) جزیرۂ عرب کے حدود اور رقبہ کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، راجح یہ ہے کہ اس حدیث میں جزیرۂ عرب سے مراد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ یمامہ اور ان سے متصل علاقے ہیں۔

دوسری وصیت آپ نے یہ فرمائی تھی کہ حکومتوں یا قبیلوں یا علاقوں کے جو وفود اور قاصد آئیں (اگرچہ وہ غیر مسلم ہوں) ان کے ساتھ حسن سلوک کا ویسا ہی معاملہ کیا جائے جو میرا معمول ہے۔ آپ ﷺ ان کو مناسب تحائف بھی عطا فرماتے تھے، حضور ﷺ کا یہ حسن سلوک قدرتی طور پر ان کو متاثر کرتا تھا...... یہ دو باتیں ہوئیں۔ تیسری وصیت کے بارے میں حدیث کے ایک راوی سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے روایت کرنے والے ہمارے شیخ سلیمان نے یہی دو باتیں بیان کیں اور تیسری بات کے بارے میں کہا کہ یا تو حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد سعید بن جبیرؒ نے وہ بیان ہی نہیں کی تھی یا میں بھول گیا ہوں...... شارحین نے مختلف قرینوں کی بنیاد پر اس تیسری وصیت کو بھی متعین کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ آپ ﷺ کی وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ اللہ کی کتاب قرآن کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ وہ تیسری وصیت یہ تھی کہ "لاتتخذوا قبری وثنايعبد" (یعنی ایسا نہ ہو کہ میری قبر کو بت بنا کر اس کی پرستش کی جائے)۔ مؤطا امام مالک میں "اخرجوا اليهود" کے ساتھ حضور ﷺ کی یہ وصیت بھی روایت کی گئی ہے، بہر حال یہ سب قیاسات ہیں، تاہم یہ سب ہی حضورؐ کے ارشادات اور آپ کی ہدایت ہیں۔

۱۲۶) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاشْتَدَّ وَجْعُه، اِسْتَاذَنَ اَزْوَاجَه، اَنْ يُمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ فَاَذِنَّ لَه، فَخَرَجَ وَهُوَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ تَخِطُّ رِجلاَ فِي الْاَرْضِ بَيْنَ عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ وَبَيْنَ رَجُلٍ اٰخِرَ فَكَانَتْ عَائِشَةُ تُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا دَخَلَ بَيْتِيْ وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجْعُه، قَالَ هَرِيْقُوْا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحَلَّلْ اَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّيْ اَعْهَدُ اِلَى النَّاسِ فَاَجْلَسْنَاهُ فِي الْمِخْضَبِ لِحَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ مِنْ تِلْكَ الْقِرَبِ حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ اِلَيْنَا بِيَدِهٖ اَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى النَّاسِ فَصَلّٰى لَهُمْ وَخَطَبَهُمْ.
(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا مرض بڑھ گیا اور تکلیف

میں شدت زیادہ ہو گئی تو آپ نے ازواج مطہرات سے اجازت چاہی کہ اب آپ کا علاج اور تیمار داری میرے ہی گھر میں ہو (یعنی مستقل قیام میرے ہی گھر میں رہے) تو سب ازواج مطہرات نے اس کی اجازت دے دی (اور سب اس پر راضی ہو گئیں) تو آپ کو دو آدمی اس طرح لے کر میرے گھر آئے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک (کے گھسٹنے سے) زمین پر لکیر بن رہی تھی (آپ کو لانے والے یہ دو آدمی) ایک ان میں سے عباس بن عبدالمطلب تھے اور دوسرے ایک اور صاحب تھے...... آگے حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف لے آئے تو (ایک دن) آپ کی تکلیف بہت بڑھ گئی تو آپ نے ہم سے (یعنی ازواج مطہرات سے) فرمایا کہ مجھ پر سات ایسی مشکوں سے پانی چھوڑو جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ (میری حالت بہتر اور پر سکون ہو جائے تو) میں (مسجد جاکر) لوگوں سے بہ طور وصیت کچھ ضروری باتیں کر سکوں (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں) کہ ہم نے آپ کو ایک ٹب میں بٹھایا جو آپ کی زوجۂ مطہرہ حفصہؓ کا تھا، پھر ہم نے (آپ کی ہدایت کے مطابق) آپ پر مشکوں سے پانی چھوڑنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے ہمیں اشارہ فرمایا کہ تم نے کام پورا کر دیا۔ (حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آپ کو سکون ہو گیا)۔ چنانچہ آپ مسجد تشریف لے گئے پھر آپ نے نماز پڑھائی اور اسکے بعد خطاب بھی فرمایا (جس کا آپ کے دل میں خاص تقاضا تھا)...... (صحیح بخاری)

تشریح...... اس حدیث کا مضمون صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ حضور ﷺ کی نو ازواج مطہرات تھیں جن کے حجرات (چھوٹے چھوٹے گھر) الگ الگ تھے، اور آپ ﷺ کا دستور و معمول تھا کہ عدل و انصاف کے تقاضے کے مطابق باری باری ان سب کے ہاں ایک ایک رات قیام فرماتے، آپ اس کی ایسی پابندی فرماتے تھے کہ بعض علمائے کرام نے اس سے یہ سمجھا ہے کہ ایسا کرنا آپ کے حق میں فرض وواجب تھا۔ بہر حال ماہ صفر ۱۱ھ کی کسی تاریخ کو (جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں) آپ کے اس مرض کا سلسلہ شروع ہوا جس کا اختتام وفات ہی پر ہوا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام تھا پھر اگلے دن جن زوجۂ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری تھی، آپ ان کے ہاں منتقل ہو گئے اور اس بیماری ہی کی حالت میں کئی دن تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ جن زوجۂ مطہرہ کے ہاں قیام کی باری ہوتی آپ ﷺ ان کے ہاں منتقل ہو جاتے۔ بیماری کی حالت میں روزانہ ایک گھر سے دوسرے گھر منتقلی آپ ﷺ کے لئے سخت تکلیف کا باعث تھی، آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اب آپ ﷺ ایک ہی گھر میں قیام فرمائیں اور مختلف وجوہ سے اس کے لئے آپ ﷺ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے گھر کو ترجیح تھی۔

صحیح بخاری کو جو حدیث اوپر درج کی گئی ہے، اس کے الفاظ کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ حضور ﷺ نے خود ازواج مطہرات سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا اور ان سے اس کی اجازت چاہی لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ابن سعد نے صحیح سند سے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ

امہات المؤمنین سے یہ اجازت حضور ﷺ کی طرف سے حضرت کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے لی تھی، [1] بہر حال سب ازواج مطہرات اس پر راضی ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچا دیئے گئے۔

خود حضرت صدیقہؓ کی روایت ہے کہ یہ دوشنبہ کا دن تھا، یعنی وفات سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے...... آپ مرض کے اثر سے اس وقت تک اتنے ضعیف و نحیف ہو گئے تھے کہ آپ خود نہیں چل سکتے تھے، بلکہ دو آدمی اس طرح آپ ﷺ کو لا رہے تھے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے......

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان دو(۲) آدمیوں میں سے آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کا تو نام لیا اور دوسرے صاحب کا نام نہیں لیا، شارحین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ حضرت عباسؓ تو ایک طرف سے مستقل آپ ﷺ کو اٹھائے ہوئے تھے اور دوسری جانب سے اٹھانے والے تبدیل ہوتے رہتے تھے، کبھی حضرت علیؓ اور کبھی حضرت عباسؓ کے صاحبزادے فضل بن عباسؓ اور کبھی حضرت اسامہؓ......

بہر حال اس طرح آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں پہنچا دیا گیا جس کو ہمیشہ کے لئے آپ کی آرام گاہ بننا مقدر ہو چکا تھا...... اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ دوشنبہ کا دن تھا۔

آگے حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جو بیان ہے کہ میرے گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور ﷺ کی تکلیف میں شدت ہو گئی اور آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ کو غسل کرایا گیا اور سات مشکوں سے آپ پر پانی چھوڑا گیا جس کے بعد آپ ﷺ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہو گئی پھر آپ ﷺ مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا......

تو یہ واقعہ اس دن کا نہیں ہے جس دن آپ ﷺ حضرت صدیقہؓ کے گھر میں تشریف لائے بلکہ یہ تین دن کے بعد جمعرات کے دن کا واقعہ ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی صراحت ہے۔ اور یہ ظہر کی نماز تھی، اور یہ حضور ﷺ کی زندگی کی آخری نماز تھی جو حضور ﷺ نے مسجد شریف میں پڑھائی اور اس کے بعد جو خطاب فرمایا وہ مسجد شریف میں آپ ﷺ کی زندگی کا آخری خطاب تھا اور یہ حضور ﷺ کی وہی نماز اور وہی آخری خطاب تھا جس کا ذکر حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت میں گزر چکا ہے۔

صحیح بخاری جزو سوم "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ الخ" میں اس واقعہ سے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ کی جو روایت ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ یہ ظہر کا وقت تھا اور حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اقتدا میں نماز شروع ہو چکی تھی، تو اس حالت میں حضور ﷺ نے سکون اور طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا اور آپ دو صاحبوں کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے، حضرت ابو بکرؓ جو نماز پڑھا رہے تھے، ان کی نظر حضور ﷺ پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔

حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ پر رہو اور جو دو حضرات آپ ﷺ کو لے کر گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکر کے برابر ہی میں بٹھا دو، انہوں نے ایسا ہی کیا، اب اصل امام خود حضور ﷺ ہو گئے اور

[1] فتح الباری جز۱۸ ص ۱۰۴ طبع انصاری دہلی۔

حضرت ابو بکر مقتدی...... اس نماز کے بعد آپ ﷺ نے وہ خطاب فرمایا جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے گزر چکا ہے اور وہیں صحیح مسلم کی روایت کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ جمعرات کا دن تھا۔ یہ وہی جمعرات تھی جس میں وہ واقعہ ہوا تھا جس کا ذکر حدیث قرطاس میں گزر چکا ہے۔

اس سلسلہ کی مختلف روایات سامنے رکھنے کے بعد واقعات کی ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ وفات سے پانچ (۵) دن پہلے جمعرات کے دن ظہر سے پہلے کسی وقت حضور ﷺ کے مرض اور تکلیف میں شدت ہو گئی، اس وقت آپ ﷺ نے بطور وصیت کچھ لکھوانے کا ارادہ فرمایا اور لکھنے کا سامان لانے کے لئے ارشاد فرمایا۔

پھر آپ کی رائے لکھوانے کی نہیں رہی (جیسا کہ حدیث قرطاس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے)...... لیکن آپ ﷺ کے دل میں تقاضا رہا کہ وصیت کے طور پر کچھ ضروری باتیں صحابۂ کرامؓ سے فرما دی جائیں۔

چنانچہ جب ظہر کا وقت آیا تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ مجھے غسل کراؤ اور سات ایسی مشکوں سے جن کے بند کھولے نہ گئے ہوں مجھ پر پانی چھوڑو، [1] ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کو ایک بڑے ٹب میں بٹھلا کر آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق غسل کرایا۔

اس سے آپ ﷺ کی حالت بہتر اور طبیعت ہلکی ہوئی تو آپ ﷺ دو (۲) آدمیوں کے سہارے مسجد تشریف لے گئے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے نماز بھی پڑھائی اور اس کے بعد منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا۔

اس خطاب میں جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا وہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت اور اس کی تشریح میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اس خطاب میں حضور ﷺ نے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ امت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے امتیازی مقام کا ذکر فرمایا ہے اور یہ کہ امت میں جو مرتبہ ابو بکرؓ کا ہے وہ کسی دوسرے کا نہیں ہے اور اپنی جگہ نماز کا امام تو آپ ﷺ نے ان کو پہلے ہی بنا دیا تھا...... ان سب چیزوں کو پیش نظر رکھ کر غور کیا جائے تو ایک حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی دن ظہر سے پہلے تکلیف کی شدت کی حالت میں بہ طور وصیت لکھوانے کا جو ارادہ فرمایا تھا وہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت و امامت ہی کا مسئلہ تھا۔

اگرچہ بعد میں خود آپ ﷺ کی رائے مبارک لکھوانے کی نہیں رہی، لیکن آپ ﷺ نے ان کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اور مسجد شریف کے اس آخری خطاب میں ان کا امتیاز اور امت میں ان کا بلند ترین مقام بیان فرما کر ان کی خلافت و امامت کے مسئلہ کی طرف پوری رہنمائی فرما دی اور صحابۂ کرامؓ کے لئے وہ رہنمائی کافی ہوئی۔

۱۲۷) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ بَيْنَاهُمْ فِىْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مِنْ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَاَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّىْ لَهُمْ لَمْ يَفْجَاْهُمْ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ كَشَفَ سِتْرَحُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ اِلَيْهِمْ وَهُمْ فِىْ

[1] یہ ایک طریقۂ علاج تھا جس کا اس زمانے میں حجاز مقدس میں رواج تھا اور ایک خاص قسم کے بخار میں یہ علاج نافع ہوتا تھا۔

صُفُوْفِ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ تَبَسَّمَ یَضْحَکُ فَنَکَسَ اَبُوْبَکْرٍ عَلٰی عَقِبَیْہِ لِیَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یُرِیْدُ اَنْ یَّخْرُجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ اَنَسٌ وَھَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ یَّفْتَتِنُوْا فِیْ صَلَاتِھِمْ فَرَحًا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَاَشَارَاِلَیْھِمْ بِیَدِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ اَتِمُّوْا صَلَاتَکُمْ ثُمَّ دَخَلَ الْحُجْرَۃَ وَاَرْخَی السِّتْرَ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ دوشنبہ کے دن (یعنی جس روز حضور ﷺ کی وفات ہوئی اسی دوشنبہ کے دن) مسلمان فجر کی نماز ادا کر رہے تھے اور حضرت ابو بکرؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ ﷺ نے (اپنی قیام گاہ) حضرت عائشہؓ کے حجرہ (کے دروازے) کا پردہ اٹھا کر ان پر نظر ڈالی جب کہ وہ صفوں میں کھڑے ہوئے نماز ادا کر رہے تھے (یہ منظر دیکھ کر) آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور چہرہ مبارک پر ہنسی کے آثار ظاہر ہوئے، آپ پر جب حضرت ابو بکرؓ کی نظر پڑی تو انہوں نے خیال کیا کہ حضور ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں، وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں (حدیث کے راوی حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر فرطِ مسرت سے مسلمانوں کا حال یہ ہوا کہ وہ نماز کی نیت توڑ دینے کا ارادہ کرنے لگے ...... تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ تم لوگ اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ حجرہ کے اندر تشریف لے گئے اور آپ نے دروازہ کا پردہ گرادیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کے ایک بیان کی تشریح کے سلسلہ میں یہ بات پہلے ذکر کی جاچکی ہے کہ جس روز آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اس دن صبح کو آپ ﷺ کی حالت بہ ظاہر بہت اچھی اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، حضرت انسؓ کی اس حدیث سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے کہ آپ از خود اٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر تشریف لائے پردہ اٹھا کر دیکھا اور صحابۂ کرامؓ کو صف بستہ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ کر آپ ﷺ کو غیر معمولی خوشی ہوئی، چہرۂ مبارک کھل گیا اور جب ابو بکر صدیقؓ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے اور خطرہ پیدا ہوا کہ لوگ فرطِ مسرت سے نماز کی نیت نہ توڑ دیں تو آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح نماز پڑھ رہے ہیں اسی طرح ابو بکر کی اقتدا میں نماز پوری کریں...... اس صبح کو حضور ﷺ کی طبیعت بظاہر اتنی اچھی ہو گئی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ مطمئن ہو کر اپنے مکان سخ تشریف لے گئے جو مسجد شریف سے خاصے فاصلے پر تھا۔

۱۲۸) **عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَااشْتَکٰی نَفَثَ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْہُ بِیَدِہٖ فَلَمَّا اشْتَکٰی وَجْعَہُ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ طَفِقْتُ عَلٰی نَفْسِہٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِیْ کَانَ یَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِیَدِالنَّبِیِّ ﷺ عَنْہُ.** (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ مریض ہوتے تو "معوذات" پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور جسم مبارک پر اپنا ہاتھ پھیرتے۔ پھر جب آپ اس

مرض میں مبتلا ہوئے جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (اور غلبہ مرض اور ضعف کی وجہ سے خود معوذات پڑھ کر دم کرنا اور جسم مبارک پر خود ہاتھ پھیرنا آپ کے لئے مشکل ہو گیا) تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ ﷺ پر دم کرتی تھی اور خود حضور ﷺ کا دست مبارک آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھی...... (صحیح بخاری)

تشریح...... حدیث میں معوذات سے مراد بظاہر قرآن پاک کی آخری دو سورتیں (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) ہیں، حضور ﷺ اکثر یہی دو سورتیں پڑھ کر دم کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ وہ دعائیں بھی مراد ہو سکتی ہیں جن میں ہر طرح کے امراض و آفات اور ہر قسم کے شر ور و بلیات سے حفاظت اور پناہ مانگی جاتی ہے۔ [1]

اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ بیان بھی ہے کہ میں معوذات پڑھ کر حضور ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر حضور ﷺ کے جسم مبارک پر اس لئے پھیرتی تھی کہ جو برکت حضور ﷺ کے دست مبارک میں تھی وہ میرے یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی تھی۔

۱۲۹) عَنْ اَبِىْ مُوْسٰى قَالَ مَرِضَ النَّبِىُّ ﷺ فَاشْتَدَّ مَرَضُه، فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ اِنَّه، رَجُلٌ رَقِيْقٌ اِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ اَنْ يُّصَلِّىَ بِالنَّاسِ، قَالَ مُرِىْ اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ فَقَالَ مُرِىْ اَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ، فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ فِىْ حَيَاتِ النَّبِىِّ ﷺ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ مریض ہوئے اور پھر آپ کا مرض بہت بڑھ گیا (اور آپ مسجد تشریف لا کر نماز پڑھانے سے بالکل معذور ہو گئے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ (میری طرف سے) ابو بکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو (جو جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہیں) نماز پڑھا دیں تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ وہ رقیق القلب آدمی ہیں، جب وہ نماز پڑھانے کے لئے آپ ﷺ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو (ان پر رقت غالب آجائے گی اور) وہ نماز نہیں پڑھ سکیں گے (حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی یہ بات سن کر بھی یہی) فرمایا کہ ابو بکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں (حضرت عائشہؓ نے پھر اپنی بات دہرائی اور پھر حضور ﷺ نے وہی فرمایا کہ ابو بکر کو حکم پہنچا دو کہ وہ نماز پڑھا دیں (اسی کے ساتھ) آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا "فانكن صواحب يوسف" پھر حضور ﷺ کا قاصد (حضور ﷺ کا حکم لے کر) حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا (اور آپ ﷺ کا پیام اور حکم) ان کو پہنچایا تو پھر انہوں نے حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں (یعنی وفات تک برابر) لوگوں کو نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... مرض وفات میں مسجد تشریف لے جا کر نماز پڑھانے سے آنحضرت ﷺ کے بالکل معذور ہو جانے کے بعد حضور ﷺ کے حکم سے حضرت ابو بکرؓ کے نماز پڑھانے کا یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد

---

[1] یہ دعائیں "معارف الحدیث جلد پنجم" میں زیر عنوان "استعاذہ کی دعائیں" دیکھی جا سکتی ہیں۔

ابواب میں مختلف صحابۂ کرامؓ سے کہیں بہت اختصار کے ساتھ اور کہیں پوری تفصیل کی ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، کی جو حدیث یہاں درج کی گئی ہے وہ امام بخاری نے "بَابُ اَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ اَحَقُّ بِالْاِمَامَةِ" میں روایت کی ہے، اسی باب میں اسی واقعہ سے متعلق حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، کی اور اس اگلے باب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیثیں بھی امام بخاری نے درج فرمائی ہیں۔ ان سب میں یہ واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کے تین باب آگے "بَابُ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ، لِيُؤْتَمَّ بِهِ" میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اس واقعہ سے متعلق جو حدیث امام بخاری نے روایت کی ہے اس سے واقعہ کی پوری تفصیل معلوم ہو جاتی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

رسول اللہ ﷺ وفات سے آٹھ دن پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی مرض کی شدت اور ضعف و نقاہت بہت زیادہ بڑھ جانے کے باوجود کئی دن تک ہر نماز کے وقت مسجد تشریف لے جا کر حسب معمول خود ہی نماز پڑھاتے رہے پھر اسی حال میں ایک دن ایسا ہوا کہ عشاء کی اذان ہو گئی اور لوگ جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہو گئے، لیکن اس وقت مرض کی شدت کی وجہ سے حضور ﷺ پر غشی اور غفلت کی سی کیفیت طاری ہو گئی جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے مسجد میں نماز ادا کر لی؟...... عرض کیا گیا کہ ابھی لوگوں نے نماز ادا نہیں کی ہے وہ حضور ﷺ کے انتظار میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے ٹب میں پانی رکھو۔ آپ ﷺ کا خیال تھا کہ غسل کرنے سے انشاء اللہ مرض کی شدت میں تخفیف ہو جائے گی اور میں مسجد جا کر نماز پڑھا سکوں گا حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ہم نے ٹب میں پانی رکھ دیا آپ ﷺ نے غسل فرمایا اور اٹھ کر کھڑے ہونے لگے، لیکن پھر وہ غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ حضور ﷺ کے انتظار میں ہیں، آپ ﷺ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کا حکم فرمایا اور پھر غسل فرمایا اور پھر مسجد تشریف لے جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی، پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی؟ عرض کیا گیا کہ ابھی نماز ادا نہیں کی گئی لوگ آپ ﷺ کے انتظار میں ہیں تو آپ ﷺ نے پھر ٹب میں پانی بھرنے کے لئے فرمایا اور غسل فرمایا کہ مسجد جانے کے لئے اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر وہی غشی اور غفلت کی کیفیت طاری ہو گئی۔ (غرض تین دفعہ ایسا ہی ہوا) اس کے بعد جب افاقہ ہوا اور دریافت کرنے پر پھر آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ ابھی مسجد میں جماعت نہیں ہوئی، لوگ حضور ﷺ کے انتظار میں مسجد میں جمے بیٹھے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب ابو بکرؓ کو میری طرف سے کہہ دیا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی جو روایت اوپر درج کی گئی ہے اس میں بھی ہے اور اس واقعہ کی اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اس موقعہ پر عرض کیا کہ میرے والد ابو بکر رقیق القلب ہیں وہ جب نماز پڑھانے کے لئے حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت غالب آ جائے گی اور وہ نماز پڑھا نہیں سکیں گے، اس لئے بجائے ان کے حضرت عمرؓ کو حکم دیدیا جائے وہ

مضبوط دل کے آدمی ہیں۔ لیکن حضور ﷺ نے ان کی اس بات کو قبول نہیں فرمایا اور جب انہوں نے دوبارہ وہی بات کہی تو حضور ﷺ نے ان کو ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ ابو بکر ہی کو میرا یہ پیغام پہنچایا جائے کہ وہ نماز پڑھا دیں) چنانچہ حضرت بلال نے حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کا یہ حکم پہنچایا...... (ان کو معلوم نہیں تھا کہ حضرت عائشہؓ اس بارے میں حضور ﷺ سے کیا عرض کر چکی ہیں اور ان کو کیا جواب مل چکا ہے۔) انہوں نے بھی اپنی قلبی کیفیت کا خیال کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم نماز پڑھا دو، انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے تمہارے لئے حکم فرمایا ہے تم ہی نماز پڑھاؤ...... چنانچہ حضرت ابو بکر نے نماز پڑھائی...... اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ عشاء کی نماز تھی اور یہ پہلی نماز تھی جو رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات میں حضور ﷺ کے تاکیدی حکم سے حضرت ابو بکرؓ نے پڑھائی اور اس کے بعد حضور ﷺ کی وفات تک آپ ﷺ کے حکم کے مطابق وہی مسجد شریف میں نماز پڑھاتے رہے۔

آگے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ پھر ایک دن نماز ظہر کے وقت جب کہ مسجد شریف میں نماز باجماعت شروع ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آپ ﷺ نے مرض اور تکلیف میں تخفیف اور افاقہ کی کیفیت محسوس کی تو دو آدمیوں کے سہارے آپ ﷺ مسجد تشریف لائے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ ﷺ کی تشریف آوری کا احساس ہو گیا وہ پیچھے ہٹنے لگے تاکہ مقتدیوں کی صف میں شامل ہو جائیں آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو اپنی جگہ رہو...... اور جو دو آدمی آپ ﷺ کو سہارا دے کر مسجد لے گئے تھے، ان سے فرمایا کہ مجھے ابو بکرؓ کے پہلو میں بٹھا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اب یہاں سے اصل امام حضور ﷺ ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ مقتدی ہو گئے، لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے حضور ﷺ کی تکبیرات وغیرہ کی آواز چونکہ سب نمازی نہیں سن سکتے تھے اس لئے تکبیرات وغیرہ حضرت ابو بکرؓ ہی کہتے رہے بعض راویوں نے اس کو اس طرح تعبیر کیا ہے کہ ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے، اور باقی تمام نمازی ابو بکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے، مطلب یہی ہے کہ عام نمازیوں کو رسول اللہ ﷺ کی تکبیرات وغیرہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی ابو بکرؓ ہی کی آواز پہنچتی تھی اور وہ اسی کے مطابق رکوع و سجدہ وغیرہ کرتے تھے، یہ ظہر کی وہی نماز تھی جس کا ذکر پہلے بھی متعدد روایات میں آچکا ہے اور یہ کہ اس نماز کے بعد آپ ﷺ نے منبر پر رونق افروز ہو کر خطاب بھی فرمایا جو مسجد میں آپ ﷺ کا آخری خطاب تھا۔ اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو اپنی جگہ امام مقرر فرما دینے کے بعد حضور ﷺ نے ظہر کی یہ نماز مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی اس کے علاوہ بھی کوئی نماز ان دنوں میں مسجد تشریف لا کر ادا فرمائی یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ سے متعلق متعدد روایات میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ذکر کیا گیا ہے کہ میں نے جو حضور ﷺ سے بار بار عرض کیا کہ ابو بکرؓ رقیق القلب ہیں وہ جب آپ ﷺ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان پر رقت طاری ہو جائے گی اور وہ نماز نہ پڑھا سکیں گے تو اس کا اصل محرک میرا یہ خیال تھا کہ جو شخص حضور ﷺ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائے گا لوگ اس کو اچھی محبت کی نگاہ

سے نہیں دیکھیں گے اس لئے میں چاہتی تھی کہ حضور ﷺ ان کو نماز پڑھانے کا حکم نہ دیں۔ حضور ﷺ نے غالباً ان کے دل اور زبان کے اس فرق کو محسوس فرمالیا اس لئے ڈانٹا اور فرمایا" ان کن صواحب یوسف"...... حضرت عائشہؓ یہ نہ سمجھ سکیں کہ حضور ﷺ ان کو اپنی حیات میں امام نماز بنا کر اپنے بعد کے لئے امت کی امامت کبریٰ (خلافت نبوت) کا فیصلہ اپنے عمل سے فرما دینا چاہتے ہیں، حضور ﷺ کو ان کے امام بنانے پر اصرار اسی مقصد سے تھا۔

۱۳۰) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ فِىْ مَرَضِهِ الَّذِىْ مَاتَ فِيْهِ يَاعَائِشَةُ! مَاأَزَالُ اَجِدُ اَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِىْ اَكَلْتُ بِخَيْبَرَ، وَهٰذَا اٰوَانٌ وَجَدْتُ اِنْقِطَاعَ اَبْهَرِىْ مِنْ ذٰلِكَ السَّمِّ." (رواه البخارى)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرض وفات میں مجھ سے فرماتے تھے کہ اے عائشہ! میں اس (زہر آلود) کھانے کی کچھ تکلیف برابر محسوس کرتا رہا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس وقت میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری رگ جان کٹی جارہی ہے...... (صحیح بخاری)

تشریح...... ۷ھ ہجری میں جب خیبر فتح ہوا اور جنگ کے خاتمہ پر معاہدہ بھی ہو گیا تو یہود کی طرف سے حضور ﷺ کے لئے ایک بھنی ہوئی بکری ہدیہ کے طور پر بھیجی گئی، مشکوٰۃ المصابیح ہی میں ابوداؤد اور دارمی کی ایک روایت ہے جس میں یہ وضاحت اور صراحت ہے کہ اس بھنی بکری میں ایک یہودی عورت نے ایسا زہر ملا دیا تھا جس کو آدمی اگر کھالے تو فوراً ہی اس کی زندگی ختم ہو جائے...... اور اس یہودی عورت نے کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ حضور ﷺ دست کا گوشت زیادہ پسند فرماتے ہیں تو اس قتالہ نے اس بکری کی دست میں وہ زہر بہت زیادہ ملا دیا تھا، بہر حال وہ بھنی بکری کھانے کے لئے حضور ﷺ کے سامنے رکھی گئی، آپ ﷺ کے ساتھ چند اصحاب اور بھی اس کھانے میں شریک تھے، جیسے ہی حضور ﷺ نے اس بکری کے دست میں سے ایک لقمہ لیا اور کھایا۔" فوراً ہاتھ روک لیا اور ساتھیوں سے بھی فرمایا کہ ہاتھ روک لو، بالکل نہ کھاؤ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اسی وقت آپ...... نے اس یہودیہ کو بلوایا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو نے اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے کہا کہ کس نے یہ بات بتلائی؟...... آپ نے فرمایا کہ یہ بکری کی دست جو میری ہاتھ میں ہے اسی نے بحکم خدا مجھے بتلایا ہے کہ میرے اندر زہر ملایا گیا ہے...... یہودی عورت نے اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے زہر ملایا تھا اور یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ اگر تم سچے نبی ہو گے تو تم پر زہر کا اثر نہیں ہو گا اور اگر تم جھوٹے مدعی نبوت ہو گے تو ختم ہو جاؤ گے اور تمہارے ختم ہو جانے سے ہمیں راحت اور چین حاصل ہو جائے گا اور اب مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ (ﷺ) سچے نبی ہیں...... اسی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو معاف فرما دیا۔

اس واقعہ سے متعلق مختلف روایات سے مزید تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں، جن کا ذکر یہاں غیر

ضروری ہے۔

یہاں خیبر کے اس واقعہ کا ذکر صرف یہ بتلانے کے لئے کیا گیا ہے کہ خیبر میں زہر آلود لقمہ کے کھانے کا وہ واقعہ معلوم ہو جائے، جس کا ذکر زیر تشریح حدیث میں کیا گیا ہے...... جو زہر بکری کی دست میں ملایا تھا وہ ایسا ہی تھا کہ اس کا لقمہ کھا کر آدمی ختم ہی ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معجزانہ طور پر حضور ﷺ کو بچالیا۔ لیکن اس کا کچھ اثر باقی رہا جس کی کچھ تکلیف کبھی کبھی آپ محسوس فرماتے تھے، اس میں حکمت الٰہی یہ تھی کہ جب دعوت حق امت کی تعلیم و تربیت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا وہ کام آپ ﷺ کے ذریعہ پورا ہو جائے جس کے لئے آپ ﷺ کی بعثت ہوئی تھی تو پھر اس زہر کا اثر پوری طرح ظاہر ہو کر آپ...... کی وفات کا وسیلہ بنے اور اس طرح آپ ﷺ کو "شہادت فی سبیل اللّٰہ" کی سعادت و فضیلت بھی حاصل ہو۔

اس تفصیل کی روشنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ بالا حدیث کا مطلب و مفہوم پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں حضور ﷺ کا جو ارشاد اور حال بیان کیا ہے وہ بظاہر اسی دن کا ہے جس روز حضور ﷺ کی وفات ہوئی اور تکلیف میں وہ شدت شروع ہوئی جس کا ذکر آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں میں آئے گا۔

۱۳۱) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ "مَامِنْ نَبِيٍّ يَمْرَضُ الْاَخُيِّرَ بَيْنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"، وَكَانَ فِيْ شَكْوَاهُ الَّذِىْ قُبِضَ اَخَذَتْهُ بُحَّةٌ شَدِيْدَةٌ، فَسَمِعْتُه' يَقُوْلُ : مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ، فَعَلِمْتُ اَنَّه' خُيِّرَ ○ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ:- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ میں نے سنا تھا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے تھے (تندرستی کی حالت میں) کہ ہر نبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ معاملہ ہے کہ جب وہ مریض ہوتے ہیں (یعنی جب وہ مرض وفات میں مبتلا کئے جاتے ہیں) تو ان کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں ابھی کچھ مدت اور رہنا چاہیں تو رہیں اور اگر اب عالم آخرت کا قیام پسند کریں تو اس کو اختیار کرلیں۔ آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتیں ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کو آپ کے مرض وفات میں سانس کی سخت تکلیف ہوئی تو میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ کو وہ اختیار دے دیا گیا (اور آپ ﷺ نے عالم آخرت کو اختیار فرمالیا)...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کے مضمون کی ضروری وضاحت اور تشریح ترجمہ کے ضمن میں کر دی گئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے مرض وفات کی آخری مرحلہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جب سانس کی شدید تکلیف شروع ہوئی۔ (جو گویا قرب وفات کی علامت ہوتی ہے) تو آپ ﷺ

نے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا کہ "مع الذین انعمت علیھم ...... الخ" (اے اللہ اب اپنے ان مقبول بندوں کے پاس پہنچا دے جن پر تیرا خصوصی انعام ہوا ہے، انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین) سورۂ نساء کی آیت نمبر ۶۹ میں ان چاروں طبقات پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے اس آخری وقت اور آخری گھڑی کی کچھ مزید تفصیلات معلوم ہوں گی۔

۱۳۲) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ اَنَّ مِنْ نِعَمِ اللّٰهِ عَلَىَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، تُوُفِّيَ فِيْ بَيْتِيْ وَفِيْ يَوْمِيْ وَبَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ، وَاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ، دَخَلَ عَلَىَّ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍوَبِيَدِهٖ سِوَاكٌ وَاَنَا مُسْتَنِدَةٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَرَاَيْتُهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهِ، وَعَرَفْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ السِّوَاكَ، فَقُلْتُ اٰخُذُهٗ لَكَ؟ فَاَشَارَ بِرَاسِهٖ اَنْ نَعَمْ، فَتَنَاوَلْتُهٗ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ قُلْتُ : اُلَيِّنُهٗ لَكَ؟ فَاَشَارَ بِرَاسِهٖ اَنْ نَعَمْ فَلَيَّنْتُهٗ، فَاَمَرَّهٗ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ، فِيْهَا مَاءٌ فَجَعَلَ يُدْخِلُ يَدَيْهِ فِي الْمَاءِ فَيَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَيَقُوْلُ "لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ" ثُمَّ نَصَبَ يَدَهٗ فَجَعَلَ يَقُوْلُ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى، حَتّٰى قُبِضَ وَمَالَتْ يَدُهٗ. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جن خاص نعمتوں سے نوازا ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی میرے گھر میں اور میری ہی نوبت کے دن میں، اور یہ بھی کہ آپ ﷺ نے وفات پائی میرے سینہ اور میری ہنسلی کے درمیان (یعنی آپ ﷺ نے اس حالت میں وفات پائی کہ آپ میرے سینہ اور ہنسلی سے لگے ہوئے تھے اور اللہ کی جو خاص الخاص نعمتیں مجھ پر ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے آخری وقت میں میرا آب دہن اور حضور ﷺ کا آب دہن ملا دیا (یعنی آخری وقت میں آپ ...... کا آب دہن (تھوک) میرے حلق میں آیا اور میرا آب دہن آپ ﷺ کے دہن مبارک میں گیا، آگے حضرت صدیقہؓ اس کی تفصیل بیان فرماتی ہیں کہ) میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں حضور ﷺ کو سینہ سے لگائے بیٹھی تھی (یعنی آپ تکیہ کے طور پر میرے سینے سے لگے ہوئے تھے) تو میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ عبدالرحمٰن کی مسواک کی طرف نظر فرما رہے ہیں اور میں نے جانا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ کیا میں عبدالرحمٰن سے یہ مسواک آپ ﷺ کے لئے لے لوں؟ تو آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لے لو، تو میں نے وہ مسواک عبدالرحمٰن سے لے کر دے دی آپ نے مسواک کرنی چاہی تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ ﷺ کے لئے نرم کر دوں؟ تو آپ ﷺ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں (اس کو میرے لئے نرم کر دو) تو میں نے اس کو (چبا کر) نرم کر دیا، تو آپ نے اس کو اپنے دانتوں پر پھیرا (اس طرح اس آخری وقت میں حضور ﷺ کا آب دہن میرے حلق میں اور میرا آب دہن حضور ﷺ کو دہن مبارک میں چلا گیا)...... آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ) اس وقت حضور ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ بار بار اس پانی میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور وہ ہاتھ

چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے، اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے "لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ" (صرف اللہ ہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہاں موت کے لئے بڑی سختیاں ہیں) پھر آپ ﷺ نے دست مبارک اوپر کی طرف اٹھایا اور فرمانے لگے "فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" (مجھ کو شامل کر لے رفیق اعلیٰ میں) اسی حال میں روح مبارک قبض کر لی گئی اور آپ ﷺ کا اوپر اٹھا ہوا ہاتھ نیچے کی طرف آ گیا۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... اس حدیث میں حضرت صدیقہؓ نے صرف ان خاص الخاص انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو حضور ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات حیات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ہوئے ...... ایک یہ کہ حضور ﷺ نے میرے گھر میں وفات پائی اور حسن اتفاق سے وہ دن میری نوبت کا تھا ...... یعنی اگرچہ حضور ﷺ وفات سے آٹھ دن پہلے اپنی خواہش اور دیگر ازواج مطہرات کی اجازت سے میرے گھر میں مستقل طور پر تشریف لے آئے تھے لیکن جس دوشنبہ کو وفات پائی وہ دن باری کے حساب سے بھی حضور ﷺ کے میرے ہاں قیام کا دن تھا ...... اور دوسرا خصوصی انعام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ فرمایا کہ جس وقت حضور ﷺ نے وفات پائی اس وقت آپ میرے سینہ اور ہنسلی کے درمیان تھے، یعنی حضور کی کمر مبارک میرے سینہ سے لگی ہوئی تھی اور سر مبارک میری ہنسلی سے لگا ہوا تھا ...... اور اللہ تعالیٰ کا تیسرا خاص انعام مجھ پر یہ ہوا کہ اس آخری وقت میں میرے بھائی عبدالرحمٰن گھر میں آ گئے ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، ان کی مسواک کی طرف حضور ﷺ نے اس طرح دیکھا کہ میں نے سمجھا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے حضور ﷺ کا اشارہ پا کر وہ مسواک اپنے بھائی سے لے کر حضور ﷺ کو دے دی آپ ﷺ نے اس کو استعمال کیا تو وہ سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا کہ میں اس کو آپ ﷺ کے لئے نرم کر دوں تو آپ ﷺ نے سر سے اشارہ فرمایا کہ ہاں اس کو نرم کر دو، تو میں نے اس کو چبا کر اور نرم کر کے آپ ﷺ کو دیا تو آپ ﷺ نے اس کو حسب معمول دانتوں پر پھیرا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس آخری وقت میں آپ ﷺ کا آبِ دہن (تھوک) میرے حلق میں اور میرا آب دہن آپ ﷺ کے دہن مبارک میں جمع فرمادیا ...... واقعہ یہ ہے کہ ان خاص خاص انعامات الٰہیہ پر حضرت صدیقہؓ کو جتنی بھی خوشی اور جتنا بھی فخر ہو، برحق ہے ...... آگے حضرت صدیقہؓ نے آخری وقت کا جو حال بیان فرمایا ہے، اس میں اس آخری وقت کی شدت تکلیف کا ذکر ہے ...... فرماتی ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ بار بار اس میں اپنے دونوں ہاتھ ڈالتے اور چہرۂ مبارک پر پھیر لیتے اور اسی حال میں زبان مبارک سے فرماتے "لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ" مقربین کو اس طرح کی تکلیف انکے رفع درجات کے لئے ہوتی ہے ...... آگے حضرت صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ اسی حال میں آپ ﷺ نے ہاتھ اوپر اٹھایا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "فی الرفیق الاعلیٰ" ...... یوں سمجھنا چاہئے کہ اس وقت وہ "اعلیٰ علیین" آپ کے سامنے کر دیا گیا تھا جو حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صدیقین شہداء اور صالحین کا مقام و مستقر ہے آپ ﷺ نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کیا کہ مجھے اسی رفیق اعلیٰ میں پہنچا دیا جائے ...... چنانچہ روح مبارک قبض کر لی گئی اوپر اٹھا ہوا دست مبارک نیچے آ گیا ...... قرآن پاک میں ...... حضرت انبیاء

علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے "وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا" (سورۂ نساء آیت نمبر ۶۹)

بہ ظاہر حدیث کے لفظ "فی الرفیق الاعلیٰ" سے یہی مراد ہے، اس سے پہلے صحیحین کے حوالہ سے حضرت صدیقہؓ ہی کی جو روایت ذکر کی گئی ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے، مستدرک حاکم وغیرہ کی ان روایات کا ذکر کیا ہے جن میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس وقت وفات پائی اس وقت آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھے، اس کے بعد حافظ ابن حجر نے ان روایات کے بارے میں لکھا ہے "و کل طریق منها لا یخلو من شیعی فلا یلتفت الیها" (یعنی ان تمام روایتوں کی سند میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ہے اس لئے قابل التفات بھی نہیں ہیں) آگے حافظ ابن حجر نے ان تمام روایات کی سندوں پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ (فتح الباری ص ۱۰۳ و ص ۱۰۴) جز ۱۸ طبع انصاری دہلی)

۱۳۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ اَقْبَلَ عَلٰى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عَائِشَةَ فَتَيَمَّمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُغْشًى بِثَوْبِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهٖ ثُمَّ اَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهٗ وَبَكٰى ثُمَّ قَالَ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ وَاللّٰهِ لَايَجْمَعِ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ اَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِىْ كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا . قَالَ الزُّهْرِىْ وَحَدَّثَنِىْ اَبُوْ سَلْمَةَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اَجْلِسْ يَاعُمَرُ فَاَبٰى عُمَرُ اَنْ يَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ .

اَمَّابَعْدَ! مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَىٌّ لَايَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ : وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلَى الشَّاكِرِيْنَ وَقَالَ وَاللّٰهُ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْبَكْرٍ فَتَلَقَّاهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ، فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا منَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قیام گاہ سنح سے آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، جو لوگ وہاں جمع تھے، ان سے کوئی بات نہیں کی پہلے حضرت عائشہ کے گھر میں آئے اور سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، آپ کو ایک دھاری دار یمنی چادر اڑھادی گئی تھی، حضرت ابو بکرؓ نے چادر ہٹا کر چہرۂ مبارک کھولا، پھر آپ ﷺ کے اوپر جھک پڑے اور بوسہ دیا، پھر کہا آپ ﷺ کے اوپر میرے ماں باپ قربان! خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا جو موت آپ ﷺ کے لئے مقدر ہو چکی تھی وہ آپ ﷺ پر وارد ہو گئی (یہاں تک حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت ہے جس کو اما[illegible]ی نے ابو سلمہ کے حوالہ سے حضرت صدیقہؓ سے روایت کیا ہے) آگے امام زہری ابو سلمہ ہی کے حوالہ سے ا[illegible] موقع سے متعلق) حضرت عبداللہ بن عباس رضی

اللہ عنہ، کا یہ بیان روایت کرتے ہیں کہ ...... ابو بکرؓ حضرت عائشہؓ کے گھر سے باہر آئے، اس وقت حضرت عمرؓ (اپنے خاص حال میں) لوگوں سے بات کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ عمر بیٹھ جاؤ (اور جو بات کر رہے ہو وہ نہ کرو) لیکن حضرت عمرؓ نے (اپنے خاص حال میں) یہ بات نہیں مانی تو (حضرت ابو بکرؓ منبر کی طرف آئے) تو سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر حضرت ابو بکرؓ کی بات سننے کے لئے ان کی طرف آگئے، انہوں نے (منبر سے) خطاب کرتے ہوئے۔ (حمد وصلوٰۃ اور توحید و رسالت کی شہادت کے بعد) فرمایا:

اَمَّا بَعْدَ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ، وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَايَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ.

وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّارَسُوْلٌ قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○

ترجمہ: امابعد تم میں سے جو کوئی حضرت محمد ﷺ کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ تو وفات پاگئے، اور تم میں سے جو کوئی اللہ کی عبادت اور بندگی کرتا تھا تو وہ "حَيٌّ لَايَمُوْتُ" ہے، اس کو کبھی فنا نہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے۔

"اور محمد ﷺ تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں، تو اگر وہ وفات پاجائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پلٹ جائے تو وہ خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔

(حدیث کے راوی) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ کے اس موقع پر یہ آیت تلاوت فرمانے سے پہلے گویا لوگوں نے جانا ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے (یعنی اس وقت لوگ اس آیت کے مضمون سے غافل ہو گئے تھے) پھر تو سب ہی لوگوں نے اس کو لے لیا، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہی آیت تھی اور میں ہر شخص کو یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح　مندرجہ بالا بعض حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے کہ جس روز حضور ﷺ نے وفات پائی اس کی صبح آپ ﷺ کی حالت بہت بہتر اور قابل اطمینان ہو گئی تھی، اسی لئے حضرت ابو بکرؓ حضور ﷺ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر اپنی قیام گاہ سخ چلے گئے تھے، وہ ابھی وہیں تھے کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا، جن لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی وہ جمع ہونا شروع ہو گئے، ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جو کسی طرح اس کے ماننے بلکہ سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھے کہ حضور وفات پاگئے۔ حافظ ابن حجر نے اسی حدیث کی شرح میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضور ﷺ وفات پاگئے اور میں نے حضور ﷺ کو چادر اڑھادی حضرت عمرؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ آئے اور حضور ﷺ کو

دیکھنے کے لئے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے پردہ کر لیا اور ان دونوں کو اجازت دے دی تو وہ دونوں اندر آئے حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور کہا "واغشیتاہ" (ہائے کیسی غشی ہے) اس کے بعد یہ دونوں باہر جانے لگے تو حضرت مغیرہؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ (غشی یا سکتہ نہیں ہے) حضور ﷺ وفات پاگئے، تو حضرت عمرؓ نے ان کو زور سے ڈانٹا اور کہا کہ حضور ﷺ اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے جائیں گے جب تک فلاں فلاں کام انجام نہ پا جائیں جو ابھی انجام نہیں پائے ہیں، بہر حال حضرت عمرؓ کا یہی حال تھا اور وہ پورے زور شور سے لوگوں سے یہی کہہ رہے تھے اسی حال میں حضرت ابو بکر گھوڑے پر سوار ہو کر آپہنچے، پہلے مسجد آئے جہاں لوگ جمع تھے لیکن کسی سے کوئی بات نہیں کہ بلکہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پہنچے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور روتے ہوئے بوسہ دیا اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، جو موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی وہ آچکی (صحیح بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے اس موقع پر "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" بھی کہا۔)...... اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ باہر تشریف لائے یہاں حضرت عمرؓ اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے ان سے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ یعنی لوگوں سے جو بات کر رہے ہو نہ کرو، لیکن حضرت عمرؓ اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے کہ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بات نہیں مانی بلکہ اس وقت ماننے سے صاف انکار کر دیا، حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو اسی حال میں چھوڑ کر مسجد میں منبر پر تشریف لائے، پھر سب لوگ حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر انہی کے پاس آگئے حضرت ابو بکرؓ سے وہ خطاب فرمایا جو اوپر حدیث کے ترجمہ میں لفظ بہ لفظ نقل کر دیا گیا ہے اور قرآن مجید کی سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۴ تلاوت فرمائی۔

حضرت ابو بکرؓ کے اس خطبہ اور اس آیت نے ہر صاحب ایمان کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا کہ حضور ﷺ ایک دن یقیناً وفات فرمانے والے تھے، وفات فرما گئے اور ہم کو آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے ہوئے جینا اور مرنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ اس خاص موقع پر حضرت ابو بکرؓ سے یہ آیت سن کر سب کی زبان پر یہی آیت جاری تھی ہر ایک اسی آیت کی تلاوت کر کے اپنے نفس کو اور دوسروں کو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت پر ثابت قدمی کا سبق دے رہا تھا۔

اسی واقعہ کے سلسلہ میں آگے امام زہری ہی نے سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ خود حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ جب ابو بکر نے آیت "وما محمد الارسول" ...... الایۃ تلاوت کی تو اپنی غلطی کے احساس سے میرا یہ حال ہو گیا کہ گویا میں بے جان ہو گیا میری ٹانگوں میں دم نہیں رہا کہ میں کھڑا ہو سکوں میرے دل نے جان لیا کہ رسول اللہ ﷺ یقیناً وفات پاگئے۔

۱۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهٖ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ : سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَالَ، "مَاقَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ"

اِدْفِنُوْهُ فِىْ مَوْضِعِ فِرَاشِهٖ. (رواه الترمذى)

ترجمہ... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے تو آپ کی تدفین کے بارے میں لوگوں میں رائے کا اختلاف ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں ایک بات سنی ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اسی جگہ وفات دیتا ہے جہاں وہ اس کا دفن کیا جانا پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے بستر کی جگہ ہی دفن کیا جائے......

(جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس بارے میں صحابہؓ کی رائیں مختلف ہوئیں کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ شارحین نے نقل کیا ہے کہ بعض حضرات کی رائے تھی کہ آپ کو بلد اللہ الحرام مکہ مکرمہ لے جا کر دفن کیا جائے بعض کی رائے تھی کہ مدینہ ہی میں بقیع میں دفن کیا جائے۔

اس موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ اس بارے میں میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے ایک بات سنی ہے، آپ فرماتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ رہا ہے کہ ان کی وفات خاص اسی جگہ ہوتی ہے، جہاں ان کا دفن ہونا ان پیغمبر کو یا خود اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے۔

لہٰذا حضور ﷺ کو آپ ﷺ کی اسی بستر کی جگہ دفن کیا جائے جس پر آپ ﷺ نے وفات پائی، چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا اور آنحضرت ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں اسی جگہ دفن کئے گئے جہاں بستر پر آپ آرام فرماتے تھے اور جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی...... کیسا خوش نصیب ہے زمین کا وہ قطعہ جس نے سید المرسلین خاتم النبیین محبوب رب العالمین کو قیامت تک کے لئے اپنی آغوش میں لے لیا ہے۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت بلکہ افضلیت اور امت میں ان کے امتیازی مقام کا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا ہے، آپ ﷺ کے مرض وفات کے سلسلہ میں متعدد ایسی حدیثیں گزر چکی ہیں جن سے بغیر کسی شک و شبہ کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے نزدیک آپ ﷺ کی امت کے افضل ترین فرد حضرت ابو بکرؓ تھے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی قائم مقامی یعنی خلافت نبوت کے لئے وہی آپ ﷺ کی نظر میں متعین تھے۔ ان زبانی ارشادات کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں (جس کے بارے میں آپ ﷺ کو منجانب اللہ معلوم ہو چکا تھا کہ اسی مرض میں میری وفات مقدر ہو چکی ہے) اصرار اور تاکید کے ساتھ حضرت ابو بکر کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اس طرف امت کو واضح رہنمائی بھی فرمادی تھی۔

حضور ﷺ کے مرض وفات کے سلسلہ کی ان حدیثوں کے علاوہ چند اور حدیثیں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت اور افضلیت کے بارے میں ذیل میں درج کی جارہی ہیں ان میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی ہیں اور بعض اکابر صحابہ کی شہادتیں بھی۔

۱۳۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَالِاَحَدٍ عِنْدَنَا یَدٌ اِلاَّ وَقَدْ کَافَیْنَاهُ، مَاخَلَا اَبَابَکْرٍ، فَاِنَّ لَه، عِنْدَنَا یَدًا یُکَافِیْهِ اللّٰهُ بِهَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَانَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ، وَلَوْکُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلاً اَلاَ وَاِنَّ صَاحِبَکُمْ خَلِیْلُ اللّٰهِ . (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہو کچھ ہم کو دیا ہو اور ہم نے اس کی مکافات نہ کر دی ہو، سوائے ابو بکرؓ کے، انہوں نے ہمارے ساتھ جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات اللہ تعالیٰ ہی کرے گا قیامت کے دن اور کسی شخص کا بھی مال کبھی اتنا میرے کام نہیں آیا جتنا ابو بکر کا مال کام آیا اور اگر میں (اپنے دوستوں میں سے) کسی کو خلیل (جانی دوست) بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا اور معلوم ہونا چاہئے کہ میں بس اللہ کا خلیل ہوں (اور میرا حقیقی دوست و محبوب بس اللہ ہے)۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی آپ کو ہدیہ پیش کرتا تو آپ اس کو قبول فرمالیتے اور اسی وقت یا بعد میں کسی وقت اسے اتنا ہی یا زیادہ کسی شکل میں عطا فرما کر مکافات فرمادیتے، زیر تشریح حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ ابو بکرؓ کے سوا جس کسی نے بھی ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا ہم نے دنیا ہی میں اس کی مکافات کر دی، لیکن ابو بکرؓ نے جو حسن سلوک کیا اس کی مکافات آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی

فرمائے گا، حضرت ابو بکرؓ کے نواسے حضرت عروہؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق دین کی خدمت میں خرچ ہو گئے، سات ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کیا جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے کافر و مشرک مالک و آقا اسلام قبول کرنے ہی کے "جرم" میں ان کو ستاتے اور مظالم کے پہاڑ توڑتے تھے حضرت بلالؓ بھی انہی میں سے تھے...... حضرت ابو بکرؓ نے حضور ﷺ سے عرض کر دیا تھا کہ میں اور میرا سارا مال گویا آپ کی ملک ہے جس طرح چاہیں استعمال فرمالیں، چنانچہ حضور ﷺ ایسا ہی کرتے تھے، آنحضرت ﷺ نے مرض وفات میں اپنے آخری خطاب میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے وہ خطاب صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے اور اس میں حضور ﷺ کے بعد ان کے خلیفہ ہونے کی طرف بھی واضح رہنمائی ہے۔

۱۳۶) **عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ اِمْرَأَةٌ فَكَلَّمَتْهُ فِىْ شَيْءٍ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرْجِعَ اِلَيْهِ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ اِنْ جِئْتُ وَلَمْ اَجِدْكَ؟ كَاَنَّهَا تُرِيْدُ الْمَوْتَ . قَالَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدِيْنِىْ فَأْتِىْ اَبَابَكْرٍ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی چیز اور کسی معاملہ کے بارے میں اس نے حضور ﷺ سے گفتگو کی، آپ ﷺ نے اس کو فرمایا کہ پھر (بعد میں کبھی) آنا، اس عورت نے عرض کیا کہ یہ بتلائیے کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں؟...... حدیث کے راوی جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ غالباً اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور حضور ﷺ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں، تو میں کیا کروں؟...... تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابو بکرؓ کے پاس آ جانا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت مدینہ منورہ سے دور کے کسی مقام کی رہنے والی تھی، اس نے حضور ﷺ سے شاید کچھ طلب کیا تھا جو آپ اس وقت عنایت نہ فرما سکے یہ فرما دیا کہ آئندہ کبھی پھر آنا...... اس نے عرض کیا کہ اگر آئندہ میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں آپ دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں تو میں کیا کروں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس صورت میں تم ابو بکرؓ کے پاس آنا...... اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد متصلاً بلا فصل حضرت ابو بکرؓ کے خلیفہ ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے۔

۱۳۷) **عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَايَنْبَغِىْ لِقَوْمٍ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ اَنْ يَّؤُمَّهُمْ غَيْرُهٗ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی قوم (کسی ایسی جماعت اور گروہ) کے لئے جس میں ابو بکر موجود ہوں درست اور مناسب نہیں ہے کہ ابو بکرؓ کے سوا کوئی دوسرا شخص ان کا امام ہو...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... یہ حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اس کا صریح مقتضیٰ اور مفاد یہ ہے کہ امت میں جب تک ابوبکرؓ رہیں اہل ایمان انہیں کو اپنا امام بنائیں، ان کے سوا کسی کو امام بنانا صحیح نہ ہوگا، بلاشبہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات میں سے ہے جن کے ذریعہ حضور ﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

۱۳۸) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِأَبِىْ بَكْرٍ: "أَنْتَ صَاحِبِىْ فِى الْغَارِ وَصَاحِبِىْ عَلَى الْحَوْضِ".** (رواه الترمذى)

ترجمہ.. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے ارشاد فرمایا کہ تم غار میں میرے ساتھی تھے اور آخرت میں حوض کوثر پر بھی میرے ساتھی ہو گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو تین (۳) دن تک مکہ مکرمہ کے قریب ثور پہاڑ کے ایک غار میں روپوش رہے تھے، اس غار میں حضرت ابو بکرؓ ہی آپ کے ساتھ تھے، ہجرت کے اس سفر میں اور خاص کر اس غار میں حضور ﷺ کے ساتھ رہنا (جس میں آخری حد تک کے خطرات تھے) وفاداری اور فدائیت کا بے مثال عمل تھا، اسی لئے حضور ﷺ نے خاص طور سے اس کو یاد رکھا (قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے "ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبه لا تحزن ان اللّٰه معنا" (سورۂ توبہ آیت نمبر ۴۰) اردو زبان میں یار غار کا لفظ قرآن پاک کی اسی آیت اور رسول اللہ ﷺ کے اس سلسلہ کے ارشادات ہی سے آیا ہے۔ غار کی اس تین روزہ رفاقت میں حضرت ابو بکرؓ نے جس فدائیت کا ثبوت دیا اس کا کچھ حال آگے درج ہونے والے حضرت عمرؓ کے ایک بیان سے معلوم ہوگا۔

۱۳۹) **عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَاَخَذَ بِيَدِىْ، فَاَرَانِىْ بَابَ الْجَنَّةِ الَّذِىْ يَدْخُلُ مِنْهُ اُمَّتِىْ، فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! وَدِدْتُ اَنِّىْ كُنْتُ مَعَكَ حَتّٰى اَنْظُرَ اِلَيْهِ: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اَمَا اِنَّكَ يَا اَبَابَكْرٍ! اَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ."** (رواه ابوداؤد)

ترجمہ.. حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت کا جنت میں داخلہ ہوگا۔ ابو بکرؓ نے (حضور ﷺ سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضور ﷺ! میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو دیکھتا...... رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے......

(سنن ابی داؤد)

تشریح ...... اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ جبرائیل امین آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور جنت کا وہ دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی...... ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی دوسرے موقع پر جبرائیل بحکم خداوندی حضور ﷺ کو

جنت کا وہ دروازہ دکھانے کے لئے لے گئے ہوں، یہ معراج کی طرح کا ملا اعلیٰ کا سفر بھی ہو سکتا ہے اور مکاشفہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال جب حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ سے یہ سن کر عرض کیا کہ حضرت میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ کاش میں بھی اس وقت آپ کے ساتھ ہوتا اور میں بھی جنت کا وہ دروازہ دیکھتا تو حضور ﷺ نے ان کو بشارت سنائی کہ تم جنت کا دروازہ دیکھنے کی آرزو کرتے ہو میں تم کو اس سے بڑی خداوندی نعمت کی خوشخبری سناتا ہوں، یقین کرو کہ میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں تم داخل ہو گے، بلا شبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابو بکر صدیق ہی ہیں ...... رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۱۴۰) عَنْ عُمَرَ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ سَيِّدُنَا وَخَيْرُنَا وَاَحَبُّنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ .(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ابو بکرؓ ہمارے سید (سردار) ہیں، ہم میں سب سے بہتر و افضل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ہم میں سے سب سے زیادہ محبوب ہیں (یعنی ان کو حضور ﷺ کی محبوبیت کا جو مقام حاصل ہے وہ ہم میں سے کسی کو حاصل نہیں۔)

تشریح ...... حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت اور بلند مقامی کے بارے میں یہ حضرت عمرؓ کا بیان ہے، جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور ان کے ساتھ آپ ﷺ کے طرز عمل کے مشاہدہ پر ہے۔

۱۴۱) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنْفِيَةِ، قَالَ : قُلْتُ لِاَبِىْ : اَىُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَالنَّبِيِّ ﷺ ؟ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ : قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : عُمَرُ : وَخَشِيْتُ اَنْ يَّقُوْلَ : عُثْمَانُ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ؟ قَالَ مَااَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ. (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت محمد بن حنفیہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد (حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ،) سے دریافت کیا کہ امت میں رسول اللہ ...... کے بعد سب سے بہتر و افضل کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ابو بکر۔ میں نے کہا ان کے بعد کون؟ تو انہوں نے فرمایا کہ عمرؓ ...... (محمد بن الحنفیہ کہتے ہیں) پھر مجھے خطرہ پیدا ہوا کہ (اگر میں اسی طرح دریافت کروں کہ عمر کے بعد کون؟) تو یہ نہ کہہ دیں کہ عمرؓ کی بعد عثمان (اس لئے میں نے سوال اس طرح کیا) پھر عمر کے بعد آپ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ (صحیح بخاری)

تشریح ...... محمد بن الحنفیہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بطن سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کے حرم میں داخل ایک دوسری خاتون حنفیہ سے جن کا اصل نام خولہ تھا اپنے قبیلہ کی نسبت سے حنفیہ کے نام سے معروف ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت میں نبوت کے جھوٹے مدعی مسیلمہ کذاب اور اس کے ساتھیوں سے جو جہاد ہوا تو فتح کے بعد جنگی قانون کے مطابق جو مرد اور عورتیں گرفتار ہو کر آئے ان میں یہ خولہ بھی تھیں، یہ حضرت علیؓ کے حوالہ کر دی گئیں اور ان کے حرم میں داخل ہو گئیں۔ محمد بن الحنفیہ انہی کے بطن سے حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں۔ علم اور صلاح و تقویٰ اور دوسری

صفات کمال کے لحاظ سے بلند مقام تابعین میں سے ہیں۔ انہی کا یہ بیان ہے کہ میں نے والد ماجد حضرت علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں کون افضل ہے؟ تو انہوں نے پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کا اور دوسرے نمبر پر حضرت عمرؓ کا نام لیا اور اپنے بارے میں فرمایا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں میں کا ایک آدمی ہوں۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ بطور تواضع و انکسار، فرمایا، ورنہ امت میں اس وقت سب سے افضل خود حضرت علی مرتضیٰؓ ہی تھے، حضرت عثمانؓ اس سے پہلے شہید کئے جا چکے تھے...... یہ روایت تو محمد بن الحنفیہ کی ہے۔ محدثین کے نزدیک حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں سب سے افضل اور بلند مرتبہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں اور یہ کہ جو کوئی مجھے ان دونوں سے افضل قرار دے گا میں اس پر حد (شرعی سزا) جاری کروں گا۔

۱۴۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ لَا نَعْدِلُ بِأَبِي بَكْرٍ أَحَدًا، ثُمَّ عُمَرَ، ثُمَّ عُثْمَانَ، ثُمَّ نَتْرُكُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ. (رواه البخارى)

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے تھے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ابو بکر کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، ان کے بعد عمرؓ، ان کے بعد عثمان۔ پھر ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب کو چھوڑ دیتے تھے، ان کے درمیان ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مطلب بہ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں حضور ﷺ کا طرز عمل دیکھ کر ہم یہ سمجھتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابو بکرؓ ہیں، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، یہ تینوں حضرات سن رسیدہ تھے، اہم امور میں حضور ﷺ اکثر ان ہی سے مشورہ فرماتے تھے، اگرچہ ان تین حضرات کے بعد وہ بلا شبہ امت میں سب سے افضل ہیں اور بعض خصوصیات میں بہت اعلیٰ و بالا ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ بیان شخصیات کے بارے میں ہے، طبقات اور صفات کے لحاظ سے صحابۂ کرامؓ میں جو درجات و مراتب کا فرق ہے اس سے حضرت ابن عمرؓ نے تعرض نہیں کیا ہے...... مثلاً عشرۂ مبشرہ، اصحاب بدر اور اصحاب بیعت رضوان، سابقین اولین من المہاجرین والانصار (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرت ابن عمرؓ کے اس بیان میں ان کے فضائل کی نفی نہیں ہے، انہوں نے جو فرمایا اس کا تعلق، اس خاص فضیلت سے ہے جو ان تین بزرگوں کو حضور ﷺ کے زمانہ میں حاصل تھی۔ واللہ اعلم۔

۱۴۳) عَنْ عُمَرَ، قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَتَصَدَّقَ، وَوَافَقَ ذَالِكَ عِنْدِي مَالاً، فَقُلْتُ: اَلْيَوْمَ أَسْبِقُ أَبَابَكْرٍ إِنْ سَبَقْتُهُ يَوْمًا، قَالَ فَجِئْتُ بِنِصْفِ مَالِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟ فَقُلْتُ: مِثْلَهُ وَأَتَى أَبُوبَكْرٍ بِكُلِّ مَاعِنْدَهُ: فَقَالَ يَا أَبَابَكْرٍ مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟" فَقَالَ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، قُلْتُ لَا أَسْبِقُهُ إِلَى شَيْءٍ أَبَدًا. (رواه الترمذى و ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو صدقہ کرنے (یعنی راہ خدا میں مال پیش کرنے) کا حکم فرمایا اور یہ حکم ایسے وقت فرمایا جب کہ (حسن اتفاق سے) میرے پاس مال بڑی مقدار میں تھا تو میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ اگر میں کبھی ابو بکر سے آگے نکل سکتا ہوں تو آج آگے نکل جاؤں گا (حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ) میں گھر آیا اور گھر میں جو کچھ مال تھا میں نے اس میں سے پورا آدھا لاکر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے۔ میں نے عرض کیا (جتنا یہ لے کر آیا ہوں اتنا ہی گھر والوں کے لئے باقی چھوڑا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اور ابو بکرؓ وہ سب کچھ لے آئے جو ان کے پاس تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابو بکر اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا۔ انہوں نے عرض کیا کہ گھر والوں کے لئے میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو باقی چھوڑا ہے (حضرت عمرؓ کہتے ہیں) کہ میں نے (اپنے دل سے) کہا کہ میں کبھی بھی کسی چیز میں ابو بکرؓ سے آگے نہیں بڑھ سکتا...... (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ جو اپنی کل دولت کا نصف لائے تھے، وہ مقدار میں حضرت ابو بکر کے لائے ہوئے سے زیادہ ہو مگر حضرت ابو بکرؓ کا یہ عمل اور حال کہ انہوں نے گھر والوں کے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا بس اللہ ورسول پر ایمان اور ان کی رضاجوئی کو سب کچھ سمجھ کر اس پر قناعت کر لی بلاشبہ یہ مقام بہت بلند ہے۔

۱۴۴) عَنْ عُمَرَ، ذُكِرَعِنْدَه' اَبُوْبَكْرٍ فَبَكىٰ وَقَالَ : وَدِدْتُّ اِنَّ عَمَلِىْ كُلَّه'مِثْلَ عَمَلِهٖ يَوْمًا وَاحِدًا مِنْ اَيَّامِهٖ، وَلَيْلَةً وَاحِدَةً مِنْ لَيَالِيْهِ' اَمَّا لَيْلَتُه' فَلَيْلَةٌ سَارَمَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى الْغَارِ، فَلَمَّا اَنْتَهَيَا اِلَيْهِ قَالَ : وَاللّٰهِ لَاتَدْخُلُهُ حَتّٰى أَدْخُلَ قَبْلَكَ، فَاِنْ كَانَ فِيْهِ شَىْءٌ اَصَابَنِىْ دُوْنَكَ، فَدَخَلَ فَكَسَحَه' وَوَجَدَ فِىْ جَانِبِهٖ ثُقَبًا، فَشَقَّ اِزَارَه' وَسَدَّهَا بِهٖ، وَبَقِىَ مِنْهَا اِثْنَانِ فَاَلْقَمَهُمَا رِجْلَيْهِ' ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ : اُدْخُلْ، فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَوَضَعَ رَاسَه' فِىْ حِجْرِهٖ وَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْبَكْرٍ فِىْ رِجْلِهٖ مِنَ الْجُحْرِ، وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُه' عَلىٰ وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : مَالَكَ يَااَبَابَكْرٍ؟ قَالَ لُدِغْتُ، فَدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ، فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَذَهَبَ مَايَجِدُه'، ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ، وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ، وَاَمَّا يَوْمُه'، فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِرْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَقَالُوْا: لَا نُؤَدِّىْ زَكَاةً فَقَالَ : لَوْمَنَعُوْنِىْ عِقَالاً لَجَاهَدْتُّهُمْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ : يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَاَلِّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِهِمْ فَقَالَ لِىْ : اَجَبَّارٌ فِى الْجَاهِلِيَّةِ وَخَوَّارٌ فِى الْاِسْلَامِ؟ اِنَّه' قَدْ اِنْقَطَعَ الْوَحْىُ وَتَمَّ الدِّيْنُ اَيَنْقُصُ وَاَنَا حَىٌّ. (رواہ رزین)

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کیا گیا تو رونے لگے اور کہا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے تمام عمر کے عمل ان کے ایام زندگی کے ایک دن کے عمل کے

برابراوران کی زندگی کی راتوں میں سے ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائیں (یعنی مجھ کو میری زندگی بھر کے اعمال کا اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرمادیں جو ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کا عطا ہوگا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "ابو بکرؓ کی رات سے میری مراد وہ خاص رات ہے جب وہ حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں (اپنے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق روپوشی کے ارادہ سے) غار (یعنی غار ثور) کی طرف چلے تو جب غار کے پاس پہنچے (اور حضرت ﷺ نے غار کے اندر جانا چاہا) تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ خدا کی قسم آپ ابھی غار میں داخل نہ ہوں، پہلے میں غار کے اندر جاؤں گا، تو اگر وہاں کوئی موذی چیز ہوگی (مثلاً درندہ یا سانپ بچھو جیسا زہریلا جانور) تو جو گزرے گی مجھ پر گزرے گی آپ محفوظ رہیں گے، پھر ابو بکرؓ غار کے اندر چلے گئے اس کی صفائی کی۔ اس غار میں ایک طرف چند سوراخ نظر آئے تو اپنے تہبند میں سے پھاڑ کر اس کے ٹکڑوں اور چیتھڑوں سے ان سوراخوں کو بند کیا۔ لیکن دو (۲) سوراخ باقی رہ گئے (تہبند میں سے جو کچھ پھاڑا تھا اس میں سے اتنا باقی نہیں رہا کہ ان دو سوراخوں کو بھی بند کیا جا سکتا) تو ابو بکرؓ نے ان دو سوراخوں میں اپنے دونوں پاؤں اڑا دیئے، اس کے بعد حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیں! تو حضور ﷺ غار کے اندر تشریف لے گئے (رات کا بڑا حصہ گزر چکا تھا حضور ﷺ پر نیند کا غلبہ تھا) آپ ﷺ ابو بکرؓ کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے (اسی حالت میں) ابو بکرؓ کے پاؤں میں سانپ نے کاٹ لیا (اگر چہ اس کے اثر سے حضرت ابو بکرؓ کو سخت تکلیف ہونے لگی) لیکن اس اندیشہ سے کہ حضور ﷺ کی آنکھ نہ کھل جائے آپ بیدار نہ ہو جائیں اسی طرح بیٹھے رہے حرکت بھی نہیں کی، یہاں تک کہ تکلیف کی شدت سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر گرے (تو حضور ﷺ کی آنکھ کھل گئی آپ ﷺ نے ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھے تو) دریافت فرمایا کہ ابو بکرؓ تم کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا، آپ ﷺ نے (اس جگہ پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا) اپنا آب دہن ڈال دیا تو ابو بکرؓ کو جو تکلیف ہو رہی تھی وہ اسی وقت چلی گئی (آگے حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں) پھر (ابو بکرؓ کی وفات سے کچھ پہلے) اس زہر کا اثر لوٹ آیا اور وہی ان کی وفات کا سبب بنا (اس طرح ان کو شہادت فی سبیل اللہ کی سعادت و فضیلت بھی نصیب ہو گئی) اور یہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ خیبر میں کھائے ہوئے زہر کا اثر قریباً چار سال کے بعد حضور ﷺ کی وفات کے قریب لوٹ آیا تھا اور وہی آپ ﷺ کی وفات کا سبب بنا تھا...... تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے سفر ہجرت کی اس رات کے اس عمل کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس دن کا اور اس دن کے حضرت ابو بکرؓ کے اس عمل کا ذکر فرمایا جس کے بارے میں انہوں نے کہا تھا کہ میں دل سے چاہتا ہوں کہ میرے ساری عمر کے اعمال ان کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں، اس سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دن سے مراد ابو بکرؓ کی زندگی کا وہ دن ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات فرما گئے اور عرب (کے بعض علاقوں کے لوگ) مرتد ہو گئے اور انہوں نے فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو ابو بکرؓ نے کہا کہ اگر وہ لوگ اونٹ کا پاؤں باندھنے کی

رسی [1] دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ (حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ) میں نے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ (اس وقت ان لوگوں کے ساتھ تالیف اور نرمی کا معاملہ کیجئے! تو انہوں نے (غصہ کے ساتھ) مجھے فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں تو بڑے زور آور اور غصہ ور تھے کیا اسلام کے دور میں بزدل اور ڈرپوک ہوگئے ہو (یہ کیسا انقلاب ہے) وحی کا سلسلہ (حضور ﷺ کی وفات کے بعد) ختم ہو گیا، دین مکمل ہو چکا۔ کیا دین کو ناقص کیا جائے اس میں کمی کی جائے گی اس حال میں کہ میں زندہ ہوں۔ (یہ نہیں ہو سکتا) (رزین)

تشریح ... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے جس قدر تشریح و توضیح کی ضرورت تھی وہ ترجمہ کے ضمن میں کردی گئی ہے، البتہ حضرت عمرؓ نے اپنے اس بیان میں مرتدین کے خلاف جہاد سے متعلق حضرت ابو بکرؓ کے جس پُر عزیمت فیصلہ اور اقدام کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں انکار جو خاتمہ کلام نقل فرمایا ہے (اینقص الدین وانا حی) اس کی تشریح اور وضاحت کے سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے عام اسباب کے لحاظ سے بڑی خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی تھی حضور ﷺ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے جو شکستہ دلی عام صحابہ میں پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے ...... علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے مرض وفات ہی میں حضرت اسامہ کی ..... قیادت میں ایک بڑی مہم پر ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا تھا۔

حضور ﷺ کی وفات کے بعد صدیق اکبرؓ نے فیصلہ فرمایا کہ آنحضرت کے حکم کے مطابق یہ لشکر بلا تاخیر روانہ ہو جائے، چنانچہ وہ روانہ ہو گیا اس طرح اس وقت کی فوجی طاقت کا ایک بڑا حصہ اس محاذ پر چلا گیا اس کے علاوہ حجاز مقدس کے قریب علاقے یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے حضور ﷺ کے آخری دور حیات ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کچھ قبیلے اس کے ساتھ ہو گئے تھے، اس طرح ایک حکومت سی قائم ہو گئی تھی۔

صدیق اکبرؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد فوراً فیصلہ فرمایا کہ اس فتنہ کو بھی جلد سے جلد ختم کیا جائے، چنانچہ خالد بن الولید کی قیادت میں اس کے لئے بھی ایک لشکر کی روانگی کا حکم دیا۔ انہی حالات میں حجاز ہی کے بعض علاقوں کے لوگوں نے (جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے) زکوٰۃ کی ادائیگی سے اجتماعی طور پر انکار کر دیا، صدیق اکبرؓ نے اس کو ارتداد قرار دیا اور اس کے خلاف بھی جہاد اور لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس وقت کی ساری فوجی طاقت ان محاذوں پر چلی جاتی اور مرکز اسلام مدینہ منورہ کا حال یہ ہو جاتا کہ

---

[1] حدیث میں عقال کا لفظ ہے اس کے عام مشہور معنی اس رسی کے ہیں جس سے اونٹ کے پاؤں اس طرح باندھ دیئے جاتے ہیں کہ اس کے بھاگ جانے کا خطرہ بالکل نہیں رہتا۔ اس لفظ عقال کے دوسرے معنی اونٹ یا بکری کے بچہ کے بھی ہیں، اگر یہ معنی لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے یہ لوگ اگر اونٹ یا بکری کا بچہ دینے سے بھی انکار کریں گے جس کا ادا کرنا ان پر واجب تھا تو میں ان سے جہاد کروں گا۔ زکوٰۃ دین کا رکن ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔ اگر کسی قوم یا علاقہ کے لوگ اجتماعی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کریں تو وہ مرتد اور واجب القتال ہیں۔

اگر کوئی دشمن حملہ کر دے یا آس پاس کے منافقین کوئی فتنہ برپا کر دیں تو اس کی مدافعت اور اس پر قابو پانے کے لئے فوجی طاقت موجود نہ ہو۔

اس لئے حضرت عمرؓ اور روایات میں ہے کہ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کی بھی رائے تھی کہ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر اس وقت زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں کے خلاف جہاد اور لشکر کشی نہ کی جائے، مصلحت اندیشی اور حکمت عملی کے طور پر ان کے معاملہ میں تالیف اور نرمی کا رویہ اختیار کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکرؓ کے دل میں یقین پیدا فرما دیا تھا کہ اس فتنۂ ارتداد کا استیصال فوراً ضروری ہے، کسی مصلحت اندیشی کے تحت اس کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے، زکوٰۃ دین کا اہم رکن ہے نماز ہی کی طرح گویا جزوِ ایمان ہے، اس کی ادائیگی سے انکار کو برداشت کرنے کا مطلب دین کی قطع و برید برداشت کرنا ہوگا آپ نے فرمایا دین مکمل ہو چکا ہے، وحی کا سلسلہ ختم اور منقطع ہو چکا ہے، رسول اللہ ﷺ نے دین کو جس شکل و صورت میں چھوڑا ہے، اپنی جان دے کر بھی اس کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔

اس سلسلۂ کلام کے آخر میں آپ نے فرمایا "أَيَنْقُصُ الدِّيْنُ وَاَنَا حَيٌّ" صدیق اکبرؓ کے ان دو لفظوں سے دین کے ساتھ ان کے جس خاص الخاص عاشقانہ تعلق اور اس کی راہ میں قربانی اور فدائیت کے جس جذبہ کا اظہار ہوتا ہے، راقم سطور اپنی اردو زبان میں اس کے ادا کرنے سے عاجز ہے۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ خاص طور سے قابل غور اور ہمارے لئے سبق آموز ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت ابو بکرؓ کے اس فیصلہ اور اقدام کے خلاف تھی بعد میں وہی فیصلہ ان کی نظر میں اتنا عظیم ہو گیا کہ اپنے زندگی بھر کے اعمال کو وہ حضرت ابو بکرؓ کے اسی ایک عمل سے کمتر سمجھنے لگے، اور اس کا برملا اعتراف فرمایا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہما و ارضاھما

فضائل فاروق اعظمؓ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے، ان میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات بھی تھے اور بعض جلیل القدر صحابۂ کرام کے بیانات بھی اب آپ کے خلیفہ دوم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، سے متعلق چند احادیث درج کی جارہی ہیں، ان میں بھی حضور ﷺ کے ارشادات کے علاوہ جلیل القدر صحابۂ کرام کے بیانات بھی ہوں گے۔

۱۴۵) عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ، فَاِنْ یَّكُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ. (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، تو اگر میری امت میں سے کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر ہیں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

تشریح ...... "محدث" اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو اور وہ نبی نہ ہو کسی نبی کا امتی ہو۔

حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے) تو وہ عمرؓ ہیں...... حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ حضور ﷺ کو اس بارے میں کوئی شک شبہ تھا، آپ کی امت جب خیر الامم اور اگلی تمام امتوں سے افضل ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے جو کثرت الہامات کی نعمت سے نوازے جائیں گے، حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مقصد و مدعا اس بارے میں حضرت عمرؓ، کی خصوصیت اور امتیاز سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تخصص و امتیاز حاصل تھا، جیسا کہ آگے درج ہونے والی احادیث سے معلوم ہو گا۔

۱۴۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِهٖ.

(رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان اور اس کے قلب میں حق رکھ دیا ہے...... (جامع ترمذی)

۱۴۷) **عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يقول "اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ يَقُوْلُ بِهٖ".** (رواه ابو داؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے، وہ حق ہی کہتا ہے۔ (سنن ابو داؤد)

تشریح ..... پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے اور دوسری حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے، دونوں کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے اور حق ہی بولتے ہیں ..... اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان سے اجتہادی غلطی بھی نہیں ہوتی ..... اجتہادی غلطی تو حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی ہو جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مطلع کر کے اصلاح کرادی جاتی ہے، حضرت عمرؓ سے بھی کبھی کبھی اجتہادی غلطی ہو جاتی تھی، لیکن حق واضح ہو جانے پر رجوع فرما لیتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بارے میں اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ سے جہاد و قتال کے خلاف ان کی جو رائے تھی وہ ان کی اجتہادی غلطی ہی تھی، بعد میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے سے اتفاق فرمالیا، بہر حال اجتہادی غلطی کے اس طرح کے چند استثنائی واقعات کے علاوہ (جن میں حق واضح ہو جانے پر انہوں نے رجوع فرمالیا) انہوں نے جو سوچا سمجھا اور جو احکام جاری کئے وہ سب حق ہی تھے۔

بلاشبہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام تھا..... آئندہ درج ہونے والی بعض حدیثوں سے انشاء اللہ حضرت فاروق اعظمؓ کی اس خصوصیت اور فضیلت پر مزید روشنی پڑے گی۔

۱۴۸) **عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لَوْكَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ"۔** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک صحبت میں) ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ..... مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ مجھ پر ختم فرمایا اور قیامت تک کے لئے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا (جس کا اعلان قرآن پاک میں بھی فرمادیا گیا ہے) اگر بالفرض اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نہ فرمادیا گیا ہوتا اور میرے بعد بھی نبوت کا سلسلہ جاری رہتا تو عمر بن الخطاب اپنی روحانی خصوصیات کی وجہ سے بالخصوص اس لائق تھے کہ ان کو نبی بنایا جاتا۔ اس حدیث میں بھی ان کے اس خصوصی کمال و امتیاز کی طرف اشارہ ہے، جس کا ذکر مندرجہ بالا حدیثوں میں کیا گیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلب پر حق کا القاء اور الہامات کی کثرت۔

۱۴۹) **عَنْ عَلِیٍّ قَالَ : مَاكُنَّا نَبْعُدُ اَنَّ السَّكِيْنَةَ تَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ .** (رواه البيهقى فى دلائل النبوة)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ عمرؓ کی زبان پر سکینہ بولتا ہے...... (دلائل النبوۃ للبیہقی)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰؓ کی اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب خطاب فرماتے یا بات کرتے تو دلوں میں ایک خاص قسم کا سکون واطمینان پیدا ہوتا تھا، ہم اس بات کو بعید نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی زبان و بیان میں یہ خاص تاثیر اللہ تعالیٰ نے رکھ دی ہے۔ یہ مطلب لیا جائے تو حضرت علیؓ کے اس کلام میں "السکینة" سے مراد یہی خداداد تاثیر ہے...... شارحین نے لکھا ہے کہ "السکینہ" سے مراد خاص فرشتہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم یہ بات بعید نہیں سمجھتے تھے کہ حضرت عمرؓ خطاب اور بات فرماتے ہیں تو ان کی زبان سے اللہ کا ایک خاص فرشتہ کلام کرتا ہے جس کا نام یا لقب "السکینہ" ہے۔

۱۵۰) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ، قَالَ عُمَرُ وَافَقْتُ رَبِّیْ فِیْ ثَلٰثٍ : فِیْ مُقَامِ اِبْرَاهِیْمَ، وَفِی الْحِجَابِ وَفِیْ اُسَارٰی بَدْرٍ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تین باتوں میں اپنے خداوند تعالیٰ سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو خداوند تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) مقام ابراہیم کے بارے میں اور پردے کے مسئلہ میں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں......
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ حدیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے، کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگیا اس حدیث میں ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا گیا ہے...... ایک مقام ابراہیم سے متعلق حکم کا، دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حکم کا...... جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ "مقام ابراہیم" سفید رنگ کا ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کی تھی (اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاؤں کے نشانات معجزانہ طور پر پڑ گئے تھے جو اب تک باقی ہیں) وہ اسی زمانہ سے محفوظ چلا آرہا ہے، رسول اللہ ﷺ کے زمانے تک خانۂ کعبہ کی قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا (بعد میں اس کو عمارت میں محفوظ کر دیا گیا۔[1])

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے رسول اللہ ﷺ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جاتا، تو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آگیا

[1] اب وہ جس شکل میں محفوظ ہے وہ مرحوم مغفور شاہ فیصل بن عبد العزیز بن سعود کے دور حکومت کی یادگار ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" (اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیا کرو) آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں، فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے، اگر سہولت سے مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاسکیں تو وہیں پڑھی جائیں، ورنہ مسجد حرام میں کہیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے سے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لئے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرامؓ کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کیلئے حجاب کا خصوصی حکم آجائے چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہو گئی "وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" (سورۂ احزاب آیت۔ ۵۴)

تیسری بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے، ان کے متعلق میری رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے، جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا لیکن ابو بکر صدیقؓ اور رسول اللہ ﷺ پر رحم دلی کا غلبہ تھا ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کی ہوئی اور اسی پر عمل کیا گیا...... بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں جو میری رائے کے مطابق تھیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان تینوں مسئلوں میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی تھی، لیکن حضرت عمرؓ نے ازراہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکم خداوندی کی موافقت کی تین مسئلوں میں۔ بلاشبہ یہ حسن ادب رسول اللہ ﷺ ہی کی تعلیم و تربیت اور فیض صحبت ہی کا نتیجہ تھا۔

۱۵۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِىْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰى فِى الْمَسْجِدِ ظَاهِرًا.

(رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی (رات میں) کہ اے میرے اللہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابو جہل ابن ہشام کے ذریعہ یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ پس صبح کو اٹھے عمرؓ اور آئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اور اسلام لے آئے اور مسجد حرام میں علانیہ نماز پڑھی۔ (مسند احمد و جامع ترمذی)

تشریح...... اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے، یہاں ہر بڑے کام اور ہر عظیم مقصد کے لئے اس کے مطابق تدبیر اور عملی جدوجہد اور خاص صلاحیت رکھنے والے جانباز کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے،

ابو جہل بن ہشام اور عمر بن الخطاب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے درجہ اول کے دشمن تھے، اسی کے ساتھ ان دونوں میں وہ صلاحیتیں تھیں جو کسی بڑے کام کے لئے درکار ہوتی ہیں، (راقم سطور کا خیال ہے کہ غالباً حضور ﷺ پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک کو ہدایت دی جا سکتی ہے) تو آپ ﷺ نے ایک رات کو یہ دعا فرمائی جس کا حدیث میں ذکر ہے۔

تقدیر الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہو گئی اور ان کو توفیق مل گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلا شبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے۔

مسند احمد اور جامع ترمذی کی مندرجہ بالا روایت میں حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بہت اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح کے بعض شارحین نے ابو عبداللہ حاکم کی "دلائل النبوۃ" کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت سے یہ واقعہ مفصل روایت کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابو جہل جو مشرکین مکہ کا سردار اور بڑا سرمایہ دار بھی تھا اس نے اعلان کیا کہ جو کوئی محمد ﷺ کو قتل کر دے میں اس کو سو اونٹنیاں اور ایک ہزار اوقیہ چاندی بطور انعام دینے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ عمرؓ نے ابو جہل سے کہا کہ تمہاری یہ بات پکی ہے؟ ابو جہل نے کہا بالکل پکی، فوراً ادا کروں گا۔ اس کے بعد عمر تلوار لے کر اس ناپاک ارادہ سے نکلے، راستہ میں ایک شخص نے ان کو اس حال میں دیکھا تو پوچھا کہ عمر کہاں اور کس ارادہ سے جا رہے ہو...... عمرؓ نے کہا محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جا رہا ہوں...... اس شخص نے کہا کیا تم ان کے کنبہ بنی ہاشم سے بے خوف ہو (وہ ان کی حمایت میں میدان میں آ جائیں گے اور پھر خونریز جنگ ہو گی)...... عمرؓ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ کے محمد کا دین قبول کر لیا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تم کو بتلاتا ہوں کہ تمہاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زید) نے بھی محمد ﷺ کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر عمرؓ سیدھے بہن کے گھر کی طرف گئے۔ وہ اس وقت سورۂ طٰہٰ تلاوت کر رہی تھیں، عمرؓ نے دروازہ پر کھڑے ہو کر سنا، پھر دروازہ کھلوایا اور کہا کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ ان کی بہن نے بتایا کہ ہم لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور اس میں قرآن کی آیتیں پڑھ رہی تھی؟ عمرؓ نے کہا مجھے بھی پڑھ کر سناؤ! چنانچہ ان کی بہن نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی...... جب یہ آیت تلاوت کی "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى" O تو عمر کے دل کی دنیا میں انقلاب آ گیا اور بول اٹھے کہ بیشک وہی اور صرف وہی الٰہ اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اور کلمہ شہادت پڑھا، پھر بہن ہی کے گھر میں رات گزاری اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی تڑپ دل میں پیدا ہو گئی۔ بار بار کہتے تھے "وَاشَوْقَاهُ اِلٰى مُحَمَّدٍ" اسی حال میں خباب بن الارت ان کے پاس آئے اور ان کو بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ آج رات یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ عمر بن خطاب یا ابو جہل بن ہشام کے ذریعہ اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما! اور میرا امید ہے کہ حضور ﷺ کی دعا تمہارے حق میں قبول ہو گئی۔ اس کے بعد صبح کو عمر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کیا۔ اور اسی وقت کہا کہ ہم لات اور عزیٰ کی پرستش کرتے تھے وادیوں کے نشیب میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خدا کی عبادت کریں ہم چھپ

چھپا کر؟...... یہ نہیں ہوگا..... خدا کی قسم ہم اللہ کی عبادت اعلانیہ خانہ کعبہ کے صحن میں کریں گے..... (اس وقت تک مسلمان علانیہ مسجد حرام میں نماز ادا نہیں کرتے تھے۔)

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ابو جعفر بن ابی شیبہؒ کی تاریخ کے حوالہ سے ابن عباسؓ ہی کی روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کرنے کے فوراً بعد طے کیا کہ ہم ابھی چل کر اعلانیہ مسجد حرام میں نماز پڑھیں گے اور ایسا ہی کیا گیا..... فتح الباری ہی میں ابن ابی شیبہ اور طبرانی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان نقل کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهِ مَااسْتَطَعْنَا اَنْ نُصَلِّيَ حَوْلَ الْبَيْتِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى اَسْلَمَ عُمَرُ

ترجمہ: خدا کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہماری طاقت نہ تھی کہ ہم بیت اللہ کے قریب میں علانیہ نماز پڑھ سکتے (عمر کے اسلام میں داخل ہونے کے بعد ہی ہمارے لئے یہ ممکن ہوا۔)

حافظ ابن حجرؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی قبول اسلام کی بہت سی روایات مختلف صحابۂ کرامؓ کی روایت سے حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت انسؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰؓ بھی ہیں۔ (فتح الباری باب مناقب عمر پارہ نمبر ۱۴ص ۳۷۳)

۱۵۲) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بَيْنَ اَنَانَائِمٌ، اُتِيْتُ بِقَدْحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ اَظْفَارِيْ ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اَلْعِلْمُ.** (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے بیان فرمایا کہ میں سو رہا تھا، اسی حال میں میرے پاس لایا گیا دودھ کا بھرا ہوا پیالہ تو میں نے خوب سیر ہو کر پیا یہاں تک کہ میں نے سیرابی کا اثر اپنے ناخنوں تک میں محسوس کیا، پھر میں نے وہ دودھ جو میرے پینے کے بعد بچ گیا تھا وہ عمر بن الخطاب کو دے دیا کہ وہ اس کو پی لیں، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپ نے فرمایا کہ علم۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح..... علمائے عارفین نے کہا ہے کہ علم حق کی صورت مثالیہ دوسرے عالم میں دودھ کی ہے، جو شخص خواب میں دیکھے کہ اس کو دودھ پلایا جا رہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو علم حق نافع عطا ہوگا۔ دودھ اور علم حق میں یہ مناسبت ظاہر ہے کہ دودھ جسم انسانی کے لئے بہترین نافع غذا ہے، اسی طرح علم حق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو روح کے لئے بہترین اور نافع ترین غذا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائے ہوئے علم حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا اور صدیق اکبرؓ، کے بعد جس طرح دس سال انہوں نے خلافت اور نبوت کی نیابت کا کام انجام دیا اور جس طرح امت کی رہنمائی فرمائی وہ اس کی دلیل اور شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان

کو علم حق سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفا میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے علمی کمالات پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ اہل علم کے لئے قابل دید ہے، اس کے مطالعہ سے اس بارے میں فاروق اعظم کے امتیاز اور انفرادیت کو پوری طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۵۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ "بَیْنَا اَنَانَائِمٌ، رَأَیْتُ النَّاسَ یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ، وَعَلَیْهِمْ قُمُصٌ، مِنْهَا مَایَبْلُغُ الثُّدْیَ، وَمِنْهَا مَادُوْنَ ذٰلِكَ، وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْهِ قَمِیْصٌ یُجُرُّهٗ" قَالُوْا : فَمَا اَوَّلْتَ ذَالِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ "اَلدِّیْنُ"

(رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ اس حالت میں کہ میں سویا ہوا تھا میں نے خواب میں دیکھا لوگوں کو وہ میرے سامنے لائے جاتے ہیں اور وہ سب کرتے پہنے ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ کے کرتے ایسے ہیں جو صرف سینے تک ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جن کے کرتے سینے کے کچھ نیچے تک ہیں، اور عمر بن خطابؓ بھی میرے سامنے لائے گئے ان کا کرتہ اتنا لمبا تھا کہ زمین تک پہنچتا تھا اور وہ اس کو زمین پر گھسیٹ کر چلتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے اس کی کیا تعبیر دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دین"...... (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

تشریح...... لباس اور دین میں یہ مناسبت اور مشابہت ظاہر ہے کہ لباس سردی اور دھوپ کی تپش وغیرہ اس عالم کی آفات و تکالیف سے جسم انسانی کی حفاظت کرتا ہے اور سامان زینت ہے۔ اور دین عالم آخرت میں سامان زینت ہوگا اور عذاب سے حفاظت کا ذریعہ و وسیلہ...... خواب میں جو لوگ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کئے گئے تھے وہ بہ ظاہر امت کے مختلف طبقات اور درجات کے لوگ تھے...... کچھ وہ تھے جن کے دین میں مختلف درجات کا نقص تھا اور ان میں حضرت عمرؓ بھی تھے جن کا دین بہت کامل تھا۔ وہ سراپا دین تھے ان کا دین ان کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۱۵۴) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ : لَمَّا طُعِنَ عُمَرُ جَعَلَ یَأْ لَمُ فَقَالَ لَهٗ اِبْنُ عَبَّاسٍ وَکَاَنَّهٗ یُجَزِّعُهٗ یَااَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَ! وَلَا کُلَّ ذٰلِكَ لَقَدْ صَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهٗ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ اَبَابَکْرٍ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهٗ، ثُمَّ فَارَقَكَ وَهُوَ عَنْكَ رَاضٍ، ثُمَّ صَحِبْتَ الْمُسْلِمِیْنَ فَاَحْسَنْتَ صُحْبَتَهُمْ وَلَئِنْ فَارَقْتَهُمْ لَتُفَارِقَنَّهُمْ وَهُمْ عَنْكَ رَاضُوْنَ، قَالَ: اَمَّا مَاذَکَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهٖ عَلَیَّ وَاَمَّا مَاذَکَرْتَ مِنْ صُحْبَةِ اَبِیْ بَکْرٍ وَرِضَاهُ فَاِنَّمَا ذٰلِكَ مَنٌّ مِنَ اللّٰهِ مَنَّ بِهٖ عَلَیَّ، وَاَمَّا مَاتَرٰی مِنْ جَزْعِیْ، فَهُوَ مِنْ اَجْلِكَ وَمِنْ اَجْلِ اَصْحَابِكَ وَاللّٰهِ لَوْ اَنَّ لِیْ طِلَاعَ الْاَرْضِ ذَهَبًا لَافْتَدَیْتُ بِهٖ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ قَبْلَ اَنْ اَرَاهُ.(رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جب زخمی کئے گئے حضرت عمرؓ (ان کو خنجر سے زخمی کیا ابو لؤلؤ مجوسی نے) تو تکلیف اور دکھ کا اظہار فرمانے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے اس طرح کہا کہ گویا وہ سمجھتے تھے کہ تکلیف کا یہ اظہار صبر و برداشت کی کمی کی وجہ سے ہے (اور تسلی دینے کے لئے کہا) کہ اے امیر المؤمنین درد و تکلیف کا یہ اظہار آپ کی طرف سے بالکل نہ ہونا چاہئے (آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کیجئے کہ اس نے آپ کو کیسی عظیم نعمتوں سے نوازا) آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی اور رفیق بن کر آپ کے ساتھ رہے اور آپ نے اس صحبت و رفاقت کا اچھا حق ادا کیا پھر حضور ﷺ اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے راضی اور خوش تھے۔

پھر آپ ﷺ کے خلیفہ ابو بکرؓ کے خصوصی ساتھی اور رفیق بنے تو ان کی صحبت و رفاقت کا بھی آپ نے اچھا حق ادا کیا، پھر وہ بھی اس حال میں آپ سے جدا ہوئے کہ وہ آپ سے پوری طرح راضی اور خوش تھے (یہاں تک کہ آپ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ بنایا) پھر (اپنے دور خلافت میں) سب مسلمانوں کے ساتھ آپ کا اچھا معاملہ رہا (آپ نے سب کے حقوق ادا کئے) اور اگر آپ ان کو چھوڑ کر جائیں گے تو اس حال میں ان سے جدا ہوں گے کہ وہ سب آپ سے راضی خوش ہوں گے (حضرت ابن عباس کا یہ مطلب تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا اور پھر حضرت ابو بکرؓ کا اور پھر سب مسلمانوں کا آپ سے راضی خوش رہنا اس بات کی دلیل اور علامت ہے کہ اللہ بھی آپ سے راضی ہے اس لئے آپ کی طرف سے تکلیف اور بے قراری کا جو اظہار ہو رہا ہے نہ ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو یاد کر کے مطمئن رہنا چاہئے۔)

حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات کے جواب میں فرمایا کہ (اے ابن عباس) تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میری صحبت و رفاقت کا اور حضور ﷺ کی رضا کا جو ذکر کیا تو یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا جو اس نے مجھ پر فرمایا اور اسی طرح ابو بکرؓ کے ساتھ صحبت و رفاقت اور ان کی رضا کا جو ذکر کیا وہ بھی خداوندی انعام و احسان تھا (یعنی یہ میرا ذاتی کمال نہیں تھا) اور میری طرف سے تکلیف اور پریشانی کا اظہار جو تم دیکھتے ہو وہ (زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ) تم لوگوں کی وجہ سے ہے (یعنی مجھے فکر اور ڈر ہے کہ تم لوگ میرے بعد فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

اور جہاں تک اخروی انجام کی فکر کا تعلق ہے تو (میرا حال یہ ہے کہ اگر میرے پاس اتنا سونا ہو کہ ساری زمین بھر جائے تو میں وہ سب عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے بطور فدیہ دے دوں قبل اس کے کہ اللہ کا عذاب دیکھوں...... (صحیح بخاری)

تشریح ...... حضرت فاروق اعظمؓ نے عبداللہ ابن عباسؓ کو جواب دیتے ہوئے آخر میں جو یہ فرمایا کہ تم جو مجھے بے چینی اور بے قراری کی حالت میں دیکھ رہے ہو یہ زخم کی تکلیف کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اس فکر اور اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ میرے بعد تم لوگ فتنوں میں مبتلا نہ ہو جاؤ...... اس کی بنیاد یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ عمر فتنوں کے لئے بند دروازہ ہیں۔ جب تک وہ ہیں امت فتنوں سے محفوظ

رہے گی، جب وہ نہ رہیں گے، تو فتنوں کے لئے دروازہ کھل جائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ان کی شہادت کے بعد سے شیاطین الجن والانس کی طرف سے فتنوں کی تخم ریزی شروع ہوئی اور حضرت عثمانؓ کے آخری دور خلافت میں فتنہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اپنے کو مسلمان کہنے والوں ہی کے ہاتھوں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اس کے بعد خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں ہزار ہا صحابہ و تابعین شہید ہوئے۔ یہی وہ فتنے تھے جن کی فکر اور اندیشہ سے اپنے زخم کی تکلیف کو بھلا کر فاروق اعظم بے چین اور مضطرب تھے اور آخر میں جو فرمایا "واللّٰہ لو ان لی طلاع الارض ذھباً الخ" (خدا کی قسم اگر میرے پاس زمین بھر سونا ہو تو میں اللہ کا عذاب دیکھنے سے پہلے ہی اس سے بچنے کے لئے وہ سارا سونا فدیہ میں دے دوں) اس کا مقصد حضرت ابن عباسؓ کو یہ بتلانا ہے کہ میں جو اضطراب اور بے چینی محسوس کر رہا ہوں اس کا ایک دوسرا سبب جو زیادہ اہم ہے وہ عذاب الٰہی کا خوف بھی ہے ...... راقم سطور عرض کرتا ہے، فاروق اعظم کا یہ خوف ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے، جس کا ایمان اور عرفان جس قدر کامل ہوگا اس پر اسی قدر خوف خدا کا غلبہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے انا اعلمکم باللّٰہ واخشا کم مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم اور معرفت تم سب سے زیادہ، اور اس کا خوف ڈر بھی مجھے تم سب سے زیادہ ہے۔ قرآن مجید میں بار بار یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی خاص رحمت اور جنت کے مستحق وہ بندے ہیں جو اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں سورۂ "بیّنۃ" میں مؤمنین صالحین کا یہ انجام بیان فرما کر کہ وہ "خیر البریۃ" (اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر) ہیں، وہ آخرت میں ان غیر فانی جنتی باغات میں رہیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان کو رضائے خداوندی کی نعمت حاصل ہوگی؟ اور وہ اپنے اس خداوند سے راضی ہوں گے، آخر میں فرمایا گیا ہے "ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّه" (یہ سب ان مؤمنین صالحین کے لئے ہے جو خداوند تعالیٰ سے (یعنی اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے) ڈرتے رہے ہیں)...... الغرض حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ ارشاد ان کے کمال ایمان اور کمال معرفت کی دلیل ہے۔ قربیاں را بیش بود حیرانی۔

شہادت

اس حدیث میں حضرت فاروق اعظمؓ کے جس زخمی کئے جانے کا ذکر ہے وہ وہی ہے، جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی...... مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختصار کے ساتھ انتہائی المناک واقعہ کا ذکر کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کے دور خلافت میں ہی ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں...... ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بد بخت ابولؤلؤ نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ کے حوالے کیا گیا تھا اس نے فاروق اعظم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ایک خنجر تیار کیا اور

اس کو بار بار زہر میں بجھایا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروق اعظمؓ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ذی الحجہ کی ستائیسویں تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لئے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے جلدی سے آپ کی جگہ آ کر مختصر نماز پڑھائی، ابولؤلؤ نے بھاگ کر مسجد سے نکل جانا چاہا نمازیوں کی صفیں دیواروں کی طرح حائل تھیں، پھر اس نے اور نمازیوں کو زخمی کر کے نکل جانا چاہا اس سلسلہ میں اس نے تیرہ صحابۂ کرام کو زخمی کیا جن میں سے سات شہید ہو گئے اتنے میں نماز ختم ہو گئی اور ابولؤلؤ کو پکڑ لیا گیا، تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی نماز ختم ہو جانے کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کو اٹھا کر گھر لایا گیا، تھوڑی دیر میں آپ کو ہوش آیا تو اسی حالت میں آپ نے نماز ادا کی...... سب سے پہلے آپ نے پوچھا کہ میرا قاتل کون ہے بتلایا گیا کہ ابولؤلؤ مجوسی آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک کافر کے ہاتھ سے شہادت عطا فرمائی۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبولیت اس طرح مقدر فرمائی۔ آپ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرما اور میری موت تیرے رسول پاک ﷺ کے شہر مدینہ میں ہو۔ ایک دفعہ آپ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے آپ کی زبان سے یہ دعا سن کر عرض کیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ فی سبیل اللہ شہید ہوں اور آپ کی وفات مدینہ ہی میں ہو (ان کا خیال تھا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی صورت تو یہی ہے کہ اللہ کا بندہ میدان جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو) آپ نے فرمایا کہ اللہ قادر ہے اگر چاہے گا تو یہ دونوں نعمتیں مجھے نصیب فرمادے گا بہرحال آپ کو اپنی شہادت کا یقین ہو گیا، آپ نے حضرت صہیبؓ کو اپنی جگہ امام نماز مقرر کیا اور اکابر صحابہ میں سے چھ حضرات کو (جو سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے) نامزد کیا کہ وہ میرے بعد تین دن کے اندر مشورہ سے اپنے ہی میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لیں۔

پھر آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس جاؤ اور میری طرف سے سلام کے بعد عرض کرو کہ میری دلی خواہش یہ ہے کہ میں اپنے دونوں بزرگ ساتھیوں (یعنی آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبرؓ) کے ساتھ دفن کیا جاؤں، اگر آپ اس کے لئے دل سے راضی نہ ہوں تو پھر جنۃ البقیع میرے لئے بہتر ہے...... انہوں نے ام المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ پیام پہنچایا انہوں نے فرمایا کہ وہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن اب میں اپنے اوپر ان کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کو یہ خبر پہنچائی تو فرمایا کہ میری سب سے بڑی تمنا یہی تھی اللہ کا شکر ہے کہ اس نے یہ بھی پوری فرمادی۔

۲۷ ذی الحجہ بروز چہار شنبہ آپ زخمی کئے گئے تھے یکم محرم بروز یکشنبہ وفات پائی جب آپ کا جنازہ نماز کے لئے رکھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے آپ کے بارے میں وہ فرمایا جو ناظرین کرام آگے فضائل شیخین میں درج ہونے والی حدیث میں پڑھیں گے۔ نماز جنازہ حضرت صہیبؓ نے پڑھائی اور روضۂ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پہلو میں آپ دفن کئے گئے۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

فضائل شیخین

گزشتہ صفحات میں پہلے حضرت صدیق اکبرؓ کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں نذر ناظرین کی گئی تھیں، اس کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے فضائل و مناقب سے متعلق...... اب آنحضرت ﷺ کے چند وہ ارشادات پیش کئے جارہے ہیں، جن میں آپ ﷺ نے اپنے ان دونوں خاص رفیقوں کا ایک ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے، جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی نظر مبارک میں ان دونوں کا خاص الخاص مقام تھا اور بہت سے موقعوں پر آپ نے ان دونوں کا اپنے ساتھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ گویا یہ دونوں آپ ﷺ کے شریک حال اور خاص رفیق کار ہیں...... اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایک بیان نذر ناظرین کیا جارہا ہے:۔

۱۵۵) عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ وُضِعَ عُمَرُ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَتَكَنَّفَهُ النَّاسُ يَدْعُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ قَبْلَ اَنْ يُرْفَعَ وَاَنَا فِيْهِمْ فَلَمْ يَرُعْنِىْ اِلَّا رَجُلٌ اٰخِذٌ مَنْكِبِىْ فَاِذَا عَلِىٌّ فَتَرَحَّمَ عَلٰى عُمَرَ وَقَالَ مَاخَلَّفْتَ اَحَدًا اَحَبَّ اِلَىَّ اَنْ اَلْقَى اللّٰهَ بِمِثْلِ عَمَلِهٖ مِنْكَ وَاَيْمُ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ اَنْ يَجْعَلَكَ اللّٰهُ مَعَ صَاحِبَيْكَ وَحَسِبْتُ اَنِّىْ كُنْتُ كَثِيْرًا اَسْمَعُ النَّبِىَّ ﷺ يَقُوْلُ ذَهَبْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَدَخَلْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَخَرَجْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ.

(رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ ابن عباسؓ سے سنا وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عمرؓ کو (وفات کے بعد) جب (غسل دینے کے لئے) تخت پر رکھا گیا تو لوگ ان کے ارد گرد کھڑے تھے اور ان کے لئے دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی استدعا کر رہے تھے، قبل اس کے کہ ان کو تخت سے اٹھایا جائے اور میں بھی ان لوگوں میں کھڑا تھا، تو اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی آدمی میرا کندھا پکڑے کھڑا ہے (میں نے دیکھا) کہ وہ حضرت علی ابن ابی طالبؓ ہیں، وہ حضرت عمرؓ کے لئے رحمت کی دعائیں کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم نے اپنے بعد کوئی ایسا شخص نہیں چھوڑا کہ مجھے اس کی خواہش ہو کہ میں اس شخص کے سے عمل لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوں، اور خدا کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ تم کو اللہ تعالیٰ تمہارے دونوں (پیش رو) ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ وابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کردے گا، میں (یہ اس لئے) سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے بہت موقعوں پر سنتا تھا آپ ﷺ فرماتے تھے (فلاں کام کے لئے) میں گیا اور ابو بکر و عمر بھی گئے اور (مسجد میں یا فلاں مکان میں) میں داخل ہوا اور میرے ساتھ ابو بکر و عمر بھی داخل ہوئے اور میں نکلا اور ابو بکرؓ و عمرؓ بھی نکلے...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کا یہ بیان کسی وضاحت اور تشریح کا محتاج نہیں ہے، اس میں

انہوں نے یہ جو فرمایا کہ "اللہ کی قسم! میں یہی گمان کرتا تھا کہ وہ تم کو تمہارے دونوں ساتھیوں (رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ) کے ساتھ کر دے گا"...... اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے یہی امید تھی کہ تم انہیں کے ساتھ دفن کئے جاؤ گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت میں جنت میں تم ان کے ساتھ کر دیئے جاؤ گے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں ہی مراد ہوں ...... اور اس عاجز کے نزدیک یہی راجح ہے ...... حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے اس بیان میں اس واقعی حقیقت کا واضح طور پر اظہار فرمادیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا اپنے ان دونوں صاحبوں رفیقوں کے ساتھ خاص الخاص تعلق تھا جو صرف انہی کا حصہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے اپنے اس کلام کے شروع میں یہ جو فرمایا مَاخلفت احدًا الخ (یعنی تم نے اپنے بعد اللہ کا کوئی ایسا بندہ نہیں چھوڑا جس کے اعمال کے مثل اعمال لے کر اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی مجھے تمنا اور خواہش ہو) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی تمنا اور خواہش تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں حضرت عمرؓ کے جیسے اعمال لے کر حاضر ہوں اور حضرت عمرؓ کے بعد کوئی آدمی ایسا نہیں رہا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

وقد اخرج ابن ابی شیبة ومسدد من طریق جعفر بن محمد عن ابیه عن علی نحو هذا الکلام وسنده، صحیح وهو شاهد جید لحدیث ابن عباس لکون مخرجه من ال علی رضی الله عنهم. (فتح البخاری جزء ۱۴ صفحه ۳۷۴ طبع انصاری دهلی)

ترجمہ: اور ابن ابی شیبہ اور مسدد نے جعفر صادق کے طریقے سے روایت کیا ہے انہوں نے اپنے والد محمد (باقر) سے خود حضرت علیؓ سے اس قسم کا کلام روایت کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ روایت ابن عباس کی اس حدیث کے لئے بہت اچھا شاہد ہے کیونکہ یہ خود حضرت علیؓ کی اولاد کی روایت ہے۔

۱۵۶) **عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ یَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْاَعْیٰ فَرَکِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا، اِنَّمَا خُلِقْنَا لِحَرَاثَةِ الْاَرْضِ، فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَتَکَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِنِّیْ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ ...... وَقَالَ بَیْنَمَا رَجُلٌ فِیْ غَنَمٍ لَهٗ اِذْعَدَاالذِّئْبُ عَلٰی شَاةٍ مِنْهَا فَاَخَذَهَا، فَاَدْرَکَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا، فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا یَوْمَ السَّبُعِ یَوْمَ لَارَاعِیَ لَهَا غَیْرِیْ؟ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ یَتَکَلَّمُ فَقَالَ اُوْمِنُ بِهٖ اَنَا وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ وَمَاهُمَا ثَمَّ.** (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مجلس میں) رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ ایک آدمی ایک بیل کو ہانکے لئے جا رہا تھا وہ (چلتے چلتے) تھک گیا، تو وہ بیل پر سوار ہو گیا، بیل نے کہا کہ ہم اس لئے پیدا نہیں کئے گئے تھے ہم تو زمین کی کاشت کے کام (جتائی وغیرہ) کے لئے پیدا کئے گئے تھے تو (حاضرین مجلس میں سے بعض) آدمیوں نے کہا، سبحان اللہ بیل بھی بات کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ میرا ایمان ہے، اس پر کہ (ایسا ہی ہوا) اور ابو بکر و عمر کا بھی ایمان ہے (راوی کا بیان ہے کہ) اس مجلس میں (اس وقت) وہ دونوں موجود نہیں تھے۔ اور حضور ﷺ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ایک آدمی اپنی بکریوں کے ریوڑ میں تھا ایک بھیڑیئے نے ریوڑ کی ایک بکری پر حملہ کر کے اس کو اٹھالیا، بکریوں والے نے اس کو جا پکڑا اور بھیڑیئے سے بکری کو چھڑا لیا تو بھیڑیئے نے اس سے کہا کہ ان بکریوں کے لئے کون (محافظ اور رکھوالا) ہوگا "یوم السبع" میں، وہ دن وہ ہوگا جس دن میرے سوا ان بکریوں کے اور کوئی چرواہا اور محافظ نہ ہوگا تو (حاضرین میں سے بعض) لوگوں نے کہا سبحان اللہ! بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ بات حق ہے اور ابو بکر و عمر کا بھی ایمان ہے، اور وہ دونوں (اس وقت) وہاں موجود نہ تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر جو کچھ بیان فرمائیں اس پر یقین کیا جائے اور اس کو بغیر شک و شبہ کے حق مانا جائے اگرچہ دنیا کے عام حالات کے لحاظ سے وہ بات ناقابل فہم ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے بیل اور بھیڑیئے کے کلام کرنے کی جو بات بیان فرمائی وہ اسی طرح کی بات تھی، اسی وجہ سے بعض حاضرین نے تعجب کا اظہار کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا ایمان ہے کہ یہ حق ہے اور اپنے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کا بھی نام لے کر فرمایا کہ ان دونوں کا بھی ایمان ہے کہ یہ حق ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے ایسے وقت فرمائی جب کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہ تھا اس لئے یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے اور ان کو خوش کرنے کے لئے یہ بات فرمائی ہو...... یہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ) کے کمال ایمان اور ایمانی کیفیت میں حضور ﷺ کے قریب تر ہونے اور اس بارے میں ان کے اختصاص و امتیاز کی دلیل اور شہادت ہے اور ان دونوں حضرات کے بارے میں حضور ﷺ کے اس رویہ کی یہ ایک اہم مثال ہے جس کا ذکر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت سے موقعوں پر اپنے ساتھ ان دونوں کا ذکر بھی نام لے کر فرمایا کرتے تھے۔ رضی اللہ عنہما وار ضاھما۔

حدیث کے آخری حصہ میں "یوم السبع" کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے شارحین نے اس کی تشریح میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں، اس عاجز کے نزدیک راجح یہ قول ہے کہ اس سے مراد قیامت کے قریب کے وہ دن ہیں جب قیامت کے آثار ظاہر ہو جائیں گے اس وقت لوگ بھیڑ بکری وغیرہ اپنے مویشیوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کو بالکل بھول جائیں گے وہ لاوارث ہو کر جنگلوں میں پھریں گے اور گویا بھیڑیئے وغیرہ درندے ہی ان کے وارث و مالک ہوں گے۔ اسی لحاظ سے اس کو "یوم السبع" (درندوں کا دن) کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ ذَاتَ یَوْمٍ وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ وَاَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ اَحَدُھُمَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَالْاٰخَرُ عَنْ شِمَالِهٖ وَھُوَ اٰخِذٌ بِاَیْدِیْھِمَا فَقَالَ، "هٰکَذَا نُبْعَثُ یَوْمَ

الْقِيَامَةِ". (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے، اور مسجد میں داخل ہوئے (اور آپ کے ساتھ) ابو بکرؓ و عمرؓ بھی تھے، ایک ان دونوں میں سے آپ ﷺ کے داہنی جانب اور دوسرے بائیں جانب اور آنحضرت ﷺ ان دونوں کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے (اسی حال میں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... حدیث کا مطلب ظاہر ہے حضور ﷺ نے لوگوں کو بتلایا کہ تم جس طرح اسوقت دیکھ رہے ہو یہ دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) میرے ساتھ ہیں اور میں ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں، قیامت کے دن ہم تینوں اسی طرح ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ ہوں گے...... بلا شبہ یہ ان دونوں حضرات کی خاص فضیلت ہے، اس میں کوئی اور شریک نہیں اور حضور ﷺ نے اپنے دوسرے اصحاب کو ان کی اس خصوصیت و فضیلت سے مطلع فرمانا بھی ضروری سمجھا۔

۱۵۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّى لَا اَدْرِىْ مَا بَقَائِىْ فِيْكُمْ فَاقْتَدُوْا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ — (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کب تک تم لوگوں میں باقی رہوں گا (تو جب میں تمہارے اندر نہ رہوں) تو تم اقتدا کیجیو اور میرے بعد ان دونوں ابو بکرؓ و عمرؓ کی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور ﷺ پر منکشف کر دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ کے بعد آپ کے یہ دونوں خاص رفیق ابو بکرؓ و عمرؓ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی جگہ امت کی امامت و قیادت کریں گے۔ آپ ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ میرے بعد ان کی اقتدا و پیروی کی جائے۔

۱۵۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبُوْبَكْرٍ وَ عُمَرُ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيّٖنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ — (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ ادھیڑ عمر والے اولین و آخرین میں سے تمام جنتیوں کے سردار ہیں سوائے انبیاء و مرسلین کے ...... (جامع ترمذی)

تشریح ...... مطلب یہ ہے کہ بنی آدم میں سے جو لوگ ادھیڑ عمر کو پہنچے اور اس کے بعد وفات پائی اور وہ ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے جنت میں جانے والے ہیں، خواہ وہ دنیا کے ابتدائی زمانے والے ہوں یا آخری زمانے والے، ابو بکرؓ و عمرؓ جنت میں ان سب کے سردار ہوں گے اور ان کا درجہ ان سب سے بالاتر ہوگا سوائے انبیاء و مرسلین کے یعنی جنت میں سب سے فائق و بالاتر انبیاء و مرسلین ہوں گے ...... اور رسول اللہ ﷺ کا یہی ارشاد ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

۱۶۰) عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَلَهٗ وَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِيْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَمَّا وَزِيْرَاىَ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاَمَّا وَزِيْرَاىَ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ. (رواه الترمذى)

ترجمہ.. حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے دووزیر ہوتے ہیں آسمان والوں میں سے (یعنی ملائکہ میں سے) اور دو وزیر ہوتے ہیں زمین میں بسنے والے انسانوں میں سے، تو آسمان والوں میں سے میرے وزیر جبرائیل و میکائیل ہیں اور زمین والوں میں سے میرے وزیر ابو بکر و عمر ہیں...... (جامع ترمذی)

تشریح...... واقعہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معاملہ اور برتاؤ ان دونوں حضرات کے ساتھ وہی تھا جو ارباب حکومت کا اپنے خاص معتمد وزیروں کے ساتھ ہوتا ہے، آپ ہر اہم قابل غور و فکر معاملہ میں ان دونوں حضرات سے مشورہ ضرور فرماتے تھے......رضی اللّٰہ عنہما وارضاھما۔

فضائل حضرت عثمان ذوالنورین

۱۶۱) عَنْ عَائِشَةَ اِسْتَاذَنَ اَبُوْبَكْرٍ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى فِرَاشِيْ عَلَيْهِ مِرْطٌ لِيْ، فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، ثُمَّ اسْتَاْذَنَ عُمَرُ فَاَذِنَ لَهٗ وَهُوَ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، ثُمَّ اسْتَاذَنَ عُثْمَانُ فَجَلَسَ ﷺ وَاَصْلَحَ عَلَيْهِ ثِيَابَهٗ وَقَالَ اِجْمَعِيْ عَلَيْكِ ثِيَابَكِ، فَاَذِنَ لَهٗ فَقَضٰى اِلَيْهِ حَاجَتَهٗ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ : لَمْ أَرَكَ فَزِعْتَ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ كَمَا فَزِعْتَ لِعُثْمَانَ؟ فَقَالَ يَاعَائِشَةُ اِنَّ عُثْمَانَ رَجُلٌ حَيٌّ، وَاِنِّيْ خَشِيْتُ اِنْ اَذِنْتُ لَهٗ عَلٰى تِلْكَ الْحَالَةِ اَنْ لَايَبْلُغَ اِلَيَّ حَاجَتَهٗ...... وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَهَا اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ. (رواه مسلم)

ترجمہ.. حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میرے والد حضرت) ابو بکرؓ نے (کسی ضرورت سے) حضور ﷺ کے پاس آنے کی اجازت چاہی ایسے حال میں کہ آپ ﷺ میرے بستر پر میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ان کو اندر آنے کی اجازت دلوادی اور آپ ﷺ جس طرح لیٹے ہوئے تھے اسی طرح لیٹے رہے (ابو بکرؓ آئے) اور جو ضروری بات ان کو کرنا تھی کر کے چلے گئے۔ پھر (حضرت) عمرؓ (کسی ضرورت سے) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی، ان کو بھی آپ ﷺ نے اجازت دلوادی (وہ آئے) اور آپ اسی حالت میں رہے (یعنی جس طرح میرے بستر پر میری چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے اسی طرح لیٹے رہے) پھر وہ بھی اپنی ضرورت پوری کر کے چلے گئے پھر (حضرت) عثمانؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑوں کو اچھی طرح درست فرمالیا اور مجھ سے فرمایا کہ تم بھی اپنے کپڑے (چادر وغیرہ) پوری طرح اوڑھ لو، اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو آنے کی اجازت دلوادی (وہ آپ کے پاس آگئے) اور جو ضروری بات کرنے کے لئے آئے تھے کر کے چلے گئے (حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے جیسا اہتمام (حضرت) عثمانؓ کے لئے کیا ویسا اہتمام ابو بکرؓ و عمرؓ کے لئے کیا ہو؟ ..... آپ ﷺ نے فرمایا عثمان ایسے آدمی ہیں کہ ان پر (فطری طور پر) صفت حیا کا غلبہ ہے مجھے اس کا اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ان کو ایسی حالت میں بلالیا جس میں میں تھا (کہ تمہاری چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا) تو وہ (فرط حیا کی وجہ سے جلدی واپس چلے جائیں) اور وہ ضروری بات نہ کر سکیں جس کے لئے وہ آئے تھے (اس لئے میں نے ان کے لئے وہ اہتمام کیا جو تم نے دیکھا)...... (صحیح مسلم)

تشریح...... متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ کے ضمن ہی میں کر دی گئی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر صفت حیاء کا کس قدر غلبہ تھا اور رسول اللہ ﷺ اس کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے سوال کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا "اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلَائِكَةُ" (کیا میں ایسے بندۂ خدا کا لحاظ نہ کروں جس کا فرشتے بھی لحاظ کرتے ہیں۔)

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر ہے کہ بظاہر یہ واقعہ اس زمانے کا ہے کہ حجاب (یعنی پردہ) کا حکم نازل نہیں ہوا تھا کیونکہ حضرت عمرؓ، بھی حضرت صدیقہؓ کیلئے غیر محرم تھے، انکے آنے پر حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھی طرح کپڑے اوڑھ لینے کا وہ حکم نہیں فرمایا جو حضرت عثمانؓ کے آنے پر فرمایا۔

۱۶۲) **عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ خَبَّابٍ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَحُثُّ عَلٰى تَجْهِيْزِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَيَّ مِائَةُ بَعِيْرٍ بِأَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ مِائَتَا بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَأَقْتَابِهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ حَضَّ عَلَى الْجَيْشِ، فَقَامَ عُثْمَانُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَيَّ ثَلٰثُمِائَةِ بَعِيْرٍ بِاَحْلَاسِهَا وَاَقْتَابِهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاَنَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْزِلُ مِنَ الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ، مَاعَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ (منبر پر تشریف فرما تھے اور) جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے مدد کرنے کی لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے تو عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمے ہیں سو اونٹ، مع نمدوں اور کجاوؤں کے (یعنی میں سو اونٹ پیش کروں گا مع پورے ساز و سامان کے) فی سبیل اللہ (حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خباب بیان کرتے ہیں کہ) اس کے بعد پھر رسول ﷺ نے لشکر کی مدد کے لئے لوگوں کو ترغیب دی تو پھر عثمان کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمے ہیں (مزید) دو سو اونٹ معہ نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ، اس کے بعد پھر رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی امداد کے لئے اپیل فرمائی اور ترغیب دی تو پھر (تیسری مرتبہ) عثمانؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ میرے ذمہ ہیں (مزید) تین سو اونٹ مع نمدوں اور کجاوؤں کے فی سبیل اللہ (عبدالرحمٰن بن خباب کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر رہے تھے اور فرماتے تھے "مَا عَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (یعنی عثمان اپنے اس عمل اور اس مالی قربانی کے بعد جو بھی کریں اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا) یہ بات آپ ﷺ نے مکرر ارشاد فرمائی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... فتح مکہ کے اگلے سال ۹ھ میں بعض اطلاعات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملک شام کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا، یہ سفر مقام تبوک تک ہوا جو اس وقت کے ملک شام کی سرحد کے اندر تھا، وہاں لشکر کا پڑاؤ قریباً بیس دن تک رہا جس مقصد سے دور دراز کا یہ سفر کیا گیا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے

فضل و کرم اور اس کی مدد سے جنگ و قتال کے بغیر ہی صرف تبوک تک پہنچنے اور وہاں بیس روزہ قیام ہی سے حاصل ہو گیا تو وہیں سے واپسی کا فیصلہ فرما لیا گیا اس وجہ سے یہ غزوہ غزوۂ تبوک کے نام سے معروف ہو گیا...... حدیث میں اس لشکر کو "جیش العسرة" فرمایا گیا ہے عسرۃ کے معنی ہیں تنگ حالی اور سخت حالی...... یہ سفر ایسے حال میں کیا گیا تھا کہ مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس میں قحط اور پیداوار کی بہت کمی کی وجہ سے بہت تنگ حالی تھی، اور موسم سخت گرمی کا تھا، لشکریوں کی تعداد اس زمانے کے لحاظ سے بہت غیر معمولی تھی (روایات میں تیس ہزار ذکر کی گئی ہے) سواریاں یعنی اونٹ اور گھوڑے بہت کم تھے، زادِ راہ یعنی کھانے پینے کا سامان بھی لشکریوں کے تعداد کے لحاظ سے بہت ہی کم تھا، انہیں وجوہ سے اس غزوہ کو "جیش العسرۃ" کہا گیا ہے۔

اسی غیر معمولی صورت حال کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے اس غزوہ کے لئے لوگوں کو مالی و جانی قربانی کی اس طرح ترغیب دی جو غزوات کے سلسلہ میں آپ کا عام معمول نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اس لشکر کی امداد و اعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ترغیب پر انہوں نے چھ سو اونٹ مع ساز و سامان کے پیش فرمائے...... شارحین حدیث نے بعض دوسری روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ان چھ سو کے علاوہ انہوں نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پیش کئے اس طرح ان کے پیش کئے ہوئے اونٹوں کی تعداد ساڑھے نو سو ہوئی ...... ان کے علاوہ پچاس گھوڑے بھی پیش کئے...... آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا کہ اونٹوں گھوڑوں کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اشرفیاں بھی لا کر حضور ﷺ کی گود میں ڈال دیں۔ آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ان عطیات کو قبول فرما کر مجمع عام میں یہ بشارت سنائی اور بار بار فرمایا "مَا عَلَىٰ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" (مطلب یہ ہے کہ جنت اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کے لئے عثمانؓ کا یہی عمل اور یہی مالی قربانی کافی ہے)...... جب ان حالات کا تصور کیا جائے جن کی وجہ سے اس لشکر کو جیش العسرہ کہا گیا ہے تو حضرت عثمانؓ کی اس مالی قربانی کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے...... رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

(غزوۂ تبوک کے بارے میں تفصیلات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جائیں۔)

۱۶۳) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَاءَ عُثْمَانُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِاَلْفِ دِيْنَارٍ فِىْ كُمِّهٖ حِيْنَ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَنَثَرَهَا فِىْ حِجْرِهٖ، فَرَاَيْتُهٗ ﷺ يُقَلِّبُهَا فِىْ حِجْرِهٖ وَيَقُوْلُ مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ. (رواہ احمد)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس وقت جیش عسرہ (غزوۂ تبوک) کے لئے ضرورتات کا انتظام اور سامان کر رہے تھے تو عثمانؓ اپنی آستین میں ایک ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر آئے اور رسول حضور ﷺ کی گود میں ڈال دیئے (عبدالرحمٰن بن سمرہ کہتے ہیں کہ) میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ان اشرفیوں کو اپنی گود میں الٹ پلٹ رہے ہیں اور آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا "مَاضَرَّ عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ" (یعنی آج کے دن کے بعد عثمانؓ جو کچھ بھی کریں،

اس سے ان کو کوئی ضرر اور نقصان نہیں پہنچے گا)۔ (مسند احمد)

تشریح ...... حضرت عثمانؓ کی پیش کی ہوئی اشرفیوں کو حضرت عثمانؓ کے اور دوسرے لوگوں کے سامنے حضور ﷺ کا اپنی گود میں الٹنا پلٹنا بظاہر اپنی قلبی مسرت کے اظہار کے لئے تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور ﷺ کی اپیل پر جب حضرت عثمانؓ نے مجاہدین کے لئے اونٹوں کی پیش کش کی تھی، اس وقت بھی حضور ﷺ نے ان کو ایسی ہی بشارت دی تھی، اور بار بار فرمایا تھا "مَاعَلٰى عُثْمَانَ مَاعَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ" ...... مؤمنین صادقین کو اس طرح کی بشارتیں دینا آخرت کی فکر اور اسکے لئے سعی و عمل سے ان کو غافل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی میں اضافہ کا اور مزید دینی ترقیات کا باعث ہوتا ہے۔

۱٦٤) **عَنْ اَنَسٍ، قَالَ : قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِبَيْعَةِ الرِّضْوَانِ كَانَ عُثْمَانُ رَسُوْلُ (رسولِ) اللّٰهِ ﷺ اِلٰى مَكَّةَ، فَبَايَعَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "اِنَّ عُثْمَانَ فِىْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ" فَضَرَبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فَكَانَتْ يَدُرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِعُثْمَانَ خَيْرًا مِنْ اَيْدِيْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ ...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب (حدیبیہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے لئے ارشاد فرمایا تو اس وقت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کے قاصد اور سفیر کی حیثیت سے مکہ گئے ہوئے تھے۔ تو ان سب لوگوں نے (جو اس وقت موجود اور حاضر تھے) بیعت کر لی، تو رسول اللہ ﷺ نے (لوگوں سے) فرمایا کہ عثمان (اس وقت یہاں نہیں ہیں) اللہ کے اور اس کے رسول (ﷺ) کے کام سے مکہ گئے ہوئے ہیں (اگر وہ یہاں ہوتے تو تم سب کے ساتھ وہ بھی بیعت کرتے، اب میں خود ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں) پھر آپ نے (حضرت عثمانؓ کے قائم مقام کی حیثیت سے) اپنا ایک دست مبارک اپنے ہی دوسرے دست مبارک پر رکھا (جس طرح بیعت میں ہاتھ پر ہاتھ رکھا جاتا ہے۔ آگے حدیث کے راوی حضرت انسؓ جو خود بیعت کرنے والوں میں تھے کہتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک جس سے آپ نے عثمانؓ کی طرف سے بیعت کی وہ عثمانؓ کے حق میں ان دوسرے تمام لوگوں کے ہاتھوں سے بہتر تھا جنہوں نے خود اپنی طرف سے بیعت کی تھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح ...... بیعت رضوان کا واقعہ معلوم و معروف ہے، قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے، یہاں مختصراً صرف اتنا ذکر کیا جاتا ہے جتنا حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب کی بنا پر بہت سے صحابہؓ کے شدید اصرار سے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کا ارادہ فرمایا جن لوگوں کو اس کا علم ہوا تو اس مبارک سفر میں حضور ﷺ کی رفاقت اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ساتھ ہو گئے، ان ساتھیوں کی تعداد چودہ سو ۱۴۰۰ کے قریب ہو گئی، چونکہ سفر عمرہ کی نیت سے کیا گیا تھا اور ذیقعدہ کے مہینہ میں کیا گیا تھا جو اشہر حرم میں سے ہے جن کا

مشرکین مکہ بھی احترام کرتے اور جنگ وجدال سے پرہیز کرتے تھے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں سمجھی گئی کہ پہلے سے کسی کو بھیج کر مکہ والوں کی رضامندی حاصل کی جائے۔ مشرکین مکہ اس وقت حضورﷺ اور آپﷺ کے دین کے سخت ترین دشمن تھے...... جب ان کے علم میں یہ بات آئی کہ آپﷺ ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آرہے ہیں تو انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کر لیا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہم اپنے شہر مکہ میں نہیں داخل ہونے دیں گے، جب آپﷺ اور پورا قافلہ مکہ کی قریب مقام حدیبیہ پر پہنچ گیا (جہاں سے مکہ مکرمہ کی مسافت ۲۰ میل سے کچھ زیادہ ہے) تو مکہ والوں کے فیصلہ اور ارادے کا آپﷺ کو علم ہوا...... آپﷺ نے پورے قافلہ کے ساتھ حدیبیہ میں قیام فرمالیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو سرداران قریش سے گفتگو کرنے کے لئے اپنا خاص قاصد اور سفیر بنا کر مکہ بھیج دیا، ان کا انتخاب آپﷺ نے اس لئے فرمایا کہ مخالفین کے لیڈروں میں ان کے بعض قریبی رشتہ دار تھے آپﷺ نے ان کو اس مقصد سے بھیجا کہ وہ بالخصوص قریش کے سرداروں کو اطمینان دلائیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کے لئے آئے ہیں، اس کے سوا کوئی مقصد نہیں ہے، ہم عمرہ کر کے مدینہ واپس ہو جائیں گے۔

حضرت عثمانؓ مکہ معظمہ چلے گئے لیکن حساب سے ان کو جس وقت تک واپس آجانا چاہئے تھا واپس نہیں آئے اور حضورﷺ کے قافلہ میں کسی طرح یہ خبر پہنچ گئی کہ عثمانؓ کو دشمنوں نے شہید کر دیا تو آپ کو بہت رنج اور دکھ ہوا اور آپﷺ نے طے فرمالیا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو پھر جنگ ہوگی، تمام ساتھیوں میں بھی اس خبر سے سخت اشتعال تھا اس مرحلہ پر آپﷺ نے صحابۂ کرامؓ سے جہاد فی سبیل اللہ اور اس میں شہادت تک ثابت قدمی پر خصوصی بیعت لی، یہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی، قرآن مجید میں اس موقع پر بیعت کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص رضا کا اعلان فرمایا گیا ہے، اسی لئے اس کا نام بیعت رضوان، معروف ہو گیا ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بیعت جس وقت لی گئی حضرت عثمانؓ اس وقت موجود نہیں تھے، حضورﷺ کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا حدیبیہ میں موجود تمام صحابۂ کرامؓ نے حضورﷺ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ عثمانؓ موجود نہیں تھے، ان کی طرف سے حضورﷺ نے خود بیعت کی اپنے دست مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کے قائم مقام قرار دے کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی...... بلاشبہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' کے خاص الخاص فضائل میں سے ہے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیح نہیں تھی وہ گفتگو کر کے واپس آگئے اس وقت اہل مکہ اور سرداران قریش کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوئے کہ حضورﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو عمرہ کے لئے مکہ معظمہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔ اس کے بعد قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کے لئے یکے بعد دیگرے ان کے نمائندے آئے ... بالآخر وہ صلح ہوئی جو صلح حدیبیہ نام سے تاریخ اسلام کا مشہور ترین واقعہ ہے اور قرآن مجید میں اس کو "فتح مبین" فرمایا گیا ہے (تفصیلات سیرت اور تاریخ کی

کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)

۱۶۵) عَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ : سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ "هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى" فَقُمْتُ اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ، قَالَ : فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهٖ فَقُلْتُ : هٰذَا؟ قَالَ "نعم" — (رواہ الترمذی و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے (انہوں نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ سے میں نے (ایک خطاب میں) سنا، آپ ﷺ نے اپنے بعد امت میں برپا ہونے والے کچھ فتنوں کا ذکر فرمایا اور ان کو قریب ہی میں واقع ہونے والے فتنے بتلایا۔ اسی وقت ایک شخص سر سے کپڑا اوڑھے ہوئے سامنے گذرا تو حضور ﷺ نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا، یہ شخص آنے والے ان فتنوں کے دنوں میں طریقہ ہدایت اور راہ راست پر ہوگا (حدیث کے راوی مرہ بن کعب کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ بات سن کر) اس شخص کی طرف چلا (تاکہ دیکھ لوں کہ وہ کون ہے) دیکھا تو عثمان بن عفان تھے میں نے ان کا چہرہ حضور ﷺ کی طرف کر کے حضور ﷺ سے عرض کیا، کیا وہ یہی ہیں؟ (جن کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ وہ فتنہ کے زمانے میں ہدایت اور راہ راست پر ہوں گے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ہاں" (یہی وہ ہیں)۔

تشریح...... حدیث کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے مطلب بالکل واضح ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی اطلاع کی بنا پر بطور پیشین گوئی کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنے اس خطاب عام میں اعلان فرمایا کہ میرے بعد قریبی زمانہ میں جو فتنے امت میں برپا ہوں گے ان میں عثمان بن عفان طریقۂ ہدایت اور راہ راست پر ہوں گے ...... معلوم ہے کہ حضور ﷺ کے بعد امت میں سب سے بڑا اور پہلا فتنہ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف اٹھنے والا فتنہ تھا جس میں وہ انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے، جیسا کہ آئندہ ذکر کی جانے والی حدیثوں سے بھی معلوم ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس طرح کے ارشادات کی روشنی ہی میں اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ فتنے کے دور میں حضرت عثمانؓ حق و ہدایت پر تھے، اور ان کے مخالفین جنہوں نے فتنہ برپا کیا اہل ضلال تھے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنَ الشُّرُوْرِ وَالْفِتَنِ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔

۱۶۶) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيْ، قَالَ : كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ حَائِطٍ مِنْ حِيْطَانِ الْمَدِيْنَةِ، فَجَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ فَاِذَا اَبُوْبَكْرٍ، فَبَشَّرْتُهٗ بِمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ فَاسْتَفْتَحَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" فَفَتَحْتُ لَهٗ، فَاِذَا عُمَرُ، فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ، فَقَالَ لِيْ "اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ، عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ"، فَاِذَا عُثْمَانُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِمَا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَحَمِدَاللّٰهَ، ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ —(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں حضورﷺ کے ساتھ تھا تو ایک شخص آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے اس شخص کے لئے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ وہ ابو بکرؓ ہیں، میں نے ان کو جنت کی بشارت دی، تو اس پر انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور جنت کی خوشخبری دو، تو میں نے ان کے لئے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عمرؓ ہیں تو میں نے ان کو وہ بتلادیا جو رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر ایک اور شخص نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو، ایک بڑی مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی (تو میں نے دروازہ کھول دیا) تو دیکھا کہ وہ عثمانؓ ہیں، تو میں نے ان کو وہ بتلادیا جو رسول اللہﷺ نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی (اور شکر ادا کیا) پھر کہا اللہ المستعان (یعنی آنے والی مصیبت کے لئے میں اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں)...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث میں باغ کے لئے حائط کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے، حائط اس باغ کو کہا جاتا ہے جو چہار دیواری سے گھیر دیا گیا ہو، اس میں داخلہ کے لئے دروازہ ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہﷺ مدینہ کے کسی ایسے ہی باغ میں تشریف فرما تھے، اور اس وقت صرف ابو موسیٰ اشعریؓ آپ کے پاس تھے (اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ رسول اللہﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ دروازہ کی حفاظت کریں اور کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ آنے دیں)...... تو اس وقت کسی شخص نے دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا، تو آپﷺ نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا کہ ان کے لئے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دے دو...... ابو موسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، جب دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ ابو بکرؓ ہیں، تو ابو موسیٰ نے ان کو وہ بتلایا جو حضورﷺ نے فرمایا تھا اور جنت کی بشارت دی، تو جیسا کہ حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے جنت کی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، پھر حضرت عمرؓ نے دروازہ کھلوا کر اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپﷺ نے ابو موسیٰ سے وہی فرمایا جو اس سے پہلے ابو بکرؓ کے لئے فرمایا تھا، ان کو معلوم نہ تھا کہ اب یہ دروازہ کھلوانے والے کون صاحب ہیں، دروازہ کھولا تو معلوم ہوا کہ یہ عمرؓ ہیں تو انہوں نے ان کو جنت کی بشارت دی، انہوں نے بھی بشارت سن کر اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا، اس کے بعد تیسرے شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوا کر اندر آنا چاہا تو آپﷺ نے ابو موسیٰ اشعری سے فرمایا ان کے لئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوشخبری دو ایک بڑی مصیبت پر جو ان پر آنے والی ہے ابو موسیٰ اشعری کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آنے والے کون ہیں جب حضورﷺ کے حکم کے مطابق دروازہ کھولا تو دیکھا کہ عثمان بن عفانؓ ہیں تو انہوں نے ان کو وہ بتلایا جو حضورﷺ نے فرمایا تھا اور ان کو جنت کی بشارت دی اور ساتھ ہی یہ کہ وہ ایک عظیم آزمائش اور مصیبت میں مبتلا ہوں گے، تو انہوں نے جنت کی بشارت پر اللہ کی حمد کی، شکر ادا کیا اور مصیبت کی بات سن کر کہا اللہ المستعان (کہ اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں) حضرت عثمانؓ پر

آنے والی اس مصیبت کی کچھ تفصیل آگے ذکر کی جانے والی حدیثوں سے معلوم ہوگی۔

۱۶۷) وَعَنْ ثُمَامَةَ بْنِ حَزَمٍ الْقُشَيْرِيِّ، قَالَ شَهِدْتُ الدَّارَحِيْنَ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ عُثْمَانُ فَقَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَيْسَ بِهَا مَاءٌ يُسْتَعْذَبُ غَيْرَ بِئْرِ رُوْمَةَ فَقَالَ : "مَنْ يَشْتَرِىْ بِئْرَ رُوْمَةَ يَجْعَلُ دَلْوَهٗ مَعَ دِلَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ" فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ وَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اَشْرَبَ مِنْهَا حَتّٰى اَشْرَبَ مِنْ مَاءِ الْبَحْرِ؟ فَقَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ : اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ الْمَسْجِدَ ضَاقَ بِاَهْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : "مَنْ يَّشْتَرِىْ بُقْعَةَ اٰلِ فُلَانٍ فَيَزِيْدُهَا فِى الْمَسْجِدِ بِخَيْرٍ لَهٗ مِنْهَا فِى الْجَنَّةِ؟ فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْ صُلْبِ مَالِىْ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ تَمْنَعُوْنَنِىْ اَنْ اُصَلِّىَ فِيْهَا رَكْعَتَيْنِ؟ فَقَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ : قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ جَهَّزْتُ جَيْشَ الْعُسْرَةِ مِنْ مَالِىْ؟ قَالُوْا : اَللّٰهُمَّ نَعَمْ، قَالَ اُنْشِدُكُمُ اللّٰهَ وَالْاِسْلَامَ، هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى ثَبِيْرِ مَكَّةَ وَمَعَهٗ اَبُوْبَكْرٍؓ وَعُمَرُؓ وَاَنَا فَتَحَرَّكَ الْجَبَلُ حَتّٰى تَسَاقَطَتْ حِجَارَتُهٗ بِالْحَضِيْضِ، فَرَكَضَهٗ بِرِجْلِهٖ قَالَ : اُسْكُنْ ثَبِيْرُ! فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِىٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ! شَهِدُوْا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّىْ شَهِيْدٌ ثَلَاثًا. (رواه الترمذى، والنسائى والدار قطنى)

ترجمہ۔ ثمامہ بن حزم قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت عثمانؓ کے گھر پر اس وقت حاضر تھا جب انہوں نے بالا خانے کے اوپر سے (اپنے گھر کا محاصرہ کرنے والے باغیوں بلوائیوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو وہاں بیئر رومہ کے علاوہ شیریں پانی کا کوئی کنواں نہ تھا (اور وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا وہ اس کا پانی جس قیمت پر چاہتا بیچتا تھا) تو رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا کہ "کون اللہ کا بندہ ہے جو بیئر رومہ کو خرید کر سب مسلمانوں کو اس سے پانی لینے کی اجازت دیدے (یعنی عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے) تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا" تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور وقف کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس کا پانی پینے سے روکتے ہو؟ جس کی وجہ سے میں سمندر کا (کھاری) پانی پینے پر مجبور ہوں، تو اس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا اللّٰھم نعم (یعنی اے اللہ ہم جانتے ہیں کہ عثمان کی یہ بات صحیح ہے۔) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ بات جانتے ہو کہ حضور ﷺ کی بنوائی ہوئی مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہو گئی تھی تو حضور ﷺ نے (ایک دن) ارشاد فرمایا "کون اللہ کا بندہ ہے جو فلاں گھرانے کے قطعۂ زمین کو (جو مسجد کے برابر میں تھا) خرید کر ہماری مسجد میں شامل کر دے تو اللہ اس کو جنت میں اس سے بہتر قطعہ عطا فرمائے

گا" تو میں نے اس کو اپنے ذاتی مال سے خرید لیا (اور مسجد میں شامل کر دیا) اور آج تم لوگ مجھے اس بات سے روکتے ہو کہ میں اس میں دو رکعت نماز پڑھ سکوں؟...... تو ان لوگوں نے کہا اللّٰھم نعم (اے اللہ بے شک ہم یہ بات جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کے فرمانے پر عثمانؓ نے وہ قطعہ زمین خرید کر مسجد میں شامل کیا تھا)...... اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے غزوۂ تبوک کے لشکر کے لئے اپنے مال سے ساز و سامان کیا تھا؟ ان لوگوں نے کہا اللّٰھم نعم (اے اللہ ہم یہ بات بھی جانتے ہیں) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ میں اللہ کا اور اس کے دین حق اسلام کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تمہارے علم میں یہ بات ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ مکہ کے جبل ثبیر پر تھے، اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ تھے اور میں بھی تھا تو پہاڑ حرکت کرنے لگا یہاں تک کہ اس کے پتھر اوپر سے نیچے کی جانب نشیب میں گرنے لگے، تو آپ ﷺ نے ثبیر پہاڑ پر اپنا قدم مبارک زور سے مارا اور فرمایا" اسکن ثبیر " (اے ثبیر ساکن ہو جا) کیونکہ اس وقت تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں"...... تو ان لوگوں نے کہا اللّٰھم نعم (خداوندا یہ واقعہ بھی ہمارے علم میں ہے) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے فرمایا اللہ اکبر! ان لوگوں نے بھی گواہی دی، اسی کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے فرمایا) قسم ہے رب کعبہ کی کہ میں شہید (ہونے والا) ہوں، یہ آپؓ نے تین دفعہ فرمایا۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، دار قطنی)

تشریح...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتخاب خلیفہ کے لئے ان کی بنائی ہوئی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب فرمایا تھا تمام صحابہ مہاجرین و انصارؓ نے ان کو اسی طرح خلیفہ تسلیم کر لیا جس طرح حضرت عمرؓ کو اور اس سے پہلے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا...... قریباً بارہ بس تک آپؓ خلیفہ رہے آپؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں آپؓ کے خلاف وہ فتنہ برپا ہوا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی۔ یہ محاصرہ جس کا اس حدیث میں ذکر ہے اس فتنہ کے سلسلہ کی آخری کڑی تھا، محاصرہ کرنے والے مصر اور عراق کے بعض شہروں کے باغی اور بلوائی تھے جن کو فتنہ پردازی کے ماہر ایک منافق یہودی عبداللہ بن سبا نے خفیہ سازشی تحریک کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا تھا (اس فتنے اور عبداللہ بن سبا کی خفیہ تحریک کی تفصیلات سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)

جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوا باغی بلوائیوں کا یہ محاصرہ اتنا شدید ہو گیا تھا کہ حضرت عثمانؓ مسجد شریف آکر نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے اور آپؓ کو اور آپ کے گھر والوں کو پینے کا پانی نہیں پہنچ سکتا تھا، ان بلوائیوں کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیں یعنی خود اپنے آپ کو معزول کر دیں۔ حضرت عثمانؓ رسول اللہ ﷺ کی ایک تاکیدی ہدایت کی بنیاد پر (جس کا ذکر آگے ایک حدیث میں آئے گا) ان لوگوں کے مطالبہ پر خلافت سے از خود دستبردار ہونے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اس کے مقابلہ میں ان باغیوں، بلوائیوں کے ہاتھوں مظلومیت کے ساتھ جان دے دینا اور شہید ہو جانا بہتر سمجھتے تھے۔

معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور حکومت کے فرمانروا تھے، اگر ان

باغیوں کے خلاف طاقت کے استعمال کرنے کا فیصلہ فرماتے یا اس کی اجازت چاہنے والوں کو اجازت ہی دے دیتے تو یہ بغاوت پوری طرح کچل دی جاتی لیکن آپ کی فطرت اور طبیعت پر حیا کی طرح حلم کا بھی غلبہ تھا، نیز آپؓ اس کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے کہ آپؓ کی جان کی حفاظت کے لئے کسی کلمہ گو کے خون کا قطرہ زمین پر گرے اس لئے آپؓ نے آخری حد تک افہام و تفہیم کی کوشش کی اور آخر میں اتمام حجت کے طور پر وہ خطاب فرمایا جسے اس حدیث کے راوی ثمامہ ابن حزم قشیریؒ نے بیان فرمایا ہے جنہوں نے یہ خطاب خود اپنے کانوں سے سنا تھا اور محاصرہ کا وہ منظر آنکھوں سے دیکھا تھا...... آخر میں حدیث کے الفاظ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ اِنِّي شَهِيْدٌ ثَلاَ ثًا (رب کعبہ کی قسم! میں شہید ہونے والا ہوں یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی) سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو خداداد ایمانی فراست اور کچھ غیبی اشارات سے (جن کا ذکر بعض روایات میں کیا گیا ہے) یقین ہو گیا تھا کہ یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی، اس لئے آپ نے مظلومانہ شہید ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جانے کا فیصلہ فرمایا اور مظلومانہ شہادت اور قربانی کی ایک لا ثانی مثال قائم کر دی۔ اسی سلسلہ میں وہ حدیث ناظرین کرام عنقریب پڑھیں گے جس سے معلوم ہو گا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے کے لئے کس طرح تیاری کی تھی۔

حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جو خطاب ذکر فرمایا گیا ہے، اس کے آخر میں یہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ مکہ کے قریب کے پہاڑ ثبیر پر ایک دن تشریف لے گئے تو پہاڑ میں ایک خاص قسم کی حرکت پیدا ہوئی تو حضور ﷺ نے زور سے قدم مبارک مارا اور فرمایا "اُسْكُنْ ثَبِيرُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ" (اے ثبیر ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے، اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں)...... اسی طرح کا واقعہ مدینہ منورہ میں احد پہاڑ پر بھی پیش آیا، جو حضرت انسؓ کی روایت سے صحیح بخاری میں ذکر کیا گیا ہے حدیث کا متن یہ ہے۔

۱۶۸) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَعِدَ اُحُدًا وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ، فَقَالَ اُثْبُتْ اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ. (رواه البخارى)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک دن) احد پہاڑ پر چڑھے اور ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ (بھی آپؐ کے ساتھ تھے) احد پہاڑ ان کی وجہ سے کانپنے لگا (اور اس میں حرکت پیدا ہو گئی) تو حضور ﷺ نے اپنا قدم مبارک مارا اور فرمایا، اے احد! ٹھہر جا ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے اور دو شہید ہیں...... (صحیح بخاری)

تشریح...... بلا شبہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہو جانا حضور ﷺ کا معجزہ تھا اور حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ کو شہید فرمانا یہ آپؐ کا دوسرا معجزہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی وفات کے قریباً بارہ ۱۲ سال بعد شہید ہوئے اور حضرت عثمانؓ قریباً چوبیس ۲۴ سال بعد۔ بلا شبہ ان دونوں حضرات کے شہید ہونے کی اطلاع آپؐ

کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی ملی تھی۔

۱۶۹) **عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ یَاعُثْمَانُ! اَنَّهٗ لَعَلَّ اللّٰهَ یُقَمِّصُكَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰی خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ.** (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن) عثمانؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا اے عثمان! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک خاص قمیص پہنائے گا تو اگر لوگ اس قمیص کو تم سے اتروانا چاہیں تو ان کے کہنے سے تم اس کو نہ اتارنا...... (جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ)

تشریح...... شارحین حدیث کا اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہی تھا کہ اے عثمان اللہ تعالیٰ تم کو خلافت کا خلعت عطا فرمائے گا اور پہنائے گا تو اگر لوگ تم سے اس خلعت کو اتروانا چاہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے منصب خلافت سے دستبردار ہو جانے کا مطالبہ کریں تو اس کو نہ ماننا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت و وصیت جامع ترمذی ہی میں خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے روایت کا متن یہ ہے:۔

۱۷۰) **عَنْ اَبِیْ سَهْلَةَ قَالَ لِیْ عُثْمَانُ یَوْمَ الدَّارِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ عَهِدَ اِلَیَّ عَهْدًا فَاَنَا صَابِرٌ عَلَیْهِ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: ابو سہلہ سے روایت ہے کہ جس دن حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کیا گیا اور وہ شہید کئے گئے اسی دن حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بتلایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک خاص وصیت فرمائی تھی، میں نے صبر کے ساتھ اس وصیت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... یہ ابوسہلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے وہ محاصرہ کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس تھے اور دوسرے ہمدردوں اور وفادار رفیقوں کے ساتھ وہ بھی چاہتے تھے کہ باغیوں کے خلاف طاقت استعمال کی جائے، غالباً یہی بات انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کی تھی، جس کے جواب میں حضرت عثمانؓ نے حضور ﷺ کی اس ہدایت اور وصیت کا حوالہ دیا، جو حضرت عائشہ کی مندرجہ بالا حدیث میں ذکر کی جا چکی ہے۔

یہی رسول اللہ ﷺ کی وہ خاص ہدایت اور وصیت تھی جس کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ باغیوں بلوائیوں کے مطالبہ پر خلافت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس کے مقابلہ میں مظلومیت کے ساتھ شہید ہو جانے کا فیصلہ فرمایا جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر بار بار فرمائی تھی۔

۱۷۱) **عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ ذَكَرَ فِتْنَةً وَقَالَ یُقْتَلُ هٰذَا فِیْهَا مَظْلُوْمًا یَعْنِیْ عُثْمَانَ.** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن اپنے خطاب میں) ایک عظیم فتنہ کا ذکر فرمایا، اور عثمانؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بندہ اس فتنہ میں مظلومیت

کے ساتھ شہید ہو گا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے یہ ارشاد بھی بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چوبیس سال بعد حضرت عثمانؓ کے خلاف جو فتنہ برپا ہونے والا تھا اس فتنہ کی اور اس فتنہ میں ان کی مظلومانہ شہادت کی خبر آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دے دی تھی، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہی ہوئی تھی۔

۱۷۲) عَنْ مُسْلِمِ بْنِ سَعِيْدٍ مَوْلَى عُثْمَانَ اِنَّ عُثْمَانَ اَعْتَقَ عِشْرِيْنَ عَبْدًاو دَعَا بِسَرَاوِيْلَ فَشَدَّهَا عَلَيْهِ وَلَمْ يَلْبَسْهَا فِىْ جَاهِلِيَّةٍ وَّلَااِسْلَامٍ وَقَالَ اِنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ الْبَارِحَةَ فِى الْمَنَامِ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ، فَقَالُوْالِىْ: اِصْبِرْ فَاِنَّكَ تُفْطِرُ عِنْدَنَا الْقَابِلَةَ فَدَعَا بِمُصْحَفٍ فَنَشَرَه' بَيْنَ يَدَيْهِ فَقُتِلَ وَهُوَ بَيْنَ يَدَيْهِ (رواه ابن احمد والموصلى)

ترجمہ:- حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام مسلم ابن سعید سے روایت ہے کہ (جس دن حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے اس دن) انہوں نے بیس غلام آزاد کئے اور سراویل (پاجامہ) منگوایا (اور پہنا) اور اس کو بہت مضبوط باندھا اور اس سے پہلے کبھی نہ زمانۂ جاہلیت میں (یعنی اسلام لانے سے پہلے) پہنا تھا اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی پہنا تھا اور فرمایا کہ میں نے گذشتہ رات خواب میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ کو بھی، ان حضرات نے مجھ سے فرمایا کہ عثمان! صبر پر قائم رہو تم کل ہمارے پاس روزہ افطار کرو گے۔ اسکے بعد آپؓ نے مصحف (قرآن مجید) منگوایا اور اس کو سامنے رکھ کر کھولا (اور تلاوت شروع کر دی) پھر آپؓ اسی حال میں شہید کئے گئے کہ مصحف آپ کے سامنے تھا۔ (مسند احمد، مسند ابو یعلی موصلی)

تشریح...... جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نور قلب یعنی ایمانی فراست سے اور بعض غیبی اشارات سے یقین ہو گیا تھا کہ باغیوں بلوائیوں کا یہ فتنہ میری شہادت کا تکوینی انتظام ہے، جس کی پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی تھی اور اس حدیث میں گذری ہوئی رات کے جس خواب کا ذکر ہے، جس میں ان کو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صاحبین حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی زیارت ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ عثمان! صبر اور تسلیم و رضا کے راستے پر قائم رہو، کل تم ہمارے پاس آکر روزہ افطار کرو گے، یہ آخری غیبی تلقین تھی جس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شہادت کی تیاری شروع فرمائی۔ جس رات کو یہ خواب دیکھا پنجشنبہ اور جمعہ کی درمیانی رات تھی، اگلے دن جمعہ کو آپؓ نے روزہ رکھا مختلف انواع کے اعمال صالحہ کا خاص طور سے اہتمام فرمایا، بیس غلام اس دن آزاد کئے، اور جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے آپؓ نے پاجامہ منگوایا جو اس سے پہلے کبھی آپؓ نے نہیں پہنا تھا، عرب میں عام طور سے تہبند پہننے کا رواج تھا، آپؓ بھی ہمیشہ تہبند ہی پہنتے تھے، لیکن چونکہ آپؓ پر شرم و حیا کا غلبہ تھا، اس لئے آپؓ نے اس دن بجائے تہبند کے پاجامہ منگوا کر پہنا اور اس کو بہت مضبوط باندھا تاکہ شہادت اور موت کے بعد بھی جسم کا وہ حصہ نہ کھلے جس کا کھلنا شرم و حیا کے خلاف ہے پھر آپؓ نے قرآن شریف

منگوایا اور اس کی تلاوت شروع فرمادی اسی حال میں بد بخت ظالم باغیوں نے آپ کو شہید کیا، روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہادت کے وقت سورۂ بقرہ کا وہ حصہ تلاوت فرمارہے تھے جہاں پاروں کی تقسیم کے لحاظ سے پہلا پارہ الٓم ختم ہوتا ہے آپؓ کے خون کے قطرے اس آیت پر گرے:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [1]

یہ منجانب اللہ اس کا اعلان ہے کہ ان بد بخت ظالموں سے اللہ تعالیٰ پورا انتقام لے گا۔

(یہاں اپنے معمول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق فضائل و مناقب کی چند حدیثوں کا عام فہم ترجمہ اور صرف بقدر ضرورت تشریح و توضیح کی گئی ہے جیسا کہ پہلے بھی لکھا جاچکا ہے، واقعات کی تفصیل حضرت شاہ ولی اللہ کی "ازالة الخفا" اور سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے سلسلہ میں جو حدیثیں یہاں تک درج کی گئیں ان میں ان کی ان دو اہم فضیلتوں کا ذکر نہیں آیا جن میں وہ تمام صحابہ کرام اور خلفائے راشدین میں بھی ممتاز و منفرد ہیں۔ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے یکے بعد دیگرے اپنے دو صاحبزادیوں کا ان کے ساتھ نکاح کیا اسی وجہ سے ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے اور دوسری یہ کہ انہوں نے حضور ﷺ کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہ کے ساتھ دو دفعہ ہجرت فرمائی، پہلی ہجرت مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ منورہ کی طرف۔اب چند وہ حدیثیں نذر ناظرین کی جارہی ہیں جن میں ان دونوں فضیلتوں کا ذکر ہے۔

۱۷۳) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ اَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى الْحَبْشَةِ بِاَهْلِهٖ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ فَخَرَجَ وَخَرَجَ مَعَهٗ بِابْنَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَاحْتَبَسَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ خَبَرُهُمَا فَجَعَلَ يَخْرُجُ يَتَوَكَّفُ الْاَخْبَارَ فَقَدِمَتْ اِمْرَاَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ فَسَاَلَهَا فَقَالَتْ: يَااَبَا الْقَاسِمِ! رَاَيْتُهُمَا قَالَ: عَلٰى اَيِّ حَالٍ رَاَيْتِهِمَا؟ قَالَتْ: رَاَيْتُهٗ وَقَدْ حَمَلَهَا عَلٰى حِمَارٍ مِنْ هٰذِهِ لِدَّبَّابَةِ وَهُوَ يَسُوْقُ بِهَا يَمْشِيْ خَلْفَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَحِبَهُمَا اللّٰهُ اِنَّ كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ لَاَوَّلَ مَنْ هَاجَرَ اِلَى اللّٰهِ بِاَهْلِهٖ بَعْدَ لُوْطٍ. (رواه الطبرانى فى الكبير والبيهقى وابن عساكر)

ترجمہ.. حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ عثمان بن عفان تھے وہ اپنی اہلیہ محترمہ (رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) کو ساتھ لے کر حبشہ کے لئے روانہ ہوگئے (پھر طویل مدت تک) رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی تو آپؐ باہر تشریف لے جاتے اور خبر معلوم ہونے کا انتظار فرماتے اور کہیں سے خبر حاصل ہونے کی کوشش فرماتے تو قبیلہ قریش کی ایک خاتون ملک حبشہ سے (مکہ) آئی تو آپ ﷺ نے اس سے (ان کے بارے میں) دریافت فرمایا تو اس نے کہا اے ابوالقاسم!

---

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے اللہ ان ظالموں سے انتقام لینے کے لئے کافی ہے وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم نے ان کو کس حال میں دیکھا تو خاتون نے کہا کہ میں نے عثمانؓ کو دیکھا انہوں نے (آپ ﷺ کی صاحبزادی) رقیہ کو آہستہ چلنے والے ایک حمار پر سوار کر دیا تھا اور وہ خود پیدل پیچھے چل رہے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ رہے (اور ان کی حفاظت فرمائے) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ (اللہ کے پیغمبر) لوط (علیہ السلام) کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف ہجرت کی ہے...... (معجم کبیر طبرانی، بیہقی، ابن عساکر)

تشریح ...... حدیث اور سیر و تاریخ کی روایات کی روشنی میں یہ معلوم و مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پہلی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے (باختلاف روایات دو یا تین صاحبزادوں کے علاوہ جو صغر سنی ہی میں وفات پا گئے) آپ کی چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ۔ (رضی اللہ عنہن) حضرت زینب جو سب سے بڑی تھیں ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص بن الربیع سے کر دیا تھا اور وہ انہی کے ساتھ رہیں (یہاں ان کے بارے میں اس سے زیادہ لکھنا غیر ضروری ہے) اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کا رشتہ آپ ﷺ کے چچا ابو لہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہو گیا تھا، لیکن رخصتی کی نوبت نہیں آئی تھی کہ ابو لہب اور اس کی بیوی (ام جمیل) کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت توحید کی شدید ترین مخالفت اور آپ ﷺ کی ایذا رسانی پر سورۂ لہب نازل ہوئی جس میں ان دونوں میاں بیوی کی بدانجامی کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان فرمایا گیا اس سے طیش میں آکر ابو لہب اور اس کی بیوی نے اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ پر دباؤ ڈالا کہ رقیہ اور ام کلثوم سے تمہارا جو رشتہ ہو چکا ہے اس کو ختم کر دو، انہوں نے ایسا ہی کیا فی الحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انتظام تھا کہ یہ پاک صاحبزادیاں اس ناپاک گھرانے میں نہ جا سکیں۔ (اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَاءُ) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں سے بڑی بہن رقیہ کا نکاح بحکم خداوندی (جیسا کہ دوسری روایات میں بصراحت موجود ہے) حضرت عثمان بن عفانؓ سے کر دیا جو دعوت اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ایمان لا کر آنحضرت ﷺ کے خواص اصحاب و رفقاء میں شامل ہو چکے تھے...... معلوم ہے کہ دعوت توحید کے ابتدائی دور میں مکہ کے شریر و ظالم اور سنگدل مشرکین کی طرف سے اسلام قبول کرنے والوں پر کیسے کیسے ظلم و ستم ڈھائے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کو معلوم تھا کہ ملک حبشہ کا بادشاہ جو دین عیسوی کا پیرو ہے ایک نیک دل اور عادل حکمران ہے اور امید ہے کہ وہاں جو بھی جائے گا امن و امان سے رہ سکے گا تو آپ ﷺ نے ایمان لانے والے اپنے اصحاب کو مشورہ دیا کہ جو لوگ جا سکتے ہوں وہ فی الحال حبشہ چلے جائیں، چنانچہ چند حضرات نے اس کا ارادہ کر لیا، ان میں سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے مشورہ کے مطابق آپ ﷺ کی صاحبزادی اپنی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو بھی ساتھ لے کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی ...... پھر جیسا کہ حضرت انسؓ کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ کو مدت تک ان دونوں کے بارے میں کوئی خیر خبر نہیں ملی جس سے آپ ﷺ بہت فکر مند رہے اور کوشش فرماتے رہے کہ کسی طرح

ان کا حال معلوم ہو...... تو طویل عرصہ کے بعد قبیلہ قریش کی ایک عورت حبشہ سے مکہ مکرمہ آئی، آپ ﷺ نے اس سے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے بتلایا کہ میں نے ان دونوں کو دیکھا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کس حال میں دیکھا ہے اس نے کہا کہ میں نے ان کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ عثمانؓ نے اپنی اہلیہ رقیہؓ کو آہستہ آہستہ چلنے والے ایک حمار پر [1] سوار کر دیا تھا اور خود پیدل اس کے پیچھے چل رہے تھے (راقم سطور کا گمان ہے کہ حمار کو آہستہ اس لئے چلایا جارہا ہوگا کہ حضرت رقیہؓ کو تکلیف نہ ہو)...... اس قریشی خاتون سے یہ حال معلوم کر کے آنحضرت ﷺ کو اطمینان ہوا اور آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ "صَحِبَهُمَا اللّٰهُ" (ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور حفاظت نصیب رہے) اس کے ساتھ آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر لوط علیہ السلام کے بعد عثمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی رفیقۂ حیات کو ساتھ لے کر اللہ کی طرف یعنی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی، اپنا وطن اپنا گھر بار اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا اور محض لوجہ اللہ جلاوطنی اختیار کی...... اس زمانہ میں مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا کتنا بڑا مجاہدہ تھا، اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی مناسب ہے کہ اسلام میں یہ پہلی ہجرت تھی جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس قافلہ میں چند ہی حضرات تھے، اس کے بعد ایک بڑے قافلہ نے بھی مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی۔ ان سب حضرات کا طویل مدت تک حبشہ میں قیام رہا، حضرت عثمانؓ چند برس وہاں قیام کے بعد مکہ مکرمہ واپس آئے، لیکن ایسے وقت پہنچے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما چکے تھے تو حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی زوجہ مطہرہ حضرت رقیہؓ اور ایک صاحبزادے (عبداللہ کو ساتھ لے کر جو حبشہ میں پیدا ہوئے تھے) مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اس طرح وہ صاحب الهجرتین ہیں اور حضرات خلفاء راشدین میں بھی یہ فضیلت انہی کو حاصل ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

مدینہ منورہ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر پیش آیا انہی دنوں حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئیں، جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے تو حضرت عثمانؓ نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ جانا چاہا، حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم رقیہؓ کی تیمارداری کے لئے یہیں رہو ہمارے ساتھ نہ چلو، اللہ تعالیٰ تم کو وہی اجر عطا فرمائے گا جو اس غزوہ کے مجاہدین کو عطا فرمایا جائے گا اور غنیمت میں تمہارا وہی حصہ ہوگا جو غزوہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کا ہوگا...... حضرت عثمانؓ حضور ﷺ کے اس حکم کی وجہ سے غزوۂ بدر کے لئے نہیں جاسکے، حضرت رقیہؓ کی تیمارداری میں مصروف رہے...... لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت اور قضا و قدر کا فیصلہ کہ وہ صحت یاب نہ ہو سکیں حضور ﷺ کی مدینہ واپسی سے پہلے ہی وفات پا گئیں واپسی پر حضور ﷺ کو علم

---

[1] حدیث میں حمار کا لفظ ہے، راقم سطور نے ترجمہ میں اور یہاں تشریح میں بھی یہی لفظ لکھنا بہتر سمجھا، اردو میں حمار کا ترجمہ گدھا کیا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب کا حمار ہمارے ملک کے گدھے سے بالکل مختلف ہے، وہ گھوڑے سے چھوٹا گھوڑے ہی کی طرح سواری کا جانور ہے، ہمارے ایک استاد فرماتے تھے کہ حجاز کا حمار گدھا نہیں ہے وہ حمار ہی ہے رسول اللہ ﷺ سے بھی حمار پر سوار ہونا ثابت ہے۔

ہوا تو رقیہؓ جیسی لخت جگر کی وفات کا جو صدمہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا اور حضرت عثمانؓ کا جو حال ہوا وہ آئندہ درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

۱۷۴) عَنْ سَعِيْدِبْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَهُوَ مَغْمُوْمٌ لَهْفَانٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَاشَأْنُكَ يَاعُثْمَانُ؟ قَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاُمِّيْ وَهَلْ دَخَلَ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ مَادَخَلَ عَلَيَّ تُوُفِّيَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عِنْدِيْ رَحِمَهَا اللّٰهُ وَانْقَطَعَ الظَّهْرُ وَذَهَبَ الصِّهْرُ فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ اِلٰى اٰخِرِالْاَبَدِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَقُوْلُ ذٰلِكَ يَاعُثْمَانُ قَالَ اِيْ وَاللّٰهِ! اَقُوْلُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! فَبَيْنَمَا هُوَ يُحَاوِرُهٗ اِذْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعُثْمَانَ، هٰذَا جِبْرِيْلُ يَاعُثْمَانُ! يَاْمُرُنِيْ عَنْ اَمْرِاللّٰهِ اَنْ اُزَوِّجَكَ اُخْتَهَا اُمَّ كُلْثُوْمٍ عَلٰى مِثْلِ صِدَاقِهَا وَعَلٰى مِثْلِ عِشْرَتِهَا فَزَوَّجَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِيَّاهَا. (رواہ ابن عساکر)

ترجمہ.. حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عثمانؓ بن عفان سے ملے اور وہ اس وقت بہت ہی غمزدہ اور سخت رنجیدہ تھے تو رسول اللہ ﷺ نے (ان کا یہ حال دیکھ کر) فرمایا عثمان تمہارا یہ کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے رسولِ خدا! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کیا کسی شخص پر بھی ایسی مصیبت آئی ہے جو مجھ پر آئی ہے، آپ ﷺ کی صاحبزادی جو میرے ساتھ تھیں (یعنی رقیہ رضی اللہ عنہا) وہ وفات پا گئیں اللہ ان پر رحمت فرمائے (اس صدمہ سے) میری کمر ٹوٹ گئی ہے اور آپ ﷺ سے دامادی کے رشتہ کا جو شرف مجھے نصیب تھا اب وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا (اور میں اس عظیم نعمت اور سعادت سے محروم ہو گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ عثمان! کیا تم ایسا ہی کہتے ہو (اور تمہیں اسی کا صدمہ اور رنج ہے؟) حضرت عثمانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں قسم کے ساتھ وہی عرض کرتا ہوں جو میں نے عرض کیا ہے (میرا یہی حال اور یہی احساس ہے) اسی درمیان کے آپ ﷺ عثمانؓ سے یہ گفتگو فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے عثمان! یہ جبرئیل امین ہیں یہ مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا رہے ہیں کہ میں اپنی بیٹی مرحومہ رقیہ کی بہن ام کلثوم کا نکاح تم سے کردوں اسی مہر پر جو رقیہ کا تھا اور اسی کے مثل معاشرت پر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عثمانؓ کے ساتھ اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح کر دیا...... (ابن عساکر)

تشریح...... حدیث کا مضمون واضح ہے کسی وضاحت کا محتاج نہیں اور متعدد دوسری روایات سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے...... اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی سعید بن المسیب تابعی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ حدیث ان کو کسی صحابی سے پہنچی ہوگی جن کا انہوں نے حوالہ نہیں دیا، ایسی حدیث کو محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہا جاتا ہے۔ لیکن سعید بن المسیب ان جلیل القدر تابعین میں سے ہیں جن کی اس طرح کی مرسل روایات مستند اور قابل قبول ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا دوسری متعدد روایات سے اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

۱۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ اُزَوِّجَ كَرِيْمَتَيَّ مِنْ عُثْمَانَ.
(رواہ ابن عدی والدارقطنی وابن عساکر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بذریعہ وحی حکم دیا کہ میں اپنی دونوں عزیز بیٹیوں کا نکاح عثمان سے کروں۔
(ابن عدی، دار قطنی، ابن عساکر)

تشریح...... اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا اور ہجرت کے دوسرے سال ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ وحی کے ذریعہ ملنے والے خداوندی حکم سے ہی کیا۔

۱۷۶) عَنْ عِصْمَةِ بْنِ مَالِكٍ الْخِطِمِيِّ قَالَ : لَمَّا مَاتَتْ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ تَحْتَ عُثْمَانَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : زَوِّجُوْا عُثْمَانَ، لَوْ كَانَ لِيْ ثَالِثَةٌ لَزَوَّجْتُهُ، وَمَا زَوَّجْتُهُ اِلَّا بِالْوَحْيِ مِنَ اللّٰهِ . (رواه ابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ان صاحبزادی کا انتقال ہو گیا جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں (یعنی ام کلثومؓ) تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ...... آپ لوگ عثمانؓ کا نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اور میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح عثمان سے وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے کیا تھا...... (ابن عساکر)

تشریح...... آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ جن کا نکاح آپ ﷺ نے ان سے بڑی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی ۲ھ میں انتقال فرما جانے کے بعد حضرت عثمانؓ سے کر دیا تھا، وہ بھی ۹ھ میں وفات پا گئیں، تو آپ ﷺ نے اپنے اصحابِ کرام سے فرمایا کہ آپ لوگوں میں سے کوئی اپنی بیٹی یا اپنے زیر ولایت بہن یا کسی عزیزہ کا عثمانؓ سے نکاح کر دیں، اگر میری کوئی تیسری غیر شادی شدہ بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان ہی سے کر دیتا اس کے لئے آپ لوگوں سے نہ کہتا...... ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کا نکاح جو عثمان کے ساتھ کیا تھا تو وہ محض اپنی صوابدید اور اپنی رائے سے نہیں بلکہ وحی کے ذریعہ ملے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا جو مقام و مرتبہ معلوم ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۱۷۷) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ : قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ مَوْتِ اِبْنَتِهِ الْاٰخِيْرَةِ يَا عُثْمَانُ! لَوْ اَنَّ عِنْدِيْ عَشْرًا لَزَوَّجْتُكُهُنَّ وَاحِدَةً بَعْدَ وَاحِدَةٍ فَاِنِّيْ عَنْكَ رَاضٍ .
(رواه الطبرانى فى الاوسط والدار قطنى فى الافرادوٗ ابن عساكر)

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی (ام کلثوم) کا

انتقال ہو گیا...... تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے عثمان! اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں ان میں سے ایک کے بعد ایک کا (سب کا) تم سے نکاح کر دیتا، کیونکہ میں تم سے بہت راضی اور خوش ہوں۔

(معجم اوسط طبرانی، افراد دار قطنی، ابن عساکر)

تشریح...... حدیث کا مضمون واضح ہے، اس سے پہلی عصمہ بن مالک الخطمی کی روایت کی ہوئی حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے صاحبزادی ام کلثومؓ کے انتقال کے بعد حاضرین مجلس یعنی صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا کہ "اگر میری تیسری کوئی بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمانؓ ہی سے کر دیتا"...... اور اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے خود حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ "اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کا نکاح تمہارے ساتھ ہی کر دیتا"...... ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ پہلی بات آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی تھی اور اس حدیث میں جو فرمایا گیا ہے اس کے مخاطب خود حضرت عثمانؓ تھے اور مقصد یہ تھا کہ ان کے ساتھ اپنی رضا اور قلبی تعلق کا اظہار فرمائیں۔ حضرت ام کلثوم کی وفات پر حضرت عثمانؓ کو جو غیر معمولی صدمہ تھا، اس کی تعزیت اور تسلی و تسکین کا یہ بہترین طریقہ تھا جو آنحضرت ﷺ کی شان کریمی اور خلق عظیم کے عین مطابق تھا۔ صلی اللہ علیہ وبارک وسلم۔ بعض روایات میں اس سے زیادہ عدد بھی آیا ہے۔ اس میں بھی کوئی اختلاف اور تضاد نہیں، مقصد وہی ہے جو عرض کیا گیا۔ [1]

---

[1] ہمارے زمانہ کے شیعہ علماء و مصنفین نے جو بہت سی ایسی باتیں کہنی اور لکھنی شروع کی ہیں جو ان کے ائمہ معصومین کے ارشادات اور متقدمین و متاخرین شیعہ کا اکابر علماء و مجتہدین کے صریح بیانات کے بھی خلاف ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی صرف حضرت فاطمہؓ ہی تھیں۔ ان کے علاوہ وہ حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثوم آپ ﷺ کی صاحبزادی نہیں تھیں بلکہ حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کی اولاد تھیں۔ یہ ایسی دروغ گوئی اور افترا پردازی ہے جس کی جسارت صرف شیعہ علماء مصنفین ہی کر سکتے ہیں۔ یہاں اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا موقعہ نہیں۔ اپنے ناظرین کے لئے صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ قرآن مجید سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۵۷ میں پردہ کے حکم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "یا ایها النبی قل لا زواجك وبناتك" (...... اے پیغمبر آپ ﷺ اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں سے کہئے......) اس میں ازواج اور بنات جمع کے صیغے ہیں جو بتلا رہے ہیں کہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات کی طرح بنات طاہرات یعنی صاحبزادیاں بھی متعدد تھیں۔ ہمارے ہی زمانہ کے ایک وسیع النظر محقق فاضل و مصنف مولانا محمد نافع صاحب نے اس موضوع پر ایک نہایت محققانہ کتاب "بنات اربعہ" [1] (یعنی چار صاحبزادیاں) تصنیف فرما کر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، یہ قریباً ساڑھے چار سو صفحہ کی کتاب ہے اس میں اہل سنت کی حدیث، تاریخ اور انساب کی کتابوں کے علاوہ، شیعوں کی کتب حدیث ان کے ائمہ معصومین کی روایات، ان کی تاریخ اور انساب کی کتابوں اور ان کے ان متقدمین و متاخرین علماء و مجتہدین کی تصریحات سے جو شیعہ مذہب میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں ناقابل تردید طور پر ثابت کیا ہے کہ حضرت زینبؓ حضرت رقیہؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ چاروں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیاں تھیں، پھر ان صاحبزادیوں اور ان کی والدہ ماجدہ مطہرہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے سوانح حیات پر بھی یہ کتاب حاوی ہے، اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف مولانا محمد نافع صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کی کتاب کو علمی دنیا میں بھی قبول عام عطا فرمائے۔

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے اس سلسلہ کو امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے۔

۱۷۸) عَنْ ثَابِتِ بْنِ عُبَيْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَلِيٍّ: يَااَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنَ اِنِّىْ اَرْجِعُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَاَنَّهُمْ سَائِلِىْ عَنْ عُثْمَانَ فَمَاذَا اَقُوْلُ لَهُمْ؟ قَالَ اَخْبِرْهُمْ اَنَّ عُثْمَانَ كَانَ مِنَ "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ.

(رواه ابن مردويه وابن عساكر)

ترجمہ: ثابت بن عبید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں مدینہ جانے والا ہوں، وہاں لوگ مجھ سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو (مجھے بتلا دیجئے) کہ میں ان کو کیا جواب دوں، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو جواب دیجیو اور بتلائیو کہ عثمانؓ اللہ کے ان بندوں میں سے تھے (جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے) الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ وہ بندے جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے، پھر انہوں نے تقویٰ اور کامل ایمان والی زندگی گذاری پھر تقویٰ اور احسان کا مقام ان کو حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے محبت و پیار فرماتا ہے جو مقام احسان پر فائز ہوں۔ (ابن مردویہ ابن عساکر)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے کوفہ کو دارالحکومت بنالیا تھا جو صاحب مدینہ جانے والے تھے اور انہوں نے حضرت سے وہ سوال کیا تھا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے، بظاہر وہ حضرت علیؓ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب میں مدینہ پہنچوں گا تو لوگ مجھ سے آپ کے تعلق سے عثمانؓ کے بارے میں سوالات کریں گے تو میں ان کو کیا جواب دوں؟ (ملحوظ رہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت عثمانؓ کی شخصیت متنازعہ ہو گئی تھی اور وہ شہید کر دیئے گئے تھے اور ان کو شہید کرنے والے باغی حضرت علیؓ کی محبت کا دم بھرتے تھے) تو حضرت علیؓ نے ان کو وہ جواب دیا جو روایت میں ذکر کیا گیا ہے...... یہ دراصل سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۳ کا اقتباس ہے، آیت کا مطلب ہے کہ جو بندے ایمان، اعمالِ صالحہ، تقویٰ اور احسان والی زندگی گذاریں، ان سے کسی قصور کے بارے میں آخرت میں پوچھ گچھ نہ ہو گی اور وہ اللہ کے محبوب اور پیارے ہیں، عثمانؓ اللہ کے انہی محبوب و مقبول بندوں میں سے تھے۔

ملحوظ رہے کہ یہاں جو احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے وہ ایک خاص دینی اصطلاح ہے خود رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی اور اس کے احکام کی فرمانبرداری اس طرح کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کی نگاہ کے سامنے ہے...... ظاہر ہے کہ یہ ایمان و ایقان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سطروں کے لکھنے والے اور پڑھنے والے اپنے بندوں کو بھی اس احسانی کیفیت کا کوئی ذرہ نصیب فرمادے۔

فضائل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۱۷۹) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ يَوْمَ خَيْبَرَ: "لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ " فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّاسُ غَدَوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا فَقَالَ "اَيْنَ عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ؟" فَقَالُوْا: هُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ)! يَشْتَكِىْ عَيْنَيْهِ قَالَ: فَاَرْسِلُوْا اِلَيْهِ" فَاُتِىَ بِهٖ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ عَيْنَيْهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَاَنْ لَّمْ يَكُنْ بِهٖ وَجْعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ فَقَالَ عَلِيٌّ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مِثْلَنَا؟ قَالَ: "اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ، وَاَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِيْهِ فَوَاللّٰهِ لَاَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرًا لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم ایسے ایک شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرا دے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول کا محب اور محبوب ہوگا..... پس جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ سب امید اور تمنا رکھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ پرچم ان کو عطا فرمادیں گے..... تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟" تو لوگوں نے عرض کیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے (اس لئے وہ اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں)..... آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلانے کے لئے کسی کو بھیجو...... چنانچہ ان کو بلا کر لایا گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا آب دہن (تھوک) ڈال دیا تو وہ ایسے اچھے ہوگئے کہ گویا ان کو کوئی تکلیف تھی ہی نہیں..... اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پرچم ان کو عنایت فرمایا (یہ اس کا نشان تھا کہ آج لشکر کے سپہ سالار اور قائد یہ ہوں گے) تو حضرت علیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں خیبر والوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں) تو آپ نے فرمایا کہ تم آہستہ روی کے ساتھ جاؤ، یہاں تک کہ ان کی زمین اور ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور ان کو بتلا دو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوگا..... خدا کی قسم! یہ بات کہ تمہارے ذریعہ ان میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ مال غنیمت میں سرخ اونٹ تم کو ملیں۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

تشریح...... خیبر مدینہ سے ایک سو چوراسی کلو... (قریباً سوا سو میل) شمال میں واقع ہے، یہ یہودیوں کی بستی تھی، یہ وہ یہودی تھے جو کسی زمانے میں شام سے نکالے گئے اور یہاں آکر بس گئے تھے، یہ سب دولت مند

اور سرمایہ دار تھے، یہاں انہوں نے بہت مضبوط قلعے بنالئے تھے اور اس وقت کے معیار کے مطابق جنگی سازوسامان کا اچھاذخیرہ بھی رکھتے تھے، یہ علاقہ سرسبز وشاداب اور بہت زرخیز تھا۔

مدینہ منورہ کے قرب وجوار کے جن یہودیوں کو ان کی غداریوں اور شرارتوں کی وجہ سے نکالا اور جلاوطن کیا گیا تھا وہ بھی یہیں آکر بس گئے تھے، یہ مسلمانوں کے خلاف سخت کینہ رکھتے اور سازشیں کرتے رہتے تھے۔ مدینہ منورہ جو رسول خدا ﷺ کا دارالہجرۃ اور مسلمانوں کا دارالحکومت تھا، اس کے لئے خیبر کے یہ یہودی ایک مستقل خطرہ تھے۔

۶ھ کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس آکر اور قریش مکہ سے مصالحت اور دس سال کیلئے ناجنگ معاہدہ کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، ذی الحجہ کا قریباً پورا مہینہ مدینہ ہی میں گذارا، محرم ۷ھ میں آپ نے خیبر کی خطرناک دشمن طاقت سے تحفظ اور مامون رہنے کے لئے صرف قریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر ساتھ لے کر خیبر کی طرف کوچ فرمایا، خیبر کے قریب پہنچ کر جس جگہ کو لشکر کے قیام کے لئے مناسب سمجھا وہاں قیام فرمایا، حسب معمول آپؐ نے خیبر کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی اور ساتھ ہی یہ کہ اگر وہ فی الحال اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ تو سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ ادا کیا کریں اور اگر ان میں سے کوئی بات قبول نہ کی گئی تو ہم اللہ کے حکم کے مطابق جنگ کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دینا منظور کریں۔

خیبر کے یہودی سرداروں نے کسی بات کے بھی قبول کرنے سے متکبرانہ انداز میں انکار کر دیا اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے انہوں نے متعدد قلعے بنالئے تھے، جن میں سامان جنگ کے علاوہ کھانے پینے کی چیزوں کا بھی وافر ذخیرہ تھا، وہ مطمئن تھے کہ مسلمانوں کا لشکر کسی طرح بھی ان پر فتح نہ حاصل کر سکے گا۔ بہر حال جنگ شروع ہوئی اور کئی دن تک جاری رہی مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے ان کے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا، لیکن ایک قلعہ جو بہت مضبوط اور مستحکم تھا اور اس کی حفاظت اور دفاع کا بھی غیر معمولی انتظام کیا گیا تھا بار بار کے حملوں کے باوجود وہ فتح نہ ہو سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ کل میں یہ پرچم اور جھنڈا ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا اور اللہ اس کے ہاتھ پر یعنی اس کے ذریعہ فتح مکمل کرادے گا اور یہ آخری قلعہ بھی فتح ہو جائے گا اور اس طرح جنگ کا خاتمہ بالخیر ہو جائے گا پھر یہاں کے یہودی یا تو اسلام قبول کرلیں گے یا سیاسی ماتحتی قبول کر کے جزیہ دینا منظور کرلیں گے ...... حضور نے اس شخص کو نامزد نہیں فرمایا جس کو آئندہ کل پرچم دینے کا آپ کا ارادہ تھا بس یہ فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا محبّ اور محبوب ہوگا اور اللہ اس کے ذریعہ یہ آخری قلعہ بھی فتح کرادے گا، بلاشبہ یہ بڑی فضیلت اور سعادت تھی اور بہت سے حضرات اس کے متمنی اور امیدوار تھے کہ کل پرچم ان کو عطا فرمایا جائے ...... حضرت علی مرتضیٰؓ اس وقت وہاں موجود نہیں تھے...... جب اگلی صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا علی بن ابی طالب کدھر ہیں؟ لوگوں نے بتلایا ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے اس لئے وہ

اس وقت یہاں حاضر نہیں ہو سکے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کسی کو بھیج کر ان کو بلواؤ، چنانچہ وہ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس حال میں کہ ان کی دونوں آنکھوں میں تکلیف تھی، حضورؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں ڈال دیا فوراً تکلیف جاتی رہی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے آنکھ میں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں، اس کے بعد آپ نے پرچم (جھنڈا) ان کو عطا فرمایا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ آج لشکر کی قیادت یہ کریں گے...... حضرت علی مرتضیٰ نے جھنڈا ہاتھ میں لے کر حضورﷺ سے دریافت کیا کہ کیا میں ان یہودیوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ اسلام قبول کر کے ہمارے طرح ہو جائیں؟ آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمادے اور اس کو ایمان کی دولت حاصل ہو جائے تو یہ تمہارے واسطے اس سے بہتر ہو گا کہ تم کو غنیمت میں بہت سے سرخ اونٹ مل جائیں (اس زمانے میں سرخ اونٹ عربوں کے لئے عزیز ترین دولت تھی) حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ہماری جنگ کا مقصد دشمن پر فتح حاصل کر کے مال غنیمت سمیٹنا نہیں ہے، اصل مقصد اور نصب العین بندگان خدا کی ہدایت ہے، جہاد اور قتال فی سبیل اللہ میں بس یہی نصب العین پیش نظر رکھنا چاہئے اور اسی کے تقاضے کے مطابق رویہ متعین کرنا چاہئے۔

واضح رہے کہ صحیحین کی مندرجہ بالا حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں حاضرین مجلس اور اپنے مخاطبین کی خصوصیت یا کسی دوسرے وقتی تقاضے سے جنگ خیبر کے آخری مرحلہ کا صرف اتنا ہی واقعہ بیان کیا ہے جس سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی یہ خاص فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے محبّ اور محبوب ہیں...... یہ بھی بیان نہیں فرمایا کہ جیسا کہ حضورﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ ہی کے ہاتھ پر یہودیوں کا آخری قلعہ بھی فتح ہوا اور خیبر کی فتح مکمل ہوئی۔

یہاں راقم سطور نے جنگ خیبر کے سلسلہ میں صرف اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا جس سے اس کا پس منظر اور کچھ اجمالی حال بھی معلوم ہو جائے، اس غزوۂ خیبر سے متعلق تفصیلات سیرت و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس حدیث میں ضمنی طور پر حضورﷺ کے دو معجزے بھی معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی دونوں آنکھوں میں سخت تکلیف تھی حضورﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فوراً تکلیف دور ہو گئی اور وہ ایسے ہو گئے جیسے کوئی تکلیف تھی ہی نہیں...... دوسرا معجزہ یہ معلوم ہوا کہ آئندہ کل فتح مکمل ہو جانے کے بارے میں حضورؐ نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی وہ پوری ہوئی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہوئی اس حدیث کا خاص سبق یہ ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ اللہ اور اُس کے رسول کے محبّ و محبوب ہیں اور الحمد للہ ہم اہل السنۃ والجماعۃ اور امت کے سواد اعظم کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے سوا کسی دوسرے کو اللہ اور اس کے رسولؐ کا محبّ و محبوب ہونے کی سعادت نصیب نہ ہو اور اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والا ہر مؤمن صادق اپنے

ایمانی درجہ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کا محبّ و محبوب ہے، سورہ آل عمران کی آیت "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO" بھی اس کی دلیل اور شاہد عدل ہے۔

۱۸۰) عَنْ زِرِّبْنِ حُبَيْشٍ قَالَ، قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : وَالَّذِىْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ اَنَّهٗ لَعَهِدَ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ ﷺ اِلَىَّ اَنْ لَّايُحِبَّنِىْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضَنِىْ اِلَّا مُنَافِقٌ. (رواه مسلم)

ترجمہ: زر بن حبیش سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے اس پاک ذات کی جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا، نبی اُمّی ﷺ نے خصوصیت سے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی بندہ محبت کرے گا جو مؤمن صادق ہو گا اور وہی شخص مجھ سے بغض و عداوت رکھے گا جو منافق ہو گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح...... بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ وارضاہ کو جن عظیم انعامات اور دینی فضائل سے نوازا، مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں، اور یہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ ان سے محبت فرماتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ نے صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ان کے نکاح میں دے کر دامادی کا شرف عطا فرمایا اور اکثر غزوات میں وہ حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور بار بار میدان جہاد و قتال میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارہائے نمایاں انجام دیئے اور جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا غزوۂ خیبر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد و عمل سے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبّ اور محبوب ہیں...... الغرض ان اور ان جیسے ان کے دوسرے فضائل اور خداوندی انعامات کا یہ حق ہے کہ ہر مؤمن صادق ان سے محبت کرے اور ان سے بغض و کینہ رکھنے والوں کے متعلق سمجھا جائے کہ وہ ایمان کی حقیقت سے محروم اور نفاق کے مریض ہیں۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ محبت سے مراد وہی محبت ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک معتبر اور شریعت کے حدود میں ہو، ورنہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا دعویٰ کرنے والوں میں سب سے پہلا نمبر ان بد بختوں کا ہے، جنہوں نے ان کو خدا مانا، یا پھر ان بد نصیبوں کا ہے جن کا عقیدہ ہے کہ نبوت کے اصل مستحق حضرت علی مرتضیٰؓ تھے، اللہ نے جبرئیل کو انہیں کے پاس بھیجا تھا وہ غلطی سے محمد بن عبداللہ کے پاس پہنچ گئے، اسی طرح شیعوں کے اسماعیلیہ و نصیریہ وغیرہ فرقے جو اپنے اماموں کے بارے میں یہ مشرکانہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ خدا کا روپ ہیں اور خداوندی صفات واختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اسی طرح وہ شیعہ اثنا عشریہ جو حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد میں گیارہ شخصیتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبیوں رسولوں کی طرح نامزد امام معصوم مفترض الطاعۃ، تمام انبیاء سابقین سے افضل کمالات میں ان سے فائق، صاحب وحی و کتاب و صاحب معجزات اور متصرف فی الکائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں...... ظاہر ہے کہ یہ محبت ایسی ہی ہے جیسی محبت کا دعویٰ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں، جس نے ان کو مشرک

اور جہنمی بنادیا..... الغرض حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس طرح کی محبت کرنے والے فرقے مشرک فی الالوہیت یا شرک فی النبوۃ ہیں، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان سے بری اور بیزار ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کے نزدیک مقبول محبت وہی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ اور ان کی اولاد بزرگان دین سے اہل السنہ والجماعت کو نصیب ہے۔

اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو منافق فرمایا گیا ہے، اس کا خاص مصداق خوارج و نواصب ہیں، جنہوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر قرآنی ہدایت سے انحراف کا بہتان لگایا اور ان کو دینی حیثیت سے گمراہ قرار دیا اور انہیں میں کے ایک بد بخت عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت کو شہید بھی کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خود صحابہ کرامؓ میں اختلافات پیدا ہوئے اور جمل و صفین کی جنگوں کی بھی نوبت آئی، یہ اختلافات کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے، صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دینی حیثیت سے گمراہ سمجھ کر ان سے بغض نہیں رکھتا تھا یہ اجتہادی اختلاف تھا اور ہر فریق نے دوسرے فریق کو مؤمن و مسلم ہونے کا اظہار و اعلان فرمایا، اور بعد میں اس جنگ و قتال پر فریقین کو رنج و افسوس اور اس سب کے بعد سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت نے ثابت کر دیا کہ جو کچھ ہوا بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ہوا..... رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا "اِبْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (میرا یہ بیٹا عظیم المقام سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گروہ مسلمانوں کے تھے، کوئی گروہ بھی منافق نہیں تھا۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح مسلم شریف میں زر بن حبیش کی یہ حدیث ذکر کی گئی ہے اس سے پہلے متصلاً حضرت انس، حضرت براء بن عازب، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے مختلف سندوں سے حضورؐ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے، اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے۔

حضرت براء بن عازب کی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم میں یہ ہیں، حضورؐ نے انصار کے بارے میں ارشاد فرمایا

لَا یُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُهُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ مَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ.

ترجمہ: انصار سے صرف وہی شخص محبت کرے گا جو مؤمن صادق ہوگا اور وہی شخص بغض رکھے گا جو منافق ہوگا، جو انصار سے محبت کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ اللہ کا مبغوض ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف اصحاب کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ان کی محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے اور بلاشبہ اس بارے میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصیت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ اپنی، اپنے رسول پاک اور اپنے تمام محبین و محبوبین کی محبت ہم کو نصیب فرمائے۔

۱۸۱) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ اِلٰی تَبُوْكَ فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا قَالَ اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَی الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءَ قَالَ اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدِیْ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہوئے تو آپؐ نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا خلیفہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا، تو انہوں نے عرض کیا، کیا آپؐ مجھ کو بچوں اور عورتوں پر خلیفہ (اور نگراں) بنا کر چھوڑ رہے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا، کیا تم اس بات پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ اور درجہ میری نسبت سے وہ ہو جو ہارون کا مرتبہ و درجہ موسیٰ کی نسبت سے تھا، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ تبوک اور اس کی غیر معمولی اہمیت کا ذکر حضرت عثمانؓ کے فضائل کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے، یہ حضور ﷺ کا آخری غزوہ تھا اور بعض پہلوؤں سے سب سے اہم غزوہ تھا جس میں روایات کے مطابق تیس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر آپؐ کے ساتھ تھا، مدینہ منورہ کے سب ہی اہل ایمان جو آپؐ کے ساتھ جا سکتے تھے، لشکر میں شامل تھے، پس وہ منافقین جن کو ایمان کی حقیقت نصیب نہیں تھی چھوٹے بہانے کر کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے (مؤمنین صادقین میں سے بھی دو چار ایسے تھے...... جو ساتھ چلنے کی نیت رکھنے کے باوجود...... کسی وجہ سے ساتھ نہیں جا سکے تھے)...... رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات، اور صاحبزادی سیدہ فاطمہ طاہرہؓ اور ان کے صاحبزادے اور صاحبزادیاں اور لشکر میں جانے والے سب ہی صحابہ کرامؓ کے اہل و عیال مدینہ ہی میں چھوڑ دیئے گئے تھے...... چونکہ سفر دور دراز کا تھا، اندازہ تھا کہ واپسی طویل مدت میں ہو سکے گی، اس لئے آپ ﷺ نے ضروری سمجھا کہ اس مدت کے لئے کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا جائے تاکہ خدانخواستہ اگر کوئی خارجی یا داخلی فتنہ برپا ہو تو اس کی قیادت میں اس سے مدینہ میں رہ جانے والوں کی اور دین کی حفاظت کی کارروائی کی جا سکے...... اس کے لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کو زیادہ مناسب سمجھا اور ان کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ نہ چلیں بلکہ مدینہ میں رہیں۔

روایات میں ہے کہ بعض بدباطن منافقین نے کہنا شروع کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو اس لئے ساتھ نہیں لیا کہ ان کو اس کا اہل نہیں سمجھا، بس بچوں اور عورتوں کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا...... حضرت علی مرتضیٰ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "اَتُخَلِّفُنِیْ عَلَی الصِّبْيَانِ

وَالنِّسَاءِ"؟ (کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ اور نگراں بنا کر چھوڑے جارہے ہیں؟) حضور ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا "کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں ہو کہ تمہارا مرتبہ مجھ سے وہ ہو جو ہارون کا موسیٰ سے تھا) بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۲ میں یہ واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو تورات عطا فرمانے کے لئے طور سینا پر طلب فرمایا (تاکہ وہاں چالیس دن تک گویا اعتکاف کریں اور عبادت و دعا و مناجات میں مشغول رہیں۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ نزول قرآن سے پہلے غار حرا میں رہے تھے) تو موسیٰ علیہ السلام نے جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اپنی قوم بنی اسرائیل کی اصلاح و تربیت اور فتنوں سے حفاظت کا ذمہ دار بنا کر قوم کے ساتھ چھوڑ دیا تھا...... تو رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کو جواب دیا کہ میں تم کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر اسی طرح مدینہ میں چھوڑ رہا ہوں جس طرح اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام طور سینا جاتے وقت اپنی عدم موجودگی کے زمانے تک کے لئے ہارون کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر قوم میں چھوڑ گئے تھے...... بلاشبہ حضرت علیؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانۂ سفر کے لئے انہیں کو اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر مدینہ منورہ میں چھوڑا...... اور یہ واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت قریبہ اور بعض دوسرے وجوہ سے بھی جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں اس کام کے لئے حضرت علیؓ ہی زیادہ موزوں تھے (یہ بھی ملحوظ رہے کہ شیخینؓ اور دوسرے تمام ہی اکابر صحابہؓ لشکر میں حضور ﷺ کے ساتھ جانے والوں میں تھے اور حضور ﷺ اہم معاملات میں مشورہ کے لئے بھی ان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے اس عمل اور اس ارشاد کو اس بات کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علیؓ ہی تھے اور آپ ﷺ نے ان کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا کر اپنے بعد کے لئے خلافت کا مسئلہ بھی طے فرما دیا تھا...... ظاہر ہے کہ اس دلیل کی رکاکت اور غیر معقولیت سمجھنے کے لئے کسی خاص درجہ کی عقل و فہم کی ضرورت نہیں...... سفر وغیرہ کی محدود مدت کے لئے عارضی طور پر کسی کو اپنا نائب اور قائم مقام بنانے میں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے مستقل خلیفہ اور امت کی امامت عامہ میں جو فرق ہے اس کو ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے۔

پھر اگر ایسا ہوا ہوتا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ان کے خلیفہ اور ان کی جگہ امت کے امام عام حضرت ہارونؑ ہوئے ہوتے تب تو یہ واقعہ کسی درجہ میں دلیل ہو سکتا تھا...... لیکن معلوم و مسلم ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کی زندگی ہی میں روایات کے مطابق حضرت موسیٰ کی وفات سے چالیس سال پہلے وفات پا گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ یوشع ہوئے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ تبوک کو جاتے وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کو تو اپنی جگہ گویا مدینہ کا امیر و حاکم اور خلیفہ بنایا تھا لیکن مسجد نبوی میں اپنی جگہ نماز

کی امامت کے لئے عبداللہ ابن ام مکتومؓ کو مقرر فرمایا تھا...... حالانکہ حضرت علیؓ ہر حیثیت سے ان سے افضل تھے...... راقم سطور کے نزدیک حضور ﷺ نے یہ اسی لئے کیا تھا کہ غزوۂ تبوک کے زمانہ کی حضرت علیؓ کی اس خلافت و نیابت کو حضورؐ کی مستقل خلافت اور امامت عامہ کی دلیل نہ بنایا جا سکے...... واللہ اعلم۔

۱۸۲) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا مِّنِّىْ وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ.

(رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں اور وہ ہر ایمان والے کے ولی ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... صاحب مشکوٰۃ المصابیح نے جامع ترمذی کی اس روایت کا یہی آخری جز نقل کیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، امام ترمذی نے وہ پورا واقعہ بھی نقل کیا ہے جس سلسلہ میں حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو امیر بنا کر ان کی سرکردگی میں ایک لشکر کسی مہم پر روانہ فرمایا، اللہ تعالیٰ کی مدد سے مہم کامیاب ہوئی اور فتح حاصل ہوئی، لیکن لشکر میں شامل بعض لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے اس سلسلہ کے ایک عمل کو صحیح نہیں سمجھا اور واپس آ کر ان لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق حضور ﷺ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی آنحضرت ﷺ کو ان کی یہ بات سخت ناگوار ہوئی، کیونکہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں ان کی شکایت صحیح نہیں تھی غلط فہمی پر مبنی تھی، اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے شکایت کرنے والوں پر ناگواری ظاہر فرمائی، اور حضرت علی مرتضیٰؓ پر اپنے اعتماد اور خصوصی قرابت و محبت کے خاص تعلق کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا" ان عليًا منى وانا منه ......" ہماری اردو زبان کے محاورہ میں اس کا حاصل یہ ہے کہ "علی میرے ہیں اور میں علی کا ہوں"

اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اپنی محبت اور خصوصی قرب و تعلق کا اظہار انہیں الفاظ کے ساتھ حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمایا ہے، جیسا کہ آئندہ درج ہونے والی حدیث سے بھی معلوم ہو گا۔

ملحوظ رہے کہ حضور ﷺ نے بعض مواقع پر دوسرے بعض صحابہؓ کے ساتھ بھی اپنے خصوصی تعلق اور قرب و محبت کا انہیں الفاظ میں اظہار فرمایا ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک غزوہ میں شہید ہو جانے والے ایک صحابی حضرت جلیبیبؓ کی لاش کے پاس کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "هٰذَا مِنِّىْ وَاَنَا مِنْهُ" [1] (یعنی یہ جلیبیب مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں)...... اسی طرح آپ نے ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے قبیلہ اشعریین کے ایک طرز عمل کا ذکر فرما کر کہ جب وہ جہاد کے سفروں میں جاتے ہیں یا مدینہ کے قیام ہی کے زمانہ میں کھانے پینے کا سامان ان میں سے کچھ لوگوں کے پاس کم ہو جاتا ہے تو جو کچھ جس کے پاس ہوتا ہے وہ سب ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور آپس میں برابر تقسیم کر

[1] صحیح مسلم جلد دوم ص ۲۹۵۔

لیتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "هُمْ مِنِّىْ وَاَنَا مِنْهُمْ" (یعنی یہ اشعریین مجھ میں سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں)

ظاہر ہے جیسا کہ عرض کیا گیا آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ ان اشعریین کے سات خصوصی محبت اور قرب و تعلق کا اظہار ہے، اس حدیث کو بھی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ [1]

حدیث کا آخری جملہ ہے "وھوولی کل مؤمن"...... ولی کے معنی دوست، مدد گار اور سر پرست کے ہیں، قرآن مجید میں بھی یہ لفظ مختلف مقامات پر ان میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔

زیر تشریح اس حدیث میں بظاہر یہ لفظ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور حضور ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب و مدعا یہ ہے کہ ہر صاحب ایمان کو علیؓ کے ساتھ دوستی اور محبت ہی کا تعلق رکھنا چاہئے، میرے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کا یہ بھی حق ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پاک کی اور اپنے سب محبین اور محبوبین کی (جن میں بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی خاص مقام و مرتبہ ہے) محبت اس عاجز کو اور سب اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔

۱۸۳) عَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيٌّ مِنِّىْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ، وَلَايُؤَدِّىْ عَنِّىْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علی مجھ میں سے ہیں اور میں علی میں سے ہوں، اور میری طرف سے (یہ اہم پیغام) خود میں پہنچا سکتا ہوں یا علی"...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب سمجھنے کے لئے وہ صورت حال پیش نظر رکھنی ضروری ہے جس میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا...... ۸ھ میں فتح مکہ اور وہاں اسلامی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد اگلے سال سورۂ براءۃ نازل ہوئی، جس میں مشرکین و کفار کے بارے میں خاص اور اہم احکام ہیں، مثلاً یہ کہ جو معاہدہ ان کے ساتھ کیا گیا تھا ان کی شرارتوں کی وجہ سے وہ فسخ کر دیا گیا اور یہ کہ اس سال کے بعد کسی مشرک و کافر کو مسجد حرام میں داخلہ کی اجازت نہیں ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور یہ ذمہ داری بھی ان کے سپرد ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حج کے موقع پر مختلف علاقوں سے آنے والے تمام کفار و مشرکین کو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام پہنچا دیں جو سورۂ براءۃ میں ان کے بارے میں نازل کئے گئے ہیں اور سورۂ براءۃ کی وہ سب آیتیں بھی ان کو سنا دیں...... صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں حج کے لئے ساتھ جانے والوں کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

بعد میں حضور ﷺ کو خیال آیا کہ عربوں کا یہ قانون اور ان کی یہ روایت رہی ہے کہ اگر کوئی معاہدہ کیا جائے یا کسی معاہدہ کو فسخ کیا جائے یا اس طرح کا کوئی بھی اہم معاملہ ہو تو وہ قبیلہ کا سردار یا سربراہ بذات خود

---

[1] صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۰۲۔

کرے یا اس کے نائب اور قائم مقام کی حیثیت سے نسبی رشتے سے اس کا کوئی قریب ترین عزیز۔ اس کے بغیر وہ قابل قبول نہ ہوگا...... تو آپؐ نے ضروری سمجھا کہ آپ کی طرف سے ان اہم اعلانات کے لئے علی مرتضیٰؓ کو بھیجا جائے جو آپؐ کے حقیقی چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے چنانچہ آپؐ نے ان کو اس کام کے لئے بعد میں مکہ معظمہ کے لئے روانہ فرمایا...... اس موقعہ پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "عَلِيٌّ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْ عَلِيٍّ وَلَايُؤَدِّيْ عَنِّيْ اِلَّا اَنَا اَوْ عَلِيٌّ...... " الغرض اس ارشاد کے ذریعہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس کام کے لئے بھیجنے کی غرض وغایت بیان فرمائی۔

پھر جب حضرت علی مرتضیٰ جا کر صدیق اکبرؓ سے مل گئے تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ آپؓ امیر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں یا مامور کی حیثیت سے، تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا، میں امیر کی حیثیت سے نہیں مامور کی حیثیت سے آیا ہوں، امیر آپ ہی ہیں اور میں خاص طور سے اس غرض سے بھیجا گیا ہوں۔

یہ جو کچھ ہوا من جانب اللہ ہوا، اگر آنحضرت ﷺ شروع ہی میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو امیر حج کی حیثیت سے روانہ فرماتے تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کی خلافت کے اولین حق دار حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں، امت کو اس غلط فہمی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے قلب مبارک میں ڈالا گیا کہ امیر حج بنا کر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو روانہ کریں، بعد میں حضور کے قلب میں وہ بات ڈالی گئی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بھیجنا ضروری سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح امت میں رہنمائی فرمائی کہ حضور ﷺ کے بعد مسلمانوں کے امیر اور آپ کے خلیفہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوں گے یہ بالکل اسی طرح ہوا جس طرح کہ آنحضرت ﷺ کے مرض وفات میں جب آپؐ خود مسجد جا کر امامت کرنے سے معذور ہوگئے تو آپؐ کے قلب مبارک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالا گیا کہ اپنی جگہ ابو بکر صدیقؓ کو نماز کا امام مقرر فرمادیں۔ ان ربنا لطيف لما يشآء.

۱۸۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اٰخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ، فَجَاءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ، فَقَالَ: اٰخَيْتَ بَيْنَ اَصْحَابِكَ وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْتَ اَخِيْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (رواه الترمذى)

ترجمہ. حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ آکر) اپنے اصحاب میں مواخاۃ قائم فرمائی (یعنی صحابہؓ میں سے ہر ایک کو کسی دوسرے کا بھائی بنادیا) تو حضرت علیؓ آئے (اس حال میں کہ رنج وغم سے) ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمادیا اور میرے اور کسی دوسرے کے درمیان آپ نے مواخاۃ قائم نہیں فرمائی (یعنی مجھے کسی کا اور میرا کسی کو بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام جب ہجرت فرما کر مدینہ آئے یہ آنے والے مہاجرین

مختلف قبیلوں اور مختلف مقامات کے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا نظام قائم فرمایا یعنی دو دو صحابیوں کا ایک جوڑا بنا کر ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے دیا تاکہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں اور ضرورت میں حقیقی بھائی کی طرح کام آویں اور کسی کو تنہائی اور بے کسی کا احساس نہ ہو۔

مثلاً آپ نے حضرت ابوالدرداء انصاریؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، جن کے درمیان پہلے سے نہ کوئی نسبی رشتہ تھا اور نہ ہم وطنی کا تعلق...... اس طرح آپؐ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرما دیا، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کسی کے ساتھ یہ رشتہ قائم نہیں فرمایا وہ اکیلے ہی رہ گئے، اس سے رنجیدہ اور غمگین ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمایا اور مجھے کسی کا اور کسی کو میرا بھائی نہیں بنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انت اخی فی الدنیا والاخرۃ" (یعنی تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)...... ظاہر ہے کہ حضرت مرتضیٰؓ کو یہ سن کر کیسی مسرت اور خوشی ہوئی ہوگی...... بلا شبہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضور ﷺ کے ساتھ جو قرابت نصیب تھی وہ صرف انہیں کا حصہ تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ حضور ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور آپ کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں اور دامادی کے شرف سے بھی مشرف فرمائے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

۱۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ : كَانَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ طَيْرٌ فَقَالَ اللّٰهُمَّ ائْتِنِىْ بِاَحَبِّ خَلْقِكَ اِلَيْكَ يَاْكُلُ مَعِىْ هٰذَا الطَّيْرَ فَجَاءَهُ عَلِيٌّ فَاَكَلَ مَعَهُ. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (کھانے کے لئے بھنا ہوا یا پکا ہوا) ایک پرندہ تھا تو آپؐ نے دعا فرمائی اے اللہ! تو میرے پاس بھیج دے ایسے بندے کو جو تیری مخلوق میں تجھ کو سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہو، جو اس پرندہ کے کھانے میں میرے ساتھ شریک ہو جائے، تو آ گئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ چنانچہ آپؐ کے ساتھ اس پرندہ کے کھانے میں شریک ہو گئے......

(جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے شیعہ صاحبان استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اللہ کی ساری مخلوق سے جس میں شیخین بھی شامل ہیں افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب اور پیارے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ کی مخلوق میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں اگر حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا تو لازم آ جائے گا کہ ان کو شیخین ہی سے نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ سے بھی افضل اور اللہ کا زیادہ محبوب اور پیارا مانا جائے۔

اسی بنا پر شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی دعا کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! تو کسی ایسے بندے کو بھیج دے جو تیرے محبوب ترین بندوں میں سے ہو اور یقیناً حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندوں میں سے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا

ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا لیکن یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔[1]

۱۸۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ صغر سنی ہی میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر اسلام لائے اور اس کے بعد برابر آپؐ کی تربیت اور صحبت میں رہے اس لئے آپؐ کی تعلیم سے استفادہ میں ان کو ایک درجہ خصوصیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر حضور ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا "اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا" (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔)

لیکن اس سے یہ سمجھنا اور یہ نتیجہ نکالنا کہ بس حضرت علیؓ ہی حضور ﷺ کے ذریعہ آئے ہوئے علم و حکمت کے حامل و وارث تھے اور ان ہی کے ذریعہ اس کو حاصل کیا جاسکتا ہے اور ان کے سوا کسی دوسرے سے حضور ﷺ کے لائے ہوئے علم و حکمت کو حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ انتہائی درجہ کی نافہمی ہے، قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اُمیین میں اپنا رسول بنا کر بھیجا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور کتاب اللہ اور حکمت کی ان کو تعلیم دیتے ہیں قرآن مجید کی یہ آیتیں بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کتاب و حکمت کی تعلیم اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق تمام صحابہ کرامؓ نے پائی، لہٰذا یہ سبھی حضور ﷺ کے ذریعہ آئے ہوئے علم و حکمت کا ذریعہ اور دروازہ ہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعوت پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے تو جیسا کہ لکھا جاچکا ہے کہ وہ صغیر السن تھے ان کی عمر مشہور روایات کے مطابق صرف آٹھ یا دس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی اور آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے استفادہ کی وہی استعداد اور صلاحیت اس وقت ان کو حاصل تھی جو فطری طور پر اس عمر میں ہونا چاہئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی دن جب حضور ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کیا تو ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور فطری طور پر ان کو استفادہ کی وہ کامل استعداد اور صلاحیت حاصل تھی جو اس عمر میں ہونی چاہئے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے آئے ہوئے علم و حکمت میں ان کا حصہ دوسرے تمام صحابہ کرامؓ سے مجموعی طور پر زیادہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں ان کو اپنی جگہ نماز کا امام مقرر فرمایا یہ بھی حضور ﷺ کی طرف سے حضرت صدیق اکبرؓ کے اعلم بالکتاب والحکمۃ ہونے کی سند تھی پھر صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق ان کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ اور امت کا امام تسلیم کر کے عملی طور پر اس کا اعتراف کیا اور گویا اس حقیقت کی شہادت دی۔

نیز یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مختلف صحابہ کرام کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے علم دین کے مختلف

[1] دیکھا جائے اجوبۃ الحافظ ابن حجر العسقلانی عن احادیث المصابیح ص ۷۸۷ الملحقہ مشکوٰۃ المصابیح جلد ثالث طبع بیروت۔

شعبوں میں ان کے تخصص اور امتیاز کا ذکر فرمایا ہے، جیسا کہ انشاء اللہ مناقب ہی کے سلسلہ میں آئندہ درج ہونے والی بعض احادیث سے معلوم ہوگا۔

پھر اس واقعی حقیقت میں کس کو شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے کہ حضرات تابعینؒ نے مختلف صحابہ کرام سے حضور ﷺ کا لایا ہوا علم حاصل کیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے محدثین کے ذریعہ حدیث کی کتابوں میں محفوظ کرا دیا اور اسی سے قیامت تک امت کو رہنمائی ملتی رہے گی۔ **ذالك تقدير العزيز العليم.**

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن الجوزیؒ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ ناقد محدثین نے زیر تشریح اس حدیث "**انا دار الحکمۃ الخ**" کو موضوع قرار دیا ہے، خود امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔ "**ھذا حدیث غریب منکر**"

بہر حال سند کے لحاظ سے یہ حدیث محدثین کے نزدیک غیر مقبول اور ناقابل استناد ہے۔

۱۸۷) **عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ : بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَيْشًا، فِيْهِمْ عَلِيٌّ قَالَتْ، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَاتُمِتْنِىْ حَتّٰى تُرِيَنِىْ عَلِيًّا.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر (کسی مہم پر روانہ فرمایا) جس میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا، اس حال میں کہ آپؐ (دعا کے لئے) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے کہ اے اللہ! مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا، تا آنکہ تو مجھے علی کو دکھادے۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں، بلاشبہ رسول اللہ ﷺ کو ان وجوہ سے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ غایت درجہ کی محبت تھی...... اسی کا مظہر حضور ﷺ کی یہ دعا بھی ہے۔

۱۸۸) **عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ : اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ بِيَدِ حَسَنٍ وَّحُسَيْنٍ. فَقَالَ : مَنْ اَحَبَّنِىْ وَاَحَبَّ هٰذَيْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا كَانَ مَعِىْ فِىْ دَرَجَتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (اپنے دونوں نواسوں) حسنؓ اور حسینؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے اور ان کے والد اور والدہ (علی مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما) سے محبت کی تو وہ قیامت کے دن جنت میں میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا...... (جامع ترمذی)

تشریح...... اسی سلسلہ معارف[1] الحدیث میں ناظرین صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث پڑھ چکے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔ متی الساعۃ؟ (قیامت کب آئے گی) آپ نے فرمایا۔ تم قیامت کے بارے میں پوچھتے ہو، تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا میں نے قیامت کے لئے اس کے

[1] معارف الحدیث جلد دوم ص ۲۰۶۔

سوا کوئی خاص تیاری نہیں کی ہے کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "انت مع من احببت" مطلب یہ کہ تم اطمینان رکھو، آخرت میں تم ان کے ساتھ کر دیئے جاؤ گے جن سے تمہیں محبت ہے یعنی جب تم کو مجھ سے محبت ہے تو تم میرے ساتھ کر دیئے جاؤ گے...... اس حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے بیان فرمایا کہ حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر تمام صحابہؓ ایسے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد انہیں کبھی ایسی خوشی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَاَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّیْ اِيَّاهُمْ .

ترجمہ: پس میرا حال یہ ہے کہ میں محبت رکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ سے اور ابو بکرؓ و عمرؓ سے اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے آخرت میں مجھے ان حضرات کا ساتھ نصیب ہوگا۔

الغرض یہ اللہ تعالیٰ کا قانون رحمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اور آپؐ کے محبوبین سے محبت کرنے والے آخرت میں آپؐ کے ساتھ کر دیئے جائیں گے (اور بلاشبہ حضرات حسنینؓ اور ان کی والدہ ماجدہ حضور ﷺ کی لخت جگر سیدہ فاطمہ زہراؓ اور ان کے محترم شوہر اور آپ ﷺ کے عزیز بھائی حضرت علیؓ کا آپؐ کے محبوبین میں خاص مقام ہے) پس جن خوش نصیب اہل ایمان کو محبوب رب العالمین سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ اور آپؐ کے ان محبوبین کے ساتھ محبت ہوگی۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے اس قانون رحمت کے مطابق آخرت اور جنت میں حضرت ﷺ کی معیت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز (راقم سطور) کو اور قارئین کو اپنی اور اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے محبوبین کی محبت نصیب فرمائے۔

۱۸۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : كُنْتُ شَاكِيًا فَمَرَّبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَنَا اَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِیْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِیْ وَاِنْ كَانَ مُتَأَخِّرًا فَارْفِعْنِیْ وَاِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِیْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَيْفَ قُلْتَ ؟ فَاَعَادَ عَلَيْهِ مَاقَالَ فَضَرَبَه' بِرِجْلِهٖ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ عَافِهٖ (شَكَّ الرَّاوِیْ) أَوْاَشْفِهٖ، قَالَ فَمَا اشْتَكَيْتُ رَجْعِیْ بَعْدُ (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا تھا (اور مجھے سخت تکلیف تھی) تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس سے گذرے اور میں اللہ سے یہ دعا کر رہا تھا اے اللہ، اگر میری موت کا وقت قریب آگیا تو مجھ کو راحت عطا فرمادے (یعنی موت دے کر اس تکلیف سے نجات دے دے) اور اگر میری موت دیر سے آنے والی ہے تو مجھے فراخی کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ (بیماری اور تکلیف تیری طرف سے) امتحان اور آزمائش ہے تو مجھ کو صبر کی توفیق عطا فرما۔ (کہ بے صبری اور تکلیف کا اظہار نہ کروں) تو رسول اللہ ﷺ نے (یہ سنکر مجھ سے) فرمایا، تم نے یہ کیا کہا؟ تو (جو میں نے بطور دعا کے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا وہ) میں نے آپکے سامنے دہرادیا، تو آپ نے اپنا قدم مبارک مارا اور دعا فرمائی۔ اللّٰهُمَّ عَافِهٖ اے اللہ اس کو عافیت عطا فرمادے! (راوی کو شک ہے کہ آپ نے فرمایا) اللّٰهُمَّ اشْفِهٖ (اے اللہ

اسکو شفا عطا فرمادے) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد مجھے کبھی وہ تکلیف نہیں ہوئی۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ بلاشبہ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا۔

۱۹۰) عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قِيْلَ لَهُ، نَرَاكَ فِي الْحَرِّ الشَّدِيْدِ وَعَلَيْكَ ثِيَابُ الشِّتَاءِ، وَنَرَاكَ فِي الشِّتَاءِ وَعَلَيْكَ ثِيَابُ الصَّيْفِ وَتَمْسَحُ الْعَرَقَ، فَقَالَ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَزَقَ فِيْ عَيْنِيْ وَاَنَا اَرْمَدُ فَمَااشْتَكَيْتُهُمَا حَتَّى السَّاعَةِ وَدَعَا لِيْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّوَالْبَرْدَ فَمَا وَجَدْتُ حَرًّا وَلَا بَرْدًا حَتّٰى يَوْمِيْ هٰذِهٖ. (رواه الطبرانى فى الاوسط)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو شدید گرمی کے زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ آپ سردی کے موسم کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں، اور اسی طرح ہم کبھی جاڑوں کے زمانہ میں آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ گرمی کے موسم کے کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور پسینہ پونچھتے ہیں! تو حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا کہ ایک دفعہ میری آنکھ میں تکلیف تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا آب دہن ڈالا (تھوک دیا) اس کے بعد سے اب تک کبھی مجھے آنکھ کی وہ تکلیف نہیں ہوئی۔ اور آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا فرمائی تھی۔ اللّٰهم اذهب عنه الحر والبرد (اے اللہ گرمی اور جاڑے کو اس سے دور رکھ) تو اس کے بعد سے نہ تو میں نے آج تک گرمی محسوس کی اور نہ سردی۔

(معجم اوسط الطبرانی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں، ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دعا کا یہ اثر آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۱۹۱) عَنْ عَلِيٍّ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاِنِّيْ لَاَرْبِطُ الْحَجَرَ عَلٰى بَطْنِيْ مِنَ الْجُوْعِ وَاِنَّ لَصَدَقَةَ مَالِيْ لَتَبْلُغُ اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ دِيْنَارٍ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حالت میں دیکھا ہے کہ بھوک کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا (اور اب بفضلہٖ تعالیٰ میری یہ حالت ہے کہ) میرے مال کی زکوٰۃ چالیس ہزار اشرفیاں ہوتی ہیں...... (مسند احمد)

تشریح...... اس سلسلہ معارف[1] الحدیث میں کتاب الرقاق میں وہ حدیثیں درج کی جاچکی ہیں جن میں ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر و فاقہ کی زندگی پسند فرمائی اور اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی تھی کئی کئی دن آپ پر اور آپ کے اہل و عیال پر ایسے گذر جاتے تھے کہ کچھ بھی کھانے کی نوبت نہ آتی تھی، ایسے دنوں میں کبھی کبھی آپ ﷺ شدت ضعف سے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے جس سے ضعف میں کمی آجاتی تھی...... آپ کے خاص متعلقین میں حضرت علیؓ بھی تھے، ان کو بھی کبھی ایسا کرنا پڑتا تھا۔ اس حدیث میں انہوں نے اسی وقت کا حوالہ دے کر فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ فاقہ کی وجہ سے

[1] معارف الحدیث جلد دوم از ص ۱۰۳ تا ص ۱۱۴

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مجھے بھی پیٹ پر پتھر باندھنا پڑ جاتا تھا اور اب بفضل خداوندی میرے پاس اتنی دولت ہے کہ چالیس ہزار اشرفیاں اس کی زکوۃ ہوتی ہیں۔

حضور ﷺ کے طریقہ پر فقر و فاقہ کی زندگی پسند کرنا بلاشبہ سعادت اور بہت بڑی فضیلت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جائز اور حلال طریقہ سے دولت عطا فرمائے اور وہ اللہ کے شکر کے ساتھ دولت کا حق ادا کرے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے انعام کی ایک خاص صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس مضمون کے ارشادات بھی معارف[1] الحدیث کے اسی سلسلے میں ذکر کئے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو آنحضرت ﷺ کے طریقہ پر فقر و فاقہ کی زندگی کی سعادت بھی عطا فرمائی اور بعد میں دولت اور اس کا حق ادا کرنے کی نعمت سے بھی نوازا۔ مااحسن الدين والدنيا لو اجتمعا۔

۱۹۲) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا نَزَلَ بِغَدِيْرِ خُمٍّ اَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَقَالَ : اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ، اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى لِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهٖ؟" قَالُوْا بَلٰى قَالَ : اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ . اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاهُ. وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ' فَلَقِيَهٗ' عُمَرُ بَعْدَ ذَالِكَ فَقَالَ لَهٗ' : هَنِيْئًا يَابْنَ اَبِىْ طَالِبٍ! اَصْبَحْتَ وَاَمْسَيْتَ مَوْلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ. (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم پر نزول اور قیام فرمایا تو آپ ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر (عام حاضرین و رفقاء سفر سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّىْ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" (کیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں مسلمانوں کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ دوست اور محبوب ہوں) سب نے عرض کیا کیوں نہیں ہاں! بے شک ایسا ہی ہے (اس کے بعد) آپؐ نے فرمایا ألستم تعلمون انی اولٰی بکل مومن من نفسه؟ (کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مسلمان کا اس کے نفس اور اس کی جان سے زیادہ دوست اور محبوب ہوں) سب نے عرض کیا کیوں نہیں ہاں! بے شک ایسا ہی ہے (اس کے بعد) آپؐ نے فرمایا "اللهم ! من كنت مولاه فعلى مولاه. اللهم وال من والاه، وعاد من عاداه" (اے اللہ! میں جس کا دوست ہوں تو یہ علی بھی اس کے دوست ہیں، اے اللہ جو علیؓ سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی فرمایا اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور (ان کو مبارک باد دیتے ہوئے) فرمایا کہ تمہیں مبارک اور خوشگوار ہو اے ابن ابی طالب! کہ تم ہر صبح اور ہر شام (یعنی ہر وقت) ہر مؤمن اور مؤمنہ کے دوست اور محبوب ہو گئے۔ (مسند احمد)

تشریح...... یہ واقعہ جس کا ذکر اس روایت میں کیا گیا، حجۃ الوداع کے سفر سے واپسی کا ہے "غدیر" کے معنی

[1] (معارف الحدیث جلد دوم از ص ۱۱۴ تا ص ۱۲۰)

تالاب کے ہیں اور خم ایک مقام کا نام ہے جس کے قریب یہ تالاب تھا، یہ مقام مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے مشہور بستی "الجحفہ" سے تین چار میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع سے واپس ہوتے ہوئے اپنے رفقاء سفر کے پورے قافلہ کے ساتھ جس میں مدینہ منورہ اور قرب و جوار کے تمام ہی وہ صحابہ کرامؓ تھے جو اس مبارک سفر میں آپؐ کے ساتھ تھے، ۱۸ر ذی الحجہ کو اس مقام پر پہنچے تھے، اور قیام فرمایا تھا، یہاں آپؐ نے ان رفقاء سفر کو جمع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ سے متعلق حدیث کی کتابوں میں جو روایات ہیں۔ ان سب کو جمع کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس خطاب میں کچھ اہم باتیں ارشاد فرمائی تھیں جن میں سے ایک بات حضرت علیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہ بھی تھی جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ بات آپؐ نے ایک تمہید کے ساتھ خاص اہمیت سے بیان فرمائی۔

سورہ احزاب کے آیت نمبر ۶ میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کو فطری طور پر سب سے زیادہ محبت و خیر خواہی اپنے نفس اور اپنی عزیز جان کے ساتھ ہوتی ہے، ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کا حق ہے کہ اہل ایمان اپنے نفس اور اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ آپؐ کے ساتھ محبت رکھیں۔ قرآن پاک کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے حاضرین سے فرمایا کہ کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ میں سب ایمان والوں کی دوستی اور محبت کا ان کے نفسوں اور ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق دار ہوں۔ سب حاضرین نے بیک زبان عرض کیا کہ ہاں! بے شک ایسا ہی ہے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "کیا تم یہ بات نہیں جانتے کہ ہر مؤمن کو اپنے نفس اور اپنی عزیز جان سے جو محبت اور تعلق ہے اس سے زیادہ محبت اور تعلق اس کو میرے ساتھ ہونا چاہئے۔ سب حاضرین نے عرض کیا کہ ہاں بے شک ایسا ہی ہے، آپؐ کا حق ہم میں سے ہر ایک پر یہ ہے کہ اپنے نفس اور اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ محبت آپؐ کے ساتھ ہو...... اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ. اے اللہ (تو گواہ رہ کہ) میں جس کا دوست اور محبوب ہوں تو یہ علی بھی اس کے دوست اور محبوب ہیں، تو اے اللہ! میری تجھ سے دعا ہے کہ جو علیؓ سے محبت رکھے تو اس سے محبت کا معاملہ فرما اور جو اس سے عداوت رکھے تو اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما...... حضور ﷺ کے اس خطاب کے بعد حضرت عمرؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ سے ملے اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا اے ابن ابی طالب! تم کو مبارک اور خوشگوار ہو کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ہر ایمان والے اور ہر ایمان والی کے تم محبوب ہو گئے، ہر ایک تم سے ہمیشہ محبت کا تعلق رکھے گا۔

یہاں تک صرف حدیث کے مضمون کی تشریح کی گئی، اس موقع پر راقم سطور ناظرین کو یہ بتلانا بھی مناسب سمجھتا ہے کہ شیعہ علماء و مصنفین اس حدیث کو اپنے اس عقیدہ اور دعوے کی مضبوط ترین اور سب سے زیادہ وزنی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ غدیر خم کے اس خطاب میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کے لئے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ و جانشین اور امت کا امام و حاکم بنا دیا تھا اور اس خطاب کا خاص مقصد یہی تھا، وہ

کہتے ہیں کہ مولیٰ کے معنی آقا، مالک اور حاکم کے ہیں اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں جن لوگوں کا آقا اور حاکم ہوں۔ علیؓ ان سب کے آقا اور حاکم ہیں، پس یہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت اور امت پر ان کی حاکمیت کا اعلان تھا...... انشاء اللہ آئندہ سطور سے ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ علماء کا یہ دعویٰ اور ان کی یہ دلیل کس قدر لچر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں بہت سے الفاظ ایسے جو بیس بیس یا اس سے بھی زیادہ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ مولیٰ بھی انہیں الفاظ میں سے ہے۔ عربی لغت کی مشہور و مستند ترین کتاب "القاموس المحیط" میں اس لفظ مولیٰ کے مندرجہ ذیل ۲۱ معنی لکھے ہیں۔

المولی = (۱) المالك (۲) والعبد (۳) والعتق (٤) والمعتق (٥) والصاحب (٦) والقریب کابن العم ونحوه (۷) والجار (۸) والحلیف (۹) والابن (۱۰) والعم (۱۱) والنزیل (۱۲) والشریك (۱۳) وابن الا خت (۱٤) والولی (۱٥) والرب (۱٦) والناصر (۱۷) والمنعم (۱۸) والمنعم علیه (۱۹) والمحب (۲۰) والتابع (۲۱) والصهر[1]

(ان تمام الفاظ کا ترجمہ مصباح اللغات کی عبارت میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے جو آگے نقل کی جارہی ہے) اور عربی لغت کی دوسری مستند و معروف کتاب "اقرب الموارد" میں بھی لفظ مولیٰ کے یہی سب معنیٰ لکھے گئے ہیں۔[2]

لغت حدیث کی مشہور و مستند ترین کتاب "النهاية لابن الاثير الجزری فی غریب الحدیث والاثر" میں بھی قریباً یہ سب معنیٰ لکھے گئے ہیں، علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں نہایہ ہی کے حوالہ سے اس کی پوری عبارت نقل کردی ہے۔[3]

مصباح اللغات جس میں عربی الفاظ کے معنی اردو زبان میں لکھے گئے ہیں، اس میں قریب قریب ان سب الفاظ کا ترجمہ آگیا ہے جو "القاموس المحیط" اور "اقرب الموارد" وغیرہ مندرجہ بالا کتابوں میں لکھے گئے ہیں، ہم اس کی عبارت بعینہٖ ذیل میں درج کرتے ہیں۔"

المولی = مالک و سردار، غلام آزاد کرنے والا، آزاد شدہ، انعام دینے والا جس کو انعام دیا جائے، محبت کرنے والا، ساتھی۔ حلیف پڑوسی، مہمان، شریک، بیٹا، چچا کا بیٹا، بھانجا، چچا، داماد، رشتہ دار، ولی، تابع۔[4]

معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن پاک کی کسی آیت یا حضور ﷺ کے کسی ارشاد میں یا کسی بھی فصیح و بلیغ کلام میں جب کوئی کثیر المعنی لفظ استعمال ہو تو خود اس میں یا اس کے سیاق و سباق میں ایسا قرینہ موجود ہوتا ہے جو

---

1. القاموس المحیط ج ۴ ص ۴۰۴۔
2. اقرب الموارد جلد ثانی ص ۱۴۸۸۔
3. مجمع بحار الانوار ص ۱۱۲ جلد ۵ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد الہند۔
4. مصباح اللغات ص ۹۶۸۔

اس لفظ کے معنی اور اس کی مراد متعین کر دیتا ہے...... اس زیر تشریح حدیث میں خود قرینہ موجود ہے، جس سے اس حدیث کے لفظ مولیٰ کے معنی متعین ہو جاتے ہیں، حدیث کا آخری دعائیہ جملہ ہے "اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" (اے اللہ جو علی سے دوستی اور محبت رکھے تو اس سے دوستی اور محبت فرما، اور جو اس سے دشمنی رکھے، تو اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ فرما۔) اس سے متعین طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث میں لفظ مولیٰ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اور "من کنت مولاه فعلی مولاه" کا مطلب وہی ہے جو اوپر تشریح میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جو کچھ ہوا، وہ اس بات کی روشن اور قطعی دلیل ہے کہ غدیر خم کے ہزاروں صحابہ کرام کے اس مجمع میں کسی فرد نے، خود حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان کے قریب ترین حضرات نے بھی حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں سمجھا تھا کہ آنحضرت ﷺ اپنے بعد کے لئے ان کی خلافت و حاکمیت اور امت کی امامت عامہ کا اعلان فرما رہے ہیں، اگر خود حضرت علی مرتضیٰؓ نے اور ان کے علاوہ جس نے بھی ایسا سمجھا ہوتا، تو ان کا فرض تھا کہ جس وقت خلافت کا مسئلہ طے ہو رہا تھا تو یہ لوگ کہتے کہ ابھی صرف ستر (۷۰) بہتر (۷۲) دن پہلے غدیر خم کے موقعہ پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنا دیا تھا اور اہتمام سے اس کا اعلان فرمایا تھا الغرض یہ مسئلہ خود حضور ﷺ طے فرما گئے ہیں اور حضرت علیؓ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد فرما گئے ہیں، اب وہی حضور ﷺ کے خلیفہ اور آپؐ کی جگہ امت کے حکمران اور سربراہ ہیں...... لیکن معلوم ہے کہ نہ حضرت علیؓ نے یہ بات کہی اور نہ کسی اور نے، سبھی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آنحضرت ﷺ کا خلیفہ اور جانشین تسلیم کر کے بیعت کر لی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اگر شیعہ علماء کی یہ بات مان لی جائے کہ حضور ﷺ نے غدیر خم کے اس خطبہ میں من کنت مولاه فعلی مولاه فرما کر حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت و جانشینی کا صاف صاف اعلان فرمایا تھا تو معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے مجرم ٹھہریں گے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی وصال کے بعد اس کی بنیاد پر خلافت کا دعویٰ کیوں نہیں فرمایا؟ ان کا فرض تھا کہ حضور ﷺ کی اس تجویز کی تنفید اور اس فرمان واعلان کو عمل میں لانے کے لئے میدان میں آتے اگر کوئی خطرہ تھا تو اس کا مقابلہ فرماتے۔

یہی بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے حسن مثلث نے اس شخص کے جواب میں فرمائی تھی جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں رافضیوں والا غالیانہ عقیدہ رکھتا تھا اور حضور ﷺ کے ارشاد من کنت مولاه فعلی مولاه کے بارے میں کہتا تھا کہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ نامزد فرما دیا تھا، تو حضرت حسن مثلث نے اس شخص سے فرمایا تھا۔

ولو كان الامر كما تقولون ان الله جل وعلى ورسوله ﷺ اختارا علياً لهذا الامر والقيام على الناس بعده، فان علياً اعظم الناس خطيئة وجرما اذ ترك امر رسول الله ﷺ. [1]

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۲۳ جلد اول مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنؤ ۱۳۲۹ھ۔

ترجمہ اگر بات وہ ہو جو تم لوگ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علیؓ کو رسول کے بعد خلافت کے لئے منتخب اور نامزد فرمادیا تھا تو علیؓ سب سے زیادہ خطاکار اور مجرم ٹھہریں گے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

اور جب اس شخص نے حضرت حسن مثلث سے یہ بات سن کر اپنے عقیدہ کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد من كنت مولاه فعلى مولاه کا حوالہ دیا تو حضرت حسن مثلث نے فرمایا۔

اما واللّٰه لو يعنى رسول اللّٰه ﷺ بذالك الا مر والسلطان والقيام على الناس لا فصح به كما أفصح باالصلوٰة والزكوٰة والصيام والحج ولقال : ايها الناس ان هذا الولى بعد ى فاسمعوا واطيعوا. [1]

تشریح ...... سن لو! میں اللہ کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا مقصد علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ اور حاکم بنانا ہوتا تو بات آپؐ اسی طرح صراحت اور وضاحت سے فرماتے جس طرح آپؐ نے نماز، زکوٰۃ، روزوں اور حج کے بارے میں صراحت اور وضاحت سے فرمایا ہے اور صاف صاف یوں فرماتے کہ اے لوگو ! یہ علی میرے بعد ولی الامر اور حاکم ہوں گے لہٰذا تم ان کی بات سننا اور اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔

اس کے بعد یہ بات وضاحت طلب رہ جاتی ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس ارشاد سے کیا تھا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے بارے میں اس خطاب میں آپؐ نے یہ بات کس خاص وجہ اور کس غرض سے فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے کچھ عرصہ پہلے حضرت علی مرتضیٰؓ کو قریباً تین سو افراد کی جمعیت کے ساتھ یمن بھیج دیا تھا، وہ حجۃ الوداع میں یمن سے مکہ مکرمہ آکر ہی رسول اللہ ﷺ سے ملے تھے، یمن کے زمانۂ قیام میں ان کے چند ساتھیوں کو ان کے بعض اقدامات سے اختلاف ہوا تھا، وہ لوگ بھی حجۃ الوداع میں شرکت کے لئے ان کے ساتھ ہی مکہ مکرمہ آئے تھے، یہاں آکر ان میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی اپنے احساس و خیال کے مطابق حضرت علیؓ کی شکایت کی[2] اور دوسرے لوگوں سے بھی ذکر کر دیا...... بلاشبہ یہ ان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ آنحضرت ﷺ سے جن لوگوں نے شکایت کی، حضور ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کا عند اللہ اور دین میں جو مقام و مرتبہ ہے ان کو بتلا کر اور ان کے اقدامات کی تصویب اور توثیق فرما کر ان کے خیالات کی اصلاح فرمادی، لیکن بات دوسرے لوگوں تک بھی پہنچ چکی تھی، شیطان ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھا کر دلوں میں کدورت اور افتراق پیدا کر دیتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپؐ نے ضرورت محسوس فرمائی کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اللہ تعالیٰ کی

---

1. ازالۃ الخفاء ص ۲۲۳ جلد اول مطبوعہ عمدۃ المطابع لکھنو ۱۳۲۹ھ۔
2. اس کی تفصیل کے لئے دیکھی جائے صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث علی ابن ابی طالب وخالد بن الولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع ص ۶۲۳ طبع ہند اور البدایہ والنہایۃ ص ۱۰۶ ج ۵ طبع بیروت۔

طرف سے محبوبیت اور مقبولیت کا جو مقام حاصل ہے اس سے عام لوگوں کو آگاہ فرمادیں اور اس کے اظہار واعلان کا اہتمام فرمائیں...... اسی مقصد سے آپؐ نے غدیر خم کے اس خطبہ میں جس کے لئے آپؐ نے اپنے تمام رفقاء سفر صحابہ کرامؓ کو جمع فرمادیا تھا، خاص اہتمام سے حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر ارشاد فرمایا تھا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ"

جیسا کہ تفصیل سے اوپر ذکر کیا جاچکا ہے آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا مطلب یہی ہے کہ میں جس کا محبوب ہوں یہ علیؓ بھی اس کے محبوب ہیں لہٰذا جو مجھ سے محبت کرے اس کو چاہئے وہ ان علی سے بھی محبت کرے، آگے آپؐ نے دعا فرمائی، اے اللہ جو بندہ علی سے محبت و موالاۃ کا تعلق رکھے اس سے تو محبت و موالاۃ کا معاملہ فرما اور جو کوئی علی سے عداوت رکھے اس کے ساتھ عداوت کا معاملہ فرما، جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا یہ دعائیہ جملہ اس کا واضح قرینہ ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کا لفظ محبوب ہے اور دوست کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد من کنت مولاہٗ فعلی مولاہ الخ کا مسئلۂ امامت وخلافت سے کوئی تعلق نہیں۔

امید ہے کہ یہاں تک جو کچھ اس مسئلہ کے بارے میں عرض کیا گیا وہ ہر صاحب ایمان سلیم القلب کے لئے انشاءاللہ کافی وشافی ہوگا۔ (اِنَّ فِیْ ذَالِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْاَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ)

۱۹۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! تُرْسِلُنِیْ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَاعِلْمَ لِیْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ : اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِیْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَا تَقَاضٰی اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰی تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ فَاِنَّهٗ اَحْرٰی اَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ: فَمَا شَكَكْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَعْدَ. (رواہ الترمذی وابو داؤد و ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھے قاضی بنا کر یمن بھیجا (یعنی بھیجنے کا فیصلہ فرمایا) تو میں نے عرض کیا کہ اے رسول خدا! آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں نو عمر ہوں اور مجھے قضاء کا (یعنی نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا کما حقہ،) علم نہیں ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا (یعنی دل میں وہی ڈالے گا اور زبان سے وہی کہلوائے گا جو صحیح اور حق ہوگا) جب تمہارے پاس دو آدمی کسی نزاعی معاملہ کا فیصلہ کروانے کے لئے آئیں تو تم (معاملہ کو) پہلے پیش کرنے والے کے حق میں فیصلہ نہ کردینا یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات سن لو، یہ طریقہ تم کو فیصلہ کرنے میں زیادہ کار آمد ہوگا"...... حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ (حضور ﷺ کی اس تعلیم اور دعا کے) بعد مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے کے بارے میں شک وشبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد سنن ابن ماجہ)

تشریح...... متن حدیث کی ضروری تشریح ترجمہ میں کردی گئی ہے البتہ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس واقعہ کی روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف راویوں سے کی گئی ہے جن میں سے بعض میں کچھ

اضافے ہیں، اب سب روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد پورا واقعہ سامنے آجاتا ہے۔

کنزل العمال میں ابن جریر کے حوالے سے واقعہ اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ:

"یمن کے کچھ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ ہمارے یہاں کسی ایسے صاحب کو بھیج دیجئے جو ہمیں دین سکھائیں اور شریعت کی تعلیم دیں، اور ہمارے نزاعات اور قضیوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں۔ تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم اس کے لئے یمن چلے جاؤ حضرت علیؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا ہو سکتا ہے کہ وہاں کے لوگ میرے پاس ایسے مقدمات اور ایسے قضیے لے کر آئیں جن کے بارے میں مجھ کو علم نہ ہو تو حضور ﷺ نے میرے سینے پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا "اذهب فان الله سيهدى قلبك ويثبت لسانك" (جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے قلب کی رہنمائی فرمائے گا اور تمہاری زبان کو ثابت رکھے گا،) آگے حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ اس کے بعد سے اب تک مجھے کسی قضیہ کا فیصلہ کرنے میں کوئی شک و شبہ پیش نہیں آیا۔"[1]

کنزل العمال ہی میں مستدرک حاکم، ابن سعد، مسند احمد، ابن جریر وغیرہ کے حوالہ سے اسی واقعہ کی ایک اور روایت حضرت علیؓ ہی سے کی گئی ہے، اس میں ہے کہ:

"جب میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نوعمر ہوں اور مجھے نزاعات اور مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کوئی خاص بصیرت حاصل نہیں ہے تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی۔ "اللهم ثبت لسانه واهد قلبه" (اے اللہ تو اس کی زبان کو ثابت رکھ اور اس کے قلب کو ہدایت عطا فرما)۔

آخر میں حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ "فما اشكل على قضاء بعد" (تو حضور ﷺ کی اس دعا کے بعد میرے لئے کسی قضیہ کا فیصلہ مشکل نہیں ہوا۔)[2]

اس عاجز (راقم سطور) کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کے سینہ پر دست مبارک رکھا اور وہ دعا فرمائی جو روایت میں ذکر کی گئی ہے اور ساتھ ہی آپؐ کو یقین ہو گیا کہ یہ دعا قبول فرمالی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔ "ان الله سيهدى قلبك ويثبت لسانك" "سیهدی" میں "س" یقین کے اظہار کے لئے ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے، انہوں نے اپنی قوم سے کہا: "كلا ان معى ربى سيهدين"۔

یہ حقیقت امت کے مسلمات میں سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت علی مرتضیٰ کو نزاعات اور خصوصیات کے فیصلہ کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور اس بارے میں آپ کو تخصص اور امتیاز کا مقام حاصل تھا...... اور بلاشبہ یہ ان کی ایک بڑی فضیلت ہے اور ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کا معجزہ بھی ہے۔

---

[1] کنزل العمال ص ۱۱۳ جلد نمبر ۱۳ مطبوعہ حلب۔ [2] ایضاً

۱۹۴) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فِيْكَ مَثَلٌ مِنْ عِيسٰى ابْنِ مَرْيَمَ اَبْغَضَتْهُ الْيَهُوْدُ حَتّٰى بَهَتُوْا اُمَّه، وَأَحَبَّتْهُ النَّصَارىٰ حَتّٰى اَنْزَلُوْه، مَنْزِلَتَه، الَّتِىْ لَيْسَتْ لَه، " ثُمَّ قَالَ : يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفْرِطُنِىْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَحْمِلُهٗ شَنَا فِىْ عَلٰى اَنْ يَبْهَتَنِىْ (رواه احمد)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی! تم کو عیسیٰ ابن مریم سے خاص مشابہت ہے، یہودیوں نے ان کے ساتھ بغض وعداوت کا رویہ اختیار کیا، یہاں تک کہ ان کی ماں مریم پر (بدکاری کا) بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان کے ساتھ ایسی محبت کی کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جو مرتبہ ان کا نہیں تھا، (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرنے کے بعد) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ (بیشک ایسا ہی ہوگا) دو طرح کے آدمی میرے بارے میں ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں غلو کرنے والے جو میری وہ بڑائیاں بیان کریں گے جو مجھ میں نہیں ہیں، جو دوسرے بغض وعداوت میں حد سے بڑھنے والے۔ جن کی عداوت ان کو اس پر آمادہ کرے گی کہ وہ مجھ پر بہتان لگائیں۔ (مسند احمد)

تشریح...... اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا تھا اور اسی کی بنیاد پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے جو کچھ فرمایا اس کا ظہور ان کے دور خلافت ہی میں ہو گیا...... خوارج کا فرقہ آپؓ کی مخالفت وعداوت میں اس حد تک چلا گیا کہ آپؓ کو مخرب دین۔ کافر اور واجب القتل قرار دیا، اور انہیں میں کے ایک شقی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپؓ کو شہید کیا اور اپنے اس بد بختانہ عمل کو اس نے اعلیٰ درجہ کا جہاد فی سبیل اللہ اور داخلہ جنت کا وسیلہ سمجھا۔ اور آپ کی محبت میں ایسے غلو کرنے والے بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے آپ کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا اور ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ نبوت ورسالت کے لائق دراصل آپؓ ہی تھے اور اللہ تعالیٰ کا مقصد آپ ہی کو نبی ورسول بنانا تھا اور جبرائیل امین کو وحی لے کر آپ ہی کے پاس بھیجا تھا لیکن ان کو اشتباہ ہو گیا اور وحی لے کر محمد ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور ان کے علاوہ ایسے بھی جنہوں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے وصی اور آپ کے بعد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نامزد امام وخلیفہ اور سربراہ امت تھے اور رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے اور مقام ومرتبہ میں دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور بالاتر تھے اور کائنات میں تصرف اور علم غیب جیسی خداوندی صفات کے بھی آپؓ حامل تھے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو کرنے والے یہ لوگ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں، مذاہب اور فرقوں کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان فرقوں کی تعداد پچاس کے قریب تک پہنچتی ہے۔

ان فرقوں میں اکثر وہ ہیں جن کا ذکر صرف کتابوں میں ملتا ہے، ہماری اس دنیا میں جہاں تک ہمارا علم ہے اب ان کا کہیں وجود نہیں ہے...... جو فرقے اب موجود ہیں ان میں بڑی تعداد فرقہ اثنا عشریہ کی ہے جس کا دوسرا نام امامیہ بھی ہے، اب اکثر ملکوں اور علاقوں میں اسی فرقہ کو "شیعہ" کہا جاتا ہے، یہ فرقہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد ان کی اولاد میں گیارہ حضرات کو انہیں کی طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی

طرف سے نامزد امت کا امام و حاکم اور آپ ہی کی طرح معصوم اور مفترض الطاعۃ اور تمام انبیاء سابقین سے افضل ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے، اس فرقہ کے عقائد کی تفصیل اور حقیقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی بے نظیر فارسی تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" کے مطالعہ سے معلوم کی جاسکتی ہے اردو خواں حضرات اس موضوع پر امام اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف نیز اس عاجز (راقم سطور) کی کتاب "ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت" کے مطالعہ سے بھی اس فرقہ کا تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔

۱۹۵) عَنْ صُهَيْبٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِعَلِيٍّ : مَنْ اَشْقَى الْاَوَّلِيْنَ؟ قَالَ، اَلَّذِىْ عَقَرَالنَّاقَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ صَدَقْتَ فَمَنْ اَشْقَى الْاٰخِرِيْنَ؟ قَالَ، لَاعِلْمَ لِىْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ : اَلَّذِىْ يَضْرِبُكَ عَلٰى هٰذِهٖ وَاَشَارَ اِلٰى يَاْفُوْخِهٖ فَكَانَ عَلِيٌّ يَقُوْلُ لَاَهْلِ الْعِرَاقِ : وَدِدْتُ اَنَّهٗ قَدْ اَنْبَعَثَ اَشْقَاكُمْ فَيَخْضِبُ هٰذِهٖ يَعْنِىْ لِحْيَتَهٗ مِنْ هٰذَهٖ، وَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى مَقْدِمِ رَاْسِهٖ .

(رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر)

ترجمہ- حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے (ایک دن) فرمایا، (بتلاؤ) اگلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی اور بد بخت کون تھا؟ تو حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ اے رسول خدا (قوم ثمود کا) وہ بد بخت آدمی تھا جس نے اس اونٹنی کی کوچیں کاٹ کر اس کو مار ڈالا تھا (جس کو حضرت صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے پتھر کی چٹان سے پیدا فرمایا تھا، یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا کہ تم نے سچ اور ٹھیک بتایا، (اب بتلاؤ) بعد کے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور بد بخت کون ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا، مجھ کو اس کا علم نہیں، رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کے سر کے اگلے حصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ (انتہائی بد بخت اور سب سے زیادہ شقی) وہ ہوگا جو (تلوار سے) تمہاری اس جگہ پر ضرب لگائے گا...... تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (حضور ﷺ کے اس ارشاد کی بنا پر اپنی داڑھی پکڑ کر) فرمایا کرتے تھے، اے عراق والوں میں آرزو مند ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شقی اور بد بخت ترین آدمی اٹھے اور میری اس داڑھی کو رنگ دے میری اس پیشانی کے خون سے...... (ترجمہ)

تشریح...... قرآن مجید کے آخری پارہ کے سورۂ والشمس کے آخر میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی بدترین کافرانہ سرکشی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا۔ "كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا اِذِانْبَعَثَ اَشْقٰهَا"...... الایہ ......ان آیتوں میں اس شخص کو "اَشْقٰى" یعنی انتہائی درجہ کا شقی اور بد بخت فرمایا گیا ہے جس نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر پیدا فرمایا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر انہیں آیات کی روشنی میں عرض کیا تھا کہ اگلی امتوں میں کا انتہائی درجہ کا شقی اور بد بخت وہ تھا جس نے اس ناقہ کو مار ڈالا۔

اس عاجز راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کا یہ سوال دراصل تمہید تھی

اس پیش گوئی کی جو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے خود انہیں کے بارے میں فرمائی، آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ حضرت علیؓ کی شہادت کی پیشین گوئی اس تفصیل کے ساتھ فرمائی کہ بد بخت قاتل تمہارے سر کے اگلے حصہ پر تلوار سے ضرب لگائے گا جس کے نتیجہ میں تمہاری یہ داڑھی خون سے رنگ جائے گی اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ وہ قاتل بعد میں آنے والے لوگوں میں سب سے زیادہ شقی اور انتہائی درجہ کا بد بخت ہوگا۔ آگے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی شہادت کے بارے میں حضور ﷺ کی اس پیش گوئی کو اپنے حق میں بڑی بشارت سمجھتے تھے اور اپنے دارالحکومت عراق کے شہر کوفہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اے اہل عراق میں اس کا آرزو مند ہوں اور شوق سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں، جب تم میں کا بد بخت ترین انسان میرے سر کے خون سے میری داڑھی کو رنگ دے گا۔ اور جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا آپ ﷺ کی وفات کے قریباً تیس سال بعد بالکل اسی طرح حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ بلاشبہ پیشگوئی اور اس کا ٹھیک اسی طرح پورا ہو جانا آپ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت

صاحب مجمع الفوائد نے حضرت صہیبؓ کی مندرجہ بالا روایت کے بعد متصلاً معجم کبیر طبرانی ہی کے حوالہ سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ کس قدر تفصیل سے اسمٰعیل ابن راشد کی روایت سے نقل کیا ہے، ذیل میں اس کا حاصل اور خلاصہ نذر ناظرین کیا جانا مناسب معلوم ہوا، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ فرقۂ خوارج کا کچھ تعارف کرا دیا جائے۔ یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر ہی کا ایک خاص گروہ تھا جو اپنی حماقت اور ذہنی کجروی کی وجہ سے ان کے ایک فیصلہ کو غلط اور معاذ اللہ قرآن مجید کے صریح خلاف سمجھ کر ان کا مخالف اور آمادۂ بغاوت ہو گیا تھا، ان کی تعداد کئی ہزار تھی، پھر حضرت علی مرتضیٰ کی افہام و تفہیم کے نتیجہ میں ان میں سے ایک خاص تعداد راہ راست پر آگئی، لیکن ان کی بڑی تعداد اپنی گمراہی پر قائم رہی اور قتل و قتال پر آمادہ ہو گئی بالآخر حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان کے خلاف طاقت استعمال کرنی پڑی (تاریخ میں یہ واقعہ جنگ نہروان کے نام سے معروف ہے) جس کے نتیجے میں ان میں سے اکثر کا خاتمہ ہو گیا، کچھ باقی رہ گئے، ان باقی رہ جانے والوں میں سے تین شخص برک ابن عبد اللہ عمرو ابن بکر تمیمی اور عبد الرحمٰن ابن ملجم مکہ مکرمہ میں جمع ہوئے، انہوں نے صورت حال پر تبادلۂ خیال کیا اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ سارا فتنہ ان لوگوں کی وجہ سے جن کے ہاتھوں میں حکومت ہے، ان کو کسی طرح ختم کر دیا جائے، اس سلسلہ میں تین حضرات کو متعین طور پر نامزد کیا...... حضرات معاویہ حضرت عمرو بن العاص، حضرت علی مرتضیٰ...... برک نے کہا کہ معاویہ کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، عمرو تمیمی نے کہا کہ عمرو بن العاص کو ختم کر دینے کی میں ذمہ داری لیتا ہوں، عبد الرحمٰن ابن ملجم نے کہا کہ علی کو قتل کر دینے کی ذمہ داری میں لیتا ہوں، پھر انہوں نے آپس میں اس پر عہد و پیمان کیا اور اس کے لئے یہ اسکیم بنائی کہ ہم میں سے

ہر ایک ۱۷ رمضان المبارک کو جب کہ یہ لوگ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے نکل رہے ہوں، حملہ کر کے اپنا کام کریں، اس دور میں نماز کی امامت خلیفۂ وقت یا ان کے مقرر کئے ہوئے امیر ہی کرتے تھے۔

اپنے بنائے ہوئے اس پروگرام کے مطابق برک ابن عبداللہ حضرت معاویہؓ کے دارالحکومت دمشق روانہ ہو گیا اور عمرو تمیمی مصر کی طرف جہاں کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ تھے، اور عبدالرحمٰن ابن ملجم حضرت علی مرتضیٰؓ کے دارالحکومت کوفہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

۱۷ رمضان کی صبح فجر کی نماز پڑھانے کے لئے حضرت معاویہ تشریف لے جا رہے تھے، برک نے تلوار سے حملہ کیا، حضرت معاویہؓ کو کچھ محسوس ہو گیا اور انہوں نے دوڑ کر اپنے کو بچانا چاہا پھر بھی برک کی تلوار سے ان کی ایک سرین پر گہرا زخم آ گیا، برک کو گرفتار کر لیا گیا (اور بعد میں قتل کر دیا گیا) زخم کے علاج کے لئے طبیب بلایا گیا، اس نے زخم کو دیکھ کر کہا کہ جس تلوار کا زخم ہے، اس کو زہر میں بجھایا گیا ہے، اس کے علاج کی ایک صورت یہ ہے کہ گرم لوہے سے زخم کو داغ دیا جائے اس طرح امید ہے کہ زہر سارے جسم میں سرایت نہیں کر سکے گا۔ دوری صورت یہ ہے کہ میں آپ کو ایک ایسی دوا تیار کر کے پلاؤں جس کا اثر یہ ہو گا کہ اس کے بعد آپ کی کوئی اولاد نہ ہو سکے گی، حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ گرم لوہے کے داغ کو تو میں برداشت نہ کر سکوں گا اس لئے مجھے وہ دوا تیار کر کے پلا دی جائے، میرے لئے دو بیٹے یزید اور عبداللہ کافی ہیں...... ایسا ہی کیا گیا اور حضرت معاویہ صحتیاب ہو گئے۔

عمرو تمیمی اپنے پروگرام کے مطابق حضرت عمرو بن العاصؓ کو ختم کرنے کے لئے مصر پہنچ گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ ۱۷ رمضان کی رات میں حضرت عمرو بن العاص کو ایسی شدید تکلیف ہو گئی کہ وہ فجر کی نماز پڑھانے کے لئے مسجد نہیں آ سکے تھے انہوں نے ایک دوسرے صاحب خارجہ بن حبیب کو حکم دیا کہ وہ ان کی جگہ مسجد جا کر نماز پڑھائیں چنانچہ وہ آئے اور نماز پڑھانے کے لئے امام کے مصلے پر کھڑے ہوئے، تو عمرو نے ان کو عمرو ابن العاص سمجھ کر تلوار سے وار کیا۔ وہ وہیں شہید ہو گئے، عمرو گرفتار کر لیا گیا، لوگ اس کو پکڑ مصر کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس لے گئے، اس نے دیکھا کہ لوگ ان کو امیر کے لفظ سے مخاطب کر رہے ہیں، اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ بتلایا گیا کہ یہ مصر کے امیر و حاکم حضرت عمرو بن العاصؓ ہیں، اس نے کہا میں نے جس شخص کو قتل کیا وہ کون تھا؟ بتلایا گیا وہ خارجہ ابن حبیب تھے، اس بدبخت نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کر کے کہا اے فاسق! میں نے تجھ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا تو نے یہ ارادہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ وہ تھا جو ہو گیا، اس کے بعد خارجہ ابن حبیب کے قصاص میں عمرو تمیمی کو قتل کر دیا گیا۔

ان میں سے تیسرا خبیث ترین اور شقی ترین بدبخت عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے پروگرام کے مطابق کوفہ پہنچ گیا تھا وہ ۱۷ رمضان کو فجر سے پہلے مسجد کے راستے میں چھپ کر بیٹھ گیا، حضرت علی مرتضیٰؓ کا معمول تھا کہ وہ گھر سے نکل کر الصلوٰۃ الصلوٰۃ پکارتے ہوئے اور لوگوں کو نماز کیلئے بلاتے ہوئے مسجد تشریف لاتے۔

اس دن میں حسب معمول اسی طرح تشریف لا رہے تھے کہ اس بدبخت ابن ملجم نے سامنے سے آ کر

اچانک آپ کی پیشانی پر تلوار سے وار کیا اور بھاگا لیکن تعاقب کر کے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سامنے پیش کیا گیا، آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس قاتل ابن ملجم کے بارے میں جیسا چاہوں گا فیصلہ کروں گا چاہوں گا تو معاف کر دوں گا، اور چاہوں گا تو قصاص میں قتل کرادوں گا اور اگر میں اس میں فوت ہو جاؤں تو پھر اس کو شرعی قانون قصاص کے مطابق قتل کر دیا جائے لیکن مثلہ نہ کیا جائے (یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء الگ الگ نہ کاٹے جائیں) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ کٹ کھنے کتے کو بھی مارا جائے تو اس کو مثلہ نہ کیا جائے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ خبیث ابن ملجم کی اس ضرب کے نتیجہ میں واصل بحق ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس بد بخت کو قتل کیا گیا، اور غیظ و غضب سے بھرے ہوئے لوگوں نے اس کی لاش کو جلا بھی دیا۔

فضائل خلفاء اربعہ

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض ارشادات میں جس طرح ایک ساتھ شیخین حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے فضائل بیان فرمائے اور جس طرح بعض ارشادات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر ایک ساتھ تینوں حضرات کے فضائل بیان فرمائے (جو اپنے موقعہ پر پہلے ذکر کئے جا چکے ہیں) اسی طرح آپ نے اپنے بعض ارشادات میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی شامل فرما کر چاروں خلفاء کے فضائل ایک ساتھ بیان فرمائے ہیں ذیل میں آپؐ کے ایسے ہی چند ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔

۱۹۶) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ فَاِنَّه' زَوَّجَنِیْ اِبْنَتَه' وَحَمَلَنِیْ اِلٰی دَارِالْهِجْرَةِ وَاَعْتَقَ بِلَا لًا مِّنْ مَّالِهٖ، رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَاِنْ كَانَ مُرًّا تَرَكَه' الْحَقُّ وَمَا لَه' صَدِيْقٌ، رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةِ، رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا اَللّٰهُمَّ اَدِرِالْحَقَّ مَعَه' حَيْثُ دَارَ . (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ابو بکر پر، انہوں نے اپنی بیٹی (عائشہ) کا میرے ساتھ نکاح کر دیا، اور دار الہجرۃ مدینہ منورہ تک پہنچنے کے لئے میرے واسطے (سواری وغیرہ) سفر کے انتظامات کئے، اور بلال کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔..... اللہ کی رحمت ہو عمر پر، وہ حق بات کہتا ہے اگرچہ کڑوی ہو، اس کی اس (بے لاگ) حق گوئی نے اس حال میں کر چھوڑا ہے کہ کوئی اس کا سچا اور پورا دوست نہیں..... اللہ کی رحمت ہو عثمان پر جس کا حال یہ ہے کہ فرشتے بھی اس سے شرماتے ہیں..... اور اللہ کی رحمت ہو علی پر، اے اللہ! تو حق اور سچائی کو اس کے ساتھ دائر اور سائر کر دے، وہ حق کے ساتھ رہے اور حق اس کے ساتھ "۔

(جامع ترمذی)

تشریح..... رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں چاروں خلفاء راشدین کے لئے رحمت کی دعا فرمائی، سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں دعاء رحمت فرمائی اور خصوصیت کے

ساتھ ان کے تین اعمال خیر کا ذکر فرمایا، سب سے پہلے ان کے اس عمل کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، کا آپؐ سے نکاح کر دیا...... اس عاجز کا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اگرچہ کم از کم آٹھ ازواج مطہرات آپ ﷺ کی اور بھی ہوئیں، لیکن حضرت عائشہؓ کے نکاح کی خاص اہمیت یہ تھی کہ آپ ﷺ کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا وجود آن کے کمال ایمان، ان کی فراست و دانشمندی اور بالخصوص ان کی وجہ سے خانگی ضروریات کی فکروں سے بے فکر اور آزادی حاصل ہو جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کے لئے باعث سکون خاطر تھا...... ان کی وفات سے فطری طور پر آپ ﷺ کو غیر معمولی رنج اور صدمہ تھا، اس وقت عالم غیب کی طرف سے آپ ﷺ کو اشارہ ملا کہ ابو بکر کی بیٹی عائشہ تمہاری رفیقۂ حیات ہوں گی۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت کمسن تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے غیبی اشارہ کی بنا پر یقین فرمالیا کہ یہ منجانب اللہ مقدر ہو چکا ہے اور ان کی رفاقت حضرت خدیجہؓ ہی کی طرح میرے لئے خیر اور باعث سکون خاطر ہو گی، چنانچہ ایک نیک خاتون خولہ بنت حکیم نے حضرت ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کی طرف سے رشتہ کا پیغام پہنچایا...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حضرت عائشہؓ اس وقت بہت کمسن تھیں نیز ان کی نسبت جبیر ابن مطعم کے بیٹے سے ہو چکی تھی جو ابو بکر ہی کی طرح مکہ کے خوشحال اور دولت مند لوگوں میں تھے...... اور مالی حیثیت سے حضور ﷺ کا جو حال تھا وہ ابو بکرؓ کے سامنے تھا اس کے باوجود انہوں نے حضور ﷺ کی اس حالت کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس امید پر کہ یہ نکاح رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کے سکون کا ذریعہ بنے گا اپنی اور بیٹی کی سعادت سمجھ کر اسے قبول کر لیا اور حضرت عائشہؓ کا آپؐ سے نکاح کر دیا...... بہر حال آنحضرت ﷺ نے اپنے مندرج بالا ارشاد میں حضرت ابو بکرؓ کے حق میں رحمت کی دعا کرنے کے ساتھ پہلے ان کے اس احسان کا ذکر فرمایا اس کے بعد ان کے اس دوسرے احسان کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے لئے میرے واسطے انتظامات کئے اور پورے سفر میں میرے ساتھ رہے، آخر میں حضور ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ کے اس تیسرے عمل خیر کا ذکر فرمایا کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو جو مکہ کی ایک انتہائی سنگدل کافر و مشرک کے غلام تھے وہ صرف حضورؐ پر ایمان لانے اور شرک چھوڑ کر توحید کو قبول کر لینے کی وجہ سے ان کو سخت لرزہ خیز تکلیفیں دیتا تھا، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے مالک کو منہ مانگے دام دے کر خرید لیا اور آزاد کر دیا...... اگرچہ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کے علاوہ بھی ایسے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جن کو ان کے کافر و مشرک مالک صرف ایمان لانے کے جرم میں تکلیفیں دیتے تھے لیکن حضرت بلالؓ حبشی کی خصوصیات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں صرف انہیں کو خرید کر آزاد کرنے کا ذکر فرمایا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے بعد آپؐ نے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس خاص وصف کا ذکر فرمایا کہ وہ مخلوق کی رضامندی و ناراضی سے بے پرواہ ہو کر ہر معاملے میں حق بات کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کو کڑوی معلوم ہو اور اس کی وجہ سے ان سے دور اور ناراض ہو جائیں...... معلوم ہوا کہ کسی بندہ کا یہ حال بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور ایسا بندہ اللہ کی رحمت کا خاص طور سے مستحق ہے...... حضرت عمرؓ کے بعد آپ ﷺ نے تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے

حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ان کے اس وصف کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے فرشتے بھی ان سے شرماتے ہیں (اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ان کے اس وصف کا ذکر گذر چکا ہے)...... حضرت عثمانؓ کے بعد آپؐ نے چوتھے خلیفہ حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اور ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! تو علی کے ساتھ حق کو دائر و سائر کر دے یعنی ہمیشہ وہ حق پر رہیں اور حق ان کے ساتھ رہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں جس ترتیب کے ساتھ ان چاروں کا ذکر کیا اور ان کے حق میں رحمت کی دعا فرمائی اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی امت میں یہ چاروں حضرات سب سے افضل اور بلند مرتبہ ہیں اور ان کے درمیان اسی ترتیب کے مطابق درجات کا فرق ہے، نیز اس ترتیب سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپؐ کے بعد یہ چاروں حضرات اسی ترتیب کے مطابق یکے بعد دیگرے آپؐ کے خلیفہ اور جانشین ہوں گے ...... اس کے علاوہ بھی آپ کے بہت سے ارشادات میں اسی ترتیب سے ان چاروں حضرات کا ذکر فرمایا گیا ہے اور ان سب احادیث سے یہی اشارہ ملتا ہے...... ان میں سے چند حدیثیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔

۱۹۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَرْحَمُ اُمَّتِىْ بِاُمَّتِىْ اَبُوْبَكْرٍ وَاَشَدُّهُمْ فِىْ اَمْرِاللّٰهِ عُمَرُ وَاَكْرَمُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ بْنِ عَفَّانَ وَاَقْضَاهُمْ عَلِىُّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ . (رواہ ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے لوگوں کے ساتھ سب سے زیادہ رحم دل میری امت میں ابو بکر ہیں ...... اور اللہ کے معاملہ میں سب سے سخت عمر بن خطاب ہیں ...... اور حیاء کے لحاظ سے میری امت میں سب سے افضل عثمان بن عفان ہیں اور نزاعات و خصومات کا فیصلہ کرنے میں علی ابن ابی طالب میری امت میں سب سے فائق ہیں۔" (ابن عساکر)

تشریح...... رسول اللہ ﷺ نے اس ارشاد میں خلفاء اربعہ میں سے ہر ایک کے اس وصف کا ذکر فرمایا ہے، جس میں اس کو امت کے تمام دوسرے افراد پر امتیاز حاصل ہے...... حضرت ابو بکرؓ صفت رحمت اور رحم دلی کے لحاظ سے تمام امت میں فائق ہیں ...... اسی طرح شدت فی امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام اور حقوق کے بارے میں سخت گیری کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں علیٰ ہذا صفت حیاء جس کو حدیث شریف میں ایمان کا خاص شعبہ بتایا گیا ہے اس ایمانی صفت کے لحاظ سے امت میں حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کو امتیاز حاصل ہے، اور نزاعات و خصومات کا صحیح اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی صلاحیت جو اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور الٰہی اور نبوی خلافت کا خاص وظیفہ ہے اس میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تمام امت پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۹۸) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ فَضَّلَ عَلٰى اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِىٍّ

فَقَدْرَدَّ مَاقُلْتُه، وَكَذَّبَ مَاهُمْ اَهْلُه. (رواه الرافعی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جس نے ابو بکر و عمر اور عثمان و علی پر (کسی اور کو) فضیلت دی تو اس نے میری بتلائی ہوئی بات کی تردید کی، اور یہ چاروں (عند اللہ) جس مرتبے پر ہیں، اس کی تکذیب کی...... (الرافعی)

تشریح...... حدیث کسی تشریح کی محتاج نہیں، اہل حق کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ یہ چاروں حضرات تمام امت میں افضل ہیں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اس بارے میں واضح ہیں جو کوئی بد عقیدہ شخص کسی دوسرے کو ان چاروں سے افضل جانے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی ارشادات کی تردید اور مخالفت کا مرتکب ہوا۔

۱۹۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَايَجْتَمِعُ حُبُّ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ اَبِىْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ فِىْ قَلْبِ مُنَافِقٍ. (رواه الطبرانى فى الا وسط وابن عساكر)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ان چاروں (میرے ساتھیوں اور رفیقوں ابو بکر و عمر اور عثمان و علی) کی محبت کسی منافق کے دل میں جمع نہ ہو گی۔...... (معجم اوسط طبرانی، ابن عساکر)

تشریح...... یہ حدیث بھی کسی تشریح کی محتاج نہیں بفضلہٖ تعالیٰ اہل السنۃ والجماعۃ کا حال یہی ہے کہ وہ ان چاروں حضرات سے محبت کو گویا جزو ایمان یقین کرتے ہیں اور جو بد نصیب ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھے اس کو فاسد العقیدہ اور حقیقی ایمان سے محروم جانتے ہیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا تھا کتب حدیث میں اور بھی ایسی روایات ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے ان خلفاء اربعہ کی فضیلت اور ان کے امتیاز کا ذکر اسی ترتیب سے فرمایا ہے، ان سب روایات سے ان حضرات کی فضیلت کے ساتھ ان کے درمیان فرق مراتب اور خلافت کے بارے میں ترتیب کا بھی اشارہ ملتا ہے۔

خلفاء اربعہ کے فضائل کے بارے میں ایک قابل لحاظ حقیقت

حدیث کی اکثر کتابوں میں شیخین (حضرت ابو بکرؓ و عمر رضی اللہ عنہما) کے فضائل کے بارے میں حدیثوں کی تعداد کم ہے...... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد نسبتاً زیادہ ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد بہت زیادہ ہے...... اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دور صحابہ میں شیخین کی شخصیتیں متفق علیہ تھیں اور کسی کو اس کی ضرورت نہیں تھی کہ ان کے فضائل کی روایتیں تلاش کرے اور امت کے عوام کو پہنچائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری سالوں میں خاص طور سے ایک گروہ کی سازش اور شرارت سے جس کا سرغنہ ایک منافق عبداللہ ابن سبا تھا ان کی شخصیت متفق علیہ نہیں رہی، اس لئے اس کی ضرورت پیدا ہو گئی کہ ان کے فضائل سے متعلق روایتیں تلاش کر کے بیان کی جائیں۔ اسی وجہ سے ان کے فضائل سے متعلق حدیثوں کی تعداد حدیث کی کتابوں میں شیخین کی بہ نسبت زیادہ ہے ان کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی

شخصیت بھی متنازعہ ہو گئی اور خوارج کا ایک مستقل ایسا گروہ بھی پیدا ہو گیا جو ان کو دین اور امت میں فتنہ جانتا اور واجب القتل سمجھتا تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔)

اس لئے ان کے فضائل کی حدیثیں تلاش کرنے کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی اور اللہ کے مخلص بندوں نے محنت و تلاش سے ان کے فضائل کی حدیثیں جمع کیں۔

علاوہ ازیں ان کے بارے میں غلو کرنے والوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو ان کے فضائل میں حدیثیں وضع کرنا کار ثواب سمجھتے تھے، ان میں سے بہت سے بظاہر صالحین کی سی زندگی گذارتے تھے۔

ہمارے محدثین بشر ہی تھے "ان کا زمانہ بھی ان راویوں کے بہت بعد کا تھا، وہ ان کے اندرونی حال سے واقف نہ ہو سکے اور ان کی روایتیں بھی ہماری کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، اس لئے بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل کی روایات ہماری کتب حدیث میں خلفاء ثلثہ کی بہ نسبت بہت زیادہ تعداد میں نظر آتی ہیں۔

اس بات کی ضرورت واقعۃً موجود ہے کہ ان احادیث کا محدثانہ اور محققانہ اصول و قواعد کی روشنی میں جائزہ لیا جائے...... یہ عاجز اب عمر کے اس مرحلہ اور ضعف و معذوری کے اس حال میں ہے کہ خود اس طرح کے کسی کام کی ہمت نہیں کر سکتا، دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کا داعیہ اس کے اہل لوگوں کے قلب میں ڈال دے اور یہ کام بھی انجام پا جائے۔

عشرۂ مبشرہ کے بقیہ حضرات رضی اللہ عنہم کے فضائل

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک ارشاد میں (جو ناظرین کرام ان تمہیدی سطروں کے بعد جامع ترمذی کے حوالہ سے پڑھیں گے) اپنے اصحاب کرام میں سے خصوصیت کے ساتھ دس حضرات کو نامزد کر کے اعلان فرمایا کہ یہ جنتی ہیں...... ان حضرات کو عشرۂ مبشرہ کہا جاتا ہے۔

ان دس میں خلفاء اربعہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور حضور نے سب سے پہلے انہیں کے جنتی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، ان حضرات کے فضائل و مناقب سے متعلق حدیثیں ناظرین کرام کی نظر سے گذر چکی ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات کے فضائل سے متعلق حدیثیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

۲۰۰) **عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ : اَبُوْبَكْرٍ فِى الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِى الْجَنَّةِ، وَعُثْمَانُ فِى الْجَنَّةِ، وَعَلِيٌّ فِى الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِى الْجَنَّةِ، وَالزُّبَيْرُ فِى الْجَنَّةِ، وَعَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فِى الْجَنَّةِ، وَسَعْدُ ابْنُ اَبِىْ وَقَّاصٍ فِى الْجَنَّةِ، وَسَعِيْدُ ابْنُ زَيْدٍ فِى الْجَنَّةِ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِى الْجَنَّةِ.** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ابو بکرؓ جنتی ہیں، عمرؓ جنتی ہیں عثمانؓ جنتی ہیں، علیؓ جنتی ہیں، طلحہؓ جنتی ہیں، زبیرؓ جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہیں، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہیں، سعید بن زیدؓ جنتی ہیں اور ابو عبیدہ الجراحؓ جنتی ہیں...... (جامع ترمذی)

تشریح...... ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا یہ اعلان وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع اور اس کے حکم سے تھا...... جمہور علماء اہل سنت نے حضور کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دس حضرات باقی اصحاب کرام اور پوری امت میں افضل ہیں، اگرچہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات کے جنتی ہونے کی حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے، لیکن ان دس حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلہ میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد میں حضرات خلفاء اربعہ کے بعد جس ترتیب سے باقی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں اسی ترتیب کے مطابق ان حضرات کے فضائل کی حدیثیں ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

۲۰۱) **عَنْ جَابِرٍ قَالَ : نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلٰى طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ، قَالَ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَنْظُرَ اِلٰى شَهِيْدٍ يَمْشِىْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى هٰذَا** (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جس کے لئے یہ بات خوشی اور مسرت کا باعث ہو کہ وہ کسی ایسے شہید کو دیکھے جو زمین پر چل پھر رہا ہو تو وہ طلحہ ابن عبید اللہ کو دیکھ لے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر یہ بات منکشف فرمادی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ شہید ہوں گے، آپؐ نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں ان کے شہید ہونے کی اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضور ﷺ کا مقصد ان کی ایک خاص فضیلت اور عنداللہ ان کی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔

حضرت طلحہ ابن عبید اللہ رسول اللہ ﷺ کے وصال فرمانے کے قریباً پچیس سال بعد جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ بلاشبہ آنحضرت ﷺ کا ان کی شہادت کی اطلاع دینا آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۲۰۲) **عَنِ الزُّبَيْرِ قَالَ : كَانَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ اِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ فَقَعَدَ طَلْحَةُ تَحْتَه، حَتَّى اسْتَوٰى عَلَى الصَّخْرَةِ، فَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَوْجَبَ طَلْحَةُ** (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ دو زرہیں پہنے ہوئے تھے، آپ نے اسی حالت میں پتھر کی ایک چٹان پر چڑھنا چاہا تو (دو زرہوں کے بوجھ اور دباؤ کی وجہ سے) آپ چٹان پر چڑھ نہیں سکے، تو طلحہ بیٹھ گئے تاکہ آپ ان کے اوپر اپنا قدم مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہنچ سکیں چنانچہ) آپ ﷺ ان پر اپنا پائے مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہنچ گئے (حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں) میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا اوجب طلحۃ یعنی طلحہ نے اپنے لئے (جنت واجب کرلی...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں۔

حدیث میں آنحضرت ﷺ کے دو زرہیں پہننے کا ذکر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنگ کے موقع پر اپنی حفاظت اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کے لئے امکانی حد تک اسباب کا استعمال کرنا نہ صرف یہ کہ توکل کے منافی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

۲۰۳) **عَنْ قَيْسِ ابْنِ اَبِىْ حَازِمٍ قَالَ : رَأَيْتُ يَدَ طَلْحَةَ شَلَّاءَ وَقٰى بِهَا النَّبِيَّ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ.**

(رواه البخاری)

ترجمہ: قیس ابن ابی حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے طلحہ کا ہاتھ دیکھا کہ وہ شل ہو چکا تھا، انہوں نے غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ کو اس ہاتھ کے ذریعہ (دشمن کے تیروں کا نشانہ بننے سے) بچایا تھا۔ (صحیح بخاری)

تشریح...... جنگ احد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن لشکر کے تیر اندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہ

ﷺ کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپ کو شہید کر دینا چاہا...... اس وقت جب کہ آنحضرت ﷺ پر تیروں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، حضرت طلحہ ابن عبید اللہؓ نے اپنے سپر کے ذریعہ حضور ﷺ کو بچانے کی کوشش کی، اسی حال میں ہاتھ ایسا زخمی ہوا کہ سپر ہاتھ سے گر گیا تو انہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے دونوں ہاتھوں کو سپر بنا لیا اور حضور کی طرف آنے والے ہر تیر کو اپنے اوپر لیا دشمن کا ایک تیر بھی حضورؐ تک نہیں پہنچنے دیا، جس کی وجہ سے ایک ہاتھ تو بالکل شل ہو گیا اور پورا جسم گویا چھلنی ہو گیا، روایات میں ہے کہ ان کے جسم پر اسی سے اوپر زخم شمار کئے گئے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور احد کے بعد بھی قریباً تمام ہی غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے، پھر آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک دین اور امت مسلمہ کی خدمت ہی ان کا نصب العین اور ان کی زندگی کا مصرف رہا یہاں تک کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

اس روایت کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے راوی قیس ابن ابی حازم معروف اصطلاح کے مطابق صحابی نہیں ہیں، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا لیکن ایسے وقت پہنچے کہ آنحضرت ﷺ اس دنیا سے رفیق اعلیٰ کی طرف رحلت فرما چکے تھے، اس لئے اگرچہ تابعین میں ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری اور زیارت و بیعت کی نیت سے مدینہ منورہ کی طرف سفر کیا تھا، اس لئے ان کتابوں میں جو صحابہ کرامؓ ہی کے حالات میں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ گویا ان کتابوں کے مصنفین نے حضور ﷺ کے ارشاد " انما الا عمال بالنیات و انما لامرء مانوی " کی روشنی میں ان کی نیت ہی کو عمل کے قائم مقام قرار دے کر صحابہ کرامؓ کے ساتھ شمار کر لیا ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

۲۰۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ يَاتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ يَوْمَ الْاَحْزَابِ، قَالَ الزُّبَيْرُ : أَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْ لِكُلِّ نَبِيِّ حَوَارِيًا وَحَوَارِيُّ الزُّبَيْرُ. (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ احزاب کے دن حضور ﷺ نے فرمایا، کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے، حضرت زبیرؓ نے عرض کیا۔ میں (خبر لاؤں گا) اس پر (ان کے اس عرض کرنے پر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے، راجح قول کے مطابق ۵ھ کے اواخر میں ہوا بعض حیثیتوں سے اس غزوہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے قرآن مجید میں غیر معمولی انداز میں پورے دو رکوع میں اس غزوہ کے حالات کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام الاحزاب ہے، اس کے بارے میں تفصیلات حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں، ہاں عام ناظرین کی واقفیت کے لئے کسی قدر

اختصار کے ساتھ اس کا واقعہ لکھا جاتا ہے۔

معلوم ہے کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے لائے ہوئے دین کے شدید ترین دشمن تھے۔ بدر اور احد کے تجربوں اور حالات کی رفتار دیکھنے کے بعد انہوں نے گویا طے کر لیا تھا کہ آئندہ وہ اپنی طرف سے مسلمانوں کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے...... مدینہ طیبہ کے جوار میں جو یہودی قبائل آباد تھے، ان میں سے بنو نضیر کو ان کی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے جلاوطن کرا دیا تھا اور وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے...... سازش اور فتنہ پردازی یہودیوں کی گویا فطرت ہے، انہوں نے خیبر میں آباد ہو جانے کے بعد یہ اسکیم بنائی کہ عرب کے تمام بڑے قبائل کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنی پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملہ کریں اور ان کو نیست و نابود کر دیں گے اس مقصد کے لئے بنو نضیر کا ایک وفد پہلے مکہ معظّمہ پہنچا اور قریش کے سرداروں کی سامنے جو اسلام اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اپنی یہ اسکیم رکھی، اور ساتھ ہی بتلایا کہ ہم اس کی پوری کوشش کریں گے کہ دوسرے قبیلے بھی اس جنگ میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ شریک ہوں اور مدینہ کے قریب میں جو یہودی آبادیاں ہیں (بنو قریظہ وغیرہ) وہ بھی اس جنگ میں آپ کا پورا ساتھ دیں گے اور اس صورت میں مسلمان آپ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے گا...... قریش مکہ کے ان سرداروں کو راضی کرنے کے بعد اس وفد نے قبیلۂ غطفان اور بنو اسد وغیرہ قبائل میں پہنچ کر ان کو بھی اس جنگ میں شرکت پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ اس جنگ کے نتیجہ میں مدینہ اور اس کے قرب و جوار کے پورے علاقے پر جو بہت سرسبز و شاداب اور بہت زرخیز تھا، آپ لوگوں کا قبضہ ہو جائے گا، چنانچہ یہ قبیلے بھی آمادہ ہو گئے، اس طرح قریش مکہ، غطفان، بنو اسد وغیرہ عرب قبائل پر مشتمل دس ہزار اور ایک روایت کے مطابق بارہ ہزار کا لشکر مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ کو دشمنان اسلام کے اس ناپاک منصوبہ کا علم ہوا تو آپؐ نے معمول کے مطابق اپنے خواص اصحاب سے مشورہ کیا...... صورت حال یہ تھی کہ مدینہ میں ان مسلمانوں کی کل تعداد جن سے جنگ میں حصہ لینے کی توقع کی جا سکتی تھی، تین ہزار سے زیادہ نہ تھی وہی اس وقت کی اسلامی فوج تھی، اس کے پاس زندگی کی ضروریات اور جنگ کا سامان اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، جو دشمن لشکر کے پاس تھا، اس لئے مشورہ ہی سے جنگی حکمت عملی یہ طے کی گئی کہ باہر نکل کر کھلے میدان جنگ نہ کی جائے بلکہ مدینہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے۔

سلمان فارسیؓ جو ایرانی النسل تھے انہوں نے بتلایا کہ ایسے موقعوں پر ہمارے ملک ایران میں کثیر التعداد اور طاقت ور دشمن لشکر کے مقابلے اور اس سے بچاؤ کے لئے طریقہ یہ ہے کہ ایسی خندق کھودی جاتی ہے کہ آدمی نہ خود ہی چھلانگ لگا کر اس کو پار کر سکے اور نہ گھوڑے کا سوار...... مدینہ منورہ تین طرف سے قدرتی طور پر پہاڑوں وغیرہ سے اس طرح گھرا ہوا تھا کہ ان سمتوں سے کسی بڑے لشکر کے حملہ آور ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا، ایک سمت شمال مشرق کھلی ہوئی تھی کہ دشمن لشکر اس طرف سے حملہ کر سکتا تھا...... رسول اللہ

ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام نے سلمان فارسیؓ کے مشورہ کو قبول کرنا مناسب سمجھا اور اس سمت میں خندق کھودے جانے کا فیصلہ کر لیا گیا اس خندق کی گہرائی اور چوڑائی قریباً دس ہاتھ تھی، دس (۱۰) دس (۱۰) مسلمانوں کی جماعت بنا کر ان پر خندق کا کام تقسیم کر دیا گیا اور صحابہ کرامؓ نے انتہائی مشقت کے ساتھ سخت سردی کے موسم میں دن کے علاوہ سرد راتوں میں بھی کھدائی کا کام کیا، اس خندق کا طول آثار مدینہ کے بعض ماہرین کے لکھنے کے مطابق تقریباً پانچ ہزار ذراع یعنی ڈھائی ہزار گز تھا (گویا قریباً ڈیڑھ میل)۔

دشمن لشکر ابوسفیان کی سربراہی میں آیا اور خندق کے مقابل میدان میں پڑاؤ ڈالا ان لوگوں کے ساتھ خیمے وغیرہ بھی تھے اور کھانے پینے کا سامان بھی وافر، قریباً ایک مہینے تک یہ لشکر پڑاؤ ڈالے رہا لیکن خندق کو پار کر کے مدینہ پر حملہ کرنا اس لشکر کے لئے ممکن نہ تھا بس دونوں طرف سے کچھ تیر اندازی ہوئی، سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں صحابہ کرام میں سے سات شہید ہوئے اور مشرکین میں سے چار جہنم واصل ہوئے ...... قرآن مجید (سورۃ الاحزاب) میں اس غزوہ میں مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش اور قربانی کا جس طرح ذکر فرمایا گیا ہے اس طرح کسی دوسرے غزوہ کے بارے میں ذکر نہیں فرمایا گیا، آگے قرآن مجید ہی میں یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کی مشقت و مصیبت اور قربانی انتہا کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی مدد آئی یہ ایسی تیز و تند ہوا تھی جس نے دشمن لشکر کے سارے خیمے اکھاڑ پھینکے چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں وہ سب الٹ گئیں، ان کے کچھ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر مختلف سمتوں میں بھاگ گئے ...... (میرا خیال ہے کہ لشکر کے بہت سے لوگوں نے آندھی کی اس غیر معمولی نوعیت کی وجہ سے اس کو خداوندی عذاب سمجھا ہوگا) ...... لشکر کے قائد اور سپہ سالار ابوسفیان نے بھی واپسی کا فیصلہ کر لیا اور اس طرح پورا لشکر نامراد ہو کر واپس ہو گیا۔ وکفی اللہ المومنین القتال۔

اسی غزوہ میں کسی خاص مرحلہ پر آنحضرت ﷺ کو دشمن لشکر کا حال معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، تو آپ نے فرمایا "مَنْ يَّاتِيْنِىْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ" یعنی کون ہے جو دشمن لشکر کا حال معلوم کر کے لائے، ظاہر ہے کہ اس میں جان کا بھی خطرہ تھا...... حضرت زبیرؓ نے سبقت کر کے عرض کیا کہ اس خدمت کو میں انجام دوں گا، اس پر حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا ہر نبی کے لئے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر ہیں۔ اردو میں کوئی لفظ نہیں ہے جو حواری کے پورے مفہوم کو ادا کر سکے (جاں نثار، رفیق کار اور مددگار کے الفاظ سے کسی حد تک حواری کا مطلب ادا ہو جاتا ہے) ...... بلا شبہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، کی یہ بڑی فضیلت ہے۔

ان کے بارے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عشرہ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح ان کو بھی رسول اللہ ﷺ کی قرابت قریبیہ حاصل ہے، حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے چچا ابو طالب بن عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت زبیرؓ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

۲۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ عَلٰى حِرَاءَ هُوَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِیٌّ وَعُثْمَانُ وَطَلْحَةُ وَزُبَيْرُ فَتَحَرَّكَتِ الصَّخْرَةُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِهْدَأْ فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِیٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْشَهِيْدٌ. (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حراء پہاڑ پر رسول اللہ ﷺ تھے اور آپؐ کے ساتھ ابو بکرؓ و عمرؓ، علیؓ، عثمانؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ بھی تھے۔ تو پہاڑ کی اس چٹان میں (جس پر یہ حضرات تھے) جنبش پیدا ہوئی تو آپ ﷺ نے (پہاڑ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ ساکن ہو جا کہ تیرے اوپر بس اللہ کا ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور شہید ہونے والے (صحیح مسلم)

تشریح...... جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا معجزانہ واقعہ کئی دفعہ پیش آیا ہے، وہ حدیثیں پہلے ذکر کی جاچکی ہیں، جن میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف شیخین یا ان کے علاوہ حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس حدیث میں جس واقعہ کا ذکر ہے، اس میں آپ کے ساتھ خلفاء اربعہ کے علاوہ عشرۂ مبشرہ میں سے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی تھے، اور اس حدیث میں آپ نے ان دونوں کے شہید ہونے کی بھی پیشین گوئی فرمائی اور یہ دونوں حضرات اسی پیشین گوئی کے مطابق جنگ جمل میں مظلومانہ شہید ہوئے۔

۲۰۶) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ : سَمِعَتْ اُذُنَیَّ مِنْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: طَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ جَارَایَ فِی الْجَنَّةِ. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ طلحہؓ اور زبیرؓ جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے...... (جامع ترمذی)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت طلحہؓ و زبیرؓ) رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوئے فضائل خاص طور سے آپ ﷺ کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور جنتی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے چنانچہ یہی حدیث جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ "یہ دونوں جنت میں میرے ہمسایہ ہوں گے، اس کے لئے حضرت علیؓ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا کہ "سَمِعَتْ اُذُنَیَّ مِنْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ" کہ میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرماتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ پیرایۂ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے...... اور اس کی خاص وجہ غالباً یہ تھی کہ ان دونوں حضرات کو جنگ جمل کے موقعہ پر جب کہ یہ دونوں جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے حضرت علی مرتضیٰؓ کے لشکر کے بعض بد بختوں نے ان کو شہید کیا تھا۔

اس جنگ کے بارے میں اتنی وضاحت یہاں بھی کر دینا ضروری ہے کہ یہ اس دنیا کی وہ عجیب و غریب

اور عبرت آموز جنگ تھی جس کے دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک بھی جنگ کرنا نہیں چاہتا تھا، دونوں ایک دوسرے کے فضائل ومناقب سے واقف اور ان کے معترف تھے، لیکن کچھ شیاطین الانس عبداللہ بن سبا اور اس کے چیلوں نے اپنی شیطنت وفریب کاری سے رات کے اندھیرے میں دونوں فریقوں میں جنگ کرا دینے میں کامیابی حاصل کرلی...... بہر حال یہ جنگ بلاارادہ محض دھوکہ میں ہوئی، جنگ کے بعد دونوں فریقوں کو انتہائی رنج وافسوس ہوا، اور وہ برابر استغفار اور تلافی کی ممکن کوشش کرتے رہے۔

اس جنگ کے بارے میں تفصیلات ان کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ❶

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

۲۰۷) **عَنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّةِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ : سَأَلَنِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ اُحُدٍ وَهُوَ فِى الشِّعْبِ هَلْ رَأَيْتَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُه' اِلٰى حَرِّالْجَبَلِ وَعَلَيْهِ عِكْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَهَوَيْتُ اِلَيْهِ لِاَمْنَعَه' فَرَايْتُكَ فَعَدَلْتُ اِلَيْكَ، فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ اَمَا اِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَه' فَرَجَعْتُ اِلَى عَبْدِالرَّحْمٰنِ فَاَجِدُه' بَيْنَ نَفَرٍ سَبْعَةٍ صَرْعٰى فَقُلْتُ لَه' ظَفِرَتْ يَمِيْنُكَ اَكُلَّ هٰؤُلَآءِ قَتَلْتَ؟ قَالَ : اَمَّا هٰذَا لِاَرْطَاةُ بْنُ عَبْدِ شُرَحْبِيْلَ وَهٰذَانِ فَاَنَا قَتَلْتُهُمَا، وَاَمَّا هٰؤُلَآءِ فَقَتَلَهُمْ مَنْ لَمْ اَرَاه' قُلْتُ : صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُه' ﷺ.**

(رواه ابن منده فى مسنده والطبرانى فى المعجم الكبير، وابو نعيم فى الحلية)

ترجمہ: حضرت حارث بن صمہ انصاریؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ غزوۂ احد کے دن جب کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی میں تھے، آپ ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "کہ تم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا ہے؟" "میں نے عرض کیا" ہاں یارسول اللہ! میں نے ان کو دیکھا ہے، پہاڑ کے سیاہ پتھروں والے حصے کی طرف، اور ان پر حملہ کر رہی تھی مشرکین کی ایک جماعت تو میں نے ارادہ کیا ان کی پاس جانے کا تاکہ میں ان کو بچاؤں کہ اسی وقت میری نگاہ آپ ﷺ پر پڑی، تو میں آپ کی طرف چلا آیا!" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے فرشتے عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔" (حارث کہتے ہیں کہ) حضورؐ سے یہ بات سننے کے بعد میں عبدالرحمٰن بن عوف کی طرف لوٹ آیا، تو میں نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں ان کے پاس پڑی تھیں تو میں نے ان سے کہا۔ کامیاب اور فتح یاب رہیں تمہارے ہاتھ، کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟" انہوں نے کہا: کہ یہ ارطاہ بن عبد شرحبیل اور یہ دو ان کو تو میں نے قتل کیا ہے، باقی یہ چار میں نے نہیں دیکھا کہ ان کو کس

❶ حضرت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرت خلفاء راشدین" میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے بیان کے سلسلہ میں اس موضوع پر السیف المسلول تاریخ قرطبی، "ازالۃ الخفاء" وغیرہ کے حوالوں سے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔

نے قتل کیا ہے۔" (ان کا یہ جواب سن کر) میں نے کہا کہ "صادق ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ۔

(روایت کیا اس کو ابن مندہ نے اپنے "مسند" میں اور طبرانی نے "معجم کبیر" میں، اور ابو نعیم نے حلیہ میں۔)

تشریح...... حدیث کا مطلب صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غزوہ احد کے بارے میں مختصراً کچھ ذکر کر دیا جائے۔

غزوہ بدر جو رمضان المبارک ۲ھ میں ہوا تھا، اس میں مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا، کیونکہ مدینہ سے کسی باقاعدہ جنگ کے ارادہ سے چلے ہی نہ تھے، اس لئے جو سامان جنگ ساتھ لے سکتے تھے وہ بھی ساتھ نہیں اور مکہ کے مشرکین کے لشکر کی تعداد تین گنی سے بھی زیادہ ایک ہزار تھی، وہ جنگ ہی کے اردہ سے پورے سامان جنگ کے ساتھ لیس ہو کر آئے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی مدد سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی، مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں سے قتل ہو کر مشرکین مکہ میں سے ستر (۷۰) جہنم رسید ہوئے، جن میں ابو جہل اور اس جیسے کئی دوسرے قریشی سردار بھی تھے اور ستر (۷۰) کو قیدی بنالیا گیا، باقی سب نے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کی جنگ کے اس نتیجہ نے مکہ کے خاص کر ان مشرکوں میں جو جنگ میں شریک نہیں تھے، مسلمانوں کے خلاف سخت غیظ و غضب کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے طے کیا کہ ہمیں اس کا انتقام لینا ہے اور پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینا ہے، چنانچہ پورے ایک سال تک ان لوگوں نے تیاری کی اور واقعہ بدر کے ٹھیک ایک سال بعد شوال ۳ھ میں تین ہزار کا لشکر ابو سفیان کی قیادت میں مسلمانوں کو ختم کر دینے کے ناپاک ارادہ کے ساتھ روانہ ہوا اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ کی قریب پہنچ گیا، رسول اللہ ﷺ جاں نثار صحابہؓ کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے تشریف لائے، آپ کے ساتھ مجاہدین کی تعداد صرف سات سو تھی......

مدینہ کی آبادی سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر احد پہاڑ ہے، اس کے دامن میں ایک وسیع میدان ہے آپ نے وہیں صحابہؓ کے لشکر کو اس طرح صف آرا کیا کہ احد پہاڑ ان کی پشت پر تھا جس کی وجہ سے یہ اطمینان تھا کہ دشمن پیچھے سے حملہ نہیں کر سکے گا، لیکن پہاڑ میں ایک درہ ایسا تھا کہ دشمن اس درہ سے آکر پیچھے حملہ کر سکتا تھا، اس کے لئے آپ نے یہ انتظام فرمایا کہ پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت کو درہ کے قریب کی ایک پہاڑی پر متعین کیا اور عبداللہ بن جبیرؓ کو (جو تیر اندازی میں خود بھی خاص مہارت رکھتے تھے) اس دستہ کا امیر مقرر فرمایا اور ہدایت فرمادی کہ "وہ اسی جگہ رہیں" آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن لشکر اس درہ کی طرف سے آکر حملہ نہ کر سکے۔

جنگ شروع ہوئی پہلے ہی مرحلہ میں مسلمان مجاہدین نے ایسے زور کا حملہ کیا کہ دشمن لشکر (جس کی تعداد چار گنا سے زیادہ تھی) کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا، یہاں تک کہ مجاہدین نے سمجھ لیا کہ جنگ ہماری فتح پر ختم ہو گئی اور وہ دشمن کا چھوڑا ہوا مال غنیمت بٹورنے میں مشغول ہو گئے......درہ پر متعین کی ہوئی تیر اندازوں کی جماعت نے جب یہ حال دیکھا تو ان میں سے بھی بہت سے مال غنیمت بٹورنے کے لئے پہاڑی سے نیچے اتر کر میدان کی طرف آنے لگے، ان کے امیر عبداللہ بن جبیرؓ

نے ان کو روکنا چاہا اور یاد دلایا کہ حضور ﷺ نے ہدایت فرمائی تھی کہ "تم کو ہر حال میں یہیں رہنا ہے۔" انہوں نے کہا کہ یہ حکم تو اس وقت تک کے لئے تھا جب تک جنگ جاری ہو، مگر اب جب کہ جنگ ختم ہو گئی، اور دشمن میدان چھوڑ کر بھاگ گیا، تو ہم یہاں کیوں رہیں، الغرض ان لوگوں نے اپنے امیر کی بات نہیں مانی اور پہاڑی سے نیچے اتر کر یہ بھی مال غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے، مگر دستہ کے امیر عبداللہ بن جبیر اور چند ساتھی حضور ﷺ کی ہدایت کے مطابق پہاڑی ہی پر رہے...... خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مشرکین کے ایک دستہ کو ساتھ لے کر اس درہ کی طرف سے آگئے، عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے جو پہاڑی پر تھے، روکنا چاہا، لیکن وہ نہیں روک سکے اور سب کے سب شہید ہوگئے، خالد بن ولید نے اپنے دستہ کے ساتھ درہ میں سے آکر پیچھے سے اچانک مسلمانوں پر ایسے وقت میں حملہ کر دیا جب وہ لوگ غلطی سے جنگ ختم سمجھ چکے تھے، اس حملہ نے بہت سے مسلمانوں کو حواس باختہ کر دیا اور وہ جم کر اور منظّم ہو کر اس حملہ کا مقابلہ نہیں کر سکے، ان میں افراتفری کی کیفیت پیدا ہو گئی، متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، حتیٰ کہ خود حضور ﷺ بھی شدید طور پر زخمی ہو گئے" (اس صورت حال کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)...... پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پانسہ پلٹا، صحابہ کرام جو منتشر ہو گئے تھے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، یہ معلوم ہونے کے بعد کہ حضور بفضلہٖ تعالیٰ زندہ و سلامت ہیں، پھر منظّم ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے پھر دشمن کو شکست دی...... مندرجہ بالا حارث بن صمہؓ کی اس حدیث کا تعلق بظاہر اسی مرحلہ سے ہے، معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبدالرحمٰن بن عوف کا یہ حال منکشف کیا گیا کہ وہ مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں اور اللہ کے فرشتے ان کے ساتھ شریک جنگ ہیں، اور ان کی مدد کر رہے ہیں آپ نے اسی بنا پر حارث بن صمہؓ سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں دریافت کیا، اور انہوں نے وہ جواب دیا جو حدیث میں مذکور ہوا، ان کا جواب سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: "أَمَا اِنَّ الْمَلَائِكَةَ تُقَاتِلُ مَعَهُ" (معلوم ہونا چاہئے کہ فرشتے ان کے ساتھ ہو کر جنگ کر رہے ہیں) حضور ﷺ سے یہ سننے کے بعد حارث بن صمہؓ پھر وہاں پہنچے جہاں انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اس حال میں دیکھا تھا کہ مشرکین کی ایک جماعت ان پر حملہ کر رہی ہے تو انہوں نے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں پڑیں ہیں، عبدالرحمٰن بن عورفؓ سے انہوں نے دریافت کیا، کیا ان سب کو تم نے ہی جہنم رسید کیا ہے؟ تو انہوں نے سات میں سے تین کے بارے میں کہا کہ "ان کو تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے میں نے ہی قتل کیا ہے، باقی چار کے متعلق مجھے معلوم نہیں کہ ان کو کس نے قتل کیا، ان کا یہ جواب سن کر حارث بن صمہؓ کہہ اٹھے کہ: "صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ" مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ "عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ فرشتے جنگ کر رہے ہیں، اس کو میں نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور میرا ایمان تازہ ہو گیا۔

اس حدیث سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ وہ جنگ احد کے خاص آزمائشی وقت میں بھی استقامت کے ساتھ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے

فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے تھے...... بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے خاص فضائل میں سے ہے، نیز حضورﷺ نے ان کے بارے میں جو فرمایا تھا کہ "فرشتے جنگ میں ان کی مدد کر رہے ہیں" یقیناً یہ حضورﷺ کا معجزہ تھا۔

۲۰۸) **عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنَ سَعْدٍ قَالَ : بَلَغَنِىْ اَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ جُرِحَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْدٰى وعِشْرِيْنَ جَرَاحَةً وَجُرِحَ فِىْ رِجْلِهٖ فَكَانَ يَعْرُجُ مِنْهَا.** (رواه ابو نعيم وابن عساكر)

ترجمہ: ابراہیم بن سعد (تابعی) سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو غزوہ احد میں (تیروں اور تلواروں کے) اکیس (۲۱) زخم آئے تھے، ان کا پاؤں بھی زخمی ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ لنگڑا کر چلتے تھے۔ (ابو نعیم ابن عساکر)

تشریح...... معلوم ہے کہ رسول اللہﷺ اس غزوۂ احد میں شدید طور پر زخمی ہوئے تھے، بلاشبہ بڑے خوش نصیب اور بلند مرتبہ ہیں وہ سب حضرات جو اس غزوہ میں شہید یا شدید طور پر زخمی ہوئے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی انہیں خوش نصیبوں میں سے ہیں۔

۲۰۹) **عَنِ الْمُغِيْرَةَ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِىْ سَفَرٍ فَاتَاهُ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ ثُمَّ لَحِقَ بِالنَّاسِ فَاِذَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ يُصَلِّىْ بِهِمْ، فَلَمَّا رَاٰهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ هَمَّ اَنْ يَّرْجِعَ فَاَوْمَأَ اِلَيْهِ النَّبِىُّ ﷺ اَنْ مَكَانَكَ فَصَلَّيْنَا خَلْفَهٗ مَاأَدْرَكْنَا وَقَضَيْنَا مَافَاتَنَا.**

(رواه الضيأ المقدسى فى المختاره)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں حضورﷺ کے ساتھ تھے، وہ آپﷺ کے لئے وضو کا پانی لائے آپﷺ نے وضو فرمایا اور اس وضو میں خفین پر مسح کیا پھر آپ لوگوں کے ساتھ نماز کی جماعت میں شریک ہوئے، اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے، تو جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آپؐ کو دیکھا، ارادہ کیا کہ پیچھے ہٹ کر جماعت میں شامل ہو جائیں، (اور باقی نماز حضورﷺ پڑھائیں) لیکن آنحضرتؐ نے اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو" (پیچھے نہ ہٹو...... آگے حضرت مغیرہؓ بیان کرتے ہیں کہ تو ہم دونوں نے نماز باجماعت کا جو حصہ پایا وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں پڑھا، اور جو فوت ہو گیا تا وہ ہم نے بعد میں ادا کیا۔

(مختار والضیاء المقدسی)

تشریح...... اس روایت میں واقعہ کے بیان میں انتہائی درجہ کے اجمال اور اختصار سے کام لیا گیا ہے، واقعہ کی پوری تفصیل حضرت مغیرہؓ ہی کی ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے جو سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے "کنز العمال" میں مندرجہ بالا روایت کے ساتھ ہی درج کی گئی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ
کسی نے مغیرہ بن شعبہؓ سے دریافت کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ کسی اور شخص کی اقتداء میں بھی رسول اللہﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہے؟ تو مغیرہؓ نے بیان کیا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہﷺ کے ساتھ تھے،

جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھے اشارہ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ آپ قضاء حاجت کے لئے جانا چاہتے ہیں، تو میں آپ کے ساتھ ہو گیا، پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ میں بھی ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف چل دیئے یہاں تک کہ لوگوں سے بہت دور ہو گئے ...... پھر رسول اللہ ﷺ مجھے چھوڑ کر ایک طرف چلے گئے یہاں تک کہ میری نظر سے بھی آپؐ غائب ہو گئے، کچھ دیر کے بعد فارغ ہو کر آپؐ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ "ہاں ہے" پھر میں اپنے مشکیزہ سے پانی لیا جو میری سواری کے کجاوے کے ساتھ لٹکا ہوا تھا، اور آپؐ ...... کے پاس آیا، آپؐ نے پہلے اپنے دونوں ہاتھ بہت اچھی طرح دھوئے اور پانی میں نے آپؐ کے ہاتھوں پر ڈالا، پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرۂ مبارک اور دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوئے اور سر کا مسح فرمایا، اور خفین پر بھی مسح فرمایا پھر ہم دونوں اپنی سواریوں پر سوار ہو کر واپس آئے اور ایسے وقت پہنچے کہ فجر کی جماعت شروع ہو چکی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امام کی حیثیت سے نماز پڑھا رہے تھے وہ دوسری رکعت میں تھے تو میں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو بتلانا چاہا (یعنی یہ کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں) تو آپؐ نے مجھے منع فرمادیا، اور دوسری رکعت جو ہم نے پائی تھی وہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی، اور پہلی رکعت جو ہمارے آنے سے پہلے ہو چکی تھی اس کو ہم دونوں نے بعد میں ادا کیا۔

اسی واقعہ کی دوسری بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ فجر کی نماز میں جب زیادہ تاخیر ہونے لگی، (اور آپ ﷺ کے سفر کے رفقاء میں سے کسی کو علم نہیں تھا کہ حضور ﷺ کدھر تشریف لے گئے ہیں اور کب تک تشریف لائیں گے) تو مشورہ سے طے ہوا کہ اب نماز ادا کرلی جائے اور لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امام بنا کر نماز شروع کردی، تو جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہو چکا، ایک رکعت ہو چکی تھی کہ آنحضرت ﷺ اور مغیرہ بن شعبہؓ پہنچے اور جماعت میں شامل ہو کر دوسری رکعت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اقتداء میں ادا کی اور پہلی رکعت جو فوت ہو چکی تھی اس کو بعد میں ادا کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ خاص امتیازی فضیلت بھی حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی اور انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا تو آپؐ نے ان کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمادیا۔

۲۱۰) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لِأَزْوَاجِهِ : إِنَّ الَّذِىْ يَحْثُوْ عَلَيْكُنَّ بَعْدِىْ هُوَ الصَّادِقُ الْبَادِ، اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ. (رواه احمد)

ترجمہ۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ "میں نے خود سنا رسول اکرم ﷺ سے، آپؐ اپنی ازواج سے فرماتے تھے، کہ "جو شخص میرے بعد اپنی دولت سے تمہاری بھرپور خدمت کرے گا، وہ ہے صادق الایمان اور صاحب احسان بندہ، اے اللہ! عبدالرحمٰن بن عوف کو جنت کے سلسبیل سے سیراب فرما۔ (مسند احمد)

تشریح...... حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے "سلسبیل" کا لفظ آیا ہے، وہ جنت کا ایک خاص اور نفیس ترین چشمہ ہے...... قرآن مجید سورۂ دہر میں فرمایا گیا ہے عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ..... چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "انبیا علیہم السلام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہے، اس لئے فطری طور پر ازواج مطہرات کے لئے ازراہ بشریت یہ فکر و تشویش کی بات ہو سکتی تھی کہ حضور ﷺ کے بعد ہمارا گذارہ کس طرح اور کہاں سے ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کو مطمئن کرنے کے لئے فرمایا کہ "اللہ کا ایک صادق الایمان بندہ جس کی فطرت میں اللہ نے احسان کی صفت خاص طور سے رکھی ہے، تمہاری بھرپور خدمت کرے گا...... آگے آپ ﷺ نے دعائیہ کلمہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لے کر متعین بھی فرمادیا کہ وہ کون ہوگا...... ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی حضور ﷺ کا ایک معجزہ تھا...... جامع ترمذی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے صاحبزادے ابو سلمہ سے (جو اکابر تابعین میں سے ہیں) فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جنت کے خاص چشمہ "سلسبیل" سے سیراب فرمائے...... آگے اسی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا ایک ایسا قیمتی باغ ازواج مطہرات کی خدمت میں لوجہ اللہ پیش کر دیا تھا جو بعد میں چالیس ہزار میں فروخت ہوا......اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ چار لاکھ میں فروخت ہوا تھا...... بعض شارحین نے ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح کی ہے کہ "چالیس ہزار" سے مراد چالیس ہزار دینار ہیں اور "چار لاکھ" سے مراد چار لاکھ درہم ہیں۔ (عہد نبوی میں درہم و دینار کا یہی تناسب تھا۔)

۲۱۱) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُجَمِّعِ بْنِ حَارِثَةَ، اَنَّ عُمَرَ قَالَ لِاُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عَقَبَةَ اِمْرَأَةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ : أَقَالَ لَكَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنْكِحِيْ سَيِّدَ الْمُسْلِمِيْنَ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ؟ قَالَتْ : نَعَمْ. (رواه ابن منده وابن عساكر)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مجمع بن حارثہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ سے دریافت کیا تھا: کیا (یہ بات صحیح ہے کہ) رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا تھا کہ تم عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے نکاح کر لو جو "سید المسلمین" ہیں؟ تو ام کلثوم نے کہا کہ "ہاں، بے شک" (حضور نے مجھ سے یہی ارشاد فرمایا تھا)۔

(مسند ابن مندہ و تاریخ ابن عساکر)

تشریح...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو "سیدالمسلمین" فرمایا تھا، بلاشبہ یہ ان کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت و منقبت ہے۔ رضی اللہ عنہ و ارضاہ۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

۲۱۲) وَعَنْ عَلِيٍّ، قَالَ، مَاسَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ جَمَعَ أَبَوَيْهِ لِاَحَدٍ إِلَّالِسَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاِنِّىْ سَمِعْتُه، يَقُوْلُ يَوْمَ اُحُدٍ "يَاسَعْدُ! اِرْمِ فَدَاكَ اَبِىْ وَاُمِّىْ — (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، رسول خدا ﷺ سے کہ آپؐ نے جمع کیا ہو اپنے ماں باپ دونوں کو کسی کے لئے (یعنی فداک ابی وامی فرمایا ہو) سوائے سعد بن مالک (یعنی سعد بن ابی وقاصؓ) کے میں نے غزوہ احد کے دن آپ کو فرماتے ہوئے سنا "یَاسَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (اے سعد! تیر چلاتے رہو اسی طرح، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں)۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس بیان میں حضرت سعد بن مالک سے مراد "سعد بن ابی وقاصؓ" ہیں، ان کے والد کا نام مالک تھا، ابو وقاص کنیت تھی۔

غزوۂ احد کا مختصر حال حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے تذکرہ میں بیان کیا جا چکا ہے، اس غزوہ میں صحابہ کرامؓ میں سے جو حضرات اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے پوری طرح ثابت قدم رہے، ان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی ہیں، یہ تیر اندازی میں بڑے ماہر تھے...... یہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہی تھے، تیر پر تیر چلا رہے تھے اس وقت آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: "یَاسَعْدُ اِرْمِ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ" (سعد! تم پر میرے ماں باپ قربان اسی طرح تیر چلاتے رہو۔)

بلاشبہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے یہ صرف ہمت افزائی نہ تھی، بلکہ بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی انتہائی دلی مسرت اور خوشنودی کا اظہار بھی تھا...... اور شرح السنہ میں خود حضرت سعد بن ابی وقاص ہی کی روایت ہے کہ غزوۂ احد کے دن رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے یہ دعا بھی فرمائی "اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَتَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ"، (اے اللہ اپنے اس بندے (سعد) کی تیر اندازی میں قوت و طاقت پیدا فرما دے اور اس کی دعائیں قبول فرما۔)

اور جامع ترمذی میں حضرت سعدؓ کی روایت سے آنحضرت ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔ "اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ!" خداوند، سعد جب تجھ سے کوئی دعا کرے تو اس کی دعا قبول فرمالے)...... حضور ﷺ کی اس دعا ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت سعدؓ جو دعا کرتے وہ عموماً قبول ہی ہوتی، اسی لئے لوگ ان سے اپنے واسطے دعائیں کراتے تھے اور ان کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔

۲۱۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: سَهِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَقْدِمَهُ الْمَدِيْنَةَ لَيْلَةً فَقَالَ : "لَيْتَ رَجُلاً صَالِحًا يَحْرُسُنِیْ" اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ سَلَاحٍ فَقَالَ : "مَنْ هٰذَا"؟ قَالَ : اَنَا سَعْدٌ قَالَ : "مَاجَاءَ بِكَ؟" قَالَ : وَقَعَ فِیْ نَفْسِیْ خَوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَجِئْتُ اَحْرُسُهٗ، فَدَعَالَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَامَ. (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو (کسی غزوہ سے) مدینہ تشریف آوری پر (غالباً کسی وقتی خطرہ کی وجہ سے) رات کو نیند نہیں آرہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: کاش کوئی مرد صالح اس وقت حفاظت کے لئے آجاتا اسی وقت ہم نے ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنی

تو آپ ﷺ نے فرمایا "کون ہے؟" آنے والے شخص نے کہا۔ "میں سعد ہوں" آپ نے فرمایا "تم اس وقت کیوں آئے؟ سعد نے عرض کیا میرے دل میں آپ کے متعلق خطرہ پیدا ہوا (کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے) تو میں آپ ﷺ کی حفاظت اور نگہبانی ہی کے ارادہ سے آگیا ہوں۔ ... تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر آپ ﷺ (اطمینان سے) سوگئے۔ ..... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... جب کسی بندہ کو اللہ کے کسی خاص مقبول بندے سے وہ للّٰہی محبت ہو جاتی ہے جس کو "عشق" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محبوب کے قلب میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، محب کے قلب پر اس کا اثر پڑتا ہے ...... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو واقعہ بیان فرمایا وہ اسی حقیقت کی ایک مثال ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو سابقین اولین میں ہیں ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہی "عشق" والی محبت تھی، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ کسی وقتی خطرہ کی وجہ سے نیند نہ آنے سے جو کیفیت اور تمنا آپ کے دل میں پیدا ہوئی کہ کاش کوئی مرد صالح حفاظت و نگہبانی کے لئے اس وقت آجاتا تاکہ میں اطمینان سے سو سکتا ...... اس کا اثر سعد بن ابی وقاصؓ کے قلب پر پڑا، اور وہ تیر، کمان، نیزے وغیرہ سے مسلح ہو کر آپ کی حفاظت ہی کی نیت سے آگئے، بلا شبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے قلب کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ یہ للّٰہی عاشقانہ تعلق ان پر اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بڑی فضیلت ہے۔

۲۱۴) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِيْ حَازِمٍ قَالَ : سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِيَ وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: اِنِّيْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ مِّنَ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَرَأَيْتُنَا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَمَا لَنَا طَعَامٌ اِلاَّ الْحُبْلَةُ وَوَرَقُ السَّمُرِ، وَاِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَه' خِلْطٌ، ثُمَّ أَصْبَحَتْ بَنُوْأَسَدٍ تُعَزِّرُنِيْ عَلَى الْاِسْلَامِ، لَقَدْ خِبْتُ اِذًا وَضَلَّ عَمَلِيْ، وَكَانُوْا وَشَوَابِهٖ اِلىٰ عُمَرَ، وَقَالُوْا : لَايُحْسِنُ يُصَلِّيْ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: قیس بن ابی حازم سے روایت ہے (جو تابعی ہیں) انہوں نے بیان کیا کہ سنا میں نے سعد بن ابی وقاصؓ سے فرماتے تھے: "عربوں میں سے میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں (اسلام کے دشمنوں پر) تیر اندازی کی اور میں نے دیکھا اپنے کو اور اپنے ساتھی دوسرے صحابہ کو کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (دشمنان اسلام سے) جہاد کرتے تھے ایسی حالت میں کہ ہمارے لئے کھانے کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا، سوائے ببول (کیکر) کی پھلیوں اور اسی کے پتوں کے (ببول کی ان پھلیوں اور پتوں کے کھانے کی وجہ سے) ہم لوگوں کو اجابت ہوتی تھی بکریوں کی مینگنی کی طرح، (بالکل خشک) جس میں کوئی چیک نہیں ہوتی تھی، پھر اب بنو اسد مجھے سرزنش کرنے لگے ہیں، اسلام کے بارے میں پھر تو میں خائب و نامراد رہ گیا اور میرے سارے عمل غارت گئے (واقعہ یہ ہوا تھا کہ) بنو اسد کے لوگوں نے اس بات کی شکایت کی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھتے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو

کوفہ کا ولی و حاکم مقرر فرمایا تھا، قاعدہ کے مطابق وہی نماز کی امامت بھی فرماتے تھے...... حضرت زبیر بن عوام کے پر دادا کا نام اسد ہے اسی وجہ سے حضرت زبیرؓ کے پورے خاندان کو "بنو اسد" کہا جاتا تھا۔

اسی خاندان کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں شکایت بھیجی کہ سعد نماز اچھی نہیں پڑھتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں حضرت سعدؓ کو لکھا کہ تمہارے بارے میں یہ شکایت کی گئی ہے، جب یہ بات حضرت سعدؓ تک پہنچی تو یہ فطری طور پر سخت متاثر ہوئے اور وہ فرمایا جو اس روایت میں قیس بن حازم سے نقل کیا گیا کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے دشمنان اسلام پر تیر اندازی کی۔

واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحابہ کرامؓ ایک جماعت کو جس میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لئے روانہ فرمایا، اسی غزوہ میں سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر اندازی کی، جہاد اسلامی کی تاریخ میں یہ پہلی تیر اندازی تھی، اسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے راہ خدا میں تیر سب سے پہلے میں نے ہی چلایا۔

آگے حضرت سعدؓ نے اپنا اور اپنے ساتھ والے مؤمنین سابقین کے مجاہدوں اور قربانی کا یہ حال بیان فرمایا کہ "ہم ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کفار سے جہاد کرتے تھے کہ ہمارے پاس انسانی خوراک اور غذا کی قسم کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی، ہم ببول (کیکر) کے درخت کی پھلیوں، اور اس کے پتوں کو بطور غذا استعمال کرتے تھے، (جو در اصل جنگل میں چرنے والی بکریاں عام طور سے کھاتی ہیں) اور پھر اسی وجہ سے ہم لوگوں کو بکریوں کی مینگنیوں ہی کی طرح اجابت ہوتی تھی۔

اپنا یہ حال بیان فرمانے کے بعد حضرت سعدؓ نے دلی دکھ کے ساتھ فرمایا کہ اب یہ بنو اسد کے کچھ لوگ میری سرزنش کرتے ہیں اسلام کے بارے میں، تو اگر ان کی شکایت صحیح ہو تو پھر تو میں بالکل ہی ناکام اور نامراد رہ گیا، اور میرے سارے عمل غارت و ضائع ہو گئے۔

اگرچہ شکایت کرنے والوں نے حضرت عمرؓ سے حضرت سعدؓ کے نماز اچھی طرح نہ پڑھنے ہی کی شکایت کی تھی، لیکن نماز چونکہ اسلام کا اولین رکن ہے، اور اسلام کے قالب کی گویا روح اور جان ہے۔

اس لئے حضرت سعدؓ نے نماز اچھی نہ پڑھنے کی شکایت کو ناقص الاسلام ہونے کی شکایت سے تعبیر فرمایا، (تُعَزِّرُنِىْ عَلَى الْاِسْلَامِ)...... آگے اسی روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو شکایت کے جواب میں لکھا کہ میں ویسی ہی نماز پڑھاتا ہوں، جیسے حضور ﷺ کو نماز پڑھاتے دیکھا تھا، پہلی دو رکعتوں میں قرأت طویل کرتا ہوں اور بعد کی دو رکعتوں میں مختصر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ان کو لکھا:

"میرا بھی تمہارے بارے میں یہی خیال تھا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اس شکایت کو صحیح نہیں سمجھا تھا، لیکن میں نے اصول و ضابطہ کے مطابق ضرور سمجھا کہ تم کو اس کی اطلاع کروں، اور حقیقت حال دریافت کروں۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بنو اسد کے لوگوں کی شکایت کو رد فرمادیا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ کا کوئی بندہ کسی وقت ضروری سمجھے تو اپنی اسلامی خدمات اور

اس سلسلہ کے ان مجاہدات کا بیان کرنا جن سے اس کی بڑائی ثابت ہو جائز ہے، اور یہ وہ تفاخر اور خود ستائی نہیں ہے جس کی ممانعت ہے۔

حضرت سعدؓ سے متعلق یہ چند باتیں بھی قابل ذکر ہیں، جو صحیح احادیث وروایات میں متفرق طور پر بیان کی گئیں ہیں۔

ایک یہ کہ آپؓ نے خود بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایمان واسلام کی دعوت کو قبول کرنے والا تیسرا آدمی ہوں، مجھ سے پہلے اللہ کی صرف دو بندوں نے اسلام قبول کیا تھا...... وہ اس وقت صرف سترہ سالہ نوجوان تھے۔

ان کی والدہ نے ان پر انتہائی درجہ دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ دادا کا مشرکانہ دین ومذہب چھوڑ کر اس نئے دین (اسلام) کو قبول نہ کریں، جب حضرت سعدؓ ان کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک تو میری بات نہیں مانے گا میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ کچھ پیوں گی۔

اسی کے مطابق انہوں نے عمل شروع کردیا، کئی دن تک نہ کچھ کھایا نہ پیا، اس درمیان میں تین دفعہ ان پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی۔

لیکن حضرت سعدؓ ان کو منانے کی کوشش تو کرتے رہے، مگر اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے...... صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اسی موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ "وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا"[1]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا یہ واقعہ بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے بیعت تو کرلی تھی، لیکن جب اس مظلومانہ شہادت کے نتیجہ ہی میں باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کا فتنہ شروع ہوا تو حضرت سعدؓ نے اپنے کو اس سے بالکل الگ اور دور رہنے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ جب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا ان کے بعض خاص رفیقوں نے حضرت سعدؓ کو جنگ میں اپنا ساتھ دینے کے لئے فرمایا تو انہوں نے کہا کہ: "مجھ کو ایسی تلوار لاکر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو قتل کردے اور اگر وار مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے" اور پھر اس خانہ جنگی اور قتل وقتال سے الگ رہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مدینہ طیبہ کی آبادی سے فاصلہ پر وادی عقیق میں ان کی جو زمین تھی، اس پر مکان بنالیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے الگ تھلگ وہیں پر رہائش اختیار فرمالی، چاہتے تھے کہ باہمی خانہ خانہ جنگی کی باتیں بھی ان تک نہ پہنچیں۔

اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ عراق اور پورا ملک فارس انہیں کی قیادت میں فتح ہوا۔

راجح قول کے مطابق حضرت معاویہؓ کے دور حکومت میں ۵۵ھ میں اپنے وادی عقیق والے مکان ہی

---

[1] آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے ماں باپ تم پر انتہائی درجہ کا بھی دباؤ ڈالیں کہ "تم مشرکانہ طور طریقہ اختیار کرلو تو ان کی یہ بات تو نہ مانو لیکن ان کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک کرتے رہو۔

میں وفات پائی، وہاں سے جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ عشرۂ مبشرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی ہیں۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَاَرْضَاہُ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

۲۱۵) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عُمَرِوبْنِ نُفَيْلٍ اَنَّه، قَالَ : اَشْهَدُ عَلَى التِّسْعَةِ اَنَّهُمْ فِى الْجَنَّةِ، وَلَوْ شَهِدْتُّ عَلَى الْعَاشِرِ لَمْ اٰثِمُ، قِيْلَ : وَكَيْفَ ذَاكَ، قَالَ : كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِحِرَاءَ، فَقَالَ : اُثْبُتْ حِرَاءَ فَاِنَّه، لَيْسَ عَلَيْكَ اِلَّا نَبِىٌّ اَوْصِدِّيْقٌ اَوْشَهِيْدٌ، قِيْلَ : وَمَنْ هُمْ؟ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ، وَعُمَرُ، وَعُثْمَانُ وَعَلِىٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدٌ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، قِيْلَ : فَمَنِ الْعَاشِرُ؟ قَالَ اَنَا. (رواه الترمذى)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: "میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ "جنتی" ہیں اور اگر ایک دسویں آدمی کے بارے میں یہی شہادت دوں کہ وہ جنتی ہیں تو گنہگار نہ ہوں گا، آپ سے کہا گیا: "یہ بات کس طرح ہے؟" یعنی آپ کس بنیاد پر یہ بات فرما رہے ہیں؟" تو اس کے جواب میں) حضرت سعیدؓ نے بیان کیا: کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے، (پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی، اور وہ حرکت کرنے لگا تو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حراء ساکن ہو جا اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کے نبی ہیں یا صدیق یا شہید...... (اس کے بعد حضرت سعیدؓ سے دریافت کیا گیا" وہ کون حضرات تھے؟" تو انہوں نے بتایا۔ ایک خود رسول اللہ ﷺ (آپ کے علاوہ) ۲۔ ابو بکر، اور ۳۔ عمر اور ۴۔ عثمان اور ۵۔ علی اور ۶۔ طلحہ اور ۷۔ زبیر اور ۸۔ سعد (یعنی ابن ابی وقاصؓ) اور ۹۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ "لوگوں نے آپ سے کہا: بتلائیے کہ دسواں آدمی کون ہے؟ تو فرمایا: "خود یہ بندہ"...... (جامع ترمذی)

تشریح...... عشرہ مبشرہ سے متعلق جامع ترمذی ہی کے حوالہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی وہ روایت پہلے گذر چکی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے دس اصحاب کرام کو نام لے کر ان سب کے بارے میں جنت کی بشارت دی ہے، ان میں نو حضرات تو وہی ہیں جن کے اسماء گرامی حضرت سعید بن زیدؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں اور دسواں نام حضرت ابو عبیدہ بن جراح کا ہے، اس عاجز راقم سطور کا خیال ہے کہ جبل حراء کا جو واقعہ حضرت سعید بن زیدؓ نے بیان فرمایا ہے، اس میں ابو عبیدہ بن جراحؓ حضور ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔

ایک دوسرا فرق ان دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے دس صحابہ کا نام لے کر ان کے "جنتی" ہونے کی بشارت دی ہے...... اور حضرت سعید بن زیدؓ کی اس روایت میں رسول اللہ ﷺ نے کسی کا نام لے کر یہ نہیں فرمایا، بلکہ صرف یہ فرمایا: "اے حراء ساکن

ہو جا اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کی ایک نبی ہیں، یا صدیق یا شہید آگے حضرت سعید کا بیان ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپؐ کے نو صحابی اور تھے، جن کے اسماء گرامی حدیث میں ذکر کئے گئے ہیں ..... حضرت سعید بن زیدؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کی بنیاد پر یقین کر لیا کہ یہ سب حضرات بلاشبہ "جنتی" ہیں اور اسی بنیاد پر ان کے "جنتی" ہونے کی شہادت دی ہے، کیونکہ اللہ کے نبی و رسول، اور صدیق اور شہید کے "جنتی" ہونے میں کوئی شبہ نہیں ..... جن حضرات کے اسماء گرامی کا ذکر حضرت سعید بن زیدؓ نے کیا ہے، ان میں خود رسول اللہ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور حضرت ابو بکر صدیق بلکہ "صدیق اکبر" ہیں اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، یہ پانچوں شہید ہوئے، باقی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ یہ تینوں بھی بلاشبہ "صدیقین" میں ہیں۔

حضرت سعید بن زیدؓ کا عند اللہ کیا مقام و مرتبہ تھا، وہ اس حدیث سے بھی معلوم ہو جاتا ہے جو اسی سلسلہ "معارف الحدیث" کتاب المعاملات، غصب کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہے، جس کے ایک راوی خود یہ حضرت سعید بن زیدؓ بھی ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں بھی نقل کر دیا جائے ..... اور وہ یہ ہے۔

"ایک عورت نے (جس کا نام اروی تھا) حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں انہی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے خلاف مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ "انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا، انہوں نے مروان سے کہا:

" قَالَ: اَنَا اَنْتَقِصُ مِنْ حَقِّهَا شَيْئًا اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّهٗ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ اَرْضِيْنَ"

ترجمہ: "کہا کیا میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرماتے تھے کہ "جس شخص نے ظالمانہ طور پر کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی غصب کر لی تو قیامت کے دن زمین کا وہ غصب کیا ہوا ٹکڑا ساتوں زمین تک طوق بنا کر اس ظالم کے گلے میں ڈالا جائے گا۔"

یہ روایت حضرت سعیدؓ نے دل کے کچھ ایسے تاثر کے ساتھ اور ایسے انداز سے کہی کہ خود مروان بہت متاثر ہوا اور اس نے آپ سے کہا کہ "اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا..... اس کے بعد حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے (دکھے ہوئے دل سے) بددعا کی کہ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر یہ جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کر دے، اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے۔"

(واقعہ کے راوی حضرت عروہ کہتے ہیں کہ) "پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا ہے وہ آخر عمر میں نابینا ہو گئی، اور خود کہا کرتی تھی کہ "سعید بن زیدؓ کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جا رہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی، اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن

گیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے سبق لینے کی توفیق دے۔

حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ

۲۱۶) **عَنْ اَنَسٍ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ "لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَه' بْنُ الْجَرَّاحِ.** (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر امت کے لئے ایک امین ہوتا ہے، اور میری اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراحؓ ہیں۔"...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... اسی سلسلۂ معارف الحدیث میں پہلے بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں "امانت" کا لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب ہے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق سے متعلق جو ذمہ داریاں کسی بندے پر ہوں، صحیح اور پورے طور پر ان کو ادا کرنا۔

حضرت انسؓ کی زیر تشریح روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اس صفت میں امتیاز حاصل تھا...... آگے درج ہونے والی حدیث سے بھی مزید وضاحت کے ساتھ یہی معلوم ہوگا۔

۲۱۷) **عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ جَاءَ اَهْلُ نَجْرَانَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالُوْا : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ابْعَثْ اِلَيْنَا رَجُلاً اَمِيْنًا، فَقَالَ لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ رَجُلاً اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، فَاسْتَشْرَفَ لَهَا النَّاسُ، قَالَ فَبَعَثَ اَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ.** (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نجران کے لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور انہوں نے درخواست کی کہ آپ ایک امین شخص کو ہمارے لئے مقرر فرما کر بھیج دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ "میں ایک ایسے "مرد امین" کو تمہارے لئے مقرر کروں گا جو سچا پکا امین ہوگا" تو لوگ اس کے لئے متوقع اور خواہش مند ہوئے، آگے حدیث کے راوی (حضرت حذیفہؓ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عبیدہ بن جراحؓ کو نجران بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... نجران ایک علاقہ تھا یمن اور شام اور حجاز کے درمیان، اس کے بڑے اور مرکزی شہر کو نجران ہی کہا جاتا تھا، یہ ۱۰ھ میں فتح ہوا، اس میں بیشتر آبادی عیسائیوں کی تھی اور یہ اس پورے علاقہ میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس نجران کے ایک وفد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ درخواست کی تھی جس کا حذیفہ بن الیمانؓ کی زیر تشریح حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور ان کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو وہاں کا عامل اور حاکم بنا کر بھیجا۔ کنزالعمال میں حضرت حذیفہؓ کی یہ حدیث مسند احمد وغیرہ متعدد کتب حدیث کے حوالہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں نجران کے وفد کی اس درخواست کے جواب میں کہ "آپ ہمارے لئے ایک "مرد امین" کو مقرر فرما دیجئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد

ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔ "لَاَبْعَثَنَّ اِلَيْكُمْ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ، اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ" آپؐ نے "اَمِيْنًا حَقَّ اَمِيْنٍ" کا لفظ تین دفعہ فرمایا۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے تین دفعہ اس کلمہ کے ارشاد فرمانے سے وصف امانت کے لحاظ سے حضرت ابو عبیدہؓ کی عظمت و فضیلت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

۲۱۸) **عَنِ ابْنِ اَبِىْ مُلَيْكَةَ قَالَ : سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَسُئِلَتْ : مَنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُسْتَخْلِفًا لَوِاسْتَخْلَفَهُ؟ قَالَتْ اَبُوْبَكْرٍ، فَقِيْلَ : ثُمَّ مِنْ بَعْدَ اَبِىْ بَكْرٍ؟ قَالَتْ : عُمَرَ، قِيْلَ : مَنْ بَعْدَ عُمَرَ؟ قَالَتْ : اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ.** (رواه مسلم)

ترجمہ۔ ابن ابی ملیکہ (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے خود سنا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، ان سے دریافت کیا گیا تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کے لئے کسی کو خلیفہ مقرر فرماتے تو کس کو نامزد کرتے؟ تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: ابو بکرؓ کو، اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ ابو بکر کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: عمرؓ کو پھر دریافت کیا گیا عمرؓ کے بعد کے لئے کس کو نامزد فرماتے؟ تو انہوں نے فرمایا: ابو عبیدہ بن جراحؓ کو...... (صحیح مسلم)

تشریح...... ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کی رائے مبارک، اور رجحانات و عزائم سے واقفیت میں خاص امتیاز حاصل تھا، انہوں نے حضور کا جو معاملہ اپنے والد ماجد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ، اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراحؓ کے ساتھ دیکھا تھا، اس کی بنا پر انہوں نے یہ رائے قائم فرمائی۔

اور بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو آنحضرت ﷺ نے اس کا اظہار بھی فرمادیا تھا، اسی سلسلہ معارف الحدیث میں حضور ﷺ کے مرض وفات کے بیان میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی کا یہ بیان ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے مرض کے آغاز ہی میں فرمایا تھا کہ اپنے والد ابو بکر اور بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلوالو، میں ابو بکر کی خلافت کے بارے میں وصیت لکھوا دوں۔

لیکن پھر آپ نے یہ لکھانے کی ضرورت نہیں سمجھی اور اپنے اس یقین اطمینان کا اظہار فرمایا۔ "یابی اللّٰہ والمؤمنون الا ابابکر" (یعنی مجھے اطمینان ہے کہ اللہ مؤمنین ابو بکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کریں گے) پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے آخری وقت میں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر فرمایا، اور جس طرح اس وقت کی امت مسلمہ نے اس کو بشرح صدر قبول کیا اس سے بھی حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت صدیقہؓ کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔

اور کنز العمال میں مسند احمد اور ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، جب ملک شام کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد (ملک کے عمائدکی درخواست پر) شام کی طرف روانہ ہوئے، اور راستہ میں مقام سرغ پر پہنچے تو آپ کو بتایا گیا کہ ملک شام میں سخت وبا ہے اور لوگ بکثرت لقمۂ اجل بن رہے ہیں، اس اطلاع کے دینے والوں کا مقصد یہ تھا کہ آپ اس وقت شام تشریف نہ لے جائیں، لیکن آپ نے شام کی طرف سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس وقت یہ بھی فرمایا:

اِنْ اَدْرَكَنِىْ اَجَلِىْ وَاَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ حَيٌّ اِسْتَخْلَفْتُهٗ، فَاِنْ سَأَلَنِى اللّٰهُ لِمَ اسْتَخْلَفْتَهٗ عَلٰى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ قُلْتُ : اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ اَمِيْنًا وَّاَمِيْنِىْ اَبُوْعُبَيْدَةَ ابْنُ الْجَرَّاحِ. [1]

ترجمہ: اگر میری موت کا مقررہ وقت آگیا اور ابو عبیدہ اس وقت زندہ ہوئے تو میں ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کروں گا پھر اگر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ ابو عبیدہؓ کو تم نے کس وجہ سے امت محمدیہ پر خلیفہ مقرر کیا ہے تو میں عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے کہ "ہر پیغمبر کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابو عبیدہ ابن جراح ہیں۔"

لیکن اللہ کی مشیت اور قضاو قدر کے فیصلے کے مطابق حضرت عمرؓ تو شام کے سفر سے صحیح سالم واپس تشریف لے آئے، مگر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ طاعون میں مبتلا ہو کر واصل بحق ہوئے۔" وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا"۔

اور کنز العمال ہی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا:

لَوْ اَدْرَكْتُ اَبَاعُبَيْدَةَ ابْنِ الْجَرَّاحِ لَاَسْتَخْلَفْتُهٗ، وَمَا شَاوَرْتُ، فَاِنْ سُئِلْتُ عَنْهُ قُلْتُ : اِسْتَخْلَفْتُ اَمِيْنَ اللّٰهِ وَاَمِيْنَ رَسُوْلِهٖ

ترجمہ: اگر میں ابو عبیدہ کو پاتا تو ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ نامزد کرتا اور کسی سے مشاورت بھی نہ کرتا، اگر اس بارے میں مجھ سے پوچھا جاتا تو میں جواب دیتا کہ میں نے اس شخص کو خلیفہ نامزد کیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک امین ہے۔

بظاہر یہ بات آپ نے اس وقت فرمائی جب آپ کو ایک شقی ازلی ابو لؤلؤ مجوسی نے عین نماز کی حالت میں خنجر سے ایسا زخمی کیا کہ اس کے بعد زندہ رہنے کی توقع نہیں رہی اور اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے یا نہ کرنے کا اہم مسئلہ آپ کے سامنے آیا۔ واللہ اعلم۔

الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان ارشادات سے بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کی پوری تصدیق و توثیق ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعد کے لئے خلیفہ مقرر کرنے کا فیصلہ فرماتے تو پہلے نمبر پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور دوسرے پر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد ابو عبیدہ ابن جراحؓ کو نامزد فرماتے، بلاشبہ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کا یہی مقام و مرتبہ تھا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

اللہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے حضرات عشرہ مبشرہ کے مناقب کا سلسلہ ختم ہوا۔

---

[1] کنز العمال ج ۱۳ ص ۲۱۵۔

فضائل اہلبیت نبوی ﷺ

(ازواجِ مطہرات اور ذریت طیّبہ)

یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں کہ "اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، سورۃ الاحزاب کے چوتھے رکوع میں ازواج مطہرات کو کچھ خاص ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے۔ "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا"...... جس کا مطلب یہ ہے کہ "اے ہمارے پیغمبر کی بیویوں! تم کو جو یہ خاص ہدایتیں دی گئیں ہیں ان سے اللہ کا مقصد تم کو زحمت و مشقت میں مبتلا کرنا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ان ہدایات سے یہ ہے کہ تم کو ہر قسم کی ظاہری و باطنی برائی اور گندگی سے مطہر اور پاک صاف کر دیا جائے...... "جو شخص عربی زبان کی کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس کو سورۂ احزاب کے اس پورے رکوع کے پڑھنے کے بعد اس میں کوئی شک شبہ نہیں ہوگا کہ یہاں "اہلبیت" کا لفظ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے...... لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ قرآن پر ایمان رکھنے والے ہم مسلمانوں کا حال آج یہ ہے کہ "اہل البیت" کا لفظ سن کر ہمارا ذہن ازواج مطہرات کی طرف بالکل نہیں جاتا بلکہ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہراؓ اور ان کے شوہر حضرت علی مرتضیٰؓ اور ان دونوں کی ذریت (رضی اللہ عنہم) ہی کی طرف جاتا ہے۔

"اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں سورۂ احزاب کے علاوہ صرف ایک جگہ اور سورۂ ہود کے چھٹے رکوع میں بھی آیا ہے، جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب بڑھاپے کی اس عمر کو پہنچ گئے تھے جس میں عام قانون فطرت کے مطابق اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی اور لاولد تھے، تب اللہ تعالیٰ کی بھیجے ہوئے فرشتوں کی ایک جماعت نے آکر انہیں اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ کو ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی، حضرت سارہ نے از راہ تعجب کہا: "أَأَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا" (میں خود بڑھیا اور میرے یہ میاں بھی بوڑھے، تو اب کیا میں بچہ جنوں گی؟)...... اس کے جواب میں فرشتوں نے کہا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ O (محترمہ! کیا آپ اللہ کے تکوینی حکم کے بارے میں تعجب کرتی ہیں، آپ "اهل البيت" پر تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں اور برکتیں ہیں)...... ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی "اهل البيت" سے مراد ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ ہی کو مخاطب کیا گیا ہے۔

عربی زبان و محاورات سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ کسی شخص کے "اهل البيت" کا اولین مصداق اس کی بیوی ہی ہوتی ہے، اسی طرح فارسی میں "اہل خانہ" اور اردو میں "گھر والے" یا "گھر والی" بیوی

ہی کو کہا جاتا ہے، ماں، بہن، بیٹی اور داماد اور ان کی اولاد کے لئے "اہل البیت" اور "اہل خانہ" اور "گھر والوں" کا لفظ استعمال نہیں ہوتا، الغرض اس میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ "اہل البیت" کا لفظ قرآن مجید میں ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور وہی اس کی اولین مصداق ہے...... البتہ یہ بات حدیث شریف سے ثابت ہے کہ جب سورۂ احزاب کی مندرجہ بالا آیت: "اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے دونوں صاحبزادوں حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کے ساتھ ان کے شوہر اور اپنے چچازاد بھائی حضرت علی مرتضٰی (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو ایک کملی میں اپنے ساتھ لے کر دعاء فرمائی: "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِىْ فَاذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا"...... (اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی ہر طرح کی برائی اور گندگی کو دور فرمادے اور ان کو مکمل طور سے مطہر و پاک صاف فرمادے)...... بلاشبہ حضور ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور سورۂ احزاب والی آیت میں ازواج مطہرات کا "اَهْلَ الْبَيْتِ" کے لفظ سے ذکر فرماکر ان پر اللہ تعالیٰ کے جس خاص انعام کا ذکر فرمایا گیا تھا، اس میں اور لفظ "اهل البيت" کے اطلاق میں یہ حضرات بھی شامل ہوگئے، اس بنیاد پر یہ حضرات بھی لفظ "اهل البيت" کا صحیح مصداق ہیں، لیکن جیسا کہ تفصیل سے عرض کیا جاچکا، قرآن مجید میں یہ لفظ ازواج مطہرات ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور وہی اس کی اولین مصداق ہیں۔

الغرض یہ بات کہ ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت میں سے نہیں ہیں بلکہ اس لفظ کا مصداق صرف آپ کی ایک بیٹی، ایک داماد اور دونواسے ہیں، نہ تو زبان کے لحاظ سے درست ہے نہ قرآن و حدیث سے ثابت...... بلکہ ایک خاص فرقہ کے فنکاروں کی سازش کے نتیجہ میں اس غلطی نے امت [illegible] عام کی حیثیت اختیار کرلی اور ہماری سادہ دلی کی وجہ سے اس طرح کی بہت سی دوسری غلط باتوں کی طرح اس کو بھی قبول عام حاصل ہوگیا اور جیسا کہ عرض کیا گیا حالت یہ ہوگئی کہ "اهل بيت" کا لفظ سن کر ہمارے اچھے پڑھے لکھوں کا ذہن بھی ازواج مطہرات کی طرف نہیں جاتا جو قران مجید کی رو سے اس لفظ کی اولین مصداق ہیں۔

اب اس عاجز نے لفظ "اهل البيت" کے صحیح مفہوم کو امت میں رائج کرنے کی نیت سے "اہل بیت نبوی" کے عنوان کے تحت ہی رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور آپ کی ذریت طیبہ دونوں کے فضائل و مناقب لکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَهُوَالْمُسْتَعَانُ

ازواج مطہرات

جیسا کہ حدیث و سیرت کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ [11] ہیں، ان کے اسماء

گرامی یہ ہیں۔

۱۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد۔ ۲۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔
۳۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ ۴۔ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب۔
۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ۔ ۶۔ حضرت ام سلمہ۔
۷۔ حضرت زینب بنت جحش۔ ۸۔ حضرت ام حبیبہ۔
۹۔ حضرت جویریہ بنت الحارث۔ ۱۰۔ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب۔
۱۱۔ حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہن وارضاھن)

ان میں سے حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب بنت خزیمہؓ نے حضور ﷺ کی حیات میں وفات ان گیارہ کے علاوہ بنو قریظہ میں سے ریحانہ شمعون کے متعلق بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہود بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے ان کے خلاف کارروائی کی اور ان کی بقایا کو گرفتار کیا گیا تو ان میں یہ ریحانہ بھی تھیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضورؐ کی منکوحہ بیوی بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ یہ باندی کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ حضور ﷺ کی وفات سے چند روز پہلے اور ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضور ﷺ کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

زوجیت کا شرف

رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف بجائے خود یقیناً اعلیٰ درجہ کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور فرق مراتب کے باوجود یہ تمام ازواج مطہرات کو یکساں طور پر حاصل ہے اسی طرح ازواج مطہرات کو جو خصوصی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں، وہ بھی یکساں طور پر ان سبھی کے لئے ہیں، قرآن مجید ہیں "وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ" فرما کر ان کو تمام اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے ہر امتی اور ہر صاحب ایمان کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا ابد الآباد تک اسی طرح حرام قرار دے دیا گیا ہے جس طرح اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔

یہاں تک ازواج مطہرات کے صرف اسماء گرامی لکھے گئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے شرف سے متعلق مختصراً کچھ اشارات کئے گئے ہیں، آگے انشاء اللہ ان "امہات المومنین" کا بقدر ضرورت تعارف، قابل ذکر خصوصی احوال واوصاف، ان میں سے ہر ایک کے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے کی تفصیل اور اس کے خاص اسباب و محرکات، نیز ان کی وفیات کا تذکرہ ناظرین کرام مطالعہ فرمائیں گے اور انشاء اللہ ان سوالات و شبہات کا جواب بھی ان کو مل جائے گا، جو ازواج مطہرات کی تعداد کے بارے میں کچھ شیاطین الانس کی وسوسہ اندازی سے ان کے دلوں میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا)

یہ پہلی خوش قسمت خاتون ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے شرف سے مشرف ہوئیں، انکے والد خویلد بن اسد مکہ کے ایک دولت مند اور معزز تاجر تھے، حضرت خدیجہؓ کی پہلی شادی ابوہالہ تمیمی سے ہوئی تھی ان سے دو(۲) بیٹے (ہالہ اور ہند) پیدا ہوئے، کچھ مدت کے بعد ابوہالہ کا انتقال ہو گیا تو ان کا دوسرا نکاح عتیق ابن عابد مخزومی سے ہوا، ان سے بھی ایک بیٹی پیدا ہوئی، لیکن عتیق کی عمر نے بھی زیادہ وفانہ کی...... پھر جب کہ خدیجہ کی عمر قریباً ۳۵-۳٦ سال کی ہو گئی تھی، ان کے والد خویلد کا بھی انتقال ہو گیا، اب تجارتی کاروبار کی ذمہ داری خود حضرت خدیجہؓ کو سنبھالنی پڑی...... مکہ میں رواج تھا کہ لوگ نفع میں مقررہ شرح سے شرکت کی بنیاد پر دوسرے لوگوں کے ذریعہ بھی تجارتی کاروبار کرتے تھے (جس کو فقہی اصطلاح میں "مضاربت" کہا جاتا ہے) اپنے والد اور شوہر کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی معصومانہ سیرت، امانت و دیانت، صداقت شعاری و راست بازی کا مکہ میں عام شہرہ تھا، یہاں تک کہ آپ "الامین" کے لقب سے معروف تھے اسی وجہ سے حضرت خدیجہؓ نے ایک دفعہ چاہا کہ آپ ﷺ ان کا مال تجارت لے کر ملک شام جائیں اور پیشکش کی کہ منافع میں جتنا حصہ اب تک میں دوسروں کو دیتی رہی ہوں آپ ﷺ کو اس سے دوگنا دوں گی آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ کے بعد اس کو قبول فرمالیا، خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا، اس تجارتی سفر میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی برکت دی اور پہلے جو نفع ان کو ہوا کرتا تھا اس سے دوگنا نفع ہوا، اس کے علاوہ حضرت خدیجہؓ کے غلام میسرہ نے آپ کے حسن اخلاق، معصومانہ سیرت کا تجربہ اور کچھ غیر معمولی خارق عادت کرامتی قسم کی باتوں کا بھی مشاہدہ کیا، واپس آنے پر جن کا تذکرہ میسرہ نے حضرت خدیجہؓ سے بھی کیا۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح

حضرت خدیجہؓ ایک دولت مند شریف الطبع خاتون ہونے کے علاوہ ظاہری حسن و جمال، باطنی محاسن اخلاق، کردار کی بلندی، فیاضی اور پاک بازی جیسے اوصاف حمیدہ میں بھی ممتاز تھیں، اسی بناء پر وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں، اس وجہ قریش مکہ کے بہت سے معزز حضرات کی طرف سے ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا، لیکن دو شوہروں سے بیوہ ہو جانے کے باعث باقی زندگی اسی طرح گزارنے کا ارادہ کر لیا تھا، اس لئے کسی کا پیغام قبول نہیں کیا...... مگر میسرہ نہیں تجارتی سفر سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تجربات اور مشاہدات بیان کئے تو خود ان کے دل میں آپؐ سے نکاح کی خواہش پیدا ہوئی، اور اس مقصد کے لئے ایک دوسری خاتون نفیسہ بنت امیہ کو رازدارانہ طور پر آپؐ کے پاس بھیجا نفیسہ کا بیان ہے کہ...... میں آپؐ کے پاس آئی اور کہا کہ "آپؐ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں نادار اور خالی ہاتھ ہوں، کس طرح نکاح کر سکتا ہوں، میں نے کہا کہ اگر کوئی ایسی عورت آپؐ سے نکاح کرنے کی خواہش مند ہو جو

ظاہری حسن وجمال اور طبعی شرافت کے علاوہ دولت مند بھی ہو اور آپؐ کی ضروریات کی کفایت کرنے پر بھی خوش دلی سے آمادہ ہو تو آپ اس سے نکاح کر لینا پسند کریں گے؟...... آپ نے دریافت کیا کہ ایسی کون خدا کی بندی ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا: خدیجہ بنت خویلد...... آپ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے ذکر کیا، انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تو آپ ﷺ نے نفیسہ کو جواب دے دیا کہ اگر خدیجہ اس کے لئے آمادہ ہیں تو میں بھی راضی ہوں۔

نفیسہ نے آکر حضرت خدیجہ کو اس کی اطلاع دی، پھر خدیجہ نے نفیسہ ہی کے ذریعہ آپ کو بلوا کر براہ راست بھی آپ سے بات کی، اس گفتگو ہی میں طے ہو گیا کہ آپ اپنے خاندان کے بزرگوں کو لے کر فلاں دن میرے یہاں آجائیں، چنانچہ آپ اپنے چچا ابو طالب اور دوسرے خاندانی بزرگوں کو لے کر جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، خدیجہ کے گھر پہنچ گئے، انہوں نے بھی اپنے چچا عمرو ابن اسد کو بلوالیا، اور قریش کے اس دور کے رواج کے مطابق انہیں کی ولایت میں نکاح ہو گیا، اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی اور حضرت خدیجہ کی چالیس سال، آپ کا یہ پہلا نکاح تھا جو بعثت سے قریباً پندرہ سال پہلے ہوا۔

اولاد

اس رشتہ ازدواج کے کچھ مدت بعد (ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق ۵ سال بعد) آپ کے پہلے صاحبزادہ پیدا ہوئے، جن کا نام "قاسم" رکھا گیا، انہیں کے نام پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کنیت "ابو القاسم" رکھی، ان کا صغر سنی ہی میں انتقال ہو گیا، ان کے بعد آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی "زینب" پیدا ہوئیں، ان دونوں کی پیدائش آغاز نبوت سے پہلے ہی ہوئی، اس کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے، ان کا نام عبداللہ رکھا گیا ان کی پیدائش دور نبوت میں ہوئی اسی لئے ان کو طیب اور طاہر کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی صغر سنی ہی میں ہو گیا، پھر ان کے بعد مسلسل تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام رقیہ، ام کلثوم، اور فاطمہ رکھے گئے، چاروں صاحبزادیوں کا تذکرہ آگے "ذریت طیبہ" کے عنوان کے تحت ناظرین کرام انشاءاللہ مطالعہ فرمائیں گے۔

حضرت خدیجہؓ کی بعض قابل ذکر خصوصیات

معلوم ہے کہ قریش کا قبیلہ بلکہ عام طور سے اہل مکہ بت پرستی کے شرک میں مبتلا تھے اور یہ شرک انہیں اتنا پیارا تھا کہ اس کے خلاف کوئی لفظ سننا بھی ان کے لئے ناقابل برداشت تھا، لیکن جاہلیت کے اس دور میں گنتی کے دو چار آدمی ایسے بھی تھے جن کو فطری طور پر بت پرستی سے نفرت تھی، ان میں ایک حضرت خدیجہؓ بھی تھیں...... اس دور کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واحد خاتون تھیں جو شرک و بت پرستی سے بیزار تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر دوسرے بہت سے انعامات کے علاوہ دولت مندی کی نعمت سے بھی نوازا تھا...... رسول اللہ ﷺ کا حال اس کے برعکس تھا، انہوں نے اپنی پوری دولت گویا آپ کے قدموں میں ڈال دی اور

آپ کو اس سلسلہ کی فکروں سے آزاد کر دیا، قرآن مجید سورۂ "والضحیٰ" میں اسی صورت حال کے بارے میں فرمایا گیا ہے "وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ" (اے پیغمبر! تم کو تمہارے پروردگار نے مفلس اور نادار پایا۔ پھر مستغنی کر دیا۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ زید بن حارثہ، حضرت خدیجہؓ کے زر خرید غلام تھے، انہوں نے دیکھا کہ زید کو رسول اللہ ﷺ سے خاص اُنس و محبت ہے اور آپ کا معاملہ بھی زید کے ساتھ خصوصی درجہ کی شفقت و پیار کا ہے، تو انہوں نے زید کو حضور ﷺ ہی کی ملکیت میں دے دیا، پھر آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور عربوں کے اس وقت کے رواج کے مطابق..... ان کو اپنا "منہ بولا بیٹا، بنالیا یہاں تک کہ ان کو زید بن حارثہ کے بجائے زید ابن محمد ہی کہا جانے لگا۔

پھر جب نکاح کے پندرہ سال بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو شرف نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپؐ پر وہ شدید غیر معمولی حالات آئے جن کا ذکر بیان مناقب کے شروع ہی میں آغاز نبوت والی حدیث کے حوالہ سے کیا جا چکا ہے، تو اس وقت آپؐ کو جس طرح کی دانش مندانہ وہمدردانہ تسلی کی ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے حضرت خدیجہ ہی سے ملی اور جب وہ آپ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو مکہ کی پوری آبادی میں موحد صحیح العقیدہ نصرانی اور توریت وانجیل کے عالم تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے غار حراء کی واردات اور سرگذشت سن کر یقین و وثوق کے ساتھ آپ کے مبعوث من اللہ نبی ہونے کی بات کہی تو حضرت خدیجہؓ نے بھی ان کی اس بات کو دل سے قبول کر لیا، بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات واوصاف کے پندرہ سالہ تجربہ کی بنا پر پہلے ہی سے ان کا دل آپ کی ہر بات کی تصدیق کے لئے تیار ہو چکا تھا، اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ پوری امت میں وہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مبعوث من اللہ نبی ہونے کی تصدیق کرنے والی ہیں۔

پھر جب آپ نے بحکم خداوندی توحید اور دین حق کی دعوت کا کام شروع کیا تو پوری قوم آپ کی دشمن بن کر کھڑی ہو گئی، ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستانا برسوں تک ان بد نصیبوں کا محبوب ترین مشغلہ رہا، مظلومیت کے اس پورے دور میں حضرت خدیجہؓ نہ صرف آپ کی غم خوار و غمگسار بلکہ پوری طرح شریک حال رہیں، یہاں تک کہ جب ان ظالموں نے مکہ کی قریباً پوری آبادی کو اپنے ساتھ لے کر آپ کا اور آپ کے خاندان بنو ہاشم کے ان تمام لوگوں کا بھی جنہوں نے اگرچہ آپ کی دعوت اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن نسبی اور قرابتی تعلق کی وجہ سے آپ کی کسی درجہ میں حمایت کرتے تھے بائی کاٹ کرنے کا فیصلہ کیا، اور آپ اور آپ کے وہ قریبی رشتہ دار بھی شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے گئے اور ایسی ناکہ بندی کی گئی کہ کھانے پینے کی ضروریات بھی ان کو نہ پہنچ سکیں، یہاں تک کہ ان لوگوں کو کبھی کبھی درختوں کے پتے کھا کر گذارہ کرنا پڑا..... اس حالت میں بھی حضرت خدیجہؓ شعب ابی طالب میں آپ کے ساتھ رہیں، حالانکہ ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ وہ ان دنوں اپنے گھر ہی رہتیں۔

حضرت خدیجہؓ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ پورے پچیس سال تک آپ کی رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں اور اس پورے دور میں آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا

نبوت کے دسویں سال ہجرت سے قریباً تین سال پہلے رمضان المبارک ۱۱ نبوی میں عمر کے ۶۵ ویں سال وفات پائی۔

اس وقت تک نہ تو نماز پنجگانہ فرض ہوئی تھی اور نہ نماز جنازہ کا حکم ہوا تھا، اس لئے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، رسول اللہ ﷺ نے خود ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے قبر میں اتارا اور رحمت خداوندی کے سپرد کیا۔ (رضی اللہ عنہا وارضاہا)

فضائل ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ

۲۱۹) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ : أَتٰى جِبْرِيْلُ النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذِهٖ خَدِيْجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيْهِ إِدَامٌ وَطَعَامٌ، فَإِذَا أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَّبِّهَا وَمِنِّىْ وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِى الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِيْهِ وَلَا نَصَبَ"۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ جبرائیلؑ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ اے رسول خدا! یہ خدیجہ آرہی ہیں ان کے ساتھ ایک برتن ہے اس میں سالن اور کھانا ہے، جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو ان کو ان کے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچایئے اور میری طرف سے بھی، اور ان کو خوشخبری سنایئے جنت میں موتیوں سے بنے ہوئے ایک گھر کی، جس میں نہ شور و شغب ہو گا اور نہ کوئی زحمت و مشقت ہو گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... حدیث کا مطلب واضح ہے کسی تشریح و وضاحت کا محتاج نہیں، لیکن اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ حضرت جبرئیل کی یہ آمد کہاں اور کب ہوئی، جس میں انہوں نے حضرت خدیجہؓ سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے یہ بات کہی۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے طبرانی کی ایک روایت کے حوالہ سے لکھا ہے: إِنَّ ذَالِكَ كَانَ وَهُوَ بِحِرَاءَ...... یعنی جبرائیل کی یہ آمد اس وقت ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ غار حرا میں تھے...... اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ غار حراء میں حضرت جبرئیل کی اس پہلی آمد کے بعد کا ہے جس کا ذکر اسی سلسلۂ معارف الحدیث کتاب المناقب کے شروع میں "آغاز وحی و نبوت" کے تحت پوری تفصیل سے کیا جا چکا ہے...... اسی سے ضمنی طور پر یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت جبرائیلؑ کی پہلی آمد اور آغاز نبوت کے بعد اس غار حرا میں آپ کی خلوت گزینی کا سلسلہ بالکل ختم اور منقطع نہیں ہو گیا تھا...... یہ بات نا قابل فہم ہے، کہ جہاں آپ طویل مدت تک خلوت گزیں ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول رہے ہوں اور جہاں اس کے عظیم المرتبہ حامل وحی فرشتے جبرئیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا نزول آپ پر شروع ہوا ہو، اس کے بعد آپ کا اس مقدس مقام سے کوئی تعلق نہ رہا ہو...... الغرض اس روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آغاز نبوت کے بعد بھی آپ غار حراء میں کبھی کبھی قیام فرماتے تھے، اسی دور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت جبرئیل آئے اور آپ کو مطلع کیا کہ آپ کی زوجۂ محترمہ خدیجہؓ آرہی ہیں

اور آپ کے لئے کھانے کا کچھ سامان لارہی ہیں، جب وہ آئیں تو آپ ان کے پروردگار کی طرف سے اور میری طرف سے بھی ان کو سلام پہنچائیں اور ان کو موتیوں سے جنت میں بنے ہوئے ایک ایسے گھر کی بشارت دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ کسی قسم کی زحمت اور نہ تکلیف ہوگی۔

اس حدیث سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تین خاص فضیلتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ وہ ایک معزز دولت مند اور بوڑھی خاتون ہونے کے باوجود حضورؐ کے لئے کھانے پینے کا سامان گھر پر تیار کر کے غار حراء تک خود لے کے گئیں، جو کہ اس وقت شہر مکہ مکرمہ کی آبادی سے قریباً ڈھائی تین میل کے فاصلہ پر تھا اور حراء کی بلندی کی وجہ سے اس پر چڑھنا اچھے طاقتور آدمی کے لئے بھی آسان نہیں، (راقم سطور کو خود بھی اس کا تجربہ ہے) بلا شبہ حضرت خدیجہؓ کا یہ عمل ایسا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں اس کی خاص قدر ہو۔

۲۔ دوسری بڑی فضیلت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ان کو رب العرش (اللہ تعالیٰ) کا سلام اور اسی کے ساتھ اس کے عظیم المرتبہ فرشتے جبرئیل امین کا سلام پہنچایا گیا ہے۔

۳۔ جنت میں ان کے لئے موتیوں سے بنے ہوئے بیت (گھر) کی بشارت دی گئی جس کی خاص صفت یہ بیان کی گئی کہ نہ تو اس میں کسی قسم کا شور و شغب ہوگا اور نہ کسی طرح کی زحمت و تکلیف اٹھانی پڑے گی، جیسا کہ دنیا کے گھروں میں عام طور سے اپنے گھر والوں کا یا پاس پڑوس کا شور و شغب آرام و یکسوئی میں خلل انداز ہوتا ہے اور جس طرح گھر کی صفائی اور درستی وغیرہ میں زحمت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔

۲۲۰) عَنْ عَلِيٍّ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ) قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ اس (دنیا) کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور اس (دنیا) کی عورتوں میں سب سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہماری اس دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے بہتر اور بالاتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بنت عمران اور رسول اللہ ﷺ کی زوجۂ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلدؓ ہیں اگر حدیث کا مطلب یہی ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ دونوں مرتبہ میں برابر ہیں ...... بعض شارحین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت مریم پہلی امتوں کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور حضرت خدیجہؓ اس امت محمدیہ کی تمام عورتوں میں بہتر اور بالاتر ہیں اور چونکہ رسول اللہ ﷺ کی یہ امت خیر امم ہے یعنی پہلی تمام امتوں سے بہتر اور بالاتر ہے، اس لئے حضرت خدیجہؓ بہ نسبت حضرت مریم بنت عمران کے بہتر اور برتر ہوں گی۔ واللہ اعلم

۲۲۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : مَاغِرْتُ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ نِّسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ مَاغِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا،

وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يَقْطَعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ : كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ فِي الدُّنْيَا اِمْرَأَةٌ اِلَّا خَدِيْجَةَ، فَيَقُوْلُ : اِنَّهَا كَانَتْ، وَكَانَتْ، وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ۔ (رواه البخارى ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر ایسا رشک نہیں آیا جیسا کہ خدیجہؓ پر آیا حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں، لیکن آپ ان کو بہت یاد کرتے، اور بکثرت ان کا ذکر فرماتے، کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپؐ بکری ذبح فرماتے، پھر اس کے اعضاء الگ الگ ٹکڑے کرتے، پھر وہ ٹکڑے خدیجہؓ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے تو میں کسی وقت کہہ دیتی: دنیا میں بس خدیجہ ہی ایک عورت تھیں، اور آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں، ایسی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جن اخلاق حسنہ سے نوازا تھا ان میں ایک احسان شناسی کا وصف بھی تھا۔ حضرت خدیجہ نے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد آپؐ کی جو خدمتیں کیں اور دور نبوت کے آغاز میں جس طرح وہ آپؐ کے لئے تقویت اور تسلی کا ذریعہ بنیں، اور پھر دین حق کی دعوت کے وقت جس طرح وہ شدائد و مصائب میں آپؐ کی شریک حال رہیں، اور ان کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے جو خصوصیات ان کو عطا فرمائی تھیں (جن میں سے کچھ کا ذکر اوپر آچکا ہے) ان کا حق تھا کہ آنحضرت ﷺ ان کو کبھی فراموش نہ کرتے اور احسان شناسی کے جذبہ کا تقاضا تھا کہ آپؐ ان کا اور ان کی خدمات و احسانات کا دوسروں کے خاص کر اپنی ازواج مطہرات کے سامنے ذکر فرماتے یہی آپؐ کا عمل تھا، یہاں تک کہ اس سلسلہ میں آپؐ کا یہ بھی معمول تھا کہ کبھی کبھی آپؐ بکری ذبح کرتے تھے اس کے گوشت کے پارچے حضرت خدیجہؓ سے میل محبت کا تعلق رکھنے والی خواتین کو ہدیہ کے طور پر بھیجتے، آپؐ کا یہی وہ طرز عمل تھا، جس کی بناپر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے کسی پر ویسا رشک نہیں آیا جیسا کہ آپؐ کی پہلی مرحومہ بیوی خدیجہؓ پر آتا تھا، حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا (کیونکہ ان کے بچپنے ہی میں وہ وفات پاگئیں تھیں)...... اسی سلسلۂ بیان میں حضرت صدیقہؓ نے خود ہی اپنی اس کمزوری کا ذکر فرمایا کہ میں ایسے وقت جب آپؐ اپنی مرحومہ بیوی خدیجہؓ کی خوبیوں کا ذکر فرماتے تو کبھی کہہ دیتی کہ "دنیا میں بس خدیجہؓ ہی ایک عورت تھیں۔" تو آپؐ فرماتے کہ وہ ایسی تھیں ایسی تھیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی خدمات واحسانات اور خوبیوں کا ذکر فرماتے، اس سلسلہ میں آپؐ ان کی اس خصوصیت کا بھی ذکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے ذریعہ مجھے اولاد عطا فرمائی۔ کیونکہ ان کے علاوہ دس بیویوں میں سے کسی سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ سے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے تھے جن کا نام آپ نے ابراہیم رکھا تھا، وہ شیر خوارگی ہی کے ایام میں قریباً صرف ڈیڑھ سال کی عمر پاکر انتقال فرماگئے تھے لیکن حضرت ماریہؓ آپؐ کی ازواج مطہرات میں سے نہیں تھیں، بلکہ آپؐ کی مملوکہ تھیں جن کو اسکندریہ کے

صاحب حکومت مقوقس نے کچھ اور ہدایا کے ساتھ آپ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا، پھر وہ حضرت ابراہیم کی پیدائش کے بعد شریعت کے حکم کے مطابق "ام ولد" ہو گئی تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ۵ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہا وارضاہا)

ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ (رضی اللہ عنہا)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قوم کو بت پرستی اور جاہلیت والی زندگی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اور اسی کی فرمانبرداری والی زندگی کی دعوت کا کام شروع کیا، تو پوری قوم آپ کی دشمن بن کر کھڑی ہو گئی، لیکن چند ایسے سلیم الفطرت افراد بھی تھے، جن کے دلوں نے آپ کی دعوت حق کو ابتدائی دور ہی میں قبول کر لیا، ان میں ایک سودہ بنت زمعہ عامر یہ بھی تھیں، ان کی شادی اپنے چچازاد بھائی سکران سے ہوئی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام کی دشمنی میں عام مشرکین قریش کے ساتھ تھا، حضرت سودہؓ نے مصلحت اس میں سمجھی کہ وہ اپنے اسلام کو ظاہر نہ کریں۔ جس وقت وہ مناسب سمجھتیں، تو اپنے شوہر سکران کے سامنے ایسی باتیں کرتیں جن سے ان کا دل بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں سوچنے لگے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی توفیق سے ان کے شوہر سکران نے بھی کچھ مدت کے بعد اسلام قبول کر لیا اور پھر میاں بیوی دونوں نے اپنے اسلام وایمان کا اعلانیہ اظہار بھی کر دیا، جس کے بعد ان دونوں پر بھی کفار قریش کی طرف سے ظلم و ستم کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو بڑھتا ہی گیا...... بالآخر مظالم سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کے مشورہ پر ان دونوں نے بھی بہت سے دوسرے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی طرح ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی...... چند برس کے بعد ان کے شوہر سکران کا حبشہ ہی میں انتقال ہو گیا، تو یہ بیوہ ہو کر مکہ مکرمہ واپس آ گئیں اور اپنے والد کے پاس رہیں۔

نبوت کے دسویں سال جب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو آپ فطری طور پر ان کے مفارقت کی صدمہ سے سخت غمگین تھے، علاوہ اس کے ایک پریشان کن صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ گھر میں صرف کم عمر چار بچیاں تھیں، جن کی دیکھ بھال کرنے والا اور خانہ داری کی دوسری ضرورتیں پوری کرنے والا کوئی نہ تھا...... عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت حکیم نے اس صورت حال کو محسوس کر کے آپ سے عرض کیا کہ آپ کو جلدی نکاح کر لینا چاہئے، آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری نگاہ میں کون ایسی خاتون ہیں، جن کو تم ان حالات میں مناسب سمجھتی ہو؟ انہوں نے سودہ بنت زمعہؓ کا نام لیا، جو بیوہ اور سن رسیدہ تھیں، آپ نے ایمان میں ان کی سابقیت، پھر حبشہ کی طرف ہجرت اور سکران کی وفات کے بعد ان کی بیوی کے صدمہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمالیا، اور خولہ سے فرمایا: تم خود ہی ان کو میرا پیغام پہنچاؤ...... خولہ کا بیان ہے کہ میں سودہ کے پاس پہنچی اور ان کو مبارک باد دیتے ہوئے آپ کا پیغام پہنچایا، انہوں نے کہا کہ "میں دل و جان سے راضی ہوں" البتہ بہتر یہ ہے کہ تم میرے والد زمعہ سے بھی اس

سلسلہ میں بات کرو! میں اسی وقت ان کے پاس بھی گئی اور پیام پہنچایا، انہوں نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی، ساتھ ہی انہوں نے کہا کہ تم خود سودہ سے بھی دریافت کرو، میں نے بتایا کہ میں ان سے بات کر چکی ہوں، وہ بڑی خوش دلی کے ساتھ رضامند ہیں، بالآخر زمعہ نے خولہ بنت حکیم ہی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو بلوایا، اور آپ کے ساتھ اپنی بیٹی سودہ کا نکاح کر دیا، اس وقت حضرت سودہؓ کی عمر قریباً پچاس سال تھی ...... نکاح کے بعد آنحضرت ﷺ کے ہجرت فرمانے تک تین سال منکوحہ رفیقۂ حیات کی حیثیت سے تنہا وہی آپ کے ساتھ رہیں ...... ان کے اوصاف واحوال میں ان کی سیر چشمی، استغناء دنیا سے بے رغبتی، اور فیاضی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ان کے مذکورہ بالا امتیازات کی وجہ سے ان کے ساتھ احترام کا خاص رویہ رکھتے تھے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے درہموں سے بھری ہوئی ایک تھیلی، ان کی خدمت میں بھیجی، لانے والے سے پوچھا: کیا تھیلی میں کھجوریں ہیں، انہوں نے کہا نہیں! اس میں درہم ہیں، آپؓ نے فرمایا: کھجوریں ہوتیں تو کھانے کے کام میں آجاتیں، یہ کہہ کر تھیلی لے لی، اور اس میں بھرے ہوئے سب درہم ضرورت مندوں پر تقسیم فرمادیئے۔

حضرت عمرؓ کے اخیر دور خلافت ۲۲ھ میں قریباً ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

یہ بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں، جیسا کہ معلوم ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں جو اول المومنین ہیں، اور ان کی والدہ ماجدہ ام رومان بھی اولین مومنات میں سے ہیں، ازواج مطہرات میں سے یہ شرف تنہا انہیں کو حاصل ہے کہ ان کے والدین ان کی پیدائش سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کی دعوت ایمان کو قبول کر چکے تھے اور عنقریب ہی ناظرین کرام کو صحیح بخاری و صحیح مسلم اور جامع ترمذی کے حوالہ سے معلوم ہوگا کہ خواب میں متعدد بار رسول اللہ ﷺ کو ان کی صورت دکھلائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہونے والی ہیں۔ اوپر ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ جب ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے خصوصی درجہ کا ایمانی تعلق رکھنے والی خاتون خولہ بنت حکیم نے آپ سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی، وہاں اس سلسلہ میں صرف وہی حصہ ذکر کیا گیا جس کا تعلق حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے تھا ...... اسی موقع پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی عرض کیا تھا، جن کی عمر اس وقت صرف چھ سات سال کے قریب تھی اور معلوم ہے کہ حضور ﷺ کی عمر شریف پچاس سال سے متجاوز ہو چکی تھی، اس حالت میں خولہ بنت حکیمؓ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کے ساتھ نکاح کی تجویز پیش کرنے کے لئے توجیہہ اس کے سوا نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ اس بارے میں عالم غیب میں ہو چکا تھا، اس کے عمل میں آنے کا ذریعہ خولہ بنت حکیم کی اس تجویز کو بنایا جائے روایت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خولہ کو حضورؐ کے خواب کے

بارے میں علم نہیں تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ خواب ایسا ہی تھا کہ کسی سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا جاتا...... بہر حال یہی ہوا خولہ نے حضور ﷺ کے سامنے سودہ بنت زمعہؓ کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بھی تجویز پیش کی۔ آپؐ نے جس طرح حضرت سودہؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ تم ہی میری طرف سے پیام ان کو پہنچاؤ، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے بارے میں بھی ان ہی کو مامور فرمایا کہ تم ہی ان کے والدین کو میری طرف سے پیام پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے مکان پر پہنچیں، لیکن اتفاق سے وہ اس وقت موجود نہیں تھے، ان کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ کی والدہ ماجدہ ام رومانؓ موجود تھیں، خولہ نے مبارک باد دیتے ہوئے ان کی بیٹی عائشہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پیغام کا ذکر کیا۔ انہوں نے سن کر بڑی خوشی کا اظہار کیا کچھ دیر کے بعد حضرت ابو بکرؓ بھی آگئے...... خولہ نے ان کے سامنے بھی ان کی بیٹی عائشہؓ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پیام کی بات کہی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا "اَوَ تَصْلُحُ لَهُ وَهِيَ بِنْتُ أَخِيهِ"؟ مطلب یہ تھا کہ کیا عائشہ کے ساتھ حضور ﷺ کا نکاح ہو سکتا ہے حالانکہ وہ ان کے بھائی کی بیٹی ہے، (حضرت ابو بکرؓ نے یہ بات اس بنیاد پر فرمائی کہ عربوں میں جس طرح پہلے منہ بولے بیٹے کی حیثیت حقیقی بیٹے کی تھی اسی طرح منہ بولے بھائی کی حیثیت حقیقی نسبی بھائی جیسی ہوتی تھی اور اسی طرح اس کی بیٹی سے نکاح کو جائز اور درست نہیں سمجھا جاتا تھا، جس طرح حقیقی نسبی بھتیجی سے نکاح کو درست اور جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔)

خولہ نے حضرت ابو بکرؓ کی یہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "هُوَ اَخِيْ فِي الْاِسْلَامِ وَابْنَتُهُ تَحِلُّ لِيْ" مطلب یہ تھا کہ وہ اسلامی بھائی ہیں۔ نسبی بھائی نہیں ہیں، اس لئے ان کی بیٹی عائشہؓ سے میرا نکاح اللہ کی نازل فرمائی ہوئی شریعت میں جائز اور صحیح ہے، اگر بالفرض وہ میرے حقیقی نسبی بھائی ہوتے تو ان کی بیٹی سے نکاح کرنا میرے لئے جائز اور درست نہ ہوگا۔ خولہ نے ابو بکرؓ کو حضور ﷺ کا جواب پہنچایا تو فطری طور پر ان کو بڑی خوشی ہوئی، لیکن اس بارے میں ایک رکاوٹ یہ تھی کہ عائشہ کی نسبت بچپن ہی میں جبیر ابن مطعم سے ہو چکی تھی اور اس نسبت کو ایک طرح کا معاہدہ سمجھا جاتا تھا، اس لئے انہوں نے اخلاقی طور سے ضروری سمجھا کہ جبیر کے والد مطعم سے بات کر کے ان کو اس کے لئے راضی کر لیں، تاکہ میری طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی اور عہد شکنی نہ ہو، اس بارے میں گفتگو کرنے کے لئے وہ مطعم کے مکان پر پہنچے...... یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ یہ بعثت نبوی کا گیارہواں سال تھا، جب کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت اسلام، اور اس کو قبول کرنے والوں کے ساتھ کفار مکہ کی دشمنی انتہائی درجہ کو پہنچ چکی تھی حضرت ابو بکرؓ نے مطعم کے مکان پر پہنچ کر اپنی بات شروع کی، اور کہا کہ میری بیٹی عائشہ کے بارے میں تمہارا اب کیا خیال ہے؟ اس وقت مطعم کی بیوی قریب ہی بیٹھی ہوئی تھیں، انہوں نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے کہا کہ "میں نہیں چاہتی کہ اب وہ بچی (عائشہ ہمارے گھر میں آئے، اگر وہ آئے گی تو اس کے ساتھ اسلام کے قدم بھی ہمارے گھر میں آجائیں گے، اور ہم اپنے باپ دادا کے جس دین پر اب تک چل رہے ہیں اسکے نظام میں گڑبڑ ہو جائے گی۔) مطعم کی بیوی کا یہ جواب سن کر حضرت ابو بکرؓ نے مطعم سے کہا کہ "تم بتاؤ تمہارا فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا: کہ تم نے اس (میری بیوی) کی

بات سن لی میری بھی یہی رائے ہے"...... حضرت ابو بکرؓ مطمئن ہو کر واپس تشریف لائے، اور خولہ سے کہا کہ "تم رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ" وہ گئیں اور رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور اسی وقت نکاح ہو گیا۔

یہ شوال کا مہینہ تھا جس کے بعد قریباً تین سال رسول اللہ ﷺ کا قیام مکہ معظمہ ہی میں رہا...... جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے اس پوری مدت میں حضرت سودہ بنت زمعہؓ ہی آپ ﷺ کی منکوحہ رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ رہیں اور وہی تنہا تمام امور خانہ داری انجام دیتی رہیں...... بعثت کی قریباً ۱۳ سال پورے ہو جانے پر آپ نے بحکم خداوندی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی...... جیسا کہ معلوم ہے یہ سفر رازداری کے ساتھ رات میں ہوا اور تنہا حضرت ابو بکرؓ ہی کو اپنے ساتھ لیا، ان کے بیوی بچے سب مکہ مکرمہ ہی میں رہے، مدینہ طیبہ پہنچ کر قیام کے بارے میں ضروری انتظام کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط) کو مکہ معظمہ بھیج کر اپنی اہلیہ مکرمہ ام رومان اور دونوں صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماء کو بھی بلوالیا...... اور رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہؓ کو مکہ مکرمہ بھیج کر اپنے اہل و عیال حضرت سودہ بنت زمعہؓ اور دونوں صاحبزادیوں (حضرت ام کلثومؓ و حضرت فاطمہؓ) کو بلوالیا، یہ وہ وقت تھا، جب آپؐ مسجد تعمیر کرا رہے تھے اور اس کے ساتھ اپنے لئے چھوٹے چھوٹے گھر بنوا رہے تھے، تو حضرت سودہؓ نے مکہ مکرمہ سے آکر انہیں میں سے ایک گھر میں قیام فرمایا...... حضرت عائشہؓ جن کے ساتھ آپؐ کا نکاح تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہو چکا تھا، اب قریباً ۹۔۱۰ سال کی ہو گئیں تھیں، حضرت ابو بکرؓ کو ان کی غیر معمولی صلاحیت کا پورا اندازہ تھا اور جانتے تھے کہ تعلیم و تربیت اور سیرت سازی کا بہترین اور سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ صحبت ہے، اس لئے انہوں نے خود ہی حضور ﷺ سے عرض کیا کہ "اگر آپ کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو یہ بہتر ہوگا کہ عائشہ آپ ﷺ کی اہلیہ اور شریک حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہے۔"[1] آپؐ نے اس کو منظور فرمالیا، اور وہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے بنوائے ہوئے ایک گھر میں مقیم ہو گیں، راجح روایت کے مطابق یہ ۱ ہجری شوال کے مہینہ میں ہوا...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ چونکہ کبھی شوال کے مہینہ میں عرب میں طاعون کی شدید وبا آئی تھی، اس وجہ سے اس مہینہ کو نامبارک اور منحوس مہینہ سمجھا جاتا تھا اور اس میں شادی جیسی تقریبات نہیں کی جاتی تھیں، لیکن ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مکہ مکرمہ میں نکاح بھی شوال کے مہینہ میں ہوا تھا، اور جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ آکر رفیقۂ حیات کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ مقیم ہوئی تو وہ بھی شوال کا مہینہ تھا، اس طرح حضرت صدیقہؓ کے مبارک نکاح اور مبارک رخصتی نے عربوں کی اس توہم پرستی کا خاتمہ کر دیا۔

بعض قابل ذکر خصوصیات

ازواج مطہرات میں صرف انہیں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ صغر سنی یعنی قریباً ۹۔۱۰ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت و رفاقت، اور تعلیم و تربیت سے مستفید ہوتی رہیں، اسی طرح چند اور سعادتیں بھی

---

[1] حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں طبرانی کے حوالہ سے خود حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ "قال ابو بکر یا رسول اللہ ما یمنعک ان تبنی باھلک فبنی بی۔ الحدیث (فتح الباری ص ۲۶۶) طبع ☆☆☆)

تنہا انہیں کے حصہ میں آئیں جن کا وہ خود اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ذکر فرمایا کرتی تھیں...... فرماتی تھیں: تنہا مجھے ہی یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے سے ہی آپؐ کو خواب میں میری صورت دکھلائی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپؐ کی زوجہ ہونے والی ہیں...... اور آپؐ کی ازواج میں سے تنہا میں ہی ہوں جس کا آپؐ کی زوجیت میں آنے سے پہلے کسی دوسرے کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ نہیں ہوا...... اور تنہا مجھی پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم تھا کہ آپ جب میرے ساتھ ایک لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپؐ پر وحی آتی، دوسری ازواج میں سے کسی کو یہ سعادت میسر نہیں ہوئی اور یہ کہ میں ہی آپؐ کی ازواج میں سے آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب تھی اور اس باپ کی بیٹی ہوں جو حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے...... اور یہ شرف بھی آپؐ کی ازواج میں سے مجھے ہی نصیب ہے کہ میرے والد اور میری والدہ دونوں مہاجر ہیں...... اور یہ کہ بعض منافقین کی سازشں کے نتیجہ میں جب مجھ پر ایک گندی تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری برأت کے لئے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن کی قیامت تک اہل ایمان تلاوت کرتے رہیں گے، اور ان آیات میں مجھے نبی پاک (طیب) کی پاک بیوی (طیبہ) فرمایا گیا، نیز اس سلسلہ کی آخری آیت میں "أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ" فرما کر میرے لئے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں کبھی اپنی اس خوش نصیبی کا بھی ذکر فرماتیں کہ آپؐ نے زندگی کا آخری پورا ایک ہفتہ میرے ہی گھر میں میرے ساتھ قیام فرمایا، اسی سلسلہ میں یہ بھی فرماتیں کہ حیاۃ مبارکہ کا آخری دن میری باری کا دن تھا، اور اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص کرم مجھ پر یہ ہوا کہ اسی آخری دن میرا آب دہن آپؐ کے آب دہن کے ساتھ آپؐ کے شکم مبارک میں گیا[1] اور آخری لمحات میں میں ہی آپ کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھی، اور جس وقت بحکم خداوندی روح مبارک نے جسد اطہر سے مفارقت اختیار کی اس وقت آپ ﷺ کے پاس میں ہی تھی، یا موت کا فرشتہ، اور آخری بات یہ کہ میرا ہی گھر قیامت تک کے لئے آپؐ کی آرام گاہ بنا یعنی اسی میں آپ کی تدفین ہوئی۔[2]

فضائل وکمالات

۲۲۲) عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا

---

1. اسی سلسلہ معارف الحدیث میں آنحضرت ﷺ کے مرض وفات کے بیان میں حضرت صدیقہ ہی کی روایت سے یہ واقعہ بیان ہو چکا کہ وفات سے کچھ پہلے حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر مسواک ہاتھ میں لئے آپ ﷺ کے قریب آئے، آپؐ نے ان کی مسواک کو اس طرح دیکھا جس سے میں سمجھی کہ آپ ﷺ مسواک فرمانا چاہتے ہیں تو میں نے مسواک لے کر اپنے منہ میں چبا کر نرم کر کے آپؐ کو دی، آپؐ نے تندرستی کی حالت کی طرح اس وقت مسواک فرمائی اس طرح میرا دہن آپؐ کے دہن کے ساتھ شکم مبارک میں گیا۔
2. زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن سعد، طبرانی، ابن ابی شیبہ، اور ابو یعلیٰ کی روایات سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بیانات نقل کئے ہیں۔ (زرقانی جلد ثالث ص ۲۳۳)

مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ. (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں میں تو بہت لوگ درجۂ کمال کو پہنچے ہیں، مگر عورتوں میں صرف مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی کامل ہوئی ہیں...... اور عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ تمام کھانوں میں ثرید افضل و اعلیٰ ہے...... (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح...... ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام جن کی تعداد بعض روایات کے مطابق ایک لاکھ سے اوپر ہے، سبھی درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی طرح ان کے حواریین اور خلفاء جن کی تعداد اللہ ہی کے علم میں ہے، سب کامل ہی تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی خواتین میں سے اس حدیث میں صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے بارے میں فرمایا گیا کہ بس وہی درجۂ کمال کو پہنچ سکیں۔ ان دونوں کے اس امتیاز ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ قرآن پاک سورۂ تحریم کے آخر میں ان دونوں کے مؤمنانہ کردار کو سب ایمان والوں کے لئے لائق تقلید مثال اور نمونہ کے طور پر پیش فرمایا گیا ہے۔

بعض شارحین نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق صرف اگلی امتوں سے ہے، اس لئے اس حدیث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ آپؐ کی امت میں اللہ کی کوئی بندی درجۂ کمال کو نہیں پہنچی...... کچھ ہی پہلے حضرت خدیجہؓ کے فضائل کے بیان میں یہ حدیث گذر چکی ہے۔ "خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ" (دنیا کی سب عورتوں میں بہتر مریم بنت عمران ہیں، اور خدیجہ بنت خویلد۔) خود اسی زیر تشریح حدیث کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے "وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو اللہ تعالیٰ کی پیدا فرمائی ہوئی تمام خواتین پر ایسی فضیلت و برتری حاصل ہے جیسی ثرید کو تمام کھانوں پر...... واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ثرید کو لذت اور نافعیت میں دوسرے سب کھانوں پر فوقیت و برتری حاصل تھی...... ثرید کے بارے میں لغت کی کتابوں میں اور شروح حدیث میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے اس کی حقیقت کو نہیں سمجھا جاسکتا...... اس عاجز (راقم سطور) کو حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے دستر خوان پر بار بار ثرید کھانا نصیب ہوا ہے...... اس عاجز کا تجربہ اور احساس بھی یہی ہے کہ وہ لذت، کھانے میں سہولت سرعت ہضم اور نافعیت کے لحاظ سے ہمارے زمانہ کے ان تمام کھانوں سے بھی جو عام طور پر بہتر سمجھے جاتے ہیں، فائق ہے۔

بعض حضرات نے اس حدیث کی بنا پر یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو تمام دنیا کی عورتوں پر، اگلی امتوں، اور امت محمدیہ کی بھی تمام خواتین پر فضیلت و برتری حاصل ہے...... لیکن ان تمام حدیثوں پر غور کرنے کے بعد جن میں اس طرح کسی کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔ قرین صواب یہ

معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضیلت کلی نہیں، بلکہ کسی خاص جہت سے ہے۔ مثلاً حضرت صدیقہؓ کو احکام شریعت کے علم، تفقہ جیسے کمالات کی بنا پر دوسری تمام خواتین پر فضیلت و برتری حاصل ہے، اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کو ان خصوصیات کی وجہ سے جو ان کے احوال واوصاف کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، دوسری تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے، اور مثلاً سیدہ حضرت فاطمہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر ہونے کے ساتھ ان کمالات کی وجہ سے جن کا بیان ان کے فصائل کے بیان میں قارئین کرام پڑھیں گے، جو شرف وفضیلت حاصل ہے، وہ بلا شبہ انہیں کا حصہ ہے۔

یہ حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے ہے، صحیح بخاری ہی میں حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث کا صرف آخری حصہ (فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ) روایت کیا گیا ہے۔

۲۲۳) وَعَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : قَالَ لِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُرِيْتُكِ فِى الْمَنَامِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يُجِيْئُ بِكِ الْمَلَكُ فِىْ سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ، فَقَالَ لِىْ، هٰذِهٖ امْرَأَتُكَ، فَكَشَفْتُ عَنْ وَجْهِكِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِىَ، فَقُلْتُ : اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ . (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھے دکھائی گئیں خواب میں تین رات، فرشتہ ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں تمہیں لے کر آتا، اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، تو میں نے تمہارے چہرے سے کپڑا ہٹایا، تو دیکھا کہ وہ تم ہو، تو میں نے دل میں کہا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ آپؐ نے یہ خواب کب اور کس زمانہ میں دیکھا؟ بظاہر قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد جب ان جیسی شریک حیات کی مفارقت کا فطری طور پر آپؐ کو سخت صدمہ تھا، اور مستقبل کے بارے میں فکر تھی تو اس وقت آپؐ کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کو یہ دکھایا گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ اگرچہ اس وقت قریباً چھ سال کی بچی تھیں، لیکن اس بچپن ہی میں ان کے جو احوال واطوار تھے ان سے آنحضرت ﷺ کو ان کی ذہانت وفطانت اور غیر معمولی صلاحیت کا بخوبی اندازہ تھا، اس طرح آپؐ کو منجانب اللہ بتلایا گیا کہ یہی آپؐ کے لئے مستقبل میں حضرت خدیجہؓ کا بدل ثابت ہوں گی، واللہ اعلم ...... یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کے ابتدائی دور میں آنحضرت ﷺ کو اپنی شریک حیات میں جن خصوصیات کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خدیجہؓ کو بھرپور عطا فرمائی تھیں اور ہجرت کے بعد کے مدنی دور میں اپنی رفیقۂ حیات میں آپ کو جن خاص صفات کی ضرورت تھی، وہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کو بدرجۂ کمال عطا فرمائی تھیں۔

حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے خواب دیکھنے کے بعد اپنے دل میں کہا: "اِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ"۔ (جس کا لفظی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ یہ خواب منجانب اللہ ہے تو وہ اس کو پورا فرمائے

گا) اس پر کسی کو اشکال ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام خاص کر رسول اللہ ﷺ کا خواب تو وحی کی ایک قسم ہے تو اس کے بارے میں شک شبہ کی کیا گنجائش تھی ...... حقیقت یہ ہے کہ "اِنْ يَّكُنْ" کا لفظ شبہ ظاہر کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ یہ بالکل اس طرح ہے کہ کسی ملک کا بادشاہ کسی شخص سے راضی ہو کر کہے: اگر میں بادشاہ ہوں تو تمہارا یہ کام ضرور کیا جائے گا، ...... الغرض اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل میں اطمینان محسوس کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ضرور ایسا ہی ہوگا ...... اور ایسا ہی ہوا۔

آخر میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جامع ترمذی کی روایت میں صراحت ہے کہ خواب میں حضرت عائشہ کی صورت لے کر آنے والے فرشتے حضرت جبرائیل تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا: "هٰذِهٖ زَوْجَتُكَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ" (یہ آپ کی بیوی ہونے والی ہیں دنیا اور آخرت میں)

۲۲۴) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاعَائِشَةُ! "هٰذَا جِبْرِيْلُ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ" قَالَتْ : وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، قَالَتْ : وَهُوَيَرٰى مَالَا اَرٰى." (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے بیان فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اے عائشہ! یہ جبرئیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں" تو میں نے عرض کیا "وعليه السلام ورحمة الله" (ان پر بھی سلام ہو اور اللہ کی رحمت) آگے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ وہ دیکھتے تھے، جو ہم نہیں دیکھتے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

تشریح...... حضرت خدیجہؓ کے فضائل کے بیان میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت جبرائیل غار حراء میں آپؐ کے پاس آئے، اور آپؐ سے کہا کہ خدیجہؓ کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آرہی ہیں ان کو اپنے رب کا سلام پہنچایئے اور میرا ...... اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ "یہ جبرائیل ہیں جو تم کو سلام کہلوا رہے ہیں" حضرت صدیقہؓ نے جواب میں عرض کیا "وعليه السلام ورحمة الله" ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جبرائیلؑ کو حضور دیکھ رہے تھے، میں نہیں دیکھ رہی تھی۔

۲۲۵) وَعَنْهَا قَالَتْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ يَبْتَغُوْنَ بِذَالِكَ مَرْضَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَقَالَتْ : اِنَّ نِسَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كُنَّ حِزْبَيْنِ : فَحِزْبٌ فِيْهِ عَائِشَةُ وَحَفْصَةُ وَصَفِيَّةُ وَسَوْدَةُ، وَالْحِزْبُ الْاٰخَرُ اُمُّ سَلِمَةَ وَسَائِرُ نِسَآءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَكَلَّمَ حِزْبُ اُمِّ سَلِمَةَ فَقُلْنَ لَهَا : كَلِّمِىْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَيَقُوْلُ : مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْدِىَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلْيُهْدِهٖ اِلَيْهِ حَيْثُ كَانَ، فَكَلَّمَتْهُ، فَقَالَ لَهَا : لَاتُؤْذِيْنِىْ فِىْ عَائِشَةَ، فَاِنَّ الْوَحْىَ لَمْ يَأْتِنِىْ وَاَنَا فِىْ ثَوْبِ اِمْرَاَةٍ اِلَّا عَائِشَةَ، قَالَتْ : اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اَذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، ثُمَّ اِنَّهُنَّ دَعَوْنَ فَاطِمَةَ فَاَرْسَلْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَ : "يَابُنَيَّةُ اَلَا تُحِبِّيْنَ مَا اُحِبُّ، قَالَتْ : بَلٰى قَالَ : فَاَحِبِّىْ هٰذِهٖ"۔ (رواه البخارى و مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب خصوصیت سے میری باری ہی کے دن ہدیے بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے، وہ اپنے اس عمل سے رسول اللہ

ﷺ کی خوشنودی چاہتے تھے، (اور صورت حال یہ تھی کہ) آپؐ کی ازواج کے دو گروہ تھے، ایک گروہ میں عائشہ، حفصہ، صفیہ، اور سودہ تھیں، اور دوسرے گروہ میں ام سلمہ اور باقی ازواج، ام سلمہ کی گروہ والیوں نے ام سلمہ سے بات کی، اور ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے تم کہو کہ آپ اپنے اصحاب سے فرمادیں کہ اگر کوئی آپ کے لئے ہدیہ بھیجنا چاہے تو آپ جہاں بھی ہوں (یعنی ازواج میں سے کسی کے یہاں بھی مقیم ہوں) تو وہ وہیں آپ کو ہدیہ بھیجے، چنانچہ ام سلمہؓ نے آپ سے یہی عرض کیا، آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھے عائشہؓ کے بارے میں اذیت نہ دو، یہ عائشہؓ ہی کی خصوصیت ہے کہ انہیں کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے، ام سلمہؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! میں اللہ کے حضور میں آپ کو اذیت دینے سے توبہ کرتی ہوں۔ پھر ام سلمہؓ کی گروہ والی ازواج مطہرات نے (آپ کی صاحبزادی) حضرت فاطمہؓ کو اسی غرض سے آپ کے پاس بھیجا، چنانچہ انہوں نے حضور ﷺ سے وہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا: اے بیٹا! کیا تم اس سے محبت نہیں کروگی جس سے مجھے محبت ہو، عرض کیا: کیوں نہیں! (یعنی آپ جس سے محبت کرتے ہیں میں ضرور اس سے محبت کروں گی) آپ نے فرمایا: فَأَحِبِّي هٰذِهٖ "تو تم اس (عائشہ) سے محبت کرو"۔ (صحیح بخاری و مسلم)

تشریح ...... اس حدیث میں چند باتیں وضاحت طلب ہیں ...... ایک یہ کہ اس میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے دو گروہ میں تقسیم ہونے کی بات کہی گئی ہے، دو گروہوں میں یہ تقسیم کسی باہمی اختلاف کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ کچھ ازواج مطہرات کو مزاجی مناسبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ تھی، اور کچھ کو حضرت ام سلمہؓ سے (واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل ودانش کے لحاظ سے یہ دونوں تمام ازواج مطہرات میں ممتاز تھیں، اور حضور کو قلبی تعلق بھی ان دونوں کے ساتھ بہ نسبت دوسری ازواج کے زیادہ تھا ...... دوسری بات قابل وضاحت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھانے پینے، پہننے اور شب باشی جیسے اختیاری معاملات میں اپنی تمام ازواج کے ساتھ امکانی حد تک یکساں برتاؤ کا خاص اہتمام فرماتے تھے ...... لیکن قلبی محبت کا تعلق انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اسی بنا پر آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِيْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِيْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ [1] (اے اللہ میں تقسیم میں برابری کرتا ہوں ان چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، اے میرے مالک مجھ سے درگذر فرما اس چیز کے بارے میں جو صرف تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں ہے یعنی دل کا لگاؤ) بہر حال یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی بعض ازواج کے ساتھ زیادہ محبت تھی، اور سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ صدیقہؓ سے تھی، اور آنحضرت ﷺ کے قریبی تعلق رکھنے والے اصحاب کرام اس حقیقت سے باخبر اور واقف تھے، اس لئے وہ جب کوئی کھانے وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز ہدیہ کے طور پر بھیجنا چاہتے تو اس کا اہتمام کرتے کہ اس دن بھیجیں جس دن آپؐ کا قیام حضرت عائشہؓ کے یہاں ہو ...... یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے کبھی کسی کو کوئی اشارہ بھی نہیں فرمایا، تاہم یہ بات ان ازواج

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ سنن اربعہ۔

کے لئے گرانی کا باعث تھی جو حضرت ام سلمہؓ سے خصوصی تعلق رکھتی تھیں، انہوں نے ان سے کہا کہ تم حضور ﷺ سے اس بارے میں بات کرو اور یہ عرض کرو، پھر ام سلمہؓ کا حضور ﷺ سے عرض کرنا، اور آپ ﷺ کا جواب اور اس پر ام سلمہؓ کی گذارش یہ سب حدیث کے ترجمہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ آگے حدیث میں یہ ہے کہ اس کے بعد انہوں نے حضور کی صاحبزادی، حضرت فاطمہؓ سے بات کی اور ان کو اسی غرض سے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا انہوں نے جاکر آپ کی ان ازواج کی طرف سے وہی عرض کیا جو حضرت ام سلمہؓ نے کیا تھا، پھر حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا اور حضرت فاطمہؓ نے جو عرض کیا وہ بھی ترجمہ میں آپ پڑھ چکے ہیں...... البتہ یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، کہ حضرت فاطمہؓ کو اس کا علم تھا کہ حضرت ام سلمہؓ اس بارے میں حضور ﷺ سے عرض کر چکی ہیں یقین ہے کہ اگر انہیں اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز اس کیلئے تیار نہ ہوتیں...... واللہ اعلم۔

علمی فضل و کمال

۲۲۶) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی، قَالَ : مَاأَشْكَلَ عَلَيْنَا اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ...... حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَ لْنَا عَائِشَةَ اِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا. (رواه الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے فرمایا کہ جب کبھی ہم لوگوں یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو کسی بات اور کسی مسئلہ میں اشتباہ ہوا، تو ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا تو ان کے پاس اس کے بارے میں علم پایا۔ (جامع ترمذی)

تشریح...... معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ قدیم الاسلام ہیں، ان چند صحابہ کرامؓ میں ہیں جو علم اور تفقہ میں ممتاز تھے، یہ دراصل علاقۂ یمن کے رہنے والے تھے، دعوت ایمان و اسلام کے ابتدائی دور ہی میں ان کو اس کی خبر پہنچی تو یہ خود مکہ معظمہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ نے معمول کے مطابق ان کے سامنے بھی اسلام کی دعوت پیش کی تو ان کے قلب سلیم نے بغیر تردد و توقف کے اسلام قبول کر لیا، اور مکہ معظمہ ہی میں رہنے کا فیصلہ کر لیا، اور پھر جب مکہ کے کفار و مشرکین نے اسلام قبول کرنے والوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا، اور بات ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو حضور ﷺ ہی کے مشورہ سے ان ستم رسیدہ مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا، اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت حبشہ کے لئے روانہ ہوئی ان ہی میں ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے...... چند برسوں تک یہ حضرات حبشہ ہی میں مقیم رہے، رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے کے بعد یہ حضرات مدینہ طیبہ آگئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو اللہ تعالیٰ نے خاص درجہ کی علمی صلاحیت عطا فرمائی تھی وہ حضور ﷺ کے دور حیات ہی میں ان چند صحابہؓ میں شمار ہوتے تھے جن کی طرف عام مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کرتے تھے، اصطلاحی الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ "فقہاء صحابہ میں سے تھے ان کا یہ بیان بڑی

اہمیت رکھتا ہے کہ ہم کو یعنی رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرام کو حضور ﷺ کے بعد کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی تو وہ حضرت عائشہؓ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کے بارے میں ان کے پاس علم ہے ...... یعنی وہ مسئلہ حل فرمادیتیں یا تو ان کے پاس اس بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہوتا یا اپنی اجتہادی صلاحیت سے مسئلہ حل فرمادیتیں ...... اس سلسلہ میں چند اکابر تابعین کی یہ شہادتیں بھی ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔"

حضرت عروہ ابن زبیرؓ جو حضرت عائشہؓ کے حقیقی بھانجے ہیں، اور حضرت صدیقہؓ کی روایتوں کی بڑی تعداد کے وہی راوی ہیں، حاکم اور طبرانی نے ان کا یہ بیان حضرت صدیقہؓ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ:

مَارَأَيْتُ اَحَدًا اَعْلَمَ بِالْقُرْاٰنِ وَلَا بِفَرِيْضَةٍ وَلَا بِحَرَامٍ وَلَا بِحَلَالٍ وَلَا بِفِقْهٍ وَلَا بِشِعْرٍ وَلَا بِطِبٍّ وَلَا بِحَدِيْثِ الْعَرَبِ وَلَا نَسَبٍ مِنْ عَائِشَةَ. [1]

ترجمہ: میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو اللہ کی کتاب قرآن پاک اور فرائض کے بارے میں اور حرام و حلال اور فقہ کے بارے میں اور شعر اور طب کے بارے میں اور عربوں کے واقعات اور تاریخ کے بارے میں اور انساب کے بارے میں (ہماری خالہ جان) عائشہؓ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

اور حاکم اور طبرانی ہی نے ایک دوسرے تابعی مسروق سے روایت کیا ہے۔ فرمایا:

وَ اللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الْاَكَابِرَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَفِيْ لَفْظٍ مَشْيَخَةِ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْاَكَابِرَ يَسْأَلُوْنَ عَائِشَةَ عَنِ الْفَرَائِضِ. [2]

ترجمہ: میں نے اکابر صحابہؓ کو دیکھا ہے فرائض کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تھے۔

اور حاکم ہی نے ایک تیسرے بزرگ تابعی عطاء ابن ابی رباح کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:-

كَانَتْ عَائِشَةُ أَفْقَهَ النَّاسِ وَاَعْلَمَ النَّاسِ وَاَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ [3]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بڑی فقیہہ تھیں اور بڑی عالم اور عام لوگوں کی رائے ان کے بارے میں بہت اچھی تھی۔

کمالِ خطابت

مندرجہ بالا علمی کمالات کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطابت میں بھی کمال عطا فرمایا تھا، طبرانی نے حضرت معاویہؓ کا بیان نقل کیا ہے، فرمایا:۔

قَالَ مَعَاوِيَةُ وَاللّٰهِ مَارَأَيْتُ خَطِيْبًا قَطُّ اَبْلَغَ وَلَا أَفْصَحَ وَلَا أَفْطَنَ مِنْ عَائِشَةَ۔ (رواه الطبرانی)

ترجمہ: خدا کی قسم میں نے کوئی خطیب نہیں دیکھا جو فصاحت و بلاغت اور فطانت میں حضرت عائشہؓ سے

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔
2. زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔
3. زرقانی ج ۳ ص ۲۳۴۔

فائق ہو۔

یہی وہ خداداد کمالات تھے جن کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج مطہرات میں آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ (رضی اللہ عنہا وارضاھا)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تنہا یہی حقیقی بہن تھیں، ان کی والدہ زینب بنت مظعونؓ تھیں جو مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں، اور خود بھی صحابیہؓ تھیں۔ حضرت حفصہؓ کی ولادت بعثت نبوی سے ۵ سال پہلے ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ رسول اللہ ﷺ سے قریباً ۳۵ سال چھوٹی تھیں۔

ہجرت سے پہلے ان کا نکاح حضرت خنیسؓ بن حذافہ سہمی نامی ایک صحابی سے ہوا تھا اور ان ہی کے ساتھ انہوں نے مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ حضرت خنیسؓ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور راجح قول کے مطابق بدر ہی میں ان کے کاری زخم آئے جن سے وہ جانبر نہیں ہو سکے تھے۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔

حضرت خنیسؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ کو اپنی بیٹی کی فکر ہوئی۔ یہ غزوۂ بدر کے بعد کا زمانہ ہے۔ اسی موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی اہلیہ اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے حضرت حفصہؓ کے نکاح کی پیشکش کی۔ انہوں نے غور کرنے کے لئے کچھ وقت مانگا۔ اور چند دن کے بعد معذرت کردی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے یہی پیش کش کی، مگر انہوں نے خاموشی اختیار کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھے ان کی خاموشی حضرت عثمانؓ سے زیادہ ناگواری گذری...... اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے لئے پیام دیا، اور جب یہ نکاح ہو گیا تب حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ سے ملے اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ جب تم نے مجھ سے حفصہ سے نکاح کی خواہش کی تھی، اور میں خاموش رہا تھا تو تم اس سے رنجیدہ ہوئے تھے۔ اصل میں قصہ یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ کا ارادہ حفصہؓ کو اپنے نکاح میں لینے کا ہے۔ اور اسی وجہ سے میں نے تمہاری پیشکش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، میں یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بات ابھی راز میں رکھی تھی، میں اس کو ظاہر کردوں۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارادہ میرے علم میں نہ ہوتا تو میں ضرور تمہاری پیش کش قبول کر لیتا۔ یہ ساری تفصیلات صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت حفصہؓ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی کی روایت سے موجود ہیں۔ حدیث کی ایک اور کتاب مسند ابو یعلیٰ میں اتنی بات کا اور اضافہ ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی پیش کش قبول کرنے سے معذرت ظاہر کردی تو حضرت عمرؓ نے اس کا شکوہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حفصہ کو عثمانؓ سے بہتر شوہر دے گا اور عثمانؓ کو تمہاری بیٹی حفصہؓ سے بہتر بیوی۔ چنانچہ کچھ ہی دنوں

کے بعد حضرت عثمانؓ کا نکاح رسول اللہ ﷺ ہی کی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ہوا اور حضرت حفصہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف ملا۔

حضرت حفصہؓ کے مناقب میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کا جو نسخہ مکمل شکل میں مرتب ومدون کیا گیا تھا، وہ نسخہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہی کی تحویل میں رہا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب ضرورت پڑی کہ قرآن مجید کے یکساں نسخے مرکز خلافت ہی سے مدون ومرتب کرا کے عالم اسلام میں بھیجے جائیں تو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ نسخہ کو بنیاد مانا گیا تھا...... اس کی ضروری تفصیل اسی سلسلہ معارف الحدیث میں حضرت عثمانؓ کے مناقب میں لکھی جا چکی ہے...... یہاں تو صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عہدِ فاروقی کے بعد اس نسخہ کی حفاظت کا شرف حضرت حفصہؓ کے حصہ میں آنا یقیناً ان کی ایک قابل ذکر فضیلت ہے۔ ام المؤمنین حضرت حفصہؓ نے حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں ۴۵ھ میں انتقال فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر قریباً ۶۳ سال تھی۔

ان تعارفی وتمہیدی کلمات کے بعد وہ حدیث پڑھئے جس میں اللہ کے مقرب فرشتے حضرت جبرائیلؑ کی زبانی حضرت حفصہؓ کے بارے میں ایک شہادت نقل ہوئی ہے اور اسی کی وجہ سے واقعہ یہ ہے کہ حضرت حفصہؓ کے فضائل میں تنہا یہی حدیث بالکل کافی ہے۔

۲۲۷) عَنْ قَيْسِ ابْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَلَّقَهَا تَطْلِيْقَةً ثُمَّ ارْتَجَعَهَا. وَذَالِكَ اَنَّ جِبْرَائِيْلَ قَالَ لَهُ ارْجِعْ حَفْصَةَ فَاِنَّهَا صَوَّامَةٌ قَوَّامَةٌ، وَاِنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ.

ترجمہ: قیس ابن زید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو ایک مرتبہ طلاق دی پھر رجوع فرما لیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ آپ ﷺ حفصہؓ سے رجعت کر لیں اس لئے کہ وہ بہت روزہ رکھنے والی اور بہت نماز پڑھنے والی ہیں اور وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہوں گی۔

تشریح...... اللہ تعالیٰ کی یہاں حضرت حفصہؓ کی قدر ومنزلت اور مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ حدیث بالکل کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب کسی وجہ سے ان کو طلاق دے دی تو اللہ نے نہ صرف حضرت جبرائیل کے ذریعہ آپؐ کو رجعت کرنے کا حکم بھیجا بلکہ حضرت حفصہؓ کی سیرت وکردار کے بارے میں یہ سند اور یہ شہادت بھی عطا فرمائی کہ یہ دن کو کثرت سے روزہ رکھتی ہیں اور رات کو اللہ کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتی ہیں اور یہی نہیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ خوشخبری بھی سنائی کہ جنت میں بھی ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا شرف مقدر ہو چکا ہے۔

یہ بات تحقیقی طور پر نہیں معلوم ہو سکی کہ طلاق کے اس واقعہ کا اصل سبب کیا تھا۔ البتہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ طلاق اور رجعت ان دونوں کے سلسلہ کا یہ واقعہ جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں پیش آیا اسی سے

امت کو طلاق اور رجعت کا صحیح اور مسنون طریقہ عملی طور پر معلوم ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس واقعہ کے پیش آنے کی ایک حکمت اسی طریقہ کی تعلیم ہو...... اس کے علاوہ یہ بھی اسی واقعہ کی برکت ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں حضرت حفصہؓ کی بلندی مقام، اور ان کے وہ خاص اوصاف جو اس کا سبب بنے، اور پھر ان کا جنتی ہونا، یہ سب بھی معلوم ہو گیا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کا نام ہند تھا، بعض مورخین نے رملہ لکھا ہے آپ کے والد کے نام میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگ حذیفہ بتلاتے ہیں زیادہ مشہور قول سہل یا سہیل بن المغیرہ ہے۔ ان کی کنیت ابوامیہ تھی اور کنیت سے ہی مشہور ہیں مکہ کے معززین میں شمار ہوتا تھا۔ بہت سخی اور صاحب خیر تھے۔ سفر میں جاتے تو تمام شرکاء سفر کا تکفل فرماتے، اسی لئے آپ کا لقب زاد الرکب (اہل قافلہ کی زادراہ کے ذمہ دار) پڑ گیا تھا۔

حضرت ام سلمہؓ کی پہلی شادی اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی کے ساتھ ہوئی تھی، یہ رسول اللہ ﷺ کے رضائی (دودھ شریک) بھائی بھی تھے۔ ام سلمہؓ کے ایک بیٹے سلمہ کی وجہ سے ہی ان کی کنیت ام سلمہؓ اور ان کے شوہر حضرت عبداللہ کی کنیت ابو سلمہؓ پڑ گئی تھی۔ حضرت ابو سلمہؓ بھی شرفاء مکہ میں شمار ہوتے تھے۔

میاں بیوی دونوں ہی مکہ میں بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے اور سابقین اولین میں ہیں۔ اہل مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر یہ دونوں میاں بیوی حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے کچھ عرصہ حبشہ میں قیام کے بعد دونوں مکہ تشریف لے آئے۔ لیکن مکہ کے حالات نے اب بھی مکہ میں نہ رہنے دیا اور دونوں اپنے بیٹے سلمہ کو لے کر ہجرت کے ارادہ سے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کے لئے نکلے ابھی یہ لوگ مکہ سے نکلے ہی تھے کہ حضرت ام سلمہؓ کے خاندان بنو مغیرہ کے لوگوں کو اس کا علم ہو گیا کہ ابو سلمہؓ خود تو مدینہ جا ہی رہے ہیں ان کے خاندان کی لڑکی، ام سلمہؓ کو بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں ان لوگوں نے حضرت ابو سلمہؓ سے کہا کہ اپنے بارے میں تم بااختیار ہو جہاں چاہو رہو۔ لیکن ہم اپنی بیٹی کو دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے تمہارے ساتھ ہرگز نہ جانے دیں گے اور وہ حضرت ام سلمہؓ اور ان کے بچے سلمہ کو مکہ واپس لے گئے حضرت ابو سلمہؓ تنہا ہی مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع جب حضرت ابو سلمہؓ کے خاندان بنوالمخزوم کے لوگوں کو ہوئی کہ ان کے خاندان کے ایک فرد ابو سلمہ کے ساتھ بنوالمغیرہ کے لوگوں نے یہ زیادتی کی ہے، تو خاندانی حمیت کی وجہ سے ان لوگوں نے ام سلمہؓ کے خاندان بنوالمغیرہ سے سلمہؓ کو جو ابھی بچے ہی تھے یہ کہہ کر لے لیا کہ ام سلمہؓ تو تمہارے خاندان کی ہیں ان کو تم رکھو لیکن سلمہؓ تو ہمارے خاندان کا بچہ ہے۔

اب صورت حال یہ ہو گئی کہ ابو سلمہؓ تو مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، ام سلمہؓ اپنے گھر بنوالمغیرہ میں ہیں،

اور بچہ سلمہؓ حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ بنو المخزوم کے قبضہ میں ہے۔

اس مصیبت میں مبتلا حضرت ام سلمہؓ مکہ سے نکل کر دن بھر مقام ابطح میں بیٹھی اپنے شوہر اور بچہ کے غم میں روتی رہتیں۔

ہفتہ عشرہ اسی حال میں گزر گیا، ایک دن ان کے خاندان کے کسی شخص نے ان کو اس طرح روتے دیکھا تو اہل خاندان سے کہا اس بیچاری پر رحم کرو اور اس کو اپنے شوہر کے پاس جانے دو، قبیلہ کے لوگوں کو بھی ان پر ترس آ گیا اور ان کو ان کے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ جب اس کا علم حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ کو ہوا تو انہوں نے بھی سلمہؓ کو حضرت ام سلمہؓ کے حوالے کر دیا۔

حضرت ام سلمہؓ اپنے بچہ سلمہ کو لے کر اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کے ارادہ سے تنہا نکل پڑیں۔ ابھی مکہ سے چند میل دور مقام تنعیم تک ہی پہنچیں تھیں کہ عثمان بن طلحہ نامی مکہ کے ایک شخص ملے پوچھا: ابو امیہ کی بیٹی کہاں کا ارادہ ہے، ام سلمہؓ نے جواب دیا اپنے شوہر ابو سلمہؓ کے پاس مدینہ جانا ہے، پوچھا کوئی ساتھ ہے ام سلمہؓ نے کہا کہ اس بچہ اور اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا: میں ساتھ ہوں ابو امیہ کی بیٹی تنہا سفر نہیں کرے گی۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے ان جیسا شریف آدمی نہیں دیکھا۔ راستہ بھر ان کا معمول یہ رہا کہ جب منزل پر اترنے کا وقت آتا تو اونٹ کو بٹھاتے اور خود وہاں سے ہٹ جاتے اور میں اونٹ سے اتر آتی اور جب چلنے کا وقت آتا تو آکر اونٹ بٹھاتے میں سوار ہو جاتی اور وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چل دیتے پورا سفر اسی طرح طے ہوا۔ جب یہ لوگ مقام قبا میں (جو اس زمانہ میں مدینہ سے باہر ایک چھوٹی سی آبادی تھی اور اب مدینہ طیبہ ہی کا ایک محلّہ ہے) پہنچے تو عثمان بن طلحہ نے حضرت ام سلمہؓ سے کہا کہ تمہارے شوہر یہیں قبا میں ہیں انہوں نے حضرت ام سلمہؓ کو ان کے حوالے کیا اور خود مکہ واپس چلے گئے۔

اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں کے نزدیک سب سے پہلے مدینہ ہجرت کرنے والی عورت حضرت اُم سلمہؓ ہی ہیں۔

مسلم شریف کی آئندہ ذکر کی جانے والی روایت سے بھی اس قول کی کچھ تائید ہوتی ہے۔

غزوہ احد میں حضرت ابو سلمہؓ نے بڑی بے جگری و جاں بازی اور شوق شہادت میں سرشار ہو کر قتال میں حصہ لیا، اسی موقعہ پر ان کے بہت گہرا زخم لگا تھا جو کچھ دنوں میں ٹھیک ہو گیا۔ اور حضرت ابو سلمہؓ بالکل صحت یاب ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنو اسد سے جہاد کرنے والی جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس جنگ میں ان کا پرانا زخم پھر ہرا ہو گیا اور اس میں شدید تکلیف پیدا ہو گئی اور اسی زخم کی وجہ سے ۸ رجمادی الاخری ۴ھ کو حضرت ابو سلمہؓ کی وفات ہو گئی۔ انتقال کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف فرما تھے آپ ہی نے اپنے دست مبارک سے ابو سلمہؓ کی آنکھیں بند کیں اور ان کی مغفرت اور رفع درجات کی دعا کی اور یہ بھی عرض کیا کہ اے اللہ ان کی جگہ آپ ہی ان کے پسماندگان کی نگرانی و سرپرستی فرمائیں۔ حضرت ام سلمہؓ کے لئے حالت پردیس میں شوہر کی وفات بڑا حادثہ تھا۔

وہ اپنے شوہر کو بے مثال شوہر سمجھتی تھیں اور ان کے بعد ان سے بہتر یا ان جیسے شوہر کے ملنے کی امید نہ

تھی۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے باوجود مجھے ابو سلمہؓ کا متبادل نظر نہ آتا تھا کہ:۔

ما من مسلم تصيبه مصيبة فيقول ما امره الله به انالله وانا اليه راجعون. اللهم اجرنى فى مصيبتى واخلف لى خيرا منها الا اخلف الله له خيراً منها . فلما مات ابو سلمه قلت اى المسلمين خير من ابى سلمه اول بيت ها جر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم انى قلتها فاخلف الله لى رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ:۔ جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے۔ یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور (جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما) تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا (ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم ابو سلمہؓ سے اچھا کون ہو سکتا ہے۔ وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنہوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی (لیکن رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور دعا کی اللّٰھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ابو سلمہؓ کی جگہ رسول اللہ ﷺ مجھے نصیب فرمایا ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت مسلم شریف کے حوالے سے معارف الحدیث جلد سوم میں گزر چکی ہے یہاں بھی اصل روایت اور اس کا ترجمہ وہیں سے نقل کیا گیا ہے صحیح مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی اس واقعہ کے ساتھ یہ دعا الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی گئی ہے، ابن سعد نے طبقات میں ام سلمہؓ کے واسطہ سے یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک دن میں نے اپنے شوہر ابو سلمہؓ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اگر کوئی شوہر مر جائے اور بیوہ دوسری شادی نہ کرے اور دونوں جنت میں جائیں تو اللہ تعالیٰ جنت میں بھی ان کا رشتہ برقرار رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر بیوی مر جائے اور شوہر دوسری شادی نہ کرے تو بھی دنیا کا یہ رشتہ جنت میں بھی باقی رکھا جاتا ہے...... آیئے ہم دونوں عہد کریں کہ ہم دونوں میں جو پہلے مر جائے دوسری شادی نہیں کرے گا۔ حضرت ابو سلمہؓ نے یہ سن کر کہا کیا تم مجھ سے عہد کرنے کو تیار ہو، میں نے کہا بالکل اس پر حضرت ابو سلمہؓ نے فرمایا کہ اگر میرا انتقال پہلے ہو جائے تو تم شادی کر لینا اور اس کے بعد یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ میرے بعد ام سلمہؓ کو مجھ سے بہتر شوہر عطا فرما جو ان کیلئے نہ باعث غم ہو نہ باعث تکلیف۔ ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا یہاں تک کہ آپ کا پیغام آیا۔

ابو سلمہؓ کے انتقال اور ام سلمہؓ کی عدت گذر جانے کے بعد حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے اور ام سلمہؓ کو

شادی کا پیغام دیا تھا لیکن ام سلمہؓ نے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ رسول اللہ ﷺ کا پیغام لے کر آئے تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام کو قبول کرنے میں مجھے تین (۳) عذر ہیں نمبر ۱ میں بہت غیرت مند ہوں۔ نمبر ۲ میرے کئی بچے ہیں۔ نمبر ۳ میری عمر بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ان وجوہات سے رسول اللہ ﷺ کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں کوتاہی نہ ہو جائے۔ بعض روایات میں یہ عذر بھی مذکور ہے کہ میرا کوئی ولی مدینہ میں نہیں ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے ام سلمہؓ کے یہ اعذار آپؐ کو پہنچائے تو آپؐ نے فرمایا جہاں تک ان کی حد سے بڑھی ہوئی غیرت کا معاملہ ہے تو میں دعا کروں گا اللہ تعالیٰ اسے دور فرمادے گا اور رہا بچوں کا سوال تو وہ اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ ہیں اور رہا ان کی درازی عمر کا مسئلہ تو میری عمر ان سے زیادہ ہے۔ اور ان کا کوئی بھی ولی اس رشتہ کو ناپسند نہیں کرے گا۔ رسول اللہ...... کی یہ ہدایات جب ام سلمہؓ کو پہنچیں تو وہ فوراً رشتہ کے لئے تیار ہو گئیں اور شوال ۴ھ میں حضرت ام سلمہؓ حرم نبوی میں داخل ہو گئیں۔

اولاد

حضرت ام سلمہؓ کے اپنے پہلے شوہر سے دو لڑکے سلمہ اور عمر تھے اور دو لڑکیاں درہ اور برہ تھیں بعد میں آپ ﷺ نے برہ کا نام بدل کر زینب رکھ دیا تھا۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے فضائل میں صحیح بخاری و صحیح مسلم میں یہ روایت ذکر کی گئی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیلؑ آئے اور حضرت ام سلمہؓ آپ کی قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب جبرائیلؑ چلے گئے تو آپؐ نے حضرت ام سلمہؓ سے سوال کیا کہ یہ کون تھے؟ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ یہ دحیہ کلبیؓ تھے (اس لئے کہ حضرت جبرائیل دحیہ کلبیؓ ہی کی شکل میں آئے تھے) اس کے بعد آپ نے مسجد تشریف لے جا کر حضرت جبرائیلؑ کی تشریف آوری کا ذکر کیا تو حضرت ام سلمہؓ سمجھیں کہ وہ حضرت جبرائیلؑ ہی تھے۔

ازواج مطہرات کے سلسلہ میں سورۂ احزاب کی آیت "اِنَّمَا يُرِيْدُاللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" حضرت ام سلمہؓ ہی کے مکان میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو بلا کر اپنی چادر میں لپیٹ لیا اور حضرت علیؓ آپ کی پشت کے پیچھے بیٹھ گئے پھر آپ نے یہ دعا کی "اللّٰھم ھوء لاء اھل بیتی فطھر ھم تطھیراً" اے اللہ یہ لوگ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی پاک وصاف فرمادیجئے۔ یہ سن کر حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں بھی تو ان کے ساتھ ہوں آپ نے فرمایا انت علیٰ مکانک وانت علی خیر یعنی تم تو اہل بیت میں ہو ہی اور تم خیر پر بھی ہو۔[1]

---

[1] جامع ترمذی تفسیر سورۂ احزاب۔

حضرت ام سلمہؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ عورتوں کا ذکر قرآن مجید میں کیوں نہیں ہے انکی اس طلب اور خواہش پر آیت کریمہ "اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ......الخ" نازل ہوئی۔ اور آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر اس آیت کو صحابہ کرامؓ کو سنایا۔

حضرت ام سلمہؓ بہت ذہین اور فہیم تھیں اللہ نے تفقہ فی الدین سے بھی خوب نوازا تھا صلح حدیبیہ کے موقع پر جب یہ طے ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ اس سال تو واپس چلے جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لئے آنا چاہیں تو آسکتے ہیں۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سب عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے واپسی کے لئے احرام سے نکلنا اور اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنا ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو احرام سے نکلنے یعنی اپنی ہدی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دے دیا یہ کام صحابہ کرامؓ کے لئے بڑا شاق اور گراں تھا ان کے دل کسی طرح عمرہ کئے بغیر احرام کھولنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آپ نے اپنے خیمہ میں آکر صحابہ کرامؓ کی اس حالت اور اس پر اپنی ناگواری کا اظہار ام سلمہؓ سے کیا حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول (ﷺ) آپ خیمے سے باہر تشریف لے جائیں اور اپنی ہدی کا جانور ذبح کر کے اور بال منڈوا کر احرام سے نکل جائیں۔ آپ نے باہر آکر ایسا ہی کیا صحابہ کرامؓ نے جب آپ ﷺ کا یہ عمل دیکھا تو سب نے اپنے جانور ذبح کئے بال منڈوائے اور احرام کھول دیئے۔

حضرت ام سلمہؓ کو احادیث رسول بکثرت یاد تھیں۔ حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ محدثین نے آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۳۷۸ بتلائی ہے۔

لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے طرز پر قرآن مجید پڑھنے کی ترغیب دیتی تھیں اور بتلاتی تھیں کہ آپؐ رک رک کر قرآن مجید پڑھتے تھے۔ اور مثال کے طور پر کہتیں کہ آپ الحمد للہ رب العالمین پڑھتے اور وقف فرماتے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور وقف فرماتے۔ ام سلمہؓ یہ بھی ذکر کرتی تھیں کہ آپ ﷺ مالک یوم الدین کی جگہ، ملک یوم الدین پڑھتے تھے۔ ترمذی ج ۲ ص ۱۱۶ روایات احکام کے علاوہ قراۃ قران کی کیفیت اور قرآن کی تفسیر کے سلسلہ کی متعدد روایات حضرت ام سلمہؓ کے واسطہ سے کتب حدیث میں مروی ہیں۔

آپ کے سن وفات میں اختلاف ہے راجح قول یہ ہے کہ آپ نے ۵۹ھ میں وفات پائی اور حضرت ابوہریرہؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام پہلے برہ تھا رسول اللہ ﷺ نے بدل کر زینب رکھ دیا۔ برہ کے معنی نیک اور فیاض کے ہیں۔

ام المؤمنین حضرت زینب کے علاوہ بھی بعض خواتین جن کا نام برہ تھا ان کا نام آپؐ نے بدل دیا

اور فرمایا **لاتزکوا انفسکم الله اعلم باهل البر منکم** ❶ یعنی خود اپنے آپ کو نیک اور متقی نہ کہو اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں کون نیک اور متقی ہے۔

آپ کے والد جحش بن رئاب کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا اور والدہ امیمہ بنت عبد المطلب رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

حضرت زینب شروع ہی میں ایمان لانے والے لوگوں میں تھیں **کانت قدیمة الا سلام وقال الزهری زینب من المهاجرات الاول** ❷ یعنی آپ قدیم الاسلام تھیں اور امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ زینب بالکل اولین دور میں ہجرت کرنے والوں میں تھیں۔

پہلا نکاح

پھوپھی زاد بہن ہونے اور نو عمری میں ہی سلام لے آنے کے وجہ سے حضرت زینبؓ رسول اللہ ﷺ کی تربیت ہی میں رہیں اس لئے آپؐ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت زیدؓ بچپن ہی سے آپ ﷺ کی زیر تربیت رہے تھے اس لئے علم و دین میں ممتاز تھے پھر آپ ﷺ نے ان کو اپنا متبنٰی (منہ بولا بیٹا) بھی بنالیا۔ اور آپ ﷺ کو ان سے اولاد کا سا تعلق بھی تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود بہر حال وہ ایک آزاد کردہ غلام اور حضرت زینبؓ قبیلہ قریش کے سردار عبد المطلب کی نواسی اور اپنے باپ کی طرف سے بھی ایک بڑے گھر کی بیٹی تھیں اس لئے شروع میں حضرت زینبؓ اور ان کی بھائی عبد اللہ بن جحش نے اس رشتہ کو نا منظور کر دیا تھا۔

طبرانی نے بسند صحیح یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت زیدؓ کا پیغام خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کو دیا تھا اور حضرت زینبؓ نے یہ کہہ کر کہ میں نسباً ان سے بہتر ہوں اس پیغام کو رد کر دیا تھا۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (سورۃ احزاب آیت نمبر ۳۶)

ترجمہ: کسی صاحب ایمان مرد اور عورت کے لئے اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا (قطعی) حکم دے دیں تب بھی وہ اس کام کے بارے میں بااختیار رہیں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے وجوبی حکم دینے کے بعد کسی بھی مومن یا مومنہ کو اپنے دنیوی اور ذاتی معاملہ میں بھی کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہتا۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحشؓ نے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا اور اپنے پاس سے ان کا مہر دس دینار (تقریباً ۴ تولہ سونا) اور ساٹھ درہم (تقریباً ۱۸۔ تولہ چاندی) اور ایک بار برداری کا جانور ایک زنانہ جوڑا اور پچاس مد آٹا (تقریباً ۲۵ سیر) اور دس مد

---

❶ باب استحباب تغییر الاسم القبیح ❷ سیر اعلام النبلاء للحافظ الذهبی

کھجور (تقریباً پانچ سیر[1] ادا کیا۔)

حضرت زینبؓ نے اس رشتہ کو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی وجہ سے قبول کر لیا تھا اور اپنی طبیعت کو بھی اس پر راضی کر لیا تھا۔ لیکن مدینہ کے منافقین نے جو رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اس کو لے کر ایک فتنہ کھڑا کر دیا کہ لیجئے محمد ﷺ نے ایک شریف خاندان کی عورت کا نکاح ایک غلام سے کر دیا۔ خصوصاً منافقین کی عورتوں نے اس فتنہ انگیزی میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور حضرت زینبؓ جو دل سے اس رشتہ کو قبول کر چکی تھیں ان کو ورغلانے کی پوری پوری کوششیں کیں۔ حضرت زینبؓ کے دل پر ان باتوں کا اثر ہوا ان کی مزاج میں کچھ تیزی اور احساس برتری تو تھا ہی منافقین کے اس فتنہ نے حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان کچھ دوری پیدا کر دی۔

ادھر حضرت زیدؓ کو حضرت زینبؓ کا احساس تفوق و برتری اپنی حساس اور غیرت مند طبیعت پر بار محسوس ہونے لگا جس کی وجہ سے انہوں نے اس رشتہ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی آپ نے حضرت زیدؓ سے سوال کیا کہ کیا زینب کی طرف سے تمہیں کچھ شک ہے عرض کیا کوئی شک کی بات تو نہیں البتہ زینبؓ کو اپنے خاندانی شرف کا احساس ہے اور وہ اس کا اظہار بھی کر دیتی ہیں۔

پھر ممکن ہے وہ یہ بھی سمجھتے ہوں کہ زینبؓ کی خواہش بھی رشتہ کو ختم کر دینے ہی کی ہے اس طرح اس رشتہ کے ختم ہونے سے دونوں کو راحت مل جائے گی۔

حضرت زیدؓ کی درخواست کو آپ ﷺ نے منظور نہیں فرمایا اور رشتہ کو باقی رکھنے ہی کا حکم دیا۔

لیکن یہ رشتہ زیادہ دنوں باقی نہ رہ سکا۔ حضرت زیدؓ رشتہ کو ختم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور دوبارہ رسول اللہ ﷺ سے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ اب میں رشتہ باقی نہ رکھ سکوں گا۔ آپ نے اب بھی حضرت زیدؓ کو صبر و تحمل کی تلقین فرمائی اور رشتہ کو باقی رکھنے کو فرمایا جس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں ہے **اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ** یعنی اپنی بیوی کے نکاح کو باقی رکھو اور خدا سے ڈرو۔

لیکن حضرت زیدؓ کی حالت حد اضطرار کو پہنچ گئی تھی اور صورت حال ایسی ہو گئی تھی کہ اب نکاح کو باقی رکھنا شرعاً درست نہ تھا اس لئے چار وناچار آپ ﷺ نے حضرت زیدؓ کو طلاق دینے کی اجازت دے دی اور پھر حضرت زیدؓ نے طلاق دے بھی دی اور صرف ایک سال ہی میں یہ رشتہ ختم ہو گیا۔

چونکہ یہ رشتہ آپ نے اسلامی مساوات کے اظہار کے لئے کرایا تھا۔ پھر اس رشتہ کی وجہ سے حضرت زینبؓ کو منافقین کی طرف سے آزاد کردہ غلام کی بیوی کا طعنہ سننا پڑا تھا اور اب طلاق ہو جانے کے بعد یہ بھی طعنہ سننا پڑ گیا کہ لو غلام نے بھی طلاق دے دی۔ اس لئے آپ ﷺ کو اس حادثہ سے بہت رنج ہوا۔ پھر

---

[1] ابن کثیر۔

حضرت زینبؓ پر بھی اس حادثہ کا کافی اثر تھا اس کی تلافی اور حضرت زینبؓ کی دلداری کی شکل صرف یہی تھی کہ آپؐ حضرت زینبؓ سے نکاح فرمالیں لیکن منافقین کی طرف سے اندیشہ تھا کہ وہ اس نکاح کو ایک دوسرے فتنہ کا ذریعہ بنادیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے متبنیٰ کی مطلقہ سے شادی کر لی۔ جاہلیت کے رسم ورواج میں اس کی بالکل گنجائش نہیں تھی اس لئے فتنہ کا کافی اندیشہ تھا۔

ادھر طبیعت پر طلاق کے حادثہ کا اثر اور ادھر اس کی مناسب تلافی کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ اس لئے طبیعت بہت پریشان تھی اور آپؐ اپنی بات زبان پر لاتے ڈرتے تھے اسی پریشانی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَااللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَاهُ میں فرمایا ہے۔

یعنی تم اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تم لوگوں (منافقوں) سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے ڈرا جائے۔

اس آیت میں گویا اس بات کی اجازت بلکہ حکم تھا کہ حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا جائے۔

حضرت زینبؓ کی عدت ختم ہو چکی تھی اور اب یہ آیت بھی نازل ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام لے کر حضرت زیدؓ ہی کو بھیجا جب حضرت زید نے جا کر حضرت زینبؓ کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا، تو حضرت زینبؓ نے کہا مااناا بصانعة شيئاً حتى او امر ربى فقا مت الٰى مسجد ها۔ [1] کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے میں اپنے اللہ سے استخارہ ضرور کروں گی یہ کہہ کر اپنے مصلے پر کھڑی ہو گئیں یعنی نماز شروع کر دی۔

ادھر حضرت زیدؓ نے آکر آپ ﷺ کو حضرت زینبؓ کا جواب بتلایا ادھر یہ آیت کریمہ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَايَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا [2] نازل ہو گئی۔ (ترجمہ۔ پس جب زید نے زینب سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا (اور عدت بھی گذر گئی) تو ہم نے ان کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ اہل ایمان کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (سے نکاح کرنے) میں کوئی حرج اور تنگی باقی نہ رہے بشرطیکہ وہ لوگ اپنی بیویوں سے اپنا رشتہ ختم کر لیں۔

اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت زینب کا نکاح آسمان پر ہی ہوا دنیا میں نہیں اور آیت کریمہ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا کے واضح اور متبادر معنی بھی یہی ہیں۔ علاوہ ازیں صحیح روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے زمین پر نکاح نہیں کیا۔ صحیح مسلم کی جو روایت ابھی ہم نے ذکر کی ہے اس میں بھی فقامت الٰى مسجد ها کے بعد فنزل القرآن وجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل عليها بغير اذن [3] کے الفاظ ہیں۔

یعنی ان آیات کے نزول کے بعد آپؐ بلا اجازت لئے حضرت زینبؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ علاوہ

---

1. صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱۔
2. سورہ احزاب آیت ۳۷۔
3. مسلم ج ۱ ص ۴۶۱۔

ازیں حضرت زینبؓ خود اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح میرے اللہ نے کیا جب کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح ان کے اولیاء یا اہل خاندان نے کیا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں وکانت تفخر علی ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقول زوجکن اھا لیکن وزوجنی اللہ من فوق سبع سمٰوات۔ ❶ یعنی زینبؓ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں بطور فخر کہا کرتی تھیں تمہارا نکاح تمہارے اہل خاندان نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا۔

صحیح بخاری میں اس مذکورہ روایت کی بعد اسی معنیٰ کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں وکانت تفخر علی نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکانت تقول ان اللہ انکحنی فی السماء۔ صحیح بخاری کے علاوہ اس مضمون کی روایات حدیث کی بعض دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ کا نکاح دنیا میں نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر ہی کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسے ہی کافی سمجھا۔ ❷

لیکن سیرت ابن ہشام میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ان آیات کے نزول کے بعد حضرت زینبؓ سے نکاح کیا اور چار سو درہم مہر مقرر فرمایا۔ تہذیب سیرت ابن ہشام میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ وتزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش بن رئاب الا سدیہ زوجہ ایاھا اخوھا ابواحمد بن جحش واصدقھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربع مائة درھم۔ ❸ لیکن عام مفسرین اور محدثین کے نزدیک روایات کی کثرت اور اصحیّت کی بنیاد پر پہلا قول ہی راجح ہے۔

مشہور مفسر ابن کثیرؒ آیت کریمہ فلما قضٰی زید منھا وطراً زوجنٰکھا کی تفسیر میں لکھتے ہیں وکان الذی ولی تزویجھامنه ھو اللہ عزوجل بمعنی انہٗ اوحٰی الیه ان ید خل علیھا بلا ولی و لاعقد ولا مھرو لا شھودمن البشر۔ ❹ جس کا حاصل یہی ہے کہ دنیا میں نہ نکاح ہوا نہ گواہی اور نہ مہر ہی متعین ہوا۔

اسی طرح علامہ شوکانیؒ نے بھی مذکورہ آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے فلما اعلمه اللہ بذالك دخل علیھا بغیر اذن ولا عقد وتقدیر صداق ولا شئ مما ھو معتبر فی النکاح فی حق امته، وقیل المراد به الا مرله بان یتزوجھا والاول اولٰی وبه جاء ت الاخبار الصحیحة۔ ❺

اس کا حاصل بھی یہی ہے جو تفسیر ابن کثیر کی عبارت کا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح آسمان پر ہی کر دیا تھا جس کی وجہ سے دنیا میں ایجاب و قبول اور تعیین مہر اور دیگر متعلقات نکاح کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

---

❶ صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۴۔
❷ فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۱۲۔
❸ تہذیب سیرت ابن ہشام ص ۳۳۲۔
❹ تفسیر ابن کثیر۔
❺ تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۲۸۵۔

اس کے بعد علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا قول اس بارے میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حضرت زینبؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیا لیکن اول قول راجح اور احادیث صحیح سے ثابت ہے۔

حضرت زینبؓ کے نکاح کے سال کے بارے میں کئی قول ہیں لیکن زیادہ راجح قول یہ ہے کہ آپ کا نکاح ذیقعدہ ۴ھ میں ہوا۔

حضرت زینبؓ کے اس پورے واقعہ میں بہت سی دینی حکمتیں ہیں اس میں اسلامی مساوات کا بھی اظہار ہے کہ نکاح میں کفارہ کے معتبر ہونے کے باوجود اگر بعض دینی مصالح متقاضی ہوں تو ایک بڑے خاندان کی لڑکی کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام سے بھی کیا جا سکتا ہے پھر اس واقعہ سے متعلق آیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قطعی حکم کے بعد کسی صاحب ایمان مرد و عورت کو اپنے بارے میں اس حکم کے خلاف کسی بھی قسم کا کوئی اختیار نہیں رہتا۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دینی کاموں کو عوام الناس کے شور و غوغا اور اعتراضات کی وجہ سے نہیں چھوڑا جا سکتا، جاہلی رسم و رواج کو ختم کرنے اور غلط عقائد کی اصلاح کے لئے یہ سب تو سننا اور برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

دنیا میں ایجاب و قبول کے بجائے آسمان پر ہی نکاح کر دینے میں حضرت زینبؓ کو اعزاز بخشنا ہے کہ ان کے نکاح کا متولی اللہ تعالیٰ ہے واقعتہً حضرت زینبؓ کی قربانی کا یہی صلہ ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے امتثال امر میں بڑی قربانی دی ہے۔

ولیمہ

حضرت زینبؓ کے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ایسا شاندار ولیمہ کیا کہ ایسا ولیمہ کسی بھی زوجہ مطہرہ کے نکاح کے بعد نہیں کیا تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ **مارأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اولم علی احد من نساء ہ ماأولم علیھا اولم علیھا بشاۃٍ** [1] یعنی میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپؐ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا شاندار ولیمہ کیا ہو جتنا حضرت زینبؓ کا ولیمہ کیا آپؐ نے حضرت زینبؓ کے ولیمہ میں بکری ذبح کی تھی۔

پھر اس ولیمہ میں حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حیس (مالیدہ یا اسی طرح کا کوئی کھانا) بھی بھیجا تھا۔

اس ولیمہ کے موقع پر آپؐ نے حضرت انسؓ سے کچھ صحابہ کرامؓ کے نام لے کر فرمایا کہ جاؤ فلاں فلاں کو بلا لاؤ اور جو بھی تمہیں ملے اس کو بھی بلا لانا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کے بتائے ہوئے صحابہ کرامؓ کو اور جو جو بھی مجھے ملے سب کو بلا لایا حضرت انسؓ کے شاگرد جعد نے پوچھا کہ کل کتنے لوگ ولیمہ میں آ گئے تھے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ تقریباً تین سو ۳۰۰۔ کھانا ایک طشت میں کر دیا گیا اور حاضرین صحابہ کرامؓ کو آپ نے دس دس کی جماعت کر کے بلانا شروع کیا، لوگ آتے رہے اور کھا کر جاتے رہے یہاں تک کہ سب

---

[1] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۷۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱ پر بھی اسی مضمون کی روایت ہے۔

لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ جب کھانے کے لئے کوئی نہیں بچا تو رسول اللہ ﷺ نے طشت اٹھانے کو فرمایا حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ لوگوں کے کھانے سے پہلے طشت میں کھانا زیادہ تھا یا فارغ ہونے کے بعد [1] اسی ولیمہ کی موقع پر آیت حجاب۔

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّا اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِيْنَ اِنَاهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَامُسْتَانِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَايَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ.

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ داخل ہو مگر یہ کہ تم کو کسی کھانے پر آنے کی اجازت دی جائے۔ نہ انتظار کرتے ہوئے کھانے کی تیاری کا۔ ہاں جب تم کو بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں لگے ہوئے بیٹھے نہ رہو۔ یہ باتیں نبی کے لئے باعث اذیت تھیں لیکن وہ تمہارا لحاظ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ حق کے اظہار میں کسی کا لحاظ نہیں کرتا اور جب تم ازواج نبی سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ [2]

اس آیت کے نزول کی کچھ تفصیل مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ دعوت ولیمہ کے ختم ہو جانے کے بعد بھی بعض صحابہ کرامؓ آپؐ کے مکان میں جہاں حضرت زینبؓ بھی دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھی تھیں اس طرح محو گفتگو تھے کہ ان کو اس کا خیال ہی نہیں رہا کہ اب ان کو یہاں سے اٹھ جانا چاہئے رسول اللہ ﷺ مروت اور حیاء کی وجہ سے کچھ کہہ تو نہ سکے لیکن ان کو اٹھانے کے لئے خود گھر سے باہر تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد جب واپس آئے تب بھی وہ لوگ بیٹھے تھے۔ آپؐ دوبارہ تشریف لے گئے کچھ دیر کے بعد جب تشریف لائے تو ان صحابہ کرامؓ کو توجہ ہو گئی اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ آپؐ نے دروازہ پر پردہ لٹکا دیا۔ اس کے بعد ہی مذکورہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

اس آیت میں چند احکامات ہیں اول یہ کہ بلا بلائے آپ کے گھروں میں نہ آئیں۔ دوم یہ کہ بلانے پر بھی قبل از وقت آکر نہ بیٹھ جائیں اور نہ کھانے کے بعد بیٹھ کر گفتگو میں مشغول ہوں سوم یہ کہ ازواج مطہرات سے بھی کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے سے ہی مانگیں۔ اس آیت کے بعد کی آیتیں بھی رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہرات ہی سے متعلق احکامات کی ہیں۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت زینبؓ کے بے شمار فضائل ہیں۔ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے خود کیا جس پر وہ دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں فخر و مباہات فرماتی تھیں۔ وہ خاندانی رشتہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں قریب ترین تھیں۔ سورۂ احزاب کی متعدد آیتوں کے نزول کا تعلق ان کی

[1] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱۔ [2] صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۱۔

ذات سے ہے۔

بہت متقی پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والی اور اللہ کی راستہ میں مال خرچ کرنے والی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ زینبؓ بہت صالحہ، کثرت سے روزہ رکھنے والی اور شب بیدار تھیں۔ [1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی حضرت زینبؓ کی بہت مداح ہیں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ان کا بیان پڑھئے۔

قالت عائشة وهى التى كانت تساميني منهن فى المنزلة عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ارامرأة قط خيراً فى الدين من زينب واتقى لله واصدق حديثاً واوصل للرحم واعظم صدقة واشد ابتذا لاً لنفسها فى العمل الذى تصدق به وتقرب به الى الله ما عدا سورة من حدة كانت فيها تسرع منها الفيئه. [2]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات میں صرف حضرت زینبؓ ہی بارگاہ نبوی میں میرے ہم پلہ تھیں اور میں نے زینب سے زیادہ دیندار، متقی و پرہیز گار، سچ بولنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، صدقہ کرنے والی اور اپنی جان کو نیکی اور تقرب الی اللہ کے کاموں میں زیادہ کھپانے والی کوئی عورت نہیں دیکھی۔ ہاں مزاج میں ذرا سی تیزی تھی جس پر وہ جلد ہی قابو پالیتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ کے ان بلند کلمات کی وقعت اور عظمت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ کلمات ایک ایسی طویل حدیث میں ہیں جس میں حضرت عائشہؓ یہ ذکر کر رہی ہیں کہ حضرت زینبؓ ازواج مطہرات کی نمائندہ بن کر رسول اللہ ﷺ سے میری کچھ شکایات کرنے کے لئے آئی تھیں۔

انہیں حضرت عائشہؓ کا قول حافظ شمس الدین ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے فرماتی ہیں۔

یرحم الله زينب لقد نالت فى الدنيا الشرف الذى لا يبلغه الشرف .ان الله زوجها ونطق به القران وان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لنا اسرعكن لحوقاً اطو لكن باعاً فبشرها بسرعة لحوقها به وهى زوجته فى الجنة۔ [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ زینب پر رحم فرمائے انہوں نے دنیا ہی میں وہ شرف و کمال حاصل کر لیا جس کا مقابلہ کوئی شرف و کمال نہیں کر سکتا اللہ تعالیٰ نے خود ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے فرمایا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی فرمایا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں یہ خوشخبری دی کہ ازواج مطہرات میں میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے پاس آنے والی میری وہ بیوی ہوں گی جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی (یعنی کار خیر میں بہت خرچ کرنے والی) ہوں گی اور وہ جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔

---

1. زرقانی شرح مواہب۔
2. صحیح مسلم باب فضائل عائشہؓ۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۵۔

حضرت زینبؓ اگرچہ کوتاہ قامت تھیں اور اسی حساب سے ان کے ہاتھ بھی دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں چھوٹے ہی ہوں گے لیکن چونکہ بہت فیاض اور سخی تھیں اور عربی زبان میں اطولکن یداً یا اطولکن باعاً بطور مجاز سخی وفیاض کے معنی میں بولا جاتا ہے اس لئے آپؐ نے ان کے لئے اطولکن باعاً یا اطولکن یداً کے الفاظ استعمال فرمائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ہم ازواج النبی ﷺ اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں اور آپؐ کے فرمان اطولکن باعا کا ظاہری مطلب ہی لیتی تھیں لیکن جب آپ کی وفات کے بعد حضرت زینبؓ ہم سب سے پہلے آپؐ سے جا ملیں تو پتہ چلا کہ آپؐ کے فرمان اطولکن باعا کا مطلب سب سے زیادہ سخی اور فیاض ہے۔ اور واقعی زینبؓ ہم سب میں سب سے زیادہ سخی اور فیاض تھیں۔

حضرت عائشہؓ یہ بھی فرماتی تھیں کانت زینب صناع الیدین فکانت تدبغ وتخرز وتتصدق به فی سبیل اللّٰه۔ [1]

یعنی زینبؓ اپنے ہاتھ سے کمائی کرتی تھیں وہ چمڑے کی دباغت کرتی اور چمڑے کا سامان بناتی اور اس سے حاصل شدہ مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتی تھیں۔

ان کی شان استغناء کا ایک واقعہ ابن سعد نے طبقات میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عن برزه بنت رافع قالت ارسل عمرا لی زینب بعطائها فقالت غفر الله لعمر غیری کان اقوٰی علٰی قسم هذا قالوا کله لك قالت سبحان الله واسترت منه بثوب وقالت صبوه واطرحوا علیه ثوبها واخذت تفرقه فی رحمها وایتامها واعطتنی ما بقی فوجدناخمسة وثما نین درهما ثم رفعت یدها الی السماء فقالت اللهم لا یدرکنی عطاء عمر بعد عامی هذا. [2]

ترجمہ: حضرت زینبؓ کی خادمہ برزہ بنت رافع کہتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت زینبؓ کی خدمت میں ایک گرانقدر عطیہ بطور وظیفہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے اسے دیکھ کر کہا اللہ عمرؓ کی مغفرت فرمائے کہ اس مال کو تو میرے علاوہ کوئی اور شخص زیادہ اچھا تقسیم کرتا لانے والوں نے کہا کہ یہ برائے تقسیم نہیں بھیجا ہے یہ سب آپ کا ہے یہ سن کر حضرت زینبؓ نے سبحان اللہ کہا اور فرمایا اسے یہیں ڈال دو اور اس پر کپڑا ڈھک دو۔ اس کے بعد آپ نے اسے اپنے عزیزوں اور یتیموں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تقسیم کے بعد جو بچ رہا وہ مجھے عنایت فرما دیا میں نے اسے گنا تو وہ پچاسی درہم تھے پھر حضرت زینبؓ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اس سال کے بعد میرے پاس عمرؓ کا عطیہ نہ آئے۔

پھر ہوا بھی یہی حضرت زینبؓ آئندہ سال آنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۷
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۷۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۲ بحوالہ ابن سعد۔

ہوا کہ حضرت زینبؓ نے سب مال تقسیم کر دیا ہے تو خود ان کے گھر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں مزید رقم بھیجوں گا اور ایک ہزار درہم پھر بھیجے۔ حضرت زینبؓ نے وہ بھی تقسیم کر دیئے۔

جیسا کہ ابھی گزرا کہ حضرت زینبؓ ازواج مطہرات کی نمائندہ بن کر حضرت عائشہؓ کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے بات کرنے گئی تھیں اور صحیح مسلم کی اسی روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت عائشہؓ کے خلاف خوب کھل کر بات کی تھی۔ لیکن تقویٰ وراست گوئی کا یہ حال تھا کہ جب واقعہ افک کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ سے حضرت عائشہؓ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے صاف کہہ دیا **واللہ ما علمت الاخیراً واللہ** میں ان کے بارے میں صرف اچھی رائے ہی رکھتی ہوں۔ حالانکہ فتنہ افک میں ان کی حقیقی بہن حضرت حمنہؓ مبتلا ہو گئی تھیں۔

ان کی نیکی، دینداری اور متقی و پرہیزگار ہونے کی شہادت تو رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک نے بھی دی تھی۔ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مال فئی کو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت میں تقسیم فرما رہے تھے حضرت زینبؓ نے اس سلسلہ میں آپ کو کچھ مشورہ دے دیا جو حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا اور حضرت عمرؓ نے ان کے دخل دینے پر اپنی ناگواری کا اظہار بھی کرنا چاہا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خاموش کر دیا اور فرمایا زینب کو کچھ نہ کہو اس لئے کہ وہ اواھہ ہیں۔ کسی صحابی نے اوّاھہ کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا کہ اواھہ کے معنی ہیں خشوع و خضوع کرنے والی اور آپ نے آیت کریمہ ان ابراھیم لحلیم اواہ منیب بھی پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حلیم (بردبار) اواہ (خشوع و خضوع کرنے والے) اور منیب (اللہ کی طرف توجہ کرنے والے) فرمایا ہے۔

آپ اگرچہ کثیر الروایت نہیں ہیں پھر بھی آپ کی روایت کردہ احادیث صحاح ستہ وغیرہ حدیث کی مشہور کتابوں میں ہیں۔ آپ سے روایت کرنے والوں میں آپ کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش۔ ام حبیبہ بنت ابی سفیانؓ زینب بنت ابی سلمہ وغیرہ صحابہ و تابعین ہیں۔

وفات

ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۲۰ یا ۲۱ ہجری میں ہوئی آپ رسول اللہ ﷺ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے وفات پانے والی زوجہ مطہرہ ہیں۔ وفات سے پہلے اپنا کفن تیار کر کے رکھ لیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر حضرت عمر بھی کفن بھیجیں تو ایک کو تو استعمال کر لیا جائے اور دوسرے کو صدقہ کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کی بہن حضرت حمنہؓ بنت جحش نے حضرت عمرؓ کا کفن تو استعمال کرا دیا اور حضرت زینبؓ کا تیار کردہ کفن صدقہ کر دیا۔ ان کی وفات پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا ذھبت حمیدہ سعیدہ مفزع الیتامیٰ والارامل۔

ایک ستودہ صفات، نیک بخت اور یتیموں اور بیواؤں کی سہارا عورت دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور محمد بن عبداللہ بن جحش، حضرت عبداللہ بن

ابی احمد بن جحش اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے قبر میں اتارا قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔ رضی اللہ عنہاوارضاھا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ الہلالیہ رضی اللہ عنہا

ازواج مطہرات میں حضرت زینب بنت جحش کے علاوہ زینب نام کی آپ کی ایک اور زوجہ مطہرہ بھی تھیں۔ان کا پورا نام زینب بنت خزیمہ الہلالیہ ہے۔باپ کا نام خزیمہ ہے ان کے سلسلہ نسب میں ایک شخص ہلال نامی تھے جس کی وجہ سے ان کو زینب بنت خزیمہ الہلالیہ کہا جاتا ہے۔ والدہ کا نام ہند بنت عوف یا خولہ بنت عوف ہے جن کا تعلق قبیلۂ حمیر سے ہے۔ان ہی ہند کی بیٹی ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت زینب بنت خزیمہ کی وفات کے کئی سال بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت میمونہؓ سے نکاح فرمایا۔ ان دونوں کی ماں ایک ہیں لیکن والد الگ الگ ہیں۔

حضرت زینب بنت خزیمہ کا پہلا نکاح حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔[1] حضرت عبداللہ بن جحش غزوہ احد شوال ۳ھ میں شہید ہوگئے تھے ان کی شہادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت زینبؓ کے یہاں ناتمام بچہ پیدا ہوا جس سے ان کی عدت ختم ہوگئی اور ذی الحجہ ۳ھ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ سے نکاح کر لیا، ابھی نکاح کو صرف تین مہینے ہی گزرے تھے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ان کے نکاح اور وفات کے بارے میں ایک قول یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح تو رمضان ۳ھ میں ہوا اور وفات ربیع الاول ۴ھ یا ربیع الآخر ۴ھ میں نکاح سے ۷ یا ۸ مہینے کے بعد ہوئی لیکن اول قول راجح بتلایا جاتا ہے۔

ازواج مطہرت میں صرف ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا ہی کی وفات رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوئی ہے دیگر تمام ازواج مطہرات آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باحیات رہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن فرمایا۔وفات کے وقت ان کی عمر صرف تیس سال تھی۔[2]

فضائل

ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ سخی تھیں۔غریبوں کی غمخواری کرتیں اور مسکینوں کو کھانا کھلاتی تھیں۔اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ہی ام المساکین کے

---

[1] مشہور قول تو یہی ہے۔ بعض حضرات نے حضرت زینب بنت خزیمہؓ کے پہلے شوہر کا نام طفیل بن الحارث اور بعض نے عبیدہ بن الحارث بتلایا ہے۔زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۴۹، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۱۸ تہذیب الکمال ص ۲۰۴۔

[2] زرقانی ۳ ص ۲۴۹۔

لقب سے مشہور تھیں۔

اپنی ذاتی خوبیوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہونے کا شرف، پھر آپ ہی کے سامنے وفات پانا اور آپ کا خود نماز جنازہ پڑھانا اور اپنی نگرانی میں جنت البقیع میں دفن کرنا یہ بھی بڑی خوبی اور فضیلت کی بات ہے۔

ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

۵ھ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ قبیلۂ بنی مصطلق کا سردار حارث ابن ابی ضرار اہل مکہ کے اکسانے پر یا خود ہی مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے اور العیاذ باللہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی تیاری کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے اپنے قرب وجوار کے دیگر مشرک قبائل کو بھی جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ [1]

یہ قبیلہ بنی مصطلق قبیلہ خزاعہ کی شاخ تھا اور مکہ معظمہ سے کچھ دور مریسیع [2] نام کے چشمہ یا تالاب کے کنارے آباد تھا۔ قرب وجوار کے بہت سے قبائل اسلام دشمنی کی وجہ سے اس ارادہ میں اس قبیلہ کے لوگوں کے سامنے تھے اور ان لوگوں کو مشرکین مکہ کی حمایت بھی حاصل تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے اس ارادہ کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے پیش قدمی کر کے خود قبیلہ بنی مصطلق پر حملہ کرنے کا ارادہ فرما ہی لیا اور شعبان ۵ھ میں تقریباً ایک ہزار صحابہ کرامؓ کی جمعیت کو ساتھ لے کر اچانک قبیلہ بنی مصطلق پر حملہ کر دیا ان لوگوں کو ابھی تک اس کا علم نہ ہو سکا تھا اور وہ اپنے روز مرہ کے کاموں میں مشغول تھے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر وہاں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ ان لوگوں سے کہو کہ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں یعنی اسلام قبول کر لیں جس سے ان کی جان ومال سب محفوظ ہو جائے گا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے بآواز بلند رسول اللہ ﷺ کا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیا لیکن انہوں نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کے لشکر پر تیر اندازی شروع کر دی۔ مسلمانوں نے رسول ﷺ کے حکم سے یکبارگی حملہ کر دیا۔ قبیلۂ بنی مصطلق کے لوگ مقابلہ نہ کر سکے، ان کے انصار واعوان قبائل تو پہلے ہی راہ فرار اختیار کر گئے تھے۔ بنی مصطلق نے بھی اب ہتھیار ڈال دیئے صحابہ کرامؓ نے پورے قبیلہ کے لوگوں کو قیدی بنا لیا جن کی تعداد تقریباً ۷۰۰ سو تھی۔ اس جنگ میں بنی مصطلق کے دس ۱۰ مشرک مارے گئے تھے اور صرف ایک صحابیؓ شہید ہوئے تھے۔

بنی مصطلق کے قیدیوں میں قبیلہ کے سردار ابن ابی ضرار کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں۔ حارث خود تو کسی طرح بچ گئے تھے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئے تھے لیکن جویریہؓ کا شوہر مسافع بن صفوان مارا گیا تھا ان قیدیوں کو دیگر مال غنیمت کے ساتھ صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا گیا۔ حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ مجھے رقم لے کر

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۵۶۔

[2] اسی چشمہ کے نام پر غزوۂ بنی مصطلق کو غزوۂ مریسیع بھی کہتے ہیں۔

آزاد کرنے پر تیار ہوں تو میں رقم کا انتظام کرلوں۔ حضرت ثابت نے اسے منظور کرلیا۔ شرعی اصطلاح میں اس طرح کے معاملہ یا عقد کو کتابت کہتے ہیں اور جو رقم آزادی کے بدلہ میں دینا طے ہوتی ہے اسے بدل کتابت کہا جاتا ہے۔ حضرت جویریہؓ اور حضرت ثابت بن قیسؓ کے درمیان بدل کتابت ۱۹ اوقیہ سونا طے پایا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے ایک درہم تین ماشہ سے کچھ زائد ہوتا ہے۔

حضرت جویریہؓ خود باندی اور ان کے قبیلہ کے لوگ بھی سب غلام باندی ہی تھے۔

بدل کتابت کا انتظام ان کے بس کی بات نہ تھی لیکن رئیس زادی تھیں، ہمت اور عقل سے کام لیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں قبیلہ بنی مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریہ ہوں، میں مسلمان ہو گئی ہوں اور گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں جس مصیبت میں گرفتار ہوں آپ سے مخفی نہیں ہے۔ غلاموں اور باندیوں کی تقسیم میں، میں ثابت بن قیسؓ کے حصہ میں آگئی ہوں انہوں نے مجھ سے معاملہ کتابت کرلیا ہے لیکن بدل کتابت میرے پاس نہیں ہے۔ آپ سے مدد کی طالب ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی درخواست سن کر فرمایا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم منظور کرلو تو میں تم کو ثابت بن قیسؓ سے خرید کر آزاد کردوں اور پھر تم مجھ سے نکاح کرلو۔ حضرت جویریہؓ نے اسے بخوشی منظور کرلیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو خرید کر آزاد فرمادیا اور ان سے نکاح فرمالیا اور چار ہزار درہم مہر مقرر فرمایا۔ [1]

اس غزوہ سے تین دن پہلے حضرت جویریہؓ نے اپنے گھر پر ہی خواب دیکھا تھا کہ مدینہ سے چاند چلا اور میری گود میں آگیا۔ میں نے اپنے گھر کے لوگوں سے اس کا تذکرہ مناسب نہ سمجھا لیکن جب یہ غزوہ ہوا اور میں قید کر کے مدینہ لائی گئی تو مجھے اپنے خواب کی تعبیر کی کچھ امید نظر آئی۔ [2]

جب صحابہ کرامؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہؓ سے نکاح کرلیا ہے اور اب ان کے یہ غلام اور باندی جن کا تعلق قبیلہ بنی مصطلق سے ہے رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہو گئے ہیں لہٰذا اب ان لوگوں کو غلام اور باندی بنائے رکھنا مناسب نہیں ہے تو صحابہ کرامؓ نے اپنے ان غلاموں اور باندیوں کو آزاد کردیا۔ [3] جن کی تعداد تقریباً سات سو تھی، پھر بعد میں یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اسی موقع پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا۔ ما اعلم امراۃً اعظم برکۃً منھا علٰی قومھا۔ یعنی میرے علم میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے جو جویریہؓ سے زیادہ اپنی قوم کے لئے باعث خیر و برکت ہو۔

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو حضرت جویریہؓ کے والد حارث بن ابی ضرار اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لئے بہت سامان و دولت بطور فدیہ لے کر آئے ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے بھی تھے اس مال و دولت میں بڑی تعداد

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵۔
2. زرقانی بحوالہ بیہقی و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۶۵۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۵۶۵ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۶۵۔

میں اونٹ بھی تھے۔ اثنائے سفر میں حارث بن ابی ضرار کو دو اونٹ بہت اچھے محسوس ہوئے اور انہوں نے ان دونوں اونٹوں کو راستہ ہی میں کسی وادی میں چھپادیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنی آمد کا مقصد ذکر کیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ جویریہ موجود ہیں جانا چاہیں تو لے جاؤ۔

باپ نے بیٹی سے کہا کہ محمد (ﷺ) نے تمہیں میرے ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ چلو گھر چلو، حضرت جویریہؓ نے فرمایا اخترت اللہ ورسولہ میں نے تو اللہ اور اس کے رسول ہی کو اختیار کر لیا ہے باپ نے ہر چند سمجھایا اپنی عزت کا واسطہ بھی دیا لیکن جویریہؓ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حارث بن ابی ضرار سے ان دو اونٹوں کا بھی ذکر فرمایا جو حارث بن ابی ضرار راستہ میں چھپا آئے تھے اور ان اونٹوں کا ذکر سن کر حارث بولے ان اونٹوں کی خبر تو میرے اور اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔ [1] ان کے ساتھ دو بیٹے بھی مسلمان ہوگئے۔

اس طرح پورا قبیلہ بنی مصطلق اسلام لے آیا۔ یہ سب حضرت جویریہؓ کے نکاح کی برکت ہے۔ دینی نقطۂ نظر کے علاوہ سیاسی اور دفاعی نقطۂ نظر سے بھی قبیلہ بنی مصطلق کا ایمان لانا بڑا اہم واقعہ تھا اس لئے کہ یہ قبیلہ مدینہ طیبہ کے مقابلہ میں مکہ معظمہ کے زیادہ قریب تھا اور اہل مکہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت جویریہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے متعدد روایات نقل کی ہیں اور ان سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ صحابہ کرامؓ نے روایات لی ہیں۔

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی ذاکرہ شاغل تھیں۔ نماز کے بعد بعض اوقات گھنٹوں مصلے پر بیٹھ کر ذکر خداوندی میں مشغول رہتی تھیں ان کے اس طرح طویل ذکر الٰہی کا ایک واقعہ امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ نے حضرت جویریہؓ ہی کی روایت سے نقل کیا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عن جويرية ان النبى صلى الله عليه وسلم خرج من عندها بكرة حين صلّى الصبح وهى فى مسجدها ثم رجع بعد ان اضحٰى وهى جالسة قال مازلت على الحال اللذى فارقتك عليها قالت نعم. [2]

ترجمہ:۔ ام المؤمنین حضرت جویریہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نماز فجر پڑھنے کے بعد انکے پاس سے باہر نکلے وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھیں پھر آپ کچھ دیر کے بعد جب چاشت کا وقت آچکا تھا واپس تشریف لائے حضرت جویریہؓ اسی طرح بیٹھی اپنے وظیفہ میں مشغول تھیں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا میں جب سے تمہارے پاس سے گیا تھا کیا تم اس وقت سے برابر اسی حال میں اور اسی

---

[1] زرقانی ج ۳ ص ۲۵۵۔

[2] مسلم ج ۲ ص ۳۵۰۔ وترمذی ج ۲ ص ۱۹۴۔

طرح پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

اس حدیث میں ابھی اور بھی کچھ باقی ہے لیکن ہمیں صرف اتنا ہی ذکر کرنا ہے جس سے حضرت جویریہؓ کے کثرت سے ذکر اور وظیفہ میں مشغولیت کا پتہ چلتا ہے۔ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ یہ روایت ترمذی میں بھی ہے۔

ان کے نفلی روزے رکھنے کا ذکر بھی حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے معلوم ہوا کہ وہ نفلی روزہ رکھے ہوئے ہیں آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم نے کل بھی روزہ رکھا تھا، عرض کیا نہیں، پھر دریافت کیا کہ کیا کل رکھو گی؟ عرض کیا نہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کو تنہا جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مختلف فیہ ہے۔ تفصیل حدیث وفقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کے فضائل میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کی ذات ہی قبیلہ بنی مصطلق کے لوگوں کی آزادی کا اور ایمان لانے کا ذریعہ بنی۔

وفات

ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نے ربیع الاول ۵۰ھ میں وفات پائی۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کے حاکم تھے اور تابعی ہیں نماز جنازہ پڑھائی۔ اور مدینہ طیبہ کی قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

مشہور صحابی حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نام رملہ تھا۔ ان کی ایک بیٹی حبیبہ کی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ تھی۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابوالعاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت دیر سے ایمان لائے لیکن حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش اسلام کے ابتدائی دور میں ہی اسلام لا چکے تھے اور اہل مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔

عبید اللہ بن جحش حبشہ جا کر نصرانی ہو گیا اور اسی حالت ارتداد میں اسے موت آئی۔ اس نے حضرت ام حبیبہؓ کو اسلام ترک کرنے اور نصرانیت کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ لیکن حضرت ام حبیبہؓ اس نازک وقت میں ثابت قدم رہیں اور ان کی خوش نصیبی کہ عبیدہ بن جحش کے انتقال اور ان کی عدت کے گذرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو اپنے نکاح کا پیغام دے کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس، جو خود مسلمان ہو چکے تھے بھیجا اور اپنے نکاح کا وکیل بھی نجاشی کو بنایا۔ بادشاہ نجاشی نے اپنی ایک باندی کو حضرت ام حبیبہؓ کے پاس یہ پیغام لے کر بھیجا کہ بادشاہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا گرامی نامہ ان کے نام آیا

ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ وہ ام حبیبہ کو ہمارے نکاح کا پیغام دیں اور اگر وہ منظور کر لیں تو آپ ہی ہمارا نکاح کر دیں۔ حضرت ام حبیبہؓ نے جب یہ خوشخبری سنی تو اس باندی کو جو یہ پیغام مسرت لے کر آئی تھی چاندی کے دو کنگن، کئی انگوٹھیاں اور دو اور زیور انعام میں دیئے۔ اور اپنے ایک قریبی عزیز خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیا۔ ❶

حضرت ام حبیبہ کی منظوری مل جانے پر دوسرے دن بادشاہ نجاشی نے حبشہ میں موجود صحابہ کرامؓ کو جن میں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے، اپنے محل میں بلایا اور خود خطبۂ نکاح پڑھا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایجاب نکاح کیا۔ حضرت خالد بن سعیدؓ نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نکاح قبول کیا۔ نجاشی نے ۴۰۰ دینار مہر مقرر کیا اور خود ہی مہر کی یہ رقم ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کی خدمت میں بھیجی۔ مہر کی رقم میں سے پچاس دینار ام المؤمنین نے اس باندی کو جو نکاح کا پیغام لے کر آئی تھی دیئے، اس باندی نے وہ واپس کر دیئے اور وہ زیورات بھی واپس کر دیئے جو کل ام المؤمنین نے دیئے تھے اور کہا، بادشاہ سلامت کا یہی حکم ہے۔ نکاح کے بعد بادشاہ نے ام المؤمنین کی خدمت میں بہت سے ہدایا اور خوشبوئیں بھیجیں۔

مجلس نکاح کے اختتام پر جب صحابہ کرامؓ اٹھنے لگے تو نجاشی نے کہا کہ بیٹھ جائیے سب لوگ کھانا کھا کر جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ نکاح کے موقع پر کھانا کھلانا انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔ ❷ مشہور قول کے مطابق یہ نکاح ۶ھ میں ہوا ہے۔ جب حضرت ابو سفیان کو جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اس نکاح کی اطلاع مکہ میں ملی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا اعتراف کیا اور آپ کی شان میں بہت بلند کلمات کہے۔ ❸

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے نکاح کے سلسلے میں صحیح مسلم کی ایک طویل روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے ایمان لانے کے بعد مدینہ طیبہ میں آپ سے یہ درخواست کی کہ آپ میری بیٹی ام حبیبہؓ سے شادی کر لیں اور آپ نے ان کی یہ درخواست قبول بھی فرمالی۔ ❹

محدثین نے روایت کے اس حصہ کی مختلف توجیہات کی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ روایت کا یہ حصہ جس سے حضرت ام حبیبہؓ کا نکاح حضرت ابو سفیانؓ کے اسلام لانے اور مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کے بعد ہونا معلوم ہوتا ہے صحیح نہیں ہے۔

بہر حال یہ نکاح حبشہ ہی میں ہوا ہے اور حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد ابو سفیان اہل مکہ کے

---

❶ زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۲۴۴، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳۔
❷ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳
❸ زرقانی ج ۳ ص ۲۴۴۔
❹ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۴ باب فضائل ابی سفیانؓ۔

نمائندہ بن کر صلح ہی سے متعلق بعض معاملات کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے گھر ان سے ملنے کے لئے گئے وہ جب اندر گھر میں پہنچے تو ام المؤمنین نے رسول اللہ ﷺ کا بستر جو بچھا ہوا تھا لپیٹ دیا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا، آیا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے یا میں بستر کے قابل نہیں ہوں۔ ام المومنین نے کہا، اباجان آپ مشرک ہیں اور یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے، اس لئے آپ اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔ [1]

فضائل

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ باطنی کمالات سے بھی نوازا تھا۔ وہ اولین ایمان لانے والوں میں ہیں۔ حالانکہ ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو سرداران قریش میں سے تھے بہت دیر میں فتح مکہ کے قریب ایمان لائے تھے گھر کے دوسرے افراد بھی دیر ہی سے مسلمان ہوئے، ایسے حالات میں ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کا اسلام کے ابتدائی عہد ہی میں مشرف باسلام ہو جانا اور اپنے گھر کے لوگوں کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا اور اسلام کی خاطر مکہ معظمہ سے حبشہ کو ہجرت کر جانا، پھر جب ان کا پہلا شوہر حبشہ میں مرتد ہو گیا اور ان کو بھی اسلام کو ترک کرنے اور نصرانیت کو اختیار کرنے کی ترغیب دی تو ان کا اپنے ایمان کو بچائے رکھنا اور دین اسلام پر ثابت قدم رہنا بڑی ہمت اور اولوالعزمی کی بات تھی، جب کہ پردیس میں صرف وہی شوہر ظاہری سہارا تھا۔ اسی طرح حضرت ابوسفیانؓ کے آنے پر رسول اللہ ﷺ کے بستر کو لپیٹ دینا اور ان کے سوال کرنے پر یہ کہنا کہ اباجان یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں آپ اس بستر پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں، رسول اللہ ﷺ سے ان کی غیر معمولی محبت و عقیدت اور ان کے دل میں آپ کی بے پناہ عظمت و شوکت اور خود ان کی اعلیٰ درجہ کی قوت ایمانی کا پتہ دیتا ہے۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے کا بڑا اہتمام کرتی تھیں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ:

دخلت علىٰ ام حبيبه زوج النبى صلى الله عليه وسلم حين تو فى ابو ها ابو سفيان بن حرب فدعت بطيب فيه صفرة خلوق او غيره فدهنت به جارية ثم مست بعار ضيها ثم قالت والله مالى بايطب من حاجة غيرانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا يحل لا مرأة تؤمن بالله واليوم الا خران يحد علىٰ ميت فوق ثلثة ايام الا علىٰ زوج اربعة اشهر وعشراً. [2]

روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت زینب بن ابی سلمہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے والد حضرت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۴۳۔

[2] جامع ترمذی باب ماجاء فیعدة المتوفی عنها زوجها۔

ابوسفیانؓ کی وفات پر ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور بظاہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کو تین دن گذر چکے تھے) حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک خوشبو جو زعفران وغیرہ سے بنائی جاتی ہے اور جس میں سرخ اور پیلا رنگ ہوتا ہے منگائی اور ایک بچی کے لگائی اور پھر اپنے رخساروں پر بھی لگالی اور فرمایا مجھے خوشبو استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی صاحب ایمان عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی بھی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ البتہ شوہر پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لئے اپنے رخساروں پر یہ خوشبو لگالی ہے۔ (تاکہ یہ اظہار ہو جائے کہ میں اپنے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تین دن سے زیادہ سوگ نہیں منارہی ہوں۔)

انہی کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد حدیث کی متعدد کتابوں میں نقل کیا ہے۔ کہ من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة اربعاً قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب و رکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلوٰة الغداة۔[1] حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن رات میں یہ بارہ رکعتیں پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنگ میں ایک محل تیار کردے گا۔ چار رکعتیں ظہر سے پہلے، دو رکعتیں ظہر کے بعد دو رکعتیں مغرب کے بعد دو رکعتیں عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے۔ مسند احمد میں اسی روایت کے بعد یہ بھی اضافہ ہے فما برحت اصلیهن بعد یعنی جب سے میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا ہے کبھی ان رکعتوں کا ناغہ نہیں کیا ہمیشہ یہ رکعتیں پابندی سے پڑھتی ہوں۔ حدیث کی کتابوں میں ان کے متعلق اتباع سنت کے اہتمام کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔ آخرت کے حساب و کتاب سے بہت ڈرتیں اور صفائی معاملات کا بہت خیال کرتی تھیں۔ ابن سعد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے قالت دعتنی ام حبیبه عند موتها فقالت قد کان یکون بیننا مایکون بین الضرائر فحللینی من ذالك فحللتها واستغفرت لی واستغفرت لها فقالت لی سررتنی سرك الله وارسلت الی ام سلمه مثل ذلك۔[2] روایت کا حاصل یہ ہی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وفات کے وقت مجھے بلایا اور فرمایا ہم لوگوں میں کبھی کبھی بعض ایسے واقعات پیش آئے ہوں گے جو سوتنوں میں پیش آجاتے ہیں، میں تم سے ان کی معافی مانگتی ہوں۔ میں نے معاف کردیا۔ تو انہوں نے میرے واسطے دعائے مغفرت کی اور میں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی طرح انہوں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی اپنی کوتاہیوں کی معافی تلافی کی۔

رسول اللہ ﷺ سے براہ راست اور بالواسطہ متعدد روایات نقل کی ہیں جو حدیث کی مشہور کتابوں صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہیں، ان سے روایات نقل کرنے والوں میں ان کے بھائی معاویہؓ بیٹی حبیبہؓ اور بعض دیگر

---

[1] جامع ترمذی باب فی من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة من السنة ۰ اله من الفضل۔

[2] زرقانی ج ۳ ص ۲۴۵ بحوالہ ابن سعد۔

صحابہ و تابعینؒ ہیں۔

وفات

امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں آپ کی وفات ہوئی۔ سن وفات کے بارے میں کئی قول ہیں۔ لیکن راجح قول ۴۴ھ ہے۔ اور مدینہ طیبہ میں دفن کی گئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاھا۔

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ حیی ابن اخطب قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا اس کا سلسلہ نسب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ ماں کا نام ضرہ ہے یہ قبیلہ بنی قریظہ کے سردار کی بیٹی تھیں۔ [1]

بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ کے ممتاز یہودی قبیلے تھے، ان قبیلوں کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد آپ سے یہ عہد کیا تھا کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے اور نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ [2] لیکن دونوں قبیلوں کے لوگوں نے عہد شکنی کی۔ قبیلۂ بنی نضیر نے مشرکین مکہ کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی اطلاع دے دی [3] اور آپ نے ان کی بدعہدی کی وجہ سے غزوۂ بدر کے چھ مہینے کے بعد ان کے قلعہ کا محاصرہ فرمایا۔ [4] ان لوگوں نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی آپ نے ان کی درخواست منظور فرمالی اور یہ طے پایا کہ وہ اپنے اونٹوں پر جتنا سامان لاد کر لے جاسکتے ہوں لے جائیں۔ البتہ اسلحہ لے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ [5] ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور خیبر میں جا کر بس گئے جہاں یہود کی بڑی بڑی بستیاں تھیں۔ حضرت صفیہ کے والدین بھی اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ خیبر چلے گئے تھے اس وقت حضرت صفیہؓ بہت کم عمر تھیں وہاں خیبر میں ان کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی تھی اس نے طلاق دے دی تھی پھر کنانہ بن ابی حقیق سے نکاح ہوا وہ غزوۂ خیبر میں مارا گیا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ۷ھ میں خیبر کے قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں۔ مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے خیبر کے قیدیوں میں سے ایک باندی مانگی آپ نے فرمایا انتخاب کر کے لے لو، انہوں نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب کر لیا۔ ایک صحابی نے آکر عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ نے حضرت دحیہ کو بنو نضیر اور بنو قریظہ کی رئیس زادی دے دی ہے۔ وہ تو صرف آپ ہی کے لئے مناسب ہے، آپ نے حضرت دحیہ کو دوسری باندی دے اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔ [6] آزاد کرنے کے بعد آپ ﷺ نے حضرت صفیہ کو یہ اختیار

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۶ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۱۔
2. فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۰ باب حدیث بنی النضیر۔
3. ابو داؤد باب فی خبر بنی النضیر۔
4. صحیح بخاری باب حدیث بنی النضیر۔
5. فتح الباری وغیرہ۔
6. البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۹۴ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۴ باب غزوہ خیبر۔

دے دیا تھا کہ وہ اپنے وطن چلی جائیں یا مسلمان ہو کر آپ ﷺ سے نکاح کر لیں۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا **اختار الله ورسوله لقد كنت اتمنى ذالك فى الشرك** یعنی میں تو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ اب تو الحمد للہ، اللہ نے ایمان کی دولت سے نواز دیا میری تو اسلام سے پہلے بھی یہی خواہش تھی۔[1]
نکاح کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ایک خواب کا واقعہ بھی سنایا۔ انہوں نے بتلایا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جب آپ اور صحابہ کرامؓ خیبر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اسی زمانہ میں ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ میں نے اپنے شوہر کو یہ خواب سنایا تو اس نے میرے چہرے پر اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ چہرہ پر اس کا نشان پڑ گیا اور کہا کہ تو بادشاہ عرب کو اپنا شوہر بنانے کی خواہش کرتی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے خیبر سے واپسی پر راستے میں مقام سد الصہباء پر آپ سے نکاح کیا تھا اور دوسرے دن وہیں ولیمہ فرمایا۔ ولیمہ میں آپ کے فرمانے پر صحابہ کرامؓ اپنے اپنے سامان میں سے کھجور پنیر، گھی وغیرہ لے آئے، ایک دستر خوان پر رکھ کر کھالیا گیا یہی ولیمہ ہو گیا۔[3] راستہ میں ام المؤمنین حضرت صفیہؓ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آپ کے اونٹ پر ہی سوار رہیں، مدینہ منورہ تک اسی طرح سفر ہوا۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ عقل مند اور سمجھ دار تھیں۔ جیسا کہ ابھی گزرا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اختیار دینے کے باوجود اپنے گھر جانا پسند نہیں کیا بلکہ اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کر لیا۔ وہ بہت زیادہ حلیم اور بردبار تھیں، ایک دفعہ ان کی ایک باندی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی کہ وہ یہود کی طرح اب تک یوم السبت یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم کرتی ہیں اور یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے حقیقت معلوم کرنے کے لئے کسی کو بھیجا تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے فرمایا کہ جب سے اللہ نے مجھے یوم السبت سے بہتر یوم الجمعہ عطا فرما دیا ہے میں یوم السبت کی تعظیم نہیں کرتی۔ رہی یہودیوں کے ساتھ صلہ رحمی کی بات تو ان سے میری قرابت داری ہے اس لئے میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتی ہوں (اور ظاہر ہے کہ اسلام اس سے منع نہیں کرتا) پھر انہوں نے اپنی باندی سے پوچھا کہ تم نے یہ شکایت کیوں کی، باندی نے کہا کہ مجھے شیطان نے بہکا دیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے یہی نہیں کہ اس کو کچھ سزا نہیں دی بلکہ فرمایا اچھا جاؤ تم آزاد ہو۔[4]

ان کے سلسلہ نسب کے سلسلہ میں پہلے ہی گزر چکا ہے کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھیں رسول اللہ ﷺ کو اس کا خاص خیال رہتا تھا اور آپ ان کی بہت دلداری فرماتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ

---

1. زرقانی ج ۳ ص ۲۵۸۔
2. البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۹۴۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۲ و صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۰۶ باب غزوۂ خیبر۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۷۴۱۔

ﷺ ان کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ حضرت صفیہؓ رو رہی ہیں وجہ دریافت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی ازواج تو ہیں ہی آپ کے خاندانی ہونے کا بھی شرف رکھتی ہیں اور تم تو یہودی خاندان سے تعلق رکھتی ہو لہذا ہم تم سے بہتر ہیں۔ آپ (ﷺ) نے ان کو تسلی دی اور فرمایا تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم لوگ مجھ سے افضل کیسے ہو سکتی ہو، میں اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہوں۔ میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نبی ہیں اور میرے شوہر حضرت محمد ﷺ بھی نبی ہیں۔ [1]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے ان کے بارے میں کوئی نامناسب کلمہ کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے بہت ناگواری کا اظہار کیا۔ [2] اسی طرح ایک بار حضرت زینب بنت جحشؓ نے انہیں یہودیہ کہہ دیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ انها اسلمت وحسن اسلامها یعنی وہ پکی مؤمنہ ہیں اور آپ کئی ہفتہ حضرت زینبؓ کے یہاں تشریف نہیں لے گئے تھے۔ [3]

انہیں رسول اللہ ﷺ سے بہت غیر معمولی محبت اور تعلق تھا۔ آپ کے مرض وفات میں جب مرض کی تکلیف بہت زیادہ ہوئی تو ام المؤمنین حضرت صفیہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! واللہ میرا دل چاہتا ہے کہ یہ تکلیف بجائے آپ کے مجھے ہو جاتی بعض ازواج مطہرات کو ان کے اس کلام کی صداقت میں کچھ شبہ ہوا جس کا اظہار ان کے چہروں سے بھی ہو گیا۔ آپ نے اس کو محسوس کر کے فرمایا واللہ یہ اپنی بات میں سچی ہیں۔ [4]

آپ بہت سخی تھیں۔ جب پہلی بار مدینہ طیبہ آئی ہیں تو حضرت فاطمہؓ اور بعض ازواج مطہرات کو اپنے زیور عنایت فرمائے۔ [5]

جس وقت باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کیا تھا اور حضرت عثمان کے مکان میں کھانا پانی تک جانے کی اجازت نہ دیتے تھے ایسے وقت میں حضرت صفیہؓ ان کی مدد کرنے کے ارادہ سے ان کے گھر تشریف لے جانے کے لئے نکلیں لیکن جب گھر کے قریب پہنچیں تو باغیوں نے آگے نہ جانے دیا واپس تشریف لے آئیں اور پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان کے گھر کھانے پینے کا سامان بھیجنے کا انتظام کیا۔ [6]

رسول اللہ ﷺ کی متعدد روایات ان کے واسطے سے محدثین نے نقل کی ہیں، ان کے تلامذہ میں حضرت زین العابدین، حضرت اسحٰق بن عبداللہ، حضرت مسلم بن صفوان حضرت کنانہ اور حضرت یزید بن معتب

---

1. ترمذی ج ۲ ص ۲۲۹ باب فضل ازواج النبی ﷺ۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳۶۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۷۴۰ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۹۔
4. 5. اصابہ ج ۷ ص ۷۴۱۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۵۸۔
6. اصابہ ج ۷ ص ۷۴۲۔

وغیرہم تابعین کے نام ذکر کئے جاتے ہیں۔

وفات

ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان ۵۰ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بعض حضرات نے سنہ وفات ۵۲ھ ذکر کی ہے مشہور قول ۵۰ھ ہی کا ہے۔

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے والد حارث بن حزن کا تعلق قبیلۂ قریش سے تھا اور ان کی والدہ ہند بنت عوف یا خولہ بنت عوف قبیلۂ حمیر سے تعلق رکھتی ہیں۔[1] یہی ام المؤمنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کی بھی والدہ ہیں۔ حضرت زینبؓ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ام المؤمنین حضرت زینب بنت خزیمہؓ اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث دونوں کی والدہ ایک ہیں اور والد الگ الگ۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہما اور مشہور تابعی حضرت یزید ابن الاصم کی خالہ ہیں۔ ان کی بہن حضرت ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ ہیں۔ ایک دوسری بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت جعفر بن ابی طالب کی اہلیہ تھیں ان کی شہادت کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے نکاح میں رہیں اور ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں، ان کے انتقال کے بعد حضرت میمونہ کے بہنوئی اور رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے ان کی بیوی کا تذکرہ کیا اور یہ چاہا کہ آپ ﷺ ان سے نکاح فرمالیں، آپ ﷺ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حضرت میمونہؓ کے پاس اپنے نکاح کا پیغام لے کر بھیجا۔ حضرت میمونہؓ نے رشتہ منظور کر لیا اور اپنے بہنوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے ایک سال بعد کا ہے، ابھی نکاح نہیں ہو سکا تھا کہ رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء، (۷ھ) کی نیت سے مکہ کے لئے تشریف لے گئے اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواج مطہرات اور حضرت میمونہؓ بھی تھیں۔ اثنائے سفر ہی میں آپ کا نکاح حضرت میمونہؓ سے ہوا ہے۔ اس نکاح کے بارے میں روایات مختلف ہیں کہ آیا یہ نکاح احرام باندھنے سے پہلے ہوا ہے یا احرام باندھنے کے بعد ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آنے والی یہ سب سے آخری زوجہ مطہرہ ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت میمونہؓ کا مہر چار سو ۴۰۰ درہم مقرر فرمایا تھا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مکہ ہی میں ولیمہ کرنے کا ارادہ تھا لیکن اہل مکہ نے تین دن سے زیادہ قیام کی اجازت نہ دی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے واپسی میں مقام سرف میں ولیمہ فرمایا۔ یہ مقام مکہ سے دس میل دور بجانب مدینہ ہے۔

---

[1] زرقانی میں والدہ کا نام ہند اور اصابہ میں خولہ نام مذکور ہے۔

فضائل

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا تین سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہی ہیں۔ ذیقعدہ ۷ھ میں ان کا نکاح ہوا ہے اور ربیع الاول ۱۱ھ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی، تین سال کی قلیل مدت میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی صحبت سے بہت علم و فضل حاصل کیا۔ بہت سی ایسے مسائل اور دینی معلومات جو اکابر صحابہ کرامؓ کو بھی معلوم نہ ہوتے تھے ان کے علم میں ہوتے تھے۔ خصوصاً عورتوں سے متعلق مسائل اور غسل وغیرہ کے بعض مسائل کی احادیث، حدیث کی کتابوں میں ان کے واسطے سے روایات کی گئی ہیں۔ کل ان سے چھیالیس(۴۶)حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سات متفق علیہ ہیں۔ یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔ اور پانچ صرف صحیح مسلم میں ہیں۔ باقی حدیث کی دوسری کتابوں میں ہیں۔

ان کے شاگردوں میں ان کے بھانجے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؓ، عبدالرحمٰن بن سائبؓ یزید ابن الاصم اوران کے آزاد کردہ غلام سلیمان بن یسار اور سلیمان کے بھائی عطا بن یسار وغیرہم ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کے کمال ایمان کی شہادت دی ہے۔ ابن سعد نے سند صحیح کی ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے الا خوات مومنات میمونه وام الفضل واسماء [1] یعنی میمونہ، ان کی بہن ام الفضل اور اسماء تینوں بڑے درجے کی صاحب ایمان بہنیں ہیں۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی ان کی دینداری اور صلہ رحمی کی بہت تعریف کی ہے، فرماتی ہیں انها كانت من اتقانا لله واوصلنا للرحم [2] جس کا مطلب یہ ہے کہ میمونہ ہم لوگوں میں خوف خدا اور صلہ رحمی میں ممتاز مقام رکھتی تھیں۔

ان کے بھانجے یزید بن الاصم ذکر کرتے ہیں کہ ہماری خالہ بہت کثرت سے نماز پڑھتی تھیں، گھر کے کام بھی خود کرتی تھیں اور مسواک کرنے کا خاص اہتمام فرماتی تھیں۔ غلام آزاد کرنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ باندی آزاد کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دعا دی۔ "اللہ تم کو اس کا اجر عطا فرمائے۔"

وفات

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۵۱ھ میں مقام سرف میں ہوئی۔ آپ حج یا عمرہ کے سلسلہ میں مکہ معظمہ آئی ہوئی تھیں۔ وہیں طبیعت خراب ہوئی اپنے بھانجے حضرت یزید بن الاصم سے کہا کہ مجھے مکہ سے لے چلو اس لئے کہ مکہ میں میرا انتقال نہیں ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے پہلے ہی اطلاع دے دی ہے کہ تم کو مکہ میں موت نہیں آئے گی۔ یزید بن الاصم کہتے ہیں کہ ہم لوگ آپ کو بحالت مرض ہی مکہ سے لے کر چلے ابھی مقام سرف ہی میں پہنچے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ [3]

---

1. اصابہ ج ۸ ص ۱۲۸ بحوالہ طبقات ابن سعد۔
2. اصابہ وزرقانی بحوالہ طبقات۔
3. دلائل النبوت للبیہقی و مجمع الزوائد۔

سرف مکہ سے ۹یا۱۰ میل دور بجانب مدینہ ایک جگہ ہے۔

بعض اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ آپ کا نکاح پھر ولیمہ بھی ۷ھ میں مقام سرف میں ہوا ہے۔ اور ۵۱ھ میں انتقال بھی مقام سرف میں ہی ہوا ہے۔[1]

نماز جنازہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ جنازہ کو اٹھاتے وقت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ کا جنازہ ہے لہٰذا جنازہ کو ادب و احترام کے ساتھ اٹھاؤ اور آہستہ آہستہ لے کر چلو۔ قبر میں عبداللہ بن عباسؓ، یزدی ابن الاصم اور عبیداللہ بن شداد نے اتارا۔ یہ تینوں ہی ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے بھانجے ہیں۔

عمرۃ القضاء سے واپسی میں مقام سرف میں جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے لئے خیمہ لگوایا تھا قبر مبارک بالکل اسی جگہ بنی۔

امہات المؤمنین میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور سب سے آخر میں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ حدیث و سیرت کی مستند کتابوں میں جن گیارہ امہارت المومنین کا تذکرہ ہے الحمد للہ ان کی کسی قدر سوانح اور فضائل کا بیان ام المومنین حضرت میمونہؓ کے فضائل کے ذکر پر مکمل ہو گیا ہے۔ رضی اللہ عنهن وارضاهن اب رسول اللہ ﷺ کی ذریت طیبہ کا ذکر اور ان کے فضائل کا بیان شروع ہوگا۔

---

[1] تهذيب الكمال للمزى واكمال فى اسماء الرجال۔

ذریتِ طیبہ

ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے تذکرہ پر ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن کے فضائل کا بیان اختتام کو پہنچا۔ اب رسول اللہ ﷺ کی ذریت طیبہ کا تذکرہ اور ان کے فضائل کا بیان شروع ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد کی تعداد کے بارے میں سخت اختلاف ہے۔[1] بظاہر راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد سات(۷) ہے۔ جن میں صرف ابراہیم نام کے ایک صاحبزادہ تو آپ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے، باقی سب ام المومنین حضرت خدیجہؓ کی اولاد ہیں۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے فضائل کے بیان میں عم محترم حضرت مولانا نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا تھا اس رشتۂ ازدواج کے کچھ مدت کے بعد (ایک مشہور تاریخی روایت کے مطابق پانچ سال بعد) آپ کے پہلے صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام "قاسم" رکھا گیا۔ انہیں کے نام پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی کنیت "ابوالقاسم" رکھی، ان کا صغر سنی ہی میں انتقال ہو گیا، ان کے بعد آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی "زینب" پیدا ہوئیں۔ ان دونوں کی پیدائش آغاز نبوت سے پہلے ہی ہوئی[2] اس کے بعد ایک صاحبزادے پیدا ہوئے ان کا نام عبداللہ رکھا گیا، ان کی پیدائش دور نبوت میں ہوئی اسی لئے ان کو طیب اور طاہر کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا انتقال بھی صغر سنی ہی میں ہو گیا۔ پھر ان کے بعد مسلسل تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ جن کے نام رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہؓ رکھے گئے۔ صاحبزادگان جتنے بھی رہے ہوں سب ہی صغر سنی میں وفات پاگئے تھے البتہ بنات طہرات یعنی صاحبزادیاں سب ہی سن رشد کو پہنچیں، سب نے زمانۂ اسلام پایا، مشرف باسلام ہوئیں، مکہ سے مدینہ کو ہجرت بھی کی اور رسول اللہ ﷺ ہی نے ان سب کی شادیاں بھی کیں۔ اس لئے تذکرے صرف بنات طاہرات ہی کے کریں گے بنات طاہرات میں سب سے بڑی حضرت زینبؓ ہیں، لہذا سب سے پہلے انہیں کا تذکرہ اور ان کے فضائل کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں آپ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس سال پہلے ہوئی۔ بعض سیرت نگاروں کے نزدیک تو آپ ﷺ کی ذریت طیبہ میں سب سے بڑی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے آپ کے ایک بھائی قاسم نام کے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ

---

[1] زرقانی نے آپ ﷺ کی اولاد کی تعداد گیارہ تک ذکر کی ہے۔

[2] اس کا تقاضا تو یہ ہوا کہ تینوں صاحبزادیاں بعثت کے بعد پیدا ہوئیں حالانکہ بظاہر ایسا نہیں ہے۔ محمد زکریا۔

ابھی گذر چکا ہے۔ بہر حال صاحبزادیوں میں آپ سب سے بڑی تھیں۔

نکاح

آپ کا نکاح ابو العاص بن ربیع جو آپ کی خالہ ہالہ بنت خویلد کے صاحبزادے تھے، سے ہوا تھا۔ ابوالعاص بہت ہی شریف اور سلیم الطبع شخص تھے۔ حضرت زینب اور ابو العاص دونوں کو ایک دوسرے سے غیر معمولی محبت اور تعلق تھا۔ اور زندگی بھر یہ تعلق برقرار رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی تو اپنے اہل خانہ کو اپنے ساتھ لاسکے تھے۔ حضرت زینبؓ اپنی سسرال یعنی ابوالعاصؓ کے گھر پر ہی تھیں ابوالعاصؓ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ یہاں تک کہ ۲ھ میں غزوہ بدر میں مشرکین مکہ کے ساتھ ابوالعاصؓ بھی جنگ کرنے کے لئے بدر پہنچے تھے اور پھر بدر کے قیدیوں کے ساتھ قید کر کے مدینہ لائے گئے تھے۔ جس طرح اور قیدیوں کے رشتہ داروں نے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے بطور فدیہ مال بھیجا تھا۔ حضرت زینب نے بھی ابوالعاصؓ کی رہائی کے لئے مال بھیجا تھا۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس شرط پر رہا کر دیا تھا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ ابو العاص نے مکہ پہنچ کر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ حضرت زینبؓ کو اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے لئے روانہ کر دیا۔ ابھی مکہ سے نکل کر مقام ذی طویٰ ہی تک پہنچے تھے کہ بعض مشرکین مکہ نے آگھیرا کہ محمد (ﷺ) کی بیٹی کو ہم مدینہ نہیں جانے دیں گے انہیں میں سے ایک شخص نے حضرت زینبؓ کے نیزہ مارا جس کی وجہ سے وہ اونٹ سے گر گئیں اور بہت زخمی ہو گئیں ابوالعاصؓ کے بھائی کنانہ نے اپنا تیر کمان سنبھالا اور کہا کہ اب اگر کوئی قریب آیا تو اس کی خیر نہیں ہے۔ سب لوگ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے لیکن اس پورے واقعے کی خبر مکہ والوں کو پہنچ گئی ابوسفیانؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور اہل مکہ کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے چند سر برآوردہ لوگوں کو لے کر کنانہ سے گفتگو کرنے کے لئے آئے اور یہ کہا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ ہم لوگوں نے ابھی غزوہ بدر میں محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں کتنی تکلیفیں اور رسوائیاں برداشت کی ہیں اگر تم محمد (ﷺ) کی بیٹی کو اس طرح علی الاعلان لے جاؤ گے تو اس میں ہماری مزید ذلت و رسوائی ہو گی۔ ایسا کرو کہ جب معاملہ ذرا ٹھنڈا ہو جائے تو رات کی تاریکی میں نکال لے جانا۔ کنانہ نے بھی اسی کو غنیمت سمجھا اور حضرت زینبؓ کو دوبارہ ابوالعاص کے گھر پہنچا دی گئیں اور حسب وعدہ چند دن کے بعد پھر کنانہ ہی کے ساتھ مدینہ کے لئے روانہ ہو گئیں۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ اور ایک اور انصاری صحابیؓ کو بطن یاجج نام کے ایک مقام تک حضرت زینبؓ کو لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ کنانہ بطن یاجج پہنچ کر حضرت زینبؓ کو ان دونوں حضرات کے حوالے کر کے مکہ واپس چلے گئے۔

اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ۶ھ میں ابوالعاص پھر ایک جنگ میں قید کر کے مدینہ لائے گئے اس وقت بھی حضرت زینبؓ کام آئیں اور انہوں نے ابوالعاصؓ کو اپنی پناہ

---

[1] زرقانی۔

میں لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کی سفارش پر ابوالعاصؓ کو رہا فرمادیا۔ ابوالعاصؓ مکہ واپس ہوئے اور لوگوں کی امانتیں جوان کے پاس تھیں واپس کیں اور اسلام لاکر مدینہ طیبہ حاضر ہوگئے حضرت زینبؓ اور ابوالعاصؓ کے درمیان کئی سال علیٰحدگی رہی لیکن نہ ابوالعاصؓ نے اپنی شادی کی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینبؓ کا نکاح کہیں اور کیا، اب جب کہ حضرت ابوالعاصؓ مسلمان ہوکر مدینہ آگئے تو آپ نے پھر حضرت زینبؓ کا نکاح انہیں سے کردیا۔

رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا ان کی شرافت، ایفائے عہد اور حضرت زینب کے ساتھ ان کے حسن تعلق کی وجہ سے بڑا مقام تھا اور آپ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ اسی سلسلے میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت بلند کلمات حضرت ابوالعاصؓ کی تعریف میں مذکور ہیں۔ ❶

فضائل

حضرت زینبؓ کے شرف کے لئے یہ کیا کم ہے کہ آپ جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ ہیں، پھر وہ بالکل اولین ایمان لانے والوں میں ہیں، اپنی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہی انہوں نے بھی کلمۂ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئی تھیں۔ پھر شوہر سے غیر معمولی محبت اور تعلق بھی ان کے لئے ایمان پر ثابت قدم رہنے، رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے اور ہجرت سے مانع نہ ہوسکا اور وہ اپنے شوہر کو مکہ میں چھوڑ کر غزوۂ بدر کے بعد جلد ہی ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان کی ہجرت کے وقت جب حضرت زینبؓ کے زخمی ہونے کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا هي افضل بناتي اصيبت في یہ میری بہترین بیٹی ہیں جو میری وجہ سے اس مصیبت میں مبتلا ہوئی ہیں۔ ❷

وفات

۶ھ میں حضرت ابوالعاصؓ مدینہ طیبہ آئے ہیں اور آپ نے حضرت زینبؓ کا نکاح دوبارہ ان کے ساتھ کیا ہے اور ۸ھ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی ہے، رسول اللہ ﷺ پر ان کی وفات کا بہت اثر تھا۔ ان کے غسل اور کفن کے سلسلہ میں غسل دینے والی عورتوں کو آپ ﷺ خود ہدایات دے رہے تھے اور کفن کے لئے اپنی استعمال فرمائی ہوئی لنگی عنایت فرمائی تھی۔ حضرت ام عطیہؓ جو غسل دینے والی عورتوں میں شامل تھیں ان کی روایت کے الفاظ صحیح مسلم اس طرح ہیں عن ام عطيةؓ قالت لما ماتت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لنا رسول الله اغسلنها وتراً ثلثاً او خمساً واجعلن فى الخامسة كافوراً اوشيئاً من كافور فاذا غسلتنّها فاعلمننى قالت اعلمنا هانا عطانا حقوه وقال

❶ صحیح بخاری باب ذکر اصہار النبی ﷺ و صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ۔

❷ زرقانی ج ۳ ص ۱۹۵ بحوالہ طحاوی و حاکم۔

اشعرنها اياه۔ [1] حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی وفات ہوئی تو آپ نے ہم غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا کہ طاق دفعہ غسل دینا خواہ تین بار یا پانچ بار اور پانچویں مرتبہ غسل دینے کے لئے پانی میں کافور ملالینا یا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تھوڑا سا کافور ملالینا۔ اور جب غسل دے کر فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع کر دینا۔ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہم عورتیں غسل سے فارغ ہو گئیں تو آپ ﷺ کو اطلاع کر دی آپ ﷺ نے کفن کے لئے اپنی مبارک لنگی عنایت فرمائی اور فرمایا اس کو کفن میں سب سے اندر کی طرف حضرت زینبؓ کے جسم سے ملا کر استعمال کرنا۔ نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی اور آپ ﷺ نے اور حضرت ابو العاصؓ نے قبر میں اتارا۔ ہجرت کے وقت جو چوٹ لگی تھی اس کی تکلیف وفات تک باقی رہی اسی لئے بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کو مقام شہادت بھی نصیب ہوا۔ [2]

اولاد

آپ کے ایک صاحبزادے علی نام کے تھے اور ایک صاحبزادی امامہ نامی تھیں، دونوں بچوں سے رسول اللہ ﷺ کو بہت محبت تھی۔ صحیحین کی روایت کے مطابق کبھی کبھی حالت نماز میں آپ ﷺ کی یہی نواسی حضرت امامہ آپ کے کندھے پر سوار ہو جایا کرتی تھیں اور آپ کو ان کا یہ عمل ناگوار بھی نہ ہوتا تھا آپ ﷺ کے یہ نواسے حضرت علیؓ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھے اور جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔ [3] رضی اللہ عنہم وارضاهم۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

صاحبزادیوں میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جس وقت حضرت رقیہ پیدا ہوئی ہیں آپ ﷺ کی عمر تینتیس (۳۳) سال تھی۔ [4] بچپن ہی میں آپ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح ابو لہب کے بیٹے عتبہ سے اور دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح ابو لہب ہی کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دیا تھا۔ اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ ابھی دونوں کی رخصتی کی نوبت بھی نہ آپائی تھی۔ کہ رسول اللہ ﷺ کو نبوت مل گئی اور آپ ﷺ نے دین کی دعوت شروع کی، ابو لہب نے آپؐ کی دشمنی اور مخالفت میں اپنے دونوں بیٹوں کو یہ حکم دیا کہ تم لوگ اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار کر لو، بیٹوں نے باپ کے کہنے کے مطابق عمل کیا جس کی وجہ سے دونوں صاحبزادیاں رقیہؓ اور ام کلثومؓ رشتہ نکاح سے آزاد ہو گئیں۔ پھر آپؐ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے پہلے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، سے کر دیا تھا۔ [5] مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کی بنا پر جن صحابہ کرامؓ نے حبشہ کو ہجرت کی تھی ان میں اول ہجرت کرنے

---

[1] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۵۔
[2] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۶۔
[3] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۷۔
[4] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۷۔
[5] زرقانی ج ۳ ص ۱۹۸۔

والوں میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی ہجرت کے موقع پر فرمایا تھا ان عثمان اول من هاجر باهله بعد لوط۔ یعنی لوط علیہ السلام کے بعد اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص حضرت عثمانؓ ہیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال سے بھی خوب نوازا تھا مکہ میں اتنا حسین و جمیل جوڑا اور کوئی نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کے خاندان کی بعض عورتوں نے ان دونوں کی شان میں قصیدہ بھی کہا تھا۔ زرقانی نے کچھ اشعار اس قصیدے کے ذکر کئے ہیں جس میں مذکور ہے کہ کسی نے بھی ایسا حسین و جمیل جوڑا نہیں دیکھا۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آگئے اور پھر رسول اللہ ﷺ کے ہجرت فرمانے کے بعد دونوں مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے۔ حبشہ کے زمانہ قیام میں حضرت رقیہؓ کے یہاں ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام عبداللہ رکھا تھا چھ سال کی عمر میں اس بچہ کا انتقال ہو گیا پھر غالباً کوئی اور اولاد نہیں ہوئی۔ جب آپ ﷺ غزوہ بدر کے لئے تشریف لے گئے تھے اس وقت حضرت رقیہؓ کی طبیعت بہت خراب تھی ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لئے آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو غزوۂ بدر میں شرکت سے روک دیا تھا وہ مدینہ میں ہی رہ گئے تھے بدر کی فتح کی خوشخبری تو مدینہ آگئی تھی لیکن آپ ﷺ ابھی تشریف نہیں لائے تھے کہ حضرت رقیہؓ کی وفات ہو گئی، واپس آنے پر جب علم ہوا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اتنا روئے کہ آنسو قبر پر گرنے لگے۔ [1] رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ بھی بعثت نبوی سے پہلے ہی پیدا ہوئی تھیں اور اسلام ہی کے آغوش میں ہوش سنبھالا تھا۔ حضرت رقیہؓ کے تذکرہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں بیٹیوں حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما کا نکاح بچپن ہی میں ابو لہب کے دو بیٹیوں عتبہ اور عتیبہ سے کر دیا تھا۔ اور جب آپ ﷺ نے اللہ کی توحید اور اپنی نبوت کی دعوت دی تو ابو لہب نے آپ کی سخت مخالفت کی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو آپ ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں سے علیحدگی اختیار کرنے کو کہا، دونوں نے اپنے باپ کے کہنے پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور دونوں صاحبزادیوں کا یہ قصہ نکاح رخصتی سے پہلے ہی ختم ہو گیا۔ [2] پھر آپ ﷺ نے حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا اور جب ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا تو کچھ دنوں کے بعد آپ نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اور یہ سعادت

---

[1] زرقانی۔

[2] البدایہ والنہایہ ج۵ ص۳۴۶ و سیر اعلام النبلاء ج۲ ص۲۵۲۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نصیب میں آئی کہ وہ یکے بعد دیگرے آپ ﷺ کی دو صاحبزادیوں کے شوہر بنے اور ذوالنورین کے لقب سے نوازے گئے۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا اور حضرت عثمانؓ کی حیات ہی میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہو گئی تو آپ نے فرمایا لو کان عندی ثالثة لزوجتها یعنی میں نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیاں عثمان سے بیاہ دیں اور اب دوسری کا بھی انتقال ہو گیا اور عثمان بے بیوی کے رہ گئے اگر میری کوئی تیسری بیٹی ہوتی جو عثمانؓ سے بیاہی جا سکتی تو ضرور میں اس کی شادی بھی عثمان سے کر دیتا۔ [1]

عتیبہ نے جس وقت حضرت ام کلثومؓ سے علیحدگی کا اعلان کیا تھا اسی وقت اس نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخی بھی کی تھی دونوں باتوں سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی تھی اور زبان مبارک سے اللّٰھم مسلط علیه کلباً من کلابك بددعا نکلی تھی۔ [2] کہ اے اللہ اس کے اوپر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرما دے۔ اس بددعا کا علم جب ابولہب کو ہوا تو وہ گھبرا گیا اور بیٹے کی جان کی فکر پڑ گئی، کچھ دنوں کے بعد یہ باپ نے ملک شام کے ایک سفر میں تھے ایک جگہ قافلہ نے قیام کیا وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ اس علاقہ میں شیر آتے جاتے رہتے ہیں۔ ابولہب کو آپ کی بددعا یاد تھی، اس نے بیٹے کی حفاظت کی تمام تدبیریں کر ڈالیں لیکن زبان نبوت سے نکلی ہوئی بددعا خالی نہ گئی اور شیر سب تدبیروں کے باوجود (جن کی تفصیل زرقانی میں ہے) عتیبہ کو اٹھالے گیا۔

حضرت ام کلثومؓ کا نکاح جب حضرت عثمانؓ سے ہوا اس سے پہلے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ جو کچھ دن پہلے ہی بیوہ ہوئی تھیں کا نکاح حضرت عثمان سے کرنے کی پیش کش کی حضرت عثمان نے صاف انکار تو نہیں کیا لیکن اثبات میں بھی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کی، آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہاری بیٹی کے لئے عثمان سے بہتر شوہر اور عثمان کے لئے تمہاری بیٹی سے بہتر بیوی نہ بتلاؤں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ضرور، اس پر آپ نے فرمایا اپنی بیٹی حفصہ کا نکاح مجھ سے کر دو اور میں اپنی بیٹی ام کلثومؓ کا نکاح عثمان سے کئے دیتا ہوں۔ [3]

فضائل

مذکورہ واقعہ سے حضرت ام کلثومؓ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے کہ ان کو آپ نے حضرت حفصہؓ سے بھی افضل قرار دیا۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی اور بالکل اول اول ایمان لانے والے صحابہ کرامؓ میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۳۴۷ وفی روایة لو کن عشراً لزوجتهن عثمان۔ بلکہ زرقانی کی ایک روایت میں سو(۱۰۰) کا عدد مذکور ہے۔ زرقانی ج ۳ ص ۲۳۸۔ اس واقعہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

[2] زرقانی ج ۳ ص ۲۳۸ بحوالہ حاکم و قال صحیح الاسناد۔

[3] زرقانی بحوالہ صحیح بخاری۔

ہیں، آپ کو ان سے محبت بھی بہت تھی جس کا اظہار عتیبہ کے واقعہ سے ہوتا ہے پھر آپ نے ہی نماز جنازہ پڑھائی، خود دفن میں شرکت فرمائی جیسا کہ ابھی آئے گا۔

وفات

۳ھ میں آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا ہے اور تقریباً چھ سال کے بعد ۹ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا۔[1] رسول اللہ ﷺ اس وقت مدینہ طیبہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر صحابیاتؓ نے غسل دیا حضرت زینبؓ کے غسل کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی جن ہدایات کا ذکر حضرت زینبؓ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ آپ نے غسل دینے والی عورتوں سے فرمایا تھا کہ تین بار یا پانچ بار غسل دینا اور آخر میں کافور ملے ہوئے پانی کا استعمال کرنا اور جب فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا اور بعد فراغت جب اصحابیاتؓ نے آپ کو غسل سے فارغ ہونے کی اطلاع دی تو آپ نے اپنا تہبند یہ کہہ کر عنایت فرمایا کہ اس کو کفن میں اس سے اندر کی طرف استعمال کریں۔ بعض شارحین حدیث نے غسل و کفن کی اس روایت کو حضرت ام کلثومؓ کی وفات سے متعلق ذکر کیا ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ واقعہ دونوں بیٹیوں کے ساتھ پیش آیا ہو۔ اس لئے کہ دونوں ہی آپ کی بیٹیاں تھیں اور روایت میں نام نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور بقیع میں دفن فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی اور سب سے زیادہ محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ولادت بعض مؤرخین نے بعثت سے پانچ سال پہلے اور بعض نے صرف ایک سال پہلے ذکر کی ہے۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ آپ بعثت سے پہلے ہی پیدا ہوئی ہیں۔[2] پھر ہجرت تک رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ رہیں۔ ہجرت کے موقع پر آپ ان کو مکہ ہی میں چھوڑ آئے تھے بعد میں ان کو بلوایا ہے اور ۲ھ میں غزوہ بدر کے کچھ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کا نکاح ہوا۔[3] چونکہ حضرت علیؓ بھی رسول اللہ ﷺ ہی کے تکفل میں تھے اور ان کا کوئی گھر علیحدہ نہ تھا اس لئے آپ نے ان کا گھر بسانے کے لئے کچھ ضروری گھریلو سامان اس موقع پر عنایت فرمایا تھا۔ جس میں ایک چادر، ایک مشکیزہ، چمڑے کا ایک گدا، جس میں اذخر نام کی گھاس بھری ہوئی تھی وغیرہ چند چیزیں تھیں۔ یہ سامان مروجہ جہیز کی قسم سے نہ تھا اس لئے جہیز کا ثبوت نہ ازواج مطہرات کے کسی نکاح میں ہے نہ دیگر بنات طاہرات کے نکاح کے موقع پر آپ نے کچھ دیا ہے اور نہ اہل عرب میں اس کا رواج تھا۔ حضرت علیؓ نے مہر میں اپنی درع یا اس کی قیمت دی تھی ان کے پاس مہر ادا کرنے کے لئے اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۵۳، زرقانی ج ۳ ص ۲۳۹۔

[2] البدایہ والنہایہ۔

[3] صحیح بخاری۔

اولاد

آپ کے تین بیٹے حسن حسین اور محسن پیدا ہوئے۔ محسن کی وفات بچپن ہی میں ہو گئی اور حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما، بہت بعد تک حیات رہے۔ ان تینوں بیٹوں کے علاوہ دو بیٹیاں حضرت زینبؓ اور حضرت ام کلثومؓ بھی پیدا ہوئیں جو بعد تک زندہ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اولاد میں صرف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہی سے آپ ﷺ کی نسل چلی ہے دیگر صاحبزادیوں کے یہاں یا تو اولاد ہی پیدا نہیں ہوئی یا جلد ہی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فضائل

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی بہت ہی محبوب اور چہیتی بیٹی تھیں ان سے رسول اللہ ﷺ کو غیر معمولی محبت تھی۔ ایک بار آپ نے فرمایا **احب اهلی الی فاطمه** [1] مجھے اپنے گھر والوں میں فاطمہ سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کی تکلیف آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو جہل کی لڑکی سے شادی کرنا چاہی حضرت فاطمہؓ نے آپ سے اس کی شکایت کر دی، آپ کو حضرت علیؓ کے اس ارادے سے سخت تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے مسجد میں خطبہ میں اپنی اس تکلیف اور ناگواری کا اظہار فرمایا اور اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا **فاطمة بضعة منى فمن اغضبها اغضبنى** فاطمہ میرا جزو بدن ہیں جس نے ان کو غصہ دلایا اس نے مجھے غصہ دلایا۔ الفاظ کے جزوی اختلاف کے ساتھ یہ روایت بخاری و مسلم، ابوداؤد، ترمذی وغیرہ حدیث کی تقریباً سب ہی کتابوں میں ہے۔ [2]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے انداز گفتگو میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھیں اور ان کے چلنے کا انداز بھی بالکل آپ ﷺ ہی کی طرح تھا اور آپ کا معمول یہ تھا کہ جب فاطمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کو مرحبا کہتے اور کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کا معمول بھی آپ کے ساتھ یہی تھا۔ [3]

جب آپ سفر پر تشریف لے جاتے تو جاتے وقت سب سے آخر میں حضرت فاطمہؓ سے مل کر جاتے اور واپسی میں سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ سے ملتے۔ [4]

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مرض وفات میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو اپنے قریب بلایا اور کان میں کچھ فرمایا حضرت فاطمہؓ رونے لگیں۔ دوبارہ آپ ﷺ نے ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ مسکرا دیں۔ بعد میں میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے راز کو ظاہر نہیں کروں گی۔ لیکن جب آپؐ کی وفات کے بعد میں نے اس واقعہ کے بارے میں معلوم کیا تو فرمایا اب بتلاتی ہوں۔ پہلی بار تو آپؐ نے فرمایا تھا

---

1. ترمذی فضائل فاطمہؓ۔
2. بخاری کتاب النکاح، مسلم و ترمذی باب فضل فاطمہ، ابوداؤد کتاب النکاح۔
3. ترمذی باب فضل فاطمہؓ۔
4. زرقانی ج ۳ ص ۲۰۴۔

کہ میرا خیال ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آچکا ہے۔ جس پر مجھے رونا آگیا تھا۔ دوسری بار آپؐ نے فرمایا کہ تم میرے پاس میرے گھر کے لوگوں میں سب سے جلد آنے والی ہو۔ اس پر مجھے ہنسی آئی تھی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دوسری بار یہ فرمایا تھا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم جنت میں تمام عورتوں کی سردار ہو۔ بظاہر آپؐ نے دونوں ہی باتیں فرمائی تھیں۔ [1] علاوہ ازیں حضرت فاطمہؓ کی فضیلت کی احادیث کتب حدیث میں بڑی کثرت سے مروی ہیں۔

وفات

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا غم تمام صحابہ کرامؓ کے لئے جان لیوا تھا۔ حضرت فاطمہؓ تو اب اکلوتی بیٹی تھیں، پھر ان کو آپؐ سے اور آپؐ کو ان سے جو غیر معمولی محبت تھی جس کا کچھ ذکر ابھی گذرا ہے اس کی وجہ سے تو یہ غم واقعی جان لیوا ثابت ہوا اور آپ اپنی زندگی ہی میں اس کی اطلاع بھی دے چکے تھے کہ تم سب پہلے میرے پاس آنے والی ہو۔ ابھی آپ کی وفات کو صرف چھ مہینے ہی گذرے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی رخت سفر باندھ لیا اور اپنے والد ﷺ سے جا ملیں۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۲۹ سال یا ۲۴ سال بتلائی جاتی ہے۔ یہ اختلاف اصل میں سن ولادت کے اختلاف کی وجہ سے ہے اگر آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہے تو عمر ۲۹ سال ہوگی اور اگر ولادت کا سال بعثت سے صرف ایک سال پہلے ہے تو عمر مبارک صرف ۲۴ سال ہوگی۔ [2] ابن کثیر نے عمر مبارک ۲۹ سال اور حافظ ذہبی [3] نے ۲۴ سال ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ حضرت فاطمہؓ کے تذکرہ پر آپ کی بنات طیبات کا ذکر بھی مکمل ہوا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما

آپ کا اسم شریف حسن اور کنیت ابو محمد ہے۔ حسن نام رسول اللہ ﷺ ہی نے تجویز فرمایا تھا۔ [4] آپ کے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور والدہ جگر گوشۂ رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ آپ حضرت علیؓ کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ حضرت علی کی کنیت ابوالحسن آپ ہی کے نام کی وجہ سے ہے۔

ولادت

رمضان ۳ھ میں آپ پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ ولادت کی خبر پا کر حضرت علی کے گھر تشریف لے گئے، پیارے نواسے کو گود میں لیا، خود ان کے کان میں اذان دی اور عقیقہ کرایا اور بالوں کے ہم وزن

[1] صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ۔
[2] البدایہ والنہایہ۔
[3] تاریخ الاسلام ج ۳ ص ۴۹۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۴۶۔

چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔[1] اور اس طرح براہ راست ان کے کان میں پہلی آواز رسول اللہ ﷺ کی پہنچی اور جو بات پہلی بار کان میں پہنچی وہ بھی اذان تھی جو دین کی بھرپور دعوت ہے۔ بچپن کا بڑا حصہ رسول اللہ ﷺ ہی کے سایہ عاطفت میں گذرا ہے۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر ۸ سال کی تھی۔

خلافت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ کی جامع مسجد میں کوفہ اور قرب وجوار کے مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت ہی میں ان کے اور حضرت معاویہؓ کے مابین شدید اختلاف تھے ابھی حضرت حسن کی بیعت خلافت کو ۶ یا ۷ ماہ ہی گذرے تھے کہ قتل وقتال سے بچنے کے لئے حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کرلی اور بار خلافت سے حضرت معاویہؓ کے حق میں دست بردار ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی ابنی هذا سيد و لعل الله ان يصلح به بين الفئتين من المسلمين یعنی میرا یہ بیٹا سید (سردار) ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ صحیح ثابت ہوگئی۔[2] اس مصالحت کے وقت حضرت حسنؓ نے جو بھی شرائط صلح حضرت معاویہؓ کے سامنے رکھے حضرت معاویہؓ نے ان کو قبول فرمالیا اور مدت العمر ان کا لحاظ رکھا۔[3] ان میں وافر مقدار میں مال کی شرط بھی تھی جوان کے آرام وراحت کے ساتھ گذر اوقات کے لئے خوب کافی تھا۔ لیکن وہ اس مال کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ اپنے موزے بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کردیئے اور صرف جوتے روک لئے۔ مدینہ پہنچ کر حضرت حسنؓ نے یکسوئی کی زندگی اختیار فرمائی اور عبادت وریاضت اور دین کی تبلیغ کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا۔

آپ نے کئی شادیاں کیں اور ان سے دس یا اس سے بھی زیادہ بچے پیدا ہوئے۔

وفات

۵۰ھ یا ۵۱ھ میں کسی نے آپ کو زہر دے دیا اور یہی وجہ شہادت بن گیا۔ مدینہ کے امیر سعید بن العاصؓ نے نماز پڑھائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حلیہ

آپ شکل وصورت میں رسول اللہ ﷺ کے بہت مشابہ تھے۔ ایک موقع پر حضرت ابو بکرؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنی گود میں اٹھالیا اور حضرت علیؓ کے سامنے فرمایا کہ حسن تمہارے مشابہ نہیں ہیں یہ تو رسول اللہ ﷺ کے مشابہ ہیں۔ حضرت علیؓ سنتے رہے اور ہنستے رہے۔[4] امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔[5]

---

[1] جامع الترمذی ج ۱ ص ۱۸۳ باب ماجاء فی العقیقه و ابو داؤد باب العقیقه. و النسائی کتاب العقیقه۔
[2] صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین والترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ فی المناقب۔
[3] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۷۳ و ج ۳ ص ۲۶۴۔ [4] صحیح بخاری ص ۵۳۰ مناقب الحسن والحسین۔
[5] سیر اعلام النبلاء بحوالہ جامع ترمذی وغیرہ۔

فضائل

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل بڑی حد تک مشترک ہیں اس لئے ان کے مناقب و فضائل بھی حضرت حسینؓ کے تذکرہ کے بعد ہی ذکر کئے جائیں گے محدثین میں امام بخاری، امام مسلمؒ اور امام ترمذیؒ وغیر ہم نے بھی ایسا ہی کیا ہے کہ دونوں کے فضائل و مناقب ایک ساتھ ہی ذکر کئے ہیں۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

رسول اللہ ﷺ کے دوسرے نواسے اور حضرت علی و حضرت فاطمہؓ زہرا کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ کی ولادت شعبان ۴ھ میں ہوئی، آپ ﷺ نے ہی ان کا نام حسین رکھا، ان کو شہد چٹایا، ان کے منہ میں اپنی زبان مبارک داخل کر کے لعاب مبارک عطا فرمایا اور ان کا عقیقہ کرنے اور بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کے عقیقہ کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔[1] اپنے بڑے بھائی حضرت حسنؓ کی طرح حضرت حسین بھی رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے اور آپ ﷺ کو ان سے بھی غیر معمولی محبت اور تعلق تھا جس کا کچھ تذکرہ مناقب و فضائل کے سلسلہ میں آئے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر صرف چھ یا سات سال تھی، لیکن یہ چھ سات سال آپ کی صحبت اور شفقت و محبت میں گذرے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے خاص لطف و کرم اور محبت کا برتاؤ کیا۔ حضرت عمرؓ کے آخری زمانۂ خلافت میں آپ نے جہاد میں شرکت شروع کی ہے اور پھر بہت سے معرکوں میں شریک رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا تو حضرت علیؓ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو ان کے گھر کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ نے جب حضرت معاویہؓ سے مصالحت کر کے خلافت سے دستبرداری کے ارادہ کا اظہار کیا تو حضرت حسینؓ نے بھائی کی رائے سے اختلاف کیا لیکن بڑے بھائی کے احترام میں ان کے فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔ البتہ جب حضرت حسنؓ کی وفات کے بعد حضرت معاویہؓ نے یزید کی خلافت کی بیعت لی تو حضرت حسینؓ اس کو کسی طرح برداشت نہ کر سکے اور یزید کے خلیفہ بن جانے کے بعد اپنے بہت سے مخلصین کی رائے و مشورہ کو نظر انداز کر کے جہاد کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے کوفہ کے لئے تشریف لے چلے ابھی مقام کربلا ہی تک پہنچے تھے کہ واقعہ کربلا کا پیش آیا اور آپ وہاں شہید کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ تاریخ وفات ۱۰۔ محرم ۶۱ھ ہے اس وقت عمر شریف تقریباً ۵۵ سال تھی۔

جیسا کہ پہلے بھی حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ میں گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نسل حضرت فاطمہؓ ہی سے چلی ہے اور ان کی اولاد میں حضرات حسنین اور ان کی دو بہنیں حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہم اجمعین ہی آپ ﷺ کی بقاء نسل کا ذریعہ بنے ہیں۔

---

[1] مؤطا امام مالک۔

حضرات حسنینؓ کے فضائل و مناقب

رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ کے صحابی ہونے کا شرف کیا کم ہے پھر آپ ﷺ کو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے بہت محبت بھی تھی۔ شفقت و محبت کا یہ عالم تھا کہ یہ دونوں بھائی بچپن میں حالت نماز میں آپ کی کمر مبارک پر چڑھ جاتے کبھی دونوں ٹانگوں کے بیچ میں سے گذرتے رہتے اور آپ نماز میں بھی ان کا خیال کرتے۔ جب تک وہ کمر پر چڑھے رہتے آپ سجدہ سے سر نہ اٹھاتے۔[1] آپ اکثر انہیں گود میں لیتے، کبھی کندھے پر سوار کرتے، ان کا بوسہ لیتے انہیں سونگتے اور فرماتے انكم لمن ريحان الله تم اللہ کی عطا کردہ خوشبو ہو۔[2] ایسے ہی ایک موقعہ پر حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کردیا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) میرے تو دس بیٹے ہیں لیکن میں نے آج تک کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ آپ نے فرمایا انه من لا يُرحم لا يرحم جو رحم نہیں کرتا اس پر بھی من جانب اللہ رحم نہیں کیا جاتا۔[3] حضرت فاطمہ زہراؓ کے تذکرہ، میں گذر چکا ہے۔ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آپ نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ کو اپنی ردائے مبارک میں داخل فرما کر اللہ سے عرض کیا اللّٰهم هولاء اهل بيتى فاذهب عنهم الرجس وطهر هم تطهيرا۔[4] اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دیجئے اور پاک و صاف کردیجئے۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے اور یوں دعا کر رہے تھے اللّٰهم انى احبهٗ فاحبهٗ، اے اللہ یہ مجھے محبوب ہے آپ بھی اسے اپنا محبوب بنالیجئے۔[5]

امام بخاری نے ہی حضرات حسنینؓ کے مناقب میں حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان سے کسی عراقی نے مسئلہ دریافت کیا کہ محرم اگر مکھی ماردے تو کیا کفارہ ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے بڑی ناگواری سے جواب دیا کہ اہل عراق مکھی کے قتل کا مسئلہ پوچھنے آتے ہیں اور نواسۂ رسول اللہ ﷺ (حضرت حسینؓ) کو قتل کردیا حالانکہ آپ نے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں فرمایا تھا هماريحانتاى من الدنيا۔ یہ دونوں میرے لئے دنیا کی خوشبو ہیں۔[6] امام ترمذی نے حضرت اسامہ بن زید کی حدیث ذکر کی ہے کہ میں کسی ضرورت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ گھر کے باہر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ دونوں کولھوں پر (یعنی گود میں) کچھ رکھے ہوئے تھے اور چادر اوڑھے ہوئے تھے، میں جب اپنے کام سے فارغ ہو گیا تو عرض کیا یہ کیا ہے آپ ﷺ نے چادر ہٹادی میں نے دیکھا کہ ایک جانب حسنؓ اور دوسری جانب حسینؓ ہیں،

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۹۴۔ [2] جامع ترمذی باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔
[3] ترمذی باب ماجاء فی رحمۃ الولد۔ [4] ترمذی باب مناقب اہل بیت۔
[5] صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۳۰ مناقب الحسن الحسین صحیح مسلم ج ۳ ص ۲۸۳ باب من فضائل الحسن والحسین۔
[6] صحیح بخاری باب مناقب الحسن والحسین ج ۱ ص ۵۳۰ و ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسين وفى رواية الترمذى ذكر البعوض۔

اور فرمایا۔ هذان ابنای وابنا ابنتی اللّٰهم انی احبهما فاحبهما واحب من یحبهما۔ [1] اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت فرمائیے اور جو ان سے محبت کرے اس کو بھی اپنا محبوب بنا لیجئے۔ "اللّٰهم انی احبهما فاحبهما" اے اللہ میں ان دونوں کو محبوب رکھتا ہوں آپ بھی ان کو اپنا محبوب بنا لیجئے کہ دعائیہ کلمات صحیح سندوں سے حدیث کی متعدد کتابوں میں مروی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ آپ کے یہ دونوں نواسے اللہ کے بھی محبوب اور اللہ کے رسول کے بھی محبوب اور ان دونوں سے محبت رکھنے والے بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کے محبوب ہیں، ایک بار ایسا ہوا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے، دونوں نواسے آگئے آپ نے خطبہ روک کر ان دونوں کو اٹھالیا اور اپنے پاس بٹھایا پھر باقی خطبہ پورا کیا۔

امام ترمذی نے حضرت یعلی بن مرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حسین منی وانا من حسین احب اللّٰه من احب حسینا حسین سبط من الا سباط۔ [2]

ترجمہ:۔ حسین میرے ہیں اور میں حسین کا، جو حسین سے محبت کرے اللہ اس سے محبت کرے حسین میرے ایک نواسے ہیں۔

حسین منی وانا من حسین کے کلمات انتہائی محبت، اپنائیت، اور قلبی تعلق کے اظہار کے لئے ہیں، اس کے بعد وہی دعائیہ کلمات ہیں جن کے متعلق عرض کیا کہ یہ الفاظ متعدد روایات میں مذکور ہیں اس مضمون کی کئی روایات امام ترمذی نے مناقب الحسن والحسین کے عنوان کے تحت ذکر کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی والدہ کو سیدۃ نساء اهل الجنة اور دونوں بھائیوں کو سیدا شباب اهل الجنة فرمایا ہے۔ [3] رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہؓ کرام خصوصاً حضرات شیخین کا معاملہ بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم کا رہا، ابھی حضرت حسنؓ کے تذکرہ میں گذرا کہ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو گود میں اٹھالیا تھا بلکہ بعض روایات میں تو کندھے پر بٹھانے کا ذکر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں دونوں بھائیوں کا وظیفہ اہل بدر کے وظائف کے بقدر پانچ پانچ ہزار درہم مقرر کیا اور اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت بیان کی۔ [4] حالانکہ یہ دونوں حضرات ان کے دور خلافت کے آخر میں بھی بالکل نوجوان ہی تھے حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کا واقعہ ہے کہ وہ مسجد نبوی ﷺ میں رسول اللہ ﷺ کے منبر پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے حضرت حسینؓ آئے اور حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا، میرے باپ (نانا جان) کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر جا کر خطبہ دو، حضرت عمرؓ نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے یہ کہا اور ان کو اپنے پاس منبر پر بٹھالیا اور بہت اکرام اور لطف و محبت کا معاملہ کیا۔ [5] انہیں حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یمن سے کچھ حلے (چادروں کے جوڑے) آئے، آپ

---

[1] ترمذی ج ۲ ص ۲۱۸ مناقب الحسن والحسین۔
[2] جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۱۹ باب مناقب اہل بیت۔
[3] جامع ترمذی ج ا ص ۲۱۶ باب مناقب اہل بیت۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۶۶۔
[5] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۸۵۔

نے وہ صحابہ کرامؓ کے لڑکوں میں تقسیم کر دیئے اور حضرات حسینؓ کے لئے ان سے بہتر حلّے منگوائے اور ان دونوں بھائیوں کو دیئے اور فرمایا اب میرا دل خوش ہوا ہے۔ [1]

یہ دونوں بھائی اگرچہ کثیر الروایت نہیں لیکن پھر بھی براہ راست رسول اللہ ﷺ اور اپنے والدین سے احادیث رسول اللہ ﷺ نقل کرتے ہیں۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ دونوں بھائی بہت ہی عبادت گزار تھے، دونوں نے بار بار مدینہ سے مکہ تک پیدل سفر کر کے حج کئے ہیں۔ [2] اللہ کے راستہ میں کثرت سے مال خرچ کرتے تھے۔ جود و سخاوت، ماں باپ اور نانا جان سے وراثت میں ملی تھی۔ رضی اللہ عنہما وارضاہما۔

---

[1] ایضاً۔

[2]

فضائل اصحاب النبی ﷺ

کتاب المناقب والفضائل کے عنوان کے تحت اب تک رسول اللہ ﷺ آپ کے صحابہ کرامؓ میں سے دس خاص صحابہ جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے جن میں خلفائے اربعہ بھی ہیں اور آپ کی اہل بیت یعنی آپ کی ازواج مطہرات اور بنات طیبات اور دونوں نواسے حضرت حسن اور حضرت حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل و مناقب کا بیان ہوا ہے اب یہاں سے کچھ اور مشہور صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کے درمیان اگرچہ فرق مراتب ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ان الفاظ میں فرمایا ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجةً من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعد اللہ الحسنی [1] لیکن شرف صحابیت میں سب باہم شریک ہیں اور یہ ایسا شرف ہے جس کو کوئی بھی غیر صحابی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے کہ کوئی بھی غیر صحابی خواہ کتنا ہی بلند مقام کیوں نہ ہو کسی بھی صحابی سے خواہ وہ صحابہ کرام میں بڑے مقام و مرتبہ کا نہ ہو افضل نہیں ہو سکتا۔ [2]

شریعت کی اصطلاح میں صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حالت اسلام میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو یا اسے آپ کی صحبت نصیب ہوئی ہو۔ خواہ ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو۔ [3] قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں صحابہ کرام کی فضائل و مناقب بہت کثرت کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں پہلے ہم چند آیات قرآنی ذکر کرتے ہیں۔ پھر کچھ احادیث ذکر کریں گے جن میں عام صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا تذکرہ ہوگا۔ پھر خاص خاص صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں ہر ایک کے مخصوص فضائل و مناقب کا ذکر ہوگا۔

آیت ۱ **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.**
(سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۴۳)

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تم کو نہایت معتدل امت بنایا تاکہ تم (آخرت میں) لوگوں کے بارے میں گواہی دو اور رسول اللہ ﷺ تمہارے بارے میں گواہی دیں۔

اس آیت سے پہلے تحویل قبلہ کا ذکر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جیسے تمہارا قبلہ نہایت صحیح اور

---

1. یعنی فتح مکہ سے پہلے اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے والے جہاد کرنے والوں کا مقام فتح مکہ کے بعد مال خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں سے بلند و برتر ہے۔ اگرچہ سب ہی صحابہ کرامؓ سے اچھے انجام کا وعدہ ہے۔
2. فتح الباری ج ا ص ۷۔
3. نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۰۹، تدریب الراوی ج ا ص ۲۰۹، نخبۃ الفکر ص ۸۲، امام بخاری نے باب فضائل اصحاب النبی ﷺ میں بھی یہی تعریف کی ہے۔

معتدل قبلہ ہے اسی طرح تم (صحابہ کرام اور ان کی متبعین) بھی نہایت معتدل امت ہو اور تم آخرت میں دوسری امتوں کے بارے میں گواہ بنائے جاؤ گے جیسا کہ نبی ﷺ تمہارے سلسلہ میں گواہ ہوں گے وسط کے معنی بالکل بیچ کا راستہ ہیں جو سب سے زیادہ سیدھا اور معتدل ہوتا ہے۔ یہ لفظ عربی زبان میں انتہائی تعریف اور مدح کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں صحابہ کرامؓ اور ان کے متبعین کے بڑے شرف اور عظمت کا ذکر ہے۔

آیت ۲ **فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ .**

ترجمہ: سو جو لوگ ان (نبی ﷺ) پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی اور ان کی مدد کی اور اس نور (قرآن) کی اتباع کی جو ان کے ساتھ اترا ہے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اس آیت میں بھی صحابہ کرامؓ کا ذکر ہے کہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے اور آپ کی تعظیم کرنے والے اور مدد کرنے والے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا اتباع کرنے والے ہیں اور ایسے ہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہونے والے ہیں۔

آیت ۳ **لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.** (سورۃ توبہ آیت نمبر ۸۸-۸۹)

ترجمہ: لیکن رسول اللہ (ﷺ) اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ انہوں نے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کیا اور انہیں کے لئے ہیں ساری خوبیاں اور وہی ہیں کامیاب ہونے والے اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ لوگ ہمیشہ ان باغات میں رہنے والے ہیں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

اس آیت سے پہلے منافقین کا ذکر تھا کہ وہ حیلے بہانے کر کے جہاد سے بچنا چاہتے ہیں اور یہ بھی ذکر تھا کہ ان کی یہ حالت اس وجہ سے تھی کہ اللہ نے ہی ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے وہ اپنے نفع و نقصان کو بھی نہیں سمجھ سکتے پھر صحابہ کرامؓ کی مذکورہ تعریف ہے کہ وہ اپنے جان و مال کو اللہ کے راستے میں قربان کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔ جس کا اجر و ثواب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیابیاں اور کامرانیاں انہیں کے لئے ہیں۔

آیت ۴ **وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.**
(سورہ توبہ آیت نمبر ۱۰۰)

ترجمہ: مہاجرین اور انصار صحابہ کرامؓ (ایمان لائے ہیں) اور جو سابقین اولین جو ان کے متبعین ہیں نیکی کے کاموں میں، اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر

رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہیں یہ بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت میں ان صحابہ کرامؓ کی فضیلت کا ذکر ہے جو اولین ایمان لانے والے ہیں خواہ وہ مدینہ طیبہ کے رہنے والے انصار ہوں یا باہر سے آنے والے مہاجرین ہوں، پھر یہ بھی مذکور ہے کہ اس فضیلت میں بعد میں ایمان لانے والے صحابہ کرام اور ان کے بعد کے اہل ایمان بھی شریک ہیں۔

آیت۵ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا. (سورۃ احزاب آیت نمبر ۲۳)

ترجمہ: مؤمنین میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو پورا کر دکھایا پھر ان میں بعض تو ایسے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (نذر کو پورا کرنے) کے منتظر ہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں امام ترمذیؒ نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ "حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میرے چچا حضرت انس بن نضرؓ کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے جس کا انہیں بہت افسوس تھا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ آئندہ کوئی جہاد کا موقعہ عطا فرمائے گا تو اللہ دیکھے گا کہ میں کیا کر دکھاتا ہوں، پھر جب آئندہ سال ہی غزوۂ احد کا واقعہ پیش آیا تو حضرت انس بن نضرؓ اس میں شریک ہوئے اور جان کی بازی لگا دی اور شہید ہو گئے ان کے جسم پر اسی سے زائد زخم تھے کسی طرح صورت پہچانی نہ جاتی تھی ان کی بہن نے انگلیوں سے اپنے بھائی کو پہچانا۔[1] بعض دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی اسی طرح کا عہد کیا تھا لیکن ابھی شہادت مقدر نہ تھی وہ منتظر شہادت رہے۔ مذکورہ آیت میں دونوں طرح کے صحابہ کرام کا ذکر ہے۔

آیت۶ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ. (سورۃ فتح آیت نمبر ۱۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ خوش ہوا مؤمنین سے جب کہ وہ بیعت کر رہے تھے تم سے درخت کے نیچے۔

اس آیت میں بیعت رضوان کا ذکر ہے اور اس آیت ہی کی وجہ سے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں اس کا قصہ یوں تھا کہ ذیقعدہ ۶ھ میں آپ صحابہ کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ طیبہ سے عمرہ کے ارادے سے مکہ معظمہ کے لئے نکلے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ اہل مکہ مزاحمت کے لئے تیار ہیں اور کسی طرح آپ کو اور آپ کے صحابہؓ کو عمرہ کی ادائیگی کیلئے بھی مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ آپ نے مقام حدیبیہ میں قیام فرمایا اور اہل مکہ سے مصالحت کی گفتگو کرنے اور اپنی آمد کی غرض واضح کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کو مکہ بھیجا، اہل مکہ نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ جب حضرت عثمانؓ کے آنے میں تاخیر ہوئی تو صحابہ کرام میں یہ خبر عام ہو گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ آپ ﷺ نے اس وقت صحابہ کرام سے جہاد و قتال پر بیعت لی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو آخر دم تک ساتھ دیں گے صحابہ کرامؓ نے پورے جوش و ولولہ اور صدق دل کے ساتھ آپ کے دست مبارک

---

[1] ترمذی جلد ثانی۔ تفسیر سورۂ احزاب۔

پر یہ بیعت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت پر اپنی خوشی اور رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اس آیت کے بعد کئی آیات اسی واقعہ سے متعلق ہیں جن میں صحابہ کرام کی تعریف و توصیف اور ان پر اللہ کی عظیم احسانات کا تذکرہ ہے۔

آیت ۷ **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه' اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذَالِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاتِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔** (سورۂ فتح آیت نمبر ۲۹)

ترجمہ: محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بہت سخت اور آپس میں نرم دل ہیں، تم ان کو رکوع و سجدے میں دیکھو گے وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے خواہاں ہیں۔ سجدے کے اثر سے ان کے چہروں پر ان کی نشانیاں ہیں یہی شان ان کی تورات اور انجیل میں مذکور ہے۔

یہ آیت بھی سورۂ فتح کی آیت ہے اور سلسلۂ کلام بھی بیعت رضوان کا ہے اس میں صحابۂ کرام کی جو خوبیاں بیان فرمائی ہیں وہ کسی تفسیر و تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔

آیت ۸ **يُسَبِّحُ لَه' فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّاتُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَابَيْعٌ عَنْ ذِكْرِاللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارِ۔** (سورۂ نور آیت نمبر ۳۷)

ترجمہ: پاکی بیان کرتے ہیں ان میں (مساجد میں) ایسے مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت غافل نہیں کرتی اللہ کی یاد سے اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے وہ لوگ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔

اس سے پہلی آیت میں مساجد کا ذکر ہے اس آیت میں مساجد کو آباد کرنے والے مردان خدا کا تذکرہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے مساجد کو آباد کرتے ہیں اور جب مساجد سے باہر اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں تب بھی اللہ کی یاد اور اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ سے غافل نہیں ہوتے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روز قیامت سے ڈرتے ہیں۔

صحابہ کرام کا تذکرہ اور ان کی توصیف و تعریف اور ان کے مناقب و فضائل کا بیان قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات میں ہے۔ تطویل کے خیال سے صرف ان ہی آیات پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اسی سلسلہ کی چند احادیث ذکر کی جاتی ہیں۔ جن میں صحابۂ کرام کے فضائل و مناقب اور شرف صحابیت کی عظمت کا ذکر ہے۔

حدیث ۱ **عن عائشه رضى الله عنها قالت سأ ل رجل النبى صلى الله عليه وسلم اى الناس خير قال القرن الذى انا فيهم ثم الثانى ثم الثالث.** (صحیح مسلم ج۲ ص ۳۱۰)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بہتر کس زمانے کے لوگ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر ان کے

بعد کے زمانہ کے لوگ اور پھر ان کے بعد کے زمانہ کے لوگ۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ خیر امتی قرنی ثم الذی یلونهم ثم الذین یلونهم ہیں اسی طرح صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ خیر الناس قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ❶ ہیں سب ہی روایات کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت سب سے بہتر جماعت ہے اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جماعت صحابہ کرامؓ کی افضلیت پر امت کا اجماع ہے۔

مشہور محدث حافظ ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بایں الفاظ نقل کیا ہے۔ ان الله نظر فی قلوب العباد فا ختار محمدا صلی الله علیه وسلم فبعثه برسالته وانتخبه بعلمه ثم نظر فی قلوب الناس بعده فاختار له اصحابا فجعلهم انصار دینه ووزراء نبیه صلی الله علیه وسلم۔❷ (ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ، تعالیٰ نے اپنے بندوں کے قلوب پر نظر ڈالی اور ان سب میں اپنے علم کے مطابق حضرت محمد ﷺ کو منتخب فریا اور اپنی رسالت کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا پھر آپ کے بعد لوگوں کے قلوب پر نظر ڈالی تو کچھ لوگوں کو آپ کے اصحاب اور اپنے دین کے ناصر و مددگار اور آپ کے وزراء اور نائبین کے طور پر منتخب فرمایا۔") یعنی صحابہ کرام اللہ کے چیدہ اور منتخب بندے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے بعد ان صحابہؓ کرام سے بہتر کوئی جماعت نہیں ہے۔ یہ اللہ کے دین کے ناصر و مددگار اور آپ ﷺ کے وزیر ہیں۔

انہیں حافظ ابو نعیم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے: اولئك اصحاب محمد کانوا خیر هذه الامة ابرها قلو با واعمقها علما واقلها تکلفا قوم اختارهم الله لصحبة نبیه صلی الله علیه وسلم ونقل دینه ۔❸ یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس امت کے بہترین لوگ ہیں۔ ان کے قلوب سب سے زیادہ نیک وصالح اور ان کا علم سب سے زیادہ عمیق ہے یہ پوری امت میں سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کی تبلیغ کے لئے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔

حدیث ۲ عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یاتی علی الناس زمان یبعث منهم البعث فیقولون انظروا هل تجدون فیکم احدا من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم فیوجد الرجل فیفتح لهم به ۔❹

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمانوں کا ایک لشکر (بغرض جہاد) روانہ کیا جائے گا اور (بوقت جہاد) لوگ اس تلاش و جستجو

❶ صحیح بخاری، باب فضائل اصحاب النبی ﷺ۔
❷ حیاۃ الصحابہ، جلد اول ص ۴۶، بحوالہ حلیۃ الاولیاء والاستیعاب لابن عبدالبر۔
❸ حیاۃ الصحابہ ص ۴۶، بحوالہ حلیۃ الاولیا۔
❹ صحیح مسلم باب فضل اصحابہ و بخاری باب فضل اصحاب النبی ﷺ۔

میں ہوں گے کہ کیا اس لشکر میں کوئی صحابی ہے، ایک صحابی اس لشکر میں مل جائیں گے اور انہیں کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لشکر کو فتح نصیب فرمائیں گے۔

حدیث کے مذکورہ الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث الفاظ کے معمولی سے اختلاف کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ ہی سے روایت کی گئی ہے۔ اس حدیث کا حاصل جیسا کہ ترجمہ سے بھی ظاہر ہے صحابہ کرامؓ کی منقبت اور ان کی خیر و برکت کا اظہار فرمانا ہے۔

حدیث ۳ عن ابی موسیٰ الا شعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا امنة لا صحابی فاذا ذهبت انا اتی اصحابی ما یو عدون واصحابی امنة لا متی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی ما یو عدون. ❶

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا وجود و بقا میری صحابہ کرامؓ کی حفاظت اور امن و سلامتی کا ذریعہ ہے اور میرے صحابہ کرام کا وجود میری امت کے امن وامان اور سلامتی کا ذریعہ ہے۔ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد صحابہ پر وہ حوادث پیش آئیں گے جن کے بارے میں میں آگاہ کر چکا ہوں اور صحابہ کے دنیا سے ختم ہو جانے کے بعد پوری امت ان خطرات سے دوچار ہو گی جن سے میں آگاہ کر چکا ہوں۔

یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے۔ امام نوویؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جن خطرات سے آگاہ فرمایا تھا وہ واقع ہوئے اور آپ کے بعد صحابہ کرامؓ کی جماعت میں اختلاف رائے اور اس کے نتیجہ میں قتل و قتال اور فتنوں کا ظہور ہوا اسی طرح صحابہ کرامؓ کی جماعت کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بدعات کا ظہور اور ان دینی فتنوں اور حوادث کا وقوع ہوا جن کی نشاندہی آپ نے فرمادی تھی۔

حدیث ۴ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبوا احداً من اصحابی فان احدکم لو انفق مثل احد ذهباً ما ادرك مداحدهم ولا نصيفه. ❷

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے صحابہ میں سے کسی کو بھی برا نہ کہو اس لئے کہ (وہ اتنے بلند مقام اور اللہ کے محبوب ہیں) تم اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرو گے تب بھی ان کے ایک مد بلکہ نصف مد خرچ کرنے کے برابر بھی ثواب کے مستحق نہ ہو گے۔

حدیث کے ابتدائی حصہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت خالد بن الولیدؓ نے کسی بات پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کچھ نامناسب الفاظ کہہ دیئے تھے جس پر آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں ہیں، حضرت خالدؓ بن الولید اپنی جلالت شان کے باوجود عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درجے کے صحابی نہیں ہیں۔ جب حضرت خالدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے درمیان اتنا فرق مراتب ہے تو صحابہ کے بعد کے لوگوں اور صحابہ کرام کے درمیان درجات کا تفاوت اور

❶ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۰۸۔ ❷ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۰۔

بھی بہت زیادہ ہوگا۔ احد پہاڑ مدینہ طیبہ کا ایک بڑا پہاڑ ہے اور مد تو ایک چھوٹا سا پیمانہ ہے جو آج کل تقریباً صرف ایک کلووزن کے برابر ہوتا ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ مقام ان کی صحابیت کی بنیاد پر ہے۔

حدیث ۵ عن عبداللہ بن مغفلؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذو ھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم و من ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقداذا نی ومن اذآنی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ یو شك ان یاخذہٗ۔ [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ کرامؓ کے (حقوق کی ادائیگی کے) بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، ان کو میرے بعد (سب و شتم اور طعن و تشنیع کے لئے) تختہ مشق نہ بنانا (اور یہ بھی سمجھ لو کہ) جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی ہے اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض ہی کی وجہ سے ان سے بغض رکھا ہے اور جس نے ان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور اس کا پورا خطرہ ہے کہ (اللہ) ایسے شخص کو (دنیا و آخرت میں) مبتلائے عذاب کردے۔

حدیث کا مطلب ترجمہ ہی سے واضح ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں صحابہ کرامؓ کے بارے میں احتیاط سے کام لیں، ان کی تکریم و تعظیم اور ان کے حقوق کی ادائیگی کا لحاظ رکھیں۔ کسی قسم کی بے توقیری ان کے بارے میں نہ کریں ورنہ دنیوی یا اخروی عذاب کا خطرہ ہے۔

پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ صحابیت کے اس شرف میں تمام صحابہ کرامؓ شریک ہیں خواہ وہ اپنے زمانہ کفر میں اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ رہے ہوں اور انہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کی کتنی ہی مخالفت بلکہ دل آزاری اور ایذا رسانی ہی کیوں نہ کی ہو، اس سلسلے میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد پڑھ لیجئے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجدون من خیر الناس فی ھذا الا مرا کرھھم۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ اسلام کے معاملہ میں بہترین شخص ایسے شخص کو پاؤ گے جو اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام کا انتہائی مخالف رہا ہو۔

له قبل ان یقع فیه۔ [2]

صحابہ کرام میں اس حدیث کی تائید میں بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ اس کی سب سے واضح مثال ہیں، اسی طرح حضرت عمرو بن العاص، حضرت ثمامہ بن اثال اور بہت سے صحابہ کرام کے نام بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں جن کی زمانۂ کفر میں اسلام دشمنی اور اسلام لانے کے بعد آپ اور

---

[1] جامع ترمذی ص ۲۲۶۔　[2] صحیح مسلم۔

اسلام سے محبت دونوں حد انتہا کو پہنچتی ہوئی تھیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنی دونوں حالتیں خود ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ زمانہ کفر میں کوئی شخص بھی میرے مقابلہ میں آپ ﷺ سے زیادہ بغض رکھنے والا نہیں تھا اور میری آخری درجہ کی خواہش تھی کہ کبھی موقع مل جائے تو میں آپ کو شہید کر دوں لیکن اسلام لانے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ آپ سے زیادہ محبوب میری نظر میں کوئی نہ تھا اور میرے دل میں آپ کی عظمت و جلالت کا یہ حال تھا کہ میں نظر بھر کر آپ کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔[1]

حضرت ثمامہ بن اثال نے) بھی ایمان لانے کے بعد تقریباً انہی الفاظ میں رسول اللہ ﷺ سے اپنے قلبی جذبات کا اظہار کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ایمان لانے سے پہلے سب سے زیادہ مبغوض شخص میری نگاہ میں آپ تھے اور اب کوئی بھی آپ سے زیادہ محبوب نہیں اسی طرح ایمان لانے سے پہلے آپ کا دین تمام ادیان میں سب سے زیادہ مبغوض تھا اور اب تمام دینوں میں سب سے زیادہ محبوب دین ہے۔ پہلے آپ کے وطن مدینہ سے بے حد نفرت تھی اور اب میری نگاہ میں مدینہ طیبہ سب سے زیادہ محبوب شہر ہے۔[2]

عام صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کی احادیث کتب حدیث میں بڑی کثرت سے نقل کی گئی ہیں یہاں خوف تطویل مانع ہے ورنہ اور بھی روایات نقل کی جا سکتی ہیں۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نبوت کے دوسرے سال ہی ایمان لے آئے تھے، ان کو بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ سے انس و محبت اور قریبی تعلق تھا۔ چچا ہونے کے علاوہ آپ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بھائی بھی تھے، دونوں کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا،[3] علاوہ ازیں آپ کی والدہ اور حضرت حمزہؓ کی والدہ حقیقی چچازاد بہنیں بھی تھیں۔[4] پھر عمر میں بھی حضرت حمزہ دو چار سال ہی بڑے تھے، ان مختلف وجوہات سے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت اور تعلق خاطر تھا۔ اور بظاہر یہی محبت و تعلق خاطر ان کے اسلام لانے کا سبب بن گیا، وہ شکاری تھے۔ ایک دن شکار کھیل کر آئے تو باندی نے خبر دی کہ آج ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد (ﷺ) کو ان کے منہ پر بہت برا بھلا کہا ہے وہ فوراً ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کی گستاخی پر اپنی شدید ناگواری کے اظہار کے ساتھ اپنے ایمان لانے کا بھی اظہار کر دیا، پھر اس دن سے زندگی بھر آپ ﷺ کا ساتھ نبھایا، آپ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے پر خود بھی مدینہ آگئے اور آخر غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضرت حمزہؓ اہل مکہ کی نظر میں بڑے معزز، محترم، باوقار اور شجاعت و دلیری میں ضرب المثل تھے، اسی

---

1. صحیح مسلم ج۱ ص ۷۶ باب کون الاسلام یہدم قبلہ۔
2. صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۴ باب ربط الاسیر۔
3. اصابہ ج ۸ ص ۳۶ فی ذکر ثویبہ۔
4. اصابہ ج ۲ ص ۷۳ فی ذکر حمزہؓ۔

لئے ان کے اسلام لانے سے مشرکین مکہ کو بہت دھکا لگا، اب وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی ایذا رسانی میں کچھ محتاط ہوگئے۔ [1] مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ اور خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور ہونے پر مجبور کر دیا تھا حضرت حمزہؓ اس میں بھی آپ کے ساتھ تھے، غزوۂ بدر جو غزوات میں سب سے پہلا اور ممتاز ترین غزوہ ہے اس میں حضرت حمزہؓ نے شرکت فرمائی ہے۔ [2] پھر دوسرے سال غزوہ احد میں بھی اپنی بہادری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے ہیں، اسی غزوہ میں وہ شہید ہوگئے ہیں، لیکن شہادت سے پہلے وہ تیس یا اس سے بھی زیادہ کافروں کو قتل کر چکے تھے۔ [3]

ان کی شہادت کا واقعہ ان کے قاتل وحشی (جو بدر میں اسلام لے آئے تھے) کی زبانی سنئے:۔ حضرت وحشیؓ نے اسلام لانے کے بعد بیان کیا کہ میں جبیر بن [4] مطعم کا غلام تھا اور جبیر کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں قتل کر دیا تھا، میرے مالک جبیر نے مجھ سے کہا کہ اگر میرے چچا کے قاتل حمزہ کو قتل کر دو تو تم آزاد ہو، میں چھوٹے نیزے کو پھینک کر مارنے میں ماہر تھا، غزوۂ احد میں میں ایک چٹان کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اور موقع کی تاک میں رہا میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ نے سباع بن عبد العزی نامی ایک کافر کا تلوار کے ایک وار ہی میں کام تمام کر دیا۔ میں انتظار میں رہا جیسے ہی حضرت حمزہؓ میری زد میں آئے میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینک کر مارا جو ان کے ناف کے نیچے لگا اور آر پار ہو گیا۔ [5]

فضائل

حضرت حمزہ رسول اللہ ﷺ کے چچا، رضاعی اور خالہ زاد بھائی اور آپ کے مشہور صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شہادت سے سرفراز ہوئے اور زبان نبوت سے سید الشہداء کا لقب پایا۔ [6] رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اسد اللہ کا خطاب بھی دیا۔ [7] ان کی شہادت کے بعد مشرکین مکہ نے ان کا مثلہ کیا تھا اور اعضا جسم کو کاٹ ڈالا تھا۔ [8] غزوۂ احد کے خاتمہ پر جب تجہیز و تکفین کا مرحلہ پیش آیا تو حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہؓ بنت عبد المطلب اپنے بھائی کے کفن کے لئے دو چادریں لے کر آئیں آپ ﷺ نے اس خیال سے کہ صفیہؓ بھائی کا یہ حال دیکھ کر شاید صبر و ضبط نہ کر سکیں، حضرت صفیہؓ کے صاحبزادہ زبیرؓ کو بھیجا کہ اپنی ماں کو منع کر دیں کہ حضرت حمزہؓ کو نہ دیکھیں، پہلے تو وہ باز نہ آئیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے تو باز آگئیں، دو

1. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۷۲ بحوالہ مستدرک حاکم۔
2. صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۴ باب تسمیه من سمی من اهل بدر الخ۔
3. اصابہ ج ۱ ص ۱۲۲۔
4. حضرت جبیر بھی بعد ایمان لے آئے ہیں۔
5. صحیح بخاری باب قتل حمزہ ج ۲ ص ۵۸۳۔
6. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۷۳ و اصابہ ج ۲ ص ۳۷۔
7. اصابہ ج ۲ ص ۳۷۔
8. بعض روایات میں یہ تذکرہ ہے کہ ان کا مثلہ ابو سفیان ہندؓ (جو دونوں بعد میں اسلام لے آئے تھے) نے کیا تھا۔ مگر وہ روایت سندی اعتبار سے کمزور اور غیر متصل ہے۔ ملاحظہ ہو السیرة النبویه فی ضوء المصادر الا صلیه۔ مولفہ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد۔

چادریں جو بہن اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھیں ان میں سے بھی بھائی کو ایک ہی مل سکی اس لئے کہ حضرت حمزہؓ کے پاس ہی ایک انصاری صحابی شہید پڑے ہوئے تھے، ایک چادر ان کو دے دی گئی اور حضرت حمزہؓ کو صرف ایک چادر میں کفن دیا گیا جو اتنی چھوٹی تھی کہ سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا، آخر سر کو چادر سے ڈھک کر پاؤں پر اذخر نامی گھاس ڈال دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ کو حضرت حمزہؓ کی شہادت پر غیر معمولی صدمہ ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر صفیہؓ کے رنج و غم کا خیال نہ ہوتا تو میں حمزہؓ کو ایسے ہی بے گور و کفن چھوڑ دیتا، تاکہ روز قیامت وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے نکل کر اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے۔ ❶

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہداء احد کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز رنگ کے پرندوں کے اندر رکھ دیا ہے، وہ پرندے جنت کی نہروں میں پانی پیتے اور اس کے پھلوں کو کھاتے ہیں عرش رحمانی کے نیچے (ان کے گھونسلوں کے لئے) سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں جن میں آرام کرتے ہیں، انہوں نے اپنی اس خوش حالی اور آرام و راحت کی خبر اپنے دنیوی بھائیوں تک پہنچانے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے آیات کریمہ:-

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَنْ لَّاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَايُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ تا نمبر ۱۷۱)

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں شہید ہوگئے ہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں۔ وہ اللہ کی عنایات پر بے انتہا خوش ہیں اور (اس پر بھی) خوش ہوتے ہیں کہ ان کے پسماندگان کو نہ خوف ہے نہ غم، وہ خوش ہیں اللہ کی نعمت اور فضل و کرم پر اور اس پر بھی کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ عمر میں آپ ﷺ سے دو سال بڑے تھے لیکن عمر کے اس فرق کو واضح کرنے کے لئے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں آپ ﷺ سے بڑا ہوں، بلکہ جب کوئی سوال کرتا کہ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو وہ جواب میں کہتے کہ هو اكبر وانا ولدت قبله ❷ یعنی بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں ہاں پیدا پہلے میں ہوا تھا۔ ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت تعلق خاطر تھا۔ مسلمان ہونے سے پہلے بھی آپ کی حمایت کرتے تھے۔

---

❶ ابو داؤد باب فی الشہید یغسل، والترمذی باب فی قتلیٰ احد وذکر حمزہؓ۔

❷ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۰ بحوالہ مجمع الزوائد والطبرانی۔

نبوت کے بارہویں سال مدینہ طیبہ کے ایک گروہ نے مکہ معظّمہ کے قریب رسول للہ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی تھی، اس موقع پر حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے موجود تھے انہوں نے اہل مدینہ سے کہا تھا کہ یہ (محمد ﷺ) تم کو لوگوں کے یہاں جانا چاہتے ہیں اگر تم لوگ مرتے دم تک حمایت کا دم بھرتے ہو تب تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔ [1] غزوۂ خیبر کے فوراً بعد حجاج بن علاطؓ نامی صحابی نے جن کا اسلام اہل مکہ کے علم میں نہ تھا، اپنی ایک مجبوری اور رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے مکہ آکر یہ ذکر کر دیا کہ محمد ﷺ غزوۂ خیبر میں بری طرح شکست کھا گئے ہیں یہ اطلاع جب حضرت عباسؓ کو ہوئی تو بے قرار ہو گئے اور گھبرائے ہوئے حجاج بن علاطؓ کے پاس آئے۔ حضرت حجاجؓ نے خاموشی سے انہیں آپ کی فتح یابی کی خبر دی اور اپنی مجبوری بتلائی جس کی بنا پر انہوں نے یہ خبر پھیلائی تھی۔ تب جا کر حضرت عباسؓ کو اطمینان نصیب ہوا۔ [2]

حضرت عباس دراز قد، وجیہہ و باوقار، انتہائی حلیم و بردبار اور بلند آواز تھے۔ سربراہی اور سیادت کے تمام اوصاف آپ کے اندر پائے جاتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں سقایۃ الحاج (حجاج کرام کو پانی پلانے) اور عمارۃ المسجد (مسجد حرام کا اہتمام وانصرام) کی ذمہ داری (جو بڑے اعزاز کی بات سمجھی جاتی تھی) ان کے ہی ذمہ تھی، [3] غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے ساتھ مجبوراً آئے، لیکن آپ ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے، صحابہ کرامؓ نے ان کو قید کر لیا، ان کے پاس اس وقت بیس ۲۰ اوقیہ (ایک وزن کا نام ہے) سونا تھا۔ جب بات فدیہ کی آئی تو حضرت عباسؓ نے آپ سے کہا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں، آپ نے فرمایا۔

الله اعلم بشانك ان يك ماتدعى حقاً فالله يجزيك اما ظاهر امرك فقد كان علينا فافد نفسك. [4]

ترجمہ: یعنی حقیقت حال تو اللہ جانے اگر تم اپنے دعوۂ اسلام میں سچے ہو تو اللہ تم کو اس کا بدلہ عطا فرمائے گا، رہا ہمارا معاملہ تو ہم تو ظاہر حال کے مطابق ہی عمل کریں گے لہٰذا فدیہ دیجئے۔

اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ یہ بیس ۲۰ اوقیہ سونا جو میرے پاس ہے فدیہ میں لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ تو اللہ نے بطور غنیمت ہمیں عنایت ہی فرمادیا ہے آپ فدیہ کی ادائیگی کیلئے مکہ سے مال منگوائیے انہوں نے کہا کہ میرے پاس مکہ میں بھی اس کے سوا اور مال نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مکہ سے روانہ ہوتے وقت آپ چچی کے حوالہ جو مال کر آئے تھے اسے منگوالیجئے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں تو جانتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس مال کا علم میرے اور آپ کی چچی کے سوا کسی کو نہ تھا [5] اور واقعہ میں دو جگہ

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۱ و سیرۃ النبی ﷺ جلد ۱ ص ۱۶۷
[2] سیرت ابن ہشام فصل فی حدیث الحجاج بن ...۔
[3] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۱۔ [4] اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۲۔
[5] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۸۳ بحوالہ ابن۔

حضرت عباسؓ نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ وہ پہلے سے ہی اسلام لا چکے ہیں، اسی لئے بعض سیرت نگار یہ لکھتے ہیں کہ وہ غزوۂ بدر کے معاً بعد اسلام لائے اور اہل مکہ سے اپنے اسلام کو چھپاتے اور رسول اللہ ﷺ کو اہل مکہ کی خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ [1]

اگر اس وقت ان کا مسلمان ہونا تسلیم نہ کیا جائے تب بھی بہر حال یہ تو طے ہی ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے، اسی وجہ سے وہ ابوسفیان بن حرب کو اپنی پناہ میں لے سکے تھے اور اسی لئے وہ طلقاء مکہ میں بھی شمار نہیں ہوتے ہیں، طلقاء مکہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان کریمی سے ان کو معاف فرمادیا تھا۔

فضائل

آپ رسول اللہ ﷺ کے چچا ہیں اور آپ ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:۔

ایها الناس من اذی عمی فقد اذانی فانما عم الرجل صنو ابیه ۔ [1]

ترجمہ: اے لوگو! جس نے میرے چچا کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس لئے کہ کسی بھی شخص کا چچا اس کے باپ کے مثل ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور صحابہ کرام بھی حضرت عباسؓ کی عظمت شان کے معترف تھے، امام بغویؒ حضرت عباسؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

كان العباس اعظم الناس عند رسول الله صلى الله عليه وسلم والصحابة يعترفون للعباس بفضله ويشاورونه ويأ خذون رايه . [2]

ترجمہ: حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک عظیم ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے صحابہ کرام بھی ان کی فضیلت کے معترف تھی، ان سے مشورہ کرتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے۔

جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے انہیں بھی رسول اللہ ﷺ سے بڑی محبت تھی۔ غزوۂ حنین میں ایک مواقع ایسا آیا کہ عام صحابۂ کرام کے قدم اکھڑ گئے تھے اور آپ تقریباً تنہا رہ گئے تھے، لیکن ایسے نازک وقت میں بھی حضرت عباس آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ [3]

ایک بار حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں قحط پڑ گیا تھا، حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے بارش کی دعا کرنے کی درخواست کی، حضرت عباسؓ نے دعا کی اور اللہ نے باران رحمت نازل فرمائی۔ [4]

رسول اللہ ﷺ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کے لئے اہتمام سے دعا فرماتے تھے، اسی سلسلہ کی ایک دعا

---

1. ترمذی مناقب عباسؓ ج ۲ ص ۲۱۷۔
2. اصابہ ج ۲ ص ۶۳۲ بحوالہ امام بغوی۔
3. جامع ترمذی باب مناقب عباسؓ۔
4. صحیح بخاری و فتح الباری باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا۔

کے الفاظ یہ ہیں:۔

اللّٰهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبه اللهم احفظه فی ولده. [1]

ترجمہ:۔ اے اللہ عباسؓ اور ان کی اولاد کے تمام ظاہری و باطنی گناہ معاف فرما دیجئے اور اے اللہ ان لوگوں کی ایسی مغفرت فرما دیجئے جو کوئی گناہ باقی نہ رہنے دے، اے اللہ عباسؓ کی حفاظت فرما انکی اولاد کے بارے میں۔

دعا کا مطلب تو ترجمہ سے ہی واضح ہے، دعا کے آخری جملہ اللهم احفظه فی ولده کا مطلب بظاہر یہ ہوگا کہ ،اے اللہ حضرت عباس کی حفاظت فرما کر ان سے اپنی اولاد کے سلسلہ میں بھی کوئی غلط کام نہ ہو پائے ۔اللہ تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں فرمایا تھا۔

ان یعلم الله فی قلوبکم خیراً یوتکم خیرا مما اخذمنکم یغفرلکم. [2]

(سورۂ انفال آیت نمبر ۷۰)

ترجمہ:۔ (یعنی اس وقت تو فدیہ ہی دینا ہے، لیکن اگر تمہارے دلوں میں ایمان ہوگا تو تم کو اس فدیہ کے مال سے بہتر مال بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف فرمادے گا۔

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو مال مجھ سے بطور فدیہ لیا گیا تھا۔ اللہ نے مجھے اس مال سے بہت زیادہ مال بھی عطا فرمایا اور مجھے امید ہے کہ میرا اللہ آخرت میں بھی میرے ساتھ مغفرت کا معاملہ فرمائے گا۔

اولاد

حضرت عباسؓ کی اولاد میں چھ بیٹے فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور معبدؓ تھے۔ ایک بیٹی ام حبیبؓ تھیں۔ فضلؓ سب سے بڑے تھے۔ عبداللہؓ سب سے زیادہ مشہور اور ذی علم ہوئے ہیں۔

وفات

حضرت عباسؓ کی وفات ۳۲ھ میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر اسی سال سے متجاوز ہو چکی تھی، غسل میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ شریک تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حبر الامۃ امام التفسیر و ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اپنے والد حضرت عباس اور والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہما کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ چلے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر کل تیرہ ۱۳ سال تھی، ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کا موقع تو بہت کم ملا، لیکن ذوق و شوق اور طلب علم نے اس کمی کی تلافی کر دی۔

---

[1] جامع ترمذی باب مناقب عباسؓ۔　[2] اصابہ ج ۳ ص ۶۳۲۔

فضائل

حضرت عباسؓ کے تذکرہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے دعا فرمائی تھی، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو علم و حکمت تفقہ فی الدین اور علم تفسیر قرآن کی جو دعائیں زبان نبوت سے ملی ہیں، ان کی مثال اور کہیں مشکل سے ملے گی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ خود راوی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیت الخلاء تشریف لے گئے میں نے آپ کے تشریف لانے سے پہلے ہی وضو کے لئے پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ پانی کس نے رکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے رکھا ہے، آپ نے میرے لئے دعا فرمائی۔

اللهم فقهه فى الدين. [1]

ترجمہ.. اے اللہ ان کو تفقہ فی الدین عطا فرما۔

یہ روایت مسلم کی ہے، بعض دوسری روایتوں میں اللهم فقهه فى الدين کے ساتھ وعلمه التاويل کا[2] اضافہ بھی ہے، یعنی تفقہ فی الدین کی ساتھ قرآن کی تفسیر کا علم بھی عطا فرما دیجئے، ترمذی کی روایت میں ہے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے مجھے اپنے سینۂ مبارک سے چمٹالیا اور دعا فرمائی اللهم علمه الحكمة[3] اے اللہ ان کو حکمت یعنی دین کا صحیح علم عطا فرما۔ اسی مضمون کی دعائیں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ حدیث وسیرت کی متعدد کتابوں میں مذکور ہیں، انہیں دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اکابر صحابہ کرام بھی آپ کو حبر الامہ، ترجمان القرآن، بحر العلم، امام التفسیر جیسے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

نعم ترجمان القران ابن عباس لو ادرك اسناننا ما عاشره منا احد. [4]

ترجمہ.. ابن عباسؓ بہترین مفسر قرآن ہیں، اگر وہ ہم لوگوں کی عمر پاتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے مساوی نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

ما رأيت احداً احضرفهما ولا الب لبا ولا اكثرعلماً ولااوسع حلماً من ابن عباس لقد رأيت عمر يدعوه للمعضلات فيقول قد جاء ت معضلة ثم لا يجاوز قوله وان حوله لاهل بدر. [5]

ترجمہ.. یعنی میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ حاضر دماغ، عقلمند، صاحب علم اور حلیم و بردبار شخص نہیں

---

1. مسلم ج ۲ ص ۲۹۸ باب فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔
2. اصابہ ج ۴ ص ۱۴۳۔
3. جامع ترمذی ج ۲ ص ۲۲۳ و صحیح بخاری باب ذکر ابن عباس۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۴۰ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۰۔
5. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۴۷۔

دیکھا (اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ) حضرت عمرؓ مشکل مسائل کو حل کرنے کے لئے ابن عباسؓ کو بلاتے اور کہتے ایک مشکل مسئلہ پیش آچکا ہے۔ پھر ان کے قول کے مطابق ہی عمل کرتے حالانکہ ان کی مجلس میں بدری صحابہ بھی موجود ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ان کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ذلك فتى الكهول له لسان سئول وقلب عقول. [1]

ترجمہ:- یہ ایسے نوجوان ہیں جنہیں پختہ عمر لوگوں کا فہم وبصیرت حاصل ہے، ان کی زبان علم کی جویا اور قلب علم کا محافظ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو کہتے ابن عباسؓ سے پوچھو هو اعلم الناس بما انزل علیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ [2] اسی لئے حضرت عمرؓ ان کو اکابر صحابہ کرام کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ ان کے اس بلند مقام تک پہنچنے میں رسول اللہ ﷺ کی خصوصی توجہات اور عنایات کے علاوہ ان کی طلب اور ذوق وشوق کو بھی بڑا دخل تھا، اور ظاہر ہے یہ ذوق وطلب بھی آپ کی دعاؤں ہی کا نتیجہ تھا وہ خود اپنے ذوق وشوق اور طلب علم کا حال ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد میں نے ایک انصاری صحابی سے کہا آؤ صحابہ کرام سے علم حاصل کرلیں ابھی تو وہ لوگ بڑی تعداد میں موجود ہیں، ان صحابی نے کہا ابن عباسؓ مجھے تم پر تعجب ہوتا ہے کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کبھی ایسا وقت بھی آئے گا کہ لوگ تحصیل علم کے لئے تمہارے محتاج ہوں گے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں ان کا جواب سن کر میں نے ان انصاری صحابی کو چھوڑ دیا اور خود اکابر صحابہ کرام کے پاس جا جا کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور دین کا علم حاصل کرنا شروع کردیا، اس سلسلہ میں کبھی ایسا بھی ہوا کہ مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث فلاں صحابی کے پاس ہے میں ان کے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ کررہے ہیں، یہ سن کر میں نے چادر بچھائی اور ان کے دروازہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا، ہواؤں نے میرے سر اور جسم پر گرد وغبار لاکر ڈال دیا اتنے میں وہ صحابی نکل آئے اور مجھے اس حال میں دیکھ کر کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے بھائی ہیں، آپ مجھے بلا لیتے میں حاضر ہوجاتا آپ نے کیوں زحمت فرمائی میں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث ہے میں وہ حدیث آپ سے حاصل کرنے آیا ہوں اور اس کام کے لئے میرا آنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ کہتے ہیں میری طالب علمی کا یہ سلسلہ جاری رہا وہ انصاری صحابی مجھے دیکھتے رہے، آخر ایک وقت ایسا آیا کہ اکابر صحابہ کرامؓ دنیا سے رخصت ہوگئے اور لوگ طلب علم کے لئے میرے پاس آنے لگے اب وہ انصاری صحابی کہتے ہیں، یہ نوجوان مجھ سے زیادہ عقلمند نکلا۔ [3] طلب علم میں ان کے یہاں قناعت پر عمل نہ تھا ایک

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۴۵ و اصابہ ج ۴ ص ۱۴۵۔
[2] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۔
[3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۷ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۔

ایک حدیث کو حاصل کرنے کے لئے کئی کئی صحابہ کرامؓ سے ملتے، فرماتے ہیں کہ:۔

ان كنت لا سأل عن الا مرالو احد ثلثين من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم. [1]

ترجمہ: میں ایک حدیث یا ایک مسئلہ کو تیس (۳۰) تیس صحابہ کرامؓ سے معلوم کرتا تھا۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد سے قرآن مجید کی تفسیر اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث حاصل کی ہیں جن صحابہ کرام سے انہوں نے روایات لی ہیں ان کی تعداد بہت ہے اور جن تابعین نے ان سے روایات نقل کی ہیں وہ بھی بڑی تعداد میں ہیں۔ ان کا شمار ان چھ (۶) سات (۷) صحابہ کرام میں ہے جن کو مکثرین فی الحدیث کہا جاتا ہے۔ ان کی روایات کردہ احادیث کی تعداد ۲۶ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ [2] وہ اپنی عمر کے اعتبار سے اگرچہ بڑے صحابہ کرامؓ کی صف میں نہیں ہیں۔ لیکن اپنے علم کو اعتبار سے ان کا شمار بڑے درجہ کے صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت مجاہد تابعیؒ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ کو ان کے علم کی وجہ سے لوگ بحر العلوم کہتے تھے۔ حضرت طاؤسؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے زیادہ صاحب علم نہیں دیکھا، صحابہ کرام میں اگر کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہوتا تو آخر میں فیصلہ ابن عباسؓ کے قول پر ہوتا۔ [3] وہ بہت ہی حسین و جمیل اور وجیہہ تھے۔

۶۸ھ میں طائف میں وفات پائی۔ حضرت محمد بن الحنفیہ (جو حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں) نے نماز پڑھائی اور کہا۔

اليوم مات ربانى هذه الا مة . [4]

ترجمہ: آج اس امت کا ایک اللہ والا چلا گیا۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، بالکل ابتداء اسلام ہی میں شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہونے والی خوش نصیب و بلند مرتبت صحابہ کرام میں ہیں۔ [5] وہ عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی اسلام کے ابتدائی دور ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سب بہن بھائی اور ان کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا بھی جلد ہی ایمان لانے والے حضرات صحابہ کرام میں شامل ہیں۔

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۴۴۔
2. ایضاً ج ۳ ص ۳۵۹۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۵۰۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱۔
5. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۱۵۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے دس سال بڑے اور رسول اللہ ﷺ سے بیس سال چھوٹے ہیں۔ ❶

اسلام کے ابتدائی دور میں چند صحابہ کرام مشرکین مکہ کے ظلم و ستم اور ایذار سانیوں سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے ملک حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی اگرچہ عیسائی مذہب کا تھا لیکن سلامتی مزاج اور وسعت قلبی بتوفیق خداوندی نصیب تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو وہاں کچھ سکون محسوس ہوا۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی، اس کے بعد صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت (جس کے شرکاء کی تعداد تقریباً نوسو (۹۰۰) بتلائی جاتی ہے) نے دوسری ہجرت اسی ملک حبشہ کو کی، اس جماعت میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ جب یہ لوگ بھی حبشہ پہنچ گئے تو مشرکین مکہ نے ایک نمائندہ وفد کثیر اور گرانقدر تحائف کے ساتھ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی خدمت میں بھیجا۔

وفد نے درجہ بدرجہ درباری علماء اور احکام کو ہدایا اور تحائف پیش کر کے اپنا ہمنوا بنالیا اور بادشاہ تک رسائی حاصل کر لی، پھر بادشاہ سے اپنا مقصد بایں الفاظ عرض کیا: "ہمارے شہر مکہ کے کچھ نوجوانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کر لیا ہے جو باعث فتنہ و شر ہے، ان میں سے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے یہاں آگئے ہیں، ہم اپنے قوم کے ذمہ دار لوگوں کی یہ درخواست لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے۔ رشوت کھائے ہوئے درباری علماء و حکام نے اس بات کی تائید کی اور کہا کہ ان لوگوں کو ملک سے نکال دیجئے اور ان کی قوم کے حوالہ کر دیجئے، لیکن نجاشی نے صورت حال معلوم کرنے کے لئے ان مہاجرین کو بلا بھیجا، ان حضرات نے بادشاہ سے بات کرنے کے لئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا، جب یہ حضرات بادشاہ کے دربار میں پہنچے تو بادشاہ نے ان سے سوال کیا کہ۔ "وہ کون سا دین تم لوگوں نے ایجاد کر لیا ہے، جس کی وجہ سے تم نے اپنے آباء واجداد کے دین کو بھی چھوڑ دیا ہے اور ادیان سابقہ میں سے بھی کوئی دین اختیار نہیں کیا ہے"۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بادشاہ کے سامنے ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور کہا۔

بادشاہ! ہم لوگ جاہل تھے، بت پرستی کرتے اور مردار کھاتے تھے، فواحش کا ارتکاب کرتے اور قطع رحمی کرتے ہمسایوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہم میں کے طاقتور کمزوروں اور ضعیفوں کا استحصال کرتے تھے، اسی اثناء میں اللہ نے ہم میں ایک پیغمبر مبعوث فرمایا جس کی نجابت و شرافت، حق گوئی و امانتداری اور پاکدامنی کے ہم سب پہلے ہی سے معترف تھے اللہ کے ان پیغمبر نے ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی اور ہم سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ ہم اپنے اور اپنے آباء واجداد کے خود ساختہ بتوں کی عبادت ترک کر دیں، انہوں نے ہم کو سچ بولنے، امانتوں کو ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔ ان کی تعلیمات میں یہ بھی ہے کہ ہم ہر طرح کی برائیوں اور فحاشیوں سے پرہیز کریں، ایک دوسرے

❶ سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۲۱۵۔

کا خون نہ بہائیں، جھوٹ بولنے یتیم کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے اجتناب کریں، انہوں نے ہمیں توحید خالص کی دعوت دی اور روزہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا۔

بادشاہ سلامت! ہم نے ان پیغمبر کی اور ان کی دین کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے ائے۔ بس ہمارا جرم یہی اور صرف یہی ہے اور اسی وجہ سے ہماری قوم ہماری دشمن ہو گئی اس نے ہمیں انتہائی سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں کہ ہم اپنے آسمانی دین کو ترک کر کے پھر بت پرستی اور دین جاہلیت کو اختیار کر لیں۔ ان لوگوں کے ظلم و ستم اور ایذار سانی سے تنگ آ کر ہم لوگ آپ کے ملک آگئے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہاں ہم اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں گے۔

حضرت جعفرؓ کی بات ختم ہونے پر بادشاہ نجاشی نے کہا، کیا تمہارے پاس تمہارے نبی (ﷺ) پر نازل ہونے والی کتاب کا کچھ حصہ بھی ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی، ابھی چند آیات ہی کی تلاوت کی تھی کہ بادشاہ رونے لگا، حتیٰ کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اس نے کہا بخدا یہ کلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والا کلام ایک ہی نور کے پرتو ہیں اس کے بعد اس نے اہل مکہ کے وفد سے کہا تم لوگ چلے جاؤ یہ حضرات یہیں رہیں گے میں ان کو تمہارے حوالہ ہرگز نہیں کروں گا۔

اہل مکہ کے وفد نے ابھی ہمت نہیں ہاری اور دوسرے دن بادشاہ سے مل کر یہ شکایت کی کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بھی خوش عقیدہ نہیں ہیں، بلکہ ان کے بارے میں نامناسب رائے رکھتے ہیں بادشاہ، نے پھر ان مہاجرین صحابہ کرامؓ کو بلوا بھیجا اور آنے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ معلوم کیا، حضرت جعفرؓ نے پوری صراحت کے ساتھ کہا۔ ''انہ عبداللہ وروحہ وکلمتہ القاھا الی مریم۔'' وہ اللہ کے بندے، اس کی روح اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا واللہ عیسیٰ ابن مریم اس تعریف و توصیف سے اس تنکے بھر بھی زیادہ نہیں ہیں، اس نے مشرکین کے وفد کو اپنے دربار سے نکال دیا اور مسلمانوں کو ہر طرح امن و سکون سے رہنے کا اطمینان دلایا۔[1] حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، اور ان کے ساتھیوں نے ۵ھ نبوی یعنی نبوت کے پانچویں سال مکہ سے حبشہ کو ہجرت کی تھی اور ۷ھ میں فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، کو دیکھ کر اپنے سینے سے لگا لیا پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا ''ما ادری انا بقدوم جعفر اسرام بفتح خیبر''۔[2] یعنی میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ مجھے جعفر کے آنے کی زیادہ خوشی ہے یا فتح خیبر کی۔ ان کو مسجد نبوی کے قریب ہی مکان کیلئے جگہ عنایت فرمائی اور اپنے قریب تر رکھا۔ ابھی مدینہ طیبہ آئے ہوئے صرف چند ماہ ہی گذرے تھے کہ ۸ھ میں غزوہ موتہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو لشکر روانہ کیا اس میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، کو بھیجا، موتہ مدینہ سے دور ملک شام کا ایک علاقہ ہے۔ اس لشکر کا امیر حضرت زید بن حارثہؓ کو بنایا اور فرمایا زید اگر شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہیں اور اگر جعفر بھی شہید

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۲۱۵۔ [2] مجمع الزوائد باب مناقب جعفرؓ۔

ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ، اور ان کی شہادت کی صورت میں وہاں مسلمان خود اپنا امیر منتخب کر لیں۔[1] ایسا ہی ہوا یہ سب حضرات یکے بعد دیگرے شہید ہوتے رہے اور ایک کے بعد دوسرا امیر بنتا رہا۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے ان کو دیکھا تو ان کے جسم پر نوے ۹۰ سے بھی زیادہ زخم تھے۔[2] رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ان حضرات کی شہادت کی اطلاع مل گئی تھی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی خبر دے دی تھی۔ آپؐ کو ان لوگوں کی شہادت کا بہت ہی غم ہوا تھا۔[3]

فضائل

حضرت جعفرؓ رسول اللہ ﷺ کے بان العم اور سابقین اولین میں ہیں بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ان سے پہلے صرف اکتیس ۳۱ شخص ہی مسلمان ہوئے تھے۔[4] انہوں نے ۵ نبوی میں مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس کے ہجرت کی اور تقریباً چودہ سال دین کی خاطر اپنے وطن اور اپنوں سے دور دیار غیر میں گذارے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ پہنچے اور چند ماہ کے بعد ہی غزوۂ موتہ میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت سے پہلے جنگ میں ان کے دونوں ہاتھ کٹ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جعفرؓ کے دونوں ہاتھوں کے بدلے ان کو دو بازو عنایت فرمائے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ ارشاد حدیث و سیرت کی مختلف کتابوں میں الفاظ کے کسی قدر فرق کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔[5] اسی لئے ان کو جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین کہا جاتا ہے۔ عبداللہ عمرؓ جب حضرت جعفرؓ کے بیٹے عبداللہ سے ملتے تو اس طرح سلام کرتے السلام علیك یا ابن ذی الجناحین۔[6]

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں جعفرؓ سے جب بھی کوئی بات دریافت کرتا وہ پہلے مجھے اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلاتے۔ پھر میری بات کا جواب دیتے۔ وہ مساکین کے بارے میں (رسول اللہ ﷺ کے استثناء کے ساتھ) سب سے بہتر شخص تھے۔[7] اسی لئے ان کا لقب ابوالمساکین پڑ گیا تھا۔

وہ صورت و سیرت میں رسول اللہ ﷺ کے انتہائی مشابہ تھے۔ خود زبان نبوت نے اس کی شہادت ان الفاظ میں مرحمت فرمائی۔

---

1. صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔
2. صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔
3. ایضاً۔
4. اصابہ ج ۲ ص ۸۵۔
5. صحیح بخاری باب غزوۂ موتہ۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۲۴۲۔
6. صحیح بخاری غزوۂ موتہ و مناقب۔
7. صحیح بخاری باب مناقب جعفرؓ۔

اشبهت خلقی وخلقی۔ ❶

ترجمہ: تمہاری شکل وصورت اور سیرت وکردار میری شکل وصورت اور سیرت وکردار کے بہت مشابہ ہے۔

حبشہ کو ہجرت کرنے والے صحابہ کرامؓ کی یہ جماعت جب مدینہ طیبہ پہنچی ہے تو ایک دن حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ ام المومنین حضرت حفصہؓ کے یہاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، تشریف لائے پوچھا کون ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا اسماء بنت عمیسؓ ہیں، حضرت عمرؓ نے (بظاہر بطور مزاح ہی) فرمایا ہم لوگ یعنی مکہ سے سیدھے مدینہ ہجرت کرنے والے تم لوگوں سے جو حبشہ رہ کر مدینہ آئے ہو ہجرت مدینہ میں مقدم اور رسول اللہ ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضرت اسماءؓ اس بات پر بہت خفا ہو گئیں۔ پہلے تو خود حضرت عمرؓ کو خوب خوب سنائی۔ انہوں نے کہا، عمر! تم نے غلط کہا واللہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تم میں اگر کوئی بھوکا ہوتا تو آپ ﷺ اسے کھلاتے دین سے کوئی ناواقف ہوتا تو آپ اسے وعظ ونصیحت کرتے اور ہم لوگ دور دراز، ناپسندیدہ اور غیر مانوس ملک حبشہ میں غم والم اور فکر وپریشانی میں مبتلا تھے۔ اور یہ سب اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر تھا۔

بعد میں رسول اللہ ﷺ سے بھی حضرت عمرؓ کے اس طنز کی شکایت کی آپ ﷺ نے فرمایا عمر، تم لوگوں کے مقابلہ میں میرے زیادہ حقدار نہیں ہیں، ان کی اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم لوگوں کی تو دو ہجرتیں ہیں۔ ❷

شہادت کے وقت ان کی عمر اکتالیس سال تھی۔ زمانۂ قیام حبشہ میں تین بیٹے عبداللہ، عون اور محمد پیدا ہوئے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کا تعلق قبیلۂ بنی کلاب سے تھا۔ یہ قبیلہ مکہ معظّمہ سے دور کہیں رہتا تھا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن میں اپنی والدہ اور ایک قول کے مطابق اپنے چچا کے ہمراہ ایک قافلہ کے ساتھ کہیں جارہے تھے کہ ڈاکوؤں نے پورے قافلہ کو لوٹ لیا اور بچوں کو غلام بنالیا۔ پھر ان بچوں کو مکہ معظّمہ کے قریب کسی بازار یا میلے میں لاکر فروخت کردیا۔ انہیں بچوں میں ایک بچہ زید نامی بھی تھا جسے مکہ کے ایک شخص حکیم بن حزام نے خرید لیا اور اپنی پھوپھی خدیجہ کو دے دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت بلکہ حضرت خدیجہؓ کے آپ کی نکاح میں آنے سے بھی پہلے کا ہے۔ اس وقت حضرت زید کی عمر تقریباً ۸ سال کی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے اپنی شادی کے بعد یہ غلام رسول اللہ ﷺ کو تحفہ میں دے دیا۔ آپ نے اس معصوم بچہ کو اتنے پیار ومحبت سے نوازا کہ یہ غلام بچہ اپنے ماں باپ کو بھول گیا۔

ادھر ماں باپ کا اپنے بچے کے فراق میں برا حال تھا، قبیلہ بنی کلاب کی کسی شخص نے جو حج کے لئے

---

❶ صحیح بخاری فی المناقب وفی باب عمرۃ القضاء۔
❷ صحیح مسلم مناقب جعفرؓ۔

معظمہ آیا تھا۔ مکہ میں زید کو دیکھا اور پہچان لیا۔ پھر اپنے قبیلہ پہنچ کر ان کے والدین کو اس کی اطلاع کر دی کہ تمہارا بچہ مکہ میں ہے۔ ان کے والد اور چچا ان کو لینے کے لئے مکہ آئے اور برائے فدیہ زر کثیر بھی اپنے ساتھ لائے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے رابطہ قائم کیا اور اپنی آمد کا مقصد عرض کر کے مال و دولت بطور فدیہ دینے کی پیشکش کی۔ آپؐ نے حضرت زید کو بلایا اور فرمایا ان لوگوں کو پہچانتے ہو۔ اپنے والد اور چچا کو انہوں نے پہچان لیا۔ آپ نے ان لوگوں سے فرمایا۔ اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ یہ زید ہیں اگر یہ تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہیں انہیں اختیار ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ، کو آپ کی ذات گرامی سے اتنا تعلق ہو گیا تھا کہ اپنے والد و چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ حضرت زیدؓ کے اس عمل نے آپؐ کو اتنا متاثر کیا کہ آپ حرم شریف میں تشریف لائے اور قریش کو گواہ بنا کر کہا کہ یہ زید آج سے میرا بیٹا ہے۔ اور میں اس کا باپ، یہ میرا وارث ہو گا۔ اور میں اس کا اس دن سے لوگ ان کو زید بن محمد ہی کہا کرتے تھے۔ پھر عرصہ کے بعد جب اسلامی قانون نے متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنانے کی جاہلی رسم کو ختم کر دیا تو یہ زید، زید بن حارثہ کہلائے جانے لگے۔ [1] بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ ان کے بھائی جبلہ بن حارثہ بھی ان کو لینے کے لئے آئے تھے اور انہوں نے حضرت زید پر کافی زور ڈالا لیکن وہ جانے کے لئے تیار نہیں ہوئے، بعد میں ان کے بھائی نے کہا زید کی رائے میری رائے سے بہتر تھی۔ [2]

پھر جب اللہ تعالیٰ نے عالم انسانیت پر اپنا سب سے بڑا احسان فرمایا اور محمد ﷺ کی بعثت ہوئی تو سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں یہی زید ہیں۔ [3] (جو ابھی تک زید بن محمد ہی کہلاتے تھے) اور ایمان لانے کے صلہ میں ہر ہر تکلیف میں رسول اللہ ﷺ کے سہیم و شریک رہے ہیں۔ وہ طائف کے مشہور سفر میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہجرت کے بعد بہت سے غزوات میں دین کے لئے جان کی بازی لگائی ہے۔ اور آخر غزوۂ موتہ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

زیدؓ جب شادی کے قابل ہو گئے تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کرا دیا تھا۔ لیکن یہ رشتہ زیادہ دن باقی نہ رہ سکا اور حضرت زیدؓ نے طلاق دیدی جس کا کسی قدر تفصیلی ذکر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ اس کے بعد آپ ہی نے ان کا دوسرا نکاح حضرت ام ایمنؓ سے کر دیا۔ یہ آپ کے والد عبداللہ کی باندی تھیں اور ان کے انتقال پر آپ کی مملوکہ ہو گئی تھیں۔ آپ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ انہیں سے حضرت زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں۔ [4]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۴ و ص ۲۶۷ فتح الباری مناقب زید بن حارثہ، و صحیح مسلم ۲ ص ۲۸۳۔

[2] جامع ترمذی باب مناقب زید بن حارثہ۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۔

[4] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۷۲۔

فضائل

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کے فضائل و مناقب کا شمار مشکل ہے۔ ان کو رسول اللہ ﷺ سے اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ محبت تھی، اسی لئے انہوں نے اپنے والد اور چچا کے ساتھ آزاد ہو کر اپنے وطن جانے کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غلام ہو کر رہنے کو ترجیح دی، ادھر رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے غیر معمولی تعلق تھا۔ اسی لئے آپ نے ان کو اپنا متبنّیٰ (منہ بولا بیٹا) بنالیا تھا اور ان کی زندگی کا خاصہ حصہ اسی طرح گزرا کہ صحابہ کرامؓ انہیں زید بن محمد ہی کہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب آیت کریمہ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ نازل ہوئی جس میں نسب کو اپنے اصل والد سے جوڑنے کا حکم ہے۔ تب صحابہ کرامؓ نے زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔[1] اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زید کا نسب تو اپنے والد حارثہ سے ہی جوڑ دیا گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں ان کی محبت بیٹے کی محبت ہی کی طرح رہی اور آپ اس محبت و تعلق کا اظہار صحابہ کرامؓ اور حضرت زیدؓ سے کرتے بھی تھے۔[2] حضرت زیدؓ اگر کبھی مدینہ سے باہر جاتے تو آپ بڑے اشتیاق سے ان کی آمد کے منتظر رہتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اسی شفقت و محبت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ زید بن حارثہؓ کہیں باہر سے مدینہ طیبہ آئے، رسول اللہ ﷺ میرے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ زید نے دروازہ کھٹکھٹایا (اور کسی طرح آپ ﷺ کو علم بھی ہو گیا کہ آنے والے زیدؓ ہی ہیں) آپ اتنی سرعت کی ساتھ ان کے استقبال کے لئے نکلے کہ آپ کی چادر جسم مبارک سے نیچے کھسک گئی، اور آپ اسے گھسیٹتے ہوئے ہی باہر نکل گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی آپ کو اس حالت میں باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نے ان کو گلے لگالیا اور بوسہ دیا۔[3] رسول اللہ ﷺ کو ان کی بہادری اور قائدانہ صلاحیت پر بڑا اعتماد تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نے جب بھی حضرت زیدؓ کو کسی غزوہ میں بھیجا ہمیشہ لشکر کا امیر انہی کو بنایا[4] اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ خود غزوہ میں تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا خلیفہ زیدؓ کو بنا کر جاتے۔

شہادت

۸ھ میں غزوۂ موتہ کے لئے جو لشکر آپ نے روانہ فرمایا تھا، اس کا امیر حضرت زید بن حارثہؓ ہی کو بنایا تھا۔ موتہ ملک شام میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مسلمانوں کا مقابلہ روم کی ٹڈی دل فوج سے ہوا۔ حضرت زیدؓ نے انتہائی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ جہاد کیا اور شہید ہو گئے آپ کو ان کی شہادت کی بہت تکلیف ہوئی، اسی غزوہ میں آپ ﷺ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ بھی شہید ہوئے۔

حضرت زیدؓ کی شہادت کی خبر پر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

1. صحیح مسلم فضائل زید بن حارثہ۔
2. اسیر اعلام النبلاء ج اص ۲۲۶ بحوالہ مسند احمد۔
3. جامع ترمذی باب ماجاء فی المعانقة والقبلة۔
4. فتح الباری ج ۷ ص ۸۷ بحوالہ سنن نسائی۔

استغفروا لا خیکم قد دخل الجنة وهو یسعیٰ.[1]

ترجمہ: اپنے بھائی زید کے لئے دعاء مغفرت کرو وہ دوڑتے ہوئے جنت میں داخل ہو گئے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، کی ولادت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی ہے۔ ان کی ولادت سے رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی، اس لئے کہ ان کے والد حضرت زیدؓ اور والدہ حضرت ام ایمنؓ دونوں ہی آپ کو بہت عزیز تھے، زید تو آپ کے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ تھے ہی ام ایمن بھی آپ ہی کی آزاد کردہ باندی تھیں، انہوں نے آپ کو گود میں بھی کھلایا تھا اس لئے آپ کو ان سے محبت ہی نہیں احترام کا بھی تعلق تھا۔ والدین سے یہ تعلق اور محبت حضرت اسامہؓ کی طرف بھی منتقل ہوا تھا۔

فضائل

حضرت اسامہؓ نے پورا بچپن آغوش نبوت ہی میں گزارا۔ آپ ﷺ کا تعلق ان کے ساتھ بالکل ایسا تھا، جیسے دادا کا اپنے پوتے کے ساتھ ہوتا ہے۔ آپ انہیں اپنی گود میں لیتے اور ضرورت پڑنے پر اپنے دست مبارک سے ان کی ناک بھی صاف فرمادیتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے ان کی ناک صاف کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ رہنے دیجئے میں صاف کئے دیتی ہوں آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ احبیه فانی احبه،[2] عائشہ یہ بچہ مجھے محبوب ہے۔ تم بھی اس سے محبت کیا کرو کبھی کبھی آپ ﷺ اپنے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت اسامہؓ کو پکڑ کر دونوں کے لئے یہ دعا کرتے اَللّٰھُمَّ احبّھما فانّی اُحبّھما۔[3] اے اللہ یہ دونوں بچے مجھے محبوب ہیں آپ بھی انہیں اپنا محبوب بنا لیجئے۔

حضرت زیدؓ کے بیٹے حضرت اسامہؓ اور ان کی اہلیہ حضرت ام یمنؓ آپ کے اہل خاندان ہی کی طرح تھے، مکہ میں بھی اسی طرح رہے اور ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں بھی یہ تینوں حضرات آپ ﷺ کے انتہائی قریبی لوگوں میں تھے۔ اور صحابہ کرامؓ بھی ان تینوں کو آپ کے انتہائی مقرب اور معتمد علیہ لوگوں میں سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ ایک معزز خاندان کی ایک عورت نے چوری کرلی جس کی سزا کے طور پر آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کے لئے یہ فیصلہ بہت تکلیف دہ اور رسوا کن تھا۔ لیکن آپ سے کچھ بھی عرض کرنے کی ہمت کسی کو نہ ہوتی تھی، بہت غور و فکر کے بعد ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ یہ کام اگر کوئی کر سکتا ہے تو اسامہ کر سکتے ہیں، اس سلسلہ کی صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

فقالو من یجتری علیه الا اسامة بن زید حب رسول الله صلی الله علیه وسلم۔[4]

---

[1] سیر اعلام ج ۱، ص ۲۲۹۔
[2] جامع ترمذی مناقب اسامہ بن زید۔
[3] صحیح بخاری باب ذکر اسامہ بن زید۔
[4] ایضاً۔

ترجمہ: یعنی اس سفارش کی ہمت رسول اللہ ﷺ کے چہیتے اسامہ بن زیدؓ ہی کر سکتے ہیں۔

اور پھر اسامہؓ نے سفارش کی بھی۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔ حدود خداوندی کے معاف کرنے کا آپ ﷺ کو اختیار نہ تھا۔

غزوہ احد کی وقت حضرت اسامہؓ بچے ہی تھے۔ جہاد میں شریک ہونے کی تمنا تھی، خود آپؐ سے آکر اپنی خواہش کا اظہار کر دیا آپؐ نے واپس کر دیا، غزوۂ خندق میں ان کی عمر ۱۵ سال کی ہو چکی تھی، اس بار آپ ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمالی، اس کے بعد تو کتنے ہی غزوات میں شریک ہوئے اور کتنے ہی غزوات میں امیر بنا کر بھیجے گئے۔ غزوہ موتہ میں جس میں ان کے والد حضرت زیدؓ شہید ہوئے ہیں، وہ اپنے والد کی سرکردگی میں شریک غزوہ ہوئے ہیں اور اپنی آنکھوں سے اپنے باپ کی شہادت دیکھی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کی بالکل آخر میں اسی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے جو باپ کے ہاتوں فتح نہ ہو سکا تھا ایک عظیم لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں بھیجا، اس لشکر میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرامؓ تھے۔ [1]

اس وقت حضرت اسامہؓ کی عمر کل ۲۰ سال تھی، بعض حضرات کو اس پر اشکال ہوا تو آپؐ نے فرمایا۔

ان تطعنوا فی اما رته فقد طعنتم فی امارة ابیه من قبله وایم الله لقد کان خلیقاً للامارة وایم الله ان کان من احب الناس الی وایم الله ان هذا لخلیق لها وان هذا لمن احب الناس الی. [2]

ترجمہ: یعنی اگر تمہیں اسامہ کی امارت پر اشکال ہے تو تم تو ان کے باپ زید کی امارت پر بھی اشکال کر چکے ہو، حالانکہ واللہ وہ امارت کے بھی اہل تھے اور واللہ مجھے انتہائی محبوب بھی تھے۔ اسی طرح یہ اسامہ بھی واللہ امارت کے اہل ہیں اور مجھے انتہائی محبوب بھی ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں فاوصیکم به فانه من صالحیکم کا اضافہ بھی ہے یعنی میں تم لوگوں کو اسامہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ وہ تم لوگوں کے صالحین میں سے ہیں۔

ابھی یہ لشکر مدینہ طیبہ سے کچھ دور ہی گیا تھا رسول اللہ ﷺ کا مرض وفات شروع ہو گیا اور اس کی سنگینی کی اطلاع لشکر میں شریک صحابہ کرامؓ کو ہو گئی، جس کی وجہ سے یہ لشکر مدینہ واپس آگیا، جب واپس آکر حضرت اسامہؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ کا بولنا بند ہو چکا تھا، لیکن آپؐ اپنے دونوں ہاتھ حضرت اسامہؓ پر رکھتے اور پھر دعا کرنے کے انداز میں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے، حضرت اسامہؓ کہتے ہیں

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۸۷۔

[2] صحیح مسلم باب فضائل زید بن حارثہ و ابنه اسامه و صحیح بخاری باب غزوه زید بن حارثه وباب بعث النبی ﷺ اسامه بن زید فی مرضه الزی توفی فیه و جامع ترمذی مناقب زید بن حارثه۔

میں سمجھتا ہوں کہ آپ میرے لئے دعا فرمارہے تھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے انتہائی تشویشناک حالات پیدا ہوگئے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد اس حق میں تھی کہ فی الحال یہ لشکر روانہ نہ کیا جائے، اور اگر روانہ کرنا ضروری ہی ہے تو کسی تجربہ کار اور سن رسیدہ شخص کو امیر بنایا جائے لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، نے اس لشکر کے بارے میں کسی بھی تبدیلی کو قبول نہیں فرمایا لشکر روانہ ہوا اور اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی اور امارت ہی میں روانہ ہوا اور پھر الحمد للہ بہت ہی کامیاب اور سالماً غانماً واپس آیا۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے حضرات صحابہ کرامؓ بھی حضرت اسامہؓ سے بہت محبت کرتے تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے صحابہ کرامؓ کے وظائف مقرر فرمائے تھے، اس میں مراتب کے لحاظ سے کمی بیشی کی تھی۔ اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کا وظیفہ تین ہزار درہم اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کا وظیفہ تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا ابا جان اسامہؓ کو مجھ پر فضیلت دینے کی کیا وجہ ہے۔ وہ تو کبھی بھی کسی معرکہ میں مجھ سے سبقت نہیں لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہؓ کے والد زیدؓ رسول اللہ ﷺ کو تمہارے باپ سے زیادہ محبوب اور اسامہؓ آپ ﷺ کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔ میں نے آپ کی محبت کو اپنی محبت پر ترجیح دی ہے۔

وفات

حضرت اسامہؓ کی وفات ۵۴ھ میں یا اس سے کچھ پہلے مدینہ طیبہ یا اس کے قریب وادی القریٰ میں ہوئی ہے، وفات سے پہلے کافی مدت دمشق کے قریب مزہ نامی بستی میں گزاری ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ'۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مکہ معظمہ کے رہنے والے اور اولین اسلام لانے والے صحابہ کرامؓ میں سے ہیں، خود فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے صرف پانچ شخص مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام لانے والوں میں میرا چھٹا نمبر ہے۔ [2] ان کے والد کا انتقال زمانۂ جاہلیت ہی میں ہوگیا تھا۔ لیکن والدہ ایمان لے آئیں تھیں اور بلند پایہ صحابیہ تھیں۔ ایمان لانے کے نتیجے میں جو تکلیف و مصائب ہر صاحب ایمان کے نصیب میں آتے تھے وہی عبداللہ بن مسعودؓ کے حصہ میں بھی آئے۔ ایک دن مکہ میں چند صحابۂ کرامؓ میں یہ مشورہ ہوا کہ قریش کو قرآن مجید کس طرح پہنچایا جائے وہ تو قرآن سننے کے بالکل روادار نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا میں اس خدمت کے لئے تیار ہوں۔ صحابۂ کرام نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص یہ کام کرے، جس کے خاندان کے لوگ اس کے حمایتی ہوں اور قریش اس کو مارنے پیٹنے کی ہمت نہ کرسکیں۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعودؓ قریش کی مجلس میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر سورۂ رحمٰن کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی

---

[1] ترمذی مناقب اسامہؓ۔

[2] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۶۲ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۵۶۔

پھر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا واپس آئے تو پورا بدن لہولہان تھا۔ صحابہ کرامؓ نے اس پر افسوس کا اظہار کیا تو کہنے لگے یہ مشرکین میری نگاہ میں وہاں جانے سے پہلے جتنے بے حیثیت تھے اب اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں اور میں اب پھر اس کام کے لئے ان کے پاس جانے کو تیار ہوں۔

مشرکین کی اذیتوں سے تنگ آکر صحابہ کرامؓ کی جو جماعت نبوت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں حبشہ چلی گئی تھی، ان صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے وہاں جانے کے کچھ ہی دنوں کے بعد ان حضرات کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اس اطلاع پر عبداللہ بن مسعودؓ مکہ واپس چلے آئے، لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لئے جلد ہی دوبارہ حبشہ کو ہجرت کر گئے اور جب رسول اللہ ﷺ کی ہجرت مدینہ کی اطلاع حبشہ پہنچی تو عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ طیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ [1] جس وقت عبداللہ بن مسعودؓ مدینہ پہنچے ہیں رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کی تیاری کر رہے تھے وہ آپ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور ابو جہل کا کام تمام کیا جس کو دو نوجوان انصاری صحابیوں نے قتل کر دیا تھا لیکن ابھی کچھ جان باقی تھی۔ [2] غزوۂ بدر کے بعد آپ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے رہے ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ پتلے دبلے جسم کے تھے، رنگ گندمی تھا، ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو کسی ضرورت سے درخت پر چڑھایا صحابہ کرامؓ ان کی دبلی پتلی ٹانگ کو دیکھ کر ہنسنے لگے آپ نے فرمایا کہ لرجل عبداللہ اثقل فی المیزان یوم القیامۃ من احد یعنی اللہ کے نزدیک عبداللہ مسعود کی یہ دبلی پتلی ٹانگ بھی احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے۔ کپڑے صاف ستھرے پہنتے اور کثرت سے عطر استعمال فرماتے تھے۔ [3]

فضائل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا شمار بڑے اہل فضل و کمال صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے وہ سابقین اولین میں ہیں جن کے متعلق اللہ کی طرف سے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا مژدہ سنا دیا گیا ہے۔ ان کی زندگی کا خاصا حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزرا ہے سفر و حضر میں آپ کی ذاتی خدمت میں جو صحابہ کرامؓ پیش پیش رہتے تھے، ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے اسی لئے صحابہ کرامؓ ان کو صاحب النعلین والسواک والوسادہ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ضروریات کا خیال رکھنے والا کہتے تھے۔ [4] ان کو جو قرب و تعلق آپ کی ذات گرامی سے نصیب تھا وہ چند ہی صحابہ کرامؓ کو میسر تھا۔ وہ ہمہ وقت آپ کے گھر آتے جاتے اور خدمت میں رہتے تھی۔ آپ کی طرف سے ان کو اس سلسلہ میں خصوصی اجازت تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا۔ اذنك علی ان یرفع الحجاب وان تسمع سوادی حتی انهاك۔ [5] یعنی جب تم دیکھو کہ

---

[1] معارف السنن ج ۳ ص ۵۱۰ بحوالہ فتح الباری وطبقات ابن سعد و مغازی موسیٰ ابن عقبہ۔
[2] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۶۱ و نووی شرح مسلم باب قتل ابی جہل۔ [3] سیر اعلام النبلاء ص ۴۷۸۔
[4] اصابہ ج ۴ ص ۲۳۴ و صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ۔
[5] صحیح مسلم باب جواز جعل الاذن رفع الحجاب۔

میرے دروازہ کا پردہ اٹھا ہوا ہے تو تم بلا اجازت اندر آ سکتے ہو اور میرے راز کی بات سن سکتے ہو الا یہ کہ میں تم کو آنے سے منع کر دوں۔ اسی لئے صحابہؓ ان کو آپ ﷺ کا راز دار بھی کہتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ہم دونوں بھائی عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہؓ کی رسول اللہ ﷺ کے دولت کدہ پر بکثرت حاضری دیکھ کر مدت تک یہی سمجھتے رہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ آپ کے گھر کے ہی ایک فرد ہیں۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علمی مقام بھی بہت بلند ہے، ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہے جو اہل فتویٰ اور اہل قضاء سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآن و سنت کا بہت علم حاصل کیا اور اللہ نے ان کو تلامذہ بھی غیر معمولی قسم کے عطا فرمائے جنہوں نے ان کے علم اور ان کی روایت کردہ احادیث اور قرآن کی تفسیر کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا۔ ان کو قرآن مجید سے خصوصی شغف اور تعلق تھا۔ قرآن مجید یاد بھی بہت اچھا تھا اور بہت صحیح اور سوز کے ساتھ پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکرؓ اور میں کسی مشورہ میں آپ ﷺ کے گھر پر دیر تک رہے، جب مشورہ ختم ہو گیا تو آپ ﷺ ہم دونوں کو رخصت کرنے کے لئے باہر (مسجد تک جو آپ کے دولت کدہ سے متصل ہی تھی) تشریف لائے ہم لوگوں نے دیکھا کہ کوئی شخص مسجد میں نماز میں مشغول ہے آپ ﷺ نے ان کو پہچان لیا وہ عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ آپ دیر تک کھڑے ان کی قرأت سنتے رہے پھر فرمایا من سره ان يقرأ القرآن رطباً كما انزل فليقر اعلىٰ قرأة ابن ام عبد[2] یعنی جو شخص قرآن مجید کو بالکل تر و تازہ جیسا اترا ہے ویسا ہی پڑھنا چاہے اس کو عبداللہ بن مسعودؓ کے طرز پر قرآن پڑھنا چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی جب آیت کریمہ فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئنا بك علىٰ هؤلاء شهيداً تک پہنچا تو آپ نے مجھے روک دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو جن اکابر صحابہ کرام سے قرآن مجید پڑھنے کا حکم یا مشورہ دیا تھا ان میں سب سے پہلا نام آپ ﷺ نے عبداللہ بن مسعودؓ کا ذکر فرمایا تھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے استقرؤ القرآن من اربعة من عبدالله بن مسعود و سالم مولیٰ ابی حذيفه و ابی بن كعب و معاذبن جبل۔[4]

حضرت ابو مسعود انصاری حضرت ابن مسعودؓ کے اس فضل کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں ما اعلم رسول الله ترك بعد اعلم بما انزل الله من هذا القائم۔[5] (یعنی عبداللہ بن مسعودؓ) یعنی میرے علم میں

---

1. صحیح بخاری مناقب ابن مسعودؓ۔
2. تحفة الاحوذی بال الرخصة فی 'سمر بعد العشاء' بحوالہ مسند احمد۔
3. صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ و ترمذی کتاب التفسیر صحیح مسلم باب فضل استماع القرآن۔
4. صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعودؓ و صحیح فضائل ابن مسعودؓ۔
5. صحیح مسلم فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص بھی عبداللہ بن مسعودؓ سے زیادہ قرآن کا علم نہیں رکھتا...... خود عبداللہ بن مسعودؓ اپنے بارے میں فرماتے ہیں میں نے قرآن مجید کی ستر ۷۰ سے زیادہ سورتیں براہ راست رسول اللہ ﷺ سے پڑھی ہیں اور قرآن مجید کی ہر سورت کے متعلق میں جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی ہے اور ہر ہر آیت کا شان نزول بھی مجھے معلوم ہے۔ [1]

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لئے کوفہ بھیجا تھا اور اہل کوفہ کے نام اس سلسلہ میں جو گرامی نامی تحریر فرمایا تھا اس میں عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق یہ لکھا تھا۔ "میں عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنا نائب اور تمہارا معلم بنا کر بھیج رہا ہوں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اکابر صحابہ میں ہیں اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے لوگوں میں ہیں، ان کی مجھے بھی ضرورت تھی لیکن میں تم لوگوں کو اپنے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہوں، تم ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔" حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ ہی میں رہے، اور کوفہ ہی ان کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور یہیں سے ان کے علوم کی نشر و اشاعت ہوئی حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بیت المال کا نگہبان بھی بنادیا تھا یہ عہدہ بھی جب تک وہ کوفہ میں رہے ان کے پاس ہی رہا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں انکو مدینہ بلا لیا تھا۔ [2]

وہ اپنی سیرت و کردار میں بھی رسول اللہ ﷺ کی کامل اتباع کرتے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں ما اعرف، احداً اقرب سمتا وھدیاً ودلاً بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام عبد [3] یعنی میں نہیں جانتا کہ کوئی شخص اپنے طور طریقہ اور سیرت و کردار میں عبداللہ بن مسعودؓ کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ سے زیادہ قریب تر ہے۔ حدیث و سیرت کی کتابوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کے مناقب و فضائل جو بیان فرمائے گئے ہیں۔ اگر ان سب کو جمع کر دیا جائے ایک اچھا خاصا رسالہ تیار ہو جائے۔ اس مختصر تذکرہ میں سب کی گنجائش کہاں ہے۔ اس لئے بس ایک روایت صحیح مسلم کی اور ذکر کی جاتی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہم چھ آدمی آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے جن میں عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے۔ مشرکین مکہ نے آپؐ سے کہا کہ اگر آپ ﷺ اپنے پاس سے ان لوگوں کو ہٹادیں تو ہم آپ کی بات سننے کو تیار ہیں آپ نے اس کا ارادہ فرمایا ہی تھا کہ آیت کریمہ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ [4] (آیت نمبر ۵۲ سورۃ انعام) نازل ہوئی اس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالئے جو صبح و شام اپنے اللہ کی عبادت کرتے رہتے ہیں اور ان کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہی ہوتا ہے...... اس آیت میں ان صحابہ کرامؓ کی جن میں

---

1. صحیح مسلم فضائل عبداللہ بن مسعودؓ۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۸۶۔
3. صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعودؓ و جامع ترمذی فی المناقب۔
4. صحیح مسلم باب فضل سعد بن ابی وقاصؓ۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے بڑی فضیلت کا بیان ہے۔ آیت میں آگے مزید تاکید اور سختی سے پھر یہی حکم دیا گیا ہے۔

وفات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ سے مدینہ بلالیا تھا۔ مدینہ میں ہی ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور غالباً حضرت عثمانؓ ہی نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال تھی۔ [1]

حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ ابھی مکہ معظمہ میں ہی تھے لیکن اسلام کی شعاعیں مدینہ طیبہ کے افق کو منور کرنے لگی تھیں، نبوت کے گیارہویں سال میں حج کے موقع پر مدینہ طیبہ کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے اور آپؐ کی دعوت سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے اور منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے قریب آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اس کو بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس موقع پر صرف چھ حضرات ہی اسلام اور بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ آئندہ سال یعنی ۱۲ نبوی میں بارہ ۱۲ حضرات حج کے موقع پر آئے اور یہ سب بھی منیٰ میں جمرۂ عقبہ کے پاس ہی آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کر کے مسلمان ہوگئے، اس کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ ان حضرات میں حضرت اُبَیّ بن کعبؓ بھی تھے۔

فضائل

حضرت ابی بن کعبؓ کا تعلق مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تھا۔ اہل مدینہ میں اول ایمان لانے والے صحابہؓ میں ان کا شمار ہے۔ ہجرت سے پہلے بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے ہیں اور ہجرت کے بعد غزوۂ بدر اور بعد کے تمام ہی غزوات میں شرکت کی ہے۔ [2] ہجرت کے بعد کتابت وحی کی سعادت بھی ان کے نصیب میں آئی۔ قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنی امت کے سب سے بڑے قاری ہونے کے خطاب سے نوازا تھا۔ [3] ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا۔ ابی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا۔ کیا میرا نام لے کر اللہ نے کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، تمہارا نام لے کر اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں یہ سن کر حضرت ابی بن کعبؓ رونے لگے اور آپ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ کو سورۂ لم یکن الذین کفروا پڑھ کر سنائی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں پورے قرآن کے حافظ ہو چکے تھے۔ [4] حضرت عمر

---

1. شذرات الذہب ص ۳۸ و ص ۳۹ و طبقات ابن سعد ص ۳ ص ۱۶۰۔
2. اصابہ ج ا ص ۳۱ و فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۷۔
3. جامع ترمذی مناقب معاذ بن جبلؓ۔
4. صحیح مسلم و جامع ترمذی باب مناقب ابی بن کعب۔

فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں رمضان المبارک میں باجماعت تراویح کا اہتمام کرایا تھا اور حضرت ابی بن کعبؓ کو امام مقرر فرمایا تھا۔[1]

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے دریافت فرمایا ابی بن کعبؓ یہ بتلاؤ کہ قرآن مجید میں کون سی آیت تمہارے نزدیک سب سے زیادہ عظیم المرتبت آیت ہے۔ حضرت ابی نے عرض کیا اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (الآیۃ) یعنی آیت الکرسی آپ نے فرمایا لیھنئک العلم یا ابا منذر اے ابو منذر تمہیں علم مبارک ہو۔[2] چونکہ آیۃ الکرسی میں اللہ کی توحید اس کی عظیم قدرت اور صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے وہ سب سے عظیم آیت ہے اور اسی لئے اس کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں ان کو علماً و عملاً قرآن مجید سے امتیازی قسم کا تعلق تھا۔ اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

ایک شخص نے آپ سے اپنے لئے کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپؓ نے فرمایا اتخذ کتاب اللہ اماما وارض بہ حکما وقاضیاً فانہ الذی استخلف فیکم رسولکم ، شفیع مطاع ، شاھد لا یتھم ، فیہ ذکر کم وذکر من کان قبلکم وحکم ما بینکم وخبر کم وخبر ما بعدکم۔[3] یعنی قرآن مجید کو اپنا مقتدا بنالو، ہر بات میں اس کی اتباع کرو اور اس کے ہر فیصلہ کو بخوشی قبول کرو، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کے لئے اسی کو اپنا جانشین بنا کر گئے، وہ ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت یقیناً قبول کی جائے گی، ایسا گواہ ہے جس پر کوئی اتہام نہیں لگا سکتا۔ اس میں تمہارا اور تم سے پہلے لوگوں کا تذکرہ ہے اور تمہارے باہمی تنازعات کا حل ہے، اس میں تمہاری اور تم سے بعد کے لوگوں کو بھی خبریں ہیں۔

آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کا خیال بہت رکھتے اور دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ دنیا کی بہت برائی بیان کر رہا ہے تو فرمایا کہ ھل تدری ما الدنیا فیھا زاد نا الی الاخرۃ وفیھا اعمالنا التی تجزی بھا جانتے ہو دنیا کیا ہے، دنیا ہی زاد آخرت ہے، اسی میں وہ اعمال کرتے ہیں جن کے بدلے میں جنت ملے گی۔

صحابۂ کرامؓ عام طور پر ان کا بہت اکرام کرتے۔ حضرت عمرؓ تو ان کو سید المسلمین کہتے ان سے مسئلے دریافت کرتے اور لوگوں کے فیصلے کراتے تھے۔[4]

میانہ قد، گورا رنگ، نحیف و لطیف جسم تھا۔ کپڑے بہت صاف ستھرے استعمال کرتے تھے۔

وفات کے بارے میں تین قول ۱۹ھ، ۲۲ھ، ۳۰ھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم۔[5] رضی اللہ عنہ، وارضاہ۔

---

1. سنن ابی داؤد باب القنوت فی الوتر۔
2. صحیح مسلم باب فضل سورۃ الکہف و آیت الکرسی۔
3. سیر اعلام النبلاء ص ۳۹۳۔
4. سیر الام النبلاء ج اص ۳۹۹ وج اص ۴۰۰۔
5. اصابہ ج اص ۲۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابو ہریرہؓ کے نام کے بارے میں اسماء الرجال کے واقفین کے مابین سخت اختلاف ہے۔ ایسا اختلاف کسی بھی صحابیؓ کے نام میں نہیں ہے۔ ان کے نام کے بارے میں تقریباً تیس قول ذکر کئے جاتے ہیں۔ امام ترمذیؒ نے ناموں کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد عبد شمس یا عبداللہ نام بتلایا ہے اور کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے عبداللہ نام کو ترجیح دی۔[1]

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں عبدالرحمٰن بن صخر کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں ابو هريرة عبدالرحمن بن صخر على الا صح من نحو ثلاثين قولا۔ یہی بات تذکرۃ الحفاظ[2] میں بھی ہے۔

وہ اپنی کنیت ابو ہریرہ ہی کے ساتھ مشہور ہیں حتیٰ کے بہت ہی کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان کا نام ابو ہریرہؓ نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ ابو ہریرہؓ ان کی کنیت کیسے ہوئی اس کے بارے میں بھی ان ہی کے دو قول نقل کئے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے گھر پر اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا میرے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ رات میں اس کو پیڑ پر چڑھا دیا کرتا اور دن میں جب بکریاں چرانے جاتا تو اسے ساتھ لے جاتا اور دن بھر اس سے کھیلتا رہتا تھا۔ میرے گھر والوں نے مجھے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔[3] ہریرہ عربی زبان میں چھوٹی بلی کو کہتے ہیں) ان ہی کا دوسرا قول یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ ایک دن میں بلی لئے ہوئے تھا رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر مجھے ابو ہریرہ کے لفظ سے خطاب فرمادیا میں ابو ہریرہ ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔[4]

فضائل

ان کا تعلق قبیلۂ دوس سے تھا۔ اس قبیلہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی۔ اللّٰهم اهد دوساً وائت بهم۔[5] الٰہی قبیلۂ دوس کے لوگوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے۔ حضرت ابو ہریرہؓ تیس ۳۰ سال کی عمر میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ اس وقت خیبر تشریف لے گئے تھے۔ ابو ہریرہؓ بھی وہیں پہنچے۔ یہ واقعہ (فتح خیبر) ے ھ کا ہے۔ اس وقت سے آپؐ کی وفات تک سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کی ساتھ رہے۔ باہر سے آنے والے صحابۂ کرام جو طلب علم کے لئے آپ کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کا گھر بار کچھ نہ ہوتا تھا ان کے لئے رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے قریب ہی ایک چھپر ڈلوا دیا تھا۔ یہ حضرات اسی میں رہتے اور طالب علمی کرتے تھی۔ یہ چھپر ان کا دار الاقامہ تھا۔ مسجد نبوی درس گاہ اور رسول اللہ ﷺ ان کے معلم تھے اہل مدینہ ان طلباءِ کرام کا تکفل کرتے تھے۔ کسی سے سوال کرنے کی

---

1. جامع ترمذی باب فضل الوضوء واسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
2. شرح مسلم باب بیان الایمان الذی ید خل بہ الجنۃ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲
3. جامع ترمذی مناقب ابی ہریرہؓ۔
4. مرقاۃ بحوالہ ابن عبد البر و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲ و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
5. صحیح مسلم ابواب المناقب۔

قطعاً اجازت نہ تھی۔ خواہ کچھ بھی گزر جائے اور کیا کیا نہ گزرتا تھا۔ بھوک اور فاقہ کی وجہ سے یہ لوگ نماز میں کھڑے ہونے سے گر جاتے تھے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر فرماتے۔ تم لوگوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ تمہارے لئے ان فاقوں کے بدلہ اللہ کے یہاں کیا کیا اجر و ثواب ہے تو تم خواہش کرو کہ ان فاقوں میں مزید اضافہ ہو۔[1] حضرت ابوہریرہؓ ان فاقہ مستیوں میں نہایت ممتاز اور نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کی ان فاقہ مستیوں کا بیان خود ان کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ میں بھوک کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے منبر شریف اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے درمیان بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ مجھے مرگی یا بے ہوشی کا دورہ ہو گیا ہے جس کے علاج کے لئے وہ میری گردن اپنے پاؤں سے دباتے تھے۔ حالانکہ مجھے مرگی یا بے ہوشی کا دورہ نہیں ہوتا تھا۔ میری یہ حالت تو بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔[2] کبھی بھوک اور فاقہ کی تکلیف ناقابل برداشت ہو جاتی تو صحابہ کرام سے کسی آیت کا مطلب معلوم کرنے لگتے اور مقصد یہ ہوتا کہ وہ مخاطب صحابی ان کی حالت زار دیکھ لیں اور کچھ کھلا دیں۔ کبھی کوئی صحابی ان کی حالت زار کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اپنے ساتھ لے جا کر کچھ کھلا دیتے ورنہ آیت کا مطلب بتا کر چلے جاتے۔[3] ایسے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ انہوں نے علم دین کے لئے اتنی قربانیاں دی ہیں جس کی مثال مشکل ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا بھی خوب ہے، وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔[4] بعض صحابہ و تابعین کو ان کی روایات کی کثرت پر کبھی اشکال بھی ہوتا تھا کہ ابوہریرہؓ ۷ھ میں ایمان لانے والے صحابی ہیں اور سب سے کثرت سے آپ ﷺ کی احادیث نقل کرتے ہیں۔ یہ اشکال جب ابوہریرہؓ کے علم میں آتا تو جواب دیتے "ان الناس كانوا يقولون اكثر ابو هريرة واني كنت الزم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشبع بطني حتى لا اكل الخمير ولا البس الحبير ولا يخدمني فلان وفلانة وكنت الصق بطني بالحصباء من الجوع"۔[5] لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ میں بہت کثرت سے روایات نقل کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتا تھا۔ نہ اچھا کھانا کھاتا اور نہ اچھا کپڑا پہنتا تھا، اور نہ کسی سے خدمت لیتا تھا۔ بھوک کی وجہ سے کبھی کبھی مجھے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جانا پڑتا تھا کبھی فرماتے "كنت رجلا مسكينا اخدم رسول الله صلى الله عليه وسلم على مل بطني وكان المهاجرون يشغلهم السفق بالا سواق وكانت الا نصار يشغلهم القيام على اموالهم"۔[6] میں ایک مسکین شخص تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور در دولت ہی سے کچھ کھانے کو مل جاتا تھا۔ حضرات مہاجرین تجارت

---

1. جامع ترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ۔
2. جامع ترمذی باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۵۔
3. صحیح بخاری مناقب جعفرؓ۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۱ و معارف السنن ج ۱ ص ۴۸ و شذرات الذہب ج ۱ ص ۶۳۔
5. صحیح بخاری مناقب جعفرؓ وغیرہ۔
6. صحیح مسلم باب فضائل ابی ہریرہؓ۔

میں مشغول رہتے اور انصاری صحابہ اپنے باغات میں، (اس لئے مجھے آپ ﷺ کی احادیث واقوال محفوظ کر لینے کا زیادہ موقع میسر آیا) وہ فرماتے تھے۔"ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد اکثر حدیثاً عنہ منی الا ماکان من عبداللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب"۔ [1] یعنی صحابہ کرامؓ میں کوئی شخص بھی رسول اللہ ﷺ سے اس کثرت سے روایتیں نقل نہیں کرتا، جس کثرت سے میں نقل کرتا ہوں، البتہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ مجھ سے زیادہ روایات نقل کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ لکھتے ہیں اور میں نہیں لکھتا ہوں، حضرت ابو ہریرہؓ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے متعلق ان کے لکھ لینے کی وجہ سے یہی سمجھتے تھے کہ ان کی احادیث کی تعداد میری احادیث کے مقابلہ میں زیادہ ہوگی۔ لیکن کتب احادیث میں تو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات ہی زیادہ ہیں اور یہ متفق علیہ ہے کہ کوئی بھی صحابی ان سے زیادہ روایات نقل کرنے والے نہیں ہیں۔ "وقد اجمع اهل الحدیث علیٰ انہ اکثر الصحابة حدیثاً [2] ان کی روایات کے کثیر ہونے کی ایک وجہ حضرت ابی بن کعبؓ یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے ایسے سوالات کر لیا کرتے تھے جن کی ہمت ہم میں سے کوئی نہیں کر سکتا تھا"۔ [3]

وہ علم کے اتنے حریص تھے کہ دنیا کی ساری نعمتیں ان کے نزدیک علم کے سامنے ہیچ تھیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔"الا تسألنی عن هذه الغنائم ابو ہریرہ! غنیمت کے ان مالوں میں سے کچھ مانگو حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا اسئلك ان تعلمنی مما علمك اللہ۔ اللہ کے رسول اللہ ﷺ مجھے تو وہ علم عنایت فرما دیجئے جو اللہ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے۔ [4] وہ علم کے بڑے حریص تھے اور رسول اللہ ﷺ سے صرف علم و دین ہی کا سوال کرتے تھے، ان کی اس صفت کی شہادت رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک نے بھی دی ہے۔ خود کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ **من اسعد الناس بشفاعتك یوم القیامة** اے اللہ کے رسول آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کس خوش نصیب کو فائدہ پہنچے گا۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا لقد ظننت یا اباھریرة ان لا یسئلنی من هذا الحدیث احد اول منك لما رأیت من حرصك علی الحدیث اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامة من قال لا الہ الا اللہ خالصاً من قلبہ۔ [5] ابو ہریرہ میرا ایسا ہی خیال تھا کہ یہ سوال سب سے پہلے تم ہی کرو گے اس لئے کہ میں تمہاری حرص حدیث سے واقف ہوں۔ اس کے بعد اصل سوال کا جواب ارشاد فرمایا، میری شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اخلاص قلب کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے بھی حصہ وافر ملا تھا ان کے حافظہ کے لئے آپ ﷺ نے

---

1. صحیح بخاری باب کتابة العلم۔
2. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۱ و تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲ و تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۳۴۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۴۔
5. صحیح بخاری باب الحرص علی الحدیث۔

بڑے اہتمام سے دعائیں فرمائیں❶ اور ان کے حق میں یہ دعائیں مقبول بھی ہوئیں، وہ جو بات آپ ﷺ سے سن لیتے کبھی نہ بھولتے۔ اسی لئے ان کو محدثین نے احفظ اصحاب محمد ﷺ اور احفظ من روی الحدیث فی عصرہ کہا ہے۔❷ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے قوی الحفظ ہونے یہ وجہ بتلائی ہے کہ میں نے ایک بار آپ ﷺ سے عرض کیا۔ میں آپ ﷺ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں لیکن یاد نہیں رہتیں، آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ میں نے چادر پھیلادی اس پر آپ نے کچھ پڑھا پھر آپ کی حکم سے میں نے اس چادر کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس دن کے بعد سے میں کبھی آپ کی کوئی بات نہیں بھولا۔❸ صحابہ کرام حضرت ابوہریرہؓ کے حافظہ اور ہمت وقت خدمت اقدس میں حاضری اور کثرت روایت کے معترف تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے کسی نے کہا کہ کیا ابوہریرہؓ نے واقعی آپ لوگوں سے زیادہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں یا یونہی روایات نقل کرتے ہیں۔ حضرت طلحہؓ نے جواب دیا انہوں نے واقعی وہ روایات آپؐ سے سنی ہیں جو ہم لوگوں نے نہیں سنی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسکین شخص تھے، مال ودولت ان کے پاس نہ تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان تھے۔ آپ ہی کے ساتھ کھاتے پیتے اور ہمہ وقت آپ کے ساتھ رہتے تھی اور ہم لوگ اہل وعیال اور مال ومتاع والے تھے۔ ہماری حاضری صرف صبح وشام ہوتی تھی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو روایات وہ بیان کرتے ہیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ ہی سے سنی ہیں اور ہم اپنے مشاغل کی وجہ سے ان سے محروم رہ گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے بھی ایک موقع پر کہا، ابوہریرہؓ ہم لوگوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں زیادہ رہتے تھے اور آپ کی احادیث زیادہ محفوظ رکھتے تھے۔❹

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کھجوریں لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ان میں برکت کی دعا فرمادیجئے۔ آپ نے ان کو لے کر برکت کی دعا فرمادی اور فرمایا ان کو اپنے تھیلے میں رکھ لو، جب بھی ضرورت ہو اس میں سے نکالتے رہنا۔ فرماتے ہیں وہ تھیلا میرے پاس برسوں رہا اور میں اسی سے کھاتا رہا اور اس میں سے بہت سی اللہ کے راستہ میں خرچ بھی کیں۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی موقع پر کہیں گم ہو گیا۔❺

ان کے اسلام لانے کے بعد بھی ان کی والدہ ایمان کی دولت سے محروم تھیں انہیں اس کا بڑا صدمہ تھا۔ والدہ کی بہت منت سماجت کرتے لیکن وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوتیں، بلکہ انہیں ہی سخت وسست کہتی تھیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر والدہ نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کردی۔ سب کچھ قابل برداشت تھا لیکن یہ تو کسی طرح بھی برداشت نہ ہو سکتا تھا، روتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی والدہ کو دین کی دعوت دیتا رہتا ہوں وہ انکار کرتی رہتی ہیں لیکن آج تو غضب ہو گیا۔

❶ صحیح مسلم وجامع ترمذی مناقب ابوہریرہؓ اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۱۶۔
❷ اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲۔
❸ صحیح مسلم وجامع ترمذی ابواب المناقب والفضائل۔
❹ جامع ترمذی مناقب ابی ہریرہ۔ ❺ ایضاً۔

میں نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ کی شان میں بھی گستاخی کر دی۔ اے اللہ کے رسول آپ میری والدہ کی ہدایت کی دعا فرما دیں۔ آپ نے فوراً ہی دعا فرما دی۔ اللّٰهم اهد ام ابی هريرة۔ الٰہی ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے دیجئے۔ فرماتے ہیں کہ آپ کی دعا سن کر میں خوش خوش گھر کی طرف چل دیا، گھر پہنچا تو دروازہ بند پایا، اور اندر سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ میری والدہ نے آہٹ پا کر مجھے باہر ہی رہنے کو کہا، انہوں نے جلد جلد غسل کیا اور کپڑے پہن کر دروازہ کھولا، پھر کہا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله۔ میں خوشی سے رونے لگا اور آکر رسول اللہ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔

آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور کچھ اچھے کلمات ارشاد فرمائے۔ اس کے بعد میں نے ایک اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اللہ سے دعا کر دیجئے کہ اللہ میری اور میری ماں کی محبت اپنے نیک بندوں کے دلوں میں ڈال دے اور اپنے نیک بندوں کو ہمارا بھی محبوب بنا دے۔ آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرما دی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر بندۂ مومن مجھ سے محبت کرتا ہے۔[1] ان کی والدہ کا نام حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا تھا۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی احادیث لی ہیں اور ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں میں صحابہ و تابعین کی بہت بڑی تعداد ہے۔ امام بخاریؒ نے ان کے تلامذہ کی تعداد آٹھ سو ۸۰۰ بتلائی ہے۔[2] وہ مسجد نبوی ہی میں حدیث کا درس دیتے تھے۔[3]

علمی اور تدریسی مشاغل کے ساتھ ساتھ عبادت و ریاضت اور مجاہدہ بھی بہت کرتے تھے۔ ابو عثمان النہدی تابعی کہتے ہیں کہ میں ایک بار سات دن تک ابو ہریرہؓ کے یہاں مہمان رہا۔ مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے، ان کی اہلیہ اور خادم نے رات کے تین حصہ کر لئے ہیں باری باری ایک ایک شخص اپنے حصہ شب میں جاگتا ہے اور یہ ان لوگوں کا مستقل معمول ہے۔[4]

حضرت عمرؓ نے انہیں بحرین کا عمال بنا دیا تھا۔ لیکن جلد ہی انہوں نے اس خدمت سے سبکدوشی حاصل کر لی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دوبارہ عامل بنانا چاہا انہوں نے انکار کر دیا حضرت عمرؓ نے کہا کہ تم عامل بننے سے انکار کرتے ہو، حالانکہ تم سے بہتر شخص نے حاکم یا عامل بننے کی خواہش کی تھی۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا وہ کون شخص تھے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ حضرت یوسف تو نبی ابن نبی تھے اور میں تو ابو ہریرہؓ ابن امیمہ ہوں۔[5] پھر مروان نے اپنے زمانہ میں کبھی کبھی مدینہ میں اپنا نائب بھی مقرر کیا ہے۔

مرض وفات میں جب وقت قریب معلوم ہونے لگا تو رونے لگے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا من قلة الزاد وشدة المفازة، سفر سخت ہے اور زاد راہ کم ہے یہ خوف آخرت تھا ورنہ اگر ان کے پاس زاد راہ کم تھا تو پھر

---

1. صحیح مسلم باب من فضائل ابی ہریرہؓ۔
2. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۲۔
3. صحیح مسلم من فضائل ابی ہریرہؓ۔
4. اصابہ ج ۷ ص ۲۰۶۔
5. اصابہ ج ۸ ص ۲۱۔

کس کے پاس زیادہ ہوگا۔ خلیفہ مروان عیادت کو آئے اور دعاء کی شفاك الله۔ اللہ آپ کو شفادے۔

ابو ہریرہؓ نے بھی فوراً دعا کی اللّٰهم احب لقاء ك فاحبب لقائى اے اللہ میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں۔ آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرمالیجئے۔ [1] تھوڑی ہی دیر کے بعد اللہ و رسولؐ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے آنے والا رسول اللہ ﷺ کا یہ مہمان اپنے مالک حقیقی کی رحمت کے آغوش میں پہنچ گیا۔ رضی اللہ عنہ، وارضاہُ۔

سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے ۵۷و۵۸و۵۹ سنین وفات ذکر کئے جاتے ہیں ۵۷ھ راجح ہے۔ [2] وفات کے وقت عمر ۷۸ سال تھی ولید بن عقبہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادیت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی۔ ان کی والدہ کا نام زینب بنت منطعونؓ ہے۔ یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کی بہن ہیں۔ ام المومنین حضرت حفصہؓ بھی انہیں کی صاحبزادی ہیں۔ [3]

بچپن ہی میں اپنے والدین کے ساتھ حضرت عبداللہ بھی ایمان لے آئے تھے۔ ہجرت بھی اپنے والد حضرت عمرؓ کے ساتھ کی ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھاہے کہ ابن عمرؓ اپنے والد سے پہلے مدینہ ہجرت کر کے آگئے تھے۔ [4]

ہجرت کے وقت ان کی عمر صرف دس سال تھی۔ غزوۂ بدر کے وقت خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاکر عرض کیا۔ میں غزوۂ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، لیکن آپ ﷺ نے کم عمری کی وجہ سے واپس کر دیا۔ غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر غزوۂ خندق میں جب ان کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرماکر غزوہ میں شرکت کی اجازت دے دی۔ [5] اس کے بعد تو غزوات میں شرکت ہی رہی حدیبیہ میں بیعت رضوان میں بھی شریک رہے ہیں۔ [6]

فضائل

حضرت عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی، قریبی عزیز اور حضرت عمر فاروقؓ کے سب سے زیادہ باکمال صاحبزادے ہیں۔ جن کے صلاح و تقویٰ کی شہادت خود زبان نبوت نے دی ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ

---

[1] اصابہ ج ۷ ص ۲۰۶۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۶۳ و اصابہ ج ۷ ص ۲۰۷۔
[3] اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷ او النجوم الظاہرہ ص ۱۹۲۔
[4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۷۔
[5] صحیح بخاری باب غزوۃ الخندق۔
[6] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۷ و اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷۔

دو فرشتے پکڑ کر مجھے آگ کے ایک کنویں کے پاس لے گئے میں اس کو دیکھ کر ڈر گیا اور اعوذ باللہ من النار اعوذ باللہ من النار پڑھنے لگا۔ ایک اور فرشتے نے مجھ سے کہا ڈرو نہیں۔ میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا نعم الرجل عبداللہ لو کان یصلی من اللیل، عبداللہ بہترین شخص ہیں کیا ہی اچھا ہو تہجد بھی پڑھنے لگیں۔ اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کی صاحبزادہ سالمؒ نقل کرتے ہیں، وہ رسول اللہ ﷺ کا مذکورہ ارشاد نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں **فکان عبداللہ بعد ذلک لاینام من اللیل الا قلیلاً** ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد **نعم الرجل عبداللہ لو کان یصلی من اللیل** کو سننے کے بعد میرے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔ [1] ان کے بیٹے حضرت سالمؒ کے علاوہ ان کی شب بیداری کا تذکرہ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ابن عمرؓ ساری رات نماز میں مشغول رہتے۔ جب صبح صادق کا وقت قریب آجاتا تو استغفار شروع کر دیتے اور صبح تک کرتے رہتے۔ خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ قرآن مجید پڑھتے جاتے اور روتے جاتے، ایک بار آیت کریمہ **الم یأن للذین امنو ا ان تخشع قلوبھم لذکر اللّٰہ** پڑھ کر روتے روتے بے حال ہو گئے۔ [2] جامع ترمذی کی روایت میں ان کے ایک اور خواب کا ذکر ہے۔ فرماتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں اور میرے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے میں اس کو جنت کی جس جانب اشارہ کرتا ہوں وہ مجھے اڑا کر وہیں لے جاتا ہے، میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہؓ سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، آپ نے اس موقع پر بھی وہی تعبیر بیان فرمائی کہ **ان عبداللہ رجل** [3] **صالح** عبداللہ بن عمرؓ نیک و صالح شخص ہیں۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کا کندھا پکڑ کر فرمایا **کن فی الدنیا کا نک غریب او عابر سبیل وعد نفسك من اھل القبور۔** [4] یعنی دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ تم پردیسی ہو یا مسافر اور اپنے کو اہل قبور یعنی مردوں میں شمار کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق پوری زندگی زاہدانہ گزار دی۔ عمر بھر دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا کیسے کیسے مواقع حصول دنیا کے آئے۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بعض صحابہ کرامؓ نے ان کو آگے بڑھ کر بیعت لینے پر آمادہ کرنا چاہا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین جب شدید اختلاف ہوا تب بھی بعض صحابہؓ نے ان سے پیشکش کی کہ آپ کے نام پر تقریباً سب ہی متفق ہو جائیں گے لیکن وہ پھر بھی راضی نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد کے علاوہ ان کے سامنے اپنے محترم والد حضرت عمرؓ کا فرمان بھی تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کا وقت جب قریب آیا تو انہوں نے آئندہ ہونے والے خلیفہ کے انتخاب کے لئے ایک مجلس شوریٰ متعین کر دی تھی جس کے

---

1. صحیح بخاری و صحیح مسلم فی المناقب۔
2. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹۔
3. جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن عمرؓ۔
4. جامع ترمذی باب ماجاء فی قصر الامل۔

ارکان حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عطلحہ بن عبید اللہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ تھے۔ ان حضرات کو یہ ہدایت تھی کہ آپ لوگ انہیں مذکورہ چھ حضرات میں سے خلیفہ کا انتخاب کر لیں۔ مشورہ میں میرے بیٹے عبداللہ کو بھی شامل کر لیں لیکن خلافت کے لئے ان کا انتخاب نہ کریں۔ [1]

سادگی کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے ان کے یہاں حاضر ہوا مجھے اندر گھر میں ہی بلالیا، میں نے دیکھا کہ وہ اس ٹاٹ یا موٹے کپڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جو ان کے اونٹ پر کجاوہ کے نیچے ڈالا جاتا ہے۔ [2] حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو قاضی بنانا چاہا، لیکن ان کے پیہم اصرار کے باوجود کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ [3]

اتباع سنت کا غیر معمولی اہتمام کرتے، اس معاملہ میں کسی کی رعایت نہ کرتے۔ ایک بار ایک شخص نے آخر ان سے حج تمتع کے بارے میں دریافت کیا کہ تمتع کرنا صحیح ہے یا نہیں آپ نے فرمایا بالکل صحیح ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تو تمتع کرنے سے منع کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا یہ بتلاؤ کہ اگر میرے والد صاحب منع کرتے ہوں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو تو کیا میرے والد صاحب کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی۔ اس شخص نے کہا کہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ ہی کی کی جائے گی۔ اس کے بعد فرمایا تو سن لو کہ آپ نے تو حج تمتع ہی کیا ہے۔ [4] ایک بار آپ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ایذنوا للنساء باللیل الی المساجد ذکر فرما رہے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کو رات میں نماز جماعت کے لئے مسجد جانے دیا کرو۔ ان کے بیٹے (جن کا نام واقد یا بلال ذکر کیا جاتا ہے) نے کہا ہم عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت نہیں دیں گے وہ اس آمد و رفت کو فتنہ کا ذریعہ بنالیں گی۔ ابن عمرؓ کو اپنے بیٹے کی اس بات پر بہت غصہ آیا اور بہت سخت و سست کہا۔ پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے، ور تم کہتے ہو کہ ہم اجازت نہیں دیں گے۔ [5]

سفر میں بھی اتباع سنت کا بہت لحاظ کرتے۔ جن راستوں سے آپ ﷺ کا گذر ہوا ہو وہ حتی الوسع انہیں راستوں سے گذرتے، اثنائے سفر جہاں جہاں آپ نے قیام فرمایا ہو وہیں قیام فرماتے۔ جہاں جہاں آپ نے نماز پڑھی ہو وہیں نماز پڑھتے۔ حتی کہ سایہ کے لئے جس درخت کا انتخاب آپ ﷺ نے کیا ہو،

---

1. البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۵۔　　2. جامع ترمذی تفسیر سورہ نور۔
3. طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۴۶ و جامع ترمذی باب ماجاء فی القاضی۔
4. جامع ترمذی باب ماجاء فی التمتع (حج کی تین قسمیں ہیں۔ تمتع۔ قرآن اور افراد۔ تمتع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاجی حج کے مہینوں میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کر کے حلال ہو جائے۔ پھر جب حج کا وقت آجائے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرے۔ حضرت عمرؓ حج تمتع سے اس لئے منع کرتے تھے کہ لوگ الگ الگ اور بار بار حج اور عمرہ کرنے کے لئے آئیں ایک ہی سفر پر قناعت نہ کریں ورنہ وہ تمتع کو ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے حج کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے، کہ آپ کا حج تمتع تھا یا قرآن یا افراد۔ زکریا۔
5. جامع ترمذی باب فی خروج النساء الی المساجد۔

ابن عمرؓ بھی اسی درخت کے سایہ میں بیٹھتے۔ ہر سال حج کرتے اور عرفہ میں آپ ہی کے موقف میں قیام فرماتے تھے۔[1] راہ خدا میں بکثرت مال و دولت خرچ کرتے، خصوصاً اپنی پسندیدہ چیزوں کو تو ضرور ہی اللہ کے لئے خرچ کر دیتے، جو غلام یا باندی کسی بھی حیثیت سے اچھا ہوتا اسے آزاد کر دینے میں تامل ہی نہ ہوتا بلکہ قصداً اسی کو آزاد کرتے۔ مشہور و جلیل القدر تابعیؒ حضرت نافع ان کے غلام تھے۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے ان سے نافع کو خریدنا چاہا اور ایک ہزار دینار قیمت دینے کی پیشکش کی۔ لیکن ابن عمرؓ نے اپنا غلام نافع کو فروخت نہیں کیا اور لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ یہی نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور ان کی کتنی ہی روایت کردہ احادیث کے راوی ہیں۔ امام مالک ان کی سند کو سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر فرماتے ہیں حضرت نافع کے علاوہ بھی بہت سے غلام اور باندیاں انہوں نے آزاد کیں جن میں بعض کو بڑا علمی مقام نصیب ہوا۔

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے باہر کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں کسی جگہ قیام کیا اور کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا ہی تھا کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں لے کر قریب سے گذرا اور ان حضرات کو سلام کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے کھانے سے معذرت کر دی اور کہا کہ میرا روزہ ہے آپ نے فرمایا ایسے سخت گرم اور لو کے دنوں میں تم نفلی روزے رکھتے ہو، اس نے کہا کہ میں ان ایام کو غنیمت سمجھتا ہوں۔ حضرت ابن عمرؓ اس کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور اس کے تقوے کا امتحان لینے کے لئے اس سے کہا میاں ایک بکری ہمارے ہاتھ فروخت کر دو، اس کی قیمت بھی ہم تمہیں دیں گے اور اس کے گوشت میں سے بھی تمہارے افطار کے لئے کچھ تمہیں دے دیں گے۔ اس نے جواب دیا یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میرے مالک کی ہیں، میں کیسے بکری فروخت کر سکتا ہوں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ایک بکری کا مالک کو کیا پتہ چلے گا۔

اس بندۂ خدا نے جواب دیا۔ فاین اللہ۔ لیکن اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ وہ تو حاضر و موجود ہے، وہ کہاں چلا گیا ہے۔ ابن عمرؓ اس جواب سے بہت متاثر ہوئے اور بہت دیر تک اس کے جواب فاین اللہ فاین اللہ کی تکرار کرتے رہے۔ جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو اس کے مالک سے وہ غلام بھی خریدا اور بکریاں بھی۔ غلام کو آزاد کر دیا اور بکریاں اسی کو ہبہ کر دیں۔[2]

طبقات ابن سعد میں بہت سے واقعات ان کے ایثار اور انفاق فی سبیل اللہ کے مذکور ہیں۔[3]

صحابہ و تابعین بھی ان کے فضل و کمال کے بہت معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو عمر و مقام میں ان سے بڑے ہیں فرماتے ہیں ان املك شباب قريش لنفسه عن الدنيا عبدالله بن عمر۔[4] قریش کے نوجوانوں میں دنیا کے معاملہ میں اپنے نفس پر سب سے زیادہ قابو رکھنے والے عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔

---

1. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹۔ 2. اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۸۔
3. طبقات ج ۴ ص ۱۶۰ تا ج ۴ ص ۱۶۶۔
4. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷ و اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۲۷ بحوالہ مسند احمد۔

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ دنیا کی طرف بالکل مائل نہ تھے۔ حضرت سدی تابعیؒ کہتے ہیں، میں نے بہت سے صحابہ کرامؓ کو دیکھا سب کی رائے یہ تھی کہ عبد اللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی اسی حال میں رہے جس حال میں آپ ان کو چھوڑ کر گئے تھے۔ [1] ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ کا جب انتقال ہوا ہے تو وہ فضل و کمال میں اپنے والد حضرت عمرؓ کی طرح تھے۔ اس کے بعد ابو سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ تو ایسے زمانہ میں تھے جس میں ان جیسے دوسرے حضرات بھی تھے۔ لیکن ابن عمرؓ اپنے زمانہ میں بس آپ ہی اپنی مثال تھے۔ [2] صحابہ و تابعین کے ایسے ہی اقوال ان کی سیرت نگاروں نے بکثرت نقل کئے ہیں۔ وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں ہیں جن کو محدثین نے مکثرین فی الروایہ کے طبقہ میں شمار کیا ہے۔ بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بعد وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳۰ ہے۔ اگرچہ وہ روایت کرنے اور آپ کی جانب کسی بات کے انتساب کرنے میں از حد احتیاط کرتے تھے۔ جو بات معلوم نہ ہوتی بلا تکلف لا ادری یعنی میں نہیں جانتا کہہ دیتے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کے بعد تقریباً ساٹھ سال زندہ رہے۔ غزوات میں شرکت کے علاوہ زندگی کا اکثر حصہ مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ ہی میں گذرا۔ لوگ جوق در جوق ان کی خدمت میں آتے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا علم حاصل کرتے۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد بڑے مشکل حالات میں بھی وہ راہ اعتدال پر ہی گامزن رہے۔

وفات

مکہ معظمہ ہی میں ۷۳ یا ۷۴ھ میں تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے مؤذن سیدنا بلالؓ حبشی النسل تھے باپ کا نام رباح اور ماں کا نام حمامہ ذکر کیا جاتا ہے۔ کسی طرح مشرکین مکہ کے غلام ہوگئے تھے اسلام کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اللہ نے ایمان کی دولت سے سر فراز فرمادیا۔ مکہ کے ایک بت پرست کے غلام کی یہ جسارت کہ وہ اس کے بتوں اور معبودوں کو بالکل قرار دے کر الٰہ واحد کی ربوبیت کا قائل ہو جائے اس کے مشرک مالک اور دیگر مشرکین مکہ کے نزدیک کسی طرح بھی قابل برداشت اور لائق معافی نہ تھی۔ ان لوگوں نے اسلام لانے کے جرم کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ اذیتوں اور ایذا رسانیوں کے ساری حدیں ختم کر دیں۔ کبھی ان کو سخت گرم دوپہر میں لوہے کی زرع (قمیص) پہنا کر دھوپ میں مکہ کی پتھریلی زمین پر ڈال دیا جاتا، کبھی ننگے بدن دھوپ میں جلتی ہوئی چٹانوں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھی پتھر کی ایک بڑی چٹان رکھ دی جاتی۔ کبھی ان کا مالک ان کو

---

1. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۷۔
2. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۸ بحوالہ شعب الایمان للبیہقیؒ۔
3. اصابہ ج ۴ ص ۱۰۹ و اسماء اصحاب الرواۃ لابن حزم الظاہریؒ۔

زمین میں پیٹ کے بل لٹادیتا اور خود ان کی کمر پر کھڑا ہو جاتا۔ مکہ کے اوباشوں کو جمع کر کے لاٹھیوں، ڈنڈوں اور کوڑوں سے ان کی پٹائی کرائی جاتی، اور مقصود و مطالبہ صرف ایک یعنی اسلام کو چھوڑ کر پھر ان کے شرک و کفر والے دین کو اختیار کرلیں۔

لیکن ان کی زبان سے ہر ظلم و ستم کے جواب میں ربی اللہ، احد احد ہی نکلتا۔ ان کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ہوتی رہتی تھی۔ ایک دن ایسے ہی کسی موقع پر زبان مبارک سے نکلا لو کان عندنا شئی ابتعنا بلالا۔ کاش ہمارے پاس کچھ مال ہوتا تو بلال کو خرید لیتے۔ حضرت ابو بکرؓ کو آپ ﷺ کی خواہش کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت بلالؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ اب تو مشرک کی غلامی سے نجات مل گئی تھی، ہمہ وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنے لگے اور پوری زندگی آپ کی غلامی میں گذار دی۔ [1]

فضائل

انہوں نے دین کی خاطر جو قربانیاں دی ہیں اور ایمان کے لئے جو اذیتیں، مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کی ہیں وہ کم ہی صحابہ کرام کے حصہ میں آئی ہیں۔ اسی لئے ان کو رتبہ بھی بڑا ملا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دن فرمایا ابو بکر سید نا واعتق سیدنا یعنی بلالا ابو بکرؓ ہمارے آقا و سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے آقا و سردار بلال کو آزاد کیا ہے۔ [2]

وہ ان صحابہ کرامؓ میں ہیں جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال لبلال عندصلوة الفجر يا بلال حد ثنی بارجی عمل عملته فی الا سلام فانی سمعت دف نعليك بين يدی فی الجنة قال ما عملت عملاً ارجیٰ عندی انی لم اتطهر طهورا فی ساعة ليل اونهار الا صليت بذلك الطهور ما كتب لی ان اصلی۔ [3]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے دریافت فرمایا۔ بلال! بتلاؤ تمہارا کون سا دینی عمل ہے جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ قابل بھروسہ اور لائق اعتماد ہے۔ اس لئے کہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آواز اپنے آگے سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) میرے اعمال میں میرے نزدیک سب سے زیادہ قابل بھروسہ عمل یہ ہے کہ میں دن رات میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو حسب توفیق کچھ نفل نماز ضرور پڑھ لیتا ہوں۔

یہ الفاظ تو صحیح بخاری کی روایت کے تھے تقریباً ایسے ہی الفاظ صحیح مسلم کی روایت کے بھی ہیں جامع ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا یا بلال لم سبقتنی الی الجنة مادخلت الجنة قط الا سمعت خشخشتك امامی دخلت البارحةالجنة فسمعت خشخشتك امامی ۔ بلال تم کس عمل کی وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت ہو جاتے ہو۔ میں جب بھی جنت میں داخل ہوا۔ تمہارے جوتوں

[1] اصابہ ج ا ص ۱۷۱ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۲۹ ۔

[2] صحیح بخاری باب مناقب بلال و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۴۹ واصابہ ج ا ص ۱۷۱۔

[3] صحیح بخاری کتاب التہجد و صحیح مسلم فی فضائل ام سلیم و بلال۔

کی آواز اپنے آگے سنی۔ رات بھی میں جنت میں گیا تھا تب بھی تمہارے جوتوں کی آواز میں نے سنی تھی۔
ترمذی کی اس روایت میں حضرت بلالؓ کے جواب کے الفاظ اس طرح ہیں: یارسول اللّٰہ ما اذنت قط الا صلیت رکعتین وما اصابنی حدث قط الا توضأت عند ھا ورأیت ان اللّٰہ علی رکعتین فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھما۔ [1]

یعنی جب بھی اذان دیتا ہوں دو رکعت نفل نماز ضرور پڑھتا ہوں (جو بظاہر تحیۃ المسجد ہو گی) اور جب بھی وضو ٹوٹتا ہے فوراً وضو کر لیتا ہوں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے دو رکعتیں پابندی سے پڑھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

یہی دونوں عمل اس فضیلت کے باعث ہیں۔ جامع ترمذی کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے بار بار حضرت بلالؓ کو جنت میں اپنے آگے دیکھا ان کے جوتوں کی آواز سنی۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذیؒ فرماتے ہیں یہ واقعہ یا واقعات خواب کے تھے۔ بعض روایات میں اس کی صراحت بھی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

امام ترمذیؒ نے آپ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جنت بلال کی مشتاق و منتظر ہے۔ [2] وہ باعتبار ہجرت بھی سابقین اولین ہی میں ہیں ان سے پہلے صرف حضرت مصعب بن عمیرؓ اور حضرت ابن ام مکتومؓ نے ہجرت کی ہے۔ [3] پھر جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نماز باجماعت پڑھی جانے لگی اور اذان کی مشروعیت ہوئی تو روز اول سے مسجد نبوی ﷺ کے مؤذن ہونے کی سعادت بھی انہیں کو ملی [4] اور آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں وہ مسلسل اذان دیتے رہے لیکن آپ کی وفات کے بعد وہ مدینہ طیبہ میں نہ رہ سکے خلیفہ رسولؐ حضرت ابو بکرؓ سے غزوات میں شرکت کے لئے جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت ابو بکرؓ نے باصرار اپنے پاس مدینہ طیبہ روکنا چاہا تو انہوں نے کہا۔ اعتقتنی للّٰہ او لنفسک آپ نے مجھے اللہ کی خاطر آزاد کیا تھا یا اپنے لئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا۔ اللہ کے لئے۔ اس پر حضرت بلالؓ نے کہا تو پھر مجھے غزوہ میں جانے دیجئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اجازت دے دی اور وہ غزوات میں شرکت کے لئے ملک شام چلے گئے۔ پھر مدینہ واپس نہ آ سکے، ملک شام ہی میں وفات پائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے روکنے سے تو رک گئے تھے لیکن ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود بھی نہ رکے اور غزوات میں شرکت کے لئے مدینہ سے نکل گئے۔ حضرت عمرؓ جب ملک شام گئے ہیں تو حضرت بلالؓ سے ملاقات کی اور اذان دینے کی فرمائش کی، انہوں نے اذان دی تو کہرام مچ گیا۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ یاد آ گیا۔ [5]

وہ ان چند صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا خاص رفیق اور انتہائی مقرب صحابی قرار دیا ہے۔ اور جن کا تذکرہ اپنے اہل بیت کے ساتھ کیا ہے۔ [6]

---

[1] جامع ترمذی فی مناقب عمرؓ۔ [2] جامع ترمذی مناقب بلالؓ۔
[3] باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینہ۔ [4] صحیح بخاری باب بدء الاذان وغیرہ۔
[5] صحیح بخاری باب مناقب بلالؓ و فتح الباری، سیر اعلام النبلاء ص ۳۵۷۔ [6] جامع ترمذی مناقب اہل بیت النبی ﷺ۔

صحابہ کرام ان کا بڑا اکرام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مقولہ کہ ابو بکر سیدنا و اعتق سیدنا یعنی بلالاً تو آپ نے پڑھ ہی لیا ہے۔ اب ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول بھی پڑھئے۔ ہوا یہ کہ ایک شاعر نے عبداللہ بن عمرؓ کے ایک بیٹے جن کا نام بلال تھا کہ شان میں کچھ اشعار کہے۔ جن میں ایک مصرعہ۔

و بلال عبد الله خیر بلال

تھا یعنی ابن عمر کے بیٹے بلال، بلال نام کے لوگوں میں سب سے بہترین بلال ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ نے فوراً کہا کہ کذبت بل بلال رسول الله خیر بلال ۔ تم نے غلط کہا، بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے بلال، بلال نام کے لوگوں میں سب سے بہترین بلال ہیں۔ ابن عمرؓ انہیں بلال نام کے لوگوں میں سب سے افضل بھی کہہ رہے ہیں اور ان کو بلال رسول اللہ، یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے بلال بھی فرمارہے ہیں۔

مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیبؒ ان کے بارے میں کہتے ہیں کان شحیحاً علی دینه انہیں اپنا دین ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ تکلیفیں برداشت تھیں، دین چھوڑنا برداشت نہ تھا۔

وفات

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ملک شام کی طرف چلے گئے تھے۔ ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں دمشق میں وفات پائی۔[1] جب وفات کا وقت قریب آیا تو بیوی رونے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے بیوی کے واویلا کے جواب میں وافرحاہ کہا، یعنی کیا ہی خوشی کا موقع ہے اور پھر اس کے بعد کہا:

غداً نلقىٰ الاحبة محمداً و حزبه[2]

کل کو اپنے محبوبوں یعنی محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں سے ملاقات ہوگی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

حضرت انس بن مالکؓ کا تعلق مدینہ کی مشہور خاندان قبیلۂ خزرج سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی ننہال اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی نجار میں تھی۔[3] ابھی یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد مالک کا انتقال ہوگیا۔ والدہ ام سلیمؓ بڑی صاحب فضل و کمال صحابیات میں تھیں، پہلے شوہر مالک کے انتقال کے بعد مدینہ کے ایک شخص ابو طلحہ نے شادی کا پیغام دیا، وہ اس وقت تک مسلمان نہ تھے، ام سلیمؓ نے کہا میں تم سے شادی کرنے پر راضی ہوں بشرطیکہ تم مسلمان ہو جاؤ، ابو طلحہؓ مسلمان ہوگئے اور پھر شادی ہوگئی۔

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۵۱۔
2. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۵۷ و فتح الباری مناقب بلال۔
3. صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۹ و اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷۔

فضائل

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، اس وقت حضرت انسؓ کی عمر صرف دس سال تھی۔ لیکن بہت ذہین بچے تھے، ان کی والدہ ام سلیم اور سوتیلے باپ ابو طلحہؓ ان کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ان انسا غلام کیس فلیخدمک۔ اے اللہ کے رسول انس بہت سمجھدار بچہ ہے ہم اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے ان کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ اس دن سے وہ سفر وحضر میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں رہے۔ [1] حتی کہ اس نوعمری کے باوجود غزوات میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اسلام کا پہلا غزوہ غزوۂ بدر ہے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً گیارہ سال تھی۔ اس غزوہ میں بعض کم عمر صحابۂ کرامؓ کو ان کی خواہش کے باوجود صغر سنی کی وجہ سے آپ ﷺ نے شرکت کی اجازت نہیں دی، تھی۔ لیکن حضرت انس بحیثیت خادم آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے ہیں۔ [2] ان کی یہ شرکت چونکہ آپ ﷺ کے خادم کے طور پر تھی اس لئے بدری صحابہ کرامؓ کے تذکرہ میں محدثین نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔

وہ آپ ﷺ کے خادم تھے اور اپنے نام کے ساتھ خادم رسول اللہ ﷺ کا لفظ لگاتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ان سے بہت محبت تھی کبھی کبھی پیار و محبت میں آپ ﷺ ان کو یَا بُنَيَّ یعنی اے میرے بیٹے کہہ کر پکارتے تھے۔ آپؐ ان سے اپنے بچوں کی طرح مزاح فرماتے کبھی کبھی ان کے کان پکڑ کر **یاذاالا ذنین** اے دو کانوں والے فرماتے۔ انہیں بھی آپ سے بہت محبت اور تعلق تھا۔ آپ ﷺ کے وہ تمام کام جو گھر کے بچے کرتے ہیں، حضرت انسؓ ہی انجام دیتے، آپ نے ایک بار ان کو کسی کام کو بھیجنا چاہا کہتے ہیں میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نہیں جاؤں گا، حالانکہ میرے دل میں تھا کہ ضرور جاؤں گا۔ میرے انکار کے بعد آپ نے مجھ سے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا بعد میں میں اس کام کے لئے چلا گیا، راستہ میں بچے کھیل رہے تھے میں بھی وہیں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے یہ خیال فرمایا کہ میں کام کے لئے نہیں گیا ہوں، اس لئے خود اس کام کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ راستہ میں مجھے بچوں کے کھیل میں مشغول دیکھا تو فرمایا تم گئے نہیں، میں نے عرض کیا ابھی جاتا ہوں۔ بچپن کے باوجود ذہانت اور سمجھداری بھی بہت تھی کہتے ہیں کہ ایک بار میری والدہ نے مجھ سے معلوم کیا تو تم اتنی دیر سے کہاں تھے۔ [3] میں نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ نے ایک کام سے بھیجا تھا، والدہ نے معلوم کیا کیا کام تھا، میں نے عرض کہ یہ آپ کا راز ہے، والدہ نے فرمایا آپ کا راز کسی کو نہ بتلانا۔ حضرت انسؓ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد اپنے شاگرد حضرت ثابت بنانیؒ سے فرماتے ہیں کہ آپ کا راز اگر کسی کو بتلاتا تو ثابت تمہیں بتلاتا۔ [4] حضرت انسؓ کی کنیت ابو حمزہ ہے۔ یہ کنیت ان

---

1. صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۳۴۔
2. اسد الغابہ ج ا ص ۱۲۷ و اصابہ ج ا ص ۷۱۔
3. جامع ترمذی باب ماجاء یابنی۔
4. صحیح مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔

کے کسی بیٹے کے نام پر نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بچپن میں جنگل کی ایک سبزی جسے حمزہ کہتے ہیں توڑ کر کھا رہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھ کر انہیں ابو حمزہ فرمادیا بس ان کی کنیت ابو حمزہ ہو گئی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیم کی درخواست پر حضرت انسؓ کے لئے ہر خیر کی دعا فرمائی اور آخر میں یہ دعا بھی فرمائی:۔

اللّٰهم اكثر ماله و ولده و بارك لهٗ فيما اعطيته

ترجمہ:۔ اے اللہ! انسؓ کو خوب مال اور اولاد سے نوازیئے اور جو کچھ بھی آپ اس کو دیں اس میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہا اسی دعا کا نتیجہ ہے کہ واللہ میرا مال بہت ہے اور میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد آج سو ۱۰۰ اسے بھی متجاوز ہے۔ [2] یہ بھی آپؐ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ان کے باغ کی ایک جھاڑی کے پتیوں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اسی طرح ان کے باغ میں سال میں دوبار پھل آتے تھے۔ جب کہ اور لوگوں کے باغات سال بھر میں صرف ایک ہی بار پھل دیتے تھے۔ [3] بعض روایات میں ان دعاؤں کے ساتھ وادخله الجنة کا بھی اضافہ ہے۔ یعنی اے اللہ ان کو جنت میں داخل فرما۔ اسی لئے صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے تین دعائیں فرمائیں دو ۲ کو تو میں نے پورا ہوتے دیکھ لیا ہے۔ انشاء اللہ تیسری دعا (وادخله الجنة) بھی ضرور قبول ہو گی۔ [4] رسول اللہ ﷺ نے تو ان کے لئے دعائیں فرمائی ہی تھیں، وہ خود بھی مستجاب الدعوات تھے، ایک بار ان کی کاشت کے ذمہ دار ملازم نے آکر عرض کیا۔ کہ آپ کی کھیتی سوکھ رہی ہے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی خوب بارش ہوئی اور کھیتی سیراب ہو گئی۔ [5] نماز بہت اچھی اور بہت اہتمام سے پڑھتے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں ما رأیت احداً اشبہ صلوٰۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابن ام سلیم یعنی میں نے کسی کو حضرت انسؓ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ حضرت انسؓ کثیر الروایہ صحابی ہیں۔ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ان کا پورا وقت آپ کی خدمت اور صحبت میں گزرا اور انہیں بہت قریب سے آپ ﷺ کے اعمال کو دیکھنے اور اقوال کو سننے کا موقع ملا ہے۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۸۶ ذکر کی جاتی ہے۔ [6] انہوں نے آپ کے بعد اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایات لی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والے بعض صحابہ کرامؓ بھی ہیں، تابعینؒ میں تو ان کے تلامذہ کی ایک بڑی جماعت ہے۔

ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی بہت ذہین، سمجھدار اور بڑے درجہ کی صحابیہ ہیں۔ امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یا آپ کے والد عبداللہ سے کوئی قریبی قرابت تھی ان کے ایک بھائی بھی

---

1. اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷، واصابہ ج ۱۱۷۔
2. صحیح مسلم فضائل انس بن مالکؓ۔
3. اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۷۔
4. صحیح مسلم و جامع ترمذی وغیرہ ہما فی الفضائل۔
5. اصابہ ج ۱ ص ۲۷۔
6. اصابہ ج ۱ ص ۲۷۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں شہید ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ ان کا بہت لحاظ کرتے اور ان کے یہاں آتے جاتے رہتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے خواب میں جنت دیکھی اور وہاں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کو بھی دیکھا۔ [1]

مزاج میں سخاوت بھی بہت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرتی تھیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری پر آپؐ کی ضروریات کے لئے کھجور کا ایک باغ بطور عاریتاً آپ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ [2]

وہ بڑی جانباز، نڈر اور بہادر تھیں، غزوات میں شریک ہوتی تھیں۔ اصل کام تو مریضوں کی تیمارداری، زخمیوں کو پانی پلانا اور اپنے گھر کے مردوں کے لئے کھانا تیار کرنا تھا۔ لیکن اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ بھی ساتھ رکھتی تھیں۔ غزوہ حنین کے موقع پر ایک خنجر لئے ہوئے تھیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے تو عرض کیا یہ خنجر میں نے اس لئے لیا ہے کہ اگر کوی مشرک میرے قریب آیا تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی، [3] ان کے شوہر ابو طلحہؓ بھی غیر معمولی شجاع اور میدان جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے لوگوں میں تھے غزوۂ احد میں جب مشرکین مکہ نے یکجا ہو کر رسول اللہ ﷺ پر یلغار کر دی اور سب نے آپؐ ہی کو نشانہ بنا کر تیر و پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ ایسے موقع پر جب کہ بڑے بڑے جانباز اور بہادر صحابہ کرامؓ کے قدم اکھڑ گئے تھے، حضرت ابو طلحہؓ آپ کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ وہ بہترین تیر انداز تھے۔ اور مسلسل تیر اندازی کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنی پشت پر کر لیا تھا اور خود آپؐ کے سامنے سینہ سپر ہوگئے تھے۔ آپؐ کبھی کبھی سر اٹھا کر مشرکین کو دیکھتے تو ابو طلحہ کہتے۔ یا نبی اللہ بابی انت و امی لا تشرف لا یصیبك سهم من سها م القوم نحری دون نحرك۔ اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ سر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ خدانخواستہ دشمنوں کا کوئی تیر آپ کے نہ لگ جائے۔ میرا سینہ آپ کے سینہ کی حفاظت کرنے کے لئے حاضر ہے۔ [4]

رسول اللہ ﷺ کے یہاں فاقہ تو رہتا ہی تھا۔ ام سلیمؓ اور ابو طلحہؓ اس کا خیال رکھتے اور کبھی کبھی آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ پیش کر دیتے یا آپؐ ہی کبھی تشریف لے آیا کرتے اور کھانا تناول فرما لیتے تھے، اس گھر کے سب ہی افراد کا آپ ﷺ سے بہت ہی قریبی تعلق تھا۔ اسی سلسلہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ صحیح بخاری کے حوالہ سے پڑھ لیجئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ سے آکر کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں بھوک کی وجہ سے بہت کمزوری محسوس کی ہے، تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے

---

1. صحیح بخاری باب مناقب عمرو صحیح مسلم فضائل ام سلیم۔
2. صحیح مسلم باب رد المهاجر الی الا نصار منا ئحهم. ء ح ه م . وصحیح بخاری باب مرجع النبی ﷺ من الا حزاب الخ۔
3. صحیح مسلم ص ۹۶ و صحیح بخاری باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب۔
4. صحیح مسلم باب غزوۃ النساء مع الرجال۔

انہوں نے جواب دیا ہاں اور اس کے بعد چھوٹی چند جو کی روٹیاں نکالیں اور اپنی چادر کے ایک کونے میں لپیٹ کر میری بغل میں دبا دیں چادر کا باقی حصہ میرے اوپر لپیٹ دیا اور مجھے وہ روٹیاں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ میں جب روٹیاں لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا، آپ مسجد میں تشریف فرما تھے اور کچھ صحابہ کرامؓ بھی وہاں موجود تھے میں وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا تمہیں ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کھانا لے کر میں نے جواب دیا جی ہاں۔ آپؐ نے وہاں موجود سب صحابہ کرامؓ سے فرمایا ابو طلحہ کے یہاں چلیں، میں ان حضرات سے پہلے گھر پہنچا اور آکر حضرت ابو طلحہ کو اس بات کی اطلاع کی انہوں نے میری والدہ ام سلیمؓ سے کہا رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کو لئے ہم لوگوں کے یہاں تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے یہاں کھلانے کو کچھ نہیں ہے۔ ام سلیم نے کہا اللہ ورسولہ اعلم یعنی آپ صحابہؓ کو خود لائے ہیں اللہ جانے اور آپ جانیں۔ حضرت ابو طلحہؓ نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور گھر لے آئے آپ نے ام سلیمؓ سے کہا جو کچھ تمہارے پاس ہے لے آؤ۔ ام سلیمؓ وہی روٹیاں لے آئیں آپ نے ان کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرائے۔ ام سلیم نے گھی کی کپی سے گھی ڈال دیا پھر رسول اللہ ﷺ نے اس پر کچھ پڑھا اور فرمایا دس دس کر کے لوگوں کو بلاتے رہو۔ صحابہ کرامؓ کی دس ۱۰ دس ۱۰ کی جماعتیں آتی رہیں اور کھانے سے فارغ ہو کر نکلتی رہیں حتیٰ کہ ستر ۷۰ یا اسی ۸۰ صحابہ کھانے سے فارغ ہو گئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضرت انسؓ کو بعض حکومتی کاموں کا ذمہ دار بنا کر بحرین بھیجا تھا۔ آخر میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی حضرت انسؓ ہی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرات شیخینؓ اور بعض دیگر اکابر صحابہؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ان کے مشہور تلامذہ میں حسن بصری، ثابت بنانی، قتادہ زہری وغیرہم ہیں رضی اللہ عنہ، وارضاہ۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، کا وطن ملک ایران کا شہر اصبہان ہے وہاں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ طیبہ پہنچایا اور شرف ایمان و صحابیت سے نوازا ہے ان کے اس شرف و کمال تک پہنچنے کی داستان خود ان کی زبانی سنئے۔ انہوں نے یہ پورا واقعہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سنایا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں ایرانی النسل ہوں۔ میرا وطن اصبہان ہے۔ میرے والد اپنے گاؤں کے سردار تھے۔ انہیں مجھ سے بہت محبت اور غیر معمولی تعلق تھا۔ اسی لئے ہمہ وقت گھر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ انہوں نے میری پرورش، تربیت اور نگرانی بچیوں کی طرح خارجی ماحول سے کلی حفاظت کے ساتھ کی تھی۔ ہمارے یہاں کا دین آتش پرستی تھا۔ مجھے بھی اپنے دین سے بہت تعلق اور لگاؤ تھا، والد صاحب نے اپنے عبادت خانہ برائے عبادت جو آگ جلا رکھی تھی اور جس کو کبھی بجھنے نہ دیا جاتا تھا، میں ہی اس کا نگران تھا۔ والد مالدار اور صاحب ثروت تھے۔ بہت

[1] صحیح بخاری باب من اکل حتی شبع، وباب علامات النبوة فی الاسلام۔

سے جانور اور کاشت کی زمین تھی۔ اس کی دیکھ بھال وہ خود ہی کرتے تھے، لیکن ایک دن کسی مجبوری کی وجہ سے مجھے جانوروں یا کاشت کاری کے سلسلے کے کسی کام سے بھیجا اور تاکید کر دی کہ کام سے فارغ ہو کر فوراً واپس آجانا۔ میں اس کام کے لئے جب گیا تو راستہ میں مجھے نصاریٰ کا ایک کنیسہ۔ (گرجا) ملا۔ جس میں وہ لوگ اپنی عبادت میں مشغول تھے۔ ان کی آوازیں سن کر میں کنیسہ کے اندر داخل ہو گیا۔ چونکہ مجھے گھر سے نکلنے کی اجازت ہی نہ تھی، اس لئے ابھی تک میں مجوسیت یعنی آتش پرستی کے سوا کسی دین سے واقف نہ تھا مجھے ان کی عبادت اور ان کا دین اپنے دین اور آتش پرستی کے مقابلہ میں بہت اچھے لگے میں صبح شام تک انہیں لوگوں کے پاس رہا اور والد کے کام سے نہ جاسکا۔ میں نے ان لوگوں سے اس دین میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور یہ معلوم کیا کہ اس دین کا مرکز اصلی کہاں ہے۔ انہوں نے مجھے بتلایا کہ ہمارا مذہبی مرکز ملک شام میں ہے میرے دیر تک نہ آنے کی وجہ سے گھر پر میری تلاش شروع ہو گئی تھی۔ رات کو جب گھر پہنچا تو والد نے سوال کیا کہاں تھے؟ میں نے پورا واقعہ بتلا دیا اور نصرانیت میں اپنی رغبت کا ذکر بھی کر دیا۔ میرے والد نے مجھے سمجھایا اور کہا بیٹے اس دن میں کوئی خیر نہیں ہے۔ سارے ادیان میں تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا دین سب سے بہتر دین ہے۔ لیکن میں اپنی رائے پر قائم رہا اور میں نے والد صاحب سے کہہ دیا کہ میرے نزدیک تو وہ دین یقیناً ہمارے دین سے بہتر دین ہے۔ اب میرے والد کو میرے بارے میں خطرہ ہو گیا اور انہوں نے نہ صرف یہ کہ مجھے خانہ قید کر دیا۔ بلکہ میرے پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دیں، میں نے خاموشی سے اس کنیسہ کے لوگوں کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر کوئی قافلہ ملک شام سے آئے تو مجھے اطلاع کرا دیں حسن اتفاق جلد ہی ایک قافلہ ملک شام سے آگیا اور اس کی واپسی کے وقت میں اپنی قید سے کسی طرح بھاگ کر اس قافلہ کے ساتھ ملک شام پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر مجھے دین نصاریٰ کے کسی بڑے عالم کی تلاش ہوئی لوگوں نے بتلایا کہ فلاں کنیسہ میں ایک بڑا نصرانی عالم ہے میں اس کے پاس پہنچا اور اپنا پورا قصہ اور آمد کا مقصد بھی بیان کر دیا کہ آپ کی خدمت میں رہ کر علم دین حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میری درخواست منظور کر کے قیام کی اجازت دے دی۔ میں اس کے پاس کچھ عرصہ رہا لیکن وہ اچھا آدمی نہ نکلا۔ دوسرے کو اعمال خیر کی ترغیب دیتا اور خود عمل نہ کرتا تھا، مال کا حریص تھا، لوگوں سے صدقات وخیرات وصول کر کے جمع کرتا رہتا تھا۔ اس نے سونے چاندی سے پانچ مٹکے بھر لئے تھے، اسی وجہ سے مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ اللہ کا کرنا کہ جلد ہی وہ مر گیا۔ اس کے بعد اس کنیسہ کے لئے ایک دوسرے عالم متعین کئے گئے وہ واقعی دیندار اور عابد، زاہد تھے۔ میں ان کے پاس رہا۔ ان کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے مجھے ان سے بہت محبت اور عقیدت ہو گئی۔ کافی دنوں کے بعد جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے کہا کہ اب بظاہر آپ کا وقت قریب آگیا ہے۔ آپ مجھے کس کی خدمت میں جانے کی وصیت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب علماء میں دین نہیں رہ گیا ہے، میرے علم میں ایک دیندار عالم موصل نامی شہر میں ہیں تم میری وفات کے بعد ان کے پاس چلے جانا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ایسا ہی کیا اور موصل پہنچ کر ان عالم کی خدمت میں حاضر ہو، اپنا پورا واقعہ اور پہلے عالم کی وصیت کا ذکر کیا کہ انہوں نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے اپنی خدمت میں رکھ

لیا۔ وہ بھی بہت نیک عابد، زاہد عالم تھے، لیکن ان کی وفات بہت جلد ہو گئی۔ وفات سے پہلے میں نے ان سے بھی وہی سوال کیا کہ اب آپ کے بعد میں کہاں جاؤں۔ انہوں نے مجھے نصیبین کے ایک عالم کا پتہ دیا میں ان کے انتقال کے بعد نصیبین کے عالم کے پاس پہنچا۔ وہ بھی عالم با عمل تھے۔ مگر میرے پہنچنے کے بعد جلد ہی مجھے محسوس ہوا کہ یہ بھی زیادہ دن کے مہمان نہیں ہیں۔ اس لئے ان سے بھی میں نے آئندہ کے لئے وصیت و نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے مجھ سے ملک روم کے شہر عموریہ کے ایک عالم کے پاس چلے جانے کو کہا اور پھر میں ان کی وصیت کے مطابق ان کے انتقال کے بعد عموریہ کے ان عالم کی خدمت میں پہنچا جن کا پتہ نصیبین کے عالم نے دیا تھا۔ یہاں میں نے تحصیل علم کے ساتھ کچھ تجارت بھی کی جس سے میرے پاس کافی گائیں اور بکریاں جمع ہو گئیں۔ اللہ کا کرنا ان عالم صاحب کا بھی وقت موعود آن پہنچا تو میں نے اپنا وہی پرانا سوال ان کے سامنے رکھ دیا۔ کہ اب آپ کے بعد کہاں؟ انہوں نے مجھ سے کہا اب تو کوئی عالم نصاریٰ میں ایسا نہیں رہا۔ جس کی طرف راہنمائی کی جاسکے۔ البتہ اب نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کا وقت قریب آچکا ہے۔ وہ ملت ابراہیمی پر ہوں گے۔ اور ان کا دار الہجرت ایک ایسا نخلستان یعنی کھجوروں کا علاقہ ہو گا جو دو پتھریلے علاقوں کے بیچ میں ہو گا، ان کی علامات نبوت بالکل واضح ہوں گی۔ وہ ہدیہ قبول کریں گے، صدقہ نہیں، ان کی کمر پر دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہو گی، اگر تمہاری رسائی ان تک ہو سکے تو تم ضرور ان کی خدمت میں چلے جانا۔ عموریہ کے ان عالم کی وفات کے بعد عرصہ تک میں عموریہ میں رہا۔ کافی دنوں کے بعد وہاں ملک عرب کے قبیلہ بنو کلاب کا ایک تجارتی قافلہ پہنچا۔ میں نے اہل قافلہ سے کہا، مجھے آپ لوگ اپنے ساتھ عرب لے چلیں۔ میں اپنی سب گائیں اور بکریاں آپ لوگوں کو دے دوں گا۔ انہوں نے میری بات قبول کر لی اور میں ان کے ساتھ ملک عرب کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن جب یہ لوگ وادی القریٰ (جو خیبر کی قریب یہود کی ایک بستی ہے) پہنچے تو ان لوگوں نے بد عہدی کی اور مجھے غلام بتا کر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ دیا۔ کافی دنوں کے بعد ایک روز میرے مالک کا ایک عزیز مدینہ طیبہ سے آیا اور مجھے خرید کر مدینہ طیبہ لے گیا۔ مدینہ طیبہ میں بنی آخر الزماں ﷺ کے دار الہجرت ہونے کی وہ تمام علامتیں موجود تھیں جو مجھے عموریہ کے عالم نے بتلائی تھیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ ایک دن ضرور نبی آخر الزماں ﷺ یہاں تشریف لائیں گے۔

میں یہاں غلامی کی زندگی گذارتا رہا۔ اپنے مالک کے کام کاج میں مشغول رہتا تھا مکہ معظمہ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ کچھ خبریں مدینہ بھی آئیں، لیکن مجھ غلام کو کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک دن میں نے یہودی مالک کے باغ میں کھجور کی درخت پر چڑھا ہوا تھا، میرا مالک قریب ہی بیٹھا تھا کہ اس کے ایک عزیز نے آکر یہ خبر دی کہ مدینہ طیبہ کے بہت سے لوگ ایک ایسے شخص کے استقبال کے لئے قبا گئے ہیں جو مکہ سے آیا ہے، اور خود کو اللہ کا نبی کہتا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی میرا عجیب حال ہو گیا، جسم کانپنے لگا اور مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں درخت سے نیچے نہ گر جاؤں۔ بمشکل تمام اتر کر آیا اور خبر دینے والے شخص سے پوچھنے لگا کہ تم کیا کہہ رہے تھے۔ میرے مالک کو میرے سوال پر بہت غصہ آیا، اس نے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا تم سے کیا

مطلب، تم اپنا کام کرو، میں نے کہا بس یوں ہی سوال کر رہا تھا جب رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو ایک رات کو میں کھانے کا کچھ سامان لے کر بغرض امتحان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یہ صدقہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے لئے لایا ہوں۔ آپ ﷺ نے غریب صحابہ کرامؓ سے فرمایا تم لوگ کھاؤ اور خود اس کو ہاتھ نہ لگایا میں نے دل میں کہا جو علامات عموریہ کے عالم نے بتلائی تھیں۔ ان میں سے ایک علامت تو صحیح نکلی۔ کچھ دنوں کے بعد کھانے کا کچھ سامان لے کر دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کیا یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے، آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ خود بھی کھایا اور صحابہ کرامؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت بھی صحیح ثابت ہوئی۔ پھر ایک دن موقع پا کر کمر مبارک پر ختم نبوت بھی دیکھ لی، اس آخری علامت کو دیکھ کر صبر نہ ہو سکا اور میں پشت مبارک سے چمٹ کر رونے لگا۔ آپ نے مجھے اپنے سامنے کی جانب بلالیا۔ میں نے آپ کے سامنے بیٹھ کر اپنا پورا قصہ سنادیا۔ آپ نے میرا قصہ وہاں موجود صحابہ کرامؓ کو بھی سنوایا۔

اب کس چیز کا انتظار تھا، زندگی بھر سے جس نور ہدایت کی تلاش تھی، میں اس کے سامنے تھا، تمام عمر کی بے چینی کو قرار نصیب ہو گیا۔ کلمہ شہادت پڑھ کر اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ [1]

فضائل

حضرت سلیمان فارسیؓ دین حق کی طلب میں کس طرح اپنے گھر کے آرام و راحت کو چھوڑ کر ملکوں ملکوں گھومتے پھرے اور ایک عالم سے دوسرے عالم کی خدمت میں علم دین کی خاطر جاتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آغوش نبی ﷺ تک پہنچا دیا دین کا ایسا شوق اور طلب، اللہ کی ان مخصوص بندوں ہی کا نصیب تھا۔ اب رسول اللہ ﷺ کو ان کی آزادی کی فکر تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم اپنے یہودی مالک سے کتابت کرلو۔ کتاب کی صورت یہ ہوتی ہے کہ غلام اور اس کے مالک کے درمیان یہ بات طے ہو جائے کہ ایک متعین مدت میں غلام اپنے آقا کو متعین رقم یا کوئی اور متبادل چیز ادا کردے تو وہ آزاد ہے۔ آپ کے فرمانے پر حضرت سلیمان فارسیؓ نے اپنے مالک سے کتابت کرلی۔ اس یہودی نے بہت سخت شرائط پر کتابت کی تھی۔

اس کی پہلی شرط تو یہ تھی کہ میرے باغ میں تین سو کھجور کے درخت لگائے جائیں اور جب تک وہ پھل دینے کے قابل نہ ہوں، اس وقت تک سلمانؓ ان کی پرورش اور نگہداشت کریں، دوسری شرط چالیس اوقیہ چاندی کی ادائیگی تھی۔ (ایک اوقیہ چالیس درہم کے ہم وزن ہوتا ہے لہٰذا چالیس اوقیہ کا وزن ۱۶۰۰ درہم ہوا) رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے کھجور کے تین سو پودے منگوائے اور اپنے دست مبارک سے سب پودے لگائے، ایک پودا حضرت عمرؓ نے لگا دیا۔ سب پودے اسی سال پھل دینے لگے سوائے اس ایک پودے کے کہ اس پر پھل نہیں آئے۔ آپ ﷺ نے جب اس کے پھل نہ دینے کی

[1] البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۱۱، ج ۲ ص ۳۱۲ وسیر اعلام النبلا ج ۱ ص ۵۰۶ تا ج ۱ ص ۵۱۱ و مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد فی الفضائل۔

تحقیق کی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ پودا میں نے لگادیا تھا آپ ﷺ نے اسے اکھاڑ کر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگادیا وہ بھی اسی سال پھل دینے لگا۔ [1] چاندی کی ادائیگی کا انتظام بھی آپ ہی نے کر کے حضرت سلمان فارسیؓ کو اس یہودی کی غلامی سے آزاد کرایا۔ [2]

وہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے فوراً بعد ہی مسلمان ہو گئے تھے، لیکن غزوۂ بدر اور احد میں اپنی غلامی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے آزادی کے بعد غزوۂ خندق میں شریک ہوئے اور پھر جملہ غزوات میں شرکت کی، غزوۂ خندق کے موقع پر انہیں کی تجویز پر مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی گئی، جس کے کھودنے میں رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ اور اسی خندق کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ خندق کہتے ہیں۔ [3] رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا، جنت سلمان کے لئے ہمہ تن اشتیاق بنی ہوئی ہے۔ [4] وہ بڑے صاحب علم تھے، صحابہ کرامؓ بھی ان کے علم و دین کے معترف تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے ان کی وفات کے قریب ان کے شاگردوں اور عزیزوں نے وصیت و نصیحت کی درخواست کی، انہوں نے جو نصیحتیں فرمائیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی تھی کہ سلمان فارسیؓ صاحب علم ہیں ان سے علم حاصل کرنا۔ [5]

صحابہ کرام کی ایک غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ **"ان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لایکونوا امثالکم"** نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم لوگ دین کی خدمت میں کوتاہی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے بجائے دوسرے لوگوں سے دین کا کام لے لے گا جو تمہاری طرح غلطی و کوتاہی نہ کریں گے۔

صحابہؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد فوراً ہی اپنی کوتاہی کی تو اصلاح کر لی، لیکن رسول اللہ ﷺ سے یہ بھی دریافت کر لیا کہ وہ کون لوگ ہیں۔ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہماری بجائے وہ ان سے دین کی خدمت لے لے گا اور پھر وہ ہماری جیسی کوتاہی بھی نہ کریں گے۔ آپ نے حضرت سلیمان فارسیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اور ان کی قوم۔ [6] حضرت سلمان فارسیؓ اپنے ملک ایران سے نکل کر کس طرح مدینہ طیبہ پہنچے تھے۔ یہ تو آپ نے پڑھ لیا پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایران کے ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، اس لشکر کے امیر حضرت سلیمان فارسیؓ تھے۔ ان کے ساتھیوں نے حملہ کرنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے کہا ابھی انتظار کرو میں ان کو اس طرح دین کی دعوت دیتا ہوں جیسے میں نے رسول اللہ

---

[1] کھجور کا درخت تو کئی سال میں پھل دیتا ہے۔ آپ کے لگائے ہوئے درختوں کا اسی سال پھل دینا بطور معجزہ تھا اسی لئے حضرت عمرؓ کے لگائے ہوئے پودے نے پھل نہیں دیئے۔ حضرت عمرؓ کے بجائے اگر کوئی دوسرے صحابی بھی درخت لگائے تب بھی نتیجہ یہی ہوتا۔ (زکریا)

[2] سیر اعلام النبلاء ج۱ ص۵۱۱ و مجمع الزوائد فضل سلمان و شمائل ترمذی باب ماجاء فی خاتم النبوة۔

[3] فتح الباری شرح بخاری، باب غزوہ خندق۔ [4] جامع ترمذی باب مناقب سلمانؓ۔

[5] جامع ترمذی باب مناقب عبداللہ بن سلام۔

[6] جامع ترمذی باب تفسیر سورۃ محمد ﷺ۔

ﷺ کو دعوت دین دیتے سنا ہے، اس کے بعد حضرت سلیمانؓ ان ایرانیوں کے قریب آ کر فارسی زبان میں ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ ایران کے لوگو! میں تم ہی میں کا فارسی النسل ایک شخص ہوں، تم دیکھ رہے ہو یہ عرب میری اطاعت کر رہے ہیں۔ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ گے تو تم بالکل ہم لوگوں کے مساوی ہو جاؤ گے۔ تم کو وہ جملہ حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ہم سب کو ہیں اور تمہاری ذمہ داریاں بھی وہی ہوں گی جو ہماری ہیں۔ اور اگر تم اسلام نہیں لاتے تو تم جانو لیکن تمہیں جزیہ دینا پڑے گا۔ جو ایک ذلت کی بات ہے اور اگر جزیہ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے تو پھر قتال کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اہل فارس کسی بات کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ حضرت سلیمانؓ کے ساتھیوں نے اب حملہ کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا ابھی نہیں، تین دن تک اسی طرح دعوت دی جائے گی پھر حملہ کیا جائے گا۔ بالآخر تین دن تک دعوت دینے کے بعد حملہ ہوا اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ تشریف لا کر انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات کرادی تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ ایک ایک مہاجر صحابی کو ایک ایک انصاری صحابی کا بھائی قرار دے دیا گیا تھا۔ حضرت سلیمان فارسی کو جو مہاجر تھے حضرت ابو درداء انصاریؓ کا بھائی بنادیا تھا۔

ایک دن حضرت سلمانؓ حضرت ابوداؤدؓ کے یہاں ملاقات کے لئے آئے، ان کی اہلیہ ام درداء کو دیکھا کہ بہت ہی معمولی حال میں ہیں، زیب وزینت کی کوئی چیز بھی اختیار کئے ہوئے نہیں ہیں، انہوں نے معلوم کیا کہ تم نے اپنا یہ حال کیوں بنا رکھا ہے، انہوں نے جواب دیا تمہارے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں، کچھ دیر بعد ابو درداءؓ تشریف لے آئے۔ کھانے کا اہتمام کیا اور حضرت سلمانؓ سے کہا آپ کھائیے میرا روزہ ہے حضرت سلمانؓ نے کہا کہ میں تمہارے بغیر نہیں کھاؤں گا۔ اس پر حضرت ابو درداءؓ نے بھی کھانا کھالیا۔ جب رات آئی تو ابو درداءؓ نفل نماز پڑھنے چلے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیے وہ سو گئے، کچھ دیر بعد وہ پھر نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا اب کھڑے ہو جائیے اور نماز پڑھئے۔ دونوں نے نماز پڑھی، اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے حضرت ابو درداء سے فرمایا تمہارے رب کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل وعیال کا بھی تم پر حق ہے، ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا چاہئے۔ حضرت ابو درداء نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس پورے واقعہ کا ذکر کیا، آپ ﷺ نے فرمایا، سلمان نے صحیح کہا۔ [2] یہ روایت تو صحیح بخاری کی تھی۔ ایک دوسری روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو درداء سے فرمایا "سلمان افقه منك" سلمان تم سے زیادہ فقیہ، یعنی زیادہ دینی سمجھ بوجھ اور واقفیت رکھنے والے ہیں۔ ایک بار آپ نے حضرت سلمان کے بارے میں فرمایا " سلمان منّا اهل البيت " سلمان تو ہمارے اہل بیت میں ہیں۔

کمال علم کے ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی بڑا بلند مقام تھا، حضرت عمرؓ نے مدائن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا اور ۵ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا تھا۔ لیکن وہ سب راہ خدا میں خرچ کرتے اور خود اپنے ہاتھ کی کمائی سے

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال۔
[2] صحیح بخاری باب من اقسم علی اخیه لیفطر الخ ۔

کھاتے تھے۔ [1] صحابہ کرامؓ میں حضرت انسؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ اور بعض دیگر صحابہ کرام اور تابعین کی بھی ایک خاصی تعداد نے ان سے روایات نقل کی ہیں، ان کی روایات کی تعداد ساٹھ ہے۔ عمر بہت طویل پائی۔ بعض حضرات نے ۳۵۰ اور بعض نے ۲۵۰ سال ذکر [2] کی ہے۔ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مدائن میں وفات ہوئی وہیں قبر ہے۔ [3] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے۔ [4] لیکن اپنی کنیت ابو موسیٰ کے ساتھ مشہور ہیں۔ اشعر علاقہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستہ میں یہ پہاڑ پڑتا ہے، اسی کے قریب قبیلۂ اشعر کا مسکن تھا۔ اس قبیلہ کے کچھ لوگ یمن چلے آئے تھے ان ہی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے خاندان کے لوگ بھی تھے۔ یہ لوگ یمن ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ [5] صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب ان حضرات کو رسول اللہ ﷺ کے ہجرت مدینہ کا علم ہوا تو یمن سے سمندر کے راستہ پچاس سے زائد لوگوں کا قافلہ مدینہ طیبہ کے لئے نکلا۔ ان کی کشتی کو ہواؤں نے مدینہ کے قریب کسی ساحل پر پہنچانے کے بجائے ملک حبشہ پہنچادیا۔ وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ حضرت جعفرؓ نے ان لوگوں کو وہیں اپنے پاس روک لیا پھر سب لوگ یعنی جو پہلے حبشہ ہجرت کر گئے اور وہیں مقیم تھے اور یہ نووار دین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی ایک ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے حبشہ سے روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ مدینہ طیبہ پہنچے ہیں، اس وقت آپ غزوۂ خیبر کے لئے تشریف لے جاچکے تھے، یہ سب حضرات بھی خیبر ہی پہنچ گئے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی خیبر فتح ہو چکا تھا آپ ﷺ نے خیبر کے مال غنیمت میں حبشہ سے آنے والوں کو بھی شریک فرمالیا۔ [6]

حضرت ابو موسیٰ اور ان کے ساتھی چونکہ حبشہ بھی پہنچ گئے تھے اور وہیں سے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ اس لئے بعض حضرات نے ان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔ صحیح بخاری کی مذکورہ روایت سے بھی اس کی کچھ تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ روایت کے آخر میں یہ بھی تذکرہ ہے کہ حبشہ سے آنے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت جعفرؓ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ بھی تھیں۔ ان سے حضرت عمرؓ نے یہ کہا کہ ہم لوگ

---

1. کتاب ذکر اہل اصبہان۔
2. اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳ و اسماء اصحاب الرواۃ لابن حزم۔
3. کتاب ذکر اخبار اصبہان للحافظ ابی نعیم الاصبہانی۔ و اصابہ ج ۳ ص ۱۱۳۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۔
5. اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱ ص ۸۰۲ و معجم البلدان ج ۱ ص ۱۹۸۔
6. صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و اسد الغابہ ج ۵ ص ۳۰۸۔

ہجرت کی فضیلت میں تم سے مقدم اور رسول اللہ ﷺ سے قریب تر ہیں۔ حضرت اسماء نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور آپ ﷺ سے اس کی شکایت بھی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا عمرؓ اور ان کی ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور تم لوگوں کی دو ہجرتیں ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اور ان کے ساتھی حضرت اسماء سے رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو بار بار سنا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ خود کو بھی اصحاب الہجرتین میں شمار کرتے تھے۔ اس سفر میں ان کے ساتھ ان کے دو بھائی ابو بردہؓ اور ابو رہمؓ بھی تھے، ان کا ذکر تو بخاری کی مذکورہ روایت میں بھی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ میں یہ بھی مذکور ہے کہ ان کی والدہ طیبہ بنت وہبؓ بھی صحابیہ ہیں۔ [1] بظاہر وہ بھی اسی سفر میں ساتھ آئی ہوں گی۔

فضائل

رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ اشعر کے لوگوں کی باہمی محبت اور ایثار و قربانی کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں کا مدینہ میں یا سفر میں کھانا کم پڑ جاتا ہے تو سب لوگ اپنا کھانا یکجا جمع کر لیتے اور پھر برابر باہم تقسیم کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا فہم منی وانا منھم وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ [2] یہ پورا خاندان بہت ہی خوش الحان تھا، سب لوگ قرآن مجید بہت اچھا پڑھتے تھے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ "انی لاعرف اصوات رفقة الاشعریین بالقرآن حین یدخلون باللیل واعرف منازلھم من اصواتھم بالقرآن باللیل و ان کنت لم ار منازلھم حین نزلوا بالنھار" [3] قبیلۂ اشعر کے لوگ جب رات کو اپنے گھروں میں تلاوت قرآن کرتے ہیں تو میں ان کی آواز پہچان لیتا ہوں اور اسی آواز سے ان کے مکانات کو بھی جان جاتا ہوں، خواہ میں نے ان کو دن میں ان گھروں میں آتے جاتے نہیں دیکھا ہو۔ اس قبیلہ کی تلاوت اور قرأت قرآن کی تعریف میں آپ نے فرمایا۔ اشعرون فی الناس کصرة فیھا مسك۔ [4] یعنی قبیلہ اشعر کے لوگوں کی مثال ایک مشک بھری ہوئی تھیلی کی ہے جس کی خوشبو ہر سو پھیلتی رہتی ہے۔ خاص طور پر حضرت ابو موسیٰؓ کی تلاوت و قرأت قرآن کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ "لقد اوتی مزماراً من مزامیر آل داؤد" اللہ نے ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان کے لوگوں کی طرح حسن صورت اور خوش الحانی عطا فرمائی ہے۔ [5]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اللّٰھم اغفر لعبد اللہ بن قیس ذنبه وادخله یوم القیامة مدخلاً کریماً اے اللہ عبد اللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دیجئے اور قیامت کے دن (جنت میں) اکرام کے ساتھ داخل فرما دیجئے۔ [6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۔ [2] صحیح مسلم باب فضائل الاشعریین۔
[3] صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و صحیح مسلم باب فضائل الاشعریین۔
[4] طبقات ابن سعد ص ۳۴۸۔
[5] جامع ترمذی مناقب ابی موسیٰؓ و تذکرۃ الفاظ ج ص ۳۲۱۔
[6] صحیح مسلم فضائل ابی موسیٰؓ۔

حضرت عمر فاروقؓ بھی ان کی تلاوت قرآن کی بہت تعریف فرماتے اور کہتے کہ ان کی تلاوت سے اللہ کی یاد اور اس کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو اہل فتویٰ سمجھے جاتے ہیں۔ مشہور تابعی حضرت عامر شعبیؒ فرماتے ہیں چھ(۶)صحابہ کرامؓ علم کا منتہی ہیں ان میں حضرت ابو موسیٰؓ بھی ہیں۔امام بخاریؒ اور علی بن مدینیؒ نے بھی ان کا شمار اصحاب القضاء والفتویٰ صحابہ کرام میں کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں بھی وہ یمن ہی میں رہے۔ حضرت عمرؓ نے بصرہ کا حاکم بنایا پھر چار سال تک بصرہ کے گورنر رہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میرا کوئی حاکم ایک سال سے زیادہ کسی جگہ نہیں رہا۔البتہ ابو موسیٰؓ چار سال بصرہ میں بحیثیت گورنر رہے۔

اہل بصرہ ان سے بہت خوش تھے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔بصرہ میں کوئی حاکم بھی اہل بصرہ کے لئے ان سے بہتر نہیں آیا۔ [1] بصرہ کے قیام کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ان کے ذریعہ ہوئی ہیں۔اصبہان، اور اہواز وغیرہ کے علاقہ انہیں کی سرکردگی میں فتح کئے گئے تھے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔ مسئلہ تحکیم میں حضرت علیؓ کی طرف سے آپ ہی حکم بنائے گئے تھے۔

وفات

ذی الحجہ ۴۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ [2] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے میزبان حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام خالد بن زید ہے۔مدینہ طیبہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایمان لانے میں سابقین اولین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ واقعہ ہجرت سے کافی پہلے مدینہ طیبہ سے مکہ معظّمہ جاکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیعت عقبۂ ثانیہ میں شرکت فرمائی اور ایمان لائے۔انہوں نے اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ کے کچھ صحابۂ کرامؓ نے ہر طرح کی ذمہ داری لے کر آپ کو مدینہ طیبہ تشریف لانے کی دعوت دی تھی۔ پھر ہجرت رسول اللہ ﷺ کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں اور ہر طرح ساتھ نبھایا ہے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں، اس وقت مدینہ میں خاصی تعداد میں لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ آپ کی تشریف آوری پر مدینہ کے سربرآوردہ حضرات نے مدینہ سے باہر ہی قبا جاکر آپ ﷺ کا استقبال کیا تھا۔مدینہ تشریف لانے پر ہر شخص کی خواہش اور درخواست یہ تھی کہ آپ اسے شرف میزبانی سے نوازیں اور اسی کے گھر پر قیام فرمائیں۔اس درخواست کو لے کر وہ لوگ بار بار آپ کی اونٹنی۔(جس پر سوار ہو کر آپ تشریف لائے تھے۔) کے سامنے آتے اور اس کی مہار پکڑنا چاہتے، آپ فرما

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۔

[2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۳

[3] اصابہ ج ۲ ص ۸۹ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۵۔

دیتے "دعوها فانها مامورة" اس کو نہ روکو یہ من جانب اللہ مامور ہے۔ جہاں رکنے کے لئے اس کو اللہ کا حکم ہوگا یہ وہیں رکے گی او نٹنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور یہ دولت بے بہا ابوایوبؓ کی قسمت میں آئی۔ ان کا مکان دو منزلہ تھا، انہوں نے نیچے کا پورا حصہ آپ کے لئے خالی کر دیا اور خود بالائی حصہ پر چلے گئے۔ لیکن جانے کے بعد خیال آیا کہ ہم اوپر کے حصہ میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نیچے کے حصہ میں یہ تو بڑی بے حرمتی کی بات ہے وہ رات تو کسی طرح اوپر کی منزل کے ایک کونے میں کاٹ لی، لیکن صبح کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اس خیال کو عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہماری اور ہمارے پاس آمد ورفت رکھنے والوں کی سہولت اسی میں ہے کہ ہم نیچے کے مکان میں رہیں۔ اس لئے یہی نظم باقی رہا۔ لیکن ایک رات ایسا ہوا کہ اوپر کی منزل میں جہاں حضرت ابوایوبؓ اور ان کی اہلیہ رہتے تھے۔ پانی کا ایک گھڑا ٹوٹ گیا اور پانی فرش پر بہہ پڑا۔ اس خیال سے کہ اب پانی نیچے کی منزل میں جہاں آپ قیام فرما ہیں ٹپکے گا۔ انہوں نے فوراً اپنے لحاف میں پانی جذب کر لیا اور پوری رات دونوں میاں بیوی سردی کی وجہ سے سو نہ سکے۔ اس لئے کہ اس لحاف کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور چیز رات کو اوڑھنے کی نہ تھی۔ جب یہ واقعہ آپ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے اپنا قیام اوپر کی منزل میں کر لیا، جب تک آپ کے اہل خانہ کے لئے مکان کا انتظام نہیں ہوا آپ کے قیام وطعام کی سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کے نصیب میں ہی رہی۔ [1]

فضائل

حضرت ابوایوبؓ سابقین اولین میں بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دینے اور پھر تشریف آوری پر حتی الامکان آپ کی خدمت اور راحت رسانی کی فکر کرنے والے صحابی ہیں۔ آپ جب تک ان کے یہاں قیام فرما رہے کھانا پکا کر پہلے سب آپ کی خدمت میں بھیج دیا جاتا، جو وہاں سے بچ کر آجاتا میاں بیوی دونوں کھالیتے، بلکہ حضرت ابوایوبؓ تو اسی جگہ سے کھاتے جہاں سے آپ نے نوش فرمایا ہوتا اور جہاں آپ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے تھے۔ [2] آپ کی حیات طیبہ میں جملہ غزوات میں شریک رہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی مسلسل غزوات میں شرکت فرماتے رہے ہیں۔ ۵۲ھ میں غزوہ قسطنطنیہ کے لئے جانے والے لشکر میں شامل تھے۔ راستے ہی میں مریض ہو گئے اور بچنے کی امید نہ رہی لشکر کے امیر یزید بن معاویہؓ عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کوئی خواہش ہو تو ارشاد فرمائیں، انہوں نے فرمایا میرے انتقال کے بعد بھی میرے جنازے کو جہاں تک دشمن کی سرزمین میں لے جاسکو، لے جانا اور وہاں جا کر دفن کرنا۔ انتقال کے بعد ان کی خواہش کی تکمیل کی گئی اور ان کو قسطنطنیہ کے قلعہ کی دیوار کے قریب لے جا کر دفن کیا گیا۔ [3]

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۵ واصابہ ج ۲ ص ۸۹، ۹۰ وسیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۰
2. صحیح مسلم باب اباحة کل الثوم، جامع ترمذی باب فی الرخصة فی اکل الثوم مطبوخاً وسیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۴۰۔
3. سیر اعلام النبلاء واصابہ ج ۲ ص ۹۰۔

رسول اللہ ﷺ سے محبت اور تعلق اور آپ کی اتباع کا بہت خیال رکھتے تھے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک بار حسب معمول ان کے یہاں سے کھانا پکا کر آپ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ کچھ دیر بعد جب کھانے کے برتن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے تو کھانے کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ گھبرا گئے اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھانا نوش نہ فرمانے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس میں لہسن ہے۔ انہوں نے عرض کیا، کیا لہسن حرام ہے، آپ نے فرمایا حرام تو نہیں ہے لیکن **بدبو** کی وجہ سے مجھے پسند نہیں ہے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے عرض کیا جو آپ کو ناپسند وہ مجھے بھی ناپسند [1] اور ہمیشہ کے لئے لہسن کھانا چھوڑ دیا۔

ان کی دینی حمیت اور اتباع سنت کا ایک واقعہ اور پڑھ لیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب نے میرے ولیمہ کی دعوت میں جن صحابہ کرامؓ کو مدعو کیا تھا ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، بھی تھے۔ وہ جب تشریف لائے تو انہوں نے دیکھا کہ میرے مکان کی دیواروں پر کپڑے کے پردے لٹکے ہوئے ہیں، جنہیں دیکھ کر حضرت ابو ایوبؓ نے بہت سخت ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا دیواروں کو کپڑے پہناتے ہو۔ والد صاحب کو ان کے فرمانے پر بڑی خفت ہوئی اور کہا عورتیں غالب آ گئیں اس پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے فرمایا: ”من خشیت ان تغلبه النساء فلم اخش ان یغلبنك لا ادخل لكم بیتا ولا آكل لكم طعاما۔“ [2] مجھے ہر شخص کے بارے میں یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ عورتیں اس پر غالب آ سکتی ہیں، لیکن تمہارے بارے میں عورتوں کے غلبہ کا خطرہ بالکل نہ تھا۔ میں نہ تمہارے گھر میں قدم رکھوں گا اور نہ تمہارا کھانا کھاؤں گا اور بغیر کھانا کھائے ہی واپس چلے گئے۔

صحابہ کرامؓ آپ کے بعد بھی ان کے میزبان رسول اللہ ﷺ ہونے کا بڑا خیال کرتے اور اس وجہ سے ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بصرہ میں قیام فرما تھے ان کے یہاں حضرت ابو ایوب انصاریؓ تشریف لائے، ابن عباسؓ نے اپنا پورا مکان مع ساز و سامان قیام کے لئے ان حوالہ کر دیا اور بڑی مقدار میں ہدایا اور عطیات پیش خدمت کئے بالکل اسی طرح کا معاملہ حضرت علیؓ نے بھی ان کے ساتھ کیا تھا۔ [3]

ان سے احادیث کی روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ میں حضرت براء بن عازبؓ حضرت زید بن خالدؓ، حضرت مقدام بن معدی کربؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن سمرةؓ و حضرت انس بن مالکؓ جیسے صحابہ کرام ہیں۔ تابعین کی بھی بڑی تعداد نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

---

1. صحیح مسلم باب اباحة اكل الثوم۔
2. صحیح بخاری باب هل یرجع اذا رای منكر فی الدعوة ۔ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۹۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۱۰۔

وفات

جیسا کہ اوپر گذرا ۵۲ھ میں غزوہ قسطنطنیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔ ❶

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

حضرت عمار بن یاسرؓ کے والد یاسرؓ اصلاً یمن کے رہنے والے ہیں، مکہ معظمہ آکر بس گئے تھے اور وہاں قبیلۂ بنو مخزوم کے ایک شخص ابو حذیفہ سے حلف کرلی تھی (زمانۂ جاہلیت میں حلف دو شخصوں یا دو قبیلوں کے درمیان باہمی نصرت وحمایت کا معاہدہ ہوتا تھا) ابو حذیفہ نے ان کی شادی اپنی باندی سمیہؓ سے کردی تھی۔ انہیں دونوں کے بیٹے حضرت عمارؓ ہیں۔ یہ تینوں یعنی حضرت عمار اور ان کے والدین بالکل ابتدائی زمانہ میں اسلام لانے والے اور دین کی خاطر مشرکین مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کے ظلم وستم برداشت کرنے کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہنے والے صحابہ کرام میں ہیں۔ ❷ مکہ میں سخت گرمی کے زمانہ میں تپتی ہوئی چٹانوں پر باندھ کر ڈال دیئے جاتے تھے اور ایذا رسانی کی ہر ممکن صورت ان پر آزمائی جاتی تھی، ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گذر ان حضرات پر ہوا تو فرمایا۔ "صبراً یا آل یا سر موعد کم الجنة" یاسر کے گھر والو صبر کرو، تمہارے لئے جنت کا وعدہ ہے۔

ان کی والدہ حضرت سمیہؓ کو جو بہت ہی کمزور اور بوڑھی عورت تھیں، ابو جہل نے نیزہ مار کر شہید کردیا تھا۔ اسلام میں سب سے پہلی شہادت ان ہی کی ہے۔ ❸ ان کے والد یاسر بھی ان تکلیفوں اور اذیتوں کی وجہ سے مکہ ہی میں وفات پاگئے تھے۔ ❹ تین افراد پر مشتمل اس خاندان میں صرف حضرت عمار ہی باقی بچے تھے۔ مشرکین مکہ انہیں بھی کسی طرح معاف کرنے کو تیار نہ تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے انہیں اور حضرت بلالؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا۔ ❺

فضائل

جیسا کہ ابھی گزرا وہ اور ان کے والدین سابقین اولین میں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اولین ایمان لانے والے سات صحابہ کرام میں حضرت عمارؓ اور ان کے والد حضرت یاسرؓ کو شمار کیا ہے ❻ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مژدہ سنایا ہے یعنی اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور اس کے بعد بھی جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں۔ ❼ حضرت عمارؓ بڑے صاحب فضیلت صحابی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ "ماخیر عمار بین

---

❶ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۱۰۔
❷ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۰۷، اصابہ ج ۱۰ ص ۳۳۲، ج ۴ ص ۴۷۳، ج ۸ ص ۱۱۳
❸ اصابہ ج ۸ ص ۱۱۴ بحوالہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ۔ ❹ اصابہ ج ۶ ص ۳۳۳ و فتح الباری ج ۷ ص ۹۱۔
❺ صحیح بخاری باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ۔
❻ اصابہ ج ۴ ص ۴۷۲ بحوالہ ابن ماجہ۔ ❼ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۱۔

امرین الا اختار ارشدھما"[1] یعنی ان کے مزاج میں اتنی سلامتی ہے اور اللہ نے ان کی، شیطان اور اس کے وساوس سے ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ وہ کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتے اور جب بھی ان کو کن ہی دو ۲ کاموں یا دو ۲ باتوں میں سے کسی ایک کو انتخاب کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں جو برحق ہوتا ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ان کے شیطان سے محفوظ و مامون ہونے کا اعلان بزبان نبوت فرمایا ہے۔[2] یعنی حضرت ابو درداءؓ کے علم میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی ایسی حدیث ہے جس میں آپ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کو شیطان اور اس کے وساوس سے محفوظ رکھا ہے۔

ان سے رسول اللہ ﷺ کو بڑی محبت تھی، ان کی حاضری اور ملاقات سے آپ ﷺ بہت خوش ہوتے، ایک بار در دولت پر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ائذنوا لہ' مرحباً بالطیب المطیب۔[3] بلالوان کو اور فرمایا خوش آمدید اس شخص کو جو ہر طرح پاک و صاف ہے۔

ان کے فضائل میں امام ترمذیؒ نے حضرت حذیفہؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے بعد حضرت عمارؓ کی سیرت و کردار کو اختیار کرنے کا حکم دیا اور اسے اسوہ قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔"کنا جلوساً عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال انی لا ادری ما قدر بقاء فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی و اشار الیٰ ابی بکروعمر و اھتدوا بھدی عمار و ما حدثکم ابن مسعود فصد قوہ۔"[4] ہم لوگ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے نہیں معلوم کہ میں کتنے دن تم لوگوں کے درمیان رہتا ہوں، لہٰذا میرے بعد ان دونوں یعنی ابو بکرؓ و عمرؓ کی پیروی کرنا، اور عمار کی سیرت کو اپنانا اور جو بات عبداللہ بن مسعودؓ بیان کریں اس کو مان لینا۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان واھتدوا بھدی عمار میں حضرت عمارؓ کی سیرت و کردار کی بلندی اور پاکیزگی کی کیسی شہادت اور کتنا واضح اعلان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اعلیٰ درجہ کا مومن اور کامل الایمان قرار دیا۔ ارشاد فرماتے ہیں ان عماراً ملئی ایمانا الی مشاشہ۔[5] عمار اپنی ہڈیوں کے سروں اور جوڑوں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں۔ مشاش کا لفظ عربی زبان میں ہڈی کے سرے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے بظاہر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان ان کے رگ و پے میں اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر گیا ہے اور یہ تعبیر ہے ان کے اعلیٰ درجے کے مومن اور کامل الایمان ہونے کی۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی غزوہ میں ان کا ایک کان کٹ گیا تھا، عمار بن یاسرؓ اس کے کٹنے پر خوشی بلکہ فخر کا اظہار کرتے اور فرماتے تھے۔ جو کان کٹ گیا وہ زیادہ بہتر تھا اس کان سے جو بچ گیا۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے راستہ میں کام آ گیا۔ حضرت علیؓ حضرت عمارؓ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا ارشاد دم عمار ولحمہ' حرام علی النار ان تطعمہ'[6] نقل کیا ہے، یعنی جہنم کی آگ کے لئے حرام ہے کہ وہ عمارؓ کے خون اور گوشت کو کھائے۔

---

[1] جامع ترمذی فی المناقب۔ [2] صحیح بخاری فی المناقب۔ [3] جامع ترمذی فی المناقب۔
[4] جامع ترمذی فی المناقب [5] ایضاً [6] فتح الباری ج ۷ ص ۹۱ واصابہ۔

شہادت

حضرت عمرؓ نے حاکم بنا کر کوفہ بھیج دیا تھا، عرصہ تک وہاں رہے پھر جنگ صفینؔ میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے اور ۸۷ھ میں بعمر ۹۳ سال جنگ صفین ہی میں شہید ہوئے ہیں۔ (رضی اللہ عنہ و ارضاہ)[1]

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومیؓ اصلاً عرب ہیں، بچپن میں رومی پکڑ کر لے گئے تھے اور غلام بنالیا تھا، وہیں پلے پڑھے ہیں اسی لئے رومی کہلاتے ہیں۔ بڑے ہونے پر یا تو خود بھاگ آئے اور مکہ آکر عبداللہ بن جدعان سے موالات کرلی، یا کسی نے روم سے خرید کر مکہ میں لاکر بیچ دیا اور عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کردیا۔ دونوں قول ذکر کئے جاتے ہیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ سے قبل بعثت ہی سے تعلق تھا، فرماتے ہیں۔ "صحبت النبی صلی اللہ علیه وسلم قبل ان یوحیٰ الیه"[3] پھر اسلام لانے میں بھی سبقت کرنے والے لوگوں میں ہیں، حضرت عمار بن یاسرؓ کے ساتھ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان قبول کرلیا۔ آپ کی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کی ہے ان کی ہجرت کا واقعہ بھی عجیب وغریب ہے وہ مکہ سے بارادہ ہجرت نکلے ہی تھے کہ مکہ کے مشرکین کو علم ہوگیا، انہوں نے راستہ ہی میں روک لیا، حضرت صہیبؓ نے فرمایا تم مجھے جانتے ہو میں بہتر تیر انداز ہوں، جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر باقی رہے گا تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے ہو پھر میرے پاس میری تلوار بھی ہے جو تمہارے سروں کو تمہارے جسموں سے جدا کردے گی، ان لوگوں نے کہا ہمیں تمہارے جانے پر زیادہ اعتراض نہیں لیکن تم جو مال لے جارہے ہو یہ مال تو مکہ کا ہے، تم جب مکہ آئے تھے تو بالکل غریب تھے اور اب مالدار ہوگئے ہو، حضرت صہیبؓ نے فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر میں اپنا مال تمہیں دے دوں تو کیا تم میرا راستہ چھوڑ دوگے۔ انہوں نے کہا بے شک، اس کے بعد حضرت صہیبؓ نے مکہ میں موجود اپنے مال کا پتہ بتلا دیا کہ فلاں فلاں کے پاس میرا مال ہے اور میرے گھر میں فلاں جگہ سونا دفن ہے۔ اس پر ان لوگوں نے حضرت صہیبؓ کو مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت صہیبؓ جب مدینہ پہنچے ہیں اس وقت تک رسول اللہ ﷺ قباء ہی میں تھے جو اس وقت مدینہ طیبہ کی ایک مضافاتی بستی تھی، ان کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کے بارے میں آیت۔ " ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضاة الله والله رؤف بالعباد" (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۰۷) نازل ہوچکی تھی۔ ترجمہ:۔ اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے جو اپنی جان کو اللہ کی رضاجوئی کے لئے بیچتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت

---

1. فتح الباری ج ۷ ص ۹۱ و اصابہ۔
2. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۴ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۸ و خلاصۃ التذہیب ص ۱۷۵۔
3. مجمع الزوائد باب فضل صہیب بحوالہ طبرانی۔

مہربان ہے۔

آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ ربح البیع، ربح البیع، ربح البیع، تمہاری تجارت نفع مند رہی، یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔ [1]

فضائل

حضرت صہیبؓ جیسا کہ ابھی اوپر گزرا بالکل ابتداء ہی میں اسلام لانے والے اصحابہ کرامؓ میں ہیں، چونکہ مکہ میں ان کا کوئی عزیز اور حامی وناصر نہ تھا، اس لئے مشرکین مکہ نے ایمان لانے پر ان کو سخت ترین سزائیں دیں۔ مارنا پیٹنا، ہاتھ پاؤں باندھ کر سخت گرمی کے دنوں میں تپتی ہوئی چٹانوں پر دھوپ میں ڈال دینا یہ تو روز مرہ کا معمول تھا۔

ان کے بارے میں اوپر ذکر کی گئی آیت کریمہ۔ "ومن الناس من یشری نفسهٗ ...الایة." تو نازل ہوئی ہی اسے کے علاوہ آیت کریمہ والذین هاجروا فی اللہ من بعد ما ظلموا لنبو ئنهم فی الدنیا حسنةً ولا جر الا خرة اکبر لو کانوا یعلمون الذین صبرو وعلیٰ ربهم یتو کلون (سورۂ النحل نمبر ۴۱) کا مصداق بھی وہ اور ان جیسے صحابہ کرام ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے ظلم و ستم کے بعد اللہ کے واسطے ہجرت کی۔ ان کو ہم دنیا میں یقیناً بہترین ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت ہی بڑا ہے، اگر ان کو معلوم ہوتا۔ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا صهیب سابق الروم الی الجنة۔ [3] اہل روم میں صہیب سب سے پہلے جنت میں جانے والے شخص ہیں۔

وہ آپ کے ہجرت فرمانے کے فوراً بعد ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جملہ غزوات میں شریک رہے۔ اگر آپ ﷺ نے کبھی کوئی لشکر روانہ فرمایا ہے جس میں دینی مصالح کی بنا پر آپ خود تشریف نہیں لے جاسکے ہیں تب بھی صہیبؓ اس میں شریک ہوئے ہیں۔ آپ نے جب بھی صحابہ کرامؓ سے کسی بات پر عہد و پیمان اور بیعت لی، حضرت صہیبؓ اس عہد و پیمان اور بیعت میں بھی شریک رہے، وہ بڑے بہادر اور جانباز تھے، ہر خطرہ کے وقت وہ سب سے آگے رہتے، کسی موقع پر بھی دشمن کے مقابلہ میں وہ پیچھے نہیں رہے ہیں۔ [4]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو بکرؓ کے متعلق یہ خیال ہوا کہ شاید انہوں نے صہیبؓ کو کچھ تکلیف پہنچادی ہے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا" لعلك آذیته فقال لا واللہ فقال لو آذیته لاذیت اللہ ورسوله۔" کیا تم نے صہیب کو ایذا پہنچائی، انہوں نے عرض کیا واللہ، ایسا نہیں ہے۔ آپ نے

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۲۵۴ و سیر أعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۳ و تفسیر معارف القرآن و تفسیر عثمانی۔

[2] اصابہ ج ۲ ص ۲۵۵۔

[3] الزوائد باب فضل صہیبؓ۔

[4] مجمع الزوائد باب فضل صہیبؓ۔

فرمایا، اگر تم نے ان کو تکلیف پہنچائی تو سمجھ لو کہ تم نے اللہ اور اسکے رسول کو تکلیف پہنچائی۔ [1]

ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ "من کان یومن باللہ والیوم الا خر فلیحب صهیباً حب الوالدة لو لدها." [2] یعنی اہل ایمان کو چاہئے کہ صہیبؓ سے ایسی محبت کریں جیسی ماں اپنے بیٹے سے کرتی ہیں۔

صحابہ کرام کی نظر میں بھی ان کی بڑی قدر و منزلت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زخمی ہونے کے بعد فرمایا، جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو جائے مسجد نبوی ﷺ میں امامت صہیبؓ کریں گے اور میری نماز جنازہ بھی صہیبؓ ہی پڑھائیں گے۔ [3] اور پھر ایسا ہی ہوا۔

وفات

سن وفات ۳۸ھ یا ۳۹ھ ذکر کیا جاتا ہے، وفات کے وقت بہت سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ [4] رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

نام شریف جندب بن جنادہ ہے۔ لیکن اپنی کنیت ابوذر کے ساتھ ہی مشہور ہیں ان کا قبیلہ "غفار" مکہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا ہے۔ اسلام لانے سے پہلے بھی مزاج میں سلامتی تھی۔ توحید کے قائل تھے اور صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن صامتؓ نے اس بارے میں ان ہی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے تین سال پہلے ہی سے نماز پڑھتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا، آپ کس کے لئے نماز پڑھتے تھے، فرمایا اللہ کے لئے، میں نے پوچھا کدھر کو رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، کہا جدھر میرا رب میرا رخ کر دیتا تھا ادھر ہی کو متوجہ ہو کر نماز پڑھ لیا کرتے تھے مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔ رات کے اولین حصہ میں نماز شروع کرتا اور جب وقت آخر شب ہوتا تو اللہ کے حضور سجدہ میں پڑ جاتا، سورج نکلنے تک ایسے ہی پڑا رہتا۔ [5]

ان کے ایمان لانے کا ایک واقعہ صحیحین کی ایک روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ جب ان کو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی خبر پہنچی تو انہوں نے تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی حضرت اُنیسؓ کو مکہ بھیجا انہوں نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کے متعلق بتلایا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں اور ایسا کلام سناتے ہیں، جو شعر

---

1. صحیح مسلم باب فضائل بلال و سلمان و صہیب و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی واللفظ لہ۔
2. سیر اعلام النبلاء و قال المصنف ذکر ابن حبان ھذا الحدیث فی کتابہ الثقات۔
3. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۵، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۵، و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۸۔
4. اصابہ ج ۳ ص ۲۵۵۔
5. صحیح بخاری باب اسلام ابی ذرؓ۔ و صحیح مسلم فی المناقب۔

تو بہر حال نہیں ہے۔ حضرت ابوذرؓ کو بھائی کی بات سے پورا اطمینان نہیں ہوا، مختصر سا سامان سفر لیا اور مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ مکہ پہنچ کر حرم شریف میں جا کر ٹھہر گئے اور رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرنے لگے۔ نہ خود پہچانتے تھے، نہ کسی سے دریافت کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ اسی حال میں رات ہو گئی۔ حضرت علیؓ پردیسی خیال کر کے اپنے گھر لے گئے۔ قیام و طعام کے علاوہ کوئی گفتگو دونوں میں نہیں ہوئی۔ رات وہیں گزاری اور صبح کو اپنا سامان لے کر پھر حرم شریف آ گئے، دن بھر وہیں رہے، دوسری رات کو بھی حضرت علیؓ یہ خیال کر کے کہ پردیسی ہیں ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچے، اپنے گھر لے گئے۔ آج بھی دونوں میں مطلب کی کوئی بات نہیں ہوئی اور حضرت ابوذرؓ صبح کو پھر حرم شریف آ گئے تیسرے دن بھی جب حضرت علیؓ نے ان کو حرم میں ہی دیکھا تو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے حاضری کا مقصد معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کا عہد و پیمان کریں کہ مجھے صحیح بات بتلائیں گے تو میں اپنی آمد کی غرض بتلاؤں۔ جب حضرت علیؓ نے وعدہ کر لیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا وہ بالکل برحق ہیں اور بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں، آپ رات کو میرے ساتھ رہیے میں صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلوں گا اور دیکھئے اگر میں راستہ میں آپ کے لئے کوئی خطرہ محسوس کروں گا تو پیشاب کرنے کے بہانے رک جاؤں گا (آپ چلتے رہئے گا) صبح کو دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی باتیں سن کر حضرت ابوذرؓ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم اس وقت تو اپنے گھر چلے جاؤ اور وہاں دین کی دعوت کا کام کرو اور جب ہمارے غلبہ کا علم ہو جائے چلے آنا۔ انہوں نے کہا میں خاموشی سے گھر واپس نہیں جاؤں گا، علی الاعلان مشرکین مکہ کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار کروں گا اور پھر حرم شریف آ کر قریش کے لوگوں کے سامنے بآواز بلند اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ کا اعلان کر دیا یہ نعرہ ایمانی سن کر لوگ چاروں طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور مارتے مارتے برا حال کر دیا، پورا جسم لہولہان ہو گیا، حضرت عباسؓ کو اس کا علم ہوا آئے اور ان کو بچایا۔ ابوذر نے دوسرے دن بھی اشھد ان لا الہ الخ کا نعرہ بلند کیا اور آج بھی وہی سب کچھ ہوا جو کل ہوا تھا۔[1] طبرانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ان کو اس اعلان سے بار بار منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ مجھے تمہارے قتل کر دیئے جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن ہر بار وہ جواب میں یہی عرض کرتے تھے "انه لا بد منه وان قتلت" یہ تو میرے لئے ناگزیر ہے خواہ قتل ہی کیوں نہ کر دیا جاؤں، صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ جب مکہ سے اپنی والدہ اور بھائی کے پاس واپس پہنچے تو وہ لوگ بھی ان کے ایمان لانے پر ایمان لے آئے۔[2] اس وقت تک صرف تین چار حضرات ہی ایمان لائے تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر اپنے قبیلہ آئے اور آپ کے حکم کے مطابق وہاں دعوت دین کا کام

---

1. صحیح بخاری باب اسلام ابی ذرؓ۔ و صحیح مسلم فی المناقب۔
2. صحیح مسلم باب من فضائل ابی ذرؓ و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی۔
3. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۶ و اصابہ ج ۷ ص ۶۲ و مجمع الزوئد۔

شروع کر دیا۔ بہت ہی کم عرصہ میں قبیلۂ غفار اور اس سے متصل قبیلہ اسلم کے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں قبیلوں کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ کبھی آپ نے فرمایا غفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ۔ اللہ قبیلۂ غفار کی مغفرت فرمائے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے۔ کبھی آپ نے فرمایا یہ دونوں قبیلے اللہ کے مولیٰ ہیں اور ان کا اللہ و رسول کے علاوہ اور کوئی مولیٰ نہیں ہے (عربی زبان میں مولیٰ کا لفظ حامی ناصر اور انتہائی قریبی شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے)۔ حدیث کی کتابوں میں ان دونوں قبیلوں کی مدح وستائش کی روایات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد وہ فوراً مدینہ حاضر نہ ہو سکے تھے بلکہ غزوۂ احد کے بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر مستقل آپ کی خدمت و صحبت ہی میں رہے۔ [2]

فضائل

حضرت ابوذر کا شمار سابقین اولین اکابر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے، وہ اگرچہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، لیکن حضرت عمرؓ ان کے فضل و کمال کی وجہ سے انہیں بدری صحابہ کرام ہی کی صف میں شمار کرتے تھے۔ ان کے نزدیک علم و فضل میں حضرت ابوذرؓ کا درجہ اور مقام حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جیسا تھا۔ حضرت علیؓ بھی ان کو علم کا خزانہ کہتے تھے۔ [3] غزوۂ تبوک میں اونٹ کے بیماریاں کمزور ہو جانے کی وجہ سے عام لشکر سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے اونٹ کو چھوڑا، سامان کمر پر لادا اور پیدل چل دیئے۔ آپ نے دیکھا تو دعا فرمائی "یرحم اللہ ابا ذر" اللہ ابوذر پر رحم فرمائے، پھر فرمایا تنہا زندگی گزارتے ہیں موت بھی تنہائی میں آئے گی اور روز محشر بھی سب سے الگ اٹھیں گے۔ [4]

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ "ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء من ذی لهجة اصدق ولا اوفیٰ من ابی ذر شبه عیسیٰ بن مریم"۔ [5] آسمان کے زیر سایہ اور روئے زمین پر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ سچا اور بات کا پکا نہیں ہے۔ وہ (اپنے زہد اور دنیا سے بے رغبتی میں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا ابو ذر یمشی فی الارض بذهد عیسیٰ بن مریم۔ [6] ابوذرؓ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کے حامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوذرؓ جس طرح زاہدانہ زندگی گذارتے تھے، آپ کے بعد بھی ویسی ہی زندگی گزارتے رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں کی تھی اور آپ کا ارشاد ہے۔ "اقربکم من مجلسا یوم القیامة من خرج من الدنیا کھیئة یوم ترکتھافیھا" قیامت میں سب سے زیادہ میرے قریب مقام اس شخص کو نصیب ہو گا

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل غفار واسلم وجامع ترمذی باب فی غفار واسلم۔
[2] اصابہ ج ۷ ص ۶۲۔
[3]، [4] اصابہ ج ۷ ص ۶۲،۔
[5] جامع ترمذی مناقب ابی ذر۔
[6] جامع ترمذی باب مناقب ابی ذر و مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی و مسند احمد۔

جو دنیا سے اسی حالت میں رخصت ہوا، جس حالت میں میں اس کو چھوڑ کر آیا تھا۔ [1] آپؐ نے ان کو اپنے انتہائی خاص صحابہ کرام میں شمار کیا ہے۔ ایک بار آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ نے مجھ کو چودہ مخصوص اور فاضل رفقاء عطا فرمائے ہیں پھر آپؐ نے ان چودہ رفقاء خاص کے اسمائے گرامی بھی ذکر فرمائے جن میں حضرت ابوذرؓ کا نام بھی شامل ہے۔ [2]

وفات

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں اپنے زاہدانہ مزاج کی وجہ سے مدینہ سے باہر مقام ربذہ میں آکر رہنے لگے تھے۔ اہلیہ کے علاوہ غالباً اور کوئی ساتھ نہ تھا، وہیں وقت موعود آپہنچا، مسلمانوں کی ایک جماعت جن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے وہاں سے گذری، انہیں حضرات نے تجہیز و تکفین کی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ [3] رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

ایک انتہائی حسین و جمیل خوبرو نوجوان جس کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ تھی بیعت عقبۂ ثانیہ یا ثالثہ کے موقع پر مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام پر جینے اور مرنے اور مرتے دم تک اسلام کی خدمت و حمایت کی بیعت کر رہا تھا۔ اسے ایمان کی دولت حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ذریعہ نصیب ہوئی تھی، جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ طیبہ کے لوگوں کو دین کی دعوت اور قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے بھیجا تھا اس نوجوان کا نام معاذ بن جبلؓ ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد تو معاذؓ سایہ کی طرح آپؐ کے ساتھ رہے۔ اکیس سال کی عمر میں غزوۂ بدر سے غزوات میں شرکت شروع کی پھر تمام ہی غزات میں شریک رہے۔ ابھی عمر کی صرف تیس منزلیں ہی طے کی تھیں کہ اہل یمن کی درخواست پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کا حاکم اور اہل یمن کا معلم بنا کر بھیجا۔ [4]

فضائل

حضرت معاذ بن جبلؓ نوعمری ہی میں سعادت ایمانی سے نواز دیئے گئے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید اور دینی مسائل کی تحصیل براہ راست رسول اللہ ﷺ سے کی تھی اور آپؐ نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن وسنت اور دینی و فقہی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا، اپنی حیات ہی میں آپ نے جن حضرات صحابہ کرامؓ کو

1. مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی واصابہ ج ۷ ص ۶۲۔
2. جامع ترمذی مناقب اہل بیت النبی ﷺ ص۔
3. اصابہ ج ۷ ص ۶۲ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۷۔
4. سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۴ تا ص ۴۵۰۔

قرآن مجید کا معلم بنایا تھا ان میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں۔ صحیح بخاری وغیرہ میں آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے۔" استقرؤ القرآن من اربعة من ابن مسعود وسالم مولیٰ ابی حذیفه وابن ومعاذ بن جبل." [1] یعنی ان چار حضرات سے جن میں معاذ بن جبلؓ بھی ہیں قرآن مجید پڑھا کرو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔" اعلم امتی بالحرام والحلال معاذ بن جبل" [2] یعنی حلت و حرمت کے مسائل کی واقفیت میں معاذ بن جبل کا مقام سب سے بلند مقام ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت معاذؓ کو اہل مکہ کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے کچھ دنوں کے لئے وہیں چھوڑ دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خوش رہتے تھے۔ ایک بار ان کے بارے میں فرمایا۔ "نعم الرجل معاذ بن جبل" [3] معاذ بن جبل بہت ہی اچھے شخص ہیں۔ آپ کو حضرت معاذؓ سے بہت محبت تھی اور کبھی کبھی آپ ﷺ اس کا اظہار بھی فرما دیتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے حضرت معاذؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ " یا معاذا واللّٰه انی لا حبك" معاذ! واللہ مجھے تم سے بہت محبت ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں ایک دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھا کرو۔ "اللهم اعنی علیٰ ذکرك وشرك وحسن عبادتك" [4] اے اللہ! میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر کی اور اپنی اچھی عبادت کی۔

۱۰ھ میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ...... کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا ہے اور مدینہ طیبہ سے اس شان سے رخصت فرمایا ہے کہ معاذؓ (آپ کے حکم کے مطابق) گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ ﷺ پاپیادہ ان کے ساتھ چل رہے ہیں اور حضرت معاذؓ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود بھی ان کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ رخصت کرتے وقت آپ نے ان کو دین کی دعوت اور اسلامی حکومت کے سلسلہ کی بہت سی نصیحتیں فرمائی ہیں جن کا ذکر صحیحین وغیرہ کی روایات میں ہے۔ [5] اسی سلسلہ میں آپؐ نے ان سے سوال فرمایا تھا۔ معاذ! وہاں کے لوگوں کے درمیان اگر قضاء یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی ضرورت پڑے گی تو کس طرح فیصلے کرو گے انہوں نے عرض کیا اولاً کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اگر اس قضیہ کا حل کتاب اللہ میں نہیں ملے گا تو آپ کی سنت میں اس کا حل تلاش کروں گا ورنہ پھر خود خوب غور و فکر کر کے فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا الحمد لله الذی وفق رسول رسول الله۔ [6] تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے میرے قاصد کو خیر اور صحیح طریقہ کی توفیق عطا فرمائی۔ اسی موقع پر آپ نے حضرت معاذؓ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ غالباً یہ آخری ملاقات

---

1. صحیح بخاری فی المناقب۔
2. جامع ترمذی مناقب معاذ بن جبل واصابہ ج ۶ ص ۱۰۷۔
3. جامع ترمذی فی المناقب، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۶۸۔
4. سنن ابی داؤد باب فی الاستغفار۔
5. صحیح مسلم باب الدعاء الی الشهادتین وشرائع الاسلام و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۸ و تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۰۔
6. جامع ترمذی باب ماجاء فی القاضی کیف، یقضی، وطبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۴۷ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۴۸۔

ہے جس پر دونوں کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے تھے۔ اسی موقع پر آپ نے ان کو "حفظك الله من بين يديك ومن خلفك ودرأعنك شرالانس والجن" کی دعا دی تھی۔ اللہ تمہاری ہر طرف سے حفاظت فرمائے اور تم کو جن وانس کے شر سے محفوظ رکھے۔ [1] حضرت معاذ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے یہ بشارت بھی دی تھی کہ وہ قیامت کے دن علماء کی ایک جماعت کے امام بن کر آئیں گے۔

ان کا شمار ان صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ ہی میں معلمین قرآن اور اصحاب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بر سر منبر پر اعلان کیا تھا۔"من كان يريد ان يسأل عن الفقه فليات معاذ بن جبل"۔ جیسے دینی مسائل سے واقفیت مطلوب ہو اس کو معاذ بن جبلؓ کے پاس جانا چاہئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے معاذ بن جبلؓ یمن گئے تھے پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکر سے کہا تھا، معاذؓ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلاء ہو جائے گا آپ انہیں ملک شام جانے کے ارادہ سے باز رکھئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبہ سے میدان جہاد کے لئے جارہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا حضرت معاذؓ ملک شام جانے کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۷یا۱۸ھ میں شہید ہو گئے۔ [3]

شہادت کے وقت عمر صرف ۳۳ سال تھی۔ بعض حضرات نے ۳۴یا۳۵ سال بھی بتلائی ہے۔ [4]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ

حضرت عبادہؓ کا تعلق مدینہ طیبہ کے قبیلۂ خزرج سے ہے۔ مکہ معظمہ آکر بیعت عقبہ اولیٰ کے موقع پر ایمان لائے تھے۔ یہ واقعہ ۱۲ نبوی کا ہے۔ اس سے ایک سال پہلے حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں جمرہ عقبہ کے قریب مدینہ طیبہ سے حج کیلئے آنے والے حضرات کے سامنے اسلام پیش کیا تھا اور انکو دین کی دعوت دی تھی اسوقت کل چھ مدنی صحابہ کرامؓ ایمان لے آئے تھے۔ آئندہ سال حج کے موقعہ پر اسی جگہ کچھ اور مدنی صحابہ کرامؓ حاضر خدمت ہوئے اور مشرف باسلام ہو کر آپ کے دست مبارک پر اسلام اور اسکے بنیادی احکامات کی بیعت کر کے مدینہ طیبہ واپس ہوئے ہیں اس بیعت کا کس قدر تفصیلی ذکر صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ [5] ان میں سے کچھ لوگوں کو آپ ﷺ نے الگ الگ قبیلوں کا نقیب یعنی دینی دعوت کے سلسلہ میں ذمہ دار بنایا تھا۔ انہیں نقباء میں سے حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی تھے جن کو قبیلہ بنی عوف کا نقیب بنایا تھا۔ [6] صحیح بخاری کی اس روایت میں بھی جس کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؓ کے نقیب ہونے کا ذکر ہے۔

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۴۴۸۔　2. طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۴۷۔　3. ایضاء وسیر اعلام النبلاء، ج ا ص ۴۵۲۔
4. فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۶　5. صحیح بخاری کتاب الایمان ص ۷
6. شرح تراجم البخاری للشاہ ولی اللہ والشیخ محمد زکریا الکاندھلوی۔

فضائل

مدینہ طیبہ کے صحابۂ کرامؓ میں اولین ایمان لانے والے صحابی ہیں لیلۃ العقبۃ الاولیٰ میں شریک ہونے والے اور ہجرت کے بعد غزوۂ بدر سے لے کر تمام ہی غزوت میں شریک ہونے والے صحابی ہیں۔

بدری صحابہ کرامؓ میں بھی آپؓ کا بڑا بلند مقام ہے۔ چند صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ان میں حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی ہیں۔ (1) حضرت یزید بن ابی سفیانؓ نے ملک شام سے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ یہاں کی لوگوں کو قرآن پڑھانے اور دینی مسائل کی تعلیم دینے کے لئے کچھ معلمین بھیج دیجئے حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ، حضرت عبادہؓ اور حضرت ابودرداءؓ کو بھیج دیا۔ حضرت عبادہؓ نے فلسطین میں قیام کیا اور وہاں کے لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیم دی۔ (2) وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں کسی کا لحاظ نہیں کرتے تھے۔ خواہ اس کا تعلق حاکم وقت ہی سے کیوں نہ ہو۔

جب حضرت معاویہؓ ملک شام کے حاکم ہوئے ہیں تو حضرت عبادہؓ وہیں قیام فرما تھے، انہوں نے حضرت معاویہؓ کی بہت سی باتوں پر نکیر کی ہے اور ان میں سے بعض باتوں کو حضرت معاویہؓ نے تسلیم بھی کر لیا، ایک مرتبہ ایک خطیب نے خطبہ میں حضرت معاویہؓ کی موجودگی میں ان کی تعریف شروع کر دی، حضرت عبادہؓ نے زمین سے خاک اٹھائی اور خطیب کے منہ پر مار دی۔ حضرت معاویہؓ نے جب ان کے اس عمل پر گرفت کی تو انہوں نے فرمایا ہمیں اللہ کے رسول ﷺ نے یہی حکم دیا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈال دیں۔ (3) غزوۂ احد کے بعد مسلمانوں کی پریشاں حالی کو دیکھ مدینہ کے قرب وجوار کے یہودی قبائل نے مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو نظر انداز کر کے ان کے خلاف مختلف شکلوں میں اعلان جنگ کر دیا تھا۔ قبیلۂ بنی قینقاع نے سب سے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا اس قبیلہ سے پرانا معاہدہ تھا وہ اس قبیلہ کے ساتھ رہا۔ عبداللہ بن ابی کی طرح حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بھی ان لوگوں سے پرانا معاہدہ تھا لیکن انہوں نے اس معاہدہ کی بالکل پرواہ نہ کی اور اپنی برائت اور بے تعلقی کا اعلان کر دیا، اسی موقع پر آیت کریمہ **یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء** نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ (4)

وفات

حضرت معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں ۳۴ھ میں بعمر ۷۲ سال ملک شام میں انتقال ہوا۔

---

(1) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۹۵ و اصابہ ج ۴ ص ۲۸ (2) اصابہ ج ۴ ص ۲۸
(3) سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۰۔ (4) اصابہ ج ۴ ص ۲۸ و تفسیر بیان القرآن سورۂ مائدہ آیت ص ۵۱۔

حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ

حضرت خبابؓ کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے ہے بچپن میں کسی نے ان کو پکڑ کر مکہ معظمہ میں لا کر بیچ دیا اور مکہ کی ایک عورت ام انمار نے خرید کر اپنا غلام بنالیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں جن صحابہ کرامؓ نے بالکل ابتدائی زمانہ میں لبیک کہا ان میں حضرت خبابؓ بھی ہیں۔ انہوں نے اسلام لانے کی پاداش میں ہر طرح کے ظلم و ستم برداشت کئے۔ ❶ زمانہ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی وہی کام کرتے رہے۔ اسی سلسلہ میں عاص بن وائل پر کچھ قرض ہو گیا تھا جس کا مطالبہ کرنے کے لئے عاص کے پاس گئے اس نے کہا تمہارے پیسے جب ملے گے جب تم محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار کر دو، خبابؓ نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار ہر گز نہیں کر سکتا خواہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو جائے۔ ❷ عاص نے کہا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا حضرت خبابؓ نے فرمایا بالکل، اس نے کہا کہ پھر اس وقت میرے پاس بہت سامال و دولت اور آل اولاد ہو گی میں اسی وقت تمہارے قرض کی ادائیگی کروں گا۔ اس پر سورۂ مریم کی کئی آیتیں افرأیت الذی کفر بایاتنا سے لے کر و نرثه ما یقول و یأتینا فرداً تک آیات نمبر ۷۷، نمبر ۷۸، نمبر ۷۹، نمبر ۸۰ نازل ہوئیں، ❸ جن میں عاص کی اس بے ہودہ قول پر سخت نکیر فرمائی گئی ہے، ان آیات کا ترجمہ اس طرح ہے۔ "بھلا آپ نے دیکھا اس شخص کو جو ہماری آیتوں (قدرت کی نشانیوں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیلوں کا منکر ہوا اور اس نے کہا مجھ کو (دوبارہ زندہ ہونے کی صورت میں) مال اور اولاد ضرور ملے گا کیا اس نے (آئندہ کی) غیب کی باتوں کو دیکھ لیا ہے یا اللہ سے کوئی عہد و پیمان لے رکھا ہے۔ ہر گز نہیں (یعنی مال اولاد کچھ نہیں ملے گا۔) بلکہ ہم اس کی اس بات کو جو وہ کہہ رہا ہے لکھ رکھیں گے اور اس کے لئے عذاب کو طویل تر کرتے رہیں گے۔ اور جس منال و اولاد کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ سب بھی ہمارا ہی ہو گا (یعنی اس کو وہاں کچھ نہ ملے گا) اور وہ ہمارے حضور میں تنہا حاضر ہو گا۔

فضائل

جیسا کہ ابھی گزرا وہ اولین اسلام لانے والوں میں ہیں اور اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانیاں انہوں نے دی ہیں، چونکہ وہ غلام تھے اس لئے ان کے لئے ہر طرح کی ایذاء رسانیاں جائز تھیں اور کوئی بھی ان کا حمایتی نہ تھا۔ ایک بار مشرکین مکہ نے آگ جلائی اور اس کے دہکتے ہوئے انگاروں پر حضرت خبابؓ کو لٹادیا ان کی کمر کی چربی سے جب تک انگارے بجھ نہ گئے ان کو اٹھنے نہ دیا۔ عرصہ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے ان کی کمر دیکھ کر فرمایا تھا، میں نے آج تک ایسی کمر نہیں دیکھی۔ جلنے کے نشانات کی وجہ سے ان کی کمر پر برص کی طرح سفید داغ ہو گئے تھے۔ ان تکلیفوں سے تنگ آکر ایک دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکوہ شکایت اور دعا کی درخواست کی آپ نے فرمایا ابھی جلدی نہ کرو پہلے لوگوں نے تو دین کے سلسلہ میں بہت سخت آزمائشیں

---

❶ اصابہ ج ۴ ص ۲۸ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۲۰۔ ❷ اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱۔
❸ صحیح بخاری باب ذکر القین والحداد و تفسیر سورہ مریم و جامع ترمذی تفسیر سورہ مریم

برداشت کی تھیں۔ (اور آپ ﷺ نے ان آزمائشوں کا ذکر بھی کیا) اور پھر فرمایا واللہ یہ دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ ❶

حضرت علیؓ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ " رحم الله خباباً لقد اسلم راغباً وها جرطا ئعا وعاش مجاهداً وابتلى فى جسمه احوالاً ولن يضيع الله اجرمن احسن عملاً "۔ ❷

اللہ خبابؓ پر رحم فرمائے، وہ اپنی رضا اور رغبت سے ایمان لائے اور انہوں نے خود اپنی خوشی سے ہجرت کی، مجاہدانہ زندگی بسر کی، ہرطرح کی جسمانی تکالیف برداشت کیں اور اللہ اعمال صالحہ کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر اور اس کے بعد کے جملہ غزوات میں شریک رہے ہیں۔ ❸

وفات

۳۷ھ کوفہ میں وفات پائی۔ ❹ رضی اللہ عنــــــہ وارضــــــاہ

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن معاذؓ کا تعلق مدینہ کے مشہور خاندان قبیلہ اوس کی ایک شاخ قبیلہ بنی عبد الاشہل سے ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیرؓ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اہل مدینہ کو دین کی دعوت دینے کے لئے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا، ایمان لانے کے بعد انہوں نے اپنے خاندان بنی عبد الاشہل کے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا اے میرے قبیلہ کے لوگو! تم لوگوں کے نزدیک میرا مقام کیا ہے؟ سب نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں، اور ہم سب میں بلند مقام ہیں، یہ جواب سن کر حضرت سعدؓ نے فرمایا میرے لئے تم لوگوں سے بات کرنا حرام ہے جب تک کہ تم سب مرد وعورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ، قبیلہ کے تمام مردوں و عورتوں نے ان کی دعوت پر لبیک کہا اور سب ہی لوگ ان کے کہنے پر مسلمان ہو گئے۔ پورے قبیلہ میں ایک بھی شخص ایسا نہ رہا جو دولت ایمانی سے محروم رہا ہو...... ❺ وہ قبیلہ بنی عبد الاشہل...... (جو اوس کی شاخ ہے اور جس سے ان کا تعلق تھا۔) کے سردار تھے ہی اصل قبیلۂ اوس جو انصار مدینہ کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا اس کے بھی سردار تھے، انصار میں کم ہی لوگ ان کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے، زمانہ جاہلیت میں بھی اہل مدینہ میں ان کو یہ بلند مقام حاصل تھا اور مدینہ طیبہ میں اسلام آجانے کے بعد بھی ان کا یہ مقام اہل مدینہ میں مسلم رہا، خود رسول اللہ ﷺ نے ان کو اہل مدینہ کے سردار کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔ ❻ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لے آنے کے بعد آپ مسلسل دین کی دعوت اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت وحمایت میں مشغول رہے، غزوہ بدر سے ہی غزوات میں شرکت شروع کر دی تھی، غزوۂ خندق میں ایک مشرک کے تیر سے

---

❶ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۰ باب علامات النبوۃ۔ ❷ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔
❸ اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔ ❹ اصابہ ج ۲ ص ۱۰۱ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۹۹۔
❺ اصابہ ج ۳ ص ۸۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۸۰۔ ❻ صحیح بخاری باب خروج النبی ﷺ الی بنی قریظہ و صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد۔

زخمی ہوئے، تیر ہاتھ کی ایک ایسی نس میں لگا جس سے کسی طرح بھی خون نہ رکتا تھا، رسول اللہ ﷺ نے کئی بار اس زخم پر گرم لوہے سے داغ لگوائے، اس وقت خون کو روکنے کے لئے یہ بھی ایک طریق علاج تھا، کئی بار کے بعد خون کا بہنا بند ہوا جب ان کا خون کسی طرح نہ رکتا تھا تو انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ تو جانتا ہے کہ مجھے کوئی چیز بھی تیرے راستہ میں جہاد کرنے اور ان لوگوں سے جنگ اور قتال کرنے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، جنہوں نے تیرے نبی ﷺ کی تکذیب کی ہے اور ان کو ان کے گھر (مکہ) سے نکالا ہے، الٰہی اگر قریش سے ابھی کوئی اور جنگ ہونا باقی ہو تو مجھے ابھی مزید زندگی عطا فرما تاکہ ان سے تیرے راستہ میں جہاد کروں، پرورگار، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ بظاہر اب قریش سے مزید کوئی جنگ نہیں ہونی، اگر ایسا ہی ہے تو مجھے اسی زخم میں شہادت عطا فرمادے۔ (1) بعض روایات میں یہ بھی اضافہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی دعا کی تھی کہ اے اللہ میرے موت سے پہلے بنو قریظہ کو ان کی دھوکہ دہی اور عہد شکنی کی سزا دے کر میری آنکھیں ٹھنڈی کر دے، (2) بنو قریظہ کا قصہ یہ تھا کہ یہ مدینہ کے قریب ایک یہودی قبیلہ تھا، ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم نہ آپ لوگوں سے جنگ کریں گے نہ آپ کے دشمنوں کی مدد کریں گے، لیکن دوسرے یہودیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی عہد شکنی کی اور مشرکین مکہ اور عرب کے بعض دیگر قبائل کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا انہیں کی سازشوں کے نتیجہ میں غزوۂ خندق پیش آیا، اس لئے جیسے ہی رسول اللہ ﷺ غزوۂ خندق سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے ہیں، فوراً ہی اللہ کا حکم آ گیا کہ بنی قریظہ پر حملہ کرنے کے لئے چلا جائے آپ صحابہ کرام کی ایک جمعیت لے کر وہاں تشریف لے گئے اور تقریباً ایک ماہ ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا ان لوگوں نے اپنے اس مسئلہ میں حضور ﷺ ہی کو حکم بنانا چاہا لیکن آپؐ نے ان کی رضامندی سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنادیا، حضرت سعد بن معاذؓ اور ان کے قبیلہ اوس سے زمانۂ جاہلیت میں بنو قریظہ سے حلف یعنی نصرت و حمایت کا معاہدہ تھا لیکن حضرت سعدؓ کو اپنے ان حلیفوں کی عہد شکنی اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت انتہائی ناگوار گذری تھی اس لئے حضرت سعدؓ نے ان لوگوں کے مقاتلین کے قتل کئے جانے اور باقی لوگوں کو غلام بنانے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ ان لوگوں نے بار بار اپنے پرانے عہد و معاہدہ کی یاد دہانی کرائی اور نرم فیصلہ کرانے کی کوششیں کیں بلکہ بعض لوگوں نے تو ان کو اپنے حلیفوں کی حفاظت و حمایت نہ کر سکنے پر بہت عار بھی دلائی، لیکن حضرت معاذؓ نے یہی فیصلہ برقرار رکھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کے فیصلے کی تصویب فرمائی۔ (3) حضرت سعدؓ نے زخمی ہونے کے بعد جو دعا کی تھی وہ مقبول ہوئی اور اللہ نے انہیں کے ذریعہ ان کی زندگی میں ہی بنو قریظہ کو کیفر کردار تک پہنچایا اور جیسے ہی وہ بنو قریظہ کے قضیہ سے فارغ ہوئے، زخم کا منہ کھل گیا اور وہی وجہ شہادت ہوا۔

---

(1) صحیح بخاری باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب مخرجہ الی بنی قریظۃ و صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد۔

(2) اصابہ ج ۳ ص ۸۷۔

(3) صحیح بخاری باب خروج النبی ﷺ الی بنی قریظہ صحیح مسلم باب جواز قتل من نقض العہد

فضائل

حضرت سعد بن معاذؓ نہایت حسین و جمیل اور طویل القامت شخص تھے ظاہری حسن ووجاہت کے ساتھ اللہ نے ان کو دینی و دنیوی عزت وو قار بھی عطا فرمایا تھا اہل مدینہ میں ان کا بہت بلند مقام تھا ان کے اسلام لانے سے مدینہ میں اسلام کو بڑی تقویت ملی، ان کا پورا قبیلہ بنی عبدالاشہل ان کے اسلام لانے پر مسلمان ہو گیا تھا رسول اللہ ﷺ بھی ان کے مقام کا اعتراف و لحاظ فرماتے تھے۔ جب غزوۂ خندق میں وہ زخمی ہوئے ہیں تو آپ نے ان کے لئے مسجد نبوی کے صحن میں ہی خیمہ لگوادیا تھا تا کہ ان کی تیمارداری اور علاج و معالجہ آپ کی نگرانی میں ہوتا رہے اور وہ ہمہ وقت آپ ﷺ کی نظر میں رہیں پھر جب آپ ﷺ نے ان کو بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے قبیلۂ بنو قریظہ بلوایا ہے اور وہ سواری پر سوار ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا قوموا الی سیدکم اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ، بنو قریظہ کے بارے میں جو فیصلہ انہوں نے فرمایا تھا اس فیصلہ کو آپ ﷺ نے اللہ کا فیصلہ قرار دیا تھا اور اسی کے مطابق عمل بھی کرایا تھا۔ جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ نے اللہ کے حضور عرض کیا۔ اللّٰهم ان سعدا قد جاهد فی سبيلك و صدق رسولك و قض الذی عليه فتقبل روحه بخير ما تقبلت به روحاً الٰہی سعد نے آپ کے راستہ میں جہاد کیا، آپ کے رسولؐ کی تصدیق کی اور اپنی تمام دینی ذمہ داریوں کو پورا کیا، میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ ان کی روح کا بہتر سے بہتر استقبال فرمائیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر آنکھیں کھول دیں اور عرض کیا السلام عليك، يا رسول الله میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں وفات ہو جانے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جزاك الله خيراً فقد انجزت ما وعدته ولينجزنك الله ما وعدك۔ اللہ تم کو بہترین جزا دے، تم نے جو وعدے اللہ سے کئے سب پورے کر دکھائے اب یقیناً اللہ بھی تم سے کئے ہوئے اپنے وعدے پورے فرمائے گا۔ آپ نے ان کی وفات کے بعد فرمایا کہ سعد، اللہ کا نیک بندہ ہے جس کی آمد کی خوشی پر عرشِ الٰہی جھوم اٹھا، آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے اور ستر ہزار فرشتے آسمان سے ان کے جنازے میں شرکت کے لئے اتر آئے جو کبھی پہلے زمین میں نہیں اترے تھے۔ صحابہ کرام کو ان کی وفات پر اتنا صدمہ ہوا تھا کہ ایسا صدمہ شاذ و نادر ہی کسی کی وفات پر ہوا تھا، حضرت ابو بکر و عمر جیسے صحابہ کرامؓ بھی رو رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے ضبط غم کے لئے اپنی داڑھی پکڑ رکھی تھی۔ [1] رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دومۃ الجندل کے امیر نے ایک ریشمی جبہ بھیجا تھا، صحابہ کرامؓ نے ایسا قیمتی اور شاندار جبہ کبھی نہ دیکھا تھا، صحابہ اس کو بار بار چھوتے اور اس کی نرمی و نزاکت پر تعجب کا اظہار کرتے تھے، آپ نے صحابہ کرامؓ کے اس عمل کو دیکھ کر فرمایا کیا تم کو یہ بہت اچھا معلوم ہو رہا ہے، جنت میں سعد بن معاذؓ کے رومال اس سے بہت زیادہ بہتر اور نرم و نازک ہیں۔ [2]

---

1. سیر اعلام النبلاء ص ۲۸۴ تا ص ۲۹۶ و صحیح مسلم فضائل سعد بن معاذ و سنن نسائی فی الجنائز۔
2. صحیح مسلم فی الفضائل و جامع الترمذی فی اللباس۔

ان کی والدہ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا بھی صحابیہ ہیں، بیٹے کی وفات پر بہت رنجیدہ تھیں، بڑا درد بھر مرثیہ کہا ہے، رسول اللہ ﷺ نے انکا مرثیہ سن کر ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا واللہ وہ دین میں بہت پختہ اور اللہ کے کام میں بہت قوی تھے۔

وفات

غزوہ احزاب یعنی غزوہ خندق میں زخمی ہونے کی چند دن کے بعد ہی وفات ہو گئی اور وہی زخم شہادت کا سبب بنا تھا، غزوۂ خندق کا واقعہ ۵ھ کا ہے وفات کے وقت ان کی عمر ۳۷ سال تھی۔ [1]

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ

مدینہ کے مشہور یہودی قبیلہ بن قینقاع سے تعلق ہے، ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مل جاتا ہے، وہ یہودیوں کے ایک بڑے عالم تھے، اسلام لانے سے پہلے ان کا نام الحصین تھا، رسول اللہ ﷺ ہی نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا، وہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور میں نے پہلی بار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا اور دل نے قطعی طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا پہلی بات جو میں نے آپ سے سنی وہ یہ تھی افشوا السلام و اطعموا الطعام و صلوا والناس نیام تدخل الجنة بسلام ۔ [2] لوگوں سلام کو عام کرو اور غریبوں کو کھانا کھلاؤ اور رات کو جب لوگ سو رہے ہوں تو نماز پڑھو اور سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ، سلام کو عام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے خواہ وہ شخص جان پہچان کا ہو یا نہ ہو، اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے چند سوالات کئے آپ نے ان کے صحیح صحیح جوابات دے دیئے، جوابات سن کر انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور ایمان لے آئے، سوالات و جوابات کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے۔ [3] اس کے بعد آپ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ یہود بہت جھوٹی قوم ہے، آپ ابھی میرے ایمان لانے کا اظہار نہ فرمائیں پہلے ان لوگوں سے میرے بارے میں معلوم فرمائیں کہ میرا مقام ان کے نزدیک کیا ہے، آپ ﷺ نے یہودیوں کی ایک جماعت کو بلا کر ان لوگوں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے متعلق معلوم کیا کہ وہ کیسے شخص ہیں سب نے بیک زبان کہا خیرنا و ابن خیرنا و افضلنا و ابن افضلنا و اعلمنا وابن اعلمنا ، وہ ہم میں سب سے افضل اور بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم ہیں اور ان کے والد بھی اپنے زمانہ میں سب سے افضل، و بہتر اور سب سے زیادہ صاحب علم تھے اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا یہ بتلاؤ کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو اسلام۔ کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہو گی؟ کہا اللہ کی پناہ یہ نہیں ہو سکتا، آپ ﷺ نے کئی بار یہ سوال دہرایا اور یہود نے ہر بار یہی جواب دیا۔ اس گفتگو کے وقت حضرت عبداللہ بن سلام

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۲۹۱۔　[2] اصابہ ج ۴ ص ۱۰۱ بحوالہ مسند احمد و جامع الترمذی ج ۲ ص ۷۱ و ۷۲۔

[3] صحیح بخاری باب فضائل عبداللہ بن سلام۔

رضی اللہ عنہ کہیں قریب ہی چھپ گئے تھے۔ جب یہود نے بار بار ان کے صاحب علم و فضل ہونے کا اقرار کر لیا تو وہ نکل آئے اور فرمایا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله ، یہود نے فوراً ہی بات بدل دی اور کہنے لگے شرنا و ابن شرنا یہ بھی بدترین شخص ہے اور اس کا باپ بھی ایسا ہی شخص تھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ان لوگوں سے اسی کا خطرہ تھا۔ ❶

فضائل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب جیسا کہ ابھی گزرا اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچتا ہے پھر وہ یہود کے جلیل القدر عالم بھی تھے، انہوں نے یہودیت کو ترک کر کے دین اسلام کو اختیار کیا، ایسے لوگوں کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دوہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ ❷ رسول اللہ ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں ان کو جنت کی بشارت دے دی تھی، حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے کچھ کھانا تناول فرمایا، آپ نے تناول فرمانے کے بعد جو بچ رہا اس کے متعلق فرمایا ابھی ایک جنتی شخص آنے والا ہے جو اس کو کھائے گا۔ کچھ دیر کے بعد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ نے وہ بچا ہوا کھانا ان کو کھلایا۔ ❸ قرآن مجید کی متعدد آیات میں نام لئے بغیر ان کا ذکر ہے، آیت کریمہ وشهد شاهد من بنى اسرآئيل علىٰ مثله فامن واستكبر تم۔ ❹ میں شاهد من بنى اسرائيل کا مصداق عبداللہ بن سلام ہی ہیں اس طرح قل كفى بالله شهيداً بينى و بينكم ومن عنده علم الكتاب۔ ❺ میں بھی ومن عنده علم الكتاب سے آپ ہی مراد ہیں۔ ❻ دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کفر کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے اسلام لانے کو اسلام اور اس کے پیغمبر کی حقانیت کی دلیل اور شاہد عدل ہونے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا قول ما سمعت رسول الله ﷺ يقول لحى يمشى انه فى الجنة الا لعبد الله بن سلام نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے زندہ لوگوں میں صرف عبداللہ بن سلام کے متعلق ہی جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے۔ صحیحین ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق فرمایا انت على الاسلام حتى تموت تم مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہو گے۔ ❼ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنے مرض وفات میں اپنے خاص شاگرد یزید بن عمیرہ کو اپنے بعد جن چار صحابہ کرامؓ سے تحصیل علم کی وصیت فرمائی تھی ان میں حضرت عبداللہ بن سلامؓ بھی ہیں جن کے متعلق حضرت معاذؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ انه عاشر عشرة فى الجنة یعنی یہ ان عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں

---

❶ صحیح بخاری فی المناقب۔ ❷ جامع ترمذی کتاب النکاح و صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امة واہلہ۔
❸ مجمع الزوائد ج۹ ص۳۲۶۔ ❹ سورۂ احقاف آیت نمبر ۱۰۔ ❺ سورۂ رعد آیت ۴۳۔
❻ جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن سلام وفی تفسیر سورۃ الاحقاف و صحیح البخاری مناقب عبداللہ بن سلام وکذا فی صحیح مسلم۔
❼ صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن سلام و صحیح مسلم باب من فضائل عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

جن کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ [1]

وفات

۴۳ھ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ [2] رضی اللہ عنہ وارضاہ'

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا پہلا ہی سال تھا اور ابھی صرف چند خاصان خدا ہی اسلام کی دولت سے سر فراز ہوئے تھے کہ اللہ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بھی دولت ایمان سے نواز دیا۔ وہ دار ارقم میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوگئے۔ کچھ مدت تک تو اپنے اسلام کو چھپائے رکھا لیکن زیادہ دن تک یہ بات راز نہ رہ سکی اور اسلام لانے کی پاداش میں ان کے گھر کے لوگوں نے انہیں گھر میں مقید کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں انہیں دی جانے لگیں۔ ایذار سانیوں اور قید و بند کا یہ سلسلہ ان کی ہجرت حبشہ تک بر قرار رہا۔ مکہ کے چند ستم زدہ مسلمانوں نے ۵ نبوی میں پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان ہی حضرات میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔ پھر جب ان مہاجرین حبشہ کو مکہ کے حالات کے کچھ سازگار ہونے کی اطلاع ملی (جو درحقیقت غلط تھی) تو ان میں سے کچھ حضرات مکہ واپس آگئے۔ ان میں حضرت مصعبؓ بھی تھے۔ یہاں آکر دیکھا تو حالات بالکل ویسے ہی تھے جن کی بناء پر ہجرت کرنی پڑی تھی اور مصائب و شدائد بھی پہلے ہی کی طرح ان حضرات کے استقبال کے لئے تیار تھے۔ بالآخر رسول اللہ ﷺ نے حضرت مصعب اور بعض دیگر صحابہ کرامؓ کو مدینہ طیبہ بھیج دیا۔ [3] حضرت مصعب بن عمیرؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ [4]

فضائل

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مکہ معظمہ کے سب سے زیادہ ناز و نعم میں پلے نوجوان تھے۔ ان کے باپ کا شمار مکہ کے اغنیاء میں ہوتا تھا وہ حضرت مصعبؓ سے بہت محبت کرتا اور ان کے لئے قیمتی اور شاندار کپڑوں کا اہتمام کرتا تھا کہ ایسے کپڑے مکہ کے کسی نوجوان کو نصیب نہ تھے لیکن اسلام لانے کے بعد ماں باپ دونوں نے ناطہ توڑ لیا اور ہر طرح کی تکلیفوں اور آزمائش سے حضرت مصعبؓ کا واسطہ پڑنے لگا۔ قید و بند اور بھوک پیاس کی وجہ سے یہ ناز و نعم میں پلا ہو جسم بالکل جھلس گیا تھا۔ کھال جسم سے الگ ہو کر اترنے لگی تھی۔ ضعف کی وجہ سے چند قدم چلنا بھی بعض اوقات مشکل ہو جاتا تھا ان حالات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انہیں مدینہ بھیجا تھا۔ اہل مدینہ کو قرآن اور دین کی تعلیم کے لئے ایک معلم کی ضرورت بھی تھی۔ آپ نے اس کام کیلئے حضرت مصعب کا انتخاب فرمایا تھا۔ مدینہ کے صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد انکے ہاتھ

---

[1] جامع ترمذی فی المناقب وطبقات بن سعد ج ۲ ص ۲ ۱۰ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۔
[3] اصابہ ج ۶ ص ۱۰۱۔ [4] صحیح بخاری باب مقدم النبی ﷺ واصحابہ المدینۃ وسیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۴۵

پر ایمان لانے والوں اور ان سے علم دین حاصل کرنے والے کی تھی۔ [1]

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے جسم پر ایک بوسیدہ چادر تھی جس میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھی۔ آپ کو ان کے اسلام لانے سے پہلے کے ناز و نعم یاد آگئے اور ان کی اس خستہ حالی کو دیکھ کر رونے لگے۔ [2] ان کا شمار اکابر اور اہل فضل صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ وہ اولین ایمان لانے والے اور حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کرنے والے مہاجرین صحابہ کرامؓ میں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو دین کی تعلیم اور قرآن مجید پڑھانے کے لئے ہجرت سے پہلے ہی مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا اور انہوں نے مدینہ آکر سب سے پہلے جمعہ کی نماز کے قیام کا انتظام کیا تھا۔ [3] ان کو غزوہ بدر میں شریک ہونے کی فضیلت بھی حاصل ہے۔ غزوہ احد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں مسلمانوں کا جھنڈا دیا تھا۔ وہ غزوہ احد میں آپ ﷺ کے بالکل قریب کھڑے ہو کر جہاد کر رہے تھے اور آپ کے اوپر ہونے والے حملوں کو اپنے اوپر لے لیتے تھے۔ اسی حال میں شہادت سے سرفراز ہوگئے۔ [4] بوقت شہادت ان کے پاس صرف چھوٹی سی ایک چادر تھی اس میں کفن دیا گیا، وہ اتنی چھوٹی تھی کہ اگر سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، چادر سے سر ڈھک دو اور پاؤ پر اذخر گھاس ڈال دو۔ حضرت خبابؓ حضرت مصعبؓ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم مہاجرین نے لوجہ اللہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی تھی جس کی وجہ سے ہمارا اجر و ثواب اللہ کے ذمہ واجب ہو گیا تھا۔ پھر ہم میں کے بعض ساتھی وہ تھے جنہوں نے دنیا میں اس اجر سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور یونہی تکالیف و مصائب کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگئے، ایسے ہی لوگوں میں حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی تھے۔ [5] حضرت خبابؓ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جو دین کے لئے قربانیاں دی تھیں اللہ نے ان کی ان قربانیوں کے بدلے میں دنیا و آخرت میں اپنے انعامات سے نوازا ہے۔ لیکن بعض صحابہ کرام ایسے بھی تھے جن کی شہادت یا وفات ان دنیوی انعامات کے دور سے پہلے ہی ہوگئی تھی اور ان کو ان قربانیوں کا کوئی بدلہ دنیا میں نہیں ملا ان کا پورا پورا بدلہ اور اجر و ثواب ان کو ان شاء اللہ آخرت میں ہی ملے گا۔ ایسے ہی صحابہ کرام میں حضرت مصعب بن عمیرؓ تھے کہ ان کی شہادت ایسی تنگ دستی کے زمانہ میں ہوئی تھی کہ کفن کے لئے ایک کامل و مکمل چادر بھی نصیب نہ ہو سکی تھی جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ اتنی چھوٹی اور ناکافی تھی کہ سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ بالآخر سر کو تو چادر سے ڈھک دیا اور پاؤں پر اذخر نامی گھاس ڈال دی۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۴۸۔ [2] جامع ترمذی ابواب صفۃ القیامہ۔ [3] اکمال مصاحب المشکوۃ۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۱۴۸
[5] صحیح بخاری باب من قتل من المسلمین یوم احد و باب الکفن من جمیع المال فی کتاب الجنائز۔

حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن الولیدؓ کے والد کا نام ولید بن المغیرہ ہے اور والدہ لبابہ بنت الحارث ہیں یہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کی حقیقی بہن ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے بھی وہ اشراف قریش میں شمار کئے جاتے تھے، شجاعت و بہادری کے پیکر تھے۔ مسلمانوں کے خلاف اہل مکہ کی جانب سے جنگوں میں شریک رہتے اور اپنی بہادری کے جوہر دکھلاتے تھے۔ ۷ یا ۸ ہجری میں اسلام لانے کے ارادہ سے مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔ راستے میں حضرت عمرو بن العاصؓ ملے انہوں نے دریافت کیا کہاں کا قصد ہے کہنے لگے اسلام لانے کے ارادہ سے مدینہ جارہا ہوں اب کب تک کفر پر قائم ہوں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا میرا ارادہ بھی یہی ہے۔ دونوں ایک ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پہلے حضرت خالد ایمان لائے اور دست مبارک پکڑ کر بیعت علی الاسلام سے مشرف ہوئے پھر حضرت عمرو بن العاصؓ نے بھی یہی کیا۔ [1]

فضائل

کفر کی حمایت میں جس جوش وجذبہ کے ساتھ میدان جنگ میں شریک ہوتے تھے اسلام لانے کے بعد اس سے بہت زیادہ جوش وجذبہ اور شجاعت وبہادری کا مظاہرہ اسلام کی حمایت اور کفر کی مخالفت میں زندگی بھر کیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب پایا۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ اثناء سفر ایک جگہ قیام فرما تھے میں قریب ہی بیٹھا ہوا تھا لوگ آپ کے سامنے گزر رہے تھے آپ آنے جانے والوں کے متعلق دریافت فرماتے تھے یہ کون ہے۔ میں عرض کرتا فلاں ہے۔ آپ ہر ایک کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرماتے رہتے۔ جب خالد بن الولیدؓ گزرے تب بھی آپ نے من ھذا یہ کون ہے؟ کا سوال کیا میں نے عرض کیا خالد بن الولید ہیں فرمایا نعم عبداللہ خالد بن الولید سیف من سیوف اللہ۔ [2] حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال کرنے کے لئے خالد بن الولید کو لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو فرمایا میں نے ان کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے نعم عبداللہ واخو العشیرۃ خالد بن الولید سیف من سیوف اللہ سلہ اللہ علی الکفار والمنافقین۔ [3] خالد بن الولید اپنے خاندان کے بہترین فرد اور اللہ کے بہت ہی اچھے بندے ہیں وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو اللہ نے کفار اور مشرکین کے لئے نیام سے نکال رکھا ہے۔

ان کے ایمان لانے اور مدینہ طیبہ آنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد غزوہ موتہ کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر ملک شام روانہ کیا تھا اور یہ فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۹۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۶۶ [2] جامع ترمذی فی المناقب۔
[3] مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد فی المناقب۔

تو جعفر بن ابی طالبؓ امیر ہوں گے اور ان کی بھی شہادت کی صورت میں عبداللہ بن رواحہؓ کو امیر مقرر کیا جائے۔ [1] اللہ کا کرنا کہ یکے بعد دیگرے تینوں شہید ہوگئے پھر لوگوں نے حضرت خالد بن الولید کو امیر بنالیا۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے موتہ سے خبر آنے سے پہلے ہی مدینہ طیبہ میں ان حضرات کی شہادت کی اطلاع صحابہ کرامؓ کو دی اور فرمایا **حتی اخذالرایۃ سیف من سیوف اللہ حتی فتح اللہ علیہ۔** [3] ان تینوں کی شہادت ہو چکی ہے اور اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے (یعنی خالد بن الولیدؓ نے) جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی ہے اس موقع پر حضرت خالدؓ نے اس زور کے ساتھ شمشیر زنی کی تھی کہ اس دن ان کے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں بالآخر ایک یمنی تلوار نے آخر تک ساتھ دیا۔ [4] غزوہ موتہ میں مسلمان پورے علاقہ کو فتح نہیں کر سکے تھے بلکہ کچھ جزوی فتح کی بعد حضرت خالد بن الولیدؓ مسلمانوں کے لشکر کو کسی بڑے نقصان کے بغیر بحفاظت واپس لے آئے تھے اسی کو آپ نے فتح سے تعبیر فرمایا ہے۔ [5] اس فتح کا ذکر صحیح مسلم اور ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی ہے۔ [6] پھر اس پورے علاقہ کو جیش اسامہ نے جا کر فتح کیا ہے جس کا ذکر حضرت اسامہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ نے خالدؓ بن الولید کو لشکر کے ایک حصہ کا امیر بنایا تھا۔ [7] پھر فتح مکہ سے فراغت کے بعد آپ نے حضرت خالدؓ کی سرکردگی میں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی وہ بیچارے **اسلمنا** (ہم اسلام لے آئے) کہنے کے بجائے **صبانا صبانا** کہنے لگے جس کا مطلب ان کے نزدیک اسلام لانا ہی تھا، مسلمانوں کے نزدیک یہ تعبیر صحیح نہیں تھی اسی وجہ سے حضرت خالدؓ نے جوش جہاد میں چند لوگوں کو قتل کردیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی اس جماعت میں شریک تھے انہوں نے حضرت خالدؓ کو مزید قتل کرنے سے باز رکھا واپسی کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے **اللھم انی ابرا الیك مما صنع خالد** الٰہی میں خالد کے اس عمل سے بری ہوں، میرا اس قتل سے کوئی تعلق نہیں تو ضرور فرمایا لیکن اس واقعہ کے بعد بھی آپ ان کو امیر لشکر بنا کر بھیجتے رہے۔ [8] حجۃ الوداع سے کچھ پہلے آپ نے حضرت خالدؓ کو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کا امیر بنا کر یمن بھیجا تھا۔ [9] رسول اللہ ﷺ حضرت خالدؓ کی شجاعت و جنگی مہارت پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ کئی اور مہموں میں آپ نے حضرت خالدؓ ہی کو امیر بنا کر بھیجا ہے۔ مکہ کے قریب عزیٰ نام کا بت تھا جو مکہ اور اطراف کے لوگوں میں بڑا معزز اور محترم سمجھا جاتا تھا اس کو توڑنے کے لئے بھی حضرت خالدؓ ہی کا انتخاب آپ نے فرمایا تھا۔ [10]

---

1. صحیح بخاری باب غزوہ موتہ۔
2. فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۲۔
3. صحیح بخاری باب مناقب خالد بن الولید و باب غزوہ موتہ۔
4. صحیح بخاری باب غزوہ موتہ۔
5. فتح الباری ج ۷ ص ۵۱۳۔
6. صحیح مسلم باب استحقاق القاتل سلب القتیل وابوداؤد باب فی الامام یمنع القاتل السلب۔
7. صحیح بخاری باب این رکز النبی الرایہ یوم الفتح و صحیح مسلم باب فتح مکہ و سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۶۶۔
8. صحیح بخاری باب بعث خالد الی بنی جزیمہ۔
9. صحیح بخاری باب بعث خالد و علی الی الیمن۔
10. اصابہ ج ۲ ص ۹۸۔

آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی آپؐ ہی کی طرح حضرت خالد پر اعتماد فرمایا اور اپنے عہد کے غزوات میں بھی ان کو امیر لشکر بنا کر بھیجتے رہے۔ مرتدین سے قتال میں بھی انہوں نے بہت کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ فتح روم و فارس میں بھی حضرت خالد کو بہت دخل رہا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ نے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے جہاد کرنے کے لئے بھی حضرت خالد بن الولیدؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا جس نے مسیلمہ کو اور اس کے ہزاروں ساتھیوں کو قتل کیا، ہرمز کو قتل کرنا اور اکیدر دومہ کو قید کرنا بھی انہیں کے کارناموں میں شمار ہوتا ہے۔ ان کے جنگی کارنامے بے حد و بے شمار ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آخر میں ملک شام کا گورنر بنا کر بھیج دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے بعض انتظامی وجوہات سے ان کو معزول کر کے حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو امیر بنایا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ جب حضرت عمرؓ کا گرامی نامہ لے کر حضرت خالدؓ کے پاس پہنچے ہیں جس میں حضرت خالد کو یہ حکم تھا کہ تم معزول کئے جاتے ہو اور تمہاری جگہ ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کو گورنر مقرر کیا جاتا ہے تب بھی اس شیر دل کی بہادری قابل دید تھی گرامی نامہ پڑھ کر فرماتے ہیں ان عمر بعث علیکم امین ھذہ الامۃ عمر نے اہل شام کے لئے اس شخص کو امیر بنا کر بھیجا ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے امین الامت کے لقب سے سر فراز فرمایا تھا[1] اور بلا تکلف گورنری سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ نے بھی حضرت خالدؓ کے بارے میں فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ خالد **سیف من سیوف اللہ** ہیں۔[2]

حضرت عمرؓ نے ان کو معزول تو کر دیا تھا لیکن ان کے قلب میں پھر بھی ان کی اتنی عظمت تھی کہ اپنی وفات کے وقت کہنے لگے **" لوادرکت خالد بن الولید ثم ولیتہ فقدمت علی ربی لقلت سمعت عبدک وخلیلک یقول خالد سیف من سیوف اللہ سلہ اللہ علی المشرکین۔**[3] اگر اس وقت خالد بن الولید زندہ ہوتے اور میں ان کو خلیفہ بنا دیتا پھر اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوتا تو عرض کرتا میں نے آپ کے بندے اور محبوب یعنی رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں جس کو اللہ نے مشرکین کے لئے سونتا ہے۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک دن کہنے لگے مجھے اپنی زندگی کی وہ رات سب راتوں سے زیادہ محبوب اور عند اللہ مقبول معلوم ہوتی ہے جس میں سخت سردی تھی اور بارش بھی ہو رہی تھی اور میں بارش سے بچنے کے لئے اپنی ڈھال کو (بطور چھتری کے) استعمال کرتا تھا اور صبح کو دشمن سے مقابلہ تھا۔

وفات

۲۱ھ میں حمص میں وفات ہوئی اگرچہ بعض مورخین نے مدینہ طیبہ میں وفات ذکر کی ہے۔ وفت کے وقت افسوس کے ساتھ کہنے لگے فلاں فلاں معرکوں میں شرکت کی اور زندگی بھر شہادت کی تلاش و جستجو میں رہا، جسم پر ایک بالشت بھر جگہ ایسی نہیں ہے جہاں تلوار نیزے یا تیر کا زخم نہ ہو لیکن شہادت مقدر میں نہ

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ مسند احمد۔　[2] اصابہ ج ۲ ص ۹۹۔　[3] سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۷۲۔

تھی اور آج بستر پر موت آرہی ہے۔ وفات سے کچھ پہلے فرمایا: "میرے مرنے کے بعد میرا گھوڑا اور میرے اسلحے وقف فی سبیل اللہ ہیں" اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ کل ترکہ بس یہی تھا۔ [1]

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

اسلام لانے سے پہلے ان کا شمار سرداران قریش میں ہوتا تھا نہایت جری اور ذہانت و فطانت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت خالد بن الولیدؓ کے ساتھ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر ۸ھ میں ایمان لائے ہیں۔ لیکن خود اپنے ایمان لانے کا تذکرہ جس طرح کرتے ہیں اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ آنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے البتہ آپ کی خدمت میں حاضری اور بیعت علی الاسلام حضرت خالد کے ساتھ ہی ہوئی۔ [2]

وہ اپنے اسلام لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوہ خندق سے واپسی کے بعد مکہ آکر میں نے خاندان قریش کے کچھ ایسے لوگوں کو جمع کیا جو مجھ سے قریبی تعلق رکھتے تھے اور میرا احترام بھی کرتے تھے میں نے ان سے کہا کہ میرا خیال یہ ہے کہ اب تو بظاہر محمد (ﷺ) کے دین کا بول بالا ہی ہو کر رہے گا میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ ملک حبشہ چلے جائیں اور بادشاہ نجاشی کی حمایت میں رہیں اگر محمد (ﷺ) اہل مکہ پر غالب آ بھی جائیں گے تب بھی ہم وہاں محفوظ رہیں گے۔ محمد (ﷺ) کی ماتحتی میں رہنے کے مقابلہ میں نجاشی کی ماتحتی میں رہنا پسند ہے اور اگر اہل مکہ غالب آگئے تو اہل مکہ میں ہمارا مقام تو معروف ہی ہے۔ میرے ساتھیوں نے میری تائید کی اور میں بہت سے ہدایا لے کر نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوا وہاں میں نے حضرت عمرو بن امیہ ضمریؓ کو دیکھا جو رسول اللہ ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے نجاشی کے پاس آئے تھے میں نے نجاشی سے کہا یہ شخص ہمارے دشمن (محمد) کا قاصد ہے آپ اس کو ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اس کو قتل کر دیں۔ نجاشی نے میری اس بات پر بہت ناگواری کا اظہار کیا اور کہا تم جانتے نہیں یہ شخص جس کا قاصد ہے وہ اسی طرح اللہ کا رسول ہے جس طرح حضرت موسیٰ اللہ کے رسول تھے۔ میں نے کہا کیا واقعی؟ نجاشی نے کہا تمہارا برا ہو تم میری اطاعت اور ان نبی (ﷺ) کی اتباع کرو واللہ وہ بالکل بر حق ہیں اور واللہ وہ اپنے مخالفین پر ایسے ہی غالب آئیں گے جیسے موسیٰ (علیہ السلام) فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آگئے تھے اس کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے نجاشی کے ہاتھ پر بیعت علی الاسلام کر لی وہیں سے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی راستہ میں حضرت خالدؓ ملے ہیں اور ان کے ساتھ مدینہ طیبہ جا کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے اور اسلام کا اظہار کیا ہے۔ [3] صحیح مسلم کی روایت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنے کی مزید تفصیل ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ہاتھ بڑھائیے میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں جب آپ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا آپ نے فرمایا عمرو کیا ہوا میں نے عرض کیا ایک شرط پر بیعت کرتا ہوں آپ نے فرمایا کیا شرط ہے

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ا ص ۸۲ ۳ تا ج ا ص ۸۴ ۳ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۵۰ ۳ بحوالہ طبرانی و اصابہ ج ۲ ص ۱۰۰۔
[2] اصابہ ج ۵ ص ۲۔ [3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۱۔

میں نے عرض کیا میرے ماضی کے جملہ گناہ معاف ہونے چاہئیں آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان لانے سے ماضی کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ❶

فضائل

حضرت عمرو بن العاصؓ بڑے بہادر، نہایت ذہین وفطین اور میدان جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دینے والے صحابی ہیں ان کے ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کی ان صلاحیتوں کو خوب استعمال فرمایا ہے۔ خود فرماتے ہیں " ما عدل بی رسول الله صلى الله عليه وسلم وبخالد منذ اسلما من اصحابه فی حربه ۔ " ❷ یعنی میرے اور خالد کے ایمان لانے کے بعد میدان جنگ کے لئے آپ نے کسی کو بھی ہم دونوں کے مساوی نہیں سمجھا۔ انہیں آپ نے بڑے بڑے صحابہ کرام کی موجودگی میں لشکر کا امیر بنا کر بھیجا ہے غزوہ ذات السلاسل کے لئے جانے والے لشکر میں حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ بھی موجود ہیں یعن امیر لشکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو بنایا۔ ❸ فتح مکہ کے معاً بعد آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام کو قبیلہ ہذیل کے بت سواع کو توڑنے کے لئے بھیجا۔ جب حضرت عمرو بن العاصؓ وہاں پہنچے تو اس کے مجاور نے کہا تم لوگ اس کو توڑ نہیں سکتے یہ خود اپنی حفاظت کرے گا۔ لیکن جب حضرت عمرو بن العاصؓ وغیرہ نے اس کو توڑ دیا تو وہ مجاور اپنے معبود کی بے کسی دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ ان کے ایمان لانے کی بڑی قدر کرتے تھے۔ فرماتے ہیں " اسلم الناس وامن عمرو بن العاص " ❹ جس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو بن العاص دل سے ایمان لانے والے ہیں ان کو بھی ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ کی ذات سے غیر معمولی محبت اور تعلق ہو گیا تھا۔ صحیح مسلم کی وہ روایت جس کا کچھ حصہ ابھی گزرا ہے اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ "ما كان احد احب الیّ من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا اجل فی عینی منه وما كنت اطيق ان املا عينى منه اجلا لا له و لو سئلت ان اصفه اطقت لانی لم اكن املا عينى منه" یعنی ایمان لانے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی کہ میری نظر میں آپؐ سے زیادہ کوئی محبوب و محترم نہ تھا اور میرے دل میں آپ کی عظمت و جلالت کا یہ حال تھا کہ میں نظر بھر کر آپؐ کو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے آپ کا حلیہ مبارک بیان کرنے کو کہے تو میں آپ کا حلیہ بھی بیان نہ کر سکوں گا اس لئے کہ میں کبھی آپ کو نظر بھر کر دیکھ ہی نہ سکا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی انکی اس محبت کا اعتراف فرماتے تھے ایک بار آپؐ نے ان کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا۔ "اللّٰهم صل على عمرو بن العاص فانه يحبك ويحب رسولك"۔ ❺ الٰہی عمرو بن العاص پر رحمتیں نازل فرمائیے اس لئے کہ وہ آپ سے اور آپ کے رسولؐ سے محبت کرتے ہیں۔ ایک بار

---

❶ صحیح مسلم باب کون الا سلام یهدم ما کان قبله ۔　　❷ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۶۔

❸ فتح الباری ج ۷ ص ۶۲ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۲ بحوالہ طبرانی واصابہ ج ۵ ص ۲ وسیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۵۷

❹ جامع ترمذی فی المناقب۔　　❺ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۶۵۔

آپ نے ان کے لئے تین بار یرحم اللہ عمروا (اللہ عمرو بن العاص پر رحم فرمائے) دعا فرمائی، کسی صحابی نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو فرمایا وہ اللہ کے راستہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ [1] جامع ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ "عمرو بن العاص من صالحی قریش" [2] (عمرو بن العاص قریش کے بہترین لوگوں میں سے ہیں) ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ان کو اطلاع کرائی کہ کپڑے پہن کر اور ہتھیار لگا کر (یعنی جہاد کے لئے تیار ہو کر) چلے آؤ۔ جب وہ آگئے تو آپ نے ان سے فرمایا میں تم کو ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں جہاں سے انشاء اللہ تم سالماً غانماً واپس آؤ گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں مال کی خاطر اسلام نہیں لایا۔ میرا مقصود تو اسلام ہی ہے آپ نے فرمایا" نعم المال الصالح للرجل الصالح" (اللہ کے نیک بندہ کے لئے پاک مال بہترین چیز ہے۔ [3]

وفات

۴۳ھ میں عید کی رات میں مصر میں وفات پائی اور عید الفطر کے دن دفن کئے گئے آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ

عابد، زاہد، شب بیدار، بکثرت روزے رکھنے والے اور بہت زیادہ تلاوت کرنے والے، علم کے گویا صحابی بن صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنے والد حضرت عمرو بن العاصؓ سے پہلے ایمان لائے ہیں۔ وہ اپنے والد کے سب سے بڑے بیٹے ہیں ان کی پیدائش کے وقت عمرو بن العاص کی عمر زیادہ سے زیادہ اکیس سال ذکر کی جاتی ہے۔ [4]

فضائل

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بڑے اصحاب الفضائل صحابہ کرامؓ میں شمار ہوتے ہیں۔ نہایت عابد و زاہد اور شب بیدار تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے حوالہ سے ان کی ان صفات کا تذکرہ پڑھئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب نے میری شادی ایک شریف خاندان کی لڑکی سے کر دی تھی وہ اپنی بہو کا بہت خیال کرتے اور میرے طرز عمل کے بارے میں اس سے دریافت کرتے رہتے تھے ان کے سوال کے جواب میں ایک دن میری بیوی نے کہا میرے شوہر بہت نیک، متقی، پرہیزگار آدمی ہیں لیکن مجھ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ والد صاحب نے میری اس بات کی شکایت رسول اللہ ﷺ سے کر دی آپ نے فرمایا عبداللہ کو ہمارے پاس بھیج دینا والد صاحب نے آپ کا فرمان مجھ تک پہنچا دیا۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو فرمایا روزے رکھنے کا تمہارا معمول کیا ہے۔ میں نے عرض کیا

---

[1] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۲۔ [2] جامع ترمذی فی المناقب۔ [3] مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۳۔
[4] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۱۔

روزانہ روزہ رکھتا ہوں۔ پھر آپؐ نے فرمایا ختم قرآن کے سلسلہ میں کیا معمول ہے؟ میں نے عرض کیا ہر رات ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا مہینہ میں صرف تین روزے رکھا کرو اور ایک ماہ میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا ہر ہفتہ تین روزے رکھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو ایسا کرو کہ دو دن چھوڑ کر ایک دو روزہ رکھ لیا کرو میں نے عرض کیا میں اس سے بھی زیادہ روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہوں تب آپ نے فرمایا روزے رکھنے میں سب سے بہتر طریقہ حضرت داؤد علیہ السلام کا طریقہ ہے یعنی ایک دن افطار ایک دن روزہ۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو اور قرآن مجید کا ایک ختم سات راتوں میں کیا کرو۔

اس روایت سے ان کے روزوں اور تلاوت قران کا حال معلوم ہوا، روایت کے آخری حصہ میں یہ بھی ہے کہ بڑھاپے تک ان کا معمول یہی رہا بلکہ بڑھاپے میں قرآن مجید کا جو ساتواں حصہ رات کو پڑھنا ہوتا تھا وہ دن میں بھی گھر کے کسی فرد کو سنا لیا کرتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں سہولت ہو اور روزوں کے معمول میں اگر کبھی خلل پڑھ جایا کرتا تھا تو اس کا حساب رکھتے تھے اور بعد میں اس کی تلافی کر لیا کرتے تھے۔ ❶

وہ رات کو اپنا کمرہ اندر سے بند کر لیتے، چراغ گل کر دیتے اور ساری رات اللہ کے حضور گریہ وزاری کرتے رہتے تھے روتے روتے ان کی آنکھیں ورم کر آتیں تھیں۔ ❷

رسول اللہ ﷺ سے بکثرت روایات نقل کی ہیں آپؐ کی حیات طیبہ ہی میں آپؐ کی اجازت سے روایات لکھ لیا کرتے تھے، انہوں نے احادیث کا ایک مجموعہ جس کا نام خود ہی صادقہ رکھا تھا تیار کر لیا تھا۔ اسی مجموعہ احادیث (صادقہ) کی روایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ابوداؤد و ترمذی، نسائی وغیرہم نے نقل کی ہیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد سات سو ہے۔ ❸

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایت کرتے ہیں، ان کے شاگردوں میں بہت سارے جلیل القدر تابعین ہیں ان کے اور ان کے والدین کے متعلق ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا" **نعم اهل البيت عبدالله وابو عبدالله وام عبدالله**" یعنی عبداللہ، ان کے والد اور ان کی والدہ یہ سب اہل بیت کیا ہی خوب اہل بیت ہیں۔ ❹

وفات

۶۵ھ میں مصر میں وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔ ❺

---

❶ صحیح بخاری باب فی کم یقرأ القرآن وباب صوم یوم وافطار یوم۔ ❷ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۱۔
❸ خلاصہ تہذیب الکمال۔ ❹ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۵۴
❺ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۹۴ واسد الغابہ ج ۳ ص ۲۳۴ وتذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۴۲۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزام رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عمرو مشہور صحابی حضرت جابرؓ کے والد ہیں رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے پہلے ہی آپ کی خدمت میں مکہ معظّمہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ آپؐ نے ان کو اپنے قبیلہ کا نقیب بنا کر مدینہ طیبہ واپس کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد حضرت عبداللہ غزوۂ بدر و احد دونوں میں شریک ہوئے ہیں اور غزوۂ احد ہی میں شہید ہوگئے۔[1] ان کو غزوۂ احد میں اپنی شہادت سے پہلے ہی اندازہ ہو گیا تھا اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت جابرؓ سے فرمایا میرا خیال ہے کہ میں کل سب سے پہلے شہید ہونے والے لوگوں میں ہوں گا تم میرے بعد اپنی بہنوں کا خیال رکھنا اور میرے ذمہ جو قرض ہے اس کی ادائیگی کر دینا۔[2]

فضائل

وہ بڑے صاحب فضیلت صحابی ہیں مکہ جا کر اسلام لائے اور پھر مدینہ طیبہ میں آپ کے ساتھ غزوۂ بدر واحد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کی شہادت ہوئی ہے۔ مشرکین نے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کے اعضاء جسم کاٹ کر مثلہ کر دیا تھا۔ ان کے بیٹے حضرت جابر ابھی بالکل نو عمر ہی تھے ان پر اور ان کی پھوپھی یعنی حضرت عبداللہ کی بہن فاطمہ بنت حزام پر اس حادثہ کا بہت اثر تھا جس کی وجہ سے یہ دونوں بہت زیادہ رو رہے تھے۔ آپ نے ان دونوں کی تسلی کے لئے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو کی شہادت کے بعد سے اللہ کے مقرب فرشتے مسلسل ان پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔[3] حضرت جابر اور ان کے خاندان کے دیگر افراد حضرت عبداللہ کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کرنے کے لئے میدان احد سے مدینہ طیبہ لے آئے تھے آپ نے ان کے جنازہ کو مدینہ سے میدان احد منگوالیا، اور پھر وہ وہیں دیگر شہدائے احد کے ساتھ دفن کئے گئے۔[4] غزوۂ احد میں شہداء کی تعداد زیادہ تھی۔ جو لوگ زندہ بچ رہے تھے ان میں بھی خاصی تعداد زخمیوں کی تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ بھی زخمی تھے۔ اس لئے آپ نے ایک قبر میں دو دو، تین تین شہداء کو دفن کرنے کی اجازت دے دی تھی اور جو شخص ان میں قرآن کا زیادہ حافظ و عالم ہوتا اس کو مقدم الی القبلہ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو بھی ایک یا دو شہیدوں کی ساتھ دفن کیا اور ان کو مقدم رکھا گیا۔ ان کی شہادت کے بعد ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی سے بھی بالمشافہ تکلم نہیں فرماتا ہے لیکن تمہارے والد سے بالمشافہ گفتگو فرمائی ہے اور اللہ نے ان سے یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے بندے جو چاہو مانگو میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔ اس پر تمہارے والد نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے رب مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے تاکہ دوبارہ پھر آپ کے راستہ میں شہادت نصیب ہو۔ اللہ

---

[1] اصابہ ص ۱۱۰، سیر اعلام النبلاء ص ۳۲۵۔ [2] صحیح بخاری باب ھل یخرج المیت من القبر۔
[3] صحیح بخاری باب الدخول علی المیت و صحیح مسلم باب من فضائل عبداللہ بن عمروؓ [4] جامع ترمذی ص ۲۰۵

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری جانب سے یہ فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا۔ ❶

امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں ایک عجیب و غریب واقعہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی قبر کے متعلق ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عمروؓ بن جموح کی قبروں کو پانی کے بہاؤ نے کھول دیا تھا لوگوں نے ان دونوں صحابہ کرامؓ کی مبارک نعشوں کو وہاں سے منتقل کرنے کے لئے ان کی قبروں کو کھودا تو دیکھا کہ دونوں کے جسم بالکل صحیح سلامت اور تروتازہ ہیں جیسے کل ہی انتقال ہوا ہے۔ حالانکہ ان حضراتؓ کی شہادت کو چھیالیس سال ہو چکے تھے۔ ❷ مؤطا امام مالک میں تو یہ واقعہ غزوہ احد کے چھیالیس سال بعد کا ذکر کیا گیا ہے...... صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد کو یوم احد میں مجبوراً ایک اور صحابی کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔ مجھے یہ بات اچھی نہ لگتی تھی میں نے شہادت کے چھ ماہ کے بعد ان کو اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کر دیا اور ان کا جسم مبارک بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ دفن کیا گیا تھا۔ ❸ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ دوبار ایسا واقعہ پیش آیا۔ پہلی بار شہادت کے چھ ماہ کے بعد اور دوسری بار شہادت کے چھیالیس سال بعد۔ اس طرح کا واقعہ بعض دوسرے شہداء کرامؓ کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں اور خاندان خزرج سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچپن ہی میں اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ساتھ جن کا تذکرہ ابھی گذرا ہے مکہ معظمہ جا کر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ جب آپ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو اس وقت سے آپ سے قریبی تعلق رہا ہے لیکن چونکہ کم عمر بھی تھے اور اپنے والد کے اکلوتے بیٹے اور نو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے اس لئے غزوۂ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد مستقل غزوات میں شریک رہے ہیں۔

فضائل

حضرت جابرؓ باعتبار عمر اگرچہ اکابر صحابہ کرامؓ کی صف میں شمار نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے علم و فضل کے اعتبار سے ان کا شمار جلیل القدر صحابہ کرامؓ میں ہوتا ہے وہ جس طرح غزوات میں بکثرت شریک ہونے والے ہیں اسی طرح مکثرین فی الحدیث صحابہ کرام میں بھی ان کا شمار ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد انیس غزوات میں شرکت کی ہے۔ غزوۂ بدر و احد میں شریک نہیں ہو سکا تھا اس لئے کہ والد صاحب خود جاتے تھے۔ اور مجھے منع کرتے تھے لیکن جب غزوۂ احد میں والد صاحب شہید ہو گئے تو پھر کسی

---

❶ جامع ترمذی باب ماجاء فی دفن الشھداء۔ ❷ مؤطا امام مالک باب الدفن فی قبر و احد من ضرورۃ۔
❸ صحیح بخاری باب ھل یُخرج المیت من القبر

بھی غزوہ میں، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہونے سے محروم نہیں رہا۔[1] وہ **مکثرین فی الحدیث** بھی ہیں ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۵۴۰ ہے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی روایات نقل کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بہت سے اکابر صحابہؓ اور بڑی تعداد میں تابعینؒ کرام بھی ان سے احادیث کی روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔[2] چونکہ ان کے والد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے تھے اور انہوں نے نو لڑکیاں چھوڑی تھیں اور صاحبزادہ صرف حضرت جابرؓ ہی تھے اور وہ بھی بہت نو عمر ہی تھے۔ نیز ان کے ذمہ کافی قرض بھی تھا جو حضرت جابرؓ ہی کو ادا کرنا تھا۔ اس لئے آپ حضرت جابرؓ کے ساتھ بڑا محبت و شفقت کا معاملہ کرتے تھے اور ان کی بہت فکر رکھتے تھے۔ جب حضرت جابرؓ کی شادی ہوئی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کسی کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ یا مطلقہ سے انہوں نے عرض کیا کہ وہ کنواری تو نہیں ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کسی کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی۔ حضرت جابر کا جواب ان کی نو عمری کے باوجود بڑا سمجھداری کا جواب تھا اور اسی جواب کو ذکر کرنے کے لئے یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ذکر کیا اے اللہ کے رسول والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے اور انہوں نے نو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ میں نے سن رسیدہ عورت سے اس لئے شادی کی ہے کہ وہ میری بہنوں کی دیکھ بھال کر سکے۔[3] ان کی اسی خستہ حالی کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ مختلف صورتوں سے داد و دہش کا معاملہ کرتے رہتے تھے۔ ایک بار سفر سے واپسی میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا اور جب وہ اپنے اونٹ سے اترنے لگے تو آپ نے ان کو اترنے سے منع فرمادیا اور مدینہ طیبہ آکر اونٹ بھی ان کو دے دیا۔ اور اس کی قیمت بھی سفر کی اسی رات کے متعلق جس میں آپ نے ان کا اونٹ خریدا تھا حضرت جابر فرمایا کرتے تھے آپ نے اس رات میرے لئے پچیس بار دعائے مغفرت فرمائی تھی۔[4]

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سننے اور روایت کرنے کا جو شوق بچپن میں شروع ہوا تھا بڑھاپے تک باقی رہا۔ وہ احادیث کی تحصیل کے لئے دور دراز کا سفر کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث جو کسی مکی صحابہ کے علم میں تھیں ان کی تحصیل کے لئے مکہ کا سفر کیا۔ ایک بار تو صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے مدینہ طیبہ سے مصر تشریف لے گئے۔[5]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مسجد نبوی میں حضرت جابرؓ کا ایک بڑا حلقہ درس قائم ہوتا تھا جس میں بڑی تعداد میں طلبہ علم حدیث میں شریک ہو کر فیضیاب ہوتے تھے۔[6]

وفات

حضرت جابر نے خاصی طویل عمر پائی۔ ان کی وفات ۷۸ھ میں ہوئی ہے۔ وہ ان صحابہ کرامؓ میں جو مدینہ سے مکہ آکر اسلام لائے اور آپ سے عقبہ (جو منیٰ کا ایک حصہ ہے) میں بیعت کی۔ سب سے آخر میں

[1] صحیح مسلم باب عدد غزوات النبی ﷺ، و جامع ترمذی باب کم غزا النبی ﷺ۔
[2] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۳ او سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۹۱۔ [3] جامع ترمذی باب ماجاء فی تزویج الابکار
[4] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۲۔ [5] سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۹۱۔ [6] اصابہ ج ۱ ص ۲۲۳۔

وفات پانے والے صحابی ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، مدینہ طیبہ ہی کے رہنے والے ہیں قبیلہ خزرج سے تعلق ہے رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے وقت وہ بہت ہی کم عمر تھے۔ ان کی عمر اس وقت صرف گیارہ سال تھی۔ لیکن پہلے ہی سے مسلمان ہو چکے تھے اور قرآن مجید کی سترہ سورتیں بھی حفظ کر چکے تھے۔ جب آپؐ مدینہ تشریف لائے ہیں تو لوگوں نے ان کو آپ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا اس بچہ کو قرآن مجید کی سترہ سورتیں یاد ہیں۔ آپ نے ان سے وہ سورتیں سنیں اور اس کم عمری میں ان کے ان سورتوں کو حفظ کر لینے پر تعجب کا اظہار فرمایا۔

فضائل

وہ اگرچہ صحابہ کرام میں کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے علم و فضل کی وجہ سے خصوصاً قرآن سے خصوصی تعلق کی بناء پر ان کا شمار اہل علم واصحاب فتویٰ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت ذہین اور قوی الحفظ تھے، جیسا کہ ابھی گزرا انہوں نے بالکل بچپن ہی میں قرآن مجید کی سترہ سورتیں یاد کر لی تھیں، حالانکہ اس وقت تک رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ بھی تشریف نہیں لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی ذہانت اور قوت حفظ ہی کی وجہ سے سریانی زبان سیکھنے کے لئے ان کا انتخاب فرمایا تھا۔ مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو قرب وجوار کے یہودیوں سے خط و کتابت کرنے کی ضرورت پڑتی تھی۔ ان لوگوں کی خط و کتابت کی زبان سریانی تھی اگر آپ کو خط لکھنا ہوتا تو کسی یہودی سے لکھواتے اور اگر یہود کا خط آپ کے پاس آتا تو اس کو پڑھوانے کے لئے بھی کسی یہودی کی ضرورت پڑتی، آپ کو مدینہ کے یہود پر اعتماد نہ تھا کہ وہ خط لکھنے اور پڑھنے میں دیانت داری سے کام لیں گے اس لئے آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے فرمایا تم یہود کی زبان سریانی لکھنا پڑھنا سیکھ لو۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے صرف سترہ دن میں ہی سریانی کے لکھنے اور پڑھنے پر عبور حاصل کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے خط و کتابت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔ [1] جن صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا ان میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ہیں حضرت انس فرماتے ہیں **جمع القرآن علی عهد النبی ﷺ اربعة كلهم من الانصار ابی ومعاذ بن جبل وابو زید بن ثابت** [2] یعنی رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں چار صحابہ کرام نے جو سب انصاری صحابہ تھے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، ان کے نام ابی بن کعبؓ، معاذ بن جبلؓ، ابو زیدؓ اور زید بنؓ ثابت ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں مسلمانوں کا ایک لشکر یمن کے علاقہ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے جہاد کے لئے گیا تھا، اس لشکر کو اگرچہ فتح حاصل ہوگئی تھی اور مسیلمہ کذاب مارا گیا تھا لیکن

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۲۸۔ [2] اصابہ ج ۳ ص ۲۳، صحیح بخاری فی المناقب

مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی تھی۔ جن میں بہت سے قرآن مجید کے حافظ بھی شامل تھے، اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے درخواست کی تھی کہ اسی طرح اگر حفاظ شہید ہوتے رہے تو خطرہ ہے کہ کہیں قرآن مجید ہی لوگوں کے درمیان باقی نہ رہے۔ اس لئے آپ قرآن مجید کی کتاب کا اہتمام کرا دیں (اس وقت تک الگ الگ سورتیں تو صحابہ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں لیکن پورا قرآن یکجا مصحف کی شکل میں لکھا ہوا نہ تھا۔) حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا میں کیسے کر سکتا ہوں۔ کافی افہام و تفہیم کے بعد بالآخر حضرت ابو بکرؓ قرآن کو یکجا لکھوانے اور جمع کرانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کام کے لئے دونوں بزرگوں کی نگاہ انتخاب حضرت زید ثابتؓ پر پڑی۔ ان کو بلوایا گیا اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنا مدعا ان کے سامنے رکھا، اور فرمایا" انك رجل شاب عقل لا نتهمك قد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن واجمعه" تم ایک عاقل نوجوان ہو اس کام کے لئے ہم لوگوں کو تم پر پورا اعتماد ہے۔ پھر تم تو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی کاتب وحی رہے ہو، لہذا قرآن کو تلاش کر کر کے ایک جگہ جمع کر لو حضرت زیدؓ کو بھی وہی اشکال ہوا جو حضرت ابو بکرؓ کو ہوا تھا، کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ کام آپ دونوں حضرات کیسے کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرات شیخینؓ نے انکو سمجھایا۔ بالآخر وہ اس کام کیلئے راضی ہو گئے اور صحابہ کرامؓ سے مختلف سورتیں جمع کر کر کے پورا مصحف یکجا لکھ کر تیار کر دیا۔ ① وہ خود بھی حافظ قرآن تھے اور ان کے علاوہ بھی بعض صحابہ کرامؓ پورے قرآن کے حافظ تھے۔ الگ الگ سورتیں تو بہت سے صحابہ کرامؓ یاد تھیں، لیکن وہ ہر جگہ سے لکھی ہوئی سورتیں جمع کر رہے تھے۔

وہ علم فرائض یعنی ترکہ کی تقسیم کے مسائل واحکام سے بھی بہت واقف تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا۔" افرض امتى زيد بن ثابت" ② میری امت میں علم فرائض سے سب سے زیادہ واقف زید بن ثابتؓ ہیں۔

غزوۂ تبوک میں قبیلہ بنو نجار کا جھنڈا حضرت عمارہ بن حزمؓ کے ہاتھ میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان سے لے کر حضرت زید بن ثابتؓ کو دے دیا۔ حضرت عمارہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بارے میں کوئی شکایت آپ کو پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا ایسا نہیں ہے بلکہ زید بن ثابتؓ کو جھنڈا دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کے حافظ ہیں، صحابہ کرام بھی ان کے علمی مقام کی بہت معترف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے زمانۂ خلافت میں ان کو اپنے پاس مدینہ طیبہ ہی میں رکھتے تھے۔ کہیں نہ جانے دیتے تھے، وہ ان کی موجودگی میں مدینہ طیبہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ ③

ان کی وفات پر صحابہ کرامؓ نے جو کچھ ان کے بارے میں کہا اس سے صحابہ کرامؓ کی نظر میں ان کی بلند مقامی اور قدر و منزلت کا پتہ چلتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ "مات حبر الامة" آج اس امت کا ایک بڑا عالم وفات پا گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا "دفن اليوم علم كثير" آج بڑا علم دفن ہو گیا۔ حضرت

① صحیح بخاری باب جمع القرآن وجامع ترمذی فی المناقب۔ ② ترمذی فی المناقب۔
③ سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۴۔

عبداللہ بن عباسؓ کے دل میں ان کا مقام کتنا بلند تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے کہ ایک دن حضرت زید بن ثابتؓ گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے ابن عباسؓ وہاں موجود تھے انہوں نے فوراً ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑلی۔ حضرت زید نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ کے ابن العم ہیں، میرے لئے نہایت محترم ہیں، آپ یہ کیا کررہے ہیں ابن عباسؓ نے کہا ہم اپنے علماء کا اسی طرح اکرام کرتے ہیں۔ اور بھی بعض صحابہ کرامؓ سے اسی طرح کے اقوال ان کے بارے میں مروی ہیں حضرت عمرؓ نے تو کئی بار اپنے حج یا عمرہ کے سفر کے موقع پر ان کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ [1] ان کی وفات پر حضرت حسانؓ نے جو مرثیہ کہا تھا اس کا ایک شعر یہ تھا۔

و من للقوا فی بعد حسان و ابنہ　　　و من للمعانی بعد زید بن ثابت

"حسان اور ان کے بیٹے کے بعد شعر و شاعری کون کرے گا اور زید بن ثابتؓ کے بعد قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنے والا کون رہ گیا ہے"۔

وفات

اکثر مؤرخین کے نزدیک وفات ۴۵ھ میں ہوئی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ

حضرت جریر بن عبداللہ کا تعلق قبیلۂ انمار سے ہے۔ یہ قبیلہ نجد کے علاقہ کا ہے۔ والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا بجیلہ ہے۔ والدہ کی نسبت ہی سے بجلی کہلاتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ۱۰ھ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ [2]

فضائل

حضرت جریرؓ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے لیکن ان کا شمار اعیان صحابہ میں ہوتا ہے یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کے مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد کی اطلاع دے دی تھی ان کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ان کی عظمت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے جس وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوئے ہیں اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور مسجد بھری ہوئی تھی ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ نہیں ملی رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک جس کو آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے بچھادی اور فرمایا اس پر بیٹھو انہوں نے وہ چادر اٹھا کر اپنے سینے سے لگالی اور عرض کیا اکرمك الله كما اكرمتنی یارسول الله (یارسول اللہ اللہ آپ کو بھی ایسے ہی اکرام و اعزاز سے نوازے جیسے کہ آپ نے مجھے اکرام و اعزاز سے نوازا ہے) آپ نے ان سے اس چادر پر بیٹھنے کے لئے اصرار فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا اشهد انك لا تبغی علواً فی الارض ولا فساداً یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تم زمین میں برتری کے طالب ہو اور نہ فساد کرنا چاہتے

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۲۷ و اصابہ ج ۳ ص ۲۳۔　　[2] اصابہ ج ا ص ۲۴۲۔

ہو۔ اسی مجلس میں حضرت جریرؓ اسلام لے آئے۔ اس واقعہ کی بعض روایات میں یہ بھی ذکر ہے کہ صحابہ کرامؓ نے آپ کے اس غیر معمولی اکرام کے متعلق آپ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا **اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ۔** [1] یعنی کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا چاہئے۔ بعد میں بھی رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل ان کے اکرام و اعزاز ہی کا رہا ہے۔ خود حضرت جریرؓ فرماتے ہیں۔ **ما حجبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منذ اسلمت ولا رانی الا تبسم۔** [2] یعنی اسلام لانے کے بعد جب بھی میں حاضر خدمت ہوتا اور آپ سے اندر حاضر ہونے کی اجازت چاہتا آپ ہمیشہ مجھے اندر آنے کی اجازت دے دیتے اور ہمیشہ مجھے دیکھ کر تبسم فرماتے زمانۂ جاہلیت میں اہل یمن نے اپنے یہاں ایک نقلی کعبہ بنالیا تھا۔ جس کا نام ذوالخلصہ تھا اس کو وہ لوگ کعبہ یمانیہ کہتے تھے۔ اس میں کچھ بت رکھ چھوڑے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں اسکی طرف سے مسلسل خلش رہتی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت جریرؓ سے فرمایا تم اس جھوٹے اور نقلی کعبہ کو منہدم کردو تو میرے دل کو سکون نصیب ہو جائے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں ایک سو پچاس طاقتور شہ سواروں کو لے کر یمن کے سفر کا ارادہ کرلیا لیکن میرا حال یہ تھا کہ میں گھوڑے، سواری سے واقف نہ تھا اور گھوڑے پر سے گر جایا کرتا تھا میں نے اپنا یہ حال آپ سے عرض کردیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا کی **اللھم ثبتہ واجعلہ ھادیاً مھدیاً۔** [3] اے اللہ جریرؓ کو گھوڑے کی کمر پر جماد یجئے اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دیجئے۔ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے میں ایسا شہ سوار ہو گیا کہ پھر کبھی بھی گھوڑے سے نہیں گرا۔ اور پھر میں نے اور میرے ساتھیوں نے جا کر اس ذوالخلصہ یعنی نقلی کعبہ کو منہدم کردیا اور اس میں آگ لگا کر اس کو خاک کردیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو میری کامیابی کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے میرے لئے اور میرے ساتھیوں کے لئے پانچ مرتبہ برکت کی دعا فرمائی۔ [4]

حضرت جریرؓ حجۃ الوداع میں بھی آپ کی ساتھ شریک ہوئے ہیں اور آپؐ نے ان سے خطبہ کے وقت فرمایا تھا کہ لوگوں کو خاموش کردو۔ [5] حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو عراق کی جنگوں میں شرکت کے لئے بھیج دیا تھا۔ انہوں نے ان جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

فتح قادسیہ میں بھی ان کو بڑا دخل تھا۔ ان جنگوں سے فارغ ہو کر وہ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہو گئے تھے۔ [6] اور وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔

حضرت جریرؓ کو اہل مدینہ خصوصاً انصاری صحابہ کرامؓ سے بڑی محبت تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں میں حضرت جریرؓ کے ساتھ تھا وہ راستہ میں میری خدمت کرتے تھے۔ میرے منع کرنے پر فرمانے لگے ہیں میں نے حضرات انصار صحابہ کرامؓ کا جو طرز عمل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا ہے اس کے

---

1. سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۳۲ و مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۲۔ 2. صحیح بخاری و صحیح مسلم المناقب۔
3. صحیح مسلم فی المناقب۔ 4. صحیح بخاری فی المناقب والمغازی، و صحیح مسلم باب من فضائل جریر بن عبدؓ۔
5. صحیح بخاری باب الانصات للعلماء۔ 6. صحیح مسلم باب فضائل انصار۔

بعد سے میں نے قسم کھالی ہے کہ جب بھی مجھے کسی انصاری صحابی کی صحبت کا موقع نصیب ہوگا میں ان کی خدمت ضرور کروں گا۔ صحیح مسلم میں اس روایت کے راوی محمد بن المثنیٰؒ اور محمد بن بشارؒ نے روایت نقل کرنے کے بعد یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت جریرؓ حضرت انسؓ سے عمر میں بڑے تھے۔ ❶

باطنی کمالات کے ساتھ اللہ نے حسن ظاہری سے بھی بہت نوازا تھا۔ وہ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ ان کو **یوسف هذه الامة** کہتے تھے۔ مطلب یہ تھا کہ وہ اس امت میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح حسین و جمیل ہیں۔ ❷

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

حضرت حسانؓ مدنی خزرجی صحابی ہیں۔ ان کے والد کا نام ثابت اور والدہ کا نام فریعہ ہے۔ حضرت فریعہ بھی صحابیہ ہیں۔ عربی کے بہت بلند پایہ شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اپنے قبیلہ کے شاعر تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کی شاعری کا موضوع رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور دین اسلام کا دفاع ہو گیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب سید شعراء المومنین اور شاعر رسول اللہ ﷺ ہو گیا تھا۔ ❸

فضائل

جیسا کہ ابھی گذرا، انہوں نے اپنی شاعری کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے دفاع کے لئے وقف کر دیا تھا۔ ان کے اشعار میں نیزوں اور تیروں سے زیادہ چبھن اور تلوار سے زیادہ کاٹ ہوتی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع اور مشرکین مکہ کے ہجو کے جواب میں ایسے تیز و تند اور سریع التاثیر اشعار کہتے تھے جن کی تیزی اور قوت تاثیر سے مشرکین بلبلا جاتے تھے صحیح مسلم کی ایک روایت میں خود انہوں نے اپنے اشعار کی اس تاثیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے **والذی بعثك بالحق لا فرینهم بلسانی فری الا دیم۔** ❹ اے اللہ کے رسول میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں اپنی زبان (یعنی اشعار) سے ان کی کھال پھاڑ دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں حضرت حسانؓ کے لئے منبر رکھواتے اور وہ اس پر کھڑے ہو کر آپ کی موجودگی میں اشعار پڑھتے تھے اور آپ ان سے فرماتے جاتے یاحسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اے حسان اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے تم جواب دہی کرو اور یہ دعا بھی کرتے **اللّٰهم ایِّده بروح القُدس** اے اللہ جبرائیل کے ذریعہ ان کی مدد فرما۔ اس دعا میں بذریعہ جبرائیل جس مدد کی درخواست کی گئی ہے اس سے بظاہر اشعار کے ورود اور الہام کی مدد مراد ہوگی۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں اس دعا کی مقبولیت کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ جب تک حسانؓ اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے اشعار کے ذریعہ دفاع کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ جبرائیل کے ذریعہ ان کی

❶ صحیح مسلم باب فضائل انصار۔ ❷ اصابہ ج ۱ ص ۲۴۔ ❸ اصابہ ج ۲ ص ۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۱۲،
❹ صحیح مسلم فی المناقب۔

مدد بھی کرتا رہتا ہے روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ان اللہ یو ید حسان بروح القدس ما یفا خرا وینا فح عن رسول اللہ ﷺ۔ [1] ایک مرتبہ حضرت حسان مسجد نبوی میں شعر پڑھ رہے تھے حضرت عمر کا گزر ہوا اور انہوں نے حضرت حسانؓ کی جانب ذرا گھور کر دیکھا حضرت حسان نے کہا آپ گھور کیا رہے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں مسجد میں شعر پڑھا کرتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کو اگرچہ حضرت حسانؓ سے ایک شکایت تھی کہ وہ فتنۂ افک میں شریک ہو گئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دفاع کرنے کی وجہ سے وہ ان کی بڑی قدر کرتی تھیں ان کے آنے پر ان کے بیٹھنے کے لئے گدا ڈلواتی تھیں۔ ایک بار وہ آئے اور ام المومنین نے اسی طرح ان کا اکرام کیا اور بیٹھنے کیلئے گدّے کا اہتمام کیا تو ان کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کہا آپ ان کو گدّے پر بٹھاتی ہیں حالانکہ انہوں نے جو کیا تھا وہ آپ کے علم میں ہے۔ ام المؤمنین نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مشرکین کی ہجو کے جواب دیتے تھے اور آپ کے قلب مبارک کو سکون پہنچانے کا سامان کرتے تھے۔ اب یہ نابینا بھی ہو گئے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی غلطی کو معاف فرما دے گا اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا نہ فرمائے گا۔ [2] ان کا شمار فن شاعری میں بہت بلند مقام شعراء میں ہوتا ہے اور ان کے اشعار اسلامی عہد کی شاعری میں بہت معیاری اشعار سمجھے جاتے ہیں۔ کچھ اشعار اور ان کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت ابوسفیان بن الحارثؓ عبدالمطلب جو بہت دیر میں مسلمان ہوئے ہیں اپنے کفر کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتے اور آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے، حضرت حسانؓ نے اپنے اشعار میں ان کو ہجو کا جواب دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان میں ایک بہترین قصیدہ بھی کہہ دیا ہے۔ ان اشعار میں یہ بھی ذکر ہے کہ تم، آپ ﷺ کے خاندان کے ہوتے ہوئے آپ کی ہجو کرتے ہو اور میں غیر ہوتے ہوئے دفاع کر رہا ہوں۔

هجوتَ محمداً فاجبتُ عنه　　و عند الله فی ذاك الجزاء

"تم حضرت محمد ﷺ کی ہجو کرتے ہو میں آپ کی طرف سے اس کا جواب دیتا ہوں اور مجھے اللہ کے یہاں اس کا اجر ملے گا"۔

هجوتَ محمداً براً تقیًا　　رسول الله شیمته الوفاء

"تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی جو بہت ہی وسیع الخیر اور متقی پرہیزگار، اللہ کے رسول ہیں۔ جن کی عادت ہی وفاداری ہے"۔

فان ابی و والدتی و عِرضی　　لعرض محمد منكم وقاء [3]

"میرے ماں باپ، میری عزت و آبرو تمہارے محمد (ﷺ) پر قربان"۔

---

[1] صحیح بخاری باب ذکر الملائکة و صحیح مسلم فی المناقب و جامع ترمذی باب ماجاء فی انشاد الشعر۔

[2] جامع ترمذی باب ماجاء فی انشاد الشعر۔ [3] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۵۱۴۔

صحیح مسلم میں مزید اشعار ہیں اور حضرت حسان بن ثابتؓ کے دیوان میں آپ کی مدح و توصیف کا ایسا بیش بہا خزانہ ہے جو شاید ہی کسی شاعر کے یہاں ہو گا۔

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ

حضرت ابو سفیان کا نام صخر بن حرب ہے لیکن اپنی کنیت ابو سفیان کے ساتھ مشہور ہیں، ان کی ایک کنیت **ابوحنظلہ** بھی تھی۔ قریش کے سرداروں اور مکہ کے ذہین ترین اور بااثر لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے قرابت کے باوجود ایمان لانے میں بہت تاخیر کی، غزوہ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار تہہ تیغ کر دیئے گئے تھے، اس لئے غزوۂ احد اور غزوۂ خندق میں انہوں نے ہی مشرکین مکہ کے لشکروں کی قیادت کی۔ فتح مکہ سے ایک دن پہلے جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ بالکل مکہ کے قریب تشریف فرما تھے تو حاضر خدمت ہوئے اور اسی وقت یا پھر دوسرے دن (فتح مکہ کے دن) ایمان لائے ہیں۔[1]

فضائل

حضرت ابو سفیانؓ نے اپنے کفر کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خوب خوب مخالفت کی تھی لیکن اسلام لانے کے بعد اسلام کی حمایت میں غیر معمولی قربانیاں دے کر اس کی تلافی کر دی، ویسے بھی آپ کا فرمان ہے "الا سلام یهدم ما كان قبلهٗ" یعنی اسلام لانے کے بعد ماضی کے سارے گناہ اور قصور معاف ہو جاتے ہیں۔ کفر کے زمانہ میں بھی انہوں نے ابو جہل اور ابو لہب کی طرح رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں کو تکلیفیں نہیں پہنچائیں تھیں، ایمان لانے کے معاًبعد غزوۂ حنین اور غزوہ طائف میں شرکت کی ہے، غزوۂ طائف میں تو ان کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا تم چاہو تو میں اللہ سے تمہاری آنکھ کی صحت کی دعا کر دوں، اللہ تعالیٰ اس کو ٹھیک کر دے گا، ورنہ اس کے بدلے میں اللہ تم کو جنت عطا فرمائے گا، حضرت ابو سفیانؓ نے عرض کیا مجھے جنت چاہئے اور آنکھ کی تکلیف اور اس کے ضائع ہونے کو برداشت کر لیا۔ ان کی دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں کام آگئی تھی اپنے بیٹے حضرت یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہما) کی قیادت میں مصروف جہاد تھے اور بآواز بلند دعا کر رہے تھے یانصر اللہ اقترب اے نصرت خداوندی قریب آجا، اور پوری طرح نابینا ہو جانے کے باوجود مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے اور جم کر دشمنوں کا مقابلہ کرنے کی تلقین و نصیحت کر رہے تھے۔[2]

صحیح مسلم وغیرہ کی روایت میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ سے فرمایا تھا من دخل دار ابی سفیان فهو آمن۔[3] مشہور تابعی حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے دار ابی سفیان کو یہ شرف اسلئے عطا کیا گیا تھا کہ مکہ کے زمانہ قیام میں آپ نے بھی اس گھر میں مشرکین مکہ

---

[1] سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۵ او اصابہ ج ۳ ص ۲۳۸۔
[2] اصابہ ج ۲ ص ۲۳۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۱۰۶۔
[3] صحیح مسلم باب فتح مکہ

کی ایذار سانیوں سے بچنے کے لئے پناہ لی تھی۔ ❶ اس حدیث کی شرح میں امام نووی نے تحریر فرمایا ہے فیه تالیف لابی سفیان واظهار لشرفه یعنی آپ کے اس اعلان میں حضرت ابو سفیانؓ کی تالیف قلب کے علاوہ ان کی فضیلت کا بھی اظہار ہے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابو سفیانؓ نے ایمان لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول جس طرح زمانہ کفر میں، میں نے کفار کے لشکروں کی قیادت کی ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ میں اسلامی لشکر کی بھی قیادت کروں (رسول اللہ ﷺ چونکہ ان کی قائدانہ صلاحیت سے واقف تھے اس لئے) آپ نے ان کی یہ درخواست قبول فرمالی۔ ❷

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آپ کی ہی صاحبزادی ہیں، ان کے تذکرہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جب ابو سفیان کو اس کا علم ہوا کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ سے (جو اس وقت حبشہ میں تھیں) رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمالیا ہے تو انہوں نے اس پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بڑے بلند تعریفی کلمات کہے۔ ان کے صاحبزادی حضرت یزید بن ابی سفیانؓ اور حضرت معاویہؓ بھی ایمان لانے کے بعد اسلام کے بہترین خادم اور مسلمانوں کے قائد بنے۔ حضرت یزید بن ابی سفیانؓ بھی فتح مکہ کے دن ایمان لائے تھے۔ ایمان لانے کے بعد بہت سے معرکوں میں شرکت کی تھی، ملک شام اور اس کے اطراف کے بہت سے علاقوں کے فتح کرنے میں ان کی حربی صلاحیتوں کو کافی دخل رہا ہے۔

وفات

حضرت ابو سفیان کی وفات خلافت عثمانی کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت معاویہ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں، اپنے ایمان لانے کا واقعہ بتلاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو عمرہ کرنے سے منع کر دیا اور آپؐ کے اور مکہ والوں کے درمیان صلح نامہ لکھے جانے کے بعد آپ مدینہ طیبہ واپس جانے لگے تو مجھے آپؐ کے نبی برحق ہونے کا یقین ہو گیا تھا اور جب آئندہ سال آپ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو میں مسلمان ہو چکا تھا، لیکن والدین کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا اور فتح مکہ کے دن جب والدین بھی مسلمان ہو گئے تو میں نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ ❸ فتح مکہ کے بعد اس خاندان کے غالباً سبھی لوگ مدینہ آ گئے ہیں۔

فضائل

حضرت معاویہؓ کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی کمالات سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ وہ بہت ہی حسین و جمیل، طویل القامت، باوقار حلیم و بردبار، نہایت ذہین اور معاملہ فہم شخص تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے کتابت

❶ اصابہ ص ۲۳۸۔ ❷ صحیح مسلم فی المناقب۔ ❸ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۱۲۔

وحی اور خط و کتابت کی خدمت بھی ان کے سپرد کر دی تھی۔[1] آپ نے ان کے لئے متعدد بار دعائیں فرمائیں۔ایک بار ان کیلئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی اللّٰهم علمه الكتاب والحساب وقه العذاب۔[2] اے اللہ معاویہ کو کتابت اور فن حساب سکھا دیجئے اور ان کو آخرت کے عذاب سے بچائیے۔اسی روایت کی بعض سندوں کے ساتھ اس کے متن میں ومكن له في البلاد کا اضافہ بھی ذکر کیا گیا ہے، جس کا ترجمہ "اور ملکوں ملکوں ان کو اقتدار نصیب فرمائیے" ہوتا ہے۔جامع ترمذی کی ایک روایت میں ان کے لئے آپ کے دعا کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں اللّٰهم اجعله هادياً مهدياً واهدبه[3] اے اللہ معاویہ کو اپنے بندوں کے لئے ذریعہ ہدایت اور خود ہدایت یافتہ بنا دیجئے اور ان سے ہدایت کا کام بھی لے لیجئے۔ آپ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ مذکورہ دعائیں سب ہی قبول ہوئیں۔وہ بہترین کاتب تھے، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے ان کو کتابت وحی اور اپنی خط و کتابت کے لئے بھی منتخب فرمایا تھا، حساب کتاب کے ماہر تھے اللہ نے ان کو دور دراز علاقوں تک اسلامی سلطنت کے وسیع کرنے کا ذریعہ بنایا۔وہ خود بھی ہدایت یافتہ تھے اور اللہ ہی جانتا ہے کتنے بندگان خدا ان کی وجہ سے دولت ایمان سے سرفراز ہوئے اور رہا آخرت کا معاملہ سو وہ ارحم الراحمین کے ہاتھ میں ہی ہے۔وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد ہی میں اسلامی فوج کے ایک بہترین سپاہی تھے، پھر خلفاء ثلثہ کے عہد میں اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر ترقی کرتے رہے، انکو حضرت عمرؓ نے ملک شام کا گورنر بنایا تھا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بھی وہ اسی منصب پر فائز رہے۔[4] حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے اور حضرت علیؓ کے مابین اختلاف اور جنگ و جدال رہا لیکن جب حضرت حسینؓ خلافت سے ان کے حق میں دست بردار ہو گئے تو وہ خلیفۃ المسلمین ہو گئے اور ایک طویل مدت تک باتفاق عام صحابہ و تابعین وہ امیر المؤمنین رہے ہیں۔اس زمانہ میں انہوں نے اسلام کے خلاف سازشوں اور شورشوں کو یکسر ختم کر دیا تھا اور مملکت اسلامی میں ہر طرف سکون ہی سکون نظر آتا تھا اس لئے اسلامی فوجوں کو غیر اسلامی علاقوں تک دین کی دعوت پہنچانے اور ان کو مفتوح کرنے کا خوب موقع ملا۔اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔وہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں بھی اسلامی اصولوں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی بہت پابندی کرتے تھے۔صرف اس کی ایک مثال ہی سے اس سلسلہ میں بھی ان کے متبع سنت ہونے کا اندازہ ہو جائے گا۔

حضرت سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں حضرت معاویہؓ اور اہل روم کے درمیان ناجنگ معاہدہ تھا۔ جب اس کی مدت ختم ہونے کے قریب ہوئی تو حضرت معاویہؓ نے اسلامی فوجوں کو روم کی سرحد کے قریب بھیجنا شروع کر دیا تاکہ جیسے ہی مدت ختم ہو ملک روم پر حملہ کر دیا جائے۔بظاہر تو یہ حملہ چونکہ ناجنگ معاہدہ کی مدت ختم ہونے کے بعد ہوتا اس لئے کوئی عہد شکنی کی بات نہ تھی لیکن ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہؓ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے اور فرمانے لگے الله اكبر وفاء لا غدر یعنی اللہ اکبر ہم لوگوں کے لئے عہد کو پورا کرنا لازمی ہے، بد عہدی جائز نہیں ہے۔حضرت معاویہؓ نے ان کی اس بات کا مطلب دریافت کیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنائی کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی عہد و پیمان ہو تو اس شخص کو اس عہد و

[1] اصابہ ج ٦ ص ١١٣۔ [2] سیر اعلام النبلاء ج ٣ ص ١٢٤۔ [3] جامع ترمذی فی المناقب۔ [4] اصابہ فی ذکر معاویہ

پیمان میں کوئی تبدیلی اور تغیر نہ کرنا چاہئے حتی کہ اس عہد کی مدت پوری ہو جائے، یا اس کو اس حال میں ختم کیا جائے کہ فریقین بالکل مساوی حیثیت میں ہوں۔ حضرت عمرو بن عبسہؓ کا مطلب یہ تھا کہ رومیوں کی غفلت میں فوجوں کو وہاں لے جا کر جمع کرنا تا کہ مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا جائے یہ بھی بد عہدی ہی ہے۔ حضرت معاویہؓ نے فوج کو فوراً واپسی کا حکم دے دیا۔ ❶

ان کے تقویٰ اور خوف خدا کا ایک واقعہ اور پڑھ لیجئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ریاکار شہید، ریاکار عالم، ریاکار مال خرچ کرنے والا، یہ تینوں شخص سب سے پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ یہ حدیث جب حضرت ابو ہریرہؓ کے کسی شاگرد نے حضرت معاویہؓ کو سنائی تو حضرت معاویہؓ کا روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ وہاں پر موجود لوگوں کو یہ خطرہ ہونے لگا کہ کہیں ان کی موت واقع نہ ہو جائے۔ ❷

اتباع سنت کا بہت خیال رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو اپنے بالوں میں دوسرے بال شامل نہ کرنے چاہئیں، حضرت معاویہؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ مدینہ کی بعض عورتیں ایسا کرنے لگی ہیں تو ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ علماء مدینہ کہاں چلے گئے ہیں۔ عورتوں کو ایسا کرنے سے کیوں نہیں منع کرتے جب کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ❸

وفات

صحیح قول کے مطابق حضرت معاویہؓ کی وفات رجب ۶۰ھ میں ہوئی ہے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

بفضلہٖ تعالیٰ .... "**معارف الحدیث**" کا مبارک سلسلہ اس جلد پر تمام ہوا۔

---

❶ جامع ترمذی فی باب ماجاء فی الغدر۔

❷ ترمذی فی ابواب الزھد۔

❸ صحیح مسلم باب تحریم فعل الواصلۃ۔

معارفِ الحدیث

یعنی

احادیثِ نبوی کا ایک جدید اور جامع انتخاب

اردو ترجمہ اور تشریحات کے ساتھ

تالیف

مولانا محمد منظور نعمانی

دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان